کتاب الفتاویٰ

مقدمہ — ایمان

پہلا حصہ

علم — فہرست

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب الفتاویٰ

پہلا حصہ

مقدمہ
ایمان
علم
فہرست

''زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب اور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں، حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں''

تالیف:
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب
مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب کا نام ـــــــ کتاب الفتاویٰ

تاریخ اشاعت ـــــــ اگست ۲۰۰۷ء

تالیف ـــــــ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب ـــــــ مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

سرورق ـــــــ

مطبع ـــــــ زمزم پبلشرز کراچی

ناشر ـــــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم [illegible] کراچی۔ فون [illegible]
- قدیمی کتب خانہ، بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

Books Also Available in :

* United Kingdom

AL-FAROOQ INTERNATIONAL
68, Asfordby Street Leicester
LE5-3QG

* United States of America

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE

* South Africa

Madrasah Arabia Islamia
PO Box 9786
Azaadville 1750 South Africa
E-mail: darulum@webmail.co.za

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيْٓ إِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٣﴾ (النحل)

”(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں، آدمی بھیجے ہیں، جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے، پس اے لوگو! اہل ذکر (علم) سے پوچھ لو، اگر تم لوگ خود نہیں جانتے“۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری وضاحت

راقم الحروف کے فتاوی کا مجموعہ ''کتاب الفتاویٰ''
کے نام سے چھ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور اُمید ہے
کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مزید چار جلدیں اس کے عنقریب آئیں گی،
ہندوستان میں اسے میری اجازت سے ''کتب خانہ نعیمیہ دیوبند''
شائع کر رہا ہے، پاکستان میں اس حقیر نے زمزم پبلشرز
کراچی کو اس کی اشاعت کی اجازت دی ہے، اس لیے
کوئی اور مکتبہ اسے شائع کرنے کی
زحمت نہیں کرے۔

۱۴/ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ
یکم جون ۲۰۰۷ء

کتاب الفتاوی

پہلا حصہ

المحتویات العامۃ

مکمل فہرست

فہرست مضامین

کتاب الإیمان

ایمانیات سے متعلق سوالات

کتاب العلم

علم سے متعلق سوالات

کتاب الطھارت

پاکی وناپاکی سے متعلق سوالات

وضوء کا بیان

حیض ونفاس کا بیان

متفرق مسائل

کتاب الجنائز

جنازہ سے متعلق سوالات

قریب مرگ سے متعلق احکام

نمازِ جنازہ

کتاب الزکوۃ

زکوۃ سے متعلق سوالات

زکوۃ اور واجب ہونے کی شرطیں

کتاب الصوم

روزہ و رمضان سے متعلق سوالات

رؤیت ہلال

روزہ کے مفسدات و مکروہات

کتاب الذبح و الصید

ذبح وشکار سے متعلق سوالات

نکاح میں دعوت اور ولیمہ کے احکام

جہیز سے متعلق احکام

كتاب الرضاعة

دودھ کے رشتہ سے متعلق سوالات

کتاب الطلاق

طلاق سے متعلق سوالات

طلاق واقع ہونے کا بیان

کتاب البیوع

خرید وفروخت سے متعلق سوالات

کتاب الأیمان

قسم سے متعلق سوالات

قسم کا کفارہ

متفرق مسائل

كتاب الهبة والوصية

ہبہ اور وصیت سے متعلق سوالات

ہبہ

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی دامت برکاتہم

(سینیر مفتی دارالعلوم دیوبند)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله و صحبه أجمعين .

رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ علماء اپنے فرائض علمیہ بڑی محنت اور مستعدی سے انجام دے رہے ہیں، بالخصوص فقہ وفتاوی کا کام بڑی محنت سے انجام پار ہا ہے، اور یہ کام ہندوستان میں مختلف ادارے انجام دے رہے ہیں، حیدرآباد کا نام علمی کاموں میں ہمیشہ نمایاں رہا ہے، امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی قدس سرہ نے اپنے زمانۂ امارت میں بہار واڑیسہ سے باہر صوبوں میں بھی امارت شرعیہ کے قیام کے لیے سعی کی، اور آپ کی توجہ سے کرناٹک، آسام اور آندھرا پردیش میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا، تاکہ مسلمان اپنے معاشرتی مسائل ان کے ذریعہ حل کرسکیں۔

چنانچہ حیدرآباد میں حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب ؒ شیخ الجامعہ نظامیہ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد حمید الدین عاقل حسامی صاحب زید مجدہ امیر شریعت منتخب ہوئے، انہوں نے

ضرورت محسوس کی کہ اس اہم مرکزی ادارہ کے لئے ایک ذی استعداد مفتی اور قاضی کا بھی تقرر عمل میں آئے، غور وفکر کے بعد سبھوں کی نظر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی پر گئی، جو اس وقت دار القضاء امارت شرعیہ بہار واڑیسہ (پھلواری شریف، پٹنہ، انڈیا) میں مشغول تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے علماء میں ممتاز حیثیت عطا فرمائی ہے، چنانچہ مولانا موصوف نے اسے قبول کیا اور جب ہی سے وہ ان خدمات کو بڑی محنت اور لگن سے انجام دیتے رہے ہیں، پورے صوبہ سے اور بیرون صوبہ نیز بیرون ملک سے بھی سوالات آپ کی خدمت میں آتے ہیں، اور آپ بروقت جواب لکھ کر روانہ کرتے ہیں، پھر وہاں کے ایک مشہور اور اردو کے موجودہ سب سے کثیر الاشاعت اخبار ''منصف'' میں بھی ''آپ کے شرعی مسائل'' کے عنوان سے آپ کے فتاوی چھپنے لگے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جامعہ رحمانی مونگیر اور جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند دونوں مقبول ومشہور اداروں کے فرزند جلیل ہیں، اللہ تعالی نے علم وعمل سے نوازا ہے، پھر دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد میں ایک زمانہ دراز تک درس وتدریس کی خدمات انجام دے چکے ہیں، اور وہاں سالہا سال شیخ الحدیث بھی رہے ہیں، اس لیے پورے ملک میں آپ کے تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں، غیر ممالک میں بھی آپ کی کافی شہرت ہے، ان ممالک کے اسفار بھی ہوتے رہتے ہیں، اور وہاں کے اہل علم مستفیض ہوتے ہیں۔

ادھر چند سال ہوئے انہوں نے محسوس کیا کہ علماء کی تربیت بہت ضروری ہے، بڑے ذہین اور ذی استعداد طلبہ تربیت نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو جاتے ہیں، لہذا ایسا ادارہ قائم ہونا ضروری ہے، جہاں ایسے ہونہار علماء کی تربیت کی جائے، تا کہ وہ کارآمد ہوں، پھر خود ہی ہمت کر کے ''المعہد العالی الاسلامی'' کے نام سے حیدرآباد (انڈیا) میں ایک ادارہ قائم کیا، اور ایسے فارغ شدہ طلبہ کو جمع کرنے کی سعی کی، ماشاء اللہ اس میں بھی اللہ تعالی نے آپ کو بڑی کامیابی سے ہم کنار فرمایا، چنانچہ پورے ملک سے فارغ شدہ طلبہ وہاں پہونچ رہے ہیں اور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

معہد کے بعض فضلاء بالخصوص مولوی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری سلمہ کے حصہ میں یہ سعادت آئی کہ انہوں نے لگن اور محنت سے اس وقت تک کے فتاویٰ کی ترتیب کا بیڑا اٹھایا اور ان کو چھ ضخیم جلدوں میں مرتب کردیا، یہ بڑا ہی قیمتی ذخیرہ ہے اور عوام ہی نہیں خواص کے لئے بھی لائق مطالعہ اور قابل استفادہ ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو برابر باقی رکھے۔

اس وقت ان فتاویٰ کا پہلا اور دوسرا حصہ سامنے ہے، جو طباعت کے لئے پریس جارہا ہے، مولانا کے فتاویٰ پر خاکسار کو کچھ لکھنا نہیں ہے، اس لئے کہ مرتب نے ان فتاویٰ کی خصوصیات اور امتیازات پر بڑی اچھی اور وقیع بحث کی ہے، اور ان کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے، قارئین اس حصہ کو پڑھ کر خوش ہوں گے اور فتاویٰ کے اس مجموعہ کی خصوصیات وامتیازات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہ کی اس سے پہلے بھی بہت ساری کتابیں طبع ہوکر سامنے آچکی ہیں، جن کو قبول عام حاصل ہو چکا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا کا مطالعہ عمیق اور کافی وسیع ہے، فقہی کتابوں پر پوری دسترس حاصل ہے، جوابات صحیح اور ٹھوس ہیں، جو قارئین کو ہر طرح مطمئن کرتے ہیں۔

اخیر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائے، آپ کے علم وفہم اور تالیفات سے عوام وخواص کو مستفید فرمائے، اوران کا علمی کام ان کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم۔

طالب دعاء: محمد ظفیر الدین غفرلہ

(مفتی دار العلوم دیوبند)

۱۹/ جمادی الأولی ۱۴۲۶ھ

عرض مرتب

فقہ کا انسانی زندگی اور معاشرہ سے انتہائی گہرا تعلق ہے، قرآن کریم جو آخری اور مکمل آسمانی کتاب ہے اور حدیث نبوی جو قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر ہے، سے مستنبط ہونے والے اس قانون ''فقہ'' سے انسانی زندگی کے شب و روز اور معاشرہ کے نشیب و فراز میں نہ یہ کہ صرف رہنمائی ملتی ہے بلکہ اس سے سماج کو حرکت، حرارت اور خصوصی اسپرٹ بھی نصیب ہوتی ہے، —— زمانے کی تبدیلی، احوال کے فرق اور ضرورتوں اور حاجات و تقاضوں کے تحت آنے والے نت نئے اور پیچیدہ مسائل کو علماء کرام نے شبانہ روز محنت اور اپنے فہم و ادراک کا صحیح استعمال کرتے ہوئے فقہی اصول و قواعد کی روشنی میں حل کیا ہے، جسے ''فتوی'' کہا جاتا ہے، ان حضرات کی محنتوں اور کاوشوں کی جتنی پذیرائی کی جائے کم ہے۔

دور حاضر کے بالغ نظر، صاحب فکر، ممتاز فقیہ حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی — حفظہ اللہ ورعاہ — (بانی و ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، اللہ تعالیٰ نے آں مخدوم کو بہت سی خداداد صلاحیتوں سے نوازا ہے، آپ ایسے خطیب ہیں جو سامعین کے دل و دماغ کو فتح کر لیتے ہیں، آپ ایسے انشاء پردازوں میں ہیں جن کی زبان کی حلاوت اور تعبیر و بیان کی سلاست عوام و خواص دونوں کو متاثر

کرتی ہے، علوم قرآن اور فن تفسیر میں بھی آپ کو عبور حاصل ہے، اسلام پر اعتراضات اور الزامات کا جواب بھی خوش اسلوبی سے تشفی بخش طریقہ پر دیتے ہیں، "۲۴/آیتیں" کے نام سے حضرت مولانا کا رسالہ اس کی زندہ مثال ہے، فن حدیث میں بھی آپ دست رس رکھتے ہیں اور بخاری کے بہ شمول حدیث کی اہم کتابوں کا عرصہ تک درس دیتے رہے ہیں، تاریخ وتذکرہ اور سیرت وسوانح کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے خوب ذوق سلیم پایا ہے، معہد کی پانچ سالہ زندگی میں اسّی سے زائد مختلف موضوعات پر طلبہ نے جو لکھا ہے، وہ سب حضرت الاستاذ ہی کا نتیجۂ فکر ہے، لیکن جو فن آپ کو اپنے معاصرین سے ممتاز کرتا ہے اور جو آپ کی شہرت اور مقبولیت کا خاص سبب بنا ہے، وہ ہے "فقہ" —— حضرت مولانا بسا اوقات وقت کی تنگ دامانی کی وجہ سے کتاب سے مراجعت کے بغیر بھی مسائل حل کرتے ہیں جو نصوص سے قریب اور اسلاف کی رائے سے بالکل ہم آہنگ ہوتا ہے، اسی وجہ سے آپ کا شمار آج کے جامع الاوصاف اور جید علماء میں ہوتا ہے۔

مولانا موصوف کی بہت سی تصنیفات زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور کچھ زیر طبع ہیں، آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ نئے اور سلگتے ہوئے فقہی موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں، اسی وجہ سے آپ نہ صرف برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں معروف ہیں بلکہ آپ کی شہرت اسلامی، یورپی اور افریقی ممالک میں بھی ہے۔

حضرت الاستاذ - دامت برکاتہم - کے فتاویٰ حیدرآباد کے کثیر الاشاعت روزنامہ "منصف" کے جمعہ ایڈیشن "مینارۂ نور" میں " آپ کے شرعی مسائل" کے عنوان سے ۱۹۹۸ء سے شائع ہونے شروع ہوئے، جن میں ہندوستان اور بیرون ہند کے عموماً اور خصوصاً آندھرا پردیش، مہاراشٹرا اور کرناٹک کے عوام کے سوالات ہوا کرتے ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا نے اسفار کی کثرت اور ہجوم کار کے باوجود یہ سلسلہ عرصہ تک بلا انقطاع جاری رکھا، اس کے علاوہ شخصی طور پر بھی کثرت سے آپ کی خدمت میں سوالات آتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا چوں کہ کسی اور کی تحریر کو اپنی طرف منسوب کرنے کو پسند نہیں فرماتے، اسی لیے اس کتاب میں جس طالب علم کی طرف سے کوئی بھی تعاون ملا، اس حقیر نے اس کو اس کی طرف منسوب کردیا، چنانچہ حاشیہ میں ''محشی'' لکھنے کا مطلب یہی ہے کہ اس جگہ حاشیہ کا کام کسی طالب علم نے کیا ہے اور اگر ''مرتب'' لکھا ہوا ہو، تو اس کا مطلب ہے کہ تخریج کا کام راقم الحروف نے انجام دیا ہے۔

زیر نظر کتاب میں تین طرح کے سوالات و جوابات ہیں: (۱) اکثر سوالات وجوابات وہ ہیں جو روز نامہ منصف میں ۲۰۰۳ء تک چھپ چکے ہیں، (۲) کچھ وہ ہیں جو ماہنامہ ''افکار ملی'' دھلی میں چھپے ہیں، (۳) اور بعض وہ ہیں جو کسی بھی جریدہ میں اب تک طبع نہیں ہوئے ہیں، میری خوش نصیبی ہے کہ اس مجموعہ کو مرتب کرنے کا شرف مجھے حاصل ہوا اور کمپوزنگ کی ذمہ داری بھی میرے ہی حصہ میں آئی، اس خوش نصیبی کا جہاں ایک پہلو اخروی اجر وثواب کا ہے، جس کی خدا کی ذات سے امید ہے، وہیں دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کام کے بہانہ سیکڑوں مسائل پر نظر ہوگئی، فتوی نویسی کا اسلوب سمجھ میں آیا اور حضرت الاستاذ کے تمام فتاوی دل ودماغ سے گزر گئے، اور اسی کے ساتھ ساتھ حضرت الاستاذ کا فقہی منہج بھی مکمل طور پر سمجھ میں آیا، اس لیے اس حقیر نے حضرت الاستاذ کے فتاوی کے خصوصیات کو الگ سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

عام فقہی ترتیب کے مطابق ہی میں نے اس کتاب کی ترتیب رکھی ہے، البتہ ایمانیات اور علم سے متعلق سوالات وجوابات کو پہلے رکھا ہے، وجہ ظاہر ہے کہ ایمان اور علم کا مقام عمل سے پہلے ہے، —— یہ کتاب کل چھ جلدوں پر مشتمل ہے، قارئین کی آسانی کی خاطر تمام جلدوں کی فہرست پہلی جلد کے شروع میں شامل کردی گئی ہے، چھٹی جلد کے آخر میں تمام ابواب کی اجمالی فہرست نیز مآخذ ومراجع کی فہرست منسلک ہے تاکہ صاحب ذوق حضرات کو اصل کتابوں سے براہ راست رجوع ہونے میں آسانی ہو، نیز مراجعت میں سہولت کے لیے ہر جلد کے سب ٹائٹل اور سرورق کے کنارہ پر اس جلد میں آنے والے ابواب کا عنوان دے دیا گیا ہے، تاکہ جس باب

کا مسئلہ دیکھنا ہو، اسی کے مطابق جلد میں تلاش کیا جائے۔

میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب واشاعت میں کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہے، خاص طور سے مولانا عمر عابدین قاسمی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مولانا بلال قاسمی، مولانا منور سلطان ندوی کا بے حد ممنون ہوں کہ ان حضرات نے کتاب کی مختلف جلدوں پر تحشیہ کے ساتھ ساتھ پروف ریڈنگ بھی کی ہے، نیز حضرت مولانا مفتی جمال الدین صاحب قاسمی (صدر مفتی دار العلوم حیدرآباد) اور مولانا عبد الرحمٰن قاسمی (استاذ جامعہ عائشہ نسواں حیدرآباد) کی خدمت میں بھی ہدیہ تشکر پیش کرنا فرض سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی بے پناہ مشغولیات کے باوجود حضرت الاستاذ کے حسب ایماء اس پوری کتاب کو حرفاً حرفاً پڑھا ہے —— اور ناانصافی ہوگی اگر عزیزی مولانا مبین احمد فلاحی اور مولانا نصیر عالم سبیلی کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، کہ انہوں نے فہرست سازی اور کمپوزنگ میں میرے ساتھ تعاون کیا، نیز بڑی ناسپاسی ہوگی اگر المعہد کے اختصاص فی الفقہ والافتاء کے طلبہ کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ انہوں نے بھی تخریج حوالہ جات میں میری اعانت کی ہے، فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کار خیر کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین!۔

محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری
(شعبۂ کمپیوٹر المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۱/مئی ۲۰۰۵ء

کتاب الفتاوی

پہلا حصہ

حضرت الاستاذ کے فتاوی

خصوصیات اور امتیازی پہلو

حضرت الاستاذ کے فتاوی

خصوصیات اور امتیازی پہلو

کسی بھی صاحب علم کے لیے اس کی بنیادی فکر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، یہ فکر اس کی تحریروں، گفتگو اور دروس و محاضرات سے نمایاں ہوتی ہے، چنانچہ استاذ گرامی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی فقہیات کے سلسلہ میں سوچ، ان کی تحریروں میں واضح طور پر موجود ہے، اس سلسلہ میں جدید فقہی مسائل کا مقدمہ، قاموس الفقہ اور آپ کے زیر طبع فقہی محاضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن میں آپ نے تفصیل سے اجتہاد، تقلید و تلفیق، شریعت میں ضرورت و مصلحت کی رعایت اور اس کی حدود، تلفیق اور بوقت ضرورت دوسرے فقہاء کی آراء پر عمل کرنے کی گنجائش اور اس کی شرطیں، جیسے موضوعات پر گفتگو کی ہے، حضرت الاستاذ کے دروس اور مجلسی گفتگو میں بھی یہ موضوع زیر بحث آتا رہتا ہے، مولانا کی فکر کا خلاصہ- جیسا کہ راقم الحروف نے سمجھا ہے- یہ ہے کہ تقلید ایک علمی ضرورت بھی ہے اور شرعی ضرورت بھی، لیکن نئے مسائل کے حل کے لیے تخریج و ترجیح اور اجتماعی اجتہاد کی گنجائش ہے، اور موجودہ دور کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے حسب ضرورت تلفیق اور عدول کی بھی گنجائش ہے، لیکن حتی

المقدور یہ عمل انفرادی رائے سے نہ ہو، بلکہ اجتماعی غور وفکر سے ہو۔

حضرت الاستاذ کے فتاوی کی جمع وترتیب کے درمیان ظاہر ہے کہ راقم الحروف کو ان کے مطالعہ کی بھی سعادت حاصل ہوئی ہے، مطالعہ کے دوران آپ کے فتاوی کی جو خصوصیات سامنے آئیں، اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

مدارج احکام کی رعایت

حضرت الاستاذ کے فتاوی میں یہ بات نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں کہ آپ احکام کے مدارج کا بہت لحاظ فرماتے ہیں، منصوص، اجماعی مسائل اور اجتہادی مسائل میں فرق کرتے ہیں، منصوص اور اجماعی مسائل میں آپ نص اور اجماعی رائے سے ذرا بھی تجاوز کو ناپسند کرتے ہیں، اجتہادی مسائل میں زمانہ کے احوال کے لحاظ سے ایک فقہ سے دوسرے فقہ کی طرف عدول کے قائل ہیں، آپ نے اپنی تحریروں میں مختلف جگہ اس پر روشنی ڈالی ہے، مسلمان ڈاکٹروں کی انجمن کی طرف سے پیش کئے ہوئے چند سوالات میں سے ایک سوال ''معاشی اسباب کے تحت منع حمل کے بارے میں دریافت کیا گیا تاکہ بچے کی بہتر طور پر تربیت ہو سکے، اور اس لیے بھی کہ موجودہ زمانہ میں چھوٹا خاندان رکھنا ایک فیشن ہے،، آپ اس سلسلہ میں ان کو نصوص پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور منع حمل کو اسلامی تصور کے خلاف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> جہاں تک معاشی اسباب کی بات ہے کہ زیادہ بچوں کی پیدائش کے بعد ان کی پرورش اور تربیت کا نظم دشوار ہو جائے گا، تو یہ اسلامی تصور سے کھلا تضاد رکھتا ہے، ایام جاہلیت میں بھی اس قسم کا تصور موجود تھا، قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا: ﴿ لَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ﴾ (الإسراء :

۳۱)اور دوسری جگہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہا گیا: ﴿ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ﴾ (الانعام :۱۵۱)

علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ افلاس میں مبتلاء ہونے کا خوف تو الگ رہا، اگر اس میں مبتلاء ہو چکے ہوں، تو بھی اسی علت کی بناء پر قتل اولاد کے مرتکب نہ بنیں کہ اللہ ہی ان کے رزق کا ضامن ہے۔

(روح المعاني :۸/۵۴)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من ترك التزويج مخافة العيلة فليس منا" (كنز العمال ، عن الديلمي ، عن أبي سعيد ﷺ ، حدیث نمبر:۴۴۴۶۰)

امام غزالیؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

" هذا ذم لعلة الامتناع لا لأصل الترك "

(احياء علوم الدين :۲/۲۲)

اور '' چھوٹا خاندان'' رکھنا، تو یہ بھی منشا شریعت کے خلاف ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تزوجوا الولود الودود فاني مكاثر بكم الأمم" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۰۵۰، باب النهي عن تزوج من لم يلد من النساء)

پس اس طرح یہ نیت رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کے عین معارض قرار پائے گی۔ اسی طرح عورتوں کی سماجی دلچسپی نہ

صرف یہ کہ اسلام میں اہمیت نہیں رکھتی، بلکہ بعض حالات میں ایک گونہ ناپسندیدہ بھی ہے، اور شریعت کی نگاہ میں اسے سماج میں قائدانہ اور مصلحانہ کردار انجام دینے کے بجائے ''شمع خانہ'' بننے پر اکتفاء کرنا چاہئے، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی معتبر عذر نہیں، اسی طرح حسن و جمال کی حفاظت کے لیے بھی ایک امر مکروہ کی اجازت دینا اور شریعت اور فطرت کے منشا توالد و تناسل پر اس جذبۂ حسن آرائی کو ترجیح دینا صحیح نہیں ہوگا''۔

آج کل شادی بیاہ وغیرہ کی دعوت میں خواتین کے دسترخوان پر مرد ویٹر کا استعمال عام ہو چکا ہے، اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

''یہ صورت قطعاً درست نہیں، عورت کا غیر محرم کے سامنے عام حالات میں بھی بے پردہ ہونا جائز نہیں، اور اس موقع سے تو عورتیں زیبائش اور آرائش کا اہتمام بھی زیادہ کرتی ہیں، لہٰذا فتنہ اور بدنگاہی کا اندیشہ اس صورت میں زیادہ ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے موقع پر خواتین کے حصہ کے لئے کھانا سپلائی کرنے پر عورتوں کو رکھیں، اور نکاح جیسے مبارک موقع پر ایسی حرکت نہیں کی جائے، جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کو دعوت دینے والی ہو''۔

اسی طرح نیت کا تعلق اصل میں دل سے ہے نہ کہ زبان سے، لیکن استحضار کے لیے فقہاء نے زبان سے نیت کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، چنانچہ آپ نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھا ہے:

''جب ایک شخص وضو کر کے مسجد میں آتا ہو، تو اسی ارادہ سے آتا ہے کہ اسے نماز ادا کرنی ہے، یہی نیت ہے، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں، بلکہ اگر زبان سے نیت کرنے کی صورت میں اس کی رکعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو بہتر ہے کہ زبان سے نیت کے کلمات کہے بغیر امام کے ساتھ شریک ہو جائے''

احوال زمانہ کالحاظ

جو مسائل مجتہد فیہ اور اختلافی ہیں، یا جن میں حالات کے تغیر کی وجہ سے احکام میں تغیر کی ضرورت پیش آتی ہے، وہاں احوال زمانہ کی رعایت کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں، ایسے متعدد فتاوی اس کتاب میں موجود ہیں، مثلاً ایک سوال میں ساس اور سسر کی خدمت کے سلسلہ میں سوال کیا گیا ہے، آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''شوہر کے والدین کی خدمت عورت پر اس وقت دیانۃ واجب ہوگی جب کوئی اور خدمت کرنے والا میسر نہ ہو، اگر کوئی دوسرا خدمت کرنے والا میسر ہو، تب بھی عورت کو چاہئے کہ اپنے ساس سسر کی خدمت سے دامن نہ کھینچے، کہ یہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ تعاون ہے، کیونکہ اصل میں والدین کی خدمت اس کے شوہر پر واجب ہے، اور شوہر اپنی بیوی اور اس کے بچوں کی ضروریات کے لئے مشغول ہے، تو اخلاق و دیانت کا تقاضہ ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائے گی میں شوہر کی مدد کرے، شوہر کے بھائی بہنوں کی خدمت

عورت پر واجب نہیں، بہر حال اس مسئلہ میں اعتدال اور میانہ روی کی ضرورت ہے، نہ یہ درست ہے کہ گھر میں دوسری خواتین کام نہ کریں، اور پوری ذمہ داری بہو پر ڈال دیں، اور نہ یہ صحیح ہے کہ بہو اپنی، اپنے شوہر اور ضرورت مند ساس سسر کی خدمت سے بھی دامن کش ہو جائے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے بعد کام کی تقسیم اس طرح فرمائی تھی کہ باہر کا کام حضرت علی ؓ کیا کریں اور گھر کا کام حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جب خواتینِ جنت کی سردار کے لئے گھر کے کام کاج کو عار نہ سمجھا گیا، تو دوسری خواتین کے لئے کیوں کر اس کی گنجائش ہو سکتی ہے؟''۔

اسی طرح دیہات میں جمعہ کی نماز قائم کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

'' فقہاء احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ وعیدین نہیں پڑھی جائے گی، بلکہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اس لئے کہ حضرت علی ؓ سے مروی ہے "لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع " (نصب الراية : ۲/۱۹۵) ''جمعہ وعیدین شہر ہی میں پڑھی جائیں'' لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے،

وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد نا کافی ہو جائے۔(الدر المختار مع رد : ۱/ ۵۳۶) یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ نسبتاً وسیع ہو جاتا ہے اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نمازِ جمعہ کی گنجائش نکل آئے ، کیونکہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے، بلکہ یہ تذکیر و موعظت کا بھی بہترین موقعہ ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے مسلمان اسلام سے اپنی وابستگی کو محسوس کرتے ہیں''۔

اب آپ غور کرلیں کہ اس تشریح کے مطابق وہ جگہ دیہات ہے یا قصبہ و شہر ہے؟ اگر دیہات ہے اور پہلے سے نمازِ جمعہ کا سلسلہ نہیں ہے تو ظہر ہی پر اکتفا کرنا چاہئے، البتہ پنج وقتہ نماز کے لئے آبادی کے کسی خاص معیار کی شرط نہیں ، اس لئے اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ پنج وقتہ جماعت کا اہتمام ہو، ورنہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سخت پکڑ کا اندیشہ ہے''۔

اسی طرح زکوۃ میں دین کی منہائی کے سلسلہ میں مہر مؤجل کے حکم پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فی زماننا بیوی کا مہر جو شوہر کے ذمہ واجب ہو، اس کو بھی زکوۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا''۔

غیر مسلم حضرات کے سلام کے جواب کے سلسلہ میں مسلمانوں کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ اس بارے میں فرماتے ہیں:

ایسے لوگوں کو جواب میں "وعلیکم" کہنے پر اکتفا کیا جائے:
قال رسول الله ﷺ: "إذا سلم عليكم أهل الكتاب فقولوا: "و عليكم" عن أنس بن مالك رضي الله عنه، (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۶۲۵۸، باب كيف الرد على أهل الذمة بالسلام، كتاب الاستئذان، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۶۳)

فقہاء نے لکھا ہے:
" ولو سلم يهودي أو نصراني أو مجوسي على مسلم فلا بأس بالرد ولكن لا يزيد على قوله: "وعليك" (الدر المختار على هامش رد:۵۹۱/۹)
اگر اندیشہ ہو کہ مکمل جواب نہ دینے کو وہ محسوس کریں گے اور برا مانیں گے تو "وعلیکم السلام" بھی کہنے کی گنجائش ہے، لیکن سلام سے ہدایت مراد لی جائے، کیونکہ ہدایت سے بڑھ کر کوئی سلامتی نہیں، اس طرح یہ ان کے حق میں ہدایت کی دعا ہوگی اور مسلمان پر حق ہے کہ وہ غیر مسلم بھائیوں کے لئے ہدایت کی دعا کریں"۔

بہ وقت ضرورت دوسرے فقہاء کی آراء سے استفادہ

حضرت الاستاذ فقہ حنفی کے متبع ہیں اور فی زمانہ تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن شارع تعالیٰ کی نصوص اور فقہاء کے اجتہادات میں فرق کرتے ہیں اور اسی نقطۂ نظر سے اگر

فقہ حنفی پر عمل دشوار ہو جائے، تو ائمہ اربعہ میں سے دوسرے فقہاء کی رائے پر عمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں، چنانچہ آپ کے پاس ایک سوال آیا جس میں مستفتی نے قسم کھائی کہ ''اگر میں کسی وقت بھی شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق''، مزید انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''میں پانچ سال سے پہلے نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق، اور اگر میں کسی وقت بھی شادی کے بعد سسرال میں رات گذاروں تو طلاق'' اس سلسلہ میں آپ رقمطراز ہیں:

''جو صورت آپ نے تحریر کی ہے وہ بڑی آزمائش اور ابتلاء کی ہے، اور آئندہ اس سے احتراز بہت ضروری ہے، زید کا یہ کہنا کہ'' اگر میں کسی وقت بھی شادی کے بعد سسرال میں رات گذاروں تو طلاق'' سے بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ اجنبی عورت کی طرف مشروط طلاق کی نسبت سے اسی وقت معتبر ہوتی ہے، جب کہ طلاق نکاح کی مشروط پر دی گئی ہو، یہاں طلاق سسرال میں رات گزارنے کی شرط پر دی جارہی ہے، باقی طلاقیں چونکہ نکاح کے ساتھ مشروط ہیں، اس لئے احناف کے نزدیک یہ طلاق واقع ہو جائے گی، فقہاء حنفیہ نے اس کے لئے یہ حیلہ بتایا ہے کہ کوئی اور شخص بہ حیثیت فضولی اس کا نکاح کردے، اور نکاح کے بعد اس مرد کو نکاح کی اطلاع دے اور وہ زبان سے نکاح کی قبولیت کا اظہار نہ کرے، بلکہ خاموشی سے اس کا مہر یا اس کا کچھ حصہ ادا کردے، اس طرح یہ عملاً نکاح پر قبولیت کا اظہار ہوگا، اور نکاح بھی درست ہو جائے گا، طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

ویسے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اجنبی عورت کو اگر

نکاح کی شرط کے ساتھ بھی نکاح سے پہلے طلاق دی جائے تو یہ طلاق معتبر نہیں ہوگی۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی اگر کسی خاص عورت کی تخصیص کے بغیر کہا جائے'' میں جس سے نکاح کروں اس پر طلاق واقع ہو'' تو یہ طلاق غیر معتبر ہے، اور ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی، " إن عم المطلق جميع النساء لم يلزمه "

چونکہ نکاح انسان کی ایک طبعی اور شرعی ضرورت ہے، اگر اس کے لیے کوئی صورت نہ ہو اور حیلہ اختیار کرنے میں بدنامی اور بدگمانی کا اندیشہ ہو تو ضرورۃً زید کے لئے اس مسئلہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ کی رائے پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے''۔

واللہ اعلم

اجتہادی مسائل میں توسع

بعض مسائل ایسے بھی پیش آتے ہیں جو نصوص میں صراحۃً موجود نہیں، لیکن کسی اصول کے تحت یا چند اصول کے تحت اس کا حل ہوسکتا ہے، ایسے مسائل میں حتی المقدور توسع کی کوشش ہونی چاہیے، حضرت مولانا کا مزاج اجتہادی مسائل میں توسع کا ہے، چنانچہ تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے متعلق سوال کیا گیا، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ائمہ اربعہ میں سے شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نماز تہجد کے بشمول تمام نفل نمازوں کا جماعت سے پڑھنا جائز ہے، مالکیہ کے نزدیک قلیل جماعت ہو یا غیر مشہور جگہ پر ہو تو درست ہے، مشہور جگہ پر ہو یا کثیر جماعت ہو تو مکروہ ہے،

حنفیہ کے یہاں مختلف اقوال ملتے ہیں، امام عبد الرشید بخاری نے لکھا ہے کہ مواظبت اور پابندی ہو تو مکروہ ہے، ورنہ نہیں، شمس الائمہ حلوائیؒ نے بھی اگر پابندی نہ ہو تو نفل نماز کی جماعت کو جائز قرار دیا ہے، عام طور پر فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ ''تداعی'' یعنی دعوت دے کر جماعت کرنا مکروہ ہے، پھر تداعی کی تفسیر بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ تین سے زیادہ مقتدی ہو جائیں، لیکن علامہ مطرزی کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ تداعی کا تعداد سے تعلق نہیں، بلکہ دعوت سے تعلق ہے، یعنی لوگوں کو تہجد کی جماعت میں شرکت کی دعوت دی جائے، یہ مکروہ ہے: ''التداعی هو أن یدعوا بعضهم بعضا'' (الدر المختار علی هامش الرد: ۲/۵۰۰) اس طرح اگر اعلان عام اور دعوت کے بغیر از خود کچھ لوگ جمع ہو جائیں اور تہجد کی نماز جماعت سے ادا کر لیں، تو اس میں حرج نہیں، یہی اس کوتاہ علم کی رائے ہے۔ واللہ اعلم''۔

ایک سوال میں دمہ کے مریض کے روزہ کی حالت میں انہیلر لینے سے متعلق دریافت کیا گیا، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''روزہ کی حالت میں ایسا انجکشن لینے میں کوئی حرج نہیں جس کی دوا براہِ راست معدہ میں نہیں پہونچتی، بلکہ رگوں یا گوشت کے واسطہ سے جسم کے اندر داخل ہوتی ہے، انہیلر کے بارے میں مجھے جہاں تک علم ہے اس میں دوا سیال صورت میں موجود ہوتی ہے، حلق میں اس دوا کا ذائقہ بھی

محسوس ہوتا ہے، ممکن ہے کہ پھیپھڑے میں پہنچ کر وہ گیس
بن جاتی ہے، فقہاء کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ
یہ صورت روزہ کو فاسد کر دیتی ہے، البتہ مجھے اس مسئلہ میں
کسی قدر تامل ہے، اس لئے کہ حلق میں ایک نالی نظام تنفس
سے متعلق ہے، اور دوسری غذائی نالی ہے، جس سے انسان
کھاتا پیتا ہے، تو اگر انہیلر کا اثر تنفس کی نالی سے متعلق ہوتا
ہے کہ اگر کوئی شخص انہیلر لئے بغیر دن بھر نہیں رہ سکتا ہو، تو وہ
انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً ہر روزہ کا فدیہ
بھی ادا کرتا جائے، ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو دو وقت
کا کھانا کھلانا ہے"۔ واللہ اعلم"

محلّہ میں چار پانچ مساجد ہیں، کیا ان میں سے ایک مسجد میں اعتکاف کرنے سے بقیہ مساجد کی طرف سے بھی سنت مؤکدہ کا حق ادا ہو جائے گا؟ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اعتکاف سنت کفایہ ہے، یعنی ایک یا چند اشخاص
اعتکاف کرلیں تو سب بریٔ الذمہ ہو جائیں گے، اور اگر
کسی نے اعتکاف نہیں کیا تو سبھی تارکِ سنت کہلائیں گے
، البتہ یہ سوال اہم ہے کہ ایک ہی محلّہ میں کئی مسجدیں ہوں،
تو کیا سنتِ اعتکاف کی ادائیگی کے لئے ہر مسجد میں
اعتکاف ضروری ہے، یا محلّہ کی ایک مسجد میں اعتکاف کرلینا
کافی ہے؟ اس سلسلہ میں اعتکاف کی نسبت سے کوئی
صراحت نہیں ملتی، البتہ جیسے اعتکاف سنت کفایہ ہے، اسی
طرح مسجد میں تراویح کی جماعت بھی سنت کفایہ ہے، اور

تراویح کے بارے میں فقہاء نے اس سوال کو اٹھایا ہے کہ پورے شہر میں ایک مسجد میں جماعت تراویح سنت کی ادائیگی کے لئے کافی ہے یا ہر محلہ میں، ایک مسجد میں تراویح کافی ہے؟ یا محلہ کی ہر مسجد میں تراویح ضروری ہے؟ فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں تینوں اقوال موجود ہیں، علامہ طحطاویؒ نے شہر کی ایک مسجد میں کافی قرار دیا ہے، علامہ حصکفیؒ نے ہر مسجد کے لئے ضروری قرار دیا ہے، اور خاتم الفقہاء علامہ شامیؒ نے محلہ کی ایک مسجد میں تراویح کی ادائیگی کو کافی سمجھا ہے، اور اس سلسلہ میں فقہاء کی بعض عبارتوں سے اپنے نقطۂ نظر کی تائید وتوثیق بھی نقل کی ہے۔

علامہ شامی ہی کا قول زیادہ درست اور مبنی بر اعتدال معلوم ہوتا ہے، پس جو حکم تراویح کا ہے وہی حکم اعتکاف کا بھی ہونا چاہئے، یعنی اگر ایک محلہ میں کئی مسجدیں ہوں، تو بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو، لیکن اگر ان میں سے ایک مسجد میں بھی اعتکاف کرلیا جائے تو پورے محلہ کے لوگ ترکِ سنت کے گناہ سے انشاءاللہ بری ہوجائیں گے''۔

عزیمت کو ترجیح

جہاں عزیمت پر عمل کرنے میں دشواری نہ ہو، وہاں آپ مستفتی کو قول عزیمت پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اس کی متعدد مثالیں آپ کے فتاوی میں موجود ہیں، مثلاً آج کل ہندوستان کے بعض علاقوں میں جو لین دین اور شادی کے موقع پر مطالبہ کا رواج ہے، اس سلسلہ

میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہاں! اگر لڑکے والوں نے صراحتاً لینے سے انکار کر دیا اور لڑکی والوں سے کہہ دیا کہ ہم لین دین کے مخالف ہیں، لڑکے کو کچھ نہ دیا جائے۔ اس کے باوجود لڑکی والے دیں، تو اب لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ صراحتاً انکار کی وجہ سے لڑکے والے اس سے بری الذمہ ہیں، فقہاء کا اصول ہے: "لا عبرة بالدلالة في مقابلة التصريح" (المنهاج في علم القواعد الفقهية :ص:۲۷) تاہم عزیمت کا درجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی شادی کے وقت لینے سے گریز کیا جائے، کیوں کہ اس کا مقصد رسم ورواج ہی کی پیروی ہوتی ہے، اور یقیناً اس سے اس خراب رسم کو تقویت پہونچتی ہے، کیونکہ مقصود لڑکی والوں کا محض دینا نہیں ہوتا، بلکہ رسم ورواج کی پیروی بھی مقصود ہوتی ہے، اگر داماد کو دینا مقصود ہوتا تو اس کے لیے شادی ہی کے موقع کے انتخاب کی ضرورت نہیں تھی، انسان اپنی اولاد کو، بھائی بہن اور ماں باپ کو بھی حسب حیثیت کچھ دیتا رہتا ہے، لیکن نہ تو اس کی نمائش کرتا ہے اور نہ کسی تقریب کا اہتمام؛ لہٰذا اس لین دین میں بہرحال رسم ورواج ہی مدنظر ہوتی ہے، جس کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے، تاہم اس کے لیے بڑے حوصلہ اور اخلاقی جرأت کی ضرورت ہے“۔

احتیاطی پہلو کی ترغیب وترجیح

بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ فقہی حکم کے اعتبار سے جائز ہوتی ہیں، لیکن خلاف احتیاط ہوتی ہیں، حضرت الاستاذ کا مزاج ہے کہ ان مسائل میں حکم شرعی بتاتے ہوئے احتیاطی پہلو پر بھی متوجہ فرما دیتے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

> ''ٹی وی کا سیٹ چوں کہ فحش اور ذی روح کی تصاویر ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس سے ایسے مناظر بھی دکھائے جاسکتے ہیں جو جائز اور مباح ہوں، اس لیے بعض اہل علم نے اس کی اصلاح ومرمت کو جائز قرار دیا ہے، لیکن چوں کہ آج کل زیادہ تر مفاسد ہی کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے کوئی اور پیشہ اختیار کرنا بہتر اور قرین احتیاط ہے، مرمت کے ذریعہ جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ حلال ہے''۔

اسی طرح ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''الکحل سے روشن چراغ میں قرآن وحدیث لکھا پڑھا جاسکتا ہے، اس لیے کہ یہ قرآن وحدیث کو نجاست سے ملوث کرنا نہیں ہے، یہ بالکل اس طرح ہے، جیسے فضاء میں پیشاب یا پائخانہ کی بو ہو اور قرآن مجید پڑھ لیا جائے، تاہم احتیاط کے خلاف ہے اور اجتناب کرنا بہتر ہے''۔

بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، لیکن اصحاب ترجیح نے اس سلسلہ میں سکوت اختیار کیا، تو آپ ایسے مسائل میں احتیاطی پہلو کو ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت بند کرنے کا حکم دیا گیا، اس سلسلہ میں

سوال کیا گیا کہ جمعہ کی پہلی اذان کے ساتھ ہی خرید وفروخت بند کر دینا چاہئے یا یہ حکم اذان ثانی کے وقت کے لئے ہے؟ اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالی نے جمعہ کی اذان کے ساتھ جمعہ کے لئے دوڑ پڑنے اور خرید و فروخت کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ (الجمعة:۹) اب یہ خرید وفروخت کی ممانعت کا حکم کس اذان سے متعلق ہوگا؟ اس میں خود فقہاء حنفیہ کی دو رائیں ہیں، ایک یہ کہ اس سے دوسری اذان مراد ہے، جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، یہی رائے مشہور فقیہ علامہ کاسانی کی ہے''۔

"یکره البیع و الشراء یوم الجمعة إذا صعد الإمام المنبر و أذن المؤذنون بین یدیه"

(بدائع الصنائع :۱/۲۰۵)

بہ ظاہر یہ رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جس وقت قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اس وقت اسی اذان کا معمول تھا، اذان اول تو عہد عثمانی سے شروع ہوئی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے پہلی اذان مراد ہے، اور اذان اول کے ساتھ ہی خرید وفروخت کو ترک کرنا اور جمعہ کے لئے سعی واجب ہے، عام طور پر فقہاء حنفیہ کا رجحان اسی طرف ہے:

"ووجب سعی إلیها و ترك البیع ... بالأذان الأول فی الأصح" (الدر المختار مع الرد : ۱/۵۵۲)

اور اسی رائے میں احتیاط معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس حکم کا
مقصد یہ ہے کہ لوگ خطبہ جمعہ کو بھی سن سکیں اور آج کل
آبادیوں کے پھیلاؤ کے لحاظ سے یہ اسی وقت ممکن ہے جب
کہ اذان اول ہی پر مسجد کے لئے روانہ ہو جائیں''۔

نصوص سے موافقت کی بناء پر ترجیح

اختلاف امت ایک رحمت ہے، اور منصوص مسائل میں زیادہ تر اختلاف احادیث کے درمیان ظاہری تعارض کی بناء پر ہوتا ہے، کیوں کہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ ؓ کو ان کے حالات کے اعتبار سے کبھی ایک حکم دیا ہے، تو دوسرے صحابہ ؓ کو اسی مسئلہ میں ان کے حالات کے اعتبار سے دوسرا حکم فرمایا، اسی طرح بعض ارشادات میں ایک سے زیادہ معنوں کی گنجائش ہوتی ہے، ایسے اختلافی مسائل میں حضرت مولانا کا مزاج یہ ہے کہ جو قول نصوص سے قریب تر ہو اس کو ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''احادیث کے اعتبار سے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی
ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے، کیونکہ خود اللہ
تعالی کا ارشاد ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو
اور خاموش رہو ﴿وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَ
أَنْصِتُوا﴾ (الاعراف: ۲۰۴) یہی امت کے سواد اعظم کا
مسلک رہا ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد اور اکثر
سلف صالحین کی یہی رائے تھی''۔

ایک جگہ روزہ کی حالت میں غسل کرنے سے متعلق سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"روزہ کی حالت میں زوال سے پہلے بھی اور زوال کے بعد بھی غسل کیا جا سکتا ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ اور اکثر فقہاء کی رائے ہے، اور حدیث سے بھی ثابت ہے"۔

ایک سوال میں سنت فجر کی قضاء سے متعلق پوچھا گیا تو اس کے جواب میں حضرت الاستاذ تحریر فرماتے ہیں:

"جہاں تک سنت فجر کی قضاء کی بات ہے تو فقہاء حنفیہ میں امام محمدؒ نے سنت فجر کی قضاء کرنے کو کہا ہے، یہی رائے امام مالکؒ اور امام احمد کی ہے، مشہور محقق اور محدث مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے بھی لکھا ہے کہ اسی پر عمل کیا جانا چاہئے۔ (معارف السنن:۴/۲۸۹) البتہ ان دو رکعتوں کی قضاء آفتاب طلوع ہونے اور وقت مکروہ نکل جانے کے بعد کی جائے، حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جس نے ان کو نہیں پڑھا ہو وہ سورج نکلنے کے بعد پڑھے۔ (الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۲۳) فرض پڑھنے کے بعد اور سورج نکلنے سے پہلے اس کی قضاء کی جائے، کیونکہ حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور نمازِ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز (نفل) نہ پڑھی جائے"۔

(صحیح البخاری:۱/۸۲، حدیث نمبر:۵۸۶)

اس لئے جب تک سورج نہ نکل جائے، ان دو رکعتوں کی قضاء نہیں کرنی چاہئے''۔

ایک سوال کے جواب میں مولانا رقمطراز ہیں:

''رسول اللہ ﷺ سے سجدہ سے اٹھنے کی دونوں کیفیتیں ثابت ہیں، بیٹھ کر پھر کھڑا ہونا، بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہونا، اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، اس بیٹھک کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے، بعض فقہاء کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون اور بہتر ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اصل مسنون طریقہ یہ ہے کہ بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہو، بیٹھ کر اٹھنے والی روایت کے بارے میں احناف کا خیال ہے کہ غالباً آپ ﷺ بوڑھاپے اور جسم کے بھاری ہونے کے بعد اس طرح اٹھا کرتے تھے، گویا یہ عذر کی بناء پر تھا۔

حنفیہ کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، بہتر جلسۂ استراحت نہیں کرنا ہے، لیکن کرلے تو جائز ہے، کراہت بھی نہیں، چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ جلسۂ استراحت کے بارے میں فرماتے ہیں: "ولو فعل لا بأس"

جمعہ کی نماز اور اس دن کی فجر کے بارے میں بعض روایات سے خاص سورتوں کی تلاوت کا معمول نبوی معلوم ہوتا ہے، لیکن کہیں لگ اسی کو ضروری نہ سمجھنے لگیں، اس لیے فقہاء احناف نے کسی خاص سورت کے تعیین کر لینے کو بہتر نہیں سمجھا ہے، آپ نے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سوال کا جواب اس طرح دیا ہے:

''جمعہ کی پہلی رکعت میں ''سورۂ جمعہ'' اور دوسری رکعت میں

''سورۂ منافقون'' یا پہلی رکعت میں" سبح اسم ربك الاعلی" اور دوسری میں" هل اتاك حديث الغاشية" پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا عام معمول جمعہ میں ان ہی سورتوں کے پڑھنے کا تھا،(صحیح مسلم ،حدیث نمبر: ۲۰۲۷، ۲۰۲۸،باب ما يقرأ في صلاة الجمعة)البتہ کبھی کبھی ان کے بجائے دوسری سورتیں بھی پڑھ لینی چاہئے، تا کہ عوام میں یہ گمان نہ پیدا ہو جائے کہ جمعہ میں انہی سورتوں کی تلاوت ضروری ہے۔(البحر الرائق :۲/ ۱۵۷)
حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر میں'' سورۂ سجدہ'' اور'' سورۂ دہر'' پڑھا کرتے تھے۔(صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۸۹۱) لہذا جمعہ کی فجر میں ان دو سورتوں کا پڑھنا افضل ہے، لیکن انہیں سورتوں کا التزام نہ کرنا چاہئے''۔

کفر کا حکم لگانے میں احتیاط

اصول شرع میں یہ بات مسلم ہے کہ اگر کسی بات میں کفر کے علاوہ دوسرے معنی بھی تلاش کیا جا سکتا ہو وہاں وہی معنی مراد لے کر کفر کا حکم لگانے سے احتیاط کیا جائے گا ،لیکن افسوس کہ ماضی قریب میں بعض اہل علم اور مکاتب فکر کی بے اعتدالی اور شدت پسندی کی وجہ سے تکفیر نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی ہے، حضرت الاستاذ کی زبان وقلم اس بارے میں حد درجہ محتاط ہے، اور یہی رنگ آپ کے فتاوی میں بھی ہے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

" کفر کا معاملہ بہت نازک ہے، اور اسی لئے کسی بات پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، چنانچہ فتوی دینے کے اصول میں یہ بات ایک قاعدہ کے طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ اگر کسی بات کا ایسا معنی تلاش کیا جا سکتا ہو جو وجہ کفر نہ ہو، تو وہی معنی مراد لے کر کفر کا حکم لگانے سے اجتناب کیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی ایسی بات کہی گئی جس کو بعض اہل علم کفر قرار دیتے ہیں، اور بعض نہیں قرار دیتے، تو گو ان لوگوں کی رائے دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہو جو اسے باعث کفر کہتے ہیں، پھر بھی از راہ احتیاط ان لوگوں کی رائے کو ترجیح دی جائے گی جو اس پر کفر کا فتوی نہیں لگاتے، چنانچہ علامہ شامی ابن نجیم مصری " سے نقل کرتے ہیں:

"والذی تحرر أنه لایفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة" (رسم المفتی :/۸۳)

" جو بات منقح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک کسی مسلمان کی بات کو اچھی صورت پر محمول کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہو گو اس سلسلہ میں ضعیف ہی روایت کیوں نہ ہو اس شخص کے کفر کا فتوی نہیں دیا جائے گا"۔

جہاں تک غلطی سے کفریہ کلمات زبان سے نکل جانے یا ناواقفیت میں ایسی بات کہہ جانے کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں خود حدیث نبوی ﷺ سے بھی روشنی پڑتی ہے، حضرت

انس ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ
''تم میں سے کوئی شخص صحرائی علاقہ میں اپنی سواری پر ہو، اسی سواری پر اس کا کھانا پینا ہو، وہ گم ہو جائے اور وہ شخص اس سے مایوس ہو جائے پھر وہ ایک درخت کے پاس آیا، اور مایوسی کی حالت میں اسی کے سایہ میں لیٹ گیا، ابھی اسی حالت میں تھا کہ اچانک دیکھتا ہے کہ وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہوئی ہے، اس نے اس کی نکیل تھامی، اور خوشی سے بے حال ہو کر کہنے لگا: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی فرط مسرت سے بولنے میں غلطی کر جائے، جب کوئی بندہ اپنے خدا کے سامنے تائب ہوتا ہے تو اللہ کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے''۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲،۲۷۴۷/ ۳۵۵، باب في الحض على التوبة و الفرح بها، كتاب التوبة)

اس حدیث سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ غلطی سے کلمۂ کفر زبان سے جاری ہو جانا جب کہ اس میں ارادہ اور اعتقاد کو دخل نہ ہو، موجب کفر نہیں، چنانچہ فقہاء نے بھی یہی بات لکھی ہے، مشہور فقہ حنفی کی کتاب فتاوی بزازیہ میں فرماتے ہیں:

" أما إذا أراد أن يتكلم بكلمة مباحة فجرى على لسانه كلمة خطأ بلا قصد والعياذ بالله لا يكفر " (الفتاوى البزازيه على هامش

الفتاوی الهندية :٣٢١/٦، كتاب الفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ)

''جب کوئی شخص مباح بات کہنا چاہے، اور زبان پر بلا ارادہ غلط بات آجائے والعیاذ باللہ! تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا''

لہذا جو صورت آپ نے لکھی ہے، اور جو تفصیل اخبارات میں آئی ہے، اگر واقعی وہ درست ہے تو اس صورت میں آمین کہنے والوں پر کافر ہونے کا حکم لگانا درست نہیں، اور نہ ان کے تجدید نکاح کی ضرورت تھی، اور اگر آمین کہنے والے کافر ہوجائیں تو جس کی دعاء پر آمین کہی جائے وہ تو بدرجہ اولی کافر ہوجائے گا، اس لئے امام صاحب کو لوگوں کا تجدید نکاح کرانا اور اپنا دامن بچائے رکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اخبارات میں جن صاحب کا نام آیا ہے، وہ غیر معروف نام ہے، کسی ذمہ دار عالم دین نے اس طرح کا فتوی نہیں دیا ہے، دوسرے آج کل ذرائع ابلاغ اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں اور خاص کر علماء کی تصویر خراب طریقہ پر پیش کرنے کے لئے خبریں گھڑتے بھی ہیں، اور اس میں کمی بیشی بھی کرتے ہیں، اس لئے بہ ظاہر یہ خبر مشکوک ہے اور عجب نہیں کہ علماء کو بدنام کرنے اور ان کو شدت پسند ثابت کرنے کے لئے لوگوں نے اس طرح کی بات اڑائی ہو، اس لئے

مسلمانوں کو ایسی اخباری اطلاعات کے بارے میں چوکنا
رہنا چاہئے اور ان پر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کرنا چاہئے''۔

اسی طرح مسلمان ہونے کے باوجود غیر اسلامی عدالتوں سے رجوع کرنے والے شخص سے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ دائرۂ اسلام سے نکل جاتا ہے یا نہیں؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اخیر میں فرماتے ہیں:

''فقہاء نے یہ بات واجب قرار دی ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہو، جب بھی ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے لئے امیر منتخب کریں، جو ان کے باہمی مقدمات کے فیصلہ کے لئے قاضی کا تقرر کرے، اس لئے کسی مسلمان مرد یا عورت کا شرعی دار القضاء کو چھوڑ کر غیر اسلامی اداروں سے فیصلہ کا طلب گار ہونا قطعاً ناجائز اور سخت گناہ ہے، ایسے شخص کو توبہ کرنی چاہئے اور اس کے اہل خاندان اور سماج کے لوگوں کو اس پر دباؤ ڈالنا چاہئے کہ وہ ایسی حرکت سے باز آئے، البتہ جب تک وہ صراحتاً قرآن و حدیث کی یقینی دلیلوں سے ثابت کسی حکم کا انکار نہ کر جائے، احتیاطاً اس کو کافر کہنے سے گریز کیا جائے، لہٰذا مذکورہ شخص کو کافر تو نہ کہا جائے گا، لیکن ضروری ہے کہ اس کے گناہ کی شدت اور سنگینی سے اسے باخبر کیا جائے''۔

ایک شخص نے کہا ''میں مسلمان بھی ہوں اور عیسائی بھی'' کیا ایسا کہنے والا مسلمان باقی رہے گا؟ اس سلسلہ میں اپنے جواب میں فرماتے ہیں:

''کسی مسلمان کے لئے اس طرح کی بات کہنا نامناسب اور

ناروا ہے، کیونکہ عرف میں عیسائی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عیسائی عقائد پر یقین رکھتا ہو، اور یہ عقائد یقیناً عقیدۂ توحید سے متصادم اور اس کے خلاف ہیں، ہاں! اگر کوئی شخص اس معنی میں اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہو کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات درست ہوگی، کیونکہ مسلمان تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں، بہر حال چونکہ اس تعبیر میں دونوں معنوں کا احتمال ہے، جن میں سے ایک انسان کو دائرہ ایمان میں باقی رکھتا ہے، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے دائرہ ایمان سے باہر ہو جاتا ہے، اور کفر کا حکم لگانے میں احتیاط ضروری ہے، اس لئے یہ فقرہ کہنے والے کو کافر تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن یہ تعبیر بہر صورت خلاف احتیاط اور نا درست ہے"۔

اہل سنت والجماعۃ کے نقطۂ نظر پر استقامت

جن امور کی اصل سنتِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہو، ان کو تسلیم کرنے پر اہلِ سنت والجماعت میں ہونے کا مدار وانحصار ہے، حضرت الاستاذ اپنی گفتگو، درس اور طلبہ وفضلاء سے خطاب میں ہمیشہ تاکید کرتے ہیں کہ فقہ میں اکثر اختلاف صواب وخطاء کا ہے، اور عقیدہ میں ہدایت وضلال کا، اس لیے ہرگز اہل سنت والجماعۃ کے مسلمہ عقیدہ کے باہر نہ جانا چاہئے، چنانچہ ایک تقدیر کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کے سوالات کا تعلق دراصل تقدیر کے مسئلہ سے ہے، تقدیر کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ

دنیا میں مکلف کا جو بھی فعل ہوتا ہے، وہ دو امور کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے، ایک انسان کا ارادہ، دوسرے اللہ تعالی کی مشیت، جب انسان کسی اچھی یا بری بات کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالی کی مشیت اس کی مدد کرتی ہے، پھر وہ چیز وجود میں آتی ہے، اسی مشیت الٰہی سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ کوئی چیز خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہوسکتی اور انسان کے ارادہ و اختیار کے استعمال کی وجہ سے اس پر ثواب وعقاب ہوا کرتا ہے، لیکن از اول تا آخر جو کچھ ہونے والا ہے وہ خدا کے علم میں پہلے سے موجود ہے، اور اسی علم الٰہی کا نام تقدیر ہے، تقدیر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اللہ نے کسی کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اس کام کو کرے، البتہ جو چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہیں، وہ سراسر حکم خداوندی کے تحت ہیں، ان میں بندہ کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں، بلکہ اعمال کے اچھے یا برے ہونے سے بھی ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے ساتھ بھی صحت و مرض اور رنج و مسرت کا سلسلہ رہا ہے؛ اس لئے کسی بیماری وغیرہ پر اعتراض کرنا تقدیر پر اپنی ناراضگی کا اظہار ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ نکاح کے رشتہ کے لئے انتخاب میں دین اور اخلاق کو معیار بنانا بہتر اور مطلوب ہے، لیکن کسی انسان کے لئے عند اللہ جو آزمائشیں مقرر ہو چکی ہیں، وہ بہر حال وقوع پذیر ہو کر رہیں گی''۔

ایک سوال میں غیر مشروع طریقہ سے درود بھیجنے اور ''یا'' کے ذریعہ غیر اللہ سے استعانت

کرنے سے ایک امام صاحب نے منع کیا تو لوگوں نے ان کو عقائد اہل سنت والجماعۃ کے خلاف عقائد رکھنے والے قرار دے کر جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے استفتاء کیا، وہاں سے مبہم اور غیر واضح جواب دیا گیا، یہی سوال آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کے جواب میں اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کو سمجھانے کے بعد امام کے عمل کی تحسین کی، چنانچہ جواب کے آخری فقرے اس طرح ہیں:

''اب اگر سوال میں استعانت سے استعانت بغیر اللہ مراد ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ کفر یا کم از کم قریب بہ کفر ہے، اور امام کا اس سے روکنا واجب اور شرعی فریضہ ہے؛ اس لئے اگر درود و سلام کے مذکورہ بالا طریقہ اور استعانت بغیر اللہ سے امام صاحب نے منع کیا ہو، تو یہ اہلِ سنت والجماعۃ کے مسلک کے عین مطابق ہے، اور اس کا یہ عمل ہرگز موجب فسق نہیں، بلکہ عین تقاضاء دین ہے؛ لہٰذا امام مذکور کی امامت مکروہ نہیں، بلکہ '' سعی إلی الخیر '' اور '' نھی عن المنکر '' ہونے کی وجہ سے مستحسن اور بہتر ہے''۔

عذاب قبر، دیدار خداوندی، مرتد کی سزا، بیعت وتصوف اور بدعات ورسوم کے تحت آنے والے فتاویٰ کو ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں کہ ان مسائل میں کس قوت کے ساتھ اہل سنت والجماعت کے فکر کی ترجمانی کی گئی ہے۔

ردشرک اور بدعت

حضرت الاستاذ کے فتاویٰ میں مشرکانہ افعال کی تردید ونفی پر خاص طور سے زور دیا گیا، جیسے: نمسکار اور نمستے کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

'' نمستے اور نمسکار غیر اسلامی اور مشرکانہ عقیدہ پر مبنی

تعبیرات ہیں، اس لئے مسلمانوں کے لئے ایسے الفاظ کا کہنا قطعاً درست نہیں، ہاتھ جوڑنا بھی غیر اسلامی طریقہ ہے، زبان سے آداب وغیرہ کہہ دینا درست ہے، بوقتِ ضرورت سلام بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن سلام میں کفر وشرک سے سلامتی کا معنی ذہن میں رکھا جائے، تو بہتر ہے:

"ویسلم المسلم علی أهل الذمة لو له حاجة إلیه"

(الدر المختار علی هامش الرد : ۵۹۰/۹)

سرسوتی جی کی پوجا، گنیش تہوار میں چندہ، ناریل پھوڑنا، اور اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں، جن کا تعلق ایمانیات سے ہے، آپ نے سخت لب ولہجہ اختیار کیا ہے۔

نئی تحقیق پر رائے کی تبدیلی

بہت سے مسائل صورت مسئلہ کی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، علماء سلف کا طریقہ بھی رہا ہے کہ جب نئی تحقیق سامنے آتی، تو اسے قبول کر لیتے، حضرت الاستاذ بھی اپنے بزرگوں کی اسی روشنی پر قائم ہے، چنانچہ سینٹ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"سینٹ کے بارے میں متعدد ماہرین کیمیا سے معلوم ہوا کہ اس میں الکحل تو ہوتا ہے، لیکن الکحل کی بہت سی قسمیں ہیں، سینٹ میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، وہ نشہ آور نہیں ہوتا اور وہ اس سے مختلف ہوتا ہے جو شراب اور ادویہ میں استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے یہ ناپاک یا حرام نہیں ہے، اس کا استعمال درست ہے، اور اس کی وجہ سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، —— اس حقیر کی یہ رائے موجودہ تحقیق کی بنیاد پر ہے، پہلے وہ اس

کے ناپاک ہونے کا فتوی دیا کرتا تھا، اور لوگوں کو اس کے استعمال سے روکتا تھا"۔

نئے مسائل کا حل

شریعت اسلامی قیامت تک کے لیے ہے، اس لیے جو بھی نئے مسائل پیدا ہوں، شریعت میں ان کے حل کے لیے اصول موجود ہیں، ان اصولوں کو واقعات پر منطبق کرنا ہر عہد کے علماء کی ذمہ داری ہے، حضرت الاستاذ کا خاص موضوع یہی ہے اور اس سلسلہ میں آپ کی کتاب "جدید فقہی مسائل" (۵/ حصے) معروف ہے، فتاوی کے ذیل میں بھی بہت سے نئے مسائل آگئے ہیں اور آپ نے ان پر خصوصی توجہ فرمائی ہے، مثلاً:

"اپنے جائز حقوق کے لیے جدوجہد اور احتجاج جائز ہے، مگر بھوکے رہ کر ناراضگی کا اظہار کیا جانا مروج اور آئینی طریقہ ہو، تو اتنی دیر بھوکا رہنا جائز ہے، جس سے صحت متاثر نہ ہو، اور عبادات نیز اس سے متعلق حقوق وفرائض کی ادائیگی میں خلل نہ پڑتا ہو، اتنی دیر بھوکا رہنا جائز نہیں کہ جس سے ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو جائے، کیوں کہ جسم بھی اللہ کی ایک امانت ہے، اسی لیے اتنا کھانا فرض ہے کہ آدمی ہلاک ہونے سے بچ جائے، اگر بھوکا رہنے کی وجہ سے جان چلی جائے تو وہ گنہگار ہوگا" فإن ترك الأكل و الشرب حتى هلك ، فقد عصىٰ "(رد المحتار :۹/۴۸۸،کتاب الحظر و الإباحة)اور اتنا کھانا باعث اجر وثواب ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قدرت رہے، اور آسانی سے روزہ رکھ

سکے، ''لیتمکن من الصلاۃ قائما و یسهل علیه الصوم ''(الفتاوی الهندیة:۵/۳۳۶)''۔

اسی طرح ایک سوال میں پوچھا گیا کہ بیمار اور معذور افراد جن کی زندگی کی توقع نہیں، جو ایک طرف خود اذیت میں گرفتار ہیں اور دوسری طرف اہل خاندان پر بوجھ ہیں، انہیں اذیت سے نجات دینے یا خاندان کو ان کی ذمہ داری سے عہدہ برآ کرنے کے لیے ایسی صورت اختیار کرنا کہ وہ جلد مر سکیں، مثلاً کینسر، طویل سکتہ، فالج وغیرہ، کیا انہیں مہلک دوا دی جا سکتی ہے، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اس سوال کا دوسرا جز یہ ہے کہ اس کا علاج ہی نہ کیا جائے تا آنکہ از خود موت آجائے، —— میرا خیال ہے کہ یہ صورت بھی درست نہ ہوگی، آدمی کسی مجبوری کی وجہ سے علاج کرانے پر قادر نہ ہو تو اس کی نوعیت اور ہے اور قدرت کے باوجود اپنی لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے علاج نہ کرائے تو یہ بھی نادرست ہے، کہ جسم اللہ کی امانت ہے اور اس کی حفاظت انسان کا فریضہ ہے، اور اگر علاج نہ کرانے یا نہ کرنے کی نیت ہی یہ ہو کہ موت آجائے اور مریض ہلاک ہوجائے تو ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہوگا، اس لیے کہ گو کہ اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی ہے جس پر ''قتل نفس'' کا اطلاق ہو، لیکن اس کی نیت یہی ہے کہ ایک زندہ وجود ہلاک ہوجائے اور یہ بجائے خود ناجائز ہے، معالج تو کجا ایک عام انسان کا فریضہ بھی یہ ہے کہ دوسروں کو حتی الوسع موت اور ہلاکت سے بچانے کی کوشش کرے، چنانچہ اگر کوئی شخص نماز

میں مصروف ہو اور کوئی نابینا کنویں میں گر جانے کے درپے
ہو، تو نماز توڑ دینی واجب ہے"۔

اس مجموعہ فتاوی میں نئے مسائل کی اچھی خاصی مقدار آ گئی ہے، بطور نمونہ صرف وضو سے متعلق نئے مسائل کے یہ عناوین ملاحظہ ہوں:

مسواک کی جگہ توتھ پیسٹ اور برش
تمباکو کھانے کے بعد وضو
واش بیسن میں وضو
میڈیکل ٹیسٹ کی ایک خاص صورت میں وضو
منسلک باتھ روم میں دعاء
موسیقی سننے اور دیکھنے پر وضو
بال کے جوڑے پر مسح
کیا ٹی وی دیکھنا ناقض وضو ہے؟
انجکشن کے ذریعہ خون نکلنے سے وضو
مصنوعی دانت لگا کر وضو و غسل
پلاسٹک کا ہاتھ اور وضو

قول دیانت پر فتوی

افتاء میں اصول یہ ہے کہ قول قضاء اور قول دیانت مختلف ہو تو قول دیانت کو اختیار کیا جائے، حضرت الاستاذ اس اصول پر پابندی سے عمل کرتے ہیں، اور اس کی بہت سی مثالیں آپ کے فتاوی میں موجود ہیں، چنانچہ "ایک صاحب نے اپنے خسر اور گاؤں کے چند لوگوں کو خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے رہے ہیں، لیکن بیوی کو راست طلاق نامہ حاصل

نہیں ہوا، بعد میں میاں بیوی نے فون کے ذریعہ بات چیت کی تو دونوں ہی ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہیں" سے متعلق فرماتے ہیں:

"طلاق دے رہے ہیں" کی تعبیر دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک یہ کہ میں ابھی طلاق دے رہا ہوں، جیسے کہا جاتا ہے: "میں کھانا کھا رہا ہوں" یعنی حال کا معنی مراد ہو، ایسی صورت میں یہ کہتے ہی طلاق واقع ہوگئی، دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ میرا ارادہ اس کو طلاق دیدینے کا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ "میں آرہا ہوں" یعنی میں مستقبل قریب میں آنے والا ہوں، اگر یہ مراد ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ "میں نے مستقبل قریب میں طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے"، طلاق محض ارادہ سے واقع نہیں ہوتی بلکہ عملاً طلاق دینے سے واقع ہوتی ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں "انشاء طلاق" کہتے ہیں، تو اگر ان صاحب کی یہ مراد ہو اور انہوں نے طلاق نامہ بیوی کو لکھ کر نہ بھیجا ہو، تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اور پہلی صورت ہو، تو طلاق واقع ہوجائے گی ــــ لہذا موصوف کو آپ مشورہ دیں کہ وہ کسی مفتی سے رجوع کرکے صحیح طریقہ پر بتائیں کہ انہوں نے کیا جملہ کہا تھا؟ اور ان کی اس وقت کیا مراد تھی؟ جب ہی اس سلسلہ میں کوئی متعین رائے دی جاسکتی ہے"۔

کسی کے مجبور کرنے پر قاضی کے سامنے طلاق نامہ پر صرف دستخط کردینے سے متعلق سوال کیا گیا، اس کے ساتھ وہ نامہ بھی ارسال ہوا، اس پر آپ فرماتے ہیں:

''اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستفتی نے قاضی کے سامنے طلاق نہیں دی ہے، صرف طلاق کا اقرار کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی —— اکراہ جس میں جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو —— کی صورت میں، طلاق کا اقرار یا صرف طلاق نامہ پر دستخط کرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اور اگر زبانی طلاق ولوائی گئی، تو حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہوجاتی ہے، پس، جبر واکراہ کی کیفیت کے سلسلہ میں جو تفصیل لکھی گئی ہے، مستفتی کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ان پر غور کرے اگر واقعی وہ ان تفصیلات کے مطابق طلاق کا اقرار کرنے پر مجبور تھا تو اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی''۔

جائز متبادل کی نشاندہی

بہت سے احکام ایسے ہیں کہ اس میں حرام وناجائز کہہ دینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ یہ بات بھی ضروری ہے کہ اس کے جائز متبادل کی نشاندہی کی جائے، تاکہ عمل کرنے والوں کو آسانی ہو، آپ کے فتاوی میں خاص طور پر اس کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، مثلاً ایک شخص نے سوال کیا کہ مقروض سے قرض کی واپسی کی امید ختم ہوچکی ہے، کیا قرض میں زکوۃ کی نیت کی جاسکتی ہے؟ آپ اس کے جواب میں رقمطراز ہیں:

''زکوۃ ایک عبادت ہے اور عبادتوں کے سلسلہ میں یہ اصول ہے کہ اس کے لئے نیت ضروری ہے، اور نیت بھی اس فعل کی ابتداء میں، لیکن صورت حال یہ ہے کہ جس وقت آپ نے

وہ رقم دی تھی، اس وقت قرض کی نیت تھی نہ کہ زکوۃ کی، اس لئے اب اس میں زکوۃ کی نیت نہیں کی جاسکتی، ہاں یہ بات درست ہے کہ آپ اسے زکوۃ دیدیں، اور پھر اس سے قرض وصول کرلیں''۔

اسی طرح ایک کمپنی کے کاروبار کے سلسلہ میں سوال کیا گیا ''ایک صاحب کے پاس کچھ رقم ہے، انہوں نے اس رقم کو کمپنی میں لگادیا اور کمپنی کے مالک کو اجازت دی کہ وہ اس رقم کو اپنے کاروبار میں شامل کر کے جو منافع آئے ہمیں دے دے، کمپنی کے مالک نے اس رقم کو لے کر مارکٹ میں نقد خریدی کی اور جو سامان خریدا اس پر فی فرد پانچ روپیہ لگا کر اس شخص کو نفع دے دیا، کیا یہ طریقہ درست ہے؟'' اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''ایک شخص محنت کرے اور دوسرا شخص سرمایہ لگائے، اس کو ''مضاربت'' کہتے ہیں، یہ اسی صورت میں جائز ہے، جبکہ نفع ونقصان میں دونوں شریک ہوں اور اس کا تناسب متعین کرلیا جائے، مثلا دونوں فریق پچاس فیصد نفع کے حقدار ہوں گے اور اسی نسبت سے نقصان بھی برداشت کریں گے، اس لئے جو صورت آپ نے بتائی ہے، یہ اپنی موجودہ شکل میں جائز نہیں، البتہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ جائز ہوسکتی ہے، اور وہ اس طرح کہ سرمایہ لگانے والے شخص سے اجازت لے لے کہ میں اس سے تمہارے لئے فلاں مخصوص سامان جو مجھے کاروبار میں مطلوب ہیں، خرید لیتا ہوں، پھر جب اس سامان کو خریدے تو خریدنے کے وقت اسے ساتھ لے جائے یا خریدنے کے بعد اسے لاکر دکھادے، تاکہ اس شخص

کا قبضہ ثابت ہو جائے، پھر فی عدد پانچ روپے کے اضافہ
کے ساتھ وہ اس شخص سے خرید کرلے، یہ صورت جائز ہوگی،
اور اس کو فقہ میں ''مرابحہ'' کہتے ہیں''۔

اسی طرح معلمہ حالت حایض میں کس طرح بچوں کو قرآن پڑھائی جائے؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''آپ اس طرح بچوں کو حالتِ حیض میں پڑھا سکتی ہیں کہ
پوری آیت ایک ساتھ نہ پڑھیں، بلکہ ایک ایک لفظ توڑ توڑ
کر پڑھا کریں، اگر ضرورت ہو تو نصف آیت بھی پڑھنے کی
گنجائش ہے:

"وإذا حاضت المعلمة ينبغي لها أن تعلم الصبيان
كلمة كلمة و تقطع بين الكلمتين على قول
الكرخي" وعلى قول الطحاوي نصف آية" (البحر
الرائق :۱/۲۰۰، باب الحيض، كتاب الطهارة)

یہ بات مناسب ہے کہ آپ لکڑی یا قلم کے سہارے الفاظِ
قرآنی کی نشاندہی کریں اور خود ہاتھ نہ لگائیں، اگر آپ
کے ارادہ کے بغیر بچوں نے آپ کے جسم سے قرآن لگا دیا،
تو اس میں آپ پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ اس پر کوئی کفارہ
واجب ہے، جہاں تک کپڑے میں لگانے کی بات ہے تو اس
میں تو یوں بھی کچھ حرج نہیں، آپ خود بھی بوقت ضرورت
اپنے کپڑوں سے قرآن مجید کے اوراق کو چھو سکتی ہیں''۔

اتحاد امت کا لحاظ

ایک جگہ عیدگاہ کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوگیا اور باہمی گروہ بندی کی وجہ سے ایک گروپ نے الگ عیدگاہ سرکاری زمین پر بغیر اجازت کے بنانی شروع کردی، اور لوگوں سے اس کے لیے چندہ وصول کرنا شروع کردیا، اس سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عیدگاہ کا مقصد وسیع تر سطح پر مسلمانوں کی اجتماعیت کو بہ روئے کار لانا ہے، اس لئے اگر دونوں عیدگاہیں قریب قریب ہوں اور اس پوری آبادی کے لئے کفایت کرتی ہوں، تو بہتر ہے کہ نئی عیدگاہ تعمیر نہ کی جائے کہ اس سے خواہ مخواہ مسلمانوں کی اجتماعیت متاثر ہوگی، عیدگاہ کے موجودہ ذمہ داروں کو چاہئے کہ اس نئی آبادی کے مسلمانوں کو بھی اپنے اعتماد میں لیں اور اگر ان کی کوئی شکایت ہو تو ان کو رفع کرنے کی کوشش کریں، مسلمانوں کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے وقار کی قربانی بہت ہی اجر و ثواب اور عند اللہ عزت کا باعث ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو جھکاتا ہے، اللہ تعالی اسے بلند فرماتے ہیں: "من تواضع لله رفعه الله" دوسروں کی زمین پر خواہ افراد کی ہو یا سرکار کی عیدگاہ یا مسجد بنانا قطعاً جائز نہیں، اس لئے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے، تاہم عید کی نماز صحراء میں بھی پڑھی جاسکتی ہے، اس لئے اگر اس میں پڑھ لی جائے تو کراہت کے ساتھ نماز ادا ہو جائے گی''۔

تراویح نماز کی بیس رکعات اور آٹھ رکعات سے متعلق سوال کیا گیا، تو تراویح کی بیس رکعت مسنون ہونے وضاحت مع دلیل پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ''تاہم ان مسائل میں باہم جدال ونزاع مناسب نہیں، اگر کچھ لوگ آٹھ رکعت پڑھنا چاہتے ہوں اور کچھ لوگ بیس رکعت تو آٹھ رکعت پڑھنے والے آٹھ رکعت پر اکتفاء کرلیں، اور باقی حضرات بیس رکعت پوری کرلیں، اس طرح دونوں گروہوں کا اپنے نقطۂ نظر پر عمل ہوجائے گا، یوں تو امت کا اتحاد ہر حال میں ضروری ہے، لیکن موجودہ حالات میں اگر مسلمانوں نے ایک دوسرے کی رائے کا احترام اور اختلاف رائے کے باوجود اتحاد کا سبق نہیں سیکھا، تو سخت نقصان اٹھائیں گے، اللہ تعالی ہمیں وقت کے تیور کو پہچاننے اور اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے''۔

اسی طرح اہل حدیث کے پیچھے حنفی اور حنفی کے پیچھے اہل حدیث کے نماز ادا کرنے سے متعلق سوال کیا گیا، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

> ''نماز کے جن احکام میں احناف اور غیر مقلدین حضرات کا اختلاف ہے، ان میں عہد صحابہ ﷺ سے اختلاف رائے رہا ہے اور ائمۂ مجتہدین میں بھی ان مسائل کی بابت ایک سے زیادہ آراء رہی ہیں، اس لئے ان مسائل کو وجہ نزاع نہیں بنانا چاہیے، بہت سے مسائل میں رسول اللہ ﷺ کے ایک سے زیادہ عمل منقول ہیں، اسی لیے صحابہ ﷺ نے بھی

اپنے اجتہاد اور ذوق کے مطابق الگ الگ احادیث کو ترجیح دیا ہے، سلف صالحین نے کبھی ان مسائل کو ایک دوسرے کی مخالفت کا باعث نہیں بنایا اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے، اس لیے غیر مقلد حضرات احناف کے پیچھے اور احناف غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں''۔

مخالفین کے بارے میں شائستہ لب ولہجہ

حضرت الاستاذ کا مزاج دینی تحریروں اور فتاوی میں تنابز بالالقاب اور طعن وطنز سے گریز کا ہے، اور جو فرقے امت کے دائرہ میں آتے ہیں، ان کے بارے میں نرم لب ولہجہ اختیار کرنے کا ہے، البتہ قادیانیت کے بارے میں آپ کا لب ولہجہ سخت ہوتا ہے،۔ پھر بھی یہ بات ملحوظ ہوتی ہے کہ خود قادیانی حضرات اسے پڑھ سکیں، تا کہ ان کی اصلاح ہو سکے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''قادیانی حضرات مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید نے بالکل صریح الفاظ میں جناب محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمادیا ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں''۔

حدیثیں اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہیں، چنانچہ امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کا دعویٰ نبوت کرنا جھوٹ ہے، امام طحاوی العقیدۃ الطحاویۃ میں

لکھتے ہیں:

"من ادعی بعده النبوة فهو کاذب" (شرح العقیدة الطحاوی: ص:۱۶۶)

"ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی بالاجماع کفر ہے"

خود مرزا غلام احمد صاحب نے جب تک نبوت کا دعوی نہیں کیا تھا، اس حقیقت کا اعتراف واعلان کرتے تھے کہ سلسلۂ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرنا کفر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"مجھے کب جائز ہے کہ نبوت کا دعوی کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جاملوں"۔

پس گویا اس بات پر مرزا صاحب کا بھی اتفاق ہے کہ محمد ﷺ کے بعد دعوئ نبوت کفر ہے، لیکن افسوس بعد کو چل کر خود مرزا صاحب نبوت کا دعوی کر بیٹھے، جس کو وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں، بجاطور پر باعث کفر سمجھتے تھے، اسی لئے مسلمان ان کے دعوئ نبوت، اس دعوت پر ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر قرار دیتے ہیں، اور تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے، خود مرزا صاحب بھی اپنے اوپر ایمان نہ لانے والوں یعنی تمام مسلمانوں کو ایسا کافر قرار دیا ہے جس کے دل پر مہر لگ چکی ہے، کہتے ہیں:

"مگر بدکار رنڈیوں کی اولاد، جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی ہے، وہ مجھے قبول نہیں کرتے"۔

مرزا صاحب پر ایمان رکھنے والے بھی تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، چنانچہ میاں بشیر الدین محمود احمد خلیفۂ دوم قادیانی کہتے ہیں:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوتے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا کافر ہیں، اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں''

اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کا دائرۂ اسلام سے خارج ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، مسلمانوں کو اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ رہنا چاہئے، اور قادیانی حضرات جو بہر حال انسانی نقطۂ نظر سے ان کے بھائی ہیں، کو راہ حق اور ایمان کی طرف دعوت دینا چاہئے، ممکن ہے کہ اللہ تعالی مسیلمہ کذاب کے متبعین کی طرح ان کو بھی ہدایت سے سرفراز فرمادے۔ وما ذلك على الله بعزيز وبه التوفيق۔

فتاوی میں تذکیر وترہیب

حضرت الاستاذ ایک فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ داعیانہ مزاج و مذاق کے بھی حامل ہیں، بلکہ یہی رنگ ان پر غالب ہے، چنانچہ آپ کے فتاوی میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے، اسی لیے جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے، آپ حکم شرعی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تذکیر وترہیب سے بھی کام لیتے ہیں، اور تحسین وحوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں، ایک طالبہ جو والدین کی خوشنودی کے لیے مجبوری میں عصری تعلیم حاصل کرنے کے لیے مخلوط درسگاہوں میں زیر تعلیم ہے، ان کا کہنا ہے کہ ماں باپ اپنی لڑکیوں کو اچھے گھرانے میں شادی ہوجانے کے لیے ایسی جگہوں میں

تعلیم حاصل کرنے پر اصرار کرتے ہیں، حالاں کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اس کے جواب میں رقمطراز ہیں:

''اپنی ضرورت کی مقدار دینی علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے، اور عام انسانی ضروریات کا علم فرض کفایہ کے درجہ میں ہے، یعنی سوسائٹی میں کچھ لوگ اس سے ضرور واقف ہوں، جو ضرورت کے وقت لوگوں کی مدد کر سکیں، مگر مخلوط درسگاہوں میں اور خاندانی نام اونچا کرنے اور شادی میں رشتوں کی سہولت کی نیت سے علم حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور ناجائز ہونے والی چیزیں جس طرح چار سال ناجائز ہوں گی، اسی طرح آٹھ، دس ماہ کے لئے بھی ناجائز ہی رہیں گی، اس قسم کی تعلیم کے لئے غیر مخلوط درسگاہ ہو تو چونکہ یہ بھی ملت کی ایک ضرورت ہے، اس لئے ان شرطوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے کہ مسلم خواتین کی نشست لڑکوں سے الگ ہو، وہ پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو۔ یہ تو آپ کے متعلقہ سوال کا جواب ہے۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں مسرت ہے کہ اس فضا اور ماحول میں رہنے کے باوجود اللہ نے آپ کو دین پر اتنی استقامت عطا کی ہے، آپ ایک مثالی طالبہ کی حیثیت سے صرف اسی پر اکتفاء نہ کریں کہ اپنی ذاتی زندگی میں ان احکام سے روشنی حاصل کریں، بلکہ دیگر مسلمان بہنوں کی مدد سے

اس بات کی کوشش کریں کہ ادارہ آپ حضرات کے لئے
ایسی سہولتیں فراہم کرے کہ آپ شرعی حدود میں رہ کر اس قسم
کی تعلیم جاری رکھ سکیں، ممکن ہے آپ کا یہ اقدام آپ کی
بہت سی بہنوں کے لئے ایک روشنی ثابت ہو"۔

اسی طرح بینک سے زیورات پرکھنے اور اصلی نقلی کی پہچان کرنے پر کمیشن کے سلسلہ میں جواب تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"کسوٹی پر پرکھنے اور اصلی و نقلی پہچان کرنے کی اجرت لینا
تو جائز ہے، لیکن بینک کی پوری آمدنی بنیادی طور پر سودی
آمدنی ہوتی ہے، اس لیے بینک سے اس طرح کی اجرت لینا
جائز نہیں، آپ کے موجودہ کاروبار ہی میں اللہ برکت دے گا،
اسی پر اکتفا کرلیں"۔

اسی طرح ایک سوال کا جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں:

"لیکن آپ حضرات سے خواہش ہے کہ اپنا وقت ایسی
چیزوں کی تحقیق میں لگایئے جن سے آپ کی عملی زندگی کا کوئی
دینی نفع متعلق ہو، محض ایسے مسائل میں اپنے آپ کو الجھانا
جس سے ایمان و عمل کا کوئی فائدہ متعلق نہ ہو، انسان کو
بتدریج غلط سمت میں لے جاتا ہے"۔

اسی طرح ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"طلاق ماضی، یا حال کے صیغہ سے واقع ہوتی ہے، جیسے
کہے میں نے تجھے طلاق دی، یا طلاق دے رہا ہوں، اگر کہے
کہ طلاق دے دوں گا، تو آئندہ طلاق دینے کا وعدہ ہے، نہ

کہ فی الحال طلاق دینا، اس لیے اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، لیکن آپ اپنے دوست کو سمجھائیں، کہ اس طرح بار بار طلاق کی دھمکی دینا گناہ کی بات ہے، کیونکہ کسی شرعی مجبوری کے بغیر طلاق دینا معصیت ہے اور بار بار یہ کہنا کہ میں فلاں گناہ کرگزروں گا، بجائے خود گناہ ہے، پھر اس میں بیوی کی ایذاء رسانی بھی ہے اور یہ بھی گناہ ہے، اگر کوئی اختلاف پیدا ہوجائے تو یا تو بیوی کو سمجھایا جائے، یا زوجین کسی عالم کے پاس معاملہ رکھ کر اسے حل کرائیں، بار بار طلاق کی دھمکی دینے سے اندیشہ ہے کہ کبھی طلاق دینے کی نوبت آجائے، تو پھر بعد میں پچھتاوہ ہوگا اور اس پر کچھ فائدہ نہ ہوگا''۔

اسی طرح ایک جواب میں فرماتے ہیں:

''یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، آپ کا یہ عزم کہ اگر ان اعضاء کی خرید وفروخت حرام ہوگی تو ہم ہمیشہ کے لئے اس سے رک جائیں گے، نہایت ہی قابل تحسین بات ہے، ایک مسلمان تاجر کا یہی عزم ہونا چاہئے کہ ظاہری نفع ونقصان کا خیال کئے بغیر جو چیز حرام اور ناجائز ہو، اس سے اپنے آپ کو بچائے''۔

برائی کے مقابلہ کی ترغیب

بعض برائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک یا دو آدمی انہیں دور نہیں کرسکتے، بلکہ تمام مسلمان مل

کر ہی ان کو مٹا سکتے ہیں، مولانا اپنے جواب کے واسطہ سے ایسے مسائل میں تمام مسلمانوں کو متوجہ فرماتے ہیں اور فتویٰ سے دعوت کا کام لیتے ہیں، چنانچہ جہیز کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

''ایک تو جہیز کا مطالبہ اور شادی کے موقعہ سے لین دین کی رسم خود گناہ ہے، اس کو ہمت وحوصلہ کے ساتھ ختم کرنے کی ضرورت ہے، اگر تمام لڑکی والے یہ طے کرلیں کہ وہ شادی میں ایسے مطالبات کو قبول نہیں کریں گے، تو لڑکے اور لڑکے والے خود جھکنے پر مجبور ہوں گے، اور یہ غیر اسلامی اور غیر انسانی رسم ختم ہو سکے گی، یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسی رسم کو بڑھاوا دینے میں لڑکی والے بھی قصوروار ہیں، اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایسا سماجی ماحول بنایا جائے کہ لوگ لین دین کی شرط لگانے والوں کو لڑکی دینے ہی سے انکار کردیں، فکسڈ ڈپازٹ کرنا سود حاصل کرنا ہے، لہذا یہ لڑکے کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے ایک گناہ کے لئے دوسرے گناہ کا ارتکاب کرنے کے مترادف ہے، اس لئے اس مقصد کے پیش نظر فکسڈ ڈپازٹ کرنا جائز نہیں''۔

مستفتی کے مصالح کی رعایت

اسی طرح آپ مستفتی کے شخصی مصالح کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں اور مزاج شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اسے ایسی بات کی تلقین کرتے ہیں جو اس کے مفاد میں ہو، ایک سوال تھا کہ شوہر نے بیٹے کی نازیبا حرکتوں سے عاجز ہوکر عاق کردیا، تو اس میں ماں کا کیا رول ہونا چاہئے آپ

نے تینوں کے مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا:

''شرعاً عاق کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور وہ اپنے باپ کے مال میں وفات کے بعد عام اصول کے مطابق وارث ہوتا ہے، اگر باپ لڑکے کی واقعی زیادتی پر اس سے بے تعلقی برتے تو ماں کو حکمت و مصلحت سے کام لینا چاہئے، اور باپ اور بیٹے کے درمیان جو فاصلہ پیدا ہو گیا ہے اسے پُر کرنا چاہئے، اگر توقع ہو کہ اس کی بے رخی سے لڑکے کو تنبیہ ہوگا اور وہ اپنے ناشائستہ طرز عمل سے باز آ جائے گا تو اس سے بے رخی برتنی چاہئے اور اگر امید ہو کہ اپنا رویہ نرم رکھنے کی صورت میں وہ لڑکے کی اصلاح کر سکے گی تو اسے شوہر کو ناراض کیے بغیر بیٹے کے ساتھ ایسے روابط رکھنے چاہئیں، تا کہ بہ دیر سہی اس کی اصلاح ہو جائے''۔

اسی طرح وراثت کے ایک سوال کے بارے میں کہتے ہیں:

''بیوی کو اس طرح دو تہائی املاک کا مالک بنا دینا بھی جائز ہے، اگر نیت اس کی آئندہ زندگی میں تعاون ہے (یعنی اس کی نیت یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری بیوی مالی پریشانی میں مبتلا نہ ہو)، ورثہ کو محروم کرنا مقصود نہیں ہے، تو وہ انشاء اللہ گنہگار بھی نہیں ہوگا، البتہ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے اقرباء سے حسن سلوک کا خیال رکھنا چاہئے اور جائداد کا کچھ حصہ ان کے لیے بھی چھوڑنا چاہئے''۔

سعودی عرب میں رہنے والے ایک ہندوستانی مسلمان نے نماز جنازہ میں سلام سے

متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں حضرت الاستاذ رقم طراز ہیں:

''نمازِ جنازہ بھی ایک نماز ہے، چنانچہ حدیث میں ہمیشہ اس کے لئے ''صلاۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور اس نماز کے لئے بھی طہارت وغیرہ کی وہی شرطیں ہیں، جو دوسری نمازوں کے لئے ہیں، اس کی بھی ابتداء تکبیر تحریمہ سے ہوتی ہے، اور انتہاء سلام پر، اس لئے جیسے دوسری نمازوں میں دو دفعہ سلام کیا جاتا ہے، اس نماز میں دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام ہونا چاہئے، نمازِ جنازہ کے سلسلے میں جو صحیح روایتیں ہیں ان میں، مطلق سلام کا ذکر ہے، ایک یا دو کی صراحت نہیں، اس لئے امام ابوحنیفہؒ دوسری نمازوں کو سامنے رکھتے ہوئے نماز جنازہ میں بھی دو سلام کے قائل ہیں، دوسرے فقہاءؒ ایک ہی سلام کے قائل ہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبلؒ کی ہے، سعودی عرب میں چونکہ زیادہ تر لوگ حنبلی المسلک ہیں، اس لئے وہ ایک سلام پر اکتفاء کرتے ہیں، ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ ﷛ کی روایت ہے، اس روایت میں ایک ہی سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔ اگر روایت معتبر ہوتی تو واقعی حجت تھی، مگر محدثین نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن صبہان بن ابو العنبس ہیں، حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں۔ جہاں تک عمل کرنے کی بات ہے، تو چونکہ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے، اس لئے جب آپ سعودی عرب میں رہیں، تو جس امام

کے پیچھے نماز پڑھیں اس کی اتباع کرلیں، اس کی گنجائش ہے، البتہ آپ ایک کے بجائے دوسرا سلام بھی پھیرلیں، اور جب خود امامت کریں یا حنفی امام کے پیچھے پڑھیں تو دوسلام پھیریں کہ دلیل کے اعتبار سے یہ رائے زیادہ قوی ہے"۔

فتاوی میں بھی معاملہ فہمی

حضرت الاستاذ آندھرا پردیش کے قاضی شریعت بھی ہیں اور طویل عرصہ سے فصل خصومات کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، اس لیے آپ کے فتاوی میں بھی معاملہ فہمی کی کیفیت اور قوت فیصلہ نمایاں نظر آتی ہے، چنانچہ عورتوں کے لیے بیوٹی پارلر چلانے کے بارے میں ناپسندگی کا اظہار کرتے ہوئے اخیر میں فرماتے ہیں:

"ان امور کی رعایت کے ساتھ اگر پردہ کا پورا اہتمام ہو ،صرف خواتین ہی تزئین کا کام کرتی ہوں، تو ایک حد تک اس کی گنجائش ہے، لیکن بہتر یہ بھی نہیں ؛ کیوں کہ اس سے اسراف اور تزئین وآرائش میں غلو کا مزاج پیدا ہوتا ہے، جو بہرحال اسلام کے اصل مزاج اور روح کے خلاف ہے، اس لیے میری مسلمان بہنوں سے خواہش ہے کہ وہ بیوٹی پارلر قائم کرنے ، اس میں کام کرنے اور اس کی خدمات سے استفادہ کرنے سے اجتناب کریں کہ آپ کا اصل زیور حیاء ہے اور اس سے بڑھ کر آپ کے لیے زیبائش وآرائش اور جذب وکشش کا کوئی اور سامان نہیں"۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کو — جو علالت کی وجہ سے جنسی تعلق کے لائق نہیں تھی — طلاق

دینے یا خلع کرانے یا تو خود دوسری شادی کر لینے کے بارے میں سوال کیا ہے، آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''رشتۂ نکاح اسی لئے ہے کہ آرام کی طرح تکلیف اور سکھ کی طرح دکھ میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہیں، اسی لئے بیوی کے بیمار ہونے کی وجہ سے اسے طلاق دے دینا گناہ، غیر اسلامی اور غیر انسانی فعل ہے، اور اس سے زیادہ لائق شرم بات یہ ہے کہ عورت یا اس کے اہل خانہ سے کہا جائے کہ وہ خلع حاصل کر لے، البتہ شوہر کو اپنی ضرورت کے لئے اس بیمار بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے، اور اس کے لئے پہلی بیوی سے اجازت یا اس پر اس کا اظہار ضروری نہیں''۔

اسی طرح شہر سے دور ویران مساجد کو عیدگاہ بنا کر محفوظ کر دینے کے مشورہ پر آپ فرماتے ہیں:

''یہ واقعی بہت اہم اور تشویشناک مسئلہ ہے، جو مسجدیں ایسے علاقہ میں واقع ہوں، وہاں سے نسبتاً قریب جو مسلمان رہتے ہوں، انہیں چاہئے کہ اگر وہاں پنج وقتہ نماز نہیں ادا کر سکتے تو کم سے کم دو تین نمازیں ہی اہتمام سے ادا کیا کریں، تاکہ ان مساجد کا تحفظ ہو سکے، یہ تجویز بھی بہت مناسب ہے کہ ایسی مسجدوں میں عید کی نماز ادا کی جائے بلکہ اگر عید اور جمعہ دونوں کا اہتمام ہو جائے تو چنداں دشوار نہ ہوگا، حضرات علمائے کرام اور قائدین ذی احترام سے درخواست کی جاتی

ہے کہ وہ اس مفید و اہم تجویز پر خصوصی توجہ فرمائیں''۔

سوال کا دقت نظر سے مطالعہ

حضرت الاستاذ کا مزاج یہ ہے کہ کسی بھی سوال پر بہت ہی دقت نظر کے ساتھ غور کرتے ہیں، اور سوال پوری طرح سمجھ کر جواب تحریر فرماتے ہیں، مثال کے طور پر ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ کیا جائے:

سوال: -''بیرون ملک سے اس کے جواب میں لڑکی کے شوہر نے ایک ٹیلی گرام دیا، وہ یہ ہے کہ:

"Ree ewed Register forget erery this promire erery this will loc O.K send. aughter immediately of Buaree."

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''رجسٹری ملا، سب کچھ بھول جاؤ، سب کچھ وعدہ کرتا ہوں، بیٹی کو جلدی بھیجو، دیکھو، ورنہ طلاق'' یہ ٹیلی گرام آکر زائد از دو سال کا عرصہ ہوا، اب یہ طلاق لڑکی پر عائد ہوئی یا نہیں؟''

جواب:- ''ڈائیورس'' **(Ree ewed)** کا لفظ انگریزی زبان میں طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے اصول کے مطابق طلاق رجعی مشروط ہوئی، جیسا کہ فقہاء نے ''رہا کردم'' کے الفاظ سے طلاق رجعی واقع کی ہے۔ — اب چوں کہ اس ٹیلی گرام کے آنے کے بعد

لڑکی کو اس کے سسرال نہ بھیجا گیا، بلکہ دو سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اس لئے یہ طلاق واقع ہوگئی، چوں کہ یہ طلاق رجعی ہے، اس لئے عدت کی تکمیل تک لوٹا لینے اور رجعت کرنے کی گنجائش تھی، عدت تین حیض ہوتی ہے، اگر اس عدت میں شوہر نے نہ لوٹایا ہو، تو طلاق بائن ہوگئی، عورت اس کی بیوی نہیں رہی اور اب رجعت کی گنجائش باقی نہیں رہی"۔

احکام شرعیہ کی حکمت و مصلحت

بعض لوگ حکم شرعی کے بجائے کبھی احکام کی حکمت و مصلحت دریافت کرتے ہیں، اسی طرح بعض حضرات کسی واقعہ کی تحقیق چاہتے ہیں، آپ ایسے سوالات کے بھی تشفی بخش جوابات دیتے ہیں، چنانچہ مری ہوئی مچھلی کے سلسلہ میں سوال کیا گیا کہ یہ بغیر ذبح کے کیوں کر حلال ہوجاتی ہیں؟ حضرت مولانا اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اول تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ مری ہوئی مچھلیاں دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک وہ جو کسی خارجی سبب کی بناء پر مری ہوں، جیسے: مچھلی کو پانی سے باہر نکال لیا گیا ہو، یا کوئی اور صورت اختیار کی گئی ہو کہ مچھلیاں مر جائیں، ان کا کھانا حلال ہے، دوسرے وہ مچھلی ہے جو طبعی طور پر خود بخود پانی میں مر جائیں، اس کی علامت یہ ہے کہ یہ الٹی ہوکر سطح پر تیرنے لگتی ہے، ایسی مچھلی فقہاء احناف کے نزدیک حلال نہیں، کیوں کہ حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"و ما ألقى البحر أو جزر عنه فكلوه و ما مات فيه وطفا فلا تأكلوه "(سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۸۱۵، باب في أكل الطافي من السمك)

"جس مچھلی کو سمندر پھینک دے یا اس حصہ سے ہٹ جائے جہاں مچھلیاں ہیں، تو اسے کھاؤ، اور جو طبعی موت مر کر تیرنے لگے اسے نہ کھاؤ"۔

رہ گئی یہ بات کہ مچھلی ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، کسی طرح ماری جائے، اس کا کھانا حلال ہے، تو یہ اس لیے کہ ذبح کا اصل مقصود حیوانات کی رگوں میں پائے جانے والے بہتے ہوئے خون کو جسم سے نکال دینا ہے، مردار جانور میں یہ خون گوشت میں پیوست ہو جاتا ہے، جو انسانی صحت کے لیے نہایت ہی نقصان دہ ہے، مچھلی میں اس طرح کا بہتا ہوا خون نہیں پایا جاتا، اور اس کا گوشت سفید ہوتا ہے، اس لیے ان کے کھانے میں مضرت نہیں، مچھلی کاٹنے کے وقت جو دو چار قطرۂ خون نکل آتا ہے، یہ رگوں کا خون نہیں، بلکہ گوشت کا خون ہے، یہ خون نہ ناپاک ہے اور نہ رگوں میں بہتے ہوئے خون کی طرح نقصان دہ ہے"۔

عبادات سے متعلق شریعت کے احکام ایسے ہیں جن میں حکمت و مصلحت جانے بغیر بے چون و چرا عمل کرنا چاہیے، اس لیے آپ کا مزاج یہی ہے کہ جو کوئی عبادات کی حکمت و مصلحت سے متعلق سوال کرتے ہیں، ان کو پہلے عمل کی ترغیب دیتے ہیں، اس کے بعد اصل مسئلہ کو سمجھاتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے نماز میں سری و جہری کی مصلحت پوچھی تو، اس کے جواب میں آپ

فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ شریعت میں جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اس کو بے چون و چرا اور مصلحت و حکمت جانے بغیر ہی ہر مسلمان کو قبول کرنا چاہئے، خاص کر جو احکام عبادات سے متعلق ہیں، ان میں عقل و قیاس کو کوئی دخل نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کا کوئی حکم حکمت سے خالی ہو، شریعت کا ہر حکم عقل و دانش پر مبنی ہے، لیکن جیسے ہماری نگاہ اور ہماری سماعت کا دائرہ محدود ہے، ہم قریب ہی کی آواز سن سکتے ہیں، اور فرلانگ اور دو فرلانگ کی دوری ہی کو دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح ہماری عقل بھی کوتاہ اور محدود ہے، اور وہ مصالح غیبی کو سمجھنے سے عاجز ہے، اس لئے شریعت کی کوئی بات خلاف عقل تو نہیں، لیکن بہت سی باتیں عقل سے ماوراء ضرور ہیں، پس ایسے مسائل میں بے فائدہ تجسس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

ویسے بہ ظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دن کا وقت شور و شغب کا ہوتا ہے، اور اس میں ذہنی یکسوئی بھی نہیں ہوتی، اس لئے ظہر و عصر کی نماز میں تلاوت آہستہ رکھی گئی، رات کا وقت سکوت و سناٹے اور ذہنی و قلبی یکسوئی اور فراغ کا ہوتا ہے، اس لئے اس وقت بلند آواز میں تلاوت کا حکم دیا گیا، اور فجر کا وقت جو سب سے زیادہ قلبی نشاط کا ہے، اس میں تلاوت بھی طویل رکھی گئی، جن نمازوں میں بڑا اجتماع ہوتا

ہے، یعنی عیدین، جمعہ وغیرہ، ان میں خصوصی طور پر دعوتی
نقطۂ نظر سے زور سے قراءت کا حکم دیا گیا، اور شاید اس لئے
بھی کہ بڑے مجمع کو پُر سکون رکھنے، اور لوگوں کے خاطر کو جمع
رکھنے کی غرض سے بلند آواز ہی مناسب تھی''۔

نصوص کو نقل کرنے کا اہتمام

حضرت الاستاذ کا مزاج یہ ہے کہ جو احکام نصوص پر مبنی ہوں، ان میں نص کو نقل کرنے کا اہتمام کیا جائے، آپ فرماتے ہیں کہ مفتی مقلد کا نصوص کو نقل کرنا براہ راست اجتہاد و استنباط نہیں ہے، بلکہ یہ نقل حکم اور نقل دلیل ہے، اس سے لوگ نصوص سے مربوط رہتے ہیں، جو اصل مقصود ہیں، آپ کے فتاوی میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے، مثلاً: مساجد میں غیر مسلم کی تولیت سے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت مولانا اس کے ناجائز ہونے پر قرآن مجید کے ذریعہ دلائل پیش کیے ہیں:

''جہاں تک مسجد پر غیر مسلم کی تولیت کا مسئلہ ہے تو قرآن
نے اس کے نادرست ہونے کی صراحت کردی ہے:
﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ
شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ (التوبة :۱۷)

اسی طرح عورت کی خوشبو کے سلسلہ میں سوال کیا گیا، اس کے جواب میں حضرت مولانا فرماتے ہیں:

''عورتیں اپنے شوہروں کے لیے خوشبو استعمال کرسکتی ہیں،
اگر شوہر کے علاوہ کوئی اور مجلس کے لیے خوشبو استعمال کرے
تو ایسا عطر ہونا چاہئے کہ جس کا رنگ نمایاں اور بو ہلکی ہو''۔

اور اس کو حضرت مولانا احادیث نبوی سے حوالہ دیتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو ایسا ہی عطر استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی ہے: "طيب النساء ما ظهر لونه و خفي ريحه" (الجامع للترمذی ، عن أبي هريرة ؓ، حدیث نمبر: ۲۷۸۷)

اگر انجکشن کے ذریعہ خون نکالا جائے، ت کیا وضو ٹوٹ جائے گا، اس سلسلہ میں آپ رقم طراز ہیں:

"خون اگر اتنی مقدار میں باہر آئے کہ وہ بہنے کے درجہ میں نہ ہو، تو وضو نہیں ٹوٹتا، جیسے زخم سے باہر یا چمڑا چھیل دینے سے خون ظاہر ہو، لیکن اپنی جگہ سے آگے بڑھ نہ جائے اور اگر خون اتنی مقدار میں ہو کہ اپنی جگہ سے بہہ پڑے، تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ دار قطنیؒ نے تمیم داری ؓ سے، اور ابن عدیؒ نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے نقل کیا ہے، کہ بہتا ہوا خون نکلنے سے وضو واجب ہے: "الوضوء من كل دم سائل" (نصب الراية :۱/ ۳۷)

فقہاءؒ نے انجکشن سے قریب تر ایک صورت ذکر کی ہے کہ چیچڑی اگر کسی آدمی کو چوسے، اور خون سے بھر جائے، تو چیچڑی چھوٹی ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا، یہی حکم مچھر اور مکھی کے خون چوسنے کا ہے، اور اگر بڑی چیچڑی ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا:

"القراد إذا مص عضو انسان فأمتلأ دما ، إن كان صغيرا لا ينقض وضوئه ... وإن كان

كبيرا ينقض " (الفتاوى الهندية :۱/۱۱)

اسی طرح وضو کے بعد تولیہ کے استعمال کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''جب تک جسم سے کوئی ناپاک چیز خارج نہ ہو، یا بالغ آدمی نماز کی حالت میں قہقہہ لگا کر نہ ہنسے، وضو نہیں ٹوٹتا، وضو کرنے کے بعد آئینہ دیکھنے میں کوئی قباحت نہیں اور تولیہ سے بدن پوچھنے میں بھی کچھ حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ کا بھی ایک تولیہ تھا، جسے آپ ﷺ غسل وضو کے بعد استعمال فرمایا کرتے تھے، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۳) البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ کو وضو کے بعد تولیہ پیش کی گئی اور آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۴) اس سے معلوم ہوا کہ دونوں طریقے درست ہیں، کبھی تولیہ استعمال کرلیا جائے، اور کبھی نہ کیا جائے''۔

غرض کے آپ کے فتاویٰ میں نصوص کو نقل کرنے کا خاص اہتمام ہے اور اسی مجموعہ میں بہت سے مسائل اپنے دلائل کے ساتھ مل جائیں گے۔

زبان واسلوب

شرعی مسائل بیان کرنے میں یہ بھی ضروری ہے کہ کم پڑھے لکھے لوگ بھی جواب کو سمجھ سکیں، کسی اور سے اس کا مطلب پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے، حضرت الاستاذ کے فتاویٰ میں خصوصیت کے ساتھ س کی رعایت پائی جاتی ہے، چنانچہ قارئین دیکھیں گے کہ اس کتاب میں آپ کی زبان بالکل عام فہم اور اتنی آسان ہے کہ کم پڑھے لکھے آدمی بھی اس کو ایک بار پڑھ لیں تو

فوراً سمجھ جائیں، یہ بات آپ کے ہر فتوی میں نمایاں ہے، چنانچہ ختنہ کے بعد نہلانے سے متعلق سوال کیا گیا کہ ختنہ کے اکیسویں دن میں نہایا جائے گا یا زخم خشک ہونے کے بعد؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''ختنہ کے بعد نہلانے کے لئے کوئی دن متعین کرنا حدیث میں نہیں آیا ہے، ایسا کوئی حکم شریعت میں درست نہیں ۔ جب ضرورت محسوس ہو نہلایا جا سکتا ہے، اپنی طرف سے کوئی دن متعین کرنا شریعت کی روح کے خلاف ہے، اس سے اجتناب کریں''

قراءت کی غلطی کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عربی زبان میں اعراب، یعنی زبر، زیر، پیش کی بڑی اہمیت ہے، اور اکثر اوقات اس سے معنی میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے نماز میں خصوصا اور نماز کے باہر بھی قرآن مجید پڑھنے میں خوب احتیاط کرنی چاہئے، تھوڑی سی محنت اور کوشش کے ذریعہ ایسی غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے، تاہم چونکہ اللہ تعالی نے خطأ اور بھول چوک کو معاف فرمایا ہے، اور خاص کر اہل عجم سے ایسی غلطیاں پیش آتی رہتی ہیں، اس لئے فقہاء کی رائے ہے کہ اگر زیر و زبر کی غلطی ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی:

"ولو قرأ النصب مكان الرفع، والرفع مكان النصب أو الخفض مكان الرفع أو النصب، لا تفسد صلاته" (الفتاوى الهندية :۸۲/۱)

شرعی اور فقہی احکام و مسائل کے علاوہ اس مجموعہ میں ایمان وعقیدہ، رسوم ورواجات، تفسیر آیات اور احادیث کی تحقیق کا بھی ایک اچھا خاصا حصہ آ گیا ہے، اور اس پہلو سے بھی یہ مجموعہ امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا کے فتاوی کی جو خصوصیات اس حقیر کو نظر آئیں اور جو اہل علم کے لیے خاص طور پر قابل توجہ ہیں، کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اور اس کی جمع ترتیب کے سلسلہ میں اس حقیر کی خدمت قبول فرمائے۔

محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

شعبۂ کمپیوٹر المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

۲۴/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ = ۴/ مئی ۲۰۰۵ء

کتاب الفتاوی

پہلا حصہ

مقدمہ

از مولف

مقدمہ

فتوی کا مادہ "ف" "ت" "ی" ہے، فتوی اور فُتیا اِفتاء سے ماخوذ ہے، اِفتاء کے معنی کسی امر کو واضح کرنے کے ہیں، " أفتاه في الأمر ، أبانه له " (القاموس المحيط : ص : ۱۷۰۲) فُتیا تو "ف" کے پیش کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے، لیکن فتوی "ف" کے "پیش" اور "زبر" دونوں طریقہ پر استعمال کیا جاتا ہے، (حوالہ سابق) البتہ "ف" پر "زبر" زیادہ مشہور اور مروّج ہے، اور اہل مدینہ کی لغت بھی یہی ہے۔ "الفتح في الفتوى لأهل المدينة " (لسان العرب : ص: ۳۳۴۸) بلکہ علامہ زبیدی کا رجحان تو اس طرف ہے کہ فُتیا "ف" کے پیش کے ساتھ ہونا چاہئے اور فتوی "ف" کے زبر کے ساتھ ہی ہونا چاہئے۔ (دیکھئے: تاج العروس : ۲۰/۳۸) ـــــ اِفتاء کے معنی فتوی دینے کے ہیں اور استفتاء کے معنی فتوی طلب کرنے کے ہیں۔

قرآن مجید میں اِفتاء اور استفتاء کے الفاظ مجموعی طور پر گیارہ جگہ استعمال ہوئے ہیں، اور حدیث کی نو مشہور کتب جن کی فہرست سازی " المعجم المفهرس " میں کی گئی ہے، میں بارہ مواقع پر فُتیا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (دیکھئے: المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي الشريف)

فتوی کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں اہل علم نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں، بعض لوگوں نے فتوی کی وہی تعریف کی ہے جو اجتہاد کی ہے، کیوں کہ متقدمین کے نزدیک افتاء اور مفتی سے مراد مجتہد ہوا کرتا تھا؛ اسی لیے بہت سے علماء اصول نے اجتہاد وتقلید کی بحث میں افتاء اور استفتاء کے احکام ذکر کیے ہیں، بعد کے فقہاء نے افتاء کی ایسی تعریف کی ہے جس میں بمقابلہ اجتہاد کے عموم پایا جاتا ہے، علامہ قرافی فرماتے ہیں:

"الفتوى إخبار عن الله تبارك و تعالىٰ في إلزام أو إباحة" (كتاب الفروق :۴/۵۳)

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کے لازم ہونے یا مباح ہونے کی خبر دینا فتوی ہے''

علامہ بنانیؒ رقمطراز ہیں:

"الإخبار بالحكم من غير إلزام" (حاشية جمع الجوامع :۲/۳۹۷)

''لازم قرار دیے بغیر کسی حکم کی بابت خبر دینے کو فتوی کہتے ہیں''

علامہ حصکفیؒ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حکم کے بارے میں خبر دینے کا نام افتاء ہے:

"... إلا أن المفتي مخبر عن الحكم" (الدر المختار مع الرد :۱/۱۷۶، مقدمه)

فتوی کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں چند باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں:

- مفتی کے فتوی کی حیثیت خبر واطلاع کی ہوتی ہے، جیسے قاضی فریقین پر احکام کو لازم قرار دیتا ہے، مفتی مستفتی پر اپنی طرف سے کسی حکم کو لازم نہیں کرتا اور نہ وہ اس کا مجاز ہے۔

- فتوی حکم سے متعلق ایسی اطلاع کو کہتے ہیں جو کسی سوال کے جواب میں ہو، سوال و استفسار کے بغیر اپنی طرف سے حکم شرعی کی رہنمائی کی جائے وہ وعظ وارشاد ہے نہ کہ فتوی۔
- فتوی ایسے سوال کا جواب ہوتا ہے جو پیش آمدہ واقعات سے متعلق ہو، اگر کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، بلکہ اس کو فرض کر کے جواب دیا گیا تو یہ تعلیم ہے نہ کہ افتاء، اس طرح فتوی کی جامع تعریف ڈاکٹر شیخ حسین محمد ملاح کے الفاظ میں اس طرح ہوگی:

"الإخبار بحكم الله تعالىٰ عن الوقائع بدليل شرعي لمن سأل عنه" (الفتوى نشأتها و تطورها :۱/۳۹۸)

''پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیل شرعی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتوی کہتے ہیں''

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا متقدمین کے نزدیک فتوی خود اجتہاد سے عبارت تھا، چوتھی صدی ہجری کے بعد جب تقلید کا رواج عام ہوا، اور مجتہدین مفقود ہو گئے تو جو لوگ فقہاء کے آراء و اقوال کو نقل کرتے تھے وہی لوگ مفتی کہلانے لگے، اصل میں اس عہد میں عام طور پر نقل فتاوی کا کام ہوتا ہے، اور انہیں کو مفتی کہا جاتا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ علامہ ابن ہمام کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

"فأما غير المجتهد ممن يحفظ أقوال المجتهد فليس بمفت، والواجب عليه إذا سئل أن يذكر

قول المجتهد كالإمام على وجه الحكاية ، فعرف أن ما يكون في زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى ، بل هو نقل كلام المفتي ليأخذ به المستفتي " (الدر المختار مع الرد :۱/۱۶۸،مقدمة)

''غیر مجتہد جسے مجتہدین کے اقوال یاد ہو وہ مجتہد نہیں ہے، اور اس پر واجب ہے کہ جب سوال کیا جائے تو مجتہد کا قول ذکر کرے، جیسے بطور حکایت کے کہے کہ یہ فلاں امام کا قول ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے زمانہ میں موجودہ لوگ جو فتوی دیتے ہیں وہ درحقیقت فتوی نہیں ہے، بلکہ وہ مفتی کے اقوال کو نقل کرنا ہے تاکہ مستفتی اس پر عمل کریں''

غالباً اسی پس منظر میں مولانا عمیم الاحسان مجددیؒ نے فتوی کی تعریف اس طرح کی ہے:

" تبيين الأحكام الصادرة عن الفقهاء في الوقائع الجزئية " (أدب المفتي :ص ۴)

''جزئی واقعات میں فقہاء سے منقول احکام کو بیان کرنے کا نام فتوی ہے''

افتاء اور قضاء

فتوی سے قریبی اصطلاح قضاء کی ہے، کیوں کہ مفتی بھی حکم شرعی کو بیان کرتا ہے اور قاضی بھی، اس لیے اہل علم نے ضرورت محسوس کی کہ قضاء اور افتاء کے درمیان فرق کو واضح کیا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں درج ذیل فرق بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ مفتی کسی حکم کے بارے میں خبر دیتا ہے اور قاضی متعلق اشخاص کو اس کا پابند کرتا ہے اور اس پر اس کو لازم قرار دیتا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

" لا فرق بين المفتي و الحاكم إلا أن المفتي مخبر بالحكم و القاضي ملزم به " (شرح عقد رسم المفتي :ص:۲۷، مکتبہ سعیدہ، سہارنپور)

''مفتی اور حاکم (قاضی) کے درمیان کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ مفتی حکم کے بارے میں خبر دیتا ہے اور قاضی اس کو لازم قرار دیتا ہے''

اسی لیے مستفتی پر کسی خاص شخص کا فتوی لازم نہیں ہوتا، اگر وہ چاہے تو وہ اس پر عمل کرے اور چاہے تو کسی دوسرے مفتی سے فتوی لے لے، لیکن قاضی کا فیصلہ اس پر واجب الطاعت ہوتا ہے۔(إعلام الموقعين :۱/۳۶، الاحكام في تمييز الفتاوى من الأحكام للقرافي : ص: ۲۰) اسی لیے اگر کسی معاملہ کے دو فریق میں سے ایک نے کسی مفتی سے رجوع کیا ہو تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر اس نے کسی قاضی سے رجوع کیا ہو تو دوسرے فریق کو بھی اس سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔(دیکھئے: البحر المحيط للزركشي:۶/۳۱۵)

یوں تو قضاء اور افتاء کے درمیان فرق کے اور بھی کئی وجوہ ہیں، لیکن دونوں کے درمیان بنیادی اور جوہری فرق یہی ہے، جس کا علامہ شامیؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

۲۔ علامہ حصکفیؒ نے بزازیہ کے حوالہ سے ایک فرق یہ بھی کیا ہے کہ مفتی دیانت اور باطن کے اعتبار سے بھی فتوی دیتا ہے، لیکن قاضی ظاہر کے اعتبار سے ہی فیصلہ کرنے کا مکلف ہے، مثلاً: کسی شخص نے مفتی سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا تھا کہ: ''تو طلاق یافتہ ہے'' ''أنت طالق '' ، اور کہے کہ میرا مقصد انشاء طلاق نہیں تھا، بلکہ میرا مقصود جھوٹی خبر دینا تھا، تو مفتی طلاق واقع نہ ہونے کا فتوی دے گا، لیکن قاضی وقوع طلاق کا فیصلہ کرے گا۔ (رد

المحتار علی الدر :۳۰۶/۴)

۳۔　علامہ ابن قیمؒ نے ایک فرق یہ بھی لکھا ہے کہ مفتی کے فتوی کی حیثیت عمومی نوعیت کی ہوتی ہے، مستفتی بھی اس پر عمل کرسکتا ہے اور دوسرے لوگ بھی، قاضی کا فیصلہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے، دوسرے واقعات میں بطور خود اس کو جاری نہیں کیا جاسکتا۔ (دیکھئے: إعلام الموقعین :۳۸/۱)

۴۔　افتاء کا دائرہ بمقابلہ قضاء کے وسیع ہے، کیوں کہ قضاء کا تعلق بنیادی طور پر مصالح دنیا سے ہے اور افتاء کا تعلق مصالح دنیا سے بھی ہے اور مصالح آخرت سے بھی، (تهذیب الفروق بهامش الفروق :۹۵/۴) —— اسی لیے فتوی معاملات کے علاوہ عبادات اور آداب وغیرہ کے بارے میں بھی دئے جائیں گے، لیکن مخصوص مواقع کے سوا عبادات جیسے: "نماز روزہ کا درست ہونا اور نہیں ہونا" کے بارے میں فیصلہ کرنا قاضی کا کام نہیں۔

۵۔　ایک اہم فرق یہ بھی ہے کہ قاضی کا فیصلہ بہر حال واجب الطاعت ہے خواہ وہ فریقین کے مسلک فقہی کے موافق ہو یا خلاف، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ قضاء قاضی رافع خلاف ہوتا ہے، یعنی جس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہو، کسی خاص مسئلہ میں جب قاضی فیصلہ کردے تو وہی فریقین کے لیے واجب العمل ہوتا ہے، جبکہ فتوی کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اگر مستفتی کسی اور فقہ کا مقلد ہو اور مفتی کسی اور فقہ کا، اور مفتی اپنی فقہ کے مطابق جواب دیدے تو مستفتی کے لیے اس پر عمل کرنا لازم نہیں۔ (دیکھئے: الفتوی نشأتها و تطورها :۴۰۱/۱)

افتاء اور اجتہاد

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، متقدمین کے یہاں مفتی وہی ہوتا تھا جو مجتہد ہوتا تھا؛ اسی لیے اصولیین کی ایک جماعت غیر مجتہد کے لیے فتوی دینے کو جائز ہی نہیں کہتی ہے، (الإحکام في أصول الأحکام :۲۴۱/۴) البتہ متاخرین نے افتاء کے دائرہ کو وسیع کردیا، اور ایسے لوگ جو

خود مجتہد نہ ہوں، لیکن فقہاء کے اجتہادات سے واقف ہوں ان کے لیے بھی فتوی دینے کی گنجائش فراہم کی، یا یوں کہیے کہ فتاوی کی نقل و حکایت کو فتوی سے تعبیر کیا جانے لگا، اس لیے فتوی اور اجتہاد کے درمیان فرق کو بھی پیش نظر رکھنا مناسب ہوگا:

۱۔ افتاء کا تعلق سوال سے ہے، عام طور پر جب کوئی سوال سامنے آتا ہے تو مفتی اس کا جواب دیتا ہے، اجتہاد کے لیے سوال ضروری نہیں ہے، بہت سے ایسے مسائل کے بارے میں بھی اجتہاد کیا جاتا ہے، جن کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا گیا ہو، بلکہ جو واقعات ابھی پیش ہی نہ آئے ہوں۔

۲۔ جو قطعی احکام ہیں ان میں اجتہاد کا دخل نہیں، لیکن فتوی احکام قطعیہ کے بارے میں بھی دیا جاتا ہے اور احکام ظنیہ کے بارے میں بھی۔

۳۔ اجتہاد احکام کو دریافت کرنے کا نام ہے اور افتاء دریافت شدہ احکام کو ضرورت مند مستفتی تک پہونچانے کا نام ہے۔

۴۔ اجتہاد کی حیثیت ایک عام کلی کی ہوتی ہے اور فتوی اکثر اوقات کسی خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے، اسی پس منظر میں مفتی کو مستفتی کی نفسیات اور اس کے ماحول سے واقفیت کی اور بعض مرتبہ اس سے استفسار کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی لیے فقہاء نے بعض ابواب جیسے ''ایمان'' وغیرہ کے بارے میں کہا ہے کہ جو اس شہر کا باشندہ ہو یا وہاں کی بول چال اور محاورات سے واقف ہو، اسی کو اس بارے میں فتوی دینا چاہئے، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"لا يجوز أن يفتي في الأيمان و الإقرار ونحوهما مما يتعلق بالألفاظ إلا أن يكون من أهل البلد اللافظ أو متنزلا منزلتهم في الخبرة بمرادهم من ألفاظهم و عرفهم فيها" (شرح مهذب :۱/۴۶، مقدمه)

''ایمان، اقرار اور اس طرح کے امور جو الفاظ سے متعلق ہیں، میں اسی کے لیے فتوی دینا جائز ہے جو بولنے والے کے اہل شہر میں سے ہو، یا کم سے کم اہل شہر ہی کی طرح ان کی تعبیرات اور بول چال کے عرف سے واقف ہو''

فتاوی کے نام سے مطبوعہ کتابیں

بہت سی کتابیں فتاوی کے نام سے چھپی ہوئی ہیں، جیسے خلاصۃ الفتاوی، فتاوی ابواللیث سمرقندی، فتاوی ہندیہ اور فتاوی قاضیخان، وغیرہ، عام طور پر لوگوں کو اچنبھا ہوتا ہے کہ ان میں سوال وجواب نہیں لیکن انہیں ''فتاوی'' کا نام دیا گیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں فتاوی اور واقعات کی ایک خاص اصطلاح ہے، اور وہ یہ کہ استناد واعتبار کے لحاظ سے کتابوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اول درجہ امام محمدؒ کی چھ کتابوں کا ہے، جنہیں ظاہر روایت کہا جاتا ہے، دوسرا درجہ امام صاحب کے شاگردوں کی تالیفات اور خود امام محمدؒ کی ظاہر روایات کے علاوہ دوسری کتابوں کا ہے، ان کو ''نوادر'' کہتے ہیں، جن احکام کی بابت امام صاحب اور آپ کے تلامذہ کی رائے منقول نہیں ہے، بلکہ بعد کے مشائخ اور اہل علم نے ان میں استنباط واستخراج سے کام لیا ہے، ان مسائل کو فتاوی اور واقعات سے تعبیر کرتے ہیں، ان مشائخ میں ابوعصمہؒ، عصام بن یوسفؒ، محمد بن سماعہؒ، ابوسلیمان جوزجانیؒ، ابراہیم بن رستم مروزیؒ اور بعد کے اہل علم ہیں۔

فتاوی کے نام سے جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ظاہر روایت اور نوادر کے علاوہ بعد کے مشائخ کے اقوال کو بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اسی عموم کی وجہ سے ان کو فتاوی کہتے ہیں، گویا یہ ایک الگ اصطلاح ہے، اس سے فتاوی کی اصولی اصطلاح مراد نہیں ہے۔

منصب افتاء کی اہمیت اور کار افتاء کی نزاکت

افتاء کی ذمہ داری بہت ہی نازک ذمہ داری ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتوی کی نسبت اپنے آپ کی طرف کی ہے: ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾ (النساء :۱۲۷) ایک اور موقع پر ارشاد ہے: ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ﴾ (النساء : ۱۷۶) گویا اللہ تعالیٰ کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے منشأ کی تشریح وتوضیح اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو حوالہ کی: ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴾ (النحل :۴۴) یہ بیان و وضاحت کی ذمہ داری آپ ﷺ کے بعد ہر عہد کے علماء وارباب افتاء کے حصہ میں آئی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مفتی گویا خود شارع کا نائب ہے، اور اس کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لیے علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ فتوی دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے؟

"و ليعلم المفتي عمن ينوب في فتواه" (إعلام الموقعين :۱/۱۱)

اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مفتی اللہ کی جانب سے رائے کا ظہار کرتا ہے :

"المفتي موقع عن الله تعالیٰ" (شرح مهذب : ۱/۴۰، مقدمه)

اسی لیے فتوی دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''کہ تم میں جو شخص فتوی دینے میں جری ہو وہ دراصل دوزخ پر جری ہے''۔(سنن الدارمی :۱/۵۷)

ابن ابی لیلی سے منقول ہے:''میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ ﷺ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ دوسرے کا، دوسرا تیسرے کا حوالہ دیتا اور اسی طرح

ایک دوسرے سے رجوع کرنے کی تلقین کرتا، یہاں تک کہ یہ سوال پھر پہلے شخص کی طرف لوٹ آتا" (شرح مھذب :۱/۴۰) ان ہی سے منقول ہے کہ صحابہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ اگر انہیں کوئی حدیث یاد ہوتی تو ان کی خواہش ہوتی کہ ان کے بجائے ان کا بھائی اس روایت کو نقل کردے، اور کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ چاہتا کہ اس کے بجائے اس کا بھائی بتادے، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اور ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر سوال کا جواب دے وہ مجنون ہے، امام ابوحنیفہؒ کہا کرتے تھے کہ اگر علم کے ضائع ہوجانے کا خوف نہ ہوتا تو فتوی نہ دیتا، امام مالکؒ کا حال یہ تھا کہ اڑتالیس مسائل پوچھے گئے تو بتیس کے بارے میں کہہ دیا کہ مجھے اس کا علم نہیں، ایک مسئلہ کے جواب کے بارے میں فرمایا: مجھے معلوم نہیں، عرض کیا گیا، یہ تو آسان اور معمولی مسئلہ ہے، تو آپ غصہ ہوگئے اور فرمایا: علم کی کوئی بات معمولی نہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ فتوی کی جو صلاحیت اور مطلوبہ استعداد سفیان بن عیینہ میں تھی، میں نے کسی میں نہیں دیکھی، لیکن میں نے ان کو فتوی سے جتنا زیادہ بچتے ہوئے دیکھا کسی کو نہیں دیکھا، اثرم ناقل ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو بہت سے مسائل میں کہتے ہوئے دیکھا ہے: مجھے نہیں معلوم، سفیان ابن عیینہ اور سحنون کہتے ہیں کہ فتوی دینے میں جری وہی ہوسکتا ہے جو کم علم ہو، عطاء بن سائب تابعی ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو گفتگو کرتے ہوئے ان پر لرزہ طاری ہوجاتا۔ (ملخص از: شرح مہذب :۱/۴۱-۴۰) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سلف صالحین افتاء کے سلسلہ میں کس قدر احتیاط برتتے تھے۔

فتوی عہد نبوی ﷺ میں

یہ ظاہر ہے کہ امت میں سب سے پہلے مفتی رسول اللہ ﷺ تھے، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"و أول من قام بهذا المنصب الشريف سيد

المرسلین ألخ "(إعلام الموقعین :۱/۱۱)

آپ ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ کی ہر بات وحی پر مبنی اور منشأ ربانی کی ترجمان ہوتی تھی: ﴿وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ (النجم :۳-۴) نیز ارشاد ہے: ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوحٰیٓ اِلَیَّ ﴾ (یونس :۱۵) اس لیے یہ بات تو ظاہر ہے کہ بنیادی طور پر آپ ﷺ کے فتاوی وحی کی بنیاد پر ہوا کرتے تھے، لیکن کیا آپ ﷺ اجتہاد سے بھی فتوی دیتے تھے؟ اس سلسلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور اکثر اصولیین اس کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ احکام شرعیہ میں بھی اجتہاد پر مأمور تھے۔ (دیکھئے: تیسیر التحریر :۴/۱۸۵، کشف الأسرار للبخاری :۳/۳۸۶) یہی رائے امام رازیؒ اور قاضی بیضاویؒ کی بھی ہے، (دیکھئے: المحصول للرازی :ج ۲ قسم ۳ ص:۹، ونهایة السول شرح منهاج الوصول للأسنوی :۳/۲۶۴، منهاج الوصول للبیضاوی :ص:۱۷۶) امام غزالیؒ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے، (المستصفی :۲/۳۵۵) امام سرخسیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے نقطۂ نظر کی اس طرح صراحت کی ہے کہ حضور ﷺ اس بات پر مامور تھے کہ کسی بھی واقعہ میں وحی کا انتظار کریں، اگر انتظار کے باوجود وحی کا نزول نہیں ہوتا تو یہ آپ ﷺ کے لیے رائے اور اجتہاد پر عمل کرنے کی منجانب اللہ اجازت ہوتی، البتہ اگر آپ ﷺ سے اجتہاد میں چوک ہوتی تو من جانب اللہ متوجہ فرمادیا جاتا؛ لہذا اگر آپ ﷺ نے کسی امر کی بابت اجتہاد فرمایا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر کوئی تنبیہ نازل نہ ہوئی ہو تو یہ اس اجتہاد کے قطعی ہونے کی علامت ہے۔ (دیکھئے: أصول السرخسی :۲/۱۹۶، کشف الأسرار :۳/۳۸۶)

متعدد واقعات میں رسول اللہ ﷺ نے اجتہاد سے کام لیا ہے، آپ ﷺ سے ایک خاتون نے اپنے مرحوم والد کے بارے میں پوچھا جو حج نہیں کرپائے تھے، کہ کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: اگر تمہارے والد پر قرض ہوتا اور تم اسے ادا

کرتی، تو کیا یہ کافی نہ ہوتا؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا دَین زیادہ قابل ادائیگی ہے۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۳۱۵، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۴۸)

اسی طرح حضرت عمر ؓ نے دریافت فرمایا: کوئی روزہ دار بوسہ لے لے، تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تم پانی سے کلی کرو اور اسے حرکت دو، تو کیا اس کے پینے والے سمجھے جاؤ گے: " أرأيت لو تمضمضت بماء ثم مججته أكنت شاربه ؟" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۳۸۵) گویا پینے کی تمہید منھ میں پانی ڈالنے پر آپ ﷺ نے جماع کی تمہید بوسہ کو قیاس فرمایا، —— اس لیے صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان واقعات میں، جن میں وحی نازل نہیں ہوا کرتی تھی اجتہاد فرمایا کرتے تھے اور اجتہاد کی بنیاد پر فیصلے کرتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے فتاوی کو علامہ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین کے (جلد۴ص ۲۶۶ تا ۴۱۴) میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور مولانا عبدالرحمٰن حیدرآبادی مظاہری نے ''فتاوی الرسول ﷺ'' کے نام سے انہی روایات کی مختصر تشریح کی ہے، جس کا اردو ترجمہ ''فرامین رسول ﷺ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، یہ ۲۹۷ ارشادات نبوی ﷺ پر مشتمل ہے، افسوس کہ مرتب نے احادیث کی تخریج نہیں کی ہے، بلکہ ابن قیمؒ کے اجمالی حوالوں پر اکتفا کیا ہے، اگر آئندہ ایڈیشن میں احادیث کی تخریج بھی ہو جائے تو اس کی افادیت دو چند ہو جائے گی۔

عہد نبوی ﷺ میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے صحابہ ؓ نے بھی فتوی دیا ہے، بعض صحابہ ؓ تو وہ تھے جن کو آپ ﷺ نے کسی جگہ دینی و انتظامی امور کا ذمہ دار بنا کر بھیجا، جیسے: حضرت علی ؓ، حضرت معاذ بن جبل ؓ، حضرت مصعب بن عمیر ؓ وغیرہ، ظاہر ہے کہ جن مسائل کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے، وہاں یہ حضرات اپنے اجتہاد اور رائے ہی سے فتوی دیا کرتے تھے، لیکن اس کے علاوہ بعض دیگر صحابہ ؓ بھی عہد نبوت میں فتوی دیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل آپ ﷺ کی اجازت ہی پر مبنی رہا ہوگا اور یقیناً اس سے ان کی تربیت بھی مقصود ہوگی، چنانچہ قاسم بن محمد بن اَبی بکر سے مروی ہے کہ حضرت ابو

بکر ؓ وعمر ؓ وعثمان ؓ وعلی ؓ عہد نبوی ﷺ میں بھی فتوی دیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد :۲/ ۲۳۵) سہل ابن اَبی ہثمہ راوی ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں تین مہاجر صحابہ حضرت عمر ؓ ، حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ اور تین انصاری صحابہ حضرت اُبی بن کعب ؓ ، حضرت معاذ بن جبل ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ فتوی دیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء :۱/ ۴۵۲-۴۵۱) اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں فتوی دیتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء :۱/ ۸۶) غرض کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی صحابہ ؓ فتاوی دیتے تھے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے، خواہ قاضی ہو یا نہ ہو، اسی کو علامہ آمدی اور ملا محبّ اللہ وغیرہ نے ترجیح دی ہے۔ (الإحكام في أصول الأحكام للآمدی :۴/ ۲۳۵، فواتح الرحموت مع مسلم الثبوت :۲/ ۳۷۵)

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں

یہ بات ظاہر ہے کہ گو صحابہ ؓ سب کے سب عدل اور ورع وتقوی کے اعلی معیار پر ہیں، لیکن وہ سب مقامِ افتاء پر فائز نہیں تھے؛ بلکہ ایک محدود تعداد تھی جو فتاوی دیا کرتی تھی، اس میں ایک تو ان کی احتیاط کو دخل ہے، دوسرے صلاحیت اور استعداد میں تفاوت کو، تیسرے تقسیم کار کو، دین اور امت سے متعلق مختلف ذمہ داریاں صحابہ کرام ؓ انجام دیتے تھے، تعلیم وتعلم، دعوت وجہاد، انتظام وانصرام اور تربیت وتزکیہ وغیرہ، اسی نسبت سے ایک محدود تعداد علم وتحقیق، اجتہاد واستنباط اور قضاء وافتاء کے کام میں مشغول ہوئی، ان حضرات کو اس زمانہ میں قراء کہا جاتا تھا۔ (دیکھئے: مقدمہ ابن خلدون: ص: ۳۵۳، طبع: دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن قیمؒ نے تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے، ان کی تحقیق ہے کہ مجموعی طور پر ۱۳۰ سے کچھ زیادہ صحابہ ؓ اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے فتاوی دیئے ہیں، پھر انہوں نے انہیں

تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، مکثرین، متوسطین اور مقلین — مکثرین سے مراد وہ صحابہ ﷺ ہیں جنہوں نے کثرت سے فتاوی دیئے ہیں، یہ سات صحابہ ﷺ ہیں: حضرت عمر ﷺ، حضرت علی ﷺ، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زید بن ثابت ﷺ، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ، علامہ ابن حزم کے بقول ان میں سے ہر ایک کے فتاوی اس قدر ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔ (اعلام الموقعین :۱/۱۲)---راقم الحروف کا خیال ہے کہ اسی فہرست میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ کا نام بھی آنا چاہئے، بقول بحر العلوم وہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی فتوی دیتے تھے اور آپ ﷺ کے بعد بھی۔ (دیکھئے: التراتيب الإدارية للكتابي :۲/۴۱۰)

علامہ ابن قیمؒ نے حضرت ابو ہریرہ ﷺ کے بشمول بیس صحابہ ﷺ کو فتاوی کے اعتبار سے متوسطین میں شمار کیا ہے، جن میں حضرت ابو بکر ﷺ، حضرت عثمان غنی ﷺ، حضرت انس ﷺ، حضرت ابو سعید خدری ﷺ، حضرت ابو موسی اشعری ﷺ، حضرت معاذ بن جبل ﷺ، اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شامل ہیں، مقلین یعنی کم فتوی دینے والے سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے دو چار مسائل منقول ہیں، بقول ابن قیم ان تمام حضرات کے فتاوی کو جمع کیا جائے تو ایک مختصر جزء میں آجائے، ابن قیم نے اس سلسلہ میں ایک سو پچیس صحابہ ﷺ اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے نام ذکر کئے ہیں جن میں خواتین جنت کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسن ﷺ، حضرت حسین ﷺ اور اکثر امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن شامل ہیں۔ (اعلام الموقعین :۱/۱۴-۱۳)

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر رواس قلعجی کو کہ انہوں نے موسوعۂ فقہ کے نام سے صحابہ ﷺ کے فتاوی کو جمع کرنے کا بہت ہی مبارک اور مسعود کام شروع کیا ہے اور اب تک حضرت عمر ﷺ، حضرت علی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور متعدد صحابہ ﷺ کے فتاوی ان کے ذریعہ جمع ہو گئے ہیں، اسی طرح شیخ ابو عبداللہ سید بن کسروی بن حسن کی "موسوعة آثار الصحابة ﷺ" بھی

ایک بڑا کارنامہ ہے، جس میں تمام صحابہ ﷺ کے فتاوی کا احاطہ کرنے کی سعی کی گئی ہے، یہ بڑی محمود اور قابل تعریف کاوشیں ہیں، جن کے ذریعہ موجودہ عہد کے اہل علم کو صحابۂ کرام ﷺ کے فتاوی اور اجتہادات سے استفادہ کا موقع ملے گا، اور سلف سے علمی رابطہ زیادہ بہتر طور پر استوار ہو سکے گا، خاص کر فقہ حنفی اور فقہ مالکی جس میں صحابہ ﷺ کے فتاوی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، کے لیے صحابہ ﷺ کے فتاوی اور آثار کی ترتیب خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں

صحابہ ﷺ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور فقہ وفتاوی میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے، ائمہ مجتہدین اور بعد کے فقہاء نے ان فتاوی سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے، مکہ میں امام مجاہدؒ، عکرمہؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ، فقہاء مدینہ میں سعید بن المسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، قاسم بن محمدؒ، سلیمان بن یسارؒ، نافعؒ، ابن شہاب زہریؒ اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہؒ (شاگردہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فقہاء کوفہ میں علقمہ نخعیؒ، مسروق ہمدانیؒ، ابراہیم نخعیؒ، عامر شعبیؒ، حماد بن سلیمانؒ، فقہاء بصرہ میں مسلم بن یسارؒ، حسن بصریؒ، محمد بن سیرینؒ، قتادہؒ، یمن میں طاؤسؒ، شام میں ابوادریس خولانیؒ، ابن ذویبؒ، دمشق میں رجاء بن حیوۃؒ اور مکحولؒ دمشق اور مصر میں یزید بن حبیبؒ اور عمرو بن حارثؒ کے فتاوی کو خاص شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

عہد زریں

دوسری صدی ہجری فقہ وفتاوی اور اجتہاد و استنباط کے لحاظ سے سب سے زریں دور کہلانے کا مستحق ہے، جس میں ایسے ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے جنہوں نے فقہ وفتاوی کا نہایت ہی نمایاں کارنامہ انجام دیا، اور ایک بڑے گروہ نے ان کی اتباع و پیروی اور اقتداء و تقلید کا راستہ اختیار کیا، انہیں میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اہل سنت کے چاروں

ائمہ مجتہدین ہیں جن کی فقہ کو امت کے سواد اعظم نے اپنی چشم محبت کا سرمہ بنایا، پھر امام اہل شام امام عبد الرحمٰن اوزاعیؒ اور امام اہل مصر امام لیث بن سعدؒ، محمد بن عبد الرحمٰن ابن ابی لیلیٰ قاضی کوفہ، کوفہ کے ایک اور فقیہ سفیان ثوریؒ (۹-۱۶۱ھ) بھی اسی دور کے فقہاء اور ارباب افتاء میں سے ہیں، امام زید بن علیؒ (۸۰-۱۲۳ھ) جن کی فقہ کو زیدیہ نے اختیار کیا، امام جعفر صادق (۸۰-۱۴۸ھ) جن کی طرف شیعہ امامیہ اپنی فقہ کی نسبت کرتے ہیں، بھی اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں، دوسری صدی ہجری کے بعد اصحاب ظواہر کے سرخیل امام داؤد بن علی اصبہانی (۲۰۲-۲۷۰ھ) نے ایک نئے دبستان فقہ کی بنیاد رکھی، اور چوتھی پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن حزم ظاہری (۳۸۴-۴۵۶ھ) اس دبستان فقہ کے سب سے بڑے ترجمان بن کر ابھرے، لیکن عملاً ائمہ اربعہ، امام جعفر صادق اور زید بن علی ہی کی فقہ باقی رہی، دوسرے مکاتب فقہ دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک معدوم ہو کر رہ گئے۔

تراجم فقہاء پر کتابیں

اس کے بعد مختلف دبستان فقہ میں فقہاء اور ارباب افتاء کا ظہور ہوتا رہا، جنہوں نے صاحب مذہب کی آراء کو نقل کرنے اور ان کی تشریح و توضیح کرنے پر خصوصی توجہ دی، اور جو نئے مسائل پیش آئے ان میں تخریج و استنباط سے کام لیا، ان فقہاء و مفتیان کا تذکرہ ان کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے جن کو "طبقات فقہاء" کے نام سے مرتب کیا گیا ہے، چنانچہ مختلف فقہ سے متعلق شخصیات کے تذکرہ پر مشتمل معروف کتابیں حسب ذیل ہیں:

طبقات الفقهاء (تمام فقہاء)	امام ابو اسحاق شیرازی	(م:۴۷۶ھ)
الجواهر المضية (حنفیہ)	علامہ محی الدین عبد القادر قریشی	(م:۷۷۵ھ)
تاج التراجم	حافظ قاسم بن قطلوبغا	(م:۸۷۹ھ)
الطبقات السنية	علامہ تقی الدین غزی	(م:۱۰۰۵ھ)

الفوائد البهية	مولانا عبدالحی فرنگی محلی	(م:۱۳۰۴ھ)
ترتيب المدارك (مالکیہ)	قاضی عیاض مالکی	(م:۵۴۴ھ)
الديباج المذهب	برہان الدین ابراہیم بن فرحون مالکی	(م:۷۹۹ھ)
توشيح الديباج	علامہ بدرالدین قرافی	(م:۹۶۴ھ)
اليواقيت الثمينه	علامہ محمد البشیر ازہری	(م:۱۳۲۹ھ)
شجرة النور الزكية في طبقات المالكية	شیخ محمد بن محمد مخلوف	(م:۱۳۶۰ھ)
طبقات الشافعية الكبرى (شوافع)	امام تاج الدین عبدالوہاب سبکی	(م:۷۷۱ھ)
طبقات الشافعية	شیخ ابوعاصم عبادی	(م:۴۵۸ھ)
	شیخ جمال الدین اسنوی	(م:۷۷۲ھ)
	ابوبکر بن احمد دمشقی	(م:۸۵۱ھ)
طبقات الحنابلة (حنابلہ)	قاضی ابوحسین محمد بن فراء	(م:۵۲۷ھ)
ذيل على طبقات الحنابلة	حافظ ابن رجب حنبلی	(م:۷۹۵ھ)
المقصد الأرشد	علامہ برہان الدین ابراہیم بن مفلح	(م:۸۸۴ھ)
الجوهر المنضد	علامہ یوسف بن حسن دمشقی	(م:۹۰۹ھ)
المنهج الأحمد	ابوالیمن مجیرالدین علیمی	(م:۹۲۸ھ)
السخت الأكمل	علامہ محمد کمال الدین غزی	(م:۱۲۱۴ھ)

فقہ حنفی میں طبقات و مدارج

مختلف دبستان فقہ میں اس فقہ سے متعلق شخصیتوں کی درجہ بندی اور ان کے مقام و مرتبہ کی تعیین کے لیے، فقہاء کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے، حنفیہ کے یہاں مشہور تقسیم وہ ہے جو

ابن کمال پاشاہ کی طرف منسوب ہے:

۱)	مجتہدین فی الشرع	جو احکام میں اجتہاد بھی کرتے ہیں، اور اجتہاد واستنباط کے لیے خود اپنے اصول وقواعد وضع کرتے ہیں، جیسے: ائمہ اربعہ، سفیان ثوری، لیث بن سعد وغیرہ --- ان کو مجتہد مطلق بھی کہا جاتا ہے۔
۲)	مجتہدین فی المذہب	جو مجتہدین فی الشرع کے مقرر کئے ہوئے اصول کی روشنی میں خود اجتہاد کرتے ہیں، گویا وہ فروع میں مجتہد ہوتے ہیں اور اصول میں مقلد، جیسے: امام ابو یوسف، امام محمد۔
۳)	مجتہدین فی المسائل	جو فقہاء ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں صاحب مذہب سے کوئی رائے منقول نہ ہو، جیسے: ابوبکر خصاف، امام ابوجعفر طحاوی، امام کرخی وغیرہ۔
۴)	اصحاب تخریج	یہ مقلد ہوتے اور اجتہاد کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں، لیکن ایسا قول جس میں دو پہلو ہوسکتا ہو، اور صاحب مذہب سے اسی طرح منقول ہو، وہ دوسری نظائر کو سامنے رکھ کر ایک پہلو کی تعیین کرتے ہیں، امام ابوبکر جصاص رازی وغیرہ کو اس زمرہ میں رکھا گیا ہے۔
۵)	اصحاب ترجیح	جن مسائل میں اصحاب مذہب سے ایک سے

زیادہ رائے منقول ہو ان میں ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دیتے ہیں، امام قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کو ابن کمال پاشاہ نے اسی زمرہ میں رکھا ہے۔

(۶) اصحاب تمییز — وہ مقلدین جو کتابوں سے مراجعت کر کے قوی وضعیف، ظاہر روایت اور نوادر وغیرہ کا فرق جان سکتے ہیں، جیسے صاحب کنز، تاج الشریعہ وغیرہ، ---- یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف اور نامعتبر اقوال نقل نہیں کرتے۔

(۷) عام مقلدین — یعنی وہ لوگ جو معتبر و نامعتبر روایات میں فرق کرنے سے قاصر اور مذہب کی ترجیحات سے ناواقف ہوں۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں یہی تقسیم معروف ہے، لیکن اول تو ابن کمال پاشاہ نے جو تقسیم کی ہے، وہ خود محل نظر ہے، دوسرے اس تقسیم کی بنیاد پر شخصیتوں کی جو درجہ بندی کی ہے، وہ اس سے زیادہ محل نظر ہے، امام ابوبکر جصاص رازی، امام کرخی، صاحب ہدایہ وغیرہ کو مقلد محض اور صلاحیت اجتہاد سے بالکل عاری قرار دینا اور صاحبین کا اصول میں امام ابوحنیفہ کا بتمام وکمال مقلد کہنا بہت ہی قابل غور ہے۔

موجودہ دور میں کار افتاء

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ دور میں جو لوگ منصب افتاء پر فائز ہیں وہ اپنی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے تین طرح کے کام انجام دے رہے ہیں:

۱۔ تخریج۔ یعنی جس مسائل کے بارے میں فقہاء کی رائے منقول نہیں ہے، اور وہ اِس دور کے پیدا ہونے والے مسائل ہیں، فقہاء کے مقرر کیے ہوئے اصول وقواعد کی روشنی میں ان کے بارے میں رائے قائم کرنا، کیوں کہ ہر عہد میں نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، جن کا شرعی حکم متعین کرنا علماء کی ذمہ داری ہے، اور یہ شریعت اسلامی کے ابدی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔

۲۔ ترجیح۔ یوں تو بعد کے فقہاء نے متقدمین کی اختلافی آراء کے بارے میں ترجیحات متعین کردی ہیں، لیکن ترجیح کی ایک اساس یہ ہے کہ کوئی رائے اپنے عہد کے عرف اور اس زمانہ کے مصالح پر مبنی ہو ایسے مسائل کے بارے میں اپنے عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا، اس کے لیے بعض اوقات ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول بھی کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ حقیقت میں عدول نہیں ہے، عدول وہ اختلاف ہے جو دلیل و برہان پر مبنی ہو، کسی خاص رائے کو تقاضاء عصر وزمان کے تحت اختیار کیا جائے تو یہ حقیقت میں عدول نہیں، اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے مختلف مقامات پر اس سلسلہ میں اشارہ کیا ہے۔

۳۔ نقل فتوی۔ تیسرا کام یہ ہے کہ جس فقہ کا مقلد ہو، اس فقہ کے مطابق جوابات نقل کردیئے جائیں۔

موجودہ دور میں ارباب افتاء یہ تینوں طرح کے کام کررہے ہیں، لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ پہلی دونوں ذمہ داریاں انفرادی طور پر انجام دینے کے بجائے اجتماعی طور پر انجام دی جائیں، چنانچہ اسی لیے آج کل فقہی مجامع (فقہی اکیڈمیوں) کی تشکیل عمل میں آئی ہے، اور یہ عالم اسلام میں بھی اور خود ہندوستان میں بھی بڑی مفید خدمات انجام دے رہی ہیں۔

عالم عرب اور فتاوی کے مجموعے

فتاوی کے مجموعوں کی ترتیب کا جو مزاج اس دور میں پایا جاتا ہے اور خاص طور سے علماء ہند

میں، پچھلے دور میں اس کا رواج کم تھا، لیکن پھر بھی بہت سے بزرگوں کے فتاوی اور جوابات کا مجموعہ ہمیں ملتا ہے، چنانچہ " المدونة "کو فقہ مالکی میں اسی طرز پر جمع کیا گیا ہے، کہ امام مالکؒ کے تلامذہ سے سوالات کیے گئے ہیں اور سوال و جواب کو مرتب کر دیا گیا ہے، اسی طرح علامہ ابن صلاح کے فتاوی مشہور ہیں جو عبدالمعطی امین قلعجی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں، امام نوویؒ کے فتاوی کو ابن عطار نے " المنثورات في عيون المسائل المهمات " کے عنوان سے مرتب کیا ہے، اور مولانا محمد رحمت اللہ ندوی کی تحقیق اور دراسہ کے ساتھ یہ مجموعہ حال ہی میں شائع ہو چکا ہے، شیخ احمد علیش مالکی کے فتاوی " تبصرة الحكام " کے حاشیہ پر ایک زمانہ سے شائع شدہ ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ کے فتاوی بھی فتاوی غیاثیہ کے ساتھ طبع شدہ ہیں، اس طرح کے بہت سے فتاوی متقدمین اور متاخرین کے دور میں پائے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے مفصل اور مدلل فتاوی وہ ہیں جو علامہ ابن تیمیہؒ کے افادات ہیں، اور جنہیں ۳۷ جلدوں میں مجموعہ فتاوی ابن تیمیہؒ کے نام سے حکومت سعودیہ عرب نے شائع کیا ہے، یہ عقیدہ کلام، تفسیر وحدیث، فقہ اسلامی اور تزکیہ وترہیب کے موضوع پر ایک زبردست انسائیکلوپیڈیا ہے، لیکن اس مجموعہ میں فتاوی کے علاوہ علامہ ابن تیمیہؒ کے رسائل اور تالیفات بھی شامل ہیں — اور یہ بھی اہل علم کے لیے محتاج اظہار نہیں کہ علامہ ابن تیمیہؒ ہیں تو فقہ حنبلی کے متبع، لیکن مقلد محض نہیں ہیں، اور بہت سے مسائل میں اپنی مجتہدانہ رائے رکھتے ہیں۔

ماضی قریب میں عالم عرب کے جن اہل علم کے فتاوی مرتب ہوئے اور ان کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی، ان میں شیخ شلتوت کے فتاوی کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور انہوں نے نئے مسائل پر خاص طور سے روشنی ڈالی ہے، اسی طرح شیخ جاد الحق سابق شیخ الازہر کے اہم فتاوی بھی ’’بحوث وفتاوی اسلامیہ فی قضایا معاصرہ‘‘ کے نام سے تین جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں، اسی طرح سلفی مکتبۂ فکر کے ترجمان شیخ عبداللہ بن باز کے فتاوی بھی طبع ہو چکے ہیں، پچھلے دنوں نئے مسائل سے متعلق ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے فتاوی کی دو جلدیں " فتاوی

معاصرۃ" کے نام سے منظر عام پر آچکی ہیں، اس طرح کے بعض اور فتاوی بھی عالم عرب کے فقہاء کے منظر عام پر آئے ہیں۔

ادھر ایک بہتر رجحان بعض عرب ملکوں میں انفرادی فتاوی کے بجائے اجتماعی طور پر فتوی صادر کرنے کا شروع ہوا ہے، اس سلسلہ میں سعودی عرب میں "هيئة كبار العلماء" اور کویت میں "اللجنة الدائمة للإفتاء و البحوث" خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ان کے فتاوی کا مجموعے شائع بھی ہو رہے ہیں۔

برصغیر میں فتاوی کی کاوشیں

برصغیر میں بھی فتوی نویسی کے کام اور فتاوی کے مجموعوں کی ترتیب کی تاریخ بہت قدیم ہے، اس سلسلہ میں غالباً پہلا نام حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (م ۱۱۵۹ھ) کے "فتاوی عزیزی" کا لیا جا سکتا ہے، اس کی اصل زبان فارسی ہے، اور اردو میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے، شاہ صاحب کے فتاوی جو رد بدعت پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے، فارسی ہی زبان میں مشہور محقق حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ کے فتاوی ہیں جو خلاصہ الفتاوی (مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ) کے حاشیہ پر شائع شدہ ہے، مولانا خورشید عالم صاحب استاذ حدیث دار العلوم دیوبند نے نئی ترتیب و تبویب کے ساتھ آسان اور سلیس اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے، جو فتاوی عبد الحی کے نام سے شائع پذیر ہو چکا ہے، اور نو سو مسائل پر مشتمل ہے، اردو فتاوی میں مولانا شاہ عبد الوہاب قادری ویلوری (۱۲۴۷-۱۳۳۷ھ) کے فتاوی کا مجموعہ "فتاوی باقیات صالحات" کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں تقریباً چار سو مسائل شامل ہیں، اس میں کچھ فتاوی آپ کے جانشین ضیاء الدین محمد صاحب کے بھی ہیں، یہ بات قابل ذکر ہے کہ شاہ عبد الوہاب صاحب کے فتاوی میں رد بدعت پر خاص توجہ ہے۔

فرنگی محلؒ اپنے علمی اور فقہی کاموں کی وجہ سے ایک مشہور عالم خانوادہ ہے، یہاں ایک

طویل عرصہ تک مفتی محمد عبدالقادر (م:۱۳۷۹ھ) نے افتاء کے فرائض انجام دیئے ہیں، ان کے فتاوی ''فتاوی فرنگی محل موسوم بفتاوی قادریہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، یہ ۲۴۶ صفحات پر مشتمل ہیں، اور مفتی محمد رضا انصاری نے اسے مرتب کیا ہے — جنوبی ہند کے فتاوی میں مفتی محمد رحیم الدین صاحب کے فتاوی ''فتاوی صدارت العالیہ''، اور مفتی محمد رکن الدین صاحب کے فتاوی ''فتاوی نظامیہ'' کے نام سے طبع ہو چکے ہیں، یہ دونوں ہی مجموعے مسائل کی توضیح اور حوالہ جات کے اہتمام کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

بریلوی مکتبۂ فکر کے مؤسس مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے فتاوی کا مجموعہ "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ" کے نام سے ۱۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، صاحب فتاوی کے بہت سے رسائل بھی شامل ہیں، لیکن افسوس کہ بدعات کی تائید بلکہ اختراع اور مسلمانوں کی تکفیر میں مصنف کا قلم شمشیر بے نیام رہتا ہے۔

اہل حدیث مکتبۂ فکر کے بھی کئی فتاوی اردو زبان میں شائع ہوئے ہیں، جن میں شاہ محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے فتاوی ''فتاوی نذیریہ'' (۲ جلدیں) مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ''فتاوی ثنائیہ'' اور مولانا عبدالسلام بستوی کے ''اسلامی فتاوی'' کے نام سے طبع ہو چکے ہیں، ان فتاوی میں احناف اور غیر مقلدین کے درمیان اختلافی فروعی مسائل کو زیادہ مرکز توجہ بنایا گیا ہے، علماء اہل حدیث ہی میں نواب صدیق حسن صاحب کے فتاوی بھی ہیں جو دو مختصر جلدوں پر اور ۱۳۴ صفحات پر مشتمل ہیں، اور اس میں بھی سلفی فکر اور لب ولہجہ کی پوری پوری نمائندگی ہے۔

اردو فتاوی میں سب سے نمایاں حصہ علماء دیوبند کا ہے، دیوبند کے سرپرستوں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴-۱۳۲۲ھ) کے فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی رشیدیہ'' کے نام سے ایک جلد میں شائع ہو چکا ہے، محبی فی اللہ محترم جناب مولانا نورالحسن کاندھلوی زید مجدہ نے مولانا گنگوہی کے غیر مطبوعہ فتاوی کی ایک مناسب تعداد حاصل کی ہے، جسے وہ مستقل مجموعہ کی شکل میں شائع کرنے والے ہیں، راقم الحروف کو بھی اسے دیکھنے کا موقع ملا ہے، امید ہے کہ یہ

مجموعہ کم وکیف دونوں اعتبار سے پہلے مجموعہ سے بڑھ کر ہوگا۔

علماء دیوبند میں ایک اہم شخصیت حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۲۶۹-۱۳۴۶ھ) کی ہے، ان کے فتاوی اور فقہی نگارشات کا مجموعہ ایک جلد میں ''فتاوی مظاہر علوم'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس مجموعہ میں آپ کا مشہور رسالہ ''المہند'' (جو علماء دیوبند پر بعض الزامات کے جواب میں ہے) کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے، اسے مولانا سید خالد سہارنپوری نے شائع کیا ہے۔

اردو فتاوی میں بہت ہی امتیازی شان کا حامل مجموعہ ''امداد الفتاوی'' ہے، جو حضرت مولانا اشرف علیؒ تھانوی (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) جیسے فقیہ کے فتاوی پر مشتمل ہے، یہ ضخیم جلدوں میں ہے، جسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے مرتب فرمایا ہے، اور اس کے کچھ حصہ پر مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری استاذ دارالعلوم دیوبند نے اپنے مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔

علم وتحقیق اور سیاسی فہم وبصیرت کے اعتبار سے بیسویں صدی کی ایک اہم شخصیت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب دہلوی (م: ۱۳۷۲ھ) ہیں، آپ کے فتاوی کا مجموعہ آپ کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمن واصف مرحوم کی ترتیب وتبویب کے ساتھ ''کفایت المفتی'' کے نام سے نو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، زمانہ آگہی، اپنے عصر اور عہد کے حالات کی رعایت اور شستہ وشگفتہ زبان وتعبیر آپ کا خاص امتیاز ہے، اس مجموعہ کی فہرست اجمالی تھی اس لیے لوگوں کو استفادہ میں بہت دشواری پیش آتی تھی، اللہ جزائے خیر دے مولانا عبد القیوم (استاذ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل) کو کہ انہوں نے اس کی تفصیلی فہرست تیار کر دی ہے، اور اس کتاب سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے پہلے مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی کے پندرہ سو (۱۵۰۰) فتاوی (جو آپ نے ۱۳۲۹ تا ۱۳۴۴ھ کے دوران لکھے تھے) کا مجموعہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ''عزیز الفتاوی'' کے نام سے ترتیب دیا تھا، جو ایک جلد میں ہے، حضرت مولانا محمد مفتی شفیع صاحب نے بہت پہلے اپنے فتاوی کا ایک مجموعہ خود ہی مرتب فرمایا تھا، جو ایک ہزار سے زیادہ

صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ایک باب ''اختیار الصواب'' کا بھی ہے، جن میں آپ نے اپنے ان فتاوی کا ذکر کیا ہے جن سے آپ نے رجوع کر لیا ہے، گہری فقہی بصیرت اور وسیع نظر کے ساتھ ساتھ آسان نویسی آپ کے فتاوی اور قلم کی خصوصیت ہے، آپ نے اس مجموعہ کا نام ''امداد المفتین'' رکھا ہے، مفتی محمد شفیع صاحب نے بہت پہلے ''عزیز الفتاوی'' اور ''امداد المفتین'' کے مجموعہ کو دو جلدوں میں ''فتاوی دار العلوم دیوبند'' کے نام سے شائع کیا تھا ــــ مفتی صاحب کے وہ ہزاروں فتاوی جو آپ نے پاکستان میں دیئے ہیں کی ترتیب و تحقیق کا کام آپ کے نامور فرزندان حضرت مولٰنا محمد رفیع عثمانی اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کی نگرانی میں ہو رہا ہے، امید ہے کہ جب فتاوی کا یہ مجموعہ مرتب ہو کر منظر عام پر آئے گا تو نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ اہل علم کے لیے بھی ایک قیمتی تحفہ ہوگا۔

اردو فتاوی میں ایک اہم مجموعہ ''امداد الاحکام'' ہے، جو تقریباً سوا دو ہزار فتاوی پر مشتمل ہے، یہ مشہور محدث حضرت مولانا ظفر احمد عثانی اور حضرت مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلوی کے فتاوی ہیں، جو مولانا محمد رفیع عثمانی کی ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہوا ہے، اس میں بعض فتاوی خود حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھی ہیں، یہ فتاوی علم و تحقیق کے اعتبار سے پوری طرح حضرت تھانویؒ کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔

دار العلوم دیوبند کا دار الافتاء اپنی قدامت، تسلسل اور مرجعیت کے اعتبار سے ملک کا سب سے ممتاز دار الافتاء ہے، اور یہاں سے جتنی بڑی تعداد میں فتاوی صادر ہوئے ہیں اور ہوتے رہے ہیں اس کی شاید ہی کوئی نظیر ہو، چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے عہد اہتمام میں ''فتاوی دار العلوم'' کی ترتیب کا باقاعدہ کام شروع ہوا اور یہ ذمہ داری ایک صاحب نظر عالم اور صاحب افتاء حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی مدظلہ سے متعلق کی گئی، مفتی صاحب نے مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے فتاوی کو مرتب کرنا شروع کیا، جس کی اب تک تیرہ جلدیں آچکی ہیں، یہ فتاوی کا ایک وسیع مجموعہ ہے، اور اگر دار العلوم کے تمام فتاوی اسی طرح مرتب ہو جائیں تو

یہ ایک وسیع فقہی انسائیکلو پیڈیا بن جائے گی۔

مولانا مفتی محمد یاسین مبارکپوری (۱۲۰۴-۱۳۲۵ھ) جامعہ احیاء العلوم مبارکپور میں افتاء کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے، مفتی جمیل احمد نذیری صاحب نے آپ کے فتاوی کا انتخاب ''فتاوی احیاء العلوم'' کے نام سے مرتب کیا ہے، اس میں رد بدعت پر بعض تحقیقی جوابات شامل ہیں۔

ماضی قریب میں امت نے جن بزرگوں کی محرومی کا زخم کھایا ہے ان میں ایک مشہور عالم مفتی عبد الرحیم لاجپوری (۱۳۲۱-۱۴۲۲ھ) ہیں، جن کے فتاوی ''فتاوی رحیمیہ'' کے نام سے ۱۲ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، آپ کے فتاوی کافی شرح وبسط اور تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، اور اکابر علماء نے ان فتاوی کی تحسین کی ہے، یہ مجموعہ اردو کے علاوہ انگریزی اور گجراتی زبانوں میں بھی طبع ہو چکا ہے، چوں کہ مصنفؒ نے اپنی زندگی میں فتاوی مرتب کیے ہیں، اس لیے ایک ہی باب مختلف جلدوں میں آیا ہے، گو مسائل میں تکرار نہیں ہے، اللہ جزائے خیر دے مفتی عبد القیوم صاحب (ڈابھیل) کو، کہ انہوں نے فقہی ابواب کے اعتبار سے ایک تفصیلی فہرست مستقل ایک جلد میں مرتب کر دی ہے، جس نے فتاوی رحیمیہ سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے۔

حلقۂ دیوبند کے جو فتاوی شائع ہوئے ہیں ان میں استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ کے ''منتخبات نظام الفتاوی'' خصوصی اہمیت کی حامل ہے، یہ آپ کے ہزاروں فتاوی میں سے خود آپ ہی کا انتخاب ہے، جس کی دو جلدیں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سے طبع ہو چکی ہیں، اور تیسری جلد زیر طبع ہے، مفتی صاحب کے فتاوی کا ایک اور مجموعہ بھی ''نظام الفتاوی'' کے نام سے طبع ہو رہا ہے، لیکن مسائل کی تکرار، ترتیب میں نقص اور حوالہ جات وحواشی کے فقدان کی وجہ سے منتخبات کی اشاعت کے بعد اس کی طباعت بے معنی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت تھانوی اور ان کے تلامذہ کے بعد جو فتاوی شائع ہوئے ہیں، ان میں علم وتحقیق کے معیار کے اعتبار سے فتاوی کا سب سے اہم مجموعہ ''احسن الفتاوی'' ہے، جس کی آٹھ جلدیں

آچکی ہیں، یہ فتاوی شرح وتحقیق، نئے مسائل پر گفتگو اور بعض اختلافی مسائل میں سیر حاصل بحث، نیز فرق باطلہ پر مدلل رد کے اعتبار سے ایک اہم ترین مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں کئی اہم فقہی رسائل بھی شامل اشاعت ہیں۔

حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمود حسن گنگوہیؒ وسعت نظر اور عمق کے اعتبار سے اپنے معاصر علماء میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے، انہوں نے طویل عرصہ دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور میں افتاء کا فریضہ انجام دیا ہے، آپ کے فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی محمودیہ'' کے نام سے ۲۰ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، جسے مولانا محمد فاروق میرٹھی نے مرتب کیا ہے، اس مجموعہ میں تین ہزار سے زائد مسائل شامل ہیں، البتہ اس مجموعہ کی ترتیب اور فتاوی پر تخریج وتعلیق کے سلسلہ میں مزید محنت کی ضرورت ہے، اور مکررات کو حذف کر دینا مناسب ہے۔

ادھر دو تین سال کے اندر شائع ہونے والے فتاوی میں ایک اہم مجموعہ'' فتاوی امارت شرعیہ'' کا ہے، اب تک اس کی دو جلدیں آچکی ہیں، پہلی جلد امارت شرعیہ کے بانی مفکر اسلام حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ کے فتاوی پر مشتمل ہے، جس کی تعداد ۱۹۸ ہے، اس مجموعہ میں بعض سیاسی مسائل نیز ''فسخ وتفریق'' سے متعلق سوالات پر بہت ہی فاضلانہ جوابات آگئے ہیں، ''فتاوی امارت شرعیہ'' کی دوسری جلد طہارت اور صلوۃ سے متعلق ہے، جس میں حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ، مولانا قاضی نور الحسنؒ، مولانا محمد عثمان غنی (تلمیذ علامہ انور شاہ کشمیریؒ)، مفتی محمد عباسؒ اور چند فتاوی کچھ اور حضرات کے ہیں، مجموعی طور پر یہ مجموعہ ۶۰۴ فتاوی پر مشتمل ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ان دونوں جلدوں کی ترتیب وتبویب کا کام نہایت تحقیق کے ساتھ کیا ہے، اور یہ مجموعہ ان کے مقدمہ سے آراستہ ہے، ابھی چند روز پہلے ''فتاوی امارت شرعیہ'' کی تیسری جلد بھی طبع ہوگئی ہے، جسے نوجوان فاضل مفتی سعید الرحمن قاسمی نے بڑی محنت اور خوش سلیقہ سے مرتب کیا ہے۔

علماء ہند میں حضرت مولانا سید حسین احمد ندویؒ کے نام اور کام سے کون صاحب علم ناواقف ہوگا؟

وہ نہ صرف ملت اسلامیہ ہند کے سپاہی بلکہ سپہ سالار تھے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بحر علم کے غواص بھی تھے، اور حدیث وفقہ آپ کا موضوع تھا، حال ہی میں آپ کے فتاوی کا مجموعہ مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب کی ترتیب وتحقیق کے ساتھ ایک جلد میں شائع ہوا ہے۔

گزشتہ ربع صدی میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ایک معتبر اور صاحب نظر فقیہ کی حیثیت سے برصغیر کی فضا پر چھائے رہے، انہوں نے پوری زندگی قضاء اور فصل خصومات کی خدمات انجام دیں، اور اس راہ میں ان کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور مسافران شوق کے لیے چشم کشا اور مشعل راہ ہے، چنانچہ مولانا امتیاز احمد قاسمی (رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے ''فتاوی قاضی'' کے نام سے ان کے فتوی کو مرتب کیا ہے، جو ۱۲۰ فتاوی اور ۲۴۵ صفحات پر مشتمل ہے، اور ایفا پبلیکشن نے اسے شائع کیا ہے۔

اخبارات ورسائل میں بھی سوال وجواب کی اشاعت کا طویل عرصہ سے معمول ہے، عالم عرب میں روزنامہ "الدیة" کے علاوہ "التضامن الإسلامی" اور "المجتمع" وغیرہ میں سوال وجواب کے کالم ہوتے ہیں، ہندوستان کے اخبارات میں روزنامہ "الجمیعة" میں احکام و حوادث کا کالم بہت مقبول تھا، ''کفایت المفتی'' انہی سوالات و جوابات کا مجموعہ ہے، معروف صاحب نظر مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ نے جب ''ترجمان القرآن'' کی ادارت سنبھالی تو اس میں مستقل عنوان ''رسائل ومسائل'' کا رکھا، جس میں وہ فقہی، سیاسی اور تحریکی سوالات کے جواب دیا کرتے تھے، آزادی کے بعد یہ رسالہ دکن سے لاہور (پاکستان) منتقل ہوگیا اور اب جناب ملک غلام علی صاحب جوابات لکھتے ہیں، مولانا مودودیؒ نے اپنی زندگی ہی میں ان سوالات وجوابات کو ۵ حصوں میں شائع کیا تھا، جو ان کی مقبول کتابوں میں سے ایک ہے، البتہ ان کی بعض آراء جمہور کے خلاف ہیں، مولانا مرحوم کے بعد چھٹا اور ساتواں حصہ جو جسٹس ملک غلام علی کے قلم سے ہے، بھی طبع ہو چکا ہے، اور اس کا نہج بھی وہی ہے جو خود مولانا مودودیؒ کا ہے۔

ہندوستان میں جماعت اسلامی کے ترجمان ماہنامہ ''زندگی'' میں سوال وجواب کا کالم

مولانا سید احمد عروج قادریؒ لکھا کرتے تھے، وہ باضابطہ اور مستند عالم دین تھے، ان کے جوابات کا مجموعہ دو حصوں میں "احکام ومسائل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، مصنف نے ان جوابات میں کتاب وسنت کے بعد کتب فقہ سے بھی مراجعت کا اہتمام کیا ہے، اور یہ سوال و جواب کا ایک بہتر مجموعہ ہے جس میں بہت سے نئے مسائل بھی آ گئے ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک نہایت ہی اہم اور قابل ذکر کوشش مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی "آپ کے مسائل اور ان کا حل" ہے، مولانا موصوف روزنامہ "جنگ" کراچی میں فقہی سوالات کے جوابات لکھا کرتے تھے، ان سوالات و جوابات کا مجموعہ ۹ جلدوں پر مشتمل ہے، مولانا مرحوم نے فرق باطلہ کے رد پر خاص توجہ دی ہے، لیکن دوسرے مسائل پر عام طور پر بہت مختصر گفتگو کی ہے، اور حوالہ جات کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا ہے، اس سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے، کاش! مولانا مرحوم کے متوسلین اور تلامذہ حوالہ جات کی تخریج کر دیں تو یقیناً یہ ایک اہم خدمت ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔

سوال و جواب کا ایک قابل قدر مجموعہ حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے: "سوال و جواب — کتاب وسنت کی روشنی میں" (۴ جلدوں میں) — یہ صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب (مقیم جدہ) کے جوابات ہیں جو خلیج کے مشہور اور منفرد اردو روزنامہ "اردو نیوز" میں دیئے جاتے ہیں، یہ ایک وقیع مجموعہ ہے، اور خلیج میں بسنے والے تارکین وطن کی رہنمائی کے لیے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، عزیز گرامی مولانا محمد عابد ندوی سلمہ (مقیم جدہ) نے اسے مرتب کیا ہے، اور عزیزی مفتی اشرف علی قاسمی سلمہ (استاذ معہد) نے اس کی ترتیب میں تعاون کیا ہے۔

ہندوستان میں متعدد اخبارات و رسائل میں فقہی سوال و جواب کے کالم کا سلسلہ جاری بھی ہے اور مقبول بھی، جن میں ہفت روزہ "نقیب" پھلواری شریف پٹنہ، پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ، ماہنامہ "ہدایت" جے پور، روزنامہ "انقلاب" بمبئی، روزنامہ "سیاست" حیدرآباد اور روزنامہ "منصف" حیدرآباد (جو ہندوستان میں سب سے کثیر الاشاعت اخبار ہے) خاص طور پر

قابل ذکر ہیں، کتاب الفتاوی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے، زیادہ تر اسی آخر الذکر اخبار کے سوالات و جوابات پر مشتمل ہے۔

فتوی — شرعی احکام

رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ مکمل ہو چکا ہے، لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی نیکی کی دعوت دینا برائی سے روکنا ایسا امر ہے جو قیامت تک جاری رہے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ فریضہ اس امت سے متعلق کر دیا گیا ہے، بلکہ یہی اس امت کا مقصدِ وجود ہے :

﴿ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورتوں ہی میں سے ایک فتوی دینا بھی ہے ؛ کیوں کہ فتوی کے ذریعہ لوگ حلال و حرام سے واقف ہوتے ہیں، اور حلال کو اختیار کرنے اور حرام سے بچنے کی توفیق میسر آتی ہے، اس پس منظر میں سوال یہ ہے کہ فتوی دینے کا شرعی حکم کیا ہے؟—— شریعت کے اصولی احکام اور اجتہاد کے سلسلہ میں فقہاء کی توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات اور مواقع کے اعتبار سے فتوی دینے کا حکم مختلف ہوگا:

- بعض صورتوں میں فتوی دینا مفتی پر فرض عین ہے، یعنی اگر مفتی فتوی دینے سے انکار کر دے تو گنہگار ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ خود حکم سے واقف ہو، یا کم سے کم واقفیت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کے سوا کوئی اور شخص نہ ہو جو اس مسئلہ کا جواب دے سکے، تیسرے وہ مسئلہ پیش آ چکا ہو، محض فرضی اور بے فائدہ سوال نہ ہو، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"... فإذا استفتي و ليس في الناحية غيره

تعین علیہ الجواب ... و لو سأل عامی عما لم یقع لم یجب جوابہ "(شرح مہذب:۱/۴۵،مقدمہ)

''جس شخص سے سوال کیا جائے اگر علاقہ میں اس کے سوا کوئی اور مفتی موجود نہ ہوتو یہ بات متعین ہے کہ اس کے لیے جواب دینا واجب ہے ...اور اگر کسی عامی نے ایسی بات کے بارے میں سوال کیا جو ابھی واقع ہی نہیں ہوئی ، تو اس کا جواب دینا واجب نہیں''

اب اگر ایسا سوال ہے جس میں تاخیر سے بھی عمل کی گنجائش ہوتو جواب میں تاخیر بھی کی جاسکتی ہے،اور اگر فوری حل طلب مسئلہ ہوتو فوری طور پر اس کا جواب دینا یا اس کے جواب کو تلاش کرنا واجب ہے، گویا کبھی فتوی کا جواب دینا واجب علی الفور ہوتا ہے اور کبھی واجب علی التراخی، جیسا کہ اجتہاد کا حکم ہے۔(دیکھئے:کشف الأسرار:۴/۲۶)

- اگر اس علاقہ میں ایک سے زیادہ مفتی موجود ہوں اور مسئلہ اتنا زیادہ عاجلانہ نہ ہو کہ اگر وہ جواب نہ دے تو ضرورت منداس موقع پر مطلوب عمل سے محروم رہ جائے ،تو فتوی دینا فرض کفایہ ہے، جیسا کہ امر بالمعروف کا حکم ہے کہ اگر کئی لوگ امر بالمعروف کی صلاحیت رکھنے والے موجود ہوں تو ہر ایک کے حق میں یہ فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے،اسی پس منظر میں بعض فقہاء شوافع نے لکھا ہے کہ سفر شرعی کی مسافت کے بقدر علاقہ میں کم سے کم ایک مفتی ضرور ہونا چاہیے۔ (دیکھئے: شرح المنہاج للمحلی :۴/۲۱۴)

- جو مسائل ابھی پیش نہیں آئے ہیں اور ان کے بارے میں دریافت کیا جائے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں، مستحب ہے۔(دیکھئے:کشف الأسرار :۴/ ۲۷-۲۶،التقریر و التحریر:۳/۲۹۲)

- جو شخص مسئلہ سے واقف ہی نہ ہو یا واقف تو ہو؛ لیکن قرآن وحدیث کے نصوص

اور اجماع کے مقابل اور اس کے علی الرغم اپنی رائے رکھتا ہو تو اس کے لیے فتوی دینا حرام ہے، کیوں کہ وہ خود غلطی پر ہے، اور فتوی دے کر دوسروں کو بھی غلطی پر اکسا رہا ہے۔

✿ جو مسائل پیش نہیں آئے ہوں، اور بظاہر ان کے پیش آنے کی توقع بھی نہیں ہے، ایسی بے فائدہ چیزوں کے بارے میں سوال کرنا اور جواب دینا مکروہ ہے۔ (دیکھئے: الفتاوی نشأتها و تطورها :۲/۶۲۰)

اصول افتاء پر کتابیں

جس طرح احکام کے استنباط اور اجتہاد کے لیے اصول مقرر کئے گئے ہیں، اسی طرح اہل علم نے فتوی دینے کے اصول پر بھی قلم اٹھایا ہے، اور انہیں منضبط کرنے کی کوشش کی ہے، اس فن کو عام طور پر ''رسم المفتی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس میں فتوی کی اہمیت، فتوی کا شرعی حکم، فتاوی نویسی کے اصول و قواعد، مفتی کی صفات وغیرہ موضوعات پر بحث کی جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس فن پر کم کام ہوا ہے، اور چند ہی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں سے اہم کتابیں یہ ہیں:

الفقيه و المتفقه	حافظ خطیب بغدادی	(م:۴۶۳ھ)
أدب المفتي والمستفتي	حافظ تقی الدین ابن صلاح	(م:۶۴۳ھ)
آداب الفتوى و المفتي والمستفتي	امام نووی	(م:۶۷۶ھ)
الفتيا و مناهج الإفتاء	شمس الدین محمود اسفہانی	(م:۷۴۹ھ)
الإحكام في تميز الفتاوى	امام ابوالعباس احمد قرافی	
إعلام الموقعين	علامہ ابن قیم جوزی	(م:۷۵۱ھ)
الفتوى في الإسلام	علامہ شمس الدین قاضی زادہ	(م:۹۸۸ھ)
منار أهل الفتوى		
و قواعد الإفتاء بالأقوى	علامہ ابراہیم نغانی مالکی	

عقود رسم المفتی	علامہ ابن عابدین شامی	(م:۱۲۵۲ھ)
صفۃ الفتوی والمفتی والمستفتی	علامہ احمد حموی	(م:۱۰۹۸ھ)

ان کے علاوہ مختلف اہل علم نے اپنی فقہی تالیفات میں افتاء اور استفتاء کے آداب پر مستقل عنوان قائم کیا ہے، اور مختصر طور پر اصول افتاء پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، اس سلسلہ میں علامہ خیر الدین رملی کی ''فتاوی خیریہ'' علامہ سراج الدین اودھی کی ''فتاوی سراجیہ'' اور قاضی فخر الدین خاں کی ''فتاوی خانیہ'' نیز علامہ حصکفی کی ''درمختار'' اور اس پر ابن عابدین شامی کے حواشی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اردو زبان میں مستقل حیثیت سے اس موضوع پر بہت کم قلم اٹھایا گیا ہے، اسی پس منظر میں راقم الحروف کی خواہش پر عزیز گرامی مولانا محمد شہاب الدین سبیلی (پی، ایچ، ڈی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد) نے ''افتاء — احکام وآداب'' (صفحات: ۱۲۸) کے نام سے ایک مختصر مگر جامع تحریر مرتب کی ہے، جسے ۱۴۲۳ھ میں المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد نے شائع کیا ہے، البتہ علامہ شامی کی شرح عقود رسم المفتی کو بعض علماء نے اردو زبان کا جامہ پہنایا ہے، اس سلسلہ میں مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری (استاذ حدیث دار العلوم دیوبند) اور مفتی محمد سلمان منصور پوری (استاذ حدیث جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد) کی خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مولانا پالنپوری نے ''آپ فتوی کیسے دیں؟'' کے نام سے عقود رسم المفتی یعنی متن کے اشعار کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے، پھر اس کی شرح اس طرح کی ہے کہ علامہ شامی کی شرح عقود کا نچوڑ آجائے، گویا متن کا ترجمہ ہے اور شرح کی ترجمانی، نیز کتاب کے اخیر میں کتاب میں مذکور شخصیتوں کے تراجم اور کتابوں کے تعارف پر مشتمل بہت ہی مفید ضمیمہ ہے — مولانا منصور پوری نے اس میں آنے والے اصولوں کو منقح کرنے اور مثالوں پر منطبق کرنے کی بہت ہی مفید کوشش کی ہے۔

استفتاء — آداب واحکام

استفتاء اور افتاء کے آداب اور مفتی کی مطلوبہ صفات کے سلسلہ میں اختصار کے ساتھ اس حقیر نے اپنی تالیف ''قاموس الفقہ'' میں گفتگو کی ہے، یہاں کتاب کی مناسبت سے وہی خلاصہ

ذکر کیا جاتا ہے:

استفتاء کے معنی سوال دریافت کرنے کے ہیں —— اور اس کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہے، فرمایا گیا: ﴿ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ ﴾ (النحل: ۴۳) یہاں ذکر سے علم مراد ہے، اس طرح اہل علم سے پوچھنے اور واقفیت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا، لہذا ان تمام لوگوں کے لیے جو خود منصب افتاء کے اہل نہ ہوں، واجب ہے کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ارباب افتاء سے سوال کریں، ضرورت ہو تو اس کے لیے سفر کریں اور آج کل کے حالات کے لحاظ سے بذریعہ پوسٹ یا انٹرنیٹ دریافت کریں۔

کس سے سوال کیا جائے؟

✿ سوال ایسے شخص سے کرنا چاہئے جو علوم اسلامی سے واقف ہو، فقہ پر دستگاہ رکھتا ہو اور فتوی دینے کا اہل ہو، ہر شخص جو روایتی عالم ہو، یا عالم کہلاتا ہو، سے استفتاء نہیں کرنا چاہئے، عین ممکن ہے کہ ایک شخص بہترین واعظ ہو، اچھا مدرس ہو، مگر فتاوی کی کتب اور مفتی بہ اقوال پر اس کی نظر نہ ہو۔

✿ افتاء کی اہلیت جاننے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ عام مسلمانوں میں اس کا مفتی ہونا مشہور ہو، یا ایک بھی صاحب علم کسی کے مفتی ہونے کی نشاندہی کردے۔

✿ جہاں ایک سے زیادہ ارباب افتاء موجود ہوں وہاں کسی بھی ایک سے سوال کیا جاسکتا ہے، ضروری نہیں کہ یہ جستجو کی جائے کہ ان میں سے کون زیادہ اہلیت رکھتے ہیں؟ البتہ یہ بات زیادہ بہتر ہوگی کہ جو زیادہ اہل ہوں، ان سے تحقیق کو ترجیح دی جائے۔

✿ پھر اگر دو ایسے مفتی جمع ہوں جن میں سے ایک علم و تحقیق کے اعتبار سے زیادہ ممتاز ہوں اور دوسرے اپنے زہد و ورع کے لحاظ سے، تو پہلے کو ترجیح ہوگی۔

✿ سوال کرنے والے کو چاہئے کہ اس مفتی سے سوال کرے جو اس کا ہم مسلک ہو،

یعنی حنفی، حنفی سے، شافعی، شافعی سے، اس لیے کہ اگر اس مسئلہ کو "مستفتی" کی نظرِ انتخاب پر چھوڑ دیا جائے اور وہ کبھی حنفی سے اور کبھی شافعی عالم سے پوچھتا پھرے تو رخصتوں اور سہولتوں کی پیروی کا ایک بہانہ ہاتھ آ جائے گا، اور دین بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

سوال کے آداب

- استفتاء براہِ راست کرنا چاہیے یا کسی ثقہ قاصد یا قابل اعتماد ذریعہ کو واسطہ بنانا چاہیے۔
- مفتی کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئے، اس کو تحریری یا زبانی طور پر مخاطب کرتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کرے جو احترام و تعظیم کے لیے ہوں، ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ نہ کرے۔
- مفتی کے جواب کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے بھی ایسا ہی کہا تھا، یا یہ کہ میرے دل میں بھی یہی بات آئی، یا آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی مجھے یہ بتا چکے ہیں۔
- اس طرح بھی استفتاء نہ کرے کہ اگر آپ کا جواب فلاں مفتی صاحب کے موافق ہے، جنہوں نے لکھا ہے، تو لکھئے ورنہ ضرورت نہیں۔
- اس حال میں بھی سوال نہیں کرنا چاہیے جب مفتی کھڑا ہو، یا غیظ و غصہ اور غم کی حالت میں ہو اور مزاج اعتدال پر نہ ہو۔

سوالنامہ اور تعبیر

- سوال کا کاغذ بڑا ہو تا کہ وضاحت کے ساتھ بآسانی اس کا مفصل جواب بھی اسی کاغذ پر تحریر کیا جا سکے۔
- سوال میں احترام کے ساتھ مخاطب کرنے کے علاوہ کچھ دعائیہ جملہ بھی ہو، مثلاً

اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے، آپ سے راضی ہو وغیرہ۔

- سوال واضح عبارت میں ہو، حروف صاف اور خط نمایاں ہو، بہتر ہے کہ کسی صاحب علم سے استفتاء مرتب کرائے، گزشتہ زمانہ میں تو بعض فقہاء شہر کے بعض مخصوص کاتبین کے لکھے ہوئے سوالات ہی قبول کرتے تھے، عام لوگوں کے سوال قبول نہیں کرتے تھے۔
- عام لوگوں کو فتاوی میں دلیل کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے، ہاں، اگر تسکین نفس اور اطمینان کے لیے دلیل کو جاننا ہی چاہتا ہے تو بہتر ہے کہ کسی اور مجلس میں آکر اس کی درخواست کرے خواص اور اہل علم دلائل واضح کر دینے کی خواہش کر سکتے ہیں۔
- سوال اگر تحریری صورت میں ہو تو مستفتی کو اپنا نام بھی لکھنا چاہیے تا کہ مسائل واضح ہو سکیں۔ (یہ امام نووی کی " شرح المہذب " کے مقدمہ (آداب الفتوی والمفتی والمستفتی) سے ماخوذ ہے، راقم نے " آداب المستفتی " کے ضروری حصہ کی تلخیص کر دی ہے اور کچھ اضافہ بھی ہے۔

ناپسندیدہ اور بے مقصد سوالات

- خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ اور نظری قسم کے سوالات کو اسلام میں پسند نہیں کیا گیا ہے، بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے قیل وقال اور کثرت سوال کو ناپسند فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایسی چیزیں جو پیش نہیں آئیں، کے بارے میں سوال نہ کیا کرو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو برا بھلا کہتے تھے، امام اوزاعیؒ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو علم کی برکت سے محروم رکھنا چاہتا ہے تو اس کی زبان پر لایعنی سوالات (اغالیط) ڈال دیتا ہے۔ (امام ابواسحاق شاطبی: الموافقات: ۳۱۸/۴-۳۱۷)

ابو اسحاق شاطبی نے مختلف روایات کو سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ جس نوعیت کے سوال ناپسندیدہ ہیں، ان میں حسب ذیل دس صورتیں بھی ہیں:

۱) ایسی چیزوں کی بابت سوال کرنا جن کا کوئی فائدہ نہیں، چنانچہ لوگوں نے

آنحضور ﷺ سے اس کی حکمت دریافت کی کہ چاند کے باریک اور پھر رفتہ رفتہ موٹے ہونے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس بے مقصد سوال کا جواب دینے سے اعراض کیا گیا، اور قرآن میں کہا گیا کہ وہ لوگوں کے لیے اوقات بتانے کا ذریعہ ہے اور درحقیقت چاند کے سلسلہ میں یہی مقصدی بات ہی قابلِ ذکر ہے۔ (اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ یہاں قرآن نے اصل سوال سے احتراز کر کے ایک با مقصد بات بتادی ہے، اور اس حقیقت کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ کر دیا ہے کہ ایسے سوالات نہیں کرنے چاہئیں، دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ یہاں ان کے سوال ہی کا جواب دیا گیا ہے کہ چاند کے موٹے اور باریک ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اس کے ذریعہ وقت یعنی تاریخ معلوم ہوتی ہے کہ اگر چاند شروع ہی سے موٹا ہوتا یا آخیر تک باریک رہتا تو تاریخ کا اندازہ نہ سکتا جیسا کہ سورج کی وجہ سے تاریخ کا تعین مشکل ہے۔)

یا اسی طرح ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو، حضرت عبداللہ بن حذیفہ ؓ نے دریافت کیا "مَنْ أبِي ؟" (میرے باپ کون ہیں؟) اس سوال سے آپ ﷺ کے چہرہ پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے گئے۔

۲) دوسرے یہ کہ ضروری آگاہی حاصل ہو جانے کے بعد پھر خواہ مخواہ سوال کیا جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس فقرہ پر برہمی ہوئی، جب ایک شخص نے حج کے بارے میں دریافت کیا: "أكلّ عام ؟" (کیا یہ حج ہر سال واجب ہے)۔

۳) فی الوقت جس بات کی ضرورت نہ ہو اس کے بارے میں سوال کرنا —— چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ذروني ماتركتكم" (میں نے جس معاملہ میں تم کو چھوڑ دیا ہے اور کسی بات کا پابند نہیں بنایا ہے اس میں تم بھی مجھے چھوڑ دو، اور سوالات نہ کرو۔ (یہ حکم نزول وحی کے زمانہ کے لئے تھا۔)

۴) پیچیدہ بے مقصد سوالات کرنا —— حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے "اغلوطات" سے منع فرمایا ہے، اور "اغلوطات" ایسے ہی سوالات کو کہتے ہیں۔

۵)　　کسی ایسے حکم کی حکمت دریافت کرنا جس کا تعلق عقل و قیاس سے نہیں ہے، بلکہ بے سمجھے ایمان لانے، عمل کرنے اور اس پر یقین کرنے سے ہو، یا یہ کہ اس قسم کا سوال ایسا آدمی کرے جو ایسی دقیق باتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

۶)　　ضرورت سے زیادہ تکلف اور بے جا غلو پر مبنی سوال، —— چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمر ﷺ ایک قافلہ کے ساتھ ایک پانی کے چشمہ پر پہونچے، ایک صاحب نے اس کی پاکی اور ناپاکی کی تحقیق کے لیے مقامی باشندہ سے سوال کیا کہ کیا اس پر پرندے اور جانور بھی آتے ہیں؟ حضرت عمر ﷺ نے اس سوال کو ناپسند فرمایا اور اس شخص کو جواب دینے سے منع فرمایا۔

۷)　　اس طرح سوال نہ کیا جائے کہ کتاب و سنت پر اعتراض اور اشکال کی بو آئے۔ (ہاں، مزید طمانیت اور زیادت ایمان کے لیے شائستہ لب ولہجہ میں ایسا سوال کیا جاسکتا ہے اور صحابہ ﷺ کی زندگی میں اس کی مثالیں موجود ہیں)۔

۸)　　متشابہت یعنی دقیق اور مخفی امور کی بابت سوال کرنا —— چنانچہ امام مالکؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح عرش پر بیٹھتے ہیں؟ یعنی اس سے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم اور مکان لازم آتا ہے، حالاں کہ ذات والا شانہ، لامکان اور جسمانی کثافتوں سے بے نیاز ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ''استواء'' یعنی عرش پر جلوہ افروز ہونا معلوم ہے، اس لیے کہ قرآن میں اس کا ذکر ہے، اس کی کیفیت نا معلوم ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا ''بدعت'' ہے۔ (اسی طرح تقدیر وغیرہ کے مسائل کا بھی حکم ہے)

۹)　　سلف صالحین اور صحابہ ﷺ کے مشاجرات اور اختلافات کے متعلق سوال و بحث، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کسی نے جنگ صفین کے بارے میں سوال کیا جو حضرت علی ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان ہوئی تھی، تو فرمایا: یہ ایسے خون تھے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ کو روکا اور بچایا، لہذا مجھے پسند نہیں کہ اب اپنی زبان کو اس سے ملوث کروں۔

۱۰)　　وہ سوال جس سے اپنی برتری ظاہر کرنا، اور علمی غلبہ حاصل کرنا مقصود ہو۔

(الموافقات:۴/۲۱-۲۰-۳۱۹)

اس لیے ضرورت سے زیادہ اور بے مقصد سوالات سے احتراز کرنا چاہئے۔

مفتی کی مطلوبہ صفات

مفتی کو مسلمان، قابل اعتماد، شرعی احکام کا پابند، عاقل، بالغ ،فقیہ، صحیح العقیدہ، زیرک و دانشمند، بیدار مغز، اخذ واستنباط کی صلاحیت کا حامل اور غیر جانبدار ہونا چاہئے، مردوں کے علاوہ عورتیں بھی فتاوی دے سکتی ہیں اور صحابہ ﷺ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا افتاء میں امتیازی مقام کی حامل تھیں۔(ماخوذ: باب آداب الفتوی و المفتی و المستفتی " مقدمہ شرح المهذب ،ملخصا)

افتاء کے آداب

✿ فتوی میں تساہل اور کوتاہی برتنا جائز نہیں، تساہل سے مراد یہ ہے کہ غور فکر اور تحقیق سے پہلے جواب دیا جائے اور عجلت برتی جائے ،البتہ اگر ماضی قریب ہی میں اس مسئلہ کی تحقیق کر چکا ہے اور مسائل کا استحضار ہے تو جلد جواب دینے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں، اسی طرح غلط اور ناروا مقاصد کے لیے حیلہ جوئی اور اس کی رہنمائی کرنا جائز نہیں۔

✿ غصہ، بھوک و پیاس، غیر معمولی مسرت یا غم، اونگھ، رنجیدگی، شدید گرمی، تکلیف دہ بیاری، پائخانہ و پیشاب، ریاح وغیرہ کو روکتے ہوئے اور ان تمام حالات میں جب آدمی کی طبیعت پوری طرح اعتدال پر نہیں رہتی ہے، فتوی نہیں دینا چاہئے۔

✿ اقرار، قسم، طلاق اور وہ چیزیں جن کا تعلق الفاظ سے ہو، ان میں اسی وقت فتوی دینا چاہئے کہ یا تو خود اس شہر کا باشندہ ہو جہاں سوال کیا گیا ہے، یا ان کے درمیان رہ چکا ہو، اور الفاظ کے سلسلہ میں ان کے استعمال اور عرف سے واقف ہو۔

✿ فتوی کی عبارت مختصر مگر جامع اور واضح ہو، تعبیر ایسی ہو کہ سوال کرنے والا سمجھ بھی لے اور اس کی تشفی بھی ہو جائے، بعض فقہاء سے مروی ہے کہ وہ بہت مختصر جواب دیا کرتے تھے، علامہ حمیری نے اپنے استاذ قاضی ابو حامد کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ایک مسئلہ کے بارے میں استفتاء کیا گیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب میں صرف اس قدر لکھا ''نہیں'' —— مگر ہمارے زمانہ میں اکثر اوقات اتنے مختصر جواب سے مستفتی کی تشفی نہیں ہو پاتی، اس لیے ان کے لیے ایک گونہ تفصیل ہی مناسب ہے جیسا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اسلوب تھا، مگر جواب میں اس قدر تفصیل بھی نہیں ہونی چاہئے کہ فتوی کتاب بن جائے۔

✿ بہتر ہے کہ فتوی لکھنے سے پہلے تعوذ و تسمیہ پڑھ لے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کے کلمات اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے، پھر " رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَ يَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ " پڑھے اس کے بعد جواب لکھے، امام مالکؒ کا معمول تھا کہ وہ فتوی دینے سے پہلے " لا حول و لا قوة إلا بالله " پڑھتے تھے۔

✿ مناسب ہے کہ ''الجواب وباللہ التوفیق'' سے فتوی کی عبارت کا آغاز کرے اور " والله اعلم، والله الموفق ، و بالله التوفيق " وغیرہ الفاظ پر اختتام ہو، اور اخیر میں ایسی وضاحت کے ساتھ اپنا نام لکھے کہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو۔

فتاوی میں احتیاط

✿ فتاوی میں ہمیشہ محتاط زبان و الفاظ اور لب و لہجہ اختیار کیا جائے، مثلاً اگر پوچھا جائے کہ فلاں شخص یہ کفریہ کلمات کہتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تو براہ راست یہ نہ لکھا جائے کہ وہ ''مباح الدم'' ہے، یعنی اس کا قتل جائز ہے، بلکہ اس کی تفصیل کی جائے کہ اگر گواہوں یا خود اس شخص کے اقرار سے یہ بات ثابت ہو جائے، تو قاضی یا سلطان اس کو توبہ کرنے کو کہے، پھر اگر وہ تائب بھی نہ ہو تو اس کو یہ سزا دی جائے، تعزیری احکام میں خصوصیت کے ساتھ اس طرح کی

شرطوں کے ساتھ فتوی دے۔

جب جواب سے احتراز کرنا چاہئے

✿ اگر سوال سمجھ میں نہ آئے یا مزید وضاحت اور بعض امور کی تفصیل مطلوب ہو، تو بلا تحقیق جواب دینے کے بجائے لکھ دینا چاہئے کہ میں اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکا، مزید تشریح کی جائے تو جواب لکھوں گا۔

✿ اسی طرح اگر دقیق اعتقادی مسائل صفاتِ باری تعالی، تقدیر وغیرہ کے بارے میں سوال کرے تو ان عام لوگوں کے لیے جو کسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہیں، اجمالی ایمان رکھنے اور ان دقیق تفصیلات میں نہ پڑنے کی تلقین کی جائے اور لکھا جائے کہ یہی سلف کا طریقہ اور امن وسلامتی کی راہ ہے —— اور اگر سوال کسی ایسے آدمی کی طرف سے ہو جو خود اعتقادی کجروی اور گمراہی کا شکار ہو تو پھر سہل اور عام فہم تعبیر اور دلیل سے اس کے سامنے مسائل کی وضاحت کرنی چاہئے۔

✿ اسی طرح اگر علوم قرآن سے متعلق سوال ہو، تو اگر فقہی مسائل واحکام سے بھی اس کا تعلق ہو، مثلاً صلوۃ وسطی کی تحقیق وغیرہ، تو اس کا جواب دیا جائے، اور اگر ان امور کی بابت سوال ہو جن کا براہ راست فقہ سے تعلق نہیں، مثلاً کہف ورقیم کی تحقیق، تو علومِ قرآنی پر گہری بصیرت رکھنے والے علماء کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا جائے اور اگر مفتی کو ان مسائل کا استحضار ہو، تو خود بھی جواب دے سکتا ہے۔

مصالح کی رعایت

علامہ حمیری نے لکھا ہے کہ مفتی کے لیے یہ بات جائز ہے کہ مصالح اور مستفتی کے حالات کو پیش نظر رکھ کر سوال میں مذکور برائی کے متعلق ایسے جملے نقل کردے جو ازراہ تہدید کتاب وسنت

میں وارد ہیں، گو کہ اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، مثلاً اگر ترکِ نماز کے بارے میں استفتاء ہو تو لکھے کہ ترکِ نماز تو گویا کفر ہے: "من ترك الصلوة متعمدًا فقد كفر"۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے قاتل کی توبہ قبول ہونے کے بارے میں سوال کیا، تو فرمایا: اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، پھر دوسرے نے یہی سوال کیا، تو فرمایا کہ اس کے لیے توبہ ہے، پھر لوگوں سے وضاحت فرمائی کہ پہلے شخص کی آنکھ پر کچھ آثار تھے کہ گویا وہ قتل کا ارادہ رکھتا ہے اور توبہ کی قبولیت اس کے حوصلہ کو اور بڑھا دیتی، دوسرا شخص وہ تھا جو قتل کے بعد پشیماں اور اپنے بارے میں مایوس تھا، اگر اس کو یہ جواب نہ دیا جاتا تو اور دل شکستہ ہو جاتا۔

حیلوں کی رہنمائی

فتوی میں مستفتی کی نامناسب رعایت درست نہیں، مثلاً جواب میں صرف اس رخ کی وضاحت پر اکتفانہ کرے جو مستفتی کے حق میں ہے اور ان امور کو نظر انداز کردے، جو اس کے ذمہ ہے، اسی طرح ایسے "فقہی گر" نہ بتائے جائیں جس سے وہ اپنے فریق کا دعوی اور حق کو باطل کردے اور مقدمہ جیت سکے۔

البتہ اگر مستفتی کسی نقصان اور ضرر میں مبتلا ہو اور کسی ایسے حیلہ کی گنجائش ہو جس کے ذریعہ وہ دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچائے بغیر اپنے آپ کو بچا سکے گا، تو اس کی رہنمائی کی جاسکتی ہے، مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ ایک ماہ تک بیوی کو نفقہ نہیں دے گا اور اب وہ قسم توڑنا نہیں چاہتا ہے، تو اس کو یہ حیلہ بتانا درست ہے کہ ایک ماہ اس کو قرض کے نام پر رقم دے دو اور پھر معاف کردو۔

چنانچہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت مباشرت کرے گا اور اس طرح کہ گنہگار بھی نہ ہوگا اور کفارہ بھی ادا نہ کرنا پڑے، امام ابوحنیفہؒ کے سامنے یہ صورتِ حال رکھی گئی، آپؒ نے فرمایا: اپنے بیوی کے ساتھ سفر کرلو، اس طرح روزہ توڑنا اور کسی گناہ اور

کفارہ کے بغیر دن میں بیوی سے ہم بستر ہونے کی گنجائش نکل آئے گی۔

فتاوی کے متفرق احکام

❁ سائل اگر کم فہم ہو، اور مسائل جلدی سمجھ نہ سکے، تو غصہ نہ کرنا چاہئے اور صبر و رفق کا معاملہ کرنا چاہئے کہ یہی انبیاء علیہم السلام اور سلفؒ کا طریقہ رہا ہے، پھر جب تک پوری طرح استفتاء اور اس کا تمام پہلو سمجھ میں نہ آجائے جواب لکھنا نہیں چاہئے، فتوی کی تحریر بہت باریک یا بہت موٹی نہ ہو، بلکہ اوسط اور واضح ہو، دو سطر کے درمیان تھوڑا سا فصل ہو، مگر اس قدر بھی نہ ہو کہ اس میں اپنی طرف سے اضافہ کی گنجائش نکل آئے اور بہتر ہے کہ پورا جواب ایک ہی قلم اور ایک ہی شخص کی تحریر ہو۔

❁ جواب عموماً اس قدر دینا چاہئے جس کی بابت سوال ہے، البتہ کہیں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت مناسب اور مستفتی کے حالات اور واقعات کے مطابق ہو، تو تفصیل کی جاسکتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ سے صحابہ ؓ نے صرف سمندر کے پانی کے احکام دریافت کئے اور آپ ﷺ نے ان کے شبہ کی بنیاد کو سمجھتے ہوئے مردار کے احکام بھی بیان فرمادیے کہ " هو الطهور ماؤه و الحل ميتته " (پانی پاک ہے اور مردار بھی پاک) (یہ ترجمہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی رعایت کرتے ہوئے ہے۔

❁ فتاوی میں سوالات کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا بہتر ہے، یعنی استفتاء میں جس ترتیب سے سوال درج ہے اسی ترتیب سے جواب بھی ہو، مصلحتاً اس کے خلاف بھی کیا جاسکتا ہے۔

❁ اسی طرح اگر چند استفتاء جمع ہوجائیں تو بالترتیب جو پہلے آئے ہوں ان کا پہلے اور جو بعد میں آئے ہوں ان کا بعد میں جواب دیا جانا چاہئے، البتہ مسائل کی نوعیت اگر جلد جواب کی متقاضی ہو، یا مسائل کے حالات کا تقاضا، تو مفتی اپنی صوابدید کے مطابق بعض لوگوں کے سوال کا جواب پہلے دے سکتا ہے۔

✿ جس کاغذ پر سوال مذکور ہو اسی پر جواب دینا چاہئے، بہتر ہے کہ اسی صفحہ پر دے اور اگر یہ ممکن نہ ہو یا دشوار ہو تو پشت کے صفحہ پر جواب لکھے۔

✿ اگر اہل علم تلامذہ وغیرہ موجود ہیں تو بہتر ہے کہ ان کے سامنے فتوی پڑھایا جائے، ان کو بحث کا موقع دیا جائے اور رفق و نرمی کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا جائے، افسوس کہ ہمارے زمانہ میں عموماً اس کا فقدان ہے۔ (ماخوذ: آداب البمفتي و المستفتي ، (مقدمه شرح المهذب ملخصاً)

فتاوی میں ترجیح کے اصول

افتاء اور استفتاء کے آداب اور مفتی کی صفات اور مطلوبہ استعداد کا ذکر اوپر آچکا ہے، یہاں افتاء کے سلسلہ میں ایک بنیادی قاعدہ کی وضاحت کرنی مناسب محسوس ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ فقہ ایک بحر نا پیدا کنار ہے، اور کم وبیش ایک ہزار سال امت کی بہترین ذہانتیں اس فن کی آبیاری میں خرچ ہوئیں ہیں، اسی لیے ائمہ اربعہ کی فقہ بھی محض کسی ایک فقیہ کے اقوال وآراء پر مبنی نہیں ہے، بلکہ بہت سی شخصیتوں کے اجتہادات اور استنباطات کا مجموعہ ہے، اور بے شمار کتابیں اہل علم نے تالیف کی ہیں، نہ یہ تمام شخصیتیں ایک درجہ کے ہیں اور نہ یہ ساری کتابیں علمی اعتبار سے ایک مرتبہ ومقام کی حامل ہیں، اسی طرح مختلف شخصیتوں سے جو فقہی رائیں نقل کی گئی ہیں، ان کے اسناد واعتبار میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فقہاء کے بہت سے اجتہادات اپنے عہد کے حالات، موجودہ وسائل اور عرف ورواج پر مبنی ہوتے ہیں، حالات کی تبدیلی کے ساتھ ان میں تبدیلی کو قبول کرنا ناگریز ہو جاتا ہے۔

اسی لیے افتاء کے سلسلہ میں بنیادی اصول یہ ہے کہ فتوی راجح قول پر دیا جائے، علامہ شامی کا رسالہ ''رسم المفتی'' تقریباً پورا کا پورا اسی اصول کی تشریح وتوضیح پر مبنی ہے، پھر جن مسائل میں مشائخ حنفیہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، ان میں ترجیح کی بنیادیں کیا ہوں گی؟

اس سلسلہ میں بھی مختلف اسباب و وجوہ کا ذکر کیا گیا ہے، ان سب کا خلاصہ اس طرح ہے:

۱) کبھی ترجیح شخصیت کے اعتبار سے ہوتا ہے، جیسے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی رائے میں اختلاف ہو، اور امام ابو یوسف اور امام محمد میں سے کوئی ایک امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہوں، تو امام صاحب کے قول کو اور اگر امام صاحب ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف، تو ایک رائے یہ ہے کہ مفتی کو اختیار ہوگا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرے، دوسری رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام ابو حنیفہ کی رائے پر ہی فتوی ہوگا، صاحب فتاوی سراجیہ نے اسی کو ترجیح دیا ہے، اور علامہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، —— لیکن عملی طور پر صورت حال یہ ہے کہ بہت سے مسائل میں مشائخ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، اور بقول علامہ شامی صاحبین کا قول بھی دراصل امام صاحب ہی کا ایک قول ہوتا ہے، اس لیے مشائخ کے معمول کے اعتبار سے پہلا نقطۂ نظر زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح فقہاء کے جو طبقات کئے گئے ہیں، ان سے بھی ترجیح میں مدد ملتی ہے، جو فقیہ اونچے طبقہ میں شامل ہو، اس کا قول بہ مقابلہ بعد کے طبقات کے فقہاء کے قابل ترجیح ہوگا۔

۲) نقل و روایات کے استناد کے اعتبار سے بھی اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے، مثلاً امام محمدؒ کی چھ کتابیں جو ظاہر روایت کہلاتی ہیں، ان میں بھی ائمہ ثلاثہ کے اقوال نقل کئے گئے ہیں، اور امام محمدؒ کی دوسری تحریریں جنہیں نوادر کہا جاتا ہے، وہ بھی انہی فقہاء کے اقوال کو روایت کرتی ہیں، لیکن ظاہر روایت سے متعلق نقول معروف و متداول ہیں اس لیے ان کو نوادر کے اقوال پر ترجیح دی جاتی ہے، اسی طرح وہ کتابیں جو طویل عرصہ سے مخلوطہ رہی ہو، تنہا ان کی روایت کو قبول کرنے میں فقہاء نے تامل سے کام لیا ہے، اس لیے اس بات کو بھی اہمیت حاصل ہے کہ اصحاب مذہب کی جو رائیں نقل کی گئی ہوں، وہ کس حد تک قابل اعتماد ہے؟ اسی بناء پر امام ابو حنیفہؒ کی بعض رجوعات جو نوح ابن مریم سے منقول ہیں، کو قبول کرنے میں اہل علم کو کلام ہے، کیوں کہ کسی رائے اس سے رجوع کو نقل کرنے والا جب تک مستند و معتبر شخص نہ ہو، کیوں کر اس کے درست اور معتبر ہونے کا گمان کیا جا سکتا ہے؟

(۳) بعض دفعہ کتابوں کے لحاظ سے بھی اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے، کیوں کہ بعض مصنفین مذہب کی معتبر روایات کو نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اور بعض اہل علم ہر طرح کے اقوال جمع کر دیتے ہیں، اسی بنیاد پر درج ذیل کتابوں کو فتاوی کے لیے معتبر مانا گیا ہے:

مختصر قدوری	ابوالحسین احمد بن محمد قدوری	(م:۴۲۸ھ)
المختار فی فروع الحنفیة	ابوالفضل مجدالدین موصلی	(م:۶۸۳ھ)
نقایه	صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود	(م:۷۴۷ھ)
وقایة الروایه	برہان الشریعہ محمود احمد	(م:۶۷۳ھ)
کنز الدقائق	ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ النسفی	(م:۷۱۰ھ)
ملتقی الأبحر	علامہ ابراہیم بن محمد حربی	(م:۹۵۶ھ)
فتاوی قاضی خاں	امام فخر الدین اوزجندی	(م:۵۹۲ھ)
هدایه	ابوالحسن علی مرغینانی	(م:۵۹۳ھ)
بدائع الصنائع	علام علاء الدین کاسانی	(م:۵۸۷ھ)

درج ذیل کتابیں بھی اسی زمرہ میں رکھے جانے کے لائق ہے:

مختصر الطحاوی	امام ابوجعفر احمد طحاوی	(م:۳۲۱ھ)
کتاب المبسوط	شمس الأئمہ ابوبکر سرخسی	
تحفة الفقهاء	علامہ علاء الدین محمد سمرقندی	(م:۵۷۵ھ)
مجمع البحرین و ملتقی النهرین	علامہ مظفر الدین ابن ساعاتی	(م:۶۹۴ھ)
الجامع الوجیز (فتاوی بزازیہ)	علامہ ابن بزار کردری	(م:۸۲۷ھ)
النهایة	علامہ ابومحمد محمود عینی	(م:۸۵۵ھ)
فتح القدیر	علامہ کمال بن ہمام	(م:۸۶۸ھ)

بعض کتابیں متأخرین کی مرتب کی ہوئی ہیں، اور اہل علم کے یہاں معتبر مرجع کے لحاظ

سے ان کا ذکر نہیں ملتا، لیکن ان کتابوں میں مشائخ کے اقوال کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، گویا وہ اقوال کے ناقل ہیں، اسی لحاظ سے فقہ وفتاوی میں ان کتب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، جیسے فتاوی عالمگیری، درمختار، فتاوی تاتارخانیہ، مجمع الأنھر اور محیط برہانی — ان کتابوں میں جس تفصیل کے ساتھ جزئیات کو جمع کیا گیا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی، اسی طرح متاخرین کی بعض کتابیں وہ ہیں، جو اختلافی اقوال میں تطبیق اور تنقیح کے سلسلہ میں بے نظیر کتابیں کہی جا سکتی ہیں، اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین شامی کی ''ردالمحتار''، علامہ ابن نجیم مصری کی ''البحرالرائق''، علامہ حلبی کی ''کبیری'' اور علامہ طحاوی کی کتابیں نہایت ہی اہمیت کی حامل ہیں، اسی لیے موجودہ دور میں ارباب افتاء ان کتابوں سے خاص طور پر استفادہ کرتے ہیں، اگر ان کتابوں میں آنے والے اقوال وترجیحات سے متعارض کوئی قول متقدمین کے یہاں نہیں ملتا ہو، انہیں قبول کیا جانا چاہئے — اوان کتابوں کو معتبر مسند مانا گیا ہے:

غرر الأحكام	ملا خسرو	(م:۸۸۵ھ)
تنوير الابصار	علامہ تمرتاشی	
قنيه	نجم الدین مختار زاہدی معتزلی	(م:۶۵۶ھ)
الحاوی	نجم الدین مختار زاہدی معتزلی	(م:۶۵۶ھ)
المجتبی شرح القدوری	نجم الدین مختار زاہدی معتزلی	(م:۶۵۶ھ)
جامع الرموز	علامہ شمس الدین قہستانی	
السراج الوهاج	ابوبکر حدادی	(م:۸۰۰ھ)
فتاوی ابراهيم شاهی	علامہ شہاب الدین دولت آبادی	
فتاوی زينيه	علامہ ابن نجیم مصری	
خزانة الروايات	قاضی جگن گجراتی	
شرعة الإسلام	محمد بن ابوبکر جوغی	

خلاصۃ منسوب بہ: علامہ لطف اللہ النسفی

اسی طرح ایک اصول یہ رکھا گیا ہے کہ متون کے اقوال کو شروح وحواشی میں ذکر کی گئی آراء پر ترجیح ہوگی، کیوں کہ متون میں عام طور پر مذہب کی ان معتبر اقوال کو نقل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے جن پر فتوی ہے، اور شروح وحواشی میں اس کا اہتمام نہیں ہوتا، بلکہ کسی مسئلہ سے متعلق مختلف اقوال کے احاطہ کی کوشش کی جاتی ہے، —— اس حقیر کی رائے میں فتوی دینے کے سلسلہ میں عمومی قاعدہ تو یہی ہے، لیکن بعض شارحین صحیح قول کی تعین، مختلف اقوال کے درمیان تطبیق وتنقیح اور ترجیح پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، اگر ان کی تحریروں کی روشنی میں قول راجح کو اختیار کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ متن اصل مقصود نہیں ہے، اصل مقصود اسناد واعتبار کا ہے، اسی طرح بعض متون میں قول صحیح کو نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، ان کو معتبر متون کا درجہ حاصل نہیں ہوگا۔

(۴) بعض دفعہ دلیل کی بنیاد پر بھی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے، جیسے ایک رائے استحسان پر مبنی ہو اور دوسری قیاس پر تو عام طور پر اس رائے کو ترجیح دی جاتی ہے، جو استحسان پر مبنی ہو، کیوں کہ استحسان میں قیاس کی جہت گو ظاہر نہیں ہوتی، لیکن زیادہ قوی ہوتی ہے، اور قیاس ظاہر ہوتا ہے، لیکن قوت ومناسبت کے اعتبار سے نسبتاً ضعیف، اس لیے استحسان پر مبنی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے، البتہ ۲۲/ مسائل وہ ہیں جن میں قیاس کو استحسان پر ترجیح دی گئی ہے، علامہ شامی نے ناطقی اور ابن نجیم کے حوالہ سے ان کا ذکر کیا ہے۔

اسی قبیل سے اس کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے کہ جو رائے عرف کے مطابق ہو، یا جو رائے انسانی ضرورت سے زیادہ ہم آہنگ ہو اور حرج سے بچاتی ہو، وہ رائے راجح ہوگی، کیوں کہ عرف اور ضرورت کی حیثیت بھی فی الجملہ دلیل شرعی کے ہے، اور بہت سے احکام کی بنیاد ان ہی اصولوں پر ہے۔

اسی طرح امام کی جو رائے نص سے قریب تر ہو، اور کتاب وسنت کے ظاہر کے موافق ہو،

بہت سی دفعہ اہل علم اسے ترجیح دیتے ہیں، علامہ ابن ہمام اور علامہ حلبی وغیرہ کے یہاں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، نیز علماء ہند میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور مولانا انور شاہ کشمیری کے یہاں بھی یہ رجحان کثرت سے پایا جاتا ہے، چنانچہ ظہر وعصر کے اوقات نماز میں بعض مشائخ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، زمین کی بٹائی داری کے سلسلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا گیا ہے، یہ اور اس طرح کے مسائل کو اس زمرہ میں رکھا جاسکتا ہے — اس رجحان کو بڑھانے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اصل مقصود کتاب وسنت کی اتباع اور شرعی دلیلوں سے ثابت ہونے والے احکام کی پیروی ہے، لہٰذا اگر کسی مسئلہ میں اہل علم کو دو قول میں سے ایک کے نص سے زیادہ موافق ہونے کا اطمینان ہو جائے تو مذہب کے اس قول کو ترجیح دینی چاہئے۔

(۵) اگر مختلف اقوال کو مختلف فقہاء نے ترجیح دیا ہو، تو ترجیحی تعبیر کی بنیاد پر بھی راجح قول متعین کیا جاتا ہے، چنانچہ اصول افتاء کے ذیل میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے، کہ راجح اور درست قرار دئے جانے میں کس نے کیا تعبیر اختیار کی ہے؟ جس قول کے حق میں زیادہ مؤکد تعبیر اختیار کی گئی ہو، وہ راجح ہوگی، چنانچہ علامہ شامی نے تاکید وتقویت کے اعتبار سے حسب ذیل ترتیب مقرر کی ہے:

به يفتى

الفتوى عليه

الأصح

الصحيح

الأشبه

الأحوط

فيه احتياط

اسی طرح ترجیح کے لیے ألیق، أصلح، أولی، وغیرہ کی تعبیر بھی اختیار کی جاتی ہے:

علامہ خیر الدین رملی نے ترجیح وتصحیح کے لیے یہ تعبیرات ذکر کی ہیں، اور ان کو قول مفتی بہ ہونے کی علامت ذکر کیا ہے، وہ اس طرح ہیں:

علیه الفتوی

به یفتی

به نأخذ

علیه الاعتماد

علیه عمل الیوم

علیه عمل الأمة

هو الصحیح

هو الأصح

هو الأظهر

هو المختار في زماننا

هو فتاوی مشائخنا

هو الأشبه

هو الأوجه

یہ کتاب جو اس وقت قارئین کے پیش نظر ہے، اس حقیر کے فتاوی کا مجموعہ ہے، راقم الحروف کو سب سے پہلا فتوی لکھنے کی توفیق اس وقت میسر آئی جب میں جامعہ رحمانی مونگیر میں ہفتم عربی کا طالب علم تھا، اس زمانہ میں امارت شرعیہ کا شعبۂ افتاء خانقاہ رحمانی مونگیر میں تھا، اور مولانا صدر عالم صاحب قاسمی (جن کی فقہی جزئیات پر بڑی گہری نظر ہے) فریضۂ افتاء انجام دیا کرتے تھے، مولانا موصوف اپنی بعض ضرورتوں کے تحت گھر تشریف لے گئے، اور طویل عرصہ تک واپس نہیں آسکے، ادھر استفتاء کی تعداد بہت بڑھ گئی، اس موقع پر امیر شریعت حضرت مولانا

سید منت اللہ رحمانیؒ نے کچھ اساتذہ میں ڈاک تقسیم کردی، میں گو طالب علم تھا، لیکن چند سوالات مجھے بھی عنایت فرمایا، میں نے ان کے جوابات لکھ کر حضرت والا کو دکھایا، آپ نے نظر ثانی کے بعد اپنے دستخط ثبت فرمادئے، یاد آتا ہے کہ پہلا جواب صلوۃ التسبیح سے متعلق تھا، اور مشکوۃ شریف کے حوالہ سے جواب لکھا گیا تھا۔

پھر دوسال کے قریب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں قیام رہا، اس دوسالہ قیام میں فکری تربیت بھی ہوئی، اور قضاء و افتاء کی تربیت بھی، اس زمانہ میں پھلواری شریف پٹنہ میں باضابطہ دار الافتاء نہیں تھا، زیادہ تر ڈاک مونگیر بھیج دی جاتی تھی، لیکن بعض فتاوے کے جوابات دفتر امارت پھلواری شریف سے بھی دیئے جاتے تھے، اس دوسالہ قیام میں اسی طرح کے بہت سے جوابات لکھنے کا موقع ملا، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ ان جوابات کی اصلاح فرمایا کرتے تھے، پھلواری شریف سے جاری ہونے والے فتاوی کو اس زمانہ میں نقل کرنے اور محفوظ کرنے کا اہتمام نہیں تھا، تاہم بعض فتاوی نقل بھی کردئے جاتے تھے، چنانچہ فتاوی امارت شرعیہ کے دوسرے حصہ میں چند فتاوی اسی حقیر کے بھی شامل ہیں۔

پھر حیدرآباد آنے کے بعد دار العلوم سبیل السلام میں تدریس کی خدمت متعلق ہوئی، تو تدریس کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت فتاوی لکھنے کا بھی سلسلہ رہا، شروع میں تو جو فتاوی جاری کئے جاتے تھے، ان کے نقل کرنے کا اہتمام نہیں تھا، لیکن جب مدرسہ اپنی اصل زمین میں بارکس منتقل ہوا، تو فتاوی باضابطہ نقل کئے جانے لگے، افسوس کہ اس طرح کے دو رجسٹر جس میں محب گرامی مولانا مفتی مظہر الدین قاسمی مرحوم، مولانا مفتی عبدالودود مظاہری زید مجدہم، اور اس حقیر کے فتاوی تھے، ضائع ہوگئے، البتہ فتاوی کا ایک رجسٹر محفوظ رہا، جس میں ایک اچھی خاصی تعداد اس حقیر کے جوابات کی ہے، اور غالبا مدرسہ میں محفوظ ہے، لیکن یہ فتاوی مجھے دستیاب نہیں ہوسکے، ندوہ ایجنسی حیدرآباد کے تحت محترم جناب سید جمیل الدین صاحب ایڈوکیٹ نے ایک زمانہ میں ہر انگریزی مہینہ کے پہلے منگل کو فقہی مذاکرہ کا پروگرام رکھا تھا، یہ پروگرام مغرب کے بعد دو گھنٹہ

ہوا کرتا تھا، جس میں حاضرین کے سوالات کے زبانی جوابات دیے جاتے تھے، انہیں رکارڈ بھی کیا جاتا تھا، اور اہل ذوق کی بہت بڑی تعداد پورے شہر سے اس پروگرام میں شرکت کے لیے آیا کرتی تھی، ان میں سے کچھ مجالس مذاکرہ کی کسیٹ کو عزیز گرامی قدر مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی (استاذ حدیث جامعۃ القرآن حیدرآباد) نے نقل کیا تھا، اگر انہیں مرتب کیا جائے تو کئی جلدیں ہو جائے گی، لیکن اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، کیوں کہ زبانی گفتگو اور تحریر کے اسلوب میں بڑا فرق ہوتا ہے، خدا کرے کہ کبھی اس کے لیے فرصت میسر آئے۔

اس مجموعہ میں جو فتاوی شامل ہیں وہ پانچ طرح کے ہیں:

۱) وہ فتاوی جو امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش پنجہ شاہ حیدرآباد سے دیے گئے ہیں، ان فتاوی پر حوالہ جات کی تخریج کا کام عزیز گرامی قدر مولانا ولی اللہ قاسمی فتحپوری (سابق شیخ الحدیث جامعۃ المفلحات اعظم گڑھ وحال مقیم کویت) نے کیا ہے۔

۲) وہ فتاوی جو راقم الحروف نے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے دار الافتاء سے دیے ہیں۔

۳) وہ استفتاء جو راقم الحروف کے پاس شخصی طور پر آئے، اور ان کے جوابات ایک کاپی میں محفوظ کر لئے گئے، ظاہر ہے کہ ایسے بہت سے جوابات محفوظ نہیں ہو سکے، کیوں کہ چند سال پہلے تک ہفتہ میں ایک دن مسائل واحکام سے متعلق خطوط کے جوابات لکھانے کا معمول تھا، اور عصر تا عشاء جوابات لکھائے جاتے تھے، اور ظاہر ہے کہ ان کی ایک مناسب تعداد ہوا کرتی تھی۔

۴) کچھ عرصہ ماہانہ ''افکار ملی دہلی'' کی خواہش پر بھی اس حقیر نے شرعی مسائل کا کالم لکھا ہے، ان میں بھی بعض شمارے نہیں مل سکے، لیکن چند شماروں کو چھوڑ کر بقیہ شماروں کے سوال جواب کتاب میں شامل ہیں۔

۵) غالباً ۱۹۹۸ء سے روزنامہ منصف حیدرآباد کی ایک معیاری اردو روزنامہ کی حیثیت سے تجدید ہوئی، اس میں راقم الحروف نے شروع ہی سے ''شمع فروزاں'' کے عنوان سے

ایک کالم لکھ رہا ہے، اس کالم میں پیش آنے والے نئے سماجی، اجتماعی، اور سائنسی مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی جاتی ہے، غالباً ۱۹۹۹ء سے اخبار میں ''آپ کے شرعی مسائل'' کا کالم بھی اس حقیر سے متعلق ہوگیا اور مارچ ۲۰۰۵ء تک میں اس کالم کو لکھتا رہا، ہمارے بریلوی بھائیوں اور شیعہ حضرات کی طرف سے ایک جواب پر شدید احتجاج کے باعث اس کالم سے دست برداری اختیار کرنی پڑی، سوال اس روایت کی تحقیق کے متعلق تھا کہ غزوۂ خیبر کے موقع سے حضرت علی ﷛ کے لیے سورج کو لوٹا دیا گیا، راقم الحروف نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے لکھا تھا کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، ظاہر ہے اس میں حضرت علی ﷛ کی بے ادبی کا شائبہ تک نہیں ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس حقیر کے لیے اس کا تصور بھی ناقابل برداشت ہے، لیکن مسلکی تنگ نظری کی وجہ سے اسے ہنگام خیز صورت دے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ہدایت عطا فرمائے، و باللہ التوفیق و ہو المستعان ۔

اس طرح اب اس مجموعہ میں زیادہ تر فتاوی وہی ہیں جو منصف میں لکھے گئے اور دسمبر ۲۰۰۳ء تک کے جوابات اس میں شامل ہوگئے، اب جو فتاوی باقی رہ گئے ہیں اور فقہی مذاکرات کے جو کیسٹس نقل کی گئی ہیں، مکررات کو حذف کرنے کے بعد امید ہے کہ تین چار جلدیں ہو جائیں گی، اس طرح کتاب الفتاوی کی دس جلدیں مکمل ہوجانے کی توقع ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فی الحال دوسرے مشاغل کی وجہ سے فتاوی کی ترتیب میرے پیش نظر نہیں تھی، عزیز گرامی قدر مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری (جنہوں نے المعہد العالی الاسلامی سے فقہ میں تخصص کیا ہے) نے اس جانب نہ صرف توجہ کی، بلکہ اصرار بھی کیا اور انہوں نے ہی اس مجموعہ کو مرتب کیا، ان فتاوی کی ترتیب ایک دشوار کام تھا، کیوں کہ متفرق جگہوں سے انہیں حاصل کرنا، پھر فقہی ابواب کی ترتیب پر انہیں مرتب کرنا اور ابواب وفصول قائم کرنا کسی مستقل تصنیف سے کم دشوار کام نہیں، عزیز موصوف نے بڑی محنت اور خلوص کے ساتھ اس کام کو انجام دیا، انہوں نے ہی کمپوزنگ بھی کی، راقم الحروف کو اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس بات کا موقع نہیں تھا کہ

اس پورے مجموعہ کو حرف حرف پڑھے، اس لیے محب عزیز مفتی جمال الدین قاسمی (صدر مفتی دار العلوم حیدر آباد) اور عزیز گرامی مولانا عبد الرحمن قاسمی (استاذ جامعہ عائشہ نسواں حیدر آباد) - جنہوں نے معہد سے فقہ افتاء میں اختصاص کیا ہے - سے خواہش کی کہ وہ اس پورے مجموعہ کو حرف بحرف دیکھیں اور جہاں مضمون یا تعبیر کے اعتبار سے کوئی بات ذرا بھی قابل تامل نظر آئے اس پر سوالیہ نشان لگائیں یا نوٹ لکھیں، ان دونوں حضرات نے بہت ہی توجہ کے ساتھ یہ علمی تعاون کیا، فجزاھما اللہ خیر الجزاء ۔ پھر تقریباً اس پورے مسودہ کی آخری پروف ریڈنگ عزیزی مولوی منور سلطان ندوی سلمہ (جنہوں نے معہد سے فقہ میں تخصص کیا ہے) اور ان کے تخصص کا مقالہ ''ندوۃ العلماء کی فقہی فکر اور ابناء ندوی کی فقہی خدمات'' شائع ہو چکا ہے) نے کی، نیز میں نے ان سے خواہش کی تھی کی جو عنوانات اخبار میں اشاعت کے وقت مصلحۃً مبہم رکھے گئے تھے، کہ ان کی وضاحت اخلاقی نقطۂ نظر سے یا کسی اور وجہ سے مناسب نہیں تھی، کو واضح کر دیا جائے، — عزیزی سلمہ نے اس کام کو پوری توجہ کے ساتھ انجام دیا۔

میرا معمول عام طور پر فتاوی اور جوابات میں حوالہ سے متعلق عبارتیں درج کرنے اور حوالہ لکھنے کا ہے، اس لیے کتاب میں حوالہ جات کی تخریج کا کوئی بڑا کام نہیں تھا، لیکن کہیں کہیں حوالہ جات چھوٹ گئے تھے، اور حافظہ پر اعتماد کرتے ہوئے مسائل لکھائے گئے تھے، ان حوالہ جات کے تخریج خود مولانا مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری نے کی ہے اور ان کے علاوہ عزیزم مولوی عمر عابدین قاسمی، مولوی محمد نعمت اللہ قاسمی، مولوی محمد بلال قاسمی، مولوی منور سلطان ندوی اور معہد کے بعض طلبہ نے کی ہے، راقم الحروف ان تمام عزیزوں کا شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو علم نافع اور عمل صالح سے حظ وافر عطاء فرمائے۔

عام طور پر ہندوستان میں فتاوی کی کتابوں کے نام صاحب فتاوی سے منسوب کر کے رکھے جاتے ہیں، لیکن میں چاہتا تھا کہ نام عمومی نوعیت کا رکھا جائے، اس سلسلہ میں تین نام میرے پیش نظر تھے: مجموعۂ فتاوی، الفتاوی، کتاب الفتاوی، پہلا نام اس لیے مناسب نہیں تھا کہ

اسی نام سے حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے فتاوی شائع ہو چکے ہیں، دوسرے نام میں عربیت زیادہ تھی، جو اردو داں حلقہ میں گرانی کا باعث ہوتی، اس لیے یہ تیسرا نام منتخب کیا گیا۔

مجھے توقع نہیں تھی کہ ان فتاوی کی چھ جلدیں تیار ہو جائیں گی، میں دو جلدوں کا انداز کرتا تھا، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے ایک کوتاہ علم اور کوتاہ عمل بندے سے یہ حقیر خدمت لی ہے، اہل علم سے میری درخواست ہے کہ اس میں جہاں جو کوتاہی محسوس ہو اس پر ضرور متوجہ فرمائیں یہ ان کا اس حقیر پر بڑا احسان ہوگا، اور حقیقت یہ ہے کہ ان فتاوی کی اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس کی کوتاہیاں صاحب فتاوی کے سامنے آجائیں اور وہ ان کی اصلاح کرے، کیوں کہ جب انسان گزر جاتا ہے، تو اس کی تحریروں کی اصلاح نہیں ہو پاتی۔

میں ان فتاوی کی ترتیب کے سلسلہ میں اپنے ان تمام دوستوں اور عزیزوں کا شکر گزار ہوں جن کا اوپر ذکر آیا ہے اور خاص طور پر عزیزی مولانا مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری سلمہ کا، کہ انہوں نے بڑی محبت اور توجہ کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا ہے، اللہ ان سب کو بہتر سے بہتر اجر عطاء فرمائیں، اخیر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے، اس میں جو باتیں خیر کی ہوں اس سے لوگوں کو نفع پہنچے، اور اگر کوئی نادرست بات آگئی ہے تو اس کے شر سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم ۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۱/ مئی ۲۰۰۵ء)

کتاب الفتاویٰ

پہلا حصہ

کتاب الإیمان

ایمانیات سے متعلق سوالات

ایمانیات سے متعلق سوالات

بلاؤں سے بچنے کے لئے ناریل وغیرہ کا رکھنا

سوال:- {1} بہت سے لوگ گھروں اور دکانوں کی چوکھٹ پر ناریل، لیموں اور کانٹے دار ڈالیاں رکھتے ہیں، اور گاڑیوں کو بھلاواں وغیرہ لگا کر باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے بلائیں نہیں آتی ہیں، کیا اس طرح کے فعل کی گنجائش ہے؟ (محمد اسماعیل، شاہ گنج)

جواب:- یہ سب نہایت گمراہی اور جہالت کے کام ہیں، اور مشرکانہ تصورات کا نتیجہ ہیں، اگر کوئی شخص امکانی مصیبتوں سے بچنا چاہتا ہو، تو اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دعائیں سکھائی ہیں، " آیۃ الکرسی " ، " قل اعوذ برب الفلق " اور " قل اعوذ برب الناس " پڑھنے کا حکم دیا ہے، (۱) ان پر عمل کرنا چاہئے، ناریل وغیرہ کا پھوڑنا اور دفع بلا کے لئے ایسی چیزوں کا لگانا مشرکانہ فعل اور بدترین گناہ ہے، اور کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۳۶۶-۲۳۶۷، باب من سورۃ المعوذتین ۔ محشی۔

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے برابر تعبیر کرنا

سوال:- {2} ہماری مسجد میں ایک امام صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا: ''اللہ ایک نور ہے، تو حضرت محمد ﷺ بھی ایک نور ہیں، اللہ تعالیٰ پانی ہیں، تو محمد ﷺ بھی پانی ہیں، اللہ دودھ ہے، تو محمد بھی دودھ ہیں، پانی پانی میں ملا، تو کیا ہو جاتا ہے، پانی ہو جاتا ہے، اور دودھ، دودھ میں ملا، تو دودھ ہو جاتا ہے، مصلیان ان کی اس طرح کی تقریروں پر بہت ناراض ہیں، تقریر میں اس طرح کی باتیں کہنا کیسا ہے؟

(انور مجاہد، پالونچہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ تمام مخلوقات میں افضل اور پوری انسانیت میں سب سے بہتر ہیں، یہ پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے؛ لیکن بہر حال مخلوق کا کوئی فرد خالق کا ہمسر نہیں ہوسکتا، خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞ ﴾ (۱) یعنی: ''کوئی شی خدا کے مانند نہیں'' اس لئے امام صاحب نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ سراسر مشرکانہ ہے، اور امام صاحب کو فوراً اس سے توبہ کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی ایسی نازیبا اور کفریہ باتوں سے حفاظت فرمائے۔

مشرکانہ خیالات سے بچنے کی تدبیر

سوال:- {3} اکثر مجھے مشرکانہ خیالات آتے رہتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟ اور اس کے علاج کا کیا طریقہ ہے؟

(محمد مقصود علی، محبوب نگر)

جواب:- بعض دفعہ شیطان انسان کو مشرکانہ خیالات میں مبتلا کرتا ہے، چنانچہ

(۱) الشوریٰ :۱۱ـ محشی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کہتا ہے اس کو کس نے پیدا کیا؟ پھر اس کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ پھر آپ ﷺ نے اس کا علاج بھی بتایا کہ جب ایسی کیفیت ہو، تو ''أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم'' کہا کرے اور اپنے آپ کو اس خیال سے باز رکھنے کی سعی کرے ''فلیتعوذ باللّٰہ ولینتہ'' (۱) آپ کے لئے بھی یہی تدبیر ہے، جب ذہن میں کوئی کفریہ بات آئے، تو ''أعوذ باللّٰہ'' پڑھ لیں، اپنے آپ کو اس خیال سے دور رکھنے کی کوشش کریں اور وسوسہ کی طرف توجہ نہ دیں، اس کے علاوہ زیادہ سے زیادہ پاکی کی حالت میں رہا کریں اور نماز کا اہتمام کریں، جو لوگ نماز کا اہتمام نہیں کرتے وہ پاکی کا بھی اہتمام نہیں کرتے اور ناپاکی کی حالت میں شیطان انسان کو اپنا آلۂ کار بناتا رہتا ہے۔

بزرگوں کی تصویر اور اس پر پھول چڑھانا

سوال:- {4} ہمارے ایک عزیز تاجر پیشہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک بزرگ کی نظر کرم ہے، جس کی وجہ سے میں اس مقام پر ہوں، وہ ان بزرگ کا بہت احترام کرتے ہیں، ان کی تصویر اپنے مکان میں رکھتے ہیں اور بڑے ادب سے اس تصویر کو اگربتی اور پھول وغیرہ سے سجاتے ہیں، کیا ان کا یہ خیال جائز ہے، اور ان کا عمل درست ہے؟

(مقصود حسین خان، نظام آباد)

جواب:- بزرگوں سے تعلق اچھی بات ہے، بزرگوں سے مراد وہ شخصیتیں ہیں جو اہل سنت والجماعت کے بیان کئے ہوئے عقیدۂ توحید و رسالت کے قائل ہوں، شرک و بدعت سے مجتنب ہوں، احکام شریعت پر عمل کرتے ہوں، شریعت میں جن باتوں سے منع کیا گیا ہے، ان

---

(۱) صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۳۲۷۶، باب صفة ابلیس و جنودہ۔

سے بچتے ہوں، اور حتی المقدور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہوں، بزرگوں سے تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کتاب وسنت کی ہدایت پر عمل کرے، یہ سمجھنا کہ فلاں بزرگ کی نظر کرم سے میں بہتر حالت میں ہوں، غلط اور خود بزرگوں کی تعلیمات کے خلاف ہے، اصل میں رزق دینے والی اور نفع ونقصان پہونچانے والی ذات اللہ تعالی کی ہے، اور اللہ تعالی ہی رزق میں فراخی اور تنگی پیدا فرماتے ہیں، انسان کو سب کچھ اللہ تعالی کی نظر کرم سے حاصل ہے؛ اس لئے یہ عقیدہ نہ رکھنا چاہئے کہ فلاں کام فلاں شخص کی وجہ سے انجام پایا ہے۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَ يَقْدِرُ ﴾(۱)

کسی بزرگ کی تصویر کھینچنا خود حرام ہے، اس تصویر کو بطور احترام کے لٹکانا بالاجماع حرام اور گناہ کبیرہ ہے،(۲) اور پھر اس پر پھول اور اگربتی وغیرہ چڑھانا اور لگانا تو خالصۃ مشرکانہ فعل ہے، جو برادران وطن مورتیوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں،(۳) اس لئے آپ اپنے دوست کو اس سے منع کریں کہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔ اعاذنا الله منه!

شرکیہ اشعار

سوال:- {5} کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل نعت کے بارے میں کہ یہ نعت شرعی نقطۂ نظر سے درست ہے یا نہیں؟

محمد خدا ہے ، خدا ہے محمد احد کا خلاصہ علی ہے محمد

---

(۱) الإسراء:۳۰۔ محشی۔

(۲) ''لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة'' عن علي ﷺ، سنن أبي داؤد: حدیث نمبر: ۴۱۵۳، باب في الصور، كتاب اللباس۔ محشی۔

(۳) ''من تشبه بقوم فهو منهم'' عن ابن عمر ﷺ، سنن أبي داؤد: حدیث نمبر: ۴۰۳۱، باب في لبس الشهرة، كتاب اللباس۔ محشی۔

حقیقت محمد کی کیا کوئی جانے خدا سے کہو کب جدا ہے محمد
بظاہر بشر کی تو وہ حیثیت ہیں بباطن خدا ہی خدا ہے محمد
محمد کے جلووں سے روشن ہے دنیا احد و احمد و مصطفیٰ ہے محمد
یہ رمز طریقت کو کیا کوئی جانے سواء سے سواء ما سواء ہے محمد
محمد نہ ہوتے، تو دنیا نہ ہوتی عیاں اس سے ہے دیکھو کیا ہے محمد
خدا مجھ میں ہے اور محمد ہے مجھ میں میرے آئینہ کی ضیاء ہے محمد
کہو بے جھجک سائیں اہل نظر سے تجلی نور خدا ہے محمد

(سید خواجہ معز الدین اشرفی، مصری گنج، حیدرآباد)

جواب:- اسلام کی بنیاد جس عقیدہ پر ہے، وہ عقیدہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات کے اعتبار سے یکتا ماننا ہے، اسلام میں جو چیز سب سے زیادہ مبغوض اور خدا کے عفو و درگزر سے محروم کر دینے والی ہے وہ شرک ہے، شرک صرف بت پرستی ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ انبیاء اور اولیاء کو خدا کا درجہ دینا بھی شرک ہے، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہی کیا تھا کہ ان کو الوہیت میں شریک گردانا، ان اشعار کے کہنے والے کی کیا مراد ہے اور ان کا کیا منشاء ہے؟ اس سے تو وہ ہی باخبر ہیں، لیکن بظاہر اس میں کئی اشعار مشرکانہ اور گمراہانہ ہیں، محمد ﷺ کو خدا اور خدا کو محمد ﷺ قرار دینا، محمد ﷺ کو خلاصۂ احد کہنا اور یہ کہنا کہ محمد ﷺ بباطن خدا ہے، قطعاً مشرکانہ تعبیرات ہیں، جن صاحب نے یہ اشعار کہے ہیں، اگر ان کا مقصد یہ ہو کہ خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت اور رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، تب بھی یہ تعبیر ناشائستہ اور نادرست ہے؛ لہٰذا ان کو توبہ کرنی چاہئے اور اگر ان کا عقیدہ بھی یہی ہے، تو ان کو تجدید ایمان بھی کر لینا چاہئے۔

شرک اور اس کی قسمیں

سوال:- {6} شرک کسے کہتے ہیں اور اس کی تعریف

کیا ہے؟ تفصیل سے بتایئے۔

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- شرک کے اصل معنی دوسرے کو شریک اور ساجھی بنانے کے ہیں، اسلام کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت میں بندے کو شریک کرنا، یا بندے کی ایسی صفت جس میں عجز اور نقص کا پہلو پایا جاتا ہو، اس سے خدا کو متصف کرنا شرک ہے، مثلاً اولاد دینا، رزق دینا، مغفرت کرنا اور موت دینا یہ سب اللہ ہی کی خصوصی صفات ہیں، کسی مخلوق کے بارے میں یہ سمجھنا کہ وہ اولاد دے سکتی ہے، زندگی اور موت وغیرہ کا فیصلہ کر سکتی ہے، شرک ہے، کیونکہ مخلوق کو خالق کی صفت میں شریک کیا گیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ کھاتا ہے، سوتا ہے، پریشان ہوتا ہے، کسی کا باپ یا کسی کا بیٹا ہے، یہ بھی شرک ہے۔ کیونکہ یہ صفات عجز اور نقص سے خالی نہیں، کھانے والا کھانے کا اور نظام ہضم کا محتاج ہوگا، سونے کی ضرورت اسی کو پڑتی ہے، جو تکان اور جسمانی فتور سے دوچار ہوتا ہو، پریشانی، حزن و ملال اور غم واندوہ اسی کو ہوگا جو اپنے آپ سے تکلیف دہ بات کو دور کرنے سے عاجز ہو؛ اس لئے ایسی باتوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت شرک میں داخل ہے۔

کفر کی دو قسمیں ہیں: کفر انکار اور کفر شرک، خدا کا انکار یا اللہ کے نازل کئے ہوئے کسی حکم کا انکار ''کفر انکار'' ہے، اور اللہ کی خصوصی صفات میں بندوں کو شریک کرنا یا بندوں کی عجز و نقص پر مبنی صفتوں میں اللہ کو شریک کرنا ''کفر شرک'' ہے۔ شرک کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، مثلاً ایک کی بجائے دو، تین یا کئی خدا مانا جائے، خدا کے لئے اولاد، بیوی، ماں، باپ قرار دیئے جائیں، جیسا کہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے یہاں ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو مخصوص صفتیں ہیں اور جن کا اختیار اللہ نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے، ان میں انسان یا کسی اور مخلوق کو شریک سمجھا جائے، مثلاً گناہوں کا معاف کرنا، رزق دینا، اولاد دینا، صحت وشفا عطا کرنا، بیمار کرنا، ہدایت دینا وغیرہ، ان میں کسی

مخلوق کو خواہ اللہ کا کوئی نیک بندہ ہی کیوں نہ ہو، شریک وسہیم سمجھنا "شرک فی الصفات" ہے، تیسرے کچھ حقوق ہیں، جو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے عبادت، سجدہ ودعا، ذبح و قربانی، نذر اور قسم وغیرہ، ان کاموں کا اللہ کے سوا کسی اور مخلوق کے لئے کرنا یہ بھی شرک ہے اور یہ "شرك فی الحقوق" یعنی: اللہ تعالی کے حقوق میں دست درازی ہے۔ظاہر ہے کہ جب والدین، اولاد، شوہر، بیوی، پڑوسی اور ایک انسان پر دوسرے انسان کے حقوق ہیں اور ان حقوق کا تلف کرنا سخت گناہ ہے، تو اللہ تعالی کے حقوق میں دست درازی سے اللہ کو کتنا غضب آتا ہوگا؟۔

اللہ تعالی کا خود ارشاد ہے کہ اللہ شرک کو معاف نہیں کرتے ۔شرک کے سوا کسی بھی گناہ کو اللہ اپنی رحمت سے معاف فرمادیتے ہیں

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾(۱)

اس لئے اپنے آپ کو مشرکانہ عقائد وافعال سے خوب بچانا چاہیے، کہ یہ ناقابل معافی گناہ ہیں۔

جھنڈے کے آگے جھکنا

سوال:- {7} ۱۵/ اگست اور ۲۶/ جنوری کو جھنڈا بلند کیا جاتا ہے، اس موقع پر مسلم شرکاء بھی ہاتھ اٹھا کر جھنڈے کو سلامی پیش کرتے ہیں، اور جھنڈے کے آگے جھکتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ (محمد ایوب خان، بذریعہ فیکس)

جواب:- جھنڈا لہرانا درست ہے، اور اہل علم نے اس کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اس

(۱) النساء:۴۸۔

موقع سے کوئی ایسا عمل کرنا جس سے جھنڈے کی غیر معمولی تعظیم ظاہر ہوتی ہو، جیسے دونوں ہاتھ جوڑنا، یا جھکنا جائز نہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے کسی بھی مخلوق کے ساتھ اس طرح کا تعظیمی سلوک روا نہیں، حضرت انس ﷜ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملتے ہوئے کیا اس کے لئے جھک سکتا ہے؟ ''أینحنی له ''؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں'' (۱) معلوم ہوا کہ اس طرح کی تعظیم غیر اللہ کے لئے درست نہیں۔

تعظیماً کھڑا ہونا

سوال:- {8} تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ بعض علماء اور سجادگان غیر مسلم وزراء کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بعض حضرات دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ (حشمت آراقدیر، کریم نگر)

جواب:- اگر کوئی شخص دین کے اعتبار سے قابلِ احترام ہو اور اس کے لئے کھڑا ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، درمختار میں ہے: " یجوز بل یندب القیام تعظیمًا للقادم " (۲) البتہ دست بستہ کھڑا ہونا مناسب نہیں، کہ اس میں نماز کی کیفیتِ قیام سے مشابہت ہے، گویا اس کیفیت میں عبادت اور بندگی کا ایہام ہوتا ہے، اور ایسی باتوں سے منع فرمایا گیا ہے، جس میں غیر اللہ کی نسبت سے عبادت کا ایہام ہوتا ہو — جہاں تک غیر مسلموں کی بات ہے تو ان کی اعتقادی گمراہی اپنی جگہ؛ لیکن مناسب حد میں رہتے ہوئے ان کی تعظیم اور توقیر میں بھی حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) " قال رجل : یا رسول الله ﷺ ! الرجل منا یلقی أخاه أو صدیقه ، أینحنی له ؟ قال: "لا" (الجامع للترمذی : حدیث نمبر: ۲۷۲۸، عن أنس ﷜ ، باب ماجاء في المصافحة ، أبواب الإستئذان و الآداب۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۹/۵۵۱۔

جب قیصر روم کو خط لکھا، تو ان کے لئے" عظیم الروم "(۱) کا لفظ استعمال کیا، کیونکہ اہل روم ان کو اسی لقب سے یاد کیا کرتے تھے؛ اس لئے اگر کسی غیر مسلم وزیر کا کھڑے ہو کر ہاتھ باندھے بغیر خیر مقدم کیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے کہ یہ بھی توقیر و احترام کا ایک طریقہ ہے۔ واللہ اعلم۔

نابالغ کا قبولِ اسلام

سوال:- {9} ہمارے محلہ مشیر آباد میں ایک غیر مسلم لڑکا جو ابھی نابالغ ہے، اس کی عمر ۱۳/۱۴/ سال ہے، اس نے ختنہ بھی کرلیا ہے، اور نماز کے لئے مسجد بھی آرہا ہے، البتہ اس کے ماں باپ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، اس کے باوجود اس لڑکے نے نماز کو آنا جانا برقرار رکھا ہے، آپ بتائیں کہ یہ کس حد تک صحیح ہے؟ (ح، س، ی، ن، باکارم)

جواب:- حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت یعنی دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، حضرت ابوہریرہ ﷛ نے یہ حدیث نقل کرکے وہ آیت تلاوت کی، ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ہر انسان کی فطرت میں داخل

---

(۱) " ثم دعا بكتاب رسول الله ﷺ، فقرئ فاذا فيه : بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد عبد الله و رسوله الى هرقل عظيم الروم " عن أبي سفيان بن حرب ﷛، الجامع الترمذي : حدیث نمبر: ۲۷۱۷، باب ماجاء كيف يكتب الى هرقل الشرك، ابواب الاستئذان و الآداب۔

(۲) "قال النبي ﷺ: كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه و ينصرانه و يمجسانه كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء ؟ ثم يقول أبو هريرة ﷛ : و اقرؤوا ان شئتم ! فطرة الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله (الروم : ۳۰) عن أبي هريرة ﷛: صحيح مسلم : حدیث نمبر: ۲۶۵۸، باب لعني كل مولود يولد على الفطرة و حكم موت اطفال الكفار و اطفال المسلمين ۔ محشی۔

ہے،اور جو شخص فطرت کا باغی ہو، وہی اسلام سے روگردانی کر سکتا ہے، اسی لئے فقہاء کے نزدیک جو بچہ شعور اور تمیز کی عمر کو پہنچ جائے ، اور اس میں دین و مذہب کی پہچان پیدا ہو جائے ، اس کا اسلام قبول کرنا معتبر ہے ،(۱) اس لئے وہ لڑکا غیر مسلم نہیں بلکہ مسلمان ہے ، اور آپ کا مذہبی فریضہ ہے کہ اسے اس طرح اپنے سے قریب رکھیں کہ وہ دین حق پر ثابت قدم رہے۔

البتہ قانون ملکی کی رو سے جب تک لڑکے اٹھارہ سال کے نہ ہو جائیں ، تبدیلئ مذہب کا اعتبار نہیں ، اس لئے جوں ہی وہ لڑکا اپنی تعلیمی اور پیدائشی دستاویز کے اعتبار سے اٹھارہ سال کا ہو جائے ، قبول اسلام کی سرٹیفکٹ بنوادی جائے ، تا کہ کوئی قانونی دشواری پیدا نہ ہو ، آپ اس سلسلہ میں دفتر امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش سے رجوع کر سکتے ہیں۔

قبولِ اسلام کا طریقہ

سوال:- {10} اسلام قبول کرنے کا کیا طریقہ ہے؟
اور کیا اس میں مردوں اور عورتوں میں فرق ہے؟

(شبانہ اعظمی ، بیدر)

جواب:- اسلام قبول کرنے کے لئے کلمۂ شہادت " أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا رسول الله " پڑھنا چاہئے ، اور کلمہ پڑھنے سے پہلے بہتر ہے کہ غسل

(۱) " كان غلام يهودي يخدم النبي ﷺ فمرض ، فأتاه النبي ﷺ يعوده ، فقعد عند رأسه ، فقال له : أسلم ! فنظر الى ابيه و هو عنده ، فقاله له : اطع ابا القاسم ﷺ ، فأسلم " عن ابن عباس ، صحيح البخاری ، حدیث نمبر:۱۳۵۶، باب ازا اسلم الصبی فمات ، هل يصلى عليه ، كتاب الجنائز ، نیز صاحب ہدایہ نے حضرت علی ؓ کے قبول اسلام کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے: " لنا فيه أن عليا ؓ أسلم في صباه و صحح النبي ﷺ اسلامه " (الهداية : ۶۰۲/۳) اور یہی مسلک مالکیہ وحنابلہ کا بھی نقل کیا گیا ہے: " و أما العقائد كالايمان فقد ذهب الحنفية و المالكية و الحنابلة الى أنه يصح من الصبي " (الموسوعة الفقهية الكويتية :۱۵۸/۷) محشی

کرلے،(۱) اسی طرح صحابہ ﷺرسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت ایمان کیا کرتے تھے،(۲) یہی طریقہ اس میں مردوں کے لئے بھی ہے، اور عورتوں کے لئے بھی۔

تقدیر کا ایک مسئلہ

سوال:- {۹۱} اکرم نے اپنی شادی کے سلسلہ میں استخارہ کیا، استخارہ کرنے پر دل میں یہ بات آئی کہ عذراء سے نکاح کرنا چاہئے، چنانچہ شادی ہوگئی، پہلی زچگی کے بعد بیوی پر پاگل پن کا دورہ پڑا، سسرال والوں نے اکرم پر الزام عائد کیا کہ تو نے اس کو ستایا ہوگا، اس وجہ سے طبیعت خراب ہوئی، دوسری زچگی کے بعد عذراء کی حالت پھر خراب ہوگئی اور پاگل پن اور بڑھ گیا، ایک صاحب یوں فرماتے ہیں کہ تو نے خود اپنے پیروں پر کلہاری ماری، تو نے اس سے شادی کیوں کی، اگر تو دینداروں میں شادی کرتا، تو یہ حال نہ ہوتا، جب اللہ تعالیٰ دنیا میں اچھا اور برا بتلا دیا ہے اور اختیار دیدیا ہے کہ چاہے جس راہ کو اختیار کرو تو نے اپنے اختیار کیا ہے، اس لئے پریشانی اٹھانی پڑ رہی ہے، ان کی اس بات کی وجہ سے دل میں

---

(۱) مسلم شریف: ۳۳۶/۲۔

"أتيت النبي ﷺ أريد الاسلام، فأمرني أن اغتسل بماء و سدر" عن قيس بن عاصم (سنن أبي داؤد: حدیث نمبر:۳۵۵، باب في الرجل يسلم فيؤمر بالغسل، كتاب الطهارة) محشی۔

(۲) "عن قيس سمعت جريرًا ﷺ: بايعت رسول الله ﷺ على شهادة أن لا اله لا الله، و أن محمدًا رسول الله" (صحيح البخاري: حدیث نمبر:۲۱۵۷، باب هل يبيع حاضر لباد بغير اجر، هل يعينه ينصحه، كتاب البيوع) محشی۔

طرح طرح کے شبہات پیدا ہونے لگے ہیں ؛ اس لئے.
شریعت کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتوں کا حل چاہتا ہوں:
(الف) کیا انسان کا جوڑا (بیوی) اس کے اختیار سے ملتا ہے، یا مقدر سے؟ کیا یہ ممکن تھا کہ اگر اکرم کسی اور دیندار گھرانے میں شادی کرتا، تو یہ پریشانی اٹھانی نہ پڑتی؟
(ب) کیا اس قسم کی باتیں کہنا تقدیر کا انکار ہے، یا نہیں، اگر انکار ہے، تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟ (ڈاکٹر سید محمد مشتاق، مکان ۸۲-۶-۶، عثمان پورہ، حیدر آباد)

جواب:- آپ کے سوالات کا تعلق دراصل تقدیر کے مسئلہ سے ہے، تقدیر کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں مکلف کا جو بھی فعل ہوتا ہے، وہ دو امور کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے، ایک انسان کا ارادہ، دوسرے اللہ تعالی کی مشیت، جب انسان کسی اچھی بری بات کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالی کی مشیت اس کی مدد کرتی ہے، پھر وہ چیز وجود میں آتی ہے، اسی مشیت الٰہی سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ کوئی چیز خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہوسکتی اور انسان کے ارادہ واختیار کے استعمال کی وجہ سے اس پر ثواب وعقاب ہوا کرتا ہے، لیکن از اول تا آخر جو کچھ ہونے والا ہے وہ خدا کے علم میں پہلے سے موجود ہے، اور اسی علم الٰہی کا نام تقدیر ہے، تقدیر کا مفہوم یہ نہیں کہ اللہ نے کسی کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اس کام کو کرے، البتہ جو چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہیں وہ سراسر حکم خداوندی کے تحت ہیں، ان کا تعلق اعمال سے ہونا بھی ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے ساتھ بھی صحت ومرض اور رنج ومسرت کا سلسلہ رہا ہے؛ اس لئے کسی بیماری وغیرہ پر اعتراض کرنا تقدیر پر اپنی ناراضگی کا اظہار ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ نکاح کے رشتہ کے لئے انتخاب میں دین اور اخلاق کو معیار بنانا بہتر اور مطلوب ہیں، لیکن کسی انسان کے لئے عند اللہ جو آزمائشیں مقرر ہو چکی ہیں، وہ بہر حال وقوع پذیر ہو کر رہیں گی۔

تقدیر کی حقیقت

سوال:- {12} صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کے مقدر میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی، تو پھر ایسی صورت میں اس کو اعمال کا قصوروار کیوں قرار دیا جاتا ہے، اور اس کو اس کے گناہوں کی سزا کیوں دی جاتی ہے؟ (سلیم یعقوب، ناندیڑ)

جواب:- تقدیر اصل میں اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو ارادہ واختیار کی قوت دی ہے، وہ نیکی بھی کرسکتا ہے، اور برائی بھی اور جو کچھ کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اس میں مانع نہیں ہوگی، لیکن انسان کرے گا کیا؟ اور کس راہ کو اختیار کرے گا؟ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہے، اور علم الٰہی کے مطابق ہی یہ بات لکھی جاتی ہے، (۱) ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس پر مجبور کر دیا ہے، انسان کو ارادہ واختیار کی جو قوت دی گئی ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت آ جانے کے باوجود اس صلاحیت کے غلط استعمال پر انسان کو سزا دی جاتی ہے، یہ ایسا ہی ہے، جیسے کوئی استاذ اپنے شاگرد کے حال سے واقف ہو، اور وہ اس کے کامیاب یا ناکام ہونے کی پیشین گوئی کرے، اور اس کی پیشین گوئی کے مطابق ہی وہ کامیاب یا ناکام ہو، تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس استاذ کو اس کی ناکامی پر ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا، فرق یہ ہے کہ انسان کا علم ناقص ہے، اس لئے اس کی پیشین گوئی صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم کامل اور ابتدائے کائنات سے انتہا تک کو شامل ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو بات فرمائی ہے آئندہ اس کے خلاف بات پیش نہیں آسکتی۔

---

(۱) ﴿انا کل شیئ خلقناه بقدر﴾ (القمر:۵۴) ”جف القلم بما انت لاق“ (عن أبي هريرة ﷺ، صحيح بخاری: حدیث نمبر:۵۰۷۶، باب ما يكره من التبتل و الخصاء كتاب النكاح، نیز باب جف القلم على علم الله، كتاب القدر) محشی۔

وسوسہ کی بیماری

سوال:- {13} مجھے شدید وساوس آتے ہیں، عجیب وغریب وسوسوں میں گھبرا جاتا ہوں، بعض دفعہ خودکشی کرنے کو جی چاہتا ہے اور کئی بار تو ایمان خطرہ میں نظر آتا ہے، ایسے شیطانی وسوسے آتے ہیں، جن کو میں کسی کے سامنے بیان نہیں کرسکتا۔　　(چندرائن گٹہ)

جواب:- وسوسہ سے بچنے کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ آپ اپنی قوت ارادی کو مضبوط کریں اور پوری قوت سے وسوسہ دور کرنے اور اپنے ذہن کو کسی اور طرف متوجہ کرنے کی کوشش کریں، رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ علاج بتایا ہے کہ جب ایسی نوبت آجائے تو ''أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ '' پڑھا جائے، (۱) اگر کوئی کفریہ خیال ذہن میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ '' (میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا) کہے' (۲) اس کے علاوہ پیشاب کی چھینٹوں سے بھی بچنا چاہئے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب میں بے احتیاطی کی وجہ سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ (۳)

---

(۱) "قال رسول الله ﷺ : يأتي الشيطان أحدكم فيقول : من خلق كذاوكذا ؟ حتى يقول له : من خلق ربك ؟ فاذا بلغ ذلك فليستعذ بالله و لينته" عن أبي هريرة ﷺ ، صحيح بخاري ، حدیث نمبر:۳۲۷۶، باب صفة ابليس و جنوده ، كتاب بدء الخلق ، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر:۱۳۴، كتاب الايمان ـ

(۲) "قال رسول الله ﷺ لا يزال الناس يتسائلون حتى يقال : هذا خلق الله الخلق ، فمن خلق الله ؟ فمن وجد من ذلك شيئا فليقل ! أمنت بالله ، عن أبي هريرة ﷺ ، صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۱۳۴، باب بيان الوسوسة في الايمان ، كتاب الايمان ـ

(۳) "إن النبي ﷺ نهى أن يبول الرجل في مستحمه ، وقال : ان عامة الوسواس منه ، عن عبد الله بن مغفل ﷺ (الجامع الترمذي ، حدیث نمبر:۲۱، باب ما جاء في كراهية البول في المغتسل ، كتاب الطهارة)

وساوس کا علاج

سوال:- {14} مجھے ہمیشہ عجیب قسم کے خیالات آتے رہتے ہیں، کبھی لگتا ہے کہ میں ایک عظیم گلوکار بن گیا ہوں، کبھی لگتا ہے کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، میں ایسے خیالات سے چھٹکارا پانا چاہتا ہوں، اس کے لئے کوئی دعاء بتایئے؟　　　(الف، ب، ج، دھنے گاؤں)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے فلان فلان کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آجائے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے اور ایسے خیال سے باز رہے ''فلیتعوذ باللہ ولینتہ ''(۱) معلوم ہوا کہ نا مناسب خیالات کا علاج یہ ہے کہ بہ حد امکان ان خیالات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، اور تعوذ یعنی ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم ''پڑھا جائے، آپ بھی اس پر عمل کریں اور ایسے خیالات اور وساوس سے حفاظت کی دعاء کا اہتمام کرتے رہیں، نیز طبیب سے بھی رجوع کریں؛ کیوں کہ بعض اوقات نفسیاتی اسباب کے تحت بھی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

مسلمان کی توہین

سوال:- {15} انصار اپنے سسرال کے چند افراد سے

---

(۱) "قال رسول اللہ ﷺ :یأتی الشیطان أحدکم فیقول : من خلق کذاوکذا ؟ حتی یقول لہ : من خلق ربک ؟ فاذا بلغ ذلک فلیستعذ باللہ و لینتہ" عن أبي هريرة ﷺ ، (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۳۲۷۶،باب صفة ابلیس و جنودہ ، کتاب بدء الخلق ،نیز دیکھئے:صحیح مسلم،حدیث نمبر:۱۳۴،کتاب الایمان)

ناراض ہے، وجہِ ناراضگی انصار کی توہین کرنا ہے، اب اگر انصار معافی تلافی ہونے تک اپنے سسرال آمد و رفت بند کردے تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟ (محمد عیسیٰ)

جواب:- کسی بھی مسلمان کی توہین گناہ ہے، حدیث میں ''سبّ مسلم'' (مسلمان کو برا کہنے) کو باعث فسق قرار دیا گیا ہے، (۱) اس لئے انصار کے سسرال والوں کا یہ فعل نامناسب ہے، اگر تنبیہ کے لئے وہ آمد ورفت کا سلسلہ بند کردے تو کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ اپنی بیوی کو آمد ورفت سے نہ روکے۔

ٹی وی پر دیویوں اور دیوتاؤں کا پروگرام

سوال:- {16} ٹی وی پر دیوی اور دیوتاؤں سے متعلق پروگرام دکھائے جاتے ہیں، کیا ایسا پروگرام دیکھنا مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟ (سید عبدالرحیم، بیدر)

جواب:- یوں تو ٹی وی کے اکثر پروگرام ہی دین واخلاق کو برباد کرنے والے ہیں، اور اس کا نقصان اس کے نفع سے بہت زیادہ ہے، اور خاص کر ایسا پروگرام جو مشرکانہ نظریات کو مشتہر کرتا اور مرغوب بنا کر پیش کرتا ہو، مسلمانوں کے حق میں زہر ہلاہل سے کم نہیں، اور یہ گناہ بالائے گناہ ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس سے خود بچنا اور اپنی نسلوں کو بچانا واجب ہے۔ وباللّٰه التوفیق۔

---

(۱) " أن النبي ﷺ قال : سباب المسلم فسوق و قتاله كفر " عن عبد الله بن مسعود ، (صحیح البخاری ، حدیث نمبر:۴۸، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله و هو لا يشعر ، كتاب الايمان ، نیز ملاحظہ ہو : صحیح مسلم ، حدیث نمبر:۶۴، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق و قتاله كفر ، كتاب الايمان)

گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ

سوال:- {17} ماں باپ پر ظلم کرنا، پڑوسیوں پر ظلم کرنا، جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، چغلخوری کرنا، چوری کرنا، سود لینا، سود دینا، جوا کھیلنا، شراب خوری، زنا کرنا، کسی کا حق مارنا، اور مسلم کا مسلم کے ذریعہ یا خود قتل کرنا، اور اللہ تعالی کی شخصیت میں کسی اور کو داخل کرنا اور اس کی عبادت کرنا —— مندرجہ بالا گناہ کون سے گناہ میں شامل ہیں؟ گناہ کبیرہ، گناہ صغیرہ میں کون کون سے گناہ داخل ہیں جو اللہ تعالی کبھی معاف نہیں کرتے، اور اگر بندہ اللہ تعالی سے دعا کرے اور توبہ کرے کہ میں آئندہ اس گناہ کو پھر سے نہیں کروں گا، تو اللہ تعالی اپنی رحمت سے وہ کون سے گناہ ہیں جو معاف کریں گے، جس کی بندہ کو امید رکھنی چاہئے اور وہ کون سا گناہ ہے جو اللہ تعالی کبھی معاف نہیں کریں گے؟ (محمد وہاج الدین، ناندیڑ)

جواب:- یوں تو اللہ تعالی کی جلالت شان کے اعتبار سے معمولی سے معمولی غلطی بھی "غیر معمولی" کے درجہ میں ہے، لیکن گناہوں پر وعید میں لب ولہجہ کی شدت اور نرمی کے اعتبار سے گناہ کی دو قسمیں کی گئی ہیں: صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ، اور کبیرہ یعنی بڑے گناہ، خود قرآن مجید نے بھی اس تقسیم کی طرف اشارہ کیا ہے اور دو مقامات پر بعض گناہوں کو کبائر کا عنوان دیا گیا ہے، (۱) —— کون سے گناہ کبائر ہیں اور کون سے صغائر؟ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث میں قطعی تحدید منقول نہیں، بخاری کی ایک روایت میں چار کبائر کا ذکر آیا ہے: "شرک، والدین کی نافرمانی، قتل

(۱) ﴿إن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيآتكم و ندخلكم مدخلا كريما﴾ (النساء:۳۱)، ﴿ الذين يجتنبون كبائر الإثم و الفواحش إلا اللمم ﴾ (النجم:۳۲)

اور جھوٹی قسم"(۱) ابو طالب مکی" کا بیان ہے کہ" بہ حیثیت مجموعی احادیث اور صحابہ ﷺ کے اقوال میں ستر کبائر کا ذکر ہے"(۲)

اس سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ، حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ اور حضرت عبد اللہ ابن عمر ﷺ کے بیانات سے جن گناہوں کے کبائر ہونے کا غالب گمان ہوتا ہے، ان کا خلاصہ اس طرح ہے:

قلب سے متعلق گناہ: (چار): شرک، گناہ پر اصرار، اللہ کی رحمت سے مایوسی، اللہ کی پکڑ سے بے خوفی۔

زبان سے متعلق گناہ: (چار): جھوٹی گواہی، بہتان تراشی، جھوٹی قسم، جادو۔

پیٹ سے متعلق گناہ: (تین): شراب نوشی، سودخوری، ظلماً یتیم کا مال کھانا۔

شرم گاہ سے متعلق گناہ: (دو): زنا، اغلام بازی۔

ہاتھ سے متعلق گناہ: (دو): قتل، چوری۔

پاؤں سے متعلق گناہ: (ایک): میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا،

پورے جسم سے متعلق گناہ: (ایک): والدین کی نافرمانی۔ (۳)

گناہ کبیرہ کسے کہتے ہیں، اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اہل علم سے بہت سے اقوال منقول ہیں، لیکن ان سب کا ماحصل یہی ہے کہ جس گناہ پر لعنت کی گئی ہو، وعید وارد ہو، اور عذاب وعتاب کی دھمکی دی گئی ہو، اور ان کے درجہ کے دوسرے گناہ جن کا نصوص میں ذکر نہیں،

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال: أكبر الكبائر، الاشراك بالله و قتل النفس، و عقوق الوالدين، وقول الزور، أو قال: و شهادة الزور، عن انس بن مالك، (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۲۶۵۳، باب قول ما قيل في شهادة الزور، كتاب الشهادات، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر:۸۸، باب بيان الكبائر و أكبرها، كتاب الايمان)

(۲) احیاء العلوم:۴/۱۷۔

(۳) حوالۂ سابق:۴/۱۸۔

کبائر ہیں۔ کبائر پر عربی زبان میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں حافظ شمس الدین ذہبیؒ کی کتاب ''کتاب الکبائر'' بڑی اہم ہے، اور اردو زبان میں بھی اس کے متعدد ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

شرک ایسا گناہ ہے جس کو اللہ تعالی معاف نہیں کرتے، خود قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے، (۱) صغیرہ گناہ توبہ سے بھی معاف ہوتے ہیں، نیک کاموں سے بھی اور کبائر سے اجتناب برتنے کی وجہ سے بھی، کبیرہ گناہ اس وقت معاف ہوگا جب اس کے لئے مطلوب توبہ کی جائے، یعنی اگر کسی گناہ پر شریعت نے قضاء، کفارہ یا فدیہ واجب قرار دیا ہے، تو اس کو پورا کیا جائے، اگر حقوق الناس سے متعلق ہو، تو حق ادا کرے یا حق معاف کرالے، ہاں جو گناہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں اور ان کے لئے کوئی قضاء، کفارہ یا فدیہ واجب نہیں، ان کی بابت زبان سے استغفار اور خوب ندامت اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کے عزم و ارادہ کے ساتھ اللہ تعالی سے دعا اور اللہ کے سامنے پشیمانی ان گناہوں کی توبہ ہے، اور اللہ تعالی توبہ قبول فرماتے ہیں، جس کا قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر ذکر موجود ہے۔ (۲)

آپ نے جن گناہوں کا ذکر کیا ہے وہ سب بھی کبائر میں داخل ہیں —— اللہ تعالی ہم سبھوں کی گناہ سے حفاظت فرمائے، اور اپنی کوتاہیوں پر توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

شراب نوشی سے عبادت رائیگاں

سوال:- {18} شراب پینے سے کیا چالیس دن کی عبادت ضائع ہوجاتی ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

---

(۱) ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ النساء: ۴۸۔

(۲) ﴿و ادعوه خوفا و طمعا ان رحمت الله قريب من المحسنين﴾ (الاعراف: ۵۶)

﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (غافر: ۶۰) محشی۔

جواب:- شراب پینا واقعی سخت گناہ ہے اور حدیث میں اس طرح کی بات آئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

''ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز خمر ہے، نیز ہر نشہ آور شئ حرام ہے، جس نے نشہ آور شئ پی اس کی چالیس دنوں کی نماز ناقص ہوگئی پھر اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں'' (۱)

بیماری ——— گناہوں کا کفارہ

سوال:- {19} کیا بیماری گناہوں کا کفارہ ہے اور کیا کبیرہ گناہ بھی بیماری سے معاف ہوتے ہیں؟

(مرزا احمد عبدالقدوس بیگ، نظام آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کو جو بیماری لگتی ہے وہ اس کے گزشتہ گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، اور مستقبل کے لئے عبرت وموعظت کا باعث ہے، ''کانت کفارة لما مضی من ذنوبه وموعظة له فیما یستقبل ''(۲) یہ صرف صغائر کے لئے کفارہ بنتے ہیں، یا کبائر کے لئے بھی؟ حدیث میں اس کی صراحت نہیں، لیکن قرآن میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ جو شخص کبائر سے بچے گا، اللہ اس کی خطاؤں کو معاف فرمادیں گے۔ (۳)

---

(۱) سنن أبي داؤد: ۲/۵۱۸، باب ماجاء في السکر۔

" عن النبي ﷺ قال: کل مخمر خمر، و کل مسکر حرام، و من شرب مسکرا بخت صلاته أربعین صباحا، فإن تاب تاب الله علیه " عن عبد الله بن عباس ﷺ (سنن أبي داود، حدیث نمبر: ۳۶۸۰، باب النهي عن المسکر، کتاب الأشربة)

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۰۸۹، بـاب الأمراض المکفرة للذنوب، اول کتاب الجنائز۔

(۳) ﴿إن تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیآتکم﴾ (النساء: ۳۱)

اس سے خیال ہوتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے صرف صغائر معاف ہوں گے، کبائر کے لئے توبہ کا اہتمام کرنا چاہئے کہ یہی احتیاط کا تقاضا ہے، ویسے اللہ تعالیٰ کریم وغفار ہیں، اس کی شان سے کیا بعید کہ کبائر کو بھی معاف فرمادے۔

دعا میں غلطی کی وجہ سے ایمان اور نکاح کی تجدید

سوال:- {20} پچھلے دنوں اخبارات میں یہ بات آئی کہ پاکستان میں ایک عالم صاحب نے نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگی، دعاء کرنے میں کچھ غلطی ہوگئی اور کفریہ معنی پیدا ہوگئے، لوگوں نے اس پر اپنی ناواقفیت میں آمین کہا، بعد میں امام صاحب کو تنبہ ہوا اور انہوں نے لوگوں سے کہا کہ جتنے لوگوں نے آمین کہی ہے، وہ سب دوبارہ کلمہ پڑھیں، اور اپنے نکاح کی بھی تجدید کرائیں، کیونکہ وہ دائرہ ایمان سے باہر ہوگئے، لیکن امام صاحب نے خود اپنا تجدید نکاح نہیں کیا، جب امام صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ نے خود کلمہ نہیں پڑھا اور نکاح کی تجدید نہیں کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے چونکہ آمین نہیں کہا تھا، اس لئے میں دائرہ ایمان سے باہر نہیں ہوا۔

(محمد امین الدین، ملے پلی)

جواب:- کفر کا معاملہ بہت نازک ہے، اور اسی لئے کسی بات پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، چنانچہ فتوی دینے کے اصول میں یہ بات ایک قاعدہ کے طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ اگر کسی بات کا ایسا معنی تلاش کیا جاسکتا ہو جو وجہ کفر نہ ہو، تو وہی معنی مراد لے کر کفر کا حکم لگانے سے اجتناب کیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی ایسی بات کہی گئی جس کو بعض اہل علم کفر قرار دیتے ہیں، اور بعض نہیں قرار دیتے، تو گو ان لوگوں کی رائے دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی

ہو جواسے باعث کفر کہتے ہیں، پھر بھی ازراہ احتیاط ان لوگوں کی رائے کو ترجیح دی جائے گی جو اس پر کفر کا فتوی نہیں لگاتے، چنانچہ علامہ شامی ابن نجیم مصریؒ سے نقل کرتے ہیں:

"والذی تحرر أنه لایفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علیٰ محمل حسن أو کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة" (۱)

''جو بات منقح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک کسی مسلمان کی بات کو اچھی صورت پر محمول کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہو گو اس سلسلہ میں ضعیف ہی روایت کیوں نہ ہو اس شخص کے کفر کا فتوی نہیں دیا جائے گا''

جہاں تک غلطی سے کفریہ کلمات زبان سے نکل جانے یا ناواقفیت میں ایسی بات کہہ جانے کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں خود حدیث نبوی سے بھی روشنی پڑتی ہے، حضرت انس ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

''تم میں سے کوئی شخص صحرائی علاقہ میں اپنی سواری پر ہو، اسی سواری پر اس کا کھانا پینا ہو، وہ گم ہو جائے اور وہ شخص اس سے مایوس ہو جائے پھر وہ ایک درخت کے پاس آیا، اور مایوسی کی حالت میں اسی کے سایہ میں لیٹ گیا، ابھی اسی حالت میں تھا کہ اچانک دیکھتا ہے کہ وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہوئی ہے، اس نے اس کی نکیل تھامی، اور خوشی سے بے حال ہو کر کہنے لگا: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی فرط مسرت سے بولنے میں غلطی کر جائے، جب کوئی

---

(۱) رسم المفتی: /۸۳۔

بندہ اپنے خدا کے سامنے تائب ہوتا ہے تو اللہ کو اس سے بھی
زیادہ خوشی ہوتی ہے۔(۱)

اس حدیث سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ غلطی سے کلمۂ کفر زبان سے جاری ہو جانا جب کہ اس میں ارادہ اور اعتقاد کو دخل نہ ہو، موجب کفر نہیں، چنانچہ فقہاء نے بھی یہی بات لکھی ہے، مشہور فقہ حنفی کی کتاب فتاوی بزازیہ میں فرماتے ہیں:

" أما إذا أراد أن يتكلم بكلمة مباحة فجرى
على لسانه كلمة خطأ بلا قصد والعياذ بالله
لا يكفر "(۲)

'' جب کوئی شخص مباح بات کہنا چاہے، اور زبان پر بلا
ارادہ غلط بات آجائے والعیاذ باللہ! تو اس کو کافر قرار نہیں
دیا جائے گا''

لہذا جو صورت آپ نے لکھی ہے، اور جو تفصیل اخبارات میں آئی ہے، اگر واقعی وہ درست ہے تو اس صورت میں آمین کہنے والوں پر کافر ہونے کا حکم لگانا درست نہیں، اور نہ ان کے تجدید نکاح کی ضرورت تھی، اور اگر آمین کہنے والے کافر ہو جائیں تو جس کی دعاء پر آمین کہی

---

(۱) ''قال رسول الله ﷺ : لله أشد فرحا بتوبة عبده حين يتوب إليه من أحدكم كان على راحلة بارض فلاة فانفلتت منه ، وعليها طعامه و شرابه ، فأتى شجرة فاضطجع في ظلها ، قد أيس من راحيلته فبينا هو كذلك إذ هو بها ، قائمة ، فأخذ بخطامها ، ثم قال : من شدة الفرح : اللهمّ انت عبدى و أنا ربك ، أخطأ من شدة الفرح ، عن أنس بن مالك ﷺ ، (صحيح مسلم، حدیث نمبر:۲،۲۷۴۷/۳۵۵،باب في الحض على التوبة و الفرح بها ، كتاب التوبة) محشی۔

(۲) الفتاوى البزازيه على هامش الفتاوى الهندية :۳۲۱/۶،كتاب الفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ۔

جائے وہ تو بدرجہ اولی کافر ہو جائے گا، اس لئے امام صاحب کا لوگوں کی تجدید نکاح کرانا اور اپنا دامن بچائے رکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اخبارات میں جن صاحب کا نام آیا ہے، وہ غیر معروف نام ہے، کسی ذمہ دار عالم دین نے اس طرح کا فتوی نہیں دیا ہے، دوسرے آج کل ذرائع ابلاغ اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں اور خاص کر علماء کی تصویر خراب طریقہ پر پیش کرنے کے لئے خبریں گھڑتے بھی ہیں، اور اس میں کمی بیشی بھی کرتے ہیں، اس لئے بہ ظاہر یہ خبر مشکوک ہے اور عجب نہیں کہ علماء کو بدنام کرنے اور ان کو شدت پسند ثابت کرنے کے لئے لوگوں نے اسطرح کی بات اڑائی ہو، اس لئے مسلمانوں کو ایسی اخباری اطلاعات کے بارے میں چوکنا رہنا چاہئے اور ان پر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کرنا چاہئے۔

اگر کوئی فتوی قبول نہ کرے؟

سوال:- {21} زید کے تعلق سے ایک صاحب نے فتوی منگوایا، لیکن زید اس فتوی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، ایسے شخص کے ساتھ اسلامی معاشرہ میں کیا سلوک روا رکھا جائے؟ (بی، ٹی وسیم الدین، تاجر چرم، باکارم)

جواب:- اگر درست سوال کیا گیا ہو، اور اس فتوی کے بارے میں ارباب افتاء کے درمیان اختلاف رائے نہ ہو، تو زید کا فتوے کے قبول کرنے سے انکار کرنا سخت گناہ کی بات ہے، اور تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ سماجی طور پر بھی اسے فتوی کو قبول کرنے پر مجبور کریں۔

کرامات اولیاء کی حقیقت

سوال:- {22} کرامات اولیاء اللہ میں مردوں کو زندہ

کرنے کے کئی واقعات درج ہیں، لیکن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا ایک واقعہ بھی پڑھنے میں نہیں آیا، آخر اس کی کیا حقیقت ہے؟ (علی، سعید آباد)

جواب:- کرامات حق ہیں، اور ان کا صدور ممکن ہے،(۱) البتہ کرامات کا ظہور کوئی دلیلِ فضیلت نہیں ہے، اس لئے اگر بعد کے لوگوں سے ایسی کرامتوں کا صدور ہو جائے، جن کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ہوا ہے، تو یہ ان کی عظمت کی دلیل نہ ہوگی، اصل مطلوب شریعت اور سنت کی اتباع ہے، ویسے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعد کے ادوار میں اور بالخصوص عجمی ممالک میں توہمات اور عقیدت میں غلو کے باعث ایسے بہت سے واقعات مشہور بھی کر لئے گئے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔

عملیات کے غیر شرعی طریقے

سوال:- {23} ایک شخص جو قصبہ...... کی جامع مسجد میں امامت کر رہا ہے، اپنے آپ کو عالم و فاضل، مفتی کہتا ہے، یہ شخص امامت کرتے ہوئے تعویذ گنڈے، پلیتے نجومی، حاضرات کا عمل کرتا ہے، گھروں میں شیطان ہے، دفینہ ہے، اور عورتوں پر جن، شیاطین، زسو وغیرہ ہے، کہہ کر ہزاروں روپیہ لوگوں سے وصول کر کے عمل کرتا ہے، لاولد عورتوں کو بچے ہونے کا یقین دلاتا ہے، اب تک جہاں بھی اس نے عمل کیا ہے کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے، کیا غیب کی باتیں حاضرات لگا کر کہنا درست ہے، اور کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے؟ (مصلیان قصبہ، ضلع محبوب نگر)

(۱) "والكرامات للأولياء حق" شرح فقه اكبر: ص: ۱۱۳۔

جواب:- نجومی کا عمل کرنا اور قسمتوں کے حال بتانا سخت گناہ بلکہ قریب بہ کفر ہے،(۱) حاضرات کے عمل کی شرعا کوئی حقیقت نہیں، نہ قرآن وحدیث سے اس کا کوئی ثبوت ہے۔ جیسے انسان جھوٹ بولتا ہے، اجنہ اور شیاطین بھی جھوٹ بول سکتے ہیں، بلکہ ان کے جھوٹ بولنے کا گمان زیادہ ہے، لہذا ان کی باتوں پر اعتقاد کرنا قطعا جائز نہیں، اور عامل حضرات عام طور پر یہی کرتے ہیں، دفینہ وغیرہ کی اطلاع جو عامل حضرات دیتے ہیں ان کی بھی شرعا کوئی اصل نہیں، زمین کے اندر جو اجزاء ہیں ان کے جاننے کے لئے سائنسی ذرائع موجود ہیں، جن سے ہزاروں فٹ نیچے موجود معدنیات کا پتہ لگایا جاتا ہے اور روز مرہ کا مشاہدہ ہے، اس لئے اگر کہیں دفینہ کا گمان ہو تو سائنٹفک طریقہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ عورت ہو یا مرد، ان پر جنات کا ورود ہوسکتا ہے، ان کے تدارک کے لئے حدیث میں دعائیں منقول ہیں، جنہیں پڑھنا چاہئے، جنات اتارنے کے لئے غیر محرم کے ساتھ تنہائی یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بعض نسوانی امراض کی وجہ سے بھی دماغی اور عقلی کیفیت پر مضر اثر مرتب ہوتا ہے، اور عورتیں مجنونانہ گفتگو کرنے لگتی ہیں اور لوگ آسیب، جادو سمجھ کر مرض بڑھاتے چلے جاتے ہیں، اس لئے اگر ایسی کوئی بات پیش آجائے تو ڈاکٹروں سے رجوع کرنا چاہئے کہ اللہ نے ہر بیماری کا علاج پیدا فرمایا ہے۔

امام صاحب کو غیر شرعی عملیات اور اس کو ذریعہ معاش بنانے سے بچنا چاہئے، اگر اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق امام صاحب غیر شرعی طریقہ اختیار کرتے ہوں تو ذمہ داران مسجد ان کو منع کریں، کیونکہ یہ باعث فسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ ہے، البتہ ایسی صورت اختیار کرنے سے بچا جائے، جس سے مسلمانوں میں اختلاف وانتشار کی صورت پیدا ہو۔

---

(۱) " أن رسو الله ﷺ قال : من أتى كاهنا فصدقه بما يقول ... فقد بري مما أنزل الله على محمد " عن أبي هريرة ﷺ ،(سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۳۹۰۴،باب في الكاهن ،كتاب الطب ،نیز دیکھئے صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۳۲۱۰، صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۵۳۷)

نظر اور اس کا مسنون علاج

سوال:- {24} نظر اتارنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ اکثر جو آگ کے اطراف سے وار کر پھیرتے ہیں، جس میں پوجا کی مشابہت ہوتی ہے، کیا یہ درست ہے؟　(س، ج، حسن آباد)

جواب:- نظر لگنا حق ہے، حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "العین حق" (۱)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں آپ ﷺ نے ایک لڑکی کو دیکھا، جس کے چہرہ پر دھبہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا جھاڑ پھونک کرو، کہ اس پر نظر کا اثر ہے" (۲)

نظر لگنے کے لئے بد نیتی ضروری نہیں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کسی کو نیک نیتی سے دیکھے، اور دیکھنے والے کو بھا جائے، اور جس کو دیکھ رہا ہے اس کو اس کی نظر لگ جائے، چنانچہ حضرت ابو امامہ ﷺ سے مروی ہے کہ

"ان کے والد سہل بن حنیف ﷺ نے غسل کے لئے جبہ اتارا وہیں پر حضرت عامر بن ربیعہ ﷺ تھے، حضرت سہل ﷺ کا رنگ بہت کھلا ہوا تھا، عامر کہنے لگے کہ میں نے آج کی طرح خوبصورت بدن کبھی نہیں دیکھا، یہاں تک کہ کنواری لڑکی

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۴۰، باب العین حق، کتاب الطب۔ محشی۔

(۲) "أن النبي ﷺ رأى في بيتها جارية في وجهها سفعة، فقال: استرقوا لها، فإن بها النظرة" عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۳۹، باب رقية العين، كتاب الطب، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۹۷، باب استحباب الرقية من العين، والنملة، و الحمة و النظرة، كتاب السلام) محشی۔

تک کا بھی نہیں، یہ سننا تھا کہ حضرت سہل ﷛ کو درد شروع ہوا اور تڑپ اٹھے، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ تم لوگ کیوں اپنے بھائی کے قتل کے درپے ہوتے ہو، ایسے موقعہ پر تم نے "بـارَكَ اللّٰـه" کیوں نہیں کہا، پھر ان کو حکم فرمایا کہ وہ وضو کریں، اور وہ پانی حضرت سہل ﷛ پر ڈالا گیا، حضرت سہل ﷛ فوراً ہی صحت مند ہو گئے۔(۱)

پرشاد کھانے کا حکم

سوال:- {25} بعض غیر مسلم دوست پوجا کا پرشاد ہم لوگوں کو لا کر دیتے ہیں، تاکہ ہم بھی ان کی خوشی میں شریک ہو سکیں، کیا ایسے پرشاد کا کھانا جائز ہے؟

(احسن، ملک پیٹ، عبدالباسط قادری، عیدی بازار)

جواب:- غیر مسلموں کے ایسے تحفے قبول کرنے جائز ہیں جن کا تعلق مذہبی تہواروں سے نہ ہو، جیسے شادی بیاہ، بچے کی پیدائش، یا کسی اور خوشی کے موقعہ پر مٹھائی یا تحفہ دیں، تو اسے کھایا جا سکتا ہے،(۲) لیکن جو مٹھائی بتوں پر چڑھائی گئی ہو، اور ایسے ہی چڑھاوے کی مٹھائی کو

(۱) الموطأ لإمام مالك ،حدیث نمبر:۱۳۹۰۔

(۲) "وقـال لأبـو حـمـيد أهدىٰ ملك أيلة للنبي ﷺ بـغـلة بيضاء ، و كساه بردا ، وكتـب لـه ببـحـرهم ، أن يهودية أتت النبي بشاة مسمومة فأكل منها " عن أنس بن مالك ﷛ ،(صـحيح البخاری ، حدیث نمبر:۲۶۱۷،بـاب قبـول الهـدية من المشركين ، كتاب الهبة)

" وأن اجـابة الـدعوة و لو لأهل الذمة سنة " (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية : ۴۳۲/۲،الـنوع السادس في التشبه ،كتاب الفاظ تكون اسلام أو كفرا أو خطأ)

یہ حضرات پرشاد کہتے ہیں، تو ان کا کھانا جائز نہیں، گو یہ ذبیحہ نہیں، لیکن قرآن مجید نے بتوں کے نام پر اور آستانوں پر ذبح کئے گئے جانوروں کو جس سبب سے حرام قرار دیا ہے، وہ یہی ہے کہ ان کے ذریعے شرک کی تعظیم کی گئی ہے، اور یہ بات پرشاد اور چڑھاوے میں بھی پائی جاتی ہے۔

گائے کے پیشاب سے آلودہ پرشاد

سوال:- {26} غیر مسلم دوکانوں میں پوجا کرتے ہیں، تو اس کا پرشاد بازو کے دوکانوں کو بھی دیتے ہیں، نیز ہم نے سنا ہے کہ وہ لوگ جس چیز کی پوجا کرتے ہیں، اس پر گائے کا پیشاب بھی چھڑکتے ہیں، تو کیا اس کا کھانا حرام ہے؟

(محمد احمد، گلبرگہ)

جواب:- جو چیز بتوں پر چڑھائی گئی ہو اس کا کھانا جائز نہیں ہے، (۱) اور گائے کا پیشاب ناپاک ہے، اس لئے اگر گائے کے پیشاب کے چھڑکاؤ کی اطلاع صحیح ہو تو اس کے حرام ہونے کے دو اسباب جمع ہیں، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

دیوالی پر عیدی

سوال:- {27} دیوالی کے موقع پر دھوبی وغیرہ عیدی کے لئے چراغ کے ساتھ گھر آتے ہیں، تو کیا ان کو اس موقع پر عیدی دینا جائز ہے؟ (رحیم الدین، کریم نگر)

جواب:- غیر مسلم بھائیوں کے تہوار ان کے مذہبی تصورات پر مبنی ہوتے ہیں، ہمارے لئے اس میں تعاون یا کسی طرح کی شرکت جائز نہیں، اس لئے انہیں اس سلسلہ میں محبت کے

---

(۱) ﴿حرمت عليكم الميتة و الدم و لحم الخنزيز و ما أهل لغيره الله به ... و ما ذبح على انصب﴾ (المائدة:۳) محشی۔

ساتھ سمجھا کر معذرت کر دینی چاہئے، ہاں کسی غیر مسلم بھائی کی ذاتی ضروریات میں مدد کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور باعث ثواب ہے۔

غیر مسلموں کے مذہبی کاموں میں چندہ

سوال:- {28} کیا غیر مسلموں کے مذہبی کاموں میں چندہ دینا جائز ہے، جب کہ مجبوراً دینا پڑ رہا ہو۔

(حسیب نظام آبادی، پھولانگ)

جواب:- غیر مسلم بھائیوں کی انسانی نقطۂ نظر سے مدد کرنا جائز بلکہ باعث ثواب ہے، لیکن مذہبی کاموں میں چندہ دینا جائز نہیں، کیونکہ یہ عملاً ان کے فکر وعقیدہ کی تصدیق وتوثیق ہے، اس لئے فقہاء نے بڑی شدت سے اس طرح کے عطایا کو منع کیا ہے:

" أهدى إلى بعض المشركين بيضة يريد به تعظيم ذلك اليوم فقد كفر بالله " (۱)

اگر چندہ دینے پر مجبور ہو جائے اور نہ دینے کی صورت میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو چندہ مانگنے والے کو یہ کہہ کر دے دے کہ میں تم کو دیتا ہوں، اب تم جہاں چاہو خرچ کرو تا کہ کم سے کم فعل شرک میں براہ راست تعاون نہ ہو۔

غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت اور مبارکباد

سوال:- {29} مسلمانوں کا غیر مسلموں کی عید کے دن پوجا کی محفل میں شریک ہونا اور دسہرہ کی مبارکباد دینا، کیا درست ہے؟ (سید اسد اللہ حسینی، مانصاب ٹینک)

جواب:- غیر مسلموں کے تہوار ظاہر ہے کہ ان کے مشرکانہ اعتقادات پر مبنی ہوتے ہیں،

(۱) الفتاوى التاتار خانية: ۵/۵۲۳۔

اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے شرک سے براءت اور بے تعلقی کا اظہار ضروری ہے، اس لئے ان تہواروں میں مسلمانوں کا شریک ہونا جائز نہیں، فقہاء نے بھی بہت سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے۔

فتاوی بزازیہ میں ہے:

"الخروج إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم كفر" (۱)

چونکہ یہ تہوار مشرکانہ فکر پر مبنی ہے، اس لئے ان پر مبارک باد دینا گویا ان کے نقطۂ نظر کی تائید ہے، اس لئے اس سے بھی گریز کرنا چاہئے۔ چنانچہ فقہاء نے مجوسیوں کو نیروز کی مبارک باد دینے سے منع کیا ہے اور اس سلسلہ میں کہا ہے:

"قال مسلم خوب سيرت نهادند يكفر" (۲)

البتہ غیر مسلموں کی غیر مذہبی تقریبات جیسے شادی بیاہ، بچے کی پیدائش، دکان کا افتتاح اور اس طرح کے دوسرے مواقع پر غیر مسلم بھائیوں کی محفلوں میں شریک ہوا جا سکتا ہے۔ (۳)

غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت

سوال:- {30} بعض غیر مسلم حضرات مسلمانوں کے تہوار میں شریک ہوتے ہیں، کیا مسلمانوں کے لئے بھی ان کے تہوار میں شرکت جائز ہے؟ (احمد علی، شالی بنڈہ)

---

(۱) الفتاوى البزازية على هامش الهندية :۶/۳۳۳، النوع السادس في التشبيه، كتاب الفاظ تكون اسلاما أو كفرا أو خطأ۔

(۲) الفتاوى التاتارخانية:۵/۵۲۲، ملاحظہ ہو: الفتاوى البزازيه :۶/۳۳۳۔

(۳) "اتخذ مجوسي دعوة لحلق رأس ولده، و دعا الناس إليه فحضرة بعض المسلمين و أهدى إليه شيئا لا يكفر ... و إن إجابة الدعوة و لو لأهل الذمة سنة" (الفتاوى البزازية على هامش الهندية :۶/۳۳۳)

جواب:- مذہبی تہواروں کی جڑیں، عقیدہ اور مذہبی نظریات میں پیوست ہوتی ہیں، غیر مسلم بھائیوں کے جو تہوار ہیں، ان میں مشرکانہ تصورات کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہیں، اس لئے ان میں شرکت جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں نے ایرانیوں کے طرز پر موسم بہار کی آمد اور اس موسم کے اختتام پر تہوار منانے کی اجازت چاہی لیکن آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی، (۱) پھر اس میں غیر مسلم اقوام سے مماثلت بھی ہے، سورج نکلنے، ڈوبنے اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا، کیونکہ یہ آفتاب پرست قوم اور دوسری قوموں میں عبادت اور پوجا پاٹ کا خصوصی وقت ہے، (۲) تو جب اسلام کو غیر مسلموں کے تہواروں سے، یہاں تک کہ ان کی عبادتوں کے اوقات سے بھی، مماثلت گوارا نہیں تو ان کے تہواروں میں شرکت کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

بعض حضرات اس کو مذہبی رواداری سمجھتے ہیں، لیکن یہ ناسمجھی کی بات ہے، رواداری ''مذہب فروشی'' کا نام نہیں، یہ تو بے ضمیری کی بات ہوگی، رواداری اپنے عقیدہ اور مذہب پر رہتے ہوئے دوسروں کو برداشت کرنے اور دوسری قوموں کے مذہبی معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی پر قائم رہنے کا نام ہے۔

غیر مسلم سے چندہ

سوال:- {31} غیر مسلم سے چندہ اور عطیہ لینا کیسا ہے؟ (سید علی مرتضی، چنچل گوڑہ)

---

(۱) مشکوۃ المصابیح بحوال سنن أبی داؤد، حدیث نمبر:۱۴۳۹۔

(۲) " فإن الصلاۃ محضورۃ مشھودۃ إلی طلوع الشمس، فإنھا تطلع بین قرنی الشیطان و ھي ساعۃ صلاۃ الکفار فدع الصلاۃ حتی ترفع قید رمح و یذھب شعاعا " (عن عمرو بن عتبۃ، سنن النسائی، حدیث نمبر:۵۸۳، باب النھي عن الصلاۃ بعد العصر)

جواب:- غیر مسلم سے چندہ لینا درست اور جائز ہے، بشرطیکہ اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ وہ کل ہو کر اپنے تہوار اور عبادت گاہ کے لیے چندہ کا مطالبہ کریں گے۔(۱)

گنیش تہوار میں چندہ

سوال:- {32} ہمارے ضلع نظام آباد میں گنیش تہوار کے موقع پر کچھ ہندو لوگ چندہ مانگنے آتے ہیں، کیونکہ ہمارا کاروبار اسی علاقہ میں ہے، جہاں گنیش کی مورتیاں بیٹھائی جاتی ہیں، تو ہمیں وہ لوگ چندہ دینے پر مجبور کرتے ہیں، ہم لوگوں کو مجبوراً چندہ دینا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟ (س، ج)

جواب:- کسی بھی مذہب کے تہوار کا تعلق فکر و عقیدہ سے ہوتا ہے، گنیش تہوار کی بنیاد ظاہر ہے کہ مشرکانہ عقیدہ پر ہے، اور کسی مسلمان کے لئے شرک کے کاموں میں تعاون جائز نہیں؛ اس لئے نہ دوسروں کے مذہبی تہواروں میں پیسے دینا جائز ہے، اور نہ اپنی مذہبی تقریبات کے لئے دوسروں سے جبراً چندہ وصول کرنا درست ہے، آپ انہیں سمجھائیں اور اگر فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو، تو یہ کہہ کر دے دیں کہ میں تمہاری ذات کے لئے دے رہا ہوں کہ اس میں ایک حد تک شرک میں تعاون کے گناہ سے بچا جا سکتا ہے۔

''مورتی پوجا'' پر مبارک بادی

سوال:- {33} ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں مسلمان اور ہندو گھلے ملے رہتے ہیں، دعوت و تقریب، خوشی و

(۱) "بدليل صحته من الكفار "(الدر المختار)" بخلاف الوقف فإنه لا بد فيه من أن يكون في صورة القربة و هو معنى ما يأتي في قوله و يشترط أن يكون قربة في ذاته إذ لو اشترط كونه قربة حقيقة لم يصح من الكفار "(شامي: ۳/۳۵۸)

غم میں ایک دوسرے کے شریک رہتے ہیں، ہندوؤں کے یہاں بعض مخصوص دنوں میں ''مورتی پوجا تیوہار'' منایا جاتا ہے، کیا کسی مسلمان کے لئے گنجائش ہے کہ انہیں اس تیوہار کی مبارک باد دیں؟ (محمد ریاض، نلگنڈہ)

جواب:- اسلام ایسا مذہب ہے جو اپنے عقیدہ پر ثابت قدمی کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب سے رواداری کے سلوک کی تعلیم دیتا ہے، لیکن اس رواداری کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ انسانی اخلاق وسلوک میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی فراخدلی کا مظاہرہ کیا جائے اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی سے بچا جائے، ان کے دیویوں۔ دیوتاؤں اور بزرگوں کو برا بھلا نہ کہا جائے، یہاں تک کہ اسلامی حکومت میں بھی غیر مسلموں کو اگر ان کے مذہب میں شراب پینے کی اجازت ہو، تو شراب پینے کی اجازت ہوگی اور اگر ان کا مذہب کسی محرم سے نکاح کو جائز رکھتا ہے، تو حکومتِ اسلام اس میں کوئی دخل نہیں دیگی، البتہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان عقیدہ اور مذہب کے معالات میں ''لو اور دو'' کا رویہ اختیار کریں، اس مسئلہ میں اسلام کی غیرت کا حال یہ ہے کہ اس نے دوسری قوموں سے تشبہ سے سختی سے منع کیا ہے، پیغمبر اسلام ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من تشبه بقوم فهو منهم''(۱) اسلام کے تمام احکام کی اصل بنیاد ''توحید'' پر ہے، اور اس میں ادنیٰ درجہ لچک اختیار کرنے کی گنجائش نہیں، اس لئے کسی ''مورتی پوجا تیوہار'' پر مبارک باد، اظہارِ مسرت اور اس طرح کے مشرکانہ عقیدہ کے مظہر جلوس کا استقبال کرنا قطعاً جائز نہیں۔ (۲)

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۰۳۱، عن ابن عمر ﷺ، باب في لبس الشهرة۔

(۲) ''و ما جرت العادة في سمرقند بنصب أمير نورور و اجتماع الناس و خروجهم إلى آب رحمه و اجتماعهم فيه ثلاثة أيام، و إهداء الناس إلى أمير نوروز فلا شك انهم إذا أرادوا تعظيم اليوم بذلك كفروا، و إن أرادوا غير ه فالأصوب و الأوجب تركه'' (الفتاوى البزازية على هامش الهندية :۶/۳۳۴)

دلت بھائی کے ساتھ سلوک

سوال:- {34} میرا مکان ایک گاؤں میں ہے، وہاں کم ذات کا ایک غیر مسلم میرے پاس نوکر ہے، وہ لباس وغیرہ میں صفائی ستھرائی کا اہتمام کرتا ہے، ذات کے اعتبار سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اکثر گھروں میں اس کا برتن الگ کردیا جاتا ہے، اور اس کو نیچے بٹھایا جاتا ہے، کیا مسلمان ہونے کے اعتبار سے ہمیں اس کے ساتھ یہی عمل کرنا چاہئے؟ یا اسے ساتھ کھلایا اور بٹھایا جاسکتا ہے؟ (عبداللہ، نرمل)

جواب:- اسلام میں تمام انسان ایک ہی باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور پیدائشی اعتبار سے ان میں کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں، اس لئے آپ کو چاہئے کہ ان کے ساتھ برادرانہ برتاؤ رکھیں، ساتھ بٹھائیں، کھلائیں، پلائیں اور انسانی بھائی چارہ کے نقطۂ نظر سے انہیں عزت واحترام کا مقام دیں، اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی تلقین کریں، یہ آپ کی طرف سے ان کے حق میں حق اور ہدایت کی طرف آنے کی خاموش دعوت ہوگی، کسی انسان کو کم ذات اور حقیر سمجھنا خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، درست نہیں۔

غیر مسلم بھائی کے ساتھ حسن سلوک

سوال:- {35} کسی غیر مسلم کی مدد کرنا، اسے خیرات کرنا، یا غیر مسلم مسافر کو لفٹ دینا کیا باعث ثواب ہے؟ (سید بلال، فلک نما)

جواب:- اسلام نے تمام انسانوں کی مدد کرنے اور ان کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کی مہمان نوازی کی ہے؛ چنانچہ وفد بنو نجران اور عدی

بن حاتم وغیرہ کی مہمان نوازی کا واقعہ مشہور ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے یہودی بچہ کی بیماری پر اس کی عیادت کی ہے، (۱) ان کی مدد فرمائی ہے، (۲) ان کو تحائف دیئے ہیں، (۳) اور ان کے ساتھ اکرام واحترام کا معاملہ کیا ہے، غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ نے جو حسن سلوک فرمایا، تمام اہل سیر نے اس کا ذکر کیا ہے؛ اس لئے غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنی چاہئے، اس پر بھی اجر وثواب ہے، البتہ زکوۃ کی رقم صرف مسلمانوں پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔

غیر مسلم بھائی کو سلام کا جواب

سوال:- (36) بعض غیر مسلم لوگ مسلمانوں کو

---

(۱) " أن غلاما يهوديا ، كان يخدم النبي ﷺ ، فمرض فأتاه النبي ﷺ يعوده ، فقال : أسلم ، فأسلم " عن أنس ﷺ ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۵۶۵۷، باب عيادة المريض، كتاب المرض)

و قال سعيد بن المسيب عن أبيه : لما حضر أبو طالب جائه النبي ﷺ. (حوالہ سابق)

(۲) " أن عمر بن الخطاب ﷺ قال : يا رسول الله ﷺ ! انه كان على اعتكاف يوم في الجاهلية فأمره أن يفي به ، قال: و أصاب عمر جاريتين من سبي حنين ، فوضعهما في بعض بيوت مكة ، قال فمن رسول الله ﷺ على سبي حنين ، فجعلوا يسعون في الفلك " عن نافع ،(صحيح البخاري، حدیث نمبر:۳۱۴۴، باب ماكان النبي ﷺ يعطى المؤلفة قلوبهم و عيونهم من الخمس و نحوه ، كتاب فرض الخمس ، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر:۱۶۵۶)

(۳) " رأى عمر حلة على رجل تباع ، فقال للنبي ﷺ : ابتع هذه الحلة تلبسها يوم الجمعة و إذا جائك الوفد ، فقال : انما يلبس هذا من لا خلاق له في الآخرة ، فأتى رسول الله ﷺ منها بحلل ، فأرسل إلى عمر منها بحلة ، فقل عمر" كيف ألبسها و قد قلت فيها ما قلت ؟ قال: إني لم أكسكها لتلبسها ، تبيعها أو تكسوها ، فأرسل بها عمر إلى أخ له من أهل مكة، قبل أن يسلم " عن ابن عمر ﷺ (صحيح البخاري ، حديث نمبر :۲۶۱۹، باب الهدية للمشركين ، كتاب الهبة)

''السلام علیکم '' کہتے ہیں، ان غیر مسلموں کو جواب میں کیا کہنا چاہئے؟ (مرزا الطاف بیگ، کلوا کرتی)

جواب:- ایسے لوگوں کو جواب میں ''و علیکم '' کہنے پر اکتفا کیا جائے، (۱) فقہاء نے لکھا ہے:

" ولو سلم يهودي أو نصراني أو مجوسي على مسلم فلا بأس بالرد ولكن لا يزيد على قوله : "وعليك " (۲)

اگر اندیشہ ہو کہ مکمل جواب نہ دینے کو وہ محسوس کریں گے اور برا مانیں گے تو '' وعلیکم السلام '' بھی کہنے کی گنجائش ہے، لیکن سلام سے ہدایت مراد لی جائے، کیونکہ ہدایت سے بڑھ کر کوئی سلامتی نہیں، اس طرح یہ ان کے حق میں ہدایت کی دعا ہوگی اور مسلمان پر حق ہے کہ وہ غیر مسلم بھائیوں کے لئے ہدایت کی دعا کریں۔

دوسری قومیں مسلمانوں سے زیادہ باعزت کیوں؟

سوال:- {37} آج عیسائیوں کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ ہے اور دوسری قومیں زیادہ عزت کی حالت میں ہیں، ایسا کیوں ہے؟ (مرتضی احمد، جلپلی، حیدرآباد)

جواب:- اولاً تو مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ عیسائیوں کی آبادی زیادہ ہے، یہ محض نام کی عیسائیت ہے، حقیقی عیسائیت تو آج دنیا سے ناپید ہے اور صفر کے درجے میں ہے، دوسرے

---

(۱) قال رسول الله ﷺ : " إذا سلم عليكم أهل الكتاب فقولوا : " و عليكم " عن أنس بن مالك ؓ ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۶۲۵۸، بـاب كيف الرد على أهل الذمة بالسلام ، كتاب الاستئذان ، نیز دیکھئے: صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۲۱۶۳)

(۲) الدر المختار على هامش رد :۵۹۱/۹۔

کثرت ''مقبولیت'' کی دلیل نہیں ہوتی، حضرت نوح علیہ السلام نے طویل عرصہ دعوت حق کا کام کیا، لیکن چند ہی لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی اور باقی سارے لوگ شرک ہی پر مصر رہے، تو (نعوذ باللہ) یہ ان کی دعوت کے عند اللہ نامقبول ہونے کی دلیل ہے؟

جہاں تک عزت و ذلت کی بات ہے تو ہم نے خود ہی اپنی ذلت کا سروسامان کیا ہے، (۱) اللہ تعالیٰ کی کون سی نافرمانی ہے جو آج ہم سے نہیں ہوتی؟ اور سنت اللہ یہی ہے کہ غیر مسلموں کے معاملہ میں تو ''امہال'' یعنی ڈھیل سے بھی کام لیا جاتا ہے، (۲) لیکن اہل ایمان پر دنیا ہی میں مؤاخذہ ہوتا ہے، تاکہ یہ ان کے لئے تنبیہ کا باعث ہو سکے۔

''کافر مسلمان کے دوست نہیں ہو سکتے'' سے مراد

سوال:- {38} قرآن کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ کافر مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے؟

(مقصود عالم، صلالہ)

جواب:- قرآن مجید کا منشاء یہ ہے کہ مذہبی حیثیت سے کافر کسی مسلمان کا حقیقی دوست اور سچا خیر خواہ نہیں ہو سکتا، سماجی یا اقتصادی مزاج و مذاق کی ہم آہنگی اور علاقہ و زبان کے اتحاد کی بنیاد پر تو ایک دوسرے کے ساتھ ذاتی دوستی ہو سکتی ہے، لیکن ایک مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان ایمان و کفر کی جو خلیج حائل ہے وہ مذہبی اور فکری سطح پر ایک دوسرے کی دوستی میں ضرور حائل ہوگی، اس لئے مسلمانوں کو اعتقادی اور تہذیبی اعتبار سے غیر مسلموں کی بہت زیادہ قربت سے بچنا چاہئے، ورنہ ان کے لئے نقصان کا اندیشہ ہے، اسی لئے اہل علم نے موالات اور مواسات میں

(۱) ﴿ما أصابتكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم﴾ (الشورى: ۳۰)

(۲) ﴿ و املى لهم ان كيدى متين ﴾ (القلم: ۴۵)، "الثانية: نهى الله عز و جل المؤمنين بهذه الآية أن يتخذوا من الكفار و اليهود و أهل الهواء دخلا و لجاء يفاوضونهم في الآراء، و يستندون إليهم أرائهم " (القرطبي: ۴/۱۷۹)

فرق کیا ہے، غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک ''مواسات'' ہے اور یہ مطلوب ہے اور غیر مسلموں سے ایسا تعلق کہ آدمی ان کا اثر قبول کرنے لگے ''موالات'' ہے، اور یہ جائز نہیں۔ (۱)

عیسائی دوست کی دعوت پر چرچ جانا

سوال:- {39} کیا کسی عیسائی کی دعوت پر چرچ میں جانے کی اجازت ہے، جیسے بچے کی خوشی میں؟ (نامعلوم)

جواب:- غیر مسلم کی عبادت گاہوں میں اس طرح داخل ہونا جائز نہیں کہ شعائر کفر کا احترام مقصود ہو، یا نیت تو ایسی نہ ہو، لیکن موقعہ تہوار وغیرہ کا ہو، جس میں لوگ عبادت اور تعظیم غیر اللہ کی نیت سے جایا کرتے ہوں، البتہ محض کسی عمارت کو دیکھنے، یا وہاں کسی سے ملاقات کرنے یا اسی طرح کی کسی اور ضرورت کے لئے جائے تو اس کی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کا فتح بیت المقدس کے بعد گرجا گھروں میں جانا اور نماز ادا کرنا ثابت ہے، (۲) اسی طرح بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے حبش کے بعض گرجا گھروں کے احوال بیان کئے تھے، بظاہر ان حضرات نے گرجا کا اندرونی ماحول دیکھنے کے بعد ہی ان احوال کو بیان کیا ہوگا۔

سارے جہاں سے اچھا......

سوال:- {40} علامہ اقبال کے مشہور ترانہ ہندی کا

(۱) ''نهى الله عز وجل المؤمنين بهذه الآية أن يتخذوا من الكفار و اليهود و أهل الهواء دخلا و لجاء يفاوضونهم في الآراء و يستندون إليهم أمورهم'' (القرطبي: ۱۷۹/۴) محشی۔

(۲) ''فجئت ديرا الراهب، فجلست عنده من العشي، فأشرف علي، فنزل و أدخلني الدير، فأطعمني و سقاني، و أتحفني، و جعل يحقق النظر في وسألني عن أمري'' (البداية و النهاية: ۵۹/۷، ط: مكتبة المعارف، بيروت)

پہلا مصرع ہے" سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"
بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ مصرع اسلامی تصور کے خلاف
ہے اور" وندے ماترم" سے کچھ کم نہیں ،شرعی نقطۂ نظر واضح
فرمائیں۔ (محمد حامد، گولکنڈہ)

جواب:- کسی کلام کا معنی ومقصود متعین کرتے ہوئے ضروری ہے کہ صاحب کلام کی فکر اوراس کے خیالات کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔اگر ایک شخص کا مؤمن اور موحد ہونا معلوم ہو اور وہ کوئی ایسی بات کہے جس کی دو تشریحات کی جاسکتی ہوں، ایک عقیدۂ توحید سے مطابقت رکھتی ہو، اور دوسری مشرکانہ فکر سے ،تو ظاہر ہے کہ اس کلام کی تشریح میں پہلی صورت کو ملحوظ رکھا جائے گا اور یہی بات کسی مشرک کی زبان سے نکلے،تو اس کلام کو مشرکانہ تصور کیا جائے گا۔

علامہ اقبال نہایت ہی قابل اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے،قرآن وحدیث کے ایک ایک حرف پر ایمان رکھتے تھے،اور اسلام کے سوا مغرب ومشرق کی ہر فکر کے ناقد تھے،عہد صحابہ ؓ کے بعد سوائے مولانا رومؒ کے شاید ہی کوئی شاعر ہو جس کا ہر شعر علامہ اقبال کی طرح اسلامی فکر کا نقیب ہو، اور جس کے کلام میں قرآن وحدیث کی اصطلاحات اس کثرت سے استعمال ہوئی ہوں، اس لئے اقبال کے اس مصرع کا یہ مفہوم متعین کرنا کہ وہ ہندوستان کی سرزمین کو نعوذ باللہ مکہ ومدینہ سے بھی زیادہ افضل اور مبارک سمجھتے تھے، بڑا ظلم ہوگا، کسی جگہ کا افضل ہونا اور اچھا ہونا دونوں میں فرق ہے، افضل کا لفظ عام طور پر دینی اور روحانی فضیلت کے لئے بولا جاتا ہے، اور اچھا ہونا مادی اسباب ووجوہ سے بھی ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ ہندوستان موسم کے اعتدال، کھیتی باڑی کے لئے موزونیت اور ہر جگہ میٹھے پانی کی دستیابی کے اعتبار سے بہ مقابلہ جزیرۃ العرب کے زیادہ اچھا ہے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اوراس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ نعوذ باللہ ہندوستان کی زمین کو حرمین شریفین سے بھی زیادہ افضل سمجھتا ہے، علامہ اقبال کا بھی یقیناً یہی مقصود ہوگا، ورنہ اگر روحانی فضیلت کے اعتبار سے کوئی ہندوستان کو ان مقامات مبارکہ

پر افضل و برتر سمجھے تو اس کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہے۔

جہاں تک ''وندے ماترم'' کی بات ہے تو یہ پوری نظم مشرکانہ نظریات و تعبیرات سے پُر ہے، اس میں صراحتاً زمین کو معبود کہا گیا ہے، اور خود اس نظم کا کہنے والا علانیہ کافر و مشرک تھا، اس لئے وندے ماترم نہ پڑھنا جائز ہے، اور نہ کوئی مسلمان اس طرح کی نظموں کے لزوم کو قبول کر سکتا ہے، اور ایک ایسی مشرکانہ نظم کو ترانۂ اقبال کے درجہ میں رکھنا نہایت ہی زیادتی، فکری افلاس اور علمی خیانت کی بات ہے۔

''وطن کی محبت ایمان سے ہے'' کی تحقیق

سوال:- {41} عام طور سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے کہ وطن کی محبت ایمان میں سے ہے، اس حدیث سے ان لوگوں کی فکر کو تقویت پہنچتی ہے، جو قومیت کو مذہب سے بھی زیادہ اہم سمجھتے ہیں، یہ حدیث کس درجہ کی ہے؟ اور اگر واقعی حدیث ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ برائے مہربانی اس کی وضاحت کریں۔ (محمد نصیر عالم سبیلی، جالے، دربھنگہ)

جواب:- یہ ایک بے اصل روایت ہے، اکثر علماء نے اس کو موضوع یعنی من گھڑت روایت قرار دیا ہے، ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب ''الاسرار المرفوعة ''(۱) علامہ عجلونی نے ''کشف الخفاء ''(۲) علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الدر المنثور ''(۳) اور علامہ طاہر پٹنی نے ''تذکرة الموضوعات ''(۴) میں اسی حیثیت سے اس روایت کا ذکر کیا ہے، مشہور

---

(۱) الأسرار المرفوعة :۱۸۰۔
(۲) كشف الخفا :۱/۴۳۰۔
(۳) الدر المنثور :۷۴۔
(۴) تذكرة الموضوعات :۱۱۔

محدث علامہ سخاویؒ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہے اور لکھا ہے کہ" لم اقف علیہ "(۱) اس لئے یہ کوئی حدیث نہیں، بلکہ ایک بے اصل اور غیر مستند روایت ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں محبت ونفرت اور نصرت وتعلق کی تمام تر اساس اخوت ایمانی ہے، اسلامی وحدت اور اخوت ایمانی نے یورپ کو حسد میں مبتلا کر دیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک مسلمانوں کا شیرازہ بکھرے گا نہیں، ان کو زیر کرنا ممکن نہ ہوگا، اسی لئے انہوں نے قومیت اور وطنیت کی فکر کو فروغ دیا اور خاص کر عالم اسلام میں اس کو خوب پھیلایا اور عام کیا اور بالآخر عالم اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑا، وطن سے محبت ایک فطری چیز ہے، لیکن نہ یہ جزو ایمان ہے اور نہ اخوتِ اسلامی سے زیادہ قابل لحاظ، موجودہ عہد میں تو علاقائی، لسانی اور نسبی تعصب ایک فتنۂ کبریٰ ہے، جس نے مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچایا ہے کہ شاید ہی کسی اور چیز نے اس درجہ نقصان پہنچایا ہو، اس لئے اس طرح کی فکر کو کمزور کرنے اور اس کا حوصلہ توڑنے کی ضرورت ہے۔ ایمان وکفر کی تقسیم اللہ کی طرف سے ہے اور جغرافیائی حد بندیاں ہمارے ہی جیسے انسانوں کی طرف سے، تو کیا انسانوں کے قائم کئے ہوئے دائرے اس طرح اہم ہو سکتے ہیں جس طرح اللہ کی قائم کی ہوئی حدود؟

اسلام اور جمہوریت

سوال:- (42) جمہوریت کو اسلام کس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے؟ بعض حضرات جمہوریت کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسلام کا نظام جمہوریت سے ہم آہنگ نہیں ہے، ہندوستان میں جو جمہوری نظام قائم ہے، بہت سے علماء نے اس کی تائید کی ہے اور اس کی مجالس قانون ساز کے ممبر بھی رہے ہیں۔ (فرحت اللہ، پورنیہ)

---

(۱) المقاصد الحسنۃ: ص: ۲۹۸۔

جواب:- جمہوریت سے مختلف اصول و روایات متعلق ہیں ۔ بنیادی طور پر جمہوریت عوام پر عوامی نمائندوں کے ذریعہ عوام کی حکومت کا نام ہے، حکمراں عوام کے انتخاب سے مقرر ہوتے ہیں، اور وہ عوام کے سامنے اپنے افعال کے بارے میں جواب دہ بھی ہوتے ہیں، اس حد تک کہا جا سکتا ہے کہ اسلام جمہوری نظام حکمرانی کے قریب ہے، اسلام خاندانی بادشاہت کا قائل نہیں، خلیفہ کا انتخاب عام مسلمانوں کی رائے سے ہوتا ہے، اور وہ اپنی عوام کے سامنے جواب دہ بھی ہوتا ہے، لیکن موجودہ جمہوریت اور اسلام کے تصور حکمرانی میں دو اساسی فرق ہیں۔ جمہوریت میں عوام کو ہر طرح کی قانون سازی کا حق ہوتا ہے، گویا تحلیل و تحریم کی کلید ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جن کو عوام نے منتخب کیا ہے، اسلام کی نظر میں اصل سرچشمۂ قانون کتاب اللہ اور سنت رسول ہے، اور اسکی تشریح کا حق ان لوگوں کو حاصل ہے، جو براہ راست قرآن و حدیث پر نظر رکھتے ہوں، البتہ مجلس شوریٰ کو انتظامی مسائل میں قانون سازی اور مشورہ کا حق حاصل ہوتا ہے، یہ نہایت دوررس نظریاتی اختلاف ہے۔

دوسرے جمہوریت میں عددی اکثریت کا حاصل کر لینا حکمراں اور حکمرانی کا حصہ بننے کے لئے کافی ہے، اس کے لئے کوئی لیاقت و اہلیت ضروری نہیں، ہمارے ملک میں پارلیمنٹ اور اسمبلی کے متعدد ایسے ناخواندہ ارکان رہے ہیں، جو اپنے دستخط بھی خود نہیں کر سکتے اور نشان ابہام سے کام چلاتے رہے ہیں، اور اس وقت ملک کی متعدد مجالس قانون ساز میں ایک تہائی سے زیادہ ایسے ارکان موجود ہیں جو پولس کے نامزد سنگین مجرم ہیں، اور بعضوں پر ایک درجن سے زیادہ قتل کے مقدمات ہیں، لیکن جو پولس کل ان کا تعاقب کرتی تھی، آج ان کی حفاظت کے لئے آگے پیچھے ہوتی ہے، اسلام اس کا قائل نہیں، اسلام میں ایسی اعلیٰ ذمہ داریوں کے لئے ایک مقررہ معیار ہے، اور رائے بھی اصحاب رائے کی معتبر ہے، اس کو مختصر طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں معیار کے ساتھ مقدار مطلوب ہے اور موجودہ جمہوریت معیار پر مقدار کی فتح سے عبارت ہے۔

تاہم ایک ایسا ملک جہاں مختلف قومیں اور مختلف مذاہب کے ماننے والے برابر کی سطح پر

رہتے ہیں، جمہوریت ایک نعمت ہے، اور ان حالات میں اس سے بہتر کوئی نظام حکومت نہیں ہوسکتا۔

''رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں مسلمان، یہودی اور مشرکین تینوں اقوام تھیں، اور آپ ﷺ نے ان میں یہی معاہدہ کرایا کہ یہ سب بقائے باہم کے اصول پر مدینہ میں رہیں گے، ہر ایک کو اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی ہوگی، اور مدینے پر کوئی حملہ آور ہو تو سب مل کر دفاع کریں گے'' (۱)

ہندوستان اور ان جیسے ممالک میں دراصل اسی اصول پر ہم باہم مل جل کر رہ رہے ہیں۔

کیا فلم اسٹار کافر ہیں؟

سوال:- {43} مسلمان فلمی اسٹار فلموں میں جانے کے بعد مسلمان رہتے ہیں، یا ان کا نام کافروں میں شامل ہوجاتا ہے؟ (طلعت فاطمہ، گلبرگہ)

جواب:- فلموں میں اداکاری سخت گناہ ہے، بے حیائی کے مناظر، غیر اخلاقی مکالمات، اداکار اور اداکارہ کا دوسرے مرد اور عورت کے ساتھ فحش کردار، عورتوں کا پردۂ سیمیں پر آنا اور ہوسناک نگاہوں کی غذا بننا، ایک سے ایک گناہ ہیں، جو عند اللہ سخت پکڑ کا باعث ہیں، لیکن علاوہ ان باتوں کے سب سے اندیشہ ناک پہلو یہ ہے کہ یہ صرف برائیوں کا ارتکاب نہیں بلکہ برائیوں کی دعوت ہے، یہ صرف گناہ نہیں، بلکہ لوگوں میں گناہ کی تبلیغ ہے اور یہ صرف بے شرمی نہیں، بلکہ بے شرمی کی ندائے عام ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ انسان کی جو نیکی دوسروں پر اثر انداز ہو تو اس کا دائرۂ اثر جتنا وسیع ہو، انسان اسی قدر اجر کا مستحق ہے، اور اسی طرح اگر کوئی شخص برائی کا داعی ہو، تو

(۱) البدایة و النهایة:۳/۲۲۵-۲۲۴۔

اس کی اس قبیح دعوت کا اثر جتنا وسیع ہوگا، وہ اسی نسبت سے گناہگار بھی ہوگا، اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سخت گناہ ہے، اور کسی مسلمان کے لئے اس حمام میں جہاں بے لباس ہی داخل ہوا جا سکتا ہے، اترنا نا قابل تصور ہے، تاہم جب تک انسان اپنی زبان سے کوئی کفریہ کلمہ نہ کہے جیسے خدا اور رسول کا انکار، دین کا تمسخر، (۱) وغیرہ یا کوئی ایسا عمل نہ کرے جو صریحاً مشرکانہ ہو، جیسے غیر اللہ کے سامنے اپنی جبین بندگی خم کرنا، خدا کے سوا کسی اور کے نام سے جانور ذبح کرنا وغیرہ، اس وقت تک وہ دائرۂ اسلام میں ہی باقی رہتا ہے، کافر نہیں ہو جاتا، اس لئے جب تک قصداً یا مزاحاً عام حالات میں یا اداکاری کے درمیان ان سے کوئی کفریہ قول یا فعل صادر نہ ہو، اس وقت تک وہ مسلمان ہی ہیں، اور بہر حال اسلامی اخوت کے رشتہ سے ہمارے بھائی ہیں، دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت سے سرفراز فرمائے، اور صحیح راستہ پر لائے، وماذلك على الله بعزيز۔

اگر قرآن مجید کو چپل لگ جائے؟

سوال:- {44} ایک لڑکا ماں کے پاس قرآن مجید پڑھ رہا تھا، ماں نے بچہ کو ڈانٹا بچے نے غصہ میں ماں پر چپل پھینکی، جو قرآن مجید پر جا کر گری، بچے کی عمر آٹھ سال ہے، اس صورت میں کیا کفارہ واجب ہوگا؟ (شیخ افسر، تالاب کٹہ)

جواب:- بچے چونکہ نا سمجھ ہوتے ہیں، اس لئے ان کی غلطیاں آخرت کے اجر و ثواب کے اعتبار سے معاف ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین اشخاص سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، (۲) پھر ان میں سے ایک بچے کا ذکر فرمایا، تا آنکہ وہ بالغ ہو جائے، اس لئے اس پر

---

(۱) " إن كان على وجه الاستخفاف يكفر و إلا لا " (الفتاوى الهندية: ۳۲۲/۵)

(۲) " أن رسول الله ﷺ قال: رفع القلم عن ثلاثة : عن النائم حتى يستيقظ ، و عن المبتلىٰ حتى يبرأ ، وعن الصبي حتى يكبر " عن عائشة ،(سنن أبي داؤد، حديث نمبر: ۴۳۹۸، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا ، كتاب الحدود)

کوئی کفارہ وغیرہ واجب نہیں، اگر کسی بالغ آدمی سے بھی غیر ارادی طور پر قرآن مجید کو چپل لگ جائے، (نعوذ باللہ) قرآن مجید کی اہانت مقصود نہ ہو، اور بالارادہ ایسی حرکت نہ کی گئی ہو، تو ایسا شخص گنہگار نہیں، اگر کوئی بالغ شخص اہانت کی نیت سے قرآن کے ساتھ یہ یا اس طرح کی کوئی اور بیہودہ حرکت کرے تو دائرۂ ایمان سے نکل جائے گا۔

"... إن كان على وجه الإستخفاف يكفر وإلا فلا" (١)

خلافِ شرع بات پر سکوت

سوال:- {45} اگر احکام الٰہی اور حضور ﷺ کے فرمان کے خلاف عمل ہو رہا ہے، تو کیا آپسی اختلافات کے خیال سے خاموش رہنا چاہئے؟ (سید شرف الدین، کنداکرتی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو قلب سے برا محسوس کرے اور یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے" (٢)

اس لیے برائی کو دیکھ کر قدرت کے باوجود اس پر خاموشی اختیار کرنا قطعاً درست نہیں، شرعاً برائی سے روکنا واجب ہے، اور اس پر بلا وجہ خاموشی اختیار کر لینا درست نہیں، البتہ تنہائی میں حکمت و مصلحت کے ساتھ اصلاح کے جذبہ سے برائی پر ٹوکنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ یہ

---

(١) الفتاوى الهندية: ۳۲۲/۵۔
(٢) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۷۰۔

بات اس شخص کو تنہائی میں اور نرم لب ولہجہ میں کہی جائے تاکہ اسے اپنی توہین کا احساس نہ ہو، کیوں کہ مقصود اصلاح ہے نہ کہ توہین۔

کیا توبہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد، دونوں معاف ہوجاتے ہیں؟

سوال:- {46} کیا توبہ کرنے سے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں معاف ہوجاتے ہیں؟ یہ بھی بتائے کہ توبہ کس طرح کی جائے؟ (محمد واصل، مرادنگر)

جواب:- جو گناہ حقوق اللہ سے متعلق ہیں، اگر شریعت نے ان کے لیے کوئی کفارہ متعین کیا ہو، تو وہی کفارہ ادا کرنا چاہئے، اور اپنی کوتاہی کے لیے اللہ تعالیٰ سے عفوخواہ بھی ہونا چاہئے، اور اگر اس کے لیے کوئی مالی یا غیر مالی کفارہ مقرر نہیں ہے تو تین باتیں ضروری ہے، گناہ پر نادم اور شرمسار ہو، اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے مغفرت کا طلب گار ہو اور آئندہ اس سے بچے رہنے کا پختہ ارادہ ہو، تو امید ہے کہ اللہ اپنی شان کریمی سے معاف فرمادیں گے —— حقوق العباد کا معاملہ زیادہ سخت ہے، جب تک بندے کو اس کا حق ادا نہ کردیا جائے، یا وہ بہ طیب خاطر اپنا حق معاف نہ کردے، اس کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔(۱) شہادت سے بڑھ کر کیا عمل ہوگا، اور شہید سے بڑھ کر کس کی قربانی ہوگی؟ لیکن اگر شہید کے ذمہ میں بھی کسی کا دین باقی ہو، تو حدیث میں آیا ہے کہ وہ دین معاف نہیں ہوگا۔(۲) اس سے حقوق العباد کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) جیسا کہ مفلس سے متعلق حدیث میں اس کا اشارہ ملتا ہے، دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۸۱، عن أبي هريرة ﷺ، كتاب البر و الصلة و الآداب) محشی۔

(۲) " قال رسول الله ﷺ القتل في سبيل الله يكفر خطيئة، فقال جبريل ؑ: إلا الدين، فقال رسول الله ﷺ : إلا الدين " عن أنس ؓ، (صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۹۲۰)

عیسائی مشن میں کیا خوبی ہے؟

سوال:- {47} عیسائی مشن میں کیا خوبی ہے کہ آدمی ان کے اخلاق سے متاثر ہوتا ہے؟ (اخلاق الحسن، چمپا پیٹ)

جواب:- عیسائی مشن کی خوبی یہی اخلاق اور خدمت خلق کا کام ہے، جیسے اللہ نے اشیاء میں خواص رکھے ہیں، آگ جلاتی ہے، برف ٹھنڈا کرتی ہے، پانی کا کام پیاس بجھانا ہے اور زہر میں ہلاکت خیزی کی صلاحیت ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے افعال میں بھی خصوصیتیں رکھی ہیں، خوش خلقی اور حسن اخلاق میں دلوں کو موہ لینے کی غیر معمولی صلاحیت ہے، اس میں مومن و کافر اور اچھے برے کا فرق نہیں، اسلام کے پھیلنے کا اصل سبب یہی تھا، حضور ﷺ حراء سے قرآن کے ساتھ یہی اخلاق کی قوت لے کر آئے تھے، اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ نہ ہتھیار کی طاقت تھی اور نہ افراد کی، اسی چیز نے مسلمانوں کو ایک صدی کے اندر اندر دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیا اور جہاں گئے ابر رحمت بن کر چھا گئے، عیسائی دنیا نے خاص کر صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے اخلاقی تفوق کو محسوس کیا اور اس کے آثار و نتائج کو بھی سر کی آنکھوں سے دیکھا اور پھر اس کو اپنے لئے اسوہ بنایا، یہی چیز ہے کہ جس نے آج عیسائی تبلیغی اداروں کو کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔

اس کے علاوہ عیسائیت کے پھیلنے میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ عیسائیت اپنی موجودہ صورت میں موم کی ناک ہے، آپ اسے جس طرح چاہیں موڑ دیں، اگر ایک ہندو عیسائی بنتا ہے تو صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ دیوتا تبدیل ہو جاتا ہے، باقی ان کی معاشرت اور کلچر میں کوئی فرق نہیں آتا، پھر معاشی تحریص و ترغیب الگ ہوتی ہے، اس کی وجہ سے ''برائے نام تبدیلی مذہب'' لوگوں کے لئے آسان ہوتی ہے، اسلام ایک مستقل تہذیب اور نظام حیات کا مالک ہے اور وہ انسان کی زندگی کو صبح سے شام تک بدل کر رکھ دیتا ہے، اس لئے بلند ہمتی کے بغیر اس کوچہ میں قدم رکھنا ممکن نہیں۔

اگر "اللہ" نام کا جزء ہو؟

سوال:- {48} کلینڈر پر پیدائش یا وفات کے بارے میں جن اصحاب کا تذکرہ ہوتا ہے ان میں بعض دفعہ اللہ کا لفظ ہوتا ہے، جیسے حبیب اللہ، عبد اللہ، تو کیا اس کلینڈر کو ردی میں ڈال سکتے ہیں؟ یا لفظِ اللہ کو نکال کر ردی میں ڈالا جائے؟

(عبد القادر، سید نگر)

جواب:- نام جو بھی ہو وہ قابلِ احترام ہے، خاص کر جس نام کا جز "اللہ" ہو، بلکہ فقہاء نے تو لکھا ہے کہ کسی چیز پر فرعون اور ابو جہل کے الفاظ لکھ کر اس کو تیر وغیرہ کا نشانہ بنانا بھی مکروہ ہے، کیوں کہ فرعون اور ابو جہل کی ذات سے قطع نظر یہ حروف بجائے خود قابلِ احترام ہیں:

"إذا كتب اسم فرعون أو كتب أبو جهل على غرض يكره أي يرموا إليه ، لأن لتلك الحروف حرمة" (۱)

اس لیے کلینڈر سے قابلِ احترام حصوں کو کاٹ کر دفن کر دیں، ایک ایک لفظ کو کاٹنا تو دشوار ہے، لیکن نیچے سے اوپر تک ایک کالم کو نکال دینا چنداں دشوار نہیں۔

نمسکار کہنے کا حکم

سوال:- {49} اگر غیر مسلم اپنے طریقے پر سلام کرے، جیسے نمسکار کہے، تو کیا اسی لفظ سے جواب دیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اپنی طرف سے غیر مسلم کو نمسکار کہنے کا کیا حکم ہے؟

(خاں فیروز خاں، نظام آباد)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۵/۳۲۳۔

جواب:- اگر وہ سلام کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کریں جس میں مشرکانہ معنی نہ ہوں، تو جواب میں ان ہی کو دہرا دینا بہتر ہے اور ان کو ملاقات کے موقع پر اس لفظ سے مخاطب کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ بعض علاقوں میں ہندو بھائی کو آداب کا جواب آداب سے دینا یا ملاقات کے موقع پر ان کو آداب کہنا درست ہے، نمسکار میرے علم کے مطابق مشرکانہ معنی پر مشتمل ہے، اس لیے نمسکار کہنا درست نہیں، حدیث میں غیر مسلموں کو سلام کا جواب "وعلیکم" کہنے کا ذکر ملتا ہے، (۱) اس لیے فقہاء نے اس حد تک ان کے سلام کا جواب دینے کی بات کہی ہے۔ (۲)

غیر مسلم کو کافر کہنا

سوال:- {50} میرے بعض غیر مسلم دوست ہیں، ان کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے کہ انہیں کافر کہا جائے، ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ (صباح الدین، ممبئی)

جواب:- کافر کے معنی اسلام کو نہ ماننے والے کے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ غیر مسلم کے ہم معنی ہے اور جو شخص مسلمان نہ ہو اگر اسے غیر مسلم کہا جائے تو اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں، اس میں نہ اس کی تحقیر ہے نہ ہی توہین، بلکہ ایک حقیقت کا اظہار ہے، جیسے کوئی شخص ہم کو یا آپ کو غیر ہندو کہے تو یقیناً ہمیں اس سے ناگواری نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ حقیقت اور واقعہ کے مطابق ہے، تاہم اگر انہیں اس سے ناگواری ہو تو چوں کہ کسی بھی انسان کو ایذاء پہنچانا مناسب نہیں، اس لیے ان کو اس لفظ سے مخاطب نہیں کرنا چاہیے، فقہاء نے لکھا ہے کہ "اگر کسی "ذمی" (اسلامی ملک میں آباد غیر مسلم) کو "اے کافر!" کہنا گراں گزرتا ہو تو نہیں کہنا چاہیے اور اگر کہے

---

(۱) " حدثنا أنس بن مالك ﷺ قال : قال النبي ﷺ : إذا سلم عليكم أهل الكتاب فقولوا و عليكم " (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۶۲۵۸، باب كيف الرد على أهل الذمة بالسلام، كتاب الإستئذان) محشی۔

(۲) دیکھئے: الفتاوى الهندية: ۵/۳۲۵۔

گا تو گنہگار ہوگا۔ "ولو قال لذمي يا كافر ! يأثم إن شق عليه "(۱)

تعویذ اور نقوش کا حکم

سوال:- (51) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مترجم قرآن مجید کے اکثر نسخوں میں نقش تعویذات درج ہیں، کیا ایسا عمل جائز ہے؟ علماء شریعت حقانی اس کو شرک بتلاتے ہیں۔ (محمد نصیر عالم سبیلی ، جالے ، دربھنگہ ، بہار)

جواب:- تعویذ میں اگر کوئی مشرکانہ لفظ یا مشرکانہ عقیدہ شامل نہ ہو جائے اور یہ بات مستحضر ہو کہ اصل شفاء وصحت اللہ ہی کے ذریعہ ہے تو جائز اور مباح ہے، (۲) یہی حکم ان نقوش کا بھی ہونا چاہئے۔

خلافِ شرع کام کرنے والوں سے قطع تعلق

سوال:- {52} جگتیال سے ۲۵ کلومیٹر پر ایک دیہات بیراپور ہے وہاں پر ۳۵ مسلمانوں کے مکان ہیں اس میں دو گھر ایسے ہیں کہ منت مراد کے لئے پوجا میں شریک رہتے ہیں سیندھی ، مرغی وغیرہ لے جا کر مندر کے سامنے کاٹتے ہیں، وہاں کے مسلم کمیٹی کے لوگ بہت منع کئے کہ ہم مسلمانوں کو ایسے ویسے کام نہیں کرنا چاہئے ایسا کرنا حرام ہے یہ غیروں کا کام ہے کہتے رہے، مگر وہ تمام باتیں غیروں میں جا کر بتاتے

---

(۱) الأشباه والنظائر :۲/۲۵۷۔

(۲) "ولا بأس بتعليق التعويذ و لكن ينزعه عند الخلاء و القربان "(الفتاوى الهندية:۵/۳۵۶،في التداوى)

ہیں جس سے ڈر ہے کہ وہاں ہندو مسلم دشمنی کا امکان ہے، آپ بتائیے کہ ان سے قطع تعلق کرنا یا ربط وضبط رکھنا چاہئے، وہ مسجد کے قریب میں ان کے دو گھر ہیں نماز کے بھی پابند نہیں ہیں براہ کرم علماء سے دریافت کر کے فتوی دیں اور بہت جلد کیونکہ اشد ضروری ہے۔ (ڈاکٹر سید غوث شمو، جگتیال)

جواب:- جو شخص غیروں کے مذہبی رسوم ورواج کو اپناتا ہے اور اس میں شرکت کرتا ہے اس پر تجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے، بہ شفقت وترغیب اُس کو افہام وتفہیم سے راغب کیا جائے، لیکن اگر کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تو خاموشی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ (۱)

دیویوں اور دیوتاؤں کی تصویروں کے کیلنڈر

سوال:- {53} غیر مسلم تاجرین بعض دفعہ ایسے کیلنڈر چھاپتے ہیں، جس پر مکہ و مدینہ کے ساتھ ساتھ دیوی اور دیوتاؤں کی تصویریں بھی ہوتی ہیں، وہ اس کو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی رعایت سے شائع کرتے ہیں کیا ایسے کیلنڈر گھر میں اور مسجد میں لگائے جاسکتے ہیں؟

(محمد فہیم عظمی، نظام آباد)

جواب:- جس کیلنڈر پر مشرکانہ تصویریں ہوں، ان کو گھر، دکان، مسجد کہیں بھی آویزاں کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ شرک کا احترام ہے، غیر مسلم بھائیوں کو محبت سے سمجھانا چاہئے کہ بہ شمول ہندو مذہب کے تمام مذاہب نے ایک خدا کا تصور دیا ہے، اس لیے ایسی تصویریں ہمارے عقیدہ کے خلاف ہیں، یوں ہم آپ کے بزرگوں کو برا بھلا نہیں کہتے اور گمان رکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنے عہد میں ایک خدا کی ہی دعوت دی ہوگی۔

---

(۱) مستفاد فتاوی عبد الحی۔

تکفیر میں احتیاط

سوال:- {54} ۱۰؍جنوری کے مذہبی ایڈیشن میں ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے کہ: ''اہل حدیث کے پیچھے احناف کی نماز اور احناف کے پیچھے اہلِ حدیث غیر مقلدین کی نماز ہو جائے گی اور اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ صحابہ ؓ کرام میں بھی اختلافِ عمل کے باوجود صحابہ ؓ ایک دوسرے کی اقتدا کرتے تھے۔ ہمیں یہ پوچھنا ہے کہ صحابہ ؓ میں صرف اختلافِ عمل تھا، ایک دوسرے کی تکفیر و تکذیب نہیں کرتے تھے اور یہ طریقہ آج بھی مقلدین میں رائج ہیں، امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ میں اختلافِ عمل ہے، لیکن ایک دوسرے کی تکذیب نہ ہونے کی وجہ سے سب برحق ہیں، لیکن غیر مقلدین تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں اور مقلدین کو مشرک کہتے ہیں، اگر امام مقلد ہو اور غیر مقلدین کے فتوی کی روشنی میں وہ مشرک ٹھہرے تو اس کے باوجود اس مقلد امام کے پیچھے نماز ادا کر لینا گویا کسی مشرک کے پیچھے نماز ادا کرنا ہو، تو کیا اہل حدیث کے لئے کسی مشرک کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے ؟ اور بقولِ احناف تقلیدِ شخصی واجب ہے، لہذا تقلیدِ واجب کو مشرک قرار دینے والا خود کافر ہے، گویا احناف کے نزدیک غیر مقلدین اپنے فتوی شرک کی وجہ سے کافر ٹھہرے، اگر امام اہل حدیث ہو، جو تقلید کو شرک کہنے کی وجہ سے احناف کے نزدیک کافر قرار پاتا ہو، اس کے باوجود احناف اس کے پیچھے نماز ادا

کریں، تو کیا اپنے فتوی کی روشنی میں کافر کے پیچھے نماز ادا
کر لینا درست ہو جائے گا؟ (ذاکر حسین، القادری المصباحی)

جواب:- اکابر علماءِ اہل حدیث، ائمہ اربعہ کے مقلدین کو اہل سنت والجماعت اور نجات یافتہ فرقوں میں شمار کرتے رہے ہیں اور انہوں نے تقلید کو شرک نہیں کہا ہے، ہندستانی علماء حدیث میں نواب صدیق حسن صاحبؒ کا جو پایۂ علمی تھا، وہ سب کو معلوم ہے، انہوں نے حنفیہ، مالکیہ، شوافع، حنابلہ اور جماعتِ اہل حدیث، ان پانچوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہی اس زمانے کے اہلِ سنت والجماعت میں ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی مرحوم جو عام طور پر موجودہ دور کے سلفی الفکر علماء کے مقتدا ہیں، انہوں نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ: میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہوں، فرماتے ہیں:

"فنحن ولله الحمد متّبعون لا مبتدعون على مذهب الإمام أحمد بن حنبل."(۱)

''ہم بحمد اللہ امام احمدؒ کے پیرو ہیں، بدعت کرنے والے نہیں''

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

"عقيدتى ودينى الذى أدين به هو مذهب أهل السنة والجماعة الذى عليه أئمه المسلمين مثل الأئمة الأربعة واتباعهم" (۲)

''میرا عقیدہ اور میرا دین جس پر میں عامل ہوں، وہی ہے جو اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے، جس پر مسلمانوں کے

(۱) الدرر السنية: ص:۵۷۱
(۲) الدرر السنية: ۱/۷۹۔

ائمہ، جیسے ائمہ اربعہ اوران کے مقلدین ہیں''

شیخ کے صاحب زادے عبداللہ بن محمدؒ نے صاف لکھا ہے:

"و نحن ایضاً فی الفروع علی مذھب الامام احمد بن حنبل ولا ننکر علی من قلدّ أحد الائمة الاربعة "(۱)

''ہم فروعی مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کے مقلد ہیں اور جو لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرتے ہیں، ہم ان پر نکیر نہیں کرتے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ غیر مقلد علماء نے مقلدین کی تکفیر نہیں کی ہے، کیوں کہ تکفیر کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ علماءِ اصول نے تقلید کی تعریف یہی کی ہے کہ جس شخص کی رائے بذاتِ خود حجت نہیں اس کے قول پر اس حسن ظن کے ساتھ عمل کرنا کہ اس نے اللہ اور رسول ﷺ کے منشاء کو صحیح طور پر پایا ہوگا، یہی تقلید ہے، گویا تقلید کرنے والا اصل میں قرآن وحدیث کے منشاء پر عمل کرتا ہے، لیکن جیسے ایک شخص حدیث کی صحت وضعف کے سلسلہ میں بخاریؒ ومسلمؒ پر اعتماد کرتا ہے، اسی طرح کسی امام کا مقلد قرآن وحدیث کے معنی کے فہم کے سلسلہ میں اس امام کے اجتہاد پر عمل کرتا ہے اور وہ اس بات پر بھی یقین رکھتا ہے کہ بذاتِ خود اس امام کی بات دین میں حجت نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس کو شرک قرار دینے کے کوئی معنی نہیں۔

جہاں تک حنفیہ کی بات ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تکفیر کے معاملے میں تمام فقہاء سے زیادہ محتاط تھے۔ یہی رخ ہمیشہ فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ نے رکھا ہے۔ میرے خیال میں کسی قابل ذکر حنفی عالم نے غیر مقلدین کو محض غیر مقلد ہونے کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا ہے، اس سلسلہ میں سلفِ صالحین کے یہاں جو احتیاط تھی، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ خوارج حضرت

(۱) الدرر السنیة :۱/۹۷۔

علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ اور دونوں کے رفقاء گویا اس عہد کے قریب قریب تمام ہی صحابہ ؓ کو کافر کہتے تھے اور آمادۂ فساد رہتے تھے، لیکن حضرت علی ؓ نے جب ان سے جہاد کیا تو فرمایا: ہم ان کی تکفیر تو نہیں کریں گے، لیکن اگر انہوں نے بغاوت کی تو ان سے جہاد کریں گے، پھر جہاد میں فتح یاب ہونے کے بعد آپ ؓ نے ان کو غلام اور باندی نہیں بنایا، کیونکہ آپ ؓ نے ان کو کافروں کے حکم میں نہیں رکھا تھا۔ یہی احتیاط ہے، جو سلفِ صالحین اور فقہاءِ مجتہدین کا طریقہ رہا ہے۔

ہمیشہ سے اہل حدیث اشخاص کے درمیان نکاح کا تعلق رہا ہے، لوگ ایک دوسرے کا ذبیحہ کھاتے رہے ہیں اور دونوں طبقوں کے ذمہ دار علماء ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے ہیں، اس تعامل سے بھی ظاہر ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر نہیں سمجھتے، موجودہ حالات میں جب کہ امت مسلمہ اور عالم اسلام کے خلاف پوری دنیائے کفر کمر بستہ ہوگئی ہے اور خود ہمارے ملک ہندستان میں فرقہ پرست طاقتیں مسلمانوں کی شناخت مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، ہمیں ضرور ایسی شدت پسندی سے بچنا چاہئے اور مل جل کر ان حالات سے نمٹنا چاہئے، ورنہ ان باہمی اختلافات سے ہمیں ناقابل تصور نقصان پہونچے گا۔ وباللہ التوفیق ۔

لفظ ''اللہ'' سننے پر تعظیمی فقرہ کہنا

سوال:- {55} محمد رسول اللہ ﷺ کا نام سننے پر جس طرح درود واجب ہوتی ہے، کیا اللہ تعالیٰ کا نام سننے پر بھی کچھ کہنا چاہئے؟ (سجاد احمد، بزار گھاٹ)

جواب:- اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لیا جائے یا سنا جائے تو کوئی تعظیمی فقرہ کہنا واجب ہے، مثلاً: تعالیٰ، سبحان اللہ، سبحانہ تعالیٰ وغیرہ:

"رجل سمع رجلا یذکر اسما من اسماء اللہ

تعالیٰ یجب علیه أن یعظمه و یقول سبحان
الله و ما أشبه ذلك " (۱)

استغفار اور کبائر

سوال:- {56} کیا استغفار پڑھنے سے ہر چھوٹے
بڑے گناہ معاف ہوجاتے ہیں؟ (مشکور احمد، سید علی گوڑہ)

جواب:- ''استغفار'' کے معنی اللہ سے مغفرت و بخشش کی دعا کرنے کے ہیں اور اللہ چاہیں تو بڑے گناہ بھی معاف کر سکتے ہیں اور چھوٹے بھی، اس لیے توبہ و استغفار سے کبائر بھی معاف ہو سکتے ہیں، لیکن بندہ نے جو دعا کی، آقا نے اسے قبول فرمایا یا نہیں اس کا علم نہیں ہو سکتا، اس لیے ہم آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ گناہ معاف ہوئے یا نہیں؟ اور معاف ہوئے تو کون سے؟ پس اس لیے استغفار مسلسل کرتے رہنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں بعض اوقات ستر بار استغفار فرماتے تھے، بخلاف قضا اور کفارہ کے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ایک مقدار متعین ہے، اس متعین مقدار کو ادا کرنے کے بعد حکم الٰہی کی تعمیل ہو جاتی ہے۔

قبروں پر سجدۂ تعظیمی کرنا

سوال:- {57} بعض لوگ تعظیم کے طور پر قبروں پر سجدہ
کرتے ہیں، کیا اسلام میں اس کی اجازت ہے، یا صحابہ رضی اللہ عنہم
کے عہد میں ایسا کوئی عمل رہا ہے؟ غیر مسلم کہتے ہیں کہ ہم فلاں
جگہ سجدہ کرتے ہیں اور تم فلاں جگہ، دونوں برابر ہیں۔
(سید عنایت علی، مصری گنج)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سجدہ کی اجازت چاہی اور ظاہر ہے کہ

(۱) الفتاوی الخانیة علی هامش الفتاوی الهندیة :۳/۴۲۲۔

انہوں نے یہ اجازت سجدۂ تعظیمی کے لیے ہی مانگی ہوگی، کیوں کہ یہ تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ ﷺ نے غیر اللہ کے لیے عبادت کی اجازت چاہی ہو، رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہیں دی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا، تو بیویوں کو اجازت دیتا کہ شوہروں کو سجدہ کریں، (۱) اس لیے قبروں کے سامنے سجدہ کرنا جائز نہیں، سجدۂ عبادت تو کفر ہے ہی، بعض فقہاء نے سجدۂ تعظیم کو بھی کفر قرار دیا ہے؛ لیکن سجدۂ احترام وتحیہ بھی حرام ہے اور اس پر تمام ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کا اتفاق ہے، (۲) جن بزرگان دین ؒ کی قبروں کو سجدے کیے جاتے ہیں، ان کی تعلیمات بھی یہی ہیں، بزرگوں سے عقیدت ومحبت کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، ان کو شرعی طریقہ پر ایصال ثواب کیا جائے اور ان کے حق میں بلندیٔ درجات کی دعا کی جائے۔

قادر ہونے کے باوجود برائی سے نہ روکنا

سوال:- {58} ''الف'' خاندان کا بڑا آدمی ہے، لوگ اس کی بات مانتے ہیں، وہ جانتا ہے کہ میرے عزیزوں میں فلاں شخص رشوت لیا کرتا ہے، لیکن اسے روکتا نہیں ہے، بلکہ خاموشی اختیار کرتا ہے، حالانکہ اگر وہ روکے تو امید کی جاتی ہے

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۱۴۰، عن قیس بن سعد ﷺ۔ محشی۔

(۲) " و کذا ما یفعلونه من تقبیل الأرض بین یدی العلماء و العظماء فحرام ، والفاعل والراضي به آثمان ؛ لأنه یشبه عبادة الوثن ، وهل یکفران ؟ علی وجه العبادة و التعظیم کفر ، وان علی وجه التحیة لا ، و صار آثما مرتکبا الکبیرة ، و في الشافي : و ذکر الصدر الشهید أنه لا یکفر بهذا السجود : لأنه یرید به التحیة ، و قال شمس الأئمة السرخسي : إن کان لغیر الله تعالیٰ علی وجه التعظیم کفر ، قال القهستاني : و في الظهیریة : یکف بالسجود مطلقا ، الخ " (رد المحتار :۹/ ۵۵۱ ، کتاب الحظر و الإباحة) محشی۔

کہ مذکورہ شخص پر اس کا اثر ہوگا، ایسی صورت میں "الف" پر کیا
ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ (محمد عثمان، گلبرگہ)

جواب:- اگر کوئی شخص کسی کو برائی میں مبتلا پائے اور اسے اندازہ ہو کہ اگر وہ روکے گا تو لوگ اس کی بات قبول کریں گے، تو ایسی صورت میں اس کے لیے برائی سے روکنا واجب ہے، اور اس پر سکوت اختیار کرنا ناجائز ہے:

" اذا رأى الرجل منكرا بقوم و هو يعلم أنه لو
نهاه عنه قبلوا منه فانه لا يسعه أن يسكت " (۱)

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر برائی سے روکنے (نہی عن المنکر) کو واجب قرار دیا ہے، لہذا اپنی خاموشی پر گناہگار ہوگا؛ اس کے لیے اپنے اس عزیز کو رشوت خوری سے روکنا شرعاً واجب ہے۔

والدین کے پاؤں چھونا

سوال:- {59} والدین کے پاؤں چھونے کا کیا حکم
ہے؟ (محمد اسماعیل، ہریانہ)

جواب:- حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام ﷺ نے والدہ کے سامنے احتراماً جھکنے کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے اس کو بھی منع فرمایا، اور ارشاد فرمایا: زبان سے سلام کر دینا کافی ہے۔ (۲)

تو جب جھکنے کی بھی حضور ﷺ نے ممانعت فرمادی تو ظاہر ہے کہ پاؤں چھونے اور قدم بوسی کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے، چنانچہ اس طرح کے ایک مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں:

---

(۱) فتاوی قاضی خان : ۳/۴۰۶۔

(۲) سنن الترمذي، حدیث نمبر: ۲۷۲۸، باب السلام - نیز الانكار للنووی : ص: ۳۴۱

"وكـذا مـا يـفـعلونه من تقبيل الأرض بين يدى العلماء و العظماء فحرام ، والفاعل والراضى به آثمان : لأنه يشبه عبادة الوثن، وهل يكفران ؟ على وجه العبادة و التعظيم كفر ،وان على وجه التحية لا ، و صار آثما مرتكبا الكبيرة " (۱)

"لوگ جو علماء اور عظیم شخصیتوں کے سامنے زمین کو بوسہ دیتے ہیں، یہ حرام ہے، اس کا ارتکاب کرنے والا بھی گنہگار ہے، اور اس پر راضی رہنے والا بھی، اس لئے کہ یہ تو بت پرستی کے مشابہ ہے، اور کیا یہ دونوں کافر بھی قرار دیئے جائیں گے؟ تو عبادت اور تعظیم کے طریقہ پر ایسا کرنا تو کفر ہے اور بہ طور ملاقات (سلامی) کے کفر تو نہیں، البتہ وہ گنہگار اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شبیہ

سوال:- (60) ہمارے محلہ میں ایک عامل صاحب رہتے ہیں، جو ہمیشہ کالے کپڑے پہنتے ہیں، اور مزید وہ اپنے مکان کے محراب میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فرضی تصویر بھی آویزاں کئے ہوئے ہیں، کیا ایسا کرنا اسلامی اصول سے جائز ہے؟ اس بارے میں شرعی احکام کیا ہے؟

(محمد خواجہ میاں، محبوب نگر کالونی، گلبرگہ)

(۱) الدر المختار علی هامش رد :۹/۵۵۰۔

جواب :- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص تصویر کشی کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے، تا آنکہ وہ اس میں روح پھونک دے، اور ظاہر ہے کہ وہ روح نہیں پھونک سکے گا'' (۱)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تصویر کشی اسلام کی نگاہ میں کتنا مذموم اور ناپسندیدہ عمل ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے کسی تصویر کا اتارنا یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین ہے، اس لئے آپ عامل صاحب کو ایسی نامناسب بات سے منع کریں، اور انہیں محبت کے ساتھ سمجھا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں، ہمیشہ کالے کپڑے پہننے کا التزام بھی مناسب نہیں، رسول اللہ ﷺ سفید کپڑے زیادہ پسند فرماتے تھے، (۲) بعض فقہاء نے سیاہ کپڑوں کے التزام کو ریاء قرار دیا ہے؛ اس لئے ہمیشہ سیاہ لباس ہی استعمال کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ارتداد اور تجدید نکاح

سوال :- (61) کیا کلمہ کفر کہنے سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور شادی شدہ کے ایسا کلمہ کہنے سے کلمۂ توحید پڑھ کر پھر نکاح کی تجدید بھی کرے گا؟ کوئی شخص کلمۂ کفر کہہ دے، مگر اس کو معلوم نہ ہو کہ یہ کلمۂ کفر ہے تو کیا وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟ (عبداللہ، ٹولی چوکی)

جواب :- کفر و ایمان کا مسئلہ بڑا نازک ہے، ایمان ایک متعین حقیقت کا نام ہے اور مسلمان ہونے کے لئے کچھ چیزوں کا اقرار اور کچھ چیزوں کا انکار ضروری ہے، ایسا نہیں ہے کہ

---

(۱) الجامع للترمذی: حدیث نمبر: ۱۷۵۱۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۰۶۱۔

ایک بار مسلمان ہو جائیں اور پھر جو کچھ بھی بکیں بہر حال مسلمان باقی رہیں، جیسا کہ بعض دوسری اقوام اور دیگر مذاہب کے متبعین کا حال ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ مومن ہونے کے بعد اگر صحت عقل اور رضا کے ساتھ زبان سے کلمۂ کفر ادا کیا جائے تو اس کی وجہ سے انسان مرتد یعنی ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

"ورکن الردة اجراء كلمة الكفر على اللسان بعد وجود الإيمان "(۱)

اگر کوئی شخص خدانخواستہ مرتد ہو جائے تو دارالکفر میں اس کی بیوی کے تین حیض گذرنے تک اس کے لئے غور وفکر اور توبہ کی مہلت ہے، اگر اس عرصہ میں اس نے توبہ کر لی تو نکاح باقی رہے گا اور اگر اس واقعہ کے بعد تین ماہواری گذر جائے اور توبہ کی توفیق نہ ہو تو نکاح ختم ہو جائے گا، جب توبہ کرے تو دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح کرنا ضروری ہوگا۔

اگر خدانخواستہ کلمۂ کفر کسی جبر واکراہ کے بغیر بول گیا تو چاہئے کہ دوبارہ کلمۂ شہادت پڑھے اور جو کفریہ کلمہ پہلے کہا تھا، اس سے براءت کا اظہار کرے اور توبہ کرے۔

" وإسلامه أن يأتي بكلمة الشهادة ويتبرأ من الأديان كلها سوى الإسلام وان تبرأ ممن انتقل عنه كفى "(۲)

اور آئندہ زبان کی احتیاط کو ملحوظ رکھے، کلمۂ کفر سے واقف نہ ہونا معتبر نہیں، کیوں کہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ کم سے کم ایمان وکفر کے بارے میں آگہی حاصل کرے کہ ایمان تو مومن کے لئے جان سے بھی زیادہ عزیز تر متاع ہے، اس سے ناواقفیت کیوں کر گوارا کی جاسکتی ہے؟

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۲/۲۵۳۔

(۲) حوالہ سابق

دنیوی فائدہ کے ساتھ سنت کی اتباع

سوال:- {62} اگر کسی شخص نے سائنسی فائدہ کو دیکھ کر سنت پر عمل کیا تو کیا اسے ثواب حاصل ہوگا؟

(اختر پاشا، محبوب نگر)

جواب:- اصل یہ ہے کہ سنت پر سنت ہونے کی حیثیت سے عمل کیا جائے، لیکن اگر دنیوی فائدہ بھی پیش نظر ہو، اور سنت کی پیروی کی بھی نیت کرلے، تب بھی انشاء اللہ ثواب سے خالی نہیں، ویسے حقیقت یہ ہے کہ دین کا کوئی طریقہ اور رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت دنیوی اعتبار سے بھی فائدہ سے خالی نہیں۔

خودکشی کرنے والے کی روح

سوال:- {63} اگر کوئی شخص خودکشی کرلے تو کیا اس کی روح بھٹکتی رہتی ہے، میرے دوستوں کا کہنا ہے کہ خودکشی کرنے والے شخص کی موت کا وقت نہیں آپاتا اس لئے موت کا وقت آنے تک اس کی روح بھٹکتی رہتی ہے۔

(محمد نصیر عالم سبیلی، جالے، دربھنگہ)

جواب:- یہ سمجھنا درست نہیں کہ خودکشی کرنے والے کی روح بھٹکتی رہتی ہے، اچھے لوگوں کی روحیں مقام علیین میں اور برے لوگوں کی روحیں مقام سجین میں پہنچادی جاتی ہیں، نہ کہ اِدھر اُدھر بھٹکتی رہتی ہیں، یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ خودکشی کرنے والے کی موت قبل از وقت ہوجاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی موت اس کے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے موت کا وہی وقت متعین ہوتا ہے، ہم لوگوں کا علم چونکہ ناقص ہے؛ اس

لئے ہمیں اپنے اندازے کے حساب سے کوئی موت قبل از وقت محسوس ہوتی ہے؛ لیکن حقیقت میں کوئی بھی موت قبل از وقت نہیں ہوتی۔

گناہ سے بچنے کی تدبیریں

سوال:- (64) میں نے رب العالمین کو حاضر و ناظر جان کر دل میں یہ عہد کیا تھا کہ میں فلمیں نہیں دیکھوں گا؛ لیکن افسوس کہ میں پھر شیطان کے جال میں آ گیا، اور فلمیں دیکھنے لگا، ہر وقت میرا ضمیر ملامت کرتا رہتا ہے، اب میں اہتمام کے ساتھ نمازیں ادا کر رہا ہوں، مگر پھر شیطانی حرکتیں کرنے لگتا ہوں، میرے مسئلہ کا کیا حل ہے اور میں نے جو قسم توڑی ہے، اس کے بدلہ کیا کروں؟ (م،ق، سلیم، محبوب نگر)

جواب:- گناہوں کا ارتکاب افسوس ناک ہے، لیکن اس پر پشیمانی اور شرمندگی کا احساس امید افزا بات ہے، انشاء اللہ، اللہ کی توفیق آپ کے ساتھ ہوگی، اور آپ اس گناہ سے بچ سکیں گے، چند تدبیریں عرض کرتا ہوں، ان کا اہتمام کر کے دیکھیں:

۱۔ نماز کی پوری پابندی کریں، اور ہر نماز کے بعد گناہ سے حفاظت کی دعاء کریں۔

۲۔ جب تک فلم بینی وغیرہ سے مکمل اجتناب کی توفیق نہ ہو جائے، روزانہ دو رکعت نماز توبہ ادا کریں جس میں استغفار بھی کریں، اور آئندہ گناہ سے حفاظت کے لئے اللہ تعالی سے التجا بھی کریں۔

۳۔ کثرت سے استغفار اور '' أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم '' پڑھا کریں کہ یہ شیطان کے شرور سے حفاظت کے لئے بہت مؤثر کلمہ ہے۔

۴۔ گناہوں سے بچنے کے ارادہ کو پختہ کریں اور اپنے اندر قوت ارادی پیدا کریں، کیونکہ قوت ارادی ہی انسان کو کسی کام پر آمادہ کرتی ہے، یا کسی نامناسب بات سے بچاتی ہے،

اورانسان جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے، تب ہی اللہ تعالی کی نصرت شریک حال ہوتی ہے۔

۵۔ اچھے دیندار لوگوں کی صحبت اختیار کریں، اور بے دین لوگوں کی صحبت سے بچیں کہ صحبت اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا انسان کے اخلاق و کردار پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

۶۔ ان کے علاوہ دینی کتابوں کا مطالعہ کیا کریں، اس سے ایک طرف برائی کی شناعت آپ کے ذہن میں راسخ ہوتی جائے گی، دوسرے جب مطالعہ میں دلچسپی پیدا ہوجائے گی، تو ناجائز تفریح کے اسباب سے ذہن ہٹ جائے گا، اور تفریح کی اس جائز بلکہ مستحسن صورت کی طرف طبیعت مائل ہوجائے گی۔

۷۔ البتہ ان سب کے ساتھ ساتھ قسم کا کفارہ بھی ادا کردیں، قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو پہر اور رات کا کھانا کھلائیں، یا ان کے کپڑے بنائیں، اگر اس کی طاقت نہ ہو، تو تین روزے رکھے، (۱) یہ اس صورت میں ہے جب کہ آپ نے زبان سے قسم کے الفاظ کہے ہوں، یا کم سے کم زبان سے اس کام کے نہ کرنے پر عزم مصمم کا اظہار کیا ہو، چنانچہ امام محمدؒ کے نزدیک عزم مصمم کا اظہار بھی قسم کے حکم میں ہے۔

" روی عن محمد أنه إذا قال : إذا آليت كذا و عزمت لا أفعل كذا ، فهو يمين " (۲)

اگر صرف دل میں پختہ ارادہ کیا ہو، اس کو زبان سے دہرایا نہ ہو، تو یہ قسم کے حکم میں نہیں ہے، اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

نجات کے لئے ایمان ضروری ہے

سوال:-{65} نیکی، اچھائی اور بھلائی دنیا میں کئے جانے والے ایسے اعمال ہیں جو انسان کو خوشی اور اطمینان قلب

(۱) المائدۃ:۹۸۔

(۲) الفتاوی الهندية :۴/۵۳۔

عطا کرتے ہیں، مسلمان کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر وہ نیکی جو ہم اس دنیا میں کریں گے اس کا ثواب ہمیں آخرت میں ملے گا، لیکن اچھائی، نیکی کسی کی میراث نہیں، اچھا نیک کام ایک مسلمان بھی انجام دے سکتا ہے، اور ایک غیر مسلم بھی، مسلمان چونکہ روز جزاء پر یقین رکھتا ہے، اس لئے اسے تو نیکی کا ثواب آخرت میں مل جائے گا، مگر غیر مسلم جو نیکیاں کرتے ہیں، وہ ان کی نجات کا باعث کیوں نہیں ہوں گی؟

(عثمان لاری انجینئر، ٹولی چوکی)

جواب:- آخرت میں نیکیاں انسان کو اسی وقت نجات دلا سکیں گی جب کہ اس کے ساتھ ایمان بھی ہو، چنانچہ اللہ تعالی نے جنت کے لئے عمل صالح کے ساتھ ایمان کو ضروری قرار دیا ہے:

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ﴾(۱)

اس مضمون کی اور بھی متعدد آیتیں قرآن میں موجود ہیں، ہاں کفر کے ساتھ نیکیاں دنیا میں فائدہ پہنچا سکتی ہیں، جیسے رزق میں برکت، عمر و صحت میں برکت وغیرہ، اسی طرح بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے آخرت کے عذاب میں تخفیف بھی ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت ابوطالب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے ان کے لئے دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب رکھا گیا ہے، (۲) یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ آخر کفار و مشرکین کی نیکیاں کیوں قبول نہیں کی جاتیں؟ اب دیکھئے، اگر ہمارے ملک ہندوستان میں باہر کا

(۱) البقرۃ:۲۵۔

(۲) صحیح مسلم:۱/۱۱۵،عن العباس ﷺ بن عبد المطلب ۔ محشی۔

کوئی سیاح آئے، تو وہ کتنا ہی نیک چال چلن کا آدمی ہو، اس ملک کا صدر اور وزیر اعظم تو کجا معمولی رکن اسمبلی بھی نہیں بن سکتا، بلکہ وہ ووٹ بھی نہیں دے سکتا، اس لئے کہ اس نے اس ملک کی وفاداری کا طوق اپنے گلے میں ڈالا ہی نہیں ہے، اسی طرح جب تک کوئی شخص خدا پر ایمان نہیں لائے تو اس نے کائنات کے اس مالک سے اپنی وفاداری کا رشتہ ہی استوار نہیں کیا، بلکہ اس کی حیثیت ایک نیک خصلت اور خوش اخلاق باغی کی ہے، اور باغی بہرحال باغی ہی ہوتا ہے، اسی لئے آخرت میں ایمان کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔

تنزانیہ کے ایک لڑکے سے متعلق ویڈیو کیسٹ

سوال:- {66} ہمارے شہر میں کچھ دنوں سے ایک ویڈیو کیسٹ دکھایا جا رہا ہے، جس میں چند سالہ لڑکا قرآن پاک کی تلاوت کرتا اور مذہبی امور میں عوام کی رہنمائی کرتا ہے، اس سے متاثر ہو کر بعض لوگ اسلام بھی قبول کر رہے ہیں، یہ لڑکا تنزانیہ کا رہنے والا ہے، اس کے والدین عیسائی تھے جو اب مسلمان ہو گئے ہیں، کیا اس واقعہ پر یقین کیا جا سکتا ہے؟ کہیں یہ یہودی اور عیسائی سازش کا حصہ تو نہیں؟

(محمد جاوید اقبال، ناندیڑ)

جواب:- اسلام کی حقانیت اور صداقت کی دلیل اس کی تعلیمات ہیں، اس کو اپنی حقانیت کے ثبوت کے لئے کرامات اور محیر العقول واقعات کی ضرورت نہیں، یہی اسلام کا مزاج ہے، میں نے سنا ہے کہ اس کی عمر چار یا پانچ سال بتائی جاتی ہے، چار یا پانچ سال کے بچے کا حافظ ہونا ممکن ہے، اور اس کی مثال زمانہ گذشتہ میں بھی ملتی ہے، بہرحال اس واقعہ کا درست ہونا اللہ کی قدرت سے بعید نہیں، لیکن ایسی باتوں کو زیادہ اہمیت دینا نہ مناسب ہے اور نہ اسلام کے

مزاج کے مطابق، جب کوئی قوم محیر العقول واقعات سے تسکین کی خوگر ہوجاتی ہے، تو اس کی قوت عمل مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے۔

دعا کی وجہ سے تقدیر کا ٹل جانا

سوال:- {67} تقدیر کیا ہے اور کیا دعاء سے تقدیر بدل سکتی ہے؟ (سید مجاہد احمد، ورنگل)

جواب:- تقدیر کے معنی اندازہ کرنے اور مقرر کرنے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ اور اختیار کی قوت عطا فرمائی ہے، لیکن اسے خوب اندازہ ہے کہ کون کیا عمل کرے گا، اور کس کے ساتھ کیا احوال پیش آئیں گے؟ انسان کے اندازے غلط ہوسکتے ہیں، کیونکہ اس کو زیادہ سے زیادہ گزرے ہوئے دنوں اور موجودہ وقت کا یقینی علم ہے، مستقبل کے بارے میں کوئی یقینی علم نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو ازل سے ابد تک کا یقینی علم ہے، اور علیم وخبیر ہونا اس کی ایک اہم ترین صفت ہے، اس لئے جو کچھ اس کے علم میں ہے اور جو بات اس کے حکم سے نامۂ تقدیر میں ثبت ہوچکی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، وہ یقینی طور پر اسی طرح پیش آکر رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا يرد القدر إلا الدعاء'' کہ دعاء ہی تقدیر کو پھیر سکتی ہے، (۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کی تقدیر میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر وہ دعاء کریں تو ایسا ہو اور اگر دعاء نہ کریں تو ایسا ہو، حالانکہ وہ جو کرے گا، وہ بات بھی اللہ کے علم میں موجود ہے، اس کو تقدیر معلق کہتے ہیں، اس تقدیر کے مطابق انسان پر پیش آنے والے احوال میں دعاء اثر انداز ہوگی، علماء نے حدیث کا یہی مفہوم بتایا ہے۔

نفسانی وساوس کا شرعی علاج

سوال:- {68} آج کے ماحول میں کئی نوجوان

---

(۱) سنن ابن ماجة:۱/۱۰۔

مریض شدید نفسانی خواہشات میں گرفتار ہوکر وسوسوں کے شکار ہیں، کوئی ایسا طریقہ یا وظیفہ بتایئے جس کے ذریعہ اس سے نجات مل سکے؟ (حکیم محمد عبدالقادر، غازہ بنڈہ)

جواب:- نفسانی خواہشات کے غلبہ اور اس کیفیت سے سکون کا نسخہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ نوجوانوں کو جلد نکاح کر لینا چاہئے، یہ سوچ کہ اعلیٰ سے اعلیٰ معیار زندگی حاصل کرنے کے بعد ہی نکاح کیا جائے، نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہے، بلکہ صحت کے اعتبار سے بھی نقصاندہ ہے، اگر کسی شخص کا مالی موقف نہ ہو کہ نکاح کر سکے تو اسے روزہ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، کہ اس سے ضبط نفس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اور شیطان کے شر سے بچنے کے لئے کثرت سے تعوذ یعنی ''أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' پڑھا کریں۔(۱)

عملیات میں غیر شرعی عمل

سوال:- {69} میری بڑی بہن کی ''جن'' کے اثرات کی وجہ سے تین مہینہ سے طبیعت خراب ہے، لوگ ایک عامل صاحب کے پاس لے گئے، ہم نے دیکھا کہ چٹکی بجاتے ہی ایک گولی آتی ہے، وہ اسے دیتے ہیں، اور لیموں سے مریض کے سارے جسم پر ملتے ہیں، کیا ایک غیر مرد کا کسی عورت کو اس طرح ہاتھ لگانا اور لیموں ملنا جائز ہے؟ (x.y.z، دیر پورہ)

جواب:- جن سے نجات پانے کے لئے آیات قرآنی سے دم کرنا یا دعا کرنا یا کسی چیز کو پڑھ کر یا پھونک کر استعمال کے لئے دینا درست ہے، لیکن یہ بات کہ غیر محرم عورت کو ہاتھ لگایا جائے، یا اس کے جسم پر لیموں وغیرہ کی مالش کی جائے، قطعاً جائز نہیں، سخت گناہ ہے، خواتین کو ایسے فریب صفت لوگوں کے پاس جانے سے بچنا چاہئے۔

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: البحر الرائق: ۳/۱۴۰، نیز دیکھئے: رد المحتار: ۴/۶۴۔ محشی۔

''میں مسلمان بھی ہوں اور عیسائی بھی'' کہنا

سوال:- {70} ۱۵؍مئی کے اخبار میں ہے کہ یاسر عرفات صاحب کہہ رہے ہیں کہ میں مسلمان بھی ہوں اور عیسائی بھی، کیا ایسا کہنے والا مسلمان باقی رہے گا؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- کسی مسلمان کے لئے اس طرح کی بات کہنا نامناسب اور ناروا ہے، کیونکہ عرف میں عیسائی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عیسائی عقائد پر یقین رکھتا ہو، اور یہ عقائد یقیناً عقیدۂ توحید سے متصادم اور اس کے خلاف ہیں، ہاں! اگر کوئی شخص اس معنی میں اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہو کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات درست ہوگی، کیونکہ مسلمان تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں، بہر حال چونکہ اس تعبیر میں دونوں معنوں کا احتمال ہے، جن میں سے ایک انسان کو دائرہ ایمان میں باقی رکھتا ہے، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے دائرہ ایمان سے باہر ہو جاتا ہے، اور کفر کا حکم لگانے میں احتیاط ضروری ہے، (۱) اس لئے یہ فقرہ کہنے والے کو کافر تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن یہ تعبیر بہر صورت خلاف احتیاط اور نادرست ہے۔

اللہ کے بندے! میری مدد کر

سوال:- {71} میں نے یہ بات سنی ہے کہ اگر کوئی شخص پریشانی میں ہو، یا راستہ بھٹک گیا ہو، تو یوں کہتا کہ:

''اے اللہ کے بندے میری مدد کر'' کیا یہ درست ہے؟

(شیخ عمران، بلال فارم)

---

(۱) "الکفر شيئ عظيم فلا أجعل المؤمن كافرًا متىٰ وجدت رواية أنه لا يكفر" (رد المحتار:۶/۳۵۸) محشی۔

جواب:- اگر کوئی آدمی موجود ہو تو اس سے مدد مانگنے میں کچھ حرج نہیں، لیکن اگر کوئی شخص موجود نہ ہو، تو اللہ سے مدد کی دعاء کرنی چاہئے، نہ کہ اللہ کے بندوں سے، کیونکہ ہر جگہ موجود ہونا اور ہر ضرورت کو پوری کرنے پر قادر ہونا صرف اللہ ہی کی شان ہے، اللہ کے سوا کسی اور کو یہ قدرت حاصل نہیں، اس لئے اس طرح کا جملہ نہیں کہنا چاہئے؛ بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔

مسلم عہدیدار اور سرسوتی کی پوجا

سوال:- {72} آج کل دیکھا جارہا ہے کہ اعلیٰ عہدہ پر فائز مسلمان افسروں کے ہاتھوں سرسوتی کی پوجا کرائی جاتی ہے، اور وہاں دیپ جلانے کو کہا جاتا ہے، کیا یہ شرعی لحاظ سے جائز ہے؟ (منیب حنفی، پربھنی)

جواب:- سرسوتی کی پوجا مشرکانہ فعل ہے اور کسی بھی مسلمان کے لئے ایسا کرنا قطعاً درست نہیں، قانوناً بھی کسی مسلمان پر یہ بات لازم نہیں قرار دی جاسکتی، مسلمان عہدیداروں کو چاہئے کہ وہ اس سے انکار کردیں اور غیر مسلم بھائیوں کو سمجھائیں کہ یہ ان کے ایمان وعقیدہ کا مسئلہ ہے، جیسے ہم کسی غیر مسلم کو نماز پڑھنے پر مجبور نہیں کرتے، بلکہ اس کی خواہش بھی نہیں کرتے، اسی طرح ہمارے غیر مسلم بھائیوں کو بھی مسلمان سے ایسا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔

غیر مسلم کو نمسکار اور ہاتھ جوڑنا

سوال:- {73} مسلم حضرات غیر مسلم افراد سے ملاقات کے وقت ہاتھ جوڑ کر ''نمستے، نمسکار'' وغیرہ کہتے ہیں، کیا ان کے سامنے ہاتھ جوڑنا اور نمسکار کرنا جائز ہے؟

(منیب حنفی، پربھنی)

جواب:- نمستے اور نمسکار غیر اسلامی اور مشرکانہ عقیدہ پر مبنی تعبیرات ہیں، اس لئے مسلمانوں کے لئے ایسے الفاظ کا کہنا قطعاً درست نہیں، ہاتھ جوڑنا بھی غیر اسلامی طریقہ ہے، زبان سے آداب وغیرہ کہہ دینا درست ہے، بوقتِ ضرورت سلام بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن سلام میں کفر وشرک سے سلامتی کا معنی ذہن میں رکھا جائے، تو بہتر ہے:

"ویسلم المسلم علی أهل الذمة لو له حاجة إلیه" (۱)

پوجا کے پتھر پر ناریل پھوڑنا

سوال:- {74} ہمارے محلہ میں سمینٹ روڈ بنانے کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی، علاقے کے کارپوریٹر محلے کے معزز و بزرگ افراد اور مسجد کے پیش امام و قاضی صاحب بھی آئے تھے، روڈ پر ایک مقام پر ایک پوجا کا پتھر رکھ کر اس کے اطراف کُم کُم ڈالا گیا، میٹھائی اور چند ناریل رکھے گئے تھے، ہمارے کارپوریٹر صاحب نے ایک ناریل اٹھا کر اسے پوجا کے پتھر پر مار کر توڑا، یہ افتتاحی رسم کی انجام دہی ہوئی، اس کے بعد صدر محلّہ دوسرے معززین کے ساتھ ہماری مسجد کے پیش امام اور قاضی صاحب نے بھی اسی جوش و جذبہ سے ناریل اسی پوجا کے پتھر پر مار کر توڑا، پھر میٹھائی تقسیم ہوئی، وغیرہ وغیرہ —— اس طرح کا یہ عمل تمام معززین و مسجد کے پیش امام و قاضی صاحب کا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس شرک و گناہ کے مرتکبین کو کیا کرنا چاہئے، اور ہم لوگ اس الجھن میں ہیں کہ کیا اب مسجد کے پیش امام و قاضی صاحب کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ (ایچ، اے، نواب، حمایت نگر)

(۱) الدر المختار علی هامش الرد: ۹/۵۹۰۔

جواب:- پوجا کا پتھر رکھنا، کُم کُم لگانا اور ناریل پھوڑنا صریحاً مشرکانہ فعل ہے، اگر امام صاحب اور قاضی صاحب اور دوسرے مسلمانوں نے یہ سب کچھ کیا ہے تو بہت ہی افسوسناک اور شرمناک بات ہے، ان سے توبہ کرانی چاہئے۔ اس کے بعد ان کے پیچھے نماز ادا کی جاسکتی ہے، کسی بھی مسلمان کے لئے اس طرح کے افعال کرنا قطعاً درست نہیں، اگر اِس کا حکم جانتے بوجھتے ایسا کرے تو دائرۂ اسلام میں باقی نہیں رہے گا، اسلام نے ایسی رواداری کو جائز نہیں رکھا ہے، ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہندو بھائیوں کے پوجاپاٹ میں خلل ڈالیں، یا ان سے کوئی ایسی بات کہیں، یا ایسی حرکت کریں جن سے ان کی دل آزاری ہوتی ہو، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مسلمان خود مشرکانہ افعال کرنے لگیں، یہ اسی طرح نامعقول ہے جیسے یہ کہ مسلمان کسی غیر مسلم سے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا تقاضا کریں۔

ٹاکز کے اشتہار کے ساتھ خانۂ کعبہ وغیرہ کی تصویر

سوال:- {75} میرا اسکرین پریس ہے، زید میرے پاس نظام الاوقات چھپوانے کے لئے آئے تھے، اور اس کارڈ کو پسند کیا تھا، جس پر خانۂ کعبہ اور مدینہ منورہ کا نقش ہے، اسی کارد کے اوپر فلمی ٹاکز کا نام ڈالنا تھا، تو کیا اس کارڈ پر فلمی ٹاکز کا نام ڈال سکتے ہیں؟　　(محمد یوسف اشاعتی، بیدر)

جواب:- فلمی ٹاکز کا اشتہار چھاپنا گناہ اور برائی کے کاموں میں معاون ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (۱) کے تحت ناجائز اور حرام ہے، اگر اس کارڈ پر خانۂ کعبہ، مدینہ منورہ اور نماز کے اوقات درج نہیں ہوتے، تب بھی ان کا چھاپنا گناہ ہوتا ہے، اور ان چیزوں کے ساتھ فلمی ٹاکز کا اشتہار تو نہ صرف گناہ میں تعاون ہے،

---

(۱) المائدۃ :۲۔ محشی۔

بلکہ ان دینی عباتوں کے ساتھ تمسخر اور استہزاء بھی ہے، اس میں کفر کا اندیشہ ہے، اس لئے اس سے خوب احتیاط کرنی چاہئے۔

بیعت وتصوف

سوال:- (76) آج کل پیری مریدی بہت تیزی سے پھیل رہی ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ کسی کا کہنا ہے کہ یہ عمل حضور ﷺ کے دور سے ہی جاری ہے، اور کسی کا کہنا یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اسے کر کے دکھایا ہے، تبلیغی جماعت میں بھی ہم یہ چیز دیکھتے ہیں، براو کرام اپنے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں؟

(انور رشید انصاری، ایس، آئی، او بھدوئی سرکل درانسی)

جواب:- بیعت جو سلاسل تصوف میں ہوتی ہے، اس کا حاصل محض اتنا ہے کہ ایک شخص اپنی تربیت واصلاح کے لئے خود کو دوسرے کے حوالہ کرتا ہے، اور اس کے ہاتھ پر گناہوں سے اجتناب اور فرائض وواجبات پر مواظبت کا عہد کرتا ہے، یہ اپنی اصل اور روح کے لحاظ سے امر بالمعروف ہی کی ایک صورت ہے، آپ ﷺ بھی عمل صالح کی بیعت فرمایا کرتے تھے۔(۱) سلفِ صالحین میں شریعت کے احکام کے مطابق اعمال واخلاق کی اصلاح وتربیت کی یہی سیدھی سادی صورت تھی جس کو بعض لوگوں نے ''تصوف'' کا نام دیا ہے۔

اس لئے خود بیعت کے جائز ودرست ہونے میں کلام نہیں، البتہ بعد کو بعض مبتدعین نے تصوف کے چشمۂ صافی میں اتنی آمیزش پیدا کردی کہ نوبت یہاں تک آپہونچی کہ بعض صوفیاء زور نے اس کو شریعت سے بھی آزاد کرالیا، حالانکہ ایسے نام نہاد صوفیا کی کثرت ہوگئی ہے، لیکن مشائخ حقانی اور علماء ربانی بھی موجود ہیں، اوران سے اصلاحی تعلق رکھنے میں حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

---

(۱) کنز العمال میں مختلف کتب حدیث کے حوالہ سے بیعت کے سلسلہ میں مجموعی اعتبار سے ۳۴ حدیثیں آئی ہیں، دیکھئے: حدیث نمبر: ۱۴۴۶ تا ۱۴۷۹۔

عقائد کا بیان

کیا خدا زبان کا محتاج ہے؟

سوال:- {77} میرے ایک ہندو دوست نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر قرآن اللہ کا کلام ہے، تو اللہ کی زبان بھی ہونی چاہئے، تب یہ کلام اسی کی زبان سے جاری ہوا ہے، جب کہ عقیدۂ توحید تو یہ ہے کہ اللہ جسم سے پاک ہے، قرآن کی آیات کے حوالوں سے اس ہندو کی تشفی نہیں ہوگی، منطقی، یا عقلی نقلی مثالوں سے سمجھائیں، تب اس کی سمجھ میں آجائے گا؟

(یوسف الدین احمد انجینئر، بی بی بازار)

جواب:- اس سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں، اول یہ کہ جو چیز بنائی گئی ہو اس پر بنانے والے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، غور کیجئے کہ انسان نے سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز تک بنایا ہے، یہ تمام مصنوعات وہ ہیں جو اپنے چلنے میں مشین اور کسی نہ کسی محرک آلہ کی محتاج ہے، یہ خود اپنے ارادہ سے نہیں چل سکتیں، لیکن انسان اپنے ارادہ سے آپ چلتا ہے، اس طرح

کے بہت سے مسائل ہیں کہ انسان جیسے حقیر وجود نے جن چیزوں کو بنایا ہے، ان کے اور انسان کے درمیان غیر معمولی فرق ہے، تو اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ اتنی وسیع اور حیرت انگیز کائنات بنانے والے کو انسان پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے! کہ چونکہ انسان دیکھنے میں آنکھ کا اور بولنے میں زبان کا محتاج ہے، تو خدا کو بھی زبان اور آنکھ وغیرہ کا محتاج ہونا چاہئے۔

دوسرے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ الفاظ کی ادائیگی کے لئے زبان ہی ضروری ہے، غور کیجئے کہ انسان نے اپنے ہاتھوں ٹیپ ریکارڈ بنایا ہے، یہ ٹیپ ریکارڈ کلام کو محفوظ کرتا ہے، اور پھر بوقت ضرورت وہی کلام ہم کو آپ کو سناتا ہے، حالانکہ زبان کی وہ خاص صورت جو ہمارے اور آپ کے ذہن میں ہے، وہ اس ٹیپ ریکارڈ میں موجود نہیں —— بہر حال ایک محتاج کو دوسرے محتاج پر اور مخلوق کو تو دوسری مخلوق پر قیاس کرنے کی ایک حد تک گنجائش ہے، گو یہ بھی لازم نہیں، لیکن خالق کو مخلوق اور قادر مطلق کو محتاج محض پر قیاس کرنا عقل وفطرت کے تقاضوں کے خلاف ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ ایک نومولود بچے کی صلاحیت پر کسی صحت مند جوان عمر کی صلاحیت وطاقت کو قیاس کیا جائے۔ واللہ ھو الھادی إلی الحق۔

اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''خدا''

سوال:- {78} آج کے منصف میں ارشاد نبوی میں لفظ ''خدا'' دو جگہ آیا ہے، یہ لفظ عربی کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۱۷۹-۱۸۰ میں قرآن کہتا ہے کہ سوائے اسماء حسنی یعنی ۹۹ اسماء کے کسی عجمی زبان میں اللہ کو پکارنا فاسد ہے، اللہ کی جگہ اللہ ہی استعمال ہونا چاہیے۔

(ضمیر احمد، حیدرآباد)

جواب:- سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۰ / اسماء باری تعالیٰ سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَائِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾(۱)

''اور اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں، ان ناموں سے اللہ کو پکارو اور جو لوگ اللہ کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں، انہیں چھوڑ دو، عنقریب ان کو ان کے عمل کا بدلہ ملے گا''

یہ آیت ایک خاص موقعہ پر نازل ہوئی ہے:

''ایک مسلمان اپنی نماز میں یا رحمٰن یا رحیم کہہ رہے تھے، مشرکین مکہ نے طنز کیا کہ محمد ﷺ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ایک ہی رب کی عبادت کرتا ہوں، لیکن پھر یہ دو دو رب کو کیوں پکارتے ہیں؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نامعقول بات کا جواب ارشاد فرمایا ہے کہ یہ سب ایک اللہ ہی کے نام ہیں، اگر نام کئی ہوں، تو صاحب نام کا متعدد ہونا لازم نہیں''(۲)

قرآن نے اسماء حسنیٰ کے نام سے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ

(۱) الاعراف :۱۸۰۔

(۲) "قال مقاتل وغيره من المفسرين : "نزلت هذه الآية في رجل من المسلمين ، كان يقول في صلاته : يا رحمن ، يا رحيم ، فقال رجل من مشركي مكة : أليس يزعم محمد و أصحابه أنهم يعبدون ربا واحدا ، فما بال هذا يدعو ربين اثنين ؟ فأنزل الله سبحانه وتعالىٰ " و لله الأسماء الحسنىٰ فادعوه بها "(التفسير القرطبي: ۳۲۵/۷،دار احياء التراث العربي ، بيروت۔ محشی۔

ترمذی اور بعض اور کتب حدیث میں ننانوے اسماء حسنی کا ذکر آیا ہے، (۱) لیکن کیا ان ناموں کے علاوہ دوسرے نام نہیں لئے جاسکتے ؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، اکثر سلف صالحین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے یہی نام مخصوص نہیں، امام غزالیؒ، امام الحرمینؒ، امام نوویؒ، علامہ ابن عربیؒ، مفسر آلوسیؒ وغیرہ کا یہی نقطۂ نظر ہے، (۲) البتہ قرآن وحدیث میں جو نام مذکور نہیں، ان کے بارے میں اندیشہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کی شان کی پوری پوری رعایت نہ ہو، اس لئے اہل علم نے دوسرے ناموں سے احتیاط کا حکم دیا ہے۔

''خدا'' کا لفظ اپنے معنی کے لحاظ سے اللہ کے بارے میں اسلامی تصور سے ہم آہنگ ہے، ''خدا'' کے معنی ایسی ذات کے ہیں جو اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج نہ ہو، اور جو کسی اور سے پیدا نہ ہوا ہو، ظاہر ہے اللہ کے بارے میں ہم جو عقیدہ رکھتے ہیں، یہ اس کے مطابق ہے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کے زمانہ سے اللہ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا آیا ہے، شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے بھی اللہ کے لئے ''خدا'' کے لفظ کو درست قرار دیا ہے۔ (۳) اس لئے اللہ کو ''خدا'' کہنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ باری تعالیٰ کا اصل نام اور ذاتی علم ''اللہ'' ہے۔ اور یہی نام قرآن وحدیث میں ہر جگہ استعمال ہوا ہے، اس لئے خدا کے بجائے ''اللہ'' کہنا زیادہ بہتر ہے، واللہ اعلم۔

---

(۱) " عن النبي ﷺ قال: إن للّٰه تسعة و تسعين اسماء مائة غير واحد من احصاها دخل الجنة " عن أبي هريرة ؓ، (الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۳۵۰۶، باب إن لله تسعة و تسعين اسماء، كتاب الدعوات ۔محشی۔

(۲) " قال : ثم ليعلم أن الأسماء الحسنى غير منحرة فى تسعة و تسعين ألخ " ثم قال : " و ذكر الإمام أبو بكر بن العربى أحد أئمة المالكية فى كتابه الأحوذى في شرح للترمذي أن بعضهم جمع من الكتاب و السنة من أسماء الله ألف اسم " فالله اعلم " (تفسیر ابن کثیر:۲/۲۶۹، ط:دار إحياء التراث العربي)

(۳) اليواقيت و اللالى:۱/۷۲۔

اللہ اور رسول کے نام میں ترتیب

سوال:- {79} مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری کی کتاب "مرنے کے بعد کیا ہوگا؟" میں ہر جگہ "رسول خدا تعالیٰ" لکھا ہوا ہے، حالانکہ کتاب کے صفحہ: ۷۱ پر لکھا ہوا ہے کہ "پہلے اللہ کا نام اور پھر رسول کا نام آنا چاہئے، یہ مولانا پر نکتہ چینی نہیں ہے بلکہ تحقیق مقصود ہے۔ (واجد علی خان، بھینسہ)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ جب اللہ کا اور رسول اللہ ﷺ کا مستقل ذکر مقصود ہو تو پہلے اللہ کا اور پھر رسول کا نام لیا جائے، تقاضۂ ادب یہی ہے، قرآن مجید میں بھی جہاں کہیں اس طرح ذکر آیا ہے تو یہی ترتیب رکھی گئی ہے، جیسے فرمایا گیا: "اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو" ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (۱) لیکن جہاں صرف رسول اللہ ﷺ کا ذکر مقصود ہے جیسے یوں کہا جائے: رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا، تو وہاں عربی اور فارسی قاعدہ کے لحاظ سے رسول ﷺ کا لفظ پہلے ہونا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ یہاں مقصود رسول ﷺ کا ذکر کرنا ہے، رسول ﷺ کی محض اللہ سے نسبت ظاہر کرنے کے لئے "اللہ" کا ذکر کیا جاتا ہے، اور عربی اور فارسی زبان میں قاعدہ ہے کہ جس کی نسبت کی جائے اس کا ذکر پہلے آتا ہے، اور جس سے نسبت کی جائے اس کا ذکر بعد میں، اس لئے عربی میں رسول اللہ ﷺ اور رسول خدا ﷺ کے الفاظ کہے جائیں گے، کیونکہ یہاں اللہ کا نام نامی صرف اظہار نسبت کے لئے آیا ہے، اس میں کوئی بے ادبی نہیں۔

اہل سنت والجماعۃ کے خلاف عقیدہ رکھنا

سوال:- {80} کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ

(۱) النساء: ۵۹۔ مرتب۔

میں کہ ایک شخص عقایدِ اہلِ سنت و جماعت کے خلاف عقائد رکھتا ہے، مصلیان مسجد کو درود وسلام اور لفظ ''یا'' کے ذریعہ استعانت سے منع کرتا ہے، کیا ایسے شخص کو امام بنایا جائے؟

الافتاء:- اہلِ سنت وجماعت کے خلاف عقائد رکھنے والے کو امام نہ بنایا جائے، اس کی اقتداء مکروہ ہے، جیسا کہ ردالمحتار جلد اول: ص:۳۹۳ر میں ہے: ''وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعا'' الجمله فقط۔

(مفتی جامعہ نظامیہ)

جواب:- استفتاء اور فتوی (حوالہ نمبر اسی ونہم ۴۸۱) مصدرہ از دارالافتاء جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے مطالعہ کا موقع ملا، حقیقت یہ ہے کہ یہ استفتاء بھی مبہم ہے اور فتوی بھی، پہلے تو اس پر بحث ہونی چاہئے تھی کہ اہلِ سنت والجماعۃ کے عقائد کیا ہیں؟ پھر یہ کہ درود وسلام کی کونسی صورت مشروع ہے، اور کونسی نہیں؟ تیسرے ''یا'' کے ذریعہ غیر اللہ سے استعانت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کیا ایسا کرنا عقائد اہل سنت والجماعت کی رو سے درست ہے اور کیا توحید فی الصفات میں یہ داخل نہیں ہے کہ مستعان تنہا خدا ہی کو سمجھا جائے؟ پھر اس کے بعد ہی یہ بات فیصل ہوسکتی ہے کہ امام صاحب کی طرف اہل سنت کی مخالفت کی جو نسبت کی گئی ہے، کیا وہ درست بھی ہے؟

اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کیا کیا ہیں؟ اس میں تفصیل ہے، تاہم اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ''سنت'' سے مراد سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت سے مراد جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے، اس طرح جن امور کی اصل سنتِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہو، ان کو تسلیم کرنے پر اہلِ سنت والجماعت میں ہونے کا مدار وانحصار ہے، جو لوگ ایسے امور کو دین کا جزو بنالیں جن کی

اصل کتاب وسنت اورآ ثارِ صحابہ ﷺ میں موجود نہ ہو، وہ درحقیقت اہلِ سنت والجماعت میں نہیں ہیں، ایک حدیث شریف میں اسی اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"علیکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ وإياكم و محدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة ، و كل بدعة ضلالة "(۱)

اب جن عقائد کوسنی ہونے کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے، ضروری ہے کہ پہلے دین کے ان تینوں بنیادی مصادر سے قوی اور مستند طریقہ پر ان کا ثبوت ہو، یا عقائد اہل سنت کے مشہور ومستند شارحین جیسے امام غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، ملا علی قاریؒ وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہو۔

رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا بے شک ہر مسلمان پر آپ ﷺ کا حق ہے، اور کوئی صاحب ایمان اس سے روک نہیں سکتا، تاہم ضروری ہے کہ صلوۃ وسلام کے لئے بھی وہی صورت اختیار کی جائے، جو کتاب وسنت اور اسوۂ صحابہ ﷺ سے ثابت ہو، اس کے لئے کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کا ثبوت ان طریقوں سے نہ ہو، یقیناً بدعت اور قابلِ ممانعت ہے، اور ان سے روکنے والے نہیں، بلکہ ان کے کرنے والے مستحق مذمت ہیں، فقہاء ؒ نے لکھا ہے کہ کسی نیک کام کے لئے ایسا وقت متعین کرلینا، یا اس کو اہمیت دینا جس کا ثبوت نہ ہو، یا ایسی کیفیت جو ثابت نہ ہو اس کو بدعت بنا دیتا ہے، مثلاً: ایک کام کے لئے قیام کا اہتمام ثابت نہ ہو اور اس کے لئے خصوصیت سے قیام کیا جائے، یہ بدعت ہے، اسی طرح کوئی کام انفرادی طور پر کرنے کا ہے، لیکن لوگ اس کو اجتماعی طور پر کرنے لگیں، یہ بدعت ہے، کتب فقہ میں اس سلسلہ میں بہت سی صراحتیں موجود ہیں، امام ابو اسحاق شاطبیؒ لکھتے ہیں:

" ومنها أي البدعة التزام الكيفيات والهيئات

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۶۰۷، باب في لزوم السنة ، كتاب السنة ۔ محشی۔

المعينة كالذكر بهيئة الإجتماع على صوت
واحد ... ومنها التزامه العبادات العينية في
اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في
الشريعة "(۱)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''عالمگیری'' میں ہے:

"قراء ة الكافرون إلى الآخر مع الجمع مكروهة :
لأنها بدعة لم ينقل عن الصحابة و التابعين "(۲)

اس لئے اگر امام مذکور نے کسی خاص نماز کے بعد اجتماعی طور پر کھڑے ہو کر خاص ہیئت کے ساتھ سلام پڑھنے سے منع کیا ہو تو ایسا کرنا بالکل درست ہے، اور '' نهي عن المنكر '' کے دائرہ میں ہے۔

استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے جائز ہے سورۂ فاتحہ میں حصر کے ساتھ کہا گیا ہے، ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ غیر اللہ سے استعانت جائز نہیں، مشہور محدث علامہ پٹنی'' لکھتے ہیں کہ

" فإن منهم من قعد بزيارة قبور الأنبياء
والعلماء أن يصلى عند قبورهم ويدعو عند ها
وليسألهم الحوائج ، وهذا لا يجوز عند أحد
من علماء المسلمين ، فإن العبادة وطلب
الحوائج والاستعانة منه وحده "(۳)

مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ مشہور صوفی اور بزرگ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ سے نقل کرتے

---

(۱) الاعتصام : ۱/۲۹۔
(۲) فتاوی عالمگیری:۴/۹۱۔
(۳) مجمع بحار الانوار:۲/۷۲۔

ہیں: ''چنانچہ کسے بطور وظیفہ یا محمد یا محمد تفتہ یا باشد سدانہ باشد''(۱) غیر اللہ سے استعانت تو کیا اللہ تعالیٰ سے دعاء کے درمیان کسی کے حق وحرمت کا حوالہ دینا بھی مکروہ اور ناجائز ہے، علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

"ویکره أن یقول الرجل في دعائه بحق فلان
أوبحق أنبیائك ورسلك " (۲)

استعانت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انسان مُستعان کو متصرف ومختار سمجھے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کو متصرف سمجھنا کفر ہے:

" ومنها إن ظن أن المیت یتصرف في الأمور
دون الله تعالی و اعتقاده ذلك كفر " (۳)

اب اگر سوال میں استعانت سے استعانت بغیر اللہ مراد ہے، تو ظاہر ہے کہ کفر یا کم از کم قریب بہ کفر ہے، اور امام کا اس سے روکنا واجب اور شرعی فریضہ ہے؛ اس لئے اگر درود وسلام کے مذکورہ بالا طریقہ اور استعانت بغیر اللہ سے امام صاحب نے منع کیا ہو، تو یہ اہل سنت والجماعۃ کے مسلک کے عین مطابق ہے، اور اس کا یہ عمل ہرگز موجب فسق نہیں، بلکہ عین تقاضاء دین ہے؛ لہٰذا امام مذکور کی امامت مکروہ نہیں، بلکہ" سعي إلی الخیر " اور" نهي عن المنكر " ہونے کی وجہ سے مستحسن اور بہتر ہے۔ هذا ماعندي والله أعلم بالصواب۔

نجومی کو ہاتھ دکھانا

سوال:- {81} مستقبل کی نشاندہی کے لئے نجومی کو

---

(۱) ارشاد الطالبین :ص:۱۹۔
(۲) الهدایه:۴/۴۷۵، كتاب الكراهیة ۔
(۳) البحر الرائق : ۲/۵۲۰،فصل في النذر ۔محشی۔

ہاتھ دکھایا جاسکتا ہے؟ (حشمت آرا قدیر، سلاخ پور)

جواب:- صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو غیب کی باتوں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے واقف ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اللہ کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا'' ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ﴾(۱) نجومی اور جیوتش سے قسمت کا حال معلوم کرنا، غیب کے علم میں اس کو خدا کا شریک ٹھہرانا ہے، اس لئے یہ قطعاً جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو ایسے لوگوں کے پاس آئے، اس کی چالیس دن کی نماز مقبول نہیں ہوگی'' (۲) حضرت معاویہ بن حکم ؓ سے مروی ہے کہ

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگ کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ'' کاہنوں کے پاس مت جاؤ'' (۳)

اس نکتہ کو بھی اپنے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ انسان کے مستقبل کو اس کی نگاہوں سے اوجھل رکھنا بھی اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے، اگر انسان کو موت آنے سے پہلے موت کا وقت معلوم ہو جائے اور مصیبتوں اور آزمائشوں سے دو چار ہونے سے پہلے آنے والی مصیبتوں سے مطلع کردیا جائے، تو یہ بجائے خود اس مصیبت سے بڑھ کر مصیبت اور موت سے زیادہ باعث اذیت ہو کر رہ جائے گا، اس لئے ان کی کھوج اور تجسس اپنے آپ کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

---

(۱) الأنعام :۵۹۔

(۲) " عن النبي ﷺ قال: من أتى عرافا فسئله عن شيئ ، لم تقبل له صلاة أربعين ليلة ، عن صفية عن بعض ازواج النبي ﷺ " (صحيح مسلم ،حديث نمبر:۲۲۳۰، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان ، كتاب السلام) محشی۔

(۳) صحيح مسلم:۲/۲۳۲،باب تحريم الكهانة۔

ہاتھ کی لکیریں

سوال:- {82} کیا یہ سچ ہے کہ ہاتھ میں جتنی لکیریں ہوں اتنی پریشانیاں ہوتی ہیں، کم ہو، تو کوئی پریشانی نہیں ہوتی، بعض لوگ لکیروں کو دیکھ کر قسمت کا حال بتاتے ہیں، کیا ان کا کہنا سچ ہے؟ (لبنیٰ، سدی پیٹ)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی تقدیر لکھ دی ہے اور لکھ کر فرشتوں کے حوالہ بھی کی ہے، یہ قسمت انسان کے ہاتھ یا جسم پر نہیں لکھی جاتی ہے؛ اس لئے لکیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا اور اس پر اعتماد کرنا سخت گناہ اور ناپسندیدہ ہے، نہ شرعاً ایسا کرنا درست ہے، (۱) اور نہ طبی اور سائنسی اعتبار سے ان لکیروں کا انسانی احوال سے کچھ تعلق ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے چہرے مہرے، رنگ و روپ، آواز اور چال ڈھال کے اعتبار سے ہر شخص کو دوسرے سے ممتاز اور مشخص رکھا ہے، اسی طرح انگوٹھے اور انگلیوں پر پائی جانے والی باریک لکیریں اور ہتھیلیوں میں موجود نمایاں لکیریں بھی ایک دوسرے سے ممتاز اور جداگانہ رکھی گئی ہیں، اس سے ہر شخص کی شناخت اور اس کا تشخص متعلق ہے، نہ کہ اس کی تقدیر اور اس کی زندگی کے احوال و واقعات۔

غیر مسلموں کی مغفرت

سوال:- {83} ان غیر مسلم دانشوروں یا سائنس دانوں کے بارے میں آخرت میں کیا فیصلہ کیا جائے گا، جنہوں نے انسانوں کے فائدے اور سہولت کے لئے مختلف کارآمد چیزیں ایجاد کیں؟ (ابو بلال رالغ، سعودی عرب)

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال: من أتى عرّافا فسأله عن شيئ لم تقبل له صلاة أربعين ليلة عن صفية" صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۵۸۲۱، باب تحريم الكهانة و اتيان الكهان - محشی۔

جواب:- کفار کو ان کی نیکیوں کا ثواب پہونچے گا یا نہیں؟ محدثین نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور خاص کر امام مسلمؒ نے اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے:

''حضرت حکیم بن حزام ﷺ مشہور صحابی ہیں وہ جب اسلام لائے، تو دریافت کیا کہ زمانہ کفر میں میں نے نیکیاں کی ہیں، کیا اس پر مجھے کچھ ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ فرمایا کہ تم نے جو نیکیاں کی تھی اسی کے نتیجہ میں تو تم کو ایمان کی توفیق ہوئی، ''أسلمت علی ما أسلفت من الخیر''(۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ جب کافر مسلمان ہوتا ہے، تو قبول اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو محفوظ فرما دیتے ہیں اور بُرائیوں کو مٹا دیتے ہیں (۲) ایک اور روایت میں ہے کہ ابن جدعان کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ان کی نیکیاں ان کو نفع پہونچائیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ایک دن بھی ''رب اغفر لی خطیئتی'' نہیں کہا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اسلام قبول کر لے تو اس کا عملِ خیر نافع ہوگا، (۳) اگر حالت کفر ہی میں موت ہوئی، تو اس کا عمل خیر آخرت میں باعث ثواب نہیں؛ اس لئے کہ اطاعت اس وقت معتبر ہے جب کہ مطاع کی حیثیت اور مقام کو جانتے ہوئے اطاعت کی جائے، ہاں دنیا میں

---

(۱) صحیح مسلم :۱/۷۶، باب بیان حکم عمل الکافر إذا أسلم بعده، صحیح البخاری، باب من تصدق فی الشرك ثم أسلم ،حدیث نمبر:۱۴۳۶، اور مختلف ابواب میں، حدیث نمبر:۲۲۲۰، ۲۵۳۸، ۵۹۹۲۔

(۲) "عن أبي سعيد الخدری ﷺ قال : قال رسول اللہ ﷺ :" إذا أسلم الكافر فحسن إسلامه كتب اللہ تعالیٰ له كل حسنة زلفها، و محا عنه كل سيئة زلفها، و كان عمله بعد الحسنة بعشر أمثالها إلى سبعمائة ضعف و السيئة بمثلها إلا أن يتجاوز اللہ تعالیٰ "ذكره الدار قطني في غريب حديث مالك" (فتح الملهم :۱/۲۷۴)

(۳) حوالۂ سابق:۱/۲۷۴-۲۷۵۔

اس عمل خیر کی وجہ سے رزق کی وسعت، زبانِ خلق پر تعریف یا ہدایت جیسی نعمتوں کی شکل میں اس کا نفع پہونچ سکتا ہے۔(۱)

حالت کفر میں انسان جو گناہ کرتا ہے، علاوہ کفر کے ان گناہوں کا بھی اس پر عذاب ہوتا ہے، اسی لئے کفار کو آخرت کے اعتبار سے فقہاء نے تمام احکام شرعیہ کا مخاطب مانا ہے، پس اگر اس نے کوئی ایسی نیکی کی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ کسی برائی سے بچ جاتا ہے، تو اس پر اس خاص گناہ کا عذاب ظاہر ہے کہ نہیں ہوگا، اور بہ نسبت ان کافروں کے جنہوں نے علاوہ کفر کے گناہوں کا بھی ارتکاب کیا ہے، اس کے عذاب میں کمی ہوگی۔

کافروں کی نیکیوں اور بہتر کاموں نیز خدمت خلق کے لئے مفید ایجادات پر اجر وثواب حاصل ہونے کے سلسلے میں یہ بنیادی اصول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم سائنسدانوں اور دانشوروں کے لئے آخرت میں کوئی اجر نہیں، ہاں دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کا مادی صلہ عطا فرما دیتے ہیں، ہاں، ایمان قبول کرنے کے بعد ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو محفوظ فرما دیں، جیسا کہ اوپر میں روایت گزری ہے۔

گوتم بدھ کے بارے میں اسلامی تصور

سوال:- {84} گوتم بدھ کا اسلام سے کیا تعلق ہے؟

(سید رؤف، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- گوتم بدھ کی تعلیمات میں توحید کا عنصر بہت زیادہ ہے اور اللہ کی وحدانیت اور عمل صالح کی طرف بار بار دعوت دی گئی ہے، نیز پیغمبر اسلام ﷺ کی تشریف آوری کی بابت پیشین گوئی بھی آپ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ بدھ جی ممکن ہے کہ اپنے زمانے میں اللہ کے پیغمبر رہے ہوں۔ ایسا سوچنا یقیناً بعید از قیاس نہیں، لیکن

(۱) فتح الملهم :۱/۲۷۴۔

چونکہ قرآن وحدیث میں صراحۃً کہیں آپ کے پیغمبر ہونے کا ذکر نہیں، اس لئے صحیح نقطۂ نظر یہی ہے کہ نہ ہم آپ کو نبی قرار دے سکتے ہیں اور نہ آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب، اور آپ کی شان میں بدگوئی بھی جائز نہیں، کیونکہ آپ کے نبی ہونے کا امکان تو ہے ہی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے پیغمبروں کو بھیجا ہے، تو کسی قوم میں گوتم بدھ کا بہ حیثیت نبی آنا کوئی ناممکن نہیں، جب کہ ان کی تعلیمات میں ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو آسمانی کتابوں میں آیا کی ہیں، پس حاصل یہ ہے کہ نہ گوتم بدھ کی نبوت کی تصدیق کی جاسکتی ہے، اور نہ آپ کی ہتک شان کرنا جائز ہے۔

مرتد کی سزا

سوال:- (85) اسلام میں داخل ہونے کی آزادی تو ہے، لیکن قبولیتِ اسلام کے بعد اگر کوئی ارتداد کرے، تو اس کی سزا کیا ہے؟　　(پروین اقبال، سید علی گوڑہ)

جواب:- اگر کوئی شخص دار الکفر میں مرتد ہو جائے، تو اسے سمجھانا اور مطمئن کرنا چاہئے، اگر اس کے باوجود وہ دوبارہ ایمان نہ لائے، تو پھر مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس سے قطع تعلق کرلیں، اور اگر ارتداد کا واقعہ دار الاسلام میں پیش آئے، تو اولاً اسے کوئی شبہ ہو، تو اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے، اگر سمجھانے کے باوجود نہ مانے، تو عورت ہو تو اس وقت تک قید میں رکھی جائے گی جب تک تائب نہ ہو جائے، اور مرد ہو، تو تین دنوں تک قید میں رکھا جائے گا، اگر اسلام قبول کرلے تو ٹھیک ورنہ قتل کردیا جائے گا۔

"و یحبس ثلاثة أیام فإن أسلم، و إلا قتل" (۱)

(۱)　الفتاوی الهندیة :۲/۲۵۳۔

نابالغ غیر مسلم بچہ کا انجام

سوال:- {86} اگر کوئی نابالغ کافر بچہ مرجائے تو کیا وہ جنت میں داخل ہوگا؟ (سید یونس، رین بازار)

جواب:- کفار و مشرکین کے بچے جن کا انتقال نابالغی کی حالت میں ہوجائے، وہ جنتی ہوں گے یا دوزخی؟ اس سلسلہ میں علماء کی تین رائیں ہیں، اول یہ کہ ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہوگا، اور وہ اپنے والدین کے تابع ہوں گے، دوسری رائے توقف کی ہے، یعنی اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ حضرات بھی جنت میں جگہ پائیں گے اور مشہور محدث امام نوویؒ کے بقول یہی رائے محققین کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"والثالث وهو الصحيح الذى ذهب اليه المحققون انهم من أهل الجنة" (۱)

یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ

"آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت میں دیکھا اور دیکھا کہ آپ ﷺ کے گرد لوگوں کے بچے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! مشرکین کی اولاد بھی" (۲)

یہ بخاری کی حدیث ہے اور گویا اس نقطۂ نظر پر صریح دلیل ہے، دوسرے خود اللہ تعالیٰ نے عذاب کے سلسلہ میں اصول بتایا ہے کہ جب تک ہم کسی قوم کی طرف رسول نہیں بھیجتے ہیں ان کو

---

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم: ۲/۳۳۷۔

(۲) "و الشيخ في أصل شجرة ابراهيم عليه السلام، و الصبيان حوله فأولاد الناس" عن سمرة بن جندب" (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۳۸۶، باب ما قيل في اولاد المشركين) محشی۔

عذاب میں مبتلا نہیں کرتے، ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾(۱) گویا جب تک کوئی انسان حکم شرعی کا مخاطب نہ ہو جائے، اس وقت تک اس پر عدول حکمی کی پاداش میں اللہ کا عذاب نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ نابالغ بچے بالاتفاق احکام شرعیہ کے مخاطب نہیں ہیں؛ اس لئے ان پر دوزخ کا عذاب بھی نہیں ہونا چاہئے۔

عذاب قبر اور منکر نکیر

سوال:- {87} ایک حافظ صاحب کہتے ہیں:

(الف) قرآن مجید میں عذاب قبر کا کہیں تذکرہ نہیں ہے؟

(ب) جب خداوند کریم یوم قیامت کو مسلمانوں کا حساب کتاب لے گا، تب محشر سے پہلے عذاب قبر کیسا؟

(ج) قرآن مجید میں منکر نکیر کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے؟

(د) کیا یہ روایت صحیح ہے کہ آنحضورؐ نے کسی قبر پر درخت کی ٹہنی لگا کر کہا تھا کہ جب تک شاخ ہری رہے گی اللہ کی تسبیح کرتی رہے گی، اور تب تک عذاب قبر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح کر رہا ہے، تو قبر کی مٹی کے ذرے بھی تسبیح میں مصروف ہوں گے، حدیث کی حقیقت کیا ہے؟　　(ایم، ایس، خاں، اکبر باغ)

جواب:- (الف) عذاب قبر کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ہے۔ اللہ تعالی نے فرعون اور اس کے متبعین کے بارے میں کہا ہے کہ وہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جا رہے ہیں، اور قیامت

(۱) بنی اسرائیل:۱۵۔

قائم ہونے کے بعد اس سے بھی سخت تر عذاب ان پر ہوگا۔

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا وَّ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اُدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾(۱)

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

آیت قرآنی ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ عذاب قبر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے(۲)

اس طرح قرآن میں بھی کم سے کم دو آیتیں عذاب قبر کے بارے میں موجود ہیں۔

حدیثیں تو اس سلسلہ میں بکثرت موجود ہیں،(۳) اور ظاہر ہے کہ احادیث قرآن مجید کا بیان ہیں، جو خود حامل قرآن ﷺ کی زبان حق ترجمان سے وارد ہوئی ہیں، اس لئے احادیث سے ثابت ہونے والے احکام سے انکار کے کوئی معنی نہیں۔

(ب) قیامت کے دن حساب وکتاب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ ابھی اللہ تعالیٰ لوگوں کی نیکیوں اور برائیوں سے واقف نہیں ہیں، اور جیسے ہم لوگ اپنے علم کے لئے حساب و کتاب کے محتاج ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی حساب وکتاب کے محتاج ہیں، بلکہ حساب وکتاب اور نامۂ اعمال کی پیشی محض لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لئے ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے قبر میں بھی عذاب وثواب کو متعلق فرمائیں گے۔ اور اس میں عقلی اعتبار سے بھی

---

(۱) المؤمن :۴۶۔

(۲) مشکوۃ :۱/۲۴،باب اثبات عذاب القبر۔

(۳) ”عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها : أن يهودية دخلت عليها ، فذكرت عذاب القبر ، فقالت لها : أعاذك الله من عذاب القبر ، فسئلت عائشة رسول الله ﷺ عن عذاب القبر ، فقال : نعم عذاب القبر حق ، قالت عائشة : فما رأيت رسول الله ﷺ بعد صلى صلاة إلا تعوذ من عذاب القبر “ (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۱۳۷۲،باب ما جاء في عذاب القبر ، كتاب الجنائز ،نیز دیکھئے: صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۵۸۶)محشی۔

اشکال کی کوئی گنجائش نہیں، دنیا میں بھی ملزم کی حیثیت سے ابتدائی سزا دی جاتی ہے، اور مکمل سزا جرم ثابت ہونے کے بعد دی جاتی ہے۔

(ج) قرآن مجید میں منکر نکیر کا ذکر نہیں ہے، اور جیسا کہ مذکور ہوا یہ ضروری بھی نہیں کہ ہر بات قرآن میں مذکور ہو، حدیث سے بھی اگر کسی بات کا ثبوت ہو تو وہ قرآن ہی کی تشریح و توضیح ہے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ وحی الٰہی پر مبنی ہے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے۔ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾(۱) —— حدیث اس سلسلہ میں بالکل صریح ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں دو کالے چتکبرے فرشتے آتے ہیں، جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ پھر حدیث میں آگے ان سوالات کا ذکر ہے جو مردہ سے کئے جائیں گے اور اس ثواب و عذاب کا جو ان کے درست و نادرست جواب پر مرتب ہوں گے۔(۲)

(د) فی الجملہ یہ واقعہ حدیث میں آیا ہے، اور صحیح سند سے ثابت ہے کہ

> آپ ﷺ کا گذر دو ایسی قبروں پر سے ہوا جو مبتلاء عذاب تھیں، آپ ﷺ نے ایک ٹہنی منگائی اس کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں قبروں رکھ دیا اور فرمایا: ممکن ہے کہ جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں عذاب میں تخفیف کردی جائے۔

---

(۱) النجم:۳۔

(۲) صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۱۳۷۴،عن أنس بن مالك ، باب ما جاء في عذاب القبر ، كتاب الجنائز ،نیز دیکھئے:حدیث نمبر:۱۳۳۸،باب الميت يسمع خفق النعال ، كتاب الجنائز،نیز دیکھئے:صحیح المسلم ،حدیث نمبر:۲۸۷۰۔ محشی۔

"لعله أن يخفف عنهما مالم ييبسا "(۱)

اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ جب تک یہ شاخ ہری رہے گی تسبیح پڑھتی رہے گی، اور اس لئے عذاب قبر نہیں ہوگا۔ ہاں بعض شارحین حدیث نے یہ بات لکھی ہے۔

اور اس پس منظر میں لکھی ہے کہ بعض روایات میں یہ بات آئی ہے کہ پودے جب تک ہرے بھرے ہوتے ہیں وہ تسبیح خداوندی میں مشغول ہوتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف اس پودے کا اثر نہیں تھا بلکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی دعاء اور آپ ﷺ کی برکت کو بھی دخل ہے، اس لئے ضروری نہیں کہ جو چیز بھی اپنی زبان حال سے تسبیح میں مشغول ہو وہ تخفیف عذاب میں مفید ہو، قرآن مجید نے یہ بات ضرور کہی ہے کہ ہر چیز اپنے طریقۂ نماز اور تسبیح سے واقف ہے: ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَ تَسْبِيحَهُ﴾ (۲) اور ہمیں حدیث کی بنیاد پر نباتات کی تسبیح کا گویا ایک طریقہ بھی معلوم ہو گیا ہے، لیکن مٹی کس طرح اپنی زبان حال سے خدا کی تسبیح میں زمزمہ سنج ہوتی ہے یہ معلوم نہیں، اس لئے ایسی باتوں میں قیاس اور عقل کے گھوڑے دوڑانا مناسب نہیں۔ اس سے نفع کچھ نہیں، اور گمراہی کا قوی اندیشہ ہے۔

دیدارِ خداوندی

سوال:- {88} ایک صاحب نے ایک روزنامہ اخبار میں ایک مضمون کے تحت لکھا ہے:

"اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دین کے ۳ر جزو ہیں، اسلام، ایمان، احسان، رسول اللہ ﷺ نے جزء اول اسلام، جزو دوم ایمان کی تعلیم بڑے شرح وبسط سے بیان فرمائی، لیکن احسان یعنی دیدار خدا کی تعلیم علی سبیل الدعوۃ

(۱) صحيح البخاري ۱/۳۵، باب من الكبائر ان لا يستتر من بوله۔

(۲) النور ۴۱۔

نہیں دی، کیوں کہ اس وقت عرب کا مزاج تعلیم احسان کے سخت فرائض اور ولایت محمدیہ کا بار اٹھانے اور ان کے سمجھنے کے قطعاً قابل نہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم احسان یعنی دیدار خدا کی تعلیم علی سبیل الدعوۃ پر مامور نہیں فرمایا، بعض ہی صحابہ ﷺ کو یہ تعلیم بڑے ہی راز میں آپ نے دی، آپ ﷺ کے زمانہ میں تعلیم احسان کی عام تبلیغ و دعوت نہیں ہوئی، اس طرح دین نامکمل رہ گیا، اللہ تعالیٰ نے اس فرض خاص کی انجام دہی کے لیے ایک خاص ذات حضرت سید محمد جونپوری کو مہدی موعود اور خاتم ولایت محمدیہ بنا کر رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف کے طویل عرصہ بعد ۸۴۷ء میں مبعوث فرما کر تعلیم احسان کی دعوت وتبلیغ سے دین محمدی مکمل فرمادیا''

علماء دین ومفتیان شرع متین مذکورہ بالا عقائد ونظریات کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ بینوا توجروا۔ (Mohuis)

جواب:- (الف) اہل سنت والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہماری یہ آنکھیں دیدار الٰہی سے قاصر ہیں، (۱) خود ارشاد خداوندی ہے: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ﴾ (۲) آخرت میں البتہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو اپنے دیدار سے مشرف کریں گے، اور اس وقت ان کی آنکھوں کو ایسی قوت وصلاحیت عطا کردی جائیگی کہ وہ تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرسکیں، حدیث میں احسان کی تعریف یہ کی گئی ہے: "أن تعبد الله كانك تراه ..." (۳) اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اس حدیث میں بھی دیدار الٰہی کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ یہ

(۱) شرح العقيدة الطحاوی، ط: دار عالم الكتب الرياض ۔محشی۔
(۲) الانعام: ۱۰۳۔محشی۔
(۳) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۹۳، باب بيان الإيمان و الإسلام و الإحسان ۔

بتایا گیا ہے کہ عبادت میں ایسا استحضار اور یکسوئی پیدا کی جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ سامنے ہیں، پس یہاں اللہ کا دیدار مقصود نہیں ہے، بلکہ دیدار الٰہی کے وقت جو کیفیت پیدا ہو سکتی ہے عبادت میں اس کیفیت کا حصول مقصود ہے، اس لیے احسان کو دیدار الٰہی کی تعلیم قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(ب) امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے اونچا درجہ صحابہ ؓ کا ہے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا رسول اللہ ﷺ کی صحابیت کے لیے من جانب اللہ انتخاب عمل میں آیا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے صحابہ کرام ؓ کی شان وشرف کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا" اختار هم الله لصحبة نبيه "(۱) اس لیے یہ کہنا کہ صحابہ [illegible] متقی نہیں تھے، صحابہ کرام ؓ کے مقام ومرتبہ کو گھٹاتا ہے۔

(ج) [illegible] کی تعلیمات اور ان کی تبلیغ کو اپنے زمانہ میں مکمل فرمادیا، اور کسی ایسی بات [illegible] نہیں رکھا [illegible] سے انسان کی ہدایت اور اس کی دنیا وآخرت کی صلاح متعلق ہو، تکمیل تعلیم پر تو خود قرآن ہی نے کہا ہے: ﴿ اليَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾(۲) ان تعلیمات کی تبلیغ بنا [illegible] محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مکمل کردینے پر بھی خود قرآن ناطق ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴾(۳) خود آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام ؓ کے ایک بہت بڑے مجمع میں اپنی امت سے دریافت کیا کہ "کیا ہم نے دین تم لوگوں تک پہونچادیا تو لوگوں نے اس کی شہادت دی، (۴) اس

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود ؓ قال : من كان مستنا فليستن بمن قد مات فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة أولئك أصحاب محمد ﷺ كانوا أفضل هذه الأمة أبرها قلوبا و أعمقها علما و أقلها تكلفا، اختيارهم الله لصحبة نبيه .. " (مشكوة المصابيح : ص:۳۲۔) محشی۔

(۲) المائدة : ۵۔ محشی۔

(۳) التكوير : ۸۱۔ محشی۔

(۴) صحيح البخاري : حدیث نمبر ۱۷۴۱، عن أبي بكرة ؓ، باب الخطبة أيام منى۔

لیے یہ کہنا کہ دین کے ایک شعبہ کی تعلیم کی تبلیغ نامکمل تھی، کسی اور شخص نے آ کر اس کام کو کیا اور دین محمدیہ کو مکمل کیا قطعاً خلاف شرع بات ہے اور اس میں ایک گونہ رسول اللہ ﷺ کی اہانت بھی ہے۔ (اعاذنا الله منه)

نظر لگنا

سوال: - (89) کیا واقعی نظر لگ جاتی ہے؟

(سید حفیظ الرحمان، پھولانگ)

جواب: - اللہ تعالیٰ نے جیسے مختلف اشیاء میں صلاحیت اور تاثیر رکھی ہے، اسی طرح انسانی نظر میں ایک خاص قوت ہے، چنانچہ بعض دفعہ کسی شئی کو گہری نظر سے دیکھنے اور اس کے بھا جانے کی صورت میں نظر لگ جاتی ہے اور اس شئی یا شخص پر مضر اثر مرتب ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: نظر لگنا حق ہے" العين حق "۔(۱)

نظر لگنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے والے نے بری نیت سے دیکھا ہو، نظر تو بعض مرتبہ ماں باپ کی بھی لگ جاتی ہے، اس لئے اس سے بدگمان نہیں ہونا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر کے اثر کو دور کرنے کا طریقہ بھی بتایا کہ جس کے بارے میں خیال ہو کہ اس کی نظر لگی ہوئی، وہ وضوء یا غسل کرے اور اس کے وضوء یا غسل کے استعمال شدہ پانی کو ایک برتن میں جمع کیا جائے اور جس کو نظر لگ گئی ہو اس کو اس سے غسل دیا جائے، اس سلسلہ میں سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے جس میں وضوء کا ذکر ہے اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں غسل کا تذکرہ ہے۔(۲)

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۸۸۰۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۸۷۹، صحيح مسلم، حدیث نمبر:۲۱۸۸۔

طوطے سے فال نکالنا

سوال:- {90} طوطے کا فال کھلوانا جائز ہے یا نہیں؟
کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ فال کھولنے والا ماضی کے بارے میں
بالکل صحیح بتاتا ہے۔ (نازیہ پروین، نرمل)

جواب:- غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہونا اللہ تعالی کی صفت ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (۱) جیوتشیوں یا طوطا وغیرہ کے ذریعہ فال نکالنے والوں کے پاس جانا یا رسائل میں ستاروں کی چال سے منسوب کر کے بیان کئے ہوئے احوال پر اعتماد کرنا شدید گناہ ہے، صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

"من أتى عرّافا فسئله عن شيئ لم تقبل له
صلاة أربعين يوما"(۲)

''جو غیب کا حال بتانے والے کے پاس جائے اور اس سے
کچھ ماضی یا مستقبل کے احوال کے بارے میں دریافت
کرے تو اس کی چالیس دنوں کی نماز مقبول نہیں ہوگی''

اس لئے ایسے لوگوں کے پاس جاکر اپنے ماضی یا مستقبل کے بارے میں معلوم کرنا سخت گناہ ہے، اور اس سے احتیاط کرنا چاہئے، رہ گئی یہ بات کہ ماضی کے بارے میں بالکل صحیح بتادیتے ہیں، تو اس میں حقیقت سے زیادہ نفسیاتی مرعوبیت کو دخل ہے، کچھ واقعات لوگوں کی زندگی میں مشترک نوعیت کے ہوتے ہیں، اور کچھ باتیں ایسی مبہم تعبیر کی حامل ہوتی ہیں، کہ ان کے ایک سے زیادہ مطالب نکالے جاسکتے ہیں، ایسی باتوں اور اپنے ذہن میں موجود اعتقاد کے تحت آدمی

(۱) الانعام: ۵۹۔ محشی۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۳۰، باب تحریم الکهانة و اتيان الكهان، كتاب السلام، نیز دیکھئے: مسند أحمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۸۲۸۴۔

ایسا محسوس کرتا ہے کہ اس نے صحیح واقعات کی رہنمائی کی ہے، ورنہ حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں، بہر حال ایک صاحب ایمان کے لئے ایسی باتوں کو قبول کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں۔

جادو اور اس کا اثر

سوال:- {91} (الف) میں نے اپنے ساتھی سے سنا ہے کہ مکہ کا مشہور جادوگر عامر جو یہودی تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا تھا، کیا یہ بات درست ہے؟

(ب) کیا جادو کرنے سے آدمی اندھا اور نامرد ہو جاتا ہے؟ اور اسے ختم کرنے کے لیے عملیات کے ذریعہ علاج کروایا جا سکتا ہے؟ کیا اس طرح علاج کرنے سے شرک کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے؟ (محمد جعفر، غازی بندہ، حیدر آباد)

جواب:- (الف) یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر لبید بن عاصم نامی یہودی یا اس کے بھتیجے نے جادو کیا تھا، (۱) یہ واقعہ مکہ کا نہیں بلکہ مدینہ کا ہے اور مدینہ ہی میں تو یہود آباد تھے۔

(ب) جادو سے انسان کو نقصان پہونچ سکتا ہے بینائی اور مردمی ختم ہو سکتی ہے، البتہ اس طرح کی باتیں زیادہ تر بیماری کی وجہ سے پیش آتی ہیں، اس لیے ایسے واقعات میں ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے، تاہم اگر غالب گمان ہو کہ سحر ہی ہے اور معتبر اور متشرع عامل ایسا بتاتا ہو، تو ایسے عامل سے رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں جو قرآنی آیت اور حدیث کی دعاؤں سے علاج کرتا ہو اور مشرکانہ طریقہ کار اختیار نہ کرتا ہو۔ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۶۶، باب السحر، کتاب الطب، عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۸۹، باب السحر ۔مرتب۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۵۷۳۵، باب الرقی بالقرآن و المعوذات، کتاب الطب ۔محشی۔

خودکشی کا گناہ کیوں؟

سوال:- (92) خودکشی کرنے والا اپنے وقت مقررہ پر مرتا ہے، یا وقت معین سے پہلے مرتا ہے؟ اگر وقت معین پر مرتا ہے تو اس کا کیا قصور؟ اللہ نے اس کے موت کا جو وقت لکھدیا اسی وقت مر گیا، پھر اس شخص کو عذاب کیوں ہوگا؟

(محمد یوسف)

جواب:- موت اس وقت آتی ہے جو اللہ تعالی نے اس کے لئے متعین فرمادی ہو، اس میں نہ ایک لمحہ تاخیر ہوسکتی ہے، اور نہ تقدیم، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾(۱)

خودکشی کرنے کی حرمت اور اس پر وعیدیں اس لئے نہیں ہیں کہ وہ اس وقت کیوں مرگیا، بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی موت کا ذریعہ آپ کیوں بنا، جو خدا پیدا کرنے اور دنیا میں بھیجنے کا اختیار رکھتا ہے وہی اس کی موت اور واپس بلانے کا فیصلہ اور اقدام بھی کرنے کا مستحق ہے، اگر ایک آدمی اپنی موت و زندگی کا فیصلہ کرنے لگے تو گویا وہ اپنی حد تک ان معاملات میں دخیل ہونے کی کوشش کررہا ہے، جو اللہ تعالی کے لئے مختص ہیں، —— نیز اگر انسان کے اس ارادہ اور عمل کو گناہ کی بنیاد نہ بنایا جائے تو یہ سوال خودکشی کے علاوہ دوسروں کے قتل پر بھی پیدا ہوگا کہ جب قاتل نے ایک شخص کو قتل کیا تو کیا قصور؟ جبکہ مقتول کے لئے اس وقت مرنا ہی تھا اور وہی وقت اس کی موت کے لئے معین و مقرر تھا، اور بہر حال اسی لمحہ اس کو اس دنیا سے جانا ہی تھا۔

(۱) یوسف :۴۹۔

مختلف گروہوں کا بیان

قادیانی کیوں کافر ہیں؟

سوال:- {93} قادیانی فرقہ کو کیوں کافر قرار دیا گیا ہے؟ (محمد اعظم، محمد نفیس الدین، دول گوڑہ)

جواب:- قادیانی حضرات مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید نے بالکل صریح الفاظ میں جناب محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمادیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں'' (۱)

حدیثیں اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہیں، چنانچہ امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کا دعویٔ نبوت کرنا جھوٹ ہے، امام طحاوی العقیدۃ الطحاویۃ میں لکھتے ہیں:

---

(۱) الاحزاب:۴۰۔

"من ادعی بعدہ النبوۃ فھو کاذب " (۱)

''ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی بالا جماع کفر ہے''

خود مرزا غلام احمد صاحب نے جب تک نبوت کا دعوی نہیں کیا تھا، اس حقیقت کا اعتراف واعلان کرتے تھے کہ سلسلۂ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرنا کفر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''مجھے کب جائز ہے کہ نبوت کا دعوی کر کے اسلام سے خارج
ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جاملوں'' (۲)

پس گویا اس بات پر مرزا صاحب کا بھی اتفاق ہے کہ محمد ﷺ کے بعد دعویٔ نبوت کفر ہے، لیکن افسوس بعد کو چل کر خود مرزا صاحب نبوت کا دعوی کر بیٹھے، جس کو وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بجا طور پر باعث کفر سمجھتے تھے، اسی لئے مسلمان ان کے دعویٔ نبوت، اس دعوت پر ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر قرار دیتے ہیں، اور تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے، خود مرزا صاحب نے بھی اپنے اوپر ایمان نہ لانے والوں یعنی تمام مسلمانوں کو ایسا کافر قرار دیا ہے جس کے دل پر مہر لگ چکی ہے، کہتے ہیں:

''مگر بدکار رنڈیوں کی اولاد، جن کے دلوں پر خدا نے مہر
کردی ہے، وہ مجھے قبول نہیں کرتے'' (۳)

مرزا صاحب پر ایمان رکھنے والے بھی تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، چنانچہ میاں بشیر الدین محمود احمد خلیفۂ دوم قادیانی کہتے ہیں:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں
ہوتے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا

---

(۱) شرح العقیدۃ الطحاوی: ص:۱۲۲، ط: المکتب الإسلامی۔ مرتب۔
(۲) حمامۃ البشری: ص:۹۶۔
(۳) قادیانی مذہب: /۵ بحوالۂ آئینہ کمالات: /۵۴۰۔

کافر ہیں، اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں'' (۱)

اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کا دائرۂ اسلام سے خارج ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، مسلمانوں کو اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ رہنا چاہئے، اور قادیانی حضرات جو بہر حال انسانی نقطۂ نظر سے ان کے بھائی ہیں کو راہ حق اور ایمان کی طرف دعوت دینا چاہئے، ممکن ہے کہ اللہ تعالی مسیلمہ کذاب کے متبعین کی طرح ان کو بھی ہدایت سے سرفراز فرمادے۔ وما ذلك على الله بعزيز وبه التوفيق۔

تبلیغی جماعت

سوال:- {94} ایک مولانا نے تبلیغی جماعت کو گندی نالی کے مماثل کہا، کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟

(سہیل، ید اللہ کالونی، گلبرگہ)

جواب:- تبلیغی جماعت ایسی چیزوں کی طرف بلاتی ہے جن کے مطلوب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی ایمان، اخلاص نیت، ذکر، علم دین، نماز، امر بالمعروف اور مسلمانوں کا اکرام، نیز رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ کی اتباع پر زور دیتی ہے، اس لئے اسے '' گندی نالی '' جیسے قبیح لفظ سے موسوم کرنا نہایت نامناسب اور مسلمانوں کی اہانت اور اس کا استہزاء ہے، اس لئے ایسی باتوں سے بچنا چاہئے، ممکن ہے ان صاحب کو کوئی غلط فہمی ہو، آپ محبت اور حکمت کے ساتھ انہیں سمجھانے کی کوشش کریں، یہ وقت ایسا نہیں کہ امت میں اختلاف کو ابھارا جائے، اللہ تعالی ہم سب کو صحیح فہم عطا فرمائے۔

جماعۃ المسلمین

سوال:- {95} ہمارے یہاں ایک جماعت ''جماعت

(۱) آئینۂ صداقت: ص: ۳۵۔

المسلمین" ہے، یہ اپنے سوا تمام لوگوں کو کافر کہتے ہیں، ایسے
لوگوں کا کیا حکم ہے؟ (عائشہ صدیقہ، ورنگل)

جواب:- کسی مسلمان کو کافر کہنا نہایت ہی سخت گناہ ہے، بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے، تو ان دونوں میں سے ایک کفر کو لے کر ہی واپس لوٹتا ہے:

" عن ابن عمر ﷛ يقول : قال رسول الله ﷺ :
" أيما امرئ قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما ،
إن كان كما قال ، و إلا رجعت " (۱)

"جس شخص کو کافر کہا گیا ہو، اگر وہ شخص کافر نہ ہو، تو کہنے والا
گویا کفر کا مرتکب قرار پاتا ہے"

اسلئے اس جماعت کا یہ فعل نہایت فتنہ انگیز ہے، اور ایسی جماعتوں سے مسلمانوں کو بچ کر رہنا چاہئے، اس جماعت کے دوسرے افکار کیا ہیں؟ جب تک معلوم نہ ہوں، ان کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں کہی جا سکتی۔

غیر مقلدین

سوال:- {96} کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین بیچ اس فرقے کے جو اہل حدیث اور سلفی کے نام سے موسوم ہے، صحابہ کرام ﷛ پر طعن و تشنیع جن کا شیوہ ہے، اجتہاد کی صلاحیت سے محروم ہونے کے باوجود ائمہ اربعہ کی تقلید کا انکار کرتا ہے، اجماع امت کا منکر ہے، اس فرقہ کا کہنا یہ ہے کہ تراویح آٹھ ہی رکعت ہے، اور ایک مجلس میں دی گئی تین

(۱) صحیح مسلم ۱/۵۷۔

طلاق ایک ہی ہیں۔ بینوا توجروا ۔(سید محمد قادری)

جواب:- (الف) جولوگ صحابہ ﷺ پر طعن کرتے ہیں، ان کی طرف بدعت اور فسق کی نسبت کرتے ہیں، تراویح کی بیس رکعتوں کو بدعت عمری اور جمعہ کی اذان ثانی کو بدعت عثمانی کہتے ہیں، وہ فاسق ہیں، کیونکہ عام مسلمانوں کو بُرا بھلا کہنا بھی فسق ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سباب المسلم فسوق و قتاله كفر ''(۱) چہ جائیکہ صحابہ کرام ﷺ ، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے زبانِ طعن دراز کرنے کو خاص طور سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے:

"عن عبد الله بن مغفل رفعه : الله، الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدي فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه"(۲)

''میرے اصحاب کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ، تو جس نے صحابہ ﷺ سے محبت کی، مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے عداوت رکھی، اس نے مجھ سے عداوت رکھی، جس نے ان کو تکلیف دی اس نے

---

(۱) صحيح البخاری ، حدیث نمبر:۴۸، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله و هو لا يشعر ، كتاب الإيمان ، نیز دیکھئے: صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۶۴، ۱/۵۸، عن عبد الله بن مسعود ﷺ۔ محشی۔

(۲) جمع الفوائد: ۲/۲۰۱۔

الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۳۸۶۲، عن عبد الله بن مغفل ، باب في من سب أصحاب النبي ﷺ ، ابواب المواقيت ، نیز دیکھئے: جمع الفوائد ، حدیث نمبر:۸۵۲۸، باب من فضائل الصحابة المشتركة التى لا تخص واحد منهم ﷺ ۔محشی۔

مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو
تکلیف دی، اور جس نے اللہ کو تکلیف دی، عنقریب اللہ اس
کی پکڑ کرلیں گے"

(ب) جن لوگوں کے اندر اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو، ان پر ائمہ مجتہدین کی تقلید آیت قرآنی: ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾(۱) کے تحت واجب ہے، کیونکہ اولی الامر میں مجتہدین بھی داخل ہیں اور موجودہ زمانہ میں اکابر اہل علم بھی اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے، چہ جائے کہ عام علماء اور متوسط پڑھے لکھے عوام۔

(ج) اجماع امت کا حجت ہونا حدیث صحیح سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "إن أمتي لا تجتمع على ضلالة "(۲) کہ "میری امت کسی غلط بات پر متفق نہیں ہوسکتی" اس لئے اجتہاد کی اہلیت نہ رکھنے کے باوجود تقلید اور اجماع امت کا انکار بھی باعث فسق ہے، ان باتوں سے توبہ کرنی چاہئے کہ یہ قرآن وحدیث کی مخالفت ہے۔

(د) تراویح کا بیس رکعت ہونا عہد فاروقی سے آج تک کے تعامل سے ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے: "كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر "(۳) جب کہ خاص تراویح کے متعلق آٹھ رکعت کی کوئی روایت نہیں، ہاں آپ ﷺ تہجد میں آٹھ رکعت بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔

---

(۱) النساء:۵۹۔

(۲) سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۳۹۵۰،باب السواد الأعظم ،كتاب الفتن :" إن الله لا يجمع أمتي على ضلالة "(الجامع للترمذي،حدیث نمبر:۲۱۶۷،باب ما جاء في لزوم الجماعة ، أبواب الفتن۔ محشی۔

(۳) "عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال : كان النبي ﷺ يصلي في شهر رمضان في غير جماعة بعشرين ركعة و الوتر " (السنن الكبرىٰ للبيهقي ،حدیث نمبر:۴۶۱۵، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان . كتاب الصلاة ۔ محشی۔

(ہ) اسی طرح ایک مجلس کی تین طلاقوں کا تین ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، چند احادیث یہاں نقل کی جاتی ہیں:

(الف) " عن نافع كان ابن عمر ﷺ إذا سئل عمن طلق ثلاثًا، قال: لو طلقت مرة أو مرتين، فإن النبي ﷺ أمرني بهذا، فإن طلقها ثلثًا حرمت حتى تنكح زوجًا غيره "(۱)

" حضرت نافع " سے مروی ہے کہ جب ابن عمر ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جاتا جس نے تین طلاق دی؟ تو آپ ﷺ فرماتے:

" کاش تو نے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ طلاق دی ہوتی، بلا شبہ نبی ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے، پس اگر عورت کو تین طلاق دیدی، تو وہ حرام ہوگئی جب تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے "

(ب) " عن فاطمة بنت قيس قالت: قلت يا رسول الله زوجي طلقني ثلاثًا و أخاف أن يقتحم عليّ، قال: فأمرها فتحولت "(۲)

" فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کہتی ہیں: " میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے شوہر نے مجھے تین طلاق دیدی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ

(۱) صحيح البخاري :۷۹۲/۲، حدیث نمبر:۵۲۶۴، باب من قال لامرأته أنت علي حرام، كتاب الطلاق ۔ محشی۔
(۲) صحيح مسلم:۴۸۵/۱، نیز دیکھئے: صحيح البخاري :۷۹۱/۲۔

میرے ساتھ زیادتی کرے، چنانچہ آپ ﷺ نے حکم فرمایا، اور وہ اس مکان سے منتقل ہوگئیں"

(ج) "عن عائشة أن رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق ، فسئل النبي ﷺ أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول" (۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، پھر اس عورت نے دوسرے سے شادی کرلی اور اس نے بھی تین طلاق دیدی، پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: کیا اب وہ پہلے کے لئے حلال ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک کہ وہ دوسرا شوہر اس کا ذائقہ نہ چکھ لے، یعنی اس سے صحبت نہ کرلے جیسا کہ پہلے شوہر نے چکھا ہے"

(د) "عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال: إنه طلق امرأته ثلاثا، قال : فسكت حتى ظننت أنه راد لها إليه، ثم يقول: ينطلق أحدكم فيركب الحموقة ثم يقول : يا ابن عباس يا ابن عباس وإن الله قال: ﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ وإن الله قال : ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾" (۲)

---

(۱) صحيح البخاري: ۲/۷۹۱۔

(۲) سنن أبي داؤد: ۱/۲۹۹۔

"حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عباس ﷺ کے پاس تھا، ایک شخص آیا اور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہے، مجاہدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ خاموش رہے حتی کہ گمان ہونے لگا کہ وہ عورت کو اسی کی طرف لوٹا دیں گے، پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی بیوقوفی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، پھر کہتا ہے اے ابن عباس ﷺ ! اے ابن عباس ﷺ ! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں، اور اللہ نے فرمایا: "اے نبی ﷺ ! جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت کے لحاظ سے طلاق دو"

گویا تین طلاق دیدینا ایک ایسی بیوقوفی اور حماقت ہے کہ پھر رہائی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا، کیونکہ تین طلاق واقع ہو جاتی ہے اور عورت اس پر کلی طور پر حرام ہو جاتی ہے، ایک مجلس کی تین طلاقوں کے واقع ہو جانے پر امت کا اجماع ہے، (۱) اور اس سے اختلاف انحراف وشذوذ ہے۔(۲) وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

کیا تبلیغی جماعت میں چلہ اور چار مہینہ کی دعوت دینا بدعت ہے؟

سوال:- {97} تبلیغی جماعت میں زندگی میں چار مہینہ اور سال میں ایک چلہ لگانے کی دعوت دی جاتی ہے، کیا حضور ﷺ کے زمانے میں چلہ اور چار مہینے کا رواج تھا اور اگر نہیں تھا، تو کیا یہ بدعت نہیں؟ (انیس الدین مصباحی، بمبئی)

(۱) دیکھئے: رد المحتار :۵/۲۳۵۔

(۲) حوالہ سابق

جواب:- رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ﷺ کے دور میں کسی خاص دینی کام کے لیے اس مدت کی تعیین نہیں ملتی، لیکن جماعت میں چالیس دن یا چار مہینے نکلنے کی تلقین بطورِ حکم شرعی کے نہیں کی جاتی کہ اس سے زیادہ یا اس سے کم نکلنے کی اجازت نہ ہو، بلکہ بطورِ انتظام کے اس کی ترغیب دی جاتی ہے، مثلاً مدارس میں عالمیت کا کورس آٹھ سال میں پورا ہوتا ہے، میٹرک کی تعلیم دس سال میں ہوتی ہے، لیکن کوئی شخص اپنی صلاحیت کے اعتبار سے اس سے زیادہ یا کم مدت میں بھی تعلیم کے اس مرحلہ کو مکمل کرسکتا ہے، اسی طرح جماعت میں بطورِ نظام کے ایک مدت رکھی گئی ہے، لیکن یہ لازم نہیں ہے اور نہ خود جماعت کے لوگ اسے لازم سمجھتے ہیں، بلکہ حسب حالات اس مدت میں کمی بیشی بھی کرتے ہیں۔

پھر چالیس دن کا کورس متعین کرنے میں بعض مناسبتیں بھی رہنما ہیں، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے تخلیقی مراحل میں ہر مرحلہ چالیس دن میں پورا ہوتا ہے، (۱) اسی طرح سیدنا حضرت موسی علیہ السلام سے تورات کے لیے چالیس دنوں کا اعتکاف کرایا گیا، (۲) مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں ادا کرنے کی خصوصی فضیلت بیان کی گئی ہے، (۳) اس طرح کے بعض احکام بھی ہیں، جن کو چالیس کے عدد سے متعلق کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی روحانی و جسمانی کیفیت کی تبدیلی میں چالیس دن کے عمل اور تربیت کا ایک خاص اثر ہوسکتا ہے، اس لیے اس کام میں بھی چلہ کا نظام رکھا گیا ہے، لیکن یہ بہر حال بطورِ انتظام ہے، اس کی حیثیت کسی حکم شرعی کی نہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۶۷۲۳۔ محشی۔

(۲) الاعراف :۱۴۲۔ محشی۔

(۳) "من صلى في مسجدي أربعين صلوة لا تفوته صلاة كتب له براءة من النار، و براءة من العذاب و براءة من النفاق" عن أنس ﷺ رفعه، (جمع الفوائد ۵۳۳/۱) محشی۔

عمل کے بغیر دعوت

سوال:- {98} ہمارے محلہ میں ایک صاحب دعوت و تبلیغ کے کام سے جڑے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں لوگوں کا عام تاثر یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے، اس لیے لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں دوسروں کو دعوت دینے سے احتیاط کرنی چاہئے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ اس سلسلہ میں صحیح بات کیا ہے؟ اگر ایک آدمی خود کسی گناہ سے نہ بچ سکے تو کیا وہ دوسروں کو اس گناہ سے بچنے کی دعوت دے سکتا ہے؟

(شیخ فرید الدین، ٹولی چوکی)

جواب:- عمل سے دعوت میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، اس لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس نیکی کی دعوت دی جائے، پہلے اس پر خود عمل کیا جائے اور جس برائی سے روکا جائے پہلے اس سے خود بچا جائے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر عمل سے محروم ہو، تو وہ دوسروں کو اس کی دعوت ہی نہ دے، کیوں کہ معروف پر عمل کرنا اور منکر سے روکنا ایک مستقل فریضہ ہے اور خود معروف پر عمل کرنا اور منکر سے بچنا مستقل فریضہ ہے، اگر کوئی شخص ایک فریضہ کو ادا کرنے سے محروم ہو، تو ضروری نہیں کہ وہ دوسرے فریضہ سے بھی منہ موڑ لے، اگر وہ دوسروں کو دعوت دے تو کم سے کم ایک گناہ سے تو محفوظ رہے گا، چنانچہ امام عبدالرشید طاہر بخاریؒ نے لکھا ہے کہ:

"جو شخص کسی برائی کو دیکھے اور وہ خود بھی اس میں مبتلا ہو، تب بھی اس کے لیے اس برائی سے روکنا واجب ہے، اس لیے

کہ اس پر ترکِ منکر بھی واجب ہے اور نہی عن المنکر بھی، اگر ایک واجب کو ترک کر رہا ہے تو کم سے کم دوسرے واجب کو تو ترک نہ کرے"

"... لأن الواجب عليه ترك المنكر و النهي عن المنكر و اذا ترك أحدهما لا يترك الآخر " (۱)

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب آدمی دوسروں کو دعوت دیتا ہے تو بالآخر خود اس کو بھی اس پر عمل کی توفیق میسر آتی ہے۔

جہاں تک مذکورہ آیت کی بات ہے تو اس کا مقصود یہ ہے کہ جو کام کرتے نہیں ہو، کیوں کہتے ہو کہ تم نے اسے کیا ہے، یعنی جھوٹے ادّعا کی مذمت ہے نہ کہ دعوت کی ممانعت۔ واللہ اعلم۔

عبادت مقصود ہے یا دعوت؟

سوال:- {99} میں نے ایک موقع پر زید سے کہا کہ نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ یہ فرائض زندگی ہیں، اور روٹی، کپڑا مکان ضروریات زندگی ہیں، لیکن مقصدِ زندگی دعوت وتبلیغ ہی ہے، یہ سب سن کر زید کہنے لگا کہ ایسا کہنا درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "جن وانس کو میں نے محض اپنی عبادت اور بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے" اس لئے مقصدِ زندگی عبادت ہے، اور دعوت وتبلیغ بندگی ہی کا ایک شعبہ ہے، کیا زید اپنی اس بات میں صحیح ہے؟ (مصطفیٰ، سنتوش نگر)

جواب:- زید کی بات درست ہے، اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو لوگ کفر یا

---

(۱) خلاصہ الفتاوی :۴/۳۳۸۔

غفلت کی وجہ سے عبادت کے دائرہ سے باہر ہیں، ان کو عبادت تک پہونچانے کے لئے دعوت دی جاتی ہے، گویا دعوت ذریعہ ہے اور عبادت مقصود ہے، البتہ اس سے دعوت کی اہمیت کم نہیں ہوتی، بلکہ ہوسکتا ہے کہ نفل عبادت کے مقابلہ دعوت کا اجر زیادہ ہو، کیونکہ عبادت کا نفع اس کی ذات تک محدود ہے، دعوت کا نفع دوسروں تک پہونچتا ہے، اور جس کا نفع اپنی ذات تک محدود ہو اس کے مقابلہ اس عمل پر زیادہ اجر ہے جس کا نفع دوسروں تک پہونچے۔

دعوت مقدم ہے یا عبادت؟

سوال:- {100} ایک دوسری بات میں نے زید سے یہ کہی کہ ہم پہلے داعی ہیں اس کے بعد عابد، اس بات کو سمجھانے کے لئے میں نے ایک مثال دی کہ اذان پہلے دی جاتی ہے، اور نماز بعد میں پڑھی جاتی ہے اور چونکہ اذان ایک طرح کی دعوت ہے، اسی لئے دعوت، عبادت پر مقدم ہے اور افضل بھی، کیونکہ دعوت ہی کے ذریعہ لوگوں میں نماز اور دیگر فرائض کو ادا کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے، اس کے جواب میں زید نے کہا کہ اذان عبادت غیر مقصودہ ہے، اور نماز عبادت مقصودہ ہے، اسی لئے نماز، اذان سے افضل ہے اور اصول بھی یہی ہے کہ زندگی کے ہر امر میں جو چیز مقصود ہوتی ہے وہی افضل ہوتی ہے نہ کہ اس کے حصول کا طریقہ، کیا زید اپنے اس قول میں صحیح ہے؟ (مصطفی، سنتوش نگر)

جواب:- یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جو عمل منصوص ہو یعنی جس عمل کی کیفیت اور طریقہ کو قرآن اور حدیث میں بتادیا گیا ہو، جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، حج، اور اذان و

اقامت وغیرہ، اس کی اہمیت اس عمل سے زیادہ ہوتی ہے، جس کی کیفیت شریعت کی جانب سے متعین نہ ہو، مثلاً دعوت وتبلیغ کا جو کام ابھی کیا جاتا ہے، وہ یقیناً بہتر اور باعث اجر وثواب ہے، لیکن دعوت واصلاح کے لئے کوئی ایک ہی طریقہ متعین نہیں ہے اور نہ کسی ایک ہی طریقہ پر اصرار کرنا درست ہے، ہر شخص اپنی سوچ، ذوق اور استعداد کے لحاظ سے اس کام کا مکلف ہے، اس لئے اصلاح کے کسی خاص طریقہ کو منصوص عبادت پر مقدم قرار دینا غلو سے خالی نہیں، ہاں! نفسِ دعوتِ دین کی بڑی اہمیت ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

اللہ کی مدد کا وعدہ عبادت پر ہے یا دعوت پر؟

سوال:- {101} تیسری بات میں نے زید سے یہ کہی کہ اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، زکاۃ اور دوسرے احکامات پر اپنی مدد کا وعدہ نہیں فرمایا، بلکہ اپنی مدد کا وعدہ صرف دعوت دین پر فرمایا ہے کہ "اگر تم میرے دین کی مدد کروگے، تو میں تمہاری مدد کروں گا" یہ سن کر زید نے کہا کہ ایسا کہنا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے کہ نماز اور صبر کے ذریعہ تم میری مدد حاصل کرو، کیا زید اپنے اس قول میں صحیح ہے؟

(مصطفیٰ، سنتوش نگر)

جواب:- زید کی بات درست ہے، یہ کہنا درست نہیں کہ دعوت کے علاوہ دوسرے احکام خداوندی پر عمل کرنے سے خدا کی مدد نہیں ملتی، یہ کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے، زید نے صحیح کہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ (۱) "کہ صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو" نماز کا مفہوم تو واضح ہے ہی، اور بعض اہل علم

---

(۱) البقرۃ: ۱۵۳۔ محشی۔

نے یہاں ''صبر'' سے ''روزہ'' مراد لیا ہے،(۱) اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات کو اللہ کی مدد کا ذریعہ بتلایا ہے، یہی دیکھئے کہ بارش نہ ہو تو نماز استسقاء کا حکم ہے، کوئی ضرورت در پیش ہو تو اس کے لئے نمازِ حاجت ہے، کسی کام میں خیر و شر دونوں پہلو سامنے ہوں تو نمازِ استخارہ رکھی گئی کہ آدمی اللہ ہی سے ہدایتِ خیر کا طلبگار ہو، سورج گہن اور چاند گہن کے موقع سے نماز ہے، فقہاء نے زلزلہ اور طوفان کے موقع سے نماز پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے،(۲) کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے، پس یہ کہنا کہ دعوت سے اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے اور دوسرے احکام پر عمل کرنے سے نہیں آتی، قطعاً غلط اور غلو پر مبنی ہے، اور ایسی باتیں کہنے سے بچنا چاہئے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) التفسير الكبير أو مفاتيح الغيب :۲/۷۱۔

(۲) "و كذا البقية أى صلاة الريح فإنها حسنة "(رد المحتار مع الدر:۳/۷۰)

بدعات ورسوم کا بیان

بدعت کی تعریف

سوال:- {102} بدعت کی تعریف کیا ہے؟

(محمد غوث الدین، کریم نگر)

جواب:- بدعت کے معنی نئی بات کے ہیں، دین میں کسی بات کی ایجاد کو بدعت کہتے ہیں، امام ابو اسحاق شاطبیؒ نے ان الفاظ میں بدعت کی تعریف کی ہے:

"عبارة عن طريقة في الدين مخترعة تزاهي الشريعة يقصد بالسلوك عليه المبالغة في التعبدلله سبحانه "(۱)

''دین میں ایسے ایجاد کردہ طریقہ کا نام بدعت ہے جو احکام دین کے مشابہ ہو اور جس سے اللہ تعالی کی بندگی میں کثرت و مبالغہ مقصود ہو''

(۱) الاعتصام :۱/۳۷۔

گویا بدعت ہونے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں: اول یہ کہ وہ نئی بات ہو، یعنی قرآن وحدیث اور صحابہ ﷺ کے آثار سے اس کا ثبوت نہ ہو، دوسرے وہ اپنی ظاہری وضع کے اعتبار سے دینی کام محسوس ہوتا ہو، امور دنیا میں ایجادات اور ان سے فائدہ اٹھانا بدعت نہیں، تیسرے اسے اجر وثواب کا باعث تصور کیا جاتا ہو۔

بدعت کو شریعت میں اس قدر مذموم اس لئے سمجھا گیا ہے کہ محمد ﷺ پر ایمان لانے میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے، وہ خیر اور بھلائی کی باتیں ہیں، اور دوسری یہ کہ خیر اور نیکی کی جتنی باتیں ہیں، وہ سب اللہ کے رسول ﷺ نے بتادی ہیں، اب اگر کوئی شخص دین میں اضافہ کرتا ہے تو یا تو اس کا گمان ہے کہ اس کار خیر سے رسول اللہ ﷺ واقف نہیں تھے یا وہ سمجھتا ہے کہ اس بات کو حضور ﷺ نے امت سے چھپایا ہے اور یہ دونوں ہی باتیں رسول اقدس ﷺ سے بدگمانی یا آپ ﷺ کی بے احترامی ہے، اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس نے دین میں کوئی نئی چیز گھڑی اس نے نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کو کار رسالت کی ادائیگی میں خائن تصور کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔

بدعت کی حقیقت اور اس کی قسمیں

سوال:- {103} بدعت کسے کہتے ہیں، علماء نے بدعت کی مختلف صورتیں لکھی ہیں جن میں بعض واجب اور مستحب بھی ہیں، یہ واجب، مستحب اور بدعت سے کیا مراد ہے؟　　(آصف اقبال، سیتامڑھی)

جواب:- بدعت کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے، ایک لغوی بدعت، یعنی ہر نئی چیز اور دوسرے بدعت شرعی، بدعت شرعی سے مراد ہے دین میں کسی ایسی بات کا اضافہ کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ﷺ کے عہد میں اس کی کوئی اصل نہ ہو، جو باتیں بدعت شرعی کے دائرہ میں

آتی ہیں وہ سب حرام اور گناہ ہیں، ان میں کوئی مستحب، مباح یا واجب نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی انسان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے، ''کل بدعة ضلالة و كل ضلالة فی النار ''(۱) البتہ جیسا کہ مذکور ہوا بدعت شرعی کا تعلق امور دین سے ہے نہ کہ امور دنیا سے،

اس لئے کہ حضور ﷺ نے کسی نئی چیز کی ایجاد کو منع فرمایا ہے، ''من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد ''(۲) اسی طرح جس کام کی اصل آپ ﷺ کے عہد میں موجود ہو وہ بدعت نہیں، مثلاً مدارس کا قیام کہ خود آپ ﷺ نے صفہ میں تعلیم وتعلم کا نظم فرمایا تھا، گو اس میں مدارس کے موجودہ نظام کی طرح نصاب، اسباق کا نظام، دار الاقامہ کی سہولت وغیرہ نہیں تھی، لیکن یہ صفہ کا نظام مدارس کے لئے ایک اصل کا درجہ رکھتا ہے، جو اس زمانہ میں بھی موجود تھا، اس لئے اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا، اسی طرح جو کام عہد صحابہ ﷺ میں ہوا ہو اور صحابہ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں کی ہو وہ بھی بدعت میں شامل نہیں، بلکہ وہ سنت کے دائرہ میں ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ'' عليكم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين ''(۳) ''تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرنا لازم ہے'' جیسے جمعہ کی دوسری اذان، جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح کی ادائیگی۔

بدعت شرعی میں حسنہ اور سیئہ اچھی اور بری، حرام اور جائز کی تفصیل درست نہیں، بلکہ وہ بہر صورت ممنوع ہے، مشہور و متفق علیہ بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، نیز امام ابو اسحاق شاطبیؒ نے اس پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے، اہل علم مکتوبات امام ربانیؒ اور شاطبی کی ''الاعتصام'' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

---

(۱) سنن نسائي :۱/۱۷۹۔ محشی۔
(۲) سنن ابن ماجة :ص:۳، باب تعظيم حديث رسول الله ﷺ۔ محشی۔
(۳) سنن ابن ماجة :ص:۵، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين ۔ محشی۔

جو باتیں بدعت لغوی کے دائرہ میں آتی ہیں، ان کے بارے میں اہل علم نے واجب و مستحب ہونے کی بات لکھی ہے، اور کہا ہے کہ ان میں بعض واجب ہیں، جیسے نحو وصرف اور عربی قواعد وغیرہ کہ یہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں، اور قرآن وحدیث کو سمجھنے میں معین و مددگار ہیں، بعض مستحب ہیں، جیسے مسافر خانے اور مدارس اسلامیہ کی تاسیس، اور بعض مباح ہیں، جیسے عمدہ کھانے، پینے سے استفادہ اور اعلیٰ قسم کے مکانات کی تعمیر وغیرہ، ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ بعض اہل علم نے جس چیز کو واجب و مستحب اور مباح بدعت کا نام دیا ہے، وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہے نہ کہ شرعی اعتبار سے، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے دین میں نو ایجاد ہر بات کو بدعت قرار دیا، اور ہر بدعت کو گمراہی فرمایا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ بعض بدعات مستحب یا مباح ہو جائیں۔

ماہ صفر اور روز چہار شنبہ

سوال:- (104) کسی دن یا مہینہ کو منحوس ماننا درست ہے؟ جیسا کہ صفر اور چہار شنبہ کے دن کو لوگ منحوس سمجھتے ہیں، اور اس میں کوئی اچھا کام کرنا نہیں چاہئے۔

(جہانگیر الدین طالب، بی بی کا چشمہ)

جواب:- اسلام کی نگاہ میں نہ کوئی مہینہ منحوس ہے، اور نہ کوئی دن اور نہ کوئی وقت، اور نہ ایام واوقات سے کسی چیز کی کامیابی اور ناکامی اور نفع ونقصان متعلق ہے، نحس کا یہ تصور دراصل مشرکانہ خیالات کی پیداوار ہے۔ اسلام کی نظر میں منحوس وہ عمل ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت پر ہو۔ اسلام سے پہلے لوگ ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس توہم پرستی کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ صفر کے نحس کی کوئی حقیقت نہیں "لا صفر" (۱) اسی طرح

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال: لا عدوی و لا طيرة، و لا هامة و لا صفر" عن أبي هريرة ﷺ، (صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۵۷، باب لا هامة و لا صفر، كتاب الطب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۲۰) محشی۔

چہارشنبہ کے دن کے بارے میں بعض روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ اس دن عمل کا آغاز بہتر ہے(۱) گو اس حدیث کے صحیح ہونے پر اہل علم کا اتفاق نہیں ہے، تاہم یہ بات تو حدیثِ صحیح سے ثابت ہے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے نور اور روشنی کو پیدا فرمایا، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے:" وخلق النور یوم الاربعاء "(۲) اس حدیث سے ایک حد تک اس دن کی فضیلت وکرامت کا اظہار ہوتا ہے، اسی طرح بعض روایتوں سے منگل، بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھنے کا معمول نبوی ﷺ بھی معلوم ہوتا ہے،(۳) اس لئے صفر کے مہینہ اور چہارشنبہ کے دن کو منحوس سمجھنا قطعاً درست نہیں، محض توہم پرستی ہے، جس سے بچنا چاہئے۔

۲/ تاریخ کا چاند دیکھنا

سوال:- {105} بعض لوگ" تیسرا چاند" یعنی دو تاریخ کے چاند کو دیکھنا منحوس تصور کرتے ہیں، کیا اس کی کوئی اصل ہے؟ (اے، این، رضوی، محبوب نگر)

جواب:- اسلام میں نحس کا کوئی تصور نہیں، چاند اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، نیز اس کے طلوع سے بہت سے احکام متعلق ہیں، چاند

(۱) وذكر برهان الإسلام عن صاحب الهداية أنه ما بدئ شيئ يوم الأربعاء ألا و تم فلذلك كان المشائخ يتحرون ابتداء الجلوس فيه للتدريس : لأن العلم نور فبدئ به يوم خلق النور . انتهى ، و يمكن حمله على غير أربعاء آخر الشهر "(كشف الخفاء و مزيل الألباس :۱/۳، ط :دالإحياء ، بيروت) محشی۔

(۲) صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۲۷۸۹،عن أبي هريرة ﷺ،باب ابتداء الخلق و خلق آدم ﷺ۔

(۳) " عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : كان رسول الله ﷺ يصوم من الشهر السبت و الأحد و الاثنين و من الشهر الآخر الثلاثاء و الأربعاء و الخميس " (الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۷۴۶،باب ما جاء في صوم يوم الاثنين و الخميس ، كتاب الصوم ، جمع الفوائد ،حدیث نمبر:۳۰۰۵)

خواہ دوسری تاریخ کا ہو یا چودھویں کا، یا آخری تاریخ کا، وہ ایک ہی شئ ہے، یہ کیوں کر ممکن ہے کہ کوئی شئ ایک دن نحس کا باعث ہو جائے، اور دوسرے دن نہ ہو؟ اس لئے اس کی کوئی اصل نہیں، حضرت ابوہریرہ ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پرندہ اور صفر وغیرہ کو منحوس سمجھنے کی کوئی حقیقت نہیں'' (۱) چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جن جن چیزوں کو لوگوں منحوس سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان تمام چیزوں سے نحس کی نفی فرمائی۔

بلی آڑے آ گئی

سوال:- {106} ہم ایک دوست کے ساتھ گھر سے سفر کے لئے نکلے اتفاق سے بلی آڑے آ گئی، اور ہمارے دوست نے سفر کا ارادہ بدل دیا، کیا یہ عمل درست ہے؟

(رشید احمد خان، بھینسہ)

جواب:- یہ عمل قطعاً غلط اور نادرست ہے، اسلام کسی جانور یا کسی شی میں نحس کا قائل نہیں، یہ مشرکانہ توہمات ہیں، اس لئے ایسی باتوں سے بچنا چاہئے، حضرت حکیم بن معاویہ ﷜ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ

" لا شؤم وقد يكون اليمن في الدار والمرأة والفرس " (۲)

''نحس کسی چیز میں نہیں البتہ بعض اوقات گھر میں عورت میں اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے''۔

---

(۱) " عن النبي ﷺ قال: لا عدوى و لا طيرة، و لا هامة و لا صفر " عن أبي هريرة ﷜، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۷۵۷، باب لا هامة و لا صفر، كتاب الطب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۲۰) محشی۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۸۲۴، ۱۲۷/۵، عن حكيم بن معاوية ﷜، باب ما جاء في الشؤم، كتاب الأدب۔

ختنہ کے اکیس دن بعد غسل دینا

سوال:- {107} کیا ختنہ کے اکیس دن بعد پانی نہلایا جائے یا زخم خشک ہونے کے بعد؟

(محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ختنہ کے بعد نہلانے کے لئے کوئی دن متعین کرنا حدیث میں نہیں آیا ہے، ایسا کوئی حکم شریعت میں درست نہیں۔ جب ضرورت محسوس ہو نہلایا جا سکتا ہے، اپنی طرف سے کوئی دن متعین کرنا شریعت کی روح کے خلاف ہے، اس سے اجتناب کریں۔

امام ضامن باندھنا؟

سوال:- {108} اکثر مشاہدہ ہوا کہ عام سفر کے علاوہ حاجی اور شادی کے دن دلہا کے بائیں بازو میں امام ضامن باندھتے ہیں، یہ ہرے کپڑے یا بازار سے خریدے ہوئے زریں فیتے کا ہوتا ہے، جس میں ۳۵/۵ روپیہ سکہ کی شکل میں باندھتے ہیں، کیا شریعت مطہرہ میں اس طرح باندھنا درست ہے؟

(عبدالرشید، سکندرآباد)

جواب:- اسلام کا سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ ''توحید اور اللہ کو ایک ماننا'' ہے، اللہ کو ایک ماننے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف زبان سے اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرلیا جائے، بلکہ اللہ کو ایک ماننے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے کہ صرف اللہ ہی کی ذات نفع اور نقصان پہنچا سکتی ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی ہستی بھی وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی جو خدا کو منظور نہ ہو، اور اگر اللہ کی طرف سے کوئی نقصان اور آزمائش ہی مقدر ہو تو کوئی ولی، پیر اور امام تو کجا نبی اور پیغمبر بھی اس سے بچا نہیں سکتا، اس لئے امام ضامن وغیرہ باندھنا اسلامی مزاج و مذاق

اور عقیدۂ توحید کے منافی ہے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ مشرکانہ عمل ہے، اس سے خوب اجتناب کرنا چاہئے۔

سفر کی مشقتوں سے بچاؤ کا نسخہ خود رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب آدمی سفر شروع کرے تو اس سے پہلے دو رکعت نماز ادا کر لے، آپ ﷺ کا یہی معمول مبارک تھا، پھر سفر کے شروع میں یہ دعا پڑھے:

" اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ، اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا فِيْ سَفَرِنَا وَ اخْلُفْنَا فِيْ أَهْلِنَا ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَمِنْ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ " (۱)

'' اے اللہ ! آپ ہی سفر کے ساتھی اور اہل وعیال کے نگہبان ہیں ، اے اللہ ! میں سفر کی مشقت اور واپسی کی تکلیف سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں ، خداوندا ! آپ سفر میں مدد فرمائیں ، ہمارے اہل وعیال کی نگہہ داشت فرمائیں ، میں بہتر حال کے بعد بری حالت ، مظلوم کی بددعا اور اہل وعیال اور مال کے بارے میں کوئی بری بات دیکھنے سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں ''

یہی نماز اور دعاء انشاء اللہ سفر کی صعوبتوں سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، آپ اس طرح خود

---

(۱) الجامع للترمذی ، حدیث نمبر: ۳۴۳۹، عن عبد اللّٰه بن سرجس ؓ ، باب ما يقول إذا خرج مسافرا ۔

اللہ سے مانگتے ہیں نہ کہ اللہ کے بندوں سے، اس میں انسان کے عقیدہ کی بھی حفاظت ہے، اللہ کی خوشنودی بھی ہے، اور سنت نبوی ﷺ کی اتباع و پیروی بھی۔

نوشہ کو شادی میں سہرا باندھنا

سوال:- {109} شادی کے موقعہ پر نوشہ کو سہرا باندھ دیا جاتا ہے، ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ ایسا عمل صحیح ہے اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ ایسا عمل صحیح نہیں ہے؟ (کے، ایم محمود پاشا باسط، مشیر آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے، (۱) اور ظاہر ہے کہ جو چیزیں سنت سے ثابت ہوں، ان کو سنت ہی کے طریقہ سے انجام دینا ضروری ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ جائز نہیں، جیسے نماز آپ ﷺ کی سنت ہے، آپ ﷺ نے ایک رکعت میں دو سجدے فرمائے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ایک رکعت میں تین سجدے کرنا درست نہ ہوگا، پس جب نکاح بھی آپ ﷺ کی سنت ہے تو ضروری ہے کہ نکاح بھی حضور ﷺ ہی کے طریقہ پر کیا جائے، آپ ﷺ نے نہ خود اس طرح کی چیز پہنی، اور نہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اس لئے سہرا باندھنا قطعاً غیر شرعی اور غیر اسلامی عمل ہے، اس سے بچنا چاہئے، اور نکاح کے مبارک موقعہ پر کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہو۔

دلہن کو وداعی سہرا باندھنا

سوال:- {110} لڑکیوں کو کیا وداعی سہرا باندھا جاسکتا ہے؟ (سید زاہد فروین، یاقوت پورہ)

---

(۱) "النکاح سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی" (سنن ابن ماجة، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۴۴۰۷)

جواب:- اسلام میں سہرا باندھنے کی کوئی اصل نہیں، صحابہ ﷺ اور سلف صالحینؒ نے کبھی اس طرح کی چیز نہیں باندھی، یہ بعض غیر مسلم قوموں کی رسم ہے، جس کو نا سمجھی اور نادانی میں ہمارے مسلمان بھائیوں نے لے لیا ہے، اس لئے نہ دولہا کو سہرا باندھنا چاہئے، اور نہ دلہن کو۔

ایک غلط خیال

سوال:- {111} نئی نویلی دلہن گھر کے صندوق، الماری وغیرہ کو قفل نہ ڈالے ورنہ گھر ویران ہو جائے گا کیا یہ بات حقیقت میں صحیح ہے؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- یہ بھی توہم پرستی میں داخل ہے، گھر کا آباد اور ویران ہونا اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اسلام سے پہلے عرب بعض پرندوں کے بارے میں ایسا ہی خیال کرتے تھے کہ ان کا گھر پر آکر بیٹھنا نحس اور بربادی کا باعث ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی نفی فرمائی، اس سلسلہ میں متعدد حدیثیں موجود ہیں۔(۱)

بزرگوں کے نام پر ناریل پھوڑنا

سوال:- {112} بزرگانِ دین کے نام پر ناریل پھوڑنا، ان کے مزاروں پر جا کر ناریل پھوڑنا، یا اس طرح نذر ماننا کہ فلاں کام ہو جائے، تو پانچ ناریل پھوڑوں گا، اور اسی طرح جمعہ کو نماز کے بعد اپنے گھر ناریل پھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ آندھرا کے علاقہ میں بعض مسلمان بھی ناریل پھوڑا کرتے ہیں۔ (محمد یٰسین، جلال کوچہ)

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال: لا عدوى و لا طيرة و لا هامة و لا صفر" عن أبي هريرة ﷺ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۷۵۷، باب لا هامة. و لا صفر، كتاب الطب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۲۰) محشی۔

جواب:- بزرگوں کے نام پر ایصال ثواب کرنا، ان کے لئے دعاءِ مغفرت کرنا نیز عبرت وموعظت کی غرض سے قبروں کی زیارت کرنا درست اور حدیث سے ثابت ہے،(۱) لیکن ناریل پھوڑنے کی جو صورتیں آپ نے ذکر کی ہیں، یہ قطعاً ناجائز اور ہندوانہ طور وطریقہ کی پیروی اور مشرکانہ فعل ہے، اور اس سے مکمل طور پر پرہیز کرنا چاہئے۔

شادی کے بعد دلہن کا میت کے گھر میں جلتا ہوا چراغ دیکھنا

سوال:- {113} لڑکی شادی کے بعد سسرال میں رہ رہی ہے، کچھ دنوں کے بعد اس لڑکی کے عزیز کا انتقال ہوگیا، سسرال والے روانہ کرتے وقت لڑکی کو پابند کررہے ہیں کہ وہ گھر میں روشنی ہونے سے قبل واپس ہوجائے؛ کیونکہ شادی کے بعد لڑکی کا اپنے عزیز کے انتقال پر گھر میں چراغ جلتا ہوا دیکھنا باعث نحس سمجھا جاتا ہے۔ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- یہ سب توہمات ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کسی شخص کی وفات اور چراغ جلنے کا نہ باہم کوئی تعلق ہے، اور نہ اس سے نحوست آتی ہے، غیر مسلم سماج میں رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ذہن بھی توہم پرست ہوتا جاتا ہے، ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ناپاکی کی حالت میں پودے کو چھونا

سوال:- {114} مشہور ہے کہ ناپاکی کی حالت میں

---

(۱) " قال رسول الله ﷺ : قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور ، و قد أذن لمحمد في زيارة قبر أمه ، فزوروها ، فإنها تذكر الآخرة " عن سليمان بن بريدة عن أبيه ، (الجامع للترمذي ، حدیث نمبر: ۱۰۵۴، باب ماجاء في الرخصة في زيارة القبور ، كتاب الجنائز) محشی۔

ہرے بھرے پودے یا پھل دار درخت کو چھونے سے وہ سوکھ جاتا ہے، اور ناپاکی کی حالت میں پودوں پر چھاؤں پڑنے سے پودے مرجھا جاتے ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟

(اسماء انصاری، مقام نامعلوم)

جواب:- یہ محض وہم ہے، نہ شریعت میں ایسی کوئی بات آئی ہے، اور نہ عقل و تجربہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، پودوں کے سوکھ جانے یا مرجھا جانے کے طبعی اسباب ہوتے ہیں، آدمی کے پاک اور ناپاک ہونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

کوّا کوّی کو ملتے وقت دیکھنے سے داماد کا انتقال ہونا

سوال:- {115} ہمارے ایک دوست نے کوّا اور کوی کو ملتے وقت دیکھ لیا، اور انہوں نے اپنے سسرال کے ارکان خاندان کو اطلاع دی کہ آپ کے داماد کا انتقال ہوگیا تو کیا یہ درست ہے؟

(رشید احمد خان، بھینسہ)

جواب:- یہ سمجھنا کہ کسی پرندہ کو اس حالت میں دیکھنا کسی کی موت کی علامت ہے، محض واہمہ ہے، نہ اس کی کوئی شرعی اہمیت ہے، اور نہ عقلی اعتبار سے اس کی کوئی اہمیت ہے، اور لوگوں کو اس طرح کی جھوٹی اور بے بنیاد خبر دینے میں دوہرا گناہ ہے، ایک جھوٹ کا، دوسرا ایک مسلمان یا انسان کو تکلیف و ایذاء پہونچانے کا۔

بکرا ذبح کرنے کے بعد بھائی بہن کی ملاقات کرنا

سوال:- {116} اس وقت میرے ایک بھانجے اور بھانجی دونوں سعودیہ سے آئے ہوئے ہیں، یہ دونوں تقریبا ۱۲ سال سے ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے تھے، مگر آ کے

پندرہ دن ہوئے، یہ دونوں بھائی بہن آپس میں ملاقات نہیں کر رہے ہیں، پوچھنے پر یہ بتلاتے ہیں کہ ہم دونوں یعنی بھائی بہن کے درمیان ایک بکرا ذبح ہونے اور اس بکرے کا خون دیکھنے کے بعد آپس میں ملاقات کرسکتے ہیں؟

(محمد شرف الدین، رحمت نگر)

جواب:- یہ سب توہمات ہیں، قرآن وحدیث میں کہیں یہ بات نہیں آئی ہے کہ ایک عرصہ کے بعد بکرا ذبح کئے اور خون دیکھے بغیر ملاقات نہ کی جائے، اس طرح کی باتیں قطعاً شریعت کے خلاف ہیں، حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اگر معمولی وقفہ سے ملاقات ہوتی تو آپ ﷺ مصافحہ پر اکتفا فرماتے اور زیادہ دنوں پر ملاقات ہوتی تو معانقہ بھی فرماتے، حضرت زید بن حارثہ ؓ حبش سے مدینہ آئے، کئی سالوں کے بعد آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی، آپ بہت مسرور اور خوش تھے، اس موقعہ سے آپ ﷺ نے حضرت زید ؓ سے معانقہ فرمایا اور بس، (۱) اس لئے ان دونوں بھائی بہن کو چاہئے کہ ایک دوسرے سے جلد سے جلد ملاقات کریں، کہ صلہ رحمی اور رشتۂ اخوت کا یہی تقاضہ ہے۔

سنہ ہجری پر تہنیت

سوال:- {117} سنہ ہجری کے تعارف اور واقعہ ہجرت کو تازہ کرنے کے لئے کیا ہر نئے سال ہجری مقدس پر مبارک بادی جاسکتی ہے؟ (نظام الدین، دہلی)

---

(۱) "قدم زيد بن حارثة المدينة ، و رسول الله ﷺ في بيتي ، فأتاه فقرع الباب، فقام إليه رسول الله ﷺ عريانا يجر ثوبه ، والله ما رأيته عريانا قبله و لا بعده ، فاعتنقه و قبّله " عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها ، (الجامع للترمذی ، حدیث نمبر:۲۷۳۲، باب ما جاء في المعانقة ، كتاب الاستئذان) محشی۔

جواب:- اس طرح کی مبارک باد وغیرہ سے آہستہ آہستہ وہ عمل رسم ورواج کا درجہ اختیار کرلیتا ہے، اوراس طرح بدعتیں وجود میں آتی ہیں، ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ دس سال مدینہ میں رہے اور آپ ﷺ کے بعد ۳۰ رسال خلافت راشدہ کا عہد رہا، صحابہ ؓ کی نگاہ میں اس واقعہ کی اتنی اہمیت تھی کہ اسی کو اسلامی کلینڈر کی بنیاد واساس بنایا گیا، اور حضرت عمر ؓ کے عہد سے ہی ہجری تقویم کو اختیار کرلیا گیا تھا، لیکن ان حضرات نے کبھی سال نو یا یوم ہجرت منانے کی کوشش نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اس طرح کے رسوم ورواج کا قائل نہیں ہے، کیونکہ عام طور پر رسمیں نیک مقصد اور سادہ جذبہ کے تحت وجود میں آتی ہیں، پھر وہ آہستہ آہستہ دین کا جزو بن کررہ جاتی ہیں، اس لئے اسلام کو بے آمیز رکھنے کے لیے ایسی رسموں سے گریز ضروری ہے۔

نماز کے بعد سلام

سوال:- {118} اکثر لوگ نماز پڑھنے کے بعد بڑے احترام سے دوسروں کو سلام کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اگر سلام نہ کرے تو کیا کوئی گناہ ہے؟

(سیدہ نکہت، سدا سیو پیٹ)

جواب:- سلام کا نماز سے کوئی تعلق نہیں، سلام کا تعلق ملاقات سے ہے، ابتداء ملاقات میں سلام کرنا چاہئے، جن لوگوں سے نماز سے پہلے ہی ملاقات ہوئی، ساتھ ساتھ نماز ادا کی، یا اسی جگہ وہ لوگ موجود ہیں، تو نماز کے بعد خاص طور پر انہیں دوبارہ سلام کرنے کے کوئی معنی نہیں، رسول اللہ ﷺ، یا صحابۂ کرام ؓ سے اس موقع پر سلام کرنا ثابت نہیں۔

توبہ میں رخسار تھپتھپانا

سوال:- {119} اکثر لوگ توبہ کے لئے چہرے پر تھپڑ مارتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اور توبہ کا صحیح طریقہ

کیا ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- توبہ کے معنی لوٹنے کے ہیں، یعنی اللہ کا ایک بندہ گناہ کا ارتکاب کر کے گویا اللہ تعالی سے دور ہو جاتا ہے، اور پھر وہ اپنے گناہوں سے شرمسار ہو کر اپنے مالک کی طرف لوٹ آتا ہے، توبہ کے لئے ضروری ہے کہ گناہ پر ندامت ہو، گناہ سے بچنے کا پختہ ارادہ ہو، اور اگر شریعت نے اس گناہ کے لئے کوئی کفارہ متعین کیا ہو، تو کفارہ ادا کیا جائے، توبہ میں رخسار تھپتھپانے کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ محض ایک رسم ہے، جس سے بچنا چاہئے، کیونکہ طریقہ وہی معتبر ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہو۔

فال دیکھ کر نام کا انتخاب

سوال:-{120} اکثر لوگ بچوں کے نام فال دیکھ کر نکالتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- بچوں کے نام انبیاءِ کرام علیہم السلام، صحابہ ﷺ اور صالحینؒ کے نام پر رکھنا چاہئے اور ایسا نام رکھنا چاہئے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تحسین کی ہے، حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے، نام کے لئے فال دیکھنا ایک بے اصل بات ہے، اور شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، دراصل ہندو بھائیوں کے یہاں اس طرح کا تصور پایا جاتا ہے، اسلام میں نیک فالی کی گنجائش ہے، نیک فالی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے موقع پر کوئی ایسا نام یا لفظ سامنے آ جائے جس میں کامیابی اور مقصد برآری کا مفہوم ہو، یا کوئی ایسی بات ہو جائے جس کو باعث راحت سمجھا جاتا ہو تو اس سے نیک فالی لیتے ہوئے اچھی امید کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "نیک فالی بہتر کلمہ ہے، جو آدمی کو سننے میں آئے" "الكلمة الصالحة يسمعها أحد كم" (۱)

(۱) فتح البارى لابن الحجر العسقلاني :۱۰/ ۲۲۵، باب نمبر:۵۴۔ قال النبي ﷺ : لا طيرة ، و خيرها الفأل . قالوا و ما الفأل يا رسول الله ؟ قال : الكلمة الصالحة يسمعها أحدكم " عن أبي هريرة ﷺ ، (صحيح البخارى ، حدیث نمبر:۵۷۵۵، باب الفأل ، كتاب الطب ، نیز دیکھئے: صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۲۲۲۳) محشی۔

جیسے آپ کسی کام کے لئے نکل رہے ہوں اور ایسے شخص سے آپ کی ملاقات ہوگئی جس کا نام ''نافع'' ہے، تو یہ فال نیک ہے کہ انشاء اللہ اس میں نفع حاصل ہوگا، اس طرح نیک فالی کی اسلام میں گنجائش ہے، بدفالی اور بدشگونی البتہ اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً نادرست ہے۔(۱)

شادی شدہ عورت اور سفید لباس

سوال:- {121} اگر شادی شدہ عورت سفید لباس استعمال کرے، تو لوگ اسے برا سمجھتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (عائشہ، خانہ پور)

جواب:- شادی شدہ عورت کے سفید لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں، عرب ممالک میں تو دلہنوں کو سفید پوشاک پہنائی جاتی ہے، ہندوستان میں لوگ اسے بیوہ کا لباس سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں، بیوہ عورت کو عدت وفات گزرنے تک زیبائش وآرائش اور زیادہ مزین کپڑوں سے پرہیز کرنا چاہیے، یہ حکم صرف عدت کے گزرنے تک ہے، نہ کہ زندگی بھر کے لیے اور اس میں بھی سفید ہی کپڑا پہننا ضروری نہیں، اصل میں یہ ہندوانہ رسم ہے، ہندو مذہب میں بیوہ عورت کو زندگی بھر تجرد کی زندگی گزارنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ سفید کپڑے پہننے کا التزام کرتی ہے، بدقسمتی سے مسلمانوں نے اس بے جا رسم کو اختیار کرلیا ہے، شریعت نے کپڑے کے رنگ کے معاملہ میں عورت کو پوری آزادی دی ہے جو رنگ پسند ہو اس کے مطابق کپڑا پہن سکتی ہیں اور سفید رنگ تو رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر پسند تھا۔(۲)

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار: ۳/۴۴-۴۵۔

''والفأل : ضد الطيرة ، كأن يسمع مريض ياسالم أو ياطالب أو يا واجد ، أو يستعمل في الخير و الشر ... و وجهه أن الفأل أمل و رجاء للخير من الله تعالىٰ عند كل سبب ضعيف أو قوي ، بخلاف الطيرة ''(حاشية ابن عابدين على الدر : ۳/۴۴-۴۵، مطلب في الفأل و الطيرة ، باب العيدين ، كتاب الصلاة)محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۰۶۱۔ محشی۔

نام رکھائی اور سالگرہ

سوال:- {122} نام رکھائی کے لڈو یا کیک تقسیم کرنا اور سالگرہ منانا کیا اسلام میں جائز ہے؟

(محمد صدیق، یاقوت پورہ)

جواب:- عہد نبوی ﷺ، خیر القرون اور سلف صالحین کے زمانہ میں نام رکھائی اور سالگرہ وغیرہ کی مسرفانہ تقریبات نہیں ہوا کرتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی صاحبزادیوں، نواسے اور نواسیوں کے نام رکھے ہیں، لیکن کبھی بھی اس طرح کا اہتمام نہیں کیا گیا، اسی طرح یوم ولادت میں دعوت وغیرہ کا اہتمام جسے آج کل سالگرہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرام ؓ اور سلف صالحین ؒ سے ثابت نہیں، یہ مغربی اقوام سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے، چوں کہ اسے ''دینی عمل'' سمجھ کر انجام نہیں دیا جاتا، اس لیے اسے بدعت تو نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ بدعت کا تعلق امر دین سے ہوتا ہے، لیکن غیر مسلموں سے مماثلت اور غیر اسلامی تہذیب سے تاثر اور مشابہت کی وجہ سے کراہت سے بھی خالی نہیں، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

واستو کی رعایت

سوال:- {123} آج کل لوگ مکان وغیرہ کی تعمیر یا خریدی میں واستو جاننا چاہتے ہیں، اس کا شگون لینا کیسا ہے؟ اور اس پر عقیدہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ (فیاض احمد، اونگور)

جواب:- ''واستو'' ہندوانہ توہمات میں سے ہے، جس کی طرف کچھ دنوں سے لوگوں کی توجہ بڑھ گئی ہے، واستو کی رعایت کا مقصد مکان کا نحس اور مضر پہلو سے اپنے آپ کو بچانا ہے، اسلام کسی بھی چیز میں نحس کا قائل نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے چند چیزوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر نحس ہوتا تو ان چیزوں میں ہوتا اور

جن چیزوں کا ذکر فرمایا ان میں ایک مکان بھی ہے،(۱) معلوم ہوا کہ مکان میں بھی نحس نہیں ہوتا، اس لیے واستو پر عقیدہ رکھنا عقیدۂ توحید کے مغائر اور اسلامی تعلیمات کے برخلاف ہے، نیز یہ ایک مشرکانہ تصور ہے، شرعی اعتبار سے مکان میں صرف اس کی رعایت مطلوب ہے کہ بیت الخلاء ایسا نہ ہو کہ بیٹھنے والے کا چہرہ یا پشت قبلہ کی طرف پڑ جائے، اور بس جب آدمی کوئی شي خرید کرے تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کرکہ اس میں جو خیر ہو، اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اور جو شر ہو اس سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، کیوں کہ نفع دینے اور نقصان پہنچانے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔

کسی کے آنے کی وجہ سے موت

سوال:- {124} زید تین چار سال بعد اپنے قریبی رشتہ داروں کے گھر گیا اور کچھ دن رہ کر واپس ہوگیا، اس کی واپسی کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد ان رشتہ داروں کے گھر میں ایک صاحب کی موت واقع ہوگئی، محلہ والوں نے ان لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ زید ایک طویل عرصہ کے بعد ان کے گھر آیا تھا، اس لیے یہ موت ہوئی ہے، زید کے رشتہ دار بھی اس بات پر یقین کرنے لگے ہیں، اور اب اس واقعہ کو لے کر زید اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان تعلقات بھی خراب ہو گئے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے کہ زیادہ دنوں بعد کسی کے گھر جانے سے وہاں موت واقع ہوتی ہے، یا کوئی حادثہ پیش آتا ہے؟

(نام وجگہ غیر مذکور)

---

(۱) " أن رسول الله ﷺ کان یقول : لا هامة و لا عدوی و لا طیرة و إن تکن الطیرة في شيئ فـفي الفرس و المرأة و الدار" عن سعد بن مالك ﷺ (سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۳۹۲۱)

جواب:- یہ بات بالکل درست نہیں کہ زیادہ دنوں بعد کسی رشتہ دار کے گھر جانے سے وہاں کوئی موت واقع ہوتی ہے، یا کوئی حادثہ پیش آتا ہے، یا یہ کہ کسی کے آنے جانے سے موت متعلق ہے، ہر مسلمان کو اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ موت وحیات کا مالک صرف اللہ ہے وہ جسے چاہتا ہے زندگی سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے، اس لیے ایسے غلط عقائد وخیالات سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے، اور اگر ناواقفیت کی وجہ سے ایسا سوچا ہو یا دل میں خیال گزرا ہو تو توبہ کرنا چاہئے اور ایسی باتوں کی وجہ سے آپسی تعلقات کو خراب کر لینا تو اور بھی بری بات ہے۔

۲۱ویں دن پھول پہنانا

سوال:- (125) بچہ کی پیدائش کے ۲۱ دن بعد لوگ اسے پھول پہنا کر اور گھوڑے پر بٹھا کر پھراتے ہیں، کیا شرعاً یہ درست ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اس قسم کی خرافات کی حوصلہ افزائی اسلام کا مزاج نہیں، بچہ کی پیدائش یقیناً ایک خوشی کی بات ہے، اور اس کے اظہار کے لئے عقیقہ کا طریقہ رکھا گیا ہے کہ ساتویں دن بال مونڈا جائے، استطاعت ہو تو بال کے ہم وزن چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے، (۱) تاکہ آپ کے پڑوسی اور سماج کے غریب لوگ بھی آپ کی اس خوشی میں شریک ہو جائیں، باقی یہ سب رسم ورواج نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، اور نہ ان کا کرنا مناسب ہے کہ یہ فضول خرچی ہے، اور قرآن نے فضول خرچی سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) "عن سمرة رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ قال : كل غلام رهينة بعقيقته تذبح عنه يوم السابع و يحلق رأسه و يسمى الخ" (سنن أبي داؤد:۳۹۲،كتاب الضحايا) محشی۔

(۲) اسرائیل :۲۶-۲۷۔ محشی۔

کتوں کا رونا

سوال:- (126) کتے کے رونے کی آواز سن کر لوگ کہتے ہیں کہ کوئی مرنے والا ہے، کیونکہ ملک الموت نظر آتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- یہ توہمات میں سے ہے کہ کتے کا رونا کسی آدمی کے مرنے کی علامت ہے، یا یہ کہ خاص طور پر اس کو ملک الموت نظر آتے ہیں، البتہ یہ بات روایات میں آئی ہے کہ بعض ایسی چیزیں جو انسان کی نگاہ سے اوجھل رکھی گئی ہیں، بعض اوقات حیوانات کو نظر آتی ہیں، لیکن خاص طور پر ملک الموت کا کتوں کو نظر آنا یہ حدیث سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم

گل پوشی کا حکم

سوال:- (127) آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ کوئی بچہ امتحان میں پاس ہو جائے تو والدین گل پوشی کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (حافظ کلیم، اورنگ آباد)

جواب:- اچھی بات پر خوشی کا اظہار درست ہے، اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نمازِ شکرانہ ادا کی جائے، کہ یہی حضور ﷺ کا معمول تھا۔ (۱) یا صدقہ کیا جائے، تاہم گل پوشی کی بھی گنجائش ہے؛ کیوں کہ پھول کا استعمال مباح ہے، البتہ اس میں اسراف نہیں ہونا چاہئے۔

---

(۱) صحیح البخاري:۲/۶۱۴، باب دخول النبي ﷺ من اعلیٰ مکة، نیز دیکھئے: باب منزل النبي ﷺ یوم الفتح۔ محشی۔

جمعرات کو پیدا ہونے والی لڑکی کو جمعرات کے دن حادثات پیش آنا

سوال:- {128} مجھے ایک لڑکی ہے اور وہ جمعرات کے رات پیدا ہوئی ہے، اکثر جمعرات کے رات بیمار ہوتی ہے، مار لگتی ہے تو جمعرات کے روز، اتفاق دیکھئے اسکول میں سزا دی جاتی ہے تو بھی جمعرات کا دن ہوتا ہے، اب اکثر لوگ کہتے ہیں آپ کی بچی کے ساتھ جمعرات کو کوئی بڑا حادثہ پیش آئے گا، کیا یہ سب کچھ ہوتا ہے؟ (محمد عبدالسلیم، ملے پلی)

جواب:- جمعرات کے دن کسی حادثہ کا پیش آنا محض اتفاق ہے، اس کا اس دن سے کوئی تعلق نہیں، تمام دن اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، کوئی بھی دن نامبارک اور منحوس نہیں، یہ خیال کرنا بھی درست نہیں کہ جمعرات کو کوئی خاص حادثہ پیش آئے گا، لڑکی سے روزانہ صبح وشام ''آیـة الكرسی '' اور ''قل أعوذبرب الفلق '' اور '' قل أعوذبرب الناس '' پڑھوانے کا اہتمام کریں اور شبہ ووہم میں نہ پڑیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

کتاب الفتاوی

پہلا حصہ

کتاب العلم

علم سے متعلق سوالات

علم سے متعلق سوالات

اسم اعظم سے مراد

سوال:- {129} روزنامہ منصف کے ۲۶؍ مارچ ۹۹ء کے شمارہ کے مینارۂ نور میں سید اسرار احمد سہیلی صاحب کا مضمون ''بہت بری مثال'' نظر سے گزرا، عبرت و موعظت کے عنوان میں لکھا ہے کہ بلعم بن باعوراء مستجاب الدعوات تھا، اس کے پاس اسم اعظم تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اسم اعظم اور معرفت سلب کر لی گئی، عرض یہ ہے کہ ''اسم اعظم تھا'' سے کیا مراد ہے؟ اسم اعظم کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ اسم اعظم حاصل ہونے کے بعد سلب ہو جانے کے کیا معنی ہیں؟

(م، و، لیسن، ٹولی چوکی)

جواب:- آپ نے جس مضمون کا حوالہ دیا ہے، اس میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ بلعم بن باعوراء سے متعلق کئی روایتیں ہیں، مگر ان میں سے کوئی قابل اعتماد نہیں، اسی لئے

اکثر مفسرین نے اس آیت (الاعراف:۱۷۵) میں بے عمل عالم مراد لیا ہے۔

جہاں تک اسم اعظم کی بات ہے تو اس بارے میں اہل علم کے کئی اقوال ہیں، حصن حصین کے مصنف امام جزریؒ نے اسم اعظم کے بارے میں کئی احادیث نقل کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" اسم اعظم ہے، تاکہ سب حدیثیں موافق ومطابق ہوجائیں، اور اس لئے بھی کہ واحدی کی کتاب "کتاب الدعاء" کی حدیث جو یونس بن عبدالاعلی سے مروی ہے، وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے"۔(۱)

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ

سوال:- {130} سنا ہے کہ اللہ پاک کے تین ہزار نام ہیں، وہ کیا ہیں؟ معلوم فرمائیں۔ (فیروز احمد علوی، گلشن باغ)

جواب:- ترمذی اور حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ کا ذکر آیا ہے، (۲) میرے علم کے مطابق تین ہزار نام کا کسی حدیث صحیح میں ذکر نہیں، اللہ تعالیٰ کے جو اسماء مبارکہ قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، ان ہی ناموں سے اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے، اپنی طرف سے کوئی نام اختیار نہ کرنا چاہئے کہ مبادا باری تعالیٰ کی شانِ عالی کے خلاف ہو، اور ہمیں اس کا اندازہ نہ ہوسکے۔

اللہ کا رسم الخط

سوال:- {131} گھر کی ایک مسجد میں "اللہ" کے

---

(۱) ترجمہ حصن حصین، ص:۴۳۔

(۲) "عن النبي ﷺ قال: إن لله تسعة و تسعين اسماً مائة غير واحد من احصاها دخل الجنة" عن أبي هريرة، (الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۳۵۰۶، باب إن لله تسعة و تسعين اسماً، كتاب الدعوات۔

اسم کو اللہ اسی طرح لکھا ہوا ہے، میں نے لکھنے والے آرٹسٹ سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس طرح منصف کے جمعہ ایڈیشن کے سرنامہ کو دیکھ کر لکھا ہے، کیا اس طرح لکھنا درست ہے؟ (شیخ حسین صدر فلاحی، انجمن، کھمم)

جواب:- منصف کے سرنامہ پر واقعی اس طرح اللہ لکھا گیا ہے، اللہ میں ایک زبر (ہمزہ پر) اور ایک کھڑا زبر لام پر ہے، مزید ایک زبر کی ضرورت نہیں، میرا خیال ہے کہ آرٹسٹ نے خوبصورتی اور دوسرے کنارے پر لکھے ہوئے ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یکسانیت پیدا کرنے کے لئے غالباً ایک لکیر کھینچ دی ہے، یہ زبر نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ لکیر کو حذف کر دیا جائے؛ کیونکہ اس سے دو زبر کا وہم ہوتا ہے، جو درست نہیں ہے۔

خطوط اور کتابوں کے شروع میں بسم اللہ

سوال:- (132) کیا اس معذوری پر دھیان دینے کی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ جس کاغذ پر ہم اسم ذات لکھ رہے ہیں اس کے گلی میں اڑنے، ردی ہو کر نالی میں پڑنے کا خطرہ ہے، اس لئے اشارے سے کام لیا جائے؟

(آصف اقبال، بحث ونظر)

جواب:- جہاں تک ممکن ہو ایسے کاغذات کی حفاظت کرنی چاہئے، جن پر اسم باری تعالیٰ کا ذکر ہو، لیکن چوں کہ خطوط اور کتابوں میں ''بسم اللہ'' سے آغاز اسلامی شعائر میں سے ہے، اس لئے اس خطرہ کے باوجود اس کا اہتمام کیا جائے گا، اسلامی شعائر میں سے کسی کو محض اس لئے نہیں چھوڑا جا سکتا کہ نا اہل لوگ اس کی اہانت کریں گے۔

تحریر دائیں طرف سے یا بائیں طرف سے؟

سوال:- {133} تحریر کا اسلامی طریقہ کیا ہے، دائیں جانب سے لکھنا خیر و برکت کا ذریعہ ہے یا بائیں جانب سے لکھا جانا؟ (محمد عبدالحلیم، محبوب آباد)

جواب:- اگر آپ کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ سطر دائیں جانب سے شروع ہو یا بائیں جانب سے، کتاب کا آغاز دائیں طرف سے ہو یا بائیں طرف سے؟ تو اس کا انحصار اس زبان کے خط پر ہے، جو زبانیں دائیں جانب سے لکھی جاتی ہیں، ظاہر ہے اسے دائیں طرف سے ہی لکھا جائے گا، جو زبانیں بائیں طرف سے لکھی جاتی ہیں اسے بائیں طرف سے ہی لکھا جائیگا۔ اس سلسلے میں شریعت میں کوئی تحدید نہیں ہے، کیوں کہ یہ تحدید ممکن ہی نہیں تھی، اسلام میں ایسی چیزوں کی بابت وسعت رکھی گئی ہے، اسلام کا مقصد انسانیت کی ہدایت ہے نہ کہ طریقہ تحریر کی تعیین، عربی زبان چوں کہ دائیں طرف سے لکھی جاتی ہے، اس لیے صحابہ ﷺ اور سلف صالحین کا اس زبان کے بارے میں یہی عمل رہا ہے۔

ناپاک روشنائی سے بسم اللہ وغیرہ کی کتابت

سوال:- {134} کیا آیت قرآنی، اسم ذات اور اسم مقدس حضور اکرم ﷺ ناپاک روشنائی سے لکھے جاسکتے ہیں؟

(امینہ پروین، حیدرآباد)

جواب:- معنوی اور حکمی نجاست اور ظاہری اور حقیقی نجاست کے احکام میں بڑا فرق ہے، نجاست حکمی بار بار پیش آتی رہتی ہے، وضو اور غسل کی بار بار نوبت آتی رہتی ہے، اس لئے نجاست حکمی میں تخفیف اور آسانی کا رویہ اختیار نہ کیا جائے تو دقت پیدا ہوگی، نجاست حقیقی کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اس سے آلودگی کی نوبت کم آتی ہے اس لئے پیشاب اور پاخانہ کے

متعلق حکم میں نسبتاً شدت اور سختی اختیار کی گئی ہے، بالخصوص ناپاک روشنائی سے آیت قرآنی، اسمائے باری تعالی یا اسماء نبوی ﷺ کا لکھنا عام حالات میں ایک ایسی بات ہے جس کے لئے انسان کو کوئی مجبوری نہیں، اس لئے ناپاک روشنائی سے ان کا لکھنا سخت گناہ اور شدید معصیت ہے اور اہانت ہی مقصود ہو تب تو باعث کفر ہے۔(۱)

فقہ کی تعریف

سوال:- {135} فقہ کیا چیز ہے؟ ہمیں آپ فقہ کی تفصیل بتائیے۔ (محمد اسحاق)

جواب:- عربی زبان میں فقہ کے معنی سمجھ اور دانائی کے ہیں، خود امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تشریح ان الفاظ میں منقول ہے: " معرفة النفس مالها وما عليها "(۲) یعنی انسان کا اپنے فرائض اور حقوق سے آگاہ ہونا"۔ اس توضیح کے مطابق فقہ کا دائرہ انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے، عقائد و ایمانیات، عبادات، معاملات اور اخلاق، ہر نوع کے احکام فقہ کے دائرہ میں آجائیں گے، لیکن بعد کے اہل علم نے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق احکام کو الگ الگ اصطلاحات سے تعبیر کیا ہے، جو احکام اعتقاد سے متعلق ہیں، جیسے توحید، شرک، رسالت و آخرت پر ایمان وغیرہ، ان کو "علم کلام" کا عنوان دیا گیا، جو امور اصلاح قلب سے متعلق ہیں، جیسے: اخلاص، تواضع، کبر و ریاء کا نہ ہونا وغیرہ، ان کو "تصوف" یا "احسان" کا نام دیا گیا، جو احکام عملی زندگی سے متعلق ہیں، ان کو شریعت کی تفصیلی دلیلوں سے جاننے کا نام "فقہ" ہے، اس میں بنیادی طور پر تین طرح کے احکام آتے ہیں۔

---

(۱) "كفر الحنفية بألفاظ كثيرة و أفعال تصدر من المتهلين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمدا ، بل بالمواظبة على ترك سنة استخفافا بها" (البحر الرائق :۱۱۹/۵، أول كتاب أحكام المرتدين ،ط: کراچی)
(۲) مرأة الأصول :۱/۴۴، التوضيح لمتن التنقيح :۱/۱۰۔ محشی۔

عبادات، یعنی: وہ امور جن کا تعلق بندہ اور خدا سے ہے، جیسے: نماز، روزہ، وغیرہ، ——— ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان تعلقات، ان کو ''معاملات'' کہتے ہیں، تیسرے وہ قوانین جو حکومت اور شہری یا دوملکوں کے درمیان تعلقات کو متعین کرتے ہیں، یہ تینوں قسم کے قوانین فقہ کے دائرہ میں آتے ہیں، جو کتاب وسنت کی صراحتوں یا کتاب وسنت کے مقرر کیے ہوئے اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں، گویا ''فقہ'' قرآن وحدیث کا نچوڑ اور ان کی روشنی میں مرتب کیا ہوا نظام حیات ہے۔

''کبیری'' نامی کتاب

سوال:- {136} ماہنامہ ''افکار ملی'' شمارہ فروری ۱۹۹۲ء صفحہ نمبر ۵۵ / میں آپ نے چند سوالات کے جوابات دئے ہیں، ان سوالات میں سے ایک سوال غیر مسلموں کو قرآن مجید عربی یا ترجمہ والا نسخہ دینے کے سلسلہ میں ایک فتوی نوٹ کیے ہیں، جواب کے اخیر میں ''کبیری: ص: ۵۷، دیو بند'' لکھا ہوا ہے، مہربانی فرما کر بتائیں کہ اس ''کبیری'' سے مراد کون ہیں؟ تفصیلی نوٹ جوابا ارسال فرمائیں اور دوسرے شمارے میں شائع کردیں تو الجھنیں ختم ہوں گی، اور آپ کی عین نوازش ہوگی۔

''کبیری'' کا مسئلہ کہاں سے شروع ہو کر کہاں ختم ہوتا ہے، یا پوری بات کبیری ہی کی ہے، اس جواب سے معلوم نہ ہو سکا، لہذا اس سلسلہ میں بھی کرم فرمائیں۔ (آئی، ایف، ٹی)

جواب:- نماز کے احکام پر فقہ حنفی کی ایک اہم کتاب '' منیة المصلی '' ہے، شیخ ابراہیم حلبیؒ نے اس کی نہایت عظیم الشان اور مفصل شرح ''غنیة المستملی '' کے نام سے کی

ہے، یہی کتاب ہے جو اہل علم کے یہاں ''شرح کبیری'' اور'' کبیری'' کے نام سے معروف ہے، یہ کتاب خطبہ وتمہید کے بعد'' فرائض نماز'' کی بحث سے شروع ہوکر احکام مساجد پر اختتام پذیر ہوتی ہے، نماز کے احکام جس جامعیت اور استیعاب کے ساتھ اس کتاب میں ذکر کئے گئے ہیں شاید ہی کسی اور کتاب میں ہوں، مصنف فقہ حنفی کے متبع ہیں، دیو بند سے مولوی محمد اسحاق مالک کتب خانہ رحیمیہ نے اس کتاب کو عرصہ پہلے طبع کیا تھا۔اب بیروت سے نیا ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مادۂ تخلیق

سوال:- {137} بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جسم کافور سے بنایا گیا تھا، تا کہ آپ ﷺ کو شب معراج میں جگایا جائے، اسی کافور کی خوشبو کی وجہ سے آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تھے، کیا یہ بات درست ہے؟

(امۃ الرحیم، دوٹے پلی)

جواب:- یہ بات کہ حضرت جبرئیل کی پیدائش کافور سے ہوئی بالکل بے اصل بات ہے، فرشتوں کا مادۂ تخلیق کیا تھا؟ قرآن میں اس کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور میرے علم میں ایسی کوئی صحیح حدیث بھی موجود نہیں، جس میں اس کی صراحت ہو کہ فرشتے کس چیز سے پیدا کئے گئے ہیں؟ البتہ صوفیاء نے لکھا ہے کہ فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نقطۂ نظر ہے کہ بعض فرشتے نوری ہیں اور بعض عنصری، یعنی: بعض نور سے پیدا کئے گئے ہیں، اور بعض عناصرِ اربعہ (آگ، پانی، مٹی، ہوا) کے مجموعہ سے۔(۱) البتہ شیخ علی متقی نے مسلم

---

(۱) "فخلق اجساما نورية بمنزلة نار موسىٰ عليه السلام فنفخ فيه نفوسا كريمة وقسم اتفق حدوث مزاج في البخارات اللطيفة من العناصر" (حجة الله البالغة مع اردو ترجمہ:۱/۵۶) محشی۔

اور مسند احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ فرشتوں کی تخلیق نور سے اور شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے۔(۱)

زقوم کی تحقیق

سوال:- (138) قرآن پاک میں متعدد مقامات پر زقوم کو جہنمی غذا کہا گیا ہے جو بطور عذاب گنہگاروں کو کھلائی جائے گی، اور کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، عربی اور اردو ڈکشنری میں زقوم کے معنی ''توہر'' کے دئے گئے ہیں، رام نرائن لال کی اردو اور انگریزی ڈکشنری میں بھی زقوم کے معنی ''توہر'' کے دئے گئے ہیں اور قرآنی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے: ﴿ إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴾ اور اسی طرح الدخان والصافات کی سورتوں میں بھی اسی طرح مذکور ہے، سوال یہ ہے کہ اگر یہ جہنمیوں کی غذا ہے، تو کیا ہم مسلمانوں کے لئے توہر یا اس کی دال کھانا جائز ہے یا نہیں؟ (محمد نصیر عالم، دربھنگہ)

جواب:- اردو ڈکشنریوں میں زقوم کا ترجمہ عام طور سے ''توہر'' کیا گیا ہے، لیکن اس سے مراد وہ توہر نہیں ہے، جس سے دال پکائی جاتی ہے، جس کو اردو زبان میں ارہر بھی کہتے ہیں؛ بلکہ اس سے ایک کانٹے دار زہریلا پودا مراد ہے، جس کے پتوں سے دودھ بھی نکلتا ہے۔(۲)

(۱) کنز العمال، حدیث نمبر:۱۵۱۵۶۔

(۲) مبادی اللغات: ص:۱۲۱۔

سات آسمان وزمین

سوال:- {139} عصر کے بعد حدیث کی تعلیم ہوتی ہے، دوران تعلیم ساتوں آسمان اور زمین کا ذکر آیا، ایک صاحب نے کہا کہ یہ غلط ہے، آسمان اور زمین کے سات ہونے کا کوئی ثبوت نہیں، تو کیا قرآن وحدیث میں آسمان کے سات ہونے کا ذکر آیا ہے؟　(محمد ریاض احمد، وجے نگر)

جواب:- قرآن مجید میں سات آسمان وزمین کا ذکر آیا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ (۱)

اگر انسان کی عقل نارسا زمین کی تہوں تک نہیں پہونچ پائی ہو اور اس دنیا میں آسمان تک رسائی سے قاصر ہو، تو اس سے قرآن مجید کے بیان کا غلط ہونا (نعوذ باللہ) ثابت نہیں ہوتا۔

اعداد ونقوش قبل اسلام سے مروج ہیں

سوال:- {140} مناسب ہو تو ابجد کے اعداد کی نسبت بھی فرمائیں کہ وہ عہد جاہلیت کی ایجاد ہے یا عہد اسلامی میں ان کی تقدیر ہوئی؟ کیا کسی نام کا بقدر اعداد پڑھنا آپ کی تحقیق میں بہ اسناد صحیح مروی ہے یا نہیں؟　(عامر حسین، بیگم پیٹ)

جواب:- ''حروف'' سے اعداد کے استنباط کا اسلام سے تو کوئی تعلق نہیں ہے، اور غالباً عہد اسلام کی یہ پیداوار بھی نہیں، یہ اسلام سے پہلے سے مروج ہے، یہود اس طرح کے

---

(۱)　الطلاق :۱۲۔

رموز استعمال کرتے تھے، مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے" اظہار الحق "میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق بائبل کی بشارت کے ذیل میں ایک جگہ اس کا ذکر کیا ہے، اگر اس طرح کے اعداد "بسم اللہ" وغیرہ کی جگہ کفایت کر جاتے تو قرون خیر میں بھی اس پر عمل ممکن تھا؛ لیکن ان ادوار میں کہیں اعداد کے استعمال کا رواج نہیں ملتا۔

لڑکیوں کو حافظہ بنانا

سوال:- {141} کیا لڑکیوں کو حافظہ بنانا درست ہے؟ اور اس میں کوئی فائدہ ہے؟ (ایک، وائی، زیڈ، بیدر)

جواب:- حفظ قرآن مجید پر جو اجر و ثواب منقول ہے وہ لڑکوں کے لیے بھی ہے اور لڑکیوں کے لئے بھی، پھر حفظ کے بعد قرآن کی تعلیم لڑکے بھی دے سکتے ہیں اور لڑکیاں بھی، اس لئے لڑکیوں کو حافظہ بنانا فائدہ سے خالی نہیں، بعض صحابیات رسول ﷺ بھی حافظہ تھیں،(۱) البتہ چونکہ عورتیں فطری عوارض کی وجہ سے قرآن کی تلاوت کا اہتمام نہیں کر پاتیں، اس لئے اس کا اندازہ کر لینا چاہئے کہ کیا یہ لڑکی قرآن کو محفوظ رکھ سکے گی؟ کیونکہ قرآن یاد کرنے کے بعد کوتاہی کی وجہ سے اسے بھلا دینا بہت ہی گناہ ہے۔

مسلم خواتین کے لئے عصری تعلیم

سوال:- {142} اسلامی حدود میں رہتے ہوئے مسلم خواتین جدید عصری علوم مثلاً ڈاکٹری کی تعلیم وغیرہ حاصل کر سکتی ہیں یا نہیں؟ بعض پڑھے لکھے لوگ بھی یہ کہتے ہیں کہ مسلم خواتین کو صرف دینی تعلیم ہی دینی چاہئے، اور یہ کہ انہیں صرف پڑھنا سکھانا چاہئے، لکھنا نہیں سکھانا چاہئے، کیا

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: تذکرۂ صحابیات، از طالب ہاشمی۔ محشی۔

ہمارے لیے دنیاوی علم حاصل کرنے کی ممانعت ہے؟ برائے
کرم اس موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالیں؟

(محمد علاء الدین، بیدر)

جواب:- اسلام بنیادی طور پر علم وتحقیق کے کاموں کا حامی ہے نہ کہ مخالف؛ بلکہ اگر کہا جائے کہ مذاہب عالم میں یہ اس کا امتیاز ہے تو غلط نہ ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ علم انسانیت کے لئے نفع بخش اور مفید ہو، عصری علوم بھی زیادہ تر نفع بخش اور فائدہ مند ہیں، اور ان کے ذریعے انسانیت کی خدمت سر انجام پاتی ہے، اسلام نے مردوں کی طرح عورت پر بھی تعلیم کا دروازہ کھلا رکھا ہے، اس لئے ایسے عصری علوم جو نافع ہوں، اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ مسلمان لڑکیاں حاصل کریں تو کچھ حرج نہیں، خاص کر میڈیکل تعلیم تو لڑکیوں کے لئے نہایت ضروری ہے، مرد ڈاکٹروں سے علاج میں خواتین بے پردگی سے دوچار ہوتی ہیں، بعض دفعہ تو نسوانی امراض کے لئے بھی ان ڈاکٹروں سے رجوع کرنا پڑتا ہے اور اس میں بے ستری اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات ناخوشگوار واقعات بھی پیش آجاتے ہیں، خواتین ڈاکٹروں کی موجودگی سے یہ نوبت نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایک عورت کا عورت کے سامنے بے پردہ ہونا مرد کے سامنے بے پردہ ہونے سے کمتر ہے۔

شرعی حدود سے مراد یہ ہے کہ بے پردگی نہ ہو، غیر محرم مردوں کے ساتھ تنہائی وخلوت نہ ہو، فتنہ کے مواقع سے بچنے کا اہتمام ہو، ایسا علم نہ ہو جو شرعاً ناجائز ہو جیسے رقص وموسیقی وغیرہ کی تعلیم، ایسی تعلیم نہ ہو جو عورت کی فطری صلاحیت اور دائرۂ کار کے مغائر ہو، اور ان کا یہ تعلیم حاصل کرنا اپنے ولی کی اجازت سے ہو، یعنی شادی سے پہلے باپ کی، اور شادی کے بعد شوہر کی اجازت ضروری ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کی علاحدہ درس گاہ قائم کریں تاکہ لڑکیاں مخلوط تعلیم سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر تعلیم حاصل کریں۔

جہاں تک عورت کو کتابت سکھانے کی ممانعت کی بات ہے، تو بعض موضوع روایتوں میں

اس کا ذکر ہے،(۱) جس کو محدثین نے من گھڑت اور بے اصل قرار دیا ہے،(۲) صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں مختلف خواتین کتابت سے واقف تھیں، (۳) حضرت شفاء عدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خط بہت اچھا ہوتا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے خواہش فرمائی تھی کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لکھنا سکھا دیں، (۴) اس لئے عورتوں کو کتابت وتحریر سکھانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ قباحت ان کو علم سے محروم رکھنے میں ہے۔

مخلوط درسگاہوں میں حصولِ علم

سوال:- (143) صرف اپنی اور اپنے خاندان کی عزت بڑھانے، اونچا نام کرنے اور سوسائٹی میں مقام بنانے کے لئے لڑکیوں کا غیر لڑکوں کے ساتھ کالج میں پڑھنا، جہاں یقینی طور پر کوئی چیز دیکھنے اور کرنے میں دن میں کئی مرتبہ مردوں سے ٹکرانا پڑتا ہو، کیا یہ جائز ہے؟ اگر پڑھائی چھوڑ دیں تو ماں باپ کی ناراضگی کا ڈر ہو تو کیا تعلیم جاری رکھنا صحیح ہے؟ اور یہ خیال کر کے کہ اب تو پورا ہو ہی گیا، ۸؍ مہینے رہ گئے ہیں، پورا کرلیں تاکہ قوم اور خلق کی خدمت کی جاسکے، کیا صحیح ہوگا؟

دوسرے یہ کہ آج کل ماں باپ لڑکی کی شادی اچھی

---

(۱) شعب الإیمان للبیهقي :۲/۴۷۷،حدیث نمبر:۲۴۵۴/۴۷۸۔محشی۔

(۲) سلسلة الأحادیث الضعیفة و الموضوعة :۵/۳۰،حدیث نمبر:۲۰۱۷۔محشی۔

(۳) فتوح البلدان ترجمه اردو:۲/۲۵۲،بحوالہ کتاب حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں از مفتی رفیع عثمانی:ص:۶۰۔محشی۔

(۴) "عن الشفاء بنت عبد اللّٰه قالت : دخل علي النبي ﷺ و أنا عند حفصة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها فقال لي : ألا تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتها الکتابة " (سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۳۸۸۷،باب في الرقي ، کتاب الطب)محشی۔

جگہ ہو، اس خیال سے بھی دنیوی تعلیم دلاتے ہیں، جو اکثر بے کار ہوتی ہے، کوئی فائدہ نہیں ہوتا، سوائے ڈگری حاصل کرنے کے ان کو کوئی فن اور ہنر نہیں آتا، اس تعلیم میں تقریبا ۵/ سال بیکار قسم کی پڑھائی میں صرف ہوجاتے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ خاندان میں بھی کوری رہ جاتی ہیں — حضرت داتا گنج بخش علی فرماتے ہیں، علم اسی قدر سیکھنا فرض ہے جس سے عمل درست ہو، کیونکہ علم سے دنیا حاصل کرنے والوں کی اللہ نے مذمت فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے، اگر چہ کہ یہ دینی علم حاصل کرنے کے بارے میں ہے، لیکن کیا یہ بات دنیا کا علم حاصل کرتے وقت پیش نظر نہیں رکھنی چاہئے؟ اور حدیث میں جس علم کے حاصل کرنے کی رخصت آئی ہے وہ کونسا علم ہے، دینی یا دنیوی؟ (ایک بہن)

جواب:- اپنی ضرورت کے مقدار دینی علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے، اور عام انسانی ضروریات کا علم فرض کفایہ کے درجہ میں ہے، یعنی سوسائٹی میں کچھ لوگ اس سے ضرور واقف ہوں، جو ضرورت کے وقت لوگوں کی مدد کرسکیں، مگر مخلوط درسگاہوں میں اور خاندانی نام اونچا کرنے اور شادی میں رشتوں کی سہولت کی نیت سے علم حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور ناجائز ہونے والی چیزیں جس طرح چار سال ناجائز ہوں گی اسی طرح آٹھ، دس ماہ کے لئے بھی ناجائز ہی رہیں گی، اس قسم کی تعلیم کے لئے غیر مخلوط درسگاہ نہ ہو تو چونکہ یہ بھی ملت کی ایک ضرورت ہے، اس لئے ان شرطوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے کہ مسلم خواتین کی نشست لڑکوں سے الگ ہو، وہ پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو۔ یہ تو آپ کے متعلقہ سوال کے جواب ہیں۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں مسرت ہے کہ اس فضا اور ماحول میں رہنے کے باوجود اللہ نے آپ کو دین پر اتنی استقامت عطا کی ہے، آپ ایک مثالی طالبہ کی حیثیت سے صرف اسی پر اکتفاء نہ کریں کہ اپنی ذاتی زندگی میں ان احکام سے روشنی حاصل کریں، بلکہ دیگر مسلمان بہنوں کی مدد سے اس بات کی کوشش کریں کہ حکومت آپ حضرات کے لئے ایسی سہولتیں فراہم کرے کہ آپ شرعی حدود میں رہ کر اس قسم کی تعلیم جاری رکھ سکیں، ممکن ہے آپ کا یہ اقدام آپ کی بہت سی بہنوں کے لئے ایک روشنی ثابت ہو۔

اسکول میں لڑکیوں کی جماعت

سوال:- {144} ہمارا ایک اسکول ملک پیٹ میں واقع ہے، جس میں لڑکیاں بھی ہیں اور لڑکے بھی، اس میں ظہر کی نماز باجماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے، ایک لڑکے کو امام بنادیا جاتا ہے، جس کے پیچھے سارے لڑکے نماز ادا کرتے ہیں، لڑکیوں کے لئے علاحدہ نماز کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں زیادہ وقت لگ جاتا ہے، کیا یہ مناسب ہوگا کہ لڑکوں کے پیچھے لڑکیوں کی بھی صفیں لگادی جائے، اگر لڑکیاں بالغ ہوں تو کیا حکم ہے، اور نابالغ ہوں تو کیا حکم ہے؟ (ادارہ)

جواب:- ابھی جس طریقہ پر آپ کا عمل ہے، یعنی لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ نماز کا نظم، یہی زیادہ بہتر ہے، گو اس میں زیادہ وقت صرف ہوجائے لیکن اس سے اسلامی مزاج کے مطابق تربیت کرنے میں مدد ملے گی، اور یہ بات ظاہر ہے کہ تعلیم گاہوں کا مقصد تعلیم بھی ہے اور تربیت بھی، لڑکیوں کے بارے میں اصل تو یہ ہے کہ وہ تنہا تنہا نماز ادا کریں، اور ایک ٹیچر ان کی نگرانی کرتی رہے، لیکن اگر نماز کی عملی مشق اور اذکار نماز کی یاددہانی کے لئے ان کی جماعت کا اہتمام بہتر محسوس ہوتو نابالغ لڑکیوں کی جماعت بنادیجئے، اور ان ہی میں سے کسی کو ان

کا امام بنایئے، امام آگے کھڑی ہونے کے بجائے پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہو، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

"و یکرہ للنساء أن یصلین وحدھن الجماعة

... و إن فعلن قامت الإمام وسطھن" (۱)

بالغ لڑکیوں کا تنہا الگ الگ نماز پڑھ لینا بہتر ہے، وقت بچانے کے لئے ایسا کیا جاسکتا ہے کہ دو الگ الگ کمروں میں بیک وقت لڑکوں اور لڑکیوں کی نماز کا اہتمام کیا جائے۔

غیر محرم بالغ لڑکیوں کو پڑھانا

سوال:- (145) بالغ لڑکیوں کو بحیثیت استاد مدرسہ میں یا گھر جا کر قرآن مجید پڑھانا کیسا ہے؟ اسی طرح اسکولوں میں بحیثیت ٹیچر پڑھانا پڑتا ہے، جب کہ کلاس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوتے ہیں؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- کسی مرد کا بالغ یا قریب البلوغ لڑکی کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا جائز نہیں، نیز جب لڑکیاں بالغ ہوگئی ہوں، تو ان کا پردہ کرنا ضروری ہے، لہٰذا مدرسہ یا گھر میں قرآن مجید پڑھاتے ہوئے اس اصول کو برتنا چاہئے کہ لڑکی کے ساتھ تنہائی نہ ہو، اور لڑکیاں بالغ ہوں تو برقعہ پہن کر تعلیم حاصل کریں۔

جہاں تک اسکولوں کی بات ہے تو کم سے کم مسلمان لڑکیوں کو برقعہ کے استعمال کا اہتمام کرنا چاہئے، اگر اسکول کے نظم کے تحت لڑکیوں کو پابند کیا جانا ممکن نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری اس طرح تعلیم دی جاسکتی ہے کہ لڑکوں سے تخاطب ہو اور حتی الامکان لڑکیوں کی طرف سے نگاہ بچا کر پڑھایا

---

(۱) الهداية مع الفتح: ۱/۳۵۳-۳۵۲۔

الهداية مع شرح اللكهنوى: ۱/۳۶۵، باب الإمامة ، كتاب الصلاة-محشى -

جائے، یہ تو شرعی حکم ہے، لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کے زیر انتظام اسکول چل رہے ہیں، ان سے درخواست ہے کہ وہ اپنی درس گاہوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جداگانہ کلاس روم کا انتظام کریں، اور ایسے یونیفارم متعین کریں جو اسلامی اقدار سے مطابقت رکھتے ہوں، تاکہ آپ دنیا میں بھی نیک نام ہوں اور آخرت میں بھی سرخ رو۔ وباللہ التوفیق۔

پردہ اور لڑکی کی تعلیم

سوال:- {146} استاد لڑکی کو تعلیم دینے میں کس حد تک پردہ کا خیال کرے؟ (شکیل، حیدرآباد)

جواب:- اگر استاد غیر محرم ہو تو اس کے لئے بھی وہی احکام ہیں جو دوسرے غیر محرموں کے لئے ہیں، اس لئے مدارس میں تو استاد اور طالبات کے درمیان دیوار یا گاڑھے کپڑے کی آڑ کا نظم ہونا چاہئے، اگر ٹیوشن پڑھائیں، تب بھی ہونا یہی چاہئے ورنہ کم سے کم لڑکی نقاب پہن کر آئے، اور استاد کے ساتھ اس کی تنہائی نہ ہو، اس کا لحاظ ضروری ہے۔

طلبہ کا استاذ کی آمد پر کھڑا ہونا

سوال:- {147} ہمارے محلہ میں ایک حفظ کا مدرسہ ہے، وہاں پر میں نے ایسا عمل دیکھا کہ جب استاذ جماعت میں حاضر ہوتے ہیں، تو ساری جماعت قرآن کریم کی تلاوت بند کر کے کھڑی ہو کر سلام کرتی ہے، کیا ایسا عمل طلبہ کر سکتے ہیں؟ (محمد عبدالشکور، حسینی علم)

جواب:- بہتر ہے کہ استاد اپنے طلبہ کو صرف سلام کرنے کی تربیت دیں، استاذ کی آمد پر طلبہ کا بہ طور احترام کے کھڑا ہو جانا جائز تو ہے لیکن بہتر نہیں، علامہ ابن نجیم مصریؒ بڑے بلند پایہ حنفی فقیہ ہیں، انہوں نے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے کہ دوسروں کے لئے کھڑے ہونے کا کیا حکم

ہے؟ عبارت کا بعینہ ترجمہ اس طرح ہے:

''جہاں تک دوسرے کے لئے کھڑے ہونے کی بات ہے، تو حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصا پر ٹیک لگائے ہوئے باہر تشریف لائے، ہم لوگ آپ ﷺ کے احترام میں کھڑے ہوگئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جیسے اہل عجم ایک دوسرے کے احترام میں کھڑے ہوجاتے ہیں، تم کھڑے نہ ہوا کرو''لا تقوموا کما تقوم الأعاجم یعظم بعضهم بعضا'' شیخ ابوالقاسم کے بارے میں منقول ہے کہ جب مالداروں میں سے کوئی ان کے پاس آتا تو اس کے لئے کھڑے ہوتے، اور فقراء اور طلبہ کے لئے کھڑے نہ ہوتے، اس سلسلہ میں آپؒ سے دریافت کیا گیا، تو فرمایا: ''اہل ثروت مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتے ہیں، اور اگر ان کی تعظیم نہ کروں تو نقصان پہونچاتے ہیں، اور فقراء اور طلبہ مجھ سے اس کی حرص نہیں رکھتے وہ سلام کا جواب دینے اور علمی امور کے بارے میں گفتگو کے خواہاں ہوتے ہیں''(۱)

اس صراحت سے ظاہر ہے کہ احترام میں کھڑا ہونا بہتر نہیں، ہاں اگر کوئی شخص ایسا فرعون مزاج ہو کہ اس کے احترام میں کھڑے نہ ہونے والے عتاب اور ابتلاء کا شکار ہوجاتے ہوں، تو ضرر سے بچنے کے لئے کھڑے ہونے میں قباحت نہیں۔

طلبہ کے سرپرستوں کی طرف سے استاذ کے لئے تحفہ

سوال:- {148} میری بہن بے غیر اجرت کے بچوں

(۱) البحر الرائق:۸/۱۹۹۔فصل فی الاستبراء وغیرہ، کتاب الکراهیة، ط: کراچی۔

کو قرآن کی تعلیم دیتی ہیں، بعض لوگ انکار کے باوجود کپڑے
بنادیتے ہیں، تو کیا اسے قبول کرنا درست ہے؟

(فاطمہ بیگم، سداسی پیٹ)

جواب:- ایسا تحفہ قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں، بلا اجرت پڑھانے میں زیادہ ثواب ہے، اور انکار کے باوجود کوئی ہدیہ دے تو یہ بھی بلا اجرت ہی پڑھانے میں شامل ہے، کیونکہ اجرت وہ ہے جسے باضابطہ طئے کیا جائے۔

تکمیل ناظرہ پر استاذ کو ہدیہ

سوال:- {149} ہمارے بچے نے ناظرہ قرآن کی
تکمیل کی ہے، کیا مولوی صاحب کو ہدیہ کرنا ضروری ہے؟
کہتے ہیں کہ اگر ہدیہ نہ کریں تو بچہ آئندہ ختم قرآن کر کے کسی
مرحوم کو بخش نہیں سکتا، کیا یہ صحیح ہے؟

(عبدالکریم، شاہپور، ضلع گلبرگہ)

جواب:- ناظرہ قرآن کی تکمیل پر ہدیہ کرنا ضروری نہیں، شریعت میں اس کی کوئی اہمیت نہیں، ہاں اگر آپ بہ طور خود اس مسرت کے موقع پر کوئی تحفہ دینا چاہیں تو اس میں کچھ قباحت بھی نہیں ہے، بشرطیکہ ان کی طرف سے مطالبہ نہ ہو، ہاں جو اجرت اور تعلیمی فیس مقرر تھی وہ دینا ضروری ہے، یہ بات بالکل غلط اور بے اصل ہے کہ اگر بچہ اپنے استاذ کو ہدیہ نہ دے تو آئندہ وہ قرآن پڑھ کر ایصال ثواب نہیں کر سکتا، جو حضرات ایصال ثواب کے قائل ہیں، اور یہی مسلک جمہور امت کا ہے، ان کے نزدیک ایصال ثواب کے درست ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں، اس طرح کی باتیں محض جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے عوام میں مشہور ہو جاتی ہیں، اور چل پڑتی ہیں، ایسی غلط فہمیوں سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کریں۔

تعلیمی مقاصد کے لئے تصویریں

سوال:- {150} حدیث میں ہے کہ جس گھر میں تصویر ہو، اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں، لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ بچوں کو پڑھانے کی غرض سے چارٹ وغیرہ لگانا پڑتا ہے، جس میں تصویریں ہوتی ہیں، تو کیا پڑھانے کی غرض سے ایسا چارٹ لگانا درست ہے؟

(ام حنا زہرہ، نیو ٹاؤن، محبوب نگر)

جواب:- آپ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،(۱) شریعت میں بعض چیزیں وہ ہیں جن سے صراحتاً منع کر دیا گیا ہے، ایسے کاموں کو بہتر مقاصد کے تحت کیا جائے یا نارو امقاصد کے پیش نظر، وہ بہر حال گناہ ہی رہے گا، ذی روح کی تصویر سے چونکہ احادیث میں صراحتاً منع فرمایا گیا ہے، اس لئے تعلیمی مقاصد کے لئے بھی ان کا استعمال درست نہیں، وہ باتیں جو مباح اور جائز ہیں، وہ نیت اور ارادہ سے متعلق ہیں۔

تعلیم طب کے لئے مقام ستر کو دیکھنا

سوال:- {151} اگر طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لڑکی کسی اجنبی مرد کو برہنہ دیکھے اور اگر ضرورت ہو تو اس کے عضو تناسل کو ہاتھ لگائے یا لڑکا کسی عورت کی رحم کو دیکھے،

---

(۱) "إن الملائكة لا تدخل بيتا فيه الصورة" عن أبي طلحة، (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۹۵۸، باب من كره القعود على الصور، كتاب اللباس، نیز دیکھئے: كنز العمال، حدیث نمبر:۴۱۵۶۱)

واضح رہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہ سب کرنا ضروری
ہے، اگر نہ کیا جائے تو امتحان پاس کرنا مشکل ہے، ایسی
صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ (محمد نصیر عالم، دربھنگہ)

جواب:- زن وشو کے علاوہ کسی مرد وعورت کے لئے ایک دوسرے کے ستر کو دیکھنا قطعاً ناجائز وحرام ہے،(۱) ہاں شدید ضرورت کے وقت اس کی اجازت دی جاسکتی ہے،(۲) شدید ضرورت سے مراد یہ ہے کہ اس کی جان کے تحفظ کے لئے اس حصہ کو دیکھنا ناگزیر ہو جائے، آپ کوشش کریں کہ کوئی حیلہ کر کے اس سے بچ جائیں، یا اگر ممکن ہو تو میڈیکل تعلیم کے ان خصوصی امراض کے شعبہ کو چھوڑ دیں، البتہ ایک عورت کا میڈیکل تحقیق کی غرض سے دوسری عورت کے حصۂ ستر کو دیکھنا یا مرد کا مرد کے حصۂ ستر کو دیکھنا جائز ہے تا کہ وہ اس قسم کے امراض کی شناخت اور علاج میں مہارت حاصل کر سکے،(۳) بشرطیکہ ان امور کو جاننے کے لئے اس طرح دیکھنا اور چھونا ضروری ہو، اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاءؒ نے دایہ کو ولادت کے وقت عورت کی شرمگاہ کو دیکھنے کی اجازت دی ہے، نیز ان صورتوں میں جبکہ عورت مرد کے نامرد ہونے کا دعوی کرے قاضی کو کسی عورت سے عورت کا کنوار پن معلوم کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔(۴)

---

(۱) الهداية:۴/۴۵۹۔محشی۔

(۲) " الضرورات تبيح المحظورات "(الأشباه والنظائر :۱۴۰)مرتب۔

(۳) ایسے ہی علاج کی غرض سے مرد کے لئے ڈاکٹر کے سامنے ستر کھولنے کی اجازت ہے،" وقد روی عن أبي يوسف أنه إذا كان به هزال فاحش وقيل له إن الحقنة تزيل مابك من الهزال فلا بأس بأن يبدئ ذالك الموضع للمحتقن "(المبسوط:۱۰/۱۵۶)

(۴) "وإن كانت بكرا نظر إليها النساء فإن قلن هي بكر اجلّ ألخ " (الهدايه ، كتاب الطلاق :۲/۴۲۱)

تقلید سے متعلق ایک تفصیلی جواب

سوال:- {152} حضرت مولانا مفتی صاحب مدظلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جماعتِ اہل حدیث وغیر مقلدین، سلفی، تقلید ائمہ کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں: خود ائمہ اپنے پیشرو ائمہ کے مقلد نہ تھے، اس دور کے بعد ائمہ محدثین کا دور آیا، جیسے امام بخاریؒ، مسلمؒ، امام نسائی وغیرہ وہ بھی کسی امام کے مقلد نہ تھے، اس نو ایجاد مذہب کو سلاطین نے سرکاری طور پر خوب پھیلایا، ایک دین اسلام کے چار ٹکڑے کرڈالے

دین حق را چار مذہب ساختند
فتنہ در دین نبی انداختند

انہوں نے امام اعظمؒ ہی کو اپنا نشانہ بنایا ہے، کہتے ہیں کہ امام اعظمؒ کو بہت کم احادیث ملی ہیں، ان کا زیادہ تر مذہب قیاس پر ہے، ہدایہ، عالمگیری، شامی وغیرہ کو غیر معتبر بتلائے ہیں، حقیقۃ الفقہ، رسالۂ اہل حدیث امرتسر وغیرہ میں اس قسم کے کئی مسائل طلاق، تراویح وغیرہ ہیں، جو اہل علم سے مخفی نہیں، ان کا کہنا ہے کہ جب چار مذاہب کا مأخذ کتاب وسنت ہے تو پھر چاروں کی تقلید کرنی چاہئے، ہمیشہ ایک ہی کیوں؟ ان کا ادعا ہے کہ ہم ہی اہل سنت والجماعت ہیں، دوسرے خارج، ان کی مساجد بھی الگ ہیں، وہ کسی سنی مقلد کے پیچھے

نماز نہیں پڑھتے ، لہذا ایسی جماعت کو کیا کہا جائے گا؟ جو
اجماع کے خلاف ہیں، کسی ایک ہی امام کی تقلید کریں یا سب
کی ، یہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں یا خارج، اور ہم
سنیوں کی ان کے پیچھے نماز درست ہوگی ، یا نہیں؟
(شکیل خان، امرتسر)

جواب:- ۱) احکام شریعت کا اصل ماٰ خذ اور اس کا سر چشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں، جو لوگ تقلید کے قائل ہیں وہ بھی یہی ایمان وعقیدہ رکھتے ہیں، اور بحمد اللہ سنت رسول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں، حدیث وتفسیر کا جو ذخیرہ اس وقت دنیا میں موجود ہے، اور ان سے اخذ واستنباط کی جو عظیم الشان مساعی کی گئی ہیں، وہ سب عام طور پر ان ہی مقلد علماء کی دین ہیں، صحاح ستہ کے مؤلفین میں امام بخاریؒ کے سوا سبھی مقلد ہیں، دوسرے محدثین میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام طحاویؒ، امام بیہقیؒ، امام دار قطنیؒ اور بعد کے علماء میں محدث زیلعیؒ، حافظ ابن حجرؒ، حافظ قاسم ابن قطلو بغاؒ، علامہ سیوطیؒ، علامہ ہیثمیؒ وغیرہ جو بڑے بڑے محدثین گزرے ہیں اور ہندوستان میں شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور بعد کے اکثر علماء جنہوں نے تالیف وتحقیق اور شرح وتوضیح کے ذریعہ حدیث کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، وہ سب مقلدین ہی تھے، اگر خدانخواستہ تقلید کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے رشتہ کو کمزور کرتی تو ان حضرات کا روز وشب حدیث شریف کی خدمت میں لگے رہنا اور اسی اشتغال میں اپنی زندگی کو وقف کر دینا ایک بے معنی بات ہوگی۔ اس لئے اولاً یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ تقلید کا بھی اصل منشا یہی ہے کہ کتاب وسنت کے تقاضوں پر عمل کو آسان بنایا جائے۔

۲) تقلید محض اس بات کا نام ہے کہ جو لوگ کتاب وسنت کی تمام تفصیلات سے آگاہ نہ ہوں، وہ ان کی بابت کسی ایسے شخص کی شرح پر اعتماد کریں جن کو وہ اپنی دانست میں اس بات کا اہل سمجھتے ہوں کہ وہ احکام شریعت کی بابت صحیح علم وفہم رکھتا ہے، غرض تقلید ائمہ مجتہدین

کو "شارع" ماننے کا نام نہیں، بلکہ ان کو کتاب وسنت کا "شارح" سمجھنے اور ان کی شرح پر اعتماد کرنے کا نام ہے۔

۳) اصل میں احکام شرعیہ چار طرح کے ہیں:

(الف) وہ احکام جو یقینی ذریعہ سے ثابت ہوں اور آیات وروایات سے ان کا ثبوت بالکل واضح ہو، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾(۱) "تمہاری مائیں تم پر حرام کی گئیں" قرآن کی آیت ہے، جس کے ثابت ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اور اس کا معنی بھی بالکل واضح ہے، ایسے احکام کو "قطعي الثبوت ، قطعي الدلالة" کہا جاتا ہے۔

(ب) وہ احکام جو یقینی ذریعہ سے ثابت ہوں لیکن ان میں ایک سے زیادہ معنی کی گنجائش ہو، جیسے قرآن مجید نے کہا: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾(۲) عربی زبان کے قاعدہ کے مطابق کبھی "ب" زائد ہوتی ہے، اور کبھی بعض کے معنی میں، یہاں اگر "ب" زائد ہو تو معنی یہ ہوگا کہ "پورے سر کا مسح کرو" اور اگر بعض کے معنی میں ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ "سر کے کچھ حصہ کا مسح کرو" ایسے احکام کو "قطعي الثبوت ظني الدلالة" کہتے ہیں۔

(ج) تیسرے قسم کے احکام وہ ہیں جن کا معنی تو واضح ہو، لیکن جس ذریعہ سے وہ ہم تک پہنچے ہیں، وہ یقینی ذریعہ نہ ہو، ان کو "ظني الثبوت قطعي الدلالة" کہتے ہیں، جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: "لا صلاة بعد الفجر إلا سجدتين "(۳) "فجر کا وقت ہونے کے بعد دو رکعت کے سوا نماز جائز نہیں"

---

(۱) النساء: ۲۳۔

(۲) المائدة: ۶۔

(۳) "عن ابن عمر ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: " لا صلاة بعد الفجر إلا سجدتين "(الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۴۱۸، ۹۶/۱، باب ما جاء لا صلاة بعد طلوع الفجر إلى ركعتين) محشی۔

(د) چوتھے قسم کے مسائل وہ ہیں جن کا ذریعہ ثبوت بھی یقینی نہ ہو اور ان میں ایک سے زائد معنوں کا احتمال بھی ہو، جیسے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب "(۱) "اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی" —— محدثین کی اصطلاح کے مطابق یہ خبر واحد ہے جو قرآن اور حدیث متواتر کی طرح یقینی نہیں ہوتی، نیز اس میں دو معنوں کا احتمال ہے، ایک یہ کہ نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے درست ہی نہیں ہوگی، دوسرے یہ کہ نماز ہو جائے گی، لیکن کامل درجہ کی نہیں ہوگی، جیسے: آپ ﷺ نے فرمایا:

" لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد " (۲)

"مسجد کے قریب رہنے والوں کی نماز صرف مسجد میں ہی ہوتی ہے"

تقریباً تمام ہی علماء کے نزدیک اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز گھر میں نماز کامل نہیں ہوگی۔

غور کیا جائے تو ان چار میں سے پہلی صورت ایسی ہے جس میں اجتہاد کی ضرورت نہیں پڑتی، بقیہ تینوں قسم کے احکام وہ ہیں جن میں گہرے علم، وسیع مطالعہ اور کمال بصیرت مطلوب ہے، یہی احکام ہیں کہ جن میں اللہ اور رسول ﷺ کے منشا کو جاننے کے لئے لوگ تقلید کے محتاج ہیں، اور اسی کے بارے میں قرآن نے کہا:

﴿ فَاسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (۳)

"کہ جن باتوں کو نہ جانتے ہوں ان کو اہل علم سے دریافت کرو"

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۲۴۷، عن عبادة بن صامت، باب ماجاء أنه لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب، كتاب الصلاة۔
(۲) سنن الدار قطني: ۱/۳۹۹.
(۳) النحل: ۴۳، نیز دیکھئے: الأنبياء: ۷۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۱)

"اللہ، رسول اور ارباب امر (علم) کی اطاعت کرو"

یہاں "اولی الامر" میں خلفاء و سلاطین کی طرح ائمہ مجتہدین بھی داخل ہیں۔ (۲)

۴) حضرات صحابہ ؓ کے زمانہ میں تو سیکڑوں فقہی مذاہب تھے، بعد کے ادوار میں بھی بہت سے مجتہدین پیدا ہوئے، انہیں میں یہ ائمہ اربعہ بھی ہیں، جو اپنے زمانہ کے بلند پایہ محدثین میں تھے، اور صحابہ کے علوم کے وارث تھے، امام ابو حنیفہ ؒ کو زیادہ تر روایات حضرت علی ؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کے تلامذہ سے ملیں، اس طرح دوسرے ائمہ نے بھی مختلف صحابۂ کرام ؓ کے شاگردوں سے استفادہ کیا، اور کتاب وسنت کی روشنی میں احکام مرتب کئے، یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان چاروں ائمہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کو ایسے لائق شاگرد میسر نہ آئے جو ان کے فتاوی کو مدون و مرتب کرتے، اس لئے ان کی فقہ بھی آہستہ آہستہ ناپید ہوگئی یا سو پچاس مسائل سے متعلق ان کی رائیں محفوظ نہ رہیں، لیکن منجانب اللہ ائمہ اربعہ کے فتاوی زندگی کے تمام مسائل سے متعلق مرتب و مدون ہوگئے، اور لوگوں کے لئے کتاب وسنت کو سمجھنے میں ان کو واسطہ بنانا آسان ہوگیا، اس طرح یہ چار ہی فقہی مسالک باقی رہے۔

---

(۱) النساء:۵۹۔

(۲) "قال علي بن أبي طالب ؓ عن ابن عباس ؓ : و أولي الأمر منكم يعني أهل الفقه و الدين و كذا قال مجاهد و عطاء و الحسن البصري و أبو العالية "و أولي الأمر منكم يعني العلماء" (تفسير ابن كثير التفسير القرآن العظيم :۱/۶۳۳)

"ثالثها : المراد العلماء الذين يُفتون في الأحكام الشرعية و يعلمون الناس دينهم و هذه رواية الثعلبي عن ابن عباس ؓ و قول الحسن و مجاهد و ضحاك" (التفسير الكبير للرازي :۵/۲۶۷) محشی۔

پھر اگر ایک شخص کو مختلف مسالک سے استفادہ کی اجازت دے دی جائے تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ لوگ دین کو کھلونا بنالیں اور ہر جگہ سے ایسی شاذ رائیں جمع کرنے لگیں، جن میں سہولت اور نفس کے لئے آسانی ہو، ظاہر ہے کہ اس سے بڑا دین کے لئے کوئی فتنہ نہیں ہوسکتا، چنانچہ مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے تقلید کی مخالفت کا جو نتیجہ اپنے طبقہ میں محسوس فرمایا، اس کو اس طرح قلمبند کیا ہے:

''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہدین مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں بعض عیسائی بن جاتے ہیں، اور بعض لامذہب بن جاتے ہیں، جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و فجور تو اس آزادی کا نتیجہ ہے''۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ گزشتہ تقریباً ایک ہزار سال کے درمیان جتنے مشہور محدثین، مفسرین، فقہاء اور متکلمین پیدا ہوئے ان سب نے شخصی تقلید ہی کی راہ اختیار کی ہے، اس ایک ہزار سال کے عرصہ میں ابن حزم اور ایک دو اصحاب علم کے علاوہ شاید ہی کوئی شخص ملے، جس نے تقلید کا انکار کیا ہو، خود امام ابن تیمیہؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی ؒ بھی فقہ حنبلی کے مقلد ہیں، بلکہ جو لوگ ائمہ پر طعن کرتے ہیں، ابن تیمیہؒ نے ان کی تردید میں مستقل کتاب لکھی ہے، اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی ایک کی شخصی تقلید مؤمنوں کا عام طریقہ اور راستہ یعنی قرآن کی زبان میں ''سبیل المؤمنین'' ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا

(۱) سبیل الرشاد: ص:۱۲۔

تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ﴾(۱)

''جس نے رسول ﷺ کی مخالفت کی، جبکہ اس پر ہدایت واضح ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ کی پیروی کی، تو ہم اس کو اسی طرف چلائیں گے، جدھر وہ خود پھر گیا، اور اس کو جہنم میں جلائیں گے، جو بدترین جگہ ہے''

اور رسول اللہ ﷺ نے سواد اعظم کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے:

" واتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذ شذ في النار " (۲)

''سواد اعظم کی پیروی کر، کیونکہ جو اس سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا''

اور جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ گزشتہ ایک ہزار سال سے امت کے اصحاب علم، اصحاب فضل وتقوی اور خود وہ علماء جن کو مجددین امت میں شمار کیا گیا ہے، ان سب نے تقلید کو اختیار کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر سواد اعظم کیا ہوسکتا ہے؟ اس لئے نفس پرستی اور حرص وہوس کے اس دور میں کسی ایک امام کی شخصی تقلید واجب ہے، یہ امت کے سواد اعظم کی اتباع ہے، اور اس کا انکار اس راہ کا انکار ہے جو ''سبیل المؤمنین'' (اہل ایمان کا راستہ) کا درجہ رکھتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان چار ائمہ کے مذاہب نے دین نبوی میں رخنہ نہیں ڈالا ہے، بلکہ نفس کے رخنوں سے دین کی حفاظت کی ہے۔

۵) امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ کو بہت کم احادیث ملی ہیں، محض جہالت اور حدیث وتاریخ دونوں سے ناواقفیت ہے، مشہور محدث طبرانیؒ جن کی احادیث کی معاجم مشہور و

---

(۱) النساء: ۱۱۵۔

(۲) عن أنس بن مالك ﷺ " فعليكم بالسواد الأعظم " (سنن ابن ماجة : ص:۲۸۳، كتاب الفتن)

معروف ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہتے ہیں:

" اشتهر واستفاض ان اباحنيفة تلمذ من أربعة آلاف من الشيوخ والأئمة المتعالين وتفقه عنه أربعة آلاف" (۱)

جس شخص نے چار ہزار اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا ہو، اس کے بارے میں اس طرح کی بات کہنا کس قدر ظلم و ناانصافی کی بات ہے؟ شعبیؒ، ابواسحاقؒ، حکم بن عتبہؒ، قتادہؒ، شعبہؒ، حماد بلند پایہ محدثین ہیں جن کے اسماء گرامی علم حدیث میں سکہ رائج الوقت کا درجہ رکھتے ہیں، اور صحاح ستہ کے مولفین کے واسطہ در واسطہ استاذ ہیں، امام ابوحنیفہؒ ان سبھوں کے براہ راست اور بلا واسطہ شاگرد ہیں، فن حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور محدث کے درمیان واسطوں کا کم ہونا بڑا باعث فضیلت ہے، امام ابوحنیفہؒ کی اکثر روایات ایسی ہیں جن میں آپؒ کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف دو ہی واسطے ہیں، صحاح ستہ میں سے کسی مصنف کو اتنے کم واسطوں سے حدیث نہیں مل پائی ہے، امام بخاریؒ نے ۲۲ رایسی احادیث نقل کی ہیں جن میں امام بخاریؒ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تین ہی واسطے ہیں، یہ احادیث صحیح بخاری کا تمغۂ افتخار ہیں، ان میں سے سولہ حدیثیں ایسی ہیں جو امام بخاریؒ کو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں سے ملی ہیں، یحیی بن سعید القطان بڑے پائے کے محدث ہیں، اور صحاح ستہ میں ان سے حدیثیں نقل کی جاتی ہیں، وہ نہ صرف امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے بلکہ آپ ہی کی رائے پر فتوی دیا کرتے تھے، حافظ ذہبیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

" وكان في الفروع على مذهب أبي حنيفه فيما بلغنا إذا لم يجد النص" (۲)

---

(۱) معجم طبرانی: ۱۵۵/۳۔

(۲) نزهة الفضلاء: ۸۱۵/۲۔ محشی۔

حافظ عبداللہ بن مبارکؒ امام بخاریؒ کے استاذ الاساتذہ ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے، وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ اور سفیانؒ سے استفادہ کی توفیق نہ دی ہوتی تو میں ایک عام آدمی کی طرح ہوتا۔

"لو لا اعانني الله بأبي حنيفة و سفيان كنت كسائر الناس" (۱)

امام وکیعؒ بھی بخاری و مسلم کے استاذ الاساتذہ ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے متبع تھے، خطیب نے لکھا ہے کہ" كان يفتي بقول أبي حنيفة "(۲)

امام ابوحنیفہؒ نے گو خود احادیث میں کوئی مستقل کتاب مرتب نہیں فرمائی — اور یہی حال اکثر سلف صالحین کا تھا، —— لیکن امام ابو یوسف و امام محمد نے اپنی کتاب "کتاب الآثار" میں اور آپ کے دوسرے شاگردوں نے مسند امام ابوحنیفہ کی صورت میں آپ کی مرویات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، بزرگوں میں بعض محتاط اور متورع علماء کا طریقہ یہ تھا کہ وہ علم حدیث رکھتے تھے، اس کی روشنی میں رائے بھی قائم کرتے تھے، لیکن روایت کرنے میں افراط کے بجائے احتیاط سے کام لیتے تھے، غور کیجئے کہ حضرت ابوہریرہ ؓ اور حضرت ابوسعید خدری ؓ سے حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ، اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا تفقہ بڑھا ہوا تھا، مگر صورت حال یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ ؓ اور حضرت ابوسعید خدری ؓ کے مقابلہ ان صحابہ ؓ کی مرویات بہت قلیل ہیں اور حضرت ابوبکر ؓ کی مرویات تو بہت ہی کم ہیں، تو کیا اس سے ان صحابہ ؓ کے درمیان علمی فرق مراتب قائم کیا جا سکتا ہے؟ اس لئے امام ابوحنیفہ ؒ پر قلت حدیث کا اعتراض نہایت غلط اور ناواقفیت یا علمی خیانت پر مبنی ہے۔

۶) امام ابوحنیفہؒ کا سب سے بڑا فقہی امتیاز یہ ہے کہ وہ بیک وقت آیت اور مختلف

(۱) حوالہ سابق: ۲/۶۶۲۔ محشی۔
(۲) مقدمة إعلاء السنن: ۳/۱۶۔

مضامین کی حدیث کو ساتھ لے کر چلتے ہیں، اور ایسی رائے قائم کرتے ہیں کہ ممکن حد تک کوئی نص چھوٹنے نہ پائے اور ہر دلیل کا مرتبہ بھی قائم رہے، مثلاً یہی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ ہے، اس سلسلے میں ایک طرف آیت قرآنی ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو: ﴿ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَ انْصِتُوْا ﴾ (۱) اس کا تقاضہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے خاموش رہا جائے، دوسری طرف وہ حدیث ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی "لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب" (۲) تیسری طرف وہ حدیث ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے "فإن قرأة الإمام قرأة له" (۳) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ امام اور تنہا نماز پڑھنے والا پہلی حدیث کے مطابق سورہ فاتحہ پڑھے گا، مقتدی آیت قرآنی کے مطابق خاموش رہے گا، اور چونکہ دوسری حدیث کے مطابق امام کی قراءت مقتدی کی طرف سے بھی ہوتی ہے، اس لئے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ مقتدی نے فاتحہ نہیں پڑھی، بلکہ گویا اس نے بھی نیابۃً سورہ فاتحہ پڑھی ہے؛ کیونکہ امام قراءت قرآن میں اس کا نمائندہ ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا عام طریق فکر ہے، افسوس کہ ہمارے زمانے کے اکثر غیر مقلد حضرات کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی ایک روایت کو لے لیتے ہیں، پھر اس سے کوئی غرض نہیں رکھتے کہ حکم قرآنی نظر انداز ہو رہا ہے، یا دوسری حدیثیں چھوٹ رہی ہیں اور اپنے اس یک رخ پن کے ساتھ جو لوگ ان سے اختلاف رائے کرتے ہیں، ان پر لعن کرنا بھی اپنا حق جانتے ہیں۔

۷) امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قیاس سے اسی وقت کام لیتے ہیں جب قرآن و حدیث کی رہنمائی موجود نہ ہو، بلکہ امام صاحبؒ کا تو اصول یہ ہے کہ اگر صحابہ ﷺ کے اقوال

---

(۱) الاعراف: ۲۰۴۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذی، عن عبادة بن الصامت ﷺ، حدیث نمبر: ۲۴۷، باب ما جاء أنه لاصلاة إلا بفاتحة الکتاب، کتاب الصلاة۔ محشی۔

(۳) سنن الدار قطنی: ۱/۳۲۱۔ محشی۔

موجود ہوں تب بھی قیاس سے کام نہیں لیتے، پھر جن مسائل کی بابت قرآن میں یا حدیث میں کوئی واضح بات نہ مل سکے، ان کے متعلق دوراستے ہیں، یا تو ان کے بارے میں اپنی رائے سے کام لیا جائے یا ان کے متعلق بھی اپنی رائے قائم کرنے کے بجائے اس سے مماثلت رکھنے والے واقعہ میں قرآن وحدیث کی ہدایت تلاش کی جائے اور یہاں بھی اسی پر عمل کیا جائے، یہ دوسری صورت قیاس کہلاتی ہے، جس کے نہ صرف امام ابوحنیفہؒ بلکہ تمام سلف صالحینؒ قائل ہیں، اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ "قیاس" کتاب وسنت سے بے اعتنائی کا نام نہیں ہے بلکہ جو مسائل کتاب وسنت میں صراحۃً مذکور نہ ہوں، ان میں بھی کتاب وسنت ہی سے روشنی حاصل کرنے کا نام ہے، غور کیا جائے کہ اگر امام ابوحنیفہ اس طرح قیاس کرتے ہیں تو یہ قابل اعتراض بات ہے یا قابل تعریف وتقلید؟ اور یہ اتباع سنت ہے یا سنت سے گریز؟

۸) یہ کہنا کہ سرکاری طور پر ان مذاہب کی ترویج ہوئی ہے قطعاً غلط ہے، ان فقہاء نے کبھی عرب یا عجم کے مادی وسائل سے اپنے مسلک کی ترویج نہیں کی ہے، امام ابوحنیفہ کی تو حکومتِ وقت سے دوری کا حال یہ تھا کہ ہزار اصرار کے باوجود عہدۂ قضا قبول نہیں فرمایا، اور آخر حکومت سے ناخوشگوار تعلقات ہی کے باعث شہید ہوئے، حقیقت یہ ہے کہ تمام مذاہب اور بالخصوص فقہ حنفی کے مقبول ہونے کا باعث کتاب وسنت سے اس کی مطابقت، اصول تمدن سے اس کی ہم آہنگی اور اس کی استدلالی قوت، عقل ونقل سے اس کی تاکید وتقویت ہے نہ کہ سرکاری پشت پناہی اور ملوک عرب یا شاہانِ عجم کے خزانہ سیم وزر۔

۹) جہاں تک ہدایہ، عالمگیری، شامی وغیرہ کی بات ہے تو یہ حضرات سیاق وسباق کی عبارتیں کاٹ کر اور مسئلہ کے پس منظر کو نظر انداز کر کے کچھ فقہی جزئیات اس طرح نقل کرتے ہیں، جو عوام الناس کے لئے غلط فہمی کا سبب بن جائے، جو ایک علمی خیانت ہے، یہ کتابیں ظاہر ہیں کہ کلام الناس ہیں، لیکن اگر کوئی بدبخت آیات اور احادیث کو کاٹ چھانٹ کر اور اس کے صحیح موقع ومحل سے ہٹا کر پیش کرنے لگے تو ان سے بھی غلط فہمی پیدا کی جاسکتی ہے، اور آج یورپ کے

اعداء اسلام یہی کچھ کررہے ہیں، اس لئے ان کی بابت علماء سے تحقیق کرلینی چاہئے۔

۱۰) اخیر میں عرض یہ ہے کہ شریعت کے کچھ احکام اساسی نوعیت کے ہیں، یہ نجات کا مدار، اور کفر واسلام اور حق وضلال کا معیار ہیں، جیسے: توحید، رسالت، آخرت، ارکان اسلام کی فرضیت، یا وہ احکام جو قطعی ویقینی دلائل سے ثابت ہیں اور کچھ احکام فروعی نوعیت کے ہیں، جیسے آمین کا آہستہ یا زور سے کہنا، رفع یدین ایک بار یا اس سے زیادہ کرنا، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اور نہ پڑھنا، ان مسائل میں حضرات صحابہ ﷺ کے زمانہ سے اختلاف رائے رہا ہے، لیکن سلف صالحین نے نہ کبھی ان کو حق وگمرہی کی بنیاد بنایا ہے اور نہ کبھی امت کو ان مسائل کی طرف دعوت دی، بلکہ وہ ان مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش تسلیم کرتے تھے، ایک دوسرے کے مرتبہ ومقام کا احترام کرتے تھے اور ان فروعی اختلافات میں چشم پوشی سے کام لیتے تھے، اور ان کو اپنی دعوت کا عنوان نہیں بناتے تھے، مگر بدقسمتی سے موجودہ غیر مقلدین نے عام طور پر انہی فروعی مسائل کو ارکان اسلام کا درجہ دے دیا ہے اور ان کو اپنی دعوت وتبلیغ کا عنوان بنا لیا ہے، یہ نسبۃً کم اہم مسئلہ کو زیادہ اہمیت دینے کے مترادف ہے اور کسی مسئلہ کو اس کی حیثیت سے زیادہ اہمیت دینا بجائے خود ایک بدعت ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس نو پید بدعت سے اپنے آپ کو بچائیں۔

لہذا جو لوگ ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، ان پر تہمت باندھتے ہیں اور فروعی مسائل کو امت میں انتشار کا ذریعہ بناتے ہیں، عام مسلمانوں کو ان کے اجتماعات میں شرکت سے گریز کرنا چاہئے اور اگر وہ مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں تو چونکہ وہ صالح مسلمانوں کو فاسق قرار دینے کی وجہ سے خود فاسق ہیں، اس لئے ان کی اقتداء سے بھی بچنا چاہئے۔ **ھذا ما عندی و اللہ اعلم و ھو یھدی إلی الحق و بہ التوفیق۔**

عالم کے لئے مولانا کا لفظ

سوال:- {153} کیا کسی عالم کو مولانا کہنا درست ہے؟ کیونکہ سورۂ بقرہ کی آخری آیت میں "مولانا" کا لفظ اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (ابوعمر صدیقی، سنٹرم)

جواب:- مولانا کے معنی ہمارے مولا کے ہیں، یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مالک و آقا، نگران و سرپرست، دوست وغیرہ، اللہ تعالیٰ کے لئے مولانا کا لفظ بمعنی مالک استعمال ہوا ہے، اگر کسی عالم کو دوست اور نگران کے معنی میں احتراما مولانا کہا جائے، تو اس میں حرج نہیں، ایک طویل عرصہ سے یہی علماء و صالحین کا توارث رہا ہے، حضور ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقعہ سے حضرت زید بن الحارثہ ﷺ سے کہا تھا کہ تم ہمارے بھائی اور مولا ہو: "أنت أخونا ومولانا "(۱) اس روایت کو خود امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے خود اپنے لیے بھی "مولیٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے، اور حضرت علی ﷺ کے لئے بھی کہ میں جس کا مولیٰ ہوں، علی ﷺ بھی اس کے مولیٰ ہیں،" من كنت مولاه فعلي مولاه "(۲) اس لئے مولانا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

اولیاء کرام کے ناموں کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ"

سوال:-{154} بعض علماء اولیاء اللہ کے نام کے ساتھ بھی "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" لکھتے ہیں، کیا اس طرح لکھنا درست ہے؟ (محمد حبیب الدین، قادر باغ)

جواب:- "رضی اللہ عنہ" ایک دعائیہ کلمہ ہے، جس کے معنی ہیں "اللہ ان سے راضی ہو"

---

(۱) صحیح البخاري: ۲/۶۱۰۔ محشی۔

(۲) سنن ابن ماجة: ص:۱۲۔ محشی۔

اس لغوی معنی کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ کسی کو یہ دعا دی جاسکتی ہے، لیکن سلف صالحین کے عہد سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے "صلی اللہ علیہ و سلم" انبیاء کرام کے لیے "علیہ السلام" صحابہ کے لیے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" اور دوسرے بزرگوں کے لیے "رحمۃ اللہ علیہ" کہا اور لکھا جاتا ہے، یہی مفسرین ومحدثین اور فقہاء وصوفیاء کا معمول رہا ہے، گویا اس پر امت کا تعامل ہے اور اس تعامل کی وجہ سے یہ لفظ ان اہل اللہ کے مقام ومرتبہ اور حیثیت کی پہچان بن گئی ہے، اگر یہ تعبیر دوسروں کے لیے اختیار کی جائے تو ان کی حیثیت کے جاننے میں التباس واقع ہوسکتا ہے، نیز اس میں سلف صالحین کے تعامل کی مخالفت بھی ہوتی ہے، اور مبالغہ کا بھی احساس ہوتا ہے، اس لیے اس دعائیہ کلمہ کو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی کے لیے استعمال کرنا چاہئے، گو بعض اہل علم نے دوسروں کے لیے بھی یہ کلمہ استعمال کیا ہے، لیکن موجودہ دور کے عرف کے لحاظ سے قرین صواب یہی ہے کہ صحابہ کے علاوہ دوسروں کے لیے یہ تعبیر اختیار نہیں کی جائے۔

مجدد کس کو کہتے ہیں؟

سوال:- {155} مجددین کرام کن کو کہتے ہیں؟
پندرہویں صدی کے مجدد کون ہیں؟ (سید منو حنیف، بھونگیر)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر سلسلۂ نبوت کو ختم فرمادیا ہے، آپ ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آسکتا، آپ ﷺ سے پہلے نبوت کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے جب کسی نبی کی لائی ہوئی تعلیمات مٹ جاتیں اور لوگ حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کردیتے تو اس ملاوٹ کو دور کرنے اور لوگوں کو صحیح راستے پر لانے کی غرض سے نئے پیغمبر مبعوث کیے جاتے تھے، محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے باوجود نہ صرف قرآن کے الفاظ بلکہ اس کے معانی ومقاصد بھی محفوظ ہیں۔

اس لئے اسلام کے مآخذ میں کوئی شخص کمی بیشی اور تحریف و آمیزش نہیں کرسکتا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ دین کے کسی شعبہ میں لوگوں کی کوتاہیاں بڑھ جائیں، اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی تشریح و توضیح میں کوئی گمراہ شخص خیانت سے کام لے، اور اپنے مقصد و منشا کو داخل کرنے کی کوشش کرے، اسی کے تدارک کے لئے اللہ تعالیٰ ہر عہد میں ایک یا چند ایسے افراد کو پیدا کرتے رہیں گے جو امت کی اصلاح کریں، اور اعداء اسلام کی سازشوں کا مقابلہ کر کے اسلام کی فکری اور اعتقادی سرحدوں کی حفاظت کریں، یہی مجدد کہلاتے ہیں۔

چونکہ عام طور پر ایک عہد ''سو سال'' کا سمجھا جاتا ہے، اسی لئے حدیث میں سو سال کا ذکر آیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة
من يجدد لها دينها" (۱)

''بیشک اللہ اس امت کے لئے ہر سو سال پر ایسے شخص کو
بھیجیں گے جو اس کے لئے دین کی تجدید کریں''

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور ایک جماعت بھی ہوسکتی ہے، جن میں بعض شخصیتیں ایک شعبۂ زندگی میں اسلام کی خدمت کریں، اور بعض دوسرے شعبہ میں، یا ایک، ایک علاقہ میں اور دوسرا، دوسرے علاقہ میں۔ (۲) مجدد بدعات کو دور کرتا ہے، اور جو سنتیں مردہ ہو چکی ہوں، ان کو زندہ کرتا ہے، تاہم مجدد کی حیثیت نبی یا اللہ کی طرف سے مامور کی نہیں ہوتی، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو مجدد ہو اس کو اپنا مجدد ہونا معلوم بھی ہو، اس لئے پندرہویں صدی کے مجدد کے بارے میں کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس صدی کے ''مجدد'' ہیں، اور نہ اس کے جاننے اور نہ جاننے سے ایمان اور نجات کا کوئی مسئلہ متعلق ہے۔

---

(۱) سنن أبي داؤد : ص:۵۸۹، کتاب الملاحم ۔محشی۔
(۲) بذل المجهود : ۱۰۳/۵۔

تصوف اور اسلامی نقطۂ نظر

سوال:- (156) تصوف کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف شریعت سے ہٹ کر نئی چیز ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ (علی شاہ، شالی بنڈہ)

جواب:- اصل میں تصوف کا مقصود قلب کی اصلاح، انسان کو فضائلِ اخلاق سے آراستہ کرنا اور رذائلِ اخلاق سے بچانا ہے، اللہ اور رسول کی محبت ہو، آخرت کا خوف ہو، اخلاص ہو، خلق اللہ سے محبت رکھی جائے، کبر نہ ہو، دوسرے کی تحقیر سے بچایا جائے، تواضع و انکساری پیدا ہو، انسان میں بچھنے کی کیفیت ہو، یہی تصوف کا عطر و خلاصہ ہے، کون مسلمان ہوگا جو اس کی اہمیت سے انکار کرے؟

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ بعد کے ادوار میں تصوف کو ایک فلسفہ بنا دیا گیا اور پھر اس میں قدیم مشرقی حکماء کے خیالات سے بھی استفادہ کیا گیا، دوسرے مذاہب کے متبعین میں ریاضت کے جو طریقے مروّج تھے ان کو بھی ایوانِ تصوف میں داخلہ مل گیا، اس کی وجہ سے بہت سی اعتقادی اور عملی بدعتیں بھی اس راہ سے دَر آئیں، اس لئے صحیح یہ ہے کہ نہ تصوف مکمل طور پر نامعتبر اور قابل رد ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ تصوف کے نام سے آج جو کچھ مروّج ہے سب کو قبول کر لیا جائے، کھرے کھوٹے میں فرق کی ضرورت ہے، جن باتوں کی اصل قرآن و حدیث میں موجود ہو، وہ قابلِ قبول ہے اور جن باتوں کی کوئی اصل نہ ہو وہ قابلِ رد ہے۔

کیا فرشتے یا شیطان بدن پر مٹی چھڑکتے ہیں؟

سوال:- (157) غسل کرنے کے بعد بدن کے کسی حصہ پر ملنے سے میل نکلتا ہے، اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ

فرشتے یا شیطان بدن پر مٹی چھڑکتے ہوئے کہتے ہیں کہ تو کتنا
بھی پاک ہو لے، پھر بھی میل نکلتا ہی رہے گا، اسی لئے میل
نکلتا رہتا ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے، کیا واقعی فرشتے یا شیطان
ایسا کرتے ہیں؟ (ڈاکٹر قطب الدین، جگتیال)

جواب:- یہ بالکل بے اصل اور بے سر و پا بات ہے، اور اسلام کے مزاج و مذاق سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میل کا پیدا ہونا ایک فطری چیز ہے، اور اس کو صاف کرنا نظافت کا تقاضا ہے۔

مرد کی خوبصورتی ڈاڑھی اور عورت کی خوبصورتی چوٹی

سوال:-{158} کیا قرآن و حدیث یا کسی مستند
کتاب سے یہ بات ثابت ہے کہ چوتھے آسمان پر فرشتے
صرف یہ ذکر کرنے پر مامور ہیں کہ ''مرد کی خوبصورتی اس کی
ڈاڑھی ہے، اور عورت کی خوبصورتی اس کی چوٹی ہے''؟
(شبیر احمد حقی، عنبر پیٹ)

جواب:- یہ بالکل بے اصل بات ہے، اور اس کا کہیں کوئی ثبوت نہیں، فرشتے آسمان پر اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں، نہ کہ ان فضول باتوں کا ذکر، ہاں یہ ضرور ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے، (۱) اور رسول اللہ ﷺ نے متعدد مواقع پر اس کی تاکید فرمائی ہے۔ (۲)

---

(۱) "و لذا یحرم علی الرجل قطع لحیته" (رد المحتار: ۵۸۳/۹) محشی۔

(۲) "عن نافع عن ابن عمر ﷺ قال: احفوا الشوارب و اعفوا اللحي" الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۹۱۳، باب ما جاء في اعفاء اللحية، كتاب الاستيذان و الأدب، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۱۹۳، باب في أخذ الشارب، كتاب الترجل۔ محشی۔

قرآن مجید سے متعلق سوالات

اگر قرآن گر جائے؟

سوال:- {159} اگر اتفاق سے قرآن مجید چھوٹ جائے تو اسے پیشانی سے لگا کر بوسے لیا جاتا ہے، گر جائے تو نمک، گیہوں اور قرآن کا عطیہ دیا جاتا ہے، کیا یہ عمل صحیح ہے؟
(محمد قمر الدین وغیرہ، مشیر آباد)

جواب:- قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اس لئے اس کے واجب الاحترام ہونے میں کوئی شبہ نہیں، قصداً قرآن مجید کی اہانت کفر ہے، البتہ اگر بلا ارادہ قرآن ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تو چونکہ قصد وارادہ کو دخل نہیں، اسلئے اس پر کچھ گناہ نہیں، قرآن کو احتراماً آنکھوں سے لگانے یا بوسہ لینے میں کوئی قباحت نہیں، لیکن یہ سمجھنا کہ اس موقعہ سے بہ طور کفارہ گیہوں وغیرہ صدقہ کیا جائے، درست نہیں، نہ قرآن وحدیث میں اس کا ذکر ہے، نہ فقہ کی کتابوں میں۔

قرآن مجید اور امام مہدی

سوال:- {160} کیا امام مہدی علیہ السلام کا کہیں قرآن پاک میں ذکر ہے؟ (جنید بکڈ پو، مشیر آباد)

جواب:- قرآن میں امام مہدی کا ذکر نہیں، البتہ امام مہدی کے ظہور اور ان کی علامات کے سلسلہ میں حدیثیں بکثرت وارد ہیں،۔(۱)

قرآن مجید میں ''ابراہیم'' کا رسم الخط

سوال:- {161} قرآن معظم میں سورۂ بقرہ کی حد تک حضرت ''ابراہیم'' کا املاء ''ابراھیم'' بقیہ قرآن میں ''ھاء'' ہوز کے بعد یائے حطی درج ہے، اس میں کیا حکمت مضمر ہے؟

(نامعلوم)

جواب:- دونوں طرح ابرہیم کی کتابت درست ہے، ویسے بھی یہ لفظ غیر عربی ہے؛ اس لئے جن حروف تہجی سے بھی ابراہیم کی آواز کی ترجمانی ہوجاتی ہے، ان سے لکھنا کافی ہوگا، ''ی'' کا لکھنا ضروری نہ ہوگا، تاہم قرآن مجید کا رسم الخط بھی توقیفی ہے، اور جہاں جس طرح تحریر کیا گیا ہے، وہاں اس خط کی پیروی اور اس کے مطابق لکھنا ضروری ہے، بظاہر چونکہ معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی؛ اس لئے صحیح حکمت تو خدا ہی کو معلوم ہے، البتہ ہوسکتا ہے کہ اس بات کی تعلیم دینی مقصود ہو کہ اس لفظ کی کتابت ہر دو طریقہ سے کی جاسکتی ہے۔

''إِنِّي مُتَوَفِّيكَ'' کی تفسیر

سوال:- {162} مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح

(۱) سنن أبي داؤد، عن أبي سعيد الخدري ﷺ، حدیث نمبر: ۴۲۸۵۔ محشی۔

زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے ہیں، اوران پر ابھی موت طاری نہیں ہوئی ہے، حالانکہ قرآن مجید ناطق ہے : ﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ (آل عمران) احمدی حضرات کہتے ہیں کہ یہاں ''توفی'' سے مراد موت ہے، اور ''رفع'' سے روحانی بلندی اور فضیلتِ درجات مراد ہے، اور قرآن میں ہر جگہ یہ الفاظ انہیں معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، اور ''توفی'' کے معنی مرزا غلام احمد صاحب کی تشریح کے مطابق بالکل وہی ہے، جو موت کے ہیں، اس سلسلہ میں علماء اسلام کی رائے کیا ہے؟ (عبدالمتین، گجرانوالہ، پاکستان)

جواب:- آپ کے سوال کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: اول: یہ کہ ان آیات کی صحیح تفسیر کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ ''تـوفـي'' کے معنی وہی ہیں جو موت کے ہیں؟ اور تیسرے کیا ''رفع'' کا لفظ جسمانی رفع کے لئے آتا ہے، یا صرف رفعِ درجات کے لئے؟

(الف) اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اس بات کا اطمینان دلایا کہ یہود جو آپ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہیں وہ اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہوں گے، اور آپ کی عمر (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے) پوری کی جائے گی، اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت جسم و روح کے ساتھ دنیا سے اٹھالیگا، ﴿وَرَافِعُكَ اِلَىَّ﴾ (۱) نیز کافر آپ کو کسی قسم کی گزند پہونچانے میں کامیاب نہ ہوسکیں گے ﴿وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (۲) یہ تفسیر نہ صرف یہ کہ لغت کے مطابق ہے، بلکہ ان متواتر احادیث کے

(۱) آل عمران: ۵۵۔
(۲) حوالہ سابق

مطابق بھی ہے جن سے حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان کی طرف صعود اور پھر قرب قیامت میں آپ علیہ السلام کا نزول معلوم ہوتا ہے، اور جو دراصل قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر کے لئے اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اگر اس آیت کا مفہوم محض اس قدر ہے کہ آپ علیہ السلام پر طبعی موت طاری ہوگی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو بلند درجات عطا فرمائیں گے اور یہودیوں کے افتراء سے آپ علیہ السلام کو مطہر و پاک کرلے گا ـــــ تو یہ ایک بے معنی بات ہوگی، اس لئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور وہ خود اس حقیقت سے واقف تھے کہ یہ سب کچھ یہودیوں کا افتراء ہے، اور دعوت حق میں ان کی ثابت قدمی ان کے لئے آخرت میں سرخ روئی کا باعث ہوگی، اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تسلی اور طمانیت کا کیا سامان ہوسکتا ہے؟

قرآن مجید نے ایک دوسرے موقع پر کہا ہے:

﴿ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ﴾(۱)

''لوگوں نے آں حضرت (عیسیٰ) علیہ السلام کو قتل نہیں کیا،
بلکہ بالیقین اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا''

اگر اس آیت کا مفہوم یہ ہوتا کہ لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا تھا، بلکہ محض زخمی کردیا تھا، اور پھر علاج کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام تندرست ہوگئے، اور چند دن چھپ چھپ کر وہاں رہے، پھر وہاں سے ہجرت کرگئے اور سرینگر میں آکر ان کی وفات ہوئی، تو قرآن کو کہنا چاہئے تھا ''و ما قتلوه بل جرحوه و امره الله بالهجرة'' اس لیے کہ ''بل'' کا لفظ عربی زبان میں ''ما سبق'' کی نفی کرکے بعد والی ایسی بات کو ثابت کرنے کے لیے آتا ہے، جو اس کا منافی ہو، اور اس کے خلاف ہو، اور ظاہر ہے کہ درجات کی بلندی اور قتل کیے جانے میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ یہ کہنا صحیح

(۱) النساء: ۱۵۸-۱۵۷۔ مرتب۔

ہو کہ لوگوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے درجات اللہ تعالیٰ نے بلند کر دیے ہیں۔

(ب) ''تـوفـي'' کے اصل معنیٰ پورا کرنے اور پورا پورا دینے اور پورا پورا وصول کرنے کے ہیں، موت بھی چوں کہ عمر پوری کر دینے اور روح کو مکمل طور پر وصول کر لینے کا نام ہے، اس لیے کبھی کبھی ''موت'' کو بھی ''تـوفـي'' سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ''تـوفـي'' موت کے ہم معنیٰ لفظ ہے، اور جہاں کہیں بھی یہ لفظ استعمال ہو اس کے معنیٰ موت ہی کے ہوں گے۔

اس کے لیے خود قرآن مجید کی شہادت پیش کی جا سکتی ہے، قرآن نے کہیں اس لفظ کو پورا پورا دینے کے معنی میں استعمال کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ ثُمَّ تُوَفّٰي كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ﴾ (۱)

''ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

کبھی نیند کے معنی میں:

﴿ وَ هُوَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّيْلِ ﴾ (۲)

''وہی خدا ہے جو رات میں تم کو سلاتا ہے''

اور کبھی موت کے معنی میں:

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ ﴾ (۳)

''اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو موت دے گا''

''تـوفـي'' کے معنیٰ موت کے مرادف لفظ نہ ہونے کا واضح ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے خود ''موت'' کو فعل ''توفي'' کے فاعل کی حیثیت سے ذکر کیا ہے:

---

(۱) ال عمران:۱۶۱۔
(۲) الانعام:۶۰۔
(۳) النحل:۷۰۔

﴿ فَـأَمۡسِكُوهُنَّ فِي الۡبُيُوتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰاهُنَّ الۡمَوۡتُ﴾(۱)

''ان پر موت آنے تک ان کو گھروں میں روکے رکھو''

﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا ﴾(۲)

''اللہ تعالیٰ موت کے وقت جان کو وصول کر لیتا ہے''

اور کبھی ''موت'' کو شرط کے انداز پر اور ''توفي'' کو اس کے جواب کے طریقہ پر ذکر کیا ہے:

﴿حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا﴾(۳)

''جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے، تو اس کو ہمارے فرشتے پورا پورا وصول کر لیتے ہیں''

یہ ساری باتیں عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ''توفي'' کا اصل معنی موت کے نہیں ہیں، اور ہر جگہ یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہو یہ ضروری نہیں، البتہ مجازاً اور کنایۃً اس سے کبھی کبھی موت کے معنی مراد لے لیے جاتے ہیں۔

(ج) ''رفع'' کے حقیقی معنی کسی چیز کو جسم سمیت اٹھا لینے یا بلند کرنے کے ہیں، قرآن مجید میں اکثر مواقع پر اس لفظ کے معنی یہی لیے گیے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِىۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ عَمَدٍ ﴾(۴)

''خدا ہی ہے جس نے ستون کے بغیر آسمانوں کو اٹھا رکھا ہے''

---

(۱) النساء:۱۵۔

(۲) الزمر:۴۲۔

(۳) الانعام:۶۱۔

(۴) الرعد:۲۔

﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ ﴾(۱)

"جب ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں بلند کررہے تھے"

﴿ وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ ﴾(۲)

"یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا"

اور جہاں کہیں اس حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازاً روحانی رفع اور بلندی درجات کے لیے استعمال کیا گیا ہے، یا کسی غیر مادی چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہاں کوئی نہ کوئی ایسا لفظ لے آیا گیا ہے جس سے اس مفہوم کی وضاحت ہوجائے، مثلاً:

﴿ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَات ﴾(۳)

"تم میں سے بعض کے درجات بعض سے بلند کئے"

﴿ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ (۴)

"ہم نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا"

﴿ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾(۵)

"اپنی آواز حضور ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو"

یہاں "رفع" کے ساتھ درجات، ذکر اور صوت (آواز) کی صراحت اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ یہاں یہ لفظ اپنے حقیقی اور اصل معنی میں استعمال نہیں کیا جارہا ہے: ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ میں بھی چوں کہ اس کی صراحت نہیں ہے، بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو "ک"

---

(۱) البقرة :۱۲۷۔

(۲) يوسف :۱۰۰۔

(۳) الانعام:۱۶۵۔

(۴) الشرح :۴۔

(۵) الحجرات :۲۔

(ضمیر خطاب) کے ساتھ کہا گیا ہے کہ آپ کو ہم اپنی طرف اٹھالیں گے اور یہ '' آپ '' کا لفظ جسم و روح کے مجموعہ کا نام ہے، اس لیے اس سے ظاہر ہے کہ یہاں جسمانی طور پر اٹھا لیے جانے کا معنیٰ مراد ہے۔

"لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى " سے مراد

سوال:- {163} قرآن مجید میں سورۂ اعلی میں دوزخیوں کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ﴿ ثُـمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰ ﴾ یعنی وہ نہ اس میں جیئں گے اور نہ مریں گے، حالانکہ ظاہر ہے کہ یا تو جئیں گے یا مریں گے، ان دونوں کے علاوہ تیسری صورت نہیں ہو سکتی، اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟ (محمد عبدالامین اطہر، بیلندو)

جواب:- قیامت میں جب لوگ جنت و دوزخ میں داخل کردیے جائیں گے، تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، اور اسے ذبح کر دیا جائے گا، یہ علامتی طور پر اس بات کا اظہار ہوگا کہ اب کسی پر موت نہیں آئے گی، اہلِ جنت کے لئے اس سے زیادہ خوشی کا کوئی دن نہ ہوگا، کہ یہ ان کے لئے عیش دوام کا مژدہ جانفزا ہوگا اور اہل دوزخ کے لئے اس سے زیادہ حزن و ملال کا کوئی دن نہ ہوگا کہ یہ ان کے لئے نہ ختم ہونے والے رنج و محن کا اعلان ہوگا، یہ باتیں صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں۔(۱) اور قرآن مجید نے اہل جنت اور اہل دوزخ کے

---

(۱) ''قال رسول الله ﷺ : إذا صار أهل الجنة إلى الجنة ، و أهل النار إلى النار، جيئ بالموت حتى يجعل بين الجنة و النار ، ثم يذبح ، ثم ينادي مناد: يا أهل الجنة لا موت ، و يا أهل النار لا موت ، فيزداد أهل الجنة فرحا إلى فرحه ، و يزداد أهل النار حزنا إلى حزنهم '' عن عبد الله بن عمر ، صحيح البخاري حدیث نمبر:۶۵۴۸، باب صفة الجنة و النار، كتاب الرقاق .

لئے خلود و دوام کی بات بار بار کہی ہے، وہ بھی اس پر واضح دلیل ہے، پس حاصل یہ ہے کہ اہل دوزخ بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے، سورۂ اعلیٰ میں جو بات فرمائی گئی ہے کہ وہ نہ اس میں زندہ رہیں گے، اور نہ مریں گے، اس میں زندہ نہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ زندگی کے لطف سے محروم رہیں گے، زندگی تو ہوگی لیکن زندگی کی راحت اور سکون سے خالی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔

''اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ'' کی تشریح

سوال:- {164} قرآن مجید میں سورہ مؤمن آیت نمبر ۱۱ میں ہے ﴿اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ ''ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دو بار مارا، اور دو بار جلایا'' یہ دو بار مرنا اور دو بار جلانا کب کب ہوتا ہے؟

(ایم اے بشیر، پالونچہ)

جواب:- اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ، قتادہؒ اور ضحاکؒ کی رائے ہے کہ پہلی موت سے مراد نطفہ وغیرہ کی کیفیت ہے، جو باپ کے صلب میں ہوتی ہے، اور مارنے سے مراد بے روح حالت میں رکھنا ہے، دوسری موت وہ ہے جو دنیا میں آتی ہے، اور پہلی زندگی سے مراد انسان کا دنیا میں زندہ پیدا ہونا ہے، اور دوسری زندگی سے مراد موت کے بعد آخرت کی بعثتِ ثانیہ'' (۱) یہی تفسیر زیادہ درست معلوم ہوتی ہے، اور اکثر مفسرین کا رجحان اسی طرف ہے۔

سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں؟

سوال:- {165} سورہ توبہ کے شروع میں ''بسم اللہ

(۱) تفسیر قرطبی: ۹۷/۱۵۔

الرحمن الرحیم ''نہیں رہنے کی وجہ کیا ہے؟ یہ سورہ کب نازل ہوئی، ہم لوگوں نے سنا ہے کہ طوفان نوح کے وقت سورہ توبہ نازل ہوئی؟ (فوزیہ جبین، جگتیال)

جواب:- حضرت عثمان غنی ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی، تو آپ ﷺ کاتبین وحی میں سے کسی کو بلاتے اور فرماتے کہ اسے فلاں سورہ میں شامل کردو، جب سورہ مکمل ہوتی تو ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھاتے، سورہ انفال آپ ﷺ پر مدینہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، اور سورہ توبہ کے نزول کا سلسلہ آپ ﷺ کی وفات تک رہا ہے، صورت حال یہ ہے کہ سورۂ انفال کی آخری اور سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات کے مضامین میں مناسبت پائی جاتی ہے، آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ ﷺ نے یہ بات متعین نہیں فرمائی کہ سورۂ توبہ کا موقع ومحل کیا ہوگا، اور ترتیب کے لحاظ سے اسے کہاں جگہ دی جائے؟ اس لئے دونوں سورتوں میں مناسبت کی وجہ سے سورۂ توبہ کو سورۂ انفال کے بعد رکھا گیا، اور چونکہ یہ بات واضح نہیں تھی کہ سورۂ توبہ الگ سورہ ہے یا سورۂ انفال ہی کا جزء ہے، اس لئے ان دونوں کے درمیان ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھنے سے اجتناب کیا گیا۔ (۱)

مفسرین کے بیان کے مطابق سورۂ توبہ غزوہ تبوک کے موقع سے نازل ہوئی، (۲) طوفان نوح ﷺ کے موقع سے اس سورہ کے نازل ہونے کا کوئی معنی نہیں، کیونکہ یہ واقعہ تو رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے صدیوں پہلے کا ہے۔

آسمانی کتابوں میں ترتیب

سوال:- (166) آسمانی چار کتابوں میں پہلی، دوسری،

(۱) تفسیر قرطبی: ۶۲/۸، فتح الباری، کتاب التفسیر: ۱۶۴/۸۔
(۲) تفسیر قرطبی: ۶۱/۸۔

تیسری اور چوتھی کی ترتیب کیا ہے؟

(شیخ محمد لائق علی، ظہیر آباد)

جواب:- جن چار کتابوں کا قرآن کریم میں صراحتاً ذکر آیا ہے یعنی توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن مجید، ان کے نازل ہونے کی ترتیب بھی یہی ہے، پہلے توراۃ حضرت موسیٰ ﷺ پر، پھر زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، اس کے بعد انجیل حضرت مسیح علیہ السلام پر اور آخر میں قرآن مجید حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔

سورۂ یٰسین قرآن کا دل اور سورۂ رحمان قرآن کا عروس

سوال:- {167} سورۂ یٰسن قرآن کا دل ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اسی طرح وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ کہ رحمان قرآن کا عروس ہے، کہاں آئی ہے؟ (س،ج)

جواب:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا دل ہے، اور قرآن کا دل ''یٰسن'' ہے، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، '' ھذا حدیث حسن غریب ''(۱) اور حسن کے درجہ کی حدیثیں معتبر شمار کی جاتی ہیں، بالخصوص فضائل میں، سورۂ رحمان کے عروس قرآن ہونے کی حدیث کو مشہور مفسر امام قرطبیؒ نے اپنی ''تفسیر الجامع لأحکام القرآن'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔(۲)

برادران وطن کو قرآن مجید مع ترجمہ دینا

سوال:- {168} برادن وطن کو قرآن مجید مع ترجمہ

---

(۱) الجامع للترمذی:۲/۱۱۶۔

(۲) دیکھئے: الجامع لأحکام القرآن:۱۷/۱۵۱۔

دیا جاسکتا ہے؟　　(ابوالفہد، نظام آباد)

جواب:- امام صاحبؒ سے منقول ہے کہ نصرانیوں کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے میں کچھ حرج نہیں کہ شاید یہی اس کے لئے وسیلۂ ہدایت بن جائے؛ " أعلم النصراني الفقه والقرآن لعله یهتدي "(۱) خاص کر موجودہ حالات میں اس بات کی ضرورت ہے کہ جن غیر مسلموں سے اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ وہ لے کر اس کی اہانت کریں گے، تو ان کو قرآن اور اس کا ترجمہ دیا جائے، تا کہ اسلام اور قرآن کے بارے میں غلط فہمیاں دور ہوں۔

وزیر اعظم کو قرآن مجید پیش کرنا

سوال:- {169} بعض اخبارات میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک مولوی قسم کی شخصیت نے قرآن مجید وزیر اعظم کو پیش کیا، جبکہ قرآن مجید کو باوضو چھونے کا حکم ہے، کیا یہ بے حرمتی نہیں ہے؟　　(عبدالمجید، تالاب کٹہ)

جواب:- دعوتِ اسلام کے نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کو قرآن شریف یا اس کا ترجمہ دینا جائز ہے، قرآن مجید چھونے کے لئے وضو کرنے کا حکم مسلمانوں کے لئے ہے، جو لوگ دائرۂ ایمان میں داخل ہی نہیں ہوئے، وہ اس حکم کے مخاطب نہیں ہیں، کیوں کہ غیر مسلم حضرات جب تک ایمان نہ لائیں، شریعت کے فروعی احکام ان سے متعلق نہیں ہوتے، رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو جو خطوط لکھے، ان خطوط میں بھی قرآن مجید کی آیات تھیں، حالانکہ وہ غیر مسلم تھے؛ البتہ اگر کسی غیر مسلم سے قرآن کی توہین کا اندیشہ ہو تو اسے قرآن نہ دینا چاہئے۔

قرآن مجید میں نور سے مراد

سوال:- {170} اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ قَدْ جَائَکُمْ

(۱) الفتاوی الهندیة: ۵/۳۲۳، کتاب الکراهیة۔

مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ ﴾ اس آیتِ پاک میں ''نور''
سے مراد حضور ﷺ ہیں یا قرآن مجید؟

(محمد عثمان، یاقوت پورہ)

جواب:- نور کے معنی ''ضیاء'' یعنی روشنی کے ہیں، یہاں یہ لفظ بطورِ تشبیہ وکنایہ کے استعمال ہوا ہے، اس کی مراد کے سلسلے میں امام رازیؒ نے تین اقوال ذکر کے ہیں: اول یہ کہ اس سے رسول اللہ ﷺ مراد ہیں، یہ قول مشہور مفسر زجاج کا ہے، چوں کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نور نبوت سے سرفراز فرمایا ہے، اس لئے آپ ﷺ کو نور سے تعبیر کیا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے اسلام مراد ہے، کیوں کہ اسلام ہی سے ہدایت کی روشنی حاصل ہوسکتی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید ہی مراد ہے اور آگے قرآن مجید کا لفظ اسی نور کی تشریح وتفسیر کے لے آیا ہے، لیکن چوں کہ آگے کتاب مبین کا لفظ مستقل طور پر مذکور ہے، اس لیے امام رازیؒ نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۱) غرض کہ دونوں معنوں کی گنجائش ہے، اس سے حضور ﷺ مراد ہوں یا دینِ اسلام، ہر صورت میں یہ لفظ بطورِ تشبیہ وکنایہ استعمال ہوا ہے۔

درود لکھی پڑھنے کا حکم

سوال:- {171} اکثر سورتوں کے مجموعہ کے اخیر میں ''درود لکھی'' لکھا ہوتا ہے، ان درودوں کے پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(سید نوید اختر، مغلپورہ)

جواب:- راقم الحروف نے تاج الوظائف میں اس درود کو دیکھا، اس درود میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جو خلاف شرع ہو، اس لئے اس درود کے پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ اہل علم نے لکھا ہے کہ سب سے افضل درود ''درودِ ابراہیمی'' ہے، جس کا رسول اللہ ﷺ نے ہماری

---

(۱) دیکھئے: التفسیر الکبیر أو مفاتیح الغیب: ۱۰/۶۳۲، قرطبی: ۶/۱۱۸۔

نمازوں کے لئے انتخاب فرمایا ہے، اور خود بھی پڑھا ہے، (۱) اس لئے زیادہ سے زیادہ اسی درود کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اخبارات میں قرآنی آیات

سوال:- {172} آج کل اخباروں میں قرآنی آیات و احادیث لکھی جاتی ہیں، پڑھنے کے بعد اکثر یہ اخبارات ردّی کی دکانوں میں چلے جاتے ہیں، وہ جیسے چاہیں ان کا استعمال کرتے ہیں، تو کیا اخبارات میں آیات واحادیث کا لکھنا مناسب ہے؟ کیا ان کو بے وضو چھویا جاسکتا ہے؟ اور ان اخبارات سے کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ (محی الدین، سوارام کالونی)

جواب:- (الف) اخبارات خبریں اور مفید معلومات پہنچانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں، کتابیں ہزار ڈیڑھ ہزار چھپتی ہیں، اور پانچ دس سال میں فروخت ہوتی ہیں، اخبارات ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں، اور ایک ہی دن میں بہت بڑے علاقہ تک پہنچ جاتے ہیں، اس لئے یہ خیر کی باتوں کو پہنچانے کا بہت قوی اور مؤثر ذریعہ ہے، جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اخبار میں آیات واحادیث اور ان کے تراجم کا طبع کیا جانا مناسب بلکہ بہتر ہے، رسول اللہ ﷺ نے خود بھی غیر مسلم فرمان رواؤں کو خطوط لکھے ہیں، جن میں قرآنی آیات اور اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک بھی موجود تھا، (۱) کیونکہ مقصود دعوت دین ہے، یہی مقصد اخبارات میں اچھے مضامین

---

(۱) " سئلنا رسول الله ﷺ فقلنا: يارسول الله ﷺ !كيف الصلاة عليكم أهل البيت ، فإن الله قد علمنا كيف نسلم عليكم ؟ قال : قولوا اللّٰهم صلِّ على محمد و علىٰ آل محمد كما صليت على إبراهيم و على آل إبراهيم انك حميد مجيد ، اللّٰهم بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على إبراهيم و على آل إبراهيم إنك حميد مجيد " (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۳۳۷۰، صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۴۰۶۰)

(۲) زاد المعاد :۳/۶۸۸ ۔ محشی۔

کی اشاعت کا ہے، اس لئے اس سے منع کرنا کسی طور مناسب نہیں۔

(ب) آیات کے ترجمے اور احادیث کو بے وضوء چھونا جائز ہے، البتہ اگر قرآن کے الفاظ ہوں، تو اخبار کے اس ورق کو تو چھو سکتے ہیں، لیکن وضو کے بغیر خاص ان الفاظ پر ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے۔(۱)

(ج) اخبارات کے مذہبی شمارے تو محفوظ کر دینے چاہئیں، تا کہ وقتاً فوقتاً آپ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، جو صفحات خالصتاً مذہبی نہ ہوں اور ان میں آیات واحادیث کے ترجمے ہوں، تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کے تراشے کاٹ کر الگ رکھ لئے جائیں، اگر جابجا آیتوں کے ٹکڑے اور احادیث لکھی ہوئی ہوں تو پورا اخبار ہی محفوظ کر لیں، اور دکانوں کو فروخت کرنے کی بجائے ان کاغذات کو دفن کر دیا جائے، قرآنی آیات کے لکھے ہوئے ایسے ٹکڑے جن کا احترام برقرار رکھنا دشوار ہو، فقہاء نے ان کے لئے یہی حکم دیا ہے کہ ان کو ایسی جگہ دفن کر دیا جائے، جہاں گندگی نہ ڈالی جاتی ہو اور جو عام لوگوں کی گزرگاہ نہ ہو، (۲) اس طرح قرآن مجید کا ادب و احترام بھی باقی رہے گا، اور دعوتی اور تذکیری مقاصد بھی پورے ہوسکیں گے۔

پشت کے پیچھے قرآن مجید رکھنا

سوال:- (173) اکثر دیکھا گیا ہے کہ مدارس میں بچوں

---

(۱) " قوله : و مسه أى القرآن و لو في لوح أو درهم أو حائط لكن لا يمنع إلا من مس المكتوب بخلاف المصحف فلا يجوز من الجلد و موضع البياض منه " (رد المحتار :۱/۴۸۸، نیز دیکھئے:البحر الرائق :۱/۳۴۹) محشی۔

(۲) " المصحف إذا صار خلقا لا يقرأمنه ، ويخاف أن يضيع ، يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ... موضعا يخاف أن يقع عليه النجاسة أو نحو ذلك " (الفتاوى الهندية : ۵/۳۲۳، الباب الخامس في آداب المسجد و القبلة والمصحف ، كتاب الكراهية) محشی۔

کو ایک کے پیچھے ایک کو بیٹھا کر قرآن کی تعلیم دیتے ہیں، ایسی صورت میں قرآن کی طرف بعض بچوں کی پیٹھ ہو جاتی ہے، تو کیا قرآن کی طرف پیٹھ کرنا منع ہے؟ اور اگر منع ہو تو جب بچے کثیر تعداد میں ہوں، اور جگہ تنگ ہو تو اس طرح قرآن رکھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ (فوزیہ جبین، جگتیال)

جواب:- قرآن یا حدیث میں تو اس طرح پشت کرنے کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے، اور غالباً فقہاء نے بھی اس کی صراحت نہیں کی ہے، لیکن اتنی بات تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا احترام واجب اور اس کی بے احترامی گناہ ہے، احترام اور بے احترامی کا تعلق دو باتوں سے ہوتا ہے، ایک تو دل کے ارادہ سے، دوسرے عرف ورواج سے، عرف ورواج کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کو سماج میں بے احترامی سمجھا جاتا ہو وہ بے احترامی متصور ہوگی، اور جس فعل کو عرف میں احترام کے خلاف نہ سمجھا جاتا ہو وہ جائز ہوگا، —— یہ ایک حقیقت ہے کہ مشرقی علاقوں میں کسی چیز کو پشت کے پیچھے رکھنا احترام کے مغائر سمجھا جاتا اور سوئے ادب تصور کیا جاتا ہے، اسی لئے اگر کوئی بڑا آدمی بیٹھا ہو، تو چھوٹا اس کے سامنے اپنی پیٹھ کر کے نہیں بیٹھتا، اس لحاظ سے کوشش یہی کرنی چاہئے کہ قرآن مجید کی طرف پیٹھ کر کے نہ بیٹھا جائے، لیکن اگر جگہ کی تنگی ہو تو اس طرح بیٹھانے کی گنجائش ہے، کیونکہ تعلیمِ قرآن خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا دل قرآن کی عظمت سے معمور ہے، اور اس کا یہ فعل بے احترامی یا کم احترامی کی وجہ سے نہیں ہے۔

سوال:- اکثر دیکھا گیا ہے کہ مدارس میں بچوں کو ایک کے پیچھے ایک کو بیٹھا کر قرآن کی تعلیم دیتے ہیں، اس طرح بٹھانے سے قرآن کو پیٹھ لگتی ہے، تو کیا بچے زیادہ ہونے کی صورت میں اس طرح تعلیم دی جا سکتی ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- قرآن مجید کا احترام کرنا واجب ہے، جانتے بوجھتے بے احترامی سخت گناہ ہے، بلکہ کفر کا اندیشہ ہے، البتہ احترام و بے احترامی کا تعلق دو باتوں سے ہے، ایک تو عرف و رواج سے کہ جس چیز کو سماج میں بے احترامی سمجھا جاتا ہو وہ بے احترامی سمجھی جائے گی، دوسرے خود اس شخص کے قصد و ارادہ سے، اگر کوئی بات صریحاً بے احترامی کی نہ ہو، اور اس کا ارادہ بھی اہانت اور بے احترامی کا نہ ہو، تو اسے اہانت تصور نہیں کیا جائے گا، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ''قرآن مجید کو سر کے نیچے رکھنا درست نہیں، لیکن اگر سفر میں حفاظت اور نگہداشت کی نیت سے رکھے تو گنجائش ہے'' چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وضع المصحف تحت رأسه في السفر للحفظ لابأس به" (۱)

چونکہ یہاں جگہ کی تنگی کی وجہ سے قرآن مجید کو پیچھے رکھ کر پڑھنا پڑ رہا ہے، اور بے احترامی اور ناقدری مقصود نہیں، اس لئے یہ صورت جائز ہے، تاہم حتی المقدور کوشش یہی کرنی چاہئے کہ قرآن مجید کو پیچھے رکھنے سے بچا جائے کہ اس سے بچوں کی تربیت میں بھی مدد ملے گی۔

قرآن کی طرف پاؤں کرنا

سوال:- {174} ہمارے مکان کے کمرہ میں لوگ قبلہ رخ سر کر کے سویا کرتے ہیں، اس طرح مشرق کی طرف ہمارا پاؤں ہوتا ہے، اسی جانب اونچے مقام پر ایک محراب ہے، جس میں قرآن مجید اور دوسری مذہبی کتابیں رہتی ہیں، کیا اس طرح سونا مناسب ہے؟ (انجم رشید، نا مپلی)

جواب:- قرآن و حدیث کا خصوصاً اور دوسری دینی کتابوں کا عموماً احترام ملحوظ رکھنا

(۱) الفتاوی الهندية :۵/۳۲۲۔

ضروری ہے، اوران کتابوں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرنا جس کو عرف میں اہانت آمیز رویہ تصور کیا جاتا ہو، جائز نہیں، تاہم اگر کتاب پاؤں کے مقابلہ میں نہ پڑتی ہو، بلکہ اوپر کی جانب ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، فقہاء نے بھی صراحتا اس کی اجازت دی ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''عالمگیری'' میں ہے:

"مَدُّ الرجلين الى جانب المصحف ان لم يكن بحذائه لا يكره وكذا إذا كان المصحف معلقا في الوقد وهو قد مدّ الرِجل الى ذلك الجانب لايكره"(۱)

لاعلمی میں کرسف پر قرآن مجید رکھ دینا

سوال:- (175) میرے مکان میں دروازہ کے اوپر کمان بنا ہوا ہے، وہاں پر نہ جانے کس نے حیض کا کپڑا رکھدیا تھا، مجھے نہیں معلوم تھا، میں نے قرآن مجید وہیں پر رکھدیا اور نہ جانے کتنے دن ہوئے تھے، جب میں مکان کی صفائی کر رہی تھی، اس وقت وہ کپڑا قرآن کے بازو سے نیچے گرا اب تک میں پریشان ہوں اور ڈر رہی ہوں، آپ لوگ مہربانی فرما کر اس کا جو بھی حل ہے، لکھ دیں تو مہربانی ہوگی۔ (زاہد النساء)

جواب:- قرآن مجید خدا کی کتاب ہے، اس کا احترام اور پاک جگہ رکھنا ضروری ہے، البتہ اگر آدمی کے قصد و ارادہ کے بغیر اتفاقا کبھی ایسی بات پیش آگئی کہ ناپاک جگہ پر قرآن رکھ دیا تو انشاء اللہ اس پر عند اللہ مؤاخذہ نہ ہوگا، آپ کو اس عمل سے جو ندامت اور شرمساری ہوئی، وہی کافی ہے۔

(۱) الفتاوی الهندية :۳۲۲/۵۔

آیۃ الکرسی کی بنی ہوئی لاکٹ

سوال:- (176) میرے گلے میں ایک لاکٹ ہے، جس پر آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے، کیا اس کو پہن کر بیت الخلاء جا سکتے ہیں؟ یا اس کو اتارنا ضروری ہوگا؟ (معراج فاطمہ، مرادنگر)

جواب:- ایسی لاکٹ کا پہننا بجائے خود مناسب نہیں، کیونکہ اس سے قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی بے احترامی کا اندیشہ ہے، سوتی ہوئی حالت میں یہ لاکٹ جسم کے نیچے دب سکتی ہے، ناپاک بستر سے لگ سکتی ہے، بہنی ہوئی حالت میں غسل کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اس لئے ایسی چیزیں پہننے سے اجتناب کرنا چاہئے، جہاں تک اس کو پہن کر بیت الخلاء جانے کی بات ہے تو یہ مکروہ ہے۔

"علی هذا اذا كان عليه خاتم وعليه شئ من القرآن مكتوب أو كتب عليه اسم الله فدخل المخرج معه يكره" (۱)

''اس اصول کے مطابق جب کوئی شخص انگوٹھی پہنے ہوا ہو اور اس پر قرآن یا اللہ کا نام لکھا ہوا ہو، پھر وہ اس کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل ہو جائے تو یہ مکروہ ہے''

پس یہی حکم جو فقہاء نے انگوٹھی کا لکھا ہے، لاکٹ کا بھی ہوگا۔

آیات واحادیث میں نسخ

سوال:- (177) ہمارے ایک دوست کہتے ہیں کہ

(۱) الفتاوی الهندية :۳۲۳/۵، الباب الخامس في آداب المسجد و القبلة والمصحف ، كتاب الكراهية۔محشی۔

بہت سی آیتیں تو باقی ہیں، لیکن ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے،
اور بعض آیتوں کا حکم باقی ہے، لیکن وہ خود منسوخ ہو چکی ہیں،
کیا یہ بات درست ہے؟ (خان مقصود خان، پھولا نگ)

جواب:- یہ درست ہے کہ قرآن وحدیث میں بعض باتیں منسوخ ہوئی ہیں، کیونکہ جیسے ایک مریض کے لئے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ اس کے حالات کے لحاظ سے دوا کے نسخہ میں تبدیلی لائی جائے، اسی طرح احکام میں بھی انسانی سماج کی صلاحیت اور لیاقت کی وجہ سے تغیر کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت فرماتے ہوئے احکام میں تبدیلیاں فرمائی ہیں، جو ہمارے علم کے اعتبار سے تبدیلی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے سے یہ بات موجود تھی فلاں حکم کے بعد یہ حکم دیا جائے گا۔

جیسا کہ آپ نے دریافت کیا ہے نسخ کی تین صورتیں ہیں:

(الف) الفاظ بھی منسوخ ہو گئے ہوں، اور ان سے ثابت ہونے والا حکم بھی باقی نہ رہا ہو،

(ب) الفاظ باقی ہوں، لیکن حکم باقی نہیں رہا،

(ج) الفاظ باقی نہ ہوں لیکن حکم باقی ہو،

جمہور کے نزدیک نسخ کی تینوں صورتیں واقع ہوئی ہیں۔ (۱)

نزول قرآن مجید کی مدت

سوال:- {178} قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کتنے
سال میں ہوئی؟ (محمد غوث الدین، سلاخ پوری کریم نگر)

جواب:- سب سے پہلی آیت جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی وہ سورۂ علق کی ابتدائی

---

(۱) " النسخ الواقع في القرآن يتنوع إلى أنواع ثلاث ، نسخ التلاوة و الحكم معاء و نسخ الحكم دون التلاوة ، و نسخ التلاوة دون الحكم " (مناهل العرفان في علوم القرآن:۲/۱۶۷)

آیتیں ہیں، بخاری شریف کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔(۱) اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال چھ ماہ کی تھی، کیونکہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ربیع الاول میں ہوئی اور پہلی وحی رمضان المبارک میں نازل ہوئی، آخری آیت کے سلسلہ میں دو قول ہیں، لیکن قول صحیح اہل تحقیق کے نزدیک یہ ہے کہ سب سے آخر میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر: ۲۸۱ ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ﴾ الآیۃ، نازل ہوئی، یہی رائے راس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے، یہ آیت آپ ﷺ کی وفات سے صرف نو دنوں پہلے ۳؍ ربیع الاول کو نازل ہوئی۔(۲) اس طرح گویا قرآن مجید ساڑھے بائیس سال میں نازل ہوا، نزول وحی کے چھ ماہ پہلے سے آپ ﷺ پر یہ کیفیت تھی کہ آپ ﷺ بکثرت خواب دیکھتے اور وہ خواب ظہور میں آتا، اس چھ ماہ کا بھی آپ ﷺ کے زمانۂ نبوت ہی میں شمار کیا گیا ہے، کیونکہ نبی کا خواب بھی وحی کے درجہ میں ہوتا ہے، اس کو لے کر ۲۳؍ سال کی مدت شمار کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں کچھ معلومات

سوال:- (179) قرآن شریف کی سورتوں، آیتوں، سجدوں، کلمات اور حروف کی تعداد کے بارے میں بتائیں؟

(ناہد اختر، گلبرگہ)

---

(۱) "حتى جاءه الحق و هو في غار حراء، فجاءه الملك فقال: اقرأ، قال ما أنا بقارئ، فأخذني فغطني الثانية حتى بلغ مني الجهد، ثم أرسلني، فقال: اقرأ، قال: ما أنا بقارئ، فأخذني فغطني الثالثة، ثم أرسلني، فقال: اقرأ باسم ربك الذى خلق خلق الإنسان من علق، اقرأ و ربك الأكرم" عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۳، باب كيف بدأ الوحي إلى رسول الله ﷺ، كتاب الوحي) محشی۔

(۲) دیکھئے: التبيان في علوم القرآن للصابوني: ۲۰۔

جواب:- قرآن شریف کی سورتیں ۱۱۴ر ہیں، آیتوں کی تعداد میں مکہ، مدینہ، اور کوفہ و بصرہ کے قراء کے درمیان کسی قدر اختلاف ہے، یہ اختلاف نعوذ باللہ اس لئے نہیں کہ قرآن کے بعض حصوں کے بارے میں قرآن ہونے اور نہ ہونے کا اختلاف ہو، بلکہ بعض قراء کے نزدیک ایک مقام پر وقف ہے، اور دوسروں کے نزدیک نہیں، تو جس کے نزدیک وقف ہے، اس کے نزدیک ظاہر ہے کہ آیت بڑھ جائے گی، مشہور مفسر علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے، بہر حال اہل مکہ کے نزدیک آیات قرآنی کی تعداد ۶۲۱۹ ہے، (۱) قرآن میں ۵۵۸ رکوع ہیں، سجدے کل پندرہ ہیں، البتہ فقہاء کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان تمام آیات پر سجدہ واجب ہے یا بعض پر واجب نہیں؟ قرآن کے کلمات عطاء بن یسار کے شمار کے مطابق ۷۷۴۳۹ ر ہیں، اور حروف تین لاکھ تیئس ہزار پندرہ، (۲) البتہ اس شمار میں بھول چوک کا امکان موجود ہے، لیکن قرآن کے ایک لفظ کے بارے میں بھی ایسا اختلاف نہیں کہ کچھ مسلمان ان کو تسلیم کرتے ہوں، اور کچھ ان کا انکار کرتے ہوں، چونکہ قرآن کا محفوظ اور شک وشبہ سے بالاتر ہونا خود قرآن مجید ہی سے ثابت ہے، اس لئے اس کا انکار باعث کفر ہے، اللہ تعالی ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

”وَمِنْ آيَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ ...“ کی تفسیر

سوال:- (180) اللہ پاک قرآن مجید کی سورہ الشوری کے ۲۹ویں آیت میں فرمایا ہے کہ کہ یہ زمین و آسمان کی پیدائش اور یہ جاندار مخلوقات جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہے دونوں جگہ سے کیا مراد ہے؟ (سرفراز احمد فاروقی، بکرم گنج)

(۱) التفسیر القرطبی: ۱/۹۵۔
(۲) حوالہ سابق

جواب:- آپ نے جس آیت کے بارے میں سوال کیا وہ یوں ہے:

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَابَّةٍ وَّ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيْرٌ ﴾ (۱)

اس میں دونوں جگہ سے زمین وآسمان مراد ہے، جس کا پہلے صراحۃً ذکر آیا ہے، آسمان میں فرشتے ہیں اور دنیا میں انسان اور دوسرے حیوانات نیز جن ہیں، مشہور مفسر امام مجاہد نے یہی تفسیر کی ہے، ''یدخل فی ھذا الملائکۃ والناس'' (۲)

''لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ...'' سے مراد

سوال:- {181} اگست کے ماہنامہ افکار کے ''شرعی مسائل'' صفحہ ۶۸ پر بسم اللہ کی جگہ ''۷۸۶'' کے ذیل میں جو ارشاد ہوا ہے، اس پر غور کرنے سے یہ سوال اٹھتے ہیں کہ کیا ''لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' کا کچھ بھی تعلق بسم اللہ، اسم ذات یا اسمائے حسنی یا اسم مقدس رسالت مآب ﷺ سے نہیں ہے؟

(علی اکبر، نیو ملک پیٹ)

جواب:- ''لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' کا تعلق اصل میں ''لوح محفوظ'' سے ہے اور ''اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' سے ملائکہ مراد ہیں، اللہ تعالی کا ذکر ایسی چیز ہے جو ہر وقت مطلوب ہے، خود پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ﷺ ہمہ وقت اللہ تعالی کا ذکر فرماتے ''یذکر اللہ علی کل احیانہ'' (۳) اگر اللہ و رسول کے اسماء گرامی کے بولنے اور لکھنے کے لئے بھی پاکی کو

(۱) الشوری :۲۹۔
(۲) التفسیر القرطبی :۱۶/۲۹۔
(۳) مشکوۃ المصابیح ،حدیث نمبر:۴۵۶، بحوالہ صحیح مسلم ۔

ضروری قرار دیا جاتا تو اس سے بڑی دقت پیدا ہو جاتی اور ذکر اللہ پر جو دوام و استمرار مطلوب ہے وہ حاصل نہ ہو پاتا، اس لئے ان اسماء گرامی کے بولنے اور لکھنے کے لئے پاکی ضروری نہیں۔

تلاوت سے پہلے قرآن مجید کو سینہ سے لگانا

سوال:- (182) بعض لوگ قرآن کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے قرآن کو سینہ سے لگا کر درود شریف پڑھتے ہیں، کیا ایسا کرنا سنت سے ثابت ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو کیا ازراہ احترام ایسا کیا جا سکتا ہے؟ (محمد احمد، وقار آباد)

جواب:- قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے مصحف قرآنی کو سینہ سے لگانا اور اس وقت درود شریف پڑھنا رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں، یوں ازراہ احترام ومحبت قرآن مجید کو سینہ سے لگانا درست ہے، اور درود شریف پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن خاص اس موقع سے ایسا عمل کی پابندی نہیں کرنی چاہئے، کبھی اتفاقاً کرلیں تو کچھ حرج نہیں، کیوں کہ جس چیز کا اہتمام حضور ﷺ کے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ثابت نہ ہو، اس کو اہتمام کے ساتھ ایک دینی عمل کی حیثیت سے انجام دینا درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(۱)

متنِ قرآن کے بغیر ترجمہ

سوال:- (183) قرآں مجید کے متن کے بغیر اس کا ترجمہ اردو یا انگریزی میں شائع کرنا کیسا ہے؟

(عارف حسین، سلطان شاہی)

جواب:- پچھلی آسمانی کتابوں میں تحریف کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ انہوں نے کتاب

(۱) سنن ابن ماجة: ص۳، باب تعظيم حديث رسول الله ﷺ أو التغليظ، نیز دیکھئے: الجامع للترمذي: ۹۲/۲، باب الأخذ بالسنة و اجتناب البدعة ۔ محشی۔

کے متن کو نظر انداز کر دیا اور اس کے ترجمہ وتشریح کو مرکز توجہ بنالیا، اسی لئے فقہاء نے متن قرآن کے بغیر معری ترجمہ لکھنے کو منع کیا ہے،(۱) قرآن مجید کی آیات لکھتے ہوئے ان کے ساتھ ترجمہ لکھنا چاہئے، یہ حکم اردو ترجمہ کے لئے بھی ہے، اور انگریزی ترجمہ کے لئے بھی، اور دوسری زبان کے تراجم کے لئے بھی، بغیر متن کے صرف ترجمہ لکھنا درست نہیں۔

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کا حکم

سوال:- (184) اگر قرآن کے ورق بوسیدہ ہوں یا کسی وجہ سے پھٹ جائیں، تو کیا کرنا چاہئے؟ کیا اسے جلا دیا جائے یا اسے پانی میں بہا دیا جائے؟

(ڈاکٹر سید غوث، جگتیال)

جواب:- اگر قرآن بوسیدہ ہو جائے اور اس سے استفادہ دشوار ہو یا اس کے کچھ اوراق بوسیدہ ہو جائیں، تو اسے ایک پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے:

" المصحف إذا صار خلقا لا يقرأ منه ...
يجعل فى خرقة طاهرة و يدفن " (۲)

قرآن کے بوسیدہ اوراق کو آگ میں جلانا خلاف ادب ہے، اس لئے اس سے اجتناب کیا جائے۔(۳)

قرآن کی دو آیتوں میں ظاہری تضاد

سوال:- (185) قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں

(۱) " إن اعتاد القراءة بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفا بها يمنع ، فإن كتب القرآن و تفسير كل حرف و ترجمته جاز " (رد المحتار :۱/۳۵۹، ط: رشیدیہ) محشی۔
(۲) الفتاوى الهندية :۵/۳۲۳۔
(۳) دیکھئے: حوالہ سابق۔

ارشاد باری تعالی ہے: ''دنیا کو بشمول عرش بریں چھ دن میں پیدا فرمایا'' اور سورہ یسین میں ارشاد فرمایا: ''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے'' ان دونوں میں تضاد محسوس ہوتا ہے؟ (غلام محمود عادل، مغلپورہ)

جواب:- اللہ تعالی کی قدرت واقعی بے پناہ ہے اور وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر وہ چیز وجود میں آجاتی ہے، آخرت وہ جگہ ہوگی جہاں تمام چیزوں کا وجود اسی اصول قدرت کے تابع ہوں گی، جنت میں انسان کسی پھل کی خواہش کرے گا تو آن کی آن میں وہ پھل اس کے سامنے پیش ہو جائے گا، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی خواہش ہوگی تو آناً فاناً پہنچ جائے گا، اگر کھیتی لگانا چاہے تو بیج ڈالے گا اور چشم زدن میں پودے کہیں سے کہیں بڑھ جائیں گے، غرض ہر چیز کے پائے جانے میں قدرت خداوندی کا اصول کارفرما ہوگا، لیکن اس دنیا میں، جو عمل اور آخرت کے انتظار کی جگہ ہے، اللہ کی سنت تدریج یعنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا وجود میں آنا اور ترقی پانا ہے، غور کیجئے کہ انسان ایک درخت لگاتا ہے اور پھل کے لئے برسہا برس انتظار کرتا ہے، بیج بوتا ہے اور مہینوں فصل کا انتظار کرتا ہے، باپ بنتا ہے اور اپنے بیٹے کی جوانی دیکھنے کے لئے انتظار میں پندرہ سال گذارتا ہے، حالانکہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ چشم زدن میں درخت پھل دینے لگے، فصل تیار ہو جائے اور بچے جوان ہو جائیں۔

اسی سنت اللہ اور اسی کائنات کی فطرت کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالی نے ایک لمحہ کے بجائے تدریجاً چھ دنوں میں کائنات کو پیدا فرمایا، گویا یہ کائنات کے بارے میں اللہ تعالی کی سنت کا اظہار ہے اور سورۂ یسین والی آیت اللہ کی قدرت اور طاقت کا بیان ہے۔

کس تفسیر کا مطالعہ کریں؟

سوال:- {186} میں تفسیر قرآن کا مطالعہ کرنا چاہتی ہوں، کسی اچھی تفسیر کا نام لکھئے؟ (نازیہ، سلطان شاہی)

جواب:- اردو زبان میں بہت سی اچھی تفسیریں ہیں اور مختلف ذوق و مزاج کی ہیں، میں ذاتی طور پر عام لوگوں کے لئے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر "معارف القرآن" کو پسند کرتا ہوں، اگر آسان ترجمہ اور مختصر حاشیہ پڑھنا ہو تو قاری عبد الباسط مرحوم کا ترجمہ اور حواشی پڑھنا بھی مناسب ہے جو حیدرآباد ہی سے طبع ہوا ہے۔

زمین کو چاروں طرف سے کم کرنے کا مطلب

سوال:- {187} قرآن شریف کے پارہ نمبر ۱۳ میں سورۂ رعد کی آیت نمبر ۴۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین کو ہم چاروں طرف سے کم کرتے چلے جاتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟ (سمیع اللہ خان، احمد نگر)

جواب:- یہ قرآن مجید کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ﴾(۱)

"کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم اس زمین کو ہر طرف سے تنگ کرتے چلے آرہے ہیں"۔

مفسرین نے اس آیت کی مختلف تفسیریں کی ہیں، اس سلسلہ میں ایک تفسیر وہ ہے جو قتادہؒ، حسن بصریؒ اور امام مجاہدؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ مشرکین عرب سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعوت

(۱) الرعد :۴۱۔ محشی۔

حق کو غالب کرتا جا رہا ہے، اور مختلف علاقوں سے ان پر زمین کا دامن تنگ ہوتا جا رہا ہے۔(۱) یہی تفسیر زیادہ قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔

پان کی دکان میں تلاوتِ قرآن

سوال:- {188} ایک ہوٹل ہے جس میں کھانا تیار کیا جاتا ہے، اور جو کھانے کے خواہش مند لوگ وہاں بیٹھ کر کھاتے ہیں، اسی سے متصل پان ڈبے کی دکان ہے، دکان میں صبح کے وقت روزانہ بہ طور برکت قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ پان میں زردہ کا اور تمباکو کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، جو حرام ہے، اور حرام چیز کے پاس قرآن کی تلاوت بھی حرام ہے، تو کیا یہ اعتراض درست ہے؟

(وصی احمد، قبا کالونی)

جواب:- اگر دکان کھولتے وقت تلاوتِ قرآن مجید کو واجب نہ سمجھا جائے، محض تبرکا تلاوت کی جائے تو کچھ حرج نہیں، تمباکو اکثر اہل علم کے نزدیک حرام نہیں ہے، مباح یا مکروہ ہے، نیز پیشاب، پاخانہ اور شراب کی طرح ناپاک بھی نہیں ہے، اس لئے وہاں زردہ اور تمباکو ہونے کی وجہ سے تلاوتِ قرآن مجید کی ممانعت نہیں۔

عصر کے بعد تلاوتِ قرآن

سوال:- {189} ہم نے سنا ہے کہ عصر سے مغرب تک قرآن شریف کی تلاوت کرنا منع ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(فوزیہ جبین، جگتیال)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تفسیر قرطبی :۹/۳۴-۳۳۳۔

جواب:- عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد سے غروب آفتاب تک صرف نفل نماز کی ممانعت ہے، تلاوتِ قرآن کی ممانعت نہیں، حدیث میں صرف نمازوں ہی کا ذکر آیا ہے۔(۱)

ترجمۂ قرآن پڑھنے کے لئے وضوء ضروری ہے؟

سوال:- {190} میرا معمول اخبار پڑھنے کا ہے، جس میں احادیث بھی ہوتی ہیں، اور قرآنی آیات اور ان کا ترجمہ بھی، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آیات کا ترجمہ بھی باوضوء پڑھنا ضروری ہے۔ (محمد صابر، بیدر)

جواب:- قرآن مجید کا ترجمہ بعینہ قرآن کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے ترجمۂ قرآن کو پڑھنے اور چھونے کے لئے باوضوء ہونا ضروری نہیں؛ بشرطیکہ اس کے ساتھ قرآن مجید کا متن نہ ہو اور ہو تو اس پر ہاتھ نہ لگے، البتہ دشواری نہ ہو تو ترجمہ کے لئے بھی وضوء کر لینا بہتر ہے، اس سے ان شاء اللہ قرآن کے کمالِ احترام کا ثواب ملے گا۔

"زَاهِدِيْنَ" کی تفسیر

سوال:- {191} قرآن مجید میں سورہ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ﴾ اس آیتِ پاک کا مطلب

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا صلاة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس و لا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس" (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۸۱، ۵۸۶، ۵۸۸، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، نیز باب لا يتحرى الصلاة قبل غروب الشمس ، صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۸۲۵، باب الأوقات التي نهىٰ عن الصلاة عنها، الجامع للترمذي :۱/۴۵، باب ما جاء في كراهية الصلاة بعد العصر و بعد الفجر)۔ محشی۔

بیان فرمائیں؟　　　　(محمد عثمان، یاقوت پورہ)

جواب:- اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں، یا قافلہ کے لوگ، یا حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرتے وقت آنے والے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، اور تینوں طرح کی رائیں، منقول ہیں، ''زھد'' کے معنی اصل میں بے رغبتی کے ہیں، اسی لئے دنیا سے بے رغبت شخص کو ''زاھد'' کہا جاتا ہے، آیت کا منشا یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں زیادہ رغبت نہیں رکھتے تھے، اب یا تو بھائیوں نے برادرانہ رقابت اور دوسرے لوگوں نے غلام تصور کر کے کم رغبتی کا مظاہرہ کیا، یا رغبت رکھنے کے باوجود اہل قافلہ اور خریدارانِ یوسف علیہ السلام نے بظاہر بے رغبتی ظاہر کی، تاکہ دوسرے لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حصول اور خریداری میں زیادہ دلچسپی نہ پیدا ہو جائے۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا

سوال:- {192} اگر کسی شخص کو عربی نہ آتی ہو، وہ صرف اردو ہی جانتا ہو، تو ایسا شخص قرآن کا اردو ترجمہ پڑھ لے تو کیا اسے قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل ہوگا؟

(مقصود حسین خان، پھولا نگ، نظام آباد)

جواب:- قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، جو عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس کے الفاظ بھی من جانب اللہ ہیں، اس لئے جیسے اس کے معانی مقصود ہیں، الفاظ بھی مقصود ہیں، اسی لئے قران کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی ہے جو مصحف میں لکھی ہوئی ہے اور جو یقینی طور پر نقل ہوتی آئی ہے، یوں تو قران مجید کا ترجمہ

(۱) دیکھئے: الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۹/۱۵۔

پڑھنا ثواب اور نفع سے خالی نہیں لیکن اس پر تلاوت قرآن کا اجر شاید حاصل نہ ہو گا رہ گیا عربی زبان سے ناواقف ہونا تو اگر اس کی مراد عربی زبان کے سمجھنے سے ناواقفیت ہے تو یہ تلاوت قرآن میں رکاوٹ نہیں کہ بغیر سمجھے ہوئے تلاوت قرآن بھی اجر و ثواب کا باعث ہے اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہے اور گر عربی رسم الخط سے ناواقفیت مراد ہے تو اردو جاننے والوں کیلئے عربی رسم الخط کی Re ding چنداں دشوار نہیں، کیوں کہ عربی اور اردو رسم الخط میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

مائیک پر قرآن مجید کی تلاوت

سوال:- {193} رمضان المبارک کے موقعہ سے لوگ سماعتِ قرآن کا نظم کرتے ہیں، قرآن مجید پڑھا جاتا ہے ،لوگ اسے سماعت کرتے ہیں، بعض محلوں میں کوشش کی جاتی ہے کہ مائیک پر قرآن پڑھا جائے، تاکہ محلہ کے سب لوگ اسے سن سکیں، اس طرح مائیک پر قرآن کی تلاوت کا کیا حکم ہے؟ (جان محمد، عیدی بازار)

جواب:- قرآن کی تلاوت میں بہ مقابلہ سماعت کے زیادہ اجر ہے، کیونکہ تلاوت میں زبان بھی مشغول ہے، نگاہ بھی، قرآن مجید ہاتھ میں ہو تو گویا ہاتھ بھی مصروفِ عبادت ہے، اور کان بھی اپنی تلاوت آپ سنتا ہے، گویا جسم کے متعدد اعضاء ایک نیک کام میں شریک ہوتے ہیں، قرآن سننے کی صورت میں صرف کان ہی شریکِ عمل ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن پڑھنے کا اجر زیادہ ہے اور کوشش یہی ہونی چاہئے کہ لوگ اپنے اپنے طور پر تلاوت کا اہتمام کریں، یوں رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ ؓ سے قرآن سنا ہے، (۱) اس لئے ایک شخص قرآن

(۱) "عن عكرمة قال : قال رسول الله ﷺ لأبي بن كعب ؓ : إني أمرت أن أقرئك القرآن" (مصنف ابن أبي شيبة ، بحوالہ کنز العمال ،حدیث نمبر:۳۶۷۷۱)

پڑھے اور چند افراد ادب واحترام کی پوری رعایت کے ساتھ قرآن سنیں، اس کی بھی گنجائش ہے، البتہ قرآن کی آواز سامعین تک محدود رکھنا چاہئے، اگر مائیک لگا کر آپ نے آواز پورے محلہ تک پہونچا دی تو ظاہر ہے کہ محلہ میں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے، کوئی قرآن کی طرف متوجہ ہوگا، اور کوئی نہیں، ہوسکتا ہے کہ لوگ اپنے مشاغل کی وجہ سے گرانی بھی محسوس کریں، بات چیت میں مشغول رہیں، اس سے قرآن مجید کی بے حرمتی ہوگی، اور قرآن کا جو ادب بتایا گیا ہے کہ خاموشی اور توجہ کے ساتھ قرآن سنا جائے۔ ﴿ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَ أَنْصِتُوا ﴾ (۱) اس کی خلاف ورزی ہوگی، اور اس خلاف ورزی اور بے ادبی کا باعث وہ لوگ بھی بنیں گے جنہوں نے بلا ضرورت مائیک لگا کر آواز دور دور تک پہنچائی، اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

سفر میں تلاوت

سوال:- {194} سفر کے دوران قرآن شریف کی تلاوت کا کیا حکم ہے اور بلند آواز میں کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

جواب:- قرآن مجید پیدل اور سوار دونوں حالتوں میں پڑھا جاسکتا ہے، اس لئے حالتِ سفر میں تلاوتِ قرآن میں کچھ حرج نہیں، بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے، البتہ چند امور کا خیال رکھنا چاہئے، ایک تو ایسی جگہ جو نجاست وغیرہ کے لئے ہو، ایسی جگہ قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے: "لم يكن ذلك الموضع معداً للنجاسة ، فإن كان يكره " (۲) دوسرے جہاں لوگ دوسرے کاموں میں مشغول ہوں اور قرآن کی طرف متوجہ نہ ہوں، وہاں بآواز بلند قرآن

---

(۱) الاعراف: ۲۰۴ محشی۔

(۲) الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۶۔

شریف پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے، تیسرے بازار میں اور لہو ولعب کی جگہ پر بھی قرآن کی تلاوت نہیں کرنی چاہئے:

"لایقرأ جهرا عند المشتغلین بالأعمال ... في الأسواق وفي موضع اللغو" (۱)

ان امور کے رعایت کے ساتھ سفر میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے، اور بہ آواز بلند بھی کی جاسکتی ہے۔

مسجد میں زور زور سے تلاوت

سوال:- (195) بعض احباب مسجد میں زور زور سے تلاوت کرتے ہیں، منع کیا جائے تب بھی نہیں رکتے، بلکہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کا کلام پڑھ رہے ہیں، کیا ان کا یہ جواب درست ہے؟ (محمد واصل، مرادنگر)

جواب:- مسجد میں قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر مستحب ہے، لیکن اتنی زور سے پڑھنا یا ذکر کرنا، جس سے دوسرے نماز پڑھنے یا تلاوت کرنے والے، بلکہ سوئے ہوئے شخص کو خلل ہو، درست نہیں۔

"أجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة في المساجد و غیرها إلا أن یوش جهرهم علی نائم و مصلی وقارئ" (۲)

(۱) الفتاوی الهندیة:۵/۳۱۶۔
(۲) رد المحتار :۲/۴۳۴۔

سینہ میں تکلیف کا قرآن مجید سے علاج

سوال:- (196) میں کافی دنوں سے پریشان ہوں، کیونکہ میرے سینہ میں تین چار مہینہ سے تکلیف محسوس ہو رہی ہے، ڈاکٹر کو بھی بتایا اور کئی دوائیں لے چکا ہوں، قرآن مجید میں ہر چیز موجود ہے، برائے مہربانی قرآن کے ذریعہ اس کا علاج بتائے؟ (اظہر، فرسٹ لانسرز)

جواب:- قرآن مجید میں ہر چیز کے موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہدایات واصلاح کی تمام باتیں موجود ہیں، یہ مطلب نہیں کہ اس کتاب میں تمام جسمانی بیماریوں کے علاج بھی مذکور ہیں، اس کتاب کا اصل موضوع ہدایت ہے، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ فاتحہ میں جسمانی شفاء بھی بتائی ہے، (۱) اس لئے اسے پڑھ کر دم کردیں اور مناسب ڈاکٹر سے رجوع کریں، علاج رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، (۲) طبیعت خراب ہو تو علاج پر توجہ کرنی چاہئے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۲) صحيح البخاري :۲/۷۴۹-محشی۔
(۳) الجامع للترمذي :۲/۲۴۔

احادیث سے متعلق سوالات

فراستِ مؤمن سے متعلق حدیث کا درجہ

سوال:- (197) لوگوں میں ایک حدیث بہت چلی ہوئی ہے اور اکثر اولیاء اللہ کے تذکرہ میں اس کا ذکر آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مؤمن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'' کیا یہ واقعی حدیث ہے؟ اور حدیث ہے تو کس درجہ کی؟ (عبدالمقتدر، ٹولی چوکی)

جواب:- صحاحِ ستہ کے مؤلفین میں سے امام ترمذیؒ نے اسے نقل کیا ہے، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ''اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله''(۱) امام ترمذیؒ کا رجحان اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف ہے، اور علامہ ابن جوزیؒ نے تو اس کو اپنی ''موضوعات'' میں جگہ دیا ہے، (۲) لیکن محققین کے نزدیک یہ حدیث حسن کے درجہ کی

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۳۱۲۷، عن أبي سعيد الخدري ﷺ، باب و من سورة الحجر، کتاب التفسير۔

(۲) دیکھئے: الموضوعات الکبری: ۳/۱۴۷، ط: مدینہ منورہ۔

ہے، چنانچہ علامہ ہیثمیؒ نے طبرانی کے حوالہ سے حضرت ابوامامہ ﷛ سے یہی روایت نقل کی ہے، اوراس کی سندکو''حسن'' قرار دیا ہے۔(۱) اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث معتبر اور مستند ہے۔

یوم عاشوراء کو وسعت برتنے کی حدیث

سوال:- {198} عام طور پر واعظ حضرات ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ جو یوم عاشوراء میں اپنے اہل و عیال پر وسعت سے کام لے، اس پر اللہ تعالیٰ سال بھر وسعت برتتے ہیں، کیا یہ حدیث درست ہے؟ (عبدالرحمٰن، ورنگل)

جواب:- یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛، حضرت جابر ﷛ اور حضرت ابوہریرہ ﷛ سے منقول ہے، (۲) طبرانی اور بیہقی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے، (۳) محدث بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث جتنی سندوں سے منقول ہے، سبھی ضعیف ہیں، (۴) بلکہ علامہ ابن جوزیؒ نے تو اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، (۵) البتہ حافظ ابن عبدالبرؒ اور محدث دار قطنیؒ نے حضرت عمر ﷛ سے اس طرح کا خود ان کا قول نقل کیا ہے، اوراس کی سند

(۱) دیکھئے: مجمع الزوائد:۱۰/۲۶۸، باب ماجاء في الفراسة۔

(۲) مجمع الزوائد، عن عبد الله بن مسعود ﷛، حدیث نمبر:۵۱۳۷، باب التوسعة علی العيال يوم عاشوراء۔ محشی۔

''اخرجه البيهقي في الشعب الإيمان من حديث أبي سعيد الخدري ﷛ و أبي هريرة ﷛ و ابن مسعود ﷛ و جابر ﷛'' (موضوعات کبری:ص:۳۴۵)۔ محشی۔

مختصر ترغيب و ترهيب، حدیث نمبر:۳۰۷، ص۸۲، عن أبي هريرة ﷛۔ محشی۔

(۳) الموضوعات الكبرى، حدیث نمبر:۵۳۲۔ محشی۔

(۴) ''وأورده ابن الجوزي في الموضوعات'' (الموضوعات الكبرى:ص:۳۴۶)

(۵) ''و قد ورد أيضا من حديث ابن عمر ﷛ أخرجه الدار قطني في (الأفراد) موقوفا على عمر ﷛، و قد أخرجه ابن عبد البر بسند جيد'' (الموضوعات الكبرى:ص:۳۴۶) محشی۔

قابل قبول ہے، (۱) اس حقیر کا خیال ہے کہ یہ روایت ناصبیہ کی گھڑی ہوئی ہے، اور اگر معتبر بھی ہوتو اس کا حضرت حسین ﷺ کی شہادت سے کوئی تعلق نہیں، اسی تاریخ میں حضرت حسین ﷺ کی شہادت کا سانحہ پیش آ جانا ایک اتفاقی واقعہ ہے، ورنہ اصل میں یہ ایک مبارک دن ہے، جس میں اللہ تعالی نے مختلف پیغمبروں کو اپنے زمانہ کے دشمنان حق سے نجات عطا فرمائی تھی، اور اسی لئے آپ ﷺ نے اس دن شکرانہ کے طور پر روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ (۲)

ترک جمعہ کے سلسلہ میں ایک حدیث

سوال:- {199} کیا یہ روایت صحیح ہے کہ مسلسل تین یا کسی بھی تین جمعہ کی نمازیں نہ پڑھنے سے کوئی مؤمن غیر مسلم ہوجاتا ہے؟ (سکندر علی، خیریت آباد)

جواب:- اس مضمون کی صریح روایت تو باوجود تلاش کے نہیں مل پائی اور بہ ظاہر یہ روایت درست نہیں، کیونکہ مسلمان خواہ کتنے بھی بڑے گناہ کا مرتکب ہو، ایسا نہیں کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے وہ دائرۂ ایمان سے باہر ہوجائے، البتہ تین جمعہ چھوڑنے کے سلسلہ میں ایک اور حدیث اس طرح وارد ہوئی ہے:

"من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونًا بها، طبع الله على قلبه." (۳)

---

(۱) دیکھئے: المقاصد الحسنة: ۶۷۴-۶۷۵۔

(۱) "قدم النبي ﷺ المدينة، فرأى اليهود تصوم يوم عاشوراء، فقال: ما هذا؟ قالوا: هذا يوم صالح، هذا يوم نجى الله بني اسرائيل من عدوهم، فصامه موسى عليه السلام، قال: فأنا أحق بموسى عليه السلام منكم، فصامه و أمر بصيامه" عن عبد الله بن عباس ﷺ، صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۲۰۰۴، باب صيام يوم عاشوراء، كتاب الصوم، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۳۰ محشی۔

(۳) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۵۰۰، باب ماجاء في ترك الجمعة بغير عذر۔

''جس نے جمعہ کو کم اہم سمجھتے ہوئے تین بار ترک کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا''

اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور ''حسن'' قرار دیا ہے(۱) مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت اور توفیق کم یا ختم ہو جائے گی۔

اس سے قریبی مضمون کی روایت اس طرح منقول ہے:

"من ترك الجمعة ثلاثا من غير عذر فهو منافق" (۲)

''جس نے بغیر عذر کے تین جمعہ چھوڑا وہ منافق ہے''

اس روایت کو ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے۔(۳) ایسے شخص کو منافق کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ منافقوں کا سا عمل ہے جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

''لوگوں سے سوال نہیں کرے گا'' سے مراد؟

سوال:-{200} یکم مئی کے روز نامہ ''منصف'' میں ایک حدیث شائع ہوئی ہے، جس کے الفاظ ہیں، ''حضور اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، جو شخص مجھ سے اس بات کا

---

(۱) "قال أبو عيسى : " حديث أبي الجعد حديث حسن " (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۰۰،باب ماجاء في ترك الجمعة بغير عذر)

(۲) صحيح ابن خزيمة، حدیث نمبر:۱۸۵۴، نیز کنز العمال میں بحوالہ طبراني كبير اور شعب الايمان للبيهقي یہ روایت ہے:" من سمع النداء يوم الجمعة و لم يأتها ، ثم سمع النداء ، ثم لم يأتها ، طبع على قلبه ، فجعل قلب منافق " حدیث نمبر:۲۱۱۴۹، اور مسند شافعي اور المعرفه للبيهقي کے حوالہ سے ہے:"من ترك الجمعة من غير عذر كتب منافقا في كتاب لا يمحى و لا يبدّل" حدیث نمبر:۲۱۱۴۴، اور طبرانی کبیر کے حوالہ سے: " من ترك ثلاث جمعات من غير عذر كتب من المنافقين "حدیث نمبر:۲۱۱۳۵۔

(۳) دیکھئے: حاشية محمد على شاكر على الترمذي: ۳۷۳/۲۔ ط: بیروت

عہد کرلے کہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا، تو میں اس کے
لئے بہشت کے لئے سفارش کروں گا'' (مشکوۃ شریف) اس
حدیث کا کیا مطلب ہے؟ کیا کسی علمی مسئلہ کے بارے میں
پوچھنا نامناسب فعل ہے اور اس سے بچنے میں ثواب ہے؟
(زاہد، شاہ گنج)

جواب:- یہ حدیث معتبر ہے، اور ابوداؤد شریف میں نقل کی گئی ہے، (۱) عربی زبان میں سوال کے معنی دریافت کرنے کے بھی ہیں، اور مادّی تعاون مانگنے کے بھی، احکام شرعیہ کے بارے میں عمل کرنے اور اللہ تعالی کی مرضیات کو جاننے کے لئے کسی بات کا دریافت کرنا نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہے، اور اسلام میں اس کی ہمت افزائی کی گئی ہے، خود قرآن مجید میں صحابہ ﷺ کے مختلف سوالات کا ذکر کرتے ہوئے ان کا جواب دیا گیا ہے، اور احادیث میں بھی سوال کرنے اور حکم شرعی پوچھنے کی تحسین کی گئی ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ سوال کرنے کا مقصود عمل کرنا ہو، محض بے فائدہ بحث اور اپنی علمی لیاقت جتانا مقصود نہ ہو۔

مادّی چیزوں کا سوال مذموم بات ہے اور اس کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے، (۲) آپ ﷺ نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ انسان خود اپنی محنت کی کمائی کھائے اور اسی سے دوسروں کا حق بھی ادا کرے، اس حدیث کا منشا بھی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دستِ سوال دراز کرنے سے گریز کیا جائے، جو شخص اس کا عزم رکھے گا رسول اللہ ﷺ اس کے لئے جنت کی

---

(۱) سنن أبي داؤد: ۱/۲۵۸۔

(۲) " قال : و لا تسئلوا الناس شيئا " عن عوف بن مالك ﷺ، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۶۴۲، باب كراهية المسألة، كتاب الزكاة، اسی طرح آپ ﷺ سے منقول ہے کہ: ''اليد العليا خير من اليد السفلى " و اليد العليا المنفقة، و السفلى السائلة، عن عبد الله بن عمر ﷺ، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۶۴۸، باب في الاستعفاف، كتاب الزكاة۔ محشی۔

سفارش فرمائیں گے،(۱) اور حضور ﷺ سے بڑھ کر کس کی شفاعت ہوسکتی ہے؟ افسوس کہ دین کے مزاج سے بے تعلقی اور حضور ﷺ کی تعلیمات سے بے توجہی کی وجہ سے گداگری کا مرض سب سے بڑھ کر خود مسلمانوں میں پیدا ہو چکا ہے، حالانکہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے سب سے بڑھ کر تاکید واہتمام کے ساتھ اس سے منع کیا تھا۔ وإلى الله المشتكى۔

"أنا مدينة العلم و علي بابها" کی تحقیق

سوال:- {201} عوام میں مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں علم کا شہر ہوں اور علی ﷺ اس کا دروازہ ہیں" کیا یہ واقعی حدیث ہے، اور حدیث ہے تو کس درجہ کی ہے؟

(عبدالمجید، ورنگل)

جواب:- یہ حدیث ہے، اور جلال الدین سیوطیؒ نے اس کو مستدرک حاکم، طبرانیؒ، ابن عدیؒ، اور عقیلی کے حوالہ سے نقل کی ہے،(۲) حاکم اور ابن عدی نے اس کو حضرت جابر ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ دونوں ہی سے نقل کیا ہے، اور دوسرے محدثین نے صرف عبد اللہ بن عباس ﷺ سے (۳) گو بعض اہل علم نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت، قرار دیا، جیسے: امام ذہبیؒ، ابن جوزی وغیرہ، (۴) دوسری طرف حاکم نے اس کو "صحیح" قرار دیا، (۵)

---

(۱) "قال رسول الله ﷺ : من تكفل لي أن لا يسئل الناس شيئا ، أتكفل له بالجنة ، عن ثوبان ﷺ مولى رسول الله ﷺ ، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۶۴۳، باب كراهية المسئلة ، كتاب الزكاة ۔ محشی۔

(۲) الموضوعات الكبرى: ص:۱۳۹، نیز دیکھئے: مجمع الزوائد: ۹/۱۴۸، كتاب المناقب۔

(۳) الجامع الصغير: حدیث نمبر:۲۷۰۵۔

(۴) "و أورده ابن الجوزي في الموضوعات و وافقه الذهبي و غيره" (الموضوعات الكبرى: ص۱۳۸، حدیث نمبر:۷۱)

(۵) "وصححه الحاكم" المستدرك للحاكم: ص:۱۳۸۔ على هامش انا مدينة العلم و علي بابها، حاشیہ نمبر:۳،۴/۱۳۷، حدیث نمبر:۳۸،۴۲۳۷۔ محشی۔

لیکن محققین کا خیال ہے کہ یہ حدیث معتبر ہے، البتہ "حسن" کے درجہ کی ہے، جو محدثین کی اصطلاح میں مقبول و معتبر ہوتی ہے، لیکن صحیح سے کم درجہ کی حامل ہوتی ہے، زرکشیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی یہی رائے ہے۔(۱) اور مشہور محدث امام سخاویؒ نے بھی اسی کو ترجیح دیا ہے۔(۲) یہ حدیث اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے بھی لائق تعجب نہیں، کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ﷜ کو صحابہ ﷢ میں سب سے بڑا قاضی قرار دیا ہے،(۳) اور ظاہر ہے کہ قضاء اور فصل خصومات کا کام ذہانت، گہرے علم اور زبردست قوت فیصلہ کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا، خود صحابہ ﷢ بھی حضرت علی ﷜ کے علمی مقام کے معترف تھے، حضرت عمر ﷜ تو برملا ایسی الجھنوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے کہ جس کے حل کے لئے حضرت علی ﷜ موجود نہ ہوں (۴) اور زمانۂ خلافت میں کبھی مدینہ سے آپ ﷜ کا فراق گوارا نہیں کرتے تھے، مشہور تابعی امام مسروق کہا کرتے تھے کہ تمام صحابہ ﷢ کے علوم دو صحابی حضرت علی ﷜ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷜ کے اندر جمع ہوگئے ہیں،(۵) اس لئے اگر آپ ﷺ نے حضرت علی ﷜ کے علمی مقام و مرتبہ کو بتانے کے لئے یہ بات ارشاد فرمائی ہو، تو اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔

"أنا مدینة العلم و علی بابها" کے جواب پر ایک اشکال

سوال:- {202} خلاصہ سوال: حدیث "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ" کے بارے میں آپ نے ۲۶/

---

(۱) فیض القدیر: ۲/۴۷۔

(۲) دیکھئے: المقاصد الحسنه، حدیث نمبر: ۱۷۰۔

(۳) کشف الخفاء و مزیل التباس : ص:۱۶۲، حدیث نمبر: ۴۸۹۔ نیز دیکھئے: الموضوعات الکبری: ص: ۱۲۴، حدیث نمبر: ۵۲۔

(۴) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد: ۱۰/۴۷۰۔

(۵) إعلام الموقعین: ۱/۱۶۔ مرتب۔

فروری ۱۹۹۹ء کو جواب دیا ہے، آپ کے آخر کے الفاظ یوں تھے: ''آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہو، تو اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے'' اس حدیث کے تعلق سے میری معلومات اور میرے مطالعہ کا نچوڑ یہ ہے کہ ابن تیمیہؒ، دار قطنیؒ اور امام ذہبیؒ، ابن معینؒ، ابن دقیق العیدؒ، شاہ ولی اللہؒ وغیرہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، سیوطیؒ اور امام بخاریؒ نے اسے منکر کہا ہے، امام ابو حاتم رازیؒ اور یحیٰ ابن سعیدؒ نے اسے موقوف قرار دیا ہے، علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں، شاہ عبد العزیزؒ نے امام نوویؒ اور امام جزریؒ وغیرہ سے اس کا لغو و مردود ہونا نقل کیا ہے، —— ان حقائق کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرمائیں کہ آپ نے جو جواب دیا ہے، اور آپ کا جو حب علی ؓ کا نظریہ ہے، کیا وہ صحیح ہے؟

(محمد عبد النعیم سہروردی، گلبرگہ شریف)

جواب:- اس حدیث کے صحیح اور معتبر اور غیر معتبر ہونے سے قطع نظر اولاً اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا حضرت علی ؓ اکابر صحابہ ؓ اور رسول اللہ ﷺ کے اجلۂ رفقاء میں ہیں، اور حضور ﷺ سے نسبی قرابت اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ازدواجی نسبت کے علاوہ ان مسلمانوں میں ہیں جو شروع شروع میں اسلام لائے، اور غزوۂ بدر، نیز تمام مہمات میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہے، تمام صحابہ ؓ اور خود حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ بھی آپ ؓ کا احترام کرتے تھے، اور آپ ؓ کے مرتبہ شناس تھے، آپ ؓ کے خلیفۂ راشد ہونے پر اہلِ سنت والجماعت کا اجماع و اتفاق ہے۔ اس لئے ''حب علی ؓ'' مطلوب ہے، اور ''بغض علی ؓ'' مبغوض، اور ایک حضرت علی ؓ ہی پر موقوف نہیں تمام ہی صحابہ ؓ کی محبت اور عظمت دل میں ہونی چاہئے۔

جہاں تک اس حدیث کی بات ہے، تو اس سلسلہ میں محدثین کا اختلاف ہے، علامہ سخاویؒ جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے، ان کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ کی سند سے ''حسن لذاتہ'' ہے، اور حضرت علی ﷺ کی سند سے ''حسن لغیرہ'' (۱) امام حاکم نیساپوریؒ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے نقل کیا ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے'' ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ'' (۲) حافظ علائیؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے وہ غلطی پر ہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے:

"من حکم بوضعه فقد أخطأ والصواب أنه حسن باعتبار طرقه" (۳)

یحیٰ ابن معینؒ سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے:

" قال القاسم سئلت ابن معین عنه فقال هو صحیح" (۴)

حافظ ابن حجرؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے'' وافتی بحسنه ابن حجر'' (۵)

جن لوگوں نے اس حدیث پر کلام کیا ہے، تو وہ اس وجہ سے کہ اس کی سند میں عبدالسلام بن صالح ابو صلت ہروی آئے ہیں، اس راوی کے بارے میں محدثین کی آراء بہت مختلف ہیں، لیکن یحیٰ ابن معین جیسے امام حدیث ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں، امام ابوداؤد سے منقول ہے کہ یہ قوی الحفظ راوی تھے، علامہ ذہبیؒ نے بھی ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ رجل صالح ہیں، جن لوگوں نے ان کی حدیث کو قبول کرنے سے گریز کیا ہے، انہوں نے ان پر رفض اور تشیع کی بات کہی ہے،

(۱) دیکھئے: مختصر المقاصد الحسنه، حدیث نمبر: ۱۷۰۔
(۲) مستدرک حاکم: ۳/۱۳۷۔
(۳) الموضوعات الکبری: ص: ۱۳۹۔
(۴) فیض القدیر للمناوی: ۳/۴۷۔ مرتب۔
(۵) فیض القدیر للمناوی: ۳/۴۷۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے احمد بن سیمار سے نقل کیا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر ﷺ اور حضرت عمر ﷺ کو تمام صحابہ ﷺ پر مقدم رکھتے تھے، اور حضرت علی ﷺ وحضرت عثمان غنی ﷺ کے بارے میں کلمۂ خیر فرماتے تھے، (۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوصلت ہرویؒ کے بارے میں یہ بات غلط فہمی پر مبنی تھی؛ اس لئے یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث معتبر ہے، اور محدثین کی اصطلاح کے مطابق ''حسن'' کے درجہ کی ہے۔ واللہ اعلم۔

''الحکمة ضالة المؤمن'' کی تحقیق

سوال:- {203} عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حکمت اور عقل کی بات مؤمن کی گم شدہ چیز ہے، ''الحکمۃ ضالۃ المؤمن'' تو کیا یہ حدیث ہے؟ یا کسی بزرگ کا قول؟ اور حدیث ہے تو صحیح ہے، یا ضعیف؟ (محمد عارف الدین، جلگاؤں)

جواب:- مشہور محدث علامہ سخاویؒ (متوفی ۹۰۲ھ) نے مسند قضاعی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور صحابی ﷺ کا واسطہ ذکر نہیں فرمایا ہے (۲) —— حدیث کی متداول اور معروف کتابوں میں سے ترمذی میں یہ روایت اس طرح نقل کی گئی ہے: '' الكلمة الحكمة ضالة المؤمن '' ''عقل ودانش کی بات مؤمن کا گم شدہ مال ہے'' اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن فضل نامی راوی آئے ہیں جو ضعیف سمجھے گئے ہیں، (۳) لیکن احکام و ایمانیات کے علاوہ

---

(۱) دیکھئے: تہذیب التہذیب، ۲۲۲/۵، میزان الاعتدال: ۲۳۰/۲۔

(۲) المقاصد الحسنة: ص:۳۱۰۔

(۳) '' قال رسول الله ﷺ: " الكلمة الحكمة ضالة المؤمن ، فحيث وجدها فهو أحق بها " قال أبو عيسى الترمذي : هذا حديث غريب ، لا نعرفه إلا من هذا الوجه، و ابراهيم بن الفضل المدني المخزوني ضعيف في الحديث من قبل حفظه ، عن أبي هريرة ﷺ '' الجامع للترمذي ، حدیث نمبر: ۲۶۸۷، ۳۸۳/۳، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة ، كتاب العلم۔ محشی

دوسرے مضامین میں ایسی ضعیف حدیثوں کا بھی فی الجملہ اعتبار کیا جاتا ہے، پس یہ حدیث نبوی ہے، اور اس میں اس اہم حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ علم کے معاملہ میں کوئی تعصب نہیں چاہئے، اور جہاں بھی کوئی اچھی بات مل جائے اسے قبول کر لینا چاہئے۔

''من أحب أن يبسط له في رزقه ......'' کی تحقیق

سوال:- (204) ایک جگہ بخاری و مسلم کے حوالہ سے یہ روایت ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے رزق میں ترقی اور لمبی عمر کا خواہش مند ہو، اسے اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا چاہئے'' کیا یہ حدیث واقعی اسی طرح منقول ہے؟ اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- یہ حدیث صحیح ہے، اور اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

"من أحب أن يبسط له في رزقه و ينسأ له في أثره فليصل رحمه" (۱)

''من لم يشكر الناس لم يشكر الله'' کی تحقیق

سوال:- (205) اکثر جلسوں میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکر گذار نہیں ہوتا وہ اللہ تعالی کا بھی شکر گذار نہیں ہوتا؛ کیا یہ روایت صحیح ہے؟ (محمد سعید، حسن نگر)

---

(۱) صحيح البخاری، حدیث نمبر:۵۹۸۶، عن أنس بن مالك ﷺ، باب من بسط له فی الرزق بصلة الرحم، كتاب الادب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر:۲۵۵۷، باب صلة الرحم و تحريم قطعيتها، كتاب البر و الصلة و الادب۔

جواب:- جی ہاں! یہ روایت صحیح ہے، مسند احمد اور ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے، اس کے الفاظ اس طرح ہیں: "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" (۱) علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اسے صحیح قرار دیا ہے، اور امام ترمذیؒ اور علامہ بیہقیؒ نے حسن، (۲) "حسن اور صحیح" معتبر احادیث کے درجات ہیں، صحیح زیادہ اعلیٰ درجہ کی روایت ہے، اور حسن اس سے کم تر درجہ کی، لیکن یہ دونوں ہی معتبر ہیں، اس لئے یہ حدیث معتبر اور مستند ہے۔

حضور ﷺ کی نماز قضاء ہوجانے سے متعلق روایت

سوال:- {206} میں ایک کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی کہ اچانک میری نگاہ ایک عبارت پر رک گئی جس میں لکھا تھا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی آنکھ نہیں کھلی، اس لئے آپ ﷺ کی نماز قضا ہوگئی، جب سورج کی کرنیں چہرۂ انور پر پڑیں تو بیدار ہوئے اور قضا نماز ادا فرمائی، کیا یہ بات درست ہے؟ بظاہر تو یہ بات غیر درست معلوم ہوتی ہے؟

(فوزیہ جبیں، جگتیال)

جواب:- یہ روایت درست ہے جس کو امام بخاری نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے، اس روایت میں ہے کہ حضرت بلال ؓ نے قافلہ کو جگانے کی ذمہ داری قبول کی، لیکن خود

---

(۱) الجامع للترمذی ، حدیث نمبر:۱۹۵۵، عن أبي سعید الخدری ؓ ، باب ماجاء فی الشکر لمن أحسن إلیك ، کتاب البر و الصلة ۔ محشی ۔

(۲) فیض القدیر :۶/۲۲۴، حدیث نمبر:۹۰۲۸ ۔

"قال أبو عیسی الترمذی : هذا حدیث حسن صحیح "الجامع للترمذی ، حدیث نمبر:۱۹۵۵ ۔ محشی ۔

ان کی بھی آنکھ لگ گئی، سورج کے کنارے طلوع ہو چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے سوئے رہ جانے کے بارے میں استفسار فرمایا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، مجھے کبھی ایسی نیند نہیں آئی تھی، چنانچہ جب سورج بلند ہو گیا تو آپ کے حکم پر اذان دی گئی اور نماز ادا کی گئی (۱) —— نیند بشری ضروریات میں سے ہے اور بلا ارادہ نماز کا فوت ہو جانا کوتاہی اور خطا میں شامل نہیں، اس لئے یہ شان نبوت کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ جو باتیں انسان کو پیش آتی ہیں، یا آسکتی ہیں اور شان نبوت کے منافی نہیں ہیں، انبیاء کی زندگی میں وہ واقعات منجانب اللہ پیش آتے ہیں تا کہ انسانیت کیلئے ایسے واقعات پیش آنے پر اسوہ ونمونہ باقی رہے۔

"زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا" کی تحقیق

سوال:- {207} شیخ ملا جامی کی منتخب جملہ چالیس احادیث میں ایک حدیث "زرغبا تزدد حبا" (ملاقات ناغہ کر کے کیا کرو تو محبت بڑھے گی) ہے، جس کو شیخ سعدی نے انہی الفاظ کے ساتھ اپنی گلستاں میں کسی بزرگ کا مقولہ بتایا

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۵۹۵۔

"قال : سرنا مع النبي ﷺ ليلة ، فقال بعض القوم : لو عرّست بنا يارسول الله ﷺ! قال : أخاف أن تناموا عن الصلاة ، قال بلال رضی اللہ عنہ أنا أوقظكم ، فاضطجعوا ، واستند بلال ظهره إلى راحلته ، فغلبته عيناه فنام ، فاستيقظ النبي ﷺ وقد طلع حاجب الشمس، فقال : يا بلال ! اين ما قلت ، قال : ما ألقيت على نومة مثلها قط، قال : إن الله قبض أرواحكم حين شاء ، و ردها عليكم حين شاء ، يا بلال ! قم فأذن بالناس بالصلاة ، فتوضأ ، فلما ارتفعت الشمس و ابيضّت ، قام فصلى" ، عن أبي قتادة رضی اللہ عنہ (صحيح البخاری ، حدیث نمبر:۵۹۵، باب الأذان بعد ذهاب الوقت ، كتاب مواقيت الصلاة ، نیز دیکھئے :صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۶۸۱) محشی ۔

ہے، تو یہ حدیث ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس کتاب میں، اور
اس کی سند کیسی ہے؟ (م، و، میمن، ٹولی چوکی)

جواب:- یہ حدیث نبوی ﷺ ہے اور مقصد اس کا ظاہر ہے کہ ملاقاتوں میں کسی قدر وقفہ رکھنا چاہئے کہ یہ وقفہ شوقِ ملاقات کو بڑھاتا ہے، یہ حدیث طبرانی، مستدرک حاکم اور بعض دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ ؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوذر غفاری ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے منقول ہے۔ یہ حدیث جن سندوں سے منقول ہے وہ عام طور پر ضعف سے خالی نہیں، لیکن بعض سندیں قابل قبول ہیں، اسی لئے علامہ ہیثمی اور علامہ مناوی نے اسے حسن قرار دیا ہے، اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی ''الجامع الصغیر'' میں اس پر ''حسن'' کی علامت لگائی ہے، لہذا یہ حدیث مقبول ہے (۱)

''أطلبوا العلم ولو بالصين'' کی تحقیق

سوال:- {208} رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اگر تمہیں علم حاصل کرنے کے لئے چین کا بھی سفر کرنا پڑے تو اس سے گزیر مت کرو''، یہ حدیث کیسی ہے؟ اور اس سے مراد علم دین ہے یا علم دنیا؟ (محمد رفیق، کوٹھی)

جواب:- اسلام میں علم کی بڑی فضیلت ہے، اور اس سلسلے میں بہت سی صحیح اور معتبر حدیثیں موجود ہیں، علم دین کی تو خصوصی فضیلت ہے ہی، کیونکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہے، اور اسی سے دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات متعلق ہے، لیکن جو علوم دنیا کی جائز ضروریات سے متعلق ہیں ان کو بھی اگر خدمتِ خلق کی نیت سے حاصل کیا جائے تو اجر وثواب ہے، جہاں تک اس روایت کی بات ہے، تو اس کے الفاظ اس طرح منقول ہیں: ''أطلبوا العلم

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: الجامع الصغير اور فيض القدير :۶۲/۴۔

ولو بالصين " (۱) لیکن یہ کوئی معتبر روایت نہیں، مشہور محدث امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، اور جتنی سندوں سے منقول ہے، وہ تمام ہی سندیں ضعیف ہیں اور ممتاز محدث علامہ ابن جوزی اور ابن طاہر نے لکھا ہے کہ: ''یہ بے اصل روایت ہے''، ''حديث لا أصل له'' (۲)

''لا يؤم قوما فيخص نفسه...'' سے مراد

سوال:- {209} عاجز نے منتخبہ حدیث کی کتاب ''زادِ راہ'' میں ایک حدیث کا یہ مفہوم دیکھا ہے کہ اجتماعی موقعوں پر انفرادی دعا کرنے پر اللہ لعنت بھیجتا ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حفاظ اور امام نماز سے فارغ ہوکر ''ني'' اور ''بي'' جیسے الفاظ والی دعائیں پڑھتے رہتے ہیں، جو ''مجھ کو'' اور ''میں'' جیسا مفہوم رکھتی ہیں، تو مذکورہ حدیث کی رو سے اس قسم کی دعائیں درست ہیں یا نہیں؟

(سید خواجہ معین الدین، سداسیو پیٹ)

جواب:- اس مضمون کی حدیث تو نظر سے نہیں گزری، البتہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ولا يؤم قوما فيخص نفسه بدعوة دونهم ، فإن فعل فقد خانهم" (۳)

---

(۱) كتاب الاحاديث الضعيفة و الموضوعة، حدیث نمبر: ۴۱۶، ۱/۶۰۰۔ محشی۔

(۲) فيض القدير: ۱/۵۴۲۔ الأحاديث الضعيفة و الموضوعة: ۱/۶۰۱۔ محشی۔

(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۳۵۷، عن ثوبان رضی اللہ عنہ، باب ما جاء في كراهية أن يخص الإمام نفسه بالدعاء، كتاب الصلاة۔

كنز العمال، حدیث نمبر: ۲۸۶۹۷، كتاب العلم (أقوال) في ترغيب فيه۔ محشی۔

’’کسی آدمی کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی قوم کی امامت
کرے اور ان کو چھوڑ کر صرف اپنے لئے دعا کرے، اگر اس
نے ایسا کیا تو ان کے ساتھ خیانت کی‘‘۔

اس حدیث میں اس دعا کا ذکر ہے جو نماز کے اندر کی جائے، ویسے نماز میں بھی بعض دعائیں واحد کے صیغے یعنی ’’میں‘‘ اور ’’مجھ پر‘‘ وغیرہ کے الفاظ سے آئی ہیں، ایسے موقع پر امام کو پڑھنی تو چاہئے دعاءِ ماثورہ ہی، لیکن نیت اور ارادہ کے اعتبار سے تمام نمازیوں کو شامل رکھنا چاہئے، تاکہ نیت کے اعتبار سے دعا کے مصداق میں عموم ہو اور الفاظ میں رسول اللہ ﷺ سے منقول دعا کی برکت بھی حاصل ہو جائے۔

"لا تمس النار مسلما من رأنی" کا درجہ اور اس سے مراد

سوال:- {210} معارف القرآن جلد آٹھ صفحہ: ۶۲ پر
ایک حدیث ہے کہ جہنم کی آگ اس شخص کو نہیں چھوئے گی جس
نے مجھے دیکھا ہے؛ اس حدیث کا کیا مطلب ہے اور یہ حدیث
کس درجہ کی ہے؟ (ابوارشد، وجے واڑہ)

جواب:- یہ حدیث معتبر ہے، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے:

"لا تمس النار مسلما من رأنی أو رأی من
رأنی "(۱)
’’جس مسلمان نے مجھے یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا ہو،
اسے آگ نہیں چھوئے گی‘‘

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۳۸۵۸، عن جابر بن عبد اللہ ؓ باب ماجاء فی فضل من رأی النبی ﷺ وصحبه، کتاب المناقب۔ محشی۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے(۱) اس حدیث میں صحابہ ﷺ اور تابعین ؒ کی خصوصی فضیلت کا بیان ہے، صحابہ ﷺ کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت بافیض کی وجہ سے وہ ایمان کے بہت اونچے مقام پر تھے اور اگر ان سے کچھ بھول چوک ہوئی بھی تو اللہ تعالی نے انہیں معاف فرمادیا ہے، وہ اللہ سے راضی تھے اور اللہ ان سے راضی ہیں ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ (۲) رہ گئے تابعین جنہوں نے صحابہ کو دیکھا ہے تو ان میں بھی جو لوگ حقیقی مؤمن کے مصداق ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالی کے یہاں خصوصی درجہ ہے۔ واللہ اعلم

ہر نماز اور سونے سے قبل تسبیح سے گناہ معاف ہونے کا مطلب

سوال:- {211} نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان ان کا اہتمام کرے جنت میں داخل ہوگا اور وہ دونوں بہت معمولی چیز ہے، مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں، ایک یہ کہ ''سبحان اللہ ، الحمد للہ ، اللہ اکبر '' ہر نماز کے بعد دس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو روزانہ ایک سو پچاس مرتبہ ہو جائے گا، اور دس گنا ہو جانے کی وجہ سے ایک ہزار پانچ سو نیکیاں حساب میں شمار کی جائیں گی اور دوسری چیز یہ ہے کہ سوتے وقت '' اللہ اکبر '' چونتیس مرتبہ '' الحمد للہ '' تینتیس مرتبہ ''سبحان اللہ'' تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کرے، تو سو کلمے ہوگئے، جس کا ثواب دس گنا بڑھ کر ایک ہزار نیکیاں ہو جائیں گی، اتنے گناہ تو انشاء

---

(۱) ''قال أبو عیسی : '' هذا حدیث حسن غریب '' الجامع الترمذی ، ، حدیث نمبر: ۳۸۵۸، باب ماجاء فی فضل من رأی النبی ﷺ وصحبه، کتاب المناقب ۔ محشی۔

(۲) البینة:۸۔

اللہ روزانہ کے ہوں گے بھی نہیں، اور اس تسبیح کے علاوہ جتنے نیک کام کئے ہوں گے ان کا ثواب علیحدہ نفل میں رہا، مولانا! اس حدیث کے مطالعہ کے بعد میرے ذہن میں مختلف خیالات پیدا ہوئے ہیں، اس لئے گزارش ہے کہ کیا واقعی یہ حدیث صحیح ہے؟ (سکندرعلی، خیریت آباد)

جواب:- یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ سے منقول ہے، اور صحیح ومعتبر ہے، امام ابوداودؒ نے اسے اپنی سنن میں نقل کیا ہے، (۱) حدیث میں ان دونوں باتوں کے اہتمام اور پابندی کی ترغیب دی گئی ہے، اور اسے جنت میں داخل ہونے کا سبب کہا گیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس عمل کو وہی شخص پورا کرسکتا ہے جو پنج وقتہ نماز کا پورا اہتمام کرتا ہو اور اس کی خاص توجہ ذکر اور دعاء کی طرف ہو، ورنہ عام لوگ جو فرائض وواجبات سے غافل ہیں، اس کا اہتمام نہیں کرسکتے، اس لئے اس کو مبالغہ نہ سمجھنا چاہئے اور ہم لوگوں کی گناہ کی خوگر زندگی کے اعتبار سے یہ بہت آسان بھی نہیں، اس کے علاوہ آیات وروایات کو سامنے رکھ کر اہل علم کی رائے ہے کہ یہاں معاف ہونے والے گناہ سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو، اور وہ صغائر ہوں، کبیرہ گناہ اور حقوق الناس سے متعلق گناہ ان حسنات کی وجہ سے معاف نہیں ہوسکتے، الا یہ کہ جس انسان کے ساتھ حق تلفی ہوئی ہو، وہ خود معاف کردے، یا اللہ تعالی اپنے

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، حدیث نمبر: ۵۰۶۵۔

"عن النبي ﷺ قال: خصلتان، أو خلتان لا يحافظ عليهما عبد مسلم إلا دخل الجنة، هما يسير، ومن يعمل بهما قليل، يسبح في دبر كل صلاة عشرا، وحمد عشرا، و يكبر عشرا، فذلك خمسون و مائة باللسان، و ألف و خمسمائة في الميزان، و يكبر أربعا و ثلاثين إذا أخذ مضجعه و يحمد ثلاثا و ثلاثين، و يسبح ثلاثا وثلاثين، فذلك مائة باللسان، و ألف في الميزان" عن عبد الله بن عمرو ﷺ، (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۰۶۵، باب في التسبيح عند النوم، كتاب الأدب) محشی۔

فضل وکرم سے کبائر کو بھی معاف فرمادے کہ وہ غفور ورحیم اور عفو وکریم ہے، اور اس کی بارگاہِ عفو میں کوئی کمی نہیں، ایسی حدیثوں کے بارے میں غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے، بلکہ ان کو صحیح پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔

ظہر سے پہلے چار رکعت کی فضیلت سے متعلق حدیث

سوال:- {212} ایک حدیث میں پڑھا کہ ظہر سے پہلی چار رکعت پڑھنے کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ تہجد کی نماز کا، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو ظہر سے پہلے کی سنت مراد ہے، یا چاشت کی نماز؟ (شملہ فرحت، مشیر آباد، ایکس روڈ)

جواب:- حدیث میں یہ مضمون آیا ہے، علامہ ہیثمیؒ نے یہ روایت طبرانی کے واسطہ سے حضرت براء بن عازب ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے نقل کی ہے، گو ان دونوں کی روایت میں راویوں پر محدثین کو کلام ہے، (۱) —— لیکن اس مضمون کی کئی روایتوں کی موجودگی کی وجہ سے یہ حدیث مقبول ومعتبر ہے، پھر حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کا قول ان کے تلامذہ نے نقل کیا ہے، کہ دن کی کوئی نماز رات کی نمازِ تہجد کے برابر نہیں، سوائے ظہر کے پہلے کی چار رکعت کے، (۲) —— اس کی سند محدثین کے نزدیک مقبول ہے، ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ

---

(۱) "عن البراء بن عازب ﷺ عن النبي ﷺ قال: من صلی قبل الظهر أربع عكعات كمن تهجد بهن من ليلة و من صلاهن بعد العشاء كن كمثلهن من ليلة القدر" (مجمع الزوائد، حدیث نمبر:۳۳۲۲، كتاب الصلاة)

"عن ابن عباس ﷺ قال: فقال ابن عباس يا رسول الله ﷺ! ما هذه الصلاة التي تصليها و لا نصليها؟ قال ﷺ: من صلاهن من أمتي فقد أحيا ليلة تفتح أبواب السماء و يستجاب منها الدعاء" (مجمع الزوائد، حدیث نمبر:۳۳۱۸، كتاب الصلاة) محشی۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۳۱۲۸، باب و من سورة النحل، كتاب التفسير)

بن عباس ﷜ نے یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی ہوگی کہ اس مسئلہ میں اجتہاد ورائے کا کوئی دخل نہیں، یقیناً آپ ﷜ نے یہ بات زبان رسالت مآب ﷺ سے سن کر ہی فرمائی ہوگی۔

چونکہ احادیث میں ظہر سے پہلے کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سے سنت ظہر ہی مراد ہونی چاہئے، کیونکہ چاشت کی نماز تو زوال سے بھی پہلے ہے۔

جس کا میں مولیٰ ہوں علی ﷜ اس کے مولیٰ ہیں

سوال:- {213} خصوصی سپلیمنٹ میلادِ حضرت علی ﷜ میں ارشادات نبوی ﷺ میں یہ حدیث آئی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ ''غدیر خم کے تاریخی موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جس کا میں مولی ہوں، علی ﷜ اس کے مولی ہیں''

(جیلانی بیگم، قاضی پورہ)

جواب:- یہ حدیث صحیح اور معتبر ہے، اور متعدد صحابہ ﷡ سے منقول ہے، امام ترمذیؒ نے حضرت زید بن ارقم ﷜ سے اس روایت کو نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، ''ھذا حدیث حسن صحیح ''(۱) امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے یہی روایت حضرت سعد بن ابو وقاص ﷜ سے نقل کی ہے۔(۲)

---

(۱) ''عن النبي ﷺ قال : " من كنت مولاه فعلي مولاه ''عن زيد بن أرقم ﷜، الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۳۷۱۳،قال أبو عيسى : هذاحديث حسن غريب ، باب مناقب علي بن أبي طالب ، كتاب المناقب -محشی۔

(۲) مسند لإمام احمد ،حدیث نمبر:۳۰۶۱،۳۰۶۲،عن ابن عباس ﷜ ،حدیث نمبر: ۶۴۱،۹۶۰،عن علي ﷜ ،حدیث نمبر:۱۹۲۲۷،عن زيد بن أرقم﷜ ، سنن ابن ماجة ، حدیث نمبر:۱۲۱،عن سعد بن أبي وقاص ﷜ ، باب فضل علي بن أبي طالب ، كتاب السنة -محشی۔

چھپکلی مارنے سے متعلق حدیث

سوال:- {214} میں نے ''ذخیرۂ معلومات'' قسط اول میں پڑھا ہے کہ گرگٹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک مار رہا تھا، جس کی بنا پر آپ ﷺ نے گرگٹ کو پہلے وار میں مارنے پر سو نیکیوں کا وعدہ فرمایا ہے، کیا یہ بیان درست ہے؟ (نازیہ پروین، مزمل مارکٹ)

جواب:- یہ مضمون صحیح احادیث میں آیا ہے کہ چھپکلی کو مارنا چاہئے، مسلم کی روایت میں پہلی ضرب میں چھپکلی کو مارنے پر سو نیکیوں کا ذکر ہے، (۱) جب کہ سنن ابوداؤد کی روایت میں ستر نیکیوں کا ذکر ہے، (۲) گویا تعداد کی تحدید مقصود نہیں، بلکہ کثرت کا اظہار مقصود ہے کہ اس پر بہت سارا اجر و ثواب ہے، جہاں تک آگ میں پھونکنے کی بات ہے، تو امام بخاریؒ نے حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کو نقل کیا ہے: ''کان ینفخ علی إبراهیم'' (۳) نیز اس کے مضرت رساں اور تکلیف دہ ہونے کا ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ کے ارشاد میں یہ اضافہ نقل کیا گیا ہے: ''سماه فویسقا'' (۴)

---

(۱) " عن النبي ﷺ : من قتل وزغا في أول ضربة كتبت له مائة حسنة " عن أبي هريرة رضي الله عنه، (صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۴۰، باب استحباب قتل الوزغ) محشی۔

(۲) " عن النبي ﷺ أنه قال : في أول ضربة سبعين حسنة " عن أبي هريرة رضي الله عنه (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۲۶۴، باب في قتل الأوزغ، كتاب الآداب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۴۰، باب استحباب قتل الوزغ، كتاب السلام) محشی۔

(۳) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۳۳۵۹، نیز مسند احمد میں بھی یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کی گئی ہے، دیکھئے: کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۰۰۲۱۔

(۴) " أن النبي ﷺ أمر بقتل الوزغ، و سماه فويسقا " عن عامر بن سعيد، عن أبيه، (صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۳۸، باب استحباب قتل الوزغ، كتاب السلام) محشی۔

یعنی آپ ﷺ نے اس کو"فویسق" کا نام دیا،فویسق جانوروں میں تکلیف دہ اور مضرت رساں جانوروں کو کہتے ہیں۔

اطباء کا خیال ہے کہ چھپکلی سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے، نیز اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ چھپکلی میں زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے، اگر کھانے وغیرہ میں پڑ جائے تو بعض اوقات انسان کے لئے باعث ہلاکت بھی بن جاتا ہے،اور جسم کے کم ہونے اور دیواروں اور چھتوں پر چڑھنے کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی پہنچ ہر جگہ ہوتی ہے؛ اس لئے اس کی طبعی شقاوت اور انسانی صحت کے نقطۂ نظر سے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم فرمایا ہے۔

"إن الرقية والتمائم..." کی تحقیق

سوال:- (215) آج کل تعویذات لٹکانے کا رواج بہت عام ہے،اور کثرت سے لوگ اپنے مسائل کے لئے عامل حضرات کی طرف رجوع کرتے ہیں، میں نے سنا ہے کہ یہ تعویذ گنڈے جائز نہیں ہیں، بلکہ یہ شرک ہے،جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے مروی ہے:"إن الرقية والتمائم والتولة شرك "اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

(محمد عالمگیر، گولکنڈہ)

جواب:- حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی یہ روایت ابوداؤد، ابن ماجہ اور حدیث کی بعض دوسری کتب میں بھی مروی ہے،(۱) "رقی" عربی قواعد کے لحاظ سے "رقیۃ" کی جمع ہے، اور اس کے معنی جھاڑ پھونک کے ہیں،عرب اپنے بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے دھاگہ میں گھونگا پرو کر پہنایا کرتے تھے،اسے "تميمة" کہتے ہیں،اس کی جمع "تمائم" ہے،" التولة"

(۱) سنن أبي داؤد :۵۴۲/۱،باب في تعليق التمائم ، سنن ابن ماجة :ص:۲۵۲، باب تعليق التمائم ۔محشی۔

(''ت'' کے زیر اور ''و'' کے زبر کے ساتھ) جادو یا جادو کا سا عمل تھا، بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ کوئی خاص عمل تھا، جسے عورتیں شوہر کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے کیا کرتی تھیں۔ (۱) اس روایت میں ان چیزوں کو شرک قرار دیا گیا ہے، شرک یہ ہے کہ اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو اس کا ہمسر اور شریک سمجھا جائے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ لوگ ان چیزوں کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ یہ بالذات نافع اور شفاء دینے والے ہیں، اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

جہاں تک تعویذ کا مسئلہ ہے تو لوگ اس سلسلہ میں افراط وتفریط میں مبتلا ہیں، کچھ لوگ وہ ہیں جن کو ان چیزوں پر زیادہ اعتقاد ہے کہ وہ ان ہی کو مؤثر خیال کرتے ہیں، اس غلو کا نتیجہ یہ ہے کہ بیماریوں میں علاج کے بجائے ضعف اعتقاد کی وجہ سے عاملوں کے پاس دوڑتے رہتے ہیں، بعض عامل حضرات بھی جھاڑ پھونک اور تعویذات میں مشرکانہ عبارتیں لکھتے اور پڑھتے ہیں، یہ واقعی شرک ہے، اور کسی مسلمان کے لئے ایسے عمل کا ارتکاب یا اس پر راضی رہنا شرمناک اور ناقابل تصور ہے۔

دوسری طرف کچھ لوگ اس کو سرے سے ناجائز اور بہر صورت شرک قرار دیتے ہیں، یہ بھی درست نہیں، حضرت انس ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے:

"رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم في الرقیة من العین" (۲)

اس کو امام مسلمؒ اور ترمذیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے، حضرت شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی

(۱) دیکھئے: نیل الأوطار: ۱۳/۸۔

(۲) صحیح مسلم: ۲۲۳/۲، باب استحباب الرقیة من العین و النملة و العمة، الجامع للترمذي: ۲۶/۲، باب ما جاء في الرقیة في ذلك۔

ہیں، کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ "جیسے تم نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کتابت سکھائی ہے، ایسے ہی نملہ نامی بیماری کا جھاڑ پھونک بھی سکھادو" (۱) اس کو ابوداؤد کے علاوہ امام محمدؒ نے بھی اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اس طرح کی متعدد روایتیں منقول ہیں، بعض میں یہ بھی ہے کہ کسی صحابی ؓ نے جھاڑ پھونک کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے ان سے پڑھوا کر سنا اور جب اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہ دیکھی تو یہ کہہ کر اجازت مرحمت فرمائی کہ اگر کلمۂ شرک نہ ہو تو جھاڑ پھونک میں حرج نہیں: " لا بأس بالرقی مالم یکن فیه شرك " (۲) اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی مشرکانہ کلمہ موجود نہ ہو، اور نہ اس کے پیچھے مشرکانہ خیال کارفرما ہو، کہ انسان جھاڑ پھونک اور تعویذ ہی کو اصل شافی اور مؤثر جاننے لگے تو اس میں کچھ حرج نہیں، علامہ شوکانیؒ نے بھی ایسی صورت میں اس کو جائز قرار دیا ہے:

" فیه دلیل علی جواز الرقی والتطیب بما لاضرر فیه ولا منع من جهة الشرع " (۳)

جہاں تک لکھے ہوئے تعویذ کی بات ہے تو اصل تو یہی ہے کہ دعائیں پڑھی جائیں، یا انہیں دَم کیا جائے، لیکن اس کے ناجائز ہونے یا اس کو شرک کہنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، بشرطیکہ کوئی مشرکانہ بات نہ لکھی گئی ہو، یا کسی ایسی بات نہ لکھی گئی ہو، جس کا معنی معلوم نہ ہو، کیونکہ اس کا امکان موجود ہے کہ شاید اس میں غیر اللہ سے مدد چاہی گئی ہو اور مشرکانہ مضمون شامل ہو۔

لکھے ہوئے تعویذ کا ثبوت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ کے عمل سے ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے نیند میں ڈر جانے کے موقع پر پڑھنے کے لئے ایک دعا سکھائی تھی، یہ بڑی جامع دعا ہے، جس میں ہر طرح کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی گئی ہے، حضرت عبداللہ ؓ

(۱) سنن أبي داؤد: ۵۴۲/۲، باب الرقی ۔ محشی۔
(۲) صحیح مسلم: ۲۲۴/۲، باب ما جواز أخذ الأجرة علی الرقیة بالقرآن، سنن أبي داؤد: ۵۴۲/۲، باب الرقی ۔
(۳) دیکھئے: نیل الأوطار: ۲۱۴/۸۔

اپنے بچوں کو اسے یاد دلایا کرتے تھے، اور جو نابالغ ہوتے ان کے لئے لکھ دیتے اور ان کے گلے میں لٹکا دیتے۔(۱) ظاہر ہے یہ صحابی ﷺ کا عمل ہے اور اگر بچوں کی گردن میں تعویذ لٹکا ہوا ہوتو اس پر مختلف لوگوں کی نگاہ پڑتی ہی ہے، اس لئے یقیناً اسے دوسرے صحابہ ﷺ نے بھی دیکھا ہوگا، پس اگر یہ عمل غلط ہوتا تو حضرت عبداللہ ﷺ اسے کیوں کر کرتے اور دوسرے صحابہ ﷺ اس پر کیسے سکوت اختیار فرماتے؟

علامہ ابن تیمیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں نقل کیا ہے کہ عورت کو ولادت میں دشواری پیش آتی تو وہ دعا لکھتے جسے دھوکر اسے پلایا جاتا اور ناف کے نیچے اس کا چھڑکاؤ کیا جاتا، بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کاغذ میں لکھتے، جسے عورت کے بازو پر باندھ دیا جاتا،(۲) سلفِ صالحین بھی عام طور پر اس کے جواز کے قائل رہے ہیں، سعید بن مسیبؒ جو محدثین کے یہاں سب سے جلیل القدر تابعی سمجھے گئے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر چمڑے پر دعا لکھ کر لٹکائی جائے تو حرج نہیں، امام مجاہدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ابن سیرینؒ، ضحاکؒ اور متعدد فقہاء ومحدثین سے تعویذ کا لکھنا اور اس کے جواز کا قائل ہونا منقول ہے۔(۳)

اس موقع پر محی السنۃ مجددِ اسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے نقل کرنا بھی مناسب محسوس ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

"یجوز أن یکتب للمصاب وغیرہ من الرقی شیئا
من کتاب اللہ وذکرہ بالمداد المباح ویغسل
ویسقی کما نص علی ذلک أحمد وغیرہ" (۴)

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة: ۳۹/۸۔
(۲) فتاوی ابن تيمية: ۶۴/۱۹۔
(۳) دیکھئے: تکملة فتح الملهم: ۳۱۷/۴۔
(۴) فتاوی ابن تيمية: ۶۴/۱۹۔

"جو شخص بیمار یا کسی اور مصیبت میں مبتلا ہو، اس کے لئے
کتاب اللہ یا اللہ کے ذکر پر مشتمل کوئی چیز ، ٹرروشنائی سے
لکھنا اور اسے دھو کر پلانا جائز ہے، جیسا کہ امام احمدؒ اور
دوسرے علماء نے اس کی تصریح کی ہے"

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکانہ مضمون پر مشتمل نہ جھاڑ پھونک جائز ہے اور نہ تعویذ، اسی طرح مجہول قسم کی عبارت جس میں غیر شرعی معنوں کا امکان موجود ہو، وہ بھی جائز نہیں، تعویذ یا جھاڑ پھونک کو مؤثر حقیقی اور اصل شفاء دہندہ خیال کر لینا درست نہیں، اور یہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے، اگر جھاڑ پھونک اور تعویذ، قرآنی آیات، رسول اللہ ﷺ سے منقول اذکار اور دعاؤں، نیز اس کے مماثل مضامین پر مشتمل ہو، اور ان کو دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح محض ظاہری سبب خیال کیا جائے، اصل یقین خدا کی قدرت اور اس کے شافی ہونے پر ہو، تو جائز ہے، رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل صرف زبان سے جھاڑ پھونک کا رہا ہے نہ کہ تعویذ لکھوانے کا، اس لئے بہتر ہے کہ دعائیں پڑھی جائیں اور پڑھ کر اپنے آپ پر یا دوسروں پر دَم کیا جائے، لیکن گنجائش لکھنے اور لکھ کر خود پہننے یا دوسروں کو دینے کی بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

"من ترك الجمعة ثلاث مرات ..." کی تحقیق

سوال:- {216} ایک صاحب نے کہا کہ جو آدمی
مسلسل تین جمعہ ادا نہیں کرتا اس کے دل میں مہر لگا دی جاتی
ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد خواجہ، جہاں نما)

جواب:- یہ بات درست ہے، اور صحیح حدیث میں یہ مضمون آیا ہے، حضرت ابو الجعد ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونا بها طبع

اللہ علی قلبہ"(۱)

''جس نے تین دفعہ کاہلی کی بناء پر جمعہ چھوڑ دیا، اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں''

مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں اندیشہ ہے کہ نیکی کی توفیق سے محروم ہو جائے، اور اس سے بڑھ کر کوئی محرومی نہیں ہو سکتی، اس لئے تمام فرض نمازوں کا اور خصوصیت سے نماز جمعہ میں شرکت کا اہتمام کرنا چاہئے۔

آیات واحادیث والے ناقابلِ استعمال اوراق

سوال:- {217} آپ اکثر اخبارات میں یہ مشورہ دیا کرتے ہیں کہ'' قرآنی آیات، احادیث اور دیگر دینی مضامین آپ کے علم وعمل میں اضافہ کے لئے شائع کئے جاتے ہیں، ان کا ادب واحترام آپ کا مذہبی فریضہ ہے'' جب سے آپ کا یہ اشتہار پڑھا ہے، وہ تمام اخبارات جن میں قرآنی آیات احادیث اور دینی مضامین ہوتے ہیں، پڑھنے کے بعد انہیں تقریباً دو سال سے میں نے احتیاط کے ساتھ جمع کرنا شروع کر دیا ہے، ان جمع شدہ اخبارات کا اتنا ذخیرہ ہو گیا ہے کہ ان میں مزید اضافہ ناممکن سا ہو گیا ہے، برائے مہربانی ان اخبارات کے انبار کو تلف کرنے کا طریقہ شائع فرمائیں، تو نوازش ہوگی۔ (عظمت اعجاز، نارائن گوڑہ)

جواب:- اگر ان کی تجلید کر کے محفوظ کرنا ممکن ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے، اس میں ان

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۰۰، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، كتاب الجمعة۔

اوراق کا احترام بھی ہے، اور آپ کے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے نفع بھی، لیکن اگر اس میں دشواری ہو، تو ان کاغذات کو کسی پاک صاف کپڑے میں لپیٹ کر ایسی جگہ دفن کر دیا جائے، جو لوگوں کی عام گزرگاہ نہ ہو۔

" المصحف اذا صار خلقا لا يقرأ منه يخاف أن يضيع يوضع في خرقة طاهرة ويدفن " (۱)

مسجدوں میں فضائل اعمال پڑھنا

سوال:- {218} ہماری مسجد جس میں ہم لوگ نماز ادا کرتے ہیں، شانتی نگر میں واقع ہے، یہاں عرصہ سے بعض نمازوں کے بعد "فضائل اعمال" (تالیف: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ) پڑھی جاتی ہے، بعض حضرات کو اس کتاب پر اعتراض ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس میں ضعیف حدیثیں ہیں، اس لئے یہ کتاب نہیں پڑھنی چاہئے، اگر اس کے بجائے بخاری شریف کا اردو ترجمہ پڑھ دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، اس پس منظر میں آپ سے دریافت طلب بات یہ ہے کہ

(الف) کیا مسجدوں میں "فضائل اعمال" کا پڑھنا درست ہے؟

(ب) کیا عوام کے لئے اس کتاب کے بجائے بخاری شریف کا ترجمہ سنا دینا زیادہ مناسب ہوگا؟ کیونکہ اس میں صحیح اور معتبر حدیثیں آئی ہیں۔ (عطاء الرحمان انجم، اے، سی، گارڈ)

جواب:- (الف) نماز کے بعد لوگوں کی اصلاح کے نقطۂ نظر سے ان کو نیک اعمال

(۱) الفتاوی الهندية :۳۲۲/۵۔

کے بارے میں ترغیبی مضامین سنانا بہتر اور باعث اجر وثواب ہے، اس نقطۂ نظر سے ''فضائل اعمال'' نامی کتاب کا سنانا مناسب ہے، فضائل اعمال میں وہی مضامین ذکر کئے گئے ہیں، جو پوری امت کے درمیان متفق علیہ ہیں، نہ ان میں سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف رہا ہے اور نہ مسلمانوں کے ان مختلف حلقوں کے درمیان ان کی بابت کوئی اختلاف ہے جن میں آج نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، کیونکہ اس کتاب میں نماز، ذکر، علم، انفاق اور حج وغیرہ کی فضیلت کا ذکر ہے، اور ان امور کے دین میں مطلوب ومرغوب ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، اس لئے اس پہلو سے بھی یہ ایک مناسب کتاب ہے۔

جہاں تک ضعیف حدیثوں کی بات ہے، تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ حدیث ضعیف اور ''موضوع'' میں فرق ہے، موضوع کے معنی گھڑی ہوئی بات کے ہیں، جس روایت کے بارے میں محدثین کی رائے ہو کہ یہ موضوع روایت ہے، یعنی اس روایت کے نقل کرنے میں کوئی ایسا راوی بھی موجود ہے کہ جو حدیثیں گھڑا کرتا تھا، تو اس کو یہ بتائے بغیر کہ یہ بے اصل روایت ہے، نقل کرنا بھی جائز نہیں، نہ شرعی احکام اور فقہی مسائل میں، نہ ترغیب وترہیب اور فضائل میں، چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"(تحرم روايته مع العلم به) أي بوضعه (في أي معنى كان) سواء الأحكام والقصص والترغيب وغيرها، (إلا مبينا) أي مقرونا ببيان وضعه" (۱)

''کسی روایت کے موضوع ہونے کا علم رکھنے کے باوجود کسی بھی امر کے بارے میں اس کی روایت حرام ہے، چاہے احکام، قصص، واقعات اور ترغیب وغیرہ ہی کیوں نہ ہو،

(۱) تدریب الراوی: ۲۳۲/۱۔

سوائے اس کے کہ اس حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ
اس کا موضوع ہونا بھی واضح کر دیا جائے"

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو میری نسبت سے ایسی بات نقل کرے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ وہ جھوٹی بات ہے، تو وہ بھی دو جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے: "من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين "(۱)

ہاں! بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی مضمون، ایک معتبر سند سے بھی منقول ہوتا ہے، اور وہی دوسری سند سے بھی منقول ہوتا ہے جس کے راوی پر حدیث میں جھوٹ بولنے کا الزام ہو، ایسی صورت میں دوسرے مستند ذریعہ سے بھی اس مضمون کے منقول ہونے کی وجہ سے اس سے نقل کرنا درست ہے، کیونکہ یہ موضوع روایت کا نقل کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی بات کا نقل کرنا ہے جو معتبر ذریعہ سے بھی منقول ہے، البتہ کچھ جھوٹے لوگوں نے بھی اس روایت کو دہرایا ہے۔

جس حدیث کے راوی کا حافظہ کمزور ہو، یا حدیث میں جھوٹ بولنے کے سوا کسی اور وجہ سے اس کی روایت قبول نہ کی گئی ہو، یا راویوں کے سلسلہ میں کہیں خلاء ہو، جیسے "الف" نے "ب" سے روایت نقل کی حالانکہ "الف" کی "ب" سے ملاقات ثابت نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیچ میں کوئی اور شخص واسطہ ہے جس کا ذکر نہیں آیا ہے، وہ شخص راست گوئی میں معتبر اور قابلِ بھروسہ بھی ہوسکتا ہے، اور ناقابلِ اعتبار بھی، ایسی روایتوں کو "ضعیف" کہا جاتا ہے، راویوں کے حالات کے اعتبار سے کبھی حدیث زیادہ ضعیف سمجھی جاتی ہے، اور کبھی کم، اور ظاہر ہے کہ اس کا علم دوسرے لوگوں کو محدثین اور اس فن کے ماہرین ہی سے حاصل ہوسکتا ہے، ----- پھر ان میں بعض ضعیف حدیثیں ایسی ہوتی ہیں کہ قرآن مجید یا صحابہ کے تعامل سے اس کے مضمون کی تائید ہوتی ہے، تو اس تائید کی وجہ سے وہ ضعیف حدیثیں بھی اپنے مضمون کے لحاظ سے معتبر مانی جاتی

(۱) صحيح مسلم: ۶/۱، باب وجوب الرواية عن الثقات و ترك الكذابين و التحذير من الكذب على رسول الله ﷺ۔ محشی۔

ہیں، اسی لئے اس فن کے ماہرین نے لکھا ہے کہ" اگر کسی حدیث کی سند کو غیر معتبر قرار دیا جائے، تو یہ اس مضمون کے بارے میں رائے نہیں سمجھی جائے گی، کیونکہ اگر قرآن وغیرہ سے اس کی تائید و توثیق مل جاتی ہو، تو اسے معتبر ما جائے گا، چنانچہ اصول حدیث کے بہت بڑے ماہر علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

"وعلى كل حال فالتقييد بالإسناد ليس صريحا في صحة المتن وضعفه بل هو على الإحتمال" (۱)

"بہر حال! اگر حدیث کی سند کو صحیح کہا جائے، تو یہ مضمون حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کی صراحت نہیں سمجھی جائے گی، بلکہ اس میں احتمال ہوگا"۔

جو حدیثیں ضعیف ہوں اور قرآن نیز صحابہ کے تعامل وغیرہ سے اس کے مضمون کی تائید نہ ہوتی ہو، تو حلال وحرام، جائز و ناجائز کے بیان میں، تو ان روایات کا اعتبار نہیں، لیکن دو موقعوں پر اعتبار ہے:

اول:- ایسے احکام میں جن کا تعلق احتیاط سے ہو، یعنی اگر اس روایت میں کسی بات کو مستحب قرار دیا گیا ہو، تو احتیاطاً اس پر عمل کر لیا جائے، اور کسی بات سے منع کیا گیا ہو تو احتیاطاً اس سے بچا جائے۔" ويعمل بالضعيف أيضا في الأحكام إذا كان فيه احتياط "(۲) اسی لئے مشہور محدث اور فقیہ علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ

"الإستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع"(۳)

---

(۱) فتح المغيث :۱/۱۰۷۔
(۲) تدريب الراوى :۱/۲۵۳۔
(۳) فتح القدير :۱/۴۶۷،كتاب الجنائز۔

''اگر حدیث صرف ضعیف ہو، موضوع نہ ہو، تو اس سے بھی
کسی بات کا مستحب ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے''

دوسرے:- جن کاموں کے کرنے کا حکم یا کرنے کی ممانعت قوی دلیلوں سے ثابت ہو، اگر ایسی ضعیف حدیثیں ان ہی احکام کی ترغیب اور ترہیب سے متعلق ہوں، تو ان کا نقل کرنا بھی درست ہے، اور وہ بھی ایک درجہ میں معتبر ہیں، چنانچہ علامہ سخاویؒ نقل کرتے ہیں:

"الخبر إذا ورد لم يحرم حلالا، ولم يحل
حراما، ولم يوجب حكما وكان في ترغيب أو
ترهيب أغمض عنه و تسهل في رواته" (۱)

''جب کوئی ایسی حدیث وارد ہو جو کسی حلال کو حرام یا کسی
حرام کو حلال نہ ٹھہراتی ہو، نہ کسی حکم کو واجب قرار دیتی ہو،
اور ترغیب یا ترہیب سے متعلق ہو تو اس سے چشم پوشی کی
جائے گی، اور اس کے روایت کرنے کی گنجائش ہوگی''۔

اس سے معلوم ہوا کہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ایسی حدیثوں کا نقل کرنا درست ہے، جو موضوع اور زیادہ ضعیف نہ ہوں، نیز کسی روایت کی سند میں ایسا راوی ہو جو حدیث گھڑا کرتا تھا، لیکن دوسری سند سے بھی وہ مضمون ثابت ہو اور وہ سند ایسی گئی گزری نہ ہو، تو اس روایت کا بھی نقل کرنا جائز ہے، نیز اگر کوئی ضعیف حدیث قرآن مجید اور صحابہ ﷺ کے تعامل کے مطابق ہو تو وہ حدیث بھی معتبر ہوگی۔

اس تفصیل کی روشنی میں فضائل اعمال (تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ) کے پڑھنے اور سننے کو روکنا اسی وقت درست ہوگا جب کہ اس میں نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع حدیثیں ہوں، اور وہ مضمون قرآن اور صحیح حدیثوں سے ثابت نہ ہوں، نیز محدثین اس

(۱) فتح المغیث: ۱/۳۳۲۔ محشی

کے موضوع ہونے پر متفق ہوں، لیکن حقیقت حال یہ نہیں ہے، اولاً تو اس کتاب میں اکثر صحیح احادیث ہیں، جو بخاری ومسلم اور دوسری مستند کتابوں سے نقل کی گئی ہیں، جو ضعیف ہیں، وہ فضائل اور ترغیب وترہیب سے متعلق ہونے کی وجہ سے خود محدثین کے یہاں معتبر مانی گئی ہیں، بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن کو بعض حضرات نے موضوع قرار دیا ہے، لیکن ان کے موضوع ہونے پر محدثین کا اتفاق نہیں، پھر بھی مصنفؒ نے احتیاطاً ایسی حدیثوں کو نقل کرتے ہوئے عربی عبارتوں میں اس حدیث کے بارے میں دونوں طرح کی رائیں نقل کردی ہیں، یہ مصنفؒ کی احتیاط ہے، اور یہ جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں ان سے امت کے ایک بڑے طبقے کی اصلاح ہورہی ہے، ان میں عبادات اور نہ صرف فرائض وواجبات بلکہ سنن ومستحبات کا بھی ذوق پیدا ہورہا ہے، اس لئے اس کتاب کے پڑھنے اور سننے میں کچھ حرج نہیں، بلکہ دینی نفع ہے، اور یہ دعوت وتذکیر کی ایسی آسان صورت ہے، جس سے عام سے عام آدمی بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(ب) جہاں تک بخاری شریف کے اردو ترجمہ کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ بخاری حدیث کا مستند ترین مجموعہ ہے اور مسلمانوں کو ضرور ایسی چیزوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، لیکن ایسی حدیثیں بھی ہیں، جو منسوخ ہیں، یعنی حضور ﷺ نے ایک زمانہ میں کسی بات کا حکم دیا، یا اس سے منع فرمایا، یا اس کی اجازت دی، بعد کو آپ ﷺ نے اس کی جگہ دوسری ہدایت ارشاد فرمائی، جیسے کوئی چیز ممنوع تھی، اس کی اجازت مرحمت فرمائی، یا جائز تھی، اور اس کو بعد میں ناجائز قرار دیا گیا، محدثین کا طریقہ یہ ہے کہ چونکہ وہ حضور ﷺ کے تمام اقوال وافعال کو جمع کرتے ہیں، اس لئے دونوں طرح کی حدیثیں نقل کرتے ہیں، اور بعض اوقات پڑھنے والوں کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی وضاحت نہیں کرتے کہ کون حکم پہلے کا ہے اور کون بعد کا؟ اسی طرح بعض حدیثوں میں وضاحت ضروری ہوتی ہے، جیسے بخاری میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین کذب کا ذکر ہے، (۱)

---

(۱) قال رسول الله ﷺ: لم يكذب إبراهيم إلا ثلاثا! عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ صحيح البخاري، حدیث نمبر ۳۳۵۷، تفصیل کے لیے دیکھئے: حدیث نمبر: ۲۲۱۷۔ محشی۔

کذب کے معنی عام طور پر جھوٹ کے آتے ہیں، لیکن یہاں جھوٹ کا معنی مراد نہیں، بلکہ ایسی بات کہنا مراد ہے کہ مخاطب کچھ اور سمجھے اور بولنے والا کچھ اور مراد لے، اس کو عربی زبان میں ''توریہ'' بھی کہا جاتا ہے،(۱) ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے ایسی بات کہنا جائز ہے،(۲) اسی طرح بعض دفعہ کتاب میں پوری حدیث اور اس کا پس منظر منقول نہیں ہوتا، بلکہ محض حدیث کا ایک ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے، اگر پورا پس منظر سامنے نہ ہو، تو محض اس ٹکڑے سے غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے، اس لئے میری ذاتی رائے ہے کہ کسی حدیث کی کتاب کا صرف ترجمہ (جس کے ساتھ وضاحت اور تشریح نہ ہو) کو علماء سنائیں تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ ایسے قابلِ وضاحت امور کو واضح کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں، عوام اگر اپنے طور پر ایسی کتاب کو سنیں اور سنائیں تو غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچے ذہن کے لوگ شکوک وشبہات میں پڑ جائیں، اور ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی بدنصیبی، دین وایمان کے نقصان وخسران کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

اخیر میں آپ کے واسطہ سے آپ کے دوسرے احباب اور مسجد کے مصلیان سے خواہش ہے کہ یہ ایسا زمانہ ہے جس میں مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ متحد ہوکر اور ایک دوسرے کا اکرام کرتے ہوئے رہنے کی ضرورت ہے، اور جہاں خیر کا جو کام جاری ہو اس کی تقویت پہونچانا اور امت کو دین کی بنیادی تعلیمات کی طرف لانا اور اس کے لئے ان کو مسجدوں سے جوڑنا وقت کا سب سے اہم فریضہ ہے، آپ حضرات کوئی ایسا کام نہ کریں کہ اس میں تقویت کے بجائے خیر کے کاموں کو کمزور کرنے کا سبب بنے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان ، وھو اعلم بالصواب۔

---

(۱) " التورية : و هي : أن تطلق لفظا ظاهرا (قريبا) في معنى ، تريد به معنى آخر (بعيدا)يتناوله ذلك اللفظ ، لكنه خلاف ظاهره " الموسعة الفقهية الكويتية : ۱۲/ ۲۲۸)مرتب۔

(۲) " الكذب مباح لإحياء حقه و دفع الظلم عن نفسه ، و المراد التعريض : لأن عين الكذب حرام " (الدر المختار مع رد المحتار :۹/ ۶۱۲)مرتب۔

قضاء عمری سے متعلق ایک بے اصل بات

سوال:- {219} ہمارے دوست کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی نمازیں قضاء ہوگئی ہوں اور اس کو معلوم نہ ہو کہ کتنی نمازیں قضاء ہوگئی ہیں، تو وہ شخص شب دوشنبہ کو پچاس رکعت یعنی پچیس دوگانے نماز بہ نیت قضاء عمری ادا کرے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار سورۂ اخلاص پڑھے تو خداوند تعالیٰ اس کی گزشتہ نمازوں کا کفارہ فرمادیتا ہے، خواہ اس نے ایک سو سال کی نمازیں کیوں نہ قضاء کی ہوں، کیا واقعی یہ حدیث شریف مستند ہے؟ (احمد سعید، منچریال)

جواب:- آپ نے جس روایت کا ذکر کیا ہے وہ میرے علم میں نہیں ہے، اور بظاہر یہ بے اصل روایت معلوم ہوتی ہے، اسی لئے علماء امت میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، جتنی نمازیں فوت ہوگئی ہوں شرعاً تعداد کی رعایت کے ساتھ ان سب کی قضاء کرنا واجب ہے، امام غزالیؒ فوت شدہ نمازوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اگر اس نے کوئی نماز چھوڑ دی یا کوئی نماز ناپاک کپڑے میں ادا کی... تو آخری نماز سے قضاء کرے گا، اگر مدتِ بلوغ کے لحاظ سے فوت شدہ نماز کی تعداد کے بارے میں اسے شک ہو، تو جس کے ادا کر لینے کا یقین ہو، اسے چھوڑ دے اور باقی کو قضاء کرلے، وہ اس میں غلبۂ ظن پر عمل کرسکتا ہے اور تحری و اجتہاد کے ذریعہ غلبۂ ظن تک پہونچ سکتا ہے''۔(۱)

(۱) إحياء العلوم: ۳۵/۲۔

رقعوں اور اخبارات میں حدیث

سوال:- {220} شادی بیاہ کے رقعوں اور اردو اخبارات میں حدیث شریف تحریر ہوا کرتی ہے، میں نے کئی بار ایسے کاغذات ازراہِ احترام زمین پر سے اٹھائے ہیں، کیا اس طرح احادیث کا لکھنا جائز ہے اور اس بے حرمتی کا ذمہ دار کون ہے؟ (قدیر خان، بانسواڑہ)

جواب:- دعوت ناموں یا اخبارات و رسائل میں حدیث لکھنے کا اصل مقصد دعوت و تذکیر کا ہے، اس طرح بہت سے لوگ حدیث اور اس کا ترجمہ پڑھ لیتے ہیں، بعض لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے، اس لئے یہ گناہ نہیں ہے، بلکہ نیت کے اعتبار سے ثواب ہی کی امید ہے، فقہاء نے سکوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ اس کا مقصد اسم باری تعالیٰ کی اہانت نہیں۔

"لا بأس بكتابة اسم الله تعالى على الدراهم ؛ لأن قصد صاحبه العلامة لا التهاون ، كذا في جواهر الاخلاطي"(۱)

اس سے بھی اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حدیث سے غلط استدلال

سوال:-{221} ایک قبیلہ کے کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آب و ہوا نا موافق ہونے کی بناء پر ہم لوگ بیمار رہنے لگے ہیں، تو نبی

(۱) الفتاوی الهندية : ۳۲۳/۵۔

کریم ﷺ نے ان کو کچھ روز مدینہ میں جہاں صدقہ کی اونٹنیاں تھیں، وہاں رہنے کو کہا اور ان اونٹنیوں کی مینگنیاں اور پیشاب پینے کو کہا، اس طرح کرنے سے وہ لوگ صحت مند ہو گئے، تو کیا حلال جانوروں کی مینگنیاں اور پیشاب دوا کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر حلال جانور کے خصیہ وغیرہ کھانے میں کیا ممانعت ہے؟

(محمد عبدالعزیز قریشی، باغ جہاں آراء)

جواب:- مرض اور مجبوری کے احکام الگ ہوتے ہیں، اور صحت و اختیار کے احکام الگ، جیسے حالت صحت میں بلا عذر بیٹھ کر فرض نماز پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوگی، اور حالتِ بیماری میں نماز درست ہو جائے گی، اسی طرح اگر آدمی کسی بیماری میں مبتلا ہو چکا ہو، کسی حرام یا ناپاک چیز سے اس کا علاج ممکن ہو اور کوئی حلال متبادل موجود نہ ہو تو ازراہِ علاج شی حرام کا استعمال بہ قدر ضرورت جائز ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہے، آپ نے جو صورت دریافت کی ہے وہ ایسی مجبوری کی نہیں ہے، اس لئے وہ جائز نہیں، اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہوگی کہ مذکورہ حدیث میں پیشاب پینے کا ذکر ہے، مینگنی کھانے کا ذکر نہیں۔ (۱)

جمائی سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

سوال:- {222} جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان منہ میں تھوک دیتا ہے، کیا یہ واقعی درست ہے؟

(محمد ریاض، وجے نگر کالونی)

---

(۱) "عن أنس ﷺ أن ناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتوها فبعثهم رسول الله ﷺ في إبل الصدقة وقال : أشربوا من ألبانها و أبوالها" (الجامع للترمذي: ۲۴/۲، باب ما جاء في شرب أبوال الإبل) محشی۔

جواب:- یہ بات کہ منہ پر ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان تھوک دیتا ہے، مجھے کسی حدیث میں نہیں ملی، البتہ حضرت ابوہریرہ ﷺ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جب آدمی جمائی لے کر آہ، آہ کی آواز نکالتا ہے، تو شیطان پیٹ سے ہنستا ہے، یعنی اسے خوب ہنسی آتی ہے (۱) اسی لئے فقہاء نے نماز کے اندر قصداً جمائی لینے کو مکروہ تحریمی اور نماز سے باہر مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے:

"و کرہ ... التثاؤب و لو خارجها فی الرد و إن تعمده ینبغی أن یکره تحریما" (۲)

اس ممانعت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس طرح آدمی کا منہ کھولنا حاضرین مجلس کو ناگوار گزرتا ہے، اور آدمی کا چہرہ بدہیئت ہو جاتا ہے۔

ایک ساتھ دو چیزیں کھانے سے منع کرنے کی مراد

سوال:- {223} ایک روایت کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں ایک ساتھ کھانے سے منع فرمایا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو ایک اور روایت کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور پسند تھی، اس لئے آپ ﷺ کھجور اور تربوز ملا کر کھایا کرتے تھے، دونوں روایات میں ٹکراؤ محسوس ہو رہا ہے، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔

(محمد توصیف الدین کاشف، بھینسہ)

جواب:- حدیث میں رسول ﷺ نے ایک ساتھ دو کھجوریں ملا کر لینے کو منع فرمایا ہے، (۳)

---

(۱) الجامع للترمذی: ۲/۱۰۳۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار: ۲/۴۱۲-۴۱۳۔

(۳) الجامع للترمذي: ۲/۳، باب ما جاء في كراهية القران بين التمرتين ۔ محشی۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی چیز محدود ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں، ایک شخص ایک دفعہ میں دو دو لینا شروع کردے، تو یہ دوسروں کے لئے کدورت کا باعث ہو جاتا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ تو ضرورت سے زیادہ کھالیں، اور کچھ کو ضرورت کے بقدر بھی نہ مل پائے، اگر دو الگ چیزیں ہوں، جیسے کھجور اور تربوز، یا دسترخوان پر اتنی زیادہ مقدار میں ہوں کہ ایک شخص کا دو پیس اٹھانا دوسروں کے لئے اور میزبان کے لئے بار خاطر نہ ہو، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

"للمرأة عشر عورات" کی تحقیق

سوال:- {224} احیاء العلوم کے ترجمہ میں ایک جگہ یہ بات آئی ہے کہ عورت کی دس چیزیں پوشیدگی کے لائق ہیں، جب وہ شادی کرلیتی ہے، تو اس کی ایک برہنگی کو شوہر ڈھانپ لیتا ہے، اور جب وہ مرجاتی ہے، تو قبر اس کی دس برہنگیوں کو ڈھانپ لیتی ہے، یہ حدیث کیسی ہے، یعنی صحیح ہے یا ضعیف؟ اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟ (اعجاز احمد، ناندیڑ)

جواب:- روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

"للمرأة عشر عورات فإذا تزوجت ستر الزوج عورة واحدة فإذا ماتت ستر القبر عشر عورات" (۱)

احیاء العلوم کے حاشیہ پر علامہ عراقی نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ اسے حافظ ابوبکرؒ نے تاریخ الطالبین میں حضرت علی ؓ سے ضعیف سند سے نقل کیا ہے (۲) علامہ ہیثمیؒ نے اسے طبرانی کے واسطہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں خالد بن یزید نامی راوی ہیں

(۱) إحیاء العلوم: ۲/۶۵۔
(۲) دیکھئے: حاشیہ حوالۂ مذکور۔

جن کے بارے میں ابو حاتم نامی محدث کی رائے ہے کہ قوی اور معتبر راوی نہیں ہیں، (۱) نیز علامہ ابن جوزیؒ نے اسے اپنی موضوعات میں جگہ دی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ روایت بے اصل اور نہایت نامعتبر ہے۔

عورتوں کے ناقصات العقل ہونے کا مطلب

سوال:- {225} عورتوں کو حدیث میں ناقصات العقل کہا گیا، اس کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ آج کل عورتیں تعلیم میں مردوں سے آگے بڑھ رہی ہیں، اور کیا عورتوں کو ناقص العقل کہنا ان کی اہانت نہیں؟ (علاء الدین، آندھرا)

جواب:- ''تعلیم'' معلومات کو جمع کرنے کا نام ہے، اور ''عقل'' قوت فکر سے عبارت ہے، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کتابوں میں موجود مضامین کو حاصل کرلے، لیکن اس میں فکر ونظر کی صلاحیت کم ہو، اس لئے فی زمانہ لڑکیوں کا تعلیم میں آگے بڑھنا عقل وفہم کے اعتبار سے بھی عورتوں کے فائق ہونے کی دلیل نہیں، ویسے میرا خیال ہے کہ حدیث میں نقصان عقل سے قوت فیصلہ میں کمی مراد ہے، گویا مقصد یہ ہے کہ عورتیں زیادہ زودرنج اور جذباتی ہونے کی وجہ سے کم قوت فیصلہ کی مالک ہوتی ہیں، اور اگر آپ حقیقت پسندی کے ساتھ خواتین کے مزاج پر غور کریں تو ضرور اس کی تصدیق کریں گے۔

خواتین کو ناقص العقل کہنے سے آپ ﷺ کا منشاء عورتوں کی توہین نہیں بلکہ ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار اور ان کے لئے رحم کی اپیل کرنا ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ کسی کم عمر لڑکے سے غلطی ہوجائے تو کہا جاتا ہے کہ معاف کردو، یہ بچہ ہے، اسی طرح حضور ﷺ نے مردوں کو متوجہ کیا ہے کہ اگر کبھی عورتیں زودرنجی کا مظاہرہ کریں یا مغلوب الجذبات ہوکر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کر جائیں تو ان کے ساتھ درگزر کا معاملہ کرو اور سمجھو کہ وہ ناسمجھ ہیں، ان سے انتقام کے درپے نہ ہو۔

(۱) مجمع الزوائد ،حدیث نمبر: ۷۶۶۱،باب حق الزوج علی المرأۃ۔

انبیاء علیہم السلام سے متعلق سوالات

رسول اللہ ﷺ عرب تھے

سوال:- {226} میں نے ایک صاحب سے سنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عرب مجھ سے ہیں، میں عرب سے نہیں ہوں'' کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ (شفیع احمد، ٹولی چوکی)

جواب:- میرے علم کے مطابق ایسی کوئی حدیث منقول نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے عرب ہونے کا صریحاً ذکر فرمایا ہے، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تین وجوہ سے عربوں سے محبت رکھو، اس لئے کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی ہے، اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی'' (۱)

(۱) مشکوۃ المصابیح ،حدیث نمبر:۶۰۰۶، بحوالۂ بیهقي في شعب الإیمان ۔

آپ ﷺ نے بعض اور روایتوں میں بھی عرب کی فضیلت بیان فرمائی، حضرت سلمان ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"تم مجھ سے بغض نہ رکھنا کہ دین سے محروم ہو جاؤ، میں نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ سے کیوں کر بغض رکھ سکتا ہوں؟ حالانکہ اللہ نے آپ ﷺ کے ذریعہ ہدایت فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اس طرح کہ تم عربوں سے بغض رکھوگے، تو یہ مجھ سے بغض رکھنا ہوگا" تبغض العرب فتبغضنی "(۱)

ایک اور حدیث میں ہے:

"جس نے عرب کو دھوکہ دیا وہ میری شفاعت نہ پائے گا، اور میری محبت سے محروم رہے گا" (۲)

ہر چند کہ ان روایتوں کا صحیح و مستند ہونا محدثین کے یہاں متفق علیہ نہیں ہے؛ لیکن ان سب کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عربوں سے تھے، یہ گویا تواتر کے درجہ میں ہے اور عربوں ہی کے واسطہ سے پوری دنیا کو نعمتِ اسلام حاصل ہوئی، اس لئے عربوں سے محبت ہونی چاہئے، اور ان سے بغض نہ رکھنا چاہئے۔

احمد بھی آپ ﷺ کا اسم گرامی ہے

سوال:- {227} ایک فرقہ جو ہندوستان کے ایک شخص کو نبی قرار دیتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ "احمد" پیغمبر اسلام

---

(۱) الجامع للترمذی :۲/۲۳۰،باب ما جاء في فضل العرب ۔محشی۔

(۲) الجامع للترمذی :۲/۲۳۰،عن عثمان بن عفان ؓ ،باب ما جاء في فضل العرب۔محشی۔

محمد ﷺ کا نام نہیں، اس لیے قرآن میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے جو پیشین گوئی وارد ہوئی ہے، اس سے آپ ﷺ کی شخصیت مراد نہیں ہے، تو کیا واقعی احمد آپ ﷺ کا نام نہیں ہے؟ (محمد فاروق صاحب، جدہ)

جواب:- یہ بالکل غلط اور گمراہ کن دعوی ہے، حقیقت یہ ہے کہ جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ﷺ کا اسم گرامی ہے، اسی طرح ''احمد'' بھی آپ ﷺ کا نام نامی ہے، اور آپ ﷺ ہی حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی پیشن گوئی کا مصداق ہیں، خود آپ ﷺ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ میرا نام ''احمد'' بھی ہے، ارشاد ہے: ''أنا محمد و أحمد''(۱)''میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی'' اس روایت کو مسلم، موطأ امام مالک اور مسند احمد جیسی مستند ترین کتابوں میں نقل کیا گیا ہے، اور محدثین اس حدیث کے صحیح ہونے پر متفق ہیں۔(۲)

یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہوگا کہ ''احمد'' کے معنی خوب حمد بیان کرنے اور تعریف کرنے والے کے ہیں، اس لحاظ سے واقعہ ہے کہ پیشوایانِ مذاہب میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اس نام کا مستحق نہیں، آپ ﷺ نے زندگی کے ہر عمل کو اللہ تعالی کی حمد سے جوڑ دیا ہے، سو کر اٹھیں تو اللہ کی حمد، کھا کر فارغ ہوں تو اللہ کی حمد، استنجاء سے فارغ ہوں تو اللہ کی حمد، سفر پورا کر کے منزل پر پہنچیں تو اس موقعہ پر بھی اللہ تعالی ہی کی تعریف، چھینک آئے تو ''ربنا لك الحمد'' کہیں، نماز کی کوئی رکعت نہیں جو سورۂ فاتحہ سے خالی ہو، جس کا مقصد ہی اللہ تعالی کی حمد وستائش ہے، اس لئے واقعہ ہے کہ انسانی تاریخ میں آپ ﷺ سے بڑھ کر اس لقب کا کوئی حق دار نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

(۱) صحیح مسلم: حدیث نمبر: ۵۱۰۵۔ محشی۔
(۲) المؤطأ لإمام مالك: ص: ۳۹۲۔ محشی۔

پہلا نبی کون؟

سوال:- {228} ہم لوگوں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں، حالانکہ ہم لوگوں کو معلوم تھا کہ سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، اس سلسلہ میں صحیح نقطۂ نظر کی نشاندہی کریں؟ (خالد ابراہیم، کاروان)

جواب:- بعض روایات کی بناء پر کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کی تخلیق عمل میں آئی، (۱) اس اعتبار سے گویا آپ ﷺ کی نبوت کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر ایک گونہ تقدم حاصل ہے، ورنہ انسانیت کی طرف بعثت ظاہر ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی ہوئی، اور سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی، اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو نبوت میں اولیت کا شرف حاصل ہے، اور رسول اللہ ﷺ کو ختم نبوت کی فضیلت حاصل ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں صراحت موجود ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے نبی کون تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام ۔

"قلتُ یا رسول اللہ! أي الأنبیاء کان أول؟ قال : آدم" (۲)

لیکن آپ حضرات سے خواہش ہے کہ اپنا وقت ایسی چیزوں کی تحقیق میں لگائیے جن سے آپ کی عملی زندگی کا کوئی دینی نفع متعلق ہو، محض ایسے مسائل میں اپنے آپ کو الجھانا جس سے ایمان و عمل کا کوئی فائدہ متعلق نہ ہو، انسان کو بتدریج غلط سمت میں لے جاتا ہے۔

---

(۱) جمع الفوائد، حدیث: ۸۳۷۱، عن عمر رضی اللہ عنہ، باب من فضائل النبی ﷺ غیر ما تفرق في الکتاب، ط: بیروت۔ محشی۔

(۲) مسند إمام أحمد، حدیث نمبر: ۲۱۵۴۶۔

ختم نبوت اور تکمیل دین کا مطلب

سوال:- {229} ختم نبوت کے بعد کسی شخص پر ایمان لانا اور اس کے حکم کو معاشرہ میں رواج دینا کہاں تک درست ہے؟ اور دین کے مکمل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(میر حسین علی، دارالشفاء)

جواب:- انسانیت میں صرف انبیاء و رسل ہی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے منصب و مقام کے اعلان پر مامور ہوتی ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ انہیں مقام نبوت پر فائز کیا گیا ہے؛ اس لئے نبی پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے، نبی کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کی حیثیت کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لئے شرط ہو، نبوت کا یہ سلسلہ ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، اور ختمی مرتبت حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہوگیا، اب آپ ﷺ کے بعد کسی پر ایمان لانا ضروری تو کیا جائز بھی نہیں، اور نہ کسی کا حکم حلال حرام کی بابت اس کی ذاتی حیثیت میں واجب الطاعت ہے، ختم نبوت اور تکمیل دین کا یہی مطلب ہے کہ شریعتِ الٰہی خاتم النبیین ﷺ کے ذریعہ اپنی مکمل اور آخری شکل میں آچکی ہے، اس میں کسی اضافہ اور کمی کی گنجائش نہیں، —— البتہ کتاب و سنت میں بعض احکام تو صراحت و وضاحت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، اور بعض احکام وہ ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کی صراحت نہیں ملتی، لیکن ان مسائل کے حل کے لئے خود کتاب و سنت میں اصول و قواعد کی رہنمائی کی گئی ہے، اگر کوئی فقیہ ان کی روشنی میں مسئلہ کا حل نکالے، تو یہ ختم نبوت اور تکمیل دین کے منافی نہیں، اور ان احکام کی اتباع چونکہ اس گمان پر مبنی ہے کہ یہی اللہ اور رسول کا منشا ہے؛ اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ جو لوگ اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں ان کے لئے ایسے لوگوں کی تشریحات پر عمل کرنا واجب ہے، امام رازیؒ نے اس پر گفتگو کی ہے، اور اس پر وضاحت

سے روشنی ڈالی ہے، اسی ذیل میں امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ قیاس سے جو احکام ثابت ہوں وہ بھی دین ہی کا حصہ ہیں، اوران کا شمار بھی اکمال دین میں ہے:

" ثم إنه تعالى لما أمر بالقياس وتعبد المكلفين به كان ذلك في الحقيقة بيانًا لكل الاحكام ، وإذا كان كذلك كان ذلك اكمالًا للدين " (۱)

ہاں جن احکام کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو وہ قطعاً قابلِ رد ہیں، حضور ﷺ نے خود ایسی باتوں کو نا قابلِ قبول قرار دیا ہے۔

" من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردّ " (۲)

کیا ختم ولایت بھی کوئی منصب ہے؟

سوال:- {230} کیا ختم ولایت، ختم نبوت کی طرح اسلام میں کوئی مقام ہے؟ (میر حسین علی، دار الشفاء)

جواب:- "ولایت" نبوت کی طرح کوئی ایسا منصب نہیں جس پر لوگوں کو من جانب اللہ مامور کیا جاتا ہو، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اللہ کا ولی ہو، اور اسے خود بھی اپنے ولی ہونے کا علم نہ ہو، اللہ کے ولی ہونے کے لئے ضروری چیز شریعت کی مکمل اتباع اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے پوری طرح اجتناب ہے، جو شخص اپنی سعی وکاوش سے اس کا اہتمام کرلے، وہ ولی ہو سکتا ہے، گویا یہ ایک "کسبی" چیز ہے جو محنت سے حاصل ہو سکتی ہے، بہ خلاف نبوت کے، کہ نبوت ایک وہبی منصب ہے، جو کثرتِ عبادت اور اتباعِ شریعت سے حاصل نہیں کی جا سکتی، بلکہ اللہ

---

(۱) تفسير الكبير أومفاتيح الغيب:۵/۵۶۴۔

(۲) صحيح البخارى، حدیث نمبر:۲۶۹۷، عن عائشة ، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ، كتاب الصلح ، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر:۱۷۱۸۔

تعالیٰ نبوت کے لئے خود شخصیتوں کا انتخاب کرتے ہیں، (۱) پس چونکہ ولایت ایک ایسی چیز ہے جس کا انحصار احکامِ الٰہی کی اطاعت واتباع پر ہے، اور قرآن کے واسطہ سے قیامت تک شریعت کی حفاظت کا وعدہ ہے، (۲) اس لئے قیامت تک اولیاء اور صالحین پیدا ہوتے رہیں گے، ایسا نہیں کہ جیسے نبوت رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوگئی، اسی طرح ولایت بھی کسی شخصیت پر ختم ہو جائے گی کہ اس کے بعد کسی کا ولی ہونا ممکن نہ ہو، محدثین، فقہاء، متبع سنت صوفیا اور داعیان و مبلغین یہ سب اپنے زمانے کے اولیاء اور اہل اللہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت

سوال:- {231} حال ہی میں سیرت النبی ﷺ کی ایک کتاب ''سیرت احمد مجتبیٰ ﷺ'' ظہور قدسی سے مسجد قباء تک حیات طیبہ کا مکی دور پڑھا، سیرت نگار محترم شاہ مصباح الدین شکیل صاحب ہیں، اس میں حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے بارے میں کچھ اس طرح سے لکھا ہے کہ ''تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، ریاضی کی جدید تحقیق کے مطابق ۹ر ربیع الاول بروز دوشنبہ ۲۳/۴/۵۷۱ء ہے، براہ کرم صحیح اور مصدقہ تاریخ سے مطلع فرمائیں؟

(قاری ایم، ایس، خان، اکبر باغ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں قدیم سیرت نگاروں سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں، اور مشہور قول ۱۲ر ربیع الاول کا ہے، لیکن علامہ شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان

---

(۱) ﴿اللّٰه یصطفی من الملئکة رسلا و من الناس إن اللّٰه سمیع بصیر﴾ (الحج: ۷۵) محشی۔

(۲) ﴿إنا نحن نزلنا الذکر و إنا له لحافظون﴾ (الحجر: ۹) محشی۔

ندویؒ جیسے اصحاب تحقیق علماء کی رائے بھی ہے کہ تاریخ پیدائش ۹ / ربیع الاول ہے۔(۱) اس لئے کہ اس بات پر تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش پیر کے دن ہوئی تھی، یہ محض کتب سیرت کی روایتوں سے ثابت نہیں، بلکہ صحیح حدیثوں میں بھی منقول ہے،(۲) اور ماہرین تقویم کی رائے میں جس سال حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اس سال پیر ۹ / ربیع الاول کو پڑتا ہے،(۳) نہ کہ ۱۲ / ربیع الاول کو، اس لئے راقم الحروف کا بھی رجحان اسی قول کی طرف ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ

سوال:- {232} مجھے ایک ماہ قبل ایک ای میل ملا تھا جس میں لکھا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے ۹۹ / اسم مبارک ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد سرور خان، جدہ، بذریعہ ای میل)

جواب:- بعض حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے صفاتی نام بھی ۹۹ / تک جمع کئے ہیں، لیکن یہ حضور ﷺ کی صفات ہیں، اور آپ ﷺ کی صفات اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے، قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی یعنی اچھے نام ہیں،(۴) اور حدیث میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں،(۵) نیز ان ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے پر اجر وثواب کا بھی ذکر آیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ کے بارے میں اس طرح کی صراحت وارد نہیں ہوئی ہے۔

---

(۱) سیرت النبی ﷺ :۱/۱۱۵، از: علامہ شبلی نعمانیؒ۔ محشی۔
(۲) زرقانی :۱/۱۳۲۔ محشی۔
(۳) حاشیہ سیرت النبی ﷺ ، از: علامہ شبلی نعمانیؒ۔ محشی۔
(۴) الاعراف:۱۸۰۔ محشی۔
(۵) الجامع للترمذي:۲/۱۸۸، أبواب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ ۔ محشی۔

حضور ﷺ کتنے وقت کھایا کرتے تھے؟

سوال:- {233} حضور اکرم ﷺ کتنے وقت کھانا تناول فرماتے تھے؟ (محمد فضل اللہ خان اختر، فرسٹ لانسر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عام معمول دو وقت کے کھانے کا تھا، ایک دن چڑھے، جس کو "غدا" کہا جاتا ہے، دوسرے مغرب کے بعد جس کو "عشاء" کہا جاتا ہے، البتہ خود ﷺ کا عمری معمول ایک ہی وقت کھانا تناول فرمانے کا تھا(۱)۔

"امّی" کے معنی کیا ہیں اور کیا آپ ﷺ امّی تھے؟

سوال:- {234} امی کسے کہتے ہیں؟ کیا آپ ﷺ امی تھے؟ اور کیا آپ ﷺ کو امی کہنے میں آپ ﷺ کی توہین نہیں ہے؟ (معزالدین احمد، یاقوت پورہ)

جواب:- امی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو لکھی ہوئی چیز کو پڑھ نہ سکتا ہو اور نہ لکھ سکتا ہو(۲) رسول اللہ ﷺ امی تھے، قرآن مجید نے خود ایک سے زیادہ مواقع پر اس کی صراحت کی ہے: ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾(۳) آپ ﷺ کا امی ہونا باعث اہانت نہیں، بلکہ باعثِ اعزاز ہے، کہ آپ ﷺ علم کے حاصل کرنے اور اس کے پہونچانے میں قلم اور کاغذ کے محتاج نہیں تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے نظامِ غیبی کے تحت آپ ﷺ کو سب سے مستند اور بلند علم "وحی" سے سرفراز فرمایا، اور آپ ﷺ کے ذریعہ سے ایسا علمی فیضان جاری ہوا جو انشاء اللہ

---

(۱) "كان إذا تغدى لم يتعش ، و إذا تعشىٰ لم يتغد" أبو نعيم فى الحلية ، (کنز العمال، حدیث نمبر:۱۸۱۷۷)

(۲) دیکھئے: تفسیر قرطبی :۱۸/۹۲۔

(۳) الجمعة:۲۔

قیامت تک جاری وساری اور زندہ و پائندہ رہے گا، آپ ﷺ کے امی ہونے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی مصلحت ہے کہ کسی شخص کے لئے آپ ﷺ کی نبوت پر شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی، اگر آپ ﷺ خود تحریر فرماتے، یا تحریر کو پڑھتے، آپ ﷺ نے کسی استاد سے لکھنا اور پڑھنا سیکھا ہوتا تو کج فطرت لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ شاید آپ ﷺ نے یہ علوم ومعارف پہلی کتابوں سے نقل کرلیا ہے، یا اپنے استاد سے سیکھ لیا ہے، آپ ﷺ کے امی ہونے کی وجہ سے اس شبہ اور اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسم مبارک ﷺ لکھتے یا پڑھتے وقت درود وسلام بھیجنا

سوال:- {235} حضور اکرم ﷺ کا ذکر، یا نام سنے تو درود شریف پڑھنے کا حکم ہے، ورنہ وہ بخیل کہلائے گا، مگر اسم مبارک پر ﷺ لکھنے کا طریقہ کب سے رائج ہے، اور اس کے لکھنے کا کیا حکم ہے؟ جب کہ صحابۂ عظام کے مکتوبات میں اسم گرامی کی کتابت پر" صلی الله علیه وسلم " درج نہیں ہے، (لیکن علامہ خالد سیف اللہ رحمانی کی تالیف " قاموس الفقہ" قسط اول میں صفحہ: ۴۶ر پر تحریر ہے کہ) "علامہ حضرت شہاب الدین آلوسیؒ کی روح المعانی: ۸۲-۸۱/۲۲ کے حوالہ سے اس شخص پر جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے اور سننے والے اور لکھنے والے کے لئے بھی جو رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی بھی لکھے، لیکن یہ بات تواتر سے ثابت نہیں کیا جاتا ہے۔ (محمد مبین، جلگاؤں)

جواب:- شریعت میں جو ذکر جہاں مطلوب ہے، وہاں زبانی بیان کرنے کی صورت میں اس کو زبانی اور لکھنے کی صورت میں اس کو تحریری طور پر ذکر کرنا مشروع ہے، مثلاً: ابتداء کلام

میں اللہ کا ذکر مسنون ہے، پھر جب حضور ﷺ نے خطوط لکھے تو اس میں ابتداء میں تحریری طور پر بسم اللہ تحریر کروایا، (۱) اسی پر صلوۃ وسلام کو بھی قیاس کرنا چاہئے، محدثین نے بھی اس کی صراحت کی ہے، بلکہ حافظ ابن صلاحؒ نے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی بجائے صرف ''صلعم'' لکھنے کی بھی مذمت کی ہے، (۲) یہ کہنا درست نہیں کہ صحابہ ﷺ کے مکاتیب میں درود نہیں لکھا جاتا تھا، صحابہ ﷺ کی تحریروں میں بھی آپ ﷺ کے ذکر مبارک کے ساتھ درود موجود ہے اور محدثین نے شروع سے اس کا اہتمام فرمایا ہے۔

اگر کسی شخص کا نام ''محمد'' ہو تو اس کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم''؟

سوال:- {236} حضور اکرم مصطفیٰ ﷺ کا نام ''محمد ﷺ'' لکھا جاتا ہے، تو کیا عام لوگ جن کے نام کے ساتھ محمد ہو، اس پر بھی ''ﷺ'' لکھنا درست ہے؟ (محمد حسین، سالار جنگ کالونی)

جواب:- اولاً تو رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک جہاں کہیں آئے وہاں پورا درود لکھنا چاہئے، صرف ''ؐ'' یا ''صلعم'' لکھنا مناسب نہیں، محدثین نے اس سے صراحتاً منع فرمایا ہے، یہ درود شریف میں بخل سے کام لینا ہے، —— دوسرے عام لوگوں کے ساتھ محمد اس شخص کے نام کے جزء کے طور پر ہوتا ہے، اور اس میں محمد کا لفظ خود اس کے نام کا حصہ ہے، اس سے رسول اللہ ﷺ کی ذات مراد ومقصود نہیں ہے، اور ﷺ کے الفاظ خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں، کسی اور شخص کے لئے اس فقرہ کا استعمال درست نہیں، اس لئے درود کا رمز ''ؐ'' دوسرے لوگوں کے ساتھ آنے والے لفظ ''محمد'' میں لکھنا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) دیکھئے: مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر: ۳۹۲۶، اور مرقاۃ المفاتیح: ۴/۲۰۴۔

(۲) مقدمۃ ابن صلاح، ص: ۱۲۔

حضور ﷺ کو تیرے اور تجھ سے خطاب

سوال:- {237} شاعر حضرات نعت شریف میں حضور ﷺ کو ''تیرے'' اور ''تجھ'' سے وغیرہ کے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں، یہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی تو نہیں؟

(جہانگیر الدین طالب، بی بی کا چشمہ)

جواب:- چونکہ اس میں توہین مقصود نہیں، بلکہ شعراء اظہار محبت کے لیے، یا ضرورتِ شعری کی وجہ سے اس طرح کی تعبیر استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس میں کچھ حرج نہیں۔

حیاتِ محمدی ﷺ میں والدین کے ساتھ سلوک کا نمونہ

سوال:- {238} رسول اللہ ﷺ کے والدین کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا، پھر آپ ﷺ کی زندگی میں والدین کے ساتھ سلوک کے سلسلے میں ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟

(علی عمران، جگتیال)

جواب:- ہدایت صرف فعل ہی سے نہیں ملتی، قول سے بھی ملتی ہے، والدین کے حقوق اور ان کے ساتھ مطلوبہ رویہ کے بارے میں آپ ﷺ کے واضح ارشادات موجود ہیں، اور یہی اس بارے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں، دوسرے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ؓ، حضرت عباس ؓ اور ابو طالب موجود تھے اور آپ ﷺ نے چچا کو بھی باپ کا ہم درجہ قرار دیا ہے، اس طرح ان حضرات کے ساتھ آپ ﷺ نے جو سلوک فرمایا وہ والدین کے ساتھ سلوک کے لئے اسوہ و نمونہ کا درجہ رکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں

سوال:- {239} بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب نبی آخر الزمان آنے والے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں، اس سلسلہ میں وضاحت کیجئے۔

(جیلانی بیگم، قاضی پورہ)

جواب:- نبی آخر الزمان، پیغمبر اسلام جناب محمد ﷺ ہیں، آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، اور ہر طرح کی نبوت آپ ﷺ پر ختم ہوچکی ہے، آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد کا امکان باقی نہیں رہا، قرآن میں یہ بات صراحت سے فرمائی گئی ہے، (۱) احادیث اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہوئی ہیں، اور یہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے، اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرے، یا اس جھوٹے مدعی کی تصدیق کرے، تو وہ کافر ہے، اور اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، قیامت تک کے لیے آپ ﷺ ہی کی نبوت ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آسکتا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں "انگشت شہادت اور بیچ کی انگلیوں" کو جمع کرکے اشارہ سے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ میری بعثت اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہے، "بعثت أنا والساعة كهاتين" (۲) مقصد یہ ہے کہ میری نبوت اور قیامت کے درمیان کسی اور نبی کا ظہور نہیں ہوسکتا۔

حضور ﷺ کی مغفرت سے مراد؟

سوال:- {240} ابن نباتہ کی ایک تصنیف "خطبة

(۱) الاحزاب :۴۰۔ محشی۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۵۳۰۱، عن سهل بن سعد الساعدی، باب اللعان، کتاب الطلاق، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۹۵۱، باب قرب الساعة، کتاب الفتن۔ محشی

الحرمین المعظمین " ہے جس کا ترجمہ مولانا منیر الدین
صاحب سابق خطیب مکہ مسجد نے کیا ہے، اس کتاب کے صفحہ:
۸۰، پر ہے" وقد غفر لنبینا ﷺ" (ترجمہ) حضور ﷺ
کے جملہ گناہوں کو اللہ تعالی نے دسویں محرم کو بخش دیا، تو کیا
ہمارے حضور ﷺ گنہگار ہیں؟ حالانکہ نبی تو معصوم ہوتے
ہیں، اس کتاب سے خطبہ دینا کیسا ہے؟

(عبدالرحیم خان قادری، محمد اشاہی)

جواب:- حضور ﷺ کے لئے مغفرت کا لفظ قرآن مجید میں بھی آیا ہے، اس لئے "قد غفر لنبینا ﷺ" کے الفاظ کہے جاسکتے ہیں، نبی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لیکن بھول چوک اور خلاف اولی باتیں اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ انبیاء سے بھی صادر ہوتی ہیں، مغفرت سے ان ہی لغزشوں کا معاف کرنا مراد ہے۔ (۱) انبیاء سے بھی جو کبھی کوئی بھول ہوتی ہے، تو اس میں اللہ تعالی کی یہ مصلحت ہوتی ہے کہ امت اپنی بھول چوک میں انبیاء کے توبہ اور رجوع الی اللہ کے طریقہ کو اسوۂ و نمونہ بنائیں۔ البتہ انبیاء کے لئے گناہ کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں، اگر یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے، تو آئندہ اس کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

انبیاء کی امامت کا واقعہ معراج سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟

سوال:- {241} مسجد اقصی میں نبی کریم ﷺ نے تمام
انبیاء کو نماز پڑھائی تھی، یہ واقعہ معراج سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟
اگر پہلے کا ہو تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے تمام انبیاء سے
حضور کا تعارف کیوں کرایا؟

(سید باسط حسین، محبوب گارڈن کالونی)

(۱) تفسیر کبیر :۱۴/۳۰۴۔

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کی امامت آسمان پر تشریف لے جانے سے پہلے کی یا آسمان سے اترنے کے بعد؟ اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے، اور دونوں طرح کے اقوال موجود ہیں، مشہور مؤرخ، محدث اور مفسر علامہ ابن کثیر کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ امامت آسمان سے اترنے کے بعد فرمائی تھی، اور اس کے لئے انہوں نے دو دلیلیں دی ہیں،، اول تو یہی کہ اگر آپ ﷺ نے پہلے امامت کی ہوتی تو آسمان پر تعارف کی حاجت نہ ہوتی، دوسرے یہ کہ بعض روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا تو آپ ﷺ نے امامت فرمائی، بظاہر نماز کے وقت سے نماز فجر ہی مراد ہوسکتی ہے، اور زیادہ امکان یہی ہے کہ فجر کا وقت آپ کی واپسی پر ہوا ہوگا۔(۱) ویسے سیرت کی اکثر کتابوں میں پہلے امامت کا ذکر ہے، ایسی صورت میں آسمان پر آپ ﷺ کے تعارف کو تکریم واحترام پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ بعض دفعہ کسی شخص کی تعظیم کے طور پر بھی اس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ناقص طریقہ پر درود شریف پڑھنا

سوال:- {242} بعض لوگ حضور ﷺ کا نام لیتے یا سنتے وقت صحیح طریقہ پر درود شریف نہیں پڑھتے ہیں، اور ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی جگہ ''ساسلم'' پڑھ لیتے ہیں، کیا اس طرح درود پڑھنا درست ہے؟　(ایم، اے لئیق احمد، ہلی کھڑ بلی)

جواب:- درود شریف مکمل پڑھنا چاہیے، ناقص درود شریف پڑھنا درست نہیں، یہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حق تلفی ہے اور اس سے درود بے معنی ہوکر بھی رہ جاتا ہے، تلفظ ہی نہیں تحریر میں بھی ناقص درود لکھنے کو فقہاءؒ اور محدثینؒ نے منع فرمایا ہے اور علامہ ابن صلاحؒ نے اصول

---

(۱)　البدایۃ والنہایۃ :۳/۱۱۳۔

حدیث پر اپنی مشہور کتاب ''مقدمہ'' میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۱)

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کہاں اتارے گئے؟

سوال:- {243} سری لنکا یا ہندوستان ان دونوں ملکوں میں سے حضرت آدم علیہ السلام کہاں اتارے گئے؟ کیا آدم اور حوا دونوں ایک ہی مقام پر اتارے گئے یا الگ الگ مقام پر؟ (سیدہ نکہت فاریہ، سدا سیو پیٹ)

جواب:- قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام وحوا کے اتارے جانے کا تو ذکر ہے(۲) لیکن کہاں اتارے گئے؟ اس کی صراحت نہیں، کسی صحیح حدیث میں بھی میرے علم کے مطابق اس کا ذکر نہیں، البتہ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں تذکرہ آیا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں جزیرۂ سرندیپ میں ایک پہاڑ پر اتارے گئے، اور حضرت حوا جدہ میں اتاری گئیں:

"فاهبط آدم بسرنديب في الهند بجبل يقال له بوذ و اهبطت حوا بجدة" (۳)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسی وجہ سے حجاز کا یہ ساحل شہر جدہ سے موسوم ہوا کہ جدہ کے معنی ہی دادی کے ہیں، گویا یہ دادی حوا کی جائے نزول ہے۔

یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، لیکن آپ کو خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ ہمیشہ ایسے سوالات کرنے کی کوشش کریں جن سے عملی زندگی میں آپ کو فائدہ پہنچ سکتا ہو، محض خیالی سوالات سے کوئی فائدہ نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

---

(۱) "ينبغي له أن يحافظ على كتبة الصلاة و التسليم على رسول الله ﷺ عند ذكره و لا يسام من تكرير ذلك عند تكرره" (مقدمة ابن صلاح :ص:۱۲) محشی۔

(۲) البقرة:۳۶۔

(۳) تفسیر قرطبی :۱/۳۱۹۔

حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح

سوال:- {244} نکاح حضرتِ آدم علیہ السلام کی سنت ہےتو سوال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا نکاح کس نے پڑھایا؟

(خان ضیاء، جگتیال)

جواب:- سوالات ایسے کرنے چاہئیں جن سے آدمی کا کوئی عمل اور دینی نفع متعلق ہو، سوال کا مقصد عمل اور اصلاح ہے نہ کہ محض ذہنی تفریح، جب اللہ تعالیٰ نے حضرتِ حواء کو حضرتِ آدم کی رفیق حیات کی پشت ہی سے پیدا کیا، تو پھر الگ سے نکاح کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اصل تو امر خداوندی ہے، عام لوگ جو ایجاب وقبول کے ذریعہ نکاح کرتے ہیں، اس کا مقصد بھی حکمِ خداوندی ہی کی تعمیل ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے اترنے کی جگہ

سوال:- {245} اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب دنیا میں بھیجا تو کس مقام پر بھیجا؟ (واجد علی خان، بھینسہ)

جواب:- قرآن مجید میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتار دیا تھا، لیکن کس مقام پر اتارا؟ اس کا نہ قرآن مجید میں ذکر ہے اور نہ صحیح حدیث میں، قرآن وحدیث کا مزاج یہ ہے کہ جس بات سے انسان کا نفع متعلق ہو، اسی کا ذکر کیا جاتا ہے، چوں کہ اس بات سے کہ حضرت آدم علیہ السلام کہاں اترے تھے؟ انسان کا کوئی دینی یا دنیوی نفع متعلق نہیں، اس لئے کتاب وسنت میں اس کی کوئی صراحت ہے اور نہ ایسی بے فائدہ باتوں کے پیچھے پڑنا چاہئے، ویسے بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں جزیرۂ سرندیب کی "بوذ" نامی پہاڑی پر اتارے گئے:

"فاهبط آدم ؑ بسر نديب في الهند بجبل يقال له : "بوذ" (۱)

حضرت موسیٰ ؑ کے دو خدا ترس رفقاء کے نام

سوال:- {246} سورۂ مائدہ آیت نمبر ۲۳ر میں حضرت موسیٰ ؑ کے دو خدا ترس رفقاء کا ذکر آتا ہے، جنہوں نے حضرت موسیٰ ؑ کے حکم جہاد پر قوم کو ہمت دلانے کی کوشش کی، ان کے نام کیا ہیں؟ (ایم، اے، بشیر، پالونچہ)

جواب:- جیسے رسول اللہ ﷺ نے کعبۃ اللہ کو بتوں کی آلائش سے محفوظ فرمایا اور اللہ کی عبادت کے لئے پاک وصاف کیا، اسی طرح حضرت موسیٰ ؑ ایک مشرک قوم عمالقہ سے بیت المقدس کو پاک کرنا چاہتے تھے، اس کے لئے انہوں نے اپنی قوم کو جہاد کی دعوت دی، قوم نے نہ صرف کم ہمتی اور بزدلی کا ثبوت دیا، بلکہ ان کے ساتھ تمسخر آمیز معاملہ کیا، اور کہا کہ ہم یہیں بیٹھتے ہیں، آپ اور آپ کا رب جا کر دشمنوں سے مقابلہ کریں، قوم میں صرف دو حوصلہ مند مسلمان کھڑے ہوئے، انہوں نے حضرت موسیٰ ؑ کی اس دعوت پر خود بھی لبیک کہا، اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دی، (۲) لیکن یہ مغضوب قوم ٹس سے مس نہ ہوئی، یہاں تک کہ ان پر یہ عذاب نازل ہوا کہ چالیس سال تک میدان تیہ میں صحراء نوردی کرتے رہے، اور ان کی پوری ایک نسل اسی میدان میں پیوند خاک ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے ان دونوں کا نام "یوشع" اور "کالب بن قانیلہ" کہا ہے، یہ دونوں ان بارہ حضرات میں تھے، جن کو حضرت موسیٰ ؑ نے بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں پر نقیب مقرر کیا تھا۔ (۳)

---

(۱) تفسیر قرطبی :۱/۳۱۹۔
(۲) المائدة:۲۳۔
(۳) دیکھئے: تفسیر قرطبی :۶/۸۴۔

کیا حضرت مسیح علیہ السلام ناکمل ہادی تھے؟

سوال:- {247} جب حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی جامع نہیں تھی، تو آخر وہ اپنے عہد میں کیسے انسانیت کے ہادی ہوسکتے تھے؟ حالانکہ معلوم ہے کہ ہر پیغمبر اپنے زمانے کا ہادی ہوتا ہے۔ (محمد منصور، بنگلور)

جواب:- حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت کا اصل مقصد یہودیوں کی اصلاح اور ان میں در آنے والی اخلاقی برائیوں کا سد باب اور محمد ﷺ کی تشریف آوری کا مژدہ سنانا تھا، اور ان مقاصد کو حضرت مسیح علیہ السلام نے پوری طرح مکمل فرمایا، اس لئے جو ہدایت آپ سے مقصود تھی اس کی صلاحیت و اہلیت آپ علیہ السلام کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھی، جہاں تک زندگی کے مختلف مسائل میں رہنمائی کی بات ہے اس کے لئے تورات موجود تھی؛ کیونکہ تورات کی شریعت آپ علیہ السلام کے ذریعہ منسوخ نہیں کی گئی، اور آپ علیہ السلام صاحب شریعت نبی نہیں تھے، (۱) اس لئے شریعتِ موسوی کے ساتھ آپ علیہ السلام کی نبوت میں تمام مسائل کا حل موجود تھا۔

کیا پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ناقص تھیں؟

سوال:- {248} آپ نے ایک موقع پر پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کا دوسرے مذاہب سے تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ آپ کی تعلیمات مکمل تھیں، اس سے یہ

(۱) ﴿وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ، فَلَمَّا جَآءَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ (الصف :٦) تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر قرطبی ۵۵/۱۸، نیز دیکھئے: معارف القرآن: ۸/ ۴۲۵) محشی۔

تاثر ملتا ہے کہ دوسرے پیغمبروں کی تعلیم ناقص تھیں،
حالانکہ ہر پیغمبر اپنے زمانے کے لئے مکمل ہادی ہوتا ہے۔

(بصیر احمد، اننت پور)

جواب:- اس سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں: اوّل یہ کہ جب ہم محمد ﷺ کی سیرت کا دوسرے انبیاء کرام سے تقابل کرتے ہیں، تو اس میں پیغمبر اسلام ﷺ کی حقیقی سیرت کا دوسرے رسولوں اور نبیوں کی ''غیر محفوظ سیرت'' سے تقابل ہوتا ہے، ہم پچھلے مذاہب کے ان صحائف کی روشنی میں یہ بات کہتے ہیں جو انسانی ملاوٹوں اور آمیزشوں کی وجہ سے ان قدسی صفت انسانوں اور عالم بالا کے عظیم المرتبت سفیروں کی زندگی کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتے؛ اس لئے یہ (نعوذ باللہ) خود ان کی حیات والا صفات پر تنقید نہیں بلکہ ان لوگوں پر تنقید ہے، جو اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور جو ان کی سیرت مبارکہ کی حفاظت میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں، ورنہ تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر پیغمبر کی حیات اپنے عہد کے لئے مکمل رہنما ہوتی ہے، اور تمام پیغمبروں پر ایمان اور ان کی تعظیم واحترام واجب ہے، اور اس کے بغیر کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہوسکتا۔

دوسرے حضور ﷺ سے پہلے کا عہد انسانی تہذیب وتمدن کی ناپختگی کا عہد تھا، اور آپ ﷺ کی نبوت کا عہد تہذیب انسانی کے اوج کمال پر پہونچنے اور تمدن آدمیت کے پختہ ہوجانے کا عہد ہے، ایک ایسا عہد جو پوری عالم انسانیت کو ایک محلہ اور ایک شہر کی طرح ایک دوسرے سے قریب کردے گا، چنانچہ اس ڈیڑھ ہزار سال کے عرصہ میں انسان نے علم وعقل، ایجادات واختراعات اور اسرار کائنات کی تلاش وجستجو میں اتنا بڑا سفر طے کیا ہے کہ وجود عالم سے ولادت محمدی تک اس میدان میں انسان اس کا دسواں حصہ بھی سفر نہ کرسکا تھا؛ اس لئے یوں تو گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بابرکات بھی اپنے زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے مکمل تھیں، لیکن موجودہ عہد کے لئے وہ ناکافی ہے اور غالباً یہی منشاء ہے اس آیتِ باری کا:

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾ (۱)

بعض انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھنا

سوال:- {249} عام مسلمانوں کے یہاں تمام انبیاء علیہم السلام کے نام رکھے جاتے ہیں، سوائے ان پیغمبروں کے، حضرتِ ھود علیہ السلام، لوط علیہ السلام، نوح علیہ السلام، شیث علیہ السلام کے نام کیوں نہیں رکھے جاتے ہیں؟

(محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری)

جواب:- تمام انبیاء ں کے نام رکھے جانے کے لائق ہیں، ھود علیہ السلام، نوح علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور شیث علیہ السلام نام تو رکھے جاتے ہیں، گو یہ نام کم مروج ہیں، قوم لوط جس شنیع گناہ میں مبتلا تھی، اس کی وجہ سے اس معذب قوم کی بداعمالی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، اس لئے یہ نام مروج نہیں، لیکن پیغمبر کی نسبت سے یہ نام رکھنا بھی درست ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) المائدۃ: ۳۔

جنت اور اہل جنت سے متعلق سوالات

ایمان کے بغیر جنت

سوال:- {250} ایک صاحب کہتے ہیں کہ ہندو مسلمان، سکھ وعیسائی گناہوں کی سزا کاٹنے کے بعد سب جنت میں جائیں گے، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد ماجد علی)

جواب:- یہ خیال قطعاً گمراہی پر مبنی ہے، پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جب تک کوئی شخص آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو قبول نہ کرے جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، خواہ وہ بظاہر کتنا بھی نیک کام کرے، ہاں! اگر ایمان رائی کے برابر بھی دل میں موجود ہو تو انجام کار انشاء اللہ وہ جنت میں داخل کیا جائے گا۔(۱)

(۱) دیکھئے: مسلم : عن أبي سعيد الخدري ، حدیث نمبر:۳۰۴- " إن رسول الله ﷺ قال : يدخل الله أهل الجنة الجنة ، يدخل من يشاء برحمته ، و يدخل أهل النار النار ، ثم يقول : انظروا من وجدتم في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان فأخرجوه " عن أبي سعيد الخدري ، (صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۳۰۴، باب اثبات الشفاعة و اخراج الموحدين من النار ، كتاب الإيمان) محشی ۔

اس لئے اسلام لائے بغیر کوئی غیر مسلم جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک شخص کتنا بھی شریف اور نیک ہو جب تک کسی ملک کی شہریت حاصل نہ کرے اس کو وہ شہری حقوق حاصل نہیں ہوسکتے، جو اس ملک میں اس سے کم تر لوگوں کو شہری ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں، اسی طرح گویا جنت کی شہریت ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو جنت بنانے والے کو ماننا اور اس کو اپنا رب اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت کو اپنے لئے کامیابی کا واحد راستہ تسلیم کرتا ہو۔

کیا ہر مومن جنت میں داخل ہوگا؟

سوال:- (251) اگر مسلمان مرنے کے بعد گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالا گیا، تو کیا وہ دوبارہ جنت میں داخل کیا جائے گا؟ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ ہر مسلمان بہر حال جنت میں داخل ہوگا۔ (سید سمیع، میدک)

جواب:- حضرت انس ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ کہا اور اس کے دل میں جَو کے برابر بھی نیکی ہو، وہ دوزخ سے نکالا جائے گا، جس نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کہا ہو اور اس کے دل میں گیہوں کے برابر بھی نیکی ہو، وہ دوزخ سے نکالا جائے گا، جس نے لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـه کہا ہو اور اس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی نیکی ہو وہ دوزخ سے نکالا جائے گا“(۱)

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال : يخرج من النار من قال لا إله إلا الله ، و في قلبه وزن شعيرة من خير ، يخرج من النار من قال لا إله إلا الله ، و في قلبه وزن برة من خير ، و يخرج من النار من قال لا إله إلا الله ، و في قلبه وزن ذرة من خير " عن أنس ﷺ ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۴۴، باب زيادة الإيمان و نقصانه) محشی۔

اس لئے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام مسلمان جن پر ایمان کی حالت میں موت آئی ہو، انجام کار انشاء اللہ ضرور جنت میں داخل ہوں گے، جو لوگ ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح کا بھی اہتمام کریں گے، اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچائیں گے، وہ شروع ہی سے جنت میں جائیں گے اور جو لوگ ایمان کے ساتھ ساتھ گناہ کے بھی مرتکب ہوے، اگر اللہ چاہے تو اپنے کرم سے انہیں معاف کردے، وَرنہ وہ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے اور اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد پھر انشاء اللہ دوزخ سے نکال کر جنت میں لائے جائیں گے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان گناہ پر جری ہوجائے کہ آخر تو چند روزہ سزا کے بعد جنت میں جانا ہی ہے، کیونکہ یہ چند دنوں کی سزا بھی ایسی شدید اور نا قابل برداشت ہوگی کہ انسان اس دنیائے فانی میں ان کا تصور بھی نہیں کرسکتا، اللہ تعالی ہم سب کی دوزخ سے حفاظت فرمائے!

ایمان کی بدولت جنت میں

سوال:- {252} کیا ایک مسلمان دنیا میں بغیر نماز پڑھے جنت میں داخل ہوسکتا ہے؟ ہم نے ایک حدیث سنی ہے کہ کسی شخص کے اندر ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، تو اس کی مغفرت ہوجائے گی، کیا یہ صحیح ہے؟ (سید تبریز بخشی، عنبر پیٹ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا، وہ جنت میں داخل ہوگا، چاہے اس سے زنا اور چوری کا جرم بھی سرزد ہوا ہو" (۱)

(۱) " قال رسول الله ﷺ : أتاني آت من ربي ، فأخبرني أو قال : بشرني ، أنه من مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة ، و إن زنى و إن سرق ؟ قال : و إن زنى و إن سرق " عن أبي ذر ؓ ،(صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۱۲۳۷، باب في الجنائز ، كتاب الجنائز ، نیز دیکھئے: صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۹۴، باب من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة ، و من مات مشركا بالله دخل النار ، كتاب الإيمان) محشی۔

نیز حضرت انس ﷺ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جہنم میں جو مسلمان بہ طور سزا کے داخل کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان میں سے جس کے دل میں ایک جَو، ایک گیہوں یا ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، انہیں جہنم میں سے نکالو'' (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اور صاحب ایمان انشاء اللہ انجام کار ضرور جنت میں داخل ہوں گے، لیکن جو لوگ نماز کا اہتمام نہیں کریں گے، یا کسی اور گناہ کا ارتکاب کریں گے، انہیں پہلے جہنم میں ان کے گناہ کی سزا دی جائے گی، اس کے بعد جنت میں داخل کیا جائے گا؛ اس لئے حضور ﷺ کی اس بشارت کی وجہ سے اپنے گناہوں سے بے پرواہ نہ ہو جانا چاہئے، اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

سوال:- {253} آج کا سپلیمنٹ منارۂ نور میں، میں نے اقوال زریں پڑھا، جس میں لکھا گیا ہے: ''جو آدمی خونی رشتوں سے قطع تعلق کرے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا'' میری ایک چھوٹی سی سمجھ کے مطابق دو بھائی، دو بہن یا بھائی بہن کا رشتہ ہی خونی رشتہ ہے یا خالہ، چچا، ماموں، پھوپھا کا بھی خونی رشتہ ہے؟ (م،ن،ش، گلبرگہ)

(۱) الجامع للترمذی:۲/۸۶، " عن النبي ﷺ قال : يخرج من النار من قال لاإله إلا الله ، و في قلبه وزن شعيرة من خير ، يخرج من النار من قال لاإله إلا الله ، و في قلبه وزن برة من خير ، و يخرج من النار من قال لاإله إلا الله ، و في قلبه وزن ذرة من خير " عن أنس ﷺ ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۴۴،باب زيادة الإيمان و نقصانه ، كتاب الإيمان) محشی۔

جواب:- غالباً حضرت جبیر بن مطعم ﷺ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جس کو مشکوۃ شریف میں بخاری اور مسلم کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا یدخل الجنة قاطع'' (۱) ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا'' قطع رحمی سے مراد رشتہ داروں کے ساتھ بے تعلقی برتنے اور حسن سلوک نہ کرنے کے ہیں، خواہ بالکل قریبی رشتہ دار ہو، جیسے: بھائی، بہن، یا نسبتاً کچھ دور کے رشتہ دار، جیسے ماں باپ کے بھائی و بہن، یا اس سے بھی زیادہ دور کے رشتہ دار۔ رشتہ دار جو بھی ہو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، اور بے تعلقی سے بچنا چاہئے، البتہ جو جتنا قریبی رشتہ دار ہوگا، اسی نسبت سے اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہوگی، اور بے تعلقی برتنے کا گناہ ہوگا، صرف بھائی بہن ہی سے قطع رحمی اس حدیث میں مراد نہیں۔

جنت کے دروازے

سوال:- {254} جنت میں کتنے دروازے ہیں؟

(الطاف احمد صوفی، قاضی پیٹ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جب مسلمان کے تین بچوں کی بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی . ت ہو جائے تو وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں . سے جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے ۔ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے مرکزی دروازے آٹھ ہیں، دوسری حدیثوں سے یہ بھی مع م ہوتا ہے کہ یہ دروازے مختلف نیک اعمال سے موسوم ہوں گے، جیسے:

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۸۴، عن جبیر بن مطعم ﷺ، باب إثم القاطع، کتاب الأدب، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۵۶۔ محشی۔

(۲) "سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما من مسلم يموت له ثلاثة من الولد، لم يبلغوا الحنث إلا تلقوه من أبواب الجنة الثمانية، من أيها شاء دخل" عن عتبة بن عبد السلمي، (سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۱۶۰۴، باب ما جاء في ثواب من أصيب بولده، كتاب الجنائز) محشی۔

باب الصلوۃ ، باب الزکوۃ ، باب الحج ، جو دروازہ روزہ سے موسوم ہوگا اس کا نام ہوگا ''باب الریان'' ریان کے معنی سیراب کرنے والے کے آتے ہیں،(۱) روزہ دار چوں کہ روزہ کی حالت میں اللہ کے لئے پیاس کی شدت کو برداشت کرتا ہے، اس لئے اسی مناسبت سے اس کو ''باب الریان'' کہا گیا، غرض کہ یوں تو ہر شخص کو تمام فرائض انجام دینے ہیں، لیکن جس پر جس نیکی کا غلبہ ہوگا اس کو اسی دروازہ سے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ''اللهم ادخلنا الجنة وأجرنا من النار''۔

آخرت میں رشتہ داروں کی پہچان اور اہل جنت کی عمر

سوال:- {255} کیا ہم آخرت میں اپنے والدین اور عزیز و اقارب کو پہچان سکتے ہیں ؟ اور ان سے ملاقات کرنے کا موقع ملے گا ؟ کیا والدین اپنی اولاد کو پہچانیں گے؟ والدین اور اولاد کی عمر میں کیا فرق رہے گا ؟

(معز الدین ،گلبرگہ شریف)

جواب:- حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت ایک دوسرے کو پہچانیں گے، اور حساب و کتاب سے پہلے بھی لوگ ایک دوسرے کو پہچان سکیں گے، لیکن اس روز ایسا نفسی نفسی کا عالم ہوگا کہ لوگ اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے پیچھا چھڑائیں گے، اور ہر شخص کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

---

(۱) " أن رسول الله ﷺ قال :من أنفق زوجين في سبيل الله نودي من أبواب الجنة يا عبد الله هذا خير فمن كان من أهل الصلاة دعي من باب الصلاة و من كان من أهل الجهاد و دعي من باب الجهاد ، و من كان من أهل الصيام دعي من باب الريان ، و من كان من أل الصدقة دعي من باب الصدقة الخ " (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۱۸۹۷،بابٌ : الريان للصائمين) محشی۔

"جنت میں تمام لوگ ایسی ہیئت میں داخل ہوں گے کہ ان
کی عمر تیس یا تینتیس سال کی ہوگی" (۱)

اس نئی زندگی میں چونکہ سارے لوگ ایک ساتھ زندہ کئے جائیں گے، اس لئے ان میں عمر کا تفاوت نہیں ہوگا، اس دنیا میں چونکہ انسان کی پیدائش یکے بعد دیگرے ہوتی ہے، اس لئے عمر میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جنت میں حوریں اور بیویاں

سوال:- {256} نیک مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گے، تو نیک عورتوں کو جنت میں کون ملیں گے، کیا جنت میں حوروں کی الگ مخلوق ہوگی یا دنیا کی نیک عورتیں ہی مرنے پر حوروں کی صورت اختیار کرلیں گے؟ (غوثیہ سلطانہ، ٹولی چوکی)

جواب:- مردوں کے لئے ایک سے زیادہ بیویوں کا ہونا، غیرت و شرافت کے خلاف نہیں، لیکن عورتوں کے لئے ایک سے زیادہ شوہروں کا ہونا غیرت و حیا کے خلاف ہے؛ اس لئے جنت میں مردوں کو تو کئی بیویاں اور حوریں ہوں گی، لیکن عورتوں کے لئے ایک ہی شوہر ہوں گے، اور اس میں کئی مردوں کی استعداد پیدا کردی جائے گی ——— جہاں تک حوروں کی بات ہے، تو حدیثوں سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ حوریں بیویوں کے علاوہ ہوگی، البتہ جو مؤمن مرد و عورت جنت مین داخل ہوں گے، اللہ تعالی جہاں ان کو بہتر کھانے، عمدہ لباس اور خوبصورت رہائش گاہیں عنایت فرمائیں گے وہیں ان کی پسندیدہ شکل و صورت سے بھی انہیں سرفراز کیا جائے گا، اس لئے وہ حوروں سے کم تر نہ ہوں گی، بلکہ ان کا اعزاز و اکرام حوروں سے بڑھ کر ہوگا۔

---

(۱) "إن النبي ﷺ قال: يدخل أهل الجنة الجنة جردا مردا مكحلين أبناء ثلاثين أو ثلاث و ثلاثين سنة" عن معاذ بن جبل ﷺ، (الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۲۵۴۵، باب ما جاء في سن أهل الجنة، کتاب صفة الجنة۔ محشی۔

جنت میں غسل جنابت ہے؟

سوال:- {257} (الف) جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟

(ب) دنیا میں بول و براز کی حاجت رہتی ہے، جنت میں اس کی حاجت نہیں ہوگی، لیکن جنت میں بھی جنتی حضرات جنسی خواہش پوری کریں گے، تو کیا وہاں بھی غسل فرض ہوگا؟

(م،ن،ش، گلبرگہ)

جواب:- جنت کے جن احوال کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں، ان کی کھوج میں پڑنا بے فائدہ عمل ہے، اس کے بجائے ان اعمال کی طرف متوجہ ہونا چاہئے جو انسان کو جنت میں لے جانے والے ہیں، آپ کے سوال کا مختصر جواب اس طرح ہے:

(الف) مردوں کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں کا ہونا باعث عار نہیں، اس لئے ان کے لئے حوریں ہوں گی، عورتوں کے لئے ایک سے زیادہ شوہر کا ہونا باعث ننگ و عار ہیں؛ اس لئے ان کے لئے ایک ہی شوہر ہوگا، البتہ جنت میں مردوں کی جنسی قوت میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو جائے گا۔(۱)

(ب) شریعت کے جو احکام ہیں، یعنی کسی بات کا فرض و واجب یا حرام و مکروہ ہونا وغیرہ، یہ دنیا سے متعلق ہے، کیونکہ دنیا میں خواہش نفس کے مطابق چلنے کی اجازت نہیں، بلکہ نفس کی خواہش پر اللہ کے حکم کو غالب رکھ کر امتحان میں کامیابی کا ثبوت فراہم کرنا ہے، بخلاف

---

(۱) ''عن النبي ﷺ قال :يعطى المؤمن في الجنة قوة كذا و كذا من الجماع، قيل: يا رسول الله ﷺ! أوَ يطيق ذلك ؟ قال : يعطى قوة مائة " عن أنس ﷺ، (الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۲۵۳۶،باب ما جاء في صفة جماع أهل الجنة ، أبواب صفة الجنة) محشی۔

جنت کے کہ وہاں نہ کوئی چیز فرض ہوگی، نہ حرام، اور انسان اپنی خواہشات نفس میں آزاد ہوگا، ﴿مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ﴾(۱)، کیونکہ جنت اتنی وسیع ہے کہ وہاں ہر شخص کے لئے اپنے خواہش نفس کو پورا کرنا ممکن ہوگا، اور اس سے کوئی ٹکراؤ پیدا نہ ہوگا۔

جنت میں مردوں کی قوت

سوال:- {258} حدیث شریف میں ہے کہ ایک جنتی کو ستر حوریں عطا کی جائیں گی، کیا جنتی کی قوت باہ میں اضافہ کر دیا جائے گا؟　(محمد عبدالعزیز، یاقوت پورہ)

جواب:- حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اہل جنت کو سو مردوں کی طاقت عطا فرمائی جائے گی" "یعطی قوۃ مائۃ "(۲) اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں بیویوں اور حوروں کی تعداد کی نسبت سے ان کی قوت میں بھی اضافہ کر دیا جائے گا۔

قیامت میں سب سے پہلے کسے کپڑا پہنایا جائے گا؟

سوال:- {259} میدان حشر میں تمام لوگ برہنہ تن رہیں گے، تو سب سے پہلے کس کو کپڑا پہنایا جائے گا؟

(رشید احمد خان، بھینسہ)

جواب:- حضرت عبداللہ عباس ﷺ سے مروی ہے کہ

"تم لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، بے لباس اور غیر

---

(۱) فصلت :۳۱۔

(۲) الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۲۵۳۶، عن أنس ﷺ ،باب ما جاء في صفة جماع أهل الجنة ، أبواب صفة الجنة ۔

مختون جمع کیے جاؤگے، تو سب سے پہلے قیامت کے دن
جن کولباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے"

" أول من يكسى يوم القيمة ابراهيم " (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتیازات میں سے ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی کولباس پہنایا جائے گا۔

⚙ ⚙ ⚙ ⚙ ⚙

(۱) صحيح البخاری، حدیث نمبر:۳۳۴۹، مسلم، حدیث نمبر:۲۰۲۱۔

" عن النبي ﷺ قال : إنكم محشورون حفاة عراة غرلا ، ثم قرأ : ﴿ كما بدأنا أوّل خلق نعيده وعدا علينا انا كنا فاعلين ﴾و أول من يكسى يوم القيامة ابراهيم " عن عبد الله بن عباس ؓ ،(صحيح البخاری ،حدیث نمبر:۳۳۴۹،باب قال الله تعالىٰ :﴿و اتخذ الله ابراهيم خليلا ﴾،كتاب احاديث الانبياء ،نیز دیکھئے:صحيح مسلم،حدیث نمبر:۲۸۶۰۔محشی۔

دروس القرآن

فی شہر رمضان

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہید رحمہ اللہ

تقریظ

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری دامت برکاتہم

ترتیب وتحقیق

مولانا محمد اصغر کرنالوی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
ناظم اعلیٰ معہد الارشاد اسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

زمزم پبلشرز

قاموس الفقہ

اُردو زبان میں مُرتب ہونے والی فقہ اسلامی کی پہلی انسائیکلوپیڈیا،
جس میں فقہی اصطلاحات، حروفِ تہجی کی ترتیب سے فقہی احکام حسبِ
ضرورت احکامِ شریعت کی مَصالح اور معاندینِ اسلام کے شبہات
کے رد پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور مذاہبِ اربعہ کو اُن کے اصل مآخذ
سے نقل کیا گیا ہے۔ نیز جدید مسائل اور اُصولی مباحث پر خصوصی توجہ
دی گئی ہے۔ ہر بات مُستند حوالہ کے ساتھ دل آویز اسلوب اور عام فہم زبان۔

تالیف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ناشر
زمزم پبلشرز
نزد مُقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی

مستند کتب فتاویٰ اور اکابر کی تحقیق کی روشنی میں

جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشن

جدید فقہی مسائل

عبادات، معاشرت، معاشیات اور سیاسی و اجتماعی زندگی سے متعلق پیدا ہونے
والے جدید فقہی مسائل کا حل!

بڑا قابل قدر کام ہے
مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صدر مدرسہ دارالعلوم سبیل السلام
(حیدرآباد دکن)

نظر ثانی شدہ

مفتی عبدالمنان صاحب
(استاذ الحدیث دارالعلوم حسینیہ شہداد پور)

زمزم پبلشرز

ضروری یادداشت

آیئے ہم ایک دوسرے کے مددگار بنیں......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی قدر محترم جناب........................ اُمید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے
آپ اور آپ کی آراء ہمارے لئے بہت اہم ہیں۔ بہت خوشی ہوگی کہ آپ ہمیں اس کتاب سے متعلق اپنی کوئی قیمتی رائے......اصلاحی تجویز......اور مفید بات بتائیں۔ یقیناً آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرما کر ان شاء اللہ تعالیٰ ادارہ کی کتب کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار بنیں گے۔

اُمید ہے جس جذبہ سے یہ گزارش کی گئی ہے اسی جذبہ کے تحت اس کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا اور آپ ضرور ہمیں جواب لکھیں گے۔

■ کتاب کا تعارف کیسے ہوا؟ ....

■ کیا آپ نے اپنے محلّہ کی مسجد......لائبریری......یا مدرسہ/اسکول......میں اس کتاب کو وقف کر کے یا کسی رشتہ دار وغیرہ کو تحفہ میں دے کر علم پھیلانے میں حصہ لیا؟..............اگر نہیں تو آج ہی یہ نیک کام شروع فرمائیں۔

■ کتاب پڑھ کر آپ نے کیا فائدہ محسوس کیا؟ ....

کتاب کی تیاری میں مدد کرنے والے ناشر اور پڑھنے والوں کے لئے دعائیں تو کرتے ہونگے؟

کتاب میں اگر کوئی غلطی آپ کی نظر سے گزری ہو تو مندرجہ ذیل چارٹ میں تحریر فرمادیں تو عنایت ہوگی۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلطی کی نوعیت

ڈاک پتہ ________________ تاریخ ________________

نام ________________ پتہ ________________

____

اس پتہ پر خط پوسٹ فرما کر آپ بھی نیکی اور علم پھیلانے میں معاون بن سکتے ہیں۔
ہمت کیجئے اور اپنے مفید مشورہ اور دعا سے ادارہ کا تعاون کیجئے۔

Zam Zam Publishers
Urdu Bazar Karachi. Postal Code: 74200
Phones: +9221-2760374, +9221-2761671
Fax: +9221-2725673, Email: zamzam01@cyber.net.pk

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

کتاب الفتاویٰ

طہارت

دُوسرا حِصّہ

نماز

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مُفتی محمد عبداللہ سُلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب الفتاویٰ

دوسرا حصہ

طہارت
نماز

"زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب اور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ، حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں"

تالیف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب کا نام ———— کتاب الفتاویٰ دوسرا حصہ

تاریخ اشاعت ———— دسمبر ۲۰۰۷ء

تالیف ———— مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب ———— المفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

سرورق ———— احباب زمزم پبلشرز

مطبع ———— احباب زمزم پبلشرز

ناشر ———— زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم بنوری ٹاؤن کراچی۔ فون 2018342
- قدیمی کتب خانہ، بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

Books Also Available in :
* United Kingdom
AL-FAROOQ INTERNATIONAL
68, Asfordby Street Leicester
LE5-3QG
* United States of America
ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton BL1 3NE
* South Africa
Madrasah Arabia Islamia
P.O. Box 9786
Azaadville 1750 South Africa
E-mail: darulolum@webmail.co.za

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴۳﴾ (النحل)

"(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں، آدمی بھیجے ہیں، جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے، پس اے لوگو! اہل ذکر (علم) سے پوچھ لو، اگر تم لوگ خود نہیں جانتے"۔

فہرست مضامین

کتاب الطہارت

پاکی وناپاکی سے متعلق سوالات

وضوء کا بیان

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحہ
	حیض ونفاس کا بیان	
۳۳۶	حیض کی حالت میں قرآن کی تدریس	۹۵
۳۳۷	حیض کی حالت میں مسجد سے گزرنا	۹۶
۳۳۸	معمول سے کم یا زیادہ ماہواری	۹۷
۳۳۹	ایام عادت سے زیادہ خون آئے، تو بیوی سے قربت	۹۷
۳۴۰	حیض میں جماع سے کفارہ	۹۸
۳۴۱	حالتِ حیض میں آیتِ کریمہ کی تلاوت	۹۹
۳۴۲	تین دنوں کے بعد خون نہ آئے	۱۰۰
۳۴۳	غسل کے بعد خون آئے	۱۰۰
۳۴۴	حالتِ حیض میں دینی رسائل کا مطالعہ	۱۰۱
۳۴۵	ناپاکی کی حالت میں دینی کتابوں کو ہاتھ لگانا	۱۰۲
۳۴۶	ایام کی حالت میں ترجمۂ قرآن مجید کا مطالعہ	۱۰۲
۳۴۷	حالتِ حیض میں زبانی تلاوت	۱۰۴
۳۴۸	حائضہ کا پکوان وغیرہ	۱۰۵
۳۴۹	حالتِ حیض کی نمازیں اور روزے	۱۰۵
۳۵۰	متبرک چیزوں کو ناپاکی کی حالت میں کھانا	۱۰۶
۳۵۱	''کاپرٹی'' لگانے پر ایام حیض بڑھ جائیں	۱۰۶
۳۵۲	مانع حیض دواؤں کا استعمال	۱۰۷
۳۵۳	اگر تین دن کے بعد وقفہ وقفہ سے خون آئے؟	۱۰۸

کتاب الصلاۃ

نماز سے متعلق سولات

نماز کے اوقات

کتاب الفتاوی

دوسرا حصہ

کتاب الطہارت

طہارت سے متعلق سوالات

وضوء کا بیان

مسواک — کچھ مستحبات

سوال:- {260} مسواک کتنی موٹی اور لمبی ہو، پیلو کے علاوہ اور کس چیز کی مسواک بنائی جاسکتی ہے؟

(محمد فضل اللہ خان اختر، فرسٹ لانسر)

جواب:- مسواک کے بارے میں مسنون ہے کہ نرم ہو، لکڑی میں گرہ نہ ہو، لمبائی ایک بالشت ہو، موٹائی انگلی کے بقدر ہو، پیلو یا کسی کڑوے درخت کی ہو، کہ طبی اعتبار سے ایسی لکڑی کی مسواک زیادہ بہتر ہے۔

" والمستحب أن يكون لينا من غير عقد في غلظ الأصبع وطول شبر من الأشجار المُرّة المعروفة " (۱)

(۱) البحر الرائق : ۲۰/۱۔

مسواک اور مسواک کا طریقہ

سوال:- {261} مسواک کس طرح کرنا چاہئے ؟ مسواک کیسی ہو؟ اور مسواک کرتے ہوئے اسے کیسے پکڑا جائے؟ (محمد نصیر عالم سبیلی، قاضی محلہ، جالے، دربھنگہ)

جواب :- مسواک کے سلسلہ میں بہتر ہے کہ نرم ہو، لکڑی میں جوڑ نہ ہو، انگلی کے بقدر موٹی ہو، ایک بالشت لمبی ہو، پیلو کی ہو، یا کسی کڑوی لکڑی کی ہو، مسواک کا طریقہ یہ ہے کہ دانت کے اوپری حصہ پر بھی کیا جائے، اور نچلے حصہ پر اور ڈاڑھوں پر بھی، دائیں جانب سے مسواک کی ابتداء کرے، کم سے کم تین بار اوپر تین بار نیچے پانی کے ساتھ مسواک پھیرنی چاہئے، مسواک چوڑائی میں یعنی دائیں حصہ سے بائیں حصہ کی طرف کرنی چاہئے، طول میں مسواک کرنا بہتر نہیں، کہ اس سے مسوڑھے زخمی ہو سکتے ہیں، مستحب ہے کہ مسواک کو دائیں ہاتھ سے پکڑا جائے، اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو مسواک کے نیچے حصہ میں اور انگوٹھے کو اگلے حصہ میں مسواک کے نیچے اور باقی تینوں انگلیوں کو مسواک کے اوپر رکھ کر مسواک کی جائے، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے یہی طریقہ مروی ہے، (۱) لیٹی ہوئی حالت میں مسواک کرنا مکروہ ہے، اسی طرح اگر قے کا اندیشہ ہو تو مسواک نہیں کرنی چاہئے —— مسواک کے بارے میں یہ تمام تفصیلات مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے تحریر فرمائی ہے۔ (۲)

مسواک کی جگہ ٹوتھ پیسٹ اور برش

سوال:- {262} مسواک کی جگہ ٹوتھ پیسٹ اور برش استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (غوث الدین، سلاخ پوری)

---

(۱) البحر الرائق: ۴۲/۱، کتاب الطهارة - مرتب۔

(۲) البحر الرائق: ۲۱/۱-۲۰، کتاب الطهارة۔

جواب:- مسواک کا اصل مقصود دانت میں پیدا ہونے والی گندگی کو دور کرنا ہے، یہ مقصد جس چیز سے بھی حاصل ہوجائے، فقہاء نے اس کو کافی قرار دیا ہے:

"بأي شيئ استاك مما يقلع القلع ويزيل التغير كالخرقة وغيرها اجزأها : لأنه يحصل به المقصود"(۱)

البتہ رسول اللہ ﷺ نے چوں کہ لکڑی کی مسواک استعمال فرمائی ہے، اس لئے آلۂ مسواک کی سنت اسی وقت ادا ہوگی جب لکڑی کی مسواک استعمال کی جائے اور فعل مسواک کی سنت ادا ہونے کے لئے ٹوتھ پیسٹ اور برش کا استعمال بھی کافی ہوگا۔

واش بیسن میں وضوء

سوال:- {263} کیا کھڑے ہوکر Washbasin میں وضوء کرسکتے ہیں؟ (سعید بابا، راجیونگر)

جواب:- فقہاء نے اونچی جگہ بیٹھ کر وضوء کرنے کو ادب بتایا ہے، لیکن اس کا مقصد پانی کی چھینٹ سے بچنا ہے۔" الجلوس في مكان مرتفع تحرزا عن الغسالة "(۲) Wash Basin پر کھڑے ہوکر وضوء کرنے میں اعضاء وضوء صحیح طریقہ پر دھل جاتے ہیں، اور چھینٹ بھی نہیں پڑتی اس لئے Wash Basin پر وضوء کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

تمباکو کھانے کے بعد وضوء

سوال:- {264} گٹکھا، تمباکو، پان اور سگریٹ کے استعمال کے بعد کلی کرنے سے وضوء قائم رہتا ہے، یا ٹوٹ

(۱) شرح المهذب:۱/۲۸۱۔
(۲) مراقي الفلاح مع الطحطاوي :ص:۴۲۔

جاتا ہے، یا مکروہ ہوجاتا ہے، نیز اس حالت میں آیات قرآنی
کی تلاوت کرسکتے ہیں؟ (محمد عارف اللہ، تالاب کٹہ)

جواب:- گٹکھا وغیرہ کھانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا، نہ وضوء میں کوئی کراہت پیدا ہوتی ہے، البتہ اس سے منہ میں بُو پیدا ہوجاتی ہے، اس لئے قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کی ادائیگی سے پہلے منہ اچھی طرح صاف کرنا چاہئے، اور مسواک یا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا چاہئے، تاکہ بدبو کا ازالہ ہوجائے، رسول اللہ ﷺ نے تو کچی پیاز اور لہسن کھانے والے کو مسجد میں آنے سے بھی منع فرمایا۔ (۱) چہ جائے کہ نماز جس میں اللہ تعالی سے مؤمن سرگوشی کرتا ہے، اور قرآن مجید کی تلاوت، جو خاص کر منہ اور زبان کی عبادت ہے۔

میڈیکل ٹسٹ کی ایک خاص صورت میں وضوء

سوال:- {265} میڈیکل ٹیسٹ کی ایک صورت یہ
ہوتی ہے کہ معدہ تک نلکی پہونچائی جاتی ہے، اور گوشت کا کوئی
ٹکڑا مزید تجزیہ کے لئے باہر نکالا جاتا ہے، تو کیا اس کی وجہ سے
وضوء ٹوٹ جائے گا؟ (ڈاکٹر حامد الدین، مانصاحب ٹینک)

جواب:- اگر نلکی منہ کے راستہ سے نجاست کے حصہ تک پہونچ جائے اور نجاست سے آلودہ ہوکر واپس لوٹے تو وضوء ٹوٹ جائے گا، اگر نلکی پر نجاست نہ لگی ہو، یا گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا نکالا ہو اور وہ نجاست سے آلودہ نہ ہو تو وضوء نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ گوشت کے ٹکڑے کا جسم سے الگ ہونا ناقض وضوء نہیں ہے۔

" فصار كما لو انفصل قطعة من اللحم فإنه لا
ينقض " (۱)

(۱) الجامع للترمذي :۳/۲،باب ما جاء في كراهية أكل الثوم و البصل ۔ محشی۔
(۲) البحر الرائق :۸۲/۱۔

اور منہ سے نکلنے والی چیز جب تک منہ بھر نہ ہو، ناقض وضو نہیں ہوتی۔

"... لکن ما علیها قلیل لا یملأ الفم فلا یکون حدثا" (۱)

اور اگر نلکی پائخانہ کے راستہ سے ڈالی اور پھر نکالی جائے، تو مطلق ناقض وضوء ہے، اس پر نجاست نظر آنا ضروری نہیں۔

وضوء میں ڈاڑھی دھونے کا حکم

سوال:- {266} جو سنت کے موافق داڑھی رکھتے ہیں، ان کی داڑھی تھوڑی سی نیچے لٹکتی رہتی ہے، ایسے شخص کے لیے وضوء میں داڑھی کو دھونے کا کیا حکم ہے؟ (محمد ایوب، ٹولی چوکی)

جواب:- داڑھی کا جو حصہ ٹھوڑی کے مقابل میں ہے، اس کا دھونا فرض ہے، البتہ جو حصہ ٹھوڑی سے نیچے لٹکا ہوا ہے، اس کو دھونا یا اس پر مسح کرنا واجب نہیں، کیونکہ وہ چہرہ (وجہ) میں شامل نہیں:

"وأظهر الروایات عنه غسل ما لایلاقی البشرة و اختاره في المحیط و البدائع قال في معراج الدرایة : و هو الأصح ، و في الفتاوی الظهیریة : و به یفتی ... وأما ما استرسل منها فلا یجب غسله ولا مسحه لکونه لیس عن الوجه "(۲)

البتہ بعض فقہاء نے اسے مسنون قرار دیا ہے۔ (۳)

---

(۱) کبیری : ص:۱۹۶۔
(۲) حوالہ سابق: ص:۱۷۔
(۳) البحر الرائق :۱/۳۴۔

چپل پہن کر وضو کرنا

سوال:- {267} اگر کوئی شخص چپل پہن کر وضو کرے تو کیا اس کا وضو ہو جائے گا؟ حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ (محمد ندیم ذوالفقار علی، بھینسہ)

جواب:- وضو میں جن اعضاء کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی چہرہ، ہاتھ اور پاؤں، ان کا دھولینا وضوء کے درست ہونے کے لئے کافی ہے، اس لئے اگر کسی شخص نے ایسی چپل پہن رکھی ہو کہ چپل کے باوجود پاؤں کا اوپری اور نچلا حصہ پوری طرح دھل جائے اور ہر جگہ پانی پہنچ جائے تو ایسی چپل میں بھی وضو درست ہو جائے گا، آج کل جو ہوائی چپل پہنی جاتی ہے وہ اسی انداز کی ہے، رسول اللہ ﷺ کی نعلین مبارکین بھی ایسی تھیں کہ بہ آسانی پائے مبارک تک پانی پہنچ جاتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے نعلین پہنے ہوئے وضو میں پاؤں دھویا ہے، (۱) نیز صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی نعلین پہنی ہوئی حالت میں پاؤں کا دھونا ثابت ہے۔ (۲)

وضوء کا پانی بیت الخلاء کی موری میں

سوال:- {268} گزشتہ اتوار کو جامع مسجد وقار آباد کے انتظامی امور کو حل کرنے کے لئے اراکین انتظامی کمیٹی کی ایک نشست کا اہتمام کیا گیا تھا، اراکین کمیٹی نے یہ تجویز رکھی تھی کہ مسجد کے بیت الخلاء کی موری کی پانی کی قلت کی وجہ

---

(۱) " عن عبد الله بن جريج قال : قلت لابن عمر : رأيتك تلبس هذا النعال السبية، و تتوضأ فيها ، قال : رأيت رسول الله ﷺ يلبسها و يتوضأ فيها " (سنن نسائي ،حدیث نمبر: ۱۱۷، ۱/۱۶،باب الوضوء في النعال،كتاب الطهارة)

(۲) حوالہ سابق

سے مناسب صفائی نہیں ہو رہی ہے، اس لئے وضو کا پانی جانے کے لیے جو علاحدہ موڑی ہے، اس کا رخ بیت الخلاء کی موڑی کی طرف کردیا جائے، تو وضو کے پانی سے بیت الخلاء کی موڑی صاف رہے گی، تو ایک رکن نے یہ اعتراض کیا کہ وضوء کا پانی بیت الخلاء میں جانے سے نمازیوں کے دلوں میں وسوسے آتے ہیں، کیا یہ اعتراض درست ہے؟ (م،ص، وقار آباد)

جواب:- یہ بات کہ وضو کا پانی بیت الخلاء کی نالی میں جائے تو اس سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں، کسی حدیث سے ثابت نہیں، اور نہ میرے علم کے مطابق فقہاء نے ایسا کچھ لکھا ہے۔ البتہ یہ بات آئی ہے کہ پیشاب میں احتیاط نہ کرنے اور غسل خانہ میں وضو کرنے سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے، اس لیے آپ ان دونوں موڑیوں کو ایک جگہ ملا سکتے ہیں، یوں بھی آخر دونوں پانی کو ڈرینیج کی لائن میں پہنچنا ہی ہے۔

منسلک باتھ روم میں دعاء

سوال:- {269} آج کل کے ترقی یافتہ دور میں رہائشی کمرہ سے منسلک بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں، حمام میں جہاں وضوء بنایا جاتا ہے، اسی کے اندرونی حصہ میں غلاظت کا ذخیرہ رہتا ہے، اس کے اوپر بیٹھ کر وضوء کرتے ہوئے اور دعائیں پڑھتے ہوئے کراہت محسوس ہوتی ہے، نیز اس بیت الخلاء سے منسلک کمرہ میں نمازیں پڑھنا بھی اچھا نہیں لگتا، شرعی اعتبار سے کیا ہماری نمازیں اور عبادتیں درست ہیں؟
(احمد ندیم، محبوب نگر)

جواب:- اگر بیت الخلاء اور غسل کے لئے الگ الگ جگہیں مخصوص ہوں، دونوں کے

درمیان چھوٹی یا بڑی دیوار حائل ہو، یا دونوں جگہوں کی سطح میں فرق ہو، ایک کی اونچی اور ایک کی نیچی ہو، تو میرا خیال ہے کہ یہ دونوں الگ الگ جگہوں کے حکم میں ہیں، اور جس حصہ میں غسل کیا جاتا ہے اور جو عام طور پر نجاست سے محفوظ رہتا ہے، اس حصہ میں دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں، جو حصہ بیت الخلاء کے لئے مخصوص ہے، اس حصہ میں دعاء نہیں پڑھی جاسکتی، اگر کسی جگہ کا اوپری حصہ پاک ہو تو گو اندر کے حصہ میں ناپاکی ہو، اس پر نماز پڑھنا یا دعاء کرنا درست ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر دو کپڑے تہ بہ تہ ہوں، آپس میں سلے ہوئے نہ ہوں، اور نچلا کپڑا ناپاک ہو تو اوپر والے کپڑے پر نماز ادا کرنی درست ہے۔(۱)

کیا پیشاب لگنے سے وضو واجب ہے؟

سوال:- {270} کسی باوضو آدمی پر بچہ پیشاب کردے، یا جانور کے پیشاب کی چھینٹیں پڑ جائیں تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ یا کپڑا اور بدن کے اس حصہ کا دھولینا کافی ہوگا جہاں پیشاب لگا ہو؟ (محمد سیف اللہ، بابا نگر)

جواب:- جس جگہ پیشاب لگ جائے اس کا دھودینا کافی ہے، وضو کرنے کی ضرورت نہیں، وضوء تو اس وقت ٹوٹتا ہے، جب جسم کے اندر سے پیشاب خارج ہو، یا کوئی اور نجاست نکلے۔

موسیقی سننے اور دیکھنے پر وضوء

سوال:- {271} کیا ریڈیو پر موسیقی سننے یا موسیقی کے

(۱) " لو صلى على ما له بطانة نجسة و هو قائم على ما يلي موضع النجاسة من الطهارة، عن محمدؒ يجوز، و عن أبي يوسفؒ لا يجوز، و قيل: أما في غير المضرب فيكون حكمه حكم ثوبين " (البحر الرائق ۱/۲۶۸، باب شروط الصلاة، كتاب الصلاة)

آلات بجانے، یا ٹی وی وغیرہ دیکھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

(سمیع الدین خان، احمد نگر)

جواب:- ان باتوں سے وضو تو نہیں ٹوٹتا، البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ گانا گائے تو تازہ وضو کر لینا مستحب ہے، کیونکہ زبان ایک گناہ سے آلودہ ہوتی ہے، لہذا موسیقی بجانے کے بعد وضو کرنا مستحب ہوگا، اور چونکہ موسیقی سننے یا دیکھنے میں بھی کان اور آنکھ گنہگار ہوتے ہیں، اور وضو گناہوں کے لئے کفارہ ہوتا ہے، اس لئے ان صورتوں میں بھی وضو کر لینا مستحب ہے، واجب نہیں۔

بال کے جوڑے پر مسح

سوال:- {272} عورتیں بعض دفعہ سر کے اوپر بیچ کے حصہ میں جوڑا باندھتی ہیں، اگر وہ اس جوڑے پر مسح کریں اور بال کھولیں نہیں، تو وضوء ہو جائے گا؟ (زاہدہ نسرین، ملے پلی)

جواب:- وضو میں چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے، مسح کا تعلق اصل میں سر سے ہے نہ کہ بالوں سے، لہذا بال کے اس حصہ پر مسح کرنا ضروری ہے جو سر کے دائرہ میں واقع ہو۔ جوڑہ کھولنے کے بعد اگر بال اتنا بڑا ہو کہ گردن اور اس کے نیچے آجائے تو بال کے اس حصہ پر مسح کرنا کافی نہیں:

" فلا يصح المسح أعلى الذوائب المشدودة على الرأس ... بحيث لو أرخاها لكانت مسترسلة "(۱)

ہاں! بال کا وہ حصہ جو خاص سر پر واقع ہو، اور بال کو نیچے گراتے وقت بھی سر ہی کے حصہ پر رہتا ہو، اگر وہ جوڑے کی شکل میں بندھا ہوا ہو، تو اس پر مسح کر لینا کافی ہوگا: ’’أما لو كان تحته رأس فلا شك في الجواز‘‘(۲)

(۱) طحطاوی علی مراقی الفلاح :ص:۳۳۔
(۲) حوالہ سابق۔

کیا ٹی وی دیکھنا ناقض وضوء ہے؟

سوال:- {273} کیا ٹی وی دیکھنا ناقض وضوء ہے؟

(نوید عزیز، نالندہ)

جواب:- جسم کے کسی حصہ سے کسی نجاست کا نکلنا، یا پیشاب و پائخانہ کے مقام سے کسی بھی چیز کا نکلنا ناقض وضوء ہے، محض کسی خراب چیز کو دیکھنے کی وجہ سے وضوء نہیں ٹوٹتا، جب تک کہ ایسی کوئی چیز جسم سے خارج نہ ہو، اس لئے ٹی وی، اور تصویریں خواہ فحش ہوں، کے دیکھنے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا، ہاں! وضوء کے اندر گناہوں کے کفارہ ہونے کی صلاحیت ہے، اس نیت سے وضوء کر لینا مناسب ہوگا۔

معذور کا وضوء اور نماز

سوال:- {274} اگر بیٹھ کر استنجا کیا جائے لیکن استنجا کے بعد ایک قطرہ سے بھی کچھ کم حصہ پھر باہر نکل آتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں نماز ادا کی جاسکتی ہے اور طہارت باقی رہتی ہے؟

(الطاف بیگ، نظام آباد)

جواب:- بہتر یہی ہے کہ وہ اس حصہ کو دھولے، تاہم اگر پیشاب اتنی کم مقدار میں نکلا جس کا آپ نے ذکر کیا ہے اور دوبارہ استنجا کے بغیر وضوء کر کے آپ نے نماز پڑھ لی تو نماز ادا ہو جائے گی، کیوں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر نجاست ایک درہم کو پہنچ جائے تو اس کو دھونا واجب ہے اور اس سے کم ہو تو اسے دھونا ضروری نہیں:

" وإن كان أقل من قدر الدرهم لايجب غسله عند أبي حنيفة وأبي يوسف " (۱)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۱/۸۰۔

جس شخص کو اس طرح کا عارضہ ہو، اسے چاہئے کہ پانی کا استعمال کرنے سے پہلے کھڑا ہو جائے یا کوئی ایسا عمل کرے جس سے پیشاب کے قطرات پوری طرح نکل آئیں، پھر پانی کا استعمال کرلے۔

شرمگاہ کی رطوبت کا حکم

سوال:- {275} بہت سی عورتوں کو سیلان کی شکایت رہتی ہے اور جو رطوبت جسم سے نکلتی ہے، کپڑے میں لگ جاتی ہے، کیا نماز پڑھتے وقت ان کو دھونا ضروری ہے؟

(آسیہ خاتون، ممبئی)

جواب:- عورت کی شرمگاہ کے بالائی حصے جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''فرج خارج'' کہتے ہیں، اس سے نکلنے والی رطوبت بالاتفاق حنفیہ کے یہاں پاک ہے، شرمگاہ کے اندرونی حصہ (فرج داخل) سے نکلنے والی رطوبت کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ پاک ہے یا ناپاک؟ لیکن راجح قول پاک ہونے کا ہے:

"سيجئ أن رطوبة الفرج طاهرة عنده. (در) قوله:(الفرج) أي الداخل ، أما الخارج فرطوبته طاهرة باتفاق ... يدل على الاتفاق كونه له حكم خارج البدن فرطوبته كرطوبة الفم والأنف والعرق الخارج من البدن" (۱)

لہذا کپڑے میں لگ جانے والی رطوبت راجح قول کے مطابق پاک ہے اور اس کو دھونا ضروری نہیں، فقہاء کے اختلاف سے بچتے ہوئے احتیاطاً دھولیں تو اور بہتر ہے۔

---

(۱) ردالمحتار:۱/۳۰۵، مطلب في رطوبة الفرج ، كتاب الطهارة۔

دانتوں سے خون نکل آئے

سوال:- {276} کیا وضوء کرنے کے بعد دانتوں سے خون نکلنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

(محمد شمس الدین التمش، مشیر آباد)

جواب:- خون کے نکلنے سے اس وقت وضوء ٹوٹتا ہے، جب کہ وہ بہنے کے درجہ میں آجائے، اگر بہنے کے درجہ میں نہ ہو، خون کا تھوڑا سا اثر ہو، تو وضوء نہیں ٹوٹے گا، (۱) چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے:

''اگر کسی چیز کو چبایا جائے یا مسواک کی جائے اور اس میں خون کا اثر پایا جائے تو جب تک سیلان یعنی خون کے بہنے کی کیفیت نہیں پائی جائے، وضوء نہیں ٹوٹے گا'' (۲)

''اگر تھوک میں خون آرہا ہو تو دیکھا جائیگا کہ غلبہ خون کا ہے یا تھوک کا، اگر تھوک غالب ہو اور خون کم ہو تو وضوء نہیں ٹوٹے گا، اور خون غالب یا برابر ہو تو وضوء ٹوٹ جائے گا'' (۳)

---

(۱) "عن رسول الله ﷺ أنه قال:الوضوء من كل دم سائل" عن تميم الداری ﷺ، (سنن الدارقطنی :۱/۱۵۷) محشی۔

(۲) الفتاوی الهندية:۱/۱۱۔

"المتوضئ إذا عض شيئا فوجد فيه أثر الدم أو استاك بسواك فوجد فيه أثر الدم لا ينتقض ما لم يعرف السيلان" (الفتاوی الهندية:۱/۱۱، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، كتاب الطهارة)۔ محشی۔

(۳) مراقي الفلاح مع الطحطاوی :۴۹۔

"و ينقضه دم من جرح بفمه غلب عليه البزاق أی الريق أو ساواه احتياطا" (مراقي الفلاح مع الطحطاوی :۴۹) محشی۔

مصنوعی دانت لگا کر وضو و غسل

سوال:- {277} کیا چوکڑا لگا کر اور ایک آدھ دانت فکس کرنے کے بعد وضو ہو جاتا ہے، یا چوکڑا لگانا ضروری ہے، اور دانت فکس کرنا غلط ہے؟ (ع، ح، خان، گولکنڈہ)

جواب:- چوکڑا لگانا اور فکس کرنا علاج کے قبیل سے ہے، اور اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ دانت فکس ہو جانے کے بعد اس کی حیثیت جسم کے مستقل عضو کی ہے، اس لئے اس پر پانی کا پہونچ جانا کافی ہے، اور چوکڑا چونکہ لگایا اور نکالا جا سکتا ہے، اس لئے اس کی حیثیت جسم کے مستقل عضو کی نہیں ہے، چوکڑے کی وجہ سے مسوڑھے کے جس حصہ میں پانی نہیں پہونچ پائے، وہ حصہ گویا خشک رہ گیا، غسل جنابت میں کلی کرنا واجب ہے، لہذا چوکڑا لگا کر اگر غسل واجب کرے، تو غسل درست نہ ہوگا، چوکڑا نکال کر کلی کرنا ضروری ہوگا، اسی طرح مصنوعی دانت لگا کر وضوء کرے تو وضوء درست ہو جائے گا، کیونکہ وضوء میں کلی فرض نہیں، لیکن وضوء کی سنت پوری طرح ادا نہ ہو پائے گی۔

اگر وضوء کے پانی میں مستعمل پانی مل جائے

سوال:- {278} وضوء کرتے وقت پانی میں ہاتھ سے چند قطرات گر جائیں، تو کیا باقی پانی سے وضوء ہو سکتا ہے؟

(فیض النساء بیگم، مصری گنج)

جواب:- جو پانی وضوء میں استعمال ہو کر جسم سے گرے، اسے مستعمل پانی کہتے ہیں، مستعمل پانی پاک تو ہے، لیکن دوبارہ اس سے وضوء یا غسل نہیں کیا جا سکتا، اگر یہ پانی دوسرے صاف پانی کے ساتھ مل جائے، تو اگر اتنی مقدار میں مل گیا کہ اس مستعمل پانی کی مقدار بڑھ گئی تو اس سے وضوء کرنا درست نہیں، اگر چند قطرے مستعمل پانی گر گئے، یا اس سے زیادہ لیکن غالب

مقدار صاف پانی کی ہے تو اس سے وضوء کیا جاسکتا ہے:

"الماء المستعمل إذا وقع في البئر لا يفسده إلا إذا غلب"(۱)

انجکشن کے ذریعہ خون نکلنے سے وضو

سوال:- {279} ڈاکٹر ٹیسٹ کے لئے انجکشن کے ذریعہ خون لیا کرتے ہیں، کیا اس سے وضوء جاتا رہے گا؟

(ظفیر الدین، عنبر پیٹ)

جواب:- خون اگر اتنی مقدار میں باہر آئے کہ وہ بہنے کے درجہ میں نہ ہو، تو وضو نہیں ٹوٹتا، جیسے زخم سے باہر یا چمڑا چھیل دینے سے خون ظاہر ہو، لیکن اپنی جگہ سے آگے بڑھ نہ جائے اور اگر خون اتنی مقدار میں ہو کہ اپنی جگہ سے بہہ پڑے، تو وضوٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ دار قطنیؒ نے تمیم داری ﷺ سے، اور ابن عدیؒ نے حضرت زید بن ثابت ﷺ سے نقل کیا ہے، کہ بہتا ہوا خون نکلنے سے وضو واجب ہے: ''الوضوء من كل دم سائل''(۲)

فقہاءؒ نے انجکشن سے قریب تر ایک صورت ذکر کی ہے کہ چیچڑی اگر کسی آدمی کو چوسے، اور خون سے بھر جائے، تو چیچڑی چھوٹی ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا، یہی حکم مچھر اور مکھی کے خون چوسنے کا ہے، اور اگر بڑی چیچڑی ہو تو وضوٹوٹ جائے گا،

"القراد إذا مصّ عضو انسان فأمتلأ دما، إن كان صغيرا لا ينقض وضوئه ... وإن كان كبيرا ينقض" (۳)

---

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۲۳،الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضأ ۔

(۲) نصب الراية :۱/۳۷۔

(۳) الفتاوى الهندية:۱/۱۱،الفصل الخامس في نواقض الوضوء، كتاب الطهارة ۔

لہٰذا اگر انجکشن کے ذریعہ ٹیسٹ کے لئے یا کسی اور مقصد کے تحت خون نکالا جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اگر دوا پہونچانے کی غرض سے انجکشن دیا جائے، اور تھوڑا سا خون ہی انجکشن کے ساتھ واپس آئے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

وضوء کے بعد سورۂ قدر پڑھنا

سوال:- {280} وضوء کے بعد آسمان کی طرف نظر کر کے سورۂ قدر پڑھنا مستحب ہے؟ اس سلسلہ میں رہبری کیجئے۔

(حکیم واسع موہانی)

جواب:- احادیث میں اس بات کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ پوری طرح وضوء کرنے کے بعد ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لاشريك له وأشهد أنّ محمّداً عبده ورسوله'' پڑھا جائے۔(۱)

فقہاءؒ نے لکھا ہے کہ کھڑا ہو کر اور قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھے اور بعض حضرات نے اس کو بھی مستحب قرار دیا ہے کہ اس موقعہ پر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا جائے،(۲) علامہ حصکفیؒ نے اس موقع سے سورۂ قدر کی تلاوت کا بھی ذکر کیا ہے اور علامہ شامیؒ نے اس سلسلہ میں فقیہ ابواللیثؒ کی ذکر کی ہوئی حدیثوں کا حوالہ دیا ہے۔(۳) ان

(۱) ''قال رسول اللّٰه ﷺ : من توضأ فأحسن الوضوء ثم قال : أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لاشريك له وأشهد أنّ محمّداً عبده ورسوله، اللّٰهم اجعلني من التوابين و اجعلني من المتطهرين ، فتحت له ثمانية أبواب الجنة يدخل من أيها شاء'' عن عمر بن الخطاب ﷺ ، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۵، باب فيما قال بعد الوضوء، أبواب الطهارة) محشی۔

(۲) طحطاوی ومراقی الفلاح:۴۳۔

(۳) رد المحتار:۱/۲۳۱۔

سب کو ملا کر واضح ہوا کہ وضوء کے بعد قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو، آسمان کی طرف نگاہ کرے، انگشت شہادت اٹھائے اور کلمۂ شہادت پڑھے، اور وضوء کے افعال سے فارغ ہونے کے بعد سورۂ قدر کی تلاوت بھی کرلے۔ واللہ اعلم۔

پلاسٹک کا ہاتھ اور وضوء

سوال:- {281} اگر کسی کا کوئی ہاتھ کہنی سے کٹ جائے اور وہ پلاسٹک کا ہاتھ لگوائے تو وضوء میں کہنی سمیت ہی دھوئے گا؟ کیا اس کے پلاسٹک کے ہاتھ پر ''ید'' کا اطلاق ہوگا؟　　(س، ج، حسن آباد)

جواب:- پلاسٹک کا مصنوعی ہاتھ جو جسم کے ساتھ مستقل طور پر لگا ہوا نہ ہو، وہ حقیقی ہاتھ کے حکم میں نہیں، البتہ اگر کہنی کا کچھ حصہ بچا ہوا ہو، یعنی بازو کی ہڈی کا آخری سرا موجود ہو تو اس حصہ کو اگر دھو سکتا ہو تو دھو لینا واجب ہوگا، کیوں کہ جس شخص کا پاؤں کٹا ہوا ہو، فقہاء نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر پاؤں کا تھوڑا سا حصہ باقی ہو گو تین انگلی کی مقدار سے کم، تب بھی اسے دھو لیا جائے۔

"مقطوع الرجل إن بقي منها شئ ، وإن أقلّ من ثلث أصابع غسله" (١)

تو یہی حکم ہاتھ کا بھی ہونا چاہئے۔

عشاء کے وضوء سے نماز فجر

سوال:- {282} میں نے بزرگان دین خاص کر

(١) کبیری : ص:٣٩۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق کتابوں میں پڑھا ہے کہ ان حضرات نے چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے نماز فجر ادا کی ہے، ان واقعات کے سنانے پر مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آخر ان حضرات نے دوسری ضروریات کس طرح پوری کیں، ؟ جواب سے ہمیں مطمئن کریں۔ (م، ع، فاروقی، محبوب نگر)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ امت کے چیدہ اولیاء میں ہیں، ان بزرگوں سے بعض کرامات کا صدور بھی ہوا ہے، اور اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ کرامات اولیاء حق ہیں، جہاں تک مذکورہ واقعہ کی بات ہے، تو شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات بے وضو رہنے سے اجتناب فرماتے تھے، اور ہر وقت پاکی کی حالت میں رہنے کا اہتمام فرماتے تھے، جوں ہی طہارت کی ضرورت ہوتی وضو فرما لیتے اور کچھ دیر بھی ناپاکی کی حالت کو برقرار رکھنا گوارا نہ فرماتے۔ واللہ اعلم۔

ایک وضوء سے نماز جنازہ اور فرض نماز پڑھنا

سوال:- {283} کیا نمازِ جنازہ ادا کرنے کے بعد اسی وضوء سے فرض نماز ادا کر سکتے ہیں؟

(سید عبدالرحیم مانوت، پربھنی)

جواب:- وضو چوں کہ پاکی حاصل کرنے کا اصل طریقہ ہے اور حنفیہ کے یہاں وضو میں نیت کرنا ضروری نہیں، اس لئے وضو خواہ کسی بھی مقصد سے کیا جائے، دوسرے مقاصد کے لئے بھی جن میں وضو ضروری ہو، وہی وضو کفایت کرتا ہے، اس لئے نمازِ جنازہ کے لئے کئے گئے وضوء سے دوسری نمازیں بھی ادا کی جا سکتی ہیں۔

وضوء کے بعد آئینہ دیکھنا اور تولیہ استعمال کرنا

سوال:- {284} بعض حضرات کہتے ہیں کہ وضو کرنے کے بعد آئینہ دیکھنے یا توال سے بدن پونچھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟　　(علاء الدین، تنالی، گنٹور)

جواب:- جب تک جسم سے کوئی ناپاک چیز خارج نہ ہو، یا بالغ آدمی نماز کی حالت میں قہقہہ لگا کر نہ ہنسے، وضو نہیں ٹوٹتا، وضو کرنے کے بعد آئینہ دیکھنے میں کوئی قباحت نہیں اور توال سے بدن پوچھنے میں بھی کچھ حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ کا بھی ایک توال تھا، جسے آپ ﷺ غسل اور وضوء کے بعد استعمال فرمایا کرتے تھے، (۱) البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ کو وضو کے بعد توال پیش کی گئی اور آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا، (۲) اس سے معلوم ہوا کہ دونوں طریقے درست ہیں، کبھی توال استعمال کرلیا جائے، اور کبھی نہ کیا جائے۔

بغیر وضو کے درود شریف

سوال:- {285} کیا بغیر وضو کے درود شریف پڑھ سکتے ہیں؟ یا وضو کر کے ہی پڑھنا ضروری ہے؟ نیز کیا اسکول، گھر، بازار وغیرہ میں بھی چلتے پھرتے پڑھ سکتے ہیں؟

(زاہدہ سلطانہ، قاضی پورہ)

---

(۱) "كان لرسول الله ﷺ خرقة يلتف بها بعد الوضوء" عن عائشة رضى الله تعالى عنها (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۳، باب ما جاء فى المنديل بعد الوضوء، أبواب الطهارة) محشی۔

(۲) "إنما كره المنديل بعد الوضوء؛ لأن الوضوء يوزن" عن الزهرى (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۴، باب ما جاء فى المنديل بعد الوضوء، أبواب الطهارة)

جواب: - درود شریف کا وہی حکم ہے جو دوسرے اذکار اور دعاؤں کا ہے، قرآن کے علاوہ تمام اذکار کا حکم یہ ہے کہ ان کو نہ صرف بے وضو بلکہ حالتِ جنابت میں بھی پڑھا جا سکتا ہے، جگہ کی بھی کچھ قید نہیں، مسجد ہو، گھر ہو، بازار ہو، یا اسکول، چلتے پھرتے ذکر کر سکتے ہیں اور درود پڑھ سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ ''كان رسول الله ﷺ يذكر الله على كل أحيانه ''(۱) ظاہر ہے کہ ہر حالت میں وہ حالت بھی شامل ہے، جس میں وضو نہ ہو، اور وہ حالت بھی جب آپ ﷺ بازار سے گزر رہے ہوں، ہاں ایسے مقامات پر اللہ کا ذکر مناسب نہیں جو تقاضۂ احترام کے خلاف ہے، جیسے: بیت الخلاء، حمام، قضاء حاجت کی حالت، یا میاں بیوی کی مقاربت کی حالت، ان مواقع میں درود پڑھنا بھی مکروہ ہے؛ البتہ تلاوت قرآن کا حکم عام اذکار سے مختلف ہے، بے وضو قرآن کی تلاوت کی جا سکتی ہے، لیکن بغیر غلاف کے قرآن کو اس حالت میں چھوا نہیں جا سکتا، اسی طرح اگر غسل کی حاجت ہو تو قرآن کی زبانی تلاوت کرنا بھی درست نہیں۔

وضو کرتے وقت دنیوی گفتگو

سوال: - {286} اکثر لوگ وضو کرتے وقت باتیں کرتے ہیں، کیا اس وقت باتیں کرنا مناسب ہے؟

(شیخ عبد الصمد، ناندیڑ)

جواب: - ''وضو'' نماز جیسی عبادت کے لئے ذریعہ و وسیلہ ہے، اور نماز کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کو تازہ کیا جائے ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (۲) اس لئے وضو کرتے ہوئے بھی اللہ ہی کی یاد اور اسی کا ذکر خاص کرنا چاہئے، دنیوی گفتگو نہ کرنی چاہئے،

(۱) صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۳۷۳،عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ، باب ذكر الله تعالىٰ في حال الجنابة و غيرها ، كتاب الحيض ۔ محشی۔

(۲) طٰه :۱۴۔

فقہاء نے دوران وضو گفتگو کرنے کو خلاف ادب قرار دیا ہے:

" ومن الأدب أن لا يتكلم في أثناء الوضوء بكلام الدنيا" (۱)

اگر اعضاء وضو میں زخم ہو

سوال:- {287} ایک شخص کے پیروں میں پھوڑے ہیں، ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ زخم پر پانی نہیں لگنا چاہئے، کیا ایسی صورت میں نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کے لئے تیمم کرلینا کافی ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر صرف زخم پر پانی کا پہنچنا نقصان دہ ہے، تو تیمّم کرنا کافی نہیں، چہرہ اور ہاتھ دھوئے، سر کا مسح کرے، اگر ایک پاؤں میں زخم ہو، دوسرے پاؤں میں نہ ہوتو دوسرا پاؤں بھی دھوئے، جس پاؤں میں زخم ہے اگر اس کے کچھ حصہ پر زخم ہو اور کچھ خالی ہو اور خالی حصہ میں پانی کا پہنچانا ممکن ہوتو اسے بھی دھولے، جس حصہ پر زخم ہے اگر اس حصہ پر مسح کرلینے میں نقصان نہ ہوتو صرف مسح کرلے، اگر اس پر پٹی بندھی ہوئی ہوتو اس پٹی پر مسح کرلے، اگر پٹی نہ ہو اور زخم پر مسح سے بھی طبیب نے منع کیا ہو، تو اس حصہ کو یوں ہی چھوڑ دے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

" ومن شرط جواز المسح على الجبيرة أيضا أن يكون المسح على عين الجراحة مما يضربها، فإن كان لا يضربها لا يجوز المسح إلا على نفس الجراحة ولا يجوز على الجبيرة" (۲)

---

(۱) كبيرى :ص:۳۰۔

(۲) بدائع الصنائع:۱/۹۰،بيان المسح على الجبائر۔

’’پٹی پر مسح کے جواز کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ مسح زخم کے اوپر ہو زخم پر مسح کرنے سے نقصان ہو، اگر اس سے نقصان نہ پہنچتا ہو تو نفس زخم پر ہی مسح کیا جا سکتا ہے نہ کہ پٹی پر‘‘

حمام میں برہنہ وضوء

سوال:- {288} اگر حمام بند ہو تو کیا برہنہ ہو کر نہانا جائز ہے؟ اس طرح برہنہ رہتے ہوئے غسل کے ساتھ وضو کیا جائے تو کیا وضو درست ہوگا؟ اور اس سے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟　　(محمد عادل احمد، فرسٹ لانسر)

جواب:- اگر حمام بند ہو اور بے ستری کا اندیشہ نہ ہو، تو بے لباس حالت میں بھی غسل کیا جا سکتا ہے، اس حالت میں وضو کیا جائے تو وہ بھی درست ہوگا، اور اس سے نماز پڑھنا بھی درست ہوگا. البتہ بہتر ہے کہ ایسی محفوظ اور پردہ کی جگہ پر بھی کمر اور گھٹنے کے درمیان کوئی کپڑا رکھے، یا کم سے کم انڈر ویر کا استعمال کرے، کیونکہ فرشتے تو بہر حال انسان کے ساتھ رہتے ہیں، اور ان سے بھی حیا چاہئے۔

غسل کا بیان

غسل و وضوء میں حصۂ ستر پر نظر پڑ جائے؟

سوال:- {289} غسل کرتے وقت جسم کو مل کر نہانا پڑتا ہے اور ستر پر نظر پڑ جاتی ہے، تو کیا وضوء اور غسل درست ہوگا؟ (X.Y.Z، دبیر پورہ)

جواب:- انسان کو حتی المقدور بے ستری سے بچنا چاہئے اور اپنی نگاہ کو بھی اپنے حصۂ ستر سے بچانا چاہئے، لیکن اس کی وجہ سے وضوء و غسل کے درست ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر غسل کے درمیان حصۂ ستر پر نگاہ پڑ جائے تب بھی غسل و وضوء درست ہو جائے گا۔

جریان کے مریض کے لیے غسل کا حکم

سوال:- {290} مجھے شدید جریانِ منی ہے، کافی علاج کیا، لیکن نفع نہیں ہوا، حالت نماز میں بھی منی خارج ہو جاتی ہے، ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ (ایک قاری)

جواب:- اگر بغیر کسی شہوت کے منی خارج ہو جاتی ہو، تو یہ بیماری ہے، اس سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضو واجب ہو جاتا ہے. اگر جریان کا اس قدر غلبہ ہو کہ اس سے بچکر نماز کی ادائیگی دشوار ہو، تو نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کر لیں، اور جب تک کوئی دوسرا ناقض وضو پیش نہ آئے، وقت ختم ہونے تک انزال کے باوجود نماز ادا کرتے رہیں۔(۱)

ناپاک کپڑے دھونے سے غسل

سوال:- {291} ناپاک کپڑے کو دھونے پر کیا غسل کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے؟ (امت الکریم، سعید آباد)

جواب:- غسل کچھ خاص اسباب کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، ناپاک کپڑے کا دھونا ان اسباب میں سے نہیں ہے، اس لئے غسل واجب نہیں ہوگا، تین بار دھونے کے ساتھ کپڑے بھی پاک ہو جائیں گے اور ہاتھ بھی، ہاں! احتیاطا الگ سے ہاتھ دھو لئے جائیں تو بہتر ہے، بس یہ کافی ہے۔

تولیہ باندھ کر غسل یا وضو

سوال:- {292} غسل یا وضو کرتے وقت صرف تولیہ باندھ کر یا گھٹنوں سے اوپر کپڑا باندھ کر کرلیں تو غسل یا وضو ہوگا یا نہیں؟ (محمد عبدالرشید، بشارت نگر)

جواب:- یوں تو انسان کو ہر وقت ہی ممکن حد تک ستر کی حالت میں رہنا چاہئے، لیکن یہ حکم احتیاط اور استحباب کے طور پر ہے، دو صورتوں میں ستر واجب ہے، ایک تو نماز میں، دوسرے اس وقت جب کسی دوسرے کی نگاہ پڑتی ہو، لہذا اگر غسل یا وضو کی حالت میں کسی قدر بے ستری

---

(۱) الهداية: ۱/۳۱، نیز دیکھئے: ۱/۶۷۔ محشی۔

بھی ہو جائے اور دوسرے کی نگاہ نہ پڑتی ہو تو حرج نہیں ، جہاں تک وضو یا غسل کے درست ہونے کی بات ہے تو اس کے لئے ستر واجب نہیں، لہٰذا جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں وضو اور غسل درست ہو جاتا ہے۔

بلاشہوت انزال سے غسل واجب نہیں

سوال:- {293} اگر کسی کو بغیر شہوت کے بیماری یا کمزوری کی وجہ سے منی خارج ہو جائے تو کیا غسل فرض ہو جاتا ہے؟ (م،ع،فاروقی)

جواب:- غسل واجب ہونے کے لئے قرآن وحدیث میں جو لفظ استعمال ہوا ہے، وہ جنابت کا ہے، اور "جنابت" کہتے ہیں اس کیفیت کو جس میں شہوت کے ساتھ انزال ہو:

"اطلاق الجنابة في اللغة مخصوص بحال انبعاثه من الشهوة " (۱)

لہٰذا جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں غسل واجب نہیں ہوگا۔

بیڈروم کے ساتھ حمام

سوال:- {294} گھر میں بیڈ روم کے ساتھ بیت الخلاء اور غسل خانہ بنانا کہاں تک جائز ہے؟ کیونکہ آج کل دونوں کو ملا کر بنانے کا فیشن ہو گیا ہے۔

(مرزا اسد اللہ غالب، گلشن باغ)

جواب:- شریعت نے مکانات کے ڈیزائن اور مکان میں کس ضرورت کا حصہ کس جانب ہو؟ اس کی تعیین میں تکلف اور تحدید سے کام نہیں لیا ہے، اور اسے لوگوں کی سہولت پر رکھا

(۱) کبیری ،ص:۳۹۔

ہے، اگر رہائشی کمرہ کے ساتھ حمام بنانے میں سہولت بہم پہونچتی ہو، تو اس میں کوئی قباحت نہیں، بیمار اور معذور لوگوں کو خاص کر اس میں آسانی ہوتی ہے، نیز اگر خاندان کے مختلف افراد کی مشترک رہائش ہو، اور کسی مرد یا عورت کو غسل کی ضرورت پیش آجائے اور کھلے عام غسل کرنے میں حجاب ہو، تو ایسے حمامات آسانی کا باعث ہوتے ہیں، اور حیاء کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں، اس نقطۂ نظر سے یہ صورت بہتر معلوم ہوتی ہے۔

بے لباس غسل کا حکم

سوال:- {295} غسل کرتے وقت جسم پر کپڑا باندھے رکھنا مرد ہو یا عورت، کیا ضروری ہے؟ اگر بغیر کپڑے کے نہالے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے گھر میں بے برکتی پیدا ہوتی ہے؟ (ایکس، وائی، زیڈ، جگہ نامعلوم)

جواب:- بہتر طریقہ یہی ہے کہ غسل کی حالت میں بھی آدمی بالکل بے لباس نہ ہو، (۱) اور جسم کے مخصوص حصہ پر کوئی کپڑا رکھے، تاہم اگر پردہ کی جگہ میں بے لباس غسل کرلے تو گناہ نہیں، (۲) اور اس کی وجہ سے گھر میں بے برکتی اور نحوست قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔

---

(۱) ”و من تستر فالتستر افضل " وقال بهز ، عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ : اللّٰه أحق أن يستحيٰ منه من الناس " (صحيح البخاري :۱/۴۲، باب من اغتسل عريانا وحده في الخلوة ، كتاب الغسل) محشی۔

(۲) ”عن النبي ﷺ قال : بينا أيوب يغتسل عريانا ، فخر عليه جراد من ذهب، فجعل أيوب يحتثي في ثوبه ، فناداه ربه ، يا أيوب ! الم أكن أغنيتك عما ترى ؟ قال بلى و عزتك ، و لكن لا غنى عن بركتك "عن أبي هريرة ﷺ،(صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۲۷۹،باب من اغتسل عريانا وحده في الخلوة ، كتاب الغسل) محشی۔

قبلہ رخ واش بیسن

سوال:- {296} ہمارے گھر میں واش بیسن اور شاور قبلہ کی طرف ہے، جس میں ہم ہاتھ منہ دھونے اور نہانے کے ساتھ ساتھ وضو بھی کرتے ہیں، جس میں کلی بھی کرنی ہوتی ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبلہ کی طرف کلی نہیں کرنی چاہئے، یہ کہاں تک درست ہے؟ (شاہد علی، گلبرگہ)

جواب:- بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ قبلہ کی طرف تھوکنا خلاف ادب ہے، (۱) جہاں تک قبلہ کی طرف رخ کر کے وضو کرنے کی بات ہے تو اس کو تو فقہاء نے وضو کے آداب میں شمار کیا ہے۔ (۲) اور ظاہر ہے کہ جب وضو کرے گا تو یہ کلی کو بھی شامل ہوگا، اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں، قبلہ کی طرف رخ کر کے غسل کرنا مکروہ تو نہیں، لیکن خلاف ادب ہے:

"... فهو ترك أدب كمدّ الرجل إليها" (۳)

کیا ہر مباشرت کے لئے غسل لازمی ہے؟

سوال:- {297} لوگوں میں مشہور ہے کہ بیوی سے ایک مرتبہ ہمبستری کے بعد دوبارہ رغبت کی بناء پر ہمبستری کرنا

---

(۱) "أن النبي ﷺ رأى نخامة في قبلة المسجد ، فحكها بحصاة ، و نهى أن يبصق الرجل بين يديه أو عن يمينه ، و قال يبصق عن يساره أو تحت قدمه اليسرى ، عن أبي سعيد الخدري ؓ ، (سنن نسائی ،حدیث:۷۲۶،باب ذكر نهى النبي ﷺ عن أن يبصق الرجل بين يديه أو عن يمينه وهو في صلاته ، كتاب المساجد) محشی۔

(۲) مراقي الفلاح مع الطحطاوي :ص:۴۲۔

(۳) طحطاوي على المراقي :ص:۴۹۔

چاہے تو پہلے غسل ضروری ہے، اگر ناپاکی کی حالت میں دوبارہ مباشرت کرے گا تو اولاد ناخلف و نافرمان پیدا ہوگی، کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے، یا نہیں؟ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں۔ (محمد یوسف)

جواب:- احادیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سے زیادہ ازواج مطہرات سے ہم بستر ہوتے ہوئے درمیان میں غسل فرمایا ہے،(۱) اور یہ بھی کہ درمیان میں غسل کئے بغیر کئی بیویوں سے ہمبستری فرمائی ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو آپ ﷺ کے خادم خاص تھے کہ آپ ایک ہی غسل سے کئی بیویوں سے مباشرت کرتے تھے، "کان یطوف علی نسائہ بغسل واحد "(۲) اور جو کام رسول اللہ ﷺ نے کیا، یقیناً وہ ہر قسم کی بے برکتی اور خسارہ سے خالی ہوگا، بہتر طریقہ یہ ہے کہ درمیان میں وضو کرلے اور آنحضور ﷺ سے بھی ایسا عمل منقول ہے۔(۳)

---

(۱) "أن رسول الله ﷺ كان إذا طاف على نسائه في يوم فجعل يغتسل عند هذه و عند هذه ، فقيل يا رسول الله ﷺ ! لو جعلته غسلا واحدا ؟ فقال : هذا أزكى و أطهر و أطيب "، عن أبي رافع ، (طحاوی :۱/۷۷ ، باب الجنب يريد النوم أو الأكل أو الشرب أو الجماع ، كتاب الطهارة) محشی۔

(۲) الجامع للترمذي :۱/۲۰۔

"أن النبي ﷺ كان يطوف على نسائه في غسل واحد " عن أنس رضی اللہ عنہ ، (الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۱۴۰، باب ماجاء في الرجل يطوف على نسائه بغسل واحد ، أبواب الطهارة) محشی۔

(۳) " عن النبي ﷺ قال : إذا أتى أحدكم أهله ثم أراد أن يعود فليتوضأ بينهما وضوءا" (الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۱۴۱، باب ما جاء في الجنب إذا أراد أن يعود توضأ ، أبواب الطهارة) محشی۔

افعالِ غسل میں دعائیں

سوال:- {298} بعض حضرات کہتے ہیں کہ غسل کے
جتنے افعال ہیں، ان کے لئے الگ الگ دعائیں ہیں، اور
دعاؤں کو پڑھنا ضروری ہے؟

(محمد ریاض احمد، مسجد حسینی، وجے نگر کالونی)

جواب :- غسل و وضو میں ہر فعل سے متعلق جو دعائیں بعض کتابوں میں لکھی ہیں، یا لوگوں میں مشہور ہیں، وہ حدیث سے ثابت نہیں، اگر ان کو مسنون سمجھے بغیر پڑھ لیا جائے تو کوئی حرج بھی نہیں، فقہاء نے لکھا ہے: ''غسل کرتے وقت مسنون ہے کہ پہلے غسل کی نیت دل ہی دل میں کرلے، عوام اگر زبان سے بھی یوں کہہ لیں کہ ''میں جنابت دور کرنے کے لئے غسل کی نیت کرتا ہوں'' تو بہتر ہے، پھر جب غسل کے لئے دونوں ہاتھ دھونے لگیں تو اس وقت بسم اللہ پڑھ لیں، کیونکہ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی تاکید آئی ہے، بس اتنا کافی ہے۔

" ویسن أن یبدأ بالنیة بقلبه ویقول بلسانه
... ثم یسمی اللّٰه تعالی عند غَسل الیدین " (۱)

غسل کب واجب ہوتا ہے؟

سوال:- {299} منی شہوت سے کتنی مقدار میں نکلتی
ہے تو غسل واجب ہوتا ہے؟ (جی، ایس، آر، ایم)

جواب:- شہوت کے ساتھ مطلقاً منی کا نکلنا ناقضِ غسل ہے، اور اس کی وجہ سے غسل واجب ہوجاتا ہے، (۲) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانی یعنی مادۂ منویہ کے انزال سے

(۱) الفتاوی الهندیة :۱/۱۴، الفصل الثاني في سنن الغسل کتاب الطهارة ۔
(۲) حلبی کبیر :ص:۴۰۔

پانی یعنی غسل واجب ہوجاتا ہے، (۱) یہ حکم مطلق ہے، اس میں کسی خاص مقدار کی قید نہیں۔

مہندی لگانے کے بعد غسل

سوال:- {300} کیا عورتیں ناپاکی کی حالت میں ہاتھوں اور پیروں میں مہندی لگاسکتی ہیں؟ ناپاکی کی حالت میں مہندی لگاکر غسل کرنے سے غسل ہوتا ہے یا نہیں؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- عورتوں کے لئے مہندی لگانا جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے، اور مہندی لگانے کے لئے پاکی اور ناپاکی کی کوئی شرط نہیں، مہندی چونکہ پانی کے جسم تک پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بنتی، اس لئے ناپاکی کی حالت میں مہندی لگائی اور بعد میں غسل کیا تو کچھ حرج نہیں، غسل درست ہوجائے گا، جیسا کہ جسم میں میل لگا ہوتا ہے، اس کے باوجود پانی کا بہادینا غسل و وضو کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔ (۲)

جنابت کی حالت میں سلام اور ذکر

سوال:- {301} کیا احتلام کی صورت میں قرآن کی آیت لکھا ہوا کاغذ جیب میں رکھنا، سلام کرنا، اللہ اکبر کہنا، قرآن کے بازو سے گزرنا اور کھنڈر جگہ پر جانا درست

---

(۱) " عن النبي ﷺ أنه قال : إنما الماء من الماء " عن أبي سعيد الخدری ، (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۴۳، باب إنما الماء بالماء ، کتاب الحيض) محشی۔

(۲) الفتاو ی الهندية:۱/۱۳۔

" و العجين يمنع تمام الاغتسال ، و الوسخ و الدرن لا يمنع " (الفتاو ی الهندية:۱/۱۳، الباب الثاني في الغسل ، كتاب الطهارة) محشی۔

ہے یا نہیں؟ (محمد متین احمد، بسوا کلیان)

جواب:- جب آدمی کو غسل کی ضرورت ہو، تو اس حالت میں قرآن مجید پڑھنے، قرآن مجید کو چھونے اور مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت ہے، چونکہ نماز بھی قرآن ہی سے متعلق ہے، اس لئے اس حالت میں نماز بھی ادا نہیں کی جاسکتی، باقی دوسرے اذکار پڑھنے کی قرآن وحدیث میں کہیں ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے، اس لئے اس حالت میں قرآن کی آیات لکھے ہوئے کاغذ کا جیب میں رکھنا، سلام کرنا، اللہ اکبر کہنا، قرآن مجید کو ہاتھ لگائے بغیر قریب سے گزرنا اور مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں داخل ہونا درست ہے، اس میں مضائقہ نہیں۔

استنجاء کا بیان

ڈھیلے سے استنجاء کے بعد پانی ملے

سوال:- {302} بعض اوقات استنجاء کے لئے پانی نہیں ملتا، ڈھیلے سے استنجاء کرلیا جاتا ہے، بعد میں پانی میسر آتا ہے، ایسی صورت میں کیا پانی ملنے کے بعد پانی سے استنجاء کرلینا ضروری ہے، یا ڈھیلے سے حاصل کی ہوئی طہارت ہی کافی ہے؟ (مرزا الطاف بیگ، کلوا کرتی)

جواب:- شریعت نے پانی ہی کی طرح ڈھیلے سے بھی استنجاء کو کافی قرار دیا ہے، بلکہ ظاہری نجاست کسی بھی چیز سے دور کردی جائے تو یہ پاک ہونے کے لئے کافی ہے، اس لئے پانی ملنے کے بعد بھی وہی استنجاء کافی ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر پانی سے استنجاء کرنے کے بعد کوئی شخص چھوٹے گڑھے میں کمر تک اتر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا، اور ڈھیلا استعمال کرنے کے بعد ایسا کرے تو پانی ناپاک ہوجائے گا، اگر کچھ نجاست جسم پر باقی ہو۔

اسی طرح اگر پاخانہ ایک درہم کی مقدار یعنی ہتھیلی کی گہرائی کے برابر پھیل گیا ہو، تو پانی

کے استعمال سے تو پاکی حاصل ہو جانے پر اتفاق ہے؛ لیکن کیا پتھر کا استعمال بھی اس کے لیے کافی ہو جائے گا؟ اس میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، فقیہ ابو اللیثؒ کی رائے ہے کہ کافی ہو جائے گا اور علامہ کاسانیؒ نے اسی کو ترجیح دیا ہے۔(۱) کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے پتھر وغیرہ سے استنجاء کو مطلقاً کافی قرار دیا ہے۔

استنجاء کے وقت قبلہ کی طرف پشت

سوال:- {303} پتھر گٹی میں ایک مسجد ہے، جس میں پیشاب خانہ میں بیٹھئے تو قبلہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے، زید نے سنا ہے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرے تو معاف ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(سید صفی اللہ غوری، کلثوم پورہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ استنجاء کے وقت قبلہ کی طرف سامنا یا پیچھا نہ ہو،(۲) اور یہی امام ابو حنیفہ اور اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ قبلہ کی طرف سامنا اور پیچھا دونوں ہی صورتیں مکروہ ہیں،(۳) البتہ چہرہ کرنے کی کراہت زیادہ ہے، آپ حکمتِ عملی کے ساتھ کوئی جھگڑا کھڑا کئے بغیر مسجد کے ذمہ داروں کو اس جانب متوجہ کر دیں، اور خود ایسی جگہ استنجاء کرنے سے اجتناب کریں۔

جنگل اور میدان میں قبلہ کی طرف پشت کر کے استنجاء

سوال:- {304} راستوں میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ لوگ قبلہ کی طرف پشت کر کے بھی قضاء حاجت

---

(۱) بدائع الصنائع :۱/۱۰۴۔

(۲) رد المحتار :۱/۵۵۴، باب الأنجاس، کتاب الطهارة ۔ محشی۔

(۳) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۱/۵۵۴۔ محشی۔

کرتے رہتے ہیں، کیا جنگل اور میدان وغیرہ میں ایسا کرنا درست ہے؟ (ایم، اے معز، علی نگر)

جواب:- حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پیشاب و پاخانہ کے موقع پر قبلہ کی طرف رخ کرنے یا پشت کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۱) اس لئے فقہاء نے پیشاب و پاخانہ کے موقع پر کھلی جگہ ہو یا عمارت، بہر صورت قبلہ کی طرف رخ یا پشت کر کے بیٹھنے سے منع کیا ہے:

"کره تحريما استقبال قبلة واستدبار ها لأجل بول أو غائط ... ولو في بنيان لإطلاق النهي"(۲)

عمارت کے اندر جو بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں، وہاں کے بارے میں تو فقہاء کے درمیان ایک گونہ اختلاف بھی ہے، لیکن کھلے مقامات کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ وہاں استنجاء کی حالت میں قبلہ کو سامنے یا پیچھے رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

کاغذ سے استنجاء

سوال:- {305} کیا پانی کی عدم موجودگی میں استنجاء کے لئے ایسا کاغذ استعمال کر سکتے ہیں جو رطوبت کو جذب کر لے اور جو خاص اسی کام کے لئے بنایا گیا ہو؟

(محمد قدیر، منگل ہاٹ)

جواب:- ہر ایسی چیز سے استنجاء کیا جا سکتا ہے جو پاک ہو اور نجاست کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، نیز شرعاً اس کا احترام واجب نہ ہو:

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۸۔
(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۱/۵۵۴۔

" یکون الإستنجاء بالماء أو بالحجر و نحوه
من کل جامد طاهر قالع غیر محترم " (۱)

اس مقصد کے لئے تیار کئے گئے کاغذ میں نجاست کو دور اور جذب کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے اور یہ پاک بھی ہوتے ہیں، اس لئے ان سے استنجاء کرنے میں کوئی حرج نہیں، فقہاء نے دو وجوہ سے کاغذ سے استنجاء کو منع کیا ہے، اوّل یہ کہ کاغذ نوشت وخواند کا آلہ اور علم کی حفاظت کا سامان ہے، اس لئے قابلِ احترام ہے، دوسرے کاغذ چکنائی کی وجہ سے اس لائق نہیں ہوتا کہ اس سے آلائش کو دور کیا جا سکے، لیکن یہ دونوں باتیں خاص اس مقصد کے لئے تیار کئے گئے کاغذ میں نہیں پائی جاتیں، یہ چکنا ہونے کے بجائے کھردرا ہوتا ہے اور اس میں جذب کرنے کی خصوصی صلاحیت ہوتی ہے اور یہ اس لائق بھی نہیں ہوتا کہ اس پر کچھ لکھا جا سکے، پس کراہت کا ان دونوں میں سے کوئی سبب اس نوع کے کاغذ میں نہیں پایا جاتا، اس لئے استنجاء کے لئے ایسے کاغذ کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

سوال:- {306} مسجدوں میں بیت الخلا ہونے کے باوجود کچھ لوگ تنگ کپڑوں کی وجہ سے طہارت خانوں میں کھڑے ہوکر استنجاء کرتے ہیں، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ (محمد عبدالقادر خاں، ملے پلی روڈ)

جواب:- کھڑے ہوکر استنجا کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس میں بے پردگی کا بھی اندیشہ ہے اور پیشاب کی چھینٹیں پڑنے کا بھی امکان، چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک بار وہ کھڑے ہوکر پیشاب کر رہے تھے، آپ ﷺ نے دیکھا تو اس سے منع فرمایا۔ (۲) نیز حضرت

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته: ۱/۱۹۵۔
(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۲۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا گنوار پن ہے،(۱) خود رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک بھی بیٹھ کر استنجا کرنے کا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے، اگر کوئی کہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تو اس کی تصدیق نہ کرو، (۲) ہاں، اگر کوئی عذر ہو، تو کھڑے ہوکر پیشاب کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ایک موقعہ پر گھٹنوں میں تکلیف کی وجہ سے کھڑے ہوکر خود آپ کا پیشاب کرنا بھی ثابت ہے۔ (۳) اس کے علاوہ اتنا تنگ کپڑا پہننا خود کراہت سے خالی نہیں کہ انسان ان کپڑوں کے ساتھ بیٹھ کر استنجاء نہ کرسکے، ایسے چست کپڑوں سے انسانی جسم کی ساخت نمایاں ہوجاتی ہے اور یہ بھی بے ستری میں داخل ہے، نیز اگر ایسا کپڑا پہنے ہوا ہے اور بیت الخلاء کی عمارت موجود ہے، تو بیت الخلاء سے باہر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا کراہت سے خالی نہیں، کیوں کہ وہ بیت الخلاء کے اندر بے ستری سے بچتے ہوئے بیٹھ کر استنجاء کرسکتا ہے۔

اذان کے وقت استنجاء

سوال:- {307} کیا اذان کے وقت طہارت لینا درست ہے؟ (م، علیم حسیب، نظام آبادی)

جواب:- گر کوئی شخص پہلے سے استنجاء کی حالت میں ہو اور اذان ہونے لگے تو کچھ حرج نہیں، البتہ اس حالت میں زبان سے اذان کا جواب نہ دے، (۴) اگر استنجاء کو جانے سے پہلے اذان شروع ہوگئی اور استنجاء کا شدید تقاضہ نہ ہو یا یہ اندیشہ نہ ہو کہ ازدحام کی وجہ سے تاخیر کرنے کی صورت میں نماز کی کوئی رکعت یا نماز سے پہلے کی سنت فوت ہوسکتی ہے تو بہتر ہے کہ

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۲۔
(۲) حوالۂ سابق۔ مشکوۃ المصابیح :۱/۴۳، بحوالۂ الجامع للترمذی وسنن نسائی۔
(۳) الجامع للترمذی: حدیث نمبر:۱۳۔
(۴) الدر المختار علی ہامش الرد:۱/۲۹۲۔ محشی۔

رک کر اذان کا جواب دے دے،(۱) اس کے بعد استنجاء کرے، مسجدوں میں عام طور پر نمازوں کے اوقات میں اتنا ہجوم ہوجاتا ہے کہ انتظار کرنے میں جماعت فوت ہونے کا یا دوسروں کو دشواری پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، ایسی صورت میں اذان کے درمیان استنجاء کرلینے میں مضائقہ نہیں، کیوں کہ اصل میں اذان کا عملی جواب دینا واجب ہے، اور وہ ہے ''جماعت میں شرکت'' زبان سے جواب دینا واجب نہیں۔

استنجاء کن چیزوں سے؟

سوال:- {308} پانی میسر نہ ہوتو کن چیزوں سے طہارت لینا درست ہے؟　　(م،علیم حسیب نظام آبادی)

جواب:- استنجاء ہر ایسی چیز سے درست ہے جو نجاست کو دور کرنے یا جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، بہتر ہے کہ پتھر، مٹی کے ڈھیلے، اینٹ کے ٹکڑے، ریت، لکڑی کے ایسے ٹکڑے — جن سے مضرت کا اندیشہ نہ ہو — سے استنجاء کیا جائے، حسب موقع وضرورت کپڑا اور روئی سے بھی استنجاء کرنے میں مضائقہ نہیں، کھانے کی چیز، لید، ہڈی، جانوروں کے چارے، کوئلہ، چونا، شیشہ اور ایسی چیزوں سے استنجاء کرنا مکروہ ہے جس سے زخمی ہونے کا اندیشہ ہو، اگر کوئی ایسی چیزوں سے استنجاء کر ہی لے تو پاکی حاصل ہوجاتی ہے، لیکن یہ فعل مکروہ ہے،(۲) —— ایسا کاغذ جو لکھنے پڑھنے میں استعمال ہوتا ہے، چاہے سادہ ہو یا لکھا ہوا، اس سے بھی استنجاء کرنا مکروہ ہے،(۳) لیکن آج کل خاص استنجاء اور صفائی ستھرائی ہی کی غرض سے ٹشو پیپر بنائے جاتے ہیں ان سے استنجاء کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

---

(۱) "سمع الأذان و هو يمشي فالأولى أن يقف ساعة و يجيب" (الفتاوى الهندية :۱/۵۷)

(۲) کبیری :ص:۳۸-۳۷۔

(۳) رد المحتار :۱/۵۵۲،باب الأنجاس ، كتاب الطهارة ۔محشی۔

چاک پیس سے استنجاء

سوال:- {309} کیا چاک پیس سے استنجاء کیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ (سید مسیح الدین مجاز، سعید آباد)

جواب:- استنجاء میں جو چیز استعمال کی جاتی ہے وہ نجاست میں آلودہ ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اس شئ کی بے احترامی ہے اور جو شئ شریعت کی نگاہ میں قابل احترام ہو اس کی بے احترامی روا نہیں ہوسکتی، شریعت میں کسی شئ کے قابلِ احترام ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ قابل قیمت ہو، ہر وہ چیز جس کی قیمت لی جاسکتی ہو، ''محترم'' ہے اور اس سے استنجاء مکروہ ہے، اس سے صرف پانی مستثنیٰ ہے، کیونکہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لئے پیدا فرمایا ہے، ان میں سے ایک ناپاک چیز کو پاک کرنا بھی ہے۔(۱)

اب سوال یہ ہے کہ کیا چاک پیس قابلِ احترام اشیاء میں ہے؟ فقہاء کے یہاں اس کی نظیر وہ کاغذ ہے جو کتابت کئے جانے کے لائق ہو، چونکہ یہ حصول علم کا ذریعہ ہے، اس لئے فقہاء نے اس کو قابلِ احترام قرار دیا ہے، اور اس سے استنجاء کرنے کو مکروہ کہا ہے، (۲) چاک پیس بھی تعلیم و تعلم کا ذریعہ ہے، اس لئے اس سے بھی استنجاء کرنا مکروہ ہوگا، البتہ اگر استنجاء کر ہی لیا جائے تو پاکی حاصل ہو جائے گی، کیونکہ اس میں نجاست کو جذب کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

تعویذ والی انگوٹھی پہن کر استنجاء خانہ میں جانا

سوال:- {310} انگوٹھی یا ایسی کوئی چیز پہن کر استنجاء

---

(۱) "لا یجوز بما کتب علیه شیئ من العلم المحترم کالحدیث و الفقه و ما کان آلة کذلك" (رد المحتار:۱/۵۵۲) محشی۔

(۲) حوالہ سابق

خانہ میں جانے کا کیا حکم ہے، جس میں آیت وغیرہ لکھی ہو؟

(فرقان علی)

جواب:- اگر انگوٹھی میں اللہ کا نام ہو، یا کسی آیت وغیرہ کی تختی گلے میں ہو، جو تختی غلاف سے خالی ہو، تو چاہئے کہ استنجاء جاتے وقت ان اشیاء کو باہر نکال کر رکھ دے، یا کم از کم جیب میں رکھ لیں کھلی حالت میں استنجاء خانہ لے جانا تقاضۂ ادب کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

"ویکره أن یدخل في الخلاء ومعه خاتم علیه اسم اللّٰه تعالی، أو شئ من القرآن" (۱)

اگر چھینک یا کھانسی پر پیشاب کے قطرات آجائیں

سوال:- {311} زید کا لڑکا ۱۸؍سال کا ہے، اسے چھینک آنے پر، کھانسی کرنے پر، وزن اٹھانے پر پیشاب کے قطرات نکل آتے ہیں، کیا وہ بغیر غسل کے نماز اور قرآن پڑھ سکتا ہے؟ (علاء الدین، حیدرآباد)

جواب:- پیشاب کی وجہ سے وضوء واجب ہوتا ہے نہ کہ غسل، ایسے لڑکے کو چاہئے کہ نماز سے پہلے یا قرآن چھونے سے پہلے وضوء کرلے، زبانی قرآن پڑھنے کے لئے وضوء کرنا ضروری نہیں، اگر پیشاب کے قطرات ہتھیلی کی گہرائی کے برابر پھیل گئے ہوں، تو کپڑے کے آلودہ حصہ کو بھی دھونا واجب ہوگا، اگر اس سے کم ہو تو واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے۔ (۲)

---

(۱) الفتاوی الهندیة:۱/۵۰۔ محشی۔

(۲) الفتاوی الهندیة:۱/۴۶۔ محشی۔

''پاکی'' سے پاکی

سوال:- {312} آج کل استنجاء کے لئے ایک مخصوص قسم کا جاذب کاغذ ''پاکی'' کے نام سے ملتا ہے، یہ دیا سلائی کے سائز کا ہوتا ہے، اور ایک پاکٹ میں اس کی دس سلائیاں ہوتی ہیں، وہ کاغذ جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اسی طرح بعض حضرات سگریٹ کی ڈبی سے بھی استنجاء کرتے ہیں، کیونکہ اس میں بھی جذب کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، کیا ایسے کاغذ سے استنجاء کرنا درست ہے؟

(محمد حمید الدین، نوید الدین، یاقوت پورہ)

جواب:- استنجاء ہر ایسی چیز سے درست ہے جس میں نجاست کو دور کرنے کی صلاحیت بھی ہو اور وہ قابل احترام بھی نہ ہو، پھر نجاست کو دور کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ نجاست کو بہا لے جائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ نجاست کو جذب کرلے، پانی نجاست کو بہا دیتا ہے، اور مٹی نجاست کو جذب کرلیتی ہے، اسی لئے دونوں چیزوں سے استنجاء کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، کاغذ اگر خاص اسی مقصد کے لئے تیار کیا گیا ہو اور اس پر کچھ لکھا ہوا نہ ہو، تو استنجاء کے لئے اسے استعمال کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وإذا كانت العلة في الأبيض كونه آلة الكتابة كما ذكرناه يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها إذا كان قالعا للنجاسة غير متقدم"(۱)

(۱) رد المحتار:۱/۵۵۲۔

بیت الخلاء اور حمام ایک ساتھ ہوں تو سر ڈھانپنا

سوال:- {313} آج کل بیت الخلاء اور حمام ایک ہی ہوتے ہیں، تو کیا بیت الخلاء میں جائیں تو سر کو ڈھانپ کر جائیں؟ اگر نہانے کے لئے جائیں تو کیا حکم ہوگا؟

(عائشہ مجاہد، نظام آباد)

جواب:- سر ڈھانپنا بیت الخلاء میں داخل ہونے کے آداب میں سے نہیں ہے، بلکہ قضاء حاجت کے آداب میں سے ہے، اگر بیت الخلاء میں حمام تک جانے کے لئے داخل ہو، یا کسی اور ضرورت سے داخل ہو تو سر ڈھانپنے کی ضرورت نہیں۔

پانی کا بیان

پانی میں ناخن یا اس کا پانی

سوال:- {314} کیا غسل کے پانی میں ناخن ڈوبنے سے یا ناخن کا پانی غسل کے پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے، اور غسل درست نہیں ہوتا؟ یہ بھی سنا ہے کہ پیتل کے برتن میں پانی لے کر غسل کرنا درست نہیں، کیا یہ درست ہے؟ (ایکس، وائی، زیڈ، دبیر پورہ)

جواب:- اگر ناخن میں کوئی نجاست لگی ہوئی نہ ہو، تو اس کے ڈوبنے سے یا اس کا پانی گرنے سے ناپاکی پیدا نہیں ہوتی (۱) اور یہ بھی درست نہیں کہ پیتل کے برتن میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہئے، یہ سب غلط فہمیاں ہیں۔

پانی میں مرغی منہ ڈال دے

سوال:- {315} پینے یا پکوان کے پانی میں مرغی یا

(۱) "و الظفر لا یفسد الماء" (الفتاوی الهندیة:۱/۲۵) محشی۔

نجاست کھانے والا کوئی جانور منہ ڈال دے، تو کیا وہ پانی پاک رہے گا؟ (حیدر اعظمی، ناسک)

جواب:- جن جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے، ان کا جھوٹا بھی پاک ہے، اگر کھلی ہوئی مرغی ہو جو نجاست وغیرہ بھی کھاتی رہتی ہو، تو اس کا جھوٹا بالکل ناپاک تو نہیں ہے، لیکن اس میں کراہت ہے، اگر دوسرا پاک صاف پانی ہو تو اس پانی سے احتیاط بہتر ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب نجاست چونچ پر موجود نہ ہو، اگر چونچ میں یقینی طور پر نجاست لگی ہوئی ہو اور پانی کی کم مقدار میں چونچ ڈال دے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، ہاں! مرغی بندھی ہوئی ہو، یا کسی اور وجہ سے یقین ہو کہ اس کی چونچ پر نجاست نہیں ہے، تو پھر اس کا جھوٹا مکروہ نہیں۔

"حتى لو تيقن أنه لا نجاسة على منقارها لا يكره سورها" (۱)

بارش کی چھینٹوں کا حکم

سوال:- {316} بارش کی چھینٹوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ (محمد رئیس الدین، مدھول)

جواب:- بارش کا پانی جو زمین پر جمع ہو جائے اگر اس کی چھینٹیں جسم یا کپڑے پر پڑ جائیں، اور ان کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو، یعنی نجاست کا اثر کپڑے میں ظاہر نہ ہو (اثر سے مراد بو یا رنگ ہے) تو اسے پاک ہی سمجھا جائے گا، اور اس کے ساتھ نماز درست ہوگی، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بعینہ نجاست نظر نہ آئے یعنی نجاست کا اثر واضح نہ ہو، تو اسے ناپاک نہیں سمجھا جائے گا، اور نماز اس کے ساتھ درست ہوگی، گو اتنی مقدار ہو کہ کپڑا اس سے بھر جائے۔

"طين الشوارع عفو وإن ملأ الثوب للضرورة" (۲)

(۱) مراقي الفلاح : ص:۱۹۔
(۲) رد المحتار:۱/۵۳۱-۵۳۰۔

حوض میں پاؤں دھوئے یا غسل کرے

سوال:- {317} اکثر مساجد میں وضو کے پانی کے حوض ہوتے ہیں، کیا پانی کے اندر پاؤں ڈال کر دھونے یا نہانے کے باوجود وہ پانی پاک رہتا ہے؟ اور وضو کے لئے اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟ (ڈاکٹر قطب الدین، جگتیال)

جواب:- عام طور پر مسجدوں میں حوض دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا یعنی مجموعی طور پر سو مربع ہاتھ رکھا جاتا ہے، احناف کے نزدیک یہ مقدار ماء کثیر کی ہے، (۱) اس میں اگر کوئی نجاست بھی گر جائے تو جب تک رنگ، بو، مزہ میں سے کوئی نہ بدل جائے، پانی ناپاک نہیں ہوتا، اس لئے اگر اس کے اندر بھی پاؤں ڈال کر دھولیا گیا، یا غسل کرلیا گیا، تو پانی پاک ہی رہے گا، اور آئندہ بھی اس سے وضو و غسل درست رہے گا، لیکن ایسا کرنا نہیں چاہئے، کیونکہ یہ نظافت اور شائستگی کے خلاف ہے۔

بلیچنگ مخلوط پانی سے وضو و غسل

سوال:- {318} پانی میں بلیچنگ پاؤڈر ملانے سے ایک قسم کی بو پیدا ہوجاتی ہے، اس پانی سے وضو یا غسل کرسکتے ہیں یا نہیں؟ (ابو محمد معین اطہر عثمانی، مدور منڈل)

جواب:- بلوچینگ پاؤڈر میں کوئی ایسی چیز نہیں جو ناپاک ہو، اس لئے جب تک اتنی مقدار میں نہ ملایا جائے کہ جس سے پانی کا سیلان اور بہاؤ متأثر ہوجائے، اس سے وضو و غسل کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۸۱/۱، باب في المياه، كتاب الطهارة ۔ محشی ۔

نجاست
اوراس سے پاکی حاصل کرنے کا بیان

قالین کیسے پاک کی جائے؟

سوال:- {319} ایسی قالین جسے زمین کے ساتھ چسپاں کردیا گیا ہو، اب اسے اٹھایا نہیں جاسکتا، اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ (سید مجیب الدین، گلبرگہ)

جواب:- ایسی چیزیں کہ جن کو نچوڑنا ممکن نہ ہو، ان کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر نجاست ظاہری سطح پر لگی ہے تو نجاست کو دور کردینا، یا اسے تین بار صرف دھودینا کافی ہے اور اگر نجاست اس کے اندر خوب جذب ہوگئی تو اسے تین باراس طرح دھویا جائے کہ ہر بار دھونے کے بعد خشک ہوجائے، خشک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اب اگراس پر ہاتھ رکھا جائے تو ہاتھ بھیگنے نہ پائے۔

"وإن كان مما لا ينعصر كالحصير المتخذ من

البردی و نحوه إن علم أنه لم يتشرب فيه بل أصاب ظاهره يطهر بإزالة العين أو بالغسل ثلاثا بلا عصر وإن علم تشربه ... وعند أبي يوسف ينقع في الماء ثلاثا ويجفف كل مرة ... وبه يفتى "(۱)

ناپاک کپڑے کا دھونا کافی ہے

سوال:- {320} عام طور پر موسم سرما میں سردی کی وجہ سے لوگ سوئیٹر، مفلر اور گرم کپڑے وغیرہ پہن کر سوتے ہیں، بیوی سے صحبت کے وقت صرف تہہ بند یا لنگی کو ناپاکی لگتی ہے، ایسی صورت میں کیا ہمیں پورے پہنے ہوئے کپڑے کو اتار کر دھونا ہوگا یا صرف تہہ بند کو دھونا ہوگا؟

(قاری ایم، ایس خاں، جدید ملک پیٹ، حیدرآباد)

جواب:- ایسی صورت میں جس کپڑے پر نجاست لگ گئی ہے، اس کو دھو دینا کافی ہے، اگر یقینی طور پر معلوم ہو کہ فلاں جگہ نجاست لگی ہے، تو اس جگہ کا دھو دینا بھی کافی ہے، ورنہ اس کپڑے کو مکمل دھو دے، دوسرے کپڑوں کا دھونا ضروری نہیں۔

چائے پتی میں خون کی آمیزش

سوال:- {321} چائے پتی میں خون کی آمیزش کی بابت ایک خبر بہت پہلے شائع ہوئی تھی، صدر انجمن تاجران (جو مسلمان ہیں) نے وضاحتی بیان شائع کرایا تھا کہ خون یا

(۱) رد المحتار :۱/۱۴۵، مکتبہ زکریا۔

گوشت کی ملاوٹ نہیں کی جارہی ہے، حکومت ہند نے اجازت منسوخ کردی ہے اور عوام حسب سابق چائے پتی بلا جھجک استعمال کرسکتے ہیں، اس وضاحتی بیان پر ہم کیسے یقین کریں؟ ممکن ہے کہ یہ بیان صداقت پر مبنی نہ ہو۔

(صاجزادی خیر النساء وحبیب، شیر گیٹ)

جواب:- ایسے امور میں ایک شخص کی خبر کا بھی اعتبار ہے، بلکہ فقہاء نے حلال وحرام گوشت کے سلسلہ میں غیر مسلم خادم کی خبر کو بھی معتبر مانا ہے، اس لئے تاجران پتی کے بیان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، اگر اس کی تکذیب کے لئے کوئی واضح دلیل نہ ہو، شریعت کا مزاج ویسے بھی ان مسائل میں زیادہ تحقیق و تجسس کا نہیں۔

حضرت عمر ﷺ ایک بار ایک قافلہ کے ساتھ نکلے، جس میں حضرت عمرو بن عاص ﷺ بھی تھے، یہ حضرات ایک حوض پر پہنچے، حضرت عمرو بن عاص ﷺ نے حوض کے مالک سے پوچھا کہ کیا اس حوض سے درندے بھی پانی پیتے ہیں؟ حضرت عمر ﷺ نے مالک حوض سے فرمایا کہ تم اس سوال کا جواب ہمیں نہ دو۔ (۱)

مقصد یہ تھا کہ شریعت نے پاکی کے اہتمام کا حکم تو دیا ہے؛ لیکن اس میں بہت زیادہ تجسس کا جس سے نا قابل برداشت تنگی کا دروازہ کھلتا ہو، حکم نہیں دیا ہے۔

چھپکلی یا مکھی وغیرہ گر جائے

سوال:- {322} (الف) اگر جسم پر چھپکلی وغیرہ گر جائے، تو کیا غسل کرنا ضروری ہے؟ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ چھپکلی گر جائے تو پانی میں سونا ڈال کر غسل کرنا چاہئے، یا

---

(۱) المؤطأ للإمام مالك: ص:۲٦۔

سونے کی چیز اس جگہ رگڑنا چاہئے۔

(ب) اگر کھانے کی اشیاء میں مکھی، جھنگر گر جائے تو سورۂ قریش پھونکنے سے کیا زہر زائل ہو جاتا ہے؟

(سلطانہ یاسمین، بی بی کا چشمہ)

جواب:- (الف) جسم پر چھپکلی کے گرنے سے غسل کرنا یا وہاں پر سونا یا کسی اور چیز سے رگڑنا شرعاً واجب نہیں، کیونکہ کسی جگہ کا دھونا اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ کوئی ناپاک چیز لگ جائے، اور گرگٹ جو زندہ ہو، اس کا جسم مس کرنے سے بدن یا کپڑا ناپاک نہیں ہوتا، —— البتہ ممکن ہے کہ طبی اعتبار سے نقصان کا اندیشہ ہو، اور کسی خاص چیز کے لگانے سے وہ نقصان زائل ہوتا ہو، اس سلسلہ میں اطباء سے مشورہ کرنا مناسب ہوگا۔

(ب) حدیث شریف میں یہ بات آئی ہے کہ مکھی میں ایک طرح کا زہر ہوتا ہے، اور اسی میں اس کا علاج بھی ہوتا ہے، اس لئے اگر مکھی کسی چیز میں گر جائے تو اسے ڈبو کر نکال لینا چاہئے،(۱) جدید میڈیکل تحقیق سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے،(۲) رہ گیا مکھی اور جھنگر کے گرنے پر سورۂ قریش کا پڑھ کر پھونکنا، تو میرے علم کے مطابق کسی حدیث میں یہ بات وارد نہیں ہوئی ہے، بہتر ہے کہ اس کو استعمال کرتے ہوئے "بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ" پڑھ لے، امید ہے کہ اس کی وجہ سے وہ نقصان سے محفوظ رہے گا۔

بیت الخلاء کی مکھیوں کا کپڑوں پر بیٹھنا

سوال:- {323} طہارت کے لئے بیت الخلاء میں داخل ہوں اور وہاں پر موجود مچھر اور مکھی کپڑوں پر بیٹھ جائیں

---

(۱) سنن ابن ماجۃ ـ حدیث نمبر:۳۵۰۴، أبواب الطب ـ محشی۔

(۲) دیکھئے : سنتِ نبوی اور جدید سائنس : ص: ۲۸۰ ـ محشی۔

تو کیا کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں؟ کیونکہ مچھر یا مکھی گندگی پر بیٹھ کر کپڑوں پر بیٹھتے ہیں اور اس سے فطری طور پر کراہت ہوتی ہے، کیا ان کپڑوں سے نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

(محمد افسر، کریم نگر)

جواب:- نجاست وطہارت کے بارے میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ محض شبہہ اور احتمال کی وجہ سے کسی چیز کو ناپاک قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے جب تک کپڑے پر نجاست نظر نہیں آئے، کپڑا پاک ہے، پھر اگر نجاست نظر بھی آئی تو یوں تو صفائی ستھرائی کا تقاضہ یہی ہے کہ آدمی جلد سے جلد اسے صاف کرلے، لیکن جہاں تک نماز کے درست ہونے اور نہ ہونے کی بات ہے، اس سلسلے میں تفصیل ہے، اگر پیشاب پاخانہ ہتھیلی کے گہرے حصہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو اسے دھونا واجب ہے اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست نہیں، اور اس سے کم مقدار میں ہے تو اس کے رہتے ہوئے بھی نماز درست ہوجاتی ہے۔(۱)

پیشاب لگ جائے؟

سوال:- {324} اگر جسم کے کسی حصہ میں پیشاب کے قطرے لگ جائیں اور جب ہی اسے دھو دیا جائے تو کیا اس کی طہارت باقی رہے گی؟ (محمد وحید، حیدرآباد)

جواب:- پیشاب کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؛ لیکن اگر جسم کے کسی حصہ میں پیشاب صرف لگ جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ اس جگہ کو دھولینا چاہئے، دھونے کے بعد وہ حصہ بھی پاک ہوجائے گا۔

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۴۵۔ "سئل عمر عن القليل من النجاسة في الثوب فقال : إذا كان مثل ظفري" (موسوعة فقه عمر بن الخطاب :ص:۲۳۲)محشی۔

"فإن أصابه بول فيبس لم يجز حتى يغسله"(۱)

اگر پیشاب کی مقدار ہتھیلی کے گہرے حصے کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو جب تک دھو نہ لے نماز درست نہیں ہوگی اور اگر اس سے کم ہے تو گو وہ حصہ ناپاک ہوگا، لیکن نجاست کی مقدار کے کم ہونے کی وجہ سے نماز درست ہوجائے گی۔(۲)

گوبر سے لیپی ہوئی زمین پر تر کپڑا

سوال:- {325} کیا گوبر سے لیپی ہوئی زمین پر تر کپڑا رکھ دینے سے کپڑا ناپاک ہوجائے گا؟

(عبدالرحیم، سکندرآباد)

جواب:- زمین خشک ہوجائے، پھر اس پر تر کپڑا رکھ دیا جائے تو اگر کپڑے پر نجاست کے اثرات ظاہر ہوجائیں تب تو وہ ناپاک ہوں گے اور اگر نجاست کا اثر اس میں منتقل نہ ہوا ہو تو کپڑا پاک رہے گا، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وإذا جعل السرقين في الطين، فطين به السقف فيبس فوضع عليه منديل مبلول لا يتنجس "(۳)

---

(۱) الهداية :۱/۲۳۳۔

(۲) "قال محمد" في الآثار : " أخبرنا أبو حنيفة" عن حماد" عن إبراهيم" قال : إذا كان الدم قدر الدرهم و البول وغيره فأعد صلاتك ، و إن كان أقل من قدر الدرهم فأمض على صلاتك " ص:۲۸)فإن قلت : هذا إنما يدل على عفو الأقل عن الدرهم دون قدر الدرهم و مذهب الحنفية أو قدر الدرهم عفو أيضا قلت : أحاديث الإكتفاء بالأحجار في الاستنجاء تفيد كون قدر الدرهم عفو : لأن موضع الاستنجاء مقدر به " (إعلاء السنن :۱/۳۰۵،ط: مكتبة اشرفية ، ديوبند) مرتب۔

(۳) الفتاوى الهندية :۱/۴۷۔

''اگر گوبر کو گیلی مٹی میں ڈالا جائے، پھر اسے چھت میں لگایا
جائے، پھر وہ خشک ہو جانے کے بعد اس پر تر رومال رکھ دیا
جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا''

چمڑے کی ٹوپی اور بیلٹ پاک ہے یا ناپاک؟

سوال:- {326} جانور کے چمڑے سے بنی ہوئی ٹوپی
یا بیلٹ پہن کر نماز پڑھنا درست ہے؟ جب کہ اس جانور کے
حلال نہ ہونے کا شک ہو؟ (فیض النساء بیگم، مصری گنج)

جواب:- چمڑے دو صورتوں میں پاک ہو جاتے ہیں اور ان کا استعمال درست ہوتا ہے، ایک تو ان جانوروں کے چمڑے جنہیں شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو، دوسرے وہ چمڑے جو ہوں تو مردار کے لیکن اس کو دباغت دیا گیا ہو، یعنی نمک، کیمیکل یا کسی اور چیز کا استعمال کر کے اس کی آلائش دور کر دی گئی ہو، ان دونوں صورتوں میں چمڑا پاک ہو جاتا ہے اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال جائز ہو جاتا ہے، اس سے صرف خنزیر مستثنیٰ ہے کہ خنزیر کا چمڑا بہر حال ناپاک ہی رہے گا، اس کے پاک ہونے کی کوئی صورت نہیں، (۱) لہذا چمڑے کی جو چیزیں بازار میں دستیاب ہیں، جب تک ان کے بارے میں کم سے کم غالب گمان کے درجہ میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ خنزیر کے چمڑے سے بنی ہوئی ہیں، وہ پاک سمجھی جائیں گی، کیونکہ دباغت کے بغیر چمڑے سے ٹوپی، بیلٹ یا اس طرح کی کوئی اور چیز بنائی نہیں جاسکتی اور یوں بھی محض شک کی بنا پر کسی چیز کے ناپاک ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ اس پر کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

نیا گھڑا پاک کرنے کا طریقہ

سوال:- {327} اگر نئے گھڑے میں پیشاب لگ

(۱) جامع المسانید و السنن، حدیث نمبر: ۱۴۵۵۔ محشی۔

جائے اور جذب ہو جائے تو کیا اسے پاک کیا جاسکتا ہے؟ اور پاک کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ (محمد مشتاق، اڑیسہ)

جواب:- ایسے گھڑے کو تین بار دھویا جائے اور ہر بار دھونے کے بعد دوسری دفعہ دھونے سے پہلے اتنا وقفہ دیا جائے کہ گھڑے سے پانی کے قطرات کا ٹپکنا موقوف ہو جائے، چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

"والفخار الجديد يغسل ثلاثا بانقطاع تقاطره في كل منها" (۱)

ناپاکی کا دھبہ صاف نہ ہو

سوال:- {328} کسی کپڑے پر ناپاک دھبہ ہو، جو دھونے کے باوجود صاف نہ ہو، تو کیا ان کپڑوں میں نماز جائز ہے؟ (رابعہ سلطانہ، ٹولی چوکی)

جواب:- اگر ایسی نجاست ہو کہ اس کا اثر اور دھبہ بآسانی دور کیا جاسکتا ہو، تو اس دھبہ کا دور کرنا ضروری ہے اور اگر پانی کے علاوہ کسی اور چیز کی مدد لئے بغیر دھبہ دور کیا جانا ممکن نہ ہو جیسے خون، تو اس دھبہ کا دور کرنا ضروری نہیں۔

"وإن كانت شيئا لا يزول اثره الا بمشقة بان يحتاج في ازالته إلى شيئ آخر سوى الماء كالصابون لا يكلف بازالته" (۲)

(۱) طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۸۶۔
(۲) الفتاوی الهندية: ۴۲/۱۔

جائے نماز پر بکری پیشاب کردے

سوال:- {329} جائے نماز مسجد پر دو ماہ سے کم عمر کے بکری کے بچہ نے پیشاب کیا، اس وقت ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے، نماز پڑھنے والے صاحب کا کہنا ہے کہ یہ ایک دو دن قبل کا واقعہ ہے، ہم نے اس جانماز کو اور جائے نماز نکال کر اس کی جگہ کو دھودیا ہے، اس سلسلہ میں بتائیں کہ کیا بکری کے بچہ کا پیشاب ناپاک ہے؟ سو جس نے اس جائے نماز پر نماز پڑھی کیا اس کی نماز مقبول ہوئی؟

(محمد لطیف الدین، سنگاریڈی)

جواب:- بکری کا پیشاب بھی ناپاک ہے، خواہ دو ماہ ہی کی کیوں نہ ہو، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مطلق پیشاب سے بچنے کا حکم دیا ہے، (۱) حرام اور حلال جانوروں میں صرف اس قدر فرق ہے کہ حرام جانوروں کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے، اور حلال جانور جس میں بکری بھی داخل ہے، کا پیشاب امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ یعنی کمتر درجہ کی نجاست ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔ " و بول ما یؤکل لحمه ... مخفف " (۲) —— پیشاب خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتا، ایسی نجاست کو فقہ کی اصطلاح میں "نجاست غیر مرئیہ" کہتے ہیں، یعنی نہ دیکھی جانے والی ناپاکی۔ اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں نجاست لگی ہو، اسے تین بار دھو دیا جائے " و إن كانت غير مرئيه ، يغسلها ثلاث مرات " (۳)

---

(۱) " عن أبي أمامة عن النبي ﷺ قال : " اتقوا البول فإنه أول يحاسب به العبد في القبر " (الترغيب و الترهيب :۱۴۱) محشی۔

(۲) الفتاوى الهندية :۱/۴۶۔

(۳) الفتاوى الهندية :۱/۴۲۔

لہذا اگر جانماز کو تین بار دھو دیا گیا تو جانماز پاک ہوگئی، اس کے بعد اس پر جو نمازیں پڑھی گئیں، وہ درست ہیں، جہاں تک اس زمین کی بات ہے تو اس پر پانی بہا دینا بھی کافی ہے، بلکہ زمین کا خشک ہو جانا بھی کافی ہے، بشرطیکہ اس جگہ نجاست کی بو باقی نہ رہے، ہاں! جن لوگوں نے جانماز دھلنے سے پہلے نماز ادا کی ہے اور بکری کا پیشاب جائے نماز کے اس حصہ پر رہا ہو جہاں اعضاء سجدہ رکھے جاتے ہیں، تو ان کو نماز لوٹا لینی چاہئے، جن حضرات کو علم نہ ہونے پائے، امید ہے کہ خدائے کریم ان کی اس نماز کو قبول فرمالیں گے۔

پلاسٹک کا مصلی

سوال:- {330} آج کل پلاسٹک کی جائے نماز کا رواج ہوگیا ہے، خاص کر سفر میں ایسے مصلی استعمال کئے جاتے ہیں، اگر ایسا مصلی ایسی جگہ پر بچھا دیا جائے، جہاں نجاست ہو تو کیا اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (عبدالقادر، کلکتہ)

جواب:- نماز کے لئے ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جو پاک بھی ہو اور صاف بھی، اور طبیعت کو وہاں نماز ادا کرنے میں پورا انشراح ہو، اس سے نماز میں خشوع وخضوع کی کیفیت باقی رہتی ہے، جب قلب کو اطمینان نہ ہو تو عبادت بھی بے لطف ہو جاتی ہے، --- تاہم اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر نجاست خشک ہو تب تو اس مصلی پر نماز پڑھنا درست ہے، اگر مرطوب نجاست ہو اور نجاست کا اثر نیچے کی سطح سے اوپر تک نہیں پہنچ پائے اور اوپری سطح پر نجاست کی بو محسوس نہیں کی جائے تو اس پر نماز ادا کی جاسکتی ہے، فقہاء نے ایسے موٹے کپڑے پر نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے، جس کو مرطوب نجاست پر ڈال دیا جایا جائے اور کپڑے کے اوپر بو محسوس نہ ہو۔(۱)

(۱) طحطاوی علی مراقی الفلاح :ص:۱۱۲۔

اگر کپڑے میں نجاست لگ جائے؟

سوال:- {331} میری عمر۲۲؍ سال ہے میں نے ایک خواب دیکھا، بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ احتلام ہونے والا ہے، عین اسی وقت آنکھ کھلی، دیکھا کہ کپڑا صاف ہے، لیکن نکلتی ہوئی چیز رک جانے کی وجہ سے صرف آدھا قطرہ تری معلوم ہوئی، جو صرف جانگھیہ پر لگی ہوئی تھی، تو کیا اسی جانگھیہ پر پہنا ہوا شرٹ اور پینٹ کو غسل کے بعد پہن سکتے ہیں اور ان کپڑوں میں نماز ہوسکتی ہے؟ (محمد رحیم، ہری باؤلی)

جواب:- احتلام کی جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں غسل کرنا تو واجب ہے، کیونکہ غسل واجب ہونے کے لئے مادۂ منویہ کی کسی خاص مقدار کا نکلنا ضروری نہیں، تھوڑی سی مقدار بھی نکلے تو غسل واجب ہوگا، (۱) البتہ ایسی صورت میں جو نجاست نکلتی ہے، وہ جس کپڑے کے جس حصہ پر لگے اس کا دھولینا کافی ہے، پورے کپڑے کا دھونا ضروری نہیں، اسی لئے جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اس میں جانگھیہ کو دھولینا کافی ہے، یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ جس کپڑے میں نجاست لگ جاتی، تو کپڑے کے اس حصہ کو دھوکر اس میں نماز ادا فرمالیتے۔ (۲) پھر اگر نجاست ہتھیلی کی گہرائی سے کم ہو، تو نہ دھونے کے باوجود اس میں نماز ادا ہوجائے گی۔

---

(۱) " المعاني الموجبة للغسل إنزال المني على وجه الدفق ، و الشهوة من الرجل و المرأة حالة النوم و اليقظة " (الهداية:۱/۱۴،فصل في الغسل)محشی۔

(۲) " عن سليمان بن يسار قال : سئلت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن المني يصيب الثوب ؟ فقالت : كنت أغسله من ثوب رسول الله ﷺ فيخرج إلى الصلاة و اثر الغسل في ثوبه يعق الماء " (صحيح البخاري :حدیث نمبر:۲۳۰،باب غسل المني و فركه و غسل ما يصيب من المرأة) محشی۔

پیشاب کے قطرات سے بچنے کے لئے روئی کا استعمال

سوال:- {332} زید کو پیشاب کے قطرات آنے کا عارضہ ہے، اگر وہ پیشاب کے مقام پر روئی کا پھاہا رکھ کر پیشاب کو روک دے، تو اس کا وضوء باقی رہے گا یا نہیں؟ اور اگر روئی پر پیشاب کی تری آجائے تو کیا حکم ہے؟

(عبدالرشید، نظام آباد)

جواب:- اگر روئی رکھنے کی وجہ سے پیشاب تھم جائے تو وضوء نہیں ٹوٹے گا، اگر روئی میں تری آگئی، تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر روئی کا اندرونی حصہ تر ہوگیا جو جسم کے اندر ہے، تو وضوء نہیں ٹوٹے گا، اور روئی کا بیرونی حصہ جو جسم کے اوپری طرف ہے، تو وضوء ٹوٹ جائے گا۔

" رجل حشى إحليله لكي يخرج منه شيئ … عن أبي يوسف" لا وضوء عليه حتى يظهر … إذا ابتل ما ظهر هو حدث وان ابتلّ الداخل ليس بحدث ." (١)

* * * * *

---

(١) خلاصة الفتاوى :١/١٧۔

تیمّم کا بیان

جماعت پانے کے لئے تیمّم

سوال:- {333} موجودہ حج کیمپ میں مردانی وزنانی حمام، بیت الخلاء اور وضو کے نلوں کی تعداد بہت کم ہے، ایسی صورت میں حضرات و خواتین تیمّم کر کے شریک جماعت ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ وضو کرنے تک جماعت کے چھوٹ جانے کا قوی خدشہ رہتا ہے، بلکہ بہت سارے عازمین اور ان کے متعلقین کی جماعتیں چھوٹ بھی چکی ہیں۔

(حافظہ سمیہ سلطانہ، سعید آباد)

جواب:- محض جماعت کے چھوٹنے کے اندیشہ سے وضو کے بجائے تیمّم پر اکتفاء کر لینا درست نہیں، حج کیمپ چونکہ مسجد نہیں، بلکہ عارضی طور پر عازمین حج کی اقامت گاہ ہے، اس لئے یہاں ویسے بھی ایک سے زیادہ جماعتیں کی جا سکتی ہیں، دوسری جماعت کی کراہت مسجد میں ہے۔

مجبوری کی وجہ سے فجر کی نماز کے لیے تیمّم

سوال:- {334} رات میں مجھے احتلام ہوگیا، جس کی وجہ سے غسل فرض ہوگیا، صبح کسی مجبوری کے تحت غسل نہیں کر پایا، تو کیا ایسی صورت میں فجر کی نماز کے لئے تیمّم کافی ہے؟ اور بعد کو نماز کی قضاء کرنی پڑے گی؟　　(ابن جلیل احمد، ناندیڑ)

جواب:- اگر گرم پانی میسر نہ ہو یا گرم پانی میسر ہو، لیکن معالج نے اس کے استعمال سے منع کیا ہو تو یہ مجبوری معتبر ہوگی، اور ایسی صورت میں تیمّم کر کے نماز ادا کر لی جائے، بعد کو قضاء کرنے کی ضرورت نہیں۔

" أو المحدث إن اغتسل أو توضأ أن يقتله البرد أو يمرضه تيمم " (۱)

البتہ اگر دھوپ نکلنے کے بعد غسل کرنے پر قادر ہو جائے تو غسل کرنا ضروری ہوگا، تیمّم پر اکتفاء کرنا درست نہیں ہوگا؛ کیوں کہ جب وہ پانی استعمال کرنے پر قادر ہوگیا، تو تیمّم جاتا رہا، " و ناقضه ناقض الأصل ... و قدرة ماء " (۲)

گٹھیا کی وجہ سے تیمّم

سوال:- {335} میں جوڑوں کے درد اور گٹھیا کا مریض ہوں، ظہر میں وضو کی تو تین اور کبھی چاروں نمازیں پڑھ لیتی ہوں یا کبھی حاجت کے تحت پھر وضو کر لیتی ہوں، مگر فجر میں بارش اور سردیوں میں ڈر کر وضو نہیں کرتی، کیونکہ سرد

(۱) البحر الرائق :۱/۲۴۶۔

(۲) الدر المختار مع الرد:۱/۴۲۷۔

موسم میں میرے ہاتھ کہنیوں تک سُن ہو جاتے ہیں، یہ اکثر رات میں ہوتا ہے، لیکن گرما میں فجر میں بھی وضو کرتی ہوں تو میری نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟		(ایک بہن، بورابنڈہ)

جواب:- مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں اپنے معالج یا کسی بھی مستند ڈاکٹر سے مشورہ کرلیں، اگر ڈاکٹر وضو کرنے سے منع کرتے ہیں، یا آپ کا تجربہ ہو کہ وضو کرنے سے تکلیف بڑھ جاتی ہے، تو تیمم کرکے نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں، شریعت کا مقصد انسان کو حرج میں مبتلاء کرنا نہیں ہے، اس لئے حقیقی دشواریوں کی احکامِ شریعت میں قدم قدم پر رعایت ہے، فقہاء نے اس صورت میں تیمم کی صراحۃً اجازت دی ہے، مشہور حنفی فقیہ علامہ حلبیؒ فرماتے ہیں:

"إن المريض إذا خاف زيادة المرض بسبب الوضوء أو التحرك أو بإستعمال الماء أو خاف ببطاء البرء من المرض بسبب ذالك جاز له التيمم ، ويعرف ذالك إما بغلبة الظن عن امارة أو بتجربة أو باخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق"(۱)

''وضوء کرنے ، یا حرکت کرنے ، یا پانی کے استعمال کی وجہ سے مریض کو اگر مرض کے بڑھ جانے ، یا اس کی وجہ سے مرض کے جڑ پکڑ لینے کا خطرہ ہو، تو اس کے لیے تیمم جائز ہے، اور اسے کسی علامت یا تجربہ کے ذریعہ غلبہ ظن سے یا کسی مسلمان ماہر ڈاکٹر جس کا فسق ظاہر نہ ہو، کے بتانے سے جانا جا سکتا ہے''

---

(۱) کبیری:ص:۶۳۔

حیض ونفاس کا بیان

حیض کی حالت میں قرآن کی تدریس

سوال:- {336} میں چھوٹے بچوں کو قرآن پڑھاتی ہوں، حیض کے دنوں میں لکڑی کے سہارے تعلیم دیتی ہوں، احتیاط کے باوجود بچے میرے ہاتھ یا لکڑی کو پارہ لگادیتے ہیں، تو کیا یہ گناہ ہے اور اس کے لئے کوئی کفارہ واجب ہوگا؟

(س،ب،ع)

جواب:- آپ اس طرح بچوں کو حالتِ حیض میں پڑھا سکتی ہیں کہ پوری آیت ایک ساتھ نہ پڑھیں، بلکہ ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر پڑھا کریں، اگر ضرورت ہو تو نصف آیت بھی پڑھنے کی گنجائش ہے:

"وإذا حاضت المعلمة ينبغي لها أن تعلم الصبيان كلمة كلمة و تقطع بين الكلمتين على قول الكرخي" وعلى قول الطحاوي نصف آية"(۱)

(۱) البحر الرائق:۱/۲۰۰،باب الحيض ،كتاب الطهارة ـ

یہ بات مناسب ہے کہ آپ لکڑی یا قلم کے سہارے الفاظِ قرآنی کی نشاندہی کریں اور خود ہاتھ نہ لگائیں، اگر آپ کے ارادہ کے بغیر بچوں نے آپ کے جسم سے قرآن لگا دیا، تو اس میں آپ پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ اس کی وجہ سے کوئی کفارہ واجب ہے، جہاں تک کپڑے میں لگانے کی بات ہے تو اس میں تو یوں بھی کچھ حرج نہیں، آپ خود بھی بوقت ضرورت اپنے کپڑوں سے قرآن مجید کے اوراق کو چھوسکتی ہیں۔(۱)

حیض کی حالت میں مسجد سے گزرنا

سوال:- {337} ہم لوگ ایک ایسی مسجد کے روم میں رہتے ہیں جس کا دروازہ مسجد کے اندر ہے، مسجد کے اندر ہی سے آمد و رفت ہوتی ہے، میں بیوی کے ساتھ رہتا ہوں، تو حالتِ حیض میں بہ حالت مجبوری وہ مسجد کے اندر سے روم میں جا سکتی ہیں یا نہیں؟ واضح ہو کہ میں اس مسجد کا امام ہوں اور مسجد والوں نے ہمیں رہائش کے لئے یہی روم دیا ہے۔

(عابدہ عبداللہ، شاہین نگر)

جواب:- حالتِ حیض میں مسجد میں داخل ہونا، یا مسجد سے گزرنا جائز نہیں، ''أفاد منع الدخول ولو للمرور ''(۲) اس لئے آپ کو مسجد کے ذمہ داروں سے خواہش کرنی چاہئے کہ یا تو آپ کے لئے کسی اور مکان کا انتظام کریں یا ایسا راستہ نکالیں جو مسجد کے اندر سے نہیں گزرتا ہو۔

---

(۱) ''ولا بأس أن يمسها بالكم ''(الفتاوى الهندية :۱/۳۹،الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس)محشی۔

(۲) رد المحتار:۱/۴۸۶،باب الحيض ، كتاب الطهارة ۔

معمول سے کم یا زیادہ ماہواری

سوال:- {338} عورت کو ماہواری کی مدت سے زیادہ خون آ جائے تو کیا اس حالت میں وہ روزہ رکھ سکتی ہے؟ اور نماز پڑھ سکتی ہے؟ اسی طرح اگر عادت سے کم دنوں میں خون بند ہو جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہوگا؟

(محمد عبدالرحمٰن، حیدر گوڑہ)

جواب:- اگر مقررہ عادت سے زیادہ ایام تک خون آئے، لیکن دس دنوں کے اندر ہی خون کا سلسلہ بند ہو جائے، تو جب تک خون آتا رہا ہے وہ پوری مدت حیض کی سمجھی جائے گی، ہاں اگر دس دنوں بعد بھی خون آتا رہا، تو مقررہ عادت تک حیض کا حکم ہوگا، اور اس کے بعد بیماری کا خون سمجھا جائے گا، لہٰذا بقیہ دنوں کی نماز کی قضا واجب ہوگی، ——— اگر مدت سے کم میں خون بند ہو گیا، اور پھر خون نہیں آیا، تو اگر یہ خون کی بندش تین دنوں کے بعد ہوئی ہے، تو جب تک خون آیا وہ زمانہ حیض ہے، اور اس کے بعد کا زمانہ پاکی کا ہے، اور اگر تین دنوں کے اندر ہی خون بند ہو گیا اور پھر خون نہیں آیا تو یہ استحاضہ اور بیماری کا خون تصور کیا جائے گا، فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔(۱)

ایام عادت سے زیادہ خون آئے تو بیوی سے قربت؟

سوال:- {339} (الف) اگر عورت کے ماہواری کے دن عادت سے زیادہ ہو جائیں تو کیا اس حالت میں شوہر اس

---

(۱) " و أما صاحبة العادة في الحيض إذا كانت عادتها عشرة ، فزاد الدم عليها ، فالزيادة استحاضة ، و إن كانت عادتها خمسة ، فالزيادة عليها حيض إلى تمام العشرة ، لما ذكرنا في المبتدأة بالحيض ، و إن جاوز العشرة ، فعادتها حيض ، و مازاد عليها استحاضة " (بدائع الصنائع:۱/۱۵۸،باب الحيض ، كتاب الطهارة) محشی۔

کے ساتھ تعلق قائم کرسکتا ہے؟

(ب) اگر مقررہ مدت سے کم میں خون رک جائے اور عورت غسل کرلے تو کیا شوہر اس سے مل سکتا ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- (الف) اگر ایام، عادت سے بڑھ جائیں لیکن ابھی دس دن نہ پورے ہوئے ہوں، تو یہ زیادہ ایام بھی حیض ہی کے ہیں، اگر خون آتے ہوئے عورت غسل کرلے پھر بھی اس حالت میں اس سے تعلق قائم کرنا درست نہیں۔

(ب) اگر ایام عادت سے کم میں خون بند ہوجائے اور عورت غسل کرلے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ زمانۂ عادت پوری ہونے تک احتیاط کے پہلو پر عمل کرے، یعنی نماز ادا کرے، روزہ رکھے، لیکن میاں بیوی کے تعلق سے اجتناب برتے، جب ایام عادت پورے ہوجائیں تو اب میاں بیوی کے تعلق میں کوئی کراہت نہیں۔

"لو انقطع دمها دون عادتها يكره قربانها، و إن اغتسلت حتى يمضي عادتها و عليها أن تصلي و تصوم احتياطا"(۱)

حیض میں جماع سے کفارہ

سوال:- {340} جماع فی الحیض کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے مرتکب پر کوئی کفارہ بھی ہے؟ (محمد حسن علی مظاہری)

جواب:- جماع حیض میں کتاب اللہ کی صریح نہی کی بنا پر حرام ہے،(۲) ائمہ اربعہ

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۳۹/۱، الفصل الرابع في أحكام الحيض و النفاس ۔

(۲) ﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ (البقرة : ۲۲۲) محشی۔

کے نزدیک کوئی کفارہ واجب نہیں، (۱) بعض روایات میں ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کا حکم ہے، (۲) یہ عام فقہاء کے نزدیک تہدید اور تورع پر محمول ہے، اصحاب ظواہر واجب کہتے ہیں اور امام احمدؒ کی طرف بھی ایک قول اس طرح کا منسوب ہے۔ (۳)

حالتِ حیض میں آیتِ کریمہ کی تلاوت

سوال:- {341} ایک بالغہ لڑکی کے لئے کیا ماہواری کے دنوں میں آیتِ کریمہ کا پڑھنا یا قرآن شریف کی تلاوت کرنا جائز ہے؟ (ایک بہن، عادل آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے حیض اور حالتِ جنابت میں قرآن مجید کی تلاوت سے منع فرمایا ہے: "لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن" (۴) اس لئے فقہاء نے حالتِ حیض میں نماز، روزہ اور قرآن کی تلاوت کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، (۵) پس

---

(۱) "فقال مالك و الشافعي وأبوحنيفة يستغفر الله ولا شئ عليه، وقال أحمد يتصدق بدينار أو نصف دينار" (بداية المجتهد :۱/۴۳)

(۲) "عن النبي ﷺ في الرجل يأتي امرأته و هي حائض، فيتصدق بدينار أو بنصف دينار، عن عبد الله بن عباس ؓ، (سنن نسائي ،حدیث نمبر:۲۹۰، باب ما يجب على من أتى حليلة في حال حيضتها بعد علمه بنهي الله عز و جل عن وطئها، كتاب الطهارة) محشی۔

(۳) "فقال مالك و الشافعي وأبوحنيفة يستغفر الله ولا شئ عليه، وقال أحمد يتصدق بدينار أو نصف دينار" (بداية المجتهد :۱/۴۳)

(۴) الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۱۳۱، عن عبد الله بن عمر ؓ ،باب ما جاء فی الجنب و الحائض أنهما لا يقرأن القران، أبواب الطهارة ۔

(۵) بدائع الصنائع :۱/۱۶۳۔

"و أما حكم الحيض و النفاس، فمنع جواز الصلاة، و الصوم، و قراءة القرآن" (بدائع الصنائع :۱/۱۶۳، باب الحيض و النفاس، كتاب الطهارة) محشی۔

اس حالت میں قرآن مجید کی ایک یا اس سے زیادہ آیات کا تلاوت کی نیت سے پڑھنا درست نہیں، ہاں اگر قرآن مجید میں کوئی دعا منقول ہو، اور اسے دعا کے ارادہ سے پڑھا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ اس صورت میں دعا مقصود ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن۔(۱)

تین دنوں کے بعد خون نہ آئے

سوال:- {342} حیض تین دن آتا رہا، اور تیسرے دن کے بعد بند ہوگیا، چوتھے دن غسل کرکے نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں یا پانچ، سات دنوں تک حیض شمار کیے جائیں گے؟

(سیدہ افشاں سلطانہ، ملے پلی)

جواب:- حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے، اگر تین دن پر خون بالکل بند ہوجائے اور سفید مادہ آنے لگے تو اب پاکی حاصل ہوگئی، نماز ادا کرنی چاہئے، ہاں، اگر کسی عورت کی عادت ہی پانچ یا سات دن کی بندھی ہوئی ہے، کسی ماہ میں اتفاق سے تین ہی دن خون آیا، تو ایسی صورت میں اپنی عادت کے مطابق پانچ یا سات دن تک انتظار کرے، اگر تین دن کے بعد پھر خون آجائے تو حسب عادت اس کے پانچ یا سات دن حیض کے سمجھے جائیں گے، اور اگر تین دنوں کے بعد پھر خون نہیں آیا، تو تین دن حیض کے ہیں، باقی دن پاکی کے، ان باقی دنوں کی نماز کی قضاء کرلینی چاہئے۔

غسل کے بعد خون آئے

سوال:- {343} (الف) اگر کسی عورت کو غسل حیض

---

(۱) "ولو أنه قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء أو شيئا من الآيات التي فيها معنى الدعاء و لم يرد به القراءة فلا بأس به "(البحر الرائق :۱/۱۹۹، باب الحيض ، كتاب الطهارة)محشی۔

کے بارہ دن بعد خون آئے تو کیا یہ خون حیض کا ہوگا؟ اور اگر حیض کا سمجھ کر نماز نہیں پڑھی، لیکن تین دن تین رات سے پہلے خون موقوف ہوگیا، تو جو نمازیں چھوڑ دی ہیں، کیا ان کی قضاء لازم ہوگی؟

(ب) یہ بھی بتائیے کہ دو حیض کے درمیان پاک رہنے کی کم سے کم مدت کیا ہے؟ (.........قدیم ملک پیٹ)

جواب:- (الف) اگر حیض کا خون تین دن یا اس سے زیادہ آچکا تھا اور غسل کرنے کے بارہ دن بعد پھر خون کا سلسلہ شروع ہوا، تو یہ استحاضہ اور بیماری کا خون ہے نہ کہ حیض کا، اس میں نماز نہیں چھوڑنی چاہیے، اگر خون کا تسلسل ہو تو ہر نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد تازہ وضوء کرلیا جائے، اور اسی حالت میں نماز ادا کی جائے۔

(ب) دو حیض کے درمیان پاک رہنے کی مدت کم سے کم پندرہ دن ہے۔ ’’أقل الطهر خمسة عشر يوما ولا غاية لأكثره‘‘(۱) —— لہذا پندرہ دن پورے ہونے سے پہلے جو خون آئے وہ حیض نہیں ہے۔

حالتِ حیض میں دینی رسائل کا مطالعہ

سوال:- {344} کیا عورت حالتِ حیض میں یا مرد یا عورت حالتِ جنابت میں ’’پاکیزہ آنچل‘‘ اور ’’ہدیٰ‘‘ جیسے رسائل کا مطالعہ کرسکتے ہیں؟ کیونکہ ان کتابوں میں احادیث کی روشنی میں دینی مسائل اور عربی زبان میں بزرگانِ دین کے وظائف شائع ہوتے ہیں۔ (محمد افسر، کریم نگر)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۳۷۔

جواب: - جس پر غسل یا وضو واجب ہو، اس کے لئے قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں، البتہ کوئی ایسی کتاب جس میں زیادہ حصہ دوسرے مضامین یا دعاؤں وغیرہ کا ہو اور کچھ آیات اور قرآنی دعائیں بھی لکھی ہوئی ہوں، ان کو بغیر غسل اور بغیر وضوء کے چھونا جائز ہے، البتہ جہاں پر آیت لکھی ہوئی ہو، خاص اس جگہ ہاتھ نہیں لگانا چاہئے اور نہ اسے پڑھنا چاہئے، قرآن کے علاوہ دوسرے دینی مضامین اور کتابیں اس حالت میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ناپاکی کی حالت میں دینی کتابوں کو ہاتھ لگانا

سوال: - {345} میں ایک دینی جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے جاتی ہوں، جہاں دینی وعصری تعلیم دی جاتی ہے، تو کیا میں ماہواری کی حالت میں اسکول جا سکتی ہوں، اور دینی کتابوں کا مطالعہ کر سکتی ہوں؟ کیونکہ اس کے اندر چیدہ چیدہ قرآنی آیات ہوتی ہیں، اور بعض کتابیں عربی زبان میں ہیں، کیا میں ان کو ہاتھ لگا سکتی ہوں؟

(ایک دینی بہن، رحمت نگر، یاقوت پورہ)

جواب: - ناپاکی کی حالت میں قرآن مجید یا ایسی تفسیر کو چھونا جائز نہیں، جس میں قرآن کے کلمات غالب ہوں، اور تفسیری کلمات کم ہوں، دوسری اسلامی کتابوں کو اس حالت میں بھی چھونا جائز ہے، چاہے اردو میں ہو، یا عربی میں، البتہ جس جگہ آیت لکھی ہے وہاں ہاتھ نہ لگائیں،

"ورخص المس باليد في الكتب الشريعة إلا التفسير"(۱)

ایام کی حالت میں ترجمۂ قرآن مجید کا مطالعہ

سوال: - {346} حالتِ ایام میں غلطی سے ایسی کتابیں

(۱) دیکھئے : تحفة الأحوذي :۶/۲۳۔

اور رسالے اٹھانے میں آجائیں جن میں قرآن شریف کی آیتیں ہوں، جیسے ''منصف کا منارۂ نور ایڈیشن'' تو ایسی صورت میں کیا کفارہ ادا کرنا چاہئے؟ اگر قرآن شریف کی عربی آیات کے بجائے صرف ان آیات کا ترجمہ اس حالت میں پڑھا جائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(ایک بہن، آصف آباد)

جواب:- ناپاکی کی حالت میں غلاف کے بغیر قرآن مجید کا چھونا جائز نہیں، جن کتابوں میں دوسرے مضامین بھی ہوں، اور قرآن کی آیات بھی، ان میں خاص طور پر آیات قرآنی کی عربی عبارت کو ہاتھ لگانا تو درست نہیں، لیکن اس سے بچتے ہوئے ایسے رسائل یا کتاب کو ہاتھ میں لینا یا آیات قرآنی کی جگہ چھوڑ کر دوسرے حصہ کو چھونا درست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''حاشیة الطحطاوی'' میں ہے:

"وفيما عدا المصحف إنما يحرم من الكتابة لا الحواشي"(۱)

اکثر فقہاء کے نزدیک قرآن مجید کا ترجمہ بعینہ قرآن نہیں، (۲) اس لئے صرف ترجمۂ قرآن کے حصہ کو اس حالت میں چھونے کی گنجائش ہے، اگر خدانخواستہ نادانستہ طور پر اس حالت میں قرآن کو ہاتھ لگا دیں تب بھی کفارہ واجب نہیں، استغفار کر لینا چاہئے، لیکن آپ نے جو صورتیں لکھی ہیں یہ تو جائز اور درست ہیں ہی، اس لئے ان صورتوں میں کفارہ واجب ہونے کے کوئی معنی نہیں۔

---

(۱) طحطاوی على مراقي الفلاح :ص:۷۷۔

(۲) ''وقد جوز بعض أصحابنا مس كتب التفسير و الحديث" ،(طحطاوی على مراقي الفلاح : ص: ۷۷) محشی۔

حالتِ حیض میں زبانی تلاوت

سوال:- {347} ایک صاحب علم دین سے واقف ہیں، ان کا کہنا ہے کہ خواتین دوران ماہواری بغیر دیکھے قرآن پڑھ سکتی ہیں، اس سلسلہ میں حوالہ کے ساتھ شرعی حکم بتائیں؟

(ایم، اے، وحید، مرادنگر)

جواب:- جنابت اور حیض کی حالت میں نہ قرآن مجید غلاف کے بغیر چھونا جائز ہے، اور نہ پڑھنا، ہاں جو شخص وضو کی حالت میں نہ ہو، لیکن اس پر غسل بھی واجب نہ ہو ایسا شخص قرآن مجید کو چھوئے بغیر پڑھ سکتا ہے، جہاں تک آیات قرآنی کو صرف دیکھنے کی بات ہے تو یہ ان لوگوں کے لئے بھی جائز ہے جن کو غسل کی ضرورت ہو، —— ماہواری کی حالت میں قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت صریح حدیث سے ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن "(۱)

''جو عورت ماہواری کی حالت میں ہو اور جس مرد یا عورت پر غسل واجب ہو، وہ قرآن مجید نہ پڑھے''

البتہ ایک آیت سے کم حصہ کی تلاوت کرنا یا کسی آیت کو تلاوت قرآن کی نیت سے نہیں بلکہ دعا و ذکر کی نیت سے پڑھنا۔ جیسے: ﴿ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ وغیرہ جائز ہے۔(۲)

---

(۱) الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۱۳۱،(عن عبد الله بن عمر ﷺ ، باب ماجاء في الجنب و الحائض أنهما لا يقرأن القرآن ، ابواب الطهارة) محشی۔

(۲) دیکھئے: فتح القدير :۱/۱۶۸، نیز دیکھئے: مراقي الفلاح :ص:۷۷،کتاب الطهارة ۔

حائضہ کا پکوان وغیرہ

سوال:- {348} عورتوں پر حالتِ حیض میں کب غسل واجب ہے؟ اور کیا حائضہ عورت کا پکا ہوا کھانا کھانا اور اس حالت میں عورت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز ہے؟

(حکیم واسع موہانی، یاقوت پورہ)

جواب:- جب تک خون کا سلسلہ بالکل ختم نہ ہو جائے یا حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن نہ گزر جائے، عورت ناپاک ہے، حیض کی حالت میں صرف میاں بیوی کے خصوصی تعلق کی ممانعت ہے، ان کی پکائی ہوئی چیز کھانا، ساتھ سونا اور رہنا اور اس تعلق کے علاوہ تمام افعال جائز ہیں، رسول اللہ ﷺ ازواجِ مطہرات کے ساتھ اس حالت میں بھی سوائے خصوصی تعلق کے باقی ہر طرح کا تعلق رکھتے تھے، (۱) اس لئے اس میں حرج نہیں۔

حالتِ حیض کی نمازیں اور روزے

سوال:- {349} اگر کسی خاتون کی حیض کی وجہ سے روزے، نماز اور تراویح چھوٹ گئی ہوں، تو کیا ان کی قضاء لازم ہوگی، یا کم سے کم ان کو احتیاطاً ادا کر لینا بہتر ہوگا؟

(ناصرہ بیگم، یاقوت پورہ)

---

(۱) "کانت الیهود إذا حاضت المرأة منهم لم یؤاکلوهن، ولم یشاربوهن، و لم یجامعوهن فی البیوت"، فسألوا نبی الله ﷺ عن ذلك؟ فانزل الله عزوجل ﴿وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذًی﴾ (البقرة : ۲۲۲) فأمرهم رسول الله ﷺ : "أن یواکلوهن، و یشاربوهن، و یجامعوهن في البیوت، و ان یصنعوا بهن كل شئی ما خلا الجماع" عن أنس ﷺ سنن النسائی : حدیث نمبر : ۲۸۹، (باب تأویل قول الله عزوجل "و یسئلونك عن المحیض" کتاب الطهارة) محشی۔

جواب:- حالتِ حیض میں جو نمازیں — تراویح وغیرہ — چھوٹ گئی ہیں، ان کی قضاء کرنے کی ضرورت نہیں، نہ قضاء واجب ہے اور نہ مستحب، شرعاً جس چیز کا ثبوت ہی نہ ہو، اس کا کرنا مستحب نہیں، بلکہ بدعت ہے، ہاں روزوں کی قضاء واجب ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہی کرتے تھے، حالتِ حیض کے روزوں کی قضاء کرتے اور نماز کی قضاء نہیں کرتے تھے۔(۱)

متبرک چیزوں کو ناپاکی کی حالت میں کھانا

سوال:-{350} حج سے لائی ہوئے چیزیں، مثلاً: کھجور، انجیر، پستہ اور پانی، کیا یہ سب چیزیں ناپاکی کی حالت میں کھانا درست ہے، یا نہیں؟ (حنا کوثر، عادل آباد)

جواب:- کھانے پینے کی چیزوں کو پاکی کی حالت میں استعمال کرنے کی کوئی شرط نہیں، گو وہ متبرک ہی کیوں نہ ہو، جیسے: زمزم کا پانی، مدینہ کی کھجور وغیرہ، اس لئے حج کے موقع سے لائی ہوئی چیزوں کو ناپاکی کی حالت میں کھانا درست ہے۔

”کاپرٹی“ لگانے پر ایام حیض بڑھ جائیں

سوال:-{351} کسی عورت کی عادت آٹھ دن کی رہی ہو، اس نے ”کاپرٹی“ لگایا اور اب اس کو بارہ دن خون

---

(۱) ”إن إمرأة سألت عائشة، قالت: اتقضی أحدانا صلاتها ایام محیضها؟ فقالت: أحرورية انت؟ قد كانت إحدانا تحيض فلا تؤمر بقضاء“ عن معاذة ؓ، (الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۰، باب ماجاء في الحائض أنها لا تقضي الصلاة، ابواب الطهارة، نیز دیکھئے: سنن النسائی، حدیث نمبر: ۳۸۲، باب سقوط الصلاة عن الحائض)۔ محشی۔

آنے لگے، تو کتنے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے اور کتنے ایام بیماری کے؟　　(نظام الدین، دہلی)

جواب:- امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے، اور اصول یہ ہے کہ حیض مقررہ مدت سے بڑھ جائے اور دس دن کو بھی پار کر جائے، تو عادت کے ایام حیض کے شمار کئے جاتے ہیں، اور بقیہ ایام بیماری (استحاضہ) کے، لہذا اس صورت میں چار دن استحاضہ کے سمجھے جائیں گے دس دن گذرتے ہی غسل کرلے گی ، اور نویں دسویں دنوں کی نمازوں کی قضا کرے گی، ہاں اگر آٹھ دن سے بڑھ کر دس دنوں پر ماہواری تھم جائے تو پورے دس دن حیض کے شمار ہوں گے۔(۱)

مانع حیض دواؤں کا استعمال کرنا

سوال:- {352} بعض ایسی دوائیں ہوتی ہیں جن کے کھلانے سے ماہواری نہیں آتی، اگر قریب البلوغ لڑکیوں کے بلوغ کو روکنے کی غرض سے ایسی دوائیں کھلائی جائیں تو کیا شریعت میں ایسا کرنے کی گنجائش ہے؟　　(نوید عزیز)

جواب:- ایسا کوئی بھی عمل جو صحتِ انسانی کے لئے مضر ہو، انسان کی فطری قوت و صلاحیت کو ضائع یا کمزور کرتا ہو، کسی شرعی ضرورت کے بغیر مناسب نہیں، طبی اعتبار سے ماہواری کو مسلسل روکے رکھنا صحت کے لئے نقصان دہ ہے، اس لئے ایسا نہ کیا جائے، ہاں! کسی ضرورت کے تحت عارضی طور پر اس کا استعمال کرنا درست ہے، مثلاً ایام حج میں ایسی دوا کھالی جائے کہ تمام افعالِ حج اپنے وقت پر ادا ہو جائیں، تو قباحت نہیں۔

---

(۱) "وإن كانت عادتها خمسة فالزيادة عليها حيض معها إلى تمام العشرة" (بدائع الصنائع : ۱/۱۵۸، باب الحيض ، كتاب الطهارة) محشی۔

یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ اگر مصنوعی طور پر حیض نہ آنے دیا جائے، لیکن لڑکی کی عمر ۱۵ ر سال ہو جائے، تو اس سے وہ تمام احکام متعلق ہوں گے، جو بالغوں کے ہیں، نماز روزہ اور مالدار ہونے کی صورت میں زکاۃ وغیرہ ادا کرنی ہوگی۔

اگر تین دن کے بعد وقفہ وقفہ سے خون آئے؟

سوال:- {353} بعض خواتین کو حیض تیسرے دن بند ہو جاتا ہے، اس کے باوجود وہ پاک نہیں ہوتیں، مکمل دس دن کے بعد ہی نہا کر پاک ہوتی ہیں، تو کیا تیسرے دن حیض بند ہونے کے بعد چوتھے روز سے نہا کر پاک نہیں ہو سکتیں؟

(ق، ر، ا، وجے نگر کالونی)

جواب:- اگر تین دن کے بعد پوری طرح پاکی کی کیفیت حاصل نہیں ہوتی، یا وقفہ کے ساتھ دس روز تک خون آنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو یہ پورے دس دن ناپاکی کے سمجھے جائیں گے۔

" وأكثره عشرة بلياليها للنص في عدده ... وليس الشرط دوامه، فانقطاعه في مدته كنزوله " (۱)

دس دن سے زیادہ خون آئے

سوال:- {354} کسی عورت کے حیض کی مدت پانچ، یا سات یا نو دنوں کی ہوتی ہے، اگر ان دنوں کے بعد بھی حیض جاری رہا تو کیا اس صورت میں فرض یا نفل روزہ رکھ سکتے ہیں؟

---

(۱) طحطاوی: ص: ۷۵۔

ایک خاتون کی عمر ۴۵ رسال ہے لیکن ماہواری چودہ، پندرہ دن
تک چلی جاتی ہے، کیا وہ رمضان کا روزہ رکھ سکتی ہیں؟

(عائشہ پروین، شاہین نگر)

جواب:- اگر کسی عورت کی عادت متعین ہو اس سے زیادہ حیض کا سلسلہ جاری رہے، یہاں تک کہ دس دنوں سے بھی زیادہ کی مدت ہو جائے تو ایام عادت کا خون حیض سمجھا جائے گا، اور اس کے بعد کا استحاضہ، اور اگر کوئی عادت متعین نہ ہو، کبھی سات، کبھی آٹھ، کبھی نو دن خون آتا ہو، اور اسے دس دن سے زیادہ خون آیا تو دس دن حیض سمجھا جائے گا اور باقی استحاضہ۔(۱)

استحاضہ کا خون دراصل بیماری کا خون ہے، اسی حالت میں نماز بھی پڑھ سکتی ہے، اور روزہ بھی رکھ سکتی ہے، اور اس کا شوہر اس سے ہم آغوش بھی ہو سکتا ہے:۔

" ودم الاستحاضة كالرعاف الدائم لا يمنع
الصلاة ولا الصوم ولا الوطأ " (۲)

۴۵ رسال کی عورت کو بھی ماہواری جاری رہ سکتی ہے، اس لئے ان خاتون کو چاہئے کہ دس دنوں تک تو روزہ سے رکی رہیں، اس کے بعد روزہ رکھ لیں، کیونکہ یہ زائد ایام استحاضہ کے ہیں۔

زمانۂ حیض میں مٹیالا خون

سوال:- {355} میری بھابھی کو پچھلے ڈیڑھ سال سے
حیض شروع ہونے کے دو دن پہلے مٹی کے کلر میں لیکوریا ظاہر
ہوتا ہے، پھر تیسرے دن سے حیض کے دن شروع ہوتے ہیں،
اور حیض سات دن میں ختم ہوتا ہے، اگر ان دنوں کو ملایا جائے تو

(۱) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱/۱۵۸۔
(۲) الفتاوى الهندية: ۱/۳۹۔

دس دن ہوجاتا ہے، کیا ان دنوں میں نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

(صفیہ بیگم، ملک پیٹ)

جواب:- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حیض کے خون کے لئے کوئی رنگ متعین نہیں، زمانۂ حیض میں کسی بھی رنگ کا خون نظر آئے وہ حیض ہی ہے، اور حدیث سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے،(۱) حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دنوں ہے، لہذا مجموعی مدت ملاکر مدت حیض کے دائرہ ہی میں رہتی ہے، لہذا یہ پورے دس دن حیض کے تصور کئے جائیں گے، (۲) اوران دنوں میں وہی احکام ہوں گے، جو حیض والی عورتوں کے ہیں، نماز نہیں پڑھیں گی۔

حیض ونفاس کی حالت میں غسل

سوال:- {356} کیا حیض و نفاس کی حالت میں جب تک پاک نہ ہوجائے غسل کرنا منع ہے؟ اکثر عورتیں حیض ونفاس کی حالت میں غسل کرنے کو صحیح نہیں سمجھتیں۔

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- حیض ونفاس کی حالت میں نظافت کے نقطۂ نظر سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہاں! اگر طبی نقطۂ نظر سے ڈاکٹر منع کریں توان کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے، فقہاء نے

---

(۱) " أن النساء كن يبعثن بالكرسف إلى عائشة رضى الله تعالىٰ عنها فكانت تقول : لا حتى ترين القصة البيضاء " (المؤطأ للإمام مالك :۱/۵۹۱، نیز دیکھئے: مصنف ابن عبد الرزاق، حدیث نمبر:۱۱۵۹) محشی۔

(۲) " أما المبتدأة بالحيض ، وهي التى ابتدأت بالدم و استمر بها ، فالعشرة من أول الشهر حيض : لأن هذا دم في أيام الحيض ، و أمكن جعله حيضا فيجعل حيضا " (بدائع الصنائع :۱/۱۵۸، باب الحيض و النفاس ، كتاب الطهارة ، كتاب الطهارة) محشی۔

وقوف عرفہ کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ یہ غسل نظافت ہے، اس لئے حائضہ عورتوں کو بھی یہ غسل کرنا مسنون ہے۔

"صرحوا بأن هذه الاغتسالات الأربعة للنظافة لا للطهارة "(۱)

حالتِ حیض ونفاس میں تسبیحات

سوال:- {357} کیا خواتین حالتِ حیض ونفاس میں صبح وشام کی تسبیحات پڑھ سکتی ہیں؟ نیز کیا قرآن کریم اور احادیث کا ناپاکی کی حالت میں پڑھنا جائز ہے؟

(ایک بہن، ناندور)

جواب:- حالتِ حیض ونفاس اور جنابت میں قرآن کی تلاوت کرنا جائز نہیں، باقی تسبیحات پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب نماز کا وقت شروع ہو تو حائضہ عورت کے لئے مستحب ہے کہ اسی حالت میں وضو کرلے، گھر میں جس جگہ نماز ادا کرتی ہو، وہاں نماز کے بقدر بیٹھ کر تسبیح میں مشغول رہے۔

"يستحب للحائض إذا دخل وقت الصلاة أن تتوضأ وتجلس عند مسجد بيتها تسبح و تهلل قدر ما يمكن أداء الصلاة لو كانت طاهرة " (۲)

بلکہ بطور دعا یا ذکر نہ کہ بہ نیتِ تلاوت قرآن کی کوئی آیت پڑھ لے تو بھی کچھ حرج نہیں، کیونکہ مقصود تلاوت نہیں۔

---

(۱) رد المحتار: ۱/۳۰۹۔

(۲) الفتاوى الهندية: ۱/۳۸، الفصل الرابع في أحكام الحيض و النفاس و الاستحاضة، كتاب الطهارة۔

"و لو أنه قرأ الفاتحة علی سبیل الدعاء أو شیئا من الآیات التی فیها معنی الدعاء ولم یرد به القرآن فلا بأس به"(۱)

حدیث کے احکام وہ نہیں ہیں جو قرآن کے ہیں، صرف قرآن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت دی کہ حائضہ اور جنبی نہ پڑھیں ۔(۲) حدیث کے بارے میں ایسی ممانعت منقول نہیں، کیونکہ حدیث کے الفاظ بعینہ اللہ تعالیٰ کے نہیں ہیں، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ بعینہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہوں، کیونکہ بعض اوقات صحابہ ؓ نے منشاءِ نبوی کو اپنے الفاظ میں ذکر فرمایا ہے اور حائضہ جب تک مدت حیض نہ گزر جائے پاک ہونے سے عاجز ہے، اس لئے اس حالت میں حدیثیں پڑھ سکتی ہیں، ہاں، اگر جنبی ہوں، تو چونکہ جنبی کسی بھی وقت پاکی حاصل کرسکتا ہے، اس لئے اس کے حق میں ناپاکی کی حالت میں حدیث پڑھنا مکروہ ہے، کیوں کہ فقہاء نے تورات وانجیل کو بھی حالت جنابت میں پڑھنے کو ناپسند کیا ہے۔(۳)

ولادت کے بعد غسل اور نماز

سوال:- {358} اکثر عورتیں بچہ تولد ہونے کے بعد چالیس دن تک نماز نہیں پڑھتیں، اور چالیس دن کے بعد پانی پر کچھ دعا پڑھ کر پھونکتی ہیں، اور اس سے نہاتی ہیں، ایام حیض کے بعد جب غسل کرتی ہیں، تو اس وقت بھی پانی پر کچھ دعاء پڑھ کے غسل کرتی ہیں، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ (ایک بہن، بی بی کا چشمہ)

---

(۱) مراقي الفلاح :۱/۷۷، باب الحیض ، کتاب الطهارة۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۱۳۱، عن عبد الله عمر ؓ ، باب ما جاء فی الجنب و الحیض أنهما لا أقرآن القرآن ، أبواب الطهارة ۔

(۳) المحیط البرهاني :۱/۴۴۳، نیز دیکھئے: الکفایة علی هامش فتح:۱/۱۴۸۔ مرتب۔

جواب:- (الف) ولادت کے بعد جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں، نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے، لیکن ہمیشہ چالیس دن ہی خون آنا ضروری نہیں، اگر چند دن خون آ کر پاک صاف ہو جائیں، تو اب غسل کر کے نماز ادا کرنی چاہئے، اگر چالیس دن تک نماز نہ پڑھیں، تو خون بند ہونے کے بعد جو ایام گزرے ہیں، ان میں نماز نہ پڑھنے کا گناہ ہوگا، اور قضاء واجب ہوگی۔

(ب) ایسی کوئی مخصوص دعاء منقول نہیں، جو غسل کے پانی میں پھونک کر اس سے غسل کیا جائے، ہاں اگر ازراہ علاج کوئی ایسی دعاء جس میں مشرکانہ کلمات نہ ہوں، پڑھ کر دم کر کے اس سے غسل کرنے کو کہا گیا ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

جن ایام میں زن وشو کا تعلق جائز نہیں

سوال:- {359} وہ کون سے مخصوص ایام ہیں جن میں شوہر بیوی سے میاں بیوی کے تعلق قائم نہیں کرسکتا؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- قرآن مجید نے حیض ونفاس کی حالت میں اس سے منع کیا ہے:

﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَاتَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (۱)

اس لیے اس حالت میں بیوی سے تعلق قائم کرنا حرام ہے، اگر جنابت کی حالت ہو تو حرام نہیں، (۲) اسی طرح اگر عورت کی صحت اس کی متحمل نہ ہو اور ڈاکٹر نے جماع سے منع کیا ہو، یا مرد کسی ایسی خطرناک بیماری میں مبتلاء ہو جو جماع سے متعدی ہوتی ہو، تو عورت کو ہمبستری کے لیے مجبور کرنا درست نہیں، کیوں کہ یہ عورت کو ضرر پہونچانا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کی اجازت نہیں۔

(۱) البقرۃ :۲۲۲۔
(۲) بدائع الصنائع :۱/۱۶۲۔

کتاب الفتاوی

دوسرا حصہ

کتاب الصلوۃ

نماز سے متعلق سوالات

نماز کے اوقات

مختلف مسجدوں میں اوقاتِ نماز کا فرق

سوال:- {360} نماز فجر کا مقررہ وقت کیا ہے؟
کیونکہ کچھ مسجدوں میں 5:35 اور کچھ مسجدوں میں 5:40
پر ہو رہی ہے۔ (قدیر خان، بانسواڑہ)

جواب:- فجر کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے، اور اگر آسمان صاف ہو، ابر آلود نہ ہو، تو صبح کے اچھی طرح روشن ہو جانے (اسفار) کے بعد فجر کی نماز ادا کرنی مستحب ہے، البتہ حجاج کے لئے مزدلفہ میں اول وقت میں نماز ادا کرنا مستحب ہے(۱)

فجر کا وقت کافی طویل ہوتا ہے اور روشن صبح کا بھی اچھا خاصا وقت ہوتا ہے، ان اوقات میں اگر کسی مسجد میں چند منٹ پہلے اور کسی مسجد میں چند منٹ بعد نماز ادا کی جائے، تو کچھ حرج نہیں، بلکہ اس میں نمازیوں کے لئے سہولت ہے، کہ اگر ایک جگہ جماعت فوت ہو جائے، تو دوسری جگہ جماعت کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی مختلف مسجدوں میں اوقاتِ

(۱) بدائع الصنائع : ۱/۳۲۲۔

نماز میں فرق ہوا کرتا تھا، بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ مسجدِ نبوی ﷺ میں صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی، اور جب واپس ہوئے، تو دوسری مسجدوں میں ابھی نماز ہو رہی تھی، (۱) اس لئے مختلف مسجدوں میں اوقات نماز کا فرق چنداں مضر نہیں۔

نماز تہجد کا وقت

سوال:- {361} نمازِ تہجد کے ابتدائی اور انتہائی وقت کی وضاحت فرمائیں۔ (محمد غوث الدین قدیر سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- تہجد کا وقت وہی ہے جو عشاء کا وقت ہے، عشاء کی نماز کے بعد سے فجر کا وقت شروع ہونے تک کبھی بھی نمازِ تہجد پڑھی جاسکتی ہے، ہیثمی کی روایت ہے: ''عشاء کے بعد جو بھی نماز پڑھی جائے، وہ قیام لیل یعنی تہجد ہے'' (۲) فقہاء نے معمولات نبوی ﷺ (۳) کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر ایک تہائی شب تہجد میں گزارنا چاہتا ہو تو رات کا درمیانی تہائی افضل ہے، ''فالثلث الأوسط أفضل من طرفيه'' (۴) اور نصف شب تہجد پڑھنا چاہتا ہو تو آخری نصف کو تہجد میں گزارنا افضل ہے: ''فقيام نصفه الأخير أفضل''۔ (۵)

نماز اشراق اور نمازِ چاشت کے اوقات

سوال:- {362} نماز اشراق اور نمازِ چاشت کے

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۷۹، باب إذا صلى في جماعة ثم أدرك جماعة أيعيد؟۔ محشی۔

(۲) مجمع الزوائد: ۲/۲۵۲۔

(۳) "عن مسروق قال: سئلت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها أي العمل كان أحب إلى رسول الله ﷺ؟ قالت: الدائم، قلت: متى كان يقوم؟ قالت: كان يقوم إذا سمع الصارخ" (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۱۱۳۲) محشی۔

(۴) مجمع الزوائد: ۲/۲۵۲۔

(۵) رد المحتار: ۲/۴۶۸۔

اوقات کیا ہوتے ہیں؟ یعنی نمازِ اشراق کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور کب تک ہم پڑھ سکتے ہیں؟ اسی طرح نمازِ چاشت کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب تک ہم پڑھ سکتے ہیں؟ گھڑی کے وقت کے لحاظ سے بتلائیں تو مناسب ہوگا۔

(واحد علی، عثمانیہ یونیورسٹی)

جواب:- نمازِ چاشت کا وقت طلوعِ آفتاب کے بعد مکروہ وقت نکلنے کے بعد شروع ہوتا ہے، اور زوالِ آفتاب تک رہتا ہے، البتہ اس کا بہتر وقت دن کا چوتھائی حصہ نکلنے کے بعد ہے، علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"ندب أربع فصاعدا في الضحى إلى الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار "(۱)

جہاں تک نمازِ اشراق کی بات ہے تو حدیث و فقہ کی اکثر کتب میں اس کا ذکر نہیں ملتا، البتہ امام غزالیؒ نے نمازِ اشراق اور چاشت کا ذکر کیا ہے (۲) اور لکھا ہے کہ نمازِ اشراق نمازِ چاشت ہی کا ایک حصہ ہے، پھر حضرت علی ﷛ سے حضور ﷺ کا یہ عمل نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ

---

(۱)　الدر المختار :۱/۶۳۹۔

(۲)　ماضی قریب کے مستند حنفی عالم، محدث وفقیہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی نماز اشراق اور چاشت کو دو علیحدہ نماز کے طور پر ذکر کیا ہے اور دونوں کی فضیلتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ (دیکھئے: اعلاء السنن : ۷/۲۹ - ۳۰، باب النوافل و السنن)

شارح ترمذی علامہ سراج احمد کی بھی یہی رائے ہے، بلکہ انہوں نے سیوطی کے حوالہ سے ایک ایسی حدیث کی بھی تخریج کی ہے جس میں نماز اشراق کا تذکرہ ہے: "فقد أخرج اليسوطي عن أم هانى أن رسول الله ﷺ قال لها : " يا أم هاني ! هذه صلاة الاشراق " (دیکھئے حوالہ سابق)

علامہ علاء الدین علی متقی، مرتب کنز العمال کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی عظیم شاہکار تصنیف "کنز العمال" میں چاشت و اشراق کی نمازوں کا الگ الگ باب کے تحت تذکرہ کیا ہے۔ (دیکھئے: کنز العمال :۱/۷۸۹، باب صلاة الاشراق ، ط: بيت الأفكار الدولية) محشی

چاشت کی نماز دو وقتوں میں پڑھا کرتے تھے، ایک تو جب سورج ایک نیزہ یا دو نیزہ کے بقدر اوپر آجاتا تو دو رکعت پڑھتے اور جب سورج چوتھائی آسمان تک آجاتا تو چار رکعت پڑھتے ۔(۱) آفتاب کے روشن ہوجانے کی کیفیت کو ''اشراق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، شاید اسی لئے اس وقت پڑھی جانے والی نماز کو ''اشراق'' کہا جاتا ہے۔

اس لئے آپ اشراق کی نماز مکروہ وقت ختم ہوتے ہی پڑھ لیا کریں، وقت مکروہ ہندوستان میں بیس (۲۰) منٹ بعد ختم ہوجاتا ہے، اور چاشت کی نماز چوتھائی دن گزرنے کے بعد ادا کریں۔

مغرب کا وقت

سوال:- {363} غروب آفتاب کے بعد کب تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے؟ (عبداللہ، ٹولی چوکی)

جواب:- سورج ڈوبنے کے بعد آسمان کے کنارہ پر سرخی سی چھائی رہتی ہے، اس کے ختم ہونے کے بعد سفیدی آتی ہے، اس کو ''شفق'' کہتے ہیں، جب تک شفق ڈوب نہ جائے مغرب کا وقت باقی رہتا ہے، (۲) کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جب تک شفق ڈوب نہ جائے مغرب کا وقت باقی رہتا ہے، ''وقت المغرب مالم یغب الشفق ''(۳) صحیح وقت کا اندازہ کرنے کے لئے آپ مطبوعہ اوقات نماز، چارٹ یا ایسے کیلنڈر سے رجوع کریں جس میں اوقات نماز کی صراحت کی گئی ہو، بلکہ اب تو بعض اخبارات بھی اوقات نماز شائع کرتے ہیں، ان کی رہنمائی پر عمل کرلینا کافی ہے۔

---

(۱) دیکھئے: احیاء العلوم :۱/۲۳۱۔
(۲) بدائع الصنائع:۱/۳۲۰۔
(۳) صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۶۱۲۔

اذان سے پہلے نماز

سوال:- {364} نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد اذان سے پہلے نماز پڑھ لی جائے تو کیا نماز قبول ہوگی؟

(شمیم سلطانہ، سالار نگر)

جواب:- نماز درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مقررہ وقت آجائے، اذان کا مقصد وقت کی اطلاع دینا ہے، اگر اذان وقت شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہو اور وقت شروع ہونے کے بعد نماز ادا کرلی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی، البتہ جن لوگوں پر جماعت میں شریک ہونا واجب ہے وہ جماعت میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے، جن لوگوں کا جماعت میں شریک ہونا واجب نہیں، جیسے: خواتین، مریض، مسافر، ان کے لئے مضائقہ نہیں۔

عورتوں کا اذان سے پہلے نماز ادا کرنا

سوال:- {365} جب تک محلہ کی اذان نہ ہوجائے، کیا عورتیں نماز ادا کرسکتی ہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب تک محلہ کی اذان نہیں ہوجاتی، نماز ادا نہ کی جائے؟

(ایکس، وائی، زیڈ، چھتہ بازار)

جواب:- وقت شروع ہونے کے بعد اذان سے پہلے بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے، اذان اوقات نماز سے مطلع کرنے اور مسجد کی طرف بلانے کے لئے ہے، ایسا نہیں ہے کہ وقت شروع ہوجانے کے بعد جب تک اذان نہ ہوجائے، نماز ہی درست نہ ہو، اور خواتین کو تو یوں بھی گھر ہی میں نماز ادا کرنا بہتر ہے نہ کہ مسجد میں، اس لئے وہ اذان سے پہلے نماز ادا کرسکتی ہیں۔

قبل از وقت نماز

سوال:- {366} ہمارے محلہ کی مسجد میں جب میں مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے گیا تو اس وقت تک دو رکعت نماز ہو چکی تھی، اور اس وقت باہر کی مساجد سے اذان کی آواز آئی، سوال یہ ہے کہ جتنے لوگ بھی قبل از وقت اذان کے ساتھ جماعت میں نماز ادا کیے ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(شرف الدین قریشی، شہاب الدین حسامی، رحمت نگر)

جواب:- اگر قبل از وقت نماز پڑھ لی گئی، تو نماز کا دہرانا واجب ہے،(۱) لیکن اگر باہر کی مساجد میں اذان ہی چند منٹ کی تاخیر سے ہوئی ہو، اور کم سے کم نماز وقت شروع ہونے کے بعد پڑھی گئی ہو تو نماز ادا ہوگئی۔

رمضان المبارک میں فجر کی نماز معمول سے پہلے

سوال:- {367} اگر رمضان کے مہینہ میں فجر کی نماز مقررہ اوقات سے پہلے پڑھ لی جائے اور سحری اور نماز میں زیادہ وقفہ نہ رکھا جائے، کیوں کہ بعض لوگ سحری کے بعد آرام کی غرض سے لیٹ جاتے ہیں تو جماعت کے چھوٹ

(۱) کیوں کہ نماز اپنے وقت میں ہی فرض ہوتی ہے: ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ﴾ (النساء: ۱۰۴) چنانچہ جب وقت سے پہلے ہی کوئی نماز ادا کر لی گئی، تو گویا وہ نماز فرض ہونے سے پہلے ہی پڑھ لی گئی ہے، اس لیے وقت آجانے کے بعد اس کا لوٹانا واجب اور ضروری ہے، علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے: ''محدود الأوقات لا یجوز اخراجها عن أوقاتها في شيئ من الأحوال'' (دیکھئے: تفسیر روح المعاني: ۴/۲۰۲) ''نماز کے اوقات محدود و متعین ہیں، وقت سے پہلے یا بعد، کسی بھی حالت میں اس کا ادا کرنا جائز نہیں'' محشی۔

جانے کا خدشہ رہتا ہے، کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟

(عظیم اللہ خاں، عمیر کھیڑ)

جواب:- صبح صادق ہونے کے بعد فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اگر رمضان المبارک میں اول وقت میں نماز ادا کر لی جائے تا کہ لوگوں کو سہولت ہو اور زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ واقعہ ہے کہ فجر کی جماعت دیر سے رکھی جائے تو بہت سے لوگ سحری کھا کر سو جاتے ہیں اور نماز کے لیے اٹھ نہیں پاتے، احناف کے یہاں جو فجر میں تاخیر افضل ہے، وہ اسی لیے کہ اس میں زیادہ لوگوں کے جماعت میں شریک ہونے کی امید ہوتی ہے، اب اگر یہ مقصد اول وقت میں نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہو، تو اسی وقت میں نماز ادا کرنا بہتر ہوگا۔(۱)

نماز کے درمیان دوسری نماز کا وقت شروع ہو جائے

سوال:- {368} صبح پانچ بجے نماز عشاء پڑھ رہا تھا کہ فجر کی اذان ہونے لگی، اور میں نماز پڑھتا رہا، کیا میری نماز پوری ہوگئی، یا قضاء نماز پڑھنی ہوگی؟

(محمد غوث الدین قدیر، کریم نگر)

جواب:- نمازیں وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اگر عشاء کی نماز مکمل ہونے سے پہلے ہی فجر کا وقت شروع ہو گیا، اور آپ نے عشاء کی نیت سے ہی نماز شروع کی تھی، تو آپ کی نمازِ عشاء ادا ہوگئی، اب دوبارہ قضاء کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ یہ قضاء کے حکم میں ہوگی اور ادا نماز کا ثواب نہیں ملے گا؟ اس میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اگر تحریمہ بھی

---

(۱) "یستحب الإسفار و هو التأخیر للإضاءة بالفجر ... لأن في الإسفار تکثیر الجماعة و في التغلیس تقلیلها و ما تؤدی إلی الکثیر أفضل" (مراقي الفلاح مع الطحطاوی: ص:۱۲۱) محشی۔

وقت کے اندر باندھ لیا، تو اداء سمجھی جائے گی اور علامہ شامیؒ نے اسی کو قول مشہور قرار دیا ہے، دوسرا قول محیط کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جتنا حصہ وقت کے اندر پڑھا ہے، وہ اداء ہے، اور جو وقت گزرنے کے بعد پڑھا ہے، وہ قضاء ہے۔(۱) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ قضاء کے حکم میں ہوگی اور اسی کو زیادہ صحیح قول قرار دیا گیا ہے:

"لو شرع في الوقتية عند المضيق، ثم خرج
الوقت في خلالها لم تفسد و هو الأصح" (۲)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) رد المحتار :۲/۵۲۰-۵۱۹۔
(۲) مجمع الأنهر :۱/۱۷۶،باب قضاء الفوائت ۔محشی۔

جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

مکروہ اوقات کی مقدار

سوال:- {369} طلوع آفتاب کے کتنی دیر بعد دوسری نماز پڑھ سکتے ہیں، غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد مغرب کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ ظہر کا وقت شروع ہونے سے کتنی دیر پہلے سے نماز یا سجدہ کا ترک کرنا ضروری ہے؟

(محمد عبدالقادر پاشاہ، سدی عنبر بازار)

جواب:- جب آفتاب پوری طرح نکل آئے تو وقت مکروہ ختم ہوجاتا ہے، (۱) عام طور پر مکمل آفتاب نکلنے میں دس بارہ منٹ کا وقت لگتا ہے، اہل علم نے لکھا ہے کہ احتیاطاً بیس منٹ

---

(۱) فقہاء احناف کی کئی متداول کتابوں میں مختلف تعبیرات کے ساتھ یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ... إذا طلعت الشمس حتى ترتفع" (الفتاوى الهندية: ۱/۵۲) حدیث پاک میں اس حکم کے اظہار کے لیے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے: "لا صلوة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس" (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۸۶، صحيح المسلم، حدیث نمبر: ۸۳۱) محشی۔

نماز سے توقف کیا جائے، ظہر سے پہلے جو وقت مکروہ ہے اس کا عرصہ بمقابلہ طلوع آفتاب کے کم ہے، اس لئے ظہر کا جو وقت اوقات نماز میں لکھا ہوتا ہے، اس سے پندرہ منٹ پہلے نماز ترک کردینی چاہئے، غروب آفتاب سے پہلے جب آفتاب زرد پڑ جائے اور اتنا تغیر ہو جائے کہ نگاہ قرص آفتاب پر ٹھہرنے لگے تو وقت مکروہ شروع ہو جاتا ہے، اور جونہی آفتاب غروب ہو جائے وقت مکروہ ختم ہو جاتا ہے۔

فجر وعصر کے بعد نماز

سوال:- {370} کوئی شخص نماز فجر اور نماز عصر
باجماعت ادا کرتا ہو تو ایسا شخص ان دونوں نمازوں کے بعد کونسی
نماز پڑھ سکتا ہے؟ (ایم، ایس، خان، اکبر باغ)

جواب:- فجر اور عصر کے بعد نفل نماز اور رکعات طواف پڑھنا مکروہ ہے، (۱) فرائض وواجبات پڑھی جاسکتی ہیں، چنانچہ فوت شدہ نمازوں کی قضاء، نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت ان اوقات میں بھی ادا کی جاسکتی ہیں۔

"تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما في
معناها إلا الفرائض ... فيجوز فيها قضاء
الفائتة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة"(۲)

عصر کے بعد نماز طواف

سوال:- {371} اگر کوئی حنفی المسلک حاجی عصر کی

---

(۱) "عن عمر ﷺ أن النبي ﷺ نهىٰ عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس و بعد العصر حتىٰ تغرب" (صحيح البخاري ، كتاب مواقيت الصلاة ، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس ،حدیث نمبر:۵۸۱-۵۸۲-۵۸۵)

(۲) الفتاوى الهندية :۵۲/۱۔

نماز کے بعد طواف کرے تو مقام ابراہیم کے مقابل کی دو رکعات
واجب طواف فوری ادا کر سکتا ہے؟ (عبدالحفیظ، مولاعلی)

جواب:- نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک حنفیہ کے نزدیک نماز طواف پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے اس وقت کوئی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے(۱) لہٰذا ایسی صورت میں دوگانہ طواف کو مؤخر کردے، مغرب کی فرض ادا کرنے کے بعد پہلے طواف کی دو رکعتیں ادا کرلے، پھر مغرب کی سنت پڑھے:

" ولو طاف بعد العصر يصلی المغرب ثم ركعتی الطواف سنة المغرب " (۲)

غروب آفتاب کے وقت نماز عصر

سوال:- {372} اگر کوئی شخص عصر کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو تو کس وقت تک اس کو پڑھنے کی گنجائش ہے؟
کیا سورج ڈھلنے کے بعد بھی عصر کی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟
(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- سورج جب ڈوبنے کے قریب ہو جائے یعنی یہ کیفیت ہو کہ سورج کی ٹکیہ پر نگاہ ٹھہرنے لگے، تو اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اگر اس دن کی عصر نہ پڑھی ہو، تو اس مکروہ وقت میں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے:

"إلا عصر يومه ذلك ، فإنه يجوز اداء ه عند الغروب" (۳)

---

(۱) دیکھئے: صحيح مسلم ، حدیث نمبر: ۸۲۵۔ محشی۔
(۲) ردالمحتار: ۳/۵۱۲۔
(۳) الفتاوی الهندية: ۱/۵۲۔

اذان اور اقامت کا بیان

بے وضو اذان

سوال:- {373} کیا وضو کے بغیر اذان دینے کی اجازت ہے؟ (محمد غوث الدین قدیر سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ وضو کی حالت میں اذان دی جائے، (۱) کیونکہ اذان نماز کی دعوت ہے، اور جب ایک شخص نے خود وضو نہیں کیا تو گویا اس نے ابھی اپنے آپ کو نماز کے لئے تیار نہیں کیا اور دوسروں کو نماز کی دعوت دے رہا ہے، جو ظاہر ہے کہ مناسب عمل نہیں، مناسب طریقہ یہ ہے کہ آدمی پہلے اپنے آپ کو جس کار خیر کے لئے تیار کرلے، دوسروں کو اس کی دعوت دے، تاہم اگر بغیر وضو اذان دے ہی دے تو یہ بھی جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) نبی ﷺ نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "لا یؤذن إلا متوضئ" "وضو کیا ہوا آدمی ہی اذان دے" (دیکھئے: السنن الکبریٰ للبیھقي: ۱/۵۸۳، حدیث نمبر: ۱۸۵۸) محشی۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: "لا بأس أن یؤذن علی غیر وضوء، ثم ینزل فیتوضأ" (حدیث نمبر: ۲۱۸۸) محشی۔

"وينبغي أن يؤذن ويقيم على طهر ، فإن أذن على غير وضوء جاز" (۱)

وقت سے پہلے اذان

سوال:- {374} کیا اذان وقت شروع ہونے سے پہلے دی جاسکتی ہے؟ مثلاً: فجر کی اذان کا وقت ۵/۳۷ منٹ پر شروع ہو تو کیا ۵/۳۰ پر اذان دی جاسکتی ہے؟

(محمد جاوید خان، وجے نگر کالونی)

جواب:- اذان کا مقصد نماز کا وقت شروع ہوجانے کی اطلاع دینا ہے، اگر وقت شروع ہوجانے سے پہلے ہی اذان دے دی جائے تو یہ مقصد فوت ہوجائے گا، اور لوگ بھی غلط فہمی میں پڑیں گے، اس لئے ظاہر ہے کہ وقت شروع ہونے کے بعد ہی اذان دینی چاہئے، قبل از وقت اذان دینی درست نہیں، اور اگر دے دی جائے تو اس کا اعتبار نہیں، خواہ فجر کا وقت ہو یا کسی اور نماز کا وقت، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا کہ بلال! جب تک صبح طلوع نہ ہوجائے اذان نہ دو، "يا بلال ! لا تؤذن حتى يطلع الفجر" (۲) نیز حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ حضرت بلال ؓ نے ایک بار صبح سے پہلے ہی اذان دے دی، تو آپ ﷺ نے ان کو اعلان کرنے کا حکم فرمایا کہ بندہ سو گیا تھا "إن العبد قد نام" (۳)

---

(۱) الهداية :۱/۲۸۲۔

(۲) السنن الكبرى للبيهقي :۱/۵۶۵، حدیث نمبر:۱۸۰۲، ابوداؤد میں بھی اس معنی کی حدیث: "حتى يستبين لك الفجر" کے الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، (دیکھئے: أبوداؤد، حدیث نمبر: ۵۳۴، باب الأذان قبل دخول الوقت (محشی)

(۳) ابوداؤد، اسی طرح ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی، دارمی، مصنف ابن ابی شیبہ، وغیرہ میں یہ حدیث "إن العبد قد نام" کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے، اگرچہ مفہوم دونوں حدیث کا تقریباً برابر ہی ہے۔ (سنن أبوداؤد :۱/۷۹، حدیث نمبر:۵۳۲، باب في الأذان قبل دخول الوقت)

تا کہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو، معلوم ہوا کہ فجر میں بھی وقت شروع ہونے کے بعد اذان دینا ضروری ہے، قبل از وقت اذان دینی درست نہیں اور اگر دے دے تو اذان کا لوٹانا واجب ہے — یہ حنفیہ کی رائے ہے، البتہ بعض فقہاء کے نزدیک صرف فجر کی نماز میں رات کے اخیر حصہ میں اذان دینے کی گنجائش ہے۔

اذان کہاں دی جائے؟

سوال:- {375} کیا حضور ﷺ کے زمانے میں اذان مسجد کے اندر ہوتی تھی جیسا کہ آج کل لوگوں نے رواج بنالیا ہے؟ ہم نے اپنی مسجد کے لوگوں سے کہا کہ باہر اذان دی جائے تو وہ ہم پر برس پڑے کہ ساری دنیا میں اندر ہی سے اذان دی جاتی ہے، اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں؟

(فرقان علی، مقام غیر مذکور)

جواب:- رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں اذان مسجد سے باہر ہوا کرتی تھی، (۱) بلکہ لاؤڈ اسپیکر کے رواج سے پہلے تک بھی مسجد کے ساتھ الگ اذان خانہ کا رواج تھا، جس سے اذان دی جاتی تھی، جب سے لاؤڈ اسپیکر کا سلسلہ شروع ہوا یہ سلسلہ متروک ہوگیا، فقہاء نے لکھا ہے کہ اذان مسجد کے باہر دی جانی چاہئے نہ کہ مسجد کے اندر، فتاوی خانیہ میں ہے:

---

(۱) چنانچہ بنی نجار کی ایک خاتون کی روایت ہے کہ میرا مکان مسجد نبوی کے اردگرد سب سے اونچا تھا، تو حضرت بلال ؓ فجر کی اذان اسی پر سے دیا کرتے تھے" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۱۹، باب الأذان فوق المنارة) نیز حضرت بلال ؓ کے بارے میں حضرت موسیٰ کی روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ حضرت بلال ؓ اذان کے لیے مقام ابطح میں تشریف لے جاتے" "رأیت بلالا خرج إلی الأبطح فأذن" (أبوداؤد، حدیث نمبر:۵۲۰) اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں، جن سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صحابۂ کرام ؓ اذان مسجد کے باہر سے دیا کرتے تھے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک آواز پہونچ سکے۔ محشی

"ینبغی ان یؤذن في المئذنة أو خارج المسجد ولا یؤذن في المسجد" (۱)

''مناسب ہے کہ اذان خانہ پر یا مسجد سے باہر اذان دی جائے مسجد میں اذان نہ دی جائے''۔

مسجد سے باہر اذان دینے کا مقصود یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اذان کی آواز پہونچ جائے، اب لاؤڈاسپیکر کی وجہ سے اس کے بغیر بھی دور تک آواز پہونچانے کا مقصد حاصل ہوجاتا ہے، اس لئے اس طرح بھی اذان دینے کی گنجائش ہے، مگر سنت سے قریب تر طریقہ یہ ہے کہ مسجد کے حدود سے باہر خواہ مسجد سے متصل ہی ہو، ایک کمرہ اذان کے لئے بنادیا جائے، جس میں لاؤڈاسپیکر نصب ہو اور وہاں سے اذان دی جائے اس طرح ایک سنت پر بھی عمل ہوجائے گا، اور دور تک آواز پہونچانے کا مقصد بھی حاصل ہوگا، بہر حال ایسے مسائل پر باہمی الجھاؤ مناسب نہیں۔

کیا محلّہ کی اذان کافی ہے؟

سوال:- {376} ایک ایسا مقام جو بہ طور عبادت گاہ نماز کے لئے استعمال کیا جارہا ہے، یعنی جو مسجد کے مقصد سے تعمیر نہیں کیا گیا، جس میں محراب بھی نہیں ہے، لیکن جائے نماز بچھی رہتی ہے، جہاں مستقل طور پر کوئی پیش امام یا مؤذن بھی مقرر نہیں ہے، نماز سے پہلے کوئی صاحب اذان دیتے ہیں، تو کوئی صاحب امامت کرتے ہیں، فجر اور مغرب کی نماز ختم ہونے کے بعد ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ کیا آپ میں سے کسی نے اذان دی تھی، اگر جواب ملا کہ کسی نے بھی اذان نہیں

(۱) الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية :۱/۷۸، ط: مکتبہ زکریا دیوبند۔ محشی

دی تو کہا جاتا ہے کہ بغیر اذان کے نماز نہیں ہوتی، پھر اذان دی جاتی ہے، اور یہ صاحب امامت کرتے ہیں، ان مراحل کے طے ہونے تک نماز کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، اس بلڈنگ کے اطراف بہت سی مساجد ہیں، جہاں سے مسلسل ایک کے بعد ایک اذان کی آواز آتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اطراف کی مساجد میں دی جانے والی اذانوں سے یہاں ادا کی گئی نماز ہو جائے گی، یا اس کے لئے علاحدہ اذان دینا چاہئے، جبکہ نماز کا وقت نکل چکا ہوتا ہے؟

(محمد وہاج الدین نظیر، راجولر، کرناٹک)

جواب:- جس جگہ نماز ادا کی جاتی ہو لیکن باضابطہ مسجد شرعی نہ ہو، اذان دی جانی ضروری نہیں، ایسی جگہ یا باغ یا گھر وغیرہ میں جماعت سے نماز پڑھی جائے تو اذان دینا بہتر تو ہے، لیکن اگر مسجد محلہ کی اذان کی آواز وہاں تک پہونچتی ہو تو بغیر اذان کے نماز پڑھ لینے میں کوئی کراہت نہیں، عالمگیری میں ہے:

"وإن كان في كرم أو ضيعة يكتفي بأذان القرية ... و إن أذنوا كان أولى " (۱)

اور علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ محلّہ کی اذان اس محلّہ کے مکانات وغیرہ کے لئے بھی کافی ہے: "إذ أذان الحي يكفيه " (۲) لہذا یہ کہنا کہ اذان نہ دینے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی درست نہیں، بلکہ نماز تو مسجد میں بھی خدانخواستہ اگر کبھی اذان نہ ہو پائی تو ہو جاتی ہے، البتہ مسجد میں اذان نہ دینا سخت گناہ ہے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۵۴۔

(۲) رد المحتار :۲/۶۲۔

اذان کا جواب

سوال:- {377} اذان کے جواب دینے کا کیا حکم ہے؟اور کیا خواتین پر بھی اذان کا جواب دینا فرض ہے؟

(مہر سلطانہ، باغ جہاں آرا)

جواب:- حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہے وہی تم بھی کہو'' (۱) البتہ بخاری میں حضرت معاویہ ﷛ اور مسلم میں حضرت عمر ﷛ سے مروی ہے کہ ''حی علی الصلاۃ '' اور ''حي علی الفلاح '' کے جواب میں '' لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ '' کہا جائے'' (۲) بعض اہل علم کے نزدیک اذان کا جواب دینا اس حدیث کی وجہ سے واجب ہے، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک زبان سے اذان کا جواب دینا مستحب ہے نہ کہ واجب، جواب دے تو ثواب ہوگا اور جواب نہ دے تو گناہ بھی نہ ہوگا، البتہ جن لوگوں پر نماز واجب ہے ان کے لئے اپنے عمل سے اذان کا جواب دینا یعنی چل کر مسجد جانا واجب ہے۔ (۳) اور حدیث میں زبان سے جواب دینے کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ استحباب کے درجہ کا حکم ہے۔

اس لئے زبان سے جواب دینا نہ مردوں پر فرض ہے اور نہ عورتوں پر، اور مستحب مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے ساتھ مخصوص کرکے یہ حکم نہیں دیا ہے، دوسرے اذان کے جواب کا مقصد اللہ تعالی سے اطاعت اور احکام

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۲۰۸، باب مایقول إذا أذن المؤذن ، نیز دیکھئے: صحیح البخاري، حدیث نمبر:۶۱۱، صحیح مسلم ، حدیث نمبر:۸۴۸، سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۵۲۲۔ محشی

(۲) صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۶۱۳ ، باب ما یقول إذا سمع المنادی ، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۸۵۰،باب استجاب القول مثل قول المؤذن الخ ۔ محشی

(۳) دیکھئے:کبیری :ص:۳۶۳۔

خداوندی سے وفاشعاری کا اظہار ہے، جیسا کہ حج میں تلبیہ کا مقصد ہے، اور ظاہر ہے مسلمان مرد ہو یا عورت، ہر ایک کو حکم خداوندی کے سامنے سر جھکانے کا اظہار کرنا چاہئے۔

بیت الخلاء میں اذان کا جواب اور درود

سوال:- {378} اگر کوئی شخص بیت الخلاء میں ہو اور اسی حالت میں اذان کی آواز آنے لگے، یا مسجد گھر کے قریب ہو اور خطبہ یا بیان کے درمیان رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک آجائے تو کیا اس حالت میں اذان کا جواب دیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھا جائے گا؟ (ایک بہن، جگتیال)

جواب:- قضاء حاجت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مکروہ ہے، اس لئے بیت الخلاء میں زبان سے نہ اذان کا جواب دیا جاسکتا ہے اور نہ درود کے الفاظ پڑھے جاسکتے ہیں، دل ہی دل میں جواب دینے اور درود پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔

اذان کے الفاظ نامکمل سنائی دیں

سوال:- {379} بعض مرتبہ اذان کے الفاظ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مکانوں کے اندر نامکمل سنائی دیتے ہیں، یعنی مؤذن صاحب کامل اذان دیتے ہیں، مگر لاؤڈ اسپیکر کے کچھ فنی نقص کے باعث اذان کے کچھ حروف نشر نہیں ہوتے، سننے والوں کو اذان ادھوری اور بے ربط سنائی دیتی ہے، جب آواز ہی نہ آئے یا ادھورے الفاظ سنائی دیں، تو ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ نئے آلہ کی خریداری عدمِ گنجائش کی مرہونِ منت ہے۔ (محمد ادریس، اے، سی، گاڈر)

جواب:- اگر اذان کے الفاظ نامکمل سنائی دیں جب بھی چوں کہ سننے والوں کو اس بات کی اطلاع ہوجاتی ہے کہ اذان دی جارہی ہے، اس لئے جو کلمات سنے اس کا جواب دینا چاہئے، اذان کا جواب دینے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اذان کے کلمات صحیح صحیح اور مکمل طور پر سننے میں آئیں، البتہ چونکہ اذان کا مقصد نماز کے بارے میں اطلاع وخبر دینا ہے، اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ یہ مقصد بہتر طور پر پورا ہوتا ہے، اس لئے مسجد کے منتظمین کو چاہئے کہ وہ ترجیحی بنیاد پر لاؤڈ اسپیکر ٹھیک کرائیں اور مسجد میں نماز پڑھنے والوں اور دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس کارِ خیر میں انتظامیہ کی مدد کریں، انشاء اللہ اس میں بڑے اجر وثواب کی توقع ہے۔

اذان کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانا

سوال:- {380} اذان کے بعد کی دعاء دونوں ہاتھ اٹھاکر پڑھنی چاہئے، یا بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے؟

(سید صفی اللہ غوری، کلثوم پورہ)

جواب:- مخصوص مواقع پر جو دعائیں منقول ہیں، جیسے کھانے سے پہلے، کھانے کے بعد، استنجاء جانے سے پہلے، فارغ ہونے کے بعد، سونے سے پہلے، اور بیدار ہونے کے بعد، اسی طرح اذان کے بعد، ان مواقع پر دعاء میں ہاتھ اٹھانا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اس لئے بغیر ہاتھ اٹھائے دعاء کرنی چاہئے۔

نابالغ کی اذان

سوال:- {381} ہماری مسجد میں اکثر مغرب کی اذان ایک لڑکا دیتا ہے، جس کی ڈاڑھی غور سے دیکھنے کے بعد محسوس ہوتی ہے کہ کچھ بال نکل آئے ہیں، کیا ایسا شخص اذان دے سکتا ہے؟

(سید شاہ نواز، فرسٹ لانسر)

جواب:- اتنے کم عمر بچہ کی اذان مکروہ ہے، جس میں ابھی شعور پیدا نہ ہوا ہو اور وہ اذان کا مقصد بھی نہ سمجھتا ہو، اور ایسی صورت میں اذان کا لوٹانا واجب ہے، جو لڑکے ابھی نابالغ ہیں، لیکن باشعور ہیں، ان کی اذان بلاکراہت درست ہے، اور بالغ شخص کا اذان دینا بہتر ہے۔

" أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية " (۱)

اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اس لڑکے کا اذان دینا درست ہے۔ (۲)

تلاوت کے درمیان اذان

سوال:- {382} اگر کوئی مکان میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہو اور اس درمیان کسی مسجد سے اذان کی آواز آنے لگے تو کیا اس دوران تلاوت روک دی جائے؟ چونکہ یہاں کئی مساجد ہیں، اور وقفہ وقفہ سے اذان کی آواز آتی رہتی ہے، تو کیا ہر دفعہ تلاوت قرآن روک دی جائے؟ اور اگر قرآن کی تلاوت کرنے والا مسجد میں ہو تو کیا اس کے لئے بھی تلاوت روک دینے کا حکم ہے؟ بعض حضرات اذان کے دوران وضو کرنا بھی روک دیتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

(محمد عبدالرشید، اعظم پورہ)

جواب:- جب آپ گھر میں قرآن کی تلاوت کر رہے ہوں، اور اذان کی آواز آئے تو

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۲/۵۹، الفتاوی الهندیة:۱/۵۴۔

(۲) "عن الشعبي ، قال : لا بأس أن يؤذن الغلام إذا أحسن الأذان قبل أن يحتلم" (باب في أذان الغلام قبل أن يحتلم، حدیث نمبر:۲۳۵۵) محشی۔

تلاوت روک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، اگر کئی مسجدوں سے آواز آئے تو اپنے محلہ کی مسجد کی اذان کا جواب دیں، اس کے بعد تلاوت جاری رکھیں۔

"... وعليه فيقطع تلاوة القرآن لوكان بمنزله
ويجيب أذان مسجده كما يأتي" (۱)

اگر مسجد میں تلاوت کر رہے ہوں تو کیا تلاوت روک کر جواب دیں؟ اس میں اختلاف ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ تلاوت روک کر جواب دینا چاہئے، کیونکہ تلاوت بعد میں بھی کی جاسکتی ہے، اذان کا جواب بعد میں نہیں دیا جاسکتا۔

وضوء کرتے ہوئے بھی اذان کا جواب دینا بہتر ہے، کیونکہ جب اذان ہو تو جواب دینے کا عمومی حکم دیا گیا ہے، اور وضوء کرتے ہوئے جواب دینے میں بہ ظاہر کوئی قباحت سمجھ میں نہیں آتی۔

اذان اور خطبہ کے وقت تلاوتِ قرآن مجید

سوال:- {383} جمعہ کا احترام کر کے لوگ قبل از وقت مسجد میں آکر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، اذان کی آواز سن کر بھی تلاوت کرنے سے رکتے نہیں، حتیٰ کہ خطبہ اولیٰ کے ختم تک تلاوت کرتے رہتے ہیں، کیا اس طرح اذان اور خطبۂ اولیٰ کے شروع ہونے پر قرآن مجید کی تلاوت کرنا شرعاً درست ہے؟ (عبدالمنعم، نرمل)

جواب:- اگر تلاوتِ قرآن مجید کے درمیان اذان ہو جائے تو گو تلاوت جاری رکھنے کی اجازت ہے، لیکن بہتر ہے کہ تلاوت سے رک کر اذان کا جواب دے، گو مسجد پہنچ چکا ہو پھر بھی

---

(۱) رد المحتار :۲/۶۸۔

مستحب طریقہ یہی ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''مراقی الفلاح'' میں ہے:

"وإذا سمع المسنون منه أي الأذان ... امسك حتیٰ من التلاوة، ولو في المسجد وهو الافضل" (۱)

البتہ خطیب کے ممبر پر آنے کے بعد تلاوتِ قرآن مکروہ ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے، (۲) کہ حدیث شریف میں خطبہ کے دوران کسی بھی ایسے عمل کی ممانعت آئی ہے، جس سے خطبہ سننے میں حرج ہو۔ (۳)

اگر تقریر کے درمیان اذان ہو جائے

سوال:- {384} ہمارے محلہ کی جامع مسجد میں دینی اجتماع تھا، ایک مشہور عالم دین کی تقریر تھی، تقریر کے دوران اذان کا وقت ہو چکا تھا، مؤذن صاحب نے اذان شروع کی، لیکن ان صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھی، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟　　(عبدالباسط، باکارم)

جواب:- حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) مراقي الفلاح: ص:۱۰۹۔

(۲) حوالہ سابق: ص:۲۸۳۔

(۳) اس بارے میں حدیث میں اتنی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ نبی ﷺ نے امام کے خطبہ دیتے وقت دوسرے گفتگو میں مشغول شخص کو خاموش کرنے کو بھی ناپسند فرمایا ہے: "أن رسول الله ﷺ قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت و الإمام يخطب فقد لغوت" (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۹۳۴، باب الانصات يوم الجمعة و الإمام يخطب، نیز دیکھئے: صحيح المسلم، حدیث نمبر:۸۵۱، أبو داؤد، حدیث نمبر:۱۱۱۲) محشی۔

جو مؤذن کہے وہی تم کہو، (۱) اسی لئے فقہاء کی رائے ہے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے، (۲) لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی شخص ذکر، یا تذکیر میں مشغول ہو تو اسے اذان کا جواب دینا چاہئے یا اپنے عمل کو جاری رکھنا اس کے حق میں بہتر ہے؟ اس سلسلہ میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ذکر، تلاوت اور تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو، تو اسے رک کر اذان کا جواب دینا چاہئے، یہ زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ ذکر کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن اذان کا جواب دینے کے لئے یہی وقت مقرر ہے، ورنہ اس ثواب اور فضیلت سے محروم رہے گا؛ البتہ تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہو، تو سلسلہ منقطع کرنے کی ضرورت نہیں۔

" لا حائضا ... و تعليم علم و تعلمه (در) فعلى هذا لو يقرأ تعليما أو تعلما لا يقطع "(۳)

بیان بھی چوں کہ ایک حد تک تعلیم وتعلم کا درجہ رکھتا ہے، اس لیے مقرر صاحب کا تقریر جاری رکھنا درست تھا —— البتہ اگر اذان کا جواب کے لیے رکنے کے بعد بھی مقرر اپنا مضمون پورا کرسکتا ہو، تو بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اذان کا جواب دے کر پھر سلسلۂ کلام کو پورا کرے؛ کیوں کہ اس میں تذکیر ودعوت کے مقصد کی بھی تکمیل ہوتی ہے، اور ایک شعائر اسلامی کا پورا پورا احترام بھی برقرار رہتا ہے۔

متعدد اذانوں میں سے کس کا جواب دے؟

سوال:- {385} ہماری بستی میں کم وبیش پانچ مسجدیں ہیں، کیا ان تمام مسجدوں کی اذان پر جواب دینا چاہئے؟ یا جو مسجد گھر سے قریب ہے، صرف اسی مسجد کی اذان کا جواب دینا

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۲۲، باب ما يقول إذا سمع المؤذن۔
(۲) کبیری: ص: ۳۷۸، رد المحتار: ۲/۶۵۔
(۳) رد المحتار: ۲/۶۶۔

چاہئے؟ (عظیم صدیقی، سبحان پورہ)

جواب:- اگر بیک وقت کئی مسجدوں میں اذان ہورہی ہوتو قریبی مسجد کی نیت سے جواب دے اوراگر یکے بعد دیگرے اذان ہوتو پہلی اذان کا جواب دینا بہتر ہے، خواہ وہ قریب کی مسجد ہو یانسبتاً دور کی، علامہ شامیؒ ابن ہمامؒ سے نقل کرتے ہیں:

"والذی نبغی إجابة الأوّل سواء کان مؤذن مسجده أو غیره ، فإن سمعهم معًا أجاب معتبرًا کون إجابته لمؤذن مسجده" (۱)

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب

سوال:- {386} ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ جمعہ کے دن اذانِ ثانی جوامام کے سامنے کھڑے ہوکر کہی جاتی ہے اس کا جواب صرف امام ہی کو دینا چاہئے، سامعین کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ (احمد سعید احمد صابری، منجریال)

جواب:- آپ کے دوست نے صحیح رہنمائی کی ہے، خطیب کے سوا کسی اور شخص کو زبان سے اذان کا جواب نہیں دینا چاہئے، فقہاء نے لکھا ہے کہ خواہ کوئی بھی خطبہ ہو، خطبہ کے درمیان سامعین اذان کا جواب نہ دیں۔

"لا حائضًا و نفساء وسامع خطبة ... أي خطبة کانت "(۲)

---

(۱) رد المحتار:۲/۷۰۔

(۲) الدرالمختار مع رد :۲/۷۷۔

جمعہ میں اذان ثانی اور اس کی جگہ

سوال:- {387} (الف) جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے ممبر کے قریب مسجد کے اندر دی جانی چاہے، یا مسجد کے باہر کے حصہ میں؟ اکثر لوگ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دیتے ہیں، یہ کس حد تک درست ہے؟

(ب) جمعہ کی اذان ثانی دینے کا حکم کس کے زمانے سے ہے، حضور ﷺ کے زمانے سے ہے، یا بعد میں شروع ہوا؟　　(قادر خان نصیر، دھرم آباد)

جواب:- (الف) خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے، فقہاء نے اس کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ خطیب کے سامنے دی جائے۔ ''فإذا جلس علی المنبر أذّن بین یدیه'' (۱) اس لئے اذانِ خطبہ کا جو مروّجہ طریقہ ہے وہ غلط نہیں۔

(ب) رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ اذان نہیں تھی؛ سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انہی کے حکم سے اس اذان کا سلسلہ شروع ہوا۔ (۲) اس زمانہ میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم حیات سے تھے، اور انہوں نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ اس سلسلہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھی جاری وساری رکھا، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے طریقہ کے ساتھ خلفاء راشدین کے طریقہ کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (۳) اس

---

(۱) کنز الدقائق مع البحر: ۲/۱۵۷۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۹۱۵۔

(۳) دیکھئے: الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۶۷۶، باب ماجاء في الأخذ بالسنة و اجتناب البدع، سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۳۴-۳۵، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔ محشی۔

لئے یہ دوسری اذان بھی سنت ہی میں داخل ہے، اور امت کا اتفاقی عمل ہے۔(۱)

''الصلاۃ خیر من النوم'' کب کہا جائے؟

سوال:- {388} ایک مسجد کے مؤذن صاحب روزانہ فجر کی اذان میں ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''الصلاۃ خیر من النوم'' چھوڑ کر اذان مکمل کر دیتے ہیں، پھر بعد میں ان کلمات کو بولتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، بی بی کا چشمہ)

جواب:- فجر کی اذان میں ''حی علی الفلاح'' کے بعد ''الصلاۃ خیر من النوم'' کہنا مستحب ہے: '' ویقول ندبا بعد فلاح أذان الفجر ، الصلاۃ خیر من النوم ''(۲) کیونکہ حدیث میں اسی موقع پر ''الصلاۃ خیر من النوم'' کہنا ثابت ہے،(۳) گو بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اذان مکمل ہونے کے بعد ''الصلاۃ خیر من النوم'' کہا جائے، لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔(۴)

اذان فجر کے چند منٹ بعد ''الصلاۃ خیر من النوم'' کی صدا لگانا

سوال:- {389} بعض مساجد کے اندرونی حصہ میں

---

(۱) چنانچہ فقہاء اربعہ نے متفقہ طور پر اسے خطبہ کی سنت سمجھا ہے۔(دیکھئے: الموسوعة الفقهية : ۱۸۱/۱۹، مادہ : خطبة ، ط: کویت) محشی۔

(۲) الدر المختار: ۵۴/۲۔

(۳) دیکھئے : أبوداؤد ، حدیث نمبر: ۵۰۰، باب کیف الأذان۔

(۴) دیکھئے: رد المحتار: ۵۴/۲۔

اذان کے لئے نصب شدہ مائک پر اذان فجر کے چند ہی منٹ بعد "الصلاۃ خیر من النوم" کی صدا لگائی جاتی ہے، کیا اس طرح کہنا درست ہے؟ (محمد حبیب الدین، قاضی باغ)

جواب:- اذان فجر کے کچھ بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ "الصلاۃ خیر من النوم" کہنا درست نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے عہد میں ایسا کرنا ثابت نہیں، امام مجاہد سے منقول ہے کہ عبداللہ بن عمر ؓ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان ہو چکی تھی، ہم نماز پڑھنا ہی چاہتے تھے کہ مؤذن نے "الصلاۃ خیر من النوم" (تثویب) کہی، حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا کہ ہمیں اس بدعت کرنے والے شخص کے پاس سے لے چلو، اور اس مسجد میں نماز ادا نہیں فرمائی۔(۱)

نشہ باز مؤذن

سوال:- {390} زید ایک مسجد میں عرصۂ دراز سے مؤذن کی حیثیت سے کارگزار ہے، دو چار سال سے اس کی عادت خراب ہو چکی ہے، اب وہ شرابی بن گیا ہے، دن ہو یا رات، حالت نشہ میں مسجد میں آجاتا ہے، نماز بھی پڑھتا ہے اور کبھی کبھی امام صاحب کی غیر حاضری میں نماز بھی پڑھاتا ہے، دو مرتبہ اس کی سرزنش بھی کی گئی، تب وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے اور شراب نہ پینے کا عہد بھی کر چکا تھا، اس کے باوجود تیسری مرتبہ بھی یہی حرکت کر بیٹھا، مصلیوں کے اعتراض کی وجہ سے زید کو مؤذن کی ملازمت سے ہٹا دیا گیا، لیکن کمیٹی کے کچھ اراکین اس کی ہمدردی میں کہتے ہیں کہ وہ

---

(۱) الجامع للترمذی ۱/۵۰، حدیث نمبر:۱۹۸، باب ماجاء في التثویب في الفجر۔

غریب ہے، نوکری سے علیحدہ کرنے پر پریشان ہوجائے گا،
لہذا مؤذن کو برقرار رکھا جائے، تو کیا زید کو ان خبیث حرکات
کے باوجود دوبارہ مؤذن کی خدمت پر مامور کیا جانا جائز ہے؟
(محمد عقیل، نواب صاحب کنٹہ)

جواب:- نشہ پینا فسق اور نشہ پینے والا فاسق ہے اور امام ومؤذن کو نیک، دین دار اور متقی ہونا چاہیے، مؤذن مقرر کرنے کا مقصد مسجد کی خدمت ہے نہ کہ غریب آدمی کی پرورش، اگر پرورش مقصود ہو تو ارکان کمیٹی اپنی طرف سے اس کا تعاون کریں، یہ ایک بہتر اقدام ہوگا، ورنہ ایسے شخص کو مؤذن رکھنا مسجد اور مصلیان مسجد کے ساتھ حق تلفی اور زیادتی ہے، نیز اگر ایسا شخص نشہ کی حالت میں اذان دے دے تو اذان کو دہرانا واجب ہے: ''ویعاد أذان المرأۃ والسکران، الخ ''(۱)

کلمات اذان میں کمی بیشی

سوال:- {391} اذان میں کمی بیشی، مثلاً ایک لفظ کو
ایک وقت ادا کرنے کے بجائے مستقلاً تین چار مرتبہ ادا کرنا
کیسا ہے؟ (سید اشرف الدین، کنڈاکرتی)

جواب:- اذان کے جو کلمات جتنی بار رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، اتنی ہی بار کہنا درست ہے، اس میں اپنی طرف سے ترمیم، کمی یا اضافہ مکروہ ہے، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"وأما بیان کیفیۃ الأذان فھو علی الکیفیۃ
المعھودۃ المتواترۃ من غیر زیادۃ ولا نقصان
عند عامۃ العلماء"(۲)

---

(۱) البحر الرائق:۱/۲۵۹۔
(۲) بدائع الصنائع:۱/۳۶۵۔

"اذان کی کیفیت کا بیان یہ ہے کہ وہ اسی طریقہ پر دی جائے
جو تواتر کے ساتھ منقول ہے، جمہور علماء کے نزدیک نہ اس
میں زیادتی کی جاسکتی ہے اور نہ کمی۔"

نیز علامہ ابن نجیم مصریؒ "شرح مہذب" سے نقل کرتے ہیں کہ اذان میں "حی علی خیر العمل" کہنا مکروہ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اور اذان میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ مکروہ ہے، "والزيادة فی الأذان مكروهة" (۱)

ہاتھ اٹھا کر اذان کی دعاء اور اس سے پہلے بسم اللہ

سوال:- {392} اذان کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے،
وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد ہاتھ اٹھا کر پڑھی جائے، یا بغیر
ہاتھ اٹھائے پڑھ سکتے ہیں؟　　(احمد سعید صابری، منچریال)

جواب:- میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں، جس میں اذان کے بعد کی دعا سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہو، دوسرے مواقع پر یہ بات تو ثابت ہے کہ آپ ﷺ دعاء سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرماتے، بلکہ آپ ﷺ نے اس کی تلقین بھی کی ہے، لیکن دعا سے پہلے خاص طور پر بسم اللہ پڑھنا غالباً منقول نہیں، اس لئے اس موقع سے صرف اذان کی دعاء پڑھنے پر اکتفا کریں، جہاں تک اس دعا میں ہاتھ اٹھانے کی بات ہے تو جو دعائیں خاص مواقع (احوال متواردہ) سے متعلق ہیں، جیسے کھانے سے پہلے اور بعد کی دعاء، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعاء، اسی طرح اذان کے بعد کی دعاء، ان دعاؤں میں میرے حقیر علم کے مطابق آپ ﷺ کا ہاتھ اٹھانا منقول نہیں، اس لئے اذان کے بعد کی دعاء صرف زبان سے پڑھنی چاہئے، کیونکہ اصل مقصود آپ ﷺ کی اتباع و پیروی ہے اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے میں ہی دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔

---

(۱) البحر الرائق ۱/۲۵۰۔

گھڑی میں اذان کا الارم

سوال:- {393} آج کل گھڑی کے الارم میں اذان بھری گئی ہے، بغیر وقت نماز کے الارم لگا کر اذان سننا جائز ہے؟ (سید حفیظ الرحمٰن، پھولانگ)

جواب:- الارم کے طور پر اذان لگانے میں کچھ حرج نہیں، حضرت بلال ﷜ رسول اللہ ﷺ کو نماز کے لئے بلاتے ہوئے "الصلاة خير من النوم " کی صدا لگاتے تھے،(۱) جو اذان ہی کا ایک فقرہ ہے، البتہ دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے، ایک تو لہو ولعب کے مقام پر ایسا الارم لگانا مناسب نہیں کہ خلاف ادب ہے، دوسرے وقت نماز شروع ہونے سے کچھ پہلے الارم لگایا اور اندیشہ ہے کہ اس کی وجہ سے نماز پڑھنے والے یا روزہ رکھنے والوں کو التباس ہو جائے گا، تو جائز نہیں، کیونکہ دھوکہ دینا سخت گناہ ہے۔

کلماتِ اذان کی بیل

سوال:- {394} آج کل گھروں میں ایسی بیل لگائی جاتی ہے جس میں اذان کے کلمات ریکارڈ ہوتے ہیں، اور بعض میں صرف "اللہ اکبر" کی آواز ہوتی ہے، ایسی بیل لگانے کا کیا حکم ہے؟ (محمد عبدالمتین، یادگیر)

جواب:- اذان کے کلمات اور اللہ تعالیٰ کا نام نامی قابلِ احترام ہے اور کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا بھی بے احترامی میں شامل ہے، چنانچہ فقہاء نے اس بات کو منع کیا ہے کہ چوکیدار لوگوں کو جگانے کے لئے " لا اله الا الله "پڑھے،(۲) اس لئے میرے خیال میں الارم

---

(۱) دیکھئے: مجمع الزوائد: ۱/۳۳۰، کنز العمال، حدیث نمبر: ۲۳۲۴۵، ۲۳۲۴۶۔ محشی۔
(۲) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۵۔ كتاب الكراهية۔ محشی۔

اور بیل وغیرہ کے لئے اللہ تعالی کے پاک ناموں، قرآن مجید کی آیتوں اور اذان کے کلمات کا استعمال کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے اقامت

سوال:- {395} کیا گھر میں یا کسی اور جگہ تنہا فرض نماز پڑھنے والے کو اقامت کہنا ضروری ہے؟

(ڈاکٹر سراج الدین، کریم نگر)

جواب:- اقامت کہنا سنتِ مؤکدہ ہے؛ بشرطیکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے، اگر تنہا نماز ادا کی جائے تب بھی اقامت کہہ دینا بہتر ہے، البتہ تنہا پڑھنے والے کے لئے سنتِ مؤکدہ نہیں، طحاوی میں ہے:

"إتيان المنفرد به على سبيل الأفضلية فلايسن في حقه مؤكدا" (۱)

اقامت سے پہلے درود شریف

سوال:- {396} ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ اقامت سے پہلے درود شریف پڑھے، کیا حدیث میں ایسا کرنا ثابت ہے؟

(محمد عبدالواحد، پالونچہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجنا نہایت اجر وثواب کا کام ہے، لیکن امامت سے پہلے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے عہد میں درود شریف پڑھنا ثابت نہیں، حدیث کی کتابوں میں اذان واقامت کے ابواب موجود ہیں، اسی طرح فقہ حنفی کی کتب میں بھی اذان و

---

(۱) طحاوی : ص:۱۰۵۔

اقامت سے متعلق ایک ایک حکم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اس میں اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں، ہاں! عام حالات میں جتنا درود پڑھا جائے کم ہے۔

اقامت کا جواب

سوال:- {397} جس طرح اذان کا جواب دینا ہے،
کیا اسی طرح اقامت کا بھی جواب دینا ہے؟

(عبدالبصیر، کوواڑ)

جواب:- جی ہاں! اذان کی طرح اقامت کا بھی جواب دینا چاہئے، فرق یہ ہے کہ اذان کا جواب دینا بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے، اور اقامت کا جواب مستحب، اقامت میں ''قدقامت الصلاۃ'' کے جواب میں'' اقامها الله و أدامها ''(۱) کہنا چاہئے:

"ویجیب الإقامة ندبا إجماعا کا لأذان ویقول
عند "قد قامت الصلاۃ" أقامها الله و أدامها "(۲)

اقامت میں دائیں بائیں چہرہ پھیرنا

سوال:- {398} اذان کہتے ہوئے''حی علی
الصلاۃ'' پر دائیں طرف اور''حی علی الفلاح ''پر

(۱) خود نبی کریم ﷺ کا یہ عمل مبارک بھی کتب حدیث میں ملتا ہے، چنانچہ بعض صحابہ ؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت بلال ؓ اقامت میں''قد قامت الصلوۃ ''پر پہونچتے، تو نبی کریم ﷺ اس وقت''أقامها الله و أدامها ''فرماتے''

''عن بعض أصحاب النبي ا ، أن بلالا أخذ في الإقامة فلما أن قال : " قد قامت الصلاۃ ، قال النبي ﷺ : " أقامها الله و أدامها ''(سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر: ۵۲۸،باب ما یقول إذا سمع الإقامة)محشی۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد:۲/۷۱۔

بائیں طرف رخ کیا جاتا ہے، کیا اقامت کہتے ہوئے بھی اسی
طرح دائیں اور بائیں رخ کرنا چاہئے؟

(محمد فیاض ، یاقوت پورہ)

جواب:- اذان میں ''حی علی الصلاۃ'' اور ''حی علی الفلاح '' پر دائیں اور بائیں گردن موڑنا حدیث سے ثابت ہے۔ (۱) لیکن اقامت میں اس طرح کہنا ثابت نہیں، وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اذان میں دور کے لوگوں کو باخبر کرنا مقصود ہے، اس لئے دائیں بائیں رخ کیا جاتا ہے، تا کہ ہر طرف مؤذن کی آواز پہنچ جائے، اقامت کا مقصد جو لوگ مسجد میں موجود ہیں، صرف ان کو متوجہ کرنا ہے اور اس میں دائیں بائیں رخ کرنے کی حاجت نہیں؛ گو بعض فقہاء نے اقامت میں بھی اذان کی مماثلت کی وجہ سے دائیں بائیں رخ کرنے کو کہا ہے، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک زیادہ صحیح اور درست یہی رائے ہے کہ اقامت میں ''حی علی الصلاۃ '' اور ''حی علی الفلاح '' پر دائیں بائیں رخ کرنا مستحب نہیں، علامہ ابن نجیم مصریؒ کہتے ہیں: '' لا یحول فیها لأنها إعلام للحاضرین '' (۲) اور جوہرہ میں ہے:

" هل يحول في الإقامة ؟ قيل : لا : لأنها إعلام للحاضرين " (۳)

کیا مؤذن ہی اقامت کہے؟

سوال:- {399} جس شخص نے اذان دی، کیا ضروری

(۱) چنانچہ حضرت بلال ؓ کا یہ عمل احادیث میں موجود ہے: '' رأيت بلالا خرج إلى الأبطح ، فأذن، فلما بلغ حي على الصلاة ، حي على الفلاح ، لوى عنقه يمينا و شمالا و لم يستدر '' (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۲۰، باب في المؤذن يستدير في أذانه) محشی۔

(۲) البحر الرائق :۱/۲۵۸۔

(۳) الجوهرة النيرة :۱/۲۶، طبع: دیوبند۔

ہے کہ وہی شخص اقامت کہے؟ یا مجبوری کی حالت میں دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اصل میں اقامت کہنا مؤذن کا حق ہے، اس لئے اگر مؤذن اقامت کہنا چاہے تو اس کو اقامت کہنے کا موقع دینا چاہئے، چنانچہ ایک بار حضرت زیاد بن حارث صدائی ﷺ نے اذان دی، اور حضرت بلال ﷺ نے اقامت کہنا چاہا، تو آپ ﷺ نے ان کو منع فرمادیا، اور کہا کہ زیاد ہی اقامت بھی کہیں گے، (۱) ہاں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرا شخص اقامت کہے، مثلاً: مؤذن اذان کہکر کہیں چلا جائے، تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کا اقامت کہنا درست ہے، اسی طرح اگر مؤذن موجود ہو اور وہ خود دوسرے سے اقامت کہنے کی خواہش کرے، یا کوئی دوسرا شخص اس کی رضامندی سے کہے، تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں، فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

" وإن أذن رجل ، وأقام رجل آخر ، غاب الأول جاز من غير كراهة ، وإن كان حاضرا وتلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره، وإن رضي به لا يكره عندنا " (۲)

حدیث سے بھی اس کا جائز اور درست ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب اذان کا سلسلہ شروع ہوا، تو پہلی بار آپ ﷺ نے حضرت بلال ﷺ سے اذان دلوائی، اور حضرت عبداللہ بن زید ﷺ سے اقامت کہلائی۔ (۳)

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۹۹، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم ۔
سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۵۱۴، باب في الرجل يؤذن و يقيم آخر ۔ محشی

(۲) الفتاوی التاتار خانية :۱/۵۲۰، نیز دیکھئے: الفتاوی الهنديه :۱/۵۴۔

(۳) سنن أبي داؤد :۱/۷۶، حدیث نمبر:۵۱۲، باب في الرجل يؤذن و يقيم آخر۔

امام کے سوا کوئی اقامت کہنے والا نہیں ہو

سوال:- {400} بسا اوقات مساجد میں ایسا ہوتا ہے کہ امام کے علاوہ کسی کو اقامت کہنا نہیں آتا، تو اس وقت امام صاحب کو کیا کرنا چاہئے؟　　(محمد سیف اللہ، بابا نگر)

جواب:- اگر کسی مسجد میں یہ صورت حال ہو، تو امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کی دینی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دے، اور ان کو اس لائق بنائے کہ وہ صحیح طور پر اذان واقامت کہہ سکیں، خود اپنی نماز پڑھ سکیں، اور بوقتِ ضرورت نماز پڑھا بھی سکیں، تاہم اگر کہیں امام صاحب کے سوا کوئی اور اقامت کہنے کے لائق نہ ہو، تو یہ درست ہے کہ خود امام ہی اقامت بھی کہہ دے، علامہ حصکفیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر خود رسول اللہ ﷺ نے سفر میں اذان بھی کہی ہے، اقامت بھی، اور نماز ظہر بھی پڑھائی ہے۔

" وفي الضياء : أنه عليه السلام أذن في سفره بنفسه وأقام وصلى الظهر " (۱)

اقامت کے بعد فصل ہو جائے تو کیا اقامت دہرائی جائے؟

سوال:- {401} اگر اقامت کہی گئی اور اقامت کے فوراً بعد نماز شروع نہیں کی گئی، تو کیا دوبارہ اقامت کہنی چاہئے؟　　(محمد ارشد، وجے واڑہ)

جواب:- فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اقامت اور نماز کے درمیان طویل فصل ہو جائے تو اقامت باطل ہو جائے گی، اس لئے ایسی صورت میں دوبارہ اقامت کہنی چاہئے، اور اگر معمولی وقفہ ہو، تو دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں، لیکن طویل اور معمولی وقفہ سے کیا مراد

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار :۲/۷۱، بحوالہ ترمذی۔

ہے؟ فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں بالکل واضح بات نہیں ملتی، علامہ ابن نجیمؒ نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اگر فجر کی اقامت کے بعد امام سنتِ فجر پڑھ لے تو اقامت کو لوٹانا واجب نہیں۔ " صلى سنة الفجر بعدها لا يجب عليه اعادتها "(۱) اس سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ دو ہلکی رکعتوں سے زیادہ تاخیر ہو جائے تو اس کو طویل فصل سمجھا جائے گا۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ طویل گفتگو یا کوئی اور طویل عمل پایا جائے، جس کو سجدۂ تلاوت کے مسئلہ میں مجلس کی تبدیلی کا باعث قرار دیا جاتا ہے، تو اقامت دہرائی جائے گی، ورنہ نہیں:

" ... إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير مما يقطع المجلس في سجدة التلاوة "(۲)

دوبارہ جماعت میں اقامت

سوال:- {402} مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اور دوبارہ جماعت کی جائے تو اقامت کہنی چاہئے یا نہیں؟

(صبغت اللہ، بنجارہ ہلز)

جواب:- اگر ایسی مسجد ہو کہ وہاں امام و مؤذن مقرر نہ ہو، مسجد شاہراہ، بازار، یا اسٹیشن وغیرہ پر واقع ہو، گزرنے والے نماز پڑھ لیا کرتے ہوں، تو ایسی صورت میں ہر گروہ کو اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا کرنا بہتر ہے:

" في مسجد ليس له امام و لامؤذن ... فإن الأفضل أن يصلي كل فريق بأذان وإقامة علاحدة " (۳)

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۲۶۳۔
(۲) رد المحتار: ۲/۷۰-۷۱۔
(۳) رد المحتار: ۲/۲۸۸۔

لیکن محلہ کی مسجد میں جہاں باضابطہ نماز ہوا کرتی ہو، اگر دوسری جماعت کرنی پڑے تو دوسری جماعت میں نہ اذان دینی چاہئے اور نہ اقامت کہنی چاہئے:

"یکره تکرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة "(۱)

اقامت کے کلمات

سوال:- {403} برسوں اس مسجد اور شہر کی دیگر مساجد میں جو حنفی المسلک ہیں، اقامت میں اللہ اکبر چار بار، دیگر کلمات دو بار اور اخیر میں لا الہ الا اللہ ایک بار کہا جاتا رہا ہے، صدر انتظامی کمیٹی کا اصرار ہے کہ "اللہ اکبر" دو بار اور دیگر کلمات صرف ایک بار کہے جائیں، اس سلسلہ میں احناف کا مسلک کیا ہے؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟

(خواجہ حبیب الدین، سالار جنگ کالونی)

جواب:- احناف کا مسلک یہی ہے جو آپ نے ذکر کیا ہے کہ تکبیر چار دفعہ کہی جائے اور" لا إله إلا الله "ایک دفعہ اور باقی کلمات دو دو مرتبہ، چنانچہ حضرت ابومحذورہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اقامت کے سترہ کلمات سکھائے (۱) اور سترہ کلمات اسی تفصیل کے مطابق ہو سکتے ہیں، دوسرے حضرت عبداللہ بن زید ؓ جنہوں نے سب سے پہلے خواب میں اذان کے کلمات سنے اور اسی خواب کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے اذان کا فیصلہ فرمایا، ان سے بھی مروی ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات آپ ﷺ کے دور میں جوڑے جوڑے ہوا کرتے تھے:

---

(۱) رد المحتار:۲/۲۸۸۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۰۰، باب کیف الأذان۔

"كان أذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا في الأذان و الإقامة" (۱)

اس لئے آپ کے صدر صاحب کو چاہئے کہ ایسا کام نہ کریں، جس سے لوگوں میں انتشار اور اختلاف پیدا ہو۔

نومولود کے کان میں اذان کس طرح دی جائے؟

سوال:- {404} اگر بچہ کے کان میں اذان دی جائے تو کیا "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" پر دائیں اور بائیں رخ کرنا چاہئے، یا اس کی ضرورت نہیں؟

(محمد بلال، جدہ)

جواب:- چونکہ "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" پر دائیں اور بائیں رخ کرنا اذان کی سنتوں میں سے ہے، (۲) اس لئے اس موقع پر بھی اس کی رعایت کرنا بہتر ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاوی تاتار خانیه" میں ہے:

"الصحيح أنه يؤذن للمولود ينبغي أن يحول علي كل حال، لأنه صار سنة للأذان فيؤتى به علي كل حال" (۳)

"صحیح قول یہ ہے کہ نومولود کے لئے اذان دے تو اس حال میں بھی دائیں اور بائیں "حی علی الصلاۃ" اور "حی

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۹۴، باب ما جاء في أن الإقامة مثنى مثنى۔
(۲) دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر:۵۰۳، باب سترة المصلي، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۲۰، نیز دیکھئے: الهداية مع شرح العلامة عبد الحي اللكنوي :۱/۲۷۵) محشی۔
(۳) الفتاوی التاتار خانية :۱/۵۱۵، الأذان نوع آخر في بيان ما يفعل فيه ۔

علی الفلاح ''پر رخ کرنا چاہئے، اس لئے کہ یہ اذان کی سنت ہے، لہذا اسے ہر حال میں کیا جائے گا''۔

فون کے ذریعہ نومولود کے کان میں اذان

سوال:- {405} دواخانہ میں تولد شدہ لڑکا یا لڑکی کے کان میں اذان کے الفاظ فون کے ذریعہ بولنے سے بچہ کے کان میں اذان کہنے کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

(ڈاکٹر سید غوث، جگتیال)

جواب:- بچے کو اذان کس وقت دی جائے؟ اس سلسلہ میں حدیث میں کسی خاص وقت کی صراحت منقول نہیں، البتہ کوشش کرنی چاہئے کہ حتی المقدور جلد اذان و اقامت کے کلمات بچہ کے کان میں کہہ دے، کیونکہ حضرت ابو رافع ﷺ کی روایت ہے کہ جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ولادت ہوئی، آپ ﷺ نے حضرت حسن ﷺ کے کان میں اذان دی، '' حین ولدته فاطمة ''(۱) اس تعبیر سے خیال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ اذان دینا بلا تاخیر تھا، اس لئے ممکن حد تک عجلت کرنی چاہئے، تا کہ بچہ کے کان میں جو پہلی آواز جائے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاک ذکر سے متعلق ہو۔

چونکہ اصل مقصود بچہ کے کان میں اذان کی آواز کا پہنچنا ہے، اس لئے فون کے ذریعہ اذان و اقامت کہنا بھی کافی ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم) لیکن بہتر یہی ہے کہ بالمشافہ اذان دی جائے، کیونکہ کان میں اذان کہنے کے جو آداب فقہاء و محدثین نے ذکر کئے ہیں، وہ اسی وقت ادا ہو سکتے ہیں، علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''نومولود کو ولادت کے وقت قبلہ رخ کر کے ہاتھوں پر رکھا

---

(۱) مرقاة المفاتیح :۸/۱۵۹۔

جائے، اس کے دائیں کان میں اذان کہی جائے اور بائیں
کان میں اقامت، نیز "حی علی الصلاۃ" میں دائیں
جانب اور "حی علی الفلاح" میں بائیں جانب رخ کیا
جائے"(۱)

ظاہر ہے یہ آداب فون پر ادا نہیں ہو سکتے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) دیکھئے: تکملۂ رافعی علی رد المحتار: ۲/۱۴۵۔

نماز کی شرائط، ارکان، واجبات اور سنتوں کا بیان

ہریالی پر نماز

سوال:- {406} ہمارے مدرسہ میں دو نمازیں مدرسہ کے صحن میں پڑھی جاتی ہیں، ایک صاحب نے کہا کہ ہریالی پر نماز نہیں ہوتی، اس لیے کہ ناک اور پیشانی زمین کو نہیں لگتی، کیا یہ درست ہے؟ (عبدالاحد، بوتھ)

جواب:- صحن اگر پاک ہو تو وہاں نماز پڑھنا درست ہے، (۱) نماز کے درست ہونے کے لیے ایسا فرش کافی ہے، جس پر پیشانی اور ناک ٹک جائے، زمین کا لگنا ضروری نہیں۔ (۲)

(۱) "تطهير النجاسة من بدن المصلى و ثوبه و المكان الذى يصلى عليه واجب" (الفتاوى الهندية :۱/۵۸) محشی۔

(۲) "لو وضع كفه بالأرض و سجد عليها يجوز على الصحيح و لو بلا عذر و الوجه في ذلك أن السجود لا يشترط أن يكون على الأرض بلا حائل" (كبيرى: ص:۲۸۵) محشی۔

شیر، چیتے کی کھال پر نماز

سوال:- {407} شیر اور چیتے کی کھال بہت قیمتی ہوا کرتی ہے، میں نے بعض ملکوں میں دیکھا ہے کہ لوگ جائے نماز کے طور پر بھی ان کا استعمال کرتے ہیں، جب کہ یہ جانور درندوں کے قبیل سے ہیں، کیا ان پر نماز پڑھنا صحیح ہے؟

(سید صادق حسین، ملک پیٹ)

جواب:- چیتا اور شیر ان جانوروں میں سے ہے کہ اگر ان کی کھال کو دباغت دے دی جائے تو وہ پاک ہوجاتی ہیں، اس لیے ان کا استعمال کرنا درست ہے اور نماز ادا ہو جائے گی، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"و لا بأس بجلود النمر و السباع كلها إذا دبغت أن يجعل منها مصلى أو منبر السراج" (۱)

البتہ چوں کہ لوگ درندہ کے چمڑوں پر از راہ تکبر بیٹھا کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اس کو سواری بنانے یعنی جانور پر زین بنانے سے منع کیا ہے۔(۲) اس سے خیال ہوتا ہے کہ ایسے چمڑوں پر بیٹھنا بھی کراہت سے خالی نہیں؛ لہذا درندہ کے چمڑوں کو جائے نماز بنانے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

طہارت خانہ کی چھت پر نماز

سوال:- {408} ایک مسجد میں صحن بیت الخلاء کی چھت سے متصل ہے، جب جمعہ وغیرہ کے موقع پر لوگ زیادہ

---

(۱) حاشیه ابن عابدين مع الدر :۹/۵۰۶، كتاب الحظر والاباحة۔

(۲) مشكوة المصابيح ،حدیث نمبر:۴۳۵۵، ۴۳۵۷۔

ہو جاتے ہیں تو طہارت خانہ کی چھت پر نماز ادا کرتے ہیں، ہماری مسجد کے ایک مصلی صاحب کا خیال ہے کہ طہارت خانہ کی چھت پر نماز درست نہیں ہوتی؟ (محمد اسحٰق، حیدرآباد)

جواب:- یہ بات درست نہیں کہ مسجد شرعی کے نیچے بیت الخلاء یا طہارت خانہ بنایا جائے، یہ احترام مسجد کے خلاف ہے، البتہ اگر مسجد تو نہ ہو، لیکن مسجد سے متصل ہو اور بوقت ضرورت لوگ اس پر نماز پڑھ لیتے ہوں تو یہ درست ہے، کیونکہ ناپاکی سطح زمین میں ہے اور نماز پڑھنے کی جگہ اور سطح زمین کے درمیان خلاء اور چھت کا فاصلہ موجود ہے، اور ایسے فاصلہ کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے:

"وإذا صلى على حجر الرحى … ظاهره طاهر وباطنه نجس يجوز عند محمد" (۱)

"إذا صلى على … بساط غليظ أوعلى مكعب ظاهره طاهر و باطنه نجس يجوز…" (۲)

مذکورہ صورت میں بھی نجاست اور نماز پڑھنے والے کے درمیان چھت حائل ہے، اس لئے نماز درست ہو جائے گی۔

اگر قبلہ مشتبہ ہو جائے؟

سوال:- {409} ہم لوگ ٹرین میں سفر کر رہے تھے، اندھیری رات تھی، قریب میں جو لوگ تھے، وہ غیر مسلم، جن کو سمت معلوم نہیں تھی، ایسی صورت میں ہمیں کس طرح نماز ادا کرنی چاہئے؟ (عبدالسمیع، ناندیڑ)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۶۲/۱۔

(۲) حوالہ سابق

جواب:- اگر قبلہ کی سمت مشتبہ ہو جائے، نہ آسمان میں کوئی ظاہری علامت ہو، نہ سمت بتانے والا آلہ موجود ہو، نہ قریب میں کوئی ایسا شخص ہو جو سمت کی رہنمائی کر سکے تو اپنے رجحانِ قلب پر عمل کرنا چاہئے، جس طرف قلب کا رجحان ہو کہ ادھر قبلہ ہوگا، اسی رخ پر نماز ادا کر لے، اگر مختلف لوگوں کا الگ الگ رجحان ہو اور کسی ایک جہت پر سبھوں کا اطمینان نہ ہو سکے تو ہر شخص اپنے رجحان کے مطابق نماز ادا کر لے:

"وإن اشتبهت عليه القبلة و ليس بحضرته من أهل ذلك المكان من يسئله عنها اجتهد" (۱)

بس میں استقبال قبلہ

سوال:- {410} اگر کوئی شخص بس میں سفر کر رہا ہو، اور بس کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہو تو وہ کس طرح نماز ادا کرے؟

(محمد سلمان، نظام آباد)

جواب:- اگر اس بات کی توقع ہو کہ نماز کا وقت باقی رہتے ہوئے وہ کہیں رکے گی، اور اتنا وقت ملے گا کہ نیچے اتر کر نماز ادا کی جائے، یا امید ہو کہ ڈرائیور اس کی خواہش پر نماز کے لئے بس روک دے گا، تو بس سے نیچے اتر کر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرے، اور اگر نیچے اتر کر نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو، تو جس طرف بھی سواری کا رخ ہو، اسی طرف رخ کر کے نماز ادا کر لینا کافی ہے، مجبوری کی وجہ سے استقبال قبلہ معاف ہے، فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"كما تسقط الأركان عن الراكب يسقط عنه الإنحراف عن القبلة" (۲)

(۱) کبیری: ص:۲۲۰۔
(۲) قاضي خان على هامش هندية: ۱/۱۷۱۔

دل کی نیت معتبر ہے یا زبان کا تلفظ؟

سوال:- {411} نماز پڑھنے سے پہلے نیت کچھ اور تھی اور عین نماز سے پہلے زبان سے کچھ اور نکل جائے تو کس نیت کا اعتبار ہوگا؟ (محمد واصل، مرادنگر)

جواب:- نیت کا تعلق اصل میں دل سے ہے نہ کہ زبان سے، زبان سے محض اس لئے نیت کے الفاظ دہرانے کی اجازت دی گئی ہے کہ استحضارِ قلبی میں اضافہ ہو جائے، لہذا اگر دل میں کسی اور نماز کی نیت تھی اور زبان سے کچھ اور نکل گیا ہو تو دل کی نیت کا ہی اعتبار ہوگا، اور اس کے مطابق اس کی نماز ادا ہو جائے گی:

"والمعتبر فيها عمل القلب ... فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب" (۱)

نیت عربی میں یا اردو میں؟

سوال:- {412} ایک عالم دین نے کہا کہ نماز کی نیت عربی میں باندھنا چاہئے، اردو میں نیت نماز باندھنا بدعت ہے؟ (محمد عبدالواحد، کھمم)

جواب:- نیت دل کے ارادہ کا نام ہے، نہ کہ زبان کے بول کا، زبان سے جو الفاظ کہے جاتے ہیں، وہ تو محض نیت کو نقل کرنا ہے، اور اس سے ذہنی استحضار مقصود ہے، اس لئے اول تو عربی یا اردو میں نیت کے الفاظ کہنا واجب یا مستحب نہیں، دوسرے چونکہ یہ کلمات نماز شروع کرنے سے پہلے کہے جاتے ہیں، اس لئے اس کو اردو میں بھی کہا جا سکتا ہے، اور عربی میں بھی۔

---

(۱) ردالمحتار :۲/۵۱۔

اردو زبان میں نیت

سوال:- {413} یہاں پالونچہ جامع مسجد میں ایک عالم صاحب نے جمعہ کی تقریر کے دوران کہا کہ عربی زبان کی بجائے اردو زبان میں نماز کی نیت کرنا بدعت ہے، نیت تو عربی ہی میں ہونی چاہئے۔ (محمد بشیر، پالونچہ)

جواب:- نیت دل کے ارادے کا نام ہے، نہ کہ زبان کے بول کا، زبان سے جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ اصل میں نیت نہیں، بلکہ نیت کی نقل ہے، نیت نماز سے پہلے کا فعل ہے نہ کہ نماز کے اندر کا، نماز کے اندر جو اذکار ہیں انہیں عربی ہی میں کہنا چاہئے، نماز کے شروع ہونے سے پہلے جو اذکار کہے جاتے ہیں، ان کو عربی زبان میں کہنا ضروری نہیں، اردو میں بھی کہا جا سکتا ہے، اس لئے اردو اور عربی میں نیت کرنے کے درمیان کوئی فرق نہیں، نہ اردو میں نیت کرنا بدعت ہے، اور نہ عربی میں نیت کرنا سنت ہے۔

امام رکوع میں ہو تو نیت

سوال:- {414} کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا، اور امام صاحب باجماعت رکوع میں ہوں تو کیا ایسے شخص کو نیت کر کے جماعت میں شامل ہونا چاہئے، یا وقت کم ہونے کی وجہ سے نیت کرنا ضروری نہیں؟ (محمد عبدالعظیم صدیقی، ظہیر آباد)

جواب:- نماز کے لئے نیت کا پایا جانا شرط ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إنما الأعمال بالنيات" (۱) البتہ نیت دل کا فعل ہے نہ کہ

---

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱، باب کیف کان بدأ الوحي إلی رسول اللہ ﷺ۔ محشی

زبان کا، جب ایک شخص وضوء کر کے مسجد میں آتا ہے، تو اسی ارادہ سے آتا ہے کہ اسے نماز ادا کرنی ہے، یہی نیت ہے، اس لئے اس صورت میں نیت پائی جاتی ہے،؛ بشرطیکہ درمیان میں کسی غیر متعلق کام میں مشغول نہ ہوا ہو، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں، بلکہ اگر زبان سے نیت کرنے کی صورت میں اس رکعت کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو تو چاہئے کہ زبان سے نیت کے کلمات کہے بغیر امام کے ساتھ شریک ہوجائے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

" النية إرادة الدخول في الصلاة والشرط أن يعلم بقلبه "(۱)

نماز کی نیت کا وقت

سوال:- {415} مقتدی کب نیت کرے ؟ اقامت سے پہلے، یا اقامت کے درمیان ؟ یا اقامت کے بعد ؟ جس جگہ پر نماز پڑھ رہا ہو کیا وہیں اقامت کہنا ضروری ہے، جماعت کھڑی ہوچکی ہو تو کیا نماز کے لئے آتے ہوئے چلنے کی حالت میں بھی نیت کی جاسکتی ہے، اگر نیت کے بعد گفتگو کرلی ہو تو کیا دوبارہ نیت کرنی پڑے گی؟ (اختر پاشا، محبوب نگر)

جواب:- نیت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ وہ عبادت سے پہلے بھی ہو اور اس سے متصل بھی، نماز سے متصل ہونے کی فقہاء نے دو صورتیں کی ہیں، ایک یہ کہ حقیقی طور پر متصل ہو، اور اس کی صورت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے نیت کرے، یہ صورت بہتر ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ حقیقتاً تو نیت عبادت سے متصل نہ ہو، لیکن حکماً متصل ہو، حکماً متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیت اور نماز کے درمیان کسی ایسے کام میں نہ لگا ہو جو نماز سے گریز کو بتاتا ہو، چنانچہ وضوء اور

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۶۵۔

تیمم کے وقت ہی نماز کی نیت کی ہو، پھر نماز پڑھنے گیا اور درمیان میں کسی ایسے کام میں مشغول نہیں ہوا تو اس کی نیت ابھی باقی ہے، اگر ایک جگہ نیت کر کے نماز کی جگہ جانے کے بعد بھی وہ نیت باقی رہتی ہے، تو چلتے ہوئے جو نیت کی جائے ظاہر ہے وہ بدرجۂ اولی کافی ہوگی، البتہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ نیت کا تعلق قلب سے ہے، نیت کے لئے ایسا قلبی استحضار ضروری ہے کہ اگر نماز شروع کرتے وقت اس سے پوچھا جائے کہ تم کونسی نماز پڑھ رہے ہو، تو وہ ادنی غور و تامل کے بغیر بتا سکے کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں، یہ تمام تفصیلات علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الأشباہ والنظائر'' میں نیت کی بحث میں لکھی ہے۔(۱)

جہاں تک نیت کے بعد گفتگو کی بات ہے، تو اگر نیت کے بعد نماز کی طرف جاتے ہوئے یا نماز کا انتظار کرتے ہوئے کچھ گفتگو کر لی جائے، تو دوبارہ نیت ضروری نہیں، اور اگر نیت کے بعد طویل گفتگو یا مباحثہ میں لگ گیا ہو جو بظاہر نماز سے اعراض اور گریز کو ظاہر کرتا ہو، تو دوبارہ نیت کرنی ہوگی۔

مقتدی کے لیے بہتر ہے کہ جس وقت امام نماز شروع کرے اس وقت اقتداء کی نیت کرے، تاہم امام کے نماز شروع کرنے سے پہلے اور نماز کے لئے کھڑے ہونے کے بعد بھی اقتداء کی نیت کر لے تو کافی ہے:

"والأفضل أن ينوى الإقتداء عند افتتاح الإمام
فإن نوى حين وقف عالما بأنه لم يشرع جاز"(۲)

اگر نیت میں اطمینان نہ ہو؟

سوال:- {416} ایک صاحب نماز میں نیت کرتے ہیں، لیکن ان کو اپنی نیت کے بارے میں اطمینان ہی نہیں ہوتا،

(۱) دیکھئے: الأشباہ والنظائر مع حاشیة الرافعی: ص: ۲۱، ط: دہلی۔
(۲) حوالہ سابق

اور مستقل شک کی کیفیت رہتی ہے، ایسے شخص کے لئے نیت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ (عبداللہ، سکندرآباد)

جواب:- ایسے شخص کو چاہئے کہ نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرلے، خواہ عربی میں ہو یا اردو میں، مثلاً: یوں کہہ لے ''میں دو رکعت فریضہ فجر کی نیت کرتا ہوں'' یہ اس کے لئے کافی ہے۔ "... من عجز عن احضار القلب في النية يكفيه ... " (۱)

نماز شروع کرنے کے بعد نیت میں تبدیلی

سوال:- {417} اگر نفل نماز پڑھ رہے ہوں، لیکن رکوع میں جانے سے پہلے نفل کی نیت ختم کر کے فجر کی قضاء کی نیت کرلے، تو کیا نیت تبدیل کرسکتے ہیں؟ اور یہ فجر کی قضاء ہوگی، یا نفل؟ (س، ج، سنتوش نگر)

جواب:- روزہ کے سوا تمام افعال میں یہ بات ضروری ہے کہ اس فعل کے کرنے سے پہلے ہی نیت کرلی جائے، اس لئے کہ فعل کے آغاز کا وقت ہی اصل میں نیت کا محل ہے، اور اسی وقت کی نیت معتبر ہوگی، جب آپ نماز ایک نیت سے شروع کر چکے، تو اب نیت کرنے کا کوئی موقع ومحل باقی نہیں رہا، لہذا اب بعد میں قضاء فجر کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے یہ نفل نماز ہی شمار ہوگی، ہاں، اگر قضاء فجر کا خیال آنے کے بعد آپ نے دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر قضاء فجر شروع کی اور از سر نو نماز ادا کی تو اب یہ فجر کی قضاء ہوگی، لیکن چونکہ آپ نفل نماز شروع کر چکے تھے، اور نفل عبادت بھی شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے، لہذا آپ پر نفل کی ان دو رکعتوں کی بھی قضاء کرنی واجب ہوگی۔ (۲) نیز یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ نفل شروع کر کے بلا عذر

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۴۸۴، مکتبہ زکریا، دیوبند۔

(۲) '' واتفق أصحابنا رحمهم الله أن الشروع في التطوع بمطلق النية لا يلزمه أكثر من ركعتين ''(الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۳، باب في النوافل) محشی۔

توڑنا جائز نہیں ہے:

" إن القطع يكون حراما و مباحا و مستحبا و واجبا ، فالحرام بغير عذر " (۱)

امام سے پہلے مقتدی نیت کرلے

سوال:- {418} باجماعت نماز میں کیا مقتدی امام سے پہلے نیت کرسکتا ہے یا امام کے تکبیر کہنے کے بعد ہی مقتدی کو نیت کرکے رکعت باندھنا چاہئے؟

(محمد خلیل الرحمان، مدینہ مسجد، محبوب نگر)

جواب:- نیت نماز شروع کرنے سے پہلے کا عمل ہے، اس لئے اگر مقتدی کی نیت امام سے پہلے ہوجائے تو کچھ حرج نہیں، جو افعال نماز میں کئے جاتے ہیں، ان میں مقتدی کا عمل امام سے پہلے نہ ہونا چاہئے، جیسے امام کے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی مقتدی نے تکبیر تحریمہ کہہ دیا تو یہ درست نہیں، نہ اقتداء صحیح ہوگی، اور نہ مقتدی کی نماز، نیت چونکہ نماز سے باہر اور نماز سے پہلے کا فعل ہے، اس لئے نیت میں اگر مقتدی امام پر سبقت کرجائے تو کوئی قباحت نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے مقتدی امام سے پہلے وضو کرلے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر گھر سے چلتے ہوئے نماز میں شرکت کا ارادہ کرلیا تھا، تو یہی نیت ہوگی، اور یہ نماز کے لئے کافی ہوگی۔ (۲)

تکبیر تحریمہ کے چند مسائل

سوال:- {419} (الف) دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ رکعت باندھتے وقت کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کے بجائے

---

(۱) شامی: ۲/۴۴۱۔

(۲) دیکھئے: ردالمحتار: ۲/۹۳۔

تھوڑا سا اوپر اٹھاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(ب) بعض لوگ تھوڑا سا جھک کر رکعت باندھتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

(ج) کچھ لوگ ہاتھ کانوں سے لگاتے ہیں، لیکن ہاتھوں کا رخ کانوں کی طرف ہوتا ہے نہ کہ قبلہ کی طرف، کیا اس طرح تحریمہ باندھا جاسکتا ہے؟ (محمد نصیر عادل، دربھنگہ)

جواب:- (الف) تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگوٹھا کانوں کی لو کے مقابل ہو، اور انگلیاں کان کے اوپری حصہ کے مقابل، اور ہتھیلی کا نچلا حصہ مونڈھوں کے مقابل، اس طرح تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھانے کی جو مختلف کیفیتیں حدیث میں مروی ہیں ان سب پر عمل ہوجاتا ہے، اس لئے فقہاء نے اسی طریقہ کو مسنون قرار دیا ہے۔(۱) چونکہ یہ سنت ہے، اس لئے اگر اس عمل کا استخفاف اور اس کو غیر اہم قرار دینا مقصود نہ ہو تو مکروہ نہیں، البتہ بہتر طریقہ کے خلاف ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ "موجب اساءت" ہے اور "اساءت" کراہت سے کمتر درجہ ہے۔(۲)

"ترك السنة لا يوجب فسادا ولا سهوا بل اساءة ... و قالوا الإسائة أدون من الكراهة" (۳)

---

(۱) الفتاوی الهندية : ۷۳/۱۔

(۲) اس بارے میں علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم مصریؒ کی رائے اس کے برعکس ہے، یہ حضرات "إساءة" کو کراہت سے فزوں تر سمجھتے ہیں، علامہ ابن نجیمؒ نے شرح منار میں لکھا ہے: "أن الإساءة أفحش من الكراهة" نیز علامہ حصکفیؒ نے "الدر المختار" میں اس کی ترجمانی کی ہے۔ (دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار :۱۷۰/۲، باب صفة الصلاة، ط: دیوبند) اسی لیے اس قول کے مطابق تحریمہ کے مسنون طریقہ کی خلاف ورزی گناہ کا باعث ہوگی۔ واللہ اعلم۔ محشی۔

(۳) الدر المختار :۷۳/۱۔

(ب) تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت سر کو جھکانا نہیں چاہئے، فقہاء نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔"وأن لا یطأطأ رأسه عند التکبیر"(۱)

(ج) ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے، نہ کہ کان کی طرف، اس طرح ہاتھ اٹھانا خلاف سنت ہے۔"یستقبل ببطون کفیه إلی القبلة"(۲)

تکبیر اولیٰ کے پانے سے مراد کیا ہے؟

سوال:- {420} حدیث پاک میں آتا ہے کہ چالیس دن تکبیر اولیٰ کی پابندی پر دو پروانے ملتے ہیں، بعض شراح نے یہ قید لگائی ہے کہ امام کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہی جائے تو تکبیر اولیٰ میں شریک ہونا شمار ہوگا، کذافی فضائل اعمال۔" زید" اس کے چھوٹنے کے اندیشہ پر سنن قبل الظہر کو نماز ظہر کے بعد ادا کرتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز عندالجمہور تکبیر اولیٰ کب تک شمار ہوگی؟　　(محمد محسن علی مظاہری)

جواب:- تکبیر اولیٰ کے پانے سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کی رائیں مختلف ہیں، احناف کے یہاں ترجیح اس کو ہے کہ رکوع پانے والا بھی تکبیر اولیٰ کو پانے والا سمجھا جائے گا،(۳) مولانا بنوریؒ نے معارف السنن میں اس موضوع پر ایک گونہ تفصیل سے بحث کی ہے۔(۴)

---

(۱) الدر المختار :۱/۷۳، نیز دیکھئے: الفتاوی الهندیة:۱/۷۳۔

(۲) الدر المختار :۱/۷۲۔

(۳) عند أبی حنیفة واجدا الرکعة الاولیٰ واجدافضل التحریمة ممتداالی الرکوع (العرف الشذی علی الترمذی :۱/۶۲)

(۴) دیکھئے:معارف السنن :۲/۳۴۶۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ ظہر کی نماز کا وقت قریب آ گیا ہو اور سنت میں مشغول ہونے کی وجہ سے پہلی رکعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو سنتِ ظہر کو مؤخر کر دینا چاہئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"إذا أقيمت الصلوٰة فلا صلوٰة إلّا مكتوبة" (۱)

ہاتھ کہاں باندھا جائے؟

سوال:- {421} نماز میں ہاتھ کس جگہ باندھنا چاہئے؟ (محمد عمر فاروق، سدی پیٹھ)

جواب:- حضرت علی ﷺ سے روایت ہے کہ نماز میں سنت طریقہ یہ ہے کہ ناف کے نیچے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھا جائے، (۲) اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مردوں کو ناف کے نیچے اور عوتوں کو سینے پر ہاتھ رکھنا افضل ہے، (۳) عورتوں کے لئے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اس میں ستر زیادہ ہے اور عورتوں کے حق میں زیادہ سے زیادہ ستر مطلوب ہے، چونکہ بعض روایتوں میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا بھی ذکر ہے، (۴) اس لئے بعض فقہاء سینہ پر ہاتھ

---

(۱) صحيح المسلم، حدیث نمبر: ۷۱۰، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن، الجامع الترمذی، حدیث نمبر: ۴۲۱۔ محشی۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۳۹۱، حدیث نمبر: ۳۹۴۵، باب وضع اليمين على الشمال، نیز دیکھئے: السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۴۸، حدیث نمبر: ۲۳۴۲، باب وضع اليمين على الصدر في الصلاة من السنة، نیز دیکھئے: أبو داؤد، حدیث نمبر: ۷۵۶۔ از محشی۔

(۳) بدائع الصنائع: ۱/۴۷۰۔

(۴) چنانچہ حضرت وائل بن حجر ﷺ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ نماز کا وقت آ گیا، تو آپ ﷺ مسجد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اور محراب میں داخل ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے تکبیر کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ مبارک پر رکھا: "عن وائل بن حجر قال: "حضرت رسول الله ﷺ إذا أوحين نهض إلى المسجد فدخل المحراب ثم رفع يديه بالتكبير ثم وضع يمينه على يساره على صدره" (السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۴۶، حدیث نمبر: ۲۳۳۵، باب وضع اليدين على الصدر في الصلاة من السنة)

باندھنے کو افضل قرار دیتے ہیں، اس مسئلہ میں زیادہ شدت نہ برتنی چاہئے اور نہ ان کو باہمی اختلاف کا ذریعہ بننے دینا چاہئے۔

نماز میں ہاتھ باندھنے کے طریقہ کی دلیل

سوال:- {422} احناف کے یہاں نماز میں ہاتھ باندھنے کا جو طریقہ ہے، کیا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟

(عبدالبصیر، مہدی پٹنم)

جواب:- فقہاءِ حنفیہ نے لکھا ہے کہ ہاتھ اس طرح باندھا جائے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپری حصہ پر ہو، انگشت شہادت اور اس سے متعلق متصل دو انگلیاں یعنی کل تین انگلیاں بائیں ہاتھ کے گٹوں پر ہوں اور انگوٹھا نیز چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹہ پر حلقہ بنالیا جائے، حنفیہ کے یہاں چوں کہ تمام حدیثوں پر عمل کرنے کا خصوصی اہتمام ہے، اسی لئے وہ کسی مسئلہ سے متعلق مختلف روایات کو جمع کرتے ہیں، اور ایسی صورت اختیار کرتے ہیں جس میں سبھوں پر عمل ہو جائے، چنانچہ حضرت سہل بن سعد ﷺ کی ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ" دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں" (۱) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دایاں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت، گٹے اور کلائی پر رکھتے تھے: "علی ظهر كفيه اليسرى و الرسغ والساعد "(۲) اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے: "يأخذ شماله بيمينه "(۳) تو پہلی روایت سے ہتھیلی کی پشت پر ہاتھ کا رکھنا معلوم ہوا، دوسری روایت سے کلائی اور گٹے پر ہاتھ رکھنا، اور تیسری

---

(۱) صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۷۴۰، باب وضع اليمنى على اليسرى ۔
(۲) سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر: ۷۲۸، باب رفع اليدين في الصلاة ۔
(۳) الجامع للترمذی ،حدیث نمبر: ۲۵۲، باب ماجاء في وضع اليمين على الشمال فی الصلاة ۔

روایت سے ہاتھ کا پکڑنا، احناف نے ان تینوں روایتوں پر عمل کرنے اور جمع کرنے کے لئے یہ کیفیت متعین فرمائی کہ ہتھیلی ہتھیلی کی پشت پر، تین انگلیاں گٹے اور کلائی پر ہوں اور دو انگلیوں سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کو پکڑا جائے، تا کہ کوئی روایت عمل سے محروم نہ رہ جائے، احادیث کی توضیح و تشریح اور اس پر عمل کرنے میں یہی احناف کا خاص منہج ہے، جس کے پیچھے تمام سنتوں کی اتباع کا جذبہ کارفرما ہے، مگر افسوس کہ جن حضرات کی نظر سطحی ہوتی ہے، وہ ایک حدیث پر عمل کر کے باقی ساری حدیثوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنے آپ کو متبع سنت خیال کرتے ہیں، اور جو لوگ تمام سنتوں کا احاطہ کرتے ہیں، ان کو تارک سنت کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث اور صحیح بخاری

سوال:- {423} احناف ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر کوئی حدیث نہیں ہے، کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث ہے؟ اگر بخاری کی حدیث ہو تو خاص طور پر اس کا ذکر کریں؟

(عبدالمعبود، ملک پیٹ)

جواب:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

"من السنة وضع الكف على الكف في الصلاة تحت السرة" (۱)

"نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے"۔

ظاہر ہے کہ جب صحابی ﷺ کسی چیز کو سنت قرار دے تو اس سے رسول اللہ ﷺ کی سنت

---

(۱) سنن أبي داؤد مع المنهل :۳/۱۶۳، حدیث نمبر:۷۵۶، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة۔

ہی مراد ہو سکتی ہے، نیز ہاتھ باندھنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کا اظہار ہے، اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں تواضع کی کیفیت زیادہ نمایاں ہے، اس لئے احناف نے اس طریقہ کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

جہاں تک بخاری کی حدیث کی بات ہے تو بخاری میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھ باندھے ہیں، لیکن ہاتھ کہاں باندھا؟ اس سلسلہ میں بخاری و مسلم میں کوئی روایت موجود نہیں، اور بطور خیر خواہی عرض کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر سنت سے محبت ہونی چاہئے، خواہ اسے بخاری نے نقل کیا ہو یا کسی اور محدث نے، بخاری کے علاوہ دوسری کتابوں کی احادیث کو رد کر دینا اتباع سنت کے جذبہ کے مغائر ہے، اس لئے ہر حدیث پر عمل کی کوشش کرنی چاہئے جو معتبر طریقہ پر ثابت ہو، خواہ وہ کسی کتاب کی ہو۔

ثناء کب پڑھا جائے؟

سوال:- {424} قراءت شروع ہونے کے بعد ثناء پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ سری نماز میں اتنی دیر میں شریک ہوا کہ امام سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ چکا ہو، تو کیا ثناء پڑھ سکتا ہے؟ ثناء کن صورتوں میں پڑھنا چاہئے؟ واضح طور پر بتلائیے؟

(عبدالرحمٰن، بی، ایچ ای، ایل)

جواب:- اگر امام قراءت شروع کر چکا ہو تو مقتدی کو اس وقت ثناء نہیں پڑھنی چاہئے، نماز خواہ جہری ہو یا سری، اس صورت کے علاوہ ثناء پڑھنے کی صورت اس طرح ہے:

(الف) امام، تنہا نماز پڑھنے والا، اور امام کے پیچھے تکبیر تحریمہ سے شریک رہنے والا، قراءت سے پہلے ثناء پڑھے گا، اگر شروع میں غفلت ہوگئی اور قراءت شروع ہونے کے بعد یاد آیا تو اس وقت ثناء پڑھنا درست نہیں، اب ثناء چھوڑ دے، کیونکہ ثناء کا حکم استحبابی ہے، واجب نہیں۔

(ب) اگر نماز شروع ہونے کے بعد امام کے رکوع میں جانے کے بعد نماز میں شامل

ہوا تو اگر اس کو قوی امید ہو کہ وہ ثناء پڑھ کر رکوع کو پاسکتا ہے تب تو ثناء پڑھ لے اور پھر رکوع میں جائے، اور اگر ثناء پڑھنے میں رکوع کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو ثناء چھوڑ دے۔

(ج) جس شخص کی ایک یا اس سے زیادہ رکعتیں چھوٹ گئیں، جس کو فقہ کی اصطلاح میں "مسبوق" کہتے ہیں، وہ امام کی نماز پوری ہونے کے بعد جب چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرنے کے لئے اٹھے، اس وقت شروع میں ثناء پڑھ سکتا ہے۔

(د) اگر قیام کی حالت میں ثناء نہیں پڑھ سکا تو رکوع کی حالت میں ثناء پڑھنا درست نہیں، بہ خلاف عیدین کی تکبیراتِ زوائد کے، اگر قیام کی حالت میں امام کی تکبیراتِ زوائد کو نہیں پاسکا تو رکوع میں یہ تکبیرات کہی جائیں گی، کیونکہ عیدین کی تکبیرات واجب ہیں، اور ثناء مستحب۔

یہ تمام احکام علامہ شرنبلالیؒ، اور طحطاوی نے ذکر کیے ہیں۔(۱)

نماز میں تعوذ اور بسم اللہ

سوال:- {425} فرض وسنت نمازوں کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تسمیہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کوئی صرف پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ، تعوذ وتسمیہ پڑھے اور بقیہ رکعتوں میں تسمیہ نہ پڑھے تو کیسا ہے؟ اور جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں مقتدی کو تعوذ وتسمیہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

(م، ع، فاروقی، محبوب نگر)

جواب:- تعوذ تو صرف پہلی رکعت میں پڑھنا ہے، لیکن بسم اللہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھنا مسنون ہے، خواہ وہ فرض ہو یا سنت، امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے: "أنه يأتي بها في كل ركعة" (۲) البتہ سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد والی سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا

(۱) مراقي الفلاح مع طحطاوی: ص:۱۵۲-۱۵۳، ط: دمشق۔
(۲) بدائع الصنائع: ۱/۴۷۷، ط: دیوبند۔ محشی۔

جائز ہے نہ کہ مسنون، البتہ تعوذ و تسمیہ کا تعلق قرآن مجید کی قراءت سے ہے، اس لئے جس کے ذمہ قرآن کی تلاوت ہو وہ تسمیہ و تعوذ پڑھے گا، یعنی امام اور منفرد، مقتدی کے ذمہ چونکہ قراءت نہیں؛ اس لئے وہ تعوذ اور تسمیہ بھی نہیں پڑھے گا:

" إن التعوذ سنة القراء ة فيأتي به كل قارئ للقرآن ... لا يأتي به المقتدى " (۱)

تکبیراتِ انتقال کہنے کا طریقہ

سوال:- {426} بہت سے ائمہ حضرات جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہاتھ باندھنے کے بعد " اللہ اکبر " کہتے ہیں، اور سجدہ وقعدہ سے آدھی دور تک اٹھنے کے بعد " اللہ اکبر " کہتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(عبدالغفور، فیل خانہ)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر '' اللہ اکبر '' کہتے، (۲) اس لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے، '' اللہ اکبر '' کہتے ہوئے ہاتھ نیچے لائے، اور باندھ لے۔ (۳)

اسی طرح ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے جو تکبیرات اور اذکار ہیں، ان کے سلسلہ میں بھی اصول یہی ہے کہ جونہی اگلے رکن کی طرف منتقل ہونا شروع ہو،

---

(۱) البحر الرائق :۱/۳۱۲-۳۱۱۔

(۲) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۳۸، باب : إلى أين يرفع يديه ، صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۳۹۰، باب استحباب رفع اليدين الخ۔ محشی۔

(۳) البحر الرائق :۱/۳۰۵۔

''اللّٰہ اکبر'' کہنا شروع کرے، اور دوسرے رکن میں پہنچنے تک تکبیر ختم کرلے، جب قیام سے رکوع میں جائے تو جونہی جھکے تکبیر شروع کرلے اور رکوع کی کیفیت میں پہنچنے سے پہلے تکبیر ختم کردے۔

" فیبدأ بالتکبیر مع ابداء الانحناء ویختمه بختمه " (۱)

اسی طرح دوسرے ارکان میں بھی تکبیرات کہنی ہیں۔

تکبیراتِ انتقال، رکوع وسجدہ میں

سوال:- {427} بعض ائمہ رکوع اور سجدہ میں آخر میں تکبیر کہتے ہیں، اور بعض رکوع اور سجدہ کی ابتداء ہی میں تکبیر مکمل کرلیتے ہیں، تکبیر کس طرح اور کب شروع کریں؟

(محمد عبدالحمید، بیدر)

جواب:- تکبیر کہنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جونہی رکوع اور سجدہ کے لئے جھکے تکبیر کہنا شروع کرے، اور رکوع اور سجدہ کی کیفیت میں پہنچنے تک تکبیر مکمل کرلے:

" ویکبر مع الانحطاط ، قالوا :و هو الأصح له) وابتداء ه عند أول الخرور وفراغه عند الاستواء " (۲)

البتہ اگر کوئی شخص تکبیر کو اتنا دراز کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہو تو جیسے ہی جھکے تکبیر کہے؛ البتہ اگر امام ضعیف ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ شروع میں تکبیر کہنے کی وجہ سے مقتدی اس سے پہلے ہی

---

(۱) مراقي الفلاح :ص:۱۵۴۔

(۲) البحر الرائق :۱/۳۱۵۔

رکوع یا سجدہ میں چلے جائیں گے، تو اس کے لئے مناسب ہے کہ رکوع اور سجدہ کے قریب پہنچ کر تکبیر کہے؛ تا کہ کسی رکن میں مقتدی امام سے پہلے نہ چلے جائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔(۱)

رکوع وسجدہ میں تسبیحات کی مقدار

سوال:- {428} ہمارے امام صاحب نماز میں بڑا لمبا سجدہ کرتے ہیں، '' سبحان ربي الأعلی '' تین بار پڑھنا ہے، یا سات بار یا اس سے بھی زیادہ؟ (ذاکر شریف، گلبرگہ)

جواب:- رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کم سے کم تین بار کہنی چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

'' جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے اور رکوع میں تین بار '' سبحان ربي العظيم '' اسی طرح سجدہ میں تین بار '' سبحان ربي الأعلى '' کہے تو اس نے رکوع وسجدہ مکمل کر لیا، لیکن فرمایا کہ یہ تسبیحات کی کم سے کم مقدار ہے '' (۲)

اس لئے فقہاء نے لکھا ہے:

'' کم سے کم رکوع اور سجدہ میں تسبیح کی مقدار تین دفعہ ہے،

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۶۲۳۔

(۲) الجامع الترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۱، باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود۔ یہ مرفوع حدیث ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں، اور الفاظ حدیث یہ ہیں: '' عند ابن مسعود : أن النبي ﷺ قال : " إذا ركع أحدكم فقال في ركوعه " سبحان ربي العظيم " ثلاث مرات ، فقد تم ركوعه ، و ذلك أدناه ، و إذا سجد فقال في سجوده " سبحان ربي الأعلى " ثلاث مرات ، فقد تم سجوده ، و ذلك أدناه '' (الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۱، باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود) محشی۔

اوسط درجہ پانچ ہے اور سب سے کامل درجہ سات دفعہ تسبیح
پڑھنے کا ہے،(۱)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ امام ہوتے تو عام معمول تین بار تسبیح پر اکتفا کرنے کا تھا، چنانچہ حضرت ابو بکر ؓ سے مروی ہے ''رسول اللہ ﷺ رکوع میں تین بار اور سجدہ میں تین بار پڑھا کرتے تھے؛ (۲) البتہ تہجد کی نماز میں تسبیحات کی مقدار زیادہ ہوا کرتی تھیں، کیونکہ آپ ﷺ کا رکوع اور سجدہ بہت طویل ہوتا، اور رکوع اور سجدہ کی مقدار بھی قریب قریب قیام ہی کی ہوتی تھی۔ (۳)

امام کو چاہئے کہ اتنی تسبیحات پڑھے کہ مقتدیوں کو اکتاہٹ نہ ہو۔

"وإن كان إماما لايزيد على وجه يمل القوم"(۴)

اسلئے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ امام کو پانچ دفعہ تسبیحات پڑھنی چاہئے، تاکہ تیز پڑھنے والوں کو زیادہ انتظار کرنا نہ پڑے، اور آہستہ پڑھنے والوں کی تین تسبیحات پوری ہوجائیں:

"ينبغي للإمام أن يقول خمسا ليتمكن القوم من الثلاث "(۵)

کب رکوع میں شمولیت سمجھی جائے گی؟

سوال:- {429} کسی بھی نماز کی جماعت میں اگر رکوع میں شامل ہوجائیں، تو اس رکعت کو شمار کیا جائے گا، لیکن

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۷۵۔
(۲) مجمع الزوائد:۲/۱۲۸۔
(۳) صحيح المسلم ،حدیث نمبر:۱۷۹۹،باب صلاة النبي و دعاء ه بالليل ۔محشی۔
(۴) الفتاوی الهندية :۱/۷۵۔
(۵) مجمع الأنهر :۱/۹۶۔

اگر رکوع میں ایسے وقت داخل ہوئے کہ ایک مرتبہ بھی پوری طرح سے "سبحان ربي العظيم" نہ پڑھ سکیں، تو کیا اس صورت میں بھی رکوع اور رکعت میں شمولیت سمجھی جائے گی ؟ یا ایک بار تسبیح پڑھنے پر ہی رکعت شمار کی جائے گی ؟ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ "اللّٰہ اکبر" کہہ کر رکوع میں جاتے رہتے ہیں، اور امام صاحب تکبیر کہتے ہوئے اٹھتے ہیں، تو ایسی صورت میں کیا تصور کرنا چاہئے ؟

(نادر المسدرسی، مغلپورہ)

جواب:- اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے ایک لحہ بھی مقتدی نے امام کو رکوع میں پالیا، گو ایک تسبیح سے کم ہو، تو وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا، البتہ اگر امام رکوع سے اٹھنے کی حالت میں ہو اور مقتدی جانے کی حالت میں، تو اس رکعت کو دہرانا ہوگا:

" ولكنه لم يدرك الركعة حيث لم يدرك في جزء من الركوع قبل رفع رأسه منه ... " (۱)

رکوع میں امام کو پانے کی حد

سوال:- {430} جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد لوگ جلدی سے جا کر جماعت میں شریک ہوجاتے ہیں، بعض لوگوں کو رکوع کی تسبیح ایک مرتبہ بھی پڑھنے کا موقع نہیں مل پاتا، تو کیا اس رکعت کو بھی شمار کیا جائے گا اور وہ اس کو پانے والا سمجھا جائے گا؟　　(مرزا الطاف بیگ، کنڈا کرتی)

---

(۱) مراقي الفلاح : ص:۲۴۷۔
نیز دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار : ۵۱۶/۲۔ محشی۔

جواب:- امام کے ساتھ شامل ہونے کے لئے دوڑتے ہوئے نہ جانا چاہئے کہ اس سے سانس اکھڑنے لگتی ہے اور خشوع وخضوع باقی نہیں رہتا، اسی لئے آپ ﷺ نے وقار کے ساتھ چل کر جانے کا حکم دیا ہے(۱) تاہم اگر کوئی شخص امام کو ایک لحہ بھی رکوع میں پالے، یہاں تک کہ قیام کی حالت سے پہلے اٹھتی ہوئی حالت میں، تب بھی اقتداء درست ہو جائے گی، اور وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا:

"... الأصح أن يعتدبها إذا وجدت المشاركة قبل أن يستقيم قائما و إن قل " (۲)

رکوع پانے سے رکعت پانے کی دلیل

سوال:- {431} اگر کوئی شخص رکوع میں شامل نماز ہو تو عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے رکعت پالی، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ رکوع پانا اس رکعت کا پانا نہیں ہے، کیا اس سلسلہ میں حدیث سے کوئی روشنی ملتی ہے؟

(عبدالماجد نظامی، ٹولی چوکی)

جواب:- امام مالکؒ نے حضرت ابوہریرہ ؓ کا قول نقل کیا ہے: "من أدرك الركعة فقد أدرك السجدة "۔ اس میں اہل علم کے نزدیک رکعت سے رکوع مراد ہے، اور سجدہ سے رکعت نماز، کیونکہ دوسری احادیث میں بھی سجدہ بمعنی رکعت استعمال ہوا ہے، اب معنی یہ ہوئے کہ جس نے رکوع پایا اس نے رکعت پالی، اور آگے یہ فقرہ ہے کہ "جس سے سورۂ فاتحہ فوت ہوگئی وہ خیر کثیر سے محروم ہوا":

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۷۲، باب السعي إلى الصلاة، صحيح المسلم، حدیث نمبر:۱۳۵۹۔ محشی۔

(۲) الفتاوى الهندية:۱/۱۲۰۔

"ومن فاتتہ قراءة بأم القرآن فقد فاته خیر کثیر" (۱)

حضرت ابوہریرہ ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر کوئی شخص حالت قیام میں شریک نماز نہ ہو سکے تو گویا بڑی محرومی کی بات ہے، لیکن بہرحال رکوع پالینے کی وجہ سے وہ اس رکعت کو پانے والا متصور ہوگا۔

مشہور فقیہ امام طحاویؒ نے حضرت ابوہریرہ ﷺ ہی سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " من أدرك الركوع فقد أدرك الركعة " (۲) "جب تم نماز میں آؤ اور ہم لوگ سجدہ کی حالت میں ہوں، تو تم بھی سجدہ میں شریک ہو جاؤ" اور اسے کچھ شمار نہ کرو، اور جس نے رکوع کو پالیا اس نے رکعت پالی" (۳) اس لئے صحیح یہی ہے کہ جو شخص رکوع کو پالے وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا۔

رکوع سے اٹھنے کے بعد تکبیرات زوائد

سوال:- {432} ہمارے محلہ کی مسجد میں ایک حافظ قرآن نے نماز عید کی امامت کی، انہوں نے دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ پڑھنے کے بعد تکبیرات زوائد نہیں کہی اور رکوع میں چلے گئے، البتہ رکوع سے اٹھنے کے بعد ان زائد تکبیرات کو ادا کیا اور سجدہ میں چلے گئے، کیا امام صاحب کا یہ عمل درست ہے؟ (محمد اسحاق الدین، حافظ بابا نگر)

---

(۱) موطأ إمام مالك :۱/۴۔

(۲) طحطاوی :۱/ ۲۴۸۔

(۳) دیکھئے: الجامع الترمذی ،حدیث نمبر:۵۹۱،باب ما ذكر في الرجل الذي يدرك الإمام و هو ساجد كيف يصنع ؟۔محشی۔

جواب:- اگر تکبیرات زوائد کہنا بھول جائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان تکبیرات کو رکوع میں کہے، قیام میں واپس آکر تکبیرات کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے:

"لو ركع الإمام قبل أن يكبر فإن الإمام يكبر في الركوع ولا يعود إلى القيام ليكبر في ظاهر الرواية ، فلو عاد ينبغي الفساد" (۱)

اگر رکوع میں تکبیر کہنا یاد نہیں رہا یا مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے نہیں کہہ پایا اور نماز پوری کرلی تو یہ بھی کافی تھا، بغیر سجدۂ سہو کے بھی نماز درست ہو جاتی ہے، کیونکہ عید اور ایسی نمازیں جن میں اژدحام زیادہ ہوتا ہو ان میں سجدۂ سہو ضروری نہیں، بغیر سجدۂ سہو کے بھی نماز ہو جاتی ہے:

"لا يسجد للسهو في العيدين و الجمعة لئلا يقع الناس في فتنة" (۲)

"ربنا لك الحمد" میں اضافہ

سوال:- {433} ایک صاحب نے جماعت کی نماز میں امام صاحب کے "سمع الله لمن حمده" کہنے کے بعد اس طرح کہا: "ربنا لك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه" کیا اس طرح تحمید کے کلمات کہے جاسکتے ہیں؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- حضرت رفاعہ بن رافع ﷺ سے مروی ہے:

"ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی عید گاہ میں نماز ادا

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۵۷۔
(۲) الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۸۔

کررہے تھے، جب حضور ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا: "سمع الله لمن حمده" تو آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے کہا: "ربنا لك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه" جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا یہ کہنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ اس کو لکھنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے کوشاں ہیں"۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز میں اس طرح تحمید کے کلمات کہے جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ صحابہ ﷺ کا جو عام معمول تھا، وہ یہی کہ جماعت کی نماز میں صرف "ربنا لك الحمد" کہنے پر اکتفاء کرتے، خود رسول اللہ ﷺ کی ہدایت بھی یہی منقول ہے کہ جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم "ربنا لك الحمد" کہو۔(۲) اس لئے احناف اور اکثر فقہاء کی رائے یہی ہے کہ فرض نمازوں میں اتنے ہی پر اکتفاء کرنا بہتر ہے، البتہ نفل نماز میں تحمید کے وہ کلمات کہے جس کا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے، کیونکہ نفل میں بمقابلہ فرض کے گنجائش زیادہ ہے۔ رہ گیا حضور ﷺ کا ارشاد تو اس کا مقصد ان کلمات کی تحسین ہے، نہ کہ عمل کی توثیق، یعنی حضور ﷺ کا یہ مقصود نہیں کہ لوگ اس طرح کلمہ تحمید کہا کریں، اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ ﷺ نے دوسرے صحابہ ﷺ کو بھی اس طرح کہنے کی ترغیب دی ہوتی، بلکہ اس کا مقصد ان حمدیہ کلمات کی تحسین ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری: ۱/۱۱۰، حدیث نمبر: ۷۹۹، باب نمبر: ۱۲۶۔ محشی۔

(۲) صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۷۹۹، باب فضل اللّٰهم ربنا لك الحمد۔ محشی۔

سجدہ کا طریقہ

سوال:- {434} (الف) کیا سجدہ میں دونوں پیر زمین سے اٹھا کر رکھنے کی صورت میں نماز ہو جاتی ہے؟

(ب) سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا چاہئے، یا پھیلا کر؟

(ج) سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھیں یا دونوں گھٹنے؟ (این، محمد شرف الدین ارشد، مشیر آباد)

جواب:- (الف) رسول اللہ ﷺ نے جن اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، ان میں ایک دونوں پاؤں بھی ہے، (۱) لہٰذا اگر کسی شخص نے سجدہ کیا اور بلا عذر پاؤں زمین پر نہیں رکھا، تو اس کا سجدہ درست نہیں ہوگا، اگر ایک پاؤں زمین پر رکھا اور ایک اٹھائے رکھا، تو سجدہ ادا ہو جائے گا لیکن یہ صورت مکروہ ہے، پاؤں رکھنے سے مراد پاؤں کی انگلیوں کو زمین پر رکھنا ہے، اگر پاؤں کی انگلیوں کے بجائے تلوے کے مقابل پاؤں کے اوپری حصہ کو زمین پر رکھا تو یہ کافی نہیں، انگلی نہیں رکھی تو بھی سجدہ ادا نہیں ہوگا، کیوں کہ پاؤں کے رکھنے کا مقصود انگلیوں کو قبلہ کی سمت متوجہ رکھنا ہے:

"إنّ المراد بوضع الأصابع توجيهها نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها وإلا فهو وضع ظهر القدم" (۲)

(ب) سجدہ میں ہاتھ اس طرح رکھنا چاہئے کہ انگلیاں ملی ہوئی ہو، "ضاما أصابع يديه" (۳) رکوع میں انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجدہ کی حالت میں ملا کر رکھنا مسنون ہے، دوسرے

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۷۲۔
(۲) الدر المختار: ۲/۲۰۲۔ (زکریا)
(۳) رد المحتار: ۲/۲۰۳۔

مواقع پر حالتِ اعتدال میں رکھنا چاہئے، یعنی اس کیفیت پر جس پر عام طور پر انگلیاں ہوا کرتی ہیں۔(۱)

(ج) سجدہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زمین سے جو عضو جتنا قریب ہو، اسی ترتیب سے اعضاءِ سجدہ زمین پر رکھے جائیں، یعنی پہلے گھٹنہ، پھر ہاتھ، اس کے بعد ناک، پھر آخر میں پیشانی:

"إذا اراد السجود يضع أولاً ماكان أقرب إلى الأرض" (۲)

اس لیے پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ۔

سجدہ میں ہاتھ کس طرح رکھیں؟

سوال:- {435} سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو کہنی تک زمین پر بچھائے رکھنے سے کیا نماز ادا ہو جائے گی؟ سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (محمد عبدالمنعم، نرمل)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھایا جائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کتے کے بچھانے کی طرح اپنے ہاتھ نہ بچھایا کرے۔(۳) سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ گٹوں سے کہنیوں

(۱) کبیری: ص:۲۸۰۔

(۲) الفتاوى الهندية :۱/۷۵۔ "عن نافع عن ابن عمر ﷺ أنه كان يضع ركبتيه إذا سجد قبل يديه و يرفع إذا رفع قبل ركبتيه" (مصنف ابن أبي شيبة :۱/۲۳۶، حدیث نمبر:۲۷۰۶) محشی۔

(۳) سنن نسائی، عن انس ، حدیث نمبر:۱۱۰۴، باب النهي عن بسط الذراعين في السجود ، "عن عبد الله بن سعيد عن جده عن أبي هريرة ﷺ يرفعه أنه قال : إذا سجد أحدكم فليبدئ بركبتيه قبل يديه و لا يبرك بروك الفحل "(مصنف ابن أبي شيبة:۱/۲۳۶، حدیث نمبر:۲۷۰۲۔ محشی۔

تک کا حصہ زمین سے الگ رہے، آپ ﷺ سجدہ میں تشریف لے جاتے تو ہاتھ کا زمین اور بازو کا پہلو سے اتنا فاصلہ ہوتا کہ بغل مبارک کی سفیدی نظر آ جاتی:

"کان إذا صلی خرج بین یدیه حتی یبدو بیاض إبطیه"(۱)

البتہ عورتیں بازو کو پہلو سے اور پیٹ کو رانوں سے ملا کر اور سمٹ کر نماز ادا کریں گی، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ہدایت فرمائی ہے،(۲) اور خواتین کے لئے اس میں زیادہ ستر ہے۔

قالین پر سجدہ

سوال:- {436} مساجد میں نرم قالینیں بچھی ہوئی ہیں، حالانکہ حکم یہ ہے کہ سجدہ سخت جگہ پر کیا جائے، گھروں میں بھی خواتین نرم مصلی استعمال کرتی ہیں، ایسی نرم چیزوں پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ (محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- سخت جگہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوہے یا پتھر پر سجدہ کیا جائے، سخت جگہ کا مطلب یہ ہے کہ پیشانی ٹک جائے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ گھاس، بھوسہ، اسپنج، یا برف پر سجدہ کیا جائے، اور پیشانی اور ناک ٹک جائے، اور کسی سخت جگہ جا کر رک جائے، تو یہ بھی کافی ہے:

"ولو سجد علی الحشیش أو علی التبن أو علی القطن أو الطنفسة أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ویجد حجمه یجوز"(۳)

اس لئے مروجہ قالین اور مصلی پر نماز درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۳۹۰۔ محشی۔
(۲) سنن بیهقی: ۲۲/۲۲۳-۲۲۲۔
(۳) الفتاوی الهندیة: ۱/۷۰، ط: مکہ مکرمۃ۔ محشی۔

سجدہ میں دعا کی ہیئت

سوال:- {437} سجدہ میں دعا کرنے کی ہیئت کیا ہونی چاہئے؟ (حاجی سید صابر علی چشتی، ناندیر)

جواب:- نفل نمازوں کے سجدہ میں عربی زبان میں دعا کی جاسکتی ہے،(۱) اس کے لئے کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں، بلکہ سجدہ کی جو معروف کیفیت ہے، اسی میں دعا کرنا چاہئے، جیسا کہ رسول ﷺ سے نماز تہجد میں دعا کرنا ثابت ہے۔ بعض لوگ سجدہ میں دعا کرنے کے لئے ہاتھوں کو اس طرح بچھا دیتے ہیں کہ پشت زمین پر ہوتی ہے اور ہتھیلی اوپر کی طرف، یعنی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی مشابہت اختیار کی جاتی ہے، یہ درست نہیں ہے کہ اس طرح کا عمل آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔(۲)

---

(۱) نبی علیہ السلام نے اس کی تلقین بھی فرمائی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام فرمایا: ''بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں رہتا ہے، تو اس حالت میں زیادہ سے زیادہ دعاء کرنی چاہئے:''أقرب ما یکون العبد من ربه و هو ساجد فأکثروا من الدعاء''(سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۸۷۴، باب الدعاء في الرکوع و السجود) خود نبی علیہ السلام کا بھی معمول مبارک یہی تھا،(دیکھئے:سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۸۷۷، باب الدعاء في الرکوع و السجود) محشی۔

(۲) حالت سجدہ میں نبی علیہ السلام کے دعاء مانگنے کی ہیئت کیا ہوتی تھی؟ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث سے روشنی پڑتی ہے، جس میں فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ سجدہ میں ہوتے اور آپ ﷺ کے دونوں پاؤں کھڑے ہوتے اور آپ ﷺ دعاء میں مشغول ہوتے یعنی سجدہ کی حالت میں بغیر ہاتھ پھیلائے ہوئے ہی آپ ﷺ دعاء کے کلمات فرماتے:'' عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها قالت : "فقدت رسول اللہ ﷺ ذات لیلة فلمت المسجد فإذا هو ساجد و قدماه منصوبتان و هو یقول : " أعوذ برضاك من سخطك و أعوذ بمعافاك من عقوبتك و أعوذ بك منك ، لا أحصی ثناء علیك ، و أنت کما أثنیت علی نفسك ''(أبوداؤد، حدیث نمبر: ۸۷۹،باب في الدعاء في الرکوع و السجود) محشی۔

نماز میں جلسۂ استراحت

سوال:- {438} سجدہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بعض لوگ پہلے بیٹھتے ہیں، اور بیٹھ کر پھر اٹھتے ہیں، تو اس طرح بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنا سنت ہے؟

(عبدالسلام، ملے پلی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے سجدہ سے اٹھنے کی دونوں کیفیتیں ثابت ہیں، بیٹھ کر پھر کھڑا ہونا، بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہونا، (۱) اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، اس بیٹھک کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے، بعض فقہاء کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون اور بہتر ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اصل مسنون طریقہ یہ ہے کہ بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہو، بیٹھ کر اٹھنے والی روایت کے بارے میں احناف کا خیال ہے کہ غالباً آپ ﷺ بوڑھاپے اور جسم کے بھاری ہونے کے بعد اس طرح اٹھا کرتے تھے، (۲) گویا یہ عذر کی بناء پر تھا۔

حنفیہ کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، بہتر جلسۂ استراحت نہیں کرنا ہے، لیکن کر لے تو جائز ہے، کراہت بھی نہیں، چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ جلسۂ استراحت کے بارے میں فرماتے ہیں: " ولو فعل لا بأس "۔ (۳)

قعدہ میں ہاتھ رکھنے کا طریقہ

سوال:- {439} جس قعدہ میں تشہد پڑھا جاتا ہے تو

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۸۲۳، باب من استوی قاعدا في وتر من صلاته ثم ینھض ، نیز دیکھئے: مصنف ابن أبي شیبة ، باب من کان یقول إذا رفعت رأسك الخ ۔ محشی۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) الدر المختار علی ھامش رد :۲/۲۱۳۔

گھٹنوں کے برابر ہاتھ کو موڑ کر رکھنا ہے یا اپنی ران پر سیدھا رکھنا ہے، شرعی اعتبار سے کیا صحیح ہے؟

(محمد شجاع الدین، کالے پتھر)

جواب:- قعدہ کی حالت میں ہاتھ ران پر اس طرح رکھنا چاہئے کہ ہاتھ کا آخری حصہ گھٹنوں پر رہے، ہاتھ موڑنا نہ چاہئے، کیونکہ مقصود انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا ہے، (۱) اور اگر گھٹنوں کی طرف موڑ لیا جائے تو انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف باقی نہیں رہے گا۔

سلام سے پہلے وضو ٹوٹ جائے؟

سوال:- {440} احناف کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ اگر کسی شخص کا آخری قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد وضو ٹوٹ جائے تو اس کی نماز درست ہو جاتی ہے، یعنی اس کے لئے سلام کرنا ضروری نہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟ (احسان اللہ، دربھنگہ)

جواب:- احناف کے یہاں بھی یہ بات واجب ہے کہ سلام پر نماز ختم کی جائے، (۲) یہاں تک کہ اگر کسی شخص کا سلام سے پہلے وضوء جاتا رہے تو اسے چاہئے کہ وضو کر کے آکر بیٹھے اور درود و دعاء پڑھ کے سلام پھیر کر اپنی نماز مکمل کرے، لیکن اگر کوئی شخص ایسا نہ کرے تو نقص اور کوتاہی کے ساتھ اس کی نماز ادا ہو جاتی ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص اپنی نماز کے آخر میں بیٹھے اور سلام سے پہلے اس کا وضوء ٹوٹ جائے تو اس کی نماز درست ہو گئی:

---

(۱) دیکھئے: الهداية مع حاشية عبد الحي اللكنوي: ۱/۳۳۶، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۹۷۵، باب كيف الجلوس فى التشهد۔ محشی۔

(۲) ''و يجب لفظ السلام'' (دیکھئے: الفتاوى الهندية: ۱/۷۲) محشی۔

" إذا أحدث وقد جلس في آخر صلاة قبل أن
يسلم فقد جازت صلاته " (۱)

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تشہد کی تعلیم دی اور فرمایا کہ جب تم نے یہ کرلیا یا یہ کہہ لیا تو تمہاری نماز مکمل ہوگئی: "إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتك "(۲) اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں نماز ادا ہوجاتی ہے۔

دونوں سلام واجب ہیں یا ایک؟

سوال :- {441} نماز میں دونوں سلام واجب ہیں یا
ایک ہی سلام؟ (عبدالباری، کلکتہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: نماز سے حلال ہونے کا طریقہ سلام ہے: " و تحليلها التسليم " (۳)—— اور اپنے عمل سے سلام کا طریقہ متعین فرمادیا کہ دائیں، بائیں دو سلام کئے جائیں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ پہلے سلام کی طرح دوسرا سلام بھی واجب ہے: "فالثاني واجب على الأصح "(۴) گو بعض اہل علم کی رائے ہے کہ پہلا سلام واجب اور دوسرا سنت ہے۔(۵) لیکن صحیح تر رائے یہی ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۰۸، باب فی الرجل یحدث فی التشهد ۔
(۲) اس معنی کی بہت سی حدیثیں ذخیرۂ حدیث میں موجود ہیں، دیکھئے: أبو داؤد ، حدیث نمبر:۹۷۰، باب التشهد، مجمع الزوائد :۱۴۲/۲، باب التشهد ۔ محشی ۔
(۳) مشکوۃ المصابیح ، حدیث نمبر:۳۱۲، بحوالۂ ابوداؤد، ترمذی ودارمی، عن علی ﷺ ۔
(۴) الدر مختار مع الرد:۱۶۲/۲۔
(۵) رد المحتار معزیا إلی فتح القدیر :۱۶۲/۲۔

نماز میں قراءت

نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنے کی دلیل

سوال:- {442} نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے "بسم اللہ" پڑھا جائے یا نہیں؟ کیونکہ حضرت انس ﷺ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر ﷺ وعمر ﷺ الحمد للہ سے قراءت کی ابتداء کرتے تھے؟ (محمد ارشد، وجے واڑہ)

جواب:- اس حدیث میں قراءت سے مراد زور سے قرآن مجید پڑھنا ہے، یعنی بآواز بلند قراءت کی ابتداء سورہ فاتحہ سے ہوگی، رہ گیا بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا، تو یہ حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے "کان رسول اللّٰہ ﷺ یخفی بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" (۱)

---

(۱) جامع المسانید: ۱/۳۴۷۔
نیز دیکھئے: صحیح ابن خزیمۃ، ۱/۲۵۰، حدیث نمبر: ۴۹۶۔ محشی۔

سورہ فاتحہ کے ساتھ سورتیں ملانے کا حکم

سوال:- {443} چار رکعت والی نماز میں پہلی دو رکعت کے بعد سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھنا ہے، لیکن تیسری اور چوتھی رکعت میں کیا کرنا ہے؟ (محمد عبدالباسط، عیدی بازار)

جواب:- فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھنا واجب ہے، بعد کی دو رکعتوں میں فرائض میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کیا جائے گا، چنانچہ حضرت ابوقتادہ ﷛ سے مروی ہے: ''رسول اللہ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورہ پڑھا کرتے تھے اور بعد کی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ''۔(۱) البتہ نفل نمازوں میں چاروں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ بھی ملائی جائے گی، (۲) کیونکہ اس کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ رات کی نفل نمازوں میں یہی معمول مبارک تھا۔(۳)

جہری اور سری قراءت کی حکمت

سوال:- {444} عیدین، جمعہ، مغرب، عشاء اور فجر میں امام صاحب زور سے قراءت کرتے ہیں اور ظہر و عصر میں ایسا نہیں ہوتا، کیا اس میں کوئی خاص بات مضمر ہے؟

(سید عبدالعزیز، محمد مقبول، محمد سلیم، گولکنڈہ)

---

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۷۶، باب یقرأ فی الأخریین بفاتحة الکتاب۔ محشی۔

(۲) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۱/۷۱۔

(۳) دیکھئے: الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۴۳۹، باب ما جاء في وصف صلاة النبي ﷺ۔
"عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يصلي فيما بين صلاة العشاء الآخر إلى أن يصدع الفجر إحدى عشر ركعة، يسلم في كل ركعة" (السنن الکبریٰ: ۳/۱۱، حدیث نمبر: ۴۷۲۹) محشی۔

جواب:- اصل یہ ہے کہ شریعت میں جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اس کو بے چون و چرا اور مصلحت وحکمت جانے بغیر ہی ہر مسلمان کو قبول کرنا چاہئے، خاص کر جو احکام عبادات سے متعلق ہیں، ان میں عقل وقیاس کو کوئی دخل نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کا کوئی حکم حکمت سے خالی ہو، شریعت کا ہر حکم عقل ودانش پر مبنی ہے، لیکن جیسے ہماری نگاہ اور ہماری سماعت کا دائرہ محدود ہے، ہم قریب ہی کی آواز سن سکتے ہیں، اور فرلانگ اور دو فرلانگ کی دوری ہی کو دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح ہماری عقل بھی کوتاہ اور محدود ہے، اور وہ مصالح غیبی کو سمجھنے سے عاجز ہے، اس لئے شریعت کی کوئی بات خلاف عقل تو نہیں، لیکن بہت سی باتیں عقل سے ماوراء ضرور ہیں، پس ایسے مسائل میں بے فائدہ تجسس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

ویسے بہ ظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دن کا وقت شور وشغب کا ہوتا ہے، اور اس میں ذہنی یکسوئی بھی نہیں ہوتی، اس لئے ظہر وعصر کی نماز میں تلاوت آہستہ رکھی گئی، رات کا وقت سکوت وسناٹے اور ذہنی وقلبی یکسوئی اور فراغ کا ہوتا ہے، اس لئے اس وقت بلند آواز میں تلاوت کا حکم دیا گیا، اور فجر کا وقت جو سب سے زیادہ قلبی نشاط کا ہے، اس میں تلاوت بھی طویل رکھی گئی، جن نمازوں میں بڑا اجتماع ہوتا ہے، یعنی عیدین، جمعہ وغیرہ، ان میں خصوصی طور پر دعوتی نقطۂ نظر سے قراءت کا حکم دیا گیا، اور شاید اس لئے بھی کہ بڑے مجمع کو پُرسکون رکھنے، اور لوگوں کے خاطر کو جمع رکھنے کی غرض سے بلند آواز ہی مناسب تھی۔

کیا منفرد جہری نماز میں جہر کرسکتا ہے؟

سوال:- {445} منفرد اپنی جہری نماز میں قراءت جہر سے کرے یا آہستہ؟ (محمد شمشاد عالم، جالے، دربھنگہ)

جواب:- جہری نماز میں جہری قرءات کا وجوب امام سے متعلق ہے، نہ کہ منفرد سے، منفرد کو اختیار ہے جہری قراءت کرے یا سری، تاہم جہرا افضل ہے، اور آواز امام کی آواز کی طرح

زیادہ بلند نہ ہو، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"إن كان منفردا ... إن كانت صلاة يجهر فيها فهو بالخيار والجهر أفضل ولكن لا يبالغ مثل الإمام ؛ لأنه لا يسمع غيره " (۱)

تین چھوٹی آیتوں سے مراد

سوال:- {446} نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ ملانے کے مسئلہ میں کہا جاتا ہے کہ اگر ایک آیت تین چھوٹی آیتوں کے برابر کی پڑھ لے تو نماز درست ہوجائے گی، تو تین چھوٹی آیتوں سے کون سی چھوٹی آیتیں مراد ہیں؟

(عبدالحفیظ، نامپلی)

جواب:- فقہاء نے قرآن کی سب سے چھوٹی تین آیات کی حیثیت سے ان آیات کا ذکر کیا ہے: ﴿ ثُمَّ نَظَرَ ، ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ، ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴾(۲) —— یہی بات قاضی خان اور علامہ حلبیؒ وغیرہ نے لکھی ہے، (۳) ان آیات میں تلفظ کے اعتبار سے ۲۹ رحروف ہوتے ہیں، لہذا سورہ فاتحہ کے ساتھ کم سے کم ایک ایسی آیت کا پڑھنا واجب ہے، جو ۲۹ رحروف پر مشتمل ہو۔

کھڑے ہو کر مختصر قراءت یا بیٹھ کر طویل قراءت؟

سوال:- {447} میری عمر تقریبا چوراسی سال ہے،

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۷۲۔

(۲) المدثر: ۲۱ تا ۲۳۔ از محشی۔

(۳) دیکھئے: فتاوی قاضي خان: ۱/۱۶۱، كبيرى: ص: ۲۷۴۔

مجھے بلڈ پریشر و دل کی خرابی کی بیماری بھی ہے، علاج جاری ہے، چلنے سے سانس پھولتی ہے، پنج وقتہ نماز کے لئے مسجد جایا کرتا ہوں، بعض اوقات اندھیرے کی وجہ سے یا بارش یا کمزوری کی وجہ سے مسجد نہیں جا پاتا ہوں، گھر پر ہی نماز پڑھ لیتا ہوں، مسجد میں نماز با جماعت پڑھنے سے ظاہر ہے بہت زیادہ ثواب ہے، اس لئے میں گھر میں زیادہ ثواب کے خیال سے بڑی بڑی سورتیں پڑھنا چاہتا ہوں، لیکن صحت اجازت نہیں دیتی، سانس پھولتی ہے، جس کی وجہ سے بجائے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے اسٹول پر بیٹھ کر تخت پر سجدہ کرتے ہوئے بڑی بڑی سورت جو چالیس تا پچاس آیتوں پر مشتمل ہوتی ہے، پڑھتا ہوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ صحت یا موسم کی خرابی کی وجہ سے گھر پر زیادہ ثواب کے خیال سے بڑی بڑی سورت اسٹول پر بیٹھ کر ادا کرنا بہتر رہے گا یا گھر پر ہی کھڑے ہوکر تین چار آیتوں کی تلاوت سے نماز فرض وسنت، تہجد، صلاۃ التسبیح وغیرہ ادا کرنا بہتر رہے گا؟　　(ایک قاری، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- اگر بیماری، بارش یا تاریکی کی وجہ سے مسجد جانے میں دشواری ہو تو ایسے شخص کے حق میں جماعت میں شرکت واجب نہیں، گھر پر بھی نماز ادا کرنا درست ہے۔

"فسقط الجماعة بعذر من ... المطر الشديد ... والمرض" (۱)

عذر کی بنا پر فرائض وواجبات بھی بیٹھ کر ادا کی جا سکتی ہیں، لیکن اگر کھڑے ہوکر مختصر قراءت پڑھنے پر قادر ہو اور بیٹھ کر طویل قراءت کر سکتا ہو تو فرائض وواجبات میں کھڑے ہوکر ہی نماز

---

(۱)　الهداية: ۱/۱۶۱۔

ادا کرنی چاہئے، کیونکہ قیام فرض ہے، اور طویل قراءت جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔(۱) مسنون یا مستحب، تو محض ایک مستحب کے لئے فرض کیونکر چھوڑا جاسکتا ہے؟ بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر تکبیر تحریمہ یا قراءت کے کچھ حصہ کے بقدر کھڑے ہونے پر قادر ہو تو واجب ہے کہ اتنا حصہ کھڑا ہو کر ادا کرے اور باقی بیٹھ کر۔

"حتی لو قدر أن یکبر قائما للتحریمة ... أو کان یقدر علی القیام لبعض القراءة دون تمامها، فإنه یؤمر أن یکبر قائما و یقرأ ما یقدر علیه قائما ثم یقعد إذا عجز"(۲)

نفل نمازیں بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہیں، اس لئے نماز تہجد، صلاۃ التسبیح وغیرہ طویل قراءت کے ساتھ بیٹھ کر ادا کرلیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔

مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کی تلاوت

سوال:- {448} کیا نماز میں امام کے ساتھ مقتدی بھی فاتحہ پڑھے، یا مقتدی خاموش کھڑا رہے؟

(محمد عبدالصمد، وجے واڑہ)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امام اس لئے ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہذا جب امام '' اللہ اکبر " کہے تو تم بھی '' اللہ اکبر '' کہو، اور جب قراءت کرنے لگے تو خاموش ہو جاؤ'' إذا کبر فکبروا وإذا قرأ فانصتوا ''(۱) ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ ''جب امام '' اللہ اکبر " کہے تو

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۷۹، باب یطول فی الرکعة الأولی۔ محشی۔
(۲) الجوهرة النیرة: ۱/۹۵۔
(۳) سنن نسائی: ۱/۱۴۶، حدیث نمبر: ۹۲۳، ﴿باب تأویل قوله عزوجل إذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا لعلکم ترحمون﴾ محشی۔

"اللہ اکبر" کہو، جب قراءت کرے تو خاموش رہو، اور جب امام "غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین" کہے تو "آمین" کہو" (۱) نیز حضرت جابر ﷜ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی شخص امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو امام ہی کی قراءت اس کی قراءت ہے"۔ "من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة" (۲) اس لئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے، اگر پڑھ لے تو گو کراہت سے خالی نہیں، لیکن نماز درست ہو جاتی ہے۔ "فإن قرأ كره تحريما وتصح في الأصح" (۳)

قراءت میں ترتیب

سوال:- {449} ہماری مسجد میں امام صاحب نے عشاء کی نماز کی پہلی رکعت میں سورہ بقرہ کا آخری رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرے پارہ کے دوسرے رکوع کی تلاوت فرمائی، نماز ختم ہونے کے بعد ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا تلاوت میں تسلسل کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، نیز سجدہ سہو بھی نہیں کیا گیا اس لئے نماز کا اعادہ ضروری ہے، ان کے اصرار کے بعد نماز کو دوبارہ لوٹا لیا گیا، تو کیا اس صورت میں نماز کا لوٹانا ضروری ہے؟ (محمد افضل، عثمانیہ یونیورسیٹی کالونی، شیخ پیٹھ)

جواب:- جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں نماز ادا ہوگئی، نماز کو دوہرانے کی ضرورت نہیں تھی، تاہم اس طرح قرآن پڑھنا بہتر نہیں ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

---

(۱) سنن ابن ماجة: ۱/۶۱۔
حدیث نمبر: ۸۴۶، باب إذا قرأ الإمام فانصتوا ۔ ازمحشی۔
(۲) سنن ابن ماجة: ۱/۶۱، حدیث نمبر: ۸۵، السنن الدار القطني: ۱/۳۲۳۔
(۳) رد المحتار: ۲/۲۶۶۔

"ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أو من آخر سورة و قرأ فى الركعة الأخرى من وسط سورة أخرى أو من آخر سورة أخرى لا ينبغى له أن يفعل ذلك على ما هو ظاهر الرواية، و لكن لو فعل ذلك لا بأس به ، كذا فى الذخيرة "(۱)

''اگر ایک رکعت میں کسی سورہ کا وسطی یا آخری حصہ پڑھے، اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا وسطی یا آخری حصہ، تو یہ مناسب نہیں ، یہی ظاہر روایت ہے، لیکن اگر ایسا کر ہی گزرے تو جائز ہے''

اگر دوسرے پارہ سے مراد کوئی اور پارہ نہیں ، بلکہ پارہ سیقول ہے تو یہ صورت خلاف ترتیب قرآن پڑھنے کی ہے، قصداً ترتیب کی خلاف ورزی مکروہ ہے، لیکن نماز ہو جاتی ہے۔

گونگے اور قراءت

سوال:- {450} جو لوگ گونگے ہوتے ہیں وہ لوگ بہرے بھی ہوتے ہیں، ان کو نماز کے اذکار اور قرآن کی سورتیں کس طرح سکھائی جائیں، اور وہ کس طور پر نماز ادا کریں؟　　(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر تحریر کے ذریعہ ان کو سیکھانا ممکن ہو تو اس ذریعہ کو استعمال کیا جا سکتا ہے، غالباً ایسے لوگوں کی تربیت کے لئے مستقل ادارے بھی ہیں، جہاں تک نماز کی بات ہے تو چونکہ یہ قراءت سے عاجز ہیں، اس لئے ان کی نماز بغیر قراءت قرآن کے ہی درست ہو جائے گی ،

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۸۷، الفصل الرابع فى القراءة ۔ محشی۔

کیونکہ اللہ تعالی نے انسان کو اس کی طاقت وصلاحیت کے مطابق ہی مکلف بنایا ہے، (۱) "... وإن عجز عن ذلك كله تركه "(۲)

"... فإن عجز عن القراءة يومی ايماء بغير قراءة "(۳)

تہجد کی ہر رکعت میں تین بار سورۂ اخلاص

سوال:- {451} بعض لوگ کہتے ہیں کہ تہجد کی نماز میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین دفعہ" قل هو الله " پڑھنا چاہئے، کیا شریعت میں اس کی کوئی اہمیت ہے؟

(یاسمین، بی بی کا چشمہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ پابندی کے ساتھ تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے، حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ (۴) لیکن اس طرح تین بار" قل هو الله " پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں، ہاں یہ بات حدیث میں آئی ہے کہ آپ ﷺ تہجد میں بہت طویل قراءت فرمایا کرتے تھے، اور اسی قدر طویل رکوع وسجدہ بھی کیا کرتے تھے، (۵) اس لئے آپ کو جو طویل سورتیں یاد ہوں، انہیں پڑھنے کا اہتمام کیجئے، اگر طویل سورتیں یاد نہ ہوں تو ایک رکعت میں کئی سورتیں بھی ملا کر پڑھ سکتے ہیں۔

---

(۱) ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ البقرة :۲۸۶۔ مرتب۔

(۲) الفتاوی الهندية:۱/۱۳۷۔

(۳) الفتاوی الهندية:۱/۱۳۸۔

(۴) دیکھئے: صحيح البخاری ،حدیث نمبر:۱۱۳۰، باب قيما النبي ﷺ الليل حتى ترم قدماه۔ محشی

(۵) دیکھئے: صحيح البخاری ،حدیث نمبر:۱۱۳۰-۱۱۲۳، باب طويل السجود في قيام الليل۔ محشی۔

جمعہ کی نماز اور اس دن فجر میں کیا پڑھے؟

سوال:- {452} جمعہ کی نماز میں کس سورت کی تلاوت کرنا مسنون ہے، اور جمعہ کی فجر میں کونسی سورت تلاوت کرنی چاہئے؟ (حافظ محمد منہاج الدین، سکندر آباد)

جواب:- جمعہ کی پہلی رکعت میں ''سورۂ جمعہ'' اور دوسری رکعت میں ''سورۂ منافقون'' یا پہلی رکعت میں '' سبح اسم ربك الاعلی '' اور دوسری میں ''هل اتاك حديث الغاشية '' پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا عام معمول جمعہ میں ان ہی سورتوں کے پڑھنے کا تھا،(۱) البتہ کبھی کبھی ان کے بجائے دوسری سورتیں بھی پڑھ لینی چاہئے، تاکہ عوام میں یہ گمان نہ پیدا ہو جائے کہ جمعہ میں انہی سورتوں کی تلاوت ضروری ہے۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر میں ''سورۂ سجدہ'' اور ''سورۂ دہر'' پڑھا کرتے تھے۔(۳) لہذا جمعہ کی فجر میں ان دو سورتوں کا پڑھنا افضل ہے، لیکن انہیں سورتوں کا التزام نہ کرنا چاہئے۔

قراءت میں غلطی

سوال:- {453} اگر امام صاحب نماز میں قراءت کرتے ہوئے حرکات کو نہ کھینچنے کی جگہ کھینچ کر اور اس کے برعکس پڑھیں جیسے سورۂ رحمن میں: ﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا﴾

---

(۱) دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۲۷، ۲۰۲۸، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة۔ محشی۔
(۲) البحر الرائق: ۲/۱۵۷۔
(۳) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۸۹۱۔
نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۳۱۔ محشی۔

کو "وَضَعَاهَا" اور سورۂ تین میں ایک جگہ ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کی جگہ "وَعَامِلُوا الصَّلِحَاتِ" اور "السلام علیکم ورحمة الله" میں "رحماة الله" پڑھتے ہیں، اور بکثرت مجہول پڑھتے ہیں، تو کیا ایسی غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہے؟

(انصار بیگ دانش، دھرم آباد)

جوابـ:- امام صاحب کو چاہئے کہ وہ ایسی غلطیوں پر قابو پائیں، تاہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح حرکت کو کھینچ کر پڑھے کہ کسی حرف کی زیادتی یا کمی پیدا ہو جائے، لیکن معنی میں غیر معمولی قسم کی تبدیلی نہ پیدا ہو تو نماز درست ہو جاتی ہے، "لو زاد حرفا لا یغیر المعنی لا تفسد عند هما الخ "(۱) اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے اس میں نماز تو درست ہو جائے گی، البتہ امام صاحب کو حکمت کے ساتھ تنہائی میں سمجھانا چاہئے کہ وہ اپنے طریقۂ تلاوت کی اصلاح کرلیں۔

قراءت میں اعراب کی غلطی

سوالـ:- {454} نماز میں قراءت کے دوران زیر و زبر کی غلطی ہو جائے، مثلاً "اُنْزِلَ" کے بجائے "اَنْزَلَ"، "یُرَاؤُوْنَ" کے بجائے "یَرَاؤُوْنَ" تو کیا نماز درست ہو جائے گی؟

(احمد ندیم رضوی، محبوب نگر)

جوابـ:- عربی زبان میں اعراب یعنی زبر، زیر، پیش کی بڑی اہمیت ہے، اور اکثر اوقات اس سے معنی میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے نماز میں خصوصاً اور نماز کے باہر بھی قرآن مجید پڑھنے میں خوب احتیاط کرنی چاہئے، تھوڑی سی محنت اور کوشش کے ذریعہ ایسی

(۱) رد المحتار :۲/۳۴۱۔

غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے، تاہم چونکہ اللہ تعالی نے خطأ اور بھول چوک کو معاف فرمایا ہے، اور خاص کر اہل عجم سے ایسی غلطیاں پیش آتی رہتی ہیں، اس لئے فقہاء کی رائے ہے کہ اگر زیر و زبر کی غلطی ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی:

"ولو قرأ النصب مكان الرفع ، والرفع مكان النصب أو الخفض مكان الرفع أو النصب ، لا تفسد صلاته" (۱)

سورۂ ''نصر'' میں سہوا ''فی دین اللہ'' چھوٹ جائے؟

سوال:-{455} ایک شخص نے مغرب کی نماز میں ''إذاجاء نصر الله'' میں ''فی دین الله'' کو سہوا چھوڑ دیا باقی پوری سورہ پڑھ ڈالی، کیا اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے۔ (محمد یوسف)

جواب:- چونکہ ''فی دین الله'' سے پہلے پہلے تک اتنے حروف آجاتے ہیں جو قرآن کی بعض آیات کے لحاظ سے تین آیات کے مساوی ہیں مثلا ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَرَ ، ثُمَّ نَظَرَ ، ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ، ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴾(۲) اس لئے بقدر واجب قرأت ہوگئی اور جب واجب ادا ہوگیا نیز اس لفظ کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے معنی میں کوئی تغیر فاحش (غیر معمولی تبدیلی) بھی پیدا نہ ہوئی تو نماز ہوگئی:

"وعند تفاوت الأيات المقبرة كثرة الكلمات وعدد الحروف ذكره في الخانية والظهرية على هامش الهداية" (۳)

---

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۸۲۔
(۲) المدثر :۲۱-۲۳۔
(۳) الهداية :۱/۸۸، ط: کراچی۔

نماز میں تین آیت سے کم پڑھ کر دوسری جگہ سے پڑھنے کا حکم

سوال:- {456} اگر کسی نے ضم سورت کے لئے تلاوت شروع کی لیکن ایک دو چھوٹی آیت کے بعد اگلی آیت یاد نہیں آئی، اور اس نے دوسری سورت پڑھ کر نماز کی تکمیل کر لی، تو کیا ایسی صورت میں اس کو سجدہ سہو کرنا ہوگا، یا بغیر سجدہ سہو کے نماز ہو جائے گی؟ (محمد عبدالقیوم، عیدی بازار)

جواب:- سورۂ فاتحہ کے بعد ایک ہی جگہ سے تین آیتیں، یا تین چھوٹی آیتوں کے برابر ایک بڑی آیت کا پڑھنا واجب ہے،(۱) یاد ہونے کے باوجود ایک ہی رکعت میں مختلف جگہوں سے قراءت کرنا مکروہ ہے: "لو إنتقل في الركعة الواحدة من آية إلى آية يكره "(۲) اگر اتنا نہ پڑھ سکا اور آگے کسی اور جگہ سے تلاوت شروع کر دی تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔(۳) اور اگر قراءت کے درمیان ہی پہلے پڑھی ہوئی آیات کا سلسلہ یاد آ جائے، تو جو آیت پڑھ رہا ہے، اس کو پوری کر کے پچھلی آیات کی طرف لوٹ آئے اور اسے مکمل کرے، تاکہ ترتیب کی رعایت ہو سکے: " فإن سهى ثم تذكر مراعاةً لترتيب الآيات " (۴)۔

نماز میں سورۂ لہب کی تلاوت

سوال:- {457} میرے ایک عزیز کہتے ہیں کہ نماز

(۱) " تجب قراءة الفاتحة و ضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة فى الأوليين بعد الفاتحة ، كذا فى النهر الفائق "۔(الفتاوى الهندية :۷۱/۱) محشی۔

(۲) رد المحتار :۲۱۹/۲۔

(۳) الفتاوى التاتار خانية :۵۸۰/۱۔ محشی۔

(۴) رد المحتار :۲۶۹/۲،قبيل باب الإمامة ۔

میں سورۂ لہب نہیں پڑھنی چاہئے، تو کیا نماز میں اس سورہ کے پڑھنے کی ممانعت ہے؟ (محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- قرآن مجید کی کوئی بھی سورت نماز میں پڑھی جاسکتی ہے:

"یقرأ فاتحة الكتاب وسورة أو ثلث آيات ن أي سورة شاء" (۱)

اگر اس سورہ کے پڑھنے میں کوئی قباحت ہوتی تو یہ سورت نازل ہی نہیں ہوتی یا نازل ہوتی تو تلاوت منسوخ کردی جاتی، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس لیے عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ سورۂ لہب نہیں پڑھنی چاہئے، یہ درست نہیں۔

نماز میں سورتوں کے درمیان ترتیب

سوال:- {458} قرآن میں جس ترتیب سے سورتیں ہیں، اسی ترتیب سے نماز میں سورتیں پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ (عائشہ جبین، تالاب کٹہ)

جواب:- فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے ترتیب قائم نہ رہ سکی تو نہ سجدہ سہو واجب ہوگا اور نہ نماز کو لوٹانا، گویا اس کی نماز کچھ نقص کے ساتھ ہوگئی۔

"إذا قرأ فى الركعة الأولىٰ سورة وقرأ فى الركعة الثانية سورة قبلها لاسهو عليه" (۲)

ترتیب سے مراد یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی گئی ہے، دوسری رکعت میں اس سے پہلے والی سورت پڑھی جائے۔

---

(۱) الهداية:۱/۸۷۔

(۲) الفتاوىٰ التاتارخانية:۱/۱۷۷۔

نماز میں دل ہی دل میں قراءت

سوال:- {459} میں نے اپنے دوست کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان کے ہونٹ قراءت قرآن کے درمیان ملتے نہیں ہیں، استفسار کرنے پر انہوں نے کہا کہ میں آہستہ آہستہ پڑھتا ہوں، تو کیا اس طرح ہونٹ ہلے بغیر نماز ادا ہوجائے گی؟ اور جو لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، کیا ان کی نماز درست ہوگی؟ (خان فیروز خان، پھولانگ)

جواب:- نماز میں اس طرح قرآن کریم کو پڑھنا کافی نہیں کہ ہونٹ میں حرکت بھی نہ ہو، بعض فقہاء کے نزدیک کم سے کم ضروری یہ ہے کہ حروف بن جائیں، اور زبان و ہونٹ کی حرکت کے بغیر حروف نہیں بن سکتے، اور اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسا قرآن پڑھے کہ وہ خود یا اس کے قریب کا ایک دو آدمی سن سکے م اور یہی صحیح و معتبر رائے ہے۔

" إن أدنى المخافتة اسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلين مثلا و اعلاها مجرد تصحيح الحروف " (۱)

اس لئے آپ اپنے دوست کو صحیح طریقہ پر قراءت قرآن کی تلقین کریں، ہونٹ کی حرکت کے بغیر تلاوت کافی نہیں۔

سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک رکعت میں دو سورتیں

سوال:- {460} اگر امام سورۂ فاتحہ کے بعد دو سورتوں کی تلاوت کرے تو کیا نماز میں کوئی فرق آئے گا؟ اور نماز ہو

---

(۱) ردالمحتار: ۲/۲۵۳، ط: بیروت۔

جائے گی یا دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی؟

(حکیم محمد اکبر نقشبندی، درگاہ یوسفین نامپلی)

جواب:- ایک رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ مسلسل دو سورتیں ملانے میں کوئی حرج نہیں، اگر ایک سورت پڑھ کر درمیان میں ایک یا چند سورتیں چھوڑ کر آگے سے کوئی سورت ملائے تو نماز تو اس صورت میں بھی ہو جائے گی، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔(۱)

سورتوں کی ترتیب سے قراءت

سوال:- {461} نماز میں سورتیں ترتیب وار پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ (علاء الدین، تنالی، گنٹور)

جواب:- نماز میں قرآن کی سورتوں کو اسی ترتیب سے پڑھنا چاہئے، جیسا کہ اس میں موجود ہیں، قصداً اخلاف ترتیب پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر کوئی غلطی یا قصدا اس ترتیب کے خلاف پڑھ لے تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

" و اذا قرأ في الركعة الأولىٰ سورة ، و قرأ في الركعة الثانية سورة قبلها فلا سهو عليه " (۲)

نماز میں ترجمہ پر توجہ

سوال:- {462} نماز ہی میں سورۂ فاتحہ اور سورتوں کا ترجمہ سوچنا اور اس پر غور وفکر کرنا کیسا ہے؟ اگر اس طرح کیا جائے تو دھیان ادھر ادھر نہیں جاتا؟

(محمد سیف اللہ، حافظ بابانگر)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۷۸۔

(۲) الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۶۔

جواب:- اگر کوئی شخص ترجمہ سے واقف ہو، اور کلماتِ قرآنی کو پوری توجہ سے سنتے ہوئے اپنے ذہن کو اس کے معانی کی طرف توجہ رکھے تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ قرآن کی بالخصوص جہری تلاوت کا مقصد ظاہر ہے کہ صرف الفاظِ قرآنی سے کان کو محظوظ کرنا نہیں، بلکہ اس کے معانی ومقاصد بھی مطلوب ہیں، اگر قرآن کے معانی پر بھی توجہ ہو، تو نماز میں خشوع اور انابت الی اللہ کی کیفیت بڑھ جاتی ہے، اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں معانی قرآن کے سواء دوسری باتوں کی طرف قصداً ذہن کو متوجہ رکھنا مکروہ ہے، لیکن نماز اس سے بھی فاسد نہیں ہوتی، علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں کہ اگر نماز میں غور وفکر کرے اور شعر اور خطبہ یاد کرلے، اور ان دونوں کو دل ہی دل میں پڑھ لے، زبان سے اس کا تکلم نہ کرے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ''فقرأ هما بقلبه و لم يتكلم بلسانه ، لاتفسد صلاته''(۱)

دو رکعتوں میں ایک ہی سورت کی مکرر قراءت

سوال:- {463} نماز میں ایک ہی سورت کو پہلی اور دوسری رکعت میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیوں کہ مجھے صرف پانچ سورتیں یاد ہیں۔ (بشری بانو، مہدی پٹنم)

جواب:- قرآن کا پڑھنا نماز میں فرض ہے، اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اور کچھ متعینہ مقدار مسنون ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے فرمودات ومعمولات سے ثابت ہے، اس لیے کم از کم اتنا قرآن یاد رکھنا ضروری ہے کہ پنج وقتہ نمازیں ادا کی جاسکیں، ورنہ گناہ ہوگا اور کوشش کرنی چاہئے کہ مسنون قراءت کی مقدار یاد کرلیں، کیوں کہ مسلسل ترکِ سنت بھی باعث گناہ ہے، اس لیے آپ مزید قرآن مجید یاد کرنے پر توجہ دیں؛ فرائض وواجبات میں تکرار سورت مکروہ تنزیہی ہے، صاحب درمختار لکھتے ہیں: ''لا بأس أن يقرأ سورة و يعيدها في الثانية''(۲)

---

(۱) البحر الرائق:۲/۱۴، ط: پاکستان، کوئٹہ۔
(۲) الدر المختار مع رد المحتار:۲/۲۶۲۔

اس عبارت پر علامہ شامیؒ اپنا وضاحتی نوٹ یوں لکھتے ہیں: ''أفاد أنه یکره تنزیها ''(۱)
البتہ نفل نمازوں میں تکرار سورت میں حرج نہیں۔ (۲)

جب آپ کو پانچ سورتیں یاد ہیں تو آپ فرض کی دو یا واجب کی تین رکعتوں میں علاحدہ سورتیں بھی پڑھ سکتیں ہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) رد المحتار مع الدر :۲/۲۶۲۔
(۲) الدر المختار مع رد المحتار:۲/۲۶۳۔

نماز فاسد کردینے والے
اور مکروہ امور کا بیان

سورۂ فاتحہ میں لقمہ

سوال:- {464} فرض نماز میں سورۂ فاتحہ کی آخری آیتوں میں یعنی تین آیتیں پوری ہونے کے بعد اگر امام صاحب نے لقمہ لیا ہو، تو کیا ان پر سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ اور جس مصلی نے لقمہ دیا ہے، کیا اس کی نماز ہوگئی یا نماز دہرانی ہوگی؟ (محمد عبداللہ، پالونچہ)

جواب:- اس صورت میں امام کی نماز بھی درست ہوجائے گی، تمام مقتدیوں کی بھی اور خود لقمہ دینے والے کی بھی:

"وإن فتح علی إمامه ... والصحیح أن لاتفسد صلوة الفاتح ولاصلوة الإمام إن أخذ بقوله "(۱)

(۱) کبیری : ص: ۴۴۰۔

قراءت میں ''ظالمین'' کی جگہ ''صابرین''

سوال:- {465} نماز میں دورانِ قراءت ''واللہ لا یحب الظالمین '' کو "لا یحبّ الصابرین "پڑھ دیا گیا، کیا اس صورت میں نماز ہوجائے گی؟

(حافظ محمد انور، کنڈیکل گیٹ)

جواب:- اگر الفاظ کی ایسی تبدیلی ہو کہ معنی بالکل بدل کر رہ جائے، تو اس صورت میں نماز فاسد ہوجاتی ہے، جیسے کوئی شخص ''انّ الابرار لفی جحیم وانّ الفّجارلفی نعیم'' پڑھے، تو چوں کہ معنی بالکل بدل گئے اور مفہوم یہ ہوگیا کہ نیک لوگ جہنم میں اور برے لوگ جنت میں ہوں گے، تو ایسی صورت میں اکثر مشائخ کا قول یہ ہے کہ نماز فاسد ہوجائے گی اور اسی کو درست قول قرار دیا گیا ہے:

"وإن تغير المعنى نحو أن يقرأ : اِنّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ جَحِيْمٍ وَاِنّ الْفُجَّارَ لَفِیْ نَعِيْمٍ ، فأكثر المشائخ على أنها تفسد وهو الصحيح ، هكذا فى الظهيرة" (۱)

اس اصول کی بنیاد پر جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں بھی نماز فاسد ہوجائے گی، کیوں کہ قرآن میں جو عبارت ہے اس کے معنی ہیں: ''اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے'' اور جو الفاظ پڑھے گئے، اس کے معنی ہوئے: ''اللہ صبر کرنے والو ں کو پسند نہیں کرتے''۔ظاہر ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے برعکس معنی کے حامل ہیں۔

(۱) الفتاویٰ الهندیه :۸۰/۱۔

نماز میں کچھ آیات بھول کر چھوٹ جانے پر لقمہ

سوال:- {466} اگر امام صاحب نماز میں قراءت کے درمیان کچھ آیات بھول کر آگے بڑھ گئے، تو مقتدی نے جلدی لقمہ دیا اور امام صاحب نے لقمہ نہیں لیا، پھر پیچھے سے درست کرلیا تو کیا مقتدی کی ایسی حالت میں نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ مسائل کی روشنی میں ہی جواب دیجئے۔

(محمد شیخ عبدالرحمن،ظہیر آباد)

جواب:- اپنے امام کو لقمہ دینے کی وجہ سے مقتدی کی نماز تو ہوجائے گی، مگر مقتدی حضرات لقمہ دینے میں عجلت سے کام نہ لیں، نیز امام کو بھی چاہئے کہ وہ یا تو دوسری آیت کی طرف منتقل ہوجائے یا اگر بقدر فرض قراءت کرلی تو رکوع میں چلا جائے۔(۱)

نماز میں ''ح'' کی جگہ ''ع'' پڑھنا

سوال:- {467} ہمارے گاؤں میں ایک حافظ صاحب ہیں، جو امام کی غیر موجودگی میں نماز پڑھاتے ہیں لیکن بعض دفع ''ح'' کی جگہ ''ع'' پڑھتے ہیں، جیسے سورہ فاتحہ میں ''الحمد'' کی جگہ ''العمد''، ''الرحمان'' کی جگہ ''الرعمان''، کیا ایسی صورت میں نماز دہرانی ہوگی؟

(ابو قمر صدیقی سہرساوی)

جواب:- قراءتِ قرآن مجید میں حروف کی تبدیلی کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف آگیا اور اس کی وجہ سے معنی میں تبدیلی نہیں پیدا ہوئی، تو نماز فاسد نہیں

---

(۱) طحطاوی علی المراقی :ص:۱۸۳۔

ہوگی، جیسے مسلمین کی جگہ مسلمون، اگر تبدیلیٔ حرف کی وجہ سے معنی میں تبدیلی ہو جاتی ہو اور دونوں حرف ایسے نہ ہوں کہ ان میں فرق کرنے میں دشواری پیدا ہوتی ہو، جیسے ''ص'' اور ''س''، ''ض'' اور ''ظ''، ''ط'' اور ''ت''، ''ص'' اور ''ث'' کو ایک دوسرے کی جگہ پڑھ دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔(۱) جو صورت آپ نے لکھی ہے، اگر حافظ صاحب کو کوئی ایسی خلقی معذوری ہو کہ ''ح'' ان کی زبان پر جاری نہ ہوتا ہو، تب تو نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ ایسے شخص کو امامت کی خدمت نہیں کرنی چاہئے، اور اگر ''ح'' اور ''ع'' دونوں کا علیحدہ تلفظ کرنے پر قادر ہوں، تو گو دونوں حلق سے نکلنے والے حروف میں سے ہیں، لیکن ان کے درمیان امتیاز کرنا آسان ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو بعض حروف صحیح طور پر نہیں ادا کر سکتا ہو، اس کو اس کے لئے محنت کرنی چاہئے، وہ اس سلسلہ میں معذور نہیں سمجھا جائے گا:

"من لایحسن بعض الحروف ینبغی أن یجھد ولا یعذر فی ذالك"(۲)

خاص کر حافظِ قرآن کا اس طرح کی غلطی کرنا بہت ہی قابل افسوس ہے، اس لئے اس کی اصلاح پر توجہ دینی چاہئے۔

''اللہ اکبر'' کی جگہ ''اللہ اکبن'' کہنا

سوال:- {468} ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب نماز کی ہر تکبیر کو ''اللہ اکبر'' کے بجائے ''اللہ اکبن'' کہتے ہیں، میرے پوچھنے پر انہوں نے اقرار کیا کہ میری زبان نہیں پلٹتی

---

(۱) الفتاوی الهندیة:۱/۷۹۔

(۲) الفتاوی الهندیة:۱/۷۹۔

ہے، تو کیا ان کے پیچھے ہماری نماز درست ہوجائے گی؟ یا انہیں امامت سے دستبردار ہوجانا چاہیے؟ (شکیل احمد، گلبرگہ)

جواب:- امام صاحب کو تلفظ درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاہم اگر اس پر قادر نہ ہوں، تو ان کی نماز تو درست ہوجائے گی، لیکن انہیں دوسروں کی امامت نہیں کرنی چاہیے، خاص تکبیر تحریمہ وانتقال کے بارے میں تو صراحت نہیں مل پائی، لیکن تلاوتِ قرآن کے بارے میں فقہاء کے یہاں اس کی صراحت ملتی ہے:

"فإن كان لا ينطق لسانه في بعض الحروف إن لم يجد آية ليس فيها تلك الحروف تجوز صلاته ولا يؤم غيره"(۱)

ناپاک جگہ پر نماز

سوال:- {469} اگر پلاسٹک کی جائے نماز ایسی جگہ بچھادی گئی جہاں نیچے خشک یا تر نجاست ہو، تو کیا اس پر نماز کی ادائیگی درست ہوگی؟ (عبدالشکور، عادل آباد)

جواب:- اگر خشک نجاست ہو تب تو اس پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، تر نجاست کا اثر چوں کہ پلاسٹک میں بالائی سطح پر نہیں آتا، اس لیے اگر کوئی دوسری صورت نہ ہو تو اس پر بھی نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اس میں کراہت ہے:

"وإن كان غليظا بحيث لايكون كذلك جازت إن كان النجاسة رطبة فالقي عليها لبدا، وفي القهستاني ينبغي أن يكون الصلوة أي على

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۷۹۔

الملقی علی النجاسة الرطبة تکرہ "(۱)

نماز میں اوڑھنی کتنی لمبی ہو؟

سوال:- {470} عورتوں کی نماز کے لئے لمبی اوڑھنی استعمال کرنی چاہئے؟ اگر نماز کی حالت میں عورتوں کے ہاتھ اوڑھنی کے باہر ہوں تو کیا نماز درست ہوجائے گی؟ بعض عورتیں اتنی باریک اوڑھنی اوڑھتی ہیں کہ ان کا بدن نظر آنے لگتا ہے، کیا ایسی صورت میں ان کی نماز ہوجائے گی؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- چہرہ، گٹوں تک دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کو چھوڑ کر بال کے بہ شمول عورت کا پورا بدن ستر میں داخل ہے، لہذا اوڑھنی اتنی بڑی ہونی چاہئے کہ سر، بال، گردن اور سینہ کا حصہ اچھی طرح ڈھک جائے۔ (۲) جن اعضاء کا ستر واجب ہے، اگر ان میں سے کسی کا چوتھائی حصہ کھلا رہ گیا تو نماز درست نہیں ہوگی۔ (۳) لہذا اگر بال کا بھی چوتھائی حصہ کھلا رہ گیا تو نماز درست نہیں ہوگی، اس سلسلہ میں خواتین کو خصوصی طور پر احتیاط کرنی چاہئے، یہ بھی ضروری ہے کہ اوڑھنی ایسی ہو کہ جسم نظر نہ آئے، اگر اتنا باریک کپڑا استعمال کیا جائے کہ جسم نظر آتا ہو، تو یہ جائز نہیں اور ایسے کپڑے میں نماز درست نہ ہوگی۔

" ... حتی لو سترها بثوب رقيق يصف ما تحته لا يجوز " (۴)

---

(۱) حاشیه طحطاوی علی مراقی الفلاح :ص:۱۱۲۔
(۲) الفتاوی الهندية:۱/۵۸۔
(۳) رد المحتار:۲/۸۱۔
(۴) البحر الرائق :۱/۲۶۷۔

ٹائی لگا کر نماز

سوال:- {471} میرے ایک دوست ہوٹل میں منیجر ہیں، بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے، ان کو ہمیشہ ٹائی لگا کر رہنا پڑتا ہے، اور ڈیوٹی کی وجہ سے مسجد بھی نہیں جاسکتے، اس لئے وقت کی کمی کی وجہ سے ایک کمرہ میں نماز پڑھتے ہیں، تو کیا ٹائی لگا کر نماز ادا کرنا درست ہے؟ (سید افسر، مشیر آباد)

جواب:- اگر ڈیوٹی کی وجہ سے مسجد نہیں جاسکتے، تو کم سے کم اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ کسی مسلمان ساتھی کو ساتھ لے کر وہیں ہوٹل کے کمرہ میں جماعت کرلی جائے، تاکہ جماعت ترک کرنے کی عادت بنانے کی صورت پیدا نہ ہو، ایسا کرنا گناہ ہے۔

ٹائی کا مقصد کیا ہے؟ یہ یقینی طور پر معلوم نہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ ٹائی صلیب کی جگہ ہے، اگر ایسا ہو تو یقیناً اس کا استعمال درست نہیں ہوگا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ بٹن چھپانے کی ایک صورت ہے، اور اس کی ابتداء ہٹلر نے کی ہے، جو کہ کوئی مذہبی آدمی نہیں تھا، موجودہ زمانہ میں جو لوگ ٹائی استعمال کرتے ہیں، بہ ظاہر وہ اسے صلیب کی نیت سے نہیں پہنتے ہیں، ایسی صورت میں اسے بالکل ناجائز اور حرام کہنا درست نظر نہیں آتا، ہاں! احتیاط بہتر ہے، نماز میں بھی اور نماز سے باہر بھی۔

ٹخنہ سے نیچے کپڑے پہن کر نماز

سوال:- {472} امام ہو کہ مقتدی، پائجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکتا ہو، تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ (عبد الرشید، سکندر آباد)

جواب:- ٹخنے سے نیچے لٹکتا ہوا کپڑا پہننا عام حالات میں بھی مکروہ ہے، آپ ﷺ نے

فرمایا:

''تین شخص وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں نہ ان سے بات کریں گے، نہ ان کی طرف نگاہِ لطف فرمائیں گے، اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کریں گے، اور ان کے لئے سخت عذاب ہوگا، پھر آپ ﷺ نے ان تینوں شخص کا تذکرہ کرتے ہوئے پہلا ذکر اس شخص کا کیا جو اپنے کپڑے ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر رکھے'' (۱)

ہاں! اگر کپڑے کی ساخت اور لمبائی تو اتنی نہ ہو کہ ٹخنوں سے نیچے چلا جائے، لیکن تہبند کا بندھن ڈھیلا پڑ جانے کی وجہ سے، یا پیٹ کے نکلے ہوئے ہونے کی وجہ سے کپڑا نیچے چلا جائے تو اس میں قباحت نہیں، چنانچہ حضرت ابوبکر ﷛ نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

''باوجودے کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، پھر بھی بعض اوقات کپڑے کا کوئی کونہ نیچے چلا جاتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو از راہِ تکبر ایسا کرتے ہوں'' (۲)

اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ نصف پنڈلی تک تہبند یا پائجامہ رکھا جائے، یہ مستحب ہے، اس سے نیچے اور ٹخنوں سے اوپر رکھنا جائز ہے، ٹخنوں سے نیچے رکھنا ممنوع ہے، اگر از راہِ تکبر ایسا کرے تو مکروہِ تحریمی ہے، اور تکبر مقصود نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ (۳)

نماز چونکہ موقع ہی اللہ کے سامنے فروتنی اور بندگی کے اظہار کا ہے، اس لئے نماز کی

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۰۸۸، باب ماجاء فی اسبال الازار۔

(۲) حوالۂ سابق، حدیث نمبر: ۴۰۸۵۔

(۳) بذل المجهود: ۵/۵۴۔

حالت میں ٹخنوں سے کپڑوں کا لٹکانا نسبتاً زیادہ مکروہ اور نامناسب عمل ہے، حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے:

''ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے اور ان کی تہبند ٹخنوں سے نیچے تھی، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور وضو کرو، وہ وضو کر کے آئے، آپ ﷺ نے دوبارہ وضو کرنے کا حکم فرمایا، ایک صاحب نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے ان کو وضو کرنے کا حکم فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص ٹخنوں سے نیچے تہبند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا، اور اللہ تعالیٰ اس طرح نماز پڑھنے والے کی نماز قبول نہیں فرماتے'' (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں اس کا ارتکاب نسبتاً زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے، اس لئے امام ہو یا مقتدی، اس سے بچنا چاہئے، البتہ اس کے باوجود نماز درست ہو جاتی ہے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے ان کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا؛ البتہ دوبارہ وضو کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ وضو گناہ کا کفارہ ہے۔

جوتے پہن کر نماز

سوال:- {473} یکم مارچ کے سیاست میں ایک تصویر چھپی ہے، جس میں عازمین حج جوتے چپل پہن کر بارگاہ خداوندی میں نماز ادا کر رہے ہیں، تصویر کے نیچے یہ وضاحت بھی ہے ''امریکی عازمین حج روانگی سے قبل نیویارک

(۱) سنن أبي داؤد: حدیث نمبر: ۴۰۸۶۔

ایرپورٹ پر نماز ادا کرتے ہوئے'' سوال یہ ہے کہ کیا جوتے
چپل پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں
وضاحت کریں۔ (محمد خواجہ گیسو دراز، گلبرگہ)

جواب:- اگر جوتے چپل میں کوئی نجاست نہ ہو، اور اس علاقہ کے سماج میں جوتے چپل پہن کر عبادت کرنے کو خلاف احترام نہ سمجھا جاتا ہو، تو وہاں جوتے پہن کر بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جب شدید ٹھنڈک ہو، یا کسی عذر کی بناء پر جوتے پہننے پر مجبور ہو، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے بھی نعلین مبارکین میں نماز ادا فرمائی ہے'' (۱) جن علاقوں میں جوتے پہن کر عبادت کرنے کو خلاف احترام سمجھا جاتا ہو، جیسے: ہندوستان اور مشرقی ممالک، وہاں اس طرح نماز پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہئے، کیونکہ نماز میں کوئی ایسا عمل جائز نہیں، جس سے بے احترامی ظاہر ہوتی ہو۔

نماز میں کہنیوں سے اونچا کپڑا

سوال:- {474} نماز میں آستین کہنیوں سے نیچے
ہونا درست ہے؟ آج کل اکثر نمازی ہاف شرٹ پر نماز ادا
کرتے ہیں۔ (محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- آستین کو کہنیوں تک اٹھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے: ''ولو صلی رافعا کمیه إلی المرفقین کره'' (۲) اس لئے کہ یہ نماز کے احترام اور تقاضۂ ادب کے خلاف ہے۔

---

(۱) الجامع للترمذی : حدیث نمبر:۴۰۰، باب ما جاء في الصلاة فی النعال، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۶۵۲، باب الصلاة فی النعل۔ محشی۔

(۲) الفتاوی الهندیة :۱/۱۰۶۔

جوڑا باندھ کر نماز

سوال:- {475} کیا جوڑا باندھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟
(فیض النساء بیگم، مصری گنج)

جواب:- حضرت ابو رافع ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جوڑا شیطان کی پناہ گاہ ہے''(۱) نیز حضرت ابن عباس ﷺ سے منقول ہے:

'' رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور نہ بال سمیٹوں اور نہ کپڑے'' (۲)

اسی لئے فقہاء نے جوڑا باندھ کر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔(۳)

نماز کی حالت میں مفلر یا رومال نیچے لٹکانا

سوال:- {476} بعض حضرات سر پر مفلر یا کوئی کپڑا ڈال کر اس کے دونوں سرے لٹکاتے ہوئے نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ (شیخ حسینی، قاضی پورہ کھمم)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے نماز کی حالت میں سدل سے منع فرمایا ہے۔(۴) ——

---

(۱) الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۳۸۴،باب ما جاء في كراهية كف الشعر فی الصلاۃ ۔

(۲) دیکھئے: عارضة الأحوذی لابن العربی :۲/۱۷۵۔
نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد،حدیث نمبر:۸۸۹،باب أعضاء السجود ۔محشی۔

(۳) دیکھئے:الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۳۸۴،باب ماجاء في كراهية كف الشعر في الصلاۃ ،نیز دیکھئے: الفتاوی الهندیة :۱/۱۰۶، قاضی خاں علی هامش فتاوی هندیة : ۱/۱۱۷۔محشی۔

(۴) الجامع للترمذی ، عن ابی هریره ﷺ ،حدیث نمبر:۳۷۸،باب ما جاء في كراهية السدل في الصلاۃ ۔

''سدل'' سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ کوئی کپڑا اپنے سر یا مونڈھوں پر رکھے اور اس کے کناروں کو نیچے کی طرف چھوڑ دے، یہاں تک کہ اگر قبا اپنے دونوں مونڈھوں پر رکھ کر اس طرح چھوڑ دے کہ اس کی آستینوں میں اپنے ہاتھ نہ ڈالے تو اس کو بھی فقہاء نے ''سدل'' میں شمار کیا ہے: ''ومن السدل أن يجعل القباء على كتفيه ولم يدخل يديه ''(۱) اور اس حدیث کی وجہ سے سدل مکروہ ہے(۲)

لہٰذا اگر مفلر یا رومال گردن میں لپیٹ لیا جائے تب تو کوئی قباحت نہیں، لیکن نماز کی حالت میں سر یا مونڈھے پر رکھ کر دونوں طرف یوں ہی چھوڑ دینا مکروہ ہے اور ''سدل'' میں داخل ہے۔

آستین اور پینٹ چڑھا کر نماز ادا کرنا

سوال:- {477} ایک عالم دین نے مسجد کے بورڈ پر کسی ایک حدیث کی تشریح میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ پینٹ اور آستین کے کنارے کو موڑ کر اوپر چڑھا لینا مکروہِ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے، اور اس طریقہ کو رائج رکھنے والا فاسق و گنہگار ہے —— اس تحریر سے عام مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوگئی ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں نے اب تک پینٹ کا کنارہ اور آستین موڑ کر نماز ادا کی ہے، تو ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ (صدر جمیۃ علماء ہند، پالونچہ، کھمم)

جواب:- آستین کو نماز کی حالت میں کہنیوں سے اوپر تک موڑ کر رکھنا مکروہ ہے: '' لو

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۶۔

(۲) حوالہ سابق۔ نیز دیکھئے: الفتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۸۔ محشی۔

صلی رافعا کمیه الی المرفقین کره "(۱) رسول اللہ ﷺ نے ٹخنے سے نیچے تک کپڑا رکھنے سے مردوں کو منع فرمایا ہے، اور اس پر دوزخ کی وعید ہے۔ (۲) اس لئے یوں تو عام اوقات میں بھی ٹخنے سے نیچے کپڑوں کا لٹکانا مکروہ ہے، لیکن خاص کر نماز کی حالت میں اس کی کراہت اور زیادہ ہے، اس لئے کہ اس طرح کپڑے لٹکانے کو حدیث میں "کبر" کی علامت قرار دیا گیا ہے، (۳) بلکہ بعض روایات میں تو اس کو منافق کی علامت بتایا گیا ہے: " علامة المنافق تطویل سراویله " (۴) اور نماز تو کمالِ تواضع وفروتنی کا مقام ہے، اس لئے یہاں بدرجۂ اولی ٹخنوں سے نیچے کپڑے رکھنا مکروہ ہوگا، لہذا یہ کہنا کہ نماز کی حالت میں پینٹ کو اوپر کی طرف موڑ لینا مکروہِ تحریمی ہے، درست نہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ عام حالات میں بھی ٹخنے سے نیچے کپڑا رکھنا نہیں چاہئے، کیونکہ یہ عمل ہر حال میں مکروہ ہے، بہر حال جو غلطی نادانستہ ہو چکی ہو، اس کے لئے استغفار کرنا چاہئے، انشاء اللہ، اللہ تعالی معاف فرمادیں گے، آئندہ اپنے عمل کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پینٹ چڑھانے سے متعلق ایک اعتراض کا جواب

سوال :- {478} ۲۶/ اپریل جمعہ کی اشاعت میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ "یہ کہنا کہ

---

(۱) الفتاوی الھندیة :۱/۱۰۶، باب في ما یکره فی الصلاة و ما لا یکره۔ محشی۔

(۲) دیکھئے: صحیح البخاری ، حدیث نمبر:۵۷۸۷، باب ما اسفل من الکعبین فهو فی النار ، کتاب اللباس ۔محشی۔

(۳) " ... و ارفع إزارك إلی نصف الساق ، فإن أبیت فإلی الکعبین ، و إیاك و إسبال الإزار فإنها من المخیلة ، و إن الله لا یحب المخیلة ... " (سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۴۰۸۴، باب ما جاء في إسبال الإزار) مرتب۔

(۴) کنز العمال بہ حوالۂ دیلمی، حدیث نمبر:۴۱۱۹۸۔

نماز کی حالت میں پینٹ کو اوپر کی طرف موڑ لینا مکروہ تحریمی
ہے، درست نہیں، آپ کے اس خیال سے ناچیز کو تشویش ہے،
کیونکہ ہم کسی اہم تقریب میں پینٹ کے پائچے موڑ کر جانا
پسند نہیں کرتے، تو کیا اس طرح نماز پڑھنا نماز کی ہتک نہیں؟
(واجد خان، فتح دروازہ)

جواب:- پائچہ کا اونچا رکھنا لوگوں کے عرف و رواج میں برا سمجھا جاتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے پائچہ نیچا رکھنے اور ٹخنوں سے نیچے تک کپڑے لٹکنے کی بہت ہی سخت مذمت فرمائی ہے، اور مختلف حدیثوں میں اس کا ذکر موجود ہے، (۱) اور نص یعنی کتاب و سنت کے مقابلہ میں لوگوں کے عرف و رواج کا کوئی اعتبار نہیں۔

نماز کی حالت میں آستین موڑنا

سوال:- {479} میں بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ
جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو قمیص کی آستین موڑ
لیتے ہیں، تو کیا اس طرح موڑ کر نماز پڑھنا درست ہے؟
(محمد فیروز، شاہ گنج)

جواب:- نمازی کے لئے یہ بات مکروہ ہے کہ اس کی آستین یا دامن مڑا ہوا ہو، (۲) بلکہ فقہاء نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ وضوء کے لئے کپڑا اچڑھایا جائے، اور امام کے ساتھ رکوع پانے کی غرض سے کپڑے کو ایسی حالت میں چھوڑ دیا جائے، اگر کپڑا اچڑھا ہوا ہو، اور اسی حال

---

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر : ۵۷۸۷، باب ما أسفل من الکعبین فھو في النار، کتاب اللباس۔ محشی۔

(۲) " ولو صلی رافعا کمیه إلی المرفقین کره، کذا في قاضي خان " (دیکھئے: الفتاوی الھندیة :۱/۱۰۶، باب فیما یکره في الصلاة و ما لا یکره) محشی۔

میں نماز میں شامل ہوگیا، تو اسی حالت میں چھوڑ دے، یا معمولی عمل (عمل قلیل) کے ذریعہ کپڑا ہموار کرلے؟ اس سلسلہ میں بھی مشہور فقیہ علامہ شامیؒ کا خیال ہے کہ اگر معمولی عمل سے کپڑے کو درست کرنا ممکن ہو تو بہتر ہے کہ کپڑا درست کرلیا جائے، بلکہ علامہ حصکفیؒ نے لکھا ہے کہ گرد و غبار سے بچنے کے لئے بھی آستین یا دامن کو سمیٹنا کراہت سے خالی نہیں: ''وکره کفه أي رفعه ولو لتراب کمشمر کمّ أو ذیل ''(۱) یہ تمام احکام اس وقت ہیں، جب کہ نماز سے پہلے کپڑے موڑ چکا ہو، اگر نماز کی حالت میں کپڑے موڑے تو عمل کثیر کی ارتکاب کی وجہ سے نماز ہی فاسد ہو جائے گی:

"وهذا لو شمرهما خارج الصلاة ثم شرع فیها کذلك أما لو شمّر وهو فیها تفسد : لأنه عمل کثیر" (۲)

سینٹ لگے ہوئے کپڑے میں نماز

سوال:- {480} اکثر کہا جاتا ہے کہ سینٹ کپڑوں پر لگا لیا جائے تو نماز نہیں ہوتی، کیا یہ بات شرعی اعتبار سے درست ہے؟ (محمد لیاقت علی سیفی، بسواکلیان)

جواب:- سینٹ کے بارے میں متعدد ماہرین کیمیا سے معلوم ہوا کہ اس میں الکحل تو ہوتا ہے، لیکن الکحل کی بہت سی قسمیں ہیں، سینٹ میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، وہ نشہ آور نہیں ہوتا اور وہ اس سے مختلف ہوتا ہے جو شراب اور ادویہ میں استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے یہ ناپاک یا حرام نہیں ہے، اس کا استعمال درست ہے، اور اس کی وجہ سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، ——

(۱) الدر المختار مع رد المحتار :۲/۴۰۶، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها ۔ محشی۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار :۲/۴۰۶۔

اس حقیر کی یہ رائے موجودہ تحقیق کی بنیاد پر ہے، پہلے وہ اس کے ناپاک ہونے کا فتوی دیا کرتا تھا، اور لوگوں کو اس کے استعمال سے روکتا تھا۔

بغیر ٹوپی کے نماز

سوال:- {481} کیا بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا جائز ہے؟ (محمد افتخار علی ، میدک)

آج کل سعودی عرب سے آنے والے بعض نوجوان جو اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں، بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا معمول رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھلے سر نماز پڑھی ہے؟ (عبدالمقتدر، ٹولی چوکی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کا عام معمول مبارک سر ڈھک کر نماز پڑھنے کا تھا، (۱) اس لئے ٹوپی موجود ہو، اور محض ازراہ کسل مندی بغیر ٹوپی کے نماز پڑھی جائے تو ایسا کرنا مکروہ ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

" تكره الصلاة حاسرا رأسه إذا كان يجد العمامة وقد فعل ذلك تكاسلا أو تهاونا بالصلاة " (۲)

ہاں! اگر ٹوپی کی تلاش میں نماز کی جماعت کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بغیر ٹوپی کے بھی نماز ادا کر لینے کی گنجائش ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے بھی صرف ایک

---

(۱) چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا "مواب" نامی عمامہ تھا، آپ ﷺ کبھی ٹوپی کے اوپر اسے پہنتے اور کبھی صرف ٹوپی پہنتے، عمامہ نہیں" (دیکھئے: زاد المعاد :۱/۱۳۵، فصل في ملابسه) محشی۔

(۲) الفتاوى الهندية:۱/۱۰۶۔

کپڑے میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔(۱) لیکن ظاہر ہے کہ یہ آپ ﷺ کا اتفاقی عمل تھا، آپ ﷺ کا عمومی عمل سر ڈھک کر نماز پڑھنے کا تھا، اس لئے کھلے سر نماز پڑھنے کی عادت نہ بنالی جائے۔

یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار صرف ایک چادر میں نماز ادا فرمائی، ظاہر ہے کہ یہ چادر بہ طور تہبند آپ ﷺ نے استعمال فرمائی ہوگی، لیکن ایسا صرف ایک واقعہ ثابت ہے اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ کیا میری امت میں سبھوں کو دو کپڑے میسر ہوں گے؟(۲) پس آپ ﷺ کا یہ عمل محض اس بات کو بتانے کے لئے تھا کہ بغیر ٹوپی کے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے، اگر کسی شخص کے پاس سر ڈھکنے کے لئے کوئی چیز نہ ہو، تو اسے اس کی وجہ سے نماز نہ چھوڑنی چاہئے، نہ یہ کہ کھلے سر نماز پڑھنا بہتر بات ہے، حضور ﷺ کا عام معمول عمامہ یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا تھا، اگر کوئی شخص بخاری کی مذکورہ روایت پر عمل کرنا چاہتا ہو تو پھر تو کرتا اور بنیائن پہننے کی بھی حاجت نہیں، صرف پائجامہ یا لنگی پر ہی اکتفا کرنا چاہئے۔

یہ محض ناسمجھی اور ناواقفیت کی باتیں ہیں، خود غیر مقلد علماء بھی اس سے منع کرتے رہے ہیں، ''فتاوی علماء اہل حدیث'' میں مولانا غزنویؒ کی رائے اس طرح منقول ہے:

> ''اگر ننگے سر نماز فیشن کی وجہ سے ہے تو نماز مکروہ ہے، اگر خشوع کے لئے ہے تو تشبہ بالنصاری ہے، اسلام میں سوائے احرام کے ننگے سر رہنا خشوع کے لئے نہیں ہے، اگر سستی کی وجہ سے ہے تو منافقین کی عادت ہے، غرض ہر لحاظ سے

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۳۵۴، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفا به ۔

(۲) حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:'' عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رجلا قال : يا رسول الله ﷺ ! يصلي الرجل في الثوب الواحد ؟ فقال النبي ﷺ : " أو لكلكم ثوبان ؟'' (کنز العمال، حدیث نمبر:۲۱۷۰۹، کتاب الصلاة ، باب ستر العورة) محشی۔

ناپسندیدہ ہے"۔(۱)

اور معروف عالم مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں:

"صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضور ﷺ سے بالدوام ثابت ہوا ہے، یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا ہو، پگڑی سے یا ٹوپی سے"(۲)

ساڑی پہن کر نماز

سوال:- {482} کیا ساڑی پہننا اسلام میں جائز ہے؟ اور کیا ساڑی پہن کر نماز پڑھیں تو نماز درست ہوجاتی ہے؟

(یعقوب بیگم، ادکیٹ)

جواب:- نماز کے لئے ایسا لباس ہونا چاہئے جس سے حصۂ ستر ڈھک جائے، عورتوں کے لئے چہرہ، گٹوں تک دونوں ہاتھوں اور دونوں قدموں کے علاوہ پورا جسم حصۂ ستر ہے، اگر ساڑی کے ساتھ ایسے کپڑے ہوں جس سے جسم کا یہ پورا حصہ ڈھک جاتا ہو تو ساڑی میں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے، یہ جو بات مشہور ہے کہ ساڑی میں نماز نہیں ہوتی، کیونکہ زمین سے پردہ نہیں ہوتا، یہ بے اصل بات ہے، پردہ انسانوں سے مقصود ہے نہ کہ زمین سے۔

ساڑی پہن کر بیٹھ کر نماز

سوال:- {483} میں اپنے بڑوں کو دیکھتی آرہی ہوں کہ ساڑی پہنی ہوئی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں اور شرٹ و شلوار پہننے کی صورت میں کھڑے ہوکر، دو ماہ پہلے

---

(۱) فتاوی علماء اہل حدیث:۴/۲۹۱۔

(۲) فتاوی ثنائیہ :۱/۵۲۵۔

میری شادی ہوئی ہے، میں جب ساڑی پہن کر بیٹھ کر نماز پڑھتی ہوں تو میرے سسرال کے لوگ مجھے ٹوکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ خواہ کوئی بھی کپڑا پہنا جائے نماز کھڑے ہوکر ادا کی جائے۔ (نور جہان بیگم، رحمت نگر)

جواب:- آپ کے سسرال والوں نے صحیح کہا ہے، یہ درست نہیں کہ اگر کوئی خاتون ساڑی پہنی ہوئی ہو، تو کھڑے ہونے پر قدرت ہونے کے باوجود بیٹھ کر نماز ادا کرے، اگر فرض نماز بلا عذر بیٹھ کر ادا کی جائے تو نماز ہی درست نہیں ہوگی، اور نفل نماز بلا عذر بیٹھ کر پڑھی جائے تو اجر کم ہوگا:

"ولو صلى الفريضة قاعدا مع القدرة على القيام لا تجوز صلاته بخلاف النافلة "(۱)

بعض خواتین میں یہ بات مشہور ہے کہ ساڑی پہننے کی صورت میں زمین سے پردہ نہیں ہوتا، اس لئے کھڑے ہوکر نماز درست نہیں، یہ محض جہالت کی بات ہے، پردہ انسانوں سے مقصود ہے نہ کہ زمین سے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صل قائما فإن لم تستطع فقاعدا "(۲)

''کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہو''

ساڑی پہن کر چڈی کے بغیر نماز

سوال:- {484} کیا عورتیں ساڑی پہن کر چڈی پہنے بغیر نماز پڑھ سکتی ہیں؟ میں حج کو جارہی ہوں، کیا حج میں بغیر

(۱) کبیری: ص:۲۵۸۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۹۵۲۔

چڈی کے ساڑی پہنی جاسکتی ہے؟　　(بی، ایچ، ای، ایل)

جواب:- شریعت میں ستر کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ساڑی پہننے سے حاصل ہوجاتا ہے، بشرطیکہ کرتا بھی ساتھ ہو، اس لئے بغیر چڈی کے نماز پڑھنے اور حج کے کسی عمل کو انجام دینے میں کوئی حرج نہیں، خواتین میں جو یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ بغیر چڈی کے ساڑی پہن کر نماز نہیں ہو سکتی، غلط اور بے اصل ہے۔

نائٹی پہننا اور اس میں نماز ادا کرنا

سوال:- {485} بہت سی خواتین گھروں میں دن کے اوقات میں بھی نائٹی پہنتی ہیں، اور اسی میں نماز بھی پڑھ لیتی ہیں، نائٹی کی آستین ہاف یعنی کہنیوں سے اوپر ہوتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں نماز ہوجائے گی؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- اولاً تو خواتین کا دن کے وقت ایسا لباس پہنے رہنا مناسب نہیں، کیونکہ ہندوستان کے ملے جلے معاشرہ میں گھروں میں غیر محرم کی آمد و رفت بھی ہوتی رہتی ہے، اور غیر محرم کے سامنے ایسا لباس پہننا قطعاً درست نہیں، جہاں تک نماز کی بات ہے، تو چہرہ، گٹوں تک ہاتھ اور پاؤں تو کھلا رکھ سکتے ہیں، یہ اپنی اصل کے اعتبار سے ستر میں داخل نہیں، بلکہ فتنہ کے اندیشہ سے ان کے ستر کا حکم دیا گیا ہے، لیکن بازو کا حصہ ستر میں داخل ہے، اور ان کا نماز میں چھپائے رکھنا واجب ہے(۱) اس لئے اگر نائٹی کے ساتھ کوئی ایسی چادر استعمال کرتی ہوں، جن سے گٹوں سے اوپر ہاتھ اور بازوؤں کا حصہ چھپ جائے تب تو نماز درست ہوجائے گی، ورنہ درست نہیں ہوگی۔

---

(۱)　الفتاوی الهندية :۱/۵۸،باب في شروط الصلاة ۔ محشی۔

ہاف آستین کپڑے میں نماز

سوال:- {486} ہاف آستین شرٹ میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟ (سید نوید عزیز کنگی)

جواب:- فقہاء نے اس بات کو مکروہ قرار دیا ہے کہ آستین چڑھا کر نماز پڑھی جائے، اس لئے کہ یہ ہیئت ایک گونہ تکبر اور عجب آمیز رویہ کا مظہر ہوتی ہے، حالانکہ نماز میں زیادہ سے زیادہ خشوع اور تواضع مطلوب ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "مراقي الفلاح" میں مذکور ہے:

"وتشمير كميه عنهما للنهي عنه لما فيه من الجفاء المنافي للخشوع"(۱)

اس میں شبہ نہیں کہ آستین چڑھانے اور پہلے ہی سے ہاف آستین ہو، ان دونوں میں فرق ہے، لیکن دونوں صورتوں مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے اس لئے مناسب ہے کہ بلا عذر آدھی آستین والے کپڑے میں نماز نہ پڑھی جائے، لیکن پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی، محض اس وجہ سے نماز قضاء کر دینا بھی مناسب نہیں کہ وہ اس وقت ہاف آستین کا کپڑا پہنے ہوئے ہے۔

اِن شرٹ کر کے نماز

سوال:- {487} اکثر مساجد میں دیکھا جا رہا ہے کہ کچھ لوگ ان شرٹ کر کے بھی نماز پڑھتے ہیں، کیا اس طرح نماز ادا کرنا درست ہے؟ (عبید اللہ، یاقوت پورہ)

جواب:- ان شرٹ کرنے کی وجہ سے کمر کے نیچے کے حصہ میں اعضاء کی ساخت نمایاں ہو جاتی ہے اور ایک گونہ بے پردگی ہوتی ہے؛ اس لئے عام حالات میں بھی اس طرح کا

---

(۱) مراقي الفلاح مع الطحطاوي :ص:۲۳۶۔

لباس پہننے سے گریز کرنا چاہئے، اگر پینٹ ہی پہنے تو ڈھیلا ہو اور قمیص یا شرٹ کا حصہ نیچے گرتا ہو، نماز کی حالت میں چونکہ ستر کے خصوصی اہتمام کا حکم ہے، (۱) اس لئے اس موقع پر اس طرح کی بے ستری اور بھی زیادہ نامناسب ہے۔

الٹے کپڑوں میں نماز

سوال:- {488} نماز کے وقت پینٹ کو ٹخنوں سے اوپر موڑتے ہیں، تو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ الٹے کپڑے سے نماز نہیں ہوگی، کیا یہ صحیح ہے، نیز یہ بتائیں کہ کیا پینٹ کو ٹخنوں سے نیچے رکھ کر نماز پڑھنا چاہئے یا پینٹ کو موڑ کر؟

(معین الدین، لچھا پیٹ میدک)

جواب:- کپڑا سیدھا ہو یا الٹا، دونوں صورت میں نماز ہو جاتی ہے، البتہ اتنا ضروری ہے کہ وہ کپڑا پاک ہو اور ستر کو چھپانے والا ہو، اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شرط بھی نہیں پائی گئی تو نماز نہیں ہوگی اور جہاں تک پینٹ یا کپڑے کا ٹخنہ سے نیچے رکھنے کا مسئلہ ہے تو یہ نماز کی حالت اور نماز کے علاوہ اوقات میں بھی جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹخنوں سے نیچے کا جو بھی حصہ کپڑے سے ڈھکا رہے وہ جہنم کا حصہ بنے گا، ''ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار'' (۲) اس لئے ہر صورت میں کپڑے کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا چاہئے اور خاص کر نماز کی حالت میں کیونکہ یہ کبر کی علامت ہے اور نماز تواضع و فروتنی کی جگہ ہے۔

کھلے سر نماز

سوال:- {489} درمختار جلد نمبر :۱، ص : ۲۹۹، کے

---

(۱) الدر المختار :۱/۹۱۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۵۷۸۷۔

مطابق انکساری کے لئے کھلے سر نماز پڑھنا جائز ہے، اسی کے
مطابق آج تک کھلے سر نماز پڑھتا ہوں، کہاں تک میری نماز
درست ہوگی؟ کیا کبھی نبی کریم ﷺ نے بھی کھلے سر نماز ادا کی
ہے یا بالکل ممانعت فرمائی؟　　　(عبدالرشید، سکندر آباد)

جواب:- قرآن مجید نے ہدایت کی ہے کہ نماز کے وقت لباسِ زینت اختیار کرنا چاہئے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ خُذُوْا زِيْـنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾(۱) ٹوپی بھی لباسِ زینت ہے، اس لئے عمامہ باندھ کر یا ٹوپی پہن کر ہی نماز ادا کرنی چاہئے، بلا عذر بغیر ٹوپی نماز پڑھنا مکروہ ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: جس شخص کے پاس عمامہ موجود ہو، اس کے لئے کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ "تکره الصلاة حاسرا رأسه إذا كان يجد العمامة" (۲) رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک بھی یہی تھا، البتہ ایک موقع پر آپ ﷺ کا صرف تہبند میں بھی نماز پڑھنا ثابت ہے، اصل میں آپ ﷺ بعض اوقات جائز لیکن خلاف اولیٰ کام اس لئے کر جاتے تھے کہ امت کے لئے آسانی و سہولت پیدا ہو، اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر ناف سے گھٹنے تک کا ساتر لباس موجود ہو، تو یہ لباس بھی نماز کی ادائیگی کے لیے کافی ہے، نہ یہ کہ ایسے ہی لباس میں نماز پڑھنا بہتر ہے، اگر اسی حدیث کی پیروی مقصود ہو، پھر تو ٹوپی کے علاوہ کرتا اور قمیص اتار کر بھی نماز پڑھنی پڑے گی، فقہا کی تحریروں کا ماحصل بھی یہی ہے کہ اگر ٹوپی یا عمامہ یا سر کو ڈھکنے کی چیز میسر ہو، تو کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اگر اللہ کے سامنے انکساری اور غلامی کا اظہار مقصود ہو تو گناہ نہ ہوگا، یہ مقصد نہیں ہے کہ اس طرح نماز پڑھنی چاہئے، نماز میں تو ظاہر ہے کہ وہ طریقہ اختیار کرنا چاہے جو آپ ﷺ کا معمول رہا ہو، نہ یہ کہ جو عمل آپ ﷺ نے اتفاقاً کسی خاص مصلحت کے لئے کیا ہو؛ اس لئے آپ ٹوپی پہن کر نماز ادا کیا کریں۔

---

(۱) الأعراف: ۳۱۔ محشی۔
(۲) فتاوی عالمگیری: ۱/ ۱۰۶، ط: مکتبہ زکریا دیوبند۔ محشی۔

نماز میں نوٹ یا بس پاس وغیرہ جیب میں رکھنا

سوال:- {490} اگر کسی کی جیب میں Identy کارڈ یا بس پاس یا نوٹ ہوں جن پر تصویریں ہوتی ہیں، تو کیا اس کی نماز میں کوئی کراہت پیدا ہوگی، یا نماز کی حالت میں ان کا نکال کر رکھ دینا ضروری ہے؟ (محمد محسن، معین باغ)

جواب:- جن چیزوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، ان کی حفاظت کے لئے بسا اوقات انہیں جیب میں رکھنا ضروری ہوتا ہے، دوسرے بعض فقہاء نے ایسی تصویر کو نماز میں کراہت کا باعث قرار نہیں دیا ہے جو نمازی کے پیچھے یا اس کے پاؤں کے نیچے ہو، یا جیب اور غلاف کے اندر ہو:

"فلو كانت الصورة خلفه أو تحت رجليه ففي شرح عتاب لا تكره الصلاة " (۱)

نیز علامہ شامیؒ نے ''البحر الرائق'' نامی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

" و مفاده كراهة المستبين لا المستتر بكيس أو صرةٍ أو ثوب آخر " (۲)

اس لئے نمازی کا یہ چیزیں جیب میں رکھنا درست ہے۔

نمازی اور تصویریں

سوال:- {491} تصویر اگر سامنے ہو تو نماز نہیں ہوتی، لیکن اگر حالت نماز میں جیب سے شناختی کارڈ وغیرہ جس میں

---

(۱) فتح القدير :۱/۴۱۵۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار:۲/۴۱۸۔

تصویر لگی ہو، وہ سامنے گر جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ کیا مکہ ومدینہ منورہ کی تصویر اور خوبصورتی کے لئے لگائی جانے والی (Scenaries) کے چارٹ اگر نمازی کے سامنے ہوں تو کیا نماز درست ہوگی؟ جائے نماز پر اگر مکہ ومدینہ نقش ہوں تو کیا نماز درست ہوگی؟ اور اگر غلطی سے کوئی جائے نماز پر کھڑا ہوجائے جس میں مکہ ومدینہ کی تصویر ہو تو کیا سزا کا مستحق ہوگا؟ تفصیل سے بتائیں۔ (محمد عرفان، شکر گنج)

جواب:- اگر تصویر سامنے ہو تو نماز تو ہوجائے گی، لیکن یہ فعل سخت مکروہ ہے،(۱) مکہ ومدینہ کی تصویر یا ایسی تصویریں جن میں ذی روح کی قابل شناخت صورت نظر نہ آتی ہو، کی ممانعت نہیں ہے،(۲) البتہ چونکہ اس سے نمازی کی توجہ ہٹ جاتی ہے، اس لئے ایسی تصویریں بھی نمازی کے سامنے نہ رہیں تو بہتر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے کپڑے میں نماز ادا فرمائی جو منقش تھا، اس کے نقوش پر آپ ﷺ کی نظر پڑی، نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ کپڑا ابوجہم صحابی رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا، جنہوں نے یہ کپڑا آپ ﷺ کو تحفہ پیش کیا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ اس کی وجہ سے نماز میں میری توجہ ہٹ گئی:

''فإنها ألهتني عن صلاتي''(۳)

---

(۱) دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار :۲/۴۱۶۔ محشی۔

(۲) ''أو لغير ذي روح لا (يكره)''(دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار :۲/۴۱۸) محشی۔

(۳) صحيح البخاري :۱/۵۴، حدیث نمبر:۳۷۳، باب إذا صلى في ثوب له أعلام و نظر إلى أعلامها۔

لہذا نمازیوں کے سامنے بے روح چیزوں کی تصویریں بھی نہ ہونی چاہئیں جو توجہ کو بانٹنے والی ہوں۔

جائے نماز پر آج کل حرمین شریفین کے نقش کا رواج سا ہو گیا ہے، ایسی جانمازوں پر کھڑا ہونا ان مقامات مقدسہ کی توھین نہیں، کیونکہ تصویریں اصل کا درجہ نہیں رکھتیں، اور عام حالات میں کھڑے ہونے والے کی نیت توھین کی نہیں ہوتی، ہاں! اگر کوئی بدبخت توھین کی نیت سے کھڑا ہو تو یقیناً گناہ ہے، بلکہ کفر کا اندیشہ ہے، لیکن حرمین کی تصویروں کو جائے نماز پر منقش کرنا بجائے خود کوئی مناسب بات نہیں، بلکہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بھی اہل مغرب کی سازش ہے، اور اس کا مقصود فی الجملہ شعائر اسلامی کی اہانت ہے، اس لئے سادہ اور غیر منقش جائے نماز کا استعمال بہتر ہے، جیسا کہ سلف صالحین کے زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔

اگر شناختی کارڈ نیچے گر جائے اور وہ سجدہ کے مقام پر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، اگر معمولی عمل کے ذریعہ اٹھا سکتے ہوں تو اٹھالیں، ورنہ اسی حال میں چھوڑ دیں، لیکن اگر سجدہ گاہ میں ہو تو سجدہ کے وقت ضرور ہٹالینا چاہئے، کیونکہ اس میں تصویر کو سجدہ کرنے کا ایہام ہوتا ہے، اسی لئے فقہاء نے مقام سجدہ میں بچھی ہوئی تصویر کو بھی منع فرمایا ہے:

"والصحيح أنه لايكره على البساط إذا لم يسجد على التصاوير و هذا إذا كانت الصورة كبيرة تبدو للناظر بغير تكلف" (۱)

دوکان میں نمازی کے سامنے باتصویر ڈبے

سوال:- {492} دوکان میں بعض اوقات نماز پڑھنی پڑتی ہے اور سامان کے ڈبوں پر مختلف قسم کی تصاویر ہوتی ہیں،

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۷۔

ایسی حالت میں کیا نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

(عبدالحق، مہدی پٹنم)

جواب:- نماز کی حالت میں سامنے تصویریں ہوں، اس میں شدید کراہت ہے، دائیں، بائیں تصویروں کا ہونا بھی کراہت سے خالی نہیں، لیکن بمقابلہ سامنے ہونے کے اس میں کراہت کم ہے،(۱) اس لیے نماز پڑھتے وقت ان تصویروں پر کوئی کپڑا ڈال دینا چاہیے، تاکہ وہ حجاب بن جائے اور تصویروں کا سامنا نہ ہو۔

اگر چار کی نیت کر کے دو رکعت نفل ادا کرے؟

سوال:- {493} کسی شخص نے چار رکعت نفل کی نیت کی، لیکن دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا، ایسی صورت میں کیا اسے چار رکعت کی قضاء کرنی ہوگی، یا دو رکعت کی؟

(محمد شمیم، ممبئی)

جواب:- نفل کی ہر دو رکعت کی حیثیت مستقل نماز کی ہے، اس لئے ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ دو رکعت ہی کافی ہو جائے گی، دو رکعت یا چار رکعت کی قضاء واجب نہیں ہوگی:

"و إن شرع في التطوع بنية الأربع ... ثم قطع ... فان كان قبل القيام الى الثالثة يلزمه شفع واحد عنده و عندهما لا يلزم شيئ" (۲)

(۱) "و يكره أن يصلى و بين يديه أو فوق رأسه أو على يمينه أو على يساره أو في ثوبه تصاوير ... و أشدها كراهة أن تكون أمام المصلى ثم فوق رأسه ثم يمينه ثم يساره ثم خلفه" (الفتاوى الهندية:۱/۱۰۷) محشی۔

(۲) كبيرى، ص:۳۷۶۔

نماز میں گھڑی دیکھنا

سوال:- {494} مسجد میں ایک صاحب نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں، اور سنت ادا کرتے ہیں، لیکن نماز کے دوران رکوع سے اٹھتے وقت، دیوار میں لگی ہوئی گھڑی کو بار بار دیکھتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور وہ صاحب سترہ سال امامت کر چکے ہیں؟ (محمد الیاس راہی، سدا سیو پیٹ)

جواب:- اولاً تو دوسروں کے بارے میں اس قدر تجسس سے بچنا چاہئے کہ کون کس وقت کہاں دیکھ رہا ہے، اور اپنی اصلاح پر توجہ دینی چاہئے، جہاں تک گھڑی دیکھنے کی بات ہے، تو نماز میں کوئی بھی ایسا عمل جو نماز کی طرف سے توجہ کو ہٹا دے، کراہت سے خالی نہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ بھی ان افعال میں سے ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہئے، تاہم اگر گھڑی دیکھ کر ٹائم کو سمجھ لیں، لیکن زبان سے کوئی لفظ نہ بولے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ محراب پر قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہوا ہے، نمازی اسے دیکھے اور سمجھ لے تو نماز فاسد نہیں ہوگی:

"إذا كان المكتوب على المحراب غير القرآن فنظر المصلي الى ذلك و تأمل و فهم فعلى قول أبي يوسف لا تفسد و به أخذ عامة مشايخنا" (۱)

نماز میں ادھر ادھر کے خیالات آئیں؟

سوال:- {495} نماز میں ادھر ادھر کے خیالات آتے

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۰۱۔

رہتے ہیں، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟

(سید زاہد فروین، یاقوت پورہ)

جواب:- نماز چونکہ نیکی اور بھلائی کا عمل ہے، بلکہ سب سے افضل ترین عبادت ہے، اس لئے شیاطین خاص طور سے نمازی کی توجہ کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے بر خلاف اگر آدمی کسی برے کام میں مشغول ہو، تو شیطان کوئی خلل پیدا نہیں کرتا، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص تو ہماری ہی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے، اس سے گھبرانا نہ چاہئے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے بھی کبھی کبھی نماز میں سہو ہو جایا کرتا تھا۔ (۱) ایسے موقع پر حتی المقدور خیالات کو یکسوئی کرنا چاہئے، اور اس کے باوجود بھی جو بے التفاتی ہو، اس کے لئے نماز کے بعد استغفار کر لینا چاہئے، لیکن بہر حال اس کیفیت سے عاجز آ کر نماز کی ادائیگی سے غافل نہ ہوں۔

دیوار قبلہ میں کھڑکی کی وجہ سے بدنگاہی

سوال:- {496} ایک مسجد گھریلو آبادی کے بیچوں بیچ واقع ہے، جس کی جدید تعمیر ہوئی ہے اور نماز مسجد کی پہلی منزل پر ہوتی ہے، ہوا اور روشنی کے لئے کھڑکیاں اور روشن دان لگائے گئے ہیں، لیکن مسجد کی مغربی دیوار پر دو بڑی کشادہ کھڑکیاں لگائی گئی ہیں، اور باضابطہ اسے کھول کر نماز پڑھنے کا اہتمام ہو رہا ہے، محلہ کی خواتین کپڑے سکھانے کے لئے اکثر گھروں کے اوپری حصے پر چڑھتی ہیں، ایسے میں اگر نمازی کی نگاہ غیر محرم عورت پر پڑ جائے تو کیا اس شخص کی نماز درست ہوگی؟

(محمد عبد المجیب، مراد نگر)

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۹۰۷۔

جو اب:- نمازیوں کو اپنی نگاہ سجدہ کے مقام پر رکھنی چاہئے، تاہم اگر نماز میں کسی غیر محرم عورت پر نگاہ پڑ جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، مسجد کے ذمہ داروں کو کوشش کرنی چاہئے کہ یا تو کھڑکی پر پردہ لگادیں کہ بدنگاہی نہ ہو، یا اہل محلہ سے خواہش کریں کہ نماز کے اوقات میں خواتین سامنے آنے سے گریز کریں، ویسے اہل محلہ کو اس کا پابند کرنا مشکل نظر آتا ہے، مسجد میں ہی پردہ کا انتظام کر لینا چاہئے۔

آئینہ کے سامنے نماز

سوال:- {497} کیا آئینہ کے سامنے ٹھہر کر نماز ادا کرنا چاہئے؟ (ایکس، وائی، زیڈ، چھتہ بازار)

جو اب:- آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ آئینہ میں انسان کی صورت نظر آتی ہے، اور نماز پڑھتے وقت سامنے کسی انسان یا خود اس کی تصویر کا ہونا سخت مکروہ ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً اس سے منع فرمایا ہے، (۱) اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

نمازی کے دائیں بائیں آئینہ ہو

سوال:-{498} نمازی کے سامنے یا دائیں بائیں جانب آئینہ ہو، وہاں پر نماز ادا کرنا کیسا ہوگا؟

(محمد عبدالمجید پٹیل، بیدر)

جو اب:- آئینہ میں تصویر کی طرح آدمی کی صورت نظر آتی ہے، اور نمازی کے سامنے یا دائیں، بائیں تصویر رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں غیر اللہ کی بندگی کا وہم بھی پایا جاتا ہے، اور نمازی کی توجہ بھی بٹتی ہے، درمختار میں مکروہات نماز کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۳۷۴، باب إن صلی في ثوب مصلب أو تصاویر۔

"وأن يكون فوق رأسه أو بين يديه أو بحذائه يمنة أو يسرة أو محل سجوده تمثال" (۱)

آئینہ میں بھی چونکہ صورت نظر آتی ہے، اس لئے اس کا بھی سامنے یا دائیں بائیں رکھنا مکروہ ہے۔

امام سے پہلے رکوع وسجدہ میں جانا

سوال:- {499} بہت سے مقتدی حضرات امام صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں، لیکن امام سے پہلے رکوع وسجدہ میں چلے جاتے ہیں، کیا ان کی نماز درست ہو جائے گی؟　　(محمد فہیم الدین عظمی، نظام آباد)

جواب:- امام سے پہلے مقتدیوں کا رکوع اور سجدہ میں چلا جانا، مکروہ اور نہایت ہی ناپسندیدہ عمل ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص امام سے پہلے سر اٹھالیتا ہے، کیا اسے ڈر نہیں لگتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے" (۲)

اس لئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (۳) اگر اس کے رکوع میں رہتے ہوئے ہی امام بھی رکوع میں پہنچ گیا، تب تو اس کی نماز درست ہو جائے گی، اور اگر امام کے رکوع اور سجدہ میں پہنچنے سے پہلے اس نے سر اٹھالیا، تو نماز ہی درست نہیں ہوگی۔

---

(۱) رد المحتار :۲/۳۶۰۔(بیروت)

(۲) صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۶۹۱،باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام، چنانچہ صحابۂ کرام ﷺ کا معمول تھا کہ جب نبی ﷺ پوری طرح سجدہ کی حالت میں پہونچ جاتے، پھر صحابہ ﷺ سجدہ میں جاتے۔(دیکھئے : صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۶۹۰،باب متی یسجد من خلف الإمام) محشی۔

(۳) فتح القدیر :۱/۴۸۳۔

"ولو ركع المقتدي قبل إمامه فأدرك الإمام فيه جاز" (۱)

نماز میں پاؤں کی انگلیاں کس طرح رکھیں؟

سوال:- {500} بعض حضرات کے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف نہیں ہوتیں، یہاں تک کہ انگوٹھا بھی قبلہ کی طرف نہیں ہوتا، کیا ایسے شخص کی نماز ہو جائے گی؟

(محمد فہیم الدین عظمی، نظام آباد)

سجدہ کی حالت میں پاؤں کا زمین پر رکھنا ضروری ہے، اگر ایک پاؤں بھی زمین پر نہ رکھے تو نماز درست نہ ہوگی، اگر صرف ایک رکھے تو کراہت کے ساتھ نماز ادا ہو جائے گی، پاؤں کے رکھنے سے انگلیوں کا رکھنا مراد ہے، اگر کم سے کم ایک انگلی زمین پر رکھے تو وہ پاؤں رکھنے والا شمار کیا جائے گا:

"ووضع القدم بوضع أصابع وإن وضع أصبعا واحدة" (۲)

اس لئے اگر انگلیاں زمین پر بالکل نہیں رکھیں تب تو نماز ہی درست نہیں ہوگی، انگلیوں کو اس طرح دبا کر رکھنا مسنون ہے کہ وہ قبلہ کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ نمازیوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

نماز میں جمائی لینا

سوال:- {501} نماز میں کتنی دیر تک جمائی لینا جائز

(۱) الهداية مع الفتح القدير: ۱/۳۸۳۔
(۲) الفتاوى الهندية: ۱/۷۰۔

ہے؟ (محمد جسیم، سلطان شاہی)

جواب:- جمائی لینا اصل میں غفلت، تھکان اور بے توجہی کی علامت ہے، اس لئے ممکن حد تک جمائی لینے سے بچنا چاہئے،(۱) مجبور ہو جائیں تو جمائی لیں اور جمائی لیتے وقت منھ پر ہاتھ رکھ لیں، قیام کی حالت میں دایاں ہاتھ رکھیں اور نماز کی دوسری حالتوں میں بایاں ہاتھ، ہاتھ رکھنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اس کے پشت کا حصہ منہ پر رکھا جائے، جمائی کی حالت میں گو نماز ہو منہ کھلا رکھنا مکروہ ہے، فتاوی عالمگیری میں یہ تمام تفصیلات موجود ہیں،(۲) جمائی عام طور پر چند سکنڈ کے لئے ہی آتی ہے، چونکہ یہ اضطراری اور غیر اختیاری عمل ہے، اس لئے اس میں وقت کی کوئی تحدید نہیں۔

حالت نماز میں سامنے سے گزرنے والے کو روکنا

سوال:- {502} میں ایک روز مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، ایک آدمی میرے سامنے سے گزر رہا تھا، تو میں نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھا کر اس کو روک دیا، کیونکہ میں نے سن رکھا تھا کہ اگر کوئی شخص بے خیالی میں یا روکے جانے کے باوجود نمازی کے آگے سے نکل رہا ہو، تو ہاتھ بڑھا کر اس کو روک دینا چاہئے، تاکہ وہ گنہگار نہ ہو، کیا یہ صحیح ہے؟

(سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- نمازی کے سامنے سے کسی عذر شدید کے بغیر گزرنا گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) نبی ﷺ نے درمیان نماز اپنی طاقت کے بقدر جمائی کو روکے رکھنے کا حکم دیا ہے: "فإذا تثاءب أحدكم فليكظم ما استطاع" (دیکھئے: الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۳۷۰، باب ما جاء في كراهية التثاءب في الصلاة) محشی۔

(۲) الفتاوی الهندية: ۱/۱۵۷۔

''اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو اس کا گناہ معلوم ہوجائے تو بمقابلہ گزرنے کے وہ چالیس سال تک رکے رہنے کو بھی بہتر سمجھے''(۱)

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے مروی ہے:

''کوشش کرنی چاہئے کہ تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی نہ گزرے''(۲)

روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی جگہ کھڑا ہاتھ سے روک دے اور اگر گزرنے والا دور ہو تو اشارہ کرے، یا زور سے تسبیح پڑھ دے تا کہ وہ متنبہ ہوجائے۔(۳)

نماز میں وساوس

سوال:- {503} نماز میں بہت وسوسے آتے رہتے ہیں، اس کے لئے کیا کیا جائے؟ (حبیب علی الحامد، مولاعلی)

جواب:- چوں کہ نماز پڑھتے ہوئے انسان ایک نیکی کے کام میں مشغول رہتا ہے، اسلئے شیطان اسے زیادہ وسوسہ میں مبتلا کرتا ہے، ایسے شخص کو چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ تعوذ پڑھنے کا اہتمام کرے،(۴) اپنی طبیعت کو ممکن حد تک جمائے اور وساوس کے باوجود نماز میں کوتاہی نہ کرے۔

---

(۱) سنن أبي داود، حدیث نمبر:۷۰۱ ، باب النهي عنه من المرور بین یدی المصلی۔

(۲) سنن أبي داؤد:۱/۱۰۱، حدیث نمبر:۶۹۷، باب ما یؤمر المصلی أن یدرأ عن الممر بین یدیه ۔

(۳) حاشیه سنن أبي دائود:۱/۱۰۱طبع ہند۔

(۴) حدیث پاک میں اس مرض کا یہی علاج بتایا گیا ہے:''فلیعوذ باللّٰه و لینته ''(دیکھئے: صحیح المسلم ،حدیث نمبر:۱۳۴، باب بیان الوسوسة فی الإیمان و ما یقوله من وجدها، نیز دیکھئے:صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۳۲۷۶)محشی۔

نماز کے درمیان مائک بند کردینا

سوال:- {504} جمعہ کی نماز کے درمیان اگر مائک خراب ہوجائے، جس کی وجہ سے امام صاحب کی آواز مقتدیوں تک صحیح نہ پہنچ رہی ہو، تو کیا ایسی صورت میں امام صاحب اپنے سینہ پر لگے ہوئے مائکروفون کو بند کرسکتے ہیں؟ کیوں کہ بند کرنے کی صورت میں نماز میں کوئی خلل نہیں پڑے گا اور امام کی اپنی آواز ایسی صورت میں مقتدیوں تک پہنچے گی اور دور کے مقتدیوں کے لئے کوئی مقتدی مکبر بن جائے گا۔ (سید ظفر، بیدر)

جواب:- مائک کا بند کرنا، یا گریبان سے لگے ہوئے مائک کو نکال دینا اس حقیر کے خیال میں عمل کثیر کے دائرہ میں نہیں آتا، رسول اللہ ﷺ سے نماز میں پیشانی سے پسینہ پونچھنا(۱) اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے اپنے کپڑے کو جھاڑنا ثابت ہے،(۲) مائک بند کرنے میں بھی غالباً اس سے زیادہ عمل نہیں ہوتا اور مائک خراب ہوجانے کے وقت اس کا بند کردینا نمازیوں کے لئے مفید اور بہتر ہے، ورنہ توجہ بٹ جاتی ہے اور نماز میں خلل واقع ہوتا ہے:

"کل عمل هو مفيد لا بأس للمصلي و قد صح عن النبي ﷺ إنه سلت العرق عن جبهته وكان إذا قام من سجوده نفض ثوبه يمنة أو يسرة "(۳)

(۱) حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز میں اپنے چہرے سے پسینہ کو پوچھ لیتے تھے: "كان النبي ﷺ يمسح العرق عن وجهه في الصلاة "(رواه طبراني :۱۲/۲۲، یضعف، بحوالۂ جمع الفوائد:۱/۲۷۰، حدیث نمبر:۱۶۴۲) نیز دیکھئے: مجمع الزوائد:۲/۸۴۔ محشی۔

(۲) " جاء نا رسول الله ﷺ فصلى بنا في مسجد بني عبد الأشهد فرأيته واضعا يديه في ثوبه إذا سجد "(مصنف ابن أبي شيبة ، بحوالۂ كنز العمال، حدیث نمبر :۲۲۶۱۹، باب مباحات الصلاة) محشی۔

(۳) الفتاوى الهندية:۱/۱۰۵۔

نمازی پکارنے والے کو کس طرح متنبہ کرے؟

سوال:- {505} اگر کوئی شخص بند کمرہ میں نماز پڑھ رہا ہو، یا باہر سے کسی کے پکارنے پر نمازی نے کھانس دیا، تو اس کی نماز فاسد تو نہیں ہوگی؟ (محمد عبدالقیوم، عیدی بازار)

جواب:- اگر نماز کی حالت میں اس طرح کھانسی کی کہ اس سے دو حروف بننے نہ پائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی، (۱) ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی، ویسے اگر آپ نماز کی حالت میں ہوں، اور کوئی ناواقف شخص آواز دے تو اس کو متنبہ کرنے کے لئے "سبحان اللّٰہ" کہنا چاہئے، (۲) یہ حکم مردوں کے لئے ہے، خواتین کو چاہئے کہ ایک ہاتھ کی پشت کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے تھپکیں۔ (۳)

نماز کے دوران سانپ وغیرہ نظر آئے

سوال:- {506} نماز پڑھتے وقت کاٹنے کی کوئی چیز

---

(۱) کیوں کہ اگر کم از کم دو حرف بھی بلا عذر شدید کھانسنے کی وجہ سے بن گئے تو نماز فاسد ہو جائے گی: "و إن تنحنح بغير عذر بأن لم يكن مدفوعا إليه و حصل به الحروف ينبغي أن يفسد عند هما" (الهداية مع شرح عبد الحي اللكنوى :۲/۶، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها) محشی۔

(۲) نبی ﷺ نے اسی کا حکم دیا ہے: "من نابه شيئ في صلاته فليسبح" (دیکھئے: صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۶۸۴، باب من دخل ليؤم الناس ، فجاء الإمام الأول) صاحب ہدایہ نے اس حدیث کی بنیاد پر یہی بات لکھی ہے۔ (دیکھئے: الهداية :۲/۱۰، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها) محشی۔

(۳) عربی زبان میں اس عمل کو تصفیق کہا جاتا ہے، احادیث میں اس کا ثبوت بھی ملتا ہے، (دیکھئے: صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۶۸۴، باب من دخل ليؤم الناس فجاء الإمام الأول، نیز دیکھئے: الفتاوی الهندية :۱/۱۰۴) محشی۔

نظر آئے تو کیا کرنا چاہئے؟ (محمد افتخار علی، میدک)

جواب:- اگر نماز کی حالت میں کاٹ لینے والی چیز نظر آئے اور اس کے کاٹنے سے سخت مضرت کا اندیشہ ہو، جیسے سانپ اور بچھو وغیرہ، تو اس کو مارنے کی اجازت ہے، حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کی حالت میں ''اسودین'' یعنی سانپ اور بچھو کو مار ڈالنے کی اجازت دی ہے'' (۱) فقہاء نے اس سلسلہ میں اس طرح تفصیل بیان کی ہے کہ اگر سانپ یا بچھو نمازی کے سامنے سے گزر رہا ہو اور اس سے اذیت کا اندیشہ ہو تو بلا کراہت اس کو مار ڈالنا جائز ہے، اور اس کا اندیشہ نہ ہو تو مکروہ ہے: ''فأما إذا كان لايخاف الأذى فيكره '' (۲) یہ کراہت بھی اس وقت ہے جب نماز میں رہتے ہوئے مارنے کی کوشش کی جائے، اگر نماز توڑ کر سانپ کو مارا جائے اور بعد میں نماز دہرالی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

نماز میں تین بار سلام

سوال:- {507} بعض مساجد میں دیکھا جاتا ہے کہ مصلیان نماز ختم ہونے کے بعد دائیں اور بائیں جانب ''السلام علیکم'' کہنے کے علاوہ اپنے سینے کی طرف سر جھکا کر بھی ''السلام علیکم'' کہتے ہیں، گویا دو کے بجائے تین سلام کرتے ہیں، کیا یہ شرعاً درست ہے؟

(جمال الدین حیدر، فلک نما)

جواب:- حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ کے دو ہی سلام پھیرنے کا ذکر ہے، (۳)

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۳۹۰۔

(۲) الفتاوی الهندية: ۱/۱۰۳۔

(۳) ''عن عبد الله أن النبي ﷺ كان يسلم عن يمينه و عن شماله حتى يرى بياض خده "السلام عليكم ورحمة الله، السلام عليكم ورحمة الله'' (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۹۹۶، باب في السلام) محشی۔

فقہاء بھی یہی کہتے ہیں کہ دو سلام کرے، ایک دائیں اور ایک بائیں:

"ثم يسلم تسليمتين تسليمة عن يمينه وتسليمة عن يساره" (۱)

اس لئے تین سلام کرنا درست نہیں، عبادات میں اپنی طرف سے کسی عمل کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا، اسی طریقہ پر اکتفا کرنا ضروری ہے، جو حدیث میں آیا ہے۔

نماز میں نزلہ اور چھینک وغیرہ

سوال:- {508} (الف) اگر نماز میں زور سے کھانسی آئی اور منہ میں کھانسی کی وجہ سے بلغم جمع ہوگیا تو کیا کرنا چاہئے ؟ کیا نماز توڑ کر باہر جا کر تھوک دے، یا مسجد ہی میں تھوک دے یا نگل جائے؟

(ب) اسی طرح سردی کی وجہ سے ناک بہنے لگے تو کیا کرنا چاہئے؟

(ج) نماز میں ڈکار، چھینک اور جمائی کا کیا حکم ہے؟

(محمد عبدالصمد، محمد عبدالغنی، دھرم آباد)

جواب:- (الف) حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی نماز کی حالت میں ہو تو گویا وہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے، یا اس کے اور قبلہ کے درمیان اللہ تعالیٰ ہوتے ہیں، لہذا تم میں سے کوئی قبلہ کی طرف نہ تھوکے، تھوکنا ہی ہو تو بائیں طرف تھوکے یا اپنے پاؤں کے نیچے، پھر

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۷۶۔

آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک کا ایک حصہ لیا، اس میں تھوکا،
اسے تہہ لگایا اور ارشاد فرمایا کہ یا اس طرح کرے"(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منہ میں بلغم جمع ہو جائے تو نماز توڑ کر باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ،اور نہ نگلنے کی ضرورت ہے، بلکہ دو صورتیں ہیں یا تو بائیں طرف پاؤں کے نیچے تھوک دے، یا کسی کپڑے میں تھوک لے، پہلی صورت ایسی مسجد کے لئے موزوں ہو سکتی ہے جس کی زمین کچی ہو، پختہ نہ ہو، اگر پختہ زمین پر بلغم تھوکا جائے تو زمین میں جذب نہیں ہو سکے گا، اور لوگ بھی گھن محسوس کریں گے، پختہ فرش اور قالین وغیرہ کی صورت میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ دستی یا کسی اور کپڑے میں تھوک لے، اور بعد میں اسے دھولے، فقہاء کے یہاں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ بوریئے وغیرہ پر تھوکنا نہ چاہئے، بلکہ کپڑے میں بلغم جذب کر لینا چاہئے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"... ولا فوق البواری ولا تحتها وكذا المخاط
ولكن يأخذ بثوبه " (۲)

(ب) اگر ناک سے پانی بہہ رہا ہو تو بہتر ہے کہ دستی یا کسی کپڑے سے پونچھ لیا جائے، اس میں مسجد کے احترام کی زیادہ رعایت ہے، اگر زمین پر ناک کا پانی گرے تو ظاہر ہے کہ مسجد آلودہ ہوگی، مگر چونکہ یہ اضطراری فعل ہے، اس لئے ناجائز یہ بھی نہیں ہے، البتہ خلاف اولی ہے، فقہاء کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے:

" ظهر من أنفه ذنين في الصلاة فمسحه أولى
من أي يقطر منه على الأرض " (۳)

---

(۱) صحيح البخاری: ۱/ ۵۸، حدیث نمبر: ۴۱۷، باب إذا يدره البزاق فلا يأخذ بطرفة ثوبه ، نیز دیکھئے: صحيح مسلم ، حدیث نمبر: ۵۵۰، باب النهي عن البصاق فی المسجد فی الصلاة و غيرها ۔ محشی۔

(۲) الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۱۰۔

(۳) حوالہ سابق: ۱/ ۱۰۵۔

(ج) ڈکار، چھینک اور جمائی اضطراری چیزیں ہیں، جو خود آدمی کے اختیار میں نہیں، اس لئے اولاً تو کوشش کرنی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کو دبائے، لیکن اگر قابو نہ رہے تو پھر غیر اختیاری چھینک، ڈکار اور جمائی سے نماز فاسد نہیں ہوتی، حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''نماز میں جمائی شیطان کی طرف سے ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو روکنے کی کوشش کرے''(۱)

کھانسی کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کھانسی روکنے پر قدرت نہ ہو تو کھانسی خواہ کتنی بھی ہو، اور چاہے اس سے حروف کی آواز بھی پیدا ہو جاتی ہو، پھر بھی اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر کھانسی کو ضبط کر سکتا تھا، لیکن اس کے باوجود کھانستا ہے، تو اگر کھانسنے میں حروف ظاہر ہو جائیں، تب تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر حروف نہ بننے پائیں، تو یہ فعل مکروہ ہوگا۔(۲) یہی حکم ڈکار، چھینک اور جمائی کا بھی ہوگا۔

نماز میں حرکت

سوال:- {509} نماز کی رکعت باندھنے کے بعد شدید ضرورت کے تحت نماز میں کتنی بار اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر اپنی ضرورت کی تکمیل کر سکتا ہے؟

(خلیل الرحمٰن، محبوب نگر)

جواب:- اولاً تو شدید ضرورت کے بغیر نماز کی حالت میں ہاتھ کو حرکت ہی نہ دینا چاہئے اور اگر کسی مجبوری کے تحت حرکت دینی پڑی، تب بھی مسلسل تین بار حرکت نہ کرے، وقفہ وقفہ سے

---

(۱) الجامع للترمذی :۱/۸۵، حدیث نمبر:۳۷۰، باب ما جاء في كراهية التثاؤب في الصلاة۔

(۲) الفتاوی الهندية:۱/۱۰۱۔

کرے، کیونکہ مسلسل تین حرکتوں کو فقہاء نے عمل کثیر قرار دیا ہے، جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس سے کم کو عمل قلیل: " الحركات الثلاث متوالية كثيرة وإلا فقليل "(۱)

خضاب لگانے والے کی نماز

سوال:- {510} خضاب یا مہندی بالوں میں لگانے سے کیا نماز ہو جاتی ہے؟ (محمد سعید الدین قریشی، قاضی پیٹ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے سیاہ رنگ کے علاوہ دوسرے رنگوں کا خضاب استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

" فتح مکہ کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں لائے گئے، ان کے بال اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی چیز سے بدل لو یعنی خضاب لگاؤ؛ البتہ سیاہ خضاب سے بچو" (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب کے علاوہ دوسرے خضاب استعمال کئے جا سکتے ہیں، اگر کوئی شخص سیاہ خضاب استعمال کرے تو وہ گنہگار تو ہوگا، لیکن نماز درست ہو جائے گی، البتہ اگر ایسا خضاب ہو کہ بالوں پر اس کی تہیں جم جاتی ہوں اور پانی پہنچنے نہیں دیتیں، تو وضو درست نہیں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ جب وضو ہی نہ ہوگا تو نماز بھی درست نہیں ہوگی۔

مہندی لگا کر نماز

سوال:- {511} لڑکیاں ہاتھوں میں مہندی کا ڈیزائن

---

(۱) رد المحتار: ۲/۳۸۵۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۲۰۴، باب في الخضاب، کتاب الترجل۔

بنا کر پھر اسی حالت میں نماز پڑھتی ہیں، کیا یہ نماز درست ہے؟

(سید حفیظ الرحمن، پھولا نگ)

جواب:- عورتوں کے لئے مہندی لگانا جائز بلکہ بہتر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے:

"ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی خواہش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک اپنی ہتھیلیوں میں تبدیلی نہ کرلو یعنی مہندی نہ لگالو اس وقت تک تم کو بیعت نہیں کروں گا" (۱)

"ایک خاتون نے پردہ سے حضور ﷺ کو ایک تحریر دی، آپ ﷺ نے خط لے لیا اور دریافت فرمایا کہ یہ ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا؟ انہوں نے عرض کیا: عورت کا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم عورت ہوتی تو اپنے ناخن کو بدلا ہوتا یا مہندی لگائی ہوتی" (۲)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ مہندی کے رنگ کو نماز کے وقت اڑایا نہیں جا سکتا، پس معلوم ہوا کہ مہندی کے ساتھ نماز جائز ہے۔

ڈاڑھی نہ رکھنے والے کی نماز

سوال:- {512} ایک مسلمان آدمی اللہ کے فضل و کرم سے نماز، روزہ، زکوۃ، سنت، نفل اور مستحب ادا کرتا ہے،

---

(۱) سنن أبي داؤد:۲/۵۷۴، باب في الخضاب للنساء، كتاب الترجل، ط: دیوبند۔

(۲) حوالہ سابق

لیکن داڑھی نہیں رکھتا، کیا اس کے یہ اعمال مقبول ہوں گے؟

(محمد جہانگیر الدین اچار والا، ناندیڑ)

جواب:- احادیث شریفہ میں داڑھی رکھنے کی بڑی تاکید آئی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو'' (۱) رسول اللہ ﷺ نے خود داڑھی رکھی ہے، آپ ﷺ کی ریش مبارک بڑی بھی تھی اور گھنی بھی، (۲) حضرات صحابہ ؓ نے بھی داڑھیاں رکھی ہیں، تیسری چوتھی صدی ہجری تک اس کا کوئی تصور ہی نہیں تھا کہ کوئی شخص مسلمان ہو اور داڑھی نہ رکھے، اس لئے داڑھی رکھنا رسول اللہ ﷺ کی اہم ترین سنت ہے، اور داڑھی منڈانا نہ صرف سنت کی خلاف ورزی ہے، بلکہ مسلسل ایک خلاف سنت عمل کا ارتکاب اور اس پر اصرار ہے، اس لئے یہ سخت گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ سے محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ کے طریقہ اور آپ ﷺ کی وضع قطع سے محبت ہو، اس لئے نماز، روزہ اور دوسری نیکیوں کے ساتھ اس گناہ سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے، البتہ ایسا نہیں ہے کہ نماز اور روزہ وغیرہ کا درست ہونا داڑھی رکھنے پر موقوف ہو، نماز و روزہ وغیرہ مستقل فریضہ ہے اور داڑھی رکھنا مستقل عمل ہے، اگر اللہ چاہیں تو اپنی رحمت سے ان اعمال کو قبول کرلیں۔

نماز کے درمیان وضو ٹوٹ جائے

سوال:- {513} نماز کے درمیان وضو ٹوٹ جائے تو اسی نماز کو پڑھنا ہوگا یا پھر شروع سے دوہرانا ہوگا؟

(محمد اسلم خان، حیدرآباد)

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۵۸۹۳۔ باب إعفاء اللحي، کتاب اللباس، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۵۲، الجامع للترمذی:۲/۲۰۵، حدیث نمبر:۲۷۶۳۔ محشی۔

(۲) ''وکان کثیر شعر اللحیة'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۳۴۴، باب شیبه ﷺ) محشی۔

جواب:- اگر کسی شخص کو نماز کے درمیان خروج ریح کی نوبت آجائے یا قئ ہو جائے، یا نکسیر پھوٹ پڑے، تو اس کا وضو ٹوٹ گیا، بہتر طریقہ یہ ہے کہ نماز توڑ کر وضو کر کے نئے سرے سے پوری نماز ادا کرے، تاہم یہ بھی جائز ہے کہ اسی حالت میں جا کر وضو کر لے، درمیان میں گفتگو نہ کرے، اور جتنی رکعتیں باقی رہ گئی ہیں، ان کو ادا کر لے، اگر امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہو تو وضو کرنے کے درمیان جو رکعت چھوٹ گئی ہو، امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کو ادا کر لے۔ (۱) چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس کو قئ یا نکسیر پیش آجائے، یا مذی نکلنے کی نوبت آجائے، تو چاہئے کہ جائے، وضو کرے اور اپنی نماز کو پوری کرلے، بشرطیکہ اس درمیان گفتگو نہ کی ہو" (۲)

شرم سے وضوء کے لئے نماز سے نہ نکلے

سوال:- {514} دورانِ نماز وضو ٹوٹ جائے اور آدمی وہاں شرم کی وجہ سے جماعت چھوڑ کر وضو کرنے نہ جائے، بلکہ نماز جاری رکھے تو کیا حکم ہے؟

(حسن بن صالح چاؤش، گرمتال)

جواب:- اگر وضو ٹوٹنے کی نوبت آجائے تو جا کر وضو کر کے دوبارہ نماز میں شامل ہونا چاہئے، اور درمیان میں کسی سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے، یہ عوارض فطری ہیں، اس لئے احکامِ دین کے معاملہ میں حیاء سے کام لینا مناسب نہیں، حیاء تو گناہ کے ارتکاب میں ہونی چاہئے، نہ کہ

(۱) الهداية مع الفتح: ۱/۳۸۰-۳۷۷۔
(۲) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۱۲۲۱، باب ماجاء في البناء على الصلاة۔

ایک حکم شرعی کی تعمیل میں، تاہم اگر غلبۂ شرم کی وجہ سے نہ نکل سکے تو کم سے کم اتنا ضرور کرے کہ نماز کی نیت ختم کر دے اور صرف نمازیوں کی حرکات کو نقل کرنے پر اکتفاء کرے، ایسی صورت میں وہ نماز پڑھنے والا نہیں ہوگا، بلکہ نمازی کی مشابہت اختیار کرنے والا ہوگا، کیونکہ ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا سخت گناہ ہے، بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔

نماز فجر کے وقت لائٹیں بند کرنا

سوال:- {515} کیا فجر کی نماز میں جماعت کھڑی ہونے سے قبل مسجد کی تمام لائٹیں بند کر دینی ضروری ہے؟

(سید کریم موذن، پھولانگ)

جواب:- لائٹ رکھنے اور بجھانے کا فجر کی نماز سے کوئی تعلق نہیں، نہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر ہے، نہ فقہاء کے یہاں اس کا تذکرہ ہے، البتہ فجر کی نماز حنفیہ کے یہاں صبح کے اچھی طرح روشن ہو جانے کے بعد ادا کرنے کا حکم ہے، اور یہ بھی مسنون ہے کہ فجر میں طویل قراءت کی جائے، غالباً اسی لئے بہت سے علاقوں میں فجر کی نماز شروع ہونے کے وقت روشنی بجھا دینے کی روایت قائم ہوئی، تا کہ وقت کا صحیح اندازہ رہے، اور لمبی قراءت کی وجہ سے سورج نکلنے کی نوبت نہ آجائے، کیونکہ اگر روشنی نہ ہو تو زیادہ بہتر طریقہ پر وقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اب آج کل نہ امام صاحب اتنی طویل قراءت کرتے ہیں اور اگر کریں تو مقتدیوں کو برداشت نہیں، اور امام صاحب کی خیر نہیں، اس لئے روشنی بند کرنے کی چنداں ضرورت نہیں؛ البتہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد اگر سامنے تیز روشنی ہو، تو اس سے آنکھ میں چبھن اور بے چینی بھی ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس پس منظر میں لوگوں نے فجر کے وقت روشنی بجھانے کا سلسلہ شروع کیا ہو، بہر حال اس کی کوئی دینی اصل نہیں ہے، اس لئے روشنی کا بجھانا بھی درست ہے اور رکھنا بھی۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز

سوال:- {516} لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس مسئلہ پر ایک مسجد میں خود اراکین کمیٹی کے مابین عین منبر کے پاس مار پیٹ ہو چکی ہے۔

(احمد علی، الیاس، یاسین، نظام آباد)

جواب:- لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ بعینہ امام کی آواز مقتدیوں تک پہونچتی ہے اور اس طرح خود امام کی آواز پر مقتدی نقل وحرکت کرتے ہیں، اس لئے مائک پر نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، فی زمانہ اس پر علماء کا اتفاق ہو چکا ہے، لیکن ایک ایسے مسئلہ کے لئے جو نہ واجب ہے اور نہ مستحب، نہ حرام ہے اور نہ مکروہ، مسلمانوں کا آپس میں لڑ پڑنا اور وہ بھی مسجد میں ایک دوسرے سے ہاتھا پائی کرنا، یقیناً گناہ اور حرام ہے، اور ایسے معمولی مسائل پر باہمی آویزش نہایت ہی افسوس ناک امر ہے، اللہ تعالی اس ناسمجھی سے پوری امت کی حفاظت فرمائے۔

نیل پالش لگا کر نماز کی ادائیگی

سوال:- {517} میری لڑکی جماعت اسلامی کے قائم کردہ اسکول کی طالبہ ہے، لڑکیوں کی عام زیبائش کی طرح وہ ناخنوں کو نیل پالش لگا کر سجاوٹ کرتی ہے، اسکول کا ماحول اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ نیل پالش لگا کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور لڑکی کا خیال ہے کہ صرف خشوع وخضوع سے نماز کا قیام ہے، تو نماز کے لیے ایسی زیبائش جائز ہے یا نہیں؟

(بشیر ادیب، ظہیر آباد)

جواب:- ناخن پر ایسی پالش جو پانی کے پہونچنے میں رکاوٹ ہو، کے ساتھ وضوء

درست نہیں ہوتا، کیونکہ وضوء کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پانی جسم تک پہونچے، اگر یہ پالش اسی نوعیت کا ہو تو اس کے ساتھ وضوء درست نہیں ہوگا، اور جب وضوء درست نہیں ہوا، تو نماز بھی درست نہیں ہوگی، خشوع وخضوع تو باطنی کیفیت ہے، اس سے نماز کی مقبولیت کا امکان بڑھ جاتا ہے، لیکن شریعت نے کسی بھی عبادت کے لئے جو ظاہری احکام متعین کئے ہیں، ان پر عمل کرنا ضروری ہے، ورنہ ان احکام و ہدایات کی حاجت ہی نہیں تھی بلکہ ان احکام کی اطاعت وتعمیل کے بغیر حقیقی معنوں میں خشوع وخضوع کی کیفیت بھی حاصل نہیں ہوگی۔

نماز میں غیر معتدل آواز

سوال:- {518} امام نماز میں اپنی آواز بلا ضرورت بلند کرتا ہو، ایک تکبیر معتدل آواز میں کہتا ہو اور دوسری تکبیر بلند آواز میں، یا قراءت کے وقت ایک دو آیت معتدل آواز میں اور تیسری بہت بلند آواز میں، کیا اس طرح نماز پڑھنا مناسب ہے؟ (سید عبدالرحیم، مانوت)

جواب:- تکبیر انتقال ہو یا قرآن مجید کی قراءت، امام کو اتنی ہی آواز بلند کرنی چاہئے کہ مقتدیوں کو آواز پہنچ جائے، خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز مناسب نہیں، علامہ حصکفیؒ نے لکھا ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں قرآن پڑھنا بہتر نہیں:

"یجھر الإمام وجوبا بحسب الجماعة فإن زاد علیه فقد أساء" (۱)

آواز ایسی ہونی چاہئے کہ جو چاہے وہ آیات قرآنی میں تدبر کر سکے اور اس کو استحضار قلبی حاصل ہو (۲) اگر آواز میں بہت زیادہ نشیب وفراز اور اتار چڑھاؤ ہو تو اس ناہمواری کی وجہ سے

---

(۱) الدر المختار: ۱/۷۹۔
(۲) الفتاوی الهندیة: ۱/۷۲۔

استحضار قلبی پیدا نہیں ہو پاتا ہے اور انسان تدبر و تفکر کے موقف میں نہیں رہتا، اس لئے امام کو تکبیرات انتقال اور قراءت معتدل اور ہموار آواز میں کہنی اور کرنی چاہئے۔

نماز میں آنکھیں بند رکھنا

سوال:- {519} کچھ لوگ نماز پڑھتے وقت آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتے ہیں کیا اس طرح نماز پڑھنا درست ہے؟

(سید حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

جواب:- نماز پڑھنے کی حالت میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے، کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے: ''و کرہ تغمیض عینیہ للنھی ''(۱) البتہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے،(۲) یعنی کم درجہ کی کراہت۔

دستک یا فون کی آواز پر نماز توڑنے کا حکم

سوال:- {520} مکان میں تنہا ہو کسی نے دروازہ پر دستک دی یا فون کی گھنٹی بجی تو اس حالت میں نماز توڑنا جائز ہے یا نہیں؟

(شہناز سلطانہ، کریم نگر)

جواب:- اگر کوئی شخص مصیبت میں مبتلا ہو اور اسے فوری مدد کی ضرورت ہو، جیسے کوئی ڈوب رہا ہو، یا اس کے گرد وپیش آگ لگ گئی ہو اور وہ آواز دے، تو خواہ فرض نماز ہو یا نفل نماز، توڑ کر اس کی فریاد کا جواب دینا اور اس کی مدد کرنا واجب ہے، اگر والدین میں سے کسی نے آواز دی، اور کسی ضروری کام میں اعانت کا طالب ہوا، تو اس کے لئے بھی نماز کو توڑنا جائز ہے، اگر والدین نے کسی ضرورت کے بغیر آواز دی، ان کو معلوم نہیں کہ آپ نماز میں مشغول ہیں، اور نماز نفل ہو تو نماز توڑ کر جواب دیا جا سکتا ہے، فرض نماز ہو تو نماز توڑ کر جواب دینا درست نہیں، یہ

(۱) الدرمختار علی ھامش رد:۲/۴۱۳۔
(۲) ردالمحتار :۲/۴۱۳۔

تفصیل علامہ طحطاویؒ اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے لکھی ہے(۱) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عام حالت میں دستک دے اور نماز میں مصروف ہو، یا نماز کے دوران فون آئے تو نماز نہیں توڑنی چاہئے، البتہ اگر دروازہ اتنا قریب ہو کہ ان تک آواز پہونچ سکے، تو ایسے موقع پر مردوں کو ''سبحان اللہ'' کہنا چاہئے اور عورتوں کو ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کے اوپری حصہ پر تھپتھپانا چاہئے، جس کو حدیث میں ''تصفیق'' کہا گیا ہے۔(۲)

رکوع وسجدہ کرنے میں پیشاب کے قطرات آجائیں

سوال:- {521} زید کو نماز کی حالت میں پیشاب نکلتا ہے، خاص کر رکوع اور سجدہ میں جاتے ہوئے، اسی طرح سجدہ سے اٹھنے کے وقت، تو کیا زید نماز جاری رکھ سکتا ہے یا اس کا وضو ٹوٹ گیا؟ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وضو کے درمیان پیشاب کے قطرات آتے ہیں، اور اسی حال میں وضو مکمل کرتا ہے، تو کیا اس وضو سے قرآن اور نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

(نور محمد، پنگنور، چتور)

جواب:- ایسا شخص جو اس عذر سے بچتے ہوئے نماز پوری نہیں کرسکتا ہو، اس کے لئے اس حال میں نماز ادا کرلینا درست ہے، البتہ اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ معذور قرار پانے کے لئے شرعاً پہلی بار ضروری ہے کہ یہ کیفیت اس پر اس قدر غالب ہو کہ پورے وقت نماز میں اس کیفیت سے بچتے ہوئے وضو کرنا اور نماز پڑھنا ممکن نہ رہے، اگر ایک بار یہ کیفیت ثابت ہوجائے اور آئندہ پورا وقت نماز عذر سے گھرا ہوا نہ ہو، بلکہ ایک وقتِ نماز میں ایک بار بھی یہ عذر

---

(۱) ردالمحتار:۲/۲۶-۴۲۵۔

(۲) صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۱۲۰۳،۱۲۰۴،باب التصفیق للنساء ، أبواب العمل في الصلاۃ۔مرتب۔

پیش آجائے تو سمجھا جائے گا کہ اس کا عذر باقی ہے، (۱) اگر کسی شخص کو رکوع اور سجدہ کرنے کی صورت میں پیشاب آتا ہو اور بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھ لے تو پیشاب کے قطرات نہ آتے ہوں، تو ایسے شخص کو چاہئے کہ قیام کے بعد بیٹھ جائے اور اشارہ سے رکوع وسجدہ کرلے؛ کیوں کہ شریعت نے اشارہ کو رکوع وسجدہ کا بدل بنایا ہے اور طہارت کا کوئی بدل نہیں، اور جو واجب بے بدل ہو اس کی اہمیت زیادہ ہے۔

نشہ آور دوائیں اور ان کے کھانے کے بعد نماز

سوال:- (522) بعض دواؤں میں نشہ آور چیزیں ملائی جاتی ہیں، کیا ایسی نشہ ملی ہوئی دواؤں کا کھانا جائز ہے؟ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے حرام شئ میں شفاء نہیں رکھی ہے، ان دواؤں کے استعمال کے بعد تھوڑی دیر انسان پر عجیب کیفیت طاری رہتی ہے، تو کیا اس حالت میں اسے نماز ادا کرنی چاہئے؟　(حافظ محمد محبوب علی، کرنول)

جواب:- نشہ کا استعمال حرام اور سخت گناہ ہے، لیکن اگر کسی بیماری کی دوا نشہ آور ہو اور اس دوا کا کوئی متبادل نہ ہو یا متبادل ہو لیکن مریض کسی وجہ سے اس کے حاصل کرنے پر قادر نہ ہو، تو ایسی دوا کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے، (۲) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو ازراہ علاج اونٹ کا پیشاب پینے کی اجازت دی تھی، (۳) اور قرآن مجید نے حالت اضطرار میں جان

---

(۱) ردالمحتار: ۱/۵۰۵۔

(۲) عالمگیری: ۵/۳۵۵، درمختار مع الرد: ۱/۳۵۵۔

(۳) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۳۳، باب أبوال الإبل و الدواب و الغنم و مرابضها، نیز دیکھئے: صحیح المسلم، حدیث نمبر: ۱۶۷۱، باب حکم المحاربین و المرتدین ۔ محشی۔

بچانے کے لئے حرام چیزوں کو بھی جائز قرار دیا ہے، (۱) رہ گیا حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ اللہ نے حرام میں شفاء نہیں رکھی ہے (۲) تو وہ اس کے خلاف نہیں، کیونکہ جب کوئی انسان بہ طور علاج نشہ آور چیز کے استعمال پر مجبور ہو جائے تو اب وہ شئ اس کے حق میں شرعا حرام باقی نہیں رہی۔ جہاں تک ایسی دواؤں کے استعمال کے بعد نماز ادا کرنے کی بات ہے تو اگر واقعی اس پر نشہ طاری ہو جائے اور قوت تمیز ختم ہو جائے تو اس کیفیت کے ختم ہونے کے بعد ہی اسے نماز ادا کرنی چاہئے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی جانے سے منع فرمایا ہے اور اگر یہ کیفیت نہ ہو، بلکہ محض غنودگی سی ہو اور جو کچھ کہے اور سنے، اسے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، تو اس حال میں وہ نماز ادا کر سکتا ہے، واللہ اعلم۔

حشیش کھا کر نماز

سوال:- {523} زید نے غسل کے بعد حشیش اور گانجا استعمال کیا، اور اسی غسل سے نماز ادا کر لی، تو کیا اس کی نماز صحیح اور مقبول ہوگی؟ (مقصود احمد منصوری، بیدر)

جواب:- حشیش اور کسی بھی نشہ آور چیز کا استعمال کرنا جائز نہیں، اگر حشیش کے استعمال سے نشہ پیدا ہو گیا، اور عقل معطل ہو گئی تو وضوء ٹوٹ گیا، اور اب تازہ وضوء کے بغیر نماز درست نہیں

---

(۱) چنانچہ حالت اضطراری میں مردار، خون، سور کا گوشت کھانے کی اجازت خود قرآن مجید سے معلوم ہوتی ہے: ﴿إنما حرم عليكم الميتة و الدم و لحم الخنزير و ما أهل به لغير الله فمن اضطر غير باغ و لا عاد فلا إثم عليه إن الله غفور رحيم﴾ (البقرة: ۱۷۳) محشی۔

(۲) امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو حضرت ابن مسعود ؓ سے تعلیقا ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے: صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۶۱۴، باب شراب الحلوی و العسل، کتاب الأشربة) اس معنی کی ایک دوسری حدیث بھی ہے جس میں حرام چیزوں کا بطور دواء استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے: "و لا تتداووا بحرام" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۸۷۴، باب في الأدوية المكروهة) محشی۔

ہوگی۔(۱) اگر اتنی قلیل مقدار استعمال کی کہ اس سے نشہ پیدا نہیں ہوا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کے مقبول ہونے کی بات ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، البتہ حرام چیزوں کے کھانے کے بعد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت مقبول نہیں ہوتی ہے،(۲) اس لئے اندیشہ ہے کہ اس کی عبادت مقبول نہیں ہو، لہذا نشہ آور چیزوں کے استعمال سے خوب پرہیز کرنا چاہئے۔

نشہ اترنے کے بعد نماز

سوال:- {524} ایک آدمی نے صبح یا شام شراب پی لی، اور ہوش وحواس سے مکمل طور پر محروم ہوگیا، کیا ایسا آدمی نشہ اتر جانے کے بعد غسل کر کے نماز ادا کر سکتا ہے؟

(ابراہیم رئیس، نظام آباد)

جواب:- جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اس میں نماز ادا کرنا درست ہے، لیکن خود شراب پینا سخت گناہ ہے،(۳) اور اگر ایسا شخص اس گناہ سے توبہ نہ کرے تو اندیشہ ہے کہ اس

(۱) دیکھئے: رد المحتار: ۱/۲۷۴۔

(۲) چنانچہ ذخیرۂ حدیث میں روایت یہ ملتی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ میرے مستجاب الدعوات ہونے کے لیے دعاء فرمادیں، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے سعد! پاک وصاف غذا استعمال کر، تیری دعاء مقبول ہوگی، پھر آپ ﷺ نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ جب بندہ اپنے پیٹ میں کوئی حرام غذا داخل کرتا ہے، تو اس کی وجہ سے چالیس دنوں تک اس کا کوئی نیک عمل بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوتا: ''إن العبد ليقذف اللقمة الحرام في جوفه ، ما يتقبل عنه عمل أربعون يوما'' (المعجم الأوسط للطبراني: ۲/۱۰۴، بحوالۂ مجمع البحرين في زوائد المعجمين: ۸/۲۳۳، حدیث نمبر: ۵۰۲۶، باب في من أطاب مطعمه) محشی۔

(۳) کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ (المائدة: ۹۰) محشی۔

کی نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہ ہو، اس لئے اس بری عادت سے توبہ کرنا چاہئے، اور نماز کا بھی اہتمام کرنا چاہئے کہ نماز انسان کو برائیوں سے روکتی ہے۔(۱)

چوتھی سمجھ کر دوسری رکعت پر سلام پھیر دے

سوال:- {525} چار رکعت والی نماز میں کسی شخص نے چوتھی رکعت سمجھ کر دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور وہاں سے اٹھ گیا، رخ بھی سمت قبلہ سے بدل گیا، اس کے بعد یاد آیا تو کیا اب اسے دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوگا؟ یا دو رکعت پورا کرلینا کافی ہوگا؟ (محمد معاذ، ہاشم آباد)

جواب:- اس سلسلہ میں اختلاف ہے، اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ دوبارہ نماز پڑھ لے، تاہم جب تک مسجد سے باہر نہ نکلے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس بات کی گنجائش ہے کہ باقی دو رکعتوں کو پورا کرلے:

"سلم على رأس الركعتين على ظن أنه صلى أربعا ... فلا تبطل صلاته ... وعندهما كان له أن يبني على صلاته مالم يخرج من المسجد وعند محمد لا يبني" (۲)

نماز میں رونا

سوال:- {526} نماز کی حالت میں رونے کی وجہ سے کیا نماز فاسد ہوجائے گی؟ (محمد احمد، سکندر آباد)

---

(۱) قرآن مجید میں ہے:﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾(العنکبوت:۴۵) محشی۔

(۲) فتاوی قاضی خان:۱/۲۶۔

جواب:- رونے کی کئی صورتیں ہیں:

(الف) رونا خدا کی خشیت اور آخرت کے خوف کی وجہ سے ہو، ایسی صورت میں رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، خواہ وہ کس قدر بھی روئے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ نماز میں آپ ﷺ پر بعض اوقات سخت گریہ طاری ہو جاتا تھا" (۱)—— فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ اگر جنت اور دوزخ کے ذکر وغیرہ پر رونا آ گیا اور رونے میں آواز بلند ہوگئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (۲)

(ب) رونا کسی جسمانی تکلیف یا غم کی وجہ سے ہو، لیکن وہ رونے پر مضطرو بے قرار ہو، چاہے بھی تو رک نہیں سکتا، ایسی صورت میں بھی نماز فاسد نہیں ہوگی:

"والبكاء بصوت ... لوجع أو مصيبة ... إلا لمريض لا يملك نفسه عن أنين و تأوّه الخ" (۳)

(ج) رونا جسمانی تکلیف یا کسی مصیبت کی بناء پر ہو اور رونے سے بچنے پر قادر بھی ہو، ایسی صورت میں اگر اس طرح رویا کہ دو حرف پیدا ہو گئے تو نماز فاسد ہو جائے گی، ورنہ فاسد نہیں ہوگی۔ (۴)

نماز کی حالت میں روزہ کی نیت

سوال:- {527} نماز میں روزہ کی نیت کرے تو کیا یہ نیت درست ہوگی؟ (عبدالرشید، سکندرآباد)

جواب:- نماز ایسے افعال سے فاسد ہوتی ہے جو اعضاء و جوارح سے انجام دے

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۹۰۴، باب البكاء في الصلاة ۔
(۲) الدر المختار مع الرد: ۲/۳۷۸۔
(۳) حوالہ سابق۔
(۴) الهداية مع الفتح: ۱/۳۴۵۔

جاتے ہیں، یعنی: ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ، جو افعال قلب سے متعلق ہوں، جیسے خیالات کا نماز کی طرف سے منحرف ہو جانا اور ذہن کا ادھر اُدھر بھٹکنے لگنا، ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی، گو حتی المقدور دل کو نماز کی طرف یکسو رکھنا چاہئے، اور انتشار خیال سے بچنا چاہئے، —— نیت کا تعلق دل سے ہے نہ کہ زبان سے، اگر زبان سے کچھ نہ کہا جائے اور دل ہی دل میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرلیا جائے تو روزہ کی نیت ہوگئی، ایسی نیت سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ اگر دل کے ارادہ کا اظہار زبان سے کریں اور الفاظ و کلمات سے اپنا مدعیٰ بیان کریں تو یہ زبان کا فعل ہے اور ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

نمازی کی طرف بیٹھنے والے کا چہرہ

سوال:- {528} بعض صاحبان اپنی سنت نماز ادا کرکے دائیں بائیں یا سامنے سے دوسرے نمازی کی طرف چہرہ کرکے بیٹھتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(شیخ حسینی، قاضی پورہ کھمم)

جواب:- اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دائیں یا بائیں نماز پڑھنے والوں کی طرف گھوم کر دیکھے اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ نماز پڑھنے والوں کی توجہ ہٹ جائے گی تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر نمازی کی توجہ ہٹ جانے کا اندیشہ ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے، کیونکہ کوئی بھی ایسا عمل درست نہیں جو نمازیوں کو اپنی عبادت سے بے توجہ کرتی ہو۔

البتہ یہ صورت کہ عین نمازی کی طرف کوئی شخص اپنا چہرہ کرکے بیٹھ جائے، بہر حال مکروہ ہے، اور اس کی کراہت شدید ہے، کیونکہ نماز میں بے توجہی پیدا ہونے کے علاوہ اس میں بظاہر اس شخص کی عبادت و بندگی کا ایہام ہوتا ہے، جس کے ٹھیک سامنے نماز پڑھنے والا کھڑا ہوا ہے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"الاستقبال إلى المصلى مكروه سواء كان المصلى في الصف الأول أو في الصف الأخير"(۱)

نفل نماز میں دعاء

سوال:- {529} آپ نے اس سے پہلے لکھا تھا کہ نفل نماز کے سجدہ میں دعاء کی جاسکتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا سجدہ ہی پر نماز ختم کردی جائے گی، یا نماز مکمل کی جائے گی؟

(حافظ کلیم، اورنگ آباد)

جواب:- نماز مکمل کرنی ہے، جیسا کہ عام نمازیں پڑھی جاتی ہیں، البتہ نفل نمازوں میں یہ خصوصی رعایت ہے کہ عربی زبان میں سجدہ کی حالت میں دعاء کی جاسکتی ہے۔(۲)

نماز میں غیر ماثور اذکار

سوال:- {530} نماز کی حالت میں قراءت کلام پاک ومقررہ تسبیحات کے علاوہ دیگر الفاظ کہنا، مثلاً: یا اللہ، کھڑے ہوتے ہوئے یا بیٹھتے ہوئے اللہ اکبر کے ساتھ بسم اللہ وغیرہ کہنا، یا چھینک آجائے تو الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟

(محمد سعید احمد، منچریال)

جواب:- فرض نمازوں میں خاص طور پر اور بالعموم تمام ہی نمازوں میں اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ جو کچھ اوراد واذکار نماز میں منقول ہیں، صرف انہیں کو پڑھا کرے، خاص کر جو اذکار وارد ہونے والی کسی خاص حالت سے متعلق ہوں، نماز میں ان کو کہنے سے گریز کرے،

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۱۰۸۔

(۲) نبی ﷺ نے اس کی تلقین بھی فرمائی ہے:(دیکھئے:سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۸۷۵، باب في الدعاء في الركوع و السجود ۔ محشی۔

اس لئے یا اللہ، اللہ اکبر، بسم اللہ اور چھینک آنے پر الحمدللہ کہنے سے نماز فاسد تو نہیں ہوگی، لیکن یہ بہتر طریقہ نہیں، (۱) اگر کسی نے چھینک آنے پر " الحمد للّٰہ " کہا اور دوسرے مصلی نے جواب میں " یرحمك اللّٰه " کہا تو جواب دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، (۲) کیونکہ سوال و جواب کی نوعیت کی وجہ سے اب یہ بات کلام الناس (انسان کی باہمی گفتگو) کے قبیل سے ہوگئی اور گفتگو سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

نماز میں جمائیاں

سوال:- {531} مجھے نماز میں کثرت سے جمائی آتی ہے، بالخصوص جب دعا میں مشغول ہوتا ہوں، اس کی وجہ سے دعا میں دل نہیں لگتا، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(سید جعفر، ورنگل)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے جمائی کو بہتر علامت نہیں قرار دیا ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو جمائی کو روکنا چاہئے، (۳) اگر بے قابو ہو تو جمائی لے لے اور جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لے، (۴) چونکہ یہ ایک اضطراری فعل ہے، اس لئے اس سلسلہ میں عنداللہ کوئی جواب

---

(۱) " ولو قال العاطس لا تفسد صلاته ، و ينبغي أن يقول في نفسه و الأحسن هو السكوت ، كذا في الخلاصة "(الفتاوی الهندية :۱/۹۸)۔محشی۔

(۲) "رجل عطس فقال المصلي: " يرحمك الله " تفسد صلاته "(الفتاوى الهندية :۱/۹۸)

(۳) " عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ : إن الله يحب العطاس و يكره التثاؤب ، فإذا عطس فحمد الله فحق على كل مسلم سمعه أى يشمته و أما التثاؤب فإنما هو من الشيطان فليرده ما استطاع ، فإذا قال : "هاء" ضحك منه الشيطان" (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۶۲۲۳)

(۴) صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۶۲۲۶،باب : إذا تثاؤب فليضع يده على فيه۔محشی۔

دہی نہیں ہے، دعا میں دل لگانے کی کوشش کیجئے، اپنی عجز و ناچارگی اور خدا کی قدرت بے پایاں کو ذہن میں رکھئے، اس سے دعا میں رغبت اور توجہ پیدا ہوگی۔

جماعت کا بیان

بچے کس طرح شریک جماعت ہوں؟

سوال:- {532} بچے مسجد میں کس طرح نماز پڑھیں، بڑے حضرات بچوں کو آگے نماز پڑھنے نہیں دیتے اور بچے پچھلی صف میں کھڑے ہو کر کافی شور و پکار کرتے ہیں، اور اس سے سب کی نمازیں خراب ہوتی ہیں۔ (محمد واصل، مرادنگر)

جواب:- اصل میں تو بچوں کی صف مردوں سے پیچھے ہونی چاہئے، حضرت ابو مالک اشعری ﷜ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر نماز پڑھ کر لوگوں کو بتایا، چنانچہ پہلے مردوں کی صفیں لگائیں، پھر ان کے پیچھے بچوں کی، اس کے بعد نماز پڑھائی۔(۱) لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب بچے نابالغ اور ذی شعور ہو اور نماز کے درمیان شور وشغب نہ کرتے ہوں، اگر بچے چھوٹے ہوں اور شور کرتے ہوں، تو انہیں بڑوں کی صف میں شامل کر لینا چاہئے، چنانچہ علامہ رافعیؒ نے علامہ رحمتیؒ کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۶۷۷، باب مقام الصبیان من الصف۔

"ربما يتعين في زماننا ادخال الصبيان في صفوف الرجال : لأن المعهود منهم اذا اجتمع صبيان فأكثر تبطل صلاة بعضهم ببعض و ربما تعدى ضررهم الى فساد صلاة الرجال"(۱)

''ہمارے زمانہ میں یہ بات متعین ہے کہ بچوں کو بھی مردوں ہی کی صف میں رکھا جائے، اس لیے کہ یہ بات گویا طے شدہ ہے کہ جب چند بچے جمع ہو جائیں تو وہ ایک دوسرے کی نماز کو باطل کر کے ہی چھوڑتے ہیں اور بعض اوقات بڑوں کی نماز خراب کرنے کا باعث بھی بنتے ہیں''

بس جہاں بچوں کے شور اور بڑوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہو، وہاں بہتر یہی ہے کہ بچوں کو بڑے اپنی صف میں شامل کرلیں۔

صف لمبی ہونے کی وجہ سے پہلی کے بجائے دوسری صف میں نماز ادا کرنا

سوال:- {533} مسجد چاہے کتنی وسیع و عریض کیوں نہ ہو، کیا پہلی صف پوری کرنا لازمی ہے، امام سے قربت کے لیے چھوٹی چھوٹی دوسری یا تیسری صف بنالینا اور اس میں کھڑا ہونا، کیا بہتر نہیں ہوگا؟ (محمد سعادت علی، سنگاریڈی)

جواب:- جب مسجد میں نماز ادا کی جائے، تو نماز گاہ کے لیے مخصوص جگہ کی دونوں دیواروں کے درمیان کی پوری جگہ ایک صف متصور ہوگی اور بہتر یہی ہے کہ پہلی صف میں کھڑا

(۱) تقریرات رافعي علی الشامي :۲/۷۳۔

ہو جائے ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے صف کی خالی جگہ کو پر کیا، اللہ تعالیٰ اس کے درجہ کو بلند فرمائیں گے'' (۱) اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ پہلی صف میں کھڑا ہونا دوسری صف میں کھڑے ہونے سے اور دوسری صف میں کھڑا ہونا تیسری صف میں کھڑے ہونے سے افضل ہے، یہاں تک کہ اگر پہلی صف میں خلا ہو تو دوسری صف کو پھاڑتے ہوئے پہلی صف میں جگہ لینی چاہیے:

"وإن وجد في الصف الأول فرجة دون الصف الثاني يخرق الصف الثاني "(۲)

اس لیے پہلے اگلی صف کو پر کرنا چاہیے، اگلی صف میں نماز پڑھنے والے کو بظاہر امام سے دور ہوں، لیکن اصل میں وہی امام سے قریب سمجھے جائیں گے۔

عورتوں کی جماعت

سوال:- {534} نماز تو ہر بالغ مرد و عورت پر فرض اولین ہے، عورتیں اپنے گھر میں چند عورتوں کو لے کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرسکتی ہیں یا نہیں؟

(شہناز سلطانہ، مدرسہ دار الحسنات، جگتیال)

جواب:- تنہا عورتوں کی آپس میں جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا عورتوں کو الگ الگ ہی نماز پڑھنا چاہئے۔

" و كره جماعة النساء ... و هو يدل على أنها كراهة تحريم "(۳)

---

(۱) جمع الفوائد، بحوالہ طبرانی، حدیث نمبر: ۱۷۵۰۔
(۲) الفتاوى الهندية: ۱/۸۹۔
(۳) البحر الرائق: ۱/۳۵۱، نیز دیکھئے: الدر المختار مع الرد: ۲/۳۰۵۔

منبر ومحراب کی جگہ

سوال:- {535} ہمارے یہاں محراب ومنبر حسب دستور بیچوں بیچ بنایا گیا تھا، لیکن بعد ازاں توسیع میں مسجد ایک طرف بڑھ گئی، اب منبر ومحراب نہیں رہے، کیا اس میں کچھ حرج ہے؟　　(محمد سعادت علی، سنگا ریڈی)

جواب:- منبر ومحراب کو وسط میں بنانا چاہیے، جس کے دونوں طرف صفیں برابر ہوں، اگر کسی مجبوری سے منبر ومحراب کی جگہ نہیں بدلی جاسکی، تو امام وخطیب کو پہلی صف کے وسط میں کھڑا ہونا چاہیے، نہ کہ اس منبر پر اور محراب میں، ورنہ اس کا یہ عمل خلاف سنت ہوگا:

"وینبغی للإمام أن یقف بإزاء الوسط فإن وقف في یمنة الوسط أو فی میسرته فقد أساء لمخالفة السنة "(۱)

سنت پڑھنے والوں کے سامنے سے گزر کر جماعت میں شریک ہونا

سوال:- {536} بعض حضرات جماعت شروع ہونے سے کچھ پہلے اس طرح سنت کی نیت باندھ لیتے ہیں کہ تکبیر اولی میں شرکت کے لیے ان کے سامنے سے گزرے بغیر چارہ نہیں، اگر نہ گزرا جائے تو صفوں میں خلا رہ جائے اور وہ پر نہ ہوسکیں گی، ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

(محمد سعادت علی، سنگا ریڈی)

جواب:- لوگوں کو چاہیے کہ جب جماعت کا وقت قریب ہو اور اندیشہ ہو کہ سنت یا نفل

---

(۱) الفتاوی الهندیة:۱/۸۹۔

پوری ہونے سے پہلے جماعت شروع ہو جائے گی، تو سوائے نماز فجر کی سنت کے کوئی سنت شروع نہ کریں، یا کم سے کم ستون یا دیوار کے پیچھے، جماعت کی جگہ سے ہٹ کر سنت پڑھیں، تاکہ نماز پڑھنے والوں کو خلل نہ ہو، لیکن اگر کوئی شخص اس کی رعایت نہیں کرے، تو صف پوری کرنے کے لیے نمازی کے آگے سے گزرا جا سکتا ہے، گزرنے والوں پر اس کا گناہ نہیں ہوگا، بلکہ اس طرح بے محل سنت پڑھنے والے گنہگار ہوں گے:

"کمن صلی خلف فرجة الصف فلا یمنعون من المرور لتعدیه" (۱)

زوجین کی جماعت

سوال:- {537} کیا زوجین گھر پر با جماعت نماز ادا کر سکتے ہیں؟ نیز ایسی صورت میں امامت کون کرے؟

(قاری، ایم، ایس، خاں، اکبر باغ)

جواب:- میاں بیوی مل کر جماعت بنا سکتے ہیں، فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے: "المرأة إذا صلت مع زوجها في البیت ألخ" (۲) اس صورت میں شوہر امام ہوگا، اور بیوی اس کی مقتدی، نیز بیوی اس کے پیچھے کھڑی ہوگی، اگر اس کے پاؤں شوہر کے پاؤں کے برابر میں ہوں، تو اقتداء درست نہ ہوگی اور دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر کم سے کم بیوی کا پاؤں شوہر کے پاؤں کے پیچھے ہو، تو نماز درست ہو جائے گی۔

"... و إن کان قدمها بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة و إن کان قدماها خلف قدم الزوج ... جازت صلاتهما" (۳)

---

(۱) رد المحتار: ۲/۴۰۰۔
(۲) قاضي خان علی هامش الفتاوی الهندیة: ۱/۹۵۔
(۳) رد المحتار: ۲/۳۱۵، مع تحقیق عادل/علی۔

دوکان میں کام کرنے والے اور جماعت میں شرکت

سوال:- {538} ایک شخص کے دو تین لڑکے ہیں سب کے سب ایک ہی دوکان میں کام کرتے ہیں، یہ سب ایک ساتھ مسجد میں جماعت کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتے، ان کے لیے کیا حکم ہے؟ (اسماعیل خاں، نانڈیر)

جواب:- اگر قرب وجوار میں ایک سے زیادہ مسجدیں ہوں، اور دونوں میں جماعت کے اوقات الگ الگ ہوں، تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ کچھ لوگ ایک مسجد میں نماز ادا کرلیں، کچھ لوگ دوسری مسجد میں، اگر ایک ہی مسجد ہو تو اصل حکم تو یہی ہے کہ پانچ سات منٹ کے لیے دوکان بند کرلیں، یہ تھوڑا سا وقت ان شاء اللہ تجارت میں برکت ہی کا باعث ہوگا، نہ کہ نقصان کا، آخر دوسری ضروریات کے لیے تو دوکانیں بند کی ہی جاتی ہیں، تاہم آخری درجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ مسجد چلے جائیں اور کچھ لوگ دوکان ہی میں جماعت کرلیں، چوں کہ مسجد میں جماعت کا حکم بطور واجب کفایہ کے ہے، اس لیے ایک حد تک اس کی گنجائش ہے، ترکِ نماز سے بہرحال بچیں۔

احناف اور اہل حدیث —— ایک دوسرے کی اقتداء

سوال:- {539} کیا اہل حدیث کی نماز حنفی مسلک کے امام کی اتباع میں اور حنفی کی نماز اہل حدیث کے پیچھے درست ہوجاتی ہے؟ (عبد الجبار، جامعہ عثمانیہ)

جواب:- نماز کے جن احکام میں احناف اور غیر مقلدین حضرات کا اختلاف ہے، ان میں عہد صحابہ ﷺ سے اختلاف رائے رہا ہے اور ائمۂ مجتہدین میں بھی ان مسائل کی بابت ایک سے زیادہ آراء رہی ہیں، اس لئے ان مسائل کو وجہ نزاع نہیں بنانا چاہیے، بہت سے مسائل میں رسول اللہ ﷺ کے ایک سے زیادہ عمل منقول ہیں، اسی لیے صحابہ ﷺ نے بھی اپنے اجتہاد اور ذوق

کے مطابق الگ الگ احادیث کو ترجیح دیا ہے، سلف صالحین نے کبھی ان مسائل کو ایک دوسرے کی مخالفت کا باعث نہیں بنایا اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے، اس لیے غیر مقلد حضرات احناف کے پیچھے اور احناف غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

تہجد میں جماعت

سوال:- {540} رمضان کے آخری عشرے میں بعض مساجد میں باجماعت نماز تہجد پڑھنے کا رواج ہو گیا ہے، جس میں قرآن بھی ختم کیا جاتا ہے، دلیل میں حرم کی نماز تہجد کا حوالہ دیا جاتا ہے، تو کیا نماز تہجد باجماعت درست ہے؟ فقہ حنفی کے مطابق جواب عنایت فرمائیں (عبداللہ، گلبرگہ)

جواب:- ائمہ اربعہ میں سے شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نماز تہجد کے بشمول تمام نفل نمازوں کا جماعت سے پڑھنا جائز ہے، (۱) مالکیہ کے نزدیک قلیل جماعت ہو یا غیر مشہور جگہ پر ہو تو درست ہے، مشہور جگہ پر ہو یا کثیر جماعت ہو تو مکروہ ہے، (۲) حنفیہ کے یہاں مختلف اقوال ملتے ہیں، امام عبدالرشید بخاری نے لکھا ہے کہ مواظبت اور پابندی ہو تو مکروہ ہے، ورنہ نہیں، (۳) شمس الائمہ حلوائیؒ نے بھی اگر پابندی نہ ہو تو نفل نماز کی جماعت کو جائز قرار دیا ہے، (۴) عام طور پر فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ "تداعی" یعنی دعوت دے کر جماعت کرنا مکروہ ہے، پھر تداعی کی تفسیر بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ تین سے زیادہ مقتدی ہو جائیں، (۵) لیکن علامہ مطرزی کی

---

(۱) المغنی : ۲/۵۶۷، المجموع :۴/۵۵۔
(۲) خرشی :۱/۱۱-۱۲۔
(۳) دیکھئے: ردالمحتار :۲/۵۰۰۔
(۴) إعلاء السنن :۷/۹۳۔
(۵) الدر المختار علی هامش الرد:۲/۵۰۰۔

وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ تداعی کا تعداد سے تعلق نہیں، بلکہ دعوت سے تعلق ہے، یعنی لوگوں کو تہجد کی جماعت میں شرکت کی دعوت دی جائے، یہ مکروہ ہے: ''التداعی ھو أن یدعوا بعضھم بعضا ''(۱) اس طرح اگر اعلان عام اور دعوت کے بغیر از خود کچھ لوگ جمع ہو جائیں اور تہجد کی نماز جماعت سے ادا کرلیں، تو اس میں حرج نہیں، یہی اس کوتاہ علم کی رائے ہے۔ واللہ اعلم۔

پہلی صف افضل ہے یا امام سے قریبی جگہ؟

سوال:- {541} صف اول کا ثواب زیادہ ہے، اگر مسجد بہت وسیع ہو اور امام کی آواز نہ پہنچ سکتی ہو، تو صف اول کو ترجیح دی جائے، یا صف دوم میں امام سے قربت حاصل کی جائے؟　　(محمد سعادت علی، سنگاریڈی)

جواب:- حدیث میں صفِ اول کی فضیلت آئی ہے اور صفِ اول میں امام سے متصل پوری لائن شامل ہے، خواہ وہ نسبتاً امام سے دور ہی کیوں نہ ہو، اس لیے صفِ دوم میں وہ فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی، رہ گئی امام کی آواز جہاں پہنچتی ہو وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت، تو اگر دوری کی وجہ سے آواز نہیں پہنچ پاتی تو ایک تو اسے عبادت میں سبقت کا شرف حاصل ہوا، اور دوسرے آواز نہ پہنچنے کی وجہ سے یکسوئی اور دلجمعی حاصل کرنے میں مشقت بھی اٹھائی اور عبادت میں شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے جس قدر مشقت ہوگی، اسی قدر اجر میں اضافہ ہوگا، اس لیے بہر حال صفِ اول کی فضیلت زیادہ ہے۔(۲)

---

(۱) الدر المختار علی هامش الرد:۲/۵۰۰۔

(۲) "قال النبي ﷺ : لو يعلمون ما في التهجير لاستبقوا ، و لو يعلمون ما في العتمة و الصبح لاتوهما و لو حبوًا ، و لو يعلمون ما في الصف المقدم لاستهموا " عن أبي هريرة ﷛ (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۷۲۰، باب الصف الأول) محشی۔

گھر میں جماعت

سوال:- {542} زید کے پاس حافظ صاحب کے قیام و طعام کا انتظام تھا، سردی کی وجہ سے زید اور اس کے گھر کے افراد نیز حافظ صاحب رمضان میں سحر کھانے کے بعد اذان ہوتے ہی فجر کی جماعت ادا کر کے فوری سو جاتے ہیں، یہ عمل ختم رمضان تک جاری رہا، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(قادر خان نصیر، مدھول)

جواب:- اگر کوئی شخص بیماری وغیرہ کی وجہ سے گھر میں اہل خانہ کے ساتھ جماعت کر لیا کرے، یا کبھی اتفاقاً اس طرح جماعت کر لی جائے، اور مسجد میں دوسرے لوگ جماعت کر لیں، تو اس کی گنجائش ہے؛ کیونکہ جماعت واجب یا سنت مؤکدہ ہے، اور مسجد میں جماعت کا اہتمام واجب کفایہ ہے، تو اگر اس کے گھر میں نماز پڑھنے کی وجہ سے مسجد کی جماعت معطل نہ ہو جائے تو اسے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب تو حاصل نہ ہوگا؛ لیکن جماعت کا ثواب حاصل ہوگا۔

"لو صلى في بيته بزوجته أو ولده فقد أتى بفضيلة الجماعة" (۱)

لیکن اس کی عادت بنا لینا مکروہ ہے؛ بلکہ علامہ حلوانیؒ نے اسے بدعت قرار دیا ہے:

"ويكون بدعة و مكروها بلا عذر" (۲)

اس لئے ان حضرات کا مسلسل ایک ماہ اس کو معمول بنا لینا مناسب نہیں تھا، آئندہ اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔

---

(۱) مجمع الأنهر :۱/۱۰۶۔

(۲) فتح القدير :۱/۳۰۰۔

دوسری جماعت کا حکم

سوال:- {543} بعض احباب جماعت اولی کے چھوٹ جانے پر اسی مسجد میں جماعت ثانیہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور دوسرے احباب کو بھی دعوت دیتے ہیں، اس کے شرعی جواز سے آگاہ فرمائیں؟ (سید صابر علی چشتی، ناندیڑ)

جواب:- اصولی طور پر ایک ہی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ اگر بار بار جماعت کی جائے تو جماعت کا اہتمام ہی فوت ہو جائے گا، مقصود یہ ہے کہ جماعت میں لوگوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو اور تکرار جماعت سے جماعت مختصر ہونے کا اندیشہ ہے، چنانچہ حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ اگر صحابہ ﷺ کی جماعت چھوٹ جاتی تو مسجد میں تنہا تنہا نماز ادا کر لیتے۔(۱) جماعت ثانیہ کے سلسلہ میں فقہاء نے تفصیل اس طرح لکھی ہے:

(الف) ایسی مسجد جس میں کوئی امام یا مؤذن مقرر نہ ہو، جیسا کہ ویران، غیر آباد مقامات میں ہوا کرتا ہے، تو وہاں اذان و اقامت کے ساتھ بھی مکرر جماعت کی جا سکتی ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"مالیس له إمام و مؤذن راتب فلا یکره التکرار فیه بأذان و إقامة "(۲)

اگر مقررہ امام و مؤذن ہو، تو اذان و اقامت کے ساتھ دوسری نماز مکروہ ہے۔

(ب) اگر دوسری جماعت میں تین سے زیادہ افراد نہ ہوں تب بھی مکروہ نہیں، یہ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے:

(۱) ردالمحتار :۲/۶۴۔
(۲) حوالہ سابق

"لو كانت الجماعة الثانية اكثر من ثلاثة يكره التكرار و إلا فلا " (۱)

(ج) امام ابوحنیفہؒ کے سب سے ممتاز شاگرد قاضی ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ

"اگر دوسری جماعت کی ہیئت پہلی جماعت سے مختلف ہو تو اس صورت میں بھی بغیر اذان و اقامت کے دوسری جماعت کی جاسکتی ہے، ہیئت کے مختلف ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ پہلی جماعت مسجد کے جس حصہ میں ہوئی ہے اس حصہ سے ہٹ کر دوسری جماعت کی جائے اسی پر فقہاء نے فتوی دیا ہے"۔ (۲)

بہر حال اہل محلہ کو بار بار جماعت سے بچنا چاہئے، ورنہ جماعت کی اہمیت لوگوں کے دل سے رخصت ہو جائے گی اور لوگ سستی اور کسل مندی میں مبتلا ہو جائیں گے، اتفاقا دوسری جماعت کرنے میں مضائقہ نہیں، اسی طرح مسافروں کے لئے بھی جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے۔

صفیں کس طرح سیدھی کی جائیں؟

سوال:- {544} نماز میں جو صفیں برابر کی جاتی ہیں، وہ کس لحاظ سے برابر کی جائے گی؟ یعنی پنجوں کے لحاظ سے یا ایڑیوں کے لحاظ سے؟ (نصیر عالم سبیلی، جالے)

جواب:- چونکہ پاؤں انسان کے قد و قامت کے لحاظ سے بڑے چھوٹے ہو سکتے ہیں، اس لئے اگر پنجوں یا ایڑیوں کے لحاظ سے صف درست کی جائے، تو لوگ آگے پیچھے ہو جائیں گے، اس لئے صفیں پنڈلیوں اور ٹخنوں کے لحاظ سے سیدھی کرنی چاہئے۔

---

(۱) کبیری: ص:۵۷۰۔

(۲) حوالہ سابق: ص:۵۷۱، ردالمحتار :۲/۶۴۔

"وإن تفاوتت الأقدام صغرا و كبرا فالعبرة بالساق والكعب "(۱)

بچوں کی صف

سوال:- {545} کیا نابالغ بچوں کو صف سے ہٹا دینا چاہئے، کیا اس سے بڑوں کی نماز نہیں ہوتی ہے؟

(سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے صفوں کی ترتیب اس طرح مقرر فرمائی ہے کہ بڑے آگے رہیں، اور بچوں کی صف پیچھے ہو، (۲) فقہاء نے بھی اس طریقے کو مسنون لکھا ہے، (۳) لیکن اگر اژدحام زیادہ ہو اور بچوں کی صف پیچھے لگانے میں ان کے گم ہو جانے کا یا بھٹک جانے کا اندیشہ ہو، یا اتنے بے شعور بچے ہوں کہ اگر ان کی الگ صف بنائی جائے، تو وہ شور کریں گے اور دوسروں کی نماز میں خلل ہوگا، تو ایسی صورت میں فقہاء نے اجازت دی ہے کہ بچوں کو صف میں ساتھ رکھ لیا جائے۔ (۴)

بڑوں کی صف میں بچے

سوال:- {546} ہماری مسجد میں امام صاحب اس بات پر بہت اصرار کرتے ہیں کہ بچہ کو پیچھے کھڑا کیا جائے، صف میں نہیں رکھا جائے، اگر بچے کو پیچھے رکھ دیا جائے تو وہ

---

(۱) البحر الرائق: ۱/ ۶۱۷۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۶۷۷، باب مقام الصبيان من الصف۔
(۳) کبیری: ص: ۴۸۵۔
(۴) دیکھئے: تقريرات رافعي على حاشية ابن عابدين الشامي: ۲/ ۷۳۔ محشی۔

شرارت کرنے لگتے ہیں، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(محمد محسن، ورنگل)

جواب:- جو بچے بہت کم سن اور بے شعور ہوں اور ان کے پیشاب وغیرہ کر دینے کا اندیشہ ہو، تو انہیں مسجد میں لانا ہی نہیں چاہئے، ایسے ہی بچوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ان سے مسجدوں کو بچایا جائے"، (۱) اگر باشعور بچے ہوں تو انہیں مسجد میں لانا چاہئے، (۲) لیکن اگر اژدحام کی وجہ سے بچوں کے گم ہونے کا، یا نماز کے درمیان شرارت کرنے اور بڑوں کی نماز میں خلل پیدا کرنے کا اندیشہ ہو، تو اس بات کی گنجائش ہے کہ بڑوں کی صف میں ہی ان کو کھڑا کیا جائے:

"قال قاضي الرحمتي وبما يتعين في زماننا إدخال الصبيان في صفوف الرجال ، الخ"(۳)

پہلی صف میں خلا رہ جائے

سوال:- {547} پہلی صف میں دو یا تین آدمیوں کی جگہ رکھ کر پیچھے اگر صف بنائی جائے تو پیچھے جو مقتدی صف میں کھڑے ہوں گے، کیا ان کی نماز درست ہو جائے گی؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے اگلی صف کو مکمل کرلیا جائے، پھر اس کے پیچھے

---

(۱) "جنبوا مساجدكم صبيانكم" (رواه الطبراني في الكبير:۱۷۳/۲، بحوالہ جمع الفوائد:۲۰۱/۱، حدیث نمبر:۱۲۵۹، باب المساجد۔ محشی۔

(۲) چنانچہ حدیث میں ایسے بچوں کی صف کہاں ہو، اس کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ (دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۶۷۷، باب مقام الصبيان من الصف) محشی۔

(۳) تقریرات رافعی علی رد المحتار:۳۲۲/۲۔

دوسری صف لگائی جائے، بلکہ اگر پہلی صف میں جگہ خالی ہو اور دوسری صف قائم کر لی گئی ہو تو پچھلی صف کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں خالی جگہ کو پُر کر لینا چاہئے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وإن وجد في الصف الأول فرجة دون الصف الثاني يخرق الصف الثاني " (۱)

البتہ اس کی رعایت نہ کی جائے تب بھی نماز اور اقتداء درست ہو جائے گی، کیونکہ کوئی ایسی بات اس صورت میں نہیں پائی جاتی جو اقتداء کے درست ہونے میں رکاوٹ ہو۔

پہلی صف اور امام کے پیچھے

سوال:- {548} نماز کی جماعت میں امام کے پیچھے کھڑا ہونا افضل ہے، یا اگلی صف میں اگلے مقام پر؟

(محمد، عبدالمنعم، نرمل)

جواب:- آپ کا سوال واضح نہیں ہے، امام سے متصل جو پہلی صف ہو، حدیث شریف میں اس کی فضیلت آئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مردوں کی سب سے بہتر صف پہلی صف ہے:'' خیر صفوف الرجال أولها ''(۲) خاص طور پر امام کے پیچھے کھڑے ہونے والوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی: ''سمجھدار اور اہل علم یہاں کھڑے ہوں'' ''لیلینی منکم أولوا الأحلام والنهى ''(۳) اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کو نماز میں کوئی ایسی بات بھی پیش آسکتی ہے کہ وہ اپنی امامت کو جاری نہ رکھ سکے، ایسی صورت میں اس کو اپنا نائب

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۸۹/۱۔

(۲) الجامع للترمذی، عن أبي هريرة ﷺ، حدیث نمبر: ۲۲۴، باب ما جاء في فضل الصف الأول۔

(۳) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۲۲۸، باب ما جاء ليلينى منكم أولوا الأحلام والنهى۔

بنانا پڑے گا، اگر امام کے قریب پڑھنے والے سمجھدار لوگ ہوں تو نائب بنانے میں سہولت ہوگی، غرض پہلی صف میں کھڑا ہونا مستحب ہے، اور امام کے پیچھے ایسے لوگوں کو کھڑا ہونا چاہئے جو بوقت ضرورت امامت بھی کر سکتے ہوں۔

دوسری منزل کی پہلی صف کا حکم

سوال:- {549} کسی مسجد کی پہلی صف میں نماز پڑھنا دوسری صفوں کے مقابلہ میں زیادہ باعث ثواب ہے، لیکن کسی مسجد کی اوپری منزل کی پہلی صف کا بھی کیا اتنا ہی ثواب ہے؟ بعض مساجد میں دوسری منزل کی پہلی صف امام کے پیچھے دو صف کے بعد شروع ہوتی ہے، کیا اس صف میں بھی زیادہ ثواب ہے؟ (محمد وقار الدین، مشیر آباد)

جواب:- مسجد کی پہلی صف سے وہ صف مراد ہے جو امام سے متصل ہو، کیونکہ عام طور پر اس صف میں اس کو جگہ ملتی ہے جو مسجد آنے میں سبقت کرے، لہذا پہلی صف سے مراد امام والی منزل میں امام سے متصل صف ہے، اوپر کی منزل کی پہلی صف نچلی منزل کی آخری صف کے بعد والی صف متصور ہوگی، مثلاً: امام جس منزل میں نماز پڑھا رہا ہے، اس میں پانچ صفیں ہوں تو اوپر کی پہلی صف چھٹی صف تصور کی جائے گی، کیونکہ اس صف کا بُعد امام سے زیادہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ٹیچر کے لیے خالی گھنٹوں میں نماز کی جماعت

سوال:- {550} ہمارے محلہ میں مسجد اسکول سے متصل ہے، اگر جماعت کھڑی رہنے کے وقت گھنٹہ خالی ہو تو کیا صدر مدرس کی اجازت کے بغیر جماعت سے نماز پڑھی جا سکتی ہے، جب کہ صدر مدرس اجازت نہ دیتا ہو؟ (محمد ساجد، کنوٹ)

جواب:- اگر اسکول میں ایک سے زیادہ مسلمان ملازم موجود ہوں تو آپ ان کو ساتھ لے کر اسکول میں جماعت بنالیں، تاکہ جماعت بھی ہو جائے اور ذمہ دار کو اعتراض بھی نہ ہو، اور اگر کوئی مسلمان ملازم نہ ہو تو مسجد جاسکتے ہیں، کیونکہ مخلوق کی فرمانبرداری میں خالق کی نافرمانی نہیں کی جاسکتی، البتہ ایسے معاملات میں ذمہ داروں کو سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئے، تاکہ ان کی غلط فہمی دور ہو اور وہ تعاون کا رویہ اختیار کریں، اور تجربہ ہے کہ تھوڑی سی محنت سے یہ مزاج پیدا کیا جاسکتا ہے، ہاں اگر عدول حکمی میں ملازمت کے نقصان کا اندیشہ ہے تو تنہا بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ ترک جماعت کے لئے ایک معتبر عذر ہے۔

جماعت کے ساتھ شب قدر میں نفل

سوال:- {551} شب قدر میں مغرب کے بعد چھ رکعت نفل نماز کیا جماعت کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہے؟

(محمد فہیم الدین عظمی، نظام آباد)

جواب:- جماعت اصل میں فرض نمازوں کے لئے ہے، نہ کہ نوافل کے لئے، اس لئے سوائے نمازِ تراویح کے نفل میں جماعت مسنون نہیں:

"إن الجماعة في التطوع ليس بسنة إلا في قيام رمضان" (۱)

نیز لوگ ایک مخصوص نماز شب برأت شب قدر وغیرہ میں جماعت سے پڑھا کرتے تھے، فقہاء نے اس کی جماعت میں شرکت کو منع کیا ہے، ''یکره الإقتداء في صلاة رغائب وبراءة وقدر'' (۲) اس لئے شب قدر وغیرہ میں جو بھی نفل پڑھیں تنہا تنہا پڑھا کریں۔

(۱) رد المحتار: ۲/۵۰۰۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۲/۵۰۱۔

جماعت میں طویل نماز

سوال:- {552} عشاء کی نماز امام صاحب نے چودہ منٹ میں پڑھائی، ایک شخص نے کہا کہ یہ نماز تو انفرادی ہوئی ہے، کیا یہ صحیح ہے کہ نماز انفرادی ہوئی؟

(محمد مجاہد، عبدالستار، حبیب اللہ، مشیر آباد)

جواب:- جماعت کی نماز کو آداب وسنن کی رعایت کرتے ہوئے ہلکی پڑھانا چاہئے، تاکہ شرکاءِ نماز کے لئے گرانی کا باعث نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ ان میں ضعیف وناتواں اور بوڑھے لوگ بھی ہیں''(۱)

اس لئے فقہائے نے امام کو طویل نماز پڑھانے سے منع کیا ہے: '' **ولا یطول الامام بهم الصلاة** ''(۲) اس لئے امام صاحب کو اتنی طویل نماز پڑھانے سے گریز کرنا چاہئے، البتہ جب لوگوں نے ان کی اقتداء میں نماز ادا کی تو یہ نماز باجماعت ہوئی نہ کہ انفرادی۔

خواتین کے مساجد میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

سوال:- {553} علماء کرام عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کرتے ہیں، حالانکہ عہد نبوت میں عورتیں مسجدوں میں آیا کرتی تھیں، اب بھی سعودی عرب میں مساجد میں خواتین کے لئے علاحدہ حصہ بنا ہوا ہوتا ہے، جہاں عورتوں کو نماز ادا

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۷۹۵، باب تخفیف الصلاة - محشی۔

(۲) فتح القدیر: ۱/۳۰۵۔

کرنے کی اجازت ہوتی ہے، پس کیا برصغیر میں اس سے منع
کرنا ان کے ساتھ ناانصافی نہیں ہے؟ (عبدالعزیز، میسور)

جواب:- علماء کرام کتاب وسنت کے منشا ومقصد کی توضیح کرتے ہیں، نہ وہ اپنے طور پر حلال یا حرام کرنے کے مجاز ہیں، اور نہ ہی وہ ایسا کرتے ہیں، اسلئے علماء کرام پر الزام نہ لگانا چاہئے، عورتوں کا گھروں میں نماز پڑھنا خود قرآن وحدیث سے ثابت ہے، قرآن خواتین سے کہتا ہے کہ اپنے گھروں میں رہیں: ﴿قَرْنَ فِي بُيُوتِكُن﴾(۱) حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، (۲) حضور ﷺ کے زمانہ میں خواتین مسجد جایا کرتی تھیں، یہ صحیح ہے، لیکن آپ ﷺ نے اسے کم بہتر عمل قرار دیا، پھر اس کا مقصد خواتین کو تعلیم سے بہرہ ور کرنا، آپ ﷺ پر نازل ہونے والی آیات اور احکام سے مطلع کرنا، نیز نماز کی عملی تعلیم فراہم کرنا تھا، کیونکہ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا، پریس اور کتابوں کا زمانہ نہیں تھا، نہ آج کی طرح مدارس اور درسگاہیں تھیں، لوگ بھی پاکباز اور پاکیزہ نگاہ تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو بڑی زیرک اور فہم رسا کی مالک تھیں) نے اپنے زمانہ کے حالات کو دیکھ کر فرمایا کہ

"اگر حضور ﷺ نے آج کی خواتین کو دیکھا ہوتا تو ان کو مسجد
میں جانے سے منع کر دیتے، (۳)

اسی لئے فقہاء نے منشأ شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے عورتوں کے مسجد میں جانے کو غیر بہتر قرار دیا ہے۔ (۴)

---

(۱) الاحزاب: ۳۳۔

(۲) مجمع الزوائد، عن ابن مسعود ﷺ، حدیث نمبر: ۲۱۰۹، باب خروج النساء الی المساجد الخ۔

(۳) صحیح مسلم، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حدیث نمبر: ۹۹۹، باب خروج النساء الی المساجد۔

(۴) دیکھئے: الفقہ الإسلامی و أدلتہ: ۲/ ۱۵۵-۱۵۳۔ محشی۔

جہاں تک سعودی عرب کی بات ہے تو اول تو سعودی عرب میں کسی بات کا مروج ہونا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں، معیار کتاب وسنت اور کتاب وسنت کا علم رکھنے والے علماء کی رائے ہے، نہ ہی کسی خاص خطہ اور علاقہ کا عمل، دوسرے سعودی عرب کے قوانین بہت سخت ہیں، وہاں زنا پر سزائے موت دی جاتی ہے، پردہ کی پابندی کرائی جاتی ہے، اور بے پردہ گھر سے نکلنے والی خواتین کی سرزنش کی جاتی ہے، پھر حرمین شریفین کی قربت کی وجہ سے مجموعی ماحول پر صلاح کا غلبہ ہے، اس لئے وہاں فتنہ کے مواقع اور اندیشے کم ہیں، مساجد کو بازاروں پر قیاس کرنا بھی درست نہیں، بازار میں آئے دن ناخوشگوار واقعات پیش آتے رہتے ہیں، پولیس کی ڈیوٹی متعین کرنی پڑتی ہے اور سڑک چھاپ فرہادوں کی گرفتاری بھی عمل میں آتی رہتی ہے، جب بازار میں کوئی برائی ہوتی ہے تو برائی بازار کی طرف منسوب ہے اور اس سے وہ طبقہ بدنام ہوتا ہے جس کی لغت میں نیک نامی کا لفظ ہی پایا نہیں جاتا، مسجدوں میں اگر ایسے واقعات پیش آئیں تو مسجدوں کی اور نمازیوں کی بدنامی ہوگی، اور یہ رسوائی دین اور دین کے ایک اہم عمل کی طرف منسوب کی جائے گی، ظاہر ہے یہ بہت نامناسب بات ہوگی، آج مندروں میں اور بعض دوسرے ایسے مذہبی مقامات پر جہاں مخلوط مجمع ہوتا ہے، ایسے ناخوشگوار بات کا پیش آنا نادر اور عجیب نہیں۔

پھر خواتین اور بہنوں کا اس پر معترض ہونا حیرت انگیز ہے، عورتوں کو اس حکم میں سہولت اور آسانی دی گئی ہے، اور مشقت سے بچایا گیا ہے، اس لئے ان حضرات کو خوش ہونا چاہئے، نہ کہ معترض، ہاں اگر مرد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ علماء نے ہمیں مزید ایک مشقت میں مبتلا کر دیا ہے اور مسجد میں جانے کو ضروری قرار دے کر مشکل پیدا کر دی ہے تو یہ ایک حد تک سمجھ میں آسکتا تھا، لیکن عورتوں کا اس حکم پر اعتراض اور اس نسبت سے علماء و مشائخ سے بدگمانی بالکل ناقابلِ فہم ہے۔

نفل نماز کی جماعت

سوال:- {554} کیا تہجد کی نماز اور صلاۃ التسبیح با جماعت ادا کرنی چاہئے یا تنہا ہی ادا کرنا ضروری ہے؟
(شیخ قبولہ، صابر نگر)

جواب:- نفل نمازوں میں صرف صلاۃ التراویح میں آپ ﷺ کا جماعت کا اہتمام کرنا ثابت ہے، (۱) باقی نفل نمازوں میں جماعت کا اہتمام نہیں فرماتے تھے، یوں حضرت امّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عتبان بن مالک ﷛ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں نفل نماز میں اتفاقاً ایک دو آدمی کا شریک ہوجانا ثابت ہے، لیکن یہ آپ ﷺ کا عمومی معمول نہیں تھا، اس لئے فقہاء نے تداعی یعنی لوگوں کو دعوت دے کر اہتمام کے ساتھ نفل نماز کی جماعت کرنے کو منع کیا ہے، اور اگر پابندی کے ساتھ نفل نماز کی جماعت کی جائے تب تو شدید کراہت ہے۔ "نعم ان کان مع المواظبة کان بدعة فیکره" (۲) اس لئے نمازِ تہجد اور نمازِ تسبیح وغیرہ کو انفرادی طور پر ادا کرنا ہی مناسب ہے۔

مسجد میں تاخیر سے جماعت

سوال:- {555} ہمارے محلّہ کی مسجد میں اکثر اعلان ہوتا ہے کہ لوگ وضوء کر رہے ہیں، جماعت پانچ منٹ دیر سے ہوگی، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ (عبد السلام، وجے نگر کالونی)

جواب:- اگر پانی وغیرہ کی قلت کی وجہ سے کبھی کبھی لوگوں کو وضوء کرنے میں دیر ہوجائے اور ان لوگوں کا انتظار کرلیا جائے تو یہ درست ہے، انتظار کرنے والوں کو انشاء اللہ اپنے

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۳۷۳، باب في قیام شهر رمضان۔ محشی۔
(۲) رد المحتار: ۲/۵۰۰۔

بھائیوں کے لیے انتظار کا ثواب ملے گا، لیکن بلا عذر بار بار اس طرح جماعت کا مؤخر کرنا مناسب نہیں، کیوں کہ مسجد پر نماز کے جو اوقات لکھے جاتے ہیں، ان کی حیثیت منتظمین کی طرف سے ''وعدہ'' کی ہے اور کچھ لوگوں کی کوتاہی اور تاخیر کی وجہ سے وقت پر آنے والوں کے ساتھ وعدہ خلافی ظاہر ہے کہ نامناسب بات ہے، (۱) کیوں کہ لوگ اسی وعدہ کے لحاظ سے نماز کے لیے آتے ہیں، اور اگلے پروگرام طے رکھتے ہیں بعض پروگرام بہت ضروری ہوتے ہیں، اس لیے کسی مناسب عذر کے بغیر وقتِ مقررہ سے تاخیر کرنا مناسب نہیں۔ (۲)

جماعت میں مقررہ اوقات سے تاخیر

سوال:- {556} جماعت کے مقررہ اوقات کا کیا حکم ہے؟ جب کہ مقتدیوں میں معذور اور عمر رسیدہ لوگ بھی شریک رہتے ہیں، جن کے لئے جماعت میں تاخیر دشواری کا باعث ہوتی ہے۔ (سید اشرف الدین، کنڈا کرتی)

جواب:- نماز کے لئے جو اوقات منتظمین کی طرف سے مقرر کیے جاتے ہیں، اور انہیں بورڈ وغیرہ پر لکھ دیا جاتا ہے، اس کی حیثیت ''وعدہ'' کی ہے، اور وعدہ کا حتی المقدور پورا کرنا واجب ہے، اس لئے مقررہ وقت کے مطابق جماعت شروع کرنی چاہئے، اس میں معذور، بوڑھے اور مشغول لوگوں کی رعایت بھی ہے اور اس کی رعایت نہ کرنا ایسے لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہے اور مسلمان کو تکلیف پہنچانے سے بحدِ امکان بچنا واجب ہے، البتہ اتفاقاً یا کسی مجبوری کے

---

(۱) " آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب ، و إذا وعد أخلف ، و إذا أؤتمن خان" عن أبي هريرة ﷺ ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۳۳، باب علامات المنافق) محشی۔

(۲) " في أذان البزازية : لو انتظر لإقامة ليدرك الناس الجماعة يجوز و لواحد بعد الاجتماع لا إلا إذا كان داعرًا شريرًا" (رد المحتار:۱/۳۶۲) محشی۔

تحت کسی قدر تاخیر ہو جائے تو حرج نہیں، مصلیوں کو اسے برداشت کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا بعض دفعہ معمول کے وقت سے مؤخر کر کے نماز ادا کرنا ثابت ہے (۱) اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''امام اقامت کا زیادہ حقدار ہے'' (۲) یعنی جب امام آئے اقامت کہی جائے، اگر امام کو کسی قدر تاخیر ہو جائے تو اس کا انتظار کیا جائے، اور اس کے آنے کے بعد اقامت کہی جائے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) " أن النبي ﷺ كان يخرج بعد النداء إلى المسجد فإذا رأى أهل المسجد قليلا جلس حتى يرى منهم جماعة ثم يصلي ، و كان إذا خرج فرأ جماعة أقام الصلاة " (بيهقي ، حدیث نمبر:۲۲۸۳، باب الإمام يخرج فإن رأى جماعة أقام الصلاة و إلا جلس حتى يرى منهم جماعة إذا كان في الوقت سعة) محشی۔

(۲) " كان مؤذن رسول الله ﷺ يمهل فلا يقيم حتى إذا رأى رسول الله ﷺ قد خرج أقام الصلاة حين يراه " عن جابر بن سمرة ﷺ ، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۲۰۲، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة) محشی۔

مسبوق کا بیان

مقتدی، مسبوق اور ثناء

سوال:- {557} اگر درمیان جماعت کوئی مقتدی آکر شریک ہو، تو تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھنا چاہئے یا نیت باندھ کر خاموش رہے، اگر دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو، تو اسے کب ثناء پڑھنا چاہئے؟ (احمد سعید احمد، منجر یال)

جواب:- (الف) اگر پہلی رکعت میں نماز شروع ہونے کے بعد کوئی شخص جماعت میں شریک ہو اور وہ وقت امام کی قراءت کا ہو تو ''ثناء'' نہیں پڑھے اور تحریمہ کے بعد خاموش رہے، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب رکوع کی حالت میں امام کو پائے، اگر ثناء پڑھنے میں رکوع چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو:

"ولو أدرك المقتدى الإمام في الركوع ...
يترك الثناء" (۱)

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۸۸۔

(ب) جو شخص امام کو سجدہ یا قعدہ کی حالت میں پائے اسے تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء بھی پڑھ لینا چاہئے:

" وإن أدرك الإمام في السجود ... يأتي بالثناء ... وكذا لو أدرك في القعده " (۱)

(ج) جو شخص مسبوق ہوا اور اپنی نماز کی ابتدا میں ثنا نہ کہہ پایا ہو، اسے چھوٹی ہوئی رکعتوں کے ادا کرتے وقت شروع میں ثناء پڑھ لینا چاہئے۔

"ولو أن المسبوق لم يأت بالثناء في أول الصلاة فقام إلى قضاء ما سبق ... إنه يأتي بالثناء " (۲)

مسبوق سے سہو ہو جائے

سوال:- {558} اگر فرض نماز کی ایک یا دو رکعت چھوٹ جائے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں مکمل کرتے وقت اس میں کچھ غلطی ہو جائے تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

(محمد عبدالعظیم صدیقی، ظہیر آباد)

جواب:- جس شخص کی امام کے ساتھ ابتدائی نماز چھوٹ گئی ہو، اسے مسبوق کہتے ہیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق جن چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرتا ہے، ان میں اس کی حیثیت تنہا نماز ادا کرنے والے کی ہوتی ہے، لہذا اگر اس درمیان کوئی بھول ہو جائے، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، شرنبلالی فرماتے ہیں:

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۸۸۔
(۲) حوالہ سابق۔

" والمقيم إذا سها في صلاته الأصح لزوم سجود السهو ، لأنه صار منفردا حكما " (۱)

مسبوق اور امام کا قعدۂ اخیرہ

سوال:- {559} فرض کیجئے کہ ہم جماعت کی آخری رکعت میں شریک ہوئے جو ہماری پہلی رکعت ہے تو جب ہم قعدہ میں ہوں گے اس وقت ہم صرف تحیات ہی پڑھیں گے یا درود ابراہیمی اور دعاء ماثورہ بھی پڑھنی چاہئے؟

(نادر المسدوسی، مغلپورہ)

جواب:- ایسے شخص کو جو نماز کی ابتدائی رکعتیں امام کے ساتھ نہ پاسکا، ''مسبوق'' کہتے ہیں، مسبوق کا حکم یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں امام کے سلام پھیرنے تک امام کی اقتدا کرتا رہے، اور بیٹھا رہے، البتہ وہ صرف تشہد پڑھنے پر اکتفا کرے گا اور تشہد اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھے گا کہ امام کے سلام پھیرنے تک تشہد سے فراغت ہو:

" والصحيح أن المسبوق يترسل في التشهد حتى يفرغ عند سلام الإمام" (۲)

نیز یہ مسبوق کے لیے درمیان نمازِ ہے اور درمیان نماز میں تشہد کے بعد درود پڑھنا درست نہیں۔

مسبوق کو امامت میں نائب بنادیا جائے

سوال:- {560} اگر امام کو حدث لاحق ہوجائے اور

---

(۱) مراقي الفلاح:ص:۲۵۳۔

(۲) الفتاوى الهندية:۱/۹۱۔

امام مسبوق کو آگے بڑھا رہا ہے، تو مسبوق کو کیا کرنا چاہئے؟

(محمد رئیس الدین، مدھول)

جواب:- مسبوق شخص کو امامت کے لئے آگے بڑھنے سے گریز کرنا چاہئے، اور خود امام کو بھی چاہئے کہ ایسے شخص کو تکمیل نماز کے لئے اپنا نائب نہ بنائے:

"والأولی للإمام أن یقدم مدرکا ... و ینبغي لهذا المسبوق أن لا یتقدم"(۱)

لیکن اگر مسبوق کو آگے بڑھا ہی دے اور مسبوق کو معلوم ہو کہ امام کتنی رکعتیں پڑھا چکا تھا، تو وہ مقتدیوں کے سلام تک نماز پڑھائے، اور سلام سے پہلے کسی ایسے شخص کو اپنا نائب بنادے جو شروع سے نماز میں شریک ہو، وہ سلام پھیرے، اور اس کے ساتھ دوسرے مقتدی بھی سلام پھیر دیں اور مسبوق اپنی نماز کو پوری کرلیں۔(۲)

اگر مسبوق کو علم نہ ہو کہ امام کی کتنی رکعتیں ہوئی تھیں؟ تو یہ مسبوق ایک رکعت نماز پوری کر کے تشہد کی مقدار بیٹھا رہے، پھر کھڑا ہو، اور اپنی نماز اس طرح پوری کرے کہ ہر رکعت میں احتیاطاً قعدہ کرلے، یہ امام جب مقدار تشہد بیٹھ کر اٹھے، تو مقتدی اس کی اقتداء نہ کریں، بلکہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کریں، امام کے فارغ ہونے کے بعد یہ تنہا تنہا اپنی بقیہ نماز پوری کرلیں۔(۳)

فوت شدہ رکعات کس طرح ادا کرے؟

سوال:- {561} اگر کوئی شخص ظہر کی نماز میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا، تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ پہلے

---

(۱) الهداية مع الفتح:۱/۸۹-۳۸۸۔

(۲) حوالہ سابق

(۳) فتح القدير :۱/۳۸۹۔

ضم سورت والی رکعتیں پڑھے گا، یا بغیر ضم سورت والی رکعت،
یعنی تیسری رکعت کو ادا کرے گا؟

(شیخ محمد سیف اللہ شریف، نندیال)

جواب:- اگر مقتدی نے امام کے ساتھ چوتھی رکعت پائی تو چونکہ امام کی نماز اصل ہے، اس لئے وہ مقتدی کے حق میں بھی چوتھی رکعت متصور ہوگی، امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی جن رکعتوں کو ادا کرے گا وہ ابتدائی، پہلی، دوسری رکعت تصور کی جائے گی، لہذا بعد میں جو رکعتیں ادا کر رہا ہے ان میں پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملائے گا، اور تیسری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کرے گا، یہ حکم قرآن کی قراءت کا ہے، باقی قعدہ میں بعد کی رکعت تصور کی جائے گی، چنانچہ چوتھی رکعت میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی جو رکعت ادا کر رہا ہے وہ اس کے حق میں قراءت کے اعتبار سے پہلی رکعت ہے، جیسا کہ مذکور ہوا، لیکن قعدہ کے اعتبار سے دوسری رکعت، اس لئے وہ اسی رکعت کے ختم پر قعدۂ اولی کرے گا، فتاوی عالم گیری میں ہے:

"انه يقتضي أول صلاته في حق القراءة و
آخرها في حق التشهد" (١)

کب رکوع پانے والا شمار کیا جائے گا؟

سوال:- {562} مسبوق اگر رکوع میں شریک ہو تو کتنی تسبیحات ملنے پر وہ اس رکعت کو پانے والا شمار کیا جائے گا؟

(صبغت اللہ، بنجارہ ہلز)

جواب:- اس کے لئے تسبیح کی کوئی مقدار متعین نہیں، اگر امام کو ایک لحہ بھی رکوع کی

---

(١) الفتاوی الهندية : ١/٩١۔

حالت میں پالیا، بلکہ اگر امام جھکی ہوئی حالت میں تھا، اور بہ مقابلہ قیام کی کیفیت کے رکوع کی کیفیت سے قریب تھا، تب بھی وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا:

"أو شرع في الانحطاط و شرع الإمام في الرفع اعتد بها ألخ" (۱)

مغرب کا مسبوق کتنے قعدہ کرے؟

سوال:- {563} مغرب کی نماز میں اگر کسی کو تیسری رکعت مل گئی، تو باقی دو رکعت ایک قعدہ سے ادا کرے یا دو قعدہ سے؟ (سید شاہ نواز ہاشمی، فرسٹ لانسر)

جواب:- ایسی صورت میں اسے مزید دو قعدے کرنے پڑیں گے، ایک قعدہ ایک رکعت ادا کرنے پر، جو اس کے حق میں قعدۂ اولی ہوگا، دوسرا قعدہ دوسری رکعت ادا کرنے کے بعد جو اس کے حق مین قعدۂ اخیرہ ہوگا، اس طرح مغرب کی نماز میں جو شخص مسبوق ہوجائے، اس کو تین قعدے کرنے پڑیں گے:

"لو أدرك من المغرب قضى ركعتين ،وفصل بقعدة فيكون بثلاث قعدات وقرأ في كل فاتحة و سورة" (۲)

---

(۱) تقریرات رافعی : ۹۶/۲۔
(۲) الفتاوی الهندية:۹۱/۱۔

امامت کا بیان

مجرد شخص کی امامت

سوال:- {564} شہر کی ایک مسجد میں کبھی کبھی امام کی غیر موجودگی میں ایک صاحب نماز پڑھاتے ہیں، جو دینی علوم سے آراستہ ہیں، لیکن معمر نہ ہونے کے باوجود بھی وہ تجرد کی زندگی گزارتے ہیں، جن کے بارے میں یہ خبر عام ہے کہ وہ مردانہ صلاحیتوں سے محروم ہیں، کیا ایسے شخص کو امامت کرنی چاہئے؟ کیا مقتدیوں کی نماز ان کے پیچھے درست ہے؟

(عبدالرحمٰن، نظام آباد)

جواب:- اوّل تو مجرد زندگی گزارنے کی وجہ سے یہ سمجھنا کہ وہ قوت مردی سے محروم ہے، درست نہیں، تجرد کے اور بھی اسباب ہوسکتے ہیں اور بعض لوگ اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے بھی تاہل کی زندگی کو پسند نہیں کرتے، دوسرے اگر کوئی شخص قوتِ مردی سے محروم ہو، تب بھی وہ عام احکام میں مرد ہی شمار کیا جاتا ہے، اس لیے اس کی امامت درست ہوگی، اب یہی دیکھئے کہ فقہاء نے

استحقاقِ امامت کی ترجیحات میں کبرسنی کو بھی رکھا ہے، اور جو شخص عمر دراز ہوتا ہے وہ طبعی طور پر قوت مردی سے محروم ہو جاتا ہے، تو کیا اس کا امامت کرنا بھی درست نہیں ہوگا؟ اس لیے اس کا امامت کرنا بھی درست ہے اور لوگوں کا اس کے پیچھے نماز ادا کرنا بھی درست ہے۔

عمامہ باندھ کر کنارے کو لٹکانا

سوال:- {565} ایک عالم صاحب نے شملہ باندھ کر ایک سرا سامنے لٹکائے ہوئے مقررہ امام کے پیچھے نماز پڑھی، نماز کے بعد ایک دوسرے عالم صاحب سے پوچھے جانے پر انہوں نے کہا کہ سر یا کاندھے پر کوئی بھی کپڑا ڈال کر اس کے دونوں سرے کو لٹکا کر نماز پڑھنا یا پڑھانا مکروہ تحریمی ہے، اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا اس سے مقتدیوں کی نماز پر بھی اثر پڑے گا یا نہیں؟ (شیخ حسن، کھمم)

جواب:- عام حالات میں اس طرح عمامہ باندھنا کہ ایک سرا آگے کی طرف اور دوسرا پیچھے کی طرف لٹکتا ہو، اس میں کوئی حرج نہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور اس کے ایک سرے کو سامنے کی جانب اور دوسرے کو پیچھے کی طرف لٹکا دیا۔

"عممنی رسول اللہ ﷺ فسد لھا بین یدی و من خلفی"(۱)

دوسرے عالم صاحب نے جو صورت بتائی ہے اسے "سدل" کہتے ہیں، سدل یہ ہے کہ کوئی کپڑا سر یا دونوں کاندھوں پر رکھ کر اسے نیچے کی طرف چھوڑ دیا جائے، یہ صورت نماز میں

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۰۷۹۔

مکروہ ہے اور راجح یہ ہے کہ نماز کے باہر مکروہ نہیں۔(۱) لیکن عمامہ کی صورت سدل میں نہیں آتی، کیوں کہ سدل کھلے ہوئے کپڑے کو چھوڑ دینے کو کہتے ہیں، اگر لپیٹنے کے بعد بقیہ حصہ لٹکایا جائے، تو یہ سدل میں داخل نہیں۔ "... أي إذا لم يدره على عنقه و الا فلا سدل" (۲) عمامہ کی یہی شکل ہوتی ہے کہ کپڑے کو سر پر لپیٹ کر بقیہ حصہ لٹکایا جاتا ہے۔

سودی قرض دلانے والے کی امامت

سوال:- {566} میں ایک سرکاری ملازم ہوں ،قرآن کے کچھ حصے کا حافظ ہوں، میں ایک سوسائٹی کا ڈائرکٹر منتخب ہوا ہوں، جو بینکوں سے قرض دلاتی ہے، مسئلہ یہ ہے کہ دیگر ممبران کو قرض کے لیے میری اور سکریٹری کی دستخط کی ضرورت ہوتی ہے ،کیا میں اور میرے ساتھی امام کی غیر موجودگی میں لوگوں کے اصرار پر امامت کرسکتے ہیں؟ کیا یہ نمازیں درست ہوں گی؟ (محمد ساجد، کنوٹ)

جواب:- بینک سودی قرض دیا کرتا ہے، سود چونکہ ضرورت شدیدہ کے بغیر دینا بھی حرام ہے، اس لیے عام حالات میں سودی قرض لینا بھی جائز نہیں اور جو کام جائز نہ ہو اس میں معاون بننا بھی جائز نہیں، اس کی وجہ سے آدمی فاسق ہوجاتا ہے اور آپ کے رفقاء ان حالات میں قرض دلاتے ہیں جن میں کسی شخص کے لیے سودی قرض لینا جائز ہوتا ہے (اور اس سلسلے میں مقامی علماء ومفتیان اس شخص کے ذاتی حالات کی تحقیق کے بعد ہی صحیح رائے دے سکتے ہیں) تو آپ کا قرض دلانا جائز ہے اگر اس کا اہتمام نہیں ہے تو گناہ ہے اور ایسی صورت میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کو کسی اور قابل امامت شخص کی موجودگی میں امامت کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۱/۱۰۶۔
(۲) رد المحتار: ۲/۴۰۵۔

جسمانی طور پر عیب زدہ شخص کی امامت

سوال:- {567} جو شخص معذور ہو، جیسے پہنچے تک
ہاتھ کاٹا ہوا ہو، تو کیا ایسے حضرات امامت کر سکتے ہیں؟

(صدیقی، ہنمکنڈہ)

جواب:- جو شخص جسمانی اعتبار سے معذور ہو، لیکن رکوع اور سجدہ کر سکتا ہو، اس کی امامت درست ہے، لیکن چوں کہ عام طور پر لوگ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں کراہت محسوس کرتے ہیں، اور امام ایسے شخص کو ہونا چاہیے جس کی اقتداء لوگ رغبت کے ساتھ کریں، تا کہ نماز میں خشوع وخضوع کی کیفیت باقی رہے، اس لیے فقہاء نے ایسے لوگوں کی امامت کو مکروہ قرار دیا ہے، علامہ شامیؒ نے مفلوج لنگڑے اور لنجے کے بارے میں یہی بات لکھی ہے:

"و يكره امامة مفلوج و كذلك أعرج ... و من له
يد واحد والظاهر أن العلة النفرة" (۱)

اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص جسمانی اعتبار سے عیب زدہ ہو، لیکن اس کے علم وتقوی کی وجہ سے لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو پسند کرتے ہیں، تو ایسے شخص کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔

عذر کی وجہ سے نماز میں پاؤں کو سیدھا رکھ کر بیٹھنے والے کی امامت

سوال:- {568} ایک شخص امامت کر رہا ہے، لیکن
آپریشن کی وجہ سے جلسہ میں پیر کو سیدھا رکھ کر بیٹھتا ہے، تو کیا
ایسے شخص کا نماز پڑھانا درست ہے؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

(۱) رد المحتار :۲/۳۰۲۔

جواب:- جو شخص عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے، لوگ کھڑے ہو کر اس کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں، "یصلی القائم خلف القاعد"(۱) کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری نماز اسی طرح پڑھائی ہے، (۲) پس جب قیام وقعود اور کھڑے اور بیٹھنے ہونے کے فرق کے باوجود اقتداء درست ہوتی ہے، تو اگر جلسہ کی ہیئت میں امام اور مقتدی کے درمیان فرق ہو جائے اور وہ بھی کسی عذر کی بناء پر، تو یہ صورت تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی، لہذا جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، وہ درست ہے۔

ماں کو مارنے والے کی امامت

سوال:- {569} ابھی حال ہی میں اضلاع کے ایک حلقہ میں نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ اس میں ایک ایسا شخص امامت پر فائز ہے جو اپنی ماں کو گالیاں دیتا ہے اور مارتا ہے اور اگر کوئی اس کی مخالفت کرے تو اس کو چاقو سے مارنے کی دھمکی دیتا ہے، بلکہ چاقو لیکر مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے آتا ہے۔ تو کیا ایسے شخص کی امامت درست ہے؟ (بہ ذریعہ فیکس)

جواب:- ماں کو گالیاں دینا خود بہت بڑا گناہ ہے چہ جائیکہ ہاتھ اٹھانا۔ (۳) یہ تو اتنا شدید گناہ ہے کہ اس کے تصور سے بھی رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے، سماجی دباؤ ڈال کر ایسے شخص کو ایسی

---

(۱) الهداية: ۱/۱۰۷۔ محشی۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۶۸۷۔ محشی۔

(۳) "قال رسول الله ﷺ: إن من أكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه، قيل: يا رسول الله ﷺ! و كيف يلعن الرجل والديه؟ قال: يسب الرجل أبا الرجل فيسب أباه و يسب أمه فيسب أمه" عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ، (صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۵۹۷۳، باب: لا يسب الرجل والديه) محشی۔

شنیع حرکت سے باز رکھنا چاہئے اور اگر باز نہ آئے تو نہ صرف یہ کہ امامت سے علاحدہ کیا جائے بلکہ ایسے شخص کا بائیکاٹ بھی کیا جاسکتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آجائے۔

سودخور کی اقتداء

سوال:- {570} ہمارے محلے میں ایک شخص رہتا ہے، جو پابندی سے پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہے، لیکن ساتھ ساتھ سود بھی کھاتا ہے، کیا ہم اس کے پیچھے باجماعت نماز ادا کرسکتے ہیں؟ (فضل الدین، الند شریف)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے پر لعنت فرمائی۔ (۱) یہ بات کئی حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، اس لئے سودخوری بہت ہی شدید گناہ ہے، آپ اس شخص کو محبت سے سمجھائیں، اور اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کریں، بہر حال اگر ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تو کراہت کے ساتھ نماز ادا ہوجائے گی، البتہ ایسے شخص کو جانتے بوجھتے امام بنانے والے گنہگار ہوں گے۔

امام صاحب سنتیں نہیں پڑھتے

سوال:- {571} ایک امام صاحب ہیں، لوگوں نے ان کو کبھی بھی سنتیں اور نوافل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- ممکن ہے امام صاحب اپنے کمرہ میں ادا کرتے ہوں، مسنون طریقہ یہی

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۳۳، باب في آكل الربا و مؤكله، كتاب البيوع و الإجارات۔

ہے کہ سنن ونوافل گھر پر پڑھی جائیں، (۱) اس لئے بدگمانی سے بچنا چاہئے، اور اگر متنبہ کرنے کی ضرورت ہو تو تنہائی میں امام صاحب سے استفسار کر لینا چاہئے، بہر حال اگر کوئی شخص واقعتہ ہمیشہ سنتیں ترک کیا کرتا ہو تو اس کا یہ عمل فسق ہے، لہذا اس کی امامت کراہت سے خالی نہ ہوگی۔

کم علم کی امامت بھی درست ہے

سوال:- {572} ہمارے محلہ میں ایک غریب بستی ہے، اس بستی میں ایک عارضی مسجد ٹین شیڈ کی بنائی گئی ہے، محلہ کے ایک غریب آدمی اس مسجد کی خدمت بھی کرتے ہیں، اور نماز بھی پڑھاتے ہیں، ان کو قراءت بہتر طور پر کرنا نہیں آتا، محلہ میں کوئی پڑھا لکھا نہیں ہے، اور جو پڑھے لکھے لوگ ہیں وہ خدمت کرنے کو تیار نہیں، تو کیا وہ شخص نماز پڑھا سکتا ہے؟

(محمد نفیس الدین ، پھول باغ)

جواب:- مذکورہ شخص نماز پڑھا سکتا ہے، مسجد میں نماز ہی نہ ہو اس سے تو بہر حال بہتر ہے کہ یہ کم پڑھا لکھا شخص نماز پڑھا دے، ان لوگوں کا طرز عمل نہایت افسوس ناک ہے، جو پڑھے لکھے ہونے کے باوجود مسجد کی خدمت سے اعراض کرتے ہیں، مناسب ہوگا کہ جو صاحب نماز پڑھا رہے ہیں، انہی کو چند دنوں کسی قریبی مدرسہ میں قرآن کی اصلاح کرادی جائے، اس طرح زیادہ بہتر طریقہ پر نماز ادا ہو سکے گی، اور انشاء اللہ ان کو اس کا بہتر اجر وثواب حاصل ہوگا۔ (۲)

---

(۱) " عن زید بن ثابت ﷺ : أن رسول الله ﷺ قال : صلاة المرأ في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا إلا المكتوبة " (سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۱۰۴۴، باب صلاة الرجل التطوع في بيته) محشی۔

(۲) دیکھئے: فتح القدير :۱/۳۰۱، باب الإمامة۔ محشی۔

امام کا کتنی دیر انتظار کیا جائے؟

سوال:- {573} جہری نمازوں میں نائب امام کو امام صاحب کا کتنی دیر تک انتظار کرنا چاہئے؟

(سید فیاض احمد فیضی، ملے پلی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ہدایت دی ہے کہ اقامت میں امام کی رعایت ہونی چاہئے، یعنی امام کے آنے پر اقامت کہی جائے، (۱) لیکن اگر امام معمول کے وقت پر نہ آئے تو نماز شروع کی جاسکتی ہے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک بار آپ ﷺ کو آنے میں تاخیر ہوئی تو حضرت بلال ﷺ نے حضرت ابوبکر ﷺ کو آگے بڑھایا (۲) اور ایک بار حضرت عبد الرحمن بن عوف ﷺ کو، (۳) موجودہ دور میں مسجدوں میں اوقات نماز متعین ہوتے ہیں، اگر مقررہ وقت پر امام صاحب نہ پہنچیں تو مناسب ہے کہ ایک دو تین منٹ انتظار کیا جائے، اگر زیادہ تاخیر ہو تو نائب امام نماز پڑھادے، تاکہ لوگوں کے لئے باعث زحمت نہ ہو۔

امامت پر اجرت

سوال:- {574} پیسے لے کر قرآن سنانے کے عنوان کے تحت جناب نے یہ توضیح نہیں فرمائی ہے کہ آیا کوئی امام

---

(۱) "عن جابر بن سمرة ﷺ قال: كان بلال ﷺ يؤذن ثم يمهل، فإذا رأى النبي ﷺ قد خرج أقام الصلاة" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۳۷، باب في المؤذن ينتظر الإمام) محشی۔

(۲) دیکھئے: صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۶۸۴، باب من دخل ليؤم الناس فجاء الإمام الأول۔

(۳) دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۳۷۴، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الإمام و لم يخافوا مفسدة بالتقديم۔ محشی۔

صاحب یا حافظ صاحب پیسے لے کر امامت کریں، تو ان کی
امامت درست ہوگی یا نہیں؟ اوران کی اقتداء میں نماز ادا کی
جاسکتی ہے یا نہیں؟ (سید نسیم الدین، مقام نامعلوم)

جو اب:- جب کوئی شخص امامت کرتا ہے تو امامت کی وجہ سے اس کا وقت گھر جاتا ہے، وہ کوئی اور ذریعہ معاش اختیار کرنے سے قاصر رہتا ہے اور اگر وہ امامت کے بجائے دوسرے کام میں لگ جائے تو ایسے لوگ امامت کریں گے جو امامت کے اہل نہیں، اپنی نماز بھی ضائع کریں گے اور مقتدیوں کی بھی، اس لئے ضرورتاً فقہاء نے امامت اور قرآن مجید کی تعلیم وغیرہ پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے:

"ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه
والإمامة والأذان" (۱)

کیونکہ یہ نماز کی اجرت نہیں ہے، بلکہ وقت کی اجرت ہے اور وقت کی اجرت لینا درست ہے، بہ خلاف تراویح میں قرآن مجید سنانے کے، کہ محض ایک ماہ تھوڑی دیر قرآن سنانا اس کے لئے کوئی اور ذریعۂ معاش اختیار کرنے میں مانع نہیں اور نہ تراویح کا درست ہونا مکمل قرآن سنانے پر موقوف ہے، اس لئے تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت اور امامت پر اجرت لینے میں فرق ہے! لہذا امامت پر اجرت لینے والے حافظ کی امامت بھی درست ہے اور لوگوں کے لئے اس کی اقتداء بھی۔

مجذوم کی امامت

سوال:- {575} ہماری مسجد کے امام باضابطہ عالم اور
ایک مدرسہ کے صدر مدرس ہیں، گذشتہ ۳۵ رسال سے امامت

(۱) الدر المختار مع الرد :۹/۷٦۔

کے فرائض انجام دے رہے ہیں، عیدگاہ میں نماز عیدین بھی انہیں کے سپرد ہے، مگر گذشتہ چند سالوں سے انہیں مرض کوڑھ نے آگھیرا ہے، اب بعض مصلیان مسجد کا کہنا ہے کہ اب امامت کے قابل نہیں رہے، لہذا ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (محمد آصف انصاری، ہمنکنڈہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کی نماز مقبول نہیں، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو لوگوں کی امامت کرتا ہو حالانکہ لوگ اس کی امامت کو ناپسند کرتے ہوں، (۱) اس لئے فقہاء نے ان لوگوں کی امامت کو مکروہ قرار دیا ہے، جن کے پیچھے نماز پڑھنا دینی کوتاہی کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے لوگوں کو ناگوار خاطر ہو:

" تکره الصلاة خلف امرد و سفیه و مفلوج و ابرص شاع برصه " (۲)

اس لئے امام صاحب کو امامت سے باز آجانا چاہئے، اور بہتر ہے کہ اب وہ مسجد کے بجائے گھر ہی میں نماز ادا کرلیں، جیسے اتنی مدت کی امامت ان کے لئے باعث اجر ہے، اسی طرح منشا شریعت کی رعایت کرتے ہوئے اب گھر میں بھی نماز ادا کرنا ان کے لئے اجر وثواب کا باعث ہوگا، کہ اصل مقصود شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔

سرکاری ملازمت اور امامت

سوال:- {576} میں ایک سرکاری ملازم ہوں، امام کی غیر موجودگی میں ذمہ داران مسجد کی خواہش پر امامت کرتا

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۹۳، باب الرجل یؤم القوم وهم له کارهون ۔

(۲) الدرالمختار علی هامش رد المحتار :۳۰۲/۲، (وفی الرد :) کذا اجذم ، ردالمحتار :۳۰۲/۲۔

ہوں، کچھ لوگوں کو میرا قرآن پڑھنا پسند ہے، جب کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ آپ نماز نہیں پڑھا سکتے، کیونکہ آپ سرکاری غلام یا نوکر ہیں؟ (محمد ساجد، کنوٹ)

جواب:- ایسی سرکاری ملازمت جس میں انسان کوئی غیر شرعی کام کرنے پر مجبور نہ ہو جائز ہے اور ایسے لوگوں کی امامت میں کوئی قباحت نہیں، امامت کے لئے ضروری ہے کہ قرآن بہتر طریقہ پر پڑھ سکتا ہو(۱) اور نماز کے ضروری احکام سے واقف ہو، (۲) اس لئے محض سرکاری ملازمت کی وجہ سے کسی کا آپ کی امامت پر اعتراض کرنا درست نہیں۔

امام سے پہلے مقتدی نیت کرلے

سوال:- {577} باجماعت نماز میں کیا مقتدی امام سے پہلے نماز کی نیت کرسکتا ہے؟ یا امام کے تکبیر کہنے کے بعد ہی مقتدی کو نیت کرکے رکعت باندھنا چاہئے؟

(محمد خلیل الرحمان، مدینہ مسجد، محبوب نگر)

جواب:- نیت نماز شروع کرنے سے پہلے کا عمل ہے، اس لئے اگر مقتدی کی نیت امام سے پہلے ہوجائے تو کچھ حرج نہیں، جو افعال نماز میں کئے جاتے ہیں، ان میں مقتدی کا عمل امام سے پہلے نہ ہونا چاہئے، جیسے امام کے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی مقتدی نے تکبیر تحریمہ کہہ دیا

---

(۱) نبی ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص قرآن کی تلاوت سے اچھی طرح واقف ہو، وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے" قال رسول الله ﷺ : يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله و أقدمهم قراءة " (سنن أبي داؤد، حديث نمبر: ۵۸۲، باب من أحق بالإمامة)۔ از محشی۔

(۲) چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے کہ تلاوت قرآن سے واقفیت کے بعد احکام نماز سے واقف آدمی امامت کا زیادہ اہل ہے"۔"الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة "(الفتاوى الهندية : ۸۳/۱) محشی۔

تو یہ درست نہیں، نہ اقتداء صحیح ہوگی، اور نہ مقتدی کی نماز۔ نیت میں سبقت کر جائے تو کوئی قباحت نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے مقتدی امام سے پہلے وضوء کرلے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر گھر سے چلتے ہوئے نماز میں شرکت کا ارادہ کرلیا تھا، تو یہی نیت ہوگی، اور نماز کے لئے کافی ہوگی۔(۱)

عورتوں کی امامت

سوال:- {578} عورت کی امامت کے متعلق ایک روزنامہ میں شائع ہوا ہے کہ عورت امامت کرسکتی ہے، جس کی کوئی شرط نہیں ہے، تو کیا صرف گھر کی حد تک امامت کرسکتی ہے یا مساجد میں بھی؟ (محمد ولی الرحمٰن، سدی پیٹھ)

جواب:- عورتیں مردوں کی امامت نہیں کرسکتیں، صرف عورتوں ہی کی کرسکتی ہیں اور یہ بھی مکروہ تحریمی ہے،(۲)" یکره تحريما جماعة النساء ولو في التراويح "(۳) اگر عورت عورتوں کی امامت کرے، تو اسے صف کے بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے، آگے نہیں بڑھنا چاہئے" فإن فعلن تقف الإمام وسطهن "(۴) عورت کی امامت پر جس روایت سے استدلال کیا گیا ہے، وہ گھر میں امامت سے متعلق ہے،(۵) اس لئے مساجد میں ان کا صرف عورتوں کی بھی امامت کرنا قطعاً نامناسب عمل ہوگا۔

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار: ۹۳/۲۔

(۲) حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ عورت امام نہیں بن سکتی: "أنه قال : لا تؤم المرأة " (إعلاء السنن ، حدیث نمبر: ۱۲۳۳، باب عدم جواز إمامة المرأة لغير المرأة) محشی۔

(۳) ردالمحتار: ۸۳/۱۔

(۴) حوالہ سابق۔

(۵) امام ابوداؤدؒ نے عورتوں کے امام بننے سے متعلق ایک روایت ذکر کی ہے، لیکن اس میں بھی صراحت کے ساتھ عورتوں کے اپنے گھر میں ہی امام بننے کا تذکرہ ہے، چنانچہ ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور ﷺ نے اپنے گھر والوں کی امامت کرنے کا حکم دیا تھا،" و أمرها أن تؤم أهل دارها "(سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۹۲، باب إمامة النساء) محشی۔

عورتوں کے لیے عورت کی امامت

سوال:- {579} مرد عورتوں کی امامت کرسکتا ہے تو کیا قابل عورت عورتوں کی امامت نہیں کرسکتی؟ (حمید، نرمل)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کی امامت کا اہتمام نہیں ملتا ہے، حالانکہ یہ بات ممکن تھی کہ حضور ﷺ مردوں اور عورتوں کی الگ الگ جماعت قائم کرادیتے، مرد مردوں کی امامت کرتا اور عورت عورتوں کی، پردہ اور حجاب کے نقطۂ نظر سے بھی اس میں زیادہ سہولت تھی؛ لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا، اس لئے فقہاء نے تمام ہی نمازوں میں چاہے فرض ہو یا نفل عورتوں کی امامت کو مکروہ قرار دیا ہے اور ان کے تنہا نماز پڑھنے کو افضل بتایا ہے:

"و یکرہ إمامة المرأة للنساء في الصلوة کلها من الفرائض و النوافل ... و صلوتهن فرادی أفضل"(۱)

امام کی وجہ سے نماز کا اعادہ

سوال:- {580} ہماری مسجد کے امام صاحب غیر شرعی افعال میں مبتلا ہیں، اس کی وجہ سے اکثریت ناراض ہے اور ان کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے، کچھ لوگ نماز ادا کرتے ہیں، لیکن فوراً نماز دہرا لیتے ہیں، تاکہ نماز بھی درست ہو جائے اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے، مسجد کی کمیٹی کو کئی بار امام صاحب کے ان افعال سے آگاہ کیا گیا، لیکن لگتا نہیں ہے کہ ان کو نکالا جائے گا، تو کیا میرا اس طرح امام صاحب کے ساتھ

(۱) الفتاوی الهندیة:۱/۸۵۔

نماز پڑھنا اور پھر دہرانا درست ہے؟ واضح ہو کہ ایک اور مسجد ہے لیکن کافی فاصلہ پر ہے؟ (عبدالوہاب، دھرم آباد)

جواب:- اول تو اپنے آپ کو ٹٹولئے کہ کہیں آپ کو غلط فہمی تو نہیں ہوئی ہے، اور امام صاحب کے جن افعال کو آپ برا سمجھتے ہیں کیا واقعی وہ برے ہیں، اور کیا وہ اب تک اپنے اس طرز عمل پر قائم ہیں؟ اگر اب تبدیلی آگئی ہو، تو پچھلی کوتاہیوں کو نظر انداز کیجئے، لیکن اگر امام صاحب کا کوئی عمل صریحاً شریعت کے خلاف ہو، اور خوشگوار طریقہ پر ان کی اصلاح یا علاحدگی ممکن نہ ہو تو کمیٹی سے اپنی رائے ظاہر کرنے کے بعد آپ بریٔ الذمہ ہوگئے، اور آپ ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، غور کیجئے کہ حجاج بن یوسف سے بڑھ کر بھی کوئی فاسق ہوگا؟ جس کی گردن پر بیسیوں صحابہ ﷺ کا خون ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ جیسے بزرگ صحابی اور دوسرے صحابہ ﷺ اور اجلہ تابعینؒ حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، آج نہ کوئی امام حجاج جیسا بدکار ہو سکتا ہے، اور نہ کوئی مقتدی حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ جیسا عبادت گذار و پرہیزگار، پھر ہماری نماز ایسے ائمہ کے پیچھے کیوں نہیں ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ نیک اور بد، اچھے اور برے دونوں کے پیچھے نماز ادا ہو جاتی ہے:

" صلوا خلف كل بر و فاجر" (۱)

جب تک نماز کے فاسد ہونے کی کوئی وجہ نہ ہو، خواہ مخواہ نماز کا دہرانا مناسب نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ایک نماز دو بار پڑھی جائے:

" لا تصلوا صلاة في يوم مرتين " (۲)

اس لئے آپ کو دوبارہ نماز پڑھنے کی حاجت نہیں۔ (۳)

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۹۴، باب إمامة البر و الفاجر۔ محشی۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۷۹، باب إذا صلى في جماعة ثم أدرك جماعة أيعيد؟ محشی
(۳) فتاوی رشیدیہ:ص:۳۵۰۔

حنفی کے پیچھے اہل حدیث کی اقتداء

سوال:- {581} ہمارے یہاں حنفی امام کے پیچھے اہل حدیث حضرات نماز ادا کرتے ہیں جب امام صاحب قراءت کرتے ہیں، تو یہ لوگ قرآن نہیں سنتے بلکہ الحمد شریف پڑھتے ہیں، اور زور سے آمین کہتے ہیں، اور پہلی رکعت کے بعد جب امام صاحب اٹھتے ہیں، تو یہ لوگ بیٹھے رہتے ہیں، کیا اس طرح یہ لوگ امام کے تابع ہوتے ہیں، اور ان کی نماز درست ہوتی ہے؟ (عبدالرفیق، گلبرگہ)

جواب:- فقہی اور فروعی مسائل میں صحابہ ﷺ کے دور سے اختلاف رائے رہا ہے، ایسے اختلافی مسائل میں شدت برتنا اور دوسرے نقطۂ نظر کو باطل اور ناحق سمجھنا غلط ہے، ایک مسلک پر عمل کرنے والا دوسرے مسلک پر عمل کرنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے، صحابہ ﷺ، تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے زمانہ میں بھی فروعی مسائل میں اختلاف رائے موجود تھا، لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کیا کرتے تھے۔

احادیث کے اعتبار سے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (۱) یہی امت کے سواد اعظم کا مسلک رہا ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد اور اکثر سلف صالحین کی یہی رائے تھی، امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھے گا، یہی رائے بعض اور محدثین کی بھی ہے، (۲) اس لئے اگر کوئی شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتا ہو تو اس کی وجہ نزاع نہ بنایا جائے، اسی طرح آمین کا

(۱) الاعراف: ۲۰۴۔ محشی۔
(۲) دیکھئے: الافصاح من معانی الصحاح: ۱/۱۲۷۔ محشی۔

بھی آہستہ کہنا بہتر ہے، کیونکہ آمین دعاء ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے دعاء میں آواز پست رکھنے کا حکم فرمایا ہے، ﴿أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾ (۱) لیکن بعض سلف صالحین کے نزدیک زور سے آمین کہنا افضل ہے، اس لئے گنجائش اس کی بھی ہے، اور حدیث سے دونوں طرح آمین کہنا ثابت ہے، (۲) پہلی رکعت سے اٹھتے ہوئے تھوڑی دیر جو بیٹھک کی جاتی ہے، اسے جلسۂ استراحت کہتے ہیں، افضل طریقہ تو سیدھے کھڑا ہونا ہے آپ ﷺ نے ایک صحابی کو اسی طرح کھڑے ہونے کی ہدایت فرمائی تھی، (۳) لیکن اگر کوئی شخص بیٹھ کر ہی اٹھنے کو افضل سمجھتا ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے، غرض ایسے مسائل میں الجھنے سے گریز کریں، اور جس طریقہ پر آپ نے اپنے معتمد علماء سے نماز پڑھنے کا طریقہ جانا ہے، اس کے مطابق نماز ادا کریں۔

مصلیان امام سے ناراض ہوں؟

سوال:- {582} ہمارے محلہ کی جامع مسجد کے امام صاحب سے مصلیان مسجد ناراض ہیں، امام صاحب اس بات سے واقف ہیں، اس کے باوجود نہ مصلیان مسجد کی ناراضگی دور کرتے ہیں، اور نہ امامت چھوڑتے ہیں، ایسے امام کا کیا حکم ہے؟ (کے، ایم، عبدالباسط رضوی، مشیرآباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ایسے امام کی مذمت فرمائی ہے کہ مقتدی اسے ناپسند کرتے ہوں، اور وہ امامت کرنے پر مصر ہو (۴) لیکن یہ اس وقت ہے جب امام صاحب میں

(۱) الاعراف :۵۵۔ محشی۔
(۲) دیکھئے: صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۷۸۲، باب جهر المأموم بالتأمين، الجامع الترمذي ،حدیث نمبر:۲۴۸، باب ما جاء في التأمين۔ محشی۔
(۳) دیکھئے: صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۸۵۸، باب صلاة من لا يقم صلبه في الركوع و السجود۔ محشی۔
(۴) سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۵۹۳، باب الرجل يؤم القوم و هم له كارهون ۔ محشی۔

شرعی اعتبار سے کوئی برائی ہو، اگر وہ اپنے علم وعمل کے اعتبار سے امامت کے حق دار ہیں، اور لوگ خواہ مخواہ ان کو ناپسند کرتے ہیں، یا ان کی حق گوئی کی وجہ سے مخالفت کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں مقتدی حضرات مکروہ فعل کے مرتکب ہیں نہ کہ امام صاحب، ''و ان ھو احق لا و الکراھة علیھم''(۱)

ٹی وی کی اقتداء میں نماز

سوال:- {583} کیا مکہ شریف سے راست ٹیلی کاسٹ کوسن کر فرض نماز امام کعبہ کی اتباع میں پڑھ سکتے ہیں؟
(خالد قادری، یاقوت پورہ)

جواب:- اقتداء درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان کوئی شاہ راہ عام حائل نہ ہو، (۲) ظاہر ہے کہ ٹیلی کاسٹ کی اتباع میں یہ شرط نہیں پائی جاتی اس لئے نماز درست نہیں ہوگی۔

فاسق کی اقتداء

سوال:- {584} داڑھی کو تراش کر خشخشی کرنے والے اور داڑھی کو بالکلیہ صاف کرنے والے حافظِ قرآن کے پیچھے کیا فرض اور تراویح کی نماز ہو جاتی ہے؟ (نعیم اختر، مغلپورہ)

جواب:- داڑھی رکھنا واجب ہے، اور داڑھی منڈانا حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ اس کا حکم دیا ہے، (۳) اور ایک مشت داڑھی رکھنا سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ

---

(۱) ردالمحتار: ۲/۲۹۸۔
(۲) الفتاوی الھندیة: ۱/۸۷۔
(۳) صحیح البخاری: ۲/۸۷۵، حدیث نمبر: ۵۸۹۲، ۵۸۹۳، باب إعفاء اللحی، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۹۔ محشی۔

اس سے کم داڑھی رکھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، حرام کا مرتکب اور ترک سنت پر اصرار کرنے والا فاسق ہوتا ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اس لئے ان صاحب کو توبہ اور اپنے حال کی اصلاح کرنی چاہئے، ایک حافظِ قرآن سے ایسی حرکت کا صدور اور بھی بری بات ہے، البتہ کراہت کے ساتھ نماز ادا ہو جائے گی۔

فاسق کی امامت اور ایام استراحت میں تنخواہ کا مسئلہ

سوال:- {585} (الف) کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، جو: (۱) ماہانہ چندہ وصول کرکے مہینہ کے اخیر تک اپنے تصرف میں لاتا ہو، (۲) جو بھی چندہ دوسرے مہینہ کے شروع میں ہوتا ہے، وہ اپنی تنخواہ حاصل کرنے کے بعد بینک میں جمع کرتا ہو، (۳) عید الاضحیٰ کے موقعہ پر محلہ سے چرم قربانی وصول ہوتے ہیں، جس کی کوئی مقدار نہیں ہوتی، یہ سب چرم قربانی بذریعہ آٹو مشیر آباد لے جاکر فروخت کردیا جائے، مگر یہ رقم دوسرے دن بینک میں جمع نہیں ہوتی، (آمدنی برائے مدرسہ) (۱) مہینہ بھر اس آمدنی کو اپنے تصرف میں لاتا ہے، (۲) کئی سالوں سے چرم قربانی کی وصولی کی رسائد اب تک چیک نہیں ہوئی، (۳) فروختگی کے لئے آٹو کا استعمال ہوتا ہے، جس کا کرایہ ادا ہوتا ہے، پھر اس پر کمیشن لگایا جاتا ہے، گھر گھر چرم قربانی کی وصولی کے لئے کمیشن لیا جاتا ہے، (۴) مسجد کے لیے جو کام کیا جائے وہ صرف مسجد کی بھلائی کے لئے کیا جائے، نہ کہ کسی شخص کی بھلائی کے لئے کیا جائے، (۵) ہر ماہ جو چندہ وصول کیا جاتا ہے اس کی رسائد تک نہیں کاٹی جاتی،

(٦) امام صرف امامت کے لئے ہوتے ہیں یا کسی اور مصرف کے لئے؟

(ب) کیا ایسے آدمی یا امام کے پیچھے نماز درست ہے جو علالت کی حالت میں چل پھر سکتا ہو، مثلاً ایکسیڈنٹ ہوگیا ہو، لیکن نماز پڑھنے کی قدرت نہ ہو اور کرسی وغیرہ پر آرام کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہو۔

(ج) کیا ایسے آدمی کے پیچھے نماز درست ہے جو علالت میں مبتلا ہو اور مسجد سے برابر تنخواہ بھی لیتا ہو، جو نہ خود نماز پڑھتا ہو اور نہ بیماری کی وجہ سے پڑھاتا ہو، لطف کی بات تو یہ ہے کہ مسجد کے اندر ہی مکان میں رہتا ہو، پھر نماز ضائع کردے۔

امامت کے لئے کیا قابلیت ہے، عالم، فاضل، حافظ اور قاری ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ (محمد امر اللہ خان، سکندر آباد)

جواب:- امامت اللہ تعالی سے ہم کلامی اور مناجات میں اپنے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی ترجمانی اور نمائندگی ہے، اس لئے امامت کا منصب بڑا اہم ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الإمام ضامن ''(١) امام کی نماز مقتدی کی نماز کو شامل ہے، اسلئے امام ایسے شخص کو ہونا چاہئے جو گناہوں سے محترز ہو، دینی اعتبار سے لوگوں کی نگاہ میں عزت و وقعت اور اعتماد رکھتا ہو اور اس کی زندگی ایسی نہ ہو کہ لوگ اس کو متہم کرنے اور اس پر انگلیاں اٹھانے کا موقعہ پائیں۔

" ولم يطعن في دينه كذا في الكفاية و هكذا في النهاية و يجتنب الفو احش الظاهرة " (٢)

---

(١) الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:٢٠٧،باب ما جاء أن الإمام ضامن و المؤذن مؤتمن۔ محشی۔

(٢) الفتاوى الهندية :١/٣٣۔

سوال میں امام صاحب کے متعلق جو اوصاف ذکر کئے گئے ہیں، وہ فسق کا باعث ہیں اور ان کا مرتکب فاسق ہے، اس لئے کہ اعانت کی رقم امانت ہے اور اس میں تصرف (چاہے بعد میں ادائیگی کی نیت سے ہو) ناجائز ہے۔ ''والـوديعة لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن و إن فعل شيئا منها ضمن ''(۱)

اٹھنے بیٹھنے پر قدرت کے باوجود نماز ادا نہ کرنا معصیت ہے، اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن پر فقہاء کا اتفاق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ ہے:

" و يـجـوز إمـامة الأعـرابي والأعمى والعبد و ولدالزنا والفاسق إلا أنها تكره " (۲)

عام نمازوں میں ایسے امام کی اقتداء سے گریز کرنا چاہئے، اور اگر کر لے تو اس کے اجر میں کمی واقع ہوگی:

" والـفاسق إذا كان يؤم الجمعة وعجز القوم عن مـنعه قال بعضهم يقتدي به في الجمعة ولا يترك الـجـمـاعة بإمامته وفي غير الجمعة يستقبل من أن يتحـول إلـى مسجـد آخـر ولـو صلى خلف مبتـدع فـاسـق فهـو محرز ثواب الجماعة لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقي " (۳)

اگر مسجد کی مجلس انتظامی کی طرف سے رسائد کاٹنے کا اصول متعین ہو تو امام صاحب کا رسید نہ کاٹنا عہد کی خلاف ورزی بھی ہے، اور موقع تہمت سے بھی اجتناب جو حکم شرعی ہے، اس کے خلاف بھی ہے، بیماری کی حالت میں تنخواہ کا مسئلہ عرف اور باہمی معاہدہ پر موقوف ہے، اسی

(۱) الفتاوى الهندية :۳/ ۳۳۸۔
(۲) حوالہ سابق:۱/ ۴۴۔
(۳) خلاصة الفتاوى : ص: ۱۵۰۔

بناء پر فقہاء نے ایام تعطیل کی تنخواہ مدرسین کے لئے اور ایام استراحت کی امام اور قاضی کے لئے جائز رکھی ہے(۱) لہذا اگر مسجد کے مروجہ ضابطہ کی رو سے خدام مسجد کے لئے بحالت بیماری کام نہ کرنے کے باوجود تنخواہ کی سہولت رکھی ہو تو تا کہ وہ اپنے آپ کو امامت کے لئے تیار کرسکیں تو امام صاحب کا اپنی تنخواہ لینا درست ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

جن کی امامت مکروہ ہے

سوال:- {586} مسجد کی امامت کے لئے کیسے شخص کو منتخب کیا جائے، کیا ڈاڑھی مونڈنے والے کی یا غیر شرعی ڈاڑھی رکھنے والے کی امامت درست ہے؟ (میر یاسین علی)

جواب:- امامت بڑا منصب ہے، امام اپنے منصب کے لحاظ سے خدا کے حضور مقتدیوں کا نمائندہ ہوتا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' الإمام ضامن '' اس لئے امام ایسے شخص کو متعین کرنا چاہئے جو نماز پڑھنے والوں میں نسبتاً زیادہ متقی اور نماز سے متعلق احکام سے واقف ہو، کم سے کم اتنا تو ضروری ہے کہ نماز میں جتنی مقدار تلاوت مسنون ہے اتنا قرآن یاد ہو قرآن صحیح پڑھتا ہو اور نماز سے متعلق شرعی احکام سے واقف اور آگاہ ہو، فاسقانہ وضع قطع سے احتراز کرتا ہو، اور بدعتی نہ ہو۔

داڑھی منڈانا گناہ کبیرہ ہے اسی طرح ایسی داڑھی جو مسنون مقدار کے مطابق نہ ہو یا جس میں سنت کی ادائیگی کے بجائے صرف فیشن ہو اور اہل مغرب کی نقل ہو تو فقہاء نے اس کو بھی مکروہ لکھا ہے اس لئے ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے ان کو خود بھی امامت سے پرہیز کرنا چاہئے

---

(۱) ''نقل في القنية أن الامام للمسجد يسامح في كل شهر أسبوعا للإستراحة أو لزيارة أهله و عيادة في باب الإمامة ،إمام يترك الإمامة لزيارة اقربائه في الرساتيق أسبوعا أو نحوه لمصيبته أو لاستراحته لا بأس به و مثله في العادة والشرع'' (الأشباه و النظائر:ص:۹۶)

اور دوسروں کو بھی چاہئے کہ ان کو امام نہ بنائیں، تاہم اگر وہ نماز پڑھادیں تو نماز درست ہوجائیگی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

کراٹے میں ماہر امام

سوال:- {587} کسی مسجد کا امام جو کہ کراٹے میں ماہر ہو، اور بیرون ملک مقابلہ کے لئے ان کا انتخاب ہو، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہوجائے گی؟

(عبدالرشید، سکندرآباد)

جواب:- کراٹے کا مقصد قوت مدافعت حاصل کرنا ہے، لہذا اگر ساتر لباس کے ساتھ کوئی کراٹا سیکھتا اور سکھاتا ہو، اور اس میں ممتاز ہونے کی وجہ سے مقابلہ میں منتخب ہوتا ہو تو یہ ناجائز نہیں، اس لئے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، ہاں، اگر کوئی امام فسق میں مبتلا ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے، لیکن مقتدی کی نماز بہرحال ہوجاتی ہے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حجاج بن یوسف کی اقتداء میں بھی نماز ادا کی ہے، حالانکہ فقہاء نے اس کو اپنے عہد کا سب سے بڑا فاسق " أفسق اهل زمانه " قرار دیا ہے(۲) البتہ ایسے فاسق کو امام مقرر کرنا مکروہ ہے۔

عامل کے پیچھے نماز

سوال:- {588} ہمارے محلہ کے عالم ہیں، اور اسی کے ساتھ عامل بھی، البتہ قرآنی عمل کے عامل ہیں، سفلی عمل کے عامل نہیں، قرآنی آیات پڑھ کر پھونکتے ہیں، ان کے پیچھے

---

(۱) "یجوز إمامة الأعرابي و الأعمیٰ و العبد و ولد الزنا و الفاسق إلا أنها تکره" (الفتاوی الهندیة:۱/۸۴) محشی۔

(۲) مجمع الأنهر :۱/۱۰۸۔ محشی۔

نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (عزیز احمد، شاہ علی بنڈہ)

جواب:- آیات قرآنی پڑھ کر دم کرنا جائز ہے اور حدیث سے ثابت ہے،(۱) اس لئے اس میں کچھ حرج نہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے، جو عامل مشرکانہ اور مبتدعانہ اقوال و افعال سے کام لیتا ہو، غیر محرم عورتوں کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہو، غیب کی باتوں سے باخبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، اس کو امام بنانا درست نہیں، اور افسوس کہ آج کل ایسے عاملوں کی کثرت ہے۔

امامت سے علاحدہ کرنا

سوال:- {589} آج کل یہ وبا عام ہوگئی ہے کہ اگر امام حافظ یا مقرر نہ ہو یا سال میں چلہ نہ لگائے تو امام صاحب کو مسجد سے نکال دیا جاتا ہے۔ (محمد عبداللہ، شاہ علی بنڈہ)

جواب:- اگر امامت کے لئے ذمہ داروں نے پہلے سے حافظ قرآن یا مقرر ہونے کی شرط لگائی ہو اور اسی بنیاد پر امام مقرر کیا ہو، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ اس وصف کے حامل نہیں ہیں، تو ان کو علاحدہ کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر پہلے سے یہ شرط نہیں لگائی تھی اور بعد کو اس شرط کا اضافہ کیا جائے اور حافظ یا مقرر نہ ہونے یا چلہ نہ لگانے کی بناء پر الگ کیا جائے تو جائز نہیں، ویسے رسول اللہ ﷺ نے امامت کے لئے تین چیزوں کو معیار بنایا ہے، عالم ہونا، صاحب قرآن، یعنی پورا قرآن یا قرآن کا کچھ حصہ یاد ہو اور اسے بہتر طور پڑھ سکتا ہو، اور متقی (أورع) ہونا،(۱) صرف ان ہی باتوں کو امامت کے لئے معیار بنایا جائے، تو یہ بات سنت سے قریب تر ہوگی۔

---

(۱) خود نبی ﷺ کا اپنے مرض الموت میں معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر پھونکنا حدیث سے ثابت ہے: "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها : أن رسول الله ﷺ كان ينفث على نفسه في المرض الذى مات فيه بالمعوذات الخ "(صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۵۷۳۵،باب الرقىٰ بالقرآن و المعوذات)محشی۔

(۲) "لقوله : من صلىٰ خلف عالم تقي فكأنما صلىٰ خلف نبي " (مجمع الأنهر: ۱/۱۰۷)

اگر امام کوتاہ عمل ہو

سوال:- {590} مؤذن صاحب امام کی غیر موجودگی میں اکثر نماز پڑھاتے ہیں، جو بدعت اور خرافات میں مبتلا ہیں، گھر میں ٹی وی کے سارے چینل موجود ہیں اور گھر کے سارے افراد اسے دیکھتے ہیں کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟ (شیخ عبداللہ، مشیر آباد)

جواب:- شریعت میں مؤذن کا مقام بہت اونچا ہے، رسول اللہ ﷺ نے مؤذن اور امام کے لئے دعا فرمائی ہے، اس لیے اگر واقعی مؤذن صاحب ان نامناسب باتوں میں مبتلا ہوں، تو ان کو توبہ کرنی چاہئے اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہئے، آپ بھی نصح وخیر خواہی اور محبت کے جذبہ کے ساتھ ان کو سمجھانے کی کوشش کریں اور تنہائی میں ان سے گفتگو کریں، تاکہ ان کی بے عزتی نہ ہو اور خود ان کو اپنی اہانت کا احساس نہ ہو، اس طرح ان شاء اللہ کسی اختلاف اور فتنہ کے بغیر ان کی اصلاح ہو سکے گی اور یہی بہتر طریقہ ہے۔ اگر کوئی نامناسب شخص امام یا مؤذن ہو اور واقعی وہ فسق وفجور کے کاموں میں مبتلا ہو، تو انتظامیہ کو چاہئے کہ اس کی جگہ مناسب شخص کا تقرر کرے، اگر خود انتظامیہ کے لوگ اس کے لئے تیار نہ ہوں اور اس کو ہٹانے کی کوشش میں مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار کا اندیشہ ہو، تو ایسے شخص کے پیچھے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے، اور نماز درست ہو جائے گی، اس کی کوتاہیوں کا گناہ خود اس کو ہوگا، بہر حال ہر قیمت پر مسلمانوں کی اجتماعیت کو باقی رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اختلاف وانتشار سے مسلمانوں کو بچانا چاہئے۔

کاروباری شخص کی امامت

سوال:- {591} ہمارے محلے کی جامع مسجد کے امام صاحب کاروبار بھی کرتے ہیں، اور امامت بھی کرتے ہیں،

کاروباری امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

(کے،ایم محمود پاشاہ، مشیرآباد)

کیا کمیشن پر کاروبار کرنے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ (محمد نثار احمد)

جواب:- امام ایسے شخص کو بنانا چاہئے جو علم وفضل ورع وتقوی میں سب سے بہتر ہو، جائز تجارت اور حلال طریقے سے کمیشن پر کاروبار کرنا اس کے منافی نہیں ہے، خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی ؓ کو علم وفضل، ورع وتقوی میں جو مقام حاصل تھا وہ محتاج اظہار نہیں، ان کا بھی بہت بڑا کاروبار تھا، اسی وجہ سے انہیں اغنیاء صحابہ ؓ میں شمار کیا جاتا ہے۔

ذریعۂ معاش کاروبار کو بنانا شریعت کی نگاہ میں محمود ہے، خود قرآن میں اس کی صراحت ہے کہ ''جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں چلو، پھرو اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو'' (۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سچے، امانت دار تاجر، انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوں گے، (۲) لہذا امام کا جائز تجارت اور حلال طریقے سے کمیشن پر کاروبار کرنا درست ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

امام، مقتدیوں سے اونچی جگہ پر

سوال:- {592} مسجد میں امام صاحب کے کھڑے ہونے کی جگہ پہلی صف کی جگہ سے ایک فٹ یا اس سے کچھ زائد اونچائی پر ہے، اتنی اونچائی پر کھڑے ہوکر امامت درست ہے یا نہیں؟ (محمد مہتاب علی گولکنڈہ)

---

(۱) الجمعة:۱۰۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۲۰۹، باب ماجاء فی التجار۔

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ لوگ نیچے ہوں ، اور امام اوپر،(۱) اس لئے فقہاء نے اس بات سے منع کیا ہے کہ امام تنہا مقتدیوں کی نماز کی جگہ سے ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ اونچائی پر نماز ادا کرے ، اگر اس سے کم اونچائی ہو یا امام کے ساتھ ساتھ مقتدیوں کی بھی کم سے کم ایک صف امام کے ساتھ اونچی جگہ پر کھڑی ہو، تو کچھ حرج نہیں، تنہا امام کا اتنی اونچائی پر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے؛ البتہ جمعہ، عیدین، یا کسی خاص موقعہ پر اژدہام کی وجہ سے ایسا کرنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں ؛(۲) لہذا اگر ایک فٹ یا اس سے زیادہ اونچائی ہو لیکن ایک ہاتھ سے کم ہو تو کچھ حرج نہیں۔

امام اور مقتدیوں میں جالی کا فاصلہ

سوال:-{593} ہماری قدیم مسجد اور جدید تعمیر شدہ حصہ کے درمیان لوہے کی جالی لگی ہوئی ہے ، کبھی کبھی امام صاحب قدیم مسجد میں کھڑے ہوکر امامت کرتے ہیں ، اور پہلی صف جالی سے باہر تعمیر شدہ جدید حصہ میں ہوتی ہے ، کیا اس صورت میں نماز صحیح ہوجاتی ہے ، یا امام کو جالی سے باہر جدید تعمیر شدہ حصہ میں کھڑے ہوکر نماز ادا کرنی چاہئے؟

(محمد مہتاب علی، گولکنڈہ)

جواب:- اقتداء کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان شارع عام یا کوئی ایسی نہر جس میں کشتی چل سکتی ہو، فاصل نہ ہو،(۳) اور مقتدیوں کو امام

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۹۸،باب الإمام یقوم مکانا أرفع من مکان القوم - محشی۔

(۲) دیکھئے: الدر المختار و ردالمحتار :۱/۴۳۴۔

(۳) دیکھئے: الفتاوی الهندیة:۱/۸۷۔محشی۔

کی نقل و حرکت معلوم ہوتی رہے، آپ نے جو صورت ذکر کی ہے، اس میں امام اور مقتدیوں کے درمیان محض ایک جالی کا فصل ہے، اور جالی نہ امام کی آواز سننے میں رکاوٹ بنتی ہے اور نہ اس کی نقل و حرکت دیکھنے میں؛ اس لئے امام صاحب جالی کے اندر ہوں اور مقتدی باہر کے حصے میں، یہ صورت جائز و درست ہے، کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ نئے اور پرانے حصہ کی سطح کے درمیان ایک ہاتھ اونچ نیچ کا فاصلہ نہ ہو، اگر اتنا فرق ہو تو جیسا کہ اس سے پہلے سوال کے جواب میں مذکور ہوا، کراہت تنزیہی ہے۔

نمازیوں کی ناپسندیدگی کے باوجود امامت

سوال:- {594} ایک مسجد میں امام صاحب جو مسجد کے صدر بھی ہیں، کافی عرصہ سے امامت کر رہے ہیں، بہت سے مصلی ان سے ناراض ہیں، ان کی قراءت، الفاظ کی ادیگی اور تلفظ صحیح نہیں ہے، نہ دوسرے امام کا تقرر کرتے ہیں، اور نہ خود اپنا نائب مقرر کرتے ہیں۔ (محمد فہیم الدین، دھارو گل)

جواب:- اگر مقتدی حضرات ان کی کم علمی اور قراءت وغیرہ میں دسترس نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اقتداء کو پسند نہیں کرتے، تو امام صاحب کو اس کا لحاظ کرنا چاہئے اور امامت سے دستبردار ہو کر بہ حیثیت صدر کسی عالم یا کم سے کم مجود حافظ کو امام مقرر کر دینا چاہئے، ایسی صورت میں ان شاء اللہ انہیں اجر و ثواب حاصل ہوگا، مقتدی کی کسی معقول وجہ کی بناء پر کراہت و ناپسندیدگی کے باوجود امامت پر مصر رہنا مذموم بات ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تین اشخاص پر لعنت فرمائی ہے، ان میں ایک وہ شخص ہے جو ایسے لوگوں کی امامت کرے کہ لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے کراہت محسوس کرتے ہوں، ” رجل أم قوما وهم له كارهون “(۱)

(۱) الجامع للترمذی مع تحفة الأحوذی :۲/۲۸۹۔
سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۹۳، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون۔ محشی۔

اہل علم اور معمر حضرات کی موجودگی میں نوجوان حافظ کی امامت

سوال:- {595} وقتی امامت کے لئے کیا ایک نوجوان حافظِ قرآن قابلِ ترجیح ہے ایک ایسے مصلی پر جہاں اہل علم اور معمر حضرات موجود ہوں؟ (ابن غوری، نلگنڈہ)

جواب:- جو شخص احکام نماز سے زیادہ واقف ہو، وہ حافظ سے زیادہ امامت کا اہل ہے:

"و الأحق بالإمامة تقديما بل نصبا الأعلم بأحكام الصلاة" (۱)

نیز اگر دو شخص امامت کے اہل ہوں، تو جو عمر کے اعتبار سے بڑا ہو، وہ امامت کا زیادہ حق دار ہے؛ "ثم الأسن" (۲)

ڈاڑھی منڈائے ہوئے شخص کی امامت

سوال:- {596} ایک صاحب نہ داڑھی رکھتے ہیں اور نہ مونچھیں، نیز شرٹ، پینٹ پہنتے ہیں، اور امامت بھی کرتے ہیں، کیا ایسے شخص کا نماز پڑھانا جائز ہے؟ اور جو لوگ ان کی اقتداء میں نماز ادا کریں، کیا ان کی نماز درست ہو جائے گی؟ (محمد ابراہیم رئیس، نظام آباد)

جواب:- نماز تو ہر مسلمان کے پیچھے ہو جاتی ہے، (۳) البتہ مسئلہ یہ ہے کہ کیا ایسے شخص

---

(۱) رد المحتار: ۲/۲۹۴ (زکریا)۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) "نبی ﷺ نے فرمایا:" الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا و إن عمل الكبائر "(سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۵۹۴، باب إمامة البر و لفاجر)

نیز دیکھئے: الفتاوى الهندية: ۱/۸۴۔

کو امامت کرنی چاہئے؟ رسول اللہ ﷺ نے بتاکید داڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے،(۱) لہذا داڑھی منڈانا فاسق ہونے کی علامت ہے، اور فاسق کے پیچھے گو نماز درست ہو جاتی ہے، لیکن اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، چونکہ نماز کی امامت ایک بڑی امانت ہے، اور فاسق اسے اٹھانے کے لائق نہیں، "لأن الإمامة أمانة عظيمة فلا يتحملها الفاسق "(۲) اگر کوئی شخص ان صاحب سے زیادہ بہتر موجود ہو تو انہیں خود اس سے احتیاط کرنی چاہئے کہ دوسرے کی نماز کا بوجھ اس مسلسل فسق و گناہ کے ساتھ اپنے سر اٹھائیں، اور داڑھی نہ رکھ کر اپنے آپ کے منصب امامت سے محروم ہونے سے یقیناً یہ بات بہتر ہے کہ ایک مسلمان داڑھی رکھ کر اپنے آپ کو منصب امامت کا اہل بنالے کہ اس میں اس کی دنیا کی بھی بھلائی ہے، اور آخرت کی بھی اور یہی اہل ایمان کی شان ہے۔

نابینا کی اقتداء

سوال:- {597} (الف) مستقل امام جو حافظ و عالم دین ہیں، کی موجودگی میں کیا ایک نابینا شخص کو جو حافظ اور دینی مدرسہ میں استاذ ہیں اور مستقل امام صاحب کے بھی استاذ ہیں، فرض نماز کی امامت کے لئے آگے بڑھایا جا سکتا ہے؟

(ب) منع کرنے کے باوجود اگر نابینا حافظ صاحب کو امامت کے لئے آگے بڑھایا جائے تو کیا ہم ان کی اتباع میں فرض نماز ادا کر سکتے ہیں؟ یا علاحدہ نماز پڑھنا بہتر ہے؟

(ج) نابینا شخص کے امام ہونے کی وجہ سے میں نے

---

(۱) " إنهكوا الشوارب و اعفوا اللحي " (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۸۹۳، باب اعفاء اللحي) محشی۔

(۲) بدائع الصنائع: ۳۸۶/۱۔

علاحدہ نماز ادا کی، تو میری نماز ہوگئی یا نہیں؟

(محمد اسماعیل، بھالکی، بیدر)

جواب:- (الف) اگر وہ نابینا حافظ پاکی وغیرہ کے سلسلہ میں احتیاط کرتے ہوں اور ان کو امام بنانے پر مقتدیوں کو اعتراض نہیں ہو، تو انہیں امامت کے لئے آگے بڑھانا درست ہے، نابینا کے امام بننے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنے بعض اسفار کے موقع پر مدینہ کا گورنر بنایا ہے، ایسے مواقع پر وہ لوگوں کی امامت کرتے تھے، (۱) حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا تھے، اور اپنے محلہ کی مسجد میں وہی امامت فرمایا کرتے تھے، بخاری میں کئی مواقع پر اس کا ذکر موجود ہے۔ (۲) فقہاء نے نابینا کی امامت کو دو صورتوں میں مکروہ قرار دیا ہے، ایک یہ کہ وہ پاکی ناپاکی کے مسئلہ میں احتیاط نہ کرتا ہو، دوسرے اس کے نابینا ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی اقتداء میں کراہت محسوس کرتے ہوں (۳) اگر یہ باتیں نہ ہوں تو نابینا کی امامت میں کچھ حرج نہیں۔

(ب) اگر لوگ ان نابینا صاحب کی امامت کو پسند نہیں کرتے ہوں، تو انہیں آگے بڑھانے سے گریز کرنا چاہئے، لیکن اگر بڑھا ہی دیا جائے تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہئے، مقتدیوں کی نماز ادا ہو جائے گی۔

(ج) محض امام کے نابینا ہونے کی وجہ سے آپ کا علاحدہ نماز ادا کرنا قطعاً نادرست ہے، اور غلط عمل ہے، رسول اللہ ﷺ نے تو فاسق وفاجر کے پیچھے بھی نماز ادا کر لینے کی اجازت

---

(۱) سنن أبي داؤد: ۱/ ۸۸، حدیث نمبر: ۵۹۵، باب إمامة الأعمیٰ۔

(۲) دیکھئے: صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۴۲۵، باب المساجد في البیوت، کتاب الصلاۃ، نیز دیکھئے: حدیث نمبر: ۶۶۷، باب الرخصة في المطر و العلة أن یصلی في رحله، کتاب الأذان، امام مسلمؒ نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے، دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۳، باب الرخصة في التخلف عن الجماعة بعذر، کتاب المساجد۔ محشی۔

(۳) دیکھئے: البحر الرائق: ۱/ ۳۴۸۔

دی ہے،(۱) تاکہ امت کی اجتماعیت باقی رہے، اور صحابہ ﷺ نے حجاج بن یوسف جیسے ظالم کے پیچھے بھی نماز ادا کی ہے، امام کا نابینا ہونا تو ظاہر ہے کہ اس سے بہت ہی کمتر بات ہے کیونکہ بینا اور نابینا ہونا اپنے اختیار میں نہیں۔

مخنث کی امامت وخطابت

سوال:- {598} اگر کوئی شخص مخنث ہو تو کیا اس کی امامت وخطابت ممکن ہے؟ واضح ہو کہ باوجود تنبیہ کے وہ شخص اس قبیح عمل سے باز نہیں آتا اور امامت و خطابت پر مامور ہے۔ (محمد عبداللطیف، چادر گھاٹ)

جواب:- اگر کوئی شخص تخلیقی اعتبار سے مخنث ہو تو مردوں کا امام نہیں ہوسکتا،(۲) اور نکاح پڑھانے کی ذمہ داری بھی اسے سپرد کرنا درست نہیں، اور اگر مخنث ہونے سے بداطوار ہونا مراد ہے تو ایسا شخص فاسق وفاجر ہے، امامت وخطابت جیسے منصب پر اس کا فائز کیا جانا یا نکاح پڑھانے کی ذمہ داری اس کو سپرد کرنا قطعا درست نہیں کہ اس سے فسق وفجور کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، اور فتنہ کا اندیشہ ہے۔

جس امام کی فجر قضاء ہوگئی ہو

سوال:- {599} اگر امام کی صبح کی نماز قضا ہوگئی ہو تو کیا وہ باقی نمازوں میں امامت کرسکتا ہے؟ (ممتاز احمد، نامپلی)

---

(۱) " الصلاۃ المکتوبۃ واجبۃ خلف کل مسلم برا کان أو فاجرا و إن عمل الکبائر " (سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۵۹۴،باب إمامۃ البر والفاجر)

(۲) " و إمامۃ الخنثیٰ المشکل ... للرجال و الخنثیٰ مثلہ لا یجوز " (الفتاوی الھندیۃ : ۸۵/۱)محشی۔

جواب:- اگر امام نے بلا عذر صبح کی نماز نہ پڑھی ہو، تو یہ گناہ ہے، اور اسے توبہ کرنی چاہئے اور اگر کسی عذر کی بناء پر نماز ادا نہ کرسکا، تو معذور ہے، گنہگار نہیں، اگر وہ صاحب ترتیب ہو تو اسے چاہئے کہ فجر کی قضاء کرنے کے بعد بقیہ نمازیں پڑھائے، صاحب ترتیب نہ ہو تو ظہر سے پہلے ہی قضاء کرنا ضروری نہیں، بہر حال ایسا نہیں ہے کہ صبح کی نماز قضاء ہونے سے بقیہ نمازوں کی امامت جائز نہ ہو، امام ہو یا مقتدی، دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

اگر امام پابندی نہ کرے؟

سوال:- {600} امام پانچ نمازوں کی امامت کرنے کی تنخواہ لیتے ہیں، اگر نماز نہ پڑھائیں تو کیا ان کی روٹی حرام نہیں ہوتی؟ (ممتاز احمد، ناپلی)

انسان کے ساتھ طبعی اور شرعی اعذار لگے ہوئے ہیں، اس لئے اگر کوئی امام عذر کی بناء پر کسی وقت کی امامت نہیں کر پایا، یا اس نے مسجد کے مقررہ ضابطہ کے مطابق رخصت حاصل کر لی، تو ان دنوں کی تنخواہ اس کے لئے جائز ہے، (۱) جیسا کہ ہر شعبۂ ملازمت میں رخصت اور تعطیل کا اصول ہے، بلکہ بعض فقہاء نے تو امام کو مہینہ میں ایک ہفتہ کی رخصت دینے کی بات کہی ہے، تاکہ وہ دوسرے حقوق و واجبات کو بھی ادا کر سکے، اور یوں بھی امام کو اتنی حقیر اجرت ادا کی جاتی ہے کہ جس کو تنخواہ اور اجرت کہنا شاید مناسب بھی نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ وہ امام اور دینی خدمت گزاروں کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہونچانے کی کوشش کریں، نہ یہ کہ ان کی حلال روٹی کو بھی حرام کرنے کے لئے کوشاں ہوں۔

---

(۱) "نقل في القنية : أن الإمام للمسجد يسامح في كل شهر أسبوعا للإستراحة أو لزيارة أهله و عيادة ، إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه في الرساتيق أسبوعا أو نحوه لمصيبة أو لإستراحة لا بأس به ،و مثله في العادة و الشرع" (الأشباه و النظائر :ص:۹۹) محشی۔

امام کے پیچھے قراءت فاتحہ

سوال:- {601} ایک مولانا نے کہا ہے کہ جب امام کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہوں تو مقتدی کو بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، حالانکہ ہم نے سنا اور پڑھا تھا کہ امام کے پیچھے قرآن نہیں پڑھنا چاہئے، بلکہ خاموش کھڑا ہونا چاہئے، صحیح طریقہ کیا ہے؟ (شیخ محمد عمران، وصل، بلال، بودھن)

جواب:- امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اس میں سلف صالحین کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا امام ہو، تو امام ہی کی قراءت اس کی قراءت ہے" من كان له امام فقراءة الامام له قراءة "(۱) اس لئے آپ جس طریقہ پر نماز پڑھ رہے ہوں یعنی امام کے پیچھے خاموش رہ کر، وہی زیادہ صحیح ہے۔

امام کا محراب سے ہٹ کر کھڑا ہونا

سوال:- {602} ہماری مسجد میں محراب کو چھوڑ کر پہلی صف میں امام صاحب کا مصلی بچھایا جاتا ہے اور جماعت دوسری صف سے شروع ہوتی ہے، اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ امام صاحب کو ہر نماز محراب میں ٹھہر کر پڑھانی چاہئے؛ کیا واقعی یہی مسئلہ ہے؟ (محمد ریاض، حسینی مسجد، وجے نگر کالونی)

جواب:- امام کے لئے جائے قیام کے سلسلہ میں دو باتیں مستحب ہیں: ایک یہ کہ وہ

---

(۱) سنن ابن ماجة: ۱/۶۱، حدیث نمبر: ۸۵۰، باب إذا قرأ الإمام فانصتوا، الجوهر النقي: ۲/۱۵۹۔

وسط میں کھڑا ہو، دوسرے بلاضرورت محراب سے ہٹ کر کھڑا نہ ہو بلاضرورت محراب سے ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے:

" و مقتضاه أن الامام لو ترك المحراب و قام فی غيره يكره و لو كان قيامه وسط الصف "(۱)

زکوۃ کھانے والے کی امامت

سوال:- {603} کیا زکوۃ و صدقات کھانے والا امامت کرسکتا ہے؟ (محمد عبدالحلیم، جڑ چلا)

جواب:- زکوۃ و صدقات کے مستحق ہونے اور نہ ہونے کا تعلق آدمی کی ضرورت اور احتیاج سے ہے اور امامت کے لئے علم اور عمل صالح میں بہ مقابلہ دوسرے نمازیوں کے نسبتاً بہتر اور افضل ہونا مطلوب ہے، اگر کوئی شخص امامت کرنے کا اہل ہے، اسے ذمہ داران مسجد نے امام مقرر کیا ہے لیکن معاشی اعتبار سے وہ زکوۃ کا مستحق ہے، تو ایسا شخص امام بھی ہوسکتا ہے اور اس کو زکوۃ بھی دی جاسکتی ہے، بلکہ صالحین اور دین داروں کو زکوۃ دینے میں زیادہ اجر ہے، کیونکہ یہ نیکیوں میں بالواسطہ تعاون ہے۔

سودی قرض لینے والے کی امامت

سوال:- {604} ایک آٹو رکشہ دس ہزار روپیہ فینانس پر خریدا گیا ہے جو کچھ سود کے ساتھ ادا کرنا پڑتا ہے، اس خریدنے والے کی امامت درست ہے یا نہیں؟ (غلام ربانی)

جواب:- سود لینا کسی صورت جائز نہیں ہے، ہاں ناگزیر معاشی ضروریات کی تکمیل کیلئے اس قسم کے قرضہ کی گنجائش ہے؛ لہذا اگر امام صاحب کا یہ عمل بر بناء ضرورت ہے تو جائز ہے

(۱) رد المحتار :۲/۴۱۵۔

اوران کی امامت میں کوئی کراہت نہیں ہے اور جہاں تک امامت کے درست ہونے کی بات ہے تو فاسق کی بھی امامت کراہت کے ساتھ درست ہے، اور اگر اس کو ہٹانے کی وجہ سے مسلمانوں میں فتنہ یا انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا جائے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا'' صلوا خلف کل بر و فاجر ''(۱) ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہو۔(۲)

شک کی وجہ سے امام مقتدی کا عمل دیکھے

سوال:- {605} ایک صاحب نماز پڑھاتے ہیں، لیکن اکثر رکعت کے بارے میں بھول جاتے ہیں اور دوسرے سجدے سے اٹھتے ہوئے کنکھیوں سے مقتدیوں کی طرف دیکھتے رہتے ہیں کہ وہ قعدہ میں جارہے ہیں یا قیام میں؟ تاکہ اس کے مطابق نماز پوری کریں، کیا اس طرح دیکھنا جائز ہے اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی؟ (عبدالحی، یاقوت پورہ)

جواب:- نماز کی حالت میں گوشۂ چشم سے دائیں بائیں یا آگے پیچھے دیکھنا مکروہ نہیں، خاص کر ایسی صورت میں جب کہ نماز ہی کو درست رکھنا مقصود ہو، رسول اللہ ﷺ بھی بعض اوقات

---

(۱) '' الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا و إن عمل الكبائر " (سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۵۹۴،باب إمامة البر و لفاجر)

(۲) (والصلوة خلف كل بر و فاجر) أى صالح و طالح (من المؤمنين ،جائزة) أى لقوله عليه السلام : " صلوا خلف كل بر و فاجر" اخرجه الدارقطنى عن ابى هريرة ﷺ و كذا والبيهقى (شرح الفقه الاكبر:ص:۱۰۷)

فمن ترك الجمعة و الجماعة خلف الإمام الفاجر فهو مبتدع عند أكثر العلماء و الصحيح أنه يصليها و لا يعيدها (شرح الفقه الاكبر :ص:۱۰۷)۔ جو شخص جمعہ و جماعت فاجر امام کی وجہ سے چھوڑ دے تو وہ شخص بدعتی ہے، اکثر علماء کے نزدیک اور صحیح یہ ہے کہ فاجر کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی اور اس کا اعادہ بھی نہیں کیا جائے گا۔

نمازیوں کو گوشۂ چشم سے دیکھا کرتے تھے،(۱) تا کہ اگر ان سے کچھ کوتاہی ہو تو اس کی اصلاح فرمائیں، اس لئے شک پیدا ہو جانے کی صورت میں مقتدی کی کیفیت کو دیکھ کر اپنی نماز پوری کی جا سکتی ہے، فقہ حنفی کی معروف کتاب فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

"رجل صلى بقوم فلما صلى ركعتين وسجد الثانية شك أنه صلى ركعة أو ركعتين ... فلحظ إلى من خلفه ليعلم بهم إن أقاموا قام هو معهم وإن قعدوا يعتمد بذلك فلا بأس به ولا سهو"(۲)

''ایک شخص لوگوں کو نماز پڑھائے جب دو رکعت پڑھ کر دوسرا سجدہ کرے، تو شک ہو جائے کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعت، لہذا وہ پیچھے کی طرف دیکھے تا کہ مقتدیوں کے ذریعہ جان سکے کہ اگر وہ کھڑے ہوں تو یہ بھی کھڑا ہو جائے اور اگر وہ بیٹھیں ہوں تو یہ بھی بیٹھ جائے، اس میں کچھ حرج نہیں، اور ایسی صورت میں سجدۂ سہو بھی واجب نہیں''

تاہم امام صاحب کو چاہئے کہ نماز کے وقت اپنے ذہن کو یکسو اور مرتکز رکھنے کی کوشش کریں، تا کہ بار بار ایسا سہو نہ ہو۔

---

(۱) ''عن ابن عباس ﷺ: أن رسول الله ﷺ كان يلحظ في الصلاة يمينًا وشمالًا و لا يلوى عنقه و ظهره"(الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۵۸۷،باب ما ذكر في الالتفات في الصلاة)

(۲) الفتاوى التاتار خانية:۷۵۲/۱۔

امام سے فروعی مسائل میں اختلاف ہو

سوال:- {606} میری بستی میں ایک ہی مسجد ہے، میرے ایک دوست کو یہاں کے پیش امام سے چند فروعی مسائل پر اختلاف رائے ہے، ایسی صورت میں کیا وہ اس کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتا ہے؟ (وہاب بھارتی، شکر نگر)

جواب:- اگر آپ نے ان فروعی مسائل کی وضاحت کی ہوتی تو زیادہ متعین طریقہ پر آپ کو رائے دی جا سکتی تھی، فروعی مسائل میں اختلاف کی چند صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے مسائل میں اختلاف ہو، ایسی صورت میں اقتداء میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اقتداء نماز تک محدود ہے، نماز سے باہر کے افعال سے متعلق نہیں، اگر اختلاف خود افعال نماز یا احکام طہارت میں ہے، تو یہ اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ، بہتر اور کم بہتر کا ہے، یا جائز و ناجائز کا؟ اگر بہتر اور کم بہتر کا اختلاف ہے تو اب بھی بالاتفاق اقتداء میں کوئی حرج نہیں، اگر اختلاف جائز ہونے اور نہ ہونے کا ہو، مثلاً امام عورت کو چھونے کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا قائل نہ ہو، مقتدی قائل ہو، تو ایسی صورت میں اگر اختلافی مسائل میں احتیاط ملحوظ رکھتا ہو اور مواقع اختلاف سے بچتے ہوئے ایسا عمل کرتا ہو جو تمام فقہاء کے نزدیک درست ہو جائے تو بالاتفاق اس کی اقتداء کی جا سکتی ہے۔

ہاں! اگر اختلاف ایسے مسائل میں ہو کہ امام کی رائے پر نماز درست ہو جاتی ہو، اور مقتدی کے مسلک پر نماز درست نہ ہوتی ہو، اور امام اپنے مسلک پر عمل کرے تو اس صورت میں بعض فقہاء کے نزدیک مقتدی کے لئے اس کی اقتداء درست نہیں ہوگی، لیکن امام ابوبکر جصاص رازیؒ (جو بہت مشہور اور مستند حنفی فقیہ ہیں) کا قول ہے کہ نماز درست ہو جائے گی، اور اسی قول کو محقق علماء نے قبول کیا ہے، (۱) لہذا صحیح یہی ہے کہ اس صورت میں بھی نماز ادا کرتا رہے،

(۱) الکفایة : ۱/۳۸۱، نیز دیکھئے: رد المحتار : ۱/۴۴۳۔ محشی۔

رسول اللہ ﷺ نے تو بوقت ضرورت مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لئے فاسق کے پیچھے بھی نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے(۱) تو فروعی اختلاف تو بہر حال اس کے مقابلہ میں کمتر ہے، کیونکہ یہ اختلاف عہد صحابہ سے موجود ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋

(۱) نیل الأوطار:۲/۲۸۔
نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۵۹۴،باب إمامة البر و الفاجر۔محشی۔

نمازِ وتر کا بیان

سنت عشاء کی نیت سے وتر

سوال:- {607} عشاء کی دو رکعت سنت کی نیت کی، مگر روانی میں تین رکعت واجب الوتر ادا کردی، تو اس صورت میں کیا کرنا ہوگا؟ (سید فاطمہ، ناندیڑ)

جواب:- جب سلام پھیرنے کے بعد اس صورت حال پر متنبہ ہوا اور سجدۂ سہو نہیں کر سکا تو عشاء کی سنت ادا نہ ہوئی، اور نیت نہ ہونے کی وجہ سے وتر بھی ادا نہ ہوئی، دوبارہ سنتِ عشاء اور وتر کی نماز ادا کرنی چاہئے۔

دو قعدہ سے نمازِ وتر

سوال:- {608} ہمارے یہاں نماز وتر مغرب کی نماز کی طرح ادا کی جاتی ہے، چونکہ دونوں میں تین رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، لیکن حال ہی میں میں نے ایک کتاب میں

پڑھا ہے کہ اگر وتر میں تین رکعتیں ادا کی جائیں تو یہ مغرب کی طرح نہیں ہونا چاہئے، وتر میں دوسری رکعت کے بعد تشہد کے لئے بیٹھے بغیر تین رکعتیں مسلسل ادا کرنا چاہئے، براہ کرم وتر پڑھنے کا صحیح طریقہ بتائیں اور یہ بھی کہ کیا وتر میں دعاء قنوت پڑھنا ضروری ہے؟ (نظیر سہروردی، ناندیر)

جواب:- حنفیہ کے نزدیک وتر کی نماز دو قعدوں کے ساتھ مغرب ہی کی طرح ادا کی جائے گی؛ چنانچہ ابوالعالیہؒ نماز وتر کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ؓ نے ہمیں تعلیم دی کہ نماز وتر نماز مغرب کی طرح ہے، وتر رات کی وتر ہے، اور مغرب دن کی وتر ہے۔ (۱) البتہ بعض فقہاء کے نزدیک تین رکعت وتر اگر ایک سلام سے پڑھی جائے تو ایک ہی قعدہ کیا جائے گا، یہی رائے فقہاء حنابلہ کی ہے۔

تراویح سے پہلے وتر

سوال:- {609} نماز عشاء کے بعد دو سنت کے ساتھ ہی تین رکعت وتر پڑھ سکتے ہیں یا تراویح کے بعد امام کے ساتھ ہی وتر پڑھنا ضروری ہے؟ (بی عبدالعزیز منتظر، مشیرآباد)

جواب:- تراویح سے پہلے ہی وتر پڑھ لی جائے تب بھی تراویح اور وتر کی نمازیں ادا ہو جائیں گی:

" والصحیح ان وقتها بعد العشاء الی طلوع الفجر قبل الوتر و بعده " (۲)

لیکن بہتر ہے کہ وتر کی نماز تراویح کے بعد جماعت کے ساتھ ادا کی جائے:

---

(۱) فتح القدیر بحواله طحطاوی :۱/۴۲۷۔

(۲) الفتاوی الهندیة:۱/۱۱۵، البحر الرائق :۲/۱۱۹۔

"و الصحيح أن الجماعة فيها افضل " (۱)

دعاء قنوت سے پہلے بسم اللہ

سوال:- {610} نماز وتر میں دعاء قنوت سے پہلے
بسم اللہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ (سید خالد علی، شاد نگر)

جواب:- دعاء قنوت یا کسی اور دعاء سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ثابت نہیں، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم اذکار میں سے صرف قرآن مجید کے شروع میں پڑھا جاتا ہے، خاص طور پر نماز میں اسی قدر پڑھنا چاہئے جو ثابت ہو، کیونکہ نماز عبادت ہے اور عبادت میں قیاس ورائے کو دخل نہیں۔

وتر میں قعدۂ اولی

سوال:- {611} رمضان میں وتر کی جماعت میں امام صاحب جو کسی عرب ملک کے تھے تین رکعت ایک ہی قعدہ سے پڑھائی، میرے پوچھنے پر کہا کہ ایسا پڑھنا بھی سنت ہے، جہاں تک مجھے معلوم تھا کہ وتر دو سلام سے یا ایک سلام سے پڑھ سکتے ہیں یعنی دو رکعت پڑھیں اور سلام پھیریں پھر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیریں (یہ امام شافعی کا طریقہ ہے) امام اعظم کا جو مسلک ہے وہ یہ ہے کہ تین رکعت ایک سلام سے پڑھیں لیکن دو رکعت کے بعد قعدہ کریں پھر اٹھیں اور تیسری رکعت پوری کریں، اس سے متعلق میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں جواب حوالہ کے ساتھ لکھیں۔ (مبین احمد فلاحی، ہریانہ)

(۱) البحر الرائق :۲/۱۲۲۔

جواب:- وتر میں صرف ایک ہی تشہد پر اکتفاء کرنا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں ہے، صحاح ستہ میں مسلم، ابوداؤد، اور نسائی نے سعد بن ہشام کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کے وتر اور نماز تہجد کی جو تفصیل نقل کی ہے اس میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی دو رکعتوں کے اختتام پر بھی قعدہ کیا ہے، (۱) لیکن بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی دوسری رکعت میں قعدہ نہیں کیا بلکہ تیسری ہی رکعت میں بیٹھے جیسا کہ مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور آخر میں قعدہ کرتے تھے، (۲) لیکن محدثین اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آخر میں قعدہ کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے لیے، قعدہ آخری رکعت میں ہوتا تھا، دوسری رکعت کے اختتام پر محض قعدہ ہوتا تھا، سلام والا قعدہ نہیں ہوتا تھا۔ (۳)

فجر میں دعاء قنوت

سوال:- {612} ہمارے شہر کی تقریباً تمام مساجد میں فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں ایک طویل دعا بآواز بلند پڑھی جارہی ہے، جس کو تمام مقتدی حضرات خاموش

---

(۱) مشکوۃ المصابیح بحوالۂ مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۵۷۔

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر من ذلك بخمس، لا يجلس في شيء إلا في آخرها" متفق عليه، (مشكوة المصابيح، حدیث نمبر: ۱۲۵۶)

(۳) عن سعد بن هشام أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها حدثته أن رسول الله ﷺ كان لا يسلم في ركعتي الوتر "نسائی شریف اور صحیح مسلم میں ہے" يصلي تسع ركعات لا يجلس فيها إلا في الثانية "(صحيح مسلم: ۱/۲۲۶)" و هو ثلث ركعات كالمغرب" (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱/۴۴۷) "كالمغرب أفاد أنه إن القعدة الأولىٰ واجبة" (شامی: ۱/۴۴۷، باب الوتر والنوافل)

کھڑے سنتے ہیں، پھر باقی نماز مکمل کی جاتی ہے، کیا اس طرح دعاء قنوت پڑھنے کی اجازت ہے اور ایسی صورت میں ہماری فرض نماز ادا ہوجائے گی ؟ (شیخ یوسف علی ، جگتیال)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے نماز فجر میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنا ثابت نہیں ، یہی حنفیہ اور اکثر فقہاء کی رائے ہے، (۱) لیکن مسلمان جب کسی بڑی ابتلاء سے دوچار ہوں تو ایسے موقعوں پر چند دنوں آپ ﷺ کا فجر میں خصوصی طور پر دعاء قنوت پڑھنا ثابت ہے، (۲) اس کو قنوت نازلہ کہتے ہیں، پس اس کا معمول نہ بنایا جائے ، البتہ مسلمانوں کے غیر معمولی طور پر مصیبت میں مبتلاء ہونے کے وقت یہ دعاء پڑھی جاسکتی ہے۔

---

(۱) " (ولا يقنت لغيره) إلا لنازلة فيقنت الإمام في الجهرية " (الدر المختار على رد المحتار :۲/۴۴۸) محشی۔

(۲) چنانچہ جب قبائل رعل، ذکوان، عُصیہ اور بنی لحیان والوں نے ستر قراء انصاری صحابہ ﷺ کو قتل کردیا، تو حضور ﷺ نے نماز فجر میں ایک مہینہ تک ان کے خلاف قنوت نازلہ کا اہتمام فرمایا: ''أن نبي اللّٰه ﷺ قنت شهرا في صلاة الصبح يدعوا على أحياء من إحياء العرب على رعل و ذكوان و عصية و بنى لحيان '' (دیکھئے: صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۴۰۹۰ ، باب غزوة الرجيع و رعل و ذكوان و بئر معونة ، كتاب المغازي) محشی۔

سنت اور نفل نمازیں

سنت مؤکدہ کی تعریف

سوال:- {613} سنتِ مؤکدہ کی تعریف کیا ہے؟ اور کیا نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے؟ (سید رسول، سلطان شاہی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے بطور عبادت کے جس کام کو پابندی کے ساتھ کیا ہو، لیکن کبھی کبھی بلا عذر اسے چھوڑ بھی دیا ہو، یا چھوڑا تو نہ ہو، لیکن چھوڑنے والے پر نکیر نہ فرمائی ہو، اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں، (۱) —— سنت مؤکدہ بھی واجب ہی کی طرح ہے، یعنی جیسے واجب کا مطالبہ کیا جاتا ہے، سنت مؤکدہ کا بھی مطالبہ کیا جائے گا، البتہ واجب کا ترک سزا و عقاب کا موجب ہے، اور سنت مؤکدہ کا ترک احیانا عقاب کا موجب نہیں:

" وحكمها كالواجب ... إلا أن تارك الواجب يعاقب وتاركها لا يعاقب " (۲)

---

(۱) دیکھئے: التعريفات الفقهية: ص: ۳۲۸، الموجز في أصول الفقه: ص: ۴۰-۳۹۔

(۲) التعريفات للجرجاني: ص: ۱۳۸۔

صحیح قول یہی ہے کہ تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے، مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی؛ کیونکہ خلفائے راشدین نے اس کی پابندی فرمائی ہے:

"التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء" (۱)

سنت مؤکدہ کا اہتمام ضروری ہے

سوال:- {514} میں ایک مسجد میں روزانہ ظہر کی نماز ادا کرتا ہوں، وہاں اکثر میں نے دیکھا کہ امامِ مسجد جماعت سے چند منٹ قبل آتے ہیں، وضو کرتے ہیں، ظہر سے قبل کی جو سنتیں ہیں، وہ ادا کرتے ہوئے نظر نہیں آتے، کیا امام کے لیے سنتِ مؤکدہ ترک کرکے امامت کرنا بہتر ہے؟

(یاسین، علی گوڑہ)

جواب:- فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں جو سنتیں ہیں، ان کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً سنتِ مؤکدہ کا، یہی وجہ ہے کہ علماء لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے سنتوں کو حق نہ سمجھتے ہوئے چھوڑا تو یہ عمل انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے:

"رجل ترك سنن الصلاة ان لم ير السنن حقا فقد كفر؛ لأنه تركها استخفافا" (۱)

اور اگر سنتوں کو صحیح تو سمجھا لیکن سستی و کاہلی کی وجہ سے چھوڑتا ہے، تب گنہگار رہوگا:

"وإن رآها حقا فالصحيح أنه يأثم : لأنه جاء الوعيد بالترك ، كذا في محيط السرخسي" (۲)

(۱) الدر المختار ورد المحتار :۲/۴۹۲، بدائع الصنائع :۱/۶۴۴۔
(۲) الفتاوى الهندية:۱/۱۱۲۔
(۳) حوالہ سابق

اس لیے سنت نمازوں کی پابندی کرنی چاہئے، خصوصاً ان لوگوں کو جو دینی امور سے متعلق ہوں۔

طلوع آفتاب سے قبل نفل مکروہ ہے یا سنت؟

سوال:- {615} ۱۳/اگست بروز جمعہ ''آپ کے شرعی مسائل'' میں آپ نے دو مختلف سوالات کے جوابات رقم کیے ہیں، اس تعلق سے معلومات درکار ہیں:

(الف) فریضہ فجر کے بعد سنت نماز کی ادائیگی کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا کہ اگر فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو فجر کی نماز کے ختم ہونے اور مکروہ وقت کے ختم ہونے پر سنت ادا کریں۔

(ب) فجر کے بعد سجدۂ تلاوت میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ بعد نماز فجر تا طلوع آفتاب اور بعد نماز عصر تا غروب آفتاب صرف نفل نمازیں مکروہ ہیں، فرض و واجب نمازیں اور سجدۂ تلاوت (جو واجب ہے) کے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں، پس فجر بعد آیت سجدہ کی تلاوت اور سجدہ کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں ان دو جوابات سے دو باتیں سامنے آرہی ہیں:

ایک یہ کہ پہلے جواب میں فجر کے فوری بعد جب کہ طلوع آفتاب کا وقت ابھی شروع نہیں ہوا سنتیں نہیں ادا کرنی چاہیے، دوسرے جواب میں یہ بات سامنے آرہی ہے کہ طلوع آفتاب کا وقت شروع ہونے سے قبل صرف نفل نماز مکروہ ہے، دوسری نمازیں مکروہ نہیں تو پھر سنت فجر کیوں نہیں پڑھی

جاسکتی؟ (نادر المسدوسی، مغل پورہ)

جواب:- اصل میں نفل کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی ہے، نفل کے معنی زائد کے آتے ہیں، لہذا فرض وواجب سے زائد جو بھی اعمال ہوں، خواہ سنت ہوں یا مستحب، ان کو اصطلاح میں نفل کہا جاتا ہے، اس لحاظ سے فجر کی سنت مؤکدہ بھی نفل میں داخل ہے، بخلاف سجدہ تلاوت کے کہ وہ واجب ہے، عوام میں چوں کہ مستحب کو نفل کہتے ہیں اور سنن کو نفل نہیں کہتے، اسی سے غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔

چار رکعت والی سنت غیر مؤکدہ ادا کرنے کا طریقہ

سوال:- {616} عصر اور عشاء کی سنت غیر مؤکدہ پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ ہمارے ایک عالم صاحب نے کہا کہ دوسری رکعت کے قعدہ میں التحیات، درود اور دعاء ماثورہ پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا چاہیے اور تیسری رکعت کو ثناء سے شروع کرنا چاہیے۔

(این محمد شرف الدین ارشد، بھولکپور)

جواب:- جو سنت نمازیں ایک سلام سے چار رکعت منقول ہیں اور مؤکدہ ہیں، ان کے ادا کرنے کا وہی طریقہ ہے جو چار رکعت فرض کی ادائیگی کا ہے، البتہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کیا جائے گا اور سنت میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورت بھی ملائی جائے گی، قعدۂ اولی میں تشہد پر اکتفاء کیا جائے گا اور تیسری رکعت میں ثناء نہیں پڑھیں گے؛ لیکن سنت غیر مؤکدہ اور نوافل میں ہر دو رکعت کی حیثیت مستقل نماز کی ہے، اس لیے زیادہ درست یہ ہے کہ ہر قعدہ میں تشہد کے ساتھ ساتھ درود بھی پڑھے اور ہر قعدہ کے بعد اگلی رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی پڑھے، علامہ ابن نجیم مصریؒ اور علامہ شامی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دیا ہے۔

"و في البواقي من ذوات الأربع يصلي على النبي ﷺ و يستفتح ، و يتعوذ ، و لو ندرا : لأن كل شفع صلاة ، و قيل : لا (در مختار) قال في البحر : و زاد في المنح و من ثم عولنا عليه "(۱)

سنت زوال

سوال:- {617} جمعہ کے روز اذان سے قبل لوگ نماز پڑھتے ہیں، یہ کونسی نماز ہے (محمد ریاض احمد، وجئے نگر کالونی)

جواب:- دوپہر میں وقت مکروہ کے ختم ہونے کے بعد سنت زوال کے نام سے ایک نماز حدیث سے ثابت ہے، بعض روایات میں دو رکعت اور بعض میں چار کا ذکر ہے، اس لیے سنت زوال اس وقت پڑھی جاسکتی ہے، اس کے علاوہ جمعہ کا وقت شروع ہوجائے تو گو اذان نہ ہوئی ہو، سنت جمعہ بھی ادا کی جاسکتی ہے اور مسجد میں آتے ہی ''تحیۃ المسجد'' بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

کیا سنت مؤکدہ نہ پڑھنا باعث گناہ ہے؟

سوال:- {618} اگر جمعہ کی فرض کے بعد چار رکعت سنتیں نہ پڑھی جائیں تو گناہ تو نہیں ہوگا؟

(سید حفیظ الرحمن ۔ پھولانگ)

جواب:- جمعہ کے بعد کی یہ سنت، سنتِ مؤکدہ ہے، اگر کبھی اتفاقاً ضرورت کی وجہ سے نہ پڑھ پائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس کی عادت بنالے تو اس صورت میں گنہگار ہوگا، گناہ کے بھی درجات ہیں، ظاہر ہے کوئی شخص فرض کو ترک کردے تو شدید گناہ ہوگا، ترک واجب پر اس سے کم گناہ ہوگا، اور سنت ترک کردی جائے تو اس کا گناہ ترک واجب سے کم ہوگا، لیکن بہر

(۱) رد المحتار :۲/۴۵۷-۴۵۶۔

حال ترک سنت بھی باعث گناہ ہے اور اس سے بھی بچنا چاہئے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے نمازِ پنجگانہ سے متعلق سنتوں کے ترک کو باعث گناہ قرار دیتے ہوئے یہی بات لکھی ہے:

"ولا شك أن الاثم بعضه اشد من البعض ، فالاثم لتارك المؤكدة اخف منه لتارك الواجب"(۱)

سنت غیر مؤکدہ کا حکم

سوال:- {619} کیا سنت غیر مؤکدہ نمازیں نہیں پڑھنے سے کوئی گناہ ہے؟ (ایک بہن، جہاں نما)

جواب:- سنت غیر مؤکدہ پڑھنے پر ثواب ہے اور نہ پڑھنے پر کوئی گناہ نہیں، "سنة الزوائد و تركها لا يوجب ذلك أي اساءة "(۲) البتہ کون شخص ہے جو اجر و ثواب کا محتاج نہ ہو، اس لئے کوشش یہی کرنی چاہئے کہ حسب موقع و حال سنت غیر مؤکدہ بھی پڑھ لیا کریں۔

فجر کی سنت طلوع آفتاب سے پہلے؟

سوال:- {620} اگر ہم کو فجر کی فرض نماز میں قعدۂ اخیرہ ملتا ہے اور سنت پڑھنے کا وقت نہیں ملتا، تو کیا ہم فرض نماز ادا کر کے فجر کے وقت میں ہی سنت ادا کر سکتے ہیں؟

(محمد نذیر احمد، بیدر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک کسی نفل نماز کے پڑھنے سے منع فرمایا ہے: "لا صلاة بعد صلاة الفجر حتى تطلع الشمس "(۳) نیز

---

(۱) رد المحتار: ۱۷۰/۲۔

(۲) حوالہ سابق: ۲۱۸/۱۔

(۳) صحيح البخاري ، حدیث نمبر ۵۸۴، باب الصلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس۔

مسند احمد اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ جو شخص فجر کی دوگانہ سنت نہ پڑھ پایا ہوا سے چاہئے کہ طلوع آفتاب کے بعد ان دو رکعتوں کو پڑھ لے:

"من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس" (۱)

اور یہ روایت سند کے اعتبار سے بھی صحیح ہے۔ (۲) اس لئے آپ یہ سنت طلوع آفتاب کے بعد ہی ادا کریں۔

جماعت شروع ہونے کے بعد فجر کی سنت

سوال:- {621} نماز فجر کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد سنت کا پڑھنا شرعی نقطۂ نظر سے مناسب ہے یا نہیں؟ اور اگر مناسب نہیں ہے تو فرض ادا کرنے کے بعد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (خالد عبدالحسیب، ناندیڑ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جماعت شروع ہو جائے تو سوائے اس نماز کے کوئی اور نماز نہ پڑھی جائے: "إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة" (۳) چنانچہ فجر کے علاوہ دوسری نمازوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب فرض نماز شروع ہو چکی ہو تو اس کے بعد سنت شروع نہ کی جائے، فجر کی سنتوں کی خصوصی تاکید آئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی سنت دوگانہ کو نہ چھوڑو، گو گھوڑے تمہیں روند ڈالیں: "لا تدعوا ركعتي الفجر ولو طردتكم الخيل" (۴) اسی لئے متعدد صحابہ ؓ سے منقول ہے کہ

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۴۲۳، باب ما جاء في إعادتها بعد طلوع الشمس۔
(۲) دیکھئے: الجامع الصغیر، وفیض القدیر، حدیث نمبر: ۹۰۲۹۔
(۳) مسلم: ۱/۲۴۷، حدیث نمبر: ۷۱۰، باب كراهة الشروع في نافلة بعد مشروع المؤذن
(۴) سنن أبي داؤد: ۱/۱۷۹، حدیث نمبر: ۱۲۵۸، باب في ركعتي الفجر و تخفيفهما۔

انہوں نے فجر کی اقامت ہونے کے بعد بھی سنت فجر کو ادا فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے جماعت فجر شروع ہونے کے بعد یہ دو رکعتیں ادا کی ہیں، (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی جماعت شروع ہونے کے بعد سنت فجر ادا کرنا ثابت ہے۔ (۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔ (۳) صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور ان کا عمل دراصل سنت رسول کی تشریح و توضیح کا درجہ رکھتے ہیں، کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ بات ناقابل تصور ہے کہ وہ سنت رسول کی خلاف ورزی کریں، اسی پس منظر میں ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد بھی یہ دو رکعتیں ادا کی جائیں گی، حنفیہ کے مسلک کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کم سے کم ایک رکعت جماعت سے پانے کی توقع ہو تب سنت ادا کی جائے گی، چنانچہ الدر المختار میں ہے:

"بأن رجا ادراك ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد ... لكن ضعفه في النهر" (۴)

اہم بات یہ ہے کہ فجر کی یہ سنت جماعت کھڑی ہونے کے بعد کہاں ادا کی جائے؟ بہتر طریقہ یہ ہے کہ گھر پر اور اگر مسجد کے دروازہ پر نماز پڑھنے کی گنجائش ہو، تو وہاں نماز ادا کی جائے، آج کل چونکہ نماز کے اوقات مصلیوں کو معلوم ہوتے ہیں، اس لئے گھر سے سنت پڑھ کر نکلنا چاہئے، اگر مسجد میں ادا کی جائے، تو جماعت کی صف سے ملا کر پڑھنا تو قطعاً مناسب نہیں، اور اس میں شدید کراہت ہے، اگر مسجد میں صحن کا حصہ بھی ہو، تو اگر نماز اندر ہو رہی ہو، تو صحن میں ادا کرلیں اور جماعت صحن میں ہو، تو مسجد کے اندر نماز ادا کرلیں، اور اگر مسجد اس طرح دو حصوں پر

(۱) طحاوی: ۲۵۶/۱، باب أداء سنة الفجر۔
(۲) حوالۂ سابق
(۳) حوالۂ سابق
(۴) الدر المختار على هامش رد المحتار: ۵۱۰/۲

مشتمل نہ ہو تو کم سے کم ستون کے پیچھے نماز ادا کریں، ویسے محقق فقہاء کی رائے یہ ہے کہ خواہ کوئی بھی صورت ہو، مسجد کے اندر پڑھنا بہر حال بہتر نہیں، اور کم سے کم کراہت تنزیہی ضرور ہے۔(۱)

جہاں تک سنت فجر کی قضاء کی بات ہے تو فقہاء حنفیہ میں امام محمدؒ نے سنت فجر کی قضاء کرنے کو کہا ہے، یہی رائے امام مالکؒ اور امام احمد کی ہے، مشہور محقق اور محدث مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے بھی لکھا ہے کہ اسی پر عمل کیا جانا چاہئے۔(۲) البتہ ان دو رکعتوں کی قضاء آفتاب طلوع ہونے اور وقت مکروہ نکل جانے کے بعد کی جائے، حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جس نے ان کو نہیں پڑھا ہو وہ سورج نکلنے کے بعد پڑھے۔(۳) فرض پڑھنے کے بعد اور سورج نکلنے سے پہلے اس کی قضاء نہیں کی جائے، کیونکہ حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور نمازِ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز (نفل) نہ پڑھی جائے۔(۴)

اس لئے جب تک سورج نہ نکل جائے، ان دو رکعتوں کی قضاء نہیں کرنی چاہئے۔

فجر کی طویل سنت

سوال:- {622} کیا مسجد میں فجر کی سنتیں طویل پڑھی جاسکتی ہے؟ (ایم، ایس، خان، اکبر باغ)

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار :۲/۵۱۱۔

(۲) معارف السنن:۴/۲۸۹۔

(۳) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۲۳، باب ماجاء في إعادتها بعد طلوع الشمس ۔

(۴) صحیح البخاری :۱/۸۲، حدیث نمبر:۵۸۶، بـاب لا یتحری الصلاة قبل غروب الشمس ۔

جواب:- رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک فجر کی سنتوں کو مختصر پڑھنے کا تھا، (۱) اس لئے فجر کی سنتوں کو مختصر ہی پڑھنا بہتر ہے، تاہم فرض شروع ہونے سے پہلے پہلے سنت اگر کچھ طویل بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

سنت فجر نفل کے درجہ میں ہے

سوال:- {623} وقت کی تنگی کی وجہ سے فجر کی فرض میں شرکت کر لی گئی، سلام پھیرنے کے بعد ایسی صورت میں کم سے کم دس منٹ کا وقفہ باقی رہتا ہے، تو کیا ہم اس وقت فجر کی سنت پڑھ سکتے ہیں؟ (محمد عبدالخالق، گلبرگہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد تا طلوع آفتاب نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، (۲) اس لئے یہ دو رکعت طلوع آفتاب کے بعد پڑھی جا سکتی ہے، البتہ چونکہ تنہا سنت کی قضا نہیں ہے، اس لیئے یہ نفل ہو جائے گی:

" وإذا فاتته ركعتا الفجر لا يقضيهما قبل طلوع الشمس لأنه يبقى نفلا مطلقا " (۳)

---

(۱) بلکہ بعض دفعہ آپ ﷺ فجر کی سنت کو اتنی مختصر پڑھتے کہ صحابہ ﷺ یہ سوچنے لگتے کہ شاید آپ ﷺ نے صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھی ہے۔ (دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۲۵۵، باب في تخفيفهما) ویسے عام طور سے آپ ﷺ سنت فجر کی رکعتوں میں سورہ کافرون اور سورہ اخلاص تلاوت فرماتے تھے: "عن أبي هررة ﷺ : أن النبي ﷺ قرأ في ركعتي الفجر قل يا أيها الكافرون و قل هو الله أحد " (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۲۵۶، باب في تخفيفهما، كتاب الصلاة)، نیز دیکھئے: سنن نسائي، حدیث نمبر: ۹۹۲) محشی۔

(۲) دیکھئے: صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۵۸۶، باب لا يتحرى الصلاة قبل غروب الشمس۔

(۳) الهداية: ۱/۱۵۲۔

ہاں! اگر فرض بھی چھوٹ جائے تو فرض کے ساتھ تابع کی حیثیت سے سنت بھی ادا کی جائے گی۔ "وإنما تقضى تبعا له "(۱)

سنت فجر کی قضاء

سوال:- {624} بعض اوقات امام صاحب قعدہ میں ہوں تو میں جماعت میں مل جاتا ہوں، اس کے بعد سنت فجر نماز ادا کرتا ہوں، کیا سنت نماز فرض کے بعد بھی ادا کر سکتے ہیں یا طلوع آفتاب کے بعد؟ (محمد تقی الدین، اعظم پورہ، میدک)

جواب:- یوں تو سنت کی قضا نہیں، البتہ گنجائش ہے کہ سورج نکلنے کے بعد دو رکعت نفل ادا کر لی جائے اور امید ہے کہ اس سے سنت فجر کا ثواب حاصل ہوگا انشاء اللہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے فجر کی دو رکعتیں ادا نہیں کی، اسے چاہئے کہ طلوع آفتاب کے بعد انہیں پڑھ لے:

"من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس" (۲)

فجر کی نماز کے بعد سے تا طلوع آفتاب کسی نفل کے پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اس لئے آپ طلوع آفتاب کے بعد ہی یہ دو رکعتیں پڑھا کریں۔

فریضۂ فجر کے بعد سنت فجر کی ادائیگی

سوال:- {625} سعودیہ میں یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص فجر سے پہلے کی سنت نہیں پڑھ سکا تو فریضۂ

---

(۱) الهداية :۱/۱۵۳۔

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۴۲۳، باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس۔

فجر کے فوراً بعد لوگ کھڑے ہو کر فجر کی سنت ادا کرتے ہیں،
ہندوستان کے علماء اسے منع کرتے ہیں، صحیح طریقہ کیا ہے؟
(عبدالمقتدر، کھمم)

جواب:- حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے فجر کی دو رکعتیں نہیں پڑھیں اسے چاہئے کہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے:

"من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس" (۱)

اس حدیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ اور اکثر فقہاء ومحدثین کی رائے یہ ہے کہ فجر کی سنت چھوٹ جائے تو سورج نکل جانے اور مکروہ وقت گزرنے کے بعد اسے پڑھ سکتا ہے، امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۲) ویسے ایک حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ فجر کی فرض نماز ادا کرنے کے فوراً بعد ایک صاحب نے سنت ادا کی اور حضور ﷺ نے اس کی اجازت دی، لیکن محدثین کے نزدیک یہ حدیث غیر معتبر ہے، امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث کو نا معتبر قرار دیا ہے۔(۳) اسی حدیث پر سعودی عرب وغیرہ میں لوگوں کا عمل ہے۔(۴)

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۲۳، باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) دیکھئے: الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۲۲، باب ما جاء فيمن تفوته قبل الفجر يصليهما بعد صلاة الصبح ۔

(۴) خود نبی ﷺ کی سنت فجر ایک دن قضاء ہوگئی تو آپ ﷺ نے اسے طلوع آفتاب کے بعد ہی ادا فرمایا ہے:" عن أبي هريرة ﷛ أن النبي ﷺ نام عن ركعتي الفجر فقضاهما بعد ما طلعت الشمس" (سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۱۱۵۵، باب ما جاء فيمن فاته الركعتان قبل صلاة الفجر متى يقضيهما) محشی۔

پہلے نماز جنازہ یا سنت ظہر؟

سوال:- {626} ظہر کی نماز کے وقت میت لائی جائے تو فرض نماز کے بعد پہلے نمازِ جنازہ ادا کرنا چاہئے یا ظہر کی دو رکعت سنت پڑھنے کے بعد نمازِ جنازہ پڑھی جائے؟

(شمشاد عالم، جالے)

جواب:- چوں کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور فرض کا درجہ سنت سے بڑھ کر ہے، اس لئے نمازِ ظہر کے بعد پہلے نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، پھر ظہر کی سنت ادا کی جائے گی، فتاوی عالمگیری میں بعینہ یہی مسئلہ نمازِ مغرب کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے:

"حضرت وقت صلاة المغرب جنازة تقدم صلاة الجنازة على سنة المغرب" (۱)

لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ نمازِ جنازہ پہلے ادا کر لینے کی وجہ سے بہت سے لوگ سنت پڑھے بغیر چلے جائیں گے، تو اس کی بھی گنجائش ہے کہ نمازیوں کو نمازِ جنازہ کے بارے میں اطلاع دے دی جائے اور سنت کی ادائیگی کے بعد نمازِ جنازہ ادا کی جائے۔

ظہر سے پہلے کی سنت نہ پڑھے

سوال:- {627} اگر ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت ادا نہیں کر سکا تو کیا ظہر کی فرض پڑھنے کے بعد اسے ادا کرے؟ اور ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ پہلے دو رکعت سنت پڑھے یا چار رکعت؟

(سید سمیع احمد، پٹن چرو)

جواب:- اگر ظہر سے پہلے کی سنت ادا نہ کر سکے تو فرض ادا کرنے کے بعد پڑھنا چاہئے،

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۶۴۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اگر ظہر سے پہلے چار رکعت نہیں پڑھ پاتے تو ظہر کے بعد پڑھ لیتے:

"کان اذا لم یصل أربعا قبل الظهر صلاهن بعدها" (۱)

ترتیب کے اعتبار سے دونوں صورتیں درست ہیں، یہ کہ پہلے بعد والی دو رکعت پڑھ لی جائے، پھر پہلے کی چار رکعتیں ادا کی جائیں، اور یہ بھی درست ہے کہ پہلے چار رکعت ادا کی جائے، پھر دو رکعت، البتہ بہتر یہی ہے کہ پہلے دو رکعت ادا کرے، اس کے بعد پہلے کی چار رکعت، کیونکہ ایک نماز تو اپنی جگہ سے ہٹ ہی چکی ہے، اگر پہلے کی سنت کو فرض کے بعد پہلے ادا کیا جائے تو دوسری نماز بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے گی، اور اگر دو رکعت پڑھ کر پہلے چار رکعت کی قضاء کرلیں تو کم از کم ایک سنت تو اپنے وقت پر ادا ہوگی۔

جمعہ کے بعد سنت

سوال:- {628} اگر جمعہ کی فرض نماز کے بعد چار رکعت سنت نہ پڑھی جائے تو گناہ تو نہیں ہوگا؟

(حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جو جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہے تو چاہئے کہ چار رکعت پڑھے'' (۲) اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھا کرتے تھے'' (۳) اسی لئے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ (جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں) نے ان دونوں کو جمع کر کے

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۲۴، باب ماجاء في الأربع قبل الظهر۔ محشی۔
(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۵۲۳، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة و بعدها۔
(۳) حوالہ سابق، حدیث نمبر:۵۲۱۔

بطور سنت چھ رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور بعض صحابہ ؓ کا بھی یہی معمول تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے بارے میں امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت اور پھر چار رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔(۱) اس لئے کم سے کم چار رکعت اور محتاط قول پر چھ رکعت نماز جمعہ کے بعد پڑھنی چاہئے۔

سنت مؤکدہ کا چھوڑنا عتاب اور مواخذہ کا باعث ہے، اور چونکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ "من ترك سنتي لم ينل شفاعتي" "جس نے میری سنت کو چھوڑا وہ میری شفاعت نہیں پائے گا، اس حدیث کی روشنی میں علامہ شامیؒ نے سنت مؤکدہ کے چھوڑنے کو بھی گناہ قرار دیا ہے،(۲) کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو کسی مؤمن کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی محرومی نہیں ہوسکتی۔

مغرب کی اذان کے بعد نفل

سوال:- {629} سعودی عرب میں عام طور پر مغرب کی اذان کے بعد مختصر سا وقفہ دیا جاتا ہے، جس میں دو ہلکی رکعتیں ادا کی جاسکیں، ہندوستان اور پاکستان کے لوگ اس وقفہ میں بیٹھے رہتے ہیں، عرب حضرات نماز پڑھتے ہیں، ان کا دیکھا دیکھی ہند و پاک کے بعض مسلمان بھی نماز پڑھ لیتے ہیں، اس موقع پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ (محمد طاہر، مغلپورہ)

جواب:- دوسرے فقہاء کے نزدیک مغرب کی اذان اور نماز کے درمیان دو رکعت نفل نماز پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دو اذان یعنی اذان و اقامت کے درمیان نماز ہے،(۳) بخاری اور ابوداؤد میں حضرت انس ؓ سے روایت منقول ہے، جس

---

(۱) الجامع للترمذي، حديث نمبر:۵۲۳، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة و بعدها۔
(۲) ردالمحتار :۹/۴۸۷۔
(۳) سنن أبي داؤد، حديث نمبر:۱۲۸۳، باب الصلاة قبل المغرب۔ محشی۔

میں صراحتاً اس نماز کا ذکر ہے، (۱) لیکن چونکہ خود رسول اللہ ﷺ سے اس وقت نماز کا پڑھنا ثابت نہیں اور اس نماز کی وجہ سے مغرب کی جماعت میں تاخیر کا اندیشہ ہے، حالانکہ مغرب کی جماعت میں بہ حدِ امکان عجلت برتنا مستحب ہے،، اس لئے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس وقت نماز پڑھنا مستحب نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، بلکہ مباح اور جائز ہے، جب وہاں آپ کے نماز نہ پڑھنے کے باوجود مغرب کی جماعت میں اتنی تاخیر ہوتی ہی ہو تو پڑھ لینا بہتر ہے، تاکہ یہ دوسرے مسلمانوں کے لئے توحش کا باعث نہ ہو، علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ دو رکعت کے بقدر تاخیر میں کوئی کراہت نہیں، اس لئے ان دو رکعتوں کا پڑھ لینا جائز ہے۔

" ثم الثابت بعد هذا هو نفي المندوبية أما ثبوت الكراهية فلا ... قد قدمنا من القنية استثناء القليل والركعتان لا تزيد على القليل " (۲)

علماء ہند میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ (۳)

عشاء سے پہلے چار رکعتیں

سوال:- {630} اگر نماز عشاء میں چار رکعت نفل اتفاقاً ادا نہ ہوں یا عمداً ادا ہی نہ کرے تو کیا یہ عمل درست رہے گا؟ (شیخ جمال، منگل ہاٹ)

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۲۸۱، عن عبد الله المزني، باب الصلاة قبل المغرب، كتاب الصلاة۔ محشی۔

(۲) فتح القدير: ۱/۴۴۶۔

(۳) العرف الشذى على جامع الترمذي: ۱/۴۶، باب ما جاء في الصلاة قبل المغرب۔ محشی۔

جواب:- نمازِ عشاء سے پہلے جو چار رکعت نماز پڑھی جاتی ہے اس کی حیثیت محض نفل اور مستحب کی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اذان اور اقامت کے درمیان نماز کی ترغیب دی ہے: ''بین کل اذان واقامة صلاة'' (۱) اور حنفیہ کے نزدیک دن ہو یا رات، ایک سلام سے چار رکعت ادا کرنا بہتر ہے (۲) اس لئے اس موقع پر چار رکعت پڑھنے کو فقہاء نے مستحب قرار دیا ہے، (۳) رسول اللہ ﷺ سے اس نماز کے پڑھنے کی کوئی روایت نہیں ملتی، اس لئے یہ مستحب کے درجہ میں ہے، اگر نہ پڑھی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، پڑھا جائے تو باعث اجر ہے۔

وتر کے بعد نفل

سوال:- (631) کیا وتر کے بعد نفل نمازیں پڑھ سکتے ہیں؟ (ایم، اے بشیر، پالونچہ)

جواب:- نماز وتر کے بعد رسول اللہ ﷺ کا دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہے، حضرت ابو امامہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھا کرتے تھے اور ان دو رکعتوں میں ''إذا زلزلت'' اور ''قل یاایھا الکافرون'' کی تلاوت فرماتے۔ (۳) بعض دوسری روایات میں بھی اسی کا ذکر ہے، (۴) رسول اللہ ﷺ کا بیٹھ کر ان رکعات کو ادا کرنا اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ کی شب کا بڑا حصہ نماز تہجد میں گزرتا تھا، (۵) اس لئے تھکان ہو جاتی تھی اور بعض

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۲۸۳، باب الصلاة قبل المغرب۔ محشی۔
(۲) " و الأفضل فیهما رباع " (الفتاوی الهندیة : ۱/۱۱۳، باب فی النوافل) محشی۔
(۳) فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ ہندیہ میں یہی بات لکھی ہوئی ہے: " و ندب الأربع قبل العصر و العشاء " (الفتاوی الهندیة : ۱/۱۱۲، باب فی النوافل) محشی۔
(۳) مشکوۃ شریف بحوالہ مسند احمد: ۱/۱۱۳۔
(۴) دیکھئے: سنن أبي داؤد : ۱/۱۸۹، حدیث نمبر: ۱۳۴۹، باب صلاة اللیل۔
(۵) عن یزید بن خمیر قال : سمعت عبد اللہ بن أبي قیس یقول : قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها : لا تدع قیام اللیل ، فإن رسول اللہ ﷺ کان لا یدعه و کان إذا مرض أو کسل صلیٰ قاعدًا " (سنن أبي داؤد: ۱/۱۸۵) محشی۔

اوقات تو پائے مبارک پر ورم بھی آجایا کرتا تھا، اس لیے جن حضرات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مشکل نہ ہو، ان کے لئے ان دو رکعتوں کو بھی کھڑے ہو کر ادا کرنا بہتر اور زیادہ باعث اجر ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے بمقابلہ بیٹھ کر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو دوہرے اجر کا باعث قرار دیا ہے۔

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب

سوال:- {632} نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب آدھا ہو جاتا ہے، کیا حضور ﷺ عشاء کی نفل بیٹھ کر ادا کیا کرتے تھے؟ (سید مزمل حسین، پنج محلہ)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ جو شخص کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو اگر وہ بیٹھ کر نفل نماز پڑھے تو اس کو آدھا اجر حاصل ہوگا، حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے، یہ بات بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دوگانہ نفل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، کیونکہ تہجد اور تہجد میں طویل قیام وقراءت کی وجہ سے آپ کو تھکان ہو جایا کرتی تھی، علامہ طحطاویؒ نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب اتنا ہی تھا جتنا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر ہے اور یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہیں:

"فإن أجر صلوته قاعدا كأجر صلوته قائما فهو من خصوصياته" (۱)

عام لوگوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں کہ اس میں زیادہ اجر وثواب ہے۔

بیٹھ کر نفل نماز کی ادائیگی

سوال:- {633} اکثر دیکھا جاتا ہے کہ نوجوان نوافل

(۱) طحطاوی: ص:۲۲۰۔

بیٹھ کر پڑھتے ہیں، کیا حضور ﷺ نے بھی بہ حالت صحت بیٹھ کر
نماز ادا فرمائی ہے؟ (محمد فیاض، خانہ پور)

جواب:- اگر کوئی شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر قادر ہو، تو اس کے لئے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے میں زیادہ اجر ہے، اور بیٹھ کر نماز پڑھنے میں اس کا نصف، نوجوان کو اسی پر عمل کی کوشش کرنی چاہئے، تاہم بیٹھ کر بھی نفل نماز ادا کی جاسکتی ہے، اور نہ پڑھنے سے بیٹھ کر پڑھ لینا بہتر ہے، رسول اللہ ﷺ سے کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا ثابت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز بہت طویل پڑھتے تھے، کبھی کھڑے ہوکر اور کبھی بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، (۱) حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی منقول ہے کہ وفات سے ایک سال پہلے انہوں نے آپ ﷺ کو بیٹھ کر نفل نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، (۲) جبکہ آپ ﷺ کے قویٰ مرض وفات تک مستحکم تھے، ظاہر ہے آپ ﷺ کا یہ فعل امت پر شفقت کرتے ہوئے اور ان کے لئے آسانی پیدا کرنے کی غرض سے تھا، کیونکہ آپ بعض خلاف اولیٰ کام بھی جواز کو بتانے اور امت کے لئے سہولت پیدا کرنے کی غرض سے کیا کرتے تھے۔ وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم۔

مسجد میں داخل ہوتے ہی سنت کی ادائیگی

سوال:- {634} مسجد میں داخل ہونے کے بعد کچھ
دیر بیٹھنا چاہئے پھر کھڑے ہوکر سنت ادا کرنی چاہئے، یا بیٹھے
بغیر بھی سنتیں پڑھ سکتے ہیں؟ (محمد احسان اللہ، لنگر حوض)

جواب:- مسجد میں پہونچتے ہی بیٹھے بغیر بھی سنت ادا کی جاسکتی ہے، احادیث میں

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۹۵۵، باب في صلاۃ القاعد۔
(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۳۷۳، باب ما جاء في من يتطوع جالسًا۔

کہیں بھی اس کی ممانعت نہیں آئی، بلکہ تحیۃ المسجد بھی سنن غیر مؤکدہ میں سے ہے اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس نماز کو بیٹھنے سے پہلے ہی ادا کر لے۔

سنت ونفل کے لئے جگہ کی تبدیلی

سوال:- {635} جماعت سے فرض نماز پڑھنے کے بعد سنتوں کی ادائیگی کے لئے جگہ بدلنا ضروری ہے؟ یا پھر اسی جگہ کھڑے ہو کر سنت اور نوافل ادا کی جاسکتی ہیں؟ کبھی کبھار جگہ کی تنگی کی وجہ سے اسی جگہ سنت ادا کر لی جائے تو کیا کچھ حرج ہے؟ (سید سبحان محی الدین، ورنگل)

جواب:- جس جگہ فرض کی ادا کی گئی ہے، اس سے ہٹ کر سنت ادا کرنا محض مستحب ہے، (۱) نہ کہ واجب، اس سے دو مصلحتیں متعلق ہیں، ایک مصلحت تو آخرت سے متعلق ہے کہ انسان جتنی زیادہ جگہوں پر اللہ کی بندگی کرے گا، اتنی تمام جگہیں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دیں گی، دوسری مصلحت یہ ہے کہ اگر فرض ہی کی طرح لوگ اپنی اپنی جگہ سنت ادا کرنے میں مشغول رہیں تو باہر سے جو لوگ آئیں گے، ان کو اندازہ کرنے میں دقت ہوگی کہ لوگ فرض ادا کر رہے ہیں، اور جماعت ہو رہی ہے، یا سنت ادا کر رہے ہیں؟ —— تاہم جگہ بدلنا کچھ ضروری نہیں، اس لئے اگر اژدحام ہو تو فرض کے بعد اسی جگہ سنت ادا کی جاسکتی ہے۔

---

(۱) بلکہ مستحب سے بڑھ کر یہ سنت کے درجہ میں ہے، نبی کریم ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "أيعجز أحدكم – قال عن عبد الوارث – أن يتقدم أو يتأخر أو عن يمينه أو عن شماله" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۰۰۶، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي يصلى فيه المكتوبة) چنانچہ حضرت ابوبکر ﷺ، عمر ﷺ کا بھی معمول مبارک یہی تھا۔ (دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۰۰۷) محشی۔

سنتوں کی اہمیت

سوال:- {636} فرض نمازوں کے ساتھ اگر نفل اور سنت نمازیں ادا نہ ہوں تو کیا فرض نمازیں اکارت جائیں گی؟ یا نفل اور سنت نمازیں نہ پڑھنے سے گناہ لازم ہوگا؟

(عبدالقدوس بیگ، نظام آباد)

جواب:- سنت غیر مؤکدہ اگر نہ پڑھی جائے تو حرج نہیں، لیکن کبھی کبھی پڑھ لینا چاہئے، البتہ سنت مؤکدہ کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہئے، ایسا تو نہیں ہے کہ ان سنتوں کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے فرض نمازیں اکارت ہو جائیں، لیکن حدیثوں (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتیں فرض کا تکملہ ہیں، فرض میں خشوع وخضوع اور آداب وغیرہ کے اعتبار سے جو کمی رہ جاتی ہے، سنتیں اس کی تکمیل کرتی ہیں، اگر مسلسل ان سنتوں کو ترک کیا جائے تو گناہ ہے۔

سنتوں کے وقت تذکیر و بیان

سوال:- {637} شہر کے دور علاقہ میں رہنے والے مولانا عصر، مغرب کے درمیانی اوقات میں کچھ اپنی مصروفیت کی غرض سے شہر سے آیا کرتے ہیں، دینی قابلیت کے اعتبار سے ان کو نماز پڑھانے کا موقع دیا جاتا ہے، وہ مولانا عالم بھی ہیں، مغرب کی فرض نماز کے بعد فوراً کھڑے ہو کر نماز کے مسائل پیش کرتے رہتے ہیں، اس سے ہم کو معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے، لیکن جو حضرات دوسری یا تیسری رکعت میں

---

(۱) "لا ينتقض أحدكم من صلاته شيئًا إلا أتمها الله من سبحته" (كنز العمال، حدیث نمبر:۲۱۳۴۲، باب صلاة النوافل، الترغيب فيها) محشی۔

شریک ہوئے ہوں اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی
رکعتیں پوری کر رہے ہوں، انہیں خلل ہوتا ہے، خیالات منتشر
ہوتے ہیں، اس بات کو مولانا کے سامنے کیسے پیش کروں،
مشورہ چاہئے؟ (شیخ حسین، قاضی پورہ)

جواب:- نماز کے مسائل و احکام بیان کرنا بہت ہی مبارک بات ہے، اور موجودہ حالات میں نہایت ہی ضروری ہے، لیکن اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ نمازیوں کو خلل واقع نہ ہو، اس لئے امام صاحب کو چاہئے کہ نماز کے فوراً بعد نماز کے مسائل بیان کرنے کے بجائے اعلان کردیں کہ میں نماز کے کچھ ضروری مسائل بیان کرنا چاہتا ہوں، آپ حضرات سنتوں سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر ٹھہر جائیں، اور جب لوگ سنت ادا کرلیں تو مسائل بیان کردیں، ذمہ دار حضرات مذکورہ عالم صاحب کا پورا احترام برقرار رکھتے ہوئے مصلیوں کے احساسات کا حوالہ دے کر ان سے خواہش کریں، تو مجھے امید ہے کہ انہیں ناگواری نہیں ہوگی۔

فجر سے پہلے تحیۃ المسجد

سوال:- {638} بعض لوگ فجر کی اذان کے بعد مسجد
میں داخل ہوکر بہ طور تحیۃ المسجد دو رکعت پڑھتے ہیں، اور پھر دو
رکعت سنت ادا کرتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟
(محمد احسان اللہ، ہاشم نگر)

جواب:- حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب فجر طلوع ہوجاتی تو رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ سوائے دو رکعت فجر کے کوئی اور نماز نہیں پڑھتے تھے: "إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتي الفجر" (۱) اس لئے اس وقت تحیۃ المسجد نہ پڑھنی چاہئے،

(۱) صحیح مسلم: ۱/۲۵، حدیث نمبر: ۱۷۲۳، باب استحباب رکعتی سنة الفجر۔
نیز دیکھئے: صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۶۱۸، باب الأذان بعد الفجر۔ محشی۔

اسی حدیث کے پیش نظر فقہاء نے اس موقع پر تحیۃ المسجد کے لئے مستقل نماز کو مکروہ قرار دیا ہے:
"فتکرہ تحیۃ المسجد فیھما للعموم "(۱) البتہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر متصلا فرض یا سنت ادا کی جائے تو وہ تحیۃ المسجد کے بھی قائم مقام ہو جائے گی:

"کل صلاۃ صلاھا عند دخولہ فرضا أو سنۃ فانھا تقوم مقام التحیۃ بلا نیۃ " (۲)

کیا سنت کے ضمن میں تحیۃ المسجد ادا ہو جائے گی؟

سوال:- {639} مسجد میں داخل ہو کر بیٹھے بغیر سنت نمازیں پڑھیں تو کیا تحیۃ المسجد ادا ہو جائے گی؟

(محمد احسان اللہ، لنگر حوض)

جواب:- مسجد میں داخل ہونے کے بعد کوئی فرض یا سنت پڑھ لی جائے تو اس میں تحیۃ المسجد کی نیت بھی کی جا سکتی ہے، بلکہ اگر بغیر نیت مسجد میں داخل ہونے کے بعد متصلا نماز ادا کرے تو یہ بھی تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی:

"کل صلاۃ صلاھا عند دخولہ فرضا أو سنۃ فانھا تقوم مقام التحیۃ بلا نیۃ " (۳)

نماز اشراق ـــــ کچھ احکام

سوال:- {640} طلوع آفتاب کے بعد دو رکعت نماز کب پڑھنا چاہئے، اس کا کیا طریقہ ہے؟ اور اس پر کیا اجر

(۱) البحر الرائق :۱/۲۵۲۔
(۲) حوالہ سابق:۲/۳۶۔
(۳) حوالہ سابق

ہے؟　　　(م،م، باکارم)

جواب:- طلوع آفتاب بعد جو نفل پڑھی جاتی ہے، اسے نماز اشراق کہتے ہیں، یہ نماز سورج کے اچھی طرح طلوع ہونے اور وقت مکروہ کے گزر جانے کے بعد ادا کرنی چاہئے:

"أولها عند طلوع الشمس الى أن ترتفع الشمس و تبيض قدر رُمح أو رمحين" (۱)

اہل علم کا خیال ہے کہ طلوع آفتاب کے آغاز سے پندرہ، بیس منٹ کے اندر وقت مکروہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس نماز کا طریقہ وہی ہے جو عام نفل نمازوں کا ہے، حضرت معاذ بن انس جہنی ﷺ کی روایت میں دو رکعت اور حضرت ابودرداء ﷺ اور حضرت ابوذر ﷺ کی روایت میں چار رکعت کا ذکر ہے، (۲) حضرت ابوذر ﷺ اور ابودرداء ﷺ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص دن کی ابتداء میں یہ نماز پڑھ لے، میں دن کے آخر تک اس کے لئے کفایت کروں گا، (۳) اور حضرت معاذ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ اگر اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں تو اللہ انہیں معاف کر دیں گے، (۴) اس سے اس نماز کی اہمیت اور فضائل و فوائد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اشراق واوّابین کی نمازیں

سوال:- {641} اشراق، اور اوابین کی نمازوں کی کیا

---

(۱) طحطاوی: ۱/۱۰۶۔

(۲) مشکوۃ المصابیح: ۱/۱۱۶۔

(۳) دیکھئے: الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۴۷۵، باب في صلاة الضحىٰ، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۲۸۹، باب صلاة الضحىٰ۔ محشی۔

(۴) دیکھئے: الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۴۷۶، باب في صلاة الضحىٰ، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۲۸۷، باب صلاة الضحىٰ۔ محشی۔

فضیلت ہے؟ ان کے اوقات کیا ہیں، اور رکعات کی تعداد کیا ہے؟ نیز ان کو اشراق اور اوابین کیوں کہتے ہیں؟

(محمد مطہر الدین، مقام نا معلوم)

جواب:- نماز اشراق کا وقت تو طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے، لیکن بہتر وقت وہ ہے جب صبح صادق سے دن کا چوتھائی حصہ گذر جائے، کم سے کم دو رکعتیں ہیں، زیادہ سے زیادہ بارہ، اور اوسط درجہ آٹھ رکعت کا ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کو دو رکعت کی نصیحت فرمائی تھی، اس روایت کو امام بخاریؒ نے نقل فرمایا ہے،(۱) مسلم وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نماز اشراق چار رکعت پڑھتے تھے،(۲) اور ترمذی کی روایت ہے کہ جس نے بارہ رکعت یہ نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنائیں گے،(۳) یہ حدیث گو ضعیف ہے، لیکن فضائل میں ضعیف حدیثوں پر بھی عمل کرنا درست ہے،(۴)

ان روایات سے نماز اشراق کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی کہ حضور ﷺ نے خود اس کے پڑھنے کا اہتمام فرمایا، صحابہ ؓ کو اس کی نصیحت فرمائی اور اس پر جنت کی خوشخبری دی، اشراق کے معنی سورج نکلنے کے ہیں، چونکہ یہ نماز سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے، اسی

---

(۱) "عن أبي هريرة ؓ قال : أوصاني خليلي ﷺ بثلاث : صيام ثلاثة أيام من كل شهر، و ركعتي الضحیٰ ، و أن أوتر قبل أن أنام " (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۱۹۸۱،باب صيام أيام البيض ثلاث عشرة و أربع عشرة) نیز دیکھئے: صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۷۲۱،باب صلاة الضحیٰ الخ ۔محشی ۔

(۲) "كم كان رسول الله ﷺ يصلي صلاة الضحیٰ ؟ قالت أربع ركعات و يزيد ما شاء " (صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۷۱۹،باب استحباب صلاة الضحیٰ) محشی ۔

(۳) "عن أنس بن مالك ؓ قال: قال رسول الله ﷺ : من صلى الضحیٰ ثنتی عشر ركعة بنى الله له قصرا من ذهب في الجنة " (الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۴۷۳، باب ما جاء في صلاة الضحیٰ) محشی ۔

(۴) ملخص از ردالمحتار :۲/۴۶۵۔

مناسبت سے اسے نماز اشراق کہا جاتا ہے، حدیث میں اس نماز کو اور نماز چاشت کو ''صلاۃ الضحیٰ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

''اوّاب'' کے معنی خوب توبہ کرنے والے، اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے کے ہیں، (۱) گویا یہ نماز توبہ و استغفار کی ہے، یہ کم سے کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعت ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''جس نے مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھی وہ ''اوابین'' یعنی توبہ کرنے والوں میں لکھا جائے گا'' (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''جس نے مغرب کے بعد کسی سے گفتگو کرنے سے پہلے چار رکعت نماز پڑھی وہ علیین میں اٹھایا جائے گا، یعنی اس جگہ جہاں صالحین کی روحین رکھی جائیں گی'' (۳)

بہتر ہے کہ اگر چھ رکعت پڑھے تو دو دو رکعت پر سلام پھیرے، یہ بھی درست ہے کہ ایک سلام چار رکعت پر اور دوسرا سلام اگلی دو رکعت پر پھیرا جائے، ایک سلام سے چھ رکعت بھی پڑھی جاسکتی ہے، لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے۔ (۴)

اشراق اور چاشت کی نمازیں

سوال:- {642} (الف) روزنامہ منصف ۲۰؍اگست میں ارشاد نبوی کے مضمون کے تحت آیا ہے کہ ''فجر کی نماز پڑھ کر

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح :۳۹۲/۳، ط: اسلامک بکڈپو اکیڈمی، دیوبند۔
(۲) الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۴۳۵، سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۱۱۶۷۔ محشی۔
(۳) کبیری :ص::۳۸۵۔
(۴) دیکھئے: ردالمحتار :۴۵۲/۲۔

اسی جگہ بیٹھا رہے اور بوقت چاشت دو رکعت پڑھ لے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں" یہ حدیث کیسی ہے؟ اور اس کا تعلق کس نماز سے ہے؟

(ب) اشراق اور چاشت کے ابتدائی اور انتہائی اوقات کیا ہیں؟

(ج) اشراق اور چاشت کی نبی ﷺ کتنی کتنی رکعتیں پڑھا کرتے تھے؟ کیا اشراق کی نماز پڑھنے کے لئے بیٹھے رہنا ضروری ہے؟

(د) کیا مسجد میں فجر پڑھ کر گھر آ کر کلام پاک اور درود و تسبیح پڑھنے کے بعد گھر پر اشراق پڑھی جا سکتی ہے؟

(نزہت جہاں خاتون، چراغ علی لین)

جواب:- (الف) آپ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے، اس طرح کی روایتیں کتب احادیث میں وارد ہوئی ہیں، ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا ارشاد اس طرح منقول ہے:

"من صلى الغداة في جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة و عمرة ، قال رسول الله ﷺ : تامة ـتامة ـتامة " (۱)

"جس نے جماعت کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، پھر طلوع آفتاب تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہا، پھر آفتاب

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۵۸۶، باب ذكر ما يستحب من الجلوس في المسجد الخ۔ محشی

طلوع ہونے کے بعد اس نے دو رکعت نماز پڑھی، تو اس کو
ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملے گا، پھر آپ ﷺ نے ازراہ
تاکید ارشاد فرمایا: پورے پورے حج وعمرہ کا"

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک فجر کی نماز پڑھنے کے بعد طلوع آفتاب تک اسی جگہ بیٹھنے کا تھا: "إذا صلی الفجر قعد في مصلاہ حتی تطلع الشمس "(۱) یہ حدیث بھی صحیح ومستند ذریعہ سے منقول ہے، اس سے مراد نماز اشراق ہے، اس لئے کہ طلوع آفتاب کے بعد ابتدائی اوقات میں جو نفل نماز پڑھی جاتی ہے، وہ نماز اشراق ہی ہے۔

(ب) فرض نمازوں کی طرح رسول اللہ ﷺ نے نفل نمازوں کے ابتدائی اور انتہائی اوقات کی عام طور پر قطعی حد بندی نہیں فرمائی ہے، البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"آفتاب مشرقی سمت میں جب اتنا بلند ہوتا، جتنا کہ مغربی
سمت میں عصر کے وقت رہتا ہے، تو آپ ﷺ دو رکعت نماز
ادا فرماتے، اور ظہر کے وقت آفتاب جتنی بلندی پر مغرب کی
جانب ہوتا ہے، جب مشرق کی سمت میں آفتاب اتنی بلندی
پر آتا تو آپ ﷺ چار رکعت نفل نماز پڑھا کرتے"(۲)

اس میں پہلی نماز اشراق ہوئی اور دوسری چاشت، چنانچہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے:

"نماز اشراق اس وقت پڑھی جائے جب سورج نصف
نیزہ کے بقدر بلند ہو جائے اور چاشت اس وقت جب دن

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۵۸۵، باب ذکر ما یستحب من الجلوس في المسجد الخ۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۵۹۸، باب کیف کان تطوع النبي ﷺ بالنهار۔

کا ایک چوتھائی حصہ گزر جائے''(۱)

آپ اس کو آسان طریقہ پر اس طرح سمجھیں کہ نماز اشراق طلوع آفتاب کے بعد وقت مکروہ گزرنے کے بعد ادا کرسکتی ہیں، اور نماز چاشت کے لئے بہتر وقت طلوع آفتاب اور زوال کے ٹھیک بیچ کا وقت ہے۔ واللہ اعلم۔

(ج) نماز اشراق آپ ﷺ سے دو رکعت بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت علی ؓ کی روایت مذکور ہوئی، اور جیسا کہ حضرت انس بن مالک ؓ سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے، اور ایک روایت سے چار رکعت بھی معلوم ہوتا ہے، حضرت ابو درداء ؓ اور حضرت ابوذر ؓ نے آپ ﷺ سے حدیث قدسی نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" أركع لی من أول النهار أربع ركعات اكفك آخره " (۲)

''ابن آدم میرے لئے دن کی ابتداء میں چار رکعت کا اہتمام کر، میں دن کے اخیر تک تمہارے لئے کفایت کروں گا''

نماز چاشت آپ ﷺ نے آٹھ رکعت بھی ادا فرمائی ہے، یہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کا حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں پڑھنا ثابت ہے۔(۳) اور حضرت انس ؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے نماز چاشت بارہ رکعت پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا گھر بنائیں گے''(۴)

---

(۱) احیاء العلوم:۱/۱۹۷۔

(۲) الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۴۷۵،باب ماجاء في صلاة الضحی ۔

(۳) حوالہ سابق ،حدیث نمبر:۴۷۴،باب ماجاء في صلاة الضحی ۔

(۴) حوالہ سابق

ویسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عام معمول مبارک چار رکعت نماز چاشت ادا کرنے کا تھا۔(۱)

(د) یہ ضروری نہیں کہ جہاں نماز فجر ادا کی ہو، اشراق تک وہیں بیٹھے رہا جائے، لیکن بہتر ہے کہ وہیں بیٹھ کر ذکر میں اپنا وقت گزارا جائے۔

(ہ) گھر آکر بھی قرآن مجید کی تلاوت اور درود و تسبیح پڑھ سکتے ہیں، البتہ مسجد میں ہی اشراق تک بیٹھ کر ذکر کرنا زیادہ افضل ہے۔

صلاۃ التسبیح میں تسبیح کی ترتیب

سوال:- {643} صلاۃ التسبیح میں سوم کلمہ پڑھنے کی ترتیب کیا ہے؟ کب کب کتنی کتنی بار پڑھنا چاہئے؟

(نزہت جہاں خاتون، چراغ علی لین)

جواب:- صلاۃ التسبیح ادا کرنے کا طریقہ اور اس سلسلہ میں بعض دیگر تفصیلات چند ہی ہفتہ قبل شرعی مسائل کے کالم میں آچکی ہیں، آپ ملاحظہ کرلیں، تسبیح کی ترتیب دو طرح سے منقول ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے آنحضور ﷺ سے اس طرح نقل کیا ہے:

"اللّٰہ أکبر، والحمد للّٰہ، وسبحان اللّٰہ، ولا إلٰہ إلا اللّٰہ"(۲)

اور امام عبداللہ بن مبارک سے اس طرح منقول ہیں:

"سبحان اللّٰہ، والحمد للّٰہ، ولا الٰہ الا اللّٰہ، و اللّٰہ اکبر،،(۳)

---

(۱) دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر:۷۱۹، باب استحباب صلاۃ الضحیٰ الخ۔محشی۔

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر۴۸۲، باب ماج في صلاۃ التسبیح۔

(۳) حوالہ سابق، حدیث نمبر۴۸۱، باب ماجاء في صلاۃ التسبیح۔

دن میں صلاۃ التسبیح

سوال:- {644} صلاۃ التسبیح کیا رات ہی میں پڑھنی ضروری ہے؟ یا دن کے وقت میں بھی پڑھ سکتے ہیں؟ کیا میں ظہر کی نماز کے بعد صلاۃ التسبیح پڑھ سکتی ہوں؟

(فوزیہ جبین، جگتیال)

جواب:- مکروہ اوقات کو چھوڑ کر کسی بھی وقت صلاۃ التسبیح پڑھی جاسکتی ہے:

"یفعلها في کل وقت لا کراهة فیه ، أو في کل یوم أو لیلة" (۱)

بلکہ ظہر کے بعد ادا کرنا بہتر ہے۔

صلاۃ التسبیح کا بہتر وقت

سوال:- {645} میں مسلسل ایک سال سے زیادہ عرصہ سے صلاۃ التسبیح پڑھتی ہوں، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ میری کم مائیگی کے باوجود اچانک مع شوہر کے حج کو جانے کا موقع بھی مل گیا، مگر میں کس ٹائم پر پڑھوں یہ طے نہیں کرپاتی، جب بھی وقت ملتا ہے پڑھ لیتی ہوں، فضیلت والا وقت بتائیں، تو مہربانی ہوگی؟ (ت، ق، س، بورابنڈہ)

جواب:- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص ﷺ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو آفتاب ڈھلنے، یعنی ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد نماز تسبیح پڑھنے کی تلقین کی تھی، حضرت عبد اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اگر اس وقت یہ نماز نہ پڑھ سکوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ پھر دن

---

(۱) رد المحتار:۳/۴۷۱۔

وراات میں جس وقت بھی موقع ملے پڑھ لو: ’’ صلها من الليل والنهار ‘‘(۱) اس سے معلوم ہوا کہ ظہر کے ابتدائی وقت میں اس نماز کا پڑھنا بہتر ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کسی بھی وقت پڑھی جاسکتی ہے، بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔

نمازِ اوّابین

سوال:- {646} نمازِ اوابین مغرب کی نماز کے بعد کب پڑھنی چاہئے؟ اور کتنی رکعتیں؟ نیز یہ نماز نفل ہے یا کچھ اور؟ (سید احمد، شیام نگر)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’جس نے مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھی اور درمیان میں کوئی بری بات نہیں کہی، تو یہ بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوگی‘‘ (۲)

یہی حدیث نماز اوابین کے سلسلہ میں اصل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اوابین چھ رکعت ہے، اسے مغرب کے بعد ادا کرنا ہے، خواہ عشاء سے پہلے جب بھی ادا کرلے، اس طرح ادا کرے کہ درمیان میں نامناسب گفتگو نہ کرے، (۳) اس سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ دو۲ دو۲ رکعت پر سلام پھیر دے، کیونکہ اگر دو رکعت پر سلام نہ پھیرے تو درمیان میں گفتگو کا کوئی امکان ہی نہیں ہے، پھر ایسی صورت میں گفتگو سے منع کرنا ایک بے معنی بات ہوگی، یہ نماز مستحب ہے۔

---

(۱) سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۱۲۹۸، باب صلاة التسبيح ۔

(۲) الجامع للترمذی :۲/۲۹۹، حدیث نمبر:۴۳۵، باب ما جاء في فضل التطوع و ست ركعات بعد المغرب۔

(۳) دیکھئے:تحفة الأحوذي :۲/۴۲۱۔

اوابین اور صلاۃ التسبیح کا حدیث سے ثبوت

سوال:- {647} میں پابندی سے صلاۃ الاوابین اور صلاۃ التسبیح پڑھا کرتا تھا، بمبئی سے شائع ہونے والا ماہانہ ''صوت الإسلام'' نظروں سے گزرا جس میں ان دونوں نمازوں کے صحیح احادیث سے ثابت نہ ہونے کا تیقن دیا گیا ہے، جس سے خواہ مخواہ الجھن پیدا ہوگئی ہے، اس کی وضاحت فرمائیں؟ (حاجی سید صابر علی چشتی، ناندیڑ)

جواب:- یہ دونوں نمازیں مستند و معتبر روایات سے ثابت ہیں اور سلف صالحین کا ان پر عمل رہا ہے، چنانچہ صلاۃ الاوابین کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے مغرب کے بعد چھ رکعت نماز ادا کی اور ان کے درمیان کوئی بری بات نہیں کہی، تو یہ بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوں گی'' (۱)

اور صلاۃ التسبیح کے بارے میں معروف محدث امام ابوداوٗدؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے تفصیلی روایت نقل کی ہے، اور اس پر کوئی جرح وتنقید نہیں کی ہے۔(۲) اور اہل علم کے نزدیک یہ بات قاعدہ کے درجہ میں ہے کہ اگر ابوداوٗد میں کوئی حدیث مروی ہو اور اس پر جرح نہ کی گئی ہو، تو یہ ان کی طرف سے اس حدیث کی توثیق اور اس پر اعتبار و اعتماد کا اظہار ہوتا ہے، ابوداوٗد میں صلاۃ التسبیح کی ایک روایت حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ سے بھی نقل

---

(۱) الجامع للترمذی :۲/۲۹۹،حدیث نمبر:۴۳۵،باب ما جاء في فضل التطوع و ست ركعات بعد المغرب۔

(۲) سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۱۲۹۷،باب صلاة التسبيح۔

کی گئی ہے، جس میں دس دس ہی بار تسبیح وتکبیر اور تحمید وتہلیل کہنے کا ذکر ہے۔(۱) گویا یہ مختصر صلاۃ التسبیح ہے؛ اس لئے آپ ان نوافل کے اہتمام کا معمول قائم رکھیں اور الجھن میں مبتلا نہ ہوں۔

صلاۃ التسبیح اور تہجد کی جماعت

سوال:- {648} کیا نفل نمازوں کی جماعت جائز ہے؟ رمضان المبارک میں صلاۃ التسبیح اور نماز تہجد کا جماعت کے ساتھ اہتمام کیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(معین احمد، مغلپورہ)

جواب:- رمضان کے علاوہ جماعت کے ساتھ کسی بھی نفل کا اس طرح ادا کرنا کہ لوگوں کو جماعت میں شرکت کی دعوت دی گئی ہو، حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''الدر المختار'' میں ہے:

"ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي یکره ذالك لو علی سبیل التداعي"(۲)

اس سے صرف تراویح کی نماز مستثنیٰ ہے۔ عام فقہاء احناف کی رائے میں رمضان المبارک میں بھی نماز تہجد جماعت کے ساتھ ادا نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس میں کراہت ہے، اور اسی پر فتوی ہے، لیکن چونکہ کتب فقہ میں قیام رمضان میں جماعت کی اجازت ملتی ہے:

"إن الجماعة في التطوع لیست بسنة إلا في قیام رمضان"(۳)

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۲۹۸، باب صلاة التسبیح۔
(۲) الدر المختار مع رد :۲/۵۰۰۔
(۳) رد المحتار :۲/۵۰۰۔

اور قیام رمضان میں تہجد بھی شامل ہے، اس لئے ہندوستان میں بعض بزرگوں کے یہاں تہجد کو جماعت سے پڑھنے کا معمول تھا، مولانا محمد علی مونگیریؒ، خلیفۂ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہاں بھی نماز تہجد جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی تھی، —— جہاں تک صلاۃ التسبیح کی بات ہے تو اس میں جماعت کا کوئی ثبوت نہیں۔

رکعات تہجد اور معمول نبوی ﷺ

سوال:- {649} تہجد کی کتنی رکعات ہیں اور نبی کریم ﷺ نے کتنی رکعات پڑھی ہیں؟ (پروین اقبال، سید علی گوڑہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے کم سے کم چار رکعت تہجد پڑھنا ثابت ہے، چنانچہ سیدنا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کی عمر زیادہ ہوگئی، اور ضعیف ہوگئے، تو آپ ﷺ سات رکعت وتر پڑھا کرتے تھے، (۱) سات رکعت وتر سے مراد چار رکعت تہجد اور تین رکعت نماز وتر ہے اور آپ ﷺ سے زیادہ سے زیادہ رات میں سترہ رکعت پڑھنا ثابت ہے۔(۲) سترہ رکعت میں تین رکعت وتر کی ہے، اور دو رکعت وتر کے بعد کی نفل، اس طرح تہجد کی نماز بارہ رکعت ہوئی، گویا زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت نماز تہجد پڑھا کرتے تھے، ویسے تہجد کے سلسلہ میں عمومی طور پر آٹھ رکعت پڑھنے کا معمول تھا، چنانچہ سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کی تہجد رمضان اور غیر رمضان میں (عموماً) گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی تھی، چار رکعت پھر چار رکعت اور اس کے بعد تین رکعت۔(۳) اس میں تین رکعت وتر کی ہیں، اور آٹھ رکعت تہجد کی۔

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۵۷، باب ماجاء في الوتر بسبع۔

(۲) معارف السنن:۴/۱۲۳۔

(۳) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۳۹، باب ماجاء في وصف صلاۃ النبي ﷺ بالليل۔

نمازِ تہجد کی فضیلت

سوال:- {650} نمازِ تہجد کی کیا فضیلت ہے، کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئے، اور اس کا انتہائی وقت کیا ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، کریم نگر)

جواب:- نفل نمازوں میں سنتِ مؤکدہ کے بعد تہجد کی نماز افضل ترین نماز ہے، رسول اللہ ﷺ پر تہجد فرض تھی، اس سے اس نماز کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرائض کے بعد سب سے افضل نماز، نمازِ تہجد (صلاۃ اللیل) ہے:

"أفضل الصلاۃ بعد الفریضۃ صلاۃ اللیل" (۱)

تہجد کی کم سے کم مقدار دو رکعت ہے، متوسط درجہ چار رکعت پڑھنا ہے، اور بہتر ہے کہ آٹھ رکعت پڑھی جائے:

"أقل التہجد رکعتان وأوسطہ أربع وأکثرہ ثمان" (۲)

رسول اللہ ﷺ کا عام معمول مبارک آٹھ رکعت تہجد پڑھنے کا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایسا ہی منقول ہے۔ (۳) البتہ آپ کی نماز بہت طویل ہوتی تھی، قراءت بھی طویل، رکوع اور سجدہ بھی طویل۔ (۴)

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۳۸، باب ماجاء في فضل صلاۃ اللیل۔

(۲) ردالمحتار :۲/۴۶۸۔

(۳) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۳۹، باب ماجاء في وصف صلاۃ النبي ﷺ باللیل۔ نیز دیکھئے: صحیح البخاري، حدیث نمبر:۱۱۴۷، باب قیام النبي ﷺ باللیل في رمضان و غیرہ۔ محشی۔

(۴) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۳۹، باب ماجاء في وصف صلاۃ النبي ﷺ باللیل۔

عشاء کی نماز کے بعد کسی بھی وقت تہجد ادا کی جاسکتی ہے، چنانچہ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ عشاء کے بعد جو بھی نفل پڑھی جائے وہ "صلاۃ اللیل" ہے:

"وما کان بعد صلاۃ العشاء فهو من اللیل"(۱)

البتہ سوکر اٹھنے کے بعد تہجد بہتر ہے۔ فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے پہلے تک کبھی بھی تہجد کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، تاہم حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری تہائی حصہ میں تہجد پڑھنا افضل ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالی ہر شب جب رات کا آخری تہائی باقی رہ جاتا ہے تو سماء دنیا کی طرف اترتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعاء قبول کروں، کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطاء کروں، اور کون ہے مجھ سے مغفرت کا طلب گار کہ میں اس کا گناہ بخش دوں؟" (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ شب کا آخری حصہ دعاء اور عبادت کی قبولیت کا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک بھی آخر شب میں تہجد پڑھنے کا تھا، اس لئے شب کے آخری حصہ میں تہجد پڑھنا افضل ہے۔

تہجد —— وقت اور رکعتیں

سوال:- {651} تہجد کی ابتدا اور انتہاء کب ہوتی ہے؟ اور تہجد کتنی رکعت پڑھنی چاہئے؟ (شبانہ سلطانہ، بہادر پور)

---

(۱) مجمع الزوائد: ۲/۲۵۲۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۱۴۵، باب الدعاء و الصلاۃ من آخر اللیل۔

جواب:- نماز تہجد کا وقت نمازِ عشاء کے بعد سے نمازِ فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے تک ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص سونے سے پہلے بھی چند رکعتیں تہجد کی نیت سے پڑھ لے تو تہجد ادا ہو جائے گی، تاہم سو کر اٹھے پھر نماز پڑھے، یہ زیادہ افضل ہے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا، اور تہجد کے معنی سو کر اٹھنے کے بعد نفل پڑھنے کے ہیں، بلکہ طبرانی کی ایک روایت میں حضرت حجاج ابن عمرو کا قول نقل کیا گیا ہے کہ تہجد وہ نماز ہے جس کو آدمی نیند کے بعد ادا کرتا ہے: ''أما التهجد المرء يصلي الصلاة بعد رقدة ''(۱) فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص کا معمول آدھی رات سونے اور آدھی رات عبادت کرنے کا ہو اس کے لئے افضل طریقہ یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں نماز تہجد ادا کرے، اور جس کا معمول ایک تہائی عبادت کرنے اور دو تہائی سونے کا ہو، اس کے لئے بہتر ہے کہ ایک تہائی حصہ سونے کے بعد درمیانی حصہ میں نماز تہجد ادا کرے اور پھر آخری تہائی حصہ تہجد میں گزارے:

"لو جعله اثلاثا فالأوسط افضل ولو انصافا فالأخير أفضل " (۲)

نمازِ تہجد کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' جو شخص رات میں خواب سے بیدار ہو، اور اپنی بیوی کو بیدار کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے تو ان دونوں کو بہت زیادہ ذکر کرنے والے مردوں، اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھا جائے گا'' (۳)

---

(۱) دیکھئے: كنز العمال، حدیث نمبر: ۱۸۱۱، باب أدب التهجد - محشی۔

(۲) الدر المختار : ۲/۴۶۸۔

(۳) مستدرک حاکم: ۱/۳۱۶، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۳۰۹، باب قيام الليل - محشی۔

نمازِ تہجد یوں تو زیادہ رکعتوں کے ساتھ بھی ثابت ہے، لیکن آپ ﷺ کا عام معمول مبارک آٹھ رکعتوں کا تھا،(۱) اسی لئے فقہاء نے آٹھ رکعتوں کو مسنون قرار دیا ہے، آٹھ رکعت اس طرح ادا کی جائے کہ ہر دو دو رکعت پہ سلام پھیرا جائے: ''والسنة فیها ثمان رکعات بأربع تسلیمات''(۲) لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معمول نبوی ﷺ چار چار رکعتیں ادا کرنے کا تھا۔(۳) اس لیے اس کا اہتمام بہتر معلوم ہوتا ہے۔

نماز استسقاء —— کچھ آداب واحکام

سوال:- {652} ان دنوں حیدر آباد اور مختلف شہروں میں جا بجا نمازِ استسقاء کا اہتمام کیا جا رہا ہے، عوام بڑی تعداد میں شرکت بھی کرتی ہے، لیکن دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ اکثر لوگ اس نماز کے طریقہ سے ناواقف ہیں، تفصیل سے بتائیں کہ نمازِ استسقاء کی کتنی رکعتیں ہیں؟ ان میں کن سورتوں کو پڑھنا چاہئے؟ خطبہ ہوگا یا نہیں؟ نیز اس کے آداب کیا ہیں؟

(ڈاکٹر محمد سلمان، کنگ کوٹھی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ مصیبت ومشکلات کے موقع پر دعا اور نماز کا اہتمام فرمایا

---

(۱) "عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه أخبره : أنه سأل عائشه رضي الله تعالىٰ عنها كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان ؟فقالت : ،ما كان رسول الله ﷺ يزيدفي رمضان و لا في غيره على إحدىٰ عشرة ركعة ، يصلى أربعا ، فلا تسئل عن حسنهن و طولهن ، ثم يصلى أربعا، فلا تسئل عن حسنهن و طولهن ، ثم يصلى ثلاثا " (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۱۱۴۷، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان و غيره) محشی۔

(۲) رد المحتار :۲/۳۶۸۔

(۳) صحيح الباري ،حدیث نمبر:۱۱۴۷۔

کرتے تھے، اور قحط، خشک سالی، پانی کا ختم ہو جانا وغیرہ بھی آفات ہی میں سے ہے، چنانچہ ایسے موقع پر آپ ﷺ نے نمازِ استسقاء کا اہتمام فرمایا، نمازِ استسقاء کی کل دو رکعتیں ہیں، جو جماعت کے ساتھ ادا کی جائیں گی، اور ان میں قراءت جہری ہوگی:

"إن النبي ﷺ خرج بالناس يستسقى لهم فتوجه الى القبلة يدعو ، و حوّل رداءه ، ثم صلى ركعتين يجهر فيهما بالقراءة " (۱)

اور بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلىٰ '' اور دوسری رکعت میں ''هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ '' پڑھے۔(۲) پھر اس کے بعد خطبہ ہے، جو بغیر منبر کے زمین پر کھڑے ہو کر دیا جائے گا:

" فقام بهم على رجليه ، على غير منبر فاستسقى ... و لم يؤذن " (۳)

پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے گی، امام خطبہ دیتے ہوئے لوگوں کی طرف متوجہ رہے اور دعا کرتے وقت قبلہ کی سمت، نیز خطبہ میں عصا استعمال کرے۔(۴)

نمازِ استسقاء کے آداب یہ ہیں کہ لوگ آبادی سے دور کسی میدان میں جمع ہوں، کسی قدر پراگندہ حال ہوں، جانے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کریں، صدقہ دیں اور گریہ وزاری کے ساتھ دعاء کریں، اگر بارش نہ ہو تو تین دن مسلسل نمازِ استسقاء پورے اہتمام کے ساتھ پڑھیں:

" واتفقوا على أن السنة الخروج الى الاستسقاء

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۰۲۴۔
(۲) بدائع الصنائع :۱/۶۳۴۔
(۳) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۰۲۲۔
(۴) بدائع الصنائع :۱/۶۳۴۔

ثلاثة أيام ان تأخرت السقايا مشاة في ثياب رثة متذللين متواضعين ... و قدموا التوبة و يقدمون الصدقة في كل يوم قبل خروجهم"(۱)

نمازِ استسقاء میں بوڑھوں، بچوں کو بھی ساتھ رکھنا چاہئے، بلکہ جانوروں کو بھی:

" و يستسقون الضعفة و الشيوخ والعجائز و الصبيان ... و يستحب اخراج الدواب " (۲)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استسقاء کی دعاء کرتے وقت ہاتھ کے پشت کا حصہ آسمان کی طرف اور ہتھیلی کا حصہ زمین کی طرف ہونا چاہئے، امام مسلمؒ نے یہ روایت حضرت انس ؓ سے نقل کی ہے۔(۳) بعض اور احادیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔(۴)

نماز استسقاء —— ضروری احکام

سوال:- {653} نماز استسقاء کب پڑھی جائے گی؟ اس کے پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور استسقاء کی کیا دعا منقول ہے؟ (محمد جعفر، سکندرآباد)

جواب:- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہو'' (۵) گویا نماز اللہ سے مدد حاصل کرنے کی کلید ہے، چنانچہ مختلف ضرورتوں کے موقع پر مخصوص نمازیں اور کسی بھی ضرورت کے لیے نماز حاجت رکھی گئی ہے، انسان کی ایک بڑی ضرورت پانی ہے،

---

(۱) کبیری: ص:۴۰۶۔

(۲) الدر المختار مع الرد: ۳/۷۲۔

(۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۸۹۶۔

(۴) دیکھئے: جمع الفوائد، حدیث نمبر:۲۰۸۱۔

(۵) البقرة: ۱۵۳۔

اگر لوگ قحط سے دوچار ہو جائیں تو اس موقع کے لیے یہ مخصوص نماز ''استسقاء'' رکھی گئی ہے، استسقاء سے متعلق ضروری احکام اس طرح ہیں:

۱) جب نہریں اور کنویں خشک ہو جائیں، انسان وحیوان کے پینے کی ضرورت نیز کاشت کی ضرورت کے لیے پانی میسر نہ ہو، یا پانی کی ناکافی مقدار ہو، تو ایسی صورت میں استسقاء مسنون ہے:

"وهو مسنون عند الحاجة إليه في موضع لايكون لأهله أو دية ألخ"(۱)

۲) نماز استسقاء کے اصل معنی پانی طلب کرنے کے ہیں، اس لیے پانی کے لیے کی جانے والی دعاء اور نماز دونوں کو ''استسقاء'' کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے جمعہ کے دن خطبہ میں بارش کی دعاء پر اکتفاء کرنا بھی ثابت ہے (۲) اور دو رکعت نماز استسقاء پڑھنا بھی؛ (۳) اسی لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں باتوں کی گنجائش ہے، یہ بھی کہ دعاء پر اکتفاء کیا جائے اور یہ بھی کہ باضابطہ نماز ادا کی جائے؛ البتہ چوں کہ قرآن مجید میں نماز کو اللہ تعالیٰ کی مدد کی کلید قرار دیا گیا ہے، اس لیے نماز پڑھنا بہتر ہے۔

۳) مستحب طریقہ یہ ہے کہ نماز استسقاء پڑھنے سے پہلے تین دن روزہ رکھا جائے، گناہوں سے توبہ کی جائے اور اگر کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی ہو رہی ہو تو اس کی تلافی کی جائے:

"يستحب للإمام أن يأمر الناس أولا بصيام ثلثة أيام"(۴)

---

(۱) طحطاوی علی المراقی: ص:۲۹۹۔
(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۰۳۳۔
(۳) سنن أبي داؤد، عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، حدیث نمبر:۱۱۷۳۔
(۴) طحطاوی علی المراقی: ص:۳۰۰۔

۴) پھر چوتھے دن نماز کے لیے نکلے، پیدل جانا بہتر ہے، پرانے دھلے ہوئے کپڑے ہوں، اگر پیوند والے کپڑے ہوں تو وہ پہن لیے جائیں، چلتے ہوئے سر جھکائے رہیں، فروتنی اور عاجزی کی کیفیت ایک ایک ادا سے نمایاں ہو، توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور بہتر ہے کہ نکلنے سے پہلے کچھ صدقہ بھی کرلیں: ''ویخرجون مشاة فی ثیاب الخ ''(۱)

۵) استسقاء میں بوڑھوں، بچوں، یہاں تک کہ جانوروں کو بھی ساتھ لے جانا مستحب ہے، گویا یہ اللہ تعالیٰ سے رحم کی اپیل ہے کہ ان کمزوروں کے طفیل ہم سب کو پانی سے نوازا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو تمہارے کمزوروں ہی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے،''هل ترزقون وتنصرون إلا بضعفائكم''۔(۲)

۶) نماز استسقاء مکہ، مدینہ اور بیت المقدس میں تو مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں پڑھی جائے گی، لیکن دوسرے مقامات پر بہتر ہے کہ باہر نکل کر صحراء میں نماز ادا کی جائے:

"ویخرجون الی الصحراء إلافی مكة الخ "(۳)

۷) نماز استسقاء انفراداً یعنی تنہا تنہا بھی پڑھی جاسکتی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز استسقاء کے لیے جماعت ضروری نہیں، لیکن جماعت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جماعت کے ساتھ یہ نماز ادا فرمائی ہے اور جس عمل میں جماعت ثابت ہو اس کو اجتماعی طور پر کرنا بہتر ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے:''ید الله علی الجماعة "(۴)

---

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی :ص:۳۰۰۔

(۲) "عن مصعب بن سعد ﷺ قال : رأی سعد أن له فضلا علی من دونه فقال رسول الله ﷺ : هل تنصرون و ترزقون إلا بضعفائكم " (مشكوة المصابیح :ص: ۴۴۶،باب فضل الفقراء و ما كان من عیش النبي ﷺ)محشی۔

(۳) مراقی الفلاح مع الطحطاوی :ص:۳۰۱۔

(۴) " قال رسول الله ﷺ : ید الله علی الجماعة " عن ابن عباس ﷺ ،(الجامع للترمذي،حدیث نمبر:۲۱۶۶،باب ما جاء في لزوم الجماعة)محشی۔

۸) نماز کی کیفیت یہ ہوگی کہ امام دو رکعت نماز پڑھائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ﷺ کو دو رکعت نماز پڑھائی ہے۔(۱)

۹) بہتر ہے کہ نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھی جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے نماز استسقاء میں ان سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے۔(۲) قراءت جہر کے ساتھ کی جائے گی۔(۳) کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے نماز عید کی طرح نماز استسقاء پڑھائی۔(۴) اور نماز عید میں قراءت زور سے کی جاتی ہے۔

۱۰) نماز کے بعد امام خطبہ دے گا، یہ خطبہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مسنون ہے: "ثم یخطب أي یسن له ذلك"(۵) جیسا کہ نماز عید کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے، یہ خطبہ زمین ہی پر کھڑے ہوکر دیا جائے گا۔(۶)

۱۱) خطبہ کے بعد امام قبلہ رخ ہوکر دعا کرے گا، دعا زور سے بھی کی جاسکتی ہے اور آہستہ بھی، دوسرے لوگ امام کے پیچھے قبلہ رخ بیٹھیں گے اور دعا کریں گے۔

اگر امام بلند آواز سے دعا کر رہا ہو تو لوگ اس پر آمین کہتے جائیں گے: "وذلك أن یدعو الإمام قائما، الخ"(۷)

۱۲) عام دعاؤں میں ہاتھ سینے تک اٹھایا جائے گا، لیکن نماز استسقاء میں ہاتھ سر تک اٹھانا مسنون ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اتنا بلند فرمایا کہ بغل مبارک کی

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۵۵۷۔
(۲) مجمع الزوائد :۲/۲۱۲
(۳) مراقی الفلاح :ص:۳۰۰۔
(۴) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۵۵۸۔
(۵) رد المحتار :۱/۶۲۴، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ پاکستان۔
(۶) حوالۂ سابق:۱/۶۲۴۔
(۷) حوالۂ سابق:۳/۷۰۔

سفیدی نظر آتی تھی، البتہ ہاتھ کو سر کی مقدار سے اونچا نہیں ہونا چاہیے، کہ رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح دعا کرنا منقول ہے۔(۱) خاص طور پر استسقاء کی نماز میں ہاتھ اس طرح اٹھایا جائے گا کہ پشت اوپر کی طرف ہو اور ہتھیلی زمین کی طرف، کہ حضرت انس ﷺ نے حضور ﷺ کا یہی عمل نقل کیا ہے۔(۲) بعض دوسری روایات میں بھی یہ بات منقول ہے۔

۱۳) رسول اللہ ﷺ نے نیک فالی کے طور پر چادر کو پلٹ دیا تھا،(۳) اسی لیے امام محمدؒ کی رائے ہے کہ خطبہ کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد چادر پلٹ دی جائے: "قلب الإمام رداء إذا مضى صدر من خطبته"(۴) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز سے پہلے ہی چادر پلٹ دی تھی۔(۵) اور بعض روایات میں ہے کہ دعا سے پہلے آپ ﷺ نے یہ عمل کیا تھا۔(۶) اس لیے خطبہ کے بعد دعا سے پہلے، یا نماز سے پہلے اس عمل کو کرنا چاہیے، اس کا مقصد نیک فالی ہے کہ: اے اللہ جیسے ہماری اس حالت میں تغیر ہوا ہے ویسے ہی موسم میں بھی تغیر فرما دیجئے۔

چادر کو پلٹنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، پہلے اوڑھتے ہوئے جو حصہ اوپر تھا، اب اسے نیچے کر دیا جائے، یا جو حصہ دائیں تھا بائیں کر دیا جائے، یا اندر کے حصہ کو باہر یا باہر کے حصہ کو اندر کر دیا جائے۔(۷)

۱۴) دعا میں خوب الحاح کی کیفیت ہونی چاہیے، رسول اللہ ﷺ سے دعا کے مختلف

---

(۱) سنن أبي دؤد، حدیث نمبر:۱۱۶۸۔
(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۶۹۶۔
(۳) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۰۲۵۔
(۴) رد المحتار:۳/۷۱۔
(۵) صحیح البخاری، عن عباد بن تمیم، حدیث:۱۰۲۵۔
(۶) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۱۶۲۔
(۷) رد المحتار:۳/۷۱۔

الفاظ منقول ہیں، یہاں ایک مختصر دعا نقل کی جاتی ہے، جسے امام ابوداؤدؒ نے حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے:

"اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مُرِيْئًا مُرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ"(۱)

"اے اللہ! ہمیں بھرپور، خوشگوار، شادابی لانے والی، نفع بخش، غیر نقصان دہ، جلدی نہ کہ تاخیر والی بارش عطا فرمایئے"

بہرحال موجودہ حالات میں نماز استسقاء اور دعاءِ استسقاء کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، دعا اپنی زبان میں بھی کی جاسکتی ہے، عربی ہی میں کرنا ضروری نہیں۔

نمازِ استخارہ

سوال:- {654} استخارہ کرنا کہاں تک درست ہے اور اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟ استخارہ کرنے کے بعد خواب میں پانی دیکھنا یا پانی سے منہ دھونا، یا پھر انڈے دیکھنا اچھی تعبیر ہے یا نہیں؟ (یعقوب بیگم مسرور، ادمکیٹ، حیدرآباد)

جواب:- استخارہ کے معنی خیر اور بھلائی طلب کرنے کے ہیں، اسلام سے پہلے عربوں کا طریقہ یہ تھا کہ سفر یا کاروبار شروع کرتے یا نکاح کرتے، تو دیویوں، دیوتاؤں کے سامنے جاکر پانسے نکالتے تھے، کسی پانسہ پر ہاں لکھا ہوتا کسی پر نہیں، کسی پر نفع بخش اور کسی پر نقصان دہ، اس عمل کی جڑیں ان کے مشرکانہ عمل میں پیوست تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، اور اس کے بجائے استخارہ کا حکم فرمایا، تاکہ اللہ ہی سے انسان اپنے معاملہ میں بھلائی اور بھلائی کی رہنمائی کو طلب کرے۔

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۱۷۳۔

جن باتوں کا کرنا واجب یا ناجائز ہو، ان میں استخارہ نہیں، استخارہ ایسے کاموں کے بارے میں ہے جن میں اللہ تعالی نے دونوں پہلوؤں کی اجازت دی ہو،(۱) استخارہ کا مقصد رفع تردد ہے کہ اگر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اطمینان نہ ہو، تو اطمینان حاصل کیا جائے۔

استخارہ کا طریقہ آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ دو رکعت نفل نماز پڑھے اور اس کے بعد دعاء کرے:

" اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ، وَاَنْتَ عَلاَّمُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعِیْشَتِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ، اَوْ قَالَ: فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ آجِلِهٖ، فَیَسِّرْهُ لِیْ، ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ، وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعِیْشَتِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ، اَوْ قَالَ: فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ آجِلِهٖ، فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ، ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ "(۲)

'' اے اللہ! میں آپ کے علم کے مطابق آپ سے بھلائی کا طلب گار ہوں، آپ کے خزانہ قدرت کا خواستگار ہوں، آپ سے آپ کی عظیم مہربانی مانگتا ہوں، آپ قادر ہیں، میں قادر نہیں، آپ باخبر ہیں، میں باخبر نہیں، آپ غیب کی

(۱) دیکھئے :عمدة القاری شرح البخاري:۳/۶۵۰۔

(۲) الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۴۸۰،باب ماجاء في صلاة الاستخارة ۔

باتوں کو بھی جانتے ہیں، اے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ
بات میرے لئے دین و دنیا اور انجام کے اعتبار سے بہتر
ہے، تو اس کو میرے لئے آسان فرما دیجئے، پھر میرے لئے
اس میں برکت دیجئے اور اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ چیز
میرے لئے دین و دنیا اور انجام کے اعتبار سے بہتر نہیں تو
اس کو مجھ سے پھیر دیجئے، اور مجھ کو اس سے اور میرے لئے
جہاں کہیں بھی بھلائی ہو اس کو میرے لیے مقدر فرما دیجئے،
پھر مجھ کو اس پر راضی کر دیجئے''

اس دعاء کے بعد جس چیز کے بارے میں استخارہ کرنا چاہتے ہیں، اس کا ذکر کرے ۔ دعاء کے لئے کوئی خاص زبان متعین نہیں، اگر عربی زبان میں دعاء کرنا دشوار ہو تو اس دعا کا مفہوم اردو زبان میں ہی ادا کر سکتے ہیں، استخارہ کے بعد یہ ضروری نہیں کہ خواب کے ذریعہ ہی رہنمائی ہو، اور نہ یہ ضروری ہے کہ جو خواب دیکھے وہ استخارہ ہی سے متعلق ہو۔ (۱) استخارہ کرنے کے بعد جس بات پر قلب مطمئن ہو جائے اسے اختیار کریں، البتہ ممکن ہے کہ کبھی یہ اطمینان قلبی خواب کی بناء پر حاصل ہو جائے، جب تک قلب کو طمانینت نہ ہو، استخارہ کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔

جہاں تک آپ کے خواب کی بات ہے تو بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ خواب میں سفیدی یا سبزہ کو دیکھنا نیک فال ہے، اور اس بات کے بہتر ہونے کی علامت ہے، اور سیاہ یا سرخ چیز کا دیکھنا اس امر کے نامناسب ہونے کا اشارہ ہے، مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے علامہ شامیؒ کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے۔ (۲) لہذا آپ کا پانی یا انڈے دیکھنا بظاہر اس امر کے بہتر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) دیکھئے : فتح الباری :۱۱/۱۵۸۔
(۲) معارف السنن:۴/۲۷۸۔

نمازِ معکوس

سوال:- {655} بعض اولیاء کرام کے بارے میں یہ ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے ۴۰ دن الٹے لٹک کر نماز ادا کی، ایک بزرگ کی سوانح میں ہے کہ انہوں نے ۴۰ چالیس دن اپنے پاؤں باندھ کر کنویں میں خود کو راتوں کے اوقات الٹا لٹکا لیا اور اسی حالت میں نماز ادا کی اور سجدے کئے، اسی کو ''نمازِ معکوس'' کا نام دیا گیا تو ایسی معکوس نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا حضور ﷺ نے بھی کبھی ایسی نماز پڑھی ہے؟ اور کیا اولیاء کرام انسانی تقاضوں اور بشری ضرورتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں؟

(محمد طالب، سنتوش نگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ، صحابہ ؓ اور سلف صالحین ؒ نے کبھی ایسی نماز نہیں پڑھی، اسلام دین فطرت ہے اس نے کبھی غیر فطری طریقۂ عمل پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا، آپ ﷺ نے نماز کی تفصیلی کیفیت اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعہ بیان فرمادی ہے، اولیاء کرام جو آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کی پیروی کرتے ہیں، حضور ﷺ کے قول و عمل کے خلاف کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ واقعات غلط طریقہ سے ان کی طرف منسوب کر دئے گئے ہیں، ان غلط حکایات کی وجہ سے بزرگوں سے بدگمان نہ ہونا چاہئے، اسلام سے پہلے لوگوں نے انبیاء کی طرف بھی کیا کچھ باتیں منسوب نہیں کی تھیں، انسانی تقاضے اور ضروریات اولیاء کے ساتھ بھی ہوتی ہیں، صحابہ امت میں سب سے بڑے اولیاء تھے، ان کے حالات مستند طریقہ پر منقول ہیں، ان کے واقعات سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بشری تقاضے ان کے ساتھ بھی تھے، البتہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو شرعی حدود کا پابند رکھتے تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ دوسرے انسانوں کے لئے نمونہ کیسے بنتے؟

نوشہ کا دوگانۂ شکرادا کرنا

سوال:- {656} نکاح سے پہلے نوشہ کو قاضی صاحب دو رکعت شکرانہ ادا کراتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(محمد عبدالواحد، پالونچہ)

جواب:- خوشی کے موقع پر نماز شکر ادا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے،(۱) اس لئے اس کے پڑھنے کی گنجائش ہے، البتہ خاص اس موقع پر نماز ادا کرنا رسول اللہ ﷺ یا صحابہ ؓ سے ثابت نہیں، اور آج کل بعض مقامات پر اس کو رواج بنالیا گیا ہے، پس، جہاں بہ طور رواج کے اس طرح نماز ادا کی جاتی ہو، وہاں نہ پڑھنا بہتر ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) مجمع الزوائد:۲/۲۸۲،باب صلاۃ الشکر۔محشی۔

نماز تراویح کا بیان

نابالغ کے پیچھے نمازِ تراویح

سوال:- {657} ہمارے محلہ میں اس سال ایک لڑکے نے حفظ مکمل کیا ہے، لیکن ابھی اس کی عمر پندرہ سال سے کم ہے اور وہ نابالغ ہے، تراویح چوں کہ نفل نماز ہے، تو کیا اس کے پیچھے تراویح ادا کی جاسکتی ہے؟

(محمد شمشاد قاسمی، ناندیڑ)

جواب:- راجح اور درست قول یہی ہے کہ تراویح میں بھی نابالغ، بالغ نمازیوں کی امامت نہیں کرسکتا، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ ''الإمام ضامن ''(۱) اور کوئی چیز اپنے سے کمتر کو شامل ہوسکتی ہے نہ کہ اپنے سے برتر کو، اور صورتِ حال یہ ہے کہ نابالغ کی نماز نفل ہونے کے باوجود کم درجہ کی ہے اور بالغوں کی نماز شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتی ہے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن

(۱) کنز العمال، حدیث نمبر:۲۰۳۹۱، بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، مسند احمد۔

مسعود ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے، حضرت عمر ﷺ نے محمد بن ابی بریدہ کو اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تم کو چھوٹے بچوں کو امام نہیں بنانا چاہئے تھا، آپ کا مکتوب یہ ہے: " ما كان نَولُكَ ! أي : ما كان ينبغي لك أن تقدم للناس غلاما لم تجب عليه الحدود " (۱) اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ جب تک بالغ نہ ہو جائے امامت نہیں کرسکتا۔ " لا يؤم الغلام حتى يحتلم " (۲)

خواتین اور تراویح

سوال:- {658} کیا تراویح کی نماز عورت کو بھی پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کسی عورت کو دس سورتیں ہی یاد ہوں، تو کیا ان ہی دس سورتوں کو بیس رکعتوں میں پڑھ سکتی ہے؟

(ایک بہن، جگتیال)

جواب:- تراویح کی نماز کا حکم عورتوں کے لیے بھی وہی ہے جو مردوں کے لیے ہے، عورتیں بھی اگر تراویح کو بلا عذر ترک کر دیں، تو ترکِ سنت کا گناہ ہوگا، اگر دس سورتیں یاد ہوں تو یہ درست ہے کہ پہلی دس رکعت میں ان سورتوں کو پڑھ جائے، پھر اگلی دس رکعت میں دوبارہ ان ہی سورتوں کو پڑھے، یا ایک رکعت میں کوئی ایک سورت اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتی جائے، یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دینی بھائی کی حیثیت سے ایک خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کی کچھ اور سورتیں یاد کرلیں، ان شاء اللہ تھوڑی محنت سے آپ مزید سورتیں یاد کرسکتی ہیں، قرآن یاد کرنے اور دین کا علم حاصل کرنے کے لیے کوئی عمر متعین نہیں ہے۔

---

(۱) مصنف عبد الرزاق :۲/۳۹۸۔مرتب۔
(۲) دیکھئے:نیل الأوطار :۳/۴۳۔

خواتین اور تراویح وعیدین

سوال:- {659} میرے پڑوس میں چند خواتین نہ تو تراویح کی نماز پڑھتی ہیں نہ تو عید کی، پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ تراویح اور عید کی نماز پڑھنا ضروری نہیں، پڑھیں تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں؟ (ناصرہ بیگم، یاقوت پورہ)

جواب:- تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی، اس پر امت کا اجماع واتفاق ہے:

"التراويح سنة مؤكدة للرجال والنساء إجماعاً"(۱)

یہ ضرور ہے کہ مردوں کے لئے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا افضل ہے اور عورتوں کے لئے تنہا پڑھنا بہتر ہے، البتہ عید کی نماز مردوں پر واجب ہے، عورتوں پر واجب نہیں:

" تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه الجمعة " (۲)

" لاتجب الجمعة على النساء" (۳)

آج کل چونکہ عورتوں کے عیدگاہ جانے اور عید کی نماز میں شریک ہونے میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے خواتین کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ عید کی نماز میں شرکت نہ کریں۔

ایک ہی مسجد میں تراویح کی تین جماعتیں

سوال:- {660} شہر نظام آباد کی ایک مشہور مسجد میں

(۱) الدرالمختار مع رد :۴۹۳/۲۔
(۲) الفتاوی الهندية:۱۵۰/۱۔
(۳) الفتاوی الهندية:۱۴۴/۱۔

تین علیحدہ علیحدہ وقتوں میں نمازِ تراویح کا اہتمام کیا گیا ہے، بعد عشاء سواپارہ، مسجد کے بالائی حصہ میں آٹھ بج کر ۱۵ر منٹ پر روزانہ تین پارے، مسجد کے نچلے حصہ میں دس بج کر چالیس منٹ سے روزانہ سواپارہ۔ کیا یہ درست ہے؟

(محمد فہیم الدین عظمی، نظام آباد)

جواب:- جیسے فرض نمازوں میں تکرار جماعت مکروہ ہے، اسی طرح فقہاء نے نمازِ تراویح میں بھی مکرر جماعت کو منع فرمایا ہے، (۱) اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے، مسجد میں ایک ہی جماعت کی جائے، باقی جماعتیں مسجد سے باہر گھر میں یا کسی اور مقام پر کی جاسکتی ہیں۔

تراویح میں ثناء اور تعوذ

سوال:- {661} تراویح میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ حفاظ کرام تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً قرآن مجید کی قراءت شروع کردیتے ہیں، شاید ثناء وغیرہ نہیں پڑھتے، تو کیا تراویح کے لئے ثناء وغیرہ سے متعلق احکام مختلف ہیں؟ اور چونکہ طویل نماز ہوتی ہے، اس لئے قراءت پر اکتفاء کرلینا درست ہے؟

(عبد المغنی، دبیر پورہ)

جواب:- تراویح کی نماز میں بھی ہر دو رکعت کے شروع میں ثناء، تعوذ اور بسم اللہ پڑھنے کا وہی حکم ہے جو دوسری نمازوں میں ہے، اس لئے عجلت کی وجہ سے ان کا چھوڑ دینا، اسی طرح رکوع اور سجدے اور دونوں سجدوں کے درمیان کے وقفہ کو اتنی جلدی ادا کرنا کہ طمانینت کے ساتھ یہ ادا نہ ہو پائیں درست نہیں ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے ان سب کو نماز تراویح کے منکرات میں شمار کیا ہے:

(۱) "و لو صلی التراویح مرتین في مسجد واحد یکرہ" (الفتاوی الھندیة :۱/۱۱۶)

"مع اشتمالها على ترك الثناء و التعوذ و
البسملة في أول كل شفع " (۱)

تراویح میں تذکیر اور ختم قرآن پر دعا

سوال:- {662} حافظِ قرآن تراویح کی نماز پڑھائے اور ترویحہ کے وقفہ میں مسجد کا امام اللہ اور رسول ﷺ کے ارشادات بلند آواز سے پڑھ کر سنائے، نیز بیس رکعت کے آخر میں ایک مرتبہ دعاء کی جائے، تو کیا یہ درست ہے؟

(شیخ حسن، کھمم)

جواب:- ترویحہ کے وقفہ میں کوئی خاص عمل متعین نہیں، ذکر کیا جاسکتا ہے، قرآن کی تلاوت کی جاسکتی ہے، نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے، دعاء کی جاسکتی ہے اور خاموشی بھی اختیار کی جاسکتی ہے، اللہ و رسول اللہ ﷺ کے ارشادات نقل کرنا بھی ایک کام ہے، اس لئے ان کا سنانا درست ہے، بلکہ بہتر ہے، تاکہ لوگوں تک دین کی بہتر باتیں پہونچ جائیں، تراویح کے ختم پر دعاء کرنا بھی درست ہے، کیونکہ نمازوں کے بعد دعاء کرنا مستحب ہے، اور ظاہر ہے کہ نماز میں تراویح بھی داخل ہے۔

تراویح و وتر کی رکعات و کیفیت

سوال:- {663} (الف) رسول اللہ ﷺ نے کتنی رکعت تراویح پڑھائی اور امت کو کتنی رکعت پڑھنے کا حکم دیا؟

(ب) آپ ﷺ نے وتر کی کتنی رکعتیں پڑھیں اور ایک سلام کے ساتھ، یا دو سلام کے ساتھ؟

(احمد محی الدین ہاشمی، عثمانیہ یونیورسٹی)

(۱) البحر الرائق: ۲/۶۹۔

جواب:- (الف) رسول اللہ ﷺ نے اس خیال سے کہ کہیں نماز تراویح واجب نہ ہو جائے، صرف دو تین دنوں جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے کتنی رکعت تراویح پڑھی؟ اس بارے میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے آج تک بیس رکعت کا معمول رہا ہے، یہ احادیث سے ثابت ہے، اور ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی ایسی بات پر متفق نہیں ہوسکتے جو دین میں ثابت نہ ہو، اس سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمان اعظمیؒ کی "رکعات التراویح" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(ب) رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تین رکعت نمازِ وتر پڑھنے کا تھا، بعض روایتوں میں پانچ یا سات، یا ایک رکعت کا بھی ذکر ہے، لیکن ان کے بارے میں محقق علماء کا خیال ہے کہ اس حدیث کا منشأ وتر اور اس کے ساتھ دو رکعت یا چار رکعت نفل کی ادائیگی ہے، اور ایک رکعت سے وتر پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اس سے طاق عدد بنایا جاتا تھا، کیونکہ آپ ﷺ کے ارشادات اور زیادہ تر معمولات میں تین ہی رکعت کا ذکر ہے۔

یہ تین رکعت ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھی جائے گی، حضرت ثابتؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں تعلیم دینے کے لئے تین رکعت وتر پڑھائی، اور صرف اخیر میں سلام پھیرا: "لم يسلم إلا في آخرهن "(۱)

تین بار سورۂ اخلاص کی نماز تراویح میں تلاوت

سوال:- {664} بعض حفاظ کرام تراویح کی کسی رکعت میں تین بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (ظہیر انور، ٹولی چوکی)

جواب:- نفل نمازوں میں ایک ہی سورت کو تکرار کے ساتھ پڑھنے کی گنجائش ہے،

(۱) آثار السنن، بحوالہ طحاوی، حدیث نمبر: ۶۲۰۔

لیکن سلف صالحین کے دور سے تراویح میں اس طرح کا معمول ثابت نہیں، نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی نماز میں اس سورت کو تین بار پڑھا ہے، حافظوں کی تراویح میں اس طرح سورۂ اخلاص کو تین بار پڑھنے کی وجہ سے لوگوں کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ اس طرح پڑھنا مسنون و مطلوب ہے، جو ظاہر ہے کہ درست نہیں، اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس سے احتراز کرنا چاہئے، دین میں جس چیز کو جو اہمیت حاصل نہ ہو اس کو اس اہمیت کے ساتھ ادا کرنا، یا اس کا التزام کرنا درست نہیں۔

جو شخص روزہ نہ رکھ پائے اس کے لئے تراویح کا حکم

سوال:- {665} میں بیمار ہونے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ پاتا ہوں، ڈاکٹر نے مجھے روزہ رکھنے سے منع کیا ہے، تو کیا میرے لئے تراویح کا پڑھنا سنت ہوگا؟ (محمد فیاض، گنفور)

جواب:- روزہ مستقل عمل ہے اور نماز تراویح مستقل عمل، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اس ماہ کے روزے فرض کئے گئے ہیں، اور رات کا قیام یعنی تراویح نفل" (۱) معلوم ہوا کہ یہ دو مستقل عمل ہے، اگر کسی وجہ سے آدمی ایک عمل سے معذور ہو تو اس کی وجہ سے دوسرا عمل معاف نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ کو تراویح ادا کرنی چاہئے، ورنہ ترک سنت کی وجہ سے عند اللہ جواب دہی ہو سکتی ہے۔

تراویح کی رکعات

سوال:- {666} بیس رکعت تراویح کے سلسلہ میں کیا

---

(۱) "خطبنا رسول الله ﷺ في آخر يوم من شعبان فقال : يا أيها الناس قد أظلكم شهر عظيم مبارك شهر فيه ليلة خير من ألف شهر جعل الله صيامه فريضة و قيام ليله تطوعا ألخ" (مشكوة المصابيح :۱/۱۷۳) مرتب۔

کوئی صحیح حدیث ہے؟ اور یہ صرف احناف کا مسلک ہے یا دوسرے ائمہ کا بھی؟ واضح ہو کہ ہمارے شہر کی ایک مسجد میں کچھ لوگ آٹھ رکعت پڑھنا چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بیس رکعت کا کوئی ثبوت نہیں اور زیادہ تر لوگ بیس رکعت پڑھنے والے ہیں، اس کی وجہ سے آپس میں سخت جھگڑے کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ (رفیق الدین، ظہیر آباد)

جواب:- حضرت عمر فاروق ﷺ کے دور سے بیس رکعت تراویح کا معمول ہے اور اسی پر سلف صالحین کا عمل رہا ہے، چنانچہ یزید بن رومانؒ سے بسند صحیح منقول ہے کہ حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں رمضان میں ۲۳ ررکعت پڑھی جاتی تھی:

"کان یقومون فی زمان عمر بن الخطاب بثلث وعشرین رکعة" (۱)

۲۳ ررکعت سے مراد ۲۰ ررکعت تراویح اور ۳ ررکعت نماز وتر ہے، یہ صرف امام ابوحنیفہؒ کا نقطۂ نظر نہیں، بلکہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے اور زیادہ تر سلف صالحین کی یہی رائے تھی، حافظ ابن رُشد لکھتے ہیں:

"واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالك فی أحد قولیه و ابو حنیفة والشافعی و أحمد و داؤد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر" (۲)

---

(۱) المؤطا للإمام مالك، حدیث نمبر:۲۵۴، باب ماجاء فی قیام رمضان۔
نیز دیکھئے: جمع الفوائد، حدیث نمبر:۲۲۸۲، باب قیام رمضان و تراویح۔ "وسن في رمضان عشرون رکعة بعد العشاء قبل الوتر" (البحر الرائق :۲/۱۱۵) محشی۔
(۲) بدایة المجتهد :۱/۲۸۸، ط: دارالمعرفة، بیروت۔

" رمضان کی نماز تراویح کی رکعات کے سلسلہ میں کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیئے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام داؤد ظاہریؒ اور ایک قول کے مطابق امام مالکؒ نے وتر کے علاوہ بیس رکعت کی رائے اختیار کی ہے"

تاہم ان مسائل میں باہم جدال ونزاع مناسب نہیں، اگر کچھ لوگ آٹھ رکعت پڑھنا چاہتے ہوں اور کچھ لوگ بیس رکعت، تو آٹھ رکعت پڑھنے والے آٹھ رکعت پر اکتفاء کرلیں، اور باقی حضرات بیس رکعت پوری کرلیں، اس طرح دونوں گروہوں کا اپنے نقطۂ نظر پر عمل ہوجائے گا، یوں تو امت کا اتحاد ہر حال میں ضروری ہے، لیکن موجودہ حالات میں اگر مسلمانوں نے ایک دوسرے کی رائے کا احترام اور اختلاف رائے کے باوجود اتحاد کا سبق نہیں سیکھا، تو سخت نقصان اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں وقت کے تیور کو پہچاننے اور اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تراویح میں بسم اللہ زور سے پڑھنا

سوال:- {667} نماز تراویح میں بسم اللہ زور سے پڑھنا درست ہے؟ عام طور پر حفاظ ختم قرآن کے دن سورۂ اخلاص سے پہلے زور سے بسم اللہ پڑھتے ہیں؟

(صبغۃ اللہ، وقار آباد)

جواب:- چونکہ بسم اللہ ایک مستقل آیت ہے، جو سورتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے، سورتوں کا جزء نہیں ہے، اس لئے سورتوں کے شروع میں اسے آہستہ پڑھا جائے گا، حدیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہے، البتہ تراویح میں کہیں ایک جگہ زور سے پڑھ لینا

چاہئے تاکہ قرآن مکمل ہوجائے، ناقص نہ رہے، سورۂ اخلاص سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن اسی سورت کے شروع میں پڑھنا ضروری نہیں، کسی بھی سورت کے شروع میں پڑھا جاسکتا ہے۔

" ينبغي ان يقرأها في التراويح بالجهر مرة ولا تتادى سنة الختم دونها " (۱)

خواتین کی جماعت تراویح

سوال:- {668} کیا خواتین کے لئے نماز تراویح پڑھنا ضروری ہے، نیز ان کے لیے کسی گھر میں جمع ہوکر کسی خاتون کی امامت میں تراویح پڑھ لینا جائز ہے؟ اور تنہا نماز تراویح پڑھی جائے تو کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئے؟

(تسنیم تبسم، امان نگر)

جواب:- (الف) جیسے مردوں کے لئے تراویح سنت مؤکدہ ہے، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی سنت مؤکدہ ہے، تراویح کے حکم میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق نہیں۔ (۲)

(ب) خواتین گھر میں جمع ہوکر کسی خاتون کی اقتداء میں تراویح پڑھ لیں، تو دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے، ایک یہ کہ آواز اتنی بلند نہ ہو کہ غیر محرم مردوں تک پہونچے، دوسرے اتنی دور سے نہ آتی ہوں کہ فتنہ یعنی راستہ میں چھیڑ چھاڑ یا بدنگاہی وغیرہ کا اندیشہ ہو، مگر اس کے باوجود ان کے لیے تنہا نماز تراویح پڑھنا زیادہ باعث ثواب ہے، علامہ ابن ہمامؒ نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

" فإنما يفيد نسخ السنية و هو لا يستلزم ثبوت كراهة التحريم في النفل بل التنزيه و مرجعهما

(۱) فواتح الرحموت مع المستصفی :۲/۱۴۔

(۲) " وهي سنة للرجال و النساء "(الفتاوی الهندية:۱/۱۱۶) محشی۔

إلی خلاف الأولی" (۱)

"عورتوں کے لیے جماعت سنیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، یہ نسل میں جماعت کے مکروہ تحریمی ہونے کو متلازم نہیں ہے اور کراہت تنزیہی کے ساتھ جواز کا حکم باقی ہے، زیادہ سے زیادہ خلاف اولی کہا جاسکتا ہے"

البتہ اس صورت میں امامت کرنے والی عورت صف سے آگے کھڑی ہونے کے بجائے پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہوگی، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا معمول منقول ہے، وہ رمضان المبارک کے مہینہ میں خواتین کی امامت فرمایا کرتی تھیں، اور صف کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں۔ (۲)

(ج) نماز تراویح جماعت سے پڑھی جائے یا تنہا، رکعات کی تعداد میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر صورت میں بیس رکعت ادا کی جائے گی۔

تبلیغی جماعت کے حافظ کے پیچھے تراویح

سوال:- {669} تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے حافظ صاحب کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ان کے پیچھے تراویح پڑھنے کو درست نہیں سمجھتے؟ (اراکین شوری ومعتمد تنظیم المساجد، سدی پیٹ)

جواب:- تبلیغی جماعت کے لوگ ایمان اور عمل صالح کی طرف دعوت دیتے ہیں، کسی بری بات کی طرف نہیں بلاتے، اس لئے ان کے پیچھے نماز کیوں درست نہیں ہوگی؟ تبلیغی جماعت سے منسلک حفاظ کے پیچھے نمازِ تراویح پڑھنا بلا شبہ درست ہے۔

---

(۱) فتح القدیر :۱/۳۰۷۔

(۲) کتاب الآثار لإمام محمد:۱/۶۰۳۔

حافظہ لڑکی کا خواتین کو تراویح پڑھانا

سوال:- {670} حافظہ لڑکیوں کے قرآن کی حفاظت کے لئے اپنے ہی مکان میں موجود خواتین کو جوڑ کر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھانے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر گھر میں خواتین نہ ہوں، تو کیا پڑوسی خواتین بلا اعلان جمع ہو کر اس طرح تراویح پڑھ سکتی ہیں یا نہیں ؟ غالباً مسائل تراویح (ترتیب: مفتی رفعت قاسمی) میں مولانا عبدالحیٔ صاحب کے حوالہ سے اس کی اجازت دی ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟

(محمد نصیر عالم، جالے، دربھنگہ)

جواب:- اگر خواتین اپنی جماعت بنا کر نماز پڑھ لیں، تو نماز کے درست ہو جانے پر تو محل جمہور کا اتفاق ہے، علامہ ابن ہمامؒ بڑے محقق، فقیہ اور محدث ہیں، وہ تو اس سلسلہ میں اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں: "فإنهن لو صلين جماعة جازت بالإجماع "(۱) مگر اجماع کا دعویٰ نظر ہے، مالکیہ کے یہاں خواتین کی جماعت جائز نہیں، (۲) البتہ اس میں شبہ نہیں کہ خواتین کی جماعت کا اہتمام بہتر نہیں ہے، کیونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اسی اندیشہ کے تحت رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف مردوں پر جماعت کو واجب قرار دیا اور دوسری طرف عورتوں کے لئے مستحب بھی نہیں رکھا، بلکہ فرمایا کہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، (۳)

---

(۱) فتح القدیر :۱/۳۰۶۔

(۲) الخرشی :۲/۳۵!۔

(۳) نبی ﷺ نے فرمایا:" و صلاتك في دارك خير لك من صلاتك في مسجد قومك الخ "(دیکھئے: مسند أحمد بن حنبل ،حدیث نمبر: ۲۶۵۵۰، بحوالۂ جمع الفوائد :۱/۲۰۴، حدیث نمبر: ۱۲۱۵، باب المساجد) محشی۔

اس لئے خواتین کے لئے تراویح کی جماعتوں کا اہتمام ایسا عمل نہیں ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

فتنہ کا اندیشہ دو وجوہ سے پیدا ہوتا ہے، ایک تو دور دور سے خواتین کا آنا، دوسرے نماز پڑھانے والی حافظہ کی آواز، اس لئے اگر گھر کی خواتین یا پڑوس کی خواتین ایسے محفوظ گھر میں جمع ہو جائیں جہاں پردہ کا پورا اہتمام ہو اور دور سے آنا نہ پڑے، نیز امامت کرنے والی حافظہ خاتون قرآن ایسی معتدل آواز میں پڑھے کہ آواز نماز میں شریک ہونے والی خواتین تک محدود رہے، غیر محرموں تک نہ پہنچے، تو اس کی گنجائش ہے، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق خواتین امامت کرتے ہوئے صف کے بیچ میں ہی کھڑی ہوں گی، نہ کہ صف کے آگے، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان کے مہینہ میں خواتین کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں: ''کانت تؤم النساء فی شھر رمضان فتقوم وسطا ''(۱) یہی رائے میرے استاد حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند کی بھی ہے، چنانچہ اپنے ایک تفصیلی فتویٰ کے اخیر میں فرماتے ہیں:

> (ب) اگر اتنی بڑی جماعت کی امامت ہو، جس میں آواز معتاد آواز سے زائد ہو تو تمام قیود و شرائط کے باوجود مکروہ تحریمی و ناجائز ہوگا۔
>
> (ج) اگر ماہِ رمضان میں حافظہ قرآن عورتوں کی چھوٹی جماعت جس میں آواز معتاد کے اندر اندر رہے اور تمام قیود و شرائط کے اندر رہے اور عورت صف سے صرف چار انگل آگے رہے تو "الأمور بمقاصدها" کے تحت یہ فعل جائز رہے گا۔

---

(۱) کتاب الآثار: حدیث نمبر: ۲۱۷، باب المرأة تؤم النساء و کیف تجلس فی الصلاۃ۔ محشی۔

(د) اگر ماہِ رمضان المبارک میں صرف دو دو، تین تین عورتوں کی جماعت جو محض بہ نیت حفظِ قرآن پاک اور بطور دور ہو، اور قیود وشرائط کے موافق ہو اور مکان محفوظ کے اندر ہو، جس میں آواز اپنی معتاد آواز سے زائد نہ رہے تو بلا شبہ جائز رہے گی، بلکہ "الأمور بمقاصدها" کے تحت مستحسن بھی ہو سکتی ہے۔ والعلم عند اللہ ۔(۱)

تراویح کس مسجد میں پڑھی جائے؟

سوال:- {671} تراویح کس مسجد میں افضل ہے؟ آج کل بعض لوگ محلہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مساجد میں تراویح پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

(سید زاہدہ فروین، یاقوت پورہ)

جواب:- نماز خواہ کوئی بھی ہو، مسجدِ محلہ کا حق زیادہ ہے، البتہ اگر اس کے دوسری جگہ نماز پڑھنے کے باوجود محلہ کی جماعت باقی رہے اور یہ مسجد جماعتِ تراویح سے محروم نہ ہو جائے، نیز اپنی کسی سہولت یا امام کے زیادہ متقی اور اچھے ہونے یا قرآن کے زیادہ حصہ کی تلاوت کرنے کی وجہ سے دوسری مسجد میں تراویح کی نماز ادا کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

تراویح میں لقمہ

سوال:- {672} کیا تراویح پڑھتے وقت حافظ صاحب آیت بھول جائیں تو لقمہ دے سکتے ہیں؟ (واحد، آصف نگر)

جواب:- اگر امام سے قرآن پڑھنے میں بھول ہو جائے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے،

(۱) مطبوعہ سہ ماہی حراء، شمارہ نمبر:۱ صفحہ نمبر:۸۳۔

لقمہ دیتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ امام مزید التباس میں نہ پڑ جائے، یعنی اگر امام صحیح طور پر پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو تو اوّلاً اس کو موقعہ دیا جائے، اگر امام نہ پڑھ پائے تو لقمہ دیا جائے، لقمہ کوئی ایک شخص دے اور اس طرح پڑھے کہ امام کو سمجھ میں آجائے، جو شخص نماز میں شریک نہ ہو اس کو لقمہ نہ دینا چاہئے اور اگر اس نے لقمہ دے ہی دیا اور امام نے قبول کر لیا، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔(۱)

جنازہ پہلے یا تراویح پہلے؟

سوال:- {673} رمضان کے مہینہ میں عشاء کے وقت اگر جنازہ آجائے تو نمازِ جنازہ فرض نماز کے بعد ادا کرنا چاہئے یا تراویح کے بعد؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر نماز مغرب کے وقت جنازہ آجائے تو مغرب کی فرض نماز کے بعد اور سنت سے پہلے نماز جنازہ ادا کی جائے: "تقدم صلاة الجنازة على سنة المغرب"(۲) اس سے معلوم ہوا کہ فریضۂ عشاء کے بعد اور نمازِ تراویح سے پہلے نمازِ جنازہ ادا کرنی چاہئے۔

ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتیں

سوال:- {674} بعض مسجدوں میں بیک وقت تراویح کی دو جماعتیں ہوتی ہیں، ایک اوپر کی منزل میں اور ایک نیچے، یا ایک اندر اور ایک صحن میں، ایک جگہ زیادہ قرآن پڑھا جاتا

(۱) "وإن فتح غير المصلي على المصلي فأخذ بفتحه تفسد كذا في منية المصلي" (الفتاوى الهندية :۱/۹۹، باب في ما يفسد الصلاة الخ) محشی۔

(۲) الفتاوى الهندية:۱/۱۶۴۔

ہے اور دوسری جگہ کم، کیا اس طرح تراویح کی ایک سے زیادہ
جماعتیں درست ہیں؟ (محمد کبیر، شاہین نگر)

جواب:- نماز میں قرآن کی کتنی مقدار پڑھی گئی؟ اس سے زیادہ اہمیت اجتماعیت کو بر قرار رکھنے کی ہے، کثرت جماعت سے مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے دور میں ابتداء چھوٹی چھوٹی علاحدہ جماعتیں ہوا کرتی تھیں، آپ ﷺ نے اس سلسلہ کو ختم فرما کر ایک جماعت کردی، اور حضرت ابی بن کعبؓ کو اس کا امام مقرر فرمایا، (۱) اسی طرح فقہاءؒ نے یکے بعد دیگرے بھی ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتوں کو مکروہ قرار دیا ہے:

"ولو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره" (۲)

لہذا ایک وقت دو جماعتیں تو بدرجۂ اولی مکروہ ہوں گی۔

دو امام مل کر تراویح پڑھائیں؟

سوال:- {675} اگر دو امام مل کر تراویح کی نماز پڑھائیں، دس رکعت پہلا امام اور دس رکعت دوسرا امام، تو کیا اس طرح تراویح پڑھانا درست ہے؟ (عبدالمجید، مشیر آباد)

جواب:- بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی امام پوری بیس رکعتیں پڑھائے، اگر دو امام پڑھائیں تو مستحب ہے کہ پہلا امام ترویحہ مکمل ہونے پر دوسرے امام کو آگے بڑھائے، مثلاً: وہ آٹھ رکعت پڑھائے اور دوسرا بارہ رکعت، یا وہ بارہ رکعت پڑھائے اور دوسرا آٹھ رکعت:

"الأفضل أن يصلي التراويح بإمام واحد، فإن

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۰۱۰، باب فضل من قام رمضان، کتاب صلاة التراويح۔ محشی۔
(۲) (الفتاوى قاضی خان علی ھامش الفتاوى الهندية: ۱/۲۳۴) محشی۔

صلوها بامامين فالمستحب أن يكون انصراف
كل واحد على كمال الترويحة " (١)

عشاء، وتر اور تراویح علیحدہ امام پڑھائیں؟

سوال:- {676} بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ مستقل امام صاحب نماز عشاء اور وتر پڑھا دیتے ہیں اور حافظ صاحب تراویح، کیا یہ صورت درست ہے؟ (محمد بدرالدین، کرنول)

جواب:- اس طرح نماز پڑھانا درست ہے، حضرت عمر ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نمازِ عشاء اور وتر خود پڑھایا کرتے تھے اور نماز تراویح حضرت ابی بن کعب ﷺ پڑھایا کرتے تھے:

" وقد كان عمر ﷺ يؤمهم في الفريضة وكان
أُبي ﷺ يؤمهم في التراويح " (٢)

پہلے تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کرے یا وتر با جماعت؟

سوال:- {677} اگر کسی کی تراویح کی چند رکعتیں چھوٹ جائیں تو اسے پہلے یہ رکعتیں ادا کرنی چاہئیں یا وتر کی جماعت میں شامل ہو جانا چاہئے؟ (عبدالمتین، سدی پیٹ)

جواب:- ایسی صورت میں بہتر ہے کہ پہلے وتر جماعت کے ساتھ پڑھ لے، پھر تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کر لے۔

" وإذا فاتته ترويحة أو ترويحتان فإذا اشتغل

---

(١) الفتاوى الهندية: ١/١١٦۔
(٢) حوالہ سابق

بها يفوته الوتر بالجماعة ، يشتغل بالوتر، ثم يصلى ما فاته من التراويح " (۱)

تراویح کی بعض رکعتیں طویل اور بعض مختصر

سوال:- {678} عام طور پر تراویح میں ختم قرآن کے دن ابتدائی رکعتوں میں قرآن مجید کی زیادہ مقدار پڑھی جاتی ہے اور آخری چار رکعت میں کچھ چھوٹی سورتیں کیا ایسا کرنا بہتر ہے؟ (مصلح الدین، کوہیر)

جواب:- بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ تمام ترویحات میں قرآن برابر پڑھا جائے، البتہ ایک میں زیادہ اور ایک میں کم پڑھنے میں بھی قباحت نہیں، بشرطیکہ مصلیوں کو اس سے بوجھ نہ ہوتا ہو:

" الأفضل تعديل القراءة بين التسليمات فان خالف فلا بأس به " (۲)

تراویح کی قضا

سوال:- {679} اگر کسی شخص کی تراویح قضا ہو جائے تو وہ کس طرح اس کی قضا پڑھے؟ (عابد علی، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- اگر تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ سکا، تو اسی شب میں صبح ہونے سے پہلے پہلے کسی بھی وقت تراویح ادا کر لے، جب رات گزر گئی اور اگلا دن شروع ہو گیا، تو اب تراویح کی قضاء کی گنجائش نہیں، نہ تنہا اور نہ جماعت کے ساتھ، اب اپنی کوتاہی کے لئے استغفار کرے :

---

(۱) الفتاوى الهندية : ۱/۱۱۷۔

(۲) حوالہ سابق

"إذا فاتت التراويح لا تقضى بجماعة ولا بغيرها وهو الصحيح" (۱)

تراویح کے درمیان گرین لائٹ جلانا

سوال:- {680} ہمارے پاس والی مسجد میں تراویح کے درمیان گرین لائٹ جلا دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے مصلیان پر نیند کا غلبہ ہوتا رہتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(محمد جاوید اقبال، ناندیڑ)

جواب:- اسلام میں اس کی اہمیت نہیں کہ نماز کے وقت لائٹ جلائی جائے یا نہ جلائی جائے اور جلائی جائے تو کس رنگ کی؟ اہمیت اس بات کی ہے کہ اس نماز کو اس کے آداب اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی جائے، اس لئے یہ نماز پڑھنے والوں کی سہولت اور منتظمین کی صواب دید سے متعلق ہے، تاہم ایسی باتوں کو باہمی اختلاف اور انتشار کا سبب نہ بننے دیجئے۔

نماز تراویح کی نیت

سوال:- {681} نماز تراویح کی نیت کس طرح باندھی جائے؟ بحیثیت فرض کے یا سنت مؤکدہ کے یا نفل کے؟

(سید نظام علی عابدی، پانی کی ٹانکی، قدیم ملک پیٹ)

جواب:- نماز تراویح کے سلسلہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ تراویح یا قیام لیل یا سنت وقت کی نیت کی جائے، تاہم مطلق نفل یا سنت کی نیت کرلے تو بھی کافی ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"و يكفيه مطلق النيه للنفل و السنة والتراويح و

(۱) الفتاوى الهندية : ۱/۱۱۷۔

هو الصحيح ... والاحتياط في التراويح أن ينوي التراويح او سنة الوقت أو قيام الليل"(۱)

کیا حضور ﷺ نے تراویح کا حکم دیا؟

سوال:- {682} کیا حضور ﷺ نے نماز تراویح کا حکم دیا؟ (سید نظام علی عابدی، قدیم ملک پیٹ)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من صام رمضان و قامه إيمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه".(۲)

''جس نے رمضان کے روزے رکھا اور قیام رمضان کیا اخلاص کے ساتھ، اس کے پچھلے گناہ معاف کردئے جائیں گے''

یہاں قیام رمضان سے رمضان کی مخصوص نماز یعنی تراویح مراد ہے، اس سے تراویح کی تاکید معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے قیام رمضان یعنی تراویح کو صیام رمضان یعنی روزہ کے ہم درجہ کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے، جبکہ روزے فرض ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تراویح گو سنت ہے، لیکن شریعت میں یہ بہت ہی مؤکد اور مہتم بالشان عمل ہے۔

ایک شبی اور سہ شبی شبینہ

سوال:- {683} مسجد میں آخری عشرہ میں ایک شبی شبینہ اور کبھی سہ شبی شبینہ کیا جاتا ہے اور اکثر مساجد میں اس کا

---

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۶۵۔

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۶۸۳، باب ما جاء في فضل شهر رمضان ۔

اہتمام کیا جاتا ہے؛ کیا یہ عمل دور رسالت مآب ﷺ وخلافت راشدہ میں رائج تھا؟

(س، ج، سنتوش نگر، محمد منظور احمد شریف، ملک پیٹ)

جواب:- چونکہ نماز میں قرآن مجید پڑھنے کی کوئی قطعی حد مقرر نہیں ہے، اس لئے اگر اس طرح نماز پڑھائی جائے تو نماز ہو جائے گی؛ لیکن رسول اللہ ﷺ یا صحابہ ﷺ کے عہد میں ایک شب یا تین شب میں پورے قرآن مجید کی تکمیل کا اہتمام نہ تھا، بلکہ غالبا ثبوت بھی نہیں، عام طور پر فقہاء نے پورے ماہ میں ایک ختم مسنون قرار دیا ہے، فقہاء حنفیہ میں صدر الشہید بہت اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ ہر رکعت میں دس آیات پڑھنی چاہیے(۱) بعض حضرات نے دو ختم کو افضل قرار دیا ہے، (۲) ایک اور دو ختم کی بات اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے درمیان جو مذاکرہ قرآنی ہوا کرتا تھا، وہ پورے رمضان میں ایک ختم قرآن پر مشتمل ہوتا تھا اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال کے مذاکرہ میں دو دفعہ قرآن ختم ہوا اور تراویح میں اس سنت کی پیروی کا پہلو بھی ملحوظ ہے، فتاویٰ عالمگیری میں تین ختم تک اجازت دی گئی ہے، لیکن یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھا کرتے تھے، نیز یہ لکھا ہے کہ اتنا قرآن نہ پڑھا جائے کہ لوگ جماعت سے بھاگنے لگیں۔ (۳)

آج کل جو شبینے منعقد کیے جاتے ہیں، اس میں قرآن اتنا تیز پڑھا جاتا ہے کہ تجوید کا لحاظ نہیں ہو پاتا، بلکہ اکثر اوقات تو الفاظ بھی سمجھ میں نہیں آتے، کچھ لوگ رکوع کا انتظار کر کے جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور جو لوگ شروع سے شامل ہو کر پڑھتے ہیں وہ بھی تکان

---

(۱) خلاصة الفتاوی:۱/۶۴۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) الفتاوی الهندية:۱/۱۱۸-۱۱۷۔

وجہ سے کسل مندی سے دوچار ہوتے ہیں، کچھ لوگ چند دنوں میں قرآن ختم کر کے باقی دنوں میں تراویح ہی کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں کراہت سے خالی نہیں اور ایسی صورتوں میں قرآن کی بے احترامی اور بے تکریمی کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسا غلو مناسب نظر نہیں آتا، ہاں اگر کسی شخص میں حوصلہ و ہمت ہو وہ خود تنہا اس طرح نماز پڑھ لے تو شاید مضائقہ نہ ہو۔ واللہ اعلم

ہر ترویحہ پر اجتماعی تسبیح

سوال:- (684) نماز تراویح کی ہر چار رکعت پر جو تسبیح پڑھی جاتی ہے، کیا ان تسبیحات کا پڑھنا اور اجتماعی طور پر پڑھنا حدیث یا صحابہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے؟

(عبدالرشید، سکندر آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے اس وجہ سے کہ احکام شریعت کے نزول کا سلسلہ جاری ہے کہیں نماز تراویح امت پر واجب نہ قرار دیا جائے، جو آئندہ امت کے لئے باعث مشقت ہو، اہتمام کے ساتھ روزانہ تراویح کی نماز نہیں پڑھائی، چنانچہ احادیث میں کیفیت تراویح کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی اور ائمہ مجتہدین کے دور میں بھی خاص ان کلمات کے ساتھ تسبیح پڑھنے کا ثبوت نہیں جن کو عام طور پر پڑھا جاتا ہے، بلکہ بعض لوگ تسبیح پڑھ لیتے، بعض کوئی اور ذکر کر لیتے، مدینہ میں زیادہ معمول ہر ترویحہ کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے کا تھا، مکہ میں لوگ اس وقفہ میں طواف کر لیتے یا دو رکعت نفل پڑھ لیتے، چنانچہ فقہاء نے یہی لکھا ہے کہ دو ترویحہ کے درمیان کوئی ذکر یا دعا متعین نہیں، چاہے تو کچھ تسبیح پڑھ لیں یا خاموش بیٹھے رہیں (۱) پھر تسبیح میں کیا کلمات پڑھے جائیں؟ اس کی بھی تعیین نہیں، ویسے تسبیح کے جو کلمات عام طور پر پڑھے جاتے

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۱۵، بدائع الصنائع :۱/۶۴۸، البحر الرائق :۲/۱۲۲۔

ہیں، وہ متفرق طور پر اور دوسرے مواقع پر حدیث سے ثابت ہیں، اس لئے انہیں پڑھ لینے میں بھی حرج نہیں، جہاں تک اجتماعی طور پر پڑھنے کی بات ہے، تو جیسے ہی سلام پھیرا گیا جماعتی عمل ختم ہوگیا، اب ہر شخص کو انفرادی طور پر ذکر کرنا ہے، اس لئے تسبیحات بھی انفرادی طور پر پڑھنی چاہئیں، خواہ تسبیح کے یہ کلمات پڑھیں یا کچھ اور، یا تسبیح کے بجائے ذکر و دعا کریں۔

تراویح کی رکعات

سوال:- {685} تراویح آٹھ رکعت سنت ہے یا بیس رکعت؟ (محمد صلاح الدین، معین باغ)

جواب:- حدیث کی ایک اہم کتاب مصنف ابن ابی شیبہ ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعت اور نماز وتر ادا فرمایا کرتے تھے، اس روایت میں گو کچھ کلام ہے، لیکن یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا اہتمام ہوتا تھا، امام مالک یزید بن رومان سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ کے زمانہ میں لوگ رمضان المبارک میں تئیس رکعت پڑھا کرتے تھے (۱) یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر، حضرت عمر ﷺ کے اس عمل پر کسی صحابی ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی، بلکہ دوسرے خلفاء راشدین ﷺ کے عہد میں بھی اسی پر عمل رہا، (۲) حالانکہ اس زمانہ میں اکابر صحابہ ﷺ موجود تھے، اس سے اس روایت کو تقویت پہونچتی ہے جس میں آپ ﷺ کے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے، نیز حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے طریقہ اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو اختیار کرو:

---

(۱) مؤطا إمام مالک :۱/۴۰۔

(۲) "عن أبي الحسناء أن علي بن أبي طالب أمر رجلا ليصلي بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة" (کنز العمال، حدیث نمبر:۲۳۴۷۴، باب صلاة التراويح) محشی۔

" عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين "(۱)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین کی اس متفقہ سنت سے اعراض نہ ہونا چاہئے، آٹھ رکعت کے بہ طور تراویح پڑھنے کا حدیث میں ذکر نہیں، ہاں نماز تہجد میں آٹھ رکعت کا معمول ثابت ہے، (۲) چنانچہ ائمہ اربعہ بیس رکعت تراویح پر متفق ہیں، (۳) بلکہ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ اس پر صحابہ ﷺ کا اجماع ہے۔(۴)

تراویح سنت ہے یا مستحب؟

سوال:- {686} بعض لوگ کہتے ہیں کہ تراویح سنت ہے اور بعض کہتے ہیں مستحب، میرے ایک دوست مرزا مبین بیگ نے ایک کتاب دکھا کر ثابت کردیا ہے کہ تراویح سنت ہے، جبکہ ۲۴/ نومبر کے مینارۂ نور میں درس حدیث کے تحت بیان کیا گیا کہ نماز تراویح نفل ہے، ان دو باتوں میں سے کونسی بات درست ہے؟ وضاحت کیجئے۔ (خواجہ نجم الدین، کریم نگر)

---

(۱) دیکھئے: سنن ابن ماجة ، حدیث نمبر: ۴۲-۴۳، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين۔

(۲) " عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه أخبره : أنه سأل عائشه رضي الله تعالىٰ عنها كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان ؟فقالت : ،ما كان رسول الله ﷺ يزيدفي رمضان و لا في غيره علىٰ إحدىٰ عشرة ركعة ، يصلى أربعا ، فلا تسئل عن حسنهن و طولهن ، ثم يصلى أربعا، فلا تسئل عن حسنهن و طولهن ، ثم يصلى ثلاثا " (صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۱۱۴۷، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان و غيره) مرتب۔

(۳) دیکھئے: تقریر ترمذی مولانا محمود حسن: ص:۲۴۔

(۴) بدائع الصنائع :۱/۶۴۴۔

جواب:- اہل سنت والجماعت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز تراویح اور اس کا جماعت سے ادا کرنا سنت موکدہ ہے:

"لا خلاف بين أهل السنة في سنية التراويح و أدائها بالجماعة سنة مؤكدة "(۱)

کیونکہ حضرت عمرؓ کے دور سے باہتمام نماز تراویح کا ادا کرنا ثابت ہے، البتہ تراویح انفرادی طور پر بھی سنت موکدہ ہے، اور تراویح کی جماعت سنت موکدہ علی الکفایہ ہے، کہ اگر کچھ لوگ مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرلیں اور باقی لوگ گھر میں تو تارک سنت نہیں ہوں گے، اور اگر مسجد میں تراویح کی جماعت ہی نہیں ہوتی تو سب لوگوں کو ترک سنت کا گناہ ہوگا، جہاں تک تراویح کو نفل کہنے کی بات ہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ بعض دفعہ نفل کہہ کر مستحب مراد لیا جاتا ہے اور بعض دفعہ ان تمام احکام کو نفل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جو واجب نہ ہوں، اس لحاظ سے سنت پر بھی نفل کا اطلاق ہوتا ہے، آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے اس میں نماز تراویح کو نفل کہنے کا مقصد یہی ہے۔

میدان اور گھر میں تراویح

سوال:- {687} ماہ رمضان المبارک میں مساجد کے علاوہ شادی خانہ یا کسی کے مکان پر تراویح کا اہتمام کیا جارہا ہے، جس میں تین پارے، پانچ پارے بھی سنائے جاتے ہیں، کیا تراویح کی جماعت مسجد کو چھوڑ کو شادی خانہ یا کسی کے گھر پر ادا کی جاسکتی ہے؟ (محمد عبدالسلیم، مشیرآباد)

جواب:- مساجد میں تراویح کا ادا کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، یعنی اگر محلہ کی مسجد

---

(۱) تقریر ترمذی: ص: ۲۴۔

میں تراویح کا اہتمام ہی نہ ہو پائے اور تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں یا کسی میدان میں نماز ادا کرلیں تو سبھی حضرات تارک سنت سمجھے جائیں گے، لیکن اگر مسجد میں بھی تراویح ہورہی ہو اور کچھ لوگ اپنے گھر میں یا کسی میدان میں تراویح کی جماعت کرلیں، تو اس میں مضائقہ نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے پوری روئے ارض کو نماز کی جگہ بنایا گیا ہے، ''جعلت لی الأرض مسجدا ''(۱) یعنی پچھلی امتوں میں یہ حکم تھا کہ لوگ اپنی عبادت گاہ ہی میں نماز ادا کیا کریں، لیکن امت مسلمہ کو اللہ تعالی کی جانب سے یہ خصوصیت عطا فرمائی گئی کہ وہ روئے ارض پر کہیں بھی نماز ادا کر سکتے ہیں، تین پارے، پانچ پارے یا چھ پارے پڑھنا شرکاء نماز کے نشاط پر موقوف ہے، اگر لوگ نشاط و توجہ کے ساتھ اتنے پارے پڑھ اور سن سکتے ہوں تو تراویح میں قرآن کی اس مقدار کا پڑھنا درست ہے، اگر قرآن کی زیادہ مقدار کی وجہ سے لوگوں میں بے توجہی اور سستی پیدا ہو جائے تو ایسے لوگوں کو کم مقدار والی تراویح میں شرکت کرنی چاہئے، کیونکہ قرآن کے احترام کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کم قرآن مجید سننا بے احترامی اور بے رغبتی کے ساتھ زیادہ قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے مقابلہ میں بہتر ہے۔

مساجد میں خواتین کی تراویح اور سماعت قرآن مجید

سوال:- {688} (الف) محلہ کی مساجد میں نماز تراویح کے لئے مستورات کا جمع ہونا کیا درست ہے؟ جب کہ اس پر فتن دور میں خواتین کا رات کے وقت اپنے گھروں سے نکلنا خطرہ سے خالی نظر نہیں آتا، کیا اسی طرح خواتین کسی ایک گھر میں جمع ہو کہ حافظہ خاتون کے ساتھ نماز تراویح ادا کر سکتی ہیں؟

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۳۸، باب قول النبي ﷺ جعلت لي الأرض مسجدا و طهورا۔

(ب) کیا صرف خواتین کسی گھر میں جمع ہوکر مرد حافظ کے پیچھے نماز تراویح پڑھ سکتی ہیں؟

(ج) خواتین دن میں کسی جگہ جمع ہوکر مرد حافظ سے تین دن یا پانچ دن میں مکمل قرآن مجید سن سکتی ہیں؟

(د) کیا کوئی حافظ لڑکی حفظ کو باقی رکھنے کی غرض سے دن میں اپنے قریبی رشتہ دار خواتین سے جو پاس ہی رہتی ہوں، بغیر کسی اعلان اور اشتہار کے روزانہ پانچ پارے با تجوید مصحف دیکھے بغیر سنانے کا اہتمام کرسکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر حافظ لڑکیوں کے لئے حفظ کو باقی رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟

(م، ع، غ، واجد، مادنا پیٹ، سعید آباد)

جواب:- (الف-ج) رسول اللہ ﷺ نے خواتین کے لئے اسی کو پسند فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہتے ہوئے عبادت کریں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''عورت کا اپنے چھوٹے کمرہ میں نماز پڑھنا دالان میں نماز پڑھنے سے اور دالان میں نماز پڑھنا گھر کے احاطہ میں نماز ادا کرنے سے اور گھر کے احاطہ میں نماز ادا کرنا محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے،(۱)

حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، ظاہر ہے کہ یہ نماز مسجد اور مسجد نبوی جیسی

(۱) بیہقی :۳/۱۳۱۔

عالی مرتبت مسجد میں ادا ہوتی اور وہ بھی آپ ﷺ کی اقتداء
میں، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کو تلقین فرمائی کہ وہ
اپنے گھر میں نماز پڑھیں، یہ زیادہ بہتر ہے"(۱)

اسی لئے عام طور پر فقہاءؒ نے لکھا کہ عورتوں کا مسجدوں میں آنا بہتر نہیں، یہ رائے صرف حنفیہ کی نہیں، بلکہ دوسرے فقہاء کی بھی ہے، فقہاء شوافع میں مشہور محدث اور فقیہ امام نوویؒ نے شرح مہذب (۲) میں اور فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ مقدسیؒ نے اپنی مشہور کتاب "المغنی "(۳) میں بھی یہی لکھا ہے، اس لئے محلہ کی مساجد ہوں یا محلّہ کا کوئی مکان، تراویح پڑھانے والا مرد ہو یا عورت، یہ اجتماع نماز پڑھنے کے لئے ہو یا محض قرآن سننے کے لئے، موجودہ حالات میں کراہت سے خالی نہیں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

مسجدوں کو بازار اور دوسرے مواقع پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اگر ان مقامات پر کوئی ناشائستہ بات پیش آتی ہے تو یہ برائی دنیا کی طرف منسوب ہوتی ہے، اس سے بازار بدنام ہوں گے، لیکن وہی بات بلکہ اس سے کمتر درجہ کی بات بھی کسی دینی مرکز پر یا مسجد میں پیش آئے تو اب یہ برائی دین کی طرف منسوب ہوگی، دینی مراکز بدنام ہوں گے اور دین کے وقار و اعتبار کو نقصان پہنچے گا، اس لئے صحیح طریقہ یہی ہے کہ خواتین اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور جب نماز کے لئے باہر نکلنا مناسب نہیں جب کہ نماز میں جماعت مطلوب ہے تو محض قرآن مجید سننے کے لئے باہر نکلنے کے کیا معنی؟

اصل خوشنودی اور رضا حاصل کرنا ہے نہ کہ اپنے جذبات کی تکمیل اور خواہشات کی تسکین، پس جب شریعت نے خواتین کے لئے یہ رعایت رکھی ہے کہ گھر میں نماز ادا کرنے میں زیادہ اجر

---

(۱) فتح الباری :۲/۳۵۰۔ نیز دیکھئے: مسند أحمد بن حنبل ، حدیث نمبر: ۲۶۵۵، بحوالہ جمع الفوائد ، حدیث نمبر: ۱۲۱۵۔ محشی۔

(۲) الشرح المہذب :۴/۱۹۸۔

(۳) المغنی :۲/۱۸۔

وثواب ہے تو مسجدوں میں اور دوسرے مقامات پر جا کر نماز ادا کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ گھر میں نماز ادا کرنے میں زیادہ اجر وثواب کا حاصل ہونا یقینی ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور باہر جا کر نماز پڑھنے میں گناہ کا اندیشہ ہے، تو یقینی اجر وثواب کو چھوڑ کر اندیشۂ گناہ مول لینا کیا عقلمندی کی بات ہو سکتی ہے؟

(د)　حافظہ خاتون کے لئے حفظ باقی رکھنے کی صورت یہ ہے کہ تلاوت کلام پاک کی کثرت رکھیں، تنہا نماز ادا کرتے ہوئے قرآن مکمل کرلیں اور اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ اپنے ہی گھر کی خواتین کو کسی کمرہ میں اکٹھا کر کے تراویح پڑھادیں اور قرآن اس طرح پڑھا جائے کہ غیر محرم مردوں تک آواز نہ پہنچے، چونکہ اس صورت میں فتنہ کا اندیشہ نہیں، اس لئے اس کی گنجائش ہے، البتہ اس صورت میں امام کو پہلی صف کے وسط میں کھڑا ہونا چاہئے، نہ کہ نمازیوں سے آگے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہی عمل منقول ہے(۱)

پیسے لے کر قرآن سننا

سوال:- {689} زید حافظ قرآن ہے اور وہ ہر سال تراویح میں قرآن سناتا ہے اور اپنے قرآن سنانے کا وہ روپیہ یعنی ہدیہ بھی لیتا ہے، گذشتہ رمضان میں ختم قرآن کے دن ایک صاحب نے غیر ضروری شوشہ چھوڑا کہ قرآن سنانے کے پیسے لینا جائز نہیں اور اگر زید اگلے سال روپیہ لے کر قرآن سنانے کی بات کرے گا تو ہم زید کے پیچھے قرآن نہیں سنیں گے، جب کہ زید کہتا ہے کہ ہم اپنے قیمتی وقت اور محنت کے پیسے لیتے ہیں؟ (مولوی محمد رہبر عالم، رعدی، ہوڑگی، بہار)

جواب:- تراویح میں قرآن مجید سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں، اجرت سے مراد یہ

(۱)　الہدایۃ:۱/۱۲۶، ط: کراچی۔

ہے کہ کوئی شخص تراویح سے پہلے یا تراویح پڑھانے کے بعد معاوضہ کا مطالبہ کرے، یا اسی امید پر پڑھائے کہ لوگ اجرت ادا کریں گے، اگر اس کی امید نہ ہوتی تو نہ پڑھاتا، ہاں اگر مطالبہ بھی نہیں تھا اور دل میں یہ خیال بھی نہ تھا کہ اگر اجرت نہیں ملے گی تو نہ پڑھاؤں گا، حافظ کے زبان و دل سے انکار کے باوجود لوگوں نے تحفہ پیش کردیا تو اب اس کے قبول کرلینے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ نہ اس میں طلب ہے اور نہ اشراف، قرآن کا سنانا عبادت ہے اور عبادت کے ادا کرنے میں جو محنت لگے اور وقت صرف ہو، اس کی اجرت لینا جائز نہیں، پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ تراویح میں ختم قرآن ضروری نہیں اور اسی پر تراویح کا درست ہونا موقوف نہیں۔

تراویح میں عورتوں کی امامت

سوال:- {690} عورتوں کے لئے عورت کی امامت مکروہ بتلائی گئی ہے، لیکن علم الفقہ میں جائز لکھا ہے، صحیح مسئلہ کیا ہے؟ آج کل تراویح میں حافظہ عورت قرآن سنائے تو بہت سی عورتوں کو نماز کا ذوق بھی ہوسکتا ہے، اور قرآن سننے کا موقع بھی مل سکتا ہے، فی زمانہ دینی حالات کے اعتبار سے اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ (محمد تقی الدین، مدرسہ نور)

جواب:- قرآن وحدیث سے تو ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی ہے کہ عورتوں کی جماعت اور ان میں کسی خاتون ہی کی امامت سے منع کیا گیا ہو، بلکہ بعض روایات سے عورتوں کی امامت کرنا معلوم ہوتا ہے، دارقطنی، مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان المبارک میں عورتوں کی امامت فرمایا کرتی تھیں، (۱)

(۱) ”عن عائشة أم المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنها أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطا“ (كتاب الآثار للإمام محمد: ۴۴/۱، حدیث نمبر: ۲۱۷، باب المرأة تؤم النساء و كيف تجلس في الصلاة) محشی۔

ابوداؤد، دار قطنی اور حاکم نے نقل کیا ہے:

"آپ ﷺ نے حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دے دی تھی کہ اپنے گھر ہی میں اہل خانہ کی امامت کرلیا کریں "(۱)

امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے:

"حضرت علی ؓ نے اپنے عہد خلافت میں مردوں کے لئے تراویح کا علاحدہ امام اور عورتوں کے لئے علاحدہ امام مقرر کر دیا تھا"(۲)

ظاہر ہے عورتوں کے لئے ایک علاحدہ امام خاتون ہی رہی ہوں گی، اس لئے کہ خالص عورتوں کے لئے مرد امام کا تقرر فتنہ سے خالی نہیں۔

البتہ صاحب ہدایہ کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے: "و حمل فعلها الجماعة على ابتداء الإسلام "(۳) لیکن یہ قرین قیاس نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کم عمر صحابیات میں ہیں اور مدنی زندگی میں آپ ﷺ کی رفیقہ حیات رہی ہیں، اس لئے یہ عمل حضور ﷺ کی اخیر زندگی کا ہے، حضرت علی ؓ کے عمل سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعد کے ادوار میں فقہاء نے فتنہ کو پیش نظر رکھ کر خالصۃ عورتوں کی جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے، اور یہ عورتوں سے متعلق دین کے مجموعی احکام اور ان کی روح کے مطابق بھی ہے، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

(۱) "و أمرها أن تؤم أهل دارها "(سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۹۲، باب إمامة النساء) محشی۔

(۲) کشف الغمه :۱/۱۶۷۔

(۳) الهداية :۱/۱۲۳۔

"و یکره للنساء أن یصلین وحدهن الجماعة"(۱)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ویکره إمامة المرأة النساء فی الصلوة کلها من الفرائض و النوافل إلا فی صلوة الجنازة "(۲)

آپ نے جو صورت تحریر کی ہے اس میں چونکہ قرآن کے ضائع ہو جانے اور خواتین کے حفظ کرنے کے بعد پھر بھول جانے کا اندیشہ ہے اور نماز اور قرآن کے لئے ترغیب کا باعث بھی ہوسکتا ہے، اس لئے کوئی ایسا مکان ہو جس میں پردہ کا پورا پورا اہتمام ہو، صرف اس گھر یا قریب کے گھروں کی عورتیں جمع ہو جائیں، اجنبی اور غیر محرم مردوں کی اس طرف آمد نہ ہو اور بظاہر فتنہ و معصیت کا اندیشہ نہیں ہو، تو نماز پڑھ لی جاسکتی ہے، اس صورت میں امام کا طریقہ یہ ہے کہ امام آگے کھڑی ہونے کے بجائے صف کے وسط میں کھڑی ہو" وإن فعلن قامت الإمام وسطهن "(۳) مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسی طرح امامت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔(۴)

تراویح میں ایک ہی آیت کی تکرار

سوال:- {691} اکثر حفاظ تراویح میں ایک آیت کی بار بار تکرار کرتے ہیں، کیا کثرت تکرار پر سجدہ سہو واجب ہے اور اس کی کیا حد ہے؟ (مولانا ہارون رشید قاسمی، ورنگل)

جواب:- نفل نماز میں تو قصداً بھی تکرار مکروہ نہیں، البتہ فرض نمازوں میں ایسا کرنا

---

(۱) الہدایة :۱/۱۲۳۔

(۲) الفتاوی الهندیة :۱/۸۵، نیز دیکھئے:الہدایة:۱/۴۴۔

(۳) الهدایة:۱/۱۲۳۔

(۴) الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة ، علی هامش الهدایة : ۱/۱۲۳۔

مکروہ ہے، لیکن عذر، مثلاً بھول جانے کی صورت میں تو فرض نمازوں میں بھی تکرار درست ہے اس سے نماز میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا جس کی تلافی کے لئے سجدہ سہو واجب ہو، تراویح کا شمار نفل نمازوں میں ہے، اس لئے بدرجہ اولیٰ اس میں تکرار سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا:

" إذا کرر آیة واحدة مرارا فإن کان فی التطوع الذی یصلی وحده فذلك غیر مکروه وإن کان فی الصلوة المفروضة فهو مکروه فی حالة الاختیار وأما فی حالة العذر والنسیان فلا بأس " (۱)

تراویح میں قرآن کی مقدار

سوال:- {692} نماز تراویح میں کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کتنا قرآن سنا جاسکتا ہے؟

(عبداللہ یونس، چندرائن گٹہ)

جواب:- کم سے کم اتنا قرآن پڑھنا بہتر ہے کہ مہینہ بھر میں ایک قرآن مکمل ہو جائے، اس سے زیادہ قرآن کا پڑھنا مقتدیوں کی بشاشت پر موقوف ہے، مقتدی بشاشت اور نشاط کے ساتھ جتنا قرآن سن سکیں، اتنا ہی قرآن سنانا چاہئے، یوں جہاں تک نماز تراویح ادا ہو جانے کی بات ہے تو اس میں جو حکم اور نمازوں کا ہے وہی حکم نماز تراویح کا بھی ہے، یعنی سورۂ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں کم سے کم تین چھوٹی آیتیں، یا تین چھوٹی آیت کے بقدر ایک بڑی آیت پڑھ لی جائے، تو نماز تراویح ہو جائے گی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) الفتاوی الهندیة :۱/۱۰۶۔

قضاء نمازوں کا بیان

نوافل کے بجائے فرائض کی قضاء

سوال:- {693} بعد نماز ظہر دو رکعت سنت ادا کرنے کے بعد کیا ہم نفل چھوڑ کر فجر یا کسی فرض کی قضاء کر سکتے ہیں؟

(م،م، معظم، مشیر آباد)

جواب:- سنت مؤکدہ کے ادا کرنے کا تو اہتمام کرنا چاہئے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہ اہتمام ادا فرمایا ہے، البتہ سنن مؤکدہ کے علاوہ جو غیر مؤکدہ سنن اور نوافل ہیں، ان کے مقابلہ فوت شدہ فرائض کو ادا کر لینا زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ فرائض نوافل پر مقدم ہیں۔(۱) گو بعض فقہاء نے چاشت کی نماز، صلاۃ التسبیح، تحیۃ المسجد، صلاۃ الاوابین اور عصر سے پہلے چار رکعت کو بھی سنن مؤکدہ ہی کے حکم میں رکھا ہے۔(۲) لیکن ظاہر ہے کہ ان کی اہمیت بہ مقابلہ فرائض اور ان سے متعلق سنن راتبہ کے کم ہے۔

---

(۱) " الاشتعال بالفوائت أولیٰ و أهم من النوافل إلا السنن المعروفة " (الفتاوی الهندية:۱/۱۲۵) محشی۔

(۲) دیکھئے: رد المحتار :۲/۵۳۶۔

آپ ﷺ کی نمازیں کب قضا ہوئیں؟

سوال:- {694} کس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسلسل چار نمازیں قضا ہوگئیں اوران نمازوں کی قضا ہونے کی وجہ کیا تھی؟ (فوزیہ جبین، جگتیال)

جواب:- یہ واقعہ غزوۂ خندق کا ہے، رواتوں میں فوت ہونے والی نمازوں کی مختلف تعداد منقول ہے، کیونکہ کئی دنوں تک مسلمانوں کا محاصرہ جاری تھا، اس لیے تعداد کا یہ فرق الگ الگ دنوں کا ہوسکتا ہے، یہ نمازیں اس لیے قضا ہوئیں کہ محاصرہ کرنے والے مشرکین کی طرف سے شدید تیر اندازی کا سلسلہ جاری تھا، آپ ﷺ سے غزوہ کی اس کیفیت اور مرض وفات میں مسلسل غشی کی وجہ سے بعض نمازیں قضا ہوئیں، باقی سخت سے سخت حالات میں بھی کبھی آپ ﷺ نے نماز قضاء نہیں ہونے دی، اس سے نماز کے اہتمام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

قضاء نماز پڑھنے کے اوقات

سوال:-{695} قضاء نماز پڑھنے کا کیا کوئی وقت مقرر ہے؟ اور کن اوقات میں قضاء نماز نہیں پڑھنی چاہئے؟ (آفتاب الدین، گلبرگہ)

جواب:- قضاء نماز انسان کے ذمہ اللہ تعالی کی نسبت سے ایک دَین ہے، اور دَین کو جس قدر جلد ممکن ہو، ادا کرنا چاہئے، اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی نماز قضاء ہو جائے تو پہلی فرصت میں اسے ادا کرلے، تاہم اگر ایسا نہ کرسکے، تب بھی قضاء اس کے ذمہ باقی رہتی ہے، اور عمر بھر بھی اسے ادا کیا جاسکتا ہے:

"لیس للقضاء وقت معین بل جمیع اوقات

العمر وقت له " (۱)

رسول اللہ ﷺ نے سورج نکلنے، سورج ڈوبنے اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، (۲) اس لئے ان اوقات میں قضاء کی نماز کو پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہئے، باقی دوسرے اوقات میں کسی بھی وقت قضاء نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، فجر کے بعد تا طلوع آفتاب اور نمازِ عصر کے بعد تا غروب آفتاب نفل نمازوں کی ممانعت ہے، لیکن ان اوقات میں بھی قضاء نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں۔

قضاء نمازوں میں ''عصر'' اور ''کوثر'' کی تلاوت

سوال:- {696} اگر کسی کو دو تین سال کی نمازیں قضاء کرنی پڑے تو کیا سورۂ عصر اور سورۂ کوثر کے ذریعہ نماز ادا کی جاسکتی ہے، کیونکہ اتنی نمازوں کی قضاء دشوار ہے؟

(س، ج، سنتوش نگر)

جواب:- قرآن مجید کی مقدار کے اعتبار سے قضاء اور ادا کا حکم ایک ہی ہے، یعنی ادا میں قرآن کی جتنی مقدار کا پڑھنا مستحب ہے، قضاء میں بھی اتنی مقدار کی تلاوت مستحب ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اگر وقت پر نماز ادا کی جائے تو سورہ عصر اور سورہ کوثر کے ذریعہ نماز ادا ہو جائیگی، تو

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۲۱۔

(۲) " عن عقبة بن العامر الجهني ﷺ قال : ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن ، أو أن نقبر فيهن موتانا : حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع و حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس و حين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب " (صحيح مسلم ، حدیث نمبر: ۸۳۱، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها ، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر: ۳۱۹۲، باب الدفن عند طلوع الشمس و عند غروبها ، الجامع للترمذي ، حدیث نمبر: ۱۰۳۰، باب ما جاء في كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس و عند غروبها) محشی۔

قضا نماز بھی اس طرح ادا ہو جائیں گی، قضاء کی کثرت کی وجہ سے اگر اندیشہ ہو کہ طویل قراءت کرنے کی صورت میں قضاء کا ادا کرنا دشوار ہوگا، اور مختصر قراءت میں قضاء کی تکمیل ہو جائے گی تو ان مختصر سورتوں کے ذریعہ قضاء کر لینی چاہئے، کیونکہ قضاء واجب ہے اور قراءت کی مقدار کی رعایت مستحب، اور کسی مستحب کا چھوڑ دینا واجب کے چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔

پہلے عصر کی قضا یا مغرب؟

سوال:- {697} عصر کی نما اگر قضاء ہو جائے اور مغرب کا وقت شروع ہو گیا تو پہلے عصر کی قضاء کر کے مغرب پڑھی جائے، یا مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد عصر کی قضاء کرے؟ (ایم اے خان، مہدی پٹنم)

جواب:- ایسا شخص جو صاحب ترتیب ہو یعنی جس کے ذمہ پانچ نمازوں کی قضاء نہ ہو، اس کے لئے واجب ہے کہ ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے پہلے عصر ادا کر لے، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھے، خواہ جماعت چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو؛ کیونکہ نمازوں کے درمیان ترتیب کی رعایت واجب ہے: ''الترتیب بین فروض الخمسة والوتر اداء و قضاء لازم'' (۱) لیکن جو صاحب ترتیب نہیں ہو یعنی اس پر پانچ سے زیادہ نمازوں کی قضاء واجب ہے، اس کے لئے جائز ہے کہ پہلے مغرب کی نماز ادا کرے، پھر عصر کی نماز ادا کرے۔

کئی نمازیں چھوٹ جائیں اور دن یاد نہ ہو؟

سوال:- {698} (الف) کسی شخص کی کئی نمازیں چھوٹ گئیں، اب یاد نہیں ہے کہ کس دن کی فجر، ظہر، یا کوئی اور نماز چھوٹی ہے، ایسی صورت میں وہ کس طرح چھوٹی ہوئی

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار:۲/۵۲۳۔

نمازوں کی قضاء کرے؟ (ب) کیا وتر اور سنت فجر کی بھی قضاء
کی جائے گی؟ (محمد نصیر عالم سبیلی، جالے)

جواب:- (الف) اگر یہ یاد نہ ہو کہ اس کی کون سی نمازیں اور کس کس دن کی فوت ہوئی ہیں، تو اپنے حالات کے تحت تحری اور اندازہ کرے، کہ اس کی کون سی نماز چھوٹی ہوگی، پھر اس طرح نیت کرے کہ میں اپنی چھوٹی ہوئی پہلی ظہر یا آخری ظہر ادا کرتا ہوں، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے کہ اس کے لئے خلاصی کی یہی صورت ہے،" و هذا هو المخلص لمن لم يعرف الأوقات الفائتة "(۱)

(ب) واجب نماز کی بھی قضاء واجب ہوتی ہے، سنت کی اصلاً قضاء نہیں ہے، (۲) ہاں فجر کی فرض نماز کے ساتھ فجر کی سنت بھی قضاء کی جاسکتی ہے نہ کہ تنہا سنت کی، ویسے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ سنت کی بھی قضاء کی جاسکتی ہے، البتہ فرض کی قضاء فرض ہوگی، واجب کی واجب اور سنت کی سنت۔ (۳)

وتر اور فجر کی سنت کی قضاء

سوال:- {699} اگر فجر اور عشاء کی نماز قضاء ہو جائے تو کیا فجر کی سنتیں اور عشاء کی وتر کی بھی قضاء کی جائے گی؟ (مقصود یمانی، اکبر باغ)

جواب:- (الف) وتر کی نماز تو واجب ہے، اس لیے جس طرح فرض کی قضاء واجب ہے، وتر کی قضاء بھی واجب ہے. فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ چاہے وتر سہواً چھوٹ گئی ہو یا قصداً، اور قریبی زمانہ میں چھوٹی ہو یا زیادہ عرصہ گذر چکا ہو، بہر صورت قضاء واجب ہوگی:

---

(۱) " والسنن إذا فاتت عن وقتها لم يقضها " (الفتاوى الهندية :۱/۱۲۲، باب النوافل) محشی۔
(۲) الأشباه والنظائر :ص:۶۰۔
(۳) حاشیہ مولانا احمد علی سہارنپوری علی الجامع للترمذی:۱/۹۹۔

"یجب القضاء بترکه ناسیًا أو عامدًا، وإن طالت المدة" (۱)

(ب) سنت اور نفل کی یوں تو قضاء نہیں، قضاء تو فرائض وواجبات کی ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"إن الأداء یشتمل الواجب و المندوب و القضاء یختص بالواجب" (۲)

لیکن فجر سے پہلے کی دوگانہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے، اس لئے بہتر ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد یہ دو رکعتیں ادا کر لے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے فجر کی دو رکعت (سنت) ادا نہیں کی، اسے چاہئے کہ طلوع آفتاب کے بعد ان رکعتوں کو پڑھ لے'' (۳)

مشہور محقق اور حنفی عالم مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی لکھا ہے کہ ان رکعتوں کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لینا چاہئے.(۴) اس لئے سنت فجر کی قضاء کر لینا بہتر ہے۔

نماز فجر کی قضاء

سوال:- {700} فجر کی نماز کی قضاء کا کیا وقت ہے؟ کیا ظہر میں فجر کی قضاء ملا کر پڑھی جائے؟

(سبحان محی الدین، ورنگل)

---

(۱) الفتاوی الهندیة :۱/۱۱۱

(۲) رد المحتار:۲/۵۱۹۔

(۳) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۲۳، باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس۔

(۴) معارف السنن :۴/۱۰۰-۹۹۔

جواب:- اگر آنکھ اس وقت کھلے جب سورج طلوع ہو رہا ہو تو وقت مکروہ شروع ہو جانے کی وجہ سے کچھ تاخیر سے فجر کی قضاء کر لینی چاہئے، تاکہ مکروہ وقت گذر جائے، اور سورج اچھی طرح نکل آئے، ایک بار سفر میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو اس کی نوبت آئی تو آپ ﷺ نے کسی قدر تاخیر سے سورج اچھی طرح نکلنے کے بعد فجر کی قضاء فرمائی، (۱) اگر ظہر تک بھی فجر کی قضاء نہیں کر پایا تو ظہر سے پہلے ضرور قضاء کر لینی چاہئے، تاکہ غفلت نہ ہو، البتہ جو شخص صاحب ترتیب ہو یعنی اس پر چھ نمازوں سے کم نمازیں باقی ہوں، تو ایسے شخص کے لئے ظہر سے پہلے فجر کی قضاء کر لینی واجب ہے۔

جہری نماز کی قضاء کیسے کرے؟

سوال:- {701} اگر عشاء اور فجر کی نماز قضاء ہو جائے اور اسے ظہر کے وقت ادا کرے تو قراءت جہری ہوگی یا سری؟ اس طرح ظہر وعصر کی قضاء مغرب کے بعد کی جائے تو اس میں قراءت کس طرح ہوگی، سری یا جہری؟

(نادر المسدوسی، مغلپورہ)

جواب:- جن نمازوں میں سری قراءت ہے، قضاء میں بھی وہ نمازیں سری ہی ادا کی جائیں گی، جو نمازیں جہری ہیں، اگر جہری اوقات میں ادا کی جائیں تو بالاتفاق ان کی قضاء میں اختیار ہے۔ زور سے بھی قراءت کر سکتا ہے اور آہستہ بھی اور اگر دن کے اوقات میں جہری کی قضاء کی جائے تو فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک ایسی صورت میں سری قراءت واجب ہے، جہری قراءت جائز نہیں، اور بہت سے فقہاء کے نزدیک اس صورت

---

(۱) "فلما ارتفعت الشمس وابياضت قام فصلى" (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۹۵، باب الأذان بعد ذهاب الوقت، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۶۸۲، باب قضاء الفائتة و استحباب تعجيل قضائها) محشی۔

میں بھی اختیار ہے، جس طرح چاہے قراءت کرے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"ویخافت المنفرد حتمًا أو وجوباً إن قضی الجهرية في وقت المخافة... لكن تعقبه غير واحد و رجحوا تخييره" (۱)

قضاء نمازیں یاد نہ ہوں

سوال:- {702} میری کتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں، وہ یاد نہیں، اب میں ان نمازوں کی قضاء کرنا چاہتی ہوں تو کس طرح کرسکتی ہوں؟ (عائشہ فردوس، گلبرگہ)

جواب:- اس کے لئے آپ کو خود اپنا ذہن ٹٹولنا ہوگا، اور اندازہ لگانا پڑے گا، نماز بالغ ہونے کے بعد فرض ہوئی ہے، عورتوں کے لئے یہ خصوصی رعایت ہے کہ حیض ونفاس کے ایام کی نمازیں ان سے معاف ہیں، اس لئے آپ پہلے اندازہ کریں کہ کتنوں دنوں سے آپ پر نماز فرض ہے اور مہینوں میں کتنے دنوں آپ کو نماز کی ضرورت نہیں ہوتی؟ پھر غور کیجئے کہ ان پانچوں نمازوں میں کون سی نماز آپ سے زیادہ فوت ہوتی رہتی ہے، اور کس نماز میں آپ زیادہ پابندی کا اہتمام کرتی رہتی ہیں؟ ان تمام امور کو ملحوظ رکھ کر اندازہ لگائیے اور جتنی نمازیں زیادہ آپ کے خیال میں قضاء ہوئی ہوں ان کو ادا کرنا شروع کردیجئے، اگر یہ اہتمام کرلیں کہ جو نماز ادا کریں اسی نماز کی باقی ماندہ نمازوں میں سے ایک نماز بھی ادا کرتی جائیں، تو آسانی ہوگی، نیت کا طریقہ یہ ہوگا کہ مثلاً یوں کہیں کہ میں فوت شدہ پہلی فجر ادا کرتی ہوں یا آخری فجر ادا کرتی ہوں، آپ کے خیال کے مطابق جب قضاء ادا ہوجائے تو آئندہ کوشش کریں کہ کوئی نماز قضاء ہونے نہ پائے، اس کے باوجود اگر کچھ نمازیں باقی رہ گئی تو اللہ تعالیٰ کی شان کریمی سے امید ہے کہ اللہ اسے معاف کردیں گے۔

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۲/۲۵۲-۲۵۱۔

عصر کے بعد قضاء عمری

سوال:- {703} عصر کی نماز کے بعد قضاء عمری کی نمازیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑھ سکتے ہیں تو کن کن اوقات میں ممنوع ہے؟ (خورشید احمد، گری نگر، بالانگر)

جواب:- عصر اور فجر کے بعد قضاء نماز پڑھنا جائز ہے؛ البتہ طلوع شمس، استواء شمس اور غروب شمس کے وقت پڑھنا ممنوع ہے۔(۱)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

(۱) "ليس للقضاء وقت معين بل جميع أوقات العمر وقت له إلا ثلاثة وقت طلوع الشمس و وقت الزوال و وقت الغروب فإنه لا تجوز الصلاة في هذه الأوقات" (البحر الرائق :۲/۱۴۱)محشی۔

سجدہ سہو کا بیان

سورہ فاتحہ سے پہلے درود پڑھ لے

سوال:- {704} اگر تحریمہ باندھنے کے بعد اور تعوذ وتسمیہ پڑھنے سے پہلے غلطی سے کوئی دوسری سورت یا درود شریف تلاوت کرلے، پھر خیال آنے پر ثنا اور تعوذ وتسمیہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد کوئی سورت ملالے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلے، تو اس کی نماز ہوجائے گی یا لوٹانی پڑے گی؟

(خلیل الرحمان، مدینہ مسجد، محبوب نگر)

جواب:- چونکہ پہلے درود شریف یا سورۂ فاتحہ کے بجائے دوسری سورت پڑھنے کی وجہ سے وہ تاخیر رکن یا تاخیر واجب کا مرتکب ہوا؛ اس لئے اس پر سجدۂ سہو واجب ہوا، (۱) سجدۂ سہو کرلے تو نماز ادا ہوجائے گی، نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۱) " ولا يجب سجود إلا بترك الواجب أو تأخيره " (الفتاوى الهندية :۱/۱۲۶)

سورۂ فاتحہ مکمل پڑھنا واجب ہے؟

سوال:- {705} نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے تو مکمل سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے؟ اگر مصلی سورہ فاتحہ کی ایک آیت بھول جائے تو کیا سجدۂ سہو واجب ہے؟ اور سورہ فاتحہ کے ساتھ ملائی جانے والی سورہ کی ایک آیت کو سہوا دومرتبہ پڑھ دے تو کیا تکرار واجب قرار پاکر سجدۂ سہو لازم ہوگا؟ (سید مصطفیٰ)

جواب:- جی ہاں! مکمل سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی آیت بھول جائے تو ترک واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہے، (۱) اگر سورہ فاتحہ کے ساتھ پڑھی جانے والی سورہ کی ایک آیت کو دومرتبہ پڑھ دے تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ (۲)

---

(۱) اکثر متون میں یہ بات درج ہے کہ اکثر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی آیت چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب نہیں، لیکن "قہستانی" میں امام اعظمؒ کا مسلک نقل کیا گیا ہے کہ مکمل سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، لہذا اگر کوئی آیت بھی چھوٹ جائے تو ترک واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے لیکن فتوی پہلے قول پر ہے کہ سجدۂ سہو واجب نہیں، ہاں! اگر سجدۂ سہو کر لے تو بہتر ہے۔

" وقرأة فاتحة الكتاب فيسجد للسهو بترك اكثرها لا أقلها ، ولكن في المجتبى يسجد بترك آية منها وهو أولى (الدر المختار) وفي القهستانى إنها بتمامها واجبة عنده فأما عندهما فأكثر ها " (رد المحتار :۱/۳۰۷)

(۲) "إذا كرر آية واحدة مرارًا إن كان في التطوع الذى يصليه وحده فذالك غير مكروه، وإن كان في الفريضة فهو مكروه ، وهذا في حالة الاختيار اما في حالة العذر والنسيان فلا باس به ، تتمات فيما يكره من القرأة في الصلاة " (كبيرى:ص:۴۶۲)

سورہ فاتحہ کی ایک آیت کا تکرار

سوال:- {706} (الف) نماز میں سورہ فاتحہ واجب ہے تو کیا اس کی ہر آیت واجب ہے؟

(ب) اگر کوئی مصلی سورہ فاتحہ کی ایک آیت سہواً دو مرتبہ پڑھے تو کیا تکرار واجب قرار پاکر اس مصلی پر سجدۂ سہو لازم ہوگا؟ (سید محمد مصطفیٰ)

جواب:- (الف) جی ہاں! پوری سورہ فاتحہ کی قراءت واجب ہے، مسئلہ اختلافی ہے، لیکن فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے کہ ان کے نزدیک پوری سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔(۱)

(ب) سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، کیونکہ آیت کا عذر کی بناء پر تکرار مکروہ نہیں، بلا عذر مکروہ ہے، لیکن اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

---

(۱) "قوله قراءة الفاتحة فيسجد بترك أكثرها لا أقلها، لكن في المجتبى: يسجد بترك آية منها، وهو أولى قلت عليه فكل آية واجبة" (الدر المختار على هامش رد المحتار:۱/۳۳۸)

"(قوله بترك أكثرها) يفيد أن الواجب الأكثر ولا يعرى عن تأمل - بحر - و في القهستاني: أنها بتمامها واجبة عنده، وأما عندهما فأكثرها، ولذا لا يجب السهو بنسيان الباقي ... (قوله عليه) أي و بناء على ما في المجتبى، فكل آية واجبة وفيه نظر؛ لأن الظاهر أن ما في المجتبى مبني على قول الامام بأنها بتمامها واجبة، وذكر الآية تمثيل لا تقييدا اذ بترك شيئ منها آية أو أقل ولو حرفا لا يكون آتيا بكلها الذي هو الواجب كما أن الواجب ضم ثلاث آيات فلو قرأ دونها كان تاركًا للواجب، افاده الرحمتي. (رد المحتار :۱/۳۳۸، ط: رشیدیہ، پاکستان)

سورۂ فاتحہ کا نہ پڑھنا یاد آجائے

سوال:- {707} فرض نماز ہو کہ سنت، پہلی رکعت ہو کہ دوسری رکعت، انفرادی نماز ادا کرتے ہوئے ضم سورت کی قراءت کے وقت خیال آیا کہ شاید سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہیں کی گئی، تو کیا ضم سورت کو درمیان میں چھوڑ کر پھر سے سورۂ فاتحہ پڑھ کر ضم سورت کرنی چاہئے؟ (نادر المسدوسی، مغلپورہ)

جواب:- سورۂ فاتحہ کے نہ پڑھنے کا خیال غالب گمان کے درجہ میں ضم سورت کے وقت آئے، بلکہ رکوع کے بعد بھی آئے تو سورۂ فاتحہ پڑھ کر ضم سورت کی جائے، اگر رکوع کے بعد یہ بات یاد آئی تو فاتحہ اور ضم سورت کر کے دوبارہ رکوع کرے گا، اور ہر دو صورت میں واجب کی ترتیب میں خلاف ورزی اور واجب یا رکن میں تاخیر کی وجہ سے اخیر میں سجدۂ سہو بھی کرے گا، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"ولو تذكر ولو بعد الرفع من الركوع عاد، ثم أعاد الركوع أنه في تذكر الفاتحة يعيد السورة أيضا" (۱)

فرض نماز کی پہلی دو رکعت میں سورہ بھول جائے تو سجدۂ سہو

سوال:- {708} اگر امام فرض نماز کی دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ پڑھنا عصر یا ظہر میں بھول جائے تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ (جنید بک ڈپو، مشیرآباد)

جواب:- اگر فرض کی پہلی یا دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت نہ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۵۴۴۔

ملائے، تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے:

" و لو قرأ الفاتحة و حدها و ترك السورة يجب عليه سجود السهو " (۱)

اس میں جہری اور سری نماز میں کوئی فرق نہیں۔

ان صورتوں میں سجدۂ سہو نہیں

سوال:- {709} اگر چار رکعت والی نماز کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملا لے، یا قیام کی حالت میں تشہد پڑھ دیا، تو کیا اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ (خان فیروز خان، نظام آباد)

جواب:- تیسری چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کرنا چاہئے، لیکن اگر سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت بھی پڑھ لے، یا غفلت میں سورۂ فاتحہ ہی کو مکرر پڑھ لے، یا قیام کی حالت میں تشہد پڑھ جائے تو ان صورتوں میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا:

" إن قرأ الفاتحة في الأخريين مرتين أو ضم فيها سورة أو قرأ التشهد مرتين في الأخيرة أو تشهد قائماأو راكعا أو ساجدا لا سهو عليه "(۲)

ظہر و عصر میں زور سے قراءت

سوال:- {710} امام اگر ظہر یا عصر کی نماز میں غلطی سے زور سے قراءت کرنے لگے، تو کتنی مقدار پڑھنے پر سجدۂ

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۶۔

(۲) حلبي كبير: ص: ۴۶۰۔

سہو واجب ہوگا؟ (محمد یوسف، قاضی پورہ)

جواب:- سورہ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات یعنی" مالك يوم الدين "تک اگر جہر کے ساتھ پڑھ دے، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، اس سلسلہ میں اصول یہی ہے کہ تین آیات یا تین چھوٹی آیت کے جہر کے بجائے سر، سری کے بجائے جہر سے پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے:

"... قيل يعتبر في الفصلين بقدر ما تجوز به الصلاة ، و هو الأصح" (۱)

لیکن یہ حکم امام کے لئے ہے، جو شخص تنہا نماز ادا کر رہا ہو، اگر وہ فجر، مغرب یا عشاء کو سراً پڑھ دے، تو سجدہ سہو واجب نہیں، البتہ ظہر وعصر میں جہر سے قراءت کردے تو راجح قول پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، کیوں کہ راجح یہی ہے کہ سری نمازوں میں تنہا نماز ادا کرنے والے کے لیے سراً نماز ادا کرنا واجب ہے۔ (۲) ہاں، اگر اعوذ باللہ، بسم اللہ اور آمین کو زور سے کہہ دے تو اس میں بھی سجدہ سہو واجب نہیں۔ (۳)

تیسری رکعت میں زور سے قراءت

سوال:- {711} امام نے تیسری رکعت میں زور سے قراءت شروع کردی، تو کیا حکم ہوگا؟

(محمد یوسف، قاضی پورہ)

جواب:- سجدۂ سہو واجب ہوگا؛ کیوں کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں آہستہ قرآن مجید پڑھنا واجب ہے، اور واجب کے ترک کرنے پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے:

---

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۱۲۸۔

(۲) دیکھئے:الدر المختار مع رد المحتار :۲/۲۵۱۔

(۳) الفتاوى الهندية:۱/۱۲۸۔

"و الجهر للإمام و الإسرار للكل فيما يجهر فيه و يسر (در مختار) و الإسرار يجب على الإمام و المنفرد فيما يسر فيه و هو صلاة الظهر و العصر و الثالثة من المغرب و الأخريان من العشاء وصلاة الكسوف و الإستسقاء " (۱)

مغرب وعشاء کی تیسری رکعت میں ضم سورت

سوال:- {712} امام مغرب یا عشاء میں تیسری رکعت میں سورہ ملانا شروع کردے، تو کیا اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

(محمد یوسف، قاضی پورہ)

جواب:- اگر تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملالے، تو گو اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر کرلے تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں، فتاوی عالمگیری میں علامہ سرخسی کی "کتاب محیط" کے حوالہ سے یہی بات لکھی گئی ہے:

"ولو قرأ في الأخريين الفاتحة و السورة لا يلزمه السهو وهو الأصح " (۲)

تحمید زور سے پڑھنا

سوال:- {713} ہماری "مسجد خطیبان" میں کچھ لوگ امام کے پیچھے "سمع الله لمن حمده" کے بعد بآواز بلند "ربنا لك الحمد" پڑھتے ہیں، کیا اسے زور سے

(۱) رد المحتار :۲/۱۴۴۔
(۲) الفتاوى الهندية:۱/۱۲۶۔

پڑھنا چاہیے؟ (رمیز، اودگیر)

جواب:- مقتدی کو تمام اذکار بشمول تکبیرات انتقال اور ''ربنا لك الحمد'' آہستہ پڑھنا چاہیے، یہی مسنون طریقہ ہے اور یہی صحابہ ﷺ کے زمانہ کا عام تعامل تھا، تاہم اگر تکبیرات انتقال کو زور سے کہہ دیا جائے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ ہی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؛ کیونکہ سجدۂ سہو قراءت قرآن میں جہر کی جگہ سر اور سر کی جگہ جہر سے واجب ہوتا ہے۔(۱)

پہلا قعدہ چھوٹ جائے

سوال:-{714} چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت سے سیدھے قیام میں چلے جائیں، قعدۂ اولیٰ نہ کریں، تو کیا اس نماز کو مکمل کرنا چاہئے؟ یا از سر نو نماز ادا کرنی چاہئے؟

(کے، ایم، عبدالباسط قادری رضوی، مشیر آباد)

جواب:- اس صورت میں از سر نو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، پہلا قعدہ واجب ہے اور واجب کے چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو کر لینا کافی ہے، لہذا اسی نماز کو مکمل کرتے ہوئے اخیر میں سجدۂ سہو کر لینا چاہئے:

"و یجب إذا قعد فیما یقام أو قام فیما یجلس فیه و هو إمام أو منفرد و أراد بالقیام إذا استتم قائما أو کان إلی القیام أقرب فإنه لا یعود إلی القعدة ، هکذا في قاضي خان و سجد للسهو" (۲)

---

(۱) "لو جهر الإمام فیما یخافت أو خافت فیما یجهر تلزمه سجدتا السهو" (الهدایة:۱/۱۳۷) محشی۔

(۲) الفتاوی الهندیة:۱/۱۲۷۔

امام قعدۂ اولی بھول جائے تو کیا کرے؟

سوال:- {715} چار رکعت والی نماز میں امام صاحب قعدۂ اولی میں بیٹھنا بھول گئے، اور قیام میں چلے گئے، پیچھے سے مقتدی کے لقمہ دینے سے قعدہ میں بیٹھ گئے تو کیا سجدۂ سہو کرنے سے نماز درست ہوجائے گی، یا دہرانی ہوگی؟

(حافظ محمد عبدالواحد، بہادر پورہ)

جواب:- ایسی صورت میں امام صاحب کو قعدہ میں لوٹے بغیر نماز پوری کرلینی چاہئے تھی، اخیر میں سجدۂ سہو کرلیتے، یہی کافی ہوجاتی، قیام میں پہونچنے کے بعد پھر قعدۂ اولی میں واپس لوٹ آیا تو یہ فرض سے واجب کی طرف لوٹنا ہوا؛ لہذا نماز فاسد ہوجائے گی اور دوبارہ پڑھنا ہوگی، علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"ثم لو عاد في موضع وجوب، عدمه، قيل: الأصح أنها تفسد لكمال الجناية، برفض الفرض لما ليس بفرض" (۱)

قعدہ میں تشہد سے پہلے سورۂ فاتحہ

سوال:- {716} قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بجائے بھول کر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرلے اور پھر یاد آنے پر پوری "التحیات" پڑھ لے تو کیا سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے؟

(محمد بن علی مسدوسی، مغلپورہ)

جواب:- اگر تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے اور بعد میں تشہد پڑھے تو سجدۂ سہو واجب

---

(۱) فتح القدير: ۱/۵۰۹۔

ہوگا، کیونکہ اس نے واجب کے ادا کرنے میں تاخیر کی اور اگر تشہد پڑھنے کے بعد بھول کر سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب نہیں:

"إذا فرغ من التشهد وقرأ الفاتحة فلا سهو عليه ... إذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو "(۱)

اگر قعدۂ اولیٰ میں درود پڑھنے لگے؟

سوال:- {717} ایک شخص نے دوسری رکعت میں التحیات پڑھ کر کھڑا ہونے کے بجائے درود شریف بھی پڑھنا شروع کردیا، بعد میں یاد آیا، تو درود شریف کو درمیان میں چھوڑ کر کھڑا ہوگیا، تو کیا سجدۂ سہو لازم ہوگا؟ اور درود شریف کے کتنے الفاظ سے سجدۂ سہو کی ضرورت ہوگی؟

(محمد یوسف، قاضی پورہ، عبدالستار، مغل پورہ)

جواب:- اگر درود شریف ''اَللّٰھُمَّ صل علی محمد '' تک پڑھ چکا تھا کہ یاد آیا اور اٹھ گیا، تو ''قیام'' جو رکنِ نماز ہے، میں تاخیر کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگیا، سجدۂ سہو کرلے، نماز ہو جائے گی، سجدۂ سہو بھی نہ کی تو نماز کا لوٹانا واجب ہوگا، اگر اس سے کم ہی حصہ پڑھا تھا کہ اٹھ کھڑا ہوا، تو سجدۂ سہو واجب نہیں، یوں ہی نماز مکمل کرلے:

"و في الزيلعي: الأصح وجوبه باللّٰهم صل على محمد"(۲)

"فقال بعضهم لا يجب عليه حتى يقول و على آل محمد والأول أصح "(۳)

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۲۷، نیز دیکھئے:البحر الرائق :۲/۱۷۲۔
(۲) رد المحتار :۲/۵۴۴۔
(۳) الفتاوی الهندية:۱/۱۲۷۔

مغرب میں دو رکعت پر سلام پھیر دے

سوال:- {718} مغرب کی نماز میں امام صاحب سے سہو ہو گیا، انہوں نے دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا، حالانکہ مقتدیوں نے اللہ اکبر کہہ کر متنبہ بھی کیا تھا، امام صاحب نے قبلہ سے منہ پھیرا بھی نہیں تھا اور نہ بات کی تھی، پھر بھی شروع سے دوبارہ نماز پڑھائی، تو کیا اگر بھول کر دو رکعت پر سلام پھیر دے پھر یاد آئے تو کھڑا ہو کر تیسری رکعت مکمل نہیں کر سکتا؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر تین رکعت کے بجائے دو رکعت پر سلام پھیر دے اور بعد میں تیسری رکعت بھول جانا یاد آ جائے، ابھی تک سینہ قبلہ سے ہٹا نہ ہو اور کوئی گفتگو یا نماز کے منافی عمل نہ کیا ہو تو اس کے لئے ایک رکعت پوری کر لینے کی گنجائش ہے، البتہ اخیر میں سجدۂ سہو کرنا پڑے گا، تاہم اگر امام صاحب نے نماز دہرا لیا، تو اس میں بھی حرج نہیں، بلکہ زیادہ احتیاط ہے:

"ویسجد للسھو ولو مع سلامه ... مالم یتحول عن القبلة أو یتکلم" (۱)

اگر خود یاد نہ آیا، بلکہ کسی اور نے یاد دلایا تو اگر اس نے ایک لمحہ تفکر کیا اور خود اسے یاد آ گیا پھر اس نے کھڑے ہو کر نماز پوری کر لی تو یہ درست ہے؛ لیکن اگر اسے خود یاد نہیں آیا اور نماز سے باہر کسی شخص کی یاد دہانی پر کھڑا ہوا تو نماز درست نہیں ہوگی۔

قعدۂ اخیرہ بھول کر کھڑا ہو جائے

سوال:- {719} اگر کوئی شخص فجر و عصر کی آخری

---

(۱) الدر المختار: ۵۵۸/۵۔

رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے غلطی سے کھڑا ہوجائے اور کھڑے ہونے کے بعد اسے یاد آجائے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟　　(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر اس رکعت کا پہلا سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو لوٹ آئے، قعدہ کرکے اخیر میں سجدۂ سہو کرلے، اگر اس رکعت کا سجدہ کرچکا تو اب بہ حیثیت فرض اس کی نماز باطل ہوگئی اور نماز نفل بن گئی، مزید ایک رکعت ملا کر سلام پھیر لے اور دوبارہ فرض نماز ادا کرے۔(۱)

اگر بھول کر پانچویں رکعت پڑھ لے؟

سوال:- {720} امام صاحب نے ظہر کی نماز میں چار رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ کرکے پانچویں رکعت کے لئے اٹھ گئے اور پھر چھ رکعت پوری کرکے قعدہ اور سلام کیا، ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟ مولوی فرید الحق صاحب نے اپنی ایک کتاب میں شرح الوقایہ اور درمختار کے حوالہ سے مسئلہ بیان کرتے ہوئے سجدۂ سہو کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف اتنا لکھا ہے کہ ایسی صورت میں چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہوجائیں گی، آپ صحیح صورت حال سے ہمیں آگاہ فرمائیں کہ آیا اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

(منیر خان، پوسٹ ماسٹر، گیشوگیری)

---

(۱) " و إذالم يقعد قدرالتشهد في الفجر بطل فرضه بترك القعود على الركعتين و التنفل قبل الفجر بأكثر من ركعتي الفجر مكروه بخلاف ما إذا قام إلى الخامسة في العصر قبل أن يقعد في الرابعة و قيدها بالسجدة حيث يضم إليها السادسة ؛ لأن التنفل قبل العصر ليس بمكروه " (الفتاوى الهندية :۱/۱۲۹) محشی۔

جواب:- مذکورہ صورت میں چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہوگی۔ البتہ امام صاحب کے لئے ضروری ہے کہ وہ سجدۂ سہو بھی کریں فقہ کی مشہور کتاب ھدایہ میں ہے:

" وإن قيد الخامسة بالسجدة ثم تذكر ضم إليها ركعة أخرى وتم فرضه ... ويسجد للسهو استحسانا ، لتمكن النقصان في الفرض بالخروج لا على وجه المسنون وفي النفل بالدخول لا على وجه المسنون " (۱)

امام قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہو جائے؟

سوال:- {721} اگر امام صاحب عصر کی نماز میں غلطی سے پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں تو مقتدی کیا کرے؟ (محمد جاگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر امام چوتھی رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہو جائے، تو مقتدی کو اس کی اقتداء نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ مقتدی حضرات بیٹھے رہیں، اور امام کو لقمہ دیں، اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے قعدہ میں واپس آجائے، اور سلام پھیر دے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ سلام کریں، اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر گزرے تو اب مقتدیوں کو مزید انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، وہ سلام پھیر کر اپنی نماز پوری کر لیں:

" وإذا صلى الإمام أربع ركعات وقعد على رأس الرابعة وقام الى الخامسة ساهيا ... وإن قيد الخامسة بالسجدة ليسلم المقتدى ولا ينتظر الإمام " (۲)

(۱) الهداية : ۱/۱۶۰۔

(۲) الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية :۱/۹۹-۹۸۔

اگر وتر میں دعاءِ قنوت بھول جائے؟

سوال:- {722} ایک مسجد کے امام صاحب وتر کی تیسری رکعت میں "اللہ اکبر" کہہ کر سیدھے رکوع میں چلے گئے، مقتدی کے لقمہ دینے پر رکوع سے اٹھ کر دعاءِ قنوت پڑھی، پھر دوبارہ رکوع کیا اور نماز پوری کرلی، ان سے کہا گیا کہ اس صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہئے تھا، جو آپ نے نہیں کیا، اس لئے دوبارہ نماز پڑھائیں، لیکن امام صاحب نے کہا کہ نماز ہوگئی؛ صحیح حکم کی رہنمائی فرمائیں۔

(شیخ عمران، بلال فارم)

جواب:- امام صاحب کو جو توجہ دلائی گئی وہ صحیح تھی، اگر دعاءِ قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں یا رکوع کے بعد یاد آئے، تو اب رکوع میں یا رکوع سے اٹھنے کے بعد قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ نماز پوری کرتے ہوئے سجدہ کرلے اور اگر ناواقفیت کی وجہ سے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دعاءِ قنوت پڑھ ہی لے، تب بھی رکوع کو لوٹانا ضروری نہیں، لیکن سجدۂ سہو اس صورت میں بھی واجب ہوگا، کیوں کہ دعاءِ قنوت جو واجب ہے اس کو اپنے محل سے ہٹادیا گیا اور واجب کے ادا کرنے میں تاخیر ہوئی اور واجب کو چھوڑ دے یا مؤخر کردے، ہر دو صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔(۱)

دعاءِ قنوت بھول جائے تو کیا قیام کی طرف لوٹ آئے؟

سوال:- {723} اگر وتر کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں یاد آئے تو کیا قیام کی طرف لوٹ

(۱) دیکھئے : مراقی الفلاح مع الطحطاوی :ص : ۲۱۱۔

آئے اور دعاء قنوت پڑھے؟ اور کیا ایسی صورت میں سجدۂ سہو بھی واجب ہوگا؟ (سمیع احمد، ملک پیٹ)

جواب:- نماز وتر میں دعاء قنوت کا پڑھنا واجب ہے، اور اس کی جگہ تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہے، لہذا اگر اپنی جگہ پر دعاء قنوت پڑھنا بھول گیا اور رکوع میں یا اس کے بعد یاد آیا، تو اب دعاء قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں، تاہم اگر قیام کی طرف لوٹ آئے اور قنوت پڑھ لے تو اس صورت میں بھی نماز فاسد نہیں ہوگی:

"ولو نسي القنوت فتذكر في الركوع فالصحيح أنه لا يقنت في الركوع و لا يعود إلى القيام الخ" (۱)

البتہ چونکہ دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے اور واجب کے چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، اس لئے سجدۂ سہو بہر صورت واجب ہوگا۔

نماز عید میں تکبیرات زوائد بھول جائے؟

سوال:- {724} عالم پلی وقار آباد کی ایک عیدگاہ میں عید کی نماز میں امام صاحب پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر ثناء پڑھنے کے بعد تین بار زائد تکبیرات کہنے کے بجائے سورہ فاتحہ پڑھنے لگے، امام صاحب نے نماز توڑ دی اور مصلیوں سے بھی کہا کہ وہ اپنی نماز توڑ دیں، اس کے بعد پھر چھ زائد تکبیرات کے ساتھ نماز ادا کی گئی، نماز کے بعد لوگوں نے اعتراض کیا کہ امام صاحب نماز توڑنے کے بجائے مصلیوں کا لقمہ قبول کر

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۱۱۔

لیتے اور تکبیرات کہہ کر نماز پوری کر لیتے تو نماز ہو جاتی۔

(بلال احمد، ہستی پور)

جواب:- اگر امام صاحب مقتدیوں کے لقمہ پر تکبیرات کہہ کر پھر دوبارہ سورہ فاتحہ پڑھ لیتے اور سورہ ملا لیتے تو یہ کافی تھا، نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں تھی، فقہاء نے مسئلہ یہی لکھا ہے کہ اگر امام نے تکبیرات زوائد کہے بغیر بھول کر قراءت شروع کر دی اور سورۂ فاتحہ وضم سورہ دونوں کریں، تو تکبیرات کو لوٹائے نہیں، بلکہ اسی طرح نماز پوری کر لے اور اگر سورہ فاتحہ کے درمیان یا سورہ فاتحہ پوری کرنے کے بعد تکبیرات زوائد کے بارے میں متنبہ ہو گیا تو اسی وقت تکبیرات کہہ لے اور دوبارہ سورہ فاتحہ کی قراءت کر کے سورہ ملا لے:

"ان بدأ الامام بالقراءة سهوا فتذكر بعد الفاتحة و السورة يمضى فى صلوته ، و ان لم يقرأ الا الفاتحة كبر و أعاد القراءة لزوما" (۱)

واضح ہو کہ تکبیرات زوائد واجب ہیں، واجب کے ترک پر سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، لیکن اگر مصلیوں کا ہجوم ہو، تو سجدۂ سہو کرنا ضروری نہیں، اسی لئے فقہاء نے جمعہ اور عیدین میں سجدۂ سہو واجب قرار نہیں دیا ہے۔

جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو

سوال:- {725} جمعہ اور عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو نہیں ہے، اگر غلطی سے الحمد شریف کے بعد دو آیات کی تلاوت ہوئی جن میں ایک آیت کی تلاوت نامکمل ہوئی، آیت میں "جبار" کے بجائے "غفار" پڑھا گیا اور اب صرف

(۱) ردالمحتار: ۳/۵۵۔

ایک ہی آیت مکمل ہوئی، تو کیا جمعہ کی نماز ہو جائے گی؟

(آصف اقبال، سیتامڑھی، بہار)

جواب:- جمعہ وعیدین میں زیادہ ازدحام ہوتا ہے اور سجدۂ سہو کرنے کی صورت میں انتشار کا اندیشہ ہے، اس لئے سجدۂ سہو ضروری نہیں:

" والسهو في صلاة العيد و الجمعة والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه في الأولين (صلوة العيد و الجمعة) لدفع الفتنة"(۱)

لیکن اگر کوئی مفسد نماز پیش آجائے، تو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا، قراءت میں اگر ایسی غلطی ہوگئی کہ معنی ہی بدل گیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، تین آیت کے اندر ہو یا تین آیت کے بعد، "جبار" کی جگہ "غفار" پڑھ دینا بھی ایسی ہی غلطی ہے، اس لئے نماز لوٹانی چاہئے، تاہم واضح رہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد تین آیات صرف واجب ہیں، اگر کوئی غلطی ہو جائے، لیکن ایسی غلطی نہ ہو، تو نماز جمعہ ہو جائے گی، تین آیات کی مقدار نماز میں فرض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بشمول تین آیات ہو جائیں، جب امام سورہ فاتحہ پڑھ چکا ہے تو تین آیات ہو گئیں اور فرض ادا ہو گیا۔

نفل نماز اور سجدۂ سہو

سوال:- {726} اگر نفل نماز میں کوئی سہو ہو جائے، تو کیا اس صورت میں بھی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

(مسخر احمد، شیام نگر)

جواب:- نفل نماز شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے، اور یہ کچھ نماز ہی پر موقوف نہیں، تمام ہی عبادتیں نفل کے طور پر شروع کی جائیں تو شروع کرنے کے بعد ان کو پورا

(۱) الدر المختار علی هامش رد:۱/۵۰۵۔

کرنا واجب ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ اگر تکمیل سے پہلے توڑدیں تو قضاء واجب ہوتی ہے، اس لئے فرض نماز ہو یا نفل، سجدۂ سہو جن امور سے واجب ہوتا ہے ان کے پائے جانے کی صورت میں سجدہ کرنا ہوگا، دونوں کا حکم ایک ہی ہے: " وحكم السهو في الفرض والنفل سواء " (۱)

مسبوق اور سجدۂ سہو

سوال:- {727} اگر کسی کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہو، اس رکعت میں امام صاحب سے کوئی واجب چھوٹ گیا ہو، اس لئے امام صاحب سلام کے بعد سجدۂ سہو کریں، تو کیا یہ سجدۂ سہو اس شخص پر بھی واجب ہے جو اس رکعت میں شامل نہیں تھا؟

(محمد عظیم، حیدرآباد)

جواب:- سلام تک امام کی اتباع واجب ہے، اس لئے وہ شخص بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا، پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد چھوٹی ہوئی رکعت کو پورا کرے گا:

" والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقا سواء كان السهو قبل الإقتداء أو بعده، ثم يقضي مافاته "(۲)

مسبوق سے سہو ہوجائے

سوال:- {728} اگر فرض نماز کی ایک یا دو رکعت چھوٹ جائے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں مکمل کرتے وقت اس میں کچھ غلطی ہوجائے تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

(محمد عبدالعظیم صدیقی، ظہیرآباد)

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۲۶۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد :۲/۵۴۷-۵۴۶۔

جواب:- جس شخص کی امام کے ساتھ ابتدائی نماز چھوٹ گئی ہو، اسے مسبوق کہتے ہیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق جن چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرتا ہے، ان میں اس کی حیثیت تنہا نماز ادا کرنے والے کی ہوتی ہے، لہذا اگر اس درمیان میں کوئی بھول ہو جائے، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں:

" والمقيم اذا سها في باقي صلاته ، الأصح لزوم سجود السهو : لأنه صار منفردا حكما " (۱)

مقتدی سے نماز میں بھول ہو جائے

سوال:- {729} مقتدی جماعت کی نماز میں پہلی رکعت ختم ہو جانے کے بعد دوسری، تیسری یا چوتھی رکعت میں شریک ہوا، قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد سکوت کے بجائے امام کے پیچھے بھولے سے درودِ ابراہیمی اور دعاءِ ماثورہ پڑھ لے، ایسے شخص کو چھوٹی ہوئی رکعات پڑھنے کے بعد اپنے قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کرنا پڑے گا، یا نہیں؟ (محمد ابراہیم، سکندرآباد)

جواب:- مقتدی پر اپنے سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، بلکہ وہ امام کا تابع ہوتا ہے، اگر امام پر سجدۂ سہو واجب ہوا تو مقتدی سجدۂ سہو ادا کرے گا، جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں سہو پیش آنے کے وقت وہ مقتدی تھا اور امام کی اتباع میں نماز ادا کر رہا تھا، اس لئے اس صورت میں اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا:

" (يجب على) مقتدى بسهو إمامه إن سجد إمامه لوجوب المتابعة لا سهوه أصلا " (۲)

---

(۱) مراقي الفلاح: ص:۲۵۳۔
(۲) الدر المختار على هامش رد :۲/۵۴۶۔

کیا مقتدی کی قراءت سے سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

سوال:- {730} اگر امام کے پیچھے کوئی شخص قراءت کرلے، تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

(خان فیروز خان، نظام آباد)

جواب:- اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے کہ "جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو" (۱) نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ" امام کی قراءت مقتدی کی طرف سے بھی ہے" (۲) اس لئے حنفیہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن مجید نہیں پڑھنا چاہئے، بلکہ اس طرح قرآن پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ حضرت علی ؓ نے ارشاد فرمایا:

"من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة" (۳)

"جس نے امام کے پیچھے قرآن پڑھا، اس نے خلاف فطرت کام کیا"

البتہ چونکہ مقتدی نماز میں امام کے تابع ہوتا ہے، اس لئے مقتدی کی غلطی سے اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، "و سهو المقتدی لا یوجب السهو" (۴) اس لئے اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

---

(۱) الأعراف :۲۰۴۔ محشی۔

(۲) دیکھئے: سنن نسائي، حدیث نمبر: ۹۲۴، باب اکتفاء المأموم بقراءة الإمام۔ محشی۔

(۳) کبیری: ص: ۵۲۷۔

(۴) حوالہ سابق: ص: ۴۶۵۔

سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر کا بیان

آیت سجدہ کا ترجمہ پڑھا جائے

سوال:- {731} تقریر کے دوران اگر سجدہ والی آیت کا ترجمہ سنانے پر اکتفا کیا جائے تو کیا اس پر بھی سجدہ کرنا لازم ہوجاتا ہے؟ (س، ج، سنتوش نگر کالونی)

جواب:- سجدۂ تلاوت خاص ان آیات قرآنی کے پڑھنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جن پر رسول اللہ ﷺ کا سجدہ کرنا ثابت ہے، قرآن مجید کے معانی بعینہ قرآن مجید کے حکم میں نہیں ہیں، اسی لئے صحیح و معتبر قول کے مطابق نماز میں آیات قرآنی کا ترجمہ پڑھ دینا کافی نہیں، بلکہ الفاظ قرآن کی ادائیگی بھی ضروری ہے، اسی طرح حالت جنابت میں الفاظ قرآن کے پڑھنے کی ممانعت ہے، لیکن قرآن کے معانی اور تشریحات پڑھنے کی اجازت ہے، لہذا آیت سجدہ کا ترجمہ سننے اور سنانے کی وجہ سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا؛ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ ... بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴾(۱)

(۱) الشعراء: ۱۹۵۔

مکروہ اوقات میں سجدۂ تلاوت

سوال:- {732} تلاوت کے درمیان سجدۂ تلاوت کی آیت آجائے مگر وقت مناسب نہ ہو، جیسے فجر کی نماز کے بعد کا وقت، تو کیا اس وقت سجدۂ تلاوت کیا جاسکتا ہے یا اس وقت تلاوت ہی روک دی جائے؟ (سید محمد امجد حسین، مشیرآباد)

جواب:- مکروہ اوقات کل پانچ ہیں، ان میں تین اوقات تو وہ ہیں جن میں فرائض و نوافل دونوں کی کراہت ہے اور وہ ہے طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف نہار کا وقت، ان اوقات میں سجدہ تلاوت بھی مکروہ ہے، (۱) ان اوقات میں تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ آجائے تو تلاوت جاری رکھے اور بعد میں سجدہ ادا کرلے، کیونکہ نماز سے باہر آیت سجدہ پڑھنے کی صورت میں فوراً سجدہ واجب نہیں ہوتا، دو اوقات وہ ہیں جن میں نوافل مکروہ ہیں نہ کہ فرائض وواجبات، اور وہ ہیں: نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کا وقت اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کا وقت، ان اوقات میں سجدۂ تلاوت کیا جاسکتا ہے:

"لا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت و يسجد للتلاوة " (۲)

اخبار میں آیت سجدہ

سوال:- {733} عید الفطر کے سپلیمنٹ کے صفحہ نمبر ایک پر آیت سجدہ تحریر ہے، اس آیت کے پڑھنے پر سجدہ تلاوت لازم آتا ہے، اس آیت کو لاکھوں حضرات پڑھ چکے

---

(۱) الهداية:۱/۲۶۔

(۲) الهداية:۱/۲۶۹۔

ہوں گے، اس قسم کی آیتیں اخبار میں تحریر نہیں ہونی چاہئیں؟

(عادل، مغلپورہ)

جواب:- ہاں یہ درست ہے کہ جن لوگوں نے اس شمارہ میں آیت سجدہ پڑھی ہے، ان پر سجدہ کرنا واجب ہے، اگر صرف ترجمہ پڑھا ہو تو سجدہ واجب نہیں، اگر کوئی ایسا مضمون زیر بحث ہو کہ جس کے سمجھنے یا سمجھانے کے لئے آیت سجدہ کا پڑھنا یا لکھنا ضروری یا مناسب ہو تو ایسی آیات سجدہ کے اخبار میں نقل کرنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، مسلمانوں کو کم سے کم اس سے تو واقف ہونا چاہئے کہ کن کن آیات پر سجدہ واجب ہے اور سجدۂ تلاوت کرنے میں اجر وثواب ہی ہے، یہ اتنا آسان اور ہلکا عمل ہے کہ کسی مسلمان پر اس کو بار خاطر نہیں ہونا چاہئے۔

سجدۂ تلاوت کا وقت

سوال:- {734} ہم عصر کے وقت قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، اس میں آیت سجدہ آجائے تو اس وقت کو سجدہ کرنا مکروہ ہے، تو کیا ہم بعد میں سجدہ کر سکتے ہیں؟ اور اگر ہم قرآن ختم کرنے کے بعد پورے سجدے ایک ساتھ کریں تو کیا یہ صورت درست ہوگی؟ (فوزیہ جبیں، جگتیال)

جواب:- (الف) عصر کے بعد نفل نمازوں کی ممانعت ہے، نہ کہ فرائض وواجبات کی، سجدہ تلاوت چونکہ واجب ہے، اس لئے عصر کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے، ” فیجوز فیھا … سجدۃ التلاوۃ “(۱) ہاں جب سورج نکل رہا ہو، ڈوب رہا ہو، یا نصف آسمان پر ہو، تو ان اوقات میں فرض نمازوں کا پڑھنا بھی ممنوع ہے، اگر ان مکروہ اوقات میں قرآن کی تلاوت کی گئی اور اس میں آیت سجدہ آگئی تو مکروہ وقت ہونے کے باوجود اسی وقت سجدہ تلاوت کر لینا جائز ہے:

(۱) الفتاویٰ الهندية :۱/۵۲۔

"لو تلاها في اوقات مكروهة فسجد في هذه الاوقات جاز" (۱)

البتہ بہتر ہے کہ مکروہ اوقات نکلنے کے بعد سجدہ کرے (۲) البتہ غیر مکروہ اوقات میں تلاوت کی گئی ہو تو مکروہ اوقات میں سجدۂ تلاوت کافی نہیں۔

(ب) بہتر طریقہ یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد جلد سے جلد سجدہ کرلیا جائے، لیکن چونکہ عمر بھر میں کبھی بھی سجدۂ تلاوت کیا جاسکتا ہے، اس لئے اگر قرآن مکمل کرنے کے بعد ایک دفعہ سجدے کرلئے جائیں تو یہ بھی درست ہے:

"فوقتها جميع العمر لأن وجوبها على التراخي" (۳)

سجدۂ تلاوت کے بجائے رکوع

سوال:- {735} اگر کوئی شخص نماز میں سورۃ العلق پڑھ لے جس کی آخری آیت میں سجدۂ تلاوت ہے، تو اس کو پہلے سجدۂ تلاوت کرکے پھر حالت قیام میں آنے کے بعد رکوع کرنا چاہئے یا رکوع کرنا ہی اس کے لئے کافی ہوگا؟

(محمد عبدالعظیم، کمہارواری)

جواب:- بہتر صورت تو یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کرکے کھڑا ہو، پھر رکوع میں جائے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، تاہم اگر رکوع میں چلا جائے اور اسی میں سجدۂ تلاوت کی نیت بھی کرلے تو حنفیہ کے نزدیک یہ رکوع سجدۂ تلاوت کے لئے بھی کافی ہوجائے گا:

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۱۳۵۔
(۲) الفتاوی الهندية :۱/۵۲۔
(۳) بدائع الصنائع :۱/۴۸۔

"لو لم يسجد و ركع و نوى السجدة يجزيه قياسا ، و به نأخذ" (۱)

بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت

سوال:- {736} قرآن کی تلاوت کے درمیان اگر کوئی شخص آیت سجدہ پر سجدہ کرنا بھول جائے اور کچھ معروفیت کے بعد یاد آجائے تو بغیر وضو کے یہ سجدہ تلاوت کرسکتا ہے یا نہیں؟ (محمد عبدالرشید، بشارت نگر)

جواب:- بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس وقت آیت سجدہ پڑھیں، اسی وقت سجدہ تلاوت کرلیں، تاہم اگر اس وقت سجدہ کرنا بھول جائیں، تو جو آیت سجدہ نماز سے باہر پڑھی گئی ہو، اس کی نسبت سے واجب ہونے والا سجدہ ذمہ میں باقی رہتا ہے، اور جب بھی موقع ملے اس سجدہ کو ادا کرلینا ضروری ہے، لیکن بہر صورت سجدہ تلاوت کے لئے وضو ہونا ضروری ہے، بغیر وضو کے سجدہ کرنا نہ جائز ہے اور نہ کافی، کیونکہ سجدہ نماز کا جزء اعظم ہے، لہذا جو حکم نماز کا ہے وہی حکم سجدہ کا بھی ہے:

"لأنها جزء من أجزاء الصلوة فكانت معتبرة بسجدات الصلوة" (۲)

کیا سجدۂ تلاوت واجب ہے؟

سوال:- {737} قرآن مجید میں جو آیات سجدہ آئی ہیں، کیا ان پر سجدہ کرنا لازم ہے؟ (عبدالباری، اودگور)

---

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۱۳۳۔

(۲) بدائع الصنائع :۱/۴۴۰۔

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ

"رسول اللہ ﷺ ہم پر قرآن پڑھتے اور آیتِ سجدہ پر گزرتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلے جاتے، اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے"(۱)

چنانچہ رسولِ اللہ ﷺ کے عمل کی اتباع کرتے ہوئے فقہاء نے آیتِ سجدہ کی تلاوت پر سجدہ واجب قرار دیا ہے، پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی، خواہ سننے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔(۲)

فجر کے بعد سجدۂ تلاوت

سوال:- {738} تلاوت قرآن کے درمیان آیت سجدہ آجائے، مگر وقت مناسب نہ ہو جیسے فجر کی نماز کے بعد کا وقت، تو کیا ایسے وقت تلاوت کو روک دیں یا اس آیت کے آنے کے باوجود تلاوت کو جاری رکھیں؟

(محمد امجد حسین، مشیر آباد)

جواب:- اولاً تو نماز سے باہر سجدہ کی تلاوت کے فوراً بعد سجدۂ تلاوت واجب نہیں، بعد میں بھی سجدہ کیا جاسکتا ہے، دوسرے طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے وقت تو فرائض ونوافل دونوں طرح کی نمازیں مکروہ ہیں، اس لئے سجدۂ تلاوت بھی مکروہ ہے، لیکن بعد نماز فجر تا طلوع آفتاب اور بعد نماز عصر سے آفتاب زرد ہونے تک صرف نفل نمازیں مکروہ ہیں، فرض و واجب نمازیں اور سجدۂ تلاوت (جو واجب ہے) کے ادا کرنے میں حرج

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۴۱۳، باب في الرجل يسمع السجدة و هو راكب أو في غير الصلاة، كتاب الصلاة۔

(۲) الفتاوى الهندية :۱/۱۳۲۔

نہیں۔ ’’فیجوز فیها الفائتة و صلاة الجنازة و سجدة التلاوة ‘‘(۱) پس فجر کے بعد آیت سجدہ کی تلاوت اور سجدہ کی ادائیگی میں کوئی حرج نہیں۔

فوت شدہ سجدۂ تلاوت یاد نہ ہوں

سوال:- {739} لڑکے اور لڑکیاں جب قرآن شریف حفظ کرتے ہیں، تو بے شمار دفعہ آیت سجدہ کی تلات کرتے ہیں، اور سجدۂ تلاوت کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے، اب یاد بھی نہیں کہ کتنے سجدۂ تلاوت رہ گئے ہیں، ایسی صورت میں اس کو فوت شدہ سجدۂ تلاوت کس طرح ادا کرنا چاہئے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ شب قدر میں تلاوت کر لینے سے سال بھر کے چھوٹے ہوئے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتے ہیں، کیونکہ شب قدر میں عبادت کا اجر بڑھ جاتا ہے؟ (حافظہ صفورہ آفرین، ریَن بازار)

جواب:- آیت سجدہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر ایک ہی آیت سجدہ ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھی جائے، جیسا کہ عام طور پر حفظ کرنے والے طلبہ پڑھتے ہیں، تو ایک ہی سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، اگر ایک سے زیادہ آیات سجدہ تلاوت کی گئیں، یا ایک ہی آیت کو کئی مجلسوں میں تلاوت کیا گیا، تو ایسی صورت میں سجدۂ تلاوت کا تکرار واجب ہو جاتا ہے(۲) اس اصول کو ذہن میں رکھا جائے تو سجدۂ تلاوت کی مقدار کا اندازہ کرنے میں آسانی ہوگی، بہر حال اگر قطعی تعداد یاد نہ ہو، تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ غالب گمان پر عمل کرے اور اس کے باوجود جو سجدے رہ گئے ہوں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلب گار ہو، شب قدر میں جو عمل کیا جاتا ہے، اس سے عمل کی تعداد اور مقدار میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے،

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۵۳۔
(۲) مراقی الفلاح: ص: ۲۶۹۔

اس لئے ایسا نہیں ہے کہ شب قدر میں ایک نماز یا ایک سجدہ کئی واجب الاداء نمازوں یا سجدوں کے لئے کافی ہوجائے۔

وضو کرتے ہوئے امام سے سجدۂ تلاوت سنے

سوال:- {740} امام صاحب نے فجر کی نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا، جو لوگ وضو کر رہے تھے، انہوں نے آیت سجدہ سن لی، تو اب ایسے لوگوں کے لئے سجدۂ تلاوت کا کیا حکم ہے؟ (محمد ریاض، وجے نگر کالونی)

جواب:- اگر وہ شخص سجدۂ تلاوت سے پہلے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوجائے اور امام کے ساتھ سجدۂ تلاوت کرلے، تو یہ کافی ہے اور اگر بعد میں اسی رکعت میں شریک نماز ہوا، تو بھی امام کا کیا ہوا سجدۂ تلاوت اس کے لئے کافی ہے؛ کیونکہ وہ اس رکعت کو پانے والے کے حکم میں ہے اور اگر اس رکعت کے بعد نماز میں شرکت کی یا شریک ہی نہیں ہوا تو وہ تنہا نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کرے گا:

"فإن قرأها الإمام و سمعها رجل ليس معه في الصلوة ... و إن لم يدخل معه سجدها وحده لتحقق السبب "(1)

آیت سجدہ کے طغرے پر نظر پڑ جائے

سوال:- {741} ایک بڑا طغرہ گھر کی دیوار پر چسپاں ہے، جس پر بڑے حروف میں سورۂ حم السجدہ کی آیت سجدہ تحریر ہے، چونکہ یہ طغرہ مکان کے دالان میں چسپاں ہے،

---

(1) الهداية مع الفتح :۲/۱۷۔

اس لئے آتے جاتے اس پر نظر پڑ جاتی ہے، تو کیا اس سے سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟ (سید صابر علی چشتی، ناندیڑ)

جواب:- سجدۂ تلاوت آیت سجدہ کی تلاوت اور تلاوت کرنے والے شخص سے آیت سجدہ سننے سے واجب ہوتا ہے، گو بلا ارادہ سن لے اور بے خیالی میں پڑھ لے:

" السجدة واجبة في هذه المواضع على التالي والسامع سواء قصد سماع القرآن أو لم يقصد "(۱)

تو اگر صرف اس طغرہ پر نظر پڑے اور زبان سے تلفظ نہ کیا جائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا، ہاں اگر زبان سے بھی آیت سجدہ پڑھ لے تو سجدہ واجب ہو جائے گا۔

T.V کی تلاوت پر سجدۂ تلاوت

سوال:- {742} بعض اوقات T.V پر قرآن کی تلاوت نشر کی جاتی ہے، اگر تلاوت کے دوران سجدۂ تلاوت آجائے تو کیا ہم کو سجدہ کرنا ضروری ہے؟ (فہیم اسناد۔ فلک نما)

جواب:- T.V پر جو قرآن کی تلاوت نشر کی جاتی ہے، عام طور پر اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ ہے کہ تلاوت کو پہلے ریکارڈ کر لیا جاتا ہے، پھر اسے T.V پر نشر کیا جاتا ہے، ملحوظ رہے کہ اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے، ایسی صورت میں سننے والوں پر سجدۂ تلاوت نہیں، دوسری شکل یہ ہے کہ راست ٹیلی کاسٹ کیا جائے، اس صورت میں سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۳۲۔

(۲) احسن الفتاوی:۴/۶۵۔ محشی۔

سجدۂ شکر

سوال:- {743} سجدۂ شکر کا کیا طریقہ ہے؟اور یہ کس موقع پر ہے؟ (محمد عبدالحلیم،محبوب نگر)

جواب:- حضرت ابوبکرہ ﷛ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کو جب کوئی خوش کن بات پیش آتی ،یا اس کی خبر دی جاتی،تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے،سجدہ میں گر جاتے:

"إذا جاء ه أمر سرور أو بشر بـه خر ساجدا شاكرا لله"(۱)

اسی لیے خوشی کے مواقع پر سجدۂ شکر کرنا مستحب ہے،سجدہ کا طریقہ یہ ہے کہ پاکی کی حالت میں قبلہ رخ،تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے،اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بیان کرے،پھر دوسری تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھالے۔(۲) سلام کی ضرورت نہیں اور نہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کی۔

سجدۂ شکر اور اس کا طریقہ

سوال:- {744} شکرانہ کا سجدہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ رمضان میں بہت سے لوگ تراویح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں اور ہاتھ اس طرح پھیلا کر رکھتے ہیں کہ ہتھیلیاں چہرہ کی جانب ہوتی ہیں،کیا اس طرح سجدہ کرنا درست ہے اور کیا اس سجدہ کے لئے بھی باوضو ہونا ضروری ہے؟ (حمیدالدین،شاہ علی بنڈہ)

---

(۱) سنن أبي داؤد،حدیث نمبر:۲۷۷۴،باب في سجود الشكر ۔

(۲) الفتاوى الهندية:۱/۱۳۶۔

جواب:- نماز سے باہر دو ہی طرح کے سجدے ثابت ہیں ایک تو سجدۂ تلاوت جس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، دوسرے سجدۂ شکر جس کے بارے میں کسی قدر اختلاف ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ حدیث سے سجدۂ شکر ثابت ہے،(۱) اس لئے اگر کوئی خوشی کی بات پیش آئے تو بطور شکرانہ کے سجدہ کیا جاسکتا ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں: ''سجدة الشكر جائزة عند الإمام لا واجبة ''(۲) ان کے علاوہ محض دعا کے لئے نماز سے باہر مستقلاً سجدہ کرنا ثابت نہیں اور سجدہ کی جو ہیئت رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے وہ یہی ہے کہ ہتھیلیاں زمین پر بچھی ہوئی ہوں، جیسا کہ نماز میں سجدے کئے جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نماز تہجد کے سجدوں میں دعائیں کیا کرتے تھے، لیکن یہ سجدہ بھی عام سجدوں کی طرح ہوتا تھا،(۳) ایسا نہیں تھا کہ دعا کرنے کی وجہ سے ہتھیلیاں اوپر کی طرف کرلی جائیں، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر بھی عام سجدوں کی ہیئت پر کرنا چاہئے۔

چونکہ نماز کے لئے باوضو ہونا ضروری ہے اور سجدہ نماز کا اہم ترین رکن ہے، اس لئے سجدۂ شکر میں بھی باوضو ہونا ضروری ہے، ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء و محدثین کی یہی رائے ہے۔(۴)

دعائیہ سجدہ

سوال:- {745} اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض حضرات دعائیہ سجدہ کے نام پر ہتھیلیوں کو بچھانے کے بجائے ہاتھوں کی پشت کو بچھاتے ہیں، تو کیا اس کیفیت کے ساتھ سجدہ جائز ہے اور کیا نمازوں کے سجدہ کے علاوہ ایسا سجدۂ مسنونہ کر

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۷۷۴، باب في سجود الشكر۔ محشی۔
(۲) الأشباه والنظائر مع الحموي: ۱/۶۵۔
(۳) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۸۷۹، باب في الدعاء في الركوع و السجود۔
(۴) دیکھئے: الموسوعة الفقهية كويتية: ۲۴/۲۴۸، باب سجود الشكر۔ محشی۔

کے دعاء کی جاسکتی ہے؟ (اسد اللہ خان، بیگم پیٹ)

جواب:- نماز ایک اہم ترین عبادت ہے اور سجدہ اس کا ایک رکن ہے، عبادات میں ضروری ہے کہ اسی طریقہ وکیفیت کو اختیار کیا جائے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اس میں نہ اضافہ اور کمی کی گنجائش ہے اور نہ اپنی طرف سے تخمین اور اجتہاد کی، رسول اللہ ﷺ سے سجدہ کی یہ کیفیت منقول ہے کہ ہتھیلیوں کا حصہ زمین پر رہے اور ہاتھوں کی پشت کا حصہ اوپر کی طرف، یہی طریقہ عہد نبوی ﷺ سے آج تک متوارثاً چلا آرہا ہے اور فقہاءؒ نے بھی اس بات کو بہ وضاحت و صراحت بیان کیا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"و يضع يديه في السجود حذاء اذنيه ... و
يعتمد على راحتيه" (۱)

اس لئے اس کیفیت کے ساتھ کوئی بھی سجدہ کرنا درست نہیں۔

جہاں تک دعائیہ سجدہ کی بات ہے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں، نماز سے باہر دو ہی سجدے منقول ہیں: ایک سجدۂ تلاوت جو آیت سجدہ کی تلاوت پر واجب ہوتا ہے، اس سجدہ کے ثابت ہونے پر متعدد احادیث موجود ہیں (۲) اور اسی لئے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے، (۳)

---

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۱۳۶۔

(۲) ایک حدیث میں حضرت ابن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ: "جب نبی ﷺ ایسی سورہ کی تلاوت فرماتے جس میں کوئی آیت سجدہ ہو، تو آپ ﷺ سجدہ فرماتے، اور ہم لوگ بھی سجدہ کرتے: "عن ابن عمر ؓ قال: كان النبي ﷺ يقرأ السورة التي فيها السجدة، فيسجد و نسجد حتى ما يجد أحدنا مكانا لموضع جبهته" (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۰۷۰، باب من لم يجد موضعا للسجود مع الإمام من الزحام، كتاب السجود القرآن) محشی۔

(۳) صرف فرق یہ ہے کہ احناف کے یہاں سجدۂ تلاوت کا ادا کرنا واجب اور فقہاء ثلاثہ کے یہاں سنت ہے: "سجدة التلاوة واجبة بالتلاوة على القارئ و السامع عند الحنفية، سنة عند بقية الفقهاء" (الفقه الإسلامي و أدلته:۲/۱۱۰) محشی۔

دوسرے سجدۂ شکر، امام ابوحنیفہ سجدۂ شکر کے قائل نہیں، (۱) لیکن اکثر فقہاء اس کے قائل ہیں، خود امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگرد امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ بھی اس کے قائل ہیں (۲) اور فقہ حنفی کی کتابوں میں اسی رائے کی طرف رجحان ہے، سجدۂ شکر سے مراد یہ ہے کہ کسی نعمت کے حاصل ہونے یا کسی مصیبت سے نجات پانے کی صورت میں قبلہ رخ ہوکر سجدہ ریز ہو، سجدہ میں تحمید و تسبیح کے کلمات پڑھے، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھالے، (۳) حدیث سے بھی سجدۂ شکر کا ثبوت ملتا ہے۔ (۴)

اس کے علاوہ نماز سے باہر کوئی سجدہ ثابت نہیں، مشہور محدث اور فقیہ علامہ حلبیؒ نے اس کا مکروہ ہونا نقل کیا ہے:

"و قد قالو فی السجدة لما لم تكن مقصودة لم يشرع التقرب بها و كانت مكروهة" (۵)

ہاں نفل نماز میں سجدہ کی حالت میں دعاء کی جاسکتی ہے، خود رسول اللہ ﷺ سے بہ حالت سجدہ نماز تہجد میں دعا کرنا ثابت ہے۔

---

(۱) چنانچہ سنن ابوداؤد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی خوش کن خبر معلوم ہوتی تو آپ ﷺ سجدہ ریز ہوجاتے: "عن أبي بكرة ﷺ عن النبي ﷺ أنه كان إذا جاء ه أمر مسرور أو بشر به خر ساجدا شاكرًا لله" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۷۷۴، باب في سجود الشكر، كتاب الجهاد) صحابہ ﷺ میں حضرت ابوبکر ﷺ و عمر ﷺ کا بھی سجدہ شکر ادا کرنا ذخیرۂ حدیث میں موجود ہے، (دیکھئے : كنز العمال، حدیث نمبر: ۲۲۳۱۹، باب سجدة الشكر) محشی۔

(۲) كبيری، ص: ۲۵۔

(۳) الفتاوی الهندية: ۱/۷۵۔

(۴) "عن أبي بكرة عن النبي ﷺ أنـه كان إذا جاء ه أمر مسرور أو بشر به خرّ ساجدًا لله" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۷۷۴، باب في سجود الشكر) محشی۔

(۵) حوالہ سابق۔ محشی۔

معذوروں کی نماز کا بیان

گیس کے مریض کے لئے طواف وتراویح

سوال:- {746} اگر ایک شخص کو گیس کا مرض ہو، وہ ایک دفعہ وضو کر کے طواف وتراویح کی بیس رکعت مکمل نہیں کر سکا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ (م،الف، ناندیڑ)

جواب:- ایسا شخص جس کو ریاح کا اتنا غلبہ رہتا ہو کہ وضوء کر کے نماز مکمل کرنے کے بقدر بھی باوضوء نہیں رہ سکتا، فقہاء کی اصلاح میں "معذور" ہے، وہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضوء کر لے، تو جب تک اس نماز کا وقت مکمل نہ ہو جائے اور خروج ریح کے علاوہ کوئی اور ناقض وضوء پیش نہ آجائے وہ باوضوء ہی سمجھا جائے گا، اور اسی حالت میں اس کے لئے طواف اور نماز تراویح کا ادا کرنا درست ہوگا۔(۱)

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندية :۱/۴۰، باب أحكام المعذور ۔ محشی ۔

امام کو ریاح کی بیماری ہو

سوال:- {747} میرے ایک دوست حافظ قرآن ہیں، ہر سال ماہ رمضان میں بلا معاوضہ تراویح کی امامت کرتے ہیں، چند ماہ سے ان کو گیس کی بیماری ہوگئی ہے، اور بار بار ان کا وضوء ٹوٹتا رہتا ہے، ایسی صورت میں ان کو تراویح کی امامت کرنی چاہئے یا نہیں؟ اور اگر امامت کے درمیان وضو ٹوٹ جائے تو کیا کریں؟ (عبدالجلیل، سکندر آباد)

جواب:- اگر ریاحی تکلیف کا اتنا غلبہ ہے کہ وضو برقرار رکھتے ہوئے تراویح کی نماز مکمل کرنا دشوار ہے، تو اس کا حکم معذور شخص کا ہے، اگر وہ تنہا نماز پڑھیں اور بغیر خروج ریح کے نماز مکمل نہ ہوسکے، تو ان کے لئے گنجائش ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے تازہ وضو کرلیں اور نماز مکمل کرلیں، خواہ درمیان میں اس کی نوبت آجائے، البتہ جو لوگ ایسے معذور نہ ہوں، ان کے لئے ان معذور حافظ صاحب کے پیچھے نماز ادا کرنا درست نہیں ہوگا، اگر وہ خروج ریح پیش آئے بغیر نماز پوری نہ کرسکیں:

" وفسد اقتداء طاهر بصاحب المعذور المفوت للطهارة" (۱)

اس لئے ان حافظ صاحب کو ایسی مجبوری کی صورت میں امامت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اگر سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو؟

سوال:- {748} ایک شخص دونوں پاؤں میں درد سے متاثر ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، لیکن وہ سجدہ کی

---

(۱) البحر الرائق :۱/۶۰-۳۶۲، نیز دیکھئے : بدائع الصنائع :۱/۳۵۰، الهداية :۱/۱۲۶۔

حالت میں ناک اور پیشانی زمین پر لگا نہیں سکتا، کیا اس کی نماز درست ہوگی؟ (تحسین الاسلام، پورنیہ)

جواب:- اگر تکلیف کی وجہ سے سجدہ نہیں کرسکتا، تو اشارہ سے سجدہ کرلے، اگر رکوع اور سجدہ دونوں ہی اشارہ سے کرتا ہے، تو اس کا خیال رکھے کہ سجدہ کی کیفیت میں بہ مقابلہ رکوع کے زیادہ پست اور جھکا ہوا ہو، چنانچہ فتاوی قاضی خان میں ہے:

"وإن عجز عن الركوع والسجود وقدر على القعود يصلي قاعدا بإيماء ، ويجعل السجود اخفض من الركوع"(۱)

موٹاپے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال:- {749} عورتیں اپنی نماز بیٹھ کر پڑھیں یا کھڑی ہوکر؟ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے نماز پوری ہوگی یا نہیں؟ اگر کسی کو موٹاپے کا بوجھ ہو جس سے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو تو کیا کرے؟ (محمد عبدالحمید، بیدر)

جواب:- فرض اور واجب نماز میں قیام فرض ہے،(۲) یہ حکم مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، اس لئے عورتوں کو بھی کھڑے ہوکر ہی نماز ادا کرنی چاہئے، موٹاپا اگر اس درجہ کا ہو کہ کسی قدر مشقت کے ساتھ قیام کرسکتا ہو، تو فرض نماز تو کھڑا ہوکر ہی ادا کرے، فرض نمازوں میں اسی شخص کے لئے بیٹھنے کی اجازت ہے جو بیماری کی وجہ سے کھڑا نہ ہوسکتا ہو، اگر کھڑا

---

(۱) الفتاوی الخانية على هامش الفتاوى الهندية :۱/۱۷۱۔

(۲) "و أما أركانها فستة منها : القيام ... و قال الله تعالیٰ : ﴿ و قوموا لله قانتين ﴾ (البقرة :۲۳۸)و المراد منه : القيام في الصلاة " (بدائع الصنائع :۱/۲۸۲) محشی۔

ہوا تو بیماری میں اضافہ ہو جائے گا، یا صحت یاب ہونے میں تاخیر ہوگی، محض معمولی دشواری کی وجہ سے بیٹھ کر فرائض کا ادا کرنا درست نہیں، (۱) —— البتہ نوافل اور سنتیں بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہیں، اس لئے موٹاپے کی وجہ سے سنتیں بیٹھ کر پڑھ لی جائیں، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

معذور شخص کی امامت اور اذان

سوال:- {750} کوئی ایسا شخص جو نامرد ہو، کیا امامت کرسکتا ہے؟ یا ایسے شخص کو مؤذن مقرر کیا جاسکتا ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ہر عاقل، بالغ، مسلمان امامت کرسکتا ہے، (۲) البتہ عورت اور مخنث مردوں کے امام نہیں ہوسکتے، (۳) نامرد شخص سوائے اس کے کہ اس کی بیوی فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے، بقیہ تمام احکام میں صحت مند مردوں ہی کی طرح ہے، لہٰذا اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں اور وہ اذان بھی دے سکتا ہے۔

اشارہ سے سجدہ

سوال:- {751} میں ایک پیر کا معذور ہوں، نماز میں سجدہ کے لئے سر کو زمین پر رکھ نہیں سکتا، ایسی صورت میں اگر سجدہ کے لئے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر سر کو اشارۃً تھوڑا جھکا لیا جائے تو کیا نماز ادا ہو جائے گی؟ (شیخ جمال، منگل ہاٹ)

---

(۱) الدر المختار: ۱/۵۰۸۔
نیز دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱/۲۸۴، باب صلاۃ المریض۔ محشی۔

(۲) بدائع الصنائع: ۱/۳۸۶۔

(۳) الفتاوی الهندية: ۱/۸۵۔ محشی۔

جواب:- شریعت میں واقعی مجبوریوں کی پوری رعایت ہے، اسی لئے اگر کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر اور بیٹھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر زمین پر سر رکھنے کی قوت نہ ہو تو سر جھکا کر اشارہ سے بھی سجدہ کیا جاسکتا ہے، طحطاوی میں ایک مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: " ... ولو بعذر بل معه يجب الايماء بالرأس "(۱)

معذور شخص کا وضوء اور نماز

سوال:- {752} میرے دادا تقریباً نوے سال کے ہیں، اور شکر کے مریض ہیں، پیشاب بہت زیادہ آتا ہے، کبھی کبھی یوں ہی پیشاب خارج ہوجاتا ہے، اور طہارت لینے کا بڑا مسئلہ ہے، کیونکہ بار بار جسم صاف کرنا دشوار ہے، تو کیا اس حالت میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟ (محمد عبد الجیب، خیریت آباد)

جواب:- ایسے اعذار کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی، البتہ شریعت میں اس طرح کے معذور لوگوں کے لئے خصوصی رعایت ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر پیشاب کے قطرات ٹپکتے ہوں، یا پیشاب کی اتنی کثرت ہو کہ وضوء کر کے نماز پڑھنے کے بعد بھی پیشاب سے بچا رہنا دشوار ہو، تو وہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضوء کرلیں اور اسی حالت میں نماز ادا کرلیں، جب تک کہ نماز کا وقت نہ گزر جائے، اور پیشاب کے علاوہ کوئی اور ناقض وضوء پیش نہ آجائے وہ باوضوء سمجھے جائیں گے، اور ان کا نماز وغیرہ پڑھنا درست ہوگا۔ (۲)

جہاں تک کپڑے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نماز سے پہلے کپڑا

---

(۱) طحطاوی علی مراقي الفلاح: ص:۱۲۵۔

(۲) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۱/۴۱، باب أحكام المريض ألخ۔ محشی۔

تبدیل کرلیں اور نماز کے مکمل ہونے تک اس کے پاک رہنے کا اطمینان ہو، تو نماز کے لئے مستقل کپڑا رکھیں، اور اگر پیشاب کے قطرات آنے کا اتنا غلبہ ہو کہ اس سے بچتے ہوئے نماز کا پورا کرنا بھی دشوار ہو، تو پھر اسی کپڑے میں نماز ادا کر سکتے ہیں:

" ولو كان المحل بحالٍ لو غسله يتنجس قبل الفراغ من الصلاة ثانيا جاز له أن لا يغسل هذا هو المختار "(۱)

صف کے درمیان معذور کا بیٹھ کے نماز پڑھنا

سوال:- {753} اذان دینے والا شخص امام کے پیچھے بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کرے، کیا یہ جائز ہے؟ واضح ہو کہ اس کی وجہ سے کاندھے کی جگہ خالی رہ جاتی ہے۔

(محمد احمد، وقار آباد)

جواب:- معذوروں کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، (۲) اور ایسا شخص امام کے پیچھے بھی بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہے، اس کا بیٹھنا کھڑے ہونے کے حکم میں ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) کبیری : ص:۱۳۳۔

(۲) " عن عمران بن حصين ﷺ قال : سألت رسول الله ﷺ عن صلاة المريض؟ فقال: صل قائمًا، فإن لم تستطع فقاعدًا ، فإن لم تستطع فعلى جنب " (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۳۷۲، باب ماجاء أن صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم) محشی۔

مسافر کی نماز کا بیان

مسافت سفر اور میکہ کا شرعی حکم

سوال:- {754} میں ۱۱۰ کیلو میٹر کا سفر طے کر کے میکہ
حیدرآباد آئی ہوں، یہاں کبھی ایک اور کبھی دو دن رہتی ہوں،
میرے لئے نماز قصر ہوگی یا پوری؟ (ایک بہن، تانڈور)

جواب:- ۷۷ کیلو میٹر کی مسافت کے سفر پر آدمی مسافر ہو جاتا ہے، اس لئے دوران سفر آپ مسافر ہیں، اگر آپ راستہ میں ظہر و عصر یا عشاء کی نماز ادا کریں تو قصر کریں گی، اسی طرح اگر یہ نماز دوران سفر اس طرح قضاء ہوئی کہ حیدرآباد میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس نماز کا وقت گذر چکا، تو بعد میں اس کی قضاء دو ہی رکعت کی جائے گی، کیوں کہ جو نمازیں حالت سفر میں قضاء ہوگئی ہوں، وہ بعد میں قصر ہی کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔(۱)

حیدرآباد، جو آپ کا میکہ ہے، اگر آپ کے والدین یا ان میں سے ایک یہاں موجود

(۱) " فیقضی ... المقیم في الإقامة ما فاته في السفر منها رکعتین " (الفتاوی الهندیة :۱/۱۲۱، باب في قضاء الفوائت) محشی۔

ہوں، یا آپ کی زمین و مکان یہاں ہو، تو حیدرآباد آپ کا وطن ہے، یہاں اگر آپ چند گھنٹوں کے لئے آئیں تب بھی آپ پوری چار رکعت نماز ادا کریں گی:

"وطن أصلي وهو مولد الرجل أو البلد الذي تأهل به "(۱)

حالت سفر میں سنت کی ادائیگی

سوال:- {755} ۲۵۰ رکلومیٹر کے سفر بعد فجر کی نماز اور دیگر نمازوں میں کیا سنت پڑھنی چاہئے؟ یا صرف فرض نماز پڑھی جائے؟ (محمد اسماعیل، شاہ پور گلبرگہ)

جواب:- جدید فرانسیسی پیمائش میں سفر شرعی کی مسافت ۴۸۵ء۷۷ کلومیٹر ہوتی ہے، (۲) یہ یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر ہو تو چار رکعت والی فرض نمازوں میں قصر کرنا واجب ہے اور سنت کا ترک کرنا جائز ہے، البتہ اگر امن اور قیام کی حالت ہو تو پڑھ لینا بہتر ہے اور چلتی ہوئی حالت میں ہو تو ترک کر دینا بہتر ہے، (۳) فجر کی سنت کی چونکہ خصوصی اہمیت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، (۴) اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ حالت سفر میں بھی ترک نہ ہونے پائے؛ لیکن نہ پڑھے تو گنہگار نہ ہوگا۔

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۱۴۲۔

(۲) دیکھئے: احسن الفتاوی: ۴/۱۰۵۔

(۳) الفتاوی الهندية :۱/۱۳۹۔

(۴) نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم ان دونوں رکعتوں کو مت چھوڑو اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں: "عن أبي هريرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : لا تدعوهما و إن طردتكم الخيل" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۲۵۸، كتاب الصلاة) محشی۔

دو وطن اصلی

سوال:- {756} میں موضع چشتیال تعلقہ چریال ضلع ورنگل کا متوطن ہوں ، جہاں میرا آبائی مکان و زرعی اراضی واقع ہے ، جس کی نگرانی و آمدنی وغیرہ کے واسطے اکثر وہاں جاکر اپنے بھائی بہن کے یہاں قیام کرتا ہوں ، جو کبھی بھی پندرہ دنوں سے زیادہ نہیں ہوتا ، لیکن میرا موجودہ مستقلا قیام ورنگل شہر میں ہے ، جو میرے وطن سے نوے (۹۰) کلومیٹر ہے ، ان حالات میں کیا میں وہاں مسافر کی حالت میں ہوتا ہوں یا مقیم کی ؟ بغرض رہبری و اتباع آپ کے جواب کا متمنی ہوں ۔ (سید ضیاء الدین احمد ، ورنگل)

جواب:- اگر آپ نے ورنگل میں مستقل رہائش اختیار کرلی ہے ، اور یہیں بود و باش رکھنے کا ارادہ ہے تو اب وہ بھی آپ کا وطن اصلی ہے ، اور وہاں بھی آپ کو چار رکعت نماز ادا کرنی چاہئے ، وطن اصلی تین وجوہ سے بنا کرتا ہے ، ایک تو وہ جگہ جہاں آدمی کی ولادت ہوئی ہو ، اور وہاں اس کی جائیداد وغیرہ بھی موجود ہو ، مکمل طور پر اس کو چھوڑا نہ ہو ، دوسرے جس شہر میں اس نے شادی کی ہو ، تیسرے جس کو اس نے مستقل جائے قیام اور وطن بنالیا ہو ، اس اصول کی روشنی میں آپ کا اپنا آبائی مقام بھی وطن اصلی ہے ، اور ورنگل بھی ، دونوں مقامات پر قصر کے بجائے چار رکعت ادا کریں گے ، کیونکہ ایک شخص کے ایک سے زیادہ وطن اصلی ہوسکتے ہیں ، مشہور حنفی فقیہ علامہ حصکفیؒ نے ان باتوں کو بہ تفصیل لکھا ہے ، فرماتے ہیں :

" (الوطن الأصلي) هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه (يبطل بمثله) إذا لم يبق له بالأول

أهل فلو بقی لم يبطل ، بل يتم فيها" (۱)

"لو نقل الرجل أهله وعياله ببلدة وتوطن ثمه وله فی مصره الأوّل دور وعقار ، قال بعض المشائخ يبقی المصر الأوّل وطنا له"(۲)

بلا عذر دو نمازیں جمع کرنا

سوال:- {757} علامہ الطاف حسین حالی صاحب اپنے ایک مضمون بہ عنوان" الدین یسر "رسالہ تہذیب الاخلاق ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۹۷۹ء ص:۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں:" حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز ظہر کو نماز عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ اس حالت میں جمع کیا کہ نہ سفر تھا، نہ کوئی خطرہ تھا اور نہ بارش تھی، لوگوں نے حضرت ابن عباس ﷺ سے پوچھا کہ آنحضور ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: اس لئے کہ امت پر تنگی نہ رہے "۔ براہ مہربانی اس حدیث کا ماخذ بتائیں اور پوری حدیث سے مطلع فرمائیں۔

(سید جہانگیر علی، فلک نما)

جواب:- قرآن مجید نے فریضۂ نماز کو "کتاب موقوت "(۳) قرار دیا ہے، یعنی ایسا فریضہ جو وقت سے متعلق ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر پانچوں

---

(۱) الدر المختار مع رد :۲/۶۱۴۔
(۲) الفتاوی التاتار خانیه:۲/۱۹۔
(۳) النساء:۱۰۳۔

نمازوں کے اوقات بتائے، جس کا حدیثوں میں ذکر موجود ہے، پھر آپ ﷺ کا معمول مبارک اسی کے مطابق نماز ادا کرنے کا رہا ہے،، نیز بعض حضرات نے جب آپ سے اوقات نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے دو دنوں اس طرح نماز ادا فرمائی کہ ایک دن تمام نمازیں اول وقت میں ادا کیں اور دوسرے دن آخر وقت میں، اس سلسلہ میں صحیح حدیثیں موجود ہیں، اسی لئے اس بات پر امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ پانچوں نمازوں کے لئے مستقل طور پر اوقات مقرر ہیں، اب اگر یہ بات مان لی جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے بغیر سفر اور کسی عذر کے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھا، تو پھر اوقات نماز کی تعیین بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

نیز حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے بالکل متعارض دوسری روایت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے بلا عذر دو نمازوں کو جمع کیا، اس نے کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کیا، (۱) اس روایت کو امام ترمذیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن امام حاکم نے صحیح اور علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ''حسن'' قرار دیا ہے، (۲) اور خود امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین کا عمل اسی پر تھا کہ بغیر سفر اور عذر کے دو نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اکابر صحابہ میں ہیں، وہ حضور ﷺ کا معمول مبارک نقل کرتے ہیں کہ سوائے عرفات اور مزدلفہ کے وقوف کے آپ ﷺ نمازیں ہمیشہ وقت پر ادا فرماتے تھے۔ (۳)

یہ تمام حدیثیں اس بات پر شاہد ہیں کہ یا تو اس حدیث میں نقل کرنے والوں سے چوک ہوئی ہے، کیونکہ سچ بولنے والوں سے بھی بھول چوک اور غلط فہمی ہو سکتی ہے، اسی لئے ممتاز محدث حاکم نیشاپوری نے اس روایت کو موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا ہے اور علامہ شوکانی

---

(۱) دیکھئے: الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۱۸۸۔

(۲) معارف السنن: ۲/۱۶۶۔

(۳) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۸۸۷۔

نے امام ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے(۱) اور منکر بھی ضعیف اور غیر معتبر روایتوں کی ایک قسم ہے، یا پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اس حدیث کا ظاہری اور متبادر معنی مراد نہیں، چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس ﷺ سے اس روایت کو نقل کرنے والوں میں ان کے ایک شاگرد جابر بن زید بھی ہیں، ان سے دریافت کیا گیا کہ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ ظہر اور مغرب دیر سے ادا کی گئی اور عصر اور عشاء جلدی، تو انہوں نے کہا کہ میرا بھی گمان ایسا ہی ہے، اس روایت کو خود امام مسلم نے نقل کیا ہے(۲) اس لئے اہل تحقیق علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کا مطلب ایک وقت میں دو نمازوں کو ادا کرنا نہیں ہے، بلکہ ظاہری طور پر جمع کرنا مراد ہے، کہ ظہر و مغرب کو آخر وقت میں ادا کیا عصر اور عشاء کو اول وقت میں، تو بظاہر یوں محسوس کیا گیا کہ دونوں نمازوں کو جمع کیا گیا ہے، لیکن حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے وقت میں ادا کی گئی ہیں، چنانچہ خود حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے نسائی میں ان نمازوں کو جمع کرنے کی یہی کیفیت منقول ہے، حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کے الفاظ اس طرح ہیں:

" أخر الظهر و عجل العصر ، اخر المغرب و عجل العشاء " (۳)

"ظہر کو آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں اور مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو اول وقت میں آپ ﷺ نے ادا فرمایا"

اس لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ میں رہتے ہوئے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ایک وقت میں ادا فرمایا۔

---

(۱) معارف السنن :۲/۱۶۶۔

(۲) صحیح مسلم:۲۴۶/۱، حدیث نمبر:۱۶۳۴۔

(۳) سنن نسائی، حدیث نمبر:۵۹۰۔

اگر مہینہ کے زیادہ دنوں سفر میں رہے، تو قصر کا حکم

سوال:- {758} اگر کوئی شخص مہینہ کے زیادہ تر دن سفر میں رہتا ہو، تو اس کے لئے قصر کا کیا حکم ہے؟

(محمد بن احمد جابری، آصف آباد)

جواب:- جتنے دنوں بھی وہ سفر کی حالت میں رہے اسے قصر کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال کئی ماہ مسافر رہے، (۱) بعض اور غزوات کے موقع سے بھی طویل عرصہ سفر کی حالت میں گذرتا، لیکن آپ ﷺ قصر ہی کرتے رہے۔ (۲)

اگر مسافر مقیم کی اقتداء کرے؟

سوال:- {759} چار رکعت والی نماز میں اگر مسافر قعدۂ اخیرہ میں کسی مقیم امام کی اقتداء کرے، تو کیا مسافر کو پوری چار رکعت پڑھنی چاہئے، یا دو رکعت؟

(محمد سیف اللہ، بابا نگر)

جواب:- جو کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہے، تو نماز کی نیت کرتے ہوئے یہ بھی ضروری ہے کہ اقتداء کی نیت کرے اور اقتداء کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ قیام، رکوع، سجدہ، تعداد رکعت اور دیگر اعمال نماز میں امام کی پیروی کرے، اس لئے مقیم پر امام کی اقتداء کرنے سے چار رکعت نماز لازم ہوگئی، گو وہ اخیر میں شامل ہوا ہو، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

---

(۱) " إن مدة إقامتهم في سفرة الفتح حتى رجعوا إلى المدينة أكثر من ثمانين يوما " (فتح الباري شرح البخاري :۲۶/۸، كتاب المغازی ، ط: قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی) محشی۔

(۲) دیکھئے: مشكوة المصابیح ، حدیث نمبر: ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۷، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴۔

" ان اقتدی مسافر بمقیم اتم أربعا " (۱)

سفر کی حالت میں سنن ونوافل

سوال:- {760} جب سفر کیا جائے تو قصر کیا جاتا ہے، کیا اس میں مغرب کی نماز دو رکعت پڑھی جاسکتی ہے؟ اور سفر کی حالت میں سنن مؤکدہ پڑھنا کیا ضروری ہے؟ اگر فرض کے ساتھ سنت بھی پڑھنی ہے تو قصر کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟

(ام فضہ، سعید آباد)

جواب:- سفر کی حالت میں قصر صرف چار رکعت والی نمازوں میں ہے، مغرب کی نماز میں قصر کرنا حدیث سے ثابت نہیں، (۲) اس لئے مغرب کی نماز تین ہی رکعت پڑھی جائے گی، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، (۳) جہاں تک حالت سفر میں سنتوں کے پڑھنے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں فقہاء کی رائیں مختلف ہیں، فقہاء حنفیہ میں امام ابوجعفر ہندوانیؒ کا خیال ہے کہ اگر آدمی سفر میں کہیں اترا ہوا اور قیام کیا ہوا ہو، تو سنت کا ادا کر لینا بہتر ہے، اگر اس میں مشقت نہ ہو، اور اگر رواں حالت میں ہو، جیسے ٹرین، جہاز، بس وغیرہ پر سوار ہو، تو بہتر ہے کہ

---

(۱) فتاوی عالمگیری:۱/۱۴۲، باب صلاۃ المسافر ۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مغرب کی نماز میں قصر نہیں کرتے تھے، بلکہ سفر و حضر تمام حالتوں میں اس کی تین رکعت ادا کرتے، مسند احمد میں تفصیلی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: " عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : فرضت الصلاة ركعتين ركعتين إلا المغرب فرضت ثلثا : لأنها وتر ، قالت : و كان رسول الله ا إذا سافر صلى الصلاة الأولىٰ إلا المغرب ، فإذا قام زاد مع كل ركعتين ركعتين إلا المغرب : لأنها وتر و الصبح : لأنه يطول فيها القراءة " (مسند أحمد بن حنبل ، حدیث نمبر: ۲۶۸۱۲، نیز دیکھئے: ۲۶۵۷۰، مسند النساء عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها) محشی ۔

(۳) دیکھئے: الفقه الإسلامي و أدلته :۲/۳۱۶۔ محشی ۔

صرف فرض ادا کرنے پر اکتفا کرے، سنت چھوڑ دے، عام طور پر محقق علماء نے اسی کو ترجیح دیا ہے، چنانچہ علامہ ابراہیم حلبیؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" و هذا هو الاعدل إذا لم تكن مشقة حالة النزول " (۱)

سفر کی حالت میں مشروع اور جائز ہونے کے باوجود قصر کا حکم دینے میں یہ فائدہ ہے کہ فرائض کو چھوڑنا مطلقاً گناہ کا باعث ہے اور نہ ادا کرنے کی صورت میں اس کی قضاء واجب ہے، سنت کا اتفاقاً ترک کرنا اور سفر کی حالت میں نہ پڑھنا باعث گناہ نہیں، نیز اس کی قضاء واجب نہیں، غرض فرض کا حکم زیادہ تاکیدی بھی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پکڑ بھی متعلق ہے، اس لئے فرض میں بہ مقابلہ سنت کے سہولت و آسانی کی زیادہ ضرورت تھی۔

سفر کی مسافتِ شرعی

سوال:- {761} کتنے کیلومیٹر کا سفر کرنے سے نماز قصر ادا کی جاتی ہے؟ کیا سنت و واجب بھی سفر کے دوران ادا کرنا چاہئے؟ (سید ثانی، پٹن چرو)

جواب:- مسافتِ شرعی اڑتالیس (۴۸) میل شرعی ہوتی ہے، اور اڑتالیس (۴۸) میل شرعی ستاسی (۷۷) کیلومیٹر، سات سو بیاسی (۷۸۲) میٹر، چالیس (۴۰) سینٹی میٹر کے برابر ہوتا ہے، گویا اٹھاسی (۷۷) کیلومیٹر کے قریب۔ (۲)

واجبات کو سفر میں بھی ادا کرنا چاہئے، اگر سفر میں چلتی ہوئی حالت ہو، جیسے: آپ ٹرین یا بس میں سفر کر رہے ہوں، اور اسی حالت میں نماز ادا کریں، یا کچھ دیر کے لئے گاڑی رکی اور آپ

---

(۱) کبیری: ص: ۵۴۵۔ مرتب۔
(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۱۴۲۔

وہاں نماز ادا کریں، تو بہتر ہے کہ فرائض وواجبات پر اکتفا کیا جائے، سنت چھوڑ دی جائے، اور اگر درمیانِ سفر آپ کہیں اتریں، اور چند دنوں وہاں قیام کریں، تو پھر سنتوں کو بھی ادا کرنا بہتر ہے، اہلِ تحقیق علماء کی رائے کے مطابق یہی قول راجح ہے۔(۱)

ٹرین میں بیٹھ کر نماز

سوال:- {762} ٹرین میں کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھنی ضروری ہے، یا بیٹھ کر بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

(سید عظمت علی، محبوب نگر)

جواب:- ٹرین اگر کسی جگہ رکی ہوئی ہو تب بھی اس پر نماز پڑھنا درست ہے، اور ایسی صورت میں اس پر کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھنا واجب ہوگا، کیونکہ یہ زمین کے حکم میں ہے، چلتی ہوئی ٹرین میں بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ فقہاء نے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے: '' وصلی الفرض في فلك جاز قاعدا بلا عذر صح ''(۲)—— لیکن بہتر ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنے پر قادر ہو تو کھڑے ہوکر ہی پڑھے کہ صاحبین کا مسلک یہی ہے اور بعض فقہاء نے اسی کو ترجیح دیا ہے۔(۳)

محض نیت سے مسافر نہیں ہوتا

سوال:- {763} اگر کوئی شخص کہیں پندرہ روز یا اس سے زیادہ عرصہ سے مقیم رہ کر امامت کرتا ہے اور وہ پندرہ دن پہلے اپنے وطن جانے کی نیت کرتا ہے تو کیا وہ اپنی نماز میں

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۳۹۔ محشی۔

(۲) الدر المختار :۲/۵۷۲۔

(۳) دیکھئے: رد المحتار علی الدر :۲/۵۷۲۔

قصر کرے گا یا پوری پڑھیگا؟ (بلال احمد قاسمی، سمستی پور)

جواب:- مسافر کے لیے شریعت نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرے، (۱) بشرطیکہ وہ جہاں جارہا ہو وہ اس کے وطن سے ۴۸ ر میل (۷۷/ کیلومیٹر) کے فاصلہ پر ہو اور مسافر شہر کی حدود سے باہر نکل جائے، محض سفر کی نیت کر لینے سے کوئی شخص نہ مسافر ہوتا ہے اور نہ اس کے لیے قصر جائز ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جب مسافت شرعی کے لحاظ سے سفر کے لیے چل پڑے تو نمازوں میں قصر فرماتے:

"کان رسول اللهﷺ إذاخرج مسيرة ثلاثة أميال أوثلاثة فراسخ – شعبة شك – يصلي ركعتين"(۲)

اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ نمازوں میں قصر اس کے لیے درست ہے جو سفر کی نیت کے ساتھ شہر اور اطراف شہر سے باہر نکل جائے۔

"وفی حكم المسافرمن فارق بيوت موضع هو فيه ، من مصراوقريته،ناويا الذهاب الى موضع بينه وبين ذلك الموضع المسافة المذكورة ، صار مسافرا ، فلا يصير مسافرا قبل ان يفارق عمران ما خرج منه من الجانب الذى خرج منه "(۳)

لہٰذا آپ کی ذکر کردہ صورت میں قصر درست نہیں، بلکہ نمازوں کو مکمل ادا کرنا ہوگا۔

سنت میں قصر

سوال:- {764} سفر کے درمیان جوسنت نمازیں پڑھی

(۱) النساء :۱۰۱۔
(۲) سنن أبي داؤد ،حدیث:۱۲۰۱،باب متى يقصر المسافر۔مرتب۔
(۳) کبیری :ص:۴۹۹۔

جاتی ہیں، کیا امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ کے نزدیک ان سنتوں میں بھی قصر کی جائے گی؟ (مسکین، بذریعہ ای میل)

جواب:- سفر کی حالت میں اگر دشواری نہ ہو اور چلتی ہوئی حالت نہ ہو، تو سنتوں کا پڑھ لینا بہتر ہے، لیکن سنتوں میں کوئی قصر نہیں، جب پڑھے تو پوری پڑھے:

"و لا قصر في السنن و المختار أنه لا يأتي بها في حال الخوف، و يأتي بها في حال القرار و الأمن" (۱)

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹۔

کتاب الفتاویٰ

نماز
زکوٰۃ

تیسرا حصہ

جنائز
روزہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب الفتاویٰ

تیسرا حصہ

نماز
جنائز
زکوٰۃ
روزہ

''زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب اور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ،حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں''

تالیف
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب
مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام ـــــــ کتاب الفتاویٰ تیسرا حصہ

تاریخ اشاعت ـــــــ جنوری ۲۰۰۸ء

تالیف ـــــــ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب ـــــــ مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

سرورق ـــــــ احباب زمزم پبلشرز

مطبع ـــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــــ زمزم پبلشرز کراچی
شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber net.pk

ویب سائٹ: http //www zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل)

''(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں، آدمی بھیجے ہیں، جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے، پس اے لوگو! اہل ذکر (علم) سے پوچھ لو، اگر تم لوگ خود نہیں جانتے''۔

کتاب الفتاوی

تیسرا حصہ

کتاب نماز

نماز سے متعلق سوالات

فہرست مضامین

کتاب الجنائز

قریب مرگ سے متعلق احکام

نماز جمعہ کا بیان

جمعہ کی نماز اور اذنِ سلطان

سوال:- {765} ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز حکومت کی اجازت کے بغیر درست نہیں، تاہم اس کی تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے، جہاں مسلمانوں کی حکومت باقی نہ رہے، وہاں فقہاء نے یہ صورت متعین کی ہے کہ مسلمان خود ایک والی کا انتخاب کریں، یا غیر مسلم حکومت سے مسلم والی کا مطالبہ کریں یہ بھی نہ ہو سکے تو مسلمان اپنی باہمی رضامندی سے قاضی کا انتخاب کرلیں، اب اس وقت جو قاضی حضرات موجود ہیں، ان کی حیثیت مجسٹریت کی نہیں، بلکہ صرف قاریٔ النکاح کی ہے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ مسلمان اپنی رضامندی سے ایک والی کا انتخاب کریں، حکومت اس کو منظور کرے، اور اس کی اجازت سے جمعہ قائم لیا جائے؟ (سید نصیر الدین احمد، بی اے عثمانیہ، ریڈہلز)

جواب:- امیر و قاضی کے انتخاب کا مسئلہ جمعہ سے زیادہ مسلمانوں کے معاشرتی مقدمات کے لئے ضروری ہے، کیوں کہ غیر مسلم جج کا کیا ہوا فسخ نکاح فسخ نہیں ہوتا، اسی لئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے لے کر ماضی قریب تک کے تقریباً تمام ہی علماء ہند نے مسلمانوں پر یہ بات واجب قرار دی ہے کہ اگر حکومت ان کے لئے مسلمان والی کا تقرر نہیں کرتی ہے تو وہ اپنے طور پر امیر کا انتخاب کریں، اور امیر ان کے لئے قاضی مقرر کرے، یا کم سے کم قاضی ہی کا انتخاب کرلیں، چنانچہ مفکر اسلام حضرت ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے بہار میں ان ہی خطوط پر امارت شرعیہ کا نظام قائم فرمایا جو پورے ملک کے لئے مشعل راہ ہے، آندھرا پردیش میں بھی ''امارتِ ملت اسلامیہ'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے پہلے امیر حضرت مولانا مفتی عبد الحمید صاحب شیخ الجامعہ نظامیہ تھے، اور موجودہ امیر مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل ہیں، جن ریاستوں میں امارت کا نظام قائم نہیں ہے، وہاں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نظام قضاء قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے، کیونکہ مسلم پرسنل لاء بورڈ مسلمانوں کا متفق علیہ پلیٹ فارم ہے، اس لئے اسے مسلمانانِ ہند پر ایک طرح کی ولایت حاصل ہے، اور اسی ولایت کی وجہ سے امیر کو قاضی مقرر کرنے کا حق ہوتا ہے۔

جہاں تک جمعہ کی بات ہے تو جمعہ کے لئے سلطان کی شرط کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنا اور ان کو انتشار سے بچانا ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے:

" ولو تعذر الإستئذان من الإمام فاجتمع الناس على رجل يصلي لهم الجمعة جاز " (۱)

''اگر امام المسلمین سے اجازت لینا دشوار ہو اور لوگ ایک شخص پر اتفاق کرلیں کہ وہ نمازِ جمعہ پڑھائے، تو اس شخص کا نماز پڑھا دینا درست ہے''

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۴۶۔

بلکہ اگر امام بلا وجہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ دیتا ہو، تب بھی مسلمان ایک شخص پر متفق ہوکر سلطان کی ممانعت کے باوجود جمعہ قائم کر سکتے ہیں:

" لو منع السلطان أهل مصر أن يجتمعوا اضرارا وتعنتا فلهم أن يجتمعوا على رجل يصلي بهم الجمعة " (۱)

موجودہ زمانہ میں مساجد کی انتظامیہ کمیٹیاں یا مسجد کے متولیان کی حیثیت اس مسجد کے حق میں ذمہ دار کی ہے، اوران کا کسی شخص کو جمعہ قائم کرنے پر مامور کر دینا اس شرط کو پوری کرنے کے لئے کافی ہے، حکومت یا حکومت کی جانب سے مقرر کسی شخص کی اجازت ضروری نہیں، بلکہ ایسی شرطوں سے نقصان کا اندیشہ ہے۔

ہندوستان میں جمعہ کی نماز

سوال:- (766) ہمارے ایک خاص ملاقاتی خان صاحب کا کہنا ہے کہ نمازِ جمعہ کی شرطوں میں ایک اہم شرط یہ ہے کہ ملک کا سربراہ مسلمان ہو، ہندوستان چونکہ دار الحرب ہے اس لئے یہاں نمازِ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کرنا ہوگا، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد رحیم الدین، باکارام)

جواب:- فقہاء نے لکھا ہے کہ جمعہ قائم کرنے کے لئے امام المسلمین کا "اذن" (اجازت) ضروری ہے، وہی خطیب جمعہ مقرر کرسکتا ہے، لیکن یہ ان ملکوں کے لئے ہے جہاں اسلامی حکومت ہو، جہاں یہ صورت حال نہ ہو، جیسا کہ ہمارا ملک ہندوستان، وہاں عام مسلمان جسے جمعہ کا امام وخطیب مقرر کریں، اس کی امامت وخطابت میں جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) رد المحتار: ۱۴/۳۔

"نصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود
من ذكر أما مع عدمهم فيجوز للضرورة" (۱)

یہاں تک کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ

"... فلهم أن يجمعوا على رجل يصلي بهم
الجمعة" (۲)

''اگر مسلم سلطان بھی ظلماً جمعہ قائم کرنے سے منع کر دے تو
لوگوں کے لئے یہ بات درست ہوگی کہ وہ کسی شخص پر متفق
ہوکر اس کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا کرلیں''

لہذا ہندوستان اور اس جیسے ملک میں مصلیانِ مسجد اور ان کی طرف سے منتخب کمیٹی کا جمعہ قائم کرنا درست ہے۔

دیہات میں جمعہ

سوال:- {767} ایک دیہات میں ایک مسجد ہے، وہاں پانچ وقتہ نماز نہیں ہوتی، کیا اس مسجد میں نمازِ جمعہ درست ہوگی؟ (ایم، اے حسین، عنبر پیٹ)

جواب:- فقہاء احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ وعیدین نہیں پڑھی جائے گی، بلکہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اس لئے کہ حضرت علی ﷺ سے مروی ہے کہ ''لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع ''(۳)''جمعہ وعیدین شہر ہی میں پڑھی جائیں''، لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق

(۱) الدر المختار :۳/۱۴۔
(۲) رد المحتار :۳/۱۴۔
(۳) دیکھئے: نصب الراية :۲/۱۹۵۔

ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کوملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد نا کافی ہو جائے، (۱) یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نمازِ جمعہ کی گنجائش نکل آئے، کیوں کہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے، بلکہ یہ تذکیر وموعظت کا بھی بہترین موقعہ ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں۔

اب آپ غور کرلیں کہ اس تشریح کے مطابق وہ جگہ دیہات ہے یا قصبہ وشہر ہے، اگر دیہات ہے اور پہلے سے نمازِ جمعہ کا سلسلہ نہیں ہے تو ظہر ہی پر اکتفا کرنا چاہئے، البتہ پنج وقتہ نماز کے لئے آبادی کے کسی خاص معیار کی شرط نہیں، اس لئے اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ پنج وقتہ جماعت کا اہتمام ہو، ورنہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سخت پکڑ کا اندیشہ ہے۔

نماز جمعہ اوراس کی سنتیں

سوال:- {768} نماز جمعہ فرض ہے یا واجب ؟ اور جمعہ میں کل کتنی رکعتیں ہیں؟ (محمد حسنین، مہدی پٹنم)

جواب:- جمعہ کی نماز فرض عین ہے، یہاں تک کہ اس کا انکار باعثِ کفر ہے، ”ھی فرض عین یکفر جاحد ھا “(۲) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعت پڑھا کرتے تھے، (۳) اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

---

(۱) الدر المختار مع رد:۱/۵۳۶۔

(۲) الدرالمختار مع رد:۳/۳۔

(۳) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۱۱۳۲۔

جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار، چار رکعتیں سنت ہیں، بعض روایتوں میں جمعہ کے بعد چار کے علاوہ مزید دو رکعتوں کا ذکر ہے، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے دونوں ممتاز تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جمعہ کے بعد چھ رکعت سنت کے قائل ہیں اور بعض صحابہ ﷺ سے بھی یہ عمل ثابت ہے، اس لئے بہتر ہے کہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں ادا کی جائیں، گویا فریضۂ جمعہ اور اس سے متعلق پہلے اور بعد کی سنتیں ملا کر ۱۲ رکعتیں ہو جاتی ہیں۔

جمعہ کا طویل خطبہ

سوال:- {769} بعض حضرات جمعہ کے دن عربی خطبہ کو طوالت دیتے ہیں اور نماز کو مختصر پڑھتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ (شیخ حسن، بھمم)

جواب:- نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے خطبہ کا پایا جانا شرط ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس کی پابندی فرمائی ہے، البتہ اس کی کیفیت کے بارے میں احادیث میں صراحت ہے کہ وہ مختصر ہوا کرتے تھے:

"كان رسول الله ﷺ لا يطيل الموعظة يوم الجمعة ، و إنما هن كلمات يسيرات " (۱)

• ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے خطبہ کو مختصر دینے کا حکم دیا ہے، حضرت عمار بن یاسر ﷺ کی روایت ہے کہ "أمرنا رسول الله ﷺ بإقتصار الخطب " (۲) اسی لیے فقہاء نے طویل خطبہ کو مکروہ قرار دیا ہے اور خطبہ کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ مختصر یعنی طوالِ مفصل (ق تا بروج) کے برابر ہو:

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۱۰۷۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۱۰۶۔

"أما سنها فخمسة عشر ... و الرابع عشر
تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال
المفصل و يكره التطويل "(۱)

اور رہ گئی قراءت، تو نماز جمعہ میں مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ اعلی اور دوسری رکعت میں سورہ غاشیہ پڑھی جائے، یا اس کے برابر دوسری آیتیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا جمعہ میں زیادہ تر انہیں سورتوں کے پڑھنے کا معمول مبارک تھا۔

غیر عربی میں خطبۂ جمعہ

سوال:- {770} جمعہ کی نماز کے لیے خطبۂ مسنونہ کیا اردو میں پڑھ سکتے ہیں؟ یا عربی میں پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی عالم دین خطبۂ اولی کو اردو میں اور خطبۂ ثانیہ کو عربی میں دے تو کیا حکم ہے؟ (محمد توفیق، معین آباد)

جواب:- خطبہ عربی میں دینا چاہئے، یہی متوارث طریقہ رہا ہے، صحابہ ؓ کے دور میں بہت سے عجمی علاقے فتح ہوئے، لیکن وہاں بھی مقامی زبانوں میں خطبہ دینے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، اس لیے بہتر ہے کہ خطبہ سے پہلے اردو میں ضروری دینی باتیں بیان کی جائیں، پھر عربی میں خطبہ دے دیا جائے، تاہم اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غیر عربی زبان میں بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے، اور ان کے دونوں ممتاز شاگرد امام ابو یوسفؒ امام محمد کے نزدیک جو شخص عربی زبان پر قادر ہو اس کے لیے عربی میں ہی خطبہ دینا ضروری ہے، ہاں! جو عربی زبان پر قادر نہ ہو وہ غیر عربی میں بھی خطبہ دے سکتا ہے:

"لم يقيد الخطبة بكونها العربية اكتفاءً بما
قدمه في باب صفة الصلوة من أنها غير شرط و

(۱) الفتاوی الهندية:۱/ ۱۴۷۔

لو مع القدرة على العربية عنده خلافا لهما " (۱)

ہندوستان میں اکثر اہل علم عربی زبان میں ہی خطبہ کو واجب قرار دیتے رہے ہیں، البتہ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ (۲) اور مولانا محمد علی مونگیریؒ (۳) وغیرہ کا رجحان اس کے برخلاف تھا اور اسی کے مطابق رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی فقہ اکیڈمی کا فیصلہ بھی ہے۔ (۴)

اس لیے اس حقیر کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خطبہ تو عربی زبان ہی میں ہو، تاکہ اس کے درست ہونے میں کوئی اختلاف نہ رہے، لیکن اگر کسی مسجد میں پہلے سے اردو زبان میں خطبہ مروج ہو، جس میں عربی میں حمد وصلاۃ کے کلمات بھی پڑھے جاتے ہیں اور اس میں تبدیلی لانے کی صورت میں اختلاف وانتشار کا اندیشہ ہو، تو وہاں اس کو گوارہ کرلینے میں کوئی قباحت نہیں۔

زوال سے پہلے اذان جمعہ

سوال:- {771} بعض مساجد میں جمعہ کے دن پورے سال بارہ بج کر تیس منٹ پر اذان ہوتی ہے، جب کہ بعض موسموں میں ظہر کا وقت بارہ بج کر چالیس منٹ پر شروع ہوتا ہے؟ (محمد رفیق، کورٹلہ)

جواب:- جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے، یہی فقہاءِ احناف اور اکثر فقہاء کا مسلک ہے، (۵) اور وقت شروع ہونے کے بعد ہی اذان معتبر ہے، اس لئے جن دنوں میں زوال ساڑھے بارہ کے بعد ہوتا ہے ان میں ساڑھے بارہ سے پہلے اذان دے دینا کافی نہیں۔

---

(۱) رد المحتار :۱/۷۵۷۔

(۲) مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى:۱/۱۳۱، الفصل الخامس و العشرون ، بحث النوع الثانی ۔محشی۔

(۳) مولانا مونگیریؒ کا اس موضوع پر " القول المحكم فى خطابة العجم " نامی مفصل رسالہ ہے۔

(۴) دیکھئے: جدید فقہی مسائل:۱/۱۶۵۔محشی۔

(۵) " من شرائطها الوقت فتصح في وقت الظهر و لا تصح بعده " (الهداية: ۱/۱۴۸) محشی۔

سنت جمعہ کے درمیان خطبہ شروع ہو جائے

سوال:- {772} اگر کوئی شخص سنت مؤکدہ پڑھ رہا ہو اور جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے، تو کیا سماعتِ خطبہ کے لیے سنت کو چھوڑ دینا چاہیے، کیونکہ خطبہ واجب ہے اور یہ نماز سنت، یا سنت کو پورا کرنا چاہیے؟

(خان فیروز خان، نظام آبادی)

جواب:- سنت شروع کرنے کے بعد خطبہ شروع ہو تو صحیح یہی ہے کہ سنت کو پورا کرلے اور توڑے نہیں:

"إذا شرع في الأربع قبل الخطبة ثم افتتح الخطبة ... تكلموا فيه والصحيح أنه يتم ولا يقطع" (۱)

یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ خطبہ واجب اور یہ نماز سنت ہے، کیونکہ نفل نماز بھی شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے، اس لیے اس صورت میں ایک واجب ہی کے لیے دوسرے واجب کو چھوڑ رہا ہے۔

جمعہ کی دو اذانیں

سوال:- {773} بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کی ایک ہی اذان حدیث سے ثابت ہے تو آج کل دو اذانیں کیوں دی جاتی ہے؟ (راشد حسین)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جمعہ کی ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی، خلیفۂ

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۲۷۱۔

راشد حضرت عثمان غنی ﷛ نے اپنے عہد خلافت میں اکابرِ صحابہ ﷡ کی موجودگی میں ایک اور اذان کا اضافہ فرمایا، اور یہ منقول نہیں کہ صحابہ ﷡ نے اس سے کوئی اختلاف کیا ہو، پھر یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میرے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کو اختیار کرو'' (۱) اس لئے ایسے امور میں خلفاء راشدین کی اتباع بھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے، اسی لئے ائمہ اہل سنت جمعہ کی دو اذان پر متفق ہیں، (۲) اور عہد عثمانی سے آج تک حرمین شریفین میں یہی معمول چلا آرہا ہے، پس جمعہ میں دو اذانیں سنت کے مطابق ہیں۔

غیر آباد مسجد میں نمازِ جمعہ

سوال:- {774} ایک ایسی مسجد جہاں کہ پانچ وقت کی باجماعت نماز نہیں ہوتی، جب کہ امام مقرر ہے، صرف امام اکیلا ہی نماز پڑھ لیا کرتے ہیں، البتہ جمعہ کے دن کچھ لوگ آجاتے ہیں، تو کیا ایسی مسجد میں جمعہ پڑھنا درست ہے؟

(عبدالرشید، سکندرآباد)

جواب:- کسی مسجد میں نمازِ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس مسجد میں نمازِ پنج وقتہ جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہو، فقہاء لکھتے ہیں کہ ''اگر بادشاہ اپنے خدام کے ساتھ ایسے گھر میں جمعہ کی نماز پڑھ لے جہاں عام لوگوں کو بھی آنے کی اجازت ہو تو جمعہ کی نماز ادا ہو جائے گی، فتاوی ہندیہ میں ہے:

" السلطان إذا اراد أن يجمع بحشمه في داره ، فإن فتح باب الدار وأذن اذنا عاما جازت صلاته شهدها العامة أو لم يشهد " (۳)

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۴۲، باب اتباع سنة خلفاء الراشدين المهديين۔ محشی۔
(۲) " و لم ينكر أحد من المسلمين " (فتح القدير:۲/۳۸) محشی۔
(۳) الفتاوى الهندية:۱/۱۴۸۔

تو جب عام جگہوں میں نمازِ جمعہ درست ہے تو ایسی مسجد میں بدرجۂ اولیٰ درست ہوگی۔

جمعہ کے ساتھ احتیاطاً ظہر

سوال:- {775} جمعہ کی کتنی رکعتیں فرض ہیں، اور جمعہ کے دن ظہر پڑھی جائے، یا نہ پڑھی جائے؟ بعض حضرات احتیاطاً ظہر کا بھی حکم دیتے ہیں۔ (محمد اسلم، کنگ کوٹھی)

جواب:- جمعہ میں دو رکعت نماز فرض ہے، اس پر امت کا اجماع ہے:

"اجتمعت الأمة على أن الجمعة ركعتان" (۲)

ہندوستان میں جمعہ کے درست ہونے پر اہل علم اور ارباب افتاء کا اتفاق ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ ہر آبادی میں مسلمانوں کے ذمہ دار اصحاب سلطان کے درجہ میں ہیں، لہذا ان کی اجازت سے جمعہ قائم ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں جمعہ کے بعد احتیاطاً نمازِ ظہر ادا کرنا بے معنی بات ہے، اور اصل فریضہ اور اس کے قائم مقام فریضہ دونوں کو جمع کرنا ہے، اور یہ جائز نہیں، نہ قرآن و حدیث سے اس کا کوئی ثبوت ہے، اس لئے جمعہ کے دن صرف جمعہ کی نماز ادا کرنی چاہئے، جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے دوبارہ نماز پڑھنا درست نہیں۔

نمازِ جمعہ میں سورۂ ضحیٰ اور الم نشرح

سوال:- {776} ہمارے محلہ کی جامع مسجد میں امام صاحب ہمیشہ نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں "سورة الضحى" اور دوسری رکعت میں "الم نشرح" کی تلاوت کرتے ہیں، حالانکہ مذکورہ امام صاحب، حافظ و قاری ہونے کے ساتھ ساتھ شہر کے ایک ممتاز عالم دین بھی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے

---

(۲) المجموع :۴/۴۰۲۔

انہیں ''لحن خاص'' عطا کیا ہے، جسے سننے کے لئے شہر کے مختلف مقامات سے لوگ اسی جامع مسجد میں آتے ہیں، لیکن امام صاحب مذکورہ بالا چھوٹی چھوٹی دو سورتوں میں رکعت ختم کردیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا ایک حافظ قرآن کے لئے نماز میں اس طرح سورتوں کو مخصوص کرنا شرعا درست ہے؟ اگر ہے تو مذکورہ بالا دو سورتوں کی نماز جمعہ میں کیا افضلیت ہے؟

(محمد عارف ضیاء وغیرہ، ورنگل)

جواب:- حضرت سمرہ بن جندب ﷺ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جمعہ میں ''**سبح اسم ربك الأعلى**'' اور ''**هل اتاك حديث الغاشية**'' پڑھا کرتے تھے'' (۱) اس لئے بہتر ہے کہ زیادہ تر یہ سورتیں جمعہ میں پڑھی جائیں، لیکن کبھی کبھی ان کے بجائے دوسری سورتیں بھی پڑھ لینی چاہئے، تاکہ لوگ جمعہ میں انہی سورتوں کی تلاوت واجب نہ سمجھ بیٹھیں، اس مصلحت کی بناء پر فقہاء حنفیہ نے انہی سورتوں کے التزام کو منع کیا ہے، --- نماز میں قراءت قرآن کے سلسلہ میں فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مستحب مقدار سے اتنی زیادہ نہیں پڑھی جائے کہ لوگوں پر بوجھ ہو۔ (۲)

اس کی بھی رعایت ضروری ہے کہ مثلاً کسی مسجد میں ملازم پیشہ لوگ جمعہ پڑھتے ہوں، تو اتنی قراءت کرنی چاہئے کہ دفتر کی طرف سے انہیں جتنی مہلت دی گئی ہے اس کے اندر ہی نماز ختم ہو جائے۔

رہ گیا مذکورہ امام صاحب کا ہمیشہ نماز جمعہ میں ''سورہ ضحیٰ'' اور ''الم نشرح'' پڑھنا تو یہ بہتر نہیں، کیونکہ جمعہ میں خاص ان سورتوں کا اہتمام حدیث سے ثابت نہیں، گاہے گاہے

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۱۲۵۔
(۲) الفتاوى الهندية: ۱/۷۸۔

پڑھ لیں تو مضائقہ نہیں ، ویسے جمعہ میں کسی قدر طویل قراءت یعنی فجر کی مقدار کے قریب قرآن پڑھنا بہتر ہے۔(۱)

جمعہ میں دوسرا خطبہ بھول جائے؟

سوال:- {777} ایک مسجد میں خطیب صاحب جمعہ کے دن خطبۂ اولی کے فوراً بعد نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، خطبۂ ثانی پڑھنا بھول گئے، تو کیا خطبۂ ثانی کے بغیر نماز جمعہ درست ہوگی؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- دوسرا خطبہ مسنون ہے، اگر ایک خطبہ بھی دے دے، تو نماز جمعہ ہو جائے گی، بلکہ اگر صرف حمد و تسبیح کا کلمہ یا ''لا إلـه إلا اللّٰه'' خطبہ کی نیت سے پڑھ لے تو اس سے بھی خطبہ ادا ہو جاتا ہے اور نماز درست ہو جاتی ہے؛ البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے:

"ومنها الخطبة قبلها ... وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة كذا في المتون، هذا إذا كان على قصد الخطبة "(۲)

لہذا جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں نماز جمعہ ادا ہوگئی۔

خطبۂ جمعہ سے متعلق چند مسائل

سوال:- {778} (الف) خطبۂ جمعہ کا اردو خطبہ پڑھتے وقت کیا سنتیں پڑھنا درست ہے؟

(۱) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱/۴۷۹-۶۰۳۔

(۲) الفتاوی الهندية: ۱/۱۴۶۔

(ب) اذان کے ساتھ تمام لوگ مسجد نہیں جاتے، بلکہ بازار میں رہتے ہیں اور اردو خطبہ کے درمیان مسجد میں پہونچتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

(ج) بہت سے لوگ جمعہ کی دو رکعت فرض پڑھ کر مسجد سے باہر نکل جاتے ہیں اور کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں، یہ عمل کس حد تک درست ہے؟

(د) خطبۂ جمعہ کا اردو ترجمہ سنایا جائے یا نہیں؟

(قادر خان، دھرم آباد)

جواب:- (الف) اصل وہ دونوں خطبے ہیں جو عربی زبان میں دئے جاتے ہیں، اس سے پہلے اگر خطیب اردو زبان میں اپنے اس خطبہ کا خلاصہ لوگوں کو سنائے اور بتائے تو یہ خطبہ کے حکم میں نہیں، اس دوران سنت ادا کی جاسکتی ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اتنے پہلے آئیں کہ اردو تقریر شروع ہونے سے پہلے سنت ادا کرلیں یا مسجد میں ایسا نظام بنایا جائے کہ اردو تقریر اور عربی خطبہ کے درمیان سنت پڑھنے کے لئے وقفہ دیا جائے، کیونکہ یہ اردو تقریریں دعوت وتذکیر کا بہت مؤثر ذریعہ ہیں اور ان سے لوگوں کو بہت سارا دینی نفع حاصل ہوتا ہے۔

(ب) اذان اول کے ساتھ ہی مسجد آجانا چاہئے، اور کاروبار کو ترک کردینا چاہئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ''جب جمعہ کی اذان دی جائے تو خطبہ کی طرف دوڑ پڑو'' (۱) اور فقہاء نے لکھا ہے کہ ''و یجب السعي و ترك البیع بالأذان الأول'' (۲) ''اس سے اذان اول مراد ہے''

(ج) جمعہ کے بعد سنت کا ادا کرنا خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، (۳) اور آپ ﷺ

---

(۱) الجمعة:۹۔

(۲) الفتاوی الهندیة:۱/۱۴۹۔

(۳) الجامع للترمذي، عن عبد الله بن عمر ﷺ، حدیث نمبر:۵۲۱، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة و بعدها۔

نے لوگوں کو بھی اس جانب متوجہ فرمایا ہے،(۱) البتہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک جمعہ کے بعد گھر میں سنت ادا کرنے کا تھا۔(۲) اس لئے اگر کوئی شخص مسجد سے جا کر گھر یا دوکان میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرتا ہو تو اس کے لئے یہ درست ہے کہ مسجد سے جا کر سنت ادا کرلے، لیکن جن لوگوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اپنے گھر یا کاروبار کی جگہ پہنچ کر سنت ادا نہیں کر پائیں گے تو ان کو مسجد ہی میں سنت ادا کر کے جانا چاہئے۔

(د) خطبہ تو عربی زبان میں ہونا چاہئے، لیکن خطبہ سے پہلے اردو زبان میں تقریر و بیان نہ صرف جائز بلکہ مناسب ہے، تاکہ مسلمانوں کی اصلاح ہو سکے۔

منبر پر اردو تقریر

سوال:- {779} کیا منبر پر ٹھہر کر عربی خطبہ کے علاوہ اردو میں تقریر کرنا بھی درست ہے؟　　(احمد، علی نگر)

جواب:- یوں تو منبر پر اردو میں بھی بیان و تقریر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ جمعہ و عیدین کے خطبات کے علاوہ عام مواعظ بھی منبر پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ارشاد فرمایا کرتے تھے، تاہم جمعہ میں چونکہ منبر پر کھڑے ہو کر اردو بیان میں اس کے خطبہ ہونے کا وہم ہو سکتا ہے، حالانکہ خطیب کا مقصد اس سے خطبہ دینا نہیں ہے، اس لئے بہتر ہے کہ اردو بیان منبر پر نہ ہو۔

---

(۱) الجامع للترمذی، عن أبي هريرة ؓ ، حدیث نمبر:۵۲۳، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة و بعدها۔

(۲) الجامع للترمذی، عن عبد الله بن عمر ؓ ، حدیث نمبر:۵۲۲، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة و بعدها۔

خطبہ اور تقریر سے پہلے سلام

سوال:- {780} خطبہ سے پہلے سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز کیا کوئی مقرر تقریر اور دینی بیان سے پہلے بغیر سلام کئے بیان شروع کرسکتا ہے؟

(عثمان بن محمد باوزیر، پبلک گارڈن)

جواب:- شوافع وحنابلہ کے نزدیک جب خطیب منبر پر بیٹھے تو اس کو سلام کرنا چاہئے، کیونکہ ابن ماجہ میں حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب منبر پر بیٹھتے تو سلام فرماتے "كان النبي ﷺ إذا صعد المنبر سلم "(۱) حنفیہ کے یہاں قول مشہور یہی ہے کہ خطیب سلام نہیں کرے کیونکہ اگر وہ سلام کرے تو سامعین جواب دینے پر مجبور ہوں گے اور امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد سامعین کے لئے گفتگو کی ممانعت ہے،(۲) جہاں تک حضرت جابر ﷺ کی روایت ہے، تو اس کو امام بیہقیؒ اور بعض اور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن حنفیہ میں سے علامہ حدادی اور ایک گروہ کا خیال ہے کہ خطیب سلام کرسکتا ہے(۳) اس لئے بہتر تو یہی ہے کہ خطیب سلام نہ کرے، لیکن اگر کرلے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

جہاں تک عام بیانات اور تقریروں سے پہلے سلام کی بات ہے، تو اگر حاضرین سے پہلے ملاقات ہوچکی ہو، تب تو بیان سے پہلے سلام نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ سلام کا تعلق ملاقات سے ہے، نہ کہ بیان سے، اور سلام کی جگہ اول ملاقات ہے اور وہ پہلے ہوچکی، اور اگر پہلے سے حاضرین

---

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۱۱۰۹، باب ما جاء في الخطبة يوم الجمعة، نیز دیکھئے: جمع الفوائد، عن ابن عمر ﷺ، حدیث نمبر:۱۹۱۷۔ محشی۔

(۲) دیکھئے: صحيح البخاري، حدیث نمبر:۹۳۴، باب الأنصات يوم الجمعة و الإمام يخطب، نیز دیکھئے: الفقه الإسلامي و أدلته:۲/۱۹۱۔

(۳) دیکھئے: مراقی الفلاح مع حاشيه الطحطاوی: ص:۲۸۳۔

سے ملاقات نہیں ہوئی ہو، یا حاضرین میں زیادہ لوگ ہوں، کچھ سے ملاقات ہوئی اور کچھ سے نہیں تو تقریر کرنے سے پہلے سلام کر سکتے ہیں، تاہم ایسا کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ سلام کرنا سنت ہے، نہ کہ واجب۔

جمعہ میں خطبہ سے پہلے تقریر

سوال:- {781} آج کل یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ جمعہ کے دن امام صاحب خطبہ سے پہلے تقریباً نصف گھنٹہ تقریر کرتے ہیں، اس درمیان جو لوگ آتے ہیں، ان کو نہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا موقع ملتا ہے، نہ قرآن کی تلاوت کی جاسکتی ہے، نہ سورۂ کہف پڑھنے کا موقع ملتا ہے اور نہ توبہ واستغفار کا امام صاحب کا وعظ ختم ہو جانے کے بعد اعلانات شروع ہو جاتے ہیں، پھر امام صاحب اعلان کرتے ہیں کہ اگر کسی نے سنت نہ پڑھی ہو تو پڑھ سکتے ہیں، اوراس ضمن میں مصلیان کو پانچ منٹ کا وقت ملتا ہے، اس کے بعد اذان وخطبہ شروع ہوتا ہے، شرعی خطبہ سے پہلے بیان یا طویل کتابی خطبات پڑھ کر سنانا کہاں تک درست ہے؟ (عامر بن عبداللہ، بنی کلو، محبوب نگر)

جواب:- بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا امت مسلمہ کا فریضۂ منصبی ہے، اوراس کی ایک صورت وعظ و بیان بھی ہے، جمعہ کے دن لوگ جس یکسوئی کے ساتھ دینی باتیں سنتے ہیں شاید ہی کسی اور موقع پر سنتے ہوں، پھر مسجد کا پاکیزہ ماحول اور خود سامعین کے پاکی اور طہارت کی حالت میں ہونے کا بھی اثر پڑتا ہے، اس لئے یہ بہت ہی مفید سلسلہ ہے اوراس سے خطبہ کے مقصد کی بھی تکمیل ہوتی ہے، خطبہ ذکر بھی ہے اور تذکیر بھی، عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے عربی خطبہ سے ذکر کا مقصد تو پورا ہو جاتا ہے، لیکن تذکیر کا مقصد حاصل نہیں ہو پاتا، خطبہ سے پہلے کا

بیان اس کمی کی تلافی کر دیتا ہے، اس لئے اس میں کچھ حرج نہیں، فی الجملہ اس کا ثبوت حدیث سے اور صحابہ ﷺ کے عمل سے بھی ہے، کتب سیرت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ احد (جس میں عبداللہ بن ابی کا نفاق پوری طرح واضح ہوکر آ گیا) سے پہلے تک رسول اللہ ﷺ کے خطبہ سے پہلے کچھ دیر اس کی گفتگو ہوا کرتی تھی، جس میں وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تلقین کرتا، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ شاہان بنوامیہ کے زمانہ میں خطبہ سے پہلے وہ کچھ وعظ فرمایا کرتے تھے۔(۱)

جہاں تک تحیۃ المسجد کی بات ہے تو یہ اس بیان کے درمیان بھی پڑھی جاسکتی ہے، اور توبہ و استغفار کے لئے بھی اور مواقع ہیں، اور جہاں تک سورۂ کہف پڑھنے کی بات ہے تو اس کا اذان جمعہ کے بعد ہی پڑھنا ضروری نہیں، اس سے پہلے یا جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ احادیث میں مطلقاً جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی ترغیب آئی ہے،(۲) دن کے کسی خاص وقت کی تحدید منقول نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

خطبہ میں بیٹھنے کی ہیئت اور دعاء

سوال:- {782} اکثر لوگوں کو دیکھا جارہا ہے کہ جمعہ کے خطبہ اولی کے وقت دونوں ہاتھ باندھ لیتے ہیں، اور خطبہ ثانیہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو زانوں پر رکھ لیتے ہیں، اور خطبہ کے آخری کلمات کی ادائیگی پر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ (ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

---

(۱) سیر إعلام النبلاء :۲/ ۶۲۳، ط: مؤسسة الرسالة، بیروت۔ مرتب۔

(۲) "من قرأ سورة الكهف يوم الجمعة أضاء له النور ما بينه و بين البيت" (كنز العمال، حدیث نمبر:۲۵۹۸، باب الأذكار بسورة الكهف) محشی۔

جواب:- خطبۂ جمعہ کے درمیان سامعین کو حسب سہولت بیٹھنے کی گنجائش ہے، کیونکہ تمام کیفیات میں نماز کے حکم میں نہیں ہے:

"إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبيا أو متربعا أو كما تيسر" (۱)

اسی طرح بیٹھے: "ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة" (۲) اس لئے خطبہ اولی و ثانیہ میں الگ الگ ہیئتوں کو متعین کر لینا نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ سلفِ صالحین سے۔

خطبہ کے درمیان جو دعاء آتی ہے اس پر سامعین کا ہاتھ اٹھانا اور آمین کہنا مناسب نہیں، کیونکہ خطبہ کے درمیان ہر طرح کے ذکر سے منع کیا گیا ہے، (۳) خطیب کی دعاء یوں بھی تمام حاضرین کی طرف سے ہوتی ہے۔

خطبۂ جمعہ میں عصا کا استعمال

سوال:- {783} بعض مساجد میں خطبۂ جمعہ کے درمیان عصا لے کر خطبہ دیا جاتا ہے، اور اس کے برخلاف بعض مساجد میں عصا نہیں لیا جاتا، ان دونوں میں کون سا عمل جائز و بہتر ہے؟ (محمد عبد الحفیظ، مہدی پٹنم)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی ؓ نقل کرتے ہیں کہ "ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ جمعہ میں حاضر ہوئے، تو

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۸۔

(۲) حوالۂ سابق۔

(۳) دیکھئے: صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۹۳۴، باب الانصات يوم الجمعة و الإمام يخطب۔

آپ ﷺ عصا یا کمان کا سہارا لئے ہوئے کھڑے تھے‘‘(۱)

اس لئے خطبہ میں عصا لینا بہتر ہے،علامہ شامیؒ نے قہستانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ’’إن أخذ العصا سنة كالقيام‘‘(۲)البتہ چونکہ یہ حکم سنتِ غیر مؤکدہ یا مستحب کے درجہ کا ہے،اس لئے عصا لینے کو ضروری نہ سمجھنا چاہئے،اور نہ کبھی اس کو وجہ اختلاف بنانا چاہئے،کہ امت کا اتحاد اور اس کی اجتماعیت کو برقرار رکھنا مستحبات اور افضل وغیر افضل سے زیادہ اہم ہے۔وباللہ التوفیق۔

جمعہ کے لئے علیحدہ امام

سوال:-{784} ہماری مسجد کے امام صاحب حافظ قرآن ہیں،اس کے باوجود متولی صاحب ایک اور صاحب سے جمعہ کی نماز پڑھواتے ہیں،کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟

(عبدالمجید،کرنول)

جواب:- متولی یا مسجد انتظامی کو یہ حق حاصل ہے کہ کچھ نمازوں کے لئے ایک امام اور کچھ نمازوں کے لئے دوسرا امام مقرر کریں،البتہ ان کی ذمہ داری ہے کہ پنج وقتہ نماز کے امام کے رہتے ہوئے جسے جمعہ کا امام مقرر کیا جائے اسے پنج وقتہ کے امام سے زیادہ امامت کا اہل ہونا چاہئے،اگر وہ اس کی رعایت ملحوظ نہ رکھیں تو وہ اس کے لئے شرعاً جواب دہ ہوں گے۔

خرید وفروخت کی ممانعت جمعہ کی اذان اول پر ہے یا اذان ثانی پر؟

سوال:-{785} جمعہ کی پہلی اذان کے ساتھ ہی خرید وفروخت بند کردینا چاہئے یا یہ حکم اذان ثانی کے وقت کے لئے

(۱) سنن أبي داؤد :۱/۱۵۶،حدیث نمبر:۱۰۹۶،باب الرجل يخطب على قوس ۔
(۲) رد المحتار :۳/۴۱۔

ہے؟ اگر کوئی اذان کے وقت بیع وشرا کر ہی لے تو کیا اس سے
گناہ بھی ہوگا؟ (خان فیروز خان، پھولانگ)

جواب:- اللہ تعالی نے جمعہ کی اذان کے ساتھ جمعہ کے لئے دوڑ پڑنے اور خرید وفروخت کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے (۱) اب یہ خرید وفروخت کی ممانعت کا حکم کس اذان سے متعلق ہوگا؟ اس میں خود فقہاء حنفیہ کی دو رائیں ہیں، ایک یہ کہ اس سے دوسری اذان مراد ہے، جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، یہی رائے مشہور فقیہ علامہ کاسانی کی ہے:

"یکره البیع و الشراء یوم الجمعة إذا صعد الإمام المنبر و أذن الموذنون بین یدیه" (۲)

بہ ظاہر یہ رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جس وقت قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اس وقت اسی اذان کا معمول تھا، اذان اول تو عہد عثمانی سے شروع ہوئی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے پہلی اذان مراد ہے، اور اذان اول کے ساتھ ہی خرید وفروخت کو ترک کرنا اور جمعہ کے لئے سعی واجب ہے، عام طور پر فقہاء حنفیہ کا رجحان اسی طرف ہے:

"ووجب سعی إلیها و ترك البیع ... بالأذان الأول فی الأصح" (۳)

اور اسی رائے میں احتیاط معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ لوگ خطبہ جمعہ کو بھی سن سکیں اور آج کل آبادیوں کے پھیلاؤ کے لحاظ سے یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ اذان اول ہی پر مسجد کے لئے روانہ ہو جائیں۔

---

(۱) الجمعة :۹۔
(۲) بدائع الصنائع:۱/۲۰۵۔
(۳) الدر المختار مع الرد:۱/۵۵۲۔

جمعہ کی اذان پر کاروبار کو بند کرنے کا حکم قرآن مجید میں صراحتاً موجود ہے، اس لئے جو شخص جس مسجد میں جمعہ پڑھتا ہو، اس مسجد کی اذان کے بعد کاروبار میں لگا رہنا مکروہ تحریمی اور باعث گناہ ہے:

"و افاء فی البحر صحة اطلاق الحرمة علی المکروه تحریما" (۱)

خطبۂ اولیٰ میں خلفاء راشدین کے نام

سوال:- {786} ہماری مسجد میں ایک عالم صاحب کا تقرر ہوا ہے، وہ جمعہ کے خطبۂ ثانیہ کے بجائے خطبۂ اولیٰ میں خلفائے راشدین کا نام لیتے ہیں، اور پوچھنے پر کہتے ہیں کہ ''خطب علمی'' میں ایسا ہی ہے؟ (محمد عماد الدین، شاہ پور، گلبرگہ)

جواب:- اس میں کچھ حرج نہیں، دونوں میں سے کسی بھی خطبہ میں خلفاء راشدین کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

خطبہ میں خلفاء راشدین کے نام لینے کا ثبوت

سوال:- {787} آج کل بہت سے علماء خطبہ میں خلفاء راشدین کا نام لیتے ہیں، کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ایسا کیا تھا؟ یا اپنی وفات کے بعد ایسا کرنے کو کہا تھا؟ (محمد قمر الدین و دیگر افراد، مشیر آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا نام نہیں لیا جاتا تھا، اور اس وقت ظاہر ہے کہ یہ حضرات خلیفہ بنے بھی نہیں تھے، آپ ﷺ نے اس کا حکم بھی نہیں فرمایا،

---

(۱) الدر المختار علی هامش الرد: ۱/۵۵۲۔

اسی لئے خطبہ میں خلفاء راشدین ﷺ کا نام لینا فرض یا واجب نہیں، لیکن بہتر ہے، اور ایک زمانہ سے علماء اور صالحین کا اس پر عمل رہا ہے، چنانچہ علامہ شرنبلائی کہتے ہیں:

"وذكر خلفاء الراشدين والعمين مستحسن،
بذلك جرى التوارث" (۱)

خلفاء راشدین ﷺ کے نام لینے کا سلسلہ یوں شروع ہوا کہ حضرت عثمان غنی ﷺ کے بعد ہی سے اہل سنت والجماعت کے علاوہ دو گروہ پیدا ہو گئے، ایک گروہ روافض کا تھا، جو خلفاء ثلاثہ حضرت ابو بکر ﷺ، حضرت عمر ﷺ اور حضرت عثمان ﷺ کی شان میں بدگوئی کرتا تھا، دوسرا گروہ ناجیہ کا تھا، جو سیدنا حضرت علی ﷺ اور اہل بیت کو برا بھلا کہتا تھا، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ ﷺ قابل احترام ہیں، صحابی ﷺ کی بھی محبت دل میں ہونی چاہئے، اور اہل بیت بھی ہمارے چشم محبت کا سرمہ ہیں، اس لئے خاص طور پر خطبہ میں خلفاء راشدین اور بعض اہل بیت کے تذکرہ کا سلسلہ شروع ہوا، تا کہ تمام صحابہ ﷺ کی عظمت دل میں قائم ہو، اور لوگ سوء اعتقاد اور فکری آوارگی سے محفوظ رہیں، جب تک یہ دونوں طبقے باقی رہیں گے جو صحابہ ﷺ کی بابت بدگمانی رکھتے ہوں، خلفاء راشدین کا تذکرہ مستحسن رہے گا۔

خطبہ میں خلفاء راشدین کے لیے امیر المؤمنین کا استعمال؟

سوال:- {788} جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں خلفاء راشدین کے اسم گرامی کے ساتھ نہ "امیر المؤمنین" کہا جاتا ہے، اور نہ "حضرت" بلکہ عام شخصیتوں کی طرح ان کے نام لئے جاتے ہیں۔ (صدیقی، ملک پیٹ)

جواب:- امیر المؤمنین اس شخص کو کہتے ہیں، جو موجودہ وقت میں مسلمانوں کا امیر ہو، اور حضرت کا لفظ عربی زبان میں احترام کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا، اس لئے یہ الفاظ خلفاء

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی : ص:۲۸۱۔

راشدین کے اسماء گرامی کے ساتھ نہیں بولے جاتے، البتہ '' رضی اللہ عنہ'' کہا جاتا ہے، جوان سب سے بڑھ کر احترام کو ظاہر کرتا ہے، بنیادی طور پر اس کا تعلق عربی زبان کی تعبیر اور اسلوب سے ہے، عربوں کے یہاں القاب و آداب کا عجمیوں کی طرح رواج نہیں تھا، اس لئے عربی زبان میں بھی اس طرح کا استعمال نہیں ملتا۔

خطبہ میں خلفاء راشدین کی کنیت

سوال:- {789} دوران خطبہ خلفاء راشدین کے نام کے ساتھ ابن خطاب، ابن عفان، ابن ابی طالب کا نام لیا جاتا ہے، لیکن خلیفہ اول کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام نہیں لیا جاتا، اس کی کیا وجہ ہے؟ خطاب، عفان اور ابو طالب ایمان لائے یا نہیں؟ (محمد عرفان، سنگاریڈی)

جواب:- ایسا نام جو والد یا اولاد کی طرف منسوب ہو'' کنیت'' کہلاتا ہے، بعض لوگوں کی کنیت والد کی نسبت سے مشہور ہو جاتی ہے اور بعض کی اولاد کی نسبت سے، حضرت ابو بکر ﷛ کی نسبت اپنی اولاد سے زیادہ معروف تھی، اور خلفاء ثلاثہ کی اپنے والد سے، اسی لئے حضرت ابو بکر ﷛ کا نام ابو بکر سے لیا جاتا ہے، اور بقیہ حضرات کی نسبت ان کے والد کی طرف کی جاتی ہے، کیونکہ وہ اسی نسبت سے مشہور تھے، اس کی کوئی اور وجہ نہیں، خطاب، عفان اور ابو طالب کا ایمان لانا ثابت نہیں۔

جمعہ کے دن عورتیں ظہر کب پڑھیں؟

سوال:- {790} جمعہ کے دن عورتوں کو ظہر کی نماز کس وقت پڑھنی چاہئے؟ جمعہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد؟

(سید حفیظ الرحمان، پھولانگ)

جواب:- جن لوگوں پر اصلاً جمعہ واجب ہے، لیکن کسی خاص وقتی عذر کی وجہ سے جمعہ کے بجائے ظہر پر اکتفا کرنے کی اجازت ہے، چنانچہ مریض، مسافر اور قیدی، ان کے لئے یہی مستحب ہے کہ وہ امام کے جمعہ سے فارغ ہونے تک نماز کو مؤخر کریں:

"ویستحب للمریض والمسافر وأهل السجن
تأخیر الظهر إلى فراغ الإمام من الجمعة" (۱)

خواتین پر چونکہ نمازِ جمعہ فرض نہیں ہے اس لئے ان کو نمازِ جمعہ تک نمازِ ظہر کو مؤخر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

خطبۂ جمعہ کے وقت نفل نماز

سوال:- {791} جمعہ کے خطبہ کے وقت سنت یا نفل پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ (محمد عمران، کنگ کوٹھی)

جواب:- تحیۃ المسجد کے سوا اور کوئی سنت یا نفل خطبہ کے درمیان نہیں پڑھی جاسکتی، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ تحیۃ المسجد کے بارے میں اختلاف ہے، (۲) بعض فقہاء کے نزدیک خطبہ کے درمیان تحیۃ المسجد پڑھی جاسکتی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحیۃ المسجد بھی مکروہ ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے خطبہ کے درمیان کسی بھی کام سے منع فرمادیا جس سے خطبہ سننے میں حرج ہو۔ (۳)

---

(۱) الفتاوی الهندیة:۱/۱۴۸۔

(۲) "جری الخلاف فیما إذا دخل الرجل و الخطیب یخطب، فقد ذهب الحنفیة و المالکیة إلى أنه یجلس و لا یصلی ... و ذهب الشافعي و أحمد إلى أنه یصلی رکعتین خفیفتین ما لم یجلس تحیة للمسجد" (الموسوعة الفقهیة الکویتیة : ۲۷/۲۰۵،صلاة الجمعة) محشی۔

(۳) بدائع الصنائع :۱/۵۹۲۔

خطبۂ جمعہ کے درمیان سنت جمعہ

سوال:- {792} خطبۂ جمعہ شروع ہونے کے بعد کیا سنت پڑھنا درست ہے اور خطبۂ جمعہ سے پہلے جو بیان کیا جاتا ہے، کیا وہ بھی خطبہ میں شمار ہوگا؟

(خالد عبد الحسیب، ناندیڑ)

جواب:- حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ اور حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ جوں ہی امام خطبہ کے لئے نکلتا اس وقت سے ہی یہ حضرات نماز اور گفتگو کو ناجائز سمجھتے تھے: "کانوا یکرھون الصلاۃ والکلام بعد خروج الإمام "(۱) اس لئے خطبہ شروع ہونے کے بعد تحیۃ المسجد یا جمعہ کی سنت نہیں پڑھنی چاہئے، ایک روایت حضرت سلیک غطفانی ﷺ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو خطبہ کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا، (۲) لیکن یہ ایک استثنائی واقعہ ہے، کیونکہ حدیث میں یہ بات بھی آئی ہے کہ جب تک وہ دو رکعت پڑھتے رہے، آپ ﷺ خطبہ سے رکے رہے، (۳) پس یہ بات درست نہیں کہ خطیب خطبہ دینے میں مشغول ہو اور لوگ نفل پڑھنے میں، کہ یہ آداب خطبہ کے خلاف ہے۔

خطبہ سے پہلے اردو زبان میں جو بیان ہوتا ہے وہ خطبہ کے حکم میں نہیں، بیان کے دوران نماز پڑھی جاسکتی ہے، البتہ چونکہ ان بیانات کی بڑی افادیت ہے اور اصلاح نفس میں ان بیانات سے بڑا نفع ہوتا ہے، اس لئے چاہئے کہ بیانات سے پہلے ہی سنت ادا کرلیں، اور اگر بیان وخطبہ کے درمیان سنت کے لئے وقت دیا جائے تو توجہ کے ساتھ سنیں اور وقفہ میں سنت ادا کریں۔

---

(۱) نصب الرایۃ بحوالہ مصنف ابن أبي شیبۃ :۲/۲۰۲۔

(۲) دیکھئے: سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۱۱۱۶، باب إذا دخل الرجل و الإمام یخطب ۔ محشی ۔

(۳) نصب الرایۃ بحوالہ السنن الدار قطني :۲/۲۰۳۔

دوخطبہ کے درمیان بیٹھک

سوال:- {793} جمعہ کے خطبۂ اولی اور خطبۂ ثانی کے درمیان بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے (۱) اور رسول اللہ ﷺ کے وقت سے آج تک یہ طریقہ چلا آرہا ہے، یہ بیٹھک تین آیات کے بقدر ہونا چاہئے، علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

"وسن الجلوس بین الخطبتین جلسة خفیفة وظاهر الروایة مقدار ثلاث آیات" (۲)

جمعہ کے خطبوں کے درمیان کتنی دیر بیٹھے؟

سوال:- {794} ہمارے شہر کے ایک امام صاحب جمعہ کے خطبوں کے درمیان کافی دیر تک منبر پر بیٹھتے ہیں، جس سے لوگ اکتا جاتے ہیں، کیا یہ درست ہے، نہیں ہے تو امام کو کتنی دیر تک بیٹھنا چاہئے؟ (سید منیر الدین، کریم نگر)

---

(۱) حضرت عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا معمول مبارک دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا تھا: كان النبي ﷺ یخطب خطبتین یقعد بینهما" (صحیح البخاري، حدیث نمبر:۹۲۸، باب القعدة بین الخطبتین یوم الجمعة، نیز دیکھئے: حدیث نمبر:۹۲۰، باب الخطبة قائما، نیز ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، حدیث نمبر:۸۶۱، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة و ما فیهما من الجلسة) محشی۔

(۲) مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی: ص:۲۸۱۔

جوابؒ:- دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے، لیکن یہ بیٹھنا تھوڑی دیر کا ہو، فقہاء نے اس کے لئے ''جلسۂ خفیفہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور لکھا ہے کہ بیٹھنے کی مقدار تین آیات پڑھنے کی بقدر ہونی چاہئے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''مراقی الفلاح'' میں ہے:

" وسن الجلوس بين الخطبتين جلسة خفيفة
وظاهر الرواية مقدار ثلاث آيات " (۱)

اس سے زیادہ بیٹھنا مناسب نہیں، امام صاحب کو ان کا احترام برقرار رکھتے ہوئے حکمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ دلائیں۔

منبر پر دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی حکمت

سوالؒ:- {795} جمعہ کے خطبہ میں پہلے اور دوسرے خطبہ کے درمیان کیوں بیٹھتے ہیں؟ اور خطبہ منبر پر کھڑے ہو کر کیوں دیا جاتا ہے؟ حالانکہ تقریر نیچے کی جاتی ہے۔

(محمد غلام دستگیر، شمس آباد)

جوابؒ:- عبادتوں کی روح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل مبارک کی نقل کی جائے، آپ ﷺ دو خطبہ دیتے تھے، اور منبر پر کھڑے ہو کر دیتے ہیں، اسی لئے اسی طرح خطبہ دینا مسنون ہے، بہ ظاہر بیٹھنے کی حکمت یہ ہے کہ دو الگ الگ خطبے محسوس ہوں اور منبر پر کھڑے ہونے کا مقصود یہ ہے کہ دور دور تک سامعین خطیب کو دیکھ سکیں۔

خطبہ کوئی اور دے، امامت کوئی ادا کرے

سوالؒ:- {796} (الف) ہمارے یہاں مسجد میں ایک صاحب خطبہ دیتے ہیں، اور ایک دوسرے حافظ صاحب

(۱) مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی :ص:۲۸۱۔

نماز کی امامت کرتے ہیں، کیا یہ صورت درست ہے؟

(ب) خطبہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ خطبۂ اولی میں پہلے قرآنی آیات تلاوت کی جاتی ہے، پھر دس پندرہ منٹ کتاب میں دیکھ کر اردو میں خطبہ پڑھا جاتا ہے، اور اختتامی جملہ عربی میں کہے جاتے ہیں، البتہ خطبۂ ثانیہ مکمل عربی میں دیا جاتا ہے، کیا اس طرح خطبہ ہو جاتا ہے؟

(محمد اقبال الدین احمد، عثمان پورہ)

جواب:- (الف) بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو خطبہ دے وہی نماز پڑھائے، لیکن خطبہ دینے والا اور ہو اور نماز پڑھانے والا اور، تب بھی خطبہ اور نماز ادا ہو جاتے ہیں:

"لاینبغی أن یصلی غیر الخطیب، لأن الجمعة مع الخطبة کشئ واحد فلا ینبغی أن یقیمهما اثنان، وإن فعل جاز"(۱)

اس لئے بہتر ہے کہ خطیب صاحب ہی نماز بھی پڑھایا کریں۔

(ب) عربی زبان شعائرِ اسلام کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے بہتر تو یہی ہے کہ عربی زبان ہی میں خطبہ دیا جائے، بلکہ اکثر فقہاء کے نزدیک اگر کوئی شخص عربی میں خطبہ دے سکتا ہو تو اس کے لئے اردو میں خطبہ دینا جائز نہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق غیر عربی زبان میں بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے، فتاوی سراجیہ میں ہے کہ "اگر فارسی زبان میں خطبہ دے، تو یہ بھی جائز ہے۔" ولو خطب بالفارسیة یجوز "(۲) اس لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ خطیب صاحب خطبہ سے پہلے اردو میں تقریر کیا کریں، اور خطبہ عربی زبان میں دیں، تا کہ لوگوں کو تذکیر کا مقصد

---

(۱) رد المحتار: ۳/۱۱۔

(۲) فتاوی سراجیة: ص:۱۷۔

بھی حاصل ہو جائے، اور سلف صالحین کے طریقہ کی پیروی بھی ہو، لیکن اگر کسی جگہ اس کی مخالفت میں، فتنہ اور انتشار کا اندیشہ ہو تو چوں کہ ایک قول غیر عربی زبان میں خطبہ کا موجود ہے، اور بہت سے علماء نے اس کو ترجیح دی ہے، اس لئے زیادہ شدت اور اصرار سے کلام نہیں لینا چاہئے، کیوں کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنا ان جزوی اختلافات سے زیادہ اہم ہے۔

کارخانوں میں نمازِ جمعہ

سوال:- (797) ایک فیکٹری ہے جس میں مسلمان ملازموں کی تعداد بہت کم ہے، اس کے قریب کوئی مسجد نہیں ہے اور نہ ہی فیکٹری میں کوئی جگہ مختص کی جاسکتی ہے کہ پانچ وقت کی اذان اور نماز کا اہتمام کیا جاسکے، نماز ظہر کبھی اجتماعی طور پر اور کبھی انفرادی طور پر ادا کرلی جاتی ہے، لیکن نمازِ جمعہ کی ادائیگی میں جو دشواریاں درپیش ہیں وہ یہ ہیں کہ لنچ کا وقفہ صرف آدھا گھنٹہ یعنی ساڑھے بارہ سے ایک بجے تک ہے اور فیکٹری سے مسجد کا فاصلہ دو یا ڈھائی کیلومیٹر دور ہے، اتنے کم وقت میں مسجد جاکر نماز جمعہ ادا کرنا ممکن نہیں ہے، ہفتہ میں اس ایک دن کے لئے آدھا گھنٹہ کے وقفہ پر اضافہ وقت اجرت کے نقصان کے ساتھ لینا چاہتے ہیں، انتظامیہ اس کے لئے بھی تیار نہیں ہے، ان کوششوں سے مایوس ہوجانے کے بعد کچھ لوگوں نے یہ طے کیا کہ فیکٹری کے احاطہ میں نمازِ جمعہ کا اہتمام کرلیا کریں گے، چنانچہ کچھ عرصہ سے یہ سلسلہ جاری ہے، کیا ہمارا یہ فعل صحیح ہے اور نمازِ جمعہ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

(سید محمد رفیع اللہ)

جواب:- کارخانہ میں بھی نمازِ جمعہ پڑھی جاسکتی ہے، جمعہ کے لئے اِذنِ عام شرط ہے، لیکن فقہاء نے ایسے قلعوں میں جمعہ کو صحیح قرار دیا ہے، جہاں مسجد کا دروازہ اندرون قلعہ کے لوگوں کے لئے بند نہ ہو، لیکن باہر والوں کے لئے بند ہو:

"ولایضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو ولا المصلي نعم لو لم يغلق لكان أحسن" (۱)

جمعہ میں کب آنا ضروری ہے؟

سوال:- {798} نمازِ جمعہ کے لئے اذان کے ساتھ ہی مسجد میں آجانا ضروری ہے یا خطبہ پڑھنے کے وقت آجائے؟ (قادرخان نصیر، دھرم آباد)

جواب:- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"جب جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کی ذکر کی طرف دوڑ پڑو، اور خرید وفروخت چھوڑ دو" (۲)

اہل علم کا خیال ہے کہ تجارت اور کاروبار کو بند کرنا اور جمعہ کے لئے تیزی کے ساتھ روانہ ہوجانا پہلی اذان کے بعد ہی واجب ہوجاتا ہے: "ويجب السعي وترك البيع بالأذان الأول" (۳) کیونکہ اگر اذان ثانی کے بعد جمعہ کے لئے پہونچنا ہو تو خطبہ پانا جو مقصود ہے وہ نہ پاسکے گا، اس لئے مسجد پہونچنے میں عجلت کرنی چاہئے، اور خطبہ میں شریک رہنا چاہئے۔

---

(۱) الدر المختار علی رد المحتار: ۱/۵۴۶۔

(۲) الجمعة: ۹۔

(۳) الفتاوی الهندية: ۱/۱۴۹۔

جمعہ کے بعد کی سنتیں

سوال:- {799} بہت سے لوگ جمعہ کی فرض پڑھ کر مسجد سے باہر نکل جاتے ہیں، اور کاروبار میں لگ جاتے ہیں، تو جمعہ کے بعد کی سنتوں کا کیا حکم ہے؟

(قادر خان نصیر، دھرم آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد سنت ادا فرمایا کرتے تھے، اور آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کی تلقین بھی فرمائی تھی، (۱) اسی پر حضراتِ صحابہ ؓ کا بھی عمل تھا، حضرت علی ؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت پھر چار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے صرف چار رکعت پڑھنا ثابت ہے، (۲) لہذا بہتر تو یہ ہے کہ چھ رکعت سنت ادا کی جائے، چنانچہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی یہی رائے ہے، اور اگر کسی وجہ سے اتنا موقع نہ ہو تو کم سے کم چار رکعت سنت پڑھ لی جائے، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے، کیونکہ یہ سنت ظہر کی نائب ہے، لہذا اس کی حیثیت بھی سنت مؤکدہ کی ہے۔ (۳)

جمعہ میں فرض وسنت کی نیت

سوال:- {800} نمازِ جمعہ کے فرض وسنت اور نفل وغیرہ سب جمعہ کی نیت سے پڑھیں گے؟ یا سنتیں پڑھتے وقت نمازِ ظہر کی نیت کیا جائے؟　　(محمد سلطان، محبوب نگر)

جواب:- پہلے تو یہ بات ذہن میں رکھیں کہ نیت اصل میں دل کے پختہ ارادہ کا نام ہے،

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۵۲۱، ۵۲۳، باب في الصلاة قبل الجمعة وبعدها ۔

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۵۲۳، باب في الصلاة قبل الجمعة وبعدها ۔

(۳) دیکھئے: الجوهرة النيرة: ۱/۱۱۱ ۔

نیت کے لئے زبان سے اظہار ضروری نہیں، جب آپ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد گئے اور نماز پڑھنے کی غرض سے کھڑے ہوئے اور آپ کی ایسی کیفیت ہے کہ کوئی شخص آپ سے پوچھ لے کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ تو آپ بلا تامل جواب دے سکیں کہ میں نمازِ جمعہ ادا کر رہا ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کی نیت آپ کے دل میں موجود ہے، بس اسی قدر کافی ہے۔

بہر حال جمعہ کے لئے جمعہ ہی کی نیت کرنا ضروری ہے، مشہور حنفی فقیہ علامہ حلبیؒ فرماتے ہیں:

"کذا ینوی صلاۃ الجمعۃ وصلاۃ العید أی یشترط فیھا التعیین" (۱)

سنتوں کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اس کے درست ہونے کے لئے متعین طور پر اس کی نیت کرنا ضروری نہیں، آپ جمعہ کی سنت کی نیت کرلیں، نفل کی نیت سے پڑھ لیں، یا صرف نماز کی نیت کرلیں، کافی ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

"والصحیح المعتمد عدم الاشتراط، وعندنا تصح بنیۃ النفل وبمطلق النیۃ" (۲)

البتہ سنت ظہر کی نیت نہ کرے، یہ بہتر ہے، نفل نمازوں کے بارے میں اتفاق ہے کہ محض نماز کی نیت کرلینا ہی کافی ہے۔ (۳)

خطبہ کے درمیان درود شریف اور رضی اللہ عنہ پڑھنا

سوال:- {801} خطبہ کے دوران حضور ﷺ کا نام آنے پر "درود شریف" پڑھنا، یا صحابہ کرامؓ کا نام آنے پر "رضی اللہ عنہ" کہنا کیسا ہے؟ (محمد محبوب علی، ناگر، کرنول)

---

(۱) کبیری: ص: ۲۴۷۔
(۲) الأشباہ والنظائر مع الحموی: ۱/۱۲۰، ط: کراچی۔
(۳) حوالۂ سابق۔

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے درمیان گفتگو، یہاں تک کہ نماز سے بھی منع فرمایا ہے۔(۱) نماز کی ممانعت اجزاء نماز کو شامل ہے، اور اجزاء نماز میں ایک رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام بھی ہے، اس لئے خطبہ کے درمیان زبان سے درود شریف نہیں پڑھنا چاہئے، ہاں! دل ہی دل میں پڑھے تا کہ درود شریف پڑھنے کا عمل بھی ہوجائے اور خطبہ کے درمیان خاموش رہنے کے حکم پر بھی عمل ہوجائے، چنانچہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

" فيصلي المستمع سرا بنفسه وينصت بلسانه عملا بأمري ، صلوا، وانصتوا" (۲)

اس طرح رسول اللہ ﷺ کے دونوں احکام پر عمل ہوجائے گا، نیز علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

" اختلفوا في الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم عند سماع اسمه والصواب أنه يصلي في نفسه " (۳)

جب درود شریف کے بارے میں یہ حکم ہے تو "رضی اللہ عنہ" کے بارے میں بدرجۂ اولی یہی حکم ہوگا، اس لئے "رضی اللہ عنہ" کا دعائیہ کلمہ دل ہی دل میں کہنے پر اکتفا کیا جائے۔

مسجد ہوتے ہوئے گھر کی چھت پر جمعہ

سوال:- {802} شہر کی چار مسجدوں میں جمعہ کی نماز

---

(۱) " عن ابن عمر ﷺ رفعه : " إذا دخل أحدكم المسجد و الإمام يخطب على المنبر فلا صلاة و لا كلام حتى يفرغ الإمام " (رواه الطبراني في الكبير بضعف بحوالہ جمع الفوائد :۱/۴۱۳، حدیث نمبر:۱۹۱۸، باب وقت الجمعة و نداؤها و خطبتها و ما يتعلق بذلك) محشی۔

(۲) الدر المختار مع الرد :۲/۲۶۸۔

(۳) البحر الرائق :۲/۱۷۱۔

ہوتی ہے، شہر کے سارے لوگ انہیں چار مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، لیکن ۱۳؍ جولائی کو جمعہ کی نماز کچھ لوگوں نے ایک غیر مسلم کے مکان کی چھت پر ادا کی، کیا ان لوگوں کی نماز ہوگئی اور کیا اس طرح جمعہ کی نماز مسجدوں کو چھوڑ کر غیر مسلم کے گھر پر ادا کی جاسکتی ہے؟ (محمد عبدالرحیم، پالونچہ)

جواب:- شہر میں کسی بھی مقام پر جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، جمعہ قائم کرنے کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں، لیکن جب شہر میں چار مسجدیں موجود ہیں اور وہ تمام مسلمانوں کے لئے کفایت کرتی ہیں، یا اگر کفایت نہ کرتی ہوں تو ان کے گرد و پیش مسجد کی توسیع اور صفیں لگانے کی گنجائش موجود ہو، تو ایسی صورت میں بہتر طریقہ یہی ہے کہ نماز مسجد میں ادا کی جائے، مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ نماز جمعہ ادا کرنا مسجد کی حق تلفی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ:

''اگر امیر اپنے محل میں جمعہ قائم کرے اور لوگوں کو اس میں آنے کی اجازت دے دے، تو جمعہ تو ہوجائے گا، لیکن یہ مکروہ فعل ہوگا، کیونکہ یہ مسجد کی حق تلفی کے مترادف ہے''

"... لأنه لم يقض حق المسجد" (۱)

خاص کر غیر مسلم بھائی کے گھر کی چھت پر نماز پڑھنے میں اندیشہ ہے کہ کہیں آئندہ دوسرے مسلمان اس پر اصرار کرنے لگیں، تو ظاہر ہے کہ یہ نہ صرف انصاف کے خلاف ہوگا، بلکہ یہ بات اسلامی تعلیمات کے بھی خلاف ہوگی اور اس سے نقضِ امن بھی ہوسکتا ہے۔

نماز جمعہ چھوڑنے سے متعلق حدیث

سوال:- {803} کیا یہ صحیح ہے کہ پانچ مرتبہ نمازِ جمعہ

---

(۱) رد المحتار :۳/۲۶۔

قضاء ہو جائے تو وہ مسلمان نہیں رہتا؟

(حیدر علی جواد، ویلگور)

جواب:- غالباً یہ بات روایت میں نہیں آئی ہے، البتہ حضرت ابوقتادہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من ترك الجمعة ثلاث مرات من غير ضرورة طبع على قلبه" (۱)

''جس نے تین دفعہ بلا ضرورت جمعہ چھوڑ دیا اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے''

دل پر مہر لگ جانے سے مراد یہ ہے کہ اس سے خیر کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

ترک جمعہ کا گناہ

سوال:- {804} جو شخص مسلسل تین جمعہ میں نماز ادا نہیں کرتا، کیا اس کے گھر سے خیر و برکت اٹھالی جاتی ہے؟ کیونکہ ایک صاحب جمعہ کو مسجد میں نماز ادا نہیں کرتے، بلکہ گھر میں ہی نماز ادا کرتے ہیں۔ (ایکس، وائی، زیڈ)

جواب:- بلا عذر جمعہ چھوڑ دینا بہت ہی گناہ اور محرومی کی بات ہے، مسند احمد میں ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من ترك الجمعة ثلاث مرات من غير

---

(۱) مجمع الزوائد :۲/۱۹۲۔

امام ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث اپنی جامع میں ذکر کی ہیں: "قال رسول الله ﷺ من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونا طبع الله على قلبه "(الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۵۰۰، باب في ترك الجمعة بغير عذر ، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر: ۱۰۵۲،باب التشديد في ترك الجمعة) محشی۔

ضرورة طبع علی قلبه "(۱) ''جس نے تین دفعہ بلاضرورت جمعہ چھوڑ دیا اس کے دل پر مہر لگادی جاتی ہے'' اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا دل منافقوں کا سا ہو جاتا ہے، بیماری، شدید بارش، دشمن کا خوف اور بینائی سے محرومی ان اعذار میں سے ہے جن کی وجہ سے فقہاء نے ترکِ جمعہ کی اجازت دی ہے۔ (۲) اگر ان صاحب کو اس طرح کے اعذار نہ ہوں تو انہیں سمجھایئے کہ وہ ایسی ناشائستہ حرکت سے باز آئیں۔

نمازِ جمعہ فرض عین ہے

سوال:- {805} کیا جمعہ کی نماز فرض ہے؟ بعض حضرات اسے واجب بھی کہتے ہیں۔ (محمد اعجاز احمد، ایرہ گڈا)

جواب:- محقق علماء کی رائے یہی ہے کہ جمعہ مستقل فرض عین ہے، اور چونکہ قرآن مجید اور حدیث متواتر سے اس کا ثبوت ہے، اس لئے جمعہ کا انکار کفر ہے:

" الجمعة هي فرض عين يكفر جاحدها ، لثبوتها بالدليل القطعي " (۳)

ویسے واضح ہو کہ فرض اور واجب میں عملی لزوم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، جیسے فرض کا ادا کرنا لازم و ضروری ہے، اسی طرح واجب کا ادا کرنا بھی واجب و ضروری ہے، فرق صرف دو باتوں میں ہے، ایک تو ذریعۂ ثبوت میں، اور دوسرے یہ کہ اس کے انکار کا کیا حکم ہے؟ فرض کا ثبوت یقینی دلیل سے ہوتا ہے اور اس کا انکار کفر ہے، اور واجب کا ثبوت نسبتاً کم درجہ کی دلیل سے ہوتا ہے اور اس کا انکار کفر نہیں، البتہ فسق ہے، ورنہ عملی اعتبار سے دونوں ہی کا کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد ، باب ماجاء من ترك الجمعة :۲/۱۹۲۔
نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۰۵۲۔ محشی۔

(۲) الدر المختار :۲/۲۸-۲۴۔

(۳) رد المحتار :۳/۳۴۔

خطبہ کے درمیان سامعین کی بیٹھک

سوال:- {806} جس طرح تشہد کی حالت میں بیٹھتے ہیں، کیا جمعہ کے خطبہ میں اسی طرح بیٹھنا چاہئے؟ یا کسی بھی طرح بیٹھ سکتے ہیں؟ (محمد اعجاز احمد، ایرہ گڈا)

جواب:- خطبہ چونکہ بعینہ نماز نہیں، اس لئے نماز ہی کی ہیئت پر بیٹھنا ضروری نہیں، جیسی سہولت ہو اور اس کی بیٹھک سے دوسروں کو تکلیف نہ پہونچے، بیٹھ سکتے ہیں، آلتی پالتی بیٹھے، یا گوٹ مار کر، یا جیسے سہولت ہو، البتہ قعدہ کی سی بیٹھک بہتر ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

"إن شاء جلس محتبيا أو متربعا أو كما تيسر ...
و يستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة" (۱)

انفرادی طور پر جمعہ وعیدین

سوال:- {807} کیا عورت نمازِ جمعہ وعیدین انفرادی طور پر گھر پر ادا کرسکتی ہے؟ یعنی جمعہ کی دو رکعت فرض اور عیدین کی چھ زائد تکبیرات کے ساتھ، حنفی مسلک کی روشنی میں وضاحت فرمائیں (عارفہ شادان، کلوا کرتی)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ یہ خصوصی سہولت رکھی ہے کہ ان پر نمازِ جمعہ اور عیدین واجب قرار نہیں دی گئی ہے، (۲) کیونکہ خواتین کو اس کا مکلف اور پابند کرنے میں ان

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۸۔

(۲) نبی ﷺ نے فرمایا: "الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة : عبد مملوك أو امرأة أو صبي أو مريض" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۰۶۷، باب الجمعة للمملوك و المرأة)

کے لئے زحمت بھی ہے اور فتنہ کا اندیشہ بھی:

"حتی لاتجب الجمعة على العبيد والنساء" (۱)

"تجب صلاة العيد على من تجب صلاة الجمعة" (۲)

جہاں تک انفرادی طور پر جمعہ اور عیدین ادا کرنے کی بات ہے، تو جمعہ اور عیدین جماعت کے ساتھ ہی ادا کرنا ثابت ہے، ان نمازوں کو انفرادی طور پر ادا نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے اگر کسی کی نمازِ جمعہ فوت ہوجائے تو جمعہ کے بجائے اسے ظہر کی نماز ادا کرنی ہے، اور عیدین فوت ہوجائے تو اس کی قضاء نہیں۔

جمعہ سے پہلے بیوی اور محرم خواتین کی پیشانی کا بوسہ

سوال:- {808} ہمارے خاندان کے ایک بزرگ ہیں، انہیں کہیں یہ حدیث معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ جمعہ کی نماز کے لئے جاتے وقت اپنے گھر کی محرم خواتین کی پیشانی کا بوسہ لیا کرتے تھے، لہذا ہمارے وہ بزرگ یہ عمل سنت سمجھ کر کیا کرتے ہیں، اپنی اہلیہ، اپنی لڑکیوں، نواسیوں وغیرہ جو محرم ہیں ان کی پیشانی کا بوسہ جمعہ کی نماز کو جاتے وقت گھر سے نکلنے سے قبل لیا کرتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے اور سنت کے مطابق ہے؟ اب ان کے لڑکے کی شادی ہوئی اور گھر میں بہو آئی ہے، کیا بہو محرم میں داخل ہے، کیا وہ اپنی بہو کی پیشانی کا بوسہ لے سکتے ہیں؟　　(محمد راشد، یاقوت پورہ)

جواب:- یہ سمجھنا درست نہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کو جاتے ہوئے گھر کی محرم خواتین کا

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۴۴۔

(۲) الفتاوی الهندية: ۱/۱۵۰۔

بوسہ لیتے رہے ہوں، بلکہ نماز سے پہلے بوسہ لینا ایک حد تک غیر مناسب عمل ہے، کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک اس صورت میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے، تو وضوء کے بعد اور نماز سے پہلے تو ایسے عمل سے بچنا چاہئے جس سے ناقض وضوء ہونے کا شبہ ہو، نہ کہ خاص طور پر اس کا ارتکاب کیا جائے، رسول اللہ ﷺ سے ایک آدھ موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیشانی کا بوسہ لینا ثابت ہے، (۱) لیکن یہ عمل بھی اتفاقی تھا، نہ کہ معمولاً، آج کے دورِ ہوا و ہوس میں اس طرح کا عمل فتنہ کا دروازہ کھول دے گا، اس لئے بیوی کے علاوہ تمام ہی محرم خواتین کا بوسہ لینا قطعاً نامناسب ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے، بہو بھی محرم عورتوں میں داخل ہے، کیونکہ اس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے اور جن عورتوں سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو ان ہی کو محرم کہا جاتا ہے۔

ایک ہی مسجد میں ایک سے زیادہ بار جمعہ کی ادائیگی

سوال:- {809} برطانیہ کے ایک شہر میں ایک کئی منزلہ مسجد ہے، جس میں عام نمازوں کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے، مسجد کو مزید وسیع کرنے کی گنجائش نہیں، کیونکہ مسجد کے چاروں طرف مسجد کی مملوکہ زمین نہیں، مسجد کو مزید اونچا کرنے کی بھی گنجائش نہیں اور قانون اس میں مانع ہے، عام دنوں میں مسجد کا کچھ حصہ ہی استعمال ہوتا ہے، لیکن جمعہ کے دن تمام منزلیں بھر جاتی ہیں، پھر بھی کافی نہیں ہوتی، اس لئے

---

(۱) "عن عائشة أم المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنها قالت : ما رأيت أحدًا أشبه سمتا ودلّا و هديًا برسول الله ﷺ في قيامها و قعودها من فاطمة بنت رسول الله ﷺ قالت : و كانت إذا دخلت على النبي ﷺ قام إليها فقبلها و أجلسها في مجلسه ألخ" (الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۳۸۷۲، باب ما جاء في فضل فاطمة بن محمد ﷺ) محشی۔

تین بار جماعت کی جاتی ہے، نماز میں شرکت کرنے والے حضرات کافی دور دور سے آتے ہیں، اس محلہ کے لوگ کم ہوتے ہیں، جس میں یہ مسجد واقع ہے، اگر ہر جمعہ کو خاص طور پر ہال بک کیا جائے تو اولاً تو ہر ہفتہ کو ہال دستیاب ہونا دشوار ہے اور ہو تو اس کے اخراجات ناقابلِ تحمل ہیں، عیدین کی نمازیں چونکہ سال میں صرف دو بار ہوتی ہیں، اس لئے ہال کرایہ پر لے لیا جاتا ہے، برطانیہ کے قوانین اتنے سخت ہیں کہ لوگ سڑکوں پر نماز ادا نہیں کر سکتے ، اور نماز کے لیے آنے والے اکثر لوگ وہ ہوتے ہیں، جو جمعہ کے نمازی ہوتے ہیں، اگر جمعہ میں بھی شریک نہ ہوں تو نہ معلوم عیدین کے علاوہ دوسری نمازیں پڑھیں بھی یا نہیں؟

ان حالات کے پس منظر میں آپ سے درج ذیل باتیں وضاحت طلب ہیں:

(الف) مسجد میں ایک سے زیادہ جماعت کرنے کے سلسلہ میں فقہاء کے مذاہب کیا ہیں؟

(ب) فقہ حنفی میں تکرار جماعت کی اجازت ہے؟

(ج) جو صورت حال اوپر مذکور ہوئی کیا اس صورت میں تکرار جماعت کی گنجائش ہے؟ (احمد علی، برطانیہ)

جواب:- (الف) تکرارِ جماعت کے سلسلہ میں حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے مذہب کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک جس مسجد میں کوئی امام مقرر ہو وہاں اس امام کی جماعت کے علاوہ کوئی اور جماعت کرنا مکروہ ہے، اگر کئی ائمہ مقرر ہوں جو الگ الگ جماعتوں کو پڑھائیں، تو اس صورت کے بارے میں مالکیہ کے نزدیک اختلاف ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ یہ

صورت بھی مکروہ ہے، جس مسجد میں کوئی باضابطہ امام مقرر ہو، اس میں دوبارہ جماعت مکروہ ہے، البتہ اگر مسجد تنگ ہے اور تمام لوگ ایک ساتھ نماز نہیں پڑھ سکیں، تو ایک سے زیادہ جماعت کی گنجائش ہے۔(۱)

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مقررہ امام کی اجازت سے ایک سے زیادہ جماعتیں کی جاسکتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔(۲) مشہور محدث امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقہاء میں امام اسحاقؒ کی بھی یہی رائے ہے، نیز متعدد صحابہ ﷺ اور تابعینؒ اسی نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔(۳) مشہور محدث امام بخاریؒ کا رجحان بھی یہی ہے۔(۴) فقہاء احنافؒ اصولی طور پر تکرار جماعت مکروہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"وإن صلی فیه أهله بأذان واقامة أو بعض أهله یکره لغیر أهله وللباقین من أهله أن یعیدوا الأذان والاقامة"(۵)

اس طرح اکثر فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ تکرار جماعت کراہت سے خالی نہیں، مذاہب اربعہ میں احناف، مالکیہ اور شوافع کا یہی نقطۂ نظر ہے، حنابلہ جواز کے قائل ہیں، اور شوافع جگہ کی تنگی کی صورت میں تکرار جماعت کو جائز قرار دیتے ہیں، جو حضرات تکرار جماعت کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل ایک روایت ہے کہ

ایک صاحب جماعت ختم ہونے کے بعد مسجد نبوی ﷺ میں آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ان کے اجر میں اضافہ

(۱) دیکھئے: روضة الطالبین :۱/۵۱۰، نیز دیکھئے: الفقه الاسلامی وأدلته :۲/۶۵-۱۶۴۔
(۲) دیکھئے: کشاف القناع :۱/۵۳۸، بحوالہ الفقه الاسلامی وأدلته :۲/۱۶۵۔
(۳) الجامع للترمذی:۱/۵۳، باب ماجاء فی الجماعة فی مسجد قد صلی فیه۔
(۴) صحیح البخاری:۱/۸۹، باب فضل الجماعة۔
(۵) بدائع الصنائع : ۱/۳۷۸۔

کرے گا؟ یعنی کون ان کے ساتھ شریک ہوکر انہیں جماعت کا ثواب پہونچائے گا؟ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک صاحب کھڑے ہوئے، اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابوبکر ﷛ تھے، چنانچہ وہ ان کے ساتھ شریک ہوگئے، اوران صاحب نے مسجد نبوی ﷺ میں جماعت سے نماز ادا کی۔(۱)

اس طرح امام بخاریؒ نے حضرت انس ﷛ کے بارے میں نقل کیا ہے:

''حضرت انس ﷛ ایک ایسی مسجد میں تشریف لائے جس میں نماز ہوچکی تھی، تو دوبارہ اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا فرمائی''۔(۲)

جولوگ تکرار جماعت کو مکروہ قرار دیتے ہیں، ان کے پیش نظر وہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار کچھ لوگوں کے درمیان صلح کرانے تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ فارغ ہوکر مسجد آئے تو نماز ہوچکی تھی۔ آپ ﷺ گھر واپس آئے اور اہل خانہ کو جمع کیا اور نماز ادا فرمائی (۳) نیز تکرار جماعت سے لامحالہ جماعت کی تعداد قلیل ہوگی، کیونکہ جب لوگ دیکھیں گے کہ باربار جماعت ہوسکتی ہے تو آنے میں تاخیر کریں گے اور اس طرح جماعت کی کثرت ''جو شریعت کا منشا ہے'' فوت ہوکر رہ جائے گا، چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

" لأن التكرار يؤدي الى تقليل الجماعة ؛ لأن الناس اذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۲۲۰، باب في الجماعة في مسجد قد صلى فيه ۔

(۲) صحيح البخاری :۱/۲۲۰، باب فضل الجماعة۔

(۳) مجمع الزوائد :۲/۴۵، باب فيمن جاء إلى المسجد فوجد الناس قد صلوا ۔

فیستعجلون فتکثر الجماعة، إذا علموا أنها لا تفوتهم یتأخرون فتقل الجماعة وتقلیل الجماعة مکروه " (۱)

" لأن في تکرار الجماعة تقلیلها " (۲)

واقعہ ہے کہ جمہور کا نقطۂ نظر شریعت کے مزاج و مذاق اور جماعت کی مصلحت سے زیادہ قریب ہے۔

(ب) احناف کے مسلک کی تفصیل ہے کہ چند صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں بالاتفاق تکرار جماعت مکروہ نہیں۔

اول:- یہ کہ ''مسجد محلّہ'' نہ ہو، بلکہ بازار یا شارع عام کی مسجد ہو، جس میں گزرنے والے نماز پڑھ لیا کرتے ہوں۔ ''أو کان مسجد طریق جاز إجماعا ''(۳)'' وکذا في مسجد قارعة الطریق ''(۴) اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی مسجدوں میں متعین نمازی نہیں ہوتے، بلکہ حسب موقع گزرنے والے پڑھ لیتے ہیں، اس لئے اس سے کثرت جماعت متاثر نہیں ہوتی۔

دوسرے:- اس مسجد میں بھی تکرار جماعت میں کوئی حرج نہیں ہے جس کے لئے امام متعین نہ ہو، اور کچھ متعین لوگ مسجد میں نہ آیا کرتے ہوں، بلکہ ''کیف ما اتفق '' کبھی کچھ لوگ، کبھی کچھ اور لوگ نماز پڑھتے ہوں، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

" المسجد إذا کان لہ امام معلوم أو جماعة

---

(۱) بدائع الصنائع:۱/۳۸۰۔
(۲) البحر الرائق :۱/۶۰۵۔
(۳) رد المحتار :۲/۲۸۸۔
(۴) الفتاوی الهندیة :۱/۸۳۔

معلومة في محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لا
يباح تكرارها فيه بأذان ثان" (۱)

تیسرے:- اگر پہلی جماعت اہل محلہ ہی نے کی، لیکن اذان آہستہ اس طریقے پر دی کہ دوسرے لوگ نہ سن سکیں تو اس کے بعد دوبارہ جماعت کی جاسکتی ہے:

" جماعة من أهل المسجد أذنوا في المسجد على
وجها المخافتة بحيث لم يسمع غيرهم ثم حضر
قوم من أهل المسجد ولم يعلموا ما صنع الفريق
الأول فأذنوا على وجه الجهرو الإعلان ، ثم علموا
ماصنع الفريق الأول فلهم أن يصلوا بالجماعة
على وجهها ولا عبرة للجماعة الأولى "(۲)

چوتھی صورت:- یہ ہے کہ مسجد محلہ ہی میں غیر اہل محلہ نے پہلے اذان واقامت کے ساتھ جماعت کر لی ہو، تو اب اہل محلہ کا دوبارہ جماعت کرنا مکروہ نہیں:

" يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان و
إقامة إلاإذا صلى بهما فيه أوّلا غير أهله "(۳)

پانچویں صورت:- یہ ہے کہ پہلی جماعت اذان کے ساتھ ہوئی ہو، اور دوسری جماعت بغیر اذان کے ہو اس کو حنفیہ نے بالاتفاق مباح قرار دیا ہے: "وما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعا" (۴) اور شامی میں ہے:

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۸۳۔
(۲) فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندية:۱/۷۸۔محشی۔
(۳) رد المحتار :۲/۲۸۸۔
(۴) الفتاوی الهندية :۱/۸۳۔

" ولو کرر أهله بدونهما ... جاز اجماعا " (۱)

تکرارِ جماعت کے جائز ہونے کی یہ صورتیں فقہاء حنفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہیں، امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر دوسری جماعت تداعی اور اجتماعی کے طور پر نہ ہو، تو مکروہ نہیں، ورنہ مکروہ ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

" وروى عن محمد أنه يكره إذا كانت الثانية على سبيل التداعي والاجتماع فأما اذا لم يكن فلا يكره " (۲)

ا...... ممکن ہے کہ امام محمدؒ کے اس قول کا مقصد وہی ہو جو مذکور ہوا ہے کہ دوسری جماعت اذان کے ساتھ مکروہ ہے، بغیر اذان کے نہیں، کیونکہ اذان تداعی کی واضح صورت ہے، امام ابو یوسفؒ کے قول میں نسبتاً زیادہ وسعت ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر جماعتِ ثانیہ جماعت اولی کی ہیئت پر نہ ہو، تو جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں، تغیرِ ہیئت سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں عام طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ محراب اور امام کی جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ امامت کی جائے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

" وعن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة بهيئة الأولى لاتكره وإلا تكره وهو الصحيح وبالعدل عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازية "(۳)

نیز علامہ ابن نجیم کا بیان ہے:

---

(۱) رد المحتار :۲/۲۸۸۔
(۲) بدائع الصنائع :۱/۳۸۹۔ محشی۔
(۳) رد المحتار :۲/۲۸۹۔

"وعن أبي يوسف لابأس به مطلقا إذا صلى
في غير مقام الإمام" (۱)

یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے اس قول کو فقہاء نے صحیح اور مفتی بہ قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ شامی کی صراحت اصول کے بارے میں گزر چکی ہے، "هو الصحيح"

۳...... جمعہ چونکہ شعائر دین کے درجہ میں ہے، اس لئے جمعہ کا بہر حال اہتمام ہونا چاہئے، اس لئے فقہاء نے جمعہ کے قیام کے لئے بعض شرائط کے بارے میں تخفیف و رعایت سے کام لیا ہے، چنانچہ اصل یہ ہے کہ ایک ہی جگہ جمعہ ہو، لیکن اس کے مستحب و مطلوب ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں، لیکن اگر ایک جگہ تمام لوگوں کے اجتماع میں دقت ہو تو فقہاء کہتے ہیں کہ متعدد جمعہ میں بھی کوئی حرج نہیں، علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"يصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع
كثيرة وهو قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ، وهو
الأصح: لأن في الاجتماع في موضع واحد في
مدينة كبيرة حرجا بينا وهو مدفوع" (۲)

یہی بات فقہاء مالکیہ نے لکھی ہے:

"واعلم أن خشية الفتنة بين القوم إذا اجتمعوا
في مسجد تبيح التعدد كالضيق" (۳)

امام شافعیؒ کے نزدیک تو ایک شہر میں متعدد جمعہ جائز نہیں، لیکن اس کے باوجود متاخرین نے ازراہ ضرورت متعدد جمعہ کی اجازت دی ہے، تاکہ جمعہ سے لوگ محروم نہ ہونے پائیں۔ (۴)

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۸۰۵۔
(۲) حوالہ سابق: ۲/۶۰۵۔
(۳) الشرح الصغير: ۱/۵۰۱۔
(۴) دیکھئے: روضة الطالبين: ۱/۵۱۰۔

اس طرح سجدہ تو زمین پر ہونا چاہئے، لیکن اگر جمعہ میں اژدحام کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو فقہاء نے نمازیوں کی پشت پر بھی سجدہ کرنے کی اجازت دی ہے:

" رجل لم يستطع يوم الجمعة أن يسجد على الأرض من الزحام فانه ينتظر حتى يقوم الناس ، فإذا رأى فرجة سجد وان سجد على ظهر الرجل أجزأه " (۱)

ان نظائر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ شریعت میں اقامت جمعہ کی جو اہمیت ہے، فقہاء نے اپنے اجتہادات میں اس کو بڑی اہمیت دی ہے، اس لئے تکرارِ جماعت کی کراہت سے بڑھ کر یہ ہے کہ کچھ مسلمان جمعہ کی سعادت سے محروم ہو جائیں، لہذا راقم الحروف کی رائے ہے کہ:

(الف) اولاً تو مسجد کے ذمہ داران اس بات کی کوشش کریں کہ جمعہ کے لئے مستقل طور پر کوئی ہال حاصل ہو جائے۔

(ب) جب تک یہ سہولت حاصل نہ ہو تکرارِ جماعت ہی کے ذریعہ سہی، مسلمانوں کو جمعہ سے محروم نہ ہونے دیں ورنہ اندیشہ ہے کہ اس سے ان کی دینی حالت پر بہت ہی خراب اثر مرتب ہوگا۔

(ج) صورت یہ ہو کہ صرف پہلی جماعت سے پہلے اذان اور اقامت ہو، دوسری یا تیسری جماعت کے لئے اذان اور اقامت نہ کہی جائے، تاکہ اس قول کے مطابق کہ " دوسری جماعت بغیر اذان و اقامت کے درست ہے" تکرارِ جماعت درست قرار پائے۔

(د) پہلی جماعت میں امام جہاں کھڑا ہو، دوسری جماعت میں اس سے کسی قدر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اور دوسری جماعت میں امام کی جو جگہ ہو، تیسری جماعت میں امام اس سے بھی ہٹ

---

(۱) الفتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندية :۱/۱۷۸، باب صلاة الجمعة۔ محشی۔

کر نماز پڑھائے ، اس طرح تغیر ہیئت کی کیفیت پیدا ہو جائے گی ، جو امام ابو یوسفؒ کے قول پر مکروہ نہیں ہے۔

(ہ) یہ بات بھی مناسب ہوگی کہ مسجد کا مقررہ امام آخری جماعت کی امامت کرے تا کہ اس کا شمار اہل محلہ کی جماعت میں ہو اور پہلی جماعتوں کا شمار غیر اہل محلہ کی جماعتوں میں ہو، اور غیر اہل محلہ کی جماعت کے بعد بھی اہل محلہ کی جماعت بالاتفاق درست ہے۔

تکرار جماعت کی یہ وہ صورتیں ہیں کہ احناف کے مسلک کی مذکورہ تفصیلات کے مطابق یہ کراہت کے دائرہ میں نہیں آتیں، لیکن ظاہر ہے کہ اصل یہ ہے کہ مسجد میں ایک ہی جماعت ہو، اس لئے اس کے لئے کوشش جاری رکھنی چاہئے اور جب تک یہ سہولت بہم نہیں پہونچے ، تکرار جماعت کے ساتھ ہی سبھی تمام آنے والوں کے لئے جمعہ کی سہولت برقرار رکھنا چاہئے کہ اس سے فریضۂ دین کی اہمیت لوگوں کے ذہن میں باقی رہے گی اور ان کے ذہنوں میں اپنی مذہبی شناخت بھی قائم رہے گی۔

جمعہ کی جماعت ثانیہ

سوال:- {810} ہمارے یہاں مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے بہت سے لوگ آتے ہیں ، جب مسجد بھر جاتی ہے تو کچھ لوگ جو تقریباً ۷۰ سے زائد ہوتے ہیں ، مسجد کے اوپر چھت پر کھلے آسمان کے نیچے نماز جمعہ ادا کرتے ہیں ، گزشتہ جمعہ کے دن مسلسل بارش ہوتی رہی ، کیا ایسی صورت میں اوپر کے لوگوں کو بارش میں بھیگتے ہوئے نماز ادا کرنا چاہیے یا دوسری جماعت بنا کر پڑھنا چاہیے؟ ایسی صورت میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کا واضح طریقہ بتائیں۔

(حافظ نعمان ذاکر حسامی ، پٹن چرو)

جواب:- جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں اولاً تو کوشش کرنی چاہیے کہ مسجد کی چھت کے بجائے اگر دوسری مسجد ہو تو وہاں، یا مسجد کے علاوہ کوئی اور چھت والی جگہ ہو تو وہاں جمعہ کی دوسری جماعت کرلی جائے، لیکن اگر یہ دشوار ہو تو عذر کی وجہ سے دوبارہ جماعت کی گنجائش ہے، کیونکہ خاص حالات میں فقہاء نے تکرار جماعت کی اجازت دی ہے۔ واللہ اعلم۔

نمازِ عیدین کا بیان

۶ ر دسمبر اور عید الفطر

سوال:- {811} بہت سے لوگوں کو تشویش ہے اگر عید الفطر ۶ ر دسمبر کو آئی، تو نئے کپڑے پہننا درست ہو گا یا نہیں؟ کیونکہ یہی بابری مسجد کی شہادت کا دن ہے؟

(محمد متین فاروقی، اودگیر)

جواب:- عید الفطر منانا ایک حکم شرعی ہے، اور اس دن اپنی حیثیت اور گنجائش کے مطابق بہتر کپڑے پہننا چاہئے، اس لئے ۶ ر دسمبر کو عید آنے کی وجہ سے اس سے اجتناب کرنا درست نہیں، ۶ ر دسمبر کا واقعہ یقیناً نہایت تکلیف دہ، کربناک اور ناقابلِ فراموش ہے، لیکن اس پر رنج کے اظہار کے لئے ایک حکم شرعی کی خلاف ورزی مناسب نہیں، اس کے بجائے عید کی شب میں اور نمازِ عید کے بعد کی دعا میں بابری مسجد کی بازیابی کے لئے خوب دعا کا اہتمام کریں کہ مؤمن کا اصل ہتھیار دعا ہے، اور یہ اوقات دعا کی قبولیت کے ہیں۔

عید کی نماز میں رکوع یا اس کے بعد شریک ہو

سوال:- {812} اگر کوئی شخص عید کی نماز میں امام کے رکوع میں جانے کے بعد پہونچا، یا دوسری رکعت میں آکر امام کے ساتھ ملا، تو اس کو کس طرح اپنی نماز ادا کرنی چاہئے؟

(محمد ساجد علی، نظام آباد)

جواب:- امام رکوع میں جاچکا، اس کے بعد نماز میں شریک ہوا، تو اگر اتنا وقت ہو کہ تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیرات زوائد کہہ کر رکوع میں چلا جائے، تو رکوع ہی کی حالت میں تین تکبیراتِ زوائد کہہ لے، البتہ رکوع میں تکبیرات کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں، اگر کچھ ہی تکبیرات کہہ پایا تھا کہ امام نے سر اٹھالیا، تو امام کی اتباع کرے، جو تکبیرات باقی رہ گئی ہیں وہ اس سے ساقط ہوجائیں گی، اگر پہلی رکعت میں امام کے رکوع سے فارغ ہونے کے بعد، یا دوسری رکعت میں امام کو پائے تو امام کے ساتھ اس کی اتباع کرتے ہوئے نماز پوری کرے، اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت مکمل کرلے، یہ اس کی پہلی رکعت ہوگی، لہذا جب وہ اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہوگا تو پہلے تین تکبیراتِ زوائد ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہے گا۔(۱)

خطبۂ عید کے درمیان چندہ

سوال:- {813} ہمارے گاؤں میں عیدگاہ میں عید کی نماز کے بعد خطیب صاحب کے خطبہ دیتے وقت دینی مدرسہ کا چندہ کیا جاتا ہے، ہم نے یہ سن رکھا ہے کہ خطبہ سننا واجب ہے، چندہ کرنے سے خود چندہ کرنے والے خطبہ نہیں سنتے، نیز

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۵۱۔

لوگوں کو بھی خلل ہوتا ہے، کیا اس طرح کرنا مناسب ہے؟

(عبداللہ، چت گوپا)

جواب:- عید کا خطبہ گو جمعہ کے خطبہ کی طرح واجب نہیں، لیکن سنت ضرور ہے: "و هو أنها فيها سنة لا شرط "(۱) اور سنت کو ترک کرنا یا لوگوں کو ایک سنت کی ادائیگی میں خلل ڈالنا مناسب نہیں، اسی لیے جو لوگ خطبۂ عیدین یا خطبۂ حج میں شریک ہوں، ان پر خاموش رہنا اور توجہ کے ساتھ خطبہ کو سننا واجب ہے۔

"و يجب السكوت و الاستماع في خطبة العيدين و خطبة الموسم" (۲)

اس لئے خطبہ کے درمیان چندہ کرنا بہتر نہیں، خطبہ مکمل ہو جائے، پھر چندہ کر لیا جائے۔

نماز کے بعد تکبیر تشریق

سوال:- {814} نمازِ عید الاضحیٰ میں سلام کے بعد اور خطبہ سے پہلے تکبیراتِ تشریق پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

(حافظ محمد مکرم علی رشادی، گلبرگہ)

جواب:- اس سلسلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے، فقہاءِ احناف میں علماء بلخ کی رائے ہے کہ پڑھنی چاہیے:

"وعليه توارث المسلمين فوجب اتباعه"(۳)

"یہی مسلمانوں کا متوارث عمل ہے، لہذا اس کی اتباع واجب ہے"

---

(۱) رد المحتار :۳/۴۶۔
(۲) البحر الرائق :۲/۱۶۲۔
(۳) رد المحتار:۳/۶۳۔

نمازِ عید کی قضاء

سوال:- {815} جس شخص کی نماز عید اتفاق سے چھوٹ جائے، جیسے وہ سویا رہ گیا اور نماز ہوگئی، تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے، قضاء کرے یا کوئی کفارہ کرے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر کسی کی نمازِ عید ایک مسجد میں چھوٹ جائے اور دوسری جگہ ملنے کا امکان ہو تو وہاں جا کر نماز ادا کرے، اگر اس کا امکان نہیں، تو اب قضاء کی گنجائش نہیں، اپنی کوتاہی پر اللہ تعالی سے استغفار کرے اور بس، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"والإمام لو صلاها مع الجماعة وفاتت بعض الناس لايقضيها من فاتته ، خرج الوقت أو لم يخرج " (۱)

عید میں شیر خرما

سوال:- {816} کیا عید الفطر کے دن شیر خرما بنانا ضروری ہے؟ اور کیا دوسرا میٹھا بنانا خلاف سنت یا غیر درست ہے؟

(قاری ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- سیدنا حضرت انس ﷛ سے مروی ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے'' (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۱۵۲۔

(۲) الجامع للترمذی ، حدیث نمبر:۵۴۳، باب ما جاء في الأكل يوم الفطر قبل الخروج۔

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن صبح میں کھجور سے افطار کرنا مسنون ہے، خرما خشک کھجور ہی کو کہتے ہیں اور ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ریگستان نہ ہونے کی وجہ سے کھجور کی پیداوار نہیں ہوتی ہے، وہاں لوگوں کو یہی خشک کھجور میسر آیا کرتی تھی، اسی لئے غالباً ہندوستان میں اس موقع سے خرما کھانے کا رواج ہوا ہوگا اور کچھ لوگوں نے سہولت اور ذائقہ میں اضافہ کے لئے دودھ کو بھی خرما کے ساتھ شامل کردیا ہوگا، شیر کے معنی دودھ کے ہیں، اس طرح یہ '' شیر خرما'' ہوگیا، بہ تدریج دودھ اور خرمے کی جگہ دودھ اور سوئی نے لے لی، جس میں دو چار خرما بھی رکھ دیا جاتا ہے اور یہی ''شیر خرما'' کا نام باقی رہا، غالباً یہی شیر خرما کی اصل ہے، غرض عید کے دن صبح میں کھجور سے افطار کرنا مسنون اور کسی بھی میٹھی چیز کا استعمال یا کم سے کم کوئی بھی چیز نماز عید کو جانے سے پہلے کھالینا مستحب ہے، یہ ضروری نہیں کہ '' شیر خرما'' کی جو مروجہ صورت ہے وہی اختیار کی جائے۔

خواتین اور عیدین کی نماز

سوال:- {817} سنا ہے کہ عیدین کی نماز عورتوں پر واجب نہیں ہے، جب کہ وہ گھر میں اکیلے پڑھنا چاہتی ہیں، تو کیا اس کے لئے خطبہ مسجد میں جا کر سننا ضروری ہے؟

(مسز احمد، شیام نگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خواتین کو عید میں شرکت کی اجازت تھی، (۱) کیونکہ اس زمانہ میں فتنہ کا اندیشہ کم تھا، اور آج کی طرح بے حیائی عام نہیں تھی، چنانچہ سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ:

''عورتوں میں اب جو کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اگر رسول اللہ ﷺ نے دیکھا ہوتا تو ان کو مسجد جانے سے اسی طرح منع فرمایا

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۵۳۹، باب في خروج النساء في العيدين۔

ہوتا جیسا کہ بنی اسرائیل کی خواتین کو منع کردیا گیا تھا،(۱)

ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ کے اعتبار سے اب سماجی حالات اور بدتر ہوگئے ہیں، فتنہ کے مواقع بھی بڑھ گئے ہیں، اور عورتوں کا جذبۂ آرائش بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہوگیا ہے اس لئے موجودہ حالات میں بدرجۂ اولی خواتین کا عید وغیرہ کی نماز میں شرکت کرنا مناسب نہیں، نہ عید تنہا گھر پر ادا کی جاسکتی ہے، دعاء اور اللہ کا شکر ادا کرنا کافی ہے، اصل مقصود اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، جب عورتوں پر جمعہ اور عیدین کو واجب ہی نہیں رکھا گیا اور اس کے برخلاف پردہ اور گھر میں رہنے کو ضروری قرار دیا گیا، خود اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوْتِكُنَّ ﴾ (۲) تو ایک ممنوع بات کا ارتکاب کر کے ایسی عبادت کرنے میں کیا نفع ہے، جو آپ پر واجب نہیں، اور جس کا شریعت نے آپ کو مکلف نہیں بنایا ہے۔

عورت کا عیدگاہ جانا

سوال:- {818} کیا عورت کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت ہے؟ اور اگر اجازت ہے تو کیا آپ عیدگاہوں میں عورتوں کے انتظام کی اپیل کریں گے؟ (احمدی بیگم، شاہین نگر)

جواب:- حضور ﷺ کے زمانہ میں خواتین کو عیدگاہ جانے کی اجازت تھی اور عام نمازوں میں بھی خواتین شریک ہوا کرتی تھیں، (۳) موجودہ حالات میں اس کی اجازت نہیں، آپ ﷺ کے زمانہ میں خیر کا غلبہ تھا، خواتین میں بھی باحیاء تھیں، مرد بھی اپنی نگاہ پست رکھتے تھے، بعض صحابہ ؓ سے از راہِ بشریت بدنگاہی ہوگئی تو ان پر اتنا شدید اثر ہوا کہ آپ ﷺ کی مجلس میں

---

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۸۶۹، باب انتظار الناس قیام الإمام العالم، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر:۴۴۵، باب خروج النساء إلی المساجد الخ۔ محشی۔

(۲) الاحزاب:۳۳۔ محشی۔

(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۳۹، باب في خروج النساء في العیدین۔ محشی۔

شرکت کا حوصلہ نہیں پاتے تھے، کہ جن آنکھوں نے گناہ کیا ہے وہ اس لائق کہاں ہیں کہ ان سے آپ ﷺ کا دیدار کیا جائے؟ آج کی بے راہ روی میں اس احتیاط کا تصور بھی ممکن نہیں، اصل مقصود اجر وثواب کا حصول ہے، مردوں کو عیدگاہ جا کر ثواب حاصل ہوگا، خواتین کو گھر میں رہ کر ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوْتِكُنَّ﴾ (۱) کے حکم قرآنی پر عمل کر کے ثواب حاصل ہوگا، اگر عیدگاہ جائیں اور ناخوش گوار واقعات پیش آئیں تو اس سے دین اور مقاماتِ دین کی بدنامی ہوگی، عرس کی حیثیت سے قطعِ نظر وہاں اس طرح کا مخلوط مجمع ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بڑے ناگفتنی واقعات پیش آتے ہیں۔

اگر عید میں تکبیرات زوائد چھوٹ جائیں؟

سوال:- {819} نمازِ عید میں امام صاحب نے زائد تکبیرات کہے بغیر قراءت شروع کر کے پہلی رکعت پوری کرلی، اسی دوران شاید یاد آ گیا تھا تو دوسری رکعت کی قراءت سے پہلے تین بھولی ہوئی تکبیرات کہہ کر قراءت شروع کی اور ضم سورہ کے بعد پھر تین تکبیرات کہہ کر نماز پوری کی، شرعی لحاظ سے نماز ہوئی یا نہیں؟ (محمد سعادت علی، سنگاریڈی)

جواب:- اس صورت میں نماز ہوگئی، تاہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر قراءت سے پہلے تکبیرات زوائد کو بھول جائے اور رکوع سے پہلے یاد آ جائے تو پہلی رکعت کے رکوع میں جانے سے پہلے پڑھ لے، اگر رکوع میں چلا گیا ہو، پھر یاد آیا تو اب اسے کیا کرنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں دو طرح کی آراء ہیں:

" ایک یہ کہ رکوع ہی میں ان زائد تکبیرات کو کہہ لے اور دوسری

(۱) الاحزاب: ۳۳۔

یہ کہ اب ان تکبیرات کو کہنے کی ضرورت نہیں رہی، یوں ہی نماز
پوری کر لی جائے"(۱)

پہلی رکعت کے رکوع کے بعد اب زائد تکبیرات کو نہ لوٹائے، عیدین میں تکبیرات زوائد واجب ہیں، اس لیے اصولی بات تو یہ تھی کہ ان تکبیرات کے چھوٹ جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو، لیکن عیدین اور جمعہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے سجدۂ سہو معاف ہے، اس کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے۔(۲)

---

(۱)　دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۱/۱۵۱، رد المحتار: ۳/۵۷۔

(۲)　" السهو في الجمعة و العيدين و المكتوبة و التطوع واحد إلا أن مشائخنا قالوا: لا يسجد للسهو في العيدين و الجمعة لئلا يقع الناس في فتنة " (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۸) محشی۔

نماز اور نماز کے باہر دعاء

لکنت کی دعاء

سوال:- {820} میری زبان میں بہت لکنت ہے، اس کے لئے کوئی دعاء بتائیں۔ (اظہر کریم نگر)

جواب:- سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ آپ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی، قرآن میں آپ علیہ السلام کی دعاء موجود ہے:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ﴾(۱)

''میرے پروردگار! میرے لئے میرے سینے کو کھول دیجئے، اور میرے لئے میرے معاملہ کو آسان فرما دیجئے اور میری زبان کے بندھ کو کھول دیجئے، (یعنی رکاوٹ کو دور فرما دیجئے) تا کہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں''

---

(۱) طٰہٰ: ۲۵ تا ۲۸۔ مرتب۔

آپ زیادہ سے زیادہ اس دعاء کو پڑھا کریں، بعض مشائخ کا خیال ہے کہ اس کے لئے پانچوں نماز کے بعد اکیس اکیس مرتبہ اس آیت کا پڑھنا بہت مفید ہے۔

سب سے بہتر ذکر

سوال:- {821} سب سے بہتر ذکر کیا ہے؟

(سودہ، خانہ پور)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر ذکر "لا إلہ إلا اللّٰہ" ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، (۱) نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ

"جس شخص نے دل کی گہرائی سے اخلاص کے ساتھ "لا إلہ إلا اللّٰہ" کہا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا مستحق ہوگا"۔ (۲)

پس کلمۂ طیبہ سب سے افضل ذکر ہے اور جس قدر ممکن ہو اس کو پڑھتے رہنا چاہئے۔

نماز کے بعد قرآن مجید کی تلاوت

سوال:- {822} کتاب حصن حصین میں بتلائی گئی چند آیات قرآنی مسجد میں بعد نمازِ فجر اور عصر کی دعاء کے بعد پڑھی جاتی ہیں، اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ آیات کا مختصر حصہ امام صاحب پڑھتے ہیں اور مصلی اسے اجتماعی طور پر بہ آواز بلند دہراتے ہیں، اس طرح تمام آیات کی تلاوت ہوتی ہے،

---

(۱) کنز العمال، حدیث نمبر: ۱۷۴۸۔

(۲) کنز العمال، حدیث نمبر: ۱۷۱۸۔

ابتداءً اس طریقے کو اس غرض سے اختیار کیا گیا تھا، کہ سب مصلیوں کو یاد ہو جائے اور کئی سال سے یہی طریقہ جاری ہے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ سورۂ اعراف کے آخری صفحہ میں حکم ربانی ہے کہ جب قرآن پڑھا جارہا ہو، تو پوری توجہ سے سنو اور خاموش ہو جاؤ، اس طرح تمام مصلی کا بیک آواز بلند پڑھنا اس حکم ربانی سے مطابقت نہیں رکھتا، انہوں نے رائے دی کہ ایک صاحب پڑھیں اور سب خاموشی سے سنیں، سننے والوں کو زیادہ ثواب ملے گا، یا بغیر آواز خاموشی سے پڑھ کر، آیات یاد کرلیں اور الگ الگ انفرادی طور پر پڑھ لیں، تو مناسب ہے؟ رہنمائی فرمائیں کہ کون سا طریقہ درست اور مناسب رہے گا؟ (محمد فصیح اللہ، دارالشفا)

جواب:- چند دنوں تک امام صاحب نے لوگوں کو یاد دلانے کے لیے جو زور سے آیات قرآنی پڑھا، یہ تو درست تھا، کیوں کہ اس کا مقصد تعلیم تھا، لیکن اس کو مستقل معمول بنالینا مکروہ ہے:

"یکرہ للقوم أن یقرؤا القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع والأنصات المأمور بها کذا في القنیة" (۱)

''قوم کے لیے یہ بات مکروہ ہے کہ ایک ساتھ قرآن پڑھیں، کیوں کہ سننے اور خاموش رہنے کا حکم (قرآن مجید میں) دیا گیا ہے، اس عمل کی وجہ سے وہ چھوٹ جاتا ہے''

(۱) الفتاوی الهندیة: ۵/۳۱۷۔

لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ الگ الگ اور آہستہ آہستہ پڑھ لیں اور اس عمل کو واجب و لازم خیال نہ کریں۔

اعمال کے وسیلہ سے دعاء

سوال:- {823} میرے بھائی ایک مشکل میں گرفتار تھے، میں نے خدا سے دعاء کی: ''اے اللہ! اگر میں نے یا میرے بھائی نے زندگی میں کوئی ایسا کام کیا ہو جو تیری نظر میں پسندیدہ عمل ہو، تو اس کے وسیلہ سے میرے بھائی کو اس مشکل سے نکال دے، کیا میرے یہ دعائیہ الفاظ درست ہیں؟

(ثمینہ نسرین، گلبرگہ)

جواب:- دعاء میں اعمال صالحہ کا وسیلہ لینا بالاتفاق درست ہے،(۱) یہاں تک کہ جو علماء وسیلہ کی بعض صورتوں کے قائل نہیں ہیں، وہ بھی اس کو درست قرار دیتے ہیں، اس لیے آپ کے کلمات دعاء درست ہیں۔

فجر اور عصر میں دعاء سے پہلے اٹھ جانا

سوال:- {824} نماز فجر اور نماز عصر میں امام کے دعاء کرنے سے قبل اٹھ جانا اور چلا جانا کیسا ہے؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- دعاء جو نمازوں کے بعد کی جاتی ہے وہ نماز کا حصہ نہیں ہے، اس لیے اگر کوئی

---

(۱) احادیث میں وسیلہ کے ذریعہ دعاء کرنے اور بارگاہ ایزدی میں اس دعاء کے قبول ہونے کی صراحت موجود ہے، دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۷۴، عن ابن عمرؓ، باب إجابة دعاء من برّ والديه ۔ محشی۔

مخص دعاء میں شامل نہ ہو، تو بُرا نہ سمجھنا چاہئے، کیوں کہ جو چیز واجب نہ ہو، اس کو واجب کا درجہ دے دینا بدعت ہے، البتہ نمازوں کے بعد دعائیں بھی مقبول ہوتی ہیں، یہ حدیث سے ثابت ہے، (۱) اس لیے ان اوقات میں کوشش کرنی چاہئے کہ دعاؤں کا اہتمام کریں۔

ناقص طریقہ پر درود شریف

سوال:- {825} بعض لوگ حضور ﷺ کا نام لیتے یا سنتے وقت صحیح طریقہ پر درود شریف نہیں پڑھتے ہیں، اور ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی جگہ ''ساسلم'' پڑھ لیتے ہیں، کیا اس طرح درود پڑھنا درست ہے؟ (ایم، اے، لئیق احمد، ملی کھڑابی)

جواب:- درود شریف مکمل پڑھنا چاہئے، ناقص درود پڑھنا درست نہیں، یہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حق تلفی ہے، اور اس سے درود بے معنی ہو کر بھی رہ جاتا ہے، تلفظ ہی نہیں تحریر میں بھی ناقص درود لکھنے کو فقہاء اور محدثین نے منع فرمایا ہے، اور علامہ ابن صلاح نے اصول حدیث پر اپنی مشہور کتاب ''مقدمہ'' میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۲)

فراخی رزق کی دعاء

سوال:- {826} دوکان میں ترقی اور رزق میں کشادگی کے لیے کوئی دعاء ہو تو لکھیں۔

(محمد نور الدین، بی بی کا چشمہ)

---

(۱) " قيل : يا رسول الله ﷺ ! أي الدعاء أسمع ؟ قال : جوف الليل الآخر و دبر الصلوات المكتوبات " (الجامع للترمذي ، حديث نمبر:۳۴۹۹، عن أبي أمامة ﷺ، باب : حديث ينزل ربنا كل ليلة إلى السماء الدنيا) محشی۔

(۲) مقدمة ابن صلاح : ص:۱۲۵-۱۲۴۔ محشی۔

جواب:- رزق میں وسعت اور برکت کے لیے نمازوں کا اور جن لوگوں کے حقوق آپ سے متعلق ہیں، ان کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہئے، اس سے رزق میں وسعت ہوتی ہے، ویسے حدیث میں وسعتِ رزق کے لیے یہ دعاء منقول ہے:

" اَللّٰهُمَّ اكْفِنَا بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ ، اَللّٰهُمَّ اغْنِنَا بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ " (۱)

"اے اللہ! اپنی حلال رزق کے ذریعہ ہمیں اپنی حرام کی ہوئی اشیاء سے بچا اور اپنے فضل کے ذریعہ ہمیں اپنے ماسوا سے بے نیاز فرما دیجئے"

نفل نماز میں دعاء

سوال:- {827} آپ نے اس سے پہلے لکھا تھا کہ نفل نماز کے سجدہ میں دعاء کی جاسکتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا سجدہ ہی پر نماز ختم کردی جائے گی یا نماز مکمل کی جائے گی؟

(حافظ کلیم، اورنگ آباد)

جواب:- نماز مکمل کرنی ہے، جیسا کہ عام نمازیں پڑھی جاتی ہیں، البتہ نفل نمازوں پر خصوصی رعایت ہے کہ عربی زبان میں سجدہ کی حالت میں دعاء کی جاسکتی ہے۔ (۲)

---

(۱) الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۳۵۶۳، احادیث شتی من أبواب الدعوات ۔ محشی۔

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالىٰ عنها قالت : فقدت رسول الله ﷺ ذات ليلة فلمست المسجد فإذا هو ساجد و قدماه منصوبتان و هو يقول : أعوذ برضاك من سخطك ، و أعوذ بمعافاتك من عقوبتك ، و أعوذ بك منك ، لا أحصىٰ ثناء عليك ، أنت كما أثنيت على نفسك" (سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۸۷۹، باب في الدعاء في الركوع و السجود) محشی۔

ہر موقع پر درود ابراہیمی

سوال:- {828} مجھے جب بھی درود شریف پڑھنا ہوتا ہے، تو میں درود ابراہیمی پڑھتا ہوں، جیسے دعاء سے پہلے، دعاء کے ختم پر، مسجد میں جانے سے پہلے، تو کیا ہر موقع پر درود ابراہیمی پڑھ سکتے ہیں؟　　　(م،م، معظم، مشیرآباد)

جواب:- درود ابراہیمی درود کے افضل ترین الفاظ ہیں، کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے لئے اس درود شریف کا انتخاب فرمایا ہے، اس لئے جن مواقع پر درود شریف پڑھنے کی فضیلت ہے، اور حدیث میں ان مواقع کے لئے درود کے کوئی خاص کلمات منقول نہیں ہیں، وہاں درود ابراہیمی کا پڑھنا افضل ہوگا، دعاء کی ابتداء اور انتہاء اور مسجد میں داخل اور نکلتے ہوئے مطلق درود پڑھنے کا حکم ہے، نہ کہ کسی خاص درود کا، اس لئے آپ ان مواقع پر درود ابراہیمی پڑھ سکتے ہیں، جن مواقع پر رسول اللہ ﷺ سے درود کے کوئی خاص کلمات منقول ہیں، ان مواقع پر ان کلمات کو پڑھنا افضل ہوگا، اور درود ابراہیمی کا پڑھنا درست، جیسے کان بجنے کے موقع پر دعاء منقول ہے: ''اللهم صل علی محمد ذكر الله بخير من ذكرني ''(۱) اسی طرح پیر سن ہونے کے موقع پر ''صلى الله على محمد ، صلى الله عليه وسلم ''(۲) کا کہنا مروی ہے، تو ان مواقع پر ان ہی کلمات درود کو پڑھنا افضل ہوگا۔

دعاء نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد؟

سوال:- {829} ہمارے ایک امام صاحب عیدین کی نماز کے فوراً بعد دعاء کرتے ہیں، جب کہ قدیم طریقۂ کار

---

(۱) الاذکار للنووی، ص:۳۹۔

(۲) حوالہ سابق

کے مطابق خطبۂ عید کے بعد دعاء ہوتی تھی۔

(خواجہ معین الدین، خانہ پور)

جواب:- دعاء تو نہ نماز کے بعد واجب ہے اور نہ خطبہ کے بعد، البتہ نماز کے بعد ضروری سمجھے بغیر دعاء کرنے کی گنجائش ہے، رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مختصر دعاء فرمایا کرتے تھے، (۱) اس دعاء کو بھی انفرادی طور پر کرنا بہتر ہے، نماز میں بھی دعاء ہے، لیکن چونکہ نماز میں ہر طرح کی دعاء نہیں کی جاسکتی، اس لئے نماز کے بعد لوگ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق دعاء کرلیں، خطبہ کے بعد مستقل طور پر دعاء کرنا رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرام ؓ اور سلف صالحین ؒ سے ثابت نہیں۔

دعاء کس طرح کی جائے؟

سوال:- {830} امام جماعت کی نماز مکمل کرنے کے بعد دعاء آہستہ مانگے یا بلند آواز سے؟

(ڈاکٹر سید غوث، جگتیال)

جواب:- امام کے سلام پھیرنے کے ساتھ ہی اقتداء ختم ہوجاتی ہے، اب امام اور مقتدی دونوں اپنے اپنے عمل میں آزاد ہیں، اور حسب منشا اپنی اپنی دعا کرسکتے ہیں، دعاء زور سے بھی کی جاسکتی ہے اور آہستہ بھی، البتہ آہستہ کرنا نسبتاً بہتر ہے، کیونکہ قرآن نے دعاء کا ادب ہی یہ بتایا ہے کہ دعاء میں فروتنی اور پست آواز ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ أُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ﴾ (۲) اور اس میں یہ سہولت ہے کہ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق دعاء

---

(۱) چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سلام کے بعد " اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ " پڑھنے کے بقدر ہی بیٹھتے۔ (الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۹۸، باب ما يقول إذا سلم من الصلاة) محشی۔

(۲) الاعراف: ۵۵۔

کر سکتا ہے، کیونکہ ہر شخص کی ضرورت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، ویسے زور سے دعاء کرنے میں بھی کراہت اور مضائقہ نہیں۔

نمازوں کے بعد طویل دعائیں

سوال:- {831} آج کل اکثر ائمہ حضرات نمازوں کے بعد طویل دعائیں کرتے ہیں، حتی کہ بعض اوقات ہاتھ میں درد ہونے لگتا ہے، کیا نمازوں کے بعد اتنی طویل دعائیں کرنی چاہئے؟　　(سید خواجہ معین الدین، سداسیو پیٹ)

جواب:- نفل نمازوں کے بعد خاص کر رات کے وقت تہجد کے موقع پر آپ ﷺ سے طویل دعائیں کرنا ثابت ہے،(۱) فرائض کے بعد عام طور پر آپ ﷺ مختصر دعا فرماتے تھے، حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کی دعاء: ''اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ '' کے بقدر ہوتی تھی،(۲) اس لئے فرائض کے بعد مختصر دعاء پر ہی اکتفا کرنا چاہئے، بعض مخصوص مواقع پر آپ ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد کسی قدر طویل دعاء فرمائی ہے، ایسا خاص کر اس وقت ہوتا تھا جب آپ ﷺ کوئی فوج کسی مہم پر بھیجتے، یا کچھ صحابہ ؓ دشمنوں کے قید میں پھنسے ہوتے اور انہیں مدینہ ہجرت کا موقع نہیں دیا جاتا، ایسے خصوصی مواقع پر اجتماعی اور کسی قدر طویل دعائیں، آپ ﷺ سے ثابت ہیں، لیکن وہ بھی اتنی طویل نہیں ہوتیں کہ گراں خاطر ہو جائیں، اس لئے ائمہ حضرات کو نماز کے بعد عام حالات میں طویل دعاؤں سے گریز کرنا چاہئے۔

---

(۱)　دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۳۴۶، باب في صلاة الليل۔ محشی۔

(۲)　دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۵۹۲، باب استحباب الأذكار بعد الصلاة، الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۹۸، باب ما يقول إذا سلم من الصلاة۔ محشی۔

تسبیح کس ہاتھ پر پڑھی جائے؟

سوال:- {832} فجر اور عصر نمازوں کے بعد پڑھی جانے والی تسبیح فاطمی دونوں ہاتھوں پر گنی جاسکتی ہے یا دائیں ہاتھ کا استعمال ہی ضروری ہے؟ (سبحان محی الدین، ورنگل)

جواب:- چاہے فجر وعصر کے بعد تسبیح پڑھی جائے یا کسی اور موقعہ پر، ان کا ایک ہی حکم ہے، دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں پر پڑھی جاسکتی ہیں، حضرت یسیرہ بنت یاسر نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یا معشر النساء! اعقدن بالأنامل فإنهن مسئولات مستنطقات" (۱)

''اے خواتین! انگلیوں کے پوروں سے تسبیحات کو شمار کرو کہ ان سے بھی پوچھ ہوگی اور ان کو بھی گویائی عطا کی جائے گی''

اس ارشاد میں آپ ﷺ نے دائیں اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں کوئی فرق نہیں فرمایا ہے، البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

''آپ ﷺ وضو، کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں بھی اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ دائیں طرف سے ابتداء کی جائے'' (۲)

اس لئے پہلے دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح پڑھیں اور پھر بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر۔

عصر کے بعد ذکر ودعاء کا اہتمام

سوال:- {833} جمعہ کے علاوہ عام دنوں میں عصر کے

---

(۱) الجامع للترمذی: ۵/۵۲۱، حدیث نمبر: ۳۴۸۶، باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید۔
(۲) سنن نسائي، حدیث نمبر: ۵۲۴۲، باب التیامن في الترجل۔ محشی۔

بعد غروب آفتاب کے قریب بہت سے لوگ دعاء کا اہتمام کرتے ہیں، ایک عالم صاحب سے دریافت کرنے پر بتایا کہ صرف جمعہ کے دن ہی دعاء کا اہتمام ثابت ہے، باقی دنوں میں احادیث سے خاص طور پر اس وقت ذکر و دعاء کی فضیلت ثابت نہیں، اس سلسلہ میں حدیث کی روشنی میں وضاحت کیجئے؟ (حمیدالدین قاسمی، عنبر پیٹ)

جواب:- جمعہ کے دن غروب آفتاب کے وقت کی دعاء کے قبول و مستجاب ہونے کی حدیث تو ہے ہی، اور بہت سے اہل علم کی رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی جس ساعت کو دعاء کی قبولیت کی ساعت قرار دیا ہے، وہ یہی وقت ہے، لیکن عام دنوں میں بھی غروب آفتاب کے قریب ذکر و دعاء کا خصوصی اہتمام احادیث میں مروی ہے، مشہور محدث امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"یستحب الإکثار من الأذکار بعد العصر و آخر النہار أکثر، قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ﴾ (سورۃ طٰہٰ من الآیۃ ، ۱۳۰) و قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْإِبْكَارِ﴾ (غافر : من الآیۃ ۵۵)قال النبي علیہ السلام : لأن أجلس مع قوم یذکرون اللہ عز وجل من صلاۃ العصر إلی أن تغرب الشمس أحب إلي أن اعتق ثمانیۃ من ولد اسماعیل"(۱)

(۱) الأذکار للنووی،ص:۱۲۸۔محشی۔

''عصر کے بعد دن کے اخیر حصہ میں زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا مستحب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبح و شام اپنے رب کے حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نمازِ عصر سے غروب آفتاب تک ذاکرین کے ساتھ رکا رہنا مجھے اولادِ اسماعیل میں سے آٹھ غلاموں کو آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے''

واضح ہو کہ دعاء بھی من جملہ اذکار کے ہے، اس لئے دعاء اور دیگر اذکار دونوں اس حدیث میں شامل ہیں۔

سلام کے بعد دعاء کے لئے بیٹھنے کی مقدار

سوال:- {834} فرض نمازوں کے بعد دعاء میں کس قدر بیٹھا جائے؟ دعاء لمبی ہو یا مختصر؟ (میر یاسین علی)

جواب:- بہتر طریقہ یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنن مؤکدہ ہوں دعاء مختصر کی جائے زیادہ طویل نہ کیا جائے، اس سلسلہ میں مقدار کا تعین مشکل ہے تاہم حضور ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ:

"اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ" کے بقدر بیٹھا کرتے تھے'' (۱)

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : كان رسول الله ﷺ إذا سلم لا يقعد إلا مقدار ما يقول اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ'' (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۲۹۸، باب مايقول إذا سلم :۱/۶۶)

نمازوں کے بعد تسبیح

سوال:- {835} میں فرض نماز پڑھنے کے بعد تسبیح فاطمہ یعنی: ''سبحان اللّٰہ ، الحمدللّٰہ ، اللّٰہ أکبر'' پڑھا کرتی تھی ، ہمارے ابا جان نے یہ کہا کہ یہ تسبیح صرف فجر اور عصر میں پڑھنی چاہئے ، مگر ہماری استاد صاحب نے بتایا کہ ہر فرض کے بعد یہ تسبیح پڑھی جائے ، آپ اس مشکل کا حل بتائیں؟ (عائشہ فردوس، گلبرگہ)

جواب:- احادیث میں مطلقاً نمازوں کے بعد تسبیحات پڑھنے کا ذکر آیا ہے ، کسی خاص نماز کی تخصیص نہیں ، (۱) اور یہ بھی درست ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہوں یعنی : ظہر ، مغرب اور عشاء ، ان میں سنت کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مکروہ ہے ، اس لئے آپ یوں کریں کہ فجر وعصر میں تو فرض کے بعد ہی تسبیحات پڑھ لیں ، اور بقیہ نمازوں میں سنتیں ادا کرنے کے بعد ان تسبیحات کو پڑھیں ، فقہ حنفی کی معروف کتاب کبیری میں ہے :

" ... بل یحمل علی الاتیان بها بعد السنة و لا یخرجها تخلل السنة بینها وبین الفریضة عن کونها بعدها وعقیبها " (۲)

نمازوں کے بعد کے اذکار

سوال:- {836} ایک صاحب فرض نماز کے بعد آیۃ

---

(۱) دیکھئے: الجامع للترمذی ، عن عبد اللّٰہ بن عباس ؓ ، حدیث نمبر: ۴۱۰ ، باب في التسبیح في ادبار الصلاة ۔

(۲) کبیری: ص: ۳۳۱ ۔

الکرسی تینتیس (۳۳) مرتبہ "سبحان اللہ" تینتیس (۳۳)
مرتبہ "الحمد للہ" چونتیس (۳۴) مرتبہ "اللہ اکبر" پڑھنے
کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ عمل نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں،
لہذا اس قسم کے ذکر سے پرہیز کرنا چاہئے، سنت ہونے کے لئے
حدیث فعلی کا ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ جو کام خود آپ ﷺ
نے نہ کیا ہو آپ ﷺ دوسروں کو اس کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟
(عبدالجید، یاقوت پورہ)

جواب:- حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا:

"جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی موت
کے سوا کوئی چیز اس کے داخل بہشت ہونے میں مانع نہیں
ہے"(۱)

حضرت انس ؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

"جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی، دوسری
نماز تک اللہ تعالی اس کی حفاظت فرمائیں گے"(۲)

حضرت ابوذر غفاری ؓ سے مروی ہے:

"میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول اہل ثروت تو آگے
بڑھ گئے، کیونکہ جو ہم کہتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں، اور مزید وہ
اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، اور ہم نہیں کر پاتے،

---

(۱) دیکھئے: کنز العمال، حدیث نمبر: ۲۵۶۹، ۲۵۷۰، باب فضائل آیة الکرسي، الأذکار۔ محشی۔

(۲) دیکھئے: کنز العمال، حدیث نمبر: ۲۵۶۴، باب فضائل آیة الکرسي، الأذکار۔ محشی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو اپنے اوپر سبقت لے جانے والوں سے بھی آگے بڑھ جاؤ، اور وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ / دفعہ ''سبحان اللہ'' ۳۳ / دفعہ ''الحمدللہ'' ۳۴ / دفعہ ''اللہ اکبر'' کہنے کا ذکر ہے''(۱)

ترمذی میں بھی نماز کے بعد کے اذکار مذکور ہیں، (۲) حدیث کی دیگر کتابوں میں بھی ان اوراد کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ (۳)

قاعدہ یہ ہے کہ جو بات رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہو اس سے زیادہ اہمیت اس سنت کی ہوتی ہے جس کی فضیلت واہمیت رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے بیان کی ہو، کیونکہ اگر کوئی بات صرف آپ ﷺ کے فعل سے ثابت ہو تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ شاید آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو یا آپ ﷺ نے یہ فعل کسی خاص وجہ سے کیا ہو، لیکن جب آپ ﷺ نے کسی بات کا حکم دیا ہو تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، امت سے بھی متعلق ہے، اس لئے جو بات حدیث قولی سے ثابت ہو محدثین کے یہاں وہ اور زیادہ اہمیت کے حامل ہوتی ہے، البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ عدم ذکر عدم وجود کی دلیل نہیں، یعنی اگر کسی چیز کا ذکر نہ آیا ہو تو اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کا ثبوت ہی نہیں، جب رسول اللہ ﷺ نے ان اوراد کی فضیلت اور تاکید بیان کی ہے تو ضرور ہے کہ آپ ﷺ نے خود بھی ان پر عمل کیا ہوگا، یہ

---

(۱) سنن ابن ماجۃ: ۱/۶۶، حدیث نمبر: ۹۲۷، باب ما یقال بعد التسلیم، نیز دیکھئے: الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۴۱۰، باب ما جاء في التسبیح في أدبار الصلاۃ۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۴۱۰، باب ما جاء في التسبیح في أدبار الصلاۃ۔

(۳) سنن ابن ماجۃ: ۱/۶۶، حدیث نمبر: ۹۲۷، باب ما یقال بعد التسلیم، سنن نسائي، حدیث نمبر: ۱۳۵۰، باب نوع آخر من عدد التسبیح۔ محشی۔

سمجھنا درست نہیں کہ چونکہ عام طور پر کتابوں میں خود آپ ﷺ کے پڑھنے کی صراحت منقول نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے اسے پڑھا ہی نہیں ہے، بہر حال ان اوراد کو پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

بیج وغیرہ پر تسبیحات پڑھنا

سوال:- {837} بیجوں پر یا پروئی ہوئی تسبیح کے دانوں پر اذکار و اوراد پڑھنا درست ہے، بعض حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں؟　　　(انور محی الدین، گولکنڈہ)

جواب:- بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ تسبیحات ہاتھ کی انگلیوں پر پڑھی جائیں، تا کہ انگلیاں بھی عبادت میں شریک سمجھی جائیں، لیکن اگر بیج یا پروئی ہوئی مروجہ تسبیح پر اوراد پڑھیں جائیں، اور ریاء ونمائش مقصود نہ ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ

> ''وہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک خاتون کے پاس گئے، ان خاتون نے اپنے سامنے کچھ گھٹلیاں اور کنکریاں رکھی تھیں، جس پر وہ تسبیح پڑھا کرتی تھیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تم کو ایک ایسا طریقہ نہ بتاؤں جو اس سے آسان بھی ہے اور بہتر بھی؟ کہ اس طرح کہو: اللہ نے جتنی چیزیں آسمان میں پیدا کی ہیں، اتنی بار ''سبحان اللہ'' اور جتنی چیزیں زمین میں پیدا کی ہیں، ان کے برابر ''سبحان اللہ'' اسی طرح ''الحمد للہ، اللہ أکبر'' اور ''لا حول ولا قوۃ إلا باللہ''(۱)

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۵۰۰، باب التسبیح بالحصی، کتاب الوتر، الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۳۵۵۴، باب ثواب : سبحان اللہ عدد خلقه۔ محشی۔

ابوداؤد اور ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بیج یا پروئے ہوئے دانے پر تسبیح پڑھنا درست ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا، علامہ شامیؒ نے پروئی ہوئی تسبیح کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"ولا يزيد السبحة على مضمون هذا الحديث إلا بضم النوى في خيط ،ومثل ذلك لا يظهر تأثيره في المنع" (۱)

''وہ اسی حدیث کے مطابق ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ اسے دھاگے میں پرو دیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی وجہ ممانعت نہیں''

دوسجدوں کے درمیان دعاء

سوال:- {838} دوسجدوں کے درمیان بعض حضرات دعاء پڑھتے ہیں، کیا سجدوں کے درمیان دعاء کرنا درست ہے؟　　(عبدالباری، مہدی پٹنم)

جواب:- بعض احادیث میں دوسجدوں کے درمیان ایک مختصر دعاء منقول ہے:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَ ارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَ اھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ" (۲)

بعض فقہاء کے نزدیک اس حدیث کی بناء پر فرض و نفل تمام نمازوں میں دوسجدوں کے درمیان دعاء کرنا مستحب ہے، لیکن حنفیہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک یہ دعاء صرف نفل نماز میں پڑھنی چاہئے، فرائض میں نہیں پڑھنی چاہئے، اس لئے کہ آپ ﷺ کی فرض نمازوں کی ادائیگی کے

---

(۱) رد المحتار :۲/۴۲۱۔

(۲) دیکھئے: الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۲۸۴، باب ما یقول بین السجدتین۔ محشی۔

بارے میں جو حدیثیں منقول ہیں، ان میں آپ ﷺ کے اس عمل کا ذکر نہیں، لیکن اس کا پڑھنا مکروہ بھی نہیں ہے، عام طور پر احناف نے اس کو مباح اور جائز قرار دیا ہے، اور مشہور محقق علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک دو سجدوں کے درمیان دعاء واجب ہے، اور فقہاء کا اصول ہے کہ از راہ احتیاط ایسے طریقہ کو اختیار کرنا چاہئے کہ فقہاء کے اختلاف سے بچتے ہوئے متفقہ طور پر اس کی عبادت درست ہو جائے، اور اگر دو سجدوں کے درمیان پڑھ لی جائے، تو امام احمدؒ کی رائے پر بھی نماز درست ہو جاتی ہے، اس لئے دعاء پڑھ لینا مستحب ہے:

"بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجا من خلاف أحمد" (۱)

اس لئے یہ بات بہتر ہے کہ فرائض میں بھی دونوں سجدوں کے درمیان دعاء کر لی جائے۔

نمازوں کے بعد تسبیح فاطمی اور ان کی تعداد

سوال:- {839} نمازوں کے بعد تسبیح فاطمی کا کیا حکم ہے؟ اور کیا صرف فجر اور عصر کے بعد ہی تسبیح فاطمی پڑھنی چاہئے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دس دس دفعہ "سبحان الله، الحمد الله اور الله اکبر" کہے اور بعض حضرات ۳۳/۳۳ دفعہ "سبحان الله، الحمد الله اور الله اکبر" کو بتاتے ہیں۔ (عبدالرب، بوکی)

جواب:- نمازوں کے بعد تسبیح فاطمی کا پڑھنا مستحب ہے، اور احادیث میں مختلف تعداد منقول ہیں، ایک روایت میں ہر نماز کے بعد دس دس دفعہ "سبحان الله، الحمد الله اور الله أكبر" کی تلقین کی گئی ہے، (۲) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ۳۳/۳۳ دفعہ

---

(۱) منحة الخالق على البحر الرائق: ۱/۵۶۱۔ محشی۔

(۲) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۰۶۵، باب في التسبيح عند النوم۔ محشی۔

"سبحان الله ، الحمد الله "۳۴/دفعہ" الله اکبر" کہنے کا ذکر آیا ہے،(۱) اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کی روایت ان کے علاوہ مزید دس دفعہ "لا إله إلا الله" پڑھنے کا بھی ذکر ہے،(۲) مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے شرح ترمذی میں اور بھی روایتیں نقل کی ہیں، جس میں مختلف تعداد مذکور ہیں، ان روایتوں کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حدیثوں میں جو تعداد مروی ہے ان میں سے کسی بھی تعداد میں ان اذکار کا پڑھ لینا کافی ہے، تاہم یہ بات ظاہر ہے کہ جتنی زیادہ تعداد ہوگی اسی نسبت سے اجر وثواب بھی زیادہ ہوگا۔

چونکہ نمازوں کے بعد ان تسبیحات کا پڑھنا بھی احادیث میں منقول ہے اور حدیث میں یہ بات بھی آئی ہے کہ فرض کے بعد آپ ﷺ سنت کے لئے جلدی اٹھ جایا کرتے تھے،(۳) اس لئے حنفیہ نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق پیدا کی ہے کہ فجر وعصر میں جن کے بعد سنت نہیں ہے فرض نماز سے متصل تسبیحات پڑھی جائیں اور ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں چونکہ نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، اس لئے پہلے سنتیں ادا کرلی جائیں، پھر تسبیحات پڑھی جائیں، تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے۔

استغفار اور اس کے لئے دعاء

سوال:- {840} استغفار کیا ہے؟ کیا اس کے پڑھنے کے لئے عربی کی کوئی مخصوص دعاء ہے؟ کیا توبہ ہی کا دوسرا نام استغفار ہے؟ (ایم، اے مقیت عزیزی، بیدا پلی)

جواب:- استغفار کے معنی اللہ تعالی سے گناہوں پر بخشش طلب کرنے کے ہیں، اس طرح توبہ اور استغفار کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی گناہ پر شرمندگی، اور اللہ تعالی سے عفو درگزر کی

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۹۲۷، باب یقال بعد التسلیم ۔
(۲) الجامع الترمذی، حدیث نمبر:۴۱۰، باب ما جاء في التسبیح في أدبار الصلاة ۔
(۳) دیکھئے: الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۲۹۸، باب ما یاقول إذا سلم من الصلاة۔ محشی

درخواست، استغفار کے لئے کوئی ایک ہی دعاء مقرر نہیں، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ عربی ہی میں استغفار کیا جائے، اپنی زبان میں ہی اللہ تعالیٰ سے گناہ پر مغفرت طلب کی جائے، یہ بھی استغفار ہی ہے، تاہم یہ ضرور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں جو انوار و برکات ہیں، وہ دوسرے کلام میں نہیں ہوسکتے، اس لئے حضور ﷺ سے ماثور الفاظ میں استغفار زیادہ بہتر ہے، آپ ﷺ سے استغفار کے لئے بہت سی دعائیں منقول ہیں، ان میں ایک جامع دعاء جو صحیح سند سے مروی ہے، ترجمہ کے ساتھ یہاں درج کی جاتی ہے، آپ چاہیں تو اسے یاد کرلیں۔

" اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ ۔ وَ مَا اَسْرَرْتُ وَ مَا اَعْلَنْتُ ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُأَخِّرُ ، وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ "(۱)

" اے اللہ! میں آپ سے ان تمام گناہوں کی معافی چاہتا ہوں، جو میں نے پہلے کئے یا بعد میں کروں، جسے میں نے چھپ کر کیا یا علانیہ، آپ ہی آگے بڑھانے والے اور پیچھے کرنے والے ہیں، اور آپ ہر چیز پر قادر ہیں"

قوت حفظ کی دعاء

سوال:- {841} میرا حافظہ بہت کمزور ہے، قرآن اور دعائیں یاد کرتی ہوں لیکن ذہن میں محفوظ نہیں رہتا، کوشش کے باوجود بھی بھول جاتی ہوں، اگر اس سلسلہ میں کوئی دعاء ہو، تو ضرور اس سے مطلع کریں؟ (عابدہ بیگم، گولکنڈہ)

(۱) مجمع الزوائد، بحوالہ مسند احمد ، عن أبي موسى الأشعري ﷺ : ۲۰۹/۱۰۔
نیز دیکھئے: صحیح مسلم ، حدیث نمبر: ۷۷۱، بـاب الـدعاء في صلاة الليل و قيامه ، كتاب الصلاة ۔ محشی۔

جواب:- حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے روایت ہے:

"ایک بار حضرت علی ﷺ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، قرآن یاد کرنے میں مجھے وقت پیش آتی ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی ﷺ سے فرمایا کہ جمعہ کی شب کے آخری تہائی حصہ میں نماز پڑھو، جو دعاء کی قبولیت کا وقت ہے، اگر آخری تہائی میں وقت ہو تو درمیانی تہائی حصہ میں، اور یہ بھی دشوار ہو تو شروع کے تہائی میں، چار رکعت نماز پڑھو، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ یاسین، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ حم الدخان، تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ الٓم التنزیل سورہ سجدہ، اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ ملک پڑھو، تشہد سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرو، مجھ پر اور تمام پیغمبروں پر درود بھیجو، مسلمان مردوں، عورتوں اور مرحوم مسلمانوں کے لئے دعاء مغفرت کرو، پھر اخیر میں یہ دعاء پڑھو:

" اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ اَبَدًا، وَارْحَمْنِیْ اَنْ اَتَكَلَّفَ مَالَا یعنینی ، وَارْزُقْنِیْ حُسْنَ النَّظْرِ فِیْمَا یُرْضِیْكَ عَنِّیْ، اَللّٰهُمَّ بَدِیْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ، والعزة التی لا ترام، أسئلك یا اللّٰه یا رحمن بجلالك ونور وجهك ، أن تلزم قلبی حفظ كتابك كما علمتنی وارزقنی أن اتلوه علی النحو الذی یرضیك

عنی ، اللهم بديع السموات والأرض ذا الجلال والاكرام والعزة التی لاترام ، اسئلك يا الله يا رحمن بجلالك ونور وجهك أن تنور بكتابك بصری، وأن تطلق به لسانی ، وأن تفرج به عن قلبی ، وأن تشرح به صدری ، وأن تعمل به بدنی ، لأنه لايعيننی على الحق غيرك ولا يؤتيه إلا أنت ، ولا حول و لاقوة إلا بالله العلی العظيم " (۱)

''اے اللہ! مجھ پر رحم فرما، اس طور پر کہ جب تک تو مجھے زندہ رکھ، معاصی سے بچائے رکھ اور مجھ پر یہ رحم فرما کہ میں لایعنی باتوں میں نہ پڑوں، مجھے ایسی چیزوں پر توجہ کی توفیق عطا فرما جو آپ کو مجھ سے راضی کردے، اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! جلالت، بزرگی اور عزت والے، اے اللہ! اے رحمان! میں آپ کے جلال اور آپ کی ذات کے نور کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرے قلب کو اپنی کتاب کے یاد رکھنے کی قوت عطا فرما، جیسا کہ تو نے مجھے اسے سکھایا ہے اور اس طریقہ پر تلاوت کرنے کی توفیق دے، جو آپ کو مجھ سے راضی کردے، خداوندا! زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے! عزت و بزرگی اور غلبہ والے!

اے اللہ! اے رحمان! میں آپ کی جلالت شان اور آپ

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۳۵۷۰، باب في دعاء الحفظ ، كتاب الدعوات ۔

کی ذات کے نور کے واسطہ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی کتاب سے میری آنکھوں کو روشن فرمادیجئے، اور مجھے طلاقتِ لسانی عطا فرمائیے، اس کے ذریعہ میرے قلب کو کھول دیجئے، شرح صدر فرمادیجئے، اس کے مطابق میرے جسم کو عمل کی توفیق عطا فرمائیے، اس لئے کہ حق پر آپ کے سوا کوئی مدد نہیں کرسکتا، اور نہ آپ کے سوا کوئی حق سے سرفراز کرسکتا ہے، قوت وسہارا صرف خدائے بلند و بزرگ ہی سے ہے"

دعاء بتانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسے تین، یا پانچ ، یا سات جمعہ پڑھو ، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ پانچ یا سات جمعوں کے بعد پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے ، اور عرض کیا کہ یا تو چار آیات کے پڑھنے میں بھی دقت محسوس ہوتی تھی اور اب یہ کیفیت ہے کہ گویا پورا قرآن میری نگاہوں میں ہے اور آج جب میں حدیثیں سنتا ہوں تو ایک حرف کی کمی بیشی کے بغیر اسے نقل کرسکتا ہوں"

آپ اس حدیث پر عمل کی کوشش کریں، حدیث میں جن سورتوں کے پڑھنے کا ذکر اوپر آیا ہے، انہی سورتوں کو پڑھنے کی کوشش کریں، اگر یہ سورتیں یاد نہ ہوں تو بقیہ باتوں پر عمل کرتے ہوئے جو سورتیں یاد ہوں ان کو پڑھنے کا اہتمام کریں، امید ہے کہ اس سے نفع ہوگا، بزرگوں نے اپنے تجربہ کی بناء پر یہ بھی فرمایا ہے کہ گناہ اور معصیت کی وجہ سے انسان کی قوت حفظ کم ہوتی ہے، اور احکام شریعت پر عمل کرنے کا اہتمام ہو، تو حافظہ قوی رہتا ہے، اس کو بھی ملحوظ رکھیں۔

نماز سے متعلق مختلف مسائل

مصوّر جائے نماز کا حکم

سوال:- {842} ہمارے شہر بیدر کی بعض مساجد میں ایسی حصیر Mats بطور جائے نماز استعمال میں ہیں جن کے دونوں بارڈرس پر اڑتی ہوئی چیلیں Flying Kites اتری ہوئی ہیں، کیا ایسی جائے نماز پر نماز ادا کرنا مناسب ہے؟ کیا ان چیلوں پر سفید رنگ کر کے جائے نماز کو استعمال کیا جاسکتا ہے؟　　(حافظ غلام احمد مصطفیٰ، بیدر)

جواب:- نماز میں باتصویر جائے نماز کا استعمال مکروہ ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ تصویر چاہے اوپر ہو، سامنے ہو، دائیں یا بائیں ہو، ہر صورت درجہ بہ درجہ مکروہ ہے:

" ... وأن یکون فوق رأسه ... أو محل سجوده تمثال" (۱)

(۱) الدر المختار مع الرد :۲/۴۱۶-۴۱۷۔

جب چپل کی تصویر بارڈر پر ہے تو اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ سجدہ کے وقت پیشانی بارڈر تک پہنچ جائے، اس لئے یہ صورت کراہت سے خالی نہیں، —— اگر تصویر کی جگہ اس طرح سفید رنگ کرلیا جائے کہ تصویر نظر نہ آئے تو وہاں نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ کراہت تصویر کی وجہ سے تھی، اور وہ مٹ گئی، جس شی پر تصویر تھی اس میں کوئی کراہت نہیں۔

بعض نمازیوں کا مسجد میں اپنی جگہ مقرر کرلینا

سوال:- {843} ایک جامع مسجد کے کچھ مصلی صاحبان ہمیشہ امام صاحب کی دائیں طرف ہی نماز پڑھنا چاہتے ہیں، چنانچہ کچھ حضرات نے اپنی جگہ متعین کرلی ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ (بشیر احمد، پالونچہ)

جواب:- مسجد اور اس طرح کے اجتماعی مقام پر جو شخص پہلے جہاں آکر بیٹھ جائے، وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے، نیز خاص طور پر مسجد — جو اپنی خودی اور انا کو مٹانے کی جگہ ہے — میں اپنے لئے کسی خاص جگہ کا متعین کرلینا اور ہمیشہ وہیں بیٹھنے کا التزام کرنا مکروہ ہے:

"یکره للانسان أن یخص لنفسه مکانا في المسجدأن یصلی فیه" (۱)

بڑی مسجد میں نمازی سے کتنا آگے سے گزر سکتا ہے؟

سوال:- {844} بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب مسجد بڑی ہو اور کوئی شخص مسجد کی آخری صف میں نماز پڑھ رہا ہو تو دس بارہ صف آگے سے نمازی کے سامنے سے گزرا جاسکتا ہے۔ (انصار اللہ، سعید آباد)

---

(۱) الفتاوی الهندیة ۱/۱۰۸۔

جواب:- بڑی مسجد سے مراد طول کے اعتبار سے یعنی: مشرق سے مغرب چالیس ہاتھ لمبی مسجد ہے، ایسی مسجد میں نمازی کے اتنے آگے سے گزرنے میں کچھ حرج نہیں، کہ اگر وہ نماز پڑھنے والا خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنی سجدہ گاہ پر نگاہ کرے تو اس کی نگاہ کے دائرہ میں جو حصہ آتا ہے اور بلا ارادہ نظر آجاتا ہے، یہ اس سے باہر ہو:

"إن كان بحال لو صلى صلاة خاشع لايقع بصره على المارّ" (۱)

فقہاء نے محتاط طریقہ پر اس کا اندازہ بتایا ہے کہ نمازی کی صف اور مزید ایک صف چھوڑ کر آگے سے گزر سکتا ہے۔

نماز اور روزہ کی نیت

سوال:- {845} کیا روزہ اور نماز کی نیت کرنا ضروری ہے اور اگر بھول جائے تو کس وقت تک نیت کی جاسکتی ہے؟

(محمد واصل، مرادنگر)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے ساتھ عبادت کا حکم دیا ہے:

﴿ وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (۲)

اور بغیر نیت کے اخلاص حاصل ہی نہیں ہوسکتا "والاخلاص لا يحصل بدون النية" (۳) اس لئے نہ صرف نماز وروزہ بلکہ تمام عبادات میں نیت شرط ہے، نماز کی نیت تکبیر تحریمہ سے پہلے پہلے کرلینا ضروری ہے، روزہ کے سلسلہ میں تفصیل ہے کہ اگر نذر یا قضاء کا روزہ

---

(۱) البحر الرائق :۲/۱۵۔

(۲) البینة :۵۔

(۳) بدائع الصنائع : ۱/۳۲۹۔

ہوتو اس کی نیت صبح صادق سے پہلے پہلے واجب ہے، لیکن رمضان المبارک کا روزہ اور نفل روزہ میں سورج ڈھلنے سے پہلے تک روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے:

" وإنما تجوز النية قبل الزوال إذا لم يوجد قبل ذلك بعد طلوع الفجر ما ينافي الصوم "(۱)

کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے نفل اور فرض روزہ کی نیت کرنا صبح میں بھی ثابت ہے۔(۲)

نماز میں مردوں اور عورتوں کی بیٹھک

سوال:-{846} ایک صاحب نے نماز کے مسائل کے متعلق پاکستانی مصنف کی لکھی ہوئی کتاب دی، اس میں عورتوں کی نماز کے طریقہ کے بارے میں لکھا ہے کہ: عورتوں کو رکوع وسجدہ میں سمٹ کر بیٹھنے کے بجائے مردوں ہی کی طرح بیٹھنا چاہئے، یعنی حالت سجدہ میں کہنیوں کو پسلی اور ران سے الگ رکھنا چاہئے اور ایک طرف پاؤں نکال کر سرین پر بیٹھنے کے بجائے مردوں ہی کی طرح ایڑی پر بیٹھنا چاہئے، جب کہ دوسری کتابوں میں الگ الگ طریقہ بتایا گیا ہے؟

(محمد جسیم الدین، شاستری پورم)

---

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۱۹۶۔

(۲) نفل روزہ میں سورج ڈھلنے سے پہلے نیت کی اجازت صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۱۱۵۴، باب جواز صوم نافلة بنيته من النهار قبل الزوال الخ ،سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۲۴۵۵، باب في الرخصة في ذلك ، كتاب الصوم ،اسی طرح الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۷۳۴، سے معلوم ہوتی ہے، جب کہ فرض روزوں کے لیے اس کی اجازت، صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۱۱۳۵، باب من أكل في عاشوراء فكيف بقية يومه ،اور صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۲۰۰۷، باب : صيام يوم عاشوراء، میں مذکور ہے۔ محشی۔

جواب:- چوں کہ عورتوں کے لئے زیادہ سے زیادہ ستر مطلوب ہے اس لئے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے طریقۂ نماز میں تھوڑا سا فرق رکھا گیا ہے، اور عورتوں کو نسبتاً زیادہ ساتر طریقہ پر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إذا جلست المرأة للصلاة وضعت فخذها على فخذها الأخرى ، وإذا سجدت الصقت بطنها من فخذها كاستر ما يكون لها" (۱)

''جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے، اور سجدہ کرے تو پیٹ کو رانوں سے چپکا لے تا کہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے''۔

اسی طرح حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے:

"كان يأمر الرجال أن يتجافوا في صفوفهم و يأمر النساء يتخفضن في سجودهن" (۲)

''رسول اللہ ﷺ مردوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ سجدہ کی حالت میں اپنے اعضاء جسم الگ الگ کر کے رکھیں، اور عورتوں کو پست ہو کر سجدہ کرنے کا حکم فرماتے تھے''۔

اسی طرح بیٹھک کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پہلے عورتیں چہار زانوں بیٹھ کر نماز پڑھتی تھیں، پھر انہیں خوب سمٹ کر یعنی کولھوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا:

(۱) سنن بیہقی :۲۲/۲۲۳۔

(۲) حوالہ سابق

"کن یتربعن ثم أمرن أن یخففن یعنی
یستوین جالسات علی أوراکهن "(۱)

اس لئے صحیح یہی ہے کہ نماز کی بعض کیفیات میں مردوں اور عورتوں میں فرق رکھا گیا ہے اور یہی ائمہ اربعہ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور اکثر سلف صالحین کا مسلک ہے۔

مردوں اور عورتوں کی نمازوں میں فرق

سوال:- {847} میری پھوپھی کہتی ہیں کہ عورتوں اور مردوں کی نمازیں الگ الگ ہوتی ہیں، جب کہ میری سہیلی کا کہنا ہے کہ عورتوں اور مردوں کی نماز ایک ہی طرح ہوتی ہیں، اس لئے وضاحت کریں کہ کون سی بات صحیح ہے؟

(شبانہ اعظمی، نارائن کھیڑ)

جواب:- آپ کی پھوپھی کی بات درست ہے، عورتوں اور مردوں کی نماز میں بعض احکام میں فرق ہے، عورتوں کے لئے ایسی کیفیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے جس میں ستر کی رعایت زیادہ ہو، اور جسم نمایاں نہ ہو، اس سلسلہ میں فقہاء نے درج ذیل احکام میں فرق ذکر کیا ہے:

(الف) مرد تکبیر تحریمہ میں کانوں تک ہاتھ اٹھائیں گے، عورتیں مونڈھے تک ہاتھ اٹھائیں گی۔(۲)

(ب) مرد اپنے ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں گے، بعض فقہاء کے نزدیک سینہ پر باندھیں گے، چونکہ روایتوں میں اس کی متعدد کیفیت منقول ہے، اس لئے صرف افضل کم

(۱) جامع المسانید:۱/۴۰۰۔
(۲) الفتاوی الهندیة:۱/۷۳۔

افضل کا اختلاف ہے، لیکن ان میں سے کسی بھی کیفیت پر
ہاتھ باندھا جاسکتا ہے، لہذا عورتوں کے بارے میں قریب
قریب اس پر اتفاق ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھیں گی ۔
''والمرأة تضعهما علی ثدیها ''(۱)
(ج) سجدہ کی حالت میں خواتین اپنے ہاتھ کو زمین پر
بچھا کر رکھیں گی ، اپنے پیٹ ران سے ملا کر رکھیں گی اور اس
طرح سجدہ میں جائیں گی کہ ان کے کولھے ان کے پاؤں پر
ہوں، اٹھے ہوئے نہ ہوں۔'' تقعد علی رجلیها وفي
السجدة تفترش بطنیها علی فخذها ''(۲)
(د) قعدہ کی حالت میں خواتین بائیں کولھے پر بیٹھیں گی
اور پاؤں دائیں پہلو سے نکالیں گی۔

مرد وعورت کی نماز میں یہ فرق صرف فقہاء کا قیاس واجتہاد نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور حضراتِ صحابہ ؓ کے فرمودات میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، راقم الحروف نے اپنی کتاب ''راہِ اعتدال'' میں اس سلسلہ میں دلائل جمع کر دیئے ہیں، تفصیل کے لئے کتاب مذکور سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

صلاۃ وسطی کون سی نماز ہے؟

سوال:- {848} قرآن کریم میں ''صلاة وسطی''
کی خصوصی حفاظت کا حکم ہے، یہ معلوم کرنا ہے کہ صلاۃ وسطی

---

(۱) حوالہ سابق
(۲) الفتاوی الهندیة:۱/۷۵۔

سے آخر کون سی نماز مراد ہے؟ (عمرانہ خاتون، مغلپورہ)

جواب:- صلاۃ وسطی سے کون سی نماز مراد ہے اس میں اہل علم کے درمیان کچھ اختلاف ہے، تاہم اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے اور خود احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "صلاۃ وسطی صلاۃ عصر ہے" (۱)

حاملہ عورت کیسے نماز پڑھے؟

سوال:- {849} حاملہ عورتیں رکوع وسجدہ وغیرہ برابر نہیں کرسکتیں خصوصاً سجدہ تو کرہی نہیں سکتیں، کھڑے ہوکر نماز بھی ادا نہیں کرسکتیں، ایسی صورت میں نماز کیسے ادا کرنا چاہئے اور کیا ساڑی میں (Under Ware) پہننا ضروری ہے، بغیر اس کے نماز ہوگی یا نہیں؟ (رابعہ پروین، عنبر پیٹ)

جواب:- حاملہ عورتیں اگر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہوں، تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہیں، رکوع سجدہ بھی مکمل طور پر نہ کرسکیں تو جس قدر جھک سکیں، جھک کر رکوع سجدہ کریں، البتہ خیال رکھیں کہ سجدہ کے لئے بہ مقابلہ رکوع کے زیادہ جھکا جائے، (۲) —— اصل مقصد عورت

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۱۸۱، ۱۸۲، باب ماجاء في صلاة الوسطی صلاة العصر، نیز دیکھئے: ۶۲۷، ۶۲۸، باب الدلیل لمن قال الصلاة الوسطیٰ هي صلاة العصر - محشی۔

(۲) "وإن عجز عن القیام والرکوع والسجود وقدر علی القعود یصلي قاعدا بإیماء ویجعل السجود أخفض من الرکوع" (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۶، في صلاة المریض)

"و عن نافع أن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ یقول : إذا لم یستطع المریض السجود أومأ برأسه إیماءً، و لم یرفع إلی جبهته شیئاً" رواه مالك و اسناده صحیح، (آثار السنن، حدیث نمبر: ۸۰۳، باب صلاة المریض)

کے تمام جسم کا ستر ہے، یہی نماز میں بھی شرط ہے، اور عام حالات میں بھی واجب ہے، اب چونکہ ساڑی سے اس ضرورت کی تکمیل ہوجاتی ہے، اس لئے ساڑی پر اکتفا کرنا بھی درست ہے جانگیہ پہننا بھی درست ہے، اور اس کے بغیر بھی نماز درست ہوجاتی ہے۔

غیر مسلم کی نماز کا دوسرے نمازیوں پر اثر

سوال:- (850) اگر کسی غیر مسلم (ہندو) کو نماز باجماعت میں عمداً یا بھول کر شامل کیا جائے تو کیا پڑھانے اور ساتھ پڑھنے والوں یعنی مصلیوں کی نماز پر کوئی اثر ہوگا؟ قرآن وحدیث اور شریعت کیا اس کو شامل کرنے کی اجازت دیتی ہے؟ اگر دیتی ہو تو کس صورت میں اور نہیں تو کس وجہ سے؟ (منور سلطان رانا، بہار)

جواب:- کسی غیر مسلم کو نماز میں شرکت کی دعوت دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ جب تک وہ ایمان نہیں لائے اس وقت تک وہ شریعت کے جزوی اور فروعی احکام کا مخاطب نہیں ہوتا، البتہ اگر دعوت کے بغیر کوئی غیر مسلم جماعت میں آکر شریک ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منافقین نماز پڑھا کرتے تھے، (۱) آپ ﷺ ان کے کفر سے واقف تھے، بلکہ ان میں بعض لوگوں کا کافر ہونا صحابہ ؓ میں معروف تھا، پھر بھی ان سے کچھ تعرض نہیں کیا جاتا تھا، غرض کہ غیر مسلم جماعت میں شرکت کی وجہ سے امام ومقتدی کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

جائے نماز پر کعبہ کی تصویر

سوال:- {851} جائے نماز پر کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ

---

(۱) ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ إِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ (المنافقون: ۱۷) محشی۔

کا نقش اترا ہوا ہوتا ہے، جس پر امام و خطیب صاحبان بھی پیر
رکھا کرتے ہیں، کیا اس سے بے ادبی ہوتی ہے؟
(محمد سعادت علی قریشی، عنبر پیٹ)

جواب:- مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسی جائے نمازوں سے اجتناب کریں جن پر کعبۃ اللہ اور مدینہ شریف کا عکس ہو، خیال ہوتا ہے کہ اس طرح کی جائے نمازوں کا سلسلہ ان لوگوں نے شروع کیا ہے جو اسلام کے تئیں بغض و عناد رکھتے ہیں، تاہم نقش کا حکم اصل کا نہیں ہوتا اور نہ نیت اہانت کی ہوتی ہے، اس لئے یہ بے ادبی میں داخل نہیں۔

نمازی کے سامنے چپل رکھنا

سوال:- {852} بعض لوگ نماز ادا کرتے وقت
سامنے چپل رکھ لیتے ہیں، کیا اس سے نماز میں کراہت نہیں
آتی؟ (محمد حمید الرحمان، مغلپورہ)

جواب:- اگر جوتے چپل میں نجاست نہ لگی ہو، اور از راہ حفاظت نمازی اپنے سامنے رکھ لے تو گنجائش ہے، بہتر ہے کہ سامنے رکھنے کے بجائے جوتے چپل کی متعین جگہ پر رکھا جائے، اور اگر نجاست لگی ہو، تب تو واجب ہے کہ مسجد کے فرش کو اس سے بچائے، اور رکھ ہی لے تو نماز تو درست ہو جائے گی، لیکن اگر مسجد کے فرش میں نجاست لگ گئی تو اس کو صاف کرنا ضروری ہے۔

تعلیم و تربیت کے لئے بچہ کا جہراً ظہر ادا کرنا

سوال:- {853} ایک طالب علم امامت کے فرائض
انجام دے، اور ظہر کی نماز بآواز بلند پڑھے تا کہ دوسرے بچے
جو اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، ان کو معلوم ہو جائے کہ کس

رکن میں کیا پڑھنا ہے، تو کیا اس طرح نماز پڑھانا جائز ہے؟

(سید غازی الدین خان، ملک پیٹ)

جواب:- اگر یہ نابالغ بچے ہوں اور امامت کرنے والا بچہ بھی نابالغ ہو، تو ازراہ تربیت نماز ظہر، اور آہستہ پڑھے جانے والے اذکار کو زور سے پڑھنے کی گنجائش ہے، کیونکہ نابالغ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں، اوران بچوں کے حق میں یہ نمازیں بھی نفل کے درجہ میں ہیں، اور نفل نمازوں میں بہ مقابلہ فرض نمازوں کے احکام کے اعتبار سے زیادہ وسعت ہے، —— سلف صالحین سے بھی تعلیم وتربیت کے مقصد سے گاہے گاہے آہستہ پڑھے جانے والے اذکار کو زور سے پڑھنا ثابت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک بار انہوں نے ''ثناء'' کو جہر کے ساتھ پڑھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقعہ پر ''تعوذ'' کو زور سے پڑھنا منقول ہے، (۱) آپ ﷺ نے بعض دفعہ ''آمین'' زور سے کہی ہے، اس کے بارے میں حدیث کے راوی حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں: ''ما أراه إلا لیعلمنا'' (۲) میرے خیال میں حضور ﷺ کا یہ عمل تعلیم کی غرض سے تھا''۔

نماز کے لئے بیدار کرنا

سوال:- {854} کیا ہم اپنے ارکان خاندان، یا دوست واحباب کو جو نماز کے وقت سو گئے ہوں، کو اٹھا سکتے ہیں، کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو نماز کا وقت ہو گیا ہے، نماز پڑھ لو، چاہے وہ سونے کی حالت میں ہوں، یا جاگنے کی حالت میں؟

(واحد علی، عثمانیہ یونیورسٹی)

---

(۱) دیکھئے: زاد المعاد: ۱؍۲۷۵، محشی۔

(۲) التعلیق الحسن علی آثار السنن: ۱؍۱۸۷، حدیث نمبر: ۳۷۷، ط: گجرانوالہ۔

جواب:- نماز کے لئے اٹھانا نیکی کی طرف دعوت دینا ہے، اور یہ ہر مسلمان کا شرعی فریضہ ہے، اور دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضہ بھی ہے، اس لئے فرض نمازوں کے لئے اپنے اعزہ اور دوست احباب کو نیند سے بیدار کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال ؓ رسول اللہ ﷺ کو فجر کے وقت بیدار کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ رات میں تہجد کی طویل نماز ادا کرنے کی وجہ سے تھک جاتے تھے، اور فجر کی سنت اور فریضہ کے درمیان کچھ دیر استراحت فرماتے تھے، اسی بیدار کرنے کے سلسلہ میں ایک دن حضرت بلال ؓ نے کہا: ''الصلاة خير من النوم'' یعنی نماز نیند سے بہتر ہے'' آپ ﷺ کو یہ جملہ اتنا پسند آیا کہ آپ ﷺ نے اسے اذان فجر کا حصہ بنادیا'' (۱) البتہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اس سے فتنہ اور نزاع نہ پیدا ہو جائے، اگر کوئی شخص آپ کے اس ناصحانہ اور خیر خواہانہ عمل کو پسند نہ کرے اور لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہو جائے تو ایسے شخص سے گریز ہی بہتر ہے۔

اگر نمازی کو آواز دی جائے؟

سوال:- {855} اگر کوئی شخص بند کمرہ میں نماز پڑھ رہا ہے، لیکن باہر سے کوئی آواز دے رہا ہے، تو نماز میں جواب تو دے نہیں سکتا، اس لئے اس نے اشارتاً کھنکھارا یا کھانس دیا، تو اس کی نماز فاسد تو نہیں ہوگی؟ (محمد عبدالعظیم، کویارواڑی)

جواب:- اگر نماز میں ایسی نوبت آجائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر مرد ہو تو ''سبحان الله'' کہہ دے اور عورت ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے تھپتھپائے، جس کو ''تصفیق'' کہتے ہیں، یہ نماز میں متوجہ کرنے کا صحیح طریقہ ہے، جو حدیث

(۱) دیکھئے: مجمع الزوائد: ۱/۳۳۰، باب كيف الأذان۔ محشی۔

سے ثابت ہے،(۱) ویسے اگر کوئی شخص اپنے مصروفِ نماز ہونے کو بتانے کے لئے کھانس دے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ فتاوی عالمگیری میں:

"التنحنح لاعلام أنه في الصلاة ، لايفسد"(۲)

ملازمت کی وجہ سے ترک نماز

سوال:- {856} میرے دوست پہلے نماز کے پابند تھے، جب سے گورنمنٹ پرائمری اسکول میں نوکری ملی ہے نماز چھوڑ دیا، میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ بعض دفعہ ایک گھنٹہ مجھے کلاس سوم کی لڑکیوں کو پڑھانا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے بعض وقت نماز چھوٹ جاتی ہے؟

(جی، ایس، آر، ایم)

جواب:- ہر مسلمان پر جو بالغ اور عقل وہوش کی حالت میں ہو، پانچوں وقت نماز ادا کرنا فرض عین ہے، اور ان نمازوں کا بالکل ترک کردینا یا وقت مقررہ پر ادا نہیں کرنا شدید گناہ ہے، اور ملازمت ایسا عذر نہیں کہ اس کی وجہ سے نماز معاف ہو جائے، زیادہ سے زیادہ یہ گنجائش ہوسکتی ہے کہ اگر مسجد نہ جاسکتے ہوں تو اسکول ہی میں کہیں کسی مسلمان استاد یا طالب علم کے ساتھ مل کر جماعت کرلیں، اگر اس کا موقعہ نہ ہو تو کم از کم تنہا پڑھ لیں، لیکن محض ملازمت کی وجہ سے نماز کا چھوڑ دینا ہرگز جائز نہیں، یہ کیسے روا ہوسکتا ہے کہ جو شخص رزق میں واسطہ ہو، اس کا تو اتنا پاس ولحاظ کیا جائے اور جو رزاقِ حقیقی ہے اسی کو انسان فراموش کرجائے۔ وباللہ التوفیق۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : التسبيح للرجال و التصفيق للنساء" (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۱۲۰۳،باب التصفيق للنساء ، صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۴۲۲،باب تسبيح الرجل و تصفيق المرأة إذا نابها شيئ في الصلاة)محشی۔

(۲) الفتاوی الهندية:۱/۱۳۳۔

مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی ﷺ میں خواتین کی نماز

سوال:- {857} ایک بزرگ نے فرمایا کہ حرمین شریفین میں بھی خواتین کو اپنی قیام گاہ میں ہی نماز ادا کرنی چاہئے، حج وعمرہ پر جانے والی خواتین جب عمرہ یا طواف کے لئے حرم آئیں، تب تو مسجد حرام اور مسجدِ نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لیں، ورنہ عام حالات میں اپنے قیام گاہ پہ نماز پڑھیں اور نمازِ پنجگانہ کے لئے بھی مسجد نہ آئیں، کیونکہ خواتین کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

(قاری محمد اقبال، سکندر آباد)

جواب:- اگر حرمین شریفین میں مسجد جانے کی صورت میں کسی فتنہ کے پیش آنے کا غالب گمان ہو، تب تو واقعی اپنے رہائش گاہ ہی میں نماز ادا کرنا افضل ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہو، تو حرمین شریفین کی یہ خصوصیت ہے کہ وہاں عورتوں کو مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی ﷺ میں نماز ادا کرنا افضل ہے، البتہ دوسری مسجدوں کے مقابلہ عورت کا اپنے گھر میں نماز ادا کرنا بہتر اور زیادہ موجبِ ثواب ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے:

"ماصلت امرأة خير لها من قعر بيتها إلا أن يكون المسجد الحرام أو مسجد النبوی ﷺ" (۱)

''اپنے گھر کے کونے سے بہتر عورت کی نماز پڑھنے کی کوئی جگہ نہیں سوائے اس کے کہ مسجد حرام یا مسجدِ نبوی ﷺ ہو''۔

---

(۱) دیکھئے: آثار السنن، حدیث نمبر: ۳۰۷۔
نیز دیکھئے: جمع الفوائد: ۲۰۴/۱، باب المساجد۔ محشی۔

اس حدیث کو علامہ طبرانیؒ نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے اور علامہ ہیثمیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱)

نماز میں غیر معتدل اور ناہموار آواز

سوال:- {858} امام نماز میں اپنی آواز بلاضرورت بلند کرتا ہو، ایک تکبیر معتدل آواز میں کہتا ہو اور دوسری تکبیر بلند آواز میں، یا قراءت کے وقت ایک دو آیت معتدل آواز میں اور تیسری بلند آواز میں، کیا اس طرح نماز پڑھانا مناسب ہے؟ (سید عبدالرحیم، مانوت، پربھنی)

جواب:- تکبیر انتقال ہو، یا قرآن مجید کی قراءت، امام کو اتنی ہی آواز بلند کرنی چاہئے کہ مقتدیوں کو آواز پہونچ جائے، خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز مناسب نہیں، علامہ حصکفیؒ نے لکھا ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں قرآن پڑھنا بہتر نہیں:

"یجھر الإمام وجوبا بحسب الجماعة فإن زاد علیه ، فقد أساء" (۲)

آواز ایسی ہونی چاہئے کہ جو چاہے وہ آیاتِ قرآنی میں تدبر کر سکے، اور اس کو استحضار قلبی حاصل ہو۔(۳) اگر آواز میں بہت زیادہ نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ ہو تو اس ناہمواری کی وجہ سے استحضار قلبی پیدا نہیں ہو پاتا ہے اور انسان تدبر و تفکر کے موقف میں نہیں رہتا، اس لئے امام صاحب کو تکبیرات انتقال اور قراءت معتدل اور ہموار آواز میں کرنی چاہئے۔

---

(۱) "و رجاله رجال الصحیح" (مجمع الزوائد:۲/۳۵، باب خروج النساء إلی المساجد ألخ) محشی۔

(۲) الدر المختار :۱/۷۹

(۳) الفتاوی الهندیة:۱/۷۲۔

جائے نماز پر سونا

سوال:- {859} جائے نماز پر سونا گناہ ہے یا نہیں؟

(سید حفیظ الرحمان، پھولا نگ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے خوابگاہ کے بستر مبارک پر نماز پڑھنا ثابت ہے، اور اس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی روایات موجود ہیں جن کا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وغیرہ نے اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے۔(۱) اسی طرح بعض صحابہ ﷺ کا ضرورتاً مسجد میں سونا ثابت ہے،(۲) اس سے معلوم ہوا کہ جائے نماز پر سونا یا جس کپڑے کو بستر بنائے اگر پاک ہو تو اس پر نمازیں وغیرہ ادا کرنا جائز ہے، ورنہ آپ ﷺ نے اس پر نماز ادا نہ فرمایا ہوتا، ہاں! اگر یہ اندیشہ ہو کہ جائے نماز آلودہ ہو جائے گی تو احتیاط کرنا چاہئے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ جائے نماز پر سونے کا معمول نہ بنائیں۔

نماز حنفی یا شافعی طریقہ پر؟

سوال:-{860} مجھے بچپن سے شافعی طریقہ پر نماز پڑھنا سکھایا گیا ہے، اب مجھے میرے سسرال والے نماز کا طریقہ بدلنے اور حنفی طریقہ پر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ (ایکس وائی زیڈ حمتہ بازار)

---

(۱) دیکھئے: صحيح البخاري، حدیث نمبر:۳۸۴، باب الصلاة على الفراش، صحيح مسلم، حدیث نمبر:۵۱۲، باب الاعتراض بنى يدى المصلي۔ محشی۔

(۲) " عن عبيد الله قال : حدثني نافع قال : أخبرني عبد الله بن عمر ﷺ : أنه كان ينام وهو شاب أعزب لا أهل له في مسجد النبي ﷺ " (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۴۴۰، باب نوم الرجال في المسجد) محشی۔

جواب:- حنفی طریقہ ہو یا شافعی سب کا مقصود قرآن وحدیث کے مطابق عمل کرنا ہے، البتہ قرآن وحدیث کو سمجھنے اور تحقیق میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے، یہ اختلافات ہدایت و ضلالت اور حق وباطل کے نہیں ہیں، بلکہ صواب وخطأ اور اکثر مواقع پر زیادہ بہتر اور کم بہتر کا اختلاف ہے، اس لئے آپ کے سسرال والوں کو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہئے کہ آپ حنفی ہی طریقہ پر نماز پڑھیں، تاہم اگر آپ حنفی طریقہ پر نماز ادا کیا کریں اور مستقل طور پر اس پر عمل کریں تو اس میں بھی حرج نہیں، بہر حال جس فقہ پر عمل کریں اس پر استقلال برتیں، ایسا نہ ہو کہ کبھی ایک اور کبھی دوسرے مسلک پر عمل کیا جائے، اس سے نفس پرستی کے رجحان کو تقویت پہونچتی ہے، اور ایسی صورت میں اندیشہ ہے کہ لوگ دین کو کھلونا بنالیں گے۔

مصلی پر کعبہ اور گنبد خضراء کی تصویر

سوال:- {861} مساجد اور گھروں میں نماز پڑھنے کے لئے ایسے مصلّٰی بچھائے جاتے ہیں جن پر کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ کی تصویر ہوتی ہے۔ ایسی تصویر والی جائے نماز پر نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ایسی جائے نمازوں کا استعمال نہیں کرنی چاہئے اور بعید نہیں، اس قسم کی جائے نماز کی صنعت اور اس کے شیوع میں یہودی ذہن کارفرما ہو، اور مسلمان اپنے بھولے پن میں اسے ان مقامات سے محبت وعقیدت کا اظہار سمجھ کر ایسی جائے نمازوں کے بنانے اور خریدنے، بیچنے میں لگ گئے ہوں، بلکہ میں نے ایک ایسی جائے نماز بھی دیکھی ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام نامی لکھا ہوا ہے، اس لئے ایسی جائے نمازوں پر نماز پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہئے —— اگر کوئی شخص جائے نماز کی ان تصویروں پر مقامات مقدسہ کی اہانت کی نیت

سے پاؤں رکھے تو یہ سخت گناہ ہے، بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے، اور اگر یہ مقصد نہ ہو تو چونکہ تصویر کا حکم اصل کا نہیں ہوتا، اس لئے نماز تو ہو جائے گی، لیکن یہ صورت بھی کراہت سے خالی نہ ہوگی، اگر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کا نام لکھا ہوا ہو تب تو اس کو زمین پر بچھانا، یا اس جائے نماز پر پاؤں رکھنا، خواہ قدم خود اس تحریر پر نہ رکھا جائے، جائز نہیں۔(۱)

نمازی کے سامنے سے گزرنے کا مسئلہ

سوال:- {862} اگر نمازی کے سامنے سے گزرنا ہے
تو کتنی دور سے گزرنا چاہئے؟　　　(عبدالغفار، قاضی پورہ)

جواب:- (الف) اگر نمازی کے آگے سُترہ موجود ہو، خود کوئی چیز رکھی گئی ہو، یا سامنے سے ستون ہو، تو سُترہ کے آگے سے گزرا جا سکتا ہے۔

(ب) اگر سُترہ نہ ہو اور چھوٹی مسجد یا کمرہ وغیرہ ہو تو نمازی سے لے کر دیوارِ قبلہ تک بیچ سے ضرورتِ شدیدہ کے بغیر گزرنا مکروہ ہے۔(۲)

(ج) اگر بڑی مسجد، یا کھلا ہوا صحن ہو، تو نمازی سے دو صف کے بقدر آگے سے گزرا جا سکتا ہے، بڑی مسجد سے ایسی مسجد مراد ہے کہ مشرق سے مغرب کی جانب اس کی لمبائی چالیس ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو۔(۳)

محراب میں اسماءِ مبارکہ اور مقاماتِ مقدسہ کی تصویریں

سوال:- {863} مسجد کے محراب میں خانۂ کعبہ اور

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۵۔ محشی۔

(۲) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۷۰۱، باب ما ينهى عنه من المرور بين يدى المصلي۔

(۳) دیکھئے: کبیری: ص: ۳۵۴، و دیگر کتب فقہ۔

مدینہ منورہ کی فوٹو لگانا، محراب کی کمانوں میں دائیں بائیں اللہ
کے اسماء گرامی تحریر کرنا، محراب والی دوسری کمانوں میں خلفاء
راشدین کے اسماء گرامی لکھنا، مسجد کی دیوار پر درود شریف لکھنا،
کیا یہ امور جائز و درست ہیں؟

(قاضی سید مظہر الدین، ایڈوکیٹ، عادل آباد)

جواب:- نماز میں خشوع و خضوع کی بڑی اہمیت ہے اور ضروری ہے کہ کوئی ایسا عمل نہیں کیا جائے جس سے نماز پڑھنے والوں کی توجہ ہٹ جائے، اس لیے قبلہ پر زیادہ نقش و نگار، نیز قرآن کی آیات، اللہ تعالیٰ، انبیاء اور صحابہ ﷺ کے اسماء مبارکہ کا لکھنا مناسب اور بہتر نہیں، کیوں کہ اس سے نماز پڑھنے والے کی توجہ ہٹ جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات نمازی اسے دیکھتے ہوئے پڑھنا بھی شروع کر دیتا ہے، اور زبان سے ان کو پڑھنے میں بعض صورتوں میں نماز فاسد بھی ہو سکتی ہے، فقہاء نے اس کے بہتر نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ اس میں بے احترامی کا پہلو پایا جاتا ہے، پرندے ان آیات پر آ کر بیٹھ سکتے ہیں، بیٹ کر سکتے ہیں، یا ان کی بیٹ ان تحریروں پر گر سکتی ہے، پرانی ہونے کے بعد وہ تحریر آہستہ آہستہ گرنے لگتی ہے، اور لوگوں کے قدموں میں آ جاتی ہے، ان تمام صورتوں میں اللہ کے مقدس کلام اور اللہ اور اس کے نیک بندوں کے پاک ناموں کی بے احترامی کا اندیشہ ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ولیس بمستحسن کتابة القرآن علی المحارب
و الجدران لما یخاف مس سقوط الکتابة و أن
توطأ" (۱)

البتہ ایسے معمولی مسائل کی وجہ سے آپس میں انتشار نہ پیدا ہونے دیجئے، کہ جو مسئلہ آپ

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۱۹۔

نے دریافت کیا ہے، اس کا تعلق بہتر اور غیر بہتر سے ہے اور مسلمانوں میں افتراق وانتشار گناہ ہے اور اس سے بچنا واجب ہے۔

بیٹھے ہوئے شخص کو اٹھا کر بیٹھنا

سوال:- {864} صف میں بیٹھے ہوئے شخص کو اٹھا کر بیٹھنا کیسا ہے؟　　　　(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی دوسرے کو اٹھا کر اس جگہ خود بیٹھ جائے، (۱) اس لیے ایسا کرنا مکروہ ہے، بلکہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص مجلس سے اٹھے اور پھر وہاں واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ " إذاقام الرجل من مجلس ثم رجع إليه فهو أحق به " ۔(۲)

نماز اور افطار میں غیر مسلم بھائیوں کی شرکت

سوال:- {865} نماز افضل ترین عبادت ہے نہ کہ تماشہ، لیکن بارہا دیکھا گیا ہے کہ قومی یکجہتی کے شوق میں بعض وقت غیر مسلم حضرات کو چاہے وہ لیڈر ہوں یا منسٹر، شریکِ نماز کرلیا جاتا ہے، خاص طور پر رمضان کی افطار پارٹیوں میں اکثر یہ تماشہ ہوتا رہتا ہے، تو کیا یہ بے ادبی نہیں ہے؟

(میر یوسف علی، محبوب نگر)

---

(۱) صحيح البخاري :۲/ ۹۲۸، حدیث نمبر: ۶۲۶۹، باب: لا يقيم الرجل الرجل من مجلسه۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۸۵۳، باب إذا قام في مجلسه ثم رجع ۔

جواب:- غیر مسلم بھائیوں کو افطار کی دعوت دینے میں کوئی حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کو مدعو کیا ہے،(۱) اور خود بھی ان کی دعوت قبول فرمائی ہے،(۲) ان سے یہ تقاضا کرنا کہ وہ نماز میں شریک ہوں، نادرست بھی ہے اور نامعقول بھی، لیکن اگر کوئی غیر مسلم بطور خود مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوجائے تو اسے شرکت سے روکنا اسلامی اخلاق کے مغائر بھی ہے اور اس سے اس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں نفرت بھی پیدا ہوسکتی ہے، اس لیے اس سے روکنا نہیں چاہئے، بلکہ دعاء کرنی چاہئے کہ ''اھدنا الصراط المستقیم '' کی دعا اس کے حق میں مقبول ہوجائے ''و ما ذلك علی الله بعزیز ''اس کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منافقین نماز پڑھا کرتے تھے، یہ مسلمان نہیں تھے، اور حضور ﷺ ان کے نفاق سے اچھی طرح واقف بھی تھے، پھر بھی آپ ﷺ نے کبھی ان کو اس سے منع نہیں فرمایا؛ چنانچہ ان میں سے بہت لوگ بتدریج دامن اسلام میں آگئے۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۵۳۶۴، نیز دیکھئے: جمع الفوائد:۱/۲۹۴۔مرتب۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۱۴۸۱، ۲۶۱۶، ۲۶۱۷، باب : خرص التمر۔مرتب۔

"أن یهودیة أتت النبي ﷺ بشاة مسمومة فأكل منها، فجيئ بها فقیل : ألا نقتلها ؟ قال : لا ، قال : فما زلت أعرفها في لهوات رسول الله ﷺ ''عن أنس بن مالك ﷺ، (صحیح البخاري، حدیث نمبر:۲۶۱۷، باب قبول الهدیة من المشركین)مرتب۔

کتاب الفتاوی

تیسرا حصہ

کتاب الجنائز

جنازہ سے متعلق سوالات

قریب مرگ سے متعلق احکام

قریب مرگ اور میت کو کس طرح لٹایا جائے؟

سوال:- {866} اکثر میت کو قبلہ کی طرف پیر رکھ کر لٹایا جاتا ہے، کیا یہ صورت درست ہے؟ (محمد عبدالحکیم، کلوا کرتی)

جواب:- جب انتقال کا وقت قریب ہو جائے تو اسے قبلہ رخ کر دینا چاہئے، جب حضرت براء بن معرور ﷺ کے انتقال کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ "قریب بہ مرگ ان کو قبلہ رخ کر دیا جائے، رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: "أصاب الفطرة "(۱) "اس نے فطرت (یعنی فطرت سلیمہ) کو پایا"۔

میت کو قبلہ رخ لٹانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ جیسے سوتے وقت داہنی کروٹ سونا مسنون ہے، اسی طرح داہنی کروٹ پر لٹا دیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چت سلا دیا جائے، پاؤں بھی قبلہ کی طرف ہو اور چہرہ بھی، چہرہ کے قبلہ رخ کرنے کے لئے سر کے نیچے کچھ رکھ دیا جائے، تاکہ سر اونچا ہو جائے اور چہرہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو، یہ صورت بھی درست ہے۔(۲) اس

---

(۱) البحر الرائق :۲/۱۷۰ ، رد المحتار :۳/۷۸۔
(۲) حلبی کبیر: ص:۵۷۶، فصل في الجنائز۔

صورت میں پاؤں قبلہ کی طرف ہوتا ہے، لیکن اصل میں پاؤں کو قبلہ کی طرف کرنا مقصود نہیں، بلکہ چہرہ کو قبلہ رخ کرنا مقصود ہے، (۱) اس لئے قبلہ کی بے احترامی نہیں، قبلہ کی طرف رخ کرنا ایک علامتی عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا اظہار ہوتا ہے، گویا مؤمن کو اپنی موت کے وقت پوری طرح اللہ ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، چہرہ سے بھی، دل سے بھی اور ذکر و استغفار کے ذریعہ زبان سے بھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

میت کا پاؤں قبلہ کی طرف کیوں؟

سوال:- {867} ایک مسلمان کی میت کے پیر قبلہ کی طرف کیوں رکھے جاتے ہیں؟ جب کہ قبلہ رخ ہو کر سونا منع ہے تھوکنا منع ہے، پیشاب کرنا بھی ممنوع ہے، بیت الخلاء کے لئے بیٹھنا بھی منع ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے وضاحت کریں، مہربانی ہوگی؟　　　(شیخ قبولہ، صابر نگر)

احترام قبلہ کے پیش نظر یہ تاکید ہے کہ قبلہ کی طرف پیر دراز نہ کیا جائے، بلکہ قبلہ کی جانب سر رکھ کر سویا کریں، مگر بعد از موت اکثر میت کو گھر میں اس طرح لٹایا جاتا ہے کہ پیر قبلہ کی طرف ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں روشنی ڈالیں؟

(وہاب بھارتی، شکر نگر)

جواب:- اصل مقصود پاؤں کو قبلہ رخ رکھنا نہیں ہے، بلکہ چہرہ کو قبلہ رخ رکھنا ہے، جب موت کا وقت قریب آجائے تو فقہاء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اس کو چت لٹا دیا جائے سر کے نیچے کوئی چیز رکھ دی جائے، تاکہ چہرہ قبلہ کی طرف ہو، نہ کہ آسمان کی طرف اس کی کئی مصلحتیں بیان کی گئی ہے، بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اس سے جان نکلنے میں بھی سہولت ہوتی

---

(۱) دیکھئے: مجمع الأنہر: ۱/۱۷۹۔

ہے، اس کے علاوہ آنکھیں بند کرنے اور ڈاڑھوں کو باندھ دینے میں بھی آسانی ہے۔(۱) نیز اگر چہرہ کو دائیں جانب موڑ دیا جائے، تو گردن سخت ہو جائے گی اور چہرہ مڑا ہوا رہے گا، جس سے بدہیئتی نمایاں ہوگی، اس لئے اس طرح چت لٹانے کی اجازت دی گئی ہے کہ چہرہ بھی قبلہ کی طرف رہے اور پاؤں بھی، جس طرح مریض لیٹ کر نماز ادا کیا کرتا ہے۔

میت کے قریب قرآن کریم کی تلاوت

سوال:- {868} کیا میت کے قریب قرآن مجید پڑھ سکتے ہیں، یا دوسرے کمرے میں پڑھنا بہتر ہے؟

(محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- میت کو جب تک غسل نہ دیا جائے اس وقت تک وہ ناپاک ہے، اس لئے فقہاء نے غسل سے پہلے میت کے قریب قرآن مجید پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، غسل دینے کے بعد پڑھ سکتے ہیں: " وتکرہ القراء ۃ عندہ حتی یغسل "(۲) —— شہید کا خون گو اس کے حق میں پاک ہے اور اسی لئے شہید کو غسل نہیں دیا جاتا، لیکن دوسروں کے حق میں ناپاک ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شہید کے قریب قرآن پڑھنے کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔

میت کو دیر تک رکھنا

سوال:- {869} آج کل اکثر و بیشتر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ لوگ قریبی رشتہ داروں کے انتظار میں صبح سے شام، یا شام سے صبح تک میت کو رکھتے ہیں، یہ عمل کس حد تک درست ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- انتقال کے بعد جلد سے جلد تدفین کی کوشش کرنی چاہئے، رشتہ داروں کے

---

(۱) الدر المختار مع رد: ۳/۷۸۔

(۲) کبیری: ص: ۵۳۳۔

انتظار میں دیر تک لاش کو روکے رکھنا بہتر نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ایسی تاخیر کو ناپسند فرمایا ہے، حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا، نماز میں جب وقت ہوجائے، یعنی وقت مستحب شروع ہوجائے، جنازہ جب آجائے، اور نکاح میں جب لڑکی کے لئے مناسب رشتہ آجائے''(۱)

حضرت طلحہ بن براء ؓ مرض وفات میں تھے، آپ ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا:

''لگتا ہے کہ طلحہ پر موت آنے ہی والی ہے، اگر ایسا ہے تو مجھے اس کی اطلاع دینا اور جلدی کرنا، کیونکہ کسی مسلمان کی لاش کے حق میں یہ بات مناسب نہیں کہ وہ دیر تک اپنے لوگوں کے درمیان پڑی رہے''(۲)

وفات کے بعد شوہر کا بیوی یا بیوی کا شوہر کو ہاتھ لگانا

سوال:- {870} شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا جسم کو ہاتھ لگانا، اسی طرح بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ (سید مرتضی حسین)

جواب:- شوہر کے انتقال کے بعد بھی جب تک کہ بیوی کی عدت وفات نہ گزر جائے، ایک حد تک وہ اس مرد کے نکاح ہی میں رہتی ہے، اسی لئے اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں،

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۰۷۵، سنن ابن ماجة: حدیث نمبر:۱۴۸۵۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۱۵۹۔

لیکن بیوی کے انتقال کے ساتھ ہی شوہر کا نکاح کا تعلق اس سے بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک عورت کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح جائز نہیں، لیکن جوں ہی بیوی کا انتقال ہو، اس کی بہن سے نکاح حلال اور جائز ہے، اسی لئے بیوی کے لئے تو وفات کے بعد شوہر کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا جائز ہے، بلکہ یہ بھی گنجائش ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو شوہر کو غسل دے دے، لیکن شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔(۱) اب چونکہ وہ عورت اس کے حق میں اجنبی عورت ہے، اس لئے شوہر اس کے جسم کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا، البتہ اگر شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

"یمنع زوجها من غسلها و مسها لا من النظر إليها على الأصح" (۲)

غیر مسلم کی موت پر کیا پڑھے؟

سوال:- {871} اگر کوئی مسلمان مرد، عورت یا بچہ مرجائے تو اس پر" إنا لله و إنا إليه راجعون " پڑھا جاتا ہے، لیکن اگر کافر کی موت ہوجائے تو کیا کہنا چاہئے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- قرآن وحدیث یا فقہ کی کتابوں میں میرے علم کے مطابق ایسی کوئی صراحت موجود نہیں ہے کہ کافر کی موت پر کیا کہا جائے، عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ کافر کی موت پر" في نار جهنم " کہنا چاہئے، اس کی کوئی اصل نہیں مل پائی، غیر مسلموں کے لئے ممانعت استغفار کی ہے، اور" إنا لله و إنا إليه راجعون "کے الفاظ میں دعاء واستغفار کا پہلو نہیں ہے، بلکہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں، اور اللہ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے، البتہ قرآن کے بیان کے مطابق یہ کلمہ مصیبت وبلاء کے موقع پر کہنے کا ہے، اس پہلو سے کافر کی

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۶۰۔
(۲) الدر المختار مع رد المحتار :۳/۹۰۔

موت پر اس کے پڑھنے میں تامل ہوتا ہے، لہذا بہتر ہے کہ اس موقع پر خاموشی اختیار کی جائے، اور اپنی آخرت کو یاد کیا جائے، اور بس۔ واللہ اعلم۔

میت پر نہ آنے کی وصیت

سوال:- {872} ایک شخص نے انتقال سے قبل وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری میت پر نہیں آنا، کیا اس کی میت میں جانا چاہئے؟ (محمد اقبال الدین جاوید، بھیسہ)

جواب:- میری میت پر نہ آنے کی ہدایت غصہ وغضب کے قبیل سے ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اور اس کے جنازہ میں شریک ہونا چاہئے، بلکہ خاص طور پر اس کے لئے دعاء کرنی چاہئے، تاکہ اس کی زندگی میں اس شخص سے کوئی تکلیف پہونچی ہو تو ممکن ہے اس کی وفات کے بعد کا یہ عمل اس کی کچھ تلافی کردے۔ (۱)

میت کے ڈولے سے پھول کا سہرا باندھنا

سوال:- {873} ایک غیر شادی شدہ کا انتقال ہوگیا، ڈولے کے ایک کونہ پر پھولوں کا سہرا باندھا گیا، کیا یہ عمل درست ہے؟ (رشید احمد خان، بھیسہ)

جواب:- یہ عمل درست نہیں، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مُردوں کے احکام میں کوئی فرق نہیں، اور نہ مردہ کے کفن یا ڈولے سے پھول باندھنے کا کوئی ثبوت ہے، اب یہ مرجھا جانے والے پھول اس کے کچھ کام نہ آئیں گے، درست عقیدہ اور نیک اعمال کے پھول ہی اسے نفع پہونچا سکیں گے، جو اس کے نامۂ اعمال میں محفوظ کئے جاچکے ہیں۔ (۲)

---

(۱) فیض القدیر: ۱/۳۵۶۔ ط: مکتبة التجارية۔ مكة المكرمة۔

(۲) النحل: ۹۷۔

میت کو تاریک کمرہ میں نہیں چھوڑا جاتا؟

سوال:- {874} ہم نے اکثر دیکھا کہ جب کسی کی موت واقع ہو جاتی ہے، تو میت کو رات کی تاریکی میں گھر میں اکیلا نہیں چھوڑتے، اس کا کیا مقصد ہے؟

(شیخ احمد، درگاہ روڈ، گلبرگہ)

جواب:- اس سلسلہ میں کوئی خاص حکم شرعی نہیں، نعش کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔

عورتوں کے لئے غیر محرم میت کا دیدار

سوال:- {875} کیا استاذ کے انتقال پر طالبات عقیدت مند خواتین اور مرحوم کے گھر کی خادمائیں ان کا آخری دیدار کر سکتے ہیں؟　　(قاری، ایم، ایس، خان)

جواب:- اگر شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اصول یہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے جس حصہ جسم کو دیکھ سکتا ہے، یعنی ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو چھوڑ کر بقیہ حصہ بدن عورت بھی دیکھ سکتی ہے اور اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حبشیوں کا کھیل دکھانا ہے، (۱) میت کا عام طور پر چہرہ ہی دکھایا جاتا ہے، اور عامۃً اس موقع پر فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا، لہٰذا استاذ کے بعد از مرگ دیدار کی گنجائش ہے:

"و تنظر المرأة من الرجل كنظر الرجل للرجل إن أمنت شهوتها" (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۰۶۶، کتاب صلاة العیدین۔ محشی

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد:۹/۵۳۳۔

میت کا دیدار

سوال:- {876} نماز جنازہ پڑھانے کے بعد میت کا دیدار درست نہیں ہے؟ ایک میت میں ایک صاحب اعتراض کر رہے تھے کہ نمازِ جنازہ کے بعد میت کا دیدار نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ میت پر نماز کے بعد عالم برزخ کے احوال شروع ہو جاتے ہیں، اور میت کو غسل دینے کے بعد بھی دیدار کرنا درست ہے یا نہیں؟ (جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- موت کے بعد انسان کو دیکھنے کے وہی آداب ہیں جو زندہ کو دیکھنے کے ہیں، غسل کے بعد بھی اور نمازِ جنازہ کے بعد بھی، مرد مرد کا چہرہ، عورت عورت کا چہرہ، عورت مرد کا چہرہ اور مرد محرم عورت کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں، غیر محرم عورت کو جیسے زندگی میں دیکھنا جائز نہیں، موت کے بعد بھی دیکھنا جائز نہیں، البتہ اگر چہرہ میں کوئی تغیر ہو گیا ہو، تو اس کو بیان نہ کرنا چاہئے، بلکہ بہتر ہے کہ ایسی صورت میں چہرہ دکھانے سے بھی گریز کیا جائے۔

جہاں تک عالم برزخ شروع ہونے کی بات ہے تو موت کے بعد ہی انسان عالم برزخ میں پہونچ جاتا ہے، اس سے چہرہ کے دیکھنے اور دکھانے کا کوئی تعلق نہیں۔

حاملہ کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو؟

سوال:- {877} حاملہ عورت کے انتقال پر پتہ چلے کہ بچہ پیٹ میں زندہ ہے، تو کیا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکالنے کی اجازت ہے؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- مردہ کا احترام واجب ہے، اور زندہ کی حفاظت اس سے زیادہ اہم ہے، اس لئے اس صورت میں مردہ عورت کے پیٹ سے آپریشن کے ذریعہ بچہ نکال لیا جائے گا:

" امرأة حامل ماتت واضطرب في بطنها شئ وكان رأيهم أنه ولد حي شق بطنها " (۱)

میت کے قرض کی ادائیگی

سوال:- {878} میت کے ورثاء کو کتنی مدت میں میت کا قرض ادا کردینا چاہئے؟ (ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- اس کے لئے مدت مقرر نہیں، اگر کسی خاص تاریخ کے وعدہ پر مرحوم نے قرض لیا تھا، تو اس تاریخ تک قرض ادا کردینے کی کوشش کرنی چاہئے، اس سے پہلے ادا کردے تو زیادہ بہتر ہے، اگر اس تاریخ تک ادا نہ کرپائے تب بھی جتنا جلد ممکن ہو ادا کرے، تاخیر کی صورت میں باز پرس کا اندیشہ ہے۔ (۲)

میت کے ذمہ باقی روزے

سوال:- {879} میت کے ذمہ فرض روزے باقی ہوں، تو کیا ورثاء میت کی طرف سے روزے رکھ سکتے ہیں؟
(ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- اگر میت کا روزہ بیماری یا سفر کی وجہ سے چھوٹ گیا ہو تو ایسے شخص پر اس کی قضاء یا فدیہ واجب نہیں، بشرطیکہ سفر و مرض کے بعد اتنی مہلت نہ مل پائی ہو کہ وہ اس کی قضاء کرتا:

" ولو فات صوم رمضان بعد المرض أو السفر واستدام المرض والسفر حتى مات لا قضاء

---

(۱) فتح القدير :۲/۱۰۲۔
(۲) رد المحتار :۱۰/۴۹۷، ط: زکریا، دیوبند۔ محشی۔

علیه ألخ." (۱)

لہذا ایسی صورت میں میت کی طرف سے کچھ واجب نہیں۔

اگر غفلت کی وجہ سے روزے فوت ہوگئے یا روزوں کو ادا کرنے کی مہلت ملنے کے باوجود روزہ ادا نہیں کر پایا، یہاں تک کہ انتقال ہوگیا تو اب اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے ایک صدقۃ الفطر کے بقدر پیسے یا مال صدقہ کر دینا چاہئے، ورثہ کا ان کی طرف سے روزہ رکھنا کافی نہیں، کیونکہ خالص بدنی عبادتوں میں ایک شخص دوسرے شخص کی نیابت نہیں کر سکتا، یہی حنفیہ اور اکثر فقہاء کا مسلک ہے۔ (۲)

میت کے سینہ پر قرآن مجید

سوال:- {880} یکم اپریل کے اخبار میں شہداء فلسطین کے بازو میں اور نعشوں کے سینوں پر قرآن مجید رکھے ہوئے ہیں، تو کیا میت پر قرآن مجید رکھ سکتے ہیں؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- قرآن مجید کے احترام کے پیش نظر قرآن مجید کا میت کے اوپر رکھنا مناسب نہیں، فقہاء نے اس سے منع کیا ہے:

" ولا يوضع على بطنه المصحف إكرامًا للمصحف " (۳)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۲۰۷۔

(۲) رد المحتار :۳/۱۵۱، مکتبہ زکریا دیوبند۔ محشی۔

(۳) حلبی کبیر :ص:۵۷۷، فصل في الجنائز ۔از محشی ۔

میت کا غسل اور کفن

مردہ کو غسل دینے کا طریقہ

سوال:- {881} میت کے غسل کا کیا طریقہ ہے، وضاحت کے ساتھ بتائیں؟ (شیخ علیم، بودھن)

جواب:- میت کو غسل دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ایک تخت پر لٹایا جائے، اور اس کے حصہ ستر پر ایک کپڑا ڈال کر جسم کے باقی کپڑے نکال دیے جائیں، پھر اولاً اس کو کلی اور ناک میں پانی ڈالے بغیر وضو کرایا جائے، اس کے بعد پورے جسم پر پانی بہادیا جائے، پانی یا تو بیر کے پتہ میں پکا کر گرم کیا ہوا ہو، یا صفائی کی کوئی اور چیز استعمال کی جائے، نیز سر اور داڑھی کو خاص طور سے صابون سے دھویا جائے، پھر اسے بائیں کروٹ لٹا کر اس طرح پانی ڈالا جائے کہ دوسری جانب نچلے حصے تک پانی اچھی طرح پہنچ جائے پھر دائیں کروٹ لٹا کر پانی بہادیا جائے، یہاں تک کہ نچلے حصے یعنی بائیں جانب پانی پہنچ جائے، اس کے بعد مردے کو سہارا دے کر بٹھایا جائے، اور پیٹ کو آہستہ آہستہ ہاتھ سے دبایا جائے، اگر کچھ غلاظت باہر نکلے تو اس نجاست کو دھو دینا کافی ہے، دوبارہ غسل اور وضو کی ضرورت نہیں، اخیر میں جسم کو تولیہ سے پونچھ دیا جائے، اور

کفن پہنا دیا جائے، سر اور داڑھی میں خوشبو لگا دی جائے، اور اعضاء سجدہ پر کافور مل دیا جائے، سر اور داڑھی میں کنگھا کرنے کی ضرورت نہیں، نیز ناخن اور بال بھی کاٹے نہ جائیں۔(۱)

اس بات کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ مُردوں کو مرد محرم رشتہ دار اور عورتوں کو عورت محرم رشتہ دار یعنی بیٹیوں، بہنوں وغیرہ کو غسل دینا چاہئے، یہ احتیاط ملحوظ رکھنا چاہئے، کیونکہ غسل کے وقت خواہ جس قدر بھی احتیاط کی جائے، بہر حال بے پردگی کا اندیشہ ہے۔

شوہر کا بیوی کو غسل دینا

سوال:- {882} شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا، جب کہ حضرت علی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا، نیز حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم میرے سامنے فوت ہو جاؤ تو میں تمہیں غسل دوں گا، تو اب سوال یہ ہے کہ جسم کو ہاتھ لگائے بغیر غسل دینا کس طرح ممکن ہوگا؟ (محمد نصیر عالم سبیلی، دربھنگہ)

جواب:- مسئلہ یہی ہے کہ شوہر بیوی کو غسل نہیں دے گا، اس لئے کہ موت کی وجہ سے شوہر کا تعلق بیوی سے بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے، اور بیوی اجنبی عورت کے حکم میں ہو جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ "مردوں کے درمیان ایک عورت وفات پا گئی، اس کے متعلق آپ ﷺ سے پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تیمم بالصعید "(۲) یعنی مٹی سے تیمم کرایا جائے، آپ نے یہ استفسار نہیں فرمایا کہ اس کا شوہر بھی ہے یا نہیں۔

رہا حضور ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ فرمانا کہ "اگر تو میری موجودگی میں

---

(۱) الهداية:۲/۱۳۸-۱۴۰۔

(۲) مسند أحمد:۲۶۲/۴۔

دنیا سے رخصت ہوگئی تو میں غسل دوں گا" تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں بذات خود غسل دوں گا، بلکہ غسل کے اسباب فراہم کرونگا۔ (۱) اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا منشاء بذات خود غسل دینے کا تھا، تو اسے آپ ﷺ کی خصوصیت سمجھی جائے، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"کل سبب و نسب ينقطع بالموت إلا سببي و نسبي" (۲)

"ہر سبب و نسب موت کی وجہ سے ختم ہوجاتے ہیں، سوائے میرے سبب و نسب کے"

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا رشتہ موت کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا، اسی لئے نبی کی وفات کے بعد بھی اس کی بیویاں حرام ہوتی ہیں۔ (۳) لہذا اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کے سامنے دنیا سے رخصت ہوجاتیں تو بدستور بیوی ہی رہتیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال درست نہیں، اس لئے کہ جب حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر غسل کی بابت اعتراض کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أما علمت أن رسول الله ﷺ قال: إن فاطمة رضي الله تعالیٰ عنها زوجتك في الدنيا و الآخرة" (۴)

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ تیری

---

(۱) بدائع الصنائع: ۳۵/۲۔
(۲) مسند أحمد: ۲۲۲/۴۔
(۳) الاحزاب: ۵۲۔
(۴) بدائع الصنائع: ۳۶/۲، رد المحتار: ۶۳۳/۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

بیوی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی‘‘

تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح موت کی وجہ سے ختم نہیں ہوا، وہ بدستور بیوی رہیں؛ اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ حضرت علی ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز اگر شوہر کا بیوی کو غسل دینا جائز ہوتا، تو عبداللہ ابن مسعود ﷺ اعتراض نہ کرتے اور حضرت علی ﷺ کو یہ جواب دینا نہ پڑتا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ شوہر کا بیوی کو غسل نہ دینے کی بات صحابۂ کرام ﷺ میں عام تھی۔

میت کے غسل کا پانی

سوال:- {883} مردہ کو غسل دیتے وقت تختہ کے نیچے گڑھا کیا جاتا ہے کہ غسل کا پانی بہہ نہ جائے، اگر یہ پانی موری میں یا جھاڑ میں بہادیا جائے تو کیا یہ درست ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- موت ناپاکی کا سبب ہے، اور اصل میں تو اس ناپاکی کا ازالہ ممکن نہیں، اسی لئے جو جانور شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو، بلکہ مردار ہو وہ پاک نہیں ہوسکتا، انسانی کرامت کے پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف اس کے لئے یہ خصوصیت برتی گئی ہے کہ میت کو غسل دیا جائے تو شرعاً اسے پاک تصور کیا جاتا ہے، (۱) پس میت کا غسل، غسل طہارت ہے، جیسا کہ غسل جنابت، جیسے غسل جنابت کے پانی بہانے کی کوئی جگہ متعین نہیں، وہی حکم میت کے غسل دینے کا بھی ہے، اس لئے غسل میت کا پانی جھاڑ یا موری میں بہادینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ مردہ کا یہ پہلا دھوون ناپاک ہے، اس لیے کپڑے وغیرہ کو اس سے بچایا جائے۔

---

(۱)　الدر المختار مع رد:۱۰۲/۳، کتاب الجنائز ۔

غسل کون دے؟

سوال:- {884} باپ یا لڑکا یا زنانہ میت ہو جائے تو غسل کون دے گا؟ اگر کوئی شخص لا ولد ہو تو کیا اس کو امام مسجد یا عالم غسل دیں گے، کوئی اور بھی دے سکتا ہے؟ اگر کوئی وصیت کر جائے کہ مجھ کو فلاں صاحب غسل دیں تو کیا اس وصیت کو بجالانا ضروری ہے، کیا پیر یا امام مسجد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مرنے والے کے گھر کھانا پکوا کر بھیجے، غسالوں کو اجرت دیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ (سید مظفر حسین، مشیر آباد)

جواب:- غسل میت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ مَردوں کو مرد ہی غسل دیں، اور عورتوں کو عورتیں، اگر مرد کا انتقال ہو گیا اور غسل دینے والا کوئی مرد موجود نہیں، تو عورت تیمم کرائے، اگر عورت کے ساتھ یہ صورت پیش آئے تو مرد تیمم کرائے، پھر تیمم کرانے والا مرد یا عورت محرم ہو، تو براہِ راست اپنا ہاتھ ستعمال کرے، اور اگر غیر محرم ہو، تو ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر تیمم کرائے۔(۱)

لیکن یہ حکم اسی وقت ہے جب وہ شہوت کی عمر کو پہنچ کر مرے ہوں، چھوٹے بچوں اور بچیوں کو مرد بھی غسل دے سکتے ہیں، اور عورتیں بھی:

"ثم في الصغير والصغيرة إذا لم يبلغا حد الشهوة يغسلهما الرجال والنساء" (۲)

---

(۱) "ويغسل الرجال الرجال، والنساء النساء، ولا يغسل أحدهما الآخر ... إذا كان للمرأة محرم تيممها باليد، وأما الأجنبي فبخرقة على يديه" (الفتاوى الهندية:۱/۱۶۰)

(۲) خلاصة الفتاوى:۱/۲۲، نیز دیکھئے:الفتاوى الهندية:۱/۱۶۰۔

اجنبی مردوں اور عورتوں کو دوسرے اجنبی مرد اور عورتیں غسل دے سکتی ہیں، لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ پرہیزگار و صالحین سے غسل دلایا جائے:

" والأولى في الغاسل أن يكون أقرب الناس إلى الميت، فإن لم يحسن الغسل فأهل الأمانة والورع " (۱)

مرشد وغیرہ بھی چونکہ اسی زمرہ میں ہیں، اس لئے غسل میں ان کی شرکت بہتر ہے۔

مرنے والے کے گھر کھانا پکا کر بھیجنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے، پیر و مرشد بھی بھیج سکتے ہیں اور دوسرے رشتہ دار بھی، رسول اللہ ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ (۲)

غسال کو اجرت دی جائے تو درست ہے، شرعاً اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اجرت کے صحیح ہونے میں مانع ہو۔ (۳)

غسل میت کے چند مسائل

سوال:- {885} کوئی مسلمان کسی اتفاقی حادثہ کے نتیجہ میں زخمی ہوکر مر جائے، مثلاً ٹرین وغیرہ کے حادثہ کا شکار ہو جائے، تو کیا اس کو غسل دیا جائے گا؟ کوئی شخص زندہ جل جائے اور اس کے جسم کا ۱/۲ یا ۳/۲ حصہ کھال جل کر علیحدہ

(۱) کبیری: ص:۵۳۷۔

(۲) " اصنعوا لآل جعفر طعاما، فإنه قد أتاهم أمر شغلهم "(سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۱۳۲، الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۹۹۸، " قال أبو عيسى : هذا حديث حسن صحيح ، سنن ابن ماجه، حدیث نمبر:۱۶۱۰، باب ما جاء فی الطعام يبعث إلى أهل الميت، و حاكم، حدیث نمبر:۱۳۷۷)

(۳) " والأصل أن يغسل الميت مجانا وإن ابتغى الغاسل الأجر ، فإن كان هناك غيره يجوز أخذ الأجر وإلا لم يجز ها " (الفتاوى الهندية:۱/۱۵۹-۱۶۰۔)

ہوجائے اور جلنے کی وجہ سے کھال میں تعفن پیدا ہوجائے اور
لاش کو پوسٹ مارٹم سے پہلے غسل دے دیا گیا ہو، ان تمام
صورتوں میں غسل میت کا کیا حکم ہے؟ آیا غسل دینا چاہئے یا
صرف مسح کرنا چاہئے؟ (عبدالکریم، قبا کالونی)

جواب: - میت کے غسل دینے کے متعلق اصولی طور سے چند باتیں سمجھ لینی چاہئے۔

۱...... غسل اسی وقت دیا جائے گا جب کہ لاش کا اکثر حصہ مل جائے، یا لاش کا نصف حصہ ہی بشمول سر کے مل جائے، اگر لاش کا اس قدر حصہ نہ مل پائے تو غسل نہیں دیا جائے گا:

"ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس يغسل و يكفن ويصلى عليه"(۱)

۲...... اگر مردہ کو اس طرح غسل دینا ممکن نہ ہو کہ جسم کو ملا جائے تو صرف پانی بہانے پر اکتفا کیا جائے گا۔(۲)

۳...... اگر جسم کا اکثر حصہ بشمول سر کے مل جائے لیکن طول میں یہاں سے وہاں تک لاش چاک ہو تو اس صورت میں بھی غسل نہیں دیا جائے گا، بلکہ نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی۔

"وإن وجد نصفه من غير الرأس أو وجد نصفه مشقوقا طولا ، فإنه لا يغسل ولا يصلى عليه" (۳)

۴...... اگر کسی وجہ سے غسل دینا ممکن نہ ہو، پانی میسر نہ ہو، یا جسم بہت پھول کر پھٹ گیا ہو، یا ایڈز کا مریض ہو اور غسل دینے کی وجہ سے جراثیم پھیل سکتے ہوں، تو مردہ کو تیمم کرایا جائے گا۔

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۱۵۹، ط:بیروت۔

(۲) "ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه "(الفتاوى الهندية:۱/۱۵۸)

(۳) الفتاوى الهندية:۱/۱۵۹۔

۵...... ایک دفعہ غسل دیدینے کے بعد اگر مُردہ کے جسم سے کوئی نجاست وغیرہ نکلے تو اس کی وجہ سے دوبارہ غسل واجب نہیں ہوگا، بلکہ صرف اس حصہ کو کپڑے سے صاف کردیا جائے گا۔(۱) لہذا :

۱...... مسئولہ صورت میں اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اگر پانی بہایا جاسکے تو صرف پانی بہادیا جائے گا، اور وہ بھی ممکن نہ ہو تو تیمم کرایا جائے گا، اور اگر ایکسیڈنٹ وغیرہ کی وجہ سے لاش کا اکثر حصہ ضائع ہوجائے، یا کچل کر بالکل پھوٹ پھٹ جائے، تو یونہی کپڑے میں لپیٹ کر دفنا دے، نہ غسل دیا جائے گا، نہ نماز پڑھی جائے گی۔

۲...... پوسٹ مارٹم سے پہلے غسل دیا جاچکا ہو تو بعد میں غسل کی ضرورت نہیں، پوسٹ مارٹم کی وجہ سے اوپر جو کچھ آلائش لگ گئی ہو تو اسے صاف کردیا جائے گا۔

چار دن زندہ رہ کر بچہ انتقال کر جائے اس کو غسل دینا

سوال:- {886} اگر چار دن کے بعد بچہ کا انتقال ہوجائے تو کیا اسے غسل دینے کی ضرورت ہے؟

(محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- جو بچہ مُردہ پیدا نہ ہوا ہو، بلکہ پیدائش کے وقت اس میں زندگی ہو اس کو غسل بھی دیا جائے گا، اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الطفل لا يصلى عليه ... حتى يستهل" (۲)

---

(۱) "ولا يعاد غسله ولا وضوئه بالخارج منه : لأن غسله ما وجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل لتنجسه بالموت" (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الجنائز:۱/۵۷۵۔)

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۰۳۲۔

"جو بچہ پیدائش کے وقت روئے تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھی
جائے گی"

رونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں زندگی موجود رہی ہو، چونکہ عام طور پر پیدائش کے وقت بچے روتے ہیں، اور یہی رونا ان کی زندگی کی علامت ہے، اس لئے آپ ﷺ نے خاص طور پر رونے کا ذکر فرمایا اور ظاہر ہے کہ نماز ایسے ہی مردہ پر پڑھی جائے گی، جسے غسل دیا گیا ہو، بلکہ اگر بچہ مُردہ پیدا ہوا ہو تب بھی گو اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، لیکن غسل اسے بھی دیا جائے گا، مشہور فقیہ علامہ ابراہیم حلبیؒ فرماتے ہیں:

"من علم بحياته عند ولادته باستهلال أو حركة غسل وصلى عليه وكذا الولد خرج أكثره حيا وإلا غسل ولم يصل عليه" (۱)

"جس بچہ کی ولادت کے وقت رونے یا حرکت کرنے کی وجہ سے اس کے زندہ ہونے کا علم ہو جائے، تو اسے غسل دیا جائے گا، اور اس پر نماز پڑھی جائے گی، اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب بچہ کا اکثر حصہ زندگی کی حالت میں ماں کے پیٹ سے باہر آیا ہو"۔

غسل کے پانی پر دعاء پڑھنا

سوال:- {887} مردہ کو غسل دینے کے لئے پانی پر جو دعاء پڑھی جاتی ہے، اس پانی کو کس طرح بہائیں؟ کیا یہ دعاء بالغ مردوں، عورتوں اور نابالغوں کے لئے الگ الگ ہے؟

(اسرار احمد و فاطمہ، بودھن)

(۱) کبیری: ص:۵۴۷۔

جواب:- مردوں کو غسل دینے کے لئے پانی پر پڑھنے کی کوئی دعاء منقول نہیں، عام پانی ہی سے غسل دینا ہے، اس لئے نہ اس کی کوئی دعاء منقول ہے اور نہ اس پر دعاء پڑھنا درست ہے، اگر کسی پانی پر دعاء پڑھ دی گئی تو ایسا نہیں کہ دعاء اس پانی کے اندر حلول کر جائے، بلکہ اس پانی کا حکم دوسرے پانی ہی کی طرح ہے۔

کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا

سوال:- (888) میرے گاؤں کے قریب مجھ کو دو تین مرتبہ میت میں جانے کا موقع ملا ہے، میں نے وہاں دیکھا کہ امام صاحب کفن پر ایک طرف اللہ اور دوسری طرف محمد لکھتے ہیں، نیز اسی کفن پر عطر سے محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھ کر اس پر عبیر ڈال دیتے ہیں، کیا اس طرح کفن پر لکھنا حدیث سے ثابت ہے؟ (شیخ میران، بلال فارم)

جواب:- کفن پر اللہ، یا کلمہ طیبہ لکھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور فقہاء نے بھی اس کو منع کیا ہے، نیز اس میں کلمہ طیبہ کی بے حرمتی ہوتی ہے، اگر کوئی زندہ شخص اپنے کپڑا پر اللہ، محمد کا نام لکھ لے تو آپ یقیناً اسے بے ادبی سمجھیں گے، کفن بھی مُردہ کا لباس ہے، اور پھولنے، پھٹ جانے کے بعد کفن ناپاک چیزوں سے بھی آلودہ ہو جائے گا، اس لئے اس پر کلمۂ طیبہ وغیرہ لکھنا زیادہ بے ادبی اور زیادہ بے احترامی ہے۔(۱)

عورتوں کا کفن

سوال:- (889) عورتوں کو کتنے کپڑے میں کفن دیا

(۱) رد المحتار :۱/۶۶۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔ محشی۔

جائے؟اور کس ترتیب سے کفن کے کپڑے پہنائے جائیں؟

(محمد رہبر عالم، بیدر)

جواب:- عورتوں کو کم سے کم تین کپڑوں میں کفن دینا چاہئے ،اور کفن سنت یہ ہے کہ پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے ،حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ جن خواتین نے آپ ﷺ کی صاجزادی کو غسل دیا، آپ ﷺ نے انہیں پانچ کپڑے سپرد کئے، اس میں ایک چادر، دوسرے ازار، (تہبند) تیسرے اوڑھنی، چوتھے لفافہ جو پورے جسم کو لپیٹ لے اور پانچویں سینہ پر باندھے جانے والا کپڑے کا ٹکڑا تھا۔(۱)

کفن میں ترتیب یہ ہے کہ اولا سینہ پر کپڑا باندھ دیا جائے ، پھر چادر اوڑھائی جائے ، بال کے دو حصے کر کے سینے پر ڈال دیا جائے ،اب اوڑھنی والا کپڑا اوڑھایا جائے ،اس کے بعد ازار، اور آخر میں لفافہ، یہ سب سے پہلے بچھایا جائے گا،اور کفن کے تمام کپڑوں کے اوپر آخر میں لپیٹا جائے گا ، (۲) مناسب ہے کہ جو خواتین عملاً کفن پہنانے کا تجربہ رکھتی ہوں، ان سے کفن پہنانے کی ترتیب دریافت کر لی جائے۔

رنگین کفن

سوال:- {890} کیا مُردوں کو رنگین کفن دیا جاسکتا ہے؟اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

---

(۱) البحر الرائق :۲/۳۰۹۔

(۲) فتح القدیر :۱/۹۷، نیز دیکھئے:الدر المختار مع رد المحتار :۳/۹۸۔

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کپڑا سفید کپڑا ہے، تو جو لوگ زندہ ہیں، وہ سفید کپڑے کو اپنا لباس بنائیں اور مُردوں کو ایسے ہی کپڑوں میں کفن دیا جائے ،(۱) اس لئے سفید کپڑوں میں کفن دینا افضل ہے''

"فالأفضل أن يكون التكفين بالثياب البيض"(۲)

ویسے دوسرے رنگ کے کپڑوں میں کفن دیا جاسکتا ہے ،فقہاء نے اس سلسلہ میں جو اصول لکھا ہے وہ یہ ہے کہ زندگی میں جس کپڑے کو پہننا جائز ہے، موت کے بعد اس میں کفن دینا بھی جائز ہے، مَردوں کے لئے چونکہ ریشمی اور زعفرانی کپڑا حرام ہے، اس لئے اس میں کفن دینا بھی جائز نہیں، عورتوں کے لئے چونکہ زندگی میں ایسے کپڑوں کو پہننا درست ہے، اس لئے ان کو ایسے کپڑوں میں بھی کفن دیا جاسکتا ہے۔

" والحاصل أن ما يجوز لكل جنس أن يلبسه في حياته يجوز أن يكفن فيه بعد موته " (۳)

کنواری لڑکی کو سرخ کفن

سوال:- {891} بعض مقامات پر بالغ غیر شادی شدہ کنواری لڑکی کو سرخ کفن پہنایا جاتا ہے ، کیا یہ شرعاً درست ہے؟ (اے، این، محبوب نگر)

جواب:- کپڑوں کے بارے میں جو حکم زندگی کا ہے، وہی حکم موت کے بعد بھی ہے، ریشم مَردوں پر زندگی میں بھی حرام ہے، اور موت کے بعد بھی، عورتوں کے لئے ریشمی کپڑا زندگی

---

(۱) مستدرک حاکم، حدیث نمبر:۱۳۰۹۔ محشی۔

(۲) بدائع الصنائع :۲/۳۹۔

(۳) حوالہ سابق۔

میں بھی جائز ہے اور اس کے کفن بھی، اسی طرح زعفرانی شوخ رنگ کے کپڑے مَردوں کے لئے زندگی میں بھی مکروہ ہیں، اور ان کا کفن بھی، البتہ عورتوں کے لئے ان کا کفن جائز ہے:

"وفي حق النساء بالحرير والابريسم و المعصفر والمزعفر، ويكره للرجال ذالك" (۱)

البتہ سفید کفن پسندیدہ ہے، اس لئے مرد ہو، یا عورت، شادی شدہ ہو، یا غیر شادی شدہ، بالغہ ہو، یا نابالغہ، ہر ایک کے لئے سفید کفن بہتر ہے، اور عورت خواہ کوئی بھی ہو، سرخ کفن بھی جائز ہے، اس میں بالغ و نابالغ اور شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی فرق نہیں۔

کفن کو آب زمزم میں دھونا

سوال:- {892} حج کے لیے جاتے وقت لوگ کفن کا کپڑا ساتھ لے جاتے ہیں، تاکہ آب زمزم میں تر کر کے لائیں، بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ زمزم کے پانی میں کفن تر کر لینے سے مغفرت کی امید ہوتی ہے، اس سلسلہ میں حکمِ شرعی پر روشنی ڈالیں؟ (حافظ غلام احمد مصطفیٰ، بیدر)

جواب:- موت کے بعد انسان کی مغفرت اصل میں تو زندگی کے عمل سے متعلق ہے، اور ویسے دعاء اور ایصالِ ثواب کے ذریعہ بھی اسے نفع پہونچ سکتا ہے، کفن کو زمزم سے تر کر دینے کی وجہ سے انسان کی مغفرت ہو جائے یہ بات نہ قرآن و حدیث میں آئی ہے، اور نہ سلف صالحین سے اس طرح کی بات منقول ہے، ہاں تبرکاً کفن میں ایسے کپڑے کا استعمال درست ہے، جس سے کوئی مقدس نسبت متعلق ہو، یہ بات ثابت ہے کہ ایک صحابی ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے عباء کی درخواست کی، اور جب لوگوں نے ان کے اس عمل پر ناگواری ظاہر کی تو انہوں نے

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۶۱۔

یہی کہا کہ میں نے اسے اپنے کفن کے لئے حاصل کیا ہے، (۱) اسی طرح آپ ﷺ نے رأس المنافقین عبداللہ بن اُبی کو ان کے صاحبزادہ کی خواہش پر کفن کے لئے اپنا کرتہ عطا فرمایا۔ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ اگر تبرکاً کفن کے کپڑے کو زمزم سے دھولیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، البتہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کفن ملنے کے باوجود عبداللہ بن ابی کی مغفرت نہیں ہوسکی، حالانکہ اس کپڑے سے زیادہ مبارک و مسعود کپڑا اور کون سا ہوسکتا ہے؟ جو رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس پر رہا ہو۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۲۷۷، باب من استعد الکفن في زمن النبی ﷺ فلم ینکر علیه، نیز دیکھئے: حدیث نمبر: ۵۸۱۰، ۲۰۳۶۔ مرتب۔

(۲) سنن نسائي، حدیث نمبر: ۱۹۰۲، ۱۹۰۱۔ القمیص في الکفن۔ محشی۔

نمازِ جنازہ

نمازِ جنازہ کی دعاء

سوال:- {893} نمازِ جنازہ میں مرحوم مرد ہو کہ خاتون، لڑکا ہو کہ لڑکی، ان کے لیے جو دعائیں مخصوص ہیں، وہی پڑھنی چاہیے یا کوئی اور دعاء بھی کہی جاسکتی ہے؟

(نادر المسددی، مغل پورہ)

جواب:- جنازہ پر پڑھی جانے والی دعاء رسول اللہ ﷺ سے مختلف الفاظ میں نقل کی گئی ہے، ابو ابراہیم اشہلیؒ اپنے والد سے رسول اللہ ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں:

''آپ ﷺ نے ایک جنازہ پر یہ دعاء پڑھی:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا"

حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت میں مذکورہ دعاء کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے:

"اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ ، و

مَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْإِيْمَانِ"(۱)

اسی طرح ایک صحابی رسول حضرت عوف بن مالک ؓ ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جنازہ کی ایک دوسری دعاء بھی نقل کی ہے، الفاظ یوں ہے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَ ارْحَمْهُ وَ اغْسِلْهُ بِالْبَرْدِ كَمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ"(۲)

ان دونوں روایتوں کے بارے میں امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حسن اور صحیح کے درجہ کی ہیں: "هذا حديث حسن صحيح "(۳) اسی لیے اہل علم کی رائے ہے کہ جنازہ کے لیے کوئی خاص دعاء متعین نہیں ہے، بلکہ کوئی بھی دعاء پڑھی جاسکتی ہے، جس میں میت اور سارے مسلمانوں کی مغفرت کے لیے دعاء کی جائے:

"ثم يكبر أخرى ، و يدعو للميت و لجميع المسلمين ، وليس فيها دعاء موقت " (۴)

غرض کہ جنازہ کے لیے کوئی خاص دعاء متعین نہیں ہے، کوئی بھی دعاء جس میں میت اور سارے مسلمانوں کے لیے استغفار ہو، پڑھی جاسکتی ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ آپ ﷺ سے ثابت شدہ دعاؤں کو پڑھا جائے کہ وہ باعثِ سعادت و برکت ہیں۔

مرد و عورت کے مشترک جنازہ پر دعاء

سوال:- {894} عورت اور مرد کے جنازے کی نماز ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں؟ جب کہ دونوں کے لئے علاحدہ

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۰۲۴۔
(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۰۲۵۔
(۳) حوالہ سابق
(۴) الفتاوی الهندیة:۱/۱۶۴۔

دعائیں ہیں، اور جب ایک ساتھ پڑھی جائے تو اس کا کیا طریقہ ہوگا؟ (نادرالمسددی، مغل پورہ)

جواب:- ایک ساتھ کئی جنازے جمع ہو جائیں، خواہ وہ مردوں کے ہوں یا عورتوں کے ان تمام پر ایک ساتھ نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے:

"ولو اجتمعت الجنائز يخير الإمام إن شاء صلى على كل واحد على حدة وإن شاء صلى على الكل دفعة بالنية على الجميع"(۱)

اوران پر وہی ایک دعاء پڑھی جائے گی جو عام طور پر لوگ پڑھتے ہیں، یعنی:

" اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ أُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ ، وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ" (۲)

واضح ہو کہ بالغ مردوں اور عورتوں کے لیے ایک ہی دعاء ہے۔

ایک مرد اور ایک عورت کا جنازہ

سوال:- {895} اگر ایک ہی مرتبہ دو جنازہ آجائیں، ایک مردانہ اور ایک زنانہ، تو ایسی صورت میں دونوں کی نماز جنازہ علیحدہ علیحدہ پڑھی جائیگی، یا ایک ہی مرتبہ؟

(محمد سعادت خان، محبوب نگر)

جواب:- دونوں جنازوں پر مستقلاً اور علیحدہ نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے اور ایک ساتھ

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۵۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۰۲۴۔

بھی۔ اگر مرد، عورت کا جنازہ ہو تو امام کے سامنے پہلے مرد کا جنازہ رکھا جائیگا، اس کے بعد عورت کا:

"إن شاء صلى عليهم دفعة وإن شاء صلى لكل جنازة صلاة على حدة ... وإن اختلف الجنس وضع الرجل بين يدي الإمام ... ثم المرأة"(۱)

مسجد میں نمازِ جنازہ

سوال:- {896} میں ایک عزیز کی نمازِ جنازہ میں شریک تھا، مسجد کے باہر حصہ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے لوگوں کا اصرار تھا کہ نماز اندر پڑھائی جائے، مگر چند بزرگ حضرات کے منع کرنے پر تنگ جگہ پر ہی نماز پڑھائی گئی، معلوم کرنے پر ایک بزرگ صاحب نے بتایا کہ اندر نماز پڑھانے سے نماز تو ہوجائے گی، لیکن میت کو ثواب نہیں ملے گا۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ (محمد یحیی صدیقی، یاقوت پورہ)

جواب:- حنفیہ کے یہاں بلا عذر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، اس سلسلہ میں بعض روایات بھی ہیں، البتہ اگر کوئی عذر ہو، جیسے بارش یا جگہ کی تنگی، تو مسجد میں بھی نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، (۲) یہ کہنا کہ مسجد میں نماز پڑھانے سے میت کو ثواب نہیں پہنچے گا، درست نہیں، کیونکہ اس عمل سے میت کا تعلق نہیں کہ وہ ثواب سے محروم ہو۔

---

(۱) البحر الرائق ۲/۲۸۷۔

(۲) رد المحتار ۱/۶۵۲، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد ۔مکتبہ رشیدیہ۔ کشی۔

صحن مسجد میں جنازہ

سوال:- {897} ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، جمعہ کے دن مسجد اور صحن مسجد میں نمازی بھر جاتے ہیں، کیا ایسی مسجد کے صحن میں نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے؟

(رشید احمد خان، بھینسہ)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھی، اس کے لئے کوئی اجر نہیں: ''من صلی جنازة فی المسجد فلا شیئ له ''(۱) اس لئے امام ابوحنیفہؒ اور اکثر فقہاءؒ کے نزدیک مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنا بہتر نہیں، (۲) اگر صحن مسجد نماز ہی کے لیے مخصوص ہو اور اس حصہ کا بھی مسجد ہی کی طرح احترام کیا جاتا ہو، تو پھر اس کا حکم بھی مسجد ہی کا ہے اور صحن میں بھی نماز پڑھنا بہتر نہیں، البتہ اگر مسجد سے باہر اتنی جگہ نہ ہو کہ وہاں نماز جنازہ ادا کی جاسکے تو پھر ضرورتاً مسجد میں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ (۳)

رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ

سوال:- {898} حضور اکرم ﷺ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

(محمد واصل، مرادنگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پر کسی نے امامت نہیں کی، ''ولم یؤم الناس

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۱۹۱۔
(۲) البحر الرائق: ۱۸۶/۲۔
(۳) الفتاوی الهندية: ۱۶۵/۱، كتاب الجنائز ۔

علیٰ رسول اللہ ﷺ ''(۱) اور غالباً ایسا آپ ﷺ کی ذات والا صفات کے مقام احترام کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہوگا، سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ لوگ آپ ﷺ پر تنہا تنہا نماز جنازہ پڑھتے رہے، پہلے مردوں نے پڑھی، پھر عورتوں نے اور اس کے بعد بچوں نے، (۲) صلی اللہ علیہ وآلہ وبارك وسلم ۔

مشرکین کے جنازہ یا ان کی تقریبات میں شرکت

سوال: - {899} مشرکین اور کفار کی میت میں شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ ان لوگوں کی شادی بیاہ یا ایسے ہی دوسری تقریبات میں شرکت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(آصف اقبال، سیتامڑھی)

جواب: - مشرکین اور کفار کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں، اور نہ ہی ان کی مذہبی تقریبات اور دعوتوں میں شرکت جائز ہے، شادی بیاہ یا دوسری غیر مذہبی تقریبات میں اگر کوئی دوسری غیر شرعی بات نہ ہو تو شرکت کی جا سکتی ہے۔ (۳)

---

(۱) سیرت ابن ھشام: ۶۶۳/۴ ۔

(۲) حوالۂ سابق۔

(۳) " لا ینبغي للمؤمن أن يقبل هدية الكافر في يوم عيدهم ، ولو قبل لا يرسل إليهم شيئاً " (ذخيره) وفي المستفيد من الواقعات لا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة هكذا ذكر محمد لكن المذكور في النوازل يخالف هذا فإنه كره فيه الإجابة'' (فتاوی عبدالحی :۱/۴۱۰)

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد مولانا عبدالحی صاحب ؒ لکھتے ہیں: ''اور بر تقدیر جواز قبول ضیافت مشروط ساتھ اس امر کے ہے کہ مجلس دعوت غنا و مزامیر و بت پرستی و شراب خوری و اظہار کفر و شرک و محرمات سے خالی ہو اور اگر اس مجلس میں ایسے امور ہوں تو جانا درست نہیں ہے'' ۔ (حوالۂ سابق)

غیر مسلموں کے جنازہ میں شرکت

سوال:- {900} غیر مسلموں کے جنازہ میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بعض دفعہ مسلمانوں کو ہندوؤں کی آخری رسومات میں جانا پڑتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

(آصف الدین، کریم نگر)

جواب:- غیر مسلموں کے لئے استغفار اور ایصال ثواب تو قطعاً ناجائز ہے اور اس کی کوئی گنجائش نہیں (۱) اور اس کے بغیر بھی ان میں شرکت مناسب نہیں، البتہ اگر کہیں کسی خاص موقع پر مسلمان کا نہ جانا محسوس کیا جائے اور اس سے باہمی فاصلہ بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو پسماندگان کی دلداری اور تسلی کی نیت سے جایا جا سکتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت علی ؓ کو ابو طالب کی وفات کے بعد ان کی تدفین کی ذمہ داری انجام دینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ (۲)

غائبانہ نمازِ جنازہ

سوال:- {901} آنحضرت ﷺ نے کن کن اشخاص کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی تھی، اور کیا غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے؟

(پروین اقبال، سید علی گوڑہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے اصحمہ نجاشی شاہ حبش پر غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی تھی، (۳) اس کے سوا غالباً کوئی اور واقعہ بسندِ صحیح آپ ﷺ کے غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ایک استثنائی واقعہ اور حضور ﷺ کی خصوصیت ہے، کیونکہ روایات سے معلوم

---

(۱) سنن نسائی، حدیث نمبر: ۲۰۳۷، کتاب الجنائز۔ محشی۔

(۲) إعلاء السنن: ۲۸۲/۸، باب ما یفعل المسلم إذا مات له قریب کافر۔ محشی۔

(۳) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۲۴۵، کتاب الجنائز۔

ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر آپ ﷺ کے اور جنازہ کے درمیان سے حجابات اٹھا دیئے گئے، (۱) گویا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے ہی تھا، اگر غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم ہوتا تو اس طرح کے اور واقعات بھی ثابت ہوتے اس لئے حنفیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ غائبانہ نہیں ہے۔ (۲)

نمازِ جنازہ میں آسمان کی طرف دیکھنا

سوال:- {902} نمازِ جنازہ پڑھتے وقت امام صاحب کے اللہ اکبر کہنے پر اکثر حضرات سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، اور بعض حضرات ہاتھ اٹھا کر باندھ لیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ (محمد فہیم الدین عظمیٰ، نظام آباد)

جواب:- نمازِ جنازہ کسی کی بھی ہو اس میں آسمان کی طرف دیکھنا مکروہ ہے، "ویکرہ أن یرفع بصره إلی السماء" (۳) اسی طرح حنفیہ کے نزدیک دوسری نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ میں بھی صرف تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے گا، باقی تکبیرات پر ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے: "ولا یرفع یدیه إلا في التکبیره الأولی" (۴)

پہلے عید یا نمازِ جنازہ؟

سوال:- {903} عیدگاہ میں عید کے موقع پر جنازہ آجائے تو پہلے نماز عید پڑھی جائے، یا نمازِ جنازہ؟

(محمد امجد، مونگیر)

---

(۱) مجمع الزوائد: ۳/۱۵۰، حدیث نمبر: ۴۲۰۳۔ محشی۔
(۲) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۶۴، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔ محشی۔
(۳) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۰۶۔
(۴) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۶۴۔

جواب:- اگر نمازِ عید اور نمازِ جنازہ کا اجتماع ہو جائے تو پہلے نمازِ عید پڑھی جائے، پھر نمازِ جنازہ: ''تقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة إذا اجتمعا ''(۱)

کن کی نمازِ جنازہ نہیں ہے؟

سوال:- {904} دنیا میں کن لوگوں پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اور ان کو غسل نہیں دیا جائے گا؟

(محسنہ قدوس، نلگنڈہ)

جواب:- ایک مسلمان بھائی کی حیثیت سے آپ سے خواہش کی جاتی ہے کہ ایسی باتیں دریافت کریں جن سے آپ کا دینی نفع اور سعادت وفلاح متعلق ہو، محض استفسار اور بے فائدہ معلومات اسلام میں کچھ پسندیدہ عمل نہیں، تاہم آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اس کا خون اس کے حق میں پاک ہے، البتہ اس پر نماز پڑھی جائے گی، (۲) کچھ لوگ وہ ہیں کہ اہانت اور جرم کی حوصلہ شکنی کی غرض سے نہ ان پر نماز پڑھی جائے گی، اور نہ ان کو غسل دیا جائے گا، باغی، ڈاکو، اپنی قوم کو ظالم جانتے ہوئے محض عصبیت میں اس کی مدد کرنے والے، مکابر یعنی جورات میں ہتھیار لے کر بے قصور لوگوں کو ڈراتا دھمکاتا ہو، جو شخص لوگوں کے گلے دَبا دیتا ہو، والدین یا ان میں سے ایک کا قاتل، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ ان بدنصیب لوگوں کو غسل تو دیا جائے گا، لیکن ان پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ (۳)

جنازہ کی نماز میں ہاتھ کب چھوڑا جائے؟

سوال:- {905} جنازہ کی نماز میں ہاتھ کب چھوڑے

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۱۵۲۔

(۲) البحر الرائق :۲/۳۴۵، ط: زکریا، دیوبند۔ محشی۔

(۳) دیکھئے: رد المحتار :۳/۱۰۷-۱۰۸، بدائع الصنائع :۲/۳۰-۳۳۔

جائیں؟ اس میں، مجھ کو تین قول سننے میں آئے ہیں:

(الف) دونوں سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ چھوڑنا چاہئے۔

(ب) دائیں جانب سلام پھیرتے وقت سیدھا ہاتھ چھوڑا جائے، اور بائیں جانب سلام پھیرتے وقت بایاں ہاتھ چھوڑا جائے۔

(ج) جب دعائے مغفرت پڑھی جائے، اس کے بعد دونوں ہاتھ نیچے چھوڑ کر سلام پھیرنا چاہئے، ان تینوں میں سے کونسا قول صحیح اور معتبر ہے؟ (ندیم اختر، گلبرگہ شریف)

جواب:- اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، بظاہر زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دے، کیونکہ ایسے قیام میں ہاتھ باندھنا، مسنون ہے، جس کے لئے کوئی ذکر منقول ہو، اور اس حالت میں کوئی ذکر ماثور نہیں ہے، چنانچہ خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

" ولا يعقد بعد التكبير الرابع : لأنه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد ، فالصحيح أنه يحل اليدين ثم يسلم تسليمتين ، هكذا في الذخيرة " (۱)

''چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے، اس لئے کہ اب کوئی ذکر مسنون باقی نہیں کہ ہاتھ باندھا جائے، صحیح یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کھول دے، پھر سلام پھیرے''

علمائے ہند میں مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے اپنی کتاب ''سعایہ'' نیز ماضی قریب کے علماء میں مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (۲)

---

(۱) خلاصة الفتاوى :۱/۲۲۵۔
(۲) دیکھئے : فتاوی رحیمیہ :۳/۹۹۔

مہلوکینِ زلزلہ پرنمازِ جنازہ

سوال:- {906} حالیہ بھیانک زلزلہ میں بلڈنگوں کے ملبہ میں دب کر جو افراد فوت ہوگئے اور راحت کا کام کرنے والی ایجنسیوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود ان کی لاشیں برآمد نہ ہوسکیں، اور ایک طرح وہ زندہ درگور کہے جاسکتے ہیں، ایک طویل وقفے کے بعد بلڈوزروں کے ذریعہ منہدم عمارتوں کے ملبے کی صفائی کی جارہی ہے، ان کے شکستہ اعضاء کو عمارتی ملبے کے ساتھ اٹھا کر پھینک دیا گیا، یا انہیں ناکافی شناخت کی بناء پر نذرِ آتش کردیا گیا، اس طرح ان بد قسمتوں کی باقاعدہ تجہیز وتکفین بھی عمل میں نہیں آسکی، کیا ایسے اہل ایمان کی اجتماعی طور پر غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی؟ یا اس طرح ان کے لئے دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے؟ (منکہ خاتون، سید علی گوڑہ)

جواب:- فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر زلزلہ وغیرہ میں لوگوں پر عمارتوں کا ملبہ گرجائے، اور لاش کو نکالنا ممکن نہ ہو، تو جب تک لاش کے پھٹ جانے کا گمان نہ ہو، اسی ملبہ پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، جیسے بعض حالات میں قبر پر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے:

"ینبغی أن یکون فی حکم من دفن بلا صلاۃ من تردی فی نحو بئر أو وقع علیه بنیان ولم یمکن اخراجه" (۱)

(۱) رد المحتار: ۱۲۵/۳۔

البتہ نماز جنازہ غائبانہ امام ابوحنیفہؒ اور اکثر فقہاء کے نزدیک درست نہیں، (۱) کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے شاہ حبشہ نجاشی کے سوا کسی اور دور افتادہ شخص پر غائبانہ نماز پڑھنا ثابت نہیں، (۲) علاوہ ازیں دوسرے قرائن اس بات کو بتاتے ہیں، کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

جہاں تک دعائے مغفرت کی بات ہے، تو اس کی گنجائش ہے، انفراداً بھی دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے اور اجتماعی طور پر بھی، کیوں کہ خاص خاص موقعوں پر رسول اللہ ﷺ سے اجتماعی دعا کرنا بھی ثابت ہے۔ (۳)

جنازہ پر چار کے بجائے تین تکبیرات

سوال:- {907} (الف) نماز جنازہ میں اگر کوئی شخص چار کے بجائے تین ہی بار تکبیر کہے تو نماز ہوجائیگی یا نہیں؟

(ب) اگر امام تیسری تکبیر کے بعد بھول کر سلام پھیر دے اور سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے تو اس وقت کیا کرے؟ (عبدالرحیم، وادیٔ مصطفیٰ)

جواب:- (الف) نماز جنازہ میں چاروں تکبیرات فرض ہیں، اس لیے اگر ایک تکبیر بھی چھوٹ جائے تو نماز درست نہیں ہوگی، کیوں کہ فرض کے چھوٹ جانے سے عبادت فاسد ہوجاتی ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: " لو ترک واحدۃ منها لم تجز صلاته "(۴)

---

(۱) الفتاوی الهندیة :۱/۱۶۴، کتاب الجنائز ۔محشی۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۲۴۵، کتاب الجنائز ۔مرتب۔

(۳) اعلاء السنن :۸/۲۶۸-۲۶۹۔محشی۔

(۴) الفتاوی الهندیة :۱/۱۶۴۔

(ب) اگرامام نے تیسری تکبیر کے بعد بھول کر سلام پھیر دیا اور نماز کو فاسد کرنے والی کسی بات کے پیش آنے سے پہلے یاد آ گیا تو اسے چاہئے کہ فوراً چوتھی تکبیر کہہ لے، اور اس کے بعد سلام پھیر دے تو نماز ہو جائے گی:

"ولو سلم الإمام بعد الثالثة ناسيا كبر الرابعة وسلم" (۱)

نمازِ جنازہ میں ایک سلام یا دو؟

سوال:- {908} میں سعودی عرب میں ملازمت کرتا ہوں، وہاں بارہا جنازے کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے، مگر وہاں کی نمازِ جنازہ ایک سلام پھیر کر ختم کر دی جاتی ہے، جب کہ ہم کو جو تعلیم یہاں ملی وہ یہ ہے کہ جنازے کی نماز میں دو سلام پھیر کر نماز ختم کی جائے، تو پھر ہم کو کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ (محمد عثمان قریشی، یاقوت پورہ)

جواب:- نمازِ جنازہ بھی ایک نماز ہے، چنانچہ حدیث میں ہمیشہ اس کے لئے "صلاۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور اس نماز کے لئے بھی طہارت وغیرہ کی وہی شرطیں ہیں، جو دوسری نمازوں کے لئے ہیں، اس کی بھی ابتداء تکبیر تحریمہ سے ہوتی ہے، اور انتہاء سلام پر، اس لئے جیسے دوسری نمازوں میں دو دفعہ سلام کیا جاتا ہے، اس نماز میں دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام ہونا چاہئے، نمازِ جنازہ کے سلسلے میں جو صحیح روایتیں ہیں ان میں، مطلق سلام کا ذکر ہے، (۲) ایک یا دو کی صراحت نہیں، اس لئے امام ابوحنیفہؒ دوسری نمازوں کو سامنے رکھتے ہوئے نمازِ جنازہ میں بھی

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱/۱۶۵۔

(۲) صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۱۳۲۱، کتاب الجنائز ۔محشی ،

دوسلام کے قائل ہیں، (۱) دوسرے فقہاء" ایک ہی سلام کے قائل ہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبل" کی ہے، (۲) سعودی عرب میں چونکہ زیادہ تر لوگ حنبلی المسلک ہیں، اس لئے وہ ایک سلام پر اکتفاء کرتے ہیں، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ ﷜ کی روایت ہے، اس روایت میں ایک ہی سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔ (۳) اگر روایت معتبر ہوتی تو واقعی حجت تھی، مگر محدثین نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن صبہان بن ابوالعنبس ہیں، حافظ ابن حجر" نقل کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں۔ (۴)

جہاں تک عمل کرنے کی بات ہے، تو چونکہ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے، اس لئے جب آپ سعودی عرب میں رہیں، تو جس امام کے پیچھے نماز پڑھیں اس کی اتباع کرلیں، اس کی گنجائش ہے، (۵) اور جب خود امامت کریں یا حنفی امام کے پیچھے پڑھیں تو دو سلام پھیریں کہ دلیل کے اعتبار سے یہ رائے زیادہ قوی ہے۔ (۶)

سڑک پر نماز جنازہ کی ادائیگی

سوال:- {909} نماز کے لیے جگہ کا پاک ہونا بھی ایک شرط ہے، بعض مساجد میں صحن نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کے باہر سڑک پر جنازہ رکھ کر اور صفیں باندھ کر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، جبکہ سڑک کا پاک ہونا محال ہے، ایسی صورت میں کیا نماز

---

(۱) الفتاوی التاتار خانیة: ۲/۱۵۵۔ محشی۔
(۲) المغنی لابن قدامة: ۱/۳۱۸۔ محشی۔
(۳) سنن الدارقطنی: ۲/۱۵۹۔
(۴) دیکھئے: تقریب التهذیب: ۱/۴۸۵۔
(۵) رد المحتار: ۲/۳۰۲، مطلب فی الاقتداء بشافعی ...۔ محشی۔
(۶) إعلاء السنن: جلد: ۸، حدیث نمبر: ۲۲۳۰۔ محشی۔

جنازہ درست ہوگی؟　　　(محمد ابراہیم، سکندرآباد)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

''میں نوجوان اور کنوارتھا، مسجد ہی میں شب گذارتا تھا، کتے بھی مسجد میں آتے جاتے رہتے تھے اور پیشاب کردیتے تھے اور لوگ اس پر پانی کا چھڑکاؤ بھی نہیں کرتے تھے''(۱)

اس سے فقہاء نے یہ بات اخذ کی ہے کہ اگر زمین میں نجاست لگ جائے اور وہ خشک ہوجائے، نیز اس کا اثر یعنی اس کا رنگ وبو جاتا رہے تو زمین پاک سمجھی جائیگی اور اس پر نماز پڑھنا درست ہوگا:

"لو أصابت النجاسة على الأرض فجفت و ذهب أثرها تجوز الصلاة عليها عندنا"(۲)

عام طور پر سڑک کی یہی کیفیت ہوتی ہے، اس لیے اس پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، خاص کر سڑک کو چونکہ ناپاک چیزوں سے بچانا دشوار ہے، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر سڑک کی گرد نجاست کے ساتھ خلط ملط ہوگئی ہو اور وہ کپڑے پر لگ جائے تو چونکہ اس سے بچنا دشوار ہے، اس لئے اسی کپڑے میں نماز ادا کی جاسکتی ہے:

"طين الشوارع عفو وإن ملأ الثوب للضرورة ولو مختلطاً بالعذرات و تجوز الصلاة به"(۳)

میت کے گھر والوں کو سلام

سوال:- {910} اکثر لوگ کہتے ہیں کہ جس دن گھر

---

(۱)　سنن أبي داؤد: حدیث نمبر:۳۸۲۔
(۲)　بدائع الصنائع: ۱/۲۴۲۔
(۳)　رد المحتار مع الدر: ۱/۵۳۰،۳۱۔

میں میت رکھی ہو، اس دن میت کے گھر والون کو سلام نہیں کرنا چاہئے؛ کیا یہ درست ہے؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- یہ بات درست نہیں ہے، جب بھی ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے ملاقات ہو تو اسے سلام کرنا چاہئے، (۱) گھر میں میت ہونے اور نہ ہونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

جنازہ کے ساتھ کچھ مخصوص اذکار

سوال:- {911} ہمارے یہاں جنازہ کے ساتھ کلمہ کے علاوہ دوسرے جملے بھی پڑھے جاتے ہیں: ''مثلاً محمد ہزارون میں، محمد چاند تاروں میں'' کیا اس طرح کے جملے جنازہ کے ساتھ بہ آواز بلند پڑھے جاسکتے ہیں؟

(سید عبدالرافع التمش، سداسیو پیٹ)

جواب:- جنازہ کے ساتھ یوں بھی بہ آواز بلند ذکر کرنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ یہ حدیث اور صحابہ ﷺ کے عمل سے ثابت نہیں اور فقہاء نے اس سے منع کیا ہے، (۲) یا تو خاموش رہے اور اپنی آخرت کے بارے میں سوچے، یا آہستہ آہستہ اپنے لیے، مسلمانوں کے لیے اور میت کے لیے مغفرت ورحمت کی دعا کرے، اس طرح کے کلمات اس موقع سے نہ پڑھنا ثابت ہے اور نہ یہ اس کا موقع ہے۔

نماز جنازہ کی صفیں

سوال:- {912} نماز جنازہ میں کیا تین یا پانچ صفیں

---

(۱) سنن أبي داؤد: ۷۰۸/۲، عن البراء بن عازب ﷺ۔

(۲) الفتاوى التاتار خانية: ۱۵۲/۲۔

بنانا ہی ضروری ہے؟ (سید شاہ نواز ہاشمی، فرسٹ لانسر)

جواب:- تین یا اس سے زیادہ طاق عدد میں صفیں بنانا واجب تو نہیں، لیکن مستحب ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر سات ہی شرکاء ہوں تب بھی بہتر ہے کہ تین صفیں بنالی جائیں، ایک شخص امام بن جائے، تین آدمی پہلی صف میں، دو آدمی دوسری صف میں اور ایک آدمی تیسری صف میں کھڑا ہو:

"إذا كان القوم سبعة قاموا ثلثة صفوف بتقدم واحد و ثلثة بعده و إثنان بعدهم و واحد بعدهما"(١)

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ

سوال:- {913} نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ (اے، آر، سلیم محبوب نگر)

جواب:- نماز جنازہ اصل میں دعاء ہے نہ کہ عبادت، اس لیے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ یا قرآن کی اور سورہ نہیں پڑھنی چاہئے:

"ولا يقرأ فيها القرآن... لأنها محل الدعاء دون القرأة "(٢)

نماز جنازہ میں غلطی ہوجائے

سوال:- {914} اگر جنازہ کی نماز میں غلطی ہوجائے، جیسے چار تکبیر کے بجائے تین تکبیر کہی جائے، یا کوئی اور ذکر

---

(١) الفتاوی الهندية: ١/١٦٤۔

(٢) الفتاوی الهندية: ١/١٦٤۔

بھول جائے، تو کیا کرنا چاہئے، کیا نماز دوہرانی چاہئے؟

(محمد جہانگیرالدین طالب، بی بی کا چشمہ)

جواب:- جنازہ کی نماز میں چار تکبیرات فرض ہیں، اور چار رکعتوں کے قائم مقام ہیں، اس لیے اگر کوئی تکبیر نہیں کہی اور غلطی امام سے ہوئی تو اسے نماز لوٹانی چاہئے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وصلاة الجنازة أربع تكبيرات، ولو ترك واحدة منها لم تجز صلاته" (۱)

اور اگر مقتدی نے چھوڑی تو اس کی نماز نہیں ہوئی، اور چونکہ بعض استثنائی صورتوں کے سوا نماز جنازہ ایک سے زیادہ دفعہ نہیں پڑھی جاسکتی، تو اس لیے ایسا شخص نماز جنازہ سے محروم رہا، اس کو مرحوم کے لیے دعا استغفار پر اکتفا کرنا چاہئے۔

ہاں اگر ثناء، درود، دعاء بھول جائے، تو یہ چونکہ واجب نہیں، اس لئے نماز ہو جائے گی۔(۲)

ایک ساتھ کئی جنازوں پر نماز

سوال:- {915} اگر اجتماعی طور پر کئی جنازے آجائیں، مرد کے، عورت کے، بالغ کے اور نابالغ کے تو کس ترتیب سے نماز جنازہ پڑھنا چاہئے؟ اور کس ترتیب سے جنازے رکھنے چاہئیں؟

(محمد جہانگیرالدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر کئی جنازے جمع ہو جائیں، تو بہتر یہ ہے کہ ہر جنازہ پر الگ الگ نماز

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۶۴۔

(۲) مراقي الفلاح ص: ۳۲۰، محشی۔

پڑھی جائے، اور جو درجہ و مقام کے اعتبار سے افضل ہو، اس کی نماز کو مقدم رکھا جائے، ویسے ان جنازوں پر اکٹھا نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے، ایسی صورت میں ترتیب یہ ہوگی کہ امام کے سامنے پہلے مرد کا جنازہ رکھا جائے، اس کے بعد نابالغ بچہ کا، پھر عورت کا، اس کے بعد نابالغہ لڑکی کا، جو شخص زیادہ صاحب فضل رہا ہو جنازہ کی صف میں اس کا جنازہ امام سے قریب ہونا چاہئے (۱)

اگر ایک ساتھ تین جنازہ پر نماز ادا کی جائے؟

سوال:- {916} اگر بیک وقت تین جنازے، نابالغ لڑکے کی میت، نابالغہ لڑکی کی میت اور بالغ مرد یا عورت کی میت آجائے تو نمازِ جنازہ کس طرح ادا کریں، ایک ساتھ یا الگ الگ؟ طریقۂ نماز سے آگاہ فرمائیں۔

(ایس محمد اصغر حسین، باکارم)

جواب:- اگر کئی جنازے ہوں تو بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھی جائے، لیکن ایک ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہے جنازوں کو رکھنے کی ترتیب یہ ہوگی کہ امام کے سامنے پہلے بالغ مرد کا جنازہ رہے گا، اس کے بعد نابالغ لڑکے کا، پھر عورت کا، اس کے بعد نابالغہ لڑکی کا، یہ جنازے ایک دوسرے کے مقابل رکھے جائیں گے، یا تو اس طرح کہ تمام جنازوں کے سر کا حصہ ایک سیدھ میں آجائے، یا اس طرح کہ بعد والے جنازہ کا سر پہلے جنازہ کے مونڈھے کے مقابل ہو۔(۲)

رہ گئی نمازِ جنازہ کی دعاء تو ایسا ہوسکتا ہے کہ بالغوں کی نماز سے متعلق دعاء پڑھ لی جائے، پھر بچوں سے متعلق، ویسے مجھے یہ مسئلہ صراحتاً کتب فقہ میں نہیں مل پایا۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) دیکھئے: الدر المختار علی هامش رد المحتار :۳/۱۱۹-۱۱۸۔

(۲) البحر الرائق:۲/۱۸۷۔

چپل پہن کر نمازِ جنازہ

سوال:- {917} نماز جنازہ پڑھتے وقت چپل پر
کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ (محمد طاہر، جگتیال)

جواب:- اصل یہ ہے کہ نماز جنازہ میں صرف قیام ہے، سجدہ نہیں، چپل کے ساتھ سجدہ میں دقت ہوتی ہے، قیام میں مشکل پیش نہیں آتی، دوسرے عام نمازیں مسجد میں ادا کی جاتی ہیں اور مسجد میں چپل کے ساتھ جانا خلاف ادب ہے، اس لیے کہ چپل ناپاک نہ ہو پھر بھی گرد و غبار سے خالی نہیں ہوتی، نماز جنازہ مسجد سے باہر ہوتی ہے، اس لیے چپل پہن کر نماز جنازہ پڑھنا خلاف ادب نہیں، لہٰذا اگر چپل میں نجاست لگی ہوئی نہ ہو، تو چپل پہنی ہوئی حالت میں یا چپل کے اوپر کھڑے ہوکر نماز ادا کی جاسکتی ہے، اور اگر نجاست لگی ہوئی ہو تو پھر چپل اتار کر زمین پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔(۱)

جوتے پہن کر نماز جنازہ

سوال:- {918} نمازِ جنازہ کے وقت کچھ لوگ چپل
جوتے اتار کر اسی پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہوتے ہیں، کچھ لوگ
چپل جوتے پہنے ہوئے اور کچھ لوگ ننگے پاؤں، صحیح طریقہ کیا
ہے؟ (عبدالتواب، گھونگر، بھوارہ، مدھوبنی)

جواب:- نماز جنازہ یا کسی اور نماز کی حالت میں اگر جوتا یا چپل پاؤں میں ہو تو اس میں کوئی بڑی قباحت نہیں، خود رسول اللہ ﷺ سے جوتوں سمیت نماز پڑھنا ثابت ہے۔(۲) البتہ یہ ضروری ہے کہ جوتے چپل پاک ہوں، کوئی ناپاکی نہ لگی ہو، ہاں اگر چپل اتار لی جائے اور اس

(۱) کبیری: ص:۲۰۶۔ محشی۔
(۲) صحیح البخاری عن أنس ﷺ: ۵۶/۱، باب الصلاۃ فی النعال۔

کے اوپر پاؤں رکھا جائے، اور نچلے حصے میں نجاست لگی ہو تو مضائقہ نہیں، فقہاء نے ایسی اشیاء پر نماز کو درست قرار دیا ہے جس کی بالائی سطح پاک ہو، گو نیچے کی سطح میں نجاست لگی ہو:

"ولو كان أسفل نعليه فحسب نجساً و صلى بهما لا يجوز و إن نزعهما و قام على ظهرهما جاز" (۱)

غالباً اسی لیے احتیاطاً بعض حضرات ننگے پاؤں یا جوتے چپل پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ میں کھڑے ہوتے ہیں، اس طرح کی احتیاط مناسب ہے، تاہم اگر جوتا کے پاک ہونے کا یقین ہو تو جوتا پہن کر نماز پڑھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

مردہ بچہ پر نماز جنازہ

سوال:- {919} اگر ماں کے پیٹ سے مردہ بچہ پیدا ہو جائے، تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے، یا بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دینا چاہئے؟

(کے، ایم محمود پاشا باسط، سعید آباد)

جواب:- نماز جنازہ اسی بچہ پر پڑھی جائے گی جو زندہ پیدا ہوا ہو، جو بچہ مردہ پیدا ہوا ہو نہ اس پر نماز ہوگی، نہ اس کا نام رکھا جائے گا اور نہ اس سے وراثت کا حق متعلق ہوگا، البتہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اس کو غسل دیا جائے گا اور تکریم انسانیت کے پہلو سے فقہاء نے اس کو ترجیح دیا ہے، لہٰذا ایسے بچے کو غسل دے کر کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔ (۲)

---

(۱) کبیری: ص:۲۰۶۔

(۲) البحر الرائق: ۲/۱۸۸، نیز دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۱/۱۶۲۔

پیدا ہو کر مرنے والے بچہ پر نمازِ جنازہ

سوال:- {920} ماں کے پیٹ سے بچہ زندہ حالت میں پیدا ہوا لیکن اذان دینے سے پہلے انتقال ہوگیا، تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے یا نہیں؟　　(محمد منیر، انکور)

جواب:- جو بچہ زندہ حالت میں پیدا ہوا ہو، تو چاہے فوراً ہی اس کی موت واقع ہوگئی ہو، اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔(۱)

نمازِ جنازہ کہاں پڑھیں؟

سوال:- {921} میت کو نمازِ جنازہ کے لئے مسجد لے جانا بہتر ہے، یا قبرستان ہی میں پڑھانا بہتر ہے؟ حنفی مسلک کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیں؟　　(محمد عبدالحکیم، کلوا کرتی)

جواب:- امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک بلا عذر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے(۲) چنانچہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے منقول ہے: ''جس نے مسجد میں میت پر نمازِ جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی اجر نہیں:'' من صلی علی میت في المسجد فلا شيئ علیه ''(۳) چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی ﷺ سے قریب ہی نمازِ جنازہ کے لئے الگ جگہ بنی ہوئی تھی، اس لئے قبرستان میں یا مساجد کے قریب، کچھ خالی جگہ جنازہ کے لئے مخصوص کردینی چاہئے، ہاں اگر کوئی عذر ہو، جیسے: بارش ہو، یا مسجد کے علاوہ کوئی کشادہ جگہ موجود نہ ہو جہاں جنازہ کی نماز ہو سکے، تو مساجد میں بھی نمازِ جنازہ ادا کرنے کی گنجائش ہے۔'' و لا یکره بعذر المطر و نحوه هکذا في الکافي ''(۴)

---

(۱) الدر المختار :۲/۱۲۹۔
(۲) کبیری:ص:۵۳۵۔
(۳) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۱۹۱، باب الصلاة علی الجنازة في المسجد۔ محشی۔
(۴) الفتاوی الهندیة:۱/۱۶۵۔

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ

سوال:- {922} اسلام میں خودکشی حرام ہے، چاہے وہ کسی ذریعہ سے کی گئی ہو، کیا ایسے مرنے والے شخص کی نمازِ جنازہ پڑھنا اور اس کے لئے ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے یا نہیں؟　　(قاسم خان، بورہ بنڈہ)

جواب:- جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ خودکشی سخت گناہ ہے اور اس گناہ کی شدت اور سنگینی کے اظہار کے لئے ایک خودکشی کرنے والے شخص کی لاش لائی گئی تو آپ ﷺ نے اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ (۱) اسی بنیاد پر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسے شخص پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، لیکن امام ابو حنیفہؒ اور اکثر فقہاء کے نزدیک نمازِ جنازہ خودکشی کرنے والے پر بھی پڑھی جائے گی۔ (۲) رسول اللہ ﷺ نے خود نماز نہیں پڑھی، لیکن صحابہ ؓ کو آپ ﷺ نے اس سے منع بھی نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم تنبیہ کے طور پر ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک بار مقروض کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھی اور صحابہ ؓ سے فرمایا کہ وہ پڑھ لیں، (۳) تاکہ قرض لے کر ادا نہ کرنے والوں کو تنبیہ ہو، ایصالِ ثواب ہر کلمہ گو کے لئے جائز ہے، خواہ وہ کتنا بھی گنہگار ہو، بشرطیکہ ایمان پر اس کی موت ہوئی ہو، اس لئے خودکشی کرنے والے کے لئے بھی استغفار اور ایصالِ ثواب جائز ہے۔

پہلے نمازِ جنازہ یا پہلے سنتیں

سوال:- {923} اگر کسی ایسی نماز کے وقت میت

(۱)　صحیح مسلم، عن جابر بن سمرہ ؓ، حدیث نمبر: ۹۷۸۔
(۲)　الدر المختار مع رد: ۳/۱۰۸۔
(۳)　الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۱۰۶۱، باب ماجاء في الصلاۃ علی الدیون۔ محشی۔

آ جائے، جس کے بعد سنتیں بھی ہوں تو فرض نماز کے بعد پہلے
نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا سنت ادا کرنی چاہئے؟
(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- چوں کہ نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے اور فرض کی اہمیت بہر حال سنت سے زیادہ ہے، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ پہلے نمازِ جنازہ پڑھی جائے پھر سنت ادا کی جائے:

"حضرت وقت صلاة المغرب جنازة تقدم
صلاة الجنازة على سنة المغرب "(۱)

البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ لوگ نمازِ جنازہ پڑھ کر چلے جائیں گے، اور سنتیں چھوڑ دیں گے اور اگر سنت پہلے ادا کریں تو سنت پڑھنے کے ساتھ ساتھ جنازہ میں بھی شریک رہیں گے تو ایسی صورت میں اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ پہلے سنت ہی ادا کر لی جائے، پھر نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ واللہ اعلم۔

میت پر ایک سے زیادہ نمازِ جنازہ

سوال:- {924} کیا ایک میت کی نمازِ جنازہ کئی بار
پڑھی جاسکتی ہے؟ کیونکہ حال ہی میں حضرت مولانا قاضی مجاہد
الاسلام قاسمی کی نمازِ جنازہ تین بار پڑھائی گئی۔
(سید مسیح اللہ غوری، کلثوم پورہ، پولیس کالونی)

جواب:- اگر ولی نے نماز نہ پڑھی ہو تو اس کے نماز پڑھنے تک ایک سے زیادہ دفعہ نمازِ جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔ (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۱۶۴۔
(۲) رد المحتار :۳/۱۲۴، محشی۔

بم حادثہ کے مہلوک کی نمازِ جنازہ

سوال:- {925} بم حادثہ میں جن لوگوں کی موت ہو جاتی ہے، ان کی لاش کے پرخچے اڑ جاتے ہیں، ایسی لاش پر نمازِ جنازہ ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

(عبید الرحمان، عادل آباد)

جواب:- اگر لاش کا اکثر حصہ یا سر کے ساتھ آدھا حصہ مل جائے، تو اسے غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی، اگر بعد میں بقیہ حصہ مل جائے، تو اب اس حصہ پر نماز نہیں پڑھی جائے گی، اگر نصف حصہ بغیر سر کے ملے، یا لمبائی میں چیرا ہوا ملے، تو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ نماز پڑھی جائے گی، بلکہ اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا۔

"ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس يغسل ويكفن ويصلي عليه … وإن وجد نصفه من غير الرأس أو وجد نصفه مشقوقا طولا فإنه لا يغسل عليه الخ." (۱)

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۹۵۔

میت کو لے جانے اور دفن کرنے کا طریقہ

جنازہ لے جاتے وقت میت کا سر آگے ہو یا پاؤں؟

سوال:- {926} زید کا انتقال ہوگیا، جب اس کو قبرستان لے جانے کی نوبت آئی تو دو گروہ ہوگئے، ایک جماعت کہنے لگی کہ میت کا پاؤں قبرستان کی طرف ہونا چاہئے، دوسری جماعت کہنے لگی: نہیں، میت کا سر قبرستان کی طرف ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں صحیح عمل کیا ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔ (مولوی محمد رہبر عالم، ہووگی)

جواب:- جنازہ اس طرح لے جانا چاہئے کہ سر کا حصہ آگے کی طرف ہو، فقہاء نے یہی لکھا ہے:

" وفي حالة المشي بالجنازة يقدم الرأس " (۱)

---

(۱) الفتاوی الهندية :۱۶۲/۱، الفصل الرابع في حمل الجنازة ۔

جنازہ کے ساتھ زور سے تسبیحات پڑھنا

سوال:- {927} جنازہ کے ساتھ عام طور پر زور زور سے تسبیحات پڑھنے کا رواج ہے، یہ کس حد تک صحیح ہے؟ کیا جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے کوئی خاص ذکر مسنون ہے؟

(جمال الدین، کریم نگر)

جواب:- حضرت زید بن ارقم ﷺ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین مواقع پر خاموش رہنا اللہ تعالی کو محبوب ہے، ایک تلاوتِ کلام مجید کے وقت، دوسرے جہاد کے وقت اور تیسرے جنازہ کے ساتھ''(۱)

اسی لئے فقہاء نے جنازہ کے ساتھ بلند آواز میں ذکر کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور کہا کہ دل ہی دل میں ذکر کرے:

"ویکره رفع الصوت بالذكر خلف جنازة ویذكر في نفسه "(۲)

اس لئے اگر جنازہ کے ساتھ ذکر کرنا ہو تو آہستہ کرے، رسول اللہ ﷺ سے اس موقع پر کوئی خاص ذکر ثابت نہیں، اس لئے یہ بھی درست ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والے خاموش رہیں، اور اپنے ذہن کو آخرت کی طرف متوجہ رکھیں، اور ذکر واستغفار یا مردہ کے لئے دعاء وغیرہ کا اہتمام کریں۔

سوال:- {941} کیا جنازہ اٹھاتے وقت اور جنازہ

---

(۱) مجمع الزوائد بحوالۂ طبرانی :۲۹/۳۔

(۲) الفتاوی البزازیہ علی هامش الفتاوی الهندیه:۸۰/۴، البحر الرائق :۱۹۴/۲۔

لے جاتے وقت بالجہر ذکرواذکار کرنا درست ہے؟

(حافظ عبدالسلام، سکندرآباد)

جواب:- جنازہ میں ساتھ چلنے کا مقصد عبرت وموعظت کا حاصل کرنا ہے، یعنی آدمی ساتھ چلتے ہوئے موت کا، آخرت کا اور قبر وحساب کا استحضار کرتا رہے، تاکہ اپنے اعمال کی اصلاح اور گناہوں سے بچنے کی طرف توجہ ہوسکے، خاموشی کی حالت عبرت آموزی اور غور وفکر کے لیے زیادہ موزوں ہوتی ہے، اس لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ خاموش رہے، اور اپنی آخرت کے بارے میں غور کرتا رہے، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ سے اس موقع پر کچھ پڑھنا ثابت نہیں، تاہم اگر ذکر کرنا چاہے تو فقہاءؒ نے آہستہ آہستہ ذکر اور تلاوت کی اجازت دی ہے، اور زور سے ذکر کرنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، فقہ حنفی کی مشہور ومستند کتاب ''البحر الرائق'' میں ہے:

"ینبغی لمن تبع جنازۃ أن یطیل الصمت و یکرہ رفع الصوت بالذکر و تلاوۃ القرآن و غیرهما فی الجنازۃ و الکراهة فیها کراهة تحریم" (۱)

''جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے لیے مناسب ہے کہ طویل خاموشی اختیار کرے، ذکر، قراءت قرآن، وغیرہ کرتے ہوئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے''

نماز جنازہ اور تدفین کے بعد کی دعاء

سوال:- {928} کیا نمازِ جنازہ کے بعد دوبارہ دعاء

(۱) البحر الرائق: ۲/۱۹۴۔

کرنا چاہئے؟ بعض لوگ تدفین کے بعد دعاء کرتے ہیں، نیز
تدفین کے بعد سرہانے اور پائتی سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری
آیات پڑھی جاتی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟
(حافظ کلیم، اورنگ آباد)

جواب:- (الف) نمازِ جنازہ خود دعاء ہے، دوبارہ ہیئت میں تبدیلی یعنی دفن سے پہلے دعاء کرنا احادیث سے ثابت نہیں۔

(ب) تدفین کے بعد دعاء کی جاسکتی ہے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے۔(۱)

(ج) قبر کے سرہانے اور پائتی سورۂ بقرہ کا پہلا اور آخری رکوع پڑھنا بھی حدیث میں منقول ہے،(۲) اس لئے اسے پڑھنا چاہئے۔

بیوی کے جنازہ کو کاندھا دینا

سوال:- {929} کیا مرحومہ بیوی کی میت کو شوہر کاندھا دے سکتا ہے؟ (سید حفیظ الرحمان، پھولانگ)

جواب:- شوہر بیوی کو کاندھا دے سکتا ہے،(۳) بلکہ دینا چاہئے کہ یہی حسنِ رفاقت کا تقاضا ہے۔

گھر میں مردہ کی تدفین

سوال:- {930} ایک بچہ کا پیدا ہونے سے پہلے ہی

---

(۱) صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۲۲۵۵،باب ما یقال عند دخول القبور و الدعاء لأهلها،دیکھئے: سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۳۲۲۱، باب الاستغفار عند القبر للمیت في وقت الانصراف۔محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد،حدیث نمبر:۳۱۹۹،باب الدعاء للمیت ۔محشی۔

(۳) الدر المختار علیٰ هامش الرد :۱/۱۰۳،باب صلاة الجنائز۔محشی۔

انتقال ہو گیا، اور بچہ کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا، بچہ کو گھر والوں نے گھر میں ہی دفنا دیا، اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بچہ کو وہاں سے نکال کر قبرستان میں دفن کیا جائے، اس سلسلہ میں اب کیا کرنا چاہئے؟ (سید شاہ، نظام آباد)

جواب:- گھر میں مردہ کو دفن کرنا بہتر نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کو مقبرہ بنانے سے منع فرمایا ہے، (۱) البتہ جب وہاں دفن کر دیا گیا اور گھر کے مالکان نے گھر میں دفن کیا ہے، تو اب لاش کو نکالنا اور دوسری جگہ منتقل کرنا بھی بہتر نہیں ہے، کیونکہ جو لاش بالکل بوسیدہ نہ ہوگئی تو اسے ضرورت شدید کے بغیر نکالنا جائز نہیں۔ (۲)

بوسیدہ قبر میں دوبارہ تدفین

سوال:- (931) زید کی عمر اس وقت ۷۶/ برس ہے، بحمد اللہ بقید حیات ہے، لیکن ہر دن آخری دن محسوس ہوا کرتا ہے، زید کی اہلیہ ہندہ کا انتقال ہو کر مکمل ۳۳/ برس کا عرصہ گزر چکا ہے، جس قبرستان میں مدفون ہے، وہ ہر قسم کی قانونی رکاوٹ سے محفوظ و مامون ہے، لیکن اس قبرستان میں اب مزید تدفین کے لئے قطعاً گنجائش نہیں ہے، راقم الحروف نے کہیں فقہی مسئلہ دیکھا ہے کہ ۲۵/ سال کے عرصہ کے بعد اس قبر کو تدفین کے لئے کھولا جا سکتا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ (محمد عزیز الدین، حسینی علم)

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۰۴۲، باب زیارة القبور ۔ محشی ۔

(۲) " لا یخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي ألخ " (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳/۱۴۵) محشی ۔

جواب:- جب قبر پرانی ہوجائے ،اور ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوجائیں تو اس قبر میں دوسرے مُردوں کی بھی تدفین عمل میں آسکتی ہے ،(۱) ہڈیوں کا بوسیدہ اور نعش کا سڑ گل کر ختم ہوجانے کی مدت مختلف علاقوں میں مٹی میں نمک کے اجزاء کی کمی اور زیادتی کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے،اس لئے اس مسئلہ میں کوئی خاص مدت متعین نہیں کی جاسکتی۔

تدفین کا طریقہ

سوال:- {932} میت کو قبر میں کس طرح دفن کرنا چاہئے ،میت کے اوپر ہی مٹی ڈال دی جائے ،یا میت کے بازو سل یا پتھر رکھ کر مٹی ڈالی جائے ،یا میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کیا جائے؟　　(حافظ عبدالعلیم ،مصری گنج)

جواب:- تدفین کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پتھر یا کچی اینٹ یا لکڑی کے تختے سے مردہ کے اوپر رکاوٹ قائم کردی جائے ، پھر اس کے اوپر مٹی ڈالی جائے ، براہ راست میت پر مٹی نہ ڈالی جائے ،چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ردالمحتار'' میں ہے:

" وتسد الفرج التي بين اللبن بالمدر والقصب
كي لا ينزل التراب منها على الميت " (۲)

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پتھر کی سل وغیرہ کا فاصلہ رکھ کر مٹی ڈالنے میں انسانی تکریم کا پہلو زیادہ ہے اور مردہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تکریم وتحریم کا حکم دیا گیا ہے،عذر و مجبوری کے بغیر تابوت میں مردہ کی تدفین مکروہ ہے،فقہاءؒ نے اس سے منع کیا ہے،(۳) کیونکہ اس صورت میں

---

(۱) البحر الرائق :۲/۳۴۲۔محشی۔
(۲) رد المحتار :۱/۶۶۱،ط:پاکستان۔
(۳) البحر الرائق :۲/۲۴۰،ط: مكتبة زكريا ، الهند ، مجمع الأنهر :۱/۸۱،ط دار الإحياء التراث العربي ، بيروت۔محشی۔

عیسائیت کے طریقۂ تدفین سے مشابہت پائی جاتی ہے، ہاں اگر کوئی عذر ہو، مثلاً: زمین دلدلی ہو، یا سمندر میں دفن کرنا پڑے، یا وہاں کے قانون ملکی کے رو سے بغیر تابوت کے تدفین کی اجازت نہ ہو، اور مسلمان کسی فتنہ وفساد کے بغیر قانون میں تبدیلی لانے کے موقف میں نہ ہوں، تو ایسی صورتوں میں تابوت میں دفن کرنا درست ہے۔(۱)

غیر مسلم کی اسلامی طریقہ پر تجہیز و تکفین اور مسلمانوں کے قبرستان میں تدفین

سوال:- {933} ایک صاحب کے پاس ایک ضعیف غیر مسلم شخص ملازمت کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اگر تمہارا انتقال ہو جائے تو تمہاری میت تمہارے رشتہ داروں کے پاس بھیج دیں؟ اس نے کہا کہ میں تو ان سے لڑ جھگڑ کر آ گیا ہوں، آپ لوگ اپنے طریقے سے غسل دے کر، اور نماز پڑھ کر دفن کر دیں، اتفاق سے کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا، لوگوں نے غسل دے کر، نماز جنازہ پڑھ کر قبرستان میں دفن کر دیا، حالانکہ اس نے نہ کبھی کلمہ پڑھا تھا، اور نہ کبھی نماز، اور نہ ہی اس کا ختنہ ہوا تھا، اب لوگ اس سلسلہ میں پریشان ہیں؟　(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- لوگوں کو چاہئے کہ پہلے علماء سے استفسار کر لیں، پھر کوئی قدم اٹھائیں، غیر مسلم لاوارث مردہ کو غسل دینے اور دفن کرنے کی گنجائش ہے، لیکن نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں، (۲)

---

(۱)　رد المحتار :۱/۶۶۰، ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ محشی۔

(۲)　" و شرطها أي شرط جواز الصلاة عليه اسلام الميت فلا تصح على الكافر لقوله تعالى : ﴿ و لا تصل على أحد منهم مات أبدًا ﴾ (مجمع الأنهر ۱/۱۸۲)محشی۔

کیوں کہ نماز جنازہ کا مقصد خدائے واحد سے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ہے، تو جو شخص خدا پر یقین ہی نہیں رکھتا ہے اس کے اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہونا ایک بے معنی بات ہوگی، بہتر طریقہ یہی ہے کہ غیر مسلموں کو انہی کے قبرستان میں دفن کیا جائے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کتابیہ عورت مسلمان کے نکاح میں ہو اور حاملہ ہونے کی حالت میں انتقال ہو جائے، تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے، لیکن از راہ احتیاط عام قبروں سے الگ اس کی قبر بنائی جائے: " یتخذ لها مقبرة علیٰ حدة قال فی الحلیة وهذا أحوط " (۱) بہر حال اب جب کہ مسلمانوں کے قبرستان میں اس کی تدفین ہو چکی ہے، تو کرامت انسانی کا تقاضہ ہے کہ اس کی قبر وہیں رہنے دی جائے، البتہ کسی علامت کے ذریعہ اس کی قبر کی نشاندہی کر دی جائے، تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

غیر مسلم کی اسلامی طریقہ پر تدفین

سوال:- {934} ایک غیر مسلم کا انتقال ہو گیا، چونکہ اس کے والد کی اسلامی طریقہ پر تدفین عمل میں آئی تھی، اس لیے اس غیر مسلم آدمی کی بھی ان کے بھائیوں کے کہنے پر اسلامی طریقہ سے تدفین عمل میں آئی ہے، کیا یہ درست ہے اور کیا اب یہ آدمی مومن و مسلم سمجھا جائیگا؟

(حافظ محمد نور احمد، کرما گوڑہ)

جواب :- جس شخص کا انتقال حالت کفر میں ہوا ہو، اس پر نماز جنازہ تو نہیں پڑھی جا سکتی، لیکن غسل دیا جا سکتا ہے، کفن پہنایا جا سکتا ہے اور تدفین کی جا سکتی ہے۔

" و یغسل المسلم و یکفن و یدفن قریبه کخاله

(۱) رد المحتار: ۹۴/۳۔

الکافر الأصلی" (۱)

لیکن محض مسلمانوں کی طرح دفن کیے جانے کی وجہ سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اپنی زندگی میں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لایا ہو۔

دفن کرنے کے بعد کی دعاء

سوال:- {935} میت کے دفنانے کے بعد کیا دعاء پڑھنی چاہیے؟　　(انور محی الدین، گولکنڈہ)

جواب:- امام سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے:

میں ایک جنازہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ شریک ہوا، جب میت قبر میں رکھی گئی تو آپؓ نے فرمایا: "بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملة رسول اللہ" جب تدفین ہوگئی، اور قبر پر مٹی برابر کی جارہی تھی تو آپؓ نے یہ دعاء پڑھی:

"اللّٰھم أجرھا من الشیطان و من عذاب القبر، اللھم جاف الأرض عن جنبھا و صعّد روحھا و لقھا منك رضوانا"

"اے اللہ! اسے شیطان سے اور عذاب قبر سے بچائیے، اے اللہ! اس کے پہلو سے زمین کو دور رکھئے، (یعنی قبر کو کشادہ فرمائیے) اور اس کی روح کو اوپر چڑھائیے، (یعنی علیین میں جگہ دیجئے) اور اس کو اپنی خوشنودی سے سرفراز فرمائیے"

---

(۱) الدر المختار علی هامش الرد :۳/۱۳۴۔

سعید بن مسیبؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے پوچھا کہ یہ دعاء آپ ﷺ نے اپنے طور پر پڑھی ہے، یا رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ فرمایا: میں نے آپ ﷺ سے سنی ہے'' (۱)

یہ حدیث گو سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، لیکن فضائل و اوراد میں ضعیف حدیثیں بھی معتبر ہوتی ہیں، اس لیے تدفین کے بعد یوں تو استغفار کرنا ہی چاہئے، لیکن خاص طور پر مذکورہ کلمات میں دعاء کی جائے تو بہتر ہے۔

تدفین کے بعد دعاء اور سورہ بقرہ کی ابتدائی و آخری آیات کی تلاوت

سوال:- {936} مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر دعاء کرنا اور قبر کے سرہانے یا پائنتی سورۂ بقرہ کا ابتدائی اور آخری رکوع پڑھنا کیا درست ہے؟ ایک عالم صاحب نے اس سے منع کیا ہے، جب کہ دوسرے عالم صاحب اس کو درست قرار دیتے ہیں؟ (محمد عبدالحمید، مستعد پورہ)

جواب:- تدفین کے بعد دعا کرنا درست ہے، چنانچہ حضرت عثمان بن عفان ﷺ سے مروی ہے:

" كان النبى ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال: "استغفروا لأخيكم و اسئلوا الله له التثبيت فإنه الآن يُسئل" (۲)

(۱) سنن ابن ماجة ، حدیث نمبر: ۱۵۵۲۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۲۲۱۔

''رسول اللہ ﷺ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو
فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار اور اس کے لیے ثابت
قدمی کی دعاء کرو، کیوں کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے''

دفن کرنے کے بعد مردہ کے سر کی طرف سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ اور پاؤں کی طرف اس کا آخری حصہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، کہ جب تم میں سے
کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روکو نہیں، اور اسے جلدی دفن
کر دو، اور اس کے سر کے پاس سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات
(فاتحه البقرة) اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری
آیات (خاتمة البقرة) پڑھی جائیں''(۱)

محدثین کا خیال ہے کہ از روئے تحقیق یہ حضور ﷺ کا ارشاد نہیں ہے، بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، (۲) اور صحابی رضی اللہ عنہ کا قول بھی حجت اور دلیل ہوتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس طریقہ کو درست قرار دیا ہے، جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں، (۳) اس لیے فقہاء نے بھی تدفین کے بعد سورۂ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ (۴)

---

(۱) مشكوة المصابيح :۱/۱۴۹، بہ حوالہ: سنن بیهقی، نیز دیکھئے: مجمع الزوائد :۳/۴۴، بہ حوالہ: طبرانی۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۲۲۱۔
(۳) کنز العمال، حدیث نمبر: ۹۲۸۔ بہ حوالہ: سنن ابن ماجة، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔ مرتب۔
(۴) الجوهرة النيرة: ۱/۱۵۸، الدر المختار مع الرد: ۲/۲۳۷۔ محشی۔

تدفین کے چند مسائل

سوال:- {937} (الف) میت کو دفن کرتے وقت جو مٹی دی جاتی ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دونوں پیروں کے درمیان سے نہ دے۔

(ب) تدفین کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر جو دعاء کرتے ہیں، وہ جائز ہے یا نہیں؟

(ج) میت کو دفن کرنے کے بعد کتنی دیر رکنے کے احکام ہیں؟　　(رشید احمد خان، بھینسہ)

جواب:- (الف) قبر پر مٹی ڈالنے کے سلسلہ میں ایسی کوئی تفصیل منقول نہیں ہے کہ مٹی ڈالنے والا اپنے دونوں پاؤں کے درمیان سے مٹی نہ ڈالے، صرف اس قدر مستحب ہے کہ دونوں ہاتھ سے لپ بھر مٹی تین بار ڈالی جائے، ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ قبر پر آتے تو قبر کے سرہانے کی طرف سے تین دفعہ قبر پر مٹی ڈالتے، (١) اس لیے فقہاء نے قبر کے سرہانے سے مٹی ڈالنے کو مستحب قرار دیا ہے:

"و یستحب حثیه من قبل رأسه ثلثا" (٢)

(ب) تدفین کے بعد قبر پر میت کے لئے دعاء واستغفار بھی مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ جب تدفین سے فارغ ہوتے تو صحابہ ﷺ سے فرماتے: ''اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو، اور ثابت قدمی کے لیے دعاء کرو، اس لیے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جارہا ہے:

" استغفروا لأخيكم وأسئلوا الله له التثبيت

---

(١) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ١٥٦٥۔ محشی۔

(٢) الدر المختار علی هامش رد: ١٤٣/٣۔

فإنه الآن يُسئل "(۱)

چنانچہ فقہاء نے بھی تدفین کے بعد دعاء کو مستحب قرار دیا ہے (۲) دعاء میں چونکہ ہاتھ اٹھانے کی گنجائش ہے اس لیے ہاتھ اٹھا کر دعاء کر سکتا ہے، البتہ دعاء کے وقت قبلہ کی طرف رخ ہو، نہ کہ قبر کی طرف، قبر کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے سے فقہاء نے منع کیا ہے۔ (۳)

(ج) حضرت عمرو بن عاص ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں سے خواہش کی تھی کہ میری وفات کے بعد میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہو جتنا وقت اونٹ ذبح کرنے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگ سکتا ہے، (۴) اس لئے بعض فقہاء نے اتنی دیر تدفین کے بعد رکنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ (۵)

رات میں مُردوں کی تدفین

سوال:- (938) رات میں میت کی نماز ادا کرنا اور رات میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک آبادی کے کچھ لوگ اس مسئلہ میں دو فریق بن گئے، ایک فریق کا کہنا ہے کہ رات میں میت کی نماز پڑھنا اور رات ہی میں دفن کرنا جائز نہیں ہے، یہ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں "کتاب انتخاب صحاح ستہ" (تحسین وتزئین مولانا امجد العلی صاحب، استاذ الحدیث، مدرسہ دینیہ عربیہ مطلع العلوم، رامپور، یوپی) کے حوالہ سے صفحہ:

---

(۱) سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۳۲۲۱۔
(۲) الدر المختار علی هامش رد :۱۴۳/۳۔
(۳) الفتاوی الخانية علی هامش الفتاوی الهندية:۱۶۹/۱۔محشی۔
(۴) ردالمحتار :۱۴۳/۳۔
(۵) حوالہ سابق۔

۲۱۷، حدیث نمبر: ۶۸۲، پیش فرمائی ہے، دوسرے فریق نے کہا کہ یہ بات بالکل دین میں نئی بات پیدا کرنے کے مترادف ہے کبھی ایسی بات نہ تو سنی گئی اور نہ دیکھی گئی، لہذا حدیث وفقہ کی روشنی میں اس کی وضاحت کی جائے؟

(عباس علی، سعید آباد)

جواب:- میت کو رات میں دفن کرنا بلا کراہت جائز و درست ہے، البتہ دن کو دفن کرنا مستحب ہے، تاکہ زیادہ لوگ اس کے جنازہ کی نماز اور دفن میں شریک ہوسکیں، ''الدر المختار'' میں ہے: ''لایکرہ الدفن لیلا ''(۱) اور شامی میں ہے: ''والمستحب کونہ نھارا ''(۲) ''اور دن کے وقت دفن کرنا مستحب ہے''۔

امام بخاریؒ نے اس بارے میں ایک باب قائم کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ رات کو دفن کرنا جائز ہے اور اس سلسلہ میں ایک تو یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ رات ہی کو دفن کئے گئے، دوسرے یہ حدیث نقل کی ہے:

" عن ابن عباس ؓ قال : صلی النبی ﷺ علی رجل دفن بلیلة قام ھو و أصحابه وکان سأل عنه فقال من ھذا؟ فقالوا فلان دفن البارحة فصلوا علیه " (۳)

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھی جو رات کو دفن کردئے گئے تھے، حضور ﷺ اور ان کے ساتھی (نماز کے لئے) کھڑے ہوگئے

(۱) الدر المختار: ۱/۸۴۷۔
(۲) رد المحتار: ۱/۸۴۷۔
(۳) صحیح البخاری ، باب الدفن باللیل : ۱/۱۶۴، ط: مصر، ۱۹۵۳ء۔

اور حضور ﷺ نے پوچھ لیا تھا اور کہا تھا کہ یہ کون ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ فلاں ہیں، جنہیں رات میں دفن کیا گیا، تو ان لوگوں نے اس پر نمازِ جنازہ پڑھی"

اور بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث مشکوۃ شریف میں نقل کی گئی ہے:

"عن ابن عباس ﷺ أن رسول الله ﷺ مر بقبر دفن ليلا ، فقال متى دفن هذا ؟قالوا: البارحة ، قال أفلا آذنتموني؟ قالوا دفناه في ظلمة الليل فكرهنا أن نوقظك فقام فصففنا خلفه فصلى عليه" متفق عليه "(۱)

"حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ایک شخص کی قبر پر گزرے جو رات کو دفن کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کب دفن کیا گیا؟ اُن لوگوں نے کہا: شب گزشتہ، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کیوں نہیں خبر کی؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نے رات کے اندھیرے میں دفن کیا، ہم کو اچھا نہیں لگا کہ آپ کو جگائیں، پس حضور ﷺ کھڑے ہوگئے ہم نے حضور ﷺ کے پیچھے صف لگائی اور آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھی۔

رہی وہ حدیث جس کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے، اس میں ناکافی کفن دیا گیا تھا اور اس خیال سے منع فرمایا کہ دن کو زیادہ لوگ شریک ہوتے ہیں، (۲) اسی وجہ سے اگر زیادہ تاخیر کا

---

(۱) مشکوۃ المصابیح :ص:۱۴۵۔

(۲) سنن ابن ماجة: حدیث نمبر:۱۵۲۰، أبواب الجنائز۔ محشی۔

اندیشہ نہ ہو اور زیادہ لوگوں کی شرکت کی امید ہو تو دن کو دفن کرنا مستحب ہے، چنانچہ "مسلم، باب في تحسین کفن المیت" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نوویؒ نے لکھا ہے:

"سبب هذا النهي أن الدفن نهارا بحضرة كثير من الناس ويصلون عليه ولا يحضره في الليل إلا افراد" (۱)

"اس کی وجہ یہ ہے کہ دن کو دفن کرنے کے موقعہ پر زیادہ لوگ شریک ہوں گے، اور نمازِ جنازہ پڑھیں گے، اور رات کو صرف چند لوگوں کی شرکت ہوگی"۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

(۱) حاشية مسلم: ۳۷۲/۲، طبع: مصر، ۱۳۴۸ھ۔

زیارت اور ایصال ثواب

سورۂ ملک کی تلاوت اور ایصالِ ثواب

سوال:- {939} مجھے معلوم ہوا کہ روزانہ سورۂ ملک پڑھنے سے عذابِ قبر نہیں ہوتا، اس لئے میں اسے پڑھنے کا اہتمام کرتی ہوں، لیکن کیا اس کا ثواب مرحوم کے لئے ایصال کر دیا جائے، تا کہ اسے عذاب قبر نہ ہو، تو کیا مجھے دوبارہ اتنی بار پڑھنا پڑے گا؟ (ثناء فاطمہ، گلبرگہ)

جواب:- اگر آپ قرآن شریف پڑھیں اور ایصالِ ثواب کریں، تو جتنا ثواب اسے پہنچے گا، کوئی کمی کئے بغیر انشاء اللہ آپ کو بھی پہنچے گا، جو شخص سورۂ ملک پڑھنے کا اہتمام کرتا ہو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاء اللہ وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔(۱)

مُردوں کے لئے قرآن سے ایصالِ ثواب

سوال:- {940} بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن

(۱) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر :۴/۲۹۵۔

مجید پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو ایصال کیا جائے تو درست ہے، جبکہ بعض حضرات اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں حق بات کیا ہے؟ (حفیظ اللہ، نظام آباد)

جواب:- احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کا ثواب مردوں کو ایصال کیا جاسکتا ہے، حضرتِ علی ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے، اور مردوں کو اس کا ثواب ایصال کردے، تو قبرستان کے تمام مردوں کے برابر خود اس کو بھی ثواب پہنچے گا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں یہ اور اس کے علاوہ اور بھی احادیث ذکر کی ہیں، جن سے مردوں کو تلاوتِ قرآن کا ثواب پہنچانے کا ثواب ملتا ہے، (۱) چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ قرآن سے ایصالِ ثواب کے قائل ہیں، اور یہی رائے امام غزالیؒ اور بہت سے فقہاء شوافع کی بھی ہے، (۲) اِس لئے صحیح یہی ہے کہ قرآن پڑھ کر مردوں کو اِیصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔

ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں کتابیں

سوال:- {941} عام طور پر مسجد میں ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید کے پارے ہی رکھے جاتے ہیں، حالاں کہ پہلے سے ہی قرآن کے پارے رکھے ہوتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں قرآن ہی دینا بہتر ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر مسجد میں قرآن مجید کے پارے نہ ہوں یا ہوں مگر ضرورت سے کم، تو قرآن اور اس کے پارے دینا افضل ہے، اور اگر قرآن کے پارے حسب ضرورت موجود ہوں،

(۱) دیکھئے تفسیر ﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى﴾ النجم: ۳۹۔
(۲) شیخ زادہ علی بیضاوی: ۴/۴۱۶۔

تو دوسری دینی کتابیں جیسے قرآن کی تفسیر یا احادیث وغیرہ کا مجموعہ ایصال ثواب کے طور پر دینا بہتر ہے۔(۱)

ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں طہارت خانہ

سوال:- {942} ایک مسجد میں طہارت خانہ کی کمی ہے، اس کی تعمیر کرنا چاہتا ہوں، کیا میں اپنے حلال پیسوں سے کسی مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لئے یہ کرسکتا ہوں؟

(محمد احمد پٹیل، بھوانی نگر)

جواب:- طہارت خانہ بھی مسجد کے لئے ایک ضرورت ہے، اس لئے اس کی تعمیر میں بھی انشاء اللہ ضرور ثواب ہوگا، لہٰذا آپ کسی مرحوم کی طرف سے ایصالِ ثواب کے لئے تعمیر کرسکتے ہیں۔(۲)

ایصالِ ثواب کی مختلف صورتیں

سوال:- {943} کیا قرآن شریف ختم کرنے کے بعد اس کا ثواب مرحوم کو بخش سکتے ہیں؟ عام طور پر یہاں ایک رواج چل رہا ہے کہ لوگ جو قرآن مجید ختم کرتے ہیں، وہ میت کو بخشنے کے لئے کہتے ہیں، خاص کر مستورات میں یہ بات عام ہے، میں نے تفسیر ابن کثیر میں حسب ذیل آیت اور اس کی اردو تفسیر پڑھی تو میں بھی ایک قسم کی تشویش میں مبتلا

---

(۱) مجمع الأنهر :۱/۳۸ محشی۔

(۲) و الأئمة اتفقوا على أن الصدقة تصل إلى الميت ، و كذلك العبادات المالية كالعتق " (فتاوى ابن تيمية :۲۴/۳۰۹)

ہوگیا، آخر صحیح عمل کیا ہے؟ تفسیر سورۂ نجم مکیہ، پارہ نمبر: ۲۷ر
آیت:۱۶ رکی اردو تفسیر ملاحظہ ہو:

''حضرت امام شافعی اور ان کے متبعین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مُردوں کو پہنچایا جائے تو نہیں پہنچتا، اس لئے کہ نہ تو یہ اس کا عمل ہے اور نہ کسب، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواز بیان کیا اور نہ اپنی امت کو اس پر رغبت دلائی، نہ انہیں اس امر پر آمادہ کیا، اور نہ تو کسی صریح فرمان کے ذریعہ سے اور نہ کسی اشارہ و کنایہ سے''

اس لئے بتائیں کہ قرآن مجید پڑھ کر ایصالِ ثواب ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (سید ظہیر الدین، پکی باؤلی)

جواب:- مجموعی طور پر ایصالِ ثواب کی چار صورتیں ہیں:

۱) مرحومین کے لئے دعاء، اس کے درست ہونے پر تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے، (۱) اس کی سب سے بڑی دلیل خود قرآن مجید ہے، جس میں اپنے متوفی دینی بھائیوں کے لئے بھی دعاء کرنا سکھایا گیا ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾ (۲)

۲) مالی عبادتیں یعنی صدقات اور قربانی وغیرہ کے ذریعہ، اس کے جائز ہونے پر بھی اہل سنت والجماعت کا اجماع واتفاق ہے، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"والأئمة اتفقوا على أن الصدقة تصل إلى

---

(۱) دیکھئے: فتاوی ابن تیمیة :۳۰۶/۲۴۔
(۲) الحشر :۱۰۔ محشی۔

الميت وكذالك العبادات المالية كا لعتق " (۱)

''ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہونچتا ہے، اور ایسے ہی دوسری مالی عبادت کا جیسے غلام آزاد کرنا''

اس سلسلہ میں صریح حدیث موجود ہے:

''ایک صحابی ﷜ نے عرض کیا:'' یا رسول اللہ ﷺ ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہونچے گا؟''أفينفعها أن أتصدق عنها''، آپ نے جواب دیا؛ ہاں!'' (۲)

اسی طرح خود رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہے، (۳) ظاہر ہے کہ یہ بہ طور ایصال ثواب کے ہی تھا۔

۳) حج کے ذریعہ ایصال ثواب بھی درست ہے، جو مالی عبادت بھی ہے اور بدنی بھی، آپ ﷺ نے ایک خاتون کو اپنی مرحومہ والدہ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، حدیث کی کتابوں میں بہ صراحت ووضاحت اس کا ذکر موجود ہے۔ (۴)

۴) بدنی عبادات جیسے قرآن، نماز، روزہ، ان کا ثواب پہونچے گا یا نہیں؟

اس میں اہل سنت والجماعت کے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک بدنی عبادت کے ذریعہ ایصال ثواب درست نہیں ،(۵) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾(۶) کہ انسان کے لئے وہی ہے جس کو اس نے خود

---

(۱) فتاوى ابن تيمية :۲۴/۳۰۹۔

(۲) سنن نسائي:۲/۳۔

(۳) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۷۹۲، باب ما يستحب من الضحايا۔ محشی۔

(۴) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۹۲۹، باب ما جاء في الحج عن الميت ۔ محشی۔

(۵) ردالمحتار:۳/۱۵۱، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند۔ محشی۔

(۶) النجم:۳۹۔ محشی۔

کیا ہے، اور حنفیہ وحنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک بدنی عبادات کے ذریعہ بھی ایصال ثواب جائز ہے،(۱) اور اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایمان کے بارے میں انسان کا اپنا عمل ہی مفید ہے، باپ کا ایمان کافر بیٹے، یا بیٹے کا ایمان کافر باپ کے لئے مفید نہیں۔(۲)

ان حضرات کی نگاہ احادیث پر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں مرحوم کی طرف سے اس کے ولی کے روزہ رکھنے کا حکم نبوی ﷺ منقول ہے: ''من مات و علیه صیام ، صام عنه ولیه ''(۳) ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے مردہ پر سورۂ یٰسین پڑھنے کو فرمایا: ''إقروا أعلیٰ موتاکم یٰسین ''(۴)

> ''ایک صاحب نے آپ ﷺ سے استفسار کیا کہ میں اپنے والدین کے ساتھ ان کی زندگی میں حسن سلوک کیا کرتا تھا، اب کس طرح حسن سلوک کرسکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: مرنے کے بعد حسن سلوک یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے لئے بھی نماز پڑھو، اور اپنے روزہ کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے لئے بھی روزہ رکھو: ''أن تصلی لهما مع صلاته، وأن تصوم لهما مع صومك ''(۵)

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں آیت: ﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾(۶) کی تفسیر میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور ایصال ثواب سے متعلق روایات

---

(۱) الدر المختار مع الرد:۳/۵۲،کتاب الجنائز ،ط: مکتبہ زکریا، دیوبند۔ محشی۔
(۲) موارد الظمآن:ص:۱۸۴،ط:المکتبة العلمیة ، بیروت۔ محشی۔
(۳) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۱۹۵۲،باب من مات و علیه الصوم ۔
(۴) مجمع الزوائد:۲/۷،ط:دار الفکر ۔ محشی۔
(۵) سنن الدار قطني ، الفتح الرباني:۸/۱۰۱۔ محشی۔
(۶) النجم:۳۹۔

کو جمع فرمایا ہے،(۱) چونکہ عبادات بدنیہ سے ایصال ثواب کے ثبوت پر بہ کثرت روایات منقول ہیں، اس لیے اکثر شوافع محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے کو قبول کیا ہے۔(۲)

غرض کہ عام طور پر اہل سنت والجماعت کے نزدیک دعاء، بدنی عبادت، مالی عبادت، ومرکب بدنی و مالی عبادت سب سے ایصال ثواب درست ہے، خاتم الفقہاء علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو غيرها هو مذهب أهل السنة و الجماعة"(۳)

"انسان کے لئے یہ درست ہے کہ اپنے عمل نماز یا روزہ یا صدقہ یا اس کے علاوہ کا ثواب دوسرے کے لئے کر دے، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے"

البتہ آج کل پیسے لے کر آیت کریمہ اور ختم قرآن کا جو طریقہ مروج ہو گیا ہے، یا دعوت کی وجہ سے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کی جو صورت رواج پا گئی ہے، یہ درست نہیں، یہ تو گویا آیات قرآنی کو فروخت کرنے کے مترادف ہے، علامہ شامیؒ نے خوب نکتہ کی بات کہی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آدمی پیسے لے کر قرآن پڑھے تو اس کا یہ عمل اخلاص سے خالی ہونے کی وجہ سے خود ہی باعث ثواب باقی نہیں رہا، اور جب یہ عمل باعث اجر ہوا ہی نہیں تو دوسروں کو کیوں کر اس کا ثواب پہونچایا جا سکتا ہے،(۴) ایسی باتوں سے بچنا چاہئے۔ و باللّٰہ التوفیق وھو المستعان۔

(۱) تفسیر مظہری: ۱۱/۱۱۳۔ محشی۔
(۲) شیخ زادہ علی بیضاوی: ۴/۲۱۶۔ محشی۔
(۳) رد المحتار: ۳/۱۵۱۔
(۴) حوالہ سابق: ۹/۷۷۔ محشی۔

قرآن مجید سے ایصالِ ثواب اور حدیث

سوال:- {944} سنا ہے کہ رمضان المبارک میں کلام پاک پڑھ کر مرحوم کو بخشنا چاہئے، لیکن بعض حضرات اس پر اعتراض کرتے ہیں، صحیح بات کیا ہے؟ اس کی رہنمائی کیجئے؟

(سید ضیاء الرحمان، نرساپور)

جواب:- احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کا ثواب مُردوں کو ایصال کیا جاسکتا ہے، حضرت علی ﷺ سے روایت ہے کہ

"آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور مُردوں کو اس کا ثواب ایصال کردے، تو قبرستان کے تمام مُردوں کے برابر خود اس کو بھی اس کا ثواب پہنچے گا"(۱)

اور حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ "قبرستان میں سورۂ یسین پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ مُردوں سے عذاب کو ہلکا کردیں گے"(۲)

یہ اور اس طرح کے روایات ہیں، جن سے مُردوں کو تلاوتِ قرآن کے ذریعہ ثواب پہونچانے کا ثبوت ملتا ہے، (۳) چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ قرآن سے ایصالِ ثواب کے قائل ہیں، اور یہی رائے امام غزالیؒ اور بہت سے فقہاء شوافع کی بھی ہے۔ (۴) اس

(۱) کشف الخفاء: ۳۸۲/۲۔ط: دار الإحیاء التراث العربي ۔محشی۔
(۲) التفسیر المظهری: ۱۲۹/۹، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔محشی۔
(۳) دیکھئے تفسیر: ﴿ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ (النجم: ۳۹)
(۴) شیخ زادہ علی بیضاوی: ۴/۴۱۶۔

لئے صحیح یہی ہے کہ قرآن پڑھ کر مُردوں کو ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔

(راقم سطور نے اپنی تالیف قاموس الفقہ جلد اول کے اخیر میں اس پر ایک گونہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔)

قرآن مجید سے ایصالِ ثواب کی دلیل

سوال:- {945} مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے کیا قرآن شریف پڑھا جا سکتا ہے، براہ کرم حدیث کے ذریعہ جواب دیں۔ (حافظ محمد عبد القدیر، یاقوت پورہ)

جواب:- انسان کو اصل اجر تو اپنے اعمال کا پہونچتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انسان کو دوسروں کے اعمال کا اجر بھی پہنچاتے ہیں، دعاء اور صدقہ دوسرے کے حق میں نافع ہونے اور اس کا ثواب پہنچنے پر تو اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے ہی، جمہور اہل سنت کے نزدیک قراءت قرآن اور دوسری بدنی عبادتوں کا ثواب بھی پہنچتا ہے یہی بات حدیث سے معلوم ہوتی ہے، حضرت معقل بن یسار ﷺ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سورہ یٰسین قرآن کا قلب ہے، جو شخص اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے لئے پڑھے گا اس کی مغفرت ہوگی، نیز تم اس سورت کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو''۔(۱)

''ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والدین زندہ تھے تو میں ان کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتا تھا، اب ان کی وفات ہوگئی، تو اب میں ان کے ساتھ کس طرح سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: ''اپنی نماز کے ساتھ ان

(۱) مسند احمد، الفتح الربانی :۱۰۱/۸، حدیث نمبر ۲۸۵۔

دونوں کیلئے نماز پڑھو، اور اپنے روزوں کے ساتھ ان دونوں کے لیے روزہ رکھو" "أن تصلي لهما مع صلاتك ، وأن تصوم لهما مع صيامك"(۱)

" حضرت ابو ہریرہ ﷺ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو قبرستان میں داخل ہو، وہ "سورہ فاتحہ"، " قل هو الله أحد "اور" الهكم التكاثر "پڑھے اور کہے کہ میں نے اس پڑھے ہوئے کلام کا ثواب اہل قبرستان مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے کر دیا، تو وہ لوگ اس شخص کے لئے اللہ تعالی کے نزدیک سفارشی ہونگے"

"من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب و قل هو الله أحد و الهكم التكاثر ، ثم قال إني جعلت ثواب ما قرأت ألخ"(۲)

" حضرت انس ﷺ راوی ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو قبرستان میں داخل ہو اور سورہ یٰسین پڑھے، تو اللہ تعالی ان سب یعنی قبرستان میں مدفون لوگوں سے عذاب کو ہلکا کر دیتے ہیں اور اس کے لئے ان تمام لوگوں کے برابر نیکیاں ہوتی ہیں"(۳)

"ابن الجلاج اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے صاحب زادگان سے فرمایا: جب تم لوگ مجھے میری

(۱) سنن الدار قطني ، الفتح الرباني :۸/۱۰۱۔
(۲) تفسیر مظہری:۹/۱۲۹۔
(۳) حوالہ سابق۔

قبر میں داخل کرو، تو قبر میں رکھتے ہوئے کہو: ''بسم الله و علیٰ سنة رسول اللّٰه''، پھر مٹی ڈال دو اور میرے سرہانے سورۂ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھو، کیوں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ اس عمل کو پسند فرماتے تھے۔ ''واقرؤا عند رأسی أول البقرة و خاتمها، فإني رأيت ابن عمر ﷺ يستحب ذالك'' محدثین نے اس کی سند کو معتبر و مقبول مانا ہے''(۱)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور بدنی عبادتوں کے ذریعہ ایصال ثواب حدیث سے ثابت ہے اور یہی ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور احمدؒ کی رائے ہے اور فقہاء شوافع میں سے بھی بہت سے لوگ اسی کے قائل ہیں، البتہ پیشہ ورانہ طریقہ پر پیسے لے کر قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں اور اس کا ثواب نہیں پہنچتا، کیوں کہ ثواب تو ایسے عمل پر ہوتا ہے جس میں اخلاص ہو، جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ خود لائق ثواب نہیں، اور جو عمل خود ہی لائق ثواب نہ ہو اس کا ثواب دوسروں کو کیوں کر ایصال کیا جا سکتا ہے؟ یہی بات مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے لکھی ہے۔(۲)

شوہر کے لئے ایصال ثواب

سوال:- {946} جب شوہر کے انتقال کے بعد بیوی سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، تو بیوی ایصال ثواب کیسے کرسکتی ہے جب کہ شوہر سے رشتہ ہی نہیں رہتا ہے؟

(جیلانی بیگم، قاضی پورہ)

---

(۱) دیکھئے: الفتح الربانی: ۸/۱۰۱۔

(۲) رد المحتار: ۹/۷۷، محشی۔

جواب:- موت کی وجہ سے رشتہ نکاح کا ختم ہو جانا بھی ایک راحت ہے، غور کیجئے اگر شوہر کے انتقال کے بعد بھی عورت کا رشتہ نکاح اس سے باقی رہے تو پھر اس کو ہمیشہ تجرد کی زندگی گذارنی پڑے گی، اور دوسرے نکاح کی گنجائش نہ ہوگی، کیونکہ ایک عورت بیک وقت دو مردوں کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، البتہ ایصال ثواب کے لئے رشتہ کا باقی رہنا ضروری نہیں، ایصال ثواب تو ہر مسلمان کلمہ گو کے لئے ہے۔

چہلم اور دہم سے پہلے چونا ڈالنا

سوال:- {947} زید اور بکر دونوں سگے بھائی ہیں، زید کا ایک نابالغ لڑکے کا - جس کی عمر چار سال تھی - انتقال ہو گیا، بکر اپنا ایک نیا مکان تعمیر کروا رہا تھا، زید کی بیوی کو یہ معلوم ہوا کہ بکر اپنے نئے مکان کو چونا ڈلوانے والا ہے، تو اس نے کہا کہ میرے بچہ کا چہلم ہونے کے بعد نئے مکان کو چونا ڈالنا، زید کے لڑکے کا انتقال ہوئے تقریباً پندرہ دن ہو چکے تھے، تو کیا بکر اگر اپنے مکان کو چونا کروا ڈالے تو اس کا یہ عمل حکم شریعت کے خلاف ہوگا؟ (محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)

جواب:- ایصال ثواب تو حدیث سے ثابت ہے، اور فقہاء اس کے قائل ہیں، لیکن اس کے لیے چالیسویں دن کی ہی تخصیص درست نہیں، اس لیے اہل علم نے کسی دن اور تاریخ کے متعین کرنے کو منع کیا ہے، مشہور محدث وفقیہ ملا علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں:

"قول أصحاب المذهب إنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول و الثالث و بعد الأسبوع"(۱)

(۱) رد المحتار :۱/۶۰۳، ط: نعمانیہ۔ محشی۔

''اصحاب مذہب نے کہا ہے کہ وفات کے پہلے اور تیسرے
دن اور ایک ہفتہ کے بعد ضیافت کا اہتمام مکروہ ہے''

موت کے بعد کسی خاص مدت تک مکان کو چونا نہ ڈالنا، یا اس کو برا سمجھنا قطعاً غلط، نیز غیر شرعی رسم ورواج اور ہندوانہ طور وطریقہ کی پیروی ہے، ایسی من گھڑت باتوں سے بچنا چاہئے۔

مطلقہ بیوی کے لئے ایصالِ ثواب اور قبر کی زیارت

سوال:- {948} میرے دوست نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دی، جب کہ ہوش وحواس میں نہیں تھی، چند دنوں بعد بیوی کا انتقال ہوگیا، میرے دوست چاہتے ہیں کہ ان کی مزار کی زیارت کریں، کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟

(محمد اقبال احمد، سکندر آباد)

جواب:- کسی شدید شرعی عذر کے بغیر طلاق دینا سخت گناہ ہے، اور وہ بھی ایسی حالت میں جب کہ بیوی ہوش وحواس میں بھی نہ ہو، یہ نہایت ہی ناشائستہ حرکت اور گناہ ہے، اس لئے اوّلاً تو آپ کے دوست کو استغفار کرنا چاہئے، جہاں تک مرحومہ کی قبر کی زیارت اور ان کے لئے ایصالِ ثواب کی بات ہے تو یہ کر سکتے ہیں، کیوں کہ ایصالِ ثواب تو کسی بھی مسلمان کے لئے کیا جاسکتا ہے، اور قبر کی زیارت کسی بھی مسلمان کے لیے جائز ہے، (۱) طلاق کی وجہ سے رشتۂ نکاح تو ختم ہوتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اسلامی اخوت کا رشتہ ختم نہیں ہوتا۔

سویم، دسواں وغیرہ

سوال:- {949} ایصالِ ثواب کا شرعی حکم اور صحیح طریقہ کیا ہے، زیارت، سویم، دسواں، چالیسواں اور سالانہ فاتحہ کرنا

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۶۰، کتاب الجنائز۔ محشی۔

جائز ہے یا نہیں؟ بعض رشتہ داروں کے پاس سے ایسی دعوتیں آتی ہیں، اگر شریک نہ ہوں تو ناراضگی کا سبب ہوتا ہے، اس سلسلہ میں ہمیں کیا کرنا چاہئے تا کہ بغیر کسی کو ناراض کئے ان کو صحیح احکام کی روشنی میں مطمئن کرسکیں؟

(خواجہ معین الدین، تالاب کٹہ)

جواب:- ایصال ثواب کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ کوئی بدنی، مالی عبادت کی جاوے یا قرآن مجید پڑھا جائے، اور دعا کی جائے کہ اللہ تعالی اس کا اجر مرحوم کو عطاء کردے، (۱) ایصال ثواب کا یہی طریقہ سنت سے ثابت ہے، زیارت دسویں، چالیسویں اور سالانہ فاتحہ وغیرہ کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے، (۲) اور چونکہ یہ دعوتیں ایک بدعت پر مبنی ہیں، اس لئے ان میں شرکت درست نہیں ہے، ایسے موقع پر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو شریعت کے احکام سے مطلع کرنا

---

(۱) مولانا احمد رضا خان بریلوی اپنی کتاب "جلی الصوت" میں لکھتے ہیں کہ "یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کئے جاتے ہیں، سب مکروہ و ممنوع ہیں۔ اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اس دعوت کا کھانا بھی منع ہے۔ (جلی الصوت :ص:۳)

"ویکرہ اتخاذ الطعام في الیوم الأول والثالث و بعد الأسبوع" (شامی: ۱/۶۰۳، ط:نعمانیہ)، "وتکرہ الضیافة من أهل المیت : لأنها شرعت في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة" (مراقی الفلاح ،ص:۳۳۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سفر السعادة ۲۷۳ میں لکھتے ہیں: "اما این اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است وحرام"

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"بعد یوم رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وششماہی و برسینی ہیچ کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ واندوحرام ساختہ اند" (مالا بدمنہ، ص:۱۶۰۔)

(۲) "ویقرأ یسین ... ثم یقول اللهم أوصل ثواب ما قرأناه إلی فلان" (رد المحتار:۱/۶۰۵، مطلب في زیارة القبور)

چاہئے اور شائستہ طریقہ پر شرکت سے معذرت کردینا چاہئے، زندگی میں ایسے بہت سے مواقع آئے ہیں، جب ہم محض کسی اختلاف ونزاع کے باعث لوگوں کے تقریبات میں شرکت نہیں کرتے ہیں، پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ذاتی مسائل میں ہم اتنے حساس ہوں اور خدا کے دین اور شریعت کے معاملہ میں ہمارے اندر کوئی غیرت نہ ہو۔

غیر مسلم والدین کے لئے استغفار

سوال:- {950} اگر کسی کے والدین غیر مسلم ہوں اور کفر کی حالت ہی میں ان کا انتقال ہوا، لیکن ان کی اولاد کو ایمان لانے کی توفیق ہوئی، تو کیا وہ اپنے غیر مسلم والدین کے لئے ایصال ثواب کرسکتا ہے؟

(ابوقمر صدیقی، سمری، بختیار پور، محمد ابراہیم رئیس، نظام آباد)

جواب:- ثواب پہنچانا یا استغفار کرنا صرف مسلمان ہی کے لئے جائز ہے، کافر ومشرک کے لئے جائز نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِىْ قُرْبىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ﴾ (۱)

”نبی اور ایمان والوں کے لئے روا نہیں کہ یہ ظاہر ہوجانے کے بعد بھی کہ مشرکین دوزخی ہیں ان کے لئے دعاء کریں، گو وہ ان کے قرابت دار ہوں“

اس لئے کافر والدین کے لئے نہ استغفار جائز ہے اور نہ ایصال ثواب۔

---

(۱) التوبة :۱۱۳۔

تدفین سے پہلے قرآن کے ذریعہ ایصال ثواب

سوال:- {951} تدفین سے پہلے میت کی مغفرت کے واسطے قرآن مجید پڑھنا کیسا ہے؟

(محمد ریاض احمد، وجئے نگر کالونی)

جواب:- ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید تدفین سے پہلے بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ چوں کہ موت کی وجہ سے انسان ایک درجہ میں ناپاک ہو جاتا ہے اور غسل دینے کے بعد پاک ہوتا ہے، اس لئے جب تک مردہ کو غسل نہیں دیا جائے، میت کے پاس بیٹھ کر قرآن نہ پڑھا جائے "تکره القرأة عنده حتى يغسل"۔(۱)

غیر مسلموں کے لئے ایصال ثواب

سوال:- {952} آج کل یہ رسم چل پڑی ہے کہ کوئی بڑا لیڈر مر جاتا ہے تو اس کی آخری رسومات پر یا اس کی برسی اور جنم دن کے موقع پر مذہب کی کتابوں کی تلاوت کر کے ان کی آتما کو شانتی پہنچانے کی تقریب منعقد کی جاتی ہے اور چن چن کر ایسے لوگوں کو بلاتے ہیں جو اپنے فرقے میں باا ثر اور دیندار سمجھے جاتے ہیں، کیا کسی غیر مسلم کے حق میں ایصال ثواب کے لئے قرآن کی تلاوت درست ہے؟ براہ کرم تفصیلی جواب دیں: کیوں کہ یہ رسم عام ہونے کے باوجود اس پر دینی حلقوں کی جانب سے کوئی احتجاج یا فتوی سامنے نہیں آیا ہے۔

(عبدالمعید، ہمایوں نگر)

---

(۱) الدر المختار مع الرد:۸۴/۳۔

جواب:- اسلام کا نقطۂ نظریہ ہے کہ ایک شخص جو کفر میں مرتا ہے وہ خدا کا باغی ہے اس لحاظ سے وہ یقیناً اس لائق ہے کہ اس سے بے تعلقی برتی جائے، یہ بے تعلقی، بے مروتی اور ناروداری نہیں، بلکہ وفا شعاری اور انصاف کا تقاضا ہے، ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ ملکوں اور حکومتوں کے باغیوں کو سزائے موت دی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہمدردی ایک طرح کی غداری باور کیا جاتا ہے، پس رب کائنات سے تمام انسانوں کا جو رشتہ بندگی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ ایسے شخص کو معاشرہ کا باغی تصور کیا جائے اور اس سے بے تعلقی برتی جائے، اسلام نے اسی لئے دنیا میں گو عام انسانی رشتہ کے تحت ایسے لوگوں کے ساتھ مواسات کا حکم دیا ہے، لیکن آخرت جو صرف اہل ایمان کے لیے ہے اور جس کی ملکیت کو اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور اپنے آپ کو"مالك يوم الدين" کہا ہے، اس میں کسی قسم کی رواداری کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

خود رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اس کی دو نہایت واضح مثالیں ملتی ہیں: ایک مثال حضرت ابو طالب کی ہے، جو آپ ﷺ کے چچا بھی تھے اور محسن و محافظ بھی، لیکن ایمان ان کے لیے مقدر نہیں تھا، آپ ﷺ نے ان کے لیے دعاءِ مغفرت کی تو ارشادِ باری ہوا:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ (۱)

"نبی اور اہل ایمان کے لیے روا نہیں کہ مشرکین کے لیے یہ بات ظاہر ہو جانے کے بعد کہ وہ دوزخی ہیں، دعاء استغفار کریں، گو وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں"

علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

---

(۱) التوبة :۱۱۳۔

" فان اللہ لم یجعل للمؤمنین أن یستغفروا للمشرکین فطلب الغفران مما لا یجوز " (۱)

'' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے یہ جائز نہیں رکھا ہے کہ مشرکین کے لیے استغفار کریں، پس مشرک کے لیے دعاءِ مغفرت جائز نہیں''

دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے راس المنافقین عبداللہ بن ابی پر نماز جنازہ پڑھی ، جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا، حالانکہ وہ باطن میں ایمان سے محروم تھا، اس موقع سے بھی ارشادِ خداوندی ہوا:

﴿ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ (۲)

'' ان میں سے مرنے والوں پر آپ کبھی بھی نماز نہ پڑھیں، اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور بحالتِ فسق رہے ہیں''

مشہور مفسر علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

" والمراد من الصلاۃ المنھی عنھا صلوۃ المیت المعروفۃ و ھي متضمنۃ للدعاء و الاستغفار و الاستشفاع " (۳)

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن :۸/۲۷۳۔

(۲) التوبۃ:۸۴۔

(۳) روح المعانی :۱۰/۱۵۵۔

''جس نماز سے منع کیا گیا ہے، اس سے مراد نمازِ جنازہ ہے
اور یہ دعاءِ استغفار اور شفاعت کو بھی شامل ہے''

اس لیے غیر مسلموں کے لیے استغفار، ایصالِ ثواب قرآن پڑھنا وغیرہ جائز نہیں، اور یہ رسم نہایت قبیح اور شرعی نقطۂ نظر سے غلط اور قطعاً نادرست ہے۔

بہترین ایصالِ ثواب

سوال:- {953} مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے
بہترین اور باعث قبولیت اعمال کیا ہیں؟

(منا، نظام آباد)

جواب:- اکثر فقہاء کے نزدیک ''بدنی عبادت'' نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن اور ''مالی عبادت'' یعنی صدقہ، قربانی کے ذریعہ مُردہ کو ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، (۱) البتہ ایصالِ ثواب کا زیادہ بہتر طریقہ صدقہ ہے، کیونکہ صدقہ سے ایصالِ ثواب کے درست ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے، پھر صدقہ میں بھی ایک ایسا صدقہ ہے جس کا اثر اور نفع کم وقت تک محدود ہوتا ہے، جیسے: کسی کو کھانا کھلا دینا۔

صدقہ کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان کا نفع دیرپا ہوتا ہے، اسے صدقۂ جاریہ سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ ایصالِ ثواب کا سب سے بہتر طریقہ ہے، جیسے: مسجد یا مدرسہ تعمیر کرا دینا، کنواں کھودوانا، وغیرہ، رسول اللہ ﷺ سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور وہ ان کی طرف سے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے کنواں کھودوانے کا مشورہ دیا، (۲) تو ایسے صدقات کے ذریعہ ایصالِ ثواب جس کے نفع کا دائرہ وسیع ہو، اور زیادہ دنوں تک لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، سب سے افضل طریقہ ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۳/۱۵۱۔
(۲) مسند إمام أحمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲۲۴۵۵۔ محشی۔

ہائے! یہ قرآن فروشی

سوال:- {954} بعض حفاظ کئی قرآن مجید مکمل پڑھ کر ذخیرہ کے طور پر رکھ لیتے ہیں، جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے، تو ورثاء ان سے رجوع ہوتے ہیں، اور مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے قرآن پاک پڑھ کر بخشنے کی درخواست کرتے ہیں، تب یہ حفاظ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کئی قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں، آپ پانچ سو روپے، ہزار روپے دے کر ایک قرآن مجید بخشوا لیجئے، کیا یہ عمل جائز ہے؟

(محمد عبدالحلیم، محبوب آباد)

جواب:- قرآن مجید سے ایصال ثواب درست ہے، حدیثوں سے ثابت ہے، (۱) اور اس لئے اکثر فقہاء اس کے قائل ہیں، (۲) لیکن آپ نے جو صورت ذکر کی ہے، یہ نعوذ باللہ قرآن فروشی ہے نہ کہ ایصال ثواب، جب قرآن کی تلاوت کا معاوضہ لے لیا گیا، تو اس میں اخلاص باقی نہیں رہا، اور جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ باعث ثواب نہیں، پھر جب قرآن کی تلاوت کرنے والوں کا عمل بجائے خود باعث ثواب نہیں ہے تو وہ دوسروں کو کس طرح ثواب کا ایصال کر سکتے ہیں؟ جب کوئی عمل بجائے خود اجر و ثواب کا باعث ہو، جب ہی دوسروں کو اس کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے، اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ قطعاً نادرست ہے، اس سے مردہ کو ثواب بھی نہیں پہنچے گا اور یہ رقم قرآن کی تلاوت کرنے والے کے لئے بھی حرام ہوگی۔

---

(۱) "أن رسول الله ﷺ قال : من دخل المقابر فقرأ سورة "يسين" خفف الله عنهم ، و كان له بعد من دفن فيها حسنات " عن أنس ﷺ ، (اعلاء السنن، حدیث نمبر: ۲۳۲۴، باب استحباب زيارة القبور عمومًا و زيارة قبر النبي ﷺ خصوصًا و ما يقرأ فيها) محشی۔

(۲) رد المحتار: ۳/۱۵۲-۱۵۱۔ محشی۔

زندہ کو ایصالِ ثواب

سوال:- {955} (الف) اگر دینی کام ہو جیسے دینی اجتماع، ذکر، گشت وغیرہ تو کیا مرحومین کو اس کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے؟ (ب) کیا زندہ لوگوں کو بھی ان افعال کا ثواب پہنچا سکتے ہیں؟ (محی الدین، جگہ نامعلوم)

جواب:- (الف) اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک شخص اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے اور یہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، البتہ ایسے اعمال صالحہ کا ایصالِ ثواب کرنا چاہئے جو منصوص ہیں، اور براہِ راست قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، نیز بجائے خود مقصود ہیں، جیسے: نماز، تلاوتِ قرآن ذکر وغیرہ، وہ اعمال صالحہ جو منصوص نہیں ہیں مستنبط ہیں، ایسے اعمال کا ایصالِ ثواب حدیث یا سلفِ صالحین کی صراحتوں سے ثابت نہیں۔

(ب) ایصالِ ثواب مُردوں کی طرح زندوں کو بھی ہوسکتا ہے، علامہ شامی ''البحر الرائق'' کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

"من صام أو صلي أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة و الجماعة وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا "(۱)

''جس نے روزہ رکھا، یا نماز پڑھی، یا صدقہ کیا اور اپنا ثواب کسی اور زندہ یا مردہ کے لئے کردیا تو جائز ہے اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا، اس

(۱) رد المحتار :۱۵۲/۳۔

سے معلوم ہوا کہ جس کو ایصال ثواب کیا جائے اس کے زندہ اور مُردہ ہونے میں کوئی فرق نہیں"

قرآن مجید کی بعض سورتوں سے ایصال ثواب

سوال:- {956} خصوصاً ہر روز میرا معمول ہے کہ فجر سے قبل سورۂ یٰسین، سورۂ ملک، سورہ مزمل اور منزل پڑھ کر ان کا ثواب پیارے نبی ﷺ اور اہل بیت کو پہلے بخش کر اپنے والدین، مرحوم رشتہ داروں اور دوستوں کو بخشتا ہوں اور شروع میں درود شریف بھی پڑھتا ہوں، کیا شرعاً میرا یہ عمل درست ہے؟　　(محمد غوث الدین قدیر، کریم نگر)

جواب:- اکثر ائمہ اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید سے ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے، اس لیے جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ درست ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"جب قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ یٰسین پڑھے، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ جو قبرستان میں داخل ہو اور سورۂ یٰسین پڑھے، اللہ تعالیٰ ان سے اس دن عذاب کو ہلکا کر دیتے ہیں اور جتنے لوگ قبرستان میں مدفون ہیں، پڑھنے والے کے لیے ان کے برابر نیکیاں ہوتی ہیں، نیز شرح لباب میں ہے کہ قرآن میں سے جو پڑھنا آسان ہو وہ پڑھ لے، سورۂ فاتحہ، مفلحون تک سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ، آیت الکرسی، سورۂ بقرہ کا آخری رکوع، سورۂ یٰسین اور سورۂ ملک ... پھر کہے: اے اللہ! ہم نے جو کچھ پڑھا، اس کا ثواب فلاں شخص

یا فلاں فلاں اشخاص کو پہنچا دیجئے"۔(۱)

لہٰذا آپ کا رسول اللہ ﷺ اور دوسرے بزرگوں اور اہل تعلق کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اور یہ خود آپ کے لیے بھی باعثِ ثواب ہے، البتہ اسے ضروری اور لازم نہ سمجھ لیں کہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے واجب نہ قرار دیا ہو، اسے واجب کا درجہ دینا درست نہیں۔

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا

سوال:- {957} قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا کیسا ہے؟ کیا اس کی اجازت ہے؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- جو بات حدیث سے ثابت نہ ہو، قبر کے پاس اس کا کرنا مکروہ ہے اور حدیث سے دو باتیں ثابت ہیں: قبر کی زیارت اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعاء کرنا:

" ویکره عند القبر مالم یعهد من السنة و المعهود فیها لیس إلا زیارته والدعاء عنده قائمًا "(۲)

آپ سے قبر کے پاس جنت البقیع میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی ثابت ہے:

" حتی جاء البقیع فقام فأطال القیام ثم رفع یدیه ثلاث مرات" (۳)

اس لئے قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جاسکتی ہے، البتہ ہاتھ اٹھاتے وقت اپنا رخ قبلہ کی طرف رکھے نہ کہ کسی قبر کی طرف۔

---

(۱) رد المحتار :۳/۱۵۱، باب صلاة الجنازة ۔ محشی۔
(۲) الفتاوی الهندیة:۱/۱۶۹۔
(۳) صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۹۷۴۔

قبرستان میں دعاء کا طریقہ

سوال:- {958} قبرستان میں صاحب قبر کے لئے
دعاء مشرق کی طرف رخ کرکے پڑھی چاہئے یا قبلہ کی طرف؟
(محمد امان، سدی پیٹ)

جواب:- فتاوی عالمگیری میں قبر کی زیارت کا ادب یہ بتایا گیا ہے کہ قبرستان میں داخل ہونے کے بعد جوتے نکال دے، پھر صاحب قبر کی طرف متوجہ ہوکر کہے:

" السلام علیکم یا أهل القبور یغفر الله لنا و
لکم أنتم لنا سلف و نحن بالأثر " (۱)

''اے اصحاب قبور! اللہ تعالی ہمیں بھی معاف کردے اور
تمہیں بھی، آپ ہم سے پہلے جانے والے لوگ ہیں، اور ہم
لوگ بھی آپ کے پیچھے آنے والے ہیں''

پھر جب صاحب قبر کے لئے دعاء کرنی ہو، تو اس طرح دعاء کرے کہ پشت قبر کی جانب ہو اور چہرہ قبلہ کی طرف۔ (۲)

قبر پر سورۂ ملک دم کرکے پانی ڈالنا

سوال:- {959} ایک سال پہلے ہماری والدہ کا انتقال
ہوا اور میں ہر جمعہ ۴۱ / مرتبہ سورۂ ملک پڑھ کر پانی پر دَم کرکے
والدہ کی قبر پر ڈالنے کے لیے کسی کو دیتی ہوں، ایسا کرنا جائز

---

(۱) الجامع للترمذی: ۱/۲۰۳، أبواب الجنائز، باب ما یقول الرجل إذا دخل المقابر، عن ابن عباس ﷺ۔
(۲) الفتاوی الهندیة: ۵/۳۵۰، باب في زیارة القبور۔

ہے یا نہیں؟ کیا سورۂ ملک کی تلاوت کرنے سے عذاب قبر کم ہوتا ہے؟ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ صرف پانی ایک قبر پر نہیں بلکہ اس قبرستان کی تمام قبروں پر ڈالنا ہوگا، جب کہ ایسا کرنا بہت مشکل ہے، صحیح مسئلہ کی رہنمائی فرمائیں۔

(رضیہ سلطانہ، ہاگرگہ روڈ)

جواب:- روایات میں سورہ ملک کی بہت فضیلت آئی ہے، حضرت ابوہریرہ ﷛ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن میں تیس آیتوں پر مشتمل ایک سورہ ہے، جو انسانوں کے لیے خدا کے حضور شفاعت کرتی ہے، تا آنکہ اس کی مغفرت کردی جائے، اور وہ سورۂ ملک ہے،

" إن سورة من القرآن ثلاثون آية ، شفعت لرجل حتى غفر له ، و هي سورة تبارك الذى بيده الملك " (۱)

اسی طرح حضرت ابن عباس ﷛ نقل کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورہ کے بارے میں فرمایا: یہ عذاب قبر سے روکنے اور نجات دلانے والی ہے:

" هي المانعة ، هي المنجية ، تنجيه من عذاب القبر " (۲)

اس لیے سورۂ ملک کا پڑھنا اور اس کا ثواب مرحومین کو پہنچانا فائدہ مند ہے، لیکن اس سورہ کو پڑھ کر پانی پر دَم کر کے قبر وغیرہ پر ڈالنا درست نہیں، اس سے نہ مرحومہ کو ثواب ہوگا، نہ خود آپ کو، بلکہ اسے شرعی طریقہ سمجھ کر کرنا تو بدعت اور باعثِ گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے زندہ پر تو

---

(۱) الجامع للترمذي ، حدیث نمبر: ۲۸۹۱۔ محشی۔
(۲) الجامع للترمذي ، حدیث نمبر: ۲۸۹۰۔ محشی۔

دَم فرمایا ہے،(۱) لیکن مردہ یا قبر پر دَم کرنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں، اس لیے آپ قرآن مجید اور سورۂ ملک کی تلاوت کر کے والدہ کے لیے ایصال ثواب کیا کریں۔

عورت کا قبرستان سے گذرنا

سوال:- {960} میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ عورت کا قبرستان میں جانا ممنوع ہے لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میں مدرسہ کو جاتی ہوں تو راستہ میں قبرستان ملتا ہے میرا گذر وہیں سے ہوتا ہے، تو میرا اس طرح قبرستان سے گذرنا اسلامی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟ (صنوبر ثریا، جوگی پیٹ)

جواب:- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ﷺ کی قبر پر آنا اور زیارت کرنا ثابت ہے،(۲) لیکن چونکہ خواتین عام طور پر اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتیں اور جزع وفزع میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اس لئے ازراہ احتیاط علماء نے خواتین کو قبرستان جانے سے منع کیا ہے، لیکن یہ ممانعت زیارت قبر کی نیت سے قبرستان جانے کی ہے، قبرستان سے خواتین کے گذرنے میں کوئی قباحت نہیں، اس لئے آپ قبرستان سے گذر کر مدرسہ جا سکتی ہیں۔

---

(۱) "كان رسول الله ﷺ إذا مرض أحد من أهله نفث عليه بالمعوذات ، فلما مرض مرضه الذي مات فيه جعلت أنفث عليه و أمسحه بيد نفسه ؛ لأنها كانت أعظم بركة من يدي" عن عائشة رضي الله تعالى عنها ، (صحيح البخاري ، حديث نمبر: ۵۷۱۴) محشی۔

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۱۰۵۵۔

خواتین کا قبر کی زیارت

سوال:- {961} کیا خواتین اپنے عزیز مرحومین ، شوہر، والدین یا دوسرے رشتہ داروں کی قبروں پر جا سکتی ہیں؟

(محمد کلیم احمد ، رنگ روڈ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ابتداءً قبر کی زیارت سے منع فرمایا تھا، بعد کو آپ ﷺ نے مرد و عورت کی تفریق کئے بغیر زیارتِ قبر کی اجازت مرحمت فرمادی، تا کہ لوگ اس سے آخرت کو یاد کرنے کا ذریعہ بنائیں: ''کنت نهيتكم عن زيارة القبور ، فزوروها ''(۱) اب بعض فقہاء کے نزدیک اس اجازت میں عورتیں بھی شامل ہیں، شمس الائمہ سرخسیؒ نے اسی کو ترجیح دیا ہے،(۲) ام المؤمنین سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رسول اللہ ﷺ ،حضرت ابوبکر ﷺ اور حضرت عمر ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا بھی ثابت ہے،(۳) اس لیے عورتوں کو اپنے اعزہ کے قبر کی زیارت جائز ہے، لیکن جزع وفزع سے بچنا ضروری ہے، اور یہ بھی کہ اگر غیر محرم کے قبیل سے ہو تو ستر کا ویسا ہی خیال رکھیں جیسا کہ زندگی میں خیال رکھا جاتا ہے۔

"وكيفية الزيارة كزيارة ذلك الميت في حياته من القرب و البعد" (۴)

''ام المؤمنین سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ روضۂ شریف میں جب تک سرکارِ دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر ﷺ کی قبریں تھیں ، میں بے تکلف کپڑے کا

---

(۱) مسند أحمد ، عن أبي بريدة ،حدیث نمبر:۱۲۴۰۔
(۲) الفتاوى الهندية:۱/۳۵۰۔
(۳) حاشية جامع المسانيد و السنن :۳۵۹۰/حدیث نمبر:۱۶۱۵۔محشی۔
(۴) الفتاوى الهندية:۱/۳۰۵

زیادہ خیال کیے بغیر جایا کرتی تھی، لیکن جب حضرت عمرؓ
کی روضہ میں تدفین ہوئی، تو چوں کہ وہ غیر محرم تھے، اس لیے
اچھی طرح کپڑوں کا اہتمام کر کے زیارت کے لیے جاتی
تھی''(۱)

---

(۱) حاشية جامع المسانيد و السنن :۳۵۹۰/حدیث نمبر:۱۶۱۵۔ محشی۔

قبروں سے متعلق احکام

قبر کی قیمت

سوال:- {962} آج کل بہت سے قبرستانوں کے نگران کار دو گز زمین کے لئے ہزاروں روپے نذرانے کے طور پر مانگتے ہیں، اسکے بغیر قبر کی جگہ نہیں دیتے، تو کیا اس طرح رقم لینا اور دینا درست ہے؟ (محمد آصف، لام، گنٹور)

جواب:- اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین میں تدفین کے لئے پیسہ لے تو گنجائش ہے، (۱) کیونکہ اپنی ملکیت فروخت کی جاسکتی ہے، لیکن جو قبرستان وقف ہے ان کو فروخت کرنا اور کسی نام سے قبر کے پیسے وصول کرنا جائز نہیں (۲) اور اس وقت جو مقامات قبرستان کے طور پر

---

(۱) " سئل في وقف له ناظر و متول هل لأحدهم التصرف بلا علم الآخر ؟ أجاب : لا يجوز ، و القيم و المتولي و الناظر في كلامهم بمعنى واحد " (رد المحتار :۶/۶۸۳ ، مطلب ليس للمشرف التصرف) محشی ـ

(۲) سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۲۷۵۳،باب فضل الجهاد في سبيل الله ـ محشی ـ

استعمال ہوتے ہیں وہ سب کے سب وقف ہی ہیں، اِس لئے متولیوں کو ایسے گناہ کے کام سے بچنا چاہئے کہ یہ رشوت اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔

قبروں کو پختہ بنانا اور کتبہ لگانا

سوال:- {963} قبروں کو پختہ بنا کر اس پر کتبہ لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے قبور جو پختہ اور گنبدوں کی شکل میں ہیں اور اس میں بعض جگہ قرآنی آیات وغیرہ لکھے ہیں، ان کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟
(ریاض الحق، منگلور)

جواب:- قبر کو پختہ بنانے کی حضور ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے، (۱) اس لئے یہ بالکل جائز نہیں ہے، صرف سادہ پتھر امتیاز کے لئے لگایا جاسکتا ہے، کتبہ نصب کرنا مکروہ ہے، (۲) بزرگوں کی قبر پر جو گنبد تعمیر کر دئے گئے ہیں، وہ سب خلافِ شرع ہیں، اور خود ان بزرگوں نے اس کو پسند نہیں کیا ہے۔

---

(۱) مشکوۃ شریف :ص:۱۴۸۔

" وفی الجامع الصغیر للسیوطی ، نھی رسول اللّٰہ ﷺ أن یقعد علی القبر وأن یجصص أو یبنی علیه "(۲/ ۶۸۷۔)" ولا نری أن یزاد علی ما خرج منه ونکره أن یجصص أو یطین ، أن النبي ﷺ نھی عن تربیع القبور و تجصیصھا " (کتاب الآثار لإمام محمد :ص:۹۶)۔

مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی اپنی کتاب "زبدة الذکیہ" صفحہ ۶۵ ر پر لکھتے ہیں، قبر کے اوپر چنائی کرنا یا قبر پر بیٹھنا یا اس کی طرف نماز میں منہ کرنا سب منع ہے۔

(۲) " نھی النبي ﷺ أن یکتب علی القبر شیئًا "، رواہ ابن ماجه ، وحاکم في المستدرک ، کلاھما عن جابر حدیث صحیح " (الجامع الصغیر للسیوطی : ۲/ ۶۸۷)

قبر میں حضور ﷺ کے بارے میں سوال

سوال:- {964} میرے مطالعہ میں یہ بات آئی ہے کہ میت کی تدفین کے بعد اس سے تین سوالات کئے جائیں گے، (۱) من ربك ؟ (تیرا رب کون ہے؟) (۲) ما دینك ؟ (تیرا دین کیا ہے؟) (۳) من نبیك ؟ (تیرے نبی کون ہیں؟) مگر ہمارے یہاں ایک صاحب نے کہا کہ قبر میں دو ہی سوالات کئے جائیں گے، تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ تو کیا ہمارے پیغمبر ﷺ کے بارے میں سوال نہیں ہوگا؟

(محمد وقار الدین، مشیر آباد)

جواب:- آپ کے مطالعہ میں جو بات آئی ہے وہ درست ہے، قبر میں رب، دین، نبی تینوں کے بارے میں سوالات کئے جائیں گے، حضرت براء بن عازب ﷛ کی روایت میں تینوں سوالات کی تفصیل مذکور ہے، (۱) البتہ حضور ﷺ سے متعلق جو سوال ہوگا اس کے الفاظ کسی قدر مختلف ہیں، بخاری میں حضرت انس ﷛ سے روایت ہے کہ دو فرشتے آئیں گے، مردہ کو بیٹھائیں گے اور استفسار کریں گے، تم اس شخص "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مؤمن کہے گا کہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں، فرشتے اسے دوزخ دکھائیں گے، جس سے اسے نجات دی گئی، پھر جنت میں اس کے مقام کا دیدار کرائیں گے، کافر اور منافق اس سوال کے جواب میں کہیں گے کہ جو لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا، "كنت أقول ما يقول الناس" اس سے کہا جائے گا کہ نہ تم نے خود سمجھ داری

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۷۵۳، عن براء بن عازب ﷛، باب المسئلة في القبر و عذاب القبر۔

سے کام لیا اور نہ ہی سمجھداروں کی پیروی کی، "لا دریت ولا تلیت" (۱) یہ اور اس طرح کی اور بھی روایات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کہاں ہے؟

سوال:- {965} میں نے کئی صاحبان سے سنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار شریف کا کوئی پتہ نہیں، انتقال کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو ایک سانڈنی کی پیٹھ پر ڈال کر جنگلوں کی طرف روانہ کر دیا گیا، کیا یہ صحیح ہے؟ (فرمین محمد خان، چندرائن گٹہ)

جواب:- علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں محققین کی رائے ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ پر نماز جنازہ پڑھائی، اور کوفہ کے "دار الإمارة" میں آپ رضی اللہ عنہ کی تدفین عمل میں آئی، یہ جو بعض حضرات نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک سواری پر رکھی گئی، اور وہ اسے لے کر چلی گئی، پھر پتہ نہیں چلا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نعش کہاں گئی، مشہور محقق اور مؤرخ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ

"فقد أخطأ و تكلف مالا علم به ولا يقبله عقل ولا شرع" (۲)

"یہ غلط اور لاعلمی پر مبنی بات ہے، جسے نہ عقل قبول کرتی ہے، اور نہ شرع"

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر افغانستان میں ہے؟

سوال:- {966} افغانستان کے شمال میں واقع ایک

---

(۱) صحیح البخاری: ۱/۱۷۸۔

(۲) البداية والنهاية: ۷/۳۲۰۔

اہم شہر مزار شریف سے متعلق ایک ٹی وی چینل میں بتایا گیا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار مقدس ہے ،اس روضہ پر ازبک کمانڈر رشید دوستم کو حاضری دیتے اور کامیابی کے لئے دعا مانگتے ہوئے دکھایا گیا ، مزار شریف میں واقع روضہ کی حقیقت کیا ہے؟ براہِ کرم معلومات سے آگاہ فرمایئے۔

(محمد مجیب اللہ خان ، یوسف ، سید علی گوڑہ)

جواب:- سیدنا حضرت علی ﷺ کی تدفین کہاں ہوئی ؟ اس سلسلہ میں اہل علم اور مؤرخین کے بیان میں کافی اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اہل تشیع نجف کو آپ ﷺ کا مدفن قرار دیتے ہیں، لیکن علماءِ اہل سنت نے اس کو بے اصل قرار دیا ہے، اور یوں بھی کوفہ میں شہادت اور نجف میں تدفین سمجھ میں نہیں آتی ،علماءِ اہل سنت کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نیز دوسرے محققین کی رائے ہے کہ آپ ﷺ کی تدفین کوفہ ہی میں "دار الإمارة" کے پاس ہوئی ہے، یہ بات خود اہل بیت میں سے امام جعفر صادق ﷺ سے بھی مروی ہے، چونکہ خوارج اپنی بد دینی کی وجہ سے اہل بیت اور صحابہ ﷺ کے بدترین دشمن تھے، اور انہوں نے ہی حضرت علی ﷺ کو شہید کیا، اس لئے آپ ﷺ کے اہل خاندان حضرت حسن ﷺ ، حضرت حسین ﷺ ، حضرت محمد بن حنفیہؒ وغیرہ کا خیال تھا کہ کہیں یہ بد دین اپنے بغض میں آپ ﷺ کی قبر شریف کو کھود نہ ڈالیں، اس لئے قبر کی جگہ کو مخفی رکھا گیا اور اس کی زیادہ تشہیر سے اجتناب برتا گیا ، (۱) اس لئے مزار شریف میں حضرت علی ﷺ کی قبر کا ہونا بے اصل بات ہے، نہ عقل اس کو تسلیم کرتی ہے اور نہ تاریخ۔

قبر میں شہداء سے سوال وجواب

سوال:- {967} کیا قبر میں شہداء کرام سے منکر ونکیر کا سوال وجواب ہوگا؟ (محمد نصیر عالم سبلی ، جالے ، دربھنگہ)

---

(۱) دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ: ۷/۳۳۰۔

جواب:- سوال و جواب ہوگا، بلکہ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرات انبیاء کرام سے بھی سوال ہوگا،(۱) البتہ سوال میں بھی ان کی عظمت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔(۲)

ویسے ملا علی قاریؒ کی رائے ہے کہ انبیاء، بچوں اور شہداء سے قبر میں سوال نہیں ہوگا:

"واستثنى من عموم سوال القبر أنبياء عليه السلام و الأطفال و الشهداء، ففي صحيح مسلم أنه عليه السلام عن ذلك فقال:" كفى ببارقة السيوف شاهدًا "(۳)

قبرستان میں آگ لگانا

سوال:- {968} یہاں پر ایک مسجد کے بازو میں قبرستان ہے، جس میں قبروں پر برسات میں گھاس اگتی ہے، اور وہ کسی کو ٹھیکہ پر دیجاتی ہے، اور گھاس کٹ جاتی ہے، اس کے بعد بھی تھوڑی گھاس بچ جاتی ہے، یا گھاس کٹ جانے کے بعد ڈنڈے بچے رہتے ہیں، اگر اسے ایسا ہی چھوڑ بھی دیا جائے تو سوکھ کر مٹی میں مل جاتی ہے، لیکن یہاں جلا دیا جاتا ہے جس سے قبروں پر بھی آگ لگ جاتی ہے اور قبروں پر جلنے کے نشان کئی ہفتوں، بلکہ مہینوں تک رہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ (امیر مرزا، نلگنڈہ)

---

(۱) قال السيد أبو شجاع : " ان للصبيان سوالا وكذا للأنبياء عليه السلام عند البعض " شرح عقائد :۹۹۔

(۲) حوالہ سابق

(۳) شرح فقه اكبر: ص:۱۴۸۔

جواب:- قبر پر آگ جلانا مکروہ ہے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے قریب بہ مرگ اپنے صاجزادے سے کہا کہ جب میری موت ہو تو کسی نوحہ خواں کو اور آگ کو ساتھ نہ لانا، اس سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے قبر پر آگ جلانے کو منع کیا ہے، (۱) فقہاء حنفیہ میں علامہ طحطاویؒ وغیرہ نے تو صراحت کی ہے کہ قبر میں آگ میں پکی ہوئی اینٹ بھی استعمال نہیں کرنی چاہئے۔ (۲)

جس کی قبر نہ ہو، اس پر عذاب قبر

سوال:- {969} عذاب قبر کے تعلق سے سنتے ہیں کہ قبر میں مردہ سے سوال و جواب ہوگا اور مردہ فرشتوں کو جواب دے گا، جس آدمی کی قبر ہی نہ ہو یا پانی میں غرق ہوگیا ہو، یا کسی آدمی کو درندہ اور شیر وغیرہ نے کھالیا ہو، تو ایسی صورت میں کیا ہوگا؟ (سید افروز احمد علوی، گشن باغ)

جواب:- اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر اور سوال وجواب وغیرہ کا تعلق ان لوگوں سے بھی ہے جو پانی میں غرق ہوگئے ہوں یا جن کو جانوروں نے کھالیا ہو۔

"إن الغريق في الماء والمأكول في بطون الحيوانات و المصلوب في الهواء يعذب وإن لم نطلع عليه" (۳)

دراصل عذاب قبر کا لفظ ایک اصطلاحی لفظ ہے اور قبر سے صرف زمین کا گڑھا مراد نہیں ہے، بلکہ عالم دنیا اور عالم آخرت کا درمیانی وقفہ مراد ہے جس کو عالم برزخ کہا جاتا ہے، انسانی

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۱۷۱، باب في اتباع الميت بالنار۔

(۲) دیکھئے: حاشية طحطاوی: ص:۳۵٦۔

(۳) شرح عقائد نسفی: ص:۱۰۰۔

جسم خواہ ذرات کی شکل میں ہو، عالم برزخ میں روح سے اس کا ربط اس حد تک برقرار رکھا جاتا ہے کہ وہ آرام وتکلیف کو محسوس کر سکے، خواہ وہ کسی درندہ کے پیٹ میں ہو، یا پانی میں، یا زمین میں مدفون ہو، اور ظاہر ہے کہ زمین میں بھی انسان کا سالم جسم تو بہت دنوں باقی نہیں رہتا بلکہ جسم کے ذرات مٹی کا حصہ بن جاتے ہیں، اس لئے عذاب قبر کے سلسلہ میں اگر یہ اعتراض ہو کہ انسانی جسم باقی نہیں رہتا تو یہ اعتراض تو زمینی قبر کے بارے میں بھی کیا جا سکتا ہے، اس لئے یہ اعتراض درست نہیں۔

حساب وکتاب سے پہلے ہی عذاب قبر کیوں؟

سوال:- {970} میرے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ قبر میں عذاب کی بات درست نہیں، کیونکہ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں، نیز جب ابھی نیکی اور بدی کا فیصلہ ہی نہیں ہوا، تو عذاب دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

(انگریزی میں دستخط غیر واضح)

جواب:- (الف) یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید میں عذاب قبر کا ذکر نہیں، آل فرعون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ غرقاب کئے گئے تھے، ان کا بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا وَّ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾(۱)

''یہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جارہے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو''۔

(۱) المومن :۴۶۔

اس آیت میں فی الحال جس عذاب کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ اس سے قبر و برزخ کا عذاب مراد ہے۔

(ب) عذاب قبر دراصل عذاب آخرت کی تمہید ہے، آخرت میں حساب و کتاب محض اتمامِ حجت کے لئے ہے نہ کہ یہ جاننے کے لئے کہ کون عذاب کا مستحق ہے اور کون نہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے موجود ہے کہ فی الواقع کون عذاب کا مستحق ہے اور کون نہیں؟ اللہ تو عالم الغیب ہیں، وہ مخلوق کے انجام کو جاننے کے لئے حساب و کتاب کے محتاج نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قبر میں عذاب کے مسئلہ پر بکثرت صحیح وصریح احادیث موجود ہیں، اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اس کا انکار گمراہی میں داخل ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

کافر کی روح اور اس پر عذاب قبر کا مسئلہ

سوال:- {971} اگر کافر انسان مر جائے تو اسے جلا دیا جاتا ہے، ایسے شخص کی روح اللہ کے پاس جاتی ہے یا نہیں؟ اور اس پر قبر کا عذاب کس طرح ہوتا ہے؟

(محمد آصف، عادل آباد)

جواب:- جوں ہی انسان کی موت واقع ہوتی ہے، اس کی روح نکل جاتی ہے، بلکہ موت نام ہی روح نکلنے کا ہے، نیکوں کی روح "علیین" میں اور بروں کی "سِجّین" میں چلی جاتی ہے، پھر انسان کی لاش دفن کر دی جائے یا جلا دی جائے، یا سمندر میں ڈال دی جائے، یا ریزہ ریزہ کر دی جائے، یا یوں ہی محفوظ کر دی جائے، ہر حالت میں اس پر عالم برزخ شروع ہو جاتا ہے، عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے روح اور جسم کے درمیان ایک نادیدہ اور اَن دیکھا تعلق قائم رہتا ہے، دنیا میں اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا، لیکن آج کل تمثیلات سے اس کو سمجھا جا سکتا ہے، غور کیجئے کہ ٹی وی اسٹیشن اور ٹی، وی کے درمیان یا ریڈیو اسٹیشن اور ریڈیو کے درمیان کوئی محسوس رابطہ نہیں، لیکن برقی لہروں کی مدد سے ایک جگہ کے مناظر دوسری جگہ نہایت

سہولت سے دیکھے جاسکتے ہیں، جب انسان ایسی ایجادات کو وجود میں لاسکتا ہے، تو خالق کائنات کے لئے روح اور جسم کے ذرات کے درمیان رابطہ استوار کرنا کیا دشوار ہے؟ روح اور جسم کے اسی رابطہ کی وجہ سے راحت وکلفت اور ثواب وعذاب کا احساس ہوتا ہے، اس لئے ایسا نہیں ہے کہ لاش جلا دینے کی وجہ سے انسان اللہ کی گرفت کے دائرہ سے باہر نکل آئے۔

میدان حشر میں بندوں کو کس نسبت سے پکارا جائے گا؟

سوال:- {972} محشر میں بندوں کو ماں کی نسبت سے پکارا جائے گا یا باپ کی نسبت سے؟ اگر ماں کی نسبت سے پکارا جائے گا تو اس کا کیا سبب ہے؟ (محمد ساجد، کنوٹ)

جواب:- بعض روایات میں میدانِ حشر میں ماں کے نام سے اولاد کے پکارے جانے کا ذکر آیا ہے، (۱) اور اہل علم نے اس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ جو لڑکے زنا سے پیدا ہوئے ہیں، اس میں ان کا ستر ہے، (۲) نیز حضرت عیسی علیہ السلام کی اس میں رعایت بھی مقصود ہے کہ آپ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی، (۳) لیکن صحیح ومعتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں بھی لوگ اپنے والد ہی کے نام سے پکارے جائیں گے، چنانچہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تدعون يوم القيامة بأسمائك و أسماء ابائك فأحسنوا اسمائكم" (۴)

(۱) دیکھئے: حاشیہ نمبر ۷، سنن أبي داؤد: ۲/۶۷۶، محشی۔
(۲) حوالہ سابق، اور اس کے لیے دیکھئے: شیخ دہلوی کی "لمعات"
(۳) دیکھئے: حاشیہ نمبر ۷، سنن أبي داؤد: ۲/۶۷۶، اور اس کے لیے دیکھئے: شیخ دہلوی کی "لمعات"
(۴) سنن أبي داؤد: ۲/۶۷۶، محشی۔

’’تم لوگ قیامت کے دن اپنے اور اپنے والد کے نام سے
پکارے جاؤ گے، اس لئے اپنا نام بہتر رکھو‘‘

مخنث کا حشر

سوال:- {973} مرد و عورت کے علاوہ خنثیٰ کا قیامت میں کیا حشر ہوگا؟ کیا ان سے بھی سوال ہوگا؟ اور وہ بھی جنت اور دوزخ میں داخل کئے جائیں گے؟، یا ان کو مٹی بنادیا جائے گا؟ (م ش، زید، لاتور)

جواب:- خنثیٰ بھی انسان ہی ہیں، وہ بھی مردوں اور عورتوں کی طرح احکام شریعت کے مکلف ہیں، البتہ جیسے مردوں و عورتوں کے احکام میں فرق ہے، اسی طرح خنثیٰ کبھی مرد کے حکم میں ہوتے ہیں اور کبھی عورتوں کے، اور کبھی مرد و عورت کے ملے جلے احکام جاری ہوتے ہیں، اور جو بھی احکام شریعت کا مکلف ہے، حساب و کتاب اور ثواب و عقاب ان سے متعلق ہوگا، اس لئے آخرت میں خنثیٰ کے ساتھ بھی حساب اور جزاء کا معاملہ ہوگا۔

کیا خودکشی کرنے والا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا؟

سوال:- {974} اگر کوئی مسلمان مرد یا عورت خودکشی کرلے تو کیا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا؟ (محمد امجد، نلگنڈہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر مومن جنت میں داخل ہوگا، خودکشی کی وجہ سے آدمی دائرہ ایمان سے باہر نہیں نکلتا، اس لئے انشاء اللہ خودکشی کرنے والا بھی اپنے جرم کی سزا چکھنے کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

متفرق مسائل

شہید اور اس کا اجر

سوال:- {975} کس طرح کی موت مرنے والے شخص کو شریعت میں شہید کہا جاتا ہے، کیا شہید واقعی جنتی ہوگا؟

(محمد ادریس مرزا، ٹولی چوکی)

جواب:- شہید کے جنتی ہونے کا ذکر متعدد آیتوں اور حدیثوں میں موجود ہے، (۱) شہید کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی شہید، جو دنیا کے حکم اور آخرت کے اجر و ثواب دونوں پہلوؤں سے شہید ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جو دین کی سر بلندی و حفاظت یا جان و مال اور عزت و آبرو کے بچاؤ میں مار ڈالے جائیں اور ان کی موت برسر موقع واقع ہو جائے، زخمی کئے جانے اور وفات پانے کے درمیان انہیں اسباب دنیا سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہ ملا ہو، (۲) چنانچہ حضرت سعید بن زید ﷺ رسول اللہ ﷺ سے راوی ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۲۷۵۳، باب فضل الجهاد في سبيل الله ۔ محشی ۔

(۲) رد المحتار: ۶۷۲/۱، مکتبہ رشیدیہ ۔ کوئٹہ ۔ محشی ۔

''جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے''(۱)

ایسے شخص کو اس کے خون کے ساتھ بغیر غسل کے دفن کر دیا جائے گا، جو شخص انہیں اسباب کی وجہ سے مارا جائے لیکن اس کی موت بر سر موقع نہ ہوئی، یا وہ پیٹ کی بیماری، پلیگ وغیرہ سے مر جائے اس کو بھی حدیث میں شہید کہا گیا ہے، وہ حکم دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں ہے، عام مردوں ہی کی طرح اسے غسل وکفن دیا جائے گا، (۲) لیکن انشاء اللہ آخرت میں اسے شہیدوں کی طرح اجر وثواب حاصل ہوگا، ایسے شہداء میں آپ ﷺ نے اور بھی کئی لوگوں کو شمار فرمایا ہے۔ (۳)

شہادت اور دَین

سوال:- {976} شہید کے سارے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں، کیا شہید کا قرضہ بھی معاف ہو جاتا ہے، یا پھر ورثہ کے ذمہ واجب الأداء ہوتا ہے؟

(قاری ایم ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- شہادت کی وجہ سے امید ہے کہ حقوق اللہ سے متعلق گناہ معاف ہو جائیں گے، لیکن بندوں سے متعلق جو حقوق ہیں وہ شہادت یا کسی اور نیکی کی وجہ سے معاف نہیں ہوتے، دَین بھی ایسے ہی حقوق میں سے ہے، چنانچہ حدیث سے یہ بات صراحتاً معلوم ہوتی ہے

(۱) سنن أبي داود، حدیث نمبر: ۴۷۷۲۔
(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۰۶۳، باب ماجاء في الشهداء من هم. محشی۔
(۳) حوالہ سابق۔

کہ شہادت کے باوجود انسان دین کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہوتا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "یغفر للشهید کل ذنب إلا الدین" (۱)

شہید کون ہے؟

سوال:- {977} کیا فساد میں مرنے اور سانپ کے کاٹنے، یا پانی میں بہہ جانے، یا آگ میں جل جانے والے شہید کہلائیں گے؟　　(واجد علی خان، بھینسہ)

جواب:- بعض مرحومین وہ ہیں جو غسل وغیرہ کے احکام میں بھی شہید سمجھے جائیں گے، اور اجر وثواب کے اعتبار سے بھی، جیسا کہ اگر کسی شخص کو فساد میں قتل کر دیا گیا، اور اسے زخمی ہونے اور مرنے کے درمیان دنیا کی کسی چیز سے مستفید ہونے کا موقع نہیں ملا جس کو فقہ کی اصطلاح میں "ارتثاث" کہتے ہیں، (۲) ایسا شخص دنیوی احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہے، اور آخرت میں انشاء اللہ اسے شہادت کا اجر بھی ملے گا، بعض حضرات وہ ہیں کہ جن کو آخرت میں شہادت کا اجر ملے گا، لیکن دنیا میں ان کا حکم شہیدوں کا سا نہیں، یعنی انہیں بغیر غسل کے دفن نہیں کیا جائے گا، جیسے: پانی میں ڈوب کر اور آگ میں جل کر مرنے والوں کو آپ ﷺ نے اسی میں شمار کیا ہے، (۳) البتہ حدیث میں سانپ گزیدہ شخص کا ذکر نہیں۔

شہداء پر سوگ

سوال:- {978} قرآن مجید میں شہداء کے بارے میں آیا ہے کہ ہم نے مؤمنین کی جان و مال جنت کے عوض

---

(۱) صحیح مسلم: ۲/۱۳۵

(۲) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۶۸، کتاب الجنائز ۔ محشی۔

(۳) مشکوة المصابیح، عن جابر بن عتیق ﷺ: ۱/۱۴۳۱۔

خریدلی ہے، اس سودے پر خوشی مناؤ، پھر کیا ان کی موت پر غم
منانے کا جواز ہے؟　　　(مقصود یمانی، حیدرآباد)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید نے کہا ہے کہ نہ صرف شہداء بلکہ تمام ہی مسلمانوں کی جان و مال کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلہ خرید لیا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر نفع کا سودا کیا ہو سکتا ہے کہ فانی جان و مال کا سودا جنت کی لافانی نعمتوں سے ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس سودے پر خوش ہو جاؤ ﴿فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ﴾ (۱) اس لئے یہ صحیح ہے کہ انجام کے اعتبار سے ایمان واسلام پر موت اور بالخصوص شہادت کی موت ایک مؤمن کے لئے مژدۂ جان فزا ہے، لیکن چونکہ پسماندگان کو فطری طور پر اپنے عزیز واقارب کی جدائی کا رنج ہوتا ہے، اور اس فطری رنج و تکلیف سے انبیاء بھی مستثنیٰ نہیں؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے عام رشتہ داروں کی موت پر تین دنوں تک اور شوہر کی موت پر اس کی بیوہ کو چار مہینہ دس دنوں تک سوگ کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ شرعی حدود کے اندر ہو، سینہ کوبی، بال نوچنا، اپنے رخساروں پر مارنا وغیرہ اس مدت کے اندر بھی روا نہیں، اور حدیث میں صراحتاً ان باتوں سے منع کیا گیا ہے، (۲) خود حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر آپ ﷺ نے اس طرح اظہارِ رنج نہیں فرمایا، حالانکہ دشمنان اسلام کے ہاتھوں بہت ہی بے دردی کے ساتھ ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا، (۳) اس لئے شہداء کا حکم بھی اس مسئلہ میں دوسرے وفات پانے والے مسلمانوں کا سا ہے کہ شہادت کے بعد تین دنوں سے زیادہ سوگ جائز نہیں۔ (۴)

---

(۱) التوبة:۱۱۱۔ محشی۔
(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۲۹۲، كتاب الجنائز۔ محشی۔
(۳) سیرت حلبیہ اردو:۲/۱۹۸۔ محشی۔
(۴) الفتاوى الهندية:۱/۱۶۷۔ محشی۔

اظہار افسوس کے لئے سیاہ کپڑے

سوال:- {979} کیا اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر اظہار افسوس کے لئے سیاہ کپڑے پہنا جائز ہے؟

(مجیب الرحمان، چنچل گوڑہ)

جواب:- اسلام نے فطری حدود میں غم و افسوس کے اظہار کی اجازت دی ہے، حالانکہ چیخ کر رونا اور آہ و واویلا کرنا اسلام میں منع ہے، لیکن بے ساختہ جو رونا آ جائے اس کی ممانعت نہیں، کپڑے پھاڑنا، بال نوچنا اور سیاہ کپڑے پہننا یہ سب اظہار افسوس کے غیر فطری طریقے ہیں، اور اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے، (۱) فقہاء بھی اس کے ناجائز ہونے کی صراحت کرتے ہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ولا یجوز صبغ الثیاب اسود أو أکهب تأسفا علی المیت" (۲)

''میت پر اظہار افسوس کے لئے کپڑے سیاہ رنگ میں رنگنا جائز نہیں''۔

غیر مسلموں کی تعزیت

سوال:- {980} غیر مسلموں میں اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کو پُرسہ دینے کا کیا حکم ہے؟ اگر پُرسہ دینا جائز ہو تو اس کا کیا طریقہ ہے؟

(ابوقمر، سمری، بختیار پور)

جواب:- غیر مسلموں کی خوشی اور غم میں انسانی سماجی رشتہ سے شریک ہونا درست، بلکہ

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۲۹۴، باب ما یکرہ من النیاحة علی المیت۔

(۲) الفتاوی الهندیة:۵/۳۳۳۔

بہتر ہے، تا کہ ان پر اسلام کی فراخ دلی اور مسلمانوں کی خوش اخلاقی کا نقش قائم ہو سکے، اس لئے غیر مسلموں کی تعزیت بھی کی جاسکتی ہے، فرق یہ ہے کہ مسلمان کی تعزیت کرتے ہوئے متوفی کے لئے دعاء مغفرت کرنی چاہئے، غیر مسلم متوفی کے لئے صرف پس ماندگان سے محبت اور تعلق کا اظہار کیا جائے، اہل علم نے غیر مسلم کی تعزیت کے لئے یہ کلمات لکھے ہیں: "اصلح اللّٰہ بالك و اخلفك "(۱) "اللہ تمہارے حالات کو بہتر کرے اور بدل عطاء فرمائے"۔

مدینہ میں موت

سوال:- {981} اکثر لوگ خواہش کرتے ہیں کہ مکہ یا مدینہ میں موت آجائے اور وہیں تدفین ہو، کیونکہ اس جگہ تدفین ہونے سے جنت واجب ہوجاتی ہے، یہ خیال کہاں تک صحیح ہے؟ (محمد مظہر الدین ناہد، جگتیال)

جواب:- آخرت کی نجات اور اللہ تعالی کے فضل کے لئے اصل چیز انسان کے اعمال ہیں، کتنے ہی صحابہ ﷺ اور اولیاءؒ ہیں کہ دین کی دعوت اور سر بلندی کے لئے مختلف علاقوں میں نکل آئے اور وہیں ان کی موت ہوئی۔

جہاں تک مکہ اور مدینہ میں موت آنے اور دفن ہونے سے جنت واجب ہونے کی بات ہے، تو غالباً کسی صحیح حدیث میں اس طرح کا مضمون نہیں آیا، البتہ حدیث میں مدینہ منورہ میں مرنے والوں کے لئے شفاعتِ نبوی ﷺ کی روایت آئی ہے، اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے بڑھ کر مومن کے لئے اور کیا سرمایۂ آخرت ہوسکتا ہے؟ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

" عن ابن عمر ﷺ قال: قال النبي ﷺ : من

(۱) "أعظم الله أجرك و أحسن عزاءك " (الفتاوى الهندية:۱/ ۱۶۷) محشی۔

استطاع أن يموت في المدينة فليمت بها فأني اشفع لمن يموت بها " (۱)

" حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " جو مدینہ میں مر سکے تو چاہئے کہ مدینہ میں اسے موت آئے، اس لئے کہ میں مدینہ میں مرنے والوں کے لئے شفاعت کروں گا "

مدینہ میں مر سکنے کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ میں قیام پذیر ہو جائے اور موت تک وہیں ٹھہرا رہے۔

جمعہ کے دن کی موت

سوال:- {982} جمعہ کے دن مرنے کی کیا فضیلت ہے؟ زاہد عمر بھر بیماری اور مصائب میں مبتلا رہا، اخیر عمر میں پانچ سال تک برین ٹیومر کا مریض رہا، دو دفعہ سرجری بھی کی گئی، لیکن افاقہ نہ ہوسکا، بارہ گھنٹے سکرات میں رہنے کے بعد جمعرات کی شب میں ساڑھے گیارہ بجے انتقال ہوگیا، یعنی جمعرات کے بعد آنے والی رات میں، جمعہ کے بعد تدفین ہوئی، بیماری کے دوران اس نے نماز کی پابندی نہیں کی، یہاں تک کہ جمعہ کی بھی نہیں، وہ ہمیشہ کہتا ہے کہ صحت مند ہونے کے بعد نماز کی پابندی کروں گا، ایسی صورت میں زاہد کے بارے میں کیا احکام ہیں، اور قبر میں اس کے ساتھ کیا انجام ہوا ہوگا؟ (و، ح، صدیقی)

---

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۳۱۱۲، باب فضل المدینة ۔ محشی۔

جواب:- اب جب کہ زاہد اللہ کو پیارا ہو چکا ہے، تو اپنے ایک مسلمان بھائی کے لئے دعاءِ مغفرت کرنی چاہئے، اس کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے، اور اچھی بات ہی ذکر کرنا چاہئے، اپنے مسلمان بھائی کی کوتاہیوں کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔

حدیث میں جمعہ کے دن مرنے کی فضیلت آئی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

''جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب مرتا ہے اللہ تعالیٰ قبر کی آزمائش سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں'' (۱)

حضرت انس ﷺ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جمعہ کے دن جس کی موت ہوگی وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا'' (۲)

یہ روایتیں عام طور پر اہل فن کے نزدیک کلام سے خالی نہیں ہیں، لیکن فضائل میں اس درجہ کی روایات بھی معتبر تسلیم کی جاتی ہیں، شارحین حدیث کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا منشا یا تو اس شخص کا یوم وفات ہے کہ خاص اس جمعہ کو اس پر عذابِ قبر نہیں ہوگا، یا یہ مراد ہے کہ ہمیشہ جمعہ کے دن عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا، اور اگر ہمیشہ عذابِ قبر سے حفاظت مراد ہو تو اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ جمعہ کے دن اس کی وفات ہو اور اس نے اپنی زندگی کو دین کے اہتمام کے ساتھ گزاری ہو۔ واللہ اعلم۔

جمعرات کا دن گزر کے جو شب آتی ہے وہی شب جمعہ ہے، کیونکہ غروبِ آفتاب سے تاریخ تبدیل ہوتی ہے، بہر حال آدمی کو چاہئے کہ وہ جس حال میں بھی ہو اللہ تعالیٰ کے احکام پر حتی المقدور عمل کرنے کی کوشش کرے، اور صحت کا انتظار نہ کرے کہ نہ معلوم صحت نصیب ہو یا نہ ہو۔

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۰۷۴۔

(۲) مجمع الزوائد:۲/۳۱۸۔

موت طبعی و غیر طبعی

سوال:- {983} کیا موت طبعی اور غیر طبعی بھی ہوتی ہے، جادو کی وجہ سے کسی کا انتقال ہوجائے تو یہ کیسی موت ہوگی؟ (منا، نظام آباد)

جواب:- اصل میں موت چاہے جس سبب سے بھی ہو وہ ہوتی اسی وقت ہے جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کیا ہے، البتہ بعض اوقات موت کا وقوع متوقع ہوتا ہے، اور بعض اوقات ایسے اسباب پیش آتے ہیں، جو غیر متوقع ہوتے ہیں، جیسے اکسیڈنٹ، قتل، غرقابی وغیرہ، تو ایسی حادثاتی موت کو لوگ اپنے علم کے اعتبار سے غیر طبعی کہہ دیا کرتے ہیں، یعنی یہ موت عام قانونِ فطرت کے مطابق نہیں، ایسا کہنے میں کچھ حرج نہیں، ہاں کسی موت کو قبل از وقت کہنا درست نہیں کہ موت کبھی قبل از وقت نہیں آتی، موت اسی وقت آتی ہے جو اللہ نے مقدر کیا ہے، اور اسی طریقہ پر آتی ہے جو اللہ کے یہاں اس کے لئے مقرر ہے۔(۱)

مرنے والوں کی تصویر اور آواز کو محفوظ رکھنا

سوال:- {984} مرنے والوں کی تصویر لینا یا آواز بھرنا جائز ہے یا نہیں؟ (سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- تصویر لینا حرام ہے، موت کے بعد بھی کسی انسان کو گناہ کا ذریعہ و وسیلہ بنانا بہت ہی زیادتی اور ناانصافی کی بات ہے، یہ قطعاً جائز نہیں، اور ممکن ہے کہ بمقابلہ عام تصویر کشی کے اس کا گناہ زیادہ ہو، آواز بھرنے میں مضائقہ نہیں، آواز ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کی جاسکتی ہے۔

---

(۱) المنافقون:۱۱، یونس:۴۹۔

اگر پتہ نہ چلے کہ میت مسلمان ہے یا غیر مسلم؟

سوال:- {985} ایک خاتون کی لاش نہر سے بہہ کر آئی، سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ مسلمان ہے کہ غیر مسلم، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ (محمد واصل، مرادنگر)

جواب:- اگر لباس وغیرہ کی وضع سے مسلمان یا غیر مسلم ہونے کا اندازہ ہو جائے تب تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے، یعنی اگر مسلمان کی علامت ہو، تو غسل دے کر نماز بھی پڑھی جائے، ورنہ بغیر نماز کے دفن کردیا جائے:

"ومن لايدري أنه مسلم أو كافر فإن كان عليه سيما المسلمين ألخ" (۱)

دوسرے علاقہ سے بھی اندازہ کیا جائے گا، جہاں لاش دستیاب ہوئی، اگر اس علاقہ میں مسلمان بستیاں ہوں، اسے مسلمان تصور کیا جائے گا، اگر غیر مسلم بستیاں ہوں، تو غیر مسلم

"...والصحيح أنه يصلى عليه : لأنه مسلم تبعاللداروإن وجد في دار الحرب ولا علامة فالصحيح أنه كافر بحكم الدار"(۲)

پوسٹ مارٹم کا حکم

سوال:- {986} میت کی نعش کی پوسٹ مارٹم کرنے کا شرعی حکم کیا ہے اور پوسٹ مارٹم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(قاری، ایم ایس خان، جدید ملک پیٹ)

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۵۹۔

(۲) كبيری:ص:۵۶۳۔

جواب:- اسلام نے انسانی تکریم کے تحت مردہ کے لئے بھی اسی طرح کا احترام واجب قرار دیا ہے جیسے زندہ کے لئے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کسر عظم المیت ککسرہ حیًا" (۱) "مردہ کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے" لیکن جیسے ضرورت کی بناء پر زندگی میں انسان کا آپریشن کرنا جائز ہے، اسی طرح ضرورت کے مواقع پر مردہ کے جسم کا آپریشن بھی درست ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ

"اگر کسی عورت کا انتقال ہوجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو اور بچہ میں ابھی زندگی کے آثار موجود ہوں تو پیٹ چیر کر بچہ کو نکالا جائے گا"۔ (۲)

بعض دفعہ جرم کی تحقیق، اس کی نوعیت اور مجرم کی شناخت کے لئے پوسٹ مارٹم کی ضرورت پڑتی ہے، ایسے مواقع پر بہ قدرِ ضرورت پوسٹ مارٹم کی گنجائش ہے، لیکن جہاں موت کا سبب معلوم ہو، مجرم کو اقرار ہو، اور پوسٹ مارٹم مقدمہ کو حل کرنے میں معاون نہ ہو، خود میت کے ورثاء کی طرف سے بھی اس کا مطالبہ نہ ہو، اور ان ورثاء کا اپنا کردار اس جرم کے سلسلہ میں مشکوک ومبہم نہ ہو، تو ایسی صورت میں پوسٹ مارٹم درست نہیں، آج کل صورتحال یہ ہے کہ ہر حادثاتی موت میں پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، حالانکہ ہلاکت کے اسباب بالکل واضح ہوتے ہیں، جیسے: گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ میں اور سانپ کاٹنے سے ہونے والی موت میں، یہ فضول عمل ہے، اور اس سے بلا وجہ مردہ کی بے حرمتی ہوتی ہے، اس لئے ان مواقع پر پوسٹ ، رٹم کرنا جائز نہیں۔

پھر جن صورتوں میں پوسٹ مارٹم کی اجازت ہے ان میں بھی ضروری ہے کہ حتی المقدور انسانی احترام کے پہلو کو ملحوظ رکھا جائے، خواہ مخواہ بے ستری نہ ہو، اور غیر متعلق اعضاء کی رعایت

---

(۱) موارد الظمأن: ص:۱۹۶۔

(۲) رد المحتار: ۳/۴۵-۱۴۴۔

کے ساتھ مخصوص مواقع پر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، پوسٹ مارٹم کی گنجائش ہے، اور یہ نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر ہے، بلکہ ایک عام انسانی مسئلہ ہے، اس لئے حکومت کو اس سلسلہ میں متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

کتاب الفتاوی

تیسرا حصہ

کتاب الزکوۃ

زکوۃ سے متعلق سوالات

زکوۃ کے احکام

زکوۃ — معنی اور وجہ تسمیہ

سوال:- {987} زکوۃ کے لغوی معنی کیا ہیں اور اس کو زکوۃ کیوں کہتے ہیں؟ (عادل علی، مہاراشٹر)

جواب:- ''زکوۃ'' یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور شریعت کی ایک خاص اصطلاح بھی ہے، اہل لغت نے اس کے کئی معنی بتائے ہیں: زیادتی، برکت، بڑھوتری، پاکیزگی اور نیکی، صلاح وغیرہ، (۱) اور خود قرآن میں بھی یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے، شریعت کی اصطلاح میں زکوۃ اس مال کو کہتے ہیں، جو کہ مالدار (صاحب نصاب) کے مخصوص مال میں فقراء اور مستحقین کے لیے شریعت نے واجب قرار دیا ہے (۲) اس کو زکوۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ادا کرنے سے مال میں زیادتی، خیر و برکت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

---

(۱) معجم المصطلاحات والالفاظ الفقهية: ۲/۲۰۳۔

(۲) حوالہ سابق: ۲/۲۰۳، كتاب التعريفات للجرجاني، ص: ۱۲۱۔

زکوۃ کو زکوۃ کہنے کی حکمت

سوال:- {988} زکوۃ کے لغوی معنی کیا ہے؟ اور اسے زکوۃ کہنے کی حکمت کیا ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- زکوۃ کے معنی پاک صاف ہونے کے ہیں، فریضۂ زکوۃ کو زکوۃ کہہ کر اس جانب اشارہ کیا گیا کہ گویا اس سے مال کو پاکی حاصل ہوتی ہے،(۱) اس میں ایک بڑی اہم حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ زکوۃ ادا کر کے آدمی کو خوش اور مسرور ہونا چاہئے نہ کہ ملول اور رنجیدہ خاطر، جیسے انسان غسل کرتا ہے اور اس کے جسم کا میل ڈھل جاتا ہے، یا کپڑے دھوتا ہے، اور کپڑے سے میل و کچیل دور ہو جاتے ہیں، تو انسان اس سے رنجیدہ نہیں ہوتا، بلکہ اسے ایک طرح کا نشاط حاصل ہوتا ہے کہ میل کچیل اور گندگی سے نجات مل گئی، اسی طرح فریضۂ زکوۃ ادا کرنے کے بعد آدمی کو خوش ہونا چاہئے کہ اس نے مال کے میل کچیل کو دور کر دیا ہے، اس بات کا افسوس نہ ہونا چاہئے کہ مال کا کچھ حصہ اس کی ملکیت سے جاتا رہا۔

زکوۃ، فطرہ اور صدقہ

سوال:- {989} (الف) زکوۃ، فطرہ اور صدقہ سے کیا مراد ہے؟ (ب) ایک مالک مکان کو جس کا مکان دو ڈھائی لاکھ روپے کا ہے، کتنے روپے زکوۃ دینی چاہئے؟ (بابو عمران)

جواب:- (الف) مخصوص مال میں مالک پر شرعاً مال کا جو حصہ نکالنا واجب قرار دیا گیا ہے، اسے زکوۃ کہتے ہیں۔(۲)

---

(۱) رد المحتار:۳/۱۷۰۔ محشی۔

(۲) کتاب التعریفات ، للجرجانی :ص : ۱۲۹۔

عید الفطر کے دن فی کس کے حساب سے جو مال ادا کرنا واجب ہے، وہ صدقۃ الفطر ہے، (۱) اس کو عوام فطرہ کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

جس عطیہ کا مقصد اللہ تعالی کی طرف سے اجر وثواب کا حصول ہو وہ صدقہ ہے، بعض صورتوں میں یہ واجب ہوتا ہے، جیسے کفارہ کے طور پر صدقہ کیا جائے، یا صدقہ کی نذر مان لی گئی ہو، اور اگر وہ ذمہ میں واجب نہ ہو، تو صدقۂ نافلہ ہے، صدقۂ نافلہ کا دائرہ بہت وسیع ہے، یہاں تک کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''کسی شخص کا اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی صدقہ ہے۔ (۲)

(ب) اگر کوئی مکان تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہو، یا کوئی زمین مکان تعمیر کر کے زمین سمیت بیچنے کے لئے خریدی گئی ہو، تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی، (۳) مکان رہائش یا کرایہ پر لگانے کے لئے بنایا گیا ہو تو اس مکان کی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (۴)

زکوۃ واجب ہونے کی شرطیں

سوال:- {990} زکوۃ واجب ہونے کی کیا شرطیں ہیں؟
کیا رہن رکھی ہوئی چیز اور قرض میں بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے؟
(عادل بن علی، مہاراشٹر)

---

(۱) التعریفات الفقهیة :ص:۳۴۵۔

(۲) سنن نسائي ،حدیث نمبر:۲۵۸۲۔محشی۔

(۳) " و منها كون المال ناميا ... و إنما نعني به كون المال معدا للاستمناء بالتجارة أو بالإسامة : لأن الإسامة سبب لحصول الدر و النسل و السمن و التجارة سبب لحصول الربح " (بدائع الصنائع :۱۱/۲)محشی۔

(۴) " لا(زكوة)في ثياب البدن ... و أثاث المنزل و دور السكنى و نحوها ، قوله : و نحوها : الثياب البدن الغير المحتاج إليها و كالحوانيت و العقارات " (الدر المختار مع رد المحتار :۱۸۲/۳)محشی۔

جواب:- ۱) زکوۃ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو مسلمان، عاقل اور بالغ ہو، نابالغ بچوں کے مال میں زکوۃ واجب نہیں، (۱) پاگل کے مال میں بھی زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ (۲)

۲) زکوۃ واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مالِ زکوۃ مکمل طور پر اس کی ملکیت میں ہو، (۳) رہن رکھی ہوئی چیز پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، (۴) البتہ امانت رکھی ہوئی چیز میں زکوۃ واجب ہوگی اور اصل مالک اس کی زکوۃ ادا کرے گا، (۵) بینک اور فکسڈ ڈپازٹ میں رکھی ہوئی رقم پر بھی زکوۃ واجب ہوگی۔

۳) قرض دی ہوئی رقم یا تجارتی سامان کی قیمت کسی کے ذمہ باقی ہو اور جس کے ذمہ باقی ہو وہ اس کا اقرار بھی کرتا ہو اور بظاہر اس قرض کی وصولی کی توقع ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی، فی الحال بھی ادا کر سکتا ہے اور قرض وصول ہونے کے بعد بھی پوری مدت کی زکوۃ ادا کر سکتا ہے، قریب قریب یہی حکم ان بقایا جات کا ہے جو اجرت ومزدوری، کرایہ مکان وسامان یا رہائشی مکان کی قیمت وغیرہ کے سلسلے میں ہے اور وصولی متوقع ہو، ان پر بھی زکوۃ واجب ہوگی، خواہ ابھی ادا کر دے یا قرض وصول ہونے کے بعد۔ (۶)

ایسا قرض کہ جس کی وصولی کی توقع نہ ہو، لیکن وصول ہو گیا یا قرض کسی مال کے بدلہ میں نہ ہو جیسے مہر اور بدل خلع وغیرہ، مقروض دیوالیہ ہو اور وصولی کی امید نہ ہو، قرض کا انکار کرتا ہو اور مناسب ثبوت موجود نہ ہو، ان تمام صورتوں میں جب بقایا جات وصول ہو جائیں اور سال گزر جائے تب ہی زکوۃ واجب ہوگی، اس سے پہلے نہیں۔ (۷)

---

(۱) الهداية مع الفتح :۱۱۵/۲۔
(۲) حوالۂ سابق۔
(۳) الفتاوی التاتارخانية:۲۱۷/۲۔
(۴) الفتاوی الهندية:۱۷۲/۱۔
(۵) فتح القدير :۲۲۱/۲۔
(۶) الفتاوی التاتار خانية:۳۰۱/۲۔
(۷) بدائع الصنائع :۲۱۰/۲۔

۴) ضروری اور استعمالی چیزوں میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور ان کو مستثنیٰ کر کے ہی زکوۃ واجب ہوتی ہے، ایسی ہی اشیاء کو فقہ کی اصطلاح میں '' حاجتِ اصلیہ '' کہتے ہیں، رہائشی مکانات، استعمالی کپڑے، سواری کے جانور یا گاڑی، حفاظت کے ہتھیار، زیبائش کے سامان، ہیرے جواہرات، یاقوت، قیمتی برتن وغیرہ میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، (۱) صنعتی آلات اور مشینیں جو سامان تیار کرتی ہیں اور خود باقی رہتی ہیں، کرایہ کی گاڑیاں، ان چیزوں میں بھی زکوۃ نہیں، البتہ رنگریز جو کپڑے رنگنے کا پیشہ رکھتا ہو، اس کے پاس محفوظ رنگ میں زکوۃ واجب ہوگی، (۲) البتہ ذکر کی گئی چیزوں میں سے کسی بھی چیز کی تجارت کی جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

سال گزرنا

سوال:- {991} کیا ہر طرح کے مال میں زکوۃ واجب ہونے کے لیے سال گزرنا ضروری ہے؟ سال گزرنے کے سلسلہ میں اصول کیا ہے؟ (فہیم اختر، مصطفیٰ ہلز)

جواب:- مختلف مالوں میں زکوۃ کا جو نصاب شریعت نے مقرر کیا ہے، اس کے مالک ہونے کے بعد سال گذر جائے تب ہی زکوۃ واجب ہوتی ہے، البتہ اس سے زرعی پیداوار اور پھل مستثنیٰ ہیں، کھیت جوں ہی کٹے اور پھل توڑے جائیں اسی وقت عشر نکال دینا ضروری ہے۔ (۳) سونا، چاندی، نقد رقم اور تجارتی سامانوں میں اصول یہ ہے کہ اگر اس مال کا کچھ حصہ بھی باقی رہے تو درمیان سال میں کمی بیشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اختتام سال پر مقدارِ نصاب یا اس سے زیادہ جتنا مال موجود ہو، اس کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ (۴)

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۷۲، الهداية مع الفتح: ۲/۱۱۹۔
(۲) فتح القدير: ۱/۱۲۰۔
(۳) المغني: ۲/۲۹۷۔
(۴) الفتاوی الهندية: ۱/۱۷۳۔

مثال کے طور پر یکم رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ کو پہلی بار نصابِ زکوۃ کا مالک ہوا، سال کے درمیان رقم گھٹتی اور بڑھتی رہی، لیکن اگلے سال کی یکم رمضان المبارک کو پھر اس کے پاس نصاب زکوۃ موجود ہے یا درمیان سال میں مال کے اضافہ کی وجہ سے وہ دو تین نصاب کا مالک ہو چکا ہے تو اب اسے یہ کرنا ہوگا کہ دوسرے سال یکم رمضان المبارک کو اپنی ملکیت میں موجود سونا، چاندی، نقد رقم، بینک میں محفوظ رقم، دوکان میں موجود تجارتی سامان سب کی مجموعی قیمت جوڑ لے، کچھ قرض اس کے ذمہ باقی ہو، تو اس کو منہا کر لے اور بقیہ رقم میں ڈھائی فیصد یعنی ایک ہزار پر پچیس روپے کے لحاظ سے زکوۃ ادا کر دے، واضح ہو کہ سال سے قمری یعنی چاند والا سال مراد ہے۔

دَین کی منہائی

سوال:- {992} زکوۃ ادا کرنے والے شخص کے ذمہ دین باقی ہے، تو زکوۃ میں اس دین کا کیا اثر پڑے گا؟

(شمشیر عالم، عادل آباد)

جواب:- اگر کسی کا قرض باقی ہو تو اس کو منہا کر کے زکوۃ واجب ہوتی ہے، (۱) البتہ عشر سے دَین منہا نہیں کیا جا سکتا، جتنی پیداوار ہو اس کا عشر ادا کرنا ہوگا، (۲) فی زماننا بیوی کا مہر جو شوہر کے ذمہ واجب ہو اس کو بھی زکوۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

صنعتی اور ترقیاتی قرضے جو سرکاری یا غیر سرکاری اداروں سے حاصل کیے جاتے ہیں اور انہیں طویل مدت یعنی دس بارہ سال میں ادا کرنا ہوتا ہے، اس میں اصول یہ ہے کہ ہر سال قرض کی جتنی قسط ادا کرنی ہے اس سال اتنی رقم منہا کر کے زکوۃ کا حساب کیا جائے گا، نہ کہ پورے قرض کا۔

---

(۱) رد المحتار:۲/۲۰۶۔

(۲) الفتاوی التاتار خانیة:۲/۲۹۱۔

اموال زکوۃ

سوال:- {993} کن کن اموال میں زکوۃ واجب ہوتا ہے؟ (احسان اللہ، صلالہ بارکس)

جواب:- شریعت نے ہر مال پر زکوۃ واجب نہیں کی ہے، بلکہ خاص خاص مال ہی میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، اور وہ یہ ہیں:

معدنی اشیاء میں: سونا، چاندی، کاغذی نوٹ اور رائج الوقت سکے بھی فی زماننا سونے چاندی ہی کے حکم میں ہیں۔

سامانِ تجارت میں : کوئی بھی سامان جس کی خرید وفروخت کی جائے۔

مویشیوں میں : اونٹ، بھینس، گائے، بیل، بکریاں اور گھوڑے۔

زمینی پیداوار میں : تمام اجناس، پھل اور ترکاریاں۔

زکوۃ کا نصاب

سوال:- {994} جن اموال میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، ان کا نصاب کیا ہے؟ اور اس نصاب کی موجودہ اوزان میں کیا مقدار ہوتی ہے؟ (عبدالرحیم، لاتور)

جواب:- زمینی پیداوار خواہ کتنی بھی ہو اس میں عشر واجب ہوگا، لیکن سونا، چاندی، روپے، تجارتی سامان وغیرہ میں ایک مخصوص مقدار ہے، اتنی مقدار کا مالک ہونے پر ہی زکوۃ واجب ہوتی ہے، اسی مقدار کو نصاب زکوۃ کہا جاتا ہے:

۱) سونے کا نصاب ۲۰/مثقال سونا ہے، جو ساڑھے سات تولہ اور جدید اوزان میں ۸۷،۴۷۹ گرام ہوتا ہے۔

۲) چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے، جو ساڑھے باون تولہ ہےاور جدید اوزان میں ۶۲۱،۳۵رگرام ہوتا ہے۔

۳) سامانِ تجارت کی قیمت یا نقد رقم جب چاندی کی اس مقدار یعنی ۶۲۱، ۳۵ رگرام کی قیمت کے برابر ہو جائے تو سمجھا جائے گا کہ وہ شخص صاحبِ نصاب ہے۔(۱)

۴) اگر کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو، اوراس کے ساتھ کچھ مالِ تجارت بھی ہو یا نقد رقم ہو تو ان سب کی قیمت لگا کر دیکھا جائے گا، اگر وہ ساڑھے باون تولہ (۶۲۱، ۳۵رگرام) چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہو جائے گی۔(۲)

۵) نصابِ زکوۃ پر اگر کچھ مقدار کا اضافہ ہو مثلاً سات تولہ چاندی یا آٹھ تولہ سونا ہو تو اس زیادہ حصہ پر بھی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ واجب ہوگی۔(۳)

۶) سونے، چاندی میں اگر کچھ حصہ مقدار کھوٹ کی ہو اور غلبہ سونے چاندی کا ہو تو وہ پوری چیز سونا چاندی ہی کے حکم میں ہوگی۔(۴)

۷) سونا، چاندی، جس صورت میں بھی ہو، اس میں زکوۃ واجب ہے، اسی لیے روز مرہ کے استعمالی زیورات کی بھی

---

(۱) الفتاوی التاتار خانیة:۲/ ۲۳۷، جدید فقہی مسائل:۲/ ۱۱۷، طبع پنجم۔

(۲) الفتاوی التاتار خانیة:۲/ ۲۳۷، جدید فقہی مسائل:۲/ ۱۱۷، طبع پنجم۔

(۳) فتح القدیر :۲/۱۵۹۔

(۴) فتح القدیر :۲/۱۶۱۔

زکوۃ ادا کی جائے گی ۔(۱)

۸) گوٹے اور لچکے وغیرہ میں جو سونا اور چاندی ہو، اس کا بھی حساب کیا جائے گا، اور اس میں بھی زکوۃ واجب ہوگی ۔ (۲)

۹) کوئی سامان اس وقت تجارتی سمجھا جائے گا جب اس کو فروخت کرنے ہی کی نیت سے خرید کیا ہو، وہ سامان جو پہلے سے اس کی ملکیت میں موجود ہو، محض تجارت کے ارادہ سے تجارتی سامان شمار نہیں کیا جائے گا ۔ (۳)

۱۰) ایسے باؤنڈز اور شیئرز جن میں سرمایہ تجارتی یونٹ میں استعمال کیا جاتا ہو، سامانِ تجارت ہی کے حکم میں ہے اور ان میں زکوۃ واجب ہوگی ۔ (۴)

۱۱) اگر ایک شخص کا سرمایہ ہو اور دوسرا اس سے تجارت کرے اور دونوں نفع میں شریک ہوں تو سرمایہ کار تو اپنے اصل سرمایہ اور اپنے حصہ کے منافع دونوں کی زکوۃ ادا کرے گا جبکہ تاجر صرف اپنے حصۂ نفع کی زکوۃ ادا کرے گا ۔ (۵)

زکوۃ کی مقدار

سوال:- {995} روپیہ اور مال تجارت میں زکوۃ کی

---

(۱) حلیة العلماء :۳/۹۲ ۔
(۲) جدید فقہی مسائل :۲/۱۰۲ ۔
(۳) الفتاوی التاتار خانیة :۲/۲۳۸-۲۳۹ ۔
(۴) جدید فقہی مسائل :۱/۱۰۲ ۔
(۵) المغنی :۲/۲۴۰-۲۴۱ ۔

مقدار کیا ہے؟ (عبدالقدیر، وجے واڑہ)

جواب:- نصاب پورا ہو جانے کی صورت میں سونا، چاندی اور سامانِ تجارت اور نقد رقم ان تمام میں ڈھائی فیصد یعنی ایک ہزار روپے پر پچیس روپے کے حساب سے زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

مویشیوں جیسے بکریوں، مرغیوں وغیرہ کی تجارت کی جائے تو ان کی قیمت بھی لگائی جائے گی اگر ان کی قیمت ۶۲۱، ۳۵ ر گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس قیمت پر ڈھائی فیصد ہی کے حساب سے زکوۃ واجب ہوگی، (۱)

زراعتی اور غیر زراعتی زمینوں کی خرید و فروخت کرتا ہو تو تجارتی سامان کی طرح اس میں بھی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ ادا کی جائے گی۔ (۲)

سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کرنا

سوال:- {996} ایک شخص شوال کے مہینہ میں صاحب نصاب ہوا، اور اگلے رمضان میں جب کہ زکوۃ کے وجوب کے لیے ایک ماہ باقی ہے، اگر زکوۃ ادا کرے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی؟ (سید محمد مصطفی)

جواب:- تکمیل سال سے پہلے بھی زکوۃ ادا کی جا سکتی ہے، اس لیے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ (۳)

فرض و واجب میں فرق

سوال:- {997} (الف) فرض اور واجب میں کیا

---

(۱) المغنی: ۲/ ۳۳۸۔

(۲) حوالۂ سابق

(۳) ''یجوز تعجیل الزکوۃ بعد ملك النصاب'' (قاضی خان علی هامش هندیة: ۱/ ۲۶۴، فصل في تعجیل الزکوۃ)

فرق ہے؟

(ب) حیدرآباد کے مشہور عالم دین اور مفتی ٹی وی پر تقریر کرتے ہوئے زکوۃ کو واجب کہتے رہے، کیا یہ تعبیر درست ہے؟ (نادر المسدوی، مغلپورہ)

جواب:- (الف) فرض وواجب دونوں پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، فرض کا ثبوت قطعی اور یقینی دلیل سے ہوتا ہے، اور واجب کا ثبوت نسبتاً کم یقینی دلیل سے، یعنی یا تو ایسے ذریعہ سے ثابت ہو جو یقینی نہیں، یا ذریعۂ ثبوت تو یقینی ہو، لیکن اس میں ایک سے زیادہ معنوں کی گنجائش ہو، اسی نسبت سے دونوں کے حکم میں بھی کسی قدر فرق ہے، کہ اگر کوئی شخص بلا تاویل فرض کا انکار کرے تو باعث کفر ہے، اور اگر واجب کا انکار کرے تو گمراہی ہے، لیکن کفر نہیں، نیز فقہاء مجازاً فرض کو واجب اور واجب کو فرض کہہ دیتے ہیں، کیوں کہ معنوی اعتبار سے دونوں میں بہت قربت اور عمل دونوں ہی پر ضروری ہے، فرق صرف اعتقاد کے اعتبار سے ہے، چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

" الفرض والواجب يلحقان في حق العمل فيصح اطلاق أحدهما على آخر مجازا " (۱)

زکوۃ کا حساب

سوال:- {998} زکوۃ کی شرح کی بنیاد کیا ہے؟ یہ آمدنی کا ڈھائی فیصد ہے یا بجٹ کا؟ (نظیر سہروردی، ناندیڑ)

جواب:- زکوۃ میں حساب اس تاریخ کے لحاظ سے کیا جاتا ہے جس تاریخ کو وہ پہلی بار نصابِ زکوۃ کا مالک بنا ہے، اس وقت جو رقم کسی کے پاس محفوظ ہو، یا سونا، چاندی، شیئرز، سامانِ

(۱) عینی شرح البخاری :۳/۳۲۱۔

تجارت، یا قرض جس کی وصولی متوقع ہو، موجود ہو، ان کا حساب کیا جائے اور ہر ہزار پر ۲۵/ روپے کے لحاظ سے زکوۃ ادا کی جائے، اس میں نہ آمدنی ملحوظ ہے اور نہ بجٹ، بلکہ اس تاریخ کو اموالِ زکوۃ میں سے جو کچھ اس کے پاس موجود ہو، اس سے زکوۃ ادا کی جائے گی۔ (۱)

مقدار نصاب زکوٰۃ

سوال:- {999} فقیر محتاج شخص کو مقدار نصاب زکوۃ دینے کو علماء مکروہ قرار دیتے ہیں، لیکن بعض دفعہ مستحق زکوۃ کثیر العیال ہوتا ہے، اور آج کل چاندی کے نصاب کے لحاظ سے نصاب کی قیمت بہت کم ہوجاتی ہے، اگر اتنی کم رقم اسے ادا کی جائے، تو اس کی ضروریات پوری نہیں ہوسکیں گی؟

(محمد راشد قاسمی، ممبئی)

جواب:- فقہاء نے جہاں ایک شخص کو نصاب کے مقدار زکوۃ دینے کو مکروہ قرار دیا ہے، وہیں یہ بھی لکھا ہے، کہ اگر مقروض ہو یا اس کا کنبہ بڑا ہو، کہ کنبہ کے تمام افراد پر اگر رقم تقسیم کردی جائے، تو فی کس مقدار نصاب سے کم رقم پڑتی ہو، تو اس میں کچھ حرج نہیں:

"وكره اعطاء فقير نصابا إلا إذا كان مديونا أو صاحب عيال لوفرق عليهم لايخص كل انصاب" (۲)

اس طرح ایسے ضرورت مند شخص کے لئے کئی نصاب ادا کرنے کی گنجائش پیدا ہوجاتی ہے۔

---

(۱) "وسببه أي سبب إفتراضها ملك نصاب حولى تام" (الدر المختار على هامش رد المحتار :۳/۱۷۴) محشی۔

(۲) ردالمحتار :۳/۳۰۳۔

مسجد و مدرسہ کی رقم میں زکوۃ

سوال:- {1000} میرے ایک بزرگ ناندیڑ شہر میں چار سو گز کا ایک پلاٹ دینی کاموں کے لئے محفوظ کئے، ٹین شیڈ بنوا کر عارضی طور پر مدرسہ و مسجد شروع کئے، لیکن طویل علالت کی وجہ سے یہ پلاٹ آل انڈیا لیول کے ادارہ کو وقف کر دئے، بدقسمتی سے یہ ادارہ ایسے دینی کام کے لئے ناموزوں ثابت ہوا، نگرانی اور تعمیر کے کام سے زبانی معذوری ظاہر کی، اب میرے عزیز خود اپنے صرفہ سے یہ کام انجام دینا چاہتے ہیں، رقم جمع کی جارہی ہے، اور سالانہ پوری زکوۃ بھی ادا کی جارہی ہے، لیکن بعض احباب ایسا ہی کام کر رہے ہیں، مدرسہ اور مسجد تعمیر کروا رہے ہیں، ان سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ صاحب اس تعمیری رقم کی زکوۃ ادا نہیں کئے، کیونکہ یہ رقم اللہ کے کام کے لئے تھی ان حالات میں کیا میرے عزیز کے لئے ضروری ہے کہ وہ زکوۃ ادا کریں؟ (محمد عبدالرحیم، احمد کالونی)

جواب:- جو رقم مسجد یا مدرسہ کے لئے ادا کی گئی ہو، اس جمع شدہ رقم میں زکوۃ واجب نہیں، (۱) البتہ رقم کو اس مد میں مخصوص کرنے سے پہلے تک چونکہ یہ شخصی ملکیت میں ہوتی ہے، اس لئے اس وقت تک کی زکوۃ واجب ہوگی۔ (۲)

---

(۱) "وسببه أى سبب إفتراضها ملك نصاب حولى تام" (الدر المختار على هامش رد المحتار :۱۷۴/۳)، قوله : (ملك نصاب " فلا زكوة في سوائم الوقف و الخيل المسبلة لعدم الملك " (رد المحتار : ۱۷۴/۳) محشی۔

(۲) " الزكوة واجبة على الحر العاقل المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما و حال عليه الحول" (الهداية:۱/۱٦۵) محشی۔

مال تجارت کی زکوۃ

شیئرز کی خرید وفروخت اور اس پر زکوۃ

سوال:- {1001} (الف) کیا حصص (شیئرز) کی خریداری جائز ہے؟

(ب) کیا حصص کی رقم پر زکوۃ واجب ہے؟

(محمد جہانگیر، اسراہی)

جواب:- (الف) اگر شیئرز ایسی کمپنی کے ہوں جو جائز کاروبار کرتی ہو، شراب اور مردار کا کاروبار نہ کرتی ہو اور سود پر پیسے نہ لگاتی ہو، تو ایسے شیئرز کا خریدنا جائز ہے۔

(ب) چوں کہ شیئرز مال تجارت کی نمائندگی کرتی ہے اور مال تجارت میں زکوۃ واجب ہے، (۱) اس لیے حصص میں اس کی مارکیٹ کی قیمت کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی۔ (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۱۱۔محشی۔

(۲) "و یقوم في البلد الذی المال فیه" (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳/۲۱۱) محشی۔

نہ فروخت ہونے والے مال زکوۃ میں دینا

سوال:- {1002} دوکان میں جو مال فروخت نہ ہو پاتا ہو، کیا اس مال کو زکوۃ کے طور پر دیا جاسکتا ہے؟ مثلاً: کپڑے کی دوکان ہو، تو جو کپڑے فروخت نہ ہو رہے ہوں، ان کے ذریعہ زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے؟

(محمد ایم میاں، بسواکلیان)

جواب:- زکوۃ دراصل اپنا مال اللہ کو دینا ہے، اسی لئے قرآن وحدیث میں اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا قرار دیا گیا ہے، لہذا جو مال بہتر اور اچھا ہو، کوشش کرنی چاہئے کہ زکوۃ میں ایسا مال ادا کیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿ أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ (١) ''اپنی کمائی کا بہتر حصہ خرچ کرو'' امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

"يقال للإنسان لا تجعل الزكوة من ردئ مالك"(٢)

'' اگر کسی شخص کے پاس اچھا سامان بھی ہو اور معمولی بھی، تو اسے سمجھانا چاہئے کہ وہ معمولی مال کا زکوۃ کے لئے انتخاب نہ کرے''

تاہم زکوۃ ادا کرنے کے لئے مال زکوۃ یا اس کا بدل ادا کرنا بھی جائز ہے، اس لئے اگر زکوۃ میں ایسا سامان ہی نکال دیا جائے، اور زکوۃ ادا کرتے ہوئے اس کی معمولی قیمت کا لحاظ کرتے ہوئے حساب کیا جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

---

(١) البقرة: ٢٦٧۔

(٢) التفسير الكبير أو مفاتيح الغيب: ٦١٢/٣۔

مٹھائی کی دوکان پر زکوۃ

سوال:- {1003} میں ایک میٹھائی کی دوکان چلاتا ہوں، یعنی میٹھائی بنا کر فروخت کرتا ہوں، کیا اس کاروبار پر زکوۃ فرض ہے، اگر ہے تو کس طرح زکوۃ ادا کی جائے؟

(محمد حمید الدین، مہدی پٹنم)

جواب:- تجارت خواہ کسی بھی چیز کی کی جائے، اگر وہ تنہا یا روپیہ، سونا، چاندی کے ساتھ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہونچ جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، (۱) زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب پہلی دفعہ آپ صاحب نصاب ہوئے ہوں، یعنی مذکورہ تفصیل کے مطابق ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے مالک ہوئے ہوں، اس تاریخ کو ذہن میں رکھیں، اگر خدانخواستہ وہ تاریخ آپ کو یاد نہ ہو، تو کسی بھی تاریخ، مثلاً: پچیس شعبان کو آپ معیار بنائیں، اور ہر ماہ اس تاریخ کو دیکھ لیں کہ آپ کے پاس نقد رقم کتنی موجود ہے؟ بینک میں آپ کی کیا رقم ہے؟ سونا چاندی آپ کے پاس کتنی قیمت کا ہے؟ اور دوکان میں فروخت کیا جانے والا سامان کتنی قیمت کا ہے؟ ان سب کو جوڑ لیں، اگر آپ نے کسی کو قرض دیا ہو، اور اس کے وصول ہونے کی امید ہو، تو اس کو بھی ان کے ساتھ جمع کرلیں، پھر دیکھیں کہ آپ کے ذمہ بھی کسی کا قرض باقی ہے؟ اگر باقی ہو تو اتنی رقم اس میں سے منہا کر دیں، اب جو رقم بچ رہے، اس میں ہر ایک ہزار پر پچیس روپے کے لحاظ سے زکوۃ نکال دیں، (۲) بہر حال زکوۃ ضرور ادا کرنی چاہئے، اس سے آپ کے کاروبار میں برکت ہوگی، اور آفات سے بھی حفاظت ہوگی۔ (۳)

---

(۱) الهداية :۱/۱۷۴-۱۷۵،الفتاوی الهندية :۱/۱۷۸۔محشی۔
(۲) الفتاوی التاتار خانية :۲/۲۹۱۔محشی۔
(۳) رد المحتار :۳/۱۷۱۔محشی۔

مکان پر زکوۃ

سوال:- {1004} ایک عدد ذاتی رہائشی مکان کے علاوہ ایک دوسری عمارت میری ملکیت میں ہے، جس میں خود ہماری رجسٹرڈ کردہ تعلیمی سوسائٹی کے زیرِ انتظام ایک پرائمری اسکول قائم ہے، براہِ کرام معلوم کیجئے کہ اس کی زکوۃ کس حساب سے ادا کی جائے؟

(سید منیر الدین، تاڑبن، حیدرآباد)

جواب:- مکان پر اس وقت زکوۃ واجب ہوتی ہے جب مکان تجارتی مقصد سے حاصل کیا گیا ہو، مکان ضرورت سے زیادہ ہو، لیکن مقصود تجارت نہ ہو، بلکہ کرایہ پر لگانا، یا کسی اور کام میں استعمال کرنا ہو تو اب اس میں زکوۃ واجب نہیں، (۱) لہذا آپ کی اس دوسری عمارت میں زکوۃ نہیں ہے۔

ٹرک پر زکوۃ کا مسئلہ

سوال:- {1005} زید کے پاس ایک ٹرک ہے، جس پر کوئی قرض نہیں ہے، اس ٹرک کی قیمت دو لاکھ روپے ہیں، زید پر اب دو لاکھ روپے کی زکوۃ واجب ہوگی، یا اس ٹرک سے حاصل ہونے والی آمدنی پر؟ (محمد رہبر عالم تجویدی، بیدر)

جواب:- کسب معاش کے آلات (اگر ان کی تجارت نہ کی جاتی ہو) پر زکوۃ واجب

---

(۱) " لا زكوة على مكاتب ... ولا في ثياب البدن .. و أثاث المنزل و دور السكنى و نحوها ، قوله : و نحوها كثياب البدن الغير المحتاج إليها و كالحوانيت و العقارات " (الدر المختار على هامش رد المحتار:۳/۱۷۹تا۱۸۲) محشی۔

نہیں ہوتی،(۱) اس لئے ٹرک کی قیمت پر زکوۃ واجب نہیں، اس سے جو آمدنی حاصل ہو وہ مقدارِ نصاب پہونچ جائے، یا کچھ اور سونا، چاندی اور رقم ان کے پاس موجود ہوں، اور ان کو ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہو، ایسی صورت میں اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔(۲)

جوتے کے تاجروں کا جوتوں کی صورت میں زکوۃ ادا کرنا

سوال:- {1006} میں پیشۂ تجارت سے وابستہ ہوں، میری جوتوں کی دکانیں ہیں، دوکانوں میں اسٹاک زیادہ ہونے کی وجہ سے میں مال یعنی جوتوں ہی کی صورت میں زکوۃ دینا چاہتا ہوں، تو کیا میں اس طرح زکوۃ دے سکتا ہوں؟

(اقبال احمد، کریم نگر)

جواب:- اگر آپ حساب کر کے واجب الاداء زکوۃ کے لحاظ سے مستحقین کو جوتے دے دیں، تو اس صورت میں بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی، بہتر طریقہ یہ ہے کہ مستحق زکوۃ کو جس چیز کی ضرورت ہو وہی چیز زکوۃ میں ادا کی جائے۔(۳)

یہ مالِ تجارت نہیں

سوال:- {1007} میں نے اپنی رہائش کے لئے ایک

---

(۱) "لا زكوة على مكاتب ... و كذلك آلات المحترفين" (الدر المختار على هامش رد المحتار:۳/۱۸۳) محشی۔

(۲) "و اللازم في مضروب كل منهما و معموله و لو تبرا أو حليا طلقا ألخ و في عرض تجارة قيمته نصاب ألخ و قيمة العرض للتجارة تضم إلى الثمنين : لأن الكل للتجارة وضعا و جعلا و يضم الذهب إلى الفضة و عكسه بجامع الثمنية" (الدر المختار على هامش رد المحتار :۳/۲۲۷تا۲۳۴) محشی۔

(۳) "لا بد في اعتبار منفعة الفقراء عند التقويم لأداء الزكوة فيقومها بأنفع النقدين" (المبسوط:۲/۱۹۱) محشی۔

مکان خریدا اس کو کئی سال کا عرصہ ہوگیا ہے، اب ہم لوگوں نے طے کیا ہے کہ اسے فروخت کردیں، کیونکہ رہائش کے لئے وہ جگہ موزوں نہیں ہے، تو کیا اس مکان کی زکوۃ اب ادا کرنی ہوگی؟ (فضل الرحمان، نظام آباد)

جواب:- مکان خریدتے وقت چونکہ آپ کی نیت بیچنے کی نہیں تھی، بلکہ رہائش کی تھی، اس لئے اس مکان میں کوئی زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اس کا شمار مال تجارت میں نہیں ہے، مال تجارت وہ ہے، جسے خریدتے وقت ہی بیچنے کی نیت سے خرید لیا جائے، ہاں مکان بیچنے کے بعد دوسرے اموال زکوۃ کے ساتھ ان پیسوں کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، بشرطیکہ جس تاریخ کو وہ صاحب نصاب ہوا تھا، اس تاریخ کو وہ رقم موجود ہے، ہندیہ میں ہے:

"ومن اشترى جارية للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزكوة ... وإن نواها للتجارة بعد ذلك لم تكن للتجارة حتى يبيعها فيكون في ثمنها زكوة"(۱)

حج کی محفوظ رقم اور زکوۃ

سوال:- {1008} زید پر حج فرض ہے اس نے اب تک حج ادا نہیں کیا ہے، لیکن حج کا فارم بھر دیا ہے، کچھ رقم جمع کردی ہے، اور کچھ رقم سفر کیلئے محفوظ رکھی ہے، کیا اسے اس رقم کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی؟ (عبدالرحیم، گنور)

جواب:- سفر حج کے کرایہ اور مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ہونے والے لازمی

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۱۶۷۔

اخراجات، اس کی حاجت اصلیہ یعنی بنیادی ضروریات میں داخل ہیں، ان میں زکوۃ واجب نہیں، اس سے زائد جو رقم حاجی اپنے طور پر سفر حج میں خرچ کرتا ہے، وہ حاجت اصلیہ میں داخل نہیں، اس کی زکوۃ واجب ہوگی۔

" إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب ، فإنه يزكي ذلك الباقي " (١)

---

(١) رد المحتار :٣/١٨٩۔

سونے چاندی کی زکوۃ

چاندی سونے کے نصاب کی مقدار

سوال:- {1009} (الف) چاندی کا نصاب کسی کتاب میں ساڑھے باون تولہ کسی میں ساڑھے چھتیس تولہ اور سونے کا نصاب کسی کتاب میں ساڑھے سات تولہ ہے تو کسی کتاب میں پانچ تولہ ہے، کس مقدار پر عمل کرنا ہوگا؟

(ب) کاغذی سکہ کی زکوۃ کا تعین سونے کے نصاب سے کرنا ہوگا، یا چاندی کے نصاب سے، جب کہ دونوں کے بازاری قیمت میں تقریباً ۶۵ گنے کا فرق ہے؟　　(کاظم علی، شاہ گنج)

جواب:- (الف) مفتی شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور ان دونوں مقدار میں جو نمایاں فرق ہے، یہ کیوں واقع ہوا ہے؟ اس پر بھی نہایت انصاف اور وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونا والا قول زیادہ درست ہے۔ (۱) مفتی صاحب کی

(۱)　تفصیل کے لیے دیکھئے: جواہر الفقہ: ۱/ ۴۰۷تا۴۲۹۔ محشی۔

تحقیق ان کے دلائل کی روشنی میں قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(ب) یہ مسئلہ بڑا اہم ہے اور ابھی علماء کے زیر تحقیق ہے، واقعہ ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت آج کل اتنی کم ہوگئی ہے کہ اس کی وجہ سے کسی کو زکوۃ کے لئے غیر مستحق قرار دینا، اکثر اوقات دشواری کا باعث ہوجاتا ہے، تاہم فی الحال فتویٰ اسی پر ہے کہ ساڑھے باون تولہ کی چاندی کے بقدر نوٹوں کی ملکیت پر زکوۃ واجب ہوگی، اور اسی کے مالک ہونے کی وجہ سے زکوۃ کے حرام ہونے کا حکم لگایا جائے گا، البتہ اس بات کی گنجائش ہے کہ اگر بیوی اتنے مال کی مالک ہے اور شوہر مالک نہیں، یا شوہر و بیوی مالک ہیں اور اس کے بالغ لڑکے و لڑکیاں مالک نہیں ہیں، تو جو مالک نہیں ہیں، انہیں زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ (۱)

پانچ تولہ سونا، پانچ تولہ چاندی

سوال:- {1010} ایک بیوہ ضعیف اور وظیفہ یاب خاتون کے پاس پانچ تولہ سونا اور پانچ تولہ چاندی ہے، زیور زیر استعمال ہے، کیا ان پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

(ایم۔ ایس۔ خان، اکبر باغ)

جواب:- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استعمالی زیورات میں بھی زکوۃ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ

"دو خاتون خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، ان کی ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، آپ ﷺ نے ان دونوں سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگ اس کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ ان دونوں نے کہا: نہیں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ اس

(۱) "و لا يجوز إلى صغير والده غني فإن كان الابن كبيرًا جاز" (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية :۲۶۶/۱، باب فيما توضع فيه الزكوة) محشی۔

بات کو پسند کروگی کہ اللہ تعالیٰ تم کو آگ کا کنگن پہنائے ؟
دونوں نے عرض کیا: نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو اس کی
زکوۃ ادا کرو“(۱)

اسی مضمون کی ایک روایت ابوداؤد (۲) اور نسائی (۳) میں بھی آئی ہے، ان احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ استعمالی زیورات پر بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے، اگر کچھ مقدار سونے کی اور کچھ مقدار چاندی کی ہو تو دونوں کو ملا کر، اگر ان کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہونچ جائے تو پھر اس میں زکوۃ واجب ہو جائیگی، اس تفصیل کی روشنی میں ان خاتون پر زکوۃ واجب ہے، لہٰذا ان کو زکوۃ ادا کرنی چاہئے، اگر زکوۃ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پانچ تولہ چاندی فروخت کریں، یا کسی اور کو ہبہ کردیں، ایسی صورت میں وہ صاحبِ نصاب باقی نہیں رہیں گی اور آئندہ ان پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

سونے پر زکوۃ

سوال:- {1011} زید کے پاس صرف سوا سات تولہ
سونا ہے اور اس کے علاوہ نہ نقدی ہے اور نہ چاندی، تو کیا اس
سونے پر زکوۃ واجب ہوگی؟　　(یوسف انصاری، ہنم کنڈہ)

جواب:- زکوۃ ساڑھے سات تولہ سونا پر واجب ہوتی ہے، اگر سونے کی مقدار اس سے کم ہو اور چاندی یا نقد رقم بھی نہ ہو (جو اس کی کو پورا کرے) تو اس صورت میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، ہدایہ میں ہے:” و لیس فیما دون عشرین مثقالا من ذھب صدقة “(۴) لہٰذا اس صورت میں آپ پر زکوۃ نہیں ہے۔

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۶۳۷۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۵۶۳۔
(۳) سنن نسائی، حدیث نمبر: ۲۴۸۱، باب زکوۃ الحلی ۔
(۴) الهداية: ۱/۱۷۵، باب زکوۃ المال، فصل في الذهب۔ محشی۔

کہاں کی قیمت معتبر ہوگی؟

سوال:- {1012} ہندوستان کے مختلف شہروں میں سونے کی قیمت یکساں نہیں ہوتی ہے، بمبئی، کلکتہ، مدراس میں الگ الگ قیمتیں ہوتی ہیں، اور اسی لحاظ سے اس شہر کے قرب وجوار کے دوسرے شہروں میں سونے کی قیمت ہوتی ہے تو زکوۃ کس قیمت کے لحاظ سے ادا کرنی ہوگی؟

(محمد نصیر عالم، جالے، دربھنگہ)

جواب:- جس شہر میں زکوۃ ادا کی جارہی ہو، وہاں کی قیمت کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ زکوۃ میں مالِ زکوۃ کا چالیسواں حصہ ادا کرنا ہے، اور اس شہر کے لحاظ سے قیمت ادا کی جائے تبھی چالیسواں حصہ ادا ہوسکتا ہے، فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے:

" فلو بعث عبدا للتجارة في بلد آخر يقوم في البلد الذی فيه العبد " (۱)

زرِ ضمانت کی زکوۃ

سوال:- {1013} بعض دفعہ مکانات کرایہ پر لیتے ہوئے مالکِ مکان کو کچھ پیشگی رقم بطور زرِ ضمانت دی جاتی ہے، اس رقم کی زکوۃ کس پر واجب ہوگی، کرایہ دار پر یا مالکان پر؟

(محمد شفیع احمد، مہدی پٹنم)

جواب:- مالک مکان کے پاس وہ رقم کرایہ دار کی طرف سے رہن کے درجہ میں ہے، جب وہ مکان خالی کرے، اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے، اور مال رہن میں زکوۃ کسی پر

(۱) ردالمحتار :۳/۲۱۱-۲۱۲۔

واجب نہیں ہوتی، نہ رہن رکھنے والے پر اور نہ اس شخص پر جس کے پاس رہن رکھا گیا۔(۱)

زیورات میں نگ اور زکوٰۃ

سوال:- {1014} سونے کے زیورات میں شیشہ اور پتھر کے نگ لگائے جاتے ہیں، سونا فروخت کرنے والے ان نگوں کے ساتھ زیور کا وزن کرتے ہیں، گویا اسے بھی سونے کی قیمت میں فروخت کرتے ہیں، تو کیا اس نگ میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی؟　　(محمد شمشاد، حمایت نگر)

جواب:- سونے یا چاندی سے اگر ایسی چیز ملی ہوئی ہو، جس کو اس سے الگ کیا جاسکتا ہو، تو وہ سونے، چاندی کے حکم میں نہیں ہے،(۲) نگ بھی ایسی ہی چیزوں میں ہے کہ اسے اصل زیور سے نکالا جاسکتا ہے، اس لئے نگ میں زکوٰۃ واجب نہیں، اگر نگ کا وزن معلوم ہو تو اس وزن کو منہا کر کے زکوٰۃ کا حساب کرنا درست ہوگا۔

---

(۱) دیکھئے: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی منظورہ تجاویز پانچواں فقہی سیمینار، منعقدہ ۱۰-نومبر ۱۹۹۲ء اعظم گڈھ۔

(۲) " إذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة ، و إذا ان الغالب عليها الغش فهو في حكم العروض ، يعتبر أن تبلغ قيمته نصابا ، قوله فهو في حكم الفضة ألخ فتجب فيه الزكوة كأنه كله فضة لا زكوة العروض ، و لو كان أعدها للتجارة بخلاف ما إذا كان الغش غالبا فإن نواها للتجارة إعتبرت قيمتها ، و إن لم ينوها ، فإن كانت بحيث يتخلص منها فضة تبلغ نصابا وحدها أو لا تبلغ، لكن عنده ما يضمه إليها فيبلغ نصابا وجب فيها؛ لأن عين النقدين لا يشترط فيهما نية التجارة و لا القيمة و إن لم يخلص فلا شيئ فيه" (الهداية مع الفتح :۱/۱۶۴)محشی۔

زیورات میں زکوۃ کی مقدار

سوال:- {1015} سونا، چاندی کے زیورات میں زکوۃ واجب ہے، تو کس مقدار میں؟ مثلاً میرے پاس دس تولہ سونا ہے، تو میں کتنی زکوۃ ادا کروں؟ (خالد، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- زیورات، مال تجارت اور روپیہ میں زکوۃ کی شرح ڈھائی فیصد ہے، (۱) آپ اپنے زیورات کی موجودہ نرخ کے لحاظ سے قیمت لگالیں اور ایک ہزار پر پچیس روپے کے لحاظ سے زکوۃ ادا کردیں۔

زیر استعمال زیورات پر زکوۃ

سوال:- {1016} عورتیں جو زیورات روز یا کبھی کبھی استعمال کرتی ہیں، کیا ان میں بھی زکوۃ ہے؟

(محمد احمد علی خاں، ملک پیٹ)

جواب:- قرآن وحدیث میں سونے اور چاندی پر مطلقاً زکوۃ واجب قرار دی گئی ہے، (۲) بلکہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا صراحۃً ان زیورات کے بارے میں بھی زکوۃ کی تلقین کرنا ثابت ہے، جن کو صحابیات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) پہنی ہوئی تھیں، (۳) اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سونے اور چاندی پر ہر صورت میں زکوۃ واجب ہے، خواہ وہ زیورات کی شکل میں ہوں یا نہ ہوں، اور خواہ زیورات زیر استعمال ہوں، یا نہ ہوں۔

---

(۱) الفتاوى التاتار خانية :۲/۳۱۹۔ محشی۔

(۲) التوبة :۳۴۔ محشی۔

(۳) الجامع للترمذي:۱/۱۳۸۔ محشی۔

استعمال شدہ زیورات میں زکوۃ

سوال:- {1017} ماہنامہ البلاغ اکتوبر ۲۰۰۱ء ص:
۵۰ پر لکھا ہے کہ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ استعمال شدہ زیورات میں زکوۃ نہیں ہے، وضاحت فرمائیں۔

(محمد عبدالستار، مقام نامعلوم)

جواب:- مختلف رواتیوں سے پہنے ہوئے زیورات میں آپ ﷺ کی جانب سے زکوۃ ادا کرنے کی تلقین ثابت ہے، ان میں بعض رواتیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بھی مروی ہیں، امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ بعض صحابہ ؓ اور تابعین ؒ بھی اسی کے قائل تھے، اور یہی رائے سفیان ثوری ؒ اور عبداللہ بن مبارک ؒ جیسے فقہاء ومحدثین کی بھی ہے، (۱) حنفیہ کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ استعمالی زیورات میں بھی زکوۃ واجب ہوگی، قرآن نے مطلقاً سونا چاندی میں زکوۃ واجب قرار دی ہے، اس سے بھی اس نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اسی میں احتیاط ہے۔

اس لیے یہ کہنا کہ جمہور علماء کا زکوۃ واجب نہ ہونے پر اتفاق ہے، میرے خیال میں درست نہیں۔

نقد رقم کی زکوۃ

سوال:- {1018} جس کے پاس زیورات کے علاوہ نقدی رقم بھی موجود ہو، کیا اسے نقد رقم کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی؟ اور ادا کرنی ہوگی، تو اس کا کیا حساب ہوگا؟ (الیاس، زیبا باغ)

جواب:- نقد رقم میں بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے، نقد رقم کا وہی نصاب ہے جو چاندی کا

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۶۳۶۔

ہے، یعنی اگر اتنے پیسے موجود ہوں کہ جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہوجائے گی، اگر کچھ سونا، کچھ چاندی اور اس کے ساتھ کچھ رقم ہو اور یہ سب مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تب بھی زکوۃ واجب ہوجائے گی، بشرطیکہ اس پر سال گزر چکا ہو، سال گزرنے سے مراد یہ ہے کہ پہلی دفعہ نصاب زکوۃ کا مالک ہونے کے بعد سال گزر جائے، اگر ایک بار نصاب زکوۃ پر سال گزر چکا ہے تو آئندہ اس پر جو اضافہ ہوگا اس پر مستقل طور سے سال کا گزرنا ضروری نہیں ہے، سونا، چاندی، سامانِ تجارت اور نقد رقم پر زکوۃ ڈھائی فیصد کی شرح سے واجب ہوتی ہے، (۱) یعنی ہر ایک ہزار پر پچیس روپے۔

زیورات کی زکوۃ

سوال:- {1019} میری شادی میں دلہن کے ذریعہ پندرہ تولہ سونا، نیز چاندی کے زیورات آئے ہیں، تو کیا مجھ پر زکوۃ فرض ہے؟ کیوں کہ اخراجات زیادہ ہیں اور بعض وقت ادھار لے کر کام چلانا پڑتا ہے۔ (معین الدین، مغلپورہ)

جواب:- آپ کی بیوی کو جو زیورات ان کے میکے سے ملے ہوں یا آپ لوگوں نے شادی کے موقعہ پر ان کو دیا ہو، وہ ان ہی کی ملکیت ہے، اور ان پر اس کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہے، آپ کے اخراجات سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اگر آپ کے اپنے زیورات ہوں اور آپ کے ذمہ قرض بھی باقی ہو، تو زیورات کی قیمت لگا کر اس میں قرض کے بقدر منہا کردیں، اور جتنا باقی رہ جائے، اگر وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو ان باقی پیسوں میں پچیس روپے فی ہزار کے حساب سے زکوۃ واجب ہوگی، (۲) زکوۃ ادا کرنے سے مال میں برکت اور آفتوں سے حفاظت ہوتی ہے، (۳) اس لئے اس معاملہ میں پہلوتہی سے کام نہیں لینا چاہئے۔

---

(۱) الفتاوی التاتار خانیة :۲/۳۱۹۔
(۲) حوالہ سابق
(۳) رد المحتار :۳/۱۷۱، محشی۔

بیوی کے زیورات کی زکوۃ شوہر پر ہے؟

سوال:- {1020} میں نے اپنی بیوی کو اس کے مہر میں زیورات دیدئے، اب اس کی زکوۃ شوہر پر ہے یا بیوی پر؟

(حسن بن صالح الحامد، گرمٹ کال)

جواب:- آپ نے جب زیورات اپنی بیوی کو دیدئے تو وہی اس کا مالک ہے اور اسی پر اس کی زکوۃ واجب ہے، (۱) البتہ اگر بیوی کے پاس نقد پیسے نہ ہوں، اور زکوۃ ادا کرنے میں آپ اپنے پیسوں سے بیوی کی مدد کریں تو نہ صرف آپ کی بیوی کی طرف سے زکوۃ ادا ہوگی، بلکہ آپ بھی اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

رہن اور چٹھی میں زکوۃ

سوال:- {1021} ہمارے گھر کے زیور رہن ہیں، اور ۶۰ر ہزار کی ایک چٹھی ہے، جس کی اب تک جمع شدہ رقم ۳۰ر ہزار ہوگئی ہے، کیا رہن اور چٹھی کی رقم پر زکوۃ ادا کرنا ضروری ہے؟

(تسنیم تبسم، امان نگر)

جواب:- (الف) جو زیور رہن پر ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ (۲)

(ب) چٹھی کی جتنی رقم آپ ادا کر چکی ہیں، یعنی ۳۰ر ہزار روپے اس کی زکوۃ ادا کرنی واجب ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) "الزکوة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا تاما و حال عليه الحول" (الهداية:۱/۱۶۵) محشی۔

(۲) رد المحتار:۳/۱۸۰۔ محشی۔

زکوۃ کے مصارف

زکوۃ کے مصارف

سوال:- {1022} زکوۃ کے مصارف کیا کیا ہیں؟ غیر مسلم کو زکوۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کن رشتہ داروں کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی ہے؟ نابالغ بچوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کن لوگوں کو زکوۃ دینا بہتر ہے؟ (سمیع الدین، شاہ علی بنڈہ)

جواب:- ۱) قرآن مجید میں کل آٹھ مصارف کا ذکر کیا گیا ہے، زکوۃ کا انہیں مدات میں سے کسی ایک یا چند میں خرچ کرنا ضروری ہے، ان میں سے ایک مد یعنی ''غلام'' کا اب وجود نہیں، ایک مد '' مؤلفة القلوب '' حنفیہ کے یہاں منسوخ ہے، اس طرح کل چھ مصارف باقی رہ گئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(الف) فقیر: یعنی وہ شخص جو بالکل نادار ہو۔

(ب) مسکین: جس کے پاس سامانِ کفایت کا کچھ حصہ

ہو، لیکن پورا نہیں اور ابھی اس کی حاجت باقی ہو، (۱)

(ج) ''عاملین'': یعنی جن کو زکوۃ وعشر وغیرہ کی وصولی کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔ (۲)

یہ صاحب نصاب ہوں تب بھی انہیں زکوۃ میں سے ان کے کام کی اجرت کے طور پر زکوۃ دی جاسکتی ہے، اور وہ لے سکتے ہیں، (۳)

زکوۃ کی جمع وتقسیم کے لیے اور تحریر وغیرہ کے لیے بھی یہ مسئلہ ہے۔ (۴)

(د) مقروض: جس کو قرآن نے ''غارمین'' کہا ہے، یعنی ایک شخص صاحب نصاب ہو، لیکن اس پر لوگوں کے اتنے قرض ہوں کہ ان کو ادا کرے تو صاحب نصاب باقی نہ رہے، ایسے شخص کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، (۵) بلکہ عام فقراء کے مقابلہ ان کو زکوۃ دینے میں زیادہ اجر ہے۔ (۶)

(ہ) فی سبیل اللہ: احناف کے یہاں اس سے خصوصیت کے ساتھ وہ اہل حاجت مراد ہیں جو جہاد، دینی تعلیم کے حصول میں لگے ہوئے ہوں۔ (۷)

---

(۱) دیکھئے: بدائع الصنائع :۲/۴۳، قرطبی :۸/۱۶۹۔
(۲) بدائع الصنائع:۲/۴۴۔
(۳) الفتاوی التاتار خانیة:۲/۲۶۸۔
(۴) قرطبی:۸/۱۷۱۔
(۵) أحكام القرآن للجصاص :۳/۳۲۷۔
(۶) الفتاوی التاتار خانیة:۲/۲۷۰۔
(۷) البحر الرائق :۲/۲۴۲، الفتاوی التاتار خانیة:۲/۲۶۸۔

(و) مسافرین: یعنی وہ لوگ جو اصلاً تو زکوۃ کے حقدار نہ ہوں لیکن سفر کی حالت میں ضرورت مند ہوگئے ہوں، یہ زکوۃ لے سکتے ہیں، مگر اتنا ہی لیں جتنا سے کام چل جائے۔(۱)

۲) زکوۃ کی رقم صرف مسلمانوں ہی کو دی جائے گی، غیر مسلم کو نہیں۔(۲)

۳) بنو ہاشم و سادات کو (جن کی حاجت کسی اور مد سے پوری نہ ہو پائے) زکوۃ دی جاسکتی ہے(۳)

۴) والدین، دادا، دادی، نانا، نانی، اولاد اوران کا سلسلہ اولاد، شوہر، بیوی، ان اقرباء میں شامل ہیں جنہیں زکوۃ نہیں دی جاسکتی۔(۴)

۵) جو شخص بنیادی ضروریات کے علاوہ زمین، کھیت، فاضل مکان، غیر استعمالی کپڑے وغیرہ اشیاء میں اتنی جائداد کا مالک ہو کہ اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کو پہنچ جاتی ہو تو اس کے لیے زکوۃ لینی جائز نہیں۔(۵)

۶) محتاج اور مالدار ہونے میں نابالغ بچوں کا وہی درجہ ہوگا جو ان کے باپ کا ہے، باپ کے لیے زکوۃ جائز ہو تو ان کے لیے بھی زکوۃ جائز ہوگی، اور باپ کے لیے زکوۃ جائز نہ ہو تو

---

(۱) الفتاوی التاتار خانیة:۲/۲۷۱، البحر الرائق :۲/۲۴۲۔

(۲) الفقه الإسلامي و أدلته:۲/۱۸۳۔

(۳) یہ امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول ہے اور بہت سے علماء نے اس کو اختیار کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے: عبادات اور چند اہم جدید فقہی مسائل:۲/۱۴۵۔

(۴) بدائع الصنائع:۲/۴۹، تاتارخانیہ:۲/۲۷۱۔

(۵) بدائع الصنائع:۲/۴۹۔

ان کے لیے بھی زکوۃ جائز نہ ہوگی۔(۱)

۷) بالغ لڑکوں کے فقیر و مالدار ہونے میں خود ان کا اعتبار ہے، باپ گو مالدار ہو، لیکن لڑکے محتاج ہوں تو زکوۃ لے سکتے ہیں۔(۲)

۸) محتاج علماء، علوم دینیہ کے طلباء اور دین دار محتاج کو زکوۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے۔(۳)

۹) اسی طرح ان اقرباء کو زکوۃ دینا (اگر وہ مستحق ہوں) زیادہ بہتر ہے، جو زکوۃ لے سکتے ہیں، جیسے بھائی، بہن، چچا، پھوپھی خالہ، ماموں، اور چچازاد، خالہ زاد بھائی بہن وغیرہ۔(۴)

۱۰) یہ بات بہتر ہے کہ اہل شہر کو زکوۃ دینے میں اولیت دی جائے، ہاں! اگر دوسری جگہ زیادہ محتاج لوگ ہوں، دینی ادارے ہوں اقرباء ہوں، تو دوسرے شہروں کو زکوۃ بھیجنے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ زیادہ بہتر ہے۔(۵)

۱۱) زکوۃ کے جو مدات قرآن مجید نے متعین کیے ہیں اگر ان میں سے ایک یا بعض ہی پر پوری زکوۃ صرف کر دیں تو کوئی حرج نہیں۔(۶)

---

(۱) البحر الرائق:۲/۲۴۵۔
(۲) البحر الرائق:۲/۲۴۵۔
(۳) رد المحتار:۲/۶۹۔
(۴) رد المحتار:۲/۶۷۔
(۵) دیکھئے:الجامع لأحکام القرآن :۸/۱۶۷۔
(۶) دیکھئے:المغنی :۲/۳۸۲، البحر الرائق :۲/۲۴۹۔

۱۲) بہتر ہے کہ زکوۃ اتنی مقدار میں دی جائے کہ ضرورت پوری ہوجائے، مقروض ہو تو قرض ادا ہوجائے، مسافر ہو تو منزل تک پہنچ جائے، فقراء کو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بہتر ہے کہ ایک مقدار نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے کم دے، مقدار نصاب سے زیادہ دے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، لیکن ایسا کرنا ان کے نزدیک مکروہ ہے، (۱) کثیر العیال شخص کو مقدار نصاب سے زیادہ زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس کے زیر پرورش لوگوں میں تقسیم کیا جائے تو فی کس ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے کم ہر ایک کے حصہ میں آتی ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ (۲)

۱۳) مردوں کی تجہیز وتکفین اور مسجدوں کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی، (۳) پلوں کی تعمیر، سڑکوں کی مرمت اور اس طرح کی دوسری چیزوں میں بھی زکوٰۃ صرف نہیں کی جاسکتی۔ (۴)

۱۴) زکوٰۃ کی رقم کو قرض کے لین دین کے لیے محفوظ کرنا، یا کاروبار میں لگانا اور اس کا نفع فقراء پر تقسیم کرنا درست نہیں اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

---

(۱) رد المحتار: ۳/۳۰۳۔
(۲) قرطبی: ۸/۱۹۱۔
(۳) الهداية مع الفتح: ۲/۲۰۷۔
(۴) مجمع الأنهر: ۱/۲۲۲۔

۱۵) ایسے ضروری دینی اور قومی کام جن پر زکوٰۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی، اس کا اگر کسی فقیر کو مالک بنادیا جائے اور وہ زکوۃ کی وہ رقم ایسے کاموں پر صرف کرے تو کوئی حرج نہیں۔(۱)

بنو ہاشم سے مراد

سوال:- {1023} بنو ہاشم سے کون لوگ مراد ہیں؟ جن کے لئے زکوۃ لینا حرام ہے؟

(محمد وحیدالدین، چنچل گوڑہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے چوتھے دادا عبد مناف ہیں، عبد مناف کے چار بیٹے تھے، ہاشم، مطلب، نوفل، عبد شمس، پھر ہاشم کے چار بیٹے ہوئے جن میں صرف عبد المطلب کی نسل باقی رہی، باقی کی منقطع ہوگئی، عبد المطلب کی بارہ اولاد تھیں، جن میں حضرت عباس ؓ اور حضرت حارث ؓ کی اولاد، نیز حضرت علی ؓ، حضرت جعفر ؓ اور حضرت عقیل ؓ سے ابوطالب کی اولاد پر زکوۃ حرام ہے، بنو ہاشم کی دوسری شاخوں پر زکوۃ حرام نہیں،(۲) عام طور پر جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ بنو ہاشم پر زکوۃ حرام ہے، وہ ان ہی چند خاندانوں کو ملحوظ رکھ کر۔

سادات کو زکوۃ

سوال:-{1024} آپ نے لکھا ہے کہ زکوۃ بھائی، بہن اور بہنوئی وغیرہ کو دیا جاسکتا ہے، بلکہ ضرورت مند رشتہ داروں کو زکوۃ دینے میں زیادہ اجر ہے، تو اگر قریبی رشتہ دار

(۱) الدر المختار علی هامش رد:۲/۱۶۔
(۲) دیکھئے: رد المحتار :۳/۲۹۹۔

سادات میں سے ہوں اور ضرورت مند ہوں، تو ان کو بھی زکوۃ دی جاسکتی ہے؟ (محمد آصف، گنفور)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے سادات کے لئے زکوۃ کی رقم کو منع فرمایا ہے، آپ ﷺ نے اس کے بدلے ان کے لئے مال غنیمت میں کچھ حصہ رکھا تھا، (۱) اس لئے سادات کا دوسری رقوم سے تعاون کرنا چاہئے، ہاں! اگر یہ صورت ہو کہ شوہر سید ہو، بیوی سید نہ ہو، یا بیوی سادات میں سے ہو اور شوہر سید نہ ہو، تو جو سید نہ ہو اسے زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ (۲)

قریبی رشتہ دار اور سید کو زکوۃ

سوال:- {1025} کیا زکوۃ کے مستحق قریبی رشتہ دار یعنی چچا، پھوپھا، ماموں، خالہ، بھائی، بہن اور سید ہو سکتے ہیں؟

(احمد، نظام آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے بنو ہاشم یعنی سادات پر زکوۃ حرام قرار دیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " إن الصدقة لا تحل لنا " (۳) اس لیے اکثر فقہاء کی رائے یہی ہے کہ سادات کے لیے زکوۃ جائز نہیں۔ (۴) کوشش کریں کہ عطیات کے ذریعہ سادات کی مدد کریں، یا بالواسطہ سادات کو زکوۃ پہنچائیں، مثلاً: شوہر و بیوی میں ایک سید ہوں دوسرے نہ ہوں تو جو سید نہ ہوں ان کو زکوۃ دے دیں۔

آپ نے جن رشتہ داروں کا ذکر کیا ہے، ان کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، زکوۃ صرف شوہر

(۱) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۴۴۹۴، باب الصدقة لرسول الله ﷺ و لآله و لمواليهم۔

(۲) " مصرف الزكوة : هو فقير و هو من له أدنىٰ شيئ أى دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة و مسكين من لا شيئ له على المذهب " (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳/۲۸۳-۲۸۴) محشی۔

(۳) الجامع للترمذي، حديث نمبر: ۶۵۷۔

(۴) دیکھئے: البحر الرائق: ۲/۲۴۵۔

وبیوی ایک دوسرے کو اور والدین واولاد ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے، والدین کے آباء واجداد اور اولاد کی اولاد کا سلسلہ بھی اسی حکم میں ہے، باقی رشتہ داروں کو نہ صرف زکوۃ دی جاسکتی ہے، بلکہ وہ مستحق زکوۃ ہوں تو ان کو زکوۃ دینا زیادہ باعث اجر ہے، کیوں کہ اس میں صلہ رحمی کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔

سادات کے لئے زکوۃ کیوں حرام ہے؟

سوال:- {1026} جب تمام مسلمان برابر ہیں، تو سادات کے لئے زکوۃ کیوں حرام قرار دی گئی ہے؟

(اسماعیل خان، یاقوت پورہ)

جواب:- آپ ﷺ کا مزاج تھا کہ جہاں قربانی کی نوبت ہوتی وہاں اپنے قرابت داروں کو آگے رکھتے، غزوۂ بدر کے موقع سے جب مکہ کے سورماؤں نے دعوتِ مبارزت دی تو آپ ﷺ نے اپنے قریب ترین عزیزوں حضرت حمزہ ؓ، حضرت علی ؓ اور حضرت عبیدہ ؓ کو مقابلہ پر بھیجا،(۱) اور جہاں نفع کا موقع آتا وہاں آپ ﷺ ان حضرات کو پیچھے رکھتے، مثال کے طور پر جب ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس بہت سے غلام اور باندی آئے تو آپ ﷺ انہیں اہل مدینہ کے درمیان تقسیم فرمانے لگے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوا تو انہوں بھی ایک خادم یا ایک خادمہ عطا فرمانے کی درخواست کی، اس موقع پر آپ ﷺ نے خادم دینے کے بجائے تسبیح (۳۳/بار سبحان اللہ، ۳۳/بار الحمد للہ، ۳۴/بار اللہ اکبر) پڑھنے کی تلقین فرمائی۔(۲)

(۱) " عن علي ؓ قال : تقدم عتبة و تبعه ابنه و أخوه فانتدب له شاب من الأنصار فقال : لا حاجة لنا فيكم إنما أردنا بني عمنا ، فقال رسول الله ﷺ : قم يا حمزة (ؓ) ، قم يا علي (ؓ)، قم يا عبيدة(ؓ) ألخ " فتح الباري شرح صحيح البخاري :۲۷۸/۷، باب قتل أبي جهل)محشی۔

(۲) صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۶۳۱۸،باب التكبير و التسبيح عند المنام ۔محشی۔

سادات کے لئے زکوۃ کی ممانعت کا شاید ایک بنیادی سبب یہ بھی تھا کہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ نبوت اور شریعت کے سارے تانے بانے اسی لئے بنے گئے تھے کہ لوگوں سے پیسہ وصول کریں اور اپنے اہلِ خاندان پر خرچ کریں، چنانچہ آپ ﷺ نے زکوۃ کو نہ صرف اپنی حیات میں بلکہ ہمیشہ کے لئے سادات پر حرام کردیا۔ واللہ اعلم وعلمه أتم وأحكم۔

سادات کو زکوۃ سے تنخواہ

سوال:- {1027} میں سادات گھرانے کا ہوں، میں نے آج تک زکوۃ نہیں لی مجھے جو پوچھنا ہے، وہ یہ کہ میرا لڑکا حافظ و قاری ہے، جو ایک مدرسہ میں خدمت انجام دیتا ہے، دینی مدارس کو لوگ زکوۃ کی رقم سے ہی مدرس کی ماہانہ تنخواہ دیتے ہیں، کیا وہ تنخواہ لینا جائز ہے؟ (س، م، ق، مستعد پورہ)

جواب:- سادات کے لئے براہ راست زکوۃ کی رقم لینا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی شخص کسی کو زکوۃ دیتا ہے، اور زکوۃ وصول کرنے والا اپنی طرف سے کسی سید کو بہ طورِ ہدیہ، یا بطور اجرت زکوۃ کی رقم میں سے دے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ایک صاحب نے صدقہ کا گوشت دیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا، لیکن گوشت نہیں رکھا، جب آپ ﷺ نے گوشت کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگیں کہ: ''وہ صدقہ کا گوشت ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے لئے صدقہ ہے، اور جب تم مجھے دوگی تو ہدیہ ہوگا۔(۱)

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۱۴۹۳۔

معلوم ہوا کہ بالواسطہ زکوۃ کی رقم سادات پر خرچ ہوسکتی ہے، آپ کے صاحب زادے مدرسہ میں ملازم ہیں اور مدرسہ سے اجرت حاصل کرتے ہیں، مدرسہ طلبہ کے وکیل کی حیثیت سے زکوۃ وصول کرتا ہے، اور یہ زکوۃ طلبہ کو بہ طور وظیفہ دی جاتی ہے، پھر طلبہ ذمہ دارانِ مدرسہ کو اپنی طرف سے اس بات کا وکیل بناتے ہیں کہ یہ رقم ان کی تعلیم اور ضروریات پر خرچ کی جائے، اسی رقم سے اساتذہ کو تنخواہ ادا کی جاتی ہے، گویا طلبہ زکوۃ حاصل کرتے ہیں، پس طلبہ کے حق میں تو یہ زکوۃ ہے اور اساتذہ کے حق میں اجرت، اس لئے سادات یا صاحب نصاب حضرات کے لئے بھی مدرسہ سے تنخواہ لینی جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

ہمشیرہ سیدہ کو زکوۃ

سوال:- {1028}(الف) میں مبلغ سو روپے اپنی ہمشیرہ کو روانہ کرتا ہوں جو کہ بہت غریب اور قابلِ امداد ہے، اسے چار بچے ہیں اور شوہر صاحب کی آمدنی روزانہ آٹھ (۸) روپے ہے، جس میں سے وہ روزانہ بلا ناغہ پانچ یا چھ روپے کی پیتے ہیں، اور کبھی تین روپے خرچ کو دیتے ہیں، وہ بیچاری سلائی وغیرہ کر کے اپنے اور اپنے بچوں کا گزارا کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کا نام سید شوکت علی ہے اور سید کو زکوۃ دینا منع ہے، لیکن اب تک ہمیں اس کا پتہ نہ چل سکا کہ یہ صاحب ہاشمی سید ہے یا آل عباس سے ہیں، دوسرے یہ کہ ان کے افعال کو دیکھ کر اور اپنے ہمشیر کی غربت کو دیکھ کر میں زکوۃ کی رقم میں سے مبلغ سو روپے روانہ کرتا ہوں، کیا میرا یہ عمل درست ہے، اور زکوۃ ادا ہو رہی ہے یا نہیں؟ یا گنہگار رہو رہا ہوں؟

(ب) میرے چچا صاحب بھی خط غربت میں ہی ہیں،
میرے چچا بھی ہیں خسر بھی، انہیں بھی زکوۃ کی رقم میں سے مبلغ
پچاس روپے روانہ کرتا ہوں، اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ زکوۃ
کے پیسوں میں سے روانہ کر رہا ہوں، تو انہیں برا لگتا ہے، کہتے
ہیں کہ: زکوۃ کا نام نہ لو، دینا ہے تو ویسے ہی دو، یعنی زکوۃ کا نام
لئے بغیر، تو کیا ایسا دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی؟

(ایم، ایس۔ سردار میاں، رام گنڈم)

جواب:- (الف) سید کو زکوۃ دینی درست نہیں، (۱) مگر ہمشیرہ کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ (۲) اگر آپ سید نہیں ہیں تو بہنوئی کے بجائے اپنی بہن کو زکوۃ کی رقم دیجئے، اور اگر دونوں ہی سید ہوں تو موجودہ زمانہ میں ایسے حیلہ کی گنجائش ہے کہ آپ کسی محتاج کو دیدیں، وہ کچھ رقم لے کر آپ کو مالک بنادے اب پھر آپ یہ رقم اپنی بہن کو دیدیں، یا آپ اسے سمجھا کر یہ رقم دیں کہ میری بہن سیدہ ہے اس لئے زکوۃ نہیں لے سکتی، اس لئے میں تم کو دے رہا ہوں، تم اس میں سے میری ہمشیرہ کو دیدو۔

(ب) چچا یا خسر کو بھی زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، اور زکوۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری نہیں کہ ان پر یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ رقم زکوۃ کی ہے، بلکہ اذیت سے بچانے کے لئے بہتر ہے کہ اس کا اظہار کئے بغیر زکوۃ دے دی جائے۔ (۳)

---

(۱) "ولایدفع إلی بنی هاشم" (الفتاوی الهندية:۱/۱۸۹)

(۲) "الأفضل في الزكوة ... الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأعمام والعمات" (الفتاوی الهندية:۱/۱۹۰)

(۳) "ومن أعطى مسكينا دراهم وسماها هبة ونوى الزكوة فإنها يجزيه" (الفتاوی الهندية:۱/۱۷۱)

اگر شوہر شیخ ہو اور بیوی سیدہ ہو؟

سوال:- {1029} ایک شخص شیخ ہے اور اس کی بیوی سیدہ ہے، تو کیا اس شیخ کو زکوۃ اور صدقۃ الفطر دے سکتے ہیں؟ اگر دے تو ظاہر ہے کہ اس کی بیوی بچے اس میں سے ضرور کھائیں گے۔ (جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ایسے شخص کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، جو خود سید نہ ہو، لیکن اس کی بیوی سیدہ ہو، اسی طرح بیوی سیدہ نہ ہو، اور شوہر سید ہو، اور مستحق ہو تو بیوی کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، (۱) بلکہ فی زمانہ ایسا کرنا بہتر ہے، تاکہ ضرورت مند سادات کی اعانت ہو سکے۔

سادات کے لئے زکوۃ کی حرمت اس وقت ہے جب ان کو براہ راست زکوۃ دی جائے، اگر بالواسطہ ان تک زکوۃ کی رقم پہونچے تو اس کی ممانعت نہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی ایک خادمہ حضرت بریرہؓ تھیں، ان کے پاس گوشت پک رہا تھا، پھر انھوں نے آپ ﷺ کو کھانا پیش کیا، تو اس میں گوشت موجود نہیں تھا، آپ ﷺ نے وجہ دریافت کی تو عرض گزار ہوئیں کہ گوشت صدقہ کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے صدقہ ہے، اور میرے لئے ہدیہ'' (۲)

---

(۱) " مصرف الزكوة : هو فقير و هو من له أدنى شيئ أى دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة و مسكين من لا شيئ له على المذهب " (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳/۲۸۳-۲۸۴) محشی۔

(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۸۴۹۳۔ محشی۔

معلوم ہوا کہ اگر زکوۃ یا کوئی صدقۂ واجبہ غیر سید کے واسطہ سے بہ طور ہدیہ، یا نفقہ سید تک پہونچ جائے، تو اس کی ممانعت نہیں۔

سید کی بیوی کو زکوۃ

سوال:- {1030} میری بہن حنفی شیخ ہے، جن کا عقد ایک سید گھرانے میں ہوا تھا، کسی سبب شوہر نے طلاق دے دی ہے، تو کیا میں ان کو یا ان کی اولاد کو زکوۃ کی رقم دے سکتا ہوں؟ (محمد احمد، ناندیڑ)

جواب:- چونکہ ان کی اولاد بھی سادات ہیں، اس لئے ان کو زکوۃ دینی جائز نہیں، (۱) البتہ آپ اپنی بہن کو زکوۃ دے سکتے ہیں۔ (۲)

نابالغ اور بالغ کو زکوۃ کی ادیگی

سوال:- {1031} (الف) نابالغ لڑکا ہو یا لڑکی، کیا اس کے نام پر زکوۃ دے سکتے ہیں؟

(ب) کیا نابالغ کے زکوۃ وصول کرنے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے؟ (سید حفیظ الرحمٰن، پھولانگ)

جواب:- (الف) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نابالغ کے مال میں زکوۃ واجب نہیں

---

(۱) " لا (يصرف) إلى بني هاشم (الدر المختار) تصرف الزكوة إلى أولاد كل إذا كانوا مسلمين فقراء إلا أولاد عباس و حارث و أولاد أبي طالب من علي و جعفر و عقيل" (رد المحتار:۳/۲۹۹) محشی۔

(۲) "الأفضل في الزكوة ... الصرف أولا إلى الأخوة و الأخوات ثم إلى أولاد هم ثم إلى الاعمام و العمات" (الفتاوى الهندية :۱/۱۹۰) محشی۔

ہوتی، اس لیے اس کے مال میں سے زکوۃ ادا کرنا درست نہیں، البتہ اگر ولی اپنے مال میں سے اس کی طرف سے احتیاطاً زکوۃ ادا کردے، تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک نابالغ کے مال میں بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

(ب) ایسا نابالغ جس کے والدین زکوۃ کے مستحق ہوں اور اس میں اتنا شعور ہو کہ وہ کسی شئے کو اپنے قبضہ میں لے سکے، تو اسے زکوۃ دینا اور اس کا زکوۃ وصول کرنا درست ہے اور اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی:

"ولو قبض الصغير وهو مراهق جاز "(۱)

مطلقہ بہن کو زکوۃ

سوال:- {1032} ایک مطلقہ بہن اپنی دو لڑکیوں سمیت جو کہ کمسن ہیں، بھائی کے پاس ہے اور بھائی دونوں بچیوں کی تعلیم سے لے کر ہر چھوٹی بڑی خوشی کا خیال رکھتا ہے، اگر بھائی پر زکوۃ لازم ہو تو کیا وہ اس بہن کو دے سکتا ہے؟

(محمد حسین، مہدی پٹنم)

جواب:- مطلقہ بیوہ اور ان کی بچیوں کی کفالت و پرورش نہایت ہی مستحسن اور مبارک عمل ہے، اگر بہن نصاب زکوۃ کی مالک نہیں ہیں، تو بھائی اسے زکوۃ کی رقم دے سکتا ہے، بلکہ اس کو زکوۃ دینے میں دوہرا اجر ہے، زکوۃ ادا کرنے کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی۔(۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۱۹۰۔

(۲) " و لا إلى من بينهما ولاد (الدر المختار) و قيد بالولاد لجواز بقية الأقارب كالأخوة و الاعمام و الأخوات الفقراء، بل هم أولىٰ : لأنه صلة و صدقة " (رد المحتار:۳/۲۹۳) محشی۔

سفرِ حج کے لئے سوال اور ایسے شخص کو زکوۃ دینا

سوال:- {1033}اخبار میں ایک صاحب کا اشتہار چھپا ہے کہ "میری دیرینہ آرزو ہے کہ میں اور میری اہلیہ آئندہ سال حج کے لئے جائیں، میری مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ حج کے اخراجات برداشت کرسکوں، اس لئے مسلمان بھائیوں سے میری استدعا ہے کہ اس فریضہ کی تکمیل کے لئے مالی اعانت کریں" اب سوال یہ ہے کہ کیا کسی شخص کے لئے سفرِ حج کے لئے اس طرح پیسہ طلب کرنا درست ہے؟ اور کیا ایسے شخص کو زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟　　(محمد اقبال عالم صدیقی، بیدر)

جواب:- اگر کبھی ان پر حج فرض نہ رہا ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ حج نفل ہے، اور حج نفل کے لئے لوگوں سے سوال کرنا درست نہیں، کیونکہ شدید ضرورت کے بغیر دستِ سوال دراز کرنا مکروہ ہے، (۱) اور محض کسی مستحب کو حاصل کرنے کے لئے مکروہ کا ارتکاب صحیح نہیں، البتہ اگر اس پر کبھی حج فرض تھا، اور اس زمانہ میں اس نے ادا نہیں کیا اور اس طرح وہ فریضۂ حج اس کے ذمہ باقی رہ گیا، اب حج کی استطاعت سے محروم ہو چکا ہے، تو اس فریضہ کی ادائیگی اور گناہ سے بچنے کے لئے سوال کرنے کی گنجائش ہے، (۲) کیونکہ حج اس کے حق میں فرض ہے نہ کہ محض مستحب۔

جہاں تک زکوۃ کی بات ہے تو حج فرض کے لئے سفرِ حج کے بقدر زکوۃ اسے دی جاسکتی ہے، اگر حج نفل کر رہا ہو اور صاحب نصاب نہ ہو اور ایک ساتھ سفرِ حج کے بقدر رقم دے دی جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ جس وقت زکوۃ دی گئی اس وقت وہ صاحبِ نصاب نہیں تھا، اور اگر

---

(۱) "و غني يحرم به السوال ... و حرم عليه أخذ الصدقة" (بدائع الصنائع: ۲/۱۵۸) احیاء العلوم: ۴/۲۲۳۔ محشی۔

(۲) "فإن الحج في سبيل الله" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۹۸۶)۔ محشی۔

کچھ رقم پہلے دے دی اور کچھ بعد میں، اور پہلے اتنی رقم اسے پہنچ گئی، جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے، تو اب وہ صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے مستحق زکوۃ باقی نہیں رہا، لہذا اس کے بعد زکوۃ کے طور پر جو رقم اسے دی گئی ہو، اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ رقم دیے جانے کے وقت وہ زکوۃ لینے کا اہل نہیں تھا۔

خاندان ہی میں زکوۃ وفطرہ کی تقسیم

سوال:- {1034} زکوۃ وصدقۃ الفطر کی رقم پر ایک خاندان وقبیلہ کے لوگ ایک کمیٹی قائم کرتے ہوئے اپنے ہی خاندان اور قبیلے کے غریب افراد کی بہتر معیشت کے لئے اور لڑکیوں کی شادی وتعلیم پر خرچ کے لئے نظام قائم کریں، تو کیا مناسب اور جائز عمل ہوگا؟ (نادر المسدوسی، مغلپورہ)

جواب:- اپنے قرابت داروں کو زکوۃ دینا باعث اجر ہے، کیونکہ اس صورت میں زکوۃ بھی ادا ہوتی ہے، اور صلہ رحمی کا حق بھی، لیکن یہ مناسب نہیں کہ زکوۃ کو صرف اپنے خاندان ہی میں محدود کرلیا جائے، بعض اوقات دوسرے خاندانوں میں زیادہ مستحق اور ضرورت مند لوگ ہوتے ہیں، ان کو نظر انداز کردینا مناسب نہیں، اور اسلامی اخوت کے منافی ہے، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بھی اور بعد کے ادوار میں بھی مختلف علاقوں سے زکوۃ کی رقم مدینہ منورہ آیا کرتی تھی، (۱) اگر اپنے ہی خاندان میں زکوۃ صرف کی جاتی تو دوسرے علاقے کے مسلمانوں کی اعانت کیسے ہو پاتی؟ اس لئے اس مسئلہ میں بہت غلو بھی مناسب نہیں۔

زکوۃ کے پیسے کو تعمیری کاموں میں لگانا

سوال:- {1035} مدرسہ میں ایک کشادہ ہال کی

---

(۱) سنن الدرقطني ۱/۸۶۔ محشی۔

نہایت ہی شدید ضرورت ہے ایک بہی خواہ مدرسہ نے ایک صاحب خیر کے سامنے تذکرہ کیا تو فرمانے لگے کہ زکوۃ کی رقم ہے اس سے تعمیری کام کا آغاز فرمائیں سوال یہ ہے کہ زکوۃ کی رقم تعمیری کام میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں اگر کسی طرح کر سکتے ہیں تو وضاحت کے ساتھ تفصیل سے لکھیں؟

(فیاض عالم)

جواب:- زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے تعمیر میں تملیک نہیں پائی جاتی اس لئے زکوۃ کے پیسے کو تعمیری کاموں میں لگانا درست نہیں ہے، (۱) اگر مجبوری ہو تو یوں کیا جاسکتا ہے کہ کسی محتاج کو جو زکوۃ کا حقدار ہو اس رقم کا مالک بنا دیا جائے اور وہ مدرسہ کو یہ رقم ہبہ کردے اب تعمیری مد میں یہ رقم صرف کی جاسکتی ہے۔

"وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذافی تعمیر المساجد "(۲)

بہو کو زکوۃ

سوال:- {1036} کیا زکوۃ کا پیسہ بہو یعنی اپنے فرزند کی بیوی کو دیا جاسکتا ہے؟ (شیخ جمال، منگل ہارٹ)

جواب:- دو قسم کے رشتہ داروں کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی، ایک وہ کہ جن سے رشتۂ وَلاد قائم ہے، رشتۂ وَلاد سے مراد والدین، اور اولاد کا رشتہ ہے، یعنی اپنے والدین اور ان کے آبائی

(۱) "ولایجوز ان یبنی بالزکوة المسجد وکذالقناطر والسقایات وکل مالاتملیك فیه" (الفتاوی الهندیة :۱۸۸/۲)

(۲) طحطاوی علی العراقی :ص:۲۹۳۔

سلسلہ دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی، اسی طرح اولاد اور اولاد کے سلسلۂ اولاد، یعنی: پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں اور ان کی اولاد کی اولاد وغیرہ کو بھی زکوۃ دینا درست نہیں۔

دوسرے ازدواجی رشتہ بھی زکوۃ میں مانع ہے، یعنی بیوی شوہر کو یا شوہر بیوی کو، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوۃ نہیں دے سکتی۔ "الدر المختار" میں ہے: "ولا إلى من بينهما ولاد... أو بينهما زوجية"(۱)

ان کے علاوہ دوسرے اقرباء کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، ان میں بہو بھی داخل ہے، علامہ شامیؒ فتاویٰ تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہیں کہ سوتیلی ماں، بہو، اور داماد کو زکوۃ دینا درست ہے: "و يجوز دفعها لزوجة أبيه، وابنه و زوج ابنته"(۲)

غیر مسلموں کو صدقہ وزکوۃ

سوال:- {1037} کیا غیر مسلموں کو صدقہ زکوۃ وغیرہ دیا جاسکتا ہے؟　　　(نظام الدین، دربھنگہ)

جواب:- زکوۃ تو صرف مسلمانوں ہی کو دینا درست ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زکوۃ مسلمانوں کے مالداروں سے لی جائے اور انہیں کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے "تؤخذ من أغنياء هم وتؤتى فى فقراء هم"(۳) البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صدقۃ الفطر کے بشمول صدقاتِ واجبہ غیر مسلموں کو بھی دینے کی گنجائش ہے،(۴) صدقات نافلہ کا غیر مسلموں کو دینا تمام ہی فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔(۵)

---

(۱)　الدر المختار على هامش رد:۳/۲۹۴۔
(۲)　رد المحتار:۳/۲۹۳۔
(۳)　صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۴۹۶، صحيح مسلم، حدیث نمبر:۱۹۔محشی۔
(۴)　بدائع الصنائع:۲/۱۹۹۔
(۵)　بدائع الصنائع:۲/۲۰۷، رد المحتار:۳/۳۲۵۔محشی۔

قادیانی کو زکوٰۃ

سوال:- {1038} میرا ایک دوست قادیانی تھا اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائی، لیکن اس کے اکثر رشتہ دار قادیانی ہیں، کیا وہ اپنے رشتہ دار کو جو قادیانی ہیں، اپنی زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ (عبدالواحد، کریم نگر)

جواب:- قادیانی نہ صرف کافر بلکہ مرتد و زندیق بھی ہیں، زکوٰۃ صرف مسلمان ہی کو دی جاسکتی ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی تھی، کہ زکوٰۃ مسلمانوں سے لی جائے اور مسلمانوں پر ہی خرچ کی جائے، (۱) اس لئے غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا درست نہیں، جب عام غیر مسلموں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی تو قادیانیوں کو بدرجہ اولیٰ نہیں دی جاسکتی۔

زکوۃ وصدقات سے دعوت عام وخاص

سوال:- {1039} ایک انجمن کے تحت دینی مدرسہ چل رہا ہے، جس کے تحت ہر سال اجتماعی شادیوں کا اہتمام ہوا کرتا ہے، ان شادیوں میں ذی اثر لوگوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے، دعوت میں خاص و عام دونوں طرح کے لوگوں کا انتظام رہتا ہے، حیدرآباد سے نعت خواں حضرات کو بلا کر محفل نعت کا پروگرام بھی ہوتا ہے، یہ تمام اخراجات چرم قربانی، زکوۃ اور چندوں سے کئے جاتے ہیں، باہر کے لوگوں سے کافی رقم زکوۃ اور عطیات کے ذریعہ وصول کی جاتی ہے، کیا یہ رقم ان کاموں

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۱۳۹۵، کتاب الزکوۃ۔ محشی۔

میں خرچ کی جاسکتی ہے؟ (محمد عبدالرشید، ہنمکنڈہ)

جواب:- غریب لڑکیوں کی شادیاں کرنا بہت اچھی بات ہے، لیکن ان کی غربت کی تشہیر اور اس کا اظہار و اعلان نامناسب ہے، اس سے شریف و خود دار لوگ ان مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاسکیں گے، زکوۃ، قربانی اور صدقات واجبہ کے مصارف متعین ہیں، یہ ایسے ہی غریب لوگوں پر خرچ کیے جاسکتے ہیں جو خود نصاب زکوۃ کے بقدر مال، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی، یا اس کی قیمت کی کسی اور چیز کے مالک نہ ہوں، (۱) دوسرے لوگوں کو کھلانا، یا کسی اور طرح ان پر خرچ کرنا جائز نہیں، (۲) عطیات کی رقم میں سے بھی اگر عطیہ دینے والے نے خود اجازت دی ہو کہ اس کی رقم میں سے کھانے پینے پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، تب ہی اس مد میں رقم خرچ کرنا درست ہوگا، ورنہ واقف کے منشا کے خلاف ہونے کی وجہ سے ذمہ دار حضرات گنہگار ہوں گے، (۳) اس لئے اس میں احتیاط کی ضرورت ہے، ہاں! اس میں کچھ حرج نہیں کہ کچھ لوگ مل کر اس موقعہ سے اپنی طرف سے کھانے کا انتظام کردیں۔

گجرات ریلیف فنڈ اور زکوۃ

سوال:- {1040} (الف) کیا زکوۃ کی رقم گجرات ریلیف فنڈ میں دی جائے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی؟

---

(۱) " مصرف الزكوة : هو فقير و هو من له أدنى شيئ أى دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة و مسكين من لا شيي له على المذهب " (الدر المختار على هامش رد المحتار :۲۸۳/۳-۲۸۴) محشی۔

(۲) " لا (يصرف) إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية " (الدر المختار على هامش رد المحتار :۲۹۵/۳-۲۹۶) محشی۔

(۳) " سئل في وقف له ناظرو متول هل لأحدهم التصرف بلا علم الآخر أجاب لا يجوز، و القيم و المتولى و الناظر في كلامهم بمعنى واحد " (رد المحتار : ۲۸۳/۲) محشی۔

(ب) ادائیگی زکوۃ کی ایک اہم شرط ''تملیک'' ہے اور قرآن میں صدقۂ واجبہ ادا کرنے کو ''ایتاء'' اور ''اتوا'' کے الفاظ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کے مفہوم میں تملیک شامل ہے، دریں صورت کیا روز نامہ منصف، سیاست یا ادارہ اکنامک فورم کے توسط سے رقم زکوۃ ارسال کیا جائے تو ''تملیک'' کی اس ضروری شرط کی تکمیل ہو پائے گی؟

(ج) کیا مذکورہ ادارہ ''عاملین علیہا'' کی تعریف میں آسکتے ہیں؟ جب کہ یہ ادارے ''تحصیل وتصرف زکوۃ'' ہی کے لئے قائم نہیں کئے گئے؟

(ڈاکٹر محمد عبدالرشید ایڈوکیٹ، مغلپورہ)

جواب:- (الف) متأثرین فسادات میں جن لوگوں کی ملکیت اور اختیار میں نصابِ زکوۃ کے بہ قدر مال بھی باقی نہیں رہا ہو، انہیں زکوۃ دی جاسکتی ہے، اگر شوہر اتنی مقدار کا مالک ہے، لیکن بیوی نہیں، یا اس کے بالغ لڑکے اور لڑکیوں کے پاس اتنا مال موجود نہیں، تو بیوی اور ان بچوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، یہ ''فقراء'' اور ''مساکین'' میں داخل ہیں، جو زکوۃ کے اولین مصرف ہیں۔(۱)

(ب) زکوۃ کے مال کے مستحق شخص کو روپیہ یا کسی اور سامان کی صورت میں مالک بنانا ضروری ہے، یہ نہ صرف احناف، بلکہ تمام ہی فقہاء کی رائے ہے۔(۲) اس لئے اگر فساد کے

---

(۱) " مصرف الزکوة : هو فقير و هو من له أدنی شيئ أی دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة و مسكين من لا شيئ له علی المذهب " (الدر المختار علی هامش رد المحتار :۳/۲۸۳-۲۸۴) محشی۔

(۲) بدائع الصنائع :۲/۱۴۲۔ محشی۔

مستحق زکوۃ متأثرین کو روپیہ، اجناس، ظروف، کپڑے وغیرہ دیئے جائیں، یا تعمیری اشیاء فراہم کردی جائے، یا مکان بنا کر اس کا مالک بنا دیا جائے، تو یہ صورت بھی تملیک ہی کی ہے، اگر کسی خاص شخص کو مالک نہ بنایا جائے، جیسے مدرسہ، اسکول، مسجد تعمیر کردیجائے، تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، (۱) بہر حال اس بات کی تحقیق کے بعد ہی زکوۃ دینی چاہئے کہ شرعاً جو مصرف زکوۃ ہے، اس کو مالک بنایا جارہا ہے۔

(ج) اسلامی حکومت جس عملہ کو زکوۃ کی وصول اور اس کے حساب وکتاب پر رکھتی ہے، وہ "عاملین" ہیں، بہ طور خود جو ادارے زکوۃ وصول کرتے ہیں، وہ "عاملین" کے حکم میں نہیں ہیں۔(۲)

زکوۃ اور صدقات واجبہ سے تنخواہ

سوال:- {1041} مکرمی! اسلام مسنون! گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل مسئلہ کا جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

عام مدارس میں جو زکوۃ وصدقات اور قربانی کی رقمیں دی جاتی ہیں اس کو ارباب انتظام اگر غیر مصرف پر یعنی طلباء کے علاوہ تعمیرات، مدرسین کی تنخواہوں پر خرچ کریں تو اس کی اجازت ہے یا نہیں، عدم جواز کے باوجود مدرسین وملازمین کو علم کے باوجود ان مدات کی رقمیں لینا کیسا ہے؟

(مولانا مصلح الدین، ملک پیٹ)

---

(۱) "لا يصرف إلى بناء نحو مسجد و لا إلى كفن ميت و قضاء دين" (الدر المختار على هامش رد المحتار :۲۹۱/۳) محشی۔

(۲) "أما العاملون عليها : فهم الذين نصبهم الإمام لجباية الصدقات" (بدائع الصنائع :۱۵۱/۲) محشی۔

جواب:- مجبوری اور ضرورت کے بغیر زکوۃ ایسے مصارف میں استعمال کرنا، جن میں مالک بنانے کی صورت نہ ہوتی ہو، جائز نہیں، ہاں! اگر اور آمدنی نہ ہو اور قوم کا تعمیرات اور تنخواہوں پر خرچ کرنا ضروری ہو جائے، تو تملیک کا حیلہ کر کے خرچ کرے، یعنی کسی زکوۃ کے مستحق کو مالک بنادے جو مدرسہ کو عطیہ دے دے، اور پھر یہ رقم مذکورہ مدات میں خرچ کی جائے، کتب فقہ میں اس کی نظیریں موجود ہیں، شامی میں ہے:

"حيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما و كذا في تعمير المسجد" (۱)

اگر حیلہ تملیک کے بعد مدرسین کی تنخواہ میں رقم دی گئی تب تو جائز ہے، اگر بغیر حیلہ تملیک کے دی جائے اور مدرسین کو ان نوٹوں کے بارے میں معلوم ہو کہ یہی رقم مدرسہ کو بطور زکوۃ وصول ہوئی تھی، تو لینا درست نہیں، اور اگر خاص انہیں نوٹوں کا بطور زکوۃ ملنا معلوم نہیں تو جائز ہے، کتب فقہ میں نظیریں موجود ہیں:

" قال الفقيه أبو الليث اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان ، قال بعضهم : يجوز مالم يعلم أنه يعطيه من حرام ، قال محمد: وبه نأخذ، مالم يعرف شيئا حراما بعينه وهو قول أبي حنيفة" (۲)

اوپر تحریر ہے کہ:

" فقيل له لو أن فقيرا يأخذ جائزة السلطان مع

---

(۱) رد المحتار :۲/ ۱۶۔

(۲) الفتاوی الهندية:۴/ ۱۰۵۔

علمه يأخذ عطاء ، أيحل له؟قال : إن خلط بذلك دراهم آخر ، فإنه لا بأس به ، وإن دفع عين الغصب من غير خلط لم يجز"(۱)

شوہر و بیوی ایک دوسرے کو زکوۃ دیں؟

سوال:- {1042} کیا شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو زکوۃ دے سکتی ہے؟ (حشمت آراء قدیر، کریم نگر)

جواب:- کچھ اقرباء وہ ہیں جن کو زکوۃ نہیں دی جا سکتی، ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، اولاد، بیٹے، بیٹیاں اور ان کے سلسلہ اولاد کو زکوۃ دینا درست نہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو زکوۃ نہیں دے سکتی، (۲) کیونکہ ان کے مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، اور اگر ان رشتہ داروں کو بھی زکوۃ کی ادائیگی درست ہو تو اندیشہ ہے کہ شریعت نے ان حضرات کی کفالت کی جو ذمہ داری عائد کی ہے، لوگ اسے پورا کرنے کی بجائے اسی میں اپنی زکوۃ ادا کرلیں گے، اور غرباء اپنے حق سے محروم رہ جائیں گے، باقی دوسرے رشتہ داروں: بھائی، بہن، بہنوئی، سالا، خسر، خوش دامن وغیرہ کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، بلکہ ضرورت مند رشتہ داروں کو زکوۃ ادا کرنے میں زیادہ اجر ہے، کیونکہ اس سے زکوۃ بھی ادا ہوگی اور صلہ رحمی کا حق بھی ادا ہوگا۔

حیلۂ تملیک

سوال:- {1043} سادات کو زکاۃ سے تنخواہ کے تحت آپ نے مسئلۂ تملیک کی وضاحت فرمائی ہے، اس ضمن میں

---

(۱) الفتاوی الهندية:۴/۱۰۵۔

(۲) "لا يدفع إلى امرأته للاشتراك في المنافع و لا تدفع المرأة إلى زوجها عند أبي حنيفة" (الفتاوی الهندية :۱/۱۸۹)محشی۔

ایک وضاحت کی جناب سے خواہش کی جاتی ہے، ایک دینی اقامتی مدرسہ کے مہتمم صاحب کی خدمت میں ایک شخص دو فربہ بکرے لایا اور صدقہ کے مد میں استعمال کی خواہش کی، مولانا موصوف نے اسے رخصت کر کے مدرسہ کے ایک طالب علم کو بلایا اور دور سے بکروں کو دکھا کر کہا انہیں تم لے لو، اس نے جواب دیا کہ میں نے لے لیا، فوراً ہی دوسرا حکم صادر کیا کہ اب مدرسہ کو ہدیۃً دے دو، وہیں کھڑے کھڑے اس نے کہہ دیا کہ میں نے دے دیئے، ان بکروں کا قورمہ شام کے کھانے کے دسترخوان کی زینت بنا، پہلے سارے اساتذہ نے جی بھر کر کھایا، ساتھ میں کچھ اور مقامی احباب بھی شامل کر لئے گئے، اس ناچیز کو بھی مدعو کیا گیا، لیکن مدرسہ کے کھانے میں شرکت کے لئے میں اپنے آپ کو آمادہ نہ کرسکا، اساتذہ میں چار ایسے افراد ہیں، جو صاحبِ نصاب اور املاک و جائداد کے مالک ہیں، اور متمول طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، ان حضرات کے فارغ ہونے کے بعد سالن مدرسہ کے بچوں کو بلاتخصیص کھلایا گیا، اس طرح کی تملیک شرعی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اور ایسا کھانا سادات اور صاحبِ نصاب حضرات کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ (سید نسیم الدین)

جواب:- جو صورت آپ نے لکھی ہے یہ حیلۂ تملیک ہے، حیلہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر آدمی کسی مشکل میں پھنس جائے، تو اتفاقی طور پر حرام سے بچنے کے لئے حیلہ اختیار کر لے، حیلہ کا مقصد کسی فرض کو ساقط کرنا یا نعوذ باللہ کسی حرام کام کو حلال کرنا نہ ہونا چاہئے، اور نہ یہ درست ہے کہ حیلہ اتفاقی تدبیر ہونے کے بجائے مستقل معمول بن جائے، دینی مدارس

میں جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے، اصل میں ان سب کا مقصود طلبہ ہی کی خدمت ہے، چاہے اساتذہ و عملہ کی تنخواہ ہو، یا برقی و آب کا نظام ہو، ان سب کا نفع طلبہ ہی کی طرف لوٹتا ہے، اس صورت میں حیلۂ تملیک کو مستقل معمول بنالینا مناسب نظر نہیں آتا، اس کے بجائے طلبہ کے لئے وظیفہ متعین کر لینا چاہئے اور اس وظیفہ سے طلبہ سے تعلیمی چیز، فیس طعام، کرایہ مکان، برقی و آب وغیرہ کے اخراجات لینا چاہئے، یہ صورت حیلہ کی نہیں ہوگی، بلکہ حقیقت پر مبنی ہوگی، اور مدارس کو اپنی مختلف ضروریات میں ان رقوم کو خرچ کرنے میں زیادہ وسیع مواقع حاصل ہوسکیں گے، چنانچہ اسلامی فقہ اکیڈمی نے اپنے تیسرے سمینار منعقدہ بنگلور میں اس سلسلہ میں ایک مفید اور جامع تجویز بھی منظور کی ہے، دینی مدارس اور ان کے ذمہ داران اگر اس جانب توجہ دیں تو بہت مناسب بات ہوگی۔

آپ نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس صورت میں ممکن ہے کہ فقہی اعتبار سے بکری کی تملیک متحقق ہو جائے، لیکن یہ مشکوک ضرور ہے، اور قباحت سے خالی نہیں، کیونکہ عام طور پر یہ مدرسے کے ذمہ دار اور اساتذہ و طلبہ کے درمیان معروف بات ہوتی ہے کہ اس سامان کو مدرسہ کو واپس دے ہی دینا ہے، جس طالب علم کو اس کا مالک بنایا جاتا ہے، وہ اس میں حسب خواہش تصرف کا تصور بھی نہیں کرسکتا، اس لئے اگر صدقۂ واجبہ کا بکرا آئے، تو مناسب طریقہ یہ ہے کہ مدرسہ میں جو عطیہ کی رقم ہو اس رقم سے اس بکرے کا کچھ گوشت خرید لیا جائے، اور وہ رقم زکوۃ کی مد میں داخل کردی جائے، نیز یہ خریدا ہوا گوشت اتنی مقدار میں ہونا چاہئے کہ یقینی طور پر غیر مستحقین کے لئے کافی ہو جائے، یہ حکم نذر کے بکرے یا کسی صدقۂ واجبہ کے بارے میں ہے، اگر کوئی شخص یوں ہی مدرسہ میں بکرا دے، یا بیماری سے شفاء، سفر کی باعافیت تکمیل، یا کسی اور خوشی کے موقع پر بطور شکرانہ بکرا بھیج دے، تو یہ صدقۂ نافلہ ہے، اس میں سے سادات اور صاحب استطاعت حضرات بھی کھا سکتے ہیں، اس لئے ایسی صورت میں عطیہ کی رقم سے گوشت خریدنے کی ضرورت نہیں۔

اس کے ساتھ ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے کہ وقف کی اشیاء کے استعمال میں وقف کرنے والے کی منشا کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اگر کسی شخص نے مدرسہ کے غریب اور مستحق طلبہ کے لئے یا تمام طلبہ کے لئے بکرا دیا ہو، تو پہلی صورت میں اساتذہ و مستطیع طلبہ کا اور دوسری صورت میں اساتذہ کا اس گوشت میں سے کھانا درست نہیں، نہ مہمانوں کو کھلانا درست ہے، اگر مطلقا مدرسہ کے لئے دیا ہو، تو اساتذہ و منتظمین اور مدرسہ کے مہمان بھی شریک ہوسکتے ہیں، البتہ اس کے لئے خاص طور پر مہمانوں کو مدعو کرنا درست نہیں، کیونکہ اس سے واقف کا اصل منشا اساتذہ وطلبہ کھائیں، معلوم ہوتا ہے، ہاں! اگر مدرسہ میں کوئی جلسہ یا تقریب ہو جس میں مہمان اور مخلصین مدعو کیے گئے ہوں، اور اسی بنیاد پر کسی صاحب خیر سے اعانت کی خواہش کی گئی ہو، تو اس میں مہمانوں کو کھلایا جاسکتا ہے، چونکہ اب مہمانوں کو کھلانا عطیہ دینے والے کے منشا کے عین مطابق ہے، بکرا یا اس طرح کا کوئی سامان دینے والے نے جن لوگوں کے لئے سامان دیا ہے، اگر ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی مدرسہ کی مصلحت کی وجہ سے شریک کرنا پڑے، تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کے لئے باہر سے مزید گوشت خرید کر اس بکرے کے گوشت میں شامل کردیا جائے، تاکہ وقف کرنے والے کا منشا بھی پورا ہو، اور مدرسہ کی مصلحت کی رعایت بھی ہوجائے، بہر حال واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ذمہ داران مدارس کو احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔

زکوۃ اور چرم قربانی کے چند مسائل

سوال:- {1044} (الف) بعض علماء زکوۃ، چرم قربانی وغیرہ کے پیسہ کو فی سبیل اللہ کے مد میں رکھ کر مسجد و مدرسہ وغیرہ میں لگانے کو جائز سمجھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

(ب) دیہاتوں میں چندہ، چرم قربانی، زکوۃ وغیرہ

بہت کم جمع ہوتے ہیں، وہاں اہل خیر حضرات کے تعاون سے مدارس دینیہ قائم کئے جا رہے ہیں، کیا بحالت مجبوری قرض لے کر بنائی ہوئی مسجد و مدرسہ میں زکوۃ یا چرم کا پیسہ لگایا جا سکتا ہے، قرض ادا کرنے کی دوسری کوئی سبیل نہیں ہے۔

(ج) مستقلاً دیگر صدقات کے مدات کو متاثر کئے بغیر زکوۃ کی رقم مدارس و مساجد کی تعمیر میں لگائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(د) غریب طلبہ کے لئے فیس مقرر کر کے زکوۃ کی رقم ان کو دے کر اساتذہ کی تنخواہیں اس سے دی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ (ایم، طیب احمد، اعظم گڑھ، یوپی)

جواب:- (الف) ائمہ اربعہ کے نزدیک فی سبیل اللہ کے مفہوم میں اس قدر توسیع نہیں ہے اور احادیث سے بھی اتنی وسعت ثابت نہیں ہوتی ہے کہ مساجد و مدارس وغیرہ کو بھی اس کا مصرف شمار کیا جائے۔(۱)

(ب) اصولی طور پر زکوۃ، چرم قربانی کی رقوم میں بھی تملیک ضروری ہے، چونکہ مسجد و مدرسہ کی تعمیر کی صورت میں تملیک کی شرط نہیں پائی جاتی، اس لئے یہ صورت درست نہ ہوگی، (۲) البتہ اگر اس قرض کی ادائیگی کی کوئی اور صورت نہ ہو، تو ایک دینی ضرورت کی تکمیل کے لئے یہاں

---

(۱) "إن اللّٰه لم يرض بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى جزاها ثمانية اجزاء فإن كنت من أهل تلك الأجزاء اعطيتك - أبوداؤد، و الدار قطني :۲/۱۱۹، و اللفظ لدار قطني :) امام مالک فرماتے ہیں کہ" سبل اللّٰه كثيرة ولكني لا اعلم خلافا في أن المراد بسبيل اللّٰه ها هنا الغزو "(أحكام القرآن لابن عربي :۲/۵۳۳)

(۲) "ولا يجوز أن يبنى بالزكوة المسجد، وكذا القناطر والسقايات واصلاح الطرقات (إلى قوله) وكل مالا تمليك فيه" (الفتاوى الهندية :۱/۱۸۸، ط: بيروت، مجمع الأنهر :۱/۲۲۲، ط: بيروت)

حیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ کسی فقیر محتاج کو دے دیا جائے، اور وہ پھر مسجد و مدرسہ کے ذمہ داروں کو ہبہ کر دے۔(۱)

(ج) زکوۃ کی رقم اصولی طور پر تعمیر میں نہیں لگائی جا سکتی۔(۲)

(ہ) اگر ان طلبہ کی تعلیم کے لئے کوئی اور صورت نہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے، کہ بطور وظیفہ ان کو دیدیا جائے، اور پھر وہ یہی رقم بطور فیس ادا کردیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) "وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم يكفن فيكون الثواب لهما ، وكذا في تعمير المساجد" (طحطاوی علی المراقي :ص:۲۹۳)

(۲) فتاوی رحیمیہ :۷/۳۶۹۔محشی۔

زکوۃ ادا کرنے کے احکام

زکوۃ ادا کرنے کے آداب

سوال:- {1045} زکوۃ ادا کرنے کے آداب کیا ہیں؟ تفصیل سے روشنی ڈالئے۔ (اظہار احمد، میسور)

جواب:- ۱) کسی کو زکوۃ دینے کے بعد اس پر احسان نہ جتلائے، نہ بے موقع اظہار یا طعن و تشنیع کے ذریعہ اس کو ایذا پہنچانے کا باعث بنے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس سے انفاق کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔(۱)

۲) زکوۃ ادا کرنے میں ریا اور نمائش نہ ہو، چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے،(۲) البتہ اگر کہیں اظہار سے ترغیب دینا مقصود ہو، یا اور کوئی دینی مصلحت مقصود ہو تو اظہار میں بھی قباحت نہیں۔(۳)

۳) زکوۃ و خیرات میں مال کا بہتر حصہ اللہ کی راہ میں دینا چاہئے۔(۴)

---

(۱) البقرۃ:۲۶۷۔

(۲) البقرۃ:۲۷۔

(۳) احیاء العلوم مع الاتحاف :۴/۸۸۔

(۴) البقرۃ:۲۶۷۔

۴) مال حلال ہونا چاہئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مال حرام میں سے صدقہ جائز نہیں،(۱) لیکن حلال مال اگر حرام مال کے ساتھ اس طرح مل گیا ہو کہ امتیاز و شناخت نہ رہے تو دونوں کے مجموعہ پر زکوۃ واجب ہوگی۔(۲)

۵) جس قدر بہتر مصرف کا انتخاب کیا جائے، اسی درجہ اجر میں بھی اضافہ ہوگا، بہترین مصرف یہ ہیں، علماء اہل دین وتقوی خود دار اور غیرت مند، دینی مشغولیت کی وجہ سے کسب معاش سے معذور لوگ اور اقرباء وقرضدار۔(۳)

زکوۃ کی ادائیگی

سوال:- {1046} زکوۃ ادا کرنا کب واجب ہے؟ اگر زکوۃ کا مال صدقہ کردے، یا ضائع ہوجائے تو کیا اس کی بھی زکوۃ واجب ہوگی؟ کیا زکوۃ ادا کرنے کے لیے بھی نیت ضروری ہے اور نیت کا وقت کیا ہے؟ (شمس الحق، ناندیڑ)

جواب:- ۱) زکوۃ کے فرض ہونے پر اجماع واتفاق ہے، زکوۃ واجب ہونے کے بعد اسے بلا تاخیر اور بہ عجلت ممکنہ ادا کردینا چاہئے، بلا وجہ زکوۃ ادا کرنے میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔(۴)

۲) زکوۃ واجب ہونے کے بعد وہ مال جس پر زکوۃ ادا کرنی تھی اگر ضائع ہوجائے تو زکوۃ معاف ہوجاتی ہے، لیکن اگر زکوۃ کی ادائیگی میں بلا وجہ تاخیر کی گئی تھی، تو اس تاخیر کا وبال بہر حال اس پر پڑے گا، قصداً مال زکوۃ ضائع کردے تو زکوۃ معاف نہیں ہوگی۔(۵)

---

(۱) الجامع للترمذی:۱/۳۔
(۲) رد المحتار :۲/۲۸۔
(۳) دیکھئے: احیاء العلوم مع الاتحاف :۴/۲۰۹-۲۱۶۔
(۴) فتح القدیر:۲/۱۱۴۔
(۵) الفتاوی التاتار خانیة:۲/۲۹۳۔

۳) اگر کوئی شخص اپنا پورا مال صدقہ کردے تو پورے مال کی اور نصاب کا کچھ حصہ صدقہ کردے تو اتنے حصہ کی زکوۃ اس سے معاف ہو جائے گی۔(۱)

۴) نصابِ زکوۃ کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے تو اسی تناسب سے زکوۃ بھی معاف ہو جائے گی۔(۲)

۵) زکوۃ واجب ہونے کے بعد مالک نصاب کا انتقال ہو جائے اور زکوۃ ادا کرنے کی وصیت کر جائے تو اس کے متروکہ مال کے ایک تہائی حصہ سے زکوۃ ادا کی جائے گی،(۳) اگر متروکہ ایک تہائی اتنا نہ ہو کہ اس سے متوفی کے ذمہ واجب زکوۃ پوری ادا ہو سکتی ہو تو اب یہ ورثاء کی مرضی پر ہوگا کہ وہ اپنے حصۂ وراثت میں سے زکوۃ کا بقیہ ادا کر دیں۔

۶) نصاب زکوۃ کا مالک ہونے کے بعد ایک یا کئی سال کی پیشگی زکوۃ ادا کی جا سکتی ہے۔(۴)

۷) زکوۃ ادا کرنے کے لیے نیت کرنا ضروری ہے،(۵) یا تو حقداروں کو زکوۃ دیتے وقت نیت کرے، یا زکوۃ کا مال الگ کرتے ہوئے نیت کرے، ایسی صورت میں اب دیتے ہوئے نیت ضروری نہیں۔(۶)

۸) زکوۃ اگر کسی شخص کے حوالہ کی جائے کہ وہ اسے فقراء میں تقسیم کر دے تو اس تقسیم کرنے والے پر نیت کرنا ضروری نہیں۔(۷)

---

(۱) الهداية مع الفتح :۲/۲۶-۲۷۔
(۲) بدائع الصنائع :۲/۲۳۔
(۳) الفتاوى التاتار خانية:۲/۲۹۶۔
(۴) رد المحتار :۲/۲۷۔
(۵) بدائع الصنائع :۲/۴۰۔
(۶) المغني :۲/۲۶۰۔
(۷) الهداية مع الفتح:۲/۱۲۵۔

۹) زکوۃ کی مد میں سے کچھ رقم کسی مستحق کو دی گئی، لیکن دیتے وقت نیت نہیں کی، بعد کو نیت کی، تو اگر نیت کرتے وقت وہ پیسے مستحق کے پاس موجود تھے، تو زکوۃ شمار ہوگی، لیکن اگر وہ شخص اس رقم کو خرچ کر چکا ہو تو وہ ادائیگی زکوۃ میں شمار نہیں ہوگی، بلکہ دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔(۱)

۱۰) کسی شخص کے ذمہ دَین باقی ہو، دَین کو معاف کر دے اور زکوۃ کی نیت کرے، تو زکوۃ ادا نہ ہوگی اور نہ اس نیت کا اعتبار ہوگا، ہاں! اگر زکوۃ اسے دے دے اور پھر اس سے اپنا قرض وصول کر لے تو زکوۃ ادا ہوگئی۔(۲)

۱۱) زکوۃ ادا کرنے کے لیے نیت اور جس کو زکوۃ دے رہا ہو، اس کے مصرفِ زکوۃ ہونے کی تحقیق کافی ہے، یہ ظاہر کرنا ضروری نہیں کہ زکوۃ دی جا رہی ہے، اگر عیدی یا تحفہ کے نام سے دے دی جائے تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔(۳)

۱۲) جس مال میں زکوۃ واجب ہوئی، خود اس مال کے ذریعہ بھی زکوۃ ادا کی جا سکتی ہے، اور اس کی قیمت کے ذریعہ بھی، یہی حکم صدقۃ الفطر، عشر، نذر اور کفارہ کا بھی ہے۔(۴)

۱۳) قیمت کے ذریعہ زکوۃ ادا کرنے میں اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جب نصابِ زکوۃ پر سال گذرا اور زکوۃ واجب ہوئی، اسی پر فتوی ہے۔(۵)

۱۴) اور اس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہے جہاں مال ہے، نہ کہ مالک کے مقامِ سکونت کا۔(۶)

۱۵) زکوۃ سے بچنے کے لیے حیلہ جائز نہیں، گناہ ہے۔(۷)

---

(۱) المغنی :۲/۲۶۵۔
(۲) طحطاوی علی مراقی الفلاح :ص:۴۷۰۔
(۳) رد المحتار :۲/۸۶۔
(۴) الهداية مع الفتح :۲/۱۴۴۔
(۵) رد المحتار:۲/۲۴۔
(۶) رد المحتار:۲/۲۴۔
(۷) كتاب الخراج لأبي يوسف :ص:۸۰۔

رمضان المبارک میں زکوۃ کی ادائیگی

سوال:- {1047} ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں بھی عام طور پر لوگ رمضان میں زکوۃ نکالنے کا اہتمام کرتے ہیں، حالاں کہ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں، اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں؟ (عبدالرشید، این ٹی آر نگر)

جواب:- یوں تو زکوۃ فرض ہونے کے بعد جلد سے جلد زکوۃ ادا کردینی چاہئے، یا کم سے کم زکوۃ کے پیسے الگ کردینا چاہئے لیکن اگر زکوۃ رمضان ہی میں فرض ہو یا پہلے فرض ہوئی لیکن ابھی تک ادا نہیں کیا تو بہتر ہے کہ رمضان میں ادا کرے، حدیث میں غالباً صراحتاً ماہ مبارک میں ادائیگی زکوۃ کا حکم نہیں آیا ہے، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ﷺ بھی زیادہ تر اس ماہ میں زکوۃ ادا کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، چنانچہ حضرت عثمان غنی ﷺ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے رمضان میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا'' تمہاری زکوۃ کا مہینہ آگیا ہے'' ''ألا إن شهر زكوتكم قد حضر ''(۱) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ ﷺ زیادہ تر اسی ماہ مبارک میں زکوۃ ادا فرمایا کرتے تھے۔

سال گزرنے سے قبل زکوۃ کی ادائیگی

سوال:-{1048} حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! ایک شخص شوال کے مہینہ میں صاحب نصاب ہوا اور آئندہ رمضان میں جبکہ زکوۃ کے وجوب کے لئے ایک ماہ باقی ہے اگر زکوۃ ادا کردے، تو کیا اس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی؟ (سید محمد مصطفیٰ)

---

(۱) موطأ إمام مالك ،حدیث نمبر:۳۲۲۔

جواب:- زکوۃ تکمیل سال سے پہلے بھی ادا کی جاسکتی ہے، اس لئے اس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی:

"و یجوز تعجیل الزکوة قبل الحول إذا ملك نصابا عندنا" (۱)

زکوۃ سے کیسٹ بنانا

سوال:- {1049} کیا زکوۃ یا صدقہ کی رقم سے اسلامی آڈیو ویڈیو کیسیٹ بنانا اور اسلامک پروگرام بنانا درست ہے؟

(محمد سراج الدین خان، اکبر باغ)

جواب:- زکوۃ اور صدقہ واجبہ کی ادائیگی کے لئے مالک بنانا ضروری ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ (۲) عربی زبان میں " اٰتُوا " کا لفظ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں مالک بنانے کے طور پر کوئی شئ دینے کا حکم ہے، دوسرے زکوۃ کے مصارف بھی متعین ہیں، اور خود اللہ تعالی نے بہ صراحت و وضاحت ان مدات کا ذکر فرمایا ہے، (۳) ان ہی مصارف میں زکوۃ کو خرچ کرنے کا اہتمام ضروری ہے، اس لئے آپ نے جو صورتیں لکھی ہیں، ان کے لئے نہ زکوۃ کی رقم دینا درست ہے، اور دی جائے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

زکوۃ ادا کرنے کی ایک خاص صورت

سوال:- {1050} چند سال سے مجھ ناچیز نے زکوۃ ادا کرنے کا یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ میری جان پہچان کے

---

(۱) الفتاوی التاتار خانیة:۲/۲۵۳۔

(۲) البقرة :۴۳۔محشی۔

(۳) التوبة :۶۰۔محشی۔

کرانہ کی دوکان کے جو چھوٹے غریب بیوپاری ہیں، ان سے رجوع ہو کر کہتا ہوں کہ میں آپ کی دوکان کی ترقی دینے کے لئے میرے جیب سے خرچہ کر کے آپ کو حسب ذیل شرائط پر کچھ سامان دلا دوں گا:

(الف) آپ وہ سامان ادھار فروخت نہ کریں۔

(ب) آپ وہ سامان کم قیمت پر فروخت نہ کریں، آپ نہ سمجھ لیں کہ وہ سامان آپ کو مفت میں مل گیا ہے، اس لئے کم قیمت پر دے دوں۔

(ج) اگر خدا آپ کو نواز دے اور کبھی آپ خود بڑے سیٹھ بن جائیں، تو جس طرح میں آج آپ کی مدد کر رہا ہوں، آپ بھی کسی غریب کی اسی طرح مدد کریں۔

مجھ ناچیز کی یہ اسکیم کامیاب رہی اور یہ غریب تاجر میرے بہت مشکور و ممنون ہیں، مگر ایک صاحب نے جن کو فقہ پر اچھا عبور ہے، مجھ سے کہا کہ آپ کی زکوۃ اس طریقہ سے ادا نہیں ہوتی، کیونکہ شرائط طے کر کے زکوۃ نہیں دی جاسکتی۔

(محمد اقبال، بیدر)

جواب:- آپ اگر ان صاحب کو زکوۃ کی نیت سے رقم ادا کریں اور وہ واقعی زکوۃ کے مستحق ہوں تو زکوۃ ادا ہوگئی، آپ نے جو شرطیں لگائی ہیں اس کی حیثیت دراصل ترغیب کی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ آپ نے جب انہیں رقم کا مالک بنا دیا تو وہ جس طرح چاہیں رقم میں تصرف کر سکتے ہیں، لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے اور خود کفیل بنانے کی غرض سے اس انداز پر زکوۃ ادا کرنا بہتر ہے، تاکہ گداگری کا انسداد ہو، اور قوم میں اپنی آپ کفالت کا رجحان پیدا ہو، اس قسم کی اخلاقی شرائط زکوۃ ادا ہونے میں مانع نہیں ہے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ زکوۃ کی صراحت کے

ساتھ دیئے جائیں، اگر قرض، ہبہ، تحفہ یا عیدی وغیرہ کے نام سے زکوۃ ادا کی جائے، زکوۃ لینے والے پر یہ بات واضح نہ کی جائے کہ اسے زکوۃ کی رقم دی جارہی ہے، تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی،فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔(۱)

اس طرح زکوۃ ادا کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ ایک تو خوددار لوگوں کو زکوۃ کے نام سے جو صدمہ ہوتا ہے، وہ اس سے دوچار نہ ہوں گے، دوسرے خود زکوۃ لینے والوں میں بھی حیا اور خودداری باقی رہے گی، کیوں کہ جب انسان ایک دفعہ زکوۃ سمجھ کر زکوۃ لے لیتا ہے تو پھر حیاء کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے، اور اسے دستِ سوال دراز کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے اور اگر کسی اور عنوان سے اسے تعاون حاصل ہوا تو خودداری کا عنصر باقی رہتا ہے، اور یہ بہت اہم بات ہے کہ اس کے فقدان کی وجہ سے گداگری کا رجحان بڑھتا ہے۔

زکوۃ کی ادیگی میں وکیل زکوۃ کی کوتاہی

سوال:- {1051} میں نے ایک شخص کو زکوۃ کی رقم دی کہ یہ فلاں شخص کو جو مستحق زکوۃ ہے، ادا کردو! مگر اس شخص نے پوری رقم مستحق تک نہیں پہونچائی، کچھ رقم خود لے لی، حالانکہ وہ مستحق زکوۃ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

(فہیم اختر، گلشن باغ)

جواب:- جس شخص کو آپ نے زکوۃ کی رقم پہونچانے کو کہا تھا، وہ آپ کا وکیل ہے، اور وکیل سے جو کوتاہی ہو اس کی ذمہ داری مؤکل یعنی وکیل بنانے والے پر ہوتی ہے، (۲) لہذا جتنی رقم اس نے مستحق زکوۃ تک پہنچائی ہے، اتنی رقم زکوۃ کی ادا ہوئی، باقی جو رقم اس نے خرچ کردی وہ

---

(۱) " و شرط صحة أدائها نية مقارنة له " (الدر المختار) " لو سماها هبة أو قرضا تجزيه في الأصح " (رد المحتار :۳/۱۸۷،كتاب الزكوة) محشی۔

(۲) الهداية :۳/۱۸۳-۱۸۲ محشی۔

دوبارہ ادا کرنی ہوگی، ہاں، اگر خود محتاج کی طرف سے کوئی زکوۃ وصول کرنے کا وکیل ہوتا، جیسا کہ مدرسہ کے سفراء کی طرف سے ہوتے ہیں، اور آپ نے اسے زکوۃ حوالہ کردی تو زکوۃ ادا ہوگئی؛ کیوں کہ وکیل کو دینا خود موکل کو دینا ہے۔

زکوۃ حساب سے زیادہ ادا کردی؟

سوال:- {1052} ایک شخص نے دس ہزار روپے بطور زکوۃ کے دیدئے، لیکن جب اس نے حساب کیا تو اس پر آٹھ ہزار روپے ہی زکوۃ کے واجب ہوتے تھے، تو کیا وہ آئندہ اپنی زکوۃ میں اس زائد رقم کا حساب کرسکتا ہے؟

(عبدالستار، نولی چوکی)

جواب:- جی ہاں! مالکِ نصاب ہونے کے بعد ایک سے زیادہ سالوں کی زکوۃ بھی قبل از وقت ادا کی جاسکتی ہے، پس گویا اس نے موجودہ سال کے ساتھ سالِ آئندہ کی زکوۃ کا بھی کچھ حصہ ادا کردیا ہے، اور یہ درست ہے۔

بیوی کیا خود زکوۃ ادا کرے؟

سوال:- {1053} کسی عورت کے پاس سات تولہ سے زیادہ (قریب آٹھ تولہ) سونے کا زیور ہے، کیا اس کی زکوۃ اس کے شوہر پر فرض ہوگی، یا بیوی پر؟ اگر عورت خود اس زیور کی زکوۃ نکالنا چاہے تو کہاں سے دے جبکہ اس کی الگ سے کوئی ملک نہیں ہے؟

(ڈاکٹر محمد اختر عادل گیلانی، عالم گنج، پٹنہ)

جواب:- اگر کوئی عورت نصاب کی مقدار سونا، یا چاندی کی مالک ہو، تو اس پر زکوۃ

فرض ہے؟ اس کی ادائیگی خود بیوی کی ذمہ داری ہے، اس لئے کہ اسلام نے معاشی اعتبار سے عورت کے وجود کو مستقل مانا ہے، وہ اپنی املاک میں ہر طرح کے تصرف کا پورا پورا حق رکھتی ہے، شوہر اس کی اذن واجازت کے بغیر اس کے مال میں کسی طرح کے تصرف کا مجاز نہیں، پس ظاہر ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی بھی خود بیوی ہی کی ذمہ داری ہوگی نہ کہ شوہر کی، چاہے اس کے لئے سونے کا کچھ حصہ فروخت کرنا پڑے، یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ سونا اور چاندی میں جو زکوۃ واجب ہوتی ہے، اس میں اصل تو یہ ہے کہ خود سونے، چاندی کے ذریعہ زکوۃ ادا کی جائے، روپیہ کی صورت میں زکوۃ ادا کرنے کی اجازت اس لئے دی جاتی ہے کہ اس کی حیثیت سونے، چاندی کے بدل کی ہے۔

البتہ ہندوستان میں زن وشو کے درمیان معاشی امور میں حد درجہ اشتراک ہوتا ہے، ان حالات میں بہتر ہے کہ شوہر بیوی کی طرف سے زکوۃ ادا کردے، اور دنیوی معاملات کی طرح دینی امور میں بھی شرکت ورفاقت کا حق ادا کرے۔

قسط وار زکوۃ کی ادائیگی

سوال:- {1054} ایک اوسط درجہ کا ملازم جو اپنی تنخواہ سے بال بچوں کی کفالت کرتا ہے اور سال بھر میں کچھ بھی نہیں بچا پاتا ہے، بلکہ اکثر قرض کی نوبت آجاتی ہے، تنخواہ کے علاوہ نصاب بھر دوسرے مال واسباب بھی نہیں ہے، لیکن اس شخص کی بیوی کے پاس آٹھ تولہ سونے کا زیور ہے، کیا اس پر زکوۃ فرض ہوگی؟ فرضیت کی صورت میں اس کی زکوۃ نکالنا بھی چاہتا ہے، لیکن تنخواہ سے یکمشت اس کا ادا کرنا مزید باعث پریشانی ہوگی، سوائے اس کے کہ زیور فروخت کر کے زکوۃ ادا کی

جائے، کیا باعث مجبوری زکوۃ کو ماہوار قسطوں میں ادا کیا جاسکتا ہے؟ اور یہ شرعا جائز ہوگا؟ جیسے مان لیا جائے کہ زکوۃ کی رقم بارہ سو روپے آتی ہے، تو کیا ہر مہینے اسے سو روپے کے حساب سے اگلے بارہ مہینوں میں ادا کرسکتا ہے۔

(ڈاکٹر محمد اختر عادل گیلانی، عالم گنج، پٹنہ)

جواب:- زکوۃ کی ادائیگی میں شریعت نے بڑی آسانی رکھی ہے، نصاب پر سال گزرنے سے پہلے بھی زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے، سال گزرنے کے بعد بھی مہلت ہے کہ حسب مواقع وحالات تاخیر سے ادا کرسکتا ہے، البتہ کوشش کرنی چاہئے کہ حتی المقدور جلد سے جلد زکوۃ ادا کردے، اسی طرح زکوۃ یکمشت بھی دی جاسکتی ہے، اور قسطوں میں بھی، لہذا ماہانہ ایک سو روپے کے لحاظ سے زکوۃ ادا کردینا کافی ہے۔

زکوۃ کی ماہ بہ ماہ ادائیگی

سوال:- {1055} زکاۃ کی رقم ایک مستحق کو زیادہ سے زیادہ کتنی دے سکتے ہیں؟ کیا اس رقم کو بطور امانت رکھ کر مستحق رشتہ دار کو اقساط پر ہر ماہ دے سکتے ہیں؟ کیوں کہ وہ ہر ماہ طلب کرتے ہیں، اور کوئی دوسری رقم نہیں ملتی؟

(کاظم علی، شاہ گنج)

جواب:- ایک شخص کو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے کچھ کم ہی زکاۃ دینی چاہئے؟ ہاں! اگر وہ مقروض یا کسی ایسی پریشانی میں مبتلا ہو کہ اس سے اس کی ضرورت پوری نہ ہو پائے، یا کثیر العیال ہو کہ اگر اس کے زیر پرورش تمام لوگوں پر اسے تقسیم کردیا جائے تو کافی نہ ہو، ایسی صورتوں میں اس سے زیادہ مقدار بھی اس کی ضرورت کی لحاظ سے دی جاسکتی ہے:

"وکره اعطاء فقير نصابا إلا إذا كان المدفوع إليه مديونا أوصاحب عيال لوفرقة عليهم لايخص كلا ... نصاب... فلا يكره " (۱)

یہ بات درست ہے کہ کسی مستحق کی ماہانہ ضرورت کو دیکھتے ہوئے ایک دفعہ پوری زکوۃ دینے کے بجائے اس کو ماہوار ایک متعین رقم باندھ کر دے دی جائے۔

قرض میں زکوۃ

سوال:- {1056} میرا بھتیجا مجھ سے ۵۰/ ہزار روپیہ قرض لے کر کاروبار کر رہا ہے، اور ہر مہینہ مجھ کو بارہ سو روپیہ معاوضہ دیتا ہے، کیا اس پچاس ہزار روپے میں بھی زکوۃ فرض ہے؟ (روحی بیگم)

جواب:- اول تو قرض پر نفع لینا جائز نہیں ، یہ سود ہے اور حرام ہے، اگر اسی پیسے کو آپ نفع ونقصان کی اساس پر ان کے کاروبار میں شریک کردیں، تو آپ کے حصہ میں جو نفع آئے، اس کا لینا درست ہوگا، دوسرے اس روپیہ میں آپ پر زکوۃ واجب ہوگی، کیوں کہ اس قرض کے وصول ہونے کی توقع ہے، اور جس قرض کے وصول ہونے کی امید ہو، اس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔(۲)

ادھار مال کی زکوۃ

سوال:- {1057} میری کرانہ دوکان ہے جس میں

---

(۱) الدرالمختار على هامش الرد:۳/۳۰۴-۳۰۳۔

(۲) بدائع الصنائع :۲/۹۰۔محشی۔

تقریباً ۵۰، ہزار کا مال ہے اور بیس ہزار روپیہ کا مال ماہانہ لوگوں کو دیتا ہوں تو کیا ادھار دئے ہوئے مال پر بھی زکوۃ دینی چاہئے؟　　(ایاز خان، محبوب نگر)

جواب:- جو مال آپ نے لوگوں کو ادھار دیا ہے اور اس کی قیمت ان لوگوں کے ذمہ باقی ہے، اس واجب الاداء رقم میں بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے، بہ شرطیکہ قیمت وصول ہونے کی توقع ہو، اگر کسی وجہ سے اس مال کے وصول ہونے کی امید نہ ہو، جیسے وہ فرار ہوگیا ہو، یا دیوالیہ ہوگیا ہو، یا سامان واپس کرنے سے انکار کرتا ہو، تو اس صورت میں ان پیسوں پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔(۱)

واجب الاداء قرض میں زکوٰۃ کی نیت

سوال:- {1058} میری رقم بعض حضرات کے ذمہ واجب ہے اور ان سے قرض وصول ہونے کی امید نہیں، وہ مستحق زکوٰۃ بھی ہیں، مجھ پر جو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، کیا میں ان کے ذمہ واجب الاداء قرض کو اس کے حساب میں شامل کرسکتا ہوں؟　　(ندیم منیر، حشمت پیٹ)

جواب:- زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور عبادتوں کے سلسلہ میں یہ اصول ہے کہ اس کے لئے نیت ضروری ہے، اور نیت بھی اس فعل کی ابتداء میں، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ جس وقت آپ نے وہ رقم دی تھی، اس وقت قرض کی نیت تھی، نہ کہ زکوۃ کی، اس لئے اب اس میں زکوۃ کی نیت نہیں کی جاسکتی، ہاں یہ بات درست ہے کہ آپ اسے زکوۃ دیدیں، اور پھر اس سے قرض وصول کرلیں۔

(۱)　بدائع الصنائع:۲/۹۰۔محشی۔

چٹھی کی اداشدہ رقم میں زکوۃ

سوال:- {1059} میں نے پچاس ہزار کی چٹھی ڈالی ہے، جو پچاس مہینوں کی ہے، ہر مرتبہ ایک ہزار ادا کرنا پڑتا ہے، میری چٹھی ابھی تک نہیں اٹھی ہے، ابھی اس چٹھی کے ۲۳/ مہینے ہو چکے ہیں، کیا مجھ پر زکوۃ واجب ہوگی، اور کتنی اور کس طرح؟ (مسکان، یاقوت پورہ)

جواب:- آپ جتنی رقم چٹھی میں ادا کر چکے ہیں، اتنی رقم پر زکوۃ واجب ہوگی، جو رقم ابھی ادا نہیں کی ہے، اس پر زکوۃ واجب نہیں، یہ زکوۃ آپ کے دوسرے مالِ زکوۃ کے ساتھ مل کر اسی تاریخ میں واجب ہوگی، جس میں آپ زکوۃ ادا کیا کرتے ہیں، یا جس تاریخ کو آپ صاحب نصاب ہوئے ہیں اور اس کی شرح ایک ہزار پر ۲۵/ روپے ہوگی۔

فکس ڈپازٹ کی گئی رقم پر زکوٰۃ

سوال:- {1060} زید کے پاس دو لاکھ روپے ہیں، جن کو زید نے فکس ڈپازٹ کرادیا ہے، ڈپازٹ زید ہی کے نام سے ہے، لیکن نام پیشن بچی کا ہے، اور اس کی شادی کی غرض سے رقم ڈپازٹ کی گئی ہے، یہ ڈپازٹ ایک سال کے لئے کروائی گئی ہے جس کی مدت ماہِ فروری سے دوسرے سال فروری ہوا کرتی ہے، خود زید پر بیس ہزار کا قرض ہے، اور کوئی نقد رقم موجود نہیں، جس سے زکوۃ ادا کر سکے، تو کیا زکوۃ اقساط میں ادا کی جا سکتی ہے؟ اور ادا کی جائے تو کتنی رقم پر کتنی ادا کی جائے؟ (محمد شفیع الدین، شاہ علی بنڈا)

جواب:- (الف) اگر آپ نے لڑکی کو اس مال کا مالک بنادیا ہے، تو اب زکوۃ کے واجب ہونے کا اور نہ ہونے کا تعلق آپ کی لڑکی سے ہے، اگر لڑکی ابھی نابالغ ہے، تو جب تک بالغ نہ ہوجائے، زکوۃ واجب نہیں، کیونکہ زکوۃ ایک عبادت ہے، اور عبادت بالغوں پر ہی واجب ہوتی ہے: " فلا تجب علی مجنو ن وصبی : لانها عبادة محضة " (۱)

(ب) اگر آپ ابھی اس پر اپنی ملکیت باقی رکھتے ہیں، یا لڑکی بالغ ہے اور آپ نے اسے مالک بنادیا ہے، تو ہر دو صورت میں اس مال میں زکوۃ واجب ہوگی، اگر ابھی زکوۃ ادا نہ کرسکیں، تو آئندہ حسب سہولت ایک ساتھ یا اقساط میں زکوۃ ادا کرسکتے ہیں، البتہ جس قدر ممکن ہو، جلد ادا کردیں۔ " اقتراضها عمری ای علی التراخی " (۲)

(ج) زکوۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے، اس لئے چاند کے مہینوں کا حساب رکھیں نہ کہ انگریزی مہینہ کا۔ "وحولها قمری لاشمسی " (۳)

(د) پیسوں میں زکوۃ ڈھائی فیصد یعنی ایک لاکھ پر ڈھائی ہزار کے حساب سے واجب ہوتی ہے۔

(ہ) یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، لیکن یاد رکھیں کہ فکس ڈپازٹ میں جو زیادہ رقم ملتی ہے وہ سود ہے، اس لئے اولاً تو فکس ڈپازٹ کرانا ہی جائز نہیں، اور اگر کرالیا ہو تو جو زائد رقم ملے، اس کو غرباء پر یا رفاہی کاموں میں خرچ کردینا واجب ہے۔ (۴)

---

(۱) ردالمحتار :۳/۱۷۳۔

(۲) حوالہ سابق :۳/۱۹۱۔

(۳) حوالہ سابق :۳/۲۲۳۔

(۴) " لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه " (رد المحتار :۵/۲۷۳ کتاب الحظر و الإباحة ، فصل في البيع ، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ پاکستان) " و يتصدق بلا نية الثواب إنما ينوی به براءة الذمة " (قواعد الفقه ، القواعد الفقهية :ص:۱۱۵) مرتب۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

سوال:- {1061} عموماً رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں زکوۃ نکالی جاتی ہے، زکوۃ نکالنے کے کچھ دنوں بعد (اگرچہ پوری زکوۃ ادا نہ کی گئی ہو) پراویڈنٹ فنڈ سے کچھ رقم حاصل ہوئی ہو، تو ایسی صورت میں اس رقم پر زکوۃ ایک سال کے بعد یعنی آئندہ رمضان المبارک میں نکالنی اور ادا کرنی چاہئے یا ابھی اسی وقت اس رقم کا بھی حساب کر کے زکوۃ ادا کرنی ہوگی؟ (محمد یوسف، سعید آباد)

جواب:- زکوۃ کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ جس تاریخ کو آپ پہلی مرتبہ صاحب نصاب ہوئے ہر سال وہی تاریخ آپ کے لئے معیار ہوگی، اس تاریخ کو جتنی رقم آپ کے پاس موجود ہو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، خواہ آپ اسی وقت زکوۃ ادا کریں یا اس کے بعد آنے والے رمضان المبارک میں، لہذا اگر اس تاریخ سے پہلے آپ کو پراویڈنٹ فنڈ کی کچھ رقم مل جائے تو ابھی آپ پر اس کی زکوۃ ادا کرنا واجب نہیں، اس رقم کا جو حصہ اس تاریخ کو موجود رہے اس کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، تاہم اگر پہلے ہی زکوۃ ادا کریں تو یہ بھی درست ہے، جتنی رقم کی زکوۃ اس وقت آپ ادا کریں اس کا حساب ذہن میں رکھیں اور جو تاریخ زکوۃ واجب ہونے کے لئے معیار ہے، اس تاریخ کو جو رقم آپ کے پاس موجود رہے اس میں سے اتنی رقم منہا کر کے بقیہ کی زکوۃ ادا کر دیں۔

چار مینار بینک میں جمع شدہ رقم کی زکوۃ

سوال:- {1062} چار مینار بینک میں بہت سے لوگوں کی رقمیں ڈوب گئی ہیں، ان لوگوں کی رقم پر کیا زکوۃ

واجب ہوگی؟ (عبدالستار، ٹولی چوکی)

جواب:- چار مینار بینک کے دیوالیہ ہونے تک چوں کہ رقم کے وصول ہونے کی توقع تھی، اس لئے اس وقت تک کی زکوۃ واجب ہوگی، دیوالیہ ہونے کے بعد چوں کہ پھنسی ہوئی رقم کے وصول ہونے کی قوی امید نہیں اور اس کا حاصل ہونا موہوم ہے، اور جس پیسے کے وصول ہونے کی امید نہ ہو، اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی، (۱) اسی طرح اگر مال زکوۃ کی زکوۃ ادا نہیں کی، یہاں تک کہ وہ مال کسی طرح ضائع ہوگیا، تو گو وہ تاخیر کی وجہ سے گنہگار ہوگا، لیکن اب اس کی زکوۃ واجب نہیں رہی، اس لئے دیوالیہ ہونے کے بعد سے زکوۃ واجب نہیں۔

زکوۃ سے مقروض کی مدد

سوال:- {1063} قرض کے بوجھ میں زکوۃ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (محمد علاء الدین، تنالی)

جواب:- آپ کا سوال واضح نہیں، اگر آپ کی یہ مراد ہو کہ جو شخص کافی مقروض ہوگیا ہو اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اتنا قرض ہو کہ قرض ادا کرنے کے بعد بنیادی ضروری اشیاءِ زندگی کے علاوہ اس کے پاس نصابِ زکوۃ کے بقدر مال باقی نہیں رہا، تو اسے زکوۃ دی جاسکتی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں مصارفِ زکوۃ میں ایک مستقل مصرف مقروض (غارمین) کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۲)

---

(۱) "لو كان الدين على مقر ملئ أو على معسر أو مفلس أي محكوما بافلاسه أو على جاحد عليه بينة و عن محمد" لا زكوة ، هو الصحيح : لأن البينة قولا تقبل أو علم به قاض ألخ فوصل إلى ملكه لزم زكوة ما مضىٰ " (الدر المختار على هامش رد المحتار : ۳/۱۸۴-۱۸۵،كتاب الزكوة) محشی۔

(۲) التوبة:۶۰۔ محشی۔

زکوۃ میں قرض سے متعلق احکام

سوال:- {1064} اگر کسی کے ذمہ میری رقم ایک سال سے زیادہ عرصہ سے باقی ہے اور اتنی ہی یا اس سے زیادہ رقم میری ایک دوسرے شخص کے ذمہ باقی ہے، کیا مجھے ایسی رقم پر زکوۃ دینی پڑے گی؟ (مخم سلمان نیوجرسی، امریکہ)

جواب:- قاعدہ یہ ہے کہ جو رقم دوسرے کے ذمہ باقی ہو اور وہ بطور قرض یا کسی بیچی ہوئی شئے کا عوض ہو، کرایہ، موروثی جائداد کا معاوضہ نہ ہو، نیز اس کے وصول ہونے کی توقع ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، دوسرے کسی شخص کے ذمہ جو رقم باقی ہو وہ اس رقم کو منہا کرکے باقی پیسوں یا سونے چاندی وغیرہ میں زکوۃ کا حساب کرے گا، لھذا آپ کے ذمہ جو دوسروں کی رقم باقی ہے، اتنی رقم چھوڑ کر آپ زکوۃ کا حساب کریں، خواہ اس قرض سے زیادہ ہو جو آپ کا دوسروں کے ذمہ ہے، یا اس سے کم ہو، اور حساب میں آپ کی رقم جو دوسروں کے ذمہ ہے اور جس کے وصول ہونے سے آپ مایوس نہ ہوں، اس کو بھی شامل کریں۔ (۱)

زکوۃ کا اجتماعی نظام

سوال:- {1065} کیا زکوۃ کو بھی اجتماعی طور پر ادا کرنے کا حکم ہے؟ اجتماعی زکوۃ کس کو ادا کی جائے گی اور ہندوستان میں اس کی کیا صورت ہوگی؟ (محمد تنویر، گلبرگہ)

---

(۱) " فتجب زكاتها إذا تم نصابا و حال الحول ، لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهما من الدين القوي كقرض و بدل مال تجارة (الدر المختار : على هامش رد المحتار : ۲۳۶/۳)" إذا تم نصابا ، الضمير في " تم " يعود للدين المفهوم من الديون ، و المراد إذا بلغ نصابا أو بما عنده مما يتم به النصاب "(رد المحتار : ۲۳۶/۳) محشی۔

جواب:- اسلام میں اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی زکوۃ اجتماعی طور پر جمع ہو اور مستحقین میں تقسیم ہو، خود قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے، (۱) اسی پر عہد صحابہ ﷺ اور بعد کے زمانوں میں بھی عمل رہا، (۲) اس لیے:

(الف) جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو وہاں حکومت کو چاہئے کہ بیت المال قائم کرے، زکوۃ وصول کرے اور مدّات مقررہ پر صرف کرے۔(۳)

(ب) ہندوستان میں بھی مسلمانوں پر نظام امارت قائم کرنا واجب ہے، (۴) جن صوبوں میں اس طرح کی امارت قائم ہو وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی زکوۃ اسی امارت کے بیت المال میں جمع کریں۔(۵)

(د) جہاں اس طرح نظام قائم نہ ہو، وہاں بھی مسلمانوں کو کوئی ایسی اجتماعی شکل پیدا کرنی چاہئے، جو زکوۃ کی وصولی و تقسیم کا نظم سنبھالے۔

بہن کو زکوۃ

سوال:-{1066} ہمارے والد صاحب وظیفہ یاب ہیں، وظیفہ کی رقم ہمارے روزمرہ اخراجات کے لیے کافی نہیں

---

(۱) التوبة :۱۳۰۔

(۲) بدائع الصنائع :۲/۳۵۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: المبسوط:۳/۱۷-۱۸، رد المحتار :۲/۵۷۔

(۴) فتح القدير :۳/۳۶۵۔

(۵) دیکھئے: كتاب العشر و الزكوة ، باب ولاية أخذ العشر و الزكوة :ص:۱۵۳تا۱۳۴۔

ہوتی، ہمارے بڑے بھائی جو غیر شادی شدہ ہیں اور گلف میں ملازمت کرتے ہیں، گھر کے تمام افراد، والدین، بھائی اور ہم تین غیر شادی شدہ بہنوں کی تمام ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں، بھائی صاحب نصاب ہیں اور ہر سال پابندی سے مستحق لوگوں کو بشمول رشتہ داروں اور پڑوسیوں وغیرہ کو زکوۃ دیتے ہیں، کیا ہم غیر شادی شدہ بہنیں بھی ہمارے غیر شادی شدہ بھائی کی زکوۃ میں مستحق ہوسکتی ہیں؟

(اسریٰ فاطمہ، یاقوت پورہ)

جواب:- ماں باپ اوران سے اوپر کا سلسلہ، اولاد اوران سے اوپر کا سلسلہ وہ ہے جن کو زکوۃ دینا جائز نہیں، باقی دوسرے رشتہ دار جن میں بھائی بہن بھی شامل ہیں، کو زکوۃ دی جاسکتی ہے:

"قید بأصل وفرعه، لأن من سواهم، من القرابة يجوز الدفع لهم ... كالإخوان والأخوات" (۱)

اس لیے اگر آپ صاحب نصاب نہ ہوں اور ضرورت مند ہوں تو اپنے بھائی کی زکوۃ لے سکتی ہیں۔

صحت مند کی گداگری

سوال:- {1067} جو شخص صحت مند اور نوجوان ہو، معذور بھی نہ ہو اور لوگوں سے مانگتا رہتا ہو، کیا ایسے شخص کو صدقہ دینا چاہئے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

(۱) البحر الرائق: ۲/۴۲۵، نیز دیکھئے: رد المحتار: ۳/۲۹۳۔

جواب:- جس شخص کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو، یا وہ صحت منداور کمانے پر قادر ہو، اس کے لئے دست سوال پھیلانا جائز نہیں، اسی لئے پیشہ ور، صحت مند گداگروں کو ان کے احوال جاننے کے باوجود دینا درست نہیں، اس سے بے جا گداگری کو تقویت پہونچتی ہے، یہ گناہ پر تعاون ہے، اس لئے ایسے گداگروں کو دینا گناہ ہے:

"ولا یحل أن یسأل شیئًا من القوت … و یأثم
معطیه ان علم بحاله لاعانته علی المحرم" (۱)

ہاں! جس آدمی کے معاشی حالات کے بارے میں واقفیت نہ ہواور وہ سوال کرے تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے، کیونکہ بعض اوقات ظاہری حالات سے انسان کی داخلی محتاجی اور ضرورتمندی کا اندازہ نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت حسین ﷜ سے مروی ہے کہ سائل کا حق ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر آیا ہو: "للسائل حق وان جاء علی فرس" (۲)

ٹی وی وغیرہ میں زکوٰۃ

سوال:- {1068} کیا ٹی وی، وی سی آر، انٹرنیٹ، سیل فون یا موبائل، گھر اور دوکان میں خوشنمائی کے لئے لگائے گئے جھومر اور گملے وغیرہ پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے؟

(محمد امین الدین، مانصاب ٹینک)

جواب:- ٹی وی، وی سی آر اور انٹرنیٹ اگر خود استفادہ کے لئے یا کرایہ پر لگانے کے لئے ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

"وأما آلات الصنائع وظروف أمتعة التجارة

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار:۳/۳۰۶۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۶۶۵۔

لاتکون مال التجارة لأنها لاتباع"(۱)

یہی حکم جھومر اور گملے وغیرہ کا بھی ہے، البتہ اگر کوئی شخص اس کی تجارت کرتا ہو، تو پھر مالِ تجارت ہونے کی وجہ سے زکوۃ واجب ہو جائے گی۔

کمیشن پر زکوۃ وصول کرنا

سوال:- {1069} زکوۃ کے محصلین کو رقم پر کمیشن مقرر کرنا، کیا جائز و درست ہے؟ (محمد عبدالوکیل، بازار سلیمان جاہ)

جواب:- اسلامک فقہ اکیڈمی ہندستان میں علماء اور اربابِ افتاء کا نہایت مستند ادارہ ہے، جس نے جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں احکام زکوۃ پر اپنا سمینار منعقد کیا تھا، اس سمینار میں علماء کا اس رائے پر اتفاق ہو چکا ہے کہ زکوۃ وصول کرنے کے لئے کمیشن پر محصل مقرر کرنے کی صورت درست نہیں، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے، بہتر صورت یہ ہے کہ کام کی اجرت مقرر کر دی جائے، مثلاً: رمضان میں تحصیلِ زکوۃ کا کام کرنے پر آپ کو اتنی تنخواہ دی جائے گی، اور ایک نشانہ بھی مقرر کر دی جائے کہ کم سے کم آپ اتنی رقم وصول کریں اور اگر آپ نے اس سے زیادہ وصول کیا تو اس پر مزید انعام دیا جائے گا، اس طرح تنخواہ بھی مقرر ہو جائے گی، اور انعام، کام میں مزید محنت اور سعی و کوشش کے لئے ترغیب و تحریک کا باعث ہوگا۔

صدقہ میں زیادتی سے مراد

سوال:- {1070} ایک کتاب میں حدیث کی عبارت اس طرح آئی ہے "زکوۃ اور صدقہ میں زیادتی کرنے والا اس کو نہ دینے والے کی طرح ہے" (گناہ میں) حوالہ: ابوداؤد،

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۹۵۔

ترمذی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس حدیث کی رو سے اگر
ہم زکوٰۃ وصدقۂ فطر وغیرہ میں مقررہ حساب سے کچھ زیادہ
دیں یا ہم پر جو اداشدنی ہے اس سے کچھ زیادہ کر کے دے
دیں، تو کیا یہ عمل گناہ کی تعریف میں آئیگا؟

(ایم، اے، وحید خاں، مرادنگر)

جواب:- اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: "**المعتدی فی الصدقة کمانعها**" یہ روایت حضرت انس بن مالک ﷺ سے مروی ہے، (۱) اور اس حدیث میں ان عاملین سے خطاب ہے جو اسلامی حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کیا کرتے تھے، ارشاد نبوی ﷺ کا منشا یہ ہے کہ حکومت کو اپنی طاقت کا استعمال کر کے زکوٰۃ کی جو مقدار واجب ہے اس سے زیادہ یا جس نوعیت کی چیز واجب ہے اس سے عمدہ یا بہتر وصول کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، کیونکہ ایسی حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہل ثروت آئندہ اپنے مال عاملین سے چھپانے کی کوشش کریں گے، اور زکوٰۃ سے اپنا دامن بچائیں گے، جس کا نقصان بہ ہر حال فقراء اور مستحقین ہی کو ہوگا، تو گویا یہی شخص بالواسطہ زکوٰۃ کو روکنے کا باعث بنا، ایسے شخص کو زکوٰۃ کی مقررہ حد سے زیادہ طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے، البتہ جو زکوٰۃ ادا کر رہا ہو وہ خوش دلی سے جتنا زیادہ دے اتنا ہی باعث اجر ہے، اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کتنا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیں کہ جو کچھ بچ رہے ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (۲) یہی شریعت اسلامی کا اعتدال ہے کہ زکوٰۃ دینے والے سے کہا گیا کہ جتنا زیادہ دیں خوب ہے، اور زکوٰۃ سرکاری قوت سے وصول کرنے والوں سے کہا گیا کہ جتنا واجب ہے اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۱۸۰۸، باب ما جاء في عمال الصدقة - محشی۔
(۲) البقرة: ۲۱۹۔ محشی۔

جس کا انتقال ہو جائے اور زکوۃ ادا نہ کر پائے

سوال:- {1071} آج سے پچاس سال قبل ایک خاتون کو ان کے والد نے تیس تولہ سونا دیا تھا، اس وقت سونا ستر روپے تولہ تھا، ایک سال کی زکوۃ ادا کی گئی، اس کے بعد سے زکوۃ ادا نہ ہوسکی، یہاں تک کہ ۲۰۰۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا، اب اس کے وارثوں کو اس کی زکوۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور وہ کس طرح زکوۃ ادا کر کے بری الذمہ ہوں گے؟ (محمد عبداللہ، کلکتوی)

جواب:- اگر کسی شخص کے ذمہ زکوۃ واجب تھی، نہ خود اس نے زکوۃ ادا کی اور نہ اس کے لئے وصیت کی تو اس کے ورثاء پر زکوۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی: ''إن مات من عليه الزكوة سقطت الزكوة بموته ''(۱) ہاں! متوفی پر اس کوتاہی کا گناہ ہوگا،'' حتی أنه لو لم يؤدّ منه حتى مات يأثم ''(۲) اسی طرح حق اللہ کے طور پر جو دوسرے دیون واجب ہوتے ہیں وہ بھی موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں، یہ تو اس کا قانونی حکم ہے، لیکن اخلاقی اور احسانی حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ورثہ اس کی طرف سے زکاۃ ادا کرنے کی کوشش کریں کہ ممکن ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں'' وما ذالك على الله بعزيز'' پھر غور کیجئے کہ اس میں لوگوں کے لئے کس قدر تنبیہ ہے کہ انسان اپنے واجبات خود ادا کر لے، ورنہ ہوگا یہ کہ لوگ اس کے ترکہ سے نفع اٹھائیں گے اور وہ اللہ کے یہاں مبتلاء عذاب رہے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۷۶۔
(۲) بدائع الصنائع: ۲/۷۸۔

شادی کے لئے جمع شدہ اسباب پر زکوۃ

سوال:- {1072} جہیز کی شکل میں نقدی یا سامان کا لینا دینا ناجائز ہے، لیکن موجودہ سماج میں بغیر جہیز کے لڑکیوں کی شادی ایک سنگین سماجی مسئلہ بن گیا ہے، بہ استثناء چند، ہر والدین کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنی دوسری ضروریات کو کم کرکے کسی طرح کاٹ چھانٹ کر اپنی لڑکی کی شادی کے لئے کچھ زیور اور دوسری اشیاء (دونوں ملا کر نصاب بھر) کا کسی طرح انتظام کرتے ہیں، تو کیا اس پر بھی زکوۃ فرض ہوگی؟

(اختر عادل گیلانی، عالم گنج، پٹنہ)

جواب:- شادی کی غرض سے روپے، سونا چاندی جمع کئے جائیں تو اس میں بھی زکوۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ جہیز وغیرہ ایک خود پیدا کردہ بیماری ہے، اس کی وجہ سے غرباء کو ان کے حق سے محروم کرنا کسی طرح قرین انصاف نہیں، البتہ اگر والدین لڑکیوں کو ان زیورات کا مالک بنا دیں اور واقعی ان کو دے دیں، پھر خود ان میں مالکانہ تصرف نہ کریں، تو اگر لڑکیاں نابالغہ ہوں، یا بالغہ ہوں لیکن ان کے پاس مقدار نصاب سونا یا چاندی نہ ہو، تو ان زیورات پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

حرام مال میں زکوۃ

سوال:- {1073} زید کے پاس کچھ رقم ہے جس میں اس کی جائز آمدنی بھی ہے اور بینک انٹرسٹ کی رقم بھی، اس مال پر زکوۃ ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

(رئیس احمد، جگتیال)

جواب:- اگر بینک انٹرسٹ کی رقم کا حساب محفوظ ہو کہ کتنی رقم بینک انٹرسٹ کی ہے، اور کتنی اس کی حلال کمائی کی؟ تو بینک انٹرسٹ کی رقم پوری کی پوری بلا نیت ثواب غرباء پر تقسیم کردینا واجب ہے،(۱) اور باقی حلال و جائز رقم کی زکوۃ ادا کرے گا، اور اگر اس رقم کا حساب ممکن نہ ہو، تو پھر پورے مال کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔(۲)

نیت پر صدقہ کا ثواب

سوال:- {1074} اگر کوئی آدمی نیت رکھتا ہو کہ وہ امیر و دولت مند ہوتا تو غریبوں کی مدد کرتا، بیواؤں، یتیموں اور قرض داروں کے کام آتا، تو کیا اپنے اس پکے ارادہ کی وجہ سے اسے ان نیکیوں کا اجر حاصل ہوگا؟ کیونکہ احقر نے سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں قحط پڑنے پر ایک آدمی نے مٹی کے ٹیلہ کو دیکھ کر کہا کہ اگر اتنا اناج ہوتا تو میں غریبوں میں بانٹ دیتا، تو نبی کے ذریعہ اس کو اتنے ثواب کی خوش خبری سنائی گئی۔

(عبداللہ، ٹولی چوکی)

---

(۱) "لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه" (رد المحتار: ۲۷۳/۵ کتاب الحظر و الإباحة، فصل في البيع، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ پاکستان) "و يتصدق بلا نية الثواب إنما ينوى به براءة الذمة" (قواعد الفقه، القواعد الفقهية: ص: ۱۱۵) مرتب۔

(۲) "لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه و يورث عنه ... و هذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه و إلا فلا زكاة، كما لو كان الكل خبيثا، و في الشافي عن القنية: لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه" (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۱۷/۳-۲۱۸) محشی۔

جواب:- اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شفقتوں اور رحمتوں میں سے یہ ہے کہ برائی کے محض ارادہ پر عذاب نہیں دیا جائے گا، لیکن نیکی کا انسان صرف ارادہ کرلے تو اس ارادہ پر اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"من همّ بحسنة ولم يعملها كتبت له حسنة" (۱)

''جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کر پایا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی''

لیکن ظاہر ہے کہ صدقہ دینے کا ثواب سات سو گنا ہے، اور صدقہ کے ارادہ کا ثواب ایک درجہ ہے، اس لئے عام قواعد شرع کے مطابق صدقہ دینے والے کا ثواب صدقہ کا ارادہ کرنے کے مقابلہ میں زیادہ ہوگا، یوں اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، اگر چاہے تو اس سے زیادہ بھی عطا فرمادیں، اور یہ بھی ممکن ہے اگر ایک شخص اپنے فقر پر صابر ہو تو صبر کا اجر صدقہ سے بھی زیادہ بڑھ جائے۔

جہاں تک اس روایت کی بات ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے تو امام غزالیؒ نے اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"إنّ رجلا مرّ بكثبان من رمل في مجاعة فقال في نفسه: لوكان هذا الرّمل طعاماً لقسمته بين الناس، فأوحى الله تعالىٰ إلى نبيّهم أن قل له إن الله قد قبل صدقتك وقد شكر حسن نيتك واعطاك ثواب مالو كان طعاما فتصدقت به" (۲)

'' ایک شخص ریت کے ڈھیر کے پاس سے قحط کے زمانہ میں گزرا، اس نے اپنے دل میں کہا: اگر یہ ریت غلہ ہوتا تو میں

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۶۴۹۱، باب من هم بحسنة أو بسيئة، كتاب الرقاق، صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۳۳۷، باب: إذا هم العبد ...، كتاب الإيمان ۔ محشی ۔

(۲) احیاء العلوم: ۴/۳۶۳۔

اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کرتا، اللہ تعالی نے ان کے نبی کے پاس وحی کی کہ ان سے کہہ دو کہ اللہ تعالی نے تمہارا صدقہ قبول کر لیا ہے، تمہارے نیت کی قدر دانی کی ہے، اور تمہیں اگر یہ کھانا ہوتا اور اسے صدقہ کر دیتے، تو اس کے برابر ثواب عطا فرمایا"

لیکن یہ کوئی مستند اور معتبر روایت نہیں، امام غزالی نے اس کو اسرائیلیات میں شمار کیا ہے۔(۱)

شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کا مال خرچ کرنا

سوال:- {1075} آج کل بعض عورتیں بہت ہٹ دھرمی پر کمر بستہ ہیں، گھر میں رکھا ہوا پیسہ شوہر کی اجازت کے بغیر غیر مرد کو دے رہی ہیں، کیا عورتوں کا یہ عمل درست ہے؟

(عبدالرؤف، بشارت نگر)

جواب:- اگر وہ پیسہ شوہر کا ہو، تو عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی اور شخص کو خواہ کوئی اجنبی ہو یا اس کا رشتہ دار، اور خواہ وہ ضرورت مند ہو یا نہ ہو، دینا جائز نہیں، حضرت ابو امامہ باہلی ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہیں کر سکتی، عرض کیا گیا: کھانا بھی نہیں؟ فرمایا: وہ تو ہمارے اموال میں سب سے بہتر مال ہے۔" ذلك افضل أموالنا "(۲)

---

(۱) احیاء العلوم: ۴/۳۶۳۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۵۶۵۔

اگر عورت اتنی معمولی مقدار خیر کے کام میں خرچ کرے کہ اگر شوہر کو معلوم ہو تو اسے گراں نہ گزرے، گویا ایک طرح سے اس کی طرف سے اجازت ہو، تو یہ درست ہے بہ شرطیکہ شوہر نے صراحۃً خرچ کرنے سے منع نہ کیا ہو اور ایسی صورت میں عورت کو اس کی نیت کا اجر ملے گا اور شوہر کو اس کے مال کا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک روایت میں بہ صراحت رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے۔(۱)

کیا حرم شریف میں ایک روپیہ کا صدقہ ایک لاکھ کے برابر ہے؟

سوال:- {1076} چونکہ حرم شریف میں ایک نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوتی ہے، اس لئے اگر ایک شخص حرم شریف میں بیٹھ کر ہندوستان کے کسی یتیم خانہ کو اپنی ہندوستانی بینک کی چیک بک ہی سے ایک ہزار روپے کا کراس چک بذریعہ پوسٹ روانہ کردے تو کیا 10,00,00,000=10,00,00x1000 (دس کروڑ) روپیہ کے ثواب کی امید رکھی جاسکتی ہے، یا اس شخص کو ایک ہزار روپیہ ہندوستان سے اپنے ساتھ لے جاکر سعودی بنک کا ڈرافٹ بناکر ہندوستان یتیم خانہ روانہ کرنا ہوگا؟ یا یہ کہ ایک ہزار ہندوستانی سکہ ریال میں تبدیل کرا کر سعودی میں خیرات کرنا ہوگا؟ شاید سعودی میں غریب لوگ نہ ملیں۔

(مصطفیٰ، بیدر)

---

(۱) " قال النبي ﷺ إذا أطعمت المرأة من بيت زوجها غير مفسدة لها أجرها و له مثله و للخازن مثل ذلك ، له بما كسب و لها بما أنفقت " عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۱۴۴۰، باب أجر المرأة إذا تصدقت أو أطعمت من بيت زوجها غير مفسدة) محشی۔

جواب:- جہاں تک میرے علم میں ہے حرم میں جو ثواب بتایا گیا ہے، وہ نماز سے متعلق ہے، یعنی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے ثواب کے برابر حاصل ہوگا، (۱) صدقہ اور دوسرے نیکیوں کے بارے میں غالباً ایسا ارشاد موجود نہیں، حدیث کی مشہور کتاب "جمع الفوائد" میں جس میں حدیث کی پندرہ اہم کتابوں کی احادیث کو امام محمد بن سلیمان مغربیؒ (متوفی: ۱۰۹۰ھ) نے جمع کر دیا ہے، جو دس ہزار ایک سو کتیس احادیث کا مجموعہ ہے، اہل علم کا خیال ہے کہ مسائل وفضائل سے متعلق قریب قریب تمام ہی معلوم ومعتبر احادیث اس میں جمع ہوگئی ہیں، اس کتاب میں درج ذیل نمبرات کی حدیثیں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی میں نماز کے خصوصی اور زیادہ اجر سے متعلق ہیں:

"حدیث نمبر:۳۷۸۳،عن أبي هريرة ﷺ، ۳۷۸۵،
عن عبد الله بن زبير ﷺ، ۳۷۸۷،عن عبد الله
بن زبير ﷺ، ۳۷۸۸،عن جابر ﷺ، ۳۷۸۹، عن
عائشة رضى اللّٰه تعالى عنها، ۳۷۹۰،عن أبي
سعيد الخدري ﷺ، ۳۷۹۱،عن أرقم ﷺ، ۳۷۹۴،
عن نس ﷺ"

ان تمام روایتوں میں نماز کی فضیلت بہ صراحت موجود ہے، دوسرے نیکیوں کا ذکر نہیں۔

بینک کی رقوم اموال ظاہرہ میں ہیں

سوال:- {1077} کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان

(۱) "أن رسول الله ﷺ قال : صلا ة في مسجدي أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام، و صلاة في المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة فيما سواه" عن جابر ﷺ، (سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۱۴۰۶، باب ما جاء في فضل الصلاة في المسجد الحرام و مسجد النبي ﷺ) محشی۔

شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ بینک میں جمع کی ہوئی رقم اموال ظاہرہ میں ہے؟ یا اموال باطنہ میں؟ اور کونسے مال اموال ظاہرہ میں شمار ہوں گے اور کون سے مال اموال باطنہ میں؟ (امتیاز عالم، پھلواری شریف، پٹنہ)

جواب:- فقہاء نے اموال کی دو قسمیں کی ہیں: ''اموال ظاہرہ'' اور ''اموال باطنہ''، موجودہ دور میں کون سے اموال ''اموال ظاہرہ'' میں شامل ہوں گے اور کون سے اموال ''اموال باطنہ'' میں، یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔

اموال ظاہرہ کی تعریف فقہاء نے ان الفاظ میں کی ہے، وہ مال جس کو حکومت حاصل کرے، یعنی چوپائے، کھیتی اور تجارت، اور اموال باطنہ کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ وہ مال جس کی وصولی حکومت کا حق نہ ہو، جیسے نقود و سکے وغیرہ، (۱) علامہ ابن عابدینؒ نے ''اموال ظاہرہ'' کا مصداق مویشی یعنی گائے، بکری اور اونٹ وغیرہ کو بتایا ہے اور اموال باطنہ سونا، چاندی اور اموال تجارت کو شمار کرایا ہے۔ (۲) نوٹ اور سکوں کے بارے میں جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ وہ سونے اور چاندی کا متبادل ہے اور تعامل بھی، اسی طرح جاری ہے، گویا نوٹ اور سکے سونے اور چاندی کے بدل ہیں، لہذا اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی، اور اس کو سونے اور چاندی کے قائم مقام سمجھا جائے گا، اس پر ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے سوائے حنابلہ کے، بعض لوگوں نے ان کی طرف زکوۃ واجب نہ ہونے کی نسبت کی ہے۔ (۳)

فقہاء کے یہاں سونے، چاندی کی طرح یہ نوٹ اور سکے بھی اموال باطنہ میں سے ہیں، جب کہ آج کے دور میں رقوم کی حفاظت کا ایک بالکل نیا نظام بینکنگ نظام کی صورت میں روبہ عمل

---

(۱) لغة الفقهاء :ص:۳۹۷۔

(۲) رد المحتار :۲/۳۸-۳۹۔

(۳) الفقه على المذاهب الأبعة :۱/۶۰۵۔

آچکا ہے، پس سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ حالات میں بھی یہ نوٹ اور سکے اموال باطنہ میں شمار کیے جائیں گے، اور اس کی زکوۃ اپنے تئیں ادا کی جائے گی، یا ان کا شمار اموال ظاہرہ میں ہوگا، اور اس کو وصول کرنے کا حق بیت المال کو ہوگا؟

یہاں اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ تقسیم کہ اموال ظاہرہ کی زکوۃ بیت المال میں ادا کی جائے گی اور اموال باطنہ کی بطور خود ادا کی جائے، ابتداءً نہیں تھی، جیسا کہ شمس الأئمہ نے تصریح کی ہے کہ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ ایک ہی درجہ میں تھے، حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک عامل زکوۃ ہی زکوۃ وصول کرتا تھا، (۱) مگر ہر طرح کے مال کی زکوۃ وصول کرنے میں مشقت تھی اس لیے لوگوں کو اندرون خانہ دولت کی تلاشی لینی پڑتی اور نجی معاملات میں مداخلت کی نوبت آتی، اس لیے اموال ظاہرہ مویشی وغیرہ جن کی بابت تحقیق مشکل نہ تھی، زکوۃ وصول کرنے کا حق عاملین کو دیا گیا، اور اموال باطنہ کی زکوۃ کی ادائیگی خود مالکین کو سپرد کر دی گئی، اس سلسلہ میں علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں، جو خاص طور پر قابل مطالعہ ہے

> ''مال تجارت کی زکوۃ کے مطالبہ کا حق بھی سلطان کو ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ اس کی زکوۃ بھی وصول کرتے تھے، آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک بھی یہی معمول تھا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مال کی زیادتی ہوگئی اور انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ اموال زکوۃ کی جستجو میں ارباب مال کے لیے مزید ضرر و نقصان ہے، تو تقاضائے مصلحت سمجھا کہ اداء زکوۃ کی ذمہ داری خود ارباب مال کو سپرد کر دی جائے اور اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا، گویا کہ مال والے

(۱) المبسوط: ۲/۱۷۰-۱۶۹۔

امام کی جانب سے وکلاء ہوگئے، پس کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ انہوں نے فرمایا جس شخص پر دین ہو تو اسے چاہئے کہ صاحب مال اپنی زکوۃ خود ادا کرے اور بقیہ مال چھوڑ دے، گویا یہ اداء زکوۃ کا وکیل ہوا، پس اس کی وجہ سے امام کے زکوۃ وصول کرنے کا حق ختم نہیں ہوتا''(۱)

اس طرح غور کیا جائے کہ وہ اموال باطنہ جن کو تاجر ساتھ لے کر شہر کی چوکیوں سے گزرتا ہو، فقہاء نے ان کو اموال ظاہرہ کے حکم میں رکھ کر ان کی زکوۃ واجب قرار دی ہے، فی زمانہ بینکنگ نظام قائم ہے، جہاں لوگوں کے سرمائے کا بڑا حصہ محفوظ رکھا جاتا ہے، اور روپے کی مقدار کا پتہ لگانا آسان ہوتا ہے، اس کے لیے نہ خانہ تلاشی کی ضرورت پڑتی ہے، نہ نجی امور میں مداخلت کی، اس لیے وہ رقوم جو بینکوں میں جمع ہوں یا تجارت گاہوں میں مصروف ہوں، ان کا شمار اموالِ ظاہرہ میں ہونا چاہئے، اس لیے کہ جس علت کی بناء پر اسے اموال باطنہ میں شمار کیا گیا تھا، وہ علت ختم ہو چکی ہے، لہذا مسلم ممالک میں جہاں سرکاری طور پر زکوۃ کی وصولی کا نظام اور بیت المال قائم ہے سرکاری عاملین کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ مویشیوں اور کھیت کی پیداواروں کی طرح اموال تجارت اور بینک وغیرہ کی جمع دولت کی زکوۃ بھی وصول کیا کریں۔ هذا ما عندی، واللہ اعلم باصواب۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) بدائع الصنائع:۲/۷۔

جانوروں کی زکوۃ

بکریوں اور مرغیوں کی زکوۃ

سوال:- {1078} اگر کوئی شخص بکریوں یا مرغیوں کی تجارت کرتا ہو، تو کیا اسے مرغیوں اور بکریوں کی زکوۃ دینی ضروری ہے؟ (سید حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

جواب:- تجارت جس چیز کی بھی کی جائے اس میں زکوۃ واجب ہے، اس لئے تجارت کی بکریوں اور مرغیوں میں زکوۃ واجب ہوگی، (۱) البتہ یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ اگر کسی نے

---

(۱) "أما شروط وجوبها ... و منها كون النصاب ناميا حقيقة بالتوالد و التناسل و التجارة ألخ " (الفتاوى الهندية : ۱/۱۷۴)۔

"هي الراعية المكتفية بالرعى في أكثر العام لقصد الدر و النسل و الزيادة و السمن ، لكن في البدائع : لو أسامها للحم فلا زكوة فيها كما لو أسامها للجمل و الركوب ، و لو للتجارة ففيها زكوة التجارة "(الدر المختار على هامش رد المحتار : ۳/۱۹۷،باب السائمة)محشی۔

بکریوں کا فارم قائم کیا ہو اور اس کی افزائش کرتا ہو، تب تو زکوۃ اس میں اس شرح سے واجب ہوگی جو جانوروں کے سلسلے میں مقرر کی گئی ہے، اور اگر خود بکریوں کی افزائش نہ کرتا ہو، بلکہ خرید وفرخت کرتا ہو تو اس میں زکوۃ مالِ تجارت کی شرح، یعنی ڈھائی فیصد کے حساب سے واجب ہوگی، خواہ یہ ڈھائی فیصد مرغیاں اور بکریاں ہی مستحقین کو دے دے، یا ان کی قیمت لگا کر قیمت میں سے ڈھائی فیصد ادا کردے۔

عشر کا بیان

زرعی پیداوار میں عشر

سوال:- {1079} آج کل زرائی پیداوار میں عشر نکالنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، اس سلسلہ میں بتائیں کہ کن پیداواروں میں عشر واجب ہوتا ہے؟ ہندوستان کی زمینوں کا کیا حکم ہے؟ اور بٹائی پر لگی ہوئی زمین کا عشر کس پر واجب ہوگا؟ ــــــ امید کہ عشر سے متعلق ضروری مسائل کی رہنمائی فرمائیں گے۔ (سید سیف اللہ، گلشن اقبال کالونی، حیدرآباد)

جواب:- ۱) زمین کی تمام پیداوار میں عشر واجب ہے، ایسی کاشت جس کی پیداوار انسانوں کے کھانے کے کام میں نہ آتی ہو یا ایسے درخت جن کے پھل نہ کھائے جاتے ہوں، لیکن معاشی نقطۂ نظر سے ان کی کاشت کی جاتی ہو، جیسے گھاس اور بانس، پیپرمنٹ، کیوڑہ وغیرہ، تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔(۱)

---

(۱) الفتاوی التاتار خانیۃ:۲/۳۲۴۔

۲) اس مقصد کے لیے روئی اور گلاب کے پودے لگائے جائیں تو ان کی فصل پر بھی عشر واجب ہے۔(۱)

۳) عشری زمینوں کے شہد میں بھی عشر واجب ہے،(۲) اگر چہ وہ تجارت کی غرض سے جمع کیا گیا ہو، البتہ اگر تجارت کی نیت سے خرید کیا ہو، تو پھر ڈھائی فیصد کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی۔

۴) ہندوستان کی زمینوں کے بارے میں علماء کا خیال ہے کہ یہ عشری ہیں اور ان کی پیداوار میں عشر ادا کیا جانا چاہئے۔(۳)

۵) جو زمین بٹائی پر لگی ہو تو مالکِ زمین اور کاشت کار اپنے اپنے حصۂ پیداوار کا عشر ادا کریں گے۔(۴)

۶) زمین کرائے پر لگائی گئی ہو، تو پیداوار اور پٹہ دار پر عشر واجب ہوگا۔(۵)

۷) پھل نکل آنے کے بعد اگر پیشگی عشر ادا کردے تو ایسا کرنا جائز ہے۔(۶)

۸) عشر نکالنے کے بعد ہی پیداوار استعمال کرنی چاہئے۔(۷)

۹) عشر واجب ہونے کے لیے پیداوار کا کوئی نصاب مقرر نہیں، کم وبیش جو بھی پیداوار ہو عشر واجب ہوگا۔(۸)

---

(۱) الفتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندية :۲/۲۷۶۔
(۲) دیکھئے: فتح القدير :۲/۱۹۱۔
(۳) كتاب العشر والزكوة :ص:۶۰-۱۰۹۔
(۴) بدائع الصنائع :۲/۵۶۔
(۵) رد المحتار :۲/۲۵۵۔
(۶) بدائع الصنائع :۲/۶۵۔
(۷) الدر المختار علی هامش رد المحتار:۲/۲۵۳۔
(۸) الهداية مع الفتح:۳/۱۸۶۔

۱۰) جو زمین پورے سال یا سال کے اکثر حصہ میں قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہو تو اس میں دسواں حصہ عشر ہوگا، اور جس زمین کو پورے سال یا سال کے اکثر حصہ اپنی محنت سے سیراب کرنا پڑتا ہو اس میں بیسواں حصہ واجب ہوگا۔(۱)

۱۱) کھیتی پر جو دوسرے اخراجات ہل، بیل، مزدوری، نگرانی وغیرہ کے آئے ہوں وہ منہا نہیں کیے جائیں گے۔(۲)

۱۲) قرض اور دَین بھی عشر سے منہا نہیں کیا جائے گا، کل پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔(۳)

انگور میں زکوۃ

سوال:- {1080} کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

انگور کا باغ جس کے تین حصہ دار ہیں اور یہ باغ جس کو باؤلی کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اس کی زکوۃ کس طرح واجب ہوگی، ہر حصہ دار پر اپنے حصہ کی زکوۃ ہوگی یا کل فصل پر زکوۃ واجب ہوگی، جب کہ اس میں ایک حصہ دار غیر مسلم بھی ہے، براہ کرم اس معاملہ میں رہنمائی فرمایا جائے تو مناسب ہے، گزشتہ سال کی نکلی ہوئی کچھ رقم اگر زائد نکل گئی ہو تو کیا اس رقم کو اس سال کی زکوۃ میں شامل کیا جا سکتا ہے؟

(منیر الحق، کولکتہ)

جواب:- اگر قدرتی پانی سے انگور سیراب نہیں کیا گیا، بلکہ باؤلی وغیرہ سے سیراب کیا

(۱) سنن ابن ماجة :۱/۱۳۰۔
(۲) بدائع الصنائع :۲/۶۲۔
(۳) بدائع الصنائع :۲/۵۷۔

گیا اور اس میں اخراجات ہوئے تو بیسواں حصہ یعنی پانچ فیصد زکوۃ نکالی جائے گی، (۱) زکوۃ ہر حصہ دار پر اپنے حصہ میں واجب ہوگی، گزشتہ سال اگر عشر میں کچھ زیادہ نکل گیا تو اس سال اس کا حساب زکوۃ میں نہیں کیا جائے گا، (۲) البتہ اگر کھیتی کے علاوہ کوئی اور سامان، نقد روپیہ، یا سونا چاندی وغیرہ تھا، اس کی زکوۃ اس طرح سے دیدی، تو اس کا شمار زکوۃ ہی میں ہوگا، اور امسال زکوۃ نکالتے ہوئے اس کا حساب کیا جائے گا، (۳) غیر مسلموں پر عشر و زکوۃ واجب نہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿

(۱) " وماسقى بالدولاب والدالية ففيه نصف العشر " (الفتاوى الهندية:۱/۱۸۶)
(۲) " فلو عجل قبل الزرع لايجوز "(الفتاوى الهندية:۱/۱۸۶)
(۳) " ولو عجل ذو نصاب زكاته لسنين أو لنصب صح " (الدر المختار على هامش رد المحتار :۳/۲۲۰، باب زكاة الغنم) محشی۔

صدقۃ الفطر کے احکام

صدقۃ الفطر کا وجوب

سوال:- {1081} صدقۃ الفطر واجب ہے یا مستحب؟
قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ (نصر عالم، ورنگل)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ کی گلی کوچوں میں اپنے منادی کے ذریعہ اعلان کرایا کہ صدقۃ الفطر ہر مسلمان پر واجب ہے، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، بالغ ہو یا نابالغ، (۱) حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے بھی روایت منقول ہے، (۲) حضرت ثعلبہ ﷺ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے خطبۂ عید الاضحیٰ میں اس کی ہدایت فرمائی، (۳) بلکہ سعید بن مسیبؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کہا کرتے تھے کہ آیت قرآنی

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶، كتاب الزكوة، باب ماجاء في صدقة الفطر۔
(۲) حوالۂ سابق
(۳) بدائع الصنائع :۶۹/۲۔

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾(۱) میں ''تزکیٰ'' سے یہی صدقۃ الفطر مراد ہے۔(۲)
چنانچہ عام فقہاء نے صدقۃ الفطر کو زکوۃ ہی کی طرح فرض قرار دیا ہے، بلکہ ابن قدامہؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے،(۳) البتہ چوں کہ اس کی فرضیت قرآن یا متواتر حدیث سے ثابت نہیں، اس لیے احناف اس کو واجب قرار دیتے ہیں، نہ کہ فرض، (۴) غرض صدقۃ الفطر کے ضروری ہونے پر تمام ہی فقہاء ومحدثین کا اتفاق ہے۔

ادائیگی کا وقت

سوال:- {1082} صدقۃ الفطر کب نکالا جائے؟ اگر عید کے دن نہ نکال پائے تو کیا بعد میں ادا کرنا واجب ہے؟
(حمید اللہ، چنئی)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ عید کے دن نماز کو جانے سے پہلے صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم فرماتے تھے،(۵) اس بات کے مستحب ہونے پر سبھوں کا اتفاق ہے، لیکن صدقۃ الفطر کتنا پہلے نکالا جاسکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک دو سال پہلے ادا کردے تو بھی جائز ہے،(۶) حنابلہ کے یہاں ایک دو روز پہلے اور شوافع کے یہاں رمضان المبارک شروع ہونے کے بعد ادا کیا جاسکتا ہے۔(۷)

---

(۱) الأعلی :۱۴۔
(۲) المغنی :۲/۳۵۱۔
(۳) حوالۂ سابق
(۴) بدائع الصنائع :۲/۶۹۔
(۵) "أن رسول الله ﷺ كان يأمر بإخراج الزكاة قبل الغدو لصلاة يوم الفطر" عن ابن عمر ﷺ (الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۶۷۷، کتاب الزکوۃ)
(۶) عمدۃ القاری :۹/۱۰۸۔
(۷) المغنی :۲/۳۵۸۔

اگر عید کا دن گزر گیا اور صدقۃ ادا نہیں کیا تو صدقہ معاف نہیں ہوا، زندگی میں کبھی بھی ادا کر لے، (۱) البتہ جہاں تک ممکن ہو عجلت کرے۔

فطرہ کن لوگوں پر واجب ہے؟

سوال:- {1083} فطرہ کن لوگوں پر واجب ہے اور کن لوگوں کی طرف سے نکالنا چاہئے؟ کیا دو چار مہینہ کے بچہ کا بھی فطرہ دینا پڑے گا؟ (حافظ محمد نصیر بن سالم، نرمل)

جواب:- عاقل و بالغ مسلمان جو عید الفطر کے دن اپنی بنیادی ضروریات یعنی رہائشی مکان، استعمال کے کپڑے، گاڑی وغیرہ کے علاوہ چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کا مالک ہو، اس پر صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے، (۲) اور اپنے بچوں کی طرف سے بھی، (۳) عید کی صبح جو بچے رہے ہوں ان کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہے، چاہے وہ چند گھنٹے ہی کے کیوں نہ ہوں۔

مالدار ہونے کا معیار

سوال:- {1084} صدقۃ الفطر کن لوگوں پر واجب ہے؟ مالدار ہونے کا معیار کیا ہے؟ کسی کے ذمہ صدقۃ الفطر واجب ہونے کے بعد اگر کسی وجہ سے اس کی جائداد برباد ہو جائے تو کیا اس پر صدقۃ الفطر کا وجوب باقی رہتا ہے؟

(ام النساء پروین، فتح دروازہ، حیدرآباد)

---

(۱) بدائع الصنائع :۲/۶۹۔

(۲) الفتاوی الهندية :۱/۱۹۱۔ محشی۔

(۳) الفتاوی الهندية :۱/۱۹۲۔ محشی۔

جواب:- صدقۃ الفطر واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص مسلمان ہو، البتہ بالغ اور صحیح العقل ہونا ضروری نہیں، نابالغ یا فاتر العقل ہو لیکن صاحب ثروت ہو تو اس کا ولی اس کے پیسوں سے اس کا صدقہ ادا کرے گا، (۱) ہاں مالدار ہو، مالدار ہونے کا معیار کیا ہوگا؟ اس میں فقہاء کی رائیں مختلف ہیں، اکثر فقہاء کا خیال ہے کہ جس کے پاس ایک دن ورات کی خوراک کے علاوہ اتنی مقدار موجود ہو کہ صدقۃ الفطر ادا کر سکے، اسے صدقہ ادا کرنا ہوگا (۲) حنفیہ کی رائے ہے کہ جس کے پاس بنیادی ضروریات (حوائج اصلیہ) رہائشی مکان، سامان خورد ونوش، استعمالی کپڑے کے علاوہ کرایہ کے مکانات، زمین، رکھے ہوئے کپڑے، فاضل اجناس، سونا، چاندی یا رقم اتنی مقدار میں ہو کہ ان کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کو پہنچ جائے تو ان پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا، (۳) اگر بروقت صدقہ ادا نہیں کیا اور بعد کو محتاج ہو گیا تو صدقہ معاف نہیں ہوگا بلکہ اس کے ذمہ باقی رہے گا۔ (۴)

بیوی کا صدقۃ الفطر کون نکالے گا؟

سوال:- {1085} صدقۃ الفطر کن کن لوگوں کی طرف سے نکالنا ضروری ہے؟ یتیم بچوں کا صدقۃ الفطر کس پر واجب ہوتا ہے؟ (آفرین محمود، امیر پیٹ)

جواب:- صدقۂ فطر ان تمام لوگوں کی طرف سے نکالنا ضروری ہے جو آدمی کے زیر پرورش ہوں اور اس پر اس کو پوری ''ولایت'' حاصل ہو، اس میں نابالغ محتاج لڑکے لڑکیاں دونوں داخل ہیں، صحیح العقل بالغ لڑکے، گو محتاج واپاہج ہوں، بے روزگار ہوں، باپ پر ان کا

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۶۹۔
(۲) المغنی: ۲/۳۵۹۔
(۳) الفتاوی الهندية: ۱/۱۹۱۔
(۴) بدائع الصنائع: ۲/۶۹۔

صدقہ نکالنا ضروری نہیں ، یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے اور نواسیوں کا صدقہ بھی دادا، نانا کے ذمہ نہیں ہے،(۱) مگر بعض فقہاء نے باپ نہ ہو تو ان کو صدقۂ فطر ادا کرنے کا ذمہ دار قرار دیا ہے، اس لیے احتیاط ان کی طرف سے بھی صدقہ ادا کرنے میں ہے، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں شوہر کو بیوی کا صدقہ نکالنا چاہیے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیویاں اپنا صدقہ خود نکالیں گی، اس لیے کہ یہ بھی ایک طرح کی زکوۃ ہے اور عورتوں کو خود اپنی زکوۃ ادا کرنی ہوتی ہے،(۲) مگر میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے موجودہ معاشرہ میں معاشی اعتبار سے زوجین جس طرح ایک دوسرے کی املاک میں تصرف کرتے ہیں اس کے تحت عام طور پر دونوں کی جائداد میں کوئی تشخص اور امتیاز نہیں رہتا، اس لیے ان حالات میں شوہروں کو بیویوں کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ادا کر دینا چاہیے۔

صدقۃ الفطر کن پر اور کن کی طرف سے؟

سوال:- {1086} صدقۃ الفطر کن پر واجب ہے اور
کن لوگوں کی طرف سے صدقہ دینا ہے؟ گھر میں جو کام
کرنے والے خادم اور خادمہ ہوتے ہیں، کیا ان کی طرف سے
بھی فطرہ ادا کرنا ہوگا؟　　　(عبدالرشید، سکندرآباد)

جواب:- جن لوگوں کے پاس اپنی بنیادی ضروریات (جس مین قرض بھی داخل ہے) کے علاوہ ۶۱۲/ گرام چاندی، یا اس کی قیمت کا کوئی سامان موجود ہو، ان پر صدقۃ الفطر واجب ہے، زکوۃ اور صدقۃ الفطر میں یہی فرق ہے کہ زکوۃ سونا، چاندی، روپے، مال تجارت اور کچھ مخصوص اموال ہی میں واجب ہوتی ہے، کرایہ کے مکان، کرایہ کی گاڑی میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی، لیکن

---

(۱) بدائع الصنائع :۲/۷۰-۷۱۔
(۲) المغنی :۳/۵۹-۶۰۔

صدقۃ الفطر واجب ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں، رہائشی مکان کے علاوہ مکان، استعمالی گاڑی کے علاوہ گاڑی، ضرورت سے زیادہ ملبوسات اور ظروف وغیرہ اموال میں زکوۃ نہیں ہیں، لیکن اگر یہ ۶۱۲/گرام چاندی کی قیمت کو پہونچ جائے تو صدقۃ الفطر واجب ہو جائے گا:

"تجب ... على كل حر مسلم ... ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية كدينه وحوائج عياله ، وإن لم ينم " (۱)

صدقۃ الفطر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے، اگر بچے بالغ ہوں، لیکن فاتر العقل ہوں، تو ان کی طرف سے بھی فطرہ ادا کرنا واجب ہے، اگر بچے خود صاحبِ ثروت ہوں، تو ولی خود ان کے مال میں سے فطرہ ادا کرسکتا ہے، اور اگر وہ خود صاحبِ ثروت نہ ہوں تو ولی اپنے مال میں سے ادا کرے گا، بیوی اور بالغ صحیح العقل اولاد کی طرف سے فطرہ ادا کردے تو استحساناً ادا ہو جائے گا: " ولو أدى عنهما بلا إذن اجزأ استحسانا"(۲)

زرخرید غلام جو خدمت کے لئے لیا جائے، اس کی جانب سے فطرہ ادا کرنا واجب ہے، موجودہ زمانہ میں جو خدام کام کرتے ہیں وہ غلام نہیں، بلکہ اجیر ومزدور ہیں، اس لئے ان کی طرف سے فطرہ ادا کرنا واجب نہیں، تاہم اگر احتیاطاً ادا کر ہی دیا جائے تو کچھ حرج نہیں، بلکہ باعث اجر ہے۔

واجب ہونے کا وقت

سوال:- {1087} صدقۃ الفطر واجب ہونے کا وقت کیا ہے؟ اگر بچہ عید الفطر کی رات پیدا ہو یا کسی کا اسی رات

---

(۱) رد المحتار :۳/۳۱۲۔

(۲) الدر المختار علی هامش الرد :۳/۳۱۷۔

انتقال ہو جائے تو صدقۃ الفطر واجب ہونے اور نہ ہونے میں کیا تفصیل ہے؟　　(عبدالعزیز، سکندرآباد)

جواب:- صدقۃ الفطر واجب ہونے کے وقت میں بھی اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عید الفطر کی صبح صادق کے وقت جو موجود ہے اس کا صدقہ واجب ہوگا، رات میں بچہ پیدا ہو تو صدقۃ الفطر ادا کرے گا، رات میں انتقال ہو گیا تو اس کی طرف سے صدقہ ادا نہیں کرے گا، امام شافعیؒ نے اس کے لیے رمضان المبارک کی آخری تاریخ کے غروب آفتاب کے وقت کو معیار بنایا ہے، جو بچے اس وقت موجود رہے ہوں، ان کا صدقہ واجب ہے، اگر شب میں کسی کا انتقال ہو جائے تو ان کا صدقہ نکالا جائے، اور جو بچے رات میں پیدا ہوں، اس عید میں ان کا صدقۃ الفطر نہیں۔(۱)

صدقۃ الفطر کی مقدار

سوال:- {1088} اگر صدقۃ الفطر غلہ و اناج کے ذریعہ نکالنا ہو تو اس کی مقدار کیا ہونی چاہئے؟ اس سلسلہ میں کوئی اصول ہو تو اس کی طرف بھی رہنمائی فرمائیں۔

(محمد سعادت، سعیدآباد)

جواب:- کھجور، کشمش، جو یا گیہوں کے علاوہ کسی اور خوردنی شیٔ کے ذریعہ صدقۃ الفطر نکالا جائے تو ایک ''صاع'' نکالنا ہوگا، حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ تھے تو ہم ایک صاع غلہ کے ذریعہ صدقۃ الفطر نکالا کرتے تھے، (۲) اس حدیث

---

(۱) ملخصاً: بدائع الصنائع: ۲/۷۴۔

(۲) "كنا نخرج زكوة الفطر إذا كان فينا رسول الله ﷺ صاعا من طعام ألخ" عن أبي سعيد الخدري ؓ، (الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۶۷۳، كتاب الزكوة، باب ماجاء في صدقة الفطر) محشی۔

میں جو عموم ہے اس کے تحت مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا خیال ہے کہ گیہوں سے بھی ایک صاع صدقۃ الفطر ادا کیا جائے گا، (۱) حنفیہ کی رائے ہے کہ گیہوں نصف صاع اور دوسری اشیاء ایک صاع نکالی جائیں گی، اس لیے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو ؓ کی روایت میں ''دو مد'' گیہوں کو صدقہ قرار دیا گیا ہے، (۲) اور دو مد کا ماپ آدھا صاع ہوتا ہے، امام طحاویؒ نے بھی اسی مضمون کی حدیث ثعلبہ ؓ سے نقل کی اور مختلف صحابہ ؓ اور تابعینؒ کے آثار بھی اسی کے مطابق نقل کیے ہیں، (۳) البتہ کھجور، کشمش، اور جو یا پنیر (جن کا حدیث میں ذکر ملتا ہے) کے علاوہ جن اشیاء کے ذریعہ صدقہ نکالنا ہو، ان میں نصف صاع گیہوں کی قیمت کا لحاظ رکھا جائے، اور وہی قیمت یا اسی قیمت کا سامان صدقہ کیا جائے، (۴) گیہوں کے آٹا اور ستو میں بھی صدقہ کی مقدار نصف صاع ہے۔ (۵)

فطرہ کی مقدار —— حنفی اور شافعی نقطۂ نظر

سوال:- {1089} صدقۃ الفطر کی کیا مقدار ہے؟ مہربانی کر کے احناف کے ساتھ ساتھ شوافع کی رائے بھی بیان فرمائیں، کیونکہ حیدر آباد میں بہت سے لوگ شوافع مسلک کے بھی ہیں۔　　(سالم بن علی، کنگ کوٹھی)

جواب:- حنفیہ کے نزدیک صدقۃ الفطر کی مقدار رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مروجہ اوزان کے اعتبار سے نصف صاع گیہوں ہے، نصف صاع گیہوں کی مقدار قدیم اوزان کے

(۱) بدائع الصنائع :۲/۷۲۔
(۲) حوالۂ سابق
(۳) شرح معاني الآثار ، باب مقدار صدقة الفطر :۱/۳۵۳-۳۵۲۔مرتب۔
(۴) الفتاوى الهندية:۱/۱۹۱۔
(۵) الدر المختار على هامش رد: ۲/۷۶۔

اعتبار سے مفتی محمد شفیعؒ نے ۱۳۶/تولہ ۶/ماشہ بتائی ہے،(۱) میں نے بعض ماہرین ریاضی وزیور فروش تاجروں سے ربط قائم کیا تو ان حضرات نے جدید مروجہ اوزان میں اس کی مقدار کچھ ملی گرام کم ایک کیلو پانچ سونوے گرام بتائیں، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ حنفیہ کی رائے پر ایک کیلو پانچ سونوے گرام گیہوں، یا اس کی قیمت صدقۃ الفطر کے طور پر واجب ہے، شوافع کے نزدیک صدقۃ الفطر ایک صاع واجب ہے، اور ان کے نزدیک حجازی اوزان کے لحاظ سے صاع کی مقدار معتبر ہے، جدید اوزان میں یہ مقدار دو کیلو سات سو اکاون گرام ہوتی ہے،(۲) اور یہ بات ذہن میں رہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو گیہوں یا اس کی قیمت دونوں دیے جاسکتے ہیں، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک گیہوں ہی دینا واجب ہے، اس کی قیمت کا ادا کرنا کافی نہیں۔

گیہوں سے اوسط درجہ کا گیہوں مراد ہوتا ہے، جسے آدمی خود استعمال کرتا ہو، اور گیہوں کی قیمت میں کھلے بازار کی قیمت معتبر ہوگی، راشنگ قیمت کا اعتبار نہیں۔

فطرہ کی مقدار موجودہ اوزان میں

سوال:- {1090} صدقۃ الفطر کی صحیح مقدار موجودہ اوزان میں کیا ہے؟ اس سلسلہ میں تحقیقی جواب اور علماء ہند کی آراء مطلوب ہے۔ (محمد عامر، ٹولی چوکی)

جواب:- ''صاع'' کی فقہاء نے دو قسمیں ذکر کی ہیں، عراقی اور حجازی، صاع عراقی ۸/رطل اور حجازی ۱/۳-۵ رطل کا ہوتا ہے، احناف کے یہاں ''صاع عراقی'' اور مالکیہ کے یہاں ''صاع حجازی'' کا اعتبار ہے،(۳) گرچہ اختلاف بہت سی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے، مگر درحقیقت کوئی اختلاف نہیں اصل میں عراقی اور حجازی میں خود رطل کی مقدار میں فرق

(۱) جواہر الفقہ:۱/۴۲۸۔

(۲) دیکھئے:الفقہ الإسلامی و أدلتہ:۲/۹۱۱۔

(۳) رحمۃ الأمۃ:ص:۱۱۰۔

ہے، حجاز میں رطل ۳۰ / استار کا ہوتا ہے، اور عراق میں ۲۰ / استار کا ہوتا ہے، علامہ شامیؒ کا بیان ہے کہ اس لحاظ سے ان دونوں پیمانوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا (۱) پس صحیح یہی ہے کہ محض تعبیر کا فرق ہے، کوئی حقیقی فرق نہیں۔

علامہ شامیؒ نے درہم، مثقال، استار، اور مد کے ذریعہ صاع کی جو مقدار ہونی چاہئے، اس کی تعیین فرمائی ہے، (۲) درہم کے اعتبار سے ایک صاع کی مقدار ایک ہزار چالیس درہم ہوتی ہے، (۳) درہم کی مقدار متعین کرنے میں علماء ہند کے درمیان جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس کا ذکر اس سے پہلے چاندی اور سونے کے نصاب میں کیا جا چکا ہے، مولانا مونگیری، مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ وغیرہ جن لوگوں نے چار جو کو ایک رتی مانا ہے، ان کے نزدیک صدقۃ الفطر کی مقدار یعنی آدھا صاع ۹۴ / تولہ ۹ / ماشہ اور ۳۴ رتی قرار پاتا ہے۔ (۴)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مثقال اور درہم کے لحاظ سے صاع کی تعیین کی ہے، مثقال کے اعتبار سے نصف صاع ایک سو پینتیس (۱۳۵) تولہ اور درہم کے لحاظ سے ایک سو چھتیس (۱۳۶) تولہ چھ ماشہ ہوتا ہے، (۵) اس طرح درہم کے لحاظ سے صدقۃ الفطر کے لیے گیہوں کی مقدار اسی تولہ کے سیر سے ڈیڑھ سیر تین چھٹانگ ڈیڑھ تولہ ہوتی ہے، (۶) لیکن جیسا کہ نصاب زکوۃ کے سلسلہ میں گذر چکا ہے، یہ یا کسی حساب کو اس سلسلہ میں قطعی اور آخری قرار دینا صحیح نہ ہوگا، موجودہ دور کے علماء میں مفتی رشید احمدؒ صاحب نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "بسط الباع" کے نام سے لکھا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، مفتی صاحب کی

---

(۱) رد المحتار : ۲/۷۶۔

(۲) حوالہ سابق

(۳) حوالہ سابق

(۴) تحفۃ الصوفیۃ : ص : ۴۴۔

(۵) جواہر الفقہ : ۱/۴۲۶۔

(۶) حوالۂ سابق : ۱/۴۲۷۔

تحقیق کے مطابق صاع کی مقدار مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی مقدار سے زیادہ ہوتی ہے، یعنی ایک سو بانوے (۱۹۲) تولے سے بھی کچھ زیادہ، اس طرح نصف صاع کی مقدار جدید اوزان میں اس طرح ہوتی ہے۔

مولانا فرنگی محلیؒ	۹۴ر تولہ ۹ر ماشہ ۴ر رتی	:۱۰۶،۱ کلوگرام(۱)
مفتی محمد شفیع صاحبؒ	۱۳۶ر تولہ ۶ر ماشہ(۲)	:۵۹۰،۱ کلوگرام(۳)
مفتی رشید احمد صاحب	۱۹۲ر تولہ سے زیادہ	:۲،۲۵ کلوگرام(۴)

ہندوستان کے اکثر ارباب افتاء کی رائے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے سے قریب ہے۔(۴)

صدقۃ الفطر نماز عید کے پہلے یا بعد؟

سوال:-{1091} عید کی نماز سے پہلے فطرہ دینا افضل ہے یا نماز کے بعد؟ (سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- فطرہ کا مقصد اپنے غریب بھائیوں کو عید کی خوشی میں شریک کرنا ہے، یہ مقصد اس وقت حاصل ہوسکتا ہے، جب عید سے پہلے بلکہ رمضان المبارک ہی میں فطرہ ادا کردیا جائے، اس لئے نہ صرف نماز عید بلکہ عید کے دن سے بھی پہلے صدقۃ الفطر ادا کردینا افضل ہے،

---

(۱) تحفة الصوفية :ص:۴۴۔

(۲) جواہر الفقہ :۱/ ۴۲۸، رسالہ ''اوزان شرعیہ''

(۳) راقم الحروف نے متعدد ماہرین ریاضی وزیور فروش تاجروں سے ربط قائم کیا، ان حضرات نے ۵۸۹-۷۰۰،۵ر اگرام بتایا، میں نے کسر کو پورا کر کے کل پانچ سو گرام لکھا ہے۔

(۴) احسن الفتاویٰ:۴/ ۴۰۶۔

(۵) ملاحظہ ہو: فتاویٰ دار العلوم :۶/ ۳۲۴، (مفتی عزیز الرحمن عثمانی)، فتاویٰ رضویہ:۴/ ۴۹۴، (مولانا احمد رضا خاں صاحب) کفایت المفتی :۴/ ۲۹۲، (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ)

اگر پہلے ادا نہ کر سکا ہو، تب بھی ذمہ میں واجب رہتا ہے، عید کے بعد ادا کر دینا ضروری ہے، البتہ ایسی صورت میں اجر کم ہوگا۔(۱)

عید اور رمضان المبارک سے پہلے صدقۃ الفطر

سوال:- {1092} کیا صدقۃ الفطر عید کے دن سے پہلے ہی دے سکتے ہیں، اور رمضان المبارک سے پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے؟　　(خواجہ معین الدین، پھول باغ)

جواب:- عید کے دن سے پہلے صدقۃ الفطر کی ادائیگی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس ﷺ (۲) اور بخاری میں حضرت ابن عمر ﷺ کی روایت (۳) اس سلسلہ میں صراحۃً موجود ہے، اس لئے اس پر تو اتفاق ہے کہ رمضان کے اندر صدقۃ الفطر ادا کیا جا سکتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ رمضان المبارک سے پہلے ہی صدقۃ الفطر ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ حنفیہ سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں، لیکن راجح یہ ہے کہ رمضان المبارک سے پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے۔

تاہم رمضان شروع ہونے کے بعد ادا کرنا بہتر ہے، تا کہ متفقہ طور پر صدقۃ الفطر ادا ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) بدائع الصنائع:۲/۱۹۹۔ محشی۔

(۲) "فرض رسول الله ﷺ زكوة الفطر طهرة للصيام من اللغو و الرفث و طعمة للمساكين من أداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة ، و من أداها بعد الصلاة فهي صدقة من الصدقات" عن ابن عباس ﷺ (سنن أبو داؤد ، حدیث نمبر:۱۶۰۹، باب زكوة الفطر) نیز حدیث نمبر:۱۵۰۹، باب في تعجيل الزكوة ، أبواب الزكوة، عن علي ﷺ ۔ محشی۔

(۳) صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۱۵۰۳، باب الصدقة قبل العيد ، أبواب صدقة الفطر ۔ محشی۔

عید کے بعد صدقۃ الفطر

سوال:- {1093} زید کہتا ہے کہ عید کا دن گزرنے کے بعد عید کی نماز نہیں پڑھی جا سکتی، اسی طرح صدقۃ الفطر کا مقصد عید میں غریب مسلمانوں کو سہولت پہونچانا ہے، اس لئے عید کا دن گزرنے کے بعد اب صدقۃ الفطر واجب نہیں رہا، اور فطرہ ادا نہیں ہوگا۔ (حمید الدین، نلگنڈہ)

جواب:- زید کا یہ دعوی غلط ہے، صدقۃ الفطر مالدار مسلمانوں پر واجب ہے، اور اس کا مقصد غریبوں کی مدد کرنا ہے اور رمضان المبارک کو پانے کا شکر ادا کرنا ہے، جب تک اسے ادا نہ کر دیا جائے وہ اس کے ذمہ دَین رہے گا، خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے نماز عید سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کر دیا، تو صدقہ مقبول ہے، اور جس نے نماز عید کے بعد ادا کیا، تو یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔

" ومن أداها بعد الصلاة فهي صدقة من الصدقات " (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے بعد بھی صدقۂ فطر واجب ہی رہتا ہے، ادا کئے بغیر ساقط نہیں ہوتا، ہاں! عید سے پہلے صدقہ کرنے میں اجر زیادہ ہے اور عید کے بعد کم۔

چاول سے صدقۃ الفطر

سوال:- {1094} اگر گیہوں کے بجائے چاول سے فطرہ ادا کرنا چاہیں تو ادا کر سکتے ہیں، اور کتنی مقدار ادا کرنا

(۱) سنن أبي داؤد، عن ابن عباس ؓ، حدیث نمبر:۱۶۰۹۔ باب زکوۃ الفطر۔

ہوگا؟ کیا گیہوں ہی کی مقدار میں؟

(حشمت اللہ خاں، نور خاں بازار)

جواب:- چاول سے بھی صدقۂ فطر ادا کیا جا سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے صدقۃ الفطر میں کچھ خاص چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، جن میں ایک گیہوں بھی ہے، آپ ﷺ نے جن چیزوں کا ذکر فرمایا، وہی صدقۃ الفطر کے لئے معیار ہیں، لہذا فطرہ کے بقدر گیہوں میں جتنا چاول آ سکتا ہے، اتنا چاول نکالنا واجب ہوگا، فقہاء نے یہی لکھا ہے:

"وجواز ما ليس بمنصوص عليه لا يكون إلا بالقيمة" (۱)

اس حقیر کی رائے میں فی زمانہ پیسے یا کسی اور چیز کے بجائے گیہوں ہی سے صدقہ ادا کرنا بہتر ہے، کیونکہ جن خوردنی اشیاء کو رسول اللہ ﷺ نے صدقۃ الفطر کے لئے معیار بنایا ہے، ان کی قیمتوں میں فی زمانہ بہت تفاوت ہوگیا ہے، چنانچہ جو رقم یا چاول گیہوں کے نصاب کے مطابق ہوگا وہی کھجور اور کشمش کے نصاب کے مقابل کافی کم ہوگا، اس طرح ایک نصاب کی رعایت ہو جائے گی، اور دوسرے نصاب کے لحاظ سے صدقۃ الفطر پورا ادا نہیں ہو پائے گا، لہذا بعینہ گیہوں دیدینا بہتر ہے، تاکہ فطرہ کی ادائیگی میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

❁ ❁❁ ❁❁ ❁❁ ❁

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۷۳۔

صدقۂ فطر کے مصارف

مصارفِ صدقہ

سوال:- {1095} صدقۃ الفطر کے مصارف کیا ہیں؟
کیا صدقۃ الفطر میں بھی اجتماعی طور پر ادا کرنے کا حکم ہے؟
(مبین الحق، جے پور)

جواب:- جن لوگوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے ان ہی کو صدقہ الفطر بھی دیا جاسکتا ہے،(۱) فرق صرف اتنا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں غیر مسلم (ذمی) کو بھی صدقہ الفطر ادا کیا جاسکتا ہے، دوسرے فقہاء کے ہاں نہیں دے سکتے (۲) صدقۃ الفطر میں بھی تملیک یعنی مالک بنادینا ضروری ہے، ایسی تمام صورتیں کہ جن میں مالک بنانے کی صورت نہ پائی جاتی ہو صدقہ دینا اسی طرح درست نہ ہوگا، جیسے کہ زکوۃ، (۳) کم سے کم ایک آدمی کا صدقۃ الفطر ایک آدمی کو دینا چاہئے،

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۹۴۔
(۲) المغنی: ۲/۳۶۵۔
(۳) بدائع الصنائع: ۲/۷۴۔

ایک صدقہ دو محتاجوں پر تقسیم کر دیا جائے، یہ بہتر نہیں، ہاں! ایک محتاج شخص کو ایک سے زیادہ صدقہ دیا جاسکتا ہے۔(۱)

صدقۃ الفطر کی وصولی کے لیے بہتر ہے کہ مختلف علاقوں میں اجتماعی نظام قائم کیا جائے، ضرورت مندوں کا سروے کر کے ان تک پہنچایا جائے، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے چند روایات نقل کی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوائل اسلام میں بھی ایسا نظم ہوا کرتا تھا، مؤطا امام محمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ

"دو تین دنوں پہلے وہ صدقۃ الفطر اس شخص کے پاس بھیج دیتے جو اس کو جمع کیا کرتے"(۲)

ابن خزیمہ نے بھی نقل کیا ہے کہ ابن عمرؓ جب عامل بیٹھتا، تو اس کے پاس صدقۃ الفطر جمع کرا دیتے اور یہ عامل عید سے ایک دو دن قبل بیٹھتا، (۳) علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو صدقہ جمع کرنے پر مامور فرما دیا تھا، (۴) پس معلوم ہوا کہ خود امیر تو اس کے لیے اپنے عامل نہ بھیجے گا، لیکن لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنا فطرہ بیت المال میں یا کسی اور نظم کے تحت اجتماعی طور پر جمع کریں۔

کہاں صرف کیا جائے؟

سوال:- {1096} صدقۃ الفطر جس شہر میں نکالا

(۱) رد المحتار :۲/۷۸، بعض فقہاء نے اس بات کو واجب اور صدقہ ادا کرنے کے لیے شرط قرار دیا ہے کہ ایک محتاج کو کم سے کم ایک مکمل صدقہ دیا جائے، (دیکھئے: الفتاوی الھندیۃ :۱/۱۹۳) اس لیے اس پر عمل کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۲) المؤطأ لإمام محمد: ص:۱۸۰، باب زکاۃ الفطر۔ محشی۔

(۳) ملاحظہ ہو: کتاب العشر و الزکوۃ: ص:۲۳۰-۲۲۲۔

(۴) رد المحتار :۲/۷۹۔

جائے، کیا اسی شہر میں خرچ بھی کیا جانا چاہئے؟

(عبدالحمید، محبوب نگر)

جواب:- جس کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالنا ہو، وہ جہاں اور جس شہر میں ہو وہیں صدقہ دینا بہتر ہے، اگر ایک شخص خود دور ہو، اور بال بچے گھر پر رہتے ہوں تو بچوں کا صدقہ وہاں ادا کرے جہاں وہ ہیں، اور اپنا صدقۃ وہاں کے فقراء پر صرف کرے جہاں وہ خود مقیم ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ایسی بھی منقول ہے کہ وہ قرابت داروں تک صدقہ پہنچانے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر صدقہ کی منتقلی میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ (۱)

ملازمین اور غیر مسلموں کو صدقۃ الفطر

سوال:- {1097} صدقۃ الفطر کن لوگوں کو دیا جاسکتا ہے؟ کیا گھر میں کام کاج کرنے والے ملازمین کو بھی فطرہ دیا جاسکتا ہے؟ جب کہ بعض اوقات غیر مسلم ملازمین بھی ہوتے ہیں۔

(شیخ احمد، گولکنڈہ)

جواب:- جن لوگوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، ان کو صدقۃ الفطر بھی دیا جاسکتا ہے، گھر میں کام کرنے والے خادم اور خادمائیں اگر اپنے فقر و احتیاج کے اعتبار سے مستحق ہوں تو ان کو بھی فطرہ دیا جاسکتا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ اس میں زیادہ اجر ہو، زکوۃ اور صدقۃ الفطر کے مصرف میں صرف یہ فرق ہے کہ زکوۃ مسلمانوں ہی کو دی جاسکتی ہے، غیر مسلم کو نہیں، اور صدقۃ الفطر غیر مسلم کو بھی دیا جاسکتا ہے۔

"وصدقة الفطر كالزكوة في المصارف و في كل حال إلا في جواز الدفع إلى الذمي" (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع :۲/۷۵۔

(۲) الدر المختار علی هامش الرد:۳/۳۲۵۔

ایک فطرہ کئی آدمیوں پر؟

سوال:- {1098} ایک شخص کے لئے اپنا پورا فطرہ ایک ہی آدمی کو ادا کرنا واجب ہے، یا ایک فطرہ کئی لوگوں پر بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے؟　　(محمد شرف الدین، اکبر باغ)

جواب:- ایک آدمی اپنا مکمل فطرہ ایک ضرورت مند شخص کو دیدے، یہ صورت بالاتفاق درست ہے، ایک آدمی اپنا صدقۃ الفطر ایک سے زیادہ لوگوں پر تقسیم کردے، اس سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض فقہاء نے اس کو نادرست قرار دیا ہے، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک یہ صورت بھی درست ہے، علامہ حصکفیؒ نے اس کو اکثر علماء کی رائے قرار دیا ہے، اور اسی کو ترجیح دی ہے، (۱) لیکن احتیاط بہر حال اسی میں ہے کہ ضرورت مند کو کم سے کم پورا ایک فطرہ دیا جائے، تاکہ وہ دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچ سکے، یہ اس حدیث کے بھی مطابق ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ "أغنو هم عن طواف هذا اليوم" (۲) "فقراء کو اس دن مختلف دروازے جانے سے بچاؤ" اور یہ صورت متفق علیہ بھی ہے۔

چند ضروری مسائل

سوال:- {1099} (الف) جو لوگ روزہ نہیں رکھ پائیں، کیا ان پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے؟

(ب) اگر پورا مال ضائع ہو گیا، تو صدقہ کا کیا حکم ہے؟

(ج) کیا اولاد کی طرح والدین اور نابالغ بھائی بہن کا بھی صدقہ نکالنا چاہئے؟

---

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار :۳/۳۲۳۔ محشی۔
(۲) بيهقي :۴/۲۹۲۔ محشی۔

(د) اگر کوئی شخص صدقۃ الفطر نہیں نکال پایا، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(ہ) فطرہ گیہوں سے نکالنا بہتر ہے یا قیمت سے؟ اور قیمت میں کس جگہ کا اعتبار ہوگا؟ (حامد علی، دہلی)

جواب:- (الف) بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ جو لوگ روزہ رکھیں انہیں پر صدقۃ الفطر واجب ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، صدقہ مستقل واجب ہے، عذر کی وجہ سے یا بلا عذر کوئی شخص روزہ نہ رکھ پائے، پھر بھی اس کو صدقہ ادا کرنا ہے۔(۱)

(ب) اگر کسی انسان کا پورا مال ضائع ہو جائے تو زکوۃ واجب نہیں رہتی، مگر صدقہ واجب رہتا ہے۔(۲)

(ج) ماں باپ اور نابالغ بھائی بہنوں کا صدقہ نکالنا ضروری نہیں، گو وہ اس کے زیر پرورش ہوں، نکال دے تو اجر ہے۔(۳)

(د) کوئی شخص صدقہ نہ نکال پایا تو اس کی وصیت کرنی چاہئے، وصیت کر دے تو متروکہ کے ایک تہائی سے وصیت پوری کی جائے گی، وصیت نہ کی تو بھی ورثہ کا صدقہ نکال دینا بہتر ہے۔(۴)

(ہ) صدقۃ الفطر گیہوں کے ذریعہ نکالنا زیادہ بہتر ہے،(۵) قیمت کے ذریعہ فطرہ ادا کیا جائے تو جہاں ادا کر رہا ہے وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔(۶)

---

(۱) رد المحتار :۲/۷۴۔
(۲) بدائع الصنائع :۲/۷۵۔
(۳) الفتاوی الهندية:۱/۱۹۳۔
(۴) حوالۂ سابق
(۵) حوالۂ سابق
(۶) رد المحتار :۲/۷۸ ۔

بعض حضرات نے قیمت ادا کرنے کو افضل بتایا ہے، بعض نے عام حالات اور زمانۂ قحط میں فرق کیا ہے، بعض نے خود گیہوں ادا کرنے کو، میں نے اس کو اس لیے ترجیح دیا ہے کہ اس میں حدیث پر بعینہٖ عمل بھی ہے اور اس میں احتیاط بھی ہے، قیمت گیہوں کے لحاظ سے لگائی جائے تو کھجور کے لحاظ سے نامکمل رہ جاتی ہے۔

کتاب الفتاوی

تیسرا حصہ

کتاب الصوم

روزہ سے متعلق سوالات

رؤیت ہلال

کیا دہلی کی رؤیت حیدرآباد کے لیے معتبر ہوگی؟

سوال:- {1100} دہلی میں چاند نظر آنے پر کیا سارے ہندوستان میں عید الفطر نہیں منائی جا سکتی؟ ہر سال رؤیت کی کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوا کرتی ہے، ایسے میں حیدرآباد کی رؤیت ہلال کمیٹی کو کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟

(قاری، ایم، ایس خان، ملک پیٹ)

جواب:- آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد رؤیت ہلال کے موضوع پر علماء کی مختلف کانفرنسیں ہو چکی ہیں، اور قریب قریب ان سب کا فیصلہ یہی ہے کہ پورے ہندوستان کا مطلع ایک ہے اس لئے دہلی کی رؤیت حیدرآباد میں معتبر ہے، اور میری ذاتی رائے میں اگر دہلی میں شرعی طریقہ پر رؤیت ہلال کا ثبوت مل جاتا ہے، تو حیدرآباد کی رؤیت ہلال کمیٹی کو اسے قبول کرنا چاہئے، لیکن عام مسلمانوں کو چاہئے اپنی مقامی رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان پر عمل کریں، تاکہ انتشار کی صورت نہ پیدا ہو، اور دوسروں کو ہم پر مذاق اڑانے کا موقع نہ ملے، شرعی حکم بھی یہی

ہے، کیونکہ رؤیت ہلال کمیٹی کا جو دائرہ ہے، اس میں کمیٹی کا فیصلہ ہر شخص کے لئے واجب العمل ہے، اور اعلان سلطان کے درجہ میں ہے، اور ان حدود سے باہر کے لوگوں کے لئے محض ایک خبر اور اطلاع ہے، لہذا دہلی کی رؤیت ہلال کمیٹی کا اعلان حیدرآباد کے مسلمانوں کے لئے محض خبر ہے، اور مقامی رؤیت ہلال کمیٹی کا اعلان سلطان کے درجہ میں ہے، بہر حال ہر قیمت پر انتشار سے بچنا چاہئے، اور لوگوں کو شریعت پر ہنسنے کا موقع فراہم نہ کرنا چاہئے۔

فون اور ٹی وی سے رؤیت ہلال کی خبر

سوال:- {1101} بعض علماء کی جانب سے ٹیلیفون اور ٹی وی کی خبروں کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے، اور بعض نے ایسی خبروں کو رؤیت ہلال میں معتبر مانا ہے، تو کیا ٹیلیفون کے ذریعہ خبر معتبر نہیں؟ جبکہ آج کل ٹیلیفون پر نکاح بھی ہوتا ہے، تو کیا ٹیلیفون پر نکاح کا ایجاب وقبول درست ہے؟

(اقبال احمد، کوہیر)

جواب:- اگر مطلع صاف ہو خواہ مسئلہ عید کے چاند کا ہو یا رمضان کا، رؤیت ثابت ہونے کے لئے خبر مستفیض یعنی اتنے لوگوں کی خبر مطلوب ہے کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر متفق ہو جانا ناقابل تصور ہو، اور اگر مطلع ابر آلود ہو، اور مسئلہ رمضان کے چاند کا ہو تو ایک معتبر آدمی کی خبر چاند کے ثبوت کے لئے کافی ہے، گویا ان دونوں صورتوں میں چاند ثابت ہونے کا مدار خبر پر ہے، اگر مطلع ابر آلود ہو، اور مسئلہ عید کے چاند کا ہو تو دو آدمی کی گواہی سے چاند کی رؤیت ثابت ہوتی ہے، چاند کے ثبوت کے لئے حنفیہ کے یہاں یہ بنیادی اصول ہیں، نیز فقہاء کے یہاں یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ گواہی اسی وقت معتبر ہوگی جب کہ گواہ قاضی یا ذمہ دار کے سامنے گواہی دے، لیکن خبر کے معتبر ہونے کے لئے خبر دہندہ کا سامنے ہونا ضروری نہیں۔

رؤیت ہلال کی پہلی دونوں صورتوں میں چونکہ خبر مطلوب ہے، اور خبر غائبانہ بھی دی جاسکتی ہے، اس لئے اگر ان صورتوں میں ٹیلیفون پر خبر دی جائے اور اطمینان ہو جائے کہ خبر دہندہ اپنا جو تعارف کرا رہا ہے، وہ صحیح ہے، اور یہ شخص معتبر ہے تو ٹیلیفون کی ایسی خبروں کو قبول کیا جاسکتا ہے، تیسری صورت جس میں گواہی مطلوب ہے، اگر چاند دیکھنے والا خود فون پر گواہی دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو اس کا اعتبار نہیں، کیونکہ گواہی کے معتبر ہونے کے لئے قاضی یا ذمہ دار کی مجلس میں حاضر ہو کر گواہی دینا ضروری ہے، البتہ اگر کوئی مقامی ذمہ دار گواہان کے بیان کو سن کر اور ان کے بیان سے مطمئن ہو کر مرکزی ذمہ دار ادارہ کو فون پر اطلاع کرے تو یہ صورت جائز اور معتبر ہوگی، کیونکہ یہ فون پر گواہی نہیں بلکہ جو بات گواہوں کے بیانات سے ثابت ہو چکی ہے، اس کے بارے میں اطلاع دینا ہے۔

ٹی وی کی مبہم خبر جو کسی ذمہ دار شخصیت یا ادارہ کی طرف سے منسوب نہ ہو، جیسے کہا جائے کہ دلی اور پٹنہ میں چاند دیکھا گیا تو اس کا اعتبار نہیں، لیکن اگر کسی ذمہ دار ادارہ یا شخصیت کے حوالہ سے اعلان کیا جائے، تو اس کی حیثیت سلطان کے اعلان کی ہے، جو لوگ اس علاقہ کے ہوں، ان کے لئے اس اعلان پر عمل کرنا واجب ہے، جیسے حیدرآباد کا اعلان آندھرا پردیش کے لئے، لکھنو کا اتر پردیش اور پٹنہ کا بہار والوں کے لئے، دوسرے علاقہ کے لوگوں کے لئے اس کی حیثیت محض ایک خبر کی ہے، اگر وہاں کے ذمہ دار اس کو قبول کرلیں تو اس علاقہ کے عام مسلمانوں کے لئے بھی اس پر عمل کرنا واجب ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

ٹیلیفون پر ایجاب وقبول درست نہیں، اس لئے کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہونا ضروری ہے، البتہ یہ جائز ہے کہ ٹیلیفون پر کسی کو نکاح کا وکیل بنا دیا جائے اور وہ اس کی جانب سے دوسرے فریق کے ساتھ ایجاب وقبول کرلے، جیسے: رشید، عشرت سے کہے کہ چونکہ میرے دوست عبدالحمید نے مجھے وکیل بنایا ہے کہ میں پانچ تولہ مہر کے عوض اس کا نکاح تم سے کر دوں، اس لئے میں اس کی طرف سے نکاح کی پیشکش کرتا ہوں، عشرت خود یا اس کا وکیل یا اس کا ولی

اس نکاح کو قبول کرلے، نکاح منعقد ہو جائے گا، یہ فون پر ایجاب وقبول نہیں، بلکہ فون پر نکاح کا وکیل بنانا ہے۔

مطلع ایک ہونے کے باوجود چاند کا کہیں دیکھا جانا اور کہیں نہ دیکھا جانا

سوال:- {1102} اس سال شمالی ہند کے اکثر مقامات پر چاند دیکھا گیا، اور جنوبی ہند کی پوری پٹی میں چاند نظر نہیں آیا، حالانکہ آزادی سے پہلے بھی اور آزادی کے بعد بھی علماء ہند اس بات کا متفقہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ پورے ہندوستان بلکہ موجودہ پاکستان اور بنگلہ دیش کا بھی مطلع ایک ہی ہے، اس کے باوجود ایسا کیوں ہوا کہ ایک علاقہ میں رؤیت ہوئی اور دوسرے علاقے میں نہیں، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ان دونوں علاقوں کا مطلع الگ الگ ہے؟

(سید اشرف قادری، بیدر)

جواب:- فلکیاتی اعتبار سے چاند کا نظر آنا دو باتوں سے متعلق ہے، اول یہ کہ چاند کی پیدائش پر اتنے گھنٹے گزر چکے ہوں کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے دیکھنے کے لائق ہو جائے، مہینے کی آخری تاریخوں میں جب چاند نظر نہیں آتا، اس کے بعد چاند کے طلوع ہونے کو فلکیات کی اصطلاح میں چاند کی پیدائش کہتے ہیں، اور چاند کے قابلِ دید ہونے کو''بالغ'' ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا چاند نظر آنے کے لئے پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ چاند اپنی پیدائش کے بعد بلوغ کو پہنچ جائے، دوسری چیز جس سے چاند کے نظر آنے کا تعلق ہے وہ سورج کا ڈوبنا اور اس کی کرنوں کا چھپ جانا ہے، چاند فلکیاتی اعتبار سے بالغ ہو گیا، لیکن سورج ابھی غروب نہیں ہوا ہے،

تو چاند نظر نہیں آسکتا۔

اب فرض کیجئے کہ چاند اپنی پیدائش کے بعد شام کے پانچ بجے قابلِ دید ہوتا ہے، اور پانچ بج کر پچاس منٹ تک افق پر رہتا ہے، تو جتنے علاقوں کا مطلع ایک ہے وہاں پر چاند دیکھا جاسکے گا، لیکن سورج غروب ہونے کے وقت کے اعتبار سے کہیں زیادہ دیر تک نظر آئے گا، اور کہیں بہت مختصر وقت کے لئے، مثلاً: فرض کیجئے کہ دہلی میں اس روز آفتاب پانچ بجے ڈوبتا ہو، تو وہاں پچاس منٹ چاند دیکھا جاسکے گا، اور حیدرآباد میں اس روز پانچ پیتالیس پر سورج ڈوبتا ہو، تو پانچ ہی منٹ چاند نظر آئے گا، عام طور پر لوگ افطار کر کے بلکہ اکثر اوقات نماز مغرب ادا کر کے چاند دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس میں بیس پچیس منٹ کا وقت لگ جاتا ہے، تو اگر حیدرآباد میں اس دن سورج اور چاند کے ڈوبنے کے درمیان پانچ ہی منٹ کا وقفہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ اس دن چاند طلوع ہونے کے باوجود لوگ اس دن نہ دیکھ پائیں، پس جن علاقوں کا مطلع ایک ہو، وہاں چاند تو ایک ہی مطلع پر ہوتا ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ کہیں کافی دیر تک نظر آئے اور کہیں لمحہ دو لمحہ میں ڈوب جائے، اس لئے وہاں چاند دیکھا نہ جاسکے۔

❂ ❂ ❂ ❂ ❂

روزہ کے مفسدات و مکروہات

روزہ دار کے حلق میں دھواں

سوال:- {1103} روزہ دار حضرات قرآن مجید کی تلاوت کریں اور تلاوت کے دوران اگربتی جلائیں اور دھواں منہ اور ناک میں جائے، تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔　　(عبدالمحسن، ٹولی چوکی)

جواب:- اگربتی کا دھواں منہ یا ناک میں نہیں لیا جائے، بلکہ دور رکھا جائے اور بلا ارادہ دھواں منہ یا ناک میں داخل ہو جائے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر قصداً دھواں لیا جائے، ناک سے کھینچا جائے، جیسا کہ عود وغیرہ کی دھونی لی جاتی ہے، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔(۱)

(۱) " دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان و لو ذاكرًا استحسانًا لعدم امكان التحرز عنه ، و مفاده أنه لو ادخل حلقه الدخان أفطر أى دخان كان و لو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لامكان التحرز عنه " (الدر المختار على هامش رد المحتار : ۳۶۶/۳) محشی۔

عورت کا اپنی اندام نہانی میں روئی کا پھاہا رکھنا

سوال:- {1104} اگر عورت کے جسم کے اندرونی حصہ میں روئی کے پھاہے کے ساتھ کوئی دوا افطار کے بعد رکھی جائے اور روزہ کی حالت میں وہ برقرار رہے، تو کیا روزہ درست ہوجائے گا۔ (شائستہ جبیں، جگتیال)

جواب:- اگر روزہ کی حالت میں دوا رکھی جائے، تب تو روزہ ٹوٹ جائے گا، فقہاء کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے، (۱) لیکن اگر پہلے سے دوا رکھی گئی ہو اور روزہ کی حالت میں باقی رہے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص رات کے وقت غذا یا دوا کھائے اور روزہ شروع ہونے کے بعد بھی وہ معدہ میں موجود رہے۔

روزہ کی حالت میں دانت سے خون نکل آئے

سوال:- {1105} مجھے اکثر وضو میں کلی کرتے وقت دانت سے خون نکلتا ہے، اگر روزہ کی حالت میں بھی اسی طرح خون نکلے، تو روزہ رہے گا، یا ٹوٹ جائے گا؟

(محمد واحد، آصف نگر)

جواب:- روزہ کسی چیز کے جسم میں داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے نہ کہ کسی چیز کے خارج ہونے سے، لہذا خون نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، رسول اللہ ﷺ سے روزہ کی حالت میں پچھنا لگوانا ثابت ہے، (۲) ''پچھنا'' سے مراد یہ ہے کہ نشتر لگا کر نلکی کے ذریعہ جسم سے فاسد خون کھینچ

---

(۱) " الاقطار في اقبال النساء يفسد بلا خلاف و هو الصحيح " (الفتاوى الهندية:۱/۲۰۴، نیز دیکھئے: الدر المختار على هامش رد المحتار :۳/۳۶۹) محشی۔

(۲) " أن النبي ﷺ احتجم و هو محرم و احتجم و هو صائم " عن ابن عباس ﷺ، (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۱۹۳۸،باب الحجامة و القيئ للصائم) محشی۔

لیا جاتا تھا، البتہ اگر دانت سے نکلنے والا خون حلق سے نیچے چلا جائے، تو اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر خون کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر ذائقہ محسوس نہ ہو لیکن خون اور تھوک برابر ہو یا خون غالب ہو جب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر تھوک غالب ہو خون کی مقدار کم ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، مشہور فقیہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

" أما إذا وصل فإن غلب الدم أو تساويا فسد ، وإلا لا ، إلا إذا وجد طعمه "(۱)

روزہ میں ٹی وی دیکھنا

سوال:- {1106} رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں وقت گذارنے کے لئے ٹی وی دیکھنے کا کیا حکم ہے؟ (حکیم واسع موہانی، حیدرآباد)

جواب:- رمضان کا مقصد اصل میں تقویٰ کی تربیت ہے، یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوگی جب انسان کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے رکنے کے علاوہ زبان، کان اور نگاہ کی بھی گناہوں سے حفاظت کرے، اسی لئے آپ ﷺ نے خاص طور پر روزہ کی حالت میں غیبت اور جھوٹ وغیرہ سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے، (۲) ٹی وی میں ایک تو تصویریں آتی ہیں، اور تصویروں کی حدیثوں میں سخت ممانعت آئی ہے، (۳) دوسرے فحش مناظر بکثرت آیا کرتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان کا دیکھنا سخت گناہ ہے، اس لئے یوں تو عام حالات میں بھی ٹی وی دیکھنے سے اجتناب کرنا واجب ہے، لیکن روزہ کی حالت میں اس کا خصوصی اہتمام کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) الدر المختار على هامش الرد :۳/۳٦٨۔

(۲) سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۲۳٦۲، محشی۔

(۳) " قال النبي ﷺ : لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب و لا تصاوير " عن أبي طلحة ؓ ، (صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۵۹۴۹،باب التصاوير ، نیز دیکھئے:سنن نسائي :۲/۳۰۰)محشی۔

روزہ میں منی خارج ہوجائے

سوال:- {1107} اگر روزہ کی حالت میں مذی اور منی خارج ہوجائے تو کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

(معین احمد، مغلپورہ)

جواب:- محض مذی کے نکلنے سے (جو بوس و کنار کے موقعہ پر پیش آتا ہے) روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح اگر محض دیکھنے یا برے خیالات کے ہجوم کی وجہ سے انزال ہوجائے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا:

"أو انزل بنظر إلى فرج امراة لم يفسد أو فكر و إن ادام النظر والفكر حتى انزل" (۱)

روزہ کی حالت میں ناخن کاٹے یا خون نکل آئے؟

سوال:- {1108} بعض لوگ کہتے ہیں کہ روزے کی حالت میں ناخن نہیں نکالنا چاہئے، اور یہ کہ جسم کے کسی حصہ پر زخم لگنے سے خون نکل آئے تو اس سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے۔

(محمد کلیم الدین موسی، رام باغ)

جواب:- روزہ کی حالت میں ناخن نکالنے میں کچھ حرج نہیں، ہاں جس شخص پر غسل واجب ہو اس کو غسل کرنے سے پہلے ناخن یا بال کاٹنا مکروہ ہے، (۲) روزہ کی حالت میں اگر چوٹ لگ جائے، اور خون نکل آئے تو اس سے روزہ میں کراہت نہیں آتی۔

---

(۱) طحطاوی: ص:۳۶۱۔

(۲) "حلق الشعر حالة الجنابة مكروه و كذا قص الأظافير" (الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۸، الباب التاسع عشر في الختان و الخصاء و قلم الأظفار ألخ، كتاب الكراهية) محشی۔

روزہ کی حالت میں بال، ناخن کاٹنا اور مسواک وسرمہ کا استعمال

سوال:- {1109} کیا روزہ کی حالت میں بال کٹوانا، ناخن کاٹنا، سرمہ لگانا، مسواک کرنا درست ہے، یا اس سے روزہ مکروہ ہوتا ہے؟ (باسط عظیم صدیقی، ظہیر آباد)

جواب:- ایسے افعال جن کا اثر جسم کے ظاہری سطح تک محدود رہتا ہے، روزہ پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا، بال کٹوانا، اور ناخن کاٹنا ایسی صورتوں ہی میں داخل ہے، مسواک کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روزہ دار کسی بھی وقت مسواک کرسکتا ہے، (۱) حضرت عامر بن ربیعہ ﷺ سے مروی ہے کہ میں نے روزہ کی حالت میں بے شمار دفعہ رسول اللہ ﷺ کو مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (۲)

البتہ ائمہ اربعہ میں امام شافعیؒ کے نزدیک زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے، کیونکہ روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالی کو پسند ہے اور مسواک سے یہ بدبو دور ہوجاتی ہے، (۳) امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو سے وہ بو مراد ہے جو معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، نہ کہ وہ بو جو دانتوں کے صاف نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہے، خواہ کتنا بھی مسواک کیا جائے خلو معدہ کی وجہ سے پیدا ہونے والی بو بہر حال باقی رہے گی اور یہی بو بارگاہ ربانی میں مُشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

---

(۱) " لا بأس بالسواك الرطب و اليابس في الغداة و العشي عندنا " (الفتاوى الهندية:۱/۱۹۹، الباب الثالث فيما يكره للصائم و ما لا يكره) محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۳۶۴۔ محشی۔

(۳) كتاب الفقه :۱/۵۱۹۔ محشی۔

روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا بھی حدیث سے ثابت ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"ایک صاحب خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری آنکھ میں تکلیف ہے، کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں" (۱)

اسی لئے احناف اور اکثر فقہاء کے نزدیک روز کی حالت میں سرمہ لگانا درست ہے۔

روزہ میں کن باتوں سے پرہیز ضروری ہے؟

سوال:- {1110} روزہ میں کن کن باتوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- روزہ میں تین طرح کی باتوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے:

اول: یہ کہ جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے: کھانا پینا، بیوی سے ہمبستری وغیرہ۔

دوسرے: ان چیزوں سے بچنا چاہئے جن سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں، لیکن روزہ کی حالت میں ان کا کرنا مکروہ ہے، جیسے: کھانے کی چیز کا صرف ذائقہ چکھنا، اسے صرف چبا کر پھینک دینا، بیوی کے ساتھ ایسا عمل کرنا کہ بے قابو ہو جانے کا اندیشہ ہو، منہ میں خاص طور سے تھوک جمع کرنا اور پھر اسے نگل جانا، ایسے افعال کا مرتکب ہونا کہ جس سے بہت زیادہ کمزوری ہو جاتی ہے اور اندیشہ ہے کہ تاب نہ لا کر روزہ توڑ دے گا۔ (۲)

تیسرے وہ باتیں جو روزہ میں آداب کے درجہ میں ہیں، اگر ان کا لحاظ نہ کیا جائے تو

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۷۲۶۔

(۲) طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۷۱۔

قانونی اعتبار سے تو روزہ ہو جائے گا، لیکن اندیشہ ہے کہ اللہ تعالی کے یہاں روزہ مقبول نہ ہو، اور اس پر اجر وثواب حاصل نہ ہو سکے، جیسے: روزہ کی حالت میں جھوٹ بولنا، یا غیبت کرنا وغیرہ کہ اس سے جھوٹ اور غیبت کا گناہ تو ہوگا ہی، اندیشہ ہے کہ روزہ بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہو۔

روزہ کی نیت

سوال:- {1111} ماہ رمضان میں علماء اور عوام روزہ کی نیت اس طرح کرتے ہیں: ''نویت أن أصوم غدا لِلّٰہ تعالی من صوم رمضان'' حالانکہ یہ نیت اسی دن کے روزہ کی ہوتی ہے، نہ کہ اگلے دن کے روزہ کی، کیا نیت کے یہ الفاظ حدیث سے ثابت ہیں؟ اگر نہیں تو حدیث سے جو الفاظ ثابت ہوں وہ تحریر کریں۔

(سید حسین بن عثمان جیلانی، نواب صاحب کنٹہ)

جواب:- نیت دل کے ارادہ کا نام ہے نہ کہ زبان سے کہے ہوئے الفاظ کا، زبان سے مزید اطمینان اور ذہن کے استحضار کے لئے نیت کے الفاظ کہے جاتے ہیں، مثلاً: روزہ رکھنے کے ارادہ سے سحری کھانا خود نیت ہے، نیت کے الفاظ قرآن یا حدیث میں منقول نہیں ہیں، رہ گئی یہ بات کہ ''غدا'' کے معنی کل کے ہیں، جب کہ قمری تاریخ غروب آفتاب سے بدلتی ہے، اور اس اعتبار سے صبح میں رکھا جانے والا روزہ ''آج'' ہی کا روزہ ہے، نیز بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صبح کے بعد نیت کی، تو عربی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے ''یوم'' (آج) کے بجائے ''غدا'' (کل) کا لفظ لوگ استعمال کرتے ہیں، تو اس سے نیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ عرف میں صبح کے طلوع ہونے سے آج اور کل کی تعبیر بدلتی ہے، اس لئے رات میں یہ کہنا کہ میں کل کے روزہ کی نیت کرتا ہوں، اسی صبح کے بارے میں نیت ہے، نیز نیت تو آج ہی روزہ رکھنے کی ہو، لیکن

ناواقفیت کی وجہ سے لفظ " غــــدًا " (کل) کا استعمال کر لے تو اس سے بھی روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ اعتبار دل کے ارادہ کا ہے، اگر زبان سے الفاظ غلط بول دیئے جائیں پھر بھی نیت ہی کا اعتبار ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص ظہر کے ارادہ سے نماز پڑھ رہا ہے، لیکن غلطی سے زبان سے عصر کی نماز کی نیت کا اظہار کر لے تو یہ ظہر ہی کی نیت سمجھی جائے گی، نہ کہ عصر کی۔

روزہ میں مسواک اور سرمہ وغیرہ

سوال:- {1112} مجھے پہلے دہے میں رمضان المبارک میں ناندیڑ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں مسجد میں ماہ صیام کی تقویم کی تقسیم عمل میں آئی، جو ناندیڑ ہی کے ایک مدرسہ کی شائع کی ہوئی ہے، اس تقویم میں لکھا ہے کہ ان چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا : مسواک کرنا، سرمہ لگانا، آنکھ میں دوا ڈالنا، بھول کر کھانا پینا اور جماع کرنا، مجھے بڑی تشویش ہے کہ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ (ایم، اے، حسینی، صلالہ اسکول، بارکس)

جواب:- آپ نے جو بات پڑھی ہے وہ درست ہے، مسواک چاہے خشک ہو یا تر، اور صبح میں کی جائے یا دوپہر میں، کوئی حرج نہیں:

" لا بأس بالسواك الرطب واليابس والغداة والعشي عندنا" (۱)

سرمہ لگانا بھی بلا کراہت جائز ہے، (۲) روزہ کی حالت میں اس کا جائز ہونا حدیث سے بھی ثابت ہے، (۳) احناف کے نزدیک روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالی جائے تو

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۹۹۔
(۲) حوالۂ سابق۔ نیز دیکھئے:الهداية:۱/۹۷،كتاب الفقه:۱/۵۱۷۔محشی۔
(۳) الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۷۲۲۔محشی۔

روزہ نہیں ٹوٹتا، (۱) بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، (۲) حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ بھول کر کھانا پینا روزہ کے لئے باعث فساد نہیں۔ (۳)

روزہ کی حالت میں بوس وکنار

سوال:- {1113} کیا روزہ کی حالت میں کوئی شخص اپنی شریک حیات سے بوس وکنار کرسکتا ہے؟

(امین اسلام، دبیر پورہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے روزہ کی حالت میں ازواج مطہرات کا بوسہ لینا ثابت ہے (۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے روزہ کی حالت میں بیوی کے ساتھ چمٹنے کے بارے میں سوال کیا، تو آپ ﷺ نے اسے اجازت دیدی، دوسرے صاحب آئے انہوں نے بھی یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان کو منع فرمادیا، جن صاحب کو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی وہ سن رسیدہ آدمی تھے، اور جن کو منع فرمایا وہ جوان تھے" (۵)

اس بنیاد پر فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کے بارے میں مطمئن ہو کہ وہ بوس وکنار ہی پر قانع رہ سکتا ہے، تو اس کے لئے روزہ کی حالت میں اس کی گنجائش ہے، اور جس شخص کو

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۲۰۳۔
(۲) حوالۂ سابق: ۱/۲۰۲۔
(۳) البحر الرائق: ۲/۴۸۳۔ محشی۔
(۴) مسند أحمد بن حنبل: ۶/۱۳، ۲۳۴۔ محشی۔
(۵) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۳۸۷۔ محشی۔

اس کے بارے میں اطمینان نہ ہو، اس کے لئے روزہ کی حالت میں بوس و کنار مکروہ ہے:

"كره قبلة ومس ومعانقة ... إن لم يأمن المفسد وإن أمن لا بأس" (۱)

عام طور پر سن رسیدہ حضرات کے بارے میں امید ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ پر قابو رکھ سکیں گے، اور نوجوان کے بارے میں روزہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا مناسب ہے۔

روزہ میں قئے

سوال:- {1114} اگر روزہ کی حالت میں قئے یا منہ بھر کر پانی آجائے، تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

(سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- اگر بلا ارادہ از خود منہ بھر کر قے آجائے، یا پانی آجائے جو قے ہی کی ایک صورت ہے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر انسان قصداً قے کو نگل جائے، یا جان بوجھ کر قے کرے اور وہ منہ بھر ہو، تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (۲)

روزہ میں انجکشن اور گلوکوز

سوال:- {1115} کیا روزہ کی حالت میں انجکشن لیا جاسکتا ہے؟ اور گلوکوز چڑھایا جاسکتا ہے: جبکہ انجکشن اور گلوکوز کا اثر انسان کے معدہ تک بھی پہونچتا ہے؟ (علاء الدین، تانڈور)

جواب:- اصل میں قرآن وحدیث میں جس چیز سے روزہ کی حالت میں منع کیا گیا

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۶۹۔ محشی۔

(۲) دیکھئے: الفتاوی الهندیة: ۱/۲۰۴۔

ہے وہ کھانا اور پینا ہے، جب انسان کوئی چیز کھاتا، پیتا ہے تو حلق کے فطری راستہ سے یہ چیز انسان کے معدہ تک پہونچتی ہے، فقہاء نے بطور احتیاط کھانے اور پینے پر ایسی تمام صورتوں کو قیاس کیا ہے، جس میں کوئی چیز انسان کے پیٹ یا دماغ تک براہ راست پہونچائی جائے، اسی لئے ایسے زخم جو پیٹ اور سر میں ہوں، اور معدہ اور دماغ تک زخم کے ذریعہ راستہ بن گیا ہو، ان میں دوا ڈالنے کو روزہ ٹوٹ جانے کا باعث قرار دیا گیا، کیونکہ اس طرح دوا براہ راست دماغ اور معدہ تک پہنچ جاتی ہے، ایسے زخم کو ''آمۃ ''اور'' جائفہ '' کہتے ہیں۔(۱)

اب غور کیجئے تو انجکشن اور گلوکوز کے ذریعہ معدے تک کوئی چیز براہ راست نہیں پہنچتی، بلکہ دوائیں رگوں میں پہونچتی ہیں، اور رگوں کے ذریعہ پورے جسم میں پھیل جاتی ہیں، اسی لئے انجکشن اور گلوکوز کو دوا کھانا یا پینا نہیں کہا جاتا، اس لئے انجکشن اور گلوکوز کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، روزہ اصل شئی کے پہنچنے سے ٹوٹتا ہے، نہ کہ کسی شئی کا اثر پہنچنے کی وجہ سے، غور کیجئے کہ پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جائیگا، لیکن روزے کی حالت میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کیا جائے، یا حلق خشک ہو رہا ہو، تھوک تک نہیں آرہا ہو، اور تراوٹ پیدا کرنے کے لئے کلی کی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ حلق میں پانی نہیں پہنچا ہے، بلکہ پانی کا اثر پہنچا ہے۔

البتہ میرا خیال ہے کہ جس شخص کو بیماری کی وجہ سے گلوکوز چڑھانا ضروری نہ ہو، محض تقویت کے لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا ایک درجہ کی کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ روزہ کا رکن اپنے آپ کو غذا سے محروم رکھنا ہے، اور گلوکوز چونکہ غذا کی ضرورت ہی کو پورا کرتا ہے، اس لئے گلوکوز چڑھانا گویا جسم کی غذائی ضرورت کو پورا کردیتا ہے، اس لئے محض تقویت کے لئے روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانے سے بچنا چاہئے۔

روزہ میں تیل، سرمہ اور خوشبو

سوال:- {1116} (الف) کیا روزہ کی حالت میں

---

(۱) الهداية :۱/۲۰۰ ـ محشی۔

سر پر تیل لگا سکتے ہیں؟

(ب) کیا خوشبو اور سرمہ لگا سکتے ہیں؟

(ج) کیا روزہ کی حالت میں غسل کر سکتے ہیں؟

(محمد نصیر خاں، بیگم پیٹ)

جواب:- (الف) روزہ ایسی چیزوں سے ٹوٹتا ہے جو فطری راستہ سے جسم کے اندر پہونچتی ہوں، تیل اولاً تو دماغ کے اندر نہیں جاتا اور اگر اس کا کچھ اثر جاتا ہو تو وہ بالوں کے مسامات کے ذریعہ کھوپڑی کی ہڈیوں تک پہونچتا ہے، اس لئے روزہ کی حالت میں سر میں یا جسم میں تیل لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) خوشبو سونگھنے میں بعینہ خوشبودار چیز جسم کے اندر داخل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لطیف اثرات جسم میں داخل ہوتے ہیں، اس لئے اس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے روزہ داروں کی میزبانی کا طریقہ یہی بتایا ہے کہ انہیں خوشبو پیش کی جائے،(۱) روزہ کی حالت میں سرمہ لگانے کی اجازت بھی حدیث سے ثابت ہے،(۲) اس لئے سرمہ لگانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(ج) روزہ کی حالت میں زوال سے پہلے بھی اور زوال کے بعد بھی غسل کیا جا سکتا ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ اور اکثر فقہاء کی رائے ہے، اور حدیث سے بھی ثابت ہے۔(۳)

روزہ میں دمہ کے مریض کا انہیلر استعمال کرنا

سوال:- {1117} زید کی عمر ۶۷ برس ہے، دمہ کا

(۱) " تحفة الصائم الزائر أن تغلف لحيته ، و تجمر ثيابه و يذرر ، و تحفة المرأة الصائمة أن تمشط رأسها و تجمر ثيابها و تذرر" (سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۴/۲۷۴، حدیث نمبر: ۱۷۸۹) محشی۔

(۲) الجامع الترمذي ، حدیث نمبر: ۷۲۲۔ محشی۔

(۳) بدائع الصنائع : ۲/۲۷۰۔ محشی۔

شدید مریض ہے، دن میں تین مرتبہ انہیلر لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، رمضان المبارک کی آمد سے پہلے بہت کوشش کی کہ دن میں دو مرتبہ پر اکتفا کروں، لیکن بجائے فائدہ کے نقصان ہو گیا، اور ڈاکٹر نے کہا کہ آپ دو کے بجائے چار دفعہ لیا کریں، ایسی حالت میں میرے لئے روزہ کا کیا حکم ہے؟

(محمد عزیز الدین، حسینی علم)

ایک شخص کو دمہ کی شکایت ہے، انہیلر دینے سے پھیپھڑوں کو سکون ملتا ہے، گیس اندر جاکر پھیپھڑوں کو کھولتی ہے، ہر دو گھنٹہ پر انہیلر لینا پڑتا ہے، یہ ناک کے ذریعہ بھی لی جاسکتی ہے، تو کیا روزہ کی حالت میں انہیلر لیا جاسکتا ہے؟

(عبداللہ صدیقی، مقام غیر مذکور)

جواب:- انہیلر کے ذریعہ دواء کے اجزاء حلق کے نیچے پہونچتے ہیں، یا یہ گیس میں تبدیل ہو کر حلق سے نیچے جاتی ہے، اس سلسلہ میں مجھے کما حقہ تحقیق نہیں ہے، اور بعض ڈاکٹروں سے گفتگو پر بھی یہ بات واضح نہیں ہو سکی، اس لئے راقم الحروف یہ رائے دیا کرتا ہے کہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لیا جائے، کہ اپنی طاقت وصلاحیت کے مطابق حکم خداوندی کی اطاعت ہو جائے، اور جو لوگ صاحب استطاعت ہوں وہ فدیہ بھی ادا کردیں، کہ اگر روزہ کافی نہ ہو، تو فدیہ سے اس کمی کی تلافی ہو جائے، جیسے منھ کے راستہ سے کسی چیز کا حلق سے نیچے پہونچانا روزہ کو توڑ دیتا ہے، اسی طرح ناک کے ذریعہ بھی کسی چیز کا پہونچانا روزہ کے لئے مفسد ہے، اس لئے انہیلر کی دونوں صورتوں کا حکم ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم

روزہ میں انہیلر اور انجکشن

سوال:- {1118} میں دمہ کا مریض ہوں، کیا روزہ

کی حالت میں انہیلر کا استعمال کر سکتے ہیں، اور کیا انجکشن لے سکتے ہیں؟ انہیلر منہ میں رکھ کر دبانے سے دوا گیس کے طور پر راست پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہے، اور چند لمحوں میں آرام ہو جاتا ہے۔ (شیخ عابد علی، کوہیر)

جواب:- روزہ کی حالت میں ایسا انجکشن لینے میں کوئی حرج نہیں جس کی دوا براہِ راست معدہ میں نہیں پہونچتی، بلکہ رگوں یا گوشت کے واسطہ سے جسم کے اندر داخل ہوتی ہے، انہیلر کے بارے میں مجھے جہاں تک علم ہے اس میں دوا سیال صورت میں موجود ہوتی ہے، حلق میں اس دوا کا ذائقہ بھی محسوس ہوتا ہے، ممکن ہے کہ پھیپھڑے میں پہنچ کر وہ گیس بن جاتی ہے، فقہاء کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت روزہ کو فاسد کر دیتی ہے، البتہ مجھے اس مسئلہ میں کسی قدر تامل ہے، اس لئے کہ حلق میں ایک نالی نظام تنفس سے متعلق ہے، اور دوسری غذائی نالی ہے، جس سے انسان کھاتا پیتا ہے، تو اگر انہیلر کا اثر تنفس کی نالی سے متعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص انہیلر لئے بغیر دن بھر نہیں رہ سکتا ہو، تو وہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً ہر روزہ کا فدیہ بھی ادا کرتا جائے، ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔ واللہ اعلم۔

روزہ میں دھواں لینا

سوال:- {1119} روزہ کی حالت میں اگربتی، عود، لوبان اور عود کا دھواں لے سکتے ہیں یا نہیں؟ (ایم، ایس خان جیلانی بانو، رائچور)
حیدرآباد،

جواب:- روزہ کی حالت میں قصداً اگربتی وغیرہ کا دھواں لینا درست نہیں، اور اگربتی کا بالارادہ دھواں لے اور حلق میں چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا:

"حتى لو تبخر بخورا فاواه إلى نفسه و شمه ذاكرًا الصوم افطر" (۱)

روزہ کی حالت میں زنڈوبام

سوال:- {1120} روزہ کی حالت میں زنڈوبام یا اس طرح کی دوسری دوائیں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ ایسی دواؤں کا اثر بظاہر دماغ تک پہونچتا ہے۔

(شبیر احمد حقی، عنبر پیٹ)

جواب:- روزہ اسی وقت ٹوٹتا ہے، جب کوئی چیز بعینہ فطری منفس کے ذریعہ پیٹ یا دماغ تک پہونچے، اگر کوئی چیز مسامات بدن کے ذریعہ جسم میں داخل ہو، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

"وما يدخل في مسامات البدن من الدهن لا يفطر" (۲)

نیز اگر اصلی شئ کے بجائے صرف اس کا اثر جسم کے اندر پہونچے، تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، بام وغیرہ لگانے سے جسم کے اندر صرف اس کا اثر پہونچتا ہے، نہ کہ اصلی شئ، نیز وہ بھی جسم کے مسامات کے ذریعہ اندر جاتا ہے، اس لئے اس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

روزہ میں احتلام

سوال:- {1121} روزہ دار کو نیند کی حالت میں احتلام ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ (محمد خان، سعید آباد)

---

(۱) ردالمحتار :۳۶۶/۲۔

(۲) الفتاوى الهندية:۲۰۳/۱۔

جواب:- احتلام میں چونکہ آدمی کے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہے، اس لئے احتلام کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا "... أو احتلم ... فلم یفطر "(۱)

کیا گیس سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

سوال:- {1122} کھانا پکانے کے درمیان بعض اوقات سلینڈر سے گیس خارج ہوتی ہے، اور غیر اختیاری طور پر آدمی کی ناک تک پہونچتی ہے، اس کے علاوہ کیمسٹری کی تعلیم میں بعض اوقات مختلف گیسوں کو سونگھنا پڑتا ہے، یہ تعلیم و تحقیق کا ایک حصہ ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سونگھنا بالارادہ ہے، تو کیا اس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟ (محمد رضی حیدر، دلسکھ نگر)

جواب:- غیر ارادی طور پر جو بو آدمی تک پہونچ جائے، اس سے تو روزہ ٹوٹنے کا سوال ہی نہیں، اس لئے روزہ تو اختیاری افعال سے ٹوٹتا ہے، نیز قصداً گیس کو سونگھنے کی وجہ سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، رسول اللہ ﷺ نے خوشبو سے روزہ دار کی ضیافت کرنے کی تلقین فرمائی ہے، (۲) جس میں ظاہر ہے کہ روزہ دار کا سونگھنا پایا جاتا ہے، فقہاء نے بھی روزہ میں خوشبو سونگھنے کی اجازت دی ہے، (۳) اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ واللہ اعلم۔

روزہ کی حالت میں کان میں پانی چلا جائے؟

سوال:- {1123} روزہ دار غسل کر رہا تھا کہ کان میں

---

(۱) الدر المختار مع الرد:۲/۳۶۶۔

(۲) دیکھئے: سلسة الأحاديث الضعيفة :۴/۲۷۴۔ حدیث نمبر:۱۷۸۹۔ محشی۔

(۳) "إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه ، لا يفسد صومه" (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية :۱/۲۰۸) محشی۔

پانی چلا گیا، تو کیا اس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

(محمد فیض الدین، ٹانڈور)

جواب:- اگر کان میں بلا اختیار پانی چلا جائے، تب تو بالاتفاق اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر کوئی شخص جان بوجھ کر پانی ڈال لے، تب بھی راجح اور صحیح قول یہی ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ کان میں پانی کا ڈالنا ایسی چیز نہیں، جس سے بدن کی صلاح اور اس کا نفع متعلق ہو، بلکہ یہ نقصان دہ ہے، اور غیر فطری راستہ سے ایسی ہی چیز کے داخل ہونے سے روزہ ٹوٹتا ہے جس سے جسم کا صلاح متعلق ہو، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

" و لو اقطر فی أذنه الماء لا یفسد صومه كذا فی الهداية و هو الصحيح " (۱)

روزہ میں ہونٹ پر سرخی لگانا

سوال:- {1124} خواتین زیبائش کے لئے ہونٹ پر سرخی لگایا کرتی ہیں، کیا روزہ کی حالت میں اس کا لگانا درست ہوگا؟ (شاکرہ نسرین، نظام آباد)

جواب:- اگر سرخی ہونٹ تک پانی کے پہونچنے میں رکاوٹ نہ ہو، تو روزہ کی حالت میں بھی اس کا لگانا جائز ہے، کیونکہ ہونٹ جسم کا خارجی حصہ ہے، ہاں اگر منہ کے اندر چلے جانے کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے۔

اگر مسوڑھوں کا خون پیٹ میں چلا جائے؟

سوال:- {1125} میرے مسوڑھوں سے اپنے آپ

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۲۰۴۔

بھی خون نکلنے لگتا ہے، اور اگر غفلت یا نیند کی حالت ہو تو تھوک کے ساتھ پیٹ میں بھی چلا جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا؟ (سعید الرحمان، شولا پور)

جواب:- خون اگر حلق میں نہیں گیا، اور اس سے پہلے آپ نے تھوک دیا، یا کلی کر لی، تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ حلق سے نیچے کسی چیز کا جانا ناقض صوم ہے، اگر خون حلق سے نیچے چلا گیا، لیکن تھوک غالب اور خون مغلوب تھا، یعنی تھوک کی مقدار زیادہ اور خون کی مقدار کم تھی، تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ وہ تھوک ہی کے حکم میں ہے، اگر خون کی مقدار زیادہ تھی اور تھوک کی کم، اور یہ حلق سے نیچے چلا گیا، تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، بعد میں اس کی قضاء کر لینی چاہئے، البتہ مشہور فقیہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر مسوڑھوں سے خون نکلنے کی کیفیت ایسی ہو کہ اس کے حلق میں جانے سے اجتناب بظاہر ممکن نہ ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ کسی شخص کو قے آئی اور بلا ارادہ لوٹ گئی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

"إلا أن يفرق بعدم إمكان الحترز عنه فيكون كالقئي الذي عاد بنفسه" (۱)

روزہ کی حالت میں دانت نکلوانا

سوال:- {1126} جو شخص دانت کی تکلیف میں مبتلا ہو، اس کے لئے روزہ کی حالت میں کیا دانت نکالنے کی اجازت ہوگی، اور دانت نکالے تو روزہ باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ (ڈاکٹر سعید الرحمان، شولا پور)

جواب:- روزہ کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا تعلق ایسی چیزوں سے ہے، جو حلق کے نیچے پہونچتی ہو، دانت چونکہ حلق سے اوپر ہے، اس لئے بذات خود دانت نکالنے میں کچھ حرج نہیں،

---

(۱) ردالمحتار :۳/۳۶۸۔

لیکن عام طور پر دانت نکالتے ہوئے، مسوڑھوں سے کافی خون آتا ہے، اور یہ بھی امکان رہتا ہے کہ خون حلق سے نیچے چلا جائے، اور ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لئے اگر شدید مجبوری نہ ہو، تو بہتر ہے کہ رمضان میں دانت نہ نکلوائے، شدید عذر کے بغیر رمضان میں دانت نکلوانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ روزہ کے فاسد ہونے کا سبب بن سکتا ہے، اور جو باتیں روزہ کے ٹوٹنے کا باعث بن سکتی ہیں، وہ کم سے کم کراہت سے خالی نہیں۔

لفافہ کا گوند تھوک سے تر کرنا

سوال:- {1127} پوسٹل لفافوں میں، ہلکی گوند لگی رہتی ہے، لوگ اسے تھوک سے تر کر کے، چپکایا کرتے ہیں، کیا اس طرح چپکانا درست ہے؟ (محمد مبین، گلبرگہ)

جواب:- روزہ کی حالت میں گوند کو اپنی زبان سے تر کرنا کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ اگر گوند کے اجزاء حلق سے نیچے چلے گئے، تب تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر اس کے اجزاء حلق سے نیچے نہیں گئے، تب بھی کم سے کم چکھنے کی کیفیت پائی گئی، جو مکروہ ہے، ہاں اگر انگلی میں تھوک لے کر اس سے گوند کو تر کر لے، تو کوئی حرج نہیں۔

روزہ کی حالت میں خون دینا

سوال:- {1128} اگر روزہ کی حالت میں مریض کے لئے یا خود اپنے ٹسٹ کے لئے خون دیا جائے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟ (عبدالمجید، ناندیڑ)

جواب:- روزہ ایسی چیزوں سے ٹوٹتا ہے جو جسم میں داخل ہو، نہ کہ ایسی چیزوں سے جو جسم سے خارج ہو، اس سے صرف قے کی صورت مستثنیٰ ہے، جس کی بعض صورتیں ناقض صوم ہیں، اس لئے خون دینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، رسول اللہ ﷺ سے خود روزہ کی حالت میں فصد

لگوانا ثابت ہے،(۱) فصد ایک طبی عمل تھا، جس کے ذریعہ جسم کا فاسد خون باہر نکالا جاتا تھا، اس لئے خون دینے میں کچھ حرج نہیں خواہ ٹسٹ کے لئے، یا کسی مریض کے لئے، البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ خون دینے کی وجہ سے روزہ کو قائم نہیں رکھ سکے گا، اور اضطرار و مجبوری کی حالت نہ ہو، تو خون دینا مکروہ ہے، اسی احتیاط کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے روزہ کی حالت میں فصد لگوانے کو پسند نہیں فرمایا، (۲) اس لئے کہ تمام لوگوں میں اس کی قوت برداشت نہیں ہوتی، اور خطرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے روزہ کو قائم نہیں رکھ سکیں۔

روزہ میں ٹوتھ پیسٹ

سوال:- {1129} افطار کرنے سے پانچ منٹ پہلے کیا ہم پیسٹ سے منہ دھو سکتے ہیں؟

(جیلانی بانو، رائچور)

جواب:- پیسٹ میں ذائقہ ہوتا ہے، اور روزہ کی حالت میں کسی بھی چیز کے ذائقہ کو چکھنا مکروہ ہے، اس لئے روزہ کی حالت میں پیسٹ کرنے سے بچنا چاہئے، یہ کراہت سے خالی نہیں۔ "کره ذوق شيئ و مضغه بلا عذر"(۳)

کھارے پانی سے کلّی

سوال:- {1130} روزے کی حالت میں اگر کھارے

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۹۳۸، صحيح مسلم، حدیث نمبر:۱۱۰۶، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۳۷۲۔ محشی۔

(۱) "سئل أنس بن مالك ﷺ أكنتم تكرهون الحجامة للصائم؟ قال: لا إلا من أجل الضعف" (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۹۴۰، باب الحجامة و القيئ للصائم) محشی

(۳) البحر الرائق :۲/۲۷۹۔

پانی سے وضو یا کلی کی جائے، تو کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے،
جب کہ اس پانی میں نمک کا جز ہوتا ہے؟

(صبیح الدین، اننتا پورم)

جواب:- پانی خواہ میٹھا ہو یا کھارا، اس سے وضو کرنے یا یوں ہی کلی کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ پانی کا ذائقہ روزہ کے لئے چنداں مضر نہیں، ورنہ روزے کی حالت میں کلی کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہوتی، بالخصوص ان حالات میں کہ حجاز کا علاقہ سمندر کے ساحل پر واقع ہے اور وہاں بہت سے کنویں کھارے پانی کے ہوتے تھے، اگر کھارے پانی سے وضو اور کلی کی ممانعت ہوتی تو ضرور آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہوتا۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

جن اعذار کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے

سفر میں روزہ

سوال:- {1131} سفر میں روزہ معاف ہے، کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دور میں سفر پیدل ہوا کرتے تھے جس سے پریشانی اور تھکاوٹ ہوتی تھی، تو معافی اس وقت کے لحاظ سے ہوئی ہوگی، اس دور میں تو سفر کی سہولتیں میسر ہیں اس لئے وہ رخصت اب نہیں ملنی چاہئے۔ (نعمت اللہ، مادھو پور، بہار)

جواب:- قرآن مجید نے جہاں سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، وہاں مشقت کو معیار نہیں بتایا ہے، بلکہ سفر چونکہ عموماً کچھ نہ کچھ مشقت سے خالی نہیں ہوتا، اس لئے خود سفر کو افطار کی اجازت کے لئے کافی سمجھا گیا، لہذا آج کل کے آرام دہ سفر میں بھی افطار کرنا جائز ہے، اور اگر روزہ رکھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔(۱)

(۱) "و یندب لمسافر الصوم : لآیة : ﴿ و أن تصوموا خیر لکم ﴾ الدر المختار مع الرد :۳/۴۰۵)

اگر سحری نہ کھا سکے

سوال:- {1132} کسی نے سحری نہیں کھائی، تو اسے روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

(محمد جہانگیر الدین امجد، باغ امجد الدولہ)

جواب:- سحری کھانا مستحب ہے، واجب نہیں اس لئے بغیر سحری کے روزہ رکھا جا سکتا ہے، روزہ درست ہو جائے گا، البتہ مسنون فعل کا ترک ہوگا، حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''سحری کھاؤ کہ سحری میں برکت ہے،، (۱) حضرت عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہمارے روزے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان سحری کھانے سے فرق ہوتا ہے،، (۲) اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ سحری کئی پہلوؤں سے باعث برکت ہے، اس سے ایک سنت کی اتباع ہوتی ہے، اہل کتاب کی مخالفت ہوتی ہے، عبادت میں تقویت کا باعث بنتی ہے اگر پہلے سے روزہ کی نیت نہ ہو تو نیت کا استحضار ہو جاتا ہے، آخر شب دعاء کی قبولیت کا وقت ہے اور سحری میں بیدار ہو جانے کی وجہ سے اس وقت دعاء کی توفیق میسر ہوتی ہے، (۳) لیکن بہر حال سحری کھانا واجب نہیں، اس لئے اگر کوئی شخص رات میں سحری نہ کھا سکا تو اس کے لئے روزہ کا توڑ دینا قطعاً جائز نہیں، سخت گناہ ہے۔

روزہ کے لئے مانع حیض ادویہ کا استعمال

سوال:- {1133} سنا ہے کہ بعض خواتین رمضان

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۷۰۸۔

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۷۰۹،

(۳) فتح الباری: ۱۳۰/۴، باب برکۃ السحور الخ۔

المبارک کے روزے مکمل کرنے کے لئے میڈیکل گولیاں کھا لیتی ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- خواتین کو ماہواری کا آنا قانون فطرت کے مطابق ہے، اور اسے مصنوعی طریقہ پر روکنا غیر فطری امر ہے، اور جو چیزیں فطرت کے عام اصول کے خلاف کی جاتی ہیں وہ عام طور پر صحت کے لئے نقصاندہ ہوتی ہیں، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے اور بعد میں روزہ کی قضا کر لینی چاہئے، عورتیں چونکہ اس معاملہ میں معذور ہیں، اس لئے امید ہے کہ رمضان کے بعد روزہ رکھنے کا ان کو اسی قدر ثواب ہوگا جو رمضان میں رکھنے کا ہوتا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ زیادہ اجر کی مستحق ہوں، کیوں کہ رمضان المبارک کے ماحول میں سبھوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنا آسان ہوتا ہے، اور عام دنوں میں تنہا روزہ رکھنا نسبتاً دشوار، اور جو کام اللہ کے حکم سے ادا کیا جائے اور اس میں زیادہ مشقت ہو، اس میں زیادہ اجر و ثواب کی توقع ہے۔

تاہم اگر کوئی عورت ماہواری شروع ہونے سے پہلے ہی سے دواء کا استعمال شروع کردے اور خون جاری ہی نہ ہو تو اس نے جن دنوں روزہ رکھا ہے، وہ درست ہو جائے گا، اگر خون شروع ہو چکا اور پھر اس نے دوا کھا کر خون کو روک لیا تو میرا خیال ہے کہ اس دن سے اس کے معمول کے ایام تک، اور کوئی عادت مقرر نہ ہو، تو تین دنوں تک جو حیض کی کم سے کم مدت ہے، وہ حائضہ ہی تصور کی جائے گی اور ان دنوں کا روزہ درست نہیں ہوگا، نیز اس کی قضا واجب ہوگی:

"والحائض إذا احبست الدم عن الورد لايخرج من أن يكون حائضا بخلاف صاحب الجرح" (۱)

---

(۱) خلاصة الفتاوی: ۲۳۱/۱، كتاب الحيض۔

حالت حیض میں روزہ داروں کی مشابہت

سوال:- {1134} کیا عورتیں رمضان المبارک میں خاص ایام میں کھانا کھا سکتی ہیں، یا روزہ داروں کی مشابہت اختیار کریں گی؟ (س، ج، سنتوش نگر)

جواب:- اگر حیض یا نفاس کی حالت ہو، تو روزہ داروں کی مشابہت اختیار کرنا اور بھوکے رہنا درست نہیں، کیونکہ حالت حیض میں روزہ رکھنا حرام ہے، تو کھانے پینے سے رکا رہنا گویا ایک فعل حرام کی مشابہت اختیار کرنا ہے اور یہ جائز نہیں، طحطاویؒ فرماتے ہیں:

"وأما فی حالة تحقق الحیض و النفاس فیحرم الامساك؛ لأن الصوم منهما حرام والتشبه بالحرام حرام" (۱)

البتہ اگر دن کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد پاک ہوگئیں تو اب دن کے بقیہ حصہ میں کھانے پینے سے رکا رہنا چاہئے:

"یجب علی الصحیح و قیل یستحب الامساك ... وعلی حائض و نفساء طهرتا بعد طلوع الفجر" (۲)

ہاں! رمضان المبارک کے احترام کی رعایت کرتے ہوئے برسرعام کھانے پینے سے گریز کرنا چاہئے کہ ایک تو اس میں رمضان کا احترام ہے، دوسرے یہ حیا کا تقاضہ بھی ہے، ورنہ کھانے پینے سے حالت ناپاکی کا اظہار و اعلان ہوگا۔

(۱) طحطاوی علی المراقی ،ص:۳۷۰۔
(۲) مراقی الفلاح ،ص:۳۷۰۔

روزہ میں ماہواری شروع ہوجائے

سوال:- {1135} اگر کسی عورت نے صبح سے روزہ رکھا اور دوپہر میں اسے ماہواری شروع ہوگئی تو اس دن کا روزہ ہوگا یا نہیں؟ اور دن کے بقیہ حصہ میں اسے کھانا پینا چاہئے، یا کھانے پینے سے رکا رہنا چاہئے؟

(فاطمہ سلمان، مہدی پٹنم)

جواب:- افطار کے وقت سے پہلے کبھی حیض آجائے، تو اس دن کا روزہ جاتا رہے گا، اور اس کے بدلہ قضاء کرنا واجب ہوگی، جو عورت حیض و نفاس کی حالت میں ہو اسے کھانا پینا چاہئے، کھانے پینے سے رکنا نہیں چاہئے، فقہاء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس خاتون کے لئے روزہ رکھنا حرام ہے، اور کھانے پینے سے رک جانا حرام کی مشابہت ہے، اور حرام کی مشابہت اختیار کرنا بھی حرام ہے، البتہ کھلے عام نہیں کھانا چاہئے، لوگوں کی نگاہ سے چھپ کر کھائے، کہ یہی تقاضۂ حیاء ہے۔

" و اما فی حالة تحقق الحیض والنفاس فیحرم الامساك لان الصوم منها حرام والتشبه بالحرام حرام ... و لکن لا یأکلن جهرا بل سرا " (۱)

بیماری کی وجہ سے روزہ کی قضا

سوال:- {1136} کس قسم کے امراض کی بناء پر روزہ نہ رکھنا جائز ہے؟ اگر ایک شخص چند روز روزہ رکھ سکتا ہو، لیکن چند دنوں کے بعد مسلسل روزہ رکھنے کی صورت میں اس کے

(۱) طحطاوی :ص:۳۷۱۔

مرض میں اضافہ ہو جاتا ہے، تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

(شیخ داؤد، محبوب آباد)

جواب:- شریعت میں انسانی حرج اور ضرورت کی قدم قدم پر رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ مرض کی بناء پر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، اس کی چند صورتیں ہیں:

(الف) پہلے سے مریض ہو، اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ہلاک ہو جانے یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

(ب) پہلے سے مریض ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔

(ج) پہلے سے مریض ہو، روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض میں اضافہ کا اندیشہ نہ ہو، لیکن خطرہ ہو کہ یہ صحت میں تاخیر اور بیماری میں طول کا باعث ہوگا۔

(د) ابھی بیمار نہ ہو، یعنی بیماری ظاہر نہ ہو، لیکن معتبر و دیانت دار مسلمان ماہر معالج کی رائے ہو کہ روزہ رکھنے کی صورت میں وہ مریض ہو جائے گا۔

ان چاروں صورتوں میں رمضان المبارک کا روزہ نہ رکھنے اور بعد میں قضا کر لینے کی گنجائش ہے، (۱) البتہ محض بیماری کے وہم کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں، شرعی احکام کی بنیاد غالب گمان پر ہوتی ہے نہ کہ محض اوہام پر۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس قدر ممکن ہو اللہ کا حکم بجالاؤ، (۲) لہذا اگر کوئی شخص مسلسل روزہ نہیں رکھ سکتا، چند دنوں روزہ رکھنے کے بعد چند دن روزہ توڑنا اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے، تو جتنے دن روزہ رکھ سکتا ہو رکھ لے، جب تکلیف شروع ہو جائے یا اس کا اندیشہ پیدا ہو جائے، تو روزہ نہ رکھے اور بعد میں قضا کر لے۔

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۵۰، البحر الرائق: ۲/۴۹۲۔ محشی۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۷۲۰۲، باب: کیف یبایع الإمام الناس۔ محشی۔

شدید مرض کے باوجود روزہ

سوال:- {1137} اعصابی کمزوری کا دائم المریض ہمت کرکے رمضان کے روزے رہتا ہے، دس، بیس روزوں کے بعد قوی وہمت جواب دے جاتی ہے جبکہ مریض کی عین تمنا یہی ہے کہ حالت روزہ میں اس کا انتقال ہو، ایسے مریض و روزہ دار کے لئے کیا احکامات ہیں؟

(ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- اگر دس بارہ روزوں کے بعد روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی اور معالج روزہ رکھنے سے منع کرتا ہو، تو روزہ توڑ دینا چاہئے، روزہ رکھ کر جان دے دینا درست نہیں، کیونکہ بیماری کی وجہ سے روزہ توڑنے کی اجازت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، اور اللہ کی دی ہوئی سہولتوں سے فائدہ اٹھانا اللہ کے سامنے اپنے عجز اور ضعف وناطاقتی کا اظہار ہے، اور یہی عبدیت وبندگی کی اصل روح ہے، ایسی سہولتوں سے فائدہ نہ اٹھا کر اپنی جان دے دینا کوئی محمود اور پسندیدہ عمل نہیں کہ اسلام کی خصوصیت عدل اور اعتدال ہے، وہ عبادات میں بھی اعتدال کا قائل ہے اور غلو سے منع کرتا ہے۔

روزہ اور جسمانی نقاہت

سوال:- {1138} کسی شخص کی روزہ رکھنے کی نیت ہے، لیکن اپنی جسمانی کمزوری جیسے نقاہت وغیرہ کی وجہ سے عاجز ہے، اور سمجھتا ہے کہ روزہ رکھوں گا تو پورے نہ کرسکوں گا، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟

(مقصود حسین خاں، نظام آباد)

جواب:- اگر واقعی کوئی شخص اتنا کمزور ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتا اور یہ اس کی عارضی بیماری ہو تو اسے وقتی طور پر روزہ نہیں رکھنے اور بعد میں روزہ قضا کر لینے کی گنجائش ہے، لیکن یہ محض وہم کے درجہ کا نہ ہو بلکہ یہ کسی معتبر مسلمان ڈاکٹر کی رائے کی روشنی میں ہو، یا کم سے کم خود روزہ رکھ کر دیکھے اگر تجربہ سے ثابت ہو کہ واقعی وہ روزہ پورا نہیں کر سکتا تو پھر اس کے لئے آئندہ دنوں میں روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

روزہ کا کفارہ اور فدیہ

غسل واجب سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال:- {1139} اگر روزہ کی حالت میں غسل جاتا رہے تو کیا غسل کرنے سے روزہ باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟

(محمد واحد، آصف نگر)

جواب:- اگر روزہ کی حالت میں کوئی شخص روزہ کی کیفیت کو یاد رکھتے ہوئے بیوی سے ہم بستر ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا کے علاوہ کفارہ بھی واجب ہوگا، اگر بیوی سے صحبت تو نہ کرے، لیکن غسل واجب ہونے میں اس کو دخل ہو تو قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔

"أو جامع فيما دون الفرج ولم ينزل وكذا الاستمناء بالكف" (۱)

اگر غسل واجب ہونے میں براہ راست اس کے عمل کو دخل نہ ہو بلکہ احتلام ہو جائے یا

(۱) الدر المختار مع الرد : ۳/۱۷-۳۷۰۔

محض بدنگاہی اور ناشائستہ خیالات کی وجہ سے غسل واجب ہونے کی نوبت آجائے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

"أو احتلم أو انزل بنظر ولو إلى فرجها مرارا أو بفكر وإن طال" (۱)

روزہ کا کفارہ کیا اور کب؟

سوال:- {1140} اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ایک یا کئی روزہ توڑ دے، تو اس سے کیا کفارہ ادا کرنا پڑے گا؟

(محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر کسی شخص نے روزہ رکھنے کی نیت ہی نہیں کی تھی تو یہ بہت بڑا گناہ ہے، اسے توبہ کرنا چاہئے اور ایک روزہ کی قضا کر لینی چاہئے اور اگر روزہ کی نیت کر چکا تھا پھر بلا عذر جان بوجھ کر روزہ توڑ دے، تو اب کفارہ یہ ہے کہ ایک روزہ کے بدلہ مسلسل ساٹھ روزے رکھے جائیں اور اگر روزے نہیں رکھ سکتا تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا ایسا کھانا کھلائے کہ وہ آسودہ ہو جائیں، حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی حدیث میں اس کفارہ کی صراحت آئی ہے اور اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش آیا تھا۔ (۲)

رمضان کے روزہ کے بجائے نفل روزہ

سوال:- {1141} اگر رمضان کا ایک روزہ چھوٹ جائے تو بعد میں نفل روزے رکھنے سے اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

---

(۱) الدر المختار مع الرد : ۳/۳۶۷۔

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۷۲۴، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۹۸۴۔

جواب:- اگر کسی شخص نے طبعی عذر کی بناء پر رمضان میں روزہ نہیں رکھا جیسے: عورتیں حیض ونفاس کی وجہ سے، یا کوئی مریض اپنی سخت بیماری کی وجہ سے اور اس نے بعد میں قضاء کرلی تو امید ہے کہ اسے اتنا ہی ثواب ملے گا، جتنا رمضان میں روزہ رکھنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر بلا عذر روزہ توڑ دے، تو قضاء اور بعد میں نفل روزے اس کمی کو پورا نہ کرسکیں گے، جو رمضان المبارک جیسے مہینے میں روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اگر رمضان میں روزہ نہ رکھے اور پھر عمر بھر بھی روزہ رکھے تو یہ رمضان کے روزہ کے برابر نہیں ہوسکتا" (۱)

اللہ تعالی ایسی محرومی سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

اگر ۲۸ رہی روزے رکھے؟

سوال:- {1142} رمضان المبارک کے روزوں کی تعداد انتیس یا تیس ہوتی ہے، سعودی عرب میں روزے دو روز قبل اور انڈیا میں عموما دو روز بعد شروع ہوتے ہیں، چنانچہ حیدرآباد میں دو روز بعد روزے شروع کر کے سعودی عرب جانے والے عازمین عمرہ نے وہاں کے چاند کے لحاظ سے دو روز قبل رمضان کے روزے ختم کئے اور عید منائی، اسی طرح سال ۱۹۹۹ء میں ان عازمین عمرہ کو ۲۸ رروزے رکھنے پڑے، جب کہ یہاں ر اور وہاں پر بھی تیس روزوں کا مہینہ تھا، گویا یہاں پر چاند دیکھ کر روزہ شروع کیا اور وہاں پر چاند دیکھ کر روزے ختم کئے اور عید منائی، اس سلسلہ میں دو روزوں کی کمی پر

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۳۹۶۔ محشی۔

شرعی مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

(محمد حسین خان، سالار جنگ کالونی)

جواب:- قرآن مجید نے ایک ماہ روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے (۱) اور ایک ماہ سے کیا مراد ہے؟ اس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ واضح فرمایا، انتیس یا تیس دن، (۲) لہذا اس سے کم روزہ رکھنا کافی نہیں ہوگا، جب ہندوستان اور سعودی عرب دونوں جگہ اس سال پورے تیس دن کا روزہ ہوا اور آپ کے روزے اٹھائیس ہی ہوئے تو اب مزید دو روزے مکمل کرنے ہوں گے، تاکہ تیس دن پورے ہوجائیں، یہ جو بات حدیث میں فرمائی گئی ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ شروع کیا جائے اور چاند دیکھ کر روزہ ختم کیا جائے، (۳) یعنی جب عید کا چاند دیکھ لیا جائے تو اس کے بعد رمضان کا روزہ نہیں، یہ حکم اس شخص سے متعلق ہے جو ایک ہی مقام پر رمضان کا چاند بھی دیکھے اور عید الفطر کا بھی۔

۲۹ / روزے

سوال:- {1143} ہندہ نے اس سال رمضان شریف کا آغاز ہندوستان میں کیا اور درمیان میں شارجہ چلی گئی اور روزوں کا اختتام وہیں ہوا، جب کہ وہاں ایک دن قبل ہی چاند

---

(۱) ﴿ فمن شهد منكم الشهر فليصمه ﴾ (البقرة:۱۸۵)۔محشی۔

(۲) " عن النبي ﷺ قال : إنا أمة أمية لا نكتب و لا نحسب الشهر هكذا هكذا يعني مرة تسعة وعشرين و مرة ثلاثين " عن ابن عمر ؓ (صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۱۹۱۳، باب قول النبي ﷺ لا نكتب و لا نحسب)محشی۔

(۳) " أن رسول الله ﷺ ذكر رمضان فقال :لا تصوموا حتى تروا الهلال و لا تفطروا حتى تروه فإن غم عليكم فاقدروا له " عن ابن عمر ؓ ،(صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۱۹۰۶،باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا و إذا رأيتموه فافطروا)محشی۔

نظر آگیا اور ہندوستان میں ۳۰ر رمضان بعد عید ہوئی ، اس طرح ہندہ نے ۲۹ر روزے رکھے ، جب کہ ہندوستان والوں نے ۳۰ر روزے رکھے ، کیا ہندہ کو ایک روزہ کی قضاء لازم ہوگی؟ (نفیس احمد ، خلیل پیٹ)

جواب :- اس سال ہندوستان اور متحدہ عرب امارات میں ایک ساتھ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوا ، لیکن عید کا چاند امارات میں ایک دن پہلے اور ہندوستان میں ایک دن بعد نکلا ، چوں کہ ماہِ رمضان کے اختتام پر ہندہ امارات میں تھی اور وہیں عید کا چاند نکلا ، تو اختتام کے سلسلہ میں اس پر وہیں کے احکام جاری ہوں گے ، اور ۲۹/ تاریخ کو اس کا رمضان مکمل سمجھا جائے گا ، اب اسے ایک روزہ قضاء کرنے کی ضرورت نہیں ۔

روزہ میں جلق

سوال :- {1144} روزہ کی حالت میں مشت زنی کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

(خالد ، قلعہ گولکنڈہ)

جواب :- یہ فعل ہر حال میں گناہ ہے ، سوائے اس کے کہ زنا سے بچنے کے لئے اضطرار کی کیفیت ہوجائے ، اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ، البتہ کفارہ واجب نہیں ہوتا ، صرف روزہ کی قضا کرنی ہوگی ۔(۱)

ایک شخص کو کئی روزوں کا فدیہ

سوال :- {1145} زید روزے نہیں رکھ سکتا ، وہ فدیہ

(۱) " استمنی بکفه ... قضی " (الدر المختار مع رد المحتار : ۳/۳۷۹ ، نیز دیکھئے : ص : ۳۷۱ ، باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسد) محشی ۔

ادا کرتا ہے، اور کھانا کھلانے کے بجائے گیہوں دے دینا چاہتا ہے، کیا وہ ایک مسکین کو کئی روزوں کا فدیہ ادا کرسکتا ہے؟

(فخر الدین سلیم، ورنگل)

جواب:- اس صورت میں بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ ایک مسکین کو ایک دن کا فدیہ ادا کرے، یا ایک ہی مسکین کو روز آنہ ایک ایک دن کا فدیہ ادا کرتا چلا جائے، اس صورت کے درست ہونے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں، لیکن اگر ایک ہی دفعہ ایک محتاج شخص کو ایک سے زیادہ دنوں کا فدیہ ادا کرے، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، یہ صورت بھی درست ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔

"للشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر و يفدى وجوبا و لو أول الشهر و بلا تعدد فقير" (۱)

کیا قضاء کے ساتھ فدیہ بھی ادا کرے؟

سوال:- {1146} جو لوگ بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ کر بعد میں افطار کرنے والے ہوں، کیا ان کو بھی فدیہ ادا کرنا ہوگا، نیز کیا دودھ پلانے والی عورت کو بھی فدیہ دینا لازمی ہے؟

(عبداللہ صدیقی)

جواب:- جو لوگ وقتی بیماری کی وجہ سے روزہ قضاء کررہے ہوں، ان کو آئندہ صرف قضاء کرنا ہوگا، فدیہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں، جو عورت بچہ کو دودھ پلاتی ہو، روزہ رکھنے کی صورت میں بچہ کا دودھ متاثر ہوسکتا ہو، یا خود اس کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو، تو فی الحال روزہ نہ رکھنے اور بعد میں اس کی قضاء کرنے کی گنجائش ہے، اور آئندہ قضاء کرنا ہی ضروری ہے، فدیہ ادا کرنا نہ ضروری ہے اور نہ کافی۔ (۲)

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۴۴۰/۳۔

(۲) بدائع الصنائع: ۲۵۲/۲۔ محشی۔

حالت حیض کے روزوں کی قضاء

سوال:- {1147} اگر عورت سے حالتِ حیض میں روزے چھوٹ جائیں، تو کیا اس کی قضاء رکھنا کافی ہے، یا کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- صرف قضاء کرنا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں، (۱) اس لئے کہ ان دنوں روزہ ترک کرنے میں عورت کے فعل کو دخل نہیں، بلکہ طبعی مجبوری اور شریعت کی طرف سے اس حالت میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی وجہ سے اس کے روزے قضاء ہوئے ہیں۔

حائضہ کا کھانے پینے سے رکا رہنا

سوال:- {1148} اگر کسی عورت کو آدھا روزہ رکھنے کے بعد حیض آئے تو کیا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر نفلی روزہ ہے تو کیا اس کی قضا بھی کرنی ہوگی؟ نیز کیا ایسی عورت کو کھانے پینے سے رکا رہنا چاہئے؟ (ایک بہن، جگتیال)

جواب:- اگر روزہ شروع کرنے کے بعد حیض آجائے، تب بھی روزہ فاسد ہوجائیگا اور اس دن کی قضا واجب ہوگی، اگر نفل روزہ تھا، تو چوں کہ شروع کرنے کی وجہ سے وہ واجب ہوچکا، اس لیے اس کی قضا بھی ضروری ہوگی، جو عورتیں نفاس کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتیں ان کو کھانا پینا چاہئے، کھانے پینے سے رک جانا جائز نہیں، علامہ طحطاوی نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ

---

(۱) "إنما يكفر إن نوى ليلا و لم يكن مكرها و لم يطرأ مسقط كمرض و حيض" (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳/۳۹۰) محشی۔

اس حالت میں روزہ رکھنا حرام ہے اور کھانے پینے سے رک جانا روزہ رکھنے کی مشابہت اختیار کرنا ہے اور حرام کی مشابہت اختیار کرنا بھی حرام ہے۔(۱)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) طحطاوی علی المراقی :ص:۳۴۷،فصل یجب الإمساک ۔محشی۔

روزہ — مختلف مسائل

رمضان المبارک اور غیر مسلم بھائی

سوال:- {1149} ماہ رمضان المبارک میں غیر مسلم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ کس طرح تعاون کر سکتے ہیں، تا کہ مبارک ماہ کے برکات سے مستفید ہوں؟

(کے راماراؤ، حیدرآباد)

جواب:- غیر مسلم بھائیوں کے لئے روزہ میں اپنے مسلمان بھائیوں سے تعاون کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) مسلمان دوستوں اور غریب مسلمان پڑوسیوں کے لئے افطار وغیرہ کا نظم کرنا۔

(ب) جو مسلمان ان کی دوکانوں یا کارخانوں میں کام کریں ان کو وقت کے معاملہ میں ممکن حد تک رعایت دینا تا کہ وہ رمضان میں اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکیں۔

(ج) جو کام ان سے متعلق ہے اگر اس کو کچھ ہلکا کرنا ممکن ہو تو ہلکا کر دینا، تا کہ ان کو روزہ رکھنے میں سہولت ہو۔

(د) رمضان اصل میں نزول قرآن کا جشن ہے، رمضان کا سب سے بڑا حق غیر مسلم بھائیوں پر بھی یہ ہے کہ وہ ترجمہ اور تفسیر کی مدد سے اس ماہ میں قرآن کی دعوت کو جاننے اور سمجھنے نیز کھلے دل سے اس کا مطالعہ کرنے کا خصوصی اہتمام کریں۔

رمضان المبارک کے ہر دن ورات کی فضیلت

سوال:- {1150} شب قدر کی برکت وخصوصیت تو رمضان المبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، مگر رمضان المبارک کے ہر دن اور ہر رات کی کیا فضیلت ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب ماہِ رمضان کی پہلی شب ہوتی ہے، تو شیاطین اور سرکش جنات باندھ دئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، اور اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا، جنت کے تمام دروازے کھول دئے جاتے ہیں، کوئی دروازہ بند نہیں رہتا اور ایک پکارنے والا ندا لگاتا ہے: "اے طلب گارِ خیر! آگے بڑھ، اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے! رک جا، اللہ کے لئے جہنم سے بہت سے لوگ آزاد کئے جاتے ہیں، اور یہ ہر شب ہوتا ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ پورا رمضان المبارک اس کے دن بھی رات بھی برکتوں اور سعادتوں کے لمحات ہیں، اور ہر آن اللہ تعالیٰ کا درِ رحمت بندوں کی طرف وا رہتا ہے۔

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۶۸۲، باب ماجاء في فضل شهر رمضان۔

آخری عشرہ میں ممسکِ حیض دوائیں

سوال:- {1151} رمضان المبارک کے پہلے اور دوسرے دہے میں روزہ چھوٹ بھی جائے، تو ان شاء اللہ بعد میں قضاء کرلی جائے گی، لیکن آخری عشرہ میں روزہ کے ساتھ مقدس رات چھوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے، تو کیا اس سے بچنے کے لئے خواتین اس آخری عشرہ میں ممسکِ حیض دوائیں استعمال کرسکتی ہیں؟ اور دوا کے استعمال کی وجہ سے خون نہ آئے، تو کیا اس کا روزہ درست ہوجائے گا؟

(شمع، یاقوت پورہ)

جواب:- (الف) جب شریعت نے حالتِ حیض میں روزہ توڑنے کا حکم دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات شارع کے علم میں تھی کہ بہت سی خواتین کو آخری عشرہ میں بھی حیض کی نوبت آسکتی ہے، تو بہتر یہی ہے کہ ممسکِ حیض ادویہ استعمال نہ کی جائیں، جو صحت کے لئے مضر ہیں کہ شریعت کی رخصتوں سے گریز اور اس کے لئے تکلف اختیار کرنا دین میں ایک طرح کا غلو ہے، اور دین میں غلو کو منع فرمایا گیا ہے، (۱) جہاں اخیر عشرہ کی طاق راتوں کے اعمال کی بات ہے، تو ان راتوں کے افعال میں سے دعاء اور ذکر بھی ہے، اور دعاء وذکر حالتِ حیض میں بھی کیا جاسکتا ہے، نیز نیت کی بنیاد پر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نماز اور تلاوت کا اجر بھی عطا فرمادے۔

(ب) تاہم اگر کسی عورت نے ایسی دواء استعمال کرلی، خون نہیں آیا اور روزہ رکھ لیا، تو روزہ ادا ہوجائے گا۔

---

(۱) "قال رسول اللہ ﷺ : یا أیھا الناس إیاکم و الغلو في الدین ، فإنما أھلك من کان قبلکم الغلو في الدین" عن ابن عباس ؓ ، (سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۳۰۲۹، باب قدر حصی الرمي) محشی۔

جمعۃ الوداع

سوال:- {1152} ماہ رمضان المبارک میں جمعہ تو آتا ہے، مگر جمعۃ الوداع کی کیا اہمیت وفضیلت ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- جمعہ کے دن کی خصوصی فضیلتیں ہیں، جو احادیث سے ثابت ہیں، (۱) رمضان المبارک چونکہ خود بھی برکت اور دعاء کی قبولیت کا مہینہ ہے، اس لئے اس ماہ کے جمعہ میں برکت اور قبولیت کی توقع زیادہ ہے، لیکن اس اعتبار سے رمضان کے تمام جمعہ برابر ہیں، آخری جمعہ کی خصوصیت نہیں، اور خاص اس جمعہ کی مستقل طور پر فضیلت ثابت نہیں۔

رمضان المبارک میں نظام الاوقات کی طباعت

سوال:- {1153} رمضان المبارک میں لوگ نظام الاوقات طبع کرا کر تقسیم کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رمضان گزرنے کے بعد ادھر ادھر نالیوں میں یہ نظام الاوقات ڈال دیے جاتے ہیں، کیا یہ گناہ نہیں،؟ اور اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ چھاپنے والے پر یا پھینکنے والے پر؟ (فوزیہ جبین، جگتیال)

جواب:- نظام الاوقات طبع کرانے سے روزہ داروں کو سہولت بہم پہنچتی ہے، اور سحر وافطار کا وقت معلوم ہوتا ہے، بعض لوگ اس میں افطار کی دعاء اور روزہ کی نیت بھی طبع کرتے ہیں، اس سے بھی آسانی ہوتی ہے، اس لئے طبع کرنے والوں کو تو بہر حال اس کا اجر وثواب حاصل ہوگا، جو لوگ بے احتیاطی سے اسے گندی جگہوں پر ڈال دیتے ہیں، وہ یقیناً غلطی کرتے ہیں، انہیں چاہئے کہ یا تو وہ اسے محفوظ کر دیں، یا کسی پاک جگہ پر دفن کر دیں۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۰۵۲، سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۱۱۲۶، الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۰۵۲۔ محشی۔

روزہ رکھائی

سوال:- {1154} آج کل لوگ روزہ رکھائی بڑی دھوم دھام سے کرتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟

(رشید احمد خاں، بھینسہ)

جواب:- روزہ رکھائی کے لئے کوئی تقریب منعقد کرنا حدیث سے ثابت نہیں اور نہ ایسی چیزوں میں اسراف وفضول خرچی جائز ہے، البتہ اگر کسی بچہ نے پہلی بار روزہ رکھا ہو، اس کی حوصلہ افزائی اور اس کے اس عمل پر خوشی کے اظہار کے لئے کسی دوست احباب کو افطار پر مدعو کرلیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ لوگ اسے دینی کام سمجھ کر عام طور پر نہیں کرتے، بلکہ اس کا مقصد محض مسرت کا اظہار ہے، تاہم ضروری ہے کہ فضول خرچی سے بچتے ہوئے اور تقریب کی شکل دئے بغیر دعوت کا اہتمام کیا جائے، آج کل تو لوگ اخبار میں اس کا اشتہار بھی دیتے ہیں، اور تصویریں بھی شائع کرائی جاتی ہیں، یہ عبادت کی تشہیر ہے، جو عبادت کی روح کے خلاف ہے اور تصویر شائع کرنا تو نیکی کے ایک کام کو گناہ کی گندگی سے آلودہ کرنا ہے، اللہ تعالی ہم سبھوں کو ایسی خلاف شرع باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بچوں سے روزہ رکھوانا

سوال:- {1155} بچوں کو روزہ کتنے سال کی عمر میں رکھنا ہوگا؟ آج کل بعض بچے چار تا پانچ سال کی عمر میں روزہ رکھتے ہیں، یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

(سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

جواب:- روزہ دوسری عبادتوں کی طرح بالغ ہونے کے بعد ہی فرض ہوتا ہے، لیکن جسمانی عبادتوں کا اچانک شروع کرنا اور اس پر کاربند رہنا دشوار ہوتا ہے، اسی لئے بلوغ سے

پہلے ہی ان عبادتوں کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ عبادت فرض ہونے کے بعد اس کی ادائیگی میں دشواری نہ ہو، نماز کے بارے میں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا باضابطہ حکم دیا کہ بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کو کہا جائے اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر سرزنش بھی کی جائے،(۱) روزہ کے بارے میں غالباً ایسی کوئی صراحت منقول نہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ نماز سے زیادہ روزہ کی عادت ڈالنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے بدرجۂ اولی بالغ ہونے سے پہلے اس کی عادت ڈالنی چاہئے، اور نماز پر قیاس کرتے ہوئے سات تا دس سال کی عمر سے کچھ روزے رکھوانے چاہئیں، بچوں کے روزہ کے لئے کسی خاص عمر کی تحدید نہیں، اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس میں روزہ کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوگئی ہو اور وہ روزہ کا شعور رکھتا ہو، تاکہ اس کی نیت کر سکے۔

اکتیسواں روزہ

سوال:- {1156} آج کل اس کی نوبت آتی رہتی ہے کہ ایک شخص سعودی عرب میں رمضان کے پورے تیس روزے رکھ کر ہندوستان واپس آتا ہے، اور یہاں ایک روزہ باقی رہتا ہے، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟

(معین الاسلام قاسمی، بمبئی)

جواب:- ایسے شخص کو ہندوستان میں مزید ایک روزہ مکمل کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ”جو ماہ رمضان کو پائے وہ روزہ رکھے، ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾(۲)

---

(۱) قال رسول الله ﷺ :مروا أولادكم بالصلاة و هم ابناء سبع سنين و اضربوهم عليها و هم أبناء عشر سنين " عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ، (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۹۵، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة) محشی۔

(۲) البقرة :۱۸۵۔

یہی رائے علماء عرب میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی (۱) کی اور علماء ہند پاک میں مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ اور مفتی تقی عثمانی کی رائے ہے۔ واللہ اعلم۔

بغیر نماز کے روزہ

سوال:- {1157} ایک صاحب نے اپنے خطبات میں کہا کہ روزوں کے ساتھ نمازوں کی پابندی بھی ضروری ہے، ورنہ روزے فاقہ مار ہوں گے، حالانکہ روزہ اور نماز دو الگ الگ ارکان ہیں۔ کیا خطیب صاحب کی یہ بات درست ہے؟

(ملک حبیب اللہ خاں، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- فقہی اور قانونی اعتبار سے تو روزہ اس کا درست ہو جائے گا، کیوں کہ روزہ طلوع صبح سے غروب آفتاب تک کھانے پینے وغیرہ سے رکے رہنے کا نام ہے، اور وہ اس سے رکا رہا ہے، لیکن کیا یہ روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی ہوگا؟ اگر دوسرے واجبات و فرائض کے انجام دینے اور محرمات و ممنوعات سے بچنے کا اہتمام نہ ہو؟ اس سلسلہ میں تو اللہ ہی کو علم ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے روزہ داروں کے حصہ میں صرف بھوک اور پیاس ہی آتی ہے، (۲) اس پس منظر میں اگر خطیب صاحب کا منشا یہ ہو کہ جو لوگ روزہ رکھتے ہیں اور اس حالت میں بھی نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، اندیشہ ہے کہ ان کے روزے مقبول نہ ہوں، تو یہ کوئی بے جا بات نہ ہوگی، لیکن چوں کہ صراحتاً یہ مضمون قرآن و حدیث میں نہیں آیا ہے، اس لیے یقین کے الفاظ میں یہ بات نہیں کہنی چاہئے، کیوں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کسی بات کو منسوب کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔

---

(۱) الفقه الإسلامي و أدلته: ۲/ ۶۰۷۔ مرتب۔

(۲) "عن أبي هريرة ﷺ أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: رب قائم حظه من قيامه السهر و رب صائم حظه من صيامه الجوع و العطش" (بيهقى: ۴/ ۲۴۹، باب الصائم ينزه صيامه عن اللغط و الشماتة) محشی۔

سحر وافطار کے احکام

سحری کا آخری وقت

سوال:- {1158} سحری کا آخری وقت کب تک رہتا ہے؟ کس وقت سحری چھوڑ دینا چاہئے؟

(محمد واصف، مرادنگر)

جواب:- صبح صادق طلوع ہونے سے روزہ کا وقت شروع ہوتا ہے، جو وقت ابتداء فجر کا ہے وہی وقت انتہاء سحر کا ہے، دونوں اوقات کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں ہے، سحری کو تاخیر سے ادا کرنا مستحب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے، (۱) لیکن اتنی تاخیر بھی نہ ہونی چاہئے کہ رات کا باقی رہنا ہی مشکوک ہو جائے۔

"یکرہ تأخیر السحر إلی وقت یقع فیہ الشک" (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۵۲، محشی۔

(۲) الفتاوی الهندیة: ۱/۲۰۰۔

مچھلی، انڈا وغیرہ سحری میں کھانا

سوال:- {1159} رمضان شریف میں مرغی، مچھلی، انڈا، جھینگا، پیٹ کا سامان یعنی اوجھڑی وغیرہ، کیا یہ سب چیزیں سحر میں کھانے کی ممانعت ہے، یا اس سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے؟ (شاہدہ سراج، خلوت)

جواب:- جب تک صبح طلوع نہ ہوجائے، اللہ تعالیٰ نے تمام حلال چیزوں کے کھانے کی اجازت دی ہے، کھانے کی اشیاء میں کوئی تفریق نہیں کی گئی کہ کچھ چیزیں کھانے کی اجازت ہو اور کچھ چیزیں کھانے کی اجازت نہ ہو، عوام میں جو اس طرح کی بات مشہور ہوگئی ہے کہ سحری میں انڈا نہیں کھانا چاہئے، اس کی کوئی اصل نہیں۔

سحر سعودی عرب میں اور افطار ہندوستان میں

سوال:- {1160} اگر کسی نے سعودی عرب میں سحر کیا ہو اور وہاں سے سفر کرکے ہندوستان آیا ہو تو اسے افطار کس وقت کرنا چاہئے؟ جبکہ ہمارے ملک اور سعودی عرب میں دو گھنٹے کا فرق ہوتا ہے اور بعض ممالک سے تو چار پانچ گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے۔ (محمد بن سالم، نرل)

جواب:- سحر و افطار اور دوسری عبادات میں بھی اس جگہ کا وقت معتبر ہوتا ہے جہاں وہ عبادت انجام دی جارہی ہو، پس جب افطار ہندوستان میں کررہے ہیں تو ہندوستان کے وقت کے لحاظ سے ہی افطار کرنا ہوگا چاہے روزہ کے مجموعی اوقات بڑھ جائیں یا کم ہوجائیں۔

صحبت کے بعد بغیر غسل کے سحری

سوال:- {1161} بیوی سے مباشرت کے بعد سحری کھانا درست ہے، یا غسل کے بعد ہی سحری کھانا ہے؟

(کلیم اللہ خاں، جگتیال)

جواب:- صحبت کرنے کے بعد افضل طریقہ یہ ہے کہ کھانا اور دوسرے کام کرنے سے پہلے غسل کر لے، لیکن یہ ضروری نہیں، بغیر غسل کئے بھی کھا سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ سے دونوں باتیں ثابت ہیں، (۱) اس لئے غسل کئے بغیر بھی سحری کھا سکتا ہے۔

غسل کریں یا سحری کھائیں؟

سوال:- {1162} اگر کسی شخص کو رات میں احتلام ہوگیا اور فجر کا وقت بھی قریب ہے، اگر غسل کریں تو سحر نہیں کر سکتے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(بی، ایم، حسین، مشیر آباد)

جواب:- ایسی صورت میں بہتر ہے کہ سحری کھالیں، پھر غسل کرلیں، تاکہ سحری کی سنت بھی ادا ہو جائے اور نماز فجر سے پہلے پاکی بھی حاصل ہو جائے، فقہاء نے لکھا ہے کہ حالتِ جنابت میں کھانے پینے میں کچھ حرج نہیں، البتہ بہتر ہے کہ کھانے پینے سے پہلے کلی کرلیں اور ہاتھ دھولیں۔

"وإن أراد أن يأكل أو يشرب فينبغي أى يتمضمض ويغسل يديه ثم يأكل و يشرب" (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۹۲۔ محشی۔

(۲) بدائع الصنائع: ۱/۱۵۱۔

افطار کے وقت اجتماعی دعاء

سوال:- {1163} جامع مسجد قاضی پیٹ کے مصلیان میں اس بات پر دو گروپ ہوگیا کہ افطار سے پہلے کس طرح دعاء کی جائے، ایک گروہ اجتماعی دعا کرنا چاہتا تھا اور ایک گروہ انفرادی دعاء کو ترجیح دیتا تھا، اس سلسلے میں حکم شرعی کی رہنمائی کیجئے؟ (اقبال احمد صوفی، قاضی پیٹ)

دعاء اصل میں انفرادی عمل ہے، یہ خدا اور بندے کے درمیان راز و نیاز اور سرگوشی کا درجہ رکھتی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ہر چیز خدا سے مانگنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر ایک کی ضرورتیں الگ ہوتی ہیں، بعض ایسی بھی ضرورتیں ہوتی ہیں جن کا بندہ اپنے مالک کے سامنے ذکر کرتا ہے، وہ کسی اور کے سامنے ان کا ذکر نہیں کرسکتا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کا عام معمول انفرادی دعاء کا تھا، خاص خاص مواقع پر اجتماعی دعا کی جاتی تھی، جیسے قنوت نازلہ، بارش کے لئے دعا استسقاء، یا مسلمان کسی خاص آزمائش سے گزر رہے ہوں تو ان کے لئے دعاء، اس لئے اگر افطار سے پہلے معمول بنائے اور لازم سمجھے بغیر کبھی کبھی اجتماعی دعاء کرلی جائے، تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس کو روزانہ کا معمول نہ بنایا جائے، اور اس پر اصرار نہ کیا جائے اور اسے ضروری نہ سمجھا جائے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسے مسائل پر باہم نزاع پیدا نہ ہونے دی جائے، دعاء اجتماعی ہو یا انفرادی، زیادہ سے زیادہ مستحب ہے اور اختلاف و انتشار سے بچنا واجب ہے۔ وباللہ التوفیق۔

مسجد میں افطار

سوال:- {1164} شہر کی بہت سی مسجدوں میں افطار کا نظم ہے، لوگ مسجد میں افطار کرتے ہیں اور مختصر افطار کے

ساتھ ہی مغرب کی نماز ادا کی جاتی ہے، کیا یہ بات آداب مسجد
کے خلاف نہیں ہے؟ (احمد حسن، نظام آباد)

جواب:- افطار میں عجلت مسنون ہے اور نماز مغرب میں بھی عجلت کا حکم دیا گیا ہے، اسی لیے مغرب کی اذان اور جماعت میں زیادہ فصل رکھنا مناسب نہیں، لہٰذا جماعت پانے کی غرض سے مسجد میں افطار کر لینے کی گنجائش ہے، البتہ دو باتوں کی رعایت کی جائے: اول یہ کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اعتکاف کی نیت کر لی جائے، کیوں کہ اعتکاف نفل امام محمدؒ کے قول پر تھوڑی دیر کا بھی ہوسکتا ہے اور معتکف کے لیے مسجد میں کھانے کی بالاتفاق اجازت ہے دوسرے مسجد کو آلودگی سے بچایا جائے، مثلاً چادر وغیرہ بچھالی جائے، مولانا ظفر احمد عثمانی نے ملا علی قاریؒ کی ''مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح ''(۱) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مسجد میں کھانے پینے کی کراہت سے افطار کی صورت مستثنیٰ ہے، (۲) اس سے مزید گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

سوال:- آج کل بڑے شہروں میں مسجدوں میں افطار
کا رواج ہے، کیا یہ عمل مناسب ہے؟ (عبدالمجید، سعید آباد)

جواب:- مسجد عبادت اور ذکر کی جگہ ہے، کھانا پینا اور سونا عام حالات میں مسجد کے اندر کراہت سے خالی نہیں ہے، اس لئے جو لوگ مسجد کے قریب ہوں اور افطار کر کے بسہولت جماعت میں شریک ہو سکتے ہوں، ان کے لئے بہتر طریقہ یہی ہے کہ گھر میں افطار کریں اور مسجد میں آ کر نماز پڑھیں، تاہم چوں کہ افطار بھی ایک طرح کی عبادت ہے، اور مسجد میں افطار کرنے کی ایک مصلحت یہ ہے کہ مغرب کی جماعت فوت نہیں ہوتی، اس لئے مسجد میں بھی افطار کرنے کی گنجائش ہے، البتہ دو باتوں کا لحاظ رکھیں، مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اعتکاف نفل کی نیت

---

(۱) مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح : ۵۱۳/۲۔
(۲) [illegible] ۱۰۳:۳ ۔

کرلیں، کیونکہ معتکف مسجد میں خورد ونوش کرسکتا ہے، دوسرے مسجد کو آلودگی سے بچانے کا پورا اہتمام کریں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ افطار مختصر ہو، اور کوئی کپڑا بچھا کر اس پر افطار کا نظم کرلیا جائے، تاکہ مسجد کے اندر آلودہ ہونے کا کوئی خطرہ نہ رہے۔

غیر مسلم کی اور بینک کی دعوتِ افطار

سوال:- {1165} رمضان شریف میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ غیر مسلم سیاسی قائدین، تجار، بینک وغیرہ افطار پارٹی کرتے ہیں، جس میں بعض علماء بھی شریک ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ غیر مسلم سیاسی قائدین اور بینک کا پیسہ مشکوک ہے، افطار میں لگائے جانے والے پیسوں کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حلال ہیں، تو اس طرح کی افطار پارٹیوں میں شریک ہونا کہاں تک درست ہے؟

(احمد جابری، نظام آباد)

جواب:- دعوت غیر مسلم کی بھی قبول کی جاسکتی ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی غیر مسلموں کی دعوت اور ان کا تحفہ قبول کیا ہے، (۱) پھر یہ کہ غیر مسلم جب تک مسلمان نہ ہوجائے احکام شرعیہ کی تفصیلات کا مکلف نہیں، تجارت اور حلال وحرام کے جو احکام ہیں، ایمان لانے کے بعد انسان اس کا مخاطب بنتا ہے، جب تک ایمان نہ لے آئے یہ احکام اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اس لئے غیر مسلموں کی دعوت کے بارے میں ذریعۂ معاش کی تحقیق وتفتیش ضروری نہیں، ہاں کوئی ایسی چیز نہیں کھائی جاسکتی جو بذاتِ خود حرام ہو، اس کی حرمت محض ذریعۂ

(۱) "أن يهودية أتت النبي ﷺ بشاة مسمومة فأكل منها، فجيئ بها فقيل: ألا نقتلها؟ قال: لا، قال: فما زلت أعرفها في لهوات رسول الله ﷺ" عن أنس بن مالك ﷺ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۶۱۷، باب قبول الهدية من المشركين) محشی۔

کسب کی وجہ سے نہ ہو، جیسے: مردار یا غیر مسلم کا ذبیحہ، البتہ جس مسلمان کا ذریعۂ آمدنی حرام ہو، اس کی دعوت قبول کرنے میں احتیاط ضروری ہے، کیونکہ وہ مسلمان ہونے کے بعد تمام شرعی احکام کا مکلّف ہے۔

بینک والوں کی دعوت قبول کرنا درست نہیں، کیونکہ ایک تو بینک کا ذریعۂ آمدنی یقیناً سود پر مبنی ہے، اور سود کی حرمت وشناعت ظاہر ہے، دوسرے اس سے ایک ایسے ادارہ کا تعاون ہوتا ہے جو سود کا داعی اور نقیب ہے، اور گناہ میں تعاون حرام ہے۔

افطار میں اسراف

سوال:- {1166} دعوتِ افطار میں عموماً ان لوگوں کو ہی دعوت دی جاتی ہے جو متمول اور دوسروں کو افطار وطعام کرانے کے لائق ہوتے ہیں، غریبوں محتاجوں کو نہیں، یہ رویہ کیسا ہے؟ دوسرے افطار میں جو اسراف نظر آتی ہیں اس کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟

(شہاب الدین دوگھروی، سویٹوالان، نئی دہلی)

جواب:- اسلام کا مزاج یہ ہے کہ ایسے مواقع پر غرباء کو ضرور ہی یاد رکھا جائے، محض متمول لوگوں کو کھلانا اور تمول کی نمائش کرنا اور غریب مسلمانوں کو نظر انداز کردینا اخوت ایمانی کے خلاف ہے، اس لئے ایسا نہیں کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے ایسے ولیمہ کو بدترین ولیمہ قرار دیا ہے جس میں غریب بھائیوں کو نہ پوچھا جائے، (۱) اسراف کے مذموم ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ خود قرآن مجید نے ایک سے زیادہ مواقع پر اس سے منع فرمایا ہے، (۲) اس لئے افطار میں بھی اسراف مناسب نہیں، البتہ شریعت نے اعتدال اور اسراف کے لئے کوئی پیمانہ مقرر

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۷۵۶۔ الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۹۲۔ محشی۔
(۲) الانعام: ۱۴۱، الاعراف: ۳۱، الغافر: ۲۶، یونس: ۱۲، ۸۳۔ محشی۔

نہیں کیا ہے اور نہ ہی ایسا کیا جانا ممکن ہے، اس لئے ہر زمانہ کے حالات سوسائٹی کے خورد ونوش کے معیار اور اس کے مروجہ طریقوں کو سامنے رکھ کر احتیاط کے ساتھ کسی چیز پر اسراف کا حکم لگانا چاہئے۔

اگر بس میں افطار کا سامان نہ ہو

سوال:- {1167} حالتِ سفر میں بس میں افطار کا وقت ہوگیا، روزہ افطار کرنے کے لئے نہ کھجور ہے اور نہ پانی، تو کیا کیا جائے؟ (عبداللہ صدیقی)

جواب:- اصل میں تو روزہ دار کو پہلے سے اہتمام کرنا چاہئے کہ اس کے پاس افطار کے لئے کوئی چیز موجود ہو، لیکن اگر غفلت ہوگئی تو یہ ایک مجبوری کی حالت ہے، اس کے سوا چارہ نہیں کہ آگے جہاں کچھ کھانے پینے کی چیز مل جائے وہاں روزہ افطار کر لے۔

جس کی آمدنی مشکوک ہو، اس کی دعوتِ افطار

سوال:- {1168} رمضان المبارک میں ثواب کی نیت سے اکثر افطار، یا کھانے کی دعوت روزہ داروں کو دی جاتی ہے، بعض مرتبہ میزبان کی کمائی، یا تو دو نمبر کی ہوتی ہے، یا کم سے کم مشکوک ہوتی ہے، اگر دعوت قبول نہ کی جائے تو دل شکنی اور کدورت کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ (سید صابر علی چشتی، ناندیڑ)

جواب:- اگر کسی مسلمان کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا ذریعۂ آمدنی حلال ہے، یا حرام؟ تو بحیثیتِ مسلمان اس کے بارے میں حسن ظن سے کام لیتے ہوئے دعوت قبول کرنی چاہئے، اگر اس کی آمدنی ناجائز ہو، یا آمدنی کا غالب حصہ ناجائز ہو، تو اس کی دعوت قبول

کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اس کی تذلیل کے درپے ہوئے بغیر تنہائی میں اسے دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سمجھا دینی چاہئے، تا کہ اسے عبرت ہو، اگر وقتی طور پر اسے ناگوار بھی گزرے تو آئندہ انشاء اللہ وہ آپ کی مجبوری کو سمجھنے پر مجبور ہوگا، اگر اس کی آمدنی کا غالب حصہ حرام و ناجائز ہو، لیکن جس پیسے سے دعوت کر رہا ہے، معلوم ہے کہ خاص وہ پیسہ حلال ذریعہ سے حاصل شدہ ہے تو اس دعوت میں ایسے لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو ''مقتدیٰ'' کا درجہ نہ رکھتے ہوں، علماء اور خواص کو ایسی دعوتوں سے بھی گریز کرنا چاہئے، فقہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ تفصیل موجود ہے (۱) البتہ بلاوجہ کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی بھی درست نہیں اور اگر درست طریقہ پر معلوم ہو، تو اُلجھاؤ پیدا کئے بغیر تساہل بھی درست نہیں، تا کہ معاشرہ میں ایسے لوگوں کو عبرت ہو اور وہ اس سے بچنے کا اہتمام کریں۔

دعوت افطار میں غریبوں کو نظر انداز کر دینا

سوال:- {1169} ماہ رمضان میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ مسلم روزہ دار حضرات افطار پارٹیوں کا اہتمام کرتے ہیں اور غریب مسلمانوں کو نظر انداز کر کے غیر مسلم اعلیٰ عہدیداروں اور نامور شخصیتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دعوت افطار دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(شیخ احمد، نظام شوگر فیکٹری، شکر نگر)

جواب:- دعوت افطار میں غیر مسلموں کو مدعو کرنا بھی جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے خود بہت سے غیر مسلموں کو اپنا مہمان بنایا ہے (۲) اور غریب مسلمانوں کی رعایت بھی ضروری ہے،

(۱) الفتاوی الهندية :۳۴۳/۵ ، كتاب الكراهية۔

(۲) الدر المنثور في التفسير المأثور:۱۸۱/۵۔محشی۔

صحیح مسلم ، حدیث نمبر:۵۳۶۴، نیز دیکھئے: جمع الفوائد:۲۹۴/۱۔مرتب۔

ان کو بھی مدعو کرنا چاہئے، اگر غیر مسلم عہدیداروں کو محض خوشنودی اور چاپلوسی میں مدعو کیا جائے اور ذاتی مفاد پیش نظر ہو، تو اس پر شاید کوئی اجر وثواب نہ ہو اور اگر ان کو مدعو کرنے کا مقصد اسلام اور مسلمانوں سے مانوس کرانا ہو، دین حق کی طرف متوجہ کرنا اور مسلمانوں کے تئیں غلط فہمیوں کو دور کرنا ہو تو ان کی دعوت کرنا باعث اجر ہے، لیکن بہر حال غریب مسلمان بلکہ حسب گنجائش غریب غیر مسلم بھائیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ بدترین ولیمہ وہ ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے، (۱) ظاہر ہے کہ جب یہ حکم ولیمہ کے بارے میں ہے تو دعوت افطار کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ ہوگا، کیونکہ دعوت نکاح کے مقابلہ میں دعوت افطار کے اندر عبادت اور مذہبیت کا پہلو زیادہ ہے۔

کس چیز سے افطار مستحب ہے؟

سوال:- {1170} کیا افطار کے وقت کھجور نہ ہو تو کم از کم نمک سے افطار ضروری ہے؟ کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟
(س، ج، سنتوش نگر)

جواب:- نمک پر افطار کرنے سے متعلق روایت میری نظر سے نہیں گذری اور غالباً کسی صحیح حدیث میں اس طرح کی بات نہیں آئی، صحیح حدیثوں میں کھجور اور پانی پر افطار کا ذکر آیا ہے، چنانچہ حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ

"رسول اللہ ﷺ نماز مغرب سے پہلے چند تر کھجوروں سے افطار فرمایا کرتے تھے، اگر یہ میسر نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی

(۱) "عن أبي هريرة ﷺ أنه كان يقول : شر الطعام طعام الوليمة يدعى لها الأغنياء و يترك الفقراء الخ" (صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۵۱۷۷، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله و رسوله) محشی۔

نوش فرمالیتے''(۱)

امام ترمذی نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ جاڑے کے موسم میں آپ ﷺ کا معمول مبارک کھجوروں سے افطار کا تھا اور گرما میں پانی سے۔(۲)

افطار کس چیز سے کرے؟

سوال:- {1171} بعض لوگ کھجور رہنے کے باوجود نمک سے روزہ افطار کرتے ہیں، اور بعض لوگ پانی سے، افطار کس چیز سے کرنا چاہئے؟　　(کوثر النساء، جہاں نما)

جواب:- حضرت سلمان بن عامر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

''جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے، تو کھجور سے افطار کرے کہ یہ باعث برکت ہے، اگر کھجور نہ ہو، تو پانی سے افطار کرلے کہ یہ پاک ہے''(۳)

حضرت انس ؓ سے بھی اس مضمون کی روایت منقول ہے، لیکن اس میں یہ ہے کہ چند تر کھجوروں سے افطار کرلے، اگر میسر نہ ہو تو چند سوکھی کھجوروں سے، اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو چند گھونٹ پانی سے،(۴) حضرت انس ؓ کی ایک روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات دودھ سے بھی روزہ افطار کیا ہے،(۵) ایک ضعیف روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ تین کھجوروں یا کسی ایسی چیز پر افطار کرنا پسند کرتے، جو آگ پر پکی ہوئی نہ ہو،(۶) اس لئے

---

(۱)　سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۳۵۶، الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۶۹۶۔

(۲)　الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۶۹۶، باب ماجاء ما یستحب علیه الافطار۔

(۳)　مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر:۱۹۹۰۔

(۴)　سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۳۵۶۔ محشی۔

(۵)　مجمع الزوائد:۳/۱۵۶۔

(۶)　حوالۂ سابق:۳/۱۵۵۔

اہل علم نے کھجور، یا پانی سے افطار کو مسنون قرار دیا ہے، (۱) نمک پر افطار کرنے کی بات بے اصل معلوم ہوتی ہے کہ حدیثوں میں کہیں اس کا ذکر نہیں، مذکورہ حدیثوں سے ظاہر ہے کہ کھجور نہ ہو، تو پانی سے افطار کرنا چاہئے، کھجور موجود ہو تو کھجور سے افطار بہتر ہے۔

افطار اور نماز مغرب کے درمیان فاصلہ

سوال:- {1172} رمضان المبارک میں مغرب کی جماعت میں کس قدر تاخیر کی جاسکتی ہے؟

(ابوصالح، یاقوت پورہ)

جواب:- مغرب کی نماز میں جہاں تک ممکن ہو، عجلت کرنا مستحب ہے، لیکن فقہاء نے کسی ضرورت یا عذر کے تحت تاخیر کی بھی اجازت دی ہے، ان اعذار میں ایک اس کو بھی شمار کیا ہے کہ آدمی کھانے کی حالت میں ہو:

" والأصح أنه يكره إلا من عذر كالسفر و الكون على الأكل و نحوهما" (۲)

اس لئے افطار کی وجہ سے تھوڑی سی تاخیر میں حرج نہیں، البتہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ تارے نکل آئیں، کہ یہ مکروہ ہے، اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ (۳)

ایک کھجور پر افطار

سوال:- {1173} صرف ایک کھجور سے روزہ افطار

(۱) احیاء العلوم :۱/۱۵۵۔

(۲) کبیری ص:۳۳۷۔

(۳) الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۶۹۹ ، صحيح البخاري :۱/۲۶۳، صحيح مسلم : ۱/۳۵۰۔ محشی۔

کر کے نماز پڑھنا صحیح ہے؟

(حسن بن صالح الحامد، گرامٹ کال)

جواب:- کچھ کھا پی کر روزہ افطار کر لینا مسنون ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں کی ہے، اگر کوئی شخص اپنی ناداری کی وجہ سے یا طبعی تقاضہ کی وجہ سے ایک کھجور کھانے پر اکتفا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں! اسے واجب خیال نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ جو بات شریعت میں واجب نہ ہو یا جس مسئلہ میں اللہ تعالی نے سہولت رکھی ہو اس میں کسی ایک پہلو کو واجب قرار دینا یا تنگی برتنا جائز نہیں ہے۔

ہوائی جہاز میں افطار

سوال:- {1174} ہوائی جہاز میں جس علاقہ سے گذرنا ہوتا ہے، اس علاقہ کے لحاظ سے افطار کا وقت ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ جہاز بلندی پر ہوتا ہے، اس لئے سورج نظر آتا رہتا ہے، ایسی صورت میں افطار کس لحاظ سے کرنا چاہئے؟

(محمد عبد المجید، جدہ)

جواب:- افطار اس وقت کرنے کا حکم ہے، جب سورج غروب ہو چکا ہو، جب تک سورج موجود ہو افطار کرنا درست نہیں ہوگا، سورج کا باقی رہنا اور ڈوب جانا، اس مقام کے اعتبار سے ہے، جہاں روزہ دار ہو، اگر زمین پر ہو تو زمین کے اعتبار سے حکم ہوگا اور فضاء میں ہو تو فضا کے اعتبار سے حکم ہوگا، جب روزہ دار فضاء میں ہے، اور وہاں سورج غروب نہیں ہوا ہے، تو اس کے لئے ابھی روزہ افطار کرنا درست نہیں ہوگا، اور روزہ افطار کر لے تو قضاء و کفارہ واجب ہوگا۔

افطار کرانے کی فضیلت

سوال:- {1175} میری خالہ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں رمضان میں تم کو کچھ رقم دوں گی کہ ہمارے گھر کے ایک ممبر کی طرف سے ان کو روزہ کا اجر ملے، چنانچہ میرے گھر کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر آپ نے ان کے پیسوں سے افطار اور سحری وغیرہ کیا تو آپ کے روزہ اور تراویح وغیرہ کا پورا اجر ان کو مل جائے گا، کیا یہ صحیح ہے؟　　(روبینہ بیگم، جہاں نما)

جواب:- اگر آپ کی خالہ نے آپ کے لئے افطار وغیرہ کا نظم کیا تو آپ کے روزہ و تراویح کے اجر میں کچھ کمی ہوئے بغیر ان کو بھی انشاء اللہ آپ کے روزہ کا اجر حاصل ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو افطار کرانے والوں کے لئے یہی اجر بتایا ہے،(۱) اور ظاہر ہے کہ اللہ کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں ہے، اس لئے آپ اپنی خالہ سے مدد لے سکتی ہیں۔

افطار اور نماز میں غیر مسلم بھائیوں کی شرکت

سوال:- {1176} نماز افضل ترین عبادت ہے نہ کہ تماشہ، لیکن بارہا دیکھا گیا ہے کہ قومی یکجہتی کے شوق میں بعض وقت غیر مسلم حضرات کو چاہے وہ لیڈر رہوں یا منسٹر، شریکِ نماز کرلیا جاتا ہے، خاص طور پر رمضان کی افطار پارٹیوں میں اکثر یہ تماشہ ہوتا رہتا ہے، تو کیا یہ بے ادبی نہیں ہے؟

(میر یوسف علی، محبوب نگر)

جواب:- غیر مسلم بھائیوں کو افطار کی دعوت دینے میں کوئی حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ

(۱) الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۸۰۱۔ محشی۔

نے غیر مسلموں کو مدعو کیا ہے(۱) اور خود بھی ان کی دعوت قبول فرمائی ہے،(۲) ان سے یہ تقاضا کرنا کہ وہ نماز میں شریک ہوں، نادرست بھی ہے اور نامعقول بھی، لیکن اگر کوئی غیر مسلم بطور خود مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے تو اسے شرکت سے روکنا اسلامی اخلاق کے مغائر بھی ہے اور اس سے اس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں نفرت بھی پیدا ہو سکتی ہے، اس لیے اس سے روکنا نہیں چاہئے، بلکہ دعاء کرنی چاہئے کہ '' اھدنا الصراط المستقیم '' کی دعاء اس کے حق میں مقبول ہو جائے، و ما ذلك علی اللہ بعزیز'' اس کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منافقین نماز پڑھا کرتے تھے، یہ مسلمان نہیں تھے، اور حضور ﷺ ان کے نفاق سے اچھی طرح واقف بھی تھے، پھر بھی آپ ﷺ نے کبھی ان کو اس سے منع نہیں فرمایا(۳) چنانچہ ان میں سے بہت لوگ بتدریج دامن اسلام میں آ گئے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۵۳۶۴، نیز دیکھئے: جمع الفوائد:۱/۲۹۴، الدر المنثور في التفسیر المأثور:۵/۱۸۱۔ مرتب۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۱۴۸۱، باب : خرص التمر، حدیث نمبر:۲۶۱۶، ۲۶۱۷، مرتب۔

(۳) الدر المنثور في التفسیر المأثور:۶/۶۸۲، ذیل سورۃ الماعون۔ مرتب۔

نذر کے روزے وغیرہ

روزہ کی نذر

سوال:- {1177} ایک شخص نے اللہ سے منت مانی کہ اگر شادی صحیح سلامت ہوگئی تو شادی کے بعد میاں بیوی مل کر آٹھ روزے رکھیں گے، اگر کسی بات سے چار ہی روزے رکھے پھر کچھ دنوں کے بعد تین روزے رکھ لئے اور ایک روزہ باقی ہے، تو کیا ایک روزہ رہنا ضروری ہے؟

(سیدہ ریحانہ بیگم، باغ امجد الدولہ)

جواب:- آدمی جس جائز چیز کی نذر مانے، اس کا پورا کرنا واجب ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصي الله فلا يطعه"(۱)

(۱) صحيح البخاري:۲/۹۹۱، باب النذر في الطاعة۔

"جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قبیل سے کسی بات کی
نذر مانی، اس کو اس کی تکمیل کرنی چاہئے، اور اگر کسی گناہ کی
بات کی نذر مان لے تو اس کو پورا نہیں کرنا چاہئے۔

اس لئے آپ دونوں پر آٹھ روزے پورا کرنا واجب ہے، اگر آپ نے مطلق آٹھ روزہ رکھنے کی نیت کی تھی، تو باقی ایک روزہ رکھ لینا کافی ہے، اور اگر مسلسل آٹھ روزے رکھنے کی نیت کی تھی، تو دوبارہ آٹھ روزے مسلسل رکھنے ہوں گے۔(۱)

کیا نذر میں نماز و روزہ کا تسلسل سے رکھنا ضروری ہے؟

سوال:- {1178} زید نے سو رکعت نفل نماز اور چھ
نفل روزوں کی نذر مانی تھی، تو کیا سو رکعت نمازیں ایک ساتھ
پڑھنی ضروری ہے؟ یا تھوڑی تھوڑی الگ الگ وقت میں ادا کی
جاسکتی ہے؟ اور روزہ بھی کیا وقفہ وقفہ سے رکھے جاسکتے ہیں؟

(ش، ا، ع، نظام آباد)

جواب:- اگر سو رکعت نماز کی نذر مانی ہو تو اسے وقفہ کے ساتھ بھی ادا کیا جاسکتا ہے، یہی حال روزوں کا بھی ہے، اگر مسلسل روزوں کی نیت نہیں تھی، بلکہ مطلق چھ روزوں کی نیت کی تھی، تو روزہ میں تسلسل ضروری نہیں ہوگا۔

"ولو قال صوم شهر يعني أن التزم التتابع
لزم، وإن أطلق لايلزمه التتابع " (۲)

(۱) دیکھئے :الفتاوی قاضیخان علی هامش الهندية:۲/۱۲،البحر الرائق :۲/۲۹۷۔
(۲) الفتاوی البزازية علی هامش الفتاوی الهندية:۴/۲۶۹۔

نفل روزے کی نیت کر کے روزہ نہیں رکھ سکا؟

سوال:- {1179} زید نے نفل روزہ رکھنے کی نیت کی تھی، اب اسے روزہ رکھنے کا وقت نہیں مل رہا ہے، ان حالات میں وہ ان روزوں کو کس طرح رکھے؟

(شہباز آصف، مقام غیر مذکور)

جواب:- اگر آپ نے صرف دل میں ارادہ کیا تھا کہ روزہ رکھیں گے تب تو آپ کو اختیار ہے چاہیں تو روزہ رکھ لیں یا نہ رکھیں اور اگر آپ نے زبان سے کہا تھا کہ میں اللہ کے لیے روزہ رکھوں گا، تو اب یہ نذر ہے اور نذر کی وجہ سے روزہ یا کوئی نیک عمل جس کی نذر مانی جائے واجب ہو جاتا ہے، اگر روزہ رکھنے پر قادر ہو تو روزہ رکھنا واجب ہے اور اگر روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہو اور آئندہ بھی اس کی امید نہ ہو کہ آپ روزہ رکھ سکیں گے تو پھر فدیہ ادا کرنا واجب ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص نذر مان چکا ہو اور وہ نہیں رکھ پایا، اب زندگی سے مایوس ہو چکا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اپنے ورثاء کو فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے۔(۱)

* * * * * *

---

(۱) رد المحتار :۳/۴۲۴۔

نفل روزے

شوال کے چھ روزوں کا حکم

سوال:- {1180} ہمارے قصبہ کے ایک عالم دین شوال کے چھ روزوں کی اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی تکمیل نہ کرنے پر رمضان کے روزے ادھر لٹک کر رہ جاتے ہیں اور جب تک ان چھ روزوں کی تکمیل نہیں ہو جاتی ثواب نہیں ملتا؟ (سید خواجہ معین، سدا سیو پیٹ)

جواب:- شوال کے چھ روزے جائز یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہیں، نہ فرض ہیں اور نہ واجب، اس لئے یہ کہنا کہ روزۂ رمضان کا اجر ان روزوں پر موقوف رہتا ہے، درست نہیں، یا تو موصوف سے مغالطہ ہو گیا ہے یا خود آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، فضائل پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ شریعت میں جس عمل کا جو درجہ ہو اس کو اسی درجہ پر رکھا جائے، کسی عمل کے لئے جو اہمیت ثابت ہے، اگر اس کو اس سے زیادہ اہمیت دے دی جائے تو یہ بھی بدعت ہے۔

رمضان المبارک کے علاوہ روزے

سوال:- {1181} رمضان المبارک کے علاوہ کن دنوں کے روزے رکھنا واجب ہے؟ اور کیا ان روزوں کے سحر وافطار کی نیت اور رمضان کے روزوں میں کچھ فرق ہے؟

(فیروز خاں، پھولانگ، نظام آباد)

جواب:- رمضان المبارک کے روزے کے سوا کوئی اور روزہ فرض نہیں، اور نہ کوئی اور روزہ مستقل طور پر واجب ہے، البتہ اگر روزہ کی نذر مان لی جائے، تو وہ واجب ہوجائے گا، اسی طرح بعض غلطیوں کے کفارہ کے طور پر روزہ رکھنا واجب ہوتا ہے، رمضان المبارک کے روزوں کی نیت صبح میں بھی کی جاسکتی ہے، لیکن ان روزوں کی نیت رات ہی میں کرلینا واجب ہے، (۱) رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر بلا عذر توڑ دیا جائے تو کفارۃ واجب ہے، دوسرے روزے بھی بلا عذر شروع کرنے کے بعد نہیں توڑنا چاہئے، لیکن توڑ دے تو کفارہ واجب نہیں؛ البتہ سحر وافطار کے لئے نیت ضروری نہیں نہ رمضان المبارک میں نہ دوسرے روزوں میں، باقی احکام تمام روزوں کے قریب قریب یکساں ہیں۔

جمعہ کو نفل روزہ

سوال:- {1182} جمعہ کے دن نفل روزے رکھنے کا کیا حکم ہے؟

(محمد عبدالوکیل ناصر، بازار سلیمان جاہ)

جواب:- بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا، (۲) جب کہ بعض روایات میں دوسرے دنوں کے ساتھ ملا کر روزہ رکھنے کا ذکر آیا

(۱) "فلا يجوز إلا بنية من الليل" (الهداية :۱/۱۹۳) محشی۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۴۲۰۔ محشی۔

ہے، (۱) اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ تنہا جمعہ کو روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ جمعرات یا ہفتہ کا روزہ اس کے ساتھ ملا کر رکھا جائے تو حرج نہیں:

"كره صوم يوم الجمعة إلا أن يضم إليه يوم قبله أو بعده كما في الحديث ... النهي للتنزيه "(۲)

عشرۂ ذی الحجہ میں روزہ

سوال:- {1183} ذوالحجہ کے مہینے میں کیا روزہ رہنا چاہئے؟ اگر رہنا چاہئے تو کتنے اور کون کون سی تاریخ کو رہنا چاہئے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- یوں تو ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں دس ذی الحجہ کو چھوڑ کر بقیہ نو دنوں روزہ رکھنا باعث اجر ہے، حضرت ابوہریرہ ﷛ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''عشرۂ ذی الحجہ سے بڑھ کر کسی دن کی عبادت اللہ تعالی کو محبوب نہیں، ان میں سے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر اور ہر شب کی عبادت شب قدر کی عبادت کی طرح ہے''(۳)

اس روایت پر محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن اس مضمون کی اور روایتیں بھی ہیں، (۴) جن سے اس کو تقویت پہونچتی ہے، خاص طور پر یوم عرفہ یعنی ۹/ ذی الحجہ کے روزہ کی بڑی فضیلت آئی ہے:

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۴۲۲۔ محشی۔

(۲) طحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۳۱۵۔

(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۷۵۸۔

(۴) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۷۴۹۔ محشی۔

''حضرت ابوقتادہ ﷛ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے
ارشاد فرمایا کہ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ یوم عرفہ کا روزہ
گزشتہ اور آئندہ سال کے لئے کفارہ بن جائے گا''

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے ''حسن'' یعنی مستند و معتبر قرار دیا ہے، (۱) چنانچہ اس کے مستحب ہونے پر تمام فقہاء متفق ہیں۔ (۲)

تنہا ایک نفل روزہ

سوال:- {1184} نفل روزہ صرف ایک دن رکھ سکتے ہیں، جیسے پندرہ شعبان کا روزہ ہے، یا یوم عاشوراء کے روزہ کی طرح ہر نفل روزہ میں ایک دن ملا کر رکھنا چاہئے؟

(میر احمد علی جاوید، علی بلڈرس، نام پلی)

جواب:- یوم عاشوراء کو چونکہ یہودی بھی روزہ رکھا کرتے تھے، اس لئے یہودیوں کی مماثلت سے بچنے کی غرض سے، ۱۰/ محرم کے ساتھ ۹/ یا ۱۱/ کا روزہ ملا کر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، دوسرے نفل روزوں کے ساتھ روزہ ملا کر رکھنا ضروری نہیں، پندرہ شعبان کو تنہا روزہ رکھا جاسکتا ہے، کیونکہ حدیث میں صرف اسی تاریخ کا ذکر آیا ہے، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے پیر اور جمعرات کے روزہ کی فضیلت ثابت ہے (۳) یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت منقول ہے (۴) ظاہر ہے کہ یہ تنہا روزے ہیں، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک روزہ ملانے کا حکم نہیں فرمایا ہے، اس لئے یوم عاشوراء کے روزہ کے علاوہ جو دوسرے نفل روزے ہیں، وہ سب تنہا بھی رکھے جاسکتے

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۷۴۹۔ باب ماجاء فی فضل الصوم یوم عرفه۔
(۲) کتاب الفقه: ۱/ ۵۰۵۔ محشی۔
(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۷۴۵۔
(۴) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۷۴۹۔

ہیں، اسی طرح بعض روایات میں تنہا جمعہ کے روزہ کو پسند نہیں کیا گیا ہے، اس لیے اس دن کے ساتھ بھی ایک دن ملالینا چاہئے۔

نفل روزے

سوال:- {1185} رمضان المبارک کا روزہ فرض ہے، لیکن محرم کے دو روزے، شب برأت کے دو روزے، عید الاضحیٰ کا روزہ اور دیگر روزوں کی حقیقت کیا ہے؟

(فیض احمد، کھوپولی، رائے گڈھ)

جواب:- آپ نے جن نفل روزوں کا ذکر کیا ہے، حدیث میں ان کا ذکر موجود ہے، نویں محرم، اور یکم ذوالحجہ سے نو تاریخوں تک کے روزوں کا ذکر تو صحاح ستہ میں سے مختلف کتابوں میں صراحت وصحت کے ساتھ منقول ہے، (۱) البتہ ۱۵/ شعبان کے روزوں کا ذکر صحاح ستہ میں نہیں ہے، لیکن بعض روایات اس سلسلہ میں بھی موجود ہے، حضرت علی ﷺ کی ایک روایت میں ہے کہ پندرھویں شب شعبان میں نماز پڑھو اور دن میں روزہ رکھو" قوموا لیلتها وصوموا یومها " (۲) البتہ پندرھویں شعبان کو دودنوں کا روزہ نہیں ہے ایک ہی دن کا روزہ ہے، دو روزوں کا حکم آپ ﷺ نے خاص یوم عاشوراء کے سلسلہ میں دیا تھا، اس دن یہود بھی روزہ رکھتے تھے، آپ کو جب اس کا علم ہوا تو ان کے تشبہ سے بچنے کے لئے دسویں محرم کے ساتھ ایک اور روزہ ملا کر رکھنے کا حکم دیا، (۳) فی زمانہ جب کہ یہود اس دن روزہ نہیں رکھتے، خیال ہوتا ہے کہ صرف ۱۰/ محرم کو بھی روزہ رکھ لیا جائے تو قباحت نہیں، ہاں! احتیاط دو روزے رکھنے میں ہے، یہ اور اس طرح کے حدیث سے ثابت دوسرے روزے نفل ہیں اور باعث ثواب۔

---

(۱) دیکھئے: الجامع للترمذي مع العرف الشذي: ۱/۱۵۲۵۴۔
(۲) کنز العمال: ۱۳/ ۲۶۹، لیلة النصف من شعبان، حدیث نمبر: ۱۴۸۳۔
(۳) کتاب الفقه: ۲/ ۵۵۔ محشی۔

پیر کے دن کا روزہ

سوال:- {1186} دار السلام میں منعقدہ جلسۂ رحمۃ للعالمین ﷺ میں ایک مولانا نے کہا کہ

''رسول اللہ ﷺ سے صحابہ ﷺ نے دریافت کیا کہ وہ ہر پیر کو روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں پیر کے دن پیدا ہوا تھا''

بتائیں کہ اس حدیث کا حوالہ کیا ہے؟ نیز کیا حضور ﷺ ہر پیر کو روزہ رکھتے تھے؟ (محمد عادل، ریڈ ہلز)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک پیر کے دن روزہ رکھنے کا تھا، اس لیے اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے، اسی دن روزہ رکھنے کی کیا وجہ تھی؟ اس سلسلہ میں پیر کے دن کی دو خصوصیات خود آپ ﷺ سے منقول ہیں: اول یہ کہ اسی دن آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، چنانچہ حضرت ابوقتادہ ﷺ سے روایت ہے:

" سئل رسول الله ﷺ من صوم الإثنين ؟ فقال: فيه ولدت وفيه أنزل علي " (۱)

دوسرے حضرت ابوہریرہ ﷺ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیر اور جمعرات کے دن انسانوں کے اعمال خدا کے حضور پیش کیے جاتے ہیں، تو میں پسند کرتا ہوں کہ روزہ کی حالت میں میرے اعمال پیش کیے جائیں:

" عن أبي هريرة ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: تعرض الأعمال يون الاثنين و الخميس ،

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۶۲، مسند أحمد، حدیث نمبر: ۲۲۹۰۸۔

فأحب أن يعرض عملي و أنا صائم " (۱)

کتب احادیث میں کئی روایتیں اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں، بعض صحابہ ﷺ سے بھی یہ عمل ثابت ہے، اوراس بابت دریافت کیے جانے پر انھوں نے اس کی وجہ یہی بتائی کہ پیراور جمعرات کوخدا کے حضور اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (۲)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۷۴۷۔

(۲) ملاحظہ ہو: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۴۳۶۔

اعتکاف کے مسائل

اعتکاف کی افضل جگہ

سوال:- {1187} اعتکاف کی افضل جگہ کون سی ہے؟

(زاہد مرزا، یاقوت پورہ)

جواب:- اعتکاف یوں تو کسی بھی مسجد میں ہوسکتا ہے، جس میں نمازِ پنجگانہ ادا کی جاتی ہو، لیکن سب سے افضل مسجد حرام (مکہ مکرمہ) میں، پھر مسجدِ نبوی میں، اس کے بعد مسجدِ اقصیٰ میں اور ان مساجد کے بعد جامع مسجد میں اعتکاف کرنا ہے:

"فأفضل الاعتكاف أن يكون في مسجد الحرام، ألخ ۔(۱)

زنجیری اعتکاف

سوال:- {1188} اعتکاف سنت اکیس رمضان سے

(۱) بدائع الصنائع :۲/۲۸۱۔

شوال کے چاند دیکھنے تک ایک ہی شخص کے بیٹھنے کے بجائے کئی احباب یکے بعد دیگرے زنجیری طور پر بیٹھیں، تو کیا محلہ والوں پر سے اعتکاف کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی؟

(محمد عبدالحفیظ، مولاعلی)

جواب:- اعتکاف سنت یہ ہے کہ ایک ہی شخص بیس رمضان کو غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے، اور ہلال عید طلوع ہونے تک اعتکاف کی حالت میں رہے، (۱) مختلف دنوں میں مختلف لوگ بیٹھیں تو یہ اعتکاف نفل ہوگا، اس سے اعتکاف سنت ادا نہیں ہوگا، اور اہل محلہ پر اس کی ذمہ داری باقی رہے گی۔

اگر اعتکاف فاسد ہو جائے؟

سوال:- {1189} عشرۂ اخیرہ میں کوئی شخص اعتکاف سنت کی نیت سے بیٹھا پھر اس سے اعتکاف فاسد ہو گیا، ایسی صورت میں اس پر قضاء ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنے دنوں کی کیا پورے عشرہ کی یا چوبیس گھنٹے کی؟

(ضیاء الاسلام، سری رنگاورم)

جواب:- اگر رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کا مسنون اعتکاف ٹوٹ گیا، تو اب یہ اعتکاف سنت باقی نہ رہا، بلکہ اعتکاف نفل ہو گیا، اس لئے اسے پورے دس دن کے اعتکاف کی قضاء کرنی ضروری نہیں، ایک دن کی قضاء کر لے تو یہ کافی ہے، اسی رمضان میں کر لے، یا رمضان کے بعد کبھی ایک دن نفل روزہ رکھ کر اعتکاف کر لے، دونوں صورتیں درست ہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورے دس دنوں کی قضاء کرنی ہوگی:

---

(۱) "وعند الأئمة الأربعة أنه يدخل قبل غروب الشمس إن أراد اعتكاف شهر أو عشر" (مرقاة المفاتيح :۴/۳۲۹، باب الاعتكاف، ط: مكتبہ زكريا، دیوبند) محشی۔

" تقضي النظر أنه لو شرع في المسنون أعني العشر الأواخر بنية ثم أفسده أن يجب قضاء ه تخريجا على قول أبي يوسفؒ ... لا على قولهما " (۱)

ایک محلّہ میں کئی مسجدیں ہوں

سوال:- {1190} ایک محلّہ، جیسے فرض کر لیجئے مغلپورہ ہے، اس محلّہ میں قریب قریب چار پانچ مساجد ہیں، کیا ان مساجد میں سے ایک مسجد میں بھی دس دن کا اعتکاف کرلیا، تو سنت مؤکدہ کا حق ادا ہو جائے گا، یا پھر ہر مسجد کے مستقل مصلیوں میں سے کسی ایک کو ہر مسجد میں دس دن میں اعتکاف بیٹھنا سنت ہے؟ (نادر المسدوسی، مغلپورہ)

جواب:- اعتکاف سنت کفایہ ہے، یعنی ایک یا چند اشخاص اعتکاف کرلیں تو سب بریٔ الذمہ ہو جائیں گے، اور اگر کسی نے اعتکاف نہیں کیا تو سبھی تارکِ سنت کہلائیں گے، البتہ یہ سوال اہم ہے کہ ایک ہی محلّہ میں کئی مسجدیں ہوں، تو کیا سنتِ اعتکاف کی ادائیگی کے لئے ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے، یا محلّہ کی ایک مسجد میں اعتکاف کرلینا کافی ہے؟ اس سلسلہ میں اعتکاف کی نسبت سے کوئی صراحت نہیں ملتی، البتہ جیسے اعتکاف سنت کفایہ ہے، اسی طرح مسجد میں تراویح کی جماعت بھی سنت کفایہ ہے، اور تراویح کے بارے میں فقہاء نے اس سوال کو اٹھایا ہے کہ پورے شہر میں ایک مسجد میں جماعت تراویح سنت کی ادائیگی کے لئے کافی ہے یا ہر محلّہ میں، ایک مسجد میں تراویح کافی ہے؟ یا محلّہ کی ہر مسجد میں تراویح ضروری ہے؟ فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں تینوں اقوال موجود ہیں، علامہ طحطاویؒ نے شہر کی ایک مسجد میں کافی قرار دیا ہے، علامہ حصکفیؒ

(۱) فتح القدير :۲/۳۹۳۔

نے ہر مسجد کے لئے ضروری قرار دیا ہے، اور خاتم الفقہاء علامہ شامیؒ نے محلہ کی ایک مسجد میں تراویح کی ادائیگی کو کافی سمجھا ہے، اور اس سلسلہ میں فقہاء کی بعض عبارتوں سے اپنے نقطۂ نظر کی تائید وتوثیق بھی نقل کی ہے، (۱) علامہ شامی ہی کا قول زیادہ درست اور مبنی بر اعتدال معلوم ہوتا ہے، پس جو حکم تراویح کا ہے وہی حکم اعتکاف کا بھی ہونا چاہئے، یعنی اگر ایک محلہ میں کئی مسجدیں ہوں، تو بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو، لیکن اگر ان میں سے ایک مسجد میں بھی اعتکاف کرلیا جائے تو پورے محلہ کے لوگ ترک سنت کے گناہ سے انشاء اللہ بری ہوجائیں گے۔

بغیر روزہ کے اعتکاف

سوال:- {1191} میں ذیابطیس کا مریض ہوں، روزہ رکھنے کی کوشش کرتا ہوں، بہت کم روزے ادا ہو پاتے ہیں، جو چھوٹتے ہیں، ان کا فدیہ دے دیتا ہوں، آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھنے کا بھی ارادہ ہے، بغیر روزہ کے اعتکاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (حسن پاشا، مستعد پورہ)

جواب:- اعتکاف سنت کی ادائیگی کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے، اسی لئے اعتکاف سنت رمضان کے اخیر عشرہ سے متعلق ہے، اس لئے اگر بیماری کی وجہ سے بھی روزہ نہ رکھ سکے تو اعتکاف سنت نہیں کرسکتا، البتہ یہ اس کے حق میں اعتکاف نفل ہوجائے گا، اور اعتکاف نفل کا ثواب انشاء اللہ اسے حاصل ہوگا:

" ومقتضى ذلك أن الصوم شرط أيضا فى الاعتكاف المسنون ، لأنه مقدر بالعشر الأخير حتى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أو لسفر

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار :۲/۴۹۵۔

ینبغی أن لا یصح عنه ، بل یکون نفلا ، فلا
تصح به اقامة سنة الكفاية " (۱)

پس آپ بغیر روزہ کے بھی نفل اعتکاف کر سکتے ہیں۔

ڈیوٹی کے ساتھ اعتکاف

سوال:- {1192} میں ایک سرکاری ملازم ہوں، اور میری ڈیوٹی اچم پیٹھ کے قریب ایک گاؤں میں رہتی ہے، اسی گاؤں کی مسجد کے کمرے میں میرا قیام ہے، گاؤں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ہے، بروز جمعہ مسجد بھر جاتی ہے، بلکہ تنگ دامنی کی شکایت کرتی ہے، گاؤں میں بزرگ احباب بھی ہیں، لیکن گذشتہ دو سال سے میرا مشاہدہ ہے کہ کوئی بھی شخص ماہ رمضان کے آخری دہے میں اعتکاف کرنے کو تیار نہیں ہوتا، حالانکہ کئی طرح سے کئی بار اعتکاف کی اہمیت بتلائی گئی، جو شاید فرض کفایہ ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ میں کم از کم آخری دہے گاؤں کی مسجد میں اعتکاف کرلوں، چونکہ میں ملازم ہوں، اور اپنے عہدہ کے لحاظ سے روزآنہ دفتر حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے، کیا میں دن میں دو چار گھنٹے آفس کا کام دیکھتے ہوئے نماز ظہر سے قبل روزآنہ داخل مسجد ہو کر اعتکاف پورا کر سکتا ہوں، کیا اس طرح اعتکاف درست ہوگا؟ (سید انوار الحسن، اچم پیٹھ)

جواب:- یہ بات بہت افسوس ناک ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد ہونے کے باوجود گاؤں میں کوئی شخص اعتکاف کے لئے تیار نہیں، اعتکاف سنت کفایہ ہے، اور اگر محلہ میں کوئی شخص

(۱) ردالمحتار :۳/۴۳۱۔

بھی مسجد میں معتکف نہ ہو، تو سب کے سب ترک سنت کے گنہگار ہونگے، اس لئے گاؤں کے مسلمانوں کو اس سلسلہ میں متوجہ کرنا چاہئے، آپ نے اعتکاف کی جو صورت لکھی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ صورت درست نہیں، کیونکہ امام صاحب کے یہاں کسی شرعی یا طبعی ضرورت کے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں، اور نکل جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ سہولت ہے کہ اگر آدھے دن سے کم مقدار مسجد سے باہر رہا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، آدھے دن سے زیادہ دن مسجد سے باہر رہے تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

"وقالا لا يفسد إلا بأكثر من نصف يوم و هو الإستحسان ...فينبغي ترجيح قولهما" (۱)

لہٰذا اگر آپ دس روز کی مکمل رخصت نہیں لے سکتے تو بہ درجہ مجبوری یہی صورت اختیار کرلیں، ان دونوں فقہاء کے قول پر آپ کا اعتکاف درست ہو جائے گا، اور بعض اہل علم نے ان ہی حضرات کے رائے پر فتوی دیا ہے۔ (۲)

حالت اعتکاف میں خروج ریح

سوال:- {1193} اگر اعتکاف کی حالت میں خروج ریح کی نوبت آئے تو کیا مسجد ہی میں اس ضرورت کو پورا کر لینا چاہئے یا مسجد سے باہر نکلنا چاہئے؟ (عبدالمتین، گلشن باغ)

جواب:- عام حالات میں فقہاء نے مسجد میں اخراج ریح کو منع کیا ہے، کیونکہ اس سے بدبو پھیلتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں بدبودار چیزوں کے لانے کو منع فرمایا ہے، اور معتکف کو طبعی حوائج کے لئے باہر نکلنا جائز ہے، اور یہ بھی طبعی حوائج میں داخل ہے، اس لئے بہتر یہی ہے

(۱) البحر الرائق :۳۰۳/۲۔
(۲) الهداية مع فتح القدير :۳۱۰/۲-۳۱۱ محشی۔

کہ اگر پہلے سے اس کا تقاضا ہو تو استنجاء کے بہانے باہر آجائے، تاہم یہ حکم از راہ استحباب ہے، واجب نہیں، اس لئے جس شخص کو عذر ہو اس کے لئے مسجد سے باہر نہ آنے کی بھی گنجائش ہے۔

"واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضهم بأسا و بعضهم قالوا لا یفسو و یخرج إذا احتاج إلیه و هو الأصح"(۱)

خروج ریح کے مریض کا اعتکاف کرنا

سوال:- {1194} اگر کسی شخص کو گیسٹک کی بیماری ہو اور بار بار خروج ریح کی نوبت آتی ہو تو کیا ایسے شخص کو اعتکاف کرنا چاہئے، یا اس کا اعتکاف کرنا جائز نہیں؟

(عبدالمتین، گلشن باغ)

جواب:- اگر کوئی دوسرا شخص اعتکاف کر رہا ہو، تو خیال ہوتا ہے کہ ایسے شخص کا اعتکاف میں نہ بیٹھنا بہتر ہے، کیونکہ اعتکاف سنت کفایہ ہے، یعنی اگر ایک شخص نے بھی اعتکاف کرلیا تو سب لوگ ترک سنت کے گناہ سے بچ جائیں گے، اور ایسے شخص کے اعتکاف کرنے میں بظاہر مسجد کی بے احترامی معلوم ہوتی ہے، اور اس سے اجتناب زیادہ اہم ہے، ویسے یہ اس حقیر کی ذاتی رائے ہے، دوسرے اہل علم سے بھی دریافت کرلیا جائے۔

سگریٹ پینے کے لیے معتکف کا باہر نکلنا

سوال:- {1195} اعتکاف میں بیٹھنے کے بعد کیا مسجد کے باہر نکل کر بیڑی، سگریٹ یا گٹکھا استعمال کرسکتا ہے؟

(محمد اسماعیل، وقار آباد)

---

(۱) الفتاوی الهندية:۵/۳۲۱۔

جواب:- بیڑی، سگریٹ اور گٹکھا استعمال کرنا عام حالات میں بھی کراہت سے خالی نہیں، تاہم اگر اس کا ایسا عادی ہو چکا ہو کہ اس کے استعمال کے بغیر چین نہ آتا ہو، یا کوئی شخص ایسا خوگر ہو کہ اس کے بغیر اجابت نہ ہوتی ہو، تو اب اس کی حیثیت کھانے پینے کی طرح طبعی ضرورت کی ہوگی، اور طبعی ضرورت کے لیے معتکف مسجد سے باہر جا سکتا ہے:

" و حرم عليه ... الخروج إلا لحاجة الانسان طبعية ، كبول ، وغائط ، وغسل " (۱)

اس لیے اس مقصد کی غرض سے باہر نکل سکتا ہے، البتہ پھر اچھی طرح منہ صاف کر کے مسجد میں آئے، کیوں کہ بد بودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ہے۔ (۲)

غسل جمعہ کے لئے مسجد سے باہر نکلنا

سوال:- {1196} معتکف کیا غسل جمعہ کے لئے مسجد کے باہر نکل سکتا ہے؟ یا اسے مسجد کے اندر ہی غسل کرنا چاہئے؟

(حبیب الرحمان، نلگنڈہ)

جواب:- جمعہ کے لئے غسل کرنا سنت ہے، حدیث میں اس کی تاکید آئی ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ابتداء اسلام میں رسول اللہ ﷺ نے غسل جمعہ کو واجب قرار دیا تھا، (۳) فقہاء کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل فرض ہو یا نفل دونوں کے لئے معتکف کو

---

(۱) الدر المختار علی رد المحتار: ۳/۴۳۵۔

(۲) " أن رسول الله ﷺ قال في غزوة خيبر : من أكل من هذه الشجرة يعني الثوم فلا يقربن مساجدنا " عن ابن عمر ؓ ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۱۲۴۸، باب ما جاء في الثوم النسيئو البصل و الكراث) مرتب۔

(۳) " أن رسول الله ﷺ قال : غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم " عن أبي سعيد الخدري ؓ ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۸۷۹، باب فضل الغسل يوم الجمعة ، و هل على الصبي شهود يوم الجمعة أو على النساء) محشی۔

مسجد سے نکلنا جائز ہے، ظاہر ہے کہ غسل جمعہ بھی غسل نفل میں شامل ہے چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"غسل جمعہ کے بارے میں کتب اصول میں مجھے کوئی صریح قول نہیں ملا، سوائے اس کے کہ شرح امداد میں کہا گیا ہے کہ غسل فرض ہو یا نفل اس کے لئے معتکف باہر نکل سکتا ہے"(۱)

معتکف کا مسجد میں چہل قدمی کرنا

سوال:- {1197} اعتکاف کی حالت میں مسجد کے اندر کیا چہل قدمی کی جاسکتی ہے؟ یہ مسجد کے احترام کے خلاف تو نہیں؟　　　(مخلص الدین، محبوب آباد)

جواب:- چہل قدمی ایک تو تفریحا کی جاتی ہے، اس نقطۂ نظر سے مسجد میں ٹہلنا مناسب نہیں، البتہ بعض لوگوں کو طبی اغراض کے تحت چہل قدمی کرنی ہوتی ہے، خاص کر ریاحی تکلیف یا شوگر وغیرہ کی وجہ سے، اس مقصد کے تحت چہل قدمی کرنا درست ہے، کیونکہ یہ علاج کے قبیل سے ہے، اور انسان کی بنیادی حاجات میں داخل ہے اور معتکف کے لئے مسجد میں ضروری امور انجام دینے کی اجازت ہے۔

اعتکاف میں بیوی سے ملاقات

سوال:- {1198} کیا حالت اعتکاف میں بیوی مسجد آکر شوہر سے ملاقات کرسکتی ہے؟

(عبدالمقیت، چندرائن گٹہ)

(۱)　اشعة اللمعات:۳/۱۲۸۔

جواب:- معتکف کے لئے صرف جماع اور دواعی جماع کی ممانعت ہے، ملاقات اور بات چیت میں قباحت نہیں، اگر مسجد کے اندر ہو، رسول اللہ ﷺ سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حالت اعتکاف میں جاکر ملاقات کرنا ثابت ہے، اور خود بخاری میں ایک سے زیادہ مواقع پر یہ روایت آئی ہے۔(۱)

خواتین کا اعتکاف

سوال:- {1199} خواتین کے اعتکاف کرنے کا کیا حکم ہے؟ انہیں کہاں اعتکاف کرنا چاہئے، اور اگر اعتکاف کے درمیان ماہواری شروع ہوگئی تو اعتکاف جاری رہے گا، یا ختم ہو جائے گا؟ (شفیق احمد، اکبر باغ)

جواب:- عورتوں کے لئے بھی اعتکاف مسنون ہے، فقہاء نے اسے مطلقا مسنون قرار دیا ہے، اور مرد و عورت کا کوئی فرق ذکر نہیں کیا ہے، البتہ اعتکاف کے سلسلہ میں مسجد کا جو حق ہے، وہ خواتین کے اعتکاف سے ادا نہیں ہو سکے گا، کیونکہ وہ گھر میں اعتکاف کریں گی، عورتوں کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے،" و یکره في المسجد أي تنزیها "(۲) اگر گھر میں نماز کے لئے کسی جگہ کو مخصوص کر رکھا ہو تو اسی جگہ عورت کو اعتکاف کرنا چاہئے،"... لبث امراة في مسجد بيتها "(۳) عورت کے اعتکاف کرنے سے چونکہ شوہر کا حق استمتاع متاثر ہوتا ہے اس لئے عورت کو شوہر سے اجازت لے کر ہی اعتکاف کرنا چاہئے اور جب شوہر اجازت دے چکا ہو تو اب اس کے لئے درست نہیں کہ اعتکاف شروع ہونے کے بعد اس سے صحبت کرے۔

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۲۰۳۸، باب زیارة المرأة زوجها في اعتکافه۔ محشی۔
(۲) الدر المختار مع رد المحتار :۳/۴۲۹۔
(۳) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۱/۱۵۵۔

"ولیس لزوجها أن یطأها إذا أذن لها ... ولا
ینبغی لها الاعتکاف بلا إذنه" (۱)

اگر اعتکاف کے درمیان ماہواری آئی تو اعتکاف کی مخصوص جگہ سے باہر آجائے اور جوں ہی پاک ہو غسل کر کے اعتکاف گاہ میں واپس آجائے، جتنے دنوں ناپاکی کی حالت میں گذرے بعد کو اتنے دنوں کی قضاء کر لینی چاہئے۔(۲)

سوال:- کیا عورت کے لئے بھی اعتکاف ضروری ہے؟
اگر ضروری ہے تو شرائط وغیرہ کی وضاحت کیجئے؟
(ارفع شاداں، محبوب نگر)

جواب:- عورتوں کے لئے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا مستحب ہے، البتہ وہ اپنے گھر کے ایک حصہ ہی میں اعتکاف کریں گی، اگر گھر کے کسی حصہ کو نماز کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہو تو وہاں اعتکاف کریں، اور اگر ایسا نہ ہو تو گھر کے کسی حصہ کو اعتکاف کے لئے مخصوص کرلیں، اگر اس جگہ سے بلا عذر نکل جائیں تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، نذر ماننے کی وجہ سے اعتکاف واجب ہو جاتا ہے، اگر اعتکاف کی نذر خواتین مان لیں تو ان پر بھی اعتکاف واجب ہو جائے گا، اور اسی طرح گھر کے ایک حصہ میں اعتکاف کرنا ہوگا، اگر بلا عذر اس جگہ سے نکل پڑیں تو اعتکاف واجب تو فاسد ہو جائے گا، لیکن نفل کی حیثیت سے باقی رہے گا، عورتوں کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔(۳)

✿ ✿ ✿ ✿ ✿ ✿

---

(۱) ردالمحتار :۳/۴۲۹۔
(۲) جامع الرموز :۱/۱۶۵۔
(۳) طحطاوی :ص:۳۸۲۔

کتاب الفتاویٰ

حج | ذبح | شکار | نکاح

چوتھا حصہ

قربانی | عقیقہ | وقف | رضاعت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب الفتاویٰ

چوتھا حصہ

حج، قربانی
عقیقہ، ذبح
شکار، وقف
نکاح،
رضاعت

''زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب اور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں، حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں''

تالیف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام ——— کتاب الفتاویٰ چوتھا حصہ

تاریخ اشاعت ——— اپریل ۲۰۰۸ء

تالیف ——— مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب ——— مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

سرورق ——— احباب زمزم پبلشرز

مطبع ——— احباب زمزم پبلشرز

ناشر ——— زمزم پبلشرز کراچی
شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم [illegible] 2018342
- قدیمی کتب خانہ، بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

Books Also Available in :

' United Kingdom
AL-FAROOQ INTERNATIONAL
68, Asfordby Street Leicester
LE5-3QG

' United States of America
ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton BL1 3NE

' South Africa
Madrasah Arabia Islamia
P.O. Box 9786
Azaadville 1750 South Africa
E-mail: [illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۙ‏ ﴿۴۳﴾ (النحل)

"(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں، آدمی بھیجے ہیں، جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے، پس اے لوگو! اہل ذکر (علم) سے پوچھ لو، اگر تم لوگ خود نہیں جانتے"۔

فہرست مضامین

کتاب الحج

حج سے متعلق سوالات

احرام اور اس کی ممنوعات

متفرق مسائل

کتاب الذبح و الصید

ذبح وشکار سے متعلق سوالات

کتاب الوقف

وقف سے متعلق سوالات

مساجد سے متعلق احکام

کتاب الرضاعة

دودھ کے رشتہ سے متعلق سوالات

کتاب الفتاوی

چوتھا حصہ

کتاب الحج

حج سے متعلق سوالات

احرام اور اس کی ممنوعات

احرام کے کپڑے پر مسح

سوال:- {1200} احرام باندھنے کے بعد عورتیں وضو کریں تو سر کے مسح کا کیا طریقہ ہے؟ احرام ہٹا کر سر کا مسح کر سکتی ہیں، یا اوپر ہی سے؟ (مہر النساء، چنچل گوڑہ)

جواب:- اللہ تعالی نے سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے، ظاہر ہے کہ سر سے مراد انسان کا جسم ہے، اس لئے احرام کے کپڑوں پر مسح کرنا کافی نہیں، سر پر مسح کرنا ضروری ہے، البتہ احرام کی حالت احتیاط کے ساتھ مسح کریں، تاکہ بال ٹوٹنے نہ پائیں، اگر بال ٹوٹ گئے تو صدقہ واجب ہوگا۔

احرام کی چادر کو پن سے منسلک کرنا

سوال:- {1201} احرام کا اوپری حصہ اکثر کندھوں سے نیچے گرتا رہتا ہے، اسٹیل کا کانٹا لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(حاجی عبدالقدیر، بیدر)

جواب:- اس طرح بٹن کا لگانا مناسب نہیں۔ کیونکہ کپڑے کے سلنے سے ایک گونہ اس کی مماثلت ہے، اور سلا ہوا کپڑا پہننا احرام کے وقت ممنوع ہے، فقہاء نے اس سلسلے میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص چادر کو تہہ بند بنالے تو اس کے دونوں کھلے ہوئے کناروں کو رسی یا کسی اور چیز سے گرہ لگانا اور باندھنا نہیں چاہئے، لیکن ایسا کر ہی گذرے تو اس کی وجہ سے دم یا صدقہ واجب نہیں، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

"بخلاف الرداء فإنه إذا اتزر بها لا ينبغي أن يعقده بحبل أو غيره ومع هذا لو فعل لا شيئ عليه"(۱)

احرام اور پردہ

سوال:- {1202} میں پردہ کی بہت پابند ہوں، بلوغ کے بعد ہی سے میرے والدین نے مجھے پردہ کا پابند رکھا، میرے شوہر بھی دین دار ہیں، چنانچہ شادی کے بعد انہوں نے قریبی رشتہ داروں سے بھی پردہ کرایا، اب میں شوہر کے ہمراہ حج کو جانے والی ہوں، بعض لوگوں نے کہا کہ یہیں سے احرام باندھنا لازمی ہے، اگر یہیں سے احرام باندھ لوں، تو جن سے میں اب تک پردہ کر رہی ہوں، ان کے سامنے بے پردہ رہوں گی، کیا میں اور میری جیسی خواتین ہوائی جہاز میں بیٹھنے کے بعد احرام نہیں باندھ سکتے؟ (فاطمۃ النساء، مستعد پورہ)

جواب:- اصل میں احرام کی کیفیت اس وقت شروع ہوتی ہے جس وقت آپ تلبیہ

---

(۱) البحر الرائق :۳/۷۔

پڑھیں، احرام باندھنا حیدرآباد سے ضروری نہیں، بلکہ میقات آنے سے پہلے احرام باندھنا ضروری ہے، آپ ایسا کریں کہ غسل کر کے دو رکعت نمازِ احرام پڑھ لیں، پھر اگر حج تمتع کر رہی ہوں، تو عمرہ کی نیت کرلیں، اور ابھی تلبیہ نہ پڑھیں، جہاز میں بیٹھنے کے بعد میقات آنے سے پہلے تلبیہ پڑھ لیں، اسی وقت آپ کا احرام شروع ہوگا، عام طور پر جدہ سے آدھا گھنٹہ پہلے میقات آتی ہے۔

چہرہ سے مراد

سوال:- {1203} عورتوں کا احرام سر کا کپڑا ہے، احرام چہرہ کو چھوڑ کر باندھنا ہے، چہرہ کی تعریف کیا ہے؟
(مہر النساء، چنچل گوڑہ)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ عورتوں کو حالتِ احرام میں چہرہ کو کپڑا لگنے سے بچانا ہے، فقہاء نے لکھا ہے: ''والمرأة : إحرامها في وجهها باتفاق الفقهاء ''(۱) اس لئے سر پر کوئی ایسی چیز باندھ لی جائے اور اس پر کپڑا ڈال لیا جائے کہ بے پردگی بھی نہ ہو اور کپڑا چہرہ سے لگنے بھی نہ پائے، چہرہ کا اطلاق اسی حصہ پر ہوگا، جس حصہ کو وضو میں دھونے کا حکم ہے، یعنی پیشانی کے بال سے ٹھوری تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک۔

حالتِ احرام میں غسل واجب ہوجائے؟

سوال:- {1204} احرام کی حالت میں غسل کی ضرورت پڑ جائے تو کیا طریقہ ہے؟ (مہر النساء، چنچل گوڑہ)

جواب:- اگر احرام کے درمیان کسی کو احتلام ہوجائے، یا عورتیں ایام سے پاک ہوں، اور غسل واجب ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، غسل کر سکتے ہیں، صرف یہ احتیاط رکھیں کہ

(۱) الفقه الإسلامي و أدلته :۳/۱۳۰۔ مرتب۔

خوشبودار صابون استعمال نہ کریں، کہ حالتِ احرام میں خوشبو کا استعمال ممنوع ہے، سر اس طرح نہ ملیں کہ بال ٹوٹ جائے اور چہرہ کو تولیہ سے نہ پونچھیں کہ چہرہ پر کپڑا لگانے میں کراہت ہے، اس احتیاط کے ساتھ غسل کرنے میں کچھ حرج نہیں۔(۱)

محرم کا دوسرے کے بال کاٹنا

سوال:- {1205} آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ محرم جب حج وعمرہ کے افعال مکمل کر لے تو وہ اپنے بال بھی کاٹ سکتا ہے اور دوسرے ایسے شخص کا بال بھی کاٹ سکتا ہے جو ان افعال کو مکمل کر چکا ہو یہ بات تو بعض کتابوں میں آئی ہے کہ ایسا شخص اپنے بال کاٹ سکتا ہے، لیکن یہ بات کہ دوسرے کے بال بھی کاٹ سکتا ہے، کہیں نظر سے نہیں گذری، براہِ کرم اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں۔

(وحید الدین قاسمی، عثمان آباد)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ محرم افعال عمرہ یا افعال حج کو پورا کرنے کے بعد جیسے اپنے بال کاٹ سکتا ہے، ان افعال کے تکمیل کرنے والے دوسرے محرم کے بال بھی اپنے بال کاٹنے سے پہلے کاٹ سکتا ہے، چنانچہ مسائل حج پر ملا علی قاریؒ کی مشہور کتاب ''لباب المناسک'' کی شرح میں ہے:

إذا حلق أي المحرم رأسه أی رأس نفسه أو رأس غيره أی ولو كان محرما عند جواز التحلل أي الخروج من الاحرام بأداء أفعال النسك لم يلزمه شيئ ، الأولى لم يلزمها شيئ

(۱) رد المحتار :۳/۴۹۸۔ محشی۔

وھذا حکم یعم کل محرم فی کل وقت ، فلا مفھوم لتقییدالمصنف فی الکبیربقولہ عندجوازالحلق یوم النحر"(۱)

بے شعور بچوں کا احرام

سوال:- {1206} میرا ایک لڑکا اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ریاض میں مقیم ہے، اس سال اپنی بیوی بچوں کے ساتھ حج کرنا چاہتا ہے، بچے کی عمر دو سال کے قریب اور بچی کی عمر تین سال کے قریب ہے، اس لیے بچوں کو ساتھ لے کر ہی حج کے ارکان ادا کرنا ہوگا، تو کیا بچوں کا احرام باندھا جائے گا اور طواف میں ان کی طرف سے نیت کی جائے گی؟

(محمد بدرالدین، رین بازار)

جواب:- نابالغ بچہ جس کو ابھی احرام وغیرہ کا شعور بھی نہیں ہے، اگر اس کے والد اس کے احرام کی نیت کرلیں تو وہ محرم ہو جائے گا اور افعال حج میں والد کی نیت اس کی طرف سے کافی ہو جائے گی، لڑکا ہو تو دوسرے محرم مردوں کی طرح اسے بھی چادر اور تہ بند پہنائی جائے گی اور چوں کہ نابالغ ہونے کی وجہ سے وہ احکام کا مکلف نہیں، اس لیے اگر اس سے احکام احرام کی خلاف ورزی بھی ہو جائے تو دم، صدقہ یا کفارہ واجب نہیں ہوگا:

"فإن کان لایعقلہ فأحرم عنہ أبوہ صار محرماء فینبغي أن یجردہ قبلہ ویلبسہ ازارا ورداء و لما کان الصبي غیر مخاطب کان

---

(۱) شرح لباب المناسک:ص:۱۱۵۔

احرامه غیر لازم"(۱)
نیز نابالغ کا حج حج نفل کے حکم میں ہے،لہذا بالغ ہونے کے بعد اگر صاحب استطاعت ہو تو حج فرض اسے ادا کرنا ہوگا(۲)۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) البحر الرائق :۲/۵۵۳۔
(۲) بدائع الصنائع :۲/۵۲۳۔

عورتوں کا سفرِ حج

بغیر محرم کے سفرِ حج

سوال:- {1207} میں اس سال حج کے لیے جارہی ہوں، میرے شوہر اس دنیائے فانی سے کوچ کر چکے ہیں، اس لیے میں نے فارم بھرتے وقت محرم کے کالم میں اپنے خالہ زاد بھائی کا نام لکھ دیا ہے، جو میرے ساتھ مع اہلیہ کے شریک ہیں، میری عمر پچاس سال ہے اور میرے بھائی کی عمر پچاس سال سے بھی زیادہ ہے، کیا میں ان کے ساتھ حج کا سفر کرسکتی ہوں؟

(رقیہ بیگم، ورنگل)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے عمر کی قید کے بغیر کسی بھی مسلمان عورت کو اتنی مسافت کا سفر کرنے سے منع فرمایا جو تین دن ورات یا اس سے زیادہ میں طے کیا جاسکے، (۱) اور خالہ

---

(۱) "إن رسول الله ﷺ قال : لا تسافر المرأة ثلاثا إلا و معها ذو محرم" (صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۳۲۵۸، باب سفر المرأة مع محرم إلى الحج وغيره ، صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۱۸۶۲، باب حج النساء) محشی۔

زاد بھائی بہر حال غیر محرم ہے، اس لیے آپ کا اپنے خالہ زاد بھائی کے ساتھ سفر درست نہیں، اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے، نہ کہ سفر حج، تو اگر حرمین شریفین کا سفر کسی کے حق میں ثواب کے بجائے اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا باعث ہو جائے تو اس سفر کا کیا فائدہ؟ اس لیے اس سے بچنا چاہئے۔

داماد کے ساتھ حج کا سفر

سوال:- {1208} ساس اپنے داماد کے ساتھ حج کر سکتی ہے یا نہیں؟ ساس اور داماد کا رشتہ محرم کا ہے یا غیر محرم کا؟ (غوثیہ سلطانہ، محبوب گارڈن کالونی)

جواب: - محرم سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن کے ساتھ کبھی بھی نکاح حلال نہ ہو۔

"من لا يجوز مناكحته على التأبيد بقرابة او رضاع او مصاهرة " (۱)

داماد سے بھی ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، یہاں تک کہ اگر نکاح کے بعد بیوی سے قربت کی نوبت نہ آئی ہو اور اس سے پہلے ہی طلاق ہو جائے، تب بھی ساس اور داماد ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہیں، خود قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے، (۲) اس لئے ساس کا اپنے داماد کے ساتھ سفر حج کرنا جائز ہے، البتہ اگر عمر میں زیادہ تفاوت نہ ہو، اس مرد یا عورت کے اخلاق و عادات قابل اطمینان نہ ہوں، یا کسی اور وجہ سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ان کا ایک دوسرے کے ساتھ سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔

عورت کا محرم کے بغیر حج

سوال:- {1209} کیا حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ

---

(۱) رد المحتار :۳/۴۶۴، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند۔ محشی۔

(۲) ﴿ و امهٰت نسائكم ﴾ (النساء :۲۳۔ مرتب۔

عورت تنہا حج کو جاسکتی ہے؟ محرم سے مراد کون لوگ ہیں؟
بہنوئی بھی تو سالی سے نکاح نہیں کرسکتا تو کیا وہ بھی محرم میں
داخل ہے؟ (عبدالمجیب، نلگنڈہ)

جواب:- (الف) عورت پر حج فرض ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم رشتہ دار موجود ہو، اگر اس کے ساتھ کوئی محرم چلنے کو تیار نہ ہو، یا تیار ہو لیکن عورت کے اندر اتنی استطاعت نہ ہو کہ وہ اپنے علاوہ اپنے کسی محرم رشتہ دار کے اخراجاتِ سفر بھی برداشت کرسکے، تو اس پر حج فرض نہیں، حضرت عبداللہ ابن عباس ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے، اور جب تک عورت کے ساتھ محرم نہ ہو، کوئی اجنبی شخص اس کے پاس نہ آئے، ایک صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں فلاں اور فلاں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، اور میری بیوی حج کا ارادہ رکھتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بیوی کے ساتھ حج میں جاؤ''(۱)

عورت کے محرم کے بغیر سفر نہ کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، اس لئے خواتین کو محرم کے بغیر سفر حج سے گریز کرنا چاہئے، کیونکہ عبادتوں کا اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے، اور جب شریعت میں ایک بات سے منع کر دیا گیا ہو تو اس کے ارتکاب کی وجہ سے بجائے ثواب کے گناہ ہی کا اندیشہ ہے۔

شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے ہٹ کر عملی طور پر بھی سفر حج میں خواتین کے ساتھ شوہر یا محرم

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۸۶۲۔

کا ہونا نہایت ضروری محسوس ہوتا ہے، آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے بار بار طبیعت خراب ہوتی ہے، مقام کی اجنبیت ،ازدحام اور زبان کی عدم واقفیت کی وجہ سے خواتین کو بار بار مدد کی ضرورت پیش آتی ہے، بہت سی جگہ طویل قیام کرنا پڑتا ہے،اور بہت سی دشوار قانونی کارروائیوں سے گزرنا پڑتا ہے،ان مواقع پر محرم رشتہ دار یا شوہر کا قدم قدم پر تعاون مطلوب ہوتا ہے۔

(ب) محرم رشتہ داروں سے وہ اقارب مراد ہیں،جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے،نسبی رشتہ داروں میں باپ دادا اور ان کا آبائی سلسلہ، چچا، ماموں، بیٹا، بیٹے اور بیٹی کی اولاد، اوران کا آبائی سلسلہ اولاد، بھتیجا، بھانجہ،سسرالی رشتہ داروں میں خسر اوران کا آبائی سلسلہ،شوہر کی اولاد،اسی طرح داماد، یہ سب ہمیشہ کے لئے حرام ہیں،تیسرے وہ لوگ جو دودھ کے رشتہ سے حرام ہوں،یعنی رضاعی باپ، چچا، ماموں،دادا وغیرہ۔

جن لوگوں سے عارضی طور پر نکاح حرام ہو مثلاً پھوپھا، خالو، بہنوئی، یہ محرم نہیں ہیں، کیونکہ پھوپھی ،خالہ اور بہن کے انتقال یا ان کو طلاق دینے کے بعد نکاح کی حرمت ختم ہوجاتی ہے، اس لئے بہنوئی محرم میں داخل نہیں ہے،نہ اس کے ساتھ سفر حج درست ہے اور نہ عام سفر۔

طواف

فجر اور عصر کے بعد دوگانۂ طواف

سوال:- {1210} اگر کوئی شخص فجر بعد یا عصر بعد طواف کرے تو طواف کی دو رکعتیں کب ادا کرے؟ لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں کوئی مکروہ وقت نہیں ہے، ان اوقات میں بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

(عبدالاحد قاسمی، ایراگڈہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے بعد نماز فجر تا طلوع آفتاب اور بعد نماز عصر تا غروب آفتاب مطلقاً نماز پڑھنے سے منع فرمادیا ہے اور اس میں مکہ مکرمہ اور دوسرے مقامات کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، (۱) اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر فجر یا عصر کے بعد طواف کرے تو

---

(۱) "أن النبي ﷺ نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس ، و بعد العصر حتى تغرب " (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۵۸۱،۵۸۴،۵۸۶،۵۸۸، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس - مرتب -

نماز کے لیے اسے سورج نکلنے اور ڈوبنے کا بھی انتظار کرنا چاہیے، تاکہ مکروہ وقت گزر جائے، طلوع وغروب کے بعد دوگانہ طواف ادا کریں،(۱) چنانچہ مختلف صحابہ ﷺ کا عمل اسی کے مطابق منقول ہے، مؤطا امام مالک میں حضرت عمر ﷺ سے اسی طرح منقول ہے،(۲) خود امام بخاریؒ نے بھی حضرت عمر ﷺ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فجر کے بعد طواف کیا، تو بغیر نماز پڑھے مکہ سے روانہ ہو گئے اور ''ذی طویٰ'' نامی مقام پر پہنچ کر دوگانہ طواف ادا کی،(۳) مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت معاذ بن عفراء ﷺ کا یہی عمل منقول ہے،(۴) اسی طرح حضرت ابو سعید خدری ﷺ کا بھی یہی عمل نقل کیا گیا ہے،(۵) نیز بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ ﷺ اور تابعینؒ کی ایک جماعت طلوع آفتاب تک ان رکعات کو مؤخر کیا کرتی تھی:

"وروی عن جماعة من الصحابة والتابعين أنهم كانوا يؤخرون حتى تطلع الشمس وترتفع "(۶)

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعدد صحابہ ﷺ کا یہی عمل نقل کیا ہے،(۷) اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس وقت طواف کی دو رکعتیں ادا نہ کی جائیں، وقت مکروہ گزر جانے کے بعد دوگانہ طواف پڑھا جائے۔

---

(۱) "ولا يصليهما في الوقت المكروهة" (الفتاوى الهندية :۱/۲۲۳) مرتب۔

(۲) مؤطا امام مالك مع تنوير الحوالك:۳۳۵۔

(۳) صحيح البخاري، باب : الطواف بعد الصبح و العصر ۔مرتب۔

(۴) مصنف ابن أبي شيبة ،حدیث نمبر:۱۳۲۵۷۔مرتب۔

(۵) مصنف ابن أبي شيبة ،حدیث نمبر:۱۳۲۵۹۔مرتب۔

(۶) سنن بيهقي :۱/۴۶۳۔

(۷) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها : أن ناسا طافوا بالبيت بعد صلاة الصبح ، ثم قعدوا إلى المذكر حتى إذا طلعت الشمس قاموا يصلون ، فقالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها : تعدوا ، حتى إذا كانت الساعة التي تكره فيها الصلاة ، قاموا يصلون " (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۱۶۲۸،باب : الطواف بعد الصبح والعصر۔مرتب۔

بغیر وضو کے طواف

سوال:- {1211} اگر عمرہ کا طواف یا طواف زیارت بغیر وضو کے کرے تو کیا حکم ہوگا ؟ اگر وضو کر کے طواف شروع کیا، لیکن درمیان میں وضو جاتا رہا، تو ایسی صورت میں طواف کرنے والے کو کیا کرنا چاہئے ؟ (احمد شریف، وقار آباد)

جواب:- چونکہ عمرہ کا طواف عمرہ میں اور طواف زیارت حج میں رکن ہے، اس لئے اگر بغیر وضو کے پورا حصہ یا زیادہ حصہ یا کم حصہ انجام دے تو دم واجب ہوگا اور دم میں ایک بکرا دینا ہوگا، طواف زیارت اور طواف عمرہ میں فرق یہ ہے کہ اگر غسل کی حاجت ہو، یا عورت حالت حیض یا نفاس میں ہو اور اس حالت میں طواف زیارت کیا جائے تو بطور دم کے اونٹنی واجب ہوگی اور طواف عمرہ کی صورت میں ایسے شخص پر بکرا واجب ہوگا:

"ولو طاف للعمرة كله أو أكثره أو أقله ، ولو شوطا جنبا أو حائضا أو نفسا أو محدثا فعليه شاة ألخ" (۱)

طواف کے درمیان جہاں وضو ٹوٹا ہے وہیں سے وضو کرنے کو چلا جائے اور وضو کر کے دوبارہ وہیں سے طواف شروع کر کے سات چکر پورے کرلے، وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس سے پہلے کئے جانے والے چکر ضائع نہیں ہوں گے، بلکہ ان کو شمار کرتے ہوئے سات چکر پورے کرے گا۔

طوافِ وداع

سوال:- {1212} اگر حج کے بعد طوافِ وداع کر کے

(۱) غنية الناسك : ص: ۱۴۷۔

کسی دوسرے مقام پر چلے گئے ہوں، پھر واپس آکر عمرہ کئے ہوں تو کیا پھر طواف وداع ضروری ہے، نہ کرنے کی صورت میں کیا حکم ہے؟ اگر مقیمین بھی وہاں سے کسی مقام پر جو حدودِ حرم سے باہر ہو جانا چاہتے ہوں تو کیا عمرہ کرنے کے بعد طواف وداع ضروری ہے؟ (عبید اختر، موتی باغ، کشن گنج)

جواب:- دوبارہ طواف وداع کی ضرورت نہیں، پہلا ہی طواف کافی ہے، چنانچہ ہدایہ کے حاشیہ پر تحفہ سے نقل کیا ہے:

"لیس علی المعتمرین من أهل الآفاق طواف صدر" (۱)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) حاشية الهداية :۱/۲۳۳۔

وقوفِ عرفہ

یوم عرفہ کس دن؟

سوال:- {1213} یوم عرفہ کو جو روزہ رکھنا مسنون ہے ، ہندوستان والوں کے لئے اس سے کون سی تاریخ مراد ہوگی؟ سعودی عرب کے مطابق ۹/ ذی الحجہ کا دن یا وہ دن جب ہندوستان میں ذی الحجہ کی نو تاریخ آتی ہو؟

(محمد یاسر، حافظ بابانگر)

جواب:- شریعت میں کسی دن یا کسی تاریخ کی جو فضیلت منقول ہے، وہ اس علاقہ کے اعتبار سے ہے، جہاں انسان قیام پذیر ہو، مثلاً ۱۰ رذی الحجہ کو یوم نحر یعنی قربانی کا دن ہے، تو اب ظاہر ہے کہ پوری دنیا میں ہر جگہ کے لوگ اپنے علاقہ کے اعتبار سے ۱۰ رذی الحجہ کو قربانی کریں گے اور عید کی نماز ادا کریں گے ، نہ کہ سعودی عرب کے اعتبار سے ، اگر سعودی عرب کا اعتبار کیا جائے تو کہیں ۱۰ ر کے بجائے ۸ رذی الحجہ کو قربانی کرنی پڑے گی اور کہیں ۱۲ رذی الحجہ کو، اگر یہ سوچا جائے کہ یوم عرفہ حجاج کے وقوف عرفہ کی یادگار ہے تو پھر یہ بھی خیال کیا جاسکتا ہے کہ یوم

قربانی حجاج کی قربانی ہی کی نقل ہے، اس لئے قربانی بھی سعودی عرب ہی کے لحاظ سے ہونی چاہئے مگر دراصل یہ سوچ ہی غلط ہے، اور اصل یہی ہے کہ ہر جگہ اسی مقام کی تاریخ کا اعتبار ہوگا، اسی لحاظ سے ۹ ر ذی الحجہ کو یوم عرفہ سمجھا جائے گا اور اس دن روزہ رکھنا مسنون ہوگا۔

یوم عرفہ کی دعائیں

سوال:- {1214} حج میں وقوف عرفہ کی کیا اہمیت ہے؟ اور اس موقع سے رسول اللہ ﷺ نے کیا دعائیں مانگی ہیں؟　　　(محمد اسعد، ناندیڑ)

جواب:- حج میں وقوف عرفہ کی بڑی اہمیت ہے، یہ حج کا رکن اعظم ہے، (۱) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الحج عرفة '' (۲) عرفات سے متعلق بہت سی دعائیں ان کتابوں میں منقول ہیں، جواذ کار اور دعاؤں سے متعلق ہیں، یہ چونکہ دعا کی قبولیت کا خاص دن ہے، اس لئے اپنی دنیا وآخرت کے لئے زیادہ سے زیادہ دعائیں کرنی چاہئے، اس دن رسول اللہ ﷺ سے جو دعائیں ثابت ہے، ان میں سے تین ترجمہ کے ساتھ یہاں نقل کی جاتی ہیں:

" لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ" (۳)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے کوئی اس کا شریک

---

(۱) " و أما ركن الحج فشيئان : أحدهما : للوقوف بعرفة و هو الركن الأصلي للحج " (بدائع الصنائع :۲/۳۰۲،كتاب الحج) محشی۔

(۲) " قال رسول اللّٰه ﷺ :الحج عرفة فمن أدرك ليلة عرفة قبل طلوع الفجر من ليلة جمع فقد تم حجه " عن عبد الرحمن بن يعمر ؓ ، (سنن نسائي ،حدیث نمبر: ۳۰۱۹،فرض الوقوف بعرفة) محشی۔

(۳) غنية الناسك :ص:۸۲،حصن حصین :ص:۱۸۴۔

نہیں، اسی کے لئے فرمانروائی ہے اور اسی کے لئے ساری
تعریفیں ہیں، تمام بھلائیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، اور وہ ہر
چیز پر قادر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کو دعاءِ توحید سے موسوم کیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے میدان عرفات میں جو دعائیں کی ہیں، یہ ان میں سب سے افضل دعا ہے۔

میدان عرفات میں رسول اللہ ﷺ نے کثرت سے یہ دعا بھی فرمائی ہے:

" اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّ
فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا ، اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ، وَ
یَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَسَاوِسِ الصَّدْرِ
وَ شَتَاتِ الْاَمْرِ وَ فِتْنَةِ الْقَبْرِ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ
مِنْ شَرِّ مَایَلِجُ فِی اللَّیْلِ وَ شَرِّ مَا یَلِجُ فِی النَّهَارِ وَ
شَرِّ مَا تَهُبُّ بِهِ الرِّیْحُ وِ شَرِّ بَوَائِقِ الدَّهْرِ " (۱)

"اے اللہ! میرے دل میں، میرے کانوں میں اور میری
آنکھوں میں نور پیدا فرمادے، اے اللہ! میرا سینہ کھول
دے، اور میرے ہر کام کو آسان فرمادے اور میرے دل
کے وسوسوں، کام کے بکھراؤ اور قبر کی آزمائش سے آپ کی
پناہ میں آتا ہوں، یا الٰہی! میں رات اور دن میں درپیش
ہونے والی چیزوں کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اور
ان چیزوں کے شر سے بھی جنہیں ہوا اپنے ساتھ لے کر چلتی
ہے اور زمانہ کی ہلاکت خیزیوں کے شر سے"

---

(۱) غنية الناسك : ص:۸۳، حصن حصین:۱۸۳۔

نیز حجۃ الوداع کے موقع سے یوم عرفہ کی شام میں آپ ﷺ سے یہ دعا کثرت سے پڑھنا منقول ہے:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِيْ تَقُوْلُ وَ خَيْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ ، اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلوٰتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ ، وَ اِلَيْكَ مَـآبِيْ وَ لَكَ رَبِّيْ تُرَاثِيْ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ وَسْوَسَةِ الصَّدْرِ وَ شَتَـاتِ الْاَمْرِ "(۱)

"اے اللہ! آپ کے لئے تمام تعریفیں اسی طرح ہیں جیسا کہ آپ خود فرمائیں اور اس سے بہتر جو ہم کہہ سکیں، اے اللہ! میری نمازیں، میرے مناسک، میری زندگی اور میری موت آپ ہی کے لئے ہے، آپ ہی میری پناہ گاہ ہیں، اور اے پروردگار! میرے بعد رہ جانے والی اشیاء بھی آپ ہی کی ہیں، الٰہی! میں قبر کے عذاب، دل کے وسوسہ اور کاموں کے انتشار سے آپ ہی کی پناہ چاہتا ہوں"۔

یہ دعائیں براہ راست رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، بزرگوں نے اس کے علاوہ بھی بہت سی دعائیں بتائی ہیں، اگر دعاؤں کے عربی الفاظ یاد نہ ہوسکیں تو اردو میں بھی ان کا مفہوم ادا کیا جاسکتا ہے اور ان کے علاوہ اپنی دنیا اور آخرت کے لحاظ سے اس دن زیادہ سے زیادہ دعائیں کرنی چاہئے اور یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ دعا میں الفاظ سے زیادہ جذبات وکیفیات کی اہمیت ہے۔

(۱) غنیۃ الناسک: ص:۸۳۔

غروبِ آفتاب سے پہلے میدانِ عرفات میں واپسی

سوال:- {1215} ۹/ ذی الحجہ کو اگر کوئی شخص کسی ضرورت کے تحت حدودِ عرفات سے باہر جائے اور پھر غروب آفتاب سے پہلے عرفات میں واپس آجائے، تو کیا غروبِ آفتاب سے پہلے عرفات سے نکلنے کی وجہ سے اس پر دَم واجب ہوجائے گا؟ (خواجہ نذیر الدین سبیلی، نزیل مکہ)

جواب:- غروب آفتاب کے وقت عرفات میں وقوف ضروری ہے، اگر میدانِ عرفات سے باہر جاکر غروبِ آفتاب سے پہلے ہی اندر واپس آجائے، تو دَم واجب نہیں ہوگا، لیکن اس سے بھی احتیاط کرنی چاہئے، کیونکہ بعض اہل علم کے نزدیک اس صورت میں بھی دَم واجب ہوجاتا ہے، اگر غروبِ آفتاب کے بعد واپس آیا تو بالاتفاق دَم واجب ہوجائے گا۔

" وإن عاد قبل غروب الشمس ... ذكر الكرخي أنــه يسقـط عنــه الدم أيضـا وكذا روى ابن شجـاع عن أبي حنيفة ولو عاد إلى عرفة بعد الغروب لا يسقط عنه الدم بلاخلاف "(۱)

عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنا

سوال:- {1216} میدان عرفات میں ظہر وعصر اکٹھا پڑھنا ہے یا نہیں؟ (نظام الدین، دربھنگہ)

جواب:- ۹/ذی الحجہ کو میدان عرفات میں امام حج کے ساتھ نماز ادا کرتے ہوئے ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا مسنون ہے، امام حج سے مراد وہ شخص ہے جس کو سعودی

---

(۱) بدائع الصنائع:۲/۳۰۷-۳۰۶۔

عرب کے فرماں روا کی طرف سے نائب کی حیثیت سے عرفات میں نماز کا امام مقرر کیا جائے، اگر مسجد نمرہ میں امام کی اقتداء میں نماز ادا نہ کی جائے، بلکہ خیموں میں نماز ادا کریں تو حنفیہ کے نزدیک دونوں نمازوں کو جمع نہیں کیا جائیگا، بلکہ ظہر کی نماز اپنے وقت میں اور عصر کی نماز اپنے وقت پر ادا کی جائیگی، خواہ خیمہ میں تنہا نماز پڑھیں یا الگ سے اپنی جماعت بنائیں، چنانچہ علامہ شامیؒ ایسی صورت کے بارے میں نقل کرتے ہیں: "صلوا کل واحد منهما فی وقتها "(۱) خواتین کے لئے تو فی زمانہ بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے خیمہ ہی میں ظہر وعصر کی نماز اپنے اپنے اوقات میں ادا کرلیں، کیونکہ ازدحام کی وجہ سے مسجد نمرہ میں خواتین کی صفیں الگ نہیں ہو پاتی ہیں، اور مجمع خلط ملط ہوجاتا ہے، جو ظاہر ہے کہ حکم شریعت کے خلاف ہے، اس لئے عورتوں کے لئے اپنے خیموں ہی میں نماز ادا کرلینا بہتر ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) ردالمحتار: ۵۲۰/۳۔

رمی جمار

تینوں جمرات پر رمی کرنے کی حکمت

سوال:- {1217} حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا تو شیطان نے انہیں بیٹے کی قربانی نہ دینے کے لئے ورغلانے کی کوشش کی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو پتھر مار مار کر بھگایا تھا، اسی کی یاد میں حج اور عمرہ کے موقع پر شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں، مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ شیطان کو کنکریاں مارنے کے لئے تین مقامات کیوں ہیں؟ (نظیر سہروردی، ناندیڑ)

جواب:- حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے: ''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے سلسلے میں حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے، فرزند ارجمند کے ساتھ منیٰ تشریف لئے گئے، تو یہی تین جگہیں تھیں جہاں شیطان نے آپ علیہ السلام کو

بہکایا تھا، آپ ﷺ نے اس سے اظہار بیزاری کے لئے سات سات کنکریاں بھی ماری تھیں، اسی واقعہ کی یادگار کے طور پر ہر تین جمرات پر رمی کی جاتی ہے'' (۱)

رمی میں نیابت کب جائز ہے؟

سوال:- {1218} ''یہ لوگ جو جمرات کے پاس بھیڑ برداشت نہیں کر سکتے اور انتظار کرتے رہنے سے رمی کا وقت ختم (فوت) ہو رہا ہو، جس کی قضاء بھی مشروع (جائز) نہیں ہے، لہذا ان کے لئے جائز ہے کہ کسی کو وکیل مقرر کردیں، مگر اس کے علاوہ دوسرے مناسکِ حج میں نیابت جائز نہیں'' یہ اقتباس حج وعمرے کے مسائل بقلم شیخ علامہ عبدالعزیز بن باز (سعودیہ عربیہ) سے ماخوذ ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ دوران حج میرے لڑکوں نے میری اور میری اہلیہ کی طرف سے رمی کی، کیونکہ میری اور میری اہلیہ کی عمر ساٹھ، پینسٹھ سال کے درمیان ہے، میرے پاؤں میں زخم ہونے کے بعد اچھا تو ہوگیا مگر چلنے میں ٹھوکر لگنے سے تکلیف ہوتی تھی، اور میری اہلیہ کو شوگر کی بیماری ہونے سے چکر کے ڈر سے بچوں نے کنکریاں ماریں، مگر دوسری اور حج کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ صرف معذور شخص جو چل پھر نہیں سکتا، اپنی طرف سے وکیل مقرر کرسکتا ہے، ورنہ ''دَم'' دینا ہوگا، مجھے پڑھنے کے بعد سے بے چینی ہو رہی ہے، آپ وضاحت کریں کہ

(۱) دیکھئے : تفسیر ابن کثیر :۱۸۶/۳۔

(الف) کیا ہم پر دَم واجب ہوگیا؟

(ب) کیا ہم دَم انڈیا میں دے سکتے ہیں؟ یا مجھے خود سعودیہ جانا پڑے گا؟

(ج) کیا ہم اپنے رشتہ دار کے ذریعہ، جیسے بھائی، یا بیٹا جو اس سال حج کر رہے ہیں، ان کے ذریعہ دَم دے سکتے ہیں؟ (مظفر قادری، مغلپورہ)

جواب:- (الف) رمی میں نیابت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جو شخص رمی کرنے پر قادر نہ ہو، وہ دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے، قادر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اتنا بیمار و کمزور ہو کہ اگر جمرات تک اسے پہنچا دیا جائے، تو کنکری پھینکنے کی طاقت نہ ہو، چونکہ مختلف لوگوں میں قوی وقوت ارادی کا تفاوت ہوتا ہے اس لئے اہل علم نے اس کے لئے یہ معیار مقرر کیا ہے کہ اس کے لئے نمازیں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہو: "وحد المريض أن يصير بحيث يصلي جالسا "(۱) یا اتنا معذور تو نہ ہو، لیکن جمرات تک پیدل چلنے کی طاقت نہ ہو، اور سواری میسر نہ ہو: "أن لا يجد من يحمله "(۲) اسی اصول کی روشنی میں آپ اپنی اس وقت کی کیفیت کا اندازہ کر کے خود فیصلہ کرلیں، اگر اس درجہ کا عذر آپ حضرات کے ساتھ تھا، تو آپ کا اپنے لڑکوں سے رمی کرانا درست عمل تھا، ورنہ آپ پر دم واجب ہوگیا، البتہ ان تینوں دنوں کی رمی چھوڑنے پر ایک ہی دم یعنی ایک بکرا دے دینا کافی ہے:

"ولو ترك رمى الجمار الثلث في الأيام كلها فعليه دم واحد لاتحاد الجنس"(۳)

---

(۱) غنية الناسك: ص:۱۸۷۔

(۲) حوالہ سابق: ص:۱۸۸۔

(۳) غنية الناسك : ص:۲۸۹۔

(ب) حج سے متعلق قربانی اور جنایت کا حدود حرم میں دینا ضروری ہے، حرم سے باہر دم دینا کافی نہیں، البتہ اس کے لئے آپ کا خود سعودیہ جانا ضروری نہیں۔

(ج) آپ کسی اور شخص کے ذریعہ بھی دم کی رقم بھیج دیں یا اگر آپ کا کوئی عزیز سعودیہ میں موجود ہو اور ان کو لکھ دیں کہ وہ آپ دونوں کی طرف سے حرم میں ایک ایک دم دے دے تو کافی ہے، مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ میں بھی اس کا انتظام ہے، اگر کوئی شخص وہاں رقم پہنچا دے اور آپ دونوں حضرات کا نام ان کو دیدے، تو وہ آپ کی طرف سے دم دے دیں گے۔

حج بدل

جس نے حج نہیں کیا اس سے حج بدل کروانا

سوال:- {1219} جو شخص غریب ہو، یا امیر ہو، لیکن خود اس نے اپنا حج نہیں کیا ہو، تو کیا وہ حج بدل کر سکتا ہے؟

(عبدالجبار، جامعہ عثمانیہ)

جواب:- بہتر ہے کہ اس شخص سے حج بدل کرایا جائے جو اپنا حج ادا کر چکا ہو، جس شخص نے خود حج نہیں کیا، اس سے حج بدل کرانے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے ہے کہ ایسا شخص بھی حج بدل کر سکتا ہے، لیکن اگر اس پر خود حج واجب ہے تو اس سے حج کرانا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر خود اس پر حج واجب نہیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔(۱)

---

(۱) "یقع الحج المفروض عن الآمر علی ظاهر المذهب" (الدر المختار) و الحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم و الأفضل ألخ تحريمية على الضرورة المأمور الذى اجتمعت فيه شروط الحج و لم يحج عن نفسه ؛ لأنه آثم بالتأخير" (رد المحتار :۳/۲۰-۲۱) محشی۔

والدین کی طرف سے حج بدل

سوال:- {1220} حج بدل کن صورتوں میں لازم ہے؟ جن کے والدین میں حج کی استطاعت نہیں تھی، کیا وہ اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کر سکتے ہیں؟

(سید اطہر شاہ، حمایت نگر)

جواب:- اگر کوئی شخص مالی استطاعت کے اعتبار سے حج کرنے پر قادر ہو، لیکن جسمانی اعتبار سے سفر حج یا افعال حج ادا کرنے سے دائمی طور پر عاجز ہو، تو ایسے شخص کے لئے حج بدل کرانا واجب ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے ترکہ میں سے حج کی وصیت کردی ہو، اور ترکہ کے ایک تہائی کے بقدر مال یا اس سے کم سے حج کیا جا سکتا ہو، تو ورثہ پر ان کی جانب سے حج بدل کرنا واجب ہے، حج بدل کی اصل صورتیں یہی ہیں جن لوگوں پر حج فرض ہی نہ ہوا ہو، ان کی طرف سے حج کرنا، یا جن کا انتقال ہو چکا ہو اور انہوں نے حج کے لئے وصیت نہ کی ہو، ان کی طرف سے حج کرنا اور حج کرانا اصل میں حج بدل نہیں، یہ حج بطور ایصال ثواب کے ہے، والدین کی طرف سے ایصال ثواب کے طور پر حج کرانا درست ہے، اس صورت میں اس کے والدین کو بھی ثواب ہوگا، اور خود اس کو بھی۔

جدہ سے حج بدل

سوال:- {1221} میرے ایک دوست پر حج فرض تھا، اب وہ حج کے لائق نہیں ہیں، ان کے ایک عزیز جدہ میں مقیم ہیں، کیا وہ اپنے ان عزیز کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان کی طرف سے حج بدل کردیں؟ اور کیا یہ حج بدل ان کی طرف سے کافی ہو جائے گا؟

(کفایت اللہ، گلبرگہ)

جواب:- حج بدل کے لئے ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل ہو رہا ہے وہ حج کے اخراجات ادا کرے، دوسرے جس مقام پر اس کی سکونت ہے وہاں سے حج بدل کیا جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص ان صاحب کی طرف سے خود ان کی اجازت سے حج کرنے کے لئے تیار ہو تو یہ درست ہوگا، گویا اس نے حج کا حکم دینے والے کو اخراجات حج بطور ہدیہ کے دیا اور پھر اس نے ان کی طرف سے حج ادا کیا، لیکن جو شخص ہندوستان میں مقیم ہو اس کی طرف سے جدہ سے حج بدل کر لینا کافی نہیں، ہندوستان سے حج کرانا ضروری ہے، ہاں اگر اتنے اخراجات نہ ہوں کہ کسی کو ہندوستان سے بھیجے اور جدہ سے کسی کو حج کرادے تو امید ہے کہ مجبوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نیابتاً اس حج کو قبول فرمالیں گے:

"... فیحج عنه من بلده ... ان وفى به ... و ان لم يف فمن حيث يبلغ استحسانا" (۱) واللہ اعلم۔

بغیر وصیت کے میت کی طرف سے حج بدل

سوال:- {1222} ''الف'' پر حج فرض تھا، اپنی زندگی میں حج ادا نہیں کر سکا اور نہ ہی وصیت کر سکا، اگر اس کی اولاد اس کی طرف سے حج کر دے تو کیا اس کے والد کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا؟ (محمد مبشر قاسمی، باسہ)

جواب:- اصل تو یہی ہے کہ آدمی بوقت قدرت فریضۂ شرعی کو ادا کر دے اور اگر ادا نہ کر سکا تو کم سے کم وصیت کر جائے، تاہم اگر وصیت بھی نہیں کی اور ورثہ نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مورث کی طرف سے حج ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس کا حج ادا ہو جائے گا، اور وہ عند اللہ جواب دہی سے بچ جائے گا۔

(۱) الدر المختار علی ھامش ردالمحتار ۴/۲۳۔

لـو مات رجل بعد وجوب الحج و لم يوص به ، فحج رجل عنه او حج عن ابيه او امه عن حجة الاسـلام مـن غيـر وصية ، قـال ابـو حـنيـفة : يجزيه إن شاء الله ، و بعد الوصية يجزيه من غير المشية " (۱)

مرد وعورت کا ایک دوسرے کی طرف سے حج بدل

سوال:- {1223} کیا عورت مرد کی طرف سے ، اور مرد عورت کی طرف سے حج بدل کر سکتے ہیں؟ یا یہ ضروری ہے کہ مرد کا حج بدل مرد ہی کرے، اور عورت کا عورت ہی؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- مرد عورت کی طرف سے اور عورت مرد کی طرف سے حج بدل کر سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ فریضۂ حج دونوں سے یکساں طریقہ پر متعلق ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"قبیلۂ بنو خثعم کی ایک خاتون نے حجۃ الوداع کے موقعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے والد بہت ضعیف ہیں، کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ (۲)

---

(۱) ردالمحتار: ۴/۱۶۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۵۱۳، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۳۳۴۔

مرحومین کی طرف سے حج وعمرہ

سوال:- {1224} مرحومین کی طرف سے حج وعمرہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ (حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ

''قبیلۂ جہینہ کی ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، لیکن حج کرنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہوگیا، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، ان کی طرف سے حج کرلو، اگر تمہاری ماں پر دین ہوتا تو تم اسے ادا کرتے یا نہیں؟ تو یہ بھی اللہ تعالی کا دین ہے اور اللہ تعالی کا دین زیادہ مستحق ادائیگی ہے'' (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کی طرف سے حج کیا جاسکتا ہے۔

اب حج کرنے کی تین صورتیں ہیں، یا تو مرحوم پر حج فرض ہی نہیں تھا۔ بہ طور نفل ان کی طرف سے حج کیا جائے۔ یہ حج بہ طور ایصال ثواب ہے اور حج کے ذریعہ ایصال ثواب پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ اور اگر حج اس پر واجب تھا، وہ خود حج تو نہ کرسکا، لیکن حج کی وصیت کردی، ایسی صورت میں ورثاء پر اس کی طرف سے حج کی ادائیگی واجب ہے، اگر اس نے وصیت نہیں کی، تو یہ گناہ ہے، اور ورثاء پر اس کی طرف سے حج کرنا واجب نہیں، تاہم حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ اگر ورثہ رضا کارانہ طور پر اس کی طرف سے حج کرلیں، یا حج کرادیں، تو امید ہے کہ یہ اس کے لئے کافی ہو جائے گا۔ (۲) غرض اس صورت میں بھی ورثہ کو مرحوم کی

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۸۵۲۔
(۲) دیکھئے: الفتاوی الهندية : ۱/۲۵۸۔

طرف سے حج کرادینا چاہئے، کیونکہ یا تو یہ اس پر حج فرض کا بدل ہو جائے گا۔ اور عند اللہ وہ مواخذہ سے محفوظ رہے گا، یا کم سے کم اس کی طرف سے حج نفل ہو جائے گا۔ اور وہ حج کے ثواب کا حق دار ہوگا۔ جیسے حج کا ثواب مرحوم کو پہونچایا جا سکتا ہے، اسی طرح عمرہ کا بھی، اس لئے مرحومین کی طرف سے عمرہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

اجرت لے کر حج کرنا

سوال:- {1225} میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ ''اجرت پر حج کرانا کسی بھی حالت میں جائز نہیں'' اس سے واضح ہے کہ اجرت پر حج بدل نہ کرائے، اب سوال یہ ہے کہ فری میں حرمین شریفین تک جانے کی تکلیف کوئی کیوں کر برداشت کرے گا؟ (محمد اقبال عالم صدیقی، بیدر)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ اجرت پر حج کرانا درست نہیں، کیونکہ حج ایک عبادت ہے، جس میں اللہ کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہے، اجرت کی وجہ سے جو کام کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خالص باقی نہیں رہا، اس لئے یہ صحیح ہے کہ نہ حج کرنے پر اجرت لینا جائز ہے، اور نہ اجرت پر حج کرانا درست ہے، البتہ جس شخص سے حج بدل کرایا جائے، اس کے سفر کے اخراجات اور سفر سے واپسی تک اگر ضرورت مند ہو تو اس کے اہل خاندان کی ضروریات حج بدل کرانے والے پر ہے ——— تاہم مجھے آپ کے اس سوال پر حیرت ہے کہ اگر اجرت نہ ملے تو کون مفت میں حرم شریف تک جانے کو تیار ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ آپ جس شہر میں رہتے ہیں، اسی میں ہزاروں ایسے مسلمان مل جائیں گے کہ اگر ان کو حج بدل کے طور پر حرمین شریفین جانے کا موقع دیا جائے، تو سر کے بل جانے کو تیار ہوں گے، کہ اس سے بڑھ کر سعادت و شرف کی کیا بات ہوگی؟

مستطیع حج فرض کے بجائے دوسرے کا حجِ بدل کرے

سوال:- {1226} میں ایک صاحب استطاعت شخص ہوں، میرا اندازہ ہے کہ مجھ پر حج فرض ہو چکا ہے، ادھر میرے ایک عزیز نے جو کافی ضعیف اور بیمار ہیں، مجھ کو حجِ بدل کی پیشکش کی، میں نے اس کو خوش دلی سے قبول کرلیا، جب کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ میرے لئے حج بدل پر جانا درست نہیں، کیونکہ میں صاحب استطاعت ہوں؟

(کریم الدین، نظام آباد)

جواب:- جس شخص پر خود حج فرض ہو، اس کو چاہئے کہ پہلے وہ خود اپنا حج کرلے اور حج بدل میں بھی، صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو اپنا حج کر چکا ہو اس سے حج بدل کرایا جائے، جس پر حج فرض ہو چکا ہے، اگر وہ حج بدل کرے، تب بھی احناف کے یہاں حجِ بدل درست ہو جائے گا، کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع سے ایک خاتون نے اپنے والد کی طرف سے حج کرنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے انہیں والد کی طرف سے حج بدل کی اجازت مرحمت فرمائی،(۱) ظاہر ہے کہ یہ حج فرض کی ادائیگی سے پہلے حجِ بدل کی ادائیگی تھی، لیکن ایسے شخص سے حج بدل کرانا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم۔

غیر محرم کے ذریعہ حج بدل

سوال:- {1227} میں نے اس سال بفضلہ تعالیٰ فریضۂ حج ادا کیا ہے، اور اپنے دوست کے ذریعہ اپنی اہلیہ کا حج

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۹۲۸، باب ما جاء في الحج عن الشيخ الكبير الميت۔ محشی۔

بدل کرایا ہے، جبکہ میری والدہ، ہمشیرہ، برادر نسبتی، دو شادی
شدہ اور دو غیر شادی شدہ صاحب زادیاں موجود ہیں، کیا ان
محرم رشتہ داروں کی موجودگی میں کسی غیر محرم سے حج بدل کرانا
درست تھا؟ (سید علی، جنگم پیٹ)

جواب:- حج بدل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ محرم رشتہ دار ہی کو حج پر بھیجا جائے، کوئی بھی عاقل، بالغ، مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے، البتہ بہتر ہے کہ ایسے شخص سے حج کرایا جائے جو خود اپنا فریضۂ حج ادا کر چکا ہو، کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک وہی شخص حج بدل کرسکتا ہے، جو اپنا حج ادا کر چکا ہو، حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری تو نہیں ہے، لیکن جس سے حج بدل کرا رہا ہے، اگر خود اس پر حج فرض نہیں، تو اس سے حج کرانا خلاف اولیٰ ہے، اگر اس پر حج فرض ہے، تو اس سے حج بدل کرانا مکروہ تحریمی، حج کئے ہوئے شخص سے حج بدل کرانے کا فائدہ یہ ہے کہ تمام فقہاء کے اقوال پر اس کا حج درست ہوجاتا ہے۔(۱) واللہ اعلم۔

حج بدل

سوال:- {1228} مرنے والوں کی طرف سے کیا حج
بدل کرایا جاسکتا ہے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟
(سید حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

جواب:- کسی شخص پر حج فرض ہو، لیکن وہ جسمانی طور پر سفر حج یا افعال حج کو ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور وہ کسی کو حج پر بھیجے یا اس کی وفات ہوگئی ہو اور اس نے اپنی طرف سے حج کی وصیت کی ہو، تو یہ صورت حج بدل کی ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ حج کے احرام باندھتے وقت اسی کی طرف سے حج کی نیت کرے۔ یا تلبیہ میں اس کا نام لے جس کی طرف سے حج بدل

---

(۱) دیکھئے: الدر المختار مع الرد: ۴/۲۱۔

کرر ہا ہے۔ جیسے لبیک عن فلان۔ فقہاء نے حج بدل کے جو احکام لکھے ہیں، وہ انہی صورتوں سے متعلق ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی متوفی شخص کو ثواب پہنچانے کی غرض سے حج کیا جائے، حالانکہ اس پر حج فرض ہی نہیں تھا، یا حج فرض تھا لیکن حج کرانے کی وصیت نہیں کی تھی، تو یہ حج بطور ایصال ثواب کے ہے، ایسی صورت میں حج کا احرام باندھنے کے بعد یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اے اللہ اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچے، اس حج کے احکام حج نفل کے سے ہیں، عمرہ کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے۔

حج بدل — کچھ ضروری احکام

سوال:- {1229} حج بدل کب جائز ہے؟ اور اس کے لئے کیا شرط ہے؟ اگر کسی شخص پر حج فرض ہو، اور اس کا بیٹا جدہ میں رہتا ہو، تو کیا اس کے بیٹے کا جدہ سے حج کر لینا کافی ہے؟ یا ہندوستان ہی سے سفر کرنا ضروری ہے؟

(منظور احمد، بیگوسرائے)

جواب:- بدنی عبادتیں یعنی نماز، روزے ایک شخص کی طرف سے دوسرا شخص انجام نہیں دے سکتا، مالی عبادتیں دوسرے کی طرف سے انجام دی جاسکتی ہیں، اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ اصل آدمی اس کی انجام دہی سے معذور اور عاجز ہو، جیسے زکوۃ وصدقات وغیرہ، حج مالی اور بدنی دونوں طرح کی عبادت ہے، یہ ایک شخص دوسرے شخص کی طرف سے اس وقت انجام دے سکتا ہے جب کہ اصل شخص جس پر حج فرض ہے حج کرنے سے معذور ہو، اور اس کا یہ عذر موت تک باقی رہے، کسی بیمار آدمی کی طرف سے حج بدل کے لئے ضروری ہے کہ جس کی جانب سے حج کر رہا ہو اس نے حج کی اجازت بھی دی ہو، یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص حج بدل کر رہا ہو وہ حج کا احرام باندھتے وقت اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کرے، جس نے حج کا حکم دیا ہے،

مثلاً کہے کہ میں فلاں کی طرف سے احرام باندھتا ہوں، یا کہے: '' لبیك عن فلان ''(۱)

حج بدل میں ضروری ہے کہ حج کے تمام اخراجات یا کم سے کم اخراجات کا زیادہ حصہ حج کا حکم دینے والے کے مال میں سے ہو، یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے، اس کی جائے سکونت سے حج کا سفر شروع ہو، ہاں اگر کسی شخص نے حج کی وصیت کی، اور اس کی جائے سکونت سے سفر کے اخراجات متروکہ کے ایک تہائی سے پورے نہ ہو پائیں تو فقہاء نے استحساناً اس بات کی اجازت دی ہے کہ جس مقام سے حج کے لئے وہ اخراجات کفایت کریں، وہیں سے حج بدل کرادیا جائے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیں گے۔ (۲)

حج بدل میں تمتع

سوال:- {1230} حج بدل میں کیا تمتع کیا جاسکتا ہے؟
بعض کتابوں میں اس کو منع کیا گیا ہے، اگر حج بدل میں افراد ہی ضروری قرار دیا جائے تو آج کل بہت طویل مدت تک احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا۔ (رشید الدین، بنجارہ ہلز)

جواب:- اس سلسلہ میں فقہاء احناف کے یہاں دو قول ہیں، ایک یہ کہ حج بدل میں افراد اور قران ہی کی گنجائش ہے، تمتع نہیں کیا جاسکتا، دوسرا قول یہ ہے کہ حج کرانے والے کی اجازت سے کیا جاسکتا ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ " البحر الرائق " (۳) اور علامہ شامیؒ نے "رد المحتار" (۴) میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ حج بدل میں تمتع کیا جائے تو قربانی کس کے ذمہ ہوگی؟ حج کرانے والے کے ذمہ یا سفرِ حج پر جانے والے کے ذمہ؟ اس سے صاف ظاہر

(۱) دیکھئے: الدر المختار و رد المحتار: ۴/۱۲-۱۳، باب الحج عن الغیر۔
(۲) رد المحتار: ۴/۲۳۔
(۳) البحر الرائق: ۳/۱۱۶۔ محشی۔
(۴) رد المحتار: ۳/۵۵۳، باب القران هو أفضل۔ محشی۔

ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی حجِ بدل میں تمتع کیا جاسکتا ہے، موجودہ دور میں برصغیر کے اکثر اہل افتاء کا رجحان اسی طرف ہے، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کی اجازت دی ہے، (۱) یہی رائے مفتی عبدالرحیم صاحبؒ لاجپوری کی ہے، (۲) مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے بھی یہی لکھا ہے۔ (۳)

حج کے نئے مسائل پر ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' — جو ہندوستان کا نہایت باوقار علمی و تحقیقی ادارہ ہے — نے چند سال پہلے بمبئی میں ۱۰/ واں سمینار منعقد کیا تھا، جس میں ملک بھر سے ۱۰۰/ سے زیادہ معروف اہل علم اور ارباب افتاء نے شرکت کی تھی، سمینار میں بہ اتفاق رائے یہ بات طے پائی کہ حجِ بدل میں تمتع کیا جاسکتا ہے، اگر حجِ بدل کرانے والا زندہ ہو تو بہتر ہے کہ اس سے اجازت حاصل کرلی جائے، اگر اس نے حج تمتع یا مطلق حج کی اجازت دیدی تو حج تمتع کیا جاسکتا ہے، اگر ایسے شخص کی طرف سے حج کررہا ہو، جن کی وفات ہوچکی ہے اور انہوں نے حج کی وصیت کی تھی کہ میری طرف سے حج افراد ہی کیا جائے تو حجِ افراد ہی کرنا ضروری ہوگا، اور اگر انہوں نے مطلق حج کی وصیت کی تھی تو یہ بھی تمتع کی اجازت سمجھی جائے گی، کیونکہ موجودہ زمانہ میں برصغیر سے حج کے لئے جانے والے نوے فیصد لوگ اندازہ ہے کہ حج تمتع کرتے ہیں، اب قاعدہ یہ ہے کہ جس عمل کے بارے میں صراحت نہ ہو تو اس میں مروج اور معروف طریقہ ہی مراد ہوتا ہے۔ (۴)

لہٰذا اگر کوئی شخص حج شروع ہونے کے قریب ہندوستان سے روانہ ہو، تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ افراد یا قران کرلے، ورنہ حج بدل کرانے والے سے اجازت لے کر تمتع

---

(۱) جواہر الفقہ: ۱/ ۵۱۶۔

(۲) فتاوی رحیمیہ: ۳/ ۱۴۰۔

(۳) منتخبات نظام الفتاوی: ۱/ ۱۵۰۔

(۴) دیکھئے: تجویز نمبر: ۹۔

کر لے، کیونکہ اتنے طویل احرام کے احترام کو باقی رکھنا دشوار ہوتا ہے، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ جو احرام کے احکام کی رعایت کرنے کے بارے میں اندیشہ مند ہو اور خطرہ محسوس کرتا ہو، تو اس کے لئے تمتع قران سے افضل ہے۔

حج تمتع

حج تمتع کرنے والوں کے لئے عمرہ

سوال:- {1231} جولوگ محض تمتع کر رہے ہوں، کیا ان کے لئے یہ بات درست ہے کہ مکہ مکرمہ پہونچنے کے بعد حج سے پہلے مزید عمرہ کرلیں؟ (عبدالرحمن، ورنگل)

جواب:- حج تمتع کرنے والا آفاقی بھی عمرے کرسکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"والظاهر أن المتمتع بعد فراغه من العمرة لا يكون متمتعا من إتيان العمرة ، فإنه زيادة عبادة الخ "(۱)

(۱) منحة الخالق على البحر:۲/۳۶۸۔

حج تمتع میں عمرہ کے بعد بیوی سے قربت

سوال:- {1232} حاجی حج تمتع میں احرام عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد کیا اپنی بیوی سے قربت کرسکتا ہے یا نہیں، بہ تقاضائے بشریت اگر ایسا ہوگیا تو اس کے لئے شریعت نے کیا حکم دیا ہے؟ (محمد نعیم قادری، نظام آباد)

جواب:- حج تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھا جائے، اور حرم شریف پہونچ کر عمرہ کرکے احرام کھول دیا جائے، پھر جب ایام حج شروع ہوں تو حج کا احرام باندھا جائے، عمرہ کا احرام کھولنے کے بعد احرام باندھنے والا حلال ہوجاتا ہے، اور جیسے دوسری ممنوعات احرام اس کے لئے حلال ہوجاتی ہیں، اسی طرح میاں بیوی کے درمیان تعلق بھی جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ اس کی وجہ سے کچھ واجب ہوتا ہے۔

عمرہ

کیا رمضان میں عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے؟

سوال:- {1233} اگر کوئی شخص رمضان میں عمرہ کرے تو کیا اس پر اسی سال حج فرض ہوجاتا ہے؟ یا حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے پر حج فرض ہوتا ہے؟

(نظام الدین قاسمی، بھریاہی)

جواب:- حج کے فرض ہونے یا نہ ہونے کا عمرہ کے ادا کرنے سے کوئی تعلق نہیں، خواہ حج کے مہینوں سے پہلے عمرہ کریں، یا حج کا مہینہ شروع ہونے کے بعد، اگر کسی وجہ سے زمانۂ حج تک مکہ میں رک نہیں سکتے، تو حج فرض نہیں ہوگا، ہاں اگر کوئی شخص عمرہ کے لئے حرم شریف پہونچ جائے، واپس آنے کے بعد دوبارہ سفر کی استطاعت اس کے اندر نہ ہو اور وہ زمانۂ حج تک مکہ میں قیام کرسکتا ہو تو ایسی صورت میں اس پر حج فرض ہوجائے گا، کیونکہ حج فرض ہونے کے لئے اخراجات سفر مہیا ہونے کی شرط اس شخص کے لئے ہے جو مکہ سے دور رہتا ہو، جو خود مکہ پہنچ جائے اس کے لئے اخراجات کی کوئی شرط نہیں۔

عمرہ کی کثرت

سوال:- {1234} بعض لوگ جو حج میں جاتے ہیں وہ کثرت سے عمرہ کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ایسے لوگ دیکھے گئے جو روزانہ عمرہ کیا کرتے ہیں تو کیا سفر حج میں عمرہ کی کثرت مسنون ہے؟ (محمد راشد، نلگنڈہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ایک سفر میں ایک ہی عمرہ ادا فرمایا ہے، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ بار بار عمرہ کرنے کے مقابلہ طواف کی کثرت افضل ہے، احکام حج پر ایک مشہور کتاب مولانا محمد حسن صاحب کی ''غنیة الناسك '' ہے، وہ فرماتے ہیں ''واكثار الطواف أفضل من إكثار الاعتمار ''(۱) یعنی زیادہ طواف کرنا زیادہ عمرہ کرنے سے افضل ہے، عمرہ کی کثرت سے بعض اوقات پاؤں پھول جاتے ہیں اور دوسری عبادتوں میں کوتاہی ہونے لگتی ہے، اس لیے اعتدال کے ساتھ عمرہ کرنا چاہیے۔

کیا عمرہ سے حج فرض ہو جاتا ہے؟

سوال:- {1235} عمرہ کرنے کی صورت میں کیا حج فرض ہو جاتا ہے؟ (سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- حج فرض ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، مکہ مکرمہ اور مقامات حج تک پہنچنے کی استطاعت، اور دورانِ سفر اس کے اخراجات اور جن متعلقین کا نفقہ اس کے ذمہ ہے ان کی مالی ذمہ داری کو ادا کرنے کی گنجائش، اگر کوئی شخص عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ جائے اور متعلقین کی ضروریات کے لئے وہ کوئی انتظام کر گیا ہو یا کوئی انتظام ہو جانے کی قوی توقع ہو، تو دونوں شرطیں اس کے حق میں پوری ہو جاتی ہیں، اس لئے اگر زمانۂ حج تک اس کے رُکے رہنے میں کوئی

(۱) غنية الناسك :۱۰۷۔

رکاوٹ نہ ہو، تو اس پر حج فرض ہو جائے گا، اگر زمانہ حج تک اس کا رُکا رہنا ممکن نہ ہو، جیسے ویزا قانون کے تحت اسے اس کی اجازت نہ ہو، اور واپس ہو کر دوبارہ آنے کی استطاعت نہ ہو تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا، کیونکہ مقاماتِ حج تک پہنچنے کی استطاعت سے زمانۂ حج کی استطاعت مراد ہے، اگر کوئی شخص ان ایام سے پہلے آنے کی قدرت رکھتا ہو، لیکن خاص ان ایام تک رُک نہیں سکتا، تو وہ سفرِ حج سے عاجز ہی سمجھا جائے گا۔

عمرہ سے متعلق چند مسائل

سوال:- {1236} (الف) کیا کسی زندہ یا مرحوم مرد یا عورت کی جانب سے عمرہ کیا جا سکتا ہے؟

(ب) کیا مرد عورت کی طرف سے عمرہ کر سکتا ہے؟

(ج) اپنا عمرہ کرنے والا حلق کے فوری بعد احرام کھولے بغیر دوسرے کی طرف سے عمرہ کر سکتا ہے یا دوسرا احرام پہننا ضروری ہوگا؟

(د) کیا مرحوم شرابی شخص کی جانب سے بھی عمرہ کرنے کی گنجائش ہے؟

(ہ) اپنا عمرہ کرنے کے بعد دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنے والا حرم سے ہی احرام باندھ سکتا ہے؟ یا حل جا کر ہی احرام باندھنا ہوگا؟

(و) اگر دو عمروں کے درمیان ۱۲؍ یا ۱۳؍ دن کا وقفہ ہو اور سر پر تھوڑا سا بال ہو تو کیا اسے بھی منڈانا ہوگا؟

(حافظ غلام احمد مصطفیٰ، بیدر)

جواب:- (الف) ایصالِ ثواب کے طور پر عمرہ کرنا درست ہے، اور ایصالِ ثواب

زندہ کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور مردہ کے لیے بھی۔(۱)

(ب) مرد عورت اور عورت مرد کی طرف سے بھی عمرہ کر سکتے ہیں۔

(ج) جب اس نے اپنے عمرہ کے افعال مکمل کر لیے اور بال بھی منڈا لیا تو چاہے وہ احرام کا لباس پہنے ہوا ہو، اب اس کا احرام ختم ہو چکا ہے، اب احرام کا نیا لباس پہنے بغیر اسی لباس میں وہ دوسرے عمرہ کی نیت کر سکتا ہے، عمرہ کے لیے ہمیشہ نیا لباس احرام پہننا، یا پہلے پہنے ہوئے کو بدل دینا ضروری نہیں۔

(د) ہر مسلمان کے لیے دعاء اور ایصال ثواب درست ہے جس کی موت حالتِ ایمان پر ہوئی ہو، خواہ وہ کیسا ہی گناہگار کیوں نہ ہو۔

(ہ) عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے حل تک جانا ضروری ہے، آج کل مقام تنعیم، (مسجد عائشہ) میں احرام کے لیے بہترین انتظام موجود ہے، مکہ سے حج کا احرام تو باندھا جا سکتا ہے، عمرہ کا نہیں۔

(و) عمرہ کی تکمیل کے لیے بال منڈانا یا بال کٹانا ضروری ہے، اگر ۱۲/ یا ۱۳/ دنوں میں بال اس لائق ہو گئے ہوں کہ انہیں تراشا جا سکے تو بال تراشا بھی سکتا ہے، ورنہ منڈانا ضروری ہوگا اور بہتر تو بہر حال بال منڈانا ہے۔(۲)

---

(۱) "من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة و الجماعة وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا" (رد المحتار :۱۵۲/۳)مرتب۔

(۲) "إذا جاء وقت الحلق و لم يكن على رأسه شعر بأن حلق قبل ذلك أو بسبب آخر ذكر في الأصل أنه يجرى الموسى على رأسه : لأنه لو كان على رأسه شعر كان المأخوذ عليه إجراء الموسى و إزالة الشعر فما عجز عنه سقط ، و ما لم يعجز عنه يلزمه ، ثم اختلف المشايخ في اجراء الموسى أنه واجب أو مستحب و الأصح أنه واجب" (الفتاوى الهندية : ۲۳۱/۱)محشی۔

جنایات

اگر سات کنکریاں نہ مار سکے؟

سوال:- (1237) اگر کسی شخص نے سات کنکریوں کے بجائے تین یا چار رمی کی، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(نظام الدین، شموگہ)

جواب:- اگر کسی شخص نے دس ذی الحجہ کو پوری سات کنکریاں نہیں ماریں، یا تین یا اس سے کم کنکریاں ماریں تو پورا دم واجب ہوگا اور ایک بکرا ذبح کرنا پڑے گا، اگر چار سے کم کنکریاں مارنے سے رہ گئیں، تو ہر کنکری کے بدلہ ایک صدقۃ الفطر کی مقدار گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرنا ہوگا:

"إذا ترک أکثر السبع لزمہ دم،کما لو لم یرم أصلا،وإن ترک أقل منہ کثلاث فما دونہا فعلیہ لکل حصاۃ صدقۃ"(۱)

(۱) رد المحتار :۵۳۲/۳۔

۱۲/ ذی الحجہ کے بعد طواف زیارت

سوال:- {1238} اگر کوئی حاجی ۱۲/ یا ۱۳/ ذی الحجہ تک طواف زیارت نہ کرے ۱۴/ ذی الحجہ کو کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ (حاجی عبداللہ، بیدر)

جواب:- طواف زیارت کا اصل وقت ۱۰/ ذی الحجہ کی طلوع صبح سے ۱۲/ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، اگر ۱۲/ ذی الحجہ کا آفتاب ڈوب گیا اور اب تک طواف زیارت نہیں کیا اس کے بعد ۱۳/ یا ۱۴/ ذی الحجہ کے بعد طواف زیارت کرتا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اس کی وجہ سے دَم واجب ہوگا، یعنی ایک بکرے کی قربانی دینی ہوگی، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"فإن أخره عنها أی أیام النحر ولیالیها منها کره تحریما ، ووجب دم لترك الواجب "(۱)

اس حکم سے وہ عورت مستثنیٰ ہے جس کو ۱۰/ تاریخ سے پہلے یا ۱۰/ تاریخ کی صبح حیض شروع ہو جائے، اتنی مہلت ہی نہ مل پائے کہ طواف زیارت کر سکتے، اور ۱۲/ تاریخ تک حیض کا سلسلہ جاری رہے، تو یہ اس میں معذور ہے، جوں ہی حیض سے فارغ ہو طواف زیارت کرلے۔ (۲)

احرام میں جوں اور مچھر مارنا

سوال:- {1239} احرام کی حالت میں جوں اور مچھر مارنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے اور ارتکاب کرلے تو اس پر کیا واجب ہوگا؟ (سمیع الدین، ٹولی چوکی)

جواب:- اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جو کیڑے انسانی جسم سے پیدا ہوتے ہیں،

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۳/ ۵۳۸۔
(۲) حوالۂ سابق۔

ان کو مارنے کی ممانعت ہے اور اسی میں جوں داخل ہے اور جو کیڑے انسانی جسم سے نہ پیدا ہوتے ہوں اور انسان کو ایذا پہنچاتے ہوں ان کا مارنا جائز ہے، جوں کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ تین سے کم ہوں تو کچھ صدقہ کردے، کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے اور تین یا اس سے زیادہ ہوں، خواہ ان کی مقدار کتنی بھی ہو تو صدقہ فطر کے بقدر گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔(۱)

احرام کھولتے ہوئے کتنے بال کٹائے؟

سوال:- {1240} جو عمرہ کرکے حلق کروانے کے بجائے سر کے تین جانب سے ایک ایک انچ بال کتروالے، تو کیا اس کا عمرہ مکمل ہوگیا؟ اور ایسی صورت میں کیا اس پر دم واجب ہوگا؟ اور کیا انڈیا آنے کے بعد ادا کیا جاسکتا ہے؟

(خلیل احمد، کلکتہ)

جواب:- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک احرام سے حلال ہوتے ہوئے کم سے کم سر کے ایک چوتھائی بال کا کٹانا یا مونڈانا ضروری ہے، اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ پورے سر کا بال مونڈایا یا کٹایا جائے، آپ نے ایک ایک انچ بال جو تین طرف سے کٹوائے ہیں اگر وہ چوتھائی سر کے بال کی مقدار ہو جاتے ہوں تب تو ٹھیک ہے، ورنہ آپ کو دم کے طور پر ایک بکرا ذبح کرنا ہوگا اور بکرا حدود حرم میں ہی دینا ہوگا، ہندوستان میں دینا کافی نہیں:

"وأما مكان ذبح الهدى فالحرم عندنا" (۲)

---

(۱) دیکھئے: غنية الناسك: ص: ۱۵۵۔

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۱۷۹۔

دوران حج بیہوش ہو جائے

سوال:- {1241} دوران حج اگر کوئی حاجی بے ہوش ہوجائے اور ایام حج کے بعد اسے ہوش آئے تو چھوٹے ہوئے فرائض حج وسنن اور مراسم حج کیسے ادا کرے؟

(قاری محمد سراج الدین، جدید ملک پیٹ)

جواب:- افعال حج تین طرح کے ہیں: ارکان، واجبات اور سنن و آداب ۔ وقوف عرفہ اور طواف زیارت رکن ہے، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، وقوف مزدلفہ، رمی، بال منڈانا یا کٹانا، طواف وداع، اور قران وتمتع کرنے والوں کے لئے قربانی واجب ہے، اور کچھ چیزیں سنن وآداب کے قبیل سے ہیں، اگر فرائض چھوڑ دے تو حج ہی فوت ہوجائے گا، واجبات چھوڑ دے تو دم کے ذریعہ اس کی تلافی ہوسکتی ہے، سنن وآداب چھوٹ جائیں تو کچھ حرج نہیں، نہ دم واجب ہوگا، اور نہ حج سے محرومی ہوگی، یہ حج کے سلسلہ میں عام اصول ہے۔(۱)

لیکن جو شخص بے ہوش ہوجائے، ظاہر ہے کہ وہ معذور ہے، اور معذور کے لئے شریعت میں نسبتاً رعایتیں ہیں، اس لئے ایسے شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ وقوف عرفہ تو اسی حال میں کرادیا جائے، کیونکہ وقوف عرفہ کے لئے نیت ضروری نہیں، اور یہی حج کا رکن اعظم ہے، باقی افعال کے لئے دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اسی حالت میں ڈولی پر اس کو طواف اور سعی کرادیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ رفقاء میں سے کوئی اور شخص اس کی طرف سے ان افعال کو انجام دے دے، فقہاء نے دونوں صورتوں کا ذکر کیا ہے، رمی اور قربانی اس کی طرف سے نیابۃً کی جاسکتی ہے، اس طرح انشاء اللہ اس کا حج ادا ہوجائے گا۔(۲) واللہ اعلم۔

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۲۲۰۔

(۲) الفتاوی الهندية:۱/۳۶-۲۳۵۔

متفرق مسائل

کھڑے ہوکر زمزم پینا

سوال:- {1242} ایک صاحب کھڑے ہوکر زمزم کا پانی پی رہے تھے، اور سر ان کا کھلا ہوا تھا، دوسرے صاحب نے منع کیا کہ اس طرح پانی پینا صرف حج کے موقع پر ہے، اور جگہ زمزم کا پانی عام طریقہ پر پینا چاہئے؟

(محمد عثمان قریشی، یاقوت پورہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ سے زمزم کا پانی کھڑے ہوکر نوش فرمایا تھا اور چونکہ آپ ﷺ احرام کی چادر لپیٹے ہوئے تھے، اس لئے سر مبارک کھلا ہوا تھا۔(۱) بعض اہل علم کی رائے ہے کہ آپ ﷺ کا یہ کھڑا ہونا اس بنیاد پر تھا کہ وہاں کیچڑ تھا اور بیٹھنے میں آلودگی کا خطرہ تھا، لیکن اکثر علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چونکہ کھڑے ہوکر زمزم پیا ہے، اس لئے کھڑے ہوکر پینے میں بہر حال اتباع نبوی کی رعایت ہے، اسی کو مشہور حنفی فقیہ

(۱) مجمع الزوائد :۵/ ۱۲۷، باب الشرب من زمزم، ط: دار الفکر۔ محشی۔

علامہ شرنبلالیؒ نے بھی ترجیح دیا ہے،(۱) اور چونکہ زمزم کی عظمت کا پہلو کچھ حج ہی سے متعلق نہیں، بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ ہے، اس لئے یہ سمجھنا درست نہیں کہ حج کے موقعہ سے زمزم پینے کے احکام الگ ہیں اور عام حالات میں الگ، آپ کے دوست کا عمل درست اور مناسب ہے۔

زمزم کا پانی غیر مسلم کو دینا

سوال:- {1243} کیا آب زمزم غیر مسلم کو دینا درست ہے؟ (محمد غوث الدین قدیر سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- آب زمزم ایک متبرک پانی ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو دینے کی ممانعت ہو، مکہ کے فتح ہونے کے بعد بھی ایک سال تک غیر مسلموں کو حج وعمرہ کے لئے آنے کی اجازت باقی رکھی گئی تھی، ظاہر ہے کہ ان دنوں غیر مسلم بھی زمزم کے پانی سے استفادہ کیا کرتے تھے، لہذا اپنے غیر مسلم بھائیوں کو زمزم کا پانی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

زمزم کی شیشی کا دوسرے کام میں استعمال

سوال:- {1244} آج کل اکثر حجاج اپنے دوست و احباب کی خدمت میں ماء زمزم کی چھوٹی شیشیاں تحفہ میں پیش کرتے ہیں، اس بوتل پر کعبۃ اللہ اور گنبد خضراء کی تصویر ہوتی ہے، زمزم کا پانی ختم ہونے کے بعد کیا اس بوتل کو دوسری چیزوں کے لئے استعمال میں لایا جاسکتا ہے؟

(محمد عتیق اللہ، ریاست نگر)

جواب:- آج کل یہ رواج سا ہو گیا ہے کہ مسلمان مختلف چیزوں پر خانۂ کعبہ، یا مسجد نبوی اور گنبد خضراء وغیرہ کی تصویر شائع کردیتے ہیں، ظاہر ہے کہ اصل میں تو اس کے پیچھے

(۱) مراقی الفلاح :ص:۳۳۳۔

حضور ﷺ سے محبت کا داعیہ کارفرما ہوتا ہے، لیکن بعض دفعہ یہی چیز ان تصویروں کی بے حرمتی کا باعث بن جاتی ہے، اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے، ویسے چونکہ تصویر کا حکم اصل کا نہیں ہوتا، اس لئے ان شیشیوں کو دوسرے پاک اور جائز چیزوں کے رکھنے میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

آبِ زمزم پینے کا طریقہ

سوال:- {1245} آبِ زمزم پینے کا طریقہ کیا ہے؟
اگر یہ پانی بہت عرصہ سے پلاسٹک کے ڈبہ میں بند تھا، جیسے ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ سے، اب پینے سے ڈر ہے کہ کہیں صحت کو نقصان نہ ہو، تو کیا اس پانی کو کسی جگہ بہایا، یا درخت میں ڈالا جاسکتا ہے؟ (مقصود حسین خان، پھولانگ)

جواب:- (الف) زمزم پینے کا ادب فقہاء نے لکھا ہے کہ اسے قبلہ رخ ہو کر پئے، اس سے اپنے چہرے، سر اور جسم کو پونچھے، اور سہولت ہو تو تھوڑا اپنے اوپر بہا لے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ زمزم پیتے ہوئے یہ دعاء کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْماً نَافِعاً وَّرِزْقاً وَّاسِعاً وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ" (۱)

"اے اللہ! میں آپ سے علم نافع، کشادہ رزق اور ہر بیماری سے شفا کا طلب گار ہوں"

(ب) تجربہ ہے کہ آبِ زمزم بہت دنوں تک بغیر کسی تغیر کے محفوظ رہتا ہے، یہ اللہ کی طرف سے خاص برکت ہے، اور غالباً اس پانی کے تجزیہ سے سائنس داں حضرات بھی اس طرح کا

---

(۱) درر الحكام في شرح غرر الأحكام :۱/۲۳۲۔

نتیجہ اخذ کر چکے ہیں، —— ویسے زمزم بہانے یا کسی درخت میں ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، یہ بات قرینِ احتیاط معلوم ہوتی ہے کہ مقامِ نجاست پر زمزم گرانے سے اجتناب کیا جائے۔

غیر مسلموں کو زمزم اور کھجور دینا

سوال:- {1246} غیر مسلم بھائیوں کو زمزم اور کھجور دینے کا حکم کیا ہے؟ بعض غیر مسلم اس کا مطالبہ کرتے ہیں، اور بڑی عقیدت کے ساتھ اس کو لیتے ہیں، اور کھاتے ہیں۔

(حافظ علی، مراد نگر)

جواب:- زمزم ایک متبرک پانی ہے اور حرمین شریفین کی کھجور بھی حرمین کی نسبت سے متبرک ہے، لیکن بہر حال یہ خورونوش ہی کی چیزیں ہیں، آخر حضور ﷺ کے پاس مدینے میں جو غیر مسلم مہمان آیا کرتے تھے ان کو آپ ﷺ مدینے ہی کی کھجور کھلاتے تھے، اور اس لیے اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

میرا خیال ہے کہ زمزم اور کھجور دیتے ہوئے دل میں یہ نیت اور آرزو رکھی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان متبرک چیزوں کی برکت سے اس غیر مسلم بھائی کا سینہ ایمان کے لیے کھول دے، اور چوں کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ زمزم میں شفاء ہے(۱) اور کفر سے بڑھ کر کوئی روحانی بیماری نہیں ہوسکتی، جس سے شفاء مطلوب ہو، اس لیے دعاء کریں کہ اللہ اسے شفاءِ روحانی عطا کرے، تو امید کرتا ہوں کہ اس نیت وخواہش کی وجہ سے انشاء اللہ وہ اجر کا مزید مستحق ہوگا۔

ایصال ثواب کے لئے حج

سوال:- {1247} مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے حج کرنے کا ارادہ ہے، پس حج کی نیت کیسے کریں؟ کیا نفل حج

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۳۰۶۲، باب الشرب من زمزم ۔محشی۔

کے لئے پہلے سے حج کئے ہوئے رہنا ضروری ہے؟

(سید شاہ نواز ہاشمی، احمد نگر)

جواب:- ایصال ثواب کے لئے حج کرنا درست ہے، حج کی نیت عام حاجیوں کی طرح کریں، البتہ اس کے ساتھ یہ بھی کہیں کہ اس کا اجر وثواب فلاں مرحوم کو پہونچے، اس طرح افعال حج کا ثواب مرحوم کو پہونچے گا اور سفرِ حج کا خود اس شخص کو، اور ممکن ہے اللہ اپنی رحمت سے خود حج کے ثواب میں بھی اسے شریک کردیں، اگر اپنی طرف سے حج نفل کر رہا ہو تو اس کو حج فرض ادا کرنا چاہئے، اگر نفل کی نیت سے حج کرے گا تو نفل حج کا ثواب تو ہوگا، لیکن حج فرض ادا نہ کرنے کا گناہ باقی رہے گا، اگر دوسرے شخص کی طرف سے حج نفل کر رہا ہو تو اگر اس پر حج فرض نہیں تھا، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر خود اس پر حج فرض ہے، تو پہلے اپنا حج فرض ادا کرنا چاہئے، اگر حج فرض ادا کئے بغیر دوسرے کی طرف سے حج نفل کرتا ہے تو حج ادا ہو جائے گا، لیکن وہ خود ادائے فرض میں تاخیر کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

سفر معاش میں حج

سوال:-{1248} ہندوستان سے کئی لوگ روزی کمانے کی خاطر کمپنی کی جانب سے اور کچھ قرض کر کے بھی سعودی عرب جاتے ہیں اور ذی الحجہ کے ماہ میں حج کرتے ہیں، کیا ان کا حج ادا ہو جائے گا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ حج کی نیت سے نہیں گیا اس لئے حج نہیں ہوا، دوسرے وہ صاحب نصاب بھی نہیں ہے بلکہ وہ قرض لے کر گیا تھا۔

(شاہد علی، پیرا)

جواب:- (الف) کسب معاش کے لئے جانے والے لوگ اگر وہاں جا کر حج کرلیں تو

حج ادا ہو جائے گا بلکہ قرآن نے تو خود حجاج کو بھی اس کی اجازت دی ہے کہ وہ موقع حج کے اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ تجارت کر سکتے ہیں،(۱) البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو آدمی یہاں سے خاص مقصد حج ہی کے لئے سفر کرے گا اس کا اجر زیادہ ہوگا اور اس کی عند اللہ قبولیت کا امکان زیادہ ہوگا، اس کو اعمال حج کا بھی ثواب ملے گا، اس کے لئے سفر کا بھی اور سفر کی مشقتوں کا بھی اور جو کسب معاش کے لئے گیا اور وہیں حج بھی کرلیا اس کو صرف اعمال حج کا ثواب ملے گا۔

اگر حج کے دوران اپنے عزیزوں سے بچھڑ جائے؟

سوال:- {1249} دوران حج بھائی بہن سے یا شوہر بیوی سے بچھڑ جائے تو ان کے حصول کا آسان طریقہ کیا ہے؟

(محمد سراج الدین، جدید ملک پیٹ)

جواب:- یہ ایک انتظامی مسئلہ ہے نہ کہ شرعی، لیکن چونکہ بہت سے حجاج اس صورت حال سے دوچار ہوتے ہیں، اس لئے وضاحت کی جارہی ہے: حجاج کے سلسلے میں سعودی عرب کا نظام بہت مستحکم ہے اور مقامات حج کے گرد غیر محسوس طور پر پولیس کی ایسی گھیرابندی ہوتی ہے کہ کوئی حاجی ان حدود سے باہر نہیں جا سکتا، اس لئے اگر کوئی مرد یا عورت اپنے عزیز سے بچھڑ جائیں تو دو تین باتوں کا خیال رکھیں، اول یہ کہ گھبرائیں بالکل نہیں اور اپنے حواس کو پوری طرح برقرار رکھتے ہوئے یکسوئی کے ساتھ افعال حج کو انجام دیتے رہیں، دوسرے اگر منی، عرفات وغیرہ میں کوئی شخص گم ہو جائے اور مکہ میں اپنی جگہ کی شناخت اس کو ہو تو ان مقامات کے تمام ہی راستے حرم مکی کی طرف آتے ہیں، خود چلتے ہوئے یا لوگوں سے پوچھتے ہوئے حرم مکی تک پہنچ جائے، اس طرح بہ آسانی وہ اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے، تیسرے اپنے معلم کا نام اور اس کے دفتر

---

(۱) ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم﴾ (البقرة:۱۹۸)
" في هذا دليل على جواز التجارة في الحج مع أداء العبادة ... ولا يخرج به المكلف عن رسم الاخلاص المفترض عليه " (أحكام القرآن لابن عربي:۱/۱۳۶)

کا نمبر یاد رکھیں، نیز مکہ پہنچتے ہی معلم کا پٹہ ہاتھ میں پہنا دیا جاتا ہے، اسے محفوظ رکھیں، آپ مکہ میں ہوں یا مدینہ میں، اس پٹہ کی مدد سے اپنے معلم کے دفتر تک پہنچ سکتے ہیں، وہاں تمام حجاج کی قیام گاہ کا ریکارڈ محفوظ رہتا ہے، اس ریکارڈ کی مدد سے آپ اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے، یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر چہ دوران حج بہت سے لوگ گم ہوتے ہیں، لیکن شاید ہی ایسا ہوتا ہو کہ بچھڑنے کے بعد ایک دوسرے سے نہ مل پائیں، کیونکہ یہ امن وعافیت اور طمانینت کا شہر ہے۔
بارك الله فيهما و زاد في شرفهما ۔

لڑکیوں کی شادی نہ ہوئی ہو تو کیا حج واجب ہے؟

سوال:- {1250} کسی شخص نے اپنی لڑکیوں کی شادی نہ کی ہو تو کیا وہ حج کے لئے جاسکتا ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- جس شخص کے پاس اپنے بال بچوں کے لئے سفر سے واپسی تک کا نفقہ اور بنیادی ضروریات یعنی مکان وغیرہ کے علاوہ کرایہ آمد ورفت اور ضروری اخراجات سفر کے بقدر مال موجود ہو، اس پر حج فرض ہے، بچی کی شادی نہ ہونا حج کے فرض ہونے میں مانع نہیں جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، کیونکہ شادی میں کثیر اخراجات رسم ورواج کی دین ہیں نہ کہ شریعت کا حکم، اس لئے جب بھی اللہ تعالیٰ اتنی استطاعت دے دے حج کر لینا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے حج کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ''فإنهما ينفيان الفقر والذنوب ''(۱) ''حج گناہ کو بھی دور کرتا ہے اور فقر ومحتاجی کو بھی'' اس میں اہل ایمان کے لئے تنبیہ ہے کہ محض فقر ومحتاجی کے اندیشہ سے حج جیسی عبادت میں تاخیر یا اس سے غفلت مناسب نہیں اور یہ تجربہ بھی ہے کہ عام طور پر حج کے بعد لوگوں کی معاشی حالت بہ مقابلہ پہلے

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۸۱۰۔

کے بہتر ہو جاتی ہے، اس لئے محض بچیوں کی شادی کے لئے سفرِ حج کو ملتوی رکھنا مناسب نہیں۔

پوتی کا نکاح کرائے یا حج کو جائے

سوال:- {1251} کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک صاحب جن کے اوپر حج فرض ہے، اور حج کے لئے درکار رقم مبلغ:60000 روپے موجود ہیں، لیکن پوتریوں کی شادی نہیں ہوئی ہے، بچی کے والد انتہائی غریب ہیں، وہ اپنی لڑکی کی شادی نہیں کرسکتے، ایسی صورت میں دادا اپنے حج کے لئے جمع کردہ رقم سے بچیوں کی شادی کرادیں تو کیا ان کو حج کا ثواب ملے گا، اور حج جو فرض تھا وہ ساقط ہو جائے گا؟ اگر حج کرنے جاتے ہیں تو بچیوں کی شادی ہونا مشکل ہے، کیونکہ لڑکیوں کے والد کے پاس استطاعت نہیں ہے۔ (نظام الدین قاسمی، دربھنگہ)

جواب:- اگر والد میں لڑکی کی شادی کرنے کی استطاعت نہ ہو تو والد کے بعد قریب ترین ولی دادا ہے، اس لئے اس پر پوتی کے نکاح کی ذمہ داری ہے، لہذا دادا کو چاہئے کہ ممکن حد تک سادہ طریقہ پر پوتی کا نکاح کردے، اور جو رقم بچ جائے، اس کے ساتھ مزید رقم کا انتظام کرکے حج کے لئے جائے، بہر حال شادی کے ساتھ حج کا پختہ عزم رکھے، انشاء اللہ، اللہ تعالی کی مدد شریک حال ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حج کیمپ سے متعلق

سوال:- {1252} (الف) عیدگاہ و حج کیمپ میں پولیس ڈاگ کیا رکھا اور لایا جاسکتا ہے، جبکہ اسلام میں کتے

پالنے کی ممانعت ہے؟

(ب) عیدگاہ اور حج کیمپ میں محکمۂ ایئر انڈیا کی جانب سے خواتین اناؤنسر بلند و سریلی اور میٹھی آواز میں ہدایات دیتی ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(ج) حج کیمپ میں کیا سودی بینک کا عارضی کاؤنٹر کھولنا جائز ہے؟

(د) حج کیمپ میں غیر مسلم جوان خواتین کو کیا صفائی وغیرہ کے کاموں پر مامور کیا جاسکتا ہے، جبکہ یہ خواتین علی الاعلان بے پردہ پھرتی ہیں؟

(ہ) عیدگاہ اور حج کیمپ میں کیا ایسی لڑکیاں اور خواتین آسکتی ہیں، جو حالت حیض میں ہوں اور کیا وہ مناسک حج وغیرہ کی تعلیم دے سکتی ہیں؟

(قاری ایم، ایس خان جرنلسٹ، اکبر باغ)

جواب:- (الف) بلا ضرورت کتے پالنے کی ممانعت ہے، لیکن جائز ضرورت جیسے شکار اور حفاظت کے لئے کتا رکھنے کی گنجائش حدیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے، پولیس کے کتے غالباً حفاظتی مقصد اور مہلک اشیاء کی تلاش کے لئے ہوتے ہیں، پس اگر ایسے مقاصد کے لئے حج کیمپ میں کتے لائے گئے ہوں تو اس کی گنجائش ہے، کیوں کہ بعض شرپسند عناصر انتشار پیدا کرنے کے لئے مذہبی مقامات کو بھی استعمال کیا کرتے ہیں، ایسے خطرات کی صورت میں تربیت یافتہ کتوں کا لانا ضرورت کے درجہ میں ہے۔

(ب) عورتوں کی آواز بھی قابل ستر ہے، اس لئے اگر ایئر انڈیا کا انتظام حج کمیٹی کے قابو میں ہو یا اس کی کوشش سے ایسا کرنا ممکن ہو کہ اس موقع کے لئے مرد اناؤنسر رکھے جائیں تو

اس کی کوشش کرنی چاہئے، یہ پہلا سال تجرباتی ہے، آئندہ اس سلسلے میں حکومت اور ارباب مجاز سے بات کی جاسکتی ہے۔

(ج) چونکہ حجاج کے لئے ڈرافٹ بنوانے کی غرض سے بینک کی ضرورت پڑتی ہے، اور محض اس کارروائی سے سود کا لین دین نہیں ہوتا، دوسرے کوئی ایسا بینک موجود بھی نہیں جو غیر سودی بنیاد پر چلتا ہو، اس لئے ڈرافٹ بنانے اور سکہ تبدیل کرنے کی حد تک حج کیمپ میں عارضی بینک کی سہولت پیدا کرنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ یہ محدود مقصد کے لئے قائم کیا گیا ہے نہ کہ سودی لین دین کے لئے۔

(د) حج کیمپ میں غیر مسلموں سے کام لینا جائز ہے، اگر خواتین کے حصہ میں خواتین اور مرد کے حصہ میں بھی کام کرنے کے لئے خواتین ہی فراہم ہوں تو مناسب ہوگا کہ حج کمیٹی ان کو ایسا یونیفارم فراہم کرے جس میں مناسب حد تک ستر کا خیال کیا گیا ہو، ویسے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ بے پردگی خواہ حج کیمپ میں ہو، یا ہمارے گھروں میں، یا کسی اور جگہ، بہر صورت مذموم ہے۔

(ہ) حالت حیض میں مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت ہے، عیدگاہ اور دوسرے مذہبی اور دعوتی مقامات پر جانے کی ممانعت نہیں، ایسی عورتیں عیدگاہ میں جاسکتی ہیں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اس لئے جو صورت آپ نے دریافت کی ہے وہ جائز ہے، اسی طرح حالت حیض میں صرف تلاوت کلام مجید کی ممانعت ہے، تلبیہ اور اذکار و اوراد کا یاد دلانا اور مناسک حج کی تعلیم دینا درست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

حج کیمپ کے بارے میں

سوال:- {1253} کیا حج کیمپ میں خواتین اور مرد حضرات کو یکجا رکھنا اور ساتھ ساتھ کھانا کھلانا درست ہے؟

(ب) حج کیمپ میں جوان خواتین کا بے پردہ گھومنا پھر
نا شرعی طور پر درست ہے؟

(ج) کیمپ کے میڈیکل چیک اپ سیکشن میں نوجوان
خواتین اور لیڈی ڈاکٹر کا بے پردہ بیٹھنا و علاج و معالجہ کرنا
ٹھیک ہے؟

(د) حج کیمپ میں مردوزن کا مخلوط اجتماع، ان کا گھومنا
پھرنا، پریس کے فوٹو اور ویڈیو گرافرس کی فوٹو اور ویڈیو گرافی
شرعی طور پر جائز ہے؟　　(ام سعدیہ، سعید آباد کالونی)

جواب:- حکومت آندھرا پردیش، ریاستی حج کمیٹی اور وقف بورڈ کی طرف سے حج کیمپ کا قیام بہت ہی بہتر اور مبارک قدم ہے اور امید ہے کہ اس سے انشاء اللہ حاجیوں کو سہولت بہم پہنچے گی اور یہ سفر عبادت ان کے لئے نسبتا آسان ہو سکے گا، نیز اس سے ان کی تربیت کے لئے بھی موقع فراہم ہوگا، البتہ چونکہ یہ خالص ایک عبادت کا معاملہ اور مذہبی مسئلہ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ شرعی احکام کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جائے، اسی پس منظر میں مذکورہ سوالات کا جواب دیا جاتا ہے:

(الف) حج کیمپ میں مردوں اور عورتوں کو یکجا رکھنا اور ایک ساتھ کھانا کھلانا بہت ہی ناروا اور نامناسب بات ہے، کیونکہ اسلام میں اجنبی اور غیر محرم عورتوں کے اختلاط کو منع کیا گیا ہے، بہتر ہوگا کہ مردوں اور عورتوں کے حصے الگ الگ کر دیئے جائیں، اور ان دونوں کے بیچ پردہ ڈال دیا جائے۔

(ب) خواتین کا بے پردہ گھومنا نہایت ہی نامناسب فعل ہے، اور اس کو روکنا ضروری ہے، کیمپ میں اس کی تربیت اور ہدایت ہونی چاہئے کہ عورتیں پردہ میں رہیں اور برقع میں چہرہ ڈھک کر رکھیں، ہاں جو حصہ عورتوں کے لئے مخصوص ہو اور وہاں مردوں کا آنا جانا نہ ہو، وہاں وہ

چہرے وغیرہ کھول سکتی ہیں۔

(ج) میڈیکل چیک اپ میں بھی کوشش کرنی چاہئے کہ لیڈی ڈاکٹر اور ان کی معاون خواتین کپڑے کے کیبن بنالیں، جن میں خواتین مریض کی تشخیص اور علاج وغیرہ کرسکیں اور اگر ایسی جگہ میسر نہ ہوتو پھر برقع کا اہتمام کریں۔

(د) عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع اور گھومنا پھرنا اور پھر ان کی فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی تو نہایت ہی غیر اخلاقی عمل ہے کیمپ کے ذمہ داران کو چاہئے کہ وہ اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں، کیونکہ ان ساری خدمات کا مقصود اجر وثواب حاصل کرنا ہے، نہ کہ گناہ، تو اگر حجاج کی خدمت بھی کی جائے اور احکام شرعیہ میں کوتاہی کی وجہ سے بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہاتھ آئے تو اس سے زیادہ محرومی اور کم نصیبی اور کیا ہوگی!

سفر حج سے پہلے کیا کرے؟

سوال:- {1254} میرے رشتے کے بھائی حج کو گئے ہیں، خاندان کے قریبی رشتہ داروں سے ان کے تعلقات ٹھیک نہیں ہیں، یہاں تک کہ کئی سالوں سے بات چیت اور سلام بھی بند ہے، تو کیا ان کا حج قبول ہوگا؟ حج کو جانے سے پہلے کن باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے؟ (مومن علی، یلندو)

جواب:- حج بہت عظیم الشان عبادت ہے اور اس سے حقوق اللہ سے متعلق گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اس لئے عازمین حج کو چاہیے کہ اگر کسی شخص کے حق میں ان سے کوئی زیادتی ہوگئی ہوتو معافی تلافی کرلیں، تاکہ حقوق الناس سے متعلق گناہوں سے بھی اس کا دامن پاک ہو جائے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان سے تین دنوں سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں، نیز یہ بھی فرمایا کہ ان دونوں میں سے بہتر وہ ہوگا جو سلام میں پہل

کرے، "خیر هما الذی یبدأ بالسلام "(۱) لہٰذا اب جب آپ کے بھائی صاحب حج سے واپس آئیں تو انہیں سمجھائیے کہ اپنے اعزہ سے تعلقات کو ٹھیک کرلیں اور نئی زندگی شروع کریں۔ حج کرنے والے کے لیے سب سے پہلے دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے، ایک یہ کہ مال حلال ہو اور دوسرے نیت میں اخلاص ہو، (۲) حج کے سنن و آداب میں اہل علم نے لکھا ہے کہ خرچ میں فراخی برتے، زیادہ سے زیادہ پاک رہنے کا اہتمام کرے، اپنی زبان کی حفاظت کرے، سفر کو جانے سے پہلے والدین اور اگر کسی کا قرض باقی ہو تو اس سے اجازت لے، جاتے وقت مسجد میں دو رکعت وداعی نماز پڑھے، اہل تعلق سے ملاقات کرے، ان سے اپنی لغزشوں کے لئے معافی کا طلب گار ہو اور ان سے دعاء کی خواہش کرے۔ (۳)

افعال حج و عمرہ کی تکمیل پر اپنا یا دوسرے کا بال کاٹنا

سوال:- {1255} آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ محرم جب حج و عمرہ کے افعال مکمل کرلے، تو وہ اپنے بال بھی کاٹ سکتا ہے، اور دوسرے ایسے شخص کا بال بھی کاٹ سکتا ہے جو ان افعال کو مکمل کر چکا ہو، یہ بات تو بعض کتابوں میں آئی ہے کہ ایسا شخص اپنے بال کاٹ سکتا ہے، لیکن یہ بات کہ دوسرے کے بال بھی کاٹ سکتا ہے، کہیں نظر سے نہیں گذری، براہ کرم اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں؟

(وحید الدین قاسمی، عثمان آباد)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ محرم افعال عمرہ یا افعال حج کو پورا کرنے کے بعد جیسے

---

(۱) الجامع للترمذی: ۱۸۴/۲

(۲) ردالمحتار: ۴۵۳/۳

(۳) ردالمحتار: ۴۷۳/۳۔

اپنے بال کاٹ سکتا ہے، ان افعال کی تکمیل کرنے والے دوسرے محرم کے بال بھی اپنے بال کاٹنے سے پہلے کاٹ سکتا ہے، چنانچہ مسائل حج پر ملا علی قاریؒ کی مشہور کتاب ''لباب المناسک'' کی شرح میں ہے:

" إذا حلق أي المحرم رأسه نفسه أو رأس غيره أي ولو كان محرما عند جواز التحلل أي الخروج من الإحرام بأداء افعال النسك لم يلزمه شئ الأولى لم يلزمهما شئ ، و هذا حكم يعم كل محرم في كل وقت فلا مفهوم لتقييد المصنف في الكبير بقوله عند جواز الحلق يوم النحر " (١)

''جب محرم سر منڈے یعنی اپنا سر یا دوسرے کا، حالانکہ وہ احرام کی حالت میں ہو، اس وقت جب کہ اس کے لئے حلال ہونا یعنی احرام سے نکلنا افعال حج وعمرہ کی ادائیگی کی وجہ سے جائز ہو جائے، تو اس پر کچھ لازم نہیں، بلکہ بہتر تعبیر یہ ہے کہ ان دونوں ہی پر کچھ لازم نہیں، اور یہ حکم ہر محرم کے لئے ہر وقت پر عام ہے، لہٰذا مصنف کے یوم نحر کی قید لگانے کا مفہوم مخالف مقصود نہیں''

یہ عبارت صراحت کے ساتھ اپنے اور دوسرے محرم کے بال کاٹنے یا مونڈنے کے جواز کو بتاتی ہے۔

---

(١) لباب المناسك ، لملاّ علي قارئ

حج وعمرہ میں عورت کے بال کٹانے کا مسئلہ

سوال:- {1256} بوقت عمرہ یا حج عورت یا بالغ لڑکی کے بال کاٹے جائیں یا نہیں؟ کٹنگ کی مقدار کتنی ہو، بالوں کی کٹنگ محرم کرے یا نامحرم؟

(قاری محمد سراج الدین خان، جدید ملک پیٹ)

جواب:- عورت کے بال مونڈے تو نہ جائیں لیکن احرام کھولتے وقت خواتین اور لڑکیوں کے بال کاٹے جائیں گے، سر کے پورے بال ایک جگہ جوڑ کر انگلی کے ایک پور کی بقدر تراش دیا جائے، بہتر ہے کہ پورے سر کا بال تراشنے میں شامل ہو، یوں اگر سر کے چوتھائی حصہ کے بال بھی کاٹ لئے جائیں تو حنفیہ کے نزدیک کافی ہے، درمختار میں ہے:

"یأخذ من کل شعرۃ قدر الأنملة وجوبا و تقصیرا الکل مندوب ، والربع واجب "(۱)

تاہم رسول اللہ ﷺ سے پورے سر کے بال کٹانا یا مونڈانا ہی ثابت ہے، اس لئے پورے سر کے بال ہی کٹانا چاہئے تاکہ سنت نبوی ﷺ چھوٹنے نہ پائے۔

بال حصہ ستر میں داخل ہے، غیر محرم کا تو بال دیکھنا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ اس کا کاٹنا اور تراشنا، اس لئے یا تو محرم یا شوہر بال کاٹے، یا حج وعمرہ کے افعال پورے کرنے کے بعد خود ہی اپنے بال کاٹ لیں، دونوں ہی صورتیں جائز ہیں، غیر محرم سے کٹوانا ہرگز جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے، عام طور پر آج کل مروہ کے پاس نوجوان لڑکے قینچیاں لے کر کھڑے رہتے ہیں، اور چند ریال لے کر بال کاٹتے ہیں، مرد حضرات دو چار بال ان سے کٹوا کر گویا نجات پانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ غلط ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک چوتھائی اور بعض فقہاء کے نزدیک پورے بال کا کٹوانا

---

(۱) الدر المختار علی هامش الرد :۳/۵۳۴۔

ضروری ہے، خواتین بھی ان سے بال کٹواتی ہیں، یہ غیر محرم کو نہ صرف قابل ستر حصہ کو دیکھنے کی بلکہ ہاتھ لگانے کی بھی اجازت دینا ہے، گویا گناہ بالائے گناہ ہے، اس لئے اس سے خوب احتیاط کرنی چاہئے۔

حج میں سر منڈانے کی حکمت

سوال:- {1257} حاجی حضرات حج کے دوران جو سر منڈاتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اصل یہ ہے کہ شریعت نے جس موقعہ پر جو حکم دیا ہو، بے چون و چرا اس پر عمل کیا جائے اور انسان اس کی حکمت اور مصلحت کی تلاش میں غلو سے کام نہ لے، بغیر حکمت سمجھے ہوئے ہی احکام شریعت کو قبول کرنا اور عمل کرنا کمال طاعت و فرماں برداری ہے، اور یہی مسلمانوں کے لئے صحیح طریقۂ کار ہے، یوں شریعت کا کوئی حکم مصلحت سے خالی نہیں، جیسے نماز سے نکلنے کا طریقہ سلام ہے، اسی طرح احرام کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نکلنے کے لئے شریعت نے منڈانے کا طریقہ رکھا ہے کہ اس کے بعد طواف زیارت کرنا ہے، طواف زیارت سے پہلے حاجی بال منڈا کر سر کا میل کچیل اور بال کے بکھراؤ کو دور کرتا ہے، تاکہ صاف ستھری حالت میں بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو سکے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہی مصلحت لکھی ہے، (۱) نیز غور کیا جائے تو اس میں نیک فالی کا پہلو بھی ہے کہ جیسے سر بال اور میل و کچیل سے صاف ہو گیا ہے، گویا اسی طرح حاجی اپنے گناہوں کی آلائشوں سے پاک صاف ہو گیا ہے، اور اسے اب نئی زندگی شروع کرنی ہے۔

حج کن حضرات پر فرض ہے؟

سوال:- {1258} حج کن حضرات پر فرض ہے؟ اور

---

(۱) حجة الله البالغه مترجم: ۲/۱۴۳۔

کن حضرات پر فرض نہیں ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- حج ایسے مسلمان پر فرض ہے جو عاقل و بالغ ہو، نابالغ بچہ اور فاتر العقل پر حج فرض نہیں، یہاں تک کہ اگر نابالغی اور فتورِ عقل کے زمانہ میں اس نے حج کر بھی لیا تو اس سے فریضۂ حج ادا نہیں ہوگا، بالغ اور دماغی طور پر صحت مند ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا ہوگا۔

دوسرے صحت مند ہو، ایسا شخص جس کے اعضاء و جوارح درست نہ ہوں، اپاہج اور مفلوج ہوں، نابینا ہو، یا اتنے بڑھاپے میں جا کر سفرِ حج کے بقدر مال اسے حاصل ہوا جب کہ سفرِ حج اس کے لئے ممکن نہ ہو، تو ایسے لوگوں کا خود سفرِ حج کرنا واجب نہیں، البتہ اگر کوئی حج بدل کرنے والا میسر ہو، تو حج بدل کرانا واجب ہے، مالی استطاعت اتنی ہو کہ بنیادی ضروریات کے علاوہ، سواری اور سفر کے دوسرے اخراجات میسر ہوں اور اس پوری مدت میں ان لوگوں کا نفقہ ادا کرنے کے موقف میں ہو، جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے، عورت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شوہر یا محرم ساتھ ہو، اگر شوہر یا کوئی محرم رشتہ دار موجود ہی نہ ہو یا موجود ہو لیکن اس کے اخراجاتِ سفر برداشت کرنے کی استطاعت نہ ہو، تو ایسی صورت میں اس عورت پر حج فرض نہیں ۔ (۱) محض یہ خیال کہ کاروبار کو بڑھا لیں اور لڑکیوں کی شادی سے فارغ ہو جائیں تب حج کو جائیں، صحیح نہیں، ایسا نہیں ہے کہ ان ذمہ داریوں کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہو، اگر حوصلہ و ہمت سے کام لیتے ہوئے فریضۂ حج ادا کر لیا جائے تو انشاء اللہ حج کی برکت سے اس کی یہ ضروریات بھی پوری ہو جائیں گی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حج سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، اور فقر بھی دور ہوتا ہے۔ (۲)

حج ایک ہی بار کیوں فرض ہے؟

سوال:- {1259} مال ہونے کے باوجود حج ایک ہی

---

(۱) کتاب الفقه على المذاهب الأربعة : ۵۷۳/۱۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذي ، حدیث نمبر: ۸۱۰۔ محشی۔

مرتبہ کیوں فرض ہے؟ جب کہ دوسرے اعمال جیسے زکوۃ، روزہ
ہر سال فرض ہوتے ہیں؟ (محمد یوسف اللہ، حافظ بابانگر)

جواب :- اولاً تو یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ حج جیسی عبادت کی مشقت اور اخراجات سفر کی کثرت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر عمر میں ایک ہی بار حج فرض قرار دیا ہے، البتہ جو لوگ صاحب استطاعت ہوں ان کو نفل حج کی ترغیب دی، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''اگر کوئی شخص باوجود استطاعت کے چار سال تک حج نہ
کرے تو وہ محروم ہے''(۱)

بعض روایتوں میں پانچ سال کا بھی ذکر آیا ہے۔(۲) ظاہر ہے کہ یہ محرومی جس پر اللہ کے سب سے سچے بندے کی زبان گواہ ہے، صاحب استطاعت بندہ کو تڑپا دینے کے لئے کافی ہے۔

فقہاء نے اپنی قانونی اصطلاح اور اصول کی روشنی میں بھی اس فرق پر روشنی ڈالی ہے، کہ روزہ فرض ہونے کا سبب رمضان کا مہینہ ہے اور رمضان کا مہینہ تکرار کے ساتھ ہر سال آتا رہتا ہے، اس لئے روزہ کا فریضہ بھی ہر سال بندہ سے متعلق ہوتا ہے، زکوۃ کے واجب ہونے کا سبب مال ہے اور ہر سال انسان کے پاس دولت آتی رہتی ہے، اس لئے یہ گویا ایک سالانہ شرعی ٹیکس ہے، جو ہر سال ادا کیا جاتا ہے، حج کا سبب بیت اللہ شریف ہے، جو ایک ہے، اس میں تعدد اور تکرار نہیں، اس لئے حج کی فرضیت بھی ایک بار ہوتی ہے، متعدد بار نہیں ہوتی، واللہ اعلم۔

پہلے خود حج کرے یا والدین کو حج کرائے؟

سوال:-{1260} اولاد کو پہلے خود حج کرنا چاہئے، یا

---

(۱) مجمع الزوائد :۳/۲۰۶۔
(۲) حوالہ سابق۔

پہلے والدین کو کرانا چاہئے؟ (سید زاہد فروین، ظفر روڈ)

جواب:- اگر اولاد پر حج فرض ہے، تو اسے پہلے خود حج کر لینا چاہئے، اگر وہ حج فرض ادا کر چکا ہے، اور والدین نے حج نہیں کیا ہے، تو بہتر ہے کہ اب والدین کو حج کرادے، کہ یہی حسن سلوک کا تقاضہ ہے۔

اولاد کا والدین سے پہلے حج کرنا

سوال:- {1261} بعض حضرات ملازمت یا کسی اور غرض سے مدینہ جاتے ہیں، اور وہاں جا کر حج بھی کر لیتے ہیں، جبکہ ابھی ان کے والدین نے حج نہیں کیا ہے، سنا ہے کہ جب تک والدین حج نہیں کر لیتے لڑکوں کا حج نہیں ہوتا، کیا یہ بات درست ہے؟ (سید حفیظ الرحمن، نظام آباد)

جواب:- یہ غلط ہے کہ جب تک والدین حج نہ کرلیں اولاد کا حج کرنا درست نہیں، اولاد اور والدین دونوں سے مستقل طور پر احکامِ شریعت متعلق ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اولاد پر حج فرض ہوجائے، والدین پر نہ ہو، اس لئے حجاز جانے والوں کا والدین کے حج کئے بغیر خود حج کر لینا درست ہے، بلکہ ان کو جلد سے جلد حج کر لینا چاہئے، کیونکہ حج ان پر فرض ہو چکا، اور نہ معلوم کہ ایک دفعہ غفلت کے بعد دوبارہ یہ موقع حاصل رہے یا نہ رہے۔

نابالغ لڑکے کا خود یا والدین کو حج کرانا

سوال:- {1262} نابالغ لڑکا والدین کی حیات رہتے ہوئے کیا خود حج کر سکتا ہے؟ (رشید احمد خاں، بھینسہ)

جواب:- نابالغ پر چونکہ حج فرض نہیں ہوا ہے، اس لئے اگر وہ حج کر لے تو بالغ ہونے کے بعد صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں حج کی فرضیت اس کے ذمہ باقی ہے، تاہم

زمانۂ نابالغی کا بھی حج معتبر ہے اور اس کا ثواب حج کرانے والوں کو ہوگا، اگر نابالغ کو کسی اور شخص نے حج کرادیا اور والدین کے حج کرنے سے پہلے اس نے حج کرلیا تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر حج میں اخراجات ہوں، جیسے ہندوستان سے حج، تو نہ وہ خود حج کرسکتا ہے، نہ والد کو کراسکتا ہے، کیوں کہ نابالغ کو اپنے مال میں اس طرح کے تصرفات کا حق حاصل نہیں ہے، واللہ اعلم ۔

والدین کی اجازت کے بغیر سفر حج

سوال:- {1263} جولوگ دوسرے ملکوں، خاص کر عرب ممالک میں رہتے ہوں، کیا ان کے لیے اپنے والدین سے اجازت لے کر ہی حج کرنا ضروری ہے یا بغیر اجازت حج کرسکتا ہے؟ (محمد مجاہد حسین، جگتیال)

جواب:- حج ایک شرعی فریضہ اور عظیم الشان اسلامی عبادت ہے، نیز ان لڑکوں کے حج کرنے کی وجہ سے ان کے والدین کی حق تلفی نہیں ہوتی، اس لیے والدین کی اجازت لینا ضروری نہیں ۔(۱)

مانگ کر حج کرنا

سوال:- {1264} ایک صاحب غریب ہیں اور حج کرنا چاہتے ہیں، کیا وہ روپیہ مانگ کر حج کرسکتے ہیں؟

(محمد عبدالصمد، وجے واڑہ)

---

(۱) "و ينبغي له تحصيل رضا من يكره له السفر بغير رضاه فإنه إذا أراد أن يخرج إلى الحج و أحد أبويه كاره لذلك ، فإن كان محتاجا إلى خدمته يكره ، و إن كان مستغنيا فلا بأس به إذا كان الغالب على الطريق السلامة ، و أما عند غلبة الخوف فلا يحل أن يخرج إلا بإذنهما و إن كانا مستغنيين عنه" (غنية الناسك : ص:۳۴) محشی ۔

جو ابؔ:- اگر پہلے ان پر حج فرض رہا ہو اور اب حج کرنے کی استطاعت نہیں، تو ان کو سفر حج کے لئے لوگوں سے اعانت حاصل کرنا جائز ہے، کیونکہ ایک فریضہ کی ادائیگی کے لئے وہ سوال کررہے ہیں کہ اس فرض کو ادا نہ کرنے کی صورت میں گنہگار رہوں گے، اور اگر ان پر کبھی حج فرض ہوا ہی نہیں، محض حج نفل کے لئے لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلائیں، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ شدید ضرورت کے بغیر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور ایک نفل عمل کے لئے مکروہ کا ارتکاب درست نہیں۔(۱)

پہلے مکان بنائیں یا حج کریں؟

سوالؔ:- {1265} ہمارے پاس نہ تو ذاتی مکان ہے نہ تو ذاتی دکان، البتہ اللہ کے فضل سے دو لاکھ روپے جمع ہوئے ہیں، تو اب پہلے ذاتی مکان بنانا چاہئے، یا پہلے حج ادا کرنا چاہئے؟ (معین الدین قریشی، عنبر پیٹ)

جو ابؔ:- ذاتی مکان کے بجائے کرایہ کا مکان اور ذاتی دکان کے بجائے کرایہ کی دکان سے بھی انسان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، اس لئے حج آپ پر فرض ہو چکا ہے، پہلے آپ حج کر لیں، اگر آپ حج کمیٹی کے ذریعہ کفایت شعاری کے ساتھ حج کریں تو پچاس ہزار روپے میں آپ اس فریضہ سے سبکدوش ہو سکتے ہیں، باقی رقم سے مکان کے لئے زمین خرید سکتے ہیں، اللہ تعالی انشاء اللہ حج کی برکت سے اس مسئلہ کو بھی حل کر دے گا۔ وماذالك على الله بعزيز۔

نسبندی کرانے والے کا حج

سوالؔ:- {1266} کیا ایسے مرد و عورت کا حج قبول

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۳۴۳/۵۔ مرتب۔

ہوسکتا ہے جس نے اولاد نہ ہونے کے لئے نسبندی کرائی ہو؟

(مظہر حسین بابر، باکارم)

جواب:- اگر مرد یا عورت نے کسی طبی عذر کے بغیر محض پرورش اولاد کے خوف سے نسبندی کرائی تو یہ گناہ ہے، اور اسے اس سے توبہ کرنی چاہئے، لیکن حج کے درست اور مقبول ہونے یا نہ ہونے کا تعلق اس سے نہیں ہے، حج کے درست ہونے کے لئے افعال حج کو صحیح طریقہ پرانجام دینا ضروری ہے، اور حج کا قبول ہونا اور نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے، اللہ اپنے جس بندہ کا جو عمل چاہے قبول کرلے اور جس عمل کو چاہے رد کردے، اگر اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے ہر عمل کو رد فرمادے، تو انبیاء کے سوا کون ہے جو گناہ سے بری ہونے کا دعوی کرسکے:

اسقاط حمل اور حج

سوال:- {1267} جس عورت نے بچہ نہ ہونے کا آپریشن کرالیا ہو یا اسقاط حمل کرایا ہو، کیا اس کا حج مقبول ہوگا؟

(محمد الیاس صدیقی، زیبا باغ، حیدرآباد)

جواب:- کسی میڈیکل مجبوری کے بغیر محض معاشی پسماندگی کے خوف سے، یا ولادت کی تکلیف اور بال بچوں کی پرورش کی الجھن سے بچنے کے لئے، یا اپنی جسمانی کشش کو برقرار رکھنے کی غرض سے اسقاط حمل اور بچہ نہ ہونے کا آپریشن کرانا سخت گناہ ہے اور کسی مسلمان عورت کو قطعاً زیبا نہیں، لیکن حج کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اور جہاں تک حج کے مقبول ہونے کی بات ہے، اللہ جس عمل کو چاہیں قبول فرمائیں وہ اپنی رحمت سے گنہگاروں کے عمل کو بھی قبول کرسکتے ہیں، ویسے بھی حج میں گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت ہے، اس لئے امید ہے کہ اگر کوئی عورت اس غلطی کی مرتکب ہو، وہ توبہ کرے اور حج کرلے، تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کے اس گناہ کو بھی معاف فرمادیں گے۔ واللہ اعلم۔

سرکاری اخراجات پر حج

سوال:- {1268} ایک صاحب کو جو محکمۂ صحت میں ملازم سرکار ہیں، میڈیکل ٹیم کے ساتھ حاجیوں کی نگہداشت کے لئے سعودیہ بھجوایا گیا، جہاں انہیں تنخواہ کے ساتھ ساتھ سفر خرچ اور بھتہ سفری الاؤنس وغیرہ بھی ملے گا، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ صاحب حج کرلیں، تو کیا ان کا فریضۂ حج ادا ہو جائے گا؟ اس طرح سرکاری وفد میں جو سیاسی لیڈر اور عہدہ دار مکہ معظمہ جاتے ہیں اور بغیر کچھ خرچ کئے حج ادا کرتے ہیں، ان کا بھی فریضۂ حج ادا ہو جاتا ہے، یا اپنے اپنے ذاتی خرچے اور رقم سے حج ادا کرنا ضروری ہے؟

(مبین احمد فلاحی، اعظم گڑھ، یوپی)

جواب:- کوئی شخص یا ادارہ یا حکومت کسی حاجی کے اخراجات برداشت کرلے اور حج کرادے، تو اس کی گنجائش ہے، اور جب اس نے اپنے حج کی نیت کی ہے اور افعال حج کو انجام دیا ہے، تو حج اس کی جانب سے ادا ہو جائے گا، جیسے کوئی شخص جامع مسجد جانے کے لئے سواری کا محتاج ہو، کسی شخص نے اسے اپنی سواری سے پہنچا دیا اور اس نے وہاں پہنچ کر نماز ادا کرلی، تو اس کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے اور وہ فریضۂ جمعہ سے سبکدوش قرار پاتا ہے۔

حج سے پہلے مہر کی ادائیگی

سوال:- {1269} میرے ایک دوست حج ادا کرنے جارہے ہیں، حج سے قبل انہوں نے اپنی بیوی کا مہر ادا کردیا ہے، بیس برس پہلے ان کی شادی ہوئی تھی، اس وقت مہر کی رقم

گیارہ سو روپے رکھی گئی تھی، آج انہوں نے گیارہ سو روپے
اپنی بیوی کو ادا کردیا، کیا یہ درست ہے؟ (شیخ امیر، بودھن)

جواب:- بعض حضرات سمجھتے ہیں کہ سفرِ حج سے پہلے مہر کا ادا کردینا ضروری ہے، لیکن دراصل مہر مستقل ذمہ داری ہے، اور حج مستقل فریضہ ہے، ایک کی ادائیگی دوسرے کی ادائیگی پر موقوف نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ حج کو جاتے ہوئے کوشش کرنی چاہئے کہ بندوں کے جو حقوق اس سے متعلق ہیں اسے ادا کردیا جائے، انہی حقوق میں سے ایک بیوی کا مہر بھی ہے، اس لئے اگر بہ آسانی ادا کرسکے، اور پہلے ادا نہ کیا ہو، تو ادا کردینا ہی بہتر ہے، جو لوگ صاحبِ استطاعت ہوں ان کو نکاح کے بعد جلد سے جلد مہر ادا کردینا چاہئے، بلکہ بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ یکجائی سے پہلے ہی مہر ادا کردے۔

مہر مقرر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی میں مہر مقرر کیا جائے، تاکہ جب بھی مہر کی ادائیگی ہو، اس کی مالی قدر باقی رہے، روپیہ میں مہر مقرر کرنے میں عورتوں کا نقصان ہے کیونکہ بیس سال پہلے گیارہ سو روپیہ کی ایک اہمیت تھی، شاید اس کی قیمت ایک تولہ سونا سے زیادہ ہی رہی ہو، لیکن آج اس سے پاؤ تولہ بھی سونا خریدا نہیں جاسکتا، یہ عورتوں کے ساتھ کھلی ہوئی ناانصافی ہے، اس لئے گیارہ سو روپیہ سے مہر تو ادا ہوگیا ہے، لیکن بہتر ہے کہ اس وقت گیارہ سو روپے میں جتنا سونا آتا تھا، آج اتنی مقدار سونا ادا کیا جائے، تاکہ تقاضۂ انصاف کی رعایت ہو۔

سفرِ حج میں نماز پوری پڑھیں یا قصر کریں؟

سوال:- {1270} ہندوستانی حاجی کو منی، عرفات،
مزدلفہ، مکہ اور مدینہ منورہ میں مکمل نماز پڑھنی چاہئے، یا قصر کرنا
چاہئے؟ (حاجی عبدالقدیر، بیدر)

جواب:- قصر یا پوری نماز پڑھنے کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر مسافر نے کسی جگہ

پندرہ دن یا اس سے زیادہ مسلسل قیام کی نیت کی ہو، تو وہ مقیم کے حکم میں ہوگا اور نمازیں پوری کرے گا اور اگر ایک جگہ اس سے کم مدت کا قیام ہو، تو حنفیہ کے نزدیک وہ مسافر ہی کے حکم میں ہے، لہذا وہ قصر کرتا رہے گا، اس اصول کے مطابق مدینہ میں چونکہ سعودی حکومت کی جانب سے پندرہ دنوں تک قیام کی اجازت نہیں دی جاتی، آٹھ نو دن ہی کا قیام ہوتا ہے، اس لئے یہاں حاجی کو دو رکعت پڑھنی ہے، سوائے اس کے کہ مقیم امام کی اقتداء کرے، تو امام کی اتباع میں چار رکعت ادا کرے گا، مکہ مکرمہ میں اگر آٹھ ذی الحجہ سے پندرہ دن پہلے پہنچ گیا تو وہ مقیم ہے، اور اسے چار رکعت پڑھنی ہے، اور اگر اس سے کم مدت حج شروع ہونے میں باقی ہے تو وہ مسافر ہے، ظہر، عصر اور عشاء کی دو رکعتیں ادا کرے گا، سوائے اس کے کہ مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے۔

ایسا شخص منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں بھی مسافر ہی سمجھا جائے گا اور قصر کرے گا، اور اگر اس سے پہلے مکہ میں پندرہ دنوں رہ چکا ہو تو مکہ میں پندرہ دنوں کے قیام کی وجہ سے حاجی منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں مقیم سمجھا جائے گا اور جب مقیم امام کے پیچھے نماز ادا نہیں کر رہا ہو، تو قصر کرے گا، کیونکہ منیٰ، عرفات وغیرہ الگ شہر ہے، مکہ میں داخل نہیں، چنانچہ مشہور فقیہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"إنه إذا نوى الإقا مة بمكة شهرًا ومن نيته أن يخرج إلى عرفات ومنى قبل أن يمكث بمكة خمسة عشر يومًا لا يصير مقيمًا : لأنه لا يكون ناويًا لإقامة مستقلة فلا تعتبر "(۱)

"جب مکہ کے اندر ایک ماہ قیام کا ارادہ کرے، اور اس کی نیت یہ ہے کہ عرفات اور منیٰ کے لئے مکہ میں پندرہ دن کے قیام سے پہلے ہی جانا ہے، تو مقیم نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ مستقل اقامت کی نیت نہیں کر رہا ہے، لہذا نیت معتبر نہ ہوگی۔

(۱) منحة الخالق على البحر: ۱۴۳/۲۔

حج سے پہلے حقوق کی ادائیگی

سوال:- {1271} اگر کوئی شخص اپنے والدین کے انتقال کے بعد بہ حیثیت بڑے ہونے کے موروثی جائیداد پر قابض ہو اور تنہا استفادہ کرے جب کہ مرحوم کے اور لڑکے اور لڑکیاں بھی موجود ہیں، اور یہ سب اس آبائی جائیداد کے ازروئے شرع و قانون وارث اور حق دار ہیں، لیکن کسی نہ کسی عذر سے ان سب کو محروم رکھا گیا ہو، اب ان حالات میں وہ ادائے حج کرنا چاہیں جب کہ ان کے ذمہ حقوق ادا طلب ہیں تو ازروئے شرع و حدیث اس تعلق سے کیا احکام ہیں؟

(علاء الدین، دربھنگہ)

جواب:- حج ایسی عظیم الشان عبادت ہے کہ یہ پچھلے ایسے گناہوں کے لئے جو حقوق اللہ سے متعلق ہوں کفارہ ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حج پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، ''الحج يهدم ماكان قبله ''(١) اس لئے حج سے پہلے خاص طور پر اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس سے لوگوں کے جو حقوق متعلق ہیں انہیں ادا کر دے، تا کہ وہ ہر طرح کے گناہ سے پاک وصاف ہو جائے، اور اس کی نئی پاک وصاف زندگی شروع ہو، ترکہ میں ورثہ کا حق اہم ترین حقوق میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے احکام میراث کے ذکر کے بعد فرمایا ہے: ﴿فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ﴾ (٢) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حصص ہیں، جن میں اپنی رائے اور خواہش کو دخل دینے کی گنجائش نہیں، ایک اور موقع پر

---

(١) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ١٩٢١، باب كون الإسلام يهدم ما قبله و كذا الهجرة و الحج - مرتب۔

(٢) النساء: ١١ - مرتب۔

اللہ تعالیٰ نے احکام میراث کو اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدیں قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرو:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ ... وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ﴾(۱)

اتنے اہم حق سے غفلت برتنا اور وہ بھی ایک ایسے شخص کے لئے جو حج جیسی عبادت پر جارہا ہو، ہرگز مناسب نہیں، اس لئے اگر واقعی جائیداد سے دوسرے ورثاء کا حق بھی متعلق ہو اور مورث نے اپنی زندگی میں ہی خاص اس وارث کو ہبہ نہ کیا ہو تو اسے چاہئے کہ دوسرے ورثاء کا حق ادا کردیں، اور متعلقین کو بھی ازراہ نصح وخیر خواہی ان کو متوجہ کرنا چاہئے، کہ وہ اس سخت گناہ سے اپنے آپ کو بچائیں۔ وباللہ التوفیق۔

سفر حج میں چھوٹ سے استفادہ

سوال:- {1272} حکومت حاجیوں کو مالی امداد دیتی ہے جس کو (Haj Subsidy) کہتے ہیں، ہندو تنظیمیں اس کی مخالفت کرتی ہیں، سرکاری خزانہ میں ہندو مسلمان دونوں کا مال ہوتا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ سرکاری خزانہ میں مسلمانوں کا حصہ ان کی غربت کی وجہ سے برائے نام بلکہ نہیں کے برابر ہوتا ہے، پھر حج کے لئے یہ امداد کیوں اور کیسی ہے، اسی طرح مساجد کی تعمیر میں بھی حکومت کی امداد لینے کا کیا حکم ہے؟

(محمد حبیب الدین، باغ امجد الدولہ)

---

(۱) النساء: ۱۳-۱۴۔ مرتب۔

جواب:- مسلمانوں کی معاشی حالت پست ہو یا بہتر، ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے اور جمہوری نظام کے تناظر میں ملک کے خزانہ میں وہ برابر کے حقدار ہیں، حکومت مختلف شعبہ ہائے زندگی میں چھوٹ دیتی ہیں، کہیں پر چھوٹ پیشہ وارانہ بنیاد پر ہوتی ہے، لیکن معاشی حالات کی رعایت سے اور بعض اوقات مختلف مذہبی اور تہذیبی اکائیوں کو رعایتیں دی جاتی ہیں یہ کچھ مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دوسری اقوام کو بھی احوال و مواقع کے اعتبار سے رعایتیں فراہم کی جاتی ہیں، اس لئے فرقہ پرست تنظیموں کا اس کے خلاف آواز اٹھانا قطعاً بے جا ہے، اور مسلمانوں کے لئے اس سے استفادہ میں کچھ حرج نہیں۔

جہاں تک حجاج کے کرایہ میں چھوٹ کی بات ہے تو اولاً تو ایرلائنز کے عام اصول کے اعتبار سے بھی گروپ کی شکل میں چھوٹ حاصل ہوتی ہے، غالباً حجاج کے لئے جو رعایت دی جاتی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہوتی، اس لئے یہ ایک عمومی نوعیت کی رعایت ہے، دوسرے گورنمنٹ کے چھوٹ دینے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ نقصان برداشت کرتی ہے، بلکہ صرف اتنا ہے کہ کم نفع کو قبول کرتی ہے، اور کسی شخص، ادارہ، یا حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ گاہک اور عوام کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے نفع کی مقدار میں کمی بیشی کرے، یا کسی حد تک نقصان کو قبول کرے، اس لئے حکومت کی رعایت کو قبول کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

مساجد کی تعمیر وغیرہ کے لئے حکومت جو رقم دیتی ہے اس کا بھی لینا جائز ہے، جیسے مسلمانوں کو مساجد یا قبرستان کے لئے رقم دیجاتی ہے، اسی طرح غیر مسلم بھائیوں کو بھی موقع بہ موقع ان کی عبادتگاہوں اور قبرستانوں کے لئے رقم ملتی ہے، بلکہ اکثریتی طبقے کو ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ موقع حاصل ہوتا ہے، لہذا اس میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ حکومت میں مسلمان بھی برابر کے شریک ہیں، شخصی طور پر بھی اگر کوئی غیر مسلم مسجد کے احترام و تقدس کی نیت سے تعاون کریں اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ آئندہ وہ اپنی عبادتگاہوں کے لئے مسلمانوں سے تعاون طلب کریں گے، تو ایسے غیر مسلم بھائیوں کا تعاون لینا بھی جائز ہے۔

قرضدار کا حج کے لئے جانا

سوال:- {1273} اگر کسی شخص کے ذمہ قرض کی ادائیگی باقی ہو، لیکن کچھ رقم اسے مہیا ہوگئی ہو تو کیا وہ سفرِ حج کرسکتا ہے؟ (عبدالقادر، کریم نگر)

جواب:- قرض باقی رہنے کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ قرض باقی ہے لیکن بنیادی ضروریات کے علاوہ اتنی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد موجود ہے کہ اس سے قرض بھی ادا ہوسکتا ہے اور سفرِ حج کے اخراجات بھی مہیا ہوسکتے ہیں، تب تو اس پر حج واجب ہے، اگر سامان بیچنا نہیں چاہتا تو اسے قرض لے کر حج کرنا چاہئے، جسے بعد میں ادا کردے، کیونکہ حج اس پر فرض ہے، اور قرض محض اس لئے لینا پڑ رہا ہے کہ وہ اپنے سامان کو فروخت کرنا نہیں چاہتا ورنہ حقیقت میں وہ صاحبِ استطاعت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے اندر قرض ادا کرنے کی فی الحال استطاعت ہی نہیں ہے، تو اگر اس بات کا غالب گمان ہو اور کوئی صورت پیش نظر ہو کہ آئندہ اس کے لئے اداءِ قرض کی سبیل پیدا ہوجائے گی، تب تو بہتر ہے کہ قرض لے کر حج کرلے، اور اس سے فریضۂ حج ادا ہوجائے گا، کیونکہ نہ معلوم آئندہ صحت وفا کرے یا نہ کرے، اور اگر بظاہر ادائے قرض کی کوئی صورت سامنے نہ ہو تو قرض لے کر حج کرنا بہتر نہیں، کیونکہ اس سے دوسروں کا حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اور لوگوں کے حقوق ضائع کرکے ایک ایسی عبادت کو انجام دینا جو ابھی فرض نہیں، نہ شریعت کی نظر میں پسندیدہ عمل ہے، اور نہ عقلاً یہ عمل مناسب ہے، تاہم اگر کوئی شخص اس طرح حج کرلے تو فریضہ ادا ہوجائے گا اگر بعد میں صاحبِ استطاعت ہوجائے تو دوبارہ حج کرنا فرض نہیں۔

حائضہ کس طرح مناسک حج ادا کرے؟

سوال:- {1274} ایام حج، منی یا عرفات یا مدینہ منورہ میں خاتون حاجی کو حیض شروع ہوجائے تو اسے کس طرح مناسک حج ادا کرنا چاہئے؟ (حافظہ سمیہ سلطانہ، سعید آباد)

جواب:- طواف زیارت کے سوا حج کے جتنے مناسک ہیں، منی میں قیام، عرفہ اور مزدلفہ کا وقوف، رمی، قربانی، بال کا کٹانا وغیرہ، یہ سب حالت حیض میں کئے جاسکتے ہیں، البتہ اگر مکہ یا مدینہ میں حیض شروع ہوجائے، تو ان دنوں مسجد کے اندر نہ جائیں اور ذکر و دعاء کرتی رہیں، رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس پر مسجد میں داخل ہوئے بغیر باہر سے صلوۃ وسلام پہنچا سکتی ہیں، ارکان حج میں طواف زیارت حیض کی حالت میں نہیں کیا جاسکتا، اگر دس تاریخ شروع ہونے کے بعد اتنا وقت ہی نہ ملا کہ طواف زیارت کرے اور حیض شروع ہوگیا تو اس کے لئے سہولت ہے کہ جب پاک ہو، اس وقت طواف زیارت کرلے، اور اگر اسے اتنی مہلت مل گئی کہ وہ طواف زیارت کرسکتی تھی لیکن تاخیر کی اور حیض شروع ہوگیا، تو پاک ہونے کے بعد طواف کرے گی، اور تاخیر کی وجہ سے دم دے گی، اگر طواف زیارت کرنے کے بعد حیض شروع ہوا اور پاک ہونے تک مکہ میں رک نہیں سکتی، تو اس پر طواف وداع واجب نہیں، چونکہ آج کل سفر کا نظام اپنے قابو میں نہیں، بلکہ حکومت کے بنے ہوئے شیڈول کے مطابق ہی سفر کرنا پڑتا ہے، اس لئے خواتین کے لئے بہتر ہے کہ حیض کو روکنے والی دوا عارضی طور پر استعمال کرلیں، تاکہ وقت پر طواف زیارت ادا ہوجائے۔

سفرِ حج میں سبسیڈی

سوال:- {1275} (الف) حجاج کرام کو حکومت ہند جو سبسیڈی یعنی رعایت دیتی ہے، تو کیا اس سبسیڈی سے فائدہ

اٹھانے کی وجہ سے حج کی قبولیت میں کسی قسم کا نقص تو لازم نہیں آئے گا، یہ اشکال ذہن میں اس لئے آیا کہ ۲۸/ فروری مطابق ۴/ ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ کو شہر حیدرآباد سے شائع ہونے والے ایک روزنامہ "ہمارا عوام" کے صفحہ اول پر اس سرخی کے ساتھ خبر شائع ہوئی " حکومت کی سبسیڈی پر حج کرنا غیر اسلامی" سعودی عرب کے علماء کا بیان "ذاتی وسائل ہی سے حج کرنے کی تلقین"

(ب) حکومت ہند ہر سال اپنے مکمل مالی خرچ پر ایک خیر سگالی وفد حج کو روانہ کرتی ہے، حکومت کی اس سہولت سے استفادہ کرنے والوں کا حج قبول ہوگا یا نہیں؟ مہربانی فرما کر ان دونوں سوالوں کا تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

(محمد عبدالرؤف انصاری، باغ جہاں آرا)

جو اب:- (الف) آپ نے سوال کے ساتھ اخبار کا جو تراشا بھیجا ہے، اس میں یہ فتوی کسی مصدقہ ذریعہ سے نقل نہیں کیا گیا ہے، اس لئے نہیں معلوم کہ سعودی علماء نے واقعی یہ فتوی دیا بھی ہے یا نہیں؟ اور دیا ہے تو اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ —— راقم الحروف کی رائے میں حجاج کرام کے لئے اس سبسیڈی کو قبول کرنا جائز و درست ہے، اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں، جو شخص کسی کو اپنی سواری پر لے کر جائے، اس کو اختیار ہے کہ وہ کرایہ کسی سے زیادہ لے اور کسی سے کم، ایرلائنز، یا حکومت اگر حاجیوں کو کم کرایہ پر لے جائے تو اس کو اس کا اختیار ہے، رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقع سے مشرکین مکہ سے جہاد کے لئے اسلحہ اور سواریاں عاریۃً حاصل کی تھیں، جیسے حج ایک عبادت ہے، ویسے ہی جہاد بھی ایک عبادت ہے، جب جہاد میں غیر مسلموں کی اشیاء سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، تو حج میں بھی ان کی رعایت کو قبول کیا جا سکتا ہے،

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ مسلمان اس ملک کے برابر کے شہری ہیں، اور حکومت کے مالی وسائل پر ان کے بھی اتنے ہی حقوق ہیں، جتنے دوسرے برادران وطن کے، حکومت جتنی مسلمانوں کو یہ رعایت دیتی ہے، دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو بھی خاص خاص مواقع پر اس طرح کی سہولت ٹرینوں اور دوسری سواریوں میں بھی فراہم کرتی ہے، پھر کرایہ میں یہ تخفیف عام کرایہ کے اعتبار سے ہوتی ہے، ایسا نہیں کہ اصل اخراجات میں نقصان اٹھا کر مسلمان کے ساتھ رعایت کی جاتی ہو۔

(ب) حجاج کی سہولت اور ان کے مسائل کو حل کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے اپنے اخراجات پر خیر سگالی وفد کا بھیجنا فی نفسہ جائز ہے، اور ان کا حج درست ہے، اگر حاجیوں پر ان کے بوجھ ڈالے جائیں، تو جائز نہیں، کیونکہ یہ جبراً حجاج کو ناواجبی خرچ کا مکلّف کرنا ہے، البتہ افسوس کہ آج کل جو خیر سگالی وفد جاتا ہے، وہ خادم کے بجائے مخدوم ہوتا ہے، اور ایسے لوگوں کو وہاں بھیجنا قومی خزانہ کو ضائع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

بیٹی داماد کی رقم سے حج

سوال:- {1276} کیا کسی ماں باپ کو اپنی بیٹی داماد کی رقم سے حج کرنا جائز ہے؟ یا کیا وہ غیر شادی شدہ لڑکی کی کمائی اور تنخواہ سے حج ادا کرسکتے ہیں؟　　　(کنیز زہرہ، کالا پتھر)

جواب:- اگر بیٹی یا داماد اپنے ماں باپ اور ساس سسر کو حج کے لئے رقم دیں، تو اس رقم سے حج کرنا جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ اس پیسے کا قبول کرنا واجب نہیں:

"فلو كان رجل وهب لأبيه مالا ... قال مالك وأبو حنيفة : لا يلزمه قبوله " (۱)

---

(۱) تفسیر قرطبی :۱۵۳/۴۔

اولاد کے پیسوں سے حج

سوال:- {1277} کیا اولاد کے پیسوں سے حج کرنا جائز ہے؟ (ایک قاری، یاقوت پورہ)

جواب:- اولاد کے پیسوں سے حج کرنا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اولاد کی کمائی بھی تمہاری کمائی ہے" (۱) ایک روایت میں ہے: "تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے، کیوں کہ تمہاری اولاد بھی تمہاری بہترین کمائی ہے" (۲) یوں تو حج کسی کے بھی دیئے ہوئے حلال پیسوں سے جائز ہے، لیکن اولاد کے پیسوں سے بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

فریضۂ حج ادا کرانے کی ایک اسکیم

سوال:- {1278} فرائض حج انجام دینے کے لئے ہمارے یہاں ایک اسکیم کا آغاز کیا گیا ہے جس کی تشریح یہ ہیکہ دوسونفوس کے گروپ میں ہر نفر یک صد روپیہ جمع کرے جس سے جملہ رقم {20000} روپیہ ہوتی ہے اور ان دوسونفوس کے نام پر چٹھی لیکر قرعہ اندازی کی جائیگی جس نفر کے نام چٹھی نکل آئیگی رقم مذکورہ بغرض ادائے فریضہ حج اس کے حوالہ کردی جائیگی یہ اسکیم شرعی اعتبار سے بہتر ہے یا نہیں؟ (حکیم احمد خیر الدین علی محبوب، کلینک سید علی چبوترہ شاہ علی، حیدر آباد)

جواب:- آپ کی اسکیم درست بھی ہے اور مناسب بھی ہے بہ شرطیکہ قرعہ اندازی میں نام پہلے آئے یا بعد میں، ہر ایک کو بیس ہزار روپیہ دینے پڑیں اور اگر درمیان میں کسی کا انتقال ہو

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۵۲۸، باب في الرجل يأكل من مال ولده۔ مرتب۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۵۳۰، باب في الرجل يأكل من مال ولده۔ مرتب۔

جائے تو اس کے متروکہ سے بقیہ رقم وصول کرلی جائے ، اگر یہ صورت ہو کہ قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلے وہ آئندہ مستثنیٰ ہو جائے گا یا جو مر جائے ، اس پر بقیہ رقوم عائد نہ کی جائیں ، تو قمار پیدا ہو جائے گا۔

بلا مشقت حج

سوال :- {1279} کچھ لوگوں کو بڑی کمپنیاں یا دوسرے لوگ میزبان بن کر حج پر آنے کے لئے مدعو کرتے ہیں ، اور ان کے لئے حج کے دوران رہنے اور دوسری ضروریات کے لئے بڑے عیش و آرام کی سہولتیں مہیا کرتے ہیں ، کیا ایسے حج باضابطہ شمار کئے جائیں گے ، کیونکہ ان لوگوں نے حج کرنے کے لئے سفر میں گرمی اور دوسری تکالیف کا سامنا نہیں کیا ہے ؟

(نظیر سہروردی ، ناندیڑ)

جواب :- حج ، حج کے مقررہ دنوں میں مخصوص افعال ، طواف ، سعی ، وقوف عرفہ ، وقوف مزدلفہ ، قیام منیٰ ، رمی اور قربانی وغیرہ کے انجام دینے کو کہتے ہیں ، خواہ ان افعال کو مشقت کے ساتھ انجام دیا جائے ، یا موسم کے ہلکے ہونے یا اسباب سہولت کے فراہم ہونے کی وجہ سے بلا مشقت انجام دیا جائے ، ہر صورت میں حج ادا ہو جائے گا ، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجدیں تنگ تھیں ، آج کی طرح عمدہ فرش اور پنکھوں کا نظم نہیں تھا ، تو کیا اس کی وجہ سے موجودہ آرام دہ مساجد میں نمازیں ادا نہ ہوں گی ، ہاں ! ضرور ہے کہ جو حج میں زیادہ مشقت اٹھائے گا ، وہ زیادہ اجر کا مستحق ہوگا ، اور جو نسبتاً کم مشقت اٹھائے گا ، اسے اسی نسبت سے اجر حاصل ہوگا۔

رباط میں جگہ کے لئے رشوت

سوال :- {1280} مکہ اور مدینہ میں نظام حیدرآباد کی

طرف سے بہت پہلے سے رباطیں بنی ہوئی ہیں ، اب چونکہ حجاج کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے اور رباط میں سیٹ حاصل کرنے کے لئے بعض حضرات حیدرآباد میں رشوت دیتے ہیں اوراس طرح سیٹ حاصل کرکے کرایہ مکان سے بچ جاتے ہیں، اس میں ان کو کافی بچت ہوتی ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(حافظ محمد نثار، نرساپور)

جواب:- حج وعمرہ کے لئے جانا ایک مبارک اور مسعود سفر ہے، جس کا مقصد اجر وثواب حاصل کرنا ہے، رشوت جس طرح لینا حرام ہے اسی طرح دینا بھی حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے، اس لئے رشوت دینا تو عام حالات میں بھی گناہ ہے چہ جائے کہ سفر حج وعمرہ ، اس لئے ایسے مبارک سفر میں تھوڑی سی سہولت اور رعایت حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا نہ جائز ہے، اور نہ سفر کی حیثیت اوراس کی عظمت کے شایان شان۔

بینک کی تنخواہ سے حج

سوال:- {1281} ایک صاحب بینک ملازم ہیں، اور ان کی آمدنی کا اہم ذریعہ یہی ہے، وہ حج کرنے کے خواہش مند ہیں، تو کیا ان کا حج صحیح ہوگا؟ (سید نوید عزیز، کنگی)

جواب:- بینک کا کاروبار سود پر مبنی ہے، اور بینک کی ایسی ملازمت جس میں سودی کاروبار لکھنے یا پیسے لینے دینے پڑتے ہوں، جائز نہیں، یہی اکثر علماء کی رائے ہے، اور جو پیسہ جائز ذریعہ سے حاصل نہیں ہوا ہو، اس سے حج کرنا درست نہیں، بلکہ فقہاء نے مال حرام سے حج کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں حج جیسی عبادت کی اہانت کا پہلو پایا جاتا ہے،

"وقد یتصف بالحرمة کالحج بمال حرام "(۱) ان صاحب کو چاہئے کہ اگر کسی اور ذریعہ سے حلال آمدنی میسر ہو یا کوئی آبائی جائیداد ہو جس کو فروخت کرنا ممکن ہو، تو ان ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کے ذریعہ فریضۂ حج انجام دیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ ثواب کے بجائے جوابدہی کا باعث ہو جائے۔

فکس رقم سے حج

سوال:- {1282} ڈاکخانہ یا بینک میں رقم فکس کی گئی، جو چند سال میں ڈبل ہو گئی، کیا ایسی رقم سے حج کرنا جائز ہے؟　　(ڈاکٹر کلیم خاں، بہادر پورہ)

جواب:- جو زائد رقم آپ کو مل رہی ہے وہ سود ہے، اور مال حرام کا حج میں استعمال کرنا درست نہیں، لہذا جتنی رقم جمع کی گئی تھی، وہ رقم تو حج میں استعمال کی جا سکتی ہے، لیکن بینک یا پوسٹ آفس سے جو زائد رقم اس پر ملتی ہے، اس کا تو یوں بھی استعمال جائز نہیں، اور حج میں استعمال تو گناہ بالائے گناہ ہے، اس میں ایک عبادت کی اہانت کا پہلو بھی ہے۔

فلم کے ذریعہ کمائی ہوئی رقم سے حج

سوال:- {1283} کوئی مسلمان فلمی اداکار فلم کے ذریعہ پیسے کمائے اور اس رقم سے حج کرے تو اس کا حج ہوگا یا نہیں؟　　(محمد نثار احمد)

جواب:- حج ایک عظیم عبادت اور اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے، اور فلمی اداکاری کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا یقیناً حرام طریقہ پر مال کمانا ہے، اللہ تعالیٰ پاکیزہ اور حلال مال ہی کو قبول فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے مال حرام کا انتخاب گویا اس

---

(۱) ردالمحتار: ۳/۴۵۳۔

عبادت کی اہانت ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ " مالِ حرام سے صدقہ درست نہیں ہے،" لا صدقة من غلول "(۱) اس لئے مالِ حرام کے ذریعہ کیا جانے والا حج اللہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگا، اس بات کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے کہ حج جیسی اہم عبادت مالِ حلال ہی کے ذریعہ ادا کی جائے، البتہ فقہی اعتبار سے چونکہ اس نے حج کے افعال وارکان کو ادا کر لیا ہے، اس لئے حج ادا ہو جائے گا، جیسا کہ کوئی شخص ریاء اور دکھاوے کی غرض سے حج کرے، تو فریضۂ حج ادا ہو جائے گا، لیکن اس کی نیت میں بگاڑ کی وجہ سے حج مقبول نہیں ہوگا، (۲)

حرام مال سے حج

سوال:- {1284} ہمارے ایک عزیز نے گزشتہ سال حج کیا ہے، ان کا جنرل اسٹور کا کاروبار ہے، نیز چٹھی کا کاروبار بھی کر رہے ہیں، جس سے ان کو سالانہ ایک لاکھ آمدنی ہے، تو کیا ان کا حج باقی رہے گا؟ اور حج مقبول ہوگا جب کہ حج کو جانے سے پہلے بھی ان کا یہ کاروبار تھا؟

(محمد بشیر احمد، شاہ پورہ)

جواب:- حلال پیسوں ہی سے حج کرنا درست ہے، جنرل اسٹور سے جو آمدنی ہے، اگر حلال اشیاء کی احکامِ شرعیہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے تجارت ہو تو حلال ہے، چٹھی میں اگر خسارہ برداشت کر کے کم پیسے میں چٹھی اٹھانے کا طریقہ ہو تو یہ صورت ناجائز اور سود میں داخل ہے، اس پیسے سے حج کرنا درست نہیں، البتہ اصل پیسہ جو اس نے جمع کیا تھا، وہ اس کے حق میں جائز ہے، زائد رقم جو اسے کمیشن کے نام پر ملتی ہے، حرام ہے، اگر اس نے حلال پیسوں سے حج کیا تو حج درست ہوگیا، البتہ اسے توبہ کرنی چاہیے، آئندہ اس سے بچنا چاہیے

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱، باب ما جاء لا تقبل صلاة بغير طهور۔
(۲) البحر الرائق :۲/۳۰۹، ردالمحتار :۳/۴۵۳۔

اورچھٹی میں جورقم اس نے ناجائز طریقہ پرلی ہے اگراس کا مالک معلوم ہوتو اسے واپس کرنا، یا بلانیت ثواب غرباء پرخرچ کرنا واجب ہے، (۱) حج کا مقبول ہونا، یا نہ ہونا ویسے تو اللہ کی مشیئت پر ہے، لیکن حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی مال حرام سے کی جانے والی عبادت کو قبول نہیں فرماتے۔ (۲)

کمیشن سے حاصل ہونے والی آمدنی سے حج

سوال:- {1285} کیا کمیشن سے حاصل ہونے والی آمدنی سے حج جیسا اہم فرض انجام دیا جاسکتا ہے؟

(نثاراحمد، مشیرآبادی)

جواب:- کمیشن کا کاروبار بھی عام کاروبار کی طرح ہے، شرعی نقطۂ نظر سے جو کاروبار حلال اور جائز ہے، اس میں کمیشن کا معاملہ بھی درست ہے، بشرطیکہ اسے شرعی طریقہ سے انجام دیا جائے، دھوکہ دہی سے اجتناب کیا جائے، لہذا اس پر حاصل ہونے والا نفع حلال ہے اور اس سے حج ادا کرنا اور اس طرح کی دوسری مالی عبادتیں انجام دینا درست ہے۔

---

(۱) "لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه ... (قوله : و هو حرام مطلقا على الورثة) أي سواء علموا أربابه أو لا : فإن علموا أربابه ردوه عليهم و إلا تصدقوا " (رد المحتار :۵/۲۴۳، كتاب الحظر و الإباحة ، فصل في البيع) " و يتصدق بلا نية الثواب ، إنما ينوى به براءة الذمة " (قواعد الفقه ، القواعد الفقهية :ص:۱۱۵) مرتب۔

(۲) "عن ابن عمر ﷺ قال :من اشترى ثوبا بعشرة دراهم و فيه درهم حرام لم يقبل الله له صلاة ما دام عليه ، ثم ادخل أصبعيه في أذنيه و قال : صمتا إن لم يكن النبي ﷺ سمعته يقوله " (مشكوة المصابيح :ص:۲۴۳، بحواله بيهقى في شعب الإيمان) محشی۔

کون سا حج افضل ہے؟

سوال:- {1286} آج کل اکثر حضرات حج تمتع کرتے ہیں، ہندوستان، پاکستان سے جانے والے اکثر حضرات بہت کم افراد یا قران کرتے ہیں، تو حج کی کون سی صورت افضل ہے؟ (نظام الدین، نلگنڈہ)

جواب:- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سب سے افضل طریقہ حج قران ہے، جس میں میقات ہی سے عمرہ اور حج دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے، اس کے بعد حج تمتع کا درجہ ہے، جس میں میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے، اور ایام حج میں مکہ ہی سے حج کا احرام، کیوں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے حج قران فرمایا ہے،(۱) اور آپ ﷺ کے حکم سے اکثر صحابہ ؓ نے حج تمتع کیا ہے۔(۲) لیکن آج کل چوں کہ سفر حج کا نظام الاوقات حاجی کے قابو میں نہیں رہتا، اور بعض اوقات وقت سے بہت پہلے حاجی کو مکہ پہنچنا ہوتا ہے، اتنے طویل عرصہ تک احرام کی حالت میں رہنا اور احرام کی ممنوعات سے احتیاط کرنا دشوار ہوتا ہے، اور مستحب عمل کے لیے حرام کا ارتکاب کرنا یا اس کے ارتکاب کا خطرہ مول لینا مناسب نہیں، اسی لیے فی زمانہ علماء نے دور دراز سے مکہ مکرمہ جانے والوں کے لیے حج تمتع کو افضل قرار دیا ہے، علامہ شامیؒ رقمطراز ہیں:

"اختار العلامة الشيخ عبد الرحمن العمادي في منسكه التمتع : لأنه أفضل من الافراد و أسهل من القران لما على القارن من المشقة في أداء

---

(۱) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۹۵۰، باب حجة النبي ﷺ۔ محشی۔
(۲) إعلاء السنن: ۱۰/۳۰۶-۳۰۵، حدیث نمبر: ۲۸۷۶۔ مرتب۔

السنکین ، لما یلزمه من الجنایة من الدمین ، و
هو أحری لأمثالنا لامکان المحافظة علی
صیانة احرام الحج من الرفث و نحوه " (۱)

عازمین کو مٹھائی اور ہار پیش کرنا

سوال:- {1287} جو شخص حج پر جانے والا ہوتا ہے،
لوگ اس کو مٹھائی پیش کرتے ہیں، اور گل پوشی کرتے ہیں، اس
عمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (حافظ غلام مصطفیٰ، بیدر)

جواب:- حج کو جانے والے کے لیے مٹھائی کا ڈبہ پیش کرنا اور قبول کرنا جائز ہے، کہ یہ ہدیہ ہے، اگر پھول کا ہار معمولی قیمت کا ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ پھول کا استعمال مباح ہے، البتہ ایسی چیز کا تحفہ پیش کرنا چاہیے جس سے آدمی کا کچھ نفع ہو، پھول کے ہار سے کوئی نفع متعلق نہیں، حج کو جانے والے کے لیے ان ہدایا کو قبول کرنا واجب نہیں، اخلاق و محبت کے تحت واپس کرسکتا ہے، لیکن ایسا لب ولہجہ اختیار نہیں کرے جس سے ہدیہ دینے والے کو تکلیف ہو۔

عازمین حج کی طرف سے یا ان کے لیے دعوت کا اہتمام

سوال:- {1288} فریضۂ حج کے لیے جو افراد جاتے
ہیں، گھر پر تقریبات وغیرہ منعقد کرتے ہیں، جس میں محلہ اور
خاندان والوں کو مدعو کیا جاتا ہے، جس میں وہ افراد بھی شامل
ہوتے ہیں جو حج کی سعادت حاصل کرنے سے قاصر ہیں، کیا
یہ تقریبات درست ہیں؟ (ایم انور، حیدرآباد)

جواب:- اگر حج کے لیے جانے والوں کے اعزاز میں دعوت کی جائے اور اس سے

(۱) رد المحتار :۲/۲۰۶۔

مقصد عازم حج کا اکرام ہو، یا خود عازم حج کچھ لوگوں کو مدعو کرے اور اس کا مقصد دعاء کا حصول ہو، تو اس کی گنجائش ہے، اگر دکھاوا مقصود ہو، تو ریاء ہونے کی وجہ سے باعثِ گناہ ہے، جو لوگ حج کرنے سے قاصر ہیں، ایسی مجلسوں میں شرکت کی وجہ سے ان کے اندر آتش شوق سلگتی اور بھڑکتی ہے اور اس سے طلب صادق پیدا ہونا ممکن ہے، جو ان کے لیے حج کی راہ ہموار کردے اور اگر اس کے باوجود حج کو نہ جاسکیں تو یہ آرزوئے حج بذاتِ خود باعثِ اجر وثواب ہے، اس لیے جو لوگ حج کو جانے کی استطاعت نہیں رکھتے، ان کو مدعو کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

چھوٹے بچہ کا حج

سوال:- {1289} جو بچہ اتنا چھوٹا ہے کہ خود سے حج ادا نہیں کرسکتا، والد نے اس کو اپنے ساتھ رکھا، تو کیا اس کے حج کے افعال ادا ہوں گے؟ (نظام الدین، شموگہ)

جواب:- یہ تو ظاہر ہے کہ بچہ پر حج فرض نہیں، لیکن اگر والد حج کرادے تو اس بچہ کا حج نفل ہو جائے گا، اب بعض فقہاء کے نزدیک بچہ کو حج کا ثواب ملے گا اور والد کو اس کی تعلیم و تربیت کا اور بعض فقہاء کی رائے ہے کہ خود حج کا ثواب والد کو ہوگا، حج کے دو اہم ارکان وقوف عرفہ اور طواف زیارت تو بچہ اپنے باپ کے ساتھ خود ہی کرلے گا، وقوف عرفہ کے لیے تو نیت ضروری نہیں، باقی جن افعال میں نیت ضروری ہے اس میں والد اس کی طرف سے نیت کرے گا، قربانی بھی والد کریں گے اور رمی بھی اس کی جانب سے والد کریں گے، البتہ اگر وہ احکام احرام کی خلاف ورزی کرے یا اور کسی جنایت کا مرتکب ہو تو اس پر دم واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ نابالغ بچے مکلف نہیں ہیں، اور ان کی غلطیاں شرعاً عفو کے دائرہ میں ہیں۔(۱)

(۱) "التي توجب دما هي ما لو طيب محرم بالغ عضوًا أو خضب رأسه بحناء أو أدهن بزيت ، أخرج بالبالغ الصبي ، فلا شيئ عليه" (مراقي الفلاح مع الطحطاوي: ص: ۴۸۴) محشی۔

پہلے حج یا پہلے لڑکی کا نکاح

سوال:- {1290} اگر کسی شخص کے پاس اتنے پیسے موجود ہوں کہ وہ اس سے حج کر سکے، لیکن اس کی لڑکی جوان ہے، عمر بڑھ رہی ہے اور شادی کے لائق ہے، آج کل پیسوں کے بغیر شادی ہو نہیں پاتی، اور اگر بچی کی شادی کرے تو حج کو نہیں جا سکتا، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟

(خورشید بیگم، گولکنڈہ)

جواب:- شادی میں فضول خرچی کا جو سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور جو رسوم ورواج لوگوں نے بہ طور خود پیدا کر لئے ہیں، وہ آپ مول لی ہوئی پریشانی ہے، کوشش کرنی چاہئے کہ کوئی مناسب رشتہ تلاش کر کے سادگی کے ساتھ نکاح کر دیا جائے اور فریضۂ حج ادا کیا جائے، کیونکہ لڑکی اور داماد کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ مطالبہ نہ ہونے کی صورت میں عطیہ ہے، جو جائز ہے، یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے اور مطالبہ سے دیا جائے تو رشوت ہے، جو حرام ہے، اور اس کے مقابلہ میں حج فرض ہے، اور کسی فریضہ کو مستحب عمل کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا، چہ جائے کہ حرام کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔

البتہ اگر کوئی مناسب رشتہ خرچ کئے بغیر نہ مل پائے، اور عفت وعصمت کو خطرہ درپیش ہو، تو چونکہ گناہ سے بچنا کسی فریضہ کی ادائیگی پر مقدم ہے، اس لئے ایسی صورت میں پہلے لڑکی کا نکاح کر دیا جائے، پھر استطاعت ہو، تو حج کرے:

"حال التوقان مقدم على الحج اتفاقا ؛ لأن في تركه أمرين ، ترك الفرض والوقع في الزنا"(۱)

(۱) رد المحتار :۲/۴۶۱۔

نفل حج افضل ہے یا صدقہ؟

سوال:- {1291} میں بحمد اللہ فریضۂ حج ادا کر چکا ہوں اور پھر خواہش ہے کہ نفل حج کروں، امید ہے کہ حج کمیٹی سے مجھے حج کا موقع مل جائے گا، لیکن میرے بعض اقارب بہت پریشانی کی حالت میں ہیں، خاندان کی بعض یتیم لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بھی ہے، ایسی صورت میں ہمیں نفل حج کرنا چاہئے، یا غریب رشتہ داروں کی مدد اور یتیم لڑکیوں کی شادی میں تعاون کرنا چاہئے؟ (عبدالحمید، نظام آباد)

جواب:- فقہاء کے یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ حج افضل ہے یا صدقہ کرنا؟ لیکن جو حالات آپ نے تحریر کئے ہیں، اس حقیر کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں یتیم لڑکیوں کی شادی کرا دینا یا غریب رشتہ داروں کی مدد کرنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، کیونکہ حج کا مقصود اللہ کے شعائر کا احترام ہے، اور وہ احترام آپ کے دل میں پہلے سے موجود ہے، حج سے اس کی تجدید ہوتی ہے۔ جب کہ اپنے غریب قرابت داروں کی مدد کرنے میں اللہ کے محتاج اور ضرورت مند بندوں کی مدد کرنا ہے، اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کرانے میں انہیں گناہ سے بچانا ہے، جو ظاہر ہے کہ زیادہ اہم ہے، مشہور فقیہ علامہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ جب تنگی کے حالات ہوں تو صدقہ نفل حج سے افضل ہے، اور انہوں نے بعض اور فقہاء سے بھی یہی رائے نقل کی ہے:

"ثم رأيت في متفرقات الباب الجزم بان الصدقة أفضل منه"(۱)

(۱) منحة الخالق على البحر: ۳۱۰/۲۔

نافرمان بیوی کے ساتھ حج

سوال:- {1292} میری بیوی اطاعت گزار اور فرماں بردار نہیں، ایک زمانہ سے میرے اور اس کے درمیان جنسی تعلق بھی نہیں، سمجھانے کے باوجود اپنی شرارت پر اٹل ہے، کیا میں اس کو حج میں ساتھ لے جاسکتا ہوں؟

(ایم اے ایس، تالاب کٹہ)

جواب:- آپ کو چاہئے کہ کسی عالم دین یا معاملہ فہم بزرگ خاندان کے سامنے باہمی اختلافات کو رکھ کر اسے طے کرائیں اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔ نہ بیوی کی طرف سے نافرمانی جائز ہے اور نہ شوہر کی طرف سے مسلسل بے تعلقی اور بے التفاتی، چونکہ وہ آپ کے نکاح میں ہیں، اس لئے آپ انہیں حج میں لے جاسکتے ہیں، ہوسکتا ہے یہ سفر سعادت ہی ان کے طور وطریق میں تبدیلی کا باعث ہوجائے۔

رباط میں مرفہ الحال لوگوں کا قیام

سوال:- {1293} ایک کھاتا پیتا اور مرفہ الحال شخص یا خاتون کا رباط میں ٹھہرنا جائز ہے؟ کیا معمول یا رشوت دے کر رباط کا حاصل کرنا درست ہے؟ (محمد سراج الدین، جدہ)

جواب:- یہ رباط بنانے والے اور وقف کرنے والے کی نیت پر منحصر ہے، اگر صرف نادار اور ضرورت مند لوگوں پر وقف کیا گیا ہو، تو مرفہ الحال لوگوں کا اس میں قیام کرنا جائز نہیں، اور اگر واقف کی طرف سے ایسی کوئی شرط نہ ہو تو ایسے لوگ بھی ٹھہر سکتے ہیں، البتہ جو لوگ مرفہ الحال ہوں ان کو چاہئے کہ نسبتاً اپنے سے کم معاش لوگوں کے لئے ایثار سے کام لیں، اس طرح

ان شاء اللہ وہ اجر کے مستحق ہوں گے، رباط میں رشوت دے کر قیام کی اجازت حاصل کرنا ناجائز اور گناہ ہے اور اس کے لئے رشوت لینا تو آخری درجہ کی بدنصیبی ہے۔

حاجی اور الحاج کے القاب

سوال:- {1294} حال ہی میں ایک محفل میں ایک صاحب نے فرمایا کہ جو صاحب حج اکبر یا دو تین حج کریں، وہ اپنے نام سے پہلے الحاج لکھ سکتے ہیں، اور اگر کسی شخص نے ایک ہی حج کیا ہو اور وہ حج اکبر نہ ہو تو وہ اپنے نام سے پہلے الحاج نہ لکھیں، بلکہ صرف حاجی لکھا کریں، یہ منطق کہاں تک درست ہے؟　　(قاری ایم، ایس خان، جدید ملک پیٹ)

جواب:- عربی زبان میں ''حاجی'' اور'' حاج'' دونوں ایک ہی معنی میں ہے، جس کے معنی حج کرنے والے کے ہیں، یہ بات کہ ایک دفعہ حج کرنے والا'' حاجی'' لکھے اور تین بار حج کرنے والا'' الحاج''، بالکل بے اصل بات ہے، بلکہ اپنے نام کے ساتھ خود اس طرح کے القاب لکھنے سے گریز کرنا چاہئے، کیونکہ عبادتوں میں ممکن حد تک اخفاء مطلوب ہے، نہ کہ ریاء اور نمود، اور اپنے نام کے ساتھ اس طرح کے القاب لکھنے سے ریاء اور نمائش کا احساس ہوتا ہے، فقہاء، محدثین اور صوفیاء وصالحین عام طور پر حاجی ہوا کرتے تھے، اور انہیں حج کے لیے موجودہ دور کے بہ نسبت بہت زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی تھی، اس کے باوجود ان کے نام کے ساتھ اس طرح کا لقب نہیں لگایا جاتا تھا، یہ بات بھی جو مشہور ہے کہ یوم عرفہ جمعہ کو پڑ جائے تو حج اکبر ہو جاتا ہے، غلط خیال ہے، اصل میں ہر حج بہ مقابلہ عمرہ کے حج اکبر ہے، یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ حجۃ الوداع کے سال جمعہ کو یوم عرفہ آ گیا تھا، لیکن اس سے حج کے اکبر اور اصغر ہونے کا تعلق نہیں۔

زیارت مدینہ

جنت البقیع کی مٹی

سوال:- {1295} ہمارے پڑوس کے ایک صاحب
ریاض میں رہتے ہیں، انہوں نے جنت البقیع کی کچھ مٹی بھیجی
ہے اور لکھا ہے کہ یہ مٹی مرحومین کی قبر پر گڑھا کر کے بھر دیں،
جس سے مرحومین کو سکون ملے گا، کیا یہ درست ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری)

جواب:- حدیث میں جس مقام کی کوئی فضیلت منقول ہو، اس کا تعلق اس مقام سے ہے نہ کہ وہاں کی مٹی اور فرش سے، مثال کے طور پر مسجد میں نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے، اب اگر کوئی شخص مسجد کے فرش کا کچھ حصہ نکال کر اپنے گھر میں لے آئے اور گھر میں اسی فرش پر نماز ادا کرے، تو کیا اس سے مسجد کی فضیلت حاصل ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں، اسی سے جنت البقیع کی مٹی کے معاملہ کو سمجھنا چاہئے، کہ جنت البقیع کی جو فضیلت آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہے وہ اس جگہ سے متعلق ہے، نہ کہ وہاں کی مٹی سے متعلق، اگر اس کا تعلق وہاں کی مٹی سے ہوتا تو جو صحابہ مدینہ

سے نکل کر دوسرے شہر میں آباد ہوئے اور وہیں آسودۂ خواب ہیں، سب سے پہلے انہوں نے یہ عمل کیا ہوتا، کیوں کہ ان سے بڑھ کر نہ کوئی شخص منشاءِ شریعت سے واقف ہوسکتا ہے، اور نہ اجر وثواب کا طلب گار۔

عمرہ سے پہلے زیارتِ مدینہ منورہ

سوال:- {1296} میں نے عمرہ کی نیت کی اور ہوائی جہاز سے جدہ پہنچ کر اسی روز مدینہ منورہ ہوائی جہاز سے پہنچ گیا، پانچ یوم زیارت کے بعد مکہ مکرمہ پہونچ کر عمرہ کیا تو:

(الف) کیا مجھے پہلے عمرہ کرکے مدینہ منورہ جانا چاہئے تھا؟

(ب) کیا مجھ پر دم دینا واجب ہے؟

(ج) دم مکہ مکرمہ میں دیا جائے یا میرے رہائشی مقام پر؟ (عبدالوحید خان، سعید آباد)

جواب:- (الف) عمرہ کرکے مدینہ جانا ضروری نہیں، البتہ اگر احرام باندھ لیا ہو تو ضروری ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی احرام کو برقرار رکھا جائے اور ممنوعات احرام سے بچا جائے تا آنکہ عمرہ ادا کرلے۔

(ب) پہلے مدینہ منورہ جانے اور بعد میں عمرہ کرنے سے دم یا کچھ اور واجب نہیں ہوتا۔

(ج) اگر کسی پر دم واجب ہو ہی جائے تو حدودِ حرم ہی میں دم دینا واجب ہے، حدودِ حرم سے باہر اپنے رہائشی مقام پر دم ادا کرنا کافی نہیں۔

كتاب الفتاوى

چوتھا حصہ

كتاب الأضحية والعقيقة

قربانی اور عقیقہ سے متعلق سوالات

کس پر قربانی واجب ہے اور کس پر نہیں؟

قربانی کن لوگوں پر واجب ہے؟

سوال:- {1297} قربانی کن حضرات پر فرض ہے؟
اگر کوئی شخص قرض میں مبتلا ہو تو کیا اس کو قربانی دینی چاہئے؟
(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- قربانی ایسے مسلمان شخص پر واجب ہے جس کے پاس اپنی بنیادی ضروریات کے علاوہ کوئی بھی سامان یا نقد رقم اتنی موجود ہو جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہونچ جائے، ضرورت سے زیادہ کپڑے، برتن وغیرہ بھی اگر اتنی قیمت کے ہوں، تو قربانی واجب ہوجائے گی:

"والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أو عشرون دينارا أو شئ يبلغ ذلك ..."(۱)

نیز ڈاکٹر زحیلی لکھتے ہیں:

(۱) الفتاوی الهندية:۲۹۲/۵۔

''اگر کسی شخص کے ذمہ قرض ہو، لیکن بنیادی ضروری اشیاء رہائشی مکان استعمالی سواری، اور استعمالی کپڑوں کے علاوہ جو کچھ اس کی املاک ہوں، وہ اتنی ہوں کہ اگر بیچ دی جائیں تو قرض ادا کرنے کے بعد بھی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر اس کے پاس بچ رہے، تو ایسے شخص پر قربانی کرنا واجب ہے، اور جیسے دوسرے حقوق کی ادائیگی کے لئے قرض لینا درست ہے، ایسے ہی اس مقصد کے لئے بھی قرض لینا جائز ہے'' (۱)

کیا نابالغ پر قربانی واجب ہے؟

سوال: - {1298} اگر نابالغ بچہ نصاب زکوۃ کی مقدار مال کا مالک ہو، تو اس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

(محمد صابر، وجے واڑہ)

جواب: - قربانی ایک عبادت ہے، اور شریعت عبادتیں بالغوں پر واجب قرار دیتی ہے، نہ کہ نابالغوں پر، اسی لیے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ بچہ پر واجب نہیں، یہی حکم قربانی کا بھی ہے، کہ قول صحیح کے مطابق نابالغ پر قربانی واجب نہیں ہوگی، البتہ اگر ولی ایسے نابالغ بچوں کی طرف سے اپنے مال میں سے قربانی کر دے تو بہتر اور قرین احتیاط ہے، چنانچہ مشہور فقیہ قاضی فخر الدین اوز جندیؒ فرماتے ہیں:

" و في الكافي الأصح أنه لا يجب ذلك ... و ليس للأب أن يفعله من مال الصغير " (۲)

(۱) الفقه الإسلامي و أدلته :۳/۶۰۰۔ محشی۔

(۲) فتاوى قاضي خان :۳/۳۴۶، نیز دیکھئے: البحر الرائق :۸/۱۷۴، الفتاوى الهندية : ۵/۲۹۳۔

قرض لے کر قربانی

سوال:- {1299} اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال موجود ہے جس سے قربانی واجب ہو جاتی ہے، لیکن وہ فی الحال اس کے قبضہ میں نہیں ہے، تو کیا اس شخص کو کسی سے قرض لے کر قربانی کرنی چاہیے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- جس شخص پر اپنی املاک کے لحاظ سے قربانی واجب ہو چکی ہو اور اس کے قبضہ میں گھریلو سامان اتنی قیمت کا موجود ہو جس سے قربانی کی جا سکتی ہے، تو فقہاء نے ایسے شخص کو بھی قربانی کرنے کا حکم دیا ہے:

"لہ مال کثیر غائب في ید مضاربہ أو شریکہ ومعہ الحجرین أو اثاث البیت مایضحی بہ یلزم"(۱)

اگر کوئی شخص گھریلو سامان جیسے فرنیچر، برتن وغیرہ فروخت نہیں کرنا چاہتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ قرض لے کر قربانی کرلے، جیسا کہ اپنی دوسری ضروریات کے لیے قرض لیا کرتا ہے۔

کیا مقروض پر قربانی واجب ہے؟

سوال:- {1300} کیا مقروض آدمی پر قربانی واجب ہے اور کیا وہ سودی یا بلاسودی قرضے لے کر قربانی کرسکتا ہے؟

(ایم، ایس، خان، اکبر باغ)

جواب:- اگر اس شخص پر قربانی واجب ہے یعنی قرض کی ادائیگی کے بعد بھی اس کے

(۱) رد المحتار: ۹/۴۵۳۔

پاس اپنی بنیادی ضرورت کے علاوہ کوئی بھی مال ساڑھے باون تولہ چاندی کا بچ رہتا ہے تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہے، خواہ قرض لے کر قربانی دے یا سامان کو بیچ کر، اگر قرض اور بنیادی ضروریات کے علاوہ اتنا مال نہ بچتا ہو تو قربانی واجب نہیں اور ایسے شخص کے لئے قرض لے کر قربانی کرنا بہتر نہیں، البتہ قربانی کرنے کے لئے سودی قرض حاصل کرنا جائز نہیں، کیوں کہ جیسے سود لینا ناجائز ہے سود دینا بھی ناجائز ہے۔

حاجیوں پر بقرعید کی قربانی

سوال:- {1301} جس پر حج فرض ہے، اور اس سعادت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو حج کی قربانی کے علاوہ کیا بقرعید کی قربانی بھی واجب ہوگی، اگر واجب ہے تو قربانی گھر پر کرنی چاہئے یا مکۃ المکرمہ ہی میں؟ (عبدالحفیظ، گلکنڈہ)

جواب:- جو شخص ایسے وقت مکہ مکرمہ پہونچا کہ اب ایام حج شروع ہونے میں پندرہ دن سے کم کا عرصہ باقی ہے، یعنی ۸/ ذی الحجہ سے ۱۴/ دنوں پہلے یا اس سے کم دن باقی تھے کہ وہ مکہ آیا تو اب وہ مسافر ہے، اس لئے بالاتفاق اس پر بقرعید والی قربانی واجب نہیں، کیونکہ وہ مسافر ہے، اور قربانی مسافر پر واجب نہیں ہوتی، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"ولاتجب الأضحية على الحاج و أراد بالحاج المسافر" (۱)

جو حاجی ۸/ ذی الحجہ سے پندرہ دنوں پہلے مکہ مکرمہ پہونچ جائے وہ مقیم ہے، ایسے شخص پر کیا بقرعید کی قربانی بھی واجب رہے گی؟ اس سلسلہ میں فقہاء حنفیہ سے دونوں طرح کی باتیں منقول ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ حاجی پر مطلقاً بقرعید والی قربانی واجب نہیں:

---

(۱) بدائع الصنائع :۴/۱۹۵۔

"و لا تجب ... و على المسافرين و لا على الحاج إذا كان محرما وإن كان من أهل مكة"(۱)

اور بعض فقہاء کے نزدیک جو حاجی مقیم ہو، تو اقامت کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہے، یہ دوسری رائے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے، اس لئے اسی پر عمل ہونا چاہئے، چنانچہ شامی کی "کتاب الحج" میں ہے:

"والتضحية إنما تجب بالشراء بنيتها أو الإقامة ولم يوجد واحد منهما"(۲)

علامہ شامیؒ نے قربانی کے بیان (کتاب الأضحية) میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے، پس جو لوگ مکہ میں ایام حج سے پندرہ دنوں پہلے پہونچ گئے ہوں ان پر حج کی قربانی کے علاوہ بقرعید کی قربانی بھی واجب ہوگی۔

البتہ حج کی قربانی تو حدود حرم ہی میں دی جاسکتی ہے، لیکن بقرعید کی قربانی کے لئے ایسی کچھ شرط نہیں، اپنے وطن میں بھی قربانی دے سکتا ہے۔

اگر حج میں قربانی کے لئے پیسہ نہ رہے؟

سوال:- {1302} اگر کسی حاجی کی رقم گم یا چوری ہوجائے تو ایسی صورت میں حاجی کس طرح اپنی قربانی دے؟ کیا اس حالت میں حاجی کو خیرات لے کر اپنا حج مکمل کرنے اور قربانی دینے کی شرعاً اجازت ہے؟

(محمد سراج الدین، جدید ملک پیٹ)

جواب:- اگر اس پر قربانی واجب ہو، وہ روزے رکھ سکتا ہو اور ۷/ذی الحجہ سے پہلے یہ

(۱) الفتاوى الهندية :۲۹۳/۵۔

(۲) ردالمحتار :۵۶۵/۳۔

واقعہ پیش آیا ہو، تو اسے چاہئے کہ سات، آٹھ، نو ذی الحجہ کو روزے رکھ لے اور ۱۳/ ذی الحجہ کے بعد پھر کبھی باقی سات روزے پورے کرلے، تو یہ دس روزے قربانی کا بدل ہو جائیں گے، خود قرآن میں اس کی صراحت موجود ہے۔(۱) اور اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، یا دس ذی الحجہ سے پہلے تین روزے رکھنے کی مہلت نہ ہو، نیز اس نے تمتع یا قران کیا ہے جس میں قربانی واجب ہو جاتی ہے، تو اول قربانی کے لئے قرض حاصل کرنے کی کوشش کرے، یا اگر اس کے پاس اپنی ضرورت سے فاضل کوئی ایسی چیز ہو جسے فروخت کر کے قربانی کے بقدر پیسہ حاصل کرسکتا ہو، تو اس تدبیر سے کام لے، اگر یہ دونوں باتیں ممکن نہ ہوں اور اس کا حج تمتع یا قران ہو، تو پھر زکوۃ وصدقات کی مدد حاصل کر کے بھی قربانی کرسکتا ہے، کیونکہ وہ مسافر ہے اور مسافر کے لئے زکوۃ لینے کی گنجائش ہے، یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اگر کسی جنایت یا غلطی کی وجہ سے دم واجب ہوا ہے تو یہ تو واجب ہے کہ اس کی قربانی حرم ہی میں دی جائے، لیکن ان ہی ایام میں دینا ضروری نہیں، اگر مجبوری ہو تو ہندوستان واپس آکر اپنے کسی عزیز کے ذریعہ جو سعودی میں مقیم ہو، بعد میں بھی قربانی دی جاسکتی ہے۔

خاتون حاجی کی قربانی

سوال:- {1303} خاتون حاجی کی قربانی کون اور کس طرح دے؟ (حافظہ سمیہ سلطانہ، سعید آباد)

جواب:- قربانی میں مرد وعورت کے درمیان کوئی فرق نہیں، عورت خود بھی اپنی قربانی کا جانور ذبح کرسکتی ہے، اور کوئی دوسرا اس کی طرف سے نیابتاً بھی قربانی کرسکتا ہے، خواہ وہ اس کا محرم ہو یا غیر محرم، رشتہ دار ہو یا اجنبی، چونکہ آج کل حجاج کے خیموں سے قربان گاہ بہت دور ہوتی ہے، اس لئے اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ کسی اور شخص کو قربانی کا وکیل بنادے، جو اس کی طرف سے قربانی کردے۔

(۱) البقرۃ :۱۹۶۔

مرحومین کے نام سے قربانی

سوال:- {1304} مرنے والوں کے نام سے قربانی دینا درست ہے یا نہیں؟ (سید حفیظ الرحمان، پھولانگ)

جواب:- میت کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ ان کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ حضرت علی ؓ آپ ﷺ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے،(۱) مردہ کی طرف سے قربانی کی جائے تو قربانی کا ثواب اس مردہ کے لئے ہوگا، اور ملکیت ذبح کرنے والے کی ہوگی، جیسے اپنی قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جاتے ہیں، ایک حصہ اپنے لئے، ایک حصہ دوست واحباب کے لئے اور ایک حصہ غرباء کے لئے، اسی طرح اس کے بھی تین حصے کئے جائیں گے:

"من ضحّى عن الميت ... والأجر للميت، والملك للذابح" (۲)

اگر میت نے خود قربانی کی وصیت کی ہو، تو پھر ضروری ہے کہ قربانی کرنے والا خود اس میں سے نہ کھائے:

"والمختار أنه ضحّى بأمر الميت لا يأكل وإلا يأكل" (۳)

دوسروں کی طرف سے زندوں کے نام سے قربانی

سوال:- {1305} کیا مرحومین کی طرف سے بھی

---

(۱) رد المحتار :۹/۴۷۲۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) حوالہ سابق۔

قربانی کا حصہ دیا جا سکتا ہے؟ یا صرف ان لوگوں کی طرف سے
جو بقید حیات ہیں؟ (ح،س، مشیر آباد)

جواب:- قربانی ایک مالی عبادت ہے، اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک مالی عبادت بالاتفاق دوسرے شخص کی طرف سے کی جا سکتی ہے، اگر میت کی طرف سے کی جائے، یا ایسے زندہ شخص کی طرف سے جس پر قربانی واجب نہیں ہے، تو یہ بطور ایصالِ ثواب کے ہوگی، اور ایسے زندہ شخص کی طرف سے اور اس کی اجازت سے کی جائے جس پر قربانی واجب ہے، تو جس شخص کی طرف سے قربانی کی جائے اس کو ثواب بھی پہنچے گا اور فریضۂ شرعی بھی ادا ہو جائے گا، حدیث سے ثابت ہے کہ سیدنا حضرت علی ﷺ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آپ ﷺ کی وفات کے بعد قربانی کیا کرتے تھے۔ (۱)

صحت مند ہونے پر قربانی

سوال:- {1306} اگر کوئی شخص بیمار پڑا تو اس کے گھر والے اس کے اچھے ہونے کے بعد جان کی زکوۃ میں بکرا ذبح کرتے ہیں، یہ گوشت گھر والے کھا سکتے ہیں، یا نہیں؟
(ضیاء الامین، بیگوسرائے)

جواب:- اگر صحت مند ہونے سے پہلے نذر مانی ہو، کہ صحت حاصل ہونے پر میں بکرا ذبح کروں گا، تو یہ نذر کی قربانی ہے، یہ ان ہی لوگوں کو کھلایا جا سکتا ہے، جن کو نذر ماننے والا زکوۃ دے سکتا ہو، اور اگر پہلے سے نذر نہیں مانا تھا، بلکہ صحت مند ہونے کے بعد اظہار مسرت کے لئے قربانی کی، تو یہ شکرانہ کی قربانی ہے، اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسرے اہل تعلق کو بھی کھلا سکتا ہے۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۷۹۰، باب الأضحية من الميت ۔

جائے قیام کی بجائے دوسری جگہ قربانی

سوال:- {1307}(الف)ایک شخص کلکتہ میں رہتا ہے، وہاں بکرے کی قیمت ڈھائی ہزار اور بڑے جانور میں ایک حصہ کی قیمت دو ہزار روپیہ ہوتی ہے، اگر وہ قربانی دیتا ہے تو اس کے ہاتھ میں بمشکل ہزار ڈیڑھ ہزار رہ جاتے ہیں، کیا اس پر بھی قربانی واجب ہے؟

(ب) کیا ایسا تاجر اپنی قربانی کی رقم حیدرآباد میں روانہ کرسکتا ہے،؟ یا اس کے لئے کلکتہ ہی میں قربانی کرنا واجب ہو گا؟ (علی احمد، کلکتہ)

جواب:- (الف) قربانی ان لوگوں پر واجب ہوتی ہے جنکے پاس اپنی بنیادی ضروریات کے علاوہ چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کا کوئی بھی مال موجود ہو، اگر کسی کے پاس ایسا مال موجود ہے، لیکن نقد رقم کم ہے، کہ قربانی دینے کے بعد اس کے پاس صرف ہزار پانچ سو روپیہ رہ جاتے ہیں، یا کچھ رقم باقی نہیں رہتی، تب بھی اس پر قربانی واجب ہوگی۔

(ب) آدمی جہاں رہتا ہو، بہتر ہے کہ وہیں قربانی دے، لیکن اگر دوسری جگہ زیادہ مستحق لوگ رہتے ہوں تو وہاں قربانی دینے میں بھی کوئی حرج نہیں، گو جانور کی قیمت میں فرق ہو، اس لئے کلکتہ میں رہنے والا حیدرآباد میں قربانی دے سکتا ہے۔

اگر ایام قربانی میں قربانی نہ کرسکے؟

سوال:- {1308} میرا بھائی امریکہ میں رہتا ہے، غفلت سے اس سال قربانی نہ دے سکا ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ (ایم اے نعیم، ریڈ ہلز)

جواب:- جس شخص پر قربانی واجب ہو، اور اپنی غفلت کی وجہ سے قربانی نہ کر پائے تو اس پر واجب ہے کہ ایام قربانی گزرنے کے بعد یا تو بکرا صدقہ کر دے یا اس کی قیمت:

" وقضاؤها بعد مضی وقتها بالتصدق بعينها أو بقيمتها " (۱)

یہاں تک کہ اگر ایسے شخص پر وفات کا وقت قریب آجائے تو واجب ہے کہ وصیت کر جائے کہ اس کے مال میں سے ایک بکرے کی قیمت صدقہ کر دی جائے، اور ورثہ پر اس کے ترکہ کے ایک تہائی میں سے بکرے کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگا:

" فعليه أن يوصی بأن يتصدق عنه بقيمته شاة من ثلث ماله " (۲)

البتہ یہ جانور یا اس کی قیمت چوں کہ بطور صدقہ کے ہے اس لئے اس میں سے خود کھانا یا ایسے لوگوں کو کھلانا جو زکوۃ کے مستحق نہیں درست نہیں ہوگا، اور اس کا حکم قربانی سے اس معاملہ میں مختلف ہوگا۔

* * * * *

(۱) فتح القدير :۸/۴۳۶۔
(۲) بدائع الصنائع :۴/۲۰۴۔

قربانی کے جانور

سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی

سوال:- {1309} بعض دفعہ جانوروں کو سینگ ہی نہیں ہوتی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک جانور کی سینگ تھی، لیکن لانے میں ٹوٹ گئی، تو کیا ایسے جانور کی قربانی دی جاسکتی ہے؟ (محمد واجد علی، مغلپورہ)

جواب:- جس جانور کو پیدائشی طور پر سینگ نہ ہو، یا سینگ تھی لیکن ٹوٹ گئی ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ سینگ سے جانور کا کوئی مقصود اور مفاد متعلق نہیں، "لأن القرن لا یتعلق به مقصود "(۱) البتہ اگر سینگ اس طرح ٹوٹی کہ مغز دماغ تک پہونچ گئی تو پھر اس کی قربانی درست نہیں۔ "فإن بلغ الکسر إلی المخ لم یجز "(۲)

---

(۱) البحر الرائق :۸/۱۷۶۔

(۲) ردالمحتار :۹/۴۶۷۔

جلالہ کی تعریف

سوال:- {1310} جلالہ کی تعریف کیا ہے؟

(محمد ایوب علی خاں، شکاگو، امریکہ)

جواب:- جلالہ ایسے جانور کو کہتے ہیں جو نجاست کھایا کرتا ہو: "التي تأكل العذرة "(۱) جلالہ کے حکم کے بارے میں مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے فقہ کی ایک کتاب "المنتقی" سے نقل کیا ہے:

"مکروہ جلالہ وہ ہے کہ جب قریب ہو تو اس سے بو آئے، نہ اس حالت میں اس جانور کو کھایا جائے، نہ اس کا دودھ پیا جائے، نہ اس کی سواری کی جائے، اس حالت میں اس کا فروخت کرنا اور ہبہ کرنا مکروہ ہے، اور علامہ بقالیؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس کا پسینہ بھی ناپاک ہے۔ (۲)

خصی شدہ جانور کی قربانی

سوال:- {1311} خصی شدہ جانور کا گوشت کھانا اور اس کی قربانی دینا جائز ہے یا نہیں؟ (ر، موہانی)

جواب:- خصی شدہ جانور کی قربانی جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، "الدر المختار" میں ہے: "ويضحی بالجماء والخصی "(۳) دراصل جانوروں میں آختہ ہونا عیب نہیں، کیونکہ آختہ جانوروں کا گوشت زیادہ لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتا ہے، اور اس میں

(۱) الدر المختار مع الرد :۴۹۱/۹۔
(۲) رد المحتار : ۴۹۱/۹۔
(۳) الدر المختار مع الرد :۱۶۷/۹۔

بدبو نہیں ہوتی، تاجروں کے یہاں بھی خصی جانوروں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، جانوروں میں ایسی قدرتی اور مصنوعی تبدیلی قربانی میں رکاوٹ ہے، جو ان کے حق میں عیب شمار کی جاتی ہو، بلکہ امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ آختہ جانور کی قربانی بہتر ہے،(۱) اور خود رسول اللہ ﷺ سے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کرنا ثابت ہے۔(۲)

بڑے جانور میں سات حصہ

سوال:- {1312} بڑے جانور میں جو سات حصہ کیا جاتا ہے، کیا حدیث سے اس کا ثبوت ہے؟

(محمد ساجد، نظام آباد)

جواب:- جی ہاں! حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة "(۳) "گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے اور اونٹ کی قربانی بھی سات آدمیوں کی طرف سے"

بڑے جانور میں سات سے کم حصے

سوال:- {1313} عید قربان کے موقع پر اتفاق سے جانور چھوٹا ہے، تو کیا اس جانور میں سات حصے کرنا ضروری ہے، یا سات سے کم حصے بھی کیے جاسکتے ہیں؟

(محمد عتیق الرحمن، عادل آباد)

---

(۱) " و يضحى بالجماء و الخصي ، و عن أبي حنيفة هو أولى : لأن لحمه أطيب " (البحر الرائق: ۸/۳۲۳) محشی۔

(۲) البحر الرائق : ۸/۱۷۶۔

(۳) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۸۰۸۔

جواب:- بڑے جانور میں سات حصے کرنے کی گنجائش ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ سات حصے ہی کرنا ضروری ہو، یہ زیادہ سے زیادہ حد ہے، اس سے کم حصے بھی کیے جاسکتے ہیں، '' و تجزئ عما دون سبعة بالأولیٰ ''(۱)

حج میں بڑے جانور میں حصہ لینا

سوال:- {1314} بقرعید کی قربانی میں بکرا یا اس کی جگہ بڑے جانور میں حصہ لیا جاتا ہے، تمتع کرنے والے حاجی پر بھی قربانی واجب ہوتی ہے، تو کیا اس کے لئے بھی گائے یا اونٹ میں حصہ لینا کافی ہوجائے گا۔ (محمد شاکر، یاقوت پورہ)

جواب:- جیسے بقرعید کی قربانی میں ایک بکرے کی جگہ بڑے جانور میں حصہ لے لینا کافی ہے، اسی طرح حج کی قربانی میں بھی اونٹ اور گائے وغیرہ میں ساتواں حصہ لے لینا کافی ہے، چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا تو سات افراد کی طرف سے اونٹ اور گائے کی قربانی کی۔ (۲) اسی لئے فقہاء نے بھی صراحت و وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے، علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں: '' وإذا رمی یوم النحر ذبح شاۃ أو بدنة أو سبعها '' (۳)

پالتو اور جنگلی جانور کے اختلاط سے پیدا ہونے والے بچہ کی قربانی

سوال:- {1315} آج کل نباتات کی طرح جانوروں میں دو الگ الگ جنس کے جانوروں کے اختلاط سے نئے قسم کا

---

(۱) الدر المختار علی هامش الرد :۹/۴۵۷۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۵۵، ۳۵۰، ۳۵۲، باب جواز الاشتراك في الهدی ۔ محشی

(۳) البحر الرائق :۲/۳۵۹۔

جانور پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، تو اگر بکرا اور ہرن کے ذریعہ بچہ پیدا ہو تو، کیا اس کی قربانی کی جاسکتی ہے؟

(صلاح الدین، قطر)

جواب:- حدیث میں قربانی کے لیے جن جانوروں کا ذکر آیا ہے، وہ سب پالتو جانور ہیں نہ کہ جنگلی، اس لیے قربانی صرف پالتو جانوروں ہی کی ہوسکتی ہے، اگر پالتو اور جنگلی جانور کے اختلاط سے بچہ پیدا ہو تو ماں کا اعتبار ہوگا، اگر ماں پالتو جانور کے قبیل سے ہے، جس کی قربانی کی اجازت حدیثوں سے ثابت ہے، تو اس کی قربانی درست ہوگی، ورنہ نہیں، چنانچہ ہرن نر ہو اور بکری مادہ، تو ایسے جانور کی قربانی درست ہوگی، اگر صورت اس کے برعکس ہو تو اس کی قربانی درست نہیں، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں:

"فإن كان متولدا من الوحشي و الإنسي فالعبرة للأم ، فإن كانت أهلية تجوز وإلا فلا، حتى لو كانت البقرة وحشية و الثور أهليا لم تجز" (۱)

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

---

(۱) الفتاوی الهندية:۵/ ۲۹۷،بدائع الصنائع :۵/ ۶۹،فتاوی قاضی خان :۳/ ۳۴۸۔

قربانی کا گوشت اور چرم

کیا قربانی کرنے والے کا خود گوشت کھانا ضروری ہے؟

سوال:- {1316} میں کثیر العیال ہوں، قربانی نہیں دے سکتا، میرے حال پر رحم کھا کر میری بہن جو حیدرآباد میں رہتی ہے، اپنی قربانی کی رقم ہر سال مجھے اپنی طرف سے قربانی دینے کے لئے میرے گاؤں بھجواتی ہے، اور میں اس کی طرف سے قربانی کے گوشت کے تین حصے کرتا ہوں، ایک حصہ فقراء میں، ایک حصہ عزیز و اقارب میں تقسیم کرتا ہوں اور ایک حصہ خود رکھ لیتا ہوں، مگر میں اپنی بہن کا حصہ حیدرآباد کو بھجوا نہیں سکتا، وہ حصہ میں خود ہی استعمال کر لیتا ہوں، کیا اس طرح سے میری بہن کی طرف سے قربانی ہو جاتی ہے؟ جواب ارسال فرمائیں، نوازش ہوگی۔ (م ص، وقارآباد)

جواب:- یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کی طرف سے قربانی کی جائے وہ بھی اس میں

سے کھائے اگر وہ dور ہو اور اس کو گوشت پہونچانا دشوار ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ اس کا حصہ استعمال کرلیں، اقرباء اور غرباء کے حصہ میں بھی کمی بیشی کی جاسکتی ہے، البتہ بہتر ہے کہ غرباء کا حق ایک تہائی سے کم نہ کیا جائے: ''وندب أن لا ينقص عن الثلث ''(۱)

کن صورتوں میں قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے؟

سوال:- {1317} سنا ہے کہ بعض صورتوں میں قربانی کے گوشت کو صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے، تو یہ کونسی صورتیں ہیں؟

(حامد علی، بمبئی)

جواب:- مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے ان صورتوں کو جمع کیا ہے جن میں قربانی کا گوشت نہیں کھایا جاسکتا:

۱- اگر قربانی کی نذر مانی گئی ہو: ''المنذورة ابتداء''

۲- ایام قربانی میں باوجود واجب ہونے کے قربانی نہ کرسکا، اب بعد میں اس کی تلافی کے طور پر جو جانور خرید کیا جائے، اسے صدقہ کردینا چاہیے، اگر اسے ذبح کیا جائے تو اس کی تمام اشیاء کو صدقہ کردینا واجب ہوگا: ''والتي وجبت تصدق بعينها بعد أيام النحر''

۳- مرنے والے نے اپنے مال میں سے قربانی کی وصیت کی ہو اور اسی کے مال سے وہ وصیت پوری کی جائے، تو اس گوشت کو بھی صدقہ کردینا واجب ہے: ''والتي ضحى بها عن الميت بأمره على المختار''

---

(۱) الدر المختار مع الرد : ۹/۴۷۴۔

۴- قربانی کا جانور خرید کیا گیا، اس جانور نے بچہ کو جنم دیا تو اس کو بھی صدقہ کرنا واجب ہے: ''والذي ولدته الأضحية''

۵- ایک جانور میں سات افراد شریک تھے، ان میں سے ایک شخص کی نیت پچھلے سال کی قربانی کی قضا کرنا تھا، اب چوں کہ قضا کی قربانی میں صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے، اس لیے اس پورے جانور کو صدقہ کرنا واجب ہو جائے گا: ''و المشتركة بين سبعة نوى بعضه بحصة القضاء عن الماضي ''(۱)

اس کے علاوہ علامہ شامیؒ نے ایک اور صورت بھی لکھی ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ اس صورت میں صدقہ کرنا واجب نہیں ہوگا۔

قربانی کے گوشت سے کھانے کا آغاز

سوال:- {1318} بقرعید کے روز قربانی تک روزہ رکھنا اور قربانی کے گوشت سے روزہ کھولنا کیا واجب ہے؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کا معمولِ مبارک بقرعید کے دن نماز سے پہلے کھانے کا نہیں تھا، بلکہ نماز کے بعد آپ ﷺ قربانی کا گوشت تناول کرتے تھے، (۲) اس لیے جو شخص دس ذی

(۱) رد المحتار: ۴۷۴/۹۔

(۲) "كان رسول الله ﷺ إذا كان يوم الفطر لم يخرج حتى يأكل شيئا و إذا كان الأضحى لم يأكل شيئا حتى رجع و كان إذا رجع أكل من كبد أضحية" (بيهقي، حدیث نمبر: ۶۱۶۱، باب يترك الأكل يوم النحر حتى يرجع) محشی۔

الحجہ کو قربانی کر رہا ہو، اس کے لیے مستحب ہے کہ اس روز قربانی کے گوشت سے کھانے کا آغاز کرے، لیکن جیسا کہ مذکور ہوا یہ استحبابی حکم ہے، واجب نہیں:

"و یستحب أن یکون أول تناول عن لحوم الأضاحی التی هي ضیافة اللّٰه، کذا في العیني" (۱)

صحت مند ہونے پر قربانی اور اس کا گوشت

سوال:- {1319} ایک طریقہ یہ آرہا ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار پڑ جائے تو صحت مند ہونے کے بعد گھر والے بکرا ذبح کرتے ہیں، اور اسے جان کی زکوۃ کہتے ہیں، کیا یہ گوشت گھر والے کھا سکتے ہیں؟　(سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- اگر یہ نذر مانی گئی ہو کہ فلاں شخص صحت مند ہو جائے، تو بکرا ذبح کریں گے، تو ایسی صورت میں یہ نذر کی قربانی ہے، اس کا کھانا انہی لوگوں کے لئے جائز ہے جن کے لیے زکوۃ جائز ہو، جو رشتہ دار اس کی زکوۃ نہیں لے سکتے ان کے لئے اس قربانی میں سے کھانا جائز نہیں ہوگا، اور اگر پہلے سے اس قسم کی نذر نہیں مانی تھی، بلکہ صحت ہونے کے بعد بطور شکرانہ کے قربانی کردی تو اس کا حکم وہی ہے جو بقرعید کی قربانی کا ہے، یعنی اس میں سے خود بھی کھا سکتے ہیں عزیز و اقارب کو بھی دے سکتے ہیں اور فقراء کو بھی۔

غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت دینا

سوال:- {1320} غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت دینے کا کیا حکم ہے؟　(محمد نصیر عالم سبیلی، جالے، دربھنگہ)

(۱) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۵۔

جواب:- غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت دینا جائز اور درست ہے،(۱) لیکن میرا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں اس طرح کا سلوک کرنا مستحب اور مستحسن ہے، اس سے اجنبیت کم ہوگی، اُنس بڑھے گا، اور ان کو احساس ہوگا کہ مسلمان مذہبی طور پر اتنے فراخ دل اور سیر چشم ہیں کہ اپنی خوشیوں میں غیر مسلم بھائیوں کو بھی شریک کرتے ہیں۔

غیر مسلموں کو عقیقہ کا گوشت دینا

سوال:- {1321} قربانی اور عقیقہ کا گوشت کیا ہندو بھائیوں کو دیا جاسکتا ہے؟ ایک عالم صاحب نے بتایا کہ اگر اہل ہنود کو دینا ہے تو بازار سے علاحدہ خرید کر گوشت دینا چاہئے۔ (محمد عبدالواحد، پالونچہ)

جواب:- قربانی اور عقیقہ وغیرہ کا گوشت غیر مسلم بھائیوں کو بھی دیا جاسکتا ہے، ''و يهب منها ... المسلم والذمی ''(۲) بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سوائے زکوۃ کے دوسرے صدقات واجبہ، جیسے: کفارات اور نذر وغیرہ بھی غیر مسلم فقراء کو دینا جائز ہے۔

" ویجوز اعطاء فقراء أهل الذمة من الكفارات والنذور وغير ذلك الا الزكوة " (۳)

چرم قربانی کا مصرف

سوال:- {1322} ہر سال یہ دیکھا جارہا ہے کہ ہر گلی کوچہ میں پردے پر'' قربانی میں حصے لیجئے'' کہہ کر یہ تشہیر کی

---

(۱) الفتاوی الهندیة :۵/۳۰۰ ۔محشی۔

(۲) الفتاوی الهندیة :۵/۳۰۰۔

(۳) بدائع الصنائع :۴/۲۶۳۔

جاتی اور تقریباً 30% لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کم حصہ کا لگا کر
خاموشی سے چرم اپنے نفع کے طور پر رکھ لیتے ہیں، میں نے خود
کئی رشتہ دار کو اس غلطی سے آگاہ کیا، کچھ لوگ یہ سمجھ کر چرم دینی
مدرسوں کو دینے لگے اور کچھ نہیں دیتے، مگر افسوس اس بات پر
ہے کہ قربانی میں ملنے والے حضرات پیسے دے کر سبکدوش
ہو جاتے ہیں کہ ہم کو مل گیا، ان کو پتہ بھی نہیں کہ چرم کسی مدرسہ
یا جماعت کو دیا گیا یا نہیں؟ (محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)

جواب:- اصل میں چرم قربانی کا وہی مصرف ہے جو گوشت وغیرہ کا ہے، یعنی چمڑے کو اپنی اصل حالت پر رکھتے ہوئے خود بھی استعمال کر سکتا ہے، صاحب استطاعت دوست احباب کو بھی دے سکتا ہے، اور غرباء کو بھی، لیکن اگر چمڑا کسی شئ کے بدلہ فروخت کر دیا جائے، تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ اس شئ کے وجود کو باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو، اس صورت میں اس شئ سے نفع اٹھانے کی گنجائش ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ چمڑے کے عوض کوئی ایسی چیز حاصل کرے کہ جس کو باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھانا ممکن نہیں جیسے چمڑا دے کر گوشت یا چاول یا گیہوں حاصل کرے، یا پیسوں کے عوض چمڑا فروخت کر دے، تو ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں چمڑے کے عوض کے طور پر جو چیز حاصل کی جاتی ہے اس کو اپنی اصل حالت پر قائم اور باقی رکھتے ہوئے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا ہے، ایسی چیزوں کا صدقہ کر دینا واجب ہے۔

"و يتصدق بجلدها أو يبدله بما ينتفع به باقيا
لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه "(۱)

آج کل عام طور پر چرم پیسوں کے عوض فروخت کیا جاتا ہے، لہٰذا ان کا صدقہ کرنا واجب ہے، جن لوگوں کو زکوۃ دی جا سکتی ہے انہیں کو چرم قربانی بھی دیا جا سکتا ہے، اور بہتر طریقہ یہی ہے

(۱) الدر المختار مع الرد: ۹/۴۷۵۔

کہ چرم یا اس کی قیمت غرباء پر صرف کردی جائے، تاکہ قربانی کے ساتھ ساتھ مزید صدقہ کا ثواب بھی حاصل ہو، ایسے دینی مدارس جہاں طلبہ کے کھانے پینے کا نظم ہو، کو چرم دینا دوہرے اجر وثواب کا باعث ہے، ایک تو صدقہ کا اجر ہے، دوسرے دینی تعلیم جیسے عظیم کام میں تعاون بھی ہے، اس لئے ایسے لوگوں کو چرم حوالہ نہ کرنا چاہئے جو خود اس کے مستحق نہ ہوں، اور اس بات کی توقع بھی نہ ہو کہ وہ مستحقین تک چرم پہونچائیں گے۔

چرم قربانی کی رقم سے وضوء خانہ کی چھت

سوال:- {1323} چرم قربانی کی رقم سے وضوء خانہ کی عارضی چھت کا بندوبست کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(سید خواجہ معین الدین، سداسیو پیٹ)

جواب:- اگر چرم قربانی کو روپے یا کسی اور چیز سے بدلا جائے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ (۱) لہذا اس سے وضوء خانہ کی تعمیر یا اس کی چھت کا کام کرنا درست نہیں۔

چرم قربانی کی رقم سے عیدگاہ کی زمین خرید کرنا

سوال:- {1324} ظہیر آباد میں توسیع عیدگاہ کے لئے ایک تین ایکڑ زمین خرید کی گئی ہے، ۱۴/ لاکھ کی منجملہ، ۶/ لاکھ ادا کئے گئے ہیں، مزید کیا چرم قربانی کی رقم سے ادا کی جاسکتی ہے؟ (محمد خلیل احمد، معتمد عیدگاہ کمیٹی، ظہیر آباد)

جواب:- چرم قربانی کی قیمت کو صدقہ کردینا واجب ہے، صدقہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ کسی مستحق زکوۃ کو اس کا مالک بنا دیا جائے، عیدگاہ کی زمین کی قیمت ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ کسی غریب شخص کو مالک بنانے کی صورت نہیں پائی جاتی، اس لئے یہ صورت درست نہیں۔

---

(۱) الدر المختار: ۲/۲۳۴۔

اجتماعی قربانی اور چرم قربانی کا مصرف

سوال:- {1325} ہمارے شہر میں ایک تنظیم کی جانب سے عید الاضحیٰ کے موقع پر اجتماعی قربانی کا اہتمام کیا جاتا ہے، تمام اخراجات کے بعد حصص میں سے بچی ہوئی رقم بھی بعد قربانی صاحب قربانی کو لوٹا دی جاتی ہے، نیز یہ کہ اس کے چرم سے حاصل ہونے والی رقم شہر کے غرباء و مساکین اور بیواؤں میں ماہانہ وظائف کی شکل میں تقسیم کی جاتی ہے، شرعی اعتبار سے یہ مصرف صحیح ہے یا نہیں؟ تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

(محمد عبد الرحمن، مکتھل)

جواب:- اجتماعی قربانی کا نظم جائز ہے، بچی ہوئی رقم کا اصحاب حصص کو واپس کر دینا مناسب ہے، اور جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں، یعنی غرباء و مساکین اور ایسی بیوائیں جو نصاب زکوٰۃ کی مالک نہیں، ان کو اس میں سے گزر اوقات کے لئے ماہانہ وظائف دینا بہتر عمل ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

چرم قربانی کا بغیر تملیک کے استعمال

سوال:- {1326} کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ درس گاہ جہاد و شہادت ایک ایسی تنظیم ہے جس میں مسلمانوں کو حفاظت خود اختیاری کی تربیت دی جاتی ہے، جس کے اخراجات، فیس اور چرم قربانی سے چلائے جاتے ہیں، ہم میں کچھ اختلافات ہو گئے ہیں، براہ کرم مسائل کی یکسوئی کریں۔

(الف) امیر صاحب جناب شیخ محبوب علی چرم قربانی کی رقم کو بغیر تملیک کے استعمال کا حکم دیتے ہیں، ہم نے کئی مفتیان کرام کے فتاوی بتلائے، لیکن وہ نہیں مانتے، اس کے جواب میں مولانا مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن میں سورہ توبہ آیت ۲ کی تفسیر بتلاتے ہیں، چرم کے پیسے ۱۶۰۰۰/ ہزار روپے سکھانے والوں کی تنخواہ دیتے ہیں۔

(ب) امیر صاحب کہتے ہیں، کہ اس کام کے لیے ہم بینک بھی لوٹ سکتے ہیں، حضورا بھی کفار کے قافلوں کو لوٹا اور قتل کرتے تھے، نعوذ باللہ من ذلک، نیز پانچواں حصہ کا حقدار امیر کو بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس کا کوئی حساب نہ پوچھے۔

(ج) میں نے جب امیر صاحب سے پوچھا کہ عید الاضحیٰ ۸۸ء کے چرم کتنے کے ہوئے تو وہ ۳۱۰۰۰ کے بتلائے، اور ۳۰۰۰ اڈوانس وصولی بتلائے، جب میں نے حاجی نجم الدین صاحب مالک ظفر سکن کمپنی سے معلوم کیے تو معلوم ہوا کہ چرم ۳۹۴۴۰ روپے کے ہیں، اور ایڈوانس وصولی کے روپے ۶۰۰۰ ہیں، جب میں نے شیخ صاحب سے پھر دریافت کیا ایسا ہمیں جھوٹ کیوں بولے تو کہنے لگے ۳۱۰۰۰ کے ہوسکتے ہیں، بولا تھا اور مزید کہ ۳۰۰۰ نہیں بلکہ ۶۰۰۰ بولا، آپ کے سننے میں بھول ہوگئی ہوگی، بات آگے بڑھ کر یہاں تک پہونچ گئی کہ وہ جھوٹی قسم قرآن پر ہاتھ رکھ کر کھائے، جواب میں مجھے صفائی کے لیے احباب کے سامنے مجھ کو بھی قسم کھانا

پڑی، میں اس چوری کا گواہ کسی کو اس لیے نہیں بتایا کہ میرا خیال تھا کہ انہیں اپنی اس چوری کا احساس دلا کر توبہ کرواؤں اور آئندہ جوائنٹ اکاؤنٹ رکھوں، لیکن وہ جوائنٹ اکاؤنٹ رکھنے کے لیے راضی نہیں ہیں، بتلایئے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں، براہ کرم خوشخط اور نمبر کے ساتھ جواب ارسال فرمائیں، تاکہ امت محمد ﷺ اس امیر کی اطاعت کرے یا نہ کرے؟

(ایک رکن، درس گاہ جہاد و شہادت)

جواب:- بشرط صحت سوال آپ کے جوابات حسب ذیل ہیں:

(الف) چرم قربانی فروخت کیے جانے کے بعد اس کی قیمت صدقہ کردینا واجب ہے، اور اس کا حکم وہی ہوتا ہے، جو عام صدقات واجبہ کا ہے، اور زکاۃ کا ہے، زکاۃ کے بارے میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ مستحقین کو مالک بنانا ضروری ہے، لہذا ایسے مدات میں جن میں مالک بنانے کی شرط نہ پائی جاتی ہو، ان رقوم کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے، مولانا مودودی مرحوم اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے" فی سبیل اللہ " کے لفظ سے ایسے مدات مراد لئے ہیں، جن میں تملیک کی نوبت نہ آتی ہو اور اس کے دائرہ کو بہت عام کردیا ہے، لیکن یہ تفسیر عام سلف صالحین اور بالخصوص ائمہ اربعہ کی تفسیر کے خلاف ہے، ان حضرات کے نزدیک" فی سبیل اللہ " سے" مجاھد فی سبیل اللہ " جو اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے نکلا ہو اور مفلوک الحال ہو جائے، یا ایسے منقطع مراد ہیں جن پر حج واجب ہو، اور حج ادا نہ کر پایا ہو، اور بعد کو حج کی ادائیگی پر راستہ میں کسی عارض کے پیش آنے سے قادر نہ ہو، البتہ فقہاء کرام نے ضرورۃً تملیک کا حیلہ اختیار کر کے دوسرے مدات میں بھی استعمال کی اجازت دی ہے، اس لیے امیر موصوف کا اس رقم سے گاڑی خریدنا اور معلمین کو تنخواہ دینا جائز نہیں، اور صرف ایک دو اشخاص کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے سلف صالحین، علماء کرام اور ائمہ مجتہدین کی رائے کو نظر انداز کردینا حد درجہ

نامناسب عمل ہے۔

(ب) یہ کہنا کہ اس کے لیے بینک بھی لوٹ سکتے ہیں، صحیح نہیں، یہ بات اس وقت درست ہوسکتی تھی جب کہ ہندوستان دارالحرب ہوتا، اور کفار اور مسلمان کے درمیان کوئی دستوری معاہدہ نہ ہوتا، اب صورت حال یہ ہے کہ چوں کہ مسلمانوں کو اس ملک میں مذہبی آزادی حاصل ہے، اور دستور کے تحت باہمی معاہدہ کے ساتھ مسلمان یہاں رہتے ہیں، اور خود بھی حکومت میں شریک ہیں، البتہ کفار کو غلبہ حاصل ہے، اس لیے دارالکفر تو ہے، لیکن دارالامن اور دارالمسالمہ ہے، یہاں قتل وغارت گری جائز نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کہ حضور ﷺ بھی کفار کا قافلہ لوٹتے اور قتل کرتے تھے، نازیبا اور نامناسب ہے، آپ ﷺ نے صرف ان کفار کو قتل کرایا جو مسلمانوں سے درپے جنگ تھے، اور مسلمانوں سے ان کا کوئی معاہدہ نہ تھا، اسی طرح آپ ﷺ نے اس تجارتی قافلہ پر حملہ کرایا تھا جن کا سرمایہ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے کا شدید اور قوی اندیشہ تھا، نیز مسلمانوں پر ان کی زیادتی کے باعث ان کی تجارتی ناکہ بندی ضروری ہوگئی تھی۔

خمس کا اصول یہ ہے کہ اول تو زکاۃ اور صدقات وغیرہ میں خمس ہے ہی نہیں اور مال غنیمت میں بھی خمس حکومت اسلامی کے سربراہ کے لیے ہے، نہ کہ کسی خاص جماعت یا انجمن کے امیر کے لیے، اس لیے موصوف کا خمس کا مطالبہ کرنا اور یہ کہنا کہ اس میں سے کوئی حساب نہ پوچھے، قطعاً غلط اور خلاف شرع ہے۔

(ج) میں رقوم کی بابت جو اختلافات اور ان کی کذب بیانی لکھی گئی ہے، چوں کہ اس سلسلہ میں کوئی بینہ اور ثبوت میرے سامنے نہیں ہے، اس لیے میں یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ اظہار خیال نہیں کرسکتا، اگر واقعی انہوں نے اس طرح کیا ہے، اور اس کا اقرار نہیں ہے، تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے، البتہ اس زمانہ میں جو فتنہ، دھوکہ اور دغابازی کا زمانہ ہے، یہ بات مناسب نظر آتی ہے کہ جوائنٹ اکاؤنٹ رکھا جائے کہ اس طرح اپنے نفس کے شرور سے بھی زیادہ

حفاظت ہے اور دوسروں کے سوءظن سے بھی حفاظت ہوتی ہے، امیر جب تک امارت پر برقرار ہے، معروف (موافق شرع امور) میں اس کی اطاعت واجب ہے، اور ایسی باتوں میں جو خلاف شرع ہوں، اطاعت جائز نہیں۔ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

متفرق مسائل

اسلامک ڈیولپمنٹ بینک کے ذریعہ قربانی

سوال:- {1327} مورخہ 2رفروری {2001} کے منصف میں ایک صاحب نے ایک مضمون ''حج مشاہدے اور مشورے'' کے تحت لکھا ہے کہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کریں، یا اسلامی ڈیولپمنٹ بینک سے رسید لیں، کسی انجانے آدمی کو قربانی کی رقم نہ دیں، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ رمی کے بعد قربانی کرنی چاہئے، اس کے بعد حلق یا قصر کروانا ہے، اگر قربانی کی رقم ڈیولپمنٹ بینک یا کسی اور کمپنی کو دی جائے، تو قربانی وقت پر نہ ہوسکنے کا امکان ہے، اس طرح ترتیب کی رعایت نہ ہوسکے گی اور شاید دم دینے کا مسئلہ پیدا ہو، اس سلسلہ میں مسئلہ کی صحیح نوعیت واضح کردیں۔ (نوید عزیز، کنگی)

جواب:- آپ کا شبہ بجا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رمی، قربانی اور بال کٹانے یا

منڈانے میں ترتیب کی رعایت ضروری ہے، دوسرے فقہاء امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگرد امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہے، گو ازدحام اور قربان گاہ کی دوری کی وجہ سے ہندوستان میں بھی بہت سے علماء نے موجودہ مشکلات کی وجہ سے ان فقہاء کی رائے پر عمل کرنے کی گنجائش دی ہے، لیکن امام صاحب کی رائے میں زیادہ احتیاط ہے، اس لئے بہتر ہے کہ قربانی خود کی جائے، یا چند حجاج مل کر اپنے ہی میں سے ایک شخص کو قربانی کا وکیل بنا دیں، وہ ان حضرات کی طرف سے قربانی کردے، بینک کے ذریعہ جو قربانی ہوتی ہے، اس میں جانور متعین نہیں ہوتا، کہ کس جانور کی قربانی کس شخص کی طرف سے کی جارہی ہے، اس سبب سے بینک کے ذریعہ ہونے والی قربانی مشکوک ہے۔

بینک کی معرفت قربانی

سوال:- (1328) بوقت حج قربانی حاجی خود اپنے ہاتھوں سے دے، یا کسی بینک یا ادارہ کو بھی اس کا ذمہ دار بنایا جاسکتا ہے؟ خارجاً مسموع ہوا کہ حکومت سعودیہ نے قربانی کا کوپن سسٹم رائج کیا ہے، آپ رقم جمع کروادیں اور کوپن لے لیں، جانور کے قربانی کی ذمہ داری رقم حاصل کرنے والے بینک یا ادارہ پر ہوگی، کیا یہ طریقہ قربانی از روئے شریعت محمدی درست ہے؟ (قاری، ایم، ایس خان، جدید ملک پیٹ)

جواب:- مناسب ہے کہ قربانی خود کی جائے یا چند لوگ مل کر کسی کو اپنا وکیل بنالیں، کوئی معتمد یا معتبر ادارہ ہو، تو اس کو بھی وکیل بنایا جاسکتا ہے، آج کل سعودی عرب میں بعض بینک ہیں، جنھوں نے قربانی کا انتظام کیا ہے، لیکن بعض وجوہ سے اس قربانی کا صحیح ہونا مشکوک ہے:

۱۔ اولاً تو حنفیہ کے یہاں قربانی کی آخری تاریخ ۱۲/ ذی الحجہ ہے، بعض فقہاء کے نزدیک ۱۳/ ذی الحجہ کو بھی قربانی کی جاسکتی ہے، چنانچہ اس نظام کے تحت ۱۳/ ذی الحجہ تک قربانی کا سلسلہ

جاری رہتا ہے۔

دوسرے حنفیہ کے یہاں ترتیب واجب ہے، کہ رمی کرنے کے بعد ہی قربانی ہو، اور قربانی کے بعد بال کٹایا جائے، دوسرے فقہاء کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں، چنانچہ مذکورہ بینک کے تحت قربانی میں ترتیب کی رعایت ملحوظ نہیں ہوتی، یہ دو باتیں تو ایسی ہیں جن میں ائمۂ مجتہدین کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ اور مشقت کے مواقع میں دوسرے فقہاء کی رائے سے استفادہ کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مستند اور معتبر فقہاء نے اسے قبول کیا ہو۔

تیسرا مسئلہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے، اور وہ یہ ہے کہ جس جانور کی قربانی جس شخص کی طرف سے ہو، ذبح کرتے ہوئے اس کی طرف سے قربانی کی نیت ہونی چاہئے، اور جانور کو اس شخص کی طرف سے متعین رہنا چاہئے، لیکن جہاں تک میرے علم میں ہے، اس کی رعایت نہیں ہو پاتی ہے، بلکہ مثلاً ایک لاکھ افراد نے ٹکٹ لیا، تو علی الحساب ایک لاکھ جانور ذبح کردئے جاتے ہیں، جانور کے ذبح کرنے کے وقت نیت اور تعیین نہیں ہوتی کہ یہ جانور فلاں، فلاں شخص کی طرف سے ہے، حالانکہ یہ ائمہ اربعہ کے یہاں ضروری ہے۔

اس لئے تحقیق حال ضروری ہے، اور جب تک کسی کے بارے میں اطمینان نہ ہو جائے کہ یہ شخص یا ادارہ صحیح طریقہ پر قربانی کرتا ہے، اس وقت تک اس کو قربانی کا وکیل بنانا مناسب نہیں، قربانی حج تمتع میں واجب ہے، حج عمر میں ایک بار فرض ہے، اور کثیر اخراجات اور مشقت کے ساتھ حج کے لئے لوگ وہاں پہنچتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں حتی المقدور احتیاط سے کام لیں اور تھوڑی سی مشقت سے بچنے کے لئے بے احتیاطی کو راہ نہ دیں، اور مشکوک طریقہ پر عبادت انجام دینے کے مرتکب نہ ہوں۔

قربانی کا وقت

سوال:- {1329} قربانی کس وقت کرنا جائز ہے؟

کیا بقر عید کے دن فجر کے بعد ہی سے قربانی کی جاسکتی ہے، یا
عیدگاہ کی نماز ہوجانا ضروری ہے؟ (عبدالقدیر خاں، نلگنڈہ)

جواب:- قربانی کے وقت کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ:

(الف) جن مقامات پر عیدین کی نماز نہیں ہوتی ہو، یعنی دیہات وقریہ جات، وہاں فجر کے بعد ہی قربانی کی جاسکتی ہے، "وبعد طلوع فجر یوم النحر "(۱)

(ب) شہر میں جہاں عید کی نماز ہوتی ہو وہاں نماز عید کے بعد ہی قربانی کرنا درست ہے، اگر ایک شہر میں کئی مقامات پر نماز عید ادا کی جاتی ہو تو سب سے پہلے جہاں نماز ادا کی جائے اس کا اعتبار ہوگا، اس کے بعد قربانی کی جاسکتی ہے، اگر چہ ابھی عیدگاہ میں نماز نہیں ہوئی ہو، درمختار میں ہے:

"و أول وقتها بعد الصلاة ... أی بعد صلاة عيد "(۲)

اورعلامہ شامیؒ فرماتے ہیں :

"ولوضحى بعد ماصلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه إستحسانا"(۳)

(ج) اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے ۱۰/ذوالحجہ کو عید کی نماز نہ ہو پائے تو پھر آفتاب ڈھلنے کے بعد یعنی ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد ہی قربانی جائز ہوگی:

"وإن أخر الإمام صلاة العيد فلاذبح حتى ينتصف النهار "(۴)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار :۴۶۱/۹۔
(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار :۴۶۱/۹۔
(۳) رد المحتار:۴۶۰/۹۔ محشی۔
(۴) الدر المختار على هامش رد المحتار :۴۶۱/۹۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ عید کی نماز کے انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، شہر میں کسی بھی جگہ نماز ہو جائے تو یہ کافی ہے۔

قربانی کے وقت میں مقامِ قربانی کا اعتبار

سوال:- {1330} عام طور پر بقرعید کے موقعہ پر ہر کوئی قربانی کے حصوں میں شریک ہونے کی اپیل کرتے ہیں، جس پر اعتماد ہوتا ہے لوگ قربانی میں حصہ لے کر اپنا نام لکھوا دیتے ہیں، اور جتنے بھی حصوں کے کاروبار کرتے ہیں وہ سب سے پہلے اپنے قریبی حلقوں میں صبح ۷/ بجے نماز ادا کرنے کے بعد جانور ذبح کر دیتے ہیں، ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ جس کے نام کی قربانی کی جارہی ہے وہ بھی ۷/ بجے نماز پڑھے ہیں یا نہیں؟ تو کیا ان لوگوں کی قربانی ہو جاتی ہے جو ۷/ بجے نماز نہیں پڑھتے، بلکہ ۹/ بجے نماز عید ادا کرتے ہیں، شرعی مسئلہ بتادیں، تاکہ اصلاح ہو سکے۔

(محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)

جواب:- قربانی کے وقت کے سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھیں، اول یہ کہ قربانی کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کی طرف سے قربانی ہو رہی ہے وہ نماز عید ادا کر چکا ہو، بلکہ اعتبار قربانی کی جگہ کا ہے، جس جگہ قربانی ہو رہی ہے، وہاں نماز عید ہو چکی ہو، تو یہ کافی ہے، اور اسی کا اعتبار ہے، علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: "والمعتبر مکان الأضحية لامكان من عليه" (۱) دوسرے شہر میں کسی بھی ایک جگہ نماز ہو چکی ہو تو پورے شہر میں قربانی درست ہے، خواہ ابھی دوسری جگہ نماز نہیں ہوئی ہو، اور قربانی کرنے والے نے خود نماز ادا نہ کی ہو:

(۱) الدر المختار مع الرد: ۹/۴۶۱۔

"ولو ضحی بعد ماصلی أهل المسجد ولم یصل أهل الجبانة اجزأه إستحسانا "(۱)

اس لئے جوصورت آپ نے لکھی ہے، وہ درست ہے اور اس میں قربانی ادا ہو جاتی ہے۔

رات میں قربانی

سوال:- {1331} رات میں قربانی کرنے کا کیا حکم ہے؟ آج کل حجاج منیٰ میں رات میں بھی قربانی کرتے رہتے ہیں، اور تمام حجاج کو دن ہی میں قربانی کرنے کا پابند بنایا جائے تو اس سے لوگوں کو دشواری ہوسکتی ہے؟

(عبداللہ، نظام آباد)

جواب:- رات میں فی نفسہ قربانی کرنا مکروہ نہیں، بلکہ چونکہ تاریکی کی وجہ سے غلطی کا احتمال ہوتا ہے، اور اندیشہ ہے کہ ذبح میں جن رگوں اور نالیوں کو کاٹنا مطلوب ہے، وہ صحیح طور پر نہ کٹ پائیں، اس لئے فقہاء نے رات میں قربانی کو منع کیا ہے:-

" ویجوز الذبح في لیالیها إلا أنه یکره لاحتمال الغلط في الظلمة " (۲)

لہذا اگر روشنی کا ایسا انتظام ہو کہ غلطی کا اندیشہ باقی نہ رہے تو رات میں بھی قربانی کرنے اور جانور کے ذبح کرنے میں کچھ حرج نہیں، حج کے موقع سے قربان گاہ کا علاقہ اتنا روشن ہوتا ہے کہ اگر ایک سوئی بھی گرے تو نظر آجائے، اس لئے وہاں رات کو قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۱) ردالمحتار:۹/۴۶۱۔

(۲) البحر الرائق:۸/۳۲۲۔

خریدا ہوا گمشدہ جانور ایام قربانی کے بعد مل جائے

سوال:- {1332} اگر کسی شخص نے قربانی کا جانور خریدا، قربانی کے دنوں میں جانور گم ہوگیا اور بعد میں اس وقت ملا جب بقرعید گزر چکی تھی، تو اب اس شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ (محمد فیاض، ٹولی چوکی)

جواب:- اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

(الف) اگر قربانی کا جانور خریدنے والا غریب آدمی تھا کہ جس پر قربانی واجب نہیں ہوتی، تو قربانی کی نیت کی وجہ سے وہ جانور قربانی کے لئے متعین ہوگیا ہے، گویا یہ اس کے حق میں ''نذر'' ہے، اس لئے جب بھی وہ جانور دستیاب ہو، ایام قربانی گزرنے کے بعد اسے زندہ حالت میں صدقہ کردینا واجب ہوگا:

" ... أو كان فقيرا وقد اشترى الأضحية تصدق بها حيّة " (۱)

چاہے ایام قربانی میں اس نے دوسرے جانور کی قربانی کردی ہو یا نہ کی ہو۔

(ب) جس شخص پر قربانی واجب ہے اس کا جانور کھوگیا، ایام قربانی میں اس نے اس کے بدلہ میں دوسرے جانور کی قربانی کردی، بعد کو یہ گمشدہ جانور ملا، اب اس کا یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب نہیں، کیونکہ مالدار شخص کے حق میں قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کی وجہ سے قربانی کے لئے وہ متعین نہیں ہوجاتا۔

(ج) اگر اس کے بدلہ قربانی نہیں کی تھی، تو چوں کہ قربانی اس کے ذمہ باقی ہے، اس لئے اب وہ ایک جانور کی قیمت صدقہ کردے، خواہ یہی جانور ہو یا کوئی اور:

---

(۱) الهداية :۴/۴۴۶۔

" وإن كان غنيا تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتر " (۱)

(د) اگر کسی نے قربانی کرنے کی نذر مان رکھی تھی اور اسی نیت سے جانور خرید لیا تھا، گم شدہ جانور ایام قربانی کے بعد مل گیا، تو گو وہ مالدار ہو، پھر بھی اس جانور کو زندہ صدقہ کر دینا ضروری ہوگا۔ (۲)

جس کی قربانی قضاء ہو جائے؟

سوال:- {1333} جس شخص پر قربانی واجب ہے، اگر وہ ۱۲/ ذی الحجہ تک کسی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا اور وقت گزر گیا تو اب اس کے لئے تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

(محمد اسعد اللہ، ونستھلی پورم)

جواب:- اگر جانور خرید چکا تھا اور کسی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا، تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو زندہ صورت میں جانور صدقہ کر دے، یا اس کی قیمت صدقہ کر دے، اور اگر جانور خرید نہیں کیا تھا، تو قیمت ہی کا صدقہ کر دینا واجب ہے:

"... وجوب التصدق بالقيمة مقيد بما إذا لم يشتر فهو مخير بين التصدق بالقيمة أو التصدق بها حيّة " (۳)

---

(۱) حوالہ سابق: ۴/ ۳۴۷۔ محشی۔
(۲) حوالہ سابق: ۴/ ۳۴۶، نیز دیکھئے: فتح القدیر: ۸/ ۴۳۲۔
(۳) رد المحتار: ۹/ ۴۶۵۔

قربانی کرنے والے کا ناخن وغیرہ کاٹنا

سوال:- {1334} کیا قربانی دینے والے کو ذوالحجہ کی پہلی تاریخ سے بال اور ناخن کاٹنا نہیں چاہئے؟ اور یہ حکم صرف قربانی کرنے والے کے لئے ہے، یا تمام مسلمانوں کے لیے؟ چاہے وہ قربانی کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب ذوالحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے اور قربانی دینے کا ارادہ ہو تو بال اور ناخن نہ کاٹے جائیں، جب تک قربانی نہ دے دیں''(۱)

ایک روایت میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ ذوالحجہ کا چاند طلوع ہوتے ہی ان چیزوں سے رک جائیں، (۲) اس حدیث کی روشنی میں فقہاء نے اس عمل کو مستحب قرار دیا ہے، (۳) البتہ یہ استحباب صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو، جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے بہ صراحت یہ بات واضح ہے۔

---

(۱) سنن نسائي، حدیث نمبر:۴۳۶۶، ۴۳۶۷، ۴۳۶۸، ۴۳۶۹، باب من أراد أن يضحى فلا يأخذ من شعره۔ محشی۔

(۲) صحيح مسلم، حدیث نمبر:۵۱۱۷تا۵۱۲۳، باب النهى من دخل عليه عشر ذى الحجة وهو يريد التضحية الخ ۔

(۳) الفقه الإسلامي و أدلته :۶۲۶/۳، ۶۲۷، المغنى لابن قدامة:۳۴۶/۹۔ محشی۔

قربانی کی دعا ایک نے پڑھی اور ذبح دوسرے نے کیا

سوال:- {1335} عید کی قربانی کے وقت یہاں ایک صاحب نے قربانی کی دعا پڑھی اور دوسرے نے جانور ذبح کیا، کیا یہ قربانی درست ہوئی ؟ (محمد لطیف حسین، جنگاؤں)

جواب :- کسی کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، دل سے ارادہ کر لینا بھی کافی ہے، لہذا اگر ذبح کرنے والے نے دل سے قربانی کی نیت کی اور بسم اللہ کہہ کر جانور ذبح کر دیا تو قربانی درست ہو جائے گی، ہاں یہ بات درست نہیں کہ ایک شخص بسم اللہ پڑھے اور دوسرا ذبح کرے، خود ذبح کرنے والے کے لیے بسم اللہ کہنا ضروری ہے۔ ''وفیها تشترط التسمیة من الذابح''(۱) قربانی کے سلسلے میں بھی بہتر یہی ہے کہ جانور ذبح کرنے والا خود قربانی کی دعا پڑھے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) رد المحتار :۹/۴۳۸۔

عقیقہ کے احکام

قربانی کے ساتھ عقیقہ کا حصہ

سوال:- {1336} بقرعید کے بڑے جانور کی قربانی میں کیا عقیقہ کرنے والے بھی شامل ہوسکتے ہیں، اگر ہوسکتے ہیں تو لڑکوں کے لئے کتنے حصے اور لڑکیوں کے لئے کتنے حصے لینے چاہئے؟ (محمد عبدالغفار، مولاعلی)

جواب:- قربانی کے ساتھ عقیقہ کا حصہ لیا جاسکتا ہے، کیونکہ دونوں کا مقصد اللہ تعالی کا تقرب ہے، لڑکی کی طرف سے ایک حصہ اور لڑکے کی طرف سے دو حصے لینا بہتر ہے، تاہم اگر گنجائش نہ ہو تو لڑکے کی طرف سے ایک حصہ پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔

ایک ہی جانور میں قربانی اور عقیقہ کا حصہ

سوال:- {1337} کیا عقیقہ میں خاندان والے یا دوست احباب ایک گائے میں بہ حساب دو حصے فی لڑکا اور

ایک حصہ فی لڑکی دے سکتے ہیں؟ نیز کیا ایک ہی گائے میں بقرعید کی قربانی اور عقیقہ کے حصے لئے جاسکتے ہیں؟

(محمد عبدالحفیظ، مولاعلی)

جواب:- جیسے قربانی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی قربت اور عبادت ہے، ویسے ہی عقیقہ کا مقصد بھی شکرانہ کے طور پر عبادت اور قربت ہی ہے، اس لئے فقہاء نے دونوں کو ایک ہی حکم میں رکھا ہے، دو بکرے کی جگہ دو حصہ اور ایک بکرے کی جگہ ایک حصہ بھی عقیقہ کے لئے کافی ہے، نیز بات بھی درست ہے کہ ایک ہی جانور میں کچھ حصے قربانی کے ہوں اور کچھ عقیقہ کے۔ عالمگیری میں تفصیل سے اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اگر عبادت کی جہتیں الگ الگ ہوں اور ایک جانور میں ان کے حصے کیے جائیں تو یہ بھی درست ہے، اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ قربانی کے ساتھ عقیقہ کے حصے لئے جاسکتے ہیں۔

"وكذالك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له قبل"(۱)

ایک ہی جانور میں قربانی وعقیقہ

سوال:- {1338} کیا بقرعید کی قربانی اور عقیقہ کی قربانی ایک ہی جانور میں ملا کر کر سکتے ہیں؟ مثلاً پانچ حصے عقیقہ کے ہوں اور دو حصے قربانی کے۔

(محمد شاہد، پائن پوری، مہاراشٹر)

جواب:- ایک ہی جانور میں قربانی اور عقیقہ کا حصہ ملا کر کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ دونوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی قربت اور اجر وثواب کا حاصل کرنا ہے، علامہ کاسانیؒ نے اس کی

(۱) الفتاوی الهندية: ۵/۳۰۴، نیز دیکھئے: الفتاوی البزازية على هامش الفتاوی الهندية: ۶/۲۹۰۔

صراحت کی ہے:

"وكـذلك أن من أراد بـعـضهـم الـعـقيقة عـن ولـدولـد لـه من قبل،لأن ذالك جهة التقرب إلى الله تعالى " (۱)

بڑے جانور میں عقیقہ

سوال:-{1339} عقیقہ کے لئے کیا بکرے ہی کی قربانی ضروری ہے؟ اگر کسی اوسط درجہ کے شخص کو تین بیٹے اور ایک بیٹی ہو، وہ ایک گائے کی قربانی کر کے فی لڑکا دو حصے اور فی لڑکی ایک حصہ کے حساب سے عقیقہ کردے تو کیا درست ہے؟ (محمد اشرف قادری، چندرائن گٹہ)

جواب:- جیسے قربانی میں ایک جانور میں کئی افراد کی شرکت ہو سکتی ہے، اسی طرح عقیقہ میں بھی ایک بڑے جانور میں اشتراک کی گنجائش ہے، فقہاء حنفیہ کے یہاں تو اس کی اجازت ہے ہی، (۲) دوسرے فقہاء کے نزدیک بھی اس طرح عقیقہ کرنا درست ہے، علامہ ابن سحنون مالکیؒ نے اپنی کتاب ''المدونة الكبرى''میں (۳) امام نووی شافعیؒ نے

(۱) بدائع الصنائع:۲۰۹/۴۔

(۲) " البقرة و البعير يجزى عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله ... لو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجب على البعض دون البعض و سواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية و بعضهم جزاء الصيد ... و كذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد و لد له من قبل"(الفتاوى الهندية :۳۰۴/۵)محشی۔

(۳) المدونة الكبرى :۹/۲۔

"شرح مھذب "میں(۱) اور ابن قدامہ حنبلیؒ نے" المغنی "میں (۲) اس کی صراحت کی ہے، اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، وہ درست ہے، اور اس طرح عقیقہ کیا جا سکتا ہے۔

عقیقہ میں لڑکوں اور لڑکیوں میں کیوں فرق ہے؟

سوال:- {1340} عقیقہ میں لڑکوں کے لئے دو بکرے اور لڑکی کے لئے ایک ہی بکرے کی قربانی کا حکم کیوں ہے؟

(محمد شمس الدین، امام وخطیب جامع مسجد، تنالی)

جواب:- یوں تو لڑکے کے عقیقہ میں بھی ایک بکرے کا ذبح کر دینا کافی ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسین ؓ اور حضرت حسن ؓ کے عقیقہ میں ایک ایک ہی مینڈھا ذبح کیا تھا، (۳) لیکن بہتر طریقہ وہی ہے جس کا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے، یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اصل میں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو بن سمجھے اور بے چوں وچرا ماننا ہے، ضروری نہیں کہ ہر حکم شرعی کی مصلحت سمجھ میں آ جائے، لیکن بہر حال کوئی حکم شرعی ایسا نہیں جو عقل و حکمت کے خلاف ہو یا مصلحت سے خالی ہو۔

بظاہر اس کی یہ مصلحت سمجھ میں آتی ہے کہ لڑکا مستقبل میں انسان کے لئے اقتصادی خوش حالی کا باعث بنتا ہے اور شریعت والدین کی کفالت اس سے متعلق کرتی ہے، اس بناء پر اس کی پیدائش اللہ کے دوہرے شکر کا تقاضہ کرتی ہے اور بندگان خدا کی زیادہ خدمت ہی کے ذریعہ اللہ کا زیادہ شکر ادا کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) المجموع شرح المھذب :۸/۴۴۸۔

(۲) المغنی :۹/۳۶۴۔

(۳) " ان رسول الله ﷺ عق عن الحسن كبشا و عن الحسين كبشا " عن ابن عباس ؓ ، (بيهقي ،حدیث نمبر:۱۹۲۸۳، باب من اقتصر في عقيقته الغلام على شاة واحد) محشی۔

عقیقہ میں بال کٹوانا

سوال:- {1341} عقیقہ کی قربانی کے بعد چھوٹے بچوں کے بال نکال دیتے ہیں، اگر بڑے اپنا عقیقہ کریں تو کیا وہ بھی اپنا بال نکالیں گے؟　　(سمیع الدین، حمایت نگر)

جواب:- اصل میں عقیقہ بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن ہونا چاہئے، اسی دن بچہ کا بال جو پیدائش کے وقت اس کے سر پر تھا، اس کو منڈا دینا افضل ہے(۱) اور یہ بھی مسنون ہے کہ اس کے ہم وزن چاندی صدقہ کردی جائے۔(۲) تو گویا پیدائش کے وقت جو بال سر پر ہیں، ان کو نکالنے کا حکم ہے، بڑے ہونے کے بعد بال منڈانے کی ضرورت نہیں۔

عقیقہ کا گوشت

سوال:- {1342} جس طرح قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جاتے ہیں، کیا اسی طرح عقیقہ کے گوشت کے بھی تین حصے کرنے چاہئیں؟ اگر پورے گوشت میں سے کچھ پکا کر رشتہ دار اور احباب کی دعوت کردے تو کیا ایسا کرنا درست ہوگا؟　　(منظور عالم، چلمل، بیگوسرائے، بہار)

جواب:- عقیقہ کا مقصد اولاد کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اپنے غریب بھائیوں کو اس خوشی میں شریک کرنا ہے، گویا یہ بقرعید اور حج تمتع وقران کی قربانیوں کی طرح دم شکر ہے، اس لئے جو حکم قربانی کے جانور کے چرم اور گوشت کا ہے وہی حکم عقیقہ کے گوشت کا بھی ہے، اس میں بھی اہل خانہ خود کھائیں، دوست، احباب، اعزہ واقارب کو کھلائیں، اور غرباء و مستحقین

---

(۱)　فتح الباری:۹/۵۱۵۔

(۲)　دیکھئے: سبل السلام :۵/۱۴۲۹۔

تک پہونچائیں، (۱) اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ گوشت تقسیم کرنے کے بجائے گوشت پکا کر لوگوں کو کھلا دیا جائے، بلکہ یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔ (۲)

عقیقہ کی ذمہ داری والد پر ہے یا نانا پر؟

سوال:- {1343} بچہ کا عقیقہ کرنے کی ذمہ داری اس کے والد پر عائد ہوگی یا اس کے نانا پر؟ (محمد ساجد، کنوٹ)

جواب:- لڑکے کی نسبت اس کے باپ کی طرف ہوتی ہے، قرآن مجید میں باپ کو مولود لہ، (۳) سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی وہ شخص جسکے لیے بچہ کو جنم دیا گیا ہے، اسی لیے بچہ کی تعلیم و تربیت اور کفالت کی ذمہ داری اس کی عدم موجودگی میں دادا کی ہے، لہذا عقیقہ کرنا بھی والد کی ذمہ داری ہے، نہ کہ نانا اور نانیہال کی۔

عقیقہ کب تک کیا جا سکتا ہے؟

سوال:- {1344} اگر کوئی شخص اپنے بچوں کا عقیقہ اس کی پیدائش کے ہفتہ، دو ہفتہ، تین ہفتہ تک نہ کر سکے، تو کیا اس پر یہ صورت برقرار رہتی ہے کہ جب اس کے پاس عقیقہ کرنے کی سہولت ہو جائے، تو عقیقہ کر دے؟ اگر کسی کے والدین اس کا عقیقہ نہیں کر سکے تو کیا والدین کے انتقال کے بعد اس شخص پر اپنا عقیقہ کرنا واجب ہے؟

(عبد العزیز اثری، بستی یوپی)

---

(۱) شرح مهذب :۴۴۸/۸۔
(۲) المغنی :۳۶۶/۹۔
(۳) البقرہ :۲۳۳۔

جواب:- اکثر فقہاء کے نزدیک عقیقہ مسنون ہے اور یہی صحیح ہے، حضرت ام کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لڑکوں کا عقیقہ دو بکروں سے اور لڑکیوں کا عقیقہ ایک بکرا سے کرو''(۱) خود آپ ﷺ نے حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ کا عقیقہ فرمایا۔(۲) عقیقہ ولادت کے ساتویں دن تک ہو جانا چاہئے، اگر ساتویں دن تک نہ کر پائے تو امام مالکؒ کے نزدیک اب عقیقہ کی گنجائش نہیں، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بالغ ہونے کے پہلے تک کیا جا سکتا ہے۔(۳) بالغ ہونے کے بعد عقیقہ کے سلسلہ میں کوئی روایت تو نہیں ملتی، لیکن چونکہ عقیقہ کی حیثیت ''دمِ شکر'' کی ہے، اس لئے عقیقہ کر لینا مباح ہوگا، سنت تو اس سے ادا نہ ہوگی، لیکن باعث ثواب ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدتِ عقیقہ

سوال:- {1345} ''افکار ملی'' کے تازہ شمارہ میں عقیقہ سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں، میں اس معلومات کا خواہش مند ہوں کہ امام ابو حنیفہؒ نے مدت عقیقہ کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ (زبیر احمد فاروقی، ماہنامہ خرام فہیم آباد، پوسٹ بکس نمبر ۴۹۲ کانپور)

جواب:- امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بھی مستحب طریقہ یہی ہے کہ ساتویں دن بچہ کا نام رکھا جائے، اور عقیقہ کیا جائے، نیز بال مونڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی یا سونا صدقہ کر دیا جائے، چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"یستحب لمن ولد له ولد أن یسمیه یوم أسبوعه

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۸۳۴، ۲۸۳۵، ۲۸۳۶، باب العقیقة۔

(۲) سبل السلام: ۴/۱۴۲۶، باب العقیقة۔

(۳) شرح مهذب: ۸/۳۳۰، المغني: ۸/۶۴۶۔

و یحلق رأسه و یتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعرة فضة أو ذهبا ثم یعق عند الحلق عقیقة اباحة علی ما في المحبوبی "(۱)

عقیقہ کے گوشت کا شادی میں استعمال

سوال:- {1346} شادی کے موقعہ پر عقیقہ کا گوشت غرباء کے گوشت کے علاوہ باقی گوشت کے ساتھ ملاسکتے ہیں یا نہیں؟　　(محمد ساجد، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

جواب:- عقیقہ کا گوشت تقریب عقد میں استعمال کر سکتے ہیں، امیر وغریب، اہل خانہ سب اس میں سے کھاسکتے ہیں، البتہ جس علاقے میں کھانے کے بعد کچھ لین دین کا رواج ہے، اس میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں گوشت کا عوض حاصل ہونے کا شبہ ہے اور عقیقہ کے گوشت پر عوض حاصل کرنا درست نہیں۔

ولیمہ میں عقیقہ

سوال:- {1347} ولیمہ کے موقع سے کسی بچہ کا عقیقہ کردیا جائے، اور اسی بکرے کا گوشت ولیمہ کے کھانے میں شامل کردیا جائے، تو کیا اس سے ولیمہ ادا ہو جائے گا؟

(محمد نوید عزیز، کنگی)

جواب:- عقیقہ کے لئے جانور کا ذبح کرنا ضروری ہے، ولیمہ میں جانور ذبح کرنا اور گوشت کھلانا کوئی ضروری نہیں، عام طور پر ولیمہ میں صرف گوشت نہیں کھلاتے، بلکہ اس کے ساتھ چاول یا روٹی وغیرہ بھی شامل رکھتے ہیں، ایسی صورت میں عقیقہ اور ولیمہ دونوں درست

(۱) رد المحتار: ۲۱۳/۵۔

ہو جائیں گے، گوشت عقیقہ کا ہو جائے گا، اور اس کے ساتھ کھانے کی جو دوسری چیزیں شامل ہیں، ان سے ولیمہ ہو جائے گا، رسول اللہ ﷺ نے چند کھجور، کچھ جو اور ستو پر بھی ولیمہ فرمایا ہے۔(۱)

عقیقہ کے گوشت میں سے والدین وغیرہ کا کھانا

سوال:- {1348} یہ بات بہت زیادہ عام ہوگئی ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں، باپ، نانا، نانی، دادا، دادی کو کھانا درست نہیں، اگر انہیں گوشت کھانا ہی ہو تو باہر سے تھوڑا گوشت خرید کر اس عقیقہ کے گوشت میں ملادیں پھر تمام رشتہ دار کھا سکتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(محمد شمس الضحی، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

جواب:- عقیقہ صدقۂ واجبہ نہیں ہے، اس لئے والدین اور دوسرے اقارب کا عقیقہ کے گوشت میں سے کھانا درست ہے، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کے گوشت میں جیسے دوسروں کو کھلانا اور غرباء کو دینا مسنون ہے، اسی طرح خود بچہ کے اولیاء کے لئے بھی اس میں سے کھانا مسنون ہے۔(۲)

عقیقہ کا مسنون طریقہ

سوال:- {1349} (الف) میرے دو لڑکے، دو لڑکیاں جملہ چار اولاد ہیں، جن کی تاریخ پیدائش و دن وغیرہ

---

(۱) سنن بیهقي، حدیث نمبر:۱۴۵۰۶-۱۴۵۰۷، باب تؤدی حق الولیمة بأي طعام أطعم۔ محشی۔

(۲) دیکھئے: شرح المهذب: ۸/۴۲۸۔

نوٹ ہیں، کیا ان چاروں کا عقیقہ ایک ہی دن میں کر سکتا ہوں؟
عقیقہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟
(ب) اولاد کی دن تاریخ مکمل معلوم ہے تو کیا پیدائش
کے دن یا اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد ہی عقیقہ
کرنا مطلوب ہے؟ (معین الدین نور، پاتن بوری، مہاراشٹر)

جواب:- مسنون طریقہ یہ ہے کہ بچہ کی پیدائش کے ساتویں روز عقیقہ کیا جائے، جانور ذبح کرنے کے بعد سر کا بال منڈایا جائے اور بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کردیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بچہ عقیقہ کے بغیر (اولیاء پر) گروی ہوتا ہے، اس لئے اس کی جانب سے ساتویں روز عقیقہ کیا جائے، نام رکھا جائے اور سر منڈایا جائے" (۱)

خود آپ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ اسی طرح فرمایا تھا۔ (۲)

(ب) اگر ساتویں روز عقیقہ نہ ہوسکے تو چودھویں روز اور اس دن بھی نہ ہوسکے تو اکیسویں روز کیا جائے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "عقیقہ کے جانور کو ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودھویں روز یا اکیسویں روز" (۳) اگر اس کی بھی رعایت نہ ہوسکے تو کسی بھی دن عقیقہ کرسکتے ہیں، پیدائش کے دن یا اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کی کوئی قید نہیں ہے، اسی طرح

---

(۱) الجامع للترمذی:۱۸۳/۱۔
(۲) دیکھئے: حوالہ سابق۔
(۳) "عن عبد اللّٰه بن بريدة عن أبيه رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : العقيقة تذبح لسبع و لأربع عشرة و لإحدى و عشرين" (بيهقي، حدیث نمبر:۱۹۲۹۳، باب ما جاء في وقت العقيقة و حلق الرأس و التسمية) محشی۔

آپ چاروں اولاد کا عقیقہ ایک ہی دن کر سکتے ہیں، بچہ کے والد یا سرپرست کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا عقیقہ مسنون طریقہ سے ہو، گنجائش ہوتے ہوئے مؤخر کرنا کسی طرح مناسب نہیں، عقیقہ کرنے سے بچہ بہت سی بیماریوں، آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

عقیقہ کی دعاء

سوال:- {1350} نومولود کے عقیقہ کے موقعہ پر کون سی دعاء پڑھ کر جانور ذبح کیا جائے؟

(محمد مجیب اللہ خاں یوسف، مرادنگر)

جواب:- عقیقہ کے لئے حدیث میں کوئی خاص دعاء منقول نہیں، اگر اردو زبان میں بھی کہہ دے یا صرف دل سے نیت کر لے، کہ یہ فلاں کے عقیقہ کے طور پر ذبح کیا جارہا ہے، اے اللہ! اسے قبول فرمالیجئے، تو کافی ہے، البتہ جانور ذبح کرتے وقت ''بسم اللّٰہ، اللّٰہ اکبر'' کہنا چاہئے، کیونکہ جانور ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لینا ضروری ہے، بعض اہل علم نے عقیقہ کے مقصد و منشا کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دعائیہ کلمات کہنے کو لکھا ہے:

" اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَقِيقَةُ دَمُهَا بِدَمِهٖ وَعَظْمُهَا بِعَظْمِهٖ وَشَعْرُهَا بِشَعْرِهٖ ،اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ فِدىً لَّه ،اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ "(۱)

''اے اللہ! یہ (.......... کا) عقیقہ ہے اس جانور کا خون اس کے خون، اس جانور کی ہڈی اس کی ہڈی اور اس جانور کا بال اس کے بال کے بدلہ ہے، اے اللہ! اس جانور کو اس کے لئے فدیہ بنادیجئے، اے اللہ! آپ ہی کی طرف سے ہے اور آپ ہی کے لئے ہے''

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۹۳/۳۔

اس کے بعد "بسم اللّٰه، اللّٰه اکبر" کہہ کر جانور کو ذبح کردے، دعاء کے یہ الفاظ لڑکے کے اعتبار سے ہیں، اگر لڑکی کا عقیقہ کرنا ہو تو "بدمھا، بعظمھا" اور "بشعرھا" کہنا چاہئے، دعا کے یہ الفاظ ذبح کرنے کے بعد بھی کہہ سکتے ہیں۔

عقیقہ ---- چند احکام

سوال:- {1351} (الف) عقیقہ کی حیثیت کیا ہے؟
فرض، واجب، سنت، یا مستحب؟
(ب) ایک لڑکی کے لئے کیا صرف ایک بکرا سے عقیقہ کرسکتے ہیں؟
(ج) کیا عقیقہ کے لئے ایک بڑے جانور میں سات حصے کئے جاسکتے ہیں؟　　(محمد عبدالمنان، سبزی منڈی)

جواب:- (الف) اکثر فقہاء کے نزدیک عقیقہ مسنون ہے، اور اس سلسلہ میں کئی روایتیں موجود ہیں، احناف کے محقق علماء جیسے امام طحاویؒ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں، ماضی قریب کے علماء میں یہی رائے مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی ہے، (۱) اسی طرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا رجحان ہے، (۲) عقیقہ فرض یا واجب نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو چاہے وہ لڑکے کا دو بکروں سے اور لڑکی کا ایک بکرے سے عقیقہ کرے، "من شاء فلیعق عن الغلام شاتان وعن الجاریة شاۃ" (۳) یہ تعبیر صاف بتاتی ہے کہ عقیقہ کا حکم فرض وواجب کے درجے میں نہیں ہے۔

(ب) حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حسن ﷺ

---

(۱) التعلیق الممجد :۲۸۸۔
(۲) حجة الله البالغة:۲/۲۶۰۔
(۳) بدائع الصنائع:۴/۲۰۴۔

وحسین ﷺ کا عقیقہ ایک ایک ہی مینڈھے سے کیا ہے۔(١) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے دو جانور ذبح نہ کرنا چاہے، تو ایک بکرے سے بھی لڑکے کا عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔

(ج) جیسے بقرعید کی قربانی کا مقصد اللہ تعالی کی خوشنودی اور اجر و ثواب کا حصول ہے، اسی طرح عقیقہ کا مقصد بھی اللہ تعالی کی قربت ہی ہے، ایک بڑے جانور میں قربانی کے سات حصوں کا ثبوت متعدد حدیثوں سے ہے، (٢) تو ظاہر ہے کہ یہی حکم عقیقہ کے لئے بھی ہوگا، اس لئے فقہاء نے قربانی سے متعلق احادیث سے استفادہ کرتے ہوئے عقیقہ میں بھی بڑے جانور میں ایک سے زائد حصہ کی اجازت دی ہے۔

عقیقہ کی دعوت میں تحفہ

سوال:- {1352} ہمارے یہاں اکثر دیکھا گیا ہے کہ عقیقہ کی دعوت میں مہمان رخصت ہوتے وقت میزبان کو یعنی جس لڑکے یا لڑکی کا عقیقہ ہوا ہے، اس کے والدین کو لفافہ میں روپیہ یا کچھ اور رکھ کر دیتے ہیں، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(محمد جمال، کمال، سوکھی میر)

جواب:- عقیقہ کے موقع سے دعوت کرنا مباح ہے: "وضيافة الناس ... مباحة، لاسنة ولا واجبة "(٣) اس طرح کی رسمیں غریب اور تنگ دست اقربا اور مہمانوں کے لئے

---

(١) سبل السلام :٤/٤٢٦، باب العقيقة۔

"ان رسول الله ﷺ عق عن الحسن ﷺ كبشا و عن الحسين ﷺ كبشا " عن ابن عباس ﷺ (بيهقي ، حدیث نمبر :١٩٢٨٣، باب من اقتصر في عقيقة الغلام على شاة واحد ، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر :٢٨٤١) مرتب۔

(٢) المغني :١٣/٣٩٢ ۔ محشی۔

(٣) الفتاوى الهندية :٥/٣٦٢ ۔

زحمت ہیں، اور اگر تحفہ نہ دیں تو ندامت و عار کا باعث ہوتا ہے، اس لئے ایسے رسوم کو مٹانا اور ختم کرنا چاہئے، ویسے چونکہ لوگ اس کو امر دینی سمجھ کر نہیں کرتے، اور بذات خود تحفہ کا لین دین جائز ہے، صاحب خانہ کی طرف سے طلب اور دباؤ بھی نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی شخص تحفہ دے دے اور قبول کر لیا جائے تو گنجائش ہے، جو سامان بچہ سے متعلق ہو، وہ اس کی ملکیت سمجھی جائے گی، جو والد کے استعمال کی ہو، وہ اس کے والد کی، اور جو عورتوں کے استعمال کے لائق ہو، وہ اس کے ماں کی سمجھی جائے گی۔(۱)

دس سال کی عمر میں عقیقہ

سوال:- {1353} میرے بچوں کی عمر اس وقت دس سال کے لگ بھگ ہے، ان کا عقیقہ نہیں ہوا ہے، کیا ان کا عقیقہ کرنا ضروری ہے؟ اور عقیقہ نہ کرے تو ان کا گناہ ماں باپ پر ہے؟ (سید رسول، سلطان شاہی)

جواب:- عقیقہ ساتویں دن سنت ہے، (۲) بعض اہل علم نے اکیسویں دن تک سنت قرار دیا ہے، (۳) اس کے بعد مباح ہے، (۴) دس سال کی عمر میں بھی عقیقہ کیا جا سکتا ہے، انشاء اللہ اس پر اجر و ثواب حاصل ہوگا، عقیقہ واجب نہیں کہ اس کے نہ کرنے پر گناہ ہو۔

ایک بکرا سے لڑکے کا عقیقہ

سوال:- {1354} کیا لڑکے کا عقیقہ صرف ایک

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية :۲۶۴/۳۔
(۲) بيهقي :۵۱۰/۹۔محشی۔
(۳) السنن الكبرى:۵۱۰/۹،حدیث نمبر:۱۹۲۹۳۔محشی۔
(۴) المغني :۳۹۷/۱۳۔محشی

بکرے سے بھی کر سکتے ہیں؟ (سید حفیظ الدین، نظام آبادی)

جواب:- بہتر ہے کہ لڑکے کا عقیقہ دو بکروں سے کیا جائے، کہ آپ ﷺ نے اس کی ہدایت فرمائی ہے، (۱) لیکن اگر دو بکرے دینے میں دقت ہو اور ایک ہی بکرا دے دے، تو اس کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ ایک ایک مینڈھے ہی سے فرمایا ہے۔ (۲)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۸۳۶۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۸۴۱۔

کتاب الفتاوی

چوتھا حصہ

کتاب الذبح والصید

ذبح وشکار سے متعلق سوالات

ذبح اور شکار کے احکام

مسجد کے سامنے جانور ذبح کرنا

سوال:- {1355} مسجد کے سامنے غیر مسلم کی جانب سے جانور ذبح کرنا کیسا ہے؟　　(کلیم اللہ خان، جگتیال)

جواب:- اگر کوئی غیر مسلم اپنے کھانے پینے کے لئے جانور ذبح کرائے اور مسلمان ایسی جگہ اسے ذبح کرے جو مسجد کے سامنے ہو، تو حرج نہیں، اگر غیر مسلم اللہ کے نام سے اور اللہ کی تعظیم میں مسلمان سے جانور ذبح کرائے تو یہ صورت بھی جائز ہے، اگر مسجد کے سامنے مسجد کے ڈھانچے کے احترام کے طور پر جانور ذبح کیا جائے تو یہ جائز نہیں، کیوں کہ کسی بھی شخص یا شئے کی تعظیم میں جانور کا ذبح کرنا حرام ہے۔

"ذبح علی قدوم الأمیر ونحوه کواحد من العظماء یحرم لأنه أحل به لغیر الله ولو ذکر اسم الله تعالی"(۱)

(۱) ردالمحتار:۴/۲۴۹، نیز دیکھئے:"وما ذبح علی النصب" کی تفسیر: تفسیر کبیر: ۵/۵۲۰، قرطبی :۳/۳۹۔

مندر کے سامنے جانور ذبح کرنا

سوال:- {1356} مندر کے سامنے سینڈھی (شراب) پلا کر مسلمان کے ہاتھوں ذبح کیا ہوا جانور کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ اور مسلمانوں کو اس جانور کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ اگر نہ کھائے تو دوستی میں دراڑ پیدا ہو سکتی ہے۔

(معین، عبدالمتین، دھرم آباد)

جواب:- مندر کے سامنے جانور کو ذبح کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے، یہ ذبیحہ حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کا ذکر فرمایا ہے، ﴿وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (۱) بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے، اس لئے نہ اس طرح ذبح کرنا درست ہے اور نہ اس ذبیحہ میں سے کھانا۔ غیر مسلم بھائیوں کو نرمی سے سمجھا دینا چاہئے کہ ہمارے لئے خدا کے سوا کسی اور کی عبادت درست نہیں اور جانور کی قربانی بھی عبادت میں شامل ہے، اس کا مقصد دوسرے لوگوں کے مذہب کی توہین یا ان سے نفرت نہیں ہے۔

ذبح کرنے والے کے معاون کا بسم اللہ کہنا

سوال:- {1357} ذبح کرنے والے کے ساتھ کیا جانور کے پکڑنے والے اور ذبح میں مدد کرنے والے کو بھی بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا چاہئے؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- اصل میں ذبح کرنے والے کو بسم اللہ کہنا واجب ہے: "ومن شرائط التسمية أن يكون التسمية من الذابح" (۲) اب ذبح میں تعاون کی دو صورتیں ہیں،

---

(۱) المائدة:۳۔

(۲) الفتاوى الهندية :۵/۲۸۶۔

ایک صورت یہ ہے کہ آدمی خود فعل ذبح میں ذبح کرنے والے کے ساتھ شریک ہو جائے، جیسے اصل ذبح کرنے والے کے ساتھ وہ بھی چہرہ پکڑے ہوا ہو، اور اس کے ساتھ چھری پھیر رہا ہو، ایسے تعاون کرنے والے شخص کا بھی بسم اللہ پڑھنا ضروری ہوگا، تعاون کی دوسری صورت یہ ہے کہ تعاون صرف جانور کو قابو رکھنے کے سلسلہ میں ہو، جیسے جانور کو پکڑ کر رکھنا، اس کو باندھ دینا یا فعل ذبح میں تعاون نہ ہو، بلکہ ذبح کرنے والے کا تعاون ہو، جیسے ذبح کرنے والے کو چھرا دینا، اس کے لیے چھرا تیز کرنا وغیرہ، تعاون کی یہ وہ صورتیں ہیں جس میں تعاون کرنے والا خود فعل ذبح میں شریک نہیں ہوتا، اس لیے اس کو بسم اللہ کہنا واجب نہیں۔

ذبح کے بعد پیٹ میں سے بچہ نکل آئے

سوال:- {1358} گائے ذبح کرنے کے بعد گائے کے پیٹ میں مرا ہوا بچہ نکلے تو اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(سید حفیظ الدین، نظام آباد)

جواب:- اگر گائے کا بچہ مردار حالت میں نکلے تو اس کا کھانا حلال نہیں، گائے کو ذبح کرنا گائے کے پیٹ میں موجود بچہ کے حلال ہونے کے لئے کافی نہیں۔ ''إن الجنين مفرد بحكمه، لم يتذك بذكاة امه''(۱)

گھر کی تعمیر کے بعد بکرا ذبح کرنا

سوال:- {1359} نئے گھر کی تعمیر کے بعد بکرا ذبح کر کے خون بہانا اور گھر بھرائی کر کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو دعوت دینے کا کیا حکم ہے؟ (محمد امجد علی، وجے نگر کالونی)

(۱) الدر المختار علی ھامش رد المحتار :۹/۴۴۱۔

جواب:- شریعت میں خوشی کے موقع پر یا کسی اہم کام کے افتتاح یا اختتام پر پڑوسیوں کو دعوت دینے، مٹھائی کھلانے یا اس طرح کی تقریب کی گنجائش ہے، یعنی شریعت نہ تو اس کا حکم دیتی ہے اور نہ اس سے منع کرتی ہے، ضروری سمجھ کر اسے کرنا غلط ہے، لہٰذا اگر آپ کے علاقہ میں لوگ گھر کی تعمیر کے بعد بکرا ذبح کرنے اور گھر بھرائی کر کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو دعوت دینے کو ضروری خیال کرتے ہوں تو پھر ایسا کرنا درست نہیں، ہاں اگر ضروری نہ سمجھا جاتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ذبیحہ کو ٹھنڈا ہونے سے پہلے کاٹنا

سوال:- {1360} عام طور پر چکن سنٹر والے مرغ کو ذبح کرنے کے کچھ ہی دیر بعد، یعنی ٹھنڈا ہونے سے پہلے کاٹنا وغیرہ شروع کر دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ کہیں اس عمل سے گوشت حرام تو نہیں ہو جاتا ہے؟

(عبدالستار، کریم نگر)

جواب:- ٹھنڈا ہونے سے پہلے کاٹنے کی وجہ سے جانور کو تکلیف ہوا کرتی ہے، اس لیے یہ عمل مکروہ ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ حسن سلوک کو فرض کیا ہے، اس لیے قتل کرو تو اچھی طرح اور ذبح کرو تو اچھی طرح، چنانچہ تم میں سے جب کوئی جانور ذبح کرے تو اپنی چھری تیز کر لے اور ذبیحہ کو آرام پہنچائے:

" ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیئ، فاحسنوا القتلۃ، واذا ذبحتم فاحسنوا الذبیحۃ، و لیحد احدکم شفرتہ، و لیرح ذبیحتہ " (۱)

---

(۱) سنن نسائی، حدیث نمبر: ۴۴۱۷، باب حسن الذبح۔

چوں کہ ٹھنڈا ہونے سے پہلے کاٹنا باعث تکلیف ہے، اس لیے یہ عمل مکروہ ہے۔ البتہ جانور شرعی طریقہ پر ذبح کیا جاچکا ہے، اس لیے اس کا کھانا حلال ہے۔

گرم پانی میں ڈالا ہوا ذبیحہ مرغ

سوال:- {1361} آج کل شادی اور دیگر تقریبات میں جو مرغ ذبح کیے جاتے ہیں، اس کو ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بغیر چھری صاف کیے کئی مرغی کو ایک دوسرے کے سامنے ذبح کیا جاتا ہے، پھر اس کو گرم پانی کے بڑے برتن میں ڈال کر کافی دیر ابالا جاتا ہے، تاکہ اس کے پر آسانی سے صاف کیے جائیں، پانی عموماً خون آلود ہوجاتا ہے، کیا ایسے مرغ کا گوشت کھانا جائز ہے؟

(محمد فضل اللہ خاں اختر، فرسٹ لانسر)

جواب:- (الف) ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے، اس سے منع کرنا چاہیے، لیکن ذبیحہ کے حلال ہونے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(ب) اگر مرغی کو اتنی دیر گرم پانی میں کھولا دیا جائے کہ پانی گوشت کے اندر پیوست ہوجائے تو یہ بالکل ناپاک ہوجائے گا، اور دھونے کے باوجود پاک نہ ہوگا، لیکن اگر اتنی دیر کے لئے پانی میں ڈالا کہ پانی کی حرارت جلد کی سطح تک پہونچ جائے اور مسامات اس طرح کھل جائیں کہ بال آسانی سے نکل سکیں، تو اس صورت میں تین دفعہ دھونے سے گوشت پاک ہوجائے گا، علامہ شرنبلالیؒ نے "مراقی الفلاح" اور "طحطاوی" نے اس کے حاشیہ پر وضاحت کے ساتھ یہ بات لکھی ہے، (۱) اس لئے اول تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ مرغ کے ذبح

---

(۱) دیکھئے: مراقی الفلاح وطحطاوی، ص:۸٦۔

کرنے کا خصوصی انتظام کیا جائے، اور اندرونی آلائش کو نکال کر اوپر سے مسامات کھلنے کے بقدر گرم پانی ڈالا جائے، تاہم اگر ایسا نہ کیا جائے تو کم سے کم گوشت کو تین پانی سے دھونے کا اہتمام کرلیا جائے۔

نجاست خور جانور سے مراد اور اس کا حکم

سوال:- {1362} امریکہ میں ان دنوں جلالہ کے اسلامی تصور اور جانوروں کے چارے کے بارے میں غیر معمولی الجھن پائی جاتی ہے، بعض اصحاب اور ساتھ ہی ساتھ جانوروں کے حقوق کی تنظیمیں یہ مہم چلارہی ہیں کہ چوں کہ جانوروں کے لئے تیار کردہ بیشتر چاروں میں دوسرے جانوروں کے اعضاء سے کشید کردہ عرق شامل رہتا ہے، اور اس معاملہ میں جلالہ کے قاعدے کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے مسلمان جو شمالی امریکہ میں آباد ہیں، کوئی گوشت استعمال نہیں کرتے، اس پس منظر میں چند سوالات حسب ذیل ہیں:

(الف) جلالہ کی تعریف کیا ہے؟ اس کی تعریف سے متعلق کیا علماء کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے؟

(ب) جانوروں کے اعضاء سے کشید کیا ہوا عرق (جو چارے میں استعمال ہوتا ہے) ایک طویل عمل سے گزرتے ہوئے چونکہ اپنی اصلی حالت سے بدل جاتا ہے، ایسے میں کیا یہاں پر بھی جلالہ کا اطلاق کیا جاسکتا ہے،؟

(ج) کیا مسلمانوں کو ایسے جانوروں کا گوشت کھانے یا ان کے چرم کا استعمال کرنے کی ممانعت ہے جنہیں ذبح

کرنے سے پہلے جھٹکا دیا جاتا ہے، یا پھر ان سے پرتشدد رویہ
اختیار کیا جاتا ہے؟ (محمد ایوب علی خاں، شکاگو)

جواب:- (الف) جلالہ عربی لغت میں کھانے کے لئے نجاست تلاش کرنے والی گائے کو کہتے ہیں، " البقرة تتبع النجاسات "(۱) فقہاء کی اصطلاح میں جلالہ اس جانور کو کہتے ہیں جو نجاست ہی کو اپنی خوراک بناتا ہو اور دوسری چیزیں نہ کھاتا ہو، " التی تأکل العذرة و لاتأکل غیرها "(۲) اگر کوئی جانور نجاست ہی کھانے پر اکتفا نہ کرتا ہو، بلکہ دونوں طرح کی چیزیں کھاتا ہو، تو وہ "جلالہ" نہیں ہوگا جیسا کہ مذکورہ تعریف سے ظاہر ہے۔

(ب) اگر چارے میں فضلہ وغیرہ ملا دیا جائے تو پھر ایسی مخلوط غذا کھانے والا جانور "جلالہ" شمار نہ کیا جائے گا، علامہ شامی نے اس کو صراحت سے لکھا ہے: " أفاد أنها إذا كانت تخلط تجزی "(۳) لہذا جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں کشید کیا ہوا عرق چارے کے ساتھ ملایا جاتا ہے، نہ کہ خالص پلایا جاتا ہے، اس لئے یہ صورت جلالہ کی نہیں ہے۔

پھر جلالہ کا حکم یہ ہے کہ کھانے کی ممانعت اس وقت ہوگی جب کہ جانور کے گوشت میں بو پیدا ہو جائے، علامہ شامیؒ کے الفاظ میں: "حتی انتن لحمها" بلکہ علامہ شامیؒ نے "منتقی" نامی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جلالہ کا حکم اس جانور پر ہوگا کہ قریب ہو تو بد بو آئے:

" الجلالة المكروهة التی إذا قربت و جدت منها
رائحة فلا تؤكل ولا يشرب لبنها و لا يحمل
عليها و تلك حالها و يكره بيعها و هبتها و تلك
حالها ، و ذكر البقالی أن عرقها نجس " (۴)

---

(۱) القاموس المحیط :ص:۱۲۶۴۔
(۲) الفتاوی الهندية:۵/۲۹۸، الدر المختار علی هامش رد :۹/۴۷۰۔
(۳) ردالمحتار:۹/۴۷۰۔
(۴) ردالمحتار:۹/۴۹۱۔

''جلالہ مکروہ وہ ہے کہ جب قریب آئے تو اس کی بدبو محسوس کی جائے ، ایسا جانور نہ کھایا جائے گا ، نہ اس کا دودھ پیا جائے گا ، نہ اس پر سواری وغیرہ کی جائے گی ، اور جو جانور اس حال میں ہو اس کا بیچنا اور ہبہ کرنا بھی مکروہ ہوگا ، اور علامہ بقائیؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس کا پسینہ بھی ناپاک ہوگا''

تو اس معیار سے بھی دیکھنا چاہئے کہ کیا اس جانور میں بدبو کی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے؟ اگر یہ کیفیت پیدا ہو بھی جاتی ہو تو ایک وقفہ کے ساتھ یہ کراہت دور ہو جاتی ہے ، فقہاء نے اس کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ اگر اونٹ ہو تو اسے چالیس دن ، گائے ، بیل ہو تو بیس دن ، بکری وغیرہ کو دس دن ، مرغی تین دن ، اور گوریا ایک دن روکا جائے ، اس کے بعد اس کے گوشت میں کراہت نہیں ۔ (۱)

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو صورت آپ نے ذکر کی ہے ، اولاً تو وہ جلالہ میں داخل نہیں ، دوسرے جلالہ کی کراہت دائمی نہیں ، بلکہ ایک متعین وقفہ جس میں جانور کو ایسی گندی چیز کے کھانے سے بچایا جائے ، اس کے گوشت کی کراہت ختم ہو جاتی ہے ۔

(ج) جھٹکے سے جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے ، تاہم اگر حلق کی طرف سے وار کیا جائے اور ذبح کرنے والے نے بسم اللہ پڑھا ہو ، اور گردن الگ ہو جائے ، تو اس کا کھانا حلال ہوگا ، البتہ یہ فعل مکروہ ہوگا :

"لو ضرب عنق جزور ... و ابانها و سمی فان كان ضربها من قبل الحلقوم توكل و قد اساء" (۲)

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۵/ ۲۹۸ ۔

(۲) الفتاوی الهندية: ۵/ ۲۸۸ ۔

اور اگر گردن کی طرف سے وار کیا تو جن رگوں کو کاٹنا ضروری ہے، اگر چھرے کے وہاں پہنچنے تک جانور میں حیات کے باقی رہنے کا یقین ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا اور اس میں حیات باقی نہ رہی ہو یا کم سے کم اس کا شک ہو تو وہ مردار کے حکم میں ہوگا اور اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، تاہم چونکہ یہ طریقہ شرعاً مکروہ ہے اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے طریقہ کو بدلنے کی کوشش کریں۔

جہاں تک اس کے چرم کی بات ہے تو اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اگر ذبیحہ حلال تھا، تو اس کے چرم کا استعمال بھی جائز ہے، اور اگر ذبیحہ حرام و مردار ہے تب بھی دباغت یعنی چمڑے سے آلائش کی صفائی کے بعد چرم پاک ہو جائے گا، اور اس کا استعمال درست ہو جائے گا، اس لئے کہ چرم کے پاک ہونے کی یہی دو صورتیں ہیں، یا تو جانور شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو اور اگر مردار کا چرم ہو تو اس کی صفائی کی گئی ہو۔(۱)

مرغی کی گردن الگ ہو جائے

سوال:- {1363} مرغ ذبح کرتے وقت اگر گردن الگ ہو جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا یا نہیں؟ اور اس کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ (کے، ایم محمود پاشاہ، مشیرآباد)

جواب:- قصداً جانور کو اس طرح ذبح کرنا کہ گردن الگ ہو جائے، مکروہ ہے، تاہم جانور اس کے باوجود حلال ہوتا ہے، اگر غیر ارادی طور پر گردن الگ ہو گئی تو اس کا کھانا تو حلال ہے ہی، اس غیر ارادی فعل پر بھی کوئی گناہ نہیں۔(۲)

حلال جانور کے کون کون سے اعضاء مکروہ ہیں؟

سوال:- {1364} حلال جانور کے کون کون سے

(۱) بیہقي، حدیث نمبر:۹۰۷۴، ۲:۶ ۳ – محشی۔

(۲) دیکھئے: شرح المهذب: ۹/ ۹۱۔

اعضاء مکروہ ہیں؟ (حافظ کلیم، اورنگ آباد)

جواب:- جن اعضاء کا کھانا حرام ہے وہ یہ ہیں، بہتا ہوا خون، نر کی شرمگاہ، مادہ کی شرم گاہ، فوطے، مثانہ، پت اور گرہ لگا ہوا گوشت۔(۱)

بوٹی کا حکم

سوال:- {1365} بکرے یا کسی حلال جانور کی اوجھڑی یعنی بٹ، ہزار خانہ، سروان اور آنتیں جن کو عرف عام میں ''بوٹی'' کہتے ہیں، ان کا کھانا حلال ہے یا مکروہ؟ میں نے سنا ہے کہ اس کے کھانے سے چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی۔ (بہاؤ اللہ، مراد نگر)

جواب:- حلال جانور کے سات اجزاء کا کھانا حرام ہے، بہتا ہوا خون، نر کی شرمگاہ، مادہ کی شرم گاہ، فوطے، مثانہ، پت اور گرہ لگا ہوا گوشت۔(۲) بوٹی چونکہ ان سات اجزاء میں شامل نہیں، لہذا جب تک اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل موجود نہ ہو، وہ حلال ہی ہوگی اور بوٹی کے حرام ہونے کا قرآن حدیث میں کہیں کوئی ذکر نہیں، یہ بات کہ اس کے کھانے سے چالیس دنوں کی نماز قبول نہیں ہوتی، بے اصل بات ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

ذبیحہ کے جنین کا حکم

سوال:- {1366} گابھن گائے کو ذبح کرنے کے بعد اس کے اندر کے بچے کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ اس میں جان نہیں ہے، صرف خون ذبح کیا جائے تو نکلتا ہے، اگر ذبح

(۱) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱۹۰/۴۔
(۲) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱۹۰/۴۔

بھی نہ کریں تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مقامی قصاب ایسا ہے، ویسا ہے اور نرم گوشت ہے کہہ کر گاہکوں کو دیتے ہیں، کیا اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔ (عبدالوھاب، اودگیر)

جواب:- گابھن جانور کے پیٹ سے جو بچہ نکلے، اگر نکلتے وقت زندہ تھا، تو بالاتفاق اسے ذبح کردیا جائے تو حلال ہے، ذبح کرنے سے پہلے مرجائے تو حرام ہے، اگر مردہ پیدا ہوا، اس کی تخلیق مکمل نہیں ہوئی ہو، تو فقہاء متفق ہیں کہ اس کا کھانا حرام ہے، کیوں کہ وہ ''مضغۃ'' کے حکم میں ہے، جوصورت آپ نے دریافت کی ہے، وہ یہی ہے، اس لئے حرام ہے، اور اگر مردہ پیدا ہونے والا کامل الخلقہ ہو، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اب بھی اس کا کھانا حرام ہی ہوگا، صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے، علامہ کاسانیؒ نے دلائل کے ساتھ جانور کے زیر حمل بچہ کا یہ حکم بیان کیا ہے۔(۱) —— امام ابوحنیفہؒ کے قول میں احتیاط ہے، اور حلال وحرام کے مسائل میں احتیاطی پہلو پر عمل کرنا چاہئے، اس لیے گابھن گائے کے پیٹ سے نکلنے والے بچہ کو جب تک شرعی طور پر ذبح نہ کردیا جائے اس کا کھانا جائز نہیں، خواہ مردہ پیدا ہوا ہو، یا پیدا ہو کر مرگیا ہو۔ واللہ اعلم۔

نابالغ کا ذبیحہ

سوال:- {1367} مقامی چکن سنٹر والے غیر مسلم چکن فروش کسی نابالغ مسلم لڑکے کو ٹوپی پہنا کر مرغ ذبح کرا کے فروخت کرتے ہیں، اس کا ذبح کرنا کیسا ہے؟ اس کی ذبح کرنے کی نیت اور وضوء وغیرہ نہیں رہتا ہے، اس طرح چکن کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (عبدالوہاب، اودگیر)

جواب:- ذبح کرنے کے لئے نیت کرنا یا باضوء ہونا ضروری نہیں، یہ کافی ہے کہ ذبح

(۱) دیکھئے: بدائع الصنائع ۴/۱۵۹، بہ تحقیق محمد عدنان۔

کرتے وقت "بسم اللہ" کہے اگر بھول کر نہ کہہ پائے تب بھی حرج نہیں، ذبیحہ حلال ہوجائے گا، ذبح کرنے والے کا بالغ ہونا بھی ضروری نہیں، اگر نابالغ ہو لیکن ذبح کرنے کو سمجھتا ہو اور اس کا شعور رکھتا ہو نیز ذبح کرنے پر قادر ہو، تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہے:

"فان كان الصبي يعقل الذبح ويقدر عليه توكل ذبيحته" (۱)

اس لئے آپ نے جو صورت ذکر کی ہے وہ حلال کے دائرہ میں آتی ہے، اور ایسے بچوں کا ذبح کیا ہوا چکن کھانا درست ہے۔

جانور کی آدھی گردن ہی کیوں کاٹی جاتی ہے؟

سوال:- {1368} جانور کی آدھی گردن ہی کیوں کاٹی جاتی ہے، پوری گردن نہیں کاٹی جاتی ہے، اس میں کیا مصلحت ہے؟ (نظام الدین، بھریاہوی)

جواب:- جانور کی نصف گردن اس طرح کاٹنے کا حکم ہے کہ اس سے سانس اور غذا کی نالی اور خون کی دونوں شہ رگ کٹ جائیں:

"... و إن قرى البعض دون البعض فعند أبي حنيفةؒ إذا قطع أكثر الأوداج و هو ثلاثة نها ... يحل" (۲)

تاکہ جلدی جان نکل جائے اور جانور کو کم اذیت پہنچے، اگر اس سے بڑھ کر جانور کی عقبی نصف گردن بھی کاٹ دی جائے تو اسے بلا وجہ مزید تکلیف میں مبتلا کرنا ہوگا۔

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۲۸۵/۵۔

(۲) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱۵۹/۴، بہ تحقیق محمد عدنان۔

عورت کا جانور ذبح کرنا

سوال:- {1369} کیا مرد حضرات کی عدم موجوگی میں عورتیں بھی جانور ذبح کرسکتی ہیں؟

(مسکان رخسانہ، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

جواب:- ذبح اور ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ذبح کرنے والا مرد ہو، اس مسئلہ میں مرد و عورت کا حکم یکساں ہے،'' المرأة المسلمة والكتابية في الذبح كالرجل ''(۱) چنانچہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک خاتون نے پتھر (کی نوک) سے بکری ذبح کی، رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔(۲)

بغیر طہارت کے جانور کو ذبح کرنا

سوال:- {1370} ہمارے قصبہ میں عرصہ دارز سے گائے بیل ذبح کرنے کے لئے ایک خصوصی ''ملا'' ہوا کرتا تھا، لیکن ان دنوں وہ طریقہ ختم ہوگیا ہے، اور خود مسلم قصاب اپنے طور پر ذبح کرکے گوشت فروخت کرنے لگے ہیں اور بعض پڑھے لکھے لوگوں کی طرف سے یہ مسئلہ اٹھایا جارہا ہے کہ بغیر طہارت ذبح کرنے اور دوسری امکانی بداحتیاطی کی وجہ سے اس قسم کا ذبیحہ حرام کے درجہ میں آتا ہے، اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

(قطب الدین، بمبئی)

(۱) الفتاوی الهندية:۲۸۶/۵۔

(۲) صحيح البخاري:۸۲۷/۲۔

جواب:- ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو، دوسرے وہ ذبح کرتے وقت ''بسم اللہ'' کہے، جان بوجھ کر بسم اللہ نہ چھوڑے، رہ گیا ذبح کرنے والے کا طہارت کی حالت میں ہونا، تو یہ ضروری نہیں، اس لئے اگر مسلمان قصاب خود بھی بسم اللہ کہہ کر جانور کو ذبح کردے تو یہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے کافی ہے، ویسے پڑھے لکھے آدمی کو مقرر کرنا بہتر ہوتا ہے، کیوں کہ ان میں احکام شرعیہ کا پاس ولحاظ زیادہ ہوتا ہے۔

بکرے کے فوطے

سوال:- {1371} بہت سے لوگ بکرے کے کپورے شوق سے کھاتے ہیں، اور اس کو صحت کے لئے بھی مفید سمجھتے ہیں، کیا اس کو کھانا جائز ہے؟ (محمد اکرم، نلگنڈہ)

جواب:- جائز نہیں، حلال جانور کے بھی سات اعضاء کا کھانا حرام ہے، ان سات اعضاء میں ایک نر جانور کے فوطے بھی ہیں، اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔(۱)

اگر غیر مسلم کہے کہ حلال ذبیحہ ہے؟

سوال:- {1372} میں ایک ہندو کی شادی میں گیا، جہاں کھانے میں بکرے کا گوشت تھا، جب میں نے پوچھا کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے؟ تو اس نے کہا ہاں، میں نے گوشت کو کھالیا، مگر اب مجھے شک ہو رہا ہے، کہیں وہ گوشت مردار تو نہیں تھا، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(ندیم احمد، بشیر باغ)

---

(۱) بدائع الصنائع:۴/۱۹۰۔

جواب:- اگر کوئی غیر مسلم کہے کہ یہ گوشت ایسے جانور کا ہے جس کو مسلمان نے شرعی طور پر ذبح کیا ہے اور کوئی دوسرا ایسا قرینہ نہ ہو جو اس کے بیان کو جھوٹ ثابت کرتا ہو، تو اس کی خبر پر اعتماد کر لینا کافی ہے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس نے مجوسی ملازم یا خادم سے گوشت منگایا، مجوسی کہتا ہے کہ میں نے مسلمان سے خرید کیا ہے، تو اس کی خبر پر اعتماد کر لینا کافی ہے اور اس گوشت کو کھانا درست ہے:

"من أرسل أجيرا له مجوسا أو خادما فاشترى فقال اشتريت من يهودي أو نصراني أو مسلم وسعه أكله"(۱)

عام طور پر مسلمان ہی جانور ذبح کرتے اور غیر مسلم حضرات بھی مسلمان سے ہی ذبح کراتے ہیں، اس لئے بظاہر آپ کے اس ہندو دوست کی بات پر اعتماد کرنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

فارم کی مرغیاں اور انڈے

سوال:- {1373} آج کل مرغیوں کے فارموں میں مرغوں یعنی نر سے اختلاط کے بغیر مرغیاں انڈا دیتی ہیں، اور اُن انڈوں سے پھر بچے پیدا ہوتے ہیں، تو کیا اُس بچہ اور انڈے کو کھانا حلال ہے؟　　　(نور محمد، پنکنور)

جواب:- مرغی اور اس کے انڈے کا حلال ہونا حدیث سے ثابت ہے، (۲) اور اس پر امت کا اجماع اور اتفاق ہے، (۳) اس میں کوئی تفریق نہیں کہ نر کے اختلاط کے بعد انڈے

(۱) الفتاوى الهندية: ۳۰۸/۵۔
(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۸۲۶۔ محشی۔
(۳) المغني: ۱۰۱/۱۱۔ محشی۔

ہوئے ہوں، یا اس کے بغیر، اگر تنہا مرغی سے بھی انڈا حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ یہ انڈا مرغی کا جزو ہے، پھر اس انڈے سے بچہ ہو تو وہ بچہ بھی اس مرغی کا جزو قرار پایا، اور جب مرغی خود پاک اور حلال ہے تو اس سے حاصل ہونے والے اجزاء سوائے پیشاب، پاخانہ اور خون کے وہ بھی پاک ہونگے، اس لئے جیسے فطری نظام کے تحت ہونے والے انڈے اور بچے حلال ہیں، اسی طرح یہ بھی حلال ہیں۔

کتاب الفتاوی

چوتھا حصہ

کتاب الوقف

وقف سے متعلق سوالات

مساجد سے متعلق احکام

مسجد ہونے کے لئے اس زمین پر نماز پڑھنا شرط ہے

سوال:- {1374} ایک زمین مسجد کی تعمیر کے لئے خریدی گئی تھی نیز اسی زمین کے قریب ہی ایک دوسری مسجد زیر تعمیر ہے لیکن جو زمین مسجد کے لئے خریدی گئی تھی اس پر نام وغیرہ نہیں لکھا گیا ہے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کی تعمیر ہوئی ہے، ایسی صورت میں اس زمین کو فروخت کر کے اس کے قریب کی زیر تعمیر مسجد کے لئے خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب شافی مطلوب ہے اگر حوالہ دیدیا جائے تو مزید نوازش ہوگی۔

(اراکین مسجد حسینی وجے نگر کالونی، حیدرآباد)

جواب:- اوقاف مسجد کے سلسلہ میں یہ اصولی بات سمجھ لینی چاہئے کہ کوئی زمین عمارت مسجد کے لئے اس وقت وقف ہوتی ہے جب اس زمین کے مالکین زمین کو علاحدہ کر دیں، دوسرے اپنی زبان سے اس کا اظہار کر دیں کہ میں اس زمین کو مسجد کے لئے وقف کر رہا ہوں،

تیسرے وہ خود اس جگہ پر نماز باجماعت ادا کریں یا ان کے حکم سے ادا کی جائے۔(۱)

اب ان تین باتوں کے پائے جانے کے بعد وہ زمین ہمیشہ کے لیے وقف ہوگئی اور مسجد کے حکم میں ہوگئی (۲) اب یہاں سوال میں جو صورت مذکور ہے اس میں چونکہ عام مسلمانوں نے کمیٹی کو چندہ دیا ہے اور کمیٹی ہی نے وہ زمین مسجد کے لئے خریدی ہے اس لئے کمیٹی کی حیثیت عام مسلمان یعنی وقف کرنے والوں کی طرف سے وکیل کی ہوگی اور ان کا عمل تمام وقف کرنے والوں کا عمل سمجھا جائے گا، اور چونکہ ان حضرات نے ابھی نہ خود اس زمین پر نماز ادا کی ہے اور نہ ان کی اجازت سے دوسرے لوگوں نے کی ہے، اس لئے وقف مکمل نہیں ہوا اور جب وقف مکمل نہ ہوا تو ان کو حق ہوگا کہ اس زمین کو کسی دوسری قریبی مسجد کے لئے خرچ کریں۔(۳)

مسجد قیامت تک کے لئے ہے

سوال:- {1375} تلگو اخبار ''ایناڈو'' میں ۷/مارچ ۹۹ء کو ایک خبر چھپی ہے کہ ''راولپنڈی سے مری ہل کو جانے والی قومی شاہراہ کو چوڑا کرنے کے لئے ایک مسجد کو پاکستانی عہدہ داروں نے پچھلے جمعہ کو گرادیا، مزید نو مساجد کو بھی گرانے کا فیصلہ کیا گیا ہے، عہدہ داروں نے اعلان کیا کہ مسجد کے گرانے پر عوام نے کوئی اعتراض نہیں کیا، عوام کو یقین دلایا گیا

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۶/۵۴۴، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند۔ محشی۔

(۲) " و یزول ملکه عن المسجد و المصلی بالفعل و بقوله جعلته مسجدا عند الثاني و شرط محمد والامام الصلاة فيه بجماعة و قيل يكفي واحد " (الدر المختار على هامش رد المحتار :۱/۳۶۹-۳۷۰)

(۳) " اهل مسجد اشتروا عقارا بغلة المسجد ثم باعوا العمارة اختلف المشائخ في جواز بيعهم والصحيح انه يجوز " (الفتاوى الهندية :۲/۴۶۴، الفصل الثانی فی وقف علی المسجد فی آخر الفصل)

ہے کہ گرائی گئی مسجد کے بدلے دوسری جگہ زمین مختص کر کے سرکاری خرچ سے اس کی تعمیر مکمل کی جائے گی، اس بارے میں آپ شرعی پہلو کو اجاگر کریں تو بہتر ہے، اور یہ کہ کیا یہ اطلاع مصدقہ ہے، ساتھ میں کٹنگ بھی چسپاں کی جارہی ہے۔

(محمد وہاج الدین نذیر، کودو کور منڈل)

جواب:- جس جگہ ایک دفعہ مسجد تعمیر کردی گئی، وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہوگئی، اس کی جگہ تبدیل کرنا قطعاً جائز نہیں، فقہاء اس بات پر متفق ہیں، اور کہا جاسکتا ہے کہ اس پر امت کا اجماع ہے، فقہ حنفی کی کتاب" الدر المختار "میں ہے:

"ولو خرب ماحوله و استغنى عنه يبقى مسجدا عـنـد الامام والثاني أبدا إلى قيام الساعة و به يفتى " (۱)

اس لئے اولاً تو یہ بات ہی تحقیق طلب ہے کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط؟ اور زیادہ امید یہی ہے کہ یہ خبر غلط ہوگی، اس لئے کہ اخبار میں غیر مصدقہ خبریں بھی آجاتی ہیں، اور اگر صحیح بھی ہو تو کسی مسلمان ملک کا عمل دلیل اور حجت نہیں، حجت اور دلیل قرآن و حدیث اور قرآن حدیث کو جاننے والے سلف صالحین ہیں، نہ کہ وہ مسلمان حکمراں جو شریعت کی الف، ب، سے بھی واقف نہیں ہیں۔

مسجد کی تولیت

سوال:- {1376} زید ایک مسجد کا متولی تھا، زید اس مسجد و درگاہ کا واحد بااختیار حسب دستور سابق بذریعہ تولیت نامہ منتخب کردہ تھا، اس کو اپنی جانب سے باضابطہ متولی مسجد

(۱) الدر المختار :۶/ ۵۴۸۔

ودرگاہ کے لئے کسی مناسب شخص کو اپنی حیات میں مقرر کرنے
کے اختیارات دئے گئے تھے اور اسے یہ حق حاصل تھا کہ
بموجب اپنے اختیارات کسی مناسب شخص کو یہ عہدہ سونپے،
لہذا زید متولی مسجد ودرگاہ اور سجادہ نشیں ومتولی درگاہ مذکور نے
بعمر ۷۶/ سال کی ضعیف العمری ولاغری کی وجہ سے اپنی حیات
میں اپنی جانب سے حسب دستور سابق بذریعہ تولیت نامہ
مؤرخہ ۳۱ر ڈسمبر ۱۹۷۰ء کو اس مسجد ودرگاہ مذکورہ کا اپنی جانب
سے باضابطہ سجادہ نشیں ومتولی درگاہ اور جانشیں ومتولی مسجد مقرر
کردیا، اس سے پہلے بھی اسی طرح باضابطہ مسجد ودرگاہ مذکورہ
کے جانشیں متولیان اور سجادگان ومتولیان بموجب تولیت نامہ
جات ایک کے بعد دوسرے کو اسی طرح اختیارات دیتے چلے
آئے ہیں، زید کا منتخب کردہ موجودہ متولی وجانشیں مسجد اور
سجادہ نشیں ومتولی درگاہ مذکورہ بموجب تولیت نامہ مؤرخہ
۳۱ر ڈسمبر ۱۹۷۰ء حسب دستور باضابطہ قائم ہے، مسجد ودرگاہ
سے متعلقہ وقف نامہ فساد میں برباد ہوگیا، کیا زید کا منتخب کردہ
مسجد ودرگاہ کا جانشیں متولی سجادہ نشیں ومتولی روبرو شریعت محمدیہ
درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ (عزیز الرحمٰن، بلبلی خانہ، دہلی)

جواب:- تولیت باقی رہنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تولیت نامہ یا وقف نامہ محفوظ ہو، اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے تصریح کردی ہے کہ متولی کے منجملہ اختیارات کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی اور کو (بشرط اہلیت) متولی مقرر کردے اور ایسی صورت میں اس کا کسی کو مقرر کرنا درست وصحیح ہوگا۔

"أراد المتولي إقامة غيره مقامه في حياته

وصحته إن كانت التفويض له بالشرط عاماصحّ" (۱)

اس لئے مذکورہ صورت میں جن صاحب کو متولی مقرر کیا گیا ہے ان کی تولیت شرعاً صحیح ہے۔

مسجد کا منتظم اگر غیر مسلم ہو؟

سوال:- {1377} مسجد کا کسی غیر مسلم ادارہ یا غیر مسلم انتظامیہ کی جانب سے انتظام شرعاً کس حد تک جائز قرار پاتا ہے، جبکہ اس ادارہ یا انتظامیہ کے تحت غیر مسلم عبادت گاہیں بھی ہیں، اور اندیشہ ہے کہ اس سے حصول کردہ رقم سے مسجد کے تمام اخراجات برداشت کئے جارہے ہوں۔

(مجلس مغل ہندیہ برائے فلاح و بہبود افراد خاندان مغلیہ)

جواب:- کسی مسجد کا ہندو اوقاف کے تحت ہونا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ اس میں دو پہلو قابل غور ہیں، ایک یہ کہ کسی غیر مسلم کو مسجد کا متولی بنایا جائے یا نہیں، اس لئے کہ جب ہندو وقف کے تحت مسجد ہے تو ضرور اس کا نظم بھی ہندو ارباب حل و عقد اور ذمہ دار انجام دیتے ہوں گے، دوسرے یہ کہ غیر مسلم اوقاف کا مسجدوں کے لئے استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟

جہاں تک مسجد پر غیر مسلم کی تولیت کا مسئلہ ہے تو قرآن نے اس کے نادرست ہونے کی صراحت کردی ہے:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ (۲)

دوسرا مسئلہ غیر مسلموں کے اوقاف کا ہے، غیر مسلموں کا وقف اسی وقت درست ہوگا جب

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار : ۴۱۱/۳، ط: مکتبہ رشیدیہ، پاکستان۔
(۲) التوبۃ: ۱۷۔ محشی۔

وہ ان کے عقیدے کے مطابق بھی قربت اور ثواب کا کام ہو، مثلاً بیت المقدس ہے اگر عیسائی و یہودی اس کے لئے کچھ وقف کریں تو صحیح ہوگا کیونکہ اس مسجد سے ان کا بھی اعتقادی اور مذہبی تعلق ہے اس کے برخلاف اگر وہ حج وعمرہ کے لئے وقف کریں تو صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ وہ خود اس کے قائل نہیں ہیں، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"إن شرط الوقف الذی أن یکون قربة عندنا و عندهم ... بخلاف الوقف علی حج و عمرة فإنه قربة عندنا فقط" (۱)

ہندوستان میں عام ہندو حضرات کے ذہن میں بھی مساجد کا تقدس و احترام ہے، اور مشرکانہ عقیدہ کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی عبادت گاہوں کے ساتھ ساتھ مساجد کو بھی خدا کا گھر سمجھتے ہیں، اس لیے ان کا تعاون قبول کیا جا سکتا ہے، بہ شرطیکہ یہ اندیشہ نہ ہو کہ آئندہ وہ بھی اپنی عبادت گاہوں، تہواروں وغیرہ کے لیے آپ سے تعاون کے طلب گار ہوں گے۔ واللہ اعلم

ہندو کی تعمیر کردہ مسجد

سوال:- {1378} گاؤں میں ایک ہندو چندہ سے روپیہ وصول کر کے مسجد بنا رہا ہے، کیا ہم اس مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں، جب کہ وہ اسلام قبول نہیں کرتا؟

(خضر بابا، معصوم بابا، درگاہ جٹ پلی)

جواب:- اگر یہ اندیشہ نہ ہو کہ کل ہو کر وہ آپ سے مندر کی تعمیر کا مطالبہ کریں گے تو مسجد کی تعمیر میں ان کا تعاون لیا جا سکتا ہے، (۲) آپ دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ مسجد بنانے والے کو

(۱) رد المحتار: ۶/۵۲۴، ط: مکتبہ زکریا۔محشی۔
(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۱۵۵۔محشی۔

مسجد تک لے آئے ، اور اسے سمجھانے کی بھی کوشش کریں، کیا عجیب کہ اسی کام کی برکت سے اللہ تعالیٰ آج نہ کل اسے ہدایت سے سرفراز فرمادیں۔ واللہ ھو الھادی۔

مساجد میں غیر مسلموں کا تعاون

سوال:- {1379} کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تاجران چرم باہمی رضامندی سے اپنے کاروبار کا ایک فیصد جمع کر کے اس رقم سے ملت کے نونہالوں کو تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں، اور اسی فنڈ سے مساجد کے انتظامات بھی کیے جاتے ہیں، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس فنڈ میں غیر مسلم تاجران کی رقم بھی شامل ہوتی ہے، کیا ایسے فنڈ سے مساجد کے اخراجات کی تکمیل کی جاسکتی ہے؟

(محمد اختر، مشیر آباد)

جواب:- مساجد میں غیر مسلم بھائیوں کا تعاون تین شرطوں کے ساتھ لیا جاسکتا ہے:

اول : یہ کہ وہ خود اپنی رضامندی سے دیں، اس میں کسی قسم کے جبر و دباؤ کا کوئی دخل نہ ہو، یہاں تک کہ اخلاقی دباؤ کا بھی نہیں۔

دوسرے : وہ اپنے عقیدہ کے مطابق اسے نیکی کا کام خیال کرتے ہوں۔

تیسرے : اس بات کا امکان نہ ہو کہ وہ بھی مسلمانوں سے اپنی عبادت گاہوں کے لیے تعاون کے طلب گار ہوں گے، (۱) کیوں کہ مسلمان چوں کہ خدا کے ساتھ شرک کو ایک باطل اور خلاف واقعہ عمل گمان کرتے ہیں، اس لیے ان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے، کہ وہ کسی مشرکانہ فعل میں معاون ہوں، ان اصولوں کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں۔

---

(۱) جدید فقہی مسائل: ۱/۱۵۶، محشی۔

دیوارِ قبلہ کے سامنے کی زمین کا حکم

سوال:- {1380} مسجد کے دیوارِ قبلہ کے سامنے جو زمین ہو کیا اس جگہ رہائشی مکان تعمیر کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو مسجد کی دیوار اور مکان کی دیوار کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ نیز کیا یہ زمین کسی غیر مسلم کو فروخت کر سکتے ہیں؟

(ساجد خان، بیدر، کرناٹک)

جواب:- دیوارِ قبلہ کے سامنے جو زمین ہو، اس میں رہائشی مکان تعمیر کیا جاسکتا ہے، البتہ مسجد کی دیوار سے متصل سمتِ قبلہ میں بیت الخلاء نہ ہونا چاہئے، کہ یہ خلافِ ادب ہے، مسجد اور مکان کے درمیان کوئی مخصوص فاصلہ شریعت میں منقول نہیں، مکان کی دیوار صاحبِ مکان کی مملوکہ اراضی میں مسجد کی دیوار سے متصل بھی اٹھائی جاسکتی ہے، موجودہ حالت میں مسجد سے متصل اراضی کا غیر مسلم بھائیوں کے ہاتھ فروخت کرنا مناسب نہیں، اس میں فتنہ کا اندیشہ اور باہمی نزاع و اختلاف کا خطرہ ہے۔

متولی کا مسجد کی اشیاء استعمال کرنا

سوال:- {1381} اہل محلہ اور ذمہ داران مسجد (اراکین کمیٹی) مسجد کے سامان کو اپنے ذاتی کاموں کے لئے استعمال کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(اسامہ بن زید، وجے نگر کالونی)

جواب:- متولی کے لئے مسجد کی اشیاء کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ وہ مسجد کی ضروریات کے لئے وقف ہیں، اور متولی کے ہاتھ میں امانت ہیں، اگر وہ

اس میں سے اپنی ذات کے لئے استعمال کرے گا تو یہ امانت میں خیانت ہوگی، (۱) ہاں اگر کوئی چیز خدام مسجد کیلئے وقف کی جائے تو متولی کے لیے بھی اس سے استفادہ کی گنجائش ہے۔

کیا ویران مسجد فروخت کی جاسکتی ہے؟

سوال:- {1382} ضلع بیدر کے ایک گاؤں ''نئور بزرگ'' میں ایک مسجد پولیس ایکشن کے زمانہ ہی میں شہید کر دی گئی تھی، اب تک مسجد کی زمین باقی ہے، اشرار نے کئی مرتبہ قبضہ کرنے کی کوشش کی، لیکن پولیس کی مداخلت کی وجہ سے ان کی سازش کامیاب نہ ہوسکی، مسلمانوں نے اس زمین کو چھوڑ کر اپنے مسلم علاقہ میں ایک بڑی عالی شان مسجد بنالی ہے، جو پورے گاؤں کے لئے کافی ہے، اب غیر مسلموں کا اصرار ہے کہ یہ زمین ان کے ہاتھ فروخت کر دی جائے، تاکہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے، جبکہ یقین ہے کہ وہ اس جگہ مندر بنائیں گے، اور مسلمان بھی وہاں اس زمین کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کے اردگرد غیر مسلم ہیں، تو کیا ایسی حالت میں اسے فروخت کیا جاسکتا ہے؟

(مولوی محمد رہبر عالم، ہوڈگی، ضلع بیدر)

---

(۱) اگر اس کا شرعی ثبوت ہوجائے تو ایسے شخص کو تولیت مسجد سے معزول کرنا ضروری ہے: " و ينزع وجوبا لو الواقف فغيره بالأولى غير مأمون أو عاجز أو ظهر به فسق كشرب خمر و غيره " (الدر المختار) " قوله : (غير مأمون) قال : في الإسعاف : و لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه : لأن الولاية مقيدة بشرط النظر ، و ليس من النظر تولية الخائن : لأنه يخل بالمقصود " (رد المحتار:۶/۵۷۴) محشی۔

جواب :- جس جگہ ایک بار مسجد بنادی گئی، اور وہاں بہ حیثیت مسجد نماز پڑھی گئی تو اب یہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے، گو اس کے آس پاس کا حصہ ویران ہوگیا ہو، یا آباد ہو، لیکن مسلمانوں کی آبادی باقی نہ رہی ہو، پھر بھی وہ مسجد ہی ہے، اس کو فروخت کرنا یا کرایہ پر لگانا یا اس پر گھر بنانا یا کسی اور طریقہ پر آمدنی کا ذریعہ بنانا درست نہیں۔

"لو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجدا عنـد الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة و به يفتى" (۱)

اس لئے اس جگہ کو غیر مسلموں سے فروخت کرنا درست نہیں، کوشش کریں کہ قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اشرار کو بے حرمتی سے روکیں، اور حکمت عملی کے ساتھ غیر مسلم بھائیوں کو سمجھانے کی کوشش کریں، اگر اپنی حد تک پوری کوشش کے باوجود خدانخواستہ اشرار اس پر قبضہ کرلیں، تو مسلمان عنداللہ جوابدہ نہیں ہوں گے، کیونکہ ہر شخص اپنی طاقت کے بقدر ہی برائی کو روکنے کا مکلف ہے، لیکن خود مسلمان اسے فروخت کردے، یہ مسجد کی حق تلفی اور اللہ کے گھر کی بے حرمتی میں شریک ہونا ہے، جو جائز نہیں ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے اپنی طرف سے مسجد کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

حکمت کا تقاضہ بھی یہی ہے، کیونکہ اگر ایک جگہ مسلمانوں نے اپنی مسجد فروخت کردی تو دوسرے مقامات پر بھی اصرار کرنے کا موقعہ نہیں رہے گا، اور ہر مسجد غیر محفوظ ہوکر رہ جائے گی، اللہ تعالیٰ مسجدوں اور مدرسوں کو ہر طرح کے شرور سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

ویران مسجدوں کے سلسلہ میں ایک قابل توجہ تجویز

سوال :- {1383} شہر حیدرآباد کے غیر مسلم گنجان

(۱) الدر المختار علی هامش رد: ۶/ ۵۴۸۔

آبادی والے علاقے نیز شہر سے دور غیر آباد علاقوں میں بہت سی غیر آباد مسجدیں ہیں، اگر خود ہی توجہ نہیں کی گئی تو ان کے بقاء کو بھی خطرہ ہے، ان حالات میں ان مسجدوں کا تحفظ کس طرح ہو؟ احقر کے ذہن میں ایک تجویز آتی ہے کہ ان مساجد کو عیدگاہ کے طور پر آباد کیا جائے، اس طرح یہ مسجدیں باقی رہ سکیں گی، احکام شریعت کی روشنی میں اس کا جواب دیں؟

(حافظ محمد انور، پنچ محلہ)

جواب:- یہ واقعی بہت اہم اور تشویشناک مسئلہ ہے، جو مسجدیں ایسے علاقہ میں واقع ہوں، وہاں سے نسبتاً قریب جو مسلمان رہتے ہوں، انہیں چاہئے کہ اگر وہاں پنج وقتہ نماز نہیں ادا کر سکتے تو کم سے کم دو تین نمازیں ہی اہتمام سے ادا کیا کریں، تاکہ ان مساجد کا تحفظ ہو سکے، یہ تجویز بھی بہت مناسب ہے کہ ایسی مسجدوں میں عید کی نماز ادا کی جائے، بلکہ اگر عید اور جمعہ دونوں کا اہتمام ہو جائے تو چنداں دشوار نہ ہوگا، حضرات علمائے کرام اور قائدین ذی احترام سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اس مفید واہم تجویز پر خصوصی توجہ فرمائیں۔

ایک مسجد کا قرآن دوسری مسجد میں

سوال:- {1384} قرآن مجید کے سی پارے ایک مسجد سے کیا دوسری مسجد منتقل کئے جا سکتے ہیں؟ جب کہ یہاں ضرورت سے زیادہ ہوں، اور دوسری مسجد میں ضرورت ہو۔

(حیدر اعظمی، ناپلی)

جواب:- اگر ایک مسجد پر قرآن مجید کے پارے وقف کئے جائیں تو جتنے پاروں کی وہاں ضرورت ہو، اتنے تو اس مسجد میں رہنے چاہئیں، اور جو پارے زائد از ضرورت ہوں، ان کو

عام مسلمانوں کے استفادہ کے لئے دوسری مساجد میں منتقل کیا جا سکتا ہے، علامہ حصکفیؒ اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

" ولایکون محصورا علی هذا المسجد و به عرف حکم نقل الاوقاف من محالها للانتفاع بها " (۱)

مسجد کے غیر ضروری سامانوں کی فروخت

سوال:- {1385} ایک پرانی مسجد شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کی جارہی ہے، مسجد کے فرش کے بڑے اور چھوٹے پتھر کافی تعداد میں موجود ہیں، کریم اور زاہد نے ان پتھروں کو خریدا، اور مکان و دوکان کی موڑی میں استعمال کیا ہے، اب ان کو اس بات پر بہت ملال ہے کہ کہیں انہوں نے غلطی تو نہیں کی؟ (محمد یعقوب میر، یادگیری)

جواب:- مسجد میں استعمال شدہ پتھر چونکہ مسجد کا حصہ رہ چکے ہیں، اس لئے ان کی بے احترامی مناسب نہیں، مسجد کی تعمیر کا ملبہ اور فاضل اشیاء کو دوسری مسجد ہی میں استعمال کرنا چاہئے، اس لئے مناسب ہے کہ آپ ان پتھروں کو نکال کر اور اچھی طرح صاف ستھرا کر کے کسی دوسری مسجد کو جسے ان اشیاء کی ضرورت ہو دے دیں، فقہاء کی ہدایات سے یہی معلوم ہوتا ہے،

" الفاضل من وقف المسجد هل یصرف الی الفقراء قیل : لا یصرف و انه صحیح " (۲)

---

(۱) الدر المختار علی هامش ردالمحتار:۶/۵۵۸۔
(۲) الفتاوی الهندیة :۲/۴۶۳۔محشی۔

مسجد کی اراضی ناٹک کے لئے دینا

سوال:- {1386} ہمارے گاؤں میں کالی مسجد کے نام سے ایک مسجد ہے، چند دن قبل ایک میلہ لگا تھا، مسجد کی دیوار سے بالکل متصل پنا لال کی ایک ناٹک لگی تھی، اس پروگرام کے لئے مسجد کے قریب مسجد ہی کی اراضی دی گئی تھی، اور مسجد کی دیواروں پر فحش تصویریں چسپاں کی گئی تھیں، کیا اس مقصد کے لئے مسجد کی اراضی دینا جائز ہے؟

(محمد عبدالشکور داوا، چنچل گوڑہ)

جواب:- ایسے مقاصد کے لئے کسی مسلمان کو اپنی ذاتی اراضی بھی دینا جائز نہیں، چہ جائیکہ مسجد کی اراضی؟ اس لئے یہ سخت گناہ ہے، اور مسجد کی اہانت میں داخل ہے، (۱) آئندہ ذمہ دار حضرات کو اس سے سخت احتیاط کرنی چاہئے۔

جنم بھومی کی تشہیر کے لئے مساجد کے مائک اور سائرن کا استعمال

سوال:- {1387} حکومت کے جنم بھومی پروگرام کی تشہیر کے لئے مسجد میں لگے ہوئے لاؤڈ اسپیکر اور سائرن کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ اور استعمال نہ کرنے والوں پر حکومت یا انتظامیہ کی جانب سے جبر کرنا شرع کے مطابق ہے یا مخالف؟

(عبدالمتین، سدی پیٹ)

جواب:- مسجد اللہ کی عبادت اور بندگی کے لئے ہے، غیر مسلموں ہی نہیں، مسلمانوں

---

(۱) یہ گناہ کے کاموں میں تعاون ہے اور گناہ کے کاموں میں تعاون کرنے سے قرآن مجید میں سخت ممانعت وارد ہوئی ہے: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم و العدوان﴾ (المائدۃ :۳) مرتب۔

کے لئے بھی عبادت کے سوا کسی اور مقصد کے لئے مسجدوں کا استعمال درست نہیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے مسجد میں گم شدہ چیز کے اعلان سے بھی منع فرمایا، بلکہ ارشاد فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ کوئی شخص مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے تو کہہ دو کہ اللہ تمہیں یہ چیز واپس نہ دلائے "لا ردها الله عليك "(۱) اسی طرح مسجد میں اشعار پڑھنے سے بھی منع فرمایا گیا، امام طحاوی نے نقل کیا کہ آپ ﷺ نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا (۲) اس لئے نہ صرف حکومت کا جنم بھوی وغیرہ کے لئے مسجد کو استعمال کرنا درست نہیں، بلکہ اگر مسلمان بھی اپنے کسی سماجی اور تہذیبی مقاصد کے لئے مساجد کا استعمال کریں تو یہ درست نہیں۔

دوسرے مسجدوں کی ہر چیز وقف کی ہوئی ہے، اور وقف کرنے والے کا منشا یہی ہوتا ہے کہ مائیک کا استعمال اذان، نماز اور دعوت وتذکیر کے لئے ہو، اور سائرن کا استعمال افطار اور سحر کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے ہو، اگر کسی اور مقصد کے لئے لاؤڈ اسپیکر اور سائرن کا استعمال کیا جائے، تو واقف کے منشا کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اس لئے یہ صورت قطعاً درست نہیں۔

حکومت یا حکومت کے انتظامیہ کی جانب سے ایسا کرنا نہایت نامناسب بات ہے اور مذہبی مقامات کے تقدس کو متاثر کرنے کے مترادف ہے، اس لئے صرف مسجد ہی نہیں دوسری اقوام کے مذہبی مقامات کو بھی حکومت کے انتظامی مقاصد کے لئے استعمال کرنا نامناسب بات ہے، اور یقیناً نچلی سطح کے انتظامی ارکان اپنی طرف سے ہی اس طرح کا عمل کرتے ہوں گے، اس لئے مناسب ہوگا کہ مسلمان سنجیدہ اور سمجھدار غیر مسلموں کو بھی اپنے ساتھ لے کر پر امن طریقہ پر ذمہ داروں سے گفتگو کریں اور ان کو اس سے باز رہنے پر آمادہ کریں، اگر ان کو صحیح طریقہ پر اپنا موقف سمجھایا جائے تو امید ہے کہ وہ اسے ضرور قبول کریں گے۔

---

(۱) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۶۰۔ محشی۔
(۲) رد المحتار: ۴۴۴/۲۔

مسجد کی زمین کی قیمت لینا

سوال:- {1388} تعمیر مسجد کے لیے جگہ کا مالک اس جگہ کی قیمت لے سکتا ہے یا نہیں؟ صاحب استطاعت اور مجبور کے لیے کیا حکم ہے؟ (سید اشرف الدین، کندا کرتی)

جواب:- مسجد کو زمین فروخت کی جاسکتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ میں مسجد نبوی تعمیر کرنی چاہی تو جس زمین کا انتخاب فرمایا، ان کے مالکان سے خواہش کی کہ مجھ سے یہ زمین فروخت کردو، وہ حضرات اس کی قیمت لینے کو تیار نہیں تھے، لیکن چوں کہ یتیم بچے تھے اس لیے آپ ﷺ نے باصرار انہیں قیمت عطا فرمائی، (۱) لہذا اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ اگر قیمت لیے بغیر مسجد کے لیے زمین دے دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں بہت اجر وثواب ہے، لیکن چوں کہ یہ واجب نہیں ہے، اس لیے اس پر مجبور کرنا درست نہیں۔

مساجد کی تعمیر

سوال:- {1389} آج کل دولت مند حضرات خوب مسجدیں تعمیر کر رہے ہیں، تا کہ فوراً بخشش ہوجائے، اگر اس پیسے کو دینی تعلیم کے عام کرنے اور ائمہ و موذنین کی خدمت کرنے میں صرف کریں تو کیا یہ زیادہ باعث اجر نہیں ہوگا؟

(محمد عبدالرشید، بشارت نگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے مسجد تعمیر کرنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور مسجد بنانے والوں کے لئے جنت میں گھر بنانے کا صریح وعدہ فرمایا ہے، (۲) اس لئے مسلمانوں کا

(۱) سنن ابن ماجة:۵۳، صحیح مسلم:۱/۲۰۰۔

(۲) "من بنی للہ مسجدا بنی اللہ له بیتا في الجنة" عن عثمان بن عفان ﷺ، (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۱۸۹، باب فضل بناء المساجد و الحث علیها) محشی۔

تعمیر مسجد کی طرف متوجہ ہونا فطری بات ہے، لیکن تعمیر مسجد میں غلو، ضرورت سے زیادہ اخراجات اور تعمیر میں ایک دوسرے سے تفاخر مکروہ ہے،(۱) یہ سمجھنا درست نہیں کہ فی زمانہ تعمیر مسجد کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ آج بھی ہزاروں دیہات میں جہاں کوئی مسجد نہیں اور مسجد نہ ہونے کی وجہ سے وہاں مسلمان ارتداد کا شکار ہو رہے ہیں، اس لئے جو لوگ تعمیر مسجد کا جذبہ رکھتے ہوں ان کو چاہئے کہ صرف شہر کے پر رونق محلوں کے بجائے دیہات کے دور افتادہ علاقوں پر توجہ دیں اور وہاں ضرورت کے مطابق سادی مسجد تعمیر کریں، تاکہ کم پیسوں میں زیادہ سے زیادہ مسجدیں تعمیر ہوسکیں۔ رہ گئی دینی تعلیم اور ائمہ ومؤذنین کی تنخواہوں پر توجہ، تو یہ بھی نہایت ضروری ہے، اور اس میں بھی کچھ کم ثواب نہیں، اس لئے مسلمان اہل ثروت کو ضرور اس جانب بھی توجہ دینی چاہئے۔

پرانی مسجد توڑ کر جدید تعمیر

سوال:- {1390} کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہماری بستی کی قدیم جامع مسجد کا اکثر حصہ شہید کر کے اس کی جگہ جدید تعمیر ہو چکی ہے، سامنے کا قدیم حصہ کچھ اب تک باقی ہے، جس کے بارے میں مسجد کے موجودہ ٹرسٹی کا کہنا ہے کہ ''اس کے شہید کرنے کا ٹرسٹی کو شرعاً کوئی حق نہیں''۔ اس بقیہ حصہ کی وجہ سے مسجد کا اگلا کام بھی رکا ہوا ہے، اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ بقیہ قدیم خستہ حال حصہ کو تعمیر جدید

---

(۱) " قال رسول الله ﷺ : لا تقوم الساعة حتى يتباهى الناس في المساجد " عن أنس بن مالك ﷺ ، (الفتح الرباني :۳/ ۶۷، حدیث نمبر:۳۴۵، أبواب المساجد)

" فيها كراهة التفاخر و المباهاة ببناء المساجد و تشييدها و زخرفتها " (حوالہ سابق) محشی۔

کے خاطر شہید کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(حاجی عباس، حاجی علی کونڈ وپھر)

جواب:- مسجد کے پرانے ہونے کی وجہ سے اس کی تعمیر نو کی ضرورت ہو یا توسیع کے لئے پرانے حصہ کو شہید کرنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں، سیدنا حضرت عمر ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کے لئے (۱) اور حضرت عثمان غنی ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کی توسیع اور از سر نو تعمیر کے لئے قدیم مسجد کو شہید کیا ہے، (۲) حالانکہ یہ مسجد رسول اللہ ﷺ کی تعمیر کی ہوئی تھی، اسی طرح مسجد حرام اور مسجد اقصی کی عمارتوں کی تجدید و توسیع سلف صالحین کے عہد سے ہوتی رہی ہے، (۳) اور ایسے مواقع پر قدیم عمارت شہید کر دی جاتی تھی، اس لئے مذکورہ مسجد کا جو قدیم حصہ بچا ہوا ہے اس کو شہید کر کے نئی تعمیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ کوشش کی جائے کہ قدیم عمارت کا ملبہ اس تعمیر جدید یا کسی اور مسجد کی تعمیر میں صرف کر دیا جائے تا کہ اشیاء مسجد کے احترام کی پوری رعایت ہو سکے۔ واللہ اعلم۔

مسجد کی رقم

سوال:- {1391} مسجد کے ایک کام کے لئے لوگوں سے چندہ وصول کیا گیا اور دوسرے کام میں وہ رقم خرچ کی جارہی ہے، جب کہ وہ دوسرا کام بھی خود مسجد کا ہے، تو کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟

(عبدالسلام ضعیف، وجے نگر کالونی، حیدر آباد)

جواب:- مسجد کے جس کام کے لئے رقم وصول کی گئی تھی، اگر اس ضرورت کی تکمیل

---

(۱) تاریخ مکہ: ۲/۵۰ھ۔ محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد۔ حدیث نمبر: ۴۵۱۔ محشی۔

(۳) أخبار مدینة الرسول ﷺ بحوالہ تاریخ المسجد النبوی، ص: ۹۸-۹۶۔ محشی۔

ہو چکی ہو، لیکن اس کے باوجود کچھ رقم بچ رہی ہے، نیز مستقبل میں اس مد میں رقم کی ضرورت کا امکان بھی نہ ہو، تو اس کو مسجد ہی کے دوسرے کاموں میں خرچ کیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں، کیونکہ وقف کا اصول یہی ہے کہ چیزوں کو اسی مد میں خرچ کیا جائے جس کی نیت وقف کرنے والے نے کی ہے۔ واللہ اعلم

ہراج کی رقم سے مسجد کی تعمیر

سوال:- {1392} کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

تاجران چرم کی ایک جماعت جو کہ چوراستہ اسکن کارپوریشن کے نام سے کام کر رہی ہے، ایک بڑا گودام کرایہ پر حاصل کر کے اضلاع و اطراف بلدیہ کے چھوٹے بیوپاریوں (مسلم غیر مسلم) کا مال فروختگی کی سہولت دیتے ہوئے بیوپاریوں کو دیگر سہولیات جیسے پانی، لائٹ، بیت الخلاء وغیرہ کی سہولت دیتی ہے، اور ان کے مالوں کی فروختگی کے بعد صرف خریداروں- جو کہ تمام ہی مسلم ہیں- مقررہ معاوضہ وصول کرتی ہے، اس مقررہ معاوضہ کی وصولی کی باقاعدگی کے لیے اس کا ماہانہ ٹھیکہ ہراج کیا جاتا ہے، اور اس آمدنی سے فلاحی امور جیسے غریب و یتیم لڑکیوں کی شادی بیاہ میں مالی تعاون، غریب بے سہارا مریضوں کی مالی امداد، فری ختنہ کیمپ، نیز بیواؤں کو فنڈس دیئے جاتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جمع شدہ رقم کو تعمیر و توسیع مسجد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (عہدیداران تعمیری کمیٹی، جامع مسجد، مشیر آباد)

جواب:- ہراج کی یہ صورت کہ ہراج وصول کرنے والا بیوپاریوں سے پیسے وصول کر لے اور کمیٹی اس سے ایک مقررہ پیسے حاصل کرلے، آگے وصولی میں جو کمی بیشی ہو وہ ہراج وصول کرنے والے کا نفع یا نقصان ہوگا، درست نہیں، بلکہ یہ سود ہے یا کم سے کم اس میں سود کا شبہ ہے، لہٰذا صحیح صورت یہ ہے کہ مکان کے کرایہ کے لیے ہراج کیا جائے، اور جس کی بولی زیادہ ہو اسے کرایہ پر دیا جائے، پھر وہ ہراج پر حاصل کرنے والا کرایہ دار اس جگہ مال خرید کرنے والے خریداروں سے اپنی جگہ کے استعمال کی اجرت وصول کرلے، اس تھوڑی سی تبدیلی سے یہ صورت جائز ہو جائے گی، پھر کمیٹی کو اس سے جو آمدنی ہو، اس کے لیے اس آمدنی کو مسجد کے لیے دینا اور اسے مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جانا درست ہے۔

سود سے مسجد کی تعمیر

سوال:- {1393} ایک صاحب نے ایک کثیر رقم جو ڈپازٹ بینک میں کی گئی تھی، مقررہ وقت کے ختم پر مع سود حاصل کرکے مسجد کی تعمیر کے لئے دیدی، چنانچہ اس مسجد کو دومنزلہ بنادیا گیا اور دو کمرے تعمیر کئے گئے تاکہ ان کمروں کے کرایہ جات سے مسجد کے اخراجات کی پابجائی ہو، کیا یہ عمل درست ہے؟ اور کیا اس مسجد میں نماز ادا کی جاسکتی ہے؟

(سید زین العابدین، مغل پورہ)

جواب:- فکس ڈپازٹ میں جو زائد رقم حاصل ہوتی ہے وہ سود ہے اور اس کا استعمال حرام ہے، اس لئے مسجد جیسی مبارک جگہ کے لئے ایسی رقم کا استعمال سخت گناہ ہے، مسجد میں تو نہایت پاکیزہ اور حلال مال لگانا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مال خبیث کو قبول نہیں کرتے، فقہاء نے بھی مسجد میں مال حرام کے استعمال کرنے کو منع کیا ہے۔ (۱) اب بہتر صورت یہ ہے کہ جتنی رقم

---

(۱) رد المحتار: ۲/۴۳۱۔

سود کی مسجد میں استعمال ہوئی ہے عام مسلمانوں سے تعاون حاصل کر کے اتنی رقم آہستہ آہستہ غرباء پر خرچ کردی جائے، تاکہ مسجد میں لگی ہوئی پوری رقم پاک اور حلال قرار پائے۔

لیکن چونکہ مسجد پہلے سے موجود تھی، اور مال حرام کی مال حلال کے ساتھ آمیزش ہوئی ہے، اس لئے یہ مسجد شرعی ہی ہے، اور اس کے احکام وہی ہیں جو مسجد کے ہیں، اس میں نماز ادا کرنا درست ہے، البتہ حکمت کے ساتھ ذمہ داروں کو سمجھانا چاہئے کہ وہ مال حرام سے مسجد کو ملوث کرنے کی اس غلطی کی تلافی کریں اور آئندہ اس سے اجتناب برتیں۔

نیچے دکانیں اور اوپر مسجد

سوال:- {1396} ''گراؤنڈ فلور'' پر ایک صاحب کی ذاتی دکانیں ہیں، پہلے فلور پر عوام کے چندہ سے مسجد بنائی گئی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اس کا حکم مسجد کا ہوگا؟ کیا اس مسجد میں نماز جمعہ ہوسکتی ہے؟ اور کیا گراؤنڈ فلور پر واقع دکانوں کو خرید کر مسجد کی ملکیت میں لینا ضروری ہے؟　　(علی حسن، ناندیڑ)

جواب:- جس منزل پر مسجد بنائی گئی ہے، اگر اس کو مسجد کی نیت سے بنایا گیا تھا اور اس کا مستقل راستہ ہے تو اب وہ مسجدِ شرعی ہے اور اس کے لئے وہی احکام ہیں جو احکام مسجد شرعی سے متعلق ہوتے ہیں۔

"لو جعل وسط داره مسجدا أو أذن للصلوة فيه حيث لا يكون مسجدا إلا إذا شرط الطريق" (۱)

اس کے مسجد ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ''گراؤنڈ فلور'' کی دکانیں خرید کر مسجد میں

(۱)　الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۵۴۷۔

شامل کردی جائیں، اس عمارت میں نمازِ جمعہ پڑھی جاسکتی ہیں، کیونکہ اول تو یہ مسجد کے حکم میں ہے، دوسرے جمعہ کے ہونے کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں۔

نیچے مکان اور اوپر مسجد

سوال:- {1395} ہمارے محلہ کی مسجد کی تعمیر ہوئی ہے، جس میں نیچے امام صاحب کے لئے رہائشی مکان بنایا گیا ہے اور اوپری حصہ میں مسجد کی تعمیر ہوئی ہے، جس میں لوگ نماز ادا کرتے ہیں، تو کیا اس مکان میں امام صاحب اپنی فیملی کے ساتھ رہ سکتے ہیں؟ (محمد خاں ...... آرمور)

جواب:- اگر پہلے اس جگہ مسجد نہ رہی ہو، بلکہ پہلی بار تعمیر کی جارہی ہو اور ابتداءً تعمیر ہی میں نیچے رہائشی مکان بنادیا گیا ہو اور اوپر مسجد، تو یہ صورت درست ہے اور اوپر مسجد اور نیچے رہائشی مکان ہوسکتا ہے، اگر پہلے اس جگہ مسجد تھی اور تعمیر جدید میں نیچے رہائش گاہ اور اوپر مسجد بنادی گئی تو یہ جائز نہیں، کیونکہ جب ایک دفعہ مسجد بن گئی تو اب اس کو کسی اور مصرف میں نہیں لیا جاسکتا۔(۱)

صحن مسجد میں درسگاہ وغیرہ

سوال:- {1396} ایک مسجد ہے جو تقریباً دو سو سال پرانی ہے اب اس مسجد کی تعمیر کا از سرِ نو منصوبہ بنایا گیا، آرکٹک صاحب نے جو نقشہ بنایا ہے اس میں انہوں نے موجودہ احاطۂ مسجد کو جو کہ شروع ہی سے نماز کے لئے مختص ہے اس کے کچھ حصہ کو جہاں پہلے محراب و منبر تھا برآمدہ کے لئے چھوڑ دیا ہے اور اس حصہ کو جو موجودہ مسجد کا درمیانی حصہ ہے درسگاہ کے

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار :۶/۵۴۸۔

لئے اور اس کے نصف حصہ کو وضو خانہ اور جوتا و چپل اتارنے کے لئے جگہ چھوڑ رکھا ہے اور ہر دو جانب یعنی شمالا و جنوبا ملکیوں کی بھی گنجائش رکھی ہے، اس طرح جملہ وہ حصہ جو نماز کے لئے استعمال ہوتا تھا، وہ نماز کے بجائے مندرجہ بالا ضروریات کے لئے استعمال ہوگا، اور اس کی اوپری منزل کو مسجد کے طور پر استعمال کیا جائے گا آیا شرعا ایسا کرنا درست ہے؟ (معتمد مجلس انتظامی کمیٹی مغلپورہ، مسجد حافظ ڈنکا)

جواب:- اگر ابتداء ہی میں زمین کی نچلی سطح پر طہارت خانہ وغیرہ بنائے جائیں اور اوپر منزل کو مسجد کے طور پر استعمال کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، شامی میں ہے:

"وأما إذا جعل تحته سردا بالمصالحه أي المسجد جاز كمسجد القدس" (۱)

لیکن اگر ابتداء میں زمین کی ابتدائی سطح کو مسجد بنا دیا گیا تو اب اس کو کسی دوسرے مقصد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لہذا جو حصہ ابھی مسجد ہے اس حصہ پر طہارت خانہ یا ملکیوں کی تعمیر درست نہیں ہے، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن چکی ہے۔ (۲)

مسجد کو مکتب بنانا

سوال:- {1397} ایک گاؤں میں مسجد کے نام پر لوگوں نے ضرورت سے زیادہ بڑا کچا مکان بنالیا، جس میں نماز اور بچوں کی تعلیم ہوتی ہے، اب گاؤں والے چاہتے ہیں کہ

---

(۱) الدر المختار: ۳/۳۷۰۔

(۲) "لو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر لأنه من مصالح المسجد إما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء مُنع" (الدر المختار على هامش شامي: ۳/۱۷۱)۔

آدھا حصہ کو مسجد اور آدھا حصہ کو مکتب بنالیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ (محمد یعقوب خان، کاغذ نگر)

جواب:- اگر یہ پورا مکان ابتداء مسجد کی نیت سے بنایا گیا اور اس عنوان سے وقف کیا گیا، تو اب یہ پوری عمارت شرعاً مسجد ہے، اب اس کے آدھے حصہ کو مسجد اور آدھے حصہ کو مکتب نہیں بنایا جاسکتا ہے، البتہ مسجد ہی میں تعلیم دینے کی گنجائش ہے۔

"فلهم أن يجعل المسجدين واحدا لإقامة الجماعة أما للتذكير والتدريس فلا ،وإن جاز فيه" (۱)

احاطہ مسجد میں دکانیں

سوال:- {1398} ماہ رمضان المبارک میں لوگ احاطہ مسجد میں حلیم و ہریس، دہی، بڑوں، ٹوپیوں، کیلنڈروں اور تسبیح وعطر وغیرہ کی دوکانات لگاتے ہیں، مساجد کی انتظامی کمیٹیاں ان دوکان والوں سے مساجد کی تعمیر و داغ دوزی وغیرہ کے لئے سینکڑوں اور ہزاروں روپئے بھی وصول کر رہے ہیں، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کہیں مستقبل قریب میں مساجد بازاروں میں تبدیل تو نہیں ہوجائیں گی؟

(ایم، ایس، خان، جدید ملک پیٹ)

جواب:- مساجد میں اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ اس کے گرد و پیش اور قریب میں ایسی دوکانیں نہ لگائی جائیں جن سے نماز کے اوقات میں شور وشغب ہو، اور نمازیوں کو خلل واقع ہو، مسجدیں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کے لئے ہیں، اور اس کا تقاضہ ہے کہ نمازیوں کو زیادہ سے زیادہ یکسوئی میسر آئے، تاہم یہ احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے اگر مسجد کے وسیع احاطہ میں نماز

(۱) الفتاوی الهندية: ۳۲۰/۵۔

کے لئے مخصوص جگہ کو چھوڑ کر دکانات کے لئے کرایہ پر دی جائے، اور اس سے کچھ آمدنی ہو جائے، جس سے مصالح مسجد کی تکمیل ہو اور مسجد کی ضروریات پوری کرنے میں آسانی ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں، ہاں جو حصہ نماز کے لئے مخصوص ہے، اس حصہ میں دوکان لگانا اور خرید و فروخت کرنا قطعا درست نہیں، احترام مسجد کے خلاف ہے۔(۱)

شخصی نام پر مسجد کا نام رکھنا

سوال:- {1399} ایک صاحب نے جو زمین کی پلاٹنگ کرتے ہیں، مسلمان خریداروں کے اصرار پر ایک عدد پلاٹ مسجد کے لئے وقف کیا ہے، وہ بنیاد کا کام مکمل کر کے ذمہ داری محلہ والوں کے حوالہ کر کے الگ ہو گئے، ان صاحب نے مسجد کا نام اپنے والد مرحوم کے نام سے رکھا، حالانکہ مرحوم کا نماز سے کوسوں دور تک واسطہ نہیں تھا، صرف جمعہ، عیدین اور جنازہ کی نماز پڑھتے تھے، مرحوم اپنے فرزند کے لئے بھی ورثہ میں یہی عمل چھوڑ گئے ہیں، کیا مسجد کا نام کسی شخص کے نام سے رکھنا اور ایسے شخص کے نام سے رکھنا جائز ہے؟

(ولید بن حبیب، شریوردھن، مہاراشٹر)

جواب:- کسی شخص یا قبیلہ یا خاندان کے نام سے مسجد کا نام رکھنا جائز ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "ثنية الوداع" نامی مقام سے "مسجد بنی زریق" تک گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کرایا تھا، اس سے مشہور محدث امام بخاریؒ نے ثابت کیا ہے کہ مسجد کو کسی قبیلہ و خاندان سے موسوم کرنا درست ہے(۱) نام محض تعارف اور شناخت کے لئے ہے، یہ

---

(۱) رد المحتار :۲/۴۳۶۔ محشی۔

(۲) صحیح البخاری:۱/۵۹، باب هل يقال مسجد بني فلان۔

ضروری نہیں کہ جس کے نام سے موسوم کیا جائے وہ بہت متقی اور پرہیزگار بھی ہو اور کسی بھی مسلمان کے بارے میں یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کے گناہوں کو معاف فرمادے، لہذا اگر تعمیر مسجد میں حصہ لینے والے دوسرے لوگوں کو اس نام پر اعتراض نہ ہو تو اس طرح کا نام رکھنے کی گنجائش ہے، گو بہتر ہے کہ کسی صحابی یا سلف میں سے کسی مشہور شخصیت پر نام رکھا جائے، کیونکہ اس کو تمام لوگ بہ طیب خاطر قبول کریں گے اور شاید اس پر کسی کو اعتراض نہ ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مسجد کا نام

سوال:- {1400} ایک سرکاری محکمہ کے ملازمین نے مسجد تعمیر کی ہے، جس میں نماز جمعہ اور دوسری نمازیں ادا کی جارہی ہے، اب تک اس مسجد کا کوئی نام تجویز نہیں کیا گیا ہے، صرف مسجد برقی بورڈ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اب اراکین مجلس منتظم کی رائے ہے کہ اس مسجد کو کسی نام سے معنون کیا جائے، مختلف نام سامنے آئے ہیں، اب صرف ایک رائے ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے موسوم کیا جائے، جو عظیم المرتبہ صحابی ہی نہیں، بلکہ وحی الٰہی کے کاتب بھی ہیں اور کئی فضیلتوں کے مالک بھی، تو کیا اس مسجد کو اس نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے؟　　(یکے از مجلسِ منتظمہ مسجد ہذا)

جواب:- مساجد کو صالحین کے نام سے موسوم کرنا درست ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ثنية الوداع'' نامی مقام اور ''مسجد بنو زریق'' کے درمیان گھوڑ دوڑ کروائی (۱) اس حدیث میں مسجد کو قبیلہ بنو زریق سے منسوب

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۴۲۰، باب : هل يقال : مسجد بني فلان۔ محشی۔

کیا گیا ہے، اس سے محدثین نے ثابت کیا ہے کہ کسی شخصیت یا کسی قوم کی طرف مسجد کی نسبت کرنا درست ہے: " وفيه جواز اضافة المسجد إلى قوم مخصوصين " (۱)

اس لئے بجائے اس کے کہ مسجد برقی بورڈ کے نام سے منسوب ہو بہتر ہے کہ اسے صحابہ اور صالحین کے نام سے موسوم کیا جائے، اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ کسی درجہ میں ان بزرگوں کے نام اور حالات سے واقف ہو جاتے ہیں، حضرت معاویہ ﷛ جلیل القدر صحابہ میں ہیں، ایک تو صحابیت کا شرف ہی کیا کم ہے، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار بھی ہیں، کاتبین وحی میں ہیں، آپ ﷺ نے ان کے لئے ہدایت ومغفرت کی دعا فرمائی ہے، علم کی دعا کی ہے اور ان کے حق میں کلمات خیر ارشاد فرمائے ہیں ۔ (۲) بدقسمتی سے بعض تاریخی روایتوں اور پروپیگنڈوں کی بنیاد پر اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی حضرت معاویہ ﷛ کے بارے میں یا تو واقف نہیں ہیں یا بدگمان ہیں، حالانکہ بے شمار فتوحات آپ ﷛ ہی کے ذریعہ مسلمانوں کو میسر آئیں، اس لئے ان کے نام سے مسجد کا نام رکھنا مناسب ہوگا اور اس طرح ایک مظلوم صحابی رسول کی عظمت لوگوں کے قلوب میں پیدا ہوگی۔

کسی بزرگ کی طرف منسوب کر کے مسجد کا نام رکھنا

سوال:- {1401} مسجد جو اللہ کا گھر ہے، کسی بڑے عالم یا ولی کی طرف نسبت کر کے اس کا نام رکھا جا سکتا ہے؟ مثلاً: حاجی علی مسجد یا مسجدِ غوث اعظم دستگیر وغیرہ نام رکھنا۔

(محمد نصیر عالم، جالے، دربھنگہ)

جواب:- شناخت کے لئے مسجد کا نام کسی صحابی یا بزرگ کی طرف منسوب کر کے رکھا

(۱) و في فتح الباري هكذا : " و يستفاد منه جواز إضافة المساجد إلى بانيها أو المصلي فيها " (فتح الباري شرح صحيح البخاري:۱/۶۷۸) محشی۔

(۲) دیکھئے: مجمع الزوائد،۹/۵۸-۳۵۴،باب ما جاء في معاويه بن ابي سفيان۔

جا سکتا ہے، عہد رسالت میں مدینہ کے گرد ونواح کی مسجدیں بعض نبیوں کی طرف منسوب کرکے موسوم تھیں، مصر وشام وغیرہ میں بھی صحابہ ؓ کے نام سے منسوب مسجدوں کا ذکر ملتا ہے جس پر سلف نے کوئی نکیر نہیں کی ہے۔ (۱) البتہ یاد رہے کہ اس طرح کے ناموں سے مسجدوں کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوجاتا، اور نہ اس میں نماز پڑھنا کچھ زیادہ باعث اجر ہے، بلکہ وہ عام مسجدوں ہی کی طرح رہتی ہے، نیز غوث اعظم دستگیر کا لفظ مناسب نہیں ہے، دستگیر کا لفظ اللہ ہی کے لئے مناسب ہے، بہتر ہے کہ آپ ''مسجدِ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی'' نام رکھیں۔

خواتین کے نام سے مسجدوں کے نام

سوال:- {1402} خواتین کے نام سے مساجد کا نام رکھنا کیسا ہے؟ کیونکہ شہر میں کئی مساجد خواتین کے نام سے موسوم ہیں؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الادلہ)

جواب:- خواتین کے نام سے بھی مسجدوں کے نام رکھے جاسکتے ہیں، ممانعت کی کوئی وجہ نہیں، اور خواتین کے نام سے منسوب کرنے میں بظاہر فتنہ کا کوئی اندیشہ نہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض مسجدیں قبائل کے نام سے موسوم تھیں، (۲) اس سے معلوم ہوا کہ بطور شناخت

---

(۱) امام بخاری نے تو اس پر ایک مستقل باب قائم کرکے ثابت کیا ہے کہ مسجدوں کا کسی کی طرف منسوب کرکے نام رکھنے میں کوئی قباحت وبرائی نہیں: ''باب هل يقال مسجد بني فلان'' صحیح البخاری: ۵۹/۱۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس باب کے تحت لکھتے ہیں: ''إنما اهتم المصنف بإثبات ذلك : لأن مون المساجد مملوكة لله غير مملوكة لأحد يوهم أن لا يجوز اضافتها إلى أحد فلدفع الوهم اثبت أنه يجوزا لاضافة لعلاقة ما من البناء أو التولية أو القرب مثلا۔'' (شرح تراجم ابواب البخاری: ص:۲۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

(۲) صحيح البخاري :۵۹/۱۔ محشی۔

اور پہچان کے افراد اور اشخاص اور خاندان وغیرہ کے نام سے بھی مسجد کے نام رکھے جاسکتے ہیں، اور شناخت کا مقصد مردوں کے نام کی نسبت سے بھی پورا ہوسکتا ہے، اور عورتوں کے نام سے بھی۔

مسجد کے بالائی حصہ میں فیملی روم

سوال:- {1403} اگر مسجد کے نچلے حصے میں جگہ نہ ہو، تو کیا مسجد کے بالائی حصہ میں امام کی رہائش کے لئے فیملی روم بناسکتے ہیں؟　　(معروف احمد، کوکٹ پلی)

جواب:- مسجد کا وہ حصہ جو نماز ادا کرنے کے لئے ہے اس کا احترام زمین کی سطح سے فضا تک واجب ہے، (۱) اگر اسی حصہ میں امام کا فیملی کوارٹر بنایا جائے تو ظاہر ہے کہ احترام مسجد کو برقرار رکھنا ممکن نہ ہوگا، اس لئے اس حصہ میں بالائی منزل پر امام کے لئے فیملی کوارٹر بنانا درست نہیں، ہاں! مسجد کا وہ حصہ جو نماز کے بجائے دوسری ضروریات کے لئے ہے، جیسے بیت الخلاء، حمامات، درسگاہ، مہمان خانہ وغیرہ، ان کا احترام چونکہ مسجد کی طرح واجب نہیں، اس لئے ایسی عمارتوں کی بالائی منزل پر امام کے لئے فیملی کوارٹر تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ (۲)

مسجد میں ورزش خانہ

سوال:- {1404} ہماری مسجد میں ورزش خانہ ہے، جس میں نماز کے اوقات میں چند نادان اور جاہل افراد آکر ورزش کرتے ہیں، اور وہ نماز نہیں پڑھتے، کیا یہ شرعاً درست ہے؟　　(شیخ عبداللہ، باکارم)

جواب:- اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ ورزش کے لئے مخصوص طور پر بنائی گئی ہو اور

---

(۱) " لأنه مسجد إلى عنان السماء " (رد المحتار :۲/ ۴۲۸) محشی۔
(۲) رد المحتار :۲/ ۴۳۰۔ محشی۔

ورزش کرنے کی وجہ سے نمازیوں کو خلل نہ ہوتا ہو، تو مسجد کے ساتھ ایسے ورزش خانے بنانے میں کوئی حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد کے قریب نماز جنازہ کے لئے الگ جگہ مقرر تھی، (۱) اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے گفتگو کرنے والوں کے لئے کوئی مخصوص جگہ بنا دی تھی، (۲) ورزش بھی، اگر جسمانی صحت کے نقطۂ نظر سے کی جائے اور ستر کی رعایت ملحوظ رکھی جائے تو بری بات نہیں، بلکہ مستحب اور بہتر ہے لیکن مسجد کا وہ حصہ جو نماز ادا کرنے کے لئے ہے، اس میں ورزش کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ یہ احترامِ مسجد کے منافی ہے، کیونکہ مسجد میں تو گمشدہ چیز کا اعلان کرنا غیر اسلامی اشعار پڑھنا، (۳) بے ضرورت آواز بلند کرنا، (۴) کھانا، (۵) خرید و فروخت کرنا اور بلا ضرورت مباح دنیوی گفتگو کرنا بھی مکروہ ہے، (۶) تو ظاہر ہے کہ یہی حکم ورزش کرنے کا بھی ہوگا، کیونکہ ورزش بھی عبادت مقصودہ نہیں، جیسا کہ نماز، اور تلاوت وغیرہ ہیں۔

ورزش میں آنے والوں کا نماز نہ پڑھنا حد درجہ بد بختانہ بات ہے، انہیں محبت کے ساتھ سمجھانا چاہئے، اور اگر ذمہ داران مسجد یہ اصول مقرر کر دیں کہ جو لوگ نماز ادا کریں گے انہیں کو اس ورزش خانہ سے استفادہ کا حق ہے، تو یہ بھی درست ہے، کہ یہ بھی منکر سے روکنے کا ایک موثر طریقہ ہے۔

اجرت لے کر مسجد میں دینی تعلیم

سوال:- {1405} آج کل مسجدوں میں صباحی اور

---

(۱) فتح الباری:۳/۲۵۶، کتاب الجنائز ۔ محشی۔
(۲) دیکھئے: ردالمحتار :۲/۳۹-۴۳۳۔
(۳) رد المحتار :۱/۴۴۴۔ محشی۔
(۴) الدر المختار مع رد المحتار :۱/۴۴۴۔ محشی۔
(۵) خلاصۃ الفتاوی :۱/۲۲۹۔ محشی۔
(۶) حیاۃ المسلمین: ص:۱۳۶۔ محشی۔

مسائی تعلیم کا نظم ہے، مدرسین کو اس تعلیم کے عوض معمولی سا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے، بعض مسجدوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی اور فنڈ نہ ہونے کی وجہ سے طلبہ سے کچھ تعلیمی فیس وصول کی جاتی ہے، تاکہ مدرس کی اجرت ادا کی جاسکے، شرعاً یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (احتشام الحق قاسمی)

جواب:- صباحی اور مسائی تعلیم کا نظم نہایت ضروری اور اہم ہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ توسیع کی ضرورت ہے، کیونکہ ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کے ایمان کی حفاظت اسکے بغیر ممکن نہیں، صباحی اور مسائی تعلیم کیلئے الگ عمارت کی تعمیر دشوار ہے، بلکہ دشوار تر ہے، اس لئے مسجد میں تعلیم دینے کے سوا چارہ نہیں، لہذا ضرورتاً مساجد میں دینی تعلیم کا انتظام، مدرسین کو اجرت ادا کرنا اور طلبہ سے تعلیمی فیس لینا درست ہے، جیسا کہ امامت اور اذان کی اجرت کی فقہاء نے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر اجازت دی، حالانکہ اذان اور نماز عبادت ہے اور مسجد ہی سے متعلق ہے، اصولی طور پر اجرت لے کر مسجد میں تعلیم دینے کو گو منع کیا گیا ہے، لیکن خود فقہاء کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے کہ ضرورتاً جیسے گرمی وغیرہ کی وجہ سے مساجد میں بھی اجرت لے کر تعلیم دی جاسکتی ہے، گرمی اور سردی تو معمولی عذر ہے، اس وقت مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں، وہ زیادہ بڑی مجبوری ہے کہ آنے والی نسلوں کے ایمان و دین کا مسئلہ ہے، چنانچہ عبدالرشید طاہر البخاری حنفی لکھتے ہیں:

"أما المعلم الذی یعلم الصبیان بأجر اذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر وغیره لا یکره" (۱)

''بچوں کو اجرت لے کر تعلیم دینے والا معلم جب گرمی یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے تو مکروہ نہیں''

---

(۱) خلاصة الفتاوی: ۱/۲۲۹، نیز دیکھئے: الفتاوی الهندیة: ۱/۱۱۰۔

مسجد کی ملگی میں پٹاخے اور گانے

سوال:- {1406} مسجد ..... کی ملگی میں ہر سال پٹاخوں کی دوکان لگائی جاتی ہے، اور ٹیپ ریکارڈ پر گانے بھی بجائے جاتے ہیں، میں نے کئی بار انہیں اس کام سے روکا، پھر بھی وہ پٹاخوں کا کاروبار کرتے ہیں، اور مسجد کی ملگی میں ٹیپ بھی بجاتے ہیں، کیا مسجد کے صدر یا معتمد صاحب انہیں اس کاروبار سے روک سکتے ہیں؟ (سید شاہ نواز ہاشمی، فرسٹ لانسر)

جواب:- جیسے گناہ کا ارتکاب ممنوع اور نا جائز ہے، اسی طرح گناہ کے کام میں تعاون بھی نا جائز ہے، (۱) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ شراب بیچنے والے شخص کو مکان کرایہ پر دینا کہ وہ اس میں شراب فروخت کرے جائز نہیں، (۲) دیوالی اور کسی تہوار کے موقعہ سے پٹاخے چھوڑنا بھی اسراف اور دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، اس لئے اس مقصد کے تحت اپنی ملگی بھی کرایہ پر دینا مناسب نہیں، چہ جائے کہ مسجد کی ملگی، لہذا ایسے لوگوں کو مسجد کی ملگی کرایہ پر نہیں دینی چاہئے، نیز ان ملگیوں میں گانے کے ریکارڈ لگانا بھی سخت مذموم ہے کہ ایک تو گانا خود ہی گناہ، اور ساتھ ہی ساتھ اس میں مسجد کی بے حرمتی کا پہلو بھی موجود ہے، اس لئے مسجد کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ کرایہ داروں کو ان چیزوں سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔

---

(۱) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعاون علی المعصیت کو منع فرمایا ہے: ﴿و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان﴾ (المائدۃ :۳) مرتب۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار :۹/۵۶۳۔

مسجد کی زمین پر بینک کی تعمیر

سوال:- {1407} ایک زمین ہے جو مسجد کی ملکیت میں ہے اور اس زمین پر حکومت کی جانب سے بینک بنوایا جارہا ہے، جس پر سود کا پیسہ خرچ ہوگا، تخمینہ دس لاکھ کا ہے، عمارت کے مکمل ہونے کے بعد کرایہ کے طور پر ماہانہ ۱۵۰۰/ روپے مقرر ہے، لیکن ۸۰۰/ روپے ادا کئے جائیں گے، باقی قرض کے اندر وضع ہوں گے، ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ عمارت مسجد کی ہوجائے گی، جو سود کے پیسہ سے بنی تھی، کیا شرع شریف میں اس طرح کا فعل جائز ہے؟

(مہر عالم، جالے، دربھنگہ)

جواب:- مسجد کے اوقاف کو مسجد کے مصالح کے لئے صرف ان امور میں استعمال کیا جاسکتا ہے جو جائز اور درست ہوں، ناجائز امور میں استعمال نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ ایسی جائداد کا اصل مقصود اور مصرف خود ضروریات مسجد ہیں، اور مسجد میں ناجائز ذریعہ سے حاصل کیا گیا مال لگانا قطعاً جائز نہیں۔(۱) اب اس زمین پر بینک کی عمارت بنوانا گویا سود کے ایک عظیم ادارہ کا تعاون ہوگا، اور اسی تعاون کے بدلہ میں مسجد کو یہ قیمت ملے گی اور رسول اللہ ﷺ نے سود کے کاروبار میں کسی بھی درجہ میں شریک ہونے والے پر لعنت فرمائی ہے۔(۲)

---

(۱) "إن الله طيب يحب الطيب" (الجامع الترمذی، حدیث نمبر:۲۷۹۹، باب ما جاء في النظافة)

(۲) "لعن الله آكل الربوا و موكله و شاهده وكاتبه" (الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۱۲۰۶، أبواب البيوع، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۳۳۳، باب آكل الربا و موكله، أبواب البيوع، سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۲۲۷۷، أبواب التجارات) محشی۔

اس لئے گو کہ یہ عمارت ضروری نہیں کہ سود کی بنی ہے، لیکن چونکہ اس کے مقابلہ میں ملنے والا عوض ایک ایسے معاملہ کے بدلہ میں ہوگا، جس سے سودی کاروبار کے ادارہ کو تقویت پہونچتی ہے، اس لئے یہ جائز نہ ہوگا۔

مساجد کی تعمیر میں گوبر کا استعمال

سوال:- {1408} کیا مساجد کی تعمیر میں ضرورتاً گوبر کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟ (محمد غوث الدین قدیر، کریم نگر)

جواب:- اگر کوئی دوسرا متبادل نہ ہو، تو ضرورتاً گوبر کا استعمال کیا جاسکتا ہے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

"یکره أن یطین المسجد بطین قد بل بماء نجس بخلاف السرقین إذا جعل فیه الطین" (۱)

بینک کے سود سے مسجد کا بیت الخلاء

سوال:- {1409} کیا بینک کے اضافہ (سود) سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا جائز ہے؟ (محمد شبیر احمد حقی، عنبر پیٹ)

جواب:- بیت الخلاء بھی ایک ضرورت ہے، بلکہ ایسی ضرورت ہے کہ جس سے صرفِ نظر ممکن نہیں، اور مسجد اور اس کی ضروریات میں جائز اور حلال پیسہ ہی خرچ کرنا چاہئے، (۲) اس لئے مسجد کا بیت الخلاء بھی سود کے پیسہ سے بنانا جائز نہیں۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۳۱۹/۵۔

(۲) کیوں کہ اللہ تعالیٰ مال خبیث کو قبول نہیں کرتے، فقہاء نے بھی مسجد میں مال حرام کے استعمال کرنے کو منع کیا ہے۔ (دیکھئے: رد المحتار: ۴۳۱/۲، مطلب مکروهات الصلاة) محشی۔

ایک خاتون کا مسجد کی خدمت کرنا

سوال:- {1410} میں جس مسجد میں مؤذن کی خدمت انجام دے رہا ہوں، اس مسجد میں ایک خاتون کا چپل سنبھالنے کے لئے کمیٹی نے مقرر کیا، اور وہ مسجد کی صفائی بھی کرتی ہے، اور پانی لانے کے لئے مسجد کے اندر بھی آ جاتی ہے۔

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- اگر عورت پاک ہو اور اس کے مسجد میں داخل ہونے میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ان کے مسجد کی خدمت کرنے اور مسجد میں داخل ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے، ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کے اعتکاف کے درمیان ملاقات کے لئے مسجد نبوی تشریف لے گئی تھیں۔ (۱) صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اس زمانہ میں فتنے کا اندیشہ نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں نماز بھی ادا کیا کرتی تھیں، بلکہ حدیث میں ایک حبشی خاتون کا بھی ذکر ملتا ہے، جو مسجد نبوی ﷺ میں جھاڑو دینے کی سعادت حاصل کرتی تھیں، (۲) اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں بظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

مقبوضہ زمین پر عیدگاہ کی تعمیر

سوال:- {1411} ہمارا مقام تعلقہ اور میونسپل ہے، دو قدیم مقامات قریب قریب ہیں، ان کو ملا کر ریلوے اسٹیشن پر نئی آبادی اور میونسپل قائم ہوئی اس مقام پر دو قدیم عیدگاہیں ہیں، جہاں زمانہ قدیم سے اس علاقہ کے تمام لوگ نماز عید ادا

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۴۷۰۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۴۵۸، باب کنس المسجد و التقاط الخرق و القذی و العیدان۔ محشی۔

کرتے ہیں، نئی آبادی کے قیام کو تقریباً پچاس سال کا عرصہ ہو چکا ہے، یہاں ایک جامع مسجد ہے، گروہ بندی کے باعث آبادی کے لوگ اسی مسجد میں نماز عید ادا کر رہے ہیں، اور بعض لوگوں کے کہنے پر قبرستان سے متصل میونسپل کی جگہ پر بلا اجازت عیدگاہ تعمیر کی جارہی ہے اور لوگوں سے اس کے لئے چندہ وصول کیا جارہا ہے، تو کیا اس طرح عیدگاہ کی تعمیر درست ہے؟ اور اگر تعمیر کرائی گئی تو کیا اس میں عید کی نماز ادا ہو جائے گی؟　(ظفر خان، مدھول)

جواب:- عیدگاہ کا مقصد وسیع تر سطح پر مسلمانوں کی اجتماعیت کو بہ روئے کار لانا ہے، اس لئے اگر دونوں عیدگاہیں قریب قریب ہوں اور اس پوری آبادی کے لئے کفایت کرتی ہوں، تو بہتر ہے کہ نئی عیدگاہ تعمیر نہ کی جائے، کہ اس سے خواہ مخواہ مسلمانوں کی اجتماعیت متاثر ہوگی، عیدگاہ کے موجودہ ذمہ داروں کو چاہئے کہ اس نئی آبادی کے مسلمانوں کو بھی اپنے اعتماد میں لیں اور اگر ان کی کوئی شکایت ہو تو ان کو رفع کرنے کی کوشش کریں، مسلمانوں کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے وقار کی قربانی بہت ہی اجر و ثواب اور عند اللہ عزت کا باعث ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو جھکاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں: "من تواضع للّٰه رفعه اللّٰه" (۱) دوسروں کی زمین پر خواہ افراد کی ہو یا سرکار کی، عیدگاہ یا مسجد بنانا قطعاً جائز نہیں، اس لئے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے، تاہم عید کی نماز صحراء میں بھی پڑھی جاسکتی ہے، اس لئے اگر اس میں پڑھ لی جائے تو کراہت کے ساتھ نماز ادا ہو جائے گی۔

(۱) لم أجده بهذا اللفظ و لكن في صحيح مسلم ، و الترمذي و الدارمي هكذا : " و ما تواضع أحد لله إلا رفعه الله " (صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۶۹، باب استحباب العفو و التواضع ، الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۲۰۲۹، السنن الدارمي :۱/۳۳۳، حدیث نمبر:۱۶۸۳، باب في فضل الصدقة) محشی۔

حرم شریف میں مسلح پولس کی موجودگی

سوال:- {1412} رسول اللہ ﷺ نے کیا مکہ میں ہتھیار رکھنے سے منع فرمایا ہے؟ آج کل حرم کے دروازہ پر مسلح گارڈ موجود ہوتے ہیں، بلکہ یہ ہتھیار بند حالت میں مسجد کے اندر بھی آجاتے ہیں، کیا ان کا اس طرح مسجد حرام میں رہنا درست ہوگا؟ (عبدالسمیع، نظام آباد)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حرم میں ہتھیار رکھنے کو منع فرمایا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "تم میں سے کسی کے لئے حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے"، " لا یحل لأحدکم أن یحمل بمکة السلاح "(۱) ہتھیار رکھنے یا اٹھانے سے مراد دوسروں پر حملہ کرنے کی نیت سے ہتھیار ساتھ رکھنا ہے، اگر ہتھیار رکھنے کا مقصد لوگوں کی حفاظت ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں، اور یہ سپاہی اسی لئے ہتھیار رکھتے ہیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ جب عمرۃ القضاء کے موقع سے مکہ میں داخل ہوئے تو نیام میں بند تلواریں ان حضرات کے ساتھ تھیں، جیسا کہ صلح حدیبیہ میں باہمی معاہدہ ہوا تھا۔(۲)

خانہ کعبہ کی پہلی تعمیر

سوال:- {1413} خانہ کعبہ کی سب سے پہلے کس نے بنیاد رکھی؟ حضرت آدم علیہ السلام نے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے؟ (محمد غوث الدین قدیر، سلاخ ٹو. ی، کریم نگر)

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۳۵۶۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۲۷۰۰، باب الصلح مع المشرکین۔ محشی۔

جواب:- روایتیں مختلف ہیں، امام جعفر بن محمدؒ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے اس کی تعمیر کی ہے۔(۱) اور عطاء اور ابن مسیبؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعمیر کعبہ کا حکم ہوا، چنانچہ انہوں نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی، پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی۔(۲) اس لیے خیال ہوتا ہے کہ کعبہ کی پہلی تعمیر ملائکہ نے کی ہے اور انسانوں میں پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام نے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس تعمیر کی تجدید فرمائی تھی، چوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک بعض تبدیلیوں کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر باقی تھی، اس لیے قرآن نے خاص طور پر بناء ابراہیمی کا ذکر کیا ہے۔

بیت المقدس کس نے اور کب تعمیر کیا؟

سوال:- {1414} بیت المقدس کو کس نے تعمیر کیا اور یہ کب تعمیر کی گئی؟ (سید عبدالرؤف، گولکنڈہ)

جواب:- قرآن وحدیث میں مسجدِ حرام مکہ مکرمہ کی تعمیر کا واقعہ جس وضاحت سے ملتا ہے، بیت المقدس کے بارے میں اتنی واضح تفصیلات نہیں ملتیں، عام طور پر مفسرین اور مؤرخین نے اس سلسلہ میں دو باتیں نقل کی ہیں، ایک یہ کہ مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر مسجدِ حرام کے چالیس سال بعد ہوئی، یہ روایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ہے، دوسرا قول ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا، یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،(۳) اور یہی بات آج کل یہودیوں اور عیسائیوں کے یہاں مشہور ہے، اس لئے اس میں یوں تطبیق پیدا کی

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن :۲/۸۲۔ محشی۔
(۲) حوالہ سابق:۲/۸۳۔ محشی۔
(۳) دیکھئے:التفسیر القرطبی:۱/۱۳۹۔

جاسکتی ہے کہ جیسا کہ کعبہ کی تعمیر اوّل ملائکہ یا حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ ہوئی، اسی طرح تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی تعمیر عمل میں آئی، لیکن جیسے بعد کے ادوار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کی تجدید فرمائی اور وہی تعمیر بعد کو باقی رہی، اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر بیت المقدس کی تجدید فرمائی، اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت سے یہ تعمیر زیادہ معروف ومشہور ہوئی۔

بیت المقدس کی بنیاد کس نبی نے رکھی؟

سوال:- {1415} بیت المقدس سے متعلق بعض کتب میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکمل کی، لیکن "قصص النبیین" انٹر میڈیٹ کی کتاب میں ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی ہے، تو صحیح معنوں میں مسجد اقصیٰ کی بنیاد کس نبی نے رکھی؟ (محمد نظام الدین دربھنگہ)

جواب:- روایتیں دو طرح کی ہیں، ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کے بانیٔ بیت المقدس ہونے کی اور دوسرے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بانیٔ بیت المقدس ہونے کی، اس لئے مؤرخین اسلام نے ان دونوں میں اس طرح تطبیق پیدا کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسحاق علیہ السلام نے بنیاد رکھی، پھر سلیمان علیہ السلام نے اس عمارت کی تجدید فرمائی، چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"حضرت سلیمان علیہ السلام چالیس دنوں اپنے تخت سے غائب رہے، پھر واپس آئے اور واپسی کے بعد بیت المقدس کی تعمیر کا حکم دیا، اور بہت ہی مضبوط طریقہ پر اس کی تعمیر فرمائی، ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس عمارت

کی تجدید کی ہے اور پہلی دفعہ اس کو حضرت یعقوب علیہ السلام
نے تعمیر فرمایا تھا"(۱)

تاہم یہ تاریخی اور ایک حد تک اسرائیلی روایات ہیں، اس لئے اس سلسلہ میں یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

(۱) البدایہ والنہایہ:۲/۲۶۔

آداب مسجد

مسجد کے آداب اور مسجد میں مجلسِ انتظامی کی میٹنگ

سوال:- {1416} کیا مسجد کے انتظامی امور کے لیے مسجد کمیٹی کی میٹنگ رکھی جاسکتی ہے، یا اس کا شمار بھی دنیاوی باتوں میں ہوگا؟ یہ ظاہر ہے کہ میٹنگ میں کڑوی کسیلی باتیں بھی آپس میں ہو جایا کرتی ہیں، نیز اس پر بھی روشنی ڈالیں کہ کون سے امور مسجد کے آداب میں داخل ہیں؟

(حامد الدین، سدی پیٹھ)

جواب:- جو باتیں گناہ کے دائرہ میں آتی ہیں ان کا مسجد میں کرنا گناہ بالائے گناہ ہے، ایسی باتیں جو دین میں مطلوب ہیں، جیسے ذکر، علمی مذاکرہ، درس، دعوتی بیان، تلاوت، ان کو مسجد میں کرنا مستحب ہے، ایسی باتیں جو دنیاوی امور سے متعلق ہوں، مسجد میں ان کا مذاکرہ بعض فقہاء کے نزدیک ناجائز اور بعض کے نزدیک خلاف مستحب ہے۔(۱) مسجد کا انتظام چوں کہ دینی امور

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۳۲۱/۵۔

اور دینی مصالح میں داخل ہے، اس لیے مسجد میں مجلسِ انتظامی کی نشست رکھی جا سکتی ہے، لیکن اگر باہم سب وشتم، ناشائستہ گفتگو، ایک دوسرے کے ساتھ استہزاء اور شور وہنگامہ کا اندیشہ ہے، تو مناسب ہوگا کہ مسجد کمیٹی کی مشاورت مجلس مسجد کے اندر نہ رکھی جائے۔

جہاں تک آداب مسجد کی بات ہے، تو اس سلسلہ میں فتاوی عالمگیری میں پندرہ آداب نقل کئے گئے ہیں:

۱) مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا، بشرطیکہ مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگ درس یا ذکر میں مشغول نہ ہوں، اگر کوئی شخص مسجد میں نہ ہو تو سلام کے کلمات اس طرح کہے: ''السلام علینا من ربنا و علیٰ عبادہ اللہ الصالحین''۔

۲) بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنا۔

۳) مسجد میں کوئی چیز نہ خریدے اور نہ فروخت کرے۔

۴) مسجد میں تلوار یا کوئی ہتھیار بغیر نیام کے نہ لے جائے کہ اس سے لوگوں میں دہشت پیدا ہوتی ہے۔

۵) مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان نہ کیا جائے۔

۶) سوائے اللہ کے ذکر کے کسی اور چیز میں آواز بلند نہ کی جائے۔

۷) دنیاوی گفتگو نہ کی جائے۔

۸) آگے بڑھنے کے لیے لوگوں کی گردنوں کو پھاندا نہ جائے۔

۹) جگہ کے لیے کسی مصلی سے جھگڑا نہ کیا جائے۔

۱۰) صف میں کسی پر جگہ تنگ نہ کی جائے۔

۱۱) نمازی کے سامنے سے گزرا نہ جائے۔

۱۲) مسجد میں تھوکا نہ جائے۔

۱۳) انگلیاں چٹخائی نہ جائیں۔

۱۴) گندگی سے، بے شعور بچوں سے، اور پاگلوں سے مسجد کو بچایا جائے۔

۱۵) مسجد میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جائے۔(۱)

حاصل یہ ہے کہ مسجد کے احترام کو ملحوظ رکھا جائے اور مسجد کو اللہ کے ذکر اور عبادات سے آباد کیا جائے۔

مسجد میں غیر مسلم کا آنا

سوال:- {1417} ایک غیر مسلم مسجد میں آنا چاہتا ہے، کیا اس کو مسجد کا دیدار کرایا جاسکتا ہے؟

(علاء الدین، تنالی، گنٹور)

جواب:- مسجد میں غیر مسلم کے داخل ہونے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مسجد کی اہانت مقصود نہ ہو، حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما تھے، یہود کی ایک جماعت آئی اور اس نے آپ ﷺ کے سامنے اپنے قبیلہ کے زنا کا مقدمہ پیش کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا فیصلہ فرمایا''(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندية:۳۲۱/۵۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۴۸۸۔

اس کے علاوہ غیر مسلموں کے جو وفود خدمت اقدس میں آیا کرتے تھے انہیں مسجد ہی میں ٹھہرایا جاتا تھا، (۱) بعض مشرک قیدیوں کو بھی مسجد میں رکھا گیا، (۲) اس لئے غیر مسلم کو مسجد دکھائی جاسکتی ہے، مسجد دکھاتے ہوئے آپ اسے مسجد کی حقیقت بھی بتایئے اور اس کو ذریعہ بنا کر اپنی طرف سے اس پر ایمان کی دعوت پیش کیجئے۔

جذامی کا جماعت میں شریک ہونا

سوال:- {1418} نماز باجماعت میں ایک ایسا شخص جو جذامی ہے، لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں اور اگر وہ جماعت میں شریک ہو، تو بازو والوں کو نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی، کیا ایسے شخص کو جماعت میں شریک کرسکتے ہیں؟ اور کیا اسے مسجد میں آنے سے منع کیا جاسکتا ہے؟

(محمد عمادالدین شاہ پوری، گلبرگہ شریف)

جواب:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو کوئی کچی لہسن کھائے وہ ہماری مسجد نہ آئے'' (۳) اس حدیث کی ذیل میں مفتی شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ

''اس ممانعت کی وجہ فرشتوں اور مسلمانوں کو ایذا سے بچانا ہے، لہذا ہر بدبودار چیز کو یہ حکم شامل ہے، خواہ وہ چیز کھائی

(۱) مختصر سیرۃ ابن ہشام: ص: ۳۳۸۔ محشی۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۴۶۲، باب الاغتسال إذا أسلم و ربط الأسير أيضا في المسجد۔ محشی۔

(۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۴۸، تا ۱۲۵۷، باب نهي من أكل ثوما ألخ۔ مرتب۔

جانے والی ہو یا نہ ہو''(۱)

چنانچہ علامہ شامیؒ کا بیان ہے:

''جس کے منہ میں بدبو ہو یا جس کو ایسا زخم ہو جس سے بدبو پیدا ہوتی ہو، اس کا بھی یہی حکم ہوگا یعنی اسے بھی مسجد میں آنے سے روکا جائے گا'' پھر فرماتے ہیں کہ جس شخص کو جذام یا برص ہو اس کے لئے بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا، ''والمجذوم و الابرص اولی با لالحاق ''اور سحنون مالکیؒ سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات پر جمعہ واجب نہیں ہوگا''(۲)

لہذا جو شخص جذام کا مریض ہو، اسے چاہئے کہ مسجد جانے کے بجائے گھر ہی پر نماز ادا کرلے، انشاء اللہ اس کو اس کی نیت کی وجہ سے مسجد جانے کا اجر ہوگا، نیز اپنے مسلمان بھائیوں کو اذیت سے بچانے کا ثواب مزید بھی حاصل ہوگا، ایسے لوگوں کو خوش تدبیری اور خوش گفتاری کے ساتھ مسجد آنے سے روکا جاسکتا ہے۔

جذامی کو مسجد میں آنے سے روکنا

سوال:- {1419} مسجد کے مصلیان جذامی کے مسجد میں آنے سے کراہت محسوس کرتے ہیں، ایسی صورت میں کیا مسجد کمیٹی انہیں مسجد آنے سے روک سکتی ہے؟

(ڈاکٹر سید غوث، جگتیال)

---

(۱) فتح الملہم:۲/۱۵۱-۱۵۰۔مرتب۔

(۲) ردالمحتار:۲/۴۳۵۔

جواب:- اگر جذامیوں کے اختلاط سے لوگ گھن محسوس کرتے ہوں، تو انہیں مسجد اور ایسے اجتماعی مواقع میں آنے سے روکا جاسکتا ہے۔(۱) بلکہ ایسی تمام باتیں جو جماعت کی کثرت کو متاثر کرتی ہوں، حکمت کے ساتھ ان کا سدِ باب کرنا چاہئے۔

مسجد کے اندر عقد میں غیر مسلموں کی شرکت

سوال:- {1420} میں نے ۲۱/ اکتوبر ۲۰۰۲ کو اپنے ایک دوست کی لڑکی کے نکاح میں جو کہ رائچور کی ایک مشہور مسجد میں بعد عصر منعقد تھا، شرکت کی، وہاں پر دو معزز حضرات جو کہ غیر مسلم تھے، وہ بھی دلہن کے والد — جو کہ ایک نامور وکیل ہیں — کے دعوت نامہ پر وہاں حاضر تھے، وہاں اعلان ہوا کہ کوئی مولانا نکاح کے بارے میں تقریر کریں گے، سب لوگ مسجد میں داخل ہوکر تقریر سننے کے لئے بیٹھ گئے اور ساتھ ہی غیر مسلم حضرات بھی آخری حصہ میں بیٹھ گئے، اسی وقت مسجد کے چند ممبران نے ان غیر مسلم حضرات کے مسجد میں داخل ہونے پر ہنگامہ کھڑا کردیا، پہلے تو مائیک کا کنکشن نکال دیا، اور بہت ہی ناشائستہ اور غیر مہذب طریقہ سے غیر مسلم مہمانوں کو مسجد سے باہر نکلنے پر مجبور کردیا، سوال یہ ہے کہ کیا غیر مسلم کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے؟

(شہاب الدین، رائچور)

جواب:- غیر مسلم بھائیوں کو شادی کی تقریب میں مدعو کرنا درست ہے، اور ان کا مسجد میں داخل ہونا بھی بلا کراہت جائز ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلم حضرات کی دعوتیں کی ہیں، (۲)

(۱) دیکھئے: الموسوعة الفقهية :۸/۸۷۔

(۲) صحیح مسلم ، حدیث نمبر:۵۳۶۴، نیز دیکھئے: جمع الفوائد:۱/۲۹۴۔مرتب۔

اور متعدد بار غیر مسلموں کے وفود کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا ہے، (۱) بلکہ غیر مسلم اسیران جنگ بھی مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرائے گئے ہیں، (۲) اور مسجد نبوی کی عظمت وفضیلت ظاہر ہے کہ کہیں زیادہ ہے، جب اس مسجد میں غیر مسلم آسکتے ہیں تو عام مسجدوں میں کیوں نہیں آسکتے؟ اس لئے جن حضرات نے غیر مسلم مدعوئین کو مسجد سے باہر کردیا انہوں نے نہایت ہی ناشائستہ اور نازیبا حرکت کی ہے، اور ایسا فعل کیا ہے جو اسلامی تعلیمات اور اسلامی اخلاق کے بالکل مغائر ہے، ایسی باتوں سے غیر مسلم بھائیوں میں اسلام کے تئیں غلط فہمی اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے، اور ہماری جہالت اور بد اخلاقی کی وجہ سے دین رحمت بدنام ہوتا ہے، اس لئے ان ممبران کو غیر مسلم مہمانوں سے معذرت خواہ ہونا چاہئے اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے انہیں آگاہ کرنا چاہئے، تاکہ ان کا یہ عمل اسلام کی طرف منسوب نہ ہو۔

دور نبوی ﷺ میں مساجد میں غیر مسلموں کا داخلہ

سوال:- {1421} کیا برادران وطن کو نکاح کی محفل میں شرکت یا اسلام کی افہام وتفہیم کی غرض سے مساجد میں بلایا جاسکتا ہے اور عہد نبوی میں اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

(منور سلطان، مدھوبنی)

جواب:- فقہاء احناف کے نزدیک غیر مسلموں کا مسجدوں میں داخل ہونا جائز ہے۔

"وقال اصحابنا يجوز للذمی دخول سائر المساجد" (۳)

---

(۱) سیرت ابن هشام: ص: ۳۳۸۔ محشی۔

(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۴۶۲، باب الاغتسال إذا أسلم الأسير أيضا في المسجد۔

(۳) أحكام القرآن للجصاص: ۴/۷۹۔

بشرطیکہ اس کے جسم پر کوئی ظاہری نجاست نہ لگی ہو، "و لا یدخل الذی علی بدنہ نجاسۃ المسجد "(۱) رسول اللہ ﷺ کے عہد میں غیر مسلم مسجدوں میں آتے رہے ہیں، بلکہ آپ ﷺ غیر مسلم وفود کو مسجدوں میں ٹھہرایا بھی کرتے تھے اور غیر مسلم اسیران جنگ کو مسجد کے ستونوں سے مقید بھی رکھا جاتا تھا، اس لئے دعوتی مقصد کے تحت غیر مسلم بھائیوں کو مسجد میں بلانے میں کچھ حرج نہیں۔

مسجد سے اونچا مکان

سوال:- {1422} حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابی ؓ نے مسجد سے اونچا اپنا مکان بنالیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے گرانے کا حکم دیا اور صحابی ؓ نے اسے گرادیا، یہ کونسی حدیث ہے؟ اور کس کتاب میں آئی ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اس مضمون کی کوئی روایت میرے علم میں نہیں کہ مسجد سے اونچی عمارت نہ ہونی چاہئے، اور یہ کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، بلکہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حجرۂ اقدس پر بالا خانہ بھی تھا، (۲) بظاہر یہ مسجد سے اونچا ہی رہا ہوگا، حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے مکان کے بارے میں بھی ثابت ہے کہ دو منزلہ تھا، (۳) ظاہر ہے کہ اس کی اونچائی بھی مسجد سے زیادہ ہی رہی ہوگی، اس لئے ایسی کوئی بات حدیث سے ثابت نہیں کہ مسجد سے اونچا مکان نہ ہونا چاہئے، تعمیر کے اونچا ہونے سے کوئی عمارت عظیم نہیں ہوتی اور پست ہونے سے کم وقار نہیں ہوتی۔

---

(۱) الفتاوی الھندیۃ: ۵/۳۲۱۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۳۷۸، باب الصلاۃ في السطوح الخ۔ محشی۔

(۳) نبی رحمت، بحوالہ ابن کثیر: ۲/ ۲۷۷۔ محشی۔

البتہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بہت پرشکوہ اور پرشوکت عمارت تعمیر کرنا اور اس پر زیادہ پیسہ خرچ کرنا اسلام میں پسندیدہ عمل نہیں، چنانچہ حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک انصاری کے مکان سے ہوا، جن کے دروازہ پر گنبد بنا ہوا تھا، حضور ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا، لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں صاحب نے تعمیر کی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس طرح جو مال خرچ ہو وہ قیامت کے دن صاحب مال کے لئے باعث وبال ہوگا، انصاری ﷺ کو اس کی اطلاع پہونچی، انھوں نے گنبد کو منہدم کردیا، کچھ دنوں بعد پھر آپ ﷺ کا اس مقام سے گزر ہوا تو گنبد نظر نہیں آیا، آپ ﷺ نے پھر اس سلسلہ میں استفسار فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ ان کو جب آپ ﷺ کا ارشاد پہونچا، تو انھوں نے اسے منہدم کردیا، آپ ﷺ خوش ہوئے اور دوبارہ ان کے بارے میں دعاء فرمائی کہ اللہ تعالی ان پر رحم فرمائے''(۱)

مسجد میں بیڑی سگریٹ وغیرہ لے جانا

سوال:- {1423} نماز کے وقت مسجد میں بیڑی، سگریٹ، ماچس، روپیہ یا نوٹ وغیرہ جیب میں رکھ کر لے جانا کیسا ہے؟ کیا ایسی صورت میں نماز ہوجائے گی؟

(مقصود خان، نظام آباد)

جواب:- ان میں سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہے، بیڑی اور سگریٹ کا پینا مکروہ ہے، لیکن

(۱) سنن ابن ماجۃ، حدیث نمبر: ۴۱۶۱۔

ناپاک وہ بھی نہیں، اس لئے اگر یہ اشیاء نماز کی حالت میں جیب میں رکھی جائیں تو نماز درست ہو جائے گی، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنے پاس ایسا انڈا رکھے ہو جو خراب ہوا اور اس کا اندرونی حصہ خون بن گیا ہو پھر بھی نماز درست ہو جائے گی، کیونکہ نجاست اصلی ظرف میں بند ہے، (۱) روپیہ اور نوٹ تو جیب میں رکھنا ایک ضرورت ہے، بیڑی اور سگریٹ میں چونکہ بو ہوتی ہے اور بدبودار چیز کا مسجد میں لے جانا مکروہ ہے، اس لئے بہتر ہے کہ بیڑی اور سگریٹ کو مسجد میں نہ لے جایا جائے۔

صحن مسجد میں سگریٹ نوشی

سوال:- {1424} مسجد کے صحن میں امام مسجد اور چند مصلیان سگریٹ نوشی کرتے ہیں، منع کرنے پر امام صاحب کہتے ہیں کہ جہاں چپل رکھی جاتی ہے وہاں سگریٹ پی سکتے ہیں، اور جہاں نماز کی حد ہے اس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہوں پر سگریٹ پی سکتے ہیں، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(مصلیان مسجد معراج، لورابنڈہ)

جواب:- اصل میں مسجد کا حکم اس حصہ کا ہے جس کو نماز کے لئے رکھا گیا ہے، چاہے وہ صحن کیوں نہ ہو البتہ صحن کے بعد طہارت خانہ اور چپل وغیرہ رکھنے کی جگہ کا شمار مسجد میں نہیں ہوتا اس لئے وہاں سگریٹ پی جاسکتی ہے، لیکن احتیاط کا تقاضا ہے کہ وہاں بھی نہ پی جائے اس لئے کہ ایسی صورت میں عموماً سگریٹ کا دھواں اور اس کی بدبو مسجد کے حدود میں بھی پہونچتی رہتی ہے۔

صحن مسجد میں سگریٹ پینا یا سگریٹ پی کر مسجد میں آنا ناپسندیدہ ہے کیونکہ سگریٹ کی بو

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۶۲/۱۔

لہسن و پیاز سے زیادہ تکلیف دہ ہے، اور پیاز و لہسن کھا کر مسجد میں آنے سے آنحضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔(۱)

مسجد میں انگلیاں چٹخانا

سوال:- {1425} فرض نماز میں امام صاحب جیسے ہی سلام پھیرتے ہیں اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جاتی ہے، تو کہیں انگلیاں چٹخانا کراہت اور نحوست سمجھا جاتا ہے، مسجد میں ایسا عمل شرعاً درست ہے؟ (محمد عبدالمنعم، نرمل)

جواب:- نماز کی حالت میں تو انگلیاں چٹخانے کی ممانعت صراحت کے ساتھ خود حدیث میں آئی ہے، حضرت علی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم نماز میں رہو تو انگلیاں نہ چٹخایا کرو'' ''لاتفرقع أصابعك و أنت فی الصلاۃ ''(۲) لیکن فقہاء نے نماز کے علاوہ مسجد جاتے ہوئے یا مسجد میں نماز کا انتظار کرتے ہوئے بھی اسے مکروہ

---

(۱) "من اکل البصل والثوم والکراث فلا یقربن مسجدنا فان الملائکة تتاذی مما یتاذی منه بنو آدم" (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۲۵۴، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۸۵۳)

صاحب درمختار نے حقہ پینے کو پیاز و لہسن ہی کے حکم میں رکھ کر مکروہ لکھا ہے، بیڑی وسگریٹ کا حکم بھی اسی سے معلوم ہو جائے گا: ''وقد کرهه شیخنا العمادی فی هدیته الحاقا له بالثوم والبصل بالاولی " (الدر المختار علی هامش رد المحتار:۵/۲۹۶، ط: زکریا)" أقول ظاهر کلام العمادی انه مکروه تحریما و یفسق متعاطیه فانه قال فی فصل الجماعة و یکره الاقتداء بالمعروف باکل الربا ... او یداوم علی شئی من البدع المکروهات کالدخن المبتدع فی هذا الزمان ... قال ابو سعود فتکون الکراهة تنزیهیة (رد المحتار:۵/۲۹۶، کتاب الأشربة) محشی۔

(۲) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۹۵۲۔

قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں ایک روایت بھی نقل کی ہے،(۱) اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نماز کے بعد بھی مسجد میں انگلیاں چٹخانا کراہت سے خالی نہیں، ہاں نماز میں نہ ہو اور مسجد سے باہر ہو، نیز طبیعت کا تقاضا ہو تو انگلیاں چٹخائی جاسکتی ہیں۔ درمختار میں ہے: ''ولا یکرہ خارجھا لحاجة''(۲)

مسجد میں پیاز اور لہسن کھانا

سوال:- {1426} مساجد میں پیاز، لہسن جیسی چیزیں پکا کر کھانا جائز ہے؟ (عارف الدین مجاہد، بیدر)

جواب:- پکانے کے بعد پیاز اور لہسن کی بدبو ختم ہوجاتی ہے، اس لیے مسجد میں پکی ہوئی پیاز اور لہسن کھانے میں کچھ حرج نہیں، کچی پیاز اور لہسن میں چوں کہ بو ہوتی ہے، اس لیے مسجد میں اس کا کھانا یا کھا کر بغیر منہ صاف کئے ہوئے مسجد جانا کراہت سے خالی نہیں۔

مسجد کی چھپکلی مارنا

سوال:- {1427} مسجد میں بہت چھپکلی ہوگئی ہیں کیا ان کو مارنا جائز ہے؟ (محمد عثمان علی، سداسیوپیٹ)

جواب:- چھپکلی کو مارنا درست ہے، رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کو مارنے کی اجازت بلکہ اس کا حکم دیا ہے۔(۳)

مسجد میں سلام

سوال:- {1428} مسجد میں داخل ہوتے وقت اکثر

---

(۱) دیکھئے: ردالمحتار: ۲/۴۰۹۔
(۲) الدر المختار مع الرد :۲/۴۰۹۔ محشی۔
(۳) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۲۶۲۔

حضرات سلام کرتے ہیں ،اور کبھی وہاں موجود مصلی آنے والے حضرات کوسلام کرتے ہیں، کیا یہ صحیح طریقہ ہے؟

(سید آصف الدین، آغاپورہ)

جواب:- مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا یا مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا آنے والوں کوسلام کرنا درست ہے، البتہ اتنی آواز سے سلام نہ کیا جائے کہ اگر کوئی شخص نماز میں ہوتو اسے خلل ہوجائے ،خود رسول اللہ ﷺ سے بھی مسجد میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرنا ثابت ہے۔(۱)

مساجد میں موبائیل اور پیجر

سوال:- {1429} بہت سے لوگوں کے پاس موبائیل اور پیجر ہے، جن کی میوزک گانوں سے لی گئی ہیں، یہ حضرات موبائیل وغیرہ کے ساتھ ہی مسجدوں میں بھی آجاتے ہیں اور نماز کے درمیان بھی بیل بجنے لگتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- اولاً تو فون ،موبائیل فون، یا پیجر میں سادہ بیل لگانی چاہئے ،نہ کہ میوزک والی، یہ کراہت سے خالی نہیں ،اسلام میں موسیقی کو پسند نہیں کیا گیا ہے، پھر نماز میں تو ایسی کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے جو توجہ کو بانٹنے والی ہو، یہاں تک کہ فقہاء نے دیوار قبلہ میں کتبہ لگانے کو بھی پسند نہیں فرمایا ہے،(۲) کیوں کہ اس سے نماز پڑھنے والوں کا ذہن مشغول ہوجاتا ہے، اس لئے شرعاً یہ بات واجب ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے موبائیل اور پیجر وغیرہ کو بند کردیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

---

(۱) الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۲۷۱۹، باب کیف السلام ؟ ،نیز دیکھئے: حدیث نمبر ۲۶۹۷، باب في التسلیم علی النساء ۔ محشی۔

(۲) " أشد کراهة ما یکون علی القبلة أمام المصلی " (ردالمحتار :۲/۴۱۷، مطلب مکروهات الصلاة) محشی۔

مسجد میں موبائل لے جانا

سوال:- {1430} (الف) اتفاق کی بات ہے کہ میں ایک مسجد میں فرض نماز کی پہلی رکعت میں تھا، فون کی گھنٹی بجی، میں نے نماز توڑ کر پیغام سنا اور اپنی بات ختم کر کے پہلی رکعت میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا، کیونکہ امام صاحب کوئی طویل سورہ پڑھ رہے تھے، کیا میری نماز ہو گئی؟

(ب) کیا میں مسجد کے اندر موبائل فون ساتھ رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟ (جاوید احمد، ملک پیٹ)

جواب:- (الف) فون کی گھنٹی پر نماز کا توڑ دینا مناسب نہیں، فرض نماز کو بہت ہی مجبوری کی صورت میں ہی توڑنا چاہئے، جیسے کسی معذور شخص کے گر جانے کا اندیشہ ہو، یا کوئی اور غیر معمولی خطرہ پیدا ہو جائے، محض فون کی گھنٹی کی وجہ سے نماز کا توڑنا درست نہیں، کیونکہ فون تو لوگ معمولی ضرورت کے تحت، بلکہ بعض اوقات بلا ضرورت بھی کرتے رہتے ہیں، تاہم جب آپ نے نیت توڑ کر اور فون پر بات کر کے دوبارہ اسی رکعت کو پالیا تو آپ کی نماز ادا ہو گئی۔

(ب) مسجد میں کھلا ہوا موبائیل لے کر جانا مناسب نہیں، اس سے لے جانے والے کو بھی اور دوسرے نمازیوں کو بھی خلل واقع ہوتا ہے، اور فون پر چوں کہ اکثر دنیوی باتیں ہی پوچھی جاتی ہیں، تو لامحالہ دنیوی باتیں کرنی پڑتی ہیں، اور مسجد میں دنیوی باتیں کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع کیا ہے۔(۱) ہاں! موبائیل بند کر کے مسجد میں رکھا جا سکتا ہے۔

نفل عمل کے لیے مسجد میں بلانا

سوال:- {1431} کسی بھی نفل عمل کے لئے لوگوں کو

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۶۰۔ محشی۔

مسجد کے اندر اعلان کر کے جمع کیا جاسکتا ہے؟اور کیا اعلان کرنا ضروری ہے؟(محمد ابراہیم،امام وخطیب مسجد غازی،نظام آباد)

جواب:- مسجد میں دنیوی کاموں کی ممانعت ہے،دینی کام خواہ نفل ہو اور اس کی وجہ سے مسجد کا احترام متاثر نہ ہوتا ہو،تو اس میں کوئی قباحت نہیں،اعتکاف نفل مسجد ہی میں کیا جاتا ہے،رسول اللہ ﷺ کو کوئی اہم خطاب کرنا ہوتا تو لوگوں کو مسجد ہی میں جمع کراتے،آپ ﷺ نے اس بات کا حکم دیا کہ نکاح کی مجلس مسجد میں رکھی جائے،اور صحابہ ؓ وتابعینؒ کے عہد سے لے کر آج تک مساجد میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ رہا ہے،ظاہر ہے یہ سب مسجد میں نفل عمل اور اس کے لئے لوگوں کا اجتماع ہے،فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مسجد میں معلم کا تعلیم دینے کے لئے بیٹھنا درست ہے،کیونکہ یہ عبادت ہے۔

"ولو جلس المعلم فی المسجد ... فإن کان المعلم یعلم للحسبة ... فلا بأس به لأنه قربة" (۱)

مسجد میں بعض اعلانات کا حکم

سوال:-{1432} ایک گاؤں میں امام صاحب اردو میں خطبہ کے بعد ضروری اعلان کے عنوان سے کہتے ہیں کہ ''پارٹی دیکھ کر ووٹ ڈالو'' اور کبھی کہتے ہیں کہ''ہمارے گاؤں کے گورنمنٹ اسکول میں اردو ٹیچر نہیں ہیں آپ کوشش کریں تو یہاں اردو ٹیچر آسکتے ہیں'' تو کیا مسجد میں اس طرح کے اعلانات کئے جاسکتے ہیں؟ (شیخ عمران،بلال فارم)

جواب:- موجودہ حالات میں خالص سیاسی گفتگو مسجد میں کرنا قرین مصلحت نہیں ہے، تاہم اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو،اور کسی مسئلہ سے مسلمانوں کا عمومی مفاد متعلق ہو،جیسا کہ اردو ٹیچر،

(۱) الفتاوی الھندیة:۵/۳۲۱۔

یامناسب امیدوار کو ووٹ دینا، تو اس کی ترغیب دی جاسکتی ہے، ہاں! کسی امیدوار کو متعین کر کے مسجد سے اس کے نام کا اعلان مناسب نہیں۔

مسجد میں گم شدہ چیز یا بچہ کا اعلان

سوال:- {1433} مسجد کے اندر یا مسجد کے باہر کوئی قیمتی شی مثلاً کسی کا لڑکا یا لڑکی گم ہو جائے تو کیا مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان گم شدہ کیا جاسکتا ہے؟

(محمد سعید، ہمایوں نگر)

جواب:- اگر مائیک کا کمرہ حدود مسجد سے باہر ہو تو گم شدہ چیز یا انسان کے بارے میں اعلان کرنا درست ہے، اور اگر مائیک کی جگہ حدود مسجد کے اندر ہو تو اس مائیک سے گم شدہ چیز کا اعلان مکروہ ہے، کیونکہ آپ نے مسجد میں گم شدہ چیز کے اعلان سے منع فرمایا ہے، (۱) البتہ گم شدہ لڑکے یا لڑکی کے اعلان سے چونکہ ایک انسان کی حفاظت کا مسئلہ متعلق ہے اور انسانی جان اور زندگی کی بڑی اہمیت ہے، اس لئے اگر حدود مسجد سے باہر اعلان کی سہولت نہ ہو تو اندر بھی اعلان کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر لڑکیاں حمد ونعت پڑھیں؟

سوال:- {1434} ہمارے یہاں یادگیر میں ایک مسجد سے روزانہ صبح کو بعدِ نماز فجر حمد اور نعت پڑھنے کی آواز لاؤڈ اسپیکر سے آتی ہے، جس کو لڑکیاں پڑھتی ہیں، تو کیا اس طرح لڑکیوں کا مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نعت یا حمد پڑھنا جائز ہے؟

(محمد عبدالمتین، یادگیر)

(۱) سنن ابن ماجة :ص:۵۶،باب النهي عن إنشاد الضال في المسجد ،ط: مکتبہ اشرفی بکڈپو، دیوبند۔ مرتب۔

جواب:- مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کو مسجد کے کاموں کے لئے ہی استعمال کرنا چاہئے، اس لئے مسجد میں حمد ونعت پڑھنے کا معمول بنالینا مناسب نہیں، رسول اللہ ﷺ اور سلفِ صالحین کے دور میں بھی مسجدوں میں معمولاً ایسی چیزوں کا پڑھنا ثابت نہیں، اتفاقاً دینی جلسوں کی مناسبت سے پڑھا جاسکتا ہے، کم عمر لڑکیوں کی آواز سنی جاسکتی ہے، بالغ یا قریب البلوغ لڑکیوں سے نظمیں سننا درست نہیں، کہ ان کی آواز بھی قابلِ ستر ہے۔

کیا خواتین اپنے مصلّی میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعائیں پڑھیں گی؟

سوال:- {1435} حدیث میں مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعاء منقول ہے، خواتین ظاہر ہے کہ گھر میں نماز پڑھتی ہیں، وہ یہ دعائیں کس وقت پڑھیں گی؟ کیا وہ جائے نماز پر چڑھتے وقت اور اترتے وقت یہ دعائیں پڑھیں گی؟

(فاطمہ پروین، یاقوت پورہ)

جواب:- جن حدیثوں میں مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اور نکلتے ہوئے دعا کا ذکر ہے، ان میں مسجد کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور ہے: "إذا دخل المسجد ... إذا خرج "(۱) ظاہر ہے کہ "مسجد" ایک خاص اصطلاح ہے اور اس سے وہ تمام جگہیں مراد نہیں ہیں، جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، بلکہ ایک خاص جگہ جو نماز ہی کے لیے وقف کردی گئی ہو، مراد ہے، اس لیے یہ دعاء مسجد میں داخل ہوتے ہوئے پڑھی جائے گی، جائے نماز پر چڑھتے اور اترتے ہوئے خاص طور پر اس دعاء کا پڑھنا مسنون نہیں ہوگا، ویسے یہ دعاء اپنے مضمون کے اعتبار سے ایک عام دعاء کی حیثیت سے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۳۱۴، عن فاطمة رضي الله تعالیٰ عنها۔

گھر کی مسجد کا حکم

سوال:- {1436} نماز پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے ہمارے آفس کے احاطے میں ایک کمرہ نماز کے لئے الگ کردیا گیا ہے، ہم لوگ وہیں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، کیا اس کمرے کو مسجد کا درجہ حاصل ہے؟ کیا وہاں نماز پڑھنے پر ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کسی مسجد میں جا کر نماز پڑھنے میں ملتا ہے؟ (نظیر سہروردی، ناندیڑ)

جواب:- اگر کسی جگہ کے بارے میں باضابطہ مسجد ہونے کی نیت نہ کی جائے، لیکن وہاں جماعت کی جائے تو اس کی وجہ سے وہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہو جاتی، نہ اس سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل ہوگا، نہ مسجد سے متعلق احترام اور پاکی وناپاکی کے احکام جاری ہوں گے، البتہ اس طرح نماز پڑھنے والے ترک جماعت کے گناہ سے بچ جائیں گے۔

" ولو اتخذ في بيته موضعا للصلوة فليس له حکم المسجد أصلا " (۱)

مسجد میں احتلام ہو جائے

سوال:- {1437} بعض اوقات لوگ جماعت میں جاتے ہیں، یا اعتکاف کرتے ہیں اور مسجد میں احتلام ہو جاتا ہے، تو اس میں گناہ تو نہیں، اور اگر گناہ ہو تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ (محمد لطیف، دھرم آباد)

جواب:- اعتکاف کرنا اور نیکی کی دعوت کے لئے جماعتوں میں جانا ایک بہتر اور

(۱) کبیری ،ص:۵۷۰۔

پسندیدہ عمل ہے اور ضرورتاً ان کا مسجد میں سونا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض نوجوان صحابہ بھی گھر نہ ہونے یا جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے مسجدوں میں سوجایا کرتے تھے، احتلام چونکہ ایک اضطراری فعل ہے، جس میں انسان کے قصد وارادہ کو دخل نہیں، اس لئے اس میں گناہ نہیں اور نہ اس کا کچھ کفارہ ہے، البتہ جوں ہی احتلام ہو فوراً مسجد سے نکل جائے اور اگر باہر نکلنے میں کسی طرح کا خوف اور اندیشہ ہو تو پھر وہیں تیمم کرلے، احتلام کے بعد یوں ہی مسجد میں پڑا نہ رہے۔

"و من احتلم فی المسجد ینبغی ان یخرج من ساعته فان کان ذلك فی جوف اللیل و خاف الخروج یستحب له ان یتیمم" (۱)

مساجد میں سونا جب کہ احتلام کا اندیشہ ہو

سوال:- {1438} میں ایک مسجد میں مؤذن کے فرائض انجام دیتا ہوں، میری عمر تقریباً پینسٹھ برس کی ہے، رات میں مسجد میں قیام کرتا ہوں، مجھے اکثر احتلام ہوجاتا ہے، رات کے جس حصہ میں بھی احتلام ہوتا ہے، فوراً غسل کرلیتا ہوں، مجھے فکر لاحق ہے کہ کیا میں اسی طرح مسجد میں رہ سکتا ہوں یا نہیں؟ **(ایک قاری)**

جواب:- ایسی صورت میں آپ کو مسجد میں سونے سے احتراز کرنا چاہئے، غیر معتکف کے لئے یوں ہی مسجد میں سونا اور کھانا مکروہ ہے، اور جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے آپ مسجد میں سونے سے اجتناب کریں، فقہاء نے لکھا ہے کہ جو اعتکاف کی حالت میں نہ ہو، اور مسافر نہ ہو، اس کو بہر حال مسجد میں سونے سے احتیاط کرنی چاہئے۔" والأحق أن یتورع فلا ینام" (۲)

---

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندیة :۱/ ۱۳۵۔

(۲) الفتاوی الهندیة :۵/ ۳۲۱۔

مسجد میں سونا

سوال:- {1439} بہت سے لوگ نماز ادا کرنے کے بعد مسجد میں لیٹ کر سو جاتے ہیں، کیا یہ صحیح طریقہ ہے؟

(آفرین صدف عزیز، محبوب نگر)

جواب:- مسجد اللہ تعالی کی عبادت اور بندگی کی جگہ ہے، اور اس کے احترام و تعظیم کی رعایت ضروری ہے، اس لئے مسجد میں دنیاوی گفتگو سے بھی منع کیا گیا ہے، نیند بھی چونکہ اللہ کے ذکر سے غفلت کی کیفیت ہے، اور اس حالت میں خروج ریح کا بھی امکان ہے، اس لئے بلا عذر مسجد میں سونا مناسب نہیں، حضرت ابوذر غفاری ﷛ سے مروی ہے:

''میں مسجد میں سویا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے مجھے اپنے پاؤں مبارک سے ٹھوکر دی، اور استفسار فرمایا کہ میں تم کو مسجد میں سویا ہوا دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا: اللہ کے نبی! نیند کا غلبہ ہو گیا تھا ''(۱)

ہاں اگر مسافر ہو، یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے مسجد میں آرام کرنا پڑ رہا ہو، یا معتکف ہو، تو ایسے لوگوں کو مسجد میں سونے کی اجازت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر ﷛ سے مروی ہے کہ ہم لوگ نوجوان تھے، اور حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد میں سویا کرتے تھے، (۲) غرض بلا عذر مسجد میں سونے سے بچنا چاہئے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

" ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب والأحسن أن

(۱) سنن دارمی: ۲۶۵/۱، باب النوم فی المسجد۔

(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۳۲۱، باب النوم فی المسجد۔

يتورع فلا ينام"(۱)

لہذا اگر کبھی آرام کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو نفل اعتکاف کی نیت کر لینی چاہئے کہ معتکف کے لئے بالاتفاق مسجد میں سونا جائز ہے۔

مسجد میں سونے سے متعلق جواب پر اشکال

سوال:- {1440} آپ نے منصف میں لکھا ہے کہ مسجد میں سونا کراہت سے خالی نہیں، جب کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کے بارے میں روایت ہے: "كنت أنام في المسجد في عهد رسول الله ﷺ وأنا شاب" (عبداللہ بن عمر ﷺ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد میں سویا کرتے تھے، باوجود یکہ جوان تھے۔) یہ بھی بتائے کہ یہ حدیث کس کتاب کی ہے؟ اور مسجد میں کیوں نہیں سونا چاہئے؟ جبکہ مسجد میں سونے سے تہجد کی پابندی ہوتی ہے۔

(انعام اللہ، عمر کھیڑ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں ہے، یہ محض اللہ کے ذکر، نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہے۔ (۲) معلوم ہوا کہ مسجد کا استعمال عبادت ہی کے لئے ہونا چاہئے۔

حضرت جابر ﷺ سے مروی ہے کہ ہم لوگ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک لکڑی تھی، آپ ﷺ نے ہمیں اس سے متنبہ کیا اور فرمایا اٹھ جاؤ

(۱) الفتاوى الهندية: ۳۲۱/۵۔
(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۸۵۔

اور مسجد میں نہ سوؤ۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ مسجد کو نہ رات میں سونے کی جگہ بنائے اور نہ دن میں آرام کرنے کی،''لا یتخذہ مبیتاً و لا مقیلا''۔(۲) اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نیند میں احتلام کا بھی اندیشہ ہے اور خروجِ ریح کا بھی اور اس سے مسجد آلودہ ہو سکتی ہے۔ رہ گیا حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کا مسجد میں سونا، تو یہ اس لئے تھا کہ وہ اس وقت کنوارے تھے اور ان کا اپنا کوئی مکان نہیں تھا، مہاجرین جن مکانوں میں گزارا کرتے تھے وہ چھوٹے اور نا کافی تھے ،اس لئے نوجوان اور غیر شادی شدہ حضرات کو بعض اوقات مسجد میں رہنا پڑتا تھا، اسی لئے فقہاء نے مسافر اور معتکف کے لئے مسجد میں سونے کی اجازت دی ہے اور اگر کوئی شخص کسی مصلحت سے سونا چاہتا ہو تو اس کے لئے راستہ بتایا گیا ہے، کہ اعتکاف کی نیت کرلے۔(۳) حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی یہ روایت مختلف کتب حدیث میں منقول ہے۔(۴)

مساجد میں قیام وطعام

سوال:-{1441} عام طور پر اکثر مسجدوں میں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ایک مسافر خانہ کی طرح لوگ اس میں رات کے وقت آرام کرتے ہیں، اور دن میں مسجدوں میں ہی غسل کرتے ہیں،، داڑھی کے بال کترتے ہیں اور مسجدوں ہی میں پکوان کرتے ہیں، اور وہیں کھانا کھاتے ہیں، کیا ایسا عمل حضور ﷺ نے کبھی فرمایا ہے یا صحابہ کرام ﷺ کی طرف سے

---

(۱) کنز العمال، حدیث نمبر:۲۳۱۲۶۔

(۲) الجامع الترمذی:۱/۳۹۔

(۳) الفتاوی الهندیة:۵/۳۱۔

(۴) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر:۴۴۰، الجامع الترمذی، حدیث نمبر:۳۳۰۔

اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ اس طرح مسجد کی بے احترامی جو
لوگ کرتے ہیں، ان کو شریعت اسلامی کی رو سے کیا سزا ملنی
چاہئے؟　　(کے، ایم، محمود پاشا، باکارم، مشیر آباد)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ وہ نوجوان اور کنوارے تھے اور کوئی مکان میسر نہیں تھا، چنانچہ مسجد ہی میں سویا کرتے تھے اور رات بھی وہیں گذرتی تھی، (۱) یہ روایت حدیث کی دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری میں بھی منقول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے وقتی طور پر قیام کی گنجائش ہے، ہاں بلاضرورت مسجد میں سونا، کھانا پینا مکروہ ہے، اسی لئے فقہاء نے اعتکاف کرنے والے شخص کے لئے اس کی اجازت دی ہے، اس لئے اہل محلہ کو تو مسجد میں کسی دینی مصلحت یا کسی ضرورت کے بغیر قیام کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے، اور مسافروں کے لئے بہتر ہے کہ جب مسجد میں مقیم ہوں تو اعتکاف کی نیت کرلیں، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

" و یکره النوم و الأكل فيه أى المسجد لغير المعتكف و إذا أراد أن يفعل ذلك ينبغى أن ينوى الاعتكاف فيه و يذكر الله تعالى بقدر ما نوى و لا بأس للغريب و لصاحب الدار أن ينام فى المسجد فى الصحيح فى المذهب والأحسن أن يتورع فلا ينام " (۲)

''غیر معتکف کے لئے مسجد میں سونا اور کھانا مکروہ ہے اور جب ایسا کرنا چاہے تو مناسب ہے کہ اعتکاف کی نیت

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۳۲۱- باب النوم في المسجد -
(۲) الفتاوى الهندية :۵/۳۲۱، نیز دیکھئے: ردالمحتار :۳/۴۴۰-

کر لے اور جتنی دیر کی نیت کی ہے اللہ کے ذکر میں مشغول
رہے، نیز مسافر اور صاحب خانہ کے لئے مسجد میں سونے
میں حرج نہیں، البتہ بہتر ہے کہ سونے سے اجتناب کرے"

اگر مسجد کے غسل خانہ میں غسل کیا جائے اور جو جگہ نماز کے لئے مخصوص ہے اس جگہ سے ہٹ کر مسجد کے صحن میں پکوان کیا جائے تو اس میں مسجد کی بے احترامی نہیں، کیونکہ اصل مسجد شرعی وہ حصہ ہے جو نماز پڑھنے کے لئے مخصوص ہے، داڑھی کے بال بھی مسجد کے اندر کترنا کراہت سے خالی نہیں، کہ یہ مسجد میں گندگی پھیلانا ہے، بلکہ بعض فقہاء کے یہاں تو کٹا ہوا بال ناپاک بھی ہے، اس لئے بال اور ناخن وغیرہ نمازگاہ کے حصہ سے باہر کترنا چاہئے۔

مساجد میں طلبہ کا طعام وقیام

سوال:- {1442} بعض مساجد کے احاطہ، یا اوپری حصہ میں الگ الگ کمرے بنائے جاتے ہیں، جس میں اضلاع کے طلبہ قیام کرتے ہیں، کمرے مسجد ہی کا ایک حصہ ہوتے ہیں، کیا ان کو ہر روز اعتکاف کی نیت کرنی ضروری ہوگی ، یا ایک مرتبہ نیت کرنا کافی ہے؟ (پاشا محی الدین، ناملی)

جواب:- مسجد کا ایک حصہ وہ ہے جو مصلیوں کے نماز پڑھنے کے لئے ہے، وہ "عین مسجد" ہے، اس حصہ میں ایسا شخص داخل نہیں ہوسکتا، جسے غسل کی ضرورت ہو، اس حصہ میں یا اس کے بعینہ اوپر چھت کے حصہ میں طلبہ کا مستقل قیام وطعام اور رہائش مناسب نہیں، (۱) اس سے مسجد کی بے حرمتی کا اندیشہ ہے، مسجد کی اراضی اور عمارتوں کا دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جو نماز کے لئے مخصوص نہیں، جیسے مسجد کے ساتھ کھلی ہوئی اراضی، بیت الخلاء اور حمامات، امام، مؤذن کے لئے

(۱) رد المحتار :۲/۴۲۸_محشی

مکانات، مدرسہ یا ہاسٹل وغیرہ، یہ ''مصالح مسجد'' ہیں، ان کا حکم بعینہ مسجد کا نہیں، ناپاکی کی حالت میں بھی ان جگہوں میں جایا جاسکتا ہے، (۱) یہ حصہ طلبہ کی رہائش کے لئے جائز بلکہ بہتر ہے، تاکہ وہ اسلامی ماحول اور اخلاق سے ہم آہنگ رہیں، اعتکاف کی نیت اس حصہ کے لئے ہے جو عین مسجد ہے، اور نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص ہے، جو حصہ مصالح مسجد کے لئے ہے اس میں نہ اعتکاف درست ہے اور نہ اعتکاف کی نیت کرنے کی ضرورت۔ (۲)

مساجد میں بلند آواز سے بحث وتکرار

سوال:- {1443} مسجد کی کمیٹی مسجد کے ضروری امور پر غور وفکر کے لئے یا کسی ضروری امر کے لئے اجلاس منعقد کرتی ہے اور یہ اجلاس مسجد کے اندرونی حصہ میں ہوتا ہے، یعنی پہلی دوسری اور تیسری صف میں بیٹھ کر غور فکر کرتے ہیں، اور اراکین کمیٹی کے خیالات الگ الگ ہونے کی وجہ سے بحث و تکرار ہوتی ہے اور اتنی بلند آواز میں نکتہ چینی ہوتی ہے کہ ساری مسجد آواز سے گونج اٹھتی ہے، ایسا کرنا شرعی نقطۂ نظر سے درست ہے؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- سائب بن یزید سے مروی ہے:

حضرت عمر ﷺ نے مجھے بھیج کر دو شخص کو بلایا، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے جواب دیا طائف کے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تم کو تکلیف دہ سزا دیتا'' لو كنتما من أهل البلد

(۱) رد المحتار :۴۳۰/۲، محشی

(۲) حوالہ سابق۔

لاوجعتکما" تم مسجد میں اپنی آواز بلند کرتے ہو"(۱)

پس مسجد میں زور سے بحث ومباحثہ کرنا آداب مسجد کے خلاف ہے، چونکہ انتظامی امور میں اختلاف رائے پیدا ہونا مستبعد نہیں اور اختلاف کے موقعوں پر بعض دفعہ آواز بلند ہوہی جاتی ہے، اس لئے بہتر ہے کہ ایسی میٹنگیں حدود مسجد سے باہر رکھی جائیں۔

مسجد میں گل پوشی اور فوٹو گرافی

سوال:- {1444} مسجد میں گل پوشی کرنا اور فوٹو نکالنا کہاں تک درست ہے؟　　(محمد زاہد علی گولکنڈہ)

جواب:- مسجد میں ذی روح کی تصویر لینا تو سخت گناہ ہے، کیوں کہ تصویر کا بلا ضرورت کھینچنا اور کھینچوانا ہی حرام ہے،(۲) اور مسجد میں ایسی ناشائستہ حرکت کرنا تو گناہ بالائے گناہ ہے، اور گل پوشی وغیرہ بھی مناسب نہیں، کہ یہ دنیوی فعل ہے، اور مسجد میں ہر طرح کا دنیوی فعل مکروہ ہے۔"ویکرہ کل عمل من عمل الدنیا فی المسجد "(۳)

مسجد میں اپنی جگہ مقرر کر لینا

سوال:- {1445} بعض حضرات مساجد میں اپنی جگہ مقرر کر لیتے ہیں اور ہمیشہ اسی جگہ پر بیٹھتے ہیں، اس طرح

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۴۷۰۔

(۲) " قال النووي : قال العلماء : تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم ، وهو من الكبائر : لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد و سواء صنعه لما يمتهن أم لغيره ، فصنعه حرام بكل حال و سواء كان في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو فلس أو إناء أو حائط أو غيرها " (فتح الباري شرح صحيح البخاري:۱۰/۴۷۰، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ط: قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی، پاکستان) محشی۔

(۳) الفتاوى الهندية:۵/۳۲۱۔

مساجد میں اپنی جگہ مقرر کرنا کہاں تک درست ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- مسجدیں اللہ کا گھر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی کے اظہار کے لئے ہیں، اس لئے یہاں ہر شخص کو اپنی بڑائی کو قربان کر دینا چاہئے اور احساس عجز کے ساتھ آنا چاہئے، ایک ہی جگہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینا تواضع کے خلاف ہے، جو مقامات عمومی استعمال کے لئے ہوں ان کے بارے میں اصول یہ ہے کہ جس جگہ پہلے جو شخص نشست بنالے وہ اس کی نشست گاہ ہوگی، چنانچہ فقہاء نے مسجد میں اپنے لئے مخصوص جگہ مقرر کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

" و یکرہ للانسان ان یخص لنفسه مكانا في المسجد يصلي فيه " (۱)

دیوار قبلہ پر کیلنڈر

سوال:- {1446} ہمارے شہر کی ایک مسجد میں قبلہ کی دیوار پر اوقات نماز کا چارٹ اور کیلنڈر آویزاں ہے اور بہت ہی خوشخط قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی ہیں، جس کی وجہ سے نماز پڑھتے ہوئے بار بار نگاہ ادھر چلی جاتی ہے، کیا اسطرح مسجد کو سجانا چاہئے؟

(عبدالبصیر، نظام آباد)

جواب:- ہر ایسی بات سے بچنا چاہئے جس سے نماز میں خشوع متاثر ہو اور توجہ بٹ جائے، کیونکہ خشوع اور یکسوئی ہی اس کی اصل روح ہے، اسی لئے فقہاء نے محراب اور دیوار قبلہ پر نقش و نگار کو منع کیا ہے۔

" و کرہ بعض مشایخنا النقش علی المحراب و

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۰۸۔

حائط القبلة لانه يشغل قلب المصلي " (۱)
مناسب ہوگا کہ ایسی چیزیں بجائے قبلہ کے دائیں بائیں لکھی یا آویزاں کی جائیں۔

مسجد میں گھنٹہ

سوال:- {1447} ایک گھڑی مسجد میں کمیٹی کی جانب سے نصب کی گئی ہے، جس کی آواز نہ صرف مسجد میں بلکہ سارے محلہ میں سنائی دیتی ہے، جو تشبہ بالنصاریٰ کے مماثل ہے، کیا شرعاً یہ فعل جائز ہے؟ (علاء الدین، تالی)

جواب:- صورت مسئولہ کو تشبہ بالنصاریٰ میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ نصاریٰ کے یہاں جو ناقوس بجائے جاتے ہیں اس کی آواز گھڑی کے گھنٹہ سے مختلف ہوتی ہے، اور دونوں کا مقصد جداگانہ ہے، نیز فی نفسہ کوئی ایسا نظام متعین کرنا جس سے لوگوں کو اوقات کی خبر ہوتی رہے، کوئی ناجائز کام نہیں۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ مسجد کا ایک خاص مقصد ہے اور وہ ''عبادت'' ہے، اسی لئے مسجد میں عبادت سے متعلق اعمال اور دینی امور ہی کو جائز رکھا گیا ہے، ایسی چیزیں جو عبادت نہ ہوں، چاہے وہ بنفسہ جائز ہی کیوں نہ ہوں، بلکہ بسا اوقات مطلوب بھی ہوں، مسجد میں ان کی انجام دہی سے فقہاء نے منع کیا ہے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایک صاحب کے گم شدہ سامان کے سلسلہ میں مسجد میں اعلان کرنے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ (۲) اوقات نماز کا بتانا گو کہ بذات خود درست ہے، بلکہ ایک حد تک مفید بھی، مگر چونکہ مطلقاً اوقات کی یاد دہانی مسجد کا مقصود نہیں، نیز نفل پڑھنے والوں کو اس سے بسا اوقات خلل پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے یہ نامناسب ہے، رہ گئے نماز کے اوقات تو ان کے لئے اذان کافی ہے۔

(۱) ردالمحتار : ۴۳۱/۲، کبیری : ص:۵۷۱۔
(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۲۶۲-۱۲۶۳۔ محشی۔

مساجد میں ٹنگ ٹانگ گھڑیاں رکھنا

سوال:- {1448} مسجد میں ٹنگ ٹانگ گھڑیاں رکھنے کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟ جماعت کے رکن موصوف ایسی گھڑی کے بہانے طرح طرح کے الزامات لگانے کے متعلق از روئے شرع کیا حکم ہے؟ (محمد آصف اقبال)

جواب:- مساجد میں اوقات کی نشاندہی کرنے والی گھڑیوں کے رکھنے میں مضائقہ نہیں، اگر وہ خفیف سی آواز کے ساتھ بھی وقت بتاتی ہو اور اس سے عام لوگوں کی نماز میں خلل نہ پیدا ہوتا ہو، جیسا کہ مشاہدہ ہے تو ایسی گھڑیاں مسجد میں رکھی جاسکتی ہے۔(۱) اور اس پر موصوف کو اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے، کسی بھی مسلمان کو ایسا کام نہیں کرنا چاہئے کہ کسی ضرورت شرعی کے بغیر خواہ مخواہ مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پیدا ہو، اس لئے ان کو اس سے باز آجانا چاہئے۔

مساجد میں ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ قراءت وغیرہ

سوال:- {1449} مساجد میں ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ قراءت، نعت شریف وغیرہ سن سکتے ہیں؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

---

(۱) مسجد کے اندر گھنٹہ دار گھڑی بغرض اعلام وقت کے جائز ہے، اور چونکہ بعض لوگ بینائی کم رکھتے ہیں، بعض لوگ گھڑی نہیں پہچانتے اور بعض دفعہ روشنی کم ہوتی ہے، اس لئے ضرورت ہوتی ہے، آواز دار گھڑی کی، تو اس مصلحت سے یہ جرس ممنوع سے مستثنی ہے، جیسا کہ عالمگیری میں بعض فروع اس قسم کی لکھی ہیں، اور حدیث میں تصفیق کی اجازت عین صلوۃ میں مصلحت کے لئے بیّن دلیل ہے۔ (امداد الفتاوی:۲/۷۸)

جواب:- مسجد میں دنیوی گفتگو سے منع کیا گیا ہے، اور دینی گفتگو کی اجازت ہے، (۱) اس لئے قراءت، نعت یا مذہبی تقریر کی کیسٹ ایسے اوقات میں مسجد میں سنی جاسکتی ہے، جس میں دوسروں کی عبادت میں خلل نہ ہو، البتہ ضروری ہے کہ ذمہ داران مسجد کی اجازت سے ہو، اور مسجد کی بجلی استعمال نہ کی جائے۔

دیوارِ قبلہ پر مکہ و مدینہ کی تصویر

سوال:- {1450} مسجد میں سمت قبلہ کی دیواروں پر کعبہ و مدینہ کی تصویریں لگی ہوئی ہیں، کیا ان تصویروں کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہے؟ (محمد چشم الدین، میدک)

جواب:- نمازی کے سامنے یا دائیں بائیں ذی روح یا کسی ایسی چیز کی تصویر ہو جس کی دوسری قومیں پرستش کرتی ہوں، یہ جائز نہیں، کیونکہ اس میں غیر اللہ کی عبادت اور بندگی کا وہم پیدا ہوتا ہے، اور نماز کا مقصد ہی اللہ کی بندگی اور غیر اللہ کی نفی ہے، حدیثوں میں بھی اس طرح تصویر رکھنے کی ممانعت منقول ہے۔ (۲)

کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ چونکہ نہ ذی روح ہیں اور نہ کوئی قوم اس کی پرستش کرتی ہے، اس لئے ان کی تصویروں کا یہ حکم نہیں ہے، البتہ نماز کا ایک اہم ترین مقصد خشوع و خضوع ہے اور اگر نماز پڑھنے والوں کے سامنے کی سمت میں دیدہ زیب تصویریں ہوں تو توجہ ہٹ جاتی ہے، اور نگاہ بار بار اسی طرف اٹھتی ہے، اسی لئے فقہاء نے دیوار قبلہ میں نقش و نگار کو مکروہ تنزیہی کہا ہے، الدر المختار میں ہے:

" ولا بأس بنقشه خلا محرابه ، فإنه يكره :

---

(۱) " وكذلك يكره أن يتخذ طريقا أو يحدث فيه حديث الدنيا " (البحر الرائق : ۵/۴۲۰) محشی۔

(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۳۷۴، كتاب الصلاة ۔ محشی۔

لأنہ یلھی المصلی ، و ظاھرہ أن المراد بالمحراب جدار القبلة "(۱)

اوراس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ" والظاھر من ھذا أن الکراھة ھنا تنزیھیة"(۲) اس لئے سمتِ قبلہ میں ایسی تصویریں بھی مناسب نہیں ہے۔

مسجد میں عقدِ نکاح

سوال:- {1451} بعض لوگ عقد نکاح مسجد میں کرنا سنت مؤکدہ اور مسجد کے باہر خلاف سنت بتلاتے ہیں، کس حد تک درست ہے؟ جب کہ اکثر نکاح، شادی خانوں اور گھروں میں ہوا کرتے ہیں، نیز نصابِ اہل خدماتِ شرعیہ میں اس کو مستحب بتلایا گیا ہے۔ (غلام دستگیر، اے، سی گارڈ)

جواب:- مسجد میں نکاح کرنا سنتِ مؤکدہ اور مسجد کے باہر کرنا خلافِ سنت تو نہیں ہے، لیکن مستحب طریقہ یہی ہے کہ مسجد میں عقدِ نکاح کیا جائے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "ویستحب أن یعقد في المسجد "(۳) خود رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے،(۴) اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ؓ کے یہاں بھی مسجد میں نکاح کرنے کا اہتمام تھا، ایک روایت میں ہے:

"آپ ﷺ نے مسجد میں ایک جماعت کو دیکھا، آپ ﷺ

---

(۱) الدر المختار مع الرد :۱/۴۸٦، ط:مکتبہ رشیدیہ۔ محشی۔

(۲) رد المحتار:۱/۴۸۷، ۴۳۱، مکتبہ رشیدیہ۔ محشی۔

(۳) احیاء العلوم :۲/۴۱۔

(۴) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۰۸۹، عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنھا، مشکوۃ، حدیث نمبر:۳۱۵۲۔

نے دریافت فرمایا: یہ کیسا اجتماع ہے؟ لوگوں نے عرض کیا:
نکاح ہے، تو آپ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی۔(۱)

اس لئے مسجد میں مجلس نکاح رکھنا بہتر ہے اور اس کو رواج دینے کی ضرورت ہے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ گانا بجانا اور اس طرح کی لغویات سے لوگ از خود بچ جائیں گے، اور احترام مسجد کے پیش نظر ایسی باتوں سے گریز کریں گے۔

سوال:- {1452} محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب!　　السلام علیکم ورحمة الله وبركاته !

آپ نے ...... کی تقریب نکاح میں خطبہ دیتے ہوئے مساجد میں نکاح کرنے کو افضل بتایا تھا، میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کیا حدیث مروی ہے؟ وہ کس درجہ کی ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے نکاح مسجد میں کئے ہیں؟ کن صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسجد میں نکاح کرنا ثابت ہے؟

امید کہ اس کا جواب عنایت کریں گے۔

(عبدالرحیم قریشی، صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت حیدر آباد)

جواب:- مکرمی ومحترمی زیدت الطافکم!

السلام علیکم و رحمة الله و بركاته !

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو، گرامی نامہ موصول ہوا، مشغولیات کے باعث جواب میں تاخیر ہوئی، معذرت خواہ ہوں، مسجد میں نکاح کا اصل مقصود اعلان واظہار ہے، اور آپ ﷺ کی ذات اقدس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے ایسی مرکز توجہ تھی، کہ اگر مسجد میں نکاح نہ بھی ہوتا تو اس کی خوب شہرت ہو جاتی تھی، اور تشہیر کی حاجت نہ رہتی تھی۔

---

(۱)　مصنف عبد الرزاق :۶/ ۱۸۷۔

مساجد میں نکاح کی بابت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی موجود ہے، ترمذی شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اعلنوا هذا النكاح و اجعلوه في المساجد و اضربوا عليه بالدفوف" (۱)

''نکاح کا اعلان کرو، اسے مسجد ہی میں منعقد کرو، اور اس پر نوبت بجاؤ''

امام ترمذیؒ نے حدیث کو ''حسن'' قرار دیا ہے، اور مشہور محدث بیہقیؒ نے بھی اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: ''وجزم البيهقي بصحته ''(۲) رمز شناس شریعت امام غزالیؒ نے بھی آداب عقد نکاح میں لکھا ہے کہ مساجد میں عقد نکاح مستحب ہے، ''ويستحب أن يعقد في المسجد''(۳)

جہاں تک خود آپ ﷺ کے نکاح کی بات ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تو آپ ﷺ کا نکاح مکی زندگی میں ہوا، (۴) جس کے مسجد میں ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح حبش میں حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی وکالت سے ہوا، (۵) اس لئے اس میں بھی اس کا امکان نہیں تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح غزوۂ خیبر سے واپسی میں ہوا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۰۸۹۔ محشی۔
(۲) فيض القدير :۱۱/۲۔ محشی۔
(۳) إحياء علوم الدين :۴۱/۲، ط:الدار المصرية البنانية۔ محشی۔
(۴) البداية و النهاية :۲۹۴/۲۔ محشی۔
(۵) حوالہ سابق

مدینہ میں ہوا، ان حضرات کے نکاح کی بابت حدیث وسیرت کی کتابوں میں تفصیل نہیں ملتی کہ کہاں نکاح ہوا تھا؟ یہی حال آپ ﷺ کی بنات طاہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے واقعات نکاح کا ہے، میں نے اصابہ، اسد الغابہ، طبقات بن سعد اور اکثر اہم کتب سیرت ورجال سے رجوع کیا مگر مجلس نکاح کی بابت پتہ نہ چل سکا، کہ یہ مسجد میں ہوا، یا مسجد سے باہر ہوا، بہر حال کسی بات کی فضیلت کے ثبوت کے لئے آپ ﷺ کا عمل ہی ضروری نہیں، آپ ﷺ کا ارشاد بھی کافی ہے، بلکہ محدثین کے یہاں اہم قاعدہ یہ ہے کہ ''حدیث قولی'' کی اہمیت ''حدیث فعلی'' سے زیادہ ہے، اس لئے کہ ''اقوال'' اُصول وقانون کا درجہ رکھتے ہیں، اور آپ ﷺ کے افعال بعض اوقات استثنائی نوعیت کے ہوتے ہیں، جو کوئی خاص اہم تر شرعی مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، مثلاً آپ ﷺ نے بہ حالت استنجاء قبلہ کی طرف رُخ یا پشت کرنے کو منع فرمایا ہے، (۱) لیکن ایک اور روایت میں خود آپ ﷺ کا استنجاء کی حالت میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا ثابت ہے، (۲) پس ممانعت اصل ہے، اور آپ ﷺ کا یہ فعل کسی عذر پر مبنی تصور کیا جائے گا، فی زمانہ مساجد میں نکاح کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ بہت سے منکرات سے بھی مجلس نکاح محفوظ رہتی ہے، یہ بجائے خود اتنی بڑی مصلحت ہے کہ اس کی وجہ سے مجالس نکاح کو مساجد میں رکھنے کی ترغیب دی جاسکتی ہے۔

کیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی مساجد میں عقد نکاح کئے ہیں؟

سوال:- {1452} مکرمی جناب خالد سیف اللہ رحمانی صاحب!

وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته

امید کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے، بحمد اللہ میں ٹھیک

---

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۱۴۵۔ محشی۔
(۲) حوالہ سابق۔ محشی۔

ہوں، آپ کا جواب ۱۵/۳/۱۴۱۸ھ کو ملا شکریہ۔

میں نے اپنی تحریر میں یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے ان صحابہ کرام ﷺ کے ناموں کی فہرست حوالوں کے ساتھ چاہئے جنہوں نے اپنے نکاح مساجد میں منعقد کئے، آپ کے جواب میں اس تعلق سے کوئی ذکر نہیں ہے۔

باعث ممنونیت ہوگا اگر اس تعلق سے آپ جواب روانہ فرمائیں۔

اس کے بعد انشاء اللہ مساجد میں نکاح کے خواند اور مصالح پر گفتگو ہوگی، اور اگر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں صحابہ کرام ﷺ کا عمل سامنے آجاتا ہے، تو کسی گفتگو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب اتنی وضاحت سامنے آجائے تو کسی چوں وچرا کی گنجائش نہیں رہتی اور سر تسلیم خم ہو جاتا ہے۔

امید رکھتا ہوں کہ اس پر آپ تفصیلی جواب سے ممنون فرمائیں گے۔

نوٹ:- یہ بھی تحریر فرمایئے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ایک ہی سند سے یا کئی سندوں سے نقل کیا ہے، اور راوی کون کون ہیں؟

(عبدالرحیم قریشی، صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت حیدرآباد)

جواب:- محترمی ومکرمی! سلام مسنون

خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔ والا نامہ موصول ہوا.

(الف) حضرات صحابہ کرام ﷺ کے زمانہ میں تقریب نکاح کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی، اسی لئے عام طور پر حضرات صحابہ ﷺ کے نکاح کے بارے میں صرف اسی قدر

ملتا ہے کہ کون خواتین آپ سے منسوب تھیں ،تقریب نکاح کی تفصیل اور مقام تقریب کے بارے میں وضاحت نہیں ملتی ، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کس نے دیا؟ نکاح کس نے پڑھایا؟ گواہان کون لوگ تھے؟ ایسی تقریبات کو کتنی کم اہمیت دی جاتی تھی ، اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ﷛ اور حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ جیسے صحابہ جو آپ ﷺ کے مقربین میں تھے ،عقد کرتے ہیں اور آپ ﷺ کو اطلاع تک نہیں ہوتی ، بلکہ بعض دفعہ تو درمیان سفر ہی نکاح ہو جاتا تھا ، غالباً اسی لئے حضرات صحابہ کرام ﷡ کے عقد نکاح کی بابت جزوی تفصیلات نہیں ملتیں ، اس لئے اتنا موقع بھی میسر نہیں کہ فرداً فرداً تمام صحابہ ﷡ کے تذکرے تراجم ورجال کی کتابوں میں دیکھے جاسکیں۔

(ب) پھر فقہاء و محدثین کا ایک اصول یہ ہے کہ عدم ذکر عدم ثبوت کی دلیل نہیں ، ایسا ممکن ہے کہ بعض واقعات پیش آئے ہوں اور ان کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو، لہذا حدیث سے کسی بات کا ثبوت کسی حکم کی مشروعیت کے لئے کافی ہے، ایسا نہیں ہے کہ اگر عہد صحابہ ﷡ میں اس پر عمل کی صراحت نہ ہو تو وہ حدیث رد کر دی جائے۔

(ج) جہاں تک ترمذی کی اس حدیث کی بات ہے تو اس کے راوی تنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کے بھتیجے اور عہد تابعین کے ممتاز فقیہ قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ نے روایت کیا ہے ، اور قاسمؒ کے واسطہ سے یہ روایت احمد بن منیعؒ ، یزید بن ہارونؒ اور عیسی بن مامونؒ نقل کرتے ہیں ، ان میں احمدؒ اور یزیدؒ تو بہت اعلی درجہ کے محدث ہیں اور عیسی بن مامونؒ بھی مقبول راوی ہیں ۔ دعاء خیر کا خواستگار ہوں۔

والسلام

مدارس سے متعلق احکام

دینی مدارس کی اراضی

سوال:- {1453} فی زمانہ چونکہ سرکاری مدارس ہیں، مذہبی دینی تعلیم کا نظام نہیں ہے، اس لئے بعض تنظیمیں اور ادارے دینی درسگاہیں چلا رہے ہیں، جو لائق تحسین اقدام ہے، مگر بعض حضرات زکوۃ، چرم قربانی اور عطیہ جات کے ذریعہ رقوم جمع کر کے دینی مدارس کے لئے اپنے نام پر اراضی خرید کر عمارتیں تعمیر کروا رہے ہیں اور جائیداد ان کی ذاتی ملکیت قرار پاتی ہے، یہ طریقۂ کار کہاں تک درست ہے؟

(وہاب بھارتی، شکرنگر، بودھن)

جواب:- دینی مدارس وقت کی بہت بڑی ضرورت ہیں اور کہنا چاہئے کہ موجودہ حالات میں ان ہی مدارس سے دین کا بقا متعلق ہے، البتہ مدارس کی زمین اپنے نام پر خرید کرنا قطعاً جائز نہیں اور سخت گناہ ہے، بلکہ یہ ''غصب'' کے حکم میں ہے کہ ایک قومی امانت کو

کوئی شخص اپنی ذاتی ملکیت بنالے، ایسے اشخاص کو سمجھانا چاہئے کہ وہ ایسے ناشائستہ عمل سے باز رہیں اور ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ اس طرح کی خیانتوں کا سد باب ہو، البتہ ایسا نہیں ہے کہ تمام دینی مدارس میں یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اکثر مدارس میں باضابطہ مجلس انتظامی موجود ہے اور مدرسہ کی جائیدادیں خود مدرسہ کے نام سے خریدی جاتی ہیں —— یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ زکوۃ اور چرم قربانی کی رقم سے زمین خریدنا یا عمارت بنانا جائز نہیں، (۱) یہ رقم غریب طلبہ کے کھانے پینے پر ہی خرچ کی جاسکتی ہے۔

مینار کی تعمیر مقدم ہے یا مدرسہ چلانا؟

سوال:- {1454} جامع مسجد .... کے اطراف میں کئی ملکیاں ہیں، جس کا ماہوار کرایہ تقریباً بتیس ہزار آتا ہے، اس مسجد کے تحت اہل خیر حضرات کے تعاون سے مدرسہ ''تحفیظ القرآن'' تعمیر کیا گیا، کمیٹی سے کئی بار مدرسہ شروع کرنے کی گزارش کی گئی تو ان حضرات نے کہا کہ رقم کم ہونے کی وجہ سے مدرسہ کا آغاز نہیں کیا جاسکتا، اب اس مسجد کے دو بڑے مینار تعمیر کئے جارہے ہیں، جس پر کافی لاگت آئے گی، بتایا جائے کہ ان حالات میں مدرسہ کو جاری کرنا مقدم ہے یا مینار کی تعمیر کرنا؟ (خواجہ عارف، پالونچہ)

جواب:- مدرسہ تحفیظ القرآن کو جاری کرنے کی اہمیت یقیناً مینار کی تعمیر سے زیادہ ہے، کیونکہ مینار تو مسجد کی خوبصورتی اور آرائش کے لئے ہے، اور مسجد کے تحت جو مدرسہ بنایا گیا ہے اس سے مسجد کی آبادی کا نظم ہوگا، اور نمازی پیدا ہوں گے، البتہ کسی بھی کارِ خیر میں وقف کرنے

---

(۱) "لا يصرف إلى بناء نحو مسجد" (الدر المختار على هامش رد المحتار : ۳/۲۹۱) محشی۔

والے کی نیت بہت اہم ہوتی ہے،(۱) اگر کچھ لوگوں نے کمیٹی کو مینار کی تعمیر ہی کے لئے پیسے دیئے ہوں تو پھر اسی مد میں ان پیسوں کا خرچ کرنا لازم ہے۔

ایک مدرسہ کے وقف کا دوسرے مدرسہ میں استعمال

سوال:- {1455} محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی خاص دینی مدرسہ کی تعمیر کی غرض سے ایک شخص نے یا متعدد اشخاص نے یا کسی غیر اسلامی یا اسلامی حکومت نے کچھ رقم کمیٹی کو دی اور یہ تخصیص کر دی کہ یہ رقم آپ کے مدرسہ کی تعمیر کے لئے ہے، تو کیا کمیٹی والوں کے لئے یہ حق ہے کہ وہ کسی دوسرے کو اس رقم میں سے معطی کے منشاء کے خلاف امداد دیں کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ (معین الدین، آسام)

جواب:- وقف کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ واقف کے منشاء کی بہر حال رعایت کی جائے گی،(۲) اور مسئولہ صورت میں واقف نے بطور خاص تاکید کر دی ہے، اس لیے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے، وقف کے سلسلہ میں یہ اصول صرف مساجد ہی کے لئے نہیں ہے تمام اوقاف کے لئے ہے، چنانچہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اگر کسی وقف عمارت کا کچھ حصہ منہدم ہو جائے اور فی الوقت اس کی ضرورت نہ ہو تو اسے روک رکھا جائے گا اور جب ضرورت ہوگی

---

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع" (رد المحتار :۶/ ۶۴۹) مرتب۔

(۲) "شرط الواقف يجب اتباعه" (الأشباه و النظائر لابن نجيم :ص:۱۹۵) محشی۔

دوبارہ اس میں استعمال کرلیا جائے گا اگر بعینہ اس شیٔ کا استعمال ممکن نہ رہے تو فروخت کر کے اس کی قیمت مرمت واصلاح میں صرف کی جائے گی:

"وما انهدم من بناء الوقف و آلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه وإن استغنى عنه امسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرف فيها و إن تعذر اعادة عينه إلى موضعه يبيع و يصرف ثمنه إلى المرمة" (۱)

لہٰذا اس رقم کو دوسرے مدرسہ کیلئے دینا جائز نہیں ہے، اور نہ واقفیت کے باوجود لینا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کسی وقف کے مال کو دوسرے وقف کے لئے دینا جائز نہیں ہے گو کہ وہ مال پہلے وقف کی ضرورت سے زائد ہو اور دوسرے وقف کو اس کی ضرورت ہو۔

"هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة إلى عمارة ما هو محتاج إلى العمارة قال لا "(۲)

ایک مدرسہ کے سامان کو دوسرے مدرسہ میں منتقل کرنا

سوال:- {1456} (الف) مسجد فلاں گنٹہ میں ایک صباحی مدرسہ محلہ کے لوگوں نے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم کی غرض سے قائم فرمایا اور ساتھ ہی ایک گشتی کتب خانہ قائم کیا، لیکن اس وقت یہ کتابیں بلا استفادہ پڑی ہوئی ہیں، توجہ دلانے کے باوجود کوئی مطالعہ کے لئے کتابیں حاصل نہیں کر رہا ہے،

(۱) الفتاوى الهندية:۲/۳۶۹، مطبع بیروت۔
(۲) الفتاوى الهندية:۲/۲۷۸۔

کیا یہ کتابیں الماری کے ساتھ کسی دوسرے ہمہ وقتی اردو میڈیم مدرسہ میں مطالعہ کے لئے دی جاسکتی ہیں؟

(ب) صباحی مدرسہ کی کئی سال کی بچت جو اس وقت موجود ہے وہ ۶۵۰۰/ روپے ہے یہ چندہ دینی تعلیم کے لئے لوگوں سے لیا گیا ہے اور اب بھی لیا جاتا ہے، کیا اس کی فاضل بچت کسی دوسرے دینی تعلیمی ادارے کو جہاں واقعی ضرورت ہے، دی جاسکتی ہے؟

(ج) جس مسجد میں مدرسہ قائم ہے اس کی توسیع ہونے والی ہے، کیا یہ فاضل بچت مسجد کی توسیع کے کاموں میں لگائی جاسکتی ہے؟ واضح رہے کہ مسجد کی اور مدرسہ کی انتظامی کمیٹیاں الگ الگ ہیں۔ (عبید اختر، موتی باغ، کشن گنج)

جواب:- (الف) اس طرح کتابیں مع الماری منتقل کی جائیں کہ ملکیت تو مسجد کی باقی رہے، لیکن مذکورہ درسگاہ کے لوگ بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔

"وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه ولا يكون محصورا على هذا المسجد وبه عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها للإنتفاع بها" (۱)

(ب) اگر چندہ دہندگان کا مقصد محض دینی تعلیم میں اعانت ہو تو کسی اور دینی تعلیمی ادارہ کو بھی دیا جاسکتا ہے، لیکن اگر خاص اس صباحی مدرسہ کے لئے دیا گیا ہے اور چندہ دہندگان کا مقصد یہی ہے جیسا کہ سوال سے واضح ہے تو اگر مستقبل میں یہ رقم صباحی مدرسہ کے کام آسکتی ہو تو اس کا استعمال دوسرے مدرسہ کے لئے درست نہ ہوگا، اس لئے کہ چندہ دہندہ اور وقف کنندہ کے مقصود و منشاہی کو بنیادی اہمیت حاصل ہوسکتی ہے۔

---

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار: ۶/۵۵۸۔

(ج) مسجد کی تعمیر میں یہ رقم صرف نہ کی جائے ، اس لئے کہ مسجد کی تعمیر میں چندہ دینے اور دینی تعلیم کے لئے چندہ دینے کا مقصد الگ الگ ہوتا ہے۔(۱)

کفاف کا استحقاق

سوال:- {1457} اگر کسی صاحب مرتبہ شخص یا انجمن نے کسی مدرسہ کی امداد کی سفارش کی یا کسی صاحب خیر کو مدرسہ کا معائنہ کروایا، یا کسی کو جو دوسری غرض کے لئے بلایا گیا تھا، ضمناً مدرسہ بھی بتایا اور انہوں نے کچھ رقم مدرسہ کو دیدی —— اس صورت میں کیا مذکورہ شخص یا اشخاص کو بطور کفاف اس رقم سے کچھ لینا جائز ہے؟ بینوا وتوجروا۔ (محمد جنید، دارالعلوم حیدرآباد)

جواب:- کفاف کی حیثیت عملاً وعرفاً اجارہ کی ہے اور اجارہ میں اجرت کی بنیاد تمام تر معاہدہ پر ہوتی ہے، لہٰذا اگر کفاف کے سلسلے میں پہلے سے کوئی معاہدہ تھا، اور معاہدہ میں اتنی وسعت تھی کہ کسی آمدنی میں جو شخص یا اشخاص بھی فی الجملہ ذریعہ بنیں گے، وہ کفاف کے مستحق قرار پائیں گے، تو مذکورہ صورت میں متعلق افراد کفاف کے حقدار ہوں گے، اور اگر یہ قید ہو کہ جن کی وساطت سے اور ہاتھوں سے مدرسہ کو رقم ملے گی وہ مستحق کفاف نہ ہوں گے، تو ظاہر ہے کہ مذکورہ حضرات کفاف کے حقدار نہ ہوں گے، —— واضح ہو کہ یہ اس تقدیر پر ہے کہ کفاف کے ذریعہ اجارہ بذات خود درست ہے، جیسا کہ آج کل مدارس کا تعامل ہے اور اگر خود یہ معاملہ درست نہ ہو جیسا کہ بعض علماء اجرت میں ایک گونہ جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ کفاف کے استحقاق کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا أو مدرسة و وقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك "(الدر المختار على هامش رد المحتار : ۶/۵۵۱، ط: مکتبہ زکریا)۔

قبرستان سے متعلق احکام

قبرستان میں بنے ہوئے مکان کی خریدی

سوال:- {1458} ہمیں ایک مکان خریدنا ہے، لیکن لوگ اس گھر کے بارے میں کہتے ہیں کہ آج سے چالیس سال پہلے وہاں قبرستان تھا، کیا ایسے گھر میں رہنا درست ہے؟

(عبدالرشید، ناندیڑ)

جواب:- عام طور پر قبرستان کی زمین وقف ہوتی ہے، اور وقف کی زمین میں اپنا مکان بنالینا اس زمین کو غصب کر لینا ہے، اس لئے ایسا مکان آپ کے لئے خریدنا جائز نہیں، فقہاء نے قبرستان میں گھر بنانے کی اجازت صرف اس وقت دی ہے جب قبرستان کی حفاظت مقصود ہو لیکن اس میں بھی یہ قید رکھی ہے کہ اگر تدفین کے لئے اس جگہ کی ضرورت پڑ جائے تو تعمیر اٹھادی جائے:

"..... لکن إذا احتیج ذالك المكان یر فع البناء

لیقبر فیه "(۱)

ہاں اگر زمین کسی کی ملکیت ہو، قدامت کی وجہ سے قبریں بالکل بوسیدہ ہوگئی ہوں، تو مالک زمین اسے فروخت کرسکتا ہے، البتہ بوسیدہ ہڈیاں کہیں ایک جگہ احترام کے ساتھ دفن کردی جائیں، اگر ایسا قبرستان رہا ہو اور قبرستان کے مالک نے خود زمین فروخت کی ہو تو پھر اس مکان کے خریدنے کی گنجائش ہے۔

قبرستان کے متولی کون ہوں گے؟

سوال:- {1459} کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید نے حسب رواج زمانہ مقبرہ تعمیر فرمایا جسے کلیۃً خاندانی مقبرہ کی حیثیت حاصل ہے، جس میں خاندانی فرد یا افراد کے قبر یا قبور موجود ہیں، اس کی تولیت کا شرعاً حق فردِ خاندان اور وارث پر ہے یا کسی غیر پر یا کسی غیر ادارہ یا غیر افراد پر مشتمل کمیٹی پر ہے؟

جواب:- (الف) اصل اعتبار وقف کرنے والے کی نیت کا ہے، اگر اس نے اس کی تولیت اپنے خاندان کے لئے مختص کردی تھی تو وہی متولی ہوں گے۔ (۲)

قبرستان میں بینک انٹرسٹ کی رقم

سوال:- {1460} جہاں نما کے قریب جو مسلم بستیاں

---

(۱) البحر الرائق :۵/۴۲۶،کتاب الوقف ، فصل في أحكام المسجد ،ط: مکتبہ زکریا دیوبند۔ محشی۔

(۲) "شرط الواقف يجب اتباعه (الى قوله) لايجوز للقاضي عزل الناظر المشروط له بلاخيانة ولو عزل لا يصير معزولا ولا الثاني متوليا"(الاشباه والنظائر لابن نجيم:ص:۱۹۵،ط:بیروت)

وجود میں آئی ہیں ان کے لئے کوئی قبرستان نہیں ہے، جو ہے وہ
پُر ہونے کے قریب ہے، اس لئے قبرستان کے لئے ۳/ ۱ ایکڑ
۱۲/ کٹھے زمین کی بات ہوئی ہے، ایک لاکھ روپیہ اڈوانس دے
کر سیل ڈیڈ کی تکمیل کی گئی ہے، باقی رقم ۱۴/ لاکھ روپیہ معینہ
مدت میں ادا کرنا ہے ،اس کے لئے رقومات چندوں اور
عطیات کے ذریعہ جمع کی جارہی ہیں، بعض اہل خیر حضرات کی
کافی رقومات بنکوں میں جمع ہیں، جن کا سود علیحدہ کر کے رفاہی
کاموں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں بتایئے
کہ کیا یہ رقومات قبرستان کی خریداری، حصار بندی، بورویل کی
کھدائی وغیرہ کے سلسلہ میں استعمال کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟
(سید ممتاز الدین، خازن کمیٹی)

جو اب:- قبرستان کے لئے زمین کا حصول قابل تحسین امر ہے ،اور ان سطور کے ذریعہ مسلمان بھائیوں سے خواہش کی جاتی ہے کہ وہ اس کار خیر میں تعاون کریں ، یہ بات بھی مناسب ہوگی کہ کمیٹی کے ذمہ دار حضرات لوگوں سے خواہش کریں کہ قبرستان میں سنت کے مطابق کچی قبر بنایا کریں، پختہ قبر نہ بنایا کریں، پختہ قبر بنانے کی وجہ سے ہی ہمارے قبرستان تنگ دامنی کا شکار ہور ہے ہیں اور متولیان خرید وفروخت کر رہے ہیں، اگر کچی قبر بنائی جائے ،تو کم جگہ زیادہ دنوں کے لئے کفایت کرسکتی ہے ، چنانچہ مدینہ منورہ میں جنت البقیع کا قبرستان معمولی اضافہ کے ساتھ گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے کام کر رہا ہے۔

بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ قبرستان اور اس کے متعلقات حلال وجائز رقم سے پوری کی جائیں اور اول اسی کی کوشش کی جائے ،لیکن اگر ایسی رقوم سے پوری قیمت مہیا نہ ہو پائے تو بینک انٹرسٹ کی رقم بھی استعمال کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ علماء نے اس رقم کو رفاہی کاموں میں خرچ

کرنے کی اجازت دی ہے، اور قبرستان بھی رفاہی امور میں داخل ہے، اور بظاہر شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے اس قبرستان سے غرباء ہی زیادہ فائدہ اٹھائیں گے اور اس کا نفع انہیں کی طرف لوٹے گا۔

پرانی قبروں کی جگہ پر کوئی عمارت بنانا

سوال:- {1461} محلہ جنتی بازار قلعہ گولکنڈہ میں تقریباً ۳۰۰ گز کا ایک پلاٹ تھا اس پلاٹ پر کچھ قبریں جو تقریباً چار سو سال پرانی ہیں موجود تھیں ایک صاحب خیر نے سوا لاکھ روپیہ خرچ کر کے اس پلاٹ پر ایک پکی آر سی سی کی مسجد تعمیر کروا رہے ہیں، پلروں کا کام مکمل ہو چکا ہے، دو چار دنوں میں چھت بھی مکمل ہو جائے گی، مسجد کے پلاٹ کے اس حصہ پر جہاں پر پرانی قبریں تھیں توڑ کر ایک حوض مصلیان مسجد کے لئے تعمیر کر دیا گیا ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان قبروں پر حوض تعمیر کرنا مناسب نہیں ہے، اگر اس بنے ہوئے حوض کو توڑ دیا جائے تو بعد میں قبر پرستی کی راہ نکل سکتی ہے، اور مسجد عبادت گاہ سے قبر پرستی کا مسکن بن سکتی ہے، اس صورت حال میں کیا بنے ہوئے حوض کو توڑ دیا جائے اور اس کی جگہ دوبارہ قبریں بنادی جائیں۔ (ظفر اللہ خان، گولکنڈہ، حیدرآباد)

جواب:- قبر پر دوسری تعمیر کی ممانعت اصل میں احترام میت کی وجہ سے ہے جب قبر پرانی ہو جائے اور جسم مٹی بن جائے تو اب فقہاء نے اس پر تعمیر بلکہ کاشت کی بھی اجازت دی ہے، ہندیہ کے باب الجنائز میں ہے:

"إن الميت إذا بلى و صار ترابا جاز زرعه والبناء عليه " (۱)

یہ بات بھی قابل لحاظ رہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبرستان کا وقف، بلکہ مساجد کے علاوہ تمام ہی اوقاف وقف لازم نہیں ہیں، عالمگیریہ میں لکھا ہے:

" نوع آخر في اتخاذ المقبرة :فنقول ظاهر مذهب أبي حنيفه أنه لا يجوز أي لا يلزمه حتى كان له الرجوع فيها" (۲)

موجودہ صورت حال میں قبرستان ویران ہو چکا ہے، نیز مسجد کے حوض کے لئے اس حصہ کی ضرورت بھی ہے بلکہ حوض کا بڑا کام پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے، اس لئے وہاں اس حوض کا برقرار رکھنا اور اس جگہ رہنے دینا جائز اور عین مناسب ہے۔ واللہ اعلم

مقبروں پر تفریحی ٹکٹ

سوال:- {1462} مقبرہ یا مقبروں پر جس کی کلیۃً حیثیت قبر یا قبور کی ہے، کسی ادارے یا کمیٹی کی جانب سے اس پر تفریحی ٹکٹ کا عائد کرنا بالالتزام شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(محمد عرفان عالم بیگ، جالے، دربھنگہ)

جواب:- ازروئے شرع ہر مسلمان کو زیارت قبور کی اجازت ہے، اس لئے مقبرہ میں داخلہ کی اجرت بصورت ٹکٹ وصول کرنا درست نہیں۔

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/ ۱۶۷۔

(۲) حوالہ سابق:۶/ ۳۷۴۔

قبرستان میں تجارتی کمپلکس

سوال:- {1463} شہر حیدرآباد میں ایک قدیم مثلث قبرستان ہے، جس کے تینوں طرف مصروف ترین سڑک ہے، اب اس قبرستان میں تدفین نہیں ہوتی، لیکن قبروں کے نشانات واضح ہیں، شر پسندوں کے قبضہ کا بھی اندیشہ ہے اور لوگ اس وقت وہاں غلاظت بھی ڈال دیتے ہیں، تو کیا یہ بات درست ہوگی کہ قبرستان پر اونچے اونچے پلر ڈال کر تجارتی کامپلکس تعمیر کئے جائیں، واضح ہو کہ یہ قبرستان شہر کی بہت ہی اہم جگہ پر واقع ہے؟ (محمد توفیق احمد، مہدی پٹنم)

جواب:- اصل تو یہ ہے کہ قبرستان پر وقف کی ہوئی زمین مردہ کی تدفین کے لئے ہی استعمال ہو، لیکن اگر فی الحال قبرستان استعمال میں نہ ہو اور یوں ہی چھوڑ دینے کی وجہ سے شر پسند عناصر کا قبضہ اور قبروں کی توہین کا بھی اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں وقف کی زمین کے تحفظ اور قبروں کی تکریم کو ملحوظ رکھتے ہوئے کامپلکس بنانے کی گنجائش ہے۔

"ولو بلى الميت وصار تراباً جاز ... زرعه والبناء عليه"(۱)

یہ بات بھی بہتر ہے کہ نیچے سے اونچے ستون دیدیئے جائیں، تاکہ بعینہ قبر پر عمارت نہ ہو اور مستقبل میں اس بات کی گنجائش بھی باقی رہے کہ وہاں مردہ دفن کئے جائیں، البتہ اس تجارتی کامپلکس سے جو آمدنی ہو، ضروری ہوگا کہ اس آمدنی کو اسی مقصد کے لئے استعمال کیا جائے، اس وقت شہر میں قبرستانوں کی بڑی کمی ہے، پختہ قبریں بنانے کی وجہ سے جگہ تنگ پڑتی جارہی ہے،

---

(۱) بدائع الصنائع :۲/۳۴۲۔

تدفین ایک گمبھیر مسئلہ بن گیا ہے، ایسے واقعات بھی ہو چکے ہیں کہ بعض غرباء نے اپنے متعلقین کی لاشیں ہاسپٹل میں چھوڑ دیں اور بالآخر ان کا شمار لاوارث لاشوں میں کیا گیا، ان حالات میں یہ بات مناسب ہوگی کہ ایسے کامپلکس کی آمدنی سے شہر کے مضافات میں قبرستان کی وسیع اراضی خرید کی جائیں، نیز اس کی احاطہ بندی اور نگہداشت وغیرہ پر یہ رقم خرچ کی جائے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

کتاب الفتاوی

چوتھا حصہ

کتاب النکاح

نکاح سے متعلق سوالات

نکاح کے احکام

نکاح کا معنی اور قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال

سوال:- {1464} نکاح کا معنی ومفہوم کیا ہے؟ اور لفظ نکاح قرآن میں کتنی بار استعمال ہوا ہے؟

(قاری، ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- نکاح کا اصل معنی دو چیزوں کے ملانے کے ہیں، اسی مناسبت سے یہ لفظ عقد نکاح کے لیے بھی بولا جاتا ہے، کہ عقد ہی کے ذریعہ رشتہ جڑتا ہے، اور مرد وعورت کے اتصال کے لیے بھی، فقہاء کے یہاں اس میں اختلاف ہے کہ اصطلاح شرع میں اس لفظ کی اصل مراد عقدِ نکاح ہے، یا مرد وعورت کا تعلق، احناف کے نزدیک اس کے اصل معنی مرد وعورت کے جنسی تعلق کے ہیں، (۱) قرآن مجید میں یہ لفظ ۲۳ بار استعمال ہوا ہے، قرآن مجید کے انڈکس ''المعجم المفهرس لألفاظ القرآن'' میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ (۲)

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۳/۵۷۔ محشی۔

(۲) المعجم المفهرس لألفاظ القرآن :ص:۷۱۸۔

نکاح کی اہمیت اور اس کا حکم

سوال:- {1465} کیا نسل انسانی کی بقا اور صالح معاشرہ کے لئے نکاح فرض ہے؟

(محمد فہیم انور خاں، مہدی پٹنم)

جواب:- جو شخص نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں پڑنے کا اندیشہ محسوس کرتا ہو، اس کے لئے نکاح کر لینا فرض ہے، ''لا خلاف أن النكاح فرض حالة التوقان ''(۱) اور اگر گناہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ معتدل کیفیت ہو تو بھی سنت مؤکدہ سے کم نہیں، چنانچہ اگر بہتر نیت سے نکاح کریں تو ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ کریں تو گنہگار ہوگا:

"ويكون سنة مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب ان نوى تحصينا وولدا" (۲)

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح کی تاکید فرمائی ہے اور تجرد کی زندگی کو ناپسند فرمایا ہے۔ (۳)

پیغام پر پیغام

سوال:- {1466} دو خاندانوں کے درمیان رشتہ طے ہو چکا ہے، اسی اثناء میں تیسرا فریق چاہتا ہے کہ اس لڑکی کی شادی میرے لڑکے سے ہو جائے، شرعی اعتبار سے ان کا یہ عمل کیسا ہے؟ (ایس، ایم، اے، ایچ، مشیر آباد)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۴۸۳۔
(۲) رد المحتار: ۴/۶۵۔
(۳) صحیح مسلم: ۱/۴۴۹۔

جواب:- اگر ایک شخص نے کسی کو نکاح کا پیغام دیا اور ابھی اس نے پیغام قبول نہیں کیا ہے، تو دوسرا شخص نکاح کا پیغام دے سکتا ہے، لیکن جب کسی شخص نے اس پیغام کو قبول کرلیا تو اب تیسرے شخص کے لیے اس کا علم رکھنے کے باوجود کسی اور رشتہ کا پیغام دینا درست نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ایک بھائی کا پیغام رہتے ہوئے دوسرا اپنی طرف سے پیغام دے، الا یہ کہ پیغام دینے والا شخص اپنے پیغام سے دستبردار ہو جائے یا دوسرے شخص کو اپنی طرف سے پیام نکاح دینے کی اجازت دیدے" (۱)

رشتہ کے انتخاب میں اسلامی معیار

سوال:- {1467} بعض نوجوان جہیز کی رسم کی سخت مخالفت کرتے ہیں، اپنی شادی بھی بغیر جہیز لئے کرتے ہیں، لڑکی والوں سے کوئی مطالبہ بھی نہیں کرتے اور نہایت سادگی سے شادی انجام پاجاتی ہے، سماج میں سرخرو بھی ہو جاتے ہیں، کافی تعریفیں ہوتی ہیں، لیکن یہ شادی کسی نہ کسی امیر کبیر گھرانے ہی میں ہوتی ہے، کیا اس عمل کو شادی کے بعد کسی نہ کسی صورت میں مال کی حصولیابی کی امید سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا؟ اگر یہ نوجوان واقعی مخلص اور جہیز کے لالچی نہیں تو اپنی شادی غریب گھرانے کی نیک، دیندار اور اچھی لڑکی سے کیوں

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۱۴۲۔

نہیں کرتے؟ ایسے لوگوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(اسرار احمد، ذاکر نگر، نئی دہلی)

جواب:- نکاح کے سلسلہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ مال و دولت کے بجائے لڑکی کی دینی و اخلاقی حالت پر نظر رکھی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''نکاح چار وجہ سے کیا جاتا ہے، مال و دولت کی وجہ سے، خوبصورتی کی وجہ سے، خاندان و نسب کی وجہ سے اور دین کی وجہ سے'' (۱) تو تم دیندار کا انتخاب کر کے شادی میں کامیابی حاصل کرو ''فاظفر بذات الدین'' (۲) تاہم چونکہ قرآن مجید نے کہا ہے: ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (۳) ''ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں'' یہاں چونکہ قرآن نے پسند کا کوئی معیار مقرر نہیں کیا اور اسے پسند کرنے والے کے ذوق پر چھوڑ دیا، طبیعت و مزاج کے فرق کے تحت مختلف لوگوں کی پسند کا معیار بھی الگ الگ ہو سکتا ہے، اس لئے اگر کوئی لڑکی دین و اخلاق کے اعتبار سے بھی قابل قبول ہو اور صاحب ثروت ہو تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں، ہاں بہتر یہی ہے کہ دین و اخلاق پر نظر رکھی جائے، چنانچہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ''دین و اخلاق میں برابری اور کفاءت کی رعایت پر اکتفا کرنا افضل ہے'' ملک العلماء علامہ کاسانیؒ کا بیان ہے:

'وعندنا الأفضل اعتبار الدين و الاقتصار عليه' (۴)

''ہمارے نزدیک افضل طریقہ دین میں کفاءت کا اعتبار کرنا اور صرف اسی پر اکتفاء کرنا ہے''

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۰۴۸۔ محشی۔
(۲) صحیح البخاری: ۷۶۲/۲، باب الاکفاء فی الدین۔
(۳) النساء: ۳۔
(۴) بدائع الصنائع: ۳۱۷/۲۔

بہر حال ایسے نوجوانوں کا جہیز کے غیر شرعی رسم سے اپنے آپ کو بچانا قابل تحسین ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک لڑکی معتدل گھرانے کی ہو اور مسنون طریقہ پر شادی ہو تو شاید اس رسم کے سد باب میں زیادہ معاون ثابت ہوگا، کیوں کہ متوسط اور معاشی اعتبار سے دوسرے درجہ کا طبقہ متمول گھرانوں ہی کو دیکھ کر اور ان کی نقل کرنے کی وجہ سے اس مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔

بیوہ سے نکاح افضل ہے یا کنواری سے؟

سوال:- {1468} اسلام میں بیوہ عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے یا کنواری لڑکی سے؟

(محمد ادریس فلاحی، گجرات)

جواب:- اصل میں یہ شخصی اور سماجی حالات پر موقوف ہے۔

حضور ﷺ کے ایک صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ ہیں، انہوں نے ایک بیوہ خاتون سے نکاح کر لیا تھا، آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے ان کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا کہ کنواری لڑکی سے نکاح کرنا تمہارے لئے زیادہ موزوں ہوتا، حضرت جابر ؓ نے عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور میری کئی بہنیں ہیں، میں نے چاہا کہ کوئی عمر رسیدہ خاتون گھر میں آجائے جو ان کی تربیت کر سکے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا'' (۱)

لیکن ہمارے زمانہ میں اور ہندوستان کے سماج میں صورت حال یہ ہے کہ برادران وطن کے سماجی تصورات سے متاثر ہو کر بیوہ اور مطلقہ عورتوں کا نکاح بہت کم عمل میں آتا ہے، اور لوگ

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۰۸۵۔ محشی۔

اس طرف رخ ہی نہیں کرتے ، اس لئے موجودہ حالات میں میرا خیال ہے کہ ایسی خواتین سے نکاح کرنا زیادہ افضل ہے ، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کی سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بیوہ یا مطلقہ تھیں اور بعض تو ایک سے زیادہ شوہروں سے گزر کر حرم اقدس ﷺ میں آئی تھیں، اس لئے اس دور میں ایسی بے سہارا خواتین سے نکاح کرنا شاید زیادہ افضل ہے۔

بیوہ عورت سے نکاح

سوال:- {1469} کیا میں بیوہ سے نکاح کر سکتا ہوں؟ میرے گھر میں لوگوں کو اس سے انکار ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ پہلے بیوہ سے نکاح کرلوں ، پھر بعد میں کنواری سے نکاح کروں۔ (اسلم خاں، ناندیڑ)

جواب:- نکاح کے لیے میاں بیوی میں مناسبت اور ہم آہنگی اہم ہے، نہ کہ عورت کا کنواری یا بیوہ ہونا ، اس لیے بیوہ سے بھی نکاح کیا جاسکتا ہے، آنے والی بہو کو چوں کہ گھر کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا پڑتا ہے، اس لیے ان کو اعتماد میں لے کر نکاح کرنا بہتر ہے، بیوہ کے بعد کنواری سے نکاح کرنا جائز ہے، لیکن یہ کچھ باعث اجر وثواب نہیں ، کہ ایسا ہی کیا جائے ، اسلام نے دوسرے نکاح کی اجازت کچھ شرطوں کے ساتھ دی ہے، (۱) ان شرطوں کی رعایت ضروری ہے، اور چوں کہ عام طور پر لوگ اس رعایت کو ملحوظ نہیں رکھ پاتے ، اس لیے ایک ہی نکاح پر اکتفاء کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

شادی سے پہلے لڑکی کو دیکھنا

سوال:- {1470} شرعاً لڑکی کو ایک نظر دیکھ سکتے ہیں

---

(۱) النساء :۳۔ محشی ۔

یا نہیں؟ (حافظ سید فاروق، مدرس سبیل السلام حیدر آباد)

جواب:- غیر محرم عورتوں کو عام حالات میں دیکھنا قطعاً جائز نہیں ہے، ہاں! اگر نکاح کا ارادہ ہو تو دیکھ سکتا ہے، بلکہ بہتر ہے تا کہ آئندہ شکل وشباہت کا کوئی گلہ باقی نہ رہے، صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ ؓ کو منگیتر کو پہلے دیکھ لینے کی تلقین فرمائی۔(۱) اگر دیکھنے کے بعد طبیعت کا رجحان اس سے نکاح کرنے کی طرف نہ ہو سکا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں! اگر پہلے ہی سے نکاح کرنے کی نیت نہ تھی اور صرف دیکھنے ہی کی غرض سے لڑکی کو دیکھا تو شدید گناہ ہے۔

دلہن سے اجازت کون لے؟

سوال:- {1471} نکاح کے وقت لڑکی سے اجازت لینے کے لیے خود والد کا پوچھنا بہتر ہے، یا قاضی صاحب کا پوچھنا؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- بہتر ہے کہ والد خود نکاح کی اجازت لے اور لڑکی کے دو محرم رشتہ داروں کو اپنے ساتھ لے جائے، قاضی غیر ہو تو اس کا جانا بہتر نہیں ہے، عام طور پر لڑکی سے اجازت لینے کے موقع پر بہت بے احتیاطی ہوتی ہے، اولاً تو اجازت کے لیے غیر محرم لیجائے جاتے ہیں، اور وہ دلہن کو زیبائش کی حالت میں دیکھتے ہیں یہ خود بہت قبیح بات ہے، اس کے علاوہ دلہن کے ساتھ خاندان کی دوسری عورتیں بھی کھلے بازو اور کھلے چہرے کے ساتھ زیبائش و آرائش کر کے بیٹھی

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۴۸۵۔ محشی۔

"ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه الصلاة و السلام لمغيرة بن شعبة ؓ حين خطب امرأة أنظر إليها فإنه احرى أن يودم بينكما۔ رواه الترمذي، والنسائي، وغيرهما" (رد المحتار: ۵/۲۳۷، كتاب الحظر والاباحة)

ہوتی ہیں، جس سے بہت بے پردگی ہوتی ہے، اور وہاں ان کی موجودگی غیر ضروری اور بے فائدہ بھی ہوتی ہے، اس لیے خواتین کو چاہئے کہ ایسے موقعہ پر ہٹ جائیں، اور لڑکی کے ولی کو چاہیے کہ محرم گواہوں کو ساتھ لے جائیں، وباللہ التوفیق۔

اردو میں خطبۂ نکاح

سوال:- {1472} خطبہ نکاح اگر صرف اردو میں دیا جائے یا عربی کے ساتھ ساتھ اردو میں ترجمہ بھی بیان کر دیا جائے تو کیسا ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- نکاح کا خطبہ محض مستحب ہے، یہ جمعہ کے خطبہ کی طرح نہیں، جمعہ کا خطبہ شرائط جمعہ میں سے ہے اور گویا نماز جمعہ ہی کا ایک حصہ ہے، ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی جاتی ہے اور جمعہ کی نماز میں دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے، اور دو رکعت کی جگہ خطبہ دیا جاتا ہے۔ اس لیے جیسے نماز میں قراءت، اذکار اور دعاؤں کا عربی زبان میں ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح خطبہ جمعہ میں بھی اکثر علماء نے عربی زبان کو ضروری قرار دیا ہے، (۱) خطبۂ نکاح کی نوعیت یہ نہیں ہے، اس لیے صرف اردو میں خطبہ دیا جائے پھر بھی درست ہے، اردو، عربی ملا کر دیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں، بہتر ہے کہ پہلے اردو میں خطبۂ نکاح کا مطلب بیان کر دیا جائے، پھر عربی زبان میں خطبہ پڑھ دیا جائے۔ اس سے ایک طرف لوگ اپنی زبان میں احکام نکاح کو سمجھ لیں گے اور خطبہ کا اصل مقصد حاصل ہوگا اور عربی میں خطبہ دینے سے یہ فائدہ ہوگا کہ بعینہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک الفاظ میں خطبہ کی ادائیگی ہوگی اور اس کا افضل و اولیٰ ہونا ظاہر ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۱۶۱۔ محشی۔

کیا وعدۂ نکاح سے نکاح ہو جائے گا؟

سوال:- {1473} میری ایک سہیلی ہے، جسے ایک لڑکے سے بچپن ہی سے دوستی ہے اور ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، ایک مرتبہ لڑکا میری سہیلی اور مجھے اپنے گھر کے پڑوس والے گھر میں لے گیا جہاں ایک بوڑھا تھا، غالباً لڑکے نے بوڑھے کو پہلے ہی نکاح کرانے کے لئے کہہ دیا تھا، چنانچہ بوڑھے نے سہیلی سے پوچھا کہ کیا تم لڑکے کو پسند کرتی ہو اور اس سے نکاح کرنے پر رضامند ہو، سہیلی نے کہا کہ میں لڑکے کو پسند کرتی ہوں اور نکاح کے لئے بھی راضی ہوں، اگر امی اور ابا راضی ہو جائے، تو بوڑھے شخص نے تین بار کہنے کے لئے کہا، چنانچہ سہیلی نے تین بار یہی کہا کہ "میں شادی کرنے کے لئے راضی ہوں بشرطیکہ امی اور ابا راضی ہو جائیں" پھر بوڑھے نے لڑکے سے پوچھا کہ کیا تم لڑکی کو پسند کرتے ہو، اور اس سے شادی کرنے پر راضی ہو؟ تو اس نے کہا کہ "میں بالکل راضی ہوں، صرف ان (لڑکی) کے امی ابا راضی ہو جائیں"، پھر بوڑھے شخص نے سہیلی کو کاغذ کا ایک ٹکڑا دیا اور کہا کہ اس میں اپنا نام، والدین کا نام لکھو اور یہ بھی کہ میں راضی ہوں، چنانچہ سہیلی نے ویسا ہی لکھ کر اس شخص کو کاغذ حوالہ کر دیا، اس کے بعد لڑکا اپنے گھر لے گیا، جہاں اس کی صرف ہمشیرہ تھی، ان سب باتوں کی اطلاع کئے بغیر سہیلی اپنے گھر آ گئی، اس واقعہ کی اطلاع کسی چوتھے شخص کو بھی نہیں ہے، میں یہ دریافت کرنا

چاہتی ہوں کہ کیا اس طرح نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں ؟ کیونکہ مسئلہ بہت سنگین ہے۔ (آپ کی دینی بہن)

جواب:- آپ کے دینی بھائی کی حیثیت سے پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ اسلام میں کسی عورت کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ کسی غیر مرد کے ساتھ تنہائی اختیار کرے، یا اس کے ساتھ کہیں آئے جائے، شریعت کے اس حکم میں جہاں عورت کی عفت وعصمت کی حفاظت ہے، وہیں اس کے جان و مال، اس کے مستقبل اور اس کے مفادات کی بھی حفاظت ہے، اسی لئے لڑکی گو بالغ ہو، مگر آپ ﷺ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ وہ بغیر ولی کے اپنے طور پر نکاح کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "لا نکاح الا بولی "(۱) نکاح ولی کے وساطت سے کیا جانا چاہئے۔

جو صورت آپ نے لکھی ہے اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، لڑکی کا یہ کہنا کہ میں راضی ہوں، اگر امی ابا راضی ہو جائیں تو اچھا ہے، اور وہ شادی کر لے گی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نکاح کا ایجاب یا قبول نہیں، بلکہ نکاح کا وعدہ یا آئندہ نکاح کر لینے پر رضامندی کا اظہار ہے، پھر نکاح کے منعقد کرنے کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا بہ طور گواہ مجلس عقد میں ہونا ضروری ہے، (۲) اور یہاں اس گفتگو کے موقع پر اس لڑکی اور لڑکے کے علاوہ صرف ایک مرد اور ایک عورت تھے، لہذا نکاح منعقد نہیں ہوا۔

خدا کو گواہ بنا کر نکاح

سوال:- {1474} اگر کوئی لڑکا خدا کو گواہ اور حاضر وناظر جان کر خطبہ پڑھے، اور لڑکی مقررہ مہر پر اسے قبول کر لے، تو نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں؟ (محمد زاہد علی، ظہیر آباد)

---

(۱) بیهقي، حدیث نمبر: ۱۳۶۱۱۔ محشی۔

(۲) البحر الرائق: ۱۵۵/۳۔ محشی۔

جو اب:- نکاح منعقد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دو عاقل، بالغ مسلمان مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے، (۱) اس لیے کہ نکاح کا مقصد اعلان و تشہیر اور بوقت ضرورت ثبوت نکاح کے لیے گواہان کی فراہمی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ ضرورت انسانی گواہوں کے ذریعہ پوری ہوسکتی ہے، یوں تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے ہی، اگر یہی بات کافی ہوتی تو گواہ بنانے کا حکم کیوں دیا جاتا؟ اس لیے اس صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوگا، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

"تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لاينعقدوهل يكفر؟ عرف فى الفاظ الكفر" (۲)

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گواہ بنا کر کسی عورت سے نکاح کیا، تو نکاح منعقد نہیں ہوگا اور کیا ایسے شخص کو کافر قرار دیا جائے گا؟ تو اس جملہ کو الفاظ کفر ہی میں شامل کیا گیا ہے"۔

اس جملہ کے الفاظ کفر میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا صرف اللہ کی شان ہے، جو شخص نکاح میں اللہ اور رسول کو گواہ بناتا ہے، وہ گویا رسول کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاص میں شریک و سہیم ٹھہراتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مشرکانہ تصور ہے۔

نکاح میں ایک گواہ نابالغ ہو

سوال:- {1475} نکاح میں دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، مگر کیا یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دونوں بالغ ہوں، اگر ایک

---

(۱) "و لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل و امرأتين" (الهداية :۲/۳۹۶،كتاب النكاح) محشی۔

(۲) خلاصة الفتاوى:۲/۱۵۔

بالغ ہو، اور دوسرا نابالغ، تو کیا نکاح درست ہو جائے گا؟

(شبیر احمد، VT، ممبئی)

جواب:- نکاح درست ہونے کے لیے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، نیز دونوں گواہوں کا مسلمان اور عاقل و بالغ ہونا بھی ضروری ہے۔

" و لا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاھدین ، حرین، بالغین، عاقلین، مسلمین" (۱)

اس لیے ایک بالغ اور ایک نابالغ گواہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

موبائل فون پر نکاح و طلاق

سوال:- {1476} کیا سعودی اور دوبئی میں رہنے والا موبائل فون پر نکاح کر سکتا ہے؟ طلاق دے سکتا ہے؟

(سید حفیظ الرحمٰن، پھولانگ)

جواب:- نکاح کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہو، اس لئے موبائل پر نکاح کرنا درست نہیں، البتہ نکاح کا وکیل بنایا جا سکتا ہے، اور وکیل اپنے موکل کی طرف سے ایجاب یا قبول کر سکتا ہے، اس طرح نکاح منعقد ہو جائے گا۔ (۲)

طلاق کے سلسلہ میں صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کو ملاقات کر کے سمجھائیں، اگر طلاق ناگزیر ہو جائے تو طلاق دیں، تاہم طلاق واقع ہونے کے لئے شوہر و بیوی کا ایک جگہ موجود رہنا ضروری نہیں، اگر خط یا کسی اور ذریعہ سے شوہر بیوی تک طلاق کی اطلاع پہنچا دے تو اس سے بھی طلاق کے احکام جاری ہو جاتے ہیں، اس لئے موبائل فون کے ذریعہ اگر مرد نے

---

(۱) القدوری: ص:۶۶۔

(۲) دیکھئے: الفتاوی الهندیة ۱/ ۲۶۹۔ محشی۔

طلاق دی اور اس کی آواز پہچاننے میں کوئی التباس نہ ہو تو یہ بھی طلاق واقع ہونے کے لئے کافی ہے، لیکن چونکہ موبائیل پر دی گئی طلاق پر کوئی گواہ نہیں ہوتا اور آواز میں اشتباہ بھی ہوسکتا ہے، اس لئے بہتر ہے کہ تحریر کے ذریعہ طلاق دے یا فون کرتے وقت دو اشخاص کو گواہ بنالے، تاکہ آئندہ مرد وعورت کے لئے طلاق کو ثابت کرنا آسان ہو۔

فون پر نکاح

سوال:- {1477} ۲۵/ جولائی کے "روزنامہ منصف" میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ بہار کی تسلیم انور کا نکاح سعودی عرب میں مقیم ذکی امام سے ٹیلیفون پر ہوا ہے، جب کہ فقہ کی کتابوں میں شادی کے لئے چار شرائط کو ضروری قرار دیا گیا ہے، جس میں سے ایک شرط یہ ہے کہ دولہا دلہن ایک ہی محفل میں ہوں۔ (سیدہ فاطمہ، مستعد پورہ)

جواب:- ٹیلیفون پر نکاح سے متعلق مسئلہ اس سے پہلے بھی آچکا ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر ٹیلیفون ہی پر عاقدین میں سے ایک نکاح کی پیشکش کرے اور دوسرا اسے قبول کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ نکاح کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی مجلس میں ایجاب و قبول ہو اور اسی مجلس میں گواہان ایجاب وقبول کو سنیں، البتہ اگر عاقدین میں سے ایک شخص سعودی عرب میں ہو اور وہ ٹیلیفون کے ذریعہ ہندوستان میں کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنادے اور وکیل دو گواہوں کے سامنے اپنے مؤکل کی طرف سے نکاح کا ایجاب کرے اور دوسرا فریق اسے قبول کرے تو نکاح منعقد ہوجائے گا؛ کیونکہ اس صورت میں ایک ہی مجلس میں ایجاب وقبول پایا گیا، کتب فقہ میں اس کی نظیر موجود ہے۔(۱)

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندیة: ۱/ ۲۶۹۔

انٹرنیٹ وغیرہ پر نکاح

سوال:- {1478} انٹرنیٹ، ویب سائٹ، فیکس، ای میل، ٹیلیفون کانفرس اور ٹیلی گرام پر نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ (محمد عاشق صدیقی، پھلت، مظفرنگر، یوپی)

جواب:- نکاح میں ضروری ہے کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہو، سوال میں جن صورتوں کا ذکر ہے، اس میں ظاہر ہے کہ بات کرنے یا تحریری طور پر اپنی بات کو پیش کرنے والے کی مجلس الگ ہوتی ہے اور مخاطب کی مجلس الگ؛ اس لیے ان ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نکاح کا ایجاب وقبول درست نہیں؛ البتہ کسی شخص کو ایجاب وقبول کا وکیل بنایا جاسکتا ہے اور وہ اپنے موکل کا نکاح کرسکتا ہے۔(۱)

عاقدین کی عمر میں تناسب

سوال:- {1479} میری عمر ۲۴ رسال ہے، اور میں ایک ۱۵ رسال کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا عمر کے لحاظ سے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ رشتہ مناسب ہوگا؟

(ندیم اطہر، حیدرآباد)

جواب:- اسلام میں نکاح کے لئے لڑکے اور لڑکی کے لئے کوئی مخصوص عمر متعین نہیں، اور یہ بات مناسب بھی ہے، کیونکہ مختلف لوگوں کی مصلحتیں الگ الگ ہوتی ہیں، تاہم رسول اللہ ﷺ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کی عمر میں ایک تناسب ہونا چاہئے، اور سن وسال کا بہت زیادہ فرق نہیں ہونا چاہئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے لئے حضرت ابوبکر ؓ وعمر ؓ نے بھی پیغام دیا، جن کی عظمت وفضیلت محتاج اظہار نہیں، لیکن حضور ﷺ نے ان کے

(۱) دیکھئے: رد المحتار: ۴/۶۳۔ محشی۔

رشتہ کے لئے حضرت علی ﷛ کے پیغام کو پسند فرمایا(۱) کہ ان دونوں حضرات کی عمر میں بہت زیادہ فرق نہیں تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ ﷛ نے ایک بیوہ خاتون سے نکاح کیا، حالانکہ وہ خود کنوارے تھے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی کنواری سے کیا ہوتا، پھر جب حضرت جابر ﷛ نے اپنی مصلحت بتائی تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے،(۲) بہ ظاہر عمر کا جو فرق آپ نے لکھا ہے وہ مناسب ہی ہے۔

نکاح کی کم سے کم عمر

سوال:- {1480} اسلامی نقطۂ نظر سے شادی کے لئے لڑکے اور لڑکی کی کم سے کم کیا عمر ہونی چاہئے؟

(محمد ساجد، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

جواب:- شرعاً نکاح کے لئے کوئی عمر معتبر نہیں، یہاں تک کہ نابالغ کا نکاح بھی معتبر ہو جاتا ہے،(۳) لیکن بہتر ہے کہ بالغ ہونے کے بعد نکاح کیا جائے، قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے،(۴) عام حالات میں ایسی عمر میں نکاح کر دینی چاہئے کہ عفت وعصمت کی حفاظت کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو۔

نکاح کے لئے عمر اور نکاح کی استطاعت؟

سوال:- {1481} نکاح کے لئے عمر اور استطاعت کے متعلق شریعت کے کیا احکام ہیں؟ استطاعت سے کیا مراد ہے، آج کل کا پڑھا لکھا مسلمان اچھی نوکری نہ پانے کی وجہ

---

(۱) موسوعۃ حیاۃ الصحابیات: ص: ۶۲۱۔ محشی۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۵۰۷۹، باب تزویج الثیبات۔ محشی۔

(۳) البحر الرائق: ۳/۲۰۶۔ محشی۔

(۴) النساء: ۶۔

سے اگر کسی معقول ذریعۂ معاش کا انتظام نہیں کرتا ہے، تو اس
کا یہ کہنا کس حد تک صحیح ہوگا کہ ابھی استطاعت نہیں ہے؟

(حافظ شیخ محبوب، لام، گنگور)

جواب:- نکاح کے صحیح ہونے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں، اولیاء نا بالغ کا نکاح کردیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن قرآن وحدیث کے مجموعی مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خصوصی حالات کو چھوڑ کر عام حالات میں نکاح کی ایک عمر ہونی چاہئے، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿حَتّٰى إِذَا بَلَغَ النِّكَاحَ﴾ (۱) یہاں اللہ تعالیٰ نے عمر نکاح کا پہونچنے کا ذکر کیا ہے، مفسرین متفق ہیں کہ یہاں عمر نکاح سے بلوغ مراد ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

"أی صار أهلا له بالاحتلام أو السن وهو
استكمال خمس عشر سنة " (۲)

اس لئے بالغ ہونے کے بعد جلد سے جلد نکاح ہونا چاہئے۔

استطاعت سے مراد خانہ داری کی ضروریات کی تکمیل ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''من استطاع منكم الباءة فليتزوج ''(۳)''تم میں سے جو پناہ فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اسے نکاح ضرور کر لینا چاہئے'' ''باءة '' کا مأخذ'' تبوء '' ہے، جس کے معنی ٹھکانہ دینے کے ہیں، ٹھکانہ کم سے کم سامان بقاء کی فراہمی کے لئے بولا جاتا ہے، ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: ''أی كونه الباءة من المهر والنفقة ''(۴)

آج کل لوگوں نے اپنے ذہن میں جو ایک مخصوص معیار مقرر کر لیا ہے، اور اس کے

---

(۱) النساء:۱۰۔
(۲) تفسیر جلالین:۷۰۔
(۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۴۰۰ محشی۔
(۴) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح:۳/۲۰۲۔

حصول تک خود کو نکاح کے لئے غیر مستطیع قرار دیتے ہیں، وہ شریعتِ اسلامی کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔

نکاح کی مقررہ عمر

سوال:- {1482} ازروئے قانون نکاح کے لئے کم سے کم عمر مقرر ہے کہ لڑکیوں کا ۱۸/ سال اور لڑکوں کا ۲۰/ سال سے پہلے نکاح نہیں ہوسکتا، کیا ازروئے شریعت اس طرح کی شرط درست ہے؟ (محمد عبدالقیوم صدیقی، ملک پیٹ)

جواب:- نکاح کے لئے اس طرح کی کوئی شرط اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے، اسلام میں گو یہ بات پسندیدہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد ہی نکاح کیا جائے، تاکہ میاں بیوی صحیح طریقہ پر اپنے مزاج و مذاق کے مطابق رشتہ کا انتخاب کرسکیں، لیکن چونکہ بعض دفعہ نابالغی کے نکاح ہی میں مصلحت ہوتی ہے، اس لئے حالت نابالغی میں بھی نکاح درست ہے، خود قرآن مجید میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے، (۱) رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نابالغی کی ہی حالت میں ہوا، (۲) اور بالغ ہونے کے بعد ایک مدت تک لڑکے لڑکیوں کو نکاح سے روکنا اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں، اس سے اخلاقی نقصان تو ہے ہی، بعض دفعہ یہ پابندی سماجی مصلحت کے بھی خلاف ہوجاتی ہے، والدین یا ان میں سے کوئی زندگی کے آخری اسٹیج میں ہو اور وہ چاہتا ہو کہ اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی کردے، تاکہ وہ آئندہ بے سہارا نہ ہو، ایسے میں عمر کی وجہ سے ان کے نکاح کو روک دینا یقیناً مصلحت کے مغائر بات ہوگی، اس لئے مسلمانوں کو حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ یا تو اس قانون کو ختم ہی کیا جائے یا کم سے کم مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

---

(۱) النساء: ۳۔ محشی۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۴۷۹۔ محشی۔

نکاح میں عجلت

سوال:-{1483} بالغ ہونے کے بعد ایک مسلمان مرد کی شادی کب ہونی چاہئے؟ جب کہ:

(الف) اسے معاشی وسعت حاصل ہو۔

(ب) وہ معاشی طور پر کسی کی کفالت کا بار برداشت نہ کرسکتا ہو؟ (ایک قاری، ناندیڑ)

جواب:- (الف) نکاح بھی انسان کے لئے ایک بنیادی ضرورت ہے، اور اس سے دین واخلاق اور قلب ونگاہ کی حفاظت متعلق ہے، اسی لئے اسلام نے نکاح کی حوصلہ افزائی کی ہے اور تجرد کی زندگی کو ناپسند کیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح اور اس کی ضروریات کی استطاعت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہئے، کہ یہ نگاہ کو پست رکھنے والی اور عصمت کی حفاظت کرنے والی ہے، اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے روزہ رکھنا چاہئے کہ یہ گناہوں کے لئے ڈھال ہے''(۱)

اس لئے جو صاحب استطاعت ہو اسے نکاح میں عجلت کرنی چاہئے، عام حالات میں تو یہ مسنون ہے، اور اگر برائی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو واجب ہے:'' ویکون واجبا عند التوقان ''(۲)

(ب) جو لوگ واقعی صاحب استطاعت نہ ہوں یعنی معمولی سطح پر بھی زندگی بسر کرنے کی

---

(۱) مشکوۃ شریف، حدیث نمبر: ۳۰۸۰، بحوالہ بخاری مسلم۔

(۲) رد المحتار: ۵/۶۳۰۔

گنجائش نہ ہو تو اس کے لئے نکاح میں تاخیر کرنا جائز ہے، البتہ ایسے شخص کو چاہئے کہ روزے کی کثرت رکھیں، دینی لٹریچر پڑھتے رہیں، اور دینی کاموں میں مشغول رہیں، تاکہ برائی کی طرف کم سے کم ذہن منتقل ہو اور محنت کرکے نکاح کے لئے مطلوب ضروری وسائل حاصل کرنے کی کوشش کریں، اور بلند سے بلندتر معیار زندگی کی تلاش میں نکاح کو مؤخر نہ کریں۔

عمر رسیدہ لوگوں کا کم عمر لڑکیوں سے نکاح

سوال:- {1484} گلف ممالک سے عمر رسیدہ لوگ جن کے پیٹ میں آنت، نہ منہ میں دانت، یہاں آتے ہیں، دلالوں کے ذریعہ جواں سال لڑکیوں سے نکاح کرتے ہیں، کچھ دن عیش کرکے اپنی ہوس پوری کرکے واپس چل دیتے ہیں، بعض ایسے لوگ ان منکوحہ لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، جو پہلی بیوی کے سامنے ماماؤں کی طرح رہتی ہیں، کیا اس طرح ایک سے زائد نکاح جائز ہے؟

(عزم رحمانی، راجیونگر)

جواب:- اسلام نے ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی ہے، لیکن سنجیدہ جذبہ کے تحت، جس کا مقصد ایک ضرورت کی تکمیل ہو، محض چند روزہ ہوس رانی مقصود نہ ہو، اور یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی محسوس کرتا ہو کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل برت سکے گا، ان امور کی رعایت کے بغیر دوسرا نکاح کرنا گناہ ہے، البتہ اگر نکاح کرلیا جائے تو نکاح منعقد ہوجائے گا، اور نکاح کے شرعی احکام جاری ہوں گے، شریعت میں یہ بات بھی مطلوب ہے کہ زوجین کی عمر میں مناسبت ہونی چاہئے، لیکن اس کی رعایت واجب نہیں، عمر رسیدہ لوگوں کے کم عمر لڑکیوں سے نکاح کرنے میں جہاں ان کی ہوس نفسانی کو دخل ہے، وہیں لڑکیوں کے والدین کی حرص وطمع کو

اوراس سے زیادہ جہیز اور گھوڑے جوڑے کی ظالمانہ رسم کو، اس لئے ان برائیوں کا سدِ باب کئے بغیر محض ان کو برا بھلا کہنا بے فائدہ ہے۔

نکاح کی طاقت نہ رکھنے والوں کوروزہ کا حکم

سوال:- {1485} ہم نے ایک حدیث میں پڑھا تھا کہ جو شخص کسی مجبوری کی وجہ سے نکاح نہ کرسکتا ہو، اسے کثرت سے روزہ رکھنا چاہئے، اس حدیث میں روزہ رکھنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ (سید سلیم، ناپلی)

جواب:- یہ حدیث صحیح ہے اور خود امام بخاریؒ نے اسے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے،(۱) روزہ رکھنے سے انسان میں ضبطِ نفس کی قوت پیدا ہوتی ہے، اسی لئے روزہ رکھنے کو تقوی کا سبب قرار دیا گیا، اگر کوئی شخص نکاح کی ضرورت محسوس کرتا ہو، لیکن مالی استطاعت نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ اب اس کے لئے ضبطِ نفس کے سوا کوئی چارہ نہیں اور ضبطِ نفس میں روزہ رکھنے سے مدد ملتی ہے، اس لئے ایسے شخص کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جس کے پاس نفقہ کا انتظام نہ ہو؟

سوال:- {1486} ذریعۂ معاش کے سلسلہ میں اگر کوئی یہ کہے کہ میرے پاس نان ونفقہ کے لئے معقول انتظام نہیں، اسے یہ مشورہ دینا کیسا ہے کہ اللہ رازق ہے وہ انتظام کردے گا، دوسری بات یہ ہے کہ ہر بندہ اپنا رزق اللہ کے یہاں سے لیکر آیا ہے، اور حصولِ رزق کے لئے اللہ پر بھروسہ نہ کرنا دراصل اللہ کے رزاق ہونے پر ایمان مضبوط نہ ہونے کا

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۴۰۰، کتاب النکاح۔

ثبوت ہے، کیا یہ بات سچ نہیں ہے کہ کسی صحابی ﷺ نے جب رسول اکرم ﷺ سے نکاح کے بعد معاشی پریشانی کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے انھیں ایک اور نکاح کرنے کا مشورہ دیا، اس سلسلہ میں ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالغ مرد کے پاس استطاعت نہ رکھنے کی صورت میں روزہ رکھنے کا مشورہ دیا، ان دو مشوروں کے تعلق سے ہماری رہنمائی کریں۔

(محمد صدیق، لام، کٹھور)

جواب:- آپ نے جن دو رواتوں کا ذکر کیا ہے، دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، رسول اللہ ﷺ بہت سے احکام مخاطب کی رعایت سے دیا کرتے تھے، بعض صحابہ ﷺ سے آپ ﷺ نے ان کا کل مال اسلام کے لئے قبول فرمالیا، (۱) بعض سے کچھ ہی حصہ قبول فرمایا، (۲) آپ ﷺ نے خود مجذوم شخص کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، (۳) لیکن بعض کو مجذوم سے بچنے کا حکم ارشاد فرمایا، (۴) یہ اصل میں مخاطب کی قوت ایمانی اور اس کی قناعت و استغناء کی صلاحیت پر مبنی تھا، اصولی بات تو یہی ہے کہ بیوی کے ضروری اخراجات ادا کرنے پر قادر ہو، اس کے بعد نکاح کرے، ہر عورت سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ صبر و قناعت کی تصویر بنی رہے گی اور ہر مرد سے اس امر کی امید باندھنا کہ کتنی ہی مشقت و ابتلاء آئے وہ حرام و حلال کی حدود پر قائم رہے، خلاف واقعہ ہوگا، اس لئے یہ اصولی حکم ہے۔

لیکن واقعی کوئی شخص اتنا قوی الایمان ہو کہ وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لئے جو رزق مقرر کیا ہے، ہمارے نکاح میں آنے کی وجہ سے وہ رزق ہمارے حصہ میں آئے گا، جیسا

---

(۱) سیرت حلبیہ: ۵/ ۳۹۷۔

(۲) حوالۂ سابق۔ محشی۔

(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۸۱۷۔ محشی۔

(۴) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۵۷۰۷۔ محشی۔

کہ حدیث میں آیا ہے کہ "انسان کو عورتوں اور اس کے زیرِ عیال کمزوروں کی وجہ سے رزق دی جاتی ہے" (۱) عورت کے بارے میں اطمنان ہو کہ وہ مشکل معاشی حالات میں بھی صبر وقناعت کا ثبوت دے گی تو اس کے لئے وہ روایت اسوہ ہوگی جس میں باوجود تنگ دستی کے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا، (۲) گویا پہلا حکم اصلی اور قانونی ہے اور دوسرا حکم "احسانی" ہے۔

موجودہ زمانہ اور حالات میں صحیح یہی ہے کہ پہلے بیوی کا نفقہ ادا کرنے کا اہل ہو پھر نکاح کرے، البتہ مسائلِ زندگی کے سلسلہ میں "ضروریات" اور "خواہشات" کا فرق ملحوظ رکھنا چاہئے کہ خواہشات کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔

بارات

سوال:- {1487} شادی کے لئے بارات لے جانے کا تصور اسلام میں نہیں ہے، لیکن آج کل جو شادیاں ہوتی ہیں، اس میں شادی کرنے والوں کے درمیان کافی دوری رہتی ہے، ایسی صورت میں منکوحین کی مدد کے لئے کچھ لوگوں کا جانا ضروری ہے، اس دلیل میں شرعی نقطۂ نگاہ سے کس حد تک گنجائش ہے؟ (محمد امتیاز، لام، گنگور)

جواب:- رسم کے طور پر بارات کا لے جانا اور بات ہے اور دوری کی وجہ سے ازراہ ضرورت چند آدمیوں کا ساتھ چلا جانا امر آخر ہے، لہذا اس کی گنجائش ہے۔

شادی کے بعد غیر محرم عورتوں کو سلام

سوال:- {1488} نکاح کے بعد منکوح، منکوحہ کے

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۸۹۶۔ محشی۔
(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۰۸۷۔ محشی۔

گھر جاتا ہے اور آنگن میں کھڑے ہوکر گھر کی تمام خواتین کو سلام کرتا ہے اور پھر اسے تحفہ اور پیسہ دیا جاتا ہے، ظاہر ہے یہ عمل ایک نامحرم کو محرم کے سامنے لانے کا غیر اسلامی فعل ہے، لیکن اس سوال کا کیا جواب دیا جائے کہ یہ دلہا کو پہچاننے کے لئے کیا جاتا ہے، اسی طرح منکوحہ کے منکوح کے گھر آنے پر ایک رسم منہ دکھائی یا رونمائی ہوتی ہے جس میں عورتوں کے علاوہ تمام مرد بھی منکوحہ کو دیکھتے ہیں، اس کے پیچھے بھی وہی دلیل دیجاتی ہے کہ اس سے کہیں ضرورت پڑی تو پہچاننے میں دقت نہ ہو، اس سلسلہ میں ایک سوال یہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک چہرے کا پردہ نہیں ہے ان کے لئے یہ فعل کیسے غلط ہے؟ (خواجہ معین الدین، قبا کالونی، شاہین نگر)

جواب:- نوشہ کا غیر محرم عورتوں کو سلام کرنا، ان کے درمیان جانا، یا دلہن کو غیر محرم مردوں کا دیکھنا قطعاً جائز نہیں، جن لوگوں نے ''چہرہ'' کو پردہ سے مستثنیٰ رکھا ہے ان کا مقصود بھی محض اتنا ہے کہ اتفاقاً چہرہ پر نظر پڑ جائے تو قباحت نہیں، عورتوں کا بناؤ سنگار اور آرائش کے ساتھ خصوصیت سے مرد کے سامنے آنا اس کے ناجائز ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔(۱)

نکاح کے بعد رخصتی میں تاخیر کرنا

سوال:- {1489} ابھی مجھے ایک دوست کی لڑکی کی شادی میں شرکت کا اتفاق ہوا، لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہوگیا، نکاح کے بعد زوجین زنانی اسٹیج پر لائے گئے، لوگوں نے تحائف پیش کئے، لیکن معلوم ہوا کہ ابھی دولہا اور دلہن کو ملنے

(۱) مغنی المحتاج: ۳/۱۲۹، محشی۔

نہیں دیا جائے گا، بلکہ لڑکا ڈیڑھ سال بعد امریکہ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد آئے گا، تب وداعی تقریب ہوگی، تو کیا اسلامی نقطۂ نظر سے نکاح کے بعد ایک عرصہ تک زوجین کو ایک دوسرے سے ارتباط رکھنے سے روک دینا درست ہے؟

(ایم، اے مقیت عزیزی، پداپلی)

جواب:- اگر دولہا اور دلہن دونوں بالغ ہوں، تو مناسب بات یہی ہے کہ نکاح کے ساتھ ہی لڑکی کی رخصتی بھی کردی جائے، کیونکہ نکاح کے بعد تجرد کی زندگی پسندیدہ عمل نہیں اور نکاح کا ایک مقصد عفت و عصمت کی حفاظت بھی ہے اور یہ مقصد اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، البتہ کسی مصلحت کی وجہ سے اگر زوجین رضامند ہوں تو رخصتی میں تاخیر بھی کی جاسکتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح پہلے ہوا اور چند سال کے بعد رخصتی ہوئی۔(۱)

مسجد میں نکاح

سوال:- {1490} ہمارے محلہ کی ایک مسجد میں ایک صاحب کا نکاح ہوا، اس پر ایک دوسری مسجد کے سربراہ اور قبرستان کے مالک نے کہا کہ جن صاحب کا مسجد میں نکاح ہوا ہے وہ حرام ہے اور چاہئے کہ توبہ کرکے دوسری مرتبہ نکاح کریں؟

(غازی امیر الدین، مغلپورہ)

جواب:- مسجد میں نکاح کو نادرست قرار دینا درست نہیں، بلکہ مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجد میں رکھا کرو'' اعلنوا النکاح واجعلوہ فی

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۴۷۹۔ محشی۔

المساجد"(۱) اسی حدیث کی روشنی میں فقہاء نے مسجد میں عقدِ نکاح کو مستحب قرار دیا ہے:

"مباشرة عقد النكاح في المساجد مستحب"(۲)

اوقات مکروہہ میں نکاح

سوال:- {1491} اوقات مکروہہ ثلاثہ (عند الطلوع والزوال والغروب) میں کیا عقد نکاح کی بھی ممانعت ہے؟ اگر ہے تو کیسی ہے؟ ہر دو صورتوں کا جواب بالدلیل عنایت فرمائیں۔ (محمد محسن علی مظاہری)

جواب:- اوقات مکروہہ میں صرف نماز کی کراہت ہے، دوسری عبادات اور اذکار مکروہ نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ "يذكر الله في كل احيانه "(۳) نکاح کا معاملہ عام عبادات اور اذکار کے مقابلہ میں اس لحاظ سے کم تر ہے کہ یہ خالص عبادت نہیں۔ بلکہ عقد اور معاملہ بھی ہے، لہذا ان اوقات میں نکاح کرنا درست ہوگا، اور کوئی کراہت نہ ہوگی۔

رمضان المبارک میں نکاح

سوال:- {1492} کیا کوئی شخص ماہ رمضان میں نکاح کرسکتا ہے؟ (سید حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

جواب:- رمضان المبارک میں نکاح کرنے میں کچھ حرج نہیں، روزہ کی حالت میں بھی نکاح کیا جاسکتا ہے، نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے، گویا نکاح زبان کا فعل ہے، اور زبان سے صادر ہونے والے الفاظ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر وہ جائز ہوں، تو اس میں کوئی کراہت اور

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۰۸۹۔

(۲) الفتاوى الهندية:۳۲۱/۵۔

(۳) صحيح البخاري:۶۳۴/۱، صحيح مسلم :۸۲۰/۱،سنن أبي داؤد :۱۸/۱، سنن ابن ماجة:۳۰۲/۱۔محشی۔

قباحت بھی نہیں ہے، ہاں، اگر رمضان المبارک کے بعد تک مؤخر کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور اندیشہ ہو کہ نکاح کے بعد روزہ کا احترام قائم نہیں رکھ سکے گا، تو نکاح کو رمضان سے مؤخر کر لینا بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری شادی نہ کرنے کا عہد

سوال:- {1493} میری والدہ نے انتقال سے پہلے والد سے عہد لیا تھا کہ وہ دوسری شادی نہیں کریں گے، چنانچہ اپنے عہد کے مطابق ابھی تک شادی نہیں کی، حالانکہ ہماری والدہ کے انتقال کو تیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے، کیا وہ اب اپنی خدمت کے لیے دوسرا نکاح کر سکتے ہیں؟ (.....فرسٹ لانسر)

جواب:- جس شخص کو بیوی کی حاجت ہو اس کے مجرد رہنے اور تنہا زندگی بسر کرنے کو اسلام میں پسند نہیں کیا گیا، اگر کسی شخص نے مرحومہ بیوی سے کوئی وعدہ کیا ہو تب بھی اس کا پورا کرنا واجب نہیں، کیوں کہ ایسی صورت میں اس کے گناہ میں پڑ جانے کا کافی اندیشہ ہے اور گناہ کے مواقع سے بچنا واجب ہے، ایسی باتوں میں مخلوق کی اطاعت واجب نہیں، والد کی خدمت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر اس کو خدمت یا ضرورت کے لئے بیوی درکار ہو تو اولاد خود اپنے والد کا نکاح کردے اور اپنی سوتیلی ماں کے اخراجات کو بھی پورا کرے، علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

"و علیہ نفقة زوجة أبیه و أم ولده بل و تزویجه أو تسریه" (۱)

دوسرا نکاح

سوال:- {1494} زید کی شادی کو ایک مدت گزر چکی

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۳۴۴/۵۔

ہے اور وہ کئی بچوں کا باپ ہے، اب ایک دوسری عورت کی طرف اس کی رغبت ہے، اس لئے چاہتا ہے کہ اس سے دوسرا نکاح کرلے، حالانکہ پہلی بیوی اس کی ضرورت کے لئے کافی ہے، تو کیا زید کے لئے دوسرا نکاح کرنا درست ہے؟

(ایک قاری، ٹولی چوکی)

جواب: — موجودہ حالات میں ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا بہتر ہے، کیونکہ ہندوستان کے ماحول میں اکثر ایک سے زیادہ نکاح خاندان میں بکھراؤ اور انتشار کا سبب بن جاتا ہے اور جب پہلے سے ایک طرف رغبت اور دوسری طرف سے بے رغبتی کی کیفیت پائی جاتی ہو تو زیادہ اندیشہ یہی ہوتا ہے کہ شوہران دونوں کے درمیان انصاف قائم نہیں رکھ سکے گا اور جب یہ اندیشہ ہو کہ ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل نہیں کرسکتا تو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ اگر عدل نہ کرسکو تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو: ﴿ إِنْ لَمْ تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ﴾(۱) چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وإذا كانت لها امرأة وأراد أن يتزوج أخرى وخاف أن لا يعدل بينهما لا يسعه ذلك وإن كان لا يخاف يسعه ذلك"(۲)

"اگر کسی شخص کی ایک بیوی ہو اور وہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے اور اسے اندیشہ ہو کہ وہ ان دونوں کے درمیان عدل نہیں کرپائے گا تو اس کے لئے دوسرا نکاح کرنے کی گنجائش نہیں، اور اگر اس کا اندیشہ نہ ہو تو گنجائش ہے"

---

(۱) النساء:۳۔ محشی۔

(۲) الفتاوی الهندية:۱/۳۴۱۔

علامہ ابن ہمامؒ " فتح القدیر " میں لکھتے ہیں:

"اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ چار نکاحوں کا حلال ہونا اس شرط سے مقید ہے کہ ناانصافی کا خوف نہ ہو اور اگر اس کا خوف ہو تو ایک سے زیادہ نکاح کی ممانعت ہے۔"(۱)

افسوس کہ آج کل اکثر و بیشتر دوسرا نکاح کسی جائز ضرورت اور سنجیدہ جذبہ کے تحت عمل میں نہیں آتا اور اسی لئے شادی کے بعد دونوں بیویوں کے درمیان عدل کے تقاضے پورے نہیں کئے جاتے!۔

پوشیدہ طریقہ پر نکاح ثانی

سوال:- {1495} ایک شخص کی عمر ۳۹ ر سال ہے، اور وہ شادی شدہ ہے، وہ ایک اور نکاح کرنا چاہتا ہے، اور اس کی ایسی استطاعت بھی ہے، لیکن اپنی پہلی بیوی سے اس نکاح کو چھپانا چاہتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعا درست ہے؟

(احمد حسین، مقام نامعلوم)

جواب:- دوسرے نکاح کے لیے ضروری نہیں کہ یہ بات پہلی بیوی کے علم میں لائی جائے، لیکن دو باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ اس میں بیوی سے متعلق حقوق دو عورتوں کی نسبت سے ادا کرنے کی صلاحیت ہو، دوسرے وہ اپنے اندر اس بات کا اطمینان پاتا ہو کہ وہ دونوں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کر سکے گا، اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرے گا،(۲) عام طور پر پردۂ راز میں رکھ کر جو نکاح کئے جاتے ہیں، ان میں تمام امور میں عموما اور شب گزاری کے معاملہ میں خصوصا عدل کی رعایت نہیں ہو پاتی ہے، علاوہ اس کے ہندوستان میں خواتین میں سوکنوں کو

(۱) فتح القدیر :۳/۲۹۹، باب القسم ۔ محشی ۔
(۲) النساء :۳۰۲۔ محشی ۔

برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں، اور مردوں میں عام طور پر عدل کی پوری رعایت کا اہتمام نہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اگر مجبوری نہ ہو تو ایک ہی نکاح پر اکتفاء کیا جائے، اور اگر دوسری شادی کی جائے تو پہلی بیوی کو اعتماد میں لے کر، تاکہ جہاں تک ممکن ہو، باہمی ناچاقی سے بچا جاسکے۔

بیوہ کا نکاح ثانی

سوال:- {1496} مرحوم محمد رشید صاحب کی زوجہ نکاح ثانی کی بھی عمر رکھتی ہیں، ان حالات میں نکاح ثانی کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ نیز نکاح ثانی کرانے کی ذمہ داری کس پر ہے، اگر اس کے والدین موجود ہوں، پھر بھی وہ اس جانب متوجہ نہ ہوں تو مرحوم کے ورثاء و اقارب کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

(نظام الدین، دہلی)

جواب:- اسلام بیوگی کی زندگی کو پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ خواتین بے نکاح نہ رہیں؛ اس لیے ان کے والدین کو توجہ کرنا چاہئے، اور وہ متوجہ نہ ہوں تو دوسرے اقرباء و رشتہ داروں کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے، البتہ عورت پر اس معاملہ میں جبر نہیں کرنا چاہئے۔

دوسری شادی پر زوجہ اولیٰ کی ناراضگی

سوال:- {1497} میرے شوہر میری موجودگی میں دوسری شادی کرنے کے خواہش مند ہیں، اور آئندہ انصاف کا وعدہ کر رہے ہیں، لیکن میری جانب سے انکار کی وجہ سے دوسری شادی نہیں کر پا رہے ہیں تو میرا یہ عمل موجب گناہ تو نہ ہوگا؟

(ملکہ بیگم، چنچل گوڑہ)

جواب:- اسلام نے سماج کو صاف ستھرا اور پاکیزہ رکھنے کے لئے مرد کو چار تک نکاح

کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ وہ محسوس کرتا ہو کہ وہ ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل کر سکے گا، (۱) لہذا اگر آپ کو اپنے شوہر کے بارے میں اطمینان ہو کہ وہ انصاف کو قائم رکھ سکتا ہے، تو اس پر اصرار نہ کرنا چاہئے کہ وہ دوسری شادی نہ کرے، کیونکہ اگر ایک ضرورت مند شخص کو جائز راستہ سے روکا جائے تو بعض اوقات وہ ناجائز اور گناہ کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

بیوی کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح

سوال:- (1498) میری پہلی بیوی کا انتقال ۱۹۹۴ء میں دورانِ حج بھگدڑ کی وجہ سے ہوگیا، اس وقت میری دو بن بیاہی لڑکیاں تھیں، اب میں نے دونوں کا نکاح کر دیا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا، جن کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں تھا، دماغی ڈاکٹر کو بھی دکھایا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا، چنانچہ میں نے اس کو طلاق سہ بارہ دیدی، مجھ کو اس سے کوئی اولاد نہیں ہے، اور پہلی بیوی سے بھی کوئی اولادِ نرینہ نہیں ہے، مجھے خاصا وظیفہ ملا ہے، بینکوں میں میری رقمیں بھی ہیں، صحت بھی ماشاء اللہ ٹھیک ہے، میں ایک اور نکاح کرنا چاہتا ہوں، لیکن بیٹیاں مشورہ دے رہی ہیں کہ میں ایسا نہ کروں، اور اپنا مکان وغیرہ بیچ کر ان کے ساتھ رہوں، تو کیا مجھے نکاح کرنا چاہیے، یا لڑکیوں کے ساتھ ان کے سسرال میں رہنا چاہئے؟

(علی یوسف، فلک نما)

جواب:- شریعت نے کسی بھی ایسے مسلمان کے لیے جو اپنے اندر نکاح کی صلاحیت پاتا ہو، تجرد کی زندگی کو ناپسند کیا ہے، باپ کی بہت سی ضروریات ایسی ہوتی ہیں جن کو بیٹی تو کیا

(۱) النساء :۳۰۲۔

بیٹے بھی پوری نہیں کر سکتے ، اس لئے بیٹیوں کو چاہئے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اپنے والد کے نکاح میں رکاوٹ نہ بنیں، بلکہ خود اس میں تعاون کریں ، اور ان کی عمر اور سن و سال کے مناسب کسی خاتون کا انتخاب کر کے ان کا نکاح کرا دیں ، کہ یہ بھی باپ کی خدمت ہی کا ایک حصہ ہے ، البتہ آپ کو چاہئے کہ رشتہ کے انتخاب میں عمر کے توازن کو ملحوظ رکھیں ، عمر میں عدم توازن کی وجہ سے بعض اوقات کبرسن کی شادی ایک آزمائش بن جاتی ہے ، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جن کی غیر معمولی ذکاوت و ذہانت کی وجہ سے اللہ کے حکم سے آپ ﷺ ان کو کم عمری میں اپنی حرم میں لائے ، باقی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی عمر اور آپ ﷺ کی عمر مبارک میں توازن تھا ۔ (۱)

بیوی کے مرض کی وجہ سے دوسرا نکاح

سوال :- {1499} اگر بیوی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جس کی وجہ سے شوہر اس سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کر سکے تو کیا اس صورت میں شوہر کے لیے اس کی اجازت ہوگی کہ وہ اس بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کر لے ، اگر عورت اور اس کے والدین اجازت نہ دیں تب بھی وہ نکاح ثانی کر سکتا ہے یا نہیں؟ (عبدالرؤف، بشارت نگر، حیدرآباد)

جواب :- اگر مرد دوسرے نکاح کی ضرورت محسوس کرتا ہے ، اور اس کو اعتماد ہے کہ دوسرے نکاح کی صورت میں وہ دونوں بیویوں کے درمیان عدل کر سکے گا ، تو اس کے لئے شرعاً دوسرا نکاح کرنا جائز ہے ، (۲) اس کے لئے بیوی یا اس کے والدین کی اجازت ضروری نہیں ، البتہ ہندوستان کے ماحول میں چوں کہ دوسرا نکاح عام طور پر باہمی افتراق اور دو خاندانوں

(۱) نبی رحمت : ص : ۵۶۵، ۵۶۴، ۵۶۳ ۔ محشی ۔

(۲) النساء : ۳ ۔ محشی ۔

کے درمیان نفرت کا باعث ہو جاتا ہے، اس لئے بہتر ہے کہ مذکورہ صورت میں اولا ڈاکٹروں سے رجوع کیا جائے، اور علاج کی تدبیر کی جائے، اور اگر اطباء اس بیماری کو نا قابل علاج کہتے ہوں تو اس کے والدین کے سامنے حقیقت حال رکھ دی جائے، ان کو اعتماد میں لے کر نکاح کیا جائے، اور نکاح کے بعد خوراک و پوشاک رہائش اور شب گزاری میں دونوں سے برابری کا سلوک کیا جائے۔

عہد شکنی کر کے دوسرا نکاح

سوال:- {1500} میرے شوہر عامل ہیں، وہ میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتے تھے کہ میں دوسرا نکاح نہیں کروں گا، لیکن انہوں نے چھپ کر عملیات کے لئے آنے والی ایک خاتون سے نکاح کر لیا، کیا مرد اپنی بیوی اور ماں کی اجازت کے بغیر اس طرح قسم کھا کر پھر دوسرا نکاح کر سکتا ہے اور اس کا یہ نکاح ہو جائے گا؟ (ایک بہن)

جواب:- شریعت نے عدل کی شرط اور ایک سے زیادہ بیوی کی ضرورت کو پورا کرنے کی صلاحیت کی شرط کے ساتھ ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی ہے، اس کے لئے بیوی یا ماں کی اجازت شرعاً ضروری تو نہیں، لیکن گھر کو اختلاف و انتشار سے بچانے کے لئے اگر ان حضرات کو اعتماد میں لے لیا جائے تو بہتر ہے، نیز اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے دوسرا نکاح نہ کرنے کا وعدہ کیا ہو تو چونکہ وعدہ کو پورا کرنا اخلاقاً واجب ہے، اس لئے مرد کا یہ قدم اٹھانا وعدہ خلافی میں شمار ہوگا، اب جب کہ آپ کے شوہر دوسرا نکاح کر چکے ہیں تو بہتر ہے کہ آپ اپنی سوکن کو بہن سمجھ کر انہیں برداشت کریں، اور صبر و ضبط سے کام لیں، اس سے آپ کو ذہنی سکون بھی حاصل ہوگا اور انشاء اللہ آخرت میں بھی آپ کو حکمِ شریعت کے تحت خلافِ طبیعت بات کو برداشت کرنے کا اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

محرم کے مہینہ میں نکاح

سوال:- {1501} میرے بھائی کی شادی ماہ محرم میں ہے، اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ماہ محرم میں شادی نہیں کرنی چاہئے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پندرہ محرم کے بعد شادی کر سکتے ہیں، تو کیا ماہ محرم میں شادی کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کس تاریخ کے بعد مناسب ہے؟　　(افضل حسین، نظام آباد)

جواب:- جو لوگ ماہِ محرم یا اس کے بعد کے دنوں میں شادی کرنا ناپسند سمجھتے ہیں، وہ در اصل اسے سوگ اور ماتم کا مہینہ قرار دیتے ہیں، یہ اسلامی روح اور اس کے مزاج کے بالکل خلاف ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لئے جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، البتہ بیوی شوہر پر چار مہینے دس روز تک سوگ منائے گی۔

" لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلث ليال إلا على زوج أربعة أشهر و عشرا " (۱)

اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہے، ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے، اس لئے بہتر ہے کہ آپ اپنے بھائی کی شادی اسی ماہ کے کسی تاریخ میں کریں، تاکہ معاشرہ سے غلط رسم مٹ سکے۔

سوال:- بعض حضرات محرم کے مہینہ میں شادی کرنا نہیں چاہتے ہیں، تو بتایا جائے کہ اس ماہ میں شادی کر سکتے

---

(۱) صحیح البخاری:۲/۸۰۳، صحیح مسلم:۱/۴۸۶۔

ہیں، یا نہیں؟ (نظام الدین، دربھنگہ)

جواب:- اسلام میں کوئی مہینہ، کوئی دن یا کوئی وقت منحوس اور نامبارک نہیں، اور محرم کا مہینہ تو بہت سی فضیلتوں کا حامل ہے، خود یوم عاشوراء کے بھی بڑے فضائل ہیں، سوء اتفاق ہے کہ اسی دن رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور محبوب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا دل دوز واقعہ پیش آیا، لیکن اس واقعہ کی وجہ سے یہ سمجھ لینا کہ اس دن یا اس مہینہ میں شادی نہ کی جائے، نہایت ہی غلط ہے، کیونکہ اسلام تو دلیروں اور جانثاروں کا دین ہے، کوئی مہینہ اور کوئی تاریخ نہیں، جس میں کسی صحابی، یا اسلام کے کسی بڑے مجاہد اور سپوت کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آیا ہو، تو کیا پھر اس کی وجہ سے ان تمام مہینوں اور دنوں میں نکاح سے پرہیز کیا جائے گا؟ اسلام سے پہلے شوال کے مہینہ میں عرب شادی بیاہ نہیں کرتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شوال ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور شوال ہی میں آپ کی رخصتی ہوئی، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بات کو پسند کرتی تھیں کہ ان کے خاندان کی عورتوں کا نکاح شوال میں ہوا کرے، (۱) اس عمل سے یقیناً آپ ﷺ کا مقصود یہ بھی رہا ہوگا کہ یہ بات کہ فلاں خاص مہینہ میں نکاح نہ کیا جائے، لوگوں کے ذہن سے نکل جائے، پس، محرم کے مہینہ میں نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

---

(۱) الجامع للترمذی: ۱/۲۰۷۔

محرم وغیر محرم رشتے

سالی سے نکاح

سوال:- {1502} کیا بیوی کے رہتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح کیا جاسکتا ہے؟ (محمد عرفات، باکارم)

جواب:- بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے: ﴿ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ﴾ (۱)

سوتیلی بہن کی بیٹی سے شادی

سوال:- {1503} میں اپنی سوتیلی بہن کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میری سوتیلی بہن نے میری والدہ کا دودھ نہیں پیا ہے اور میں اپنے والد کی دوسری بیوی کا لڑکا ہوں اور اس لڑکی کی ماں دوسری بیوی سے ہے۔ (محمد قاسم)

جواب:- وہ لڑکی آپ کی بھانجی ہے اور اس کی ماں آپ کی بہن، اس لئے آپ اس

(۱) النساء:۲۳۔ محشی۔

سے نکاح نہیں کر سکتے، قطعاً حرام ہے، بھانجی، بہن کے رشتہ کے لئے ماں باپ دونوں میں اشتراک ضروری نہیں، باپ شریک بھائی بہن ہونا بھی کافی ہے۔(۱)

دیور نامحرم ہے

سوال:- {1504} اسلام نے دیور کو نامحرم قرار دیا ہے، اگر دیور ہم عمر یا چھوٹا ہو تو کیا اس سے بات کی جاسکتی ہے؟

(ایکس، وائی، زیڈ، چھتہ بازار)

جواب:- دیور نامحرم ہیں اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو دوسرے نامحرموں کا ہے، اصل تو یہی ہے کہ دیور سے بھی مکمل پردہ کیا جائے، لیکن اگر مشترک مکان ہو، مکمل پردہ میں بہت مشقت ہو اور بظاہر فتنہ کا کوئی محرک نہ ہو، تو چہرہ اور ہاتھ اس کے سامنے کھول سکتے ہیں، اور اگر کوئی ضروری امر درپیش ہو، تو بقدر ضرورت گفتگو بھی کر سکتے ہیں، ضرورت سے زیادہ گفتگو یا ہنسی، مذاق، جیسا کہ ہندوستان میں رواج ہے، یہ جائز نہیں، اس میں فتنہ کا بہت اندیشہ ہوتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "دیور موت ہے" الحمو الموت "(۲)—— کیونکہ دن رات کی ملاقات اور بے تکلفی کی وجہ سے اس میں اندیشہ اور زیادہ ہے، اس میں احتیاط کرنی چاہئے۔

بیوی کی موت کے بعد اس کی بھانجی سے نکاح

سوال:- {1505} کیا بیوی کے مرنے کے بعد سالی کی لڑکی سے شادی کی جاسکتی ہے؟ جب کہ ان کے درمیان

---

(۱) قال في المدارك : قوله تعالىٰ : ﴿ و أخواتكم لأب و أم أو لأب أو لأم و عماتكم من الأوجه الثلاثة و خالاتكم كذلك، و بنات الأخت كذلك" (دیکھئے:﴿وَ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾الآية (تفسير مدارك التنزيل:۱/۱۶۹)محشی۔

(۲) صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۲/۵۲۳۲۔محشی۔

کوئی اور رشتہ نہ ہو۔　　(حبیب حسن الحامد، گلبرگہ)

جواب:- سالی کی بیٹی سے اس کی خالہ کے نکاح میں رہتے ہوئے، نکاح اس لئے حرام ہے کہ اس سے ایک ہی شخص کے نکاح میں خالہ اور بھانجی کا جمع ہونا لازم آتا ہے، اور یہ جائز نہیں، اس سلسلہ میں حدیثیں بھی موجود ہیں۔(۱) لہذا جب خالہ کا انتقال ہو چکا، تو اب اس کی بھانجی کو نکاح میں لانے میں کچھ حرج نہیں۔

بیوہ بھاوج سے نکاح

سوال:- {1506} زید کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے، وہ اپنے حقیقی بھائی مرحوم کے بیوہ سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے، تاکہ اس کے بچوں کو اپنی سرپرستی میں لے کر ان کی تربیت اور پرورش کر سکے، زید کا یہ ارادہ جائز ہے یا نہیں؟

(محمد جاوید، جہاں نما)

جواب:- مرحوم بھائی کی بیوہ سے اگر زید کا حرمت کا کوئی رشتہ نہ ہو، تو یہ نکاح بالکل جائز ہے۔(۲)

مطلقہ بھاوج سے نکاح

سوال:- {1507} کیا بڑے بھائی کے طلاق شدہ بیوی سے چھوٹا بھائی نکاح کر سکتا ہے؟　　(عرفات، باکارم)

جواب:- طلاق شدہ بھاوج سے نکاح کرنا جائز ہے، جن عورتوں سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام نہیں ہے، بلکہ محض دوسرے کی منکوحہ ہونے کی بنیاد پر نکاح حرام ہے، ان پر

---

(۱)　صحیح البخاري، حدیث نمبر:۵۱۰۸/۲۔ محشی۔
(۲)　النساء:۲۴۔ محشی۔

اگر اپنے شوہر کی جانب سے طلاق ہو جائے تو ان سے نکاح حلال ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کچھ رشتہ داروں کا ذکر کیا جن سے نکاح حرام ہے اور پھر ان کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا ہے: ﴿وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ﴾(۱) بھاوج ان محرمات میں داخل نہیں ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ مطلقہ بھاوج سے نکاح کرنا درست ہوگا۔

طلاق شدہ چچی سے نکاح

سوال:- {1508} کیا طلاق شدہ چچی سے بھتیجا نکاح کرسکتا ہے؟ (محمد عرفات، باکارم)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے چند مخصوص رشتوں کو حرام قرار دیا ہے، جن میں چچا کی بیوی داخل نہیں ہے، اور ارشاد فرمایا کہ ''اس کے سوا عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں'' ﴿وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ﴾(۱) لہذا چچی سے اگر حرمت کا کوئی اور رشتہ نہ ہو تو عدت گزرنے کے بعد نکاح کیا جاسکتا ہے۔

رشتہ کی بہنوں کا نکاح میں اجتماع

سوال:- {1509} بیوی کے رشتہ کی بہنیں، جیسے: ماموں زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد بہنوں سے بیوی کی موجودگی میں نکاح جائز ہے، یا نہیں؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- شریعت نے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا ہے، (۳) لیکن

---

(۱) النساء:۲۴۔ محشی۔

(۲) النساء:۲۴۔ محشی۔

(۳) ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ ... وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ (النساء:۲۳) مرتب۔

قرآن وحدیث اور کتب فقہ میں جب کہیں بھائی بہن کے رشتے ذکر کیے جاتے ہیں، تو ان سے سگے یا رضاعی بھائی بہن مراد ہوتے ہیں، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں کی اولاد کو عرف میں بھائی بہن کہلاتے ہیں، لیکن قانونِ شریعت کی نگاہ میں وہ بھائی بہن نہیں ہیں — دو بہنوں سے ایسی دو بہنیں مراد ہیں جن کے ماں باپ ایک ہوں، یا دونوں کی ماں ایک ہو، یا دونوں کا باپ ایک ہو، یا ان دونوں کے درمیان رضاعی بھائی بہن کا رشتہ ہو، اس طرح کہ دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہو، یا ایک نے دوسرے کی ماں کا دودھ پیا ہو، ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا: "سواء كانتا اختين من النسب أو من الرضاع "(۱) خالہ زاد، پھوپھی زاد اور اس طرح کے رشتہ کی بہنوں کے ساتھ نکاح میں اجتماع ہوسکتا ہے۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا

سوال:- {1510} زید کی شادی ۱۹۸۰ء میں "ش" سے ہوئی ہے، اس عورت کو چار بچے ہیں، پچھلے چھ سال سے اس نے اپنی منکوحہ بیوی کی چھوٹی بہن "س" سے جسمانی تعلقات جاری رکھے ہوا ہے، "س" سے بھی ایک لڑکا ہے، اس کے بعد یہ پتہ چلا کہ دو حقیقی بہنیں ایک ساتھ ایک شخص کے نکاح میں حرام ہیں، "ش" فی الوقت الگ تھلگ رہ رہی ہے، وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کرتی ہے، اور وہ دوسری جگہ زندگی بسر کر رہی ہے، دوسری بہن "س" بغیر نکاح کے زید کے ساتھ رہ رہی ہے، وہ زید کو چھوڑنے کے لئے راضی نہیں ہے، کیونکہ اسے زید سے ایک بچہ بھی ہوا ہے، دونوں بہنوں کو اپنی کی ہوئی غلطیوں کا احساس ہوا ہے، اور اب پچھتا رہی ہیں،

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۷۷۔

اب آگے انہیں کیا کرنا چاہئے؟

(محمد شیخ "کاٹنے والے" شولاپور)

جواب:- جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ نہایت ہی شرمناک بھی ہے اور کھلی ہوئی معصیت بھی، اس لئے مسلمان سماج پر یہ بات واجب ہے کہ زید اور "س" پر اخلاقی دباؤ ڈالے کہ وہ فی الحال ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلیں، دو بہنیں ایک شخص کی نکاح میں نہیں رہ سکتیں، (۱) اب ممکن صورت یہی ہے کہ یا تو "س" سے وہ ترک تعلق کرلے یا اگر "ش" اس کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہو تو زید اسے طلاق دیدے اور اس کی عدت گزرنے کے بعد "س" سے نکاح کرلے، ورنہ زید اور "س" دونوں سخت گنہگار رہوں گے اور ان کی اولاد بھی ثابت النسب نہیں ہوگی، اور نہ زید کی وارث بن سکے گی، گویا یہ نہ صرف اپنے ساتھ ظلم ہے، بلکہ بچوں کے ساتھ بھی ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

دو بہنوں سے نکاح کی صورت میں اولاد کا حکم

سوال:- {1511} ایک شخص نے پہلے ایک عورت سے نکاح کیا، جس سے کوئی اولاد نہیں، پھر اس کو طلاق دئے بغیر اس کی سگی بہن سے دوسرا نکاح کرلیا، جس سے اولاد ہوئی اور ماشاء اللہ اس وقت وہ جوان اور قابل نکاح ہے، کیا ان کی اس اولاد سے نکاح کرنا درست ہوگا؟ (شکیل، جلگاؤں)

جواب:- ایک عورت کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے، خود قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے، (۲) اگر وہ دونوں ایجاب وقبول کر بھی لیں تب بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس لئے اس شخص کا یہ عمل نہایت ہی نامناسب اور گناہ کا ہے، ایک

(۱) النساء:۲۳۔ محشی۔

(۲) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ... وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ (النساء:۲۳) مرتب۔

دوسرے سے الگ ہو جانے کا مشورہ دینا چاہئے، اگر ناواقفیت کی وجہ سے اس نے ایسا کیا تھا تو ان بچوں کا نسب اس سے ثابت ہوگا، کیوں کہ فقہ کی اصطلاح میں یہ وطی بالشبہ کی صورت سمجھی جائے گی، ورنہ ان کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ جانتے بوجھتے بدکاری سے جو بچے پیدا ہوں، ان کا نسب باپ سے متعلق نہیں ہوتا ہے، جہاں تک نکاح کی بات ہے تو اس کے لئے ضروری نہیں، بلکہ مسلمان ہونا کافی ہے، اس لئے ان بچوں سے نکاح کرنا درست ہے۔

ایک ہی دن میں دو بہن اور دو بھائی کی شادی

سوال:- {1512} میری دو بہنیں ہیں، جن کی شادی دو بھائیوں سے ہو رہی ہے، ہم لوگ یہ دونوں شادیاں ایک ہی دن رکھنا چاہتے ہیں، ہمارے بعض اقرباء کا خیال ہے کہ ایک ہی دن دو بہن یا دو بھائیوں کی شادی کی جائے تو ایک کو تکلیف اور مفلسی آتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ (ایک بہن)

جواب:- یہ محض توہم پر مبنی باتیں ہیں، شادی کے مبارک یا نا مبارک ہونے کا تعلق نہ دن سے ہے، نہ تاریخ سے اور نہ دو شادیوں کے ایک ہی تاریخ یا الگ الگ تاریخ میں ہونے سے اور نہ اس کی وجہ سے مفلسی آتی ہے۔ ہاں! جس عمل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہوگی، اس میں برکت ہوگی، اور جس میں خدا کی نافرمانی کی جائے گی، وہ عمل بے برکت ہوگا، اس لیے اس کا اہتمام کریں کہ سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ شادی کی تقریب انجام دیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بابرکت اور معیاری نکاح وہ ہے جو کم سے کم خرچ سے انجام پائے "إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة "(۱) اس لئے آپ کے عزیزوں نے جو بات کہی ہے وہ محض وہم ہے، اس کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ اس پر ضرور توجہ دیں کہ شادی میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح :۲/۲۰۴، طبع: بیروت۔

باپ بیٹے دو بہنوں سے نکاح کریں

سوال:- {1513} کیا باپ اور بیٹا دونوں بیک وقت حقیقی بہنوں سے نکاح کر سکتے ہیں؟ (محمد اکبر، مادنا پیٹ)

جواب:- سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے، اس لیے یہ صورت کہ باپ بیٹے دو حقیقی بہنوں سے نکاح کرلیں، درست ہے۔(۱)

بھانجی اور تایازاد بہن سے نکاح

سوال:- {1514} کیا خاص بہن کی لڑکی یا تایا کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے؟ (امام قاسم، کڑپہ)

جواب:- بہن کی لڑکی یعنی سگی بھانجی سے نکاح حرام ہے،(۲) تایازاد اور چچازاد بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔(۳)

جڑواں بہنوں کا نکاح کس طرح ہوگا؟

سوال:- {1515} حال ہی میں دو جڑواں بہنوں کے آپریشن اور آپریشن کے درمیان وفات کی خبریں اخبارات میں چھپی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ دو جڑواں لڑکیاں زندہ رہ سکتی ہیں، ایسی صورت میں ان کا نکاح کس طرح ہوگا؟ اور

---

(۱) ﴿و أحل لكم ما وراء ذلكم﴾(النساء:۲۴) "فلا تحرم بنت زوجة الابن"(البحر الرائق:۳/۱۶۶، فصل في المحرمات)، جب لڑکے کی بیوی کی لڑکی حرام نہیں ہے تو اس کی بہن تو بدرجۂ اولیٰ حرام نہ ہوگی۔ محشی۔

(۲) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ... وَبَنَاتُ الْأُخْتِ﴾(النساء:۲۳) مرتب۔

(۳) ﴿و أحل لكم ما وراء ذلكم﴾(النساء:۲۴) محشی۔

دونوں کا نکاح دو الگ مردوں سے ہوگا یا ایک ہی مرد سے؟

(محمد شہباز فلاحی، مالیگاؤں)

جواب:- اگرانہیں الگ کرنا ممکن نہ ہو تو کسی سے ان کا نکاح کرنا جائز نہیں، کیوں کہ دو مردوں سے ان دونوں کا نکاح کیا جائے، تو بے ستری بھی یقینی ہے اور گناہ میں پڑ جانا بھی قریب قریب یقینی ہے اور ایک ہی مرد کے نکاح میں دونوں کو نہیں دیا جا سکتا، اس لئے کہ ایک نکاح میں بیک وقت دونوں بہنوں کا اجتماع حرام ہے اور خود قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس کی حرمت بیان کی گئی ہے۔(۱)

اور چوں کہ جسمانی اعضاء کے اعتبار سے دونوں کا مستقل وجود ہے، دونوں کا نظامِ تنفس اور نظامِ ہضم ایک دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے ان کے مجموعہ کو ایک عورت کا وجود قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لئے قرآن مجید کی صراحت کے مطابق یہ دونوں ایک مرد کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ ان کے لئے صبر و برداشت ہی کا راستہ ہے اور اگر صبر کی قوت نہ ہو تو ایسی میڈیکل تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ ان میں صنفی جذبات کمزور پڑ جائیں اور انہیں برداشت کرنا ممکن ہو جائے۔

سابقہ مطلقہ کی لڑکی سے اپنے لڑکے کا نکاح

سوال:- {1516} سابقہ بیوی جسے میں نے طلاق دے دی ہے اور جس سے مجھے کوئی اولاد نہیں ہوئی، وہ اب کسی اور کی بیوی ہے، کیا میرے لڑکے اور ان کی لڑکی کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے؟ (پی، ایم حسین، مشیر آباد)

جواب:- آپ کے لڑکے اور ان کی لڑکی کے درمیان نکاح درست ہے، اس لیے کہ

(۱) النساء:۲۳۔

دونوں کے والد بھی الگ ہیں اور دونوں کی والدہ بھی الگ ہیں، اور نسبی حرمت اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب والدین یا ان میں سے ایک میں دونوں کا اشتراک ہو۔(۱)

بھائی کی سالی سے نکاح

سوال:- {1517} کیا میں اپنے بھائی کی سالی سے نکاح کرسکتا ہوں؟ ایک ہی گھر میں بحیثیت بہو دو بہنوں کے آنے میں کیا کوئی قباحت ہے؟ (ایک قاری، معین باغ)

جواب:- بھائی کی سالی سے نکاح درست ہے، اگر اس سے رضاعی بہن کا رشتہ نہ ہو، یا حرمت کی کوئی اور وجہ نہ پائی جاتی ہو، ایک گھر میں دو بہنوں کے بہو بن کر آنے میں کچھ حرج نہیں۔

ماموں اور بھانجی میں نکاح

سوال:- {1518} اگر ایک شخص نے حالت کفر میں اپنی بھانجی سے نکاح کیا، بعد میں اس نے اسلام قبول کرلیا، تو چوں کہ حالت کفر کا گناہ معاف ہوجاتا ہے، تو کیا اس کا نکاح باقی رہے گا؟ ایسے متعدد واقعات ہمارے علاقہ میں پیش آرہے ہیں۔ (نصیر الدین، نلگنڈہ)

جواب:- جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ عورتیں جن سے عارضی طور پر نکاح سے منع کیا گیا ہے، دوسری وہ جن سے دائمی حرمت ہے، تو اگر حالت کفر میں ایسی عورتوں سے نکاح کرلیا، جن سے عارضی حرمت پائی جاتی ہے تو قبول اسلام کے

---

(۱) "و أما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال" (الدر المختار علی هامش رد المحتار:۴/۸۴، فصل في المحرمات) محشی۔

بعد نکاح باقی رہے گا، لیکن جو عورتیں ہمیشہ کے لیے حرام ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ان کی حرمت باقی رہے گی، ماموں بھانجی کے درمیان ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے،(۱) اس لیے یہ حرمت اسلام کے بعد بھی باقی ہے، ہاں نکاح کرنے کی وجہ سے جو گناہ اس سے سرزد ہوا اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ معاف ہوگیا، اسی طرح جو بچے اس نکاح کی وجہ سے قبول اسلام سے پہلے پیدا ہوئے، وہ حلال سمجھے جائیں گے، لیکن آئندہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلینا ضروری ہوگا۔

پھوپھا سے نکاح

سوال:- {1519} میری حقیقی پھوپھی کے شوہر مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

(.......... گلبرگہ، کرناٹک)

جواب:- پھوپھی اور بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں،(۲) اس لئے اگر پھوپھی زندہ ہو اور نکاح میں ہو تو آپ سے ان کا نکاح درست نہیں ہوگا، اور یہ بات کہ محض آپ سے نکاح کے لئے وہ آپ کی پھوپھی کو طلاق دے دیں، سخت گناہ ہے، اس لئے آپ اس رشتہ سے معذرت کردیں، اسی میں آپ کی بھلائی اور نیک نامی ہے۔

بیوہ سمدھن سے نکاح

سوال:- {1520} بہو کی ماں یا داماد کی ماں بیوہ ہو

(۱) ﴿ حرمت عليكم امهاتكم و بنٰتكم و اخواتكم و عماتكم و خٰلتكم و بنٰت الاخ و بنٰت الاخت ... ﴾ (النساء :۲۳) محشی۔

(۲) " عن أبي هريرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : " لا يجمع بين المرأة و عمتها و لا بين المرأة و خالتها " (صحيح مسلم :۱/۴۸۲) محشی۔

جائے تو کیا اس سے نکاح درست ہے؟ (محمد اکبر، مادنا پیٹ)

جواب:- بہو کی یا داماد کی بیوہ ماں سے نکاح درست ہے۔(۱)

خالہ زاد ماموں سے نکاح

سوال:- {1521} میری سہیلی کے خالہ زاد ماموں اس کو بہت پسند کرتے اور وہ بھی ان کو پسند کرتی ہے، میں نے اس سے کہا کہ بھانجی کا رشتہ بیٹی کے برابر ہوتا ہے، اس لئے ان کی شادی نہیں ہوسکتی، اس سلسلہ میں حکم شرعی جاننا چاہتی ہوں۔ (ایک بہن، کریم نگر)

جواب:- پہلی بات تو یہ ہے کہ نکاح زندگی بھر کا رشتہ ہے، اپنے معاملات اپنے بزرگوں کی رائے سے طے کرنا چاہئے، ورنہ اکثر جذباتی فیصلہ مستقبل میں ندامت اور پشیمانی کا باعث بن جاتی ہے، آپ اپنی سہیلی کو سمجھائیں کہ کسی مسلمان لڑکی کے لئے کسی غیر محرم کے سامنے ہونا اور ایک دوسرے پر ریجھنا مناسب نہیں —— جہاں تک خالہ زاد ماموں سے نکاح کی بات ہے تو اس کی اجازت ہے، سگے ماموں اور بھانجی کے درمیان نکاح حرام ہے، قرآن نے خود اس کی صراحت کی ہے، (۲) اور حرام رشتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ (۳) ''ان کے علاوہ سے نکاح حلال ہے''

دادی کے بھانجے سے نکاح

سوال:- {1522} میری ایک سہیلی ہے جو اپنی دادی

(۱) "لا تحرم أم زوجة ابن" (رد المحتار: ۴/۸۵) محشی۔

(۲) ﴿حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم واخواتكم وعمّتكم وخلتكم وبنت الأخ وبنت الأخت﴾ (النساء: ۲۳) مرتب۔

(۳) النساء: ۲۴۔

کی سگی بہن کے چھوٹے لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہے تو
کیا ان دونوں سے ایک دوسرے کی شادی جائز ہے؟
(مسکان، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

جواب:- ان دونوں کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے، حرمت نکاح کا کوئی سبب نہیں۔

خالہ زاد بھائی سے نکاح

سوال:- {1523} میری ایک سہیلی اپنے خالہ زاد
بھائی سے شادی کرنا چاہتی ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟
(رخسانہ معین، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

جواب:- خالہ زاد بھائی سے شرعاً نکاح جائز ہے، البتہ کسی بھی لڑکی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے والدین کی رائے سے آزاد ہوکر اپنا رشتہ طے کرے، ایسے نکاح جو جذبات میں کئے جاتے ہیں ننانوے فیصد ناکام ہوتے ہیں، اور بعد میں فریقین کے لئے پچھتانے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہوتا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا ہے کہ عورت ولی کے بغیر بطور خود اپنا نکاح کرلے، (۱) بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو ایسا نکاح ہی درست نہیں ہوتا، (۲) پس خالہ زاد بھائی سے نکاح جائز ہے، لیکن اپنے ولی کی رائے کو شامل کئے بغیر بطور خود اس طرح کے فیصلے کرنا کسی مسلمان لڑکی کے شایان شان نہیں۔

ماموں کی مطلقہ سے نکاح

سوال:- {1524} کیا ایک شخص اپنی ماں کے چچازاد
بھائی کی مطلقہ سے نکاح کرسکتا ہے؟ جب کہ اس عورت سے

---

(۱) الجامع للترمذي :۱/۱۰۲۔محشی۔
(۲) الفقه الإسلامي و أدلته :۷/۸۲۔محشی۔

اس مرد کا کوئی اور رشتہ نہیں ہے؟ (آر، سکندر)

جواب:- حقیقی ماموں کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا درست ہے، یہ تو رشتہ کے ماموں کی مطلقہ بیوی ہے، اس سے تو بدرجہ اولیٰ نکاح درست ہو جائے گا۔

لے پالک سے نکاح جائز ہے

سوال:- {1525} کیا ایسی لڑکی سے نکاح درست ہے؟ جو بچپن سے ہمارے ہی مکان میں پلی بڑھی ہو اور میرے ماں باپ کو اپنے ماں باپ سمجھتی ہو۔

(محمد عرفات، باکارم)

جواب:- ماں باپ اور اولاد کا رشتہ محض سمجھنے اور بولنے سے قائم نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک قدرتی اور فطری رشتہ ہے، اس لئے محض اس وجہ سے کہ ایک شخص نے کسی لڑکی کی پرورش کی ہو اور وہ لڑکی اسے ماں باپ سمجھتی ہو، وہ لڑکی اس پرورش کرنے والے کے بچوں پر حرام نہیں ہوگی اور ان دونوں کا نکاح درست ہوگا۔

داماد اور خسر دونوں محرم ہیں!

سوال:- {1526} (الف) داماد اپنی ساس کے لئے محرم ہے یا نہیں؟

(ب) خسر اپنے بیٹے کی بیوی کے لئے محرم ہے یا نہیں؟

(حبیب صالح، گلبرگہ)

جواب:- جن رشتہ داروں سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے ان کو ''محرم'' کہتے ہیں اور ان کے ساتھ سفر جائز ہوتا ہے، شرط یہ ہے کہ ایسے اسباب نہ ہوں جو فتنہ کا اندیشہ پیدا کرتے ہیں داماد اور ساس اور اسی طرح خسر اور بہو ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہیں، گو داماد کی

بیوی یا خسر کے بیٹے کا انتقال ہو جائے ، اس لئے یہ ایک دوسرے کے لئے محرم ہیں ۔(۱)

میاں بیوی سمدھی سمدھن بن سکتے ہیں؟

سوال:- {1527} ایک شخص نے اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد ایک بیوہ عورت سے نکاح کرلیا، مرد کی مرحومہ بیوی سے ایک لڑکا ہے اور عورت کے مرحوم شوہر سے ایک لڑکی ہے، کیا ان دونوں لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے؟

(محمد شریف احمد، عنبر پیٹ)

جواب:- رشتۂ نسب اس وقت ثابت ہوتا ہے، جب دونوں کے باپ یا ماں کم سے کم ایک ہوں، مذکورہ صورت میں دونوں کے والد بھی الگ الگ ہیں، اور والدہ بھی ، اس لیے ان دونوں کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے۔(۲)

ربیبہ سے نکاح

سوال:- {1528} زید اپنی مدخولہ بیوی کے مرنے کے بعد اس کے پہلے شوہر سے ہونے والی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ (منظور عالم، چلمل)

جواب:- مذکورہ صورت میں زید پر وہ لڑکی حرام ہے اور اس کے لئے اس سے نکاح قطعاً جائز نہیں ، خود قرآن مجید میں اس کے حرام ہونے کی صراحت موجود ہے، فرمایا گیا:

﴿وَ رَبَائِبُكُمُ الَّتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ (۳)

---

(۱) النساء:۲۳۔

(۲) کیوں کہ دونوں میں کوئی وجہ حرمت نہیں پائی جاتی ،قرآن مجید میں حرمت نکاح کو بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے:﴿و أحل لكم ما وراء ذلكم﴾(النساء:۲۴) محشی۔

(۳) النساء:۲۳۔ محشی۔

عدت وفات میں نکاح

سوال:- {1529} ایک لڑکی کو بیوہ ہوئے بیس دن نہیں ہوئے تھے کہ اس کے بڑوں نے اس کا دوسرا نکاح کردیا، کیا شرعا یہ عمل درست ہے؟ (محمد سردار خان، رائچور)

جواب:- شوہر کے انتقال کے بعد عورت پر عدتِ وفات گزارنا واجب ہے، جو حاملہ عورتوں کے لئے ولادت ہے (۱) اور دوسری خواتین کے لئے چار ماہ دس دن، (۲) اس سے پہلے نہ صرف نکاح، بلکہ بیوہ عورت کو صراحت کے ساتھ پیغامِ نکاح دینا بھی حرام ہے۔ (۳) اور اگر نکاح کر بھی دیا جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، اسی لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں نکاح نہیں ہوا، عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرنا اور اس وقت تک مرد و عورت کا الگ رہنا ضروری ہے۔

طلاق کے بعد دوبارہ نکاح

سوال:- {1530} زید اور ہندہ کی شادی ٹھیک چار سال پہلے ہوئی، صرف پندرہ بیس دن ساتھ رہے، کچھ دنوں پہلے زید نے وکیل کے ذریعہ ہندہ کو طلاق نامہ بھیج دیا، ہندہ بہت ہی دشواری کی حالت میں ہے، دوسری شادی کرنے میں لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ ہے، شادی نہ کرے تو ماں، باپ اور بھائی کے لیے بوجھ ہے، اب زید اس سے دوبارہ نکاح کرنا

---

(۱) الطلاق :۴۔
(۲) البقرة :۲۳۴۔
(۳) البقرة :۲۳۵۔

چاہتا ہے تو کیا دوبارہ ان دونوں کا نکاح ہوسکتا ہے۔

(ترنم، مظفرپور)

جواب:- یہ اس بات پر موقوف ہے کہ زید نے کتنی طلاق دی ہے، طلاق نامہ کو دیکھ کر ہی اس بات کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے یا نہیں، مناسب ہوگا کہ آپ کسی قریبی دارالافتاء سے رجوع کریں، اور طلاق نامہ کا مضمون دکھا کر حکم شرعی معلوم کرلیں، اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات آسان فرمائے۔

بغیر عدت گزارے نکاح

سوال:- {1531} زید کی شادی ہوئے پانچ سال کا عرصہ ہوا شادی کے بعد زید آٹھ ماہ اپنی بیوی کے ہمراہ رہا، اس دوران زید کی بیوی حاملہ ہوگئی اور پھر ایک لڑکی تولد ہوئی، اب چار سال چار ماہ سے زید کا اپنی بیوی سے کوئی ربط قائم نہیں ہے، زید کسی دور مقام پر ہے، معلوم ہونے پر زید کی بیوی کے ذمہ دار حضرات وہاں جا کر بیوی کی رضامندی سے خلع لے کر آئے ہیں، اب زید کی بیوی دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے، اس کے لیے عدت کے دن گزارنا ضروری ہے یا نہیں؟ زید کی بیوی بغیر عدت کے اگر نکاح کرلے تو کیا یہ نکاح درست ہوگا؟

(باکودرم، آر، اے)

جواب:- خلع دراصل ایک معاہدہ ہے جو شوہر اور بیوی کے درمیان طے پاتا ہے، جس میں شوہر حق طلاق معاوضہ لے کر دیدیتا ہے، اس لیے یہ طلاق بائن کے حکم میں ہے، اور شریعت نے طلاق واقع ہونے کی صورت میں عورت کو عدت گزارنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَ الْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ﴾(۱)

یہی بات فقہاء نے بھی لکھی ہے کہ وہ عورت جسے طلاق بائن دی گئی ہو تین حیض عدت میں گزارے گی:

"إذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو وقعت الفرقة بغير طلاق و هي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء"(۲)

اس لیے اس عورت پر عدت واجب ہوگی۔ اس عورت کا بغیر عدت گزارے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا سخت گناہ ہے، نیز یہ نکاح باطل بھی ہے، یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، کم سے کم اب صحیح طور پر نکاح کرلیں، تاکہ آئندہ زندگی معصیت سے محفوظ رہے۔

عدت کے بعد نکاح

سوال:- {1532} راقم نے ایک مطلقہ خاتون سے ختم عدت کے تین ماہ بعد روبرو محفل عقد نکاح ثانی کیا، قبل نکاح قاضی صاحب نے طلاق نامہ سابق شوہر اور زرمہر ونفقہ عدت کے جو کہ صدر قاضی شریعت پناہ بلدہ کے جاری کردہ تھے، بعد از ملاحظہ نکاح پڑھایا اور میرے نام سیاہ نامہ جاری کیا، تقریبا دو ماہ میری زوجیت میں رہنے کے بعد میری بیوی اپنے برادر کلاں کی عیادت کے لیے امریکہ روانہ ہوئیں (مجھ سے تین ماہ کے قیام کی اجازت لے کر) لیکن تین ماہ سے زیادہ عرصہ وہاں قیام ہے اور میری زوجہ کے برادر کلاں حقیقی نے

(۱) البقرة :۲۲۸۔ محشی۔

(۲) الهداية:۲/۴۰۲۔

مجھے بذریعہ خط لعن طعن کرتے ہوئے میرے نکاح کو غلط اور ناجائز ٹھہرا رہے ہیں، اور مجھے اپنی زوجہ سے کسی قسم کا ربط ضبط نہ رکھنے، خط وکتابت یا ٹیلی فون پر بات نہ کرنے کی سختی کے ساتھ ذریعہ خط ہدایت دیے ہیں، نکاح میری زوجہ کی دوسرے بڑے بھائی نے اپنے اقرباء کی گواہی سے بہ حیثیت وکیل کاغذات نکاح پر اور لڑکی کی رضامندی حاصل کرتے ہوئے دستخط کیے اور لڑکی کا دستخط بھی موجود ہے۔

(محمد سلیم خاں، باغ جہاں آرا، یاقوت پورہ)

جواب: - اگر اس خاتون کو پہلے شوہر نے طلاق دیدی، اور طلاق کے بعد عدت گذر گئی، جوان عورتوں کے لیے تین ماہواری کا آنا (۱) اور نابالغ لڑکیوں اور سن رسیدہ عورتوں کے لیے تین ماہ کا گذر جانا، نیز حاملہ عورتوں کے لیے بچہ کا پیدا ہو جانا ہے، (۲) اور وہ عاقل و بالغ ہوں، انہوں نے اس نکاح کو قبول کیا ہو، تو نکاح منعقد ہوگیا، اب ان کے بھائی کا یہ کہنا کہ نکاح غلط اور ناجائز ہے، درست نہیں، مناسب ہوگا کہ آپ دونوں کسی ایسے عالمِ دین یا مفتی کو ثالث بنائیں جن پر آپ دونوں اعتماد رکھتے ہوں، اور باہمی نزاع کو حل کرلیں۔

خلع کے بعد دوبارہ نکاح

سوال: - {1533} شادی ہوئے ایک ڈیڑھ سال کے عرصہ میں دونوں میاں بیوی میں نااتفاقی کی وجہ سے بیوی نے قاضی کے ذریعہ شرعی طور پر شوہر سے خلع لے لیا، تین مہینے کا عرصہ ہوا ہے، اب دونوں طرف ندامت ہونے پر میاں بیوی

---

(۱)　البقرۃ: ۲۲۸۔ محشی۔

(۲)　الطلاق: ۴۔ محشی۔

نکاح کرنا چاہتے ہیں، کیا ان دونوں کا دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے؟

(نام نامعلوم، نرمل)

جواب:- خلع سے مراد یہ ہےکہ عورت شوہر کو کچھ دے کر طلاق حاصل کر لے، اسی کی ایک صورت یہ ہے کہ اگر مہر ادا نہ کر رہا ہو، تو مہر معاف کر کے طلاق حاصل کر لے، ایسی صورت میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے:

"و حكمه ان الواقع به ... أي بالطلاق ...
على مال طلاق بائن" (۱)

طلاق بائن کی صورت میں دوبارہ نکاح کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن اگر خلع میں تین بار طلاق دے دی گئی ہو تو پھر دوبارہ نکاح کی گنجائش نہیں۔

شوہر کی موجودگی میں دوسرا نکاح

سوال:- {1534} اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو رکھتے ہوئے بھی دوسری شادی کرے تو وہ شادی ہوسکتی ہے؟

(مرزا واجد بیگ، گلشن باغ)

جواب:- اسلام میں نسب کے حفاظت کی بڑی اہمیت ہے، اسی لئے جتنی سخت سزا بدکاری کی مقرر کی گئی کسی اور جرم کی اتنی سخت سزا نہیں رکھی گئی، اگر شوہر طلاق دے دے یا اس کی وفات ہوجائے تو عدت بھی واجب قرار دی گئی، مقصد یہ ہے کہ پہلے شوہر سے علاحدگی کے بعد اتنی مدت گزر جائے کہ اب عورت کے رحم میں اس مرد کی اولاد کے باقی رہنے کا کوئی احتمال نہ رہے، اس لیے ظاہر ہے کہ جو عورت کسی شوہر کے نکاح میں موجود ہو، اس سے دوسرے مرد کا نکاح کیسے ہوسکتا ہے، یہ قطعاً حرام ہے، ایک عورت جب کسی مرد کے نکاح میں چلی گئی تو اب

---

(۱) الدر المختار على هامش الرد :۵/۹۱-۹۲۔

دوسرے مرد سے اس کا نکاح اسی وقت ہوسکتا ہے جب یا تو شوہر اسے طلاق دے دے یا شوہر کا انتقال ہوجائے یا کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے عورت مرد پر حرام ہوجاتی ہو، جیسے عورت کے ساتھ خدانخواستہ اس کے خسر یا اس کے سوتیلے بیٹے نے دست درازی کی ہو، اگر یہ صورتیں نہ پائی جائیں تو گو شوہر سے کتنے دنوں سے بھی عورت علاحدہ ہو، نہ اس کے لیے کسی اور مرد سے نکاح جائز ہے اور نہ وہ نکاح ہی درست ہوگا۔ ہاں شریعت میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اگر شوہر اس کے حقوق ادا نہ کرتا ہو یا عرصہ سے غائب ہو، تو وہ قاضی شریعت کے پاس اپنا مقدمہ لے جائے اور وہ مناسب تحقیق کے بعد نکاح فسخ کردے، ایسی صورت میں وہ شوہر سے علاحدہ ہوجاتی ہے اور اسے دوسرے نکاح کا حق حاصل ہے۔

بہر حال ان صورتوں میں بھی اگر شوہر و بیوی کی یکجائی ہوچکی تھی تو عدت کا گزارنا بھی ضروری ہے، اگر دوران عدت بھی کسی اور مرد سے نکاح کرلے تو نکاح درست نہیں ہوگا اور باہمی ازدواجی تعلقات حرام ہوں گے، واضح ہو کہ جوان عورت کے لیے طلاق کی عدت تین ماہواری کا آنا ہے، حمل کی حالت ہو تو بچہ کی پیدائش ہے۔(۱) سن رسیدہ اور نابالغہ کے لیے تین ماہ ہے، عدت وفات حاملہ کے لیے بچہ کی پیدائش اور غیر حاملہ کے لیے چار ماہ دس دن گزرنا ہے۔(۲) اگر نکاح کا رشتہ منقطع نہ ہوا ہو اور عدت نہ گزری ہو تو اس حالت میں کیا گیا نکاح منعقد نہیں ہوا اور اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

حاملۂ زنا سے نکاح

سوال:- {1535} زید کا نکاح ایک لڑکی سے ہوا، دو ماہ کے عرصہ بعد لڑکی کا حمل ظاہر ہوا، ڈاکٹر کی جانچ کے مطابق لڑکی کا حمل چار سے پانچ ماہ کا تھا، نکاح کے بعد زید اور لڑکی

---

(۱) الطلاق:۴۔

(۲) البقرۃ:۲۳۴۔

میں مباشرت ہوئی تھی، لیکن زید پہلے سے لڑکی کے حمل سے نا واقف تھا، پہلے سے حمل کے بارے میں لڑکی سے سختی سے پوچھنے پر لڑکی نے اپنی زبان سے قبول کیا کہ پہلے سے حمل بکر سے ہوا تھا، اسی اثناء زید اور لڑکی میں علاحدگی بھی ہوگئی، اب زید کے ذہن میں کئی سوال اٹھے، وہ یہ ہے کہ

(الف) کیا زید کا جو نکاح ہوا وہ شرعی نکاح تھا؟

(ب) کیا زید کو اس لڑکی کو طلاق دینا چاہئے تھا؟

(ج) کیا زید کو اس لڑکی کا مہر ادا کرنا چاہئے؟

(محمد عبدالعزیز، حسینی علم)

جواب:- (الف) جس عورت کو زنا سے حمل ہو جائے، اگر حمل کی حالت میں ہی کوئی دوسرا شخص جانتے ہوئے یا انجانے میں نکاح کر لے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ اگر اس کا حاملہ ہونا معلوم ہو، تو ولادت سے پہلے اس سے مقاربت کرنا جائز نہیں، ہدایہ میں ہے:

"وإن تزوج حبلى من زنا جاز النكاح ولا يطؤها حتى تضع حملها" (۱)

یہ حکم زنا کے حمل کا ہے، اگر جائز حمل ہو تو اس حالت میں نکاح باطل ہوگا، اور اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

(ب) اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ بیوی زنا کی مرتکب ہوئی ہے، تو طلاق دینا جائز ہے، لیکن اگر اس کا یہ جرم ابھی لوگوں کی نگاہ سے چھپا ہوا ہے اور امید ہے کہ عفو و درگزر سے کام لینے کی صورت میں وہ اپنی اصلاح کر لے گی، تو موجودہ حالات میں طلاق سے گریز بہتر ہے، اس لئے کہ ایسی مطلقہ عورت کا دوسرا نکاح سماج میں بدنامی کی وجہ سے بہت دشوار ہے، اور اس میں

---

(۱) الهداية: ۳۱۲/۲ ۔ محشی ۔

خطرہ ہے کہ وہ مستقل طور پر گناہ میں پھنستی چلی جائے، البتہ زنا کی وجہ سے جو حمل قرار پایا ہو، چار ماہ کے اندر اس کو ساقط کر دینا جائز ہے۔

(ج) جب اس لڑکی سے نکاح منعقد ہو چکا ہے اور شوہر نے اس عورت کی عصمت سے نفع بھی اٹھایا ہے تو اب شوہر پر اس کا پورا مہر ادا کرنا بھی واجب ہے، اس غلطی کی وجہ سے اس کو مہر سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

زانیہ کی لڑکی سے نکاح

سوال:- {1536} الف کے ایک عورت سے ناجائز تعلقات تھے، اب وہ اپنے لڑکے کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے کرنا چاہتا ہے، کیا شرعاً یہ نکاح درست ہوگا؟

(حمید الدین، ملک پیٹ)

جواب:- زانی کے لڑکے کا نکاح زانیہ کی لڑکی سے درست ہے۔

" و یحل لأصول الزاني و فروعه أصول المزني بها و فروعها " (۱)

البتہ احتیاط بہتر معلوم ہوتی ہے۔

زانیہ سے نکاح

سوال:- {1537} کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری بیوی شادی سے پہلے زید سے ناجائز تعلقات رکھتی تھی، شادی کے بعد مجھے اس حقیقت کا علم ہوا، وہ اب حاملہ بھی ہے، آپ بتائیں کہ اب مجھے قرآن اور

(۱) رد المحتار: ۴/۱۰۷۔

صحیح حدیث کی روشنی میں کیا اقدام کرنا چاہئے؟ (ق،م،ع)

جواب:- زنا سخت گناہ ہے، اگر اسلامی حکومت ہو، اور زنا کرنے والے کے اقرار یا چار عینی گواہوں کی گواہی سے قاضی کے نزدیک زنا کا جرم ثابت ہو جائے تو قاضی کے حکم سے اس پر زنا کی شرعی سزا جاری ہوگی، جو غیر شادی شدہ کے حق میں سو کوڑے مارنا (۱) اور شادی شدہ کے حق میں سنگسار کر دیا جانا ہے، (۲) جہاں اسلامی حکومت نہ ہو، وہاں کے لئے یہ سزا نہیں، کیوں کہ شریعت کی ان سخت سزاؤں کے لئے اسلامی ماحول کا ہونا اور برائیوں کے محرکات پر روک لگایا جانا ضروری ہے، البتہ توبہ واستغفار ہر حال میں واجب ہے، اگر صدق دل سے توبہ کی جائے، اور آئندہ اس سے باز رہا جائے، تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف کر دیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا:

" التائب من الذنب كمن لاذنب له" (۳)

اگر کوئی عورت زنا کی مرتکب ہو اور اس سے نکاح کیا جائے تو شرعاً نکاح منعقد ہو جاتا ہے، کیوں کہ نکاح کے درست ہونے کے لئے قرآن وحدیث میں مرد وعورت کے پاک دامن ہونے کی شرط نہیں، فقہاء نے لکھا ہے کہ

'' اگر کسی عورت کو زنا کا حمل ہو اور اس حالت میں اس کا نکاح ہو جائے، تب بھی نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ جو حمل ثابت النسب ہو، اس حاملہ عورت کا نکاح درست نہیں، کیوں کہ ثابت النسب حمل قابل احترام ہے'' (۴)

اس لئے آپ کا نکاح اس عورت سے منعقد ہو گیا، اگر نکاح کے بعد چھ ماہ پورا ہونے پر

(۱) النور :۲۔ محشی۔
(۲) الهداية :۲/۵۰۹۔ محشی۔
(۳) سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۴۲۵۰۔ محشی۔
(۴) الهداية:۳/۲۴۔

بچہ پیدا ہوا، تو اس بچہ کی نسبت آپ کی طرف ہوگی اور وہ آپ کا بچہ سمجھا جائے گا، اور اگر چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوا، تو وہ ثابت النسب بچہ نہیں ہوگا۔

جہاں تک اس عورت کو رکھنے اور طلاق دینے کی بات ہے تو آپ کے لئے شرعاً اس کو طلاق دینا جائز ہے، اور اصلاح کی امید نہ ہو تو طلاق دینا بہتر ہے، اور اگر وہ اپنی غلطی پر نادم ہے اور اس کے موجودہ حالات کے تحت امید ہے کہ آئندہ وہ ایسی برائی کا ارتکاب نہیں کرے گی، تو اس کو اپنے نکاح میں رکھنے کی گنجائش ہے، اور ایسی صورت میں آپ کو معاف اور درگزر کرنے کا ثواب بھی مل سکتا ہے۔و اللہ اعلم بالصواب۔

’’زانی کا نکاح زانیہ سے ہوگا‘‘ کا مطلب

سوال:- {1538} (الف) زانی نکاح کسی کے ساتھ نہیں کرتا، بجز زانیہ یا مشرک کے، اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا، بجز زانی یا مشرک کے (سورۂ نور) —— ہم کو کس طرح معلوم ہو کہ فلاں شخص زانی یا زانیہ ہے، کیونکہ ہر شخص کے ذاتی حالات تو معلوم نہیں ہوسکتے۔

(ب) اگر زید نے انجانے میں کسی کے ساتھ بدکاری کی ہے، اور گناہ کے بعد ہمیشہ کے لئے توبہ کرلی، تو کیا یہ توبہ مقبول ہے، اور وہ کسی دوسری نیک لڑکی سے شادی کرسکتا ہے؟

(ش،ک)

جواب:- (الف) اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ زانیہ سے زانی ہی نکاح پسند کرسکتا ہے، اسی طرح زانیہ ہی زانی کو اپنے لیے بہ طیب خاطر پسند کرسکتی ہے، رہ گیا کسی شخص کے حالات سے واقف ہونا، تو اگر کسی مرد یا عورت کے بارے میں معتبر ذریعہ سے زنا کا ثبوت نہ ہو تو اسے نیک

اور پاک دامن ہی تصور کیا جائے گا، کیونکہ ایک مسلمان کا ایسے شرمناک گناہوں سے محفوظ ہونا ہی متوقع ہے۔

(ب) جب زید نے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی ہے اور اب اس سے مجتنب ہے، تو انشاء اللہ اس کی توبہ مقبول ہوگی، دوسری نیک لڑکی سے اس کا نکاح کرلینا بھی درست ہے۔

نومسلمہ سے نکاح

سوال:- {1539} ایک شخص نے ایک غیر مسلم عورت سے بقول اس کے اسلام قبول کرا کر نکاح کرلیا، وہ عورت کئی بچوں کی ماں اور ایک وفادار شوہر کی بیوی تھی، اس عورت کو اس کے پہلے شوہر نے نہیں چھوڑا تھا، اس صورت میں اس عورت کے ساتھ اس مسلم شخص کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

(منور سلطان، یکہتہ، مدھوبنی)

جواب:- غیر مسلم عورت اسلام لے آئے اور اس کا شوہر مسلمان نہ ہو، تو اتفاق ہے کہ اس عورت کا اپنے اس کافر شوہر سے رشتہ ازدواج ختم ہو جائے گا اور اس کا کسی اور مسلمان مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، البتہ حنفیہ کے یہاں اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسلم ملک میں یہ صورت پیش آئے تو قاضی شوہر پر اسلام پیش کرے گا، اگر وہ قبول کرلے تو نکاح باقی رہے گا، انکار کرے تو دونوں میں تفریق کا فیصلہ کردے گا، غیر مسلم ملک ہو تو تین حیض انتظار کرے گی، اگر اس درمیان شوہر کو اسلام کی توفیق ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ وہ آپ سے آپ اس مرد کی زوجیت سے آزاد ہو جائے گی اور یہی مہلت کافی ہوگی، عدت بھی واجب نہیں۔

"وإذا أسلمت المرأة في دار الحرب و زوجها کافر ... لم يقع الفرقة عليها حتى تحيض ثلاث

حیض ثم تبین من زوجها ... وإذا وقعت
الفرقة والمرأة حربية فلا عدة عليها و إن كانت
هي المسلمة فكذلك عند أبي حنيفة "(۱)

اگر شخص مذکور نے اسی تفصیل کے مطابق اس عورت سے نکاح کیا، تو نکاح درست ہے۔

آغاخانی فرقہ سے نکاح

سوال:- {1540} ہندہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتی ہے اور زید آغاخانی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے کیا شریعت کی رو سے ان میں شادی ہوسکتی ہے؟

(محمد شاہد، پائن پوری، مہاراشٹر)

جواب:- آغاخانیوں کے بعض عقائد کافرانہ ہیں، اس لئے مسئولہ صورت میں نکاح درست نہیں، تفصیل کے لئے حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی جواہر الفقہ جلد دوم ملاحظہ ہو۔

قادیانی سے نکاح

سوال:- {1541} میری بہن کی شادی ایک قادیانی لڑکے سے ہوگئی ہے، شادی کو بارہ سال ہوگئے، ان سے تین بچے بھی ہیں، کیا یہ نکاح جائز ہے؟ اور جائز نہ ہو تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

(بشریٰ خاں، قدیم توپ خانہ)

جواب:- قادیانی کافر ہیں، ان کا کافر ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے، تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے، پس کسی مسلمان عورت کا قادیانی مرد سے، یا کسی مسلمان مرد کا قادیانی عورت سے نکاح جائز نہیں، اگر ایجاب وقبول کر بھی لیا جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس لئے

(۱) الهداية:۲/ ۳۴۷، باب نكاح أهل الشرك ۔

آپ کو چاہئے کہ اپنی بہن کو سمجھائیں، اور اس قادیانی مرد سے الگ کرلیں، ہاں! وہ مرد توبہ کے لئے تیار ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کیا جاسکتا ہے، توبہ کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص کلمۂ شہادت پڑھے اور کہے کہ رسول اللہ ﷺ پر ہر طرح کی نبوت ختم ہے اور آپ ﷺ کے بعد جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے، بشمول مرزا غلام احمد قادیانی کے وہ جھوٹا ہے۔ اس اعتراف کے بعد ہی سمجھا جائے گا کہ اس نے کفر سے توبہ کی ہے، اگر وہ صرف یہ کہے کہ میں محمد ﷺ کو خاتم النبیین مانتا ہوں، تو یہ کافی نہیں، کیونکہ یہ حضرات خاتم النبیین کے لفظ کی غلط، نامعقول اور سلف صالحین سے منقول توضیح سے مختلف تشریح کیا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ہدایت اور قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔

موجودہ دور کے اہل کتاب سے نکاح

سوال:- {1542} (الف) کیا ایک مسلمان مرد موجودہ سماج کی کرسچن لڑکی سے شادی کرسکتا ہے؟ اگر شادی کرچکا ہے تو اس کے ازدواجی تعلقات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(ب) موجودہ سماج میں کسی مسلمان لڑکی کا کسی اہل کتاب لڑکے سے شادی کرنا کیا شرعاً درست ہے؟

(ابو یوسف، میر جملہ ٹنک)

جواب:- (الف) جو لوگ نام کے عیسائی اور یہودی ہوں، لیکن عقیدہ کے اعتبار سے خدا کے وجود، نبوت ووحی اور ملائکہ وغیرہ کے قائل نہ ہوں، وہ ملحد ہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں، گو خاندانی نسبت کی بنا پر وہ یہودی یا نصرانی کہلاتے ہوں۔

(ب) جو لوگ مذہبی اعتبار سے واقعی یہودی یا عیسائی ہوں، گو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا ٹھہراتے ہوں، لیکن عفت وعصمت اور پاکدامنی کا ان کے یہاں لحاظ نہ ہو، تو ایسی عورتوں سے

کسی مسلمان مرد کا نکاح کرنا مکروہ ہے، کیونکہ قرآن میں پاک دامن کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت دی ہے۔

(ج) جو لوگ واقعی اہل کتاب ہوں اور ان کی عورتوں کے بارے میں پاکدامن ہونے کا گمان ہو، لیکن وہ مسلمانوں کا ملک نہ ہو، بلکہ غیر مسلموں کو غلبہ حاصل ہو تو، ایسی جگہ کتابیہ عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، ''یکرہ تزوج نساء اھل الحرب من الکتابیات''(۱)

(د) موجودہ حالات میں مسلم ملکوں میں بھی ایسی عورتوں سے نکاح کرنا کراہت سے خالی نہیں، علامہ شامیؒ نے ان سے نکاح کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے: "یفید کراھة التنزیه فی غیر الحربیة"(۲)

علامہ شامیؒ نے یہ بات اپنے عہد کے لحاظ سے فرمائی ہے، موجودہ دور میں عرب حکمرانوں اور اعلیٰ عہدیداروں کی زوجیت میں یہودی اور عیسائی خواتین کے رہنے نے ایسے فتنے پیدا کئے ہیں اور عالم اسلام کو ایسا ناقابل تلافی نقصان پہونچایا ہے کہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ مغربی تہذیب کے اس دور میں مسلم ملکوں میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم۔

(ب) جہاں تک مسلمان عورتوں کے اہل کتاب مردوں سے نکاح کی بات ہے، یہ قطعاً حرام اور ناجائز ہے، کسی بھی غیر مسلم مرد سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا ہے۔(۳)

سنی شیعہ کے نکاح وطلاق کے چند مسائل

سوال:- {1543} (الف) ہندہ سنی عورت ہے اور زید شیعہ ہے اور شادی دونوں کے رسم ورواج کے مطابق

---

(۱) أحکام القرآن للجصاص :۱/۳۲۔

(۲) رد المحتار:۳/۴۵، ط، کراچی۔

(۳) البقرة :۲۲۱۔ محشی۔

ہوئی، شادی ہوئے ۲۲ رسال ہوگئے، کیا یہ جائز ہے؟

(ب) شوہر نشہ میں تین طلاق دے چکا ہے، شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ جب تک لکھ کر نہ دے اس وقت تک واقع نہ ہوگی، کیا یہ صحیح ہے؟

(ج) ہندہ نے اپنے سامان جہیز وسونے سے ایک زمین پر مکان تعمیر کیا جو اس کی والدہ کا دیا ہوا ہے، البتہ اس میں شوہر نے گھر پر خرچ کے لئے جو رقم دی تھی، اس میں اپنی سلیقہ شعاری سے بچت کر کے تھوڑا تھوڑا کر کے مکان تعمیر کیا، یہ کس کا حق ہے؟

(د) بچوں کے خرچ کے واسطے شوہر جو خرچ دے وہ عورت کے واسطے حلال ہے یا نہیں؟ (قطب الدین، دربھنگہ)

جواب:- (الف) شیعہ حضرات کے مختلف فرقے ہیں، جن میں بعض کو مسلمان کہا جاسکتا ہے اور بعض پر علماء نے کفر کا فتوی لگایا ہے اور ان کے مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی ہے، ان میں ہندہ کے شوہر اگر یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ قرآن میں تحریف کی گئی ہے جیسا کہ فرقہ امامیہ واثنا عشریہ کا عقیدہ ہے اور خود آیت اللہ خمینی نے اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' میں لکھا ہے تو ان سے نکاح درست نہیں ہوا اور ہندہ کو فوراً اس سے علاحدگی اختیار کرنی چاہئے۔

(ب) نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق بھی امام ابوحنیفہؒ کے یہاں واقع ہو جاتی ہے، اس طرح ہندہ زید پر حرام ہو چکی۔

"وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ" (۱)

(۱) الفتاوى الهندية: ۳۵۳/۱۔

(ج) اگر شوہر حق شرعی کے مطابق بچوں کی پرورش کا کام ہندہ سے لے اور بچوں کے لئے کچھ دیں تو پرورش کی اجرت کے طور پر ہندہ بھی اپنی بنیادی ضروریات میں خرچ کرلے تو یہ جائز ہوگا۔

(د) شوہر کے پیسوں سے بچا کر وہ اس میں لگایا ہو تو شوہر کی دی ہوئی رقم ہبہ متصور ہوگی، وہ بھی ہندہ ہی کی ملکیت قرار پائے گی۔

غیر مسلموں سے نکاح

سوال:- {1544} آج کل شریعت اسلامیہ کی نافذ کردہ پابندیوں سے فرار اختیار کرنے کے لئے کچھ نام نہاد مسلمان اپنے کو سیکولر کہہ کر فخر محسوس کرتے ہیں، ایسے کچھ لوگ اپنی شادی غیر مسلم عورتوں سے کرکے دونوں میاں بیوی اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ کیا ان کے جسمانی تعلقات، زنا کے دائرہ میں نہیں آتے؟ اور کیا ان کے بچے جائز ہوں گے؟

(اقبال احمد، تنسکیا، آسام، ۷۸۶۱۸۱)

جواب:- اسلام نے مشرکین سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے، اور خود قرآن مجید میں اس کی صراحت موجود ہے:

﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ﴾ (۱)

غیر مسلموں میں صرف اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کا استثناء ہے کہ ان کی عورتوں

(۱) البقرۃ: ۲۲۱۔

سے مسلمان مرد نکاح کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ واقعی یہودی یا عیسائی ہوں، وحی اور نبوت کو مانتی ہوں اور مسلمان شوہر کے ایمانی، اخلاقی، تمدنی اعتبار سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو، دوسری مشرک عورتوں سے نکاح کے جائز نہ ہونے اور نکاح بھی کر لے تو اس کے منعقد نہ ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے:

"وحرمة نكاح الوثنية بالإجماع " (۱)

ان کے جسمانی تعلقات واقعی زنا کے درجہ میں ہے، ان سے پیدا ہونے والے بچوں کا نسب ثابت وصحیح نہیں، اس لئے کہ مشرکہ سے نکاح فاسد نہیں بلکہ فقہاء کی اصطلاح کے مطابق باطل ہے، اور نکاح باطل ہونے کی صورت میں پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب نہیں مانا گیا ہے۔

غیر مسلم مرد سے مسلمان عورت کا نکاح

سوال:- {1545} اگر کوئی مسلمان عورت ہندو سے شادی کر لے اور اس کا شوہر اسلام قبول نہ کرے تو کیا عورت اس کے ساتھ زندگی بسر کر سکتی ہے؟

(فاطمہ جبین، اکبر باغ، حیدرآباد)

جواب:- ہرگز نہیں! کسی غیر مسلم مرد سے خواہ وہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو، مسلمان عورت کا نکاح ہی نہیں ہو سکتا، (۲) اس لئے جب تک یہ عورت اس مرد کے ساتھ رہے گی مسلسل گناہ کی مرتکب ہوگی، ایسی خواتین کو سمجھا کر علاحدگی پر آمادہ کرنا چاہئے، یا کوشش کرنی چاہئے کہ غیر مسلم مرد اسلام لے آئے اور پھر سے نکاح کر دیا جائے۔

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد۳:۲۹۸/۳۔

(۲) البقرة :۲۲۱۔

مسلمان لڑکی کا غیر مسلم لڑکے کے ساتھ فرار ہونا

سوال:- {1546} ایک مسلم لڑکی ایک غیر مذہب لڑکے (دھوبی) کے ساتھ فرار ہوچکی ہے، تین ماہ کا عرصہ گزرا ہے، ابھی حرام میں مبتلا ہے، اسی کے ساتھ گزر بسر کررہی ہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے چھڑا کر کسی دوسرے مسلمان سے نکاح کردو، کیا ہم اپنے نظروں سے دیکھتے ہوئے دوسرے بھائی کو دھوکہ دے سکتے ہیں؟ اور لڑکی کا باپ تو بالکل گھر میں لے آنے پر راضی نہیں ہے، اس لڑکی کو مار ڈالنے پر تلا ہوا ہے، کیا ایسی لڑکی دین سے خارج ہے؟ کیا دین میں آنے کی گنجائش ہے؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہماری رہبری فرمائیں تو نوازش ہوگی۔ (طیب اعظمی، یوپی)

جواب:- کسی مسلمان عورت کا نکاح کئے بغیر کسی شخص کے ساتھ فرار ہوجانا سخت گناہ ہے، اور کافر کے ساتھ تو اور بھی شدید معصیت ہے، کیونکہ کافر سے کسی مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا۔(۱) لیکن توبہ استغفار کی وجہ سے بڑے سے بڑا گناہ بھی معاف ہوجاتا ہے، اس کی وجہ سے لڑکی دین سے خارج نہیں ہوتی، لہذا یہ بات مناسب نہیں کہ اب اس لڑکی کو اس کا باپ اپنے گھر نہ آنے دے کہ اس کے نتیجے میں وہ اور برائیوں میں مبتلا ہوتی جائے گی، اور نہ یہ مناسب اور شرعاً درست ہے کہ لڑکی کو مارا جائے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے، اور اگر وہ غیر مسلم لڑکا اسلام قبول کرنے کو تیار ہوجائے تو اسے کلمہ پڑھا کر اسی سے نکاح کردیا جائے، اور اگر اس کے لئے تیار نہ ہو تو کسی اور مسلمان لڑکے سے اس کا نکاح کردیا جائے، تاکہ وہ حلال اور جائز طریقہ پر اپنی زندگی گزار سکے، اور اگر وہ زنا کی وجہ سے حاملہ ہوگئی ہو اور ابھی چار

(۱) البقرۃ :۲۲۱۔

ماہ سے کم کا حمل ہو، تو اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ اس کا حمل ساقط کر دیا جائے، اور اس کے اس گناہ کی تشہیر اور لوگوں سے اس کا تذکرہ بھی درست نہیں، کیونکہ اگر مسلمان سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو تو اس کے ساتھ ستر اور پردہ پوشی کا معاملہ کرنا چاہئے، حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔(۱)

غیر مسلم سے کیا ہوا نکاح

سوال:- {1547} ایک شخص مسلمان تھا، اس نے مرتد ہو کر غیر مسلمہ سے شادی کر لی، توفیق الٰہی سے وہ تائب ہو کر مسلمان ہوا، مگر غیر مسلمہ مشرکہ کو وہ نکاح میں رکھے ہوا ہے، جب کہ دونوں کہولت کو پہنچ چکے ہیں؟ (عقیل انجم، بنجارہ ہلز)

جواب:- ارتداد سے تائب ہونا حسنِ توفیق کی بات ہے، اللہ تعالیٰ ان کو استقامت عطا فرمائے، لیکن کسی مسلمان کے لئے یہودی وعیسائی عورت کے علاوہ کسی اور غیر مسلم عورت سے نکاح کرنا یا اس کے ایمان نہ لانے کے باوجود اسی نکاح پر باقی رہنا درست نہیں، اسے چاہئے کہ مذکورہ خاتون سے میاں بیوی کا خصوصی تعلق بالکل نہ رکھے، اسے خود بھی اسلام کی دعوت دے اور دوسرے سمجھدار لوگوں کے ذریعہ بھی اسلام کی طرف راغب کرے، اور اس کی ہدایت کے لئے خوب الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعاء بھی کرے، بہر حال شوہر کے ایمان لانے کے بعد اگر ۳/ ماہواری آجانے کے باوجود عورت ایمان نہ لائے تو مسلمان مرد کا نکاح اس سے ختم ہو جاتا ہے،(۲) اس لئے وہ شرعاً ان کی بیوی نہیں ہے۔

---

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۲۴۴۲۔ محشی۔
(۲) البحر الرائق: ۳/۲۷۰۔ محشی۔

کرسچن لڑکی سے نکاح

سوال:- {1548} کیا مذہب تبدیل کئے بغیر کرسچن لڑکی سے نکاح کرسکتے ہیں؟ (پی، ایچ، حسین، مشیر آباد)

جواب:- اگر کوئی لڑکی واقعی عیسائی ہو، یعنی نبوت اور خدا کا یقین رکھتی ہو، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتی ہو اور حضور ﷺ کی نبوت پر اس کا ایمان نہ ہو تو وہ قرآن کی اصطلاح میں اہل کتاب میں سے ہے اور قرآن میں اہل کتاب سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے، (۱) اسی لئے فقہاءؒ نے اسے جائز قرار دیا ہے، (۲) لیکن حنفیہ نے دارالکفر میں کتابی عورت سے نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے، (۳) کیونکہ اندیشہ ہے کہ مسلمان ان کی تہذیب سے متاثر ہوجائیں، میرا خیال ہے کہ موجودہ زمانہ میں عالم اسلام پر مغربی تہذیب وثقافت کی چھاپ اتنی گہری ہوگئی ہے اور بعض ممالک میں مسلمان کے نکاح میں غیر مسلم عورتوں کے آنے کی وجہ سے ایسے شدید سیاسی، تہذیبی اور مذہبی نقصانات مسلمانوں کو پہنچے ہیں کہ فی زمانہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا مطلقا مکروہ ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

مرتد کا نکاح

سوال:- {1549} ایک شخص کو مسجد میں بعض لوگوں نے مرتد قرار دیا، اس نے تحریرا اپنی غلطی قبول کی اور پھر سے مسلمان ہوا، اس کی بیوی پر اس کے عمل سے کیا اثر ہوا؟

(ایک دینی بہن)

---

(۱) المائدۃ :۵۔
(۲) الفتاوی الھندیۃ:۱/۲۸۱۔
(۳) رد المحتار :۴/۱۳۴،محشی۔

جواب:- اگر شوہر مرتد ہوا، اس کو دوبارہ اسلام لانے کو کہا گیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا، اس کے مرتد ہونے اور اسلام قبول کرنے کے درمیان بیوی کو تین حیض آنے کی نوبت نہیں آئی تو نکاح برقرار رہے گا۔

عارضی مدت کے لئے نکاح

سوال:- {1550} میرے ایک ساتھی کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت سے عارضی نکاح کی اجازت ثابت ہوتی ہے، تو مقررہ مدت کے لئے کیا گیا نکاح کیا اسلام کی رو سے جائز ہے، یا غیر شرعی اور باطل ہے؟

(عثمان لاری، عزیز باغ کالونی)

جواب:- آپ کے ساتھی کا خیال بالکل غلط ہے، قرآن عارضی اور وقتی نکاح کی اجازت نہیں دیتا، اسلام سے پہلے عرب میں مرد و عورت کے تعلق کی مختلف ایسی صورتیں نکاح سے موسوم تھیں، جو بے حیائی پر مبنی تھیں، یہاں تک کہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک عورت بیک وقت کئی مردوں کے نکاح میں ہوتی تھی، نکاح کے مروجہ صورتوں میں ایک صورت نکاح متعہ کی تھی، اس نکاح میں مقررہ وقت یا مدت کے لئے عورت مرد کے نکاح میں آئی تھی، یہ بھی کوئی بہتر طریقہ نہیں تھا، شرافت انسانی کا تقاضہ یہی ہے کہ رشتہ نکاح دوام و استحکام پر مبنی ہو، لیکن حکمت کا تقاضہ یہ تھا کہ اسے تدریجاً ختم کیا جائے، اس لئے ابتداء اسلام میں اس کی ممانعت کا اعلان نہیں کیا گیا، غزوۂ خیبر کے موقع سے آپ ﷺ نے اس کی ممانعت کا اعلان فرمایا، خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کے راوی ہیں۔(۱) چنانچہ اہل سنت والجماعۃ کا اس کی حرمت پر اتفاق ہے، اس لئے اسلام میں عارضی اور وقتی نکاح کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/۴۵۰۔

حرمت مصاہرت

حرمتِ مصاہرت سے مراد

سوال:-{1551} تیس جون کے شمارہ میں آپ کے شرعی مسائل کے کالم میں ایک فقہی اصطلاح ''حرمتِ مصاہرت'' استعمال ہوئی ہے، اس اصطلاح سے عام اردو قاری ناواقف ہیں اگر اس کی تشریح فرمائیں تو مہربانی ہوگی۔

(ابوزبیر ہاشمی، ریاض)

جواب:- ''مصاہرت'' کے معنی سسرالی رشتہ کے ہیں، محرم رشتہ داروں میں سے کچھ وہ ہیں جو سسرالی رشتہ سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے سسر، ساس، اور ان کا پدری مادری سلسلہ، بیوی کی بیٹی، شوہر کا بیٹا، انہی رشتہ داروں سے حرمت کو ''حرمت مصاہرت'' کہا جاتا ہے۔

ویڈیو کی تصویر سے حرمت مصاہرت

سوال:-{1552} آج کل بعض واقعات ایسے پیش

آرہے ہیں کہ جرائم پیشہ عناصر بعض عورتوں کو اغوا کر کے یا منشیات اور ہوش وحواس کھودینے والی دوائیں پلاکر عورتوں کی برہنہ تصویریں، جو فحش صورتوں پر مبنی ہوتی ہے، لے لیتے ہیں اوران کے ویڈیو بناتے ہیں، یہ ویڈیو مہنگے داموں فروخت کیے جاتے ہیں، بہت سی شریف خواتین اس استحصال کا شکار ہوچکی ہیں، اب اگر کوئی شخص ایسی ویڈیو فلم میں عورت کے ان اعضاء کو دیکھے جن کا دیکھنا حرمت مصاہرت پیدا ہوجانے کا سبب ہے، تو کیا اس کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی، اوراس کی ماں اور بیٹی دیکھنے والے پر حرام ہوجائے گی؟ (عبدالدیان قاسمی، جدہ)

جواب:- امام ابوحنیفہؒ اورامام احمدؒ کے نزدیک زنا اور دواعی زنا سے بھی حرمت پیدا ہو جاتی ہے،(۱) دواعی زنا میں عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی شامل ہے، بشرطیکہ یہ اس کے لیے شہوت و ہیجان کا باعث بنا ہو، لیکن یہ حرمت اس وقت ہے جب بعینہ جسم کا مشاہدہ پایا جائے، اگر کوئی صورت یا اس کا عکس آئینہ میں یا پانی میں نظر آئے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی:

" لاتحرم المنظور إلى فرجها الداخل إذا رآه من مرآة أو ماء لأن المرئي مثاله بالإنعكاس "(۲)

ویڈیو کی صورت بھی چونکہ عکس کی ہے اس لیے ویڈیو میں اگر اس طرح کی چیزیں دیکھنے میں آئیں تو اس کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔

---

(۱) البحر الرائق :۳/۱۷۳، محشی۔
(۲) الدر المختار مع رد:۴/۱۰۹-۱۱۰۔

کیا بیوی کے ساتھ خلافِ فطرت فعل سے نکاح ختم ہوجاتا ہے؟

سوال:- {1553} کیا عورت کی پچھلی شرمگاہ سے صحبت کرنے سے عورت نکاح سے خارج ہوجاتی ہے؟

(قاری ایم ایس خاں، اکبر باغ)

جواب:- یہ صورت سخت گناہ کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے بہت ہی شدت سے منع فرمایا ہے اور اس کے مرتکب پر لعنت بھیجی ہے،(۱) البتہ اس کی وجہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا؛ البتہ چوں کہ یہ فعل شرعی اعتبار سے بھی مذموم وحرام ہے اور طبعی اعتبار سے بھی سخت تکلیف دہ اور اذیت کا باعث ہے، اس لئے اگر شوہر اس حرکت سے باز نہ آتا ہو تو وہ دار القضاء میں فسخ نکاح کے لیے درخواست دے سکتی ہے۔

کیا زنا سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال:- {1554} اگر کوئی شادی شدہ عورت زنا کی مرتکب ہوجائے تو کیا اس کا نکاح باقی رہتا ہے؟ اور غیر شادی شدہ لڑکی نے زنا کیا تو اس کا نکاح دوسرے مرد سے ہوجائے گا؟

(ایک بہن، پھولانگ، نظام آباد)

جواب:- زنا سخت گناہ ہے، چنانچہ شادی شدہ مرد وعورت کے لیے زنا کی سزا کسی مسلمان کے مرتد ہوجانے سے بھی زیادہ سخت ہے، لیکن اگر شوہر کے باپ یا اپنے سوتیلے بیٹے سے ایسی قبیح حرکت کی نوبت نہ آئی ہو، بلکہ کسی اور کے ساتھ ملوث ہوئی ہو، تو اس سے نکاح نہیں

(۱) سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۱۹۲۳،باب النهي عن إتيان النساء في أدبارهن۔

ٹوٹے گا، غیر شادی شدہ لڑکی اس کی مرتکب ہو تو اس کا بھی نکاح کرنا درست ہے، بلکہ سماج کے ذمہ دار لوگوں کا فریضہ ہے کہ اس کا افشاء نہ ہونے دیں، اور اس کا نکاح کردیں، تا کہ آئندہ وہ آبرومندانہ زندگی بسر کر سکے، لیکن بہرحال زنا شدید گناہ ہے اور اگر کسی مسلمان مرد وعورت سے اس برائی کا ارتکاب ہو جائے تو اسے پورے احساس ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرنا چاہئے، اور آئندہ اس سے احتیاط کرنا چاہئے۔

نکاح میں ولی اور کفاءت کا بیان

نکاح میں لڑکی کی اجازت ضروری ہے

سوال:- {1555} میری ایک سہیلی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف ہونے والی ہے، وہ ایک لڑکے کو پسند کرتی ہے، جو دین دار اور صوم وصلاۃ کا پابند ہے، اور اس کے والدین جس لڑکے سے اس کا رشتہ طے کر رہے ہیں، وہ مالدار تو ہے لیکن دین دار نہیں، تو کیا والدین کا لڑکی کی رضامندی کے خلاف اس کا نکاح کردینا درست ہے؟ اور اگر لڑکی والدین کی اس بات کو نہ مانے تو کیا یہ والدین کی خلاف ورزی ہوگی، اور اس پر گناہ ہوگا؟ (ریشمہ خانم، نظام آباد)

جواب:- اگر لڑکی بالغ ہو تو باپ پر واجب ہے کہ اس کی رضامندی ہی سے رشتہ کرے، زبردستی اس پر کوئی رشتہ تھوپ دینا جائز نہیں،(۱) یہ بچوں کے ساتھ حق تلفی ہے، اور حق تلفی کسی کی

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۱۳۶، باب لا ينكح الأب و غيره البكر و الثيب ألخ

بھی ہو، گناہ ہے، اس معاملہ میں چوں کہ شریعت نے نکاح کرنے والوں کی پسند و ناپسند کو زیادہ اہمیت دی ہے، اس لیے اگر ماں باپ کا مرغوب رشتہ لڑکی کو پسند نہ ہو تو اسے مناسب طریقہ پر اس سے انکار کرنے کا حق حاصل ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، (۱) البتہ لڑکیوں کو بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ان کے اولیاء زیادہ تجربہ کار اور حالات سے واقف ہیں، اور وہ ان کے بہی خواہ بھی ہیں، اس لیے اگر وہ کسی رشتہ کو مناسب سمجھتے ہوں تو بہتر ہے کہ اسے ترجیح دی جائے، اور اگر اس رشتہ سے طبیعت کو بالکل ہی اباء نہ ہو تو دل کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے، ولی کے لیے بالغ لڑکی پر کسی رشتہ کو تھوپنا گناہ ہے، اور خود لڑکی کے لیے ولی کے انتخاب کو (اگر دل آمادہ ہو سکے) قبول کر لینا مستحب ہے۔

نکاح میں اولیاء کا رویہ

سوال:- {1556} خلاصہ سوال: ۲۷ دسمبر کو محترمہ ریشما خانم کے جواب میں آپ رقمطراز ہیں کہ اولیاء زیادہ تجربہ کار اور حالات سے واقف ہیں، اس لئے اگر وہ کسی رشتہ کو مناسب سمجھتے ہیں تو بہتر ہے کہ اسے ترجیح دی جائے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ:

(الف) آج کل کئی والدین نکاح سے پہلے اپنی اولاد سے اجازت لینا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، ان کے مشورہ کے بغیر رشتہ طئے کر دیا جاتا ہے اور نکاح کے وقت خاندان کی عزت کے لئے نہ چاہتے ہوئے بھی لڑکی ہاں کہہ دیتی ہے، تو کیا اس طرح مجبوراً ہاں کہہ دینے کی صورت میں نکاح ہو جائے گا؟

---

(۱) "و ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها ، و إن لم يعقد عليها ولي ، بكرا كانت أو ثيبا" (الهداية :۲/۳۱۳،باب في الأولياء و الإكفاء) محشی۔

(ب) اگر لڑکا یا لڑکی کسی کو بدچلنی یا آوارگی کی وجہ سے پسند نہیں کریں اور والدین ذات و جماعت کی وجہ سے اس لڑکی یا لڑکے کو ترجیح دیں، حالانکہ لڑکی و لڑکا کھل کر اس رشتہ کا انکار کر چکے ہیں، تو کیا ایسا نکاح جائز ہوگا؟ (غلام غوث، ممبئی)

جواب:- یہ بات میں نے پہلے بھی لکھی ہے کہ لڑکے اور لڑکی سے مشورہ کئے بغیر ان کا رشتہ طئے کر دینا جائز نہیں،(۱) بلکہ حق تلفی ہونے کی وجہ سے گناہ ہے، لیکن انسان کے دل میں کیا ہے؟ اس سے دوسرا شخص واقف نہیں ہو سکتا، زبان سے جو بات کہی جائے وہی دوسروں کے لئے علم و اطلاع کا ذریعہ ہے، اس لئے اگر لڑکی اور لڑکے کو رشتہ پسند نہ ہو، تو اسے جرأت سے کام لے کر ایجاب و قبول اور اجازت کے وقت صاف طور پر انکار کر دینا چاہئے، لیکن اگر وہ زبان سے ہاں کہہ دے، تو نکاح منعقد ہو جائے گا، کیوں کہ ایجاب و قبول زبان کا فعل ہے اور زبان کے بول پر ہی اس کا انحصار ہے۔

میرے جواب کا منشاء یہ ہے کہ بعض دفعہ لڑکے اور لڑکیاں جذبات اور ناسمجھی میں نامناسب رشتے کر لیتے ہیں اور بعد میں نباہ نہیں ہو پاتا، اس لئے وہ مجبور تو نہیں ہیں کہ اولیاء کے رشتہ کو قبول ہی کر لیں، لیکن اگر طبیعت میں اس رشتہ کی طرف رغبت ہو تو اس کو ترجیح دینا بہتر ہے۔

بلا وجہ والد نکاح میں رکاوٹ ڈالے تو؟

سوال:- {1557} میرے والد صاحب شروع ہی سے غیر ذمہ دار رہے ہیں، میری والدہ نے بڑی محنت و مشقت سے میری پرورش کی، اب میں اور میرے بھائی برسر روزگار ہیں اور عمر کافی ہوگئی ہے، والد صاحب ہر رشتہ میں رکاوٹ پیدا کر دیتے ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ میری یا کسی بھائی کی شادی ہو، ان کا

(۱) "لا يجوز للولي إجبار البكر البالغة على النكاح" (الهداية :۲/۳۱۴) محشی۔

خیال ہے کہ اس طرح آمدنی کا ذریعہ بند ہو جائے گا، میری
والدہ ہم لوگوں کے نکاح کے لئے راضی ہیں، نکاح نہ کرنے کی
صورت میں گناہ کا اندیشہ بھی ہے، تو کیا ہم والد کے رضا اور
شرکت کے بغیر شادی کر سکتے ہیں؟ (مرزا احمد بیگ، حیدرآباد)

جوابـ:- رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جب لڑکے اور لڑکیاں جوان ہو جائیں تو ان کا نکاح ہو جانا چاہئے، آپ ﷺ نے یہ بات خود لڑکوں کو بھی مخاطب کر کے فرمائی (۱) اور والدین کو بھی اس جانب توجہ دلائی، (۲) جوان اور مستطیع آدمی کے لئے تجرد کی زندگی کو آپ ﷺ نے بہت ہی ناپسند فرمایا، حضرت عطیہ بنت بشر مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ نکاح ہماری سنتوں میں سے ہے، جو لوگ تجرد کی زندگی گزارتے ہیں وہ بدترین لوگ ہیں، ''فإن من سنتنا النكاح شراركم عزابكم ''(۳) چنانچہ قرآن وحدیث کی ہدایات کو سامنے رکھ کر فقہاء نے معتدل حالت میں نکاح کو سنت اور اگر گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو واجب قرار دیا ہے:

"وأما صفته فهو أنه في حالة الاعتدال سنة
مؤكدة وحالة التوقان واجب "(۴)

اس لئے مناسب بات تو یہ ہے کہ آپ اپنے والد صاحب کو صحیح صورتِ حال اور شریعت کے حکم سے آگاہ کریں اور ان کی رضامندی و شرکت کے ساتھ نکاح کریں، لیکن اگر وہ اس سے انکار کرتے ہوں تو آپ حضرات کے لئے اپنے طور پر نکاح کر لینے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ بندوں کی نافرمانی سے زیادہ قابلِ لحاظ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۴۰۰۔ محشی۔
(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۰۷۵، باب ما جاء في تعجيل الجنازة۔ محشی۔
(۳) مجمع الزوائد: ۴/۲۵۰۔
(۴) الفتاوى الهندية: ۱/۲۶۷۔

ولی کی موجودگی میں وکیل کے ذریعہ نکاح

سوال:- {1558} عاقدہ کے قریبی رشتہ دار یعنی تایا، چچا کے موجود ہوتے ہوئے بھی، کیا عاقدہ کی جانب سے کسی اور کو وکیل بنا کر ایجاب وقبول کرایا جا سکتا ہے؟

(نظام الدین، دربھنگہ)

جواب:- اگر لڑکی نابالغ ہو، تو قریب ترین ولی کی طرف سے ایجاب یا قبول ضروری ہے، (۱) اور ولی اپنی طرف سے کسی کو وکیل یا قاصد بھی بنا سکتا ہے، کیوں کہ نابالغ کا نکاح ولی کی وساطت کے بغیر نہیں ہو سکتا، بالغہ لڑکی خود اپنے نفس کی مجاز ہے، ولی کی وساطت اس کے لئے مستحب ہے، نہ کہ واجب، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں ولایت ندب کہتے ہیں، (۲) اس لئے اگر بالغ لڑکی ولی کی موجودگی میں کسی کو اپنا وکیل بنائے اور وکیل کے ذریعہ ایجاب وقبول ہو جائے، تو نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ بہتر یہی ہے کہ ولی کے ذریعہ ہی ایجاب وقبول انجام پائے۔

بالغہ لڑکی کا رشتہ اس سے رائے لئے بغیر

سوال:- {1559} ایک بالغہ باکرہ لڑکی کا رشتہ کیا اس کی مرضی اور رضامندی معلوم کئے بغیر کسی سے طے کر سکتے ہیں؟ درانحالانکہ وہ لڑکی کنایہ و اشارہ سے اپنی ناخوشی اور ناپسندیدگی کو ظاہر کر رہی ہو۔ (عبدالحمید، رام ناڈ، تملناڈ)

جواب:- حضرت ابو ہریرۃ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) " الولاية تنفيذ القول على الغير ألخ و هو شرط صحة نكاح صغير " (الدر المختار على هامش رد المحتار ۴/۱۱۵-۱۱۴) محشی۔

(۲) حوالۂ سابق

''شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس سے مشورہ کے بغیر اور کنواری لڑکی کا نکاح اس سے اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے''(۱)

چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر بغیر اجازت و مشورہ کے نکاح کر دیا تو اس نے سنت کی خلاف ورزی کی، اور اب یہ لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

"وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة و توقف على رضاها" (۲)

اولیاء کو لڑکی کے اس حق کا لحاظ رکھنا چاہئے، اس کا لحاظ نہ رکھنے اور جبر و دباؤ کی راہ اختیار کرنے کی وجہ سے بعض دفعہ ناخوشگوار واقعات پیش آتے ہیں، علاوہ اس کے یہ بجائے خود لڑکی کو اس کے شرعی حق سے محروم کرنا اور اس پر ظلم کرنا ہے جس کا گناہ اور عند اللہ قابل مواخذہ ہونا ظاہر ہے۔

لڑکی خود نکاح کرلے

سوال:- {1560} کیا کوئی لڑکی اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر نکاح کر سکتی ہے؟ اگر نہیں تو کیا یہ مساوات کے خلاف نہیں ہے؟　　(محمد آصف، لام، گنٹور)

جواب:- بالغ لڑکی کو خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے،(۳) البتہ بہتر ہے کہ وہ ولی کو اعتماد میں لے کر نکاح کرے، ظاہر ہے کہ مرد و عورت کے حالات مختلف ہیں، عورتیں چونکہ گھر میں رہتی ہیں وہ اپنے منگیتر کے حالات سے کما حقہ واقف نہیں ہو سکتیں، اس لیے ان کے لیے ولی کی اہمیت زیادہ ہے، اس میں عورت کے ساتھ ناانصافی نہیں ہے بلکہ اس کے مستقبل کا زیادہ تحفظ پیش نظر ہے۔

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۱۱۰۷۔
(۲) ردالمحتار: ۲/ ۲۹۸-۹۹۔
(۳) الهداية: ۲/ ۳۱۳، مختص۔

کم عمر لڑکی کا عمر دراز مرد سے نکاح

سوال:- {1561} بیرون ملک کے لڑکوں سے یہاں کی لڑکیوں کی شادی کی جاتی ہے دونوں کی عمر میں بہت فرق ہوتا ہے، اکثر اوقات یہ شادی محض پیسے کی لالچ میں ہوتی ہے، لڑکیاں اپنے ماں باپ اور بھائی کے لئے پیسے لاتی ہیں، تو کیا یہ نکاح درست ہوگا اور ان کے پیسے قبول کرنا جائز ہوگا؟

(ایم اے ارشد، گشن باغ چوراہا)

جواب:- نکاح کے درست ہونے کے لئے عاقدین کا مسلمان ہونا کافی ہے، خواہ وہ کسی علاقہ کے ہوں اور خواہ ان کے درمیان عمر کے اعتبار سے تفاوت کیوں نہ ہو، لہذا یہ نکاح منعقد ہوجائے گا، (۱) ان کا تعلق شرعاً حلال ہوگا، اور اگر اس کا شوہر اپنے سسرال والوں کی مالی اعانت کرے تو یہ اعانت بھی جائز ہوگی، البتہ یہ ضرور ہے کہ محض پیسوں کی حرص میں سن وسال کی مناسبت کی رعایت کئے بغیر شادی کرنا طبی اور نفسیاتی اعتبار سے تو نقصان دہ ثابت ہوتا ہی ہے، بعض اوقات دینی اعتبار سے بھی بہت مضرت کا باعث ہوجاتا ہے اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ چاہے کوئی قلیل المعاش آدمی کیوں نہ ہو، اگر عمر اور اخلاق کے اعتبار سے مناسب ہو تو اس کو ترجیح دی جائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ بعض اوقات مال ومتاع کی حرص ماں باپ کو ایسی غیر متوازن شادی پر آمادہ کرتی ہے جو نہایت ہی مذموم اور شرمناک بات ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زیادہ تر اس کے باعث وہ نوجوان اور ان کے خدا ناترس والدین ہیں، جو خطیر رقم کی بھیک اور سامان لئے بغیر نکاح کے لئے تیار نہیں ہوتے، اور ایک باعزت عقد کے بجائے اپنے وجود کی قیمت وصول کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے بے خوف اور محبت ایمانی سے خالی وعاری ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

---

(۱) البحر الرائق :۳/۱۵۵۔ محشی۔

شرابی کی بیٹی سے نکاح

سوال:- {1562} میرے بھائیوں ، بہنوں کی شادیاں ہوچکی ہیں، میں غریب لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، مگر اس کے والد کو شراب پینے کی عادت ہے، کیا میرے لیے ایسے نشہ خور شخص کی لڑکی سے نکاح کرنا درست ہوگا؟

(سید فاروق، نرمل)

جواب:- اگر لڑکی خود احکام شریعت کی پابند ہو، تو اس سے نکاح کرنے میں کچھ حرج نہیں، ممکن ہے کہ آپ کا اس گھر میں جانا اس کے والد کے لیے بھی اصلاح کا ذریعہ ہوجائے، نکاح تو کافر کی مسلمان لڑکی سے بھی کیا جاسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ شرابی کا گناہ کافر سے کمتر ہے۔

سید کا نکاح دوسری برادری کی لڑکی سے

سوال:- {1563} کیا سید لڑکے کا نکاح سید لڑکی ہی سے ہوسکتا ہے؟ شیخ ،مغل ، پٹھان وغیرہ سے نہیں ہوسکتا ؟ اسلام میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب ، باغ امجد الدولہ)

جواب:- حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے رب ایک ہیں اور تمہارے باپ بھی ایک ہی ہیں، لھذا التقویٰ کے علاوہ کسی اور وجہ سے کسی عربی کو کسی عجمی پر، اور گورے کو کالے پر فضیلت حاصل نہیں'' (۱)

(۱) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۳۰۹۷۔

نیز حضرت عقبہ بن عامر ﷺ کی روایت میں ہے کہ ''تمہارا نسبی تعلق کہتری کا باعث نہیں'' ''ھذہ لیست بمسبة علی احد ''(۱) اس لئے کسی بھی مسلمان کا نکاح دوسرے مسلمان سے ہوسکتا ہے۔

البتہ چونکہ بعض اوقات مختلف خاندانوں کے رہن سہن اور معاشرت میں فرق ہوتا ہے ۔اور اس کی وجہ سے اندیشہ رہتا ہے کہ آئندہ نکاح کا دوام واستحکام متاثر ہو جائے اور نا چاقی کی صورت پیدا ہو جائے ،اس لئے معاشرتی مصلحت کے تحت فقہاء نے کفاءت کی گنجائش رکھی ہے، اور اس کا اعتبار عورت کی جانب سے رکھا ہے، کہ اگر عورت کا نکاح کسی ایسے مرد سے ہوا جسے سماج میں نسبتا کمزور سمجھا جاتا ہو، اور یہ نکاح لڑکی نے اپنے طور سے کیا ہو، تو ولی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا یا لڑکی اور اس کے اولیاء کو غلط باور کرا کر نکاح کر لیا گیا ہو، تو اس صورت میں بھی اس نکاح کو فسخ کرایا جاسکتا ہے ،لیکن لڑکا جس عورت سے بھی نکاح کرے خواہ سماجی اعتبار سے وہ کمزور سمجھی جاتی ہو، نکاح لازم ہو جائے گا کیونکہ مرد کے حق میں یہ بات باعث عار نہیں سمجھی جاتی —— بہر حال بہتر یہی ہے کہ رشتوں میں دین اور تقوی کو معیار بنایا جائے ،نہ کہ ذات پات اور برادری کو۔

دھوکہ میں نیم پاگل لڑکی سے شادی

سوال:- {1564} ۲۶/فروری ۱۹۸۹ء کو ایک عقدِ نکاح انجام پایا، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ لڑکی نیم پاگل ہے، لڑکی کے سرپرستوں نے شادی سے قبل اس کی کوئی اطلاع نہیں دی، لڑکی کے سرپرستوں سے اس ضمن میں جب گفتگو کی گئی تو انہوں نے قبول کیا کہ لڑکی پہلے سے پاگل تھی، مگر

(۱)　مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۱۳۰۷۷۔

ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ شادی کر دیجئے ، ہوسکتا ہے کہ اس سے ٹھیک ہو جائے اس لیے ہم نے شادی کر دی ، واضح رہے کہ لڑکی جنسی لحاظ سے بھی بالکل بے حس ہے ، اس کے اندر جنسی جذبات پیدا ہی نہیں ہوتے ہیں ، جس طرح عام طور پر لڑکی جب مباشرت کے لیے ذہنی طور پر آمادہ ہوتی ہے تو اس کے اندامِ نہانی میں رطوبت پیدا ہو کر جنسی عضو میں کشادگی پیدا ہو جاتی ہے ، اور زنانہ عضو مردانہ عضو کو قبول کرنے پر تیار ہو جاتا ہے ، اس طرح کی کوئی بات پیدا نہیں ہوئی جس کی وجہ سے خلوتِ صحیحہ نہیں ہو پائی ، لڑکی کی جنسی اور ذہنی معذوری کی وجہ سے ہم اس رشتہ کو منقطع کرنا چاہتے ہیں ، اس سلسلہ میں حسب ذیل باتیں دریافت طلب ہیں :

(الف) آیا اس طرح کا ایجاب وقبول درست ہے اور شرعی اعتبار سے یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں ؟ دنیاوی قانون کے لحاظ سے ذہنی طور پر معذور افراد سے کوئی معاہدہ منعقد ہی نہیں ہوتا۔

(ب) اگر شرعی اعتبار سے نکاح منعقد ہو گیا ہے تو مہر کی ادائیگی کی کیا شکل ہوگی ؟

(ج) لڑکی سے جنسی تعلق اور خلوتِ صحیحہ نہ ہونے پر مہر کا کیا حکم ہے ؟

(د) چونکہ ہمیں لڑکی کی حالت کے بارے میں جان بوجھ کر دھوکہ اور فریب دیا گیا ہے اس لیے ہم اخراجات کی

طلبی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(محمد یوسف الدین، علی نگر، علی آباد، حیدرآباد)

جواب:- تمام معاملات بشمول نکاح میں دھوکہ دینا ناجائز اور گناہ ہے، تاہم آپ نے جن احکام کے متعلق سوال کیا ہے امام ابوحنیفہ کے یہاں دھوکہ دہی کی وجہ سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑیگا(۱) لہٰذا آپ کے سوالات کے جوابات اس طرح ہیں:

(الف) عورت بالکل پاگل نہ ہو بلکہ اس کی دماغی صحت ایک گونہ متاثر ہو تو اس کی طرف سے ایجاب وقبول درست ہے، اور اگر مکمل پاگل ہو تو بھی اس کے والد کی طرف سے بطور ولی ایجاب وقبول درست ہوگا، (۲) اس لیے ایجاب وقبول درست ہے اور نکاح منعقد ہو گیا۔

(ب) مہر مقررہ واجب ہوگا سوائے اس کے کہ لڑکی معاف کر دے، اور خلع پر معاملہ طے پا جائے۔(۳)

(ج) خلوت صحیحہ سے مراد جماع وہمبستری نہیں ہے بلکہ ایسی تنہائی ہے جس میں جماع پر قدرت ہو سکے سوال میں جو صورت لکھی گئی ہے کہ عورت کے اندر جنسی حس نہیں ہے اور اس کی وجہ سے اندامِ نہانی میں رطوبت پیدا نہیں ہوتی، یہ ایک طرح کا مرض ہے، اس کے باوجود خارجی طور پر کسی چکنی شئی کا استعمال کر کے مرد جماع پر قادر ہو سکتا ہے، اس لیے اس صورت میں مرد

---

(۱) "ولا يثبت فی النكاح خيار الروية والعيب ....فاذا شرط احدهما لصاحبه سلامة عن العمي والشلل...فوجد بخلاف ذالك لا يثبت الخيار" (الفتاوى الهندية: ۲۷۳/۱، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح)

(۲) "وفی الكبير والكبيرة تدور مع الجنون عدما او وجودا سواء كان الجنون اصليا بان بلغ مجنونا او عارضا بان طره بعد البلوغ" (بدائع أما الذي يرجع الى المولى عليه: ۲۴۱/۲) "وهواى الولی شرط صحة نكاح الصغير و المجنون" (الدر المختار باب الولی)

(۳) "و إذاخلا الرجل بامراته وليس هناك مانع من الوطی فلها كمال المهر" (الهداية: ۳۲۶/۲)

وعورت کی یکجائی خلوتِ صحیحہ کے حکم میں ہوگی اور پورا مہر واجب ہوگا۔(۱)

(د) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفاءت (برابری حسب ونسب وغیرہ میں) نیز نامردی کے سواء کسی اور معاملہ میں عاقدین نے اگر ایک دوسرے سے عیب کو چھپایا ہو تو نکاح پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑیگا اور نکاح بہر حال منعقد ہو جائے گا۔

شادی سے متعلق جو اخراجات ہیں ان کے لیے شریعت نے مکلف نہیں بنایا ہے، لوگ بطورِ خود خرچ کرتے ہیں اس لیے دوسرے فریق سے اس کا مطالبہ صحیح نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے خود ہی دینے کو تیار ہوں۔

گنہگار والدین کی لڑکی سے نکاح

سوال:- {1565} کیا ایسے ماں باپ کی لڑکی سے رشتہ کر سکتے ہیں، جو طلاق کے بعد بھی ساتھ رہ رہے ہیں؟

(بی، ایم حسین، مشیر آباد)

جواب:- کسی بھی مسلمان لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے، اگر یقینی طور پر معلوم ہو کہ فلاں زوجین کے درمیان طلاق مغلظہ ہو چکی ہے پھر بھی وہ ایک ساتھ ہیں، یا طلاق بائن کے باوجود بغیر تجدید نکاح کے ایک ساتھ رہ رہے ہیں تو ان کو اس سے منع کرنا چاہئے اور اگر اندیشہ ہو کہ لڑکی نے بھی ماں باپ کا اثر قبول کیا ہوگا تو بہتر ہے کہ اس جگہ رشتہ کرنے سے گریز کیا جائے۔

اگر کوئی حالت نشہ میں نابالغ لڑکی کے نکاح کی اجازت دیدے؟

سوال:- {1566} کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

---

(۱) "والخلوة الصحيحة أن يجتمعا في مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطی حسا أو شرعا أو طبعا" (الفتاوى الهندية: ۱/۳۰۴)

(الف) زید ایک شرابی کبابی آدمی ہے عرصہ سے شراب کا عادی ہے، زید کا بھائی عمر ہے، ایک مرتبہ زید کے یہاں کچھ غرباء ومساکین کو کھلانے کی تقریب تھی اور اس میں کچھ اشخاص رشتہ دار اور برادری کے تھے، اس تقریب کی چہل پہل میں زید کو اس کے بھائی عمر نے بہلا پھسلا کر الگ لے جا کر شراب پلائی، پھر عمر کے چند ساتھی اس جگہ آئے، اور ایک شخص کو جو کچھ پڑھا لکھا تھا لائے، عمر نے زید کو پلا کر مست کیا ہی تھا، زید سے زید کی نابالغہ لڑکی ھندہ کے نکاح کی اجازت اپنے لڑکے بکر کے لئے مانگی، زید نے اجازت دے دی یا نہیں (واللہ اعلم) فرض کیجئے دی، اس جگہ جہاں عمر کے چند ساتھی آئے تھے، نکاح پڑھا دیا گیا، نکاح ہو جانے کے بعد جب زید کو ہوش آیا اور معلوم ہوا کہ اس کی لڑکی ھندہ کا نکاح عمر کے لڑکے بکر کے ساتھ ہو گیا، زید یہ سنکر بھونچکا رہ گیا اور کہا مجھ کو کچھ نہیں معلوم! میں نے کوئی اجازت نہیں دی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے: کہ عمر کے لڑکے بکر کا نکاح زید کی لڑکی ھندہ کے ساتھ شرعاً ہوا یا نہیں؟ جبکہ زید نشہ کی حالت میں تھا، اور عمر کی اجازت مانگنے پر اجازت دے دیا اور یہ سب حالت نشہ میں ہوا اور پھر زید نے صاف کہا اور آج تک کہتا آرہا ہے کہ میں نے کوئی اجازت نہیں دی ہے۔ مجھے نہیں معلوم مجھ سے کیا کہلوایا گیا ہے۔

(ب) مذکورہ بالا منکوحہ کا شوہر کافی عرصہ سے پاگل ہے، عام طور ننگا پر رہتا ہے، کمرہ میں بند رہتا ہے، تقریباً چار

سال کی مدت اسی طرح گزر گئی، طلاق لینے اور خلع کرنے کی توفیق تو اسکے باپ کو ہے نہیں، لڑکی اپنا رشتہ کسی اور جگہ کس طرح کرے؟ لڑکی تو پہلے ہی حالت صحت ہی سے ناراض تھی، تو اب کس طرح راضی ہو سکتی ہے، صدر شرعی پنچایت نے کہا ہے کہ ہم کو فسخِ نکاح کا حق نہیں ہے۔ آخر اس قسم کی منکوحہ عورتوں کی زندگی کس طرح بسر ہو؟ کیا طلاق خود بخود پڑ جائے گی یا حکومت ھند کی عدلیہ کا فیصلہ مان لیا جائے گا، اگرچہ خلاف شرع کیوں نہ ہو، نیز جنون کی جتنی قسمیں ہوں سب کے احکام مدلل طور پر بتلائیں، یا لکھیں، مذکورہ شوہر کا باپ لڑکی کا کوئی سگا بھائی نہ ہونے کی وجہ سے ساری جائداد بدل خلع کے طور پر لینے کے بعد تیار ہو سکتا ہے تو لڑکی کی شادی کس طرح ہوگی، لہذا بدل خلع کی مقدار شریعت مطہرہ میں کیا ہے؟

(ج) کسی نے دعوی کیا کہ مجھ کو شراب پلائی گئی اور فلاں کام اسی نشہ میں ہوا، گویا شرب خمر کا دعوی کیا، تو اس ضمن میں شرب خمر کا اقرار ہوا کہ نہیں؟ اور اگر ہوا تو ''المرء یؤخذ باقرارہ'' کا نفاذ ہوگا کہ نہیں؟ اور اگر ہوگا تو کیا پھر مقر سے مزید گواہ طلب کئے جائیں گے کہ فلاں کام بجز گواہ کے متحقق نہ ہوگا، اگرچہ تم شرب خمر کا اقرار کرتے ہو۔ کیا مقر کی منفعت اور مضرت دیکھی جائے گی؟ اگر دیکھی جائے تو منفعت کا معیار کیا ہوگا؟ اگر شرب خمر کے اقرار کے بعد بھی گواہ ضروری قرار دیا جائے تو جبکہ شراب پلائی گئی، اور اسے ہوش نہ رہا تو وہ گواہ کہاں سے لائے گا؟ لہذا وہ اقرار جن سے حد لگتی ہے، اس

اقرار کے مشابہ یہ صورت ہو جائے گی، جن پر حد نہیں لگتی، —
براہ کرم مذکورہ بالا مسائل اور ضمنی جزئیات پر نظر غائر ڈال کر ہر شق کا جواب مدلل دینے کی زحمت فرمائیں، خصوصاً تیسرے سوال کا جواب بے حد ضروری ہے۔ ﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ (القرآن) (محمد عامر بستوی، امام مسجد جہاں آرا، ہمایوں نگر حیدر آباد، ۲۸۔)

جواب:- (الف) فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص کو جنون دائمی نہ ہو، بلکہ وقفہ وقفہ سے جنون کا دورہ پڑتا ہو تو حالت افاقہ ہی کا اس کا تصرف معتبر ہوگا'' وتنفذ تصرفاته في حالة الافاقة ''(۱) جس طرح مجنون حالت جنون میں مخبوط العقل ہوتا ہے، اسی طرح نشہ کی حالت میں بھی انسان مسلوب العقل ہوتا ہے، اس لیے اگر اس نے نشہ کی حالت میں اجازت دے بھی دی ہو اور یہ بات گواہوں سے ثابت بھی ہو تو اس کا تصرف معتبر نہ ہونا چاہئے، فقہاء نے توکیل کے بارے میں لکھا ہے کہ:

" من شرط الوكالة أن يكون التوكيل ممن يملك التصرف ويلزمه الأحكام وإذا وكل الحر العاقل البالغ، والماذون مثلها جاز" (۲)

(ب) اور اگر یہ نکاح صحیح بھی قرار دیا جائے تو اگر اس سے منسوب شوہر فاحش یا غیر کفو ہو تو عورت کے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ حاصل ہوگا، شیخ عبدالرحمان الجزیری فقہ حنفی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وصح إنكاح الأب أو الجد الصغير و الصغيرة بغبن فاحش و من غير كف، لا

(۱) الفتاوی الهندية: ۲۹/۲۔
(۲) الهداية: ۱۶۲/۳۔

غیرهما، و قال في شرحه : أي لو فعل الأب و الجد عند عدم الأب، لا يكون للصغير و الصغيرة حق الفسخ بعد البلوغ، و إن فعل غيرهما فلهما أن يفسخا بعد البلوغ"(۱)

(ج) جنون ان اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے قاضی شرع یا اس کی عدم وجودگی میں شرعی پنچایت عورت کا نکاح فسخ کر سکتی ہے، البتہ عورت پر از خود طلاق واقع نہ ہوگی، یہی رائے احناف میں امام محمدؒ کی ہے، اور اسی پر فتوی ہے، "بدائع" نے امام محمدؒ کے مسلک کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"خلوه من كل عيب يمكنها المقام إلا بضرر كالجنون، و الجذام، و البرص، شرط لزوم النكاح حتى يفسخ به النكاح"(۲)

(د) اقرار اس وقت اور اس حد تک معتبر ہے جہاں تک کہ اس کا اثر صرف اس کی ذات تک محدود رہتا ہو، اگر اسکے اقرار کا اثر دوسروں پر بھی پڑے تو اس کے حق میں اس کا اقرار معتبر نہ ہوگا، شراب پلائے جانے کا دعوی ایک ایسا دعوی ہے، جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے، اس لئے جب تک شہادت نہ ہو یا خود مقر علیہ کی طرف سے تسلیم نہ ہو قابلِ قبول نہ ہوگا، یہ تو اقرار کا عام حکم ہے، شربِ خمر کی حد میں چونکہ فقہاء کے درمیان اختلاف رائے بھی ہے، اس لئے فقہاء نے اس مسئلہ میں اقرار کو بھی بسا اوقات غیر معتبر قرار دیا ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے: "لا يحد السكران باقراره على نفسه "(۳) هذا ما عندي والله أعلم بالصواب علمه اتم واحكم۔

(۱) رد المحتار: ۴/۱۳۰، نیز دیکھئے: فتح القدير: ۳/۱۷۵۔ مرتب۔
(۲) بدائع الصنائع: ۲/۶۳۹۔
(۳) الفتاوى الهندية: ۳/۳۸۱۔

نداف مسلمان لڑکی سے نکاح

سوال:- {1567} نداف لڑکی سے سید، شیخ، یا پٹھان لڑکا کا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

(محمد انور خاں مقطعہ مدار صاحب)

جواب:- نکاح کے درست ہونے کے لیے صرف اس قدر ضروری ہے کہ مسلمان لڑکی کا شوہر مسلمان ہو اور مسلمان مرد کے لیے بہتر ہے کہ مسلمان بیوی ہو، اگر عیسائی یا یہودی عورت ہو اور نبوت و آخرت وغیرہ پر ایمان رکھتی ہو، تو اس سے بھی نکاح درست ہے، لیکن مکروہ ہے، البتہ دوسری مشرکہ خواتین ہندو، بدھس، سکھ، قادیانی عورت سے نکاح حرام ہے، نکاح کے درست ہونے کے لیے مسلمانوں کی کسی خاص برادری سے ہونا ضروری نہیں، جو لوگ نداف برادری سے ہوں اور مسلمان ہوں وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہمارے دینی بھائی ہیں، ہمیں چاہئے کہ ان بھائیوں کو بھی اپنے سماج میں عزت و مقام دیں، ان سے سماجی روابط رکھیں اور ان کے ساتھ اچھوتوں کا سلوک نہ کریں، اس سلسلہ میں دوسرے مسلمانوں کے غلط رویہ کی وجہ سے ارتداد کا فتنہ پھوٹ جاتا ہے، اور باطل طاقتوں کو انہیں اچک لینے کا موقع ملتا ہے۔

مہر کا بیان

مہر مؤجل کس طرح ادا کرے؟

سوال:- {1568} مہر مؤجل ادا کرنے کی شرعی مدت کیا ہوتی ہے؟ زید نے آج سے ۲۹ سال پہلے اپنی بیوی سے ۲۵ ہزار روپیہ سکۂ رائج الوقت اور پانچ سرخ دینار کے عوض نکاح کیا تھا اور وہی رقم مہر ادا کرنا چاہتا ہے، جو ۲۹ سال پہلے مقرر کیا تھا، کیا یہ بیوی کے حق میں شرعی حیثیت سے درست ہوگا یا نہیں؟ جب کہ وہ ۲۵ لاکھ سے زیادہ کا مالک ہے، شرعی نقطہ نگاہ سے اس مہر کی کیا حیثیت ہے؟ کیا بیوی کو انتظار کروا کر تاحیات یہ مہر ادا کیا جا سکتا ہے؟ نیز سرخ دینار سے کیا مراد ہے؟ (انیس فاطمہ، گن فاؤنڈری)

جواب:- مہر مؤجل سے ایسا مہر مراد ہے جو فوراً واجب الاداء نہ ہو، اگر مہر ادا کرنے کی کوئی مدت عقد کے وقت متعین ہوگئی ہو، مثلاً پانچ سال یا دو سال وغیرہ، تو اس مدت کے اندر مہر

ادا کرنا واجب ہے، اور اگر کوئی مدت متعین نہیں ہوئی تھی، تو جب بیوی مہر کا مطالبہ کرے اور شوہر مہر ادا کرنے کے موقف میں ہو، تو مطالبہ کے وقت مہر ادا کر دینا ضروری ہے، کیونکہ مہر شوہر کے ذمہ دین ہے، اور جب بھی دین والا دین کا مطالبہ کرے، اس کا ادا کرنا واجب ہے ۔

اگر بیوی نے اس درمیان مہر کا مطالبہ کیا اور شوہر نے باوجود مطالبہ اور مہر کی ادائیگی پر قدرت کے مہر ادا نہیں کیا تو مناسب ہے کہ مطالبہ مہر کے وقت ۲۵ ہزار روپیہ میں جتنا سونا آتا تھا، اتنا سونا شوہر ادا کردے، تا کہ اس کی تاخیر کی وجہ سے بیوی کو جو نقصان پہنچا ہے اس نقصان کی تلافی ہو جائے ، اس بات کا بھی واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی کے ذریعہ مہر مقرر کیا جائے ، تا کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ مہر بے قیمت نہ ہو جائے ، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں درہم اور دینار سے مہر باندھے جاتے تھے اور درہم اور دینار سونے اور چاندی کے سکے تھے ، انہی کے ذریعہ مہر مقرر کیا جاتا تھا، سرخ دینار سے سونے کی وہ مقدار مراد ہوگی جو نکاح نامہ میں لکھی ہوتی ہے، نکاح نامہ میں سرخ دینار کی قیمت بارہ گرام سونا لکھی گئی ہے، اس حساب سے پانچ سرخ دینار ساٹھ گرام سونے کے برابر ہوئے ۔

مہر کی ادائیگی گواہوں کی موجودگی میں؟

سوال:- {1569} کیا عورت کو مہر ادا کرتے وقت گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ کیا تنہائی میں بھی مرد اپنی زوجہ کو مہر ادا کرسکتا ہے؟ (محمد اسماعیل، شاہ پور، گلبرگہ)

جواب:- مہر ادا کرنے کے لئے گواہان کا ہونا ضروری نہیں ، البتہ اگر بعد میں خدا نخواستہ اختلاف پیدا ہو جائے ، ایک فریق کا دعویٰ ہو کہ مہر ادا کر دیا گیا ہے اور دوسرے فریق کو اس سے انکار ہو تو اس وقت اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے گواہان کی ضرورت پڑ سکتی ہے، اس لئے بہتر ہے کہ مہر دیتے وقت گواہ بھی رکھ لیے جائیں ۔(۱)

---

(۱) الهداية :۳/۱۳۸ محشی ۔

مہر میں دیئے گئے مکان کا ہبہ

سوال:- {1570} زید نے اپنا ذاتی مکان اپنی بیوی کو مہر میں دے دیا، اس کی موجودہ مالیت دس لاکھ روپے ہے، زید کی نو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، جن میں دو کا انتقال ہو چکا ہے، زید کی بیوی یہ مکان صرف ایک لڑکا، ایک لڑکی اور ایک نواسہ جس کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے کو دینا چاہتی ہے، ایک لڑکے کو ۱۲؍ آنہ، ایک لڑکی کو ۲؍ آنہ اور نواسہ کو ۲؍ آنہ، کیا از روئے شرع یہ درست ہے؟ (سید شکیل احمد، کٹھل گوڑہ)

جواب:- اگر زید کی بیوی نے اس تفصیل کے مطابق ہبہ کر دیا، تو ہبہ شرعاً اور قانوناً نافذ ہوگا، لیکن کسی معقول وجہ کے بغیر اپنی اولاد میں سے کسی کو دینا اور کسی کو محروم کر دینا مناسب نہیں، حضرت عمرہ بنت رواحہ کی خواہش پر ان کے شوہر حضرت نعمان بن بشیر ﷛ نے ان کو کچھ مال دینا چاہا، اور اس پر حضور ﷺ سے گواہ بننے کی خواہش کی، تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی تمام اولاد کو دے رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل سے کام لو، (۱) اس لیے یہ بات بہتر نہیں ہے کہ اپنی اولاد میں سے بعضوں کو دیا جائے اور بعض کو نہیں، یا بعض کو زیادہ دیا جائے اور بعض کو کم۔

غیر مدخولہ بیوی کا مہر اور عدت

سوال:- {1571} زید نے نکاح کیا، اور دخول سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا، ایسی صورت میں زید کی بیوی کو کتنا مہر ملے گا؟ اور کیا وہ دوسری شادی کر سکتی ہے؟

(فضل حق، سداسیو پیٹ)

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۳۷۔

جواب:- ایسی صورت میں زید کی بیوہ کو پورا مہر ملے گا، اگر نکاح کے بعد شوہر کے ساتھ بیوی کی ایسی تنہائی ہو جائے جس میں کوئی چیز صحبت سے مانع نہ ہو، یا زوجین میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے، تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے، (۱) شوہر کی وفات کی صورت میں عورت پر عدت وفات واجب ہے، جو غیر حاملہ عورت کے لیے چار ماہ دس دن ہے، اس عرصہ کے گزارنے کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

دینارِ شرعی اور دینارِ سرخ

سوال:- {1572} میری بیوی کا مہر پانچ ہزار روپے اور دو دینار شرعی اور دو دینار سرخ ہے، یہ کتنی رقم ہوئی؟ جو مجھے اپنی بیوی کو ادا کرنی چاہیے، کیا میں کچھ رقم ادا کر کے کچھ معاف کرا سکتا ہوں؟ (ناصر علی، بنجارہ ہلز، حیدرآباد)

جواب:- دکن کے مطبوعہ نکاح نامہ میں ایک دینار شرعی کو ۳رگرام سونا اور ایک دینار سرخ کو ایک تولہ یعنی ۱۲رگرام سونا مانا گیا ہے، اس لیے ان دیناروں کی یہی قیمت سمجھی جائے گی، پس آپ کے ذمہ پانچ ہزار روپیہ اور ۳۰رگرام سونا آپ کی بیوی کا ہے، سونے کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، ادائیگی کے وقت قیمت معلوم کر کے ادا کر دیں، بہتر یہی ہے کہ آپ پورا مہر ادا کریں، اگر اس کی استطاعت نہ ہو اور بیوی اپنی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ معاف کر دے تو اس کی گنجائش ہے۔

مہر فاطمی بہتر ہے یا شوہر کی حیثیت سے؟

سوال:- {1573} مہر کی مقدار متعین کرنے میں معیار

(۱) "وإذا خلا الرجل بامرأته و ليس هناك مانع من الوطئ ثم طلقها فلها كمال المهر" (الهداية: ۲/۳۲۵) محشی۔

کیا ہونا چاہئے؟ مہر فاطمی بہتر ہے یا شوہر کی حیثیت ملحوظ ہو؟
ایک صاحب نے شرعی مہر کی مقدار ۱۲؍ اوقیہ چاندی بتلائی ہے،
کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی صاحبزادیوں کا مہر ۱۲؍
اوقیہ یا اس کے قریب قریب تھا، ایک اور صاحب نے کہا کہ مہر
کی مقدار شوہر کے تین مہینے کی تنخواہ یا آمدنی کے برابر ہونی
چاہئے، اس سلسلہ میں حکمِ شرعی کیا ہے؟ (غفار قادر، پربھنی)

جواب:- شریعت میں مہر کی کم سے کم مقدار تو متعین کی گئی ہے، جیسا کہ بعض احادیث کی روشنی میں حنفیہ اور مالکیہ کا نقطۂ نظر ہے۔(۱) لیکن زیادہ سے زیادہ مقدار متعین نہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اکثر ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا مہر ۱۲؍ یا ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی ۴۸۰؍ یا ۵۰۰؍ درہم تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اتنا ہی مہر رکھنا ضروری ہے، —— یہ کہنا کہ تین ماہ کی تنخواہ یا آمدنی کے برابر مہر ہونی چاہئے، بالکل بے اصل بات ہے، شریعت کی ہدایات اور نبوی معمولات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہر اتنا زیادہ نہیں ہونا چاہئے کہ شوہر ادا ہی نہ کر پائے اور اتنا کم بھی نہیں ہونا چاہئے کہ بالکل معمولی رقم ہو، بلکہ خطیر قابلِ ادائیگی رقم ہو، جس میں شوہر کی آمدنی اور بیوی کے خاندانی مہر دونوں کی رعایت ہو، اور اگر فوری مہر ادا نہ کر رہے ہوں تو سونے اور چاندی سے مہر متعین کیا جائے، لیکن تاخیر کی وجہ سے اس کی مقدار کم نہ ہونے پائے۔

مہر کی ادائیگی

سوال:- {1574} میری شادی ۱۹۶۶ء میں ہوئی،
میری بیوی کا مہر دینار ونقد ملا کر انیس ہزار روپیہ ہوتا ہے،
حالانکہ میں نے بہت کمایا اور بال بچوں پر بہت خرچ کیا، لیکن
مہر کی ادائیگی کی طرف ذہن نہیں گیا، اب وسائل میرے پاس

---

(۱) الفقه الإسلامي و أدلته :۷/ ۲۵٦، أقل المهر ۔ محشی ۔

نہیں ہیں، صرف ایک مکان میرے نام پر ہے، جس کا کرایہ
آتا ہے، انیس ہزار روپیہ ادا کرنے کا موقف نہیں ہے، کسی بھی
وقت موت آسکتی ہے، مشورہ دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

(خواجہ ناظم الدین، حیدرآباد)

جواب:- بیوی کا مہر اسی طرح واجب ہے، جیسے دین، موجودہ حالات میں دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آپ کی بیوی کسی دباؤ کے بغیر اپنی رضا ورغبت سے مہر معاف کردے، دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے متروکہ مکان سے پہلے بیوی کا مہر ادا کیا جائے، پھر ورثاء کے درمیان اس کی تقسیم ہو، یوں تو شرعاً ایسا ہی کرنا واجب ہے، لیکن بہتر ہے کہ آپ حین حیات ایک وصیت نامہ بھی لکھ دیں، تاکہ آپ کے بعد ورثہ کو توجہ ہو اور عند اللہ بھی آپ بری الذمہ قرار پائیں اور اگر آپ کی زوجہ کو جلد مہر ادا کرنے پر اصرار ہو، تو یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ماہانہ ایک مقرر قسط ادا کرتے جائیں۔

طلاق بائن کے بعد نکاح اور مہر

سوال:- {1575} طلاق بائن کے بعد میاں بیوی پھر
سے نکاح کرنا چاہیں تو کیا پھر سے مہر مقرر کرنا ہوگا؟

(عائشہ راوی، صنعت نگر)

جواب:- طلاق بائن سے نکاح ختم ہوجاتا ہے، البتہ اگر تین طلاق نہ دی گئی ہو، تو دوبارہ نکاح کی گنجائش رہتی ہے، چوں کہ یہ نیا نکاح ہے اور نکاح کے ساتھ مہر ضروری ہے، اس لیے اس نکاح میں بھی مہر مقرر کرنا اور اس کے مطابق دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے۔(۱)

(۱) " و إذا تزوج امرأتة و دخل بها ثم طلقها بائنا ثم تزوجها في العدة ثم طلقها قبل الدخول بها في النكاح الثاني كان عليه مهر النكاح الأول ، و هو كامل بالنكاح الثاني " (الفتاوى الهندية :۱/۳۲۳) محشی۔

زیورات کے ذریعہ مہر کی ادائیگی

سوال:- {1576} کچھ ہی دنوں کے بعد میرے ایک دوست کی شادی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ مہر کی جو رقم انہیں ادا کرنی ہے، اسے شادی کے موقع سے زیورات کی شکل میں کوئی چیز بنا کر دے دیں، کیا اس سے مہر ادا ہو جائے گا؟

(محمد عبدالحمید، بورابنڈہ)

جواب:- بہتر طریقہ یہی ہے کہ نکاح کے وقت ہی مہر ادا کردیا جائے، یا کم سے کم صحبت سے پہلے مہر ادا کردے، اس لئے آپ کے دوست کا یہ سوچنا بہت ہی مناسب ہے، اگر سونا ہی مقرر ہو تو مہر میں اس کو منہا کرنا آسان ہے، اگر روپیہ کے ذریعہ متعین ہو، تو اس سونے کی جو مالیت ہو، اتنے حصے کی ادائیگی سمجھی جائے گی، البتہ یہ مناسب ہے کہ نکاح کے وقت صراحت کردی جائے کہ یہ سونا بطور مہر کے ادا کیا جارہا ہے۔

مہر میں سونے کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال:- {1577} زید کی شادی ۱۹۹۵ھ میں ہوئی، جس میں مبلغ گیارہ سو روپے اور دو سرخ دینار مقرر ہوئے، دو سرخ دینار دو تولہ سونے کے مماثل ہے، زید کو مہر ادا کرنا ہو تو سونے کی قیمت اس وقت کی یا موجودہ قیمت کی ادا کرنا ہوگا؟

(غ، ق، م، سلاخ پوری)

جواب:- جس وقت مہر ادا کر رہا ہے اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ اصل میں سونا ادا کرنا واجب ہے، لہذا جب بھی قیمت ادا کی جائے ضروری ہے کہ ادا کرتے وقت اس رقم میں سونے کی اتنی مقدار خریدی جاسکے۔

" حتی لو تزوجها علی ثوب أو کیل أو موزون و قیمته یوم العقد عشرة فصارت یوم القبض أقل لیس لها الرد و فی العکس لها ما نقص " (۱)

غیر مدخولہ کا مہر اور عدت

سوال:- {1578} زید نے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا، ایسی صورت میں زید کی بیوی کو کتنا مہر ملے گا؟ اور کیا وہ دوسری شادی کرسکتی ہے؟ (نور محمد، پنکور)

جواب:- ایسی صورت میں زید کی بیوہ کو پورا مہر ملے گا، اگر نکاح کے بعد شوہر کے ساتھ بیوی کی ایسی تنہائی ہو جائے جس میں کوئی چیز صحبت سے مانع نہ ہو، یا زوجین میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے، تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے،(۲) شوہر کی وفات کی صورت میں عورت پر عدت وفات واجب ہے، جو غیر حاملہ عورت کے لئے چار ماہ دس دن ہے۔(۳) اس عرصہ کے گزر جانے کے بعد وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

مہر فاطمی کی مقدار

سوال:- {1579} مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟ قول مشہور کی رہنمائی کریں اور موجودہ زمانہ میں روپیہ کے اعتبار

---

(۱) الفتاوی الهندیة :۱/۳۰۲۔

(۲) " و تجب العشرة إن سماها أو دونها و یجب الأکثر منها إن سمی الأکثر و یتأکد عند الوطئ أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما " (الدر المختار علی هامش رد المحتار :۴/۱۷۰-۱۶۹) محشی۔

(۳) البقرة :۲۳۴۔ محشی۔

سے کیا مقدار ہوتی ہے؟ (مولانا شمیم اختر، جھرہ)

جواب:- حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مہر کے بارے میں قول مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ سو درہم ہے، اس کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوتی ہے، آج کل چوں کہ دس گرام کا تولہ مروج ہے، اس لحاظ سے ۱۵۴ ر تولہ چاندی کی مقدار ہوگی، (۱) چوں کہ سونا اور چاندی کی قیمت میں مسلسل اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے، اس لئے آپ خود بازار سے اتنی مقدار کی چاندی کی قیمت دریافت کرلیں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اگر نکاح میں مہر فاطمی کا تعین ہوا تو جس وقت مہر ادا کیا جائے اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

شوہر کی موت کے بعد مہر معاف کرانا

سوال:- {1580} کچھ لوگ خاوند کے مرنے کے بعد مہر معاف کراتے ہیں، کیا اس سے مہر معاف ہو جاتا ہے اور کیا یہ طریقہ درست ہے؟ (سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

جواب:- اگر عورت کسی جبر و دباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے مہر معاف کردے تب ہی مہر معاف ہوگا، جبر و دباؤ کے تحت معاف کردے یا عورت مہر معاف کرنے کے وقت مرض وفات میں ہو تو مہر معاف نہیں ہوگا:

" لابد من صحة حطها من الرضی حتی لو کانت مکرهة لم یصح وأن لا تکون مریضة مرض الموت " (۲)

اس سے قطع نظر بھی یہ نامناسب اور ناشائستہ طریقہ ہے، اگر مرد نے ترکہ چھوڑا ہو تو ہونا یہ چاہئے کہ ترکہ میں سے پہلے مہر کی رقم ادا کی جائے پھر ترکہ کی تقسیم عمل میں آئے۔

(۱) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۲۹۴، محشی۔
(۲) الفتاوی الهندیة: ۱/۳۱۳۔

بیوی مرحوم شوہر کا مہر معاف کردے

سوال:- {1581} کسی شخص نے بیوی کا مہر ادا نہیں کیا تھا، البتہ نیت ادا کرنے کی تھی، اسی اثناء میں اس کا انتقال ہو گیا، بعد میں بیوی نے مہر معاف کردیا، کیا ایسی صورت میں مہر ادا ہو جائے گا؟ (محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پور، کریم نگر)

جواب:- حقوق معاف ہونے کے لئے صرف اس قدر ضروری ہے کہ معاف کرنے والا اپنی رضامندی سے معاف کردے، جس کے ذمہ حق باقی تھا، اس کا زندہ رہنا ضروری نہیں، لہذا اگر شوہر کی وفات ہوگئی اور بیوی نے بغیر کسی جبر و دباؤ کے مہر معاف کردیا تو یہ معاف ہونے کے لئے کافی ہے، البتہ کوشش کرنی چاہئے کہ مہر جلد سے جلد زندگی میں ادا کردے، تاکہ عند اللہ وہ اس قرض سے سبکدوش سمجھا جائے اور بیوی کے معاف کرنے کی احتیاج باقی نہ رہے، نیز اگر شوہر نے کچھ ترکہ چھوڑا ہو تو جیسے اس کے دوسرے قرض ادا کئے جائیں گے، بیوی کا مہر بھی ادا کیا جائے گا، یہ مناسب نہیں کہ ترکہ تو دوسرے ورثاء آپس میں تقسیم کرلیں اور بیوہ پر دباؤ ڈال کر مہر معاف کرادیں۔

جوڑے کی رقم اور مہر

سوال:- {1582} میری شادی والدین کی مرضی سے ہوئی، میرے والدین نے جوڑے کی رقم دس ہزار روپے لی ہے، بات چیت کے دوران میرے خسر صاحب نے فرمایا کہ جوڑے کی رقم دس ہزار لے رہے ہیں، تو مہر بھی اتنا ہی باندھا جائے، اب میں جوڑے کی رقم واپس کرنا چاہتا ہوں، تو کیا

اب بھی دس ہزار رقم بہ طور مہر ادا کرنا ہوگا؟

(احمد بھائی، عاشورخانہ، تاڑبن)

جواب:- جوڑے کی جو رقم آپ نے یا آپ کے والدین نے حاصل کی، وہ قطعاً گناہ اور حرام ہے، اور جلد سے جلد اس کا واپس کر دینا واجب ہے، فقہاء کی تصریحات سے بھی یہی روشنی ملتی ہے:

"ولو أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج أن يسترده ؛ لأنه رشوة" (۱)

مہر کی رقم دس ہزار روپے کچھ زیادہ نہیں ہے، اور وہ تو بہر حال آپ پر ادا کرنا واجب ہے، اس لئے جوڑے کی رقم واپس کرنے کی وجہ سے مہر کی رقم میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی، آپ مہر بھی ادا کردیں اور جوڑے کی رقم بھی واپس کردیں، اور اپنے والدین کو سمجھائیں کہ جو گناہ انہوں نے ناجائز رقم کا مطالبہ کر کے کیا ہے اس کے لئے اللہ سے مغفرت کے طلب گار ہوں۔

نکاح کے وقت قاضی کا بھول کر مہر کی مقدار بڑھانا

سوال:- {1583} سہیل کی شادی ایک دینی اجتماع میں ہوئی، شادی سے پہلے مہر کی رقم گیارہ سو روپیہ مقرر ہوئی تھی، اجتماع میں ایک ساتھ بہت سی شادیاں ہو رہی تھیں، ان میں اکثر لوگوں کا گیارہ ہزار مقرر تھا، قاضی صاحب نے غلطی سے سہیل کا نکاح بھی گیارہ ہزار مہر پر پڑھادیا، سہیل اس کو گیارہ سو ہی سمجھا اور قبول کیا، لڑکی جب مکان پر آئی تو سہیل نے اس مہر کا تذکرہ کیا، لڑکی نے کہا کہ وہاں غلطی سے ہوا ہے،

(۱) الفتاوی الهندية :۱/ ۳۲۷۔

میرا تو وہی مہر ہے جو پہلے سے مقرر تھا، شادی کے فارم پر بھی
گیارہ سو ہی درج ہے، اس صورت حال میں سہیل کے ذمہ کتنا
مہر لازم ہے؟ (عالیہ پروین، جالے، دربھنگہ)

جواب:- مہر میں دراصل اسی مقدار کا اعتبار ہوتا ہے جو نکاح کے وقت طے پائی ہے، اگر غلطی سے بھی نکاح کے وقت گیارہ ہزار روپیہ کہہ دیا گیا اور شوہر نے قبول کرلیا تو وہی مہر اس کے ذمہ لازم ہوگی،(۱) البتہ بعد میں نکاح نامہ پر گیارہ سو کا اندراج اور زوجہ کا گیارہ سو روپیہ مہر تسلیم کرنا گویا کہ زوجہ کا گیارہ سو کے علاوہ مہر مقررہ کی بقیہ رقم معاف کر دینا ہے اور زوجہ کا اپنی مرضی سے مہر مقررہ کا کچھ حصہ معاف کر دینا درست ہے،(۲) اس لئے مہر گیارہ سو روپیہ ہی سمجھا جائے گا۔

پچاس سال پہلے مقرر کیا ہوا مہر

سوال:- {1584} پچاس سال پہلے زید کی شادی ہوئی
تھی اور دو سو پچاس (۲۵۰) روپیہ مہر طے ہوا تھا، تو اب اسے
کیا مہر ادا کرنا چاہئے؟ (محمد مصطفی حسین، بودھن)

جواب:- ایسی صورت میں بہتر ہے کہ پچاس سال پہلے دو سو پچاس روپے میں جتنا سونا آیا کرتا تھا اتنا سونا یا اس کی قیمت ادا کر دی جائے، کیوں کہ بعض حضرات کے نزدیک اصل اعتبار سونے ہی کا ہے، اور زیادہ تر اہل علم کے نزدیک مقررہ سکہ ہی اصل ہے، تو اگر آج کے

---

(۱) " و تجب العشرة إن سماها أو دونها و يجب الأكثر منها إن سمى الأكثر و يتأكد عند الوطئ أو خلوة صحت ألخ . قوله: و يتأكد أى الواجب من العشر أو الأكثر و أفاد أن المهر يجب بنفس العقد مع احتمال سقوطه بردتها ألخ " (الدر المختار على هامش رد المحتار:۴/ ۱۶۹) محشی۔

(۲) " و ان حطت عن مهرها صح الحط "(الفتاوى الهندية:۱/ ۳۱۳)

دوسو پچاس روپے ادا کردیے جائیں تو بعض حضرات کی رائے پر مہر ادا ہوگیا اور بعض حضرات کی رائے پر مہر ادا نہیں ہوا، اور اگر اتنے سونے کی قیمت ادا کردی جائے تو تمام لوگوں کے نزدیک مہر ادا ہو جائیگا اور یقیناً یہ شریعت کے مزاج عدل سے بھی قریب ہوگا۔

ایجاب وقبول کے فوراً بعد شوہر کی وفات ہو جائے

سوال:- {1585} اگر ایجاب و قبول کے فورا بعد مباشرت کے بغیر شوہر کا انتقال ہو جائے تو مہر کی کیا مقدار واجب ہوگی؟ مہر کون ادا کرے گا، عدت کے کیا احکام ہوں گے؟ کیا اسی وقت محفل میں دوسرے نوشہ کا انتخاب کیا جاسکتا ہے؟　　(عبدالرشید، بشارت نگر)

جواب:- تین صورتوں میں بیوی کا پورا مہر واجب ہوتا ہے، میاں بیوی کے درمیان ہمبستری ہوگئی ہو، یا ایسی تنہائی یا یکجائی ہوئی ہو جس میں کوئی چیز صحبت سے مانع نہیں تھی، یا صحبت یا یکجائی سے پہلے ہی زوجین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے۔(۱) لہذا دلہن کا پورا مہر مقررہ شوہر متوفی کے متروکہ میں سے واجب ہوگا، جو حکم میت کے ذمہ باقی رہ جانے والے دوسرے دیون کی ادائیگی کے ہیں، وہی مہر کے بھی ہیں، یعنی مرحوم کے متروکہ میں سے پہلے مہر ادا کیا جائے گا، پھر میراث جاری ہوگی، اور میراث میں بھی بیوی حق دار ہوگی۔ عدت وفات ہر اس عورت پر واجب ہے جس کا نکاح صحیح ہو چکا ہے۔(۲) لہذا اس دلہن پر بھی عدت وفات واجب ہے، کیونکہ عدت کا مقصد شوہر کی وفات پر حزن کا اظہار ہے، اور وہ اس کے حق میں بھی پایا جاتا ہے، اس لئے عدت گزارنے سے پہلے اسی مجلس میں یا مجلس کے بعد کسی اور مرد سے اس عورت کا

---

(۱)　رد المحتار :۲۳۳/۴۔ محشی۔
(۲)　رد المحتار :۱۹۷/۵۔ محشی۔

نکاح حرام ہے۔(۱) بیوہ عورت کے لئے عدت گزارنے کے جو احکام ہیں، یعنی بناؤ، سنگار اور زیبائش و آرائش سے اجتناب اور شوہر کے گھر میں ایام عدت پورے ہونے تک قیام بشرطیکہ جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ نہ ہو، یہی حکم اس کمسن بیوہ دلہن کے لئے بھی ہے۔

مہر میں اضافہ و کمی

سوال:- (1586) مہر کی مقرر کردہ رقم شادی کے بعد گھٹائی یا بڑھائی جاسکتی ہے؟

(محمد نصیر عالم سہیلی، جالے، دربھنگہ)

جواب:- اگر عورت اپنی رضامندی سے مہر کا کچھ حصہ معاف کردے یا شوہر مہر میں کچھ اضافہ کردے تو ایسا کرنا جائز ہے،(۲) اور اگر اس کے پیچھے زوجین کے معاشی حالات کار فرما ہوں، مثلاً: عورت محسوس کرے کہ شوہر کے معاشی حالات ایسے نہیں ہیں کہ وہ پورا مہر ادا کر سکے اور اس بناء پر اس نے مہر کا کچھ حصہ معاف کردیا تو ظاہر ہے کہ یہ بہتر طریقہ ہے اور صلہ رحمی میں داخل ہے۔

مہر ادا کرتے وقت گواہوں کا ہونا

سوال:- {1587} مہر ادا کرنا ہو تو کیا گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ کیا تنہائی میں بیوی کو شوہر مہر ادا کرسکتا ہے؟

(ع،ک، شاہ پور)

جواب:- پوشیدہ اور علانیہ ہر دو طریقے سے مہر ادا کرنا درست ہے، تاہم اگر بیوی کی

---

(۱) رد المحتار: ۱۸۸/۵۔ محشی۔

(۲) "إن زادها في المهر بعد العقد لزمته الزيادة ... و إن حطت عنه مهرها صح الحط" (الهداية: ۳۲۵/۲، باب المهر) محشی۔

جانب سے انکار کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی موجودگی میں مہر ادا کرے، تاکہ انکار کی صورت میں شوہر گواہوں کے ذریعہ اپنے مدعی کو ثابت کر سکے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"و ما سوی ذالك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين ، سواء كان الحق مالاً أوغير مالٍ مثل النكاح والطلاق ۔ (۱)

دباؤ ڈال کر مہر معاف کرانا

سوال:- {1588} شوہر کے انتقال کے بعد میت کی تعزیت میں آئی ہوئی خواتین بیوہ عورت کو مہر معاف کر دینے پر اصرار کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ کہہ دو میں نے تمہارا مہر معاف کر دیا تو اس طرح لوگوں کے اصرار پر بیوی مہر معاف کر دے تو کیا اس سے مہر معاف ہو جائے گا، جب کہ بیوی نے دل سے مہر معاف نہیں کیا ہے؟ (جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- مہر معاف کرنے کے لئے دباؤ ڈالنا قطعاً جائز نہیں، اور اگر دباؤ ڈال کر عورت سے مہر معاف کرا بھی لے تو اس کا اعتبار نہیں، (۲) مہر شوہر کے ذمہ عورت کا دَین ہے، جب شوہر کا انتقال ہو جائے، تو شوہر کے ترکہ میں سے پہلے مہر ادا کرنا چاہئے، پھر تمام ورثاء کو اس کا حصہ ملنا چاہئے، یہ بہت ہی ظالمانہ رسم ہے جو بعض جگہ چل پڑی ہے۔

---

(۱) الهداية :۱۳۸/۳۔

(۲) مہر معاف نہیں ہوگا: " لا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح و من أن لا تكون مريضة مرض الموت هكذا في البحر الرائق " (الفتاوى الهندية:۳۱۳/۱) محشی ۔

مہر کے ساتھ جوڑے کی رقم یا سامان کی واپسی کا مسئلہ

سوال:- {1589} کیا فرماتے ہیں علماء دین، مفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ تین طلاق واقع ہوئی تو کیا مہر کے ساتھ جوڑے کی رقم یا سامان وغیرہ حاصل کرنے کا حق بیوی کو حاصل ہے یا نہیں؟ امید کہ تفصیلا جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔

(ذوالفقار علی بیگ، مدرس رامنا پیٹھ، نلگنڈہ)

جواب:- مہر و نفقہ عدت کی ادائیگی واجب ہے، زوجہ کے تمام سامان مجوزہ کی واپسی بھی ضروری ہے،---- جوڑے کی رقم جو شوہر کو دی گئی ہے وہ ہبہ نہیں ہے، بلکہ فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رشوت کے حکم میں ہے، اس لئے اس کی واپسی بھی ضروری ہے۔(۱)

مہر میں روپیہ کے بجائے زمین

سوال:- {1590} کوئی شخص اپنی بیوی کو مہر کی رقم کے عوض زمین دے سکتا ہے؟ اس کی نیت یہ ہو کہ مہر کی رقم دینے پر بیوی استعمال کرلے گی اور زمین خود اپنے استعمال میں آئے گی، کیا ایسا کرنا درست ہے؟　　(محمد عبدالصمد، زیبا باغ)

جواب:- اگر مہر روپے میں طے پایا ہو، تو مہر کے طور پر روپیہ ہی دینا واجب ہے، ہاں!

---

(۱) "و إذا طلق الرجل امرأته ، فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيا كان أو بائنا" (الهداية :۲/۴۴۳، رد المحتار :۳/۶۲۶،ط:پاکستان)

"أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده ؛ لأنه رشوة" (الدر المختار على هامش رد:۲/۳۶۲،ط:نعمانية)

اگر بیوی خود روپیہ کے بجائے کوئی سامان لینے کو تیار ہو تو پیسے کے بجائے سامان بھی دیا جا سکتا ہے، لیکن محض اس نیت سے روپیہ کے بجائے زمین دینا کہ میں خود مہر سے استفادہ کرسکوں، قطعاً جائز نہیں اور اکل حرام میں داخل ہے، مہر خوش دلی کے ساتھ عورت کو دے دینے کا حکم ہے اور اس کے بعد اسے تصرف کا پورا اختیار ہے، ہاں اگر عورت خود ہی مہر کا کچھ حصہ شوہر کو اپنی رضامندی سے کسی دباؤ کے بغیر دیدے تو کچھ حرج نہیں۔

﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا ﴾ (۱)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) النساء:۴۔

میاں بیوی کے حقوق وفرائض

جنسی اتصال کے لیے وقت کی قید نہیں

سوال:- {1591} ایک شخص جس کو رات میں سونے کا وقت بہت کم ملتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اکثر دن میں آرام کرتا ہے، اور بیوی سے زیادہ تر دن میں ہی جنسی خواہش پوری کرتا ہے، تو کیا اس کا یہ عمل درست ہے؟ یا بہتر ہے کہ وہ شخص رات میں جنسی خواہش پوری کرے؟ (ایک قاری، باغ امجد الدولہ)

جواب:- شریعت میں اس طرح کی کوئی تحدید منقول نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا مقصد ازدواجی تعلق سے عفت وعصمت اور نسل کی افزائش ہے اور اس میں وقت کی کوئی قید نہیں، البتہ یہ ظاہر ہے کہ شب کا وقت زیادہ ستر کا محل ہے اور اس فعل میں زیادہ سے زیادہ ستر مطلوب ہے۔

آئسہ عورت سے جماع

سوال:- (1592) زید اور ہندہ شوہر و بیوی ہیں،

دونوں کی عمر تقریباً ۵۵/سال ہو چکی ہے، ہندہ کو ماہواری حیض
آنا بند ہو گیا ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ حیض بند ہو جانے کے
بعد ہمبستری ناجائز ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ (ایک قاری، گلبرگہ)

جواب:- اسلام نے نکاح کے دو مقاصد قرار دیئے ہیں، توالد وتناسل اور عفت عصمت، ان دونوں میں سے عفت وعصمت ہی کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے، عورت کے حیض بند ہو جانے کے بعد ظاہر ہے کہ توالد وتناسل کا امکان باقی نہیں رہا، تاہم اس کے ذریعہ ہمبستری کر کے مرد اپنی نفسیاتی ضرورت کی تکمیل تو کر سکتا ہے، اس لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور بالکل درست ہے، لیکن اگر بیوی بوڑھی ہو اور جماع کی متحمل نہ ہو، اس کی وجہ سے اسے ضرر لاحق ہو تو ایسی صورت میں جماع کرنا درست نہیں۔(۱)

سن رسیدہ بیوی سے ازدواجی تعلق

سوال:- {1593} پینتالیس سال کے بعد عام طور پر
عورت کا حیض بند ہو جاتا ہے کیا اس کے بعد ان کا شوہر اس
سے ہمبستری کر سکتا ہے؟ (محمد شریف بازار گھاٹ)

جواب:- کسی عورت سے ہم بستری کا جائز ہونا تین شرطوں کے ساتھ درست ہے اول یہ کہ وہ اس کے نکاح میں ہو، دوسرے عورت حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو، تیسرے عورت جسمانی اعتبار سے جنسی تعلق کی صلاحیت رکھتی ہو، (۲) یعنی اس میں ہم بستری کی طاقت ہو اور ڈاکٹروں نے اس سے منع نہ کیا ہو، لہذا ماہواری بند ہونے کے بعد بھی اگر عورت کے اندر

---

(۱) " و في الأشباه من أحكام غيبوبة الحشفة فيما يحرم على الزوج وطأ زوجته مع بقاء النكاح قال : و فيما إذا كانت لا تحتمله لصغر أو مرض أو سمنة فعلم من هذا كله أنه لا يحل له وطؤها لما يؤدي إلى إضرارها " (شامی ۲:/۵۴۹)محشی۔

(۲) رد المحتار ۲:/۵۴۹۔

ہم بستری کو برداشت کرنے کی قوت ہو تو اس سے اس طرح کا تعلق رکھنا درست ہے کیونکہ وہ اس کے لیے موت تک حلال ہے۔

دو بیویوں کے درمیان برابری

سوال:- {1594} زید کی دو بیویاں ہیں دونوں کو زید نے الگ الگ مکان دے رکھا ہے زید کا قیام زیادہ تر اپنی پہلی بیوی کے پاس ہی ہوتا ہے، لیکن دوسری بیوی کی ضروریات کی بھی تکمیل کرتا ہے، اس کو زید سے کوئی شکایت نہیں ہے، صرف ایک بات کی شکایت ہے کہ زید راتوں میں اپنی پہلی بیوی کے پاس ہی رہتا ہے، جب کبھی زید دوسری بیوی کے ساتھ شب بسری کرنا چاہتا ہے، تو اس کا سالا یہ کہتا ہے کہ زید اپنی پہلی بیوی کی حق تلفی کر رہا ہے، کیا زید کے سالے کا یہ کہنا صحیح ہے اور کیا زید کے اس فعل پر شرعاً کوئی مؤاخذہ ہوگا یا نہیں؟

(محمد سید شاہ عالم، یاقوت پورہ، حیدرآباد)

جواب:- اسلام نے ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت اس وقت دی ہے، جب دونوں بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کا برتاؤ کرے، یہ مساوات و برابری کھانے پینے میں اور شب گذاری میں ضروری ہے اور اس میں ناانصافی اور کمی بیشی ظلم اور سخت گناہ ہے، اور حدیث میں ایسے شوہروں کے لیے سخت وعید آئی ہے، (۱) اس لیے زید پر ضروری ہے کہ وہ باری باری ایک ایک شب دونوں بیویوں کے یہاں گزارے، آنحضور ﷺ کا یہی معمول تھا، (۲) جماع

---

(۱) " عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: من كان له امرأتان يميل لأحدهما على الآخر جاء يوم القيامة و أحد شقيه مائل " (سنن نسائي حدیث نمبر:۳۳۹۴، الجامع الترمذي، حدیث نمبر:۱۱۴۱، سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۲۱۳۳) محشی۔

(۲) مشكوة المصابيح:۲/۲۷۹، باب القسم ۔ محشی۔

ہمبستری کا تعلق چوں کہ طبعی نشاط سے ہے، اس لیے فقہاء اس معاملہ میں تعداد کے لحاظ سے برابری واجب قرار نہیں دی ہے، (۱) البتہ یہ ضروری ہے کہ ایک بیوی سے بالکل جنسی اعتبار سے بھی قطع تعلق نہ کرے اور جس رات جس بیوی کے یہاں باری کے اعتبار سے قیام ہو، اگر اس کے ساتھ کوئی عذر نہ ہو تو اس سے مباشرت کرلے، زید کے سالے کی مذکورہ بات خلاف شرع ہے۔

ایک شب میں دو بیویوں کی باری

سوال:- {1595} اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق اس کو ایک رات ایک بیوی کے پاس اور دوسری رات دوسری بیوی کے پاس گزارنی چاہئے، لیکن اگر کوئی شخص آدھی رات ایک بیوی کے پاس اور آدھی رات دوسری بیوی کے پاس گزارے تو کیا یہ جائز ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- شریعت میں باری کی تقسیم کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام بیویوں کے ساتھ عدل اور برابری کا سلوک کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ آدمی ایک ہی بیوی کی طرف پوری طرح جھک جائے اور دوسری کے ساتھ نا منصفانہ سلوک کرے، پس اگر بیویاں اس بات پر رضامند ہوں کہ بجائے ایک ایک شب کے وہ روزانہ آدھی آدھی شب اپنی باری رکھا کریں گی تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں، البتہ اس بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ باری کی تقسیم کا منشا موانست اور دلداری کے علاوہ صنفی تقاضہ کو پورا کرنا بھی ہے، تو ایک ہی رات کو دو بیویوں میں تقسیم کرتے ہوئے اس پہلو کو بھی ملحوظ رکھے تا کہ کسی ایک کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی نہ ہو۔

---

(۱) الهداية: ۲/۳۴۹، باب القسم ۔

اسلام میں بیوی کے لئے احکام

سوال:- {1596} (الف) میں جدید اور اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی ہوں، میرے خاندان میں بھی برقعہ یا پردہ کا رواج نہیں رہا، یہ جاننے کے باوجود سسرال والوں نے مجھ سے رشتہ کیا، اب وہ آہستہ آہستہ برقعہ پہننے کی ترغیب دینے لگے ہیں، اور وہ بھی نقاب والا۔

(ب) ہمارے یہاں عورتوں کے گھر سے باہر جانے پر کوئی پابندی نہیں، لیکن انہوں نے گھر سے باہر جانے پر پابندی لگادی، یہاں تک کہ ماں باپ کے یہاں جانے پر بھی، صرف اتنی اجازت ہے کہ اگر کوئی بہت اہم کام ہو تو چٹھی پر لکھ کر جایا کریں کہ کہاں جارہے ہیں؟

(ج) ان باتوں کی خلاف ورزی پر پہلے ڈانٹتے تھے، اب مارتے ہیں، تو کیا شوہر بیوی کو مار سکتے ہیں؟

(د) وہ اپنی آمدنی کا کافی حصہ اپنے غریب رشتہ داروں اور دوسرے دینی کاموں پر خرچ کردیتے ہیں، مجھے یہ پسند نہیں ہے۔

(ہ) میرے ماں باپ مجھے خلع لینے کا مشورہ دے رہے ہیں، تو کیا میں مظالم کی بنیاد پر خلع کا مطالبہ کرسکتی ہوں؟

(و) نکاح نامہ میں جو مہر طے تھا، اس سے زیادہ شوہر نے ادا کردیا ہے، انہوں نے اور ان کے ماں باپ نے مجھے زیورات دئے تھے، اس کا انہوں نے اپنی خوشی سے مجھے مالک

بنادیا ہے، اور وہ میرے قبضہ میں ہیں، تو کیا مجھے مہر اور
زیورات واپس کرنے پڑیں گے؟

(ز) کیا اس ضمن میں میرا امبیلا منڈل سے رجوع ہونا
درست ہوگا؟ ہمارے محلہ میں یہ منڈل ہے، لیکن اس کے
انچارج غیر مسلم ہیں۔ (ب، بنجارہ ہلز)

جواب:- (الف) اسلام میں عورتوں کے لئے اجنبی مردوں کے سامنے نقاب پہننا ضروری ہے، اس کا مقصد ان کی تذلیل نہیں، بلکہ ان کی حفاظت ہے، اگر آپ کے یہاں برقعہ کا رواج نہیں تھا اور آپ ایسے ماحول میں آگئی ہیں جہاں برقعہ کا رواج ہے، تو اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ کو بہتر ماحول ملا ہے، اور آہستہ آہستہ اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں، اس میں آخرت کی بھی بھلائی ہے اور دنیا میں بھی حفاظت ہے۔

(ب) اسلام نے عورتوں کے لئے حکم دیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں رہیں،(۱) ان پر کمانے کی ذمہ داری بھی نہیں رکھی، (۲) مردوں کو حکم دیا کہ وہ محنت و مزدوری کر کے عورتوں کی ضروریات پوری کریں،(۳) اس سے بہتر سلوک اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر آپ شوہر یا کسی محرم کے بغیر باہر نکلیں تو اس سے آپ کی جان اور عزت و آبرو کو خطرہ ہو سکتا ہے، اور اگر حادثہ ہو جائے تو گھر تک اس کی اطلاع کیوں کر ہوگی؟ اس لئے آپ کے شوہر کا بلا اجازت نکلنے پر روکنا شرعاً بھی درست ہے، اور آپ کے لئے بھی بہتر ہے، اور آپ پر اس کی پابندی واجب ہے، ہاں یہ بات درست نہیں کہ آپ کو والدین اور محرم رشتہ داروں سے ملاقات سے روک دیا جائے، کم سے کم ہفتہ میں ایک دن والدین اور مہینہ میں ایک دن دوسرے رشتہ داروں سے ملاقات کا حق حاصل

---

(۱) ﴿ و قرن في بيوتكن ﴾ (الأحزاب:۳۳) مرتب۔
(۲) ﴿و على المولود له رزقهن و كسوتهن ﴾ (البقرة:۲۳۳) محشی۔
(۳) حوالہ سابق

ہے، اور فقہاء کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے۔(۱)

(ج) چونکہ بے پردہ اجنبی مردوں کے سامنے جانا اور بلا اجازت عورتوں کا گھر سے نکلنا شرعا جائز نہیں، اور اگر بیوی خلاف شرع بات پر اصرار کرے تو شوہر کو مناسب حد میں رہتے ہوئے تادیب وسرزنش کا حق حاصل ہے، اور اس کا مقصد اصلاح وتربیت ہے نہ کہ تعذیب وایذاء رسانی، البتہ شوہر پر واجب ہے کہ ایسی سرزنش نہ کرے جس سے جسم پھول جائے، پھٹ جائے، خون نکل آئے، ہڈی ٹوٹ جائے، اسی طرح جسم کے نازک حصوں اور چہرہ پر نہ مارے۔(۲)

(د) اگر آپ کا حق ادا کرنے کے بعد غریبوں پر اور دینی کاموں پر خرچ کرتے ہوں تو اس پر آپ کا ناراض ہونا درست نہیں، اور شوہر کو اس کا حق حاصل ہے، جیسا کہ آپ اپنا ذاتی پیسہ اپنے غریب رشتہ داروں اور خیراتی کاموں پر خرچ کرسکتی ہیں۔

(ہ) جو باتیں آپ نے لکھی ہیں ان کی وجہ سے خلع کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ "رسول اللہ ﷺ نے اس عورت پر لعنت بھیجی ہے جو کسی عذر شرعی کے بغیر خلع کی طلب گار ہو"(۳) اس لئے آپ کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے، کیونکہ جن باتوں کو آپ نے مظالم کا نام دیا ہے، وہ مظالم نہیں ہیں۔

(و) خلع کچھ دے کر طلاق حاصل کرنے کا نام ہے، اس لئے خلع میں جس چیز کے لین دین پر معاملہ طے ہو، اس کے مطابق عمل ہوگا، جو صورت آپ نے لکھی ہے، بہ ظاہر اس میں زیادتی آپ کی طرف سے محسوس ہوتی ہے، اس لئے ایسی صورت میں مہر اور شوہر کے دئے ہوئے زیورات خلع میں آپ کو واپس کردینے چاہئیں۔

---

(۱) رد المحتار :۵/۳۲۳۔ محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد :۱/۲۱۴۲۔ محشی۔

(۳) "أن رسول الله ﷺ قال : أيما امرأة سألت زوجها طلاقا من غير بأس فحرام عليها رائحة الجنة" عن ثوبان ﷺ، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۱۸۷، باب ما جاء في المختلعات) محشی۔

(ز) آپ کا میکا منڈل سے رجوع ہونا قطعاً درست ہے، کیونکہ خود آپ کی لکھی ہوئی تفصیلات کے مطابق آپ کی طرف سے زیادتی ہے، خود زیادتی کرنا اور شوہر کو ہراساں کرنا ظاہر ہے کہ ظلم بالائے ظلم ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔

اخیر میں آپ کے دینی بھائی کی حیثیت سے عرض ہے کہ مغربی تہذیب کھوٹا سکہ ہے، آپ اس کے ظاہری چمک سے متاثر نہ ہوں، اسلامی تعلیمات میں عورت کے حقوق و مفادات اور اس کے ناموس کا جس قدر تحفظ ہے اور اس میں جو توازن و اعتدال اور خاندانی نظام کا بقاء و استحکام ہے وہ کسی اور قانون میں نہیں۔

کیا شوہر اور سسرال والے دونوں کی خدمت واجب ہے؟

سوال:- {1597} کیا بیوی پر شوہر کی خدمت واجب ہے؟ نیز شوہر کے والدین اور بہن بھائیوں کی خدمت کرنا شرعاً گھر کی بہو پر لازم ہے؟

(حافظ شمس الدین، امام وخطیب جامع مسجد، تنالی)

جواب:- شریعت میں احکام کے دو درجے ہیں، اخلاقی و احسانی اور فقہی و قانونی، کچھ چیزیں دیانۃً انسان پر واجب ہیں، اور ان کی تعمیل کرنا واجب ہے اور ان کی تعمیل نہ کرنا موجب گناہ ہے، لیکن قانوناً اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، جیسے ایک طرفہ وعدہ کو پورا کرنا، یعنی جو وعدہ دو طرفہ معاہدہ کی بنیاد پر ہو، اس کی تکمیل تو قانوناً بھی واجب ہے اور اخلاقاً بھی، لیکن کسی شخص نے اپنی طرف سے یک طرفہ وعدہ کیا ہو تو اس کو پورا کرنا دیانۃً واجب ہے، قانوناً اور قضاءً واجب نہیں، یہ اخلاقی اور احسانی احکام ہیں، بہت سے احکام وہ ہیں، جن کی تعمیل قانوناً واجب ہے اور اگر وہ اس پر عمل نہ کرے، تو گنہگار بھی ہوگا، اور قانوناً بھی اسے اس کام پر مجبور کیا جائے گا، یہ قانونی احکام ہیں، جن کو فقہ کی اصطلاح میں حکم قضاء بھی کہتے ہیں۔

تو شوہر و بیوی میں سے کوئی اگر دوسرے کی خدمت کا لازماً محتاج ہو یعنی خود اس کام کے کرنے پر قادر نہ ہو، اور دوسرا شخص دستیاب نہ ہو، یا دستیاب ہو لیکن اس سے یہ خدمت نہیں لی جاسکتی ہو، تو ایسی صورت میں زوجین میں سے ہر ایک پر دوسرے کی خدمت قانوناً واجب ہے، لیکن اگر شوہر اپنی اس خدمت میں بیوی پر منحصر نہ ہو۔ اور دوسرے ذرائع سے بھی اپنی اس ضرورت کو پوری کرسکتا ہو، تو ایسی صورت میں بیوی پر شوہر کی خدمت قانونی درجہ میں واجب نہیں، لیکن اخلاق و دیانت کے پہلو سے واجب ہے، اور اگر وہ اس کی خدمت نہ کرے تو گنہگار ہوگی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"إن هذه الأعمال واجبة عليها ديانة و إن كان لا يجبرها القاضي "(۱)

''یہ اعمال اس پر دیانۃ واجب ہیں، گو قاضی اس کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا''

علامہ شامیؒ نے بھی یہی لکھا ہے: ''فيفتي به ولكنها لاتجبر عليه إن أبت ''(۲)
اسی طرح شوہر پر بھی واجب ہے کہ اگر عورت اپنی صحت کے اعتبار سے گھر کا کام کاج کرنے کے لائق نہ ہو تو اسے مجبور نہ کرے، اور اگر وسعت ہو، تو کسی کام کرنے والے کا انتظام کرے۔(۳)

شوہر کے والدین کی خدمت عورت پر اس وقت دیانۃ واجب ہوگی جب کوئی اور خدمت کرنے والا میسر نہ ہو، اگر کوئی دوسرا خدمت کرنے والا میسر ہو، تب بھی عورت کو چاہئے کہ اپنے ساس سسر کی خدمت سے دامن نہ کھینچے، کہ یہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ تعاون ہے، کیونکہ اصل میں والدین کی خدمت اس کے شوہر پر واجب ہے، اور شوہر اپنی بیوی اور اس کے بچوں کی

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۵۴۸۔
(۲) رد المحتار: ۵/۲۹۱۔
(۳) حوالۂ سابق

ضروریات کے لئے مشغول ہے، تو اخلاق و دیانت کا تقاضہ ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائے گی میں شوہر کی مدد کرے، شوہر کے بھائی بہنوں کی خدمت عورت پر واجب نہیں ہے —— بہر حال اس مسئلہ میں اعتدال اور میانہ روی کی ضرورت ہے، نہ یہ درست ہے کہ گھر میں دوسری خواتین کام نہ کریں، اور پوری ذمہ داری بہو پر ڈال دیں، اور نہ یہ صحیح ہے کہ بہو اپنی، اپنے شوہر اور ضرورت مند ساس سسر کی خدمت سے بھی دامن کش ہو جائے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے بعد کام کی تقسیم اس طرح فرمائی تھی کہ باہر کا کام حضرت علی ؓ کیا کریں اور گھر کا کام حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جب خواتین جنت کی سردار کے لئے گھر کے کام کاج کو عار نہ سمجھا گیا تو دوسری خواتین کے لئے کیوں کر اس کی گنجائش ہو سکتی ہے؟

شوہر و بیوی کا ایک دوسرے کو نام لے کر پکارنا

سوال:- {1598} کیا شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو نام لے کر پکار سکتے ہیں؟ اکثر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو نام سے نہیں پکارتے، بلکہ اپنے لڑکے یا لڑکی کی نسبت سے پکارتے ہیں۔ (رحمت النساء بیگم، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- نام لے کر مخاطب کرنا خلاف ادب ہے، اس لئے بیٹا اپنے باپ کو اور بیوی اپنے شوہر کو نام سے نہ پکارے، فقہاء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے: " یکرہ أن یدعو الرجل أباہ والمرأۃ زوجھا باسمہ " (۱) اگر غائبانہ نام سے ذکر کیا جائے تو حرج نہیں، شوہر بیوی کو نام لے کر پکار سکتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو نام لے کر مخاطب فرمایا ہے۔ (۲) البتہ بتقاضۂ حیاء لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے بال بچوں کی نسبت سے مخاطب کیا جائے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں۔

(۱) الفتاوی الھندیة: ۳۶۲/۱۔

(۲) صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۲۰۱۳۔

کیا بیوی شوہر کا نام لے سکتی ہے؟

سوال:- {1599} بیوی اپنے شوہر کا نام لے سکتی ہے یا نہیں؟ (ثمینہ مراد، گلبرگہ)

جواب:- اگر شوہر کا نام اس کے تعارف کے لیے غائبانہ میں لیا جائے مثلاً فلاں شخص کا خط آیا ہے یا فلاں شخص نے یہ بات کہی ہے، تو اس میں حرج نہیں، البتہ اگر شوہر کو مخاطب کرنا ہو تو اس کو نام لے کر پکارنا چوں کہ خلاف احترام محسوس ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور یہ کچھ شوہر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اپنے دوسرے بزرگوں کو بھی نام سے مخاطب کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے:

"یکرہ أن یدعوا الرجل أباہ والمرأۃ زوجھا باسمہ، کذا فی السراجیۃ"(۱)

شوہر اور اس کے اعزہ کی خدمت

سوال:- {1600} کیا بیوی پر شوہر کی خدمت واجب ہے؟ نیز شوہر کے والدین اور بھائی بہنوں کی خدمت کرنا بھی واجب ہے؟ (ابوزبیر ہاشمی، ریاض)

جواب:- بیوی پر شوہر کی خدمت بشرط صحت وقدرت اخلاقاً واجب ہے، اسی طرح شوہر کے والدین اگر ضعیف اور خدمت کے محتاج ہوں تو بہو پر ان کی خدمت کرنا بھی اخلاقاً واجب ہے، البتہ شوہر کے بھائی بہن کی خدمت واجب نہیں۔

بیوی کو ماں کی ملاقات سے روکنا

سوال:- {1601} داماد نمازی ہے، لیکن دوسری طرف

(۱) الفتاوی الھندیۃ:۱/۳۶۲۔

صورت حال یہ ہے کہ عمر رسیدہ ساس کے ساتھ دس منٹ کی بحث وتکرار ہوگئی، جس سے تلخی پیدا ہوگئی، ساس بیمار ہے، بیٹی، نواسہ اور داماد کو یاد کرتی ہے، ایک ماہ گزر گیا، بار بار بیماری کی اطلاع دی گئی، داماد پھر بھی نہیں آیا اور ان لوگوں کو ملاقات سے روکے ہوا ہے، شرعاً اس کی یکسوئی کی کیا صورت ہے؟

(حمید بھائی، شیخ پیٹ)

جواب:- (الف) شریعت نے ساس کو ماں ہی کی طرح محرم کا درجہ دیا ہے، گویا ساس بھی ماں کے حکم میں ہے، اور ماں کے بارے میں حکم ہے کہ اگر وہ ظلم بھی کرے تو صبر سے کام لیا جائے، اس میں ان شاء اللہ وہی ثواب ہے جو اپنی بوڑھی ماں کی بات سہنے میں ہے، اور اگر اس کے خلاف کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ ماں کی نافرمانی کی وجہ سے عنداللہ جو پکڑ ہوتی ہے اس صورت میں بھی آدمی اس پکڑ سے دوچار ہو۔

(ب) شرعاً داماد کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی یا بال بچوں کو والدین کی ملاقات سے روک دے، اس لئے فقہاء نے اجازت دی ہے کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ہی ہفتہ میں ایک دن والدین سے ملاقات کرسکتی ہے۔(۱)

لہذا داماد کو سمجھانا چاہئے کہ آپ اپنے اس عمل سے باز آجائیں، اور قطع رحمی کے گناہ سے بچیں۔

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی الھندیۃ: ۱/۵۵۷۔

نکاح میں دعوت اور ولیمہ کے احکام

نکاح میں دور دراز کے لوگوں کو دعوت

سوال:- {1602} شادی بیاہ میں عام طور پر تمام رشتہ داروں کو مدعو کیا جاتا ہے، اس سے داعی تو معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہو ہی جاتا ہے، خود مدعوین کو کافی لمبے سفر کا بار بھی سہنا پڑتا ہے، کیا یہ اسراف کے زمرہ میں نہیں آتا؟ کیا رسول اکرم ﷺ کے وقت میں ایسا ہوتا تھا؟ تاہم اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اس زمانے میں خاندان کے لوگ ایک جگہ پر ہی رہتے تھے، اس لئے انہیں ایسی ضرورت نہ تھی، لیکن آج جب کہ احباب و اقارب دور دور بسے ہیں ملاقات کا یہ موقع کیسے ہاتھ سے جانے دیا جائے؟ شادی کے سلسلہ میں تمام لوگوں کو خبر ہو جائے یہ بات تو حدیث میں بھی ہے، اس لئے اعزا و اقارب کو دور سے بلانا شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

(محمد طیب، لام، گنگور)

جواب:- نکاح کے موقع سے نوید اور دور دراز کے رشتہ داروں اور اہلِ تعلق کو دعوت دینا خلاف سنت ہے اور اسراف بھی، رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کیا تو آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جن کو آپ ﷺ باپ کا درجہ دیتے تھے) مکہ میں موجود تھے، کیوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح غزوۂ احد کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا، (۱) اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت اسلام قبول نہیں کیے تھے، وہ مکہ میں مقیم تھے، اور فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے، (۲) لیکن آپ ﷺ نے ان کو دعوت دینے کے سلسلہ میں کوئی تکلف نہیں فرمایا۔

اگر شادی میں منکرات ہوں؟

سوال:- {1603} جس شادی میں گانا بجانا، ویڈیو گرافی ہو، کیا ایسی شادی میں شرکت کرنا جائز ہے؟

(عثمان علی، گنگارم وقار آباد)

جواب:- گانا بجانا، ویڈیو گرافی، نیز فوٹو گرافی گناہ اور معصیت ہے اور جس دعوت میں معصیت کا ارتکاب ہو اس میں شرکت جائز نہیں، مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے اپنے زمانہ میں فسق و فجور کی کثرت کو دیکھتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں جب تک معلوم نہ ہو کہ دعوت میں معصیت و بدعت نہیں ہوگی، اس وقت تک اس میں شرکت نہیں کرنی چاہیے۔

"والامتناع أصل في زماننا إلا إذا علم يقينا أن

(۱) "ومن طريق عمر بن علي قال : تزوج علي فاطمة في رجب سنة مقدمهم المدينة و بنى بها مرجعة من بدر و لها يومئذ ثمان عشرة سنة ... فهذا يدفع قول من زعم أن تزوجه بها كان بعد أحد" (الإصابة لابن حجر ۳۷۸/۴، حرف الفاء، القسم الأول ۔ محشی ۔

(۲) صفة الصفوة لابن الجذري ۱/۲۳۹ ۔ محشی ۔

لابدعة ولامعصية" (۱)

ہمارے اس عہد میں تو بدرجہ اولی جب تک ایسی دعوتوں کے منکرات سے خالی ہونے کا اطمینان نہ ہوجائے، شرکت نہیں کرنی چاہیے، اگر سماج کے سمجھدار اور باشعور لوگ اپنے آپ کو ایسی دعوتوں سے دور رکھیں تو شاید معاشرہ کی کچھ اصلاح ہو سکے۔

شادی کے دعوت نامہ میں والد کے بجائے دوسرے شخص کا نام

سوال:- {1604} ایک لڑکے نے اسلام قبول کرلیا ہے، پہلے اس کا نام ستیا تھا، اب اس کا نام عبدالرحیم ہے، اس لڑکے کی شادی ہوئی تو رقعہ میں والد صاحب کے نام کی جگہ اس کے سیٹھ نے اپنا نام لکھ دیا، کیا یہ درست ہے اور اس طرح نکاح ہوجائے گا؟ (محمد عرفان، پھول باغ)

جواب:- اگر سیٹھ صاحب نے داعی کی حیثیت سے اپنا نام لکھا ہے، نہ کہ والد کی حیثیت سے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر والد کی حیثیت سے لکھا ہے، یعنی عبدالرحیم ولد فلاں، تو اس طرح لکھنا درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ولدیت کے معاملہ میں غلط نسبت کی خصوصی طور پر مذمت فرمائی ہے، (۲) البتہ ایسے مواقع پر از راہ ''توریہ'' والد کے نام کی جگہ ''عبداللہ'' لکھا جاسکتا ہے، کیونکہ ہر شخص اللہ کا بندہ ہے اور بعض اوقات ولدیت میں غیر مسلم کا نام دیکھ کر لوگوں کے ذہن میں تحقیر پیدا ہوتی ہے، جب خود اس شخص کا نام درست تھا اور وہ خود بھی محفل عقد اور لوگوں کے دلوں میں متعین تھا تو نکاح درست ہوگیا۔

---

(۱) رد المحتار: ۹/۵۰۱۔

(۲) "عن ابن عباس ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: من انتسب إلى غير أبيه أو تولى غير مواليه فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس أجمعين" (سنن ابن ماجة ص: ۱۸۷، کتاب الحدود)، نیز قرآن مجید میں بھی اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ادعوهم لآبائهم هو اقسط عند الله﴾ (الاحزاب: ۵) محشی۔

عقدِ نکاح کا کھانا

سوال:- {1605} عقدِ نکاح کا کھانا مستحب ہے یا نہیں؟ (سید مبین، ناندیڑ)

جواب:- عقد نکاح سے متعلق ایک تو دعوتِ ولیمہ ہے، یہ مسنون ہے، اگر کوئی عذر نہ ہو اور دعوت میں کسی شرعی منکر کا اندیشہ بھی نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ اس دعوت میں شریک ہو، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ جب کہ تم میں سے کسی کو ولیمہ میں مدعو کیا جائے تو اس کو اس میں آنا چاہئے۔(۱) اس دعوتِ ولیمہ میں شریک ہونا بشرطیکہ کوئی منکر شرعی نہ پایا جائے مستحب ہے۔(۲)

آج کل تقریباتِ نکاح میں لڑکی والوں کی طرف سے بھی کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے، اگر رسم ورواج کے دباؤ کے تحت وہ کھانے کا نظم کر رہا ہو تو یہ درست نہیں، اگر ایسا نہ ہو اور غیر معمولی اہتمام کے بغیر لڑکی والے شرکاء کے لیے کھانے کا نظم کردیں تو اس کی گنجائش ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے موقع پر کھانے کا نظم فرمایا ہے۔ یہ بات حدیث سے ثابت ہے،(۳) آج کل عام طور پر لڑکی والے سماجی دباؤ اور رسم ورواج کے تحت کھانے کا نظم کرتے ہیں، اس لیے اس میں شریک نہ ہونا بہتر ہے، تاکہ ایسے رسم ورواج کی حوصلہ شکنی ہوسکے۔

دلہن والوں کی طرف سے ضیافت

سوال:- {1606} بوقت عقد نکاح دلہن والوں کی

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۷۳۵۔
(۲) الهداية:۴/۴۵۵، كتاب الكراهية ۔ محشی۔
(۳) مصنف عبد الرزاق :۵/۴۸۹-۴۸۶ ، حدیث نمبر:۹۷۸۲، تزويج فاطمة رضي الله تعالیٰ عنها ۔ محشی۔

طرف سے دعوت طعام دی جاتی ہے، کیا یہ سنت ہے؟ اگر نہیں تو خلاف سنت ہونے پر اس کا شرعی کیا حکم اور اثر ہے؟
(غلام دستگیر، اے سی گارڈ)

جواب:- اصل میں تو نکاح میں مسنون دعوت ولیمہ ہے، جو مرد کو کرنی ہے اور جو میاں بیوی کی یکجائی کے بعد ہے، لیکن نکاح کے موقع پر بغیر کسی جبر و دباؤ کے لڑکی والوں کی طرف سے بھی ضیافت کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح پر بکرا ذبح کیا ہے اور اس پر مہاجرین و انصار کو مدعو کیا ہے، جب مرد کھانے سے فارغ ہوگئے تو کھانا ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس بھیجا گیا، تاکہ جو خواتین آئیں وہ وہاں کھائیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ سے تفصیل کے ساتھ یہ روایت منقول ہے۔ جو مصنف عبد الرزاق کے چار صفحات پر مشتمل ہے۔(۱) پس یہ دعوت طعام سنت تو نہیں ہے، نہ عہد صحابہ ﷺ میں اس کا عمومی رواج تھا، اس لیے اس کو رواج دینا بھی مناسب نہیں، البتہ اس کی گنجائش ہے۔

شادی کی دعوت میں خواتین کے دسترخوان پر مرد ویٹر

سوال:- {1607} خواتین شادی کے موقع سے ویڈیو گرافی سے تو بچ سکتی ہیں، لیکن دسترخوان پر کھانا رکھنے کے لئے ویٹر کی خاصی تعداد داخل ہوجاتی ہے، جو خواتین کے انتہائی قریب جاکر جب کہ وہ ٹیبل پر ہوتی ہیں، کھانا رکھتے ہیں، ان میں زیادہ تر غیر مسلم ہوتے ہیں، کیا شادی بیاہ کے موقع پر اس کی گنجائش ہے؟ (محمد فضل اللہ خاں اختر، فرسٹ لانسر)

---

(۱) مصنف عبد الرزاق :۵/ ۴۸۶-۴۸۹، حدیث نمبر:۹۷۸۲۔

جواب:- یہ صورت قطعادرست نہیں، عورت کا غیر محرم کے سامنے عام حالات میں بھی بے پردہ ہونا جائز نہیں، اوراس موقع سے تو عورتیں زیبائش اور آرائش کا اہتمام بھی زیادہ کرتی ہیں، لہذا فتنہ اور بدنگاہی کا اندیشہ اس صورت میں زیادہ ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے موقع پر خواتین کے حصہ کے لئے کھانا سپلائی کرنے پر عورتوں کو رکھیں، اور نکاح جیسے مبارک موقع پر ایسی حرکت نہیں کی جائے، جواللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کو دعوت دینے والی ہو۔ أعاذالله منه۔

نکاح میں غائب اور ولیمہ میں شریک

سوال:- {1608} کوئی شخص نکاح میں شرکت نہ کرسکا، اور ولیمہ میں حاضر ہوا، تو کیا اس کا کھانا درست ہے؟

نکاح اور ولیمہ میں زیادہ اہمیت کس کی ہے؟

(سید حامد خطیب، اودگیر)

جواب:- اگر کوئی شخص ولیمہ میں مدعو ہو تو چاہے وہ نکاح میں شریک نہ ہوا ہو، پھر بھی اسے ولیمہ میں شریک ہونا چاہئے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دعوت ولیمہ قبول کرنے کی خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے، بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس میں شریک ہونا چاہئے" إذا دعی إلی الولیمة فلیأتها "(۱) اکثر فقہاء نے رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کو مستحب کے درجہ میں رکھا ہے۔(۲)

یوں تو مسلمان بھائی کی دعوت خواہ کوئی بھی ہو اہم ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو، خواہ نکاح کی مجلس ہو یا دعوت ولیمہ ہو، لیکن نکاح کے بارے میں خاص طور پر دعوت دینے اور دعوت قبول کرنے کی تلقین نہیں ملتی، ہاں آپ ﷺ نے نکاح کے اعلان وتشہیر کا حکم فرمایا ہے،

---

(۱) مشکوۃ المصابیح :؟/۲۸۷۔

(۲) دیکھئے:مرقاۃ شرح مشکوۃ :۶/۲۵۳۔

بہ خلاف ولیمہ کے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ولیمہ کرنے کی بھی ترغیب دی، اور دعوت ولیمہ قبول کرنے کی بھی تاکید فرمائی، اس سے خیال ہوتا ہے کہ دعوت ولیمہ کی اہمیت نسبتاً زیادہ ہے۔

ولیمہ میں اسراف

سوال:- {1609} دعوت ولیمہ صرف منکوح کے لیے ہے یا منکوحہ کے گھر والوں کے لئے بھی؟ دعوت ولیمہ میں مدعووین کی تعداد کے سلسلے میں شرعی احکام کیا ہیں؟ کہا جاتا ہے کہ ولیمہ سے زیادہ لوگوں کو شادی کی خبر ہوتی ہے اور یہ خوشی کا اظہار ہے، دعوت ولیمہ کرنا کیا صرف منکوح کے لئے ہے؟

(محمد نصیر عالم، جالے، دربھنگہ)

جواب:- ولیمہ کرنا نوشہ کے ذمہ ہے اور سنت ہے، اس میں تکلف واسراف نامناسب ہے، جتنے لوگوں کو بہ سہولت کھلا سکتا ہو، اتنے ہی لوگوں کو مدعو کرنا چاہئے، شریعت نے اس کے لئے تعداد کی کوئی تحدید نہیں کی ہے اور نہ ایسا کیا جانا ممکن ہے۔

ولیمہ —— کچھ ضروری احکام

سوال:- {1610} ولیمہ کب اور کتنے دنوں تک کیا جاسکتا ہے؟ اگر کوئی شخص ولیمہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہو، تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

(ظفر خاں، مدہول)

جواب:- ولیمہ اصل میں میاں بیوی کے یکجائی کے بعد ہے۔(۱) کیوں کہ اس کا مقصد ایک حلال و جائز تعلق کا اعلان و اظہار ہے، جس رات بیوی کے ساتھ خلوت ہو تو اس دن یا اگلے دن ولیمہ کر لینا چاہئے، اس کو تیسرے دن تک مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے، لیکن تین دن تک

---

(۱) تقریر ترمذی، از شیخ الہند، ص:۳۱۱۔

مسلسل ولیمہ کرنا مکروہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" و طعام یوم الثالث سمعة و ریاء "(۱)

''تین دن تک مسلسل ولیمہ کرنا دکھاوا اور نمائش ہے''

ولیمہ سنت یا مستحب ہے، نہ کہ واجب۔(۲)

دوسال کے بعد ولیمہ

سوال:- {1611} کیا عقد کے دوسرے ہی دن ولیمہ کرنا چاہئے ؟ ایک صاحب شادی کے دوسرے ہی دن باہر چلے گئے ،اور دوسال کے بعد واپس آئے تب ولیمہ کیا، کیا یہ درست عمل ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ولیمہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جس دن میاں بیوی کی خلوت ہوئی ہو،اس کے دوسرے دن دعوت کردی جائے ،حضرت انس ؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا تو دوسرے دن آپ ﷺ نے لوگوں کو مدعو کیا اور کھانا کھلایا،(۳) دوسرے دن یا تیسرے دن بھی کھلانے کی گنجائش ہے،اس سے زیادہ تاخیر ثابت نہیں۔

اگر بوڑھاپے میں نکاح کرلے تو ولیمہ کا حکم

سوال:- {1612} اگر کوئی شخص بیوی کے انتقال کے

---

(۱) بیهقي ،حدیث نمبر:۱۴۵۱۲،باب أيام الوليمة)محشی۔

(۲) " ولیمة العرس سنة " (الفتاوی الهندیة :۳۴۲/۵،الفصل الثانی عشر في الهدايا و الضيافات)محشی۔

(۳) صحیح البخاری ،حدیث نمبر:۵۱۶۶۔

بعد عمر کے آخری حصہ یعنی ۶۰/ سال میں عقد ثانی کرے تو کیا
اس کا ولیمہ واجب ہوگا؟ جب کہ پہلی شادی میں ولیمہ ہو
چکا تھا۔ (محمد عبدالرشید، بشارت نگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے عمر کے آخری دو تین سالوں میں بھی کئی نکاح فرمائے ہیں، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آخری نکاح کر کے ولیمہ کا اہتمام ہوا ہے اور ان میں بھی آپ ﷺ کا ولیمہ کرنا ثابت ہے۔(۱) اس لیے جب بھی نکاح کرے ولیمہ کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ ولیمہ واجب نہیں ،سنت ہے اور ولیمہ کرنے میں ثواب ہے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

''شادی کا ولیمہ سنت ہے، اس میں بہت ثواب ہے، جب مرد عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرے تو مناسب ہے کہ پڑوسیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو دعوت دے ان کے لیے جانور ذبح کرے اور ان کے لیے کھانا بنائے''(۲)

تاہم جانور ذبح کرنا ضروری نہیں، حضور ﷺ نے ایسا بھی ولیمہ فرمایا، جس میں نہ روٹی تھی نہ گوشت۔(۳) اس لیے ولیمہ میں بہت تکلف کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) "عن أنس ﷺ: أن رسول الله ﷺ اعتق صفية و تزوجها و جعل عتقها صداقها و أولم عليها بحيس "(صحيح البخاري :۲/۷۷۷)محشی۔

(۲) "و وليمة العرس سنة و فيها مثوبة عظيمة و هي إذا خل الرجل بامرأته ينبغي أن يدعو الجيران و الأقرباء و الأصدقاء و يذبح لهم و يصنع لهم طعاما " (الفتاوی الهندية :۵/۳۴۳)محشی۔

(۳) "وحدثني عن مالك عن يحيى بن سعيد أنه قال لقد بلغني أن رسول الله ﷺ كان يُولِمُ بالوليمة ما فيها خبز و لا لحم " (المؤطأ للإمام مالك:۱/۳۲۱)محشی۔

ولیمہ میں مدعوئین کی طرف سے تحفہ

سوال:- {1613} عام رواج یہ ہے کہ ولیمہ یا شادی کے موقع پر مہمان ایک لفافہ میں کچھ روپے رکھ کر میزبان کو دیتا ہے، اسے ضروری بلکہ شرعی عمل سمجھا جارہا ہے، میزبان بھی ان لفافوں کا منتظر رہتا ہے، کیا اس رسم کی دین میں کوئی اصل ہے؟

(حافظ اسعد قریشی، مقام غیر مذکور)

جواب:- یہ کوئی دینی عمل نہیں ہے، اگر کوئی شخص اس کو شرعی عمل سمجھے بغیر کسی سماجی اور اخلاقی دباؤ کے بغیر بطورِ خود کوئی رقم دے تو یہ جائز ہے اور اس کی گنجائش ہے، کیوں کہ شرعاً یہ ہبہ ہے اور ہبہ کسی بھی شخص کو، کسی بھی موقع پر اپنی رضامندی اور رغبت سے دیا جاسکتا ہے، لیکن اگر سماجی دباؤ کے تحت لوگ اس کو لازم سمجھنے لگیں، یا حکم شرعی کا درجہ دینے لگیں تو خاص اس موقع سے دینا درست نہیں ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے بعد دس نکاح فرمائے ہیں، اسی طرح صحابہ ﷺ نے نکاح کیا، لیکن کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ دعوت ولیمہ کے موقع پر اس طرح رقم پیش کی گئی ہو، اس لیے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے، کیوں کہ آہستہ آہستہ یہ عمل سماج میں لازم اور واجب کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

ولیمہ میں تحائف

سوال:- {1614} ہم مسلمان بھائیوں کی جب بھی شادی ہوتی ہے تو دوست احباب ولیمہ میں نوشہ کو تحائف سے نوازتے ہیں، یہ تحفے کئی طرح کے ہوتے ہیں، نقد رقم یا کوئی چیز، کیا اس طرح تحفے دینا جائز ہے؟

(سلمان سکندر، حیدرآباد)

جواب:- مسلمانوں کو تحفہ و ہبہ دینا جائز بلکہ مستحب ہے،(۱) اگر کسی خاص شرعی موقع پر تحفہ دیا جائے اور یہ سماجی طریقہ پر ہو، لوگ اس کو شرعاً ضروری نہیں سمجھتے ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، تحفہ دے سکتے ہیں۔

ولیمہ کا کھانا فروخت کرنا

سوال:- {1615} میرا ہوٹل ہے، میرے لڑکے کی شادی ہونے والی ہے، ولیمہ میں کھانا بچ جائے، تو کھانا ہوٹل میں فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟

(این، محبوب علی، مشیر آباد)

جواب:- ولیمہ کے لئے جو کھانا آپ نے بنایا ہے، وہ آپ کی ملکیت ہے، آپ اس میں ہر طرح کے تصرف کا حق رکھتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ولیمہ کی نیت کی وجہ سے پورا کھانا مدعوین کو کھلا دینا ہی ضروری ہے، اس لئے بچا ہوا کھانا ہوٹل میں فروخت کر دینا جائز ہے۔

ولیمہ میں چوتھی کی دعوت

سوال:- {1616} کیا ولیمہ اور چوتھی کی دعوت ملا کر کر سکتے ہیں، جیسا کہ آج کل رواج ہو گیا ہے؟

(مسکان، یاقوت پورہ)

جواب:- چوتھی کی دعوت کی کوئی اصل نہیں، یہ ایک غیر شرعی رسم ہے، البتہ دعوتِ ولیمہ سنت ہے،(۲) دعوتِ ولیمہ میں لڑکی والوں سے پیسہ لینا جائز نہیں، کیوں کہ یہ مردوں

---

(۱) "و هي التبرع بتمليك مال في حياته ، و هي مستحبة " (الكافي :۵۹۳/۳، باب الهبة)

(۲) الفقه الإسلامي و أدلته :۱۲۵/۷۔ محشی۔

سے متعلق ہے، حسب سہولت سادگی کے ساتھ ولیمہ کرنا چاہئے، تاکہ اس غیر شرعی فعل کا مرتکب ہونا نہ پڑے۔

جہیز سے متعلق احکام

بغیر مطالبہ جہیز

سوال:- {1617} لڑکے کی شادی میں اگر دولہا والوں کے کوئی مطالبات نہ ہوں وہ سختی سے لین دین کے مخالف ہوں، اس کے باوجود دلہن والے جہیز دیتے ہیں تو کیا اس جہیز کا حاصل کرنا جائز ہے؟ (میر احمد علی جاوید، نامپلی)

جواب:- دلہن والوں سے رقم کا مطالبہ رشوت لینے کے حکم میں ہے، رشوت کا لینا تو حرام ہے ہی، ضرورت شدیدہ کے بغیر اس کا دینا بھی حرام ہے، لہذا اگر مطالبہ پر لڑکی والے دے رہے ہوں تب تو قبول کرنا ناجائز ہے، اگر مطالبہ تو نہیں کیا، لیکن چونکہ لین دین کا رواج ہے، اس رواج کے تحت لڑکی والوں نے دیا اور لڑکے والوں نے قبول کیا تو یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ فقہاء کا اصول ہے کہ جو چیز رواج کے تحت دی جاتی ہے وہ بھی شرط ہی کے درجہ میں ہوتی ہے۔

" المعروف عرفا کالمشروط شرعا " (۱)

(۱) القواعد الفقهية لابن قيم الجوزية : ص:٣٦٦، بحوالہ المنثور في القواعد : ٣٦٢/٢، الأشباه و النظائر : ص:١٥٢۔ محشی۔

ہاں !اگرلڑکے والوں نے صراحتاً لینے سے انکار کردیا اور لڑکی والوں سے کہہ دیا کہ ہم لین دین کے مخالف ہیں لڑکے کو کچھ نہ دیا جائے ۔ اس کے باوجود لڑکی والے دیں ،تو اب لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ صراحتاً انکار کی وجہ سے لڑکے والے اس سے بری الذمہ ہیں ،فقہاء کا اصول ہے: ''لا عبرة بالدلالة في مقابلة التصريح ''(۱) تاہم عزیمت کا درجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی شادی کے وقت لینے سے گریز کیا جائے ، کیوں کہ اس کا مقصد رسم ورواج ہی کی پیروی ہوتی ہے، اور یقیناً اس سے اس خراب رسم کو تقویت پہونچتی ہے، کیونکہ مقصود لڑکی والوں کا محض دینا نہیں ہوتا، بلکہ رسم ورواج کی پیروی مقصود ہوتی ہے، اگر داماد کو دینا مقصود ہوتا تو اس کے لیے شادی ہی کے موقع کے انتخاب کی ضرورت نہیں تھی ، انسان اپنی اولاد کو، بھائی بہن اور ماں باپ کو بھی حسب حیثیت کچھ دیتا رہتا ہے، لیکن نہ تو اس کی نمائش کرتا ہے اور نہ کسی تقریب کا اہتمام؛ لہذا اس لین دین میں بہرحال رسم ورواج ہی مدنظر ہوتی ہے، جس کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے ،تاہم اس کے لیے بڑے حوصلہ اور اخلاقی جرأت کی ضرورت ہے۔

جہیز لینے کا مسئلہ

سوال:- {1618} پلنگ، الماری ، فین ، اسٹیل کے گھڑے وغیرہ کیا جہیز میں شامل ہیں؟ اور کیا شادی میں ان کا لینا بھی جائز ہے؟　　　(محمد علیم، نظام آباد)

جواب:- اہمیت مقدار کی نہیں ، بلکہ مطالبہ کی ہے، مطالبہ کسی چھوٹی سی چیز کا ہو تو بھی لینا گناہ ہے، اور اگر کہہ دیا جائے کہ مجھے کچھ جہیز نہیں چاہئے ،صرف لڑکی مطلوب ہے، اور دل میں بھی سامان لینے کا چور نہ چھپا ہوا ہو، اس انکار کے باوجود اگر لوگ کچھ دے دیں ،تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے، گو زیادہ سامان ہو کہ اب یہ رشوت نہیں ، بلکہ ہدیہ ہے۔

(۱)　المنهاج في علم القواعد الفقهية :ص:۲۷، " الصريح لا يحتاج إلى نية " (القواعد الفقهية :ص:۲۲۷) محشی ۔

نوشہ کو سونے کی انگوٹھی

سوال:- {1619} (الف) نوشہ سونے کی انگوٹھی پہنے ہوا ہے اور اسی حال میں اس کا نکاح ہو رہا ہے، تو کیا یہ نکاح درست ہوگا؟

(ب) نیز شادی میں اکثر لوگ دولہے کو سونے کی انگوٹھی پیش کرتے ہیں، کیا مرد کو سونے کی انگوٹھی دینا جائز ہے؟

(محمد عبدالرشید، منڈی میر عالم)

جواب:- (الف) رسول اللہ ﷺ نے مردوں پر سونا حرام قرار دیا ہے۔(۱) اس لئے مردوں کو سونا پہننا قطعا جائز نہیں، اور نکاح جیسی مبارک سنت کے قائم کئے جانے کے موقع پر ایسے فعل حرام کا ارتکاب ظاہر ہے کہ گناہ بالائے گناہ ہے، لیکن نکاح کے منعقد ہونے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اسے سونا پہننے کا گناہ تو ضرور ہوگا، لیکن نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(ب) البتہ اگر کوئی جہیز اپنی اصل کے لحاظ سے حلال ہو، لیکن مردوں کے لئے اس کا استعمال حرام ہو تو اس کا تحفہ دینا اور اس تحفہ کو قبول کرنا جائز ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ریشمی کپڑا مردوں کے لئے حرام قرار دیا ہے، لیکن حضرت عمر ﷺ کو ایسا ہی ایک کپڑا تحفہ میں عنایت فرمایا، حضرت عمر ﷺ کو تامل ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تحفہ دینے کا یہ مقصد نہیں کہ تم خود اسے پہنو، تم اسے اپنے کسی مشرک رشتہ دار کو ہدیہ کر سکتے ہو۔(۲)

---

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۵۸۶۴۔ محشی۔
(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۵۴۰۲۔ محشی۔

تو مرد کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ سونے کی انگوٹھی کا تحفہ قبول کر کے کسی عورت کو ہدیہ کردے، یا اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے، خود پہننا جائز نہیں۔

شادی میں لین دین اور مطالبہ کی شرعی حیثیت

سوال:- {1620} شادی میں لین دین اور مطالبہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (افسر، محمد نگر، حیدرآباد)

جواب:- قرآن مجید نے کہا کہ ﴿لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾(۱) ''اپنے مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ'' باطل طریقہ پر کھانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی سے بکراہتِ خاطر ناحق طور پر کوئی چیز حاصل کی جائے، شادی کے موقع سے پیسے اور سامان کا مطالبہ اسی زمرہ میں داخل ہے، فقہاء کی عبارتوں سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ رشوت کے حکم میں ہے، (۲) لہٰذا اس کو لینا بھی حرام اور شدید ضرورت کے بغیر دینا بھی اور اگر لے چکا ہے تو واپس کر دینا واجب ہے۔

جوڑے کی رقم

سوال:- {1621} آج کل شادیوں میں جو جوڑے کی رقم لی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

(عثمان علی، گنگارم وقارآباد)

جواب:- یہ ناجائز اور حرام ہے، پہلے زمانہ میں داماد کے بجائے سسر خود اپنے داماد سے رقم لیا کرتا تھا، فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ مال حرام (سحت) میں داخل ہے اور مطالبہ کر کے لیا گیا تو واپس کرنا واجب ہے:

---

(۱) البقرۃ: ۱۸۸۔ محشی۔

(۲) اسلامی شادی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ: ۱۳۵۔

"ومن السحت ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان بطلبه يرجع الختن به "(۱)

یہ حکم تو فقہاء نے سسر کے داماد سے لینے کا لکھا ہے، داماد کا لڑکی والوں سے لینا اس سے بھی زیادہ بری بات اور لائق شرم ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے ساری مالی ذمہ داریاں لڑکے پر رکھی ہیں نہ کہ لڑکی پر اور اسی لیے شوہر کا درجہ بیوی سے بلند رکھا گیا ہے، اگر شوہر نے بیوی اور اس کے گھر والے کے سامنے ہاتھ پھیلایا تو اس نے دین بھی کھویا، اپنا مقام بھی کھویا اور اپنی عزت بھی کھوئی، اس لیے یہ صورت قطعاً جائز نہیں ہے۔

جوڑے کی رقم لینے والے کے ولیمہ میں شریک ہونا

سوال:- {1622} ہمارے محلہ میں لڑکے والے لڑکی والوں سے باضابطہ جوڑے کی رقم طلب کر کے لیتے ہیں، ایسی صورت میں لڑکے والوں کی دعوت، یعنی ولیمہ کا کھانا درست ہے یا نہیں؟　　(محمد اشرف الدین، بھولکپور)

جواب:- ایسا مطالبہ کرنے والے لوگ ظالم بھی ہیں، اور غاصب بھی، لہذا جو لوگ رقمی مطالبہ سے واقف ہوں، ان کے لیے مجلس نکاح اور ولیمہ میں شرکت مکروہ تحریمی ہے اور اس سے اجتناب کرنا واجب ہے، (۲) اگر سماج میں تمام لوگ طے کر لیں کہ وہ ایسی شادیوں میں شریک نہیں ہوں گے، تو اس سے اس غیر شرعی رسم کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔

---

(۱)　رد المحتار: ۹/۱۰۷۔

(۲)　"دعي إلى الوليمة و ثمة لعب أو غناء قعد و أكل لو المنكر في المنزل ، فلو على المائدة ، لا ينبغي أن يقعد بل يخرج معرضا لقوله تعالىٰ : ﴿ فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين ﴾ قوله : لا ينبغي أن يعقد أي يجب عليه " (الدر المختار مع الرد : ۹/۵۰۱۔ محشی۔

لین دین کے سلسلہ میں والدین کی حکم عدولی

سوال:- {1623} میں اپنی ایک رشتہ دار حافظہ لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور لین دین کے خلاف ہوں، میرے ماں باپ ایک خوب دنیوی تعلیم حاصل کی ہوئی لڑکی سے میرا رشتہ کرنا چاہتے ہیں اور لین دین کے ساتھ، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (م،ع ح ص، نامپلی)

جواب:- لین دین کی جو صورت مروج ہے، یہ قطعا جائز نہیں، لڑکے کا لڑکی والوں سے مطالبہ کر کے کچھ حاصل کرنا رشوت کے حکم میں ہے، (۱) اس لیے حرام ہے، آپ اپنے والدین کو یہ سمجھائیں کہ وہ ناحق اتنا بڑا گناہ اپنے سر نہ لیں، رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کے انتخاب میں دین داری کو معیار بنانے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ اسی میں کامیابی ہے۔ (۲) اس لیے بظاہر حافظہ لڑکی والا رشتہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، شرعا بالغ لڑکے کو اپنے رشتہ کے لیے انتخاب اور ترجیح کا حق حاصل ہے، لیکن بہتر ہے کہ اپنے والدین اور بزرگوں کی رائے کو بھی ملحوظ رکھے، کیوں کہ وہ اپنے تجربہ کی بناء پر زیادہ صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

---

(۱) رد المحتار: ۹/ ۶۰۷، نیز دیکھئے: اسلامی شادی: ص: ۱۳۵۔ محشی۔

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها ولجمالها و لدينها فاظفر بذات الدين" (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۰۹۰، باب الأكفاء في الدين) محشی۔

متفرق مسائل

شادی میں باجا بجانا

سوال:- {1624} آج کل شادیوں میں باجے رکھنا عام ہوگیا ہے، کیا باجے والی شادی میں شریک ہوا جاسکتا ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- جن شادیوں میں گانا بجانا ہوتا ہو، اس میں شریک ہونا درست نہیں،(۱) گانا بجانا گناہ ہے، اور گناہ کی حوصلہ شکنی واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

قاریٔ نکاح کو چاول وغیرہ دینا

سوال:- {1625} عقد نکاح کے وقت قاریٔ نکاح کو طرفین کی جانب سے چاول اور کھوپرا پیش کیا جاتا ہے، کیا قاریٔ نکاح کے لیے یہ چاول لینا جائز ہے؟

(محمد عبدالواجد، نیو پالونچہ)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار :۹/۵۰۱۔ محشی۔

جواب:- اس کی حیثیت ہدیہ تحفہ کی ہے، اور کسی بھی مسلمان کو ہدیہ دینا اور اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ نکاح کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر پہلے سے اجرت کے طور پر یہ بات طے نہ ہو تو طرفین پر اس کا دینا واجب نہیں، اس لیے اسے لازم نہیں سمجھنا چاہئے۔

لڑکی سے محبت کے بعد شادی

سوال:- (1626) تین سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(الف) تین چار مرتبہ غیر مسلم لڑکیوں سے زنا کیا ہے، اور شراب بھی پی ہے۔

(ب) کمیشن کی بنیاد پر کمپنی میں کام کرتا ہوں۔

(ج) ایک مسلم لڑکی سے محبت کرتا ہوں، وہ مجھے بوسہ لیا کرتی ہے اور میں بھی اس کو بوسہ لیتا ہوں۔ البتہ زنا نہیں کیا ہے، عنقریب شریک حیات بنانے والا ہوں، مندرجہ بالا سوالات کی مذہب اسلام میں کہاں تک اجازت اور سزا ہے؟ ان غلطیوں کا اعتراف کر کے نیک اور سچا مسلمان بنا چاہتا ہو، تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (.........، رین بازار، حیدرآباد)

جواب:- (الف) زنا کرنا سخت گناہ اور معصیت ہے، خواہ مسلمان لڑکی سے ہو یا غیر مسلم لڑکی سے اور شراب پینا بھی، (۱) آئندہ آپ اس سے بچیں، توبہ کریں اور نکاح میں عجلت

---

(۱) ﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّه كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَاءَ سَبِيْلًا﴾ (الاسراء:۳۲)

" لعن رسول الله ﷺ في الخمر عشرة ، عاصرها ، و معتصرها و المعصورة له و حاملها ، و المحمولة له ، و بائعها و المبيوعة له و ساقيها و المستاق له حتى عد عشرة من هذا الضرب " عن أنس ﷺ (سنن ابن ماجة ، حدیث نمبر:۳۳۸۱، باب لعنة الخمر على عشرة أوجه) محشی۔

کریں، تاکہ آئندہ آپ ایسے گناہوں سے بچ سکیں۔

(ب) آپ کی کمپنی کا کام اگر سود اور قمار پر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، کمپنی کے کاروبار کی تفصیل لکھیں تو تفصیلی جواب دیا جائے گا۔

(ج) آپ کو چاہئے کہ آپ اس لڑکی سے جلد نکاح کرلیں اور اس سے پہلے ایسی کوئی حرکت نہ کریں، ایک اجنبی لڑکی کا لڑکے کو یا لڑکے کا لڑکی کو بوسہ لینا سخت گناہ ہے، (۱) اور پچھلے گناہوں کی تلافی، توبہ اور آئندہ ایسی حرکتوں سے اجتناب ہے۔

شادی میں مصلحتاً تاخیر

سوال:- {1627} بالغ مرد یا عورت کے لئے نکاح اس لئے نہ کرنا کہ اس کی بڑی بہن یا بڑا بھائی یا چھوٹا بھائی یا چھوٹی بہن کی شادی نہیں ہوئی ہے باوجودِ استطاعت کے، کیا فسق نہیں ہے؟ ایسے لوگوں کے لئے شریعت میں کیا سزا ہے؟ کیا استطاعت کا مطلب یہ بھی ہے کہ کسی کی بڑی بہن یا اس کے بھائی کی شادی ہوجائے؟ (محمد الیاس، لام، گنٹور)

جواب:- بھائی بہن کی وجہ سے شادی سے رکے رہنے کو فسق نہیں کہا جاسکتا، یہ حالات اور اس مرد کے اپنے نفسانی جذبات سے متعلق قوتِ برداشت پر موقوف ہے، بعض دفعہ حالات متقاضی ہوتے ہیں کہ انسان اپنی شادی کو مؤخر کرے۔

بلا عذر نکاح میں تاخیر

سوال:- {1628} آج کل شادی میں سنتِ محمدی ﷺ

(۱) ''و لا یحل له أن یمس وجهها و لا کفها و ان کان یأمن الشهوة ''(الفتاوی الهندیة :۵/۳۲۹)

کم، سماجی رسم زیادہ ہیں، کیونکہ سنِ بلوغ اور استطاعت کے بعد بھی دس اور بیس بیس سال تک لوگ یوں ہی بن بیاہے بیٹھے رہتے ہیں، کیا ایسے لوگ سزا کے مستحق نہیں ہیں؟

(محمد سالم، لام، گنٹور)

جواب:- استطاعت کے باوجود بلا عذر نکاح میں تاخیر کرنا سنت پر عمل سے محرومی ہے، اگر اس کی وجہ سے آخری درجہ کی برائی میں ملوث نہ ہو لیکن نگاہ و دل کو عفیف نہ رکھ سکے تو اس کو بھی حضور ﷺ نے ایک درجہ کا زنا قرار دیا ہے،(۱) اور یہ سخت گناہ ہے، سنت کے ثواب سے محرومی اور دل و نگاہ کی بے عفتی یہی اس جرم کی سزا ہے۔

نکاح سے گریز

سوال:- {1629} ایک گھر میں یہ صورت حال ہے کہ تین بھائی اور چار بہنیں ہیں، سب سے بڑے بھائی کی عمر چالیس سال ہے اور سب سے چھوٹی بہن کی بیس سال، لیکن شادی کا کوئی ذکر نہیں ہے اور کسی کو کسی کے رشتہ سے متعلق کوئی خیال نہیں، کیا اس طرح تجرد کی زندگی گزارنا درست ہے؟

(نصرت علی خان پنج محلہ)

جواب:- اسلام دین فطرت ہے، اور اس کا ہر حکم انسانی فطرت اور ضرورت سے ہم آہنگ ہے، نکاح بھی انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے، اس سے جہاں نسل انسانی کی افزائش متعلق ہے، وہیں قلب کا سکون و اطمینان بھی، اس لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کی حوصلہ افزائی اور تاکید فرمائی ہے، اور تجرد کی زندگی کو ناپسند فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۶۲۴۳، باب زنى الجوارح دون الفرج - محشی۔

"من كان موسرا لأن ينكح ثم لم ينكح فليس منی " (۱)

''جو نکاح کرنے کی گنجائش رکھتا ہو، پھر بھی نکاح نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں ہے''

ایک موقع سے آپ ﷺ نے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

" من استطاع منكم الباءة فليتزوج " (۲)

''تم میں سے جو نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو انہیں ضرور نکاح کر لینا چاہئے''

آپ ﷺ نے نکاح نہ کرنے والوں کو بدترین لوگ قرار دیا، " شرار كم عزابكم "(۳) آپ ﷺ نے فرمایا:'' پانچ چیزیں انبیاء کی سنتوں میں سے ہیں، اور ان میں ایک نکاح کا ذکر فرمایا''(۴) اس لئے نکاح سے گریز کا رویہ اختیار کرنا مناسب نہیں، آپ ان حضرات کو اس سے بچنے کی تلقین کریں۔

بیوی کے ناجائز تعلقات کی وجہ سے شوہر کی خودکشی

سوال:- {1630} ایک ہمارے نوجوان قرابت دار ہیں، ان کی شادی کو ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر رہا ہے، جس لڑکی سے ان کی شادی ہوئی، شادی کے بعد اسے معلوم ہوا کہ محلہ کے ایک لڑکے سے اس کا معاشقہ تھا، دریافت کرنے پر لڑکی

---

(۱) مجمع الزوائد:۴/۲۵۱۔

(۲) صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۳۴۰۰۔محشی۔

(۳) مجمع الزوائد،حدیث نمبر:۷۲۹۸۔

(۴) مجمع الزوائد،حدیث نمبر:۷۳۱۸۔

نے اعتراف کیا اور کہا کہ چند خطوط کا مراسلہ ہوا تھا اور حلفیہ بیان دیا کہ گناہ میں ملوث نہیں ہوئی ہوں اور اب اس سے توبہ کرتی ہوں، اس کے بعد ان کے شوہر کافی رنجیدہ ہوئے اور وہ اپنی بیوی کے تعلق سے بے توجہی برت رہے ہیں، بلکہ طلاق یا خلع کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور اگر تفریق کی کوئی صورت پیدا نہ ہو تو وہ خودکشی پر آمادہ ہیں یا ہمیشہ کے لیے گمنام ہو جانا چاہتے ہیں، تو کیا مذکورہ واقعہ کے تحت خودکشی کرنا جائز ہوگا یا حرام موت پر محمول ہوگا؟ (عابدہ خانم، حافظ بابانگر)

جواب:- خودکشی بہر صورت حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے عند اللہ سخت پکڑ کا باعث بتایا ہے، (۱) اسی طرح لاپتہ ہو جانا بھی جائز نہیں، کیوں کہ یہ مختلف لوگوں کے حقوق کو ضائع کرنا اور اپنے فرائض سے پہلو تہی برتنا ہے اور کسی کے ساتھ حق تلفی جائز نہیں، اگر ان صاحب کی بیوی نے توبہ کرلیا ہو، تو اسے طلاق دے دینا یا ایسی صورت اختیار کرنا کہ وہ خلع لینے پر مجبور ہو جائے، یا اس سے بے توجہی یا بے التفاتی برتنا بھی جائز نہیں اور باعث گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گناہ سے توبہ کرلے، وہ بے گناہ شخص کی طرح ہے۔ "التائب من الذنب كمن لا ذنب له" (۲) اگر کوئی فاسق و فاجر شخص اپنے فسق و فجور سے تائب ہو جائے وہ فسق کے دائرے سے باہر نکل آتا ہے، تھوڑی دیر کے لیے آپ کے وہ قرابت دار سوچیں کہ کیا ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا اور اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی؟ اس لیے یہ محض شیطانی وسوسہ ہے، انہیں عفو و درگذر سے کام لینا چاہیے اور خودکشی اور طلاق جیسے گناہ سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

---

(۱) صحیح مسلم ۱/۷۲، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه ۔ محشی۔

(۲) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۴۲۵۰، باب ذكر التوبة، كنز العمال، حدیث نمبر: ۱۰۲۳۹ بحوالہ ابن ماجة، و صحیحن۔ مرتب۔

سود کی رقم سے شادی

سوال:- {1631} لڑکی پیدا ہونے کے چار سال کے بعد بنک میں فکسڈ ڈپازٹ کیا جاتا ہے، پندرہ بیس سال کے بعد لڑکی کا رشتہ طے ہوتا ہے تو وہ رقم بنک سے نکال کر (وہ رقم تو لاکھوں میں ہوتی ہے) اس روپے سے شادی کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ شرعی رو سے مسئلہ بتائیے۔

(عمران خاں، ملے پلی، حیدرآباد)

جواب:- ڈاک خانوں اور بنکوں میں روپے جمع کر کے اس کا سود لینا حرام ہے، لیکن وہاں چھوڑنے کے بجائے وصول کر کے سڑکوں، پیشاب خانوں، پاخانوں اور نالیوں کی تعمیر جیسے رفاہ عام کے کاموں میں لگا دینا چاہئے یا اس سے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور مقروضوں کی امداد کرنی چاہئے اور ان مظلوموں کی امداد بھی جائز ہے جن کو ناحق مقدمہ میں ماخوذ کر لیا گیا ہو، مگر ثواب کی نیت سے نہ ہو کیونکہ حرام مال کسی کو دینے سے ثواب نہیں ملتا۔(۱)

سالی اور بہنوئی میں بے تکلفی

سوال:- {1632} اکثر دیکھا جاتا ہے کہ سالی اور بہنوئی کے درمیان بے تکلفی اور آزادانہ میل جول ہوتا ہے، سالیاں بہنوئیوں کی دلجوئی، اس سے مصافحہ کرنے، یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پیر دبانے میں بھی پیش پیش رہتی ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ (سید جلال پاشاہ، جہاں نما)

جواب:- سالی اور بہنوئی کے درمیان بے تکلفی قطعاً جائز نہیں، اور ان کا باہم

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۳/۲۶۵۔

ناشائستہ ہنسی مذاق کرنا، ہاتھ پاؤں دبانا قطعاً حرام وگناہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے دیور کو موت یعنی اخلاقی تباہی کا باعث قرار دیا ہے، (۱) کیوں کہ دیور اور بھاوج مذاق کیا کرتے تھے، بعینہ یہی بات سالی اور بہنوئی کے ساتھ صادق آتی ہے، سالی اور بہنوئی ایک دوسرے کے لیے غیر محرم ہیں۔

بیوی کے پستان کو منہ میں لینا

سوال:- {1633} اگر شوہر شب زفاف میں یا اس کے علاوہ اپنی بیوی کے پستان کو جوانی کی مستی میں آ کر چوستا ہے تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے، اور اگر مکروہ ہے تو مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی؟ آیا بچہ ہو جانے کے بعد بھی ایسا کر سکتا ہے؟ اگر دودھ بھی پی لیا تو کیا حکم ہے؟

(محمد عبد الغنی کشمیری، دار العلوم حیدر آباد)

جواب:- بیوی کا پورا جسم شوہر کے لیے حلال ہے اور اس سے لطف اندوزی جائز ہے، اس طرح پستان کو بھی منہ میں لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، (۲) البتہ عورت کا دودھ پینا حرام ہے، (۳) اس لیے جن ایام میں تھن میں دودھ ہو پستان کو چوسنا مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ یہ حرام

---

(۱) " إن رسول الله ﷺ قال : إياكم و الدخول على النساء ، فقال رجل من الأنصار يا رسول الله ﷺ ! أفرأيت الحمو؟ قال: الحمو الموت" عن عقبة بن عامر ؓ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۲۳۲، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم و الدخول على المغيبة)

(۲) " وهو تحقيق وجيه : لأنه يجوز له أن يلمس بجميع بدنه بذكره جميع بدنها إلا ما تحت الازار " (رد المحتار :۱/۱۹۵، باب الحيض)

(۳) " ولم يبح الارضاع بعد مدته : لأن جزء آدمي و الانتفاع به بغير ضرورة حرام " (رد المحتار :۲/۴۰۴ ،باب الرضاع)

کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اگر دودھ پی گیا تو گناہ ہے، لیکن اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، مگر توبہ واستغفار کر لینا چاہئے۔

حرام پیسوں سے غریب لڑکیوں کی شادی

سوال:-{1634} کیا حرام کمائی سے غریب لڑکیوں کی شادی کی جاسکتی ہے؟ (سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

جواب:- کسی آدمی کا خاص طور پر اس مقصد کے لیے حرام کی کمائی حاصل کرنا تو درست نہیں، کیوں کہ کسی عمل کے درست ہونے کے لیے مقاصد کے بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ طریقۂ کار بھی درست ہونا ضروری ہے، لیکن اگر غفلت کی وجہ سے یا بلا ارادہ اس کی کمائی میں کچھ حرام حصہ بھی شامل ہوگیا، تو اصل تو یہ ہے کہ مالِ حرام جس سے لیا گیا ہو اسے واپس لوٹایا جائے لیکن اگر اس کا پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے، یا کسی اور وجہ سے اس کو نہیں لوٹایا جا سکا، تو پھر اس کو غرباء پر صدقہ کر دینا واجب ہے، اور غریبوں پر صدقہ کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ غریب لڑکیوں کی شادی کردی جائے، اس لیے یہ صورت بھی درست ہے۔

" لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه " (۱)

ضدی بیوی کی اصلاح

سوال:-{1635} میری بیوی بہت ضدی وسرکش ہے، اپنی بات پر اَڑی رہتی ہے، میں نے سمجھایا بھی ہے اور سختی بھی برتی ہے، لیکن جو عورت کی فطرت ہے اس کے مطابق وہ اپنی ضد پر قائم ہے۔ (سید عمر علی، نظام آباد)

(۱) رد المحتار :۹/۵۵۳۔

جواب:- عورت کی فطرت میں ایک گونہ ضد اور اصرار پایا جاتا ہے، اسی لئے حضور ﷺ نے مرد کو تحمل کی تلقین کی ہے، اور فرمایا کہ اگر تم مکمل درست کرنے جاؤ گے تو لکڑی کی طرح توڑ کر رکھ دو گے، لیکن اس کی کمزوری کو برداشت کر کے ہی اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے،(۱) اس لئے آپ مایوس نہ ہوں اور اپنے علاقہ کے کسی اچھے عالم کے ذریعہ اپنی بیوی کی تفہیم کریں اور دعاء کا بھی اہتمام رکھیں، انشاء اللہ رفتہ رفتہ مزاج میں تبدیلی آ جائے گی۔

نادرست نکاح میں اولاد کی دعاء

سوال:- {1636} ایک مسلمان نے کسی غیر مسلم عورت سے جو ہنوز اپنے مذہب پر قائم ہے، نکاح کیا ہے، ایسی صورت میں کیا کوئی عالم یا بزرگ اس جوڑے کے لیے اولاد کی دعاء کر سکتا ہے؟ (احمد سعید، بازار گھاٹ)

جواب:- یہودی یا عیسائی کے سواء کسی اور غیر مسلم عورت سے اگر مسلمان نکاح کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا، اس لیے اولاً تو اگر کوئی مسلمان اس فعل کا مرتکب ہو تو اسے سمجھانا چاہئے، کہ وہ مستقل اور مسلسل گناہ میں مبتلاء ہے، یا تو اس عورت کو اسلام قبول کرائے، اور دوبارہ شرعی طریقہ پر نکاح کرے، یا اس سے ترک تعلق کرے، اس کے لیے اولاد کی دعاء کرنا درست نہیں؛ کیونکہ یہ ایک گناہ میں اضافہ اور تقویت کی دعاء ہے، اور ایسی باتوں کی دعاء کرنا درست نہیں جو گناہ کی ہوں۔

نکاح میں سہرا باندھنا

سوال:- {1637} نکاح میں سہرا باندھنے کا رواج عام ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ نکاح میں سہرا باندھنا سنت ہے،

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۱۸۵، باب الوصية بالنساء۔ محشی۔

اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرمایئے اور لڑکیوں کو کیا و داعی سہرا باندھا جاسکتا ہے؟ (سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

جواب:- اسلام میں سہرا باندھنے کی کوئی اصل نہیں، صحابہ ﷺ اور سلف صالحینؒ نے کبھی اس طرح کی چیز نہیں باندھی، یہ بعض غیر مسلم قوموں کی رسم ہے، جس کو نا سمجھی اور نادانی میں ہمارے مسلمان بھائیوں نے لے لیا ہے، اس لئے نہ دولہا کو سہرا باندھنا چاہئے اور نہ دلہن کو۔

حضرت فاطمہؓ سے حضرات شیخینؓ کا رشتہ کیوں رد کردیا گیا؟

سوال:- {1638} الحاج محمد عاشق علی حسامی کی ایک کتاب "حقوق العباد" ہے اس کتاب کے صفحہ ۳۷ پر شادی کی عمر سے متعلق ایک روایت درج ہے کہ حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے حضرت ابوبکر ﷺ اور حضرت عمر ﷺ دونوں نے نکاح کا پیغام دیا، حضور ﷺ نے قبول نہیں فرمایا، کیونکہ یہ دونوں عمر میں بہت بڑے تھے اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) چھوٹی تھیں" کیا یہ بات صحیح ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- جی ہاں! یہ بات روایات میں آئی ہے، کہ حضرت ابوبکر ﷺ، حضرت عمر ﷺ نے پیغام نکاح دیا، آپ ﷺ نے اسے قبول نہیں فرمایا، پھر حضرت عمر ﷺ نے حضرت علی ﷺ کو مشورہ دیا کہ وہ پیام نکاح دیں، لیکن وہ اپنی معاشی تنگ دستی کی وجہ سے جھجک رہے تھے، بہر حال رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ﷺ سے حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح فرمادیا۔(۱)

جہاں تک عمر کے تفاوت کی بات ہے، تو یہ بھی اس رشتہ کو رد کرنے کی وجہ ہوسکتی ہے، لیکن غالباً روایات میں اس کی صراحت نہیں، عربوں کے یہاں عمر کے خاصے تفاوت کے ساتھ بھی

(۱) دیکھئے: اسد الغابہ: ۷/۲۳۸۔

نکاح کا رواج تھا، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ چاروں صحابہ ﷺ رسول اللہ ﷺ کے خاص مددگار اور جان نثار تھے، آپ ﷺ نے ان کی قربانی کے مکافات کے طور پر حضرت ابوبکر ﷺ اور حضرت عمر ﷺ کی صاحبزادیوں کو اپنے نکاح میں لایا، اور خود اپنی صاحبزادیوں کو حضرت عثمان ﷺ اور حضرت علی ﷺ کی نکاح میں دیا، اسی لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتخاب آپ ﷺ نے حضرت علی ﷺ کے لئے فرمایا، واللہ اعلم۔

شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا باہر جانا

سوال:- {1639} کوئی عورت اپنے شوہر کو بتائے بغیر کہیں جاسکتی ہے؟ اگر شوہر جانے سے منع کرے تو کہتی ہے کہ آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔ (م، ج، ا، حیدرآباد)

جواب:- حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے گھر میں اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو آنے دے''(۱)

جب کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے یہاں کسی کو آنے دے تو شوہر کی اجازت کے بغیر خود اس کا کہیں جانا، کیوں کر روا ہوسکتا ہے، اس لئے کسی عورت کے لئے یہ بات قطعاً درست نہیں کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر کہیں جائے، ہاں! شدید مجبوری جیسے علاج وغیرہ کی صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

شادی کے موقع پر ویڈیو گرافی

سوال:- {1640} شادی بیاہ کے موقع پر سہرا باندھنا، ویڈیو گرافی اور فوٹو گرافی جائز ہے؟ واضح ہو کہ دلہن کے کمرہ

---

(۱) ریاض الصالحین :ص:۱۸۸۔

میں نوجوان خواتین اور لڑکیوں کے ساتھ اجنبی مرد یا رشتہ دار فوٹو اور ویڈیو لیتے ہیں، کھانا کھاتے وقت بھی فوٹو گرافی اور ویڈیو گرافی کی جاتی ہے، کیا یہ جائز ہے؟

(محمد عبدالستار رنانا، وقارآباد)

جواب:- شادی کے موقع پر سہرا باندھنے کی کوئی اصل نہیں، اور ویڈیو گرافی اور فوٹو گرافی بھی ناجائز ہے، عورتوں کے ویڈیو یا فوٹو لینا تو اور بھی سخت گناہ ہے، نکاح کے مبارک موقع پر ایسی حرکتوں کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

نکاح کے وقت نوشہ سے کلمہ پڑھانا

سوال:- {1641} میں اپنے ایک خاص دوست کی شادی میں نظام آباد گیا وہاں دیکھا کہ قاضی صاحب ایجاب وقبول سے پہلے دوم اور پنجم کلمہ پڑھاتے ہیں، اگر یاد نہ ہو تو بڑے سخت لہجے میں بھری محفل میں جھڑک دیتے ہیں، شریعت کی رو سے یہ عمل کیا ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

(محمد شاہد، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

جواب:- نکاح منعقد ہونے کے لئے ایجاب وقبول ضروری ہے،(۱) اور خطبہ مسنون ہے، باقی اس موقع سے کلمہ وغیرہ پڑھوانا حدیث سے ثابت نہیں، خیال ہوتا ہے کہ چوں کہ مسلمان بھی بعض اوقات ناسمجھی میں کفریہ کلمات بول جاتے ہیں، مثلاً داڑھی، مسواک، تسبیح، نماز، روزہ وغیرہ کی اہانت اور لاعلمی کی وجہ سے اپنی اس غلطی کا ادراک بھی نہیں کر پاتے، ممکن ہے اس بنیاد پر بعض بزرگوں نے نکاح کے وقت تجدید ایمان کا اہتمام کرایا ہو اور اس اہتمام میں کلمہ

---

(۱) " النكاح ينعقد بالإيجاب و القبول " (الهداية :۲/۳۰۵) محشی۔

پڑھوایا ہو، تاکہ نکاح کے درست ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، بہر حال جہاں اس طرح کا اندیشہ نہ ہو وہاں اس طرح کلمہ پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

طبی مجبوری کے تحت عزل

سوال:- {1642} میری بیوی دق (T.B) کی مریضہ ہے، ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا کہ حمل نہیں ٹھہرنا چاہئے، اس کے لئے میں نے نرودھ کا استعمال کیا، لیکن اب کسی وجہ سے نرودھ کا استعمال نہیں کرتا ہوں اور مادۂ منویہ کا باہر اخراج کرتا ہوں تو کیا میرا یہ عمل گناہ کا باعث تو نہیں؟ (ع، ر، مشیرآباد)

جواب:- جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس کو عربی زبان میں ''عزل'' کہتے ہیں، محض اس خوف سے عزل کرنا کہ اگر بچے پیدا ہوئے تو اس کی روٹی روزی کا کون نظم کرے گا؟ جائز نہیں، (۱) لیکن طبی ضرورت کے تحت نرودھ استعمال کرنا اور عزل کرنا جائز ہے، (۲) اس لئے آپ کا یہ عمل درست ہے، البتہ نرودھ کا استعمال اور عزل میں سے جو صورت عورت کے لیے زیادہ اطمینان بخش ہو، وہ کرنا چاہئے، اسی لیے عزل کے لیے بیوی کی اجازت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

نکاح کے موقع سے کھجور لٹانا

سوال:- {1643} بندہ کو ایک شادی کے موقع پر جانا ہوا، تو نکاح کے بعد چھوہارہ تقسیم کرنے کے بجائے لٹایا گیا، بعض لوگ اس پر ناراض ہوئے، کیا شرعاً مسجد میں اس طرح

(۱) رد المحتار: ۴/۳۳۵۔ محشی۔
(۲) حوالہ سابق

لٹانا درست ہے؟ (محمد مسعود، مسجد محمدی، دبیر پورہ)

جواب:- حدیث کی مشہور کتاب "سنن بیہقی" میں حضرت معاذ بن جبل ﷺ سے مروی ہے:

"رسول اللہ ﷺ ایک نکاح میں شریک ہوئے، آپ ﷺ کے پاس ایک طشت لایا گیا، جس میں اخروٹ، بادام اور کھجور تھے، ان چیزوں کو بکھیر دیا گیا، ہم لوگ ابتداءً لینے سے رکے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے چھین جھپٹ کرنے سے منع فرمایا تھا، آپ ﷺ نے ہم لوگوں کے رکے رہنے کی بابت دریافت فرمایا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) نے کسی چیز کو لوٹنے سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ نے اس موقع پر اس کی اجازت مرحمت فرمائی، لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے" (۱)

اسی لئے فقہاء نے اس موقع پر کھجور وغیرہ تقسیم کرنے کی اجازت دی ہے اور لٹانے کی بھی، لیکن تقسیم کرنے کو بہتر قرار دیا ہے:

"ویحل نثر سکر و هو رمية مفرقا و غيره ...
ولكن تركه أولى" (۲)

راقم الحروف کا خیال ہے کہ مساجد کے اندر اگر نکاح ہو تو کھجور لٹانے سے بہتر تقسیم کر دینا ہے کہ اس میں احترام مسجد کی زیادہ رعایت ہے۔

---

(۱) دیکھئے: اعلاء السنن: ۱۱/۱۲۔

(۲) "لا بأس بنثر السكر و الدراهم في الضيافة و عقد النكاح" (الفتاوى الهندية: ۵/۳۴۵) محشی۔

نوشہ کے ہاتھ میں چاقو

سوال:- {1644} کیا نکاح کے دن نوشہ کے ہاتھ میں چاقو دینا درست ہے؟ (شیخ افسر، تالاب کٹہ)

جواب:- نکاح ایک مذہبی عمل ہے اور رسول اللہ ﷺ نے امور دین میں کسی نئی بات ایجاد کرنے کو بہت ہی سختی سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو امور دین میں کسی بات کا اضافہ کرے جو اس میں ثابت نہ ہو وہ قابل رد ہے۔ " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد " (۱) آپ ﷺ سے احکام نکاح اور طریقہ نکاح تفصیل کے ساتھ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے، جن میں چاقو وغیرہ لینے کا کوئی ذکر نہیں ہے، یہ محض جاہلانہ اور بے معنی رسم ہے، اس لیے ایسی غیر شرعی باتوں سے پوری طرح اجتناب کرنا چاہیے۔

نکاح میں گانا بجانا

سوال:- {1645} نکاح میں اکثر جگہ گانا بجانا ہوتا ہے، کیا خوشی کی مناسبت سے اس موقعہ پر گانے بجانے کی گنجائش ہے؟ (نگینہ بانو، بیگم پیٹ)

جواب:- ایک صاحب ایمان کے لیے خوشی کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی اچھی بات پیش آئے تو اللہ کا شکر ادا کرے، نہ یہ کہ وہ کچھ کرے جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہو، جس خوشی میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کا خیال نہ کیا جائے، اندیشہ ہے کہ وہ خوشی ناپائیدار ہوگی، باجا یا باجے سے ہم آواز گانا یا ایسا گانا جو مفسد اخلاق مضامین پر مشتمل ہو، قطعاً جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے نہایت سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے، اور فقہاء نے بالقصد اس کے سننے کو بھی

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۷۷۔

حرام قرار دیا ہے۔

"استماع صوت الملاهی کالضرب بالقصب وغیره حرام ، لأنه من الملاهی"(۱)

گانا بجنے والی شادی میں شرکت

سوال:- {1646} دوست کے بھائی کی شادی میں باجا وغیرہ تھا، اس لئے میں نہیں گیا، بعض لوگوں کو اس پر اعتراض ہے۔تو کیا تعلق باقی رکھنے کے لئے ہمیں چلا جانا چاہئے تھا؟ (شہباز احمد، تاڑبن)

جواب:- گانا بجانا حرام ہے اور جس شادی کے بارے میں پہلے سے معلوم ہو کہ اس میں گانا بجانا ہوگا، اس میں شرکت جائز نہیں ،(۲) مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو راضی کرنے کے لئے اللہ اور رسول ﷺ کو ناراض کرلے، غور کیجئے کہ کیا اس سے بڑھ کر نقصان کی تجارت ہوسکتی ہے؟

نکاح کے رجسٹریشن کرانے کی فقہی وشرعی حیثیت

سوال:- {1647} مکرم ومحترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،

خدا کرے مزاج بعافیت ہو۔

ایک اہم علمی اور دینی ضرورت کے پیش نظر یہ عریضہ ارسال خدمت ہے اور توقع ہے کہ فوری طور پر اس پر غور وفکر

---

(۱) خلاصة الفتاوی :۳۴۵/۴۔

(۱) دیکھئے:الدر المختار مع رد المحتار :۵۰۱/۹۔محشی۔

فرما کر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔

معلوم ہوا ہے کہ حکومت یوپی نے مرکزی حکومت سے درخواست کی ہے کہ ایک مرکزی نکاح رجسٹریشن ایکٹ بنادیا جائے تاکہ اس قانون کے مطابق پورے ملک میں ہونے والے نکاحوں کا اندراج وغیرہ مکمل ہوسکے، حکومتِ یوپی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ نکاح کے رجسٹریشن کو ابھی تک حکومت نے لازمی قرار نہیں دیا ہے، جس کی وجہ سے حکومت عدلیہ اور عوام کے پاس کسی بھی نکاح کا موثق ریکارڈ موجود نہیں ہے، جس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ جب زن وشو میں تعلقات خراب ہوتے ہیں اور معاملات کی تحقیق کی نوبت آتی ہے تو اطمینان بخش گواہی نہیں مل پاتی، اکثر و بیشتر دین مہر کا مسئلہ بہت اختلافی بن جاتا ہے اور صحیح طور پر دین مہر نہ گواہوں کو یاد رہتا ہے نہ دوسرے حاضرین مجلس نکاح کو، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ گواہ اکثر بوڑھے لوگ بنائے جاتے ہیں، جن کے دنیا سے گزر جانے کے بعد گواہی اور دعویٰ کے ثبوت کا مسئلہ قانونی لحاظ سے پیچیدہ ہوجاتا ہے۔

حکومت یوپی کا خیال ہے کہ ان دشواریوں کو دور کرنے اور نکاح کے مکمل ریکارڈ کو محفوظ رکھنے کے لئے نکاح کے اندراج کو لازمی قرار دیا جانا چاہئے، تاکہ ہر ایک نکاح کی تفصیلات کا معتمد علیہ وثیقہ موجود رہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ مرکزی حکومت کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ نکاح رجسٹریشن ایکٹ بنادئے جائیں کہ رجسٹریشن کی حیثیت نکاح کے لئے شرط کی

سی ہو جائے اور اس قانون سازی کے بعد ہونے والا وہی نکاح حکومت عدلیہ کی نگاہ میں معتبر ہو، جس کے اندراجات حکومت کے قانون کے مطابق کرائے جاچکے ہوں اور نفاذ قانون کے بعد وہ سارے نکاح جو رجسٹریشن کے بغیر ہوں حکومت اور عدلیہ کی نگاہ میں غیر معتبر سمجھے جائیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومت کو ایک دوسرا مشورہ بھی دیا گیا ہے کہ نکاح رجسٹریشن قانون اس طور پر بنایا جائے کہ اگر اس قانون کے نفاذ کے بعد کوئی شخص رجسٹریشن کے بغیر نکاح کرے تو وہ نکاح تو صحیح اور حکومت اور عدلیہ کے نزدیک قابلِ قبول ہوگا، لیکن رجسٹریشن نہ کرنے کو ایک جرم قرار دیا جائے اور جو بھی اس جرم کا مرتکب ہو اس کے لئے جرمانہ یا جیل کی سزا تجویز کی جائے، گویا اس طور پر رجسٹریشن نہیں کرانے سے نکاح تو متاثر نہیں ہوگا، لیکن نکاح کی تفصیلات کے اندراج اور کسی بھی اٹھنے والے اختلاف کے لئے شہادت وثبوت کی خاطر رجسٹریشن کا نہ کرانا ایک مستقل جرم قرار دیا جائے گا، جس کی سزا کی جاسکے۔

ان تفصیلات سے اندازہ ہوگا کہ نکاح کے رجسٹریشن کے سلسلہ میں حکومت یوپی کس انداز سے غور کررہی ہے اور حکومت میں موجود کچھ اور لوگوں کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ —— ایسے حالات میں ضروری ہے کہ معاملہ کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور فیصلہ کیا جائے کہ رجسٹریشن کو اگر نکاح کے لئے شرط قرار دیا جائے اور رجسٹریشن کے بغیر نکاح کالعدم سمجھا

جائے تو فقہی لحاظ سے یہ رجسٹریشن قابلِ قبول ہوگا ؟——
رجسٹریشن کو اگر نکاح کے لئے شرط نہیں بنایا جائے ، لیکن شہادت وثبوت کی خاطر رجسٹریشن نہیں کرانے کو تعزیری جرم قرار دیا جائے اوراس کے لئے کوئی سزا تجویز کی جائے تو فقہی لحاظ سے ایسے رجسٹریشن کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

مسئلہ کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر آپ سے جلد جواب دینے کی درخواست ہے، ۶/ستمبر ۱۹۸۱ء کو نئی دہلی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس میں قانونی اور فقہی جہتوں پر غور ہوگا، اس لئے براہ کرم ۲۵/نومبر تک اپنی رائے ضرور ارسال فرمائیں، تاکہ فکر و بحث میں آپ کی گرانقدر رائے سے استفادہ کیا جائے۔

والسلام

(حضرت مولانا) سید منت اللہ (رحمانی)

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ، خانقاہ مونگیر، ۸۱۱۲۰۱

۶/محرم الحرام ۱۴۰۲ھ = ۴/نومبر ۱۹۸۱ء

جواب:- ان سوالات کا جواب دینے کے لئے پہلے ''فقہ اسلامی'' کے ان چند بنیادی اصول کی طرف اشارہ کردینا مناسب ہے، جن سے ان مسائل کا گہرا تعلق ہے:

۱) اسلام میں احکام کی اصل بنیاد کتاب وسنت ہے، اس لئے کسی چیز کا وجوب ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کتاب وسنت میں اس کی تصریح موجود ہو یا فی الجملہ اس کی کوئی اصل موجود ہو، قرآن وحدیث نے جن احکام کے لئے جو حدود اور شرائط متعین کئے ہیں ان پر اپنی طرف سے بعض امور کا اضافہ کسی انسان کے لئے درست نہیں، اس لئے کہ یہ اللہ کی

حاکمیت اور دین کی تکمیل کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے، قرآن مجید میں اس کی طرف واضح اشارات موجود ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾(۱)

۲) بعض امور وہ ہیں جن کے مباح اور جائز ہونے کی خود قرآن نے تصریح کردی ہے، یا بعض منصوص کلیات کی روشنی میں فقہاء نے اباحت کا حکم لگایا ہے، اس لئے منصوص اباحات میں کسی ایک پہلو کو لازم قرار دینا درست نہیں ہے، ابواسحاق شاطبی نے ''الموافقات'' جلد اول میں اس سلسلہ میں ''مباحات منصوصہ'' کی مختلف انواع پر بہت مفصل، بصیرت افروز اور تشفی بخش گفتگو کی ہے، نیز خود قرآن میں اس کی واضح شہادتیں موجود ہیں۔

۳) بعض احکام وہ ہیں جن کے جائز اور ناجائز ہونے کا شریعت نے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے اور نہ نصوص میں ایسی کوئی نظیر ہے، جس پر اس کو قیاس کیا جاسکے، محض شریعت کے اس حکم سے خاموش رہنے یا شریعت میں اس کے نظائر نہ ملنے کی وجہ سے یہ مان لیا گیا ہے کہ وہ مباح ہے، اس کو کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، ان مباحات کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر کسی دینی یا انتظامی مصلحت کا تقاضا ہو کہ اس کے ایک پہلو کو لازم اور ضروری قرار دیا جائے اور وہ کسی ایسی چیز کا ذریعہ نہ بنے جو شرعاً ناپسندیدہ ہو، تو مصلحتاً ایسا کیا جاسکتا ہے اور یہ ان حضرات کے مشورہ سے کیا جائے گا، جو صاحب بصیرت، زمانہ شناس اور علوم اسلامیہ کے اعتبار سے ذی رائے ہوں، —— قیمتوں کے تعین کے سلسلہ میں تاجر کے لئے آزادی تو ایک گونہ قرآن و حدیث سے ثابت بھی ہے مگر چونکہ شریعت کے مجموعی مزاج اور عوامی مصالح کے یہ بات مغائر ہے کہ تاجر اس طرح بازار گراں کرتا رہے، —— اس لئے فقہاء نے حکومت کو یہ اختیار سونپا ہے،

(۱) الاحزاب: ۳۶۔ محشی۔

لہذا وہ مباحات جن کا اشارتاً بھی کتاب وسنت میں کوئی ذکر نہ ہو، اس سلسلہ میں ایسے اقدام کا اختیار تو حاکم کو ہوگا ہی، البتہ " بمشورة من أهل الرای و البصيرة " ۔

کتابت کا حکم اکثر معاملات میں'' کلام'' ہی کا ہے اور بالخصوص وثائق اور دستاویز کے طور پر تحریر کا استعمال تو شرعاً پسندیدہ بھی ہے، چنانچہ خود قرآن مجید نے کہا:

﴿ اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰىٓ اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَ لْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ﴾ (۱)

فقہاء متقدمین کے یہاں بھی اس قسم کے عدالتی وثائق ہوا کرتے تھے، جن کو'' سجل، محضر، صک، اور حجۃ'' وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاتا تھا —— رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس کا سب سے بڑا ثبوت'' صلح حدیبیہ'' کے معاہدہ کی کتابت ہے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کے وہ مختلف مکاتیب ورسائل ہیں جو شاہان وقت اور رسول اللہ ﷺ کے بعض عمال کے نام لکھے گئے ۔

رہی یہ بات کہ ایسے وثائق کی عدالتی حیثیت کیا ہوگی؟ —— سو یہ مسئلہ ذرا تفصیل چاہتا ہے، قرآن مجید کی کتابت کا حکم دینا اور مہر لگا کر فقہی احکام اور دعوت دین سے متعلق خطوط کی ترسیل اس بات کا ثبوت ہے کہ فی الجملہ ان کا اعتبار ضرور ہے، بشرطیکہ ان کو قابل اعتماد آدمی لکھے، جیسا کہ فقہاء نے محضر وغیرہ کی کتابت کا طریقہ لکھا ہے، عام حالات میں کسی معاملہ کو ثابت کرنے کے لئے یہ تحریر کافی ہوگی، یا نہیں؟ اس سلسلہ میں خود قرآن مجید نے آیت مذکور کے بعد اس کی بھی وضاحت کردی ہے کہ

﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ ﴾ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تنہا یہ'' تحریر'' کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ گواہ بھی بنائے جائیں جو

---

(۱) البقرۃ :۲۸۲۔ محشی ۔

(۲) البقرۃ :۲۸۲۔ محشی ۔

کسی اختلاف اور نزاع کے وقت کام آئے، —— لیکن اس آیت کے سلسلہ میں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ حکم ان معاملات کی بابت ہے جو فریقین باہم اپنے طور پر طے کریں اور آپس ہی میں اس کے وثیقے لکھ کر محفوظ کرلیں —— یہی وثائق اگر قاضی یا نائب کے سامنے لکھے جائیں، اس پر متعلقہ فریقوں، گواہوں اور قاضی کا دستخط ہو جائے، اور عدالت یا اس کا مجاز ادارہ اس سے اس طرح محفوظ کرلے کہ ''ظن غالب'' ہو کہ اس میں ترمیم نہیں کی جا سکے گی، تو اب اس کی حیثیت ایک قطعی ثبوت اور بینہ کی ہوگی، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اگر کوئی ایک دفعہ کسی جائداد کے سلسلہ میں کسی شخص کی ملکیت کی گواہی تحریر کردے اور پھر خود اپنے لئے اس کا دعوی کرے تو معتبر نہ ہوگا، اور یہ ''تحریر'' اس کے خلاف حجت شمار ہوگی، اس کی تائید ''کتاب القاضی إلی القاضی '' کے سلسلہ میں قاضی امام ابو یوسفؒ کی رائے سے بھی ہوتی ہے۔

> ''ان کے یہاں اس مسئلہ میں قاضی کا خط لے جانے والے دو اشخاص کی جانب سے صرف اس قدر تصدیق کافی ہے کہ یہ فلاں قاضی کا مکتوب ہے، خط کے مضمون سے ان حضرات کی واقفیت اور اس کی شہادت ضروری نہیں'' (۱)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کے اصل فیصلہ کے لئے اس دوسرے قاضی کی بھیجی ہوئی تحریر اور مسل کافی ہوگی، اور صرف اس بات کا اطمینان کرلینا کافی ہوگا کہ یہ انہی قاضی صاحب کے لکھے ہوئے بیانات ہیں اور اسی امر پر اطمینان کے لئے گواہی لی جائے گی، اصل معاملہ پر گواہی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی —— اس سے معلوم ہوا کہ عدالت اگر کوئی ایسا وثیقہ تیار کرالے، اور اس کو اس طرح محفوظ کرلے کہ اس کے ترمیم وتغیر سے محفوظ ہونے کا اطمینان ہو جائے، تو وہی اس معاملہ سے متعلق امور کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہو جائے گا، اب

---

(۱) رد المحتار: ۸/۱۳۵۔ محشی۔

اس معاملہ سے متعلق کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے گواہوں کی ضرورت درکار نہ ہوگی۔

لیکن اگر اس قسم کے وثائق عدالت میں محفوظ رہنے کے بجائے صرف فریقین کے پاس محفوظ ہوں یا کسی ایسے ادارہ سے ان کا تعلق ہو جن سے ان کو محفوظ رکھنے کا اطمینان نہ کیا جاسکتا ہو تو جیسا کہ قرآن مجید کی آیتِ مذکورہ میں تصریح کردی گئی ہے، باہمی نزاع کے وقت اس معاملہ کو ثابت کرنے کے لئے گواہوں کی ضرورت ہوگی، تو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ دستخط متعلقہ اشخاص کے ہی ہیں، کہ ''الخط یشبه الخط '' تاہم فی الجملہ یہ تحریر تقویت کا باعث تو ہر حال میں ہوگی۔

تعزیر اور سرزنش کے سلسلہ میں ابن نجیم مصریؒ نے ''الاشباہ والنظائر '' میں یہ اصول لکھا ہے کہ

"کل معصیة لیس فیها حد مقدر ففیها التعزیر"(۱)

''جس جرم میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے اس کے ارتکاب سے تعزیر واجب ہوتی ہے''

چنانچہ اس معاملہ میں اتنی وسعت ہے کہ ابن نجیم مصریؒ ہی کے الفاظ میں:

"من آذی غیره بقول أو فعل یعزر ولو بغمز العین" (۲)

''اگر کوئی شخص قول یا فعل سے آدمیوں کو ستائے گو آنکھوں کے اشارہ ہی سے سہی تو اس پر تعزیر واجب ہو جاتی ہے''

اور فقہاء نے تو نابالغ بچوں کی بھی تعزیر کی اجازت دی ہے حالانکہ ان کی غلطیاں معصیت

---

(۱) الأشباه و النظائر: ۲/۷۷۔ محشی۔
(۲) حوالہ سابق: ۲/۷۱۔ محشی۔

اور گناہ کے درجہ میں نہیں آتی ، اس لئے کہ وہ احکام شریعت کے مکلف ہی نہیں ہیں ۔تعزیر کے سلسلہ میں ان اصول اور فقہ اسلامی کی لچک سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر حکومت عوامی مصالح کو پیش نظر رکھ کر کوئی ایسا قانون بنائے جو شرعی احکام کے مغائر اور اس سے متصادم بھی نہ ہو، تو اس کی خلاف ورزی پر تعزیر مناسب حدود میں کی جاسکتی ہے، جیسا کہ ٹریفک قوانین ہیں، ان چند اصول کی وضاحت کے بعد اب ہم اصل سوالات کی طرف آتے ہیں۔

(الف) رجسٹریشن فی الجملہ اسلام کے مزاج اور اس کی روح کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ شریعت ایک حد تک اسے پسند کرتی ہے، اس لئے مناسب طریقہ پر اس کے نفاذ اور ترویج میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(ب) رجسٹریشن کو نکاح کے انعقاد کے لئے ضروری قرار دینا قطعا درست نہیں ، اور شریعت میں کھلی اور صریح مداخلت ہے، اس لئے کہ قرآن وحدیث میں نکاح کے لئے جو شرائط بیان کی گئی ہیں وہ صریح ہے کہ عاقدین ایک دوسرے کے لئے محرم نہ ہوں، اور اس عقد کے وقت دو اشخاص کو گواہ بھی بنالیا جائے ——— اب رجسٹریشن کی شرط کا اضافہ کتاب وسنت کے علی الرغم اپنی طرف سے ایک نئی شرط عائد کرتا ہے، اس طرح بعض وہ نکاح جو شرعا درست ہوں اس شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے نادرست قرار پائیں گے۔

(ج) رجسٹریشن کو نکاح کے اثبات کے لئے شرط اور ضروری قرار دینا بھی دین میں کھلی مداخلت ہے، اس لئے کہ قرآن نے واضح کردیا ہے کہ سوائے حد زنا کے بقیہ تمام امور کو ثابت کرنے کے لئے (جن میں شہادت ضروری ہے نہ کہ خبر) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے اور سیدنا حضرت علی ﷺ نے دو گواہوں کی شہادت سے انعقاد نکاح کا فیصلہ فرمایا ہے۔(۱)

(د) رجسٹریشن نہ کرنے پر معمولی قسم کی تعزیر کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ اس میں بہت سے مصالح ہیں ، اور سب سے بڑی مصلحت ''دین مہر'' کے سلسلہ میں نزاع کے وقت

(۱) رد المحتار :۴/۵۸۔محشی۔

ایک واضح ثبوت کی فراہمی ہے، اس کے پیش نظر حکومت کے لئے ایسی قانون سازی درست ہوگی اور جب ہم اس کو دائرۂ قانون میں لانے کی اجازت دیں گے، تو ضرور ہے کہ اس کی تنفیذ کے لئے ''تعزیر و سرزنش'' کا بھی حق دیں، ---- لیکن یہ بات بہر حال زیادہ بہتر ہوگی کہ قانونی تہدید و ترہیب کے بجائے اس کی ایسی ترویج کی صورت پیدا کی جائے کہ اس کی افادیت کے پیش نظر از خود لوگ اس کے پابند ہو جائیں۔ ھذا ما عندی ، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ أتم و أحکم۔

کتاب الفتاوی

چوتھا حصہ

کتاب الرضاعۃ

رضاعت سے متعلق سوالات

رضاعت کے احکام

دودھ کے رشتہ سے متعلق سوالات

دودھ کا رشتہ

سوال:- {1648} ایک خاتون نے اپنی چھوٹی بہن کی پہلی لڑکی کو اپنا دودھ پلایا ہے، تو کیا چھوٹی بہن کے کسی لڑکے سے بڑی بہن کی کسی لڑکی کی شادی ہوسکتی ہے؟ (سید مولانا، نظام آباد)

جواب:- چھوٹی بہن کی جس لڑکی نے دودھ پیا ہے، اس کا نکاح بڑی بہن کے کسی لڑکے سے نہیں ہوسکتا ہے، چھوٹی بہن کے لڑکوں سے بڑی بہن کی کسی بھی لڑکی کا نکاح درست ہے، کیوں کہ دودھ پینے والے کی طرف سے صرف دودھ پینے والے کی ذات تک حرمت محدود ہوتی ہے، دوسرے لوگوں سے حرمت متعلق نہیں ہوتی۔(۱)

دودھ کی حرمت کا ایک مسئلہ

سوال:- {1649} جس لڑکی نے کسی عورت کا دودھ

(۱) رد المحتار :۴/ ۴۰۸۔ محشی۔

پیا ہو، کیا اس لڑکی کی شادی اس عورت کے اس بیٹے سے ہوسکتی ہے جس کا جوٹھا دودھ لڑکی نے نہیں پیا ہو؟

(حسن بن صالح چاؤش، گرمٹکال)

جو اب:- لڑکی یا لڑکا جس عورت کا دودھ پئے دودھ پلانے والی عورت کے تمام بچے اس پر حرام ہوتے ہیں، ایسا نہیں کہ جس بچہ کی پیدائش پر عورت کو دودھ آیا ہو، صرف اس سے دودھ پینے والے کا نکاح حرام ہو۔(۱)

ثبوت رضاعت کے لئے قسم کا کوئی اعتبار نہیں

سوال:- {1650} ایک خاندان میں ایک لڑکے کے رشتے کی بات چلی، لڑکی کی والدہ نے آپسی رنجش کی وجہ سے اس رشتہ سے انکار کردیا، ایک سال کے بعد دوبارہ رشتہ کی بات چلی اور لڑکی کے والد تیار ہوگئے، اس صورت حال کو دیکھ کر لڑکی کی والدہ نے کہا کہ میں نے اس لڑکے کو دودھ پلایا ہے، اس سے پہلے جب رشتہ کی بات چلی تھی تو انہوں نے دودھ پلانے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا، اس دودھ پلانے کا علم نہ تو لڑکی کے والد کو ہے اور نہ لڑکے کے والدین کو، بلکہ خاندان کے کسی بھی فرد کو اس کا علم نہیں ہے، لڑکی کے والد نے جب اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ اس وقت لڑکے کی عمر کیا تھی، تو لڑکی کی والدہ نے جواب میں دو سال لڑکے کی عمر بتائی، لڑکی کے والد نے یوں ہی کہا کہ اگر دو سال عمر تھی تو نکاح ہوسکتا ہے، یہ سن کر فوراً انہوں نے کہا کہ نہیں لڑکے کی عمر ڈیڑھ سال تھی،

(۱) صحیح مسلم :۳۵۵۸/۲۔ محشی۔

والدہ کے اس بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ رشتہ نہ کرنے کی خاطر جھوٹ سے کام لے رہی ہے، اس سلسلہ میں اس کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے، البتہ وہ قرآن کی قسم کھا کر کہہ رہی ہے کہ میں نے دودھ پلایا ہے، کیا اس کی قسم کا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ (محمد اشفاق حسین، بیدر شریف)

جواب:- رضاعت اور دودھ کی حرمت کو ثابت کرنے کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، جو عمر رضاعت میں دودھ پلانے کے گواہ ہوں:

"یثبت الرضاع بما یثبت به المال وهو شهادة رجلین أو رجل و امرأتین ... و ذكر الكافي و النهاية أنه لا فرق أن يشهد قبل النكاح أو بعده" (۱)

صورت مذکورہ میں چونکہ گواہی کا مذکورہ نصاب پورا نہیں ہوتا، اس لئے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں اس نکاح سے بچیں اور خوف خدا کو اپنے جذبات پر غالب رکھیں۔

رضاعی بھتیجی سے نکاح

سوال:- {1651} محمد صالح نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے تو کیا اب محمد صالح کے لئے اپنی نانی کی سگی پوتی سے نکاح کرنا جائز ہوگا؟ وہ ایک دوسرے کے لئے حرام ہوں گے؟

(محمد سالم باعطاء، بارکس، حیدرآباد)

---

(۱) تبیین الحقائق :۲/۱۷۲۔

جواب:- صورت مسئولہ میں دودھ پلانے والی نانی کی پوتی محمد صالح کی رضاعی بھتیجی ہوجائیگی اور جس طرح سگی بھتیجی سے نکاح حرام ہےاور چچا بھتیجی ایک دوسرے کے لئے محرم ہیں، اسی طرح رضاعی بھتیجی سے بھی نکاح جائز نہیں، اور دونوں ایک دوسرے کے لئے حرام ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ''''جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوجاتے ہیں، وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوجاتے ہیں''۔(۱)

رضاعی بھائی سے بیٹی کا نکاح

سوال:- {1652} میرا رشتہ ایک ایسے شخص سے طے پایا ہے جن کی والدہ کا دودھ میری والدہ نے پیا ہے، البتہ ان کا جھوٹا نہیں، بلکہ ان کے بڑے بھائی کا جھوٹا، میں نے اپنی والدہ کو اس طرف توجہ دلائی، لیکن وہ کہتی ہیں کہ یہ رشتہ حرام نہیں ہے، براہِ کرام وضاحت کریں کہ کیا یہ رشتہ ہوسکتا ہے؟

(عظمت النساء بیگم، عنبر پیٹ)

جواب:- آپ کا خیال درست ہے، جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں وہ لڑکا آپ کا رضاعی ماموں قرار پاتا ہے، اور جیسے نسبی ماموں سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح رضاعی ماموں سے بھی نکاح حرام ہے، (۲) آپ اپنی والدہ صاحبہ کو ضرور مسئلہ کی نوعیت سے آگاہ کردیں۔

رضاعی ماموں سے نکاح

سوال:- {1653} رحمت النساء بیگم کو غوثیہ خانم نے دودھ پلایا ہے، کیا رحمت النساء کی لڑکی کا عقد نکاح غوثیہ خانم

---

(۱) صحیح مسلم :۲/ ۳۵۵۸۔محشی۔

(۲) حوالہ سابق

کے لڑکے سے ہوسکتا ہے؟ (محمد شمشیر علی، سعید آباد)

جواب:- مذکورہ صورت میں غوثیہ خانم رحمت النساء کے بچوں کی رضاعی نانی ہوگئی اور غوثیہ خانم کا لڑکا رحمت النساء بیگم کی لڑکی کا رضاعی ماموں ہوگیا، لہذا ان دونوں کے درمیان نکاح حرام ہوگا، کیونکہ جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوجاتے ہیں، وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام قرار پاتے ہیں،، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

" یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب " (۱)

رضاعی بھائی سے نکاح

سوال:- {1654} میری بھانجی کا رشتہ اس کے پھوپھی زاد بھائی سے طے ہوا ہے اور عنقریب شادی بھی ہونے والی ہے، میری بھانجی نے بچپن میں پھوپھی کا دودھ پیا تھا، تو کیا یہ نکاح جائز ہے؟ (محمد معین الدین، نظام آباد)

جواب:- اگر آپ کی بھانجی کا رشتہ اسی پھوپھی کے لڑکے سے ہو رہا ہے جس کا اس نے دودھ پیا تھا، اور دودھ ڈھائی سال کی عمر کے اندر اندر پیا تھا، تو اب اس پھوپھی کے تمام بچے اس دودھ پینے والی لڑکی پر حرام ہیں، وہ پھوپھی اس کے لئے رضاعی ماں ہے، اور اس کے بچے رضاعی بھائی، اور نسبی بھائی کی طرح رضاعی بھائی سے بھی نکاح حرام ہے، (۲) اس لئے آپ متعلقین کو مطلع کردیں کہ یہ رشتہ شرعاً درست نہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری: ۲/۷۶۴، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۵۵۸، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۰۵۵، سنن نسائی: ۲/۶۷، سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۱۹۴۴۔ محشی۔

(۲) " یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب " (الهداية: ۲/۳۵۱) محشی۔

رضاعی رشتہ

سوال:- {1655} اگر میری کسی پڑوسی نے بچپن میں میری ماں کا دودھ پیا ہو تو اب اس کا ہمارا کیا رشتہ ہوگا؟

(نظیر سہروردی، ناندیڑ)

جواب:- وہ آپ کی رضاعی بہن ہوگی، آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے حرام ہوں گے، پردہ کے احکام بھی وہی ہوں گے جو محرم کے ساتھ ہیں۔(۱)

رضاعی بھتیجی سے نکاح

سوال:- {1656} ایک بھائی نے بچپن میں اپنی بہن کا دودھ پیا ہے، تو کیا بہن اپنے لڑکے کا نکاح اس بھائی کی لڑکی سے کرسکتا ہے؟

(بی، ایم، حسین، مشیر آباد)

جواب:- جب بھائی نے اپنی بہن کا دودھ پیا ہے، تو اس بہن کا لڑکا دودھ پینے والے بھائی کا رضاعی بھائی ہوگیا۔ اور اس کی لڑکی رضاعی رشتہ سے بھتیجی ہوگئی، اور جیسے سگی بہن سے سگی بھتیجی سے نکاح حرام ہے، اسی طرح رضاعی بھتیجی سے بھی نکاح حرام ہے۔(۲) لہذا مذکورہ صورت میں نکاح جائز نہیں۔

رضاعی بھانجی سے نکاح

سوال:- {1657} زاہدہ ہندہ کو اپنا دودھ پلائی ہے، ہندہ کو ایک دختر شاکرہ نامی ہے، شاکرہ کا رشتہ زاہدہ کے لڑکے

---

(۱) صحیح مسلم :۲/۳۵۵۸۔ محشی۔

(۲) حوالہ سابق

سلیم سے طے پایا ہے، کیا یہ رشتہ جائز ہے؟ بعجلت ممکنہ جواب دیں۔ (نظام الدین، خطیب جامع مسجد، سالار جنگ)

جواب:- جوصورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں سلیم شاکرہ کا رضاعی ماموں قرار پاتا ہے، اور جیسے سگے ماموں بھانجی کا نکاح جائز نہیں، اسی طرح رضاعی ماموں بھانجی کے درمیان بھی نکاح ناجائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" (۱) اس لئے جوصورت آپ نے ذکر کی ہے وہ درست نہیں، فوراً اس رشتہ کو منقطع کردینا چاہئے۔

بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح درست ہے۔

سوال:- {1658} حلیمہ بی کے سب سے چھوٹے بچے نے اپنی خالہ حفیظہ بی کا دودھ پیا ہے، اب کیا حلیمہ بی کے ایک اور لڑکے محمد حسین کا نکاح حفیظہ بی کی لڑکی سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (منیر الحق، قبا کالونی، حیدرآباد)

جواب:- رشتہ رضاعت کی وجہ سے دودھ پلانے والی عورت کے بچے صرف اسی بچے کے لئے حرام ہوجاتے ہیں، جس نے دودھ پیا ہو، دودھ پینے والے کے دوسرے بھائی اور بہنوں پر حرمت رضاعت کا کوئی اثر نہیں ہوگا، حفیظہ بی کے کسی بھی لڑکی سے محمد حسین کا نکاح شرعاً جائز اور درست ہے۔ (۱)

کیا دو سال کے بعد دودھ کا رشتہ ثابت ہوتا ہے؟

سوال:- {1659} زید کا رشتہ اس کی خالہ کی لڑکی سے

---

(۱) صحیح مسلم :۲/۳۵۵۸۔

(۲) "ویجوز أن یتزوج الرجل بأخت أخیه من الرضاع " (الهدایة:۲/۳۵۱)

طے ہوا، مگر اسکے خاندان کے تمام افراد کی متفقہ گواہی ہے کہ زید کی خالہ نے زید کی والدہ کا دودھ پیا ہے، مگر اس وقت زید کی خالہ کی عمر نہیں بتا پا رہے ہیں، صرف ایک خاتون جو زید کی والدہ کی سگی چچی ہیں، وہ پختہ گواہی دے رہی ہیں کہ اس وقت اس کی عمر ڈھائی سال تھی، زید حنفی مسلک سے تعلق رکھتا ہے اور احناف کے نزدیک ڈھائی برس کے بعد دودھ پینے سے رضاعت قائم نہیں ہوتی، تو سوال یہ ہے کہ کیا: (۱) اسلام میں صرف ایک خاتون کی گواہی کافی ہے؟ (۲) کیا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی برس کے بعد دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے؟ (ڈاکٹر عبدالقادر، بیگن پلی)

جواب:- تمام لوگ گواہی دے رہے ہیں کہ زید کی خالہ نے زید کی والدہ کا دودھ پیا ہے، اس لحاظ سے زید کے لئے وہ لڑکی رضاعی بھانجی قرار پاتی ہے، البتہ عمر کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں ہے، صرف ایک خاتون کا کہنا ہے کہ اس وقت زید کی خالہ ڈھائی سال کی ہو چکی تھی، لیکن عمر کے اندازہ میں عام طور پر غلطی رہتی ہے، اس لئے اس صورت میں زید کا نکاح اسکی خالہ کی لڑکی سے نہیں کیا جائے، کیوں کہ جب حلال وحرام دونوں کا احتمال ہو تو حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جاتی ہے، (۱) اس لئے اس رشتہ کو ترک کر دینا چاہئے، دین کا مزاج یہ ہے کہ حرام سے ہی نہیں بلکہ مشکوک ومشتبہ چیزوں سے بھی اپنے آپ کو بچایا جائے۔

دودھ کی طرح خون سے حرمت؟

سوال:- {1660} دودھ پلانے سے بعض حرمتیں

---

(۱) "إذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام" (الأشباه و النظائر للسيوطي: ص:۱۰۵، الأشباه و النظائر لابن نجيم :ص:۱۰۹) مرتب۔

ثابت ہیں، کیا ضرورت کے تحت انتقال دم (Blood Transfsion) سے بھی رضائی حرمتیں ثابت ہوں گی؟ مثال کے طور پر زید کسی اجنبی عورت کو یا کوئی اجنبی عورت زید کو بوقت ضرورت اپنا خون بغرض انتقال عطا کرتی ہے تو کیا زید اس اجنبی عورت کی لڑکی ہندہ سے نکاح کرسکتا ہے؟ (خون کی اہمیت دودھ سے زیادہ ہے) علماء وفقہاء نے ایک مسلمان کے لیے بوقت ضرورت مسلمان، صالح، نیک انسان کا خون حاصل کرنے کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ دودھ کی طرح خون کے اثرات بھی منتقل ہوتے ہیں، اگر مسلمان کا خون دستیاب نہ ہوتو کیا غیر مسلم کا خون لیا جاسکتا ہے؟ (ا، ح میمن، ٹولی چوکی)

جواب:- اول تو نکاح کے حلال اور حرام ہونے کا مسئلہ قیاس اور اجتہاد سے متعلق نہیں، بلکہ یہ خالصتاً قرآن حدیث کی ہدایات پر مبنی ہے، اس لیے دودھ کو خون پر قیاس کرنے کی گنجائش نہیں، دوسرے دودھ اور خون میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ دودھ کا استعمال بہ طور غذا کے ہوتا ہے اور خون کا بہ طور دوا کے، یہی وجہ ہے کہ ڈھائی سال کی مدت گذرنے کے بعد اگر کسی بچے یا بڑے کو بہ طور دوا عورت کا دودھ استعمال کرایا جائے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور دودھ کا رشتہ پیدا نہیں ہوتا، (۱) چوں کہ خون چڑھانا بہ طور علاج ہوتا ہے، اس لیے مسلمان کا خون ہو یا غیر مسلم کا، دونوں ہی چڑھائے جاسکتے ہیں۔

اگر شوہر بیوی کا دودھ پی لے؟

سوال:- {1661} ایک مسلمان شوہر نے ایک برس تک اپنی بیوی کا دودھ پیا، یہ عمل کیسا ہے؟ ان کے رشتے پر اس

(۱) الهداية :۲/۳۵۰۔ محشی۔

کا کیا اثر پڑا؟ (ایک دینی بہن)

جواب:- دودھ پینے کی مدت اکثر فقہاء کے نزدیک دو سال اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال تک کی عمر ہے،(۱) اسی عمر تک بچہ کو دودھ پلایا جا سکتا ہے، اس عمر سے زیادہ کسی بھی لڑکے یا لڑکی کو دودھ پلانا یا ان کا دودھ پینا حرام ہے،(۱) اس لیے اس شوہر نے ایک گناہ و حرام کام کا ارتکاب کیا، البتہ چوں کہ اس دوڈھائی سال کی مدت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے نکاح برقرار ہے، شوہر کو ایسی ناشائستہ حرکت سے توبہ کرنی چاہئے اور آئندہ اس سے اجتناب کرے۔

❁ ❁❁❁❁❁ ❁

(۱) "و لو بعد الفطام محرم" (الدر المختار علی هامش رد المحتار:۴/۲۹۲) محشی۔

(۲) "وقت الرضاع في قول أبي حنيفةؒ مقدر بثلاثين شهرا و قالا : مقدر بحولين" (الفتاوی الهندية :۱/۳۴۲، كتاب الرضاع) محشی۔

کتاب الفتاویٰ

تجارت

طلاق

فسخ و تفریق

پانچواں حصہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب الفتاویٰ

پانچواں حصہ

طلاق

فسخ و تفریق

تجارت

''زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب اور مسائل کا حل، کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں، حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں''

تالیف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام ——— کتاب الفتاویٰ پانچواں حصہ

تاریخ اشاعت ——— اپریل ۲۰۰۸ء

تالیف ——— مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب ——— مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

سرورق ——— احباب زمزم پبلشرز

مطبع ——— احباب زمزم پبلشرز

ناشر ——— زمزم پبلشرز کراچی
شاہ زیب سینٹرز نزد مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ
فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ (النحل)

"(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں، آدمی بھیجے ہیں، جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے، پس اے لوگو! اہل ذکر (علم) سے پوچھ لو، اگر تم لوگ خود نہیں جانتے"۔

فہرست مضامین

کتاب البیوع

خرید وفروخت سے متعلق سوالات

کتاب الفتاوی

پانچواں حصہ

کتاب الطلاق

طلاق سے متعلق سوالات

طلاق واقع ہونے کا بیان

کیا زنا سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال:- {1662} اگر کسی عورت نے شادی کے بعد زنا کیا اور وہ حاملہ نہیں ہوئی، یا حاملہ ہوگئی، تو ان دونوں صورتوں میں نکاح پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اور اس سے پیدا ہونے والے بچہ کس کا سمجھا جائے گا؟　　(فیروز خاں، نظام آباد)

جواب:- اس گناہ کی شناعت تو ظاہر ہے، لیکن اس کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا، شادی شدہ عورت کے بارے میں اگر شوہر دو سال سے غائب نہ ہو تو یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ حمل کسی اور کا ہے، اور اگر اتنی مدت کی عدم موجودگی کے بعد بھی عورت کو ولادت ہو تو بھی بچہ اسی مرد کی طرف منسوب ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ قاضی کے سامنے بچہ کے نسب کا انکار کرے اور قاضی ان دونوں کے درمیان لعان کرادے۔(۱)

---

(۱)　الفتاوی الهندية :۵۳۶/۱۔ مرتب۔

بیوی کو ناجائز تعلق پر مجبور کرنے والا کا نکاح؟

سوال:- {1663} ایک شوہر اپنی بیوی کو خود ہی ناجائز تعلقات پر مجبور کرتا ہے، جب کہ بیوی اس کو ناپسند کرتی ہے، تو کیا ناجائز تعلقات کی وجہ سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، یا عورت کو اس سے آزادی حاصل کرنے کے لئے خلع حاصل کرنا ضروری ہے؟ (ایک نہایت مجبور بہن، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، وہ نہایت شرمناک اور بدترین گناہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے آپ سے آپ نکاح ختم نہیں ہوگا، نکاح ختم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یا تو مرد طلاق دے، یا عورت کی درخواست پر قاضی اس کا نکاح فسخ کر دے، جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں عورت کو ہرگز شوہر کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے، نیز اس کو اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنا چاہئے اور اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہو تو دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ، پنجہ شاہ، حیدرآباد میں فسخ نکاح کی درخواست دینی چاہئے، جب قاضی تحقیق کر کے نکاح فسخ کر دے، تبھی نکاح ختم ہوگا، اور اس بدبخت شوہر سے نجات حاصل ہوگا۔

شک وشبہ کی بناء پر طلاق

سوال:- {1664} اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو شک اور شبہ کی وجہ سے طلاق دے دے، بعد کو شوہر کو پتہ چلا کہ اس کی بیوی بے قصور تھی، تو کیا وہ دوبارہ اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے؟ (محمد ریاض الدین، نظام آباد)

جواب:- اگر اس نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دی تھی، تو دوبارہ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی استوار ہو سکتی ہے، اگر لفظ طلاق سے ایک دو طلاق دی ہو اور ابھی عدت نہ گزری

ہوتو یوں ہی لوٹا لینا کافی ہے،(۱) اور اگر عدت گزر گئی ہو، یا طلاق بائن دی ہو، تو دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح ضروری ہوگا، اور اگر خدانخواستہ تین طلاق دے دی ہو، تو اب وہ اس پر حرام ہو چکی، اگر اس کا دوسرا نکاح ہوا، اور اتفاق سے دوسرے شوہر نے بھی صحبت کے بعد طلاق دے دی، تو اب اس کے لئے دوبارہ اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہوگا ورنہ نہیں ہے —— یہ تو اس سوال کا جواب ہے، لیکن یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ محض شک وشبہ کی بناء پر طلاق دینا جائز نہیں، پھر اگر عورت کے بارے میں کوئی بری بات پہونچے تو پہلے اس کی خوب تحقیق کرنی چاہئے، پھر اگر عورت کی اصلاح ممکن ہو اور شوہر کی طبیعت اس کے ساتھ ازدواجی زندگی کو گوارہ کرتی ہو تو نکاح باقی رکھنے کی گنجائش ہے، اور اگر اصلاح کی توقع نہ ہو یا طبیعت اس کے ساتھ نباہ پر آمادہ نہ ہو، تو ایک طلاق بائن دینے پر اکتفاء کرنا چاہئے، تاکہ اگر پشیمانی ہو تو نکاح کی گنجائش باقی رہے۔

علیل بیوی کو طلاق یا نکاح ثانی

سوال:- {1665} بیوی چار پانچ سال سے طویل علالت میں مبتلا ہے، اور صحت کے آثار عنقاء ہیں، یہ علالت ازدواجی تعلقات میں مانع ہے، ایسی صورت میں شوہر کے لئے کیا احکام ہیں؟ کیا شوہر طلاق دے سکتا ہے؟ یا بیوی خلع حاصل کر سکتی ہے؟ ہر دو صورت میں لڑکے کس کی تحویل میں ہوں گے؟ اگر نکاح ثانی مقصود ہو تو کیا علیل بیوی سے ازروئے شریعت اجازت حاصل کرنا ضروری ہے؟

(پروفیسر ایس محی الدین، پربھنی)

جواب:- (الف) رشتۂ نکاح اسی لئے ہے کہ آرام کی طرح تکلیف اور سکھ کی طرح

---

(۱) " وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها " (الهداية:۲/۳۹۴) محشی۔

دکھ میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہیں، اسی لئے بیوی کے بیمار ہونے کی وجہ سے اسے طلاق دے دینا گناہ، غیر اسلامی اور غیر انسانی فعل ہے، اور اس سے زیادہ لائق شرم بات یہ ہے کہ عورت یا اس کے اہل خانہ سے کہا جائے کہ وہ خلع حاصل کر لے۔

(ب) البتہ شوہر کو اپنی ضرورت کے لئے اس بیمار بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے، اور اس کے لئے پہلی بیوی سے اجازت یا اس پر اس کا اظہار ضروری نہیں۔

(ج) اگر شوہر و بیوی میں تفریق ہو جائے تو لڑکے سات سال کی عمر تک ماں کے پاس رہیں گے، اور باپ کو ان سے ملاقات کا حق حاصل رہے گا، اور اس عمر کے بعد باپ کی طرف منتقل ہو جائیں گے، اور ماں اور نانا نانی وغیرہ کو ملاقات کا حق حاصل رہے گا۔(۱)

سالی کی بہنوئی کے ساتھ بے تکلفی پر طلاق

سوال:- {1666} آپ یہ جواب دے چکے ہیں کہ بہنوئی غیر محرم ہے، میری بیوی اس جواب کو دیکھنے کے باوجود اپنے بہنوئی سے بہت بے تکلف ہے، ایک دوسرے سے چپک کر بیٹھتے ہیں، خوشی کے موقع پر دونوں گلے ملتے ہیں اور سینے سے لپٹتے ہیں، مجھے ان حرکتوں سے سخت نفرت ہوتی ہے، میں نے اپنی بیوی کو سمجھایا، مگر اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اس لیے میں اس سے علاحدہ ہونا چاہتا ہوں، اپنے زرّیں مشورہ سے نوازیں۔ (ایک بھائی، ملک پیٹ)

جواب:- آپ کا اپنی اہلیہ کو بہنوئی کے ساتھ بے تکلفی پر منع کرنا بالکل درست ہے اور کسی مسلمان عورت کو اس طرح کی حرکتیں قطعاً زیبا نہیں، تاہم چوں کہ طلاق اچھی چیز نہیں، اور

(۱) دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۰۳۔ محشی۔

آخری درجہ میں اس کی گنجائش ہے، نیز آپ کے سمجھانے کا ان پر اثر نہیں ہو رہا ہے، تو مناسب ہے کہ کسی اچھے مستند عالم دین جن سے آپ کا تعلق ہو، کے ذریعہ ان کی تفہیم کرائیں، ممکن ہے وہ ان کے سمجھانے کا اثر قبول کریں، نیز ان کے والدین کو بھی اس جانب متوجہ کریں، اگر اس کے باوجود ان کے رویہ میں تبدیلی نہ آئے تو کسی ذمہ دار عالم دین سے مشورہ کر کے بطور تنبیہ پاکی کی حالت میں لفظ طلاق کے ذریعہ ایک طلاق دینے کی گنجائش ہے، ایک طلاق دینے سے یہ فائدہ ہے کہ اگر آپ دونوں کی سوچ میں تبدیلی پیدا ہوئی یا آپ کی اہلیہ کو تنبیہ ہوگئی تو عدت کے اندر رجعت کی اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح کی گنجائش ہوگی۔

''میں طلاق دے دوں گا'' سے طلاق واقع ہوتی ہے؟

سوال:- {1667} میری شادی ہوئے آٹھ سال ہوئے ہیں، میں نے کئی بار غصہ کی حالت میں کہا: ''میں طلاق دے دوں گا'' کیا اس طرح کہنے سے طلاق واقع ہو جائیگی؟

(سید عمر علی، نظام آباد)

جواب:- اگر آپ نے صرف ''طلاق دے دوں گا'' کے الفاظ کہے ہیں، طلاق دیدی یا طلاق دیتا ہوں کے الفاظ نہیں کہے تو آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی، (۱) لیکن یاد رکھیں کہ اگر واقعی آپ کی بیوی زیادتی کرے تب بھی شدید مجبوری اور طلاق سے پہلے کی تدابیر اختیار کئے بغیر طلاق دیدینا سخت گناہ ہے اور معصیت ہے، جب نصیحت، اصلاح حال کے لیے ایک دو دنوں کی بے تعلقی، معمولی سرزنش اور خاندان کے بزرگوں کے سمجھاؤ بجھاؤ کے باوجود میاں بیوی میں موافقت پیدا نہ ہو پائے تب کسی عالم یا صاحب علم دیندار سے مشورہ کرنے کے بعد طلاق دینی چاہئے، اس لئے آپ آئندہ ہرگز اس طرح کے الفاظ زبان پر نہ لائیں، ورنہ دنیا بھی ضائع ہوگی اور آخرت بھی۔

---

(۱) " لا يقع الطلاق بأطلقك؛ لأنه وعد" (الفتاوى الهندية: ۱/۳۸۴، كتاب الطلاق)

''طلاق دے رہے ہیں'' سے طلاق

سوال:- {1668} ایک صاحب سعودی میں مقیم ہیں، انہوں نے خطوط کے ذریعہ اپنے خسر کو اور گاؤں کے چند ذمہ دار حضرات کو اطلاع دی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے رہے ہیں، لفظ طلاق کی کئی بار تکرار بھی درج ہے، لیکن بیوی کو راست طلاق نامہ حاصل نہیں ہوا، دوسروں کے ذریعے ہی اطلاع ملی، بعد میں فون پر بات چیت کے بعد وہ صاحب دوبارہ اپنی ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہیں، کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں یا طلاق واقع ہوگئی، اس صورت میں کیا کرنا ہوگا؟

(عبداللہ، ملک پیٹ)

جواب:- ''طلاق دے رہے ہیں'' کی تعبیر دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک یہ کہ میں ابھی طلاق دے رہا ہوں، جیسے کہا جاتا ہے: ''میں کھانا کھا رہا ہوں'' یعنی حال کا معنی مراد ہو، ایسی صورت میں یہ کہتے ہی طلاق واقع ہوگئی، دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ میرا ارادہ اس کو طلاق دیدینے کا، جیسے کہا جاتا ہے کہ ''میں آرہا ہوں'' یعنی میں مستقبل قریب میں آنے والا ہوں، اگر یہ مراد ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ ''میں نے مستقبل قریب میں طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرلیا''، طلاق محض ارادہ سے واقع نہیں ہوتی بلکہ عملاً طلاق دینے سے واقع ہوتی ہے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''اِنشاء طلاق'' کہتے ہیں، تو اگر ان صاحب کی یہ مراد ہو اور انہوں نے طلاق نامہ بیوی کو لکھ کر نہ بھیجا ہو، تو طلاق واقع نہیں ہوئی — موصوف کو آپ مشورہ دیں کہ وہ کسی مفتی سے رجوع کر کے صحیح طریقہ پر بتائیں کہ انہوں نے کیا جملہ کہا تھا؟ اور ان کی اس وقت کیا مراد تھی؟ جب اس سلسلہ میں کوئی متعین رائے دی جا سکتی ہے۔

بلڈ پریشر کا مریض اور غصہ کی طلاق

سوال:- {1669} میں ایک بلڈ پریشر اور دل کا مریض ہوں، میرے لڑکے سے پیسے کی وصولی کے متعلق کچھ تکرار ہوگئی جس کی وجہ سے میری بیوی نے بچہ کی طرف سے مداخلت کی، جس پر میں نے اپنی بیوی پر غصہ کیا، میری بیوی نے مجھے جواب دیا، جس پر میرے غصہ میں مزید اضافہ ہوا اور میں اپنی بیوی کے بال پکڑ کر کھینچتا ہوا صحن میں لایا اور لکڑی کی تلاش میں دوسری جگہ چلا گیا، میرے آنے تک میری بیوی کو میرے چھوٹے بھائی کے گھر بہو اور بیٹے نے روانہ کردیا، میں نے کہا: کہاں گئی؟ چچا کے گھر گئی ہیں، بیٹے اور بہو نے کہا، چونکہ بچے سے رقم کے معاملہ پر بہو کے بڑبڑانے پر میرا بلڈ پریشر اور بڑھ گیا تھا، میں اسی غصہ کے عالم میں بھائی صاحب کے گھر جا کر کہا کہ کہاں ہے وہ؟ اس وقت تک بھی میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، جوں ہی بھائی کے گھر پہونچا اور غصہ کی ہی حالت میں میں نے کہا: ''تم دونوں گواہ ہو، میں اپنی بیوی کا نام لئے بغیر اس کو طلاق دے رہا ہوں'' اور تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا، جوں ہی میں گھر سے باہر آیا مجھے چکر آ گئی، اور میں اپنی غلطی پر بہت شرمندہ ہوا، جناب سے گزارش ہے کہ کیا یہ طلاق واقع ہوگئی ہے؟ (شیخ ضامن، عادل آباد)

جواب:- اولاً یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ کسی سبب شرعی کے بغیر طلاق دینا سخت گناہ اور معصیت ہے، شیطان کو اس سے زیادہ کسی اور بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ وہ میاں بیوی

کو ایک دوسرے سے الگ کرادے، اس لئے اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہئے، اور طلاق کا لفظ خوب سوچ سمجھ کر اپنی زبان سے نکالنا چاہئے، بیوی کی سرزنش اور فہمائش کے لئے صرف طلاق ہی کا طریقہ نہیں، بلکہ پہلے پند ونصیحت سے کام لیا جائے، پھر چند دن ترک تعلق کر کے اپنی ناراضگی کا احساس دلایا جائے، یہ بھی کافی نہ ہو تو معمولی سی جو قابل برداشت ہو اور ہتک آمیز نہ ہو، جسمانی سرزنش کی جائے، اس سے بھی کام نہ چلے تو خاندان کے بزرگوں کے ذریعہ معاملہ سلجھانے کی سعی کی جائے، اگر اس کے باوجود موافقت کی صورت پیدا نہ ہو تو آپ کو آخری چارۂ کار کے طور پر طلاق دینے کی اجازت ہے، ان تمام مراحل کا خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔(۱)

دوسرے طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اصلاح اور سرزنش کے نقطۂ نظر سے طلاق دیں تو ایسی پاکی کی حالت — جس میں صحبت کی نوبت نہ آئی ہو — میں لفظ ''طلاق'' کے ذریعہ ایک طلاق دے دی جائے، اس کو ''طلاق رجعی'' کہتے ہیں، اس طلاق کے بعد عدت کے اندر بیوی کو لوٹا لینے کا حق حاصل ہے، اور عدت کے بعد بھی اگر زوجین دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو نکاح کرنے کی گنجائش ہے، اور اگر بیوی کو مکمل طور پر زوجیت سے نکال دینے اور ازدواجی رشتہ ختم کردینے کا ارادہ ہو تو پھر طلاق رجعی ہی کی طرح ایسی پاکی — جس میں صحبت نہ کی ہو — میں اس طرح طلاق دے، ''میں نے ایک طلاق بائن دی'' اب میاں بیوی کا رشتہ مکمل طور پر ختم ہوگیا، البتہ اس کی گنجائش موجود ہے کہ اگر کبھی پشیمانی ہو تو دونوں باہمی رضامندی سے نئے مہر کے ساتھ از سر نو نکاح کرلیں، لیکن یہ دونوں فریق کی رضامندی پر موقوف ہے، یہ صورت طلاق بائن کی ہے، ایک ساتھ تین طلاق گو واقع ہوجاتی ہے، لیکن سخت گناہ ہے، اور اس کے بعد عورت مکمل طریقہ پر شوہر کے لئے حرام ہوجاتی ہے، اب یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں منسلک نہیں ہوسکتے، سوائے اس کے کہ کسی اور مرد سے اس کا نکاح ہو، دوسرے شوہر سے

---

(۱) النساء: ۳۴۔ محشی۔

ازدواجی ربط بھی قائم ہو، پھر اتفاق سے اس نے بھی طلاق دے دی، تو اب عدت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی۔

جہاں تک غصہ کی حالت میں طلاق دینے کی بات ہے تو یہ تو ظاہر ہے کہ عام طور پر طلاق غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے، خوشی اور رضامندی کی حالت میں تو کوئی طلاق دیتا نہیں، اس لئے عام طور سے غصہ کی جو کیفیت ہوتی ہے، اس حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، البتہ اگر غصہ جنون اور دیوانگی کے درجہ کو پہونچ جائے تو اس کیفیت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی، مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے حافظ ابن قیمؒ سے حالتِ غصہ کی طلاق کے بارے میں تفصیل نقل کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ غصہ کے تین درجات ہیں، اول یہ کہ غصہ معمولی درجہ کا ہو، جس سے عقل میں کوئی تغیر نہ آیا ہو، وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا چاہتا ہے؟ اس کا شعور وہ رکھتا ہو، اس حالت کی طلاق واقع ہو جائے گی، دوسری صورت یہ ہے کہ غصہ اپنی انتہاء کو پہونچ جائے، اسے اس کا بھی شعور باقی نہ رہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا چاہتا ہے؟ گویا عارضی طور پر وہ جنون کی سی کیفیت میں مبتلا ہو جائے، ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی، تیسرا درجہ ان دونوں کی درمیانی کیفیت کا ہے، اس صورت میں بھی علامہ ابن قیمؒ کا خیال ہے کہ اس کی طلاق نہیں پڑے گی۔(۱)

لیکن اس بات کا متعین کرنا کہ کب غصہ ان دونوں کی درمیانی درجہ کا ہے؟ بہت دشوار ہے، اس سلسلہ میں مجنون اور دیوانہ کی بابت فقہاء کی وضاحت سے اشارہ ملتا ہے کہ اگر اس کے اقوال اور افعال میں دماغی خلل کی کیفیت نمایاں ہو جائے، تو ایسی کیفیت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔(۲)

علامہ شامیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بات کو سمجھ رہا ہو، لیکن اس کے کلام میں بکواس کا غلبہ ہو گیا تو غصہ کی ایسی کیفیت میں بھی دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

---

(۱) رد المحتار: ۴/۳۳۳۔محشی۔

(۲) حوالہ سابق۔

بلڈ پریشر ایک ایسا مرض ہے کہ جس سے بعض اوقات عقلی توازن متاثر ہوجاتا ہے، جیسا کہ بعض ماہر مسلمان ڈاکٹروں نے مجھ سے بتایا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ معمولی بلڈ پریشر میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی، اس لئے آپ کو خود ہی غور کر کے اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنی کیفیت کے بارے میں طے کرنا ہوگا اور اپنے معالج سے (اگر وہ قابل اعتماد، حلال وحرام کی اہمیت کو سمجھنے والا مسلمان ڈاکٹر ہو) مشورہ کرنا ہوگا، بظاہر آپ کے سوال سے محسوس ہوتا ہے آپ کا غصہ اتنا شدید نہیں تھا کہ ادراک وشعور کی صلاحیت بھی ختم ہوگئی ہو، جب ہی تو آپ کو اپنے اس فعل پر پشیمانی ہوئی، اگر ایسا ہی ہے تو پھر تینوں طلاق واقع ہوگئیں، مناسب ہوگا کہ کسی مقامی مفتی سے آپ اپنی پوری کیفیت بتا کر فتوی حاصل کریں اور اسی پر عمل کریں۔ واللہ اعلم۔

ایڈوکیٹ کے ذریعہ طلاق

سوال:- {1670} آج کل اخباروں میں ایڈوکیٹ کی زبانی طلاق شائع کی جارہی ہے، حالانکہ مرد کا خود اپنی زبان سے الفاظِ طلاق ادا کرنا ضروری ہے جیسے بوقت نکاح بالمقابل قاضی عقد نکاح کا اقرار کیا جاتا ہے، واضح فرمائیں۔

(عبدالرشید، بشارت نگر، حیدرآباد)

جواب:- طلاق تو اصل میں شوہر ہی کو دینی ہے البتہ اگر شوہر نے کسی کو اپنا وکیل بنایا ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے اور شوہر کے وکیل کی حیثیت سے اس نے طلاق کا اعلان کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی، (۱) کیوں کہ وکیل کا فعل وکیل بنانے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس لئے کہ گو واسطہ وکیل کا ہے، لیکن طلاق خود اس نے دی ہے، نکاح میں بھی یہ بات درست ہے کہ وکیل کی وساطت سے نکاح کیا جائے، البتہ نکاح اور طلاق میں ایک فرق ہے کہ نکاح ایسا

(۱) "و إذا قال لرجل : " طلق امرأتي فله أن يطلقها في المجلس و بعده" (الهداية:۳۸۱/۲) محشی۔

معاہدہ ہے جس کو طرفین مل کر طے کرتے ہیں، اس کے بعد نکاح کی مجلس منعقد ہوتی ہے، جس میں عاقد خود ہوتا ہے اور عاقدہ کی طرف سے ولی یا وکیل اور اکثر اوقات قاری نکاح ایجاب و قبول کراتے ہیں، طلاق کا اختیار مرد کو یک طرفہ طور پر حاصل ہے، اس لئے دوسرے فریق کو اعتماد میں لائے بغیر وہ بطورِ خود طلاق واقع کرسکتا ہے، البتہ بلاضرورت طلاق دینا اور ضرورت پر بھی ایک سے زیادہ طلاق دینا سخت گناہ ہے، اس لئے اگر زوجین میں تعلقات اچھے نہ ہوں، تو کسی عالم دین یا مفتی سے رجوع کرنا چاہئے اور اس سے مشورہ لینا چاہئے، اس کے مشورہ کے پیچھے کوئی پیشہ وارانہ منفعت نہیں ہوگی اور وہ ان شاء اللہ ممکن حد تک زوجین کو ملانے اور ان کے اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کرے گا۔

والد کے حکم سے طلاق

سوال:- {1671} اللہ تبارک وتعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند و ناگوار طلاق ہے، بلا کسی عذر کے طلاق دینا بھی گناہ ہے، اطاعت معروف میں ہے نہ کہ منکر میں، پھر حدیث کی رو سے صرف والدین کی اطاعت کے پیش نظر ان کے حکم سے بلا کسی عذرِ شرعی کے طلاق دینے میں کون سی حکمت پوشیدہ ہے؟ احادیث: ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ (ایم میمن۔ ٹولی چوکی)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے اپنے صاحب زادہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدیں، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کو ان سے بہت تعلق خاطر تھا، وہ طلاق دینا نہیں چاہتے تھے، بالآخر حضور ﷺ کے مشورہ پر طلاق دے دی، (۱)

(۱) سنن أبي دائود، حدیث نمبر: ۵۱۳۷، الجامع للترمذی: ۱/۲۲۶، باب ماجاء في الرجل يسئله أبوه أن يطلق زوجته۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر ﷛ جیسے حق گو اور حق جو شخصیت سے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے بلا وجہ طلاق جیسے انتہائی اقدام کا مطالبہ اپنے صاحبزادہ سے کیا ہو، یقیناً انہوں نے کوئی ایسی بات محسوس کی ہوگی جس کا تقاضا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ اپنی اس بیوی کو علاحدہ کردیں، البتہ اس کا اصل سبب کیا تھا؟ روایات میں اس کی صراحت موجود نہیں، کیوں کہ بیوی، بہو سے متعلق کوئی بھی شریف انسان کمزوریوں اور کوتاہیوں کو بیان کرنے سے گریز کرتا ہے اور کرنا بھی نہیں چاہئے، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ بلا وجہ طلاق دینا معصیت اور سخت گناہ ہے، اور معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، موجودہ زمانہ میں حرص وہوس اور ساس سسر کے بیجا تشدد کو دیکھتے ہوئے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ کسی معقول وجہ کے بغیر محض ماں باپ کے مطالبہ پر طلاق دے دی جائے۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ عربوں کے سماج میں مطلقہ عورتوں کے نکاح کا مسئلہ بڑا سہل تھا، عدت گزرنے نہ پاتی تھی کہ رشتے آنے لگتے تھے، لیکن عجمی سماج میں مطلقہ عورتوں کا نکاح نہایت ہی مشکل اور جاں گسل مسئلہ ہے، ہندوستان کے ماحول میں کسی عورت کو بلا شدید ضرورت کے طلاق دیدینا اس کے ساتھ سخت زیادتی اور کھلا ہوا ظلم ہے، لہذا ہندوستان میں نہ ماں باپ کا اس طرح کا مطالبہ کرنا درست ہے اور نہ اولاد کے لیے علماء وارباب افتاء سے مشورہ کیے بغیر اور شدید ضرورت محسوس کیے بغیر طلاق دیدینا درست ہے، گو یہ والدین کی ناراضگی کا باعث ہو۔

والد کے حکم پر طلاق ... پر ایک اشکال کا جواب

سوال:- {1772} آپ نے لکھا ہے کہ والدین کے مطالبہ پر بیوی کو طلاق دینا جائز نہیں، کیوں کہ معصیت میں والدین کا حکم قابل اطاعت نہیں، لیکن حضرت عمر ﷛ نے حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ سے خواہش کی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدیں، وہ طلاق دینا نہیں چاہتے تھے، مگر آپ ﷺ نے

حضرت عمرؓ کی تعمیل حکم کی تلقین فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ
والدین کے کہنے پر بیوی کو طلاق دی جاسکتی ہے؟

(عبداللہ مظاہری، شاہین نگر)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت عمرؓ نے بیوی کو طلاق دینے کی خواہش کی تھی، اور یہ بھی درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے والد کا حکم ماننے کی ترغیب دی تھی؛ لیکن دو باتیں قابل توجہ ہے: اول یہ کہ حضرت عمرؓ، حضرت عمرؓ تھے، یہ بات ناقابل تصور ہے کہ انہوں نے نامنصفانہ طور پر یا کسی ذاتی عناد کی بنیاد پر طلاق دینے کا مطالبہ کیا ہو؛ بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بعض دینی اسباب کے تحت اپنے بیٹے سے بہو کو طلاق دینے کی خواہش کی تھی، آج کے سماج میں حریصانہ مطالبات، خدمت کا مبالغہ آمیز تصور اور بہو سے نوکرانی کی طرح کام لینے کے مزاج کے پس منظر میں، لوگ بیٹے سے بہو کو طلاق دلواتے ہیں، اس ماحول میں طلاق جیسے مسئلہ میں اپنے والدین کے مطالبہ کو کیونکر جائز ٹھہرایا جاسکتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا نکاح کوئی سماجی مسئلہ نہیں تھا، بلکہ عدت گزرنے سے پہلے ہی رشتے آنے لگتے تھے، اسی لیے قرآن مجید میں اس بات سے منع کیا گیا کہ عدت گزرنے سے پہلے رشتہ بھیجا جائے، (۱) لیکن موجودہ دور اور ہندوستانی سماج میں صورت حال یہ ہے کہ کنواری لڑکیوں ہی کا نکاح مشکل سے ہوتا ہے، چہ جائے کہ بیوہ اور مطلقہ عورتوں کا نکاح، پھر ہندوستان میں برادران وطن سے تاثر کی وجہ سے بھی طلاق شدہ اور بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے سے گریز کیا جاتا ہے، اس لیے موجودہ حالات میں طلاق عورت کے لیے شدید ضرر اور اذیت کا باعث ہے، اور کسی مسلمان کو ضرر پہونچانا معصیت ہے، اور معصیت میں والدین یا کسی اور شخص کی اطاعت جائز نہیں، اس لیے موجودہ دور میں صحیح یہی ہے کہ اگر بیوی کی طرف سے شریعت کے مقرر کردہ فرائض کی ادائیگی میں ناقابل عفو کوتاہی نہ ہو، تو والدین کی خواہش پر بیوی کو طلاق دینا جائز نہیں، گناہ ہے۔ واللہ اعلم

(۱) البقرة: ۲۳۴۔ مرتب۔

بے جا طلاق پر سرزنش

سوال:- {1673} اگر مرد بلا کسی معقول وجہ اور عذر کے طلاق دے دے تو کیا مرد کے لیے شرعی طور پر سزا مقرر ہے؟ (حافظ محمد عمران، تنالی)

جواب:- بلاوجہ طلاق دینا گناہ ہے، اسلامی حکومت ہو تو اس پر سزا دی جا سکتی ہے، حضرت عمر ﷜ تین طلاق دینے والوں کو کوڑے لگاتے تھے، (۱) البتہ ہندوستان کی موجودہ حکومت کو اس کا اختیار دینے میں یہ اندیشہ لاحق ہے کہ پھر طلاق کے اسباب کی تعیین میں افراط وتفریط سے کام لیا جائے گا، اس لیے ہم لوگ حکومت کو اس کا اختیار دینے کے حق میں نہیں ہیں۔

غصہ میں طلاق دے اور تعداد یاد نہ ہو؟

سوال:- {1674} ایک شخص نے بحالت غصہ اپنی بیوی کو طلاق دیا، کتنی مرتبہ طلاق دیا، دو، یا تین، یا چار، یہ اسے یاد نہیں ہے، وہ شخص اپنے اس فعل پر بہت نادم ہے اور بیوی اس کے ساتھ رہنے پر راضی ہے، کیا مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ (جمیل احمد، پرانا پل، حیدرآباد)

جواب:- صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی ہے، اور وہ آپ کی بیوی نہیں رہی، (۲) ہاں! اگر عدت یعنی تین حیض گزرنے کے بعد وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور وہ دوسرا شخص مباشرت کرنے کے بعد اپنے طور پر اس کو طلاق دیدے اور پھر

---

(۱) مصنف عبد الرزاق :۶/۳۹۶، باب المطلق ثلاثا ۔

(۲) " الأصل في الابضاع التحريم فإذا تقابل في المرأة حل و حرمة غلبت الحرمة ، ولهذا لا يجوز التحري في الفروج " (الأشباه والنظائر لابن نجيم :الفن الأول، ص:۶۷)

عورت کی عدت گزر جائے اس وقت آپ کے لئے جائز ہوگی کہ اس عورت سے اس کی رضامندی سے نکاح کرلیں۔(۱)

حالت غصہ میں طلاق

سوال:- {1675} زید کی بیوی ہندہ زید کی ماں کے ساتھ زبان درازی کر رہی تھی، زید بار بار اس کو سمجھاتا رہا کہ "دیکھ ایسی گفتگو بڑوں کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے، دیکھ بس خاموش ہوجاؤ، طلاق طلاق طلاق طلاق طلاق" اس کے بعد زید خاموش ہوگیا اور کچھ نہیں کہا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی؟ (محمد اقبال حسین قریشی)

جواب:- طلاق غصہ کی عام کیفیت میں بھی واقع ہوجاتی ہے۔(۲) اور اس کے لئے

---

(۱) ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعدُ حتى تنكح زوجا غيره﴾ (البقرة :۲۳۰) مرتب۔

(۲) غصہ وغضب کے تین درجے ہیں:

(الف) ابتدائی غضب اس طور پر کہ اس کی عقل میں کچھ تغیر اور فتور نہ آیا ہو، جو کچھ بول رہا ہے، بالارادہ بول رہا ہے، اور اسے معلوم بھی ہے کہ "میں کیا کہہ رہا ہوں" اس صورت میں اس کے اقوال شرعاً نافذ اور معتبر ہوں گے، اور ایسی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوجائے گی،

(ب) اس کا غضب اس حد تک پہونچا ہوا ہے کہ غضب کی حالت میں جو کچھ بول رہا ہے، وہ بلا ارادہ ہے، اور اسے معلوم نہیں ہے کہ کیا بول رہا ہے، بالکل مجنون و مدہوش کی طرح ہو، ایسی صورت میں اس کے اقوال نافذ نہیں ہوں گے، اور ایسی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی،

(ج) غصہ کا غلبہ اس حد تک ہو کہ بلا ارادہ منہ سے واہی تباہی نکل رہا ہے، لیکن اسے معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، جیسے "مخطی" کا حال ہوتا ہے کہ کہتا ہے بے ارادہ ہے، مگر علم ہوتا ہے، اس صورت کے بارے میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ "واقعی مقتضاء اولی یہی معلوم ہوتا ہے کہ (طلاق) واقع نہ ہو، جیسا کہ مخطی میں فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ واقع نہیں ہوتی" (ملخص من امداد الفتاوی:۲/ ۴۰۷)

واضح رہے کہ اوپر کی عبارت علامہ شامیؒ نے ابن قیمؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، جس کا مطلب امداد الفتاوی میں بیان کیا گیا ہے، (دیکھئے: شامی:۲/ ۴۶۳، في طلاق المدهوش)

تخاطب کافی ہے، لہذا صورت مسئولہ میں ہندہ پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اب ہندہ زید کی بیوی نہیں رہی، اور اس وقت تک زید کے لئے حلال نہ ہوگی، جب تک کہ اس کی عدت نہ گزر جائے، پھر کسی دوسرے مرد سے وہ نکاح کرلے نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے مباشرت کرلے، پھر وہ طلاق دے دے، اور ہندہ اس طلاق کی بھی عدت گزار لے، اب اگر زید چاہے تو ہندہ سے اس کی رضامندی سے از سر نو نئے مہر کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے، —— واضح ہو کہ حائضہ عورتوں کی عدت تین حیض (۱) اور جن کو حیض نہ آتا ہو ان کی عدت تین ماہ (۲) اور حاملہ کی عدت بچہ کی پیدائش ہے۔ (۳)

بحالت غصہ طلاق جو جنون کی حد کو پہونچ گیا ہو

سوال:- {1676} ایک روز سر میں شدت درد کی وجہ سے میں نے اپنے شوہر سے چائے پلانے کی خواہش کی میرے شوہر نے صاف انکار کردیا اس کے تھوڑی دیر بعد وہ چونکہ تمباکو کے عادی ہیں پڑوس سے تمباکو لے آئے میں نے غصہ کی وجہ سے اس تمباکو کو اٹھا کر پھینک دیا کہ تم اپنی مطلب پوری کرتے ہو اور مجھ کو چائے کے لئے ترساتے ہو، اس کی وجہ سے میرے شوہر پر جنون کی سی کیفیت طاری ہوگئی گھر کے تمام سامان کو درہم برہم کرنا شروع کردیا اور ساتھ ہی الماری اور کپڑوں پر تیل چھڑک کر آگ لگادی اور اسی دوران انہوں

---

(۱) ﴿ المطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء ﴾ (البقرة :۲۲۸) مرتب۔

(۲) ﴿ و التي يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر ﴾ (الطلاق :۴) مرتب۔

(۳) ﴿و اولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن ﴾ (الطلاق :۴) مرتب۔

نے مجھے تین طلاق دے دی ان کے الفاظ یہ تھے '' طاہرہ بنت عبداللہ کو طلاق، طلاق، طلاق'' سوال یہ ہے کہ انتہائی غصہ کی حالت میں جب کہ کہنے والا شخص اپنے الفاظ کو سمجھنے سے قاصر ہو اس کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(طاہرہ بنت عبداللہ، حافظ بابانگر)

جواب:- غصہ کی عمومی حالت سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، لیکن اگر غصہ کی کیفیت اتنی شدید ہو کہ ہوش وحواس جاتا رہے اور جنون کی سی کیفیت پیدا ہو جائے، تو اس حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی، علامہ شامیؒ نے ابن قیمؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ غصہ کی تین حالتیں ہیں: اول یہ ہے کہ غصہ کی ابتدائی کیفیت کا صدور ہو، عقل میں تغیر نہ ہو ارادہ کی صلاحیت باقی ہو، اپنی بات کو سمجھتا ہو ایسی حالت کی طلاق واقع ہو جائے گی، دوسری صورت یہ ہے کہ غصہ اپنی انتہاء کو پہونچ جائے اس کو کچھ پتہ نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی، تیسرے وہ غصہ ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے یہ صورت محل نظر ہے اور ابن القیمؒ کا بیان ہے کہ دلائل کا تقاضا یہی ہے کہ طلاق واقع ہو جائے (۱) استفتاء میں غصہ کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی سامان کو درہم برہم کرنا الماری اور کپڑوں میں آگ لگانا جس سے خود ان کی ذات کو بھی خطرہ تھا وغیرہ، نہایت ہی غضب کی علامت ہے، لہذا اسوال میں اگر غصہ کی کیفیت صحیح طور پر بیان کی گئی ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

غیرارادی طور پر جب تین طلاق دیدے

سوال:- {1677} عرض گذارش یہ ہے کہ میں اپنے ایک ازدواجی مسئلہ پر آپ کے مشورہ اور فتوی کا طالب ہوں، مسئلہ ہے کہ ہم میاں بیوی میں اکثر بے بنیاد وجوہات پر آئے

(۱) رد المحتار:۲/۴۶۳،في طلاق المدهوش۔

دن کوئی نہ کوئی ناچاقی ہوا کرتی ہے، اس قسم کی لڑائی ۳؍جولائی کو بھی پیش آئی، جس وقت میرے خسر اور ساس موجود تھے، ان ہی لوگوں کی پشت پناہی کی وجہ سے معاملہ زیادہ پیچیدہ ہو گیا تھا اور میرے قابو سے باہر تھا، میں نے حالات کو ٹھنڈا کرنے اور جھگڑے کو فوری ختم کرنے کی نیت سے بنا سوچے سمجھے عجلت میں تین مرتبہ طلاق کہہ دی اور وہاں سے نکل گیا، حالانکہ ارادتاً میں نے ایسا کبھی نہ سوچا تھا، بلکہ یہ میرے غصہ کی انتہاء تھی، میرے الفاظ یوں تھے، طلاق، طلاق، طلاق، میرا مقصود صرف ان کی تنبیہ کرنی تھی، علیحدگی نہ تھی، اب جناب سے ادباً گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر جناب کی رائے اور حل کیا ہے اور اس غلطی کی تلافی کیسے ہوگی؟ (حبیب احمد، عابد روڈ)

جواب: – مذکورہ صورت میں اگر بالکل علیحدگی اور تین طلاق دینا مقصود نہ تھا، بلکہ صرف ازراہ تنبیہ ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ تھا، تو ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوگی، (۱) ایسی صورت میں عدت کے درمیان بیوی کو بغیر نکاح لوٹایا جاسکتا ہے، اور عدت تمام ہونے کے بعد نئے مہر اور باہمی رضامندی کے ساتھ نیا نکاح کر سکتے ہیں، عدت جوان عورت کے لئے تین حیض ہے، (۲) البتہ آئندہ احتیاط کرنی چاہئے، اور شدید ضرورت اور علماء کے مشورہ کے بغیر طلاق دینے سے گریز کرنا چاہئے، آئندہ اگر کبھی بھی بیوی کو دو طلاق دیدی تو طلاق مغلظہ ہو جائے گی، اور حلالہ کے بغیر اپنے شوہر کے لئے حلال نہ ہو سکے گی۔

---

(۱) " رجل قال لامرأته : " أنت طالق أنت طالق أنت طالق " فقال عنيت بالأولى الطلاق و بالثانية و الثالثة فقهامها صدق ديانة و في القضاء طلاق ثلاثا ، كذا في فتاوى قاضي خان " (الفتاوى الهندية :۱/۳۵۵، مطلب إذا كرر الطلاق على المرأة المدخول بها انوى الاخبار) محشی۔

(۲) ﴿ المطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء ﴾ (البقرة :۲۲۸) مرتب۔

استہزاءً طلاق

سوال:- (1678) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں

من کہ عبداللہ کو اپنی بیوی کے ساتھ کچھ ناخوشگوار حالات پیش آئے، وہ اس طرح کہ میں باہر سے آیا ہوا تھا، بیوی نے مجھے اپنے والد کے آنے کی خبر دی، میں نے اس سے استہزاءً کہا کہ ''آئے تو میں کیا مٹھائی تقسیم کروں''؟ اس کے فوری بعد میں نے ان کی گھڑی رکنے کی خبر دی، تو اس نے کہا: ''کیا میں مٹھائی تقسیم کروں'' تو میں نے کہا: ''میں جس طریقہ سے بات کروں تو تم بھی اس طریقہ سے بات کروگی'' تو اس نے کہا: ''جی ہاں!'' تو میں نے اپنے فرزند سے کھیلتے ہوئے اور اپنے فرزند کی طرف دیکھتے ہوئے طلاق کہا'' تو اس نے بھی طلاق کہا، پھر میں نے طلاق کہا تو میری عورت نے بھی طلاق کہا، تو میں نے بھی طلاق کہا، صورت بالا کا شرعی حکم کیا ہے؟

(عبیداللہ، سعید آباد، حیدرآباد)

جواب:- ہنسی مذاق میں طلاق کے لفظ کا استعمال گناہ اور معصیت ہے، اور اس سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔(۱) البتہ جو الفاظ آپ نے نقل کیے ہیں ان میں عورت کی طرف طلاق کی نسبت نہیں پائی جاتی، اس لیے اگر واقعی آپ کا مقصد بیوی کو خطاب کرنا اور طلاق دینا نہیں تھا، تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اور اگر عورت سے خطاب مقصود تھا، تو طلاق واقع ہوگئی، اس

(۱) " و یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل، ولو عبدا أو مکرھا أو ھازلا " (الدر المختار علی ھامش رد المحتار :۴/۴۳۸-۴۴۳) محشی۔

کے باوجود اگر ساتھ رہیں تو پوری زندگی معصیت میں گزرے گی، اس لیے جو سچی بات ہو اس پر قائم رہنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

ازراہ انتقام بیٹے سے طلاق کے لیے اصرار

سوال:- {1679} عمر کے والد نے عمر کو اپنی سمدھی سے چشمک کی بنیاد پر بہ اصرار طلاق دینے کو کہا اور ایک طلاق نامہ لکھ کر اسے بھیج دیا، عمر اس کی ایک نقل کر کے اپنی بیوی خولہ کو طلاق نامہ بھیج دیا، انتقاماً اس کا سمدھی بکر کو جس کی زوجیت میں عمر کی بہن ہے، طلاق پر مصر ہے، اب اگر وہ والد کے اصرار پر طلاق دیدے تو کیا حکم ہے؟

(عتیق الرحمٰن، بارکس، حیدرآباد)

جواب:- طلاق شریعت میں نہایت ناپسندیدہ چیز ہے، حضور ﷺ نے اسے تمام جائز چیزوں میں بدتر قرار دیا ہے، (۱) اس لئے اس وقت تک طلاق دینا گناہ ہے جب تک کسی وجہ سے وہ ناگزیر نہ ہو جائے، اسی طرح عمر اور بکر کے باپ کا اپنے اپنے بیٹے سے طلاق دلانے پر اصرار نہایت شنیع، بدترین اور ناپسندیدہ عمل ہے اور مناسب ہے کہ جب ایک سے یہ غلطی پیش آچکی ہے تو دوسرا اس گناہ پر اصرار نہ کرے، البتہ طلاق دیدی جائے تو طلاق بہرحال واقع ہو جائے گی۔

(۱) "قال علیه السلام ابغض الحلال إلى الله الطلاق" (سنن أبي داؤد :۱/۲۹۶، أبواب الطلاق ،سنن ابن ماجة :ص :۱۴۵، أبواب الطلاق ،مستدرک حاکم :۲/۲۱۴، کتاب الطلاق) محشی۔

طلاق میں نام کی غلطی

سوال:- {1680} ایک شخص نے اپنی زوجہ عسکری سلطانہ کو اسری نام سے ایک خط کے ذریعہ طلاق لکھا، پہلے ایک طلاق لکھا، پھر اس نے اپنے والدین کے یہاں ایک خط لکھا جس میں اسری پر دو طلاق کا ذکر ہے اس کا شرعا کیا حکم ہے؟
(آصف، لام، کنور)

جواب:- اگر مذکورہ شخص نے عسکری سلطانہ کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا، تو طلاق واقع نہیں ہوئی، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

"رجل قال امرأته ، عمرة بن صبيح طالق و امرأته عمرة بنت حفص ولا نية له ، لا تطلق امرأته " (۱)

اور اگر اس کے طلاق دینے کا ارادہ تھا اور سہوا دوسرا نام کہہ دیا، یا لکھ دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی، فتاوی عالمگیری میں ایسی مختلف صورتوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا گیا ہے :

"فإن نوى طلاق امرأته في هذه الوجوه طلقت امرأته"(۲)

طلاق کو نکاح پر معلق کرنے کے بعد اس سے بچنے کا حیلہ

سوال:- {1681} کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں:

---

(۱) البحر الرائق:۳/۲۷۳۔
(۲) الفتاوى الهندية :۲/۵۱۔

مسمی زید نے اپنے اوپر ایک کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ ’’ خدا کی قسم میں آئندہ ایسا کام کروں تو جب میں نکاح کروں، میری بیوی کو طلاق‘‘ (جب میں نکاح کروں یا جب میرا نکاح ہو، الفاظ برابر یاد نہیں ہے، غالب یہ ہے کہ جب میں نکاح کروں کہا ہے) پھر زید سے وہ کام سرزد ہوگیا، پھر زید نے اس کام کے نہ کرنے پر پختگی کے لئے وہی جملہ استعمال کیا کہ ’’ خدا کی قسم میں آئندہ ایسا کام کروں تو جب میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق‘‘، ایسا اس سے کئی بار ہوا، یہاں تک کہ تقریباً چھ بار ایسا ہوا ہے، زید اس وقت نادانی کی وجہ سے یا جوش میں آکر ایسا کہہ چکا ہے، اور اپنے اوپر چھ قسمیں اور معلق طلاقیں کر چکا ہے، اب زید شادی کرنا چاہتا ہے، تو وہ شادی کیسے کرسکتا ہے؟ جبکہ جیسے ہی نکاح ہوگا، طلاق پڑ جائے گی۔

مزید یہ کہ موصوف زید نے اس مسئلہ کے علاوہ یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ ’’ میں پانچ سال سے پہلے نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق، اور اگر میں کسی وقت بھی شادی کے بعد سسرال میں رات گذاروں تو طلاق‘‘ اب گویا جملہ آٹھ معلق طلاقیں زید نے اپنے اوپر لاگو کرلی ہیں، ان کا صحیح حل کیا ہو؟

(عبد الرحمٰن جمیل)

جواب:- جو صورت آپ نے تحریر کی ہے وہ بڑی آزمائش اور ابتلاء کی صورت ہے، اور آئندہ اس سے احتراز بہت ضروری ہے، زید کا یہ کہنا کہ ’’ اگر میں کسی وقت بھی شادی کے بعد سسرال میں رات گذاروں تو طلاق‘‘ سے بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوگی، باقی پانچ طلاقیں

چونکہ نکاح کے ساتھ مشروط ہیں، اس لئے احناف کے نزدیک یہ طلاق واقع ہو جائے گی، فقہاء حنفیہ نے اس کے لئے یہ حیلہ بتایا کہ کوئی اور شخص بہ حیثیت فضولی اس کا نکاح کر دے، اور نکاح کے بعد اس مرد کو نکاح کی اطلاع دے اور وہ زبان سے نکاح کی قبولیت کا اظہار نہ کرے، بلکہ خاموشی سے اس کا مہر یا اس کا کچھ حصہ ادا کر دے، اس طرح یہ عملاً نکاح پر قبولیت کا اظہار ہوگا، اور نکاح بھی درست ہو جائے گا، طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔ (۱)

ویسے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اجنبی عورت کو اگر نکاح کی شرط کے ساتھ بھی نکاح سے پہلے طلاق دی جائے تو یہ طلاق معتبر نہیں ہوگی۔ (۲) امام مالکؒ کے نزدیک بھی اگر کسی خاص عورت کی تخصیص کے بغیر کہا جائے ''میں جس سے نکاح کروں اس پر طلاق واقع ہو'' تو یہ طلاق غیر معتبر ہے، اور ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی، ''إن عم المطلق جميع النساء لم يلزمه ''(۳)

چونکہ نکاح انسان کی ایک طبعی اور شرعی ضرورت ہے، اگر اس کے لیے کوئی صورت نہ ہو اور حیلہ اختیار کرنے میں بدنامی اور بدگمانی کا اندیشہ ہو تو ضرورتاً زید کے لئے اس مسئلہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ کی رائے پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔

وعدۂ طلاق، طلاق کا اختیار دینا نہیں ہے

سوال:- {1682} (خلاصۂ سوال) زید نے ایک تحریر لکھ کر اپنی بیوی ہندہ کو دیا، جس میں یہ فقرہ تھا ''میں ہندہ کو حق دیتا ہوں کہ وہ طلاق حاصل کرے اور میں بغیر رکاوٹ کے طلاق دے دوں گا'' اس بنیاد پر ہندہ نے اپنے پر طلاق واقع

---

(۱) رد المحتار: ۶۷۴/۵، مطلب : قال : كل امرأة تدخل في نكاحي كذا ـ محشی۔
(۲) دیکھئے: شرح المهذب : ۵۶/۱۷، الفقه الإسلامي و أدلته : ۳۷۶/۷۔
(۳) الفقه الإسلامي و أدلته : ۳۷۶/۷۔

کر لی اور اس کا اصرار ہے کہ جب شوہر نے اس کو طلاق کا تحریراً
حق دے دیا تو وہ اس کو واقع کرنے کا اختیار رکھتی ہے تو کیا
واقعی اس تحریر کی بنیاد پر اس کو اپنے پر طلاق واقع کر لینے کا حق
حاصل ہے؟ کیا زید کے طلاق نہ دینے کے باوجود وہ اپنے کو
وظیفۂ زوجیت سے کنارہ کش رہنے پر مجبور کر سکتی ہے اور خود کو
مطلقہ گردان سکتی ہے؟ (ارشد علی، مہاراشٹر)

جواب:- (الف) ہندہ اپنے آپ پر طلاق واقع کرنے کا حق نہیں رکھتی، اس لئے کہ زید کا یہ فقرہ کہ ''ہندہ کو میں حق دیتا ہوں، وہ طلاق حاصل کر لے اور میں بغیر رکاوٹ کے طلاق دیدوں گا'' حق طلاق کی حوالگی نہیں ہے، بلکہ صرف طلاق کا اختیار دینے کا وعدہ ہے۔

(ب) چونکہ وہ بیوی برقرار ہے، اس لئے اس کا خود کو وظیفۂ زوجیت سے علیحدہ رکھنا نشوز اور شوہر کی نافرمانی ہے۔

ایک خاص صورت میں طلاق کا مطالبہ

سوال:- {1683} کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں:

ایک لڑکی جس کی عمر ابھی ۱۷ر سال ہے، اس کا نکاح ایک عاقل و بالغ لڑکے سے ہوا، یہ دونوں میاں بیوی ایک ماہ ۵ر یوم ساتھ رہے، اب صورت حال یہ ہے کہ لڑکی والوں کے بقول لڑکی اب تک باکرہ ہے، جب اس بنیاد پر لڑکے سے طلاق کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے کہا کہ لڑکی تعاون نہیں کرتی، چنانچہ لڑکے کا میڈیکل معائنہ کرایا گیا، اور معائنہ لڑکی والوں ہی کے ذریعہ کرایا گیا، لڑکا اس معائنہ کے مطابق تندرست نکلا،

لیکن لڑکی والے بہرحال اب تفریق ہی چاہتے ہیں، نکاح کے وقت لڑکے نے پانچ تولہ سونا کا زیور بہ طور مہر لڑکی کو دیا تھا، چنانچہ سیاہ نامہ میں صراحت ہے کہ مہر معجّل بہ صورت سونا ادا کر دیا گیا، البتہ لڑکے کے ایک عزیز نے مزید دو تولہ سونا بہ طور چڑھاوا لڑکے کو دیا، بہرحال اس صورت کے سلسلہ میں درج ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں:

(الف) ان حالات میں شرعاً طلاق وتفریق کا کیا حکم ہے؟

(ب) اگر لڑکے نے طلاق دی تو مرد وعورت کے کیا حقوق ہوں گے؟ اور جب لڑکی باکرہ ہے تو کیا وہ نصف مہر کی ہی مستحق ہوگی؟　　　(محمد عبدالقدیر، میر عالم منڈی)

جواب:- (الف) شریعت میں طلاق اور نکاح کے بعد پھر مرد وعورت کے درمیان علاحدگی نہایت ہی ناپسندیدہ اور مذموم بات ہے، جب تک رشتہ نکاح کو برقرار رکھنا ممکن ہو، رشتہ کو باقی رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر باہمی فاصلے اس قدر بڑھ گئے ہوں کہ ایک ساتھ خوشگوار زندگی بسر نہیں ہوسکتی تو پھر خوشگوار طریقہ پر ایک دوسرے سے علاحدگی اختیار کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾(۱) کہ ''نکاح کو باقی رکھا جائے تو بھلے سلوک کے ساتھ اور ختم کیا جائے تو وہ بھی بھلے طریقہ پر''، بھلے طریقہ پر علاحدگی کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں لڑائی جھگڑا، سب وشتم اور غیبت و بہتان تراشی نہ ہو، ایک دوسرے کے حقوق ادا کر دئے جائیں، نیز مرد عورت کی پاکی کی حالت میں ایک طلاق دینے پر اکتفاء کرے، اس لئے پہلے زوجین کے درمیان صلح کی کوشش کی جائے، اور چند دن لڑکے اور لڑکی کو

(۱) البقرۃ: ۲۲۹۔

ساتھ رہنے کا موقع دیا جائے، تو بہتر ہے، اگر فریقین اس کے لئے تیار نہ ہوں تو بہتر طریقہ پر علاحدگی عمل میں لائی جائے۔

(ب) اگر مرد نے طلاق دی تو مذکورہ صورت میں جب کہ لڑکا مہر ادا کر چکا ہے، عورت صرف نفقۂ عدت کی حق دار ہے، لڑکی کے باکرہ ہونے کی وجہ سے مکمل کی بجائے نصف مہر کا حق نہیں ہوگا، جب میاں بیوی کے درمیان خلوت ہو چکی ہو تو خواہ جنسی اتصال نہ ہوا ہو عورت پورے مہر کی حق دار ہے، طلاق کے بعد عورت پر عدت گذارنا واجب ہوگا، عدت کے بعد اسے حق ہے کہ اگر وہ چاہے تو دوسرا نکاح کر لے۔

طلاق پر مرتب ہونے والے احکام

سوال:- {1683} انیس نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی، ایسی صورت میں کیا کیا شرعی احکام مرتب ہوں گے، اور کوثر کے کیا حقوق ہوں گے؟ واضح ہو کہ زوجین کے چند کم عمر لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں۔ (عابدہ خانم، ٹولی چوکی، حیدر آباد)

جواب:- جب انیس نے کوثر کو طلاق دے دی اور وہ بائنہ ہو گئی تو:

(الف) انیس پر اس کا نفقہ تا عدت واجب ہے، (۱) اور جوان عورت کی عدت اگر حاملہ نہ ہو تو تین حیض اور حاملہ ہو تو ولادت تک ہے۔ (۲)

(ب) اس کا دین مہر اور تمام سامان جہیز واپس مل جانا چاہئے۔ (۳)

(ج) جب تک وہ کسی ایسے شخص سے نکاح نہیں کرتی جو بچوں کے لئے اجنبی ہو، بچوں

---

(۱) رد المحتار: ۵/۳۳۳، مکتبہ زکریا، دیوبند۔ مرتب۔

(۲) ﴿المطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸) ﴿و اولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن﴾ (الطلاق: ۴) مرتب۔

(۳) فقه السنة: ۲/۲۷۷۔ محشی۔

کی پرورش کا حق اسے حاصل ہوگا، لڑکا سات برس کی عمر تک اور لڑکی بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی۔(۱)

(د) بچوں کا نفقہ محمد انیس کو ادا کرنا ہوگا۔(۲)

(ہ) جب تک بچے ماں کی پرورش میں رہیں گے اس وقت ماں کو اس پرورش کی اجرت باپ کو ادا کرنی ہوگی، (۳) ثالثوں کو فریقین کے حالات دیکھ کر گذر اوقات کے لئے مناسب رقم متعین کر دینی چاہئے۔

(و) اگر ماں کے پاس اپنا ذاتی مکان نہیں ہے، جہاں وہ بچوں کے ساتھ رہ سکے تو باپ پر ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لئے ایسے مکان کا انتظام کرے جہاں ماں بچوں کے ساتھ رہائش اختیار کر سکے۔ درمختار میں ہے:

" (و تستحق) الحاضنة (اجرة الحضانة إذا لم تكن منكوحة ولا معتدة) لأبيه و هي غير اجرة ارضاعه و نفقته كما في البحر عن السراجية ، خلافا لما نقله المصنف عن جواهر الفتاوى و في شرح النقاية للباقاني عن البحر

(۱) " الأم و الجدة أحق بالجارية حتى تحيض " (الهداية:۲/۴۳۵)، اگر ماں نے دوسری شادی ایسے مرد سے کر لی جو بچوں کے لیے بالکل اجنبی ہو، تو حق حضانت ساقط ہو جاتی ہے۔ " و الحضانة يسقط حقها بنكاح غير محرم " (رد المحتار :۲/۶۳۹، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان) اور اس کے بعد حق حضانت کا ذمہ نانی پر ہوتا ہے۔ " فإن لم تكن له أم فأم الأم أولى من أم الأب " (الهداية:۲/۴۳۴) البتہ جب دوسرا نکاح بھی ختم ہو جائے تو حق حضانت عورت کی طرف لوٹ آتی ہے۔ " و من سقط حقها بالتزوج يعود إذا ارتفعت الزوجية " (الهداية: ۲/۴۳۵) مرتب۔

(۲) " و نفقة الأولاد الصغار على الأب " (الهداية :۲/۴۴۴) مرتب۔

(۳) الهداية :۲/۴۴۴۔ محشی۔

المحیط سئل أبو حفص عمن لها امساك الولد و لیس لها مسکن مع الولد فقال علی الأب سکن لهما جمیعا و قال نجم الأئمة المختار أنه علیه السکنی فی الحضانة " (۱)

اگر شوہر کو طلاق کا اقرار ہو

سوال:- {1684} الف نے ایک نو مسلمہ سے شادی کی ، دو بچے ہیں ، عورت بدکرداری کی وجہ سے علحدہ ہوگئی ، طلاق نامہ پر چار پانچ مسلمانوں کے دستخط ہیں ، زرمہر ادا کردیا گیا اور نفقہ بھی بہ ذریعہ منی آرڈر عدت کی مدت کا ادا کردیا گیا ، یہ سب لینے تک عورت خاموش بیٹھی رہی ، پھر وہ کسی کے سکھانے پر پولیس سے رجوع ہوئی ، پولیس کہہ رہی ہے کہ طلاق نہیں ہوئی ، نیز اس طلاق نامہ پر نوٹری کے ذریعہ حلف نامہ بھی تیار کیا گیا ، آیا یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

(خواجہ انور، آصف آباد)

جواب:- الف نے طلاق دے دی ہے اور خود اسے طلاق دینے کا اقرار ہے، تو طلاق واقع ہو چکی ہے، پولیس کا یہ کہنا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی غلط اور اپنے حدود اختیار سے تجاوز کرنا ہے، البتہ اگر تین طلاقیں نہ دی گئی ہوں تو دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے، نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نو مسلمہ کو خاص طور پر طلاق دینے میں احتیاط برتنی چاہئے ، کیونکہ اس سے اس کے کفر کی طرف واپس ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے ، نیز اخلاق و کردار کے بارے میں سنی سنائی بات پر

---

(۱) رد المحتار :۵/۲۶۰، باب الحضانة ۔ محشی ۔

بھروسہ نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ مناسب تحقیق نہ ہوجائے ، کیونکہ بہت سی باتیں جو مشہور ہوجاتی ہیں، ان کی حقیقت افواہ سے زیادہ نہیں ہوتی ہے، یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں منافقین نے ایسی باتیں مشہور کردیں کہ بعض مخلص صحابہ ﷺ بھی اپنی سادہ لوحی میں غلط فہمی کا شکار ہوگئے ۔(۱)

حاملہ عورت کو طلاق

سوال:- {1686} کیا حاملہ عورت کو طلاق دی جاسکتی ہے اور اگر دی گئی تو کیا طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، کریم نگر)

جواب:- ہندوستان کے ماحول میں طلاق عورت کے لیے سخت ایذا رسانی اور اس کی زندگی کو برباد کرنے کا باعث ہے، اس لیے کسی مجبوری اور سنجیدہ فیصلہ کے بغیر حاملہ ہو یا غیر حاملہ، طلاق دینا گناہ ہے، تاہم اگر دے دی جائے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ حمل کی حالت میں طلاق واقع نہ ہو۔

" و أما شرطه على الخصوص فشيئان أحدهما قيام القيد في المرأة نكاح أو عدة " (۲)

صرف نیت سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:- {1687} زید اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے اور اسی نیت کے تحت وہ یہ عہد اپنے آپ سے کرلیتا ہے کہ اگر وہ چار مہینے یا اس سے زیادہ اپنی بیوی سے کسی قسم کے

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۴۱۴۱، باب حديث الإفك۔مرتب۔

(۲) الفتاوی الهندية:۱/۳۴۸۔

ازدواجی تعلقات نہ رکھے، تو خود بہ خود طلاق بائن ہوچکی؟ کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں شامل ہے؟ نیز یہ بھی کہ زید نے کسی کتاب میں ایلاء کے بارے میں بھی پڑھا ہے، تو کیا بغیر اقرار کے صرف دل میں طلاق کی نیت کر کے ایسا عمل کرنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ کیوں کہ کسی بھی چیز کا انحصار نیت پر ہوتا ہے؟ (احمد ملک، خیریت آباد)

جواب:- شریعت میں بعض امور وہ ہیں جو محض نیت اور ارادہ سے وجود میں آجاتے ہیں، گویا وہ قلب کے فعل سے متعلق ہیں، اور بعض امور اعضاء و جوارح کے ذریعہ وجود پذیر ہوتے ہیں، نکاح و طلاق بھی ان معاملات میں سے ہیں، جو زبان کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں، اس کے لیے دل کا ارادہ کافی نہیں، اس لیے محض نیت کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، ایلاء کے لیے بھی دل کا ارادہ کافی نہیں، بلکہ زبان سے ترک تعلق کے عزم کا اظہار، نیز حنفیہ کے نزدیک اس پر قسم کھانا بھی ضروری ہے:

" و أما ركنه فهو اللفظ الدال على منع النفس عن الجماع في الفرج مؤكداً باليمين بالله تعالى الخ " (۱)

اس لیے جوصورت آپ نے لکھی ہے اس میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔

طلاق کے بارے میں ایک غلط فہمی

سوال:- {1688} سید سمجھتا ہے کہ طلاق عدالت میں بولنے سے ہی ہوتی ہے، گھر میں طلاق بولنے سے طلاق نہیں ہوتی، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد صادق، مہدی پٹنم)

(۱) بدائع الصنائع :۳/۲۵۴۔

جواب:- شریعت میں طلاق کا اختیار مرد کو دیا گیا ہے، وہ طلاق واقع کرنے میں عدالت کا محتاج نہیں ہے، اس لیے گھر میں طلاق دینے سے بھی طلاق پڑ جاتی ہے، ہاں! اگر عورت مرد کے ظلم کی وجہ سے اس سے نجات چاہے اور شوہر طلاق دینے کو تیار نہ ہو، تو چوں کہ عورت کو طلاق دینے کا اختیار نہیں دیا گیا ہے، اس لیے وہ قاضی کے ذریعہ ہی اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔

کیا بد چلنی سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟

سوال:- {1689} شوہر لوگوں کی اطلاع پر اچانک اپنے گھر آیا، اس حال میں کہ ابھی اس کی بیوی کا آشنا نکل رہا تھا، اور عورت نامناسب حالت میں تھی، شوہر پولیس سے رجوع ہو کر میڈیکل رپورٹ حاصل کرنا چاہتا تھا، لیکن کچھ لوگوں کے سمجھانے پر بچوں کی رسوائی کو سامنے رکھتے ہوئے خاموش ہو گیا، سوال یہ ہے کہ:

(الف) کیا ایسے مواقع پر میڈیکل رپورٹ بہ طور ثبوت کے لی جا سکتی ہے؟

(ب) کیا زنا کی وجہ سے عورت شوہر کے نکاح سے نکل سکتی ہے؟

(ج) کیا یہ عورت شوہر کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے؟ (سلمہ خاتون، یاقوت پورہ)

جواب:- مسلمانوں کے سماج میں ایسی باتوں کا پیش آنا نہایت ہی شرمناک اور افسوس ناک ہے، اصل میں پہلے سے بے احتیاطی، غیر محرموں کی آمد و رفت اور گفتگو و ہنسی مذاق وغیرہ، بہ تدریج انسان کو دام گناہ میں پھنسا دیتا ہے، جب بھی شریعت کی حدود سے باہر قدم

رکھا جائے، تو ضرور انسان ٹھوکر کھاتا ہے، اسی لیے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے، بہر حال! سوالات کے جوابات اس طرح ہیں:

(الف) میڈیکل رپورٹ ثبوت شرعی کے لیے کافی نہیں ہے، اس کی وجہ سے جب کسی عورت کے بارے میں برائی کی بات مشہور ہو جائے تو یہ اس کے بچوں کے لیے بھی رسوائی کا باعث بنتا ہے اور بیمار ذہنوں کو بعض اوقات اس سے جرم کا حوصلہ ملتا ہے، اس لیے اس سے سکوت ہی بہتر ہے، ہاں اگر عورت کی اصلاح کی توقع نہ ہو اور دل میں نفرت گھر گئی ہو، تو ایسے مواقع پر طلاق دینے کی گنجائش ہے۔

(ب) اس عمل کی وجہ سے آپ سے آپ نکاح ختم نہیں ہوتا، بلکہ طلاق یا لعان کی صورت میں ہی نکاح ختم ہوتا ہے۔

(ج) چوں کہ وہ اس کے نکاح میں ہے، اس لیے وہ ان کے ساتھ حج میں جا سکتی ہیں، ویسے بھی حج گناہوں کے لیے کفارہ ہے، اگر حج کر لیں تو بہتر ہے۔ واللہ غفور الرحیم۔

طلاق کی دھمکی

سوال:- {1690} میرے ایک دوست کی شادی کو تقریباً چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے، دونوں میں محبت بھی ہے اور بحث و تکرار بھی ہوتی رہتی ہے، میرا دوست بیوی کو خاموش کرنے کے لیے کہتا ہے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا، تب تم راستہ پر آؤ گی، اس طرح کا جملہ وہ بار بار کہہ چکا ہے، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

(محمد مظہر خاں، پٹن چرو)

جواب:- طلاق ماضی، یا حال کے صیغہ سے واقع ہوتی ہے، جیسے کہے میں نے تجھے

طلاق دی، یا طلاق دے رہا ہوں، اگر کہے کہ طلاق دے دوں گا، تو آئندہ طلاق دینے کا وعدہ ہے، نہ کہ فی الحال طلاق دینا، اس لیے اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، (۱) لیکن آپ اپنے دوست کو سمجھائیں، کہ اس طرح بار بار طلاق کی دھمکی دینا گناہ کی بات ہے، کیونکہ کسی شرعی مجبوری کے بغیر طلاق دینا معصیت ہے اور بار بار یہ کہنا کہ میں فلاں گناہ کر گزروں گا، بجائے خود گناہ ہے، پھر اس میں بیوی کی ایذاء رسانی بھی ہے اور یہ بھی گناہ ہے، اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو یا تو بیوی کو سمجھایا جائے، یا زوجین کسی عالم کے پاس معاملہ رکھ کر اسے حل کرائیں، بار بار طلاق کی دھمکی دینے سے اندیشہ ہے کہ کبھی طلاق دینے کی نوبت آجائے، تو پھر بعد میں پچھتاوا ہوگا اور اس پر کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

کیا طویل عرصہ سے ترک کلام سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

سوال:- {1691} ہمارے ایک دوست اپنی اہلیہ سے تقریباً تیس سال سے دور ہیں اور کبھی زبان سے طلاق نہیں دیتے، اتنے لمبے عرصہ تک عورت سے دور رہ کر زندگی گزارنے والے خاں صاحب کبھی ضرورت پڑنے پر اپنی اہلیہ سے بات چیت کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ (محمد رحیم الدین، مشیر آباد)

جواب:- میاں بیوی کی علاحدگی چار ہی صورتوں میں ہو سکتی ہے، یا تو شوہر طلاق دے دے، یا عورت خلع کی پیش کش کرے اور مرد اسے قبول کر لے، یا قاضی شریعت زوجین کے درمیان تفریق کر دے، یا کوئی ایسی بات پیش آجائے، جو میاں بیوی کے درمیان حرمت کی دیوار کھڑی کر دے اور وہ ایک دوسرے کے لیے محرم کے درجہ میں ہو جائیں، محض طویل مدت تک ایک دوسرے سے بے تعلقی کی وجہ سے رشتۂ نکاح ختم نہیں ہوتا ہے، نیز بیوی کو اس طرح معلق

---

(۱) "و لو قال : أردت طلاقك لا يقع " (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية: ۱/۴۵۲) محشی۔

بنا کر چھوڑ دینا گناہ کبیرہ اور عنداللہ سخت جوابدہی کا باعث ہے، آپ کے دوست کو نہ صرف اپنی بیوی سے بات چیت کرنی چاہئے، بلکہ ان کی جانب سے جو ظلم وزیادتی ہوئی ہے، اس کے لیے اللہ کے سامنے توبہ کرنی چاہئے، اور اپنی بیوی سے بھی معذرت خواہ ہونا چاہئے، وباللہ التوفیق۔

حالت جنون میں طلاق

سوال:- {1692} مجھے جنون کا عارضہ ہے، جس کا دورہ وقتاً فوقتاً پڑتا رہتا ہے، اسی دوران میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیا، لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے تین طلاق دیا ہے، مجھے تو یاد بھی نہیں، کیا اس صورت میں بھی میری بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی؟ (محمد عمران خاں، بنڈلہ گوڑہ)

جواب:- طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طلاق دینے والا ہوش وحواس کی حالت میں ہو، جنون کی حالت میں دی گئی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں، امام ابوالحسن قدوریؒ لکھتے ہیں:

"یقع طلاق کل زوج إذا کان عاقلا بالغا ولا یقع طلاق الصبي والمجنون والنائم" (۱)

لہذا صورت مسئول میں — اگر سوال درست اور سچائی پر مبنی ہے — طلاق واقع نہیں ہوگی اور آپ کی بیوی آپ کی زوجیت میں باقی رہے گی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) القدوري: ص: ۱۷۱۔

طلاق رجعی سے متعلق احکام

رجعت کا طریقہ

سوال:- {1693} اگر غلطی سے زبان سے طلاق نکل جائے تو رجوع کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ (سکندر، علی آباد)

جواب:- اگر بیوی کو مخاطب کر کے یا اس کی طرف منسوب کر کے ایک دفعہ طلاق دی جائے تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور لوٹانے کی گنجائش باقی رہتی ہے، لوٹانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو شخص کو گواہ بنا کر کے کہے کہ میں نے اپنی بیوی فلاں بنت فلاں کو لوٹا لیا، یا خود بیوی کو دو گواہوں کے سامنے مخاطب ہو کر کہے کہ میں نے لوٹا لیا، یوں عورت کے ساتھ کوئی بھی حرکت کر گذرے جو کسی مرد کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ ہی جائز ہوتی ہے اور اس سے حرمت مصاہرت واقع ہو جاتی ہے، تو اس سے بھی رجعت ہو جاتی ہے۔(۱)

(۱) " و ندب الاشهاد عليها بأن يقول لاثنين من المسلمين اشهداني إني قد راجعت امرأتي كيلا يقع التجاحد بينهما كالاشهاد بالبيع ، راجعت في الحضرة أو راجعت امرأتي في الحضرة و الغيبة أو بفعل ما يوجب حرمة المصاهرة من وطي و مس بشهوة و نحوه كالقبلة و النظر إلى داخل الفرج "(مجمع الأنهر:۱/۴۳۳)محشی۔

طلاق رجعی

سوال:- {1694} میں نے بیوی سے جھگڑے کے دوران ایک عورت کو گواہ بنا کر ایک مرتبہ طلاق کے الفاظ نکالا، صرف اور صرف ایک مرتبہ طلاق کہا، ایک عورت جو درمیان میں کھڑی تھی، اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آپ گواہ رہیں، میں نے آج سے ان کو طلاق دے دیا، لیکن اب ہم دونوں ایک ساتھ ازدواجی زندگی گذارنا چاہتے ہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (شمیم احمد، پٹنہ)

جواب:- آپ نے سوال میں جس طلاق کا ذکر کیا ہے، اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی، ایک طلاق رجعی کے بعد عدت (تین حیض) گذرنے سے پہلے آپ بیوی کو لوٹا سکتے ہیں، لوٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو زبان سے کہہ دیں کہ میں نے اپنی بیوی کو لوٹا لیا، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے اور اس پر دو مردوں کو گواہ بنالینا چاہئے، جو ضرورت کے وقت کام آئیں یا آپ اس کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کر گذریں جو بیوی ہی کے ساتھ کی جاسکتی ہے، جس کی وجہ سے عورت کی ماں، بیٹی حرام ہو جاتی ہے، مثلاً: ہمبستری یا بوسہ وغیرہ —— لیکن اگر عدت گذر جائے تو پھر باہمی رضامندی سے نکاح کرنا ضروری ہوگا اور یہ بات بھی یاد رکھئے کہ بیوی کو دوبارہ اس وقت لوٹانا چاہئے جب اچھے برتاؤ کے ساتھ رکھنے کا قصد ہو۔ (۱)

تنبیہ کی نیت سے طلاق دینا

سوال:- {1695} ایک شخص عبدالرشید اور اس کی بیوی نصرت سلطانہ میں تلخ کلامی اور جھگڑا ہوا، دوران جھگڑا عبد

(۱) "ومنها كون المرأة في العدة" (مجمع الأنهر: ۱/۴۳۲) محشی۔

الرشید اپنی اہلیہ سے یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا کہ " میں نے تمہیں طلاق دے دی" عبدالرشید کی نیت صرف تنبیہ کی تھی، عبدالرشید کا یہ خیال ہے کہ طلاق پڑگئی، بیوی حاملہ ہے، آیا عبد الرشید نصرت سلطانہ سے رجوع کرسکتا ہے؟ شرعی احکامات کیا ہیں؟ (ناظم شرعی کونسل، محمد علاء الدین انصاری، ایڈوکیٹ)

جواب:- مذکورہ صورت میں عبدالرشید کی زوجہ نصرت سلطانہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، (۱) جب تک نصرت کو ولادت نہ ہوجائے عبدالرشید رجعت کرسکتا ہے، رجعت کا طریقہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہے کہ میں نے اپنی زوجہ نصرت سلطانہ کو لوٹا لیا، اس کے بعد زوجہ کو اس کی اطلاع بھی کر دینا چاہئے، یہ رجعت کا بہتر طریقہ ہے، اس کے علاوہ زوجہ کے ساتھ کوئی بھی ایسا جنسی عمل کر گزرے جو شوہر بیوی ہی سے کرسکتا ہے تو رجعت ہوجائے گی، نصرت سلطانہ کو ولادت ہوجانے کے بعد رجعت کافی نہ ہوگی، بلکہ باہمی رضامندی سے نئے مہر کے ساتھ پھر سے نکاح کرنا ہوگا —— آئندہ خوب احتیاط سے کام لے اور کسی شرعی مجبوری کے بغیر ہرگز طلاق نہ دے کہ طلاق دینا سخت گناہ اور معصیت ہے، واللہ اعلم۔

ایک طلاق دی، دوسری مرتبہ کسی نے منہ بند کردیا

سوال:- {1696} زید اور اس کی زوجہ کے درمیان کچھ عرصہ سے تعلقات ناخوش گوار تھے ان کو دور کرنے کی غرض سے زید کے گھر میں دونوں طرف کے لوگ جمع ہوئے سالے اور بہنوئی کے درمیان دو تین گھنٹوں تک سخت کلامی جاری رہی اس گفتگو کے دوران زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا جس

---

(۱) "یقع طلاق کل زوج إذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا أو عبدا، طائعا أو مکرھا" (الفتاوی الھندیۃ:۱/۳۵۳) محشی۔

کی تفصیل یہ ہے کہ زید کا بیان ہے کہ وہ سالوں کی سخت کلامی کی وجہ سے اشتعال میں آکر میں نے ایک طلاق دی، دوسری مرتبہ ممکن ہے کہ طلاق کا لفظ نکلا ہو لیکن میری والدہ اور ایک دوست نے آکر میرا منہ دبا دیا زید کے علاوہ دو اور احباب جو موقع پر موجود تھے زید کے اس بیان کی تصدیق کر رہے ہیں، زید کی بیوی اور ان کے تین سالوں اور ایک صاحب حاضر الوقت کا کہنا ہے کہ زید نے دو مرتبہ طلاق دیا اور تیسری مرتبہ ہی کی آواز پر ان کی والدہ نے منہ دبا دیا ان کے علاوہ دو اور صاحبین جو گھر کے باہر کھڑے تھے طلاق کی اطلاع سن کر اندر داخل ہوئے اور زید سے اس کی تصدیق چاہی تو زید نے دو طلاق کے بعد تیسری طلاق پر والدہ کے منہ دبانے کا اظہار کیا، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں ہندہ پر کونسی طلاق واقع ہوئی، کیا اس کے بعد شوہر کو رجعت کا حق ہے اور اس کی مدت کیا ہے، بیوی حاملہ ہو تو اس کی بھی عدت و رجعت کی صراحت فرمائی جائے، نیز اگر شوہر رجعت کرنا چاہے اور بیوی یہ شرط رکھے کہ مجھے علاحدہ مکان میں رکھا جائے تو کیا عورت کو اس مطالبہ کا حق شرعاً حاصل ہے اور کیا شوہر اس شرط کی قبولیت کی صورت میں کوئی تیقن و طمانینت بھی دے سکتا ہے اس کی کیا شکل ہوگی؟

(ب) اگر عورت رجعت پر راضی نہ ہو تو خلع کی صورت میں مہر سے دست بردار ہونا پڑے گا، اور جوڑے کی جو رقم

بوقت شادی دینے کا رواج ہے اس کو بیوی واپس لے سکتی ہے؟
نیز کیا جہیز کے سامان وغیرہ بھی قابل واپسی قرار پائے گی؟
(ج) ہندہ کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی ہے جس کی
عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے اس جدائی کے بعد اس کی پرورش کا
حق اگر ماں کو ملے گا تو بچی کے نفقہ کی مقدار ماہانہ کس قدر باپ
کو ادا کرنا ہوگا یا اگر باپ خود لڑکی کو رکھ لے تو اس میں کوئی امر
مانع تو نہیں؟ (عبد العلی)

جواب:- زید کا منہ دبانے کے بعد اگر وہ طلاق کا لفظ نہ بول سکا تو وہ طلاق واقع نہیں ہوئی چاہے نیت طلاق دینے کی رہی ہو، اس لئے کہ محض طلاق کی نیت (جو طلاق کے تلفظ کے بغیر ہو) طلاق واقع ہونے کے لئے کافی نہیں ہے(۱) لہذا صورت مذکورہ میں زید کی زوجہ پر طلاق رجعی واقع ہوئی ہے، رجعت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عدت گذرنے سے قبل دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہہ دے کہ میں نے اپنی زوجہ فلاں بنت فلاں کو لوٹا لیا ایسا کرنے کے بجائے اگر وہ اپنی زوجہ کے ساتھ کوئی بھی ایسی حرکت کر گزرے جو صرف بیوی ہی کے ساتھ کی جاتی ہے تو بھی کافی ہے۔

زید نے دو طلاق دی ہے یا ایک طلاق چونکہ اس معاملہ میں فریقین کے بیان میں تضاد ہے، اس لئے اس کا تعین گواہوں کے بیان وشہادت پر موقوف ہے تاہم ایک طلاق دی ہو یا دو

---

(۱) الهداية:۳/۴۴۔
"إن الله تعالى تجاوز لأمتي عما حدثت به أنفسها ما لم تتكلم به أو تعمل به" (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۱، باب العتق، صحيح مسلم، حدیث نمبر:۲۰۱، ۲۰۲، كتاب الإيمان، سنن أبي داؤد، باب في الوسوسة بالطلاق، سنن ابن ماجة :۱/۱۴۷، باب من طلق في نفسه و لم يتكلم به، سنن نسائی :۱/۸۷، باب من طلق في نفسه۔
"وركنه اى ركن الطلاق لفظ مخصوص" (الدر المختار على هامش الرد: ۴/۴۳۱) "هو ماجعل دلالة على معنى الطلاق من صريح او دلالة ألخ" (رد المحتار: ۴/۴۳۱، كتاب الطلاق)

طلاق ، بہر حال رجعی ہوگی ۔ حاملہ عورت کی عدت ولادت تک ہے ولادت سے پہلے پہلے رجعت کی گنجائش ہے اور اگر حمل نہ ہو تو جوان عورت کے لئے عدت کی مدت تین حیض اور نابالغہ و بوڑھی عورتوں کے لئے تین ماہ ہے۔

عورت اس بات کے مطالبہ میں حق بجانب ہے کہ اس کو علاحدہ مکان میں رکھا جائے ۔

"تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله و أهلها إلا أن تختار ذلك " (۱)

البتہ تیقن و طمانینت کی کیا شکل ہوگی وہ باہمی معاہدہ و معاملہ پر موقوف ہے۔

(ب) رجعت کے لئے بیوی کی رضامندی ضروری نہیں (۲) تاہم اگر وہ طلاق لینے پر مصر ہے اور اس کا یہ اصرار مرد کی ظلم کی وجہ سے ہے تو عورت سے واپسی مہر یا معافی مہر کا مطالبہ گناہ ہے اور اگر مرد کی ظلم و زیادتی نہ ہو بلکہ بطور خود عورت طلاق چاہتی ہو تو عورت سے مہر معاف کرنے کا مطالبہ درست ہے (۳) سامان جہیز کی نقد قیمت کی واپسی شوہر پر واجب ہے، جوڑے کی جو رقم مرد نے لی تھی وہ رشوت کے حکم میں ہے؛ لہذا اس کی واپسی واجب ہے۔ (۴)

(ج) لڑکی کے بالغ ہونے تک حق پرورش بصورت علیحدگی ماں کو حاصل رہے گا، البتہ باپ کو وقتاً فوقتاً ملاقات کا حق حاصل رہے گا ، اور نفقہ کی مقدار گھریلو حالات اور گھریلو معیار زندگی کے لحاظ سے متعین ہوگی ،شوہر کے گھر میں ایک آدمی پر اوسطاً جو رقم خرچ ہوتی ہے وہی

---

(۱) الفتاوى الهندية:۱/۵۵۶۔ محشی ۔

(۲) "ولا يشترط فيها رضاء المرأة لانها من شرائط ابتداء العقد لا من شرط البقاء" (بدائع الصنائع : ۳/۱۸۱۔ مطبع بیروت)

(۳) "و كره تحريما أخذ شيئ إن نشز و إن نشزت لا و لو منه نشوز أيضا و لو أكثر مما اعطاها" (الدر المختار على هامش رد:۵/۹۵،باب الخلع)۔

"أما الجارية فهي أحق بها حتى تحيض" (بدائع الصنائع :۴/۴۲)

(۴) اسلامی شادی:ص:۱۳۵۔

اس لڑکی کا بھی نفقہ ہوگا، نیز ایام پرورش میں عورت سابق شوہر سے پرورش کی اجرت کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے، کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔(۱)

ماں کا اپنی لڑکی کے حق پرورش سے دست بردار ہونا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ پرورش صرف ماں ہی کا حق نہیں بلکہ اس لڑکی کا بھی حق ہے، اور کوئی بھی آدمی اپنا حق ساقط کرسکتا ہے، دوسرے کا حق معاف کرنے کا مجاز نہیں، تاہم اگر ماں اور نانی اس کے لئے بالکل تیار نہ ہوں تو باپ خود لڑکی کی پرورش کرسکتا ہے۔(۲)

مطلقہ کے حلال ہونے کے لیے نکاح ثانی کب ضروری ہے؟

سوال:- {1697} سنا ہے کہ مطلقہ عورت کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ اس عورت کا کسی دوسرے مرد سے نکاح ہو اور وہ اس کو اپنی تصرف میں لائے، تبھی اس عورت کو پہلا شوہر دوبارہ اپنے نکاح میں لاسکتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ اور ہے تو اس پر کوئی شرعی دلیل بھی ہے؟

(سید فیروز احمدی علوی، گشن باغ)

جواب:- جس عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی یا طلاق بائن دی گئی ہو اور وہ پھر اس بیوی کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہو تو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں جائے اور اس شوہر سے تعلقات کے بعد علیحدگی ہو، پھر پہلا شوہر اس سے نکاح کرے، لیکن اگر شوہر اسے تین طلاق دے چکا ہو، تو ایسی صورت میں وہ عورت دوسرے مرد کے نکاح میں جانے اور نکاح کے بعد دونوں میں تعلق قائم ہونے کے بعد ہی شوہر اول کے لیے حلال ہوگی، اور یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے:

---

(۱) دیکھئے: البحر الرائق: ۲۷۹/۴۔ محشی۔

(۲) رد المحتار: ۲۵۸-۲۵۹/۵۔ مرتب۔

﴿ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ﴾(۱)

البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خاص اس مقصد سے اس عورت سے کوئی مرد نکاح کرے کہ نکاح اور جنسی اتصال کے بعد وہ اسے چھوڑ دے گا، تا کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے، ایسا کرنا سخت گناہ ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (۲)

"زاہدہ کی ازدواجی زندگی میرے ساتھ گزرے گی" سے رجعت

سوال:- {1698} مندرجہ ذیل جواب ایک ایسے سوال کا ہے، جو مختلف مدارس جیسے جامعہ نظامیہ، دار العلوم سبیل السلام، دار العلوم حیدرآباد وغیرہ میں لے جایا گیا تھا اور مذکورہ ادارہ کی طرف سے جواب بھی مرقوم تھا، سوال کی کاپی صاحب استفتاء نے نہیں دیا، ذیل میں سوال کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے؟

شوہر زاہد اور بیوی زاہدہ کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوگئے، نتیجہ زید نے بیوی کو صریح الفاظ سے طلاق دے دیا، عدت گزرنے سے پہلے زید کی زبان سے بہت سے ایسے جملے نکلے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید بیوی کو رکھنا چاہتا ہے، جیسے یہ کہنا کہ زاہدہ کی ازدواجی زندگی میرے ساتھ گزرے گی، میاں کا بیوی کو نئی زندگی کی مبارک بادی دینا اور بیوی کا اس کو قبول کرنا اس طرح کے اور بھی اقوال سرزد ہوئے جن سے یہی

(۱) البقرة: ۲۳۰۔ محشی۔

(۲) "عن عبد الله بن مسعود ﷺ قال: لعن رسول الله ﷺ المحل و المحلل له" (سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۱۹۳۴) محشی۔

معلوم ہوتا ہے کہ دونوں رشتہ نکاح برقرار رکھنا چاہتے ہیں،
دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان اقوال وحرکات سے رجعت
ہوئی یا نہیں؟ کیا زاہدہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟ اور بچہ کا حق
پرورش کسے حاصل ہوگا؟ (پرویز، ٹولی چوکی)

جواب:- اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ 'طلاق' کے ذریعہ ایک یا دو طلاق دے دے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ عدت گزرنے تک یعنی جوان عورت ہو تو تین ماہواری پوری ہونے تک شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہوتا ہے،(۱) اگر شوہر نے رجعت نہیں کی، اور یہ مدت ختم ہوگئی تو عورت علاحدہ ہوجائے گی اور اب یہ طلاق طلاق بائن ہوجائے گی۔

رجعت کے دو طریقے ہیں: قول کے ذریعہ رجعت، فعل کے ذریعہ رجعت:

فعل کے ذریعہ رجعت کا مطلب یہ ہے کہ مرد اس عورت کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کرگزرے کہ اگر کسی اجنبی عورت کے ساتھ یہ حرکت کرتا تو اس کی ماں یا بیٹی اس پر حرام ہوجاتی، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''حرمت مصاہرت'' کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ صورت آپ کے دریافت طلب مسئلہ میں موجود نہیں۔

قول سے رجعت کا مطلب یہ ہے کہ شوہر ایسی بات کہے جس سے بیوی کے ساتھ ازدواجی رشتہ کو باقی رکھنے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہو، جیسے میں تجھے لوٹا لیا وغیرہ، فقہاء نے اس سلسلہ میں ایک لفظ''وامسكتك ''اور''وامكتك '' بھی ذکر کیا ہے(۲) زاہد اور زاہدہ کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر رضامند ہونا اور نئی زندگی کی مبارک باد دینا اور قبول کرنا اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو رشتۂ ازدواج سے باہر جانے سے روک رہا ہے، زاہدہ کا ساتھ رہنے

---

(۱) " و إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها " (الهداية :۲/۳۹۴) محشی۔

(۲) فتح القدير:۴/۱۵۔ محشی۔

کے لئے شرائط پیش کرنا اور زاہد کا اسے قبول کرنا خواہ جن الفاظ میں بھی ہو وہ رجعت ہی ہے،
لہٰذا:

۱) زاہدہ زاہد کے نکاح میں ہے۔

۲) جب تک زاہد طلاق نہ دے دے، یا زاہد کی زیادتی اور حق تلفی ثابت ہونے پر قاضی شریعت زاہدہ کا نکاح فسخ نہ کردے، زاہدہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔

۳) اگر زاہد اور زاہدہ میں علیحدگی ہوجائے تو لڑکے کا حق پرورش زید کو حاصل ہے، اور لڑکیوں کا زاہدہ کو، اور جب تک دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہیں، دونوں مشترک طور پر بچوں کی پرورش کریں گے، اگر دونوں میں تفریق ہوجائے اور زاہد محسوس کرتا ہو کہ ان کی بچیوں کی صحیح تعلیم وتربیت زاہدہ کے پاس نہیں ہوسکے گی، تو اسے قاضی شریعت کے پاس رجوع کرکے اپنے دعوی کو ثابت کرنا چاہئے اور دارالقضاء سے جو فیصلہ ہو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

رجوع کی نیت سے بیوی کو لینے سسرال جانا

سوال:- {1699} محمد فضل اللہ خان ولد محمد اعظم علی خاں میں اپنی زوجہ کو بحالت حمل میں مسلسل نافرمانیوں اور بے پردگی کی پاداش میں ایک طلاق دے چکا تھا، جس کے دوسرے دن زوجہ کے رشتہ دار کے بھائیوں سے ملاقات پر کچھ بحث ومباحثہ کے بعد میں رجوع کرنے کا ارادہ کیا، تیسرے دن طلاق لوٹانے اور اپنی زوجہ کو رجوع کرنے کی نیت سے اپنی زوجہ کے گھر گیا، وہاں میرے سسرال والے کچھ غنڈے عناصر کے ساتھ مل کر مجھ پر حملہ کئے اور شدید زخمی کردئے، اب وضع حمل ہوچکا ہے اور ڈھائی ماہ گزر چکے ہیں اور وہ لوگ مہر کی رقم

اور سامان کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

(علی احمد، شاہین نگر، پہاڑی شریف)

جواب:- رجعت کے لیے قول یا فعل ضروری ہے، جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں رجعت کے لیے مطلوبہ فعل موجود نہیں، لہذا اگر آپ نے زبان سے رجوع کیا، تو وہ آپ کی بیوی ہے، اور اگر آپ نے زبان کے ذریعہ بھی رجوع نہیں کیا یہاں تک کہ ولادت ہوگئی تو اب وہ آپ کی بیوی باقی نہیں رہی۔(۱) البتہ نئے مہر کے ساتھ از سر نو نکاح کر سکتے ہیں، مہر بیوی کا حق ہے اور اشیاء جہیز کی بھی خود وہی مالک ہے، اس لئے اگر طلاق کے بغیر بھی بیوی شوہر سے اپنے ان حقوق کا مطالبہ کرے تو کر سکتی ہے اور شوہر کو چاہئے کہ اس کے حقوق ادا کر دے جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو ایک حدیث میں اس کو زانی قرار دیا گیا ہے۔(۲)

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

(۱) "وإذا جاءت بولد ... انقضت العدة ولا تصح الرجعة" (الفتاوی الهندية: ۴۷۴/۱)

(۲) "من تزوج امرأة على صداق وهو لايريد أن يعطى لها به فهو زان" (مجمع الزوائد: ۲۸۴/۴)

طلاق کنایہ کے احکام

الفاظ کنایہ سے طلاق

سوال:- {1700} کسی شخص نے حالت غصہ میں درج ذیل کلمات کہہ دیئے تو کیا ان سے طلاق ہو جائے گی؟

(الف) تم آزاد ہو، جو چاہو سو کرلو، (ب) میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں، (ج) اپنے مہر کی رقم لو اور میکہ چلی جاؤ۔

(محمد سکندر شریف، چندرائن گٹہ)

جواب:- یہ الفاظ فقہی اصطلاح کے مطابق طلاق کے لئے کنایہ ہیں، اگر مرد کہتا ہو کہ میری مراد اس سے طلاق دینا تھی، تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں، ان میں سے پہلا فقرہ یعنی ''تم آزاد ہو جو چاہو سو کرو'' اس سے اس صورت میں بھی طلاق واقع ہو جائے گی جب اسے عورت کے مطالبہ طلاق کے جواب میں کہا جائے، خواہ مرد کہتا ہو کہ اس کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی:

" إذا قال لامرأته : اعتقتك تطلق إذا نوى أو

دل علیه الحال" (۱)

بقیہ کلمات میں چونکہ انکارِ طلاق کے معنی کی بھی گنجائش ہے، اس لئے اگر عورت کے مطالبۂ طلاق کے جواب میں کہے پھر بھی جب تک مرد طلاق دینے کی نیت ظاہر نہ کرے طلاق واقع نہیں ہوگی۔(۲)

بیوی کو ''چلی جاؤ'' کہنا

سوال:- {1701} میں نے اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کے ارادہ سے تین بار غصہ سے اس طرح کے الفاظ کہے کہ ''تم چلی جاؤ، تم نکل جاؤ، تو چلی جا'' اس کے بعد میرا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور پھر ہم دونوں مل گئے، ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

(عبید اللہ، چنچل گوڑہ)

جواب:- ''تو چلی جا'' اور ''نکل جا'' کے الفاظ فقہی اصطلاح کے مطابق کنایہ کے الفاظ ہیں اور ایسے الفاظ کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر خود بولنے والا شخص اس کا اظہار کردے کہ وہ طلاق کے ارادہ سے ایسے جملے کہہ رہا ہے تو اس کی وجہ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور یہ طلاق طلاق بائن کہلاتی ہے، پھر ایک طلاق بائن ہوجانے کے بعد دوبارہ طلاق کنائی نہیں پڑتی، (۳) لہذا صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، اور وہ آپ کی بیوی نہیں رہی —— البتہ اگر وہ پھر آپ کے ساتھ میاں بیوی کے حیثیت سے زندگی گزارنے کو تیار ہے تو بلا تاخیر دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔(۴)

---

(۱) رد المحتار:۴/۴۵۵۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۴/۳۳-۵۲۸۔

(۳) " ولایلحق البائن البائن " (مجمع الأنهر :۱/۴۰۶)

(۴) " و انتقلی ، وانطلقی کألحقی وفی الحقی برفقتك یقع إذا نوی " (الفتاوی الهندیة :۱/۳۷۵)

طلاق کی جھوٹی حکایت

سوال:- {1702} کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی بات پر ٹکراؤ ہو جانے کی وجہ سے کہا کہ ''آج سے میرا اور تمہارا تعلق ختم ہو گیا' میں آزاد اور تم آزاد، تم جو بھی کام کروگی میں کچھ ٹوکوں گا نہیں'' اس کے بعد دونوں کے درمیان تعلقات خوشگوار رہے، چند دنوں کے بعد پھر تکرار ہو گئی، چنانچہ اس نے ایک تحریر بیوی کو لکھا تھا کہ بیوی ڈر جائے، حالانکہ اس میں لکھا ہوا تھا کہ ''میں نے تم کو طلب کیا''، لیکن اس نے بیوی سے کہا کہ ''دیکھو میں نے اس میں طلاق لکھ دیا ہے، اب سے میرے اور تمہارے درمیان تعلقات ختم ہو گئے ہیں، میں نے تین بار لکھ دیا، اب دیکھو رونے سے فائدہ نہیں، طلاق تو ہو گئی''، جب وہ زیادہ رونے لگی تو اس نے کہا کہ ''میں نے طلب لکھا تھا، طلاق کی بات میں نے یوں ہی کہا، ڈرانے کے لئے جھوٹ کہا'' اس کے بعد دونوں ساتھ رہنے لگے، لیکن چند روز کے بعد دوبارہ تکرار ہو گئی تو اس نے بیوی سے کہا کہ ''میں نے تم کو ایک طلاق دی'' اس کے بعد معاملہ ختم ہو گیا، یعنی دونوں ساتھ رہنے لگے، جب لوگوں سے معلوم ہوا کہ طلاق پڑ گئی ہے تو اس کے بعد دونوں الگ رہنے لگے، ـــــ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وہ شخص اپنی بیوی کو لوٹا سکتا ہے، اور بیوی پر کتنی طلاق اور کس نوعیت کی طلاق واقع ہوئی؟ ـــــ واضح ہو کہ اس شخص کا اس

بات پر اصرار ہے کہ ''میں نے پہلے کنائی جملے میں کبھی بھی
طلاق واقع کرنے کی نیت نہیں کی تھی، اور اخیر میں بھی ایک
طلاق جو واقع کی گئی، وہ بھی صرف ڈرانے کے لئے'' چونکہ اس
کو معلوم تھا کہ ایک طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے، اس لئے
اس نے ایک طلاق دی تھی، تا کہ بیوی کو خوف بھی پیدا ہو، اور
وہ رجعت بھی کر لے۔　(سید عبدالقدوس، بھارت ڈرسس)

جواب:- (الف) ''میرا اور تمہارا تعلق ختم ہو گیا، میں آزاد اور تم آزاد، تم جو بھی کام کرو گی میں ٹوکوں گا نہیں'' یہ کنایہ کے الفاظ ہیں، ان سے اس وقت طلاق واقع ہوتی ہے، جب بولنے والے کی نیت طلاق دینے کی ہو، یا پہلے سے میاں بیوی میں طلاق کی بات چل رہی ہو، اس لئے جب شوہر کی نیت طلاق کی نہیں تھی تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔(۱)

(ب) جب اس نے تحریر میں لکھا ''میں نے تم کو طلب کیا'' اور بیوی سے جھوٹ کہا کہ ''میں نے اس میں طلاق لکھ دیا ہے'' جیسا کہ مستفتی نے میرے سامنے قسم کھا کر بھی یہ بات کہی ہے، تو یہ طلاق کے بارے میں جھوٹی حکایت ہوئی، پس اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم

(ج) شوہر کا بیوی سے یہ کہنا کہ ''میں نے تم کو ایک طلاق دی'' اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی۔

پس اگر استفتاء سچائی پر مبنی ہے، تو مذکورہ شخص کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے، عدت میں لوٹانے اور عدت گزرنے کے بعد باہمی رضامندی سے نیا نکاح کرنے کی گنجائش ہے، آئندہ ایسی باتیں کرنے سے گریز کرنا چاہئے ـــــ اگر شوہر نے تحریر میں واقعی طلاق ہی لکھی تو پھر اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں، اور ان دونوں کا ایک ساتھ رہنا حرام اور مسلسل گناہ کا ارتکاب ہوگا،، اس لئے مذکورہ شخص کو چاہئے کہ خوب غور کر لے، اور دنیا کے چند روزہ نفع کے لئے آخرت کا ابدی گناہ اپنے سر نہیں لے۔ و باللّٰہ التوفیق، واللّٰہ اعلم۔

(۱)　"الکنایات لا یقع بھا الطلاق إلا بالنیۃ أو بدلالۃ الحال" (الهدایۃ:۲/۳۷۴) محشی۔

تحریری طلاق کا بیان

باپ کا لکھا ہوا طلاق نامہ بیوی کو روانہ کرنا

سوال:- {1703} زید کے والد نے بعض گھریلو جھگڑوں کی بناء پر اپنے بیٹے کو ایک طلاق نامہ بنا کر بھیجی کہ دو گواہوں کے دستخط کے ساتھ اپنی بیوی کو بھیج دے، زید نے اسی طلاق نامہ کو نقل کر کے بغیر گواہوں کے دستخط کے ہندہ کے یہاں روانہ کر دیا، طلاق نامہ میں گواہوں کے خانے بالکل خالی ہیں اور ایسی شہادت نہیں کہ زید نے اپنی زبان سے طلاق کہا ہو اور طلاق کی نیت سے طلاق نامہ روانہ کیا ہو، یہ صرف اپنے باپ کی مرسلہ طلاق نامہ کی نقل ہے، کیا زید کا یہ روانہ کردہ طلاق نامہ قابلِ اطلاق ہے؟ کیا اس نقل کردہ تحریر بھیجنے سے طلاق پڑ جائے گی؟ (احمد عبداللہ شریف)

جواب:- طلاق کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ایک عاقل بالغ آدمی بحالت ہوش

وحواس زبان سے طلاق دے دے یا لکھ دے، بہر صورت طلاق واقع ہوجاتی ہے، لکھنے اور بولنے میں اتنا فرق ضرور ہے کہ بولی ہوئی طلاق اس وقت بھی امام ابوحنیفہؒ کے یہاں واقع ہوجاتی ہے جب شدید جبر اور دھمکی کی وجہ سے دی جائے، اور اگر جبر واکراہ کے باعث صرف طلاق لکھ دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کتب فقہ میں عام طور سے یہ مسئلہ موجود ہے۔(۱) جبر و اکراہ سے مراد ایسی حالت ہے کہ اگر وہ کام نہ کرے تو اس کی جان یا اس کی اولاد وغیرہ کی جان کا، یا اس نوعیت کے خطرات درپیش ہوں اور یہ خطرہ متوقع نہ ہو، بلکہ ہوا ہی چاہتا ہو، سوال میں جس اصرار اور دباؤ کا ذکر کیا گیا ہے وہ جبر واکراہ نہیں ہے، اور اس حالت میں طلاق نامہ کے ذریعہ دی گئی طلاق بھی واقع ہوجائے گی، نیز جہاں لفظ طلاق کے ذریعہ زبانی یا تحریری طلاق دے دی جائے، وہاں طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی شرط نہیں ہے، بلا نیت بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔(۲) البتہ مناسب ہوگا کہ طلاق نامہ کی تحریر کے ساتھ استفتاء کیا جائے، تاکہ مسئلہ کی نوعیت پوری طرح واضح ہوجائے۔

بیوی کو اطلاع کے بغیر تحریری طلاق

سوال:- {1704} محمد حلیم نے اپنی منکوحہ بیوی شمیمہ

---

(۱) " لأنه لو أكره على أن كتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق " (البحر الرائق : ۲۴۶/۳)

(۲) "فإن قلت الكتابة من الصريح أو من الكناية ؟ قلت : إن كانت على وجه الرسم معنونة فهي صريح و إلا فكناية " (البحر الرائق:۲۵۳/۳)" فالصريح كقوله : " أنت طالق ... ولا يفتقر إلى النية ؛ لأنه صريح فيه لغلبة الإستعمال " (الهداية : ۳۵۹/۲)

" لو استكتب من آخر كتابا بطلاقها و قرء ه على الزوج فأخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزو ج أنه كتابه " (رد المحتار : ۴۲۹/۲)

خاتون کو آپسی ناخوشگوار تعلقات کے باعث غصہ میں تحریری طلاق نامہ اس کی غیر موجودگی میں چار گواہوں کو رکھ کر لکھ دیا، جب کہ اس طلاق کا علم لڑکی کو نہیں ہوا، اور نہ ہی اب تک رو بہ رو معلوم ہوا، جب معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر گیا، تو یہ بات دوسرے ذرائع سے لڑکی اور اس کے گارجین کو معلوم ہوئی۔

ان حالات میں لڑکے والوں کا اصرار رہا کہ طلاق ہوگئی، دین مہر و عدت خرچ دے کر معاملہ ختم کر دیا جائے، لیکن لڑکی کی غربت اور سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے لڑکی کی طرف سے چند افراد ہمدردی میں اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ از روئے شرع قرآن وحدیث کی روشنی میں لڑکی کو دوبارہ اپنے بچے کے ساتھ شوہر کے پاس زندگی گزارنے دیا جائے، حالات کے باعث لڑکا بھی راضی ہے کہ اگر راستہ نکلتا ہے تو تیار ہوں۔

اس سلسلے میں دو جگہ سے مسئلہ دریافت کیا گیا، دونوں کے جواب الگ الگ ہیں۔

(الف) جواب:- حنفی مذہب اور بڑے بڑے علماء کے نزدیک یہ تحریری طلاق تین طلاق کے حکم میں ہیں، اس طرح یہ طلاق واقع ہوگئی، از روئے شرع اب رخصت کی کوئی گنجائش نہیں، حلالہ کرانی ہوگی۔

(ب) جواب:- تین طلاقیں ایک مجلس میں دی ہوئی ایک رجعی طلاق کے حکم میں ہے۔

انہوں نے حضرت ابن عباس ﷺ کی روایت نقل کی ہے،

رکانہ صحابی ﷺ نے تین طلاق دیدیا تھا۔ پھر بھی حضور ﷺ نے رجعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ، امام ابوحنیفہؒ کے استاذ گرامی علامہ نخعیؒ کے شاگرد رشید امام حمادؒ (معانی الآثار جلد ۳) اور مولانا حبیب الرحمٰن دہلوی کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا۔

اس طرح انہوں محمد حلیم کو اپنی منکوحہ بیوی شمیمہ خاتون کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حکم فرمایا۔

مسئلہ اور جواب دونوں کے پس منظر میں صحیح جواب دلائل کے ساتھ دینے کی درخواست ہے۔

(محمد صلاح الدین راعی ، قریشی محلہ ، آسنسول)

جواب:- ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں پڑجاتی ہیں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ شمیمہ خاتون اپنے شوہر پر حرام ہوگئی اور رجعت کی گنجائش نہیں، حضرت ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ ﷺ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک ہی کلمہ میں طلاقیں دیدیں تو آپ ﷺ نے ان کی بیوی کو ان سے علاحدہ فرمادیا، (۱) حضرت حسن ﷺ نے اسی طرح اپنی بیوی عائشہ کو تین طلاق دے دیں، بعد کو عائشہ کے رنج واندوہ کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ نانا سے یہ بات نہ سنی ہوتی کہ تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں تو لوٹالیتا، (۲) عبداللہ بن عمر ﷺ نے ایک خاص واقعہ میں حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہوتی تو کیا ہوتا؟ ارشاد ہوا: تم سے بائنہ ہوجاتی اور یہ کار گناہ ہوگا، (۳) حضرت عمران بن حصین ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا جس نے ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۷۰۲ تا ۳۷۱۳، باب المطلقة البائن لا نفقة لها۔ مرتب۔

(۲) السنن الکبری للبیهقي ، حدیث نمبر: ۱۳۹۷۱، باب ما جاء في إمضاء الطلاق الثلاث۔ مرتب۔

(۳) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۴۹۵۵۔ مرتب۔

اللہ کی نافرمانی کی اور بیوی کو اپنے آپ پر حرام کرلیا، (۱) یہ اور اس طرح کی متعدد روایات منقول ہیں، اس لئے ائمہ اربعہ — ابن تیمیہؒ و ابن قیمؒ کو چھوڑ کر — قریب قریب تمام ہی سلف صالحین ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے تھے۔

رہ گئی عبد اللہ بن عباس ﷺ کی روایت تو ابوداؤد میں یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے، اصل میں حضرت رکانہ نے لفظ مشتبہ کے ذریعہ طلاق دی تھی، یہ لفظ کنایہ ہے، اور اس میں ایک طلاق بائن یا تین طلاق دونوں معنوں کی گنجائش ہے، اس لئے حضور ﷺ نے تحقیق و تفتیش کے بعد ان کی نیت کو معتبر مانا، چوں کہ مشتبہ میں تین طلاق کے معنی کا احتمال بھی ہے، اس لئے بعض راویوں نے تین طلاق سے تعبیر کردیا ہے، جو محدثین اور اہل فن کے نزدیک راوی کا وہم ہے۔ (۲)

کیا تحریری طلاق نامہ پر دستخط سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

سوال:- {1705} وزیر صاحب نے تحریری طور پر جو متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں، دوسری بیوی کے اصرار پر طلاق دیدی اور اس کی تحریر بھی اپنی بیوی کے نام روانہ کردیا، اور لکھا کہ میں اپنی پہلی بیوی کو مطمئن کرنے کے لئے دیا تھا، تم پریشان نہ ہونا، ان کاغذات پر گواہوں کے دستخط بھی موجود ہیں، اور شخص مذکور کی بیوی حالت حمل سے ہے، اس صورت میں شاہدہ مظہر پر طلاق پڑی یا نہیں؟ (محمد ظہیر الدین شریف)

---

(۱) السنن الکبری بیهقی: ۷/۳۳۴۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۱۹۶، باب نسخ المراجعت بعد تطلیقات الثلاث۔ مرتب۔

جواب:- صورت مسئولہ میں شاہدہ مظہر پر طلاق واقع ہوگئی، طلاق نامہ پر اس کو طلاق نامہ جانتے ہوئے دستخط کردینا طلاق واقع ہونے کے لئے کافی ہے۔(۱) خواہ اس کا مقصد زوجۂ اول کو مطمئن ہی کرنا کیوں نہ ہو،--- حالت حمل میں بھی دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔(۲) پھر چوں کہ منسلکہ طلاق نامہ میں تین طلاقوں کا ذکر ہے، اس لئے مغلظہ واقع ہوگئیں، حلالہ کے بغیر دوبارہ اس مرد کی زوجیت میں نہیں جاسکتی۔(۳)

تحریری طلاق کا حکم (فقہ شافعی میں)

سوال:- {1606} ایک شخص نے تحریری طلاق نامہ رجسٹرڈ پوسٹ کے ذریعہ روانہ کیا عورت نے اس کو اپنے شوہر کا خط سمجھ کر کھولا، دیکھا تو اس میں طلاق نامہ تھا جس کا لڑکی کو علم نہ تھا اور نہ ہی لڑکی دفتر میں بوقت طلاق موجود تھی، اور نہ ہی اس طلاق نامہ پر لڑکی کے دستخط ہیں تو کیا شافعی مسلک کے اعتبار سے یہ طلاق پڑ جائے گی؟ (یوسف ٹیچر، سید علی گوڑہ، حیدرآباد)

جواب:- امام شافعیؒ کے یہاں تحریری طلاق واقع ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ لکھنے کے وقت شوہر کی نیت طلاق کی ہو، دوسرے تحریر کے لئے ایسی چیز کا استعمال

---

(۱) "لو استکتب کتابا بطلاقها فاخذه الزوج و ختمه و عنونه ، و بعث إليها فأتاها وقع" (شامی : ۴۲۹/۲ـ)

(۲) "و طلاق الحامل يجوز عقيب الجماع" (الهداية :۳۵۶/۲) محشی۔

(۳) "و إن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنيتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها و الأصل فيه قوله تعالىٰ فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" (الهداية : ۳۷۹/۲) محشی۔

کیا جائے جس پر تحریر کا نقش باقی رہ سکے، مثلاً: کاغذ، تختی، دیوار، وغیرہ، تیسرے یہ کہ خود شوہر طلاق لکھے۔(۱) لڑکی کو طلاق کا علم یا اس کی دستخط ضروری نہیں ہے، اس لئے مسلک شافعی کے مطابق بھی طلاق واقع ہوگئی۔

زبردستی تحریری طلاق

سوال:- {1707} شوہر سے زبردستی طلاق لکھوالی جائے تو کیا طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

(حبیب حسن بن حبیب صالح الحامد، گلبرگہ)

جواب:- اگر زبردستی طلاق لکھوالی جائے، زبان سے کہلوایا نہ جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

"فلو أکره أن یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق" (۲)

طلاق بائن بذریعہ اشتہار

سوال:- {1708} مسمی سید صلاح الدین ولد سید ولی الدین نے اپنی زوجہ بی بی انیس فاطمہ بنت میر عنایت علی کو روبرو گواہاں طلاق بائن دیدی، جو ایک ایڈوکیٹ کے ذریعہ اشتہار روزنامہ میں شائع کیا، کیا ایسی صورت میں بی بی انیس فاطمہ کے لئے دوبارہ اپنے شوہر سے رجوع ہونے کے لئے حلالہ ضروری ہے یا تجدید نکاح ضروری ہے؟　　(نامعلوم)

---

(۱)　کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة:۴/۲۹۳۔

(۲)　رد المحتار:۴/۴۴۰۔

جواب:- مذکورہ صورت میں از سرنو نئے مہر کے ساتھ نکاح کرلینا کافی ہے،(۱) حلالہ کی ضرورت نہیں، اگر طلاق مغلظہ (تین طلاق) دی ہوتی تب حلالہ ضروری ہوتا۔

ٹیلی گرام کے ذریعہ طلاق

سوال:- {1709} بیرون ملک سے اس کے جواب میں لڑکی کے شوہر نے ایک ٹیلی گرام دیا، وہ یہ ہے کہ:

"Ree ewed Register forget erery this promire erery this will loe O.K send. aughter immediately of Buaree."

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "رجسٹری ملا، سب کچھ بھول جاؤ، سب کچھ وعدہ کرتا ہوں، بیٹی کو جلدی بھیجو، دیکھو، ورنہ طلاق" یہ ٹیلی گرام آکر زائد از دوسال کا عرصہ ہوا، اب یہ طلاق لڑکی پر عائد ہوئی یا نہیں؟ (نعمت اللہ، مظفر پور)

جواب:- "ڈائیورس" (Ree ewed) کا لفظ انگریزی زبان میں طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے اصول کے مطابق طلاق رجعی مشروط ہوئی، جیسا کہ فقہاء نے "رہا کردم" کے الفاظ سے طلاق رجعی واقع کی ہے۔(۲) —— اب چوں کہ اس ٹیلی گرام کے آنے کے بعد لڑکی کو اس کے سسرال نہ بھیجا گیا، بلکہ دوسال کا عرصہ گزر چکا ہے، اس لئے یہ طلاق واقع ہوگئی، چوں کہ یہ طلاق رجعی ہے، اس لئے عدت کی تکمیل تک لوٹانا اور رجعت کرنے

---

(۱) " وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلث فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها " (الهداية :۲/۳۹۹)

(۲) الدر المختار :۲/۳۶۸۔

کی گنجائش تھی، عدت تین حیض ہوتی ہے، اگر اس عدت میں شوہر نے نہ لوٹایا ہو، تو طلاق بائن ہوگئی، عورت اس کی بیوی نہیں رہی اور اب رجعت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

کیا پولیس کی دھمکی اکراہ ہے؟

سوال:- {1710} بخدمت حضرت مفتی صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج بعافیت ہوں گے، ذیل کا مسئلہ دریافت طلب ہے، امید ہے جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

زید کا ہندہ سے نکاح ہوکر تقریباً نو دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے، کوئی اولاد نہیں ہے، بہر حال دونوں باہم الفت و محبت اور ایک دلی کے ساتھ رہتے ہیں، کوئی جھگڑے، نا اتفاقیاں نہیں ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ ابھی حال میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ عورت کا غیر مرد سے ناجائز تعلق ہے، یہ بات شوہر کے علم میں بھی آئی جس سے شوہر نے کافی تکلیف اٹھائی اور کافی پریشان بھی رہا، لیکن اس کے باوجود شوہر کو قطعاً علیحدہ کرنے یا طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، نیز خود عورت بھی اپنے شوہر سے علیحدگی نہیں چاہتی تھی، اور نہ پہلے سے اس کو اپنے شوہر سے کوئی شکایت تھی، لیکن لڑکی والوں کی زبردستی اور اصرار کی وجہ سے عورت کو علیحدگی پر راضی ہونا پڑا، اسی طرح لڑکا بھی اپنے خاندانی دباؤ اور اصرار کی وجہ سے علیحدہ کرنے پر مجبور ہوا۔

لڑکے کی جانب سے طلاق نامہ اور لڑکی کی طرف سے خلع نامہ دونوں بھی لڑکی والوں نے تیار کرایا جس میں لڑکے کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ دونوں مضامین دونوں کے ذمہ داروں کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا، جس میں یہ دونوں بھی موجود تھے، اور دونوں کا دستخط بھی لے لیا گیا، اگر چہ جبرًا اور دھمکی کے ساتھ تو نہیں تھا، لیکن دلی رضامندی کے ساتھ دستخط نہیں تھا، بلکہ پورے طور پر اس سے دونوں بھی ناراض تھے۔

لڑکی والوں نے خود لڑکی ہی کا خلع نامہ اس طرح لکھایا:

''میں موتی جان میرے شوہر سورے خاں کو حسب ذیل طلاق نامہ لکھا (ان لوگوں میں یہی خلع نامہ بھی ہے) ہماری شادی ہو کر تقریباً دس سال ہو چکے ہیں، اور چند دنوں سے باہمی نااتفاقی کی وجہ سے علیحدہ رہے (یہ لڑکی کا بیان نہیں) میں تیل پول؛ (لڑکی کا وطن) کے ذمہ دار لوگوں کو اور انجیلہ (لڑکے کا وطن) کے ذمہ داروں کو لے کر اپنے شوہر کے پاس گئی، اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ مہر کی جو رقم ابھی پہنچنے والی ہے (بجائے مہر معاف کرانے کے) وہ اور جہیز کا پورا سامان واپس کر دو، اور طلاق بھی دو، چنانچہ شوہر نے ان سب لوگوں کے سامنے مجھے سب سامان حوالہ کر دیا، اور مجھے طلاق بھی دے دیا، لہذا اب مجھے ان کے دوسری شادی میں کوئی اعتراض نہیں ہے، یہ تحریر میں اپنی رضامندی سے لکھی ہوں (یہ ایک گاؤں کا واقعہ ہے، مسائل سے بالکل ناواقف ہیں، مضمون تلگو زبان میں تھا، جس کو اردو میں ترجمہ کر دیا گیا تا کہ صورت واقعہ کھل کر

سامنے آجائے)

اور پھر لڑکی والوں نے ہی لڑکے کا طلاق نامہ اس طرح لکھایا:

"بتاریخ ۷ر جنوری ۲۰۰۱ء جناب اکبر خاں صاحب کے فرزند سورے خاں کا اپنی بیوی کو تحریر کردہ یہ طلاق نامہ ہے، ہماری شادی ہوکر تقریباً دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے، لیکن چند دنوں سے دونوں میں باہمی نااتفاقیوں کی وجہ سے علیحدہ رہے، میری بیوی میل پول اور انجیلہ کے ذمہ داروں کے ساتھ میرے پاس آئی اور کہا کہ مجھے ساتھ رہنا اور زندگی گزارنا نہیں ہے، لہذا مہر کی بقیہ رقم اور جہیز کے سامان واپس کردو، اور طلاق دے دو، بہر حال میں تمام مذکورہ لوگوں کے سامنے تمام سامان حوالہ کردیا، اور اب میں طلاق طلاق طلاق دے دیا ہوں، اب میری بیوی کے لئے دوسری شادی کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں، یہ میری رضامندی سے لکھا ہوا طلاق نامہ ہے"

یہ پورا مضمون لڑکے نے نہیں لکھا ہے اور نہ لڑکے نے زبان سے طلاق دیا ہے، بلکہ صرف اس مضمون کو پڑھ کر دستخط کردیا ہے۔

یہاں تک تو ان لوگوں کے مابین جو کارروائی ہوئی اس کا خلاصہ ہے، اب اس واقعہ کی روشنی میں یہ سوال ہے کہ لڑکی والوں نے جو طلاق نامہ لکھایا، اگر اس طلاق نامہ کو پڑھ کر اور سمجھ کر اس پر دستخط کردیا تو اس دستخط سے طلاق ہوگی یا نہیں؟

اگر واقع ہوگی تو طلاق نامہ میں لفظ طلاق تین مرتبہ مکرر لکھا گیا ہے، تو اس سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

نوٹ:- لڑکے نے طلاق نامہ دیکھ کر یہ اعتراض کیا تھا کہ بجائے طلاق کے خلع ہی کے الفاظ لکھے جائیں، لیکن لڑکی والوں نے اس کو نہیں مانا، بلکہ یہ کہا کہ اگر یہ تسلیم نہیں ہے تو پھر پولیس کے ذریعہ ہی تصفیہ ہو سکے گا، چنانچہ لڑکے نے خاموشی اختیار کر کے اسی پر دستخط کر دیا، کچھ دن کے بعد لڑکا اور لڑکی رضامند ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے ہیں، اب فی الوقت وہ دونوں ساتھ ہی رہ رہے ہیں، اگرچہ دونوں کے سرپرست بالکل ناراض ہیں، لیکن یہ دونوں علیحدہ ہونا نہیں چاہتے ہیں، تو اب ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ امید ہے جلد جواب سرفراز فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

(محمد نعیم، گنگور)

جواب:- (منجانب صدر مفتی، دارالعلوم دیوبند)

هو الموفق - اگر زید شوہر کو اقرار ہے کہ پنچوں نے جو طلاق نامہ لکھا تھا اور جو سنایا گیا اس کو شوہر نے بھی سنا اور سمجھا اور اس نے اس پر بلا جبر و اکراہ دستخط کر دیا، جیسا کہ سوال میں صراحت ہے: ''اگرچہ جبر اور دھمکی کے ساتھ نہ تھا، لیکن دلی رضامندی کے ساتھ دستخط نہیں تھا''

تو اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں، اور بیوی شوہر پر حرام ہو گئی، آگے یہ بھی سوال میں صراحت ہے کہ لڑکی والوں نے طلاق نامہ لکھایا اگر طلاق نامہ کو پڑھ کر سمجھ کر اس پر

دستخط کردیا، —— اب بلا حلالہ شرعی دوبارہ اس مطلقہ ثلاثہ سے شوہر دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا ہے:

"فإن كان الطلاق ثلاثا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ، و يدخل بها ثم طلقها أو مات عنها" (هدايه)

(نوٹ) یہ کاغذ دوسرے کا لکھا ہوا ہے، اگر شوہر کو اعتراض ہو یا وہ صحیح نہیں سمجھا ہو تو اس کو صحیح صورت حال لکھ کر معلوم کرنا چاہئے ۔—— سوال میں پولیس کی دھمکی کا تذکرہ موجود ہے، اس لئے اسے بلا وجہ اکراہ نہیں کہا جا سکتا ہے، اگر دستخط جبر کی وجہ سے کیا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

محمد ظفیر الدین عفی عنہ الجواب صحیح الجواب صحیح
مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی عبداللہ حبیب الرحمٰن

سوال:- قابل احترام جناب حضرت مولانا سلام مسنون

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی عورت کو دوسرے مرد کے ساتھ تنہائی میں دیکھا گیا، در حقیقت بدفعل کا کوئی ثبوت نہیں، صرف تنہائی کو دیکھ کر لڑکی والے لڑکے کو خلع پر جبراً آمادہ کئے اور خاوند نے اپنی زبان سے لفظ طلاق نہیں کہا۔ بلکہ لڑکی والوں نے پرچہ لکھ دیا، البتہ دستخط کر دیا گیا، اس صورت میں طلاق واقع ہوئی کہ نہیں، ان دونوں کے بارے میں کیا حکم شریعت ہے؟

(کتبہ: حافظ اصغر علی، گنگور، اے، پی)

جواب:- (منجانب نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند)

الجواب وباللہ التوفیق ۔ صورت مسئولہ میں اگر
واقعۃً شوہر نے طلاق زبان سے بالکل نہیں دی ہے، صرف
کاغذ پر دستخط کئے ہیں، تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط۔

محمد عبداللہ غفرلہ الجواب صحیح

نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

جواب:- سوال نامہ اور ان دونوں فتاویٰ کی روشنی میں راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ پولیس کا خوف بھی اکراہ میں داخل ہے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی تمام باتیں جو آدمی کی عدم رضا کا موجب ہوسکتی ہوں ''اکراہ'' میں داخل ہے، اور یہ لوگوں کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے، سماج کے باعزت لوگوں کے لئے سخت کلامی بھی ''اکراہ'' کے پائے جانے کے لئے کافی ہے، اور عام لوگوں کے لئے شدید مار پیٹ کا خوف ''اکراہ'' شمار ہوگا، علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں :

" أو موجبا يعدم الرضا و هذا أدنى مراتبه و هو يختلف باختلاف الأشخاص ، فإن الأشراف يغمون بكلام خشن، و الأراذل ربما لا يغمون إلا بالضرب المبرح " (۱)

اس کی بھی صراحت فقہاء کے یہاں موجود ہے کہ تکلیف دہ اور رسوا کن مار پیٹ اور ایک دن سے زیادہ کی قید بھی ''اکراہ'' میں داخل ہے: درمختار میں ہے: "أو حبس أو قيد مديدين ... " (۲) پھر علامہ شامیؒ نے " حبس مديد " یعنی طویل قید کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد :۹/۱۷۸۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد :۹/۱۷۹۔

"فیہ اشارۃ إلی أن الحبس المدید ما زاد علی یوم"(۱)

پولیس کے ذریعہ شدید اور رسوا کن مار پیٹ اور دو چار روز حوالات میں بند رکھنے کا عمل نادر نہیں، بلکہ عام طور پر ملزم کو اس سے دو چار ہونا پڑتا ہے، اور ''اکراہ'' کی حالت میں اگر صرف طلاق نامہ تحریر کیا مگر زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے ہوں تو طلاق واقع نہیں ہوگا، اس لئے اس حقیر کا خیال ہے کہ پولیس کی دھمکی بھی ''اکراہ'' میں داخل ہے، لہذا جو صورت دریافت کی گئی ہے اس میں ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

کیا کچھ بولے بغیر صرف لکھنے سے طلاق ہوگی؟

سوال:- {1711} ''طلاق نامہ کا ایک ٹکڑا تم کو روبرو گواہاں ذیل طلاق بائن (طلاق طلاق طلاق) دیدیا ہوں''

یہ تحریر شوہر کے والد کے حکم سے لکھی گئی ہے، شوہر کو خود بھی اس کی اطلاع تھی، محمد اسد ولد محمد عمر صاحب نے اپنی زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے، البتہ اس تحریر پر دستخط کیا۔

یہ تحریر اردو زبان میں تھی، محمد اسد اردو زبان سے واقف نہیں تھے، انہوں نے انگریزی میں دستخط کیا، باپ کی طرف سے اخلاقی دباؤ کے تحت انہوں نے دستخط کیا، کیا اب ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی؟ اور اگر ہوگئی تو کیا دوبارہ دونوں کے ملائے جانے یا ازسر نو نکاح کرنے کی کوئی گنجائش ہے؟

(محمد اسد، گلبرگہ)

جواب:- مذکورہ صورت میں چوں کہ شوہر کو خود اس کی اطلاع تھی اور اس کا دستخط بھی

---

(۱) رد المحتار : ۱۷۹/۹۔

تحریر میں موجود ہے، اس لیے اس پر تین طلاق واقع ہوگئی، (۱) اور عورت اس کی بیوی باقی نہیں رہی، طلاق اخلاقی دباؤ کے باوجود اگر تحریری طور پر دی جائے تو بھی واقع ہوجاتی ہے، اب وہ عورت محمد اسد کے لیے حلالہ کے بغیر حلال نہ ہوگی۔

خطوط کے ذریعہ طلاق

سوال:- {1712} کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل حالات میں میری لڑکی دوچار ہوئی، میری لڑکی مسماۃ طاہرہ بیگم کی شادی ۱۹۸۲ء میں عبدالمقتدر خاں سے ہوئی جو قطر میں ملازمت کر رہے ہیں، ہر دو سال کے بعد کریم نگر آتے تھے، اور دو ماہ رہ کر واپس ہوجاتے تھے، اس دوران میری لڑکی سسرال میں رہتی تھی، اس اثناء دو لڑکے بھی تولد ہوئے، لیکن جب تیسری بار عبدالمقتدر خاں کریم نگر آکر واپس قطر ہوئے تو طاہرہ بیگم کے خسر وساس نے بچی کو زبردستی دواخانہ لے جاکر ایک ماہ کا حمل ساقط کرادیا۔

یہاں سے گھریلو جھگڑے سسرال والے کے شروع ہوئے، چھوٹے موٹے الزامات کے چرچے شروع ہوئے، کہ بہو گھر کا کام برابر نہیں کرتی، زیادہ دیر تک سوتی ہے، کام سلیقہ کا نہیں کرتی، بہر حال یہی باتیں زور شور سے ہونے لگیں، لیکن لڑکی طاہرہ بیگم جو صابرہ وشاکرہ قسم کی لڑکی ہے، کسی کو کسی کا جواب دیئے بغیر خاموشی سے برداشت کرتی رہی، لیکن آخر

---

(۱) "ولو استكتب كتابا بطلاقها وقرءه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع" (رد المحتار: ۴۲۹/۲) محشی۔

لڑکی کو طرح طرح سے رسوا کر کے میکہ مع لڑکوں کے بھیجدیا، جس کو آج ڈیڑھ سال کا عرصہ ہورہا ہے، عبدالمقتدر خاں کو ان کے والد عبدالحمید خاں نے جھوٹے الزامات بہو پر لگا کر ایک سادہ کاغذ پر عبدالمقتدر خاں کے دستخط منگوالئے کہ جس کے ذریعہ بہو کو طلاق نامہ دے کر عبدالمقتدر خاں کے دوسرے نکاح کا بندوبست کردیں، اس طرح خود بچے کے والد عبدالحمید خاں نے خودساختہ طلاق نامہ، طلاق مغلظہ سہ بارہ تاریخ ۲۵؍۳؍۱۹۸۷ء کو بذریعہ رجسٹری جناب نائب قاضی کریم نگر کے پاس بھیجدیئے، بچے کے والد عبدالحمید خاں نے بتاریخ ۲۷؍۵؍۱۹۸۷ء کو ایک خط قاضی صاحب کو دست بدست دے کر توجہ دلائی کہ میرا بیٹا عبدالمقتدر خاں اپنی بیوی کے لئے طلاق نامہ آپ کو تکمیل کرانے کو کہا ہے، لہذا آپ لڑکی کے والد غلام اصغر علی صدیقی کو دے کر پابند کریں، اس طرح قاضی صاحب نے یکم جون ۱۹۸۷ء کو بذریعہ رجسٹری میرے نام جس میں طاہرہ بیگم کو فہمائش دیئے کہ تمہارے خاوند نے تم کو طلاق دیدی ہے، لہذا تم میرے دفتر پر حاضر ہوکر تمہارے جہیز میں دیا سامان حاصل کرلو۔

دکن میں عام طور پر سسرال والوں کا سلوک پر تشدد ہوتا ہے، ہر لڑکی کو نشانۂ ملامت بننا پڑتا ہے، طاہرہ بیگم چوں کہ انٹر پڑھی لکھی اور ایک بااخلاق اور سمجھدار صابرہ لڑکی ہے، اور وہ یہی سمجھتی رہی کہ شوہر کے آنے تک تو ان حالات کا مقابلہ کرنا ہی پڑے گا، مگر شوہر سے طلاق دلوائی جائے گی، اور اتنا بڑا اقدام

ہوگا، وہ سوچی بھی نہیں، اور عام طور پر وہ ان حالات میں بھی خوش تھی۔

اب کریم نگر کے چند معزز مہمان لڑکے کے والد سے جب مل کر علیحدگی کی وجہ دریافت کئے، تو چھوٹے موٹے الزامات کے سوا انہوں نے کوئی سنگین الزام نہیں لگایا، جس کی بناء پر مصالحت کی کوشش دوست واحباب نے شروع کی اور صلح کروادیا گیا۔

اب لڑکے کے والد ایک مجرم کی طرح اپنا قصور اقبال کر کے پھر سے رشتہ کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، جب کہ سب حالات سامنے آچکے ہیں، تو لڑکے کے والد بے حد شرمندگی محسوس کر کے طاہرہ بیگم کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے، اس کی تلافی کے درپے ہیں، اور اب عبدالحمید خاں اور ان کی بیوی ہم سے آکر معافی مانگ رہے ہیں، اور لڑکی کو سسرال بھیجنے کو کہہ رہے ہیں، لڑکے کے والد اعتراف کرتے ہیں کہ لڑکے کا ہم دستخط سفید کاغذ پر منگوا کر اس پر طلاق نامہ کا مضمون خود لکھوادیا تھا، شاید اس لحاظ سے رشتہ کی استواری میں گنجائش ہو، اب وہ لوگ اپنے کئے پر پشیماں ہیں۔

ایسے میں اب مسمی غلام اصغر علی صدیقی جو طاہرہ بیگم کا ضعیف باپ کے ناطے عالی جناب سے ادنا گزارش کرتا ہے کہ مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں تفصیل چاہتا ہوں کہ آیا وہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں، کیا کچھ مصالحت کی گنجائش ہے؟

مخفی مباد کہ عبدالمقتدر خان کا براہ راست روانہ کردہ

طلاق نامہ آج تک موصول نہیں ہوا، البتہ میں نے قاضی کریم نگر کے پاس سے اسکی ایک نقل حاصل کی ہے، بس، حالات حاضرہ کے تحت طلاق نامہ کی نقل پیشِ خدمت ہے، نیز میرے نام کا لفافہ بھی مرسل خدمت ہے، براہ کرم مہربانی فرما کر فتوی عنایت فرمائیے۔

(قاضی کے پاس ارسال شدہ طلاق نامہ)

۷۸۶

تاریخ: ....

مقام: .... ذریعہ رجسٹری

نقل طلاق نامہ میری زوجہ طاہرہ بیگم کو:

مسمی عبد المقتدر خاں بن عبد الحمید خاں صاحب بہوش وحواس اپنی بیوی طاہرہ بیگم بنت اصغر علی صدیقی کو کچھ وجوہات ذاتی، جیسے: (۱) میری زوجہ کو اصغر علی صدیقی کا میری نافرمانی کرانا، (۲) میری غیر موجودگی میں اپنے سسرال والوں کی خدمت نہ بجالانا، (۳) نیز میری آمدنی کا ناجائز استعمال کرنا اور میری اجازت کے بغیر اپنے میکہ میں نامعلوم طریقے سے خرچ کرنا اور میرے سامان اور استعمال کی چیزیں میکہ میں لے جاکر تصرف میں لانا، بچوں کی دیکھ بھال صحیح طریقہ پر نہ کرنا، اپنی سازش کے ذریعہ خاندان میں فساد برپا کرنا، اور میری ہر بات سے اختلاف کرنا، ان تمام مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر اپنی زوجہ طاہرہ بیگم کو تین طلاقیں (طلاق مغلظہ) طلاق، طلاق، طلاق دے رہا ہوں، اس طلاق نامہ کے پہونچتے ہی

اس طلاق نامہ کو وصول کر کے یا پڑھتے ہی طاہرہ میری زوجیت سے خارج سمجھیں، اس کے قبل میں مبلغ ۵۰۰۰ر روپے بذریعہ ڈرافٹ بھیجد یا ہوں، اور نان ونفقہ بھی، —— اس کی ایک کاپی جناب قاضی شاہ خاں صاحب (نائب قاضی) مکان نمبر 110-3-5 ریم نگر، آندھرا پردیش، بغرض اطلاع مرسل ہیں۔ فقط

جواب:- (الف) طلاق نامہ کے مضمون میں ایک فقرہ یوں ہے: ''اس طلاق نامہ کے پہونچتے ہی، اس طلاق نامہ کو وصول کر کے پڑھتے ہی طاہرہ میری زوجیت سے خارج سمجھے'' جس میں طلاق نامہ کو وصول کرنے یا عبدالمقتدر خاں کے بھیجے ہوئے طلاق نامہ کو پڑھنے کی شرط پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے، اور استفتاء کی وضاحت کے مطابق عبدالمقتدر خاں کی زوجہ طاہرہ بیگم کو طلاق نامہ براہ راست پہونچا نہیں ہے، بلکہ صرف قاضیؔ وقف تک طلاق نامہ پہونچا ہے، اور طاہرہ بیگم نے اس کی نقل حاصل کی ہے، پس اگر طاہرہ بیگم نے اس طلاق نامہ کو نہ پڑھا تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے تحریر طلاق مرتب کی اور لکھا کہ جب یہ تحریر تم تک پہونچے تو طلاق واقع ہو جائے گی، تو طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے، جب کہ اصل تحریر بیوی کو مل جائے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

'وإن علق طلاقها بمجیئ الکتاب بأن کتب إذا جاءك کتابی هذا فأنت طالق، مالم یجیئ إلیها الکتاب، لا یقع"(۱)

طلاق نامہ کا اوپر جو فقرہ نقل کیا گیا ہے اس سے پہلے کی عبارت یوں ہے'' مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر اپنی زوجہ (بیوی) طاہرہ بیگم کو تین طلاقین (طلاق مغلظہ) طلاق، طلاق، طلاق،

(۱) الفتاوی الهندیة :۱/۳۷۸۔ محشی۔

دے رہا ہوں' ان الفاظ سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی یہ طلاق مشروط اور معلق نہیں ہے، بلکہ منجز اور فی الفور قابلِ وقوع ہے، مگر چوں کہ اس کے بعد کسی فصل کے بغیر طلاق نامہ کے وصول کرنے یا پڑھنے کی شرط سے طلاق کو مشروط کردیا گیا ہے، اس لئے طلاق کو مشروط اور معلق سمجھا جائے گا، فقہ کی کتابوں میں ''استثناء فی الطلاق'' کے مسئلہ میں اس کی نظیر موجود ہے، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"وإذا قال لامرأته أنت طالق إنشاء الله ، لم يقع الطلاق و لهذا يشترط أن يكون متصلا به بمنزلة سائر الشروط"(۱)

(ب) استفتاء میں اس بات کا ذکر ہے کہ عبدالحمید خاں نے اپنے بیٹے عبدالمقتدر خاں سے اس کا دستخط شدہ کاغذ منگوایا، اگر طلاق کی صراحت اور وضاحت کے بعد دستخط منگوایا کہ اس کی بیوی کو طلاق دی جائے گی، اور اس بات کی بھی صراحت کردی کہ تین طلاق دی جائے گی، یا صرف یوں ہی منگوالیا اگر طلاق کی صراحت کے بعد دستخط منگوایا اور پھر اپنی طرف سے اس پر طلاق لکھ دی، تو یہ طلاق واقع ہونے کے لئے کافی ہوگا، اور اگر یوں ہی دستخط شدہ کاغذ منگوایا اور اپنی طرف سے طلاق لکھ دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، —— تاہم اوپر طلاق نامہ کی جو تحریر ذکر کی گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ طلاق معلق اور مشروط ہے، لہذا اگر طاہرہ بیگم نے خود سے اس طلاق نامہ کو پڑھ لیا تبھی اس پر طلاق واقع ہوسکتی ہے۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

(۱) الهداية:۲/۳۶۹۔ محشی۔

حالتِ نشہ اور حالتِ اکراہ کی طلاق

حالتِ نشہ کی طلاق

سوال:- {1713} اگر نشہ آور دواؤں کے استعمال کے بعد کوئی شخص طلاق دے دے تو کیا طلاق پڑ جاتی ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، کریم نگر)

جواب:- اگر نشہ کی حالت میں طلاق دے دے تو احناف اور اکثر فقہاء کے نزدیک یہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، اور اسی پر علماء کا فتوی ہے۔(۱)

لاعلمی میں نشہ پینے والے کی طلاق

سوال:- {1714} اگر کوئی شخص نشہ آور چیز کو جانے

---

(۱) "یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل و لو عبدا أو مکرها أو هازلا أو سفیها أو سکران و لو بنبیذ أو حشیش أو أفیون أو بنج زجرًا به یفتی" (الدر المختار علی هامش رد:۴/۴۲۲-۴۲۹) محشی۔

بغیر لاعلمی میں پی گیا اور ہوش وحواس قائم نہ رہ سکا، تو کیا اس حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوجائے گی؟

(محمد غوث الدین قدیر. سلاخ پوری)

جواب:- جو شخص ناجائز طریقہ پر شراب پی لے، یعنی نشہ کے لئے بلا جبر و اکراہ جانتے بوجھتے شراب پی اور نشہ چڑھنے کے بعد طلاق دے دی تو طلاق واقع ہوجائے گی، اگر کسی جائز سبب سے نشہ آور چیز کا استعمال کرنا پڑا، مثلاً: دوا کے طور پر اور اس حالت میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

" بخلاف ... ما إذا زال ... والدواء : لأنه ما زال بسبب هو معصية "(۱)

نادانستہ طور پر نشہ آور شئی استعمال کرنا ایسے سبب کے دائرہ میں آتا ہے جو معصیت نہیں، اس لئے اس حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

حالت نشہ میں لفظ طلاق کی تکرار

سوال:- {1715} مہربانی فرماکر ذیل کے سوال کا جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

زید اور اس کی بیوی کے درمیان کچھ عرصہ بعد معمولی باتوں میں خلش پیدا ہوئی، بعض معمولی باتوں پر زید کو ضد آتی گئی —— زید نشہ کا عادی بھی ہے، ایک دفعہ کسی بات پر —— جب کہ زید حالتِ نشہ میں تھا —— اور اس کی بیوی حاملہ تھی —— اس نے ایک ساتھ تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا، اس دن کے بعد سے دونوں نے جدائی اختیار کرلی، لیکن اب

(۱) بدائع الصنائع :۳/۱۵۹۔ محشی۔

دونوں فریقین پشیماں ہیں، اور چاہتے ہیں کہ شرعا کوئی گنجائش ہوتو آئندہ کامیاب زندگی گزاریں گے، کیا شرعا حالتِ نشہ میں بیک وقت طلاق دینے سے طلاق پڑ جاتی ہے؟ آیا طلاق وقفہ وقفہ سے دینے سے پڑتی ہے، یا بیک وقت کہنے سے بھی حالتِ نشہ وغصہ میں پڑ جاتی ہے؟ آیا اب رجوع کرنے کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ معلوم فرمائیں، فقط۔ (محمد چاند، مخدوم النسا، زوالجی ڈپارٹمنٹ، نظام کالج، حیدرآباد)

جواب:- آپ نے طلاق کی جو صورت لکھی، اس میں اگر شوہر کی نیت ایک ہی طلاق دینے کی تھی اور صرف تاکید کے لئے تین بار طلاق کے الفاظ استعمال کردے، تو ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوگی، اور زوجین عدت کے درمیان رجوع کر سکتے ہیں، (۱) اور عدت گزر جانے پر از سرنو نکاح پر اکتفاء کر سکتے ہیں، اگر واقعی اس کی مراد تین طلاق دینے کی تھی، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور زوجہ مذکورہ شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرا نکاح نہ کرلے اور دوسرا شوہر ہمبستری کے بعد طلاق نہ دے دے، اور پھر اس کی عدت نہ گزر جائے، عرف میں اس کو "حلالہ" کہتے ہیں، واضح ہو کہ حالتِ غصہ میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حالتِ نشہ میں بھی طلاق واقع قرار دیجاتی ہے، (۲) —— مرد کو چاہئے کہ وہ اس غلطی پر جس کا شمار معصیت میں سے ہے، توبہ واستغفار کرے۔ واللہ اعلم۔

حالتِ نشہ کی تین طلاق

سوال:- {1716} کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ

(۱) "كرر لفظ الطلاق وقع الكل وإن نوى التاكيد دين" (الدر المختار) "أي وقع الكل قضاء" (رد المحتار: ۶۴۰/۲، باب طلاق غير المدخول بها)

(۲) "طلاق السكران واقع" (الهداية: ۳۵۸/۲)

ذیل کے بارے میں کہ

زید نے اپنی بیوی کو حالتِ نشہ میں لیکن ہوش وحواس کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں تین طلاق دے دیا، آیا اب طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوتی ہے تو حلال ہونے کی کیا صورت ہے؟ بیوی منکرہ ہے علیحدہ ہونے پر تیار نہیں ہے، تو کیا کیا جائے، اور الگ کرنے پر زید کو کچھ دینا ہوگا، مہر یا پھر مہر کے علاوہ کچھ اور بھی دینا لازم ہے؟ بینوا و توجروا۔ (عبدالرحمٰن بن سعید، ضلع محبوب نگر)

جواب:- اس صورت میں آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، طلاق واقع ہونے کے لئے عورت کے قبول کرنے یا انکار کرنے کا اعتبار نہیں، تین طلاق کی صورت میں بیوی مکمل طور پر علیحدہ ہوجاتی ہے، سوائے اس کے کہ اتفاق سے کسی اور مرد سے اس کا نکاح ہوا، اور اس نے بھی طلاق دے دی، اب عدت گزرنے کے بعد وہ پہلے شوہر سے نئے مہر کے ساتھ نیا نکاح کرسکتی ہے، اگر مہر ادا نہ کیا ہو تو مہر نیز عدت کا خرچ آپ پر واجب ہے، اور بہتر ہے کہ کچھ مزید حسن سلوک بھی کیا جائے، جس کو قرآن مجید نے ''متاع'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، نیز اگر آپ کے بچے آپ کی مطلقہ کے زیر پرورش رہیں تو جب تک وہ ان کی پرورش کرے اجرت پرورش بھی آپ پر واجب ہوگی، اجرت اتنی ہونی چاہئے کہ اس کی ضروریات پوری ہوجائیں۔ واللہ اعلم۔

حالتِ نشہ کی طلاق کیوں واقع ہوتی ہے؟

سوال:- {1717} شراب پی کر نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے پر جب نماز نہیں ہوتی، شرابی کی گواہی جب معتبر نہیں، تو

پھر شرابی اگر طلاق دے تو وہ کیوں تسلیم کر لی جاتی ہے؟

(نسیم اختر، دوگھرا، دربھنگہ)

جواب:- جن فقہاء نے نشہ کی حالت کی طلاق کو واقع قرار دیا ہے، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ مرد کے لئے شراب نوشی پر ایک طرح کی سزا ہے، اسی لئے اگر کسی مباح مشروب سے نشہ پیدا ہو گیا، یا بطور دوا نشہ کی چیز استعمال کی گئی، یا جبر و اکراہ کے تحت کوئی شخص نشہ پینے پر مجبور ہوا تو چوں کہ ان حالات میں اس کے لئے یہ نشہ آور شئی اضطرار یا حاجت کی بناء پر حرام نہیں تھی، اس لئے اس حالت میں اس نے طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی کہ وہ سزا کا مستحق نہیں۔(۱)

نشہ کی طلاق کے بعد ساتھ رہنا

سوال:- {1718} نشہ کی حالت میں طلاق دینے کے بعد کیا شوہر کا بیوی کے پاس رہنا جائز ہے؟

(ی، ایم، حسین، مشیر آباد)

جواب:- اگر بہ طور علاج ایسی کوئی دوا استعمال کی گئی یا کسی چیز کا نشہ آور ہونا معلوم نہیں تھا اور اسے پی لیا، یا کسی بڑے نقصان کی دھمکی دے کر نشہ آور چیز پینے پر مجبور کیا گیا اور اس نے نشہ پی لیا تو ان صورتوں میں حالت نشہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اگر نشہ یا لذت و سرور کے لئے نشہ آور شئی کا استعمال کیا تو اس حالت کی طلاق پڑ جائے گی۔(۲)

طلاق مکرَہ

سوال:- {1719} زید سے کچھ لوگوں نے جبر کر کے جس میں زد و کوب بھی داخل ہے، پولیس اسٹیشن پر طلاق نامہ

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع :۳/۹۹۔
(۲) الدر المختار علی هامش رد :۴/۴۲۹۔ محشی۔

لکھوالیا ہے، اور زید طلاق دینا نہیں چاہتا تھا، مجبوری میں اس نے طلاق نامہ لکھ دیا، کیا ایسی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟ (عبدالمعید، ملک پیٹ)

جواب :- شرعا اکراہ اور مجبوری کی طلاق صرف تحریر پر دستخط کر دینے سے واقع نہیں ہوگی، (۱) —— فقہ وفتاوی کی متعدد کتب میں اس کی صراحت موجود ہے —— اس لئے زید کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور اس کی بیوی حسب سابق اس کی زوجیت میں ہے۔

حالت اکراہ میں طلاق (فقہ شافعی میں)

سوال :- {1720} میری بیوی جو ابوظہبی میں رہتی ہے، جس کے پہلے شوہر متوفی وہیں کے وطنی تھے، مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں اپنی پہلی بیوی کو جو ہندوستان میں مقیم ہے طلاق دیدوں، چوں کہ میری بیوی کے شوہر سابق کے بعض رشتہ دار وہاں پولیس اور حکومت کے اعلی عہدوں پر فائز ہیں جس کی وجہ سے مجھے اپنی جان کا شدید خطرہ تھا، میں بار بار اپنی زوجہ ثانیہ کے مطالبہ کو ٹالتا رہا، مگر اس کی طرف سے شدت پیدا ہوتی گئی، یہاں تک کہ مجھے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دینے لگی، ایک

(۱) "رجل لو أكره بالضرب و الحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان ، فكتب امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان طالق لا تطلق امرأته" (الفتاوى الهندية :۱/۳۷۹) "رجل لو أكره بالضرب و الحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان ، فكتب امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان طالق لا تطلق امرأته" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى الهندية :۱/۴۷۲) رد المحتار :۴/۴۴۴، البحر الرائق :۳/۴۲۹۔ محشی۔

روز اس نے اپنے دو آدمیوں کو ساتھ کر کے وہاں کے قاضی کے پاس مجھے بھیجا کہ میں وہاں جا کر اپنی پہلی بیوی کو تین طلاق دے دوں، جبر واکراہ کے تحت میں نے وہاں طلاق نامہ پر دستخط کر دیا، زبانی طلاق میں نے نہیں دی، طلاق نامہ کی فوٹو کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہے، واضح رہے کہ میں مسلکا شافعی ہوں، اس لئے مسلک شافعی کے مطابق حکم شرعی مطلع کیا جائے۔ (حسن بن علی، گلبرگہ)

جواب:- اکراہ کی حالت میں دی جانے والی طلاق امام شافعیؒ کے نزدیک واقع نہیں ہوتی، بشرطیکہ چھ باتیں پائی جائیں۔

۱)- ایسا شخص جبر کر رہا ہو جو اس کو اذیت پہونچانے پر قادر ہو اور بعجلت اذیت پہونچانے کا خطرہ ہو، لہذا اگر کوئی یوں کہے کہ تم طلاق دیدو ورنہ کل تم کو قتل کر دوں گا تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ اذیت میں عجلت نہیں ہے۔

۲)- جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہے وہ اپنے دفاع سے عاجز ہو۔

۳)- اس کو گمان غالب ہو کہ اگر طلاق نہ دے گا تو مجبور کرنے والا شخص اس کو اذیت پہونچا کر رہے گا۔

۴)- شوہر کو طلاق پر مجبور کرنا کسی حق شرعی کی وجہ سے نہ ہو۔

۵)- مجبور شخص جب طلاق کا تکلم کر رہا ہے تو اس کی نیت وارادہ طلاق دینے کی نہ ہو۔

۶)- مجبور کرنے والے نے جس طرح کی طلاق کا مطالبہ کیا ہے، مجبور شخص نے ویسی طلاق دی ہو، مثلاً: اس نے تین طلاق کا مطالبہ کیا تو تین ہی طلاق دی ہو۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مجبور ہونے کے لئے جان کا یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خوف ضروری نہیں ہے، لوگوں کی حیثیت کے لحاظ سے اس کی الگ الگ صورتیں ہیں، مثلاً: معزز لوگوں

کے لئے برسرعام استہزاء گالی گلوج کا خطرہ بھی اکراہ میں داخل ہے۔(۱)

مذکورہ تفصیل کے مطابق اگر آپ کو طلاق دینے یا طلاق کا اقرار کرنے پر مجبور کیا گیا تو امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوئی، مرسلہ طلاق نامہ میں کیفیت طلاق یوں درج ہے:

"وأقر كذالك أن زوجته المذكورة منذ ستة اشهر بالتليفون بقوله أنت طالق ،طالق واقر أنه ينوى و يقصد تطليقة زوجته المذكورة طلاقا لا رجعة بعده"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستفتی نے قاضی کے سامنے طلاق نہیں دی ہے، صرف طلاق کا اقرار کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اکراہ جس میں جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، طلاق کا اقرار یا صرف طلاق نامہ پر دستخط کرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔(۲)

جبر و اکراہ کے طلاق میں جو تفصیل لکھی گئی ہے، مستفتی کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ان پر غور کرے اگر واقعی وہ ان تفصیلات کے مطابق مجبور تھا تو اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱)　تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقه على المذاهب الأربعة :۴/۲۸۷۔كتاب الطلاق۔

(۲)　حوالہ سابق۔

ایک مجلس میں تین طلاق

غصہ کی حالت میں ایک ہی مجلس میں تین طلاق

سوال:- {1721} اگر کوئی شخص چند سال پہلے غصہ کی حالت میں بیک وقت تین طلاق دے چکا ہو، اب دونوں بہ خوشی ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ (قاری ایم ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- عام طور پر غصہ کی جو کیفیت ہوتی ہے، اس غصہ میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے(۱) اور تین طلاق کے بعد بیوی مکمل طور پر حرام ہو جاتی ہے، اس لیے اب وہ دونوں بحالت موجودہ ایک دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے، اتفاقی طور پر وہ عورت کسی اور مرد کے نکاح میں گئی اور سوء اتفاق کہ اس نے بھی طلاق دے دی تو اب وہ دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں آ سکتی ہے۔

---

(۱) الفقہ الإسلامی و أدلتہ :۷/۳۶۵۔محشی۔

غصہ میں چار مرتبہ طلاق دے

سوال:- {1722} میں اپنی بیوی کو لینے کے لیے اس کے میکہ گیا، میری خوش دامن نے بیوی کو بھیجنے سے انکار کر دیا، میں نے اپنی بیوی کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ چلنے کو کہا، لیکن محلہ کے لوگ جمع ہو گئے، میں غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا، چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو چار مرتبہ طلاق دے دیا، لیکن مرے طلاق کے بول خود میری بیوی نہیں سن سکی، تو کیا میری بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟ اگر طلاق پڑ گئی تو یہ کون سی طلاق سمجھی جائے گی؟ (نام ومقام غیر مذکور)

جواب:- طلاق غصہ کے اظہار کا طریقہ نہیں، بلکہ اصلاح کی تدبیر اور آخری چارہ کار کے طور پر علیحدگی کا سنجیدہ فیصلہ ہے، اس لیے اس طرح غصہ میں طلاق دے دینا قطعاً نامناسب اور گناہ ہے، اگر آپ کی بیوی یا اس کی ماں نے رخصتی سے انکار کیا تو آپ کو اپنے گاؤں یا محلّہ کے علماء، سربرآوردہ لوگ اور خاندان کے بزرگوں کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنا چاہئے تھا، پھر اگر طلاق دینا ہی طے پائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ پاکی کی حالت میں لفظ "طلاق" کے ذریعہ ایک طلاق دے دی جاتی، اگر لوٹانے کا ارادہ نہ ہوتا تو عدت گذرنے دی جاتی، خود بخود یہ طلاق طلاق بائن بن جاتی، بہر حال جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اس میں آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی، یہی حدیث سے ثابت ہے اور یہی جمہور علماء اہل سنت کی رائے ہے، (۱) رہ گیا آپ کی بیوی کا کلمات طلاق کو نہ سننا تو اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، جب آپ نے بیوی کی طرف منسوب کر کے طلاق دے دی تو آپ کی بیوی نے خواہ سنا ہو یا نہ سنا ہو اس پر طلاق واقع ہوگئی۔

---

(۱) " و يقع طلاق من غضب خلافا لابن القيم و هذا الموافق عندنا " (رد المحتار:۴/۳۳۳، مطلب في طلاق المدهوش) محشی۔

غصہ کی حالت میں صرف ''طلاق'' کہے

سوال:- {1723} میں نے غصہ کی حالت میں طلاق کہہ دیا، تو کیا طلاق واقع ہوگئی؟

(عظیم الدین، حویلی منجھلی بیگم)

جواب:- اگر آپ نے صرف ''طلاق'' کہدیا ہے، تو بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت گزرنے سے پہلے پہلے آپ اسے لوٹا سکتے ہیں، (۱) لوٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہہ دیں کہ ''میں نے اپنی بیوی افضل بیگم کو لوٹالیا'' (۲) یا اس کے ساتھ کوئی ایسا عمل کر گزریں جو بیوی ہی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اور جس سے حرمت مصاہرت پیدا ہوجاتی ہے، عدت گزر جانے کے بعد پھر سے نکاح کرنا ہوگا، عدت تین حیض ہے۔

کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تجھے طلاق بائن وثلاثہ ہے''

سوال:- {1724} ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بذریعہ خط طلاق دیدی، طلاق کے بالفاظ اس طرح تھے: ''میں آپ کو طلاق بائنہ وثلاثہ دیدی ہے'' طلاق دیتے وقت اس شخص کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر بعد میں کچھ مصالحت ہوجائے تو وہ اپنی بیوی کو پھر سے قبول کرلے گا، اور اس کو اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ اس سے بات قطعی ہوجائے گی، کیا اب وہ شخص بغیر حلالہ کے اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے؟

(شیخ احمد حسین، مکان نمبر: 6-2-84، کریم نگر)

---

(۱)　"واذاطلق الرجل تطليقه رجعية فله أن يراجعهافي عدتها" (الهداية: ۲/۳۹۴)

(۲)　"ويستحب أن يشهد على الرجعة شاهدين" (الهداية: ۲/۳۹۵)

جو اب:- مذکورہ صورت میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائے گی، اب وہ مغلظہ ہوگئی حلالہ شرعی کے بغیر مذکور شخص کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔

حلالہ شرعی سے مراد یہ ہے کہ اس کی عدت گزر جائے تو پھر وہ کسی اور مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس سے صحبت بھی کرے پھر وہ جب اس کو طلاق دیدے اور عورت کی عدت گزر جائے تو اب وہ شوہر اول کے لئے حلال ہو سکتی ہے۔

جہاں لفظ صریح ہو وہاں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، (۱) اس لئے شخص مذکور کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا، ''بائن'' کے لفظ سے اگر چہ طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوتی، (۲) لیکن بائن کے بعد ''ثلاثہ'' کے لفظ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ طلاق مغلظہ ہی مراد ہے، اور خود بائن کے لفظ میں طلاق مغلظہ کا مفہوم مراد لینے کی گنجائش ہے۔ (۳)

زبان سے ایک، اور تحریر میں تین طلاق

سوال:- {1725} کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک معاملہ میں غصہ کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہا اور مقامی قاضی صاحب سے طلاق نامہ لکھنے کی خواہش کی، جب طلاق نامہ لکھا جا رہا تھا میں چائے لانے چلا گیا تھا، قاضی صاحب نے تحریر میں یوں لکھا'' مسماۃ فردوس

---

(۱) " فلا يحتاج فيها إلى النية لوقوع الطلاق إذ النية عملها في تعيين المبهم و لا ابهام فيها " (بدائع الصنائع :۳/۱۰۱)

(۲) " إذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة و الشدة مثل أن يقول " أنت طالق بائن كان بائنا" (الهداية :۲/۳۶۹)

(۳) " لو قال لها : " أنت طالق و نوى الثلث أنه تصح نية الثلث " (بدائع الصنائع:۳/۱۰۳، فصل ومنها النية في احدى نوعي الطلاق)

ثمینہ" کو بالمواجہہ حسب ذیل گواہان سہ بارہ زبانی وتحریری طلاق دے کر ہمیشہ کے لئے خارج کر رہا ہوں، مسماۃ فردوس ثمینہ کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، جہاں چاہے نکاح کر لے"۔ میں یہ الفاظ زبانی نہیں کہے بلکہ زبانی صرف ایک بار طلاق کہا، میں سہ بارہ کے معنی سے واقف نہیں تھا، البتہ تین دفعہ لفظ طلاق دیکھ کر اپنے بہنوئی محمد عبدالعزیز جو اہل حدیث ہیں سے دریافت کیا کہ یہ تو تین طلاق لکھ دی گئی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ اس سے ایک ہی طلاق ہوتی ہے، میں مسائل واحکام سے واقف نہیں ہوں، میں نے سمجھا کہ ایک طلاق واقع کرنے کے لئے تین دفعہ لفظ طلاق لکھنا پڑتا ہے، چنانچہ میں دستخط کر دیا، یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ لکھا ہے، لہذا بتایا جائے کہ کیا میرے لئے زوجۂ مذکورہ کو لوٹانے کی گنجائش ہے؟　(عبدالشافی، بنگلور)

جواب:- ایک مجلس میں اگر تین طلاق دی جائے اور تین کے عدد کی صراحت کر دی جائے یا اس کی نیت یہی تین طلاق دینے کی ہو تو تین طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن اگر تین دفعہ لفظ طلاق کا استعمال کرے، اور یہ سمجھتا ہو کہ اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور واقعتہ اس کی نیت ایک ہی طلاق واقع کرنے کی ہو تو ایسی صورت میں اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی:

" رجل قال لإمرأته: أنت طالق أنت طالق أنت طالق ، فقال عنيت بالأولى الطلاق و بالثانية و الثالثة افها مها صدق ديانة و في القضاء طلقت ثلثا كذا في فتاوى قاضي خان "(۱)

---

(۱)　الفتاوی الهندية: ۱/۳۵۶-۳۵۵۔

لہذا سوال میں جو صورت آپ نے ذکر کی ہے اگر وہ سچائی پر مبنی ہے اور واقعۃً آپ کی نیت ایک ہی طلاق کی تھی آپ یہ سمجھ کر تین دفعہ لفظ طلاق کہا کہ اس سے ایک ہی طلاق واقع کرنی ہے تو پھر ایک طلاق واقع ہوئی، اور آپ کے لئے اگر عدت نہ گذری ہو تو اپنی بیوی کو لوٹانے کی، اور اگر عدت گذر چکی ہو تو نئے مہر کے ساتھ نکاح کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم۔

ڈرانے کے لیے طلاق، طلاق، طلاق کہنا

سوال:- {1726} میری اپنی بیوی سے نزاع پیدا ہو گیا، میں نے غصہ کی حالت میں اس کو کہا: ''طلاق، طلاق، طلاق''—اس سے میرا مقصود صرف ڈرانا تھا، بتایا جائے کہ ایسی صورت میں میری بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق واقع ہوئی تو کتنی؟

(محمد غوث ولد محمد منیر الدین صاحب، محبوب نگر)

جواب:- مذکورہ بالا صورت میں چونکہ تاکید کا معنی مراد لینے کی گنجائش ہے، اس لئے جیسا کہ ان دنوں دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء نے فیصلہ کیا ہے۔ ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، عدت یعنی تین حیض کے درمیان اپنی بیوی کو لوٹا سکتا ہے، اور اگر عدت گزر جائے تو زوجین کا باہمی رضامندی سے نئے مہر کے ساتھ از سر نو نکاح ہو سکتا ہے۔

بتاکید تین طلاقیں

سوال:- {1727} محمود حسین صاحب نے اپنی بیوی تحسین احمری کو غصہ کی حالت میں طلاق دیدی اور طلاق کے الفاظ اس طرح کہے: ''میں نہیں رکھتا ہوں، اسکو چھوڑ دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق'' بتایا جائے کہ اس صورت میں کون

سی طلاق واقع ہوگی؟ اور کیا اس کے لئے اپنی بیوی کو لوٹانے
کی گنجائش ہوگی؟

واضح ہو کہ یہ جملہ کہنے کے بعد بھی زوجین ڈیڑھ ماہ تک
ایک ساتھ رہے اور ان کے درمیان میاں بیوی کے تعلقات
بھی رہے۔فقط　　(حفیظ النساء۔مہدی پٹنم،حیدرآباد)

جواب:- مذکورہ صورت میں اگر شوہر کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی، بلکہ محض ایک طلاق دینا مقصود تھا اور صرف تاکید کے لئے تین بار لفظ طلاق استعمال کیا تو صرف ایک طلاق رجعی ہوئی، (۱) عدت کے درمیان اگر مرد اس عورت کو لوٹالے تو جائز ہے، چونکہ اس واقعہ کے بعد بھی زوجین دو ماہ تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں اور صحبت بھی کر چکا ہے، اس لئے یہ خود رجعت ہے، اب دونوں کا رشتہ ازدواجی باقی ہے (۲) البتہ اگر آئندہ دو طلاقیں بھی دیدیں تو طلاق مغلظ ہو جائے گی اور بغیر حلالہ کے وہ شوہر کے لئے حلال نہ ہو سکے گی۔

رہ گئے "میں نہیں رکھتا ہوں"، "اس کو چھوڑ دیتا ہوں" تو حیدرآباد میں یہ تعبیر عموماً عزم وارادہ کے طور پر اختیار کی جاتی ہے، یعنی پہلے اس نے اس عزم کا اظہار کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے گا، پھر اپنے ارادہ کے مطابق طلاق دیدی، اگر ان الفاظ سے بھی طلاق دینے ہی کا ارادہ ہو، تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور تین بار طلاق کی تکرار سے واضح ہوا کہ اس کی نیت بائن سے "بائن کبریٰ" یعنی طلاق مغلظہ کی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔واللہ اعلم۔

---

(۱) "كرر لفظ الطلاق وقع الكل وان نوى التاكيد دين" (الدر المختار على هامش رد:۲/۴۶۰)

(۲) "كما تثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل وهو الوطء واللمس عن الشهوة" (الفتاوى الهندية:۱/۴۶۹)

تین طلاقوں کے بعد رجعت

سوال:- {1728} بیوی کے مسلسل انکار اور اپنی ضد منوانے کی وجہ سے شوہر نے تین بار ایک ہی مجلس میں طلاق دیدیا، کیا وہ واقع ہوگئی؟ پھر کسی دوسرے مفتی صاحب کے فتوی پر رجوع کرلیا گیا اور ایک لڑکی تولد ہوئی، کیا یہ لڑکی حلال ہوئی یا حرام؟ یہ دوبارہ ملاقات اگر زنا کے برابر ہے تو شریعت میں ایسے میاں بیوی کی کیا سزا مقرر ہے؟ پھر اس لڑکی کو کیا ماں کے پاس رکھ کر اس کی پرورش کا انتظام کیا جاسکتا ہے یا باپ اپنے پاس رکھ لے؟ بیوی کو کیا ایسی صورت میں نفقہ ملے گا؟ اور مہر ادا کردیا جانا چاہیے؟ شوہر کی طرف سے جو زیور اور کپڑے ڈالے گئے ہیں وہ واپس لے لیے جائیں یا لوٹا دیا جائے اور ساتھ میں جوڑے کی جو رقم لے کر کپڑے بنائے گئے اور شوہر کی طرف سے جو زیور بیوی کو ڈالے گئے تھے وہ سب عورت کے پاس ہیں، پھر ایسی صورت میں مزید جوڑے کی رقم لوٹانا پڑے گا؟ (سید متین احمد)

جواب:- ۱) ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی واقع ہوجاتی ہیں، مختلف احادیث میں اس کی صراحت بھی موجود ہے، تفصیل کے لیے سنن بیہقی (۱) ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور اس پر ائمہ

---

(۱) "عن محمد ابن اياس ابن البكير قال : طلق رجل امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكح فجاء يستفتي فذهبت معه اسأل له فسأل أباهريرة ﷺ و عبد الله بن عباس ﷺ عن ذلك؟ فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تنكح زوجا غيرك" (سنن بيهقي: ۷/ ۵۴۸، حدیث نمبر: ۱۴۹۶۵، باب ما جاء في امضاء الطلاق الثالث۔ محشی۔

اربعہ اور — چند افراد کو چھوڑ کر — تمام امت اور صحابہ ﷺ کا اتفاق ہے۔(۱)

۲) جب اس نے مفتی صاحب کے فتویٰ کی بنیاد پر رجوع کرلیا تو مرد وعورت کا تعلق وطی بالشبہ کے درجہ میں ہوا، اور شبہ میں کسی کو اپنی بیوی سمجھ کر صحبت کرلی جائے تو اس سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب ثابت ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ بچہ اسی مرد کا سمجھا جائے گا۔

۳) چوں کہ یہ تعلق نکاح فاسد کی بناء پر یا کم سے کم وطی بالشبہ کے طور پر قائم ہوا ہے، اس لیے زنا کی حد جاری نہیں ہوگی: " وإذا قال وظننت أنها تحل لي ، لا يحد " (۲) اور یوں بھی حد اسلامی حکومت میں جاری ہوتی ہے، —— ایسے شخص کو چاہئے کہ آئندہ اس عورت کے ساتھ میاں بیوی کے تعلق سے احتراز کرے، اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں تائب ہو۔

۴) چوں کہ وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے؛ اس لیے وہ نفقہ کی مستحق نہیں، اگر غلط فہمی میں کسی عورت سے صحبت کرلی جائے تو اس کے مہر کے بہ قدر رقم واجب ہوتی ہے جس کو ''عقر'' کہتے ہیں، مرد کو چاہئے کہ اتنی رقم اسے ادا کرے، اور اگر پہلے کا مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ بھی ادا کرنا ہوگا، نیز جب تک وہ اس لڑکی کی پرورش کرتی رہے گی اجرت پرورش کی بھی حق دار ہوگی۔

۵) نکاح کے وقت شوہر نے جو زیورات اور کپڑے بیوی کو دیئے تھے وہ ہبہ ہے اور بیوی اس کی مالک ہے، اسی طرح ازدواجی زندگی کے درمیان شوہر نے بیوی کو جو کچھ دیا ہو وہ بھی ہبہ ہے اور نا قابل واپسی:

"و إذا وهب أحد الزوجين لصاحبه لا يرجع
في الهبة و إن انقطع النكاح بينهما " (۳)

۶) مرد کو اگر اپنے سسرال کی طرف سے کسی مطالبہ اور دباؤ کے بغیر کوئی چیز ملی ہو تو

---

(۱) الفقه الإسلامي و أدلته : ۳۹۱/۷۔ محشی۔
(۲) الهداية : ۴۴۴/۲۔
(۳) الفتاوى الهندية : ۳۸۶/۴۔

یہ بھی ہبہ ہے اور وہی اس کا مالک ہے، اور اگر اس نے نکاح کے موقع سے جوڑے کی رقم کا مطالبہ کیا تھا، خواہ صراحتاً و براہ راست یا بالواسطہ، تو یہ رشوت ہے اور اس کا واپس کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم

طلاق مشروط

مشروط طلاق سے رجوع

سوال:- {1729} شوہر نے بیوی سے کہا کہ ''فلاں کام کیا تو طلاق'' لیکن پھر بات واپس لے لی تو کیا طلاق واقع ہوگئی اور اس کو شرط واپس لینے کا اختیار ہے؟

(حافظ محمد قمر الدین، تنالی)

جواب:- اگر مشروط طلاق دی ہے تو عام حالات میں اس سے رجوع ممکن نہیں (۱) جب بھی وہ عورت کام کرے گی طلاق واقع ہوجائے گی، یہ جملہ کہ ''فلاں کام کیا تو طلاق'' تو کام کرنے کے بعد ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی، جس کے بعد شوہر کے لیے رجوع کرنے کی گنجائش رہتی ہے، اس کے بعد اگر پھر اس کام کو کرلیا تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور یہ مشروط طلاق بے اثر ہوجائے گی، ہاں اگر ایسا ہوا کہ یہ جملہ کہنے کے بعد پھر طلاق بائن دیدی اور عدت گزرنے کے بعد عورت نے وہ کام کرلیا تو وہ مشروط طلاق واقع نہ ہوگی، اس سے اس صورت میں فائدہ

(۱) "فحيث كان يمينا من جانب الزوج والمولى إمتنع الرجوع" (رد المحتار:۱۱/۴)

اٹھایا جاسکتا ہے، جبکہ مرد نے شرط پر تین طلاق دیدی، اب طلاق مغلظہ سے بچنے کے لیے عورت کو ایک طلاق بائن دے دے پھر عدت گزرنے کے بعد عورت وہ کام کرلے اس طرح پہلی طلاق بے اثر ہوجائے گی اور زوجین نئے مہر و نکاح کے ساتھ باہمی رضامندی سے اپنی زندگی بسر کرسکیں گے:

" فإن وجد الشرط في الملك طلقت وانحلت وإلا لا وانحلت "(۱)

طلاق مشروط

سوال:- {1730} زید نے ایک خط میں اپنی بیوی کو لکھا ہے کہ "تم مجھے لکھ دو کہ تم کو میرا گھر اور میں پسند نہیں، میں تم کو پہلی اور ایک طلاق دیتا ہوں" زوجہ نے جواب میں خط لکھا جس میں "اس کے گھر اور شوہر کو پسند کرلیا"، تو کیا زوجہ پر طلاق واقع ہوگئی؟ (ادریس فلاحی، مہاراشٹر)

جواب:- صورت مسئولہ میں زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی، اگر بیوی یہ لکھ دیتی کہ مجھے تم اور تمہارے گھر پسند نہیں ہے، تو طلاق واقع ہوجاتی، مگر چوں کہ اس نے ایسا نہیں کیا، اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

" إن قال لها إن كنت تحبيني أو تبغضيني فأنت طالق ، فقالت إني أحبك أو أبغضك وقع الطلاق "(۲)

---

(۱) كنز الدقائق :ص:۱۲۷۔

(۲) الفتاوى الهندية :۱/۴۰۵۔

”میری ماں کے گھر، ان کے جنازہ میں شرکت کی تو طلاق“

سوال:- {1731} آج سے تیس سال قبل زید کو اس کی ماں نے اپنے مکان سے نکال دیا تھا، اب وہ علیحدہ مکان میں رہتا ہے، زید سات بچے کا باپ ہے، اور اپنی بیوی سے شدید محبت رکھتا ہے، دس سال قبل اپنی بیوی کی کسی ناخوش گوار بات پر غصہ میں یہ کہہ دیا کہ ”اگر اس کی ساس یعنی زید کے ماں کے گھر اس کی موت پر شرکت کی تو اس پر طلاق“ اب صورت حال یہ ہے کہ زید کی ماں اپنا گھر چھوڑ کر کبھی زید کے گھر کبھی دوسرے بھائی بہن کے گھر رہتی ہے، آج کل وہ بیمار ہے، وقت آنے کو قریب ہے، فی الوقت وہ زید کی بہن کے گھر میں ہے، تو زید کی ماں کا زید کے گھر جہاں اس کی بیوی بھی رہتی ہے، انتقال ہو جائے، یا زید کے بھائی بہن کے گھر میں اس کی ماں کا انتقال ہو اور زید کی بیوی نے شرکت کی تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی؟ (محمد مختار، حافظ بابا نگر)

جواب:- زید کے جملہ سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ زید نے یہ فقرہ اس مکان سے متعلق کہا ہے جس میں اس وقت اس کی ماں مقیم تھی، اور جس سے اس نے زید کو نکال دیا تھا، اگر یہی مراد رہی تو زید کے یا اس کے بھائی بہنوں کے گھر میں وفات پانے کی صورت میں زید کی بیوی کا متوفیہ کو غسل وغیرہ دینے میں کچھ حرج نہیں، کیوں کہ طلاق اسی خاص مکان کے ساتھ مشروط ہے۔
اور اگر یہ مقصود تھا کہ زید کی والدہ جس گھر میں بھی سکونت پذیر ہو وہاں زید کی بیوی کی شرکت پر طلاق واقع ہو جائے، تو ایسی صورت میں زید کی بیوی کو چاہئے کہ انتقال کے بعد غسل کفن وغیرہ میں شریک نہ ہو، کیوں کہ موت پر شرکت کا ایک خاتون کے لئے یہی مطلب ہو سکتا

ہے، فقہاء کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے کہ فلاں شخص کے گھر سے وہ گھر بھی مراد ہے جو اس کی ملکیت میں ہو اور وہ گھر بھی جس کو انہوں نے کرایہ پر حاصل کیا ہو اور وہ گھر بھی جس میں بطور عاریت قیام پذیر ہو، فتاوی قاضی خان میں ہے:

"لو حلف: "لایدخل بیتا لفلان" فدخل بیتا و فلان به ساكن بإجارة أو إعارة كان حانثا"(۱)

اگر زید کی بیوی غسل وکفن دینے میں شریک ہو تو اس پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ اگر عدت کے اندر اندر زید اپنی بیوی کو لوٹا لے تو اس کا نکاح باقی رہے گا، البتہ آئندہ زید کو دو ہی طلاق کا حق باقی رہے گا اور اگر اس نے بعد میں دو طلاق دی تو وہ زید پر مکمل طور پر حرام ہو جائے گی۔

یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، لیکن یاد رکھئے کہ ایسی بات کی قسم کھالینا یا ایسی صورت پیدا کر لینا کہ آدمی کسی نیکی یا خیر کے کام سے محروم ہو جائے، نہایت نامناسب عمل ہے اور قرآن وحدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے، (۲) ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہر حال میں واجب ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ ظلم بھی کریں تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک ہی روا رکھا جائے، (۳) اس لئے نہ ایسی مشروط طلاق دینا درست ہے اور نہ یہ بات مناسب ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ اس طرح کا انتقامی جذبہ رکھا جائے۔

---

(۱) فتاوی قاضی خان: ۲/۷۸۔

(۲) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها عن النبي ﷺ: من نذر أن يطيع الله فليطعه و من نذر أن يعصيه فلا يعصه" (صحیح البخاري: ۲/۹۹۱، باب النذر في الطاعة) محشی۔

(۳) مشکوة المصابیح: ص: ۳۹۷، حدیث نمبر: ۴۹۴۳۔ محشی۔

تفویض طلاق

معاہدہ کے تحت تفویض طلاق اور نفقہ کا حکم

سوال:- {1732} حسب ذیل سوالات کے جوابات شرعی اور قانونی دونوں حیثیت سے تحریری طور پر دیے جائیں۔

(الف) لڑکی کو شادی کے بعد کسی معاہدہ کے تحت طلاق تفویض کیا جا سکتا ہے؟

(ب) مندرجہ بالا صورت میں اگر لڑکی کی جانب سے عدالت میں رجوع ہوں اور فریقین میں سے کوئی بھی اس کا مطالبہ نہ کرے اور ایک مدت کے بعد مصالحت کے ذریعہ مقدمہ اٹھالیا جائے، تو ایسی صورت میں علیحدگی شرعی اور قانونی حیثیت سے جائز ہے؟

(ج) دس سال کے عرصہ سے میاں بیوی بحیثیت ملاقاتی رہتے ہیں اور اب چند دن سے خاموشی اختیار کی گئی ہے، تو ایسی

صورت میں رشتۂ ازدواج برقرار ہے یا نہیں ہے؟

(د) فریقین میں سے کسی نے بھی علیحدگی کے لفظ کا اظہار قانونی اور شرعی حیثیت سے نہیں کیا، ایسی صورت میں بیوی نفقہ کی حق دار ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ ان سوالات کے جوابات تحریری طور پر دئے جائیں گے۔

جواب:- (الف) شادی کے بعد معاہدہ کے تحت تفویض طلاق کیا جا سکتا ہے:

" و إن قالها طلقي نفسك متىٰ شئت فلها أن تطلق نفسها في المجلس وبعده " (۱)

(ب) اس کا مدار معاہدہ اور تفویض طلاق کی شرط پر ہے، اس لئے اس کی وضاحت کے بعد اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

(ج) اگر طلاق دیدی ہو، یا عورت کو معاہدہ کی شرط کے مطابق خود پر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہو، اس نے طلاق واقع کردی ہو، تو ملاقتیں رشتہ نکاح کو برقرار نہیں رکھ سکیں گی، اگر طلاق نہیں دی تھی تو کچھ دنوں سے یا طویل عرصہ سے خاموشی اور بے تعلقی کی وجہ سے ازدواجی رشتہ ختم نہیں ہوگا، بلکہ باقی رہے گا۔ (۲)

(د) اگر طلاق یا تفریق کے ذریعہ علیحدگی حاصل کئے بغیر ہی شوہر نے نفقہ ادا نہ کیا ہو تو اول تو شوہر پر گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ اس وقت واجب ہوگا، جب کہ قاضی نے پہلے سے نفقہ مقرر کیا ہو، یا باہمی معاہدہ کے ذریعہ نفقہ کی مقدار طے پائی ہو، دوسرے اس وقت کہ بیوی ناشزہ اور نافرمان نہ ہو، اگر ناشزہ ہو تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا:

"وإذا مضت مدة لم ينفق الزوج لها وطالبته

---

(۱) الهداية :۲/۳۸۱، كتاب الطلاق ۔

(۲) " ولو قال اختاري فقالت أنا اختار نفسي طلق " (الهداية :۲/۳۷۷)

بـذلك فـلا شـئ لها إلا أن يكون القاضي فرض لها النفقة أو صالحت الزوج على مقدار نفقتها فيقضي لها النفقة ما مضى ، لأن النفقة صلة بعوض عندنا ما مر من قبل فلا يستحكم الوجوب فيها إلا بقضاء "(۱)

"وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله"(۲)

''میرے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا''

سوال:- {1733} میرے اور میرے شوہر کے درمیان ازدواجی تعلقات چند خانگی وجوہات کے بناء پر ناخوش گوار تھے، مؤرخہ ۴؍ستمبر ۱۹۸۳ء کو انہوں نے چند شرائط پر مبنی حسب ذیل دستخط شدہ تحریر میرے حوالہ کی تھی:

''اب میں افضل کے مکان پر کبھی نہیں آؤں گا، بچوں سے اسکول میں مل لیا کروں گا، بچوں کے کھانے پینے کا خرچ اور ان کی تمام ضروریات کی ساری ذمہ داری مجھ پر رہے گی، میں ان لوگوں کو حسب معمول مہینہ کا خرچ ہر مہینہ پابندی کے ساتھ دس تاریخ کو دے دیا کروں گا، اور میری بیوی کی تمام ضروریات کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی، اگر اس شرط کو میں نے توڑا اور افضل کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو میرے اور افضل کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا، اس صورت میں

---

(۱) الهداية : ۲/۴۴۰۔

(۲) الهداية : ۲/۴۳۸۔

میں افضل کو یہ حق دیتا ہوں کہ" وہ طلاق حاصل کرے اور میں
بغیر کسی رکاوٹ کے طلاق دے دوں گا" یہ سب کچھ میں اپنی
مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے لکھ رہا ہوں اور یہ حق افضل کو منتقل کر
رہا ہوں۔

(دستخط احمد علی خاں)

مؤرخہ ۱۸/۱ اکتوبر کو میرے شوہر نے محولہ بالا تحریری شرائط
کی خلاف ورزی کرتے ہوئے میرے مکان میں داخل ہو کر
مجھ سے نازیبا گفتگو اور بحث وتکرار کیا۔

آیا شرائط ٹوٹ جانے کی وجہ سے مجھ پر طلاق واقع ہوگئی
اور میں از روئے شرع احمد علی خاں کے نکاح سے خارج ہو کر
آزاد ہوگئی ہوں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی ہے تو کونسی طلاق واقع
ہوئی؟ مذکورہ بالا تحریر میں مجھے طلاق حاصل کرنے کا حق دیا گیا
ہے تو کیا اس حق کو میں استعمال کرکے علیحدہ ہو سکتی ہوں؟

(افضل بیگم، ایڈوکیٹ، کنگ کوٹھی)

جواب:- "میرے اور افضل کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا" طلاق کے لئے صریح نہیں ہے اور اس سے اسی وقت طلاق واقع ہوگی جب احمد علی خاں کی نیت طلاق کی رہی ہو، فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاوی عالمگیری" میں ہے:

"لو قال لانكاح بيني و بينك ، أو قال لم يبق بيني وبينك نكاح ، يقع الطلاق إذا نوى " (۱)

اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اگر ان کو اعتراف ہو کہ طلاق دینا مقصود تھا

(۱) الهداية:۲/۳۷۴۔

تو اس لفظ سے ایک طلاق بائن ہوگی، اور اگر تین کی نیت ہو تو تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی (۱)

یہ فقرہ ''اس صورت میں میں افضل کو یہ حق دیتا ہوں کہ وہ طلاق حاصل کرے اور میں بغیر کسی رکاوٹ کے طلاق دے دوں گا'' تفویض طلاق نہیں ہے کہ آپ کو طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہو جائے، بلکہ یہ محض طلاق دینے کا وعدہ ہے۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

(۱) " و بقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة و إن نوى ثلاثا كان ثلاثا " (الهداية :۲/۳۷۴) محشی۔

خلع کے احکام

لفظ ''خلع'' سے خلع کے بعد تجدید نکاح

سوال:- {1734} ''ش'' کی شادی ''ی'' سے ہوئی، تقریباً ایک سال میں ''ش'' نے خلع لے لیا، اب ''ی'' اپنی غلطی پر نادم ہوکر ''ش'' کے ساتھ زندگی گزارنے کا آرزومند ہے، خلع کو تین سال کا عرصہ ہو چکا ہے، کیا اب ان دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونا ممکن ہے؟ (ایم، اے، غنی، راج بھون، حیدرآباد)

جواب:- اگر میاں بیوی کے درمیان علاحدگی میں صرف خلع کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور شوہر کی نیت اس لفظ کو کہتے یا قبول کرتے ہوئے محض علاحدگی یا ایک طلاق کی تھی، تو بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور نئے نکاح اور نئے مہر کے ساتھ دوبارہ ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونے کی گنجائش ہوگی، اور اگر خلع میں تین طلاق کی نیت کی تھی، تو پھر عورت پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اور وہ شوہر کے لئے مکمل طور پر حرام ہے، ہاں! اگر اتفاق سے اس کا کسی مرد سے نکاح ہو

اور سوء اتفاق کہ اس نے بھی طلاق دے دی تو اب عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر سے اس کا دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے:

"و الخلع من الكنايات ... ويقع به تطليقة بائنة إلا إن نوى ثلثا فتكون ثلثا" (۱)

بہتر ہے کہ آپ کسی مفتی سے بالمشافہ رجوع کریں، اور خلع کی تحریر اور اگر تحریر نہ ہو تو اس وقت کے الفاظ بتا کر جواب حاصل کرلیں۔

خلع کے بعد دوبارہ نکاح

سوال:- {1735} میری چھوٹی بہن کا تین سال قبل خلع ہوا تھا، اس نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا اور ان کے شوہر نے بھی کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، اب وہ دونوں ازدواجی زندگی سے منسلک ہونا چاہتے ہیں۔ کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

(محمد صدیق، محمد غوث، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- اگر خلع نامہ میں صرف خلع کا لفظ استعمال ہوا ہے یا طلاق بائن کا لفظ اور نیت مطلق طلاق دینے یا صرف ایک طلاق دینے کی تھی، تو دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے، اگر خلع نامہ میں تین بار طلاق کا ذکر تھا، تو اب نکاح کی گنجائش نہیں، مناسب ہوگا کہ آپ کسی دار الافتاء سے رجوع ہوکر خلع نامہ کی تحریر دکھائیں اور تحریر دیکھ کر جو رائے دی جائے اس پر عمل کریں۔

خلع میں مہر واپس لے لینا

سوال:- {1736} سیدہ جمیلہ کا نکاح حسن بن صالح سے ہوا، شوہر نے دس ہزار روپے اور دو دینار سرخ مہر معجل

---

(۱) رد المحتار: ۹۲/۵۔

زیورات کی شکل میں ادا کردیا ہے، شادی کے چند سال بعد دونوں کی زندگی میں چند وجوہات سے تلخیاں پیدا ہوگئیں، اب عورت کسی طور پر شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، اس لئے اس نے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا، لیکن شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، اب وہ خلع چاہتی ہے، تو کیا خلع کی صورت میں شوہر مہر کی دی ہوئی رقم حاصل کرسکتا ہے؟

(شریف النساء، مانصاحب ٹینک)

جواب:- خلع شریعت میں اس بات کو کہتے ہیں کہ بیوی شوہر کو کچھ دے کر، یا شوہر کا ادا کیا ہوا مہر واپس کر کے شوہر سے علاحدگی حاصل کرلے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خلع کا ایک معاملہ آیا، تو آپ ﷺ نے عورت کو یہی حکم دیا کہ وہ شوہر کا ادا کیا ہوا مہر اس کو واپس کر دے، (۱) اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ شوہر خلع کے عوض کے طور پر عورت کو دیا ہوا مہر واپس لے لے۔ واللہ اعلم

ایک طرفہ خلع کا اعلان

سوال:- {1737} لڑکی کا والد لڑکی کی طرف سے خلع نامہ شائع کردے، تو کیا اس سے ازدواجی تعلقات ختم ہوجاتے ہیں؟

(محمد عبدالرحیم، بشارت نگر)

جواب:- خلع یہ ہے کہ بیوی شوہر کو کچھ دے کر یا اپنا کوئی مالی حق معاف کر کے طلاق دینے پر آمادہ کرلے، (۲) عورت یا اس کا والد یکطرفہ اعلان کردے تو اس سے میاں بیوی میں علاحدگی نہیں ہوگی۔

---

(۱) دیکھئے: صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۵۲۷۳، باب الخلع و کیف الطلاق فیه۔ محشی۔
(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۵/۸۳۔ محشی۔

شوہر کی عدم موجودگی میں خلع

سوال:- {1738} محمد محسن کی شادی آج سے تقریباً پانچ سال پہلے ہوئی تھی، ادھر دو سال کے عرصہ سے انہوں نے بیوی کو بالکل چھوڑ رکھا ہے، دوسری شادی کر لی ہے، پہلی بیوی کو نہ تو نان نفقہ دیتا ہے، اور نہ اس کے پاس آتا ہے، ان حالات میں پہلی بیوی کی خواہش یہ ہے کہ ہم خلع کرالیں، کیا شوہر کی عدم موجودگی میں خلع ہو سکتا ہے؟

(محمد خلیل سید علی، چبوترہ، حیدرآباد)

جواب:- خلع کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔(۱) البتہ اگر شوہر نے ظلم کیا ہو اور ظلم اس درجہ کا ہو کہ اس کی وجہ سے فقہاء نے تفریق کی اجازت دی ہو، تو دار القضاء امارت ملت اسلامیہ، آندھرا پردیش، پنجہ شاہ، حیدرآباد میں درخواست بابت فسخ نکاح دے، پھر جب قاضی شریعت تحقیق کے بعد نکاح فسخ کردے، تو وہ دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔(۲) اور اسے اپنے موجودہ شوہر سے خلاصی حاصل ہو سکے گی۔

---

(۱) "لا ولاية لأحدهما في الزام صاحبه بدون رضاء" (تبيين الحقائق : ۲۷۱/۲)

(۲) "و يتعديه أى الزوج على الزوجة بضرب بغير موجب شرعي ... و ثبت ببينة أو اقرار ... (ولها التطليق) بالتعدى اذا ثبت" (الشرح الصغير:۵۱۲/۲)

یہ مسئلہ امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق ہے، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں شوہر کی زیادتی کے بناء پر قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر سکتی ہے، اور قاضی ایسی صورت میں شوہر کی مناسب سرزنش کرے گا، اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کے مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، ہندوستان میں چونکہ نظام عدل مسلمانوں کے پاس نہیں ہے، اور ان کے پاس ایسی قوت نہیں ہے، جو ایسے لوگوں کی جسمانی سرزنش کر سکے، اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس مسئلہ میں مالکیہ کی رائے اختیار کی جائے۔(جدید فقہی مسائل:۱۵۴/۲)

خلع سے پہلے صلح

سوال:- {1739} زید اپنی بیوی ہندہ سے کچھ دوری پر ملازمت کر رہا ہے، کسی وجہ سے ہندہ زید سے خلع لینا چاہتی ہے، اس غرض سے وہ جماعت والوں کے پاس خلع کے لئے درخواست بھی دے چکی ہے، جماعت والوں نے زید کو وہاں سے بلوایا اب اگر زید کے جماعت والوں کے پاس جانے سے پہلے یا عین فیصلہ کے وقت اگر ہندہ اپنے آپ کو زید کے نکاح میں برقرار رکھنا چاہے اور خلع کی درخواست کو واپس لے لے تو کیا ہندہ زید کے نکاح میں باقی رہے گی؟ (فیروز احمد)

جواب:- ہندہ خلع کی درخواست واپس لے سکتی ہے، جب تک زید طلاق نہ دے اس کی زوجیت میں باقی رہے گی۔

خلع میں ایک طلاق دیدی

سوال:- {1740} ہندہ نے اپنے شوہر سے خلع طلب کی، شوہر نے خلع کرتے ہوئے ایک طلاق دیدی اب ہندہ چاہتی ہے کہ اپنے شوہر سے ازدواجی تعلقات پھر سے قائم کرے، اس صورت میں ہندہ شرعاً کیا طریق کار اختیار کرے؟ تا کہ شوہر کے ساتھ پھر سے ازدواجی زندگی گزارے۔ (محمد صلاح الدین قاضی، کوٹلہ، کریم نگر، ریالی)

جواب:- شریعت میں خلع مال لے کر یا مہر وغیرہ معاف کر کے طلاق دینے کو کہتے ہیں، اس طرح اگر ایک طلاق دی جائے تو وہ ایک طلاق بائن کہلائے گی، طلاق بائن کے بعد اگر پھر

وہی مرد وعورت ایک ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو اس کی گنجائش ہے۔البتہ نئے مہر کے ساتھ پھر سے نکاح کرنا ہوگا۔(۱)

تحریری خلع

سوال:-{1741} بیوی نے آپسی رنجش کی بناء پر عدالت میں خلع کا درخواست دائر کردیا، عدالت میں ابھی کاروائی جاری ہی تھی کہ پنچایت نے دونوں کے درمیان خلع کرادی اور تحریری شکل میں زن وشوہر وگواہان کے دستخط وغیرہ کرالئے گئے، یہ سب کاروائی ہوجانے کے بعد لڑکی نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور وہاں بیان دیا کہ اس سے خلع جبرًا کرایا گیا ہے،صورت مسئولہ میں خلع ہوا یا نہیں اور وہ عورت اس کے نکاح سے خارج ہوگی یا نہیں؟ واضح ہو کہ اس عورت نے اس پنچایت میں اپنے حق مہر وغیرہ معاف کردیا تھا۔

(اقبال محمد)

جواب:- طلاق اور مہر کی معافی کے لئے زبان سے بولنا ضروری نہیں ہے، لکھ دینا بھی کافی ہے اور اس مضمون کی لکھی ہوئی تحریر پر اس کو جانتے ہوئے دستخط کردینے کی وجہ سے خلع ہوجاتا ہے،لہذا صورت مذکورہ میں خلع ہوگیا ہے،اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کے زن وشوہر باقی نہ رہے۔ —— یہاں اس بات کی وضاحت کردینی مناسب ہے کہ شریعت میں جبر واکراہ سے مراد ایسی حالت ہے کہ کسی مہلت کے بغیر کوئی شخص خود اس کو یا اس کی اولاد کو ہلاک کردینے پر

(۱) "ان طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال وكان الطلاق بائنا" (الفتاوى الهندية : ۱/۴۹۵)"أما الطلاق على المال فأحكامه كالخلع" (بدائع الصنائع :۳/۱۵۲)

آمادہ ہو، اس حالت میں جو تحریر لکھی جائے گی وہ جبر و اکراہ کی تحریر سمجھی جائے گی، ایسی صورت میں لکھی ہوئی دوسری چیزوں کے علاوہ خود طلاق بھی واقع نہیں ہوتی ہے، صورت مسئولہ میں ایسے جبر و اکراہ کی کوئی وضاحت موجود نہیں ہے، اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اب اگر وہ دونوں فریق ایک ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہیں اور خلع کے وقت تین سے کم طلاق دی ہو تو از سر نو نکاح کر کے رہ سکتے ہیں۔(۱)

خلع میں لفظ ’’طلاق‘‘ کے بعد تجدید نکاح

سوال:- {1742} کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین، مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

۲۲/نومبر ۱۹۹۹ء کو وحیدہ بانو اور اس کے شوہر عبد الجبار کے درمیان خلع ہوگیا، دونوں کے درمیان خلع کی جو تحریر بنی وہ بھی نہیں ہے، اس کا عنوان تو خلع نامہ ہے، لیکن اندر کے مضمون میں ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ کے الفاظ ہیں، کیا ایسی صورت میں دوبارہ وحیدہ بانو سے عبد الجبار کا نکاح ہوسکتا ہے؟ براہ کرم جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

(عبد القادر، سکندر آباد)

جواب:- راقم الحروف نے انگریزی میں لکھا ہوا خلع نامہ دیکھا، خلع نامہ میں خلع کے ساتھ ساتھ تین بار طلاق کے الفاظ بھی ہیں، خلع لفظ کنایہ ہے، جس میں ایک طلاق بائن کے معنی بھی ہو سکتے ہیں، اور تین طلاق کے بھی، لیکن جب طلاق دینے والا خود اپنی مراد واضح کر دے تو پھر اسی کا اعتبار ہوگا، خلع کے ساتھ تین بار لفظ طلاق اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں خلع سے تین

(۱) " وحكمه أن (الواقع به)و لو بلا مال (و بالطلاق)الصريح (على مال طلاق بائن" (الدر المختار على هامش رد المحتار :۲/۵۵۹)

طلاقیں مراد تھیں، لہٰذا وحیدہ بانو پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں، اور اب وہ عبدالجبار پر مکمل طور پر حرام ہے، ہاں اگر وحیدہ بانو کا کسی اور مرد سے نکاح ہو، اور وہ نکاح کے بعد اس کے ساتھ میاں بیوی کا تعلق بھی قائم کرے، اور اتفاق سے اس شوہر سے بھی اسے طلاق واقع ہوجائے تو عدت گزرنے کے بعد عبدالجبار سے اس کا نکاح درست ہوسکتا ہے، اس کے بغیر عبدالجبار اور وحیدہ بانو کا دوبارہ نکاح درست نہیں۔ واللہ اعلم

ظہار اور ایلاء

بیوی کو ماں بہن سمجھنا

سوال:- {1743} میری شادی کو تقریباً ۱۳، ۱۴ سال ہو چکے، میں نے چند دن ہنسی خوشی زندگی گزاری، اس کے بعد سے مصیبتوں میں زندگی گزار رہی ہوں، میرے شوہر مجھے بیوی نہ سمجھ کر ماں یا بہن یا بیٹی کہتے ہیں، اور یہ بات انہوں نے میری ماں اور بہنوں کے سامنے کئی دفعہ کہی ہے، اسی دن سے میرے ساتھ ازدواجی تعلقات بھی ختم کر چکے ہیں ماں، بہن، بیٹی کہنے سے نکاح ختم ہو گیا، یا ابھی باقی ہے، اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟ جب کہ وہ نہ طلاق دے رہے ہیں، نہ خلع۔

(بشیرہ بیگم، صنعت نگر)

جواب:- بیوی کو ماں، بہن، یا بیٹی کہنا سخت گناہ اور معصیت ہے، قرآن مجید نے اس کو

بری اور جھوٹی بات کہا ہے۔﴿ مُنكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَ زُورًا ﴾(۱) مسئلہ کی تفصیل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر انہوں نے صرف ماں یا بہن کہا ہو، تو یہ گناہ ہے، اگر یہ کہا ہو کہ تم میرے لیے ماں بہن کی طرح ہو، تو اس کو شرعی اصطلاح میں ''ظہار'' کہتے ہیں، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ جب تک کفارہ ادا نہ کرے، بیوی سے صحبت نہیں کر سکتا، کفارہ یہ ہے کہ صحبت سے پہلے مسلسل ۶۰ ر روزے رکھے، اگر روزے نہ رکھ سکے تو ۶۰ ر مسکینوں کو کھانا کھلائے۔(۲) ان دونوں صورتوں میں نکاح ختم نہیں ہوتا ہے، البتہ کسی عذر شرعی کے بغیر بیوی سے مکمل طور پر ازدواجی تعلق کو ترک کر لینا سخت گناہ اور زیادتی ہے، اور اگر مرد کو اس پر اصرار ہو، تو عورت قاضی شریعت سے فسخ نکاح کے لیے خواہش کر سکتی ہے، قاضی مناسب تحقیق کے بعد اس کا نکاح فسخ کر دے گا، پھر عورت کے لیے دوسرا نکاح کرنے کی گنجائش ہوگی۔

اگر اس نے بیوی سے کہا کہ تو میرے لیے ماں کی طرح ہے اور قسم کھائی کہ میں تیرے ساتھ بیوی کا تعلق نہیں رکھوں گا، تو پھر یہ ایلاء ہے، ۴ر ماہ کی مدت گزرنے تک بھی اگر اس نے صحبت نہیں کی، تو اس سے آپ کا نکاح ختم ہو جائے گا، اگر اس مدت کے اندر صحبت کر لے، تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور نکاح باقی رہے گا، خود قرآن مجید میں ان احکام کا ذکر ہے۔(۳)

بیوی کو بہن کہدے

سوال:- {1744} کوئی شخص غصہ یا چاہت میں بیوی کو بہن کہدے تو کیا نکاح ٹوٹ جائے گا اور اگر نکاح ٹوٹ

(۱) المجادلة :۲۔

(۲) المجادلة :۳-۴۔

(۳) ﴿ للذين يؤلون من نسائهم تربص أربعة أشهر ، فإن فاء وا فإن الله غفور رحيم ﴾(البقرة :۲۲۶) محشی۔

جائے تو بیوی سے دوبارہ ملنے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- بیوی کو بہن یا ماں کہنا مناسب نہیں، لیکن اگر کہہ دے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ محض جھوٹی اور لغو بات ہوگی، وہاں اگر یوں کہے کہ تو مجھ پر میری بہن کی طرح ہے اور مقصود یہ ہو کہ تو بہن کی طرح حرام ہے، تو یہ فقہ کی اصطلاح میں ''ظہار'' کہلاتا ہے، ایسی صورت میں جب تک کفارہ ظہار ادا نہ کردے اس وقت تک بیوی سے جنسی تعلق حرام ہے، فقہ کی کتابوں میں یہ دونوں صورتیں صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔(۱)

چار ماہ سے زیادہ زوجین کے درمیان بے تعلقی

سوال:- {1745} چار ماہ سے زیادہ اگر شوہر اور بیوی جھگڑا یا کسی اور وجہ سے الگ الگ ہوں تو ان دونوں کا رشتۂ نکاح باقی رہے گا، یا ختم ہو جائے گا؟

(غوثیہ سلطانہ، محبوب گارڈن کالونی)

جواب:- شوہر و بیوی چار ماہ یا اس سے زیادہ صرف ایک دوسرے سے بے تعلق رہیں تو اس سے نکاح ختم نہیں ہوجاتا، البتہ آپسی رنجش کی بنیاد پر ایک دوسرے سے اتنا عرصہ بے تعلق رہنا ناجائز اور سخت گناہ ہے، ہاں اگر کسی مرد نے قسم کھائی کہ وہ چار ماہ تک صحبت نہیں کرے گا، اور چار ماہ تک اس سے رکا رہا تو چار ماہ کی مدت پوری ہوتے ہی اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی، اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''ایلاء'' کہتے ہیں، جس کا خود قرآن مجید میں بھی ذکر آیا ہے۔(۲)

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی التاتارخانیۃ: ۴/۴، رد المحتار: ۵/۱۲۵۔

(۲) البقرۃ: ۲۲۶۔

''میں تم سے مباشرت نہیں کروں گا'' کہنے کا حکم؟

سوال:- {1746} ایک شخص تقریبا سال بھر تک گھر سے دور رہا اس عرصہ میں ایک دو بار وہ اپنے گھر بھی آیا ایک طویل عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی منکوحہ نے اس کے بھانجے سے زنا کیا، زید کی منکوحہ کو بھی اس کا اقرار ہے اور وہ اس فعل پر نادم و پشیمان ہے، زید نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک نشست میں یہ بات کہی کہ آئندہ ہم دونوں کے درمیان مباشرت کا تعلق برقرار نہیں رہے گا، مگر وہ اس پر قائم نہ رہ سکا اور زن وشو کا فعل صادر ہو گیا سوال یہ ہے کہ کیا یہ شرعا صحیح ہے؟ اس ضمن میں دوسرا سوال یہ ہے کہ اس شخص کی منکوحہ سے ایسا لڑکا ہے جو ان دنوں میں پیدا ہوا تھا، جب کہ وہ شخص گھر سے دور تھا گو کہ وہ اس ایک سال کے عرصہ میں دو تین بار گھر آیا اس لڑکے کے بارے میں اس کو شبہ ہے کہ وہ اس کی اولاد نہیں ہے، بلکہ اس کی منکوحہ سے جو فعل سرزد ہوا ہے وہ اسی کی پیداوار ہے، اس صورت میں یہ شخص اس لڑکے کو اپنی وراثت میں شامل کرے یا نہ کرے؟ (عبدالحنان، ہمایوں نگر، حیدرآباد)

جواب:- زنا سخت گناہ اور معصیت ہے، لیکن اس کی وجہ سے ازدواجی تعلق منقطع نہیں ہوتا اور یہ کہنے سے کہ آئندہ میں تم سے جماع نہیں کروں گا، جماع اس پر حرام نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لیے اس سے جماع کرنا جائز ہوگا، اس لیے مذکورہ صورت میں اس کا جماع کرنا صحیح ہے؛ البتہ اگر جماع نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور چار ماہ کے اندر جماع کرلیا، تو قسم کا کفارہ ادا کردے، اور اگر یہ قسم کھانے کے بعد چار ماہ گزرنے تک جماع نہیں کیا، تو اس مدت کے گزرنے کے ساتھ ہی اس

پر ایک طلاق بائن واقع ہوچکی، اس کو ایلاء کہتے ہیں۔(۱)

محض شبہ کی وجہ سے نسب کا انکار درست نہیں، نسب اصولاً شوہر ہی سے ثابت ہوگا رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں صاف طور سے ارشاد فرمایا: "الولد للفراش وللعاهر الحجر"(۲) اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ مولود کو اپنی اولاد تصور کریں۔

---

(۱) " إذا قال الرجل لامرأته والله لا أقربك أو قال والله لا أقربك أربعة أشهر فهو مول ... فإن وطئها في الأربعة الأشهر حنث في يمينه وفي ذمته الكفارة " (الهداية :۴۰۱،باب الإيلاء)

(۲) الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۱۱۵۷،باب ما جاء أن الولد للفراش -مرتب۔

عدت کے احکام

نکاح ختم ہونے کے بعد عدت

سوال:- {1747} ایک صاحب نے جن کی دو بیویاں تھیں، آٹھ دس سال پہلے پہلی بیوی کو طلاق دے دی، اور گاؤں سے شہر منتقل ہو گئے، جہاں اب ان کا انتقال ہو گیا، گاؤں والوں نے پہلی بیوی کی بھی چوڑیاں وغیرہ پھوڑ کر زبردستی بیوہ بنادیا اور عدت کے ایام گزارنے کے لیے مجبور کر رہے ہیں، کیا یہ درست ہے؟　(ایم علیم الدین، بھولکپور)

جواب:- جب مرد نے اسے کئی سال پہلے ہی طلاق دے دی تھی، تو اب وہ عورت اس شخص کی بیوی باقی نہیں رہی، اور جب مرد کی موت کے وقت اس سے عورت کا رشتۂ نکاح قائم نہیں تھا، تو اس کو زیب وزینت کو چھوڑنے پر مجبور کرنا، یا زبردستی اس سے عدت گزروانا قطعاً جائز نہیں، نہ اس عورت کے لیے عدت کا حکم ہے، اور نہ ترک زیبائش کا، پھر بیوہ ہو جانے والی عورت کی چوڑیوں کو فوراً نکال دینا ضروری نہیں ہے، اس سے حزن ورنج میں اضافہ ہوتا ہے، مقصود ایامِ

عدت میں ترک زیبائش ہے، عورت خود بعد میں اپنی چوڑیاں اتار سکتی ہیں، اسی طرح چوڑیوں کو پھوڑنا ناحق مال کو ضائع کرنا ہے، اتاری جائیں تو بعد میں وہی عورت پہن سکتی ہے یا کسی اور کے کام آسکتی ہے، یہ سب جاہلانہ رسوم ہیں، جن سے بچنا چاہئے۔

عدت کہاں گزاری جائے؟

سوال:- {1748} زید کا انتقال ہوگیا ہے، اب اس کی بیوی عدت تک زید کے مکان میں رہے گی یا اپنے میکہ میں، وہ زید کے انتقال ہوتے ہی چار دن کے بعد اپنے والدین کے پاس چلی گئی، اس کا کہنا ہے کہ کسی مولانا نے اس کو اجازت دی ہے، کیا یہ درست ہے؟ (محمد محسن، عنبر پیٹ)

جواب:- مرحوم شوہر نے جو مکان رہائش کے لئے فراہم کیا تھا، اسی میں عدت گزارنا واجب ہے، یہ حکم بہت تاکید کے ساتھ قرآن (۱) وحدیث (۲) سے ثابت ہے، ہاں اگر گھر کے مالکان نے نکال دیا، اور اس کا اس گھر میں اتنا حصہ نہ ہو جو رہائش کے لئے کافی ہو جائے یا کرایہ کا مکان ہو اور کرایہ ادا شدہ نہ ہو اور خود اس میں ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو، یا گھر کے گر جانے یا چوری وغیرہ کا اندیشہ ہو، یا عورت کی عزت وآبرو کو خطرہ درپیش ہو، انہی صورتوں میں عورت اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں اور عدت گزار سکتی ہے۔ (۳)

زید کی بیوہ نے اس طرح کا کوئی عذر کسی عالم کے سامنے پیش کیا ہوگا اور اسی بنیاد پر موصوف نے میکہ جانے کی اجازت دی ہوگی، بہر حال عدت کی حالت میں کسی عذر شدید کے بغیر شوہر کے فراہم کی ہوئی رہائش گاہ کو چھوڑ کر اپنے میکہ یا کسی اور جگہ منتقل ہو جانا جائز نہیں۔ (۴)

---

(۱) البقرة:۲۳۴۔محشی۔
(۲) صحيح البخاري:۲/۶۵۰۔محشی۔
(۳) رد المحتار:۵/۲۲۵، الفتاوى الهندية:۱/۵۳۵۔
(۴) رد المحتار:۵/۲۲۶۔محشی۔

نادار مطلقہ عورت کا عدت میں کسب معاش کے لئے باہر نکلنا

سوال:- {1749} اگر کوئی عورت مطلقہ ہو، لیکن شوہر نے اس کو عدت کا خرچ نہیں دیا اور وہ اس موقف میں ہو کہ خود اپنا خرچ پورا کر سکے، تو کیا اس صورت میں وہ عدت کے درمیان ملازمت اور کسب معاش کے لئے گھر سے باہر جا سکتی ہے؟ (عبدالرقیب، دستھلی پورم)

جواب:- طلاق کی صورت میں شوہر پر عدت کا خرچ دینا واجب ہے، تاہم اگر شوہر نے عدت کے اخراجات نہیں دئے اور اس کے پاس ان اخراجات کے لئے پیسے موجود نہیں ہیں، نہ اس کے اعزہ اس خرچ کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں، تو اس کے لئے کسب معاش کی غرض سے دن میں گھر سے باہر نکلنے اور کام کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ فقہاء نے اس خلع حاصل کرنے والی عورت کو اس کی اجازت دی ہے، جس کو عدت کا نفقہ میسر نہ ہو:

"... حتی لو كانت مختلعة على أن لا نفقة لها فقد قيل يباح لها الخروج نهارا لمعاشها كالمتوفى عنها زوجها"(۱)

جن عورتوں کو شوہر یا کسی عزیز یا اپنی ذاتی دولت کی وجہ سے زمانۂ عدت کا نفقہ میسر ہو اس کے لئے زمانۂ عدت میں گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے عدت گزارنے والی عورت کے لئے بتاکید اس کا حکم دیا ہے۔(۲)

(۱) الفتاوی التاتار خانية:۴/۱۸۔
(۲) بیهقي :۷/۴۰۷-۷۰۸، مجشی۔

نسبندی شدہ عورت پر عدت کیوں؟

سوال:- {1750} شریعت میں عدت اس لئے واجب قرار دی گئی ہے کہ نسب میں اختلاط نہ ہو، لیکن اگر کسی عورت کی نسبندی کر دی گئی ہو اور اس کے لئے حمل کی گنجائش باقی نہ رہے تو اس کی عدت بھی واجب نہیں ہونی چاہئے، کیوں کہ اختلاط کا کوئی امکان نہیں؟ (جان محمد، عیدی بازار)

جواب:- شریعت میں عدت دوہرے مقاصد کے لئے ہے، ایک اہم مقصد تو وہی ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، یعنی نسب کی حفاظت، کہ ایک عورت جب ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کے نکاح میں جائے تو درمیان میں ایسا فاصلہ ہو کہ پہلے شوہر کے حمل کے باقی رہنے کا کوئی احتمال باقی نہ رہ پائے، دوسرا مقصد پہلے نکاح کے ختم ہونے اور رشتہ منقطع ہونے پر ملال وافسوس اور حزن کا اظہار بھی ہے، یہ گویا رشتۂ نکاح کے احترام کی رعایت ہے، یہی وجہ ہے کہ عدتِ وفات اور عدتِ طلاق ان عورتوں پر بھی واجب قرار دی گئی ہے، جو ابھی بالغ بھی نہ ہوئی ہوں یا ان کی جوانی کا زمانہ گزر چکا ہو، اور وہ ایاس کی عمر کو پہنچ گئی ہوں، غور کیجئے کہ بلوغ سے پہلے اور عمر ایاس کو پہنچنے کے بعد عورتیں حاملہ نہیں ہوسکتیں، اور اس لئے نسب کے اختلاط کا کوئی شبہ نہیں، اس کے باوجود ان پر بھی عدت واجب قرار دی گئی ،لہذا جس عورت کی نسبندی ہو چکی ہو اس پر بھی عدت واجب ہے کہ عدت کا دوسرا مقصد غم وملال کا اظہار اس کے حق میں بھی عدت سے پورا ہوتا ہے۔

دوسرے گو کہ طبی اعتبار سے آپریشن کے بعد بھی عموماً حمل قرار نہیں پاتا، لیکن ناممکن نہیں کہ آپریشن میں کسی طبی نقص کی وجہ سے آپریشن کے بعد بھی عورت کے اندر حاملہ ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور ثبوت نسب اور عدت کے مسئلہ میں شریعت نے جس قدر احتیاط سے کام لیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محض یہ احتمال بھی عدت کو واجب قرار دینے کے لئے کافی ہے۔

نیز گونسبندی کے بعد عام طور پر استقرار حمل نہیں ہوتا، لیکن بعض استثنائی صورتوں میں استقرار ہو جایا کرتا ہے، گو ایسے واقعات ایک فی ہزار ہی کیوں نہ ہو، تو اس طرح ایک حد تک اختلاط نسب سے حفاظت کی مصلحت بھی موجود ہے۔

عدت وفات کہاں گزارے گی؟

سوال:- {1751} زید کا انتقال ہو گیا، اس کی بیوی زید کے مکان میں رہے گی یا اپنے مکان میں؟ عدت کہاں گزارے گی؟ (محمد علی اکبر، گولکنڈہ)

جواب:- زید نے جو مکان اپنی زندگی میں رہائش کے لئے بنایا تھا، اسی میں بیوی کو عدت گزارنا چاہئے یہ قرآن (۱) وحدیث (۲) سے ثابت ہے، البتہ وہاں عدت گزارنے میں اس کی جان، مال یا عزت وآبرو کو خطرہ ہو یا اس حصہ کا اتنا کم ہو کہ وہ رہائش کے لئے ناکافی ہو، اور دوسرے ورثاء اسے اپنے حصہ میں رہنے دینے کو تیار نہ ہوں، یا کرایہ کا مکان ہو اور خود کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، تو ان صورتوں میں عدت گزارنے کے لئے وہ اپنے میکہ بھی جا سکتی ہے۔ (۳)

دوران عدت شادی کرنا

سوال:- {1752} دوران عدت ڈیڑھ ماہ بعد مطلقہ کسی اور شخص سے شادی کر لیتی ہے، تو کیا یہ عقد صحیح ہے یا نہیں؟ ایام عدت کیا خلع کے بعد سے شمار ہوں گے؟ حالانکہ شوہر تقریباً ڈیڑھ سال سے علیحدگی اختیار کئے ہوئے ہے، کیا کوئی شرعی

(۱) البقرة:۲۳۴۔ محشی۔
(۲) صحیح البخاري:۲/۶۵۰۔ محشی۔
(۳) رد المحتار:۵/۲۲۶۔ محشی۔

گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہ عورت خلع کے بعد جب چاہے شادی کرلے؟

خلع کے بعد فوراً یا کچھ دنوں کے گزر جانے کے بعد جو نکاح کیا گیا ہے اگر وہ باطل ٹھہرا تو اس جوڑے کو مستقبل میں کیا کرنا چاہئے کہ اس کا نکاح باقی رہے اور کیا ایسا کرنے سے کوئی حد بھی جاری ہوتی ہے؟　　(محمد بشیر احمد، سعید آباد)

جواب:- دوران عدت کیا گیا نکاح فاسد ہے، یہ عقد نہیں ہوا، عدت گزر جانے کے بعد از سر نو نکاح کرنا چاہئے، (۱) ایام عدت کا شمار تاریخ خلع سے ہوگا اور عدت بہر حال گزارنی ہوگی۔ (۲)

اس جدید جوڑے کو فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ بعد ازیں عدت گزر جانے کے بعد تجدید نکاح کرلیں، البتہ اس کی وجہ سے کوئی حد و کفارہ واجب نہیں ہے، توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

مطلقہ اور بیوہ کی عدت

سوال:- {1753} مطلقہ اور بیوہ کی عدت کے ایام ایک ہی ہیں یا مختلف؟　　(بشیر احمد، سعید آباد)

جواب:- عدت کے احکام حسب ذیل ہیں:

حاملہ عورت کو طلاق دی جائے، یا وہ بیوہ ہو جائے دونوں ہی صورتوں میں عدت وضع حمل ہے، ولادت کے ساتھ ہی

---

(۱) ﴿ ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله ﴾ (البقرة :۳۰)

(۲) " و ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق و في الموت عقيب الوفاة " (الفتاوى الهندية:۱/۵۳۴)

عدت ختم ہو جائے گی۔(۱)

حاملہ نہ ہو تو بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔(۲)

حاملہ نہ ہو اور حیض آتا ہو تو مطلقہ کی عدت تین حیض ہے۔(۳)

نابالغہ یا بوڑھی ہو تو مطلقہ کی عدت تین ماہ ہے۔(۴)

حاملہ کا عدت وفات میں گھر سے نکلنا

سوال:- {1754} زید کی شادی ہوئے آٹھ مہینے ہو گئے اور اس کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی بیوہ حمل سے ہے، ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، ایسی صورت میں زید کی بیوہ کتنے دن عدت گزارے گی؟ تلاش معاش کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟ (محمد شکیل، نرمل)

جواب:- (الف) ولادت تک زید کی بیوہ عدت کی حالت میں ہے، بچہ پیدا ہونے کے بعد ہی اس کی عدت مکمل ہوگی۔(۵)

(ب) اگر زید کی بیوہ کے پاس گزر بسر کے لئے ضروری اخراجات نہیں ہوں، تو وہ باہر نکل سکتی ہے:

" حتی لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة

---

(۱) ﴿و اولات الاحمال اجلهن أن يضعن حملهن ﴾(الطلاق :۴)

(۲) ﴿والذين يتوفون منكم و يذرون ازواجا يتربصن بانفسهن أربعة أشهر و عشرا﴾(البقرة:۲۳۴)

(۳) ﴿والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثه قروء﴾ (البقرة :۲۲۸)

(۴) ﴿والّٰئي يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثه اشهر ﴾ (الطلاق:۴)

(۵) الطلاق :۴۔

" فلا يحل لها الخروج " (۱)

(ج) البتہ صبح نکل کر شام تک آجائے، یہ ضروری ہے کہ رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گزارے:

" تخرج نهارا أو بعض الليل و لا تبيت في غير منزلها " (۲)

عدت میں ماں کے انتقال پر گھر سے نکلنا

سوال:- {1755} زینب عدت میں ہے، ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ اس کی ماں کا انتقال ہوگیا، ایسی صورت میں زینب کو وہاں جانا چاہئے یا نہیں؟ (سلمہ سلطانہ، بسواکلیان)

جواب:- اگر زینب طلاق کی عدت گزار رہی ہو، تو اس کے لئے ماں کے انتقال کی وجہ سے گھر سے نکلنا درست نہیں، نہ دن میں اور نہ رات میں۔

" إن كانت معتدة بنكاح صحيح وهي حرة مطلقة ... لا تخرج ليلا و لا نهارا " (۳)

اور اگر شوہر کے انتقال کی عدت گزار رہی ہو تو یہ جائز نہیں کہ رات باہر گزارے، لیکن دن میں جا سکتی ہے، اگر رات کا کچھ حصہ بھی ہو جائے تو حرج نہیں۔

" المتوفى عنها زوجها تخرج نهارا و بعض الليل " (۴)

---

(۱) الدر المختار: ۲/ ۶۲۰۔

(۲) الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳۴۔

(۳) الهداية: ۲/ ۴۰۸۔

(۴) الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳۴۔

نفقہ کے احکام

کیا رخصتی سے پہلے بیوی کا نفقہ شوہر پر ہے؟

سوال:- {1756} میرا نکاح ہو چکا ہے، البتہ سسرال والے ایک سال بعد لڑکی کی رخصتی کرنا چاہتے ہیں، میں خدا کے شکر سے برسر ملازمت ہوں، کیا مجھ پر بیوی کا نان ونفقہ لازم ہوگا، اگر لازم ہوگا تو کیا جب سے نکاح ہوا ہے، اس وقت سے یا مسئلہ معلوم کرنے کے بعد؟ (شبیر احمد، VT ممبئی)

جواب:- نکاح ہونے کے بعد لڑکی کا نفقہ شوہر پر لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ بیوی نے خود کو شوہر کے سپرد کردیا ہو، اور اگر سپردگی نہیں ہوئی ہے، اور اس میں بیوی کی طرف سے کسی بغیر عذر کے رکاوٹ بھی ہے، تو بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا:

"النفقة تتعلق بأشياء : منها الزوجية و الاحتباس ، فتجب على الرجل نفقة امرأته" (۱)

---

(۱) الفتاوی الخانية على هامش الفتاوی الهندية:۱/۴۲۴۔

چوں کہ آپ کا صرف نکاح ہوا ہے، رخصتی نہیں ہوئی ہے، اس لیے بیوی کا نفقہ آپ پر واجب نہیں۔

اگر بیوی اور رشتہ داروں کے درمیان نباہ نہ ہو؟

سوال:- {1757} میری بیوی کی میری والدہ اور بھائی بہنوں کے نہیں نبھ رہی تھی، اس لیے وہ اپنے میکہ چلی گئی، میں بار بار اصرار کرتا ہوں کہ وہ لوٹ آئے، لیکن وہ اس کے لیے تیار نہیں، میرے دو بچے بھی اسی کے پاس ہیں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کہ بیوی بھی راضی ہو جائے اور گھر والوں کی نظر میں بھی میرا وقار قائم رہے۔

(عبدالغفار خاں، وجے واڑہ)

جواب:- اولاً آپ کو بیوی اور گھر والوں کے معاملات پر پوری غیر جانبداری کے ساتھ غور کرنا چاہئے اور جس کی جو غلطی ہو، اس پر اسے متنبہ کرنا چاہئے، اگر والدہ کی طرف سے زیادتی ہو تو ان کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں بھی سمجھانا چاہئے، اور اگر مزاج میں تفاوت کی وجہ سے آپ کی بیوی اور گھر کے دوسرے لوگوں کا ساتھ رہنا دشوار ہو تو بیوی کے لیے الگ مکان حاصل کرنا چاہئے، شریعت میں بیوی کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کے گھر والوں سے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرے، اور شوہر پر بشرط قدرت اس کو پورا کرنا واجب ہے۔(۱) احکام شریعت کے معاملہ میں کسی کی رضامندی اور ناراضگی، نیز اپنے وقار وغیرہ کو ملحوظ نہ رکھنا چاہئے، بلکہ ہمیشہ اللہ کو راضی کرنے کی فکر چاہئے۔

---

(۱) "كذا تجب لها السكنىٰ في بيت خال عن أهله و أهلها" (الدر المختار) ذكر الخصاف : أن لها أن تقول لا أسكن مع والديك و أقربائك في الدار فأفرد لي دارا" (رد المحتار :۳۲۲/۵)محشی۔

مطلقہ عورت کا نفقہ

سوال:- {1758} موجودہ سماج میں طلاق شدہ عورت
کا نان ونفقہ کس کے ذمہ ہوگا؟ (علی احمد، چنچل گوڑہ)

جواب:- نکاح کے بارے میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ نکاح مرد وعورت کے درمیان ایک معاہدہ ہے، نکاح کے بعد بھی لڑکی کا اپنے خاندان سے تعلق باقی رہتا ہے، وہ شوہر کی جائداد نہیں بن جاتی، بلکہ شوہر کی رفیق اور شریک ہوتی ہے، اس لئے جب شوہر سے اس کا تعلق ختم ہو جائے تو پھر اس کی کفالت کی ذمہ داری اہل خاندان پر واجب ہوگی، والدین پر، بھائی پر اور دوسرے ان رشتہ داروں پر جو اس عورت کی وفات کے بعد میراث کے حق دار ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں فقہاء نے نفقہ کا پورا انظام متعین فرمایا ہے، جو تفصیل کے ساتھ کتب فقہ میں موجود ہے۔(۱)

دوسرے طلاق کے بعد عدت کا نفقہ تو واجب ہوتا ہی ہے، اگر بچے عورت کی زیر پرورش رہیں گے، لڑکے سات سال تک اور لڑکیاں بالغ ہونے تک، اس پوری مدت ان بچوں کا نفقہ بھی مرد پر واجب ہوگا، اور اس عورت کی اجرتِ پرورش بھی مرد کے ذمہ ہوگی، اور فقہاء کی عبارتوں سے یہ رجحان ظاہر ہوتا ہے کہ اجرتِ پرورش اتنی ہونی چاہئے کہ عورت کا گزر اوقات ہو جائے، اس طرح بالواسطہ طریقہ پر خاصے عرصہ تک مطلقہ عورت کے نفقہ کا انتظام ہو جاتا ہے۔

مرحومہ بیوی کے اخراجاتِ علاج

سوال:- {1759} زید کی شادی دو سال قبل ہندہ
سے ہوئی تھی، ایک لڑکی تولد ہوئی، جو زندہ ہے، آٹھ ماہ کا حمل

(۱) رد المحتار :۳۳۳/۵۔ محشی۔

تھا، جو ساقط ہوگیا، دس دن کی مختصر علالت کے بعد ہندہ کا انتقال ہوگیا، دواخانہ کا بل دوائیاں اور علاج کے سلسلہ میں جملہ اخراجات ۸۵۰۰۰/روپے سکہ ہند سے زائد خرچ ہوئے ہیں اور یہ رقم ہندہ کے والد نے فراہم کیے ہیں، دوران علاج ہندہ کے والد کو زید کی طرف سے تمام اخرجات کی ادائیگی کا تیقن دیا جا رہا تھا، اب ہندہ کے والد کا مطالبہ ہے، کیا مذکورہ خرچ کی ادائیگی از روئے شرع زید پر لازم ہے؟

(احسان عبدالملک، یاقوت پورہ)

جواب:- (الف) زندگی کے بقاء کے لیے جو چیزیں ضروری ہوں وہ سب نفقہ میں داخل ہیں:

"و في الشرع الادرار على شيئ بما فيه بقاؤه"(۱)

انسان کے بقاء کے لیے کھانے پینے سے زیادہ بڑی ضرورت علاج ہے، اس لیے علاج بھی نفقہ میں داخل ہے اور شوہر پر واجب ہے کہ وہ اسے ادا کردے۔(۲) خاص کر جو اخراجات ولادت کے سلسلہ میں ہوئے ہوں، خواہ حمل ساقط ہی کیوں نہ ہو جائے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وہ شوہر پر واجب ہوگا۔

"لأن نفع القابلة معظمه يعود إلى الولد فيكون على أبيه" (۳)

اس لیے زید کو یہ اخرجات ادا کرنے چاہئیں۔

---

(۱) رد المحتار :۲۲۲/۵، باب النفقة۔
(۲) دیکھئے:الفقه على المذاهب الأربعة:۵۵۷/۴۔
(۳) رد المحتار :۲۹۲/۵۔

بیوی اور بیٹی کو کسب معاش پر مجبور کرنا

سوال:- {1760} کیا والد و شوہر لڑکی اور بیوی کو اس بات پر مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ گھر سے نکل کر جائے اور کما کر لائے تاکہ زندگی عیش وعشرت کے ساتھ بسر ہو حالانکہ وہ خود اتنا کما سکتے ہیں جس سے زندگی کی ضروریات پوری ہوسکتی ہیں، اگر عورت ان کی بات نہ مانے اور گھر بیٹھ رہے تو کیا وہ شریعت کی نظر میں نافرمان ہوگی، نیز اگر وہ کمائے بھی تو کیا اس پیسہ پر باپ وشوہر کا کوئی حق ہے؟ اگر مرد اس کا مال زبردستی لے لے تو کیا یہ عورت پر ظلم نہیں ہے؟

(شاہنواز عالم، قبا کالونی، حیدرآباد)

جواب:- بیوی کے اخراجات کی ذمہ داری شوہر پر(۱) اور بیٹی کے نفقہ کی ذمہ داری باپ پر ہے،(۲) اور اپنے حق کے حاصل کرنے کے لئے وہ شوہر یا باپ سے مطالبہ بھی کرسکتی ہے، اس کو کمائی کے لئے مجبور کرنا درست نہیں ہے، البتہ یہ حلال اور جائز طریقہ پر کمائیں تو یہ مال خود انہی کا ہے، کوئی اس کے مال کو زبردستی لے تو یقیناً یہ ظلم ہے۔

ناشزہ کا نفقہ

سوال:- {1761} میری بیوی تقریباً آٹھ ماہ قبل میری اطلاع کے بغیر اپنے میکہ چلی گئی، ایک دو مرتبہ لانے کی کوشش

---

(۱) "النفقة واجبة للزوجة على زوجها" (الهداية:۲/۴۳۷)

(۲) "و نفقة الأولاد الصغار على الأب" (الهداية:۴۴۴)" وتجب نفقة الابنة البالغة على الأب "(الهداية :۴۴۷)

بھی کی گئی، مگر وہ اس پر تیار نہیں ہوئی، اس سے قبل پنچ کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا تھا، مگر وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوئی، سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں مجھ پر اس کا نان ونفقہ واجب ہوگا یا نہیں؟

(علاء الدین، تنالی، گنٹور)

جواب:- بیوی اگر شوہر کی اجازت کے بغیر از خود میکہ چلی گئی تو وہ ناشزہ ہے، جب تک خود نہ آجائے نفقہ اور کسی حق ازدواجی کی حق دار نہیں۔

"وإن نشزت فلا نفقة حتی تعود إلی منزله" (۱)

بلا اجازت شوہر کا پیسہ لینا

سوال:- {1762} میرے شوہر گھر کے لئے بڑی چیزیں تو لے آتے ہیں، لیکن چھوٹی موٹی چیزیں نہیں لاتے، چنانچہ میں ۵، ۱۰، ۱۵ ؍ روپے، نمک، جھاڑو وغیرہ کے لئے ان سے پوچھے بغیر لے لیتی ہوں، کیا میرے لئے یہ لینا جائز ہے؟

(عائشہ پروین، بی ایچ ای ایل)

جواب:- اگر آپ کے شوہر کو ان ضروریات کے لئے پیسہ دینے سے انکار نہ ہو تو آپ پہلے سے ان سے وقتاً فوقتاً اس طرح پیسہ لینے کی اجازت لے لیں، یا بعد میں شوہر سے اس کا ذکر کردیں، اگر آپ کے شوہر کو اس طرح وقتاً فوقتاً پیسہ لینا معلوم ہو اور وہ خاموشی اختیار کرتے ہوں تو یہ بھی ان کی اجازت ہی سمجھی جائے گی، اگر شوہر کی طبیعت میں بخل ہو، اور وہ ان جائز ضروریات کے لئے بھی پیسہ دینے کو آمادہ نہ ہوں تو آپ بلا اجازت بھی بقدر ضرورت پیسے لے سکتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیان ؓ کی بیوی ہندہ کو اس کی اجازت دی تھی۔ (۲)

---

(۱) الهداية: ۲/۴۳۸۔

(۲) صحيح مسلم: ۲/۷۵، محشی۔

لیکن زائد از ضرورت پیسے بلا اجازت لینا یا شوہر کے پیسے یا سامان بلا اجازت لے کر کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار کو دینا درست نہیں، یہ بھی خیانت میں داخل ہے۔

غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کے باوجود نفقہ کا استحقاق

سوال:- {1763} لڑکی کے سسرال والے کئی مرتبہ وعدہ کئے تھے، باوجود اس کے بے حد تکلیف دیتے رہے، جس کی وجہ خودکشی کرنے کے لئے لڑکی تیار ہوگئی تھی، بہر حال وہاں جان کا خطرہ ہونے سے سسرال نہیں گئی، شریعت کے خلاف غیر محرم کے ذریعہ دو مرتبہ بیوی کو طلب کرتے رہے، سسرال میں ایک بار اور بیرون ملک پہلی بار اپنے دوستوں کے ساتھ آنے کا حکم دیا، لیکن تا حال نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا، اس کے بارے میں کیا فتوی ہے؟ (محمد صدیق اکبر، حیدرآباد)

جواب:- اگر سسرال والوں کی ظلم و زیادتی کی وجہ سے اور غیر محرم کے ساتھ سفر کے باعث لڑکی سسرال جانے سے انکار کردے تو اسے اس کا حق ہے، اور اس کے باوجود وہ نفقہ کی مستحق باقی رہتی ہے۔(۱) شوہر کی غفلت ولا پرواہی ظلم ہے۔

مریضہ عورت کا نفقہ

سوال:- {1764} مجالس الابرار (صفحہ ۹۸-۶۸۸) پر میاں بیوی کے حقوق کے بیان میں:

(۱) " أو مع اجنبی بعثہ لینقلها فلها النفقة " (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲/۶۴۷) " لکنه لما بعث الیها اجنبیا لیاتیه بها کان امتناعها من السفر معه بحق " (رد المحتار: ۲/۶۴۷)

''اگر عورت صحبت کے قابل نہ ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں، یہ حکم قضاء کا ہے، چنانچہ اس امر کا اشارہ حضرت مولانا رشید پاشا صاحب دوشنبہ ایڈیشن اخبار ''سیاست'' مؤرخہ ۱۲ر اگست میں کیا ہے ''نفقہ سپریم کورٹ'' —— اب سوال یہ ہے کہ مرض یا ضعیفی وغیرہ سے معذور ہو تو پرورش کا کیا ذریعہ ہوگا؟

(جیلانی قدیر، اکبر باغ)

جواب:- یہ حکم ایسی صورت میں ہے جب کہ لڑکی ابھی ہمبستری کے قابل ہی نہ ہوئی ہو، اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے اس قابل نہ ہو اور اس نے اپنا نفس شوہر کے حوالہ کر رکھا ہو تو اس کا نفقہ واجب ہوگا، عالمگیری میں ہے:

"وإن نقلت وهي صحيحة ثم مرضت في بيت الزوج مرضًا لا تستطيع معه الجماع لم تبطل نفقتها بلا خلاف كذا في البدائع" (۱)

بیوی کا شوہر کے ساتھ رہنے کا مطالبہ

سوال:- {1765} کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین ایک صاحبہ (کثیر الاولاد) ہیں، جن کے شوہر امریکہ میں کام کرتے ہیں، صاحبہ چاہتی ہیں کہ وہ اور ان کے بچے شوہر کے ساتھ امریکہ میں رہیں، ،شوہر کا کہنا ہے کہ وہاں ماحول سازگار نہیں، اس لئے ساتھ نہیں لے جاسکتے ہیں، گھر کا ماحول دینی، پردے کی پابندی، ماں باپ دیندار ہوں اور گھر کا ماحول اچھا ہو تو وہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں رہنے کے لئے تیار

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۵۴۶، باب النفقة۔ محشی۔

ہے، اور بچے بھی کہیں بھی رہ سکتے ہیں، جب کہ شوہر اس سے انکار کرتا ہے کہ بیوی یہاں اکیلے بچوں کے ساتھ رہے، ان کا خیال ہے کہ اکیلی عورت بچوں کی صحیح تربیت نہیں کرسکتی ہے، اس لئے اس کا اصرار ہے کہ وہ اس کے ساتھ نہیں آسکتے، بیوی کے سارے رشتہ دار امریکہ میں مقیم تھے، تو اگر بیوی اور بچوں کو اسے ساتھ نہیں رکھنا تھا تو شادی کے وقت اس مسئلہ پر غور کرنا تھا، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ کیا بیوی کے لیے ایسی باتوں میں بھی شوہر کی اطاعت ضروری ہے، جو اس کی طبیعت پر گراں گزرے؟ (نازیہ، حیدرآباد)

جواب:- اگر شوہر کے اندر استطاعت ہو اور بیوی کی طرف سے ساتھ رکھنے کا تقاضہ ہو، تو شوہر پر بیوی کا ساتھ رکھنا واجب ہے، بچوں کی تربیت صرف ماں کی ذمہ داری نہیں؛ بلکہ ماں باپ دونوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے اسفار یہاں تک کہ سفر جہاد میں بھی ازواج مطہرات کو ساتھ رکھا کرتے تھے، اس لئے شوہر کا یہ عذر کرنا درست نہیں کہ امریکہ کا ماحول خراب ہونے کی وجہ سے وہ بچوں کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا، یا تو اسے خود ہندوستان آجانا چاہئے، تاکہ بال بچوں کے ساتھ رہے، یا اپنی بیوی بچوں کو امریکہ میں ساتھ رکھنا چاہئے اور اپنے بال بچوں کی تربیت پر توجہ کرنی چاہئے، بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت واجب ہے، لیکن اگر شوہر کا کوئی عمل اس کی حق تلفی کا موجب ہو تو وہ اس کی پابند نہیں۔ واللہ اعلم۔

حق پرورش

دادا کو یتیم پوتے سے ملاقات کا حق

سوال:- {1766} میرے ایک بڑے لڑکے کا عقد نکاح کے قلیل عرصہ بعد انتقال ہوگیا، اس کی زندگی میں اسے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، لڑکے کی بیوہ عدت گزارنے کے بعد میکے چلی گئی، میں بہ حیثیت دادا اس لڑکے کا ولی ہوں، مجھے گزشتہ دو سال سے پوتے کی دیدار سے محروم رکھا گیا ہے، کیا بہو اور ان کے اولیاء کا میرے ساتھ یہ رویہ درست ہے؟

(محمد عقیل، نام پلی)

جواب:- آپ کو شرعاً اپنے پوتے سے ملاقات کا حق حاصل ہے،(۱) اور ساتھ ہی

---

(۱) " الولد متى كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر إليه و عن تعهده " (رد المحتار :۵/۲۷۵) محشی۔

ساتھ اس کا نفقہ بھی آپ پر واجب ہے،(۱) مناسب ہوگا کہ آپ اس سلسلہ میں دار القضاء امارت ملت اسلامیہ، حسامیہ منزل، پنجہ شاہ، حیدر آباد سے رجوع کریں۔

حقِ حضانت

سوال:- {1767} مرحوم محمد رشید صاحب نے دنیا سے جاتے ہوئے اپنی سوا سالہ بچی چھوڑی، اب اس کا حق حضانت کس کو حاصل ہے؟ اگر ماں کو حاصل ہے اور وہ نہیں کرتی، بلکہ دادا دادی کرتے ہیں تو کیا بچی کے ہوش سنبھالنے کے بعد ماں کو لینے کا حق حاصل ہے؟—— نیز ان حالات میں جب کہ دادا دادی اس کی پوری توجہ کے ساتھ تعلیم وتربیت دینے میں مشغول ومنہمک ہوں، ان حالات میں ماں کے لے جانے سے بچی کی تعلیم وتربیت پر برا اثر پڑ سکتا ہے، نیز پرورش میں بھی دشواریاں پیدا ہونے کا امکان قوی ہے، براہ کرم مسئلہ کی وضاحت مع دلائل کے عنایت فرمادیں؟ (ایک دینی بھائی)

جواب:- بچی کی پرورش کی مستحق اس کی ماں ہے۔(۲) جب تک کہ وہ کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کرلے جو یا تو اس بچی کا رشتہ دار ہی نہ ہو، یا ہو تو محرم نہ ہو،(۳) اس کے بعد نانی کو پرورش کا حق ہے۔(۴) پھر دادی کو حق پہونچتا ہے، اگر ماں کچھ دنوں کی وجہ سے حق پرورش

(۱) " النفقة لكل ذى رحم محرم إذا كان صغيرا فقيرا أو كانت امرأة بالغة فقيرة أو كان نكرا بالغا فقيرا زمنا أو أعمىٰ ، و يجب ذلك على مقدار الميراث و يجبر عليه "(الهداية :۲/۴۴۶) محشی۔

(۲) " الأم و الجدة أحق بالجارية حتى تحيض " (الهداية :۲/۴۳۵)

(۳) " والحضانة يسقط حقها بنكاح غير محرم " (رد المحتار :۲/۶۳۹)

(۴) " فان لم تكن له أم فأم الأم أولى من أم الأب " (الهداية :۲/۴۳۴)

سے دستبردار ہو جائے تو بھی اس کا یہ حق ختم نہیں ہو جاتا، لڑکی کے بالغ ہونے تک اختیار رہتا ہے کہ جب بھی چاہے دوبارہ اس کا مطالبہ کرے۔(۱)، البتہ بالغ ہونے کے بعد دادا کے حوالہ کردے اور دادا کو چاہئے کہ اس کی تعلیم و تربیت کے اخراجات کی کفالت کرتے رہیں، اور وقتاً فوقتاً نگرانی بھی کرتے رہیں۔

بچے —— نفقہ اور حقِ پرورش

سوال:- {1768} زید اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے ، اور مسلم کمیٹی میں اس کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے، اس کو دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، جو ماں کے پاس ہیں، زید کس عمر میں ان بچوں کو واپس لے سکتا ہے، نیز بچوں کا نفقہ کس عمر تک واجب رہتا ہے؟ (سید خواجہ معین الدین، جگتیال)

جواب:- لڑکیاں جب تک بالغ نہ ہو جائیں، اگر ماں نے دوسرے سے نکاح نہ کیا ہو، تو اسے پرورش کا حق حاصل ہوگا، اسی طرح لڑکوں کی عمر سات سال ہونے تک، لڑکیوں کا نفقہ شادی ہونے تک باپ کے ذمہ ہے اور لڑکوں کا نفقہ بالغ ہونے تک اور نفقہ کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو تو جب تک خود اپنی ضروریات پوری کرنے کے لائق نہ ہو جائے۔(۲)

حقِ پرورش (فقہ شافعی میں)

سوال:- {1769} میاں بیوی میں جدائی ہوگئی، طلاق کے بعد سے شوہر نے نہ ہی نان و نفقہ دیا اور نہ ہی کوئی مالی اعانت کی، ان کے درمیان ایک بچہ ہے، عورت نے اسکول

---

(۱) "و من سقط حقها بالتزوج یعود اذا ارتفعت الزوجیة" (الهدایة :۲/۴۳۵)
(۲) الهدایة:۲/۴۴۴_محشی۔

میں ٹیچری کر کے اس لڑکے کی پرورش کی اس عورت نے اس بچہ کی وجہ سے عقد ثانی بھی نہیں کیا، اب شوہر بچہ کو لیجانا چاہتا ہے، کیا یہ درست ہے، واضح رہے کہ بچہ کی عمر اس وقت سات سال ہے۔　　(یوسف ٹیچر، سید علی گوڑہ، حیدرآباد)

جواب:- امام شافعیؒ کے یہاں حق پرورش کے سلسلہ میں بچہ خود مختار ہے، وہ جس کے ساتھ رہنے کو ترجیح دے، وہی اس کی پرورش کا زیادہ مستحق ہوگا۔

"الشافعية —— قالوا: ليس للحضانة مدة معلومة فان الصبي متى ميز بين أبيه و أمه فان اختار أحدهما كان له " (۱)

لہذا بچہ والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہتا ہے وہی حقدار ہوگا۔

(۱) کتاب الفقه على المذاهب الأربعة:۴/۵۹۹۔

ثبوتِ نسب

قیامت کے دن ناجائز اولاد کس کی طرف منسوب ہوگی؟

سوال:- {1770} ناجائز اولاد کو قیامت کے دن ماں کے نام سے پکارا جائے گا یا باپ کے نام سے، کیا ناجائز اولاد کے نکاح میں لڑکی دی جاسکتی ہے؟

(سید طاہر علی، چندرائن گٹہ)

جواب:- حدیث سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ قیامت میں انسان اپنے باپ کے نام سے پکارا جائے گا، (۱) لیکن ناجائز اولاد کس کے نام سے پکاری جائے گی، میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس میں اس کی صراحت ہو، چوں کہ دنیا میں ایسے شخص کو ماں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور یہی حکم شرعی ہے، کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زانی کے لیے محرومی ہے

---

(۱) "قال رسول اللہ ﷺ: إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم و أسماء آبائكم، فأحسنوا أسمائكم" عن أبي الدرداء ﷛ (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۹۴۸، باب تغيير الأسماء) محشی۔

" و للعاهر الحجر " (۱)؛اس لیے ممکن ہے کہ آخرت میں بھی وہ ماں ہی سے منسوب ہوں۔ واللہ اعلم۔ جو شخص ثابت النسب نہ ہو، اس سے بھی نکاح کیا جا سکتا ہے، بہ شرطیکہ وہ اس کی بیوی کے لیے نفرت اور آئندہ ناچاقی کا باعث نہ بنے، کیوں کہ نکاح میں دوام واستحکام مقصود ہے۔

سوتیلی اولاد کی اپنے آپ سے نسبت

سوال:- {1771} ایک شخص ایک بیوہ سے نکاح کرتا ہے، نکاح کے وقت بیوہ عورت کی اپنی اولاد بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ سوتیلی اولاد بھی، کیا اس شخص کے لئے اپنے آپ کو اس بیوہ کی اولاد کا باپ کہلانے کا حق حاصل ہوگا؟

(واحد علی، مقام غیر واضح)

جواب:- اس بیوہ عورت سے نکاح کرنے والے کی جو اولاد ہو، وہی اس کی طرف منسوب ہوگی، سابق شوہر سے جو اولاد ہے وہ اپنے والد کی طرف ہی منسوب رہے گی، قرآن مجید میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو حقیقی والد کے بجائے کسی اور شخص کی طرف منسوب کیا جائے۔(۲)

خاتون کے ساتھ والد کا نام لیا جائے یا شوہر کا؟

سوال:- {1772} اگر خاتون کی طرف سے قربانی کی جائے تو خاتون کے نام کے ساتھ والد کا نام لیا جائے یا شوہر کا؟

(محمد سلیم، عالیجاہ کوٹلہ)

جواب:- نام کے ساتھ دوسرے نام کی نسبت جوڑنے کا مقصد تعارف ہے، تعارف کا

---

(۱) الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۱۱۵۷،باب ما جاء أن الولد للفراش ۔محشی۔
(۲) الاحزاب :۵۔محشی۔

مقصد والد کی نسبت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور شوہر کی نسبت سے بھی، اس لئے دونوں ہی صورت درست ہیں، البتہ باپ کا رشتہ دائمی ہے جو ختم نہیں ہوسکتا اور شوہر کے رشتہ میں بہر حال ختم ہونے کی گنجائش باقی رہتی ہے، اس لئے باپ کا نام لینا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بچے کو گود لینے والے کے نام منسوب کرنا

سوال:- {1773} اگر کسی بچہ کو گود لیا جائے تو اس کے ساتھ گود لینے والے کا نام لگایا جائے یا اس کے اصل والد کا؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اسلام میں بچہ کو گود لینے کی وجہ سے اس کا رشتہ گود لینے والے سے قائم نہیں ہوتا، اس لیے اسے اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے ہی پکارنا چاہئے، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا صریح اور واضح ارشاد موجود ہے، کہ انہیں ان کے والد کے نام ہی سے پکارو!

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (۱)

منہ بولے بچے

سوال:- {1774} اگر کسی کو اولاد نہیں ہوئی ہو، وہ کسی اور کو اپنی اولاد کا درجہ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور آخرت میں اس کے ماں باپ کون ہوں گے، وہ جو ان کے اصل ماں باپ ہیں یا ان کی پرورش کرنے والے؟

(مرزا واجد بیگ، گلشن باغ)

جواب:- کسی بچہ کو منہ بولا بیٹا یا بیٹی بنانے کے دو پہلو ہیں: ایک پہلو ان کی پرورش، کفالت اور تعلیم و تربیت کا ہے، یہ تو شرعاً پسندیدہ بھی ہے اور قابلِ احترام بھی اور اسلام نے اس

(۱) الاحزاب: ۵۔

کی حوصلہ افزائی کی ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت فرمائی اور حضرت ابوطالب کے ایک لڑکے کی کفالت کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواہش کی، یتیم بچوں کی کفالت کی خاص طور پر ترغیب دی اور ارشاد فرمایا:

"أنا و كافل اليتيم في الجنة كهاتين" (۱)

''یتیموں کی کفالت کرنے والے اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے''

یہ بات آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کے بارے میں کہی، اس لیے اپنے خاندان یا اپنی قوم کے کسی بچہ کو اپنے بیٹے کی طرح پرورش کرنا عنداللہ باعث اجر ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ احکام وقانون میں اس کو اولاد ہی کا درجہ دیا جائے، نکاح کی حرمت و حلت اور پردہ کے احکام میں بھی اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا جائے، اس کو بھی میراث کا حق حاصل ہو، منہ بولا بنانے کی یہ صورت جو دنیا کی مختلف قوموں میں مروج ہے، جس کا رواج اسلام سے پہلے عربوں اور یونانیوں میں بھی تھا، اور جس کی گنجائش ہمارے ملک کے دوسرے ملکوں اور قوانین میں فراہم کی گئی ہے، اسلام اس کا قائل نہیں اور قرآن نے صراحتاً اس غیر فطری رشتہ کی نفی کی ہے۔ (۲)

اصل میں بعض رشتے محض زبان کے بول سے متعلق ہیں، جیسے نکاح وطلاق اور بعض رشتے مصنوعی نہیں بلکہ فطری ہیں، جو براہِ راست قدرتِ خداوندی ہی سے وجود میں آتے ہیں، ماں باپ اور اولاد کے رشتے ایسے ہی ہیں، محض کسی کو اولاد یا ماں باپ کہہ دینے سے والدین اور اولاد کے رشتے قائم نہیں ہوسکتے ہیں، اس لئے اس پہلو سے کسی کو اولاد کا درجہ دینا درست نہیں، نکاح میں بھی جو حقیقی باپ ہیں، انہی کے نام لکھنے چاہئیں اور آخرت میں بھی جو اصل والدین

(۱) الجامع للترمذي، كتاب البر و الصلة، حدیث نمبر:۱۸۴۱۔
(۲) الاحزاب: ۵-۴۔ محشی۔

ہیں، وہی ان بچوں کے والدین شمار ہوں گے، البتہ جن لوگوں نے پیار و محبت کے ساتھ کسی بچہ کی پرورش کی ہے ان کو پرورش کا شایانِ شان اجر حاصل ہوگا، اور ممکن ہے کہ یہ اجر ان کے اصل ماں باپ سے بھی بڑھ جائے۔

نسبت باپ ہی کی طرف ہونی چاہئے

سوال:- {1775} زید کی پیدائش کے بعد زید کے والد نے زید کی والدہ کو طلاق دیدی، اور زید کی والدہ نے دوسری شادی کر لی، اب زید اپنی والدہ کے دوسرے شوہر کے ساتھ رہتا ہے، ایسی صورت میں زید کے ساتھ اس کے اصل والد کا نام لیا جائے، یا والدہ کے دوسرے شوہر کا؟

(بی، ایم حسین، مشیر آباد)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی بچہ کو اس کے باپ کے بجائے دوسروں کی طرف منسوب کیا جائے:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے بھی اس بات کی سخت مذمت فرمائی کہ آدمی اپنی نسبت اپنے باپ کے بجائے دوسرے کی طرف کرے۔ (۲) اس لئے زید کے ساتھ بحیثیت والد اس کے باپ ہی کا نام لیا جانا چاہئے، والدہ کے دوسرے شوہر کا نام اپنے ساتھ بحیثیت والد جوڑنا جائز نہیں، کیوں کہ نسب ایک فطری رشتہ ہے، جسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

---

(۱) الاحزاب :۵۔

(۲) صحیح مسلم ، حدیث نمبر :۲۲۰، کتاب الایمان ۔ محشی ۔

لے پالک کی شرعی حیثیت

سوال:- {1776} زید نے بکر سے بکر کی لڑکی پیدائش کے دن رضامندی سے لے لیا تھا، زید نے لڑکی کی پرورش کی، پڑھایا اور دیگر ضروریات کے کام بھی سکھایا، اب اس لڑکی کا رشتہ طے ہوا ہے اور عنقریب شادی ہونے والی ہے، تو عقد کے دن سیاہ نامہ میں والد کی حیثیت سے بکر کا نام لکھایا جائے یا زید کا؟ اب دونوں اس بات کے خواہاں ہیں کہ سیاہ نامہ میں والد کی حیثیت سے ان کا نام درج ہو، اصل مسئلہ کیا ہے؟

(محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)

جواب:- اسلام میں گود لینے کی کوئی قانونی اہمیت نہیں، اسلام سے پہلے عربوں میں بھی گود لینے کا رواج تھا، اسلام کے بعد بھی ابتدائی زمانہ میں یہ رواج باقی رہا، حضرت زید بن حارثہ ﷺ آپ ﷺ کے غلام تھے، ان کے والد اور چچا ان کو لینے کے لئے آئے اور آپ ﷺ نے ان کو جانے کا اختیار دے دیا، اس کے باوجود انہوں نے والد اور چچا کے ساتھ جانے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی، آپ ﷺ ان کی اس فداکاری اور جاں نثاری سے بہت خوش ہوئے، ان کو آزاد کر دیا اور اعلان فرما دیا کہ اب یہ میرے لے پالک بیٹے اور زید بن محمد ﷺ ہیں، چنانچہ صحابہ ﷺ حضرت زید ﷺ کو ''زید بن محمد ﷺ'' کہنے لگے۔ سورۂ احزاب کے آیت نمبر ۴ اور ۵ اسی سلسلہ میں نازل ہوئی، اور اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالی نے تمہارے منہ بولے،، لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنا دیا ہے، یہ محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں، اللہ حق بات ارشاد فرماتے ہیں اور صحیح راستہ کی ہدایت دیتے ہیں،

ان کو ان کے والد کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو، اللہ کے نزدیک یہی قرین انصاف ہے، اگر تم ان کے والد کو نہیں جانتے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، جو کچھ غلطی تم سے ہو چکی، اس میں کچھ حرج نہیں، لیکن تمہارے دل آئندہ (جس غلطی کو) بالارادہ کریں (تو اس پر مؤاخذہ ہوگا) اور اللہ بخشنے والے اور مہربان ہیں'' (۱)

اس آیت کے ذریعہ یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ بچے اپنے باپ ہی کی طرف منسوب کئے جائیں گے، گود لینے والوں کی طرف ان کی نسبت کرنا جائز نہیں، کسی لڑکی کی پرورش کرنے کی وجہ سے وہ محرم نہیں ہو جاتی، غیر محرم باقی رہتی ہے، لہٰذا سیاہ نامہ میں اس لڑکی کے باپ کی حیثیت سے بکر ہی کا نام لکھا جائے، نہ کہ زید کا، البتہ زید کو لڑکی کی پرورش اور اس کی شادی کے سلسلہ میں ان شاء اللہ بہت اجر حاصل ہوگا۔

باپ اور شوہر کی بابت غلط نسبت

سوال:- {1777} ایک شخص یا خاتون سفارتی افسر کے روبرو پیش ہوئی، اور اپنے باپ کو کسی غیر مرد یا عورت کا بیٹا یا شوہر کہا، حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں، تو کیا یہ اسلام میں جائز ہے؟ اور کسی دوسرے مرد کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والی عورت اپنے حقیقی شوہر کی زوجیت میں باقی رہے گی؟

(ایک قاری منصف)

جواب:- اپنے آپ کو اپنے والد کے بجائے دوسرے کی طرف منسوب کرنا سخت گناہ ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) الاحزاب: ۵-۴۔ محشی۔

''جس نے جانتے بوجھتے اپنے باپ کے بجائے دوسرے کی
طرف اپنے آپ کو منسوب کیا، اس نے کفر کیا'' (۱)

اور حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ اور حضرت ابوبکرہ ﷛ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے۔ (۲) اس لئے ایسا کرنا سخت گناہ ہے، اور یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ دنیا کے تھوڑے مفاد کے لئے اپنے آپ کو آخرت سے محروم کرلیا جائے اور یہ صرف باپ کی نسبت ہی پر موقوف نہیں، شوہر و بیوی کے بارے میں بھی غلط نسبت کرنا اسی طرح گناہ ہے، چنانچہ حضرت ابوذر ﷛ کی روایت میں ہر غلط نسبت کی ممانعت کی گئی ہے، اور آپ نے فرمایا: ایسا کرنے والا ہم میں سے نہیں، ''من ادعی ما لیس له فلیس منا'' (۳) البتہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کا غلط نام بتائے، تو گویا سخت گناہ اور نہایت ہی ناشائستہ قسم کا جھوٹ ہے، لیکن اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا اور وہ اصل شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے۔

متوفی کے نطفہ سے حمل

سوال:- {1778} چند دنوں پہلے اخبارات میں یہ خبر آئی ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا، متوفی کی بیوی نے خواہش کی کہ اس کے لئے متوفی کا مادۂ منویہ محفوظ کردیا جائے، کہ وہ اس سے حاملہ ہونا چاہتی ہے، چنانچہ میت کے جسم سے مادۂ منویہ حاصل کرکے محفوظ کردیا گیا، جو مصنوعی طریقہ پر اس کی بیوہ کے رحم میں پہونچایا جائے گا، تاکہ وہ اپنے شوہر سے حاملہ ہو، کیا یہ صورت اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ہوگی؟ جبکہ نطفہ اس

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۷، کتاب الإیمان ۔ محشی۔
(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۶۷۶۶ - ۶۷۶۷ ۔ محشی۔
(۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۷، کتاب الإیمان ۔ محشی۔

کے شوہر ہی کا ہے، نہ کہ کسی اجنبی مرد کا، اور اگر واقعی اس سے
بچہ ہو جائے تو کیا اس بچہ کا نسب متوفی سے ثابت ہوگا؟
(عبدالوحید، چنچل گوڑہ)

جواب:- شرعاً موت بھی ان اسباب میں سے ایک ہے جن سے مرد و عورت کا رشتۂ نکاح منقطع ہو جاتا ہے، لہذا جب مرد کا انتقال ہو گیا تو اب وہ اس کے حق میں شوہر اور عورت اس کے حق میں بیوی باقی نہ رہی، اب دونوں کی حیثیت ایک دوسرے کے لئے اجنبی کی ہے، اس لئے ایک دوسرے کے مستور اعضاء کو دیکھنا بھی جائز نہیں رہا، لہذا عورت کے لئے اب اس کے نطفہ سے انتفاع ایک اجنبی شخص کے نطفہ سے فائدہ اٹھانا ہے، جس کا ناجائز اور گناہ ہونا ظاہر ہے، اس کے علاوہ یہ استقرار حمل کا غیر فطری طریقہ ہے، اس لئے یوں بھی مذموم ہے۔

بچہ کا نسب مرد سے اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ عورت اس کے لئے فراش ہو، یعنی بیوی یا باندی ہو، جب موت کی وجہ سے رشتۂ نکاح ختم ہو گیا، اور وہ عورت اس مرد کے حق میں فراش باقی نہیں رہی، تو اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب بھی ظاہر ہے کہ اس مرد سے متعلق نہیں ہوگا، اس لئے اگر متوفی کا نطفہ بارآور ہو جائے، جب بھی وہ بچہ اس مرد کی طرف منسوب نہ ہوگا، جیسا کہ زنا کی وجہ زانی سے نسب ثابت نہیں ہوتا اور نہ اس سے میراث کا حقدار ہوگا۔(۱)

بچہ کی نسبت باپ کے بجائے دوسرے کی طرف

سوال:- {1779}(الف) زید نے اپنی ایک لڑکی
بکر کو جو لا ولد تھا، دے دیا، زید نے لڑکی کی پرورش کی اور اس
کی تعلیم کا نظم کیا، لیکن بکر نے مدرسہ میں لڑکی کے باپ کی

(۱) "قال رسول اللہ ﷺ : الولد للفراش و للعاھر الحجر" عن أبي ھریرۃ ﷺ، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۱۵۷، باب ما جاء أن الولد للفراش) محشی۔

حیثیت سے اپنا نام لکھایا، اسی طرح لڑکی کی شادی کے موقع پر بھی بکر نے سیاہ نامے پر اپنا نام ولدیت میں لکھوایا، لوگوں کے منع کرنے کے باوجود وہ اس پر قائم ہے، تو کیا بکر کا اپنے آپ کو باپ کہنا درست ہے؟ (محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)

(ب) ایک بچہ جو کچرے کی کنڈی کے پاس پایا گیا، ایک شخص نے پالنے کی غرض سے اسے رکھ لیا، اب سوال یہ ہے کہ جب بچہ کی ولدیت لکھانے کا مسئلہ درپیش ہو تو باپ کی حیثیت سے کس کا نام لکھا جائے؟

(محمد شریف الامین، واحد کالونی)

جواب:- (الف) بچوں کو ان کے والد ہی سے منسوب کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (۱) اس لئے بکر کو چاہئے تھا کہ لڑکی کے ساتھ اس کے والد زید کا نام لکھاتا، تاہم چونکہ عاقدین کے ذہن میں لڑکی کا وجود متعین تھا، اس لئے نکاح منعقد ہو گیا۔

(ب) جو بچہ پڑا ہوا ملا ہو، اس کے لئے بھی یہی حکم ہے، البتہ چونکہ اس کے والد کا نام معلوم نہیں، اس لئے اس کو فلاں بن آدم کہنا مناسب ہوگا، کہ اس طرح اس کو بے عزتی اور بے آبروئی سے بچایا جا سکتا ہے۔

شریعت میں متبنیٰ کی حیثیت

سوال:- {1780} اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے، اس کو کوئی اولاد نہ ہو، اس کی بیوی نے ایک لڑکی کو متبنیٰ بنا لیا ہو، تو کیا وہ گھر بیچ کر لڑکی کی شادی کر سکتی ہے؟ جبکہ شوہر کا انتقال

(۱) الاحزاب: ۵۔ محشی۔

ہو چکا ہے اور شوہر کا بھائی اور ان کی اولاد موجود ہے؟

(سید طاہر علی، حافظ بابانگر)

جوارب:- اسلام میں متبنی کی کوئی اصل نہیں، یعنی اگر کوئی شخص کسی کو منہ بولا بیٹا یا بیٹی بنالے تو اس کی وجہ سے وہ اولاد کے حکم میں نہیں ہوتے، البتہ اگر کوئی شخص حسن سلوک کی نیت یا اپنی آسانی کے لئے کسی بچہ یا بچی کی پرورش کرلے، تو یہ جائز ہے، جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے تو اگر وہ گھر مرحوم کی زوجہ کا ہو یا مرحوم نے اپنی زندگی میں اسے ہبہ کردیا ہو، تو اس کے لئے اس کو فروخت کر کے حسب منشا خرچ کرنا جائز ہے اور اگر مکان اس کے شوہر مرحوم کا ہے، تو پھر تمام ورثاء کے حقوق اس سے متعلق ہوں گے، البتہ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بعض دفعہ لوگ متروکہ میں حصہ لینے کے لئے تو تیار رہتے ہیں، لیکن کسی شخص کے گذر جانے کے بعد اس کے پسماندگان سے متعلق جو حقوق خود اس پر عائد ہوتے ہیں اس پر کوئی توجہ نہیں کرتے، یہ قانون شریعت کا استحصال اور خودغرضی کیلئے اس کا استعمال ہے۔

کتاب الفتاوی

پانچواں حصہ

کتاب الفسخ والتفریق

فسخ وتفریق سے متعلق سوالات

فسخ وتفریق

بیوی سے غیر فطری عمل

سوال:- {1781} ایک مسلمان شوہر اپنی بیوی سے غیر فطری جنسی تسکین زور وزبردستی کرتا ہے، بیوی اس عمل کو روکنے پر قادر نہیں؟ وہ کیا کرے؟ (ایک دینی بہن)

جواب:- اسلام دین فطرت ہے اور اس نے قانون فطرت کے دائرے میں رہتے ہوئے انسانوں کی ضروریات اور تقاضوں کو پوری کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن انسان فطرت اور شریعت کی حدوں کو پھاند جائے، یہ قطعا درست نہیں اور اس میں نہ صرف آخرت کا نقصان ہے، بلکہ فطرت سے بغاوت انسان کو دنیا میں بھی نقصان سے دوچار کرتی ہے، اس لیے شوہر کا یہ عمل قطعا حرام اور گناہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بتاکید اس سے منع فرمایا ہے،(۱) جو باتیں گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہوں، ان میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، اس لیے بیوی پر اس معاملہ

(۱) "عن أبي هريرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : "ملعون من أتى امرأته في دبرها" (سنن أبي داؤد:۱/۲۹۴، باب في جامع النكاح) محشی۔

میں شوہر کی اطاعت نہ واجب ہے اور نہ جائز، بیوی کے لیے یہ بات درست ہے کہ اگر شوہر کو سمجھانے کے باوجود اس سے باز نہ آئے، تو خاندان کے بزرگوں، یا سماج کے ذمہ دار لوگوں کے سامنے اپنی شکایت پیش کرے، تاکہ وہ شوہر کی تنبیہ کرسکیں، اللہ تعالی نے مظلوم کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ظلم سے بچنے کے لیے بری بات کو ظاہر کردے:

﴿لَايُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (۱)

اور اگر وہ ایسے ظالم شوہر سے علاحدگی چاہتی ہو، تو اسے اس کا بھی حق ہے، وہ دار القضاء، یا شرعی پنچایت میں اس بنیاد پر تفریق کا مقدمہ کرسکتی ہے اور قاضی بشرط ثبوت اس کا نکاح فسخ کرسکتا ہے؛ کیوں کہ یہ عورت کے لیے ضرر شدید ہے، اور رفع ضرر قاضی کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

کیا یہ صورتیں ''شقاق'' (شدید اختلاف) کی ہیں؟

سوال:- {1782} فریقین کی ازدواجی زندگی کے متعلق، پولیس میلا منڈل یا حکومت کی عدلیہ میں کسی ایک فریق کا جانا شقاق ثابت ہونے کے لیے کافی ہے؟

(عبد الاحد فلاحی، دار القضاء ممبئی)

جواب:- شقاق کے معنی زوجین کے درمیان ایسی شدید نفرت پیدا ہوجانے کے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اللہ تعالی کی مقررہ حدود کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی نہ گزار سکیں، ایسی صورت میں قاضی دونوں کے درمیان مصالحت کے لیے دو حکم مقرر کریں گے، اگر حکم حضرات کی کوشش کے باوجود اصلاحِ حال نہ ہوسکے، تو قاضی زوجین کے درمیان تفریق کردے گا۔(۲)

---

(۱) النساء:۱۴۸۔ محشی۔

(۲) ملاحظہ ہو: مجموعہ قوانین اسلامی، دفعہ:۸۲۔

کسی معاملہ کا پولیس مہیلا منڈل یا عدالت میں جانا لازماً زوجین کے درمیان شدید نفرت اور اختلاف کی دلیل نہیں، کیوں کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ زوجین کے اولیاء کسی بات کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر معاملہ کو ان اداروں تک پہنچا دیتے ہیں، حالانکہ خود میاں بیوی کے درمیان ایسی نفرت نہیں ہوتی، اسی طرح بعض دفعہ دوسرے لوگوں کے اکسانے پر یا وکیل کی طرف سے غلط رہنمائی کی باعث اس کی نوبت آجاتی ہے، اس لیے محض ان اداروں میں کسی فریق کا چلا جانا شدید نفرت جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''شقاق'' کہتے ہیں اور جس کی وجہ سے زوجین کے درمیان تفریق کرنا درست ہوجاتا ہے، کی دلیل نہیں۔

ہندوستانی عورت بیرون ملک میں شوہر کی زیادتی کو کیسے ثابت کرے؟

سوال:- {1783} عورت کا دعویٰ ہے کہ شوہر نے اس پر زیادتی کی ہے، عورت ہندوستان کی ہے اور شوہر پاکستان کا باشندہ ہے، اس صورت میں بہ ظاہر عورت کے لیے گواہ پیش کرنا ممکن نہیں، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟

(عبدالاحد فلاحی، دارالقضاء ممبئی)

جواب:- ایسی صورت میں شوہر کو رفع الزام کے لیے ہندوستان طلب کیا جائے گا، اگر باوجود اطلاع کے وہ حاضر نہ ہو اور پیروی نہ کرے تو یہ اس کی طرف سے عورت کے دعوی کی تصدیق سمجھی جائے گی اور اگر حاضر ہوجائے تو پھر فریقین کے بیانات اور اصول شرعی کے مطابق جس فریق کی طرف سے ثبوت پیش کیا جائے اس کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا، اگر قاضی چوکسی اور ذہانت سے کام لے تو فریقین کے بیان میں ہی بہت سی باتوں کا براہ راست یا بالواسطہ اقرار کرا سکتا ہے اور اس طرح صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

اگر عورت کا فاحشہ ہونا ثابت ہو جائے تو؟

سوال:- {1784} مدعا علیہ نے دار القضاء میں ثابت کر دیا کہ مدعیہ فاحشہ ہے، تو مقدمہ خارج کر دیا جائے گا، یا نکاح فسخ کر دیا جائے گا؟ (عبدالأحد فلاحی، دار القضاء ممبئی)

جواب:- اس کا انحصار دعویٰ اور اس کے ثبوت پر ہے، اگر عورت نے فسخ نکاح کا جو سبب پیش کیا ہے، وہ شوہر میں موجود ہو، تو چوں کہ سبب فسخ موجود ہے، اس لیے قاضی شریعت نکاح فسخ کر دے گا، عورت کا فاحشہ ہونا بہت بڑا گناہ ہے، اور اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس پر حد شرعی جاری کی جاتی، لیکن مختلف رشتہ داروں پر جو حقوق رکھے گئے، اس گناہ کی وجہ سے وہ ان حقوق سے محروم نہیں ہو سکتی، بلکہ ایسی صورت میں چوں کہ زوجین کے درمیان باہمی اعتماد اور محبت کے ساتھ زندگی گزرنا دشوار ہے، اس لیے شوہر پر واجب ہے کہ وہ اسے طلاق دے دے، کیوں کہ اگر کوئی شخص بیوی کو معروف و خوشگوار طریقہ پر رکھ نہیں سکے، تو اس پر یہ بات واجب ہوتی ہے کہ بھلے طریقہ پر بیوی کو چھوڑ دے، (۱) تاکہ دونوں اپنے پسند کے نئے گھر بسا سکیں، بہر حال ایسی صورت میں عورت کی فہمائش ہونی چاہئے اور شوہر کو آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ طلاق دے کر اس رشتہ کو ختم کر دے۔

سرعت انزال کی وجہ سے فسخ نکاح

سوال:- {1785} مدعیہ نے حاضر ہو کر یہ دعویٰ کیا کہ میرے شوہر کو سرعتِ انزال کی شکایت ہے اور وہ مجھے جنسی آسودگی نہیں دے سکتے جس کی بناء پر میں بہت زیادہ پریشان رہتی ہوں اور گناہ میں مبتلاء ہونے کا قوی اندیشہ ہے، مدعیہ کو

---

(۱) ﴿فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف﴾ (البقرۃ: ۲۳۱) محشی۔

مدعا علیہ سے اولاد بھی ہے، تو ایسی عورت کا دعویٰ قابلِ سماعت
ہو تو اس کا ثبوت کیوں کر ممکن ہوگا؟

(عبدالأحد فلاحی، دار القضاء ممبئی)

جواب:- جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، وہ قابلِ علاج ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جاسکتا، البتہ قاضی مرد کو حکم دے گا کہ وہ مناسب طریقہ پر اپنا علاج کرائے، اگر مرد عورت سے جنسی اتصال پر بالکل ہی قادر نہیں ہے تو اس صورت میں عورت کو حق ہوگا کہ وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے، (۱) خواہ یہ کیفیت شروع سے رہی ہو، یا کسی خاص وجہ سے بعد میں پیدا ہوگئی ہو۔

اگر لاپتہ شخص فون سے بات کرے؟

سوال:- {1786} اگر مفقود الخبر دار القضاء فون کر
کے رابطہ کرے اور حاضر نہ ہو، نہ اپنا پتہ دے اور فون نمبر سے
بھی واقف نہ کرائے، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(عبدالأحد، دار القضاء، ممبئی)

جواب:- اگر کوئی شخص فون پر اپنی شناخت ظاہر کرے، تو اس کا اعتبار نہیں، کیوں کہ یہ فون جھوٹ پر مبنی ہوسکتا ہے، اس لیے ایسا شخص مفقود الخبر (لاپتہ) آدمی ہی کے حکم میں ہے، اگر وہ اپنی بیوی کے لیے نفقہ چھوڑ کر گیا ہو اور عورت اپنے اندر صبر کی قوت پاتی ہو، اس کی عفت وعصمت کو خطرہ نہ ہو، تو قاضی کے حکم سے چار سال انتظار کرے گی، (۲) پھر اس کے لیے دوسرا نکاح جائز ہوگا، اور اگر عورت اپنے اندر اتنے دنوں قوتِ برداشت نہ پاتی ہو، تو ایک سال انتظار کرکے قاضی اس کا نکاح فسخ کرے گا (۳) اور اس صورت میں عورت عدتِ وفات کے بجائے

---

(۱)　مجموعہ قوانین اسلامی: دفعہ: ۸۴۔ محشی۔
(۲)　الحیلة الناجزة: ص: ۷۰۔ محشی۔
(۳)　الحیلة الناجزة: ص: ۸۱۔ محشی۔

عدتِ طلاق گزارے گی ،(۱) نیز عدت گزرنے کے بعد دوسرے نکاح کی مجاز ہوگی ، یہ فقہاء مالکیہ کا مسلک ہے اور ماضی قریب کے علماء حنفیہ نے بھی ضرورتاً اسی پر فتویٰ دیا ہے۔(۲)

اگر شوہر کوئی ایسی جائداد، یا پیسے چھوڑ کر لاپتہ نہ ہوا ہو، جس سے نفقہ ادا کیا جاسکے، تو قاضی نفقہ ادا نہ کرنے کی بناء پر فی الحال اس کا نکاح فسخ کرسکتا ہے۔(۳)

البتہ اگر کسی اور قرینہ سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ فون مفقود الخبر شخص ہی کا تھا، تو یہ غائب غیر مفقود الخبر سمجھا جائے گا، غائب غیر مفقود الخبر سے ایسا شخص مراد ہے، جس کا زندہ ہونا معلوم ہو، لیکن اس کا پتہ معلوم نہ ہو، یا اس کی جائے قیام بھی معلوم نہ ہو، لیکن وہ بیوی کے پاس نہ آتا ہو اور نہ اسے بلاتا ہو، (۴) قاضی شریعت مناسب ثبوت وشہادت کی فراہمی کے بعد ایسے شخص کا نکاح بھی فسخ کرسکتا ہے۔(۵)

اگر مدعیہ کے پاس گواہ نہ ہو اور مدعا علیہ قاضی شریعت کے سامنے بدکلامی کرے؟

سوال:- {1787}مدعا علیہ نے حاضر ہوکر بدکلامی اور بدسلوکی کی اور مدعیہ کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ نہیں ہے، تو اسے کیا کرنا چاہئے؟ (عبدالأحد، دارالقضاء، ممبئی)

جواب:- اگر مدعا علیہ نے دارالقضاء میں حاضر ہوکر رفع الزام نہیں کیا، اور جس مسئلہ کا بارِ ثبوت اس کے ذمہ تھا اس کو ثابت نہیں کیا، بلکہ بدسلوکی اور بدکلامی کی راہ اختیار کی، تو مدعیہ سے

(۱) حوالہ سابق

(۲) دیکھئے: الحیلة الناجزة : حکم زوجہ مفقود۔

(۳) الحیلة الناجزة : ص:۱۲۳۔

(۴) دیکھئے: الحیلة الناجزة : حکم زوجہ مفقود، محشی۔

(۵) ملاحظہ ہو : مجموعہ قوانین اسلامی، دفعہ:۳۳۲۔

قسم لے کر فیصلہ کیا جائے گا، عرف عام میں تو دار القضاء میں جو شخص پہلے اپنے معاملہ کو پیش کرے، وہ مدعی اور دوسرا فریق مدعا علیہ کہلاتا ہے، لیکن حقیقۃً مدعا علیہ بہت سے معاملات میں مدعی اور مدعیہ مدعا علیہا ہوتی ہے، مثلاً: عورت نے کہا کہ اس کا شوہر اسے نفقہ نہیں دیتا، اور شوہر کہتا ہے کہ وہ نفقہ ادا کرتا رہا ہے، تو یہاں اصل میں شوہر مدعی ہے اور نفقہ ادا کرنے کے سلسلہ میں بار ثبوت اس کے ذمہ ہے، اگر مرد نے بیوی کی رخصتی کا مطالبہ کیا اور عورت نے جواب میں کہا کہ شوہر کے مار پیٹ کرنے کی وجہ سے وہ جانے کو آمادہ نہیں ہے، تو گو فائل میں پہلے درخواست دینے کی وجہ سے شوہر کو مدعی سے موسوم کیا جائے گا، لیکن حقیقت میں دعویٰ عورت کی طرف سے ہے اور شوہر کی طرف سے مار پیٹ کا ثبوت اسے فراہم کرنا ہے، اس لیے اگر مقدمہ کی تہہ میں جایا جائے اور غور کیا جائے تو بہت سی صورتوں میں مدعا علیہ پر ثبوت کی ذمہ داری ہوگی، ایسی صورت میں اس کے ثبوت پیش نہ کرنے کی بنیاد بنا کر دوسرے فریق کے حلف پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اور اگر اس کی حیثیت شرعاً مدعی کی نہ ہو اور وہ رفع الزام نہیں کرتا، تو علامہ علاء الدین طرابلسیؒ نے "معین الحکام" میں رفع الزام سے جانتے بوجھتے گریز کرنے کو حلف سے انکار "نکول عن الحلف" کے حکم میں رکھا ہے۔ (۱)

ہاسپٹل کی رپورٹ کی شرعی حیثیت

سوال:- {1788} گورنمنٹ یا میونسپل ہاسپٹل رپورٹ میں اسقاط حمل کا سبب شوہر کی ضرب کو قرار دیا گیا ہو، تو اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر یہی کاغذات کسی پرائیوٹ ڈاکٹر کے مصدقہ ہوں، تو ان کی کیا حیثیت ہوگی؟

(عبد الاحد، دار القضاء، ممبئی)

جواب:- مار پیٹ کے ثابت ہونے کے لیے ثبوتِ شرعی ضروری ہے، شوہر کا اقرار ہو یا

(۱) معین الحکام: ص:۹۷، ط: دار الفکر، بیروت۔

چشم دید گواہاں موجود ہوں، یا ایسے گواہان موجود ہوں جن کے سامنے شوہر نے اس کا اقرار کیا ہو، یا عورت کے پاس ثبوت نہ ہو، شوہر کو انکار ہو، لیکن وہ اس پر قسم کھانے کو بھی تیار نہ ہو، پھر اگر ثبوت شرعی کی بناء پر شوہر کا زدوکوب کرنا ثابت ہو جائے، تو اس بات کے لیے کہ فلاں زخم یا اسقاط شوہر کے زدوکوب کا نتیجہ ہے، ماہر معتبر مسلمان ڈاکٹر کی خبر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، بہ شرطیکہ دار القضاء نے اپنے طور پر جانچ کرائی ہو، آج کل گورنمنٹ ہاسپٹل یا پرائیوٹ ڈاکٹر سے فریقین میں سے کوئی اپنے طور پر اس سے جانچ کرائے تو اس کا اعتبار نہیں، کیوں کہ رشوت لے کر غلط رپورٹ دینا عام ہو چکا ہے، اور خوف آخرت سے محروم ہونے کی وجہ سے ایسی رپورٹ پر اعتماد کرنا ممکن نہیں ہے۔

ثبوت زنا کے لیے ڈاکٹری رپورٹ

سوال:- {1789} ایک بیوہ عورت سے زنا کا صدور ہو گیا ہے اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی ہے، اس کا بیان ہے کہ مظفر نے میرے ساتھ یہ غلط حرکت کی ہے، مظفر ایک دیندار صوم و صلوۃ کا پابند دینی طالب علم ہے، جس کی عمر تقریباً بیس سال ہے، اس کی طرف شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا، وہ اس واقعہ سے قطعی طور سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر رہا ہے، اور اپنی براءت ظاہر کر رہا ہے، اس عورت نے تو پہلے پہل لوگوں کے پوچھ کچھ پر انصار کا نام بتلایا، انصار کا چوں کہ کوئی پتہ نہیں ہے، اس لیے اس نے نام بدل کر مظفر کو مورد الزام ٹھہرایا، یہ عورت بے پردہ ہے اور صلوۃ و صوم سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، بے حجاب بازاروں میں گھومنا پھرنا اس کا شیوہ ہے، ایسی صورت میں اس مسئلہ کو مقامی پنچایت کس طرح حل کرے، کیا مقامی پنچایت اس عورت کے بیان پر لڑکے کو زانی قرار دے سکتی ہے، یا اس

لڑکے سے براءت کے لیے قسم لی جاسکتی ہے؟ کیا اس لڑکے کا نکاح جبراً اس عورت سے کیا جاسکتا ہے؟ کیا لڑکے پر کچھ مالی جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے؟ کیا ڈاکٹری ریسرچ کے ذریعہ ہردو کے جنس کا معاینہ کرا کر ڈاکٹری رپورٹ پر ثبوت زنا یا عدم ثبوت کا فیصلہ کیا جانا ازروئے شرع درست ہے؟

(خواجہ معین الدین، قبا کالونی، حیدرآباد)

جواب:- صورت مسئولہ میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ ثبوت زنا کے لیے دو چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے، یا تو زانی اپنے زنا کا اقرار کرے یا پھر مدعی شہادت پیش کرے، شہادت میں چار عینی شاہدوں کا ہونا ضروری ہے، اگر چار گواہوں سے کم ہوں تو پھر وہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ صورت مسئولہ میں اقرار نہیں پایا جارہا ہے، بلکہ متعلق شخص کی طرف سے انکار ہے اور نہ شہادت پائی جارہی ہے، نیز اس عورت کے بیان میں تضاد بھی ہے، لہٰذا اس صورت میں:

۱) مدعا علیہ مظفر کو زانی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۲) اور نہ ہی اس سے جبراً زانیہ کا نکاح کرایا جاسکتا ہے۔

۳) مالی جرمانہ عائد کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۴) ڈاکٹری ریسرچ کے ذریعہ ڈاکٹر کے رپورٹ پر ثبوت زنا یا عدم ثبوت زنا کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، بعض فقہاء نے ثبوت نسب کے لیے قیافہ کو حجت تسلیم کیا ہے، لیکن ثبوت زنا کے لیے بالاتفاق وہی دو صورتیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں یا تو اقرار یا شہادت اور یہاں دونوں مفقود ہیں۔ (۱)

---

(۱) " و يثبت (الزنا) بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد ... بلفظ زنا لا مجرد لفظ الوطئ و الجماع ... فيسالهم الإمام عنه ما هو و كيف هو و اين هو و متى هو زنى و بمن زنى ... و يثبت أيضا بإقراره " (الدر المختار على هامش رد المحتار :۳/۱۴۲)

کیا فون کا ریکارڈ ثبوت کے لیے کافی ہے؟

سوال:- {1790} شوہر اپنی بیوی کو فون پر دھمکیاں دیتا رہتا ہو، بیوی اپنے فون ٹیلیفون محکمہ سے ریکارڈ کروائے، ان کیسٹوں کا کیا حکم ہے؟ (عبدالأحد فلاحی، دار القضاء، ممبئی)

جواب:- شریعت میں فیصلہ کی جو بنیادیں ہیں، ان میں ایک قرینۂ قاطعہ بھی ہے اور اس کی دلیل قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے، جب کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو متہم کیا تو ایک شیر خوار بچہ سے کہلوایا گیا کہ اگر قمیص آگے سے پھٹی ہو تو یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف دلیل ہوگی، اور اگر پیچھے سے پھٹی ہو تو یہ ان کی سچائی کی دلیل ہوگی۔ (۱) یہ اصل میں قرینہ کی طرف اشارہ تھا، کیوں کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے اقدام ہوتا تو ضروری تھا کہ عزیز مصر کی بیوی نے آگے کی طرف سے دامن تھاما ہوتا اور دامن کا پیچھے کی طرف سے پھٹا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس سے نجات چاہتے تھے، چنانچہ وہ بھاگے اور پیچھے سے عزیز مصر کی بیوی نے دامن تھاما اور دامن پیچھے سے پھٹا ہوا نکلا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت ظاہر ہوگئی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایک ایسی عورت پر زنا کی سزا جاری کرنے کا حکم فرمایا، جس کا نہ شوہر تھا اور نہ آقا، کیوں کہ حمل زنا کے لیے قرینہ ہے۔ (۲) اسی طرح ایک شخص کے منہ میں شراب کی بو پائی گئی، یا اس نے شراب کی قئے کی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے شراب پینے کی سزا کا حکم دیا۔ (۳) چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے "الطریق الحکمیہ" میں (۴) وعلامہ علاء الدین

---

(۱) یوسف: ۲۸تا۲۶۔

(۲) الطرق الحکمیہ: ص: ۶، موسوعة فقه عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: ص: ۲۷۳۔ محشی۔

(۳) الطرق الحکمیہ: ص: ۶۔

(۴) حوالہ سابق۔

طرابلسیؒ نے '' معین الحکام ''(۱) میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

پس محکمۂ ٹیلیفون کا کیسیٹ ریکارڈ قرینۂ ظاہرہ کے درجہ میں ہے اور اگر قاضی مرد کی آواز سے اس کو اچھی طرح ہم آہنگ پائے اور دھوکہ دہی اور آواز میں اشتباہ والتباس نہ ہونے کا اطمینان کرلے تو اس پر اعتماد کرسکتا ہے۔

خلاف فطرت فعل کی وجہ سے فسخ نکاح کا دعویٰ

سوال:- {1791} عورت کا دعویٰ ہے کہ اس کا شوہر اسے غیر فطری طریقہ یعنی پیچھے کی راہ سے خواہش کی تکمیل کے لیے مجبور کرتا ہے، تو کیا یہ فسخ نکاح کی وجہ بن سکتی ہے؟

(عبدالأحد فلاحی، دار القضاء، ممبئی)

جواب:- فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر شوہر بیوی کو جسمانی اذیت پہنچاتا ہو، یا کسی حرام کام پر مجبور کرتا ہو، تو بیوی کو حق ہے کہ قاضی سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کی مناسب سرزنش کرے یا عورت کو اس سے علاحدہ کردے۔(۲) اس دور میں علماء حنفیہ کا بھی اسی پر فتوی ہے اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تحت مرتب ہونے والے '' مجموعہ قوانین اسلامی '' میں بھی اسی نقطۂ نظر کو اختیار کیا گیا ہے۔(۳) اور عورت کے ساتھ اس طرح کا فعل جسمانی اذیت رسانی بھی ہے اور اسے ایک ناجائز وحرام فعل پر مجبور کرنا بھی، اس لیے اگر عورت اس طرح کا دعویٰ کرے اور اس کا یہ دعویٰ ثابت ہوجائے تو اس کا نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) معین الحکام:۱۶۸-۱۶۷۔ محشی۔

(۲) کتاب الفسخ والتفریق، مولانا عبدالصمد رحمانی: ص:۱۰۵۔

(۳) ملاحظہ ہو، دفعہ:۳۳۵۔

پنچ کمیٹی اور اس کا ذمہ دار کیسا ہو؟

سوال:- {1792} ایک پنچ کمیٹی ہے، جو چالیس ارکان پر مشتمل ہے، جب بھی کوئی مسئلہ کمیٹی سے رجوع ہوتا ہے، تو کسی ایک شخص کو بھاری جرمانہ عائد کیا جاتا ہے اور جو کمیٹی کا صدر ہے وہ سود خور ہے، کیا سود خور شخص کمیٹی کا صدر ہو سکتا ہے؟ (نام غیر مذکور، مشیر آباد)

جواب:- آپسی مسائل کو حل کرنے کے لیے پنچ کمیٹی کا قیام بہت ہی مستحسن بات ہے، مسلمانوں کو اس طرح اپنے آپسی نزاعات باہمی طور پر طے کرنی چاہئے، البتہ کمیٹی میں کچھ علماء کو بھی رکھنا چاہئے، جو شریعت کے احکام اور حلال وحرام سے واقف ہوں، نیز کمیٹی کا صدر ایسے شخص کو بنانا چاہئے جو اثر ورسوخ بھی رکھتا ہو اور نیک اور دیندار بھی ہو، سود خور پر حضور ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔(۱) اس لیے اولاً تو محض سنی سنائی باتوں پر بلا تحقیق کسی مسلمان کے بارے میں یہ نہ سوچنا چاہئے کہ وہ سود خور ہے، اگر واقعی سود خور ہو تو اسے سمجھانا چاہئے کہ اس گناہ عظیم سے تائب ہو، اگر تائب نہ ہو تو ایسے شخص کو پنچ کمیٹی کا ذمہ دار ہرگز نہیں بنانا چاہئے، فقہاء نے فاسق شخص کو قاضی بنانے سے منع کیا ہے اور مقرر کرنے والوں کو گنہگار قرار دیا ہے۔(۲)

غائب غیر مفقو کا حکم

سوال:- {1793} عرض خدمت اقدس یہ ہے کہ بندہ کو چند مسائل درپیش ہیں، جس کا جواب قرآن وحدیث کی

---

(۱) "عن جابر ﷺ قال : لعن رسول الله ﷺ آکل الربا و موکله و کاتبه و شاهده هم سواء" (صحیح مسلم:۲/۲۷، باب الربا ، السنن الکبریٰ :۵/۴۵۱) محشی۔

(۲) دیکھئے: بدائع الصنائع:۵/۴۳۹۔

روشنی میں مکمل ومدلل تحریر فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔

(الف) ایک لڑکی جس کی شادی عرب ممالک کے کسی باشندے سے کردی گئی تھی، شادی کے بعد وہ شخص اپنے وطن واپس ہوگیا، اس کے بعد لڑکی سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھا، اس کے تقریباً پودہ سال بعد وہ لڑکی کسی اور سے نکاح کرے تو کیا وہ نکاح صحیح ہے؟

اسلام میں لاپتہ شوہر کے بارے میں جبکہ کسی بھی قسم کی کوئی اطلاع نہ ہو تو انتظار کی کتنی مدت متعین کی گئی ہے؟

(ب) ایک لڑکا اور لڑکی دونوں عاقل و بالغ اور حنفی مسلک کے تابع ہیں اور لڑکی مطلقہ بیوہ ہے، گواہ اور چند احباب کی موجودگی میں آپس میں شادی کئے ہیں، مگر اس نکاح میں لڑکی کی طرف سے کوئی ولی موجود نہ تھا تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

(ج) ایک لڑکا اپنی خالہ کی لڑکی سے نکاح کیا جو بیوہ ہے، یہ نکاح لڑکے کے والد کو ناپسند ہے، والد طلاق دینے کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں، جب کہ لڑکے کو اپنی بیوی سے کوئی تکلیف وشکایت نہیں ہے، اور نہ وہ طلاق دینا چاہتا ہے، باپ کے حکم کو ٹال کر کیا وہ اپنے باپ کی نافرمانی کر رہا ہے؟ کیا اسلام اس فعل کی اجازت دیتا ہے کہ اپنے باپ کی بات مانتے ہوئے طلاق دے دی جائے؟ (عبدالاحد، دارالقضاء، ممبئی)

جواب:- (الف) محض شوہر کے طویل مدت سے غائب ہونے کی وجہ سے عورت کا نکاح اس مرد سے ختم نہیں ہوجاتا، جب تک کہ قاضی شریعت تحقیق معاملہ کے بعد نکاح فسخ نہ

کردے، اس لیے مذکورہ لڑکی کو چاہئے کہ دارالقضاء (امارت ملت اسلامیہ، پنجہ شاہ، حیدرآباد) میں فسخ نکاح کے لیے درخواست دے، وہاں سے نکاح فسخ ہونے کے بعد ہی دوسرا نکاح کرنا درست ہوگا۔

(ب) اگر لڑکے اور لڑکی دونوں عاقل و بالغ ہوں اور مطلقہ بیوہ نے دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرلیا ہوتو نکاح منعقد ہوگیا، حنفیہ کے یہاں بالغ لڑکی کا نکاح درست ہونے کے لیے ولی کی موجودگی ضروری نہیں۔(۱)

(ج) لڑکے کے والد کا اپنے لڑکے کو طلاق دینے پر مجبور کرنا گناہ اور ناجائز ہے، طلاق دینا معصیت ہے اور جس کام میں اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی ہوتی ہو اس میں ماں باپ کی بات کو ماننا واجب نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔(۲)

مفقود الخبر سے فسخ نکاح کی مدت

سوال:- {1794} احناف کے پاس مفقود الخبر شخص سے نکاح فسخ کرنے کی کیا مدت ہے؟

(سید خلیل الدین، یاقوت پورہ)

جواب:- رشتۂ نکاح بنیادی طور پر تین صورتوں میں ختم ہوتا ہے: شوہر طلاق دے دے، کوئی ایسی بات پیش آجائے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے حرام ہوجائیں، زوجین میں سے کسی ایک کی موت ہوجائے، اس لئے احناف کی رائے ہے کہ مفقود الخبر کے ہم عصر

---

(۱) " و ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها و إن لم يعقد عليها ولي بكرا كانت أو ثيبا عند أبي حنيفة و أبي يوسف في ظاهر الرواية " (الهداية :۳۱۳/۲، باب في الأولياء و الأكفاء) محشی۔

(۲) " عن النواس بن سمعان ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق " (مشكوة المصابيح :ص:۳۲۱،كتاب الإمارات) محشی۔

لوگوں کا جب تک انتقال نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا نکاح باقی رہے گا، کیوں کہ طلاق اور حرمت کی کوئی اور وجہ موجود نہیں اور اس کی موت یقینی طور پر معلوم نہیں، جب اس کی عمر کے لوگ گزر جائیں تو توقع کی جاسکتی ہے کہ شاید اب اس کی بھی موت واقع ہوگئی ہو، لہذا اس کو متوفی سمجھ کر قاضی کے فیصلہ کے بعد اس کی عورت کے لئے دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگا، مفقود الخبر کے مقدمہ میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ بھی یہی ہے،(۱) لیکن موجودہ حالات میں چوں کہ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے احناف میں بھی بعد کے فقہاء نے فتوی دیا ہے کہ امام مالکؒ کے قول پر عمل کیا جائے،(۲) امام مالکؒ کے قول کی تفصیل یہ ہے کہ اگر شوہر نفقہ کے لئے کوئی جائداد چھوڑ کر گیا ہو اور عورت چار سال تک انتظار کرنے میں اپنی عصمت وعفت کے لئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتی ہو، تو قاضی چار سال اس کی آمد کا انتظار کرے گا، اگر باوجود تشہیر کے نہ آئے تو میاں بیوی میں تفریق کا فیصلہ کردے گا، اور عورت عدت وفات گزارے گی، پھر دوسرے نکاح کی مجاز ہوگی اور اگر شوہر نے نفقہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑا یا نفقہ کے لئے اس کی کوئی جائداد موجود ہے، لیکن اتنے طویل انتظار میں عورت اپنی عفت وعصمت کے لئے خطرہ محسوس کرتی ہے، تو قاضی مناسب تحقیق وتشہیر کے بعد زوجین میں تفریق کردے گا، یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی اور قاضی کے فیصلہ کے بعد عورت عدت طلاق گزار کر دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔(۳)

فاتر العقل کی بیوی کیا کرے؟

سوال:- {1795} کوئی شخص شادی کے چند سال بعد پاگل ہوجائے، ایسی صورت میں اس کی بیوی کو کیا کرنا چاہئے؟

---

(۱) المدونة الکبری :۲/۹۳۔

(۲) رد المحتار :۳/۴۵۸، کتاب المفقود۔

(۳) تفصیل کے لئے راقم الحروف کی تالیف "اسلام اور جدید معاشرتی مسائل" دیکھی جاسکتی ہے۔

وہ خلع لے لے یا شوہر سے طلاق حاصل کر لے؟ پھر کیا پاگل شخص کی طلاق شرعا قابل قبول ہے؟

(قاری ایم، ایس خاں، اکبر باغ)

جواب:- طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر کا دماغی توازن درست ہو، اگر شوہر مستقل پاگل ہوگیا اور ہر وقت جنون کی کیفیت میں رہتا ہے، تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اگر وقفہ کے ساتھ جنون کا دورہ پڑتا ہے، تو افاقہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوگی اور حالتِ جنون کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے اگر اس صورتِ حال سے دوچار عورت شوہر سے علاحدگی چاہتی ہو، تو اسے چاہئے کہ قاضی شریعت اور جہاں قاضی شریعت نہ ہو اور شرعی پنچایت ہو تو شرعی پنچایت سے رجوع کرے پھر جب قاضی یا شرعی پنچایت تحقیق کے بعد فسخ نکاح کا فیصلہ کردے، تو اب اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا درست ہوگا، پاگل پن ان اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے شرعا عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے۔(۱)

لاپتہ شخص کی بیوی کا حکم

سوال:- {1796} مفقود الخبر (گمشدہ) شوہر کے انتظار کی مدت کتنی ہے، اور ایسے شوہر کی بیوی اپنا عقد ثانی کب اور کیسے کرے؟　　(قاری ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- ایسا شخص جو بالکل ہی لاپتہ ہو، کچھ پتہ نہ ہو کہ کہاں ہے، اور زندہ بھی ہے یا نہیں؟

"فلم يعرف له موضع ولايعلم أحي هو أم ميت"(۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۵۲۶، باب العنين۔ محشی۔

(۲) القدوری :ص:۲۵۰۔

فقہاء کی اصطلاح میں اس کو '' مفقود الخبر '' کہا جاتا ہے، جس عورت کا شوہر اس طرح لاپتہ ہو، اس کے بارے میں شریعت کا حکم ہے کہ وہ اپنا مقدمہ قاضی شریعت کے سامنے پیش کرے، قاضی تحقیق کرے اور جب اس کا کوئی پتہ نہ چلے تو اب عورت کو چار سال انتظار کا حکم دے، اگر اس چار سال کے درمیان شوہر نہ آئے تو اب قاضی عورت کو اجازت دے گا کہ وہ عدت وفات (چار ماہ دس دن) گزار کر دوسرا نکاح کرلے، حضرت عمر ﷺ اور حضرت عثمان ﷺ کے سامنے جب مفقود الخبر شخص کا مقدمہ آیا تو انہوں نے یہی فیصلہ فرمایا (۱) ائمہ اربعہ میں امام مالکؒ کی بھی یہی رائے ہے، (۲) فقہاء حنفیہ میں بھی بعد کے لوگوں نے اسی رائے پر فتوی دیا ہے (۳) اور ہندوستان میں شرعی دار القضاء اور محاکم شرعیہ کا ان دنوں اسی پر عمل ہے۔

لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ لاپتہ شوہر پیسے یا کوئی ایسی جائداد چھوڑ کر گیا ہو جس کو فروخت کر کے نفقہ حاصل کیا جاسکتا ہو اور عورت اس پر قادر بھی ہو، اگر اس کے پاس نفقہ کے لیے کچھ نہ ہو یا عورت محسوس کرتی ہو کہ اتنے دنوں شوہر سے محرومی اس کو معصیت میں مبتلا کرسکتی ہے، تو قاضی اس سے کم مدت میں بھی نکاح فسخ کرسکتا ہے۔ (۴)

اگر شوہر نامرد ہو؟

سوال:- {1797} مرد قوت مردگی سے محروم یعنی نامرد ہے، تو بیوی اور اس کے سرپرستوں کے لیے کیا حکم وہدایت ہے؟ (جہانگیر الدین صدیقی، راجندر نگر)

جواب:- اگر مرد قوت مردگی سے محروم ہے یا ہوگیا ہے، عورت ابھی جوان ہے، اور

(۱) مصنف ابن أبي شيبة :۴/ ۲۳۷۔
(۲) المدونة الكبرى :۲/ ۹۲۔
(۳) جامع الرموز :۳/ ۱۶۵۔
(۴) تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی کتاب: اسلام اور جدید معاشرتی مسائل ۔

اسے اپنے نفس پر اندیشہ ہے تو اسے شرعاً شوہر سے مطالبۂ طلاق کا حق حاصل ہے، اور شوہر پر ایسی صورت میں بیوی کو طلاق دے دینا واجب ہے،(۱) اور اگر شوہر طلاق نہ دے تو عورت قاضی شریعت کے یہاں فسخ نکاح کے لیے درخواست دے سکتی ہے، قاضی اگر تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ عورت کا دعوی صحیح ہے تو اس کا نکاح فسخ کر دے گا، اور اس کے لیے دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگا۔

زوجین میں علاحدگی کی صورتیں

سوال:- {1798} میرے بہنوئی سات سال سے غیر ملک میں ہیں، جانے کے بعد دو سال تک خط و کتابت جاری رہی، پانچ سال سے نہ ان کا کوئی خط آیا، اور نہ کوئی کیسٹ آئی، تو کیا ایسی صورت میں خلع واقع ہو جاتا ہے؟ جبکہ ان کے والدین کو بھی ان کی اطلاع نہیں۔ (عبدالرشید)

جواب:- جب دو مرد و عورت کے درمیان شرعی طور پر نکاح منعقد ہو جائے، تو اب اس رشتۂ نکاح کے ختم ہونے کی چند صورتیں ہیں:

۱) شوہر یا بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے۔

۲) شوہر یا بیوی خدانخواستہ کوئی ایسی ناشائستہ حرکت کریں جسکی وجہ سے ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائیں۔

۳) شوہر اپنی طرف سے طلاق دیدے۔

۴) عورت کچھ مال دیکر یا مہر معاف کر کے شوہر کو طلاق دینے پر راضی کر لے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "خلع" کہتے ہیں۔

---

(۱) رد المحتار:۵/۱۲۶، البحر الرائق:۴/۳۰۴، الهداية :۲/۴۰۰۔ محشی۔

۵) شوہر بیوی کے کسی حق شرعی کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی سے کام لے، عورت قاضی شریعت کے پاس اس مقدمہ کو پیش کرے، اور قاضی، شرعی اصولوں کے مطابق واقعہ کی تحقیق کرنے کے بعد نکاح فسخ کردے۔

آپ نے جو صورت تحریر کی ہے، اس کے مطابق آپ کے بہنوئی لا پتہ ہیں، اور ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے، ایسی صورت میں خلع کا حاصل کرنا ممکن نہیں، کیونکہ خلع کے لیے شوہر کی موجودگی اور کچھ لیکر طلاق پر اس کی رضامندی ضروری ہے، یہ صورت ''فسخ نکاح'' کی ہے، کیونکہ اس شخص نے سات سال سے اپنی بیوی کو ازدواجی حق سے محروم رکھا ہے، اور اس نے اپنی بیوی کو نفقہ کے حق سے بھی محروم رکھا ہے، اور اس طرح جنسی اور مالی حق سے طویل عرصہ تک محروم رکھنے میں عورت کے لیے ضرر بھی ہے، اور اس کی عزت وعفت کے لیے خطرہ بھی ہے، اس لیے آپ قاضی شریعت کے پاس فسخ نکاح کی درخواست دے سکتے ہیں، جب قاضی تحقیق کے بعد نکاح فسخ کردے گا، تب عورت کے لیے یہ بات جائز ہوگی، کہ وہ دوسرا نکاح کرلے۔

ارتداد کی وجہ سے فسخ نکاح

سوال:-{1799} ایک شخص کرسچن مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوا اور پھر ایک مسلمان عورت سے شادی کیا اور اس عورت کی زر وجائداد سے فائدہ اٹھاتا رہا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس نے کرسچن مذہب دوبارہ اختیار کرلیا، اور پوجا پاٹ کرنے لگا، اس عورت نے تبدیلی مذہب کی وجہ سے اس سے رشتہ منقطع کرلیا، مگر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے طلاق نہیں ہوئی، بلکہ تم اس سے طلاق لے لو، ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نکاح ہی ختم ہوگیا، طلاق کی کیا ضرورت؟

تبدیلی مذہب کی وجہ سے نکاح خود بخود ٹوٹ گیا، ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟ کیا طلاق لینا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ عورت کسی دوسرے مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

(تاج واج کمپنی، پوسٹ منڈل، کالچی کاچرلہ، ضلع کرشنا)

جواب:- اگر وہ شخص بتوں کی پوجا کرتا ہے تو وہ شرعاً مرتد ہے، اور عورت کا نکاح اس سے ٹوٹ چکا ہے، اس مرد سے طلاق لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔(۱) عدت گزر جانے کے بعد وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے، جوان عورت کی عدت تین ماہواری ہے۔(۲)

جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو

سوال:- {1800} میرا نکاح جون ۱۹۹۶ء میں ہوا، نکاح کے دو ماہ بعد سے میرے شوہر لاپتہ ہیں، معلوم نہیں وہ زندہ بھی ہیں یا ان کا انتقال ہوگیا، میں دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہوں، کیا میں دوسرا نکاح کرسکتی ہوں، اس کی شرعاً کیا صورت ہوسکتی ہے؟

(شہناز بیگم، نظام آباد)

جواب:- اگر آپ کے شوہر کوئی ایسی چیز آپ کے لئے چھوڑ گئے ہوں، جس سے آپ کے نفقہ کی ضرورت پوری ہوجائے اور آپ اپنی عفت وعصمت کے لئے کوئی خطرہ محسوس نہ کرتی ہوں تو ایسی صورت میں امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ عورت قاضی شریعت سے رجوع کرے، اور قاضی چار سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اسے شوہر سے علیحدگی کی ڈگری دے دے، پھر وہ عدت وفات گزار لے، امام مالکؒ کی یہ رائے حضرت عمرؓ کے ایک فیصلہ پر مبنی ہے۔(۱)

---

(۱) " ارتداد أحدى الزوجين وقعت الفرقة بغير طلاق في الحال قبل الدخول و بعد ه " (الفتاوی الهندية :۱/۳۳۷،باب في نكاح الكفار)

(۲) رد المحتار:۴/۳۶۹۔محشی۔

(۳) المدونة الكبرى :۲/۹۳۔

اور اگر شوہر نے نفقہ کی کوئی چیز نہ چھوڑی ہو، یا نفقہ ہو، لیکن چار سال کی طویل عرصہ تک انتظار کرنے میں عورت اپنی عفت وعصمت کے لئے خطرہ محسوس کرتی ہو تو قاضی مناسب تحقیق کے بعد نکاح فسخ کردے گا۔(۱)

موجودہ حالات میں فقہاءِ احناف نے بھی اس مسئلہ میں مالکیہ کی رائے کو اختیار کیا ہے،(۲) بہر صورت آپ کو دوسرے نکاح کے لئے قاضی شریعت سے رجوع کرنا پڑے گا، آندھرا پردیش میں اس مقصد کے لئے ''امارت ملت اسلامیہ'' کے تحت حسامیہ منزل، پنجہ شاہ، حیدرآباد میں دار القضاء قائم ہے، اس طرح کی مشکلات کے لئے وہاں رجوع کیا جا سکتا ہے۔

نامردی کی بناء پر فسخ نکاح

سوال:-{1801} ہندہ نے یہاں شرعی پنچایت میں دعویٰ کیا ہے کہ اس کا نکاح اس کے شوہر زید سے فسخ کرایا جائے، اس لئے کہ وہ نامرد ہے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ ہندہ دو تین عورتوں کے سامنے اس کا اقرار کر چکی ہے کہ زید پہلے اس سے ہمبستر ہو چکا ہے، پھر بعد کو اس کو جماع پر قدرت باقی نہیں رہی اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' (مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک بار بھی شوہر جماع کر چکا ہو، تو عورت کا حق جماع ختم ہو جاتا ہے، اس بناء پر یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا، بتایا جائے کہ شریعت کی روشنی میں ایسی عورت کے لئے کوئی گنجائش رہتی ہے؟　　(محمد آصف، لام، کنکور)

(۱)　تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: راقم الحروف کی تالیف ''اسلام اور جدید معاشرتی مسائل''۔

(۲)　رد المحتار: ۳۵۸/۳، کتاب المفقود۔

جواب:- مندرجہ بالا سوال میں یہ مذکور ہے کہ ہندہ نے دو تین عورتوں کے سامنے اس کا اقرار کیا ہے ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں محض دو تین عورتوں کا بیان اس اقرار کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے اولاً یہی ثابت نہیں ہے کہ ہندہ کو اس کا اعتراف ہے کہ اس کا شوہر اوائل میں اس کے ساتھ جماع کر چکا ہے۔

پس مقدمہ ہذا میں اگر ہندہ کو اس کا اقرار نہیں ہے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ جماع کر چکا ہے، تو پھر ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں مذکور شرط کا فقدان ہی نہیں، لہذا دعوی خارج کئے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوگا۔

اور اگر بالفرض یہ بات ثابت بھی ہو کہ ابتداء میں زوج جماع پر قادر تھا، لیکن بعد کو کسی عارض کی بنیاد پر اس کی قدرت سلب ہوگئی، تو ایسی صورت میں بلاشبہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں مذکور شرط کا تقاضا یہی ہے کہ درخواست خارج کردی جائے، لیکن اس بارے میں تھوڑی تفصیل اور وضاحت کی ضرورت ہے، اور وہ یہ کہ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ جماع کے بارے میں زوجین کے حقوق مساوی ہے، یا دونوں میں فرق ہے، فقہاء کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ حق جماع قانوناً مرد پر زندگی میں فقط ایک بار واجب ہوتا ہے، اگر ایک بار زندگی میں شوہر یہ حق ادا کر چکا تو آئندہ عورت کو اس سے قانوناً مطالبہ کا حق باقی نہیں رہتا، اگرچہ دیانۃً وجوب قائم رہتا ہے، اور یہ فرماتے ہیں کہ جماع مرد کا حق ہے عورت کا نہیں۔(۱)

فقہاء کے دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ قانوناً بھی محض ایک بار جماع سے عورت کا حق ساقط نہیں ہوتا، بلکہ اپنی عصمت کے تحفظ کے خاطر وہ شوہر سے قانوناً مطالبہ کا حق رکھتی ہے۔(۲)

''الحیلۃ الناجزۃ'' میں جو شرط ذکر کی گئی ہے اس کی بنیاد پہلے گروہ کی رائے پر ہے، ہمارے نزدیک مختلف دلائل کی بنیاد پر یہ رائے صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اولاً تو باب حقوق میں زوجین کے

---

(۱) مجمع الأنہر: ۱/۳۶۱۔ محشی۔
(۲) البحر الرائق: ۴/۲۰۶۔ محشی۔

درمیان مماثلت خود قرآن میں مصرح ہے: ﴿لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾(۱) پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم حق جماع کو مرد کے ساتھ خاص کریں اور عورت کو اس حق سے محروم تسلیم کریں، مسئلہ ایلاء اور ظہار میں تفریق کا حکم اسی لئے دیا جاتا ہے کہ مرد عورت کو حق جماع سے محروم کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔

لہٰذا صحیح یہی ہے کہ عورت کا حق جماع ایک دفعہ کے بعد ساقط نہیں ہوتا، اس بحث کے سلسلہ میں ''شامی''(۲)، البحر الرائق (۳)، احکام القرآن للجصاص (۴) وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیا جانا چاہئے۔

بہر حال جب یہ بات واضح ہوگئی کہ عورت کا حق جماع ساقط نہیں ہوتا، تو ایسی صورت میں اگر ابتداء شوہر قادر علی الجماع تھا، لیکن اب عاجز ہے، تو پہلی قدرت اور ابتداء میں حق کی ادائیگی موجودہ مطالبہ اور حق کو ساقط نہیں کر سکے گی، خصوصیت کے ساتھ جب کہ عورت جوان ہو، اور زنا میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ جوان عورت جس کا شوہر ادائے حق زوجیت سے عاجز ہو چکا ہے اور وہ ہر لمحہ اپنے نفس پر خطرہ محسوس کر رہی ہے، گناہ میں ڈالنے والی فضا نے اس کا احاطہ کرلیا ہے، ایسے حالات میں کسی عالم یا قاضی کا محض یہ کہہ کر عورت کی درخواست خارج کردینا کہ زندگی میں ایک بار تمہارا شوہر تم سے جماع کر چکا ہے، عدل نہیں ظلم ہے، علم نہیں جہالت ہے۔

لہٰذا اس مقدمہ میں چاہئے کہ حسب ضابطہ مدعا علیہ کو طلب کیا جائے، اس کا طبی معائنہ کرایا جائے، اور ڈاکٹروں کی رائے یہ ہو کہ اس میں جماع کی قدرت نہیں اور نہ علاج سے بظاہر حال قادر ہونے کی توقع ہے، یعنی مرض ناقابلِ علاج ہو چکا ہے، تو ایسی صورت میں تفریق کردی

(۱) البقرۃ :۲۲۸۔ محشی۔
(۲) رد المحتار :۵/۱۴۴-۱۴۳۔ محشی۔
(۳) البحر الرائق :۴/۲۰۶۔ محشی۔
(۴) أحکام القرآن للجصاص :۱/۴۵۳۔ محشی۔

جائے، اور اگر مرض قابلِ علاج ہو تو ایک سال علاج کی مہلت دی جائے،(۱) اور اگر مدعا علیہ حاضری سے گریز کرے، تو اس کو لکھ دیا جائے کہ تمہارا حاضری اور طبی معائنہ سے گریز کرنا "رفع الزام" سے عجز تصور کیا جائے گا، اگر اس اطلاع کے پالینے کے باوجود مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو اس کے اس گریز کو حلف سے انکار اور حکماً اقرار دعویٰ قرار دے کر تفریق کی جائے۔(۲)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) الهداية :۲/۴۲۰۔ محشی۔

(۲) معين الحكام :ص:۹۷۔ط:دارالفکر۔

کتاب الفتاوی

پانچواں حصہ

کتاب البیوع

تجارت سے متعلق سوالات

تجارت کے احکام

مال جمع کرنا —— اسلام کی نظر میں

سوال:- {1802} ہماری مسجد کے خطیب صاحب جو ریاست ہی نہیں بیرونِ ریاست میں بھی مشہور ہیں، کہتے ہیں کہ "صحابہ کو دنیا کی کوئی فکر نہ تھی، وہ ہمیشہ دین کی فکر کرتے تھے، نہ ان کے پاس اچھے کپڑے تھے، اور نہ وہ مال جمع کرتے تھے، مال جمع کرنا تو مشرکوں کا کام ہے، صحابہ ﷺ فاقہ کرتے لیکن اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے، کبھی مال جمع نہیں کرتے، جب کہ میں اکثر کتابوں میں دیکھتا ہوں کہ اکثر صحابہ ﷺ دولتمند تھے، ان کی کافی اچھی تجارت تھی، اور وہ کافی کماتے اور زکوۃ نکالتے تھے، براہ کرم اس کی وضاحت کریں؟

(غلام نبی، مشیرآباد)

جواب:- اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے نیاز ہوکر زیادہ سے زیادہ مال

کمانے کو اپنا مطمحِ نظر بنالے تو یہ یقیناً درست نہیں ، رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''ہلاک و برباد ہونے والے ہیں'' (۱) لیکن اگر کسب معاش میں حلال وحرام کی رعایت ملحوظ رکھی جائے اور شریعت میں جو حقوق اللہ اور حقوق الناس مال سے متعلق کئے گئے ہیں ان کو ادا کیا جائے تو یہی کسب معاش اجر و ثواب کا باعث ہے، اور اللہ تعالی نے اس کا حکم دیا ہے (۲) حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے مروی ہے کہ

" و رجل آتاه الله مالا فوصل منه أقاربه و رحمه وعمل بطاعة الله " (۳)

''دو شخص قابلِ رشک ہیں: ایک تو وہ عالم جسے اللہ تعالی نے قرآن عطا کیا ہو، وہ اس سے نماز کا اہتمام کرے اور قرآن میں حلال وحرام کے جو احکام ہیں ان پر کاربند رہے، دوسرے وہ شخص جس کو اللہ تعالی نے مال دیا ہو، وہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی بھی کرے اور اللہ تعالی کی فرمانبرداری بھی کرتا رہے۔

اس لئے یہ کہنا کہ صحابہ ؓ مال جمع ہی نہیں کرتے تھے، یا یہ کہ مال جمع کرنا مشرکوں کا کام ہے، یہ درست نہیں، ممکن ہے کہ خطیب صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ناروا طریقہ پر مال جمع نہیں کرتے تھے اور آپ کو غلط فہمی ہوگئی ہو۔ واللہ اعلم۔

والدین سے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا

سوال:- {1803} زید کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے ورثہ میں چار لڑکے اور دو لڑکیاں اور بیوی ہے، بیوی کے پاس

(۱) مجمع الزوائد :۳/۱۲۱۔
(۲) الدھر :۸،۹،۱۰، البلد :۱۴،۱۵،۱۶،۱۷، امحشی ۔
(۳) مجمع الزوائد :۳/۲۸۲۔

ایک اپنا ذاتی مکان ہے، جس کے نصف حصے کو اس نے اپنے
ایک بیٹے کے ہاتھ فروخت کردیا ہے، مکان کا بقیہ نصف حصہ
ماں ہی کے نام سے ہے، سوال یہ ہے کہ اس بقیہ نصف حصہ
میں دوسری اولاد کی طرح اس لڑکے کو بھی وراثت ملے گی یا
نہیں، نیز اس لڑکے کے خرید کردہ مکان کے حصے میں دوسرے
بھائی بہنوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ (محمد عمر، بنگلور)

جواب:- ماں باپ کی مملوکہ اشیاء کے حقدار ہونے میں تمام اولاد برابر ہے، ماں نے مکان کا کچھ حصہ فروخت کردیا ہے، لیکن جتنا حصہ باقی ہے اس میں ماں کی وفات کے بعد تمام ورثہ کے ساتھ عمر کو بھی حصہ ملے گا، جب تک ماں زندہ ہے وہ خود جائداد کی مالک ہے اور اس میں تصرف کی مجاز ہے، لہذا اگر عمر نے اپنے مملوکہ روپے کے ذریعہ والدہ سے زمین خریدی ہے، تو وہ تنہا اس کا مالک ہے اور اگر گھر کے کسی مشترکہ کاروبار یا مشترکہ ذریعۂ آمدنی کے ذریعہ حاصل کی گئی ہے تو تمام بھائیوں کا حق اس سے متعلق ہوگا۔

قسطوں پر زیادہ قیمت میں سامان کی خریدی

سوال:- {1804} آج کل لوگ اقساط پر چیزیں
خریدتے ہیں، مثلاً سو روپے کی چیز ایک سو پچاس روپے میں
خرید کر روزانہ پانچ روپیہ ادا کرتے ہیں، کیا یہ صورت سود میں
داخل ہے؟ (کے عارف احمد، مشیر آباد)

جواب:- نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا جائز ہے، البتہ ایک ہی قیمت فریقین کے درمیان متعین ہوجانی چاہیے۔

" لا مساواة بين النقد والنسيئة ، لأن العين خير

من الدین"(۱)

اس صورت میں چونکہ پیسہ سامان کے مقابلہ میں ہے نہ کہ پیسہ کے مقابلہ میں، اس لیے یہ سود کی صورت نہیں ہے، یہ بات بھی درست ہے کہ ایک قیمت طئے کر کے اسے حسب معاہدہ روزانہ کی قسطوں میں ادا کیا جائے، فقہاء نے اس صورت کو صراحتاً جائز قرار دیا ہے:

"من باع سلعة بثمن على أن تعطيني كل يوم درهما أو كل يوم درهمين "(۲)

پانی کی تجارت

سوال:- {1805} کیا پانی کی تجارت جائز ہے؟ آج کل مارکیٹ میں پانی کی بوتلیں بارہ روپے اور پاکٹ ایک روپیہ میں فروخت ہو رہا ہے، ہوٹلوں کا پانی گرم اور گندہ ہونے کی وجہ سے لوگ پانی خرید کر پی رہے ہیں، ازروئے شریعت پانی کی تجارت اور اسے خرید کر پینا جائز ہے؟

(قاری، ایم، ایس خان، ملک پیٹ)

جواب:- جو پانی برتنوں میں محفوظ کر لیا جائے، انسان اس کا مالک ہو جاتا ہے، اور اس کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، البتہ ذاتی تالاب، کنویں کے زائد از ضرورت پانی کو بیچنا اور اس سے استفادہ کرنے والوں سے اس کی قیمت وصول کرنا بہتر نہیں ہے۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع :۵/۱۸۷۔

(۲) منحة الخالق على البحر :۵/۲۸۰۔

(۳) " إن صاحب البئر لا يملك الماء ... هذا ما دام في البئر ، أما إذا أخرجه منها بالاختيال كما في السواني فلا شك في ملكه له كحيازته له في الكيزان ثم صبه في البرك بعد حيازته " (رد المحتار :۷/۱۸۹، مطلب صاحب البئر لا يملك الماء) محشی۔

انٹرنیٹ سے کسب معاش

سوال:- {1806} انٹرنیٹ پر ہر روز ہزاروں لوگ اپنا پیغام دوسرے ممالک کے رشتہ داروں کو بھیجتے ہیں، اور اس سے دنوں کا کام منٹ بھر میں ہو جا رہا ہے، جو قابلِ تعریف ہے اور دوسری طرف غلط ذہنوں کے لڑکے ایک گھنٹے میں بے انتہا عریاں شرمناک مناظر دیکھتے ہیں، جو ہر اعتبار سے حرام ہے، تو کیا ایسے انٹرنیٹ پر کمائی جانے والی کمائی جائز ہے؟

(محمد ریاض احمد، مسجد حسینی، وجے نگر)

جواب:- انٹرنیٹ اصل میں بہت سی مفید اغراض اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہے، اس وقت عالمی سطح پر تجارت اور کاروبار کے لیے انٹرنیٹ بہت بڑا ذریعہ و وسیلہ ہے، اس لیے یہ فی نفسہ جائز ہے، البتہ جہاں تک ممکن ہو اس کے غلط استعمال کا سدِ باب ہونا چاہئے، ایک تو انٹرنیٹ میں مالکان کی طرف سے اس کی ہدایت ہو، دوسرے ایسے پروگراموں کو لاک کر دیا جائے، جو مخربِ اخلاق ہوں، کیوں کہ اس کی وجہ سے اس کا اخلاقی نقصان وی، ڈی، یو اور ٹی، وی سے بھی بڑھ کر ہو جائے گا۔

بیڑی سگریٹ وغیرہ کی فروخت

سوال:- {1807} بیڑی، سگریٹ اور گٹکھا وغیرہ کی دوکان لگانے کا کیا حکم ہے؟ (محمد نصیر الدین، اکبر باغ)

جواب:- خرید وفروخت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جو چیز جائز ہو، اس کا بیچنا جائز ہے، جو چیز حرام ہو اس کا بیچنا حرام اور جو مکروہ ہو اس کا بیچنا بھی مکروہ ہے، پھر اس کے استعمال میں جس درجہ کی کراہت ہوگی، فروخت کرنے میں بھی اس درجہ کی کراہت ہوگی،

سگریٹ، بیڑی اور گٹکھا صحت کے لئے مضر ہے، اس لئے کم سے کم کراہت سے خالی نہیں، پھر ان میں جو چیز جس درجہ مضر ہوگی، اس کو فروخت کرنے میں بمقابلہ بیڑی سگریٹ کے زیادہ کراہت ہوگی۔ واللہ اعلم۔(۱)

گٹکا فروخت کرنا

سوال:- {1808} حکومت مہاراشٹر نے گٹکے پر پابندی عائد کردی ہے، اس کے باوجود بہت سے دوکاندار فروخت کر رہے ہیں، اس خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

(محمد ساجد، کھوٹ)

جواب:- گٹکا صحت کے لئے بہت ہی نقصاندہ اور مضر ہے اور اس پر تمام اطباء کا اتفاق ہے، مضر چیزوں کا فروخت کرنا مضرت رسانی کا ذریعہ بنتا ہے اور ضرر پہنچانا گناہ ہے، پھر جب حکومت نے گٹکا نہ بیچنے کا قانون بنا دیا ہے اور اس قانون کا مقصد عوام کی صلاح وفلاح ہے، تو حکومت کے ایسے احکام کو ماننا واجب ہے، لہذا گٹکا فروخت کرنا کم سے کم مکروہ تحریمی ضرور ہے، (۲) اس لئے اس سے اجتناب واجب ہے، مسلمانوں لئے نہ صرف قانونی بلکہ شرعی اعتبار سے بھی اس کی اہمیت ہے۔

تمباکو کی تجارت

سوال:- {1809} ہمارے والد صاحب نے جب سے تمباکو کی تجارت شروع کی ہے، تب سے پریشانی ہی

---

(۱) "إن ما قامت به المعصية بعينه يكره بعينه تحريما و إلا فتنزيها فليحفظ توفيقا" (الدر المختار علی هامش رد المحتار:۵/۲۷۷) محشی۔

(۲) "و يمنع بيع الدخان و شربه" (رد المحتار:۵/۲۹۵) محشی۔

پریشانی ہے، کیا تمباکو کی تجارت حرام ہے؟

(محمد فضل الدین، الندشریف)

جواب:- تمباکو کے سلسلہ میں معتدل اور درست رائے یہ ہے کہ اس کا کھانا مکروہ ہے اور جو چیز خود مکروہ ہو اس کو فروخت کرنا بھی مکروہ ہے، اس لئے تمباکو فروشی حرام تو نہیں ہے، لیکن کراہت سے بھی خالی نہیں ہے، (۱) رہ گیا گھر میں پریشانیوں کا آنا، تو معصیت بھی بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے پریشانیوں کا سبب بن جاتی ہے، لیکن یہ اس کا لازمی سبب نہیں ہے، بہر حال اپنے اعمال کا بھی محاسبہ کرنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کا اہتمام بھی کرنا چاہئے۔

پتنگوں اور پٹاخوں کی تجارت

سوال:- {1810} بے شمار مسلمان حضرات پتنگوں اور پٹاخوں کا کاروبار کرتے ہیں، کیا ایسے کاروبار کرنا مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- پتنگ اڑانے میں اگر جیت ہار کی شرط لگائی جائے، تو قمار ہونے کی وجہ سے حرام ہے، (۲) اگر شرط نہ ہو اور نمازیں پتنگ بازی میں انہماک کی وجہ سے فوت نہ ہوں، تو گنجائش ہے، (۳) زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہا جا سکتا ہے، اسی طرح پٹاخے زیادہ قیمتی ہوں، تو اسراف کے دائرہ میں آجائیں گے، اگر معمولی قیمت کے ہوں اور اس طرح نہ چھوڑے جائیں

---

(۱) " و یمنع من بیع الدخان و شربه " (رد المحتار:۵/۲۹۵) محشی۔

(۲) " (إن شرط لمال) في المسابقة (من جانب واحد و حرم لو شرط) فيها (من الجانبين) لأنه يصير قمارا " (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۹/۵۷۷) محشی۔

(۳) " أما السباق بلا جعل فيجوز في كل شيئ " (حوالہ سابق:۹/۵۷۹) محشی۔

کہ لوگوں کے لیے باعثِ تکلیف بنیں تو خلافِ اولیٰ ہوں گے، نیز شریعت کے فروعی احکام کے مخاطب مسلمان ہیں نہ کہ غیر مسلم اور ان اشیاء کو زیادہ تر غیر مسلم حضرات ہی خرید کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کے لیے اس کاروبار کی گنجائش ہے، لیکن بچنا بہتر ہے۔

کاروبار میں متعین نفع کی شرط

سوال:- {1811} دوسروں کے کاروبار میں سرمایہ (۲۵؍ ہزار، ۵۰؍ ہزار روپے نقد) مشغول کر کے کیا ہر ماہ اس سے فائدہ (ایک ہزار روپے، دو ہزار روپے) حاصل کرنا جائز ہے؟ (محمد عبدالحلیم، محبوب آباد)

جواب:- سرمایہ کاری کی یہ صورت کہ نفع کی ایک مقدار متعین کر دی جائے، جائز نہیں، اس لیے مذکورہ صورت درست نہیں۔(۱)

تھیٹر کی کینٹن میں اشیاء خوردنی کی سپلائی

سوال:- {1812} زید کی ایک بیکری ہے، وہ زیادہ تر اپنی بیکری کی اشیاء تھیٹر کے کینٹن میں سپلائی کرتا ہے، اور فی الحال اسی پر اس کا معاش منحصر ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟ (محمد عزیز، رشید کالونی)

جواب:- بیکری کی چیزیں کھانے پینے کی ہوتی ہیں، نہ خود اس سے معصیت کا ارتکاب

---

(۱) "و من شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعا لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح : لأن شرط ذلك يقطع الشركة بينهما و لا بد منها كما في عقد الشركة" (الهداية: ۳/۲۵۸) محشی۔

کیا جاتا ہے، اور نہ بذات خود یہ گناہ میں تعاون کا ذریعہ ہیں، اس لیے ایسی کینٹن یا ہوٹل میں بھی بیکری کے سامان سپلائی کرنے کی گنجائش ہے۔(۱)

تجارت میں کھلا ہوا دھوکہ

سوال:- {1813} تقریبا ایک ماہ قبل میرے ایک مخلص دوست کے والد صاحب سے میں نے کاروباری معاملہ کیا تھا، ہوا یوں کہ ان کی ایک دوکان ہے، جو سعید آباد میں STD اور اسٹیشنری کی ہے، اور میں تقریبا چار ماہ سے کوئی کام پر نہیں تھا، انہوں نے مجھ سے کہا کہ آج کل تم کام پر نہیں ہو اور میں دوکان نہیں چلا رہا ہوں، میں مصروف ہوں اور بچے بھی مصروف ہیں، اس لئے اگر تم دوکان پر بیٹھ جاؤ تو اچھا رہے گا اور اگر اس کو خریدنا چاہتے ہو تو وہ بھی کر سکتے ہو، لہذا میں نے اپنے ماموں اور بڑے بھائی سے مشورہ کیا، طے ہوا کہ دوکان خرید لیں اور جو بھی رقم ہو وہ ادا کر دیں، اس کے بعد میں نے میرے دوست کے والد کے پاس جا کر ان کو تفصیل بتائی اور ان سے دوکان کی خریداری کی بات کی، تو انہوں نے کہا کہ اس دوکان میں جملہ سامان تقریبا ۸۰ تا ۸۵ ہزار کا ہے، اگر تم لینا چاہتے ہو تو اس میں کچھ کم کر دوں گا، کیونکہ تم ہمارے گھر کے

(۱) "(و) جاز (بيع عصير) عنب (ممن) يعلم أنه (يتخذ خمرًا) : لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره . (الدرالمختار) قوله : (لاتقوم بعينه ألخ) يؤخذ منه أن المراد بما لا تقوم المعصية بعينه ما يحدث له بعد البيع وصف آخر يكون فيه قيام المعصية ..." (رد المحتار :۹/۵۶۱-۵۶۰،کتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع) مرتب۔

فرد ہو، لہذا میں ماموں جان کو لے کر گیا تو انہوں نے ۴۵۰۰۷ کا حساب کیا، پھر میرے اور میرے ماموں جان کے کہنے سے ۶۵۰۰ روپے کم کئے اور پھر جملہ ۶۸۰۰۰ کا حساب بنا کر مجھے دیا، چنانچہ میں ان پر مکمل بھروسہ کر کے بڑے بھائی کے ساتھ یکمشت ۶۸۰۰۰ روپے لے جا کر ان کو دے دیا، رقم لینے کے پانچ روز بعد دوکان کی چابی دی گئی، دوکان کھلنے کے بعد علم ہوا کہ انہوں نے پرانی اشیاء مستعملہ کی بہت زیادہ رقم مجھ سے لی ہے، تو میں نے وہی اشیاء جو بالکل نئی ہیں، ان کی تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ نئی قیمت سے تین گنا رقم لی ہے اور یہ پرانی اشیاء کی قیمت سے پانچ گنا زیادہ ہے، معاملہ کے تین چار روز ہی میں یہ نقصان کا علم ہوا اور میں نے اس کی وضاحت بھی کر دی اور یہ بات بھی بتلا دی تھی کہ میں اس معاملہ کو ختم کرتا ہوں، یہ سن کر انہوں نے انکار کر دیا اور غصہ کرنے لگے اور پھر گاؤں چلے گئے، تقریباً بیس روز ہو گئے، ابھی تک نہیں آئے ہیں، جس کی وجہ سے میں بے حد فکر مند اور پریشان ہوں، آپ سے ادبا گذارش ہے کہ اس مسئلہ میں آپ صحیح رہبری فرما کر میری پریشانی کو حل فرمائیں۔ (سید مجاہد حسین نقوی)

جواب:- کسی چیز کی اتنی زیادہ قیمت مقرر کرنا جو قیمت لگانے والوں کے دائرہ سے زائد ہو، اسے فقہ کی اصطلاح میں ''غبن فاحش'' کہتے ہیں، (۱) مثلاً ایک چیز کی قیمت پانچ تا سات روپے لگائی جاتی ہے اور فروخت کرنے والے نے اسے دس روپے میں فروخت کر دیا، تو

---

(۱) "و اعلم أنه لا رد بغبن فاحش هو ما لا يدخل تحت تقويم المقومين" (الدر المختار على هامش الرد: ۲۷۲/۷، مطلب في الكلام على الرد بالغبن الفاحش) محشی۔

یہ غبن فاحش ہے، اگر غبن فاحش کے ساتھ کوئی چیز فروخت کی جائے تو اسے خریدار کو واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

''ایک یہ کہ واپس کرنے کا حق ان کو نہیں ہوگا، دوسرے یہ کہ مطلقاً واپس کرنے کا حق ہوگا اور تیسرے یہ کہ اگر فروخت کرنے والے نے کوئی ایسی بات کہی ہو جس سے خریدار دھوکہ کھا سکتا ہو، تب اسے واپس لوٹانے کا حق ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا، اکثر فقہاء نے اس تیسرے قول کو ترجیح دیا ہے'' (۱)

آپ نے جو صورت دریافت کی ہے اس میں مالک دوکان کا یہ کہنا کہ اس دوکان میں جملہ سامان اسی تا پچاسی ہزار روپے کا ہے، حالاں کہ آپ کے بقول یہ اصل قیمت سے تین گنا زیادہ ہے، دھوکہ دے کر غبن فاحش کے ساتھ بیچنے میں شمار ہوگا، اس لئے اس صورت میں خریدار کو حق حاصل ہے کہ وہ فروخت کنندہ کو یہ اشیاء واپس کردے۔ واللہ اعلم۔

بل میں جھوٹ اور دھوکہ

سوال:- {1814} لوگ ہمارے یہاں سے پچاس روپے کی چیز لیتے ہیں اور سو روپیہ وصول کرنا چاہتے ہیں، اور سو روپیہ کی رسید مانگتے ہیں، تو کیا زیادہ رقم کی رسید دینا جائز ہے؟ (یوسف، ملک پیٹ)

جواب:- یہ صورت جھوٹ کی بھی ہے اور دھوکہ میں تعاون کی بھی؛ کیوں کہ جو شخص اس طرح بل بنواتا ہے وہ دوسرے سے زیادہ پیسہ وصول کرنا چاہتا ہے، اور زیادہ رقم کا بل دے کر دھوکہ میں تعاون ہوتا ہے، اس لئے یہ صورت قطعاً جائز نہیں۔ (۲)

---

(۱) الدر المختار و ردالمحتار: ۷/۳۶۲-۳۶۴۔

(۲) ﴿و لا تعاونوا علی الإثم و العدوان﴾ (المائدۃ:۲) محشی۔

مال فروخت کرنے پر کمیشن

سوال:- {1815} ایک شخص کاروبار میں کسی کے مال کی بکری کرتا ہے، اور اس کی رقم میں سے کچھ فیصد اپنے پاس رکھ کر باقی رقم اس کو دے دیتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ اور کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

(محمد نورالدین آفاقی، مشیر آباد)

جواب:- اس صورت کا جائز ہونا اور نہ ہونا باہمی معاہدہ پر موقوف ہے، اگر فروخت کرنے والا اس کا ملازم ہے، اور اس کے علم میں لائے بغیر کچھ فی صد رقم چھپالیتا ہے، تو یہ ناجائز اور خیانت ہے، اگر صاحب مال سے اس کا یہی معاہدہ ہے، کہ وہ جتنا مال فروخت کرے گا، اس پر اتنا فیصد اجرت ملے گا، تو اس کے لیے گنجائش ہے، کیوں کہ اگرچہ اس صورت میں اجرت ایک حد تک غیر متعین ہوتی ہے، لیکن اس کی وجہ سے نزاع پیدا نہیں ہوتی، اور یہ طریقہ آج کل متعارف اور مروج ہو چکا ہے۔

جہاں تک امامت کی بات ہے، تو وہ بھی اسی حکم سے متعلق ہے، پہلی صورت خیانت کی ہے، جو موجب فسق ہے، اس لیے ایسے شخص کی امامت مکروہ ہوگی، (۱) دوسری صورت جواز کی ہے، اس لیے ایسے شخص کی اقتداء کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

مصور لیبل کے ساتھ اشیاء فروخت کرنا

سوال:- {1816} الف کی دوکان ہے، جس میں اشیاء ضروریہ فروخت کی جاتی ہیں، اس میں بعض اشیاء میں تصاویر بھی ہیں، اگر ان کو الگ کر دیا جائے تو گاہک سامان کو

(۱) "یکرہ تقدیم الفاسق" (الهداية :۱۲۲/۱، باب الإمامة) محشی۔

لینے سے کترائیں گے، اور سامان عیب دار محسوس ہوگا، ایسی صورت میں کیا ان اشیاء کی خرید وفروخت کی جاسکتی ہے؟

(محمد وثیق الرحمان، فلک نما)

جواب:- بدقسمتی کی بات ہے کہ آج کل ایسی چیزوں پر بھی تصویروں کا لیبل لگایا جاتا ہے، جن سے تصویر کا کوئی تعلق نہیں، اور جو لوگوں کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور چونکہ ان کا خریدنا اور فروخت کرنا ایک ضرورت ہے، لیبل کے کھرچ دینے سے سامان کا صحیح ہونا مشتبہ ہو جاتا ہے اور ان کو فروخت کرنے میں تصویر مقصود نہیں، بلکہ اصل شئے مقصود ہوتی ہے، اس لئے موجودہ حالات میں ان اشیاء کی خرید وفروخت درست ہوگی، (۱) البتہ مسلمان صنعت کاروں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی مصنوعات کو ایسے اوچھے ذریعوں سے پر کشش نہ بنائیں، بلکہ معیار اور صلاحیت کے ذریعہ لوگوں کے لئے توجہ کا مرکز بنائیں۔

تاجر اور گاہک سے دوہرا کمیشن

سوال:- {1817} ایک کمیشن ایجنٹ ہے جو بیچنے والے سے بھی کمیشن لیتا ہے اور خریدنے والے سے بھی کمیشن لیتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(غلام جیلانی باسط، ملک پیٹ، ایم اکبر، سعید آباد)

جواب:- ایجنٹ کی حیثیت اصل میں وکیل و دلال کی ہوتی ہے اور وکالت کی اجرت لی جاسکتی ہے، تو اگر وہ بیچنے والے کے لئے کام کر رہا تھا، تو صرف اسی سے اجرت لے سکتا ہے، خریدار سے نہیں، ہاں! اگر کوئی ایجنسی اس بات کے لئے قائم ہو کہ وہ تاجر اور گاہک دونوں کے لئے کام کرتی ہو، تو وہ دونوں ہی سے اجرت لے سکتی ہے، علامہ شامیؒ نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

---

(۱) "الأمور بمقاصدها" (الأشباه و النظائر:۱/۹۷) محشی۔

"... فتجب الدلالة على البائع و المشتري أو عليهما بحسب العرف" (۱)

کمیشن ایجنٹ کا لاری کے سامان کو فون پر فروخت کردینا

سوال:- {1818} حدیث میں سامان کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنے کو منع کیا گیا ہے، مگر بڑے شہروں میں عام طور پر سامان لاریوں سے آتا ہے اور شہر کے باہر ہی لاری ٹھہرادی جاتی ہے، نیز کمیشن ایجنٹ کو فون سے سامان کی اطلاع دی جاتی ہے، اب وہ ایجنٹ اپنے فون کے ذریعہ گاہک تلاش کرتا ہے اور فروخت کردیتا ہے، سامان قبضہ میں نہیں لیتا اور سامان کے مالک کو اپنا نفع نکال کر رقم ادا کرتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

(محمد نصیر الدین، اکبر باغ)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ جو اشیاء منتقلی کے لائق ہوں، ان کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا درست نہیں، (۱) لیکن اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کسی اور کو قبضہ کرنے کا وکیل بنادے اور وہ قبضہ کرلے تو یہ اسی کا قبضہ سمجھا جائے گا، (۲) لہذا اگر لاری کا کرایہ کمیشن ایجنٹ ادا کرتا ہے، تو

---

(۱) ردالمحتار: ۴۲/۴۔

(۲) "أن النبي ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه" و زاد اسمعيل: "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه" عن ابن عمر ﷺ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۱۳۶، باب بيع الطعام قبل أن يقبض، صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۲۵، باب بطلان المبيع قبل القبض، مصنف عبد الرزاق: ۳۸/۸، حدیث نمبر: ۱۴۲۱۰) محشی۔

(۳) "و يجوز الوكالة بالخصومة في سائر الحقوق و كذا بإيفائها و استيفائها" (الهداية: ۱۷۷/۳) محشی۔

لاری لانے والا اس کی طرف سے وکیل تصور کیا جائے گا، فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر خریدار کے تھیلے میں بیچنے والا اس کی اجازت سے خریدا ہوا سامان رکھ دے، تو یہ بھی خریدار کے قبضہ کے لئے کافی ہوگا، (۱) لہذا جب خریدار لاری کا کرایہ ادا کر رہا ہے، تو اس میں رکھا جانے والا سامان گویا خریدار کے قبضہ میں آ گیا، لہذا اب اگر کمیشن ایجنٹ کسی اور سے فروخت کرتا ہے تو گویا وہ اس مال کو اپنے قبضہ میں لے کر فروخت کر رہا ہے اور اگر لاری کا کرایہ فروخت کرنے والا ادا کر رہا ہے، تو اس کی حیثیت بیچنے والے کے وکیل کی ہے، اب ایسی صورت میں کمیشن ایجنٹ کا محض فون پر دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا قبضہ سے پہلے بیچنا شمار ہوگا اور اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہوگی۔ (یہ اس حقیر کی رائے ہے، دوسرے اہل علم سے بھی اس سلسلہ میں دریافت کر لینا مناسب ہوگا)

کیا ٹنڈر میں حصہ لینا بولی پر بولی لگانا ہے؟

سوال:- {1819} حدیث میں مسلمان کی بولی پر بولی لگانے کو منع کیا گیا ہے، اس کے پیش نظر یہ معلوم کرنا ہے، کہ کسی کام کے لئے ٹنڈر مانگا جائے تو اس میں کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ بولی لگانا کیسا ہے؟ (محمد نصیر الدین، اکبر باغ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ ایک شخص کسی قیمت میں بیچ رہا ہو، دوسرا شخص اس وقت اس سے کم قیمت کی پیش کش کر دے، یا ایک شخص کسی قیمت پر خرید کر رہا ہو، دوسرا شخص اس پر بازی لے جانے کے لئے زیادہ قیمت لگا دے، (۱) کہ اس سے باہم

(۱) " رجل اشترى كرا من صبرة و قال للبائع كله في جوالقي و دفع إليه الجوالق ففعل كان المشتري قابضا " (الفتاوى الهندية:۳/۱۹) محشی۔

(۲) " نهىٰ رسول الله ﷺ أن يبيع حاضر لباد و لا تناجشوا و لا يبيع الرجل على بيع أخيه " عن أبي هريرة ؓ، (صحيح البخاري، حديث نمبر:۲۱۴۰، باب : لا يبيع على بيع أخيه و لا يسوم على سوم أخيه حتى يأذن أو يترك) محشی۔

مخاصمت پیدا ہوتی ہے، اور یہ جذبۂ ایثار کے بھی خلاف ہے، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب تاجر نے پیشکش کی اور گاہک اس قیمت میں خریدنے پر راغب ہو چکا ہو، یا خریدار نے جو قیمت بتائی فروخت کنندہ اس پیش کش کو قبول کرنے پر آمادہ ہو چکا ہو، اگر آمادگی اور رغبت کا اظہار نہ ہوا ہو، اور بھاؤ تاؤ کا مرحلہ ہو، تو دوسرا شخص پیش کش کر سکتا ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر کسی خرید وفروخت کی بنیاد ہی بولی پر رکھی جائے اور ڈاک لگائی جائے اور کہہ دیا جائے کہ جو زیادہ قیمت ادا کرے گا اس سے یہ چیز فروخت کی جائے گی، تو اس صورت میں بولی پر بولی لگانے کی ممانعت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے خود اس طرح کی ڈاک لگائی ہے، (۱) اور اس کو " بیع من یزید " کہا گیا ہے، مذکورہ اگر تجارتی نوعیت کا ہو تو اس صورت میں بھی ایک تو ایک بولی پر دوسری بولی بھاؤ تاؤ کے مرحلہ میں لگائی جاتی ہے اور بعض اوقات تو ایک شخص کو دوسرے شخص کے دیئے ہوئے ریٹ کی اطلاع بھی نہیں ہوتی، دوسرے یہ ڈاک اور ہراج کے قبیل سے ہے، جو استثنائی صورت ہے اور جس میں ایک کے بعد دوسری قیمت لگانے کی ممانعت نہیں ہے۔

کریڈٹ کارڈ قبول کرنا

سوال:- {1820} بحیثیت تاجر کیا ہم کریڈٹ کارڈ قبول کر سکتے ہیں؟ جب کہ ہمیں اس صورت میں دو فیصد بغرض سروس چارج (انتظامیہ) بینک کو دینا پڑتا ہے، اب جب کہ کریڈٹ کارڈ عام ہو چکا ہے، مسلمان تاجروں کو کیا کرنا چاہئے؟ (عبداللہ، بھیلسہ)

جواب:- کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ سودی طریقہ پر سودا خرید کیا جائے، یہ ضروری نہیں،

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۶۴۱، باب تجوز فیه المسألة - محشی۔

اگر رقم کی اداشدہ مقدار میں اور مقررہ میعاد کے اندر ادائیگی کے ساتھ سامان خریدنے کا اہتمام کیا جائے تو سود سے بچا جاسکتا ہے، اس لئے شرعاً اس کی گنجائش ہے، اور بعض ممالک میں تو اس کا اتنا عموم اور پھیلاؤ ہو گیا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے ضرورت کے درجہ میں آگیا ہے، جہاں تک تاجروں سے اس پر دو فیصد سروس چارج کے نام سے لی جانے والی رقم ہے، تو اسے سروس چارج (اجرۃ الخدمۃ) پر محمول کیا جاسکتا ہے، چنانچہ گورنمنٹ جو ترقیاتی قرضے بے روزگار لوگوں کو دیتی ہے اور اس پر معمولی سی زائد رقم لیتی ہے، اسے مولانا مفتی نظام الدین صاحب دیوبند نے اسی پر محمول کیا ہے۔(۱)

نفع کا تناسب

سوال:- {1821} اپنے مال میں کتنا فیصد نفع حاصل کرسکتے ہیں؟ (آصف، ٹولی چوکی)

جواب:- شریعت میں نفع کے لئے کوئی تناسب متعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ تاجرین کے عرف ورواج اور فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے، البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اتنا نفع لینا جو غبن فاحش کے دائرہ میں آجائے، مکروہ ہے، غبن فاحش سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کی بازار میں زیادہ سے زیادہ جو قیمت لگائی جاتی ہو، اس سے بھی زیادہ قیمت لی جائے، جیسے ایک چیز پچاس سے پچھتر روپیہ تک میں فروخت کی جاتی ہو، اب کوئی شخص اسے اسی روپیہ میں فروخت کرتا ہے، تو یہ غبن فاحش ہے، خرید وفروخت درست ہوجائے گی، نفع بھی تاجر کے لئے حلال ہوگا، لیکن اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا اور اگر خریدار کو یقین دہانی کرائی ہو، کہ میں نے مناسب قیمت لگائی ہے، تو ایسی صورت میں اس کو اس معاملہ کے ختم کردینے کا حق بھی حاصل ہوگا۔

(۱) منتخبات نظام الفتاوی:۱/ ۲۸۸-۲۸۹۔ محشی۔

اگر خریدار آرڈر دینے کے بعد سامان لینے سے انکار کر جائے؟

سوال:- {1822} اگر آرڈر کی تیاری سے پہلے ضمانت کے طور پر کچھ رقم لے لی جائے اور تیاری کے بعد ضامن یا خریدار اس مال کو لینے سے انکار کر جائے تو کیا رقم ضمانت واپس کرنی ہوگی؟ (اسحاق انور، ریڈہلز)

جواب:- جو سامان آرڈر پر بنا کر فروخت کیے جاتے ہیں، اگر ان کا آرڈر دیا گیا اور جو نمونہ دکھایا گیا تھا، اسی کے مطابق سامان تیار کیا گیا، تو بعد میں خریدار کا اس سے انکار کر جانا درست نہیں، کیونکہ خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے، (۱) لہذا اب اس پر اس سامان کو لینا اور قیمت ادا کرنا واجب ہے، تاہم اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو اور شرعی و قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ اثر انداز بھی نہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے، کہ اس کی رقم ضمانت میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار مل سکتی ہو، وہ اسے دے دی جائے اور باقی کو کسی اور سے فروخت کرنے کی کوشش کی جائے۔

بیچنے والا مطلوبہ سامان منگا کر فراہم کر دے

سوال:- {1823} ہماری دکان پر ایک کمپنی کی چیز موجود ہے، لیکن خریدار دوسری کمپنی کی چیز مانگ رہا ہو، ہم اس سے پیسے لے کر مطلوبہ چیز منگا کر اس کو دے دیں، تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ (حامد علی، ہلکنڈہ)

جواب:- اگر آپ گاہک سے کہیں کہ مثلاً میں یہ سامان ایک گھنٹے کے بعد آپ کو فراہم

---

(۱) " إذا حصل الإيجاب و القبول لزم البيع و لا خيار لواحد منهما إلا من عيب أو عدم رؤية " (الهداية:۳/۲۰، نیز دیکھئے: مجلة الأحكام العدلية: ص:۷۶) محشی۔

کرسکتا ہوں، ایک گھنٹہ کے بعد وہ پیسے دے اور سامان لے لے، تو یہ صورت جائز ہے، پہلے جو گفتگو ہوئی، اس کی حیثیت خرید فروخت کے وعدہ کی ہے، اور پیسے اور سامان کا جو لین دین ہوا، یہ اصل میں خرید فروخت ہے، لہذا جس وقت خرید وفروخت ہوئی اس وقت وہ سامان آپ کے قبضہ میں آچکا تھا، اور زیر قبضہ سامان کی خرید وفروخت درست ہے۔

نقد وادھار قیمت میں فرق

سوال:- {1824} تجارت میں نقد اور ادھار کی فروخت میں قیمت کا فرق ہوتا ہے، کیا یہ فرق سود کہلائے گا؟

(احمد مسعود، اکبر باغ)

جواب:- نقد اور ادھار قیمت میں فرق کرنا جائز ہے، (۱) البتہ یہ ضروری ہے کہ ایک ہی قیمت متعین ہو، اس کو سود نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ سود ایسے اضافہ کو کہتے ہیں، جو ایک ہی جنس کی اشیاء کے تبادلہ میں پایا جائے اور پہلے سے اس اضافہ کی شرط لگادی گئی ہو، جب پیسہ سامان کے مقابلہ میں ہو نہ کہ خود پیسہ کے مقابلہ میں تو قیمت کم ہو یا زیادہ وہ سود کے دائرہ میں نہیں آتا۔

بددیانتی کے جواب میں بددیانتی

سوال:- {1825} مشترکہ تجارت میں اگر ایک پارٹنر کھلی بے ایمانی اور بددیانتی کرے، تو کیا دوسرے پارٹنر کے لئے بھی ایسا ہی غیر شرعی طریقہ اختیار کرنا اور اس کو "جیسے کو تیسا" سے تعبیر کرنا درست ہوگا؟ (محمد نور الدین، بی بی کا چشمہ)

جواب:- ایسے پارٹنر کی بددیانتی کو تحقیق کے ذریعہ ثابت کرنا اور حساب وکتاب کے

(۱) "لا مساواة بين النقد النسيئة ؛ لأن العين خير من الدين و المعجل أكثر قيمة من المؤجل" (بدائع الصنائع :۵/۱۸۷) محشی۔

دائرہ میں لاکرا سے قائل کرنا چاہئے، محض اس شبہ میں کہ دوسرا شخص بددیانتی کررہا ہے، خیانت کرنا جائز نہیں، ہاں اگر کسی شخص کے ذمہ آپ کی رقم باقی ہو، وہ رقم ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے اور کسی عنوان سے اس کی کوئی رقم آپ کے ہاتھوں میں آجائے تو آپ کے لئے اس میں سے اپنی رقم وصول کرلینا جائز ہے، اسے فقہ کی اصطلاح میں ''ظفر بالحق'' کہتے ہیں۔(۱)

خریدار کے ساتھ آنے والا تاجر سے کمیشن طلب کرے؟

سوال:- {1826} کوئی خریدار دکاندار کے پاس ایسے شخص کے ساتھ آئے جو خریدی جانے والی چیز کے بارے میں واقفیت رکھتا ہو، لیکن وہ شخص دکاندار سے بطور کمیشن کچھ رقم دینے کا مطالبہ کرتا ہے، کیوں کہ اس نے اس کے لئے گاہک فراہم کیا ہے، تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ (جعفر علی، سعید آباد)

جواب:- اس شخص کا دکاندار سے کمیشن مانگنا جائز نہیں، یہ رشوت کے حکم میں ہے، ہاں اگر تاجر کسی سے کہے کہ وہ اس کے لئے گاہک تلاش کرکے لائے اور پھر وہ گاہک تلاش کرکے اس کی دکان تک پہونچائے، تو اس پر اجرت لینے کی گنجائش ہے۔(۲)

چرم فروخت کرنے کی اجرت لینا

سوال:- {1827} میں مشیر آباد کی چرم منڈی میں ایک گودام کرایہ پر لے کر رہتا ہوں، میرا کاروباری طریقہ یہ ہے کہ اضلاع سے چرم کے بیوپاری مال لے کر حیدرآباد آتے ہیں،

---

(۱) الأشباہ و النظائر: ص:۲۸۵، نیز دیکھئے: الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲۹۲/۵۔ محشی

(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۴۰۹/۱۔ محشی۔

ان کے مال واجبی قیمت پر فروخت کر کے دیتا ہوں اور معاوضہ کے طور پر تین فیصد کمیشن لیتا ہوں ، بعض اوقات مال لانے والوں کو ایڈوانس رقم بھی دینی پڑتی ہے، اور بعض دفعہ مال ادھار فروخت ہو جاتا ہے، تاہم تاجرین کو کمیشن کاٹ کر نقد رقم دے دی جاتی ہے، کیا اس قسم کی تجارت درست ہے؟ اگر درست نہیں ہے تو درست صورت کیا ہوگی؟ (محمد اختر علی، مشیر آباد)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ آپ اضلاع سے آنے والے مال کو فروخت کریں اور آپ ان سے اس کی اجرت لے لیں، اجرت تو متعین رقم ہونی چاہئے ،لیکن اگر تین فیصد رقم متعین ہونے میں کوئی نزاع پیدا ہوتا نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے، البتہ ایڈوانس رقم دینے یا ادھار فروخت کئے ہوئے مال کی قبل از وصولی قیمت ادا کر دینے کے عوض کے طور پر یہ کمیشن لیا جائے ، تو جائز نہیں، بلکہ یہ سود ہوگا ، اس لئے ایڈوانس جو رقم دی جائے وہ بطور قرض دینی چاہئے ، اسی طرح وصولی سے پہلے جو قیمت ادا کی جائے وہ بطور قرض دینی چاہئے ، اور اس سے معاہدہ کر لینا چاہئے کہ جب تمہاری رقم میرے ہاتھ میں آئے گی تو میں اس سے اپنا قرض وصول کرلوں گا۔

اگر وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرے؟

سوال:- {1828} اگر کوئی خریدار مقررہ وقت پر قیمت ادا نہ کرے تو ایسے شخص سے رقم وصول کرنے کی ہندوستان میں کیا صورت ہوگی؟ (اسحاق انور، ریڈ ہلز)

جواب:- اگر کوئی سامان ادھار فروخت کیا جائے ، تو قیمت کی وصولی کو یقینی بنانے کے لئے دو شکلیں اختیار کی جاسکتی ہیں: ایک یہ کہ کسی قابل اعتماد شخص کی ضمانت حاصل کی جائے ، جو اس کی طرف سے قیمت ادا کرنے کا کفیل بن جائے ، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، جس کو فقہ کی

اصطلاح میں ''کفالہ'' اور ''حوالہ'' کہتے ہیں، اور کتابوں میں تفصیل سے اس کا ذکر موجود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فروخت کرتے وقت کوئی شئ بطور رہن رکھوالی جائے اور خریدار خود فروخت کنندہ کو یا کسی تیسرے شخص کو اپنا وکیل نامزد کردے کہ مقررہ تاریخ پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں وہ اس سامان کو فروخت کر کے قیمت ادا کردے، ایسی صورت میں اس سامان کو فروخت کر کے قیمت وصول کی جاسکتی ہے، البتہ تاخیر کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کردینا یا اس پر کوئی مالی جرمانہ عائد کردینا جائز نہیں، بلکہ یہ سود میں داخل ہے۔(۱)

قیمت کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ

سوال:- {1829} مال سپلائی کرنے کے بعد گاہک اس کی قیمت ادا کرنے میں تاخیر کرے تو خریدار پر جرمانہ عائد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (محمد عبدالمجید، اکبر باغ)

جواب:- قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ اپنی مجموعی نوعیت کے اعتبار سے سود کی شکل ہوجائے گی، اور ویسے بھی اکثر فقہاء کے نزدیک مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں۔(۲)

ادھار سودے کی قیمت نقد ادا کرنے پر قیمت میں کمی

سوال:- {1830} کسی ادھار سامان کی قیمت مقررہ

---

(۱) " و كان ربوا الجاهلية في الديون أن يكون للرجل على الرجل الدين فإذا حل قال له أتقضى أم ترى فإن قضاه أخذه و إلا زاده في الحق و زاده في الأجل " (المدونة الكبرى: ۱۸/۵) محشی۔

(۲) " قوله لا بأخذ مال في المذهب ... و عن أبي يوسف" يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال و عند هما و باقي الأئمة لا يجوز " (رد المحتار: ۱۰۶/۲) محشی۔

وقت سے پہلے ادا کی جائے اور قبل از وقت ادا کرنے کی وجہ
سے قیمت کم کرائی جائے تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟
(محمد عبدالمجید، اکبر باغ)

جواب:- فقہ کی اصطلاح میں اس صورت کو "ضع وتعجل" کہا جاتا ہے، اگر خریدار نے یہ شرط لگائی ہو کہ آپ قیمت کم کردیں تو میں قبل از وقت پیسے ادا کردوں گا، یا فروخت کرنے والے ہی نے یہ بات کہی کہ آپ ابھی ادا کرد یں تو ہم قیمت میں تخفیف کیے دیتے ہیں، تو یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ اس میں قیمت کی جلد ادائیگی کو پیسے کم کرنے کے لئے شرط کا درجہ دیا گیا ہے، گویا جو قیمت کم کی گئی ہے وہ مدت کا عوض ہے؛ اس لئے اہل علم کے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے۔(۱) ہاں اگر اس کو شرط کا درجہ نہ دیا جائے، مثلاً: خریدار پہلے قیمت ادا کرنے کی پیشکش کرے اور فروخت کرنے والا بطور خود قیمت میں کمی کردے تو یہ صورت جائز ہے، یہ فروخت کرنے والے کی طرف سے قیمت میں رضا کارانہ کمی سمجھی جائے گی اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

اگر بیچنے والے بازار کے نرخ سے زیادہ بتائیں؟

سوال:-{1831} جائداد فروخت کرنے والے نے بوقتِ فروخت بازاری قیمت سے زیادہ قیمت بتلا کر معاہدہ کرلیا، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ فروخت کنندہ نے غلط بیانی کر کے زائد قیمت بتلائی ہے، تو ایسی صورت میں معاہدہ کو کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے؟
(محمد عبدالمجید، اکبر باغ)

جواب:- اگر فروخت کرنے والے نے بیچتے وقت صراحتاً یہ بات کہی کہ مارکٹ میں

---

(۱) "و لا یصح الصلح عن ألف مؤجل علی نصفه حالا : لأنه اعتیاض عن المؤجل و هو حرام" (رد المحتار :۴/۵۳۴)محشی۔

اس وقت اس جائداد کی یہ قیمت چل رہی ہے اور صورت حال یہ ہو کہ مارکٹ میں زیادہ سے زیادہ اس جائداد کی جو قیمت پائی جاتی ہو، یہ اس سے بھی زیادہ ہو، تو خریدار کو اس معاہدہ کے ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ بیچنے والے کی طرف سے دھوکہ دہی پائی گئی، اسی طرح اگر اس نے کہا کہ اس جائداد کی اس سے کم قیمت نہیں ہوسکتی، حالانکہ یہ بات غلط تھی، تو یہ بھی فروخت کرنے والے کی طرف سے دھوکہ دینے کی صورت ہے، لہذا اس صورت میں بھی اسے جائداد کے واپس کرنے کا حق ہوگا، اگر بیچنے والے نے مارکٹ قیمت کا کوئی ذکر نہیں کیا اور اپنے طور پر ایک قیمت متعین کر کے بتائی، تو چاہے وہ قیمت مارکٹ ویلو سے زیادہ ہو، خریدار یک طرفہ طور پر اس معاملہ کو ختم نہیں کرسکتا ہے۔

قرض فراہم کرنے والی کریڈٹ سوسائٹی

سوال:- {1832} ایک کریڈٹ سوسائٹی ہے جو چھوٹے چھوٹے تاجروں کو قرض فراہم کرتی ہے اور قرض اقساط میں آسانی سے وصولی کرتی ہے، اگر یہ قرض پر بغیر شرط کے زائد رقم لیتی ہو تو کیا یہ جائز ہے؟ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض قرض داروں کی موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ قرض ادا کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں، لہذا سوسائٹی کو نفع و نقصان دونوں کا اندیشہ رہتا ہے، سوسائٹی کا مقصد فائدہ کمانا نہیں، بلکہ کم آمدنی والے کاروباری حضرات کو نفع پہنچانا ہے، اگر کچھ رقم بچ جاتی ہے، تو تعلیم اور غریبوں کی شادی وغیرہ پر خرچ کر دیا جاتا ہے، ایسی سوسائٹی کا کیا حکم ہے؟ (حمید اللہ، حمایت نگر)

جواب:- کسی بات کے جائز ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، ایک یہ کہ اس کام

کا مقصد بہتر ہو، دوسرا یہ کہ اس کے لئے بہتر طریقۂ کار اختیار کیا جائے، اس سوسائٹی کا مقصد یقیناً بہتر ہے لیکن طریقۂ کار کو بھی سود اور شبہ سود سے پاک ہونا چاہئے، اگر سوسائٹی کی طرف سے زائد رقم کی متعینہ مقدار مشروط نہ ہو، لیکن مطلقاً زائد مقدار کی شرط رکھی گئی ہو، یا لوگوں میں یہ معروف ہو کہ اگر زائد ادا نہ کی جائے تو آئندہ یہ سوسائٹی قرض نہیں دے گی، تو ایسی صورت میں یہ بھی شرط ہی کے درجہ میں ہے، فقہاء کا اصول ہے کہ "المعروف عرفا کالمشروط شرعا" (۱) "جو چیز عرف ورواج کا درجہ حاصل کر لے، وہ بھی شرط ہی کے درجہ میں ہے، لہذا ایسی صورت میں بھی سوسائٹی کا طریقۂ کار نا جائز ہوگا، ہاں اگر سوسائٹی کی جانب سے صراحت کر دی جائے کہ مقروض حضرات سے زائد رقم کا کوئی مطالبہ نہیں ہے، ہاں اگر کوئی بطور خود اس کار خیر کے لئے تعاون کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، تو یہ صورت جائز ہوگی۔

منافع کی مقدار

سوال:- {1833} اسلام میں تجارتی اشیاء پر منافع کی مقدار اور حد کیا ہے؟ (قاری، ایم ایس خاں، اکبر باغ)

جواب:- شریعت میں نفع کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے اور اس کو فطری اتار چڑھاؤ پر رکھا گیا ہے، البتہ رسول اللہ ﷺ نے تجارت کے مختلف احکام میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ طلب اور رسد میں توازن قائم رہے، تاکہ قیمت میں بھی توازن برقرار رہے، البتہ کسی سامان پر اتنا زیادہ نفع لینا جو غبن فاحش کے دائرہ میں آتا ہو، کراہت سے خالی نہیں، "غبن فاحش" سے اتنا نفع مراد ہے کہ جو سامان کی قیمت مقرر کرنے والوں کے دائرۂ تخمین سے بھی زیادہ ہو، یعنی ایک سامان بازار میں دس سے پندرہ روپیہ میں ملتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کی قیمت پندرہ روپیہ سے بھی زیادہ وصول کر لے، تو یہ صورت غبن فاحش کی ہے اور اس کو فقہاء نے ناپسند قرار دیا ہے۔ (۲)

(۱) القواعد الفقهية لابن قيم، ص: ۳۶۲۔ محشی۔
(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲۷۲/۷۔ محشی۔

بٹ اور بوٹی (اوجھ) کی خرید و فروخت

سوال:- {1834} ایک مقامی اخبار میں " بٹ اور بوٹی " کو حرام بتایا گیا ہے، جب کہ ہم اور ہمارے باپ دادا، بٹ بوٹی فروخت کرتے آئے ہیں اور ہم بھی کر رہے ہیں، اگر واقعی شرعی حکم ایسا ہی ہو تو انشاء اللہ بندہ آئندہ تاحیات بٹ بوٹی فروخت کرنا بند کر دے گا؟

(محمد ظہیر الدین قریشی، یاقوت پورہ)

جواب:- جس جانور کو شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو تو اس کے سات اعضاء کا کھانا حرام ہے، اسی طرح رگوں کا بہتا ہوا خون ناپاک ہے(۱) اس بناء پر اس کی خرید و فروخت درست نہیں، بٹ اور بوٹی نہ ناپاک ہے اور نہ حرام، اس لئے اس کی خرید و فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، آپ کا یہ عزم کہ اگر ان اعضاء کی خرید و فروخت حرام ہوگی تو ہم ہمیشہ کے لئے اس سے رک جائیں گے، نہایت ہی قابل تحسین بات ہے، ایک مسلمان تاجر کا یہی عزم ہونا چاہئے کہ ظاہری نفع و نقصان کا خیال کئے بغیر جو چیز حرام اور ناجائز ہو، اس سے اپنے آپ کو بچائے۔

تاخیر کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا

سوال:- {1835} ایک مسلمان گاہک نے ایک مسلمان تاجر سے ماہ جنوری میں مبلغ دو ہزار روپیہ کا سامان

---

(۱) " و أما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان سبعة : الدم المسفوح ، و الذكر ، و الانثيان ، و القبل ، و الغدة ، و المثانة ، و المرارة ۔ كذا في البدائع " (الفتاوى الهندية : ۵/۲۹۰، الباب الثالث في المتفرقات ، كتاب الذبائح) مرتب۔

ادھار خریدا، اور ماہ مارچ میں اس کی رقم ادا کی، جب ماہ مارچ میں قیمت ادا کرنے گیا تو دوکاندار نے ماہ مارچ کے مارکٹ نرخ سے قیمت وصول کی،، جو دو ہزار سے زیادہ ہے، دوکاندار کا استدلال ہے کہ دو ماہ تک میرے دو ہزار روپے رکے رہے، اگر یہی رقم بینک میں جمع رہتی، تو مجھے اتنا اور اتنا سود ملتا، دوکاندار کا اس طریقہ پر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(قاری ایم، ایس خاں، اکبر باغ)

جواب:- جب جنوری میں دو ہزار روپیہ قیمت طے پا چکی ہے، تو اب تاخیر کی وجہ سے مارچ میں زیادہ قیمت وصول کرنا جائز نہیں، یہ سود ہے، (۱) اگر یہ دو ہزار روپے دکاندار کے گھر میں رہتے تو کیا خود بہ خود ان روپوں میں اضافہ ہو جاتا؟ ظاہر ہے کہ روپیہ میں خود روپیہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اور اگر وہ اس رقم کو تجارت میں ہی استعمال کرتا جب بھی کیا اس پر فائدہ کا حاصل ہونا یقینی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اس لئے دکاندار کا زیادہ پیسوں کا مطالبہ کرنا نہ شرعاً درست ہے اور نہ عقلاً صحیح ہے، یہ کھلا ہوا سود ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے، ہاں اگر کوئی شخص شروع ہی میں طے کردے کہ میں دو مہینے کے بعد قیمت لوں گا اور قیمت ڈھائی ہزار ہوگی، حالانکہ جس وقت سامان فروخت کیا گیا اس وقت بازار کے نرخ کے اعتبار سے قیمت دو ہزار ہی ہونی چاہئے تھی، تو یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ ہر شخص کو اپنے سامان کے بارے میں اختیار ہے کہ وہ جو قیمت اس کی مناسب سمجھے متعین کردے، اور یہ بھی درست ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق رکھا جائے، اس لئے اگر ادھار معاملہ میں زیادہ پیسے لینے ہی ہیں تو اس کی جائز صوت یہ ہے کہ شروع ہی میں اس کا لحاظ کرتے ہوئے قیمت طے کردے۔

---

(۱) " و کان ربوا الجاهلية في الديون أن يكون للرجل على الرجل الدين فإذا حل قال له أتقضي أم تربي فإن قضاه أخذه و إلا زاده في الحق و زاده في الأجل " (المدونة الكبرى: ۵/۱۸) محشی۔

زیادہ قیمت اور اقساط کی سہولت

سوال:- {1836} آٹو کے ٹائر اقساط پر زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کیے جاتے ہیں ،مثلاً ۵۷۵ روپے کے بجائے ۶۷۵ روپے لیتے ہیں،تو کمائی کی یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟ (محمد علی، قاضی پورہ)

جواب:- نقد ادا کرنے کے مقابلہ ادھار اور اقساط کی سہولت کی صورت میں زیادہ قیمت رکھی جائے تو یہ جائز ہے، اور فقہاء اہل سنت نے اس کی اجازت دی ہے،(۱) البتہ یہ ضروری ہے کہ ایک ہی قیمت طے ہو، مثلاً یوں کہا جائے کہ پانچ اقساط کی سہولت دی جائے گی اور ۶۷۵ روپے ادا کرنے ہوں گے اگر اس طرح معاملہ ہو کہ وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں مثلاً ایک ماہ میں پچاس روپے زیادہ کردیے جائیں گے تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ سود میں داخل ہے۔

انٹرنیٹ بزنس

سوال:- {1837} کچھ لوگوں نے ایک اسکیم شروع کی ہے، جس کے ذریعہ ایک عدد کمپیوٹر جس کی قیمت ۴۷۰۰۰ ہے، اسی طرح ماروتی کار، ہیرو ہونڈا، چیتک وغیرہ کو حاصل کرنے کے لیے پانچ ہزار روپے (۵۰۰۰) دے کر اس اسکیم کا ممبر بن جانا ہے، کمپنی والے اس شخص کو چار عدد فارمس دیں گے، اب وہ شخص ان چار فارمس لے کر چار افراد کو ممبر بنائے گا اور وہ اس انداز میں کہ ہر شخص سے ۵۰۰۰ روپے وصول کرے گا، تو پہلے والے شخص کو ۲۰۰۰ روپے ملیں گے، وہ ان میں سے

(۱) نیل الاوطار: ۳/۷۳-۱۷۲۔

۸۰۰ فی کس کے حساب سے ۳۲۰۰ روپے کمپنی کو ادا کرے گا،
۱۲۵۰ فی کس کے حساب سے ۵۰۰۰ روپے خود رکھے گا اور
۲۹۵۰ فی کس کے حساب سے ۱۱۸۰۰ روپے کے ڈی ڈی بنا کر
کمپیوٹر کمپنی اپنے ہی پاس رکھ لے گی یا پھر اپنے قدیم ممبر کو جس
کی وجہ سے وہ ممبر بنا تھا اس کو ۱۱۸۰۰ روپے ادا کر دے گی، پھر
وہ چار ممبرس ۱۶ لوگوں کو ممبرس بنائیں گے، تو ۱۶ لوگوں کے
۵۰۰۰ کے حساب سے ۸۰۰۰۰ روپے ہونگے، یہ ۸۰۰۰۰
روپے اس طرح تقسیم ہوں گے ۸۰۰ روپے کمپنی کی فیس ہوگی
تو ۸۰۰×۱۶=۱۲۸۰۰ کمپنی کو جملہ رقم پہنچے گی ۱۲۵۰ فی کس کے
حساب سے ۱۶ ممبرس اپنے اوپر والے کو دیں گے، تو گویا ہر
ایک کو ۵۰۰۰ روپے ملیں گے اور بقیہ ۲۹۵۰×۱۶=/۴۷۲۰۰
کمپیوٹر والے کے نام پر جائیں گے، چنانچہ اس رقم پر پہلے
والے شخص کو ۴۷۲۰۰ مالیت کا کمپیوٹر حاصل ہو جائیگا، تو اس
طرح ممبر بن کر ممبر بناتے ہوئے اپنے پانچ ہزار روپے واپس
ملیں گے اور کمپیوٹر بھی ملے گا، کمپیوٹر ملتے ہی اس کمپنی سے اس
کی ممبر شپ ختم ہو جائے گی، بعض دفعہ اشیاء کے بجائے رقم ہی
حاصل ہوتی ہے، اور پانچ ہزار کا ممبر بننے پر مال ایک لاکھ
روپے سے بھی زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح ممبر بن کر کمپیوٹر یا دیگر اشیاء یا
رقم حاصل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ جب کہ ممبر بنانے کی محنت چیز
کے حاصل ہونے تک ہر ایک کی رہنمائی اور ان کو سمجھانے کی
کوشش کرتے رہنا پڑے گا۔ (محمد مشتاق حسین، مادنا پیٹ)

جواب:- شریعت میں کسی بھی مال پر نفع حاصل کرنے کے دو طریقے متعین ہیں، ایک طریقہ مال کے عوض پیسے حاصل کرنے کا ہے، جیسے تجارت اور اجارہ، تجارت میں اصل شئی کو فروخت کرکے اس کے عوض مال حاصل ہوتا ہے، اور اجارہ میں مال کے نفع کے عوض مال حاصل ہوتا ہے، جیسے مکان اور سواری کے بدلے اس کا کرایہ، دوسری صورت محنت کے عوض مال کی ہے، ملازم اور مزدور محنت کرتا ہے اور اپنی محنت کی اجرت حاصل کرتا ہے، اس کو بھی اصطلاح میں اجارہ ہی کہتے ہیں، یہ صورت کہ ہم نے کوئی چیز فروخت کی، پھر اس نے جتنوں کو فروخت کی اور ان خریدنے والوں نے آئندہ جتنے لوگوں کو بیچا سب کے پیسہ اور نفع میں اس کی شرکت ہوتی جائے، دنیوی معاملات میں شریعت کے اندر اس کی کوئی نظیر نہیں، ہاں آخرت کے اجر وثواب کے معاملہ میں اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم کا یہ نظام رکھا ہے کہ کسی شخص کی دعوت پر دوسرا آدمی نیک عمل کرے اور پھر اس دوسرے کی دعوت پر تیسرا اور تیسرے کی دعوت پر چوتھا، تو ان تمام لوگوں کے نیک اعمال کے اجر وثواب میں پہلا شخص بھی شریک ہوگا، یہی حال گناہوں کا بھی ہے، لیکن دنیوی معاملات میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

دوسرے اس نے صرف پانچ ہزار روپے دیے ہیں اور اس کے بدلہ میں اسے ۵۰۰۰ اور ایک کمپیوٹر ملا، تو پانچ ہزار کے مقابلہ میں اور اس پر مستزاد کمپیوٹر یا کوئی سامان یا مزید پیسے، تو گویا ایک ہی جنس کے تبادلہ میں ایک طرف سے زیادہ ہے اور دوسری طرف سے کم اور یہ سود ہے، پھر جس وقت وہ پانچ ہزار روپے ادا کر رہا ہے نہیں معلوم کہ وہ دوسرے ممبرس بنا سکے گا یا نہیں اور بنا سکے گا تو کس قدر اور اس کے نتیجے میں اس کو کیا حاصل ہوگا، ہوسکتا ہے کہ یہ پانچ ہزار بھی چلے جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بہت زیادہ کچھ آجائے، اسی کیفیت کو اصطلاح میں قمار اور جوا کہتے ہیں، تو گویا اس میں جوے کی کیفیت بھی ہے، لہذا انٹرنیٹ بزنس کی یہ صورت جائز نہیں۔

ایکسپورٹ امپورٹ

سوال:- (1838) موجودہ ترقی یافتہ زمانہ میں اقتصادی

سرگرمیوں اور تجارتی معاملات کا دائرہ بے حد وسیع ہو گیا ہے، تجارت کی ایسی پیچیدہ اور نت نئی شکلیں سامنے آ رہی ہیں جو پہلے زمانہ میں متعارف نہیں تھیں، ان کا شرعی حکم متعین کرنا ارباب فقہ وفتاوی کی مسئولیت اور ذمہ داری ہے، کیوں کہ یہ معاشرہ اور زندگی کی لازمی ضرورت بن چکی ہیں جن سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے، اب ایک مسلمان یا تو حرام و حلال کی پرواہ کئے بغیر ان تجارتی شکلوں کو اختیار کرتا ہے یا شرعی الجھنوں میں پڑ کر تجارت چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں اصولی طور پر نقصان دہ ہیں۔

اس اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ذمہ داران ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند نے یہ فیصلہ کیا کہ "جدید مسائل تجارت" کو بحث وتحقیق کا عنوان بنا کر شرعی حکم دریافت کیا جائے اور تنقیح اور توضیح کر کے متفقہ حکم پیش کیا جائے، اس لئے آئندہ تیسرے فقہی اجتماع کا موضوع بحث ان مسائل کو رکھا گیا ہے اور اس سلسلہ میں علمی مواد کے مطالعہ کے ساتھ تجربہ کار صنعت کاروں اور تاجروں سے تبادلۂ خیالات کر کے چند نکات بحث کا تعین کیا گیا ہے جن کے حل ہونے سے کافی حد تک مسئلہ منقح ہو سکتا ہے۔

ملکی معیشت کی کامیابی، اقتصادی ترقی اور مالی استحکام کا سب سے اہم ذریعہ ایکسپورٹ، امپورٹ (مال تجارت کی درآمد برآمد) ہے جو ملک جتنی زیادہ مصنوعات عالمی منڈی میں پہونچاتا ہے ترقی پذیر شمار ہوتا ہے، ایکسپورٹ اور امپورٹ

کمپنی کا قانونا رجسٹرڈ کرانا اور حکومت سے منظوری حاصل کرنا ضروری ہے اور کمپنی رجسٹرڈ کرانے کے لئے ایک متعینہ رقم کا کسی بینک میں فکس ڈپازٹ کرانا لازمی اور منظوری حاصل کرانے کے لئے افسران کو رشوت دینا ناگزیر ہے اسی طرح ابتدائی مراحل میں مال کی تیاری اور ترسیل ثمن وبیع کے لئے بینک کا تعاون اور شرح سود پر قرض لینا ضروری ہے، اس کے بغیر تجارت کو باقی اور متحرک رکھنا مشکل ہے گرچہ تاجروں کے تبادلۂ خیالات میں یہ بات سامنے آئی کہ اگر کسی کے پاس وافر مقدار میں سرمایہ موجود ہو اور وہ حوصلہ مندی کے ساتھ تجارت کرے تو بینک کی سودی گرفت سے بچنا ناممکن نہیں ہے، اس وقت ملک کی بہت سی قومی کمپنیاں اپنے آپ کو بینکوں کے چنگل سے نکال چکی ہیں اور ابتدائی مراحل میں ہر ایک کے لئے بینک کا تعاون حاصل کرنا لازمی ہے، یہ واضح رہے کہ دور حاضر کے بہت سے معاملات سود سے پاک وصاف قرار دئے جاتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں سود ان کا جزء لازم ہے، اس تمہید کے ساتھ اس سلسلہ کے بنیادی سوالات پیش خدمت ہیں، جن پر بحث کی ضرورت ہے، تاکہ ان کا شرعی حکم واضح ہو کر عام لوگوں کی رہنمائی کا سبب بن سکے۔(**وفقنا الله وایاکم الصراط المستقیم**)

۱) ایکسپورٹ وامپورٹ کمپنی کو رجسٹرڈ کرانا قانونا ضروری ہے اور اس کے لئے ایک متعینہ رقم کا فکس ڈپازٹ کرانا لازم ہے تو کیا اس کے لئے بینک میں فکسڈ ڈپازٹ

کھاتا کھلوانا شرعاً درست ہوگا؟

۲) کمپنی اور فرم کو منظور کرانے کے لئے افسران کو رشوت دینا ناگزیر ہوتا ہے، تو کیا اس کام کے لئے رشوت دینا درست قرار دیا جاسکتا ہے۔

۳) ایکسپورٹ کے لئے بیرون ملک مال کے کچھ نمونے بھیجے جاتے ہیں جن میں سے خریدار منتخب کر کے آرڈر بھیجتا ہے، واضح رہے کہ ایکسپورٹر کے پاس ان نمونوں کے علاوہ مال عموماً کسی درجہ میں تیار نہیں رہتا ہے، بلکہ آرڈر کے مطابق مال تیار کر کے مشتری کے پاس روانہ کرتا ہے اور مشتری آرڈر کے ساتھ کوئی پیشگی ثمن ارسال نہیں کرتا ہے اس صورت میں:

(الف) کیا بیع وشراء کی یہ صورت درست ہے؟ حالانکہ اس میں مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہیں۔

(ب) کیا آرڈر بھیجتے ہی بیع کا انعقاد ہوجاتا ہے؟ کہ اس کے بعد تراضی طرفین کے بغیر بیع توڑنے کی اجازت نہیں، یا یہ آرڈر صرف وعدۂ بیع کی حیثیت رکھتا ہے، اور بیع کا انعقاد بائع کی طرف سے مبیع کی ترسیل اور مشتری کی طرف سے اس کی وصولی کے بعد ہوتا ہے؟

(ج) کیا یہ ''بیع استصناع'' کی صورت ہوسکتی ہے؟

۴) مشتری کی طرف سے بینک میں ایک متعینہ مدت مثلاً: ایک ماہ دوماہ کے لئے ایل سی یعنی لیٹر آف کریڈٹ

(اعتماد کی رسید) کھلوائی جاتی ہے، جو بینک کی طرف سے ثمن کی وصولیابی میں سہولت پیدا کرنے کی ایک صورت ہے، چوں کہ ترسیل مبیع کے بعد ثمن آنے میں کافی تاخیر ہوتی ہے، اس لئے ایکسپورٹر (بائع) کاروبار چلانے کے لئے ارسال کردہ مال کے کاغذات اس بینک میں رہن رکھ کر بقدر ضرورت رقم حاصل کرتا ہے، جو ثمن کی رقم کا ۷۵ رفیصد زیادہ سے زیادہ ہوسکتا ہے، بینک ایل سی کی مدت کے اعتبار سے شرح سود کاٹ لیتا ہے، اگر اس طرح تاجر نہ کرے تو کاروبار کا جاری رکھنا بظاہر مشکل ہو جاتا ہے تو ایسی مجبوری میں:

(الف) بینک کی طرف سے وضع کردہ رقم پر سود کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟

(ب) کیا مال مرسلہ کے کاغذات کو چیک کا درجہ دے کر وضع کردہ رقم کو بینک کا اجرۃ العمل قرار دیا جاسکتا ہے؟

۵) جن تاجروں کے لئے مشتری ایل سی نہیں کھولتا ان کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ مال کی ترسیل کے بعد اپنے کاغذات بینک میں رکھ کر پی سی یعنی پیکنگ کریڈٹ (تیاری کی امداد) کے بطور قرض حاصل کرلیں، مگر اس حاصل شدہ رقم میں مختلف مدتوں کے اعتبار سے مختلف شرح سود بینک کو دینی پڑتی ہے، عموماً متوسط طبقہ کے تاجروں کو حکومت کی اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے کہ تجارت کو جاری رکھنے کے لئے نہ تو اتنا بڑا قرضہ شخصی طور پر مل پاتا ہے اور نہ ہی ایسی مسلم تنظیمیں ہیں جو تاجروں کو ایسا قرضہ

فراہم کرسکیں، تو

(الف) کیا بینک سے اس طرح کی سہولت حاصل کرنا اور سود دینا درست ہوگا؟

(ب) بینک سود کے نام سے جو رقم کاٹتا ہے کیا حقیقۃً سود ہے؟ یا اس کو اجرۃ العمل قرار دیا جاسکتا ہے؟

۶) ایکسپورٹر (بائع) کو کبھی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ وہ اپنے ارسال کردہ مال کے کاغذات کو کلیۃً بینک کے بدست فروخت کردیتا ہے، یعنی براہ راست مشتری سے ثمن حاصل کرنے کا اپنا حق بینک کو دے دیتا ہے اور بینک سے بیع و شراء کا یہ معاملہ کاغذات میں لکھی ہوئی مال کی قیمت سے کم میں ہوتا ہے، مثلاً: پچاس ہزار روپے مال ارسال کیا ہے تو ۴۸ ر ہزار روپے میں اس کے کاغذات کو بینک سے بیچ دیا جاتا ہے، تو کیا یہ درست ہے؟ اگر درست ہے تو یہ کاغذات کی بیع ہے؟ یا اس مال کی جو مشتری کے پاس ارسال کی گئی ہے، پہلی صورت میں یہ کاغذات بذات خود مقصود بالبیع ہیں؟ یا چیک کے حکم میں ہیں؟ دوسری صورت میں ثمن سے کم کی گئی رقم کا کیا حکم ہے؟ کیا سود تو نہیں، اگر ہے تو کیوں کر؟ نیز بینک سے ثمن حاصل کرنا کس حیثیت سے ہے؟ وکالت یا کفالت کے طور پر؟

۷) اسپورٹ شدہ اشیاء کی ایکسپورٹ میں یعنی بیرون ملک سے درآمد شدہ خام اشیاء کو تیار کرکے برآمد کرنے کے لئے حکومت ایکسپورٹر کو کچھ رقم ڈرابیک (نقصان کی تلافی) کے نام سے واپس لوٹاتی ہے، ضابطہ کے مطابق روپے بُھنانے

کے لئے کافی وقت لگتا ہے، اس لئے اسے بھی بسا اوقات اصل رقم سے کم میں بھنانا پڑتا ہے تو کیا اس طرح اسے بھنانا درست ہوگا؟ کیا یہ میعادی چیک کے درجہ میں ہے؟

۸) بیع کی قیمت فارن کرنسی (ڈالروں) میں طے کی جاتی ہے، جن کی قیمت ملکی سکے کی بہ نسبت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، تو ادائیگی ثمن کی تاخیر کے وقت روپے کی جو زیادتی یا کمی قانونِ حکومت کے مطابق بائع کے ذمہ میں آتی ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ زیادتی کس کا حق ہے اور کمی کس کے ذمہ؟ یا ڈالروں کی تعداد کا اعتبار ہوگا؟ (حضرت مولانا سید اسعد مدنی، ادارۃ المباحث الفقہیہ، جمعیۃ العلماء ہند)

جواب:- شریعت کے کچھ احکام وہ ہیں، جو اصولی حیثیت رکھتے ہیں اور مستقل احکام کے درجہ میں ہیں، فقہ کی اصطلاح میں وہ ''عزیمت'' کہلاتے ہیں، وہ مستقل اور اصل ہیں، وہ دین کے اصل مزاج و مذاق کے مظہر ہیں، اور شریعت کے حقیقی مقاصد اور مصالح کا تحفظ کرتے ہیں، ان کے مقابلہ میں جو احکام ''رخصت'' کہلاتے ہیں، اور مشکل حالات میں یُسر و تخفیف کے نقطۂ نظر سے دیے جاتے ہیں، ان کی حیثیت عبوری احکام کی ہوتی ہے، جوں ہی یہ دقت دور ہوگی اور مشکلات ختم ہوں گی، اصل احکام لوٹ آئیں گے، یہ عبوری احکام دو طرح کے ہو سکتے ہیں: ایک تو وہ ہیں جو دار الاسلام میں رہتے ہوئے پیش آتے ہیں، اُن کے لئے کسی خاص علاقے اور مقام کی قید نہیں، اصول فقہ کی اصطلاح میں ان کو ''عوارض'' کہا جاتا ہے، کچھ عوارض تو فطری ہوتے ہیں، جیسے بیماری، دماغی عدم توازن، نابالغی وغیرہ، ----- کچھ وہ ہوتے ہیں جس میں فعل انسانی کو دخل ہوتا ہے، جیسے نشہ، اکراہ، اصول فقہ کی کتابوں میں ان کے متعلق وافی اور شافی تفصیلات موجود ہیں کہ ان اعذار اور مجبوریوں کا کیا اثر پڑے گا؟ اور کس درجہ کے اعذار سے

شریعت کے احکام میں کس درجہ کی سہولت پیدا ہوگی؟

لیکن ضروری ہے کہ عبوری احکام میں ایک مستقل حیثیت اس بات کی مانی جائے کہ جب مسلمان دارالکفر میں ہوں، اسلامی حکومت موجود نہ ہو، ملک کی معیشت، سیاست، اور قانون پر نظام کفر کا کنٹرول ہو، مسلمان اس موقف میں نہ ہوں کہ وہ اپنے منشأ ومزاج اور فکر وعقیدہ کے مطابق اپنے لئے کوئی نظام بنا سکیں، تو وہاں بھی احتیاط کے ساتھ شریعت کی تعلیمات اور اس کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے بعض صورتوں میں مستقل حکم شرعی کی جگہ عبوری احکام کو گوارا کیا جائے، پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں مکی اور مدنی زندگی میں خود احکام شرعیہ کے اعتبار سے جو فرق پایا جاتا ہے، وہ محتاج اظہار نہیں، کتنی ہی باتیں جو مدینہ کی زندگی میں حرام پائیں، وہ مکہ کی زندگی میں حلال تھیں، اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ آج بھی دیار کفر میں وہ تمام چیزیں حلال ہوں، جو مکہ میں حلال تھیں، اس طرح کی بات کہنا انتہائی درجہ کی مکروہ بات ہوگی، کیوں کہ مکہ میں اس وقت تک شریعت کی تکمیل نہیں ہوئی تھی، اور اب شریعت مکمل ہو چکی ہے، جس نے کسی کمی بیشی اور نسخ وتبدیل کے لئے گنجائش باقی نہیں رکھی، لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دیار کفر میں زندگی بسر کرنے والے بعض دفعہ ایسے حالات سے دوچار ہوتے ہیں، جن میں وہ لوگ مبتلا نہیں ہوتے جو اسلامی مملکت میں اور خالص اسلامی ماحول میں زندگی بسر کرتے ہوں، خود فقہاء کے یہاں بھی اس کی بعض مثالیں موجود ہیں، دار الحرب میں رہنے والوں کے لئے بعض احکام شرعیہ کی ناواقفیت کو عذر تسلیم کیا گیا ہے، حالانکہ دار الاسلام میں رہتے ہوئے اگر کوئی شخص اس سے ناواقفیت کا دعوی کرے، تو اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا، علامہ ابن نجیم مصریؒ کہتے ہیں:

"والثالث الجهل فی دار الحرب من مسلم لم يهاجر وانه يكون عذرًا" (۱)

---

(۱) الأشباه والنظائر: ص:۱۲۸، الفن الثالث۔

اختلاف دار سے بعض اور احکام بھی فقہاء نے متعلق کئے ہیں، جو اہل علم کے لئے محتاج اظہار نہیں۔

نصوص میں گو صراحت اور قطعیت کے ساتھ دار الکفر میں رخصت و سہولت کے حدود متعین نہیں کئے گئے ہیں، لیکن ایسے اصولی اشارے کئے گئے ہیں، جن سے اس سلسلہ میں روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، اور ایسا کیا جانا ضروری بھی تھا کہ مختلف ملکوں، علاقوں اور وہاں کے ماحول کے اعتبار سے کسی ایک حکم کی تعیین ممکن نہ تھی، اور اگر ایسا کیا جاتا تو مختلف ملکوں، علاقوں اور معاشروں میں یکساں عمل آوری ممکن نہیں تھی، شریعت کی وہ نصوص جو اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں، اس طرح ہیں:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾(۱)

﴿ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾(۲)

"أحب الدين إلى الله تعالى الحنيفية السمحة"(۳)

" لا ضرر و لا ضرار " (۴)

قرآن و حدیث کی ان نصوص کو سامنے رکھ کر فقہاء نے کچھ فقہی قواعد مقرر کئے ہیں، ان قواعد کے ذریعہ ایک طرف احکام شریعت میں یسر و سہولت کے اصول بتائے گئے ہیں، اور دوسری طرف اس کی ایسی تحدید کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اباحیت کا دروازہ نہ کھل جائے اور ضرورت کے نام پر ہرنا کردنی کے لئے اہل ہوس سندِ جواز نہ بنالیں، یہ قواعد اس طرح ہیں:

" المشقة تجلب التيسير " (۵)

---

(۱) البقرة :۱۸۵۔ محشی۔

(۲) الحج :۷۸۔ محشی۔

(۳) صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۳۹،باب : الدين يسر ۔ محشی۔

(۴) سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۲۳۴۰،باب من بنى في ما يضر بجاره ۔ محشی۔

(۵) الأشباه والنظائر :۱/ ۲۴۵۔ محشی۔

"الضرر یزال" (۱)

"من ابتلی ببلیتین یختار أهونهما" (۲)

"الضرورات تبیح المحظورات" (۳)

"ما أبیح للضرورة یتقدر بقدرها" (۴)

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں زمام اقتداء ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے اور خصوصیت سے معاشی نظام کی تشکیل اور قانون سازی میں اقلیت یا اکثریت کے مذہبی اصول کی رعایت کئے جانے کی کوئی ضمانت دستور میں نہیں دی گئی ہے، ضروری ہوگا کہ احکام پر غور کرتے ہوئے ہم شارع کی ان ہدایات اور فقہاء کے ان اصول واجتہادات کو سامنے رکھیں اور معاملہ کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں، اس پہلو کو بھی کہ حرج اور مشقت سے بچانا شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، اور اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ شارع کی صریح محرمات کے دروازہ پر بہرحال دستک دینے سے بچا جائے۔

اس تمہید کے بعد اب اصل سوالنامہ پر بحث کی جاتی ہے۔

۱)...... ایکسپورٹ اور امپورٹ تجارت گو انفرادی اعتبار سے ضرورت کا درجہ نہیں رکھتی جس کی وجہ سے ناجائز چیزوں کی اجازت دی جائے، لیکن مسلمانان ہند کے لئے اجتماعی اعتبار سے یہ ضرورت حاجت کا درجہ رکھتی ہے، اور فقہاء کے یہاں قریب قریب مسلمات میں سے ہے کہ

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة" (۵)

---

(۱) الأشباه والنظائر : ص:۲۷۴

(۲) حوالہ سابق : ص:۲۸۹

(۳) حوالہ سابق : ص:۲۷۵

(۴) حوالہ سابق : ص:۲۷۶

(۵) شرح القواعد الفقهية لشيخ أحمد بن محمد الزرقا ۔ق:۳۱، ص:۲۵۹، شرح مجلہ (اردو) اسلام آباد، پاکستان: ص:۹۹۔

اس قاعدہ کے تحت فقہاء نے کتنی ہی چیزوں کو خلاف قیاس، جائز ومباح قرار دیا ہے، وہ اہل علم سے مخفی نہیں، صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے قریب قریب بند ہیں، آزادی کے وقت بہت مسلمان زمیندار تھے، لیکن خاص منصوبہ کے تحت ان کو اراضی سے محروم کیا گیا، تجارت میں بھی مسلمانوں کا تناسب بہت معمولی ہے، بعض چھوٹی صنعتیں جو مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں، ان کی شاہ کلید بھی غیر مسلموں کے قبضہ میں ہے، صنعتوں میں ہم اور بھی زیادہ پسماندہ ہیں، ان حالات میں تجارت اور صنعت کے بعض محدود مواقع کو بھی مسلمانوں پر بند کر دیا جائے تو ان کی معاشی پسماندگی اور بڑھتی چلی جائے گی، اور فی زمانہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی قوم کا معاشی طور پر اچھوت بن جانے سے نہ صرف دنیوی بلکہ اخلاقی اور تہذیبی اعتبار سے بھی اس میں پستی اور دنائت پیدا ہو جاتی ہے، ہمیں واقعات کو ملحوظ رکھنا ہوگا، اور بے دینی کے ان حالات کو قرونِ خیر پر قیاس کرنا واقعات سے انکار اور توقعات و امکانات پر اعتماد نہ کرنے کے مترادف ہوگا، لہذا جب یہ تجارت ایک اجتماعی حاجت کا درجہ رکھتی ہے اور حکومت اس کے لئے فکس ڈپازٹ کو لازم قرار دیتی ہے تو فکس ڈپازٹ مذکورہ صورت میں ایک آئینی حاجت کے درجہ میں جائز ہوگا، البتہ اصل جمع شدہ رقم حلال وطیب ہوگی، اور زائد رقم فقراء کے درمیان واجب التصدق۔

۲)...... رشوت دینا تو اصلاً گناہ اور ناجائز ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنے کی سعی ضروری ہے، لیکن اگر اس کے سوا چارہ نہ ہو تو اس مقصد کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہوگی، یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ رشوت لینا تو ''حرام لعینہ'' ہے اور رشوت دینا ''حرام لغیرہ'' ہے، اس لئے فقہاء نے دفع ظلم یا اپنے جائز حق کی وصولی کے لئے رشوت دینے کی اجازت دی ہے، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں:

"الرشوة ما يعطى لابطال حق أو لاحقاق باطل

أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو ليدفع به

عن نفسه ظلما فلا بأس به " (۱)

قانون کی شرطوں کی تکمیل کے بعد ایکسپورٹ، امپورٹ تجارت ظاہر ہے ہر شہری کا حق ہے، اور اس میں رشوت دینا اپنے جائز حق کی وصولی کے لئے رشوت دینا ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہوگی۔

۳)..... ایکسپورٹر کو جو مال ملتا ہے اس کی حیثیت "بیـع استـصـنـاع " کی ہے، استصناع کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ پیشگی ثمن ادا کیا جائے، علامہ ابن ہمام کا بیان ہے:

" الاستـصـنـاع طـلـب الـصـنعة و هو أن يقول لـصـانـع خف أو مكعب أو اوان الصغير اصنع لـى خـفا طوله كذا ، أو وسعته كذا أو دستا أى بـرمة تسـع كـذا وزنهـا كذا على هيئة كذا بكذا ويـعـطى الثمن المسمّى أو لا يعطى شيئا فيعقد الآخر معه جاز استحسانا تبعا للعين " (۲)

صاحب عنایہ نے مزید اس کو واضح کر دیا ہے:

" الاستـصـنـاع هو أن يجيئ إنسان إلى صانع فيـقـول اصنع لي شيئا صورته كذا وقدره كذا بـكـذا درهـمـا و يسلـم إليـه جميع الدراهم أو بعضها أو لا يسلم " (۳)

علامہ حصکفی بھی تاتارخانیہ سے ناقل ہیں:

" و فـي التاتار خانية : لا يجبر المستصنع على

---

(۱) إعلاء السنن :۱۵/۶۰۔
(۲) فتح القدير :۶/۲۴۱۔
(۳) العناية على هامش فتح القدير :۶/۲۴۱۔

اعطاء الدراهم " (۱)

فقہاء نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ استصناع کی حیثیت بیع کی ہے یا وعدۂ بیع کی؟ حاکم شہیدؒ اور بعض دوسرے مشائخ اسے وعدۂ بیع مانتے ہیں، اور خریدار کے لئے اس کے لینے کو ضروری قرار نہیں دیتے، بیع اس وقت ہوتی ہے جس وقت صانع اور خریدار کے درمیان لین دین ہو۔(۲) لیکن اکثر فقہاء کا خیال ہے کہ استصناع کی حیثیت بیع کی ہے، مجمع الانہر میں ہے:

" لكن الصحيح من المذهب جوازه بيعا ؛ لأن محمدا ذكر فيه القياس و الاستحسان وهما لا يجريان في المواعدة" (۳)

فتاوی عالمگیری میں استصناع کو اپنی ابتداء کے اعتبار سے اجارہ اور نہایت اور انجام کے اعتبار سے بیع قرار دیا ہے:

" الاستصناع ينعقد إجارة ابتداءً و يصير بيعا انتهاءً قبل التسليم بساعة هو الصحيح " (۴)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس معاملہ کے طے پا جانے کے بعد طرفین کے حق میں یہ معاملہ لازم ہو جائے، ہر چند کہ فقہاء کے یہاں بیع اور وعدۂ بیع کے اختلاف نے اس مسئلہ میں بھی اختلاف رائے پیدا کر دیا ہے کہ صانع "عمل" پر اور آرڈر دینے والا اس کی "وصولی" پر مجبور ہوگا یا نہیں؟ لیکن محققین کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ طرفین اس پر مجبور ہوں گے۔(۵) خلافت عثمانیہ ترکیہ کے " مجلة الأحكام " میں بھی اسی کو ترجیح دی گئی ہے کہ اگر آرڈر کے مطابق صانع نے

---

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار :۲۱۳/۴۔

(۲) عناية على هامش فتح القدير :۱۱۴/۷۔

(۳) مجمع الأنهر :۱۰۲/۳۔

(۴) الفتاوى الهندية:۲۰۷/۳۔

(۵) تفصیل کے لئے دیکھئے:الدر المختار و رد المحتار:۲۱۲/۴-۲۱۳۔

اشیاء تیار کی ہیں، تو فریقین کے لئے معاملہ پر قائم رہنا ضروری ہوگا۔

"إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع ، وإذالم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا " (۱)

اس کے علاوہ اگر بالفرض اس کو وعدۂ بیع مان بھی لیا جائے تو بعض دفعہ مواعید بھی حاجت انسانی کے تحت لازم قرار دیئے جاتے ہیں:

"لأن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس "(۲)

واقعہ ہے کہ بینک اس رقم پر جو شرح سود کاٹتا ہے، اس کو اجرت العمل قرار دینا صحیح نظر نہیں آتا، اجرت کے لئے متعین ہونا ضروری ہے، اور یہاں کوئی رقم متعین نہیں ہوتی، بلکہ رقم کی وصولی میں عجلت اور تاخیر کے لحاظ سے اس کی مقدار کم و بیش ہوا کرتی ہے۔ رقم کم ہو یا زیادہ، حساب و کتاب کرنے والوں کا عمل برابر ہی ہوتا ہے، لیکن یہاں رقم کے تناسب سے وضع شدہ رقم میں کمی بیشی بھی واقع ہوتی رہتی ہے، اس لئے صحیح یہی ہے کہ بینک کی کاٹی ہوئی رقم سود ہے، البتہ کاروباری حاجت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی دوسرا متبادل فراہم نہ ہونے کی صورت میں اس طرح بینک سے رقم حاصل کرنا جائز ہوگا۔

۵)...... یہی جواب اس سوال کا بھی ہے، بینک کی کاٹی ہوئی رقم اجرۃ العمل تو نہیں کہلا سکتی، البتہ کاروباری حاجت کے تحت اس کی بھی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۶)...... زیادہ رقم، مثلاً: پچاس ہزار روپے کی رسید کو اڑتالیس ہزار روپے میں نقصان کے ساتھ بیچنا سود ہی پر مبنی معاملہ ہے، خریدنے اور بیچنے والے کی نگاہ میں نفس کاغذ کی کوئی اہمیت نہیں، اس لئے "الأمور بمقاصدها "(۳) کے تحت اس کو بیع کاغذ قرار دینا کسی طرح صحیح نظر

(۱) مجلة الأحكام العدليه: ص:۶۷۔
(۲) الدر المختار على هامش الرد :۴/ ۲۴۷ ، نیز ملاحظہ ہو: الجامع الصغير :۲/ ۱۹۸۔
(۳) الأشباه و النظائر مع حاشية حموی: ص:۵۳۔الفن الأول۔مرتب۔

نہیں آتا، یہ مشتری کے پاس ترسیل شدہ مال کا ثمن بھی قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اس طرح معاملہ کی توجیہ کی جا سکتی ہے کہ یہ بائع کی طرف سے رضا کارانہ قیمت میں کمی تصور کی جائے، اس لئے کہ عقدِ بیع بیرون ملک کی کمپنی سے طے پایا ہے نہ کہ بینک سے۔

۷)..... حکومت نقصان کی تلافی کے لئے جو رقم دیتی ہے اس کو کم رقم میں بھنانا ایسی ''بیع صرف'' ہے جس میں تفاضل اور نسأ دونوں کا اجتماع ہے، اس لئے یہ صورت بھی جائز نہیں، اور چیک کے ہی حکم میں ہے۔

۸)..... جس ملک کی کرنسی میں معاملہ طے پایا ہے وہی کرنسی اصل قرار پائے گی، اور ادائیگی کے وقت اسی کرنسی کا اعتبار ہوگا، ملکی سکے کی قیمت کم ہو یا زیادہ، اس کا اعتبار نہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ شارع نے دینار کے ذریعہ ''دیت'' مقرر کی ہے، لیکن جب درہم کے ذریعہ ''دیت'' کی ادائیگی کا مسئلہ سامنے آیا تو ابتداءً دس ہزار درہم کو ''دیت'' قرار دیا گیا، پھر جب دینار کی نرخ میں اضافہ ہو گیا تو دس ہزار کے بجائے بارہ ہزار درہم ''دیت'' مقرر کی گئی، گویا دینار کو اصل ٹھہرایا گیا، اور اس کی قیمت کو ملحوظ رکھا گیا۔(۱) واللہ اعلم

رشوت —— تحفہ کے نام پر

سوال:- {1839} ایک بہت بڑی کمپنی ہے، جیسے کہ ہندوستان میں ٹاٹا برلا، ایسی بڑی کمپنی میں کوئی ایک شخص مالک نہیں ہوتا ہے، بلکہ بہت سے لوگ اس میں شیئر بنتے ہیں، (گویا کہ اس کے بہت سارے مالک ہیں)

اس کمپنی میں ایک خریداری کا محکمہ ہے جس میں کہ تقریباً چالیس آدمی خریداری کرتے ہیں، (یعنی ان کا کام کمپنی کے

(۱) سنن أبي دؤد، حدیث نمبر:۴۵۴۱، باب الدية كم هي ؟- محشی۔

لئے سامان خریدنا ہے) یہاں یہ بات بھی لکھنا مناسب ہے کہ
یہ خریداری محکمہ جس میں کہ تقریباً چالیس آدمی کام کرتے ہیں،
کمپنی ان کو تنخواہ دیتی ہے، ان چالیس خریداروں کے اوپر ظاہر
ہے کہ دو چار بڑے افسر رہیں گے، ہوسکتا ہے ان بڑے
افسروں کا کچھ شیئر ہو اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ شیئر نہ ہو، اگر شیئر
ہوگا تو 1/10 فیصد ہوگا، یا اس سے بھی کم ہوگا۔

خریدار محکمہ سے ہمارے تعلقات ہیں، لیکن ان کے
بڑے افسروں سے نہیں، بلکہ جو خود خریداری کرتے ہیں، نیچے
کے لوگ ان سے ہمارے تعلقات ہیں اور وہ تعلق اس درجہ کا
ہے کہ ہم ان کو لیتے دیتے ہیں، مثال کے طور پر کبھی برف کیس
دے دیا اور کبھی روپیہ دے دیا، غرض کہ ان کو (یعنی اپنی
خریداروں کو خوش رکھنے کے لئے) ہم بزنس میں تمام کے تمام
چاہے وہ لینا چاہئے یا نہ چاہے کچھ نہ کچھ لیتے دیتے رہتے ہیں،
تا کہ وہ سامان ہم سے خریدیں، آپ واضح الفاظ میں بتائیں
کہ یہ ہمارا لین دین کہاں تک صحیح ہے، اور کہاں تک غلط ہے؟
اور ساتھ میں یہ بھی لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ قوم کا تعصب بھی
چلتا ہے۔ (علی، شاہ علی بنڈہ)

جواب:- کمپنی کی طرف سے خریداری کا محکمہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ کسی خاص شخص سے خریداری کو ترجیح دینے کے بجائے گرانی اور ارزانی کی بناء پر ترجیح دے، آپ کا یہ تحفہ دراصل محکمہ کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ بجائے کمپنی کے مفاد کے، آپ کے شخصی مفاد کا پاس ولحاظ کرے اور اصولی طور پر کوئی شخص آپ سے زیادہ اس سودے کا قیمت ادا کرے، تو اسے محروم کردے، اسی کا نام اسلام میں رشوت ہے، رشوت وہ مال ہے جو کسی دوسرے کو نقصان پہونچانے

یا حق شرعی کے بغیر کوئی چیز حاصل کرنے کی غرض سے دی جائے:

" ما يعطى لابطال حق أو لاحقاق باطل " (۱)

خرید وفروخت کی ایک خاص صورت

سوال:- {1840} جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ بہت بڑی کمپنی ہے، اوپر جیسے تمام حالات میں اس کمپنی نے ہم سے کچھ کاغذات کے دام مانگے (یعنی قیمت) کہ کتنی قیمت میں آپ اپنا کاغذ دیں گے، ہاں یہاں ایک بات قابل تحریر ہے وہ یہ ہے کہ دام کی قیمت جو ہم بزنس میں خریدار محکمہ کو دیتے ہیں وہ تحریری ہوتا ہے (یعنی کاغذ پر دام لکھ کر اوراس کے نیچے دستخط کر کے تب خریدار محکمہ کو دیتے ہیں ،) ہم نے جہاں تک اس کاغذ کی خرید وفروخت کی ہے وہ سیٹ کے ذریعہ اور ایک سیٹ میں پانچ کاغذ ہوتے ہیں، ہم نے اس کمپنی کو ایک سیٹ کا دام (یعنی پانچ کاغذ کا دام 50-6/ تحریری روانہ کردیا، نیز کمپنی (خریدار محکمہ) اور دوسرے لوگوں سے بھی دام مانگتا تھا، ان دوسرے لوگوں نے کمپنی کو کچھ دام دیئے ، یہاں بھی ہمیں علم نہیں کہ دوسرے لوگوں نے کتنا دام دیا جب کہ میں نے ایک سیٹ کا دام 80-6/ دیا تھا، اور وہ بھی اس لئے کہ خریدار محکمہ نے جو کاغذ کا سمپل ہم کو دیا تھا، اس کو ہم خود 6/- روپیہ میں خریدتے ایک سیٹ 50-6/ میں ہمیں کو ایک سیٹ دیتے ،لیکن ایک سمپل ہمارے پاس تھا، جو کہ بذات خود ہمارا تھا، ہمارا والا سمپل ہماری

(۱) کتاب التعریفات للجرجانی:ص ۱۴۸۔

نظر میں اچھا تھا، خریداری محکمہ کی نظر میں اچھا تھا، اور استعمال جو محکمہ کرتا اس کی نظر میں بھی اچھا تھا، لیکن ہمارا سمپل سب کی نظر میں اچھا ہوتے ہوئے بھی قیمت بہت کم تھی، ہمارا سمپل ہم کو 10-1/ ایک روپیہ دس پیسہ میں مل جاتا ہے —— بہرکیف ہم نے 50-6/ دام اس لئے لگایا تھا کہ اگر استعمال کرنے والے محکمہ کو وہی کاغذ چاہئے جو انہوں نے ہم کو سمپل کے طور پر دیا ہے، تو اس کی بھی ہم ان کو دے سکتے ہیں، اور اگر ہمارا سمپل بھی وہ استعمال کر سکتے ہیں، تو اس کو بھی ہم ان کو دے سکتے ہیں، جب کہ وہ کاغذ جو انہوں نے ہم کو سمپل کے طور پر دیا ہے وہ بہت مہنگا ہے اور ہمارا بہت سستا ہے۔

جب ہم نے اپنا سمپل دکھایا استعمال کرنے والے محکمہ کو تو اس نے کہا یہ اور اچھا ہے، تو مہنگا بھی ہوگا، ہم نے کہا اسی دام میں اس کو بھی دے دیں گے تو استعمال کرنے والے محکمہ نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم اس کو لے لیں گے۔

اب میں نے اپنے سمپل کے متعلق بات چیت شروع کی اور ان کا سمپل بھی کمپنی کا اس کو نظر انداز کر دیا ہے کہ ہمارا سمپل جو ہے اس کو ہم سیٹ 10-1/ میں خریدیں گے اور چھ روپیہ پچاس پیسہ میں کمپنی کو دیں گے۔

لیکن خریدار محکمہ نے ہم سے کہا دوسرا اسپلائز -3/ روپیہ دام دیا ہے، تو تم ایسا کرو کہ اپنا دام 50-6/ سے کم کر کے 90-2/ کر دو، ہم تم سے مال لے لیں گے تو ہم نے کم کر کے 90-2/ کر دیا، کیوں کہ استعمال کرنے والا محکمہ ہمارا سمپل پر

تیار تھا جو کہ ہم کو بہت ستا رہا تھا، یہاں ایک بات اور تحریر کرتا چلوں وہ یہ کہ خریدار محکمہ نے سپلائر کا دام ہم کو بتا دیا کہ کون سپلائر -/3 روپیہ میں دے رہا ہے، جیسا کہ اوپر تحریر کر چکا ہوں، ہم نے دام کم کر دیا، اور قریب قریب ہماری سب سیٹ پکی ہو رہی تھی، خریدار نے دام بتا کر اور کم کروا کے سامان ہم سے لینے کے لئے تیار ہو گئے، اگر استعمال کرنے والے لوگ ہمارے سمپل پر نہ راضی ہوتے تو ہم دام کم نہیں کرتے۔

یہاں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارا دام جو تھا 6-50/ وہ ایک سیٹ نہیں پانچ کاغذ کے لئے اور دوسرے سپلائنر کا دام -/3 روپیہ جب کہ ہمیں نہیں معلوم کہ دوسروں کا کاغذ کتنا ہوگا، لیکن جب میں دام کم کر کے 2-90/ کر دیا اس وقت بھی ایک سیٹ ہی کا خیال تھا نہ کہ ایک کاغذ، کیوں کہ ہم نے اس سے پہلے اور لوگوں کو اسی طرح فروخت کیا تھا، لیکن خریدار کے ذہن میں ایک کاغذ کا دام 2-90/ تھا، جو میں نے 6-50/ کو کم کر کے 2-90/ کیا تھا، کاغذ سب پانچ ہزار چاہئے تھا ایک ایک کاغذ نہ کہ پانچ ہزار سیٹ، جب بات پکی ہو گئی تو خریدار نے ہم کو فون کیا کہ پانچ ہزار کاغذ کا دام 14500/ (چودہ ہزار پانچ سو) ہوا، ہم بالکل گھبرا گئے کہ اتنا سب روپیہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا ایک کاغذ کا دام 2-90/ تو ایک سیٹ کا دام 14-50/ ہوا تو ہم نے فون ہی پر بتایا کہ ہمارا ٹوٹل 2900/ دو ہزار نو سو روپیہ ہوتا ہے، جب کہ ہم نے پہلے جو تحریری دام بھیجا تھا اس پر بالکل صاف تحریر تھا کہ ایک سیٹ کا

دام 50-6/ اور ایک سیٹ میں پانچ کاغذ ہوں گے، لیکن خریدار نے جب کم کرایا اور جب میں 90-2/ والا دام دیا تو اس پر لکھا تھا، دام 90-2/ اور ایک سیٹ میں پانچ کاغذ بہر حال ہم شروع سے آخر تک ایک سیٹ کی بات کرتے رہے اور ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ خریدار صرف ایک کاغذ کی بات کر رہا ہے، اسی وجہ سے خریدار نے مجھ سے دام کم کروایا تھا، کیوں کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ ایک کاغذ 50-6/ بہت مہنگا ہے اگر وہ ہمارا تحریری دام خوب غور سے پڑھتا تو اس کی سمجھ میں آجاتا کہ یہ تو ایک سیٹ یعنی پانچ کاغذ 50-6/ میں ہے اور دوسرا سپلائر صرف ایک کاغذ -3/ روپیہ میں دے رہا ہے، تو ہوسکتا ہے خریدار مجھ سے دام کم نہ کرواتا 50-6/ والا، لیکن معاملہ آخر میں آشکارا ہوا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خریدار دھوکہ میں تھا کہ ایک کاغذ کا دام ہے اور اسی خیال میں وہ بات چیت کرتا رہا، اور دام کم کرواتا رہا، اور میں دام کم کرتا رہا یہ سوچ کر کہ ایک سیٹ کا دام کم کر رہا ہوں۔

بہر حال جب معاملہ کے تہہ تک دونوں آدمی پہونچے تو خریدار نے کہا کہ آپ دوسرا تحریری دام دے دیجئے جس میں 90-2/ کے بجائے 50-2/ لکھ دیجئے اور یہ بھی ساتھ میں لکھ دینا کہ ایک کاغذ 50-2/ میں نہ کہ ایک سیٹ 50-2/ میں تو ہم نے ایسا ہی لکھ کر تیسرا دام دے دیا، اس پر ہم کو کام مل گیا، اب ہمارا ایک سیٹ 50-12/ میں پڑ گیا ہے، جب کہ ہم نے پہلا دام ایک سیٹ کا 50-6/ دیا تھا، پھر 90-2/

گیا، پھر 2-50/ گیا۔

ہمارا خیال ہے کہ خریدار نے 2-50/ کا دام ایک کاغذ کا اس لئے رکھوایا کہ اس سے پہلے دوسرے سپلائنر سے 3-/ روپیہ کا ایک کاغذ خریدا تھا اور اس لحاظ سے ایک سیٹ اس نے 15/ روپیہ میں خریدا تھا، اگر اس بار وہ 6-50/ یا 2-90/ دونوں میں سے ایک سیٹ خرید لیتے تو خریدار سے اس کے بڑے افسر پوچھ تاچھ کرے کہ اس سے پہلے تم نے اتنا مہنگا کاغذ خریدا تھا اور اس مرتبہ اتنا سستا اس کی وجہ کیا ہے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اوپر والے بڑے افسر خریدار کو ڈانٹیں اور بولیں، اس لئے خریدار اس سب سے بچنے کے لئے دام کہاں کا کہاں پہونچا دیا، جب کہ دیکھا جائے تو کمپنی کے ساتھ نمک حرامی ہے، کمپنی ان کو اسی کی تنخواہ دیتی ہے اور وہ کمپنی کا نقصان کرتے ہیں، ڈانٹ اور بول سننے کے ڈر سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ 5000/ (پانچ ہزار) روپے کا کاغذ ایک ہزار سیٹ ہوا اور ایک ہزار سٹ کا کام 12500/ (بارہ ہزار پانچ سو) روپے ہوتا ہے تو کیا یہ بارہ ہزار پانچ سو روپیہ ہمارے لیے جائز ہے جبکہ ہمارا پہلا دام 6-50/ پر سیٹ تھا اور اب خریدار نے اس کو 12-50/ پر سیٹ کروایا ہے جو کہ کمپنی کے ساتھ دیکھا جائے تو خریدار دھوکہ دے رہا ہے، ہمارے لیے 6-50/ والا دام جائز ہے یا یہ کہ ہمارے لیے 12-50/ والا دام جائز ہے یا یہ کہ ہمارے لئے 2-90/ والا دام جائز ہے، اور آخری دام جو 2-50/ والا ہے ہر سیٹ پر تو ہر حالات میں

جائز ہی ہے۔

لیکن میں آپ سے واضح الفاظ میں مسئلہ پوچھتا ہوں اس کے متعلق بالکل واضح تحریر کریں عین نوازش ہوگی۔

اس بات کو ہر حالات میں مدنظر رکھا جائے کہ خریدار دوسرے سپلائنر کا دام بتادیتا ہے اور ہم دوسرے سپلائنر سے دام کم کرکے دیتے ہیں۔

اور اس بات کو بھی خیال میں رکھنا چاہئے کہ جب ہمارا دام بہت کم ہوتا ہے تو اس وقت خریدار ہمیں کہتا ہے کہ آپ کا دام بہت کم ہے، اور دوسرے سپلائنروں کا بہت زیادہ ہے، آپ دام بڑھادیں، آپ کو کام دے دیں گے، جیسا کہ اوپر والے مسئلہ میں پیش آیا ہے تو کیا وہ روپیہ جو خریدار نے ہم سے کہہ کر بڑھوایا ہے کہ آپ کا دام بہت کم ہے اتنا اور بڑھا دیجئے تو کیا خریدار کا بڑھایا ہوا روپیہ ہمارے لئے جائز ہے؟

ایک بات اور یہاں مناسب معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ اگر پہلے خریدار سمجھ گیا ہوتا، ہماری بات کہ 6-50/ ایک سیٹ یعنی پانچ کاغذ دے رہے ہیں تو خریدار ہم سے دام کم نہ کرواتا، اور ہمارا فائدہ ہوتا، لیکن خریدار کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہم دام کم کرتے چلے گئے اور یہاں تک کہ 2-90/ پر آگئے، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اگر خریدار سمجھ گیا ہوتا 6-50/ میں ایک سیٹ پانچ کاغذ کا ہے تو وہ پھر بھی دام بڑھواتا اور ایک سیٹ 12-50/ میں لیتا، کیوں کہ اس سے پہلے خریدار کو دوسرے سپلائنر سے اس دام سے لے چکا تھا، اور اس بات سے وہ ڈرتے ہیں کہ

بڑے افسروں کے سوال وجواب سے گزرنا پڑے گا۔

اگر خریدار پہلے سمجھ جاتا 6-50/ تو ہمارا دام تھا ہی یہ
ہمارے لئے ہر حالت میں جائز ہوتا اور شک صرف 6-/ میں
ہوتا جو خریدار ہم سے کہہ کر بڑھواتا بول سستے ہونے کی وجہ سے
اوراس سے پہلے دوسرے سپلائنر سے 3-/روپیہ پر کاغذ لینے کی
وجہ سے۔ (فیضان احمد فلاحی)

جواب:- اس مسئلہ کا ایک پہلو ''قانون'' اور دوسرا پہلو ''دیانت'' کا ہے۔

قانونی پہلو یہ ہے کہ فقہاء نے خرید وفروخت کے معاملہ میں ''وکیل'' کو اصل کے قائم مقام مانا ہے اور زیر بحث مسئلہ میں محکمۂ خریداری کمپنی کا وکیل ہے اور اس لئے آپ کے مقابلہ میں اس کی حیثیت اصل خریدار کی ہے، فروخت کنندہ اور خریدار قانونی اعتبار سے باہم طور پر جو قیمت چاہے طے کرسکتا ہے، بلکہ طے شدہ قیمت میں بیچنے والا ایک طرفہ طور پر کمی اور خریدار قیمت میں ایک طرفہ طور پر اضافہ کرنے کا حق رکھتا ہے، اس طرح اگر محکمۂ خریداری نے 6-50/ کی جگہ خود ہی اس کی قیمت 2-50/ کررہا ہے، تو آپ کے اور اس کے درمیان خرید وفروخت کا معاملہ جائز بھی ہوجائے گا، اور نافذ بھی ہوگا۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ محکمۂ خریداری کا یہ عمل دھوکہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے سراسر گناہ ہے، اور اکثر اوقات وہ اس گناہ کا ارتکاب فروخت کنندوں سے رشوت حاصل کرکے ہی کرتا ہوگا، اس طرح دوسرا گناہ خود محکمہ یا اس کے متعلقہ شخص نے رشوت کا کیا، --- فروخت کنندہ نے ایک طرف رشوت دے کر سامان فروخت کیا اور دوسری طرف اس کی دھوکہ دہی سے واقف ہوکر معاملہ کیا، بلکہ بڑی حد تک اس نے دھوکہ دہی میں تعاون بھی کیا، اس لئے خود خریدار کا دامن بھی دوہرے گناہ سے آلودہ ہے، --- پس گو قانونی اعتبار سے خرید وفروخت کا یہ معاملہ نافذ ہوجائے گا، اور اس کے لئے یہ رقم کراہت کے ساتھ حلال وجائز بھی ہوگی، لیکن احتیاط اور دیانت وتقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ

6-00/ کی یہ اضافی رقم متعلقہ کمپنی کھاتے میں غیر محسوس طور پر جمع کرادے تاکہ اصل مالک تک پہنچ جائے یا عطیہ کے نام سے دینا ممکن ہو تو دیدے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو صدقہ کردے اور آئندہ اس سے اجتناب برتے۔(۱) هذا ما عندي والله اعلم بالصواب۔

خریدار کو انعام

سوال:- {1841} کچھ دکانیں خریداروں کو متوجہ کرنے کے لئے خریدی ہوئی چیز کے ساتھ انعام بھی دیتی ہیں، کیا ان انعامات کا لینا درست ہے؟ (احمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری)

جواب:- اگر خریدی ہوئی چیزوں کے ساتھ ہر خریدار کو انعام کے طور پر مزید کوئی چیز دی جاتی ہے، تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ فروخت کرنے والے کی طرف سے ایک طرح کا اضافہ ہے اور فقہاء نے مبیع میں اضافہ کو جائز قرار دیا ہے، اور چوں کہ خریدار کو اپنے پیسے کی چیز مل جاتی ہے، اس لئے یہ صورت جوے کے دائرہ میں نہیں آتی، لیکن اب خریدنے والے کی نیت پر منحصر ہے، اگر خریدنے والے کا مقصود سامان خریدنا تھا، اس کے ساتھ انعامی کوپن مل گیا اور اتفاق سے کوپن میں اس کا نام نکل آیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اور اگر اصل مقصود ہی انعامی کوپن حاصل کرنا تھا، اور اسی مقصد کے لئے سامان خرید کیا تھا، تو یہ صورت جائز نہ ہوگی، (۲) بلکہ یہ جُوا کے حکم میں ہوگا۔

ادھار میں قیمت زیادہ لینا

سوال:- {1842} محترم ومکرم جناب مولانا خالد

---

(۱) الهداية: ۲/۶۱۵۔ محشی۔

(۲) "الأمور بمقاصدها" (الأشباه و النظائر: ص: ۹۷)

سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عرض یہ ہے کہ کچھ مسائل کے سلسلہ میں زحمت دینی پڑ رہی ہے، معافی چاہتا ہوں۔

(الف) ہمارے یہاں ایک اسکیم آئی ہے وہ یہ کہ Bajaj Chatek موٹر سیکل اقساط پر دی جارہی ہے، ماہانہ 500/00 روپے جمع کرنے ہوں گے، 36 ماہ میں یہ رقم ادا کرنا پڑے گا، جو کہ گاڑی کی اصل قیمت سے 2000/00 زیادہ ہوتے ہیں، کیا زائد رقم سود کی تعریف میں آئے گی یا اسے لیا جاسکتا ہے؟

(ب) اسی قسم سے کپڑے وغیرہ بھی ادھار میں لے کر اقساط میں پیسے ادا کئے جاتے ہیں، کیا وہ بھی سود ہے، مولانا عاقل صاحب مدظلہ سے اس سلسلہ مین پوچھا گیا تھا انہوں نے بتایا کہ اگر نقد اور ادھار اقساط کے لئے ایک ہی قیمت مقرر کو لو تب سود نہ ہوگا، اگر نقد میں کم اور ادھار میں زیادہ لوگے تو سود ہوگا۔

(ج) ہمارے ہاں کمپنی میں Co-op-Credit Souly ہے جو سودی کاروبار رکھتی ہے، اس میں بھی گاڑیاں اور دوسری چیزیں دلوائی جاتی ہیں، اور بازاری قیمت سے زیادہ قیمت اقساط میں ادا کرنا ہوتا ہے، کیا یہ بھی سود ہے؟ جب کہ وہ لوگ اسے سود ہی کے نام پر وصول کرتے ہیں۔

جواب:- بالاقساط سامان کی خرید وفروخت درست ہے، اسی طرح ایک دکاندار نقد لینے والے گاہکوں کو کم قیمت میں اور ادھار خریدنے والوں کو نسبتاً زیادہ قیمت میں سامان فروخت

کرے، تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔(۱) پس اگر شروع ہی میں یہ بات طے پا جائے کہ اتنی قسطوں میں قیمت ادا کرنی ہوگی اور جملہ اقساط لے کر اتنی قیمت ہوگی تو یہ سود نہیں ہے، بلکہ اپنا سامان بازار سے گراں قیمت میں فروخت کرنا ہے اور اصولی طور پر تاجر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مختلف گاہکوں کو الگ الگ قیمتوں میں سامان فروخت کرے۔

ایک ہی سامان کی قیمتوں میں فرق

سوال:- {1843} کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل سے متعلق:

دو شخص ہیں زید و بکر ان کی مچھلی کی تجارت ہے، یعنی یہ کسی کمپنی کی مچھلی فروخت کرتے ہیں، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ زید کمپنی سے A.J لیتا ہے، مچھلی فروخت کرنے سے پہلے اس کے مقابل بکر A.J نہیں لیتا، تو A.J لینے اور نہ لینے کی صورت میں دونوں کی قیمت میں فرق ہے، یعنی زید کی قیمت میں کمی واقع ہوگی، مثلاً زید نے کمپنی سے ۱۰۰۰۰ ر روپے A.J لے لیا اب A.J لینے کی صورت میں کمپنی ایک کلو پر پانچ روپے کم دے رہی ہے، دراں حالیکہ بکر کو زید سے پانچ روپے زیادہ مل رہے ہیں، تو پھر زید سے جو کمپنی پانچ روپے لے رہی ہے تو کیا یہ پانچ روپے کمپنی کے حق میں صحیح ہوں گے؟

جب کہ ایک کلو پر جو پانچ روپے کاٹے جاتے ہیں A.J

---

(۱) دوسری شکل یہ ہے کہ اول مشتری سے طے کر لیا ہو کہ نقد لیتے ہو یا ادھار؟ اگر اس نے نقد لینے کو کہا تو ایک روپیہ قیمت ٹھہرائی، اگر ادھار لینے کو کہا تو سترہ آنے ٹھہرائے یہ جائز ہے۔ کذا فی عالمگیری (امداد الفتاوی:۳/۲۰)

میں پکڑے نہیں جاتے ، کمپنی کو فائدہ کے بجائے مزید نقصان ہو رہا ہے، بہ نسبت بکر کے تو اس پیسے کے تعلق شریعت کیا حکم دے رہی ہے؟ براہ کرام بتلائے۔ (طیب اعظمی، مئو، یوپی)

جواب:- انسان کو شرعاً اس بات کا اختیار ہے کہ وہ ایک ہی چیز کو مختلف خریداروں سے الگ الگ قیمتوں پر فروخت کرے، نیز کسی گاہک سے ایسی قیمت نہ لے جو غبن فاحش کے دائرہ میں آتی ہو، تو مکروہ نہیں، ''غبن فاحش'' سے مراد ایسی قیمت ہے جو کسی چیز کی زیادہ سے زیادہ قیمت سے بھی بڑھ کر ہو، (۱) البتہ چوں کہ زید کمپنی کا مقروض ہے، اس لحاظ سے پانچ روپیہ زیادہ لینے میں قرض دار سے نفع اٹھانے کا شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے یہ صورت خلاف اولیٰ ضرور ہے، اور احتیاط برتنی بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

شراب نوشی میں استعمال ہونے والی پیالیوں کی تجارت

سوال:- {1844} زید پرانی پیالیوں کا کاروبار کرتا ہے، اور زید کے کاروبار کا تعلق غیر مسلموں سے ہے، زید کو اس کا یقین کامل ہے کہ ان پیالیوں میں (جو میں فروخت کر رہا ہوں) گاہک کو شراب پیش کی جاتی ہے —— مندرجہ بالا صورت میں کیا زید کا یہ کاروبار شرعی حیثیت سے درست ہے؟ (شفیع الرحمٰن، گنور)

جواب:- پیالیاں بنانا اور اس کا فروخت کرنا چوں کہ فی نفسہ گناہ اور معصیت نہیں ہے، اس لئے اس کاروبار میں مضائقہ نہیں۔

" لا یکره بیع ما لم تقم المعصیة به کبیع

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۷/۲۷۲۔ محشی۔

الجارية المغنية و الكبش النطوح و الحمامة الطيارة و العصير و الخشب ممن يتخذ منه المعازف " (۱)

تاہم احتیاطاً اس کاروبار سے بچنے میں ہے۔

سینما ہال کے سامنے سموسے فروخت کرنا

سوال:- {1845} کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

زید تکونے سموسے بناتا ہے، اور سینما ہال کے سامنے فروخت کرتا ہے، شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا ایسی جگہ زید کا طلب معاش کے لئے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(مولوی عبدالحلیم، حیدرآباد)

جواب:- معصیت اور گناہ کے کاموں میں تعاون اور مدد بھی گناہ ہے، اور فقہاء کے نزدیک حرام ہے، لیکن معصیت میں تعاون سے مراد ایسی شئ ہے کہ جس سے بعینہ معصیت کا ارتکاب کیا جاتا ہو، اسی لئے فقہاء نے اہل فتنہ سے اسلحہ فروخت کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، کھانے پینے کی اشیاء کا چوں کہ اصلاً سینما سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے اس کی فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں، فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں ہے:

" ويكره بيع السلاح في ايام الفتنة و لا بأس بيع العصير بمن يعلم أنه يتخذ خمرًا ؛ لأن المعصية لا تقام بعينه " (۲)

---

(۱) رد المحتار :۳۵۰/۵۔

(۲) الهداية:۴/۴۵۶، مطبوعہ رشیدیہ، دہلی۔

بیع باطل اور بیع فاسد

واسطہ در واسطہ ممبر سازی

سوال:- {1846} جاپان کی ایک کمپنی ہے جو مقناطیس پر مشتمل گدے بناتی ہے، یہ گدے بعض امراض میں مفید ہیں، گدے کی قیمت پچانوے ہزار دوسو روپے ہیں، اس رقم کے ادا کرنے پر نہ صرف اسے گدا ملتا ہے، بلکہ وہ گدے فروخت کرنے کے لئے کمپنی کا نمائندہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے، کیوں کہ کمپنی اپنے نمائندہ کے واسطہ سے ہی گدا فروخت کرتی ہے، عام مارکٹ میں یہ گدے فروخت نہیں ہوتے، اس لئے اس کے لیے نمائندگی کی ایک خاص اہمیت ہے، اب اس کے ذریعہ جو لوگ گدے خریدکریں گے، اسے ان کی رقم میں سے دس فیصد بطور اجرت ملے گا، اس درجہ کے ممبر کو B.D کہا جاتا ہے، تین ممبر بنانے پر وہ A.D کہلائے گا، اور اسے ۲۳ر

فیصد رقم ملے گی، اگر بالواسطہ یا بلاواسطہ اس نے نوممبر بنادے تو اسے M.C.D کہتے ہیں، اور اس کو ۲۷ر فیصد رقم ملتی ہے، اگر تعداد ستائیس ہوجائے تو اس کو D.D کہا جاتا ہے، اور اسے ۳۷ر فیصد رقم ملتی ہے، اس سے اونچا عہدہ M.D کا ہے، جس میں ممبروں کی تعداد ایکاسی (۸۱) ہونی چاہئے، اس صورت میں آخری عہدہ S.M.D ہے، جسے بہت سے اختیارات ہوتے ہیں، یہ مختلف شوروم کا نگراں ہوتا ہے، گویا یہ کمپنی کے بنیادی ارکان ہوتے ہیں، ان کو ممبروں سے ملی ہوئی رقم کا ۴۹ر فیصد ملتا ہے، واضح ہو کہ منافع کا یہ تناسب اس وقت ہے جب کہ مذکورہ عہدیداران نے بلاواسطہ ممبران بنائے ہوں، اگر نیچے والے ممبران نے ممبر سازی کی ہو تو نیچے والے جو براہ راست ممبر بناتے ہیں تو ان کو ۱۰ر فیصد ملتا ہے، اور اوپر والے (جو بالواسطہ ممبر سازیاں) کو مندرجہ ذیل تفصیل سے منافع ملیں گے:

B.D. کو ۱۰ر فیصد، A.D. کو ۱۳ر فیصد M.C.D. ۴ر فیصد، D.D. کو ۱۰ر فیصد، M.D. کو ۵ر فیصد اور اس کے بعد O.D.I. کو ۱۷-۲ فیصد ملے گا۔

اس طرح مجموعی منافع ۴۹، ۲ر فیصد ہوجاتے ہیں، جو مختلف عہدیداران میں مذکورہ تناسب کے اعتبار سے منقسم ہوجاتے ہیں، اس کمپنی کے سلسلہ میں چند باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱- جو لوگ جس عہدہ پر ہوں، ان کو اپنے عہدہ کے لحاظ

سے روزانہ یا ہفتہ میں چند دن باضابطہ آفس کرنا ہوتا ہے، آفس میں ان کو مقررہ یونیفارم کے ساتھ جانا پڑتا ہے، اور جو لوگ گدہ خریدنے یا اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، ان کو کمپنی کی نوعیت اور اس کے سامان کے بارے میں وضاحت کرنی ہوتی ہے، وہ اپنے نیچے کے زنجیری سلسلہ کے لائے ہوئے متوقع گاہکوں کو سمجھاتے اور مطمئن کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی عہدیدار اپنے مفوضہ ذمہ داری کو انجام نہ دے تو اسے معزول بھی کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ کمپنی کے الگ سے ملازمین نہیں ہوتے، بلکہ یہی عہدیداران اس کے تمام کاموں کو انجام دیتے ہیں، اور ہر عہدیدار کو واسطہ در واسطہ بننے والے گاہکوں کو پورا تعاون کرنا پڑتا ہے۔

۲- کمپنی نے خود پہلے یہ شرط رکھی تھی کہ جو اس گدے کا خریدار ہوگا، وہ خود ہی اس کا استعمال کرے گا، اس کو اس بات کا حق حاصل نہیں ہوگا کہ یہ گدا کسی اور شخص کو فروخت کردے، یا دوسرے کو اس کے استعمال کرنے کی اجازت دے، کمپنی نے یہ شرط اس لیے لگائی تھی کہ بعض مخصوص حالتوں میں یہ مقناطیسی گدے مریض کے لیے نقصان دہ بھی ہوسکتے ہیں، بعض خریداروں نے اس فرق کو سمجھے بغیر دوسروں کو یہ گدا منتقل کردیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس مریض کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہوا، تاہم جب کمپنی سے یہ بات کہی گئی کہ اس

قید کی وجہ سے یہ معاملہ ''بیع بالشرط'' کے دائرہ میں آجاتا ہے، جو اسلام میں جائز نہیں ہے، تو کمپنی نے اجازت دے دی کہ وہ ممبر طریقہ استعمال بتا کر دوسرے کو اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے سکتا ہے، لیکن کمپنی نے اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ گدا دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے، اگر اس نے فروخت کر دیا تو اس کی ممبر شپ ختم ہو جائے گی۔

۳- کمپنی ایسے ہی لوگوں کو ممبر بناتی ہے جس میں معاملہ فہمی اور ممبر سازی کی صلاحیت ہو۔

۴- کمپنی ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ گدا فروخت کرتی ہے، جو قانونی اعتبار سے جائز رقم ادا کریں، بلیک منی قبول نہیں کی جاتی۔

۵- کمپنی ایسے گاہکوں کو قبول کرتی ہے جنہوں نے یا تو پیسے غیر سودی طریقہ سے حاصل کئے ہوں یا زیادہ سے زیادہ تین فیصد سود پر۔

۶- کمپنی کے یونیفارم میں ٹائی بھی داخل ہے، جو کمپنی میں جا کر اپنے فرائض ادا کرتے وقت ممبران کو پہننا ہوتا ہے۔

۷- کمپنی جب گاہکوں کو اپنا پروگرام سمجھانا چاہتی ہے تو اس کو شروع کرنے سے پہلے تین چار منٹ تک میوزک چلتی ہے، اگر بعض ممبران کمپنی کو اس سے منع کرنا چاہیں تو کمپنی میوزک چلانے سے احتراز بھی کرسکتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی کمپنی کا ممبر بننا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (محمد مشتاق احمد رکن الدین، بھٹکل)

جواب:- معاملہ کی جو صورت آپ نے تحریر کی ہے اس سلسلہ میں پہلے یہ باتیں پیش نظر رکھنی چاہئے۔

۱)..... اس صورت میں قمار یا غرر نہیں پایا جاتا، کیوں کہ ہر خریدار جو پیسے ادا کرتا ہے اس کے بدلہ میں گدا یعنی مبیع اسے حاصل ہو جاتی ہے، اس پیسہ کے رائیگاں چلے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔

۲)..... اس صورت میں سود بھی نہیں پایا جاتا، کیوں کہ جو پیسہ وہ ادا کرتا ہے، اس کے بدلہ میں اسے ایک سامان یعنی گدا ملتا ہے، گویا پیسے کا تبادلہ پیسے سے نہیں، بلکہ سامان سے ہے، اور سود کا تحقق ہم جنس اشیاء کے تبادلہ میں ہوا کرتا ہے۔(۱)

۳)..... اس معاملہ میں کوئی جبر و اکراہ بھی نہیں ہے، کیوں کہ گدا خرید کرنے والا دوسروں کو خریدار بنانے پر مجبور نہیں کرتا ہے، یہ اس کی مرضی پر ہے کہ چاہے تو خریدار بنائے یا نہ بنائے۔

۴)..... شریعت میں نفع حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک تجارت اور دوسرا اجارہ —— تجارت میں مال کے مقابلہ میں نفع حاصل ہوتا ہے، اور اجارہ میں محنت کے مقابلہ میں نفع یا عوض حاصل کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں بھی گاہک بنانے کی محنت اور کمپنی کے اصول کے مطابق وقت لگانے پر اسے معاوضہ مل رہا ہے، اس لئے یہ قواعد شرع کے دائرہ ہی میں ہے —— ہاں یہ صورت کہ ایک شخص نے چند ممبر بنا دیئے، اب آگے اس پر کوئی ذمہ داری باقی نہ رہی، واسطہ در واسطہ جو بھی ممبر بنتا رہے، خود بخود اس میں اس کو نفع ملتا رہے، یہ صورت درست نہیں؛ کیونکہ اس میں اس کی براہ راست محنت کا کوئی دخل نہیں، گویا اجرت ہے، لیکن اس کے مقابل کوئی عمل نہیں، شریعت میں نفع اور عوض کے سلسلہ میں جو عمومی قواعد ہیں، یہ اس کے خلاف ہے۔

---

(۱) "الربوا محرم في كل مكيل أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلا "(الهداية: ۳/۷۷) محشی۔

۵)...... ٹائی چونکہ مذہبی شعار نہیں بلکہ ایک زمانے میں عیسائیوں کا قومی شعار تھا، اور اب اس کا اس درجہ شیوع وعموم ہو گیا ہے کہ کسی خاص قوم کا لباس باقی نہ رہا، اس لئے اب اس میں معمولی درجہ کی کراہت ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے کوٹ اور پتلون کے بارے میں لکھا ہے،(۱) بہر حال مسلمان کارکنوں کو چاہئے کہ حکومت کے ساتھ کمپنی کو اس کا قائل کریں کہ اس کو لازم نہ قرار دیا جائے، اسی طرح میوزک ناجائز ہے، اور مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کیفیت کو ختم کرائیں، لیکن نفس معاملہ کے جواز اور عدم جواز کا تعلق اس سے نہیں۔

۶)...... البتہ دو باتیں اہم ہیں: ایک یہ کہ اجرت متعین نہیں ہوتی، بلکہ متوقع آمدنی کا تناسب متعین کیا جاتا ہے، لیکن معاملات میں جہالت اور عدم تعیین اس وقت مضر ہے جب کہ وہ فریقین کے درمیان وجہ نزاع بنتی ہوں اور اصل مقصود اسباب نزاع کا سد باب ہے، آج کل مختلف کاروبار میں اس طرح کمیشن مقرر کیا جاتا ہے، اور یہ تعیین فریقین کے درمیان نزاع کا باعث نہیں بنتی ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہونی چاہئے۔

دوسری بات یہ کہ کمپنی خریدار پر یہ شرط لگا دیتی ہے کہ وہ اسے کسی اور کو فروخت نہیں کر سکتا، اس شرط کی وجہ سے اس معاملہ کو فاسد اور غیر معتبر ہونا چاہئے، لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شرط بیچنے اور خریدنے والے کی ذات سے متعلق نہ ہو، بلکہ خود مبیع یعنی بیچی جانے والی شئی سے متعلق ہو تو غلام اور باندی کی صورت کے علاوہ صورت میں ایسی شرطوں کے ساتھ خرید وفروخت درست ہو جاتی ہے، البتہ وہ شرط معتبر نہیں ہوتی ہے، اور خریدار کے لئے اس کی مخالفت جائز ہوتی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"وأما فيما سوى الرقيق إذا باع ثوبا على أن
لا يبيعه المشترى أو لا يهبه أو دابة على أن لا
يبيعها أو يهبها أو طعاما على أن يأكله و لا

---

(۱) امداد الفتاویٰ: ۳/ ۲۶۸، ط: ادارہ تالیفات۔ مرتب۔

ببیعہ ، ذکر فی المزارعۃ ما یدل علی جواز البیع " (۱)

" جہاں تک غلام کے ماسوا دوسری مبیع کی بات ہے تو اگر کوئی شخص کپڑا اس شرط پر بیچے کہ خریدار اسے فروخت نہیں کرے گا، یا ہبہ نہیں کرے گا یا جانور اس شرط پر فروخت کرے کہ نہ اس کو بیچے گا اور نہ کسی کو ہبہ کرے گا، یا کھانا اس شرط پر بیچے کہ اسے خود کھائے گا، فروخت نہیں کرے گا، تو مزارعت میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بیع جائز ہوگی"

آگے علامہ کاسانی نے نقل کیا ہے کہ "حسن بن زیاد" نے کتاب المجرد میں امام ابوحنیفہ سے یہی قول نقل کیا ہے، اور فتاوی عالمگیری میں اس قول کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہی ظاہر مذہب ہے،"و ھو الظاھر فی المذھب کذا فی الھدایۃ"(۲)

پس یہ صورت شرط کے ساتھ بیع کی ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی ـــــ دوسرے کمپنی کے مذکورہ قواعد سے ظاہر ہے کہ یہ بیع کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ ممبر شپ کی برقراری کے لئے شرط ہے لہذا یہ بیع بالشرط کی صورت ہے ہی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو تفصیلات لکھی گئی ہیں، اگر یہ درست ہیں تو معاملہ کی یہ صورت جائز ہے۔واللہ اعلم (بہتر ہے کہ اس سلسلہ میں دوسرے اہل علم اور ارباب افتاء سے بھی استفسار کرلیا جائے۔)

---

(۱) بدائع الصنائع:۴/۳۷۸۔

(۲) الفتاوی الھندیۃ:۳/۱۳۵۔

پھٹے ہوئے نوٹوں کا معاملہ

سوال:- (1847) ریزرو بینک آف انڈیا ایسی نوٹوں کو جو پھٹ گئی ہیں یا کسی وجہ سے بہت زیادہ مسخ ہوگئی ہیں کچھ شرطوں کے ساتھ قبول کرتی ہے اور اس کی قیمت اچھی رقم کے ذریعہ ادا کرتا ہے، ایسی نوٹوں کو جمع کرنے کے لئے ایجنٹ حضرات جن کو ریزرو بینک نے اجازت دے رکھی ہے اور رجسٹرڈ ہیں، مختلف جگہوں سے وہ پھٹے ہوئے نوٹوں کو جمع کرتے ہیں جس میں سفر کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے نیز چونکہ نوٹ پھٹے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے ان کو جوڑنے کے لئے آفس بنڈل معاوضہ دینا پڑتا ہے غرض ان تمام کاموں میں کافی خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے پھر اس رقم کو یہ لوگ اور لوگوں کو کمیشن پر فروخت کرتے ہیں اور خریدنے والے اس رقم کو بینک میں داخل کردیتے ہیں بینک کے افراد اس رقم کی جانچ کرکے پاس کرتے ہیں، اور کچھ رقم ریجکٹ بھی ہوتی ہے اس طرح کوئی ۱-۲ ماہ کے عرصہ میں اس رقم کا چیک جمع کرنے والے کے نام آتا ہے کیا یہ لین دین جائز ہے یہ نوٹ کم داموں میں خریدے جاتے ہیں بعد میں یہ رقم ایجنٹ حضرات ایسے حضرات کو جو پیسہ لگا سکتے ہوں ان کو فروخت کرتے ہیں، مثلاً ایجنٹ نے ایک رقم پھٹے ہوئے نوٹوں کی جو پانچ ہزار کی تھی چار ہزار روپیہ میں خریدی اور جوڑ جاڑ کے ۴۵۰۰ روپیہ میں دوسرے کے ہاتھ فروخت کی اور پھر اس

نے اس امید پر کہ بینک سے پانچ سو یا اس سے کچھ رقم ملے گی
بینک میں جمع کر دیا اور دو ڈھائی مہینہ انتظار کے بعد کچھ رقم پاس
ہوئی کچھ ریجکٹ اور ۴۹۰۰ روپیہ ملے تو کیا یہ صورت جائز
ہوگی؟ (عبدالرحمٰن کاظمی، وجے نگر کالونی)

جواب:- اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے یہ اصول سمجھ لینا چاہئے کہ رقوم کا مسئلہ فقہی اعتبار سے بڑا نازک ہے، رقوم (جو اس وقت ثمن ہی کا درجہ رکھتی ہیں) میں اس طرح کا لین دین کہ ایک طرف زیادہ ہو دوسری طرف سے کم ہو حرام ہے کیونکہ یہ سود ہے مثلاً زید کسی کو دو سو روپیہ دیدے اور اس کے بدلہ میں ۱۷۵ روپیہ لے تو یہ صریح اور کھلا ہوا سود ہوگا، ذہن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ اگر ایک طرف سے بہتر رقم ہو اور دوسری طرف سے خستہ نوٹ ہو تو اس عمدگی کی وجہ سے اگر اس کے بدلے میں کچھ زیادہ لے لے تو جائز ہونا چاہئے، مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے جن چیزوں میں سود پیدا ہو جاتا ہو اس میں وصف اور عمدگی اور خستگی کا اعتبار نہیں ہوتا

"ولا یجوز بیع الجید بالردی مما فیہ الربوا
الا مثلا بمثل لا ھدار التفاوت فی الوصف "(۱)

۱)...... البتہ جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اس میں صرف نوٹوں کی خرید وفروخت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کے لئے مختلف لوگوں سے مل کر نوٹ حاصل کرنا ہوتا ہے جس کے لئے سفر وغیرہ کے خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے نیز روپیوں کے بنڈل بھی بنوانے پڑتے ہیں اور یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب آدمی اپنا ایک قابل لحاظ وقت صرف کرے اور اس میں بھی یہ احتمال ہوتا ہے کہ بعض نوٹ ریزرو بینک سے رد کر دیئے جائیں، اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ ۵۰۰۰ر کے بدلے میں ۴۵۰۰ر روپے والوں کو دیئے جائیں اور بقیہ ۵۰۰ روپے خود اس کی اخراجات اور تنخواہ تسلیم کر لی جائے اس لئے میرا خیال ہے کہ موجودہ صورت میں یہ شکل جائز ہوگی۔

---

(۱) الھدایۃ:۳/۶۳۔

۲)...... آپ نے یہ تحریر کیا کہ پھر ایجنٹ حضرات اس رقم کو اس آدمی کو فروخت کر دیتے ہیں جو پیسہ لگا سکتے ہوں یہ صورت جائز نظر نہیں آتی اس لئے کہ اس صورت میں صریح سود پایا جاتا ہے، البتہ اگر دونوں اس طرح شرکت کرلیں کہ مشترکہ طور سے ایسے پھٹے نوٹ مہیا کریں پھر باہمی اعانت سے اس کو درست کریں اور بینک کے لئے قابل قبول بنائیں اور اس میں جو کچھ خرچ ہو وہ بھی مل کر پورا کریں اور بینک سے بھنانے کے بعد جو کچھ نفع آئے گا اسے آپس میں اجرت محنت کے طور پر تقسیم کرلیں تو یہ صورت درست ہوگی (تاہم مناسب ہوگا کہ تحقیق کے لئے ملک کے دوسرے مشہور دارالافتاء سے بھی رجوع کرلیا جائے)

غیر ملکی کرنسیوں کا تبادلہ

سوال:- {1848} براہ کرم حسب ذیل سوالات کا دلائل کے ساتھ فتوی عنایت فرمائیں:

پہلا سوال: بعض اشخاص جو سعودیہ عربیہ اور دیگر خلیجی ریاستوں میں ملازم ہیں اپنی کمائی اپنے گھروں (انڈیا) کو حسب ذیل طریقوں سے روانہ کرتے ہیں:

اول یہ کہ اپنے کمائے ہوئے ریال، درہم، دینار، ڈالر کو وہاں کے بینک میں دیں تو بینک والے اس کا جو سرکاری شرح تبادلہ انڈین کرنسی کا ہے، اس کا ڈرافٹ بناتے ہیں، ایسی صورت میں مثلا ایک ریال کو انڈین کرنسی چار روپیہ ہوتی ہے۔

دوسرا طریقہ یہ کہ انڈیا آنے والوں کے ذریعہ ریال یا ڈالر کسٹم سے چھپا کر (چونکہ انڈیا کے قانون کے لحاظ سے دوسرے ملک کی کرنسی بینک کے توسط کے بغیر نہیں لائی جاسکتی) لاتے ہیں، ایسی صورت میں پہلے طریقہ کے مقابلہ میں زیادہ

شرح مبادلہ ملتا ہے مثلا بینک کے توسط سے ایک ریال کے انڈین کرنسی چار روپیہ ملتا ہے تو اس طریقہ سے انڈین پانچ روپیہ فی ریال ملتے ہیں، چونکہ انڈیا میں ایسے کاروباری لوگ ہیں جو ریال لیکر انڈین کرنسی دیتے ہیں۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہاں اور یہاں بعض لوگ ہیں جو ہنڈی کا کاروبار کرتے ہیں، اگر وہاں ان کو ایک ریال دیا جائے تو یہاں اس (ایک ریال کو چار روپیہ بینک کے سرکاری نرخ کے مقابلہ میں) ایک ریال کے پانچ روپیہ یا ساڑھے پانچ روپیہ دیتے ہیں، یہاں اس طریقہ کو ہنڈی کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا طریقوں کے متعلق ریئم وردی جناب والا کا فتوی مطلوب ہے۔

پہلا طریقہ بالکل درست ہے اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔

دوسرے طریقہ کے متعلق ارشاد فرمایا جائے کہ آیا اس طرح ریال یا ڈالر انڈیا بھیجنا یا لانا درست ہے؟ اور وہ لوگ جن کے پاس یہ ریال وڈالر بھیجے گئے ہیں کیش کروا کر وہ زائد وصول شدہ رقم استعمال کر سکتے ہیں، خصوصا زائد وصول شدہ رقم کے استعمال میں شرعی حکم کیا ہے؟

تیسرا طریقہ جسے ہنڈی کہتے ہیں وہ شرعا کیسا ہے؟ کیا اس طرح وصول شدہ رقم انڈیا میں رہنے والوں کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر ناجائز ہے تو کیا جملہ وصول شدہ رقم یا اس کا کوئی حصہ؟ براہ کرم باحوالہ جواب عنایت فرمایا

جائے۔

دوسرا سوال : مندرجہ بالا پہلے سوال کے دوسرے و تیسرے طریقہ کاروبار کرنا کیسا ہے ؟ یعنی ریال و ڈالر لیکر انڈین کرنسی زائد شرح سے دینا اور ہنڈی کے تحت رقم دینا اور لینا ہر دو کے متعلق بحوالہ فرمایا جائے کہ ایسا کاروبار شرعاً کیسا ہے؟　　(محمد غوث الدین، داروغہ گلی، مغلپورہ، حیدرآباد)

جواب:- ہمارے زمانہ میں مختلف ملکوں میں جو سکے رواج پذیر ہیں، میری رائے میں ان کی جنس جداگانہ ہے جیسا کہ فقہاء نے درہم، دینار اور فلوس جو ان کے زمانہ میں مروج تھے، ان کی جنس کو الگ الگ مانا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ دو الگ جنس کی چیزوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ کیا جائے تو اس تبادلہ میں طرفین کے لئے کسی مقدار کی تحدید اور تعیین نہیں ہے، بلکہ باہمی رضامندی سے وہ جس تناسب اور مقدار کے تبادلہ پر راضی ہو جائیں، تبادلہ کر سکتے ہیں، البتہ اگر یہ دونوں ثمن یعنی زر ہوں تو ضروری ہے کہ ایک مجلس میں تبادلہ عمل میں آجائے، ایک کی طرف سے نقد اور دوسرے کی طرف سے ادھار نہ ہو، لہذا سوال میں دریافت کی گئی دوسری صورت جائز ہے۔

ہنڈی کی صورت میں بیرون ملک جو رقم حاصل کرتا ہے، اس پر وہ رقم قرض ہے، ہندوستان میں جو شخص یہ رقم ادا کرتا ہے وہ اس مقروض کی طرف سے وکیل ہے اور بحیثیت وکیل قرض ادا کر رہا ہے، اور یہاں جو لوگ ہیں وہ قرض دہندہ کے وکیل کی طرف سے یہ قرض وصول کرتے ہیں، لہذا اس میں مضائقہ نہیں۔(۱) البتہ ملکی قانون کی رعایت اخلاقاً واجب ہے، اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

---

(۱)　مزید تفصیل کے لئے ”جدید فقہی مسائل حصہ اول“ دیکھا جائے۔

مورتیوں کی صنعت وتجارت

سوال:- {1849} آج کل پرانے شہر میں نوادرات کی قبیل سے المونیم کے مختلف قسم کے پتلے ڈھالے جارہے ہیں، بالخصوص مسجد چوک کے عقبی حصے میں یہ کام بہت ہورہا ہے، بادشاہوں، اہل ہنود کے دیوی دیوتاؤں کے پتلے اور جانوروں کے پتلے ڈھالے جارہے ہیں، اور یہ کام زیادہ تر مسلمان ہی کر رہے ہیں، اور مسلمان ہی شوروم رکھ کر فروخت کررہے ہیں اور دیگر مقامات کو بھی بھجوائے جارہے ہیں اس کام سے بہت سے افراد کا روزگار جڑا ہوا ہے، اوران کے معاشی مسائل حل ہورہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آیا یہ کام مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟ کیا یہ آزری نہیں ہے؟ فی الحقیقت یہ ناجائز اور حرام ہے تو کیا اس صنعت سے ہمارے شہر بالخصوص پرانے شہر کے علماء ناواقف ہیں، براہ مہربانی اس کی شرعی حیثیت سے واقف کروائیں، تاکہ لوگوں کے سامنے بات واضح ہوجائے۔

(لیاقت علی، حسینی علم)

جواب:- مجسموں اور مورتیوں کے بنانے کی حرمت پر تمام فقہاء کا اجماع واتفاق ہے،(۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن صورت بنانے والے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عذاب کے مستحق ہوں گے:

---

(۱) فتح الباري شرح البخاري :۱۰/۴۷۰۔ نیز تفصیل کے لیے دیکھئے: جواہر الفقہ، جلد۳، التصویر لأحکام التصویر۔ محشی۔

"ان اشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون"(۱)

اس لئے مجسمہ سازی تو یوں بھی سخت گناہ ہے، اور اس کی خرید و فروخت حرام ہے، پھر دیوی اور دیوتاؤں کے پتلے بیچنا تو گناہ بالائے گناہ ہے، کیونکہ یہ براہ راست شرک میں تعاون ہے، اور کسی مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہوسکتی ہے کہ وہ توحید کا داعی اور شرک کا ماحی ہونے کی بجائے شرک کا خادم بن جائے، اللہ تعالی ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے، سوال کنندہ کے جذبات سے اتفاق کرتے ہوئے راقم الحروف بھی اس کو ذریعہ معاش بنانے والے مسلمان بھائیوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس سنگین گناہ سے باز آئیں اور کوئی حلال ذریعہ معاش تلاش کریں، اللہ تعالی رزاق ہے، یقیناً ان کے لئے کوئی جائز اور بہتر صورت نکل آئے گی۔

شوروم میں مجسمے

سوال:- {1850} مسلم تاجر پارچہ اپنے شوروم میں مجسمے سنوار کر گاہک کو لبھانے کے لئے رکھتے ہیں، کیا ایسی تجارت جائز ہے؟ (محمد غوث الدین، سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- جیسا کہ اس سے پہلے سوال کے جواب سے ظاہر ہے، اس طرح کے مجسمے نہ بیچنا جائز ہے اور نہ رکھنا، کپڑے کی طرف راغب کرنے کے لئے دوسرے طریقہ کار بھی موجود ہیں، ان کا استعمال کرنا چاہئے، اور اپنی صداقت اور دیانت کا ایسا ریکارڈ قائم کرنا چاہئے کہ لوگ آپ کی دوکان پر اعتماد واعتبار کرکے آئیں، نہ کہ اس کے لئے غیر شرعی طریقہ پر تشہیر وآرائش کا طریقہ اختیار کیا جائے، البتہ جو سامان اس نے بیچا اور اس پر نفع حاصل کیا ہے وہ حلال ہے، (۲)

(۱) صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۵۰۔
(۲) دیکھئے: رد المحتار: ۵/۳۵۰۔ محشی۔

کیونکہ اصل تجارت میں کوئی خلاف شرع بات نہیں ہوئی ہے، بلکہ معصیت طریقۂ تشہیر میں واقع ہوئی ہے۔

مسجد کی ملگی میں مورتیوں کی تجارت

سوال:- {1851} ایک مسلمان بھائی کا روزگار بلور اور پیتل کی مورتیاں بنا کر اوران پر پالش کرکے بیچنے کا ہے، کیا ایسا کاروبار درست ہے؟ نیز مسجد کی ملگی میں اس کی دکان لگانا جائز ہے یا نہیں؟ (شیخ احمد، نواب صاحب کنڈ)

جواب:- مورتیاں بنانا اوران کا بیچنا دونوں ہی حرام ہیں اوران سے حاصل ہونے والی آمدنی ناجائز،(۱) یہ تو اپنی ذاتی ملگی میں بھی جائز نہیں، مسجد کی ملگی میں یہ کاروبار مسجد کی اہانت کے مترادف اور گناہ بالائے گناہ کا ارتکاب ہے۔

کمیشن پر دلال کے ذریعہ سامان فروخت کرنا

سوال:- {1852} کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں:

عبد اللہ (ایجنٹ) نے ایک ہمارا پلاٹ اس شرط پر فروخت کروانے کی بات کی کہ جو رقم بطور کمیشن آپ مجھے دیں وہ خریدار کو معلوم نہیں ہونی چاہئے، خریدار عبدالرحیم نے اس زمین کی جملہ رقم میں سے ایک چوتھائی رقم مبلغ پانچ لاکھ روپے

(۱) "لا يحل عمل شيئ من هذه الصور و لا يجوز بيعها و لا التجارة لها و الواجب أن يمنعوا من ذلك" (بلوغ القصد و المرام معزيا للهيثمي :ص:۱۳، بحوالۂ جواہر الفقہ :۳/۲۳۹) محشی۔

عبداللہ کے توسط سے مجھے ادا کردیئے، عبداللہ (ایجنٹ) نے کچھ اپنی مجبوریاں بتلا کے مکمل کمیشن کی رقم پیشگی ۵۸ ہزار روپے اسی پانچ لاکھ سے منہا کر کے باقی رقم چار لاکھ بیالیس ہزار مجھے دیدیئے جبکہ ایجنٹ معاملہ کی تکمیل کے بعد ہی کمیشن کی رقم کا حقدار ہوتا ہے، اگر کسی وجہ سے معاملہ طے نہ ہو سکے تو کمیشن اسے نہیں ملتا، البتہ اس کی دوڑ دھوپ کے اخراجات کی معمولی رقم اسے دے دی جاتی ہے، لیکن کچھ قانونی مجبوریوں کی وجہ سے وہ معاملہ فسخ کرنا پڑا، ہم نے خریدار عبدالرحیم کی جملہ رقم پانچ لاکھ روپے فوراً واپس کردیئے، اور عبداللہ (ایجنٹ) سے جب کمیشن کی رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا، تو اولاً انہوں نے یہ کہہ کر رقم واپس کرنے سے انکار کردیا کہ "میں نے اس معاملہ میں بہت زیادہ تکلیف اٹھائی ہے"

میں ان سے کہا کہ بھائی محنتانہ کے طور پر دس ہزار آپ لے لیجئے باقی ۴۸ ر ہزار مجھے دیدیجئے، انہوں نے اس پر دس ہزار روپے واپس کردیئے اور کہا کہ کچھ اور رقم میں جلد واپس کر دوں گا۔

لیکن اب تک معاملہ کو فسخ ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوگیا ہے، کئی دفعہ مطالبہ کے باوجود انہوں نے پیسے واپس نہیں کئے، سوال یہ ہے کہ آیا وہ فسخ معاملہ کے باوجود کمیشن کی رقم کے حقدار ہیں؟ یا نہیں؟ اگر ہیں تو کتنی رقم کے؟ اگر کچھ مقدار کے حقدار ہیں تو باقی رقم استطاعت رکھتے ہوئے فوراً ادا کردینی چاہئے یا بلا وجہ تاخیر اور ٹال مٹول کے ذریعہ ہمیں پریشان

کرنے کا حق ان کو ہوسکتا ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی
روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، نوازش ہوگی۔ والسلام۔
(جواد علی، رشید علی۔ اے سی گارڈ، حیدرآباد)

جواب:- کمیشن پر دلال کے ذریعہ سامان فروخت کرنا احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے،(۱) کہ کسی متعین کام پر اجرت مقرر کی جائے کہ اگر وہ شخص اس کام کو کرادے تو اجرت دی جائے گی ورنہ نہیں، اس کو فقہ مالکی کی اصطلاح میں "جعالہ" کہتے ہیں، ایسی صورت میں اگر وہ شخص اس کام کو پورا نہ کرائے تو کچھ بھی واجب نہیں ہوتا، پس معاملہ کی جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اصل میں تو یہ معاملہ ہی درست نہیں ہے، اب رفعِ نزاع کے لئے یہی صورت ہوسکتی ہے کہ ان صاحب کو ان کی دوڑ دھوپ کے ضروری اخراجات ادا کردیئے جائیں، اور بقیہ پوری رقم واپس کردی جائے۔

شدید عذر و مجبوری کے بغیر کسی کا دین ادا نہ کرنا اور ٹال مٹول سے کام لینا سخت گناہ اور عنداللہ جواب دہی کی بات ہے، اس لئے جن صاحب کے ذمہ یہ رقم باقی ہے انہیں فوراً ادا کردینا چاہئے۔

غیر ساتر ملبوسات کی فروخت

سوال:- {1853} آج کل فیشن کے طور پر ایسے
ملبوسات پہنے جاتے ہیں جن سے خواتین کا پورا بدن ڈھکتا ہی
نہیں ہے، کیا ایسی ملبوسات کو فروخت کرنا درست ہوگا؟
(سید حبیب اللہ، ایرہ گڈا)

جواب:- خواتین کے لئے پردہ کے اعتبار سے تین درجات ہیں: اجنبی اور غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ، محرم رشتہ داروں اور شوہر سے پردہ، اس طرح کے ملبوسات کا غیر محرم کے

(۱) الفقہ الاسلامی و أدلتہ:۴/۷۸۴۔ محشی۔

سامنے استعمال کرنا تو جائز نہیں، لیکن بعض ملبوسات جن میں آستین پوری نہیں ہوتی محرم کے سامنے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، اور شوہر کے ساتھ تو خلوت میں ہر طرح کا لباس استعمال کیا جاسکتا ہے، لہذا چونکہ فروخت کنندہ ایسے مقصد یا تلقین کے ساتھ نہیں فروخت کرتا کہ غیر محرموں کے سامنے بے حجابی روا رکھتے ہوئے ان کا استعمال کیا جائے اور فی الجملہ بعض حالات میں خواتین کے لئے ان کے استعمال کی گنجائش ہے، اس لئے اس کا اس طرح کے ملبوسات فروخت کرنا جائز ہوگا، البتہ نادرست ارادہ سے خرید کرنے والے اور خرید کر استعمال کرنے والے گنہگار ہوں گے۔(۱)

انسانی عضو کی فروختگی

سوال:- {1854} کوئی مسلمان بہ وجہ غربت و افلاس وقرض اپنا ایک گردہ بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اسلام میں اعضاء انسانی کی تجارت جائز ہے؟ (ایم، ایس خاں، اکبر باغ)

جواب:- انسان اپنے جسم اور اعضاء کا مالک نہیں، اس لیے خود اپنا عضو فروخت کرنا یا انسانی اعضاء واجزاء کی تجارت کرنا درست نہیں۔(۲)

---

(۱) "الأمور بمقاصدها" (الأشباه والنظائر لابن نجيم :۱/۹۷) نیز صحیح بخاری میں یہ روایت ہے:" عن عبد الله بن عمر ﷺ عن أبيه قال : أرسل النبي ﷺ إلى عمر ﷺ بحلة حرير أو سيرار فرآها عليه ، فقال : إني لم أرسل بها إليك لتلبسها ، إنما يلبسها من لا خلاق له ، إنما بعثت إليك لتستمتع بها يعني تبيعها " (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۲۱۰۴،باب التجارة فيما يكره لبسه للرجال و النساء) محشی۔

(۲) "مضطر لم يجد ميتة و خاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدي و كلها أو قال اقطع مني قطيعة فكلها لا يسعه أن يفعل ذلك و لا يصح أمره به كما لا يسع للمضطر أن يقطع قطعة من لحم نفسه فيأكل " (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية:۳/۳۶۵،كتاب الحظر و الإباحة) محشی۔

کیا ناپاک اشیاء کی خرید وفروخت درست ہے؟

سوال:- {1855} آج کل گوبر کھاد کے لئے فروخت کیا جاتا ہے، اب تو بیت الخلاء کے حوض سے نکالا جانے والا انسانی فضلہ بھی بیچا جاتا ہے اور اُن کو کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ ناپاک ہے، کیا ایسی چیزوں کو خریدنا اور بیچنا درست ہے؟ (عبدالمجید، گولکنڈہ)

جواب:- ایسی چیزیں جو ناپاک ہوں، لیکن ان سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو، انہیں خریدنا اور بیچنا درست ہے، اسی لئے فقہاء نے خالص گوبر کو اور لید فروخت کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ جانور فضلہ بے آمیز ہوں تب بھی ان سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے، خالص انسانی فضلہ قابلِ انتفاع نہیں ہوتا، لیکن اگر مٹی کے ساتھ ملا ہوا ہو تو کھاد کے کام آتا ہے، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مٹی غالب ہو، تو اس کا خریدنا اور بیچنا درست ہوگا:

"کما بطل بیع ... رجیع آدمی لم یغلب علیه التراب، فلو مغلوبا به جاز، کسرقین و بعر و اکتفی فی البحر خلطه بتراب" (۱)

بیت الخلاء کے حوض میں مٹی فضلات کو بڑی حد تک تحلیل کردیتی ہے، اس طرح مٹی غالب ہوتی ہے اور فضلہ مغلوب اس لحاظ سے جو فقہاء فضلہ کے مغلوب اور مٹی کے غالب ہونے کی صورت میں خرید وفروخت کی اجازت دیتے ہیں، ان کی خرید وفروخت ان کے نزدیک بدرجۂ اولی جائز ہوگی۔

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۷/۱۷۹ ،باب بیع الفاسد ۔ محشی۔

تعمیر سے پہلے فلیٹس کی فروخت

سوال:- {1856} آج کل فلیٹس کے فروخت کرنے کی یہ صورت مروج ہوگئی ہے کہ پہلے پورے پراجکٹ کا نقشہ بنالیا جاتا ہے اور اکثر تعمیر شروع ہونے سے پہلے ہی، زیادہ تر حصے فروخت کر دیئے جاتے ہیں، کیا اس طرح مکانات فروخت کرنا درست ہے؟ (محی الدین، حیدر گوڑہ)

جواب:- جب تک ایک چیز وجود میں نہ آجائے، اس کو بیچنا درست نہیں، (۱) لیکن اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے، جس کو "استصناع" کہتے ہیں، یعنی ایسی چیزیں جن کو آرڈر پر تیار کرنے کا رواج ہو، جیسے جوتا وغیرہ، آج کل فلیٹس اسی انداز پر بنائے جاتے ہیں، فلیٹس کے نقشے، اس کی مکانیت، تعمیری معیار اور پوری تفصیلات پہلے واضح کردی جاتی ہیں، محل وقوع دیکھنے کی گنجائش ہوتی ہے اور اس کا فلیٹ کس منزل پر ہوگا، یہ بھی واضح کردیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ختم یا بہت کم ہوجاتا ہے، اس لئے جو لوگ فلیٹس تعمیر کر کے بیچتے ہیں، ان کے لئے اس طرح خرید و فروخت کی گنجائش ہے۔

جو فلیٹ نامکمل ہو، اس کو فروخت کرنا

سوال:- {1857} الف نے فلیٹ خریدا، لیکن ابھی تعمیر مکمل نہیں ہوئی، پیسے کی ضرورت کی بنا پر دوسرے کو بیچنا چاہتا ہے، کیا یہ صورت درست ہے؟ (محی الدین، حیدر گوڑہ)

---

(۱) "عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ قال: قلت یا رسول اللہ ﷺ! الرجل لیسألني البیع و لیس عندي، أفأبیعه؟ قال: لا تبع ما لیس عندك" (سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۲۱۸۷، باب النهي عن بیع ما لیس عندك) محشی۔

جواب:- اگر ابھی بلڈنگ تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے، تو خریدنے والے شخص سے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے،(۱) کیونکہ جو چیز بیچی جائے اس کا فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے، البتہ اگر اس کی چھت پڑ چکی ہو اور اس کے خریدے ہوئے فلیٹس کی جو سطح ہوگی، خواہ زمین ہو یا کوئی چھت، وہ موجود ہو، دیواریں اور مکان سے متعلق دوسری ضروریات موجود نہ ہوں، تو بحالت موجودہ اس کی جو قیمت مقرر ہو، اس کے لحاظ سے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس حد تک مکان وجود میں آچکا ہے۔

مختلف ملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ سے حاصل ہونے والا نفع

سوال:- {1858} مختلف ملکوں کی کرنسیوں کی خرید وفروخت سے حاصل ہونے والا نفع جائز ہے یا نہیں؟

(انور شریف، قاضی پورہ)

جواب:- اس دور کے اہل علم کی رائے ہے کہ مختلف ملکوں کی کرنسیاں الگ الگ جنس ہیں،(۲) اس لئے ان کے باہمی تبادلہ میں کسی خاص قیمت کی پابندی ضروری نہیں، گورنمنٹ یا بینک کے مقررہ نرخ سے کم یا زیادہ پر بھی باہمی رضامندی سے خرید وفروخت ہوسکتی ہے، اس طرح جو نفع حاصل ہو وہ مباح اور جائز ہوگا، البتہ یہ بات ضروری ہوگی کہ دونوں طرف سے نقد لین دین ہو ایک طرف سے نقد ہو، دوسری طرف سے ادھار، یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ فقہ کی اصطلاح میں ''بیع صرف'' ہے(۳) اس لئے معاملہ کی اس صورت میں دونوں طرف سے نقد تبادلہ ضروری ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۲۱۸۷،باب النهي عن بيع ماليس عندك ۔محشی۔
(۲) جدید فقہی مسائل:۱/۳۹۲۔محشی۔
(۳) الهداية :۳/۱۰۴۔محشی۔

زندہ جانور کے چمڑے کی فروخت

سوال:- {1859} جانور زندہ ہو اور ذبح ہونے سے پہلے ہی اس کے چرم کی قیمت لگادی جائے، کیا شرعا یہ درست ہوگا؟　(حافظ محمد حبیب الدین، مشیرآباد)

جواب:- ذبح کرنے اور چرم نکالنے سے پہلے اس کو بیچنا درست نہیں، کیوں کہ شرعی طریقہ پر ذبح کرنے یا دباغت دینے کے بعد ہی چمڑے کی خرید وفروخت درست ہے، زندہ جانور کا کوئی حصہ فروخت نہیں کیا جاسکتا، ہاں اگر جانور کے مالکان وعدہ کریں کہ ذبح کرنے کے بعد اس کا چمڑا آپ کے ہاتھ اتنے روپے میں فروخت کردوں گا، پھر ذبح کے بعد چمڑے اور قیمت کا تبادلہ ہوجائے، تو یہ صورت جائز ہے، البتہ ذبح ہونے سے پہلے جو گفتگو ہوئی، اس کی حیثیت خرید وفروخت کی نہیں، بلکہ خرید وفروخت کے وعدہ کی ہے، اس لئے فریقین قانونا اپنے اس ارادہ میں یک طرفہ طور پر تبدیلی لاسکتے ہیں، اور اس کی قیمت میں باہمی رضامندی سے کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے، لیکن دیانۃً وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے، لہٰذا اگر خریدار بعد میں لینے سے انکار کردے، تو گنہگار رہوگا۔

خنزیر کے بالوں کے برش

سوال:- {1860} دیواروں کو پینٹ کرنے کے لئے خنزیر کے بالوں سے برش بنائے جاتے ہیں، ان کا فروخت کرنا کیسا ہے؟　(محمد نصیر الدین، اکبرباغ)

جواب:- خنزیر چوں کہ اپنے تمام اجزاء کے ساتھ ناپاک اور ناقابل تطہیر ہے، نیز دیواروں کو پینٹ کرنے کے لئے پلاسٹک وغیرہ کے برش بھی دستیاب ہیں، اس لئے یہ کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ ناپاک شئ کا استعمال جس طرح جائز نہیں اسی طرح اس

کوفروخت کرنا بھی درست نہیں، لہذا خنزیر کے بالوں کے برش نہ فروخت کرنا درست ہے، نہ خریدنا اور نہ استعمال کرنا۔

دباغت کے بعد خنزیر کے چمڑوں کی خرید وفروخت

سوال:- {1861} دباغت کے بعد خنزیر کے چمڑے کی خرید وفروخت کرنا کیا درست ہے؟ (حمید الدین، باکارم)

جواب:- خنزیر کا پورا وجود ناپاک ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''نجس العین'' کہتے ہیں، (۱) اس کا کوئی جزء کسی صورت میں پاک نہیں ہوسکتا، (۲) اس لئے اس کا چمڑا دباغت کے بعد بھی ناپاک ہی رہتا ہے، اور اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ (۳)

حرام عضو کی خرید وفروخت

سوال:- {1862} میرا تعلق قریش برادری سے ہے، یعنی گوشت کا کاروبار کرتا ہوں، برادری کے بعض احباب بیل کی شرم گاہ، جس کو عام طور پر ہم لوگ ''نرہ'' کہتے ہیں، جمع کر کے اکسپورٹ اور خرید وفرخت کر رہے ہیں، کیا یہ کاروبار شرعی حیثیت سے جائز ہے یا ناجائز؟

(شیخ جمعہ قریشی، پاٹن بوری، مہاراشٹر)

جواب:- جانور کے سات اعضاء وہ ہیں جن کا کھانا حرام ہے: بہتا ہوا خون، نر و مادہ

---

(۱) الهداية: ۱/۴۱۔ محشی۔

(۲) حوالۂ سابق: ۱/۴۰۔ محشی۔

(۳) " لا يباع جلد ميتة قبل الدباغ و بعده أى بعد الدبغ يباع إلا جلد انسان و خنزير" (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/۱۹۵، مطلب في البيع الفاسد) محشی۔

جانور کی شرم گاہ، مثانہ، پت، خصیہ، فرج اور غدہ (گرہ لگا ہوا گوشت)، (۱) اگر مذکورہ شی کھانے کے لئے فروخت کی جاتی ہیں تو ان کا فروخت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ جس شی کا کھانا حرام ہے، اس کا کھلانا بھی حرام ہے، لیکن کسی اور مقصد کے لئے ان کی خرید وفروخت کا ممنوع ہونا ضروری نہیں۔

مورتیاں بنانا اور فروخت کرنا

سوال:- {1863} پرانے شہر میں خاص طور پر چوک مرغیاں میں بنی ہوئی مورتیوں کی دوکانیں ہیں، جو مسلمان حضرات چلاتے ہیں، یہ مورتیاں دیوی دیوتاؤں کی ہوتی ہیں، اور مسلمان ان کی تجارت کرتے ہیں، بلکہ ان کو بنانے والے بھی مسلمان ہیں، کیا مسلمانوں کے لئے یہ تجارت جائز ہے، اور اس کے ذریعہ جو رزق حاصل کیا جارہا ہے وہ حلال ہے؟

(عبد الاحد)

جواب:- مورتیاں بنانا بھی حرام ہے اور ان کو بیچنا بھی حرام ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ عذاب مصوّر رہوں گے"۔(۲)

اس حدیث میں مشہور محدث حافظ ابن حجرؒ کے بقول مجسمے اسٹیچو اور یہی مورتیاں مراد ہیں: " و المراد بالصور هنا التماثيل "(۳) اس لئے مورتیاں بنانا سخت گناہ ہے، حدیث

(۱) الفتاوى الهندية: ۲۹۰/۵۔

(۲) " إن أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون " (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۹۵۰) مرتب۔

(۳) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۲۲۵، باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح و ما يكره من ذلك ۔ محشی۔

میں اس کی خرید وفروخت سے بھی شدت کے ساتھ اور صراحتاً منع کیا گیا ہے،(۱) اور اسے بیچ کر جو پیسے حاصل ہوں وہ بھی حرام ہیں، خاص کر ایسی مورتیاں جن کی دوسری قومیں پرستش کرتی ہوں، ان کا بنانا گناہ بالائے گناہ ہے، کیوں کہ یہ شرک میں براہ راست کھلا ہوا تعاون ہے، اور کسی بھی درجہ میں کسی صاحب ایمان کے لئے اس طرح کے گناہ کا ارتکاب شایان شان نہیں۔

بلاک سے راشن کا سامان خریدنا

سوال:- {1864} راشن کی دکان سے چاول، گیہوں، تیل وغیرہ بلاک میں خریدنا اور اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ اس کا نماز، روزہ وغیرہ پر تو اثر نہیں پڑے گا؟

(محمد سیف اللہ، حافظ بابانگر)

جواب:- راشن کی دکان میں اشیاء کی قیمت کم اس لیے ہوتی ہے کہ حکومت کچھ نقصان برداشت کرکے کم قیمت پر سامان فراہم کرتی ہے، اور ڈیلر کو اصولی طور پر اس بات کا پابند بناتی ہے، کہ راشن کارڈ کے حاملین کو سامان فراہم کیا جائے۔ لہذا راشن دکان کے مالکان پر بھی اس کی رعایت کرنا واجب ہے، اور جو لوگ واقف ہوں، کہ یہ دکان دار غریبوں کا حق مار کر ان کے ہاتھ بلاک میں بیچ رہا ہے، ان کے لیے اس کا خریدنا مکروہ ہے،(۲) البتہ چونکہ وہ قیمت دے کر سامان خرید کر رہا ہے، اور بیچنے والا اپنے سامان کی قیمت کم بھی رکھ سکتا ہے، اور زیادہ بھی، اس لیے جن لوگوں نے بلاک سے لے کر اس غلہ کو کھایا اور پیا، ان کو حرام کھانے والا نہیں سمجھا جائے گا، اس کو دھوکہ کا گناہ تو ہوگا، لیکن حرام کھانے کا گناہ نہیں ہوگا، اور اس کی نماز روزہ پر بھی اس کی وجہ سے ان شاء اللہ کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

---

(۱) فتح الباری: ۱۰/۴۷۰۔ محشی۔
(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۳۸۵۔ محشی۔

باتصویر اخبار کی خرید وفروخت

سوال:- {1865} گھر میں تصویر رکھنا یا لگانا ناجائز کہا جاتا ہے، جس گھر مین تصویر ہو، وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، لیکن روزانہ گھر پر اخبار آتا ہے، اس میں بہت سے انسانوں کی تصاویر ہوتی ہیں، تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(م،ع فاروقی، جگہ نامعلوم)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ گھر میں تصویر کا رکھنا جائز نہیں، اور تصویر لٹکانے میں اور بھی شدید گناہ، کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم واحترام کا اظہار ہوتا ہے،(۱) لیکن اخبارات کا لینا جائز ہے، کیونکہ اس میں مقصود خبریں ہوتی ہیں نہ کہ تصویریں، تصویروں کی حیثیت ضمنی ہوتی ہے، اگر کوئی تصویروں ہی کا رسالہ ہے، اور تصاویر ہی کے لیے ان کو لیا جاتا ہے، جیسا کہ فلمی رسائل، تو ان کا خریدنا اور فروخت کرنا ناجائز ہوگا۔

مالک کی اجازت کے بغیر زمین کی فروختگی اور اس پر مسجد کی تعمیر

سوال:- {1866} زید نے ایک پلاٹ خریدا جس میں سے کچھ قیمت ادا کردی اور کچھ قیمت آئندہ ادا کرنے کا وعدہ کیا اور یہ پلاٹ بکر کے حوالہ کرکے گیا کہ وہ اس کی نگرانی اور حفاظت کرے بکر نے جو زمین کی فروختگی کا کاروبار کرتا ہے، اس کے گردوپیش زمین خرید کر پلاٹ بنا کر فروخت کردیا اور عام پلاٹس کے مقابلہ نسبتاً کم قیمت پر زید کا مذکورہ پلاٹ بھی اس کی اطلاع اور اجازت کے بغیر از خود فروخت کردیا، نیز زید

(۱) فتح الباری :۱۰/۴۷۰۔ محشی۔

کی ادا کردہ رقم اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر والوں کے حوالہ کردی —— اب کیا زید کی اجازت کے بغیر بکر کا اس کا فروخت کرنا درست ہوا ؟ اور کیا اس زمین پر خریدار حضرات مسجد تعمیر کر سکتے ہیں؟ (علی بن سفیان، کرناٹک)

جواب:- شرعاً کسی آدمی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ کسی کی زمین اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردے اور نہ اس کے فروخت کرنے کا کوئی اعتبار ہے، اس لئے کہ کسی چیز کو وہی بیچ سکتا ہے جو اس کا مالک بھی ہو۔(۱) ہاں اگر سامان کا اصل مالک اس کی اجازت دیدے اور اس معاملہ کو قبول کرلے تو اب یہ خرید وفروخت درست ہو جائے گی۔

" إذا باع الرجل مال الغير عندنا يتوقف البيع على إجازة المالك " (۲)

اس لئے مذکورہ صورت میں بکر کا زید کی زمین اس کی اجازت کے بغیر بیچ دینا شرعاً جائز نہیں، اور نہ ہی یہ خرید وفروخت درست ہوئی، اس کو چاہئے کہ خریداروں کا روپیہ ان کے حوالہ کردے اور زمین زید کو دیدے، ابھی جن لوگوں نے اس زمین کو مسجد کے لئے لیا ہے، ان کے حق میں یہ زمین مغصوبہ سمجھی جائے گی اور غصب کی ہوئی زمین میں نماز پڑھنا اور مسجد بنانا گناہ ہے،(۳) اس لئے زید کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

ویڈیو گیم کی آمدنی

سوال:- {1867} آج کل ویڈیو گیم کا کاروبار بہت چل رہا ہے، گلی گلی میں ویڈیو گیم کی دکانیں ہیں، یہ کاروبار

---

(۱) " أن يكون مملوكا في نفسه " (الفتاوی الهندية :۳/۳)محشی۔
(۲) الهداية :۳/۵۳۔محشی۔
(۳) رد المحتار :۱/۲۸۰۔محشی۔

حلال ہے یا حرام؟ (حبیب محمد، بارکس)

جواب:- ویڈیو گیم میں وقت کا ضیاع ہے، انسان اس کھیل میں لگ کر اپنے دین اور دنیوی فرائض سے غافل ہو جاتا ہے، اور گھنٹوں اس میں برباد کر دیتا ہے، اس لیے ویڈیو گیم اگر پیسوں کی شرط کے بغیر ہو جب بھی مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ فقہاء نے شطرنج کو مکروہ قرار دیا ہے:۔ ''و کرہ تحریما اللعب بالنرد و کذا الشطرنج ''(۱) اور اگر پیسوں کی شرط بھی لگائی جائے تب تو جُوا ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

یہ تو ویڈیو گیم کھیلنے کا حکم ہے، اور جہاں تک ویڈیو گیم کے کاروبار کی بات ہے تو یہ کاروبار گناہ میں تعاون کی وجہ سے گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ (۲) لیکن چوں کے یہ پیسہ ویڈیو سیٹ کے استعمال کا کرایہ ہے اور اس سیٹ کا استعمال جائز مقاصد کے لیے بھی ہو سکتا ہے، اس لیے آمدنی حلال ہوگی، ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک فعل تو گناہ ہو، لیکن اس کے استعمال سے جو چیز حاصل ہو وہ حلال ہو، جیسے غصب کی ہوئی چھری سے جانور ذبح کرنا جائز نہیں، لیکن اگر ذبح کر دیا جائے تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔

بیع الوفاء

سوال:- {1868} زید اپنا مکان بعوض چار ہزار روپے اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ وہ ایک سال میں چار ہزار کی رقم ادا کر دے گا اور پھر یہ مکان بائع کو واپس ہو جائے گا، کیا یہ بیع درست ہے؟ (محمد عبدالرؤف، مصری گنج، حیدرآباد)

جواب:- یہاں بیع کی جو صورت بیان کی گئی ہے، فقہاء کے یہاں اس کو ''بیع الوفاء'' سے تعبیر کیا گیا ہے، شریعت کا اصول یہ ہے کہ بیع کے معاملہ کے ساتھ اگر کوئی ایسی شرط لگا دی گئی،

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۹/۴۸۱۔ محشی۔
(۲) المائدة :۲۔ محشی۔

جو تقاضۂ عقد کے خلاف ہو تو بیع درست نہیں ہوگی، (۱) چوں کہ اس معاملہ کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی گئی ہے کہ ایک مدت کے بعد وہ شئ واپس کر دینی ہوگی، اور یہ بیع کے اصول اور تقاضوں کے خلاف ہے، اس لئے بیع درست نہیں ہے —— البتہ عملاً اس بیع کی صورت بالکل رہن کی ہے، اور فقہاء نے بھی ایک طرف اس کے غیر معمولی تعامل اور دوسری طرف فقہی قباحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو رہن کی حیثیت سے جائز رکھا ہے، اب اس معاملہ کو رہن قرار دینے کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص جو خریدار ہے، اس کا مالک نہیں ہوگا، اصل مالک بائع ہی ہے، اس طرح خریدار کے لئے زمین یا مکان وغیرہ فروخت ہو تو شفعہ اصل مالک ہی کو ہوگا، اس خریدار کو جس کی حیثیت دراصل رہن رکھے گئے مال کے امین کی ہے اور جسے فقہ کی اصطلاح میں ''مرتہن'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس سے استفادہ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ شامی میں ہے:

" البيع الذي تعارفه أهل زماننا احتيالا للربا وسموه بالوفاء فهو رهن في الحقيقة لا يملكه ولا ينتفع به إلا بإذن مالكه وهو ضامن لما أكل من ثمره الخ " (۲)

''وہ جس کا آج کل ہمارے زمانہ میں سود سے بچنے کے لئے حیلہ کیا جاتا ہے اور اسے ''بیع وفاء'' کہا جاتا ہے، درحقیقت رہن ہے، جس کا خریدنے والا نہ مالک ہوتا ہے اور نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، البتہ مالک کی اجازت سے ہو سکتا ہے، اگر (بلا اجازت استفادہ کر لیا تو) وہ ضامن ہوگا''

---

(۱) " أما شرائط الانعقاد... منها الخلو عن الشرط الفاسد" (الفتاوى الهندية : ۳/۳) محشی۔

(۲) رد المحتار: ۴/۳۴۶۔

اسٹار کنکشن کا بزنس

سوال:- {1869} آج کل اسٹار ٹی وی کا چلن ہر گھر میں عام ہو چکا ہے، بعض لوگ اسٹار کنکشن دینے کا بزنس کر رہے ہیں، ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ روپیہ اس بزنس میں لگا کر ہر ماہ دس ہزار تا پندرہ ہزار روپیہ کما رہے ہیں، آیا اس کی کمائی جائز ہے یا نہیں اور اس کی کمائی کی رقم سے حج وعمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ کلر ٹی وی اور وی سی آر اور فلمی کیسٹ کرائے پر دیتے ہیں، یہ بھی ایک طرح کا بزنس بنا ہوا ہے، ہر چوبیس گھنٹے میں یہ لوگ ۳۰۰ ر روپیہ کما رہے ہیں یہ کمائی کس حد تک درست ہے، جواب سے آگاہ کریں؟

(مرزا یونس بیگ، بھینسہ)

جواب:- ایک تو ٹی وی ہی کیا کم آفت تھی اور اسٹار ٹی وی نے تو اس آفت کو کئی چند کر دیا ہے، اس کی وجہ سے جو اخلاقی مفاسد پیدا ہو رہے ہیں اور نوجوانوں میں بے راہ روی کا جو رجحان بڑھ رہا ہے وہ محتاج اظہار نہیں، حقیقت یہ ہے کہ ٹی وی اور بالخصوص اسٹار ٹی وی اس دور میں ام الفواحش یعنی بے حیائیوں کی جڑ ہے، اس لئے اسٹار کنکشن کا بزنس لوگوں کو گناہ اور برائی کی طرف دعوت دینے اور بے شرمی کی تبلیغ کرنے کے مترادف ہے، پس یہ سخت گناہ ہے، اور یہ ذریعۂ معاش قطعاً جائز نہیں، اس کی آمدنی کا حج وعمرہ میں استعمال بھی جائز نہیں، حج وعمرہ میں تو زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حرام پیسے لگانے سے بچتے تھے، کسی مسلمان کے لئے یہ بات کیسے روا ہو سکتی ہے؟ ٹی وی، فحش وی سی آر اور فلمی کیسٹ کرایہ پر لگانے کا بھی یہی حکم ہے، یہ سب گناہ میں تعاون ہے، اور شرعاً اس کی قطعاً گنجائش نہیں۔(۱)

(۱) ﴿و لا تعاونوا علی الإثم و العدوان﴾ (المائدۃ:۳) محشی۔

مضاربت وشرکت

نقصان کو قبول کئے بغیر مضاربت

سوال:- {1870} میں کسی خانگی ادارہ میں -/1500 روپے ماہانہ پر ملازمت کرتا ہوں اسی میں بیوی بال بچے کے اخرجات کو کسی طرح پورا کرتا ہوں، معاشی حالت کچھ بہتر کرنے کے لئے میں نے -/10,000 قرض لئے اور اسے دواؤں کی ایجنسی میں مشغول کردیا، جہاں سے -/600 روپے ماہانہ نفع حاصل ہو رہا ہے، مجھے نقصان سے کوئی مطلب نہیں ہے، واضح رہے کہ یہ منافع میرے سرمایہ کا تیس سے چالیس فیصد کے درمیان ہے، تو کیا اس طرح نفع حاصل کرنا درست ہے؟ (احمد علی، چنچل گوڑہ)

جواب:- جو صورت آپ نے لکھی ہے، اسے فقہ کی اصطلاح میں ''مضاربت'' کہتے ہیں، یعنی ایک شخص کا سرمایہ ہو اور دوسرے شخص کی محنت۔ اور نفع میں دونوں شریک ہوں، شریعت

نے اصولی طور پر اس صورت کو جائز قرار دیا ہے، تاکہ صاحب سرمایہ اور عامل دونوں ایک دوسرے کی صلاحیت سے استفادہ کرسکیں، البتہ اس معاملہ کے درست ہونے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ فریقین کے درمیان نفع کا تناسب متعین ہو، جیسے پچاس فیصد، پچیس فیصد وغیرہ، نہ کہ نفع کی قطعی مقدار، جیسے پانچ سو، چھ سو، نیز نفع میں جس تناسب سے حصہ داری ہو اسی تناسب سے نقصان میں بھی دونوں شریک ہوں، آپ نے جو صورت لکھی ہے، اس میں یہ دونوں شرطیں نہیں پائی جاتیں، نفع کی ایک مقدار یعنی/۶۰۰ روپے متعین ہے اور نقصان میں آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں، اس لیے یہ صورت جائز نہیں۔ البتہ اس کی جائز صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہر ماہ دس ہزار روپے کی متعین دوائیں آپ کے وکیل کی حیثیت سے یہ صاحب خرید کریں، اور دس ہزار چھ سو میں یہ دوائیں آپ ان ہی کے ہاتھ فروخت کردیں، البتہ اس کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ یا تو آپ خود ان کے ساتھ جاکر 10000 کی دوا خرید کریں، یا کم سے کم جب وہ دوا خرید کرلائیں، تو ایک لمحہ کے لیے سہی، آپ ان دواؤں کو اپنے قبضہ میں لے لیں، کیونکہ جب تک کسی چیز پر خریدار قبضہ نہ کرلے، اس کے لیے اس کو فروخت کرنا اور اس پر نفع حاصل کرنا جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبضہ سے پہلے کسی شی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔(۱) اور جو چیز آدمی کے ضمان میں نہ آئی ہو اس کے نفع کو نادرست قرار دیا ہے۔(۲)

مضاربت اور مشارکت میں فرق

سوال:- {1871} مضاربت اور مشارکت میں کیا فرق ہے؟ (یوسف شریف، نام پلی)

---

(۱) "أن النبي ﷺ قال : من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه " و زاد اسمعيل: " من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه " عن ابن عمر ؓ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۱۳۶، باب بيع الطعام قبل أن يقبض ، صحيح مسلم ، حدیث نمبر: ۱۵۲۵، باب بطلان المبيع قبل القبض ، مصنف عبد الرزاق : ۳۸/۸، حدیث نمبر: ۱۴۲۱۰) محشی۔

(۲) حوالہ سابق

جواب:- یہ دونوں اشتراک کے ساتھ کاروبار کی صورتیں ہیں، فرق یہ ہے کہ مضاربت میں ایک شخص کا صرف سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرے شخص کی طرف سے صرف محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔

مشارکت (جس کو اصل میں فقہاء ''شرکت'' سے تعبیر کرتے ہیں) میں دونوں افراد کا مال یا دونوں کی محنت شامل ہوتی ہے اور نفع میں بھی دونوں شریک ہوتے ہیں، یہ دونوں ہی صورتیں شریعت میں جائز ہیں اور اسلام میں سرمایہ کاری کی بنیاد ان ہی دونوں معاملات پر ہے۔

کاروبار کی ایک صورت اور اس کا جائز متبادل

سوال:- {1872} ایک صاحب کے پاس کچھ رقم ہے، انہوں نے اس رقم کو کمپنی میں لگا دیا اور کمپنی کے مالک کو اجازت دی کہ وہ اس رقم کو اپنے کاروبار میں شامل کر کے جو منافع آئے ہمیں دے دے، کمپنی کے مالک نے اس رقم کو لے کر مارکٹ میں نقد خریدی کی اور جو سامان خریدا اس پر فی فرد پانچ روپیہ لگا کر اس شخص کو نفع دے دیا، کیا یہ طریقہ درست ہے؟ (سی، عبدالرحمن، مشیرآباد)

جواب:- ایک شخص محنت کرے اور دوسرا شخص سرمایہ لگائے، اس کو ''مضاربت'' کہتے ہیں، یہ اسی صورت میں جائز ہے، جبکہ نفع و نقصان میں دونوں شریک ہوں اور اس کا تناسب متعین کرلیا جائے، مثلاً دونوں فریق پچاس فیصد نفع کے حقدار ہوں گے اور اسی نسبت سے نقصان بھی برداشت کریں گے، اس لئے جو صورت آپ نے بتائی ہے، یہ اپنی موجودہ شکل میں جائز نہیں، البتہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ جائز ہوسکتی ہے، اور وہ اس طرح کہ سرمایہ لگانے والے شخص سے اجازت لے لے کہ میں اس سے تمہارے لئے فلاں مخصوص سامان جو مجھے کاروبار میں

مطلوب ہیں، خرید لیتا ہوں، پھر جب اس سامان کو خریدے تو خریدنے کے وقت اسے ساتھ لے جائے یا خریدنے کے بعد اسے لاکر دیکھا دے، تاکہ اس شخص کا قبضہ ثابت ہو جائے، پھر فی عدد پانچ روپے کے اضافہ کے ساتھ وہ اس شخص سے خرید کرلے، یہ صورت جائز ہوگی، اور اس کو فقہ میں ''مرابحہ'' کہتے ہیں۔

سودی کاروبار کرنے والے غیر مسلم کے ساتھ پارٹنرشپ

سوال:- {1873} غیر مسلموں کے ساتھ پارٹنرشپ کا کیا حکم ہے؟ جب کہ وہ سودی کاروبار میں شامل ہو اور اس سے ہم کاروبار میں شرکت کے لئے پیسہ لیں۔

(عبداللہ، چارمینار)

جواب:- غیر مسلموں کے ساتھ کاروبار اور پارٹنرشپ جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے بعد بھی ابوسفیان، صفوان بن امیہ اور سائب وغیرہ کے ساتھ کاروباری شرکت کی ہے، جب کہ ابھی وہ دامن اسلام میں نہیں آئے تھے، (۱) جو شخص ابھی مسلمان نہ ہوا ہو وہ احکام شریعت کی تفصیلات کے ابھی مخاطب نہیں ہیں، (۲) اس لئے ان کے مال کو کاروبار میں شریک کرنے کی گنجائش ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ کاروبار میں شرکت

سوال:- {1874} ایک ہندو بھائی کا جنرل اسٹور ہے، جس میں پاٹنر کی حیثیت سے مجھے بھی شامل کرلیا گیا ہے، میں

---

(۱) " السائب ابن أبي السائب ، أنه كان شريك النبي ا في أول الإسلام في التجارة ... " (المستدرك للحاكم:۲/۶۹،كتاب البيوع - محشی۔

(۲) فتح الملهم:۱/۱۸۷۔محشی۔

برابر کا حصہ دار ہوں، محنت بھی برابر کرتا ہوں لیکن چونکہ دکان
کے مالک وہ تھے میں بعد میں شریک ہوا، ان کی دکان میں رام،
لکشمن وغیرہ کی تصویریں ہیں صبح وشام پوجا وغیرہ بھی کی جاتی
ہے، کیا میرا ان کے ساتھ کاروبار کرنا اور نفع لینا جائز ہے؟

(احمد علی، خلوت)

جواب: - عطاء ؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی اور عیسائی کے ساتھ کاروباری شرکت سے منع فرمایا ہے، سوائے اس کے کہ خرید وفروخت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔(۱)

علامہ ابنِ قدامہ نے لکھا ہے کہ

''یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ وہ سودی کاروبار کرتے ہوں اور شراب وسور بیچتے ہوں'' (۲)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ

''کسی عیسائی یا یہودی یا مجوسی کے ساتھ کاروبار میں شریک نہ ہو، کیوں کہ وہ سودی لین دین کرتے ہیں، اور سود حلال نہیں'' (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیر مسلم کا کاروبار حرام ذریعہ معاش پر مبنی ہو تو مسلمان کے لئے اس میں شرکت جائز نہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو مسلمان کی اس کاروبار میں شرکت جائز ہے، رہ گئی یہ بات کہ دکان میں پہلے مورتیاں رکھی ہوئی ہیں، تو چونکہ ان مورتیوں کے رکھنے اور نہ رکھنے کا تعلق

---

(۱) المغنی: ۱۱۰/۷۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) مصنف ابن أبی شیبة: ۸/٦، باب مشارکة الیهودی والنصرانی -

دکان کے مالک سے ہے، نہ کہ آپ سے، اسی طرح مالکِ دکان کا پوجا کرنا اس کا اپنا فعل ہے نہ کہ آپ کا، اس لئے اس سلسلہ میں انشاء اللہ آپ گنہگار نہ ہوں گے، کاروبار میں آپ کی شرکت بھی جائز ہے، اور نفع بھی آپ کے لئے حلال ہے۔

شرکت کے کاروبار میں نقصان کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

سوال:- {1875} نفع ونقصان کا معاہدہ کئے بغیر دو افراد نے شرکت کی اور کاروبار میں نقصان ہوگیا، تو کیا اس نقصان میں دونوں شریک ہوں گے؟ اور خاص کر غیر سرمایہ کار پر بھی اس کی ذمہ داری ہوگی؟ (محمد عبد المجید، ملک پیٹ)

جواب:- شریعت میں شرکت کا معاملہ اسی وقت معتبر ہے جب نفع ونقصان میں سرمایہ کار اور ورکنگ پارٹنر دونوں شریک ہوں، لہٰذا اگر معاملہ کرتے وقت صرف شرکت کی بات کی گئی ہو اور نفع ونقصان میں دونوں فریق کے شامل ہونے کی صراحت نہ ہوئی ہو، لیکن اصول شرع کے مطابق نفع کے ساتھ نقصان میں بھی دونوں کو شریک ہونا پڑے گا، نقصان میں شرکت کی صورت یہ ہے کہ معاملہ کی مقررہ مدت میں جو نفع ہوا، پہلے اس سے نقصان کی تلافی کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ اس نفع میں دونوں شریک ہیں، اسی طرح نقصان کا بوجھ دونوں پر آیا، پھر اصل سرمایہ میں سے نقصان پورا کیا جائے گا، جو سرمایہ کار کی ملکیت ہے، (۱) مثلاً دو سال کے لئے شرکت کا معاہدہ ہوا، اصل سرمایہ ایک لاکھ کا ہے، پہلے سال اس کا پچاس ہزار نفع ہوا اور دوسرے سال ساٹھ ہزار کا نقصان ہوگیا تو پہلے سال کے نفع سے پورا کیا جائے گا، پھر دس ہزار اصل سرمایہ میں سے وضع ہوجائے گا اور سرمایہ کار کو نوے ہزار ہی واپس ملے گا۔

(۱) رد المحتار: ۶/۴۷۵، کتاب الشرکۃ، ط: زکریا دیوبند، بدائع الصنائع: ۸۳/۵، کتاب الشرکۃ۔ محشی۔

سرمایہ کاری سے متعلق ایک صورت

سوال:- {1876} مکرمی ومحترمی جناب مفتی صاحب!
سلام مسنون، براہ کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرما کر اجر جزیل حاصل فرمائیں!

''اسٹیٹ بینک آف انڈیا'' نے چھوٹے سرمایہ کاروں کو سرمایہ کاری کا موقع فراہم کرنے کے لئے پانچ سو روپے کے حصص مقرر کئے ہیں جتنے حصص چاہے خریدے جاسکتے ہیں، اس طرح سارے ملک سے جمع شدہ حصص کی رقم سے جو سرمایہ فراہم ہوگا اسے مناسب ومحفوظ طریقہ پر منتخبہ جگہ پر استعمال کیا جائے گا، تاکہ سرمایہ کاری کا مقصد یعنی آمدنی میں اضافہ کی صورت وجود میں آسکے، حصص کی رقم پر ۱۲/ فیصد منافع کے علاوہ مزید معقول منافع کا امکان ہے، نیز سرمایہ کاری کی حفاظت کی ضمانت بھی۔ (محمد عبدالقدوس، حیدرآباد)

جواب:- شرعی اصول کے مطابق اگر نفع ونقصان کی بنیاد پر شرکت ہو اور نفع کی تقسیم تناسب سے ہو، کوئی ایک مقدار متعین نہ کی جائے تو ایسی شرکت کا کاروبار درست ہے، (۱) اگر کسی کاروبار میں متعین نفع پر شرکت نہ ہو، (۲) البتہ کاروبار کی نوعیت اور کاروبار کرنے والوں کے تجربات سے غالب گمان ہو کہ یہ تجارت بہرحال نفع خیز ہوگی، اور نقصان نہ ہوگا تو ایسی شرکت

---

(۱) ''الأول : وهو شركة بالأموال فهو أن يشترك اثنان في رأس مال فيقولان : اشتركنا فيه على أن نشتري و نبيع معا أو شئ أو أطلقا على أن ما رزق الله عز و جل من ربح فهو بيننا على شرط كذا ''(بدائع الصنائع :۶/۵۶)

(۲) ''أن يكون الربح جزءا شائعا في الجملة لا معينا''(بدائع الصنائع :۶/۵۹)

بھی شرعاً درست ہے، نیز یہ بات بھی جائز ہے کہ متوقع نفع کے لحاظ سے ماہانہ کچھ رقم دیا جاتا رہے اور ایک مدت کے بعد حسابات کی مکمل تنقیح کے بعد نفع کی پوری تقسیم عمل میں آئے ، مذکورہ صورت میں غالباً یہی صورت حال ہے، اس لئے شرعاً ایسے کاروبار مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق درست ہوں گے۔

حسب مرضی نفع پر مضاربت

سوال:- {1877} ایک صاحب زید سے بزنس کے لئے پیسے دیئے اور طے ہوا کہ آپ اپنی مرضی سے جو نفع دیں گے قبول ہوگا ، دونوں فریق اس پر راضی بھی ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ (محمد یعقوب خاں، کاغذ نگر)

جواب:- اس طرح کے معاملہ کو شریعت کی اصطلاح میں ''مضاربت'' کہتے ہیں، یعنی ایک شخص کا سرمایہ ہو دوسرے شخص کی محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوں، لیکن اس معاملہ کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ نفع کا تناسب بھی متعین ہو، مثلاً: یوں بات ہو کہ جو نفع ہوگا اس کا ۶۰ ر فیصد میں لوں گا اور چالیس فیصد آپ کو دوں گا ، یہ صورت کہ اپنی مرضی سے جو بھی نفع چاہوں گا دے دوں گا، درست نہیں۔(۱)

شیئرز (حصص) کے ذریعہ کمپنیوں میں سرمایہ کاری:

سوال:- {1878} شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری کا نظام آج انتہائی عروج پر پہنچ چکا ہے اور اس ترقی یافتہ عہد میں تجارت کی سب سے رائج اور مقبول صورت ہے اور عالمی پیمانہ

(۱) " و من شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعا لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح " (الهداية:۳/۲۵۸) محشی۔

پر اس میں عام ابتلاء ہو گیا ہے، اس لئے اس کے طریقہ کار کی تنقیح کر کے حل طلب مسائل کا شرعی حکم دریافت کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے، اس لئے اولاً کمپنی کے نظام کو ذکر کر کے چند حل طلب سوالات پیش کئے جاتے ہیں۔

مشترک تجارت کا نام دے کر ایک کمپنی قائم کی جاتی ہے کہ ابتداً چند سرمایہ کار (جو ترقی دینے والے حصہ دار کہلاتے ہیں) ایک اسکیم مرتب کر کے اور قواعد وضوابط متعین کر کے رجسٹرڈ آف کمپنیز کے یہاں رجسٹریشن کراتے ہیں، جو قانوناً ضروری ہوتا ہے، اسی طرح کسی معتبر بینک سے یہ ضمانت حاصل کی جاتی ہے کہ اگر پیش کردہ حصص پر سرمایہ فراہم نہ ہو سکے تو بینک اتنے اتنے حصے خریدنے کو تیار ہے۔

رجسٹریشن کے بعد کمپنی اپنی مصنوعات یا مال تجارت متعین کر کے اشتہار دیتی ہے، جس میں لاگت سرمایہ مصارف اور قیمت کے تخمینہ کے ساتھ متوقع نفع کی صراحت ہوتی ہے۔ اور اس اشتہار کے ذریعہ کمپنی میں بذریعہ شیئرز (حصص) شرکت کی کھلی اور عمومی پیشکش کی جاتی ہے اور اس سے وسیع پیمانے پر تجارت کے لئے سرمایہ کی فراہمی مقصود ہوتی ہے۔ اور کبھی پہلے سے موجود کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے عوام کو سرمایہ کاری کے لئے کھلی پیش کش کرتی ہے، اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لاگت اور سرمایہ کو (جس کا تخمینہ لگایا جاتا ہے) عموماً دس روپے اور بعض دفعہ سو روپے کے مساوی اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، جس میں سے ہر جزء کو ایک حصہ تجارت

کہا جاتا ہے، پھر خواہش مند لوگ اپنی اپنی قوت اور منشا کے مطابق حصے کم اور زیادہ خرید تے ہیں، اس پیشکش کو قبول کر کے حصص کی خریداری کے ذریعہ سرمایہ لگانے پر حق شرکت کے مالک ہو جاتے ہیں اور اس شرکت کی بناء پر ان کو کمپنی کے تجارتی امور میں رائے دہندگی کا حق حاصل ہوتا ہے، اور نفع و نقصان میں بقدر حصص شرکت ہوتی ہے، لیکن کمپنی کے املاک اور اثاثہ میں نہ تو وہ دعویدار ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کسی تصرف کے مالک اور کمپنی کے اسکیم مرتب کرنے میں بھی ان کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔

اور عموماً کمپنیوں کو ان حصص کے ذریعہ مکمل سرمایہ کی فراہمی متیقن نہیں ہوتی، اس لئے پھر اسی کے بقدر کم یا زیادہ ایسے حصص کی پیشکش کرتی ہیں، جن کی حیثیت سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرض کی بھی ہوتی ہے، ان حصص کے بدلے وثیقہ یا سند دی جاتی ہے، ایسی سندات کو ''باؤنڈز'' اور ایسے حصص قرض کو ''ڈبنچرز'' کہا جاتا ہے۔

حصص قرض کے ذریعہ شریک ہونے والے مالکانہ حقوق نہیں رکھتے، ان کو رائے دہندگی کا حق بھی نہیں ہوتا، ان کو سود کے علاوہ نفع بھی دیا جاتا ہے، اور نقصان یا اتلاف کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضمانت دی جاتی ہے، اور اس کو ''پریفرنس شیئرز'' (ترجیحی حصص) بھی کہا جاتا ہے۔

حصص قرض کو حصص تجارت میں محول کیا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی اپنے حصص کو واپس لے کر شرکت کو ختم کر لینا

چاہے تو وہ براہ راست کمپنی سے سرمایہ کو واپس نہیں لے سکتا، بلکہ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے حصص کو کسی اور شخص کے نام منتقل کردے اور اس کے حق میں حق شرکت سے دستبردار ہو جائے، اس کے عوض وہ حصص کی بازاری قیمت لیتا ہے، جو ابتدائی کمپنی کی مقرر کردہ قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

جوں جوں کمپنی کے مالِ تجارت اور اثاثوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، حصص کی قیمت بھی بڑھتی جاتی ہے، جو کمپنی مسلسل نفع بنائے بازار میں اس کے حصص اونچی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

کمپنی ہر سال حساب کر کے منافع کو حصص پر تقسیم کرتی ہے، اس کا ایک جز وقتِ ضرورت کے لئے اپنے پاس جمع کرلیتی ہے، بقیہ حصہ داروں کو پہنچا دیتی ہے، جمع شدہ رقم حصہ کی قیمت سے بڑھ جائے تو اسے اصل سرمایہ میں شامل کرلیا جاتا ہے، اس طرح حصص میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

حصصِ تجارت اور حصصِ قرض کی ایک متعین قیمت ہوتی ہے، جو ان کے جاری ہونے کے بعد متعین کی جاتی ہے اور ایک مارکیٹ کی قیمت ہوتی ہے جو ملک کی سیاسی، اقتصادی حالات ان کی مانگ اور دوسرے عوامل کے نتیجہ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

بازار حصص میں خرید وفروخت بروکروں (دلالوں) کے ذریعہ ہوتی ہے، جو کمپنیوں کے بدلتے ہوئے حالات پر آگہی

رکھتے ہیں، باقاعدہ رجسٹریشن اور قواعد وضوابط کے ساتھ اسٹاک ایکسچینج (بازارِ حصص) قائم کر کے اس کے ممبر بن جاتے ہیں، اور حصص کے خرید وفروخت کے لئے افراد اور کمپنیاں بازارِ حصص کی طرف رجوع کرتی ہیں، بازارِ حصص کے اتار چڑھاؤ کا ملکی معیشت پر گہرا اثر پڑتا ہے، اب بازارِ حصص میں خود ان حصص تجارت اور حصص قرض کی خرید وفروخت شروع ہوگئی ہے، ان بنیادی تصریحات کے بعد چند حل طلب سوالات پیش خدمت ہیں، اس سلسلہ کے مزید سوالات آپ کے ذہن میں ہوں تو اس کو بھی شامل جواب کرلیا جائے، چوں کہ موجودہ زمانہ میں عالمی تجارت کا اکثر وبیشتر حصہ اسی نوعیت کے مسائل پر مبنی ہے، اس لئے قواعد فقہیہ کی روشنی میں ان کے احکام کا استخراج بہت سے مسائل کا مداوا ثابت ہوگا۔

سوالات: (۱) مذکورہ کمپنیوں میں شیئرز (حصص) کے ذریعہ سرمایہ کاری عقود شرعیہ میں سے کونسا عقد ہے؟، بیع، مضاربت یا شرکت؟ اگر عقد شرکت ہے تو شرکت کی کونسی قسم ہے؟ اور کیا شریک (صاحب حصص) کے اپنے حصہ پر مکمل مالکانہ تصرف حاصل نہ ہونے سے حکم میں تغیر نہ آئے گا؟

(۲) ایسی کمپنیوں میں شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری جن میں حصص قرض (جن پر سود دینا لازمی ہے) اور بینک کے سودی قرضے بھی شامل ہوتے ہیں، کیا حکم ہے؟ کیا اس اختلاط بالحرام کی وجہ سے حصص تجارت (جن میں سود نہیں) کے منافع کا جواز متاثر نہ ہوگا؟

"المال المختلط بالحلال والحرام" کا شرعاً کیا حکم ہے؟ یہ واضح رہے کہ نہ صرف ایسی کمپنیوں کی تجارت بلکہ ہر بڑے پیمانے کی تجارت درآمدات و برآمدات کا کسی نہ کسی مرحلہ میں بینک یعنی سودی لین دین پر انحصار ناگزیر ہے۔

(۳) ڈبینچرز (حصص قرض) کے ذریعہ سرمایہ کاری کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ اس پر کمپنی طے شدہ در کے مطابق سود دیتی ہے، اس کے علاوہ نفع بھی دیتی ہے، اور اتلاف و نقصان کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضامن ہوتی ہے۔

(۴) اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش نہ ہو، تو بدرجہ مجبوری حصص قرض کو اس نیت سے خریدنا کہ آئندہ اسے حصص تجارت میں محول کرلیا جائے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

(۵) حصص تجارت (شیئرز) جن کی بازار حصص میں خرید وفروخت ہوتی ہے، خود ان حصص کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

(الف) کیا ان کو شرعاً مال متقوم قرار دیا جاسکتا ہے؟ جن کی خرید وفروخت اور رہن وغیرہ درست ہو۔

(ب) کیا ان کو حق شرکت کی بیع وشراء قرار دیا جاسکتا ہے؟ بصورت اثبات اس نوعیت کے حقوق کی بیع وشراء کے جواز کی کیا بنیاد ہے؟

(ج) کیا اسے اثاثۂ تجارت کے جزء مشاع کا بدل مانا جاسکتا ہے؟ بصورت اثبات اس کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟

(۶) باؤنڈز (سندات حصص قرض) جن کی خرید و

فروخت ہوتی ہے، رہن رکھا جاتا ہے، شرعاً ان کی کیا حیثیت ہے؟

(۷) اسٹاک ایکسچینج (بازار حصص) میں شیئرز (حصص تجارت) ڈبنچرز (حصص قرض) کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟ جب کہ اس میں کمپنی کی متعین کردہ قیمت سے کہیں زیادہ قیمت پر بیع و شراء کا معاملہ ہوتا ہے۔

(۸) بازار حصص میں بروکروں (دلال) اپنے نام پر حصص کو منتقل کیے بغیر جو بیع و شراء بحیثیت وکیل یا فضولی کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا ان بروکروں کی معرفت حصص تجارت و حصص قرض کی خرید و فروخت درست ہے؟

(۹) کمپنی اگر حرام اشیاء، مثلاً: شراب وغیرہ کی تجارت کرے تو کیا ایسی کمپنی سے حصص خریدنا اور اس سے منتفع ہونا جائز ہوگا؟ یہ واضح رہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں کمپنی کا پورا عملہ غیر مسلم ہوتا ہے، تو کیا ان کو شرکاء کا وکیل قرار دے کر اس طرح کے عقد کی اجازت دی جائے گی؟ کیوں کہ حقوق عقد عاقد کی طرف لوٹتے ہیں؟ (حضرت مولانا سید اسعد مدنی، ادارۃ المباحث الفقہیہ، جمعیۃ العلماء ہند)

جواب:- ۱)...... حصص کی مذکورہ صورت میرے خیال میں مضاربت کے حکم میں ہے، مضاربت میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ سرمایہ کار (رب المال) اور عامل (مضارب) ایک سے زیادہ اشخاص ہوں، فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لو دفع رجلان إلى رجلين الف درهم و قالا

لهما نصف الربح بينكما " (۱)

اسی طرح ایک اور موقع پر لکھا گیا ہے:

"و لو دفع إليه درهم مضاربة على أنهما شريكان في الربح و لم يبين مقدار ذلك فالمضاربة جائزة : لأن مطلق الشركة يقتضي المساواة " (۲)

موجودہ زمانہ میں اس طرح کی جو کمپنیاں قائم ہیں ان کی حیثیت قانونی اور اعتباری شخصیت کی ہے، حضرت عمر ﷺ نے بیت المال کے مال میں مضاربت کروائی ہے، (۳) بیت المال کی حیثیت دراصل یہی شخصیت اعتباری کی ہے کہ جب افراد کے ایک مجموعہ کو شخص واحد کا درجہ دے کر رب المال قرار دیا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو مضاربت قرار نہ دیا جا سکے، کمپنی کی حیثیت ایسے ہی اعتباری شخص کی ہے، اور کمپنی کا کسی معاملہ کا طے کرنا ان تمام افراد کی طرف سے رضامندی اور منظوری سمجھی جائے گی، جو کمپنی میں شامل ہوں۔

۲)...... حلال وحرام کے مخلوط مال میں اگر دونوں کی شناخت قائم نہ ہو تو اعتبار غلبہ کا ہوگا۔

" و لا يجوز قبول هدية أمراء الجور : لأن الغالب في مالهم الحرمة إلا إذا علم أن أكثر ماله حلال : بأن كان صاحب تجارة أو زرع فلا بأس به : لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب ، و كذا في أكل طعامهم" (۴)

---

(۱) الفتاوی الهندية:۴/ ۲۸۹، مطبوعہ بیروت۔
(۲) الفتاوی الهندية:۴/ ۲۸۸، مطبوعہ بیروت۔
(۳) بيهقي:۶/ ۱۸۳، كتاب القراض ۔ محشی۔
(۴) الفتاوی الهندية:۵/۳۴۲، باب الكراهية۔

اصل میں اگر ایک کمپنی سود پر مبنی کاروبار بھی کرتی ہے لیکن اس سے ایک شخص غیر سودی معاملہ کرتا ہے، تو اس دوسرے شخص کا اس سودی کاروبار سے کوئی براہ راست تعلق نہیں، یہ محض ایک تعاون بعید کا درجہ رکھتا ہے، اور سدِ ذرائع میں یہ اصول ہے کہ حرام کے ایسے ذرائع پر حرمت کا حکم لگایا جاتا ہے، جو اس کا قریبی ذریعہ ہو، اس لئے موجودہ حالات میں ایسی کمپنیوں کے حصص کا خریدنا جائز ہے۔

۳)...... یہ صورت صراحتاً سودی معاملہ کی ہے، اس لئے قطعاً جائز نہیں۔

۴)...... چوں کہ حصص خرید کرنے والوں کی نیت سود حاصل کرنے کی نہیں ہے، بلکہ مضاربت کی ہے، اس لئے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ ایک عرصہ کے لئے بطور امانت کے یہ رقم کمپنی کے پاس جمع کر رہا ہے، اور کمپنی اس کو اس شرط پر اپنے پاس رکھ رہی ہے کہ صاحب امانت ایک مخصوص مدت کے بعد اس کو بطور مضاربت تبدیل کردے گا، گویا یہ "ودیعت مشروط بالمضاربت" ہے، لہذا از راہ حاجت موجودہ حالات میں جائز ہونا چاہئے، البتہ حصص تجارت میں تبدیل ہونے سے پہلے اس پر جو کچھ نفع ملا ہے وہ سود ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو بینک انٹرسٹ کا ہے۔

۵)...... میرے خیال میں حصص کی حیثیت سامان تجارت کے "حصۂ مشاع" کی ہے، حصص کا خریدار جب کوئی حصہ خرید کرتا ہے تو وہ کمپنی کو اپنی طرف سے اس سامان پر قبضہ کا وکیل بناتا ہے، اور وکیل کا قبضہ مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہے، اس لئے اب وہ ایسی شئ کو بیچ رہا ہے، جو اس کے قبضہ میں ہے۔

۶)...... مال مرہون کے لئے فقہاء نے اس بات کو ضروری قرار دیا ہے کہ وہ قابل خرید و فروخت ہو، چوں کہ خرید و فروخت مال ہی کی ہوسکتی ہے، اس لئے یہ قید بھی لگائی گئی ہے کہ وہ مال ہو، عالمگیری میں ہے:

"منها : أن يكون عملًا قابلا للبيع ، و هو أن
يكون موجودًا وقت العقد مالا مطلقا متقوما

مملوکا معلوما مقدور التسلیم " (۱)

چوں کہ سند حصص بذات خود مال نہیں ہے، اس لئے اگر فقہاء کے ظاہری الفاظ کا پابند رہا جائے تو اس کو رہن رکھنا درست نہیں ہونا چاہئے، لیکن مسئلہ کی اصل روح یہ ہے کہ رہن رکھی جانے والی شئ ایسی ہو کہ اس کے ذریعہ دین کا وصول کرنا ممکن ہو، یہاں بھی فی زمانہ سند حصص کی بیع بالکل اصل مال کی طرح ہوتی ہے، اس لئے شریعت کی اصل روح کو سامنے رکھا جائے تو اس کا رہن درست معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷)...... مالکان حصص کا کمپنی کی مقررہ قیمت سے زیادہ میں فروخت کرنا بھی درست ہوگا، اس لئے کہ یہی رب المال ہے اور رب المال کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی کسی شئ کے بیچنے میں مضارب کی مقرر کی ہوئی قیمت کا پابند ہو کر نقصان اٹھائے، فقہاء کی صراحتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مضاربت کا بنیادی مقصد نفع کا حصول ہے، لہذا بنیادی طور پر دیکھنے کی چیز صرف یہ ہے کہ زیادہ نفع کس میں ہے؟ رب المال یا مضارب کا ایسا تصرف جس سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہو، اصولی طور پر جائز ہے،، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"المقصود عقد المضاربة هو الربح و على ذلك كل قيد مفيد فوجب اعتباره و لو دفع إليه مالا مضاربة على أن يبيع و يشترى بالنقد فليس له أن يشترى و يبيع إلا بالنقد ؛ لأن هذا التقييد مفيد فيتقيد بالمذكور ، ولو قال له بع بنسيئة و لا تبع بالنقد فباع بالنقد جاز ؛ لأن النقد انفع من النسيئة فلم يكن التقييد بها مفيدا فلا يثبت القيد و صار كما لو قال للوكيل

(۱) الفتاوی الهندية:۵/۳۲۔

بع بعشرة فباع بأكثر منها جاز كذا هذا " (۱)

۸)...... دلال کی اجرت کو عام طور پر متاخرین نے جائز قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کی درج ذیل صراحتیں موجود ہیں:

"إجارة المنادی و السمسار و الحمامی و نحوها جائزة للحاجة " (۲)

"و فی الواقعات للناطقی : إذا قال لرجل بع هذا المتاع و لك درهم ، أو قال اشتر هذا المتاع و لك درهم فله أجر مثله لا يجاوز به الدرهم " (۳)

"قال فی التاتر خانية : و فی الدلال و السمسار يجب أجر المثل و ما تواضعوا عليه أن فی كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم و فی الحاوی سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال أرجو أنه لا بأس به ، و إن كان فی الأصل فاسد لكثرة التعامل و كثير من هذا غير جائز فجوزه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام " (۴)

" الدلالة فی النكاح لا تستوجب الأجر و به يفتی الفضلی فی فتاواه و غيره من مشائخ زماننا

---

(۱) بدائع الصنائع :۶/۱۰۰۔
(۲) الأشباه و النظائر :ص:۲۷۰۔
(۳) الفتاوی الهندية:۴/۴۵۰۔
(۴) رد المحتار :۵/۴۳۔

كانوا يفتون بوجوب أجر المثل و به يفتى "(۱)

البتہ اگر دلال وکیل ہو تو اس کے جواز میں شبہ نہیں، اگر بحیثیت فضولی خرید و فروخت کرتا ہو تو اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں تفصیل یہ ہے کہ فضولی کی بیع جائز ہے خریداری جائز نہیں۔

"إذا باع الرجل مال الغير عندنا يتوقف البيع على اجازة المالك ... و لو اشترى لغيره نفذ عليه " (۲)

۹)...... اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ کا قول مشہور یہی ہے کہ چوں کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں اصل حقیقت وکیل کی ہوتی ہے، لہذا اگر مسلمان کسی غیر مسلم کو شراب یا سور کے بیچنے کا وکیل بنادے تو یہ درست ہے، لیکن جن فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے وہ بھی اسے شدید حد تک مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں، اور مسلمان مؤکل کو کہتے ہیں کہ وہ اس کی قیمت کا صدقہ کردے:

"أمر المسلم ببيع خمر و خنزير صح ذلك التوكيل و بيع الوكيل و شراؤه بحرمة اشد الكراهة فيجب عليه أن يخلل الخمر أو يريقها و لو وكله ببيعها يجب عليه أن يتصدق بثمنها"(۳)

لیکن فقہاء کا ایک گروہ اس نقطۂ نظر کا حامل ہے کہ اصل حیثیت مؤکل کی ہوتی ہے اور وکیل کے خریدتے ہی شئ مؤکل کی ملک میں چلی جاتی ہے، خود علامہ شامیؒ کا رجحان بھی اسی جانب محسوس ہوتا ہے۔

---

(۱) الهداية:۴/۲۵۰۔

(۲) الهداية:۳/۵۳۔

(۳) رد المحتار:۴/۱۲۰۔

"و أما على ما قال له ابو طاهر من أنه يثبت للمؤكل ابتداءً به جزم في الكنز ، و هو الأصح ، كما في البحر ، فلا يستقيم و الله تعالى اعلم ، قلت : و تعقبه مشائخنا : بأنه غير مستقيم على ما ذكره الكرخي لاتفاقهم على عدم عتق قريب الوكيل ؛ لأن مالكه غير مستقر " (۱)

اس لئے راقم الحروف کی رائے میں ایسی کمپنی کے حصص خرید کرنا جائز نہیں ۔واللہ اعلم ۔

شیئر سرٹیفکٹ اور متعین نفع

سوال:- {1879} میں ایک ریٹائرڈ سرکاری ملازم ہوں، میری پنشن بہت قلیل ہے، موجودہ گرانی میں اس قدر قلیل پنشن پر گزر بسر کرنا دشوار بلکہ ناممکن ہے، میں نے ملازمت کے زمانے میں کچھ روپیہ پس انداز کرلیا تھا، تا کہ بڑھاپے میں کام آئے ، اس وقت میری عمر ۷۴ سال ہے اور اب میں اس قابل نہیں کہ خود کوئی کام کر کے روپیہ حاصل کروں ، کیا اس صورت میں میں حکومت کے جاری کردہ Share Certificat (شیئر سرٹیفکٹ) خرید سکتا ہوں؟ اس کے لیے شرعی نوعیت کیا ہے؟ یہاں بڑی حد تک روپیہ محفوظ رہنے کی طمانیت حاصل ہے، اس موقع پر عرض کر دیتا ہوں کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بینک کے سود کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ بینک غیر مسلموں کی زیر نگرانی ہو،

---

(۱) رد المحتار: ۵/۵۲ ۔

ایک مسلمان صاحب جو ایک دولتمند تاجر ہیں اور قابلِ اعتماد ہیں، میرا روپیہ کاروبار میں شریک کرنے پر آمادہ اور تیار ہیں اور سرمایہ پر ۱۸ ارفیصد نفع دینے کا وعدہ کرتے ہیں، یعنی اگر میں ان کو ۱۰۰۰۰ روپے دوں تو وہ مجھے 150 روپے ماہانہ نفع دیں گے، ان کا کہنا ہے کہ ان کے لیے ہر ماہ حساب کر کے نفع کا تعین کرنا دشوار ہے اور حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 10000 روپے پر 150 روپے ماہانہ سے زیادہ نہیں آتا ہے، کیا شرعاً یہ جائز ہے؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو جواز کی کوئی صورت بتلائی جائے، مسلمان کاروبار کرنے والے تو بہت سے ہیں مگر مجھے یہ لکھتے ہوئے افسوس اور شرمندگی ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں دیانتداری کا فقدان ہے، اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر بمشکل بھروسہ کر سکتا ہے، صورت حال صرف میرے ہی ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ میری طرح بہت سے مسلمان روپے رکھنے کے باوجود پریشان ہیں اور علماء جو مسائل پر اچھی نظر رکھتے ہیں، کوئی حل پیش کرنے سے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہیں، از راہ کرم اس استفسار کا مفصل جواب عنایت فرمائیں، ممنون ہوں گا۔

(محمد نسیم، A.Battery Lnes Hyd)

جواب:- آپ نے جو صورت حال لکھی ہے، علماء نے اس قسم کے مسائل کے حل بتلائے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ہم وہی بتا سکتے ہیں، جو شریعت کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر ہوں، قصور نہ اسلام کا ہے، نہ علماء کا قصور، اس ظالم نظام زندگی کا ہے، جس نے پوری معیشت کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح سود و قمار کو داخل کر دیا ہے، اب ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فریضہ

ہے کہ ہم ان آزمائشوں میں بھی خدا کی قائم کی ہوئی حدود کو نہ توڑیں اور قومی سطح پر ایسے ادارے اور کاروبار قائم کرنے کی کوشش کریں، جن میں سود و قمار کی لعنت میں مبتلا ہوئے بغیر مسلمان اپنی سرمایہ کاری کر سکیں، آپ نے دو سوالات کئے ہیں "ایک شیئر سرٹیفکٹ اور دوسرے ایک نجی کاروبار میں شرکت کے متعلق" ان دونوں مسئلوں کے بارے میں اصولی طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایک شخص اپنا سرمایہ لگائے اور دوسرا شخص محنت کرے اور نفع متعینہ تناسب سے دونوں میں تقسیم کردیا جائے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "مضاربت" کہا جاتا ہے، مضاربت میں ضروری ہے کہ نفع اور نقصان دونوں میں فریقین شریک رہیں، سود اور مضاربت میں یہی فرق ہے، سود میں سرمایہ کے لیے بہر صورت نفع متعین ہوتا ہے، اور مضاربت میں وہ نفع اور نقصان میں دونوں شریک ہوتا ہے، دوسرے سود جس طرح مسلمانوں سے لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح غیر مسلموں سے بھی لینا جائز نہیں ہے، سود جس وقت حرام کیا گیا، اس وقت حضرت عباس ﷺ کا سودی کاروبار زیادہ تر غیر مسلموں سے تھا، لیکن ان کا اصل سرمایہ باقی رکھتے ہوئے سود ایک لخت کالعدم کردیا گیا، (۱) اس لیے تمام علماء ہند کا فتوی ہے کہ ہندوستان میں سود لینا جائز نہیں ہے، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی تحریر اس باب میں بڑی شافی اور اطمینان بخش ہے، (۲) امام اعظم ابو حنیفہؒ سے حربی سے سود لینے کا جواز منقول ہے، مگر فقہاء نے دار الحرب کی جو تعریف کی ہے اور احکام بتلائے ہیں ان کی روشنی میں ہندوستان کو دار الحرب نہیں کہا جا سکتا، (۳) آپ کے اصل سوالات کے جوابات یہ ہیں:

(الف) شیئر سرٹیفکٹ اگر اس اصول پر مبنی ہو کہ نفع اور نقصان دونوں میں آپ شریک ہوں گے، تو خریدنا جائز ہے، ویسے مجھے معلوم نہیں کہ اس سرٹیفکٹ کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔

---

(۱) صحيح مسلم، حدیث نمبر:۲۹۵۰، باب حجة النبي ﷺ۔ محشی۔
(۲) جواہر الفقہ:۳/۵۷-۴۲۔ محشی۔
(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: جدید فقہی مسائل:۲/۲۳۴۔

(ب) ماہانہ 150 کی رقم متعین کردینا درست نہیں، یہ ہوسکتا ہے کہ ہر ماہ اوسطا 150 دیدیں پھر حساب کر کے مزید رقم نکلے تو آپ کو ادا کر دیں اور اس سے کم ہو تو بقیہ آپ سے لے لیں۔

یہ مضاربت نہیں، بلکہ سود ہے

سوال:-{1880} ماجد اپنے ایک دینی بھائی سے بذریعہ مضاربت ایک کاروبار کرنا چاہتا ہے، جس میں محنت ماجد کی اور پیسہ ساجد کا ہوگا، (بیس فیصد منافع کی بنیاد پر) لیکن ساجد نقصان ہونے کی صورت میں برابر کا حصہ دار بننا نہیں چاہتا، ماجد پھر بھی یہ شرط قبول کرنے کو تیار ہے، تو کیا مضاربت کی یہ شکل صحیح ہے؟ نیز مضاربت کی صحیح اور آسان صورت کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

(حافظ عبدالسلام، مسجدِ صفہ، سکندرآباد)

جواب:- یہ صورت ناجائز ہے، یہ مضاربت نہیں، بلکہ سودی معاملہ ہے، جو قرآن و حدیث کی رو سے صراحۃً ممنوع ہے، مضاربت کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص روپیہ لگائے اور دوسرا فریق محنت اور کاروبار کرے اور اس سے حاصل ہونے والے نفع میں وہ دونوں حسب معاہدہ شریک ہوں، نیز نفع ونقصان میں بھی دونوں کی شرکت ہو۔

" المضاربة عقد شركة في الربح بمال من الرجل و عمل من آخر " (۱)

اس لئے یہ صورت سود کی ہے نہ کہ مضاربت کی جسے شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔

(۱) الهداية:۶/۱۶۶۔

سود کے احکام

جو پہلے سود لے چکا ہو؟

سوال:- {1881} زید ایک لمبے عرصے تک بینک سے ملنے والے سود کو اپنے گھریلو اخراجات میں دوسری جائز رقم کے ساتھ ملا کر خرچ کرتا رہا ہے، اب اس کا مصمم ارادہ ہے کہ سود بینک سے لے کر بلانیت ثواب خیرات کردے گا، کیا اس تبدیلی سے پہلے کی ہوئی غلطی کی معافی کی امید کی جاسکتی ہے؟

(م،ن، خاں، ٹولی چوکی)

جواب:- جو سود کی رقم پہلے لے چکا ہے، پاس بک کے ذریعہ اس کا پتہ چلایا جاسکتا ہے، لہٰذا رقم معلوم کرکے اور معلوم نہ ہوسکے تو اندازہ کرکے اتنی رقم غرباء پر خرچ کردے،(۱) جب ہی اس گناہ کی پکڑ سے نجات کی امید کی جاسکتی ہے۔

(۱) دیکھئے: رد المحتار: ۵۵۳/۹، باب الحظر و الإباحة ، فصل في البیع ۔ محشی ۔

بینک انٹرسٹ کے ذریعہ انکم ٹیکس بچانا

سوال:- {1882} اگر میرے پاس سود کا پیسہ ہو تو کیا میں اسے این ایس ایس / این ایس سی وغیرہ گورنمنٹ اسکیم میں سے انکم ٹیکس کی مد میں کٹنے والی رقم بچا سکتا ہوں؟ اس نیت اور پکے ارادے کے ساتھ کہ سود کی اصل رقم اور اس پر ملنے والی سود کی رقم کو بحالت مجبوری بغیر کسی ثواب کی نیت سے رفاہِ عام کے کاموں میں استعمال کروں گا، اور میرا منشا صرف اور صرف Income Tex سے بچنا ہو؟ (ساجد شیخ، بمبئی)

جواب:- اگر آپ کے پاس بینک انٹرسٹ کی کچھ رقم موجود ہو، آپ اس کو کسی سرکاری اسکیم میں لگادیں تو انکم ٹیکس کے قانون کی زد سے بچ جائیں گے، اور پھر اس اسکیم سے واپس ملنے والی اصل اور زائد رقم آپ غرباء کے تعاون اور رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کردیں تو یہ جائز ہے کہ یہ ایک قانونی حاجت ہے۔(۱)

سود سے سود کی ادائیگی

سوال:- {1883} میں بینک سے قرض لینا چاہتا ہوں، جس پر سود دینا پڑے گا، میرا بینک میں سودی اکاونٹ ہے، جس سے سود ملتا ہے، اور میں بغیر اجر وثواب کی نیت کے اسے صدقہ کردیتا ہوں، اب قرض لینے کی صورت میں کیا میں ایسا کرسکتا ہوں کہ ملنے والے سود کو قرض کے سود میں ادا کردوں اور جو بچ جائے اسے صدقہ کردوں۔ (رفاقت علی عمران، مغل پورہ)

(۱) دیکھئے: منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/ ۱۸۵-۱۸۴۔ محشی۔

جواب:- کسی قانونی مجبوری کے بغیر سودی اکاونٹ میں رقم رکھنا جائز نہیں، اس لیے اولاً تو اس اکاونٹ میں رقم رکھنے پر ہی آپ کو غور کرنا چاہئے، دوسرے سود لینا مستقل گناہ ہے اور سود دینا مستقل گناہ، اگر آپ نے قرض کے سود میں اس سود کو ادا کیا تو گویا آپ نے اس سود سے استفادہ کیا، تو اب سود دینے اور سود لینے دونوں گناہ کو یہ صورت شامل ہے، اس لئے یہ صورت درست نہیں، نیز سود پر مبنی قرض بھی شدید مجبوری کے بغیر حاصل کرنا درست نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ نے سود لینے والے پر لعنت فرمائی ہے اور سود دینے والے پر بھی۔(۱)

سود کی رقم مدارس اور دینی خدمت گذاروں کے لیے

سوال:- {1884} کیا سود کی رقم بلانیت ثواب دینی مدارس، حفاظ اور ائمہ و مؤذنین کو دی جاسکتی ہے؟ میرے خیال میں یہ ان کے لیے ہدیہ ہے نہ کہ سود۔ (محمد عبدالحفیظ، مولیٰ علی)

جواب:- مدارس اور دینی خدمت گذاروں کو پاک اور اپنے مال کا سب سے بہتر حصہ دیا جائے، خاص طور سے سود کی رقم کا ان کے لیے انتخاب نہایت ہی ناشائستہ بات ہے، البتہ اگر ان میں سے کوئی ضرورت و مجبوری سے دوچار ہو اور اس رقم کے سوا کوئی اور رقم موجود نہ ہو تو ضرورتاً جیسے دوسرے ضرورت مندوں کی سود سے مدد کی جاسکتی ہے، ایسے لوگوں کی بھی مدد کی جاسکتی ہے۔(۲)

---

(۱) " عن جابر قال : " لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الرباء و مؤكله و كاتبه وشاهديه و قال : هم سواء " (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۵۹۸) مرتب۔

(۲) کیوں کہ سود اور ہر قسم کا مال حرام لقطہ کے حکم میں ہے، اور ضیاع کے اندیشہ کے وقت اس کا اٹھانا واجب ہے، اگر مالک کا علم ہو جائے تو اس کو لوٹا دے ورنہ اس کی طرف سے بلانیت ثواب صدقہ کردے۔
" و السبيل في المعاصي ردها و ذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه و بالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله " (الفتاوى الهندية :۵/۳۴۹، الباب الخامس عشر من باب الكراهية) محشی۔

تعمیری منظوری کے لئے رشوت اور اس میں سود

سوال:- {1885} مکان کی تعمیر کی منظوری بغیر رشوت دیے نہیں ملتی، کیا میں بینک کے سود میں سے رشوت دے کر کام نکال سکتا ہوں؟ (سید رفاقت علی عمران، مغلپورہ)

جواب:- تعمیر مکان کے لئے جو قانونی لوازم ہیں، ان کو پورا کرنے کے باوجود کوئی افسر محض رشوت کے لئے تعمیر مکان کی اجازت نہیں دیتا ہے تو ایسی صورت میں اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہے۔

" دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم ... ولاستخراج حق له ليس رشوة " (۱)

البتہ اس میں سود کی رقم نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ سود کی رقم حکومت سے حاصل کی جاتی ہے، اور رشوت ایک سرکاری آفیسر شخصی طور پر حاصل کرتا ہے، حکومت حاصل نہیں کرتی، اس لئے بینک کا سود اس مد میں دینا جائز نہیں۔

غنڈوں کے شر سے بچنے کے لئے سود کی رقم

سوال:- {1886} میں نے اپنا ذاتی زرخرید مکان کسی دوسرے شخص کو فروخت کرنے کا معاہدہ کرلیا ہے، لیکن کچھ غنڈہ عناصر فروخت سے قبل کسی بہانے انہیں رقم (معمول) دینے کے لئے مجبور کر رہے ہیں، ورنہ وہ مکان کی رجسٹری کی وقت گڑبڑ لڑائی جھگڑا کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں، غنڈہ عناصر کا اس مکان سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ صرف اپنا معمول

(۱) رد المحتار: ۹/ ۶۰۷۔

(کمیشن) چاہتے ہیں، دریافت کرنا یہ ہے کہ کیا سود کی رقم سے انہیں یہ معمول ادا کر کے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے؟

(محمد عمادالدین اکرم، چندانگر)

جواب:- اگر غنڈہ عناصر کو یہ جبری رقم دیئے بغیر چارہ نہ ہو تو بہ درجۂ مجبوری سود کی رقم سے دینا جائز ہے، اس سلسلہ میں موجودہ عہد کے ممتاز صاحب افتاء مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب کے اس فتوے سے روشنی پڑتی ہے، جو بینک کے سود سے انکم ٹیکس ادا کرنے کے متعلق ہے:

''بینک کے سود کا اصل مصرف تو غرباء اور مساکین ہیں، رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی صرف کیا جاسکتا ہے، خود منتفع نہ ہو، لیکن اگر حکومت کے ان ٹیکسوں کی بھرمار سے تنگ آ گیا ہو اور ان کی ادائیگی میں یہ رقم استعمال کرنے پر مجبور ہو تو گنجائش ہے، بلا مجبوری استعمال نہ کرے'' (۱)

روپیہ کے باہمی تبادلہ

سوال:- {1887} کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک کمپنی کاروبار کی غرض سے ایک اسکیم ایجاد کرتی ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ ابتداء میں ممبر شپ فیس کے طور پر اس کو -/15000 روپے کمپنی کے نام ادا کرنے پڑتے ہیں، پھر اس شخص کی ذمہ داری ہے کہ اپنی محنت سے اسی کمپنی کے لئے تین ممبر الگ سے بنائے، اور ہر ممبر کی فیس -/15000 رہے گی۔

ابتداءً جو شخص -/15000 روپے دے کر بنایا تھا، اس کے

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۶/۱۳۶۔

تحت تین ممبر بنانے پر فورانی کس /4200 کے حساب سے /12600 روپے مل جاتے ہیں اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا، یعنی ہر شخص خود ممبر بنے پھر اپنے تحت تین ممبروں کو مزید کمپنی میں ممبر بننے کے لئے آمادہ کرے، اس شخص کے تین ممبروں نے محنت کی اور مزید اپنے اپنے اعتبار سے نو (۹) ممبروں کو تیار کرلیا تو فی کس -/350 کے اعتبار سے نو ممبروں کے -/3150 روپے پہلے والے شخص کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائے گی۔

پھر ان نو ممبروں نے محنت کی اور فی کس تین کے اعتبار سے کُل 72 ممبروں کو تیار کرلیا، تو فی کس -/8650 کے اعتبار سے -/233550 پہلے والے شخص کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائیں گے، اس طرح پہلے والے شخص کو جمع شدہ (-/3150 اور -/233550) کل ملا کر -/236700 روپے نقد یا ماروتی کار کی شکل میں حاصل ہوجائیں گے۔

اس تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے آنحترم سے درخواست ہے کہ کیا اس کمپنی کے ممبر بننے کی اجازت ہے، یا نہیں، نیز صرف -/15000 کے جمع کرنے پر آخر میں -/236700 کمپنی سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ شرعی طور پر جواب مرحمت فرمائیں۔ (م،ع،س، حیدرآباد)

جواب:- اسکیم کی جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ شرعاً جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں ایک تو پندرہ ہزار روپے پر -/236700 (دولاکھ چھتیس ہزار سات سو) روپے حاصل کئے جاتے ہیں، پندرہ ہزار روپے دیتے وقت اس کو کوئی چیز نہیں ملتی، اس طرح یہ روپیہ کا روپیہ سے تبادلہ ہے اور روپیہ کے باہمی تبادلہ میں ضروری ہے کہ ایک طرف کم اور دوسری طرف سے زیادہ نہ ہو، ورنہ

یہ سود ہو جائے گا،(۱) لہذا اول تو یہ صورت سود میں داخل ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے نہایت شدت کے ساتھ سود سے منع فرمایا ہے،(۲) دوسرے ان کے بنائے ہوئے ممبروں نے جن دوسرے لوگوں کو ممبر بنایا ہے، اس میں اس شخص کی محنت کو کوئی دخل نہیں، اس لئے ان ممبروں سے اس کے کمیشن لینے کی بھی کوئی وجہ نہیں، اس پہلو سے بھی یہ صورت درست نہیں، لہذا شرعاً یہ صورت ناجائز ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

بے روزگار شخص کے لئے سودی قرض لینا

سوال:- {1888} میں نہ ہنرمند ہوں نہ میرے پاس کوئی مالی ذریعہ ہے اور نہ ہی کسی سے قرض کی امید ہے، مجھے ایک جگہ سے فینانس پر رقم مل سکتی ہے، کیا میں اسے لے کر تجارت کر سکتا ہوں؟ جب کہ میں کوئی سخت کام کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا اور ملازمت میں سخت کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ (خان فیروز خان، پھولانگ)

جواب:- اگر آپ کے پاس کوئی روزگار نہیں اور نہ کسی ایسے ہنر سے آپ واقف ہیں جس سے ملازمت ملنے کا امکان ہو، تو کراہتِ خاطر کے ساتھ سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، فقہاء نے بہت ضرورت مند شخص کے لئے اس کی اجازت دی ہے: "و یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج "(۳) چوں کہ ضرورت ہر شخص کے حالات اور صلاحیت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں خود اپنا جائزہ بھی لینا چاہئے کہ کیا اس کے لئے بظاہر اس کے بغیر روزگار کی کوئی اور صورت نہیں، نیز جو علماء علاقہ میں واقع ہوں، ان کے سامنے اپنے حالات رکھ کر مشورہ کرنا چاہئے اور ان کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے۔

---

(۱) الهداية :۳/۶۳۔
(۲) ﴿أحل الله البيع و حرم الربوا﴾ (البقرة:۲۷۵) محشی۔
(۳) الأشباه و النظائر لابن نجيم مع حاشيه حموی: ص:۱۴۹۔ مرتب۔

سود کی رقم کو وقت پر پیمنٹ نہ کرنے کی وجہ سے عائد سود میں دینا

سوال:- {1889}(الف) تجارت اور کاروبار میں اکثر بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے، اور بعض اوقات کچھ مال ادھار خریدنا پڑتا ہے، کچھ مدت کے وعدہ پر کہ فلاں تاریخ تک قرض کی رقم ادا کردی جائے گی، لیکن کبھی بعض کاروباری مشکلات کی وجہ سے وہ وعدہ پورا نہیں ہوتا ہے، اور مال سپلائی کرنے والا اس وعدہ خلافی پر سود عائد کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا بینک میں جمع شدہ فکس ڈپازٹ کا جو سود ملتا ہے اس سود کی رقم کو وعدہ کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں عائد شدہ سود کے بدلے میں مال کی سپلائی کرنے والے کو دے سکتے ہیں؟

(ب) اس فکس ڈپازٹ سے حاصل شدہ سود کو اس رقم کے سود کے معاوضہ میں بینک کو دے سکتے ہیں، جو کاروبار کے فروغ دینے کے لئے بینک سے لی گئی ہے؟

(مسعود عبدالقادر، سکندر آباد)

جواب:- (الف) حرام مال کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک معلوم ہو، تو اس کو واپس کردیا جائے ؛(۱) لہذا بینک میں سود کے لیے فکسڈ پازٹ کرانا تو جائز نہیں، لیکن اگر کسی مجبوری

---

(۱) " الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم و إلا فإن علم عين الحرام لا يحل له و يتصدق به بنية صاحبه " (رد المحتار :۷/۲۲۳، کتاب البیوع ، مطلب فیمن ورث مالا حراما ، نیز دیکھئے:بذل المجهود :۱/ ۳۷)، بلکہ بعض فقہاء نے تو بہ نیت ثواب مال حرام کو صدقہ کرنے والے کو کافر کہا ہے:" قال بعض علمائنا : من تصدق بمال حرام يرجو الثواب كفر " (بذل المجهود:۱/ ۳۷)محشی۔

کے تحت فکسڈ کرانا پڑا اور اس پر سود مل گیا، دوسری طرف کسی نیشنلائز بینک سے سودی قرض لینا پڑا، اور مجبوری کے تحت حسب وعدہ قرض ادا نہیں کر پایا، اس لیے سود دینا پڑا، تو سود سے حاصل شدہ رقم کے ذریعہ اس سود کو ادا کیا جاسکتا ہے، یہ مال حرام کے مالک تک اس کی رقم پہونچانے کی صورت ہوگی، اگر کسی پرائیویٹ بینک سے یا کسی اور تجارتی ادارہ سے قرض لیا تھا، تو اس کا سود اس سے ادا کرنا درست نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

(ب) مخصوص کاروبار کے فروغ کے لئے سودی قرضہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں ناگزیر معاشی ضروریات یا اپنے آپ کو ظالمانہ ٹیکس سے بچانے کے لئے ایسے قرضے لینے کی اجازت ہوگی۔(۱)

بینک سے لون لینا

سوال:- {1890} شریف کے پاس اتنی رقم ہے کہ وہ اس رقم سے چھوٹے موٹے کاروبار کرسکتا ہے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ بینک سے لون لے کر اونچے پیمانے پر کاروبار کرے، تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلم مزدوروں کو کام مل سکے، کیا شرعی نقطۂ نظر سے اس صورت میں بینک سے لون لینا جائز ہے؟

(اقبال احمد، مقیم حال: جدہ، سعودیہ عربیہ)

جواب:- مسلمانوں کے روزگار کی فراہمی ایک کار خیر ہے، لیکن اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے لئے جو طریق کار اختیار کیا جائے وہ بھی شرعاً جائز اور درست ہو، عام حالات میں سودی قرض لینا جائز نہیں ہے اللہ کے رسول ﷺ نے سود لینے والے پر لعنت

---

(۱) "يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الأشباه و النظائر، قاعدة الضرر يزال في آخر الباب :ص:۹۲)

فرمائی ہے (۱) اس کی اجازت فقہاء نے صرف اسی وقت دی ہے جب کہ ضروریات و روزگار کی فراہمی کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو، (۲) مذکورہ صورت میں چونکہ سودی قرضہ کا منشا محض کاروبار میں اضافہ ہے، لہذا اس کے لئے سودی قرض لینا درست نہ ہوگا۔

انکم ٹیکس کے خوف سے سودی قرض

سوال:- {1891} ایک شخص تیس ہزار روپیوں سے تجارت کرنا چاہتا ہے، اس کے پاس یہ رقم موجود ہے، لیکن اگر وہ اپنی رقم سے کاروبار کرے تو وہ انکم ٹیکس کی زد میں آجائے گا اور ایک قابل لحاظ رقم اسی میں چلی جائے گی، کیا اس سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا جائز ہوگا؟

(عبید اختر، حیدرآباد)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ عام حالات میں سودی قرض لینا جائز نہیں اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے، لیکن فقہاء نے ضرورت اور مجبوری کے وقت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح ''(۳)

---

(۱) "عن جابر ﷺ لعن رسول الله ا آكل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه وقال هم سواء" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۳۳۳، الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۲۰۶، سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۲۲۷۷، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۴۰۹۳)

''قال رسول الله ﷺ الربا سبعون جزءا أيسرها ان ينكح الرجل أمه''
''حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں جن میں ادنی درجہ کا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے'' (الجامع الصغیر :۲۲/۲)

(۲) الأشباه النظائر :ص:۹۳۔ محشی۔

(۳) الاشباه والنظائر لابن نجیم:۱۱۵۔

مذکورہ صورت میں بھی چونکہ سودی قرض لینا ایک قانونی مجبوری اور ضرورت کا درجہ اختیار کرلیا ہے، اس لئے اس قدر قرض لینا جائز ہوگا جس کے ذریعہ تاجر اپنے آپ کو قانونی گرفت سے بچا سکے، بالخصوص اس لئے بھی کہ قومیائے ہوئے بینک سرکاری ادارے ہیں اور سرکاری قرضہ جات کے معاملہ میں علماء نے زیادہ نرمی برتی ہے۔(۱)

ایک سود آمیز اسکیم

سوال:- {1892} ایک اسکیم ہے جس کا طریقہ کار یہ ہے کہ آدمی کو تین ماہ میں ایک مرتبہ روپیہ جمع کروانا پڑتا ہے، اس طرح دس سال میں اس کو تین ہزار آٹھ سو پچاس روپئے جمع کروانے پڑتے ہیں اور اس کو پانچ ہزار پانچ سو روپئے ملتے ہیں تو کیا اس اسکیم میں حصہ لینا اس کی زائد رقم اور اس کی مختلف لوگوں سے رقم جمع کرنے پر پرسنیج ملتا ہے، وہ لینا جائز ہے؟ (علاء الدین، تنالی، گنٹور)

جواب:- اس اسکیم میں دراصل دس سال کی مہلت کی قیمت اور نفع کے طور پر تین ہزار آٹھ سو پچاس روپئے کو پانچ ہزار پانچ سو روپئے کردیا جاتا ہے، سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ منافع نفع ونقصان کے متعین تناسب پر نہیں ملتا اور نہ اس کی حیثیت کسی کاروبار میں شریک کی بنتی ہے، لہذا یہ ربا اور سود ہے نہ اس اسکیم میں حصہ لینا جائز ہے، نہ اس سے حاصل ہونے والے نفع کا اپنی ذات میں استعمال کرنا جائز ہے اور نہ اس کام کے لئے وصولی اور پرسنیج جائز ہے، اس لئے کہ یہ کار معصیت میں اعانت ہے۔(۲)

---

(۱) نظام الفتاوی: ص: ۲۶۴۔

(۲) ﴿لا تعاونوا علی الإثم و العدوان﴾ (المائدة:۳) محشی۔

بینک کے محصلہ سود سے انکم ٹیکس کی ادائیگی

سوال:- {1893} انکم ٹیکس جو حکومت کو ادا کیا جاتا ہے اگر بینک سے محصلہ سود کی رقم اس میں ادا کر دی جائے تو کیا حکم ہے؟ کیا یہ درست ہوگا؟

(محمد عبدالروٴف، مصری گنج، حیدرآباد)

جواب:- انکم ٹیکس ایک ناواجبی ٹیکس ہے، اور ناواجب حد تک وصول کیا جاتا ہے، اس لیے اگر بینک میں کسی مجبوری کے تحت ایسی اسکیم میں رقم رکھنی پڑی جس میں سود حاصل ہوتا ہے، اور سود مل گیا تو اس سود سے انکم ٹیکس ادا کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ بینک یا وہ ادارہ سرکاری ہی ہو، کیوں کہ مال حرام کا حکم یہی ہے کہ اسے اصل مالک کو پہونچایا جائے، (۱) اور سرکار سے مال حرام حاصل ہوا اور اسی کو پہونچا دیا گیا، تاہم خاص اس مقصد کے لیے کہ سود حاصل ہوگا اور اس سے انکم ٹیکس ادا کریں گے، بینک میں رقم رکھنی درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم

واضح ہو کہ یہ اجازت بدرجۂ ضرورت و مجبوری اور موجودہ بڑھتے ہوئے غیر محول ٹیکس کو سامنے رکھ کر ہے ورنہ یہ رقم دراصل سود کی ہے جو حرام ہے، لہٰذا عام ٹیکس جیسے بلدیہ وغیرہ یا اس طرح کے دوسرے معاملہ کے لئے بینک کے سود کو استعمال کرنے کا حیلہ اختیار کرنا درست نہیں ہوگا۔

بینک انٹرسٹ سے مکان کا ٹیکس

سوال:- {1894} آپ نے بینک کے منافع کو حرام قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اجر کی نیت کے بغیر اسے محتاج پر خرچ

---

(۱) "لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه" (رد المحتار: ۵۵۳/۹)، "فیتصدق بلا نیة ثواب" قواعد الفقه، القواعد الفقهیة: ص:۱۱۵) مرتب۔

کیا جاسکتا ہے، اس سلسلہ میں دریافت کرنا ہے کہ کیا منافع کی رقم مکان کے ٹیکس میں دی جاسکتی ہے؟ (احمدی بیگم، حیدرآباد)

جواب:- مکان کا ٹیکس ان بلدی سہولتوں کے عوض وصول کیا جاتا ہے، جو حکومت عوام کو فراہم کرتی ہے، یہ ایک جائز اور منصفانہ ٹیکس ہے، جس کا نفع ٹیکس دہندہ کی طرف لوٹتا ہے، لہٰذا اگر اس میں سود کی رقم ادا کی جائے، تو یہ سود سے استفادہ کرنے کے مترادف ہوگا، مکان کے ٹیکس میں سود کی رقم دینا جائز نہیں۔(۱)

سود کی رقم سے مقروض کی مدد

سوال:- {1895} احقر نے کچھ رقم بینک میں بطور حفاظت جمع کر رکھی ہے، اس پر کچھ سود کی رقم بھی مل جاتی ہے، میرے ایک دوست کثیر العیال اور مقروض ہیں، کیا ہم ان کو یہ رقم بلانیت ثواب دے سکتے ہیں؟ (محمد شمیم اختر فرقانی، پوچم پاڈ)

جواب :- اگر وہ اتنے غریب ہوں کہ انہیں زکوۃ دی جاسکتی ہو، تو آپ انہیں یہ سود کی رقم بھی دے سکتے ہیں۔(۲)

بحالت مجبوری سودی قرض

سوال:- {1896} سود کا کاروبار کرنا تو قطعی حرام ہے، لیکن بحالت مجبوری کئی لوگ اپنی ضروریات کے لئے سود پر رقم لیتے ہیں، کیا سود پر رقم لینا بھی حرام ہے؟

(محمد باسط احمد، یاقوت پورہ)

---

(۱) جدید فقہی مسائل: ۱/۳۲۱۔ محشی۔

(۲) بذل المجهود: ۱/۳۷ نیز دیکھئے: رد المحتار: ۷/۲۲۳۔ محشی۔

جواب:- سود لینا تو بہر حال حرام ہے اور کسی صورت اس کی اجازت نہیں، لیکن شدید مجبوری کے وقت فقہاء نے سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے (۱) اور یہ ہر شخص کے نجی حالات پر منحصر ہے، اسی لئے آپ کسی دارالافتاء سے ربط کریں اور اپنے حالات بتا کر رائے لیں اور استقامت کے ساتھ اس پر عمل کریں۔

ہندوستان میں سود کا مسئلہ

سوال:- {1897} ہمارے ایک ساتھی بینک میں پیسہ رکھ کر بینک سے انٹرسٹ حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے، یہاں سود لینا جائز ہے؟

(محمد احمد الدین، ظہیر آباد، فلک نما)

جواب:- آپ کے دوست کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان ہم سبھوں کا ملک ہے، یہ دارالحرب نہیں بلکہ دارالامن ہے، فقہاء کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب ایسا ملک ہے جس میں جمعہ وعیدین جیسے احکام بھی جاری نہ ہو سکیں اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں خدانخواستہ ایسے حالات نہیں ہیں، اور نہ اس ملک کے محب وطن شہری کی حیثیت سے ہم اسے گوارہ کر سکتے ہیں، اس لئے یہ دارالحرب نہیں، یہاں سود حرام ہے، اور اس سے بچنا واجب۔ (۲)

مختلف مالی واجبات میں سودی رقم کا استعمال

سوال:- {1898} کیا بینک یا کسی فینانس کمپنی میں جمع شدہ ڈپازیٹ پر حاصل ہونے والی سود کی رقم کا استعمال ان

(۱) "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الأشباہ و النظائر: ص:۱۱۵) محشی۔
(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: اسلام اور جدید معاشی مسائل: ص:۴۷، محشی۔

صورتوں میں ہو سکتا ہے:

(الف) بحالت مجبوری کسی کو رشوت دی جائے ورنہ کام کے ہونے میں مشکل ہو؟

(ب) پٹرول، گھر کے ٹیکس، برقی بل، ٹیلیفون بل، یا ایسے مدات جو ہماری غذاء میں استعمال نہ ہوتی ہوں، میں سود کی رقم استعمال کر سکتے ہیں؟

(ج) کیا حاصل شدہ سود کی رقم کسی ضرورت مند یا غریب کو بطور قرض حسنہ دے کر واپس شدہ رقم اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں؟ (ایم، اے، ایس، محبوب نگر)

جواب:- سود کو حرام قرار دینے کا مقصد یہ نہیں کہ صرف اس کا کھانا حرام ہے اور دوسرے طریقوں پر اس کا استعمال جائز ہے، بلکہ اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے اس کا استعمال حرام ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (۱) ''اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام'' اس میں مطلقاً سود کو حرام قرار دیا گیا ہے، یہ نہیں فرمایا گیا کہ صرف سود کا کھانا حرام ہے، ہاں چونکہ زیادہ تر سود کو انسان اپنی غذائی ضرورت ہی کے لئے استعمال کرتا ہے اور غذاء ہی انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اس لئے بعض حدیثوں میں خاص کر سود کے کھانے کی مذمت آئی ہے، (۲) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سود کی حرمت کھانے ہی کے ساتھ مخصوص ہو، اس اصولی گفتگو کی روشنی میں آپ کے سوالات کے جوابات اس طرح ہیں:

(الف) رشوت دینا خود حرام ہے، اور رشوت کے ساتھ اس میں سود کی رقم دینا دہرا

---

(۱) البقرة:۲۷۵۔ مرتب۔

(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۲۰۸۵۔ محشی۔

گناہ ہے، رشوت دینے کا گناہ اور سود کا گناہ، اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہاں! اگر آپ کسی ناحق ظلم سے بچنے کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہو جائیں اور یہ رشوت اسی حکومت یا ادارہ کو دینی پڑے جس نے آپ کو سود دیا تھا، تو یہ بات قابل غور ہو سکتی ہے، ایسی صورت میں کسی مقامی دارالافتاء کے مفتی کے سامنے اپنے تمام احوال رکھ کر ان سے فتویٰ حاصل کریں، اور اس پر عمل کریں، اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مفتی آپ کے سوال کے مطابق جواب دیتا ہے، اگر آپ اپنے احوال صحیح طور پر پیش نہیں کریں گے، تو آپ خود عنداللہ جواب دہ ہوں گے۔

(ب) پٹرول اور برقی بل وغیرہ سود کی رقم سے دینا قطعاً جائز نہیں۔

(ج) سود کی رقم قرض دے کر واپس ہونے والے قرض کو اپنے مصرف میں لانا جائز نہیں، اگر سود کی رقم کسی مسلمان کے پاس آجائے تو اسے چاہئے کہ بلا نیت صدقہ وثواب غرباء پر خرچ کر دے۔(۱)

نادار رشتہ داروں کو سودی رقم

سوال:- {1899} میں نے چند مجبوریوں کے تحت بینک میں کچھ رقم فکس ڈپازٹ کے تحت جمع کرائی تھی، اب میں اپنے مستحق رشتہ داروں اور غرباء میں سود کی رقم خرچ کرنا چاہتا ہوں، حال ہی میں حیدرآباد زکوۃ اینڈ چاریٹبل ٹرسٹ نے اطلاع دی ہے کہ بینک میں جمع شدہ سود کی رقم ان کے پاس جمع کرائی جا سکتی ہے، مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (احمد خان، چنچل گوڑہ)

جواب:- غرباء و نادار حضرات اس رقم کے مستحق ہیں، اگر آپ کے رشتہ داروں میں

---

(۱) ''لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق اذا تعذر الرد على صاحبه'' (رد المحتار :۵۵۳/۹)'' فيتصدق بلا نية ثواب '' قواعد الفقه، القواعد الفقهية :ص: ۱۱۵) مرتب۔

ایسے مستحق لوگ ہوں، تو ان پر خرچ کرنا بہتر ہے کہ اس طرح سود سے بچنے کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور صلہ رحمی بھی ہوگی۔(۱)

ایک شبہ کا جواب

سوال:- {1900} جنوری ۱۹۹۲ء کے ''افکار ملی'' میں جناب ساجد شیخ کا یہ سوال

''اگر میرے پاس سود کا پیسہ ہو تو کیا میں اسے این، ایس ایس/ این ایس سی وغیرہ گورنمنٹ اسکیم میں Inwest کر کے اپنی حلال کمائی میں سے انکم ٹیکس کی مد میں کٹنے والی رقم کو بچا سکتا ہوں، اس نیت اور پکے ارادے کے ساتھ کہ سود کی اصل رقم اور اس پر ملنے والی سود کی رقم کو بحالت مجبوری (کذا) بغیر کسی ثواب کی نیت سے رفاہ عام کے کاموں میں استعمال کروں گا، اور میرا منشا صرف اور صرف انکم ٹیکس سے بچانا ہوگا؟

اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا یہ جواب:

''اگر آپ کے پاس بینک انٹرسٹ کی کچھ رقم موجود ہو، تو آپ اس کو کسی سرکاری اسکیم میں لگا دیں، تو ایک ٹیکس کے قانون کی زد سے بچ جائیں گے اور اس اسکیم سے واپس ملنے والی اصل اور اضافی رقم آپ غرباء کے تعاون اور رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دیں تو یہ جائز ہے کہ یہ ایک قانونی حاجت ہے''

یہ پڑھ کر الجھن ہوئی۔

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۳۱۸۔ محشی۔

شیخ جی کے پاس سودی رقم ہے، وہ ان کے لیے حرام ہے اس سے وہ این ایس ایس خریدیں یا ای سی سی خریدیں اپنے ذاتی مصرف میں ہی لائیں گے، جو وہ نہیں کر سکتے، سودی رقم جوان کے لیے حرام ہے —— کہ سرکاری اسکیم میں لگا کر وہ مشاہرہ (آمدنی) سے کٹنے والی رقم بچائیں گے، اس طرح جو رقم بچے گی، وہ سودی رقم جمع کرنے کا بدل ہوگی، یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ جمع شدہ رقم کا پانچواں حصہ ہی بچایا جا سکتا ہے، یوں اگر پانچ ہزار روپے بچیں گے، ایک ہزار بچانے کے لیے پانچ ہزار کا وبال سر پر اٹھائے پھر دانش مندی بھی نہیں، سوال اس نیت کا ہے کہ اسکیم میں لگائی گئی سودی رقم اور اس پر ملنے والا سود واپس ملنے پر رفاہ عامہ میں لگا دیا جائے گا، عرض ہے کہ جن اسکیموں کا ذکر شیخ صاحب نے کیا ہے ان سے رقم چھ سال یا کم از کم تین سال بعد واپس مل سکے گی، اگر اسکیم میں یہ رقم لگا دینا دینی نقطۂ نظر سے صحیح بھی ہوتا تو بھی سوال یہ ہے کہ چھ برس یا تین برس زندہ رہنے کی گارنٹی شیخ صاحب کو کس نے دی ہے، لہذا اس فقیر کے نزدیک سودی رقم کو مذکورہ صورت حال میں سرکاری اسکیم میں لگانا درست نہیں، اسے جائز کہنا صحیح فتوی نہیں، اور تقوی تو خیر ہے ہی نہیں۔ (ناوک حمزہ پوری)

جواب:- میں نے اس مسئلہ میں جو سوال سمجھا وہ یہ ہے کہ حکومت کی بعض اسکیموں میں رقم مشغول کیے جانے سے انکم ٹیکس سے تحفظ فراہم ہو جاتا ہے، انکم ٹیکس کے بارے میں علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کی حیثیت ایک ناواجبی ٹیکس کی ہے، اس لیے اس سے بچاؤ کی سعی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس ٹیکس میں بینک انٹرسٹ میں ملی ہوئی رقوم ادا کرنے کو علماء نے جائز

قرار دیا ہے، میرے خیال میں اسی درجہ میں یہ بات بھی ہے کہ بینک انٹرسٹ کی رقم کو کسی ایسی اسکیم میں مشغول کردیا جائے جس سے اس کی حلال کمائی انکم ٹیکس کی زد سے بچ جائے، ان کی حیثیت دراصل ایک ''حاجت'' کی ہے، حاجت سے مراد فقہاء کے نزدیک وہ چیز ہے کہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت پیدا ہو جائے، علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

"و أما الحاجيات معناها أنها مفتقر إليها من حيث التوسع و دفع الضيق المودي في الغالب إلى الحرج و المشقة اللاحقة بقوة المطلوب" (۱)

''حاجیات سے مراد وہ چیزیں ہیں، جن کی حاجت کشائش کے لیے اور اس تنگی کو دور کرنے کے لیے ہوتی ہے، جو اکثر اوقات حرج کا باعث بنتے ہیں، نیز اس مشقت کے ازالہ کے لیے جو مطلوب کے مشکل الحصول ہونے کی وجہ سے پیش آتی ہے''

حاجت کا تعلق محض جسمانی نقصان وضرر ہی سے نہیں ہے، بعض چیزیں قانونی یا کسی اور طریقے کی حاجت بھی بن سکتی ہیں، اور فقہاء کے یہاں ایسی نظیریں موجود ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو باتیں کسی خارجی وجہ سے ممنوع ہوں، یعنی فقہاء کی اصطلاح میں حرام لغیرہ ہوں، حاجت کی بناء پر ان کی اجازت دی جاتی ہے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ کون سی بات حاجت ہے اور کون سی بات حاجت نہیں؟ اس کی تعیین میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے، مثلاً اسی کو دیکھئے کہ ضروری تعلیم و تعلم کے لیے امام نووی جیسے بلند پایہ محدث نے غیر محرم کو دیکھنے کی اجازت دی ہے اور اس کو حاجت قرار دیا ہے، (۲) لیکن ایک اور معروف محقق علامہ سیوطیؒ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے اور حاجت نہیں مانا ہے۔ (۳)

---

(۱) الموافقات: ۳/۵۔

(۲) حاشية النووي على صحيح مسلم: ۲/۲۱۲۔ محشی۔

(۳) الأشباه والنظائر للسيوطي: ص: ۱۸۱۔

سوال میں جو صورت مذکور ہے وہ میرے خیال میں حاجت کا درجہ رکھتی ہے، لیکن دوسرے اہل علم کے لیے اس سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، اور یہ بات مناسب ہوگی کہ دوسرے علماء بالخصوص اصحاب افتاء سے بھی استفسار کرلیا جائے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اس رقم پر اسکیم کے ذریعہ جو نفع حاصل ہو، وہ مع اصل رقم کے غرباء اور رفاہی کاموں میں خرچ کر دینا ہوگا، ذاتی استعمال میں لانا قطعاً جائز نہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ چھ برس یا تین برس زندہ رہنے کی گارنٹی نہیں، تو یہ صحیح ہے، لیکن اس کا یہ حل موجود ہے کہ ورثہ کو اس رقم کی نوعیت سے مطلع کردے تاکہ خدانخواستہ اس کی موت واقع ہوجائے تو یہ رقم اسی مصرف میں خرچ کردی جائے، جس میں خرچ کی جانی چاہئے، — یوں احتیاط اور تورع اس سے بہرصورت بچنے میں ہے۔

فکس ڈپازٹ

سوال:- {1901} زید کو نوکری سے سبکدوش ہونے کے بعد ایک خطیر رقم ملی، جس میں اس نے اتنی رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کرادی کہ جس کا ہر مہینہ پانچ ہزار روپیہ سود کا ملا کرے گا۔ لڑکی کے نام سے اس کی شادی کے لیے ایک بڑی رقم اس نیت سے جمع کرادی کہ سات سال کے بعد وہ ڈبل ہوجائے، دوسری طرف وہ حج کے لئے بھی راوانہ ہوگیا، اور اب واپسی کے بعد وہ اس سود کی رقم پر گزارا کرے گا، تو کیا حج سے آنے کے بعد اس طرح خالص سود کی رقم پر گزارا کرنا درست ہے؟ (غفار قادر، چتور)

جواب:- شریعت نے سودی معاملہ کو ناجائز قرار دیا ہے، خواہ بینک سے حاصل کی گئی

انٹرسٹ کی رقم ہو یا کسی اور ذریعہ سے، سود کی حرمت کی صراحت خود قرآن مجید میں ہے: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (۱) ایک اور آیت میں بھی اس کا ذکر ہے۔(۲)

احادیث میں بھی بکثرت اس کی شناعت بیان کی گئی ہے:

"عن جابر ﷺ قال: "لعن رسول الله ﷺ آكل الرباء و مؤكله و كاتبه وشاهديه و قال: هم سواء" (۳)

"آپ ﷺ نے فرمایا کہ سود کے کھانے والے، کھلانے والے اس معاملہ کو لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت ہو اور گناہ میں یہ سب برابر کے شریک ہیں"

اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے وہ ناجائز اور حرام ہے، اور ان کو بہر صورت اس سے بچنا چاہئے، خصوصاً حج کی ادائیگی کے بعد ایسے گناہ کا ارتکاب مزید افسوسناک ہے۔

کمیشن کے نام سے سود

سوال:- {1902} پچاس فیصد مسلمان تجار چٹھیوں اور فیانس کمپنیوں کے ذریعہ سرمایہ حاصل کر کے کاروبار چلاتے ہیں، چٹھیوں میں سود کے نام سے کوئی رقم نہیں جاتی، بلکہ اسے کمیشن کہا جاتا ہے، اسی طرح فینانس میں بھی کہیں انٹرسٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا ہے، چھوٹے چھوٹے بیوپاریوں کے لئے چٹھیاں اور فینانس آسان ہے اور اس میں سود کا نام بھی

(۱) البقرة: ۲۷۵۔ مرتب۔
(۲) آل عمران: ۱۳۰۔
(۳) صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۱۵۹۸۔

استعمال نہیں ہوتا، تو کیا اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا؟

(محمد عبدالکریم انصاری، بالانگر)

جواب:- کسی چیز کے سود ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے سود کا نام دیا جائے، اگر سود کی حقیقت پائی جائے اور اسے نام کچھ اور دے دیا جائے، تو یہ بھی سود ہی میں داخل ہے، فینانس کمپنیاں قرض فراہم کرتی ہیں اور اضافہ کے ساتھ اسے وصول کرتی ہیں، یہ واضح طور پر سود کی صورت ہے، جو چٹھیاں نقصان کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں، اس میں بعض تو زیادہ رقم ادا کرتے ہیں، اور بعض کم وصول کرتے ہیں، اس طرح سود دینے کی صورت پائی گئی، اور بعض لوگ کم رقم ادا کرتے ہیں اور کمیشن کے نام پر بحیثیت سود کا لینا پایا گیا، لہذا خواہ اسے نام کچھ بھی دیا جائے یہ صورتیں سود کی لین دین کی ہیں، اس لئے ناجائز ہیں۔(۱) واللہ اعلم

جہیز اور جوڑے کے لئے ایف، ڈی

سوال:- {1903} دور حاضر میں جہیز اور جوڑے کی رقم کی وباء پھیلی ہوئی ہے اس کے پیش نظر بہت سے لوگ بینک میں لڑکی کے نام سے روپیہ جمع کروا رہے ہیں، چند سالوں کے بعد یہ پیسہ کئی گونہ بڑھ جاتا ہے، بعض لوگ تو لڑکی پیدا ہوتے ہی لڑکی کے نام پر ایف، ڈی کروا رہے ہیں کہ اسی پیسے سے جہیز اور جوڑے کی رقم دیں گے، کیا ایسا طریقہ اختیار کرنا درست ہے؟ (احسان الغفار، سکنڈ لانسر، حیدرآباد)

جواب:- ایک تو جہیز کا مطالبہ اور شادی کے موقعہ سے لین دین کی رسم خود گناہ ہے، اس کو ہمت و حوصلہ کے ساتھ ختم کرنے کی ضرورت ہے، اگر تمام لڑکی والے یہ طے کرلیں کہ وہ شادی

---

(۱) ﴿ أحل الله البيع و حرم الربوا ﴾ (البقرة:۲۷۵) محشی۔

میں ایسے مطالبات کو قبول نہیں کریں گے، تو لڑکے اور لڑکے والے خود جھکنے پر مجبور ہوں گے، اور یہ غیر اسلامی اور غیر انسانی رسم ختم ہو سکے گی، یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسی رسم کو بڑھاوا دینے میں لڑکی والے بھی قصوروار ہیں، اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایسا سماجی ماحول بنایا جائے کہ لوگ لین دین کی شرط لگانے والوں کو لڑکی دینے ہی سے انکار کردیں، فکسڈ ڈپازٹ کرنا سود حاصل کرنا ہے، لہذا یہ لڑکے کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے ایک گناہ کے لئے دوسرے گناہ کا ارتکاب کرنے کے مترادف ہے، اس لئے اس مقصد کے پیش نظر بھی فکسڈ پازٹ جائز نہیں۔(۱)

حکومت کچھ سود دے کچھ سود لے

سوال:- {1904} سرکاری ملازم اگر کوئی سوسائٹی قائم کرنا چاہیں تو سرکار ہر رکن سے سوسائٹی کے قیام کے وقت کچھ اڈوانس رقم وصول کرتی ہے، رکنیت کے ختم کرنے پر وہ رقم واپس کردیتی ہے، لیکن اس کا سود ملتا ہے، ضرورت پر ان اراکین کو حکومت قرض فراہم کرتی ہے اور اس قرض پر فیصد کچھ سود بھی لیتی ہے، دریافت کرنا یہ ہے کہ ہماری رقم پر جو سود ملتا ہے اس کو حکومت قرض پر جو سود لیتی ہے اس کی جگہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں۔ (ابوقمر، حیدرآباد)

جواب:- حکومت جو سود دیتی ہے، اس میں سے اتنی رقم حلال ہے، جو حکومت نے سود کے طور پر وصول کیا ہے، یعنی سود کے طور پر وصول کی ہوئی رقم منہا کرنے کے بعد حکومت کی جانب سے ملنے والی جو زائد رقم بچ جائے وہی سود ہے، مثلاً حکومت نے پانچ سو روپے سود کے نام سے دیئے اور تین سو روپے بہ طور سود کے وصول کیے تو گو حکومت پورے پانچ سو کو سود کا نام دیتی ہے، لیکن شرعی اعتبار سے اس میں سے دوسو روپے ہی سود کے ہیں، باقی رقم کا شمار سود میں نہیں ہوگا۔

---

(۱) جدید فقہی مسائل:۱/ ۳۲۸۔ محشی

سود کی رقم سے ٹی۔ وی

سوال:- {1905} بینک کی جمع شدہ رقم پر جو انٹرسٹ آتا ہے، کیا اس سے ٹی۔ وی خرید کر مستفید ہو سکتے ہیں؟

(راشد علی، سنتوش نگر)

جواب:- یہ گناہ بالائے گناہ ہے، ایک تو آپ نے سود کی رقم سے اپنی خواہش کی ایک چیز خریدی اور سود کا اپنے حق میں استعمال کیا، اس کا گناہ ہونا ظاہر ہے، سود کا صرف کھانا ہی حرام نہیں ہے بلکہ سود سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا گناہ اور حرام ہے، پھر ہندوستان کے ماحول میں ٹی۔ وی خریدنا دوسرا گناہ ہے، کیونکہ ٹی وی بے حیائیوں کی جڑ ہے، اگر شراب ''ام الخبائث'' ہے تو موجودہ صورت حال کے اعتبار سے ٹی۔ وی ''ام الفواحش'' ہے، یہ نہ صرف خود گناہ میں مبتلا ہونا ہے، بلکہ گھر اور خاندان کے تمام لوگوں کو گناہ کے راستے پر لے چلنا ہے، اس لیے یہ عمل علاوہ سود کے اور بھی متعدد گناہوں پر مشتمل ہے۔

بینک میں کھاتہ کھلوانا

سوال:- {1906} سود کے کاروبار میں حصہ لینا گناہ ہے، تو کیا بینک میں کھاتہ کھولنا بھی گناہ ہے؟

(احسن کمال، ملک پیٹ)

جواب:- بینک میں فکس ڈپازٹ کھاتہ کھولنا جائز نہیں، رقم کی حفاظت کی نیت سے سیونگ اکاؤنٹ کھولا جا سکتا ہے، کیونکہ اس میں حفاظت مقصود ہے نہ کہ سود لینا۔(۱)

(۱) "الأمور بمقاصدها" (الأشباه و النظائر، ص:۵۳، الفن الأول)

سود کی رقم سے یتیم اور بیمار کی مدد

سوال:- {1907} کیا سود کی رقم کسی یتیم لڑکی کی شادی میں دے کر، یا کسی بیمار شخص کی مدد کر کے ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے؟ (احسن کمال، ملک پیٹ)

جواب:- سود کی رقم ثواب کی نیت سے دینا گناہ ہے، کیونکہ مال حرام سے صدقہ، صدقہ کی توہین ہے، البتہ بلانیت صدقہ یتیم لڑکی کی شادی یا بیمار شخص کے علاج کے لئے سود کی رقم دی جاسکتی ہے، (۱) بشرطیکہ وہ اس کے محتاج ہوں، اور شادی اور علاج کے لئے ان کے پاس جائز رقم موجود نہ ہو۔

سونا کو معیار بنا کر بینک کی زیادہ رقم کا استعمال

سوال:- {1908} کرنسی (کاغذی نوٹ) کو اب تک بذات خود جنس مان کر لین دین میں مساوات برقرار رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے، اب جب کہ آپ نے کرنسی کو سونے کی مقدار میں بدل کر سونے کی لین دین کرنے کی صلاح دی ہے، تو یہ وضاحت فرمائیں کہ کیا اس معیار کو بینک اور دیگر مالیاتی اداروں میں ڈپازٹ کی ہوئی رقم کے کاروبار میں بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے؟ بینک اور دیگر مالیاتی اداروں میں

---

(۱) " إذا كان عند رجل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد و لا يمكنه أن يرده إلى مالكه و يريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء ألخ " (بذل المجهود :۱/۳۷،کتاب الطهارة ،نیز دیکھئے: رد المحتار:۷/۲۲۳) محشی۔

رقم کا ڈپازٹ کرنا ایک طرح سے بالواسطہ طور پر کاروبار میں سرمایہ کاری کی ایک شکل سمجھی جائے یا نہیں؟

(عبد المقسط، جگہ نامعلوم)

جواب:- چونکہ بینک سے روپیہ ہی کی لین دین کی بات ہوتی ہے، اور کھاتہ دار متعدد بار روپیہ جمع کرتا ہے نہ کہ سونا، اس لیے سونا کو اصل مان کر جمع کی ہوئی رقم سے زیادہ حلال نہیں ہوسکتی، کیونکہ مالی لین دین میں ایک طرف سے ایسا اضافہ جس کے مقابلہ میں دوسرے فریق کی طرف سے کچھ نہ ہو، سود ہے اور جائز نہیں۔ (۱)

سونا معیار کیوں؟

سوال:- {1909} کرنسی کے تبادل کے طور پر سونے کو کیوں معیار بنایا گیا؟ چاندی کو کیوں نہیں؟

(عبد المقسط، جگہ نامعلوم)

جواب:- شریعت کی نگاہ میں سونا اور چاندی دونوں ''ثمن'' یعنی ذریعہ تبادلہ ہیں، لیکن فطری بات ہے کہ لوگ جس چیز سے کرنسی کو متعلق کردیں گے، اس کی قیمت میں اضافہ ہوگا، چونکہ پچھلے سو دو سو سال سے عالمی سطح پر سونا کو کرنسی کا معیار بنایا گیا، اس لیے اس کی قیمت میں اضافہ بھی ہوا اور ٹھہراؤ بھی پیدا ہوا، لیکن چاندی اور سونے کی قیمت میں توازن باقی نہ رہا، چنانچہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر فقہاء متاخرین '' کے دور تک سونا اور چاندی کی قیمت میں ایک اور دس سے ایک اور بارہ تک کا فرق تھا، یعنی ایک دینار سونا دس سے بارہ درہم چاندی کے برابر ہوتا تھا، لیکن اب ان دونوں کی قدر میں کوئی توازن باقی نہیں رہا، اس لیے علماء مشورہ دیتے ہیں کہ فی زمانہ سونے پر معاملات طے کیے جائیں۔

---

(۱) " الربوا محرم في كل مكيل أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلاً " (الهداية : ۳/۷۷) محشی۔

بینک انٹرسٹ کا مصرف

سوال:- {1910} بینک میں جمع شدہ رقم پر جو منافع ملتے ہیں، ان کو بلانیت ثواب حاجت مندوں کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ایک صاحب نے ایسا کرنے کو نا جائز بتلایا ہے۔

(محمد احمد، ناندیڑ)

جواب:- غریبوں اور حاجت مندوں پر نیز رفاہی کاموں میں یہ رقم استعمال کی جاسکتی ہے، کیونکہ اگر بینک میں یہ رقم چھوڑ دی جائے تو ایک سودی ادارہ کے لیے مزید تقویت کا باعث ہے، نیز یہ بات بھی سننے میں آئی ہے کہ ایسی رقم بعض فاسشٹ تنظیمیں رفاہی کاموں کے لیے حاصل کرتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ مسلمان کے لیے ضرر شدید کا باعث ہوسکتا ہے۔

بینک کے سود سے متعلق چند سوالات

سوال:- {1911} (الف) کو آپریٹو ، بینک اپنے سرمایہ کو تجارت اور کاروبار میں مشغول کرتے ہیں، اور اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے، اسی میں سے ڈپازٹ کرنے والوں کو نفع ادا کرتے ہیں، تو کیا یہ صورت بھی سود کی ہے؟

(ب) بہت سی بیوہ خاتون ،ضعیف اور وظیفہ یاب اشخاص اپنی رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کرتے ہیں، ایسے مجبور لوگوں کے لیے بینک کا منافع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) یہ افسوس کی بات ہے کہ غیر سودی اصول پر مبنی فینانس کمپنیوں نے مسلمانوں کا بہت بڑا سرمایہ برباد کر دیا ہے، کیا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ موجودہ حالات میں غیر

سودی مالیاتی اداروں کا قیام ممکن نہیں؟

(د) تعلیمی اداروں کے قیام کے لئے گورنمنٹ مجبور کرتی ہے کہ اس کے پاس خطیر رقم ڈپازٹ کی جائے، مثلاً: دس سال کے لیے پچاس لاکھ روپے ڈپازٹ کیا جائے، تو دس سال بعد گورنمنٹ اس کے پونے دو کروڑ ادا کرتی ہے، جب کہ اس وقت کے پونے دو کروڑ کی اہمیت وہی ہوگی جو آج پچاس لاکھ کی ہے، تو کیا یہ پوری رقم ایسے اداروں کے لیے جائز ہوگی؟

(ہ) بینکوں میں جو رقم محفوظ کی جاتی ہے، اگر اس کا سود نہ لیا جائے، تو رقم اسلام دشمن تنظیمیں حاصل کرتی ہیں، اور اسلام کے خلاف استعمال کرتی ہیں، اس لیے بینکوں سے سود نہ لینا بالواسطہ اسلام کو نقصان پہنچانا ہے؟ (ف، ح،)

جواب:- (الف) یہ صحیح ہے کہ کوآپریٹو بینکس اپنی رقم کو کاروبار اور تجارتی مقاصد میں مشغول کرتی ہیں، لیکن ڈپازٹ کرنے والوں کے لیے خود بینک نفع کی مقدار متعین رکھتا ہے، اس لیے بینک بھی جو زائد رقم ادا کرتے ہیں وہ سود ہی ہے، سود کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی چیز کا لین دین ہو اور ایک فریق کے لیے ایسے اضافہ کی شرط ہو جس کا دوسرے فریق کی طرف سے کوئی عوض ادا نہ کیا جائے۔

"فضل خال عن عوض مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة" (۱)

بینک کے نفع کی یہی صورت ہوتی ہے، کھاتہ دار روپیہ دیتا ہے، بینک واپس کرتا ہے، گویا

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳/۷-۳۰۱ محشی۔

ایک ہی جنس کے مال کا لین دین ہے اور کھاتہ دار کی طرف سے شرط ہے کہ بینک اسے زیادہ رقم ادا کرے، اس لئے یہ سود ہی ہے، خواہ سود دینے والا اس رقم کو کاروبار میں مشغول کر کے نفع دے، یا خود نقصان اٹھا کر اس کو نفع دے۔

(ب) اصولی طور پر بینک میں ڈپازٹ کی گئی رقم پر ملنے والا نفع سود ہے اور سود نہ صرف حرام ہے، بلکہ سخت ترین گناہ بھی ہے، اس لئے یہ صورت جائز نہیں، البتہ جس خاص شخص کا مسئلہ ہو اسے چاہئے کہ کسی مستند مفتی سے مل کر ان کے سامنے اپنے حالات رکھے، مفتی صاحب اس کی شخصی حالات کو دیکھ کر جو رائے دیں، اس پر عمل کریں، اس لئے کہ تمام وظیفہ یاب وضعیف اشخاص اور بیوہ خواتین کے حالات یکساں نہیں ہوتے، اور شریعت کے بعض احکام میں لوگوں کے شخصی حالات اور دشواریوں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

(ج) ''مسلم فینانس کمپنیوں'' نے لوگوں کے ساتھ جو دھوکہ دہی کی ہے، اس کا اسلام اور اسلام کے غیر سودی نظام سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیوں کہ ان حضرات نے اخبارات میں حلال منافع کی غلط تشہیر کی اور لوگوں نے زیادہ سے زیادہ نفع کی حرص میں سرمایہ کاری کی، حقیقت میں یہ منافع سود ہی تھا، کیوں کہ یہ کمپنیاں رقم رکھنے والوں کے لئے متعین منافع کا اعلان کرتی تھیں، اور کسی بھی کاروبار کا نفع اسی وقت حلال ہوسکتا ہے، جب نفع کی قطعی مقدار پہلے سے متعین نہ ہو اور رقم مشغول کرنے والا امکانی نفع و نقصان کی اساس پر شریک ہوا ہو، اس نقصان کا سبب لوگوں کی بددیانتی اور خیانت ہے نہ کہ غیر سودی نظام، ان کمپنیوں نے تو سرمایہ کو مشغول ہی نہیں کیا، ظاہر ہے کہ اس میں غیر سودی معاشی نظام کا کوئی دخل نہیں، غیر سودی نظام میں تو پورا نفع سرمایہ کاروں میں تقسیم ہوگا، اس لیے یقیناً اس نظام میں سرمایہ کاروں کو زیادہ نفع حاصل ہوگا نہ کہ کم۔

(د) تعلیمی اداروں کے قیام کے لیے گورنمنٹ جو رقم جبراً حاصل کرتی ہے، اس میں اس بات کی گنجائش ہے کہ مثلاً: پچاس لاکھ دیتے وقت پچاس لاکھ میں جتنا سونا آتا تھا، دس سال بعد پونے دو کروڑ میں سے اتنی مقدار سونے کی قیمت ادارہ کے کام میں لایے اور اس سے زیادہ جو رقم

ہو وہ غریب طلباء کی تعلیمی ضروریات پر خرچ کردے۔

(ہ) بینکوں میں ڈپازٹ کی ہوئی رقم پر جو سود ملتا ہے، اس کا حکم علماء کے نزدیک یہ ہے کہ وہ بینک میں چھوڑا نہ جائے، تاکہ اسلام دشمن جماعتیں اس کو استعمال نہ کرسکیں، رقم نکال کر بلانیتِ صدقہ غرباء پر یا رفاہی کاموں میں خرچ کردیا جائے۔(۱)

بینک کے توسط سے کاروبار کرنا

سوال:- {1912} ایک کارخانہ جس میں اون وغیرہ تیار کیا جاتا ہے، جس کی سپلائی دوسرے اسٹیٹ میں بھی کی جاتی ہے، جس پارٹی کے پاس مال بھیجا جاتا ہے اکثر وہ اجنبی ہوتے ہیں، اس لیے اس کاروبار کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ مال کا جو بھی بل بنتا ہے وہ بینک میں بھیج دیا جاتا ہے، اور بینک سے روپیہ وصول کرلیا جاتا ہے، پھر بینک والے اس پارٹی سے روپیہ وصول ہونے تک جتنی مدت ہوتی ہے ایک خاص مقدار میں مال بھیجنے والے سے سود وصول کرتے ہیں، اگر یہ طریق کار اختیار نہ کیا جائے تو روپیہ وصول ہونے میں مہینوں لگ جاتے ہیں، کیا اس طرح بینک کے توسط سے کاروبار کرنے میں جواز کی صورت ہوسکتی ہے؟ (انعام اللہ خاں، مہاراشٹر)

جواب:- بینک یا کسی بھی سودی ادارے سے تعاون درست نہیں، البتہ اگر قانونی یا معاشی وجوہ سے وہ اس قدر ضروری ہوجائے کہ اس کے بغیر کاروبار ٹھپ پڑ جانے کا یا شدید خسارہ کا اندیشہ ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ ایک وقتی ضرورت سمجھ کر اس کو کیا جاسکتا ہے، محض

(۱) دیکھیے: منتخبات نظام الفتاوی: ۱؍۱۹۰۔ محشی۔

روپیہ میں تاخیر ایسا عذر نہیں جس کی وجہ سے بینک کے توسط سے کاروبار کی اجازت دے دی جائے۔(۱)

ہراج کی چٹھی

سوال:- {1913} کیا ہراج کی چٹھی کا کاروبار جائز ہے؟ (محمد عابد حسین حسامی، عنبر پیٹ)

جواب:- ایسی چٹھی جس میں بعض لوگ نقصان اٹھا کر چٹھی کی رقم لے لیتے ہیں، جائز نہیں، بلکہ سود میں داخل ہے، ہاں! اگر ہر ماہ ایک شخص چٹھی کی رقم لے، اور چٹھی کی رقم برابر لی جائے تو درست ہے۔(۲)

کمیشن کی چٹھی

سوال:- {1914} ایک شخص کمیشن کی چٹھی چلاتا ہے، سود یا ہراج کی نہیں، مثال کے طور پر دس اشخاص میں سے ہر شخص ایک ہزار روپے دس ماہ کے لیے دیتا ہے، قرعہ میں جس شخص کا نام اٹھتا ہے، اسے نو ہزار پانچ سو روپے دیے جاتے ہیں، اور پانچ سو روپے بہ طور محنتانہ چٹھی چلانے والا لے لیتا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے اور ایسے شخص کی امامت درست

(۱) واضح ہو کہ جس طرح سود لینا جائز نہیں، اسی طرح سود دینا بھی جائز نہیں ہے الا یہ کہ شدید مجبوری ہو، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''لعنت ہے سود لینے والے پر، سودی معاملہ کرنے والے پر، لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر'' (الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۲۰۶)

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سود کا ایک درہم کھانا جانتے ہوئے کہ یہ سود ہے، چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مشکوۃ شریف: ص: ۲۴۶۔)

(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۳۷۱۔ محشی۔

ہے؟ (احمد ندیم رضوی، محبوب نگر)

جواب:- اگر چٹھی میں شریک تمام ممبروں سے پہلے سے یہ بات طے ہو جائے کہ یہ چٹھی چلانے والا شخص متعلق شخص سے رقم وصول کرنے اور جس کا نام قرعہ میں نکلا ہو اس کو پہونچانے کا ذمہ دار ہوگا، اور اس کے بدلہ اسے ماہانہ پانچ سو روپے بہ طور اجرت دیے جائیں گے، تو یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ یہ اس کی مزدوری اور محنتانہ ہے، اور ایسے شخص کی امامت بھی درست ہے، البتہ بہتر ہے کہ وہ شخص خود اس چٹھی میں شریک نہ ہو، کیوں کہ ایسی صورت میں ایک درجہ سود کا شائبہ پیدا ہو جاتا ہے، ہراج والی چٹھی جائز نہیں، کیوں کہ اس میں سود پایا جاتا ہے۔

چٹ فنڈ کی ایک صورت

سوال:- {1915} ہمارے یہاں دفتر میں چٹھی ہوتی ہے، جس میں تمام اشخاص بلا لحاظ مذہب وملت شریک ہوتے ہیں، چٹھی کا اصول یہ ہے کہ ضرورت مند اشخاص حسب استطاعت کوئی رقم متعین کرتے ہیں، اس میں جو شخص بھی بولی بڑھ کر کہتا ہے اس کے نام یہ چٹھی ہوئی، وہ رقم جس حد تک بولی میں کہی جاتی ہے، اس شخص کو اتنی رقم اصل چٹھی سے کم کر کے باقی رقم اسے دی جاتی ہے، اور یہ شخص بھی کمیشن میں برابر کا شریک رہتا ہے، ہم چند مسلم حضرات بھی اسی چٹھی میں شریک ہیں، گو ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم کو کمیشن زیادہ ملے اور ہم غیر ضروری (Bit) میں حصہ بھی نہیں لیتے، لیکن جب ہمیں ضرورت ہوتی ہے تو حسب ضرورت ہم بھی (Bit) میں حصہ لیتے ہیں، اور چٹھی اٹھاتے ہیں لہذا نیت کمیشن کھانے کی نہیں

ہے اور جو کمیشن ہمیں ملتا ہے اس حد تک ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو رقم ہم بولی میں بڑھ کر چھوڑ دیتے ہیں اس کا خسارہ کمیشن میں مکمل ہو جاتا ہے، اور کبھی نہیں بھی ہوتا ہے اور کبھی نفع بھی ہو جاتا ہے، کیا اس نوعیت کی چٹھی اسلامی احکام کے مطابق جائز ہوگی یا نہیں؟ (شیخ حسن)

جواب:- چٹھی کے شرکاء میں سے ایک یا چند آدمیوں کا خسارہ برداشت کر لینے کی صورت جائز نہیں ہے، یہ ایک طرح کا ربا ہے، کیوں کہ خسارہ برداشت کرنے والا شخص بقیہ شرکاء سے قرض لیتا ہے اور قرض دینے والے اس قرض پر نفع حاصل کرتے ہیں اور اس کو "سود" کہتے ہیں۔ (۱)

چٹ فنڈ کے بعض احکام

سوال:- {1916} بکر ایک چٹ فنڈ قائم کرتا ہے اور اس کی مجموعی رقم ایک ہزار روپیہ متعین کرتا ہے اور اس کا تین فیصد یعنی تیس روپیہ کمیشن لیتا ہے، اس کا کمیشن بولی یعنی (Bit) میں کٹ ہوتا ہے، مثلاً: زید اپنی ایک ہزار چٹھی تین سو (۳۰۰) روپیہ بولی کہہ کر اٹھاتا ہے تب بکر اپنا کمیشن تین سو (۳۰۰) روپے میں تیس (۳۰) روپے کم کر کے دو سو ستر (۲۷۰) روپے دیتا ہے، بکر یہ کمیشن اس لیے لیتا ہے کہ چٹھی ڈالنے والے حضرات اگر کسی وجہ سے تاخیر کریں یا کوئی حضرات نہ دیں تب یہ بکر پر ذمہ داری ہوتی ہے کہ اس رقم کو کسی طرح بھی اپنی ذاتی رقم سے پُر کرے۔ (شیخ حسین احمد)

(۱) "الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر وأفضل مما أخذ" (حجة الله البالغة: ۲/ ۹۸)

جواب:- اسکیم چلانے والے اس پر جو کمیشن لیتے ہیں اگر وہ اس بناء پر ہے کہ بعض لوگ جو ہر وقت پیسہ ادا نہیں کرتے ان کی جانب سے وہ ادا کر دے تو یہ صورت جائز نہ ہوگی، کیوں کہ اس نے قرض دے کر اس سے زیادہ نفع اٹھایا ہے، اور قرض پر نفع حاصل کرنا یہ سود ہے۔(۱) اور اگر اس کی حیثیت شرکاء کی جانب سے اجرت کی ہو کہ وہ مختلف لوگوں کی رقم مہیا کرتا ہے، پھر ان میں قرعہ اندازی کرتا ہے تو اس صورت میں اس کے لیے یہ رقم حلال اور جائز ہوگی۔(۲) واللہ اعلم

چٹھی کی ایک خاص صورت

سوال:- {1917} مکرمی! السلام علیکم۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے، درج ذیل سوال کا

جواب افکار ملی کی کسی قریبی اشاعت میں دیدیں۔

---

(۱) "کل قرض جر نفعها فهو ربا" (الجامع الصغیر :۲/۲۸۴) محشی۔

(۲) البتہ جو صورت چٹھی کی ہے وہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ بولی میں ایک ہزار کی رقم کو تین سو چار سو میں اٹھالیتا ہے، بقیہ رقم کو باقی لوگوں پر کمیشن کے نام سے تقسیم کر دیتا ہے، یہ سود اور قمار کا معاملہ ہے، سود اس لئے ہے کہ روپیہ کا تبادلہ روپیہ سے کم وبیش کرنا سود ہے اور وہ حرام ہے۔ قمار اس لئے ہے کہ کبھی کسی کو کم ملتا ہے تو کبھی کسی کو زیادہ کبھی فائدہ ہوتا ہے تو کبھی نقصان یعنی معاملہ مبہم ہوتا ہے کہ کس کو کتنا ملے گا کس کو نہیں، کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا، اسی کو فقہاء کے یہاں قمار "جوا" کہتے ہیں، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"الذی یزید تارة و ینقص أخری و سمی القمار قمارًا: لأن کل واحد من المقامیر ممن یجوّز أن یذهب ماله إلی صاحبه و یجوّز أن یستفید مال صاحبه" (رد المحتار:۹/۵۷۸، کتاب الحظر و الاباحة)

"(قمار) گھٹتا بڑھتا ہے، چوں کہ قمار کو بھی اس لئے قمار کہا جاتا ہے کہ قمار بازی کرنے والا (جواری) اپنے مال دوسرے کے پاس (بلا معاوضہ) چلے جانے اور دوسرے کا مال اپنے پاس ہڑپ کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے ان کے حصے بھی گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں، اس لیے اس کو" قمار" کہا جاتا ہے۔ مرتب۔

یہاں کاروباری حلقہ میں ایک طریقہ رائج ہے۔

زید تقریباً دس ساتھی منتخب کر کے یومیہ ایک مخصوص رقم (۱۰۰ر روپے) ہر ساتھی سے وصول کرتا ہے، اس طرح دس ایام میں دس ہزار روپیہ ہوا، وہ روپے زید نے سب کی رضامندی سے خود لے لیا، اور اپنے تصرف میں لے آیا، اس کے دوسرے دن سے (یعنی گیارہویں دن) پھر زید نے سب سے وصولیابی کی، دوبارہ دس دن ہو جانے پر اپنے علاوہ باقی ۹ آدمیوں کے ناموں کی قرعہ اندازی کی، قرعہ اندازی میں جس کا نام آجاتا ہے اس کو دس ہزار روپے دے دیا جاتا ہے، اس کے بعد تیسری بار، چوتھی بار وغیرہ سب سے وصولیابی کی جاتی ہے، اور قرعہ اندازی کے ذریعہ جس کا نام نکلتا ہے اسے وہ رقم دیدی جاتی ہے، اس طرح ۱۰۰ر دنوں میں دسوں لوگوں کو دس دس ہزار روپے مل جاتا ہے، نہ کسی کا نقصان ہوتا ہے اور نہ نفع، زید کا صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ چوں کہ وہ وصولیابی اور امانت رکھنے کا کام کرتا ہے، اس لیے وہ روپے پہلے لے لیتا ہے۔

اسی شکل میں زید اتنا اضافہ اور کرتا ہے کہ ہر مرتبہ قرعہ اندازی میں جس کا نام پہلے نکل آتا ہے، اس کو وہ خود اپنی جیب سے ایک مخصوص رقم مثلاً: ۱۰۰ر روپے یا اس قیمت کی کوئی چیز دینا چاہتا ہے، اور وہ اپنے ساتھیوں کو اس کی پیشگی اطلاع بھی دیدیتا ہے۔

تو کیا یہ اضافہ شدہ شکل جو زید نے اپنی مرضی سے اختیار

کی ہے جائز ہے؟ اور یہ کہ سود کے دائرہ میں تو نہیں آتی ہے؟

(محمد عاصم، 40/53 نیا چوک پریڈ، کانپور)

جواب:- زید کا اسکیم کے دوسرے شرکاء کو اپنی طرف سے سو روپے کی اضافی رقم دینا شبہ سود سے خالی نہیں، اور سود شریعت میں کس درجہ مذموم ہے وہ ظاہر ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود کا گناہ ستر درجہ ہے اور کم سے کم درجہ ماں سے زنا کے برابر ہے (۱) اس لیے اس صورت سے بچنا چاہئے، اس اضافی رقم کے بغیر قرعہ اندازی کے ذریعہ مختلف شرکاء کا ہر دس روز پر مجموعی رقم لے لینا اور اپنے حصے کی رقم ادا کرتے رہنا جائز و درست ہے۔

دس ہزار کی چٹھی ساڑھے نو ہزار میں

سوال:- {1918} میں ایک ٹرانسپورٹ ملازم ہوں، ہماری لائن میں معاملہ کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً: ممبئی سے وجے واڑہ ایک لاری مال آیا، اس کا دس ہزار کرایہ تھا، لیکن گاڑی خالی کرنے کے بعد ٹرانسپورٹ والے نے پندرہ دن کے بعد کا وعدہ کیا، اور ایک چٹھی دے دی، یہ چٹھی جو شخص بھی لے جائے اسے مقررہ تاریخ پر کرایہ کی رقم مل جائے گی، چنانچہ ایک تیسرے آدمی نے پانچ فیصد کمیشن پر یعنی نو ہزار پانچ سو (۹۵۰۰) روپے لاری والے کو دے کر یہ چٹھی حاصل کرلی، اور تاریخ مقررہ پر چٹھی دے کر دس ہزار روپے لے لئے، تو کیا یہ پانچ سو روپے کا کمیشن اس کے لئے جائز ہوگا؟

(محمد عبد اللہ، وجے واڑہ)

---

(۱) "الربا سبعون جزءًا أيسرها أن ينكح الرجل أمه" (مشكوة شريف ص: ۲۴۶)

جواب:- اس صورت میں دس ہزار کی چٹھی ساڑھے نو ہزار روپے میں خرید کی گئی، گویا روپیہ کا تبادلہ روپیہ سے ہوا، ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار، اور ایک طرف سے زیادہ دوسری طرف سے کم، اور یہ دونوں ہی صورتیں ناجائز اور گناہ ہیں، اور سود میں داخل ہیں، (۱) اس لئے یہ صورت جائز نہیں، مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے، اور اس کا کوئی مناسب حل نکالنا چاہئے، مثلاً وہ ٹرانسپورٹ والے سے اسی تاریخ کا رقتی چیک طلب کرے اور ممبئی ہی میں اس رقم کو بھنالے، ممکن ہے بعض اور متبادل صورتیں نکل آئیں۔

چٹھی کا کاروبار

سوال:- {1919} آج کل چٹھی کا کاروبار بہت بڑھ گیا ہے، کیا کوئی مسلمان یہ کاروبار کر سکتا ہے؟ ہمارے ایک دوست نے یہ کام شروع کیا، لیکن کسی نے ان سے کہا کہ یہ حرام ہے؟ (محمد عبدالقدیر خاں، ملے پلی، حیدرآباد)

جواب:- چٹھی کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ چند افراد مل کر ماہانہ متعینہ رقم ادا کریں اور قرعہ اندازی کے ذریعہ چٹھی کے شرکاء میں سے جس کا نام نکل آئے اس کو دے دی جائے، اس طرح باری باری تمام لوگوں کو پوری رقم یکمشت حاصل ہو جائے، جیسے دس آدمی دس دس ہزار روپے ماہانہ چٹھی میں دیں، اور ہر ماہ شرکاء میں سے ایک کو یکمشت ایک لاکھ روپے مل جائیں، یہ صورت جائز ہے، اس کی حیثیت ایک دوسرے کو قرض دینے کی ہے، یعنی جس شخص کی چٹھی پہلی بار میں اٹھ گئی، گویا اس کو نو ساتھیوں نے اس کو نوے ہزار روپے قرض دیا، یہ صورت نہ صرف جائز، بلکہ بہتر ہے، اور اس کے ذریعہ معاشی خود کفالت میں مدد مل سکتی ہے۔

---

(۱) " لا يجوز بيع الجيد بالردي مما فيه الربوا إلا مثلا بمثل لا هدار التفاوت في الوصف " (الهداية:۳/۶۳) محشی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شرکاء میں سے کوئی شخص اپنی باری آنے سے پہلے ہی نقصان اٹھا کر چٹھی لے لے، مثلاً: ایک لاکھ کی چٹھی اسی ہزار میں لے لے، جو بیس ہزار روپے بچ جائیں وہ شرکاء میں تقسیم ہو یہ صورت صریحاً سود کی ہے، اور قطعاً جائز نہیں، اگر آپ کے ساتھی نے اس قسم کی چٹھی کا کاروبار شروع کیا ہو تو ان کو اس سے باز آنا چاہئے، اور توبہ کرنی چاہئے۔

نفع متعین کرنا

سوال:- {1920} کچھ لوگوں نے ایک دیہات میں مسجد بنائی، امام کی تنخواہ ماہانہ دو ہزار روپے مقرر ہوئی، ایک صاحب نے ۷۵؍ ہزار روپے مسجد کی کمیٹی کو بھیجا کہ وہ اس رقم کو مشغول کر کے اس سے ماہانہ دو ہزار روپے کا انتظام کریں، تا کہ تنخواہ کی ادائیگی کا مستقل انتظام ہو سکے، مجلسِ انتظامی کے دوسرے ارکان کی خواہش پر ایک رکن نے یہ ذمہ داری قبول کر لی، اور اس معاہدہ کے ساتھ ۷۵؍ ہزار روپے لئے کہ وہ ۲۳؍ مہینوں تک اس کو مشغول رکھ کر اس کے نفع سے امام صاحب کی تنخواہ ادا کر دے گا، اور اس مدت کے بعد پورے ۷۵؍ ہزار روپے کو محفوظ رکھتے ہوئے واپس کر دے گا، چنانچہ ۲۳؍ ماہ تک اس نے ماہانہ دو ہزار روپے بابت تنخواہ کے علاوہ مزید چھ سو روپے اس طرح ادا کیا کہ اس رقم سے ایک آٹو خرید کر اس کو کرایہ پر لگا دیا، اس آٹو سے ماہانہ ۳۶؍ سو روپے آتا رہا، جس میں ۱۶؍ سو رقم جو ہر ماہ بچ جاتی تھی، وہ اسے محفوظ رکھتا گیا، اب اس مدت کی تکمیل کے بعد جب اس آٹو کو فروخت کرنے کی نوبت آرہی ہے تو متوقع قیمت ساٹھ ہزار آنے کی

بجائے چالیس ہزار ہی آرہے ہیں، اس طرح جمع شدہ رقم اور آٹو کی قیمت ملا کر مجموعہ ۷۵؍ ہزار سے سات آٹھ ہزار کم ہوتا ہے، اب وہ رکن اتنی ہی رقم واپس کرنا چاہتا ہے، اور کمیٹی کے دوسرے ارکان کا کہنا ہے کہ چوں کہ اس نے ۷۵؍ ہزار کی واپسی کا وعدہ کرلیا تھا، اس لیے اب اسے بہر حال ۷۵؍ ہزار واپس کرنے ہوں گے، ایسی صورت میں شرعاً اس پر کتنی رقم واجب ہوگی؟ (ارکان مسجد ہذا)

جواب:- یہ معاہدہ کہ اس پر اتنی مقدار نفع دیتے رہیں گے اور مدت معاہدہ کے اختتام پر پوری رقم واپس لوٹا دیں گے، درست نہیں ہے، یہ دو وجوہ سے سود کے زمرہ میں آگیا، ایک تو اس پر نفع متعین کردیا گیا ہے، گویا نقصان کی ذمہ داری بالکل قبول نہ کی گئی ہے، ایسی صورت جس میں نفع اور اصل سرمایہ کی بہر قیمت حفاظت لازم قرار دی گئی ہو، سود ہے، کیوں کہ یہ نفع ونقصان کی اساس پر شرکت نہیں ہوئی، اس لیے ناواقفیت میں ایسا معاہدہ کرنے والوں کو استغفار کرنا چاہئے، رکن کمیٹی کے اوپر ۷۵؍ ہزار روپے واجب نہ ہوگا، بلکہ جو رقم حساب کے اعتبار سے اس کے پاس موجود ہے، وہی واجب ہوگی، ہاں! اس طرح معاہدہ کرنے کی گنجائش ہے کہ مثلاً ماہانہ علی الحساب دو ہزار روپے دیا کرے گا، اور مدت کے اختتام پر مکمل حساب ہوگا، اسی وقت نفع ونقصان میں شرکت کے ساتھ حساب کی تکمیل ہوگی۔ واللہ اعلم۔

سودی معاملہ سے متعلق ایک تفصیلی جواب

سوال:- {1921} کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

آج کل علماء ہر چیز میں سود کا حکم لگا کر حرام قرار دیتے ہیں، اس کی وجہ سے بہت سے کاموں میں رکاوٹ بن گئی ہے،

حالاں کہ اس کی اصلیت کو گہری نظر سے غور کریں تو معاملہ بہت کچھ صحیح سمت پر لایا جاسکتا ہے، اس سلسلہ میں چند چیزیں پیش کرتے ہیں، جو بینک انٹرسٹ جائز ہونے پر مفید ہے:

بینک کی طرف سے جو رقم بطور قرض کاروبار والوں کو ملتی ہے، اس کو وہ اپنے جائز کاموں جیسے تعمیری وغیرہ میں مشغول کرنے کے بعد جو نفع ہوا اسی نفع میں سے بینک کو بھی دیتا ہے، اسی طرح بینک والے بھی ایسے ہی کاروبار والوں کو قرض دیتے ہیں اور اسی کا جو نفع ہوا اسی کا اصل رقم مع نفع واپس لیتے ہیں، اس لیے اس کو انٹرسٹ کہا جاتا ہے اور یہ کیسے ناجائز ہوسکتا ہے؟

علماء کرام ادھار میں قیمت زیادہ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں، حالاں کہ انٹرسٹ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے، کیوں کہ جب ایک ہزار کی چیز کو ادھار لینے پر ڈیڑھ ہزار میں دیتے ہیں، یعنی مہلت کی وجہ سے پانچ سو روپے زیادہ وصول کرتے ہیں، یہی معاملہ انٹرسٹ میں بھی ہے، کیوں کہ جب کوئی بینک سے قرض لیتے ہیں، بینک والے بھی مہلت کی اجرت کے طور پر کچھ رقم زیادہ واپس لیتے ہیں، اس لیے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور دونوں ہی جائز ہونا چاہئے۔

سرکار بہت سی چیزوں میں بے جا ٹیکس لگاتی ہے، اگر کسی نے فکس کرایا تو اس کو ٹیکس سے چھوٹ ملتی ہے، ایسے حالات میں کیا فکس ڈپازٹ کرانا جائز ہونا چاہئے۔

خصوصاً ہندوستان اور ہندوستان جیسا ممالک تو دار الحرب ہے، اور دار الحرب میں کافروں سے سود لینے کو اکثر

فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، تو انٹرسٹ کے جائز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

دوسری طرف علماء یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ بینک والے غرباء کا استحصال کرتے ہیں، حالاں کہ بینک میں کوئی استحصال نہیں ہوتا، بلکہ عوام کو اس سے بہت کچھ نفع ہوتا ہے۔

اسلامی ممالک میں بھی بینکنگ، انٹرسٹ، فکس ڈپازٹ وغیرہ بالکل عام ہے، ہر چھوٹے سے بڑے کاروبار کرنے والے کبھی لوگوں کو سرکار لون دیتی ہے، ظاہری بات ہے اس میں سود دینا پڑتا ہے، اسی طرح یہ سمجھو کہ یہ معاملہ عام مسلمانوں کا تعامل بن گیا ہے، شریعت میں اصول ہے کہ جو کام مسلمانوں میں عام ہو جائے وہ کام جائز ہو جاتا ہے، تو انٹرسٹ بھی جائز ہونا چاہئے۔

ان چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالوں کے جواب عنایت فرمایئے، عین نوازش ہوگی۔

(الف) ''جیون دھارا اسکیم'' میں ممبر بننا جائز ہے یا نہیں۔

(ب) کسی کے پاس رہنے کو مکان نہیں اور اس کے پاس مکان بنانے کے بقدر روپیہ بھی نہیں اور کسی سے بغیر سود قرضہ بھی ملنے کی امید نہیں ہے تو کیا ایسے شخص کے لیے بینک یا کسی اور جگہ سے سودی قرضہ لینا جائز ہے؟ اسی طرح کسی کے پاس روز کے گھر کا خرچہ چلانے کے لیے کوئی کاروبار نہیں، کوئی اور طریقہ بھی نہیں ہے، تو کیا ایسے شخص کے لیے دوکان چلانے

کے لیے کسی سے سودی قرضہ حاصل کرنا جائز ہے؟ اسی طرح کسی کے پاس کوئی سواری کا انتظام نہیں، اس کے لیے سواری بہت ضروری ہے، تو کیا سواری خریدنے کے لیے بھی ایسے شخص کے لیے سودی قرضہ حاصل کرنے کی گنجائش ہے؟

(ج) آج کل کے ہندوستانی حالات کے پیش نظر ہندوستانی مسلمانوں کے لیے املاک و جائداد اور جیون بیمہ کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ایک بیوہ عورت کو اپنے متوفی شوہر کا انشورنس مل رہا ہے، کیا اس کے لیے یہ رقم حاصل کرنا جائز ہے؟ اگر نہیں تو اس رقم کو کیا کیا جائے؟

(د) ہمارے ہندوستان میں ہر چیز کا ٹیکس لیا جارہا ہے، اگر کسی نے فکسڈ ڈپازٹ کرایا ہوتا تو اس کے حق میں بہت کچھ ٹیکس کم ہوتا ہے، یا بالکل بچ جاتا ہے، تو کیا ایسے حالات میں فکس ڈپازٹ وغیر کے ذریعہ ٹیکس کا بچاوا کیا جاسکتا ہے؟

(ہ) کسی کام میں آسانی کے لیے رشوت دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ز) بینک میں سے جو سود ملتے ہیں وہ رقم اگر ناجائز ہے تو کیا اس کو بینک میں ہی چھوڑ دیا جائے، یا اس کو نکال کر کسی رفاہی کام میں خرچ کرے تو گناہ ہوگا؟

(عبدالمجید، ایم، اے، دہلی)

جواب: — یہ سوالات موجودہ معاشی حالات اور اسلامی نقطۂ نظر کے تحت نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ علماء نے ان مسائل پر اجتماعی غور وفکر نہ کیا ہو اور مطلوبہ فریضۂ

اجتہاد انجام دینے میں کوتاہی کی ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان مسائل پر ہندوستان اور مختلف ملکوں میں ملکی اور بین ملکی سطح پر کافی غور وخوض کیا گیا ہے، اور ان مسائل پر غور کرتے ہوئے جدید اقتصادی ماہرین سے بھی حسب ضرورت تعاون لیا گیا ہے، اصل مشکل یہ ہے کہ جہاں پورا نظام کفر پر مبنی ہو اور معیشت کی شہ کلید سود کو مان کر پورا اقتصادی ڈھانچہ مرتب کیا گیا ہو، مسلمان اس نظام میں اپنے منشا کے مطابق تغیر اور تبدیلی کی پوزیشن میں نہ ہوں اور مسلم حکومتیں اسلامی تصورات سے دوری کی وجہ سے یا بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے جبر و دباؤ کی وجہ سے مجبور ہوں، وہاں جب کسی ایک مسئلہ پر جزوی طور پر غور کیا جائے گا اور اس کا حل دریافت کرنے کی کوشش کی جائے گی، تو اس میں مشکلات اور دشواریوں کا پیش آنا ایک فطری امر ہے، یہی وجہ ہے کہ آج جب علماء بینک کے سود کو حرام قرار دیتے ہیں، تو لوگ اس میں دشواری محسوس کرتے ہیں، اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر ان کے لیے جائز نفع اور سرمایہ کاری کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

لیکن ظاہر ہے کہ بحیثیت مسلمان امکان بھر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرنا اور اس کی وجہ سے خلاف ماحول کے باعث جو مشکلات پیش آئیں اور مادی نقصان اٹھانا پڑے، ان کو برداشت کرنا ہمارا شرعی فریضہ ہے، کہ دراصل آخرت کی راحتوں کے لیے دنیا کی مشقتوں کو برداشت کرنا ہی اسلام کی روح ہے، ورنہ تو:

جس کو ہو جان و دل عزیز میری گلی میں آئے کیوں؟

اس وضاحت کے ساتھ چند اصولی باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں:

۱- اسلام میں کفر کے بعد جن امور کی نہایت شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے، ان میں ایک سود ہے، رسول اللہ ﷺ نے سود کے گناہ کے ادنیٰ درجہ کو اس کے ہم وزن قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے، (۱) رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان مشرکین اور یہود کے درمیان بقاء باہم کا جو معاہدہ کیا تھا اس میں اور امور میں تو لوگوں کو اپنے

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۲۲۷۴، باب التغليظ في الربا ۔ محشی۔

اپنے مذہب پر چلنے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن آپ ﷺ نے سودخور کے لیے مدینہ میں قیام کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تھی۔(۱) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سود اسلام کی نگاہ میں کس قدر برا کام ہے، اسی لئے سیدنا حضرت عمرؓ نے سود اور شبہ ٔسود دونوں سے بچنے کا حکم فرمایا۔(۲)

—— لہذا سود کے معاملہ میں احتیاط پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

۲- عام طور پر دار الحرب کی اصطلاح سے لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہوتی ہے، دار الحرب اصل میں وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے ساتھ رہنے کی اجازت نہ ہو اور وہ دستوری اعتبار سے مسلمانوں کو مذہبی حقوق کو قبول نہیں کرتا ہو، آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں مکی زندگی دار الحراب کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے، امام ابوحنیفہؒ نے ایسے ملک میں نہ صرف حربیوں سے سود لینے کی اجازت دی ہے، بلکہ دوسرے فاسد معاملات کے ذریعہ بھی پیسے حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، کیوں کہ اسلام سے کھلی عداوت اور مسلمانوں کے وجود کو ناقابل برداشت سمجھنے کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کے مال مباح ہیں(۳) اور وہ ایسے ہی ہیں کہ جیسے دریا میں مچھلیاں اور جنگل میں شکار کہ جس کے ہاتھ آجائے اس کے لیے جائز ہے —— امام ابوحنیفہ کا منشا یہ ہے کہ ایسی قوم اور ایسے ملک کی معیشت کو جس طرح بھی کمزور کیا جاسکتا ہو کمزور کیا جائے، کیوں کہ یہ بھی ایک طرح کی جنگ کا درجہ رکھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ ہندوستان کو اس اعتبار سے دار الحرب کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہاں مسلمانوں کو دستوری طور پر آزادی حاصل ہے، شعائر دین کو بجالانے کی اجازت ہے، ہاں، یہ ضرور ہے کہ بعض دفعہ فرقہ پرست عناصر فساد اور دنگوں کے ذریعہ بہت کچھ نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی کاروائی کرنے والے لوگ کم ہوتے ہیں، پوری قوم پورا ملک اور ملک

(۱) أحكام القرآن للجصاص:۱/۵۷۲، ط: بیروت۔ محشی۔
(۲) سنن ابن ماجة ، حدیث نمبر:۲۲۷۶، باب التغليظ في الربا ، مسند إمام أحمد بن حنبل :۱/۳۶، حدیث نمبر:۱۶۵۔ محشی۔
(۳) الهداية:۳/۸۶۔ محشی۔

کے دستور اور آئین کو اس کا مجرم نہیں ٹھہرایا جاسکتا ، اس لیے دار الحرب ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں سود کا جواز قطعاً نادرست معلوم ہوتا ہے ۔ (راقم الحروف نے جدید فقہی مسائل حصہ دوم میں ہندوستان کی شرعی حیثیت اور بینک انٹرسٹ کے مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اسے دیکھا جاسکتا ہے)

۳- احکام شرعیہ کے لیے بعض چیزیں حکمت کے درجہ میں ہیں اور بعض چیزیں علت کہلاتی ہیں، اسلامی اصول وقانون کے ماہرین نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کے احکام اصل میں تو کسی حکمت و مصلحت کے تحت ہی وجود میں آتے ہیں، بعض دفعہ ہمیں یقینی طور پر وہ مصلحت معلوم ہوتی ہے اور بعض دفعہ ہم قیاس وتخمین سے کام لیتے ہیں کہ اس حکم کی یہ مصلحت ہونی چاہئے ،لیکن حکم کا مدار علت پر ہوتا ہے، سادہ الفاظ میں علت کسی فعل کی ظاہری شکل کا نام ہے، جب بھی وہ پائی جائے وہ حکم پایا جائے گا، اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ روزہ کی حکمت تقویٰ کا حصول ہے، نماز کا مقصد اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اور روزہ کے لیے علت ماہ رمضان کی آمد اور نماز کے فرض ہونے کی علت دن اور رات کے مخصوص اوقات کے آنے کی ہے، اب ایک شخص میں کتنا بھی اعلیٰ درجہ کا تقویٰ موجود ہو، اگر رمضان کا مہینہ آگیا تو اسے روزہ رکھنا ہے، اگر ایک شخص نہایت غیر متقی ہے اور اس کا ہر عمل اس بدنصیب کے تقویٰ سے محرومی پر شاہد ہے، پھر بھی جب تک رمضان نہ آئے روزہ فرض نہیں ہوگا، حالاں کہ حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے شخص پر رمضان میں بھی روزہ فرض نہ ہو، کیوں کہ جس چیز کا حصول مقصود تھا وہ پہلے سے موجود ہے اور دوسرے شخص پر غیر رمضان میں بھی روزہ فرض ہو، تاکہ روزہ سے جو چیز مقصود ہے وہ اس کا حاجت مند ہے، گویا روزہ کے حکم کی بنیاد حکمت پر نہیں ، بلکہ علت پر ہے، یہی حال نماز کا اور دوسرے مسائل کا ہے، سود خور بنیادی طور پر سود کی شکل میں اس مہلت کی قیمت وصول کرتا ہے جو اس نے مقروض کو دے رکھی ہے، اب اگر ایک شخص اپنا وہ سامان جسے نقد سو روپے میں فروخت کرتا ہے ایک سال کی مدت کے لیے ادھار فروخت کرتا ہے اور ایک سو کے بجائے ڈیڑھ سو روپیہ

اس کا متعین کرتا ہے، تو یہ جائز ہے، حالاں کہ یہاں بھی بیچنے والے کے ذہن میں یہی بات ہے کہ وہ اس مہلت کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرے، لیکن پہلی صورت میں ایک چیز بعینہ واپس لی جاتی ہے اور مہلت کا نفع وصول کیا جاتا ہے، اس لیے وہ سود ہے اور حرام ہے، دوسری صورت میں ایک چیز دے کر دوسری جنس کی چیز حاصل کی جاتی ہے اور مہلت دینے کی وجہ سے زیادہ پیسے دیئے جاتے ہیں، تو یہ جائز ہے، کہ نفع کے حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں تبادلہ ہو اور ایک کی طرف سے نفع دیا جائے۔

غرض اگر کسی خاص صورت میں غرباء کا استحصال بالفرض نہ پایا جاتا ہو، لیکن ظاہری شکل سود کی پائی جائے تو وہ سود ہی ہوگا اور اس کی وجہ سے حکم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوگی۔

امید کہ ان امور کو ملحوظ رکھا جائے تو بینک انٹرسٹ کے مسئلہ پر غور کرنے میں آسانی ہوگی اور غور وفکر کا سفر بھی صحیح سمت میں ہوگا —— اس لیے میری رائے ہے کہ بہ حالت موجودہ بینک انٹرسٹ سود ہے اور حرام ہے اور یہی رائے عرب وعجم کے جمہور علماء کی ہے۔

آپ نے بینک انٹرسٹ کے جواز پر جو دلائل پیش کیے ہیں، ایک نظر ان پر بھی ڈالی جائے تو مناسب ہے:

(الف) ممکن ہے بینک میں رکھا جانے والا پیسہ تعمیری کاموں میں مشغول کیا جاتا ہو، لیکن یہ ضروری ہے کہ مشغول کرنے کا طریقہ درست ہو، کسی کام کے حرام ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کا مصرف ہی غلط ہو، بہتر مصارف میں بھی غیر درست طریقوں سے سرمایہ کاری کی جائے تو یہ بھی حرام ہے اور بینک اپنے قواعد کے لحاظ سے اس بات کا پابند ہے کہ براہ راست تجارت نہ کرے، بلکہ بالواسطہ تجارتی مقاصد کے لیے سرمایہ کاری کرے اور اس پر پہلے سے متعین نفع وصول کرے، جس کا سود ہونا واضح ہے۔

(ب) ایک تو یہی بات قابل غور ہے کہ مقروض سے اتنی ہی رقم وصول کی جاسکتی ہے جو دی گئی ہے، یا اس کی گرتی ہوئی قدر کو ملحوظ رکھ کر اس کی تلافی بھی کی جاسکتی ہے، کیوں کہ اگر آپ نے

ایک ہزار روپے مقروض کو دینے کے بجائے چھ ماہ اپنے پاس رکھا ہو تب بھی اس روپے کی قوت خرید کم ہو جاتی، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وجہ سے مقروض کو طویل مدت آپ کی دی ہوئی رقم اپنے پاس رکھنی پڑی ہو، اور وہ اس سے کوئی نفع اٹھا نہ پایا ہو، تو کیا یہ مناسب ہے کہ اس سے ایک ایسی بات کی وجہ سے اضافی رقم حاصل کی جائے، جس میں اس کے قصد و عمل یا کوتاہی کو دخل نہ ہو، —— دوسرے اگر معاملہ اس طرح طے پائے کہ یہ رقم پانچ سال کے لیے فکس کی جارہی ہے، پانچ سال کے بعد سونا یا فلاں سامان کے لحاظ سے موجودہ قوت خرید کا لحاظ کرتے ہوئے پیسے ادا کرنے ہوں گے، تو اس پر سکہ کی قوت خرید میں کمی اور اضافہ کے نقطۂ نظر سے غور کیا جاسکتا ہے، اور بعض اہل علم کی رائے پر یہ صورت جائز ہے، لیکن ظاہر ہے کہ بینک آپ کے لیے اس سے قطع نظر نفع متعین و مشخص کر دیتا ہے، جس کی ظاہری شکل بھی سود کی ہے اور لیتے اور دینے والے کے ذہن میں بھی یہی ہے، اس لیے اس کو قیمت میں کمی کی تلافی قرار دینا درست نہیں۔

—— ٹیکس اسلامی ممالک میں بھی لگایا جاتا ہے اور لگایا جاتا رہا ہے اور ملک کی جائز ضروریات کی تکمیل کے لیے ٹیکس عائد کرنے کی فقہاء نے بھی اجازت دی ہے، (۱) اس لیے ٹیکس کی پابجائی کے لیے بینک انٹرسٹ کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، ہاں اگر حکومت ناروا ٹیکس عائد کرتی ہے اور فکسڈ پازٹ کرانے میں ٹیکس سے بچا جاسکتا ہے، تو فکسڈ کرایا جاسکتا ہے، لیکن اصل رقم پر جو زائد اضافی رقم حاصل ہو، وہ حرام ہے اور اس کا بلا نیت صدقہ غرباء پر خرچ کر دینا واجب ہے۔(۲)

—— اوپر ذکر آچکا ہے کہ ہندوستان دار الحرب نہیں، دوسرے امام ابوحنیفہ کے علاوہ تمام فقہاء دار الحرب میں بھی سود کو حرام ہی قرار دیتے ہیں اور ان کی رائے کتاب وسنت سے زیادہ

---

(۱) الهداية :۲/۵۹۰، باب العشر و الخراج ۔محشی۔

(۲) قواعد الفقه : ص : ۱۱۵ ، " لأن كسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه " (رد المحتار :۹/۵۵۳)مرتب۔

قریب ہے، نیز جن معاملات میں سود کا شبہ بھی ہو جائے ان سے باز رہنے اور اجتناب کرنے کا حکم ہے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ دار الحرب میں بھی سود جائز نہیں۔

—— اول تو جیسا کہ مذکور ہوا، غرباء کے استحصال کو روکنا سود کے حرام ہونے کی حکمت و مصلحت ہے، لین دین کے معاملہ میں ایک جنس کا تبادلہ ہو اور ایک طرف سے ایسا اضافہ ہو جس کے مقابلہ میں دوسری طرف سے کچھ نہ ہو، سود کی حقیقت اور علت ہے، لہذا اگر کسی خاص صورت میں سود کی یہ شکل پائی جائے اور استحصال نہ پایا جائے تب بھی وہ سود ہی ہوگا —— دوسرے: یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ فی زمانہ بینک کا سود استحصال کا باعث نہیں، آپ غور کریں کہ خود بینک جن لوگوں کو قرض دیتا ہے، اور ان سے متعینہ سود حاصل کرتا ہے اور اس کا کچھ حصہ اپنے کھاتہ داروں کو واپس کرتا ہے، وہ اپنے مقروض کا استحصال کرتا ہے یا نہیں، آپ کو ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی کہ معمولی یا بڑے تاجر اور کاروباری نے قرض حاصل کئے، بدقسمتی سے کاروبار نے متوقع نفع نہیں دیا اور بینک نے اس کی ایک ایک انچ زمین بھی فروخت کردی، تو گو بینک خود اپنے منافع کا ایک حصہ ادا کرتا ہے، لیکن بینک نے جو سود حاصل کیا ہے، ان سود ادا کرنے والوں کی بابت کیا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کا کوئی استحصال نہیں ہوتا؟

—— اس میں شبہ نہیں کہ عموماً اسلامی ممالک نے بھی یہودی دماغ کے مرتب کردہ سود پر مبنی بینک کے نظام کو اپنایا ہوا ہے اور یہ ان کی بدنصیبی اور ذہنی غلامی کے سوا کچھ نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل مسلمانوں کے حق میں دلیل نہیں ہوسکتا اور نہ شرعاً اس کی کوئی اہمیت ہے، جن امور کو کتاب وسنت میں صراحۃً حرام قرار دیا گیا ہو، نہ عام مسلمانوں کے تعامل کی وجہ سے وہ حلال ہوسکتے ہیں اور نہ مسلم حکومتوں کی بے عملی اور بد عملی کی وجہ سے، سعودی عرب اور بیشتر مسلم ممالک کے علماء اور ارباب افتاء اس کو ہمیشہ ناجائز ہی کہتے رہے ہیں۔

یہ بات بینک انٹرسٹ سے متعلق مختصر گفتگو تھی، اب دریافت کئے گئے سوالات کے جواب دئے جاتے ہیں:

(الف) ''جیون دھارا اسکیم'' کی تفصیلات سے میں واقف نہیں ہوں، بہ ظاہر زمین خرید کر اس کی فروخت مروج اور معمول ہے، قانونی تفصیلات معلوم کر کے ایسی صورتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، جس کی اجازت ہو، نیز بحمد اللہ اب بنگلور اور ممبئی وغیرہ مختلف شہروں میں خود مسلمانوں نے بعض تجارتی ادارے قائم کئے ہیں جو بڑی حد تک اطمینان بخش ہیں، وہاں اسلامی طریقہ پر سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے۔

(ب) سود لینا تو کسی طرح جائز نہیں، البتہ مجبوری میں سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے کسی کے پاس مکان نہ ہو اور بہ قدر ضرورت مکان کی تعمیر کے لیے بھی رقم موجود نہ ہو اور نہ غیر سودی قرض حاصل ہوسکتا ہو، تو اس قدر سودی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے کہ ضرورت کے بہ قدر مکان تعمیر کر لے، یہی حکم ضروریات زندگی سے محروم بے روزگار شخص کے لیے دکان کی غرض سے قرض حاصل کرنے کا بھی ہے، اسی طرح جس شخص کے لیے سواری ضروری ہو اور اس کے پاس پیسے موجود نہ ہوں، وہ ایسے قرض کے ذریعہ سواری خرید سکتا ہے، ---غرض مجبوراً ایسی ضروریات کے لیے سودی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے، جو زمانہ اور ماحول کے لحاظ سے لوازم حیات کا درجہ رکھتے ہوں۔

(ج) انشورنس اصل میں تو حرام ہے، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات کے پس منظر میں مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، دار الافتاء دار العلوم دیوبند اور اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے مختلف اوقات میں اس کے جواز کا فیصلہ کیا ہے، کیوں کہ انشورنس کمپنیاں سرکاری کنٹرول میں ہیں اور عوام کی جان و مال اور املاک کی حفاظت حکومت کا فریضہ ہے، نیز فسادات دراصل حکومت ہی کی کوتاہی اور بے عملی کی وجہ سے ہوا کرتے ہیں، اس لیے یہ ایک طرح کا ہرجانہ ہے جو ہم حکومت سے وصول کرتے ہیں۔

البتہ اس کا خیال رہے کہ اگر انشورنس کرانے کے بعد واقعی فسادات میں نقصان ہو تب تو کمپنی سے حاصل ہونے والی پوری رقم جائز ہوگی، ورنہ جتنی رقم جمع کی ہے وہ حلال ہوگی اور کمپنی

کی طرف سے حاصل ہونے والی اضافی رقم حرام، جو کمپنی سے لے کر غرباء پر بلا نیت ثواب خرچ کردی جائے ،(۱)—— انشورنس کی رقم کا یہی حکم اس بیوہ کے لیے بھی ہے جس کو اپنے متوفی شوہر کے انشورنس کی رقم ملے، البتہ اس سلسلہ میں اس قدر تفصیل ہے کہ اگر شوہر کی طبعی موت ہوئی، فساد میں نہ ہوئی تو انشورنس کی رقم کا حلال حصہ تمام ورثہ پر تقسیم ہوگا، اگر شوہر نے لکھا ہو کہ میری موت کے بعد یہ رقم میری بیوی کو دیدی جائے تب بھی تمام ورثہ کا حق متعلق ہوگا، کیوں کہ یہ وصیت ہے اور وصیت وارث کے حق میں معتبر نہیں ،(۲) اور اگر فساد میں موت ہوئی تو چوں کہ اب پوری رقم حلال ہے، اس لیے پوری رقم ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

(ہ) قانون وآئین کے حدود میں رہتے ہوئے ٹیکس کی مقدار کم کرنا جائز ہے، بالخصوص ان حالات میں کہ حکومت اپنے مسرفانہ اخراجات کی تکمیل کے لیے عوام پر بہت سے ناواجبی ٹیکس عائد کررہی ہے، صورت حال یہ ہے کہ ہماری ملک کی پارلیامنٹ کے اخراجات فی گھنٹہ لاکھوں روپے ہوتے ہیں اور سیشن کے اکثر اوقات حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے بے معنی چشمکوں میں صرف ہوجاتے ہیں، سیکڑوں عہدیداران اور وزراء وزعماء کی سیکوریٹی پر اتنا کچھ خرچ ہوتا ہے کہ ایک ایک شخص کی سیکورٹی کے اخراجات میں ایک ایک سو آدمیوں کی پرورش ہوجائے، حالاں کہ تحفظ کا یہ غیر معمولی انتظام خود ان کی بداعمالیوں اور بدگوئیوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اور یہ سب کچھ محنت کش عوام سے ٹیکس کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، اس لیے ان حالات میں قانون شکنی کیے بغیر ٹیکس سے بچنا جائز ودرست ہے۔

(و) رشوت لینا اور دینا دونوں ہی حرام اور سخت گناہ ہے،(۳) البتہ لینا تو کسی صورت

---

(۱) قواعد الفقه :ص:۱۱۵۔مرتب۔

(۲) " لا وصية لوارث "(صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۲۷۴۷،باب: لا وصية لوارث) مرتب۔

(۳) الجامع للترمذي:ص:۲۴۸،باب ما جاء في الراشي و المرتشي في الحكم۔محشی۔

جائز نہیں، ہاں، رشوت دینا اس وقت جائز ہے کہ اپنا جائز حق حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی اور ذریعہ نہ ہو، اس پر فقہاء نے بعض روایات سے بھی استدلال کیا ہے۔

(ز) بینک میں انٹرسٹ کی رقم چھوڑی نہ جائے، اس لیے کہ ایک سودی ادارہ کی مزید تقویت کا باعث ہوگا اور اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا استعمال اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے خلاف ہو، یہ رقم نادار و غرباء پر بھی خرچ کی جا سکتی ہے اور رفاہی کاموں اور عوامی مفاد کے امور میں بھی، (۱) البتہ مساجد کی تعمیر میں اس کا استعمال درست نہیں کہ یہ مساجد کی تقدیس کے منافی ہے۔ (۲)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۱۹۲/۲۔ محشی۔
(۲) فتاوی محمودیہ: ۳۷۶/۱۳۔ محشی۔

انشورنس کے احکام

ہندوستانی مسلمان اور انشورنس

سوال:- {1922} ہندوستان میں مسلمان کے انشورنس کرانے کا کیا حکم ہے؟ گجرات میں جو حالات پیش آئے وہ سامنے ہیں، اس پس منظر میں بعض اخبارات نے انشورنس کے جواز کا فتویٰ شائع کیا اور بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے، صحیح شرعی حکم کیا ہے؟ (محمد صابر ٹولی چوکی، حیدرآباد)

جواب:- جان و مال کا انشورنس اصل میں جائز نہیں، کیوں کہ اگر پالیسی مکمل کی تو پالیسی لینے والا جتنی رقم ادا کرتا ہے، کمپنی اس سے زیادہ رقم واپس کرتی ہے، اور یہ سود ہے اور اگر پالیسی مکمل ہونے سے پہلے حادثہ پیش آ گیا تو رقم پوری مل جاتی ہے، حالانکہ اس نے چند قسطیں ہی جمع کی ہیں، گویا پالیسی لینے والے کو اپنی پالیسی کا انجام معلوم نہیں، کسی کو دو تین قسطوں کی ادائیگی پر پوری رقم مل جائے گی، اور کسی کو تمام قسطیں ادا کرنی ہوں گی، ظاہر ہے کہ یہ صورت قمار میں داخل ہے، پس انشورنس سود اور قمار سے مرکب صورت ہے، اور شریعت میں ان دونوں کی

ممانعت ہے، اس لئے اصلاً یہ صورت جائز نہیں۔

البتہ حکومت پر ہمارا حق ہے کہ وہ ہماری جان و مال کی حفاظت کرے اور فسادات میں تجربہ یہ ہے کہ جان و مال کی حفاظت کے بجائے خود پولیس مفسدین کے ساتھ لوٹ مار میں شریک رہتی ہے، اس لئے حکومت سے اس کا ہرجانہ وصول کرنا ہمارے لئے درست ہے، اور اگر کسی صورت (جس میں دھوکہ نہ ہو) حکومت کی جانب سے کوئی رقم ہماری ملکیت میں آجائے تو ہمارے لئے اس میں اپنا حق وصول کرنا درست ہوگا، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں ''ظفر بالحق'' کہتے ہیں، اور انشورنس کمپنی سرکار ہی کا ایک ذیلی ادارہ ہے، اس پس منظر میں ہندوستان کے اکثر علماء نے فتوی دیا ہے کہ

> (الف) ہندوستان کے مخصوص حالات میں مسلمان کے لئے جان و مال کا انشورنس کرانے کی اجازت ہے، گو اصلاً یہ جائز نہیں۔
>
> (ب) اگر فسادات میں انشورنس کرانے والے کی جان و مال گئی ہو تو پوری رقم اس کے لئے جائز ہوگی۔
>
> (ج) اگر کسی قدرتی یا طبعی حادثہ میں یعنی فساد کے علاوہ کسی اور طریقہ پر جان و مال کی ہلاکت ہوئی ہو تو جتنی رقم اس نے جمع کی تھی، وہ اس کے لئے حلال و جائز ہوگی اور باقی رقم بلانیت ثواب غرباء پر خرچ کردینا ضروری ہوگا۔(۱)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ انشورنس کراتے ہوئے اس کی حرمت کی وجہ سے ناپسندیدگی کا احساس بھی رکھا جائے، کیوں کہ جو ناجائز چیزیں

---

(۱) اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے حضرت مولانا ہی کی کتاب ''اسلام اور جدید معاشی مسائل'' ملاحظہ فرمائیے۔ مرتب۔

ضرورتاً جائز ہوتی ہیں، ان میں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ احساسِ کراہت کے ساتھ اس فعل کو پورا کیا جائے، دوسرے جن علاقوں میں بظاہر فسادات کا خطرہ نہیں ہو، وہاں انشورنس سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔

مالکِ کارخانہ کو مزدوروں کے لئے لائف انشورنس کرانا

سوال:- {1923} ایک گھڑی کی مشین کے مالک نے اس پر کام کرنے والے ہر مزدور کے لئے لائف انشورنس کرا رکھا ہے، کیوں کہ اس میں ہر وقت جان کا خطرہ رہتا ہے، تو انشورنس کرانا اور ان پیسوں کا لینا جائز ہے؟ (حافظ نصیر)

جواب:- اگر گورنمنٹ کی طرف سے قانوناً ایسا کرنا ضروری ہو تو مالک کی طرف سے انشورنس کرا دینا جائز ہے، اگر قانوناً اس پر یہ بات ضروری قرار نہ دی گئی ہو تو انشورنس کرانا جائز نہیں، جو رقم انشورنس کمپنی ادا کرے، ان میں سے وہ مقدار حلال ہے جو گھڑی کمپنی کے مالک نے ادا کی ہے، زائد رقم سود میں داخل ہے، اسے بلانیتِ صدقہ غرباء پر خرچ کر دینا واجب ہے۔(۱)

پراویڈنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس

سوال:-{1924} سینٹرل گورنمنٹ میں پراویڈنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس اسکیم کے سلسلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ اگر اسے قبول نہ کیا جائے تو مسلمان عام طور پر معاشی بحران میں رہیں گے، اس لئے کہ مسلمان کے لئے تو اور بھی بہت سارے ''ذرائع'' صریحاً بند ہیں، مثلاً Bonds,Finel depoint اور Bribes وغیرہ۔

---

(۱) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۴۳۱۔ محشی۔

اگر اس سلسلے میں پہلے کچھ کہا جا چکا ہے، آپ کے کسی
پرچہ میں ہے تو وہ عنایت فرمادیں۔

جواب:- پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جائز ہے اور حکومت کی طرف سے عطیہ وانعام اور اس کی اجرت کا ایک حصہ ہے، (۱) گروپ انشورنس اسکیم کی تفصیل جب تک سامنے نہ آئے اس کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا، لائف انشورنس کی جو مروجہ اسکیم ہے، اس میں سود بھی ہے اور قمار بھی، اس لئے جائز نہیں، غالباً حکومت اونچی کمپنیوں کے یہاں غیر سودی اور نفع ونقصان میں شرکت کی اساس پر مبنی شیئر بھی ہوتے ہیں، ان کو خرید کیا جا سکتا ہے۔

دکان کا انشورنس

سوال:- {1925} ہماری دکانیں ایسے علاقہ میں ہیں
جہاں زیادہ تر غیر مسلم آبادی ہے، اس لئے جب فساد کا خطرہ
ہوتا ہے، تو ہماری دکانیں بھی خطرہ میں رہتی ہے، کیا ہمارے
لئے انشورنس کرانا جائز ہے؟ (محمد شمشیر، نلگنڈہ)

جواب:- آپ نے جو حالات لکھے ہیں، اس میں علمائے ہند نے انشورنس کرانے کی اجازت دی ہے، گو اپنی اصل کے اعتبار سے انشورنس جائز نہیں، البتہ دکان کا انشورنس کرانے کے بعد اگر خدانخواستہ فساد میں دکان کو نقصان پہنچا تو جتنا نقصان آپ کو پہنچا ہے، اتنی رقم آپ کے لئے حلال ہوگی اور زائد رقم کو صدقہ کردینا واجب ہوگا۔ (۲)

انشورنس اور اس کی آمدنی

سوال:- {1926} انشورنس کا کیا حکم ہے؟ اور اس

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: منتخبات نظام الفتاوی: ۱/۲۰۴۔ محشی۔
(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۴۳۱۔ محشی۔

سے حاصل ہونے والے منافع کا استعمال درست ہے یا نہیں

(محمد شاکر خاں، سلطان شاہی)

جواب:- جان و مال کے انشورنس میں جُوا پایا جاتا ہے، اس لئے انشورنس کرانا جائز نہیں، ہاں! اگر ایسے علاقہ میں جائز ہے جہاں بار بار فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہوں، البتہ اس صورت میں بھی انشورنس کرانے والے کے لئے اتنی ہی رقم حلال ہوگی، جتنی اس نے جمع کی تھی، جو زائد رقم ملے اس کو بلا نیت ثواب غرباء پر خرچ کردینا ضروری ہے۔(۱)

L.I.C. کی ایجنسی

سوال:- {1927} ایک بیوہ صاحبہ جن کی کمسن اولاد بھی ہیں، ان بچوں کی پرورش کے لئے ایک چھوٹی سی دکان ہے، جس کی آمدنی محدود ہے، گزربسر کے لئے موصوفہ L.I.C میں بحیثیت ایجنٹ کام شروع کررہی ہیں، اس پیشے میں سود بھی داخل ہے، موصوفہ کا اس پیشہ سے تعلق رکھنا کہاں تک درست ہے؟ (حافظ عبد السلام، سکندر آباد)

جواب:- L.I.C میں سود بھی ہے اور قمار بھی، اگر اسکیم لینے والا مدت پوری ہونے تک زندہ رہا، تو اضافہ کے ساتھ رقم ملتی ہے، یہ سود ہے، اور اگر اس سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا ہو تو خواہ اس نے کتنا بھی جمع کیا ہو وہ مکمل رقم حاصل کرتا ہے، یہ قمار اور جُوا ہے، اس لئے L.I.C جائز نہیں، اور اس جیسے گناہ کا ارتکاب جائز نہیں، اسی طرح گناہ کے کام میں تعاون اور لوگوں کو اس کام کی طرف دعوت دینا بھی جائز نہیں،(۲) L.I.C ایجنٹ کو بھی ظاہر ہے کہ لوگوں

(۱) بذل المجھود :۱/۳۷، نیز دیکھئے: رد المحتار :۷/۲۲۳۔ محشی۔

(۲) ﴿ لا تعاونوا علی الإثم و العدوان ﴾ (المائدۃ:۳) محشی۔

کو اس کی طرف راغب کرنا پڑتا ہے، اس لئے یہ صورت جائز نہیں، اللہ پر بھروسہ کریں، اور کوئی ایسا کام تلاش کریں، جو شرعاً عورت کے لئے جائز ہو، جیسے لڑکیوں کے اسکولوں میں ٹیچنگ وغیرہ، انشاء اللہ اللہ کی مدد شریک حال ہوگی۔

لائف انشورنس کی طرح کا ایک ادارہ

سوال:- {1928} لائف انشورنس کے طرز کا ایک اور ادارہ ہے جس کا نام ''پیریس جنرل فینانس اینڈ انسوسٹ فنڈ کمپنی'' ہے جس میں لوگ اپنی اپنی رقومات جمع کرتے ہیں، مثال کے طور پر -/10000 کی پالیسی کروائی جائے تو سالانہ -/760 روپیہ دینے پڑتے ہیں، اس طرح سے سال کے ختم پر ہمیں کمپنی -/11000 روپے ادا کرتی ہے، جس میں -/3,400 روپے کی زائد رقم ''بونس'' کے عنوان سے ادا کی جارہی ہے، اور کمپنی والوں کا یہ کہنا کہ ہم لوگوں کی جمع شدہ رقم دوسرے کاروبار میں لگاتے ہیں، اس لئے یہ ''بونس'' ہمیں جو فائدہ ملتا ہے اس میں سے ادا کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ایجنٹ جو لوگوں کو پالیساں کروانے کی ترغیب دیتے ہیں، انہیں ان کی طرف سے جو لوگ پالیسیاں بناتے ہیں اور جو رقم جمع کرتے ہیں، اس کا %5 حصہ ملتا ہے، جب تک ان کی پوری پالیسی ختم نہ ہوجائے اور جب یہ دوسروں کو ''ایجنٹ'' بناتے ہیں اور اس طرح سے ان کی توسط سے جو لوگ اپنا پیسہ جمع کرواتے ہیں، اس کا بھی %5 حصہ ملتا ہے، ایسی حالت میں یہ جو کمائی ہوگی، کیا جائز ہوگی؟ نیز ان پالیسیوں میں اگر کوئی حادثاتی

موت مرجائے تو اسے اس کی جمع شدہ رقم اور غلط پالیسی کی رقم واپس کردی جاتی ہے، ان پالیسیوں میں قرض بھی لیا جاسکتا ہے، اور ان پالیسیوں کو بیچ ہی میں ختم کر کے جمع شدہ رقم کا 90% حصہ واپس لیا جاسکتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ لائف انشورنس کے طرز کا یہ ایک ادارہ ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایک مسلمان اس اسکیم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ نیز اگر کوئی ایجنٹ کے طور پر اس ادارہ کی خدمت کرے اور اس سے معاوضہ کے طریقہ پر حاصل شدہ رقم کیا جائز ہوسکتی ہے؟ (مرشد علی، بیگم پیٹ)

جواب: - حدیث میں آیا ہے کہ

''ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ حرام کو حلال کا نام دے کر استعمال کرنے لگیں گے، وہ شراب پئیں گے، مگر اس کا دوسرا نام دے دیں گے''(۱)

ہمارے زمانہ نے اس پیشن گوئی کو عملاً ثابت کردیا ہے، آپ نے سوال میں جس قسم کے ''بونس'' کا ذکر کیا ہے، دراصل اسی قسم کی چیز ہے اور سود میں داخل ہے، کمپنی والے سے جس نوعیت کا معاملہ آپ برقرار رکھنا چاہتے ہیں وہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب آپ کی رقم میں پہلے ہی سے کاروبار میں نفع کا تناسب مقرر و متعین کردیا جاتا، مثلاً یہ کہ آپ کی رقم ہم کاروبار میں لگائیں گے اس میں جو کچھ فائدہ ہوگا، اس کا اتنا فیصد آپ لیں گے اور اتنا ہم، نیز اگر کوئی نقصان ہو اس میں بھی ہم دونوں کی شرکت ہوگی، اس قسم کے معاملات کو اسلامی قانون میں ''شرکت و مضاربت'' کہا جاتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۵۹۰، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر و يسميه بغير إسمه۔ محشی۔

مذکورہ پالیسی میں درحقیقت سود اور جوا دونوں ہے، اور ان دونوں چیزوں کی اسلام نے شدید ترین مذمت کی ہے،(۱) پھر شریعت کا اصول یہ ہے کہ جو کام گناہ کا ہوگا اس میں تعاون اور ذریعہ بننا بھی اس مناسبت سے گناہ کی بات ہوگی، اور ناجائز ہوگی۔ اب جو لوگ اس کے ایجنٹ بن کر رقم حاصل کرتے ہیں وہ دراصل ایک ایسے ادارہ کا تعاون کرتے ہیں، اور اس تعاون کی قیمت وصول کرتے ہیں جو دن ورات حرام کاروبار اور اس کے فروغ میں کوشاں ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ نہ صرف یہ کہ یہ کمائی ناجائز ہوگی، بلکہ اگر کوئی شخص بلا معاوضہ ایجنٹ کا کام کرے اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دے، تو وہ بھی گنہگار ہوگا اور کار معصیت کا مرتکب ہوگا، دوسرے اگر یہ معاملہ جائز بھی ہوتا تو اس میں 5% اجرت کا جو طریقہ کار متعین کیا گیا ہے وہ بھی شرعاً درست نہیں ہے۔

حرام مال کے ترکہ سے متعلق چند مسائل

سوال:- {1929} (الف) زید نے اپنی حرام کمائی سے دولت جمع کر کے اور اپنی اولاد کو اسی حرام مال سے بزنس کر کے اسی میں لگا دیا، تو کیا یہ مال اولاد کے لیے حلال ہے؟

(ب) زید کے انتقال کے بعد اس کا جمع کردہ حرام مال حلال شمار ہوگا یا نہیں؟

(ج) زید کی حرام دولت اولاد کے لیے انتہائی مجبوری کی حالت میں جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ (المائدۃ :۹۱-۹۲) مرتب۔

(د) زید کی اولاد کو یہ معلوم ہے کہ اس کے باپ کا ذریعہ معاش حرام ہے، تو کیا اس سے بچنے کے لیے (محض رضاء الٰہی مقصود ہے) گھر سے علاحدگی اختیار کی جائے، تو کیا یہ والدین کی نافرمانی شمار ہوگی اور کیا والدین کی بددعا کا مستحق ہوگا، اگر بددعا دی جائے تو قبول ہوسکتی ہے؟

(عبدالجبار، ملک پیٹ، حیدرآباد)

جواب:- (الف) جائز نہ ہوگا، ہاں! اگر ان کی کچھ حلال ذرائع آمدنی بھی ہو اور معلوم نہ ہو کہ یہ مال خاص مال حرام ہی سے ہے تو اجازت ہے۔

(ب) حلال نہیں ہوگی جن حضرات سے بطریقہ حرام لیا گیا ہے، اگر ان تک پہونچانا ممکن ہو تو پہونچادیا جائے ورنہ صدقہ کردیا جائے:

" و إذا مات الرجل و كسبه خبيث فالأولى لورثته أن يرد المال إلى أربابه فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به "(۱)

اور اگر بعض ذرائع حلال اور بعض حرام ہوں اور ورثاء کو معلوم نہیں کہ کون سے ذریعہ سے ہے تو اب حلال ہے:

" و إن كان كسبه من حيث لا يحل و ابنه يعلم ذالك و مات الأب و لا يعلم الابن بعينه فهو حلال له "(۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية :۴/۱۰۹، مکتبہ رحیمیہ دیوبند، كتاب الكراهية ، الباب الخامس عشر في الكسب ۔

(۲) حوالہ سابق

البتہ ازراہ تقوی صدقہ کردینا بہتر ہے: ''و الورع أن یتصدق به''(۱)

(ج) اگر اس کے سواء کوئی صورت نہ ہو اور ورثاء کو فاقہ درپیش ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ استعمال کرسکتا ہے۔

(د) والدین سے حسن سلوک بہر حال ضروری ہے، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں، البتہ اگر والدین کا ذریعہ معاش صرف حرام ہی ہو، تو اس سے بچنے کے لیے تعلقات رکھتے ہوئے کھانے کا نظم الگ کرلینا درست ہوگا۔

مینڈھے اور بکریوں کا انشورنس

سوال:- {1930} میں اپنے دو دوستوں کے ساتھ مینڈھے اور بکریوں کی تجارت کررہا ہوں، یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بکری یا مینڈھے کا انشورنس کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بارش میں اکثر بکری اور مینڈھے کو بیماری آتی ہے یا یوں سمجھئے کہ بارش میں اکثر بکریاں اور مینڈھے مرجاتے ہیں، تو کیا اس نقصان سے بچنے کے لیے انشورنس کرانے کی گنجائش ہے؟ (خالد عبد الوحید، ناندیڑ)

جواب:- انشورنس درحقیقت سود اور قمار (جوا) کا مجموعہ ہے، جو شریعت کی نگاہ میں بدترین عمل ہے، قرآن و حدیث میں متعدد مواقع پر اس کی حرمت موجود ہے، یقیناً شریعت میں بعض مجبوریوں کے تحت ناجائز کام بھی جائز ہوجاتے ہیں، مگر آپ نے جو مجبوریاں پیش کی ہیں، وہ قطعاً اس کے جواز کی گنجائش فراہم نہیں کرتیں، اس سے خوب بچئے!(۲)

(۱) الفتاوی الهندية :۳/۱۰۹، مکتبہ رحیمیہ دیوبند، کتاب الكراهية ، الباب الخامس عشر في الكسب ۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: جدید فقہی مسائل :۱/۴۳۱۔ محشی۔

قرض کے احکام

کاروبار کے لیے بینک سے قرض

سوال:- {1931} بہت سے لوگ کاروبار کے لیے بینک سے قرض لیتے ہیں، جسے قسط وار ہر ماہ ادا کرتے ہیں، اس قرض کو سود کے ساتھ واپس کرنا ہوتا ہے، کیا اس طرح سودی قرض لینا جائز ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- جیسے سود کا لینا حرام ہے، اسی طرح شدید مجبوری کے بغیر سود دینا بھی حرام ہے، اس لیے محض کاروبار کو وسعت دینے اور کاروبار کو بڑھانے کے لیے سودی قرض لینا جائز نہیں، جو شخص بے روزگار ہو، اور کوئی ذریعہ معاش نہ ہو، اسی طرح کسی اور ضرورت کے تحت بہت مجبور شخص کے لیے سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔" و یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح "(۱)

(۱) الأشباه والنظائر :ص:۱۴۹۔

بینک سے قرض

سوال:- {1932} کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام و علمائے شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں

(الف) مجبوری کے باعث بینک سے قرض لے کر تجارت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینک سے جو قرض لیا جائے تو سود کا دینا لازمی ہے۔

(ب) بینک میں روپیہ جمع کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(ج) بینک سے جو سود ملتا ہے تو اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(د) بینک سے جو سود ملتا ہے تو اس کا استعمال کہاں کہاں کرسکتے ہیں، کہاں نہیں کرسکتے؟

(اکبرالدین، محبوب نگر)

جواب:- (الف) جس طرح سود لینا جائز نہیں، اسی طرح دینا بھی جائز نہیں، البتہ ناگزیر معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے سودی قرض لیا جاسکتا ہے، اس لیے اگر تجارت کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو اور تجارت کے لیے ایسا قرض لینا ضروری ہوجائے تو بینک سے سودی قرض لیا جاسکتا ہے۔(۱)

(ب) اگر روپیہ کی حفاظت کے لیے بینک میں جمع کرنا مناسب محسوس ہو تو اجازت ہے۔

---

(۱) "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح "(الأشباه و النظائر لابن نجیم: ص: ۹۲، ط: بیروت) و فی الحموی : قوله : یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح و ذلك نحو أن یقرض عشرة دنانیر مثلا و یجعل لربها شیئا معلوما فی کل یوم ربحا معلوما "(ص: ۲۹۴، الفن الأول ، القاعدة الخامسة في آخر الباب)

(ج) سود کی رقم بھی لے لینا چاہئے، اس لیے کہ اگر آپ نہ لیں تو ایک سودی ادارہ کا تعاون ہوگا۔

(د) عام رفاہی کاموں میں بلا نیت ثواب خرچ کرنے کی اجازت ہے، ثواب کی نیت سے کسی کو دینا جائز نہیں اور نہ ہی صدقات وزکوۃ میں ادا کی جاسکتی ہے۔ (۱)

سودی قرض حاصل کرنا

سوال:- {1933} کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہندوستان میں بڑے پیمانے پر ایک دواخانہ مقامی بینکوں کے قرض کی مدد سے قائم کیا گیا، جس کا شرح سود تقریباً 18% تا 20% ہے، اب اس مقامی قرضے کی ادائیگی کے لیے ایک بین الاقوامی خانگی ادارے سے نہایت ہی کم شرح سود پر یعنی (3%) پر قرض حاصل کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، جس کے حصول میں کئی واسطے حائل ہیں، اور یہ قرض دہندہ ادارہ مقامی بینک کی توثیق کے بعد یہ رقم جاری کرتا ہے، جس کی ادائیگی کی کئی شرطیں بھی ہوتی ہیں، ادائیگی اور رقم پہنچنے کی ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی، صرف ادائیگی تک کی کاروائی کے لیے مقامی واسطہ بننے کی ذمہ داری ہم پر ہوتی ہے، جس کا کام صرف جانبین کو اطلاعات بہم پہنچانا ہوتا ہے، چوں کہ قرض دہندہ اور قرض دار دونوں کے درمیان کوئی رابطہ اور تعلقات نہیں، اس لیے اگر یہ

---

(۱) سود کی رقم کو بلا نیت ثواب صدقہ کرنا واجب ہے، اس کو اپنے کسی بھی ذاتی کاموں میں لگانا جائز نہیں ہے۔ "لأن الكل واجب التصدق " (قنیہ، بحوالہ فتاوی عبدالحی، ص:۳۳۴)

معاملہ ہمارے تعاون سے ہو جاتا ہے تو رقم کے حصول کے بعد کل رقم کا 3% برائے اجرت یا کمیشن لیا جاتا ہے، جس کا کچھ حصہ ہمیں بھی ملتا ہے۔

واضح رہے کہ بطور کمیشن لی جانے والی رقم سود نہیں ہوتی، بلکہ اصل رقم کا حصہ ہوتی ہے، اور ہماری حیثیت اس معاملے میں قرض دہندہ کے نمائندہ کی ہوتی ہے، "In Between" حصول توثیق میں اگر چہ ہماری معاونت "Correpondent" ہوتی ہے، لیکن یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہوتی، اسی طرح نہ ہم شرح سود طے کرتے ہیں، نہ اس کے قوانین مرتب کرتے ہیں، اور نہ گواہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

اجمالا یہ کہ اس کم شرح فیصد والے سود کی قرضے میں قرض دہندہ کی جانب سے وساطت میں ہماری حیثیت ''نمائندہ'' اور ''ڈیلیگیٹ'' کی ہے، اس معاملے کے مکمل ہو جانے کے بعد قرض دہندہ اور قرض خواہ دونوں کی جانب سے کچھ رقم بطور اجرت یا کمیشن ملتی ہے۔

اس پس منظر میں دو امر دریافت طلب ہیں:

(الف) کیا اس طرح بڑے شرح سود والے قرض کی ادائیگی کے لیے چھوٹے شرح سود والے قرض کا لینا درست ہے؟

(ب) اہم امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا وساطت کی شکل میں جو اجرت یا کمیشن مل رہا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

امید ہے کہ دلائل کی روشنی میں تشفی بخش جواب عنایت

فرمائیں گے۔ (مسعود بن طیب، للکومان)

جواب:- (الف) جیسے سود لینا گناہ ہے اسی طرح سود دینا بھی یعنی سودی قرض حاصل کرنا بھی گناہ ہے، اصل اہمیت شرح سود کے کم اور زیادہ ہونے کی نہیں ہے، بلکہ فی نفسہ سود کے لین دین کی ہے، لہذا ایک دفعہ تو وہ شخص سودی قرض لے ہی چکا ہے، اب اگر کم شرح سود پر دوبارہ قرض حاصل کرتا ہے تو دوبارہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اس لیے یہ صورت جائز نہیں، ہاں! اگر زیادہ شرح سود والا قرض ادا کرنے کے لیے کم شرح سود والا قرض دینے پر مجبور ہو، اس کے سوا ادائیگی اور پیسے نہ ہوں تو مجبوراً قرض حاصل کرسکتا ہے۔(۱)

(ب) جیسے سود پر قرض کا لینا دینا حرام ہے، اسی طرح سودی قرض کے لین دین میں واسطہ اور معاون بننا بھی جائز نہیں، ظاہر ہے کہ قرض دلانے کے لیے جو شخص واسطہ بن رہا ہے، وہ ایک سودی کاروبار میں معاون بن رہا ہے، اور گو اس کو کمیشن یا اجرت اصل رقم میں سے ملے، لیکن بہر حال یہ اس تعاون ہی کا اجر وصلہ ہے، لہذا اس معاملہ میں معاون بننا اور اس کی اجرت لینا بھی درست نہیں۔(۲) واللہ اعلم۔

قرض کی ادائیگی میں زیادہ واپس کیا جائے؟

سوال:-{1934} ''الف'' کے پاس ''ب'' کے کچھ روپے تھے، اب جبکہ ''الف'' روپے واپس کر رہا ہے تو اپنی طرف سے مزید کچھ تحفہ دے رہا ہے، تو کیا اس کو سود سمجھا جائے گا؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر مقروض قرض خواہ کے مطالبہ وشرط کے بغیر اپنی طرف سے کچھ بڑھا کر قرض دہندہ کو دے دیا تو یہ صورت نہ صرف جائز، بلکہ مستحسن ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: اسلام اور جدید معاشی مسائل، ص:۴۷، محشی۔
(۲) ﴿ و لا تعاونوا علی الإثم و العدوان ﴾ (المائدۃ:۲) محشی۔

کی ترغیب دی ہے۔(۱) قرض دہندہ کی طرف سے مطالبہ ہو، یا مطالبہ تو نہ ہو لیکن اس علاقہ میں مقروض کا بڑھا کر دینا مروج ہو، یا یہ بات مشہور ہو کہ قرض دہندہ اسی شخص کو قرض دیتا ہے جو کچھ اضافہ کے ساتھ قرض واپس کرے، ان تمام صورتوں میں زیادہ دینا جائز نہیں، بلکہ یہ سود میں داخل ہے، کیوں کہ فقہاء کا اصول ہے کہ جو بات معروف و مروج ہو وہ شرط کے درجہ میں ہوتی ہے،(۲) اور قرض میں اضافہ کی شرط لگائی جائے تو سود ہے۔

قرض سے نفع

سوال:- {1935} میرے ایک رشتہ دار نے اپنی ذاتی ملکی کرایہ پر دے رکھی ہے، جس کا کرایہ انہیں ہر ماہ پانچ سو روپے کی شکل میں ملتا ہے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں ان کو بیس ہزار روپے بہ طور قرض حسنہ دوں تو وہ اپنی ملکی کا پانچ سو روپے کرایہ ہر ماہ مجھے دیں گے، کیا اس طرح سے ملکی کا کرایہ لینا جائز ہوگا؟ (شیخ امیر علی، شکر نگر)

جواب:- یہ صورت جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے قرض پر نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۳) یہاں یہی صورت ہے، گویا بیس ہزار روپے پر ۵۰۰/ ماہانہ نفع پر معاملہ طے پا رہا ہے، دراصل یہ صورت سود کی ہے، اسی لیے فقہاء نے قرض کے درست ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کے ساتھ قرض دینے والے کے لیے کسی طرح کے نفع کی شرط نہ ہو۔

---

(۱) "استقرض رسول الله ﷺ سنا فاعطى سنا خيرا من سنه وقال : خياركم أحاسنكم قضاء ، عن أبي هريرة ؓ (الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۱۳۱۶، باب ماجاء في استقراض البعير أو الشيئ من الحيوان)محشی۔

(۲) "المعروف عرفا كالمشروط شرعا" (القواعد الفقهية لابن قيم،ص:۳۶۶)محشی۔

(۳) سنن بيهقي:۳۵۰/۵۔

" أما الذي يرجع إلى نفس القرض فهو أن لا يكون فيه جر منفعة " (۱)

قرض کی وجہ سے کرایہ کم لینا

سوال:- {1936} کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

مسجد کے ذمہ داروں نے مسجد کی زمین پر عمارت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ مسجد کی خاطر خواہ آمدنی ہو، چنانچہ اس تعمیر کے لیے چندہ وغیرہ سے جو رقم حاصل ہوئی وہ عمارت کی تعمیر کے لیے ناکافی تھی، لہذا ذمہ داران مسجد نے چار پانچ افراد سے قرض حسنہ کے طور پر فی کس پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) روپے لیے اور عمارت تعمیر کی گئی، اور ان قرض حسنہ دہندگانوں کو اس عمارت میں جتنے اپارمنٹ بنائے گئے فی کس -/500 روپے کرائے کے طور پر لے کر دیا گیا، اگر ان اپارمنٹوں کو عام لوگوں کو کرائے پر دیا جائے تو کرایہ -/500 سے بھی زیادہ ہوتا، چوں کہ ان لوگوں نے قرض حسنہ دیا ہے، اسی وجہ سے -/500 کرایہ پر دیا گیا، اور ساتھ ہی یہ بات بھی کہ جس وقت ان قرض دہندگان کا قرض ادا کر دیا جائے گا، اس وقت سے پھر کرایہ عام لوگوں کے کرایہ کی طرح ہو جائے گا، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کم کرائے پر اپارمنٹ کو دینا جائز ہے؟ یہ بات بھی ہے کہ اگر یہ لوگ قرض حسنہ نہ دیتے تو

---

(۱) بدائع الصنائع :۶/۵۱۸۔

یہ عمارت ہی تعمیر نہ ہوتی، جس کی وجہ سے جو فی الوقت آمدنی مسجد کو ہو رہی ہے وہ بھی نہ ہوتی، گویا مسجد کو کچھ نہ کچھ آمدنی اس صورت میں ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر اوپر کی صورت جائز ہو تو کوئی مسئلہ ہی نہیں اور اگر مسئلہ میں جواز کی صورت نہ ہو تو کوئی ایسی صورت بتائیں جس کی وجہ سے دونوں فریق مطمئن ہو سکیں۔

جواب مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں۔

(محمد اقبال، صدر مسجد)

جواب:- قرض پر کسی بھی قسم کا نفع حاصل کرنا مناسب نہیں۔، کیوں کہ اس میں سود کا شبہ ہے،(۱) جو صورت آپ نے درج کی ہے اس میں سود تو نہیں ہے، کیوں کہ کرایہ دار حضرات کرایہ ادا کر رہے ہیں، اور کرایہ کی مقدار کم وبیش ہو سکتی ہے، لیکن چوں کہ قرض کی بناء پر کرایہ معروف مقدار سے کم ہے، اس لیے شبہ سود ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں ہے، مناسب ہوگا کہ ان حضرات کو یہ بات سمجھائی جائے کہ مسجد کا مفاد ہے، لہذا مجلسِ انتظامی کے لیے فی الحال کرایہ کی اسی مقدار کو قبول کرنے کی گنجائش ہے، البتہ کوشش کرنی چاہئے کہ جلد سے جلد عوامی تعاون کے ذریعہ اس قرض کو ادا کر دیں، تا کہ مسجد کو نقصان سے بچا سکیں۔ واللہ اعلم۔

مسجد کی رقم کو بطور قرض دینا

سوال:- {1937} کیا مسجد کی جائداد کی آمدنی سے ملازمین مسجد کو (امام ومؤذن خادم وغیرہ) قرض حسنہ کے طور پر دیا جاسکتا ہے؟ کیا ان ملازمین کو علاحدگی کے وقت یا انتقال کے وقت ورثاء کو معاوضہ حسن خدمت مسجد کی آمدنی سے دیا

(۱) "كل قرض جر نفعها فهو ربا" (الجامع الصغير :۲/۲۸۴) محشی۔

جاسکتا ہے، جب کہ وہ ضعیفی کی وجہ سے کام کے قابل نہ رہے ہوں؟

امام ومؤذن کے انتقال کی صورت میں بیوہ کومسجد کی آمدنی سے ماہانہ وظیفہ دیا جاسکتا ہے؟

(عبدالواحد، معتمد مدرسہ ضیاء الاسلام)

جواب:- ان مسائل کے سلسلہ میں چند اصول پیش نظر رہیں، اولاً یہ کہ مسجد کی منتظمہ کمیٹی کی حیثیت عوام کی طرف اپنے موقوفہ زمین ورقوم وغیرہ پر وکیل کی ہے اور وہ جو کچھ تصرف کرے گی بحیثیت وکیل کرے گی، کمیٹی اس میں ایسے تمام اقدامات کی مجاز ہوگی، جس کے بارے میں معلوم ہو کہ چندہ دینے والوں کو اس کی اطلاع ہو تو وہ ناراض نہ ہوں، عوام کی مرضی معلوم کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ عرف میں ملازمین کے ساتھ وہ رعایتیں روا رکھی جاتی ہیں، یہاں عرف عام ہی ان کی طرف سے اجازت کے مرادف ہوگا۔(۱) دوسرے یہ کہ خود چندہ دہندگان اور واقف سے تحقیق کر لی جائے، دوسرا اصول یہ ہے کہ مسجد کے اوقاف کا استعمال مصالح مسجد ہی میں کیا جاسکتا ہے، امام ومؤذن وغیرہ کی اجرت اور اعانت بھی مصالح مسجد ہی میں داخل ہے، لہٰذا بصورت مسئولہ میں عوام کی مرضی پر موقوف ہے، اگر اندازہ ہو کہ وہ اس پر راضی ہوں گے تو دینا درست ہوگا، ورنہ نہیں۔

قرض دہندہ لاپتہ ہوجائے

سوال:- {1938} زید نے ایک غیر مسلم سے چند سال پہلے کچھ تعمیری اشیاء ادھار لی تھیں، بعد میں کچھ رقم ادا کردی گئی، لیکن کچھ رقم باقی رہ گئی، جو ادا نہ ہوسکی بعد میں اس

---

(۱) "و منها الفاظ الواقفین تبتنی علی عرفهم "(الأشباه و النظائر لابن نجیم: ص: ۹۵ القاعدة السادسة)

دوکان کا کچھ پتہ نہیں چل سکا، کیونکہ دوکان برخاست ہوگئی،
مالک دوکان کا بھی کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ ہے بھی یا نہیں،
اب اس رقم کا کیا کیا جائے؟ (ایک قاری، نرساپور)

جواب :- اوّلاً تو حتی المقدور اس شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کریں، اگر نہ مل پائے تو اتنے پیسے صدقہ کردیں، لیکن یہ نیت رکھیں کہ آئندہ اگر اصل مالک سے ملاقات ہوگئی تو اسے ادا کردیں گے، جیسا کہ گمشدہ اشیاء ملنے کا حکم ہے کہ اگر صدقہ کردیا ہو اور بعد کو اصل مالک دستیاب ہوگیا تو اس سے اس کا بدل ادا کرنا واجب ہے۔(۱)

شادی میں اعانت کی رقم کو قرض کی ادائیگی میں منہا کرلینا

سوال:- {1939} میں ایک غریب آدمی ہوں، عزیز و اقارب کی مدد سے میری لڑکی کی شادی ہونے جارہی ہے، ایک صاحب نے میرے ایک ایسے عزیز کے پاس یہ امدادی رقم دی ہے کہ جن کا قرض میرے ذمہ باقی ہے وہ اس رقم کو قرض میں وضع کرلینا چاہتے ہیں، تو کیا ان کا ایسا کرنا درست ہوگا؟ (معرفت، ع، الف، ف،)

جواب:- جب کسی شخص نے خاص شادی ہی میں خرچ کرنے کی نیت سے یہ رقم دی ہے، تو ضروری ہے کہ اسی مصرف میں یہ رقم خرچ کی جائے، کیوں کہ واقف کے منشا کی رعایت

---

(۱) " فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها إيصالا للحق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان و ذلك بإيصال عينها عند الظفر بصاحبها ، و إيصال العوض و هو الثواب على اعتبار اجازته التصدق بها و إن شاء امسكها رجاء الظفر بصاحبها قال : فإن جاء صاحبها يعني بعد ما تصدق بها فهو بالخيار إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها ... و إن شاء ضمن الملتقط " (الهداية :۲/۶۱۵) محشی ۔

ضروری ہے، اس رقم کی مالک اصل میں آپ کی لڑکی ہے نہ کہ آپ، لہٰذا ان صاحب کا آپ کے قرض کے بدلے اس رقم کو روک لینا درست نہیں، البتہ آپ کو چاہئے کہ کسی اور ذریعہ سے جلد سے جلد ان کی رقم ادا کردیں، کیوں کہ قرض لے کر ادا نہ کرنا سخت گناہ اور آخرت میں اس کے لیے سخت پکڑ ہے، بلکہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص قرض ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اللہ اس کے لیے اداءِ قرض کو آسان فرمادیتے ہیں، (۱) اس لیے آپ نیک نیتی کے ساتھ قرض ادا کرنے کی کوشش کریں، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی۔

قرض کی دستاویز

سوال:- {1940} اگر کسی کو قرض حسنہ دیا جائے (چاہے وہ حقیقی بہن یا بھائی ہی کیوں نہ ہو) تو کیا اس قرض کے بارے میں کاغذ پر لکھ لینا بہتر ہے، اس سلسلہ میں شرعی احکام کیا ہیں؟ اور سنت رسول سے کیا اس کا کوئی جواز ملتا ہے؟

(عبداللہ، حسن نگر)

جواب:- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب ایک مقررہ مدت کے لیے دَین کا معاملہ کرو تو اسے قیدِ تحریر میں لے آؤ: ﴿إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾ (۲) اس سے اختلاف ونزاع کے مواقع کم ہوجاتے ہیں، اسی لیے قرض کو لکھ لینا بہتر ہے، اور لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ایسی تحریر میں لکھنے کا مقصد بے اعتمادی نہیں ہے، بلکہ معاملات کی صفائی ہے۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : من أخذ أموال الناس يريد أدائها أدى الله عنه و من أخذ يريد إتلافها أتلفه الله" (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۳۸۷، باب من أخذ أموال الناس يريد أدائها اود إتلافها و الخ) محشی۔

(۲) البقرة :۲۸۲۔

کاروبار کو بڑھانے کے لیے قرض

سوال:- {1941} کیا کاروبار کو بڑھانے کے لیے بلاسودی قرض لیا جاسکتا ہے؟ (محمد نظام الدین، مغل پورہ)

جواب:- بلاضرورت قرض لینا بہتر نہیں اور ناجائز بھی نہیں، کم تر درجہ کی ضرورت کے لیے بھی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے، اگر توقع ہو کہ وہ اسے ادا کر سکے گا، اس لیے کاروبار کو بڑھانے کے لیے قابلِ ادائیگی غیر سودی قرضے لینا درست ہے۔(۱)

بے روز گار مسلمان نوجوانوں کے لیے معمولی شرح سود پر سرکاری قرضہ

سوال:- {1942} بینکوں کی جانب سے بے روزگار مسلم نوجوانوں کو کم ہی قرض دیا جاتا ہے، لیکن میری پنچایت میں بہت ہی کم شرح سود پر بے روزگار اور معاشی اعتبار سے پسماندہ مسلمان اور نوجوانوں کو گورنمنٹ کے ذریعہ یہ سہولت فراہم کی جارہی ہے اور ان قرضوں کے سبب یہ نوجوان اپنے کاروبار شروع کر رہے ہیں، تو کیا بے روزگار مفلس اور پسماندہ مسلمانوں کو انتہائی معمولی شرح سود پر قرض دلانا یا خود قرض لینا درست ہوگا؟ (محمد عبدالرحیم، حیدرآباد)

جواب:- سود لینا اور دینا دونوں ہی گناہ ہے، البتہ سرکار اور سرکاری ادارہ اور اشخاص اور پرائیویٹ ادارہ کے حکم میں ایک گونہ فرق ہے، جب ہم اس ملک کے شہری ہیں، تو جیسے حکومت

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۳۹۰۔ محشی۔

دوسرے شہریوں کو روزگار کے لیے قرض فراہم کرتی ہے، ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور ہمارا بحیثیت شہری اس پر حق ہے، لہذا جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں اور معاشی اعتبار سے اس سطح پر ہوں کہ خود اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کرسکتے، ان کے لیے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے، جو زائد رقم سود کے نام سے لی جاتی ہے، اسے انتظامی اخراجات بھی قرار دیا جاسکتا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین اعظمیؒ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند کا رجحان اسی طرف ہے۔(۱) ورنہ اس کی حیثیت سود یا قرض پر رشوت دینے کی ہوگی اور مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے، اصل یہ ہے کہ گورنمنٹ کا مقصد اس طرح کی اسکیم سے سود حاصل کرنا نہیں ہوتا، بلکہ بے روزگاری دور کرنا مقصود ہوتا ہے، اسی لیے بعض اوقات قرض کا کچھ حصہ معاف بھی کردیا جاتا ہے، اگر یہ معافی زائد رقم کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتو ایسی صورت میں سود کا کوئی شائبہ ہی باقی نہیں رہے گا، بہر حال بے روزگار و غریب و نوجوان مسلمانوں کا آپ اس سلسلہ میں تعاون کرسکتے ہیں۔

مقروض سے رقم وصول کرنے کی اجرت لینا

سوال:- {1943} زید ایک اسکیم چلاتا ہے، جس میں کئی ممبر ہوتے ہیں، اس کا طریقہ کار اس طرح ہے کہ ضرورت کے لحاظ سے ممبروں کو قرض دیا جاتا ہے، جیسے ایک ہزار روپے دے کر روزانہ ان سے دس روپے لیے جاتے ہیں، بارہ سو ہونے کے بعد اس کا حساب ختم ہوجاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار روپے دے کر بارہ سو روپے وصول کرتے ہیں، جو زائد رقم وصول کی جاتی ہے اسے روزانہ اس ممبر کے پاس جاکر

---

(۱) دیکھیے: منتخبات نظام الفتاوی: ۱/ ۲۱۸۔

دس روپے وصول کرنے کی محنت کا معاوضہ کہا جاتا ہے، اس طرح یہ اسکیم چلتی رہتی ہے، یہ طریقہ شرعی اعتبار سے کس حد تک جائز ہے؟ (ایک قاری)

جواب:- رقمی لین دین میں کمی بیشی ہو، تو اس سے سود پیدا ہو جاتا ہے، حضرت انس ﷺ سے روایت ہے:

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو قرض دے اور وہ کوئی تحفہ دے تو اسے قبول نہ کرے، یہاں تک کہ وہ اپنی سواری پر بیٹھانا چاہے تو نہ بیٹھے، سوائے اس کے کہ پہلے سے اس قسم کا سلوک و برتاؤ رہا ہو'' (۱)

اس لیے محض قرض پر نفع حاصل کرنا تو جائز نہیں، البتہ اگر زید قرض لینے والے سے یہ گفتگو کرے کہ یا تو تم خود مجھ تک رقم پہنچا دو، یا میں روزانہ آ کر رقم لے لیا کروں گا، لیکن ایک سو بار جو دس دس روپے لینے کے لیے آؤں گا، اس کی اجرت دو سو روپے ہوگی، تو یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ یہ قرض پر نفع لینا نہیں، بلکہ اپنی محنت کی اجرت وصول کرنا ہے۔

قرض حسنہ

سوال:- {1944} کیا قرض حسنہ لیا جاسکتا ہے؟ جب کہ حکم یہ ہے کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا جائے۔ (حیدر اختر شریف، نور خاں بازار)

جواب:- قرض حسنہ سے مراد ایسا قرض ہے، جس پر دینے والا سود نہ لے، بلکہ حصول اجر کی نیت سے قرض دے اور لینے والا ادائیگی کی نیت سے قرض حاصل کرے، قرض کا لینا اور

---

(۱) سنن ابن ماجة :ص:۱۴۵۔

دینا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ پر ایک یہودی کا قرض تھا، اس نے آپ ﷺ سے تیز گفتگو کی، صحابہ ﷺ کو یہ بات ناگوار گزری، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، کیوں کہ صاحب حق کو کہنے کی گنجائش ہے اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک اونٹ خرید کر میری طرف سے اس کا قرض ادا کردو، امام بخاریؒ نے اس حدیث سے قرض لینے کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے۔(۱) قرآن مجید میں بھی قرض کے لین دین کا ذکر موجود ہے، اور اسے لکھ لینے کا مشورہ دیا گیا ہے۔(۲) چنانچہ فقہاء نے اسی کی روشنی میں ایسی چیزوں میں قرض کے لین دین کو جائز قرار دیا ہے، جو ''مثلی'' ہیں، مثلی سے مراد وہ اشیاء ہیں جو ناپ کر یا تول کر بیچی جاتی ہیں، یا گن کر بیچی جاتی ہیں، لیکن ان کے افراد میں کوئی خاص تفاوت نہیں پایا جاتا۔(۳)

اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اصل مطلوب ومقصود اللہ تعالیٰ کو بنائے اور انسانوں کی مدد کو محض ایک واسطہ سمجھے، کیوں کہ قرض دینے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ ہی یہ خیال پیدا کرتے ہیں کہ وہ فلاں شخص کو قرض دے، یہ مطلب نہیں کہ اپنی ضروریات میں کسی انسان سے مدد ہی نہ لی جائے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا نظام باہمی احتیاج پر رکھا ہے، اور ہر شخص کو دوسرے کا کسی نہ کسی مسئلہ میں محتاج بنایا گیا ہے۔

غیر سودی بیت المال کے لیے طریق کار

سوال:-{1945} کچھ لوگ ایک ایسی رفاہی سوسائٹی قائم کرنا چاہتے ہیں، جس میں کچھ سرمایہ داروں کی رقوم بطور امانت ہوں گی، جب کبھی بھی ان کو لوٹادی جائے گی، وہ اس پر کچھ نفع نہیں لیں گے، ان کی رقم اجازت کے بموجب سوسائٹی

(۱) صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۲۳۹۰،باب استقراض الدین ۔

(۲) البقرة :۲۸۲۔

(۳) الفتاوی الھندیة :۳/۲۰۱۔

غرباء مستحقین کو بلاسودی قرضے دے گی ، اس ادارے کو
چلانے کے لیے ملازمین اور دفتر وغیرہ کی ضرورت ہوگی ، جس
کے اخراجات ہوں گے ، ان اخراجات کی تکمیل کے لیے
مقروض سے کوئی رقم لی جاسکتی ہے؟ اور اگر لی جائے تو اس کی
کیا صورت ہوگی کہ قرض سے انتفاع بھی نہ ہو اور ان ناگریز
اخراجات کی تکمیل بھی ہو جائے؟ (ایک دینی بھائی)

جواب:- جس طرح سود لینا جائز نہیں ، اسی طرح یہ بات بھی درست نہیں کہ قرض پر نفع حاصل کیا جائے ، (۱) دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ اگر مقروض سے کچھ تعاون نہ لیا جائے ، تو اس قسم کے غیر سودی رفاہی اداروں کا چلنا مشکل ہو جائے گا ، جن کا منشا ہی یہی ہے کہ لوگوں کو سود سے بچایا جائے ، پھر ظاہر ہے کہ یہاں مقروض سے کچھ لیا جائے گا ، اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ ارباب سرمایہ اس سے فائدہ اٹھائیں ، بلکہ مقصد صرف اس نظم کو باقی رکھنا ہے ، ان حالات میں ایک طرف شرعی احکام اور دوسری طرف دفتری امور کو سامنے رکھ کر یہ صورتیں اختیار کیا جاسکتی ہیں:

(الف) ہر ماہ قرض کی ادائیگی اور دفتر کے اخراجات کا حساب کیا جائے اور ان اخراجات کو قرض کی مقدار پر تقسیم کر دیا جائے اور ابتداء میں ان پر واضح کر دیا جائے کہ وہ قرضداروں کا نفع تو نہیں لیں گے ، البتہ ان کے قرض کے لیے دفتری امور پر جو اخراجات آسکتے ہیں ، بطور اجرت اسے وصول کر لیا جائے گا۔

(ب) مفروضہ کی کوئی مقدار نہ ہو ، بلکہ اس ادارہ کو باقی رکھنے کے لیے ماہانہ فیس تعاون حاصل کی جائے اور ان کو فی سبیل اللہ اس کام کی ترغیب دی جائے ، جیسا کہ عام رفاہی اداروں کا نظم چلتا ہے۔

---

(۱) "کل قرض جر نفعها فهو ربا" (الجامع الصغير للسيوطي :۲/۲۸۴ "حديث ضعيف ") محشی۔

(ج) قرض خواہ سے دباؤ اور جبر کے بغیر خواہش کیا جائے کہ ان سے جو کچھ ہو سکے تعاون کریں قرض کی اجرت یا مہلت دے کر اسی کو موقوف نہ رکھا جائے۔

(د) ادارے کی طرف سے ایک اور مکان کی تعمیر عمل میں لائی جائے جس کے نفع میں ارباب سرمایہ کی شرکت نہ ہو، اور ان حضرات سے وضاحت بھی کر دی جائے کہ ادارہ نے یہ رقم بطور قرض آپ سے لیا ہے اور وہ حسب منشا اس سے رقمیں لے لیا جائے گا۔

مذکورہ ان تمام صورتوں میں جہاں مقروض سے کوئی رقم لی جائے، اس کی حیثیت ثمن یا اجرت یا اس کی مناسبت کی ہوتی ہے اور اس پر شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

رہن کے احکام

رہن کا مکان کرایہ پر لگانا

سوال:- {1946} ایک صاحب نے دوسال کے معاہدہ پر ایک لاکھ روپے قرض دے کر بطور رہن مکان حاصل کیا، اب وہ دوسرے شخص کو ماہانہ بارہ سو روپے کرایہ پر مکان دینا چاہتا ہے، کیا اس شخص کے لیے ماہانہ کرایہ لینا جائز ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک شخص کی مالی پریشانی و مجبوری کے تحت ایڈوانس دے رہے ہیں۔ (محمد فہیم اعظمی، نظام آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے قرض پر نفع حاصل کرنے کو سود قرار دیا ہے۔(۱) اس لیے رہن کے مال سے نفع اٹھانا جائز نہیں:

"لیس للمرتهن أن ینتفع بالرهن لا باستخدام و لا بسكنى ... : لأنه حق الحبس دون الانتفاع"(۲)

(۱) الجامع الصغير :۲/۲۸۴_ محشی۔
(۲) الهداية مع فتح القدير :۴/۵۲۲۔

پس جو صورت آپ نے لکھی ہے یہ جائز نہیں، اس پر بارہ سو روپے اپنے لیے کرایہ حاصل کرنا سود میں داخل ہے۔

رہن رکھنے والے کا خود ہی اس کو کرایہ پر حاصل کرنا

سوال:- {1947} زید نے اپنا گھر بطور رہن بکر کو دیا، اس کے بعد زید نے بکر ہی سے اپنا وہ گھر کرایہ پر حاصل کرلیا، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(حافظ محمد عبدالرزاق، درگاہ جہانگیر پیراں)

جواب:- یہ صورت جائز نہیں، سود میں داخل ہے، رسول اللہ ﷺ نے قرض پر کسی بھی طرح کا نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا اور اسے سود قرار دیا ہے، (۱) فقہاء نے لکھا ہے کہ

" لا يحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه و إن اذن له الراهن ؛ لأنه اذن له في الربا " (۲)

''اگر رہن رکھنے والا قرض دینے والے کو مال رہن سے نفع اٹھانے کی اجازت بھی دیدے، جب بھی وہ حرام ہی رہے گا، کیوں کہ یہ سود کی اجازت ہے''

ہاں! اگر بکر اس کرایہ کو اپنے قرض میں منہا کرتا جائے، یا بطور ضمانت کے اپنے پاس رکھے اور قرض کی ادائیگی کے وقت واپس کردے تو یہ صورت جائز ہے۔

---

(۱) الجامع الصغیر:۲/۲۸۴۔محشی۔

(۲) رد المحتار:۵/۳۱۰۔

رہن میں رکھی ہوئی چیز کو کرایہ پر دینا

سوال:- {1948} زید نے مکان کے پورے کاغذات جس میں وہ خود مقیم ہے، بطور وثیقہ عمر کے پاس رکھ دیا ہے، اور اس سے ۱۵؍ ہزار روپے قرض لے رہا ہے، جس کی مدت ادائیگی دو سال ہے، اور ہر ماہ عمر کو ۲۵۰؍ روپے بطور کرایہ دے رہا ہے، دو سال گزرنے کے بعد زید عمر کو پندرہ ہزار لوٹا دے گا، اور مکان کے کاغذات واپس لے لے گا، کیا یہ صورت جائز ہے، زید عمر کو ۲۵۰؍ روپے جو بطور کرایہ دے رہا ہے وہ از روئے شرع کرایہ ہی کہلائے گا یا سود؟

(عبدالقدیر خاں، مادنا پیٹ، حیدرآباد)

جواب:- رہن کے لیے ضروری ہے کہ جو شی بطور رہن رکھی جائے وہ جس سے قرض لیا گیا ہے، اس کے قبضہ میں دیدی جائے، (۱) اس لیے مذکورہ صورت میں یہ معاملہ شرعی رہن کا نہیں ہوا، نیز مذکورہ صورت میں اگر معاملہ رہن کا ہو، تب بھی قرض دہندہ کے لیے کرایہ کی رقم وصول کرنا جائز نہیں، یہ صورت سود میں داخل ہے اور حرام ہے، لینے والا بھی گنہگار ہوگا، اور شدید ضرورت کے بغیر اس طرح قرض لے کر ماہانہ ڈھائی سو روپے ادا کرنے والا بھی گنہگار ہے، رہن کی وجہ سے قرض دہندہ کو صرف قبضہ کا حق حاصل ہوتا ہے، رہن رکھی گئی شی سے استفادہ کا حق نہیں۔ (۲)

---

(۱) ''و الصحیح قول العامة لقوله تعالیٰ فرھان مقبوضة و صف سبحانه تعالیٰ الرھن بکونه مقبوضا فیقضی أن یکون القبض فیه شرعا ... و لو تعاقد علی أن یکون الرھن في ید صاحبه لا یجوز الرھن'' (بدائع الصنائع:۶/ ۱۳۷)

(۲) ''کل قرض جر به نفعا فھو ربا'' الحدیث ، (مسند ابن اسامه ،فتاویٰ عبدالحی: ص:۳۰۱)''لا یحل له أن ینتفع بشئ منه بوجه من الوجوه و ان اذن له الراھن''(رد المحتار:۵/۳۱۰)

رہن کے مکان سے استفادہ کے بارے میں ایک شبہ

سوال:- {1949} صحیح بخاری عربی اردو میں ایک حدیث اس طرح لکھی ہوئی ہے:

''حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر جانور پر خرچ کے مطابق سواری کی جائے، جب کہ اسے گروی رکھا ہوا ہے، لیکن خرچہ کے مطابق خرچہ سواری کرنے اور دودھ پینے والے پر ہے اور رہن میں بھی یہی حکم ہے''

جب کہ آپ نے اپنے جواب میں لکھا تھا کہ رہن کے مکان میں رہنا جائز نہیں ہے، اس کو لے کر ہمارے رشتہ داروں میں کافی بحث چل رہی ہے، براہ کرام وضاحت فرمائیں۔

(محمد یاسین، جلال کوچہ)

جواب:- سود کا لینا حرام ہے، یہ نہ صرف قرآن مجید میں صراحت ہے، (۱) بلکہ کثرت سے حدیثیں بھی منقول ہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر سود کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قرض پر جو بھی نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے، '' کل قرض جر نفعا فھو ربا '' (۲) ظاہر ہے کہ قرض دے کر بلا عوض مقروض کے مکان میں رہنا قرض پر فائدہ اٹھانا ہے، اس لیے یہ بھی سود کے دائرہ میں آتا ہے، احناف، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ (۳) رہ گئی بخاری کی حدیث، تو آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس دور سے تعلق رکھتا ہے، جب سود

(۱) البقرۃ :۲۷۵۔ محشی۔
(۲) الجامع الصغیر :۲/۲۸۳۔ محشی۔
(۳) الفقہ الإسلامی و أدلتہ :۴/۲۴۷۔ محشی۔

کے حرام ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، مشہور محدث و محقق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔(۱) اس لیے اس سے غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے۔

مال رہن کو فروخت کرنا

سوال:- {1950} ہم لوگ یہاں خدمت خلق کے نقطۂ نظر سے کچھ سامان رکھ کر بلا سودی قرض دیتے ہیں، لوگ سامان رکھ کر برسوں نہیں آتے، انتظار کے بعد ہم انہیں فروخت کردیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

(محمد رحیم الدین، مشیر آباد)

جواب:- آپ قرض دیتے وقت ان سے لکھالیا کریں کہ اگر میں نے مقررہ تاریخ پر قرض ادا نہیں کیا تو ادارہ کو حق ہوگا کہ وہ میرا رہن رکھا ہوا سامان فروخت کر کے اپنا قرض وصول کرلے، ایسی صورت میں آپ کے لیے یہ بات جائز ہوگی کہ سامانِ رہن فروخت کردیں اور قرض وصول کرلیں اور باقی رقم محفوظ کردیں، جب وہ آئے تو اسے ادا کردیں، رہن رکھنے والا مقروض ہی سامان کا اصل مالک ہوتا ہے، اس لیے جب تک اس کی اجازت نہ ہو سامان فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

" و لیس للمرتهن أن یبیعه إلا برضاء الراهن : لأنه ملکه و ما رضی بیعه " (۲)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) دیکھئے: فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۱۷۱/۵۔ محشی۔
(۲) الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۵۳۸/۵۔

اجارہ کے احکام

بینک سے زیور پرکھنے کی اجرت

سوال:- {1951} میں ایک زیورات کی دکان کا مالک ہوں، مجھے ایک بینک میں سونے کے زیورات جو گروی رکھے جاتے ہیں، انہیں کسوٹی پر پرکھنے اور اصلی ونقلی کی پہچان کرنے پر کمیشن ملتا ہے، آیا میں بینک سے کمیشن قبول کرسکتا ہوں یا نہیں؟ (عبدالمجید، چارمینار، حیدرآباد)

جواب:- کسوٹی پر پرکھنے اور اصلی ونقلی پہچان کرنے کی اجرت لینا تو جائز ہے، لیکن بینک کی پوری آمدنی بنیادی طور پر سودی آمدنی ہوتی ہے، اس لیے بینک سے اس طرح کی اجرت لینا جائز نہیں، (۱) آپ کے موجودہ کاروبار ہی میں اللہ برکت دے گا، اسی پر اکتفا کرلیں۔

(۱) جدید فقہی مسائل: ۱/ ۴۰۰۔ محشی۔

منی آرڈر کی اجرت

سوال:- {1952} تقریبا تمام دیہی علاقوں میں ڈاکیہ نے یہ اصول بنا ڈالا ہے کہ جب بھی کوئی منی آرڈر آتا ہے تو متعلقہ شخص سے بغیر کچھ رقم لیے روپے کی ڈیلیوری نہیں کرتے، مسلم ڈاکیہ بھی اس کو صحیح سمجھ کر ایسا کرتے ہیں، گاؤں کے ناخواندہ یا کم ناخواندہ لوگ اسے منی آرڈر فیس سمجھ کر ادا کرتے ہیں، کیا یہ رقم لینا شرعاً جائز ہے؟ جب کہ اس رقم کو بھیجنے والا اس رقم بھیجنے کی فیس منی آرڈر کرتے وقت ہی ادا کر دیتا ہے۔ (نعیم الدین رضوی، کوٹہ، راجستھان)

جواب:- منی آرڈر کی اجرت چوں کہ پہلے ہی ادا کر دی جاتی ہے اور ڈاکیہ کو حکومت ڈاک رسانی کی خدمت کا معاوضہ ادا کرتی ہے، اس لیے ڈاکیہ کی طرف سے منی آرڈر پہنچانے پر رقم کا مطالبہ قطعاً جائز نہیں ہے، اور رشوت کے حکم میں ہے، کم سے کم مسلمان ڈاکیہ کو تو ضرور ہی اس سے بچنا چاہئے کہ حرام ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی روحانی اعتبار سے شدید نقصان وخسران کا باعث ہے۔

سودخور کا مکان کرایہ پر لینا

سوال:- {1953} ہم نے ایک مکان کرایہ پر لیا ہے، اب معلوم ہوا ہے کہ مالک مکان کا سودی کاروبار ہے، تو کیا ہمارے لیے اس مکان کو کرایہ پر لینا درست ہے؟ یا ہمیں مکان خالی کر دینا چاہئے؟

(انور شریف، چندرائن گٹہ، حیدرآباد)

جواب:- اگر آپ نے کسی جائز مقصد کے لیے مکان کرایہ پر لیا ہو، تو اس کی سودخواری سے آپ کا کچھ تعلق نہیں، اس لیے آپ کا مکان لینا درست ہے، ہاں! ایک مسلمان بھائی کی حیثیت سے آپ انہیں سمجھانے کی کوشش کریں کہ وہ سود جیسے گناہ سے اپنے آپ کو بچائیں۔

بینک کی ملازمت

سوال:- {1954} بینک کے ملازمین کی تنخواہ جب کہ بینک کا پورا نظام سود پر چل رہا ہو اس کا کیا حکم ہے؟

(مصلح الدین، ملک پیٹ)

جواب:- بینک کے کاروبار سود پر مبنی ہیں اور سودی کاروبار حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، لکھنے والے، اس کے گواہان اور اس کا واسطہ بننے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔(۱) اس لیے کہ یہ تمام لوگ سودی کاروبار میں تعاون کررہے ہیں، بینک کے وہ ملازمین جو حساب و کتاب، نوشت و خواند، لین دین کا کام کرتے ہیں، اس گروہ میں داخل ہیں، اور معصیت میں براہ راست معاون ہیں، اس لیے یہ ملازمت ان کے لیے جائز نہیں ہے۔—— البتہ نیچے درجہ کی ملازمت (مثلاً: جاروب کش، چوکیدار، وغیرہ جن کا کاروبار اور معاملات سے تعلق نہیں، نفس عمارت کی حفاظت وغیرہ پر مامور ہیں،) جائز ہے۔

ٹی۔وی میکانک

سوال:- {1955} میں ایک ٹی۔وی میکانک ہوں،

---

(۱) "لعن اللّٰه آكل الربوا و مؤكله و شاهديه و كاتبه" (سنن أبي داؤد، حديث نمبر:۳۳۳۳، الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۲۰۶، سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۲۲۷۷۔

"عن جابر قال: "لعن رسول اللّٰه ﷺ آكل الرباء و مؤكله و كاتبه وشاهديه و قال: هم سواء" (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۵۹۸) مرتب۔

روزانہ خراب ٹی۔ وی درست کرتا ہوں، اس پیسہ کی آمدنی سے
بال بچوں کی پرورش ہوتی ہے، شرعاً یہ کام درست ہے یا نہیں؟
جب کہ تقریباً تمام اسلامی ممالک میں ٹی۔ وی دیکھنے کا رواج
ہے۔ (م، ع، فاروقی)

جواب:- ٹی۔ وی کا سیٹ چوں کہ فحش اور ذی روح کی تصاویر ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس سے ایسے مناظر بھی دکھائے جاسکتے ہیں جو جائز اور مباح ہوں، اس لیے بعض اہل علم نے اس کی اصلاح و مرمت کو جائز قرار دیا ہے،(۱) لیکن چوں کہ آج کل زیادہ تر مفاسد ہی کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے کوئی اور پیشہ اختیار کرنا بہتر اور قرین احتیاط ہے، مرمت کے ذریعہ جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ حلال ہے۔

کیمرہ اور ویڈیو کی مرمت اور اس کی اجرت

سوال:- {1956} فوٹو گرافی اور ویڈیو گرافی سے
متعلق آلات کی مرمت و درستگی اور اس کی آمدنی حلال ہے یا
حرام؟ اور اس سے حج درست ہوگا یا نہیں؟

(مرزا احمد عبدالقدوس بیگ، نظام آباد)

جواب:- ذی روح کی تصویر لینا حرام ہے غیر ذی روح چیزیں جیسے درخت، پہاڑ، دریا وغیرہ کی تصویر لینا جائز ہے، چوں کہ کیمرہ اور ویڈیو جائز چیزوں کے لیے بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں، اس لیے ان کی اصلاح و مرمت کا کام جائز اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہے اور اس سے حج کیا جاسکتا ہے۔(۲)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۳۹۹۔ محشی۔
(۲) رد المحتار :۹/۴۷۷، کتاب الحظر و الإباحة ، فصل في البيع ۔محشی۔

ٹی۔وی، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی آمدنی

سوال:- {1957} ٹی۔وی، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ کی مرمت اور فلمی گانوں کے بھرنے سے جو آمدنی حاصل ہوگی، کیا وہ حلال ہے؟ اس آمدنی سے حج کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(مرزا احمد عبدالقدوس بیگ، مجاہد نگر، نظام آباد)

جواب:- ٹی۔وی سیٹ، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ چوں کہ جائز مقاصد کے لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں، اس لیے ان کی مرمت کی اجرت اور فروخت کی قیمت جائز ہے؛ (۱) البتہ چوں کہ ٹی۔وی کا غالب استعمال ناجائز کاموں کے لیے ہے، اس لئے اس کی اجرت اور اس کی تجارت سے حاصل ہونے والا نفع کراہت سے خالی نہیں، جہاں تک فلمی گانے بھرنے کی بات ہے تو اگر بھرے ہوئے کیسٹ بیچتا ہے، تو چوں کہ کیسٹ فی نفسہ آلہ گناہ نہیں، اس لئے اس کی قیمت حلال ہوگی، البتہ گانا بھرنا گناہ کبیرہ اور اس کی وجہ سے اس کی آمدنی مشکوک ہے، اور اگر لوگ کیسٹ لا کر دیتے ہیں اور وہ گانے بھر دیا کرتا ہے تو یہ فعل بھی گناہ کا ہے، اور آمدنی بھی گناہ کی۔

حج کے لیے حلال وطیب مال ہونا چاہئے، حرام اور مشکوک مال سے بچنا چاہئے، اس لیے گانے بھری ہوئی کیسٹ کی قیمت اور گانا بھرنے کی اجرت سے جو پیسہ حاصل ہوا سے حج جیسے مبارک ومسعود سفر میں استعمال نہ کرے۔

اکسیڈنٹ کا معاوضہ

سوال:- {1958} لاری یا بس حادثہ میں کوئی آدمی

---

(۱) " و علم من هذا أنه لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية و الكبش النطوع و الحمامة الطيارة و العصير و الخشب ممن يتخذ منه المعازف " (رد المحتار :۹/۴۷۷،كتاب الحظر و الإباحة ، فصل في البيع) محشی۔

مر جائے تو عدالت مہلوک کے ورثاء کو رقم دلاتی ہے، اس رقم کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ (ایک قاری)

جواب:- شریعت نے قتل کی صورت میں قاتل پر دیت واجب قرار دی ہے، احکام کے اعتبار سے قتل کی تین صورتیں ہیں: قتل عمد، شبہ عمد، اور قتل خطاء، قتل عمد یہ ہے کہ قتل ہی کے ارادہ سے ایسے ہتھیار کے ذریعہ کسی شخص کو ہلاک کر دیا جائے جو عام طور پر قتل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے تلوار، بندوق، شبہ عمد یہ ہے کہ مقصود تو مہلوک پر وار کرنا ہی ہو لیکن جو ہتھیار استعمال ہو وہ عام طور پر قتل کا باعث نہیں ہوتا، جیسے لاٹھی، گھونسہ وغیرہ، قتل خطاء یہ ہے کہ حملہ کا ارادہ ہی نہ ہو، لیکن کوئی شخص اس کے ہاتھوں ہلاک ہو جائے، کسی قدر فرق کے ساتھ دیت، قتل کی ان تینوں صورتوں میں واجب ہوتی ہے۔(۱)

ایک شخص موٹر چلا رہا ہو اور دوسرا شخص اس کی زد میں آ کر ہلاک ہو جائے اور کوتاہی گاڑی چلانے والی کی ہو، تو یہ صورت بھی قتل خطاء کے زمرہ میں آتی ہے اور اس میں بھی شرعاً دیت یعنی مہلوک کا مالی ہرجانہ واجب ہوتا ہے، شرعاً دیت سو اونٹ مقرر کی گئی ہے، جس کی اچھی خاصی قیمت ہوتی ہے، اس لیے اس رقم کا لینا اور اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

جھوٹی کامیابی پر حاصل ہونے والی ملازمت

سوال:- {1959} ایک شخص نے اپنی تعلیم کے دور میں اساتذہ اور ذمہ داران امتحان کو بہلا پھسلا کر یا رشوت دے کر کامیابی حاصل کی اور اس کی بنیاد پر اسے ملازمت مل گئی، تو کیا نوکری سے ملنے والی تنخواہ درست ہوگی؟

(ریشمہ خانم نظام آباد)

---

(۱) الهداية :۴/۵۵۹۔ محشی۔

جواب:- ذمہ داران امتحان سے غلط طریقہ پر سوالات حاصل کر لینا، یا زیادہ نمبرات حاصل کر لینا ناجائز اور سخت گناہ ہے اور جو ذمہ داران اس میں شریک ہوں وہ بھی گنہگار اور فسق کے مرتکب ہیں، (۱) اس کامیابی کی بنیاد پر جو ملازمت حاصل کی گئی ہے جھوٹ اور دھوکہ ہونے کی وجہ سے بھی شدید گناہ ہے، لیکن تنخواہ چونکہ ڈگری کی نہیں بلکہ کام کی دی جاتی ہے، اس لئے تنخواہ حلال ہوگی۔

رخصت علالت کے لیے فرضی سرٹیفکیٹ

سوال:- (1960) کیا کوئی سرکاری ملازم رخصتِ بیماری کی تنخواہ لے سکتا ہے، جب کہ وہ صحت مند ہو اور ڈاکٹر سے فرضی سرٹیفکیٹ حاصل کر کے پیش کردے، کیا یہ رقم حلال ہوگی؟ (ایک ملازم، سکندرآباد)

جواب:- رخصتِ علالت گورنمنٹ کی طرف سے ایک چھوٹ ہے، جس میں بیمار ملازمین کی رعایت مقصود ہے، یہ ملازم کا حق نہیں، کیوں کہ اصل یہی ہے کہ انسان جتنے دنوں کام کرے اتنے دنوں کی تنخواہ کا استحقاق ہو، لہذا فرضی سرٹیفکیٹ پیش کر کے رخصتِ علالت حاصل کرنا اور اس کی تنخواہ سے استفادہ کرنا بیک وقت تین گناہوں کو شامل ہے، جھوٹ، دھوکہ اور ناجائز طریقہ پر پیسے کا حاصل کرنا، جس کو قرآن نے " أکل بالباطل " سے تعبیر کیا ہے، اس لیے ملازمین کا یہ عمل درست نہیں، اور اتنے دنون کی تنخواہ اس کے لیے ناجائز ہے، خاص کر مسلمانوں کو تو قطعاً یہ زیب نہیں دیتا، کہ وہ کسب معاش کی حرص میں ایسی نازیبا اور اوچھی حرکتیں کریں، اس سے آخرت میں جو گناہ ہوگا وہ تو ہوگا ہی، دنیا میں بھی بے برکتی پیدا ہوتی ہے، اور انسان آفتوں اور بلاؤں سے دوچار ہوتا ہے، نیز ڈاکٹر کے لیے بھی ایسی جھوٹی سرٹیفکیٹ جاری

(۱) دیکھئے: معارف القرآن: ۳/۷۰۔ محشی۔

کرنا گناہ ہے کہ یہ جھوٹ ہونے کی وجہ سے اول تو خود گناہ ہے، دوسرے گناہ کے کام میں تعاون بھی ہے اور گناہ میں تعاون بھی گناہ ہے۔(۱)

جعلی سرٹیفکٹ پر ملازمت

سوال:- {1961} ایک شخص غیر مستحق ہونے کے باوجود Cast Backward سرٹیفکٹ حاصل کرتا ہے، اور اس کو ملازمت بھی مل جاتی ہے، کیا اس ملازمت کے ذریعہ حاصل شدہ مال کے ذریعہ حج کرسکتا ہے؟ وہ مال اس کے لیے حلال ہے یا حرام؟ (سید سرور عالم، میدک)

جواب:- غلط سرٹیفکٹ بنانا گناہ ہے، کیوں کہ یہ جھوٹ بھی ہے اور دھوکہ بھی، لیکن چوں کہ یہ اجرت عمل اور محنت کا معاوضہ ہے اور عمل پر اجرت حاصل کرنا جائز و حلال طریقہ ہے، اس لیے اس کی آمدنی حلال ہی متصور ہوگی، نہ کہ حرام، اس لیے اس رقم سے حج کرنا درست ہے، البتہ اسے اپنے اس جھوٹ پر توجہ کرنی چاہئے۔(۲)

ناجائز ملازمتیں

سوال:- {1962} فوٹوگرافی، ویڈیوگرافی، محکمۂ آبکاری، بینک یا چٹ فنڈ کی کمپنیوں کو چلانا یا ان میں ملازمت کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ (ایم، ایس خاں، اکبر باغ)

جواب:- جیسے خود گناہ کرنا حرام ہے، اسی طرح گناہ کے کاموں میں تعاون بھی جائز نہیں، اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا ہے اور برائی کے کاموں میں تعاون سے

---

(۱) ﴿ لا تعاونوا علی الإثم و العدوان ﴾ (المائدۃ :۳) محشی۔

(۲) دیکھئے: البحر الرائق :۸/۱۹۔ محشی۔

منع فرمایا:

﴿ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ﴾(۱)

اس لیے ایسے محکموں اور کمپنیوں میں ملازمت جائز نہیں، جو گناہ کے کام کرتی ہوں۔

آپ نے جو صورتیں لکھی ہیں، وہ سب گناہ پر مبنی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ گناہ مصوروں پر ہوگا۔(۲) فوٹو گرافی اور ویڈیو گرافی ظاہر ہے کہ مصوری میں داخل ہے، شراب کی تجارت اور کاروبار میں کسی بھی طرح کی شرکت کو حضور ﷺ نے باعث لعنت قرار دیا ہے۔(۳) محکمہ آبکاری میں ملازمت بالواسطہ شراب کے کاروبار میں ملوث ہونا ہے، بینک بنیادی طور پر سودی کاروبار کرتا ہے، اور حضور ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، سودی کاروبار کو لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والے، سب پر لعنت فرمائی ہے، اور کہا ہے کہ یہ سب بناہ میں برابر ہیں۔(۴) اس لیے بینک میں سوائے درجۂ چہارم کی ملازمت کے اور کوئی ملازمت جائز نہیں، چٹ فنڈ میں اگر نقصان برداشت کر کے لوگ چٹھی اٹھایا کرتے ہوں تو یہ صورت بھی سود میں داخل ہے، اور اس وجہ سے حرام ہے، ہاں اگر چٹھی کی یہ صورت ہو کہ قرعہ اندازی کی بناء پر کسی کو پہلے اور کسی کو بعد میں پوری اور برابر رقم ملتی ہو، تو یہ جائز ہے، اور اس میں کوئی قباحت نہیں، ایسی کمپنی میں ملازمت بھی درست ہے۔

شوہر اور محرم کے بغیر خواتین کا بیرون ملک ملازمت کرنا

سوال:-{1963} بے شمار، لا تعداد اور بے حساب

---

(۱) المائدة:۳۔محشی۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۱۰۹۔

(۳) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر۳۶۷۴، باب العصر للخمر۔محشی۔

(۴) صحیح مسلم:۲/۲۷۔

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ نوجوان لڑکیاں ، طالبات اور خواتین بغیر محرم کے بیرون شہر اور بیرون ملک جا کر نوکری وغیرہ کر رہی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

(قاری، ایم ایس خاں، ہمدرد، اکبر باغ)

جواب:- محرم اور شوہر کے بغیر عورت کا اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ کا سفر کرنا جائز نہیں، اور جب سفر ہی جائز نہیں، تو اتنی دور قیام کرنا بدرجۂ اولی جائز نہیں ہوگا۔

''حضرت ابو سعید خدری ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے باپ یا بھائی یا شوہر یا بیٹا یا کسی محرم کے بغیر تین دنوں یا اس سے زیادہ کا سفر جائز نہیں''(۱)

حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی ایک روایت میں تو ایک دن ایک رات بغیر محرم کے سفر کرنے سے بھی ممنوع فرمایا گیا ہے۔(۲) تین دن ورات سے مراد اتنی طویل مسافت کا سفر ہے، جس کو حضور ﷺ کے زمانہ میں تین شب وروز میں طے کیا جاتا تھا، اور وہ اڑتالیس میل کی مسافت ہے، یہاں تک کہ حج جیسی اہم عبادت کے لیے بھی محرم کے بغیر سفر کرنے سے منع فرمایا گیا۔

اس لیے اس طرح خواتین کا ملازمت کے لیے دور دراز علاقہ میں قیام جائز نہیں، اسلام نے جو نظام معاشرت انسانیت کو دیا ہے، اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مرد گھر سے باہر نکلے اور کسب معاش کرے، اور عورتیں اندرون خانہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اس میں نہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہے، بلکہ خاندانی نظام کا بقاء اور مرد وعورت دونوں کا مفاد ہے، شوہر اور

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۲۶۳، باب سفر المرأۃ مع محرم إلی حج و غیرہ - محشی۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۱۹، کتاب الحج۔

محرم کے بغیر تنہا رہنے میں عورت کی عصمت وعفت کو خطرہ ہے، نیز اس کو جس نفسیاتی دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا وہ بھی محتاج اظہار نہیں ۔

مسلم خاتون کا پیشہ طبابت کرنا

سوال:- {1964} ایک مسلم شادی شدہ خاتون ماشاء اللہ ایم بی بی ایس (M.B.B.S) ہیں، توفیر آمدنی کے علاوہ اچھا وقت گزارنے اور ساتھ مسلم خواتین کو علاج کی سہولت پہونچانے کے لیے خانگی دواخانہ قائم کرنا چاہتی ہیں، لیکن لیڈی ڈاکٹر کے شوہر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام میں اس طرح کی اجازت نہیں ہے، اگر کوئی فتوی ملے تو میں اجازت دیدوں گا، براہ کرم سطور بالا کی روشنی میں سائل کی مدد کیجئے ۔

(تنویر الطاف، مشیر آباد)

جواب:- مسلمان خاتون ڈاکٹر عورتوں کے علاج کی غرض سے دواخانہ قائم کرے تو درست بلکہ مناسب ہے، شریعت میں یہ بات مطلوب ہے کہ خواتین کا علاج خود خواتین کریں تاکہ مریض خواتین کو مردوں کے سامنے بے پردہ نہ ہونا پڑے اور ایسا اسی وقت ممکن ہے جب کہ خواتین طبیبہ موجود ہوں ۔ واللہ اعلم

بلیرڈ پر کرایہ

سوال:- {1965} میں حصول روزی کے لیے ایک جگہ بلیرڈ کھیلنے کے لیے کرایہ پر لوگوں کو جمع کرتا ہوں، وہ مجھے کچھ معاوضہ دے کر کھیلتے ہیں اور آپس میں بعض شرطیں بھی لگاتے ہیں، کیا اس طرح روزی حاصل کرنا شرعاً جائز ہے؟

(وسیم احمد، مغلپورہ)

جواب:- کھیل خواہ کوئی بھی ہو، اگر اسے دو آدمی جیت ہار کی شرط کے ساتھ کھیلیں تو یہ قمار اور جوا ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے نہایت ہی شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔(۱) اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے،(۲) اگر کوئی شرط نہ لگائی جائے اور سادہ طریقہ پر کھیلا جائے تب بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ ایسا کھیل ہے کہ جسے لوگ گھنٹوں کھیلتے رہتے ہیں، گویا یہ شطرنج کی طرح ہے، شطرنج جوئے کے بغیر بھی مکروہ ہے۔(۳) کیوں کہ اس میں بکثرت وقت ضائع ہوتا ہے، فائدہ اس سے کچھ نہیں اور انسان اپنی اصلی ذمہ داریوں سے غافل ہوتا جاتا ہے، اس کھیل میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی ہے، پھر جو لوگ بغیر شرط کے کھیلتے ہوں گویا وہ بھی اس ماحول میں آہستہ آہستہ شرطیں باندھنے اور جوئے لگانے کی راہ اختیار کرتے ہوں گے، اس طرح یہ کھیل انسان کو معصیت کی طرف لے جاتا ہے اور جو چیز انسان کو معصیت اور گناہ کے راستہ پر لے جائے وہ خود بھی معصیت ہے، لہذا جوئے کے بغیر بھی یہ کھیل کراہت سے خالی نہیں۔

جیسے گناہ کے ارتکاب کی ممانعت ہے، اسی طرح گناہ میں تعاون کرنا بھی کچھ کم درجہ کا گناہ نہیں اور گناہ کی طرف دعوت اور اس کی ترغیب تو سخت ترین معصیت ہے، کیوں کہ قرآن نے "نهي عن المنكر" یعنی برائی سے روکنے کو فرض قرار دیا ہے اور یہ "أمر بالمنكر" یعنی برائی کی دعوت دینا ہے، اس لیے اس کھیل کی غرض سے آپ کا لوگوں کو جمع کرنا اور ان سے کرایہ لے کر اس کھیل کے مواقع فراہم کرنا درست نہیں، آپ اس سے اجتناب کریں اور اللہ پر بھروسہ کر کے کوئی حلال ذریعہ معاش تلاش کریں، انشاءاللہ، اللہ کی مدد ہوگی۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح :ص:۳۸۶۔ محشی۔

(۲) کتاب الکبائر :ص:۳۰۷، للحافظ شمس الدين عبد الله الذهبي ۔ محشی۔

(۳) الدر المختار على هامش رد المحتار :۹/۴۸۱، كتاب الحظر و الإباحة ، فصل في البيع۔

کم کرایہ پر لے کر زیادہ کرایہ پر دینا

سوال:- {1966} میں نے مسجد کی ایک ملگی ایک لاکھ روپے اڈوانس دے کر ماہانہ ایک ہزار روپے کرایہ پر حاصل کیا ہے، ان میں کسی اور شخص کواڈوانس لیے بغیر تین ہزار ماہانہ کرایہ پر دے سکتا ہوں؟ اور کیا یہ منافع میرے لیے حلال ہوگا؟

(بہ توسط، س، ع، ف)

جواب:- یہ بات جائز ہے کہ کرایہ دار کرایہ پر حاصل کی ہوئی چیز کسی اور کو کرایہ پر دے دے، خواہ یہ دوسرا کرایہ دار پہلے کرایہ دار سے زیادہ ادا کرے یا کم ادا کرے، اس لیے جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ جائز ہے، البتہ اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ آپ خود اتنا کم کرایہ نہ دیں جس سے مسجد کو نقصان پہنچے، اگر اس علاقہ میں اتنے اڈوانس کے ساتھ اس جیسی عمارت کا دہی کرایہ ہوتا ہے، تو پھر آپ کے اس عمل میں کوئی قباحت نہیں۔

اگر کرایہ دار غیر شرعی افعال کرے؟

سوال:- {1967} اگر مالک مکان کو معلوم ہو جائے کہ اس مکان میں کرایہ دار غیر شرعی حرکت کرتے ہیں، یہاں تک کہ قمار بازی اور دوسری بری حرکات بھی کی جاتی ہیں، تو کیا مکان دار کے لیے اس کے کرایہ کو استعمال کرنا درست ہوگا؟

(مقصود حسین خاں، پھولانگ)

جواب:- اگر کرایہ پر لگاتے وقت یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس مکان کو برے کاموں کے لیے بھی استعمال کیا جائے گا، لیکن بعد میں کرایہ دار اس طرح کی حرکت کرتا ہے تو صاحب مکان پر اس کا گناہ نہیں اور کرایہ اس کے لیے حلال ہے، البتہ اسے کوشش کرنی چاہئے کہ جلد

سے جلد ایسے مکان دار سے مکان خالی کرالے، تاکہ وہ کسی بھی درجہ میں گناہ میں مددگار نہ سمجھا جائے۔(۱)

تعطیلات کی تنخواہ

سوال:- {1968} ایک سرکاری ملازم کے لیے سرکاری تعطیلات کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ ضرور وضاحت فرمائیں، کیوں کہ اس ضمن میں غیر سرکاری ملازم لوگ مختلف خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ (عبدالحفیظ، محمد یونس، کورٹلہ)

جواب:- سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ میں تعطیلات کے لیے جو قانون مقرر ہے، وہ اس ادارہ اور ادارہ کے ملازم کے درمیان معاہدہ کی شرائط کا درجہ رکھتا ہے، مثلاً: ایک شخص کی تنخواہ ایک ہزار ہے اور مہینہ میں پانچ تعطیلات ہیں، تو گویا یہ ان ہی پچیس ایام کار کی تنخواہ ہے اور اسی کا دونوں کے درمیان معاہدہ ہے، نیز تعطیل کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ ملازم کو آرام اور اپنی دوسری ضروریات کو پورا کرنے کا موقع بہم پہنچے، تاکہ اگلے دنوں تازہ دم ہوکر اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ ادارہ کا کام کرسکے، پس تعطیل میں جیسے ملازم کا مفاد ہے، ایسے ہی ادارہ کا بھی مفاد ہے، اس لیے سرکاری ملازمین کے لیے سرکاری تعطیلات سے اور خانگی ملازمین کے لیے اس کمپنی کی مقررہ تعطیلات سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور ان ایام کی تنخواہ حلال ہے، فقہاء نے بھی ائمہ مساجد اور مدرسین کی ایام تعطیل کی تنخواہوں پر گفتگو کی ہے اور اس کا ماحصل یہی ہے کہ عرف میں جتنے ایام تعطیل کے ہوتے ہیں ان ایام کی تنخواہیں دینا اور لینا دونوں ہی جائز ہے۔(۲)

---

(۱) کیوں کہ معصیت میں تعاون سے منع کیا گیا ہے: ﴿لا تعاونوا علی الاثم و العدوان﴾ (المائدۃ:۳) محشی۔

(۲) رد المحتار :۳/۳۸۔

اوقات ملازمت میں دوسرے کام

سوال:- {1969} نعیم ملازم سرکار ہے اور اس کے دفتری اوقات دس تا چھ بجے ہیں، آفس میں دفتری کام نہ ہونے کی وجہ سے وہ دفتری اوقات کا استعمال مسجد میں دینی و اصلاحی کاموں اور نفل عبادات میں صرف کرتا ہے، حکومت سے ماہانہ تنخواہ پوری پوری وصول کرتا ہے، نعیم کا ماہانہ سرکاری تنخواہ پوری پوری حاصل کرنا حلال ہے یا حرام؟

(مجاہد محی الدین، پربھنی)

جواب:- ملازمت دراصل ایک قسم کا معاہدہ ہے، جو ملازم اور اس کے ذمہ دار شخص کے درمیان طے پاتا ہے کہ ملازم فلاں وقت تک یہ کام کرے گا اور اس کے عوض اس کو اتنی رقم دی جائے گی، اس معاہدہ کی وجہ سے ملازم پر ضروری ہے کہ وہ پورا متعینہ وقت آفس کو دے، قرآن مجید میں بڑی تاکید کے ساتھ کہا گیا ہے کہ: ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ (۱) اس لیے نعیم پر واجب ہے کہ وہ دفتری اوقات میں آفس ہی میں رہے، خواہ اس کے ذمہ کوئی کام ہو یا نہ ہو، البتہ فرض نمازوں کے لیے جاسکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بندوں کی اطاعت پر مقدم ہے۔

اجارہ کی ایک صورت

سوال:- {1970} میں نے چھوٹے بھائی کی پرورش کی، اس کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا، پھر چھوٹا بھائی ہونے کے لحاظ سے اپنی دوکان میں لگادیا، اس کے بعد ان کی

(۱) المائدۃ :۱۔

شادی وغیرہ کردی، جس میں تیرہ ہزار روپے خرچ ہوا شادی کے بعد میں نے ان کے لیے ایک الگ دوکان لے لی، جس میں اپنی دوکان سے پانچ ہزار روپے کا سرمایہ لگا دیا، اس معاہدہ کے ساتھ کہ وہ بعد کو رفتہ رفتہ ادا کردیں گے، میرا ان سے کوئی رقم ان کو دینے یا میری دوکان میں کام کرنے کے زمانہ میں اجرت ادا کرنے کا کوئی معاہدہ نہیں تھا، میں نے اسی دوران ایک باغ بھی خریدا، اب وہ نہ صرف یہ کہ ہمارا سرمایہ جو بطور قرض تھا واپس کرنے کو تیار نہیں، بلکہ باغ میں بھی حصہ کے طالب ہیں، حالاں کہ یہ کوئی موروثی املاک نہیں ہے، خالص اپنی کمائی سے حاصل کردہ ہے، سوال یہ ہے کہ باغ میں اس کا شرعی حصہ ہے یا نہیں؟ (محمد یوسف، بارکس، حیدرآباد)

جواب:- صورت مسئولہ میں آپ کے باغ پر آپ کے بھائی کا کوئی حق نہیں ہے اور شرعاً معاہدہ کے مطابق اس سرمایہ کی ادائیگی ان پر واجب ہے، جو آپ نے اپنی دوکان سے تجارت کی غرض سے بطور قرض دیا تھا، اور جہاں تک آپ کی دوکان میں ان کے کام کرنے کی بات ہے، تو اس کی کوئی اجرت نہیں ہے، اس لیے کہ شرعاً اجرت اس وقت واجب ہوتی ہے، جب کہ پہلے سے اس کے معاوضہ کے سلسلہ میں کوئی معاہدہ ہو چکا ہو، (۱) اور یہاں آپ کے اور ان کے درمیان ایسا کوئی پیشگی معاہدہ نہ تھا، یہ ان کی طرف سے ایک رعایت اور مدد تھی اور شادی بیاہ میں خرچ ہونے والی رقم کے ذریعہ آپ نے اس کا مکافات کردیا ہے۔

(۱) "الأجرة لا تجب بالعقود و تستحق بإحدى معاني ثلاثة إما بشرط التعميل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه" (الهداية :۲۹۴/۳) محشی۔

مردار کی کھال پر نمک لگانے کی اجرت

سوال:- {1971} مردار کی کھال پر نمک لگانے کی اجرت لینا کیسا ہے؟ (سمیع الدین، مشیر آباد)

جواب:- مردار کی کھال پر نمک لگانا اور سڑنے سے محفوظ رکھنے کا ایک آزمودہ اور قدیم طریقہ ہے، جسے فقہ کی اصطلاح میں ''دباغت'' کہتے ہیں، (۱) رسول اللہ ﷺ نے چمڑے کے لیے دباغت کو پاکی کا ذریعہ قرار دیا ہے، (۲) اور آپ ﷺ نے مردار کے چمڑے سے دباغت دے کر فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ (۳) لہذا یہ ایک جائز عمل ہے، جس میں انسان کی محنت اور فنی مہارت کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے اس کا عوض لینا جائز ہے۔

پیاماتِ شادی کے ادارے اور ان کی اجرت

سوال:- {1972} آج کل نکاح کے سلسلہ میں ایسے ادارے قائم کیے جاتے ہیں جن میں طرفین سے ایک خطیر رقم حاصل کی جاتی ہے اور باضابطہ اس کے لیے آفس بنائی جاتی ہے، کیا یہ کاروبار درست ہے؟

(محمد، ز، ی، قبا کالونی، حیدرآباد)

جواب:- رشتے تلاش کرنا ایک عمل ہے، اس میں دوڑ دھوپ بھی کرنی پڑتی ہے، اخبارات میں اشتہار دئے جاتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے مستقل دفتر قائم کیا جاتا ہے، اس

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۱/۲۵۵۔ محشی۔

(۲) " قال رسول الله ﷺ : أيما إهاب دبغ فقد طهر " عن ابن عباس ﷺ، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۲۲۸، باب ماجاء في جلود الميتة إذا دبغت) محشی۔

(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۲۲۷۔ محشی۔

سے لوگوں کی مصلحت متعلق ہے، بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعہ مناسب رشتے مل جاتے ہیں اور یہ دفتر لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے رشتہ کے تلاش اور ان دونوں کے درمیان ارتباط کا کام کرتا ہے، یہ سارے کام جائز ہیں، اس لیے ان کی مناسب اجرت لینا درست ہے۔

اجرت لے کر مسجد میں تعلیم

سوال:- {1973} (الف) کیا مسجد میں بچوں کو تعلیم دی جاسکتی ہے؟ بعض حضرات کسی ضرورت کی وجہ سے نماز پڑھنے دیر میں آتے ہیں اور تعلیم کی وجہ سے ان کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

(ب) بعض حضرات کا خیال ہے کہ مسجد میں فیس لے کر اور اساتذۂ کرام کو تنخواہ دے کر تعلیم نہیں دی جاسکتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟　　　(محمد مقصود، عادل آباد)

جواب:- اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جہاں دو نا مناسب باتوں میں سے کوئی ایک بہر حال پیش آکر رہے، وہاں کم تر بات کو مجبوراً قبول کرلیا جائے گا۔(۱) آپ کا سوال کچھ اسی نوعیت کا ہے، نماز میں خلل یا مسجد میں کوئی بھی کام کر کے اس پر اجرت وصول کرنا نامناسب بات ہے، مگر اس سے زیادہ نامناسب اور نقصان دہ بات یہ ہوگی کہ بچوں کو مبادیات دین کی تعلیم سے بالکل نابلد رکھا جائے، اور وہ بھی اس عہد بد دینی میں، اس اصول کی بناء پر فقہاء نے امامت اور دینی تعلیم پر اجرت لینے کی اجازت دی ہے،(۲) لہذا:

(الف) تعلیم دی جاسکتی ہے، بعد میں آنے والے صاحب کو خود احتیاط کرنی چاہئے کہ کسی گوشہ میں پڑھ لیں، یا بچوں کی تعلیم کے اوقات میں کہیں اور نماز ادا کرلیں کہ جب جماعت

(۱) الأشباه و النظائر لابن نجيم :ص:۲۸۶،القاعدة الخامسة ، الضرر يزال۔محشی۔
(۲) الفتاوی الهندية :۴/۴۴۸۔محشی۔

نہیں ملی تو کہیں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے اور اگر مسجد دو منزلہ ہو تو مناسب ہوگا کہ خود بچوں کی تعلیم کا نظم کسی ایک منزل میں کیا جائے کہ دوسری منزل پر بعد میں آنے والے کسی خلل کے بغیر نماز ادا کر سکیں۔

(ب) اگر مسجد کے بجائے اور نظم مشکل ہو، جیسا کہ آج کل شہروں میں مکانات کی کی و تنگی اور مدارس کی معاشی دشواریوں کی باعث ہے تو مسجد میں بھی اجرت لے کر تعلیم دی جاسکتی ہے۔(۱)

غیر مسلم تہواروں میں اجرت پر اشیاء کا دینا

سوال:- {1974} مسلم سپلائینگ کمپنی کے مالکین سپلائنگ کمپنی کا سامان گنیش منڈپوں کے لیے کرایہ پر دیتے ہیں، نیز گنیش وسرجن کے موقع پر مسلم لاری مالکان اپنی لاریوں کو بھی کرایہ پر دیتے ہیں، ڈرائیور و کنڈکٹر بھی زیادہ تر مسلم ہی رہتے ہیں، ساؤنڈ کمپنی والے بھی لاؤڈ اسپیکر، رنگین بلبس ودیگر الیکٹریکل والیکٹرانک اشیاء کرایہ پر دیتے ہیں، دیگر ہندو تہواروں میں بھی متذکرہ مالکان اپنا اپنا سامان کرایہ پر دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (ایم، ایس خاں، اکبر باغ)

جواب:- اسلام نے ہمیں دوسرے مذاہب کے بارے میں رواداری اور احترام کی تعلیم دی ہے کہ ہم دوسروں کے مذہبی جذبات کا پاس ولحاظ رکھیں اور ان کی مذہبی شخصیتوں کے بارے میں بے احترامی کا رویہ اختیار نہ کریں، لیکن اسلام موم کی ناک نہیں کہ اس کو بالکل اس کی

---

(۱) " أما المعلم الذی یعلم الصبیان بأجر إذا جلس في المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر و غیرہ لا یکرہ " (خلاصة الفتاوی:۱/۲۲۹، الفتاوی الهندیة:۱/۱۵۷، از جدید فقہی مسائل۔

مخالف فکر وعقیدہ کے ساتھ جوڑ دیا جائے، اسلام کی بنیادی تعلیم خدا کی وحدت ہے، اس کی نگاہ میں سب سے زیادہ خلاف واقعہ بات یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا جائے، جب کہ ہمارے ہندو بھائیوں کی دیوی ودیوتاؤں کی لامحدود تعداد ہے، اور گنیش جی اور ان کے علاوہ تمام تہوار کسی نہ کسی مشرکانہ فکر پر مبنی ہیں، لہٰذا اگر آپ اس میں تعاون کریں تو یہ مطلب ہوگا کہ آپ خدا کے ایک ہونے پر بھی یقین رکھتے ہیں، اور خدا کے ساتھ شریک کرنے کو بھی قابلِ قبول تصور کرتے ہیں، ایسے متضاد عمل کو کوئی بھی صاحب عقل درست نہیں کہہ سکتا، اس لیے گنیش و سرجن کے لیے لاریاں اور دوسری اشیاء کرایہ پر دینا درست نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں گناہ پر تعاون سے منع فرمایا ہے۔(۱) اس لیے فقہاء نے گانے بجانے وغیرہ کے لیے اجارہ کو نادرست قرار دیا ہے۔''لا تصح الإجارة لأجل المعاصي مثل الغناء..''(۲) کوئی مسلمان شراب کے لیے اپنا گھر کرایہ پر دے، یا اپنی سواری شراب کی بار برداری کے لیے دے تو امام ابو حنیفہؒ کے دونوں لائق تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اسی اصول کی بناء پر اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔(۳)

بینک کی ملازمت اور دوسری سرکاری ملازمتوں میں فرق

سوال:- {1975} بینک کی نوکری کے سلسلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ جائز نہیں، کیوں کہ اس میں سودی معاملہ ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں صرف بینک کی نوکری ہی تخصیص کیوں؟ اس میں وہ تمام نوکریاں شامل ہوں جو حکومت کی جانب سے ملتی ہیں، کیوں کہ حکومت خود

---

(۱) ﴿ و لا تعاونوا على الإثم و العدوان ﴾ (المائدة :۳) مرتب۔
(۲) الدر المختار : على هامش رد المحتار :۹/۷۵۔
(۳) الفتاوى الهندية:۴/۴۴۹۔

ورلڈ بینک سے قرض حاصل کرتی ہے، اور گورنمنٹ کے ہر
ملازم کو گویا سود سے اس کی ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے۔

(مصدق انور، بیدر)

جواب:- اول تو گورنمنٹ کی پوری آمدنی ورلڈ بینک کے قرض سے ہی نہیں ہوتی، بلکہ آمدنی کا غالب حصہ اندرونِ ملک کے وسائل سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس میں قدرتی صنعتیں، عوام سے لیا جانے والا ٹیکس، ریلوے اور پوسٹ وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی اور بہت سے دوسرے ذرائع ہیں، دوسرے حکومت ورلڈ بینک سے سود لیتی نہیں ہے، بلکہ سود دیتی ہے، اور سودی قرض حاصل کرتی ہے، بخلاف بینک کے کہ وہ لوگوں سے سود حاصل کرتا ہے، سود لینے کی صورت میں فعل بھی گناہ ہے اور حاصل ہونے والا پیسہ بھی حرام اور سودی قرض لینے کی صورت میں فعل تو گناہ کا ہوتا ہے، لیکن یہ رقم حلال ہوتی ہے، بینک کی ملازمت اس لیے ناجائز ہے کہ اکثر اوقات یہ سودی لین دین میں تعاون ہوتا ہے، اور سودی معاملات میں تعاون بھی جائز نہیں، (۱) جب کہ گورنمنٹ کی دوسری ملازمتوں میں ملازمت کرنے والوں کا سود لینے اور دینے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اس لیے بینک کی ایسی ملازمت جس میں سودی کاروبار کے لکھنے یا لینے اور دینے میں تعاون ہوتا ہو جائز نہیں ہے اور دوسری سرکاری ملازمتیں جن میں براہِ راست کسی حرام کا ارتکاب نہ ہوتا ہو جائز ہیں۔

فینانس کمپنی کے لیے جگہ کرایہ پر دینا

سوال:- {1976} اکثر لوگ فینانس پر گاڑی خریدنا
چاہتے ہیں، نقد معاملہ کم ہی لوگ کرتے ہیں، تو ایسے فینانس
فراہم کرنے والے بینک، ساہوکار، یا کمپنی کے لیے جگہ فراہم

(۱) ﴿ و لا تعاونوا علی الإثم و العدوان ﴾ (المائدۃ :۲) محشی۔

کی جاتی ہے، گویا یہاں ان کا ذیلی دفتر قائم ہو جاتا ہے، یہ دفتر والے گاہک کو سود پر قرض دیتے ہیں، وہ رقم شوروم کے مالک کو نقد دی جاتی ہے، اس پورے عمل میں سودی کام کرنے والوں کی مدد ہوتی ہے، کیا یہ کاروبار جائز ہوگا؟

(محمد نصیر الدین، اکبر باغ)

جواب:- سود کا جس طرح خود لینا یا شدید ضرورت کے بغیر دینا حرام ہے، اسی طرح سودی معاملات میں تعاون کرنا بھی جائز نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، جو سودی کاروبار کو لکھنے، اور اس پر گواہ بننے یا اس میں واسطہ بننے کے اعتبار سے معاون ہوں۔(۱) ایسے سودی قرض فراہم کرنے والے اداروں کو اپنے شوروم میں جگہ فراہم کرنا ایک سودی معاملہ میں تعاون کرنا ہے، اس لیے یہ صورت جائز نہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۲۰۶، باب ما جاء في أكل الربا۔ محشی۔

کتاب الفتاویٰ

قضا

حظر و اباحۃ

قسم

میراث

چھٹا حصہ

وصیت

ہبہ

لقطہ

اصلاحِ معاشرہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب الفتاویٰ

چھٹا حصہ

قسم، قضا
لقطہ، حظر و اباحت
اصلاحِ معاشرہ
ہبہ، وصیت
میراث

''زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب اور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں، حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں''

تالیف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب کا نام ——— کتاب الفتاویٰ چھٹا حصہ

تاریخ اشاعت ——— اپریل ۲۰۰۸ء

تالیف ——— مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب ——— مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

سرورق ——— احباب زمزم پبلشرز

مطبع ——— احباب زمزم پبلشرز

ناشر ——— زمزم پبلشرز کراچی
شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم بنوری ٹاؤن کراچی۔ فون 2018342
- قدیمی کتب خانہ، بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

Books Also Available in :

* United Kingdom

AL-FAROOQ INTERNATIONAL
68, Asfordby Street Leicester
LE5-3QG

* United States of America

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton BI1 3NE

* South Africa

Madrasah Arabia Islamia
P.O. Box 9786
Azaadville 1750 South Africa
E-mail: darululum@webmail.co.za

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ إِلَّا رِجَالٗا نُّوحِيٓ إِلَيۡهِمۡۖ
فَسۡـَٔلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلذِّكۡرِ إِن كُنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ ﴿٤٣﴾ (النحل)

''(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں، آدمی بھیجے ہیں، جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے، پس اے لوگو! اہل ذکر (علم) سے پوچھ لو، اگر تم لوگ خود نہیں جانتے''۔

فہرست مضامین

کتاب الأیمان

قسم سے متعلق سوالات

كتاب اللقطة

گری ہوئی چیزوں کے احکام

کتاب الحظر والإباحة

جائز وناجائز چیزوں سے متعلق سوالات

زیبائش وآرائش

كتاب الهبة والوصية

ہبہ اور وصیت سے متعلق سوالات

ہبہ

کتاب الفتاوی

چھٹا حصہ

کتاب الأیمان

قسم سے متعلق سوالات

قسم کھانے سے متعلق احکام

اگر فلاں کام کیا تو میں کافر ہوں

سوال:- {1977} ایک صاحب نے غصہ کی حالت میں کہا کہ اگر میں کسی معاملہ میں دخل دوں، تو سمجھنا کہ کافر کی اولاد ہوں، اور گھر میں کھانا کھاؤں تو سمجھو کہ بد جانور (خنزیر) کا گوشت کھایا، اس صورت میں کیا حکم ہے، اور کیا اس کا کچھ کفارہ ہے؟ (سردار علی چھاؤنی، نادر علی بیگ)

جواب:- ایسی باتیں زبان پر لانا نہایت ہی نامناسب اور ناشائستہ بات ہے، اگر کسی چیز پر تاکید ہی مقصود ہو تو قسم کھالینا کافی ہے، اور قسم اللہ کی کھانی چاہئے، اور یہ بھی شدید ضرورت کے وقت، اس لیے ان صاحب کو ایسی ناشائستہ اور ناروا بات کے لیے استغفار کرنا چاہئے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح کی بات کہے تو یہ قسم کھانے ہی کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر اپنی بات کو پوری نہ کرسکے تو کفارہ ادا کردے جو قسم پوری نہ کرنے کی بناء پر ادا کیے جانے کا حکم ہے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"و لو قال : إن فعل كذا فهو يهودي أو نصراني أو مجوسي أو بريئ من الإسلام أو كافر أو يعبد من دون اللّٰه أو يعبد الصليب أو نحو ذلك ، يكون اعتقاده كفر ، فهو يمين استحسانا كذا في البدائع ، حتى لو فعل ذلك الفعل يلزمه الكفارة " (۱)

''اگر کسی شخص نے کہا: اگر وہ ایسا کرے تو یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہے، یا اسلام سے بری یا کافر ہے، یا غیر اللہ کا پرستار، یا صلیب وغیرہ کا پرستار ہے، یعنی ایسی بات جس کا عقیدہ رکھنا باعث کفر ہے، تو از راہ استحسان اس کو یمین ہی سمجھا جائے گا، یہاں تک کہ اگر وہ اس فعل کا ارتکاب کرلے تو کفارہ لازم ہوگا''

گھر میں کھانا کھاؤں تو سمجھو کہ خنزیر کا گوشت کھایا کا بھی یہی حکم ہوگا؛ کیوں کہ اس طرح اس نے اپنے اوپر ایک حلال کو حرام کرنے کی بات کہی ہے، اور قسم کی حقیقت یہی ہے کہ ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلیا جائے۔

قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا ان کو کپڑے پہنانا ہے، اگر اس پر قادر نہ ہو تو تین روزہ رکھنا ہے، اور خود قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے۔ (۲)

اگر شادی نہ کرنے کی قسم کھائے؟

سوال:- {1978} اگر کوئی لڑکی شادی نہ کرنے پر

(۱) الفتاوی الهندية: ۵۴/۲۔
(۲) المائدة: ۸۹۔ محشی۔

قرآن کی قسم کھالے اور ماں باپ کی خوشی کے لیے اسے شادی کرنی پڑے تو کیا کرنا چاہئے؟ (تسلیم، سری نگر پلی)

جواب:- شادی نہ کرنے کی قسم کھالینا درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے تجرد کی زندگی کو ناپسند فرمایا ہے۔(۱) اس سلسلہ میں ماں باپ کی خواہش کو قبول کر لینا عین منشاء شریعت کے موافق ہے، لیکن چوں کہ قرآن کی قسم سے بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے، اس لیے اس صورت میں نکاح کے بعد قسم کا کفارہ ادا کر دینا چاہئے، قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کے کپڑے بنانا ہے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھنا ہے۔

نابالغ کی قسم

سوال:- {1979} میرا ایک چودہ سالہ بیٹا ہے اس نے گھر کے بزرگوں کے سامنے ایک معاملہ میں قسم کھالیا کہ فلاں کام نہیں کروں گا، ہم لوگ قسم کھالینے کی وجہ سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ قسم ٹوٹ نہ جائے، مگر اس کی وجہ سے خود اس لڑکے کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس مسئلہ کا صحیح حل کیا ہے؟ کیا قسم توڑی جاسکتی ہے؟ اور اگر توڑی جائے تو کیا صدقہ کرنا ہوگا؟

(صادق شریف، شادنگر)

جواب:- قسم کے معتبر ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ قسم کھانے والا بالغ ہو، نابالغ بچوں کی قسم کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا ہے، چنانچہ اگر وہ قسم کھالیں اور پھر قسم توڑ دیں تو ان پر قسم کا کفارہ بھی لازم نہیں۔

"و منها أن يكون عاقلا بالغا فلا يصح يمين

---

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۱۸۴۹، باب النهي عن التبتل۔ محشی۔

المجنون و الصبي وإن كان عاقلا "(۱)

اس لیے اگر بلوغ کی علامت پیدا نہ ہوئی ہوں، تو آپ کا لڑکا قسم توڑ سکتا ہے، اور اس پر کفارہ نہیں۔

کیا یہ قسم ہے؟

سوال:- {1980} ایک شخص نے قسم کھائی کہ " تمہارے گھر میں کھانا کھایا تو حرام" اور وہ شخص اپنی غلطی پر نادم ہے، تو اب اس کا کفارہ کیا ہے؟ (محمد عاشق صدیقی، یوپی)

جواب:- آج کل چوں کہ قسم کھانے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی جاتی ہے، اس لئے ایسا کہنے سے قسم منعقد ہو جائے گی اور سمجھا جائے گا کہ اس نے اس گھر میں نہ کھانے کی قسم کھائی ہے:

" لوقال كل طعام أكله في منزلك فهو عليّ حرام ففي القياس لا يحنث إذا أكله هكذا روى ابن سماعة عن أبي يوسف و في الاستحسان يحنث " (۲)

اس طرح کی قسم کھانا اور اس پر قائم رہنا مناسب نہیں ہے، اس لئے بہتر ہے کہ قسم توڑ لیں اور اس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کریں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو قسم کھائے اور اس کے خلاف عمل کو بہتر سمجھے، تو چاہئے کہ اس کام کو کرلے اور قسم کا کفارہ ادا کرے" (۳)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۳/۲۰۔

(۲) رد المحتار: ۵/۵۰۸۔

(۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۵۰۔

قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلا دے، یا ان کے کپڑے بنا دے اور ان دونوں باتوں پر قادر نہ ہو تو تین روزے رکھ لے۔(۱)

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی قسم

سوال:- {1981} میں نے حضرت حسن ﷛ اور حسین ﷛ کی قسم کھائی تھی کہ فلاں کام نہیں کروں گا، لیکن میں اس قسم پر قائم نہیں رہ سکا تو مجھے کیا کرنا ہوگا،؟ جس وقت میں نے قسم کھائی اس وقت میں آٹھ یا دس سال کا تھا۔

(اسلم پاشاہ، آدونی)

جواب:- جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں دو وجہوں سے قسم منعقد نہیں ہوئی، اول یہ کہ قسم اللہ ہی کی معتبر ہے، اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا نہ جائز ہے اور نہ معتبر، (۲) دوسرے: آپ نے جس وقت قسم کھائی تھی اس وقت نابالغ تھے، نابالغ کے غیر مکلف ہونے کی وجہ سے اس پر حقوق اللہ میں سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، اس لیے قسم منعقد ہی نہیں ہوئی اور آپ پر اس کا کفارہ واجب نہیں ہے، البتہ آئندہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے پرہیز کریں کہ غیر اللہ کی قسم کھانا سخت گناہ ہے۔

اپنی قسم دینا

سوال:- {1982} کیا اسلام میں قسم دینا جائز ہے؟

---

(۱) رد المحتار: ۵/۵۰۵-۵۰۳۔ محشی۔

(۲) "و الیمین بغیرہ مکروھة عند البعض للنھي الوارد فیھا" (رد المحتار: ۵/۴۷۴)" فإنه اتفاقا لما فیه من مشارکة المقسم به لله تعالیٰ في التعظیم" (بدائع الصنائع: ۳/۳۰) محشی۔

کچھ ماں باپ اپنے بچوں کو اپنی قسم دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ (فرحت ترنم، فلک نما)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے بلاضرورت قسم کھانے کو پسند نہیں فرمایا ہے۔(۱) اس لئے ضرورتاً ہی قسم کھائی جائے، بلاضرورت قسم کھانا کراہت سے خالی نہیں، پھر اگر قسم کھائی ہی ہو تو اللہ ہی کی قسم کھائی جائے، غیر اللہ کی قسم کھانا درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا تحلفوا إلا باللہ'' نیز اسی روایت میں ہے کہ اپنے باپ ماں وغیرہ کی قسم نہ کھاؤ(۲) اس لئے بچوں کو اپنی قسم دینا سخت گناہ ہے، اس سے مکمل اجتناب واجب ہے، اور اگر اس طرح قسم دی جائے تو لکھا ہے کہ اس طرح قسم دینے میں کفر کا اندیشہ ہے: "بل یخاف منه الکفر في نحو و حیاتي و حیاتك "(۳)

کورٹ میں مقدس کتاب کی قسم

سوال:- {1983} عدالت میں مقدس کتاب پر ہاتھ رکھ کر عہد لیا جاتا ہے کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا، سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا، کیا یہ عہد قسم کی تعریف میں آتا ہے؟ اگر کوئی مسلمان اس عہد کے بعد جھوٹ کہہ دے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور کفارہ ادا کرنا ہو تو کیا طریقہ ہے؟

(سلمان شریف، گلشن باغ)

(۱) "قال رسول اللہ ﷺ: لا تنذروا فإن النذر لا یغني من القدر شیئا و إنما یستخرج به من البخیل "عن أبي هریرة ﷺ، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۵۳۸، باب في کراهیة النذور) محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۲۴۸۔

(۳) رد المحتار: ۵/۴۸۴۔

جواب:- اگر قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر یہ جملے کہے تو یہ قسم کھانے کے حکم میں ہے:

"لو حلف بالمصحف و وضع يده عليه أو قال و حق هذا فهو يمين" (۱)

اگر مستقبل کی کسی بات کے بارے میں قسم کھائے اور اسے پورا نہ کر سکے تو اسے بالاتفاق کفارہ ادا کرنا چاہئے، (۲) اگر قرآن پر ہاتھ رکھ کر ماضی کی کسی بات پر جھوٹی قسم کھالے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ کفارہ بھی اس کے لئے کافی نہیں، بلکہ اسے توبہ واستغفار کرنا چاہئے، (۳) دوسرے فقہاء کے نزدیک اس صورت میں بھی کفارہ واجب ہوتا ہے، (۴) اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس نے جھوٹی قسم کھائی ہو تو استغفار بھی کرے اور کفارہ بھی ادا کردے، قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو دو وقت کا اوسط درجہ کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کے کپڑے بنانے ہیں اور استطاعت نہ ہو تو تین روزے رکھنا ہے، خود اللہ تعالیٰ نے اس کفارہ کا ذکر فرمایا ہے۔ (۵)

قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا

سوال:- {1984} ایک شخص نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ''وہ آئندہ سگریٹ نہیں پئے گا'' اگر وہ اس کے خلاف کر گزرے تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

(حبیب علی الحماد، مولاعلی)

---

(۱) مجمع الأنهر: ۱/۵۴۴۔
(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۴۷۸۔ محشی۔
(۳) الدر المختار على هامش رد المحتار: ۵/۴۷۶-۴۷۴۔ محشی۔
(۴) الفقه الإسلامي و أدلته: ۳/۳۶۲۔ محشی۔
(۵) المائدة: ۸۹۔

جواب:- عرف ورواج کے تحت فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے تو قسم منعقد ہو جاتی ہے:

"عندي لو حلف بالمصحف أو وضع يده عليه و قال : حق هذا ، فهو يمين " (۱)

اس لئے آئندہ اسے سگریٹ پینے سے بچنا چاہئے اور اگر اس کے خلاف کر گزرے تو قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہئے، قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مستحقین زکوۃ کو دو پہر اور رات کا کھانا کھلائے، یا ان کے کپڑے بنوادے، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا ہو تو تین روزے رکھ لے، خود قرآن مجید میں کفارۂ قسم کی یہ تفصیل آئی ہے۔(۲)

عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں قرآن مجید کی قسم

سوال:- {1985} (الف) کیا حضور ﷺ کے زمانہ میں قرآن کی قسم کھائی جاتی تھی؟

(ب) کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں یہ طریقہ موجود تھا اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے قرآن کی قسم کھائی تھی؟

(ج) ایک واقعہ مشہور ہے کہ خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ چھیڑ دی، ہارنے لگے تو قرآن نیزہ پر اٹھا کر صلح چاہنے لگے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے رہے کہ قرآن اٹھا کر ہمیں فریب دیا جا رہا ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ خارجیوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا اور کثیر خارجی مارے گئے۔ (رحمت علی، مغل پورہ)

جواب:- (الف، ب) رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں قرآن اٹھا کر قسم

(۱) رد المحتار :۵/۵۸۵۔

(۲) المائدۃ:۸۹۔

کھانے کا ثبوت نہیں ،البتہ چونکہ قسم کا تعلق عرف ورواج سے بھی ہے،اس لیے موجودہ دور کے عرف کے لحاظ سے قرآن مجید کی قسم کھانے کی گنجائش ہے اور قسم کھالی جائے تو منعقد ہوجائے گی، فقہاء نے لکھا ہے کہ

> ''اگر کسی علاقہ میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کا رواج ہوجائے اور کوئی شخص اس طرح قسم کھالے تو قسم ہوجائے گی''۔(۱)

(ج) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے،لیکن خوارج کے ساتھ ایسے کسی واقعہ کا ذکر نہیں ملتا،البتہ جنگ صفین میں، جو خلیفۂ برحق سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تھی،اور جس میں بہ اتفاق اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو شکست ہونے لگی تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر ان کے لشکر نے اپنے نیزوں پر قرآن مجید اٹھادیا،حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کو لاکھ سمجھایا کہ یہ محض ایک چال ہے،اسے قبول نہ کرنا چاہیے،لیکن آپ کی فوج میں کچھ منافقین اور خوارج تھے،وہ اس پر مصر ہوگئے اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صلح کرنی پڑی،(۲) خوارج سے آپ کی جنگ بعد میں ہوئی،جس میں ان بددینوں کی بڑی تعداد ماری گئی۔

کیا قرآن مجید کی قسم پوری کرنا واجب ہے؟

سوال:-{1986} میں ایک سرکاری ملازم ہوں،تلگو امتحان بہ طور دوسری سرکاری زبان کامیاب کرنا ملازمت کی بحالی اور دیگر فوائد وحقوق کے لئے اشد ضروری تھا،سرکاری تحریری امتحان میں تو کامیاب ہوگیا،تاہم ابھی زبانی امتحان

(۱) رد المحتار :۵/۴۸۵،بتحقیق شیخ عادل ۔
(۲) دیکھئے:البدایۃ والنہایۃ:۷/۲۷۳-۲۷۴۔

کامیاب کرنا باقی تھا، ایک ضمنی امتحان میں فیل ہوجانے کا مرحلہ آگیا، امتحان کے افسر اعلی (غیر مسلم) نے کہا کہ ضمنی امتحانات کے ایک امتحان میں تم ناکامیاب رہے، تم تلگو میں درخواست لکھنے کے اہل نہیں، پھر انہوں نے کہا: ''تم قرآن پاک کی قسم کھاؤ کہ میں تلگو ضرور سیکھوں گا، تو میں تمہیں اس امتحان میں کامیاب کرسکتا ہوں'' میں نے شش و پنج میں مبتلا بہ ظاہر حامی بھرلی، لیکن یہ دل کی آواز نہ تھی، بلکہ دماغ کی آواز تھی، مجھے تلگو سے کوئی رغبت نہیں، اس لئے میں آج تک بھی قسم کا ایفاء نہ کرسکا، دل ہمیشہ ملامت کرتا ہے، قرآن جیسی عظیم متبرک صحیفہ کی قسم کھانے پر کیا یہ خدا کے حضور گناہ کبیرہ کی تعریف میں نہیں؟ اس میں میری مجبوری کا بڑا دخل تھا، کیا ایسے میں کفارہ واجب ہوتا ہے؟　　(ج،ب، حیدرآباد)

جواب:- اسلام کی نگاہ میں گو عربی زبان کو قرآن کی زبان ہونے کی وجہ سے ایک خاص اہمیت حاصل ہے، لیکن کوئی بھی زبان ناپسندیدہ اور مذموم نہیں، کیوں کہ زبان تو محض بیان اور اظہار کا ذریعہ ہے، اگر کوئی شخص تلگو زبان اس لیے سیکھے کہ اس سے دین کی خدمت کرے گا تو باعث اجر و ثواب ہے اور عربی زبان خدانخواستہ اس لیے سیکھے کہ اپنی زبان دانی کو اسلام کے خلاف استعمال کرے گا، جیسا کہ مستشرقین کرتے ہیں، تو عربی زبان کا سیکھنا بھی اس کے لیے باعث گناہ ہوگا، اس لیے جب آپ نے تلگو زبان سیکھنے کا وعدہ کیا ہے اور اسی بنیاد پر آپ کو ملازمت ملی ہے یا ملازمت کا استقلال حاصل ہوا ہے تو آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے اور اس بات کی نیت رکھنی چاہئے کہ آپ اس کو خلق اللہ کے مفاد کے لیے استعمال کریں گے، چوں کہ آپ نے قسم کھاتے ہوئے مدت متعین نہیں کی تھی، اس لیے ابھی بھی آپ کے لیے گنجائش ہے، اگر اب

بھی آپ تلگو سیکھ لیں تو آپ قسم پوری کرنے والے سمجھے جائیں گے اور کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

لیکن اگر آپ آئندہ بھی اپنے اس عہد کو پورا نہیں کر سکے تو آپ پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا، قرآن مجید کی قسم کھانے سے بھی قسم ہوجاتی ہے، چنانچہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"إن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا ... وبه نأخذ" (۱)

اگر تجھ سے روپیہ لوں تو حرام

سوال:- {1987} میں غصہ میں بوقت تکرار فرزند سے کہہ دیا کہ اب تم سے خرچ کے لیے روپے لوں گا تو حرام ہے، تم میری فکر مت کرو، اللہ تعالیٰ رزاق ہے، اب اگر پیسے لینے پڑے تو مجھے کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟　　(م، الف، ناندیڑ)

جواب:- ایسی باتیں کہنے سے گریز کرنا چاہئے، بہرحال اس صورت میں آپ اپنے فرزند سے پیسے لے سکتے ہیں، کہ یہ آپ کا حق ہے، البتہ اسے حرام کہنے کی وجہ سے آپ پر کفارۂ قسم واجب ہوگا، دس مسکینوں کو دوپہر اور رات کا کھانا کھلانا یا ان کے کپڑے بنانا اور اتنی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھنا ہے۔

" و لو قال الخمر عليّ حرام ثم شرب إن أراد به التحريم تجب الكفارة كأنه حلف لا يشرب الخمر و إن أراد الإخبار ... لا تجب الكفارة" (۲)

✿ ✿✿✿✿ ✿

(۱)　الدر المختار مع الرد:۵/۴۸۴۔

(۲)　الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية:۴/۶۹۔

قسم کا کفارہ

کفارہ سے مراد

سوال:- {1988} اگر ہم کسی چیز کے نہ کرنے کی قسم کھالیں، مگر عمل نہ ہو سکے تو کفارہ واجب ہوتا ہے، کفارہ سے کیا مراد ہے؟ اور ہم کو کفارہ میں کیا کرنا چاہئے؟

(سید عظیم الدین، قاضی پورہ)

جواب:- کفارہ ایسے عمل کو کہتے ہیں جو گناہ کے اثر کو مٹادے اور آدمی کو اس گناہ سے پاک کردے، اللہ تعالیٰ نے بعض کوتاہیوں کے لئے کفارات متعین کئے ہیں، اگر آدمی اس غلطی کا مرتکب ہو جائے تو مقررہ کفارہ ادا کرنا ضروری ہے، ان ہی میں سے ایک کفارۂ قسم بھی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"کہ جو کھانا تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو، اسی میں سے دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا، یا کپڑے بنانا، یا ایک غلام کو آزاد کرنا اس کا کفارہ ہے، اگر اس کی صلاحیت نہ

ہوتو پھر تین روزے رکھنا ہے"(۱)

موجودہ زمانہ میں چوں کہ غلام نہیں رہے، اس لئے قسم کا کفارہ دس غرباء کو دو وقت یعنی دو پہر اور رات کا کھانا کھلانا، یا دس آدمیوں کے کپڑے بنانا واجب ہے، جو لوگ مالی اعتبار سے اتنی استطاعت نہیں رکھتے ہوں کہ کھانا کھلا سکیں، تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ تین روزے رکھیں اور ضروری ہے کہ یہ تینوں روزے مسلسل رکھے جائیں۔(۲)

قرآن شریف کی قسم اور کفارہ

سوال:- (1989) ایک لڑکی نے قرآن شریف کی قسم کھائی کہ وہ کبھی بھی اس کی سہیلی کے گھر نہیں جائے گی، لیکن اس کی سہیلی بار بار اس کے گھر آنے کو کہہ رہی ہے، وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنالیتی ہے، اسے وہ سہیلی بہت عزیز بھی ہے، لڑکی کو خیال آتا ہے کہ اگر میں اپنی سہیلی کے گھر نہ جاؤں تو شاید اس کی موت واقع ہو جائے، اس سلسلہ میں حکم شرعی کیا ہے؟

(نجمہ، کریم نگر)

جواب:- قرآن شریف کی قسم کھانے سے قسم ہو جاتی ہے، اگر سہیلی کے یہاں نہ جانے کی قسم کھانا کسی امر شرعی کی بنا پر تھا، جیسے غیر محرم کا آمنا سامنا وغیرہ، تب تو یہ قسم درست تھی اور اگر محض کدورت کی بنا پر تھا، تو اس کی قسم کھانا درست نہیں، بہرحال قسم سے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ اگر شرعاً نامناسب ہونے کی وجہ سے یا خود اپنی مجبوری کے تحت قسم توڑنی پڑے، تو قسم کا کفارہ ادا کردے، کفارہ دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا، یا دس مسکینوں کے لیے کپڑے بنانا ہے،

---

(۱) المائدة:۸۹۔

(۲) الفتاوی الهندية:۲/۶۱۔

اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین دنوں تک روزے رکھ لے،(۱) باقی یہ سمجھنا کہ اس کی خلاف ورزی کی وجہ سے موت واقع ہو جائے گی تو ایسی کوئی بات قرآن وحدیث میں منقول نہیں، یہ محض وہم ہے، اس لڑکی کو چاہیے کہ پہلے سہیلی کے یہاں جائے، اس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کر دے پھر آئندہ جانے پر دوبارہ کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

معصیت کی قسم اور کفارہ

سوال:- {1990} میں والدہ سے کسی بات پر خفا ہو کر گھر سے نکل گیا اور غصہ میں قسم کھالی کہ "اللہ کی قسم اب کبھی بھی گھر نہیں آؤں گا" بعد میں شرمندگی ہوئی اور میں کچھ دنوں کے بعد گھر واپس آ گیا، قسم ٹوٹ جانے کی وجہ سے اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ (اے، اے خان، بنڈلہ گوڑہ)

جواب:- آپ گھر واپس آ گئے، یہ اچھا کیا، کیونکہ اگر غلط بات کی قسم کھالی جائے تو بہتر طریقہ یہی ہے کہ اس قسم کو توڑ دے اور پھر کفارہ ادا کر دے، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"اے عبدالرحمٰن! جب تم قسم کھاؤ، اور اس پر قائم نہ رہنے کو بہتر سمجھو تو جو بہتر ہو اسے کرلو، اور قسم کا کفارہ ادا کر دو۔(۲)

قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دوپہر اور رات کا کھانا آسودہ کر کے کھلایا جائے، جو لوگ دن میں کھائیں وہی رات میں بھی کھائیں، روزانہ ایک شخص کو دو دفعہ کا کھانا بھی

---

(۱) ﴿فكفارته اطعام عشرة مسكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة ، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام﴾(المائدة:۸۹)محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد :حدیث نمبر:۳۲۷۶۔

کھلایا جاسکتا ہے، یا دس مسکینوں کے کپڑے بنائے جائیں، اگر ان دونوں باتوں پر قدرت نہ ہو، تو مسلسل تین دنوں تک روزہ رکھ لے۔(۱)

کفارۂ قسم

سوال:- {1991} اگر ہم کسی چیز کی قسم کھالیں، اور اسے نباہ نہ سکیں تو کیا کفارہ واجب ہوگا؟

(سید عظیم الدین، قاضی پورہ)

جواب:- اگر آدمی کسی ایسی بات کی قسم کھائے جو معصیت یا دوسروں کے لئے مضرت پر مبنی نہ ہو تو حتی المقدور اسے قسم پوری کرنی چاہئے، تاہم اگر قسم توڑنی پڑے تو قسم توڑنے کے بعد کفارہ ادا کرلے، کفارۂ قسم یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت آسودہ کر کے کھانا کھلایا جائے اور کھانا وہ ہو جو عام طور پر خود کھاتا ہو، یا دس مسکینوں کے لئے کپڑے کا نظم کرے، اگر ان دونوں میں سے کسی چیز پر قدرت نہ ہو تو پھر تین روزے مسلسل رکھے، قرآن مجید میں کفارۂ قسم کی صراحت موجود ہے(۲) اور احادیث اور صحابہ کے آثار سے بھی اس کی تفصیلات واضح ہوتی ہیں۔

قسم توڑ دے تو کیا کرے؟

سوال:- {1992} میں نے ایک مرتبہ قسم کھائی تھی کہ ''فلاں کام نہیں کروں گا'' مگر پھر وہ کام کرلیا، یعنی میں نے اپنی قسم توڑ دی، اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(محسن بن صالح، گلبرگہ)

جواب:- اگر آدمی کسی ایسی بات کی قسم کھائے جس پر قائم رہنا گناہ نہ ہو، تو حتی المقدور

---

(۱) رد المحتار :۵/۵۰۵۔ محشی۔

(۲) المائدۃ :۸۹۔

قسم پوری کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، لیکن اگر کسی وجہ سے قسم پوری نہ کر پایا تو اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے، قسم کا کفارہ یہ ہے کہ اوسط درجہ کا کھانا جو آدمی خود اپنے گھر میں کھاتا ہے، دس مسکینوں کو کھلائے، یا ان کے کپڑے بنائے، اور اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دنوں تک روزہ رکھے، خود قرآن مجید میں یہ کفارہ مذکور ہے۔(۱)

قسم توڑ کر کفارہ دینا چاہئے

سوال:- {1993} ایک صاحب نے اپنی بیٹی سے کسی زبردست اختلاف رائے کی وجہ سے قسم کھائی کہ "اب میں آئندہ تمہارے گھر کبھی نہیں آؤں گا" لیکن چند برسوں کے بعد حالات میں تبدیلی آئی اور آمد و رفت شروع کردی، حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس کی وجہ سے کفارہ واجب ہوگا؟

(سید خواجہ معین الدین، سدا سیو پیٹ)

جواب:- اولاً تو ایسی باتوں کی قسم نہ کھانی چاہئے جس کا نتیجہ قطع رحمی اور رشتہ و تعلق کو کاٹنا ہو، لیکن اگر ایسی قسم کھا ہی لی، تو اس پر قائم رہنے کے بجائے قسم توڑ کر کفارہ ادا کردینا چاہئے، کفارہ اپنے کھانے کے معیار کے اعتبار سے دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا دو وقت کا کھانا کھلانا، یا ان کے کپڑے بنانا ہے، اگر ان دونوں میں کسی چیز کی استطاعت نہ ہو تو پھر تین دن روزہ رکھنا بھی کافی ہے۔(۲)

---

(۱) المائدۃ:۸۹۔

(۲) المائدۃ :۸۹۔

نذر کے احکام

نذر کا ایک مسئلہ

سوال:- {1994} ایک شخص کی بیوی نے یہ سمجھ کر کہ بینک میں اس کے شوہر کے جو روپیہ تھے ڈوب گئے ہوں گے، نذر مانی کہ اگر وہ روپیہ مل گئے، تو میں چار روزے رکھوں گی، بعد کو معلوم ہوا کہ یہ روپے تو پہلے ہی نکال لیے گئے تھے، تو کیا اب اسے روزے رکھنا ضروری ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- جو نذر کسی خاص کام کے ساتھ مشروط ہو، اگر نذر ماننے کے بعد وہ شرط پوری ہو جائے، تو نذر کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے۔

"بخلاف النذر المعلق ، فإنه لايجوز تعجيله قبل وجود الشرط "(۱)

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۳/۴۲۴۔

پس نذر ماننے کے وقت چوں کہ بینک میں یہ رقم موجود ہی نہیں تھی، اس لیے نذر واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اس کا پورا ہونا ممکن ہی نہیں اور روزے رکھنے ضروری نہیں ہوں گے۔

مشروط نذر ماننے کا حکم

سوال:- {1995} ہم نے منت مانی کہ اگر امتحان میں کامیاب ہوجائیں تو اتنے روزے رکھیں گے، ایسی صورت میں منت پوری ہوجائے تو کیا کریں، اور نہ پوری ہو تو کیا کریں؟ (جویریہ فرحین، بنجارہ ہلز)

جواب:- اس صورت کو فقہ کی اصطلاح میں ''نذر مشروط'' کہتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر آپ امتحان میں کامیاب ہوجائیں تو اتنے دن روزے رکھ لیں، خدانخواستہ کامیاب نہ ہوں تو روزہ رکھنا واجب نہیں۔ ''لان المعلق بالشرط عدم قبل وجوده ''(۱)

روزہ کی نذر بھول جائے تو خیرات ضروری ہے؟

سوال:- {1996} فریقین نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا، دونوں نے توبہ کی اور آئندہ دنیوی پریشانی سے بچنے کے لیے خدا سے دعا کرتے ہوئے دو نفل روزے رکھنے کا ارادہ کیا، بس پر ایک فریق نے فوراً عمل کرلیا، اور وہ دنیا میں کامیاب اور سرور کی زندگی گزار رہا ہے، جب کہ دوسرا فریق دنیوی مصروفیتوں میں پڑ کر روزہ رکھنا بھول گیا اور وہ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہے، دو نفل روزوں کے بجائے خیرات و غیرہ کرنا چاہئے؟ (سلیم الدین، بھونگیر)

---

(۱) الفقه الإسلامي و أدلته :۳/۲۹۱۔

جواب:- اصل میں گناہ کبیرہ کے معاف ہونے کے لیے توبہ کرنا ضروری ہے، روزہ رکھنا ضروری نہیں، اب اگر فریقین روزہ رکھنے کے ارادہ کو اپنی زبان پر بھی لے آئے تھے، تو یہ نذر ہے، اور نذر کے مطابق روزہ رکھنا ان پر واجب ہے، جس فریق نے روزہ نہیں رکھا تھا اگر وہ روزہ رکھنے سے معذور نہ ہو تو انہیں روزہ رکھنا ضروری ہے، اور اگر روزہ رکھنے سے معذور ہو گیا ہو اور بظاہر اس کا امکان نہیں کہ وہ پھر صحت مند ہو جائیں گے اور روزہ رکھ سکیں گے تو ان کے لیے اس کی گنجائش ہے کہ روزہ رکھنے کے بجائے اس کا فدیہ ادا کریں، اور اگر صرف دل میں روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا، اس ارادہ کو زبان سے ادا نہیں کیا، تو یہ نذر نہیں، کیوں کہ نذر اور قسم میں زبان سے بولنا ضروری ہے: "و رکنها اللفظ المستعمل فيها "(۱) البتہ چوں کہ اس نے ایک کار خیر کا عزم کر لیا تھا، اس لیے اس صورت میں بھی روزہ رکھ لینا ہی بہتر ہے، اسی طرح صدقہ کرنا بھی واجب تو نہیں، لیکن چوں کہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ صدقہ آفات کو دفع کرنے کا باعث ہوتا ہے اور اس سے گناہ بھی معاف ہوتا ہے۔ (۲) اس لیے کچھ صدقہ بھی کرے تو بہتر ہے۔

بلا سحری روزہ رکھنے کی نذر

سوال:- {1997} میں نے اللہ تعالیٰ سے نذر مانی کہ اگر فلاں کام درست ہو گیا، تو میں بغیر سحری کے ایک ماہ روزہ رکھوں گی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے مطلوبہ کام ہو گیا، اب میں چاہتی ہوں کہ بغیر سحری کا روزہ رکھ کر اپنی نذر پوری کر لوں، لیکن میرے شوہر اس سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سحری

---

(۱) الدر المختار مع الرد:۵/۴۷۳۔

(۲) "قال رسول الله ﷺ : الصدقة تسد سبعين بابا من السوء" عن رافع بن خديج ،(مجمع الزوائد:۳/۱۱۲) محشی۔

کھا کر روزے رکھو، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(بشریٰ فاطمہ، گلبرگہ)

جواب:- آپ کو بغیر سحری کے روزہ کی نذر نہیں ماننی چاہئے تھی، ایسا نہیں ہیکہ سحری کے ساتھ روزہ رکھا جائے تو اجر کم ہے اور سحری کے بغیر روزہ رکھا جائے تو اجر زیادہ ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سحری مسنون ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے۔(۱) اس لیے سحری کے ساتھ روزہ رکھنے میں زیادہ اجر کی توقع ہے اور قصداً اور بلا سبب سحری نہ کھانے میں ایک سنت کا ترک ہے، لیکن اصول یہ ہے کہ جب کسی عبادت مقصودہ کی کسی خاص ہیئت کے ساتھ نذر مانی جائے تو وہ عبادت اسی ہیئت کے ساتھ واجب ہوتی ہے، جیسے پیدل سفر حج یا سفر عمرہ کرنا نہ واجب ہے اور نہ مسنون، لیکن اگر کوئی اپنے گھر سے پیدل بیت اللہ شریف تک جانے کی نذر مان لے، تو اس پر پیدل سفر کرنا واجب ہوتا ہے۔

" و يجب حج و عمرة ماشيا من بلدة في قوله على المشي الى بيت الله تعالىٰ أو الكعبة " (۲)

اس لیے اب آپ پر بغیر سحری کے روزہ رکھنا واجب ہے، فقہاء نے مذکورہ مسئلہ میں لکھا ہے کہ اگر پورا سفر یا سفر کا اکثر حصہ سواری پر طے کرے تو اس نے نذر میں جو نقص پیدا کیا ہے، اس کے بدلہ حج کے عام اصول کے مطابق قربانی واجب ہوگی، اور اگر سفر کا کچھ حصہ سواری پر طے کرے تو اسی لحاظ سے صدقہ واجب ہوگا۔(۳) اس سے خیال ہوتا ہے کہ اگر آپ سحری کے ساتھ روزہ رکھیں تو نذر میں جو نقص پیدا ہوا ہے، اس کے ازالہ کے لیے قسم کا کفارہ بھی ادا کردیں۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۷۰۸۔ محشی۔
(۲) رد المحتار:۵/۶۴۴۔
(۳) الدر المختار مع رد المحتار:۵/۶۴۴۔

جانور کی نذر

سوال:- {1998} میں چھ ماہ قبل سخت بیمار ہوا تھا، زندگی کی امید نہ تھی، میں نے اپنی جان کے بدلہ ایک عدد بکرا زکوۃ دینے کی خدا سے منت مانگی تھی، میں صحت کی جانب تیزی سے رواں دواں ہوں، زکوۃ کی تقسیم کا طریقہ کیا ہے؟ جتنی رقم میں بکرا خریدا جا سکتا ہے، اتنی رقم میں گائے، بیل خریدے جاسکتے ہیں، کیا یہ تبدیلی درست ہے، بکرے کی یا بیل و گائے کی عمر کیا ہونی چاہئے؟ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ ایسی زکوۃ کا بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ اپنے کسی قریبی عزیزوں میں قیمت تقسیم کر دیں، یا بیت المال میں جمع کروائیں، یا فقراء کو کھانا کھلادیں، یا دینی مدارس کو رقم حوالہ کر دیں یا یتیم لڑکے، لڑکیوں کے کام میں لائیں، یہ بھی تحریر کریں کہ کیا غیر مسلم کو دی جاسکتی ہے؟ (نعیم الدین، نظام آباد)

جواب:- اگر کسی جائز چیز کی نذر مان لی جائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے، اور خود حدیث شریف میں اس کی تاکید آئی ہے (۱) اس لئے آپ پر ایک بکرے کی قربانی واجب ہے، جب آپ نے بکرے کی نذر مانی ہے تو آپ پر بکرا دینا ہی واجب ہے، نہ کہ گائے یا بیل، جن لوگوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، ان کو اس جانور کا گوشت بھی دیا جاسکتا ہے، اگر کسی متعین بکرے کے بارے میں آپ نے نذر نہیں مانی تھی، بلکہ مطلق بکرے کی نذر مانی تھی، تو ایک سال کا بکرا ہونا چاہئے، جیسا کہ قربانی کا حکم ہے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

---

(۱) الدر المختار: ۱/۲۹۴۔

"و لا یجوز فیهما إلا ما یجوز فی الأضاحی"(۱)

جن لوگوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے ان کو اس بکرے کا گوشت بھی دیا جاسکتا ہے۔ البتہ زکوۃ کے علاوہ دوسرے صدقات واجبہ غیر مسلموں کو دیئے جاسکتے ہیں، اگر بکرا ذبح کرنے کی منت نہیں مانی ہے، بلکہ بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے تو کسی مستحق زکوۃ کو پورا جانور بھی صدقہ کیا جاسکتا ہے۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

(۱) بدائع الصنائع :۴/۲۳۳۔

کتاب الفتاوی

چھٹا حصہ

کتاب القضاء والسیر

قضاء اور سیاسی امور سے متعلق احکام

قضاء اور سیاسی امور سے متعلق سوالات

ہندوستانی مسلمان اور ہجرت

سوال:- {1999} کیا گجرات اور احمد آباد کے حالیہ واقعات وعلی الاعلان دہشت گردی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم مسلمانانِ ہند عرب ممالک کو ہجرت کر سکتے ہیں؟

(قاری ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- اگر دنیا کے کسی خطہ میں احکام دین پر عمل کرنا یا لوگوں تک دین کو پہنچانا ممکن نہ رہے اور کسی دوسرے علاقہ میں ان کو پناہ مل سکتی ہو تب ہجرت واجب ہوتی ہے، مکہ میں مسلمانوں کو علی الاعلان نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، اور بلا کسی جبر و تحریص و دباؤ کے تبلیغ اسلام کی بھی ممانعت کر دی گئی تھی، نیز مدینہ کے لوگ مسلمانوں کو پناہ دینے کے لئے تیار تھے، اس لئے ہجرت واجب قرار دی گئی، ہندوستان کے حالات خدانخواستہ ایسے نہیں ہیں، یہاں دستور و قانون کے تحت ہم کرایہ دار نہیں، بلکہ شریک کار ہیں، ہمیں مذہبی آزادی حاصل ہے، ملک کے بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اور یہاں کے چپے چپے پر اسلام کے نقوش ثبت ہیں، اور

میرا یقین ہے کہ ہندو بھائیوں کی اکثریت پر امن بقاء باہم پر یقین رکھتی ہے، اگر گجرات میں کچھ لوگوں نے ظلم و جور کا ننگا رقص کیا ہے، تو گجرات اور پورے ملک سے لاکھوں ہندو بھائیوں نے اس ظلم کی مذمت کی ہے، اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے، اس لئے مسلمانوں پر نہ اس ملک سے ہجرت واجب ہے اور نہ مستحب، ہمیں اسی ملک میں اپنے تمام دستوری حقوق اور مذہبی و تہذیبی تشخصات کے ساتھ برقرار رہنا ہے۔

ہندوستان میں شرعی حدود کا قیام

سوال:- {2000} شریعت میں زنا، چوری، شراب نوشی وغیرہ کے لیے حد مقرر ہے، اور قرون اولیٰ میں بھی یہ حد جاری ہوا کرتی تھی، کیا ہندوستان میں مسلمانوں کو آپس میں یہ سزا جاری نہیں کرنی چاہئے، اور کیا یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے؟ (مسجد غفاریہ، داراب جنگ کالونی)

جواب:- حدود کا نفاذ اسلامی ملک ہی میں نافذ کرنے کا حکم ہے، کیوں کہ مسلمان ملک میں جرم سے روکنے اور باز رکھنے کے لیے مناسب ماحول موجود رہتا ہے، اس کے باوجود جرم کا ارتکاب ظاہر ہے کہ زیادہ سنگین عمل ہے، دارالکفر میں چوں کہ جرم سے باز رکھنے والا ماحول مہیا نہیں، اگر اس ماحول میں سخت سزائیں دی گئیں تو یہ قرین انصاف نہ ہوگا، اس لیے دارالکفر میں حدود جاری نہیں ہوں گی۔

سوال:- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر مختلف گناہوں کی سزا کے طور پر حدود نافذ کرنے کا حکم دیا ہے، جیسے زنا پر شادی شدہ کے لئے رجم، غیر شادی شدہ کے لئے کوڑے، چور کے لئے ہاتھ کاٹنا، قتل کے بدلہ قتل، لیکن ہندوستان میں عقوبات سے متعلق ان آیات پر عمل نہیں کیا جاتا،

اس کے ذمہ دار کون ہیں؟ کیا علماء ہند پر یہ ذمہ داری نہیں ہے
کہ وہ ان اسلامی حدود کو قائم کرنے کی کوشش کریں؟

(ماجد صدیقی، یاقوت پورہ)

جواب:- شرعی حدود کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ دارالاسلام ہی میں اس کو نافذ کیا جائے گا، اور امام المسلمین، یا اس کا نائب ہی حدود قائم کرسکتا ہے۔ "و رکنه إقامة الإمام أو نائبه في الإقامة" (۱) اور اس کی مصلحت یہ ہے کہ اسلام نے جہاں بعض برائیوں پر سزائیں سخت رکھی ہیں، وہیں اس بات کا بھی اہتمام کیا ہے کہ ماحول کو برائیوں کے محرکات سے صاف ستھرا رکھا جائے، جیسے: شراب کو نہ صرف حرام قرار دیا، بلکہ اس کی خرید و فروخت کو بھی منع کر دیا گیا، اس کی صنعت کو بھی روا نہیں رکھا گیا، تا کہ شراب کا حصول دشوار سے دشوار تر ہو جائے، زنا کو منع کرنے کے ساتھ ساتھ پردہ کے احکام دیئے گئے، مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو روکا گیا، اسلامی معاشرہ میں مخربِ اخلاق لٹریچر اور فلموں کے لئے کوئی جگہ نہیں، ان ساری رکاوٹوں کے باجود اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوتا ہے، تو یقیناً یہ بے حیائی کی انتہا ہوگی، اب جہاں اسلامی نظام قائم نہ ہو، اور برائی کے محرکات پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہ ہو، وہاں بھی اگر ایسی ہی سخت سزائیں دی جائیں تو یہ بات یقیناً قرینۂ انصاف نہیں ہوگی، اس لئے حدود کا نفاذ دارالاسلام میں ہوتا ہے، ہندوستان میں یہ حدود نافذ نہیں کئے جاسکتے اور اس میں علماء کی کوتاہی کو کوئی دخل نہیں، —— بطور وضاحت یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ زنا پر رجم کی سزا متواتر اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

غیر مسلم سرکاری عدالتوں کا فیصلہ

سوال:- {2001} یہاں کے قاضی صاحبان شادی

(۱) الفتاوی الهندية: ۱۴۵/۲۔

بیاہ میں بذات خود نکاح نامہ کی خانہ پری کر کے بخوشی عقد
پڑھاتے ہیں، لیکن طلاق یا خلع کا موقعہ آیا تو کورٹ کا راستہ
بتلاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(حاجی عبداللہ حسینی، قریب ایچ۔جی۔ راملو، گنگاوتی، کرناٹک)

جواب:- مسلمان کے لئے قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے معاملات غیر اسلامی سرکاری عدالتوں میں لے جائیں، غیر مسلم ججوں کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں غیر معتبر ہے، اور ان کا فسخ کیا ہوا نکاح باقی رہتا ہے اور نکاح ثانی جائز نہیں ہوتا،(۱) —— آپ کو چاہئے کہ اگر کرناٹک میں کوئی دار القضاء قائم ہو تو وہاں سے رجوع کریں اور غالباً دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور میں دار القضاء قائم ہے، ورنہ قریبی ریاست آندھرا پردیش میں قائم دار القضاء امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش پنجہ شاہ حیدر آباد سے رجوع ہوں۔

غیر اسلامی عدالتوں سے رجوع

سوال:- {2002} کیا کوئی مسلمان مرد یا مسلمان
عورت قرآن و حدیث کے احکام کے خلاف کسی غیر مذہبی
حکومت کی عدالت میں رجوع ہوں تو وہ مسلمان رہیں گے یا
دائرۂ ایمان سے باہر ہو جائیں گے؟

(نزہت جہاں خاتون، چراغ علی لائن)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ اپنے نزاعات میں قانونِ شریعت کو حکم بنائیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق جو فیصلہ ہو، اپنے دل میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) "ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة من الإسلام و التكليف و الحرية" (الفتاوى الهندية:۳/۳۰۷)

"فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر
بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت
و يسلموا تسليما" (۱)

اسی لئے فقہاء نے یہ بات واجب قرار دی ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہو، جب بھی ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے لئے امیر منتخب کریں، جو ان کے باہمی مقدمات کے فیصلہ کے لئے قاضی کا تقرر کرے۔ (۲) اس لئے کسی مسلمان مرد یا عورت کا شرعی دار القضاء کو چھوڑ کر غیر اسلامی اداروں سے فیصلہ کا طلب گار ہونا قطعاً ناجائز اور سخت گناہ ہے، ایسے شخص کو توبہ کرنی چاہئے اور اس کے اہل خاندان اور سماج کے لوگوں کو اس پر دباؤ ڈالنا چاہئے کہ وہ ایسی حرکت سے باز آئے، البتہ جب تک وہ صراحتاً قرآن وحدیث کی یقینی دلیلوں سے ثابت کسی حکم کا انکار نہ کر جائے، احتیاطاً اس کو کافر کہنے سے گریز کیا جائے، لہذا مذکورہ شخص کو کافر تو نہ کہا جائے گا، لیکن ضروری ہے کہ اس کے گناہ کی شدت اور سنگینی سے اسے باخبر کیا جائے۔

ڈی، این، اے ٹسٹ کی شرعی حیثیت

سوال:- {2003} ایک میاں بیوی سن رسیدہ ہیں اور لڑکا جوان ہے، یہی اکیلا لڑکا ہے، مرد کو اب یہ شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ لڑکا اس کے نطفہ سے نہیں ہے، وہ چاہتا ہے کہ ڈی، این، اے ٹسٹ کرائے، تا کہ اس سلسلہ میں حقیقتِ حال معلوم ہو سکے، عورت اس کے لئے تیار نہیں ہے، تو کیا مرد کا یہ مطالبہ شرعاً درست ہے؟ اور کیا پیشاب، منی، خون، یا تھوک یا خلیہ سے حاصل کئے ہوئے جین کی بنیاد پر نسب، ثبوتِ زنا وغیرہ

(۱) النساء:۶۵۔
(۲) دیکھئے: رد المحتار: ۴/۳۲۷۔

کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور اس سے مدد لی جاسکتی ہے؟ (سمیع الدین قاسمی، ممبئی)

جواب:- شریعت میں ثبوتِ نسب کے اصول مقرر ہیں، عورت کو جس مرد کے نکاح میں رہتے ہوئے ولادت ہو اور نکاح پر چھ ماہ گزر چکا ہو، اس بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت ہوگا، ہاں اگر ولادت کے وقت ہی اس نے نسب کا انکار کیا تو قاضی زوجین سے لعان کرائے گا اور اس کے بعد میاں بیوی میں علاحدگی ہو جائے گی اور بچہ اس مرد کی طرف منسوب نہیں ہوگا، لعان میں شوہر و بیوی اپنے آپ پر جھوٹ ہونے کی صورت میں اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں، خود قرآن مجید میں اس کی تفصیل موجود ہے، (۱) لہٰذا اب جبکہ شرعی اعتبار سے لڑکے کی نسبت اس مرد سے ثابت ہو چکی ہے، اس کا شک وشبہ اور نسب سے انکار کرنا معتبر نہیں، بلکہ گناہ ہے۔ ہاں بعض خاص صورتوں میں ڈی این اے ٹسٹ سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اگر اسپتال میں مختلف خواتین کو بچے پیدا ہوں اور بچوں کے مل جانے کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا کہ کون کس کا بچہ ہے؟ اور شرعی اصول کے مطابق مطلوبہ گواہی فراہم نہ ہو یا ٹسٹ ٹیوب ہی کے سلسلہ میں اشتباہ پیدا ہو جائے یا حادثات وآفات وغیرہ کے مواقع پر بچے لاپتہ یا خلط ملط ہو جائیں اور ان کے گھر والے کون ہیں؟ اس کی شناخت میں دشواری ہو، یا ایسی نعشیں ہوں جن کی شخصیت کا پتہ لگانا دشوار ہو، اسی طرح ایسے جرائم کی تحقیق میں جن پر حدِ شرعی یا قصاص واجب نہ ہوتا ہو، ڈی، این، اے سے مدد لی جاسکتی ہے۔ فقہاء نے فیصلہ کے اسباب اور دعویٰ کو ثابت کرنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ قرینۂ قاطعہ (یقینی قرینہ) بھی لکھا ہے۔ اس حقیر کا خیال ہے کہ ڈی، این، اے ٹسٹ بھی قرینہ قاطعہ شمار کیا جاسکتا ہے اور جن مقدمات ومعاملات میں قرینۂ قاطعہ کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے، ان میں اس نوعیت کے ٹسٹ سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اللہ اعلم۔

---

(۱) النور: ۹-۸-۷-۶۔ محشی

خون اور خون کی قیمت میں فرق

سوال:- {2004} کیا انسان کی بھی کوئی قیمت لگائی جاسکتی ہے؟ جس طرح عرب ممالک میں قیمت متعین کی گئی ہے کہ ایکسیڈنٹ میں کسی ہندوستانی کی موت ہوجائے تو اتنی رقم اور کسی عربی کی موت ہوجائے تو اتنی رقم ادا کی جائے، کیا اس کا لینا دینا جائز ہے؟ (عبدالسمیع، بشیر باغ)

جواب:- انسان اس سے بالاتر ہے، کہ بازاری چیزوں کی طرح اس کی قیمت لگائی جائے، لیکن کسی انسان کے مرنے کی وجہ سے جیسے اس کے ورثاء کو قلبی تکلیف پہنچتی ہے، اسی طرح اکثر اوقات معاشی نقصان بھی پہنچتا ہے، اس لئے شریعت نے خون بہا مقرر کیا ہے، جس کو اصطلاح شرع میں '' دیت'' کہتے ہیں، اگر ایکسیڈنٹ میں کسی شخص کی موت واقع ہوجائے اور حادثہ میں خود مرنے والے کی کوتاہی کو دخل نہ ہو، تو جو شخص اس کا سبب بنا ہے، اس پر خون بہا کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، اس کا لینا دینا درست ہے، شریعت میں خون بہا کی مقدار اونٹوں کے ذریعہ متعین کی گئی ہے، (۱) ممکن ہے کہ سعودی عرب میں اسی کو بنیاد بنا کر دیت مقرر کی گئی ہو، میں اس بات سے واقف نہیں ہوں کہ سعودی عرب میں سعودی اور غیر سعودی کے درمیان دیت کی مقدار میں فرق کیا جاتا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے خون اور خون کی قیمت میں فرق نہیں کیا جاسکتا، تمام مسلمانوں کی دیت برابر ہے، بلکہ مسلمان اور غیر مسلم کی دیت میں بھی فرق نہیں، البتہ چوں کہ خاندان کی معاشی ضروریات مردوں سے متعلق ہوتی ہے نہ کہ عورتوں سے اور کسی مرد کی موت سے متعلقین مالی اعتبار سے زیادہ دشواری میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اس لئے عورتوں کی دیت بمقابلہ مردوں کے نصف رکھی گئی ہے، اس میں بھی عرب اور غیر عرب کا کوئی فرق نہیں۔

---

(۱) " عن عبد الله بن عمر ﷺ قال : خطب رسول الله ﷺ يوم الفتح بمكة، قال: ألا ! أن دية الخطأ شبه العمد ما كان بالسوط و العصا مائة من الإبل ، منها أربعون في بطونها أولادها " (السنن الكبریٰ:۱۲۰/۸) محشی۔

ویڈیو کی گواہی اور فیصلہ

سوال:- {2005} اگر دو آدمیوں نے معاملہ طے کیا اور اس کی ویڈیو کیسٹ بنالی، بعد میں کوئی فریق انکار کرتا ہے، حالانکہ ویڈیو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا انکار غلط ہے، تو کیا ویڈیو کی بنا پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے، اور جس آدمی نے ویڈیو دیکھا ہو، وہ اس بات کے ہونے کی گواہی دے، تو کیا وہ گواہی قبول کی جائے گی؟ (سید فصیح الدین، جدہ)

جواب:- ویڈیو کے ذریعہ جو تصویر کشی کی جاتی ہے، اس میں تلبیس اور ملاوٹ کی کافی گنجائش ہوتی ہے، یہ ممکن ہے کہ کسی شخص کی کوئی اور تصویر کہیں سے کاٹ کر کسی اور جگہ جوڑ دی جائے، یا مثلاً کسی کی تصویر سے سر کا حصہ کاٹ کر کسی اور جسم کے ساتھ جوڑ دیا جائے، اس طرح کی الٹ پھیر ویڈیو اور انٹرنیٹ وغیرہ میں ممکن ہے، اس لئے ویڈیو سے حاصل ہونے والی معلومات اشتباہ اور آمیزش کے اندیشہ سے خالی نہیں اور مشتبہ قسم کی دلیلوں پر نہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور نہ گواہی دی جاسکتی ہے۔

" ولو سمع من وراء الحجاب لا يسعه أن يشهد لا حتمال أن يكون غيره " (۱)

گواہی میں عورت کا درجہ کم کیوں ہے؟

سوال:- {2006} شہادت وگواہی میں دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر مانا گیا ہے، ایسا کیوں ہے؟

(عائشہ صدیقہ، نیو ملک پیٹ)

(۱) الفتاوی الهندية :۳/۴۱۲۔

جواب:- اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ گواہی کے لئے ضروری ہے کہ حالات وواقعات کا خود مشاہدہ کرے، عورتوں سے چونکہ اندرونِ خانہ کی ذمہ داریاں متعلق ہیں، اس لئے وہ واقعات سے اس درجہ آگاہ نہیں ہوسکتیں جتنا مرد ہوسکتے ہیں۔

دوسرے گواہی کے لئے ضروری ہے کہ واقعات کو اچھی طرح سمجھا جائے اور پھر اسے ذہن میں محفوظ رکھا جائے، یہ صلاحیت مردوں میں زیادہ ہوتی ہے، اور عورتوں میں نسبتاً کم، اس حقیقت کو علماءِ نفسیات بھی تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ دماغ کا حجم بھی عورتوں کا بمقابلہ مردوں کے کم ہوتا ہے، اور یہ عورتوں کا نقص نہیں، بلکہ فریضۂ نسوانی کی ادائیگی کے لئے ان کا اسی طرح ہونا ضروری ہے، اصل میں خواتین کو بنیادی طور پر ایک بیوی اور ایک ماں کا کردار ادا کرنا پڑتا ہے اور ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک حد تک زیادہ جذباتی ہوں، چنانچہ دن رات اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ عورت کتنی بھی تھکی ہوئی ہو، بدن چور چور ہو اور انگ انگ درد میں مبتلاء ہو، لیکن اس حالت میں بھی اگر بچہ رویا، یا اس نے پیشاب پاخانہ کیا تو ماں کی ممتا فوراً حرکت میں آجاتی ہے، اور وہ جب تک اسے آرام نہ پہنچادے بے سکون رہتی ہے، باپ کتنا بھی مہربان ہو، مگر اکثر اس کیفیت سے محروم رہتا ہے، یہ عورت کے جذبات سے معمور ہونے ہی کا نتیجہ ہے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ جذبات میں جتنی شدت ہوگی فہم وحافظہ کی قوت اسی قدر کم کام کرے گی، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ آدمی غصہ کے وقت یا شدتِ غم کے وقت بہت جذباتی ہوتا ہے، اور اسی لئے اُن حالات میں جو کچھ پیش آتا ہے ان کو سمجھنے میں اور یاد رکھنے میں آدمی سے اکثر غلطی ہوتی رہتی ہے، اسی لئے گواہی کے معاملہ میں عورتوں کو مردوں سے کم اہمیت دی گئی ہے، ہاں اگر کوئی ایسی بات ہو جس سے عورتیں ہی واقف ہوسکتی ہیں اور وہی ان کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتی ہیں، تو ایسے معاملات میں فقہاء نے عورتوں کی گواہی اور اطلاع کو زیادہ اہمیت دی ہے۔

مسلمان جج کا فیصلہ

سوال:- {2007} ہندہ عدالت میں نفقہ کے لئے رجوع ہوئی، عدالت نے ہندہ کا نفقہ مدعا علیہ کے حاضر نہ ہونے پر جاری کیا، ہندہ نے پھر عدالت میں خلع کی درخواست دائر کی، عدالت نے مدعا علیہ کے عدم پیروی پر خلع کا حکم صادر کیا، عدالت کا مجسٹریٹ مسلمان ہے اور ہندہ کا وکیل بھی مسلمان ہے — کیا حکومت کی عدالت کا خلع کا فیصلہ شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟ ہندہ کا نکاح فسخ ہوا یا نہیں؟ ہندہ اس فیصلہ کی رو سے دوسرا عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟

(ہندہ، حیدر آباد)

جواب:- اگر فیصلہ کرنے والا مجسٹریٹ مسلمان ہے تو اس کا فیصلہ ہندہ کے حق میں نافذ اور درست ہے، اور وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے؛ کیوں کہ فقہاء نے دارالکفر میں غیر مسلم فرماں روا کی طرف سے مسلمانوں کے لیے انہیں میں سے والی کے تقرر کو جائز قرار دیا ہے۔(۱) واللہ اعلم

مرنے کے بعد اجراء حد

سوال:- {2008} عنوان عدل فاروقی جنوری برسالہ تجلی دیوبند ایڈیٹر مولانا عامر عثمانی مرحوم جسے جناب محمود اسرائیلی نے نظم کیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ

بیں جو باقی تھے وہ قبر پر لگوائے گئے
کہ پہونچ جائے سزا جرم کی تا حد کمال

---

(۱) رد المحتار :۸/۴۴، کتاب القضاء ۔ محشی ۔

کیا مرنے کے بعد بھی سزا کا جاری رکھنا شریعت کا حکم ہے؟ (محمد امین، دیوبند، یوپی)

جواب:- سزا کا مقصد تادیب ہے، اور ظاہر ہے موت کے بعد تادیب ایک بے معنی بات ہے، اس لئے اولاً تو یہ روایت صحیح نہیں ہے، اور اگر صحیح مان لیا جائے، تو یا تو یہ حضرت عمر ﷺ کا ذاتی اجتہاد تھا، جس کو بعد کے فقہاء نے قبول نہیں کیا، یا ایک استثنائی واقعہ تھا، جس میں زندہ لوگوں کی فہمائش اور تنبیہ کے لئے حضرت عمر ﷺ نے ایسا کیا ہوگا۔

کتاب الفتاوی

چھٹا حصہ

کتاب اللقطۃ

گری ہوئی چیزوں کے احکام

گری ہوئی چیزوں کے احکام

گری پڑی چیز اٹھانے کے بعد کیا کرے؟

سوال:- {2009} چند ماہ پہلے جو سیلاب آیا، اس سے بے شمار مکانات کو نقصان پہونچا، میں کاچی گوڑہ روڈ سے گزر رہا تھا، راستے میں ایک بڑا نالہ تھا، بارش کی وجہ سے اس کا بہاؤ بہت تیز تھا، اس میں سینکڑوں قیمتی اشیاء بہہ کر آرہی تھیں، کئی لوگ پل پر فرج، ٹی وی، الماری اور دیگر اشیاء نکال کر گھروں کو بھاگ رہے تھے، تو کیا ان کا اس طرح سامان اٹھا کر لے جانا درست تھا؟ (محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)

جواب:- ایسی گری پڑی چیزوں کو جن کے مالک کا علم نہ ہو، ''لقطة'' کہتے ہیں، ایسی چیزوں کا حکم یہ ہے کہ دو شرطوں کے ساتھ اسے اٹھالینا بہتر ہے: اول یہ کہ اگر وہ نہ اٹھائے تو چیز ضائع ہوجائے، دوسرے یہ کہ اس کی نیت مالک کو وہ سامان واپس کردینے کی ہو، جس شخص کی نیت خود لے لینے کی ہو، نہ کہ واپس کرنے کی، اس کے لیے ''لقطہ'' کا اٹھانا ہی جائز نہیں ——— جو

شخص ایسی کوئی چیز اٹھائے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ ''ایک سال اس کا اعلان کیا جائے'' (۱)

'' حضرت زید بن خالد جہنی ﷺ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ '' ایک سال اعلان کرو'' (۲)

لیکن یہ مدت اس زمانے کے حالات کے اعتبار سے تھی، کیوں کہ عام طور پر سال میں ایک بار قافلوں کا گزر رہتا تھا، تو امید ہوتی تھی کہ قافلہ کی کوئی چیز گر گئی ہو، اگلے سال اسے گزرتے ہوئے مل جائے گی، فی زمانہ موجودہ حالات کے اعتبار سے مناسب مدت تک اور مناسب طریقہ پر اعلان کرنا ضروری ہوگا، اس کے بغیر ایسے سامانوں کا اٹھانا جائز نہیں۔

کیا گری ہوئی چیز کو اٹھا کر استعمال کر سکتے ہیں؟

سوال:- {2010} گری پڑی اشیاء کا اٹھانا منع ہے، لیکن اگر ہم کو یقین ہے کہ جس نے وہ اشیاء ضائع کی ہیں، اس کے لئے ناکارہ ہیں، اور ہمارے لئے کارآمد، تو کیا ہم ان اشیاء کو استعمال کر سکتے ہیں؟ (محمد واصل، مراد نگر)

جواب:- جو گری پڑی چیز دستیاب ہو، اور معلوم ہو کہ اس شیٔ کا مالک اس کا متلاشی نہیں ہوگا، اس کو لے لینا اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے، البتہ اگر مالک نے اس چیز کو اٹھانے والے شخص کے ہاتھ میں پایا اور وہ اسے واپس لینا چاہتا ہے، تو اس کو اس کا حق حاصل ہے۔

" نوع یعلم أن صاحبه لا یطلبه کالنوی فی مواضع متفرقة ... له أن یاخذها و ینتفع بها الخ " (۳)

---

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندیة :۳/۲۸۸۔

(۲) صحیح البخاری ، حدیث نمبر: ۲۴۲۷۔

(۳) الفتاوی الهندیة:۲/۲۹۰۔

نامعلوم شخص کی کوئی چیز مل جائے

سوال:- {2011} کسی نامعلوم شخص کی کوئی چیز کسی آدمی کو ملے تو پانے والا شخص اس چیز کو کیا کرے؟

(محمد عبدالحلیم، محبوب آباد)

جواب:- پہلے تو اس شخص کو تلاش کرے اور اسے وہ شئی پہنچانے کی کوشش کرے، لیکن اگر اس شخص کا پتہ نہ چل سکے، یا پتہ چلے، لیکن اس شخص تک اس کو پہنچانا دشوار ہو، تو اس چیز کو صدقہ کر دینا چاہئے۔(۱)

اگر گری پڑی کوئی چیز مل جائے تو اس کا حکم

سوال:- {2012} ہم کو سڑک پر ایک قیمتی گھڑی ملی ہے، ہم نے تحقیق کی، لیکن اس کے مالک کا پتہ نہ چل سکا، اب گھڑی ہمارے قبضہ میں ہے، کیا ہم اس گھڑی کو استعمال کر سکتے ہیں؟

(ایک بہن، آصف آباد)

جواب:- اس طرح جو گری پڑی چیز ملے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''لقطہ'' کہتے ہیں ، حنفیہ کے نزدیک لقطہ کا حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کو اس کے مالک تک پہونچانے کی کوشش کرے، اگر مالک کا پتہ نہ چلے، تو جو شخص محتاج اور صدقہ کا مستحق ہو وہ خود بھی استعمال کر سکتا ہے، یا کسی اور محتاج کو بھی صدقہ کر سکتا ہے، لیکن جو شخص ایسا محتاج وضرورت مند نہ ہو، اس کے لئے خود استعمال کرنا جائز نہیں، یا تو اپنے پاس حفاظت سے رکھے، اور جب کبھی اس سامان کا مالک مل جائے اس کے حوالہ کر دے، یا کسی ایسے شخص کو صدقہ کر دے، جس کے لئے زکوۃ و

(۱) "فإن جاء ه صاحبها فليردها و إن لم يأت فليتصدق" (بدائع الصنائع : ۲۹۹/۵) محشی۔

صدقات کا لینا درست ہو، البتہ صدقہ کرنے کے بعد اگر اصل مالک نکل آیا، تو پھر اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا، اور صدقہ کا اجر لقطہ اٹھانے والے کو ہوگا۔(۱)

اگر گری ہوئی چیز کا مالک نہ مل سکا تو کیا کرے؟

سوال:- {2013} ایک صاحب کو راستہ میں چاندی کی چین گری ہوئی ملی، مالک کا پتہ نہیں چل رہا ہے، ہمیں ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ (عظیم صدیقی، سبحان پورہ)

جواب:- اس چین کو آپ صدقہ کردیں، گری ہوئی چیز جو مل جائے، اولاً مناسب حد تک اس کے مالک کو تلاش کرنا چاہئے اور اگر مالک نہ مل پائے تو پھر اسے صدقہ کردینا چاہئے، البتہ اگر کبھی اس کا مالک دریافت ہوگیا اور اس نے شئی کے مطالبہ پر اصرار کیا تو اس کا متبادل اسے فراہم کرنا ضروری ہوگا اور صدقہ کا اجر آپ کو حاصل ہوگا۔(۲)

✿ ✿✿✿✿ ✿

---

(۱) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۲/۲۸۹، کتاب اللقطة۔
(۲) دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۲/۲۸۹۔ محشی۔

کتاب الفتاوی

چھٹا حصہ

کتاب الحظر والاباحۃ

حلال وحرام کے احکام

زیبائش وآرائش

خواتین کا عطر لگانا

سوال:- {2014} کیا لڑکیاں اور خواتین عطر لگا سکتی ہیں؟ (سید عبدالرافع التمش، سداسیو پیٹ)

جواب:- کوئی عورت اگر اپنے شوہر کے ساتھ ہو یا محرم کے درمیان ہو تو عطر لگا سکتی ہے، اگر غیر محرم کے درمیان ہو یا گھر سے باہر سفر پر ہو تو رسول اللہ ﷺ نے اسے عطر لگانے سے منع فرمایا ہے، (۱) اس لیے اسے بچنا چاہئے، آپ ﷺ نے یہ بھی ہدایت دی ہے کہ مرد ایسے عطر استعمال کریں جس میں خوشبو زیادہ ہو، رنگ نہ ہو یا کم ہو اور خواتین ایسا عطر استعمال کریں جس میں رنگ ہو لیکن اس کی خوشبو زیادہ تیز نہ ہو، (۲) اور اس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ تیز خوشبو سے بعض لوگوں کو نفسانی تقاضوں کی تحریک پیدا ہوتی ہے، اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی

---

(۱) الجامع للترمذي ، حدیث نمبر: ۲۷۸۶، باب ما جاء في كراهية خروج المرأة متعطرة ۔ محشی ۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۷۸۷، باب ما جاء في طيب الرجل و النساء ۔ محشی ۔

عورت شوہر کے ساتھ تنہائی کے مواقع پر تیز خوشبو بھی استعمال کرے تو اس میں حرج نہیں، کیوں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ نہیں۔

بیوٹی پارلر

سوال:- {2015} عورتوں کے لیے بیوٹی پارلر چلانا جائز ہے یا نہیں؟ (ایک بہن)

جواب:- شریعت میں خواتین کے لیے بناؤ سنگار کی گنجائش بہ مقابلہ مردوں کے زیادہ رکھی گئی ہے، تاہم اس میں بھی بہت غلو کو پسند نہیں کیا گیا اور ضروری ہے کہ یہ زیبائش و آرائش بھی شرعی حدود کے اندر ہی رہے، اس سلسلہ میں حدیث میں چند احکام بہت واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں:

۱) اپنے بالوں کے ساتھ انسانی بالوں کا جوڑنا حرام ہے اور حضور ﷺ نے ایسا کرنے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔(۱)

۲) بال اکھاڑ کر بھنوؤں کو باریک کرنا بھی جائز نہیں اور حضور ﷺ نے اس عمل کے کرنے اور کرانے والی دونوں پر لعنت کی ہے۔(۲)

۳) دانتوں کے درمیان بہ طور اظہار حسن مصنوعی ریخیں نکالنے والی عورتوں پر بھی آپ ﷺ کی لعنت منقول ہے،(۳) جن کے لیے حدیث میں "متفلّجات" کا لفظ مذکور ہے۔

۴) عرب میں ایک قدیم فیشن "وشم" کا تھا "وشم" سے مراد یہ ہے کہ جلد میں سوئی کے ذریعہ سوراخ کیے جائیں اور انہیں سرمہ یا کسی اور چیز سے اس طرح بھر دیا جائے کہ اس کا

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۵۶۵، باب تحریم فعل الواصلة و المستوصلة و ألخ۔ محشی

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۱۷۰، باب في صلة الشعر۔ محشی۔

(۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۵۷۳، باب تحریم فعل الواصلة و المستوصلة و ألخ۔ محشی

رنگ اور نقش باقی رہے، رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے اور کرانے والی عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔(۱) خیال ہوتا ہے کہ چہرہ پر مصنوعی تل بنانا اسی حکم میں داخل ہونا چاہئے۔

۵) خواتین کے لیے بال ان کی زینت کا سامان اور ان کی شناخت اور پہچان ہے، اس لیے عورتوں کے بال کاٹنے سے مردوں کی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے، اس لیے بالغ لڑکیوں اور خواتین کے بال کے معاملہ میں ایسی تراش وخراش جائز نہیں۔

۶) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مجلس سے گزرے وہ ایسی اور ویسی ہے۔(۲) عورتوں کو تیز خوشبو لگانے سے منع فرمایا،(۳) خواتین کو ہلکی خوشبو استعمال کرنی چاہئے اور وہ بھی ان لوگوں کے درمیان جن سے پردہ کے احکام نہیں ہیں۔

۷) جو خواتین عذر کی حالت میں نہیں ہیں، ان کے لیے جسم کے کسی بھی حصہ پر پینٹ کا استعمال جو وضوء وغسل کے درست ہونے میں رکاوٹ ہو، جائز نہیں،(۴) کیوں کہ ظاہر ہے کہ بغیر وضوء کے نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔

ان امور کی رعایت کے ساتھ اگر پردہ کا پورا اہتمام ہو، صرف خواتین ہی تزئین کا کام کرتی ہوں، تو ایک حد تک اس کی گنجائش ہے، لیکن بہتر یہ بھی نہیں؛ کیوں کہ اس سے اسراف اور تزئین وآرائش میں غلو کا مزاج پیدا ہوتا ہے، جو بہر حال اسلام کے اصل مزاج اور روح کے خلاف ہے، اس لیے میری مسلمان بہنوں سے خواہش ہے کہ وہ بیوٹی پارلر قائم کرتے، اس میں

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۹۴۷، باب المستوشمة۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۲۷۸۶، باب ما جاء في كراهية خروج المرأة متعطرة۔ محشی۔

(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۲۷۸۷، باب ما جاء في طيب الرجل و النساء۔ محشی۔

(۴) "أو لزق بأصل ظفره طين يابس أو رطب لم يجز" (الفتاوى الهندية:۱/۴) محشی۔

کام کرنے اور اس کی خدمات سے استفادہ کرنے سے اجتناب کریں کہ آپ کا اصل زیور حیاء ہے اور اس سے بڑھ کر آپ کے لیے زیبائش وآرائش اور جذب وکشش کا کوئی اور سامان نہیں۔

کالی مہندی کا خضاب

سوال:- {2016} کیا خضاب لگانے والے کا چہرہ قیامت کے روز کالا ہوجائے گا؟ اور کیا کوئی مسلمان مرد یا عورت اپنے سر کے بالوں کو کالا کرنے کے لیے بازاری کالی مہندی جس میں کیمیکل لگا ہوا ہو استعمال کرسکتے ہیں؟

(سلمان شریف، گلشن باغ)

جواب:- مشہور محدث طبرانیؒ نے حضرت ابودرداء ﷺ کے حوالہ سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو سیاہ خضاب استعمال کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کے چہرے کو سیاہ کردیں گے"

"من خضب بالسواد سود اللہ وجهه يوم القيامة" (۱)

سیاہ خضاب کے استعمال سے متعلق یہ وعید بھی آئی ہے کہ ایسا شخص جنت کی بو بھی نہ سونگھ سکے گا، (۲) اس لیے سیاہ خضاب کا استعمال مکروہ تحریمی ہے، لیکن یہ ممانعت ایسے خضاب کی ہے جو مکمل طور پر سیاہ ہو، اگر خضاب سیاہی مائل ہو، مکمل سیاہ نہ ہو، تو اس کا استعمال درست ہے، چنانچہ حضرت ابوذر ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مہندی اور "کتم" کا خضاب استعمال

---

(۱) تحفة الأحوذي :۵/۳۵۵۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۲۱۲۔

کرنے کی ترغیب دی ہے۔(۱) ''کتم'' خضاب سرخ سیاہ کے درمیان سیاہی مائل ہوا کرتا تھا، لہذا اگر کیمیکل ملی ہوئی کالی مہندی بالوں کو بالکل سیاہ کردیتی ہو تو اس کا استعمال درست نہیں اور اگر اس سے بالوں کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہوتا ہو، تو اس کا استعمال جائز ہے۔

عورتوں کا مانگ نکالنا

سوال:- {2017} حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیچ کی مانگ نکالنا چاہئے، کچھ خواتین کہتی ہیں کہ یہ صرف مردوں کے لیے ہے، عورتیں بغیر مانگ نکالے بھی چوٹی کرسکتی ہیں، اس کا حکم کیا ہے؟ (سید خواجہ حسین، شاہین نگر)

جواب:- حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک میں مانگ نکالنے کا ذکر موجود ہے،(۲) اور جن امور کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے مردوں اور عورتوں کے احکام میں فرق کی صراحت نہ کی ہو ان میں مردوں اور عورتوں کا حکم ایک ہی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عورتوں کے لیے مانگ نکالنے کو واجب نہیں قرار دیا گیا ہے، اس لئے اگر بغیر مانگ نکالے ہوئے چوٹی گوندھ لیں تو اس کی بھی گنجائش ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، ہاں! خواتین کا فیشن کے طور پر بال کٹانا درست نہیں کہ اس میں مردوں سے مشابہت ہے اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔(۳)

کالی پوت کا لچھا

سوال:- {2018} مسلمان خواتین گلے میں موتی کا

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۸۰۶۔

(۲) سنن أبي داؤد:۲/۵۷۶۔

(۳) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۰۳۱، باب في لبس الشهرة ۔ محشی۔

ہار پہنتی ہیں، جسے کالی پوت کا لچھا کہتی ہیں،، اسی ہار کو ہندو عورتیں منگل سوتر کہتی ہیں، دونوں مذاہب کی خواتین کا عقیدہ ہے کہ ہر شادی شدہ خاتون کے گلے میں یہ ہار ہونا لازمی ہے، اگر کوئی مسلمان شادی شدہ خاتون اسے نہ پہنے، تو اسے بیوہ سمجھا جاتا ہے، اسلام میں اس منگل سوتر کی کیا حیثیت ہے؟

(محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- یہ عقیدہ کہ شادی شدہ خواتین کے گلے میں مخصوص قسم کا ہار ہو اور بیوہ خواتین اسے نہ پہنیں، قطعاً نادرست ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے شادی شدہ اور بیوہ خواتین کے درمیان زینت وآرائش کا فرق صرف عدت وفات میں ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد حاملہ عورت ولادت تک اور غیر حاملہ عورتیں چار ماہ اور دس روز تک سوگ کریں گی، اور زیبائش وآرائش سے بچیں گی، باقی کالی پوت کے استعمال کرنے اور نہ کرنے کا بیوی اور بیوہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں، یہ ہندوانہ رسم ہے، مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کریں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے''(۱) اس لئے مسلمان خواتین کا منگل سوتر یا کالی پوت کا لچھا استعمال کرنا اور اس کو شوہر کے زندہ ہونے کی علامت باور کرنا درست نہیں۔

سیاہ خضاب

سوال:- {2019} زید نے سنا ہے کہ جس شخص کی بیوی جوان ہو اس شخص کو سیاہ خضاب استعمال کرنے کی اجازت ہے؟

(سید صفی اللہ غوری، کلثوم پورہ)

(۱) "من تشبه بقوم فهو منهم" عن ابن عمر ﷺ، (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۰۳۱، باب في لبس الشهرة، كتاب اللباس)

جواب:- بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن حدیث میں سیاہ خضاب کی مطلقاً ممانعت ہے،(۱) اس لیے صحیح یہی ہے کہ سیاہ خضاب لگانا درست نہیں۔(۲)

پسینہ کی بدبو کی وجہ سے اسپرے کا استعمال

سوال:- {2020} میری عمر اکیس سال ہے، مجھے بہت پسینہ آتا ہے، خاص طور سے ہاتھ کے نیچے اور اس میں بدبو بھی ہوتی ہے، میں روزانہ غسل کر کے کپڑا بھی بدلتی ہوں اور پاک صاف رہتی ہوں، لیکن پھر بھی بدبو آتی ہے، چنانچہ میں اسپرے کا استعمال کرتی ہوں اور اس کے بعد نماز بھی پڑھتی ہوں، کیا ایسی صورت میں میری نماز ہو جائے گی؟

(حسنی بیگم، حیدرآباد)

جواب:- غالباً آج کل بعضے ایسے کریم ہیں جو بغل وغیرہ کی بدبو کو دور کرتے ہیں، اس لیے مناسب ہوگا کہ آپ کسی میڈیکل اسٹور سے تحقیق کریں کہ آپ کو الکحل سے خالی کوئی متبادل مل جائے یا جب آپ اپنے محرم رشتہ داروں کے درمیان ہوں تو عطریات استعمال کرلیں، آج کل "الکحل فری اسپرے" بھی ملتے ہیں ان کا استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہے، الکحل کو چوں کہ بعض علماء ناپاک قرار دیتے ہیں، اس لیے ایسا اسپرے استعمال کرنا مناسب نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے لیے شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے کوئی حل نکال دے۔

اگر عورت شوہر کے لیے عطر لگائے؟

سوال:- {2021} کیا عورت اپنے شوہر کے لیے

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۱۰۲، باب استحباب خضاب الشیب بصفرۃ و حمرۃ و تحریمہ بالسواد۔

(۲) "یکرہ الخضاب بالسواد" (المغنی:۱/۶۷) محشی۔

خوشبو (عطر) لگا سکتی ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- عورت کے لیے اپنے شوہر کی خاطر زیبائش وآرائش نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ یہ بات اس کے شوہر کے دل ونگاہ کو پاک رکھنے میں معاون ہوتی ہے، اس لیے عورتیں اپنے شوہروں کے لیے خوشبو استعمال کر سکتی ہیں، اگر شوہر کے علاوہ کوئی اور مجلس کے لیے خوشبو استعمال کرے تو ایسا عطر ہونا چاہئے کہ جس کا رنگ نمایاں اور بو ہلکی ہو، رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو ایسا ہی عطر استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی ہے: "طیب النساء ما ظهر لونه و خفي ريحه "(۱) البتہ جیسا کہ مذکور ہوا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب گھر سے باہر جانا چاہے، شوہر کے پاس جانا ہو تو مشہور محدث ملا علی قاریؒ کے بیان کے مطابق ہر طرح کی خوشبو استعمال کر سکتی ہے:

"و أما إذا كانت عند زوجها فلتطيب بما شاءت"(۲)

مردوں کا سیاہ سرمہ لگانا

سوال:- {2022} ایک عالم صاحب نے بتایا کہ مردوں کے لئے سیاہ سرمہ استعمال کرنا درست نہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

(عبدالرؤف، مہدی پٹنم)

جواب:- اگر سیاہ سرمہ بطور زینت وآرائش کے لگایا جائے تو مردوں کے لئے مکروہ قرار دیا گیا ہے، لیکن اگر زینت مقصود نہ ہو، علاج اور بینائی کی تقویت پیش نظر ہو، تو اکثر اہل علم کے نزدیک سیاہ سرمہ کے استعمال میں بھی حرج نہیں، کیونکہ حدیث میں سیاہ وسفیدی کی تحدید نہیں کی گئی ہے اور یہی رائے زیادہ درست ہے۔

---

(۱) الجامع للترمذی، عن أبي هريرة ﷺ، حدیث نمبر: ۲۷۸۷، باب ما جاء في طيب الرجل و النساء۔ محشی۔

(۲) مرقاة المفاتيح: ۸/۲۹۹۔

"و یکره الکحل الأسود بالإتفاق إذا قصد به الزینة و عامتهم علی انه لا یکره" (۱)

مہندی اور نیل پالش

سوال:- {2023} کیا عورتوں کے ہاتھ میں مہندی یا ناخن پر نیل پالش استعمال کرنے سے وضو یا نماز میں کسی قسم کی کراہت پیدا ہوتی ہے؟

(محمد نصیر عالم سبیلی، جالے، دربھنگہ، بہار)

جواب:- عورتوں کے مہندی لگانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ احادیث سے اس کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے، ناخنوں پر جو نیل پالش لگائے جاتے ہیں، وہ وضو کا پانی پہونچنے میں رکاوٹ ہے، اور ظاہر ہے کہ اعضاء وضو میں سے کسی حصہ پر پانی نہ پہونچ پائے تو وضو درست نہیں ہوگا، (۲) اور بغیر وضو کے نماز ادا نہیں کی جاسکتی، اس لئے جن خواتین کے ساتھ ایسی حالت نہ ہو کہ جن میں نماز معاف ہوجاتی ہے ان کے لئے نیل پالش درست نہیں۔

سینٹ کا استعمال

سوال:- {2024} کیا اسپرے کا عطر ناپاک ہوتا ہے، اس سینٹ کو لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (محمد ذیشان احمد، بیدر)

جواب:- جس سینٹ میں الکحل استعمال نہ ہوا ہو اس کے لگانے میں کوئی حرج نہیں، جس سینٹ میں الکحل ہو اس کے سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر انگور اور کھجور سے الکحل حاصل کیا

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۵/۳۵۹۔

(۲) "أو لزق بأصل ظفره طین یابس أو رطب لم یجز" (الفتاوی الهندیة: ۱/۴) محشی۔

گیا ہو، تو وہ شراب کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے، اس کا لگانا جائز نہیں، اور اگر لگالیا اور الکحل لگا ہوا حصہ ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار یا اس سے زیادہ ہو، تو اس کے ساتھ نماز کی ادائیگی درست نہیں، اگر ان دونوں کے علاوہ کسی اور شئی سے الکحل حاصل کیا گیا ہے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ ناپاک نہیں اور اس کا استعمال درست ہے۔(۱)

عورتوں کا پیشانی پر چمکی لگانا

سوال:- {2025} آج کل مسلمان عورتیں بھی دوسرے مذہب کی عورتوں کی طرح ماتھے پر چمکی وغیرہ لگارہی ہیں، اور کہتی ہیں کہ یہ فیشن ہے، کیا ان کا یہ فعل جائز ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- یہ دراصل ہندو خواتین کا طریقہ ہے، بلکہ یہ ان کے یہاں سہاگ کی علامت سمجھی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''من تشبه بقوم فهو منهم ''(۲) اس لئے مسلمان بہنوں کو ایسے فیشن سے گریز کرنا چاہئے، عورتوں کے لئے بیشک زینت کی اجازت ہے، لیکن اس کی بھی حدود ہیں، اگر زینت کافروں اور فاسقوں سے تشبہ کے دائرہ میں آجائے تو جائز نہیں۔

لپ اسٹک لگانا

سوال:- {2026} کیا عورتوں کے لیے لپ اسٹک لگانا جائز ہے؟ (شاہین سلطانہ، عطیہ سلطانہ، گشن باغ)

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۶/ ۲۷۷ محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۰۳۱۔

جواب:- اگر لپ اسٹک میں کوئی حرام جزو نہ ہو اور وضوء کا پانی جسم تک پہونچنے میں رکاوٹ نہ بنتا ہو، تو اس کا استعمال جائز ہے، اگر کوئی حرام جزو اس کی بناوٹ میں شامل ہو تو اس کا استعمال جائز نہیں، اگر حرام جزو تو شامل نہ ہو، لیکن ہونٹ پر ایسی تہ جم جاتی ہو کہ وضوء کا پانی نہ پہونچ سکے تو جن عورتوں پر نماز واجب ہے، ان کے لیے لپ اسٹک لگانا جائز نہیں، جو عورتیں ایسی حالت میں ہوں کہ فی الحال ان پر نماز واجب نہیں اور نماز واجب ہونے سے پہلے لپ اسٹک صاف ہو جانے کی امید ہو ان کے لیے لگانے کی گنجائش ہے۔

ناک چھیدنا

سوال:- {2027} مجھ سے ایک صاحب نے کہا کہ ناک چھیدنا اسلام میں حرام ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(زرینہ تبسم، جہاں نما)

جواب:- جیسے کان زینت کی جگہ ہے، اسی طرح ناک بھی زینت کی جگہوں میں ہے، کان میں بالیاں پہننے کا ذکر خود حدیث میں ہے،(۱) اور ظاہر ہے کہ سوراخ کر کے ہی پہنی گئی ہوں گی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناک میں زیور پہننے کے لیے سوراخ کرنا درست ہے، نہ احادیث میں اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے، نہ فقہاء نے اس کو منع کیا ہے۔

آنکھ کھلے برقعے

سوال:- {2028} آج کل عورتیں نقاب لگاتی ہیں، آنکھیں کھلی رہتی ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(سمیع اللہ، ترکیسر، گجرات)

جواب:- بہتر ہے کہ نقاب ایسا استعمال کیا جائے کہ آنکھ کے حصہ پر بھی جالی لگی ہو،

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۵۸۸۳، باب القرط للنساء۔ محشی۔

تاہم فقہاء کی تصریحات کے مطابق آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے، تاکہ چلنے میں سہولت ہو، اصل مسئلہ خود نقاب کی ہیئت کا ہے، نقاب معمولی طور پر موٹے کپڑے کا ہونا چاہئے جس میں جاذبیت نہ ہو، آج کل نئے نئے ڈیزائن کے جاذب نگاہ نقاب بنائے جاتے ہیں، یہ نقاب کے مقصد ومنشاء ہی کو مجروح کر دیتا ہے۔

مختلف رنگوں کے خضاب اوران کا حکم

سوال:- {2029} کالے رنگ کے خضاب کی ممنوعیت تو فقہ میں ثابت ہے، البتہ دوسرے رنگوں مثلاً بھورا۔ پیلا،، سرخ رنگوں کے خضاب کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ مسئلہ اجتہادی ہے یا فقہ میں اس سلسلے کا کوئی قول فیصل ملتا ہے؟

(محمد زکریا، آصف نگر)

جواب:- سیاہ خضاب کے استعمال کی ممانعت حدیث صحیح سے ثابت ہے اور اس لیے اس کے مکروہ ہونے پر قریب قریب فقہاء کا اتفاق ہے؛ لیکن دوسرے رنگوں کا خضاب استعمال کرنا درست ہے، فقہاء نے ایسے خضاب کے استعمال کو مستحب قرار دیا ہے، بشرطیکہ سیاہ رنگ کا نہ ہو۔

" و عن الامام أن الخضاب حسن لکنه بالحناء و الکتم و الوسمة " (۱)

لپ اسٹک اور ناخن پالش

سوال:- {2030} لپ اسٹک اور ناخن پر نیل پالش

(۱) الفتاوی الهندیة:۵/۳۵۹۔

لگانے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ لگا کر کسی تقریب میں جاسکتے ہیں؟

(الف، س، ص)

جواب:- شریعت نے عورتوں کو مہندی لگانے کی اجازت دی ہے، چنانچہ خواتین کے لیے اس کے جائز ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔"و انه يباح للنساء دون الرجال"(۱) مہندی ہاتھ کو رنگین تو کرتی ہے، لیکن پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بنتی، بہ خلاف لپ اسٹک اور نیل پالش کے، بلکہ اس سے پانی جسم تک نہیں پہنچ پاتا ہے، اور وضوء اس کے بغیر درست نہیں ہوتا، (۲) اس لیے جن عورتوں پر نماز فرض ہے ان کے لیے اس سے بچنا واجب ہے، جن پر ابھی نماز فرض نہیں، عذر کی حالت ہے اور عذر ختم ہونے تک یقین ہے کہ لپ اسٹک اور پالش صاف ہوجائے گا، ان کے لیے اس کے استعمال کی گنجائش ہے، بہ شرطیکہ ان چیزوں میں کوئی ناپاک جزء استعمال نہ ہوتا ہو۔

بال کے مصنوعی جوڑے

سوال:- {2031} آج کل عورتوں میں یہ فیشن عام ہوگیا ہے کہ اپنے بال کے ساتھ دوسروں کے بال یا مصنوعی بال لگا کر خواتین جوڑے تیار کرتی ہیں، تاکہ ان کے بال بڑے اور خوبصورت محسوس ہوں، ایسا کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ (حامد محی الدین، سکندرآباد)

جواب:- اسلام نے خواتین کو بے شک زیبائش وآرائش کی اجازت دی ہے، لیکن حد اعتدال میں رہتے ہوئے، اسی کے پیش نظر شریعت نے زینت وآرائش کے باب میں بھی کچھ خصوصی ہدایات دی ہیں، اور کچھ اصول متعین کردئے ہیں، کہ ان کے دائرہ میں رہتے ہوئے بناؤ

(۱) خلاصة الفتاوی :۴/ ۳۷۷۔

(۲) "أو لزق بأصل ظفره طين يابس أو رطب لم يجز"(الفتاوى الهندية:۱/ ۴) محشی۔

وسنگار کیا جائے ـــــ ان ہی میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دوسری عورتوں کے بال جوڑنے سے منع فرمایا، بلکہ آپ ﷺ نے بال لگانے والی اور اپنے بال کے ساتھ بال لگوانے والی دونوں خواتین پر اللہ کی لعنت بھیجی ہے۔''لعن اللّٰہ الواصلة والمستوصلة ''(۱) اسی لیے اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایک انسان کا اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے انسان کا بال جوڑنا قطعاً حرام ہے۔ البتہ کسی اور جانور کا بال اپنے جوڑے میں رکھنا، یا مصنوعی نائیلون وغیرہ کے بال جوڑے میں لگانا اور خواتین کا اپنے بالوں کے ساتھ جوڑ دینا جائز ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

" ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها و ذوائبها شيئا من الوبر " (۲)

خواتین کا ناک، کان چھیدانا

سوال:- {2032} کیا خواتین کان یا ناک چھیدا سکتی ہیں؟ کیا اسلام میں ناک اور کان میں زیور پہننا جائز ہے، حدیث کے ذریعہ بتائیں۔

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- عورتوں کے لیے ناک، کان وغیرہ میں زیورات پہننا اور ان کے لیے ناک، کان کا چھیدانا جائز ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید کے موقع پر حضور ﷺ نے خواتین کو صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی، چنانچہ عورتوں نے اپنے کان، اور گلے کے زیورات صدقہ کئے۔(۳) حدیث میں'' قرط'' کا لفظ ہے،'' قرط'' کان کے زیور کو کہتے ہیں، چاہے سونے کا ہو یا چاندی کا یا کسی اور چیز کا، عام طور پر کان چھید کر ہی زیور پہنے جاتے ہیں، اسی

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۵۶۵۔ محشی۔
(۲) الفتاوی الهندية: ۵/۳۵۸۔
(۳) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۸۸۳، باب القرط للنساء۔ محشی۔

لیے اس حدیث سے اہل علم نے کان چھیدنے کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"و استدل بہ علی جواز ثقب أذن المرأۃ لتجعل فیھا القرط و غیرہ" (۱)

نیز حدیث کی مشہور کتاب طبرانی کی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے صراحۃً مروی ہے کہ بچیوں میں سات چیزیں سنت ہیں ان میں ساتویں چیز کان کا چھیدنا ہے۔(۲) اس لیے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

پاؤں میں مہندی لگانا

سوال:- {2033} پاؤں میں مہندی لگانا سنت ہے یا بدعت؟ (عائشہ جبیں، تالاب کٹہ)

جواب:- شریعت نے عورتوں کو اجازت دی ہے کہ وہ زیبائش وآرائش کی جگہ جیسے ہاتھ، گلا، سینہ، پاؤں وغیرہ میں زینت اختیار کریں، لہٰذا پاؤں میں مہندی لگانا درست ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"لا ینبغی أن یخضب یدی الصبی الذکر و رجلہ إلا عند الحاجۃ، ویجوز ذلک للنساء" (۳)

اور اسے نہ تو سنت کہیں گے اور نہ بدعت، بلکہ مباح، یعنی یہ ان امور میں سے ہے جنہیں اختیار کرنا جائز ہے۔

---

(۱) فتح الباری: ۱۰/۳۴۴۔

(۲) حوالہ سابق

(۳) الفتاوی الھندیۃ: ۵/۳۵۹۔

ناخن پر پینٹ

سوال:- {2034} کیا خواتین اپنی آرائش کے لیے
ناخنوں پر پینٹ لگاسکتی ہیں؟ کیوں کہ پینٹ لگانے سے
ناخنوں پر پانی نہیں پہنچ پاتا؟ (عائشہ بیگم، ظہیرآباد)

جواب:- جب ناخنوں پر پانی نہیں پہنچ پاتا تو ظاہر ہے کہ یہ پینٹ وضوء میں رکاوٹ ہے، جو نماز کے درست ہونے کے لیے اولین شرط ہے، اس لیے جن دنوں عورتوں پر نماز فرض ہو ناخنوں پر پینٹ لگانا جائز نہیں، ہاں! اگر عورت ایسے ایام میں ہو جن دنوں میں نماز کا حکم ان سے متعلق نہیں ہوتا، ان ایام میں ایسا پینٹ استعمال کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ نماز کا حکم متعلق ہونے سے پہلے ناخن صاف کر لیے جائیں، یہ تو ایک فقہی حکم ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عام حالت میں بھی اس طرح کے پینٹ کا استعمال زیبائش و آرائش میں غلو کے قبیل سے ہے اور زینت و آرائش میں غلو اور حد اعتدال سے آگے بڑھ جانا مناسب نہیں، اس لیے عام حالات میں بھی اس سے بچنا ہی چاہئے، اس کے بجائے کیا بہتر ہوگا کہ مہندی کا استعمال کریں، مہندی سے بھی ناخن کو رنگین کیا جاسکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے بھی عورتوں کے لیے مہندی کے استعمال کو پسند فرمایا ہے، اور اطباء کا خیال ہے کہ یہ صحت کے نقطۂ نظر سے مفید ہے۔

خضابی کنگھی کا حکم

سوال:- {2035} ڈاڑھی میں سفید بالوں کو چھپانے
کے لیے آج کل مختلف قسم کی ادویات استعمال کی جاتی ہیں،
بعض لوگ کالے قسم کا رنگ لگاتے ہیں اور بعض کالی مہندی

استعمال کرتے ہیں اور آج کل تو ایک کنگھی بنائی گئی ہے جس میں کالا رنگ رہتا ہے جو کنگھی کرتے وقت بالوں کو لگ جاتا ہے، ان سب کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی چیزیں استعمال کرنے والوں کی امامت کا کیا حال ہے؟

(محمد نصیر عالم سہیلی، جالے، دربھنگہ)

جواب:- شریعت کا اصول ہے ''خلق اللہ'' کو کسی شرعی مصلحت کے بغیر چھپانا اور اس پر شرم محسوس کرنا درست نہیں، اسی لیے سفید بال کو اکھاڑنے کی بھی ممانعت ہے، (۱) اسی طرح خضاب اگر سرخ ہو تو اجازت ہے کہ اس سے بال کا پکنا نہیں چھپتا ہے، البتہ جہاد کی حالت میں دشمنانِ اسلام سے مڈبھیڑ کے وقت سیاہ خضاب لگا کر اپنے آپ کو جوان ظاہر کرنا درست ہے کہ ایک شرعی مصلحت ہے، یوں ہی زینت کے لیے سیاہ خضاب کا استعمال امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مکروہ ہے۔ (۲) سیاہ مہندی، رنگ، کنگھی وغیرہ خضاب ہی کے حکم میں ہے، چوں کہ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے درمیان اختلاف ہے، خود امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے اس کی اجازت دی ہے، (۳) اس لیے اس کا شمار ایسی مکروہات میں نہیں ہوگا، جو باعث فسق ہو اور اس کی امامت مکروہ ہو، اس لیے ایسے شخص کی امامت درست ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۲۰۲، باب في نتف الشیب ۔ محشی ۔

(۲) الفتاوی الهندیة: ۱۱۴/۴ ۔

(۳) حوالہ سابق: ۳۵۹/۶ ۔ محشی ۔

لباس و پوشاک

مرد کے لیے سرخ مشجرہ

سوال:- {2036} مرد کے لیے لال کپڑا پہنا حرام ہے تو کیا لال عمامہ یا مشجرہ جو سر پر باندھا جاتا ہے، وہ بھی حرام ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- مرد سرخ رنگ کا کپڑا استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ سے مختلف احادیث کی بناء پر مردوں کے لئے سرخ اور سیاہ لباس کا جائز ہونا منقول ہے:

" و عن أبي حنيفة لا بأس بالصبغ الأحمر و الأسود كذا في الملتقط " (۱)

علامہ شامیؒ کی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ اگر ایسا سرخ کپڑا ہو جو خواتین استعمال کیا کرتی ہیں، تو مردوں کے لیے ان کا استعمال مکروہ ہے، جو کپڑا اس طرح کا سرخ نہ ہو، اسے مرد

(۱) الفتاوى الهندية: ۳۳۲/۵۔ مرتب۔

بھی استعمال کر سکتے ہیں،(۱) رومال جس کو بعض مقامات پر مشجرہ کہتے ہیں، ایسا ہی کپڑا ہے، اس لیے اس کے باندھنے میں کوئی حرج نہیں۔

ساڑی وبلاؤز پہننا

سوال:- {2037} آج کل مسلم خواتین غیر مسلموں کی طرح ساڑی اور بلاؤز پہنتی ہیں، بلاؤز پہننے سے پیٹھ اور پیٹ کا حصہ کھلا رہتا ہے، کیا مسلم خواتین کیلئے ایسا لباس استعمال کرنا جائز ہے؟　　(سید عبدالرحیم، مانوت)

جواب:- ساڑی چوں کہ اب غیر مسلموں کا مخصوص لباس باقی نہ رہا، بلکہ ہندوستان کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں عام طور پر مسلم خواتین بھی ساڑی پہنتی ہیں، لہٰذا مسلم خواتین ساڑی پہن سکتی ہیں، لیکن ایسا بلاؤز استعمال کرنا کہ پیٹھ اور پیٹ کا حصہ کھلا رہے، بہت ہی گناہ کی بات ہے غیرت وحیاء کے بھی خلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں دو گروہ جہنمی ہوں گے، آپ ﷺ نے دونوں میں سے ایک ان عورتوں کو قرار دیا جو لباس پہنی ہوئی بھی ہوں اور بے لباس بھی ہوں، "کاسیات عاریات" (۲)

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ بدن کا کچھ حصہ چھپائیں گی اور کچھ کھلا رکھیں گی، تاکہ اپنے حسن وجمال کا اظہار کریں۔(۳) ایسی عورتوں کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گی، اور اس کی خوشبو

---

(۱) رد المحتار :۹/۴۳۶، محشی۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۵۵۸۲، عن أبی هريرة ﷺ۔

(۳) مرقاة المفاتيح :۷/۹۶۔

بھی نہیں پاسکیں گی اس لئے مسلمان بہنوں کو اس گناہِ عظیم سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے اور شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے زیب وزینت اختیار کرنی چاہیے۔

کالا کپڑا پہننا

سوال:- {2038} کالا کپڑا پہننا چاہیے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کالا کپڑا دوزخ کی نشانی ہے، ہم لڑکیاں عام طور پر کالا برقع ہی استعمال کرتی ہیں، اس کی وضاحت کریں۔ (حناء کوثر، عادل آباد)

جواب:- سیاہ کپڑا پہننے میں کوئی قباحت نہیں، رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن سیاہ عمامہ زیب تن کئے ہوئے تھے، یہ بات صحیح روایتوں سے ثابت ہے،(۱) حضرت ام خالد بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کے لیے سیاہ اون کا جبہ بنایا تھا، جسے آپ ﷺ نے زیب تن فرمایا۔(۲) نیز آپ ﷺ نے اپنی ایک صحابیہ حضرت ام خالد بنت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سیاہ کپڑا (خمیص) تحفۃً عنایت فرمایا۔(۳) اس لیے سیاہ کپڑا پہننے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ بعض فقہاء نے ان روایات کی وجہ سے سیاہ لباس کو مستحب قرار دیا ہے،(۴) خاص کر برقع کے لیے یہ رنگ زیادہ موزوں ہے، کیوں کہ برقع کا مقصد ستر ہے اور ستر کے لیے سیاہ رنگ زیادہ مفید ہے۔

چمڑے کی جیکٹ پہننا

سوال:- {2039} چمڑے کی جیکٹ پہننا جائز ہے یا

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۷۳۵، باب ماجاء في العمامة السوداء۔
(۲) فتح الباری:۱۰/۲۹۲۔
(۳) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۵۸۲۳، باب الخميصة السوداء۔
(۴) الفتاوی الهندية:۵/۳۳۰۔

نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں رہبری فرمایئے۔

(کے، ایم، محمد پاشا، مشیر آباد)

جواب:- اگر کسی جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا جائے تو گوشت کی طرح اس کا چمڑا بھی پاک ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر مردار کے چمڑے کو دباغت دے دی جائے، یعنی اس کی صفائی کردی جائے تو وہ بھی پاک ہے اور اس کا استعمال جائز ہے، متعدد حدیثوں میں اس کی صراحت موجود ہے۔(۱) اس سے سور کا چمڑا مستثنیٰ ہے کہ وہ ان صورتوں میں بھی پاک نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس طریقہ پر پاک کئے ہوئے، چمڑوں کا کوئی لباس پہننا جائز ہے، البتہ رسول اللہ ﷺ نے درندہ جانوروں کے چمڑوں کے استعمال کو منع فرمایا ہے۔(۲) کیوں کہ اس سے تکبر کا اظہار ہوتا ہے، اس لیے ایسے جانوروں کے چمڑوں کی جیاکٹ پہننا مکروہ ہے، دوسرے جانور مثلاً ہرن وغیرہ کے چمڑوں کی جیاکٹ پہننے کی گنجائش ہے۔

لباس نبوی ﷺ

سوال:- {2040} اسلامی لباس کیا ہے؟ سرکار دو عالم ﷺ کو کونسا لباس پسند تھا اور کونسا زیب تن فرماتے تھے؟

(محمد ریاض احمد، دبے نگر کالونی)

جواب:- لباس کے معاملہ میں ہر انسان کا ذوق الگ الگ ہوتا ہے، اسی لیے شریعت نے اس بارے میں چند خاص اصول مقرر کرنے پر اکتفا کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ لباس ساتر ہو، جس حصہ کو چھپانا واجب ہے وہ نہ کھلا رہے نہ ایسا مہین کپڑا ہو کہ جسم نظر آنے لگے اور نہ اتنا چست ہو کہ جسم کی ساخت نمایاں ہوجائے، دوسرے غیر مسلموں سے ایسی مشابہت نہ ہو کہ اسے دیکھ کر غیر مسلم ہونے کا خیال ہوتا ہو، تیسرے فاسق وفاجر لوگوں کی وضع قطع اختیار نہ کی

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۱۲۰، کتاب اللباس، باب في أهاب الميتة۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۱۳۱۔

جائے، چوتھے مردوں کا لباس عورتوں کی طرح اور عورتوں کے لباس کی وضع مردوں کی طرح نہ ہو، یہ احکام مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہیں، کچھ احکام خاص مردوں کے لیے ہیں، مردوں کے لیے خالص ریشم کا کپڑا پہننا جائز نہیں، پائجامہ یا تہبند ٹخنوں سے نیچے رکھنا مکروہ ہے اور شوخ رنگ جیسے زعفران کلر بھی کراہت سے خالی نہیں، باقی اور امور میں کوئی پابندی نہیں، ہر شخص اپنے مذاق ومزاج کے مطابق کپڑے بنا سکتا ہے۔

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے لباس کی بات ہے، تو کپڑے کی وضع کے سلسلہ میں حضور ﷺ کو قمیص زیادہ مرغوب تھی، چنانچہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: ''کان أحب الثیاب إلی رسول اللہ ﷺ القمیص ''(۱) قمیص سے مراد جسم کے بالائی حصہ کا ایسا لباس ہے جس میں آستین ہو، نیز حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کی آستین گٹوں تک تھی، رنگ کے اعتبار سے سفید رنگ پسند تھا، حضرت انس ؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کو دھاری دار کپڑا جس کو عربی زبان میں ''حبرۃ'' کہتے ہیں، بہت پسند تھا، ایسے کسی خاص رنگ کا اہتمام نہیں تھا، مختلف رنگوں کے کپڑے پہننا آپ سے ثابت ہے، حضرت ابو جحیفہ ؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے سرخ ''حلہ'' بھی استعمال فرمایا ہے، کبھی دو چادروں پر بھی اکتفا فرمایا ہے، عام معمول تہہ بند پہننے کا تھا، لیکن بعض علماء کی رائے ہے کہ آپ ﷺ نے پائجامہ بھی پہنا ہے، بہر حال آپ ﷺ کی تہہ بند نصف پنڈلی تک ہوتی تھی، یہ حضرت ابو سعید خدری ؓ اور بعض صحابہ ؓ سے منقول ہے، معروف محدث امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ نے ''شمائل'' میں (۲) اور علامہ ابن القیمؒ نے ''زاد المعاد'' میں رسول اللہ ﷺ کے لباس سے متعلق حدیثیں نقل کی ہیں۔ (۳)

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۷۶۲، باب ما جاء في القمیص ۔ محشی۔

(۲) شمائل الترمذي : ۸، باب ما جاء في صفة إزار النبي ۔ محشی۔

(۳) زاد المعاد : ۱/۱۳۲-۱۳۵ ۔ محشی۔

شرعی لباس

سوال:- {2041} بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسا دیس ویسا بھیس اور جس ملک میں جو لباس عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ پہنا جائے، شرعی حکم کیا ہے؟

(منور سلطان، مدھوبنی، بہار)

جواب:- لباس کے لیے اسلام نے چند خاص حدود متعین کر دی ہیں، ان کے اندر رہ کر جو بھی لباس اختیار کیا جائے درست ہے۔

اول یہ کہ مرد و عورت کے جسم کا وہ حصہ چھپ جائے جن کا ستر اور پردہ واجب ہے، اور اتنا باریک اور چست بھی نہ ہو کہ جسم کے اعضاء نمایاں ہوں۔

دوم یہ کہ کفار سے ایسی مشابہت نہ ہو کہ اس لباس کو دیکھے تو کوئی خاص قوم سمجھ میں آتی ہو، اور نہ اس لباس کا تعلق غیر اسلامی شعار سے ہو، جیسے زنار، سکھوں کی پگڑی وغیرہ۔

تیسرے ٹخنوں سے نیچے نہ ہو یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے۔

چوتھے مردوں کے لیے ریشمی اور شوخ رنگ کے لباس بھی ممنوع ہیں، ان حدود کی رعایت کے ساتھ جو بھی لباس ہو جائز ہے، البتہ ہر جگہ کے اہل دین اور ثقہ لوگوں کا جو لباس ہو، اس کی اتباع زیادہ بہتر اور مستحب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ٹائی لگانے کا حکم

سوال:- {2042} آج کل ٹائی کے استعمال کا رواج بہت عام ہے، ٹائی باندھنا اسکولوں کے یونی فارم میں داخل ہے، بعض کمپنیوں اور آفسوں میں بھی ٹائی ایک لازمی لباس

ہے، ٹائی پہننے کا کیا حکم ہے؟ اس پر روشنی ڈالیں۔

(محمد جمشید، مسقط)

جواب:- یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مغرب سے جو چیز آتی ہے، ہم اسے اپنی زندگی اور تہذیب کا ایک لازمی جزء بنا لیتے ہیں، چاہے اس میں کوئی معقولیت اور ادنیٰ درجہ کی بھی افادیت نہ ہو، اس لیے حتی المقدور ایسی وضع قطع سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اسلام کی نظر میں یہ بات نہایت ناپسندیدہ ہے کہ مسلمان اپنی معاشرت اور وضع قطع میں غیر مسلموں کی مماثلت اختیار کریں، (۱) ٹائی بھی ایسی ہی چیزوں میں سے ہے۔

ماضی قریب کے ایک بڑے عالم اور معروف صاحب افتاء مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) نے ٹائی کے بارے میں ایک سوال کا جواب اس طرح دیا ہے جو بہت ہی متوازن اور نہایت ہی معتدل ہے:

> ''ٹائی ایک وقت میں نصاریٰ کا شعار تھا، اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا، اب غیر نصاریٰ بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں، بہت سے صوم وصلاۃ کے پابند مسلمان بھی استعمال کرتے ہیں، اب اس کے حکم میں تخفیف ہے، اس کو شرک یا حرام نہیں کہا جائے گا، کراہیت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہیت سخت ہوگی، کہیں ہلکی، جہاں اس کا استعمال عام ہو جائے، وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا جائے گا'' (۲)

---

(۱) "من تشبه بقوم فهو منهم" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۰۳۱، باب ما جاء في لبس الشهرة) محشی۔

(۲) فتاویٰ محمودیہ:۱۳/۴۰۷۔

بغیر ٹوپی کے عمامہ

سوال:- {2043} بعض لوگ سر پر عمامہ تو باندھتے ہیں، مگر اس کے نیچے ٹوپی نہیں ہوتی، تو کیا یہ صورت بہتر ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ باندھا جا سکتا ہے، اور ٹوپی کے اوپر سے بھی، ابتداء میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کی وضع کو کافروں سے ممتاز رکھنے کے لیے یہ فرمایا تھا کہ عمامہ ٹوپی کے اوپر باندھا جائے، تاکہ مشرکین اور اہل ایمان کی وضع میں فرق باقی رہے:

"فرق ما بيننا و بين المشركين العمائم على القلانس" (۱)

لیکن بعد کو آپ ﷺ نے دونوں صورتوں کی اجازت دے دی۔

❁ ❁❁❁❁❁❁ ❁

(۱) سنن أبي وداؤد، حدیث نمبر:۴۰۷۹، عن رکانة ؓ۔

پردہ کے احکام

لاؤڈ اسپیکر پر عورت کا پروگرام

سوال:- {2044} کسی پروگرام میں عورت کے لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ (شکیل، حیدرآباد)

جواب:- بالغ لڑکی کے لیے غیر محرم سے اپنی آواز کی بھی حفاظت کرنا واجب ہے، اس لیے عورتیں، خواتین کے پروگرام میں اس طرح خطاب کرسکتی ہیں کہ ان کی آواز اسی مجمع تک محدود رہے، مردوں اور عورتوں کے مشترک اجتماع میں عورتوں اور بالغ لڑکیوں کا نعت پڑھنا یا تقریر کرنا مکروہ ہے۔

عورت کی آواز

سوال:- {2045} کیا اسلام میں عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے؟ اور کیا نعت اور حمد وغیرہ غیر محرم کو سنانا جائز نہیں؟

(امۃ الرحیم، ونے پلی)

جواب:- اصل مقصد فتنہ کے دروازوں کو بند کرنا ہے، جہاں غیر محرم تک آواز پہونچنے اور پہنچانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو، وہاں اس سے احتیاط کرنا واجب ہے، جیسے کسی غیر محرم کو نعت یا حمد سنانا یا اس طرح تقریر کرنا کہ غیر محرموں تک آواز پہنچے، یا بلا ضرورت اور لوچ دار گفتگو کرنا، جہاں اس کا اندیشہ نہ ہو، نیز ضرورت کے مواقع پر جیسے ڈاکٹر سے گفتگو وغیرہ، اس سے مستثنیٰ ہیں، اسی طرح کم عمر بچیاں یا سن رسیدہ خواتین کی آواز باعث فتنہ نہیں، اس لیے ان کی آواز براہ راست سننے کی بھی گنجائش ہے۔

عورتوں کا گھر میں سر کھلا رکھنا

سوال:- {2046} ایک پاکستانی عالم دین مولانا محمد صادق سیالکوٹی نے اپنی کتاب ''مرآۃ النساء'' میں صفحہ ۳۴۶ پر لکھا ہے: ''عورت گھر میں ننگے سر پھرا نہ کرے، کئی پردہ دار عورت برقع کے ساتھ باہر جاتی ہیں، جب گھر آتی ہیں تو ننگے سر گھر کا کام کاج کرتی ہیں، یہ حرام ہے سر چھپانے کی چیز ہے، اسے مستور رکھا کریں'' آپ سے گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں رہنمائی کریں۔ (محمد ابراہیم، قدیم ملک پیٹ)

جواب:- اگر گھر میں غیر محرم جیسے چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد بھائی رہتے ہوں، تو واقعی گھر میں بھی اسے سر ڈھک کر رکھنا چاہئے، لیکن اگر گھر میں صرف شوہر اور محرم رشتہ دار ہوں تو سر کھلا رکھنے کی گنجائش ہے۔ ''ینظر الرجل ... من محرمه الی الرأس و الوجه ألخ ''(۱) لیکن احتیاط بہر حال گھر کے اندر بھی سر ڈھک کر رکھنے میں ہے؛ کیوں کہ اگر کھلے سر رہنے کی عادت بن گئی تو پھر بے خیالی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور محرم وغیر محرم کا فرق بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

(۱) الدر المختار مع الرد :۹/۵۲۴۔

اجنبی لڑکے سے فون پر گفتگو

سوال:- {2047} کیا ایک لڑکی کسی اجنبی لڑکے سے فون پر بات کرسکتی ہے؟ یا دوکان پر اس سے مل سکتی ہے؟

(نام غیر مذکور، کریم نگر)

جواب:- غیر محرم لڑکے اور لڑکی کا کسی ضرورت شدیدہ کے بغیر یوں ہی فون پر ایک دوسرے سے گفتگو کرنا یا ایک دوسرے سے ملنا جائز نہیں، اس سے اجتناب کرنا واجب ہے، یہ سب باتیں خود گناہ ہیں اور انسان کو اس سے بڑے گناہ تک پہنچادیتی ہیں۔

کیا شوہر بیوی کی بے پردگی کا ذمہ دار ہوگا؟

سوال:- {2048} عورت شرعی پردہ نہیں کرتی تو کیا شوہر اس کا ذمہ دار ہوگا؟

(نسیم اختر، گلبرگہ)

جواب:- آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کچھ لوگوں کی نسبت سے ذمہ دار کا درجہ رکھتا ہے اور ہر ذمہ دار ان لوگوں کے بارے میں جواب دہ ہے، جو اس کے تحت ہوں، "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته" (۱) اس لئے شوہر اگر بیوی کو پردہ کرنے کی تلقین نہ کرے اور بیوی کے مزاج کو بدلنے کی مناسب کوشش نہ کرے تو عند اللہ اس سلسلہ میں جواب دہ ہوگا، اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ بعض خواتین اپنے ساتھ چار مردوں کو دوزخ میں لے جائیں گی۔

عورتوں کا اجنبی مردوں کو دیکھنا

سوال:- {2049} مردوں کا اجنبی عورت کو دیکھنا جائز

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۵۲۰۰، باب المرأة راعیة في بیت زوجها۔ محشی۔

نہیں ہے، تو کیا عورتوں کے لئے اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے؟

(اشرف علی، حیدرآباد)

جواب:- مرد اجنبی عورت کو دیکھے اور عورت اجنبی مرد کو، ان دونوں کے حکم میں فرق ہے، مرد کے لئے عورت کا سراپا پردہ ہے، بلاضرورت وہ اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتا، عورت مرد کے ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو چھوڑ کر باقی حصہ دیکھ سکتی ہے، بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر اس کے لئے نگاہ کو پست رکھنے کا حکم ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو حبشیوں کا کھیل دکھایا ہے، (۱) حضور ﷺ اور خلفاء راشدین ﷡ کے عہد میں خواتین مسجد میں آیا کرتی تھیں اور نماز میں شریک ہوتی تھیں، (۲) ظاہر ہے ان مواقع پر مردوں پر ان کی نگاہ پڑتی تھی۔ واللہ اعلم

خواتین کا مرید اور شیخ کے سامنے ہونا

سوال:- {2050} کیا خواتین کسی پیر طریقت سے مرید ہوسکتی ہیں؟ کیا پیر ان کے لیے محرم ہوجاتا ہے؟

(محمد اسرار احمد، بودھن)

جواب:- مرید ہونے کا مقصد اصلاح نفس کے لیے کسی شخص سے مربوط رہنا ہے، جیسے طلبہ اپنی تعلیم کے لیے کسی استاذ سے رابطہ رکھتے ہیں، اصلاح نفس کی ضرورت مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی، اس لیے عورتوں کا بھی مرید ہونا جائز ہے، البتہ مرید ہونے کی وجہ سے محرم کا رشتہ قائم نہیں ہوتا، محض پیر ہونے کی وجہ سے کسی عورت کا اپنے شیخ کے سامنے نکلنا سخت گناہ ہے اور اگر شیخ متبع سنت ہو تو وہ خود ہی اس بات کو گوارا نہیں کرسکتا، کیوں کہ شریعت اصل ہے اور

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۱۰۹۱، باب حسن المعاشرة مع الاهل۔ محشی۔

(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۸۷۰، ۸۷۱، باب صلاة النساء خلف الرجال۔ مرتب۔

احکام شرعیہ کے خلاف ہونا سراپا گمراہی اور ضلالت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی ایسی باتوں سے حفاظت فرمائے۔

خواتین کا خواتین سے پردہ

سوال:- {2051} ہمارے یہاں ایک عالم صاحب ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مسلم خواتین کو غیر مسلم خواتین سے بھی پردہ کرنا چاہئے، بلکہ مسلم خواتین خود مسلم خواتین سے بھی پردہ کریں، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عورتیں عورتوں سے کیسے پردہ کریں گی؟ (ایک بہن، چنچل گوڑہ)

جواب:- ایک مرد کے لیے دوسرے مرد کے سامنے جسم کے جن حصوں کا چھپانا ضروری ہے، یعنی ناف سے گھٹنوں تک کا حصہ، عورتوں کے لیے اس حصہ کو دوسری عورتوں سے چھپانا واجب ہے۔

"نظر المرأة الى المرأة كنظر الرجل الى الرجل هو الأصح" (۱)

ازراہ احتیاط بدقماش اور مشرک عورتوں سے فقہاء نے پردہ کرنے کی تلقین کی ہے، (۲) کیوں کہ ممکن ہے وہ اپنے مردوں کے سامنے اس کے حسن و جمال کی تفصیل بیان کردے اور اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے، لیکن یہ واجب نہیں، کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہودی خواتین کے سامنے ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ (۳)

---

(۱) الفتاوى الهندية :۳۲۷/۵۔

(۲) الفتاوى الهندية :۳۳۲/۵۔ مرتب۔

(۳) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۳۷۲، باب ما جاء في عذاب القبر۔ مرتب۔

برقع نہ پہننے پر تیزاب پھینکنا

سوال:- {2052} خبر ہے کہ دو خواتین پر برقع نہ پہننے کی پاداش میں تیزاب پھینک دیا گیا، کیا شریعت میں کسی فرد یا تنظیم کو اس کی اجازت ہے؟ (شاکر احمد، مہدی پٹنم)

جواب:- معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے اور اور عورتوں کی عزت وآبرو کی غرض سے اسلام میں عورتوں کو پردہ کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے مسلمان عورتوں کو واقعی برقعہ پہننے کا اہتمام کرنا چاہئے، لیکن کسی فرد یا تنظیم کا اپنے طور پر برقعہ نہ پہننے والی عورتوں کو سزا دینا اور تیزاب پھینکنے جیسی غیر انسانی حرکت کرنا قطعا درست نہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے مجرم کو وہی سزا دے سکتا ہے، جس کو سزا دینے کی ولایت حاصل ہو، ہر شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا، اس لیے یہ طریقۂ کار غیر اسلامی بلکہ اسلام کو بدنام کرنے والا ہے، اس کے بجائے دعوت ونصیحت کے ذریعہ رضا کارانہ طور پر عورتوں کو پردہ کا پابند کرنا چاہئے، ہاں! اگر کسی ملک میں اسلامی حکومت ہو، تو وہ خواتین کو قانونی طور پر برقعہ کی پابند بنا سکتی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والیوں کو جرم کے مناسب سزا بھی دے سکتی ہے، نہ کہ ایسی انسانیت سوز اور وحشت ناک سزا۔

چہرے کا پردہ

سوال:- {2053} بعض خواتین برقعہ پہنتی ہیں، لیکن چہرہ کھلا رکھتی ہیں، کیا بازار میں بھی چہرہ کھلا رکھا جا سکتا ہے؟ جب کہ ہر ایک کی نظر چہرہ ہی پر پڑتی ہے۔

(نسرین ہاشمی، فرسٹ لانسر)

جواب:- کسی جوان عورت کا بلاضرورت غیر محرم کے سامنے چہرہ کھلا رکھنا درست

نہیں ،(۱) اس لیے جو عورتیں برقعہ پہننے کے باوجود چہرہ کھلا رکھتی ہیں، وہ برقعہ نہ پہننے والیوں کے مقابلہ میں تو غنیمت ہیں کہ آج کل بلوز وغیرہ کی وجہ سے بازو، پیٹ اور پیٹھ وغیرہ کے جو حصے کھلے رہتے ہیں وہ برقع کے ذریعہ ڈھک جاتے ہیں، لیکن بہر حال یہ کافی نہیں، کیوں کہ چہرہ کا پردہ بھی شرعاً واجب ہے اور قرآن وحدیث سے اس کا واجب ہونا ثابت ہے۔(۲)

جیٹھ اور دیور سے پردہ

سوال:- {2054} جیٹھ اور دیور سے پردہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ ان سے روابط رکھنے میں لڑائی جھگڑے، گالم گلوج اور بدزبانی کا خطرہ رہتا ہے، کیا ایسے رشتہ داروں سے خاموشی اختیار کرنا درست ہے؟ (ایک بہن)

جواب:- محض کینہ کی وجہ سے کسی مسلمان سے تین دنوں سے زیادہ ترک کلام کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اگر کسی سے بدزبانی کا اندیشہ ہو، تو اس سے سلام پر اکتفاء کرنا چاہئے اور زیادہ گفتگو کرنے سے احتیاط ضروری ہے، البتہ دیور اور جیٹھ کا شمار غیر محرموں میں ہے اور ہر غیر محرم سے پردہ کرنے کا حکم ہے اور دیور سے خاص طور پر آپ ﷺ نے پردہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"تم لوگ ان عورتوں پر داخل ہونے سے بچو، جن کے شوہر موجود نہ ہوں، ایک صاحب نے سوال کیا کہ دیور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: دیور تو موت ہے"۔(۳)

---

(۱) رد المحتار :۹/۴۵۰،کتاب الحظر و الإباحة ۔محشی۔
(۲) الأحزاب :۵۹،الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۲۷۷۶،۲۷۷۷،باب ما جاء في نظر الفجأة ۔محشی۔
(۳) مشکوۃ المصابیح :۲/۲۰۶۔

یعنی دیور سے بے پردگی میں فتنہ کا زیادہ اندیشہ ہے، اس لئے اس سے خوب اجتناب کرنا چاہئے۔

غیر محرم سے دوستی

سوال:- {2055} حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع تعلق کرنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتے، تو کیا دوستی کا رشتہ بھی اس ضمن میں آتا ہے؟ (ایک بہن)

جواب:- حدیث میں جو صلہ رحمی اور قطع رحمی کے الفاظ آئے ہیں، ان کا تعلق رشتہ داروں اور قرابت داروں سے ہے، نہ کہ عام دوستوں سے، ہاں! کسی بھی مسلمان سے تین دنوں سے زیادہ ترک کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے۔(۱) یہ حکم تمام اہل تعلق کے لیے ہے، خواہ رشتہ دار ہوں، یا محض دوست واحباب، البتہ کسی مسلمان عورت کے لیے اجنبی یا غیر محرم قرابت دار سے دوستی اور خصوصی تعلق گناہ اور حرام ہے اور اس کی قطعاً اجازت نہیں، اس سے فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے، اس لیے ایسے لوگوں سے قطع تعلق ہی واجب ہے اور اس پر گناہ نہیں، بلکہ ثواب ہے۔

مائک پر خواتین کا خطاب کرنا

سوال:- {2056} خواتین کے اجتماع میں عورتیں مائک پر تقریر کرتی ہیں، جس سے خواتین کی آواز دور تک جاتی ہے، کیا دینی خطابات اس طرح مائک پر کئے جاسکتے ہیں؟

(ادیب کریم نگر)

جواب:- عورتوں کے لیے اس طرح مائک پر تقریر کرنا کہ ان کی آواز نامحرموں تک

(۱) صحیح البخاري ، حدیث نمبر:۶۰۷۳،۶۰۷۴،۶۰۷۵،۶۰۷۶، باب الهجرة ۔ محشی۔

پہنچے جائز نہیں، ہاں اگر ہلکی آواز کا مائک ہو، اور خواتین کی نشست گاہ تک اس کی آواز محدود ہو، اور بغیر مائک کے آواز نہ پہونچتی ہو تو مائک پر خطاب کرنے کی گنجائش ہے۔

ران بھی ستر میں داخل ہے

سوال:- {2057} لوگ مسجدوں اور دوسری جگہوں پر پیشاب کے لیے رانوں تک جسم کھول لیتے ہیں، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟　　　　(حیدر اعظمی، ناپلی)

جواب:- ران کا حصہ ستر میں داخل ہے اور اس کا کھولنا جائز نہیں، اس سے احتیاط ضروری ہے چنانچہ حضرت علی ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ران نہ کھولو، کیوں کہ ران بھی ستر کا حصہ ہے''(۱) استنجاء کے لیے ستر کی رعایت کے ساتھ ہی جسم کھولنے کی اجازت ہے۔ ''و یحتال لازالته من غیر کشف العورة عند من یراه ''(۲)

محرم رشتہ داروں سے عورتیں کس قدر پردہ کریں؟

سوال:- {2058} محرم رشتہ دار کن کو کہتے ہیں اور ان کے سامنے خواتین جسم کا کتنا حصہ کھول سکتی ہیں؟

(عبدالعزیز، نظام آباد)

جواب:- محرم رشتہ داروں سے وہ رشتہ دار مراد ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح کرنا حرام ہے، یہ رشتہ تین صورتوں میں پیدا ہوتا ہے، نسب کے ذریعہ، جیسے باپ، بیٹے، دادا، نانا، پوتے، نواسے، چچا، ماموں، اور بھائی وغیرہ، دوسرے سسرالی رشتہ کے ذریعہ، جیسے بہو، کے لیے سسر، سوتیلے بیٹے، وغیرہ، تیسرے دودھ کے رشتہ سے، یعنی دوسال کی عمر کے اندر جس عورت کا

---

(۱) الدار قطنی :۱/۲۳۲۔
(۲) مراقی الفلاح :ص:۲۸۔

دودھ پیا ہے، اس کے بچے، پوتے، نواسے، بھائی، باپ، شوہر وغیرہ، یہ سب حرام ہیں، —— جن عورتوں سے عارضی طور پر نکاح کرنا حرام ہے، جیسے ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے، خالہ کی موجودگی میں بھانجی سے اور پھوپھی کی موجودگی میں بھتیجی سے، یہ محرم نہیں ہیں، ان کا شمار غیر محرموں میں ہے۔

محرم رشتہ داروں کے سامنے سر، بال، گردن، کان، بازو، ہاتھ، پاؤں، پنڈلی، چہرہ اور گردن سے متصل سینہ کا اوپری حصہ کھولنے کی گنجائش ہے،(۱) لیکن یہ اجازت بھی اس وقت ہے جب کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے سوا باقی حصہ کو ڈھکا رکھنے میں احتیاط ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین اپنے کپڑے کی وضع ایسی نہ رکھیں کہ جسم کے مذکورہ حصے بے پردہ ہو جائیں، کیوں کہ ہندوستانی معاشرہ میں مشترک گھر اور خاندان اور غیر محرموں کی آمد ورفت میں بے احتیاطی عام ہے، پس اگر کپڑے ہوں ہی اس وضع کے، تو اچانک کسی غیر محرم کا آجانا اور بے پردگی پیدا ہونا عجیب نہیں۔

عورتوں کے لیے چہرہ چھپانا بھی ضروری ہے

سوال:- {2059} کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورت چہرہ اور ہاتھ دکھا سکتی ہے اور اسی پر یہاں کے لوگوں کا عمل ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ بال پوشیدہ رکھیں، بس یہی کافی ہے، اس لیے یہاں کی اکثر عورتیں بس سر ڈھک لیتی ہیں جس طرح کہ ہندوستان کی عورتیں نماز پڑھتے وقت ساڑی یا اوڑھنی باندھ لیتی ہیں، اس سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟ قرآن وحدیث کے حوالے سے لکھیں۔ (عبید اختر، جگتیال)

جواب:- عورت کے لیے چہرہ اور ہاتھ عام حالات میں قابلِ ستر ہے اور غیر محرموں

(۱) الفتاوی الهندية: ۳۲/۵۔

کے سامنے کھولنا بلاضرورت درست نہیں، یہی وجہ ہے کہ حجاب کی فرضیت کے بعد آپ ﷺ کے زمانے میں عام طور پر خواتین چہرہ بھی چھپایا کرتی تھیں، جب آپ ﷺ خیبر سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر چلے تو خصوصیت سے ان کے چہرہ پر بھی چادر اڑھائی۔(۱) حضرت اسماء بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ہم مردوں سے اپنے چہرہ کو چھپاتے تھے۔ "کنا نغطی وجوهنا من الرجال"(۲) قرآن شریف میں چہرہ ہی کے پردے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿ يَـاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾(۳)

رشتہ دار کے پاس اپنی لڑکی رکھنا

سوال:- {2060} میری لڑکی کی عمر ۱۱ر سال ہے، میرے ایک دور کے رشتہ دار ملازمت کے سلسلہ میں کنیڈا میں رہائش پذیر ہیں، میں اپنی لڑکی کو بطور نگہداشت کے ان کے گھر میں شادی ہونے تک رکھنا چاہتا ہوں، یہ لوگ پابند صوم وصلاۃ اور مذہبی ذہن کے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ (ایک قاری)

---

(۱) دیکھئے: بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث نمبر:۴۲۱۳،۴۲۱۲،۴۲۱۱، وغیرہ۔

(۲) المستدرک للحاکم علی الصحیحین، حدیث نمبر:۱۶۶۸، صحیح ابن خزیمۃ، حدیث نمبر: ۱۲۶۹۰۔ مرتب

(۳) الاحزاب:۵۹۔ ترجمہ: "اے نبی (ﷺ) اپنے بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان کی عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنے چادر کے پلو کو لٹکا لیا کریں"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو سر کے اوپر سے اپنے چادروں کے دامن لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھک لیا کریں" (تفسیر ابن جریر:۲۹/۲۲) محشی۔

جواب:- ۱۱رسال کی لڑکی قریب البلوغ ہو جاتی ہے، گھر سے اتنی دور غیر محرموں کے درمیان رہنا فتنہ سے خالی نہیں ہے، اسی لیے تو شریعت نے ماں باپ کی علاحدگی کی صورت میں ماں کو حق پرورش دیا ہے کہ وہ زیادہ بہتر طور پر اس کی عفت وعصمت کی حفاظت کرسکتی ہے، اس لیے اپنی بچی کو دور کے رشتہ دار کے پاس اور اپنے مقام سے اتنی دوری پر رکھنا درست نہیں۔

ریڈیو میں خواتین نیوز ریڈر

سوال:-{2061} میں نے اخبار میں ایک اعلان دیکھ کر درخواست بھیجی تھی ریڈیو پر نیوز بولنے کے لیے، وہ لوگ مجھے تاریخ دیے کہ فلاں دن آ کر آواز کا امتحان دیں، اگر آواز اچھی رہی تو سلیکٹ کرلیں گے، مگر میرے گھر میں بڑے بھائی نے منع کردیا کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے، اور ہم تمہیں اس کی اجازت نہیں دیتے، برائے مہربانی مجھے بتائیں کہ واقعی عورت کی آواز غیر محرم کے کانوں میں نہ جائے؟

(سمیرہ بیگم، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے عورت کو گھر کی ملکہ اور شمع خانہ بنایا ہے، نہ کہ چراغ محفل، اسی میں عورت کا اعزاز بھی ہے اور اس کا تحفظ بھی، اس لیے آپ کے بھائی صاحب کا اس سے روکنا مناسب بات ہے، عورت کو بلند آواز سے بولنے، نیز نغمگی کے ساتھ کسی چیز کو پڑھنے اور لوچ دار آواز میں گفتگو کرنے سے منع فرمایا گیا ہے(۱) اور فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کی آواز بھی قابل ستر ہے،(۲) ہاں! ضرورت کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں، جیسے ڈاکٹر سے بات کرنی پڑے، یا اسی طرح ضرورت کا کوئی اور موقع ہو، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے لیے امام کی

(۱) الاحزاب:۳۲۔ محشی۔
(۲) رد المحتار :۵۳۱/۹۔ مرتب۔

غلطی پر ٹوکنے کا طریقہ یہ بتایا کہ " سبحان اللہ " کہیں اور عورتوں کے لیے فرمایا گیا کہ وہ ہاتھ تھپتھپانے پر اکتفا کریں ۔(۱) اور اسی لیے عورتوں کو اذان دینے (۲) اور حج میں زور سے تلبیہ پڑھنے سے بھی روکا گیا۔(۳) اس لیے خواتین کے لیے درست نہیں کہ وہ ریڈیو یا ریلوے اسٹیشن وغیرہ پر اناؤنسری کی ذمہ داری انجام دیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۱۲۰۳، ۱۲۰۴، باب التصفيق للنساء ، أبواب العمل في الصلاة ۔مرتب۔

(۲) " و يكره ... المرأة تؤذن " (الهداية :۱/۹۱، باب الأذان) محشی۔

(۳) " و لا ترفع صوتها بالتلبية لما فيه من الفتنة " (الهداية :۱/۲۵۵، باب الاحرام ، نیز دیکھئے: الدر المختار و رد المحتار :۲/۷۹-۷۸) محشی۔

سونے اور چاندی وغیرہ کا استعمال

سونے کا قلم

سوال:- {2062} آج کل سونے کا قلم بھی بنایا جارہا ہے، ایسے قلم سے مردوں اور عورتوں کے لیے لکھنے کا کیا حکم ہے؟ (عائشہ تبسم، جگتیال)

جواب:- اگر قلم سونے کا بنا ہوا ہو، کہ لکھتے وقت سونے سے بنے ہوئے حصے کو پکڑ کر لکھنا پڑتا ہو تو اس کا استعمال جائز نہیں، نہ مردوں کے لئے اور نہ عورتوں کے لیے، عورتوں کے لئے بھی صرف زیورات کی حد تک سونے کا استعمال جائز ہے، باقی دوسری چیزوں، کھانے پینے کا برتن، تیل کا برتن اور بیٹھنے کی جگہ وغیرہ، میں ان کے لئے بھی سونا چاندی اسی طرح حرام ہے جیسے مردوں کے لئے۔

" والنساء في ما سوی الحلي من الأكل و الشرب و الإدهان من الذهب و الفضة و القعود بمنزلة الرجال " (۱)

(۱) فتاوی قاضی خان علی ہامش الفتاوی الہندیۃ:۳/۴۱۳۔

مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی

سوال:- {2063} گذارش ہے کہ مرد آدمی کو ایک انگوٹھی سوا چار ماشہ چاندی کی پہننے کا سنت اجازت دیتی ہے بعض حضرات اپنے پانچوں انگلیوں میں انگوٹھیاں پہنتے ہیں، کیا یہ جائز ہے اگر ایسے حضرات سنت کی دانستہ خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز پڑھائیں تو نماز جائز ہوجائے گی؟

(محمد عبدالقادر پاشاہ، عنبر پیٹ)

جواب:- مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی جو ایک مثقال سے کم ہو پہننا جائز ہے اس کے علاوہ تانبہ، پیتل، سونا اور دیگر دھات کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، حدیث شریف[۱] میں اس کی صراحت ہے اب حدود سنت سے تجاوز کرنے والا شخص گنہگار ہوگا تاہم اس کی اقتداء فریضہ کے ذمہ سے ساقط ہونے میں درست ہوجائے گی۔

مرد کا چاندی کی چین پہننا

سوال:- {2064} کیا مرد چاندی پہن سکتا ہے؟ پہن سکتا ہے تو کتنی مقدار؟ آج کل بہت سے لوگ چاندی کی چین بنا کر گلے اور ہاتھوں میں پہنتے ہیں۔

(محمد آصف علی، چارمینار، حیدرآباد)

جواب:- مردوں کے لیے سوائے انگوٹھی کے اور کسی زیور کا پہننا خواہ چاندی ہی کا کیوں نہ ہو، جائز نہیں۔(۱) رسول اللہ ﷺ نے صرف چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی ہے اور وہ بھی ایک مثقال سے کم" ولا تتمه مثقالا "(۲) واضح ہو کہ ایک مثقال کی مقدار

(۱) الدر المختار مع رد المحتار :۹/۵۱۶۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۲۲۳۔

ہندوستانی اوزان میں چار ماشہ چار رتی ہوتی ہے،(۱) اس کے علاوہ گلے اور ہاتھوں میں چین پہننے میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، اور عورتوں کی مشابہت کرنے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔(۲) اس لیے مردوں کا ایسے زیورات پہننا کا خواہ کسی چیز کے ہوں بالکل جائز نہیں۔

مرد کے لیے کتنی چاندی جائز ہے؟

سوال:- {2065} مرد کے لیے کتنی چاندی پہننا جائز ہے؟ (حافظ جمال احمد، سنگاریڈی)

جواب:- مرد کے لیے صرف چاندی کی انگوٹھی اور وہ بھی ایک مثقال کے اندر پہنی جاسکتی ہے، ایک صحابی ؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چاندی کی اور وہ بھی ایک مثقال سے کم ہو۔(۳) ایک مثقال کا وزن ۴/ ماشہ ۴/ رتی ہے، اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہوگی کہ مرد جو چاندی کی انگوٹھی پہنے وہ ایسی وضع کی نہ ہو جو عام طور پر خواتین استعمال کرتی ہیں، خواتین کی انگوٹھی کی ڈیزائن پر بنی ہوئی انگوٹھی پہننا مردوں کے لیے مکروہ ہے:

"أما إذا كان على صفة خواتم النساء فمكروه"(۴)

(۱) حلال وحرام، ص:۲۱۲۔

(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۸۸۵، باب المتشبهين بالنساء و المتشبهات بالرجال۔

(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۷۸۵۔

(۴) الفتاوى الهندية:۵/۳۳۵۔

مردوں کا سونے کی زنجیر استعمال کرنا

سوال:- {2066} آج کل بہت سے نوجوان لڑکے بھی اپنے گلے میں سونے کی زنجیر پہنتے ہیں، یہاں تک کہ بعض نوجوان تو کانوں میں بالیاں پہننے لگے ہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے اس عمل کا کیا جواز ہے؟ (محمد حسن، یاقوت پورہ)

جواب:- جمالیاتی ذوق ایک فطری چیز ہے، جو بچے، جوان، بوڑھے، مرد اور عورت ہر ایک میں اس کی حیثیت کے لحاظ سے پایا جاتا ہے، اسلام جو فطرت انسانی سے ہم آہنگ دین ہے، اس نے تجمل اور آرائش کو بالکل منع نہیں کیا، لیکن ہر طبقہ کی صلاحیت اور اس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے اس کے لیے مناسب حدود متعین کردیے، چنانچہ زیبائش وآرائش میں مردانہ اور زنانہ خصوصیات کے لحاظ سے اسلام نے فرق کیا ہے، اور عورتوں کے لیے زیبائش کی بعض ایسی صورتوں کو جائز قرار دیا ہے، جس کی اجازت مردوں کے لیے نہیں۔

انہیں میں زیورات اور سونے کا استعمال ہے، آپ ﷺ نے مردوں کے لیے سونے کو حرام قرار دیا ہے(۱) اسی لیے انگوٹھی جو مرد کے لیے جائز ہے، یہ بھی سونے کی ہو تو حرام ہے۔ ''و التختم بالذهب حرام ''(۲) زیورات کے دائرہ میں آنے والی چیزوں میں صرف ایک انگوٹھی ہے جو مردوں کے لیے جائز ہے، اور وہ بھی اس وقت جب کہ چاندی کی ہو، اور اس کا وزن ایک مثقال یعنی ۴؍ ماشہ، ۴؍ رتی سے زیادہ نہ ہو، (۳) سونا، یا لوہا، یا پیتل کی انگوٹھی استعمال نہیں کی جاسکتی۔(۴) اور کسی بھی زیور کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري:۲/۸۷۱۔
(۲) البحر الرائق :۸/۱۹۰۔
(۳) سنن أبي داؤد:۲/۵۸۰۔
(۴) البحر الرائق :۸/۱۹۰۔

زیورات کا استعمال صرف عورتوں کے لیے درست ہے، کان میں بھی، بال میں بھی اور ہاتھ، پاؤں میں بھی۔(۱) اس لیے اس طرح کی زنجیر اور کان کی بالی کا استعمال مردوں کے لیے قطعاً جائز نہیں، اس سے خوب بچنا چاہئے، یہ عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا ہے اور آپ ﷺ نے ان مردوں اور عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنی مخالف جنس کی مماثلت اختیار کریں۔(۲)

مرد کے لئے سونا کیوں حرام ہے؟

سوال:- {2067} مرد کے لئے سونا پہننا کیوں حرام ہے؟ (حافظ جمال احمد، سنگاریڈی)

جواب:- سونا ذریعۂ تبادلہ اور کرنسی ہے، کرنسی کو گردش میں رکھنا چاہیے، تاکہ دولت لوگوں میں تقسیم ہوتی رہے، اگر کوئی شخص سونے کا زیور بنالے تو اس طرح یہ سونا منجمد ہو جاتا ہے، اس لئے قیاس اور معاشی مصلحت کا تقاضا تو یہ تھا کہ عورتوں کے لئے بھی جائز نہ ہو، لیکن چونکہ ذوقِ آرائش عورت کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور لوگوں کے عرف ورواج میں سونے کو آرائش کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اس لئے عورتوں کو اجازت دی گئی ہے، لیکن استعمالی شئے ہونے کے باوجود اس میں زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے، کہ عام لوگ اس کے نفع سے جو محروم ہوتے ہیں، یہ کسی درجہ میں اس کا متبادل ہو جائے، البتہ مردوں کے لئے اسے حرام رکھا گیا، کہ یہی معاشی مفادات کا تقاضا ہے، اگر مرد بھی سونے کے زیورات استعمال کرتا تو سونے کی بہت بڑی مقدار یوں ہی منجمد ہو کر رہ جاتی اور اس کے ذریعۂ تبادلہ ہونے کی وجہ سے دولت کی گردش کی کیفیت نہیں پائی جاتی اور سماج اس سے محروم رہ جاتا۔

---

(۱) الفتاوی الھندیة:۳۵۹/۵۔

(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۸۸۵۔ محشی۔

سونے کے دانت

سوال:- {2068} اگر کسی کا دانت ٹوٹ گیا ہو تو اس میں سونے کا دانت بٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض مرتبہ دوسرے مصنوعی دانت بعض لوگوں کو مضر ہوتے ہیں تو اس صورت میں سونے کے دانت کا کیا حکم ہے؟ (منور سلطان ندوی، بہار)

جواب:- اگر سونے کے علاوہ دیگر دھاتوں کا دانت لگانا ضرر رساں ہو تو سونے کا دانت لگا سکتے ہیں، بلا عذر ایسے دانت کا استعمال نہیں کرنا چاہئے:

"و يشد الأسنان بالفضة ولا يشد بالذهب وقال محمدؒ: لابأس به و اختلف المشائخ في قول أبي يوسفؒ" (۱)

○ ○ ○ ○ ○

(۱) خلاصة الفتاوی: ۴/۳۷۔

سلام اور اس کے متعلق مسائل

جب گھر میں کوئی نہ ہو تو سلام اور اس کا طریقہ

سوال:- {2069} ایک مقرر صاحب نے اپنے بیان میں کہا کہ آدمی کو اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے بھی سلام کرنا چاہئے، گھر میں بعض اوقات کوئی آدمی موجود نہیں ہوتا، تو کیا اس صورت میں بھی سلام کیا جا سکتا ہے؟

(محمد رفیع، کریم نگر)

جواب:- سلام صرف کلمۂ ملاقات ہی نہیں، بلکہ ایک دعاء بھی ہے، اس لئے یہ صحیح ہے کہ جب گھر میں داخل ہو تو گھر کے لوگوں کو سلام کرے، اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو اس طرح سلام کے کلمات کہے:

" السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین " (۱)

''سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر''

(۱) الفتاوی الهندية:۵/۳۲۵۔

سلام میں ''مغفرتہ'' کا اضافہ

سوال:- {2070} بعض لوگ سلام میں یا سلام کے جواب میں ''ومغفرتہ'' کا لفظ بڑھا دیتے ہیں، کیا اس کا ثبوت ہے؟ اور اس طرح بڑھا کر سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا چاہئے؟　　(برہان الدین، یاقوت پورہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سلام میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے پر اکتفا فرمایا کرتے تھے، (۱) اس لئے اتنے ہی پر اکتفا کرنا چاہئے اس پر اضافہ نہیں کرنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا قول ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک انتہاء ہے اور سلام کی انتہاء ''برکاتہ'' ہے۔

"ولا ینبغی ان یزاد علی البرکاۃ شئی قال ابن عباس : لکل شیئ منتھی ، و منتھی السلام البرکاۃ " (۲)

واللہ اعلم

غیر مسلم بھائی کو کس طرح سلام کرنا چاہئے؟

سوال:- {2071} میرے غیر مسلم دوست بھی ہیں، غیر مسلم دوست کو کس طرح سلام کرنا چاہئے؟

(محمد فصیح الدین بابا، گلبرگہ)

جواب:- سلام کے جو الفاظ ہم ایک دوسرے کو کہتے ہیں، یعنی: " السلام علیکم و

---

(۱) مجمع الزوائد :۸/۶۹، باب حد السلام و الرد ۔ محشی ۔

(۲) الفتاوی الهندیة:۵/۳۲۵۔

رحمة الله " یہ اصل میں مسلمانوں کو کہنے کے لیے ہیں، اس میں مخاطب کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی جاتی ہے، جو لوگ اللہ کے وجود ہی کو نہ مانتے ہوں یا اس طرح نہ مانتے ہوں جس طرح ماننے کا حق ہے، اور خدا کے بارے میں ان کا عقیدہ ہی مختلف ہو، ان کو اس طرح کی دعاء دینا ایک بے معنی بات ہوگی، اس لیے غیر مسلم بھائیوں کے لیے محبت اور احترام کا کوئی مناسب لفظ استعمال کرنا چاہئے، جیسے آداب، گڈ مارننگ وغیرہ، اور اگر وہ خود سلام کریں تو اس کے جواب میں صرف " و علیکم " کہنے پر اکتفاء کرنا چاہئے رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح جواب دینے کی تلقین فرمائی ہے۔(۱)

سلام اور اس کا جواب کب مکروہ ہے؟

سوال:- {2072} ہمارے ایک دوست اکثر اوقات کہتے ہیں کہ وضو کے درمیان سلام نہیں کرنا چاہئے اور اگر کوئی سلام کرے تو جواب نہیں دینا چاہئے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور کن مواقع پر سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا مکروہ ہے؟

(نظام الدین، دہلی)

جواب:- وضوء کے درمیان سلام کرنے یا اس کے جواب دینے کی ممانعت حدیث و فقہ کی کتابوں میں مجھے صراحتاً نہیں مل سکی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی رکاوٹ بھی پیدا نہیں ہوتی، اس لیے اسے ممنوع نہیں ہونا چاہئے۔

کن مواقع پر سلام کرنا مکروہ ہے؟ علامہ شامیؒ نے اسے نظم کی شکل میں ذکر کیا ہے، جو گیارہ اشعار پر شامل ہے، اس کا خلاصہ اس طرح ہے:

''نماز میں مشغول شخص، جو تلاوت، ذکر، یا حدیث بیان

(۱) صحیح البخاري:۱/ ۹۲۵، حدیث نمبر:۶۲۵۸، باب کیف الرد علی أهل الذمة ۔

کرنے میں مشغول ہو، جو خطبہ دے رہا ہو، جو احکام فقہیہ بتا رہا ہو، جو کسی مقدمہ کے فیصلہ کے لیے بیٹھا ہو، اذان دے رہا ہو، اقامت کہہ رہا ہو، درس دینے میں مشغول ہو، نوجوان اجنبی خاتون ہو، شطرنج کھیل رہا ہو، آوارہ قسم کا آدمی ہو، اپنی بیوی کے ساتھ بے تکلفی کی حالت میں ہو، غیر مسلم ہو، بے ستر ہو، قضاءِ حاجت کی حالت میں ہو، بددین ہو، اوباش و بے وقار قسم کا بوڑھا ہو، لغوگوئی میں مشغول ہو، جھوٹ بولنے کا عادی ہو، بازار میں عورتوں پر تاک جھانک کرتا ہو، بے قصور لوگوں کو بے آبرو کرنا اور انہیں برا بھلا کہنا اس کا شیوہ ہو، مسجد میں نماز کے انتظار میں مصروف تسبیح ہو، حج یا عمرہ کا تلبیہ پڑھنے میں مشغول ہو، جو شخص کھانے میں مشغول ہو، اس کو فی نفسہٖ سلام کرنے میں قباحت نہیں، لیکن چوں کہ اس سے کھانے کی طلب کا احساس ہوتا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ جو شخص بھوکا ہو اور کھانا چاہتا ہو وہ کھانے والے کو سلام کرے ورنہ اس سے بچے"(۱)

جن مواقع پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں، علامہ شامیؒ نے ان کا بھی چند اشعار میں ذکر فرمایا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے:

''نماز میں مشغول ہو، جو کھانے، پینے، تلاوت، دعا، یا ذکر میں مشغول ہو، خطبہ دے رہا ہو، تلبیہ پڑھ رہا ہو، اذان یا اقامت کہہ رہا ہو، قضاء حاجت میں مشغول ہو، جوان غیر محرم

(۱) ملخص از رد المحتار:۲/۳۷۳۔

عورت نے سلام کیا ہو، فاسق نے سلام کیا ہو، نابالغ بچہ یا نشہ کی حالت میں رہنے والے نے سلام کیا ہو، وہ اونگھ رہا ہو، یا نیند کی حالت میں ہو، بیوی سے صحبت کی حالت میں ہو، حمام میں ہو، سلام کرنے والا فاتر العقل ہو، مقدمہ کے دو فریق کے درمیان فیصلہ کرنے میں مشغول ہو۔(۱)

کن صورتوں میں سلام کرنا منع ہے؟

سوال:- {2073} سلام کرنا اسلامی شعائر میں سے ہے اور سلام میں سبقت کرنا بہترین عمل ہے، لیکن کن صورتوں میں اور کن مقامات پر سلام کرنا منع ہے؟

(محمد بشیر نظر، سدا سیو پیٹ)

جواب:- کن مواقع پر اور کن لوگوں کو سلام نہ کیا جائے فقہاء اور شارحین حدیث نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، علامہ حصکفیؒ نے اس سلسلہ میں صدر الدین غزی کے سات اشعار نقل کئے ہیں اور اس پر اپنے ایک شعر کا اضافہ کیا ہے، ان اشعار میں بڑی حد تک ان لوگوں کو جمع کر لیا گیا ہے جن کو سلام نہیں کرنا چاہئے، ان اشعار میں جن لوگوں کا ذکر ہے، وہ یوں ہیں: نماز، تلاوت قرآن مجید اور ذکر میں مصروف شخص، جو حدیث پڑھا رہا ہو، کوئی بھی خطبہ دے رہا ہو، مسائل فقہ کا تکرار و مذاکرہ، جو مقدمہ کے فیصلہ کے لئے بیٹھا ہو، اذان دے رہا ہو، اقامت کہہ رہا ہو، درس دے رہا ہو، اجنبی جوان عورت کو بھی سلام نہ کرنا چاہئے کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، شطرنج کھیلنے والے اور اس مزاج واخلاق کے لوگ جیسے جو لوگ جوا کھیلنے میں مشغول ہوں، جو اپنی بیوی کے ساتھ بے تکلف کیفیات میں ہو، کافر اور جس کا حصۂ ستر کھلا ہوا ہو، جو پیشاب پائخانہ کی

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار :۲/۳۷۶۔

حالت میں ہو، اس شخص کو جو کھانے میں مشغول ہو، ہاں اگر کوئی شخص بھوکا ہو اور توقع ہو کہ سلام کی وجہ سے وہ شریک دسترخوان کرلے گا تو اس کو سلام کرسکتا ہے، گانے بجانے اور کبوتر بازی وغیرہ میں مشغول شخص کو بھی سلام نہیں کرنا چاہئے (۱) اس کے علاوہ اور صورتیں بھی اہل علم نے ذکر کی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ کسی اہم کام میں مشغول ہوں، جو لوگ فسق و فجور میں مصروف ہوں، جن کو سلام کرنا تقاضۂ حیا کے خلاف ہو اور جن کو سلام کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو، ایسے لوگوں کو اور غیر مسلموں کو پہل کرکے سلام نہ کرنا چاہئے۔

شرابی کو سلام

سوال:- {2074} کیا شرابی کو سلام کرنا چاہئے اور اگر وہ سلام کرے تو جواب دینا چاہئے؟

(محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- خواہ کوئی بھی مسلمان سلام کرے، اگر جواب دینے میں کوئی عذر نہ ہو، تو جواب دینا واجب ہے (۲) جہاں تک سلام کرنے کی بات ہے تو جو شخص علانیہ شراب پیتا ہو اور اپنی اس برائی کو چھپاتا نہ ہو، تو اسے واقعی سلام نہ کرنا چاہئے، فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص علانیہ فسق کے کام کرتا ہو اسے سلام کرنا مکروہ ہے، "و یکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا" (۳) البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ ترک سلام کی وجہ سے عداوت بڑھ جائے گی اور اصلاح کا راستہ مسدود ہو جائے گا اور سلام کا تعلق رکھنے کی وجہ سے موانست بڑھے گی یا شراب چھوڑنے کی دعوت دینے کا موقعہ باقی رہے گا، تو بہتر ہے کہ اسے سلام کرے، کیوں کہ اصل مقصد اصلاح ہے نہ کہ اہانت اور "نہی عن المنکر" ہے نہ کہ ضد و عناد۔

---

(۱) الدر المختار علی هامش الرد: ۲/۵-۲۷۳۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۹/۵۰۸-۵۰۷، محشی۔

(۳) الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۹/۵۹۵۔

السلام علیکم کے بجائے تسلیم وغیرہ

سوال:- {2075} (الف) بعض حضرات خط لکھتے وقت'' السلام علیکم ورحمة الله وبركاته '' کے بجائے ''تسلیم، آداب، نیاز، سلام مسنون'' اوراس جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(ب) غیر مسلم بھائیوں سے خط وکتابت اور ملاقات کے وقت کیا لفظ استعمال کرنا چاہئے ؟ اگر کوئی ہندو بھائی '' السلام علیکم '' کہے یا لکھے تو جواب میں کیا کہنا یا لکھنا چاہئے؟　　(محمد عبدالحلیم، محبوب آباد)

جواب:- (الف) اسلام سے پہلے عربوں میں ملاقات کے وقت کچھ اور کلمات کہے جاتے تھے، بعض کلمات جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے، مشرکانہ بھی نہیں تھے لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ایک مستقل کلمہ'' السلام علیکم ''مقرر فرمایا، (۱) جو بہت ہی بامعنی دعاؤں پر مشتمل ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل اسلامی طریقہ'' السلام علیکم و رحمة الله و برکاته '' لکھنا ہے، دوسرے الفاظ لکھے جائیں تو اس سے یہ سنت ادا نہیں ہوگی۔

(ب) غیر مسلموں کو آداب، یا ایسے کلمات احترام کہے جاسکتے ہیں، جس میں مشرکانہ معنی نہ پائے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کو خطوط لکھتے ہوئے'' السلام علی من اتبع الھدی '' کی تاویل اختیار کی ہے، (۲) یہی کلمات لکھنا زیادہ مناسب ہے، اگر اس سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اگر کوئی غیر مسلم خط میں'' السلام علیکم '' لکھے تو جواب میں'' وعلیکم '' لکھنے

---

(۱)　سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۲۲۷، باب في الرجل يقول أنعم الله نك عينا۔ محشی۔

(۲)　سیرۃ ابن ھشام، ص:۱۷۔۳، محشی۔

کی گنجائش ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔(۱) بہتر ہے ایسی صورت میں ''سلام'' کے لفظ سے گناہ اور کفر سے سلامتی کے معنی مراد لیں۔

اللہ حافظ کہنا یا خدا حافظ کہنا؟

سوال:- {2076} کسی شخص کو رخصت کرتے وقت ''اللہ حافظ'' کہنا بہتر ہے یا ''خدا حافظ'' کہنا؟ بعض لوگ خدا حافظ کہنے سے منع کرتے ہیں۔

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- خدا حافظ بھی کہنا جائز ہے اور اللہ حافظ کہنا بھی کیوں کہ ''خدا'' کا لفظ اللہ تعالی کے لیے معروف ہو چکا ہے اور اس کے معنی میں کوئی ایسی بات نہیں جو اللہ تعالی کی جلالت شان کے خلاف ہو، البتہ ''اللہ'' کا لفظ ''خدا'' سے زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ یہ اللہ تعالی کا علم ذاتی اور اصل نام ہے، اور بالعموم یہی نام قرآن وحدیث میں وارد ہوا ہے، تاہم مسنون طریقہ یہ ہے کہ رخصت کرتے وقت رسول اللہ ﷺ جو دعاء پڑھا کرتے تھے وہی دعاء پڑھی جائے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کسی کو رخصت فرماتے تو اس کا ہاتھ تھام لیتے اور یہ دعاء پڑھتے:

"استودع الله دينك و أمانتك و آخر عملك"(۲)

''اور میں تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارے آخری عمل کو اللہ تعالی کے حوالہ کرتا ہوں''

---

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۳۶۹۹، باب رد السلام۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذی:۱۸۲/۲، حدیث نمبر:۳۴۴۲، باب ما جاء ما يقول إذا ودع انسانا۔

ٹاٹا، بائی بائی کہنا

سوال:- {2077} گھر سے باہر جاتے وقت چھوٹے بچوں کو ٹاٹا کہا جاتا ہے، یا بائی بائی کہا جاتا ہے، کیا اس طرح کے الفاظ کہنے مناسب ہیں یا ہم اپنے بچوں کو اللہ حافظ کہہ کر ہاتھ ہلائیں تو کیا یہ ہاتھ ہلانا جائز ہوگا؟

(سید عبدالرحیم مانوت، پربھنی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اپنی معاشرت میں غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، (۱) چنانچہ اسلام سے پہلے عربوں کے یہاں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت کچھ اور الفاظ کہے جاتے تھے، جو ''صبح بخیر'' اور ''شب بخیر'' کے ہم معنی ہوا کرتے تھے، بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف بھی نسبت ہوتی تھی، کہ اللہ تمہاری صبح اچھی کرے، اللہ تمہاری شب اچھی کرے، لیکن رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے لیے ان کلمات کو پسند نہیں فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ وہ جب ایک دوسرے سے ملیں تو ''السلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ'' کہیں، (۲) جب حضور ﷺ نے مشرکین کے ایسے کلمات کو بھی پسند نہیں فرمایا ہے جن میں معنی کے اعتبار سے کوئی برائی نہیں تھی، تو ''ٹاٹا'' اور ''بائی بائی'' جیسے الفاظ کہنے اور یہود و نصاریٰ کی روش اختیار کرنے کی کیسے گنجائش ہوسکتی ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ سلام کیا جائے اور سلام کا جواب دیا جائے، کیوں کہ اس سے زیادہ جامع کوئی دعاء نہیں ہوسکتی، سلام میں ہر طرح کے آفات و شرور سے حفاظت کی دعاء ہے اور رحمت اور برکت کی دعاء بھی ہے، گویا یہ ایک جامع دعاء ہے، جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے کہتا ہے۔

---

(۱) "قال رسول اللہ ﷺ : من تشبه بقوم فهو منهم " عن ابن عمر ؓ (سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۴۰۳۱،باب في لبس الشهرة)محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۵۲۲۷۔

خدا حافظ کہنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ حضور ﷺ نے رخصت ہونے والے شخص کو جو دعاء دی ہے،اس میں اللہ تعالیٰ کے حفظ وامان کا ذکر بھی ہے۔(۱) ''خدا حافظ کہنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ ہلانے کی اجازت نہیں، البتہ اگر مخاطب دور ہو تو جیسے سلام اشارہ سے کیا جاسکتا ہے، اسی طرح خدا حافظ کہنے کے ساتھ ساتھ اشارہ کرنے کی بھی اجازت ہوگی، بہر حال بحیثیتِ مسلمان ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے سماج میں اسلامی ثقافت کو زندہ رکھیں، اس سے زیادہ نا سمجھی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ دوسرے کے سامنے دستِ سوال دراز کرے، اسلام جیسے جامع نظام زندگی کے موجود ہوتے ہوئے دوسری تہذیب وثقافت سے مانگنے کی چیز حاصل کرنے کی بھی یہی مثال ہے۔

عورتوں کا باہم مصافحہ ومعانقہ

سوال:- {2078} کیا عورتیں آپس میں مصافحہ کرسکتی ہیں، اور گلے مل سکتی ہیں؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ما من مسلمين يلتقيان فيصافحان إلا غفر لهما قبل أن يفترقا "(۲)

'' دو مسلمان جب بھی آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ بھی کرتے ہیں، تو الگ ہونے سے پہلے ان کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں''

اسی لیے ملاقات کے وقت مصافحہ کے مسنون ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے:

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۳۴۴۲، باب ما جاء ما يقول إذا ودع إنسانا ۔ محشی۔
(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۵۲۱۲، باب في المصافحة ۔ محشی۔

''المصافحة سنة مجمع عليها عند التلاقي ''(۱) رسول اللہ ﷺ نے اس میں مردوں اور عورتوں کی کوئی تفریق نہیں فرمائی، نہ فقہاء نے فرق کیا ہے، اس لیے جیسے ایک مرد دوسرے مرد سے مصافحہ و معانقہ کرسکتا ہے، اسی طرح ایک عورت کا دوسری عورت سے بھی مصافحہ و معانقہ کرنا سنت اور مسنون ہے۔

مصافحہ دو ہاتھوں سے یا ایک ہاتھ سے؟

سوال:- {2079} مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا درست ہے یا ایک ہاتھ سے؟

(عائشہ صدیقہ، فاطمہ نسواں، ورنگل)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے مطلق مصافحہ کرنے کا حکم دیا ہے، ایک اور دو ہاتھوں کی صراحت نہیں، اس لیے جائز تو دونوں صورتیں ہیں، یہی محقق علماء کی رائے ہے، البتہ بہتر اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مصافحہ کی جو کیفیت نقل کی ہے وہ یہی ہے کہ انکا ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، اسی سے امام بخاریؒ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کو ثابت کیا ہے، (۲)

مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ پھیرنا

سوال:- {2080} مصافحہ کے بعد اکثر لوگ سینہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

(کے، ایم، محمود پاشا باسط، مشیر آباد)

جواب:- مصافحہ ہاتھ سے ہاتھ ملانے کا نام ہے: " هي مفاعلة من إلصاق

---

(۱) فتح الباری: ۱۱/۵۷۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۲۶۵، باب الأخذ باليدين۔

صفح الكف بالكف "(۱) مصافحہ کے بعد سینہ پر ہاتھ پھیرنے کا نہ حدیث میں کہیں ذکر ہے اور نہ فقہاء نے اس کا تذکرہ کیا ہے، یہ محض ایک رواج ہے، اس لیے اس سے گریز کرنا چاہئے۔

(۱) تحفة الأحوذي: ۷/۴۲۵۔ محشی۔

نام سے متعلق احکام

''جویریہ'' کا معنی؟

سوال:- {2081} ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی بیویوں میں سے ایک کا نام جویریہ تھا، براہ کرم اس کے معنی بتائیں؟ (علی عمران، تریپورہ، سری لنکا)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امہات المومنین میں سے ہیں، جو پانچویں ہجری میں آپ کی نکاح میں آئی تھیں، عربی زبان میں جاریہ کے معنی ''نوجوان لڑکی اور باندی'' کے آتے ہیں، عربی قواعد کی رو سے جویریہ اسی جاریہ کی تصغیر ہے جس کے معنی چھوٹی بچی کے ہیں۔(۱)

ایک ہی خاندان میں ایک نام کے کئی اشخاص

سوال:- {2082} ایک ہی خاندان میں ایک ہی نام دو

(۱) القاموس المحیط :۱/۳۸۴۔ محشی۔

افراد کے رکھ سکتے ہیں؟ جیسے ایک لڑکے کا نام جمال ہو اور اس
کے چچازاد بھائی کا نام بھی جمال رکھ دیا جائے؟
(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ایک خاندان میں ایک ہی نام سے دو آدمی موسوم ہوں، یہ جائز ہے، البتہ نام کا مقصد تعارف اور التباس سے بچانا ہے، لہذا اگر ایک ہی طرح کا نام رکھنے میں التباس کا اندیشہ ہے تو الگ الگ نام رکھے جائیں یا ان کے نام کے ساتھ والد کا نام جوڑ دیا جائے تاکہ التباس باقی نہ رہے، جیسا کہ صحابہ ﷺ میں عبداللہ نام کے مختلف حضرات تھے، لیکن ان کے والد کی نسبت کی وجہ سے شخصیت پہچان لی جاتی تھی، جیسے، عبداللہ بن عمر ﷺ، عبداللہ بن عباس ﷺ، عبداللہ بن مسعود ﷺ۔

ابوجہل، ابولہب — نام رکھنا

سوال:- {2083} کیا ابوجہل اور ابولہب نام رکھ سکتے ہیں، چونکہ یہ دونوں نام ہمارے حضور ﷺ کے دشمنوں کے ہیں، تو ان کا رکھنا کیسا ہے؟ اور ان دونوں نام کے معنی کیا ہیں؟
(سیما، گلبرگہ)

جواب:- ابوجہل کے معنی ہیں "جہالت والا" اور عربی میں جہل کہتے ہیں نادانی، ناواقفیت، بے خبری، اور بے وقوفی کو، اسی طرح ابولہب کا معنی ہے "شعلہ والا" اور عربی زبان میں "لہب" شعلہ کو کہتے ہیں، چونکہ ابولہب کا چہرہ بہت سرخ تھا، اس لیے وہ اس نام سے پکارا جاتا تھا، "سمی باللهب لحسنه و اشراق وجهه" (۱) یہ دونوں نام یا اس جیسے نام نہیں رکھنے چاہئیں، کیوں کہ یہ نہ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے کوئی مناسبت رکھتے ہیں اور نہ

(۱) القرطبی: ۲۳۶/۲۰۔

نسبت کے اعتبار سے اور پھر قرآن وحدیث میں خود جابجا ان نام والوں کے حق میں وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لیے بھی ان ناموں سے احتیاط برتنی چاہیے۔ نام کے بارے میں اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ اچھے اور عمدہ ناموں کا انتخاب کیا جائے جو بہتر معنی ومفہوم کا حامل اور نسبت کے اعتبار سے بھی بہتر ہو، جیسے انبیاء علیہم السلام، صحابہ ﷺ اور صلحاء " کا نام ہو، حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز تم لوگ اپنے ناموں اور آباء واجداد کے ناموں سے پکارے جاؤ گے اس لیے اپنے اچھے نام رکھا کرو:

"انكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم وأسماء آبائكم فأحسنوا أسمائكم"(۱)

''عرفان'' نام رکھنا

سوال:- {2084} میں اپنے بھانجے کا نام عرفان رکھنا چاہتا ہوں، بتائیں کہ اس کے معنی کیا ہے؟

(سید محمد عرفان پاشا، شاہین نگر)

جواب:- عربی قواعد کے لحاظ سے ''عرفان'' مصدر ہے اور اس کے معنی علم ومعرفت کے ہیں، (۲) اس لیے عرفان نام رکھا جاسکتا ہے۔

''آزر'' نام رکھنا

سوال:- {2085} بچہ کے دادا نے محبت میں بچہ کا نام آزر رکھ دیا، تو کیا یہ نام مشرکانہ ہے اور اگر ہے تو کیا نام بدلنا ضروری ہوگا؟ (مقصود حسین خاں، نظام آباد)

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۹۴۸، باب تغيير الأسماء۔ محشی۔

(۲) القاموس المحيط، ص: ۱۰۸۰۔

جواب:- لغتِ عربی کے مشہور عالم ابن منظور کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بتوں میں سے ایک بت کا نام تھا اور یہی رائے حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ اور امام مجاہدؒ وغیرہ سے منقول ہے:

"و منهم من قال : هو اسم صنم و روي ذلك عن ابن عباس ﷺ و مجاهد" (۱)

بتوں کی پرستش پر آمادہ کرنے والے کے معنی بھی نقل کئے گئے ہیں، اسی لیے ایک رائے یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا لقب تھا۔(۲)

اسی لیے ایسا نام رکھنا درست نہیں ہے اور اگر نام رکھ لیا گیا ہو تو بدل دینا چاہئے، رسول اللہ ﷺ مشرکانہ ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔(۳)

"سمیع الدین" نام رکھنا

سوال:- {2086} میرا ایک لڑکا جس کا نام "محمد سمیع الدین خاں" ہے جو جماعتِ ہفتم میں زیر تعلیم ہے، اس سے اساتذہ کرام موجودہ نام بدل کر "محمد عبدالسمیع" رکھنے کو کہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ "محمد سمیع الدین خاں" نام ازروئے شریعت صحیح ہے یا نہیں؟

(ایم، ایس، خاں، آزاد صحافی، اکبر باغ)

جواب:- "سمیع الدین" نام رکھا جاسکتا ہے، بعض صفات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں، جیسے رزاق، خالق، غفور وغیرہ، بندوں کے نام ان ناموں سے نہیں رکھے جاسکتے، کچھ صفات وہ ہیں، جو خالق اور مخلوق دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، گو دونوں کی

---

(۱) لسان العرب :۱/۱۳۲۔

(۲) لتفسیر للقرطبی :۷/۱۶۔

(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۲۸۳۹، باب ماجاء في تغير الأسماء۔ محشی۔

کیفیت اور مقدار میں بدرجہا فرق ہے، ایسی صفات سے بندوں کے نام بھی رکھے جاسکتے ہیں، ان ہی صفات میں سمیع کا لفظ بھی ہے، جس کا معنی ہے سننے والا، گو اللہ کے اور بندوں کے سننے میں بہت فرق ہے، اللہ دل کی آواز بھی سنتا ہے، اور انسان کے سننے میں ایک معمولی دیوار بھی حائل ہو جاتی ہے تو سننا مشکل ہو جاتا ہے، لیکن سنتا بہر حال وہ بھی ہے، اس لیے ''سمیع الدین'' نام رکھنے میں کچھ حرج نہیں، معنی بھی اس کے بہتر ہیں۔

''عبدالآصف'' نام رکھنا

سوال:- {2087} ہمارے محلہ میں ایک نوجوان کا نام محمد عبدالآصف ہے، کیا یہ نام درست ہے؟ کسی نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے، اس لیے کہ آصف تو اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں نہیں پایا جاتا۔　(نادر السدوسی، مغل پورہ)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ آصف اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے نہیں، آصف کی اصل واصف ہے، جس کے معنی حالت وصفت بیان کرنے والے کے ہیں، اس لیے صرف آصف تو نام رکھا جاسکتا ہے، عبدالآصف نام رکھنا درست نہیں۔

''آسیہ'' نام رکھنا

سوال:- {2088} نام کے انسانی زندگی پر گہرے اثرات کے حوالہ سے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ لڑکیوں کا نام آسیہ نہیں رکھنا چاہئے، مذہبی نقطۂ نظر سے اس پر روشنی ڈالیں؟　(این، یو، خاں، ٹولی چوکی)

جواب:- اہل اللہ اور بزرگ ہستیوں کے نام پر بچوں کے نام رکھنا مستحب ہے (۱)

(۱)　الدر المختار مع رد المحتار :۹/۵۱۱۔ محشی۔

اوراس میں نیک شگون ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نام کی نسبت کی وجہ سے اس بچہ میں بھی اس بزرگ کے اوصاف ومحاسن کو پیدا فرمادے، و ما ذلك على الله بعزيز ، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادہ کا نام ابراہیم علیہ السلام رکھا، (۱) رسول اللہ ﷺ کے بعد بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے لڑکوں، پوتوں اور نواسوں وغیرہ کا نام محمد تجویز کیا، اور ہمیشہ سے مسلمانوں میں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام پر بچوں کا نام رکھنے کا توارث چلا آرہا ہے —— آسیہ بھی ایمان پر ثابت قدم ایک نیک اور پارسا خاتون کا نام تھا، یہ خاتون تھیں فرعون کی بیوی، جنھوں نے فرعون کی زوجیت میں رہنے کے باوجود اس کے خدا ہونے کا انکار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں، اسی لیے ان کا شمار ان پانچ عورتوں میں ہے جو تمام مؤمن عورتوں میں سب سے افضل ہیں، وہ پانچ عورتیں یہ ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، (۲) اس لیے آسیہ نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ بہتر ہے، ہاں ''عاصیہ'' (ع، ا، ص، ی، ہ) نام نہیں رکھنا چاہئے کہ اس کے معنی نافرمان کے ہیں۔ (۳)

نساء کے ساتھ عورتوں کا نام

سوال:- {2089} عام طور پر لڑکیوں کے نام کے اخیر میں ''النساء'' کا لفظ رکھا جاتا ہے، کیا اس طرح نام رکھنا بہتر ہے؟ (سید حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

جواب:- ''نساء'' کے معنی عورتوں کے ہیں، اس لیے برصغیر میں قدیم زمانہ سے کسی مناسب لفظ کو ''نساء'' کی طرف منسوب کر کے نام رکھنے کا رواج رہا ہے، اور بعض دفعہ لوگ

(۱) السيرة النبوية و المعجزات : ص:۳۵۴۔ محشی۔
(۲) التفسير الكبير :۴/۲۰۷۔ محشی۔
(۳) القاموس المحيط :۳/۲۴۴۔ محشی۔

ناواقفیت کی وجہ سے ایسے نام بھی رکھ دیتے ہیں، جو بے معنی ہوجاتے ہیں، بہرحال! اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرح کا نام رکھنے کی کوئی خاص اہمیت اور فضیلت نہیں، ایسے نام رکھنے چاہئیں جو صحابیات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)، ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) اور رسول اللہ ﷺ کی بنات طاہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) کے ہیں، کہ وہ بامعنی بھی ہیں اور حضور ﷺ کے پسند کردہ اور تصویب فرمودہ بھی۔

ناموں میں "محمد" پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا

سوال:- {2090} سرکار دو عالم ﷺ کے اسم مبارک محمد پر "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا جاتا ہے، ہم لوگوں کے نام کے شروع میں "محمد" کا لفظ ہوتو کیا اس پر بھی اسی طرح "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنا چاہئے؟ (محمد حسین خاں، سالار جنگ کالونی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کا جب بھی ذکر مبارک آئے تو پورا درود شریف یعنی "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنا چاہئے، صرف "ص" یا "صلعم" لکھنے پر اکتفا کرنا درست نہیں، مشہور صاحب علم علامہ ابن صلاح نے "مقدمۃ ابن صلاح" نامی کتاب میں اس کو منع فرمایا ہے۔ (۱) لیکن جب "محمد" سے کسی اور شخص کو موسوم کیا جائے تو اس میں چوں کہ "محمد" سے رسول اللہ ﷺ کی ذات مراد نہیں ہوتی، بلکہ جس کا نام رکھا گیا ہے، وہ مقصود ہوتا ہے، اس لیے اس میں درود شریف کا رمز "ص" لکھنا مناسب نہیں، کیوں کہ صلاۃ وسلام کے یہ کلمات رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص ہیں، دوسرے لوگوں کے نام کے ساتھ "ص" لکھنے میں خواہ "محمد" ہی کا لفظ کیوں نہ آئے، بے ادبی کا اندیشہ ہے۔ (۲)

---

(۱) مقدمة ابن صلاح ،ص:۱۲۵-۱۲۴۔ محشی۔

(۲) کفایت المفتی۔

''ارقم'' نام رکھنا

سوال:- {2091} ''ارقم'' نام رکھنا کیسا ہے؟ اور اس کے کیا معنی ہیں؟ (محمد انور، گلشن باغ)

جواب:- نام ایسا رکھنا چاہئے جو معنی کے اعتبار سے بہتر ہو، ارقم کے معنی بہتر نہیں ہے، ارقم ایک خبیث قسم کے سانپ کو کہتے ہیں، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اس سانپ کا رنگ سفید و سیاہ ہوتا ہے، (۱) عرب چوں کہ موذی اور مضرت رساں چیزوں سے بھی نام رکھا کرتے تھے، کیوں کہ اپنی جنگجویانہ صفت کی وجہ سے وہ دشمن کے ایذاء پہنچانے کو بڑی اہمیت دیتے تھے، اس لیے ان کے یہاں ارقم نام رکھنے کا رواج تھا، لیکن یہ بہتر نام نہیں۔ واللہ اعلم۔

کیا ''محمد حفیظ خان'' نام غلط ہے؟

سوال:- {2092} اللہ جل شانہ کے نام سے پہلے ''عبد'' لگایا جاتا ہے، میرا نام محمد حفیظ خاں ہے، شرعی اعتبار سے اس نام میں غلطی ہے یا نہیں؟ اگر غلطی ہے تو میں تبدیلی کرنا چاہتا ہوں؟ (محمد حفیظ خاں، کریم نگر)

جواب:- جو اسماء اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، جیسے اللہ، رزاق، خالق، وغیرہ، ان سے پہلے ''عبد'' لگانا ضروری ہے، تاکہ بندگی اور عبدیت کا اظہار ہو، ''عبد'' نہ لگانے کی صورت میں بندہ کے نام میں اس لفظ کا استعمال لازم آئے گا، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور یہ جائز نہیں، البتہ بہت سے نام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہیں، جن کا استعمال صفات باری کے لیے بھی آیا ہے اور بندوں کے لیے بھی، چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:

---

(۱) القاموس المحیط: ۱۴۳۰۔

﴿ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ﴾ (۱)

''کیا تم میں کوئی نیک چلن مرد نہیں ہے''

اس طرح کے مشترک نام میں ''عبد'' لگانا ضروری نہیں، ''حفیظ'' بھی ان الفاظ میں سے ہے، جو اللہ اور بندوں کے درمیان مشترک ہے، اس لیے آپ کا نام ''محمد حفیظ خاں'' عبد کے بغیر بھی درست ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

" والتسمية باسم يوجد في كتاب الله كالعلي و الكبير و الرشيد والبديع جائزة ، لأنه من الأسماء المشتركة و يراد في حق العباد غير ما يراد في حق الله " (۲)

پیار سے آدھا نام لینا

سوال:- {2093} لوگ اپنے بچوں کو پیار سے آدھا نام لے کر یا نام بگاڑ کر پکارتے ہیں، جیسے احمد کو حمد، عدنان کو عدو وغیرہ، کیا اس طرح نام پکارنے کی اسلام میں اجازت ہے؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر کسی کے نام کا جزء اللہ یا اس کے رسول کا نام ہو، تو اسے اس طرح پکارنا درست نہیں، جیسے عبد الشکور کو ''شکو''، عبد الحنان کو ''حنو'' وغیرہ، کیوں کہ اس میں قابل احترام نام بگڑ جاتے ہیں اور بے احترامی کا شائبہ پیدا ہوتا ہے، باقی دوسرے نام اگر پیار سے گھٹا بڑھا کر لئے جائیں اور اس کا مقصد محبت کا اظہار ہو نہ کہ توہین اور جسے پکارا جائے وہ بھی خطاب محبت ہی تصور

(۱) ہود :۷۸۔ محشی۔

(۲) الفتاوی الهندية:۳۶۲/۵۔ محشی۔

کرتا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی گنجائش ہے چنانچہ عربی میں ایک طریقہ ناموں کے پکارنے میں ترخیم کا رہا ہے کہ نام پکارتے وقت آخری حرف کو حذف کر دیا کرتے ہیں جیسے "ثابت" کو "یا ثاب" کہہ کر پکارتے ہیں، اس طرح کا تخاطب سلف سے بھی ثابت ہے، ہاں محض کسی کی تحقیر کے لئے نام کو توڑ مروڑ کر پکارنا جائز نہیں کہ مسلمان بلکہ کسی انسان کی تحقیر جائز نہیں۔

بال، ختنہ وغیرہ کے احکام

ختنہ کب کیا جائے؟

سوال:- {2094} میرے لڑکے کی عمر چار سال ہے اور لڑکے کی ماں حاملہ ہے، تو کیا اس حالت میں بچہ کا ختنہ کرا سکتے ہیں؟ اگر کرا سکتے ہیں، تو مسنون مدت کیا ہے؟

(الیاس حامد، عادل آباد)

جواب:- بچہ کی ماں حاملہ ہو تو اس بچہ کی ختنہ کرانے میں کوئی حرج نہیں، اس سلسلہ میں عوام میں جو بات پھیلی ہوئی ہے کہ اس سے زیر حمل بچہ کو نقصان پہونچتا ہے، یہ شرعی اعتبار سے بھی اور میڈیکل لحاظ سے بھی بالکل بے اصل اور محض وہم ہے، ختنہ کے لیے یوں تو کوئی وقت مقرر نہیں، البتہ فقہاءؒ نے لکھا ہے کہ سات سال سے بارہ سال کی عمر کے درمیان ختنہ کر دینا چاہئے:

" ابتداء وقت المستحب للختان من سبع

سنين إلى اثنی عشر سنة هو المختار " (۱)

دراصل مختلف لڑکوں کی جسمانی صلاحیت اور صحت الگ الگ ہوتی ہے، اور اسی لحاظ سے ان کے لیے ختنہ کی مناسب عمر کا تعین کیا جاسکتا ہے، یقیناً اطباء ہی اس سلسلہ میں صحیح رہنمائی کرسکتے ہیں، اس لیے ڈاکٹر کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے، شریعت کا مزاج ایسے مسائل میں یہی ہے کہ ان کے بارے میں تحدید وتعیین سے گریز کیا جائے، تا کہ تنگی کے بجائے وسعت برقرار رہے، اور ہر شخص کے لیے اپنی مصلحت کے مطابق فیصلہ کرنے کی گنجائش باقی رہے۔

ختنہ کرنا واجب ہے یا فرض؟

سوال:- {2095} ختنہ کروانا فرض ہے یا سنت؟ اگر کسی مجبوری اور لاعلمی کے سبب ختنہ نہ ہوسکے، جب کہ وہ پابند صوم وصلاۃ ہے، تو کیا ایسا شخص مسلمان نہیں؟

(بشیر ادیب، ظہیر آباد)

جواب:- فقہاء کے نزدیک معتبر و مستند قول یہ ہے کہ ختنہ سنت مؤکدہ ہے، سات سال سے بارہ سال کے درمیان ختنہ کرادیا جائے، کہ یہ مستحب ہے، ویسے اس سے پہلے بھی کرانا درست ہے، بلا عذر ختنہ کا ترک کرنا درست نہیں ہے، البتہ عذر کی بناء پر جیسے کوئی شخص زیادہ عمر میں مسلمان ہوا، یا زیادہ عمر گزرنے کے بعد اس کو ختنہ کے مسنون ہونے کا علم ہوا، اور اطباء کی رائے ہے کہ اب اس کا ختنہ کرانا مناسب نہیں، تو ختنہ ترک کیا جاسکتا ہے، (۲) بعض ایسی بیماریاں بھی ہوتی ہیں کہ کم عمری میں بھی اس کے لیے ختنہ جان لیوا ہوتا ہے، اور جب ایک بار خون نکلنے لگے تو تھمتا نہیں ہے، ایسی صورت میں بھی ختنہ ترک کرنے کی گنجائش ہے، ایسا نہیں کہ کسی کا ختنہ نہ ہوسکے تو وہ مسلمان نہیں، یہ خیال غلط ہے، البتہ بلا عذر ختنہ کا ترک کرنا درست نہیں ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۵/ ۳۵۷۔
(۲) الفتاوی الهندية: ۵/ ۳۵۷۔

ختنہ اور اس کی مصلحت

سوال:- {2096} ختنہ کی تعریف کیا ہے ؟ اس کی ابتداء کس پیغمبر صاحب سے ہوئی تھی ، اور کیا وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے لیے ختنہ کو لازم قرار دیا گیا ہے؟

(سید فیروز احمد علوی، گلشن باغ)

جواب:- ختنہ کی حقیقت یہ ہے کہ حشفہ یعنی سپاری کے گوشت پر جو جلد ہے، اسے کاٹ دیا جائے ، تا کہ یہ حصہ پوری طرح کھل جائے ،(۱) حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں خود اپنا ختنہ فرمایا۔ (۲) مسلمانوں کے لیے ختنہ کو سنت مؤکدہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک تمام پیغمبروں کی سنت رہی ہے اور ظاہر ہے کہ پیغمبروں کا طریقہ قابل تقلید ہے، دوسرے طبی اعتبار سے ختنہ کی افادیت ایک تسلیم شدہ امر ہے، یہاں تک کہ بعض برادران وطن بھی اس کے طبی فوائد کی وجہ سے ختنہ کرا رہے ہیں۔

بوڑھے نومسلم کا ختنہ

سوال:- {2097} ایک صاحب جو کافی ضعیف ہو چکے ہیں، انہوں نے اسلام قبول کیا ہے، ان کے ختنہ کے سلسلہ میں ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اب ختنہ نامناسب ہے، کیا ان کا ختنہ کرنا از روئے شرع ضروری ہے؟

(عرفان احمد، ملک پیٹ)

---

(۱) شرح نووی علی مسلم :۱/۱۸۸۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۳۳۵۶، عن أبي هريرة ﷺ، باب قول الله : واتخذ الله ابراهيم خليلا۔

جواب:- اگر معتبر ڈاکٹروں کی رائے ہو کہ ضعف و کمزوری وغیرہ کی وجہ سے ختنہ کرنا نامناسب ہے، تو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے، علماء نے ایسی صورت میں ختنہ نہ کرنے کی اجازت دی ہے۔

"وکذا المجوسی اذا اسلم و هو شیخ ضعیف
أخبر أهل البصر أنه لا يطيق الختان ، يترك"(۱)

ختنہ کے اکیس دن کے بعد غسل دینا

سوال:- {2098} کیا ختنہ کے اکیس دن بعد پانی نہلایا جائے یا زخم خشک ہونے کے بعد؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ختنہ کے بعد نہلانے کے لیے کوئی دن متعین کرنا درست نہیں، شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں آیا ہے، جب ضرورت محسوس ہو اسے نہلایا جا سکتا ہے، اپنی طرف سے کوئی دن متعین کرنا شریعت کی روح کے خلاف ہے، اس سے اجتناب کریں۔(۲)

ناک، کان اور سینہ وغیرہ کے بال

سوال:- {2099} اکثر لوگ ناک کے اوپر کے حصہ کے بال، کان کے اوپر کے بال، آنکھوں کے اوپر کے حصہ کے بال نکالتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (جنید بک ڈپو، باکارم)

---

(۱) الفتاوی الخانیہ علی هامش الهندیة :۳/۴۱۰۔

(۲) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت : قال رسول الله ﷺ : من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد" (سنن أبي داؤد ،حدیث نمبر:۴۶۰۶،باب في لزوم السنة ، أول كتب السنة)محشی۔

جواب:- سینہ اور پشت کے بال کو نکالنا جائز ہے، لیکن خلاف ادب ہے، ''وفی حلق شعر الصدر والظہر ترک الأدب ''(۱) یہی حکم ناک اور کان کے بالوں کا ہونا چاہیے، آنکھوں کے اوپر کے بال اگر بڑھ جائیں اور تکلیف کا باعث ہوں، تو کاٹ لینے میں کچھ حرج نہیں، اگر بھنووں کو باریک کرنے اور خوبصورتی پیدا کرنے کی غرض سے کاٹا جائے تو مکروہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(۲)

سینہ کے بال کٹوانا

سوال:- {2100} میرے ایک دوست کو باڈی بلڈنگ مقابلہ میں حصہ لینے کے لیے دعوت ملی ہے، لیکن مقابلہ میں حصہ لینے کے لیے سینہ اور پاؤں کے بالوں کو کٹوانا شرط ہے، تو کیا یہ بال کٹوانا جائز ہے؟

(معید الدین عارف، عیدی بازار)

جواب:- سینہ یا پیٹھ کا بال مونڈنے کو فقہاء نے خلاف ادب لکھا ہے: "حلق شعر الصدر و الظہر ترک الأدب" (۳) بہ ظاہر یہی حکم ٹانگوں کے بالوں کا بھی ہونا چاہئے، اس لیے بہتر ہے کہ آپ کے دوست اس سے احتراز کریں، ہاں عذر کی بناء پر ان بالوں کے مونڈانے میں کچھ حرج نہیں، جیسا کہ آپریشن وغیرہ میں بال مونڈانا پڑتا ہے۔

زیر ناف صاف کرنا

سوال:- {2101} میری ایک سہیلی کا کہنا ہے کہ شادی

(۱) الفتاوی الهندية:۵/ ۳۵۸۔
(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۵۹۳۹، باب المتنمصات ۔ محشی ۔
(۳) الفتاوی الهندية:۵/ ۳۵۸۔

سے پہلے ناف کے نیچے کے بال صاف نہیں کرنا چاہیے، کیا یہ
بات شرعاً درست ہے؟ (نصرت جہاں، بیدر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے دس چیزوں کو امور فطرت میں سے قرار دیا ہے، ان میں سے ایک زیر ناف کی صفائی ستھرائی بھی ہے (۱) اس کا تعلق نظافت اور حفظان صحت سے ہے نا کہ مرد یا عورت کے شادی شدہ ہونے یا نہ ہونے سے، اس لئے شادی سے پہلے بھی اس پر عمل کرنا چاہیے۔

چہارشنبہ کے دن ناخن کاٹنا

سوال:- {2102} کیا چہارشنبہ کے دن ناخن کترنے
سے کوئی ضرر، نحوست یا بیماری کا اندیشہ ہے، ہمارے ایک
واقف کار حدیث کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ چہارشنبہ کے دن
ناخن نکالنے سے برص ہوتا ہے؟ (تسنیم سلطانہ، لنگر حوض)

جواب:- ناخن کترنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کوئی خاص دن متعین نہیں فرمایا، یہ ایک طبعی ضرورت ہے، آدمی جب ضرورت محسوس کرے ناخن کاٹے، البتہ عرب میں ایک طریقۂ علاج پچھنا لگانے کا مروج تھا، اس میں جسم کا فاسد خون نکالا جاتا تھا، پچھنا لگانے کے بارے میں ایک روایت میں چہارشنبہ، جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو اجتناب برتنے کی تلقین کی گئی ہے، (۲) لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف اور غیر معتبر ہے، اس روایت میں ایک راوی حسن بن ابوجعفر ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (۳)

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۳۔
(۲) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۲۴۸۷، باب في أيّ الأيام يحتجم ۔محشی۔
(۳) تهذيب التهذيب: ۲/۲۴۳۔محشی۔

ناخن کاٹنے کا مستحب طریقہ

سوال:- {2103} ناخن کاٹنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟
اور کس ترتیب سے ناخن کاٹنا چاہئے؟ (عبد المجید، مہدی پٹنم)

جواب:- امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کرے، اور اس کے بعد کی چاروں انگلیوں کے ناخن تراشنے کے بعد بائیں ہاتھ کے ناخن چھوٹی انگلی سے کاٹتے ہوئے انگوٹھے پر ختم کرے پھر آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن تراشے، (۱) لیکن محققین کا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں، چنانچہ علامہ ابن دقیق العید نے لکھا ہے کہ اس کے مستحب ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ (۲) اور خود حافظ ابن حجرؒ نے بھی صراحت کی ہے کہ ناخن کاٹنے میں انگلیوں کی ترتیب کا احادیث میں کوئی ذکر نہیں۔

" و لم يثبت في ترتيب الأصابع عند القص
شيئ من الأحاديث " (۳)

البتہ چوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ دائیں جانب سے اس کی ابتداء ہو، (۴) اور ناخن کاٹنا بھی ایک اچھا کام ہے، اس لیے پہلے دائیں ہاتھ کا، پھر بائیں ہاتھ کا ناخن تراشنا چاہئے۔

ناخن کاٹنے کے آداب

سوال:- {2104} ناخن کاٹنے کا شرعاً بہتر طریقہ کیا ہے؟ (آفتاب الدین، گلبرگہ)

---

(۱) احیاء العلوم: ۱/ ۱۲۷۔ محشی۔
(۲) فتح الباری: ۱۰/ ۴۲۴۔
(۳) فتح الباری: ۱۰/ ۴۲۴۔
(۴) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۱۶۸، باب اليمين في الوضوء و الغسل۔ محشی۔

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ناخن کاٹنے کی ترغیب دی ہے، لیکن ناخن کاٹنے کا طریقہ کیا ہو؟ کسی صحیح حدیث میں اس کی تفصیل نہیں ملتی، ، گویا آپ ﷺ کا منشا تھا کہ اس مسئلہ میں وسعت باقی رہے، ویسے فقہاء نے اپنے اجتہاد سے آداب ومستحبات کے درجہ میں کچھ باتیں لکھی ہیں، اور وہ یہ ہیں کہ ہفتہ میں ایک بار ناخن کاٹنا چاہئے، یہ افضل طریقہ ہے، اوسط درجہ یہ ہے کہ دو ہفتہ میں ایک بار کاٹ لے، بہر حال چالیس دن سے زیادہ تاخیر نہیں ہونی چاہئے، دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کرے، اور چاروں انگلیوں کے ناخن کاٹنے کے بعد بائیں ہاتھ کے ناخن کاٹے، پھر آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن تراشے، یہ بھی مستحب ہے کہ کاٹا ہوا ناخن دفن کردے، خاص کر بیت الخلاء، یا گندی جگہ میں ڈالنا مکروہ ہے، اور بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اس سے بیاری پیدا ہوتی ہے، یہ ساری تفصیلات فتاوی عالمگیری میں فتاوی قاضی خاں کے حوالہ سے ذکر کی گئی ہیں۔(۱)

ملازمت کے لیے ڈاڑھی منڈا دینا

سوال:- {2105} میرے ایک دوست ڈاڑھی رکھتے تھے، لیکن ان کی نوکری چلے جانے کا ڈر تھا، اس لیے ڈاڑھی نکال لی، اس کا کیا حکم ہے؟ (ن، ب، ر، عابد روڈ، حیدرآباد)

جواب:- ڈاڑھی رکھنا واجب ہے (۲) اور ڈاڑھی منڈانا گناہ، قانونی اعتبار سے ڈاڑھی ملازمت میں مانع نہیں، اس لیے آپ کے دوست کو استقامت اختیار کرنی چاہئے تھی، اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی، اور ضرور ان کا یہ مسئلہ حل ہو جاتا، اصل روزی دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۵/ ۳۵۷-۵۸۔

(۲) اشعة اللمعات: ۱/ ۲۱۲، مجتبی۔

چہرے اور ہاتھوں کے بال نکلوانا

سوال:- {2106} کیا عورتوں کے چہرے اور ہاتھوں کے بال نکلوانا جائز ہے؟ (زرینہ تبسم، جہاں نما)

جواب:- چہرے اور ہاتھوں پر جو روئگٹے ہوا کرتے ہیں، ان کو اکھاڑنا درست نہیں، حدیث سے اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، البتہ اگر چہرے پر اتنا زیادہ وہ بال ہو جائے کہ چہرہ بگڑ جائے، یا مردوں کے مماثل نظر آئے، تو ایسے بال صاف کرنے کی اجازت ہے، بعض فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔(۱)

مونچھ اور ٹھوڑی کی گول ڈاڑھی

سوال:- {2107} ڈاڑھی رکھنی سنت ہے، مگر کیسی ڈاڑھی ؟ آج کل چہرے کی خوبصورتی کے لیے مونچھ اور ٹھوڑی کے بال کو لے کر گول ڈاڑھی رکھنے کا رواج چل رہا ہے، کیا اس سے ڈاڑھی کی سنت ادا ہو جاتی ہے؟

(شیخ عمران، بلال فارم)

جواب:- ڈاڑھی رکھنا واجب اور ایک مشت کی مقدار سنت مؤکدہ ہے، ایک کان سے دوسرے کان تک جو ڈاڑھ کی ہڈی ہے، اس پر اگنے والے تمام بال ڈاڑھی میں داخل ہیں، ہاں رخسار کے بال صاف کئے جاسکتے ہیں، اس لیے اس گول ڈاڑھی سے نہ واجب ادا ہوگا، اور نہ سنت پوری ہوگی، اگر ڈاڑھی اللہ کی خوشنودی اور رسول کی اتباع کے لیے رکھنی ہے تو پوری رکھنی چاہئے، اگر رواج کی اتباع اور اپنے نفس کی خوشنودی مقصود ہے تو پھر اس ڈاڑھی کا کوئی حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اتباع سنت کی توفیق عطاء فرمائے۔

---

(۱) فتح الباري شرح البخاري :۱۰/۳۹۱۔مرتب۔

خواتین اور ٹھوڑیوں کے بال

سوال:- {2108} بعض عورتوں کو ٹھوڑی کے نیچے بال نکل آتے ہیں، کیا وہ اس کو دور کرنے کے لیے بلیڈ استعمال کرسکتی ہے؟ (زہرہ بی، سنگار ریڈی)

جواب:- عورتوں کو غیر فطری طور پر اگر بال اگ آئیں، تو ان کو صاف کرنے کی اجازت ہے، بالخصوص ٹھوڑی پر اگ آنے والے بال کہ اس میں مرد سے مشابہت ہے، اور عورتوں کے لیے یہ بہتر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، مرد کی مشابہت سے بچیں، اس لیے ایسا کرنا بہتر ہی ہوگا۔(۱)

بال کی صفائی کی مدت

سوال:- {2109} زیر ناف کتنے دنوں بعد صاف کرنا چاہئے؟ (سید سرفراز احمد علوی، گلشن باغ)

جواب:- مختلف لوگوں میں بال بڑھنے کی صلاحیت الگ الگ ہوتی ہے، اس لحاظ سے کوئی ایک ہی مدت مقرر نہیں کی جاسکتی، البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں چالیس دن سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔

"وقت لنا رسول الله ﷺ في ... حلق العانة أن لا نترك أكثر من أربعين يوما" (۲)

اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ چالیس دن تک ناف کے نیچے کے بال صاف نہیں کرنا مکروہ تحریمی ہے، پندرہ دن میں جائز ہے، اور ہفتہ میں ایک بار مستحب ہے:

---

(۱) فتح الباری شرح البخاری:۱۰/۳۹۱۔ محشی۔

(۲) سنن نسائی :۱/۴، کتاب الطهارة۔

" و يستحب حلق عانته ... في كل أسبوع مرة و الأفضل يوم الجمعة و جاز في كل خمسة عشر و كره تركه وراء الأربعين ... " (۱)

عورتوں کے لئے بے موقع بال کی صفائی

سوال:- {2110} میرے جسم پر بہت غیر ضروری بال ہیں، چہرہ پر ٹھوڑی پر ڈاڑھی جیسے بال ہیں، ہاتھوں، پیروں اور گردن پر بھی بہت بال اگ آئے ہیں، جس سے میں بہت پریشان ہوں، کیا میں ان غیر ضروری بالوں کو علاج کے ذریعہ دور کرسکتی ہوں؟　　(ایک دینی بہن، رنگ روڈ گلبرگہ)

جواب:- عورتوں کو جو بے موقع اور غیر معمولی بال نکل آئیں جیسے ڈاڑھی، مونچھ یا ہونٹ کے نیچے، تو ان کو دور کرنے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ مردوں کی مشابہت سے بچنے کے لئے ایسا کرنا بہتر ہے، مشہور محدث حافظ ابن حجرؒ نے امام نوویؒ سے یہی بات نقل کی ہے:

" يستثنى من النماص اذا نبت للمرأة لحية أو شارب أو عنفقة فلا يحرم عليها ازالتها بل يستحب " (۲)

مصنوعی بال

سوال:- {2111} عورتیں مصنوعی بالوں کے جوڑے استعمال کرتی ہیں، تاکہ ان کے بال بڑے نظر آئیں، کیا اس

(۱) الدر المختار مع رد :۵/۲٦٦۔
(۲) فتح الباری:۱۰/۳۹۱۔

مقصد کے لیے جوڑے استعمال کیے جاسکتے ہیں؟

(نگینہ بانو، بیگم پیٹ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے بال کے ساتھ دوسرے انسانی بال جوڑا کریں، بلکہ اس میں مدد کرنے والی عورت پر بھی لعنت کی گئی ہے۔ "لعن اللّٰہ الواصلة و المستوصلة" (۱) اس لیے انسانی بال کا جوڑنا درست نہیں، خواہ اپنے ہی ٹوٹے گرے ہوئے بال کیوں نہ ہوں، البتہ نائلون کے مصنوعی بال استعمال کرنے کی گنجائش ہے، چنانچہ فقہاء نے جوڑے میں جانور کے بال رکھنے کی اجازت دی ہے۔

"و لا بأس للمرأة بأن تجعل في قرونها و ذوائبها شيئا من الوبر" (۲)

منہ میں مونچھ لینا

سوال:- {2112} ایک صاحب اکثر منہ میں مونچھ لیا کرتے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(رشید احمد خان، بھینسہ)

جواب:- مونچھ میں ناک اور منہ سے قربت کی وجہ سے ناک اور منہ کی آلائش لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے، اور یوں بھی بال پر بعض اوقات گرد وغبار، میل کچیل جم جاتا ہے، غالبا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے مونچھ کو پست کرنے کا حکم فرمایا ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مونچھ اتنی پست کی جانی چاہئے کہ بالائی ہونٹ کی سرخی نظر آنے لگے" فیسن احفاؤه حتی تبدو حمرة الشفة العليا "(۳) اور فقہاء نے لکھا ہے کہ چالیس دنوں سے زیادہ مونچھ کا

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۹۳۳، باب وصل الشعر ۔ محشی۔
(۲) الفتاوی الهندية:۵/۳۵۸۔
(۳) مرقاة المفاتيح :۲/۴۔

نہ تراشنا مکروہ تحریمی ہے،(۱) مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ مونچھ تراشی جائے، ظاہر ہیکہ جب مونچھ اس طرح تراشنے کا اہتمام ہو تو مونچھ اتنی بڑی نہیں ہوسکتی کہ اسے منہ میں لیا جائے، اس لئے منہ میں مونچھ لینا کراہت سے خالی نہیں، اور تقاضۂ نظافت کے خلاف ہے۔

ڈاڑھی ایک اسلامی شعار

سوال:- {2113} بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر چالیس دن تک ڈاڑھی نہیں نکالے تو اس کے بعد ڈاڑھی نہیں نکالنا چاہئے، کیونکہ ایسی صورت میں ڈاڑھی رکھنا واجب ہوجاتا ہے، کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث آئی ہے؟

(احمد بن عود، حسن نگر)

جواب:- چالیس دن والی بات بالکل غلط ہے، ڈاڑھی چاہے ایک دن میں منڈائی جائے یا چالیس دن کے بعد، حرام اور سخت گناہ ہے، اس میں چالیس دن کے بعد اور پہلے کا کوئی فرق نہیں، رسول اللہ ﷺ نے بتاکید ڈاڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے،(۲) ڈاڑھی اسلام کے شعائر میں سے ہے؛ اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سنت نبوی کا پورا اہتمام کرے۔

ایک مشت سے اوپر ڈاڑھی کٹانے کا ثبوت

سوال:- {2114} بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک مشت سے اوپر کی ڈاڑھی کاٹنا جائز ہے، کیا یہ بات حدیث سے ثابت ہے؟　　(راشد حسین، حیدرآباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صرف اس قدر منقول ہے کہ آپ ﷺ ڈاڑھی

---

(۱)　الفقۃ علی المذاهب الاربعۃ :۲/۴۴۔

(۲)　صحیح البخاری، حدیث نمبر:۵۸۹۳۔

کے طول وعرض میں سے تراشا کرتے تھے، (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک مشت سے زیادہ ڈاڑھی تراشنا ثابت ہے، (۲) حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی لمبی ڈاڑھی دیکھی، تو ایک مشت سے زیادہ کو کاٹ دیا، (۳) بعض دوسرے صحابہؓ سے بھی اس طرح کا عمل منقول ہے، (۴) اس لیے علماء نے ایک مشت سے زیادہ ڈاڑھی کو کاٹنے کی اجازت دی ہے، تاکہ چہرہ بدہیئت نہ ہوجائے۔ (۵)

مفلوج شخص سنت فطری کس طرح ادا کرے؟

سوال:- {2115} دونوں ہاتھ کے فالج زدہ مریض یا مریضہ کے بغل اور زیر ناف کے بال کس سے اور کیسے نکالے جائیں؟ (ایم، ایس خاں، اکبر باغ)

جواب:- بغل کا حصہ تو محرم کے لیے دیکھنے کی گنجائش ہے، اس لیے بیٹے باپ کے اور بیٹیاں ماں کے بغل صاف کرسکتی ہیں، البتہ زیر ناف حصہ کا دیکھنا سوائے شوہر و بیوی کے ناجائز و حرام ہے، اس سے صرف علاج کی صورت مستثنیٰ ہے، اس لیے مجبوری میں شوہر و بیوی اس میں ایک دوسرے کا تعاون کرسکتے ہیں، البتہ تقاضۂ حیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نگاہ پست رکھیں اور ایسا ذریعہ استعمال کریں جو کم سے کم وقت میں اور نسبتاً کم بے ستری کے ساتھ ضرورت کو پورا کردے، اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہئے کہ وہ ایسی آزمائش سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے اور اپنے سوا کسی کا محتاج نہ بنائے۔

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۲۷۶۲، عن عبد الله بن عمر ؓ، باب ماجاء في الأخذ من اللحية۔

(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۸۹۲، باب تقليم الاظفار۔

(۳) دیکھئے: عمدة القاري شرح البخاري:۲۲/۴۷۔

(۴) مصنف ابن أبي شيبة:۶/۱۰۹۔ محشی۔

(۵) رد المحتار:۲/۱۲۳، نیز دیکھئے: فتح القدير:۲/۲۷۰۔ محشی۔

کھانے پینے اور سونے کے آداب

کھانے پر زور سے بسم اللہ کہنا

سوال:- {2116} میرے ایک دوست نے کھانے پر زور سے بسم اللہ کہا، دوسرے دوست نے اس سے منع کیا، کونسی بات زیادہ درست ہے؟ (سید حبیب اللہ، ہندوپور)

جواب:- مخصوص مواقع پر جو اوراد واذکار منقول ہیں، گو انہیں زور سے بھی پڑھا جاسکتا ہے، لیکن آہستہ پڑھنا بہتر ہے، البتہ اگر دوسرے لوگ بسم اللہ سے غافل ہوں اور انہیں متوجہ کرنے کے لیے زور سے بسم اللہ پڑھ لیا جائے تو بہتر ہے، کیوں کہ یہاں زور سے پڑھنا بطور ذکر کے نہیں، بلکہ بطور تلقین کے ہے۔

"و اذا قلت بسم الله فارفع صوتك حتى تلقن من معك"(۱)

(۱) الفتاوى الهندية :۵/۳۳۷۔

کسوف وخسوف کے درمیان کھانا

سوال:- (2117) میں نے بہت سے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ چاند گہن یا سورج گہن کے درمیان نہیں کھانا چاہئے، کیونکہ اس کے درمیان کھانے کی وجہ سے پیٹ میں کیڑے ہوجاتے ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟

(عائشہ فردوس، گلبرگہ)

جواب:- یہ بے اصل بات ہے، نہ کسی حدیث سے ثابت ہے، نہ صحابہؓ کے قول وفعل سے، اور بظاہر میڈیکل سائنس بھی ایسا نہیں کہتی، سورج گہن اور چاند گہن اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانونِ فطرت کے تابع ہے، لیکن چونکہ عام معمول کے خلاف ہے، اس لئے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اسی لئے اس موقع پر نماز اور ذکر کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ انسان کی غافل طبیعت بیدار ہو، رہ گیا انسان یا کائنات کی دوسری اشیاء پر اس کا مؤثر ہونا تو اس کا کوئی ذکر نہیں۔

خواص کے لیے پہلے خصوصی دسترخوان

سوال:- {2118} اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ تقریبات میں علماء، مرشدین اور رہنماؤں کے دسترخوان علاحدہ ہوتے ہیں ان کا کھانا بھی بہتر ہوتا ہے اور وہ کھانے سے پہلے فارغ ہوجاتے ہیں، اور عام مہمان انتظار کرتے رہتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(سید مظہر حسینی، قاضی پورہ)

جواب:- کھانا میزبان کی ملکیت ہے، اس لیے اسے یہ حق حاصل ہے کہ بعض مہمانوں کے لیے زیادہ معیاری کھانے کا نظم کرے اور بعض کے لیے کم، اور کچھ لوگوں کو اپنی یا ان

کی مصلحت سے پہلے کھلائے اور کچھ کو بعد میں، اس میں کچھ حرج نہیں۔

کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونا

سوال:- {2119} کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد جو ہاتھ دھویا جاتا ہے، کیا اسے تولیہ سے پوچھنا چاہئے یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔　　(عبدالرشید، ملک پیٹ)

جواب:- کھانے کے بعد جب ہاتھ دھوئیں تو پونچھ لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے بعد بہتر ہے کہ کپڑے سے نہ پونچھے خود بخود خشک ہوجانے دیں۔

"و اذا غسل قبل الطعام لا يمسح يده بالمنديل، بل يترك حتى يجف" (۱)

دسترخوان اور کدو سے متعلق ایک سوال

سوال:- {2120} کیا دسترخوان کی ہر چیز کھانا ضروری ہے؟ ورنہ وہ چیز بددعاء دے گی؟ اور کیا کدو پسند نہ ہونے پر بھی کھانا چاہئے؟　　(محمد عادل احمد، فرسٹ لانسر)

جواب:- دسترخوان کی ہر چیز کھانا ضروری نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود طبیعت اور مذاق کا فرق رکھا ہے، کدو رسول اللہ ﷺ کو بہت پسند تھا، (۲) اور اطباء بھی اس کو بہت مفید قرار دیتے ہیں، لیکن یہ حضور ﷺ کی ایک طبعی پسند تھی، اگر کسی شخص کو اس کے کھانے کی رغبت نہ ہو اور نہ کھائے تو کچھ حرج نہیں، لیکن مناسب ہے کہ زبان سے کدو کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرے، تاکہ حضور ﷺ کی سنت طبعی کی بھی مخالفت نہ ہو۔

---

(۱) فتاوی قاضی خان: ۳/۴۰۵۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۸۴۹، باب ما جاء في أكل الدباء۔ مرتب۔

سونے سے پہلے کی دعاء

سوال:- {2121} اکثر حضرات رات میں سوتے وقت چور، ڈاکو اور جن، بھوت وغیرہ سے حفاظت کے لیے کچھ دعائیں اور قرآنی سورتیں وغیرہ پڑھتے ہیں، لیکن اس کے بعد ''تالی'' بجا کر سو جاتے ہیں، جبکہ احقر کے ناقص خیال میں ''تالی اور سیٹی'' دونوں چیزیں کفار کے طریقہ میں سے ہیں، جیسا کہ قرآنی آیت میں ارشاد ہے ﴿و ما کان صلوتهم عند البيت الا مكاء و تصدية﴾ تو تین مرتبہ تالی بجا کر سونا کیسا ہے؟ (مولوی محمد رہبر عالم تجویدی، بیدر)

جواب:- ام المومنین سیدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ

'' رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ ہر شب جب بستر پر جاتے تو دونوں ہتھیلیوں کو جمع کر کے سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر ہتھیلیوں پر پھونکتے، پھر سر اور چہرہ مبارک سے شروع کر کے جسم کے اگلے اور پچھلے حصوں میں جہاں تک ہاتھ پہونچتا ہاتھ پھیرتے، آپ ﷺ تین بار یہ عمل فرماتے۔(۱)

یہی سونے کے سلسلے میں آپ ﷺ کی سنت ہے، میرے علم کے مطابق تالی بجانا حدیث میں وارد نہیں ہوا ہے، ویسے قرآن کی جس آیت سے آپ نے استدلال کیا ہے، اس میں بیت اللہ شریف کے پاس تالی بجانے کی مذمت ہے۔

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۳۴۰۳۔

لہو ولعب کے احکام

تاش کھیلنے کا حکم

سوال:- {2122} بغیر شرط اور جوے کے صرف دل بہلائی کے لیے تاش کھیلنا اور اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟ کیا احادیث سے اس کی ممانعت ثابت ہے؟ اور ہے تو کیا معمر حضرات اس سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں؟

(عقیل احمد، شاد نگر)

جواب: - تاش یا کسی بھی کھیل میں جیت اور ہار کی صورت میں پیسے کی شرط ہو تو یہ جوا ہونے کی وجہ سے حرام اور سخت گناہ ہے، اگر جوے کے بغیر تاش کھیلا جائے تو یہ شطرنج کے حکم میں ہے اور چوں کہ اس میں وقت کا ضیاع ہوتا ہے اور اس سے لہو ولعب کا مزاج بن جاتا ہے، اس لیے مکروہ تحریمی ہے "وکره تحريما اللعب بالنرد وكذا الشطرنج "(۱) بعض احادیث میں بھی شطرنج کی ممانعت آئی ہے، جو مصلحت شطرنج کو منع کرنے کی ہے وہی بات تاش

(۱) الدر المختار مع رد المحتار :۵۶۶/۹۔

کھیلنے میں پائی جاتی ہے، اس لیے دل بہلائی کے لیے بھی شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے، معمر حضرات کو تو اس سے اور بچنا چاہئے اور اپنے فاضل اوقات کو اللہ کے ذکر، تلاوت اور تسبیحات وغیرہ میں لگانا چاہیے، کہ کم سے کم عمر کا آخری حصہ تو اچھے کاموں میں اور اللہ کی یاد میں گزرے۔

انگریزی تاش کھیلنا

سوال:- {2123} ہمارے گھر میں وقت گزارنے کے لیے انگریزی تاش کھیلا کرتے ہیں، کیا جوا کے بغیر ایسا تاش کھیلنا جائز ہے؟ (محمد ابراہیم، محبوب نگر)

جواب:- اگر جوا نہ بھی ہو تو تاش کھیلنے سے وقت ضائع ہوتا ہی ہے، اور وقت اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے، پھر اس سے انسان بتدریج جوے کی طرف بڑھتا ہے، اس لیے تاش کھیلنا بہرحال کراہت سے خالی نہیں۔

"کره كل لهو لقوله عليه السلام : كل لهو المسلم حرام"(۱)

گھوڑ دوڑ کا انعام

سوال:- {2124} ایک صاحب انعام حاصل کرنے کی خاطر اپنے گھوڑے ریس (گھوڑ دوڑ) میں دوڑاتے ہیں، وہ اپنے گھوڑوں پر انعام بھی حاصل کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ انعام لینا جائز ہے، چوں کہ کرکٹ، فٹ بال، ہاکی اور دیگر کھیلوں میں بہتر مظاہرہ پر انعامات دیئے جاتے ہیں،

(۱) الدر المختار على هامش ردالمحتار :۹/۵٦٦۔

شریعت کے لحاظ سے ان کا یہ عمل جائز ہے؟

(محمد عبدالرشید، اعظم پورہ)

جواب:- اگر گھوڑ دوڑ میں انعام ہوتو اس کی چار صورتیں ہیں، ایک صورت ناجائز اور تین صورتیں جائز:

(الف) دو شخص یا چند اشخاص میں گھوڑ دوڑ کا مقابلہ ہو اور ہر شخص پر یہ بات لازم قرار دی گئی ہو کہ وہ ہارنے کی صورت میں جیتنے والے کو اتنی رقم دے گا اور اگر وہ جیت جائے تو دوسرے لوگ اسے دیں گے، غالباً عام طور پر ریس میں یہی صورت ہوتی ہے اور یہ صورت جوا ہونے کی وجہ سے قطعاً حرام ہے۔

(ب) دو شخص میں مقابلہ ہو، ایک پر انعام کی شرط ہو دوسرے پر نہ ہو یعنی ''الف'' جیتے گا تو ''ب'' اسے ایک ہزار روپے دے گا، لیکن ''ب'' جیتے گا تو ''الف'' اسے کچھ نہیں دے گا، مقابلہ کی یہ صورت درست ہے۔

(ج) دو آدمیوں کے درمیان جیت ہار پر دوطرفہ شرط ہو، لیکن تیسرے آدمی کو بغیر کسی شرط کے شریک کرلیا گیا ہو کہ اگر وہ ہارے تو اسے کچھ دینا نہ پڑے گا اور اگر وہ جیتے تو باقی دونوں اسے حسب معاہدہ انعام دیں گے اور تیسرا شخص بھی اس پوزیشن میں ہو کہ اس کے جیتنے کی توقع کی جا سکتی ہو، یہ صورت بھی جائز ہے۔

(د) دو شخص گھوڑ دوڑ میں شریک ہوں اور جیتنے والے کو انعام حکومت یا کوئی اور شخص دے، اس صورت میں بھی مضائقہ نہیں۔

کتب فقہ میں یہ تفصیلات وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔(۱)

جائز و ناجائز کھیل

سوال:- {2125} لڑکوں کو اسلامی نقطۂ نظر سے کون

(۱) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۶/۲۰۶، رد المحتار: ۵/۲۵۸۔

سے کھیل کھیلنا چاہئے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ایسے کھیل کھیلنے بہتر ہیں کہ جن سے جسمانی ورزش ہوتی ہو، اور صحت پر مفید اثر پڑتا ہو، اور طبی نقطۂ نظر سے مفید ہو، کھیل میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ ساتر لباس پہنا جائے، مردوں کے لیے ناف سے گھٹنے تک کا حصہ "حصۂ ستر" ہے یہ بھی ضروری ہے کہ کھلاڑیوں کے درمیان آپس میں جیت ہار پر کوئی شرط نہ ہو، ورنہ جوا ہونے کی وجہ سے یہ کھیل حرام ہوگا، (۱) ایسا کھیل نہ ہو، جس میں آدمی گھنٹوں اور دنوں کھیلتا رہے، جیسے شطرنج کہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے، اور انسان اپنے فرائض سے غافل ہو جاتا ہے، آج کل تاش، لوڈو، کیرم بورڈ اور کرکٹ وغیرہ ایسے ہی کھیل ہیں۔

گانا بجانا دیکھنا

سوال:- {2126} بینڈ باجہ سے نوشہ جایا کرتا تھا اب ہمارے یہاں تقریباً ہر جگہ علمائے دین کی ہدایت پر اور دینی جماعتوں اور اسلامی جماعتوں کا کام اور تبلیغی کام کی نصیحت سے بینڈ باجہ شادیوں میں اب بند ہو رہا ہے، مگر ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ باہر ناچ گانا، بینڈ باجہ بند ہے مگر اکثر گھروں میں ٹی وی ہے یہ ناچ گانے ہر گھر میں بج رہے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ (دبیع اختر، نوری نگر، بنڈلہ گوڑہ)

جواب:- گانا بجانا گھر میں ہو یا گھر کے باہر دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ (۲) اور براہ راست ہو یا ٹی وی، ریڈیو کے واسطے سے، بہرصورت گناہ ہے۔

---

(۱) الدر المختار علی ھامش رد المحتار :۹/۴۹۲۔ محشی۔

(۲) رد المحتار :۹/۴۲۵، کتاب الحظر والإباحة۔

گانا سننا اور فلم دیکھنا

سوال:- {2127} ٹیپ ریکارڈ پر گانا سننا اور ٹی وی پر فلم دیکھنا کیا جائز ہے؟ (اظہر، کریم نگر)

جواب:- گانا سننا اور فلم دیکھنا لہو ولعب کے دائرہ میں آتا ہے، جو حرام ہے، حدیث میں ہے کہ گانا نفاق پیدا کرتا ہے، نیز کان اور آنکھ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں ہیں، ان کو بری چیزوں کے سننے اور برے مناظر کے دیکھنے میں صرف کرنا نعمتِ خداوندی کی ناقدری اور ناشکری ہے اور ان سے اجتناب کرنا واجب ہے

"فصرف الجوارح إلی غیر ما خلق اللّٰہ لأجله کفر بالنعمة لا شکر فالواجب أن یجتنب کیلا یسمع"(۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''لهو الحدیث '' کو خریدنے کی مذمت فرمائی،(۲) مخرب اخلاق آڈیو اور ویڈیو کیسٹ یقیناً لہو الحدیث کے دائرہ میں آتے ہیں، اس لئے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ لغو اور مضر اخلاق باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

ویڈیو گیم کھیلنے کا حکم

سوال:- {2128} ویڈیو گیم کھیلنے کا کیا حکم ہے؟ آج کل کمپوٹر میں بھی اس کی سہولت ہے اور بچے بہت شوق سے یہ گیم کھیلتے ہیں۔ (محمد نقیب عالم، قاسمی)

جواب:- سنا ہے کہ ویڈیو گیم میں بعض اوقات تصویریں بھی ہوتی ہیں، اس صورت کا

---

(۱) ردالمحتار :۹/۵۰۴-۵۰۳۔

(۲) لقمان :۶۔

ناجائز ہونا تو ظاہر ہے، اس کے علاوہ اس کھیل کی بھی ایک لت پڑ جاتی ہے، اس میں بچے کئی کئی گھنٹے اسے کھیلتے رہتے ہیں، گویا اس میں اوقات بھی ضائع کرنا ہے اور پیسوں کا بھی، بچوں کی تعلیم پر بھی اس کا نہایت مضر اثر پڑ رہا ہے، لہٰذا اگر پیسوں کی شرط اور بازی کے ساتھ نہ بھی کھیلا جائے تب بھی مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ فقہاء نے شطرنج کو تضییع اوقات کی وجہ سے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

تصویر کے احکام

اخبارات میں عازمین حج کی تصویریں

سوال:- {2129} آج کل حجاج کرام کی تصویریں اخبار میں چھپتی ہیں، اور انہیں ٹی وی پر دیکھایا جاتا ہے، نیز مرد کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی ہیں، کیا حاجیوں کے لئے اس کی اجازت ہوسکتی ہے؟ (شبنم خانم، عادل آباد)

جواب:- جاندار چیزوں کی تصویر اسلام میں حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ہوگا:

" أشد الناس عذابا يوم القيامة الذين يضاهئون بخلق الله " (۱)

پھر عبادت میں اخلاص مطلوب ہے، اور اخبارات اور ٹی وی کے ذریعہ اپنے حج کی تصویر اخلاص کے مغائر اور ریاء ونمائش کا مظہر ہے، اس لئے حجاج کرام کو ایسی باتوں سے سخت اجتناب

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۹۵۴، عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها۔

کرنا چاہئے، ورنہ اندیشہ ہے کہ دکھاوے کی وجہ سے وہ حج کے اجر سے محروم ہو جائیں، اور تصویر کشی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مزید گنہگار قرار پائیں، ہاں پاسپورٹ وغیرہ کے لئے تصویر کھینچا سکتے ہیں، کہ یہ ایک ضرورت اور مجبوری ہے۔

بیت اللہ اور مسجد نبوی کی تصویروں کے ساتھ انسانی تصویریں

سوال:- {2130} آج کل بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی بڑی بڑی تصویریں تبرکا دیوار پر لگائی جاتی ہیں، جس میں حجاج کی تصویریں بھی ہوتی ہیں، کیا ایسی تصویریں آویزاں کرنا جائز ہے؟ (شبنم خانم، عادل آباد)

جواب:- کعبۃ اللہ مسجد حرام، مسجد نبوی یا دوسری عمارتوں کی جاندار سے خالی تصویریں لگانا جائز ہے، اگر حجاج کی ایسی تصویریں ہوں کہ صورتیں نظر نہ آتی ہوں تو اس کی بھی گنجائش ہے، اگر صورتیں نمایاں ہوں تو ایسی تصویریں آویزاں کرنا قطعاً جائز نہیں، گو وہ مسجد حرام کے ساتھ ہوں۔

" ولو كانت الصورة صغيرة بحيث لا تبدو للناظر لا يكره ، لأن الصغار جدا لا تعبد " (۱)

کیمرے کی تصویر

سوال:- {2131} ۲/ فروری جمعہ کے منصف میں ارشاد نبوی ﷺ نقل کیا گیا ہے کہ جس مکان میں تصویر اور کتے ہوں، اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، تو کیا اس تصویر سے صرف دیواروں کی تصویر مراد ہے یا وہ تصویر بھی جو کیمرے

(۱) الهداية مع فتح القدير :۱/۳۱۵۔

سے لی جاتی ہے؟

(محمد عرفان اللہ، مرزا مبین بیگ، خواجہ نجم الدین، نعیم، کریم نگر)

جواب:- تصویر سے مراد کسی شخص کی صورت بنانا ہے، خواہ اس کا مجسمہ بنایا جائے، یا دیواروں پر پینٹ وغیرہ کے ذریعہ تصویر بنائی جائے، یا کیمرے کے ذریعہ عکسی تصویر کھینچی جائے، یہ تمام صورتیں اس میں داخل ہیں، اور بلا ضرورت تصویر کھینچنے اور کھنچوانے والے لوگ اس وعید کے مصداق ہیں اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو اس بری بات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مصور نوٹ اور سکّے

سوال:- {2132} پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ ارشاد کہ جس گھر میں تصویر ہوگی وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوں گے، حکومت سعودی عربیہ ایک اسلامی مملکت ہے، تو کیوں کر اس نے کرنسی نوٹوں پر جاندار کی تصویر رکھی ہیں، جب کہ اسلام میں بت تراشی، مجسمہ سازی، اور جاندار کی تصویر کشی سے ممانعت کردی گئی ہے؟　　(عثمان لاری، جانگی نگر کالونی)

جواب:- یہ سوال تو آپ کو سعودی حکومت کے نمائندہ ہی سے کرنا چاہئے، شریعت میں کسی چیز کے جائز اور ناجائز ہونے کی بنیاد مسلمانوں کا عمل نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ہیں، البتہ بعض فقہاء نے ایسی تصویروں کو جو سایہ دار نہ ہوں جائز قرار دیا ہے، سایہ دار تصویروں سے مراد مجسمے ہیں، (۱) بعض عرب علماء نے اسی قول کو لیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث سے بلا تفریق تصویر کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، اور محتاط عرب علماء کی بھی یہی رائے ہے۔

البتہ کیا مصور سکوں اور کرنسی نوٹوں کی وجہ سے بھی فرشتے گھروں میں داخل نہیں ہوں گے؟

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: جواہر الفقہ، التصویر لأحکام التصویر ۔ محشی۔

اس سلسلہ میں محدثین کی آراء مختلف ہیں، امام نوویؒ کا خیال ہے کہ یہ صورت بھی فرشتۂ رحمت کے آنے میں مانع ہے، اور مشہور محدث قاضی عیاضؒ کی رائے اس کے برخلاف ہے:

" و اختلف المحدثون في امتناع ملائكة الرحمة بما على النقدين فنفاه عياض و اثبته النووي " (۱)

خیال ہوتا ہے کہ قاضی عیاضؒ کی رائے زیادہ درست ہے، اس لیے کہ کرنسی نوٹ کو اپنے پاس اور اپنے گھر میں رکھنا ایک ضرورت ہے، اور اس کے بغیر پیسوں کی حفاظت ممکن نہیں، اس لیے ایسی صورت میں نوٹ یا پاسپورٹ وغیرہ کا گھر میں رکھنا فرشتۂ رحمت کی آمد کے لیے مانع نہ ہونا چاہئے۔

تصویر کشی

سوال:- {2133} میں بی کام کا طالب علم ہوں میں نے کالج میں مختلف مقابلوں میں حصہ لے کر پہلا مقام حاصل کیا، کھیلوں میں جیسے فٹبال اور باکسنگ ہے جب انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں تب تصویر وغیرہ لیئے ہیں خصوصی مہمان کے ساتھ اور استاد کے ساتھ، تو کیا یہ تصویر لینا گناہ ہے، کیا ایسے مقابلوں میں ایک دو تصویر کھینچی جاسکتی ہے؟

(سلیم، پرانی حویلی)

جواب:- حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ (۲)

---

(۱) رد المحتار :۲/۴۱۹۔

(۲) صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۵۹۵۴۔ محشی۔

یہ اور اس مضمون کی متعدد احادیث شریفہ کی بناء پر فقہائے امت نے فرمایا کہ کسی بھی جاندار کی تصویر کھینچنا، کھینچوانا، کسی حال میں جائز نہیں ہے، خواہ ہاتھ کے ذریعہ یا قلم سے ہو یا فوٹو سے، پریس پر چھاپ کر ہو یا سانچہ اور مشین وغیرہ میں ڈھال کر، البتہ پاسپورٹ وغیرہ کی شدید ضرورت کے لئے اس کے کھینچوانے کی شرعاً گنجائش ہے، لہذا مقابلوں، نمائشوں اور غیر ضروری مواقع میں اس کی اجازت نہیں ہوسکتی۔

ضرورت کے وقت تصویر

سوال:- {2134} ضرورت کے وقت تصویر کھینچوانا جائز ہے یا نہیں؟ (سید حفیظ الرحمن، نظام آباد)

جواب:- ضرورت کے تحت جیسے پاسپورٹ، شناختی کارڈ وغیرہ کے لیے تصویر کھینچانا جائز ہے، بلا ضرورت کھینچانا جائز نہیں۔(۱)

اولیاء اللہ کی فرضی تصویریں

سوال:- {2135} اسلام میں کسی بھی تصویر کا مکان میں لگانا کیسا ہے؟ کیا ولی اللہ کی تصویریں جو آج کل بازاروں میں فروخت کی جاتی ہیں، جیسے پانچ پیروں کی تصویریں، براق یا امام حسین کی یا ان کے گھوڑے کی تصویر وغیرہ کا لگانا کیسا ہے؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(خان مقصود خان، پھولانگ، نظام آباد)

جواب:- تصویر کشی حرام ہے،(۱) اور جن بزرگوں کی فرضی تصویریں لگائی جاتی ہیں،

---

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۵۹۵۴۔ محشی۔

(۲) فتح الباری شرح البخاري :۱۰/۴۷۰۔ محشی۔

ان کی حقیقی تصویر بھی موجود نہیں، کیونکہ اس دور میں تصویر کشی کے وسائل ہی ایجاد نہیں ہوئے تھے، تو یقیناً یہ فرضی تصویر ہے اوران بزرگوں کی طرف اس تصویر کی نسبت بہتان تراشی میں داخل ہے، اس لئے یہ دوہرا گناہ ہے۔

مسجد میں ویڈیوگرافی

سوال:- {2136} کیا مساجد کے اندر اجتماع کے دوران کسی مقرر کی ویڈیوگرافی کی جاسکتی ہے؟ (سعید، ظہیر آباد)

جواب:- جاندار کی تصویر لینا حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔(۱) ایک تو تصویر کھینچانا خود گناہ ہے، اور مسجد جیسی مقدس جگہ میں اس کا ارتکاب یقیناً گناہ بالائے گناہ ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

مذہبی جلسہ کی ویڈیوگرافی

سوال:- {2137} ابھی حال ہی میں ایک مسجد کے اندر جلسۂ سیرت النبی ﷺ، تقسیم انعامات کی ویڈیوگرافی کی گئی، اس نیت سے کہ اس ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ دیگر مدارس کے طلباء و طالبات کو بھی کچھ سکھایا جاسکے، دوران ویڈیوگرافی و جلسہ ایک حافظ صاحب نے کھڑے ہو کر ’’یہ حرام ہے، ناجائز‘‘ وغیرہ وغیرہ کہہ کر سارے جلسے کو درہم برہم کردیا، از روئے شریعت یہ ویڈیوگرافی جائز ہے یا ناجائز؟

(قاری ایم ایس خاں ہمدرد، اکبر باغ)

---

(۱) صحیح البخاری:۲/۸۸۰۔

جواب:- شریعت میں کسی بات کے جائز ہونے کے لیے دو باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ کام کا مقصد درست ہو، اور خلاف شرع نہ ہو، دوسرے اس مقصد کے لیے جو ذریعہ اختیار کیا جائے وہ بھی جائز ہو، اگر مقصد نیک ہو، لیکن اس کے حاصل کرنے کے لیے طریقہ غیر شرعی اختیار کیا جائے تو یہ بھی گناہ ہے، مثلاً: کوئی غریبوں کی مدد کے لیے ڈکیتی کرے، بیماروں کو علاج میں مدد دینے کے لیے رقص کرکے پیسہ وصول کرے، تو گویا مقصد نیک ہے، لیکن چوں کہ اس کے لیے ناجائز اور غیر شرعی ذریعہ اختیار کیا گیا ہے، اس لیے یہ گناہ ہی کا باعث ہوگا نہ کہ ثواب کا۔

لوگوں کو دین کی باتیں سکھانا، اور سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دینا یقیناً نہایت نیک کام اور اجر و ثواب کا باعث ہے، لیکن اس کے لیے تصویر کشی اور فوٹو گرافی جائز نہیں، بلا ضرورت شرعی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا گناہ کبیرہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس گھر میں تصویر ہو اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے''(۱)

ایک حدیث میں ہے:

" أشد الناس عذابا عند الله المصورون " (۲)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عذاب کے مستحق تصویر کشی کرنے والے ہیں''

تصویر کھینچنے اور کھینچانے کی مذمت پر بکثرت روایات موجود ہیں، اور مسجد جیسی مقدس اور مبارک جگہ میں تصویر کشی تو گناہ بالائے گناہ ہے، اس لیے حافظ صاحب کا ٹوکنا درست ہے۔ اور آئندہ اس سے خوب احتیاط کرنی چاہئے، دین کو سیکھنے سکھانے کا مقصد تصویر کے بغیر بھی زیادہ بہتر اور مؤثر طریقہ پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۴۹، باب التصاوير ، صحيح مسلم ، عن أبي طلحة ﷺ، حدیث نمبر: ۵۹۵۰، باب عذاب المصورين يوم القيامة ۔ محشی۔

(۲) حوالہ سابق ۔ محشی۔

مذہبی جلسہ کی ویڈیو گرافی کے بارے میں ایک غلط فہمی

سوال:- {2137} آپ کے اخبار منصف میں مؤرخہ ۱۹؍ مارچ ۱۹۹۹ء کو مذہبی جلسہ کی ویڈیو گرافی کے عنوان سے ایک سوال کا جواب آیا ہے، اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، دو سال قبل اسی سلسلہ میں ڈاکٹر ذاکر نائک سے سوال کیا گیا، کیوں کہ ان کے جلسوں میں ویڈیو گرافی اور فوٹو گرافی ہو رہی تھی، انہوں نے کہا کہ یہ عکس ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ اپنے تخیل سے تصویر کشی منع ہے، چنانچہ آج کل تو پاسپورٹ پر بھی فوٹو ہوتے ہیں، جن کے بغیر کوئی حج نہیں کرسکتا۔

(محمد فصیح الدین چاند، آرکیٹیکٹ، سکندرآباد)

جواب:- جناب ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب ماشاء اللہ مذہب کے تقابلی مطالعہ پر اچھی نظر رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے کام میں خوب خوب برکت عطا فرمائے، لیکن میرے علم کے مطابق فقہ اور حدیث ان کا موضوع نہیں، اس لیے ان مسائل کی بابت آپ کو کسی مستند مفتی ہی سے رجوع کرنا چاہئے اور وہی اس بارے میں آپ کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے، ویڈیو گرافی اور فوٹو گرافی کو عکس قرار دینا صحیح نہیں، عکس وہ صورت ہے جس میں ٹھہراؤ اور جماؤ نہ ہو، جیسا کہ پانی یا آئینے میں ہوتا ہے۔(۱) ویڈیو گرافی اور فوٹو گرافی میں یہ صورت نہیں ہوتی، بلکہ صاحب تصویر کی

---

(۱) اسی طرح آج کل ٹی وی میں ایسے پروگرام آتے ہیں کہ جو راست نشر ہوتے ہیں، جیسا کہ بعض کرکٹ وغیرہ کھیل، اور بعض ٹی وی جیسا Qtv وغیرہ میں مذہبی پروگرام وغیرہ راست بغیر ریکارڈ کے نشر ہوتے ہیں، اسی طرح کے نشر کو عکس کہا جاسکتا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس میں بھی اگر پہلے ویڈیو ریکارڈ لے کر بعد میں نشر کریں تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ مرتب۔

صورت ریل میں محفوظ ہو جاتی ہے، اور جماؤ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، حدیث میں یہ بات کہیں نہیں آئی کہ صرف خیالی تصویریں ناجائز ہیں، مطلق تصویر کی ممانعت اور مذمت وارد ہوئی ہے،(۱) خواہ کسی خاص شخص کی تصویر اتاری جائے یا خیالی تصویر کشی کی جائے — پاسپورٹ کے لیے فوٹو کھینچانا ایک مجبوری ہے، اور مجبوری کی وجہ سے عارضی اور وقتی طور پر ناجائز باتوں کی بھی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے،(۲) اس لیے اس کو دلیل بنانا درست نہیں۔

تصویر لٹکانا

سوال:- {2139} ہمارے محلہ کے قریب کی مسجد میں ایک امام صاحب ہیں جن کا ذریعہ معاش لیڈیز ٹیلرنگ ہے، انہوں نے دوکان پر ایک خاتون کی تصویر بھی لٹکا رکھی ہے، کیا یہ درست ہے؟ (ایم، جے اقبال، ناندیڑ)

جواب:- تصویر لگانا حرام ہے، حضرت ابوطلحہ ﷜ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں کتا ہو یا تصویر ہو اس میں فرشتۂ رحمت داخل نہیں ہوتے،(۳) اس لیے آپ حضرات امام صاحب کو سمجھائیں کہ وہ اپنے درجہ ومقام کا لحاظ کرتے ہوئے ایسے کاموں سے بچیں کہ تصویر لٹکانا تو عمومی گناہ ہے، اور کسی امام کی شان سے بالکل فروتر ہے۔

فوٹو کے فریم بنانا

سوال:- {2140} ہمارے ایک دوست فوٹو فریم کرنے کا کاروبار کرتے ہیں، ہندو دیوی دیوتاؤں کے فوٹو بھی

---

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۵۹۵۴۔ محشی۔
(۲) البقرة:۱۷۳۔ محشی۔
(۳) صحیح البخاري:۲/۵۰۴۔

فریم کرتے ہیں، لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ کاروبار ناجائز ہے، براہ کرم آپ وضاحت کردیں۔ (سید طاہر علی، حافظ بابانگر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے تصویر کشی پر سخت عذاب کی تنبیہ فرمائی ہے، (۱) فوٹو فریم کرنے میں ایک گناہ کا تعاون ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے گناہ میں تعاون کرنے سے منع فرمایا ہے، (۲) دیویوں، دیوتاؤں کا فریم بنانے میں تو اور بھی سخت گناہ ہے، کیونکہ یہ شرک میں تعاون ہے اس لئے آپ اپنے دوست کو مشورہ دیں کہ وہ اس کے بجائے کوئی دوسرا کاروبار اختیار کریں، ہاں فوٹو کے علاوہ دوسری چیزوں کے فریم بنانا جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

شادی میں فوٹو اور ویڈیو گرافی

سوال:- {2141} شادی بیاہ کے موقع پر فوٹو اور ویڈیو گرافی کا کیا حکم ہے؟ آج کل دلہن کے کمرے میں بہت سی خواتین موجود ہوتی ہیں، اور ان کی ویڈیو لی جاتی ہیں، کھانا کھانے کے وقت بھی ویڈیو لیا جاتا ہے، جس میں بعض دفعہ علماء کرام ومشائخ عظام بھی موجود ہوتے ہیں، کیا شریعت میں اس کی کچھ گنجائش ہے؟ (محمد عبدالستار رنانا، وقار آباد)

جواب:- تصویر کشی کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے، اور شادی کے موقع پر جو تصویر کشی کی جاتی ہے، اس میں چوں کہ غیر محرم عورتیں بھی ہوتی ہیں، اس لیے ایسی تصویروں کی حرمت زیادہ شدید اور اس کا گناہ اور بڑھا ہوا ہے، یہ بات غیرت کے بھی خلاف ہے کہ ایک مسلمان لڑکی جو دیدہ زیب لباس اور اسباب زینت سے آراستہ ہو، وہ ویڈیو میں آئے اور دوسرے مردوں کی نگاہ ہوس کا نشانہ بنے، اس میں فتنہ کا بھی اندیشہ ہے، اس لیے شادی بیاہ کے موقع پر مروجہ فوٹو

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۵۴، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ۔
(۲) المائدۃ: ۲۔ محشی۔

گرافی اور ویڈیو گرافی سخت گناہ اور حرام ہے، اور اس سے مکمل اجتناب واجب ہے، رہ گیا کسی عالم یا شیخ کا اس میں شریک ہونا، تو یقیناً ایسے شادیوں میں علماء ومشائخ کی شرکت نہایت ہی افسوس ناک ہے، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ احکام شریعت کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے نہ کہ ہم جیسے کوتاہ عمل لوگوں کے عمل پر۔

فحش تصویریں اور ویڈیو

سوال:- {2142} مرد اور عورتوں کی برہنہ تصویریں یا ویڈیو جو نقلی یا عکسی یا Duflieale ہوتے ہیں، اور ان میں کوئی سچائی نہیں ہوتی، کو دیکھنا جائز ہے؟

(ایک قاری، جدید ملک پیٹ)

جواب:- اولاً تو تصاویر اور ویڈیو واقعات پر مبنی ہوتے ہیں، نہ کہ خیالات پر، جو حرکت وقوع میں آتی ہے، تصویر یا فلم کے ذریعہ اسی کو محفوظ کرتا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ اس میں کوئی سچائی نہیں، قطعاً غلط ہے، بیوی کے علاوہ کسی عورت کا اور خاص کر اجنبی عورت کا چہرہ تک دیکھنا جائز نہیں، چہ جائے کہ تصویر اور فلم کے واسطہ سے سہی، پورا جسم دیکھا جائے، پھر ان تصویروں کا مقصد نفسانی ہوس کی تسکین اور بداخلاقیوں کی ترغیب ہے، جو ظاہر ہے کہ اسلام کے مزاج ومذاق کے بالکل ہی مغائر ہے؛ بلکہ یہ تو انسانیت اور انسان کی جانب ودیعت کی ہوئی شرم وحیاء کے بھی خلاف ہے۔

ٹی وی پر کعبہ کی تصویر لگانا

سوال:- {2143} جس گھر میں ٹی وی ہو، اور سگریٹ نوشی ہو، کیا اس گھر میں کعبۃ اللہ شریف کی تصویر اوپر کے حصہ میں لگائی جاسکتی ہے؟ (حافظ محمد حسن علی، جگہ نامعلوم)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے جاندار چیزوں کی تصویر سے منع فرمایا ہے، (۱) درختوں، عمارتوں وغیرہ کی تصویر میں کچھ حرج نہیں، اس لیے بہ طور محبت اور احترام کعبۃ اللہ کی تصویر گھر میں لگانا جائز ہے، ٹی وی، ریڈیو اور سگریٹ نوشی کا منشا چوں کہ اس تصویر کی اہانت نہیں، اس لیے بجائے خود کعبہ کی تصویر آویزاں کرنا درست ہے، البتہ گھر میں ٹی وی رکھنے سے یوں بھی بچنا چاہئے، کہ اس کے نقصانات اس کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں، ریڈیو سے اگر گانا نہ سنا جائے تو جائز ہے، اور سگریٹ صحت کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، لہذا اس سے بہر حال بچنا چاہئے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۹۴۹، باب التصاوير ۔ محشی ۔

جائز وناجائز کھانے کی چیزیں

غیر مسلم کے برتن سے پانی پینا

سوال:- {2144} کافر جس برتن سے پئے ، بغیر دھوئے اس سے پینے کا کیا حکم ہے؟ (سیدہ فاطمہ، ناندیڑ)

جواب:- اگر برتن ناپاک ہو، یا شراب لگی ہوئی ہو، یا کوئی ایسی چیز جس کا کھانا اور پینا شریعت میں حرام ہو، تب تو اس برتن کو دھوئے بغیر اس سے کھانا پینا جائز نہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو برتن کا دھو لینا بہتر ہے، کیوں کہ غیر مسلم بھائیوں کے یہاں پاک کرنے کے وہ اصول نہیں ہیں جن کا اسلام نے حکم دیا ہے، تاہم اگر بغیر دھوئے کھا پی لیں، تب بھی حرج نہیں:

" قال محمد : و يكره الأكل و الشرب في أواني المشركين قبل الغسل و مع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز ألخ " (١)

(١) الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۴۷۔

کول ڈرنک اور الکحل

سوال:- {2145} کولڈرنکس جیسے Thums Up Pepsi وغیرہ مشروبات میں سنا ہے کہ الکحل ہے، تو کیا ان کولڈرنک کا پینا جائز ہوگا؟ (ع، ر، یاسر، عادل آباد)

جواب:- ان مشروبات میں میرے علم کے مطابق الکحل نہیں، بلکہ سوڈا ڈالا جاتا ہے، اس لیے جب تک تحقیق نہ ہو جائے، محض اندازہ وقیاس پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس میں الکحل ہے، مناسب ہوگا کہ آپ کسی لیبارٹری سے تحقیق کرائیں کہ کیا واقعی ان میں الکحل پایا جاتا ہے؟

گوشت کتنی مرتبہ دھونا چاہئے؟

سوال:- {2146} گوشت کو پکانے سے پہلے کتنی مرتبہ دھونا چاہئے؟ (فرحانہ بیگم، بارکس)

جواب:- گوشت خود پاک ہے، اگر گوشت میں خون وغیرہ نہ لگا ہو تو اس کا دھونا ضروری نہیں، لیکن اگر رگوں کا بہتا ہوا خون گوشت میں لگ گیا ہو تو دھونا واجب ہے، تین مرتبہ دھونا چاہئے:

" إن كان قليل الغليان يطهر اللحم بالغسل ثلاثا "(۱)

غیر مسلم ہوٹلوں میں کھانا

سوال:- {2147} کبھی ہم غیر مسلم ہوٹل میں کھانے کے لئے جاتے ہیں سامنے دیوتاؤں کی فوٹو لگی رہتی ہے، تو کیا

---

(۱) رد المحتار: ۲/۵۴۵۔

اس ہوٹل میں کھانا کھانا درست ہے؟

(فاروق محمد متین احمد، اودگیر)

جواب:- غیر مسلم اپنے عقیدہ کے مطابق اگر مورتیاں آویزاں کریں، لیکن کھانا اس پر چڑھایا ہوا نہ ہو اور پکوان کا مورتیوں سے کوئی تعلق نہ ہو، تو ایسی جگہ کھانا کھانے میں مضائقہ نہیں، کیوں کہ اعتقادی اسباب کے تحت دو ہی صورت میں کھانا حرام ہو جاتا ہے، یا تو ذبیحہ ہو اور غیر اللہ کے نام ذبح کیا گیا ہو یا کسی اور نوعیت کا کھانا ہو اور اسے بتوں پر چڑھایا گیا ہو، شرعی طریقہ پر ذبح کیا ہوا گوشت بھی اگر بتوں پر چڑھایا جائے، تو اس کا کھانا بھی حرام ہوگا، یہاں ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں پائی جاتی، اس لئے ایسے ہوٹلوں میں بھی کھانا درست ہے۔

حلال جانور کے فوطے

سوال:- {2148} کسی بھی حلال جانور کے فوطوں کا کھانا جائز ہے؟ (بی، ایم حسین، مشیرآباد)

جواب:- فوطے ان سات اعضاء میں سے ہیں جو حلال جانوروں کے بھی حرام ہیں، (۱) اس لیے ان کا کھانا قطعاً جائز نہیں۔

بوٹی (اوجھ) حلال ہے یا حرام؟

سوال:- {2149} بکرے یا کسی حلال جانور کی اوجھڑی یعنی بٹ، ہزار خانہ، سردان اور آنتیں، جن کو عرف عام میں بوٹی کہتے ہیں، ان کا کھانا حلال ہے یا مکروہ؟ میں نے سنا ہے کہ اس کے کھانے سے چالیس دن تک نماز قبول

(۱) بدائع الصنائع :۴/۱۹۰۔

نہیں ہوتی۔　　(امین الدین، یاقوت پورہ)

جواب:- حلال جانور کے سات اجزاء کا کھانا حرام ہے، بہتا ہوا خون، نر و مادہ کی شرمگاہیں، فوطے، گرہ لگایا ہوا گوشت، مثانہ اور پت۔(۱) بوٹی چوں کہ ان سات اجزاء میں شامل نہیں، اس لیے اس کا کھانا حلال ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس جانور کو حلال کیا ہے، اس کے کسی حصہ کے حرام ہونے پر جب تک کوئی دلیل موجود نہ ہو، وہ حلال ہی ہوگا، اور بوٹی کے حرام ہونے کا قرآن و حدیث میں کہیں کوئی ذکر نہیں، یہ بات کہ اس کے کھانے سے چالیس دنوں کی نماز مقبول نہیں ہوتی، بے اصل ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

گوہ حلال ہے یا حرام؟

سوال:-{2150} میرے ایک دوست نے کہا ہے کہ گھوڑ پھوڑ کھانا حرام نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر یہ جانور رکھا یا گیا، آپ ﷺ نے خود تو تناول نہیں فرمایا، لیکن صحابہ ؓ کو اس سے منع بھی نہیں فرمایا، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟　　(سید عبدالحمید، چندرائن گٹہ)

جواب:- یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے، نیز حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ میں اسے حرام قرار دیتا ہوں اور نہ کھاتا ہوں، "لا آکلہ و لا أحرمہ "(۲) لیکن یہ حکم ابتدائی دور کا ہے، بعد کو تمام درندہ جانور حرام قرار دیئے گئے، درندہ جانوروں سے مراد وہ جانور ہیں جو سامنے کے دانتوں سے اپنا شکار کھاتے ہیں، چنانچہ روایت ہے،" نھی عن أکل ذی ناب من السباع "(۳) اس اعلان حرمت کے

(۱) دیکھئے: بدائع الصنائع :۱۹۰/۴۔
(۲) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۷۹۰۔
(۳) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۵۵۳۰۔

دائرہ میں گوہ بھی آجاتا ہے، چنانچہ بواسطہ امام ابوحنیفہؒ نہایت ہی قوی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ

کسی صاحب نے ان کو تحفۃً گوہ بھیجا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی بابت رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے اس کے کھانے سے منع فرمایا، پھر ایک سائل آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چاہا کہ یہ اس سائل کو دے دیں، آپ ﷺ نے فرمایا، جو تو خود نہیں کھاتیں، کیا وہ دوسروں کو کھلانا چاہتی ہو؟ (۱)

اس لئے بظاہر یوں لگتا ہے کہ ابتداء میں گوہ کی ممانعت نہیں تھی، لیکن بعد میں اسے حرام کردیا گیا، اسی میں احتیاط ہے، اور یہی امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔ (۲)

زندہ دنبے کی دم کاٹنا

سوال:- {2151} دنبے کی دُم پر گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے، اس کو زندہ حالت میں نکالا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(عاشق الٰہی، مرادآباد)

جواب:- یہ جانور کے لیے نہایت تکلیف دہ طریقہ ہے، اہل عرب بھی اسی طرح کا عمل کیا کرتے تھے اور خاص کر اونٹ کی مچرب کوہان کاٹ کر پکاتے اور کھاتے تھے، آپ ﷺ نے اس وحشیانہ طریقہ سے منع فرمایا، (۳) اس لیے دنبے کی دُم زندہ حالت میں گوشت حاصل کرنے کے لیے کاٹنا قطعاً جائز نہیں اور کاٹ لیا جائے تو مردار کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

---

(۱) کتاب الآثار، حدیث نمبر:۸۱۶۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۹/۳۷۰،کتاب الذبائح ۔محشی۔

(۳) بیهقی :۹/۵۶۱۔محشی۔

مردار مچھلی کب اور کیوں حلال ہے؟

سوال:-{2152} مری ہوئی مچھلی کیوں حلال ہے؟

(حکیم محمد غالب جراح، گولی پورہ)

جواب:- اول تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ مری ہوئی مچھلیاں دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک وہ جو کسی خارجی سبب کی بناء پر مری ہوں، جیسے: مچھلی کو پانی سے باہر نکال لیا گیا ہو، یا کوئی اور صورت اختیار کی گئی ہو کہ مچھلیاں مر جائیں، ان کا کھانا حلال ہے، دوسرے وہ مچھلی ہے جو کسی طبعی طور پر خود بخود پانی میں مر جائیں، اس کی علامت یہ ہے کہ یہ الٹی ہو کر سطح پر تیرنے لگتی ہے، ایسی مچھلی فقہاء احناف کے نزدیک حلال نہیں، کیوں کہ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ما ألقى البحر أو جزر عنه فكلوه و ما مات فيه وطفا فلا تأكلوه " (۱)

"جس مچھلی کو سمندر پھینک دے یا اس حصہ سے ہٹ جائے جہاں مچھلیاں ہیں، تو اسے کھاؤ، اور جو طبعی موت مر کر تیرنے لگے اسے نہ کھاؤ"

رہ گئی یہ بات کہ مچھلی ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، کسی طرح ماری جائے، اس کا کھانا حلال ہے، تو اس لیے کہ ذبح کا اصل مقصود حیوانات کی رگوں میں پائے جانے والے بہتے ہوئے خون کو جسم سے نکال دینا ہے، مردار جانور میں یہ خون گوشت میں پیوست ہو جاتا ہے، جو انسانی صحت کے لیے نہایت ہی نقصان دہ ہے، مچھلی میں اس طرح کا بہتا ہوا خون نہیں پایا جاتا، اور اس کا گوشت سفید ہوتا ہے، اس لیے ان کے کھانے میں مضرت نہیں، مچھلی کاٹنے کے وقت جو دو چار

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۸۱۵، باب في أكل الطافي من السمك۔ محشی۔

قطرہ خون نکل آتا ہے، یہ رگوں کا خون نہیں، بلکہ گوشت کا خون ہے، یہ خون نہ ناپاک ہے اور نہ رگوں میں بہتے ہوئے خون کی طرح نقصان دہ ہے۔

تاڑ کا پھل

سوال:- {2153} ہمارے علاقہ میں موسم گرما میں تاڑ کے پھل بڑی کثرت سے فروخت کئے جاتے ہیں، جس کو مسلمان اور غیر مسلم بھی خرید کر کھاتے ہیں، کیا ان پھلوں کا کھانا درست ہے،؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب تاڑی پینا ناجائز ہے تو اس کا پھل کھانا کیسے جائز ہوگا۔

(محمد غوث الدین، حضور نگر)

جواب:- تاڑ کا پھل کھانا جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، تاڑی تو نشہ کی وجہ سے ناجائز ہے، اور اس پھل میں نشہ نہیں ہوتا اس لئے اس کو ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔

سڑا ہوا کھانا

سوال:- {2154} بعض دفعہ کھانا بچ جاتا، اور دیر ہونے کی وجہ سے کھانا سڑ جاتا ہے اور اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، تو یہ سڑا ہوا کھانا ناپاک ہوگا یا ناپاک؟

(ثمینہ بیگم، یاقوت پورہ)

جواب:- اگر کوئی چیز سڑ جائے اور اس میں بدبو پیدا ہو جائے، تو اس کی وجہ سے وہ ناپاک نہیں ہوتی، البتہ اگر اس سے نقصان پہنچ سکتا ہو، تو اس کا کھانا حرام ہوگا، اس لیے کہ صحت انسانی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اور اس کی حفاظت شرعی فریضہ ہے، اسی لیے فقہاء نے سڑے ہوئے گوشت کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے اور گھی، دودھ، تیل وغیرہ کو حرام نہیں کہا ہے:

" واللحم إذا أنتن يحرم أكله و السمن و اللبن و الزيت والدهن إذا أنتن لا يحرم "(۱)

البتہ فقہاء نے گوشت اور دودھ وغیرہ کا جو فرق کیا ہے وہ ان کے عہد کی معلومات پر مبنی ہے، موجودہ دور میں آج کی میڈیکل معلومات کی روشنی میں ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کون کون سی چیزیں سڑنے کے بعد صحت انسانی کے لیے مضر ہو جاتی ہیں، ایسی تمام چیزیں حرام سمجھی جائیں گی۔

پان میں چونا

سوال:- {2155} پان میں چونا کھانا کیسا ہے؟ کیا شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں؟ (انتظار احمد، شبکہ، یوپی)

جواب:- اصل میں چونا مٹی کے قبیل سے ہے اور فقہاء نے مٹی کھانے سے منع فرمایا، اس لئے کہ وہ صحت کے لئے مضر ہے اور صحت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کی حفاظت ہر انسان کا اسلامی اور انسانی فریضہ ہے، لیکن اس کی اتنی مقدار جو صحت کے لئے مضر نہ ہو، کھالی جائے تو گناہ نہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے:

" وإن كان يتناول منه قليلا أوكان يفعل ذالك أحيانا لا بأس به "(۲)

''اگر تھوڑی مقدار میں مٹی کھالے یا کبھی کبھی کھالے تو اس میں کوئی حرج نہیں''

غالباً قدیم زمانہ میں بخاری کی مٹی بعض لوگ کھاتے تھے، چنانچہ فقہاء نے اس کی اتنی مقدار کی اجازت دی کہ صحت کو نقصان نہ پہونچے:

---

(۱) الفتاوی الهندية:۳۳۹/۵۔

(۲) الفتاوی الهندية:۳۴۰/۵۔

"وسئل عن بعض الفقهاء عن أكل طين البخاری ونحوه قال لابأس بذالك مالم يضره"(۱)

"بعض فقہاء سے بخاری کی مٹی کھانے کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر نقصان نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں"

مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی نے "نصاب الاحتساب" سے صراحت کے ساتھ پان میں چونا کھانے کی اجازت نقل کی ہے، فرماتے ہیں:

يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل بدونها" (۲)

ہندوستان میں کھائے جانے والے پتے (پان) کے ساتھ چونا کھانا مباح ہے، اس لئے کہ وہ کم مقدار میں ہے اور وہ مفید ہے اور مذکورہ پتے کا مقصد اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، پس پان میں چونا کھانا جائز اور درست ہے۔

کیا اوجھڑی کھانا مکروہ ہے؟

سوال:- {2156} حلال جانوروں کی اوجھڑی کا کھانا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا کھانا مکروہ ہے۔

(عبدالحمید، مہدی پٹنم)

---

(۱) الفتاوی الهندية :۳۴۱/۵ ۔ محشی۔

(۲) فتاوی عبدالحی: ص:۴۱۳۔

جواب:- حلال جانوروں کے سات اعضاء کے کھانے سے منع کیا گیا ہے، علامہ کاسانی اور بعض اور فقہاءؒ نے اس کا ذکر کیا ہے، (۱) اور امام عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں اس سلسلہ میں ایک روایت بھی نقل کی ہے، (۲) ان اعضاء کے علاوہ کسی عضو کی کراہت یا حرمت میرے علم کے مطابق نہ حدیث میں مروی ہے، نہ فقہاء کے یہاں اس طرح کی بات ملتی ہے، ان سات اعضاء میں اوجھڑی کا ذکر ملتا نہیں، اس لیے اس کے کھانے میں قباحت نہیں۔

نہ نر نہ مادہ جانور

سوال:- {2157} ہماری بکری نے تین بچے دیے، جس میں ایک بچہ جو اس وقت آٹھ ماہ کا ہے، نہ وہ نر ہے، اور نہ مادہ، اس بچہ کو فروخت کرنا، یا اس کا گوشت فروخت کرنا اور کھانا، کیا جائز ہے؟ (محمد ابراہیم، مٹن شاپ، امیر پیٹ)

جواب:- جو جانور حلال ہے، ان میں نر اور مادہ کی قید نہیں، اگر ان میں نر یا مادہ کے اعضاء مکمل طور پر نہ ہوں، یا دونوں ہوں، تب بھی وہ حلال ہیں، ان کا کھانا، ان کو فروخت کرنا، اور ان کی قیمت سے استفادہ کرنا درست ہے۔

کچھوا اور گوہ

سوال:- {2158} کیا کچھوا اور گھوڑ پھوڑ کھانا جائز ہے؟ کیونکہ میرے ایک دوست کہتے تھے کہ سعودی عرب میں لوگ اسے کھاتے ہیں، ان سے جواز کے سلسلہ میں پوچھا گیا تو جواب دیا کہ صحابہ کرام ﷺ اسے ایک مرتبہ کھا رہے

(۱) بدائع الصنائع:۴/۱۹۰، الفتاوی الهندیة:۵/۲۹۰۔مرتب۔
(۲) مصنف عبد الرزاق:۴/۵۳۵، حدیث نمبر:۸۷۷۱۔

تھے کہ حضور ﷺ کا ان کے پاس سے گزر ہوا، صحابہ ؓ نے کھانے کے لئے مدعو کیا، تو آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، البتہ شریک نہیں ہوئے، تو آپ ﷺ کا خاموشی اختیار کرنا اس کے جواز کی علامت ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

(مرزا انصار بیگ، تالاب کٹہ)

جواب:- کچھوا اور گوہ (جس کو دکن میں لوگ گھوڑ پھوڑ کہتے ہیں) مکروہ تحریمی ہے، یعنی قریب بہ حرام، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کے کھانے سے منع فرمایا، (۱) نیز قرآن نے خبیث چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور خبیث چیزوں سے ایسی چیزیں مراد ہیں کہ طبیعت سلیمہ ان کے کھانے سے اباء کرتی ہو اور ظاہر ہے کہ کچھوا اور گھوڑ پھوڑ بھی ایسی چیزوں میں ہے کہ طبع سلیم کو اس کا کھانا گراں ہے، آپ نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے، اس روایت کے بارے میں اہل علم کا خیال ہے کہ اس کا تعلق ابتدائی دور سے ہے، ابتدائی دور میں بہت سی چیزیں حلال تھیں، جو بعد کو حرام کردی گئیں، گویا یہ حکم منسوخ ہے، جیسا کہ ابتداء میں گدھے کی اجازت تھی، بعد میں اس کا کھانا حرام قرار دیا گیا۔

جانور کے اعضاءِ تناسل کھانا

سوال:-{2159} حلال جانوروں کی شرم گاہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو کیا بطور دوا کے استعمال کرنا بھی درست نہیں؟

(محمد اسلم، سکندرآباد)

جواب:- حلال جانوروں کے بھی سات اعضاء کا کھانا حرام ہے، اور ان میں نر یا مادہ کے اعضاء تناسل بھی ہیں۔

(۱) فتح القدیر: ۴۱۹/۸۔

"فالذی یحرم أکله منه سبعة ... و الذکر والأنثیان و القبل ألخ " (۱)

عمومی علاج یا محض قوت باہ میں اضافہ کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں، ہاں اگر کسی شخص کا علاج اس کے بغیر ممکن نہ ہو اور علاج نہ کرنے کی صورت میں جان جانے یا کسی عضو یا منفعت کے بالکل ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو اور اس کے سوا کوئی اور علاج ماہر مسلمان اطباء کی رائے میں ممکن نہ ہو تو بقدر ضرورت استعمال کی گنجائش ہے۔

چیونٹی کو مارنا

سوال:- {2160} ایک صاحب نے کہا کہ چیونٹی کو مارنا جائز نہیں، حالانکہ عام طور پر چیونٹی بہت تکلیف دہ ہوتی ہے، اس سلسلہ میں صحیح شرعی حکم کیا ہے؟ (رشید احمد، اونگول)

جواب:- چیونٹی چوں کہ باعث تکلیف بن جاتی ہے، اس لیے اس کو مارنا جائز ہے، اس مقصد کے لیے وہ دوائیں بھی استعمال کی جا سکتی ہیں، جو آج کل بنائی گئی ہیں، البتہ آگ میں جلانا جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سزا کا حق صرف اللہ ہی کو ہے (۲) اور فقہاء نے پانی میں ڈالنے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔

" لا بأس بقتل النمل ؛ لأنها من أهل الأذی و یکره إیقاعها في الماء " (۳)

شوقیہ مچھلیوں کی پرورش

سوال:- {2161} کیا شوق کے لیے مچھلیوں کا پالنا

(۱) بدائع الصنائع:۴/۱۹۰، الفتاوی الهندیة:۵/۲۹۰۔
(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۳۰۱۶، باب لا یعذب بعذاب اللّٰہ۔ محشی۔
(۳) الفتاوی الخانیة:۳/۴۱۰۔

جائز ہے؟ میرے پاس ایک Aqurium ہے، جس میں ہر
طرح کی مچھلیاں ہیں اور میں ان کی ہر طرح سے حفاظت کرتا ہوں،
کیا یہ صورت جائز ہے؟ (محمد وہاب الدین، ایرا گڈہ)

جواب:- اگر مچھلیوں کے پالنے کے لیے مناسب انتظام رکھا جائے کہ انہیں پانی، غذا اور آکسیجن کی تکلیف نہ ہو، تو جائز ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی ابو عمیر نے ایک گوریا پال رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا اور منع نہیں فرمایا۔(۱) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جانور کی تفریح طبع کے طور پر پرورش کی جائے اور اس کی راحت کا خیال رکھا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

مچھر کو الکٹرک شاک کے ذریعہ مارنا

سوال:- {2162} مچھر کو دور کرنے کے لئے الکٹرک
شاک کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ یہ خاص قسم کا آلہ ہوتا ہے، جو
چیز اس پر بیٹھے مکمل طور پر جل جاتی ہے۔
(خالد سمیع الدین، نامپلی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آگ سے جلانے کی سزا اللہ ہی کا حق ہے، اس لئے فقہاء نے کسی بھی جاندار کو جلا کر مارنے سے منع کیا ہے اور مکروہ قرار دیا ہے: "و احراق القمل و العقرب بالنار مکروہ "(۲) اس لئے اس طرح مچھر کو مارنے سے اجتناب کرنا چاہئے، البتہ آج کل جو دوائیں، اگربتی استعمال کی جاتی ہیں، ان کو استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۹۶۹۔
(۲) الفتاوی الهندية:۵/۳۶۱۔

گٹکا، سگریٹ وغیرہ

سوال:- {2163} زردہ کا پان، گٹکا، سگریٹ نوشی یہ سب استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (مختار حسین، شمس آباد)

جواب:- زردہ اس سے زیادہ سگریٹ اور اس سے بھی بڑھ کر گٹکا صحت انسانی کے لیے نقصاندہ ہے، اس لیے اس سے بچنا واجب ہے اور اس کا استعمال مکروہ ہے، (۱) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نشہ آور اور صحت کے لیے مضرت رساں دونوں طرح کی چیزوں سے منع فرمایا ہے اور اب ان چیزوں کا صحت کے لیے سخت نقصاندہ ہونا پوری طرح ثابت ہو چکا ہے۔

ہوائی جہاز کا کھانا اور مشروبات

سوال:- {2164} ہوائی جہاز میں گوشت اور مشروبات کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ حلال ہیں یا حرام، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(عبدالبصیر، ملک پیٹ)

جواب:- مشروبات کے بارے میں حلال وحرام کا معلوم کرنا تو چنداں دشوار نہیں، لیکن گوشت کے بارے میں ایسی دشواری ہو سکتی ہے، ایسے مواقع پر اصول یہ ہے کہ اگر کوئی معتبر خبر دینے والا شخص موجود نہ ہو تو قرینہ سے فیصلہ کیا جائے اور قرینہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان ملک سے جہاز کی اڑان ہو، تو غالب گمان یہ ہے کہ وہ گوشت ذبیحہ کا ہوگا، اور غیر مسلم ملک سے جہاز چلا ہو تو غالب گمان اس کے حرام ہونے کا ہے، لہذا اس کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے، لیکن احتیاط بہر حال یہی ہے کہ جہاز اور ٹرین میں ویجیٹیرین (Vegiterian) کھانے کا اہتمام کریں اور نان ویجیٹیرین (Non Vegiterian) سے اجتناب کریں، راقم الحروف کا بھی یہی معمول ہے۔

---

(۱) " و یمنع من بیع الدخان و شربه " (رد المحتار: ۵/۲۹۵) محشی۔

ہریجن کے ہاتھ کا پکوان

سوال:- {2165} آج کل اسکولوں میں دوپہر کا کھانا ہریجن (SC) مرد اور عورت پکا رہی ہیں، مسلمان بچے کھانا نہیں کھا رہے ہیں، تو (SC) کے ہاتھ کا پکوان استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (ایکس، وائی، زیڈ)

جواب:- اسلام میں تمام انسان بھائی بھائی ہیں، اور ذات پات کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں، مسلمانوں کے ہاتھ کا پکوان کھانا جائز ہے اور غیر مسلموں کے ہاتھ کا بھی، رسول اللہ ﷺ نے خود غیر مسلموں کا پکوان بھی تناول فرمایا ہے۔(۱) اس لیے کسی انسان کے پکائے ہوئے کھانے سے اس کو حقیر سمجھتے ہوئے گریز کرنا قطعاً جائز نہیں، اور یہ اسلامی تعلیمات کے بالکل مغایر ہے۔

مشروم کا حکم

سوال:- {2166} بارش کے موسم میں ہمارے علاقہ میں کوڑے دانوں پر اور جہاں کچرا وغیرہ ڈالا جاتا ہے یا کھیتوں میں چھتری کی شکل میں ایک سفید چیز اُگتی ہے، جس کو سانپ کی چھتری سے تعبیر کیا جاتا ہے اور علاقائی زبان میں اس کو ''پھکوڑگو'' کہا جاتا ہے، بعض لوگ اس کو سبزی کی طرح سالن بنا کر کھاتے ہیں، اور آج کل تو مارکٹ میں اس کی مانگ بھی بہت ہے، اور باضابطہ شکل میں اس کی کاشت بھی کروائی جارہی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۶۱۷۔

مسلمانوں کے لیے اس کا کھانا یا اس کی تجارت اور کاروبار کرنا درست ہے یا نہیں؟

(محمد غوث الدین، دار العلوم محمدیہ، حضور نگر)

جواب:- نباتات یعنی زمین سے اگنے والی جتنی چیزیں ہیں وہ سب پاک اور حلال ہیں، ان کا کھانا بھی درست ہے، اور ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہے، سوائے ایسی نباتات کے جو زہر اور مہلک ہوں یا جو نشہ آور ہوں، ان کا کھانا جائز نہیں اور نہ ان مقاصد کے لیے ان کی خرید وفروخت ہی درست ہے، دوسرے جائز مقاصد جیسے خارجی استعمال وغیرہ کے لیے ان کی فروخت بھی درست ہے، آپ نے جس پودے کا ذکر کیا ہے، میرے علم کے مطابق زہر یا نشہ آور نہیں ہے، اس لیے اس کی کاشت، اس کو کھانا اور فروخت کرنا جائز ہونا چاہئے، ویسے جو لوگ پودے اور ان کی خصوصیت سے واقف ہیں، بہتر ہوگا کہ آپ ان سے تحقیق کرلیں۔(۱)

(۱) اس پودے کی بہت سی اقسام ہیں، ان میں سے بعض پودے فائدہ مند بھی ہیں، البتہ اس کی بعض قسمیں نقصاندہ بھی ہوتی ہیں، اور عام طور پر یہ پودے تین جگہوں پر اُگتے ہیں، ایک زمین پر، دوسرے ان درختوں پر جو نیچے گر کر بوسیدہ ہو گئے ہوں، تیسرے زمین کے اندر، یعنی چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں زمین کے اندر ہی اُگتے ہیں، اور ان میں زیادہ پھول نہیں ہوتا، بلکہ کلیوں کی شکل میں ہوتے ہیں، اس کو بلا خوف وخطر کھا سکتے ہیں، انسان کو کوئی نقصان نہیں پہونچاتا ہے، بلکہ فائدہ مند ہوتا ہے، جو پودے زمین کے اوپر اگتے ہیں، وہ سفید بھی ہوتے ہیں، پیلے بھی اور بعض لال بھی، اس کی تحقیق کی ضرورت ہے، کیوں کہ ان میں بعض نقصاندہ ہوتے ہیں اور بعض فائدہ مند، میرے تجربہ کے مطابق جن پودوں پر پیلا پن، یا کالا پن ہوتا ہے، اس کو بالکل نہیں کھانا چاہئے کیوں کہ اس میں زہر ہے، اور جو پودا دھان اور گیہوں کے سوکھے پودوں کے اندر سے اگتا ہے اس کو بلا خوف وخطر کھا سکتے ہیں، اور تیسری قسم جو بوسیدہ درختوں پر اگتے ہیں اس کو بالکل نہیں کھانا چاہئے، کیونکہ وہ انسان کے لئے نقصاندہ ہے۔مرتب۔

نشہ آور اشیاء

ہوٹل میں چوری چھپے واردین کا شراب پینا

سوال:- {2167} آبادی سے تھوڑے فاصلے پر جالنہ اورنگ آباد ہائی وے روڈ پر ہمارا ہوٹل ہے، جس کو عام طور پر (ڈھابہ) کہا جاتا ہے، کھانا، چائے، مشروبات ودیگر کھانے کی اشیاء ہوٹل میں ہے، وہ ہم فروخت کرتے ہیں، بعض گاہک ایسے ہیں جو ساتھ میں چوری چھپے شراب لاکر پیتے ہیں، حالانکہ ہوٹل میں بورڈ آویزاں ہے کہ یہاں شراب پینا منع ہے، گورنمنٹ کی بھی پابندی ہے، اس کے باوجود پیتے ہیں، اس کے بعد کھانا وغیرہ کھاتے ہیں، ہم صرف ان کو کھانا مشروبات و دیگر اشیاء فروخت کرتے ہیں، شراب فروخت نہیں کرتے اور نہ ہمارے پاس اس کا پرمٹ ہے، اب سوال یہ ہے کہ ہم جو ان کو کھانا ودیگر کھانے کی اشیاء مشروبات وغیرہ فروخت کرتے

ہیں اور اس سے ہمیں جو آمدنی ہوتی ہے وہ جائز ہے یا ناجائز،
یعنی حلال ہوگی یا حرام؟ (محمد یوسف خان، جالنہ)

جواب:- جب آپ خود شراب فروخت نہیں کرتے ، نہ ان کو شراب نوشی میں تعاون کرتے ہیں، صرف حلال اشیاء فروخت کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، تو یقیناً آپ کی آمدنی حلال ہے اور آپ اس سلسلہ میں گنہگار نہیں، البتہ جیسے آپ نے شراب کی ممانعت کا بورڈ آویزاں کردیا ہے، اسی طرح زبانی بھی اس سے منع کرتے رہیں اور اگر کسی کے بارے میں آپ آگاہ ہو جائیں کہ وہ شراب پی رہا ہے یا پینا چاہ رہا ہے تو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اسے روکیں، حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے نہ روک پائے تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل میں روکنے کا ارادہ رکھے اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے، و ذلك أضعف الایمان "(۱)

"بیئر" (Beer) بھی شراب ہے

سوال:- {2168} میرے چند دوستوں میں یہ غلط فہمی ہے کہ بیئر (Beer) شراب نہیں ہے، اور اس کے پینے سے شریعت نے نہیں روکا ہے، اگر آپ اس کی تشریح کردیں تو ان لوگوں کے لیے بھی بہتر ہوگا، جو اس غلط فہمی میں گناہِ کبیرہ کر رہے ہیں۔ (رحیم خاں، دھرماباد)

(۱) صحیح مسلم:۱/۵۱۔

جواب:- حقیقت یہ ہے کہ بیئر (Beer) بھی شراب ہی کی ایک قسم ہے، اور جو لوگ آگاہ ہیں، ان کا بیان ہے کہ فرق صرف اس قدر ہے کہ بیئر میں عام شراب کے مقابلہ الکحل کی مقدار کم ہوتی ہے، اس لیے جو لوگ نشہ کی لت میں مبتدی ہوتے ہیں، ان پر نشہ کی نسبتاً شدید کیفیت طاری ہوتی ہے، جو لوگ خوگر ہیں ان پر نشہ کی کیفیت نسبتاً خفیف ہوتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شی کی کثیر مقدار نشہ کا باعث ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے'' ''ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام ''(۱) اس لیے بیئر (Beer) بھی شراب ہی کی ایک قسم ہے، اور اس کا پینا حرام اور سخت گناہ ہے، آپ اپنے دوستوں کی غلط فہمی دور کریں، اور ان کو دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر دینے والی اس برائی سے بچنے کی تلقین کریں۔ وباللہ التوفیق۔

کاروبار بڑھانے کے لیے شراب پلانا

سوال:- {2169} آج کل لوگ کاروبار کو بڑھانے کے لیے یا کسی کام کو حاصل کرنے کی غرض سے اس شخص کو شراب پلاتے ہیں، جس سے کام مل جاتا ہے، میرے دوست کہتے ہیں کہ پیسہ کمانا ہو تو اس طرح کرنا ہوگا، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ (حمید اللہ، راجندر نگر کالونی، حیدرآباد)

جواب:- جس طرح شراب کا پینا حرام ہے، اسی طرح شراب پلانا بھی حرام ہے، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت ہوتی ہے، ان میں شراب پینے والا بھی ہے، اور شراب پلانے والا بھی۔ (۲) اس لیے آپ کے احباب کا مشورہ قطعاً نادرست اور بالکل ناقابل قبول ہے، آپ اسے ہرگز قبول نہ کریں، اور دنیا کی کچھ متاع حقیر کے لئے اپنے آپ کو خدا کی لعنت کا مستحق نہ ٹھہرائیں، اس طرح وقتی طور پر

(۱) سنن أبي داؤد، عن جابر ؓ، حدیث نمبر: ۳۶۸۱، باب ما جاء في السکر۔ محشی۔
(۲) سنن ابن ماجۃ: ص: ۲۴۲۔

کچھ آمدنی ممکن ہے، لیکن یہ بے برکت پیسہ ہوگا، جو نفع سے زیادہ نقصان اور عافیت سے زیادہ آفت کو اپنے ساتھ لائے گا، حلال طریقہ پر گو آمدنی کم ہو، لیکن اس میں برکت بھی ہے اور عافیت بھی۔

نیرہ پینے کا حکم

سوال:- {2170} کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ نیرہ جو جنگلات میں نکلتا ہے اس کو پینا جائز ہے؟ اس سلسلہ میں واقعی شرعی حکم کیا ہے؟ (محمد عبد الصمد صدیقی، گلبرگہ)

جواب:- غالباً نیرہ سے مراد تاڑ اور کھجور کے درخت سے نکالا جانے والا رس ہے، اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر اس میں جھاگ پیدا ہوگئی تو وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں اس کا پینا جائز نہیں۔ (۱)

جب تک جھاگ نہ اٹھے نشہ پیدا نہیں ہوتا، ایسی صورت میں اس کے پینے کی گنجائش ہے، کہا جاتا ہے کہ دھوپ پڑنے کے بعد اس سے جھاگ اٹھتی ہے، اس سے پہلے نہیں، یہ تو اصل مسئلہ ہے، لیکن اندیشہ یہ ہے کہ بے نشہ مشروب کہیں اس کو نشہ آور تک نہ پہنچادے، پھر یہ احتمال بھی ہے کہ وہ نشہ سے بچ رہا ہے، لیکن دیکھنے والے سمجھیں کہ شاید یہ نشہ استعمال کر رہا ہے، اس طرح وہ اپنے آپ کو مقام تہمت میں ڈال رہا ہے، اور مواقع تہمت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا بہتر بات یہ ہے کہ ایسے نشہ آور مشروب کا سرے سے استعمال ہی نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

---

(۱) دیکھئے: الهداية: ۷/۲۹۵، كتاب الأشربة، ط: پاکستان۔

دعوت وضیافت

دعوت قبول کرنے کے احکام

سوال:- {2171} جن شادیوں میں گانا بجانا، ریکارڈنگ ہو، کیا ان شادیوں میں شرکت کا جواز ہے؟ اسی طرح شادی سے پہلے شادی کے رسم کے نام سے ایک تقریب منائی جاتی ہے، کیا ایسی رسموں کی دعوت میں شرکت کرنا درست ہے؟

جن دعوتوں میں زیب وزینت کے لیے اسراف وفضول خرچی کی جاتی ہے، ان دعوتوں کو قبول کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح بچہ تولد ہونے کے چالیس دن بعد چلہ کی تقریب منائی جاتی ہے، کیا اس دعوت میں شرکت کرنے کی اجازت ہے؟

(اصغر علی، ملک پیٹ)

جواب:- عام حالات میں مسلمان کی دعوت قبول کرنی چاہئے اور بعض ان دعوتوں کو جو

سنت سے ثابت ہے، اگر بلا عذر رد کر دیا جائے تو فقہاء نے اسے معصیت تک قرار دیا ہے،(۱) اب جہاں تک ان دعوتوں کی بات ہے جس میں کسی نوعیت کی قباحت پیدا ہو جائے تو یہ قباحت تین نوعیت کی ہے اور اسی لحاظ سے اس کے احکام بھی ہیں۔

کبھی یہ قباحت مال کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، یعنی داعی کے مال کے حرام ہونے کا شبہ ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کہتے ہیں کہ جس کی کمائی کا غالب حصہ حرام آمدنی پر مشتمل ہو، اس کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ وہ وضاحت کر دے کہ میں نے دعوت کے لیے بطور خاص فلاں حلال ذریعہ سے مال حاصل کیا ہے۔

دوسری قباحت اعتقاد کے اعتبار سے پیدا ہوتی ہے، یعنی جس دعوت کی کوئی شرعی اصل نہیں، بلکہ وہ ایک عام قسم کی دعوت ہے اور اسے شرعی اور اسلامی طریقہ سمجھ کر انجام دیا جائے اور اس کے نہ کرنے والوں کو دینی لحاظ سے غیر صائب تصور کیا جائے، تو یہ دعوت بدعت ہوگی اور اس کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

" ولو دعى إلى دعوة فالواجب أن يجيبه إذا لم يكن هناك معصية و لا بدعة ... و الإمتناع اسلم في زماننا إلا إذا علم يقينا بأنه ليس فيها بدعة و لا معصية " (۲)

’’اگر کسی دعوت میں مدعو کیا جائے اور وہاں معصیت اور بدعت نہ ہو تو قبول کرنا واجب ہے... اور ہمارے زمانہ میں دعوت میں شریک نہیں ہونا ہی زیادہ قابل اطمینان ہے، جب تک کہ یقینی طور پر اس میں کسی بدعت اور معصیت کا نہ ہونا محقق ہو جائے‘‘

(۱) فتح القدير :۴۴۸/۸، محشی۔
(۲) الفتاوى الهندية :۱۱۵/۴۔

شادی سے پہلے کی رسم اور چلہ وغیرہ کی دعوت کو اگر اسی طرح دینی تصور کے ساتھ انجام دیا جاتا ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے اور بہتر ہے کہ اس سے گریز کیا جائے۔

تیسرے کبھی قباحت اس دعوت میں ہونے والی حرکتوں سے پیدا ہوتی ہے، مثلاً ریکارڈنگ اور گانا بجانا وغیرہ —— ایسی دعوتوں کا حکم یہ ہے کہ عام لوگ (جن کی شرکت کو لوگ دلیل نہ بناتے ہوں) شریک ہو سکتے ہیں، اگر وہ روک سکیں تو روکیں اور ٹوکیں اور ممکن نہ ہو تو صبر کر لیں، لیکن بہتر ان کے لیے بھی احتراز ہے۔

اور بعض لوگ جن کی شرکت لوگوں کے لیے جواز کی دلیل بن جائے اور جن کو معاشرہ میں مقتدا اور پیشوا کا درجہ حاصل ہو، ان کے لیے تو کسی صورت جائز نہیں، اور ان کو وہاں سے نکل آنا چاہئے۔

پھر یہ سب بھی اس وقت ہے جب پہلے سے اس صورت حال کی اطلاع نہ ہو، اگر پہلے سے اس کی واقفیت ہو تب تو ہر دو افراد کے لیے اس کو قبول کرنا مناسب نہیں۔(۱)

ایسی دعوت جس میں اسراف وفضول خرچی ہو، قبول کرنی جائز ہے، البتہ ایک مسلمان بھائی ہونے کی حیثیت سے ایسے لوگوں کی تفہیم کرنی چاہیے، اور انہیں اس سے باز رہنے کی تلقین کرنی چاہئے —— اسی طرح غیر مسلموں کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس میں کسی حرام کھانے کا ظن غالب نہ ہو، چنانچہ خود سیدنا عمر فاروق ﷛ نے اپنے زمانہ میں دار الاسلام میں بسنے والے غیر مسلم اہل ذمہ سے بطور خراج کے ایک شرط یہ رکھی تھی کہ جب ادھر سے مسلمانوں کے قافلہ کا گزر ہو تو وہ تین دنوں اس کی ضیافت کریں اور رسول اللہ ﷺ کا بھی ایک یہودیہ کی دعوت قبول کرنا ثابت ومشہور ہے۔(۲) البتہ کوئی ایسی دعوت جو ان کی مذہبی تقریبات سے متعلق ہو، قبول کرنی درست نہیں۔

---

(۱)　الفتاوی الهندية :۴/۱۰۶۔

(۲)　صحيح البخاري، حدیث نمبر:۲۶۱۷، باب قبول الهدية من المشركين۔ محشی۔

دسہرہ کی مٹھائی

سوال:- {2172} ایک شخص کمپنی میں ملازم ہے، اس کو دسہرہ اور دیوالی کے موقع پر ایک کلو مٹھائی اس خوشی میں دی جاتی ہے، کیا یہ مٹھائی کھائی جاسکتی ہے؟

(محمد عبدالغنی، عیدی بازار)

جواب:- ایسی مٹھائی جو بتوں پر چڑھائی گئی ہو، کا کھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اسے بتوں پر چڑھایا نہ گیا ہو، لیکن اپنے تہوار کی خوشی میں دوست احباب کے لئے مٹھائی بنوائی ہو تو اس کا قبول کرنا اور کھانا درست ہے۔

لڑکی کے بالغ ہونے پر دعوت

سوال:- {2173} حیدر آباد کے اکثر مسلم گھرانوں میں جب لڑکی بالغ ہوتی ہے، تو بارہ دنوں تک اس کو اپنے ہی مکان میں پردہ کراتے ہیں، اور دعوتی تقریب کرتے ہیں، بعض جگہ گانا بجانا بھی ہوتا ہے، محلہ کے نوجوان لڑکے کچھ الگ سا محسوس کرتے ہیں، تو اس رسم اور ایسی دعوت کا شریعت میں کیا مقام ہے؟

(جلال الدین اکبر، حیدرآباد)

جواب:- یہ رسم اور اس مناسبت سے دعوت حیاء کے خلاف ہے، اس طرح کی باتیں بالخصوص عورتوں سے متعلق چھپانے کی ہوتی ہیں، اس لیے اس رسم کو ختم کرنا چاہئے، نہ شرعاً یہ عمل درست ہے، اور نہ اخلاقاً یہ مناسب ہے۔

جس غریب کو سود کی رقم دی گئی، اس کی دعوت قبول کرنے کا حکم

سوال:- {2174} ایک شخص اپنی رقم بینک میں حفاظت کے لئے جمع کرتا ہے، اس رقم پر بینک سود دیتا ہے، سود تو خود استعمال نہیں کرتا البتہ کسی غریب لڑکی کی شادی میں دے دیتا ہے، اگر اس لڑکی والے اس شخص کو دعوت طعام دیں، تو کیا وہ شخص کھا سکتا ہے؟ (محمد عبد الغنی، عیدی بازار)

جواب:- فقہاء ایسی رقم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اسے صدقہ کر دینا واجب ہے، تو اگر یہ رقم مستحق شخص کو دی گئی تو اس کے حق میں صدقہ قرار پائی اور صدقہ کا حکم یہ ہے کہ واسطہ آجانے سے مال کا حکم بدل جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ ایک بار اپنی خادمہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے، وہ گوشت پکا رہی تھیں، انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا، لیکن اس میں گوشت نہیں تھا، آپ ﷺ نے وجہ دریافت کی، انہوں نے عرض کیا کہ یہ گوشت صدقہ کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لیے صدقہ ہے، لیکن جب تم مجھے کھلاؤ تو ہدیہ ہے،(۱) اس اصول پر اگر کسی غریب اور مستحق شخص کو سود کی رقم صدقہ کی جائے اور وہ اس سے دعوت کا اہتمام کر کے دوسروں کو کھلائے تو اس کی گنجائش ہے۔

غیر مسلم اور سود خور کی دعوت

سوال:- {2175} کسی غیر مسلم یا سودی کاروبار کرنے والے کی دعوت قبول کرنے اور اس کے گھر جا کر کھانا

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۱۴۹۵، باب إذا تحولت الصدقة۔ محشی۔

کیسا ہے؟ اور کیا دعوت دینے والے کے بارے میں یہ تجسس
کرنا کہ حلال روپے سے یا حرام سے دعوت کی ہے درست
ہے؟ (محمد شاکر خاں، سلطان شاہی)

جواب:- غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا درست ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے قبول کی ہے۔(۱) اگر کسی شخص کا صرف سودی ہی کاروبار ہو، یا زیادہ تر آمدنی سود پر مبنی ہو، اور معلوم نہ ہو کہ دعوت کس رقم سے کی جارہی ہے، تو اس کی دعوت قبول کرنا درست نہیں۔ اگر اس کی آمدنی کی زیادہ تر آمدنی حلال پر مشتمل ہو یا اس نے صراحت کردی ہو کہ میں حلال حصہ یا آمدنی ہی سے دعوت کر رہا ہوں، تو دعوت قبول کی جاسکتی ہے، لیکن جو لوگ مقتدا ہوں اور ان کی پیروی کی جاتی ہو، جیسے علماء و ائمہ سماج کے سربرآوردہ لوگ، مساجد و مدارس کے ذمہ داران، ایسے لوگوں کا کسی سود خور کی دعوت قبول کرنا درست نہیں — اگر کسی شخص کے بارے میں یہ بات معلوم نہ ہو کہ اس کا کوئی کاروبار حرام پر بھی مبنی ہے، تو ایسے شخص کے یہاں دعوت میں حلال وحرام کی بابت پوچھنا درست نہیں، کیوں کہ اس میں مسلمان کی ایذاء اور توہین ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(۲)

سود خور کی دعوت اور اس سے تعلق رکھنا

سوال:- {2176} سود کا لین دین دونوں حرام ہے، تو
بتایا جائے کہ سود خور کی دعوت قبول کرنے، سود خور سے تعلقات
رکھنے اور سود خور کی خوشیوں میں شامل ہونے کا کیا حکم ہے؟
(سرور خاں، گڈی ملک پور)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے سود کے لینے والے، دینے والے، لکھنے والے اور سودی

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۲۶۱۷، باب قبول الهدية من المشركين- محشی-
(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۲۰۳۲، باب ما جاء في تعظيم المؤمن- مرتب-

معاملہ میں گواہ بننے والے سبھوں پر لعنت بھیجی ہے،(۱) اس سے معلوم ہوا کہ سود میں تعاون اور سودی کاروبار کی حوصلہ افزائی بھی جائز نہیں، اصولی طور پر سود خور کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے، سوائے اس کے کہ کوئی دینی مصلحت اس میں مانع ہو، اس لیے جو لوگ مقتدا اور ذمہ دار ہوں ان کو ایسے لوگوں کی دعوت میں شریک نہ ہونا چاہئے، تاکہ سود خور کی حوصلہ شکنی ہو، البتہ عام مسلمانوں کے لیے حکم کی تفصیل فقہاء نے یوں بیان کی ہے کہ اگر معلوم ہو کہ دعوت سودی پیسے سے کی جارہی ہے تب تو دعوت میں شریک ہونا قطعاً جائز نہیں ہے اور اگر دعوت کا حلال پیسے سے ہونا معلوم ہو تو دعوت میں شرکت جائز ہے، اور متعین طور پر اس کا علم نہ ہو تو پھر اس بات کا اعتبار ہوگا کہ اس کی آمدنی کا غالب ذریعہ کیا ہے؟ اگر غالب حصہ حرام ہے تو دعوت میں شرکت درست نہیں، اور غالب حصہ حلال ہے تو دعوت میں شرکت جائز ہے۔(۲)

سود خور سے تعلقات رکھنے اور اس کی تقریبات خوشی میں شرکت کرنے کا حکم بھی تقاضۂ مصلحت سے متعلق ہے، یوں تعلق تو کافر و مشرک سے بھی رکھا جاسکتا ہے، پس اگر سود خوار سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اس کی خصلت بد سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو تعلق رکھنا جائز ہے اور اس کی اصلاح کی امید کی نیت ہو تو بہتر ہے، ورنہ اجتناب بہتر ہے، کیوں کہ بری صحبت سے نفع کی امید نہیں اور نقصان کا اندیشہ ہے۔

غیر مسلموں کی دعوت اور مشرکانہ رسم کا شبہ

سوال:- {2177} اگر غیر مسلموں کے یہاں مدعو کیا جائے اور کھانا یا مٹھائی پیش کی جائے یقینی طور پر تو معلوم نہ ہو کہ یہ پوجا کا کھانا یا مٹھائی ہے، لیکن اس کا شبہ ہو تو کیا ایسی دعوت میں شرکت جائز ہوگی؟ (علی، بارکس)

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۴۰۹۲، باب لعن أكل الربوا الخ ۔ محشی۔

(۲) الفتاوی الهندیة :۳۴۳/۵ ۔ مرتب۔

جواب:- اگر معلوم نہ ہو کہ یہ کھانا یا مٹھائی پوجا کی ہے اور کوئی واضح قرینہ بھی ایسا نہ ہو جس سے شبہ کی تصدیق ہوتی ہو تو ایسی صورت میں شرکت درست ہے، کیونکہ شریعت میں احکام کی بنیاد یقین یا یقین کے قریب گمان پر رکھی جاتی ہے، محض شبہ پر عام مسائل میں فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے، معمولی درجے کا شبہ تو ہر جگہ موجود ہے، حضور ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ نے غیر مسلموں کی دعوتیں قبول کی ہیں اور اس سلسلے میں تجسس کیے بغیر کھانا کھایا ہے۔

غیر مسلم کے گھر دعوت

سوال:- {2178} کیا غیر مسلم کے گھر کی دعوت میں کھانا کھانا جائز ہے؟ (حسیب، نظام آباد)

جواب:- غیر مسلم بھائیوں سے بھی انسانی اخوت کا رشتہ موجود ہے، اس لیے ان کو مدعو کرنا بھی جائز، بلکہ بہتر ہے اور ان کی دعوت قبول کرنا بھی درست ہے، بشرطیکہ کھانے میں کوئی حرام یا مشتبہ چیز نہ ہو، (۱) رسول اللہ ﷺ نے متعدد بار غیر مسلموں کو اپنا مہمان بنایا، (۲) اور خود ایک یہودیہ کی دعوت قبول فرمائی ہے، (۳) فقہاء نے بھی اس کو جائز قرار دیا ہے۔

"إن إجابة دعوة أهل الذمة مطلقة في الشرع" (۴)

غیر مسلموں کو دعوت دینا

سوال:- {2179} کیا غیر مسلموں کو اپنے یہاں دعوت دی جاسکتی ہے؟ اور مسلمانوں کے گھروں میں ان کی آمد

---

(۱) حلال وحرام: ص:۱۱۶۔ مرتب۔

(۲) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۵۳۶۴، نیز دیکھئے: جمع الفوائد: ۱/۲۹۴۔ مرتب۔

(۳) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۶۱۷، باب قبول الهدية من المشركين۔ محشی۔

(۴) الفتاوى التاتار خانية: ۵/۵۲۳۔

ورفت درست ہے؟ (اکبرعلی، گولکنڈہ)

جواب:- غیر مسلموں کودعوت دینا نہ صرف جائز ہے، بلکہ اگر یہ نیت رکھی جائے کہ اس طرح وہ اسلام سے مانوس ہوسکیں گے اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو کم سے کم اسلام اور مسلمانوں کے تئیں ان کا رویہ نرم ہوگا، تو ان کودعوت دینا بہتر ہے، رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا حکم دیا گیا کہ آپ قریشی رشتہ داروں کو اسلام کی طرف متوجہ کریں: ﴿ أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾(۱) تو آپ ﷺ نے بنو ہاشم کو جمع فرمایا اور ان کے لیے کھانے کا اہتمام بھی فرمایا،(۲) پس معلوم ہوا کہ بہتر نیت کے ساتھ غیر مسلموں کو مدعو کیا جائے تو یہ سنتِ نبوی ﷺ ہے۔

جہاں تک غیر مسلموں کی آمد ورفت کی بات ہے تو اگر ان سے دینی یا دنیوی مضرت کا اندیشہ نہ ہو اور حدودِ شرعی کی رعایت کے ساتھ آمد ورفت ہو، تو اس کی گنجائش ہے۔

---

(۱) الشعراء :۲۱۴۔ محشی۔

(۲) الدر المنثور :۱۸۱/۵۔ مرتب۔

ادویہ اور علاج

عجوہ کھجور

سوال:- {2180} آج کل اکثر لوگ دل کی بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں، معلوم ہوا کہ عجوہ کھجور اس مرض کے لیے مفید ہے، آپ اس کے استعمال کا طریقہ کار اور فوائد بیان فرمائیں، تو ملت اسلامیہ کا فائدہ ہو سکے۔

(داؤد خاں ساجد، گولکنڈہ)

جواب:- عجوہ کھجور کی فضیلت احادیث میں آئی ہے، حضرت جابر ؓ، حضرت ابو سعید خدری ؓ سے مروی ہے کہ یہ جنت کا پھل ہے، اور زہر تک کے لیے شافی ہے، (۱) حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے صبح میں سات عجوہ کھجوریں کھائیں، اس کو اس دن زہر اور جادو بھی نقصان نہ پہونچا سکے گا، (۲) اس سے معلوم ہوا کہ

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۳۴۵۳، باب الکمأة و العجوة ۔ محشی۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۵۷۶۹، باب الدواء بالعجوة للسحر ۔ محشی۔

مریضوں کو عجوہ کھجور صبح میں سات دانے کھانے چاہئیں، خاص طور پر قلب کے لیے عجوہ کے مفید ہونے کا ذکر احادیث میں نہیں ملتا، یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ بعض اہل علم کے نزدیک صرف مدینہ کے عجوہ میں صحت وشفاء کی یہ صلاحیت ہے۔(۱)

کلونجی کے فوائد

سوال:- {2181} کلونجی کے کیا فوائد ہیں جو حدیث میں منقول ہیں؟ (سید حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

جواب:- عربی زبان میں کلونجی کو''حبہ سوداء'' کہتے ہیں،(۲) حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کلونجی میں سوائے موت کے ہر بیماری سے شفاء ہے: ''ان في الحبة السوداء شفاء من كل داء الا السام "(۳) البتہ یہ ممکن ہے کہ مختلف بیماریوں میں استعمال کا الگ الگ طریقہ مفید ہو اور اس طریقہ پر استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اس کا فائدہ ظاہر نہ ہو، تو اس سے غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہئے۔

دوا اور سینٹ میں الکحل

سوال:- {2182} سینٹ میں الکحل ملا ہوتا ہے، تو کیا الکحل کے لگا رہنے سے نماز درست نہیں ہوگی؟

(محمد عابد حسین، عنبر پیٹ)

کیا بطور دوا الکحل کا استعمال جائز ہے، جیسا کہ آج کل بعض ادویہ اور ہیر آئیل میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے؟

(سید جیلانی، چنچل گوڑہ)

---

(۱) زاد المعاد :۴/۲۲۱۔

(۲) القاموس الوحید :ص:۳۰۵۔ محشی۔

(۳) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۳۴۹۰۔

جواب:- الکحل اگر انگور سے بنا ہو تب تو اس کے شراب (خمر) ہونے پر اتفاق ہے، کیونکہ اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ انگور سے تیار ہونے والی منشیات خمر ہیں، یہ حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی، انگور کے علاوہ دوسرے نباتات سے جو نشہ آور محلول تیار کیا جائے، اس کے بارے میں اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اگر نشہ آنے کے بقدر پیا جائے تو حرام اور گناہ ہے، لیکن کیا وہ اس خمر کا مصداق ہے جس کا قرآن میں ذکر آیا ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ خمر نہیں، اس لئے نشہ کے بقدر اس کا پینا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی حرام ہے، لیکن وہ خمر کی طرح ناپاک نہیں گویا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو الکحل انگور کے علاوہ کسی اور شئی سے حاصل کیا گیا ہو، وہ ناپاک نہیں ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک تمام نشہ آور کا حکم یکساں ہے، اور سب خمر میں داخل ہیں، ان سب کا پینا حرام ہے اور وہ سب ناپاک ہیں، محقق علماء نے اس مسئلہ میں جمہور کی رائے کو ترجیح دی ہے اور تمام ہی ایسے مشروبات کو خمر کے حکم میں رکھا ہے جو نشہ لانے کی صلاحیت رکھتے ہوں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بلا تفریق ہر نشہ آور شئی کو حرام قرار دیا اور فرمایا: ''کل مسکر حرام ''(۱) پھر یہ بھی فرمایا کہ جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو، اسکی قلیل مقدار بھی حرام ہے، ''ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام ''(۲) اس لئے واقعہ ہے کہ جمہور کی رائے قوی ہے اور حنفیہ میں بھی بعد کے علماء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ جہاں تک الکحل کے نشہ آور ہونے کی بات ہے تو غالباً اب تک تحقیق یہی ہے کہ یہ نشہ آور ہوتا ہے، بلکہ یہ جوہر شراب ہے، دواؤں میں اس کا استعمال اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ دواؤں کی افادات کو زیادہ دیر تک برقرار رکھ سکتا ہے اور وہ ایسا محلول ہے کہ دوسرے اجزاء کو بھی اچھی طرح حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ انگور سے تیار کیا ہوا الکحل بالاتفاق حرام اور ناپاک ہے اور وہ نجاستِ غلیظہ ہے، دوا کے لئے تو ازراہِ ضرورت اس کا استعمال جائز ہے، لیکن سینٹ وغیرہ کے

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۷۳۴، کتاب الاشربۃ۔

(۲) الجامع الترمذی، حدیث نمبر: ۱۷۸۸، کتاب الاشربۃ۔

طور پر اس کا استعمال درست نہیں، اگر جسم یا کپڑے پر ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار یا اس سے زیادہ لگ جائے تو اسے دھونا واجب ہے اور دھوئے بغیر نماز درست نہ ہوگی اور جو الکحل انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے حاصل کیا گیا ہو، از راہِ نشہ اس کا استعمال کرنا بھی حرام ہے، دوا کے طور پر ظاہر ہے کہ اس کا استعمال بدرجۂ اولیٰ جائز ہے، سینٹ میں اس کا استعمال جائز نہیں، لیکن چونکہ اس کے ناپاک ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، اس لئے وہ نجاستِ خفیفہ کے حکم میں ہے، اگر جسم یا کپڑے میں لگ جائے تو جس عضو میں لگا ہو، اگر اس عضو کی چوتھائی مقدار یا اس سے زیادہ ہو تو دھونا واجب ہوگا اور اس کے بغیر نماز درست نہ ہوگی، لیکن کراہت سے یہ بھی خالی نہیں۔ غرض دوا کے طور پر الکحل ملی ہوئی ادویہ کا استعمال جائز ہے اور سینٹ کے طور پر اس کا استعمال درست نہیں، جب ''سینٹ فری'' عطریات بھی دستیاب ہیں، تو ایسی چیز کیوں استعمال کی جائے جس کا پاک اور حلال ہونا مشکوک ہو؟ اسلام ایک لطیف مذہب ہے، لطافت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، گندگی اور میل کچیل کو ناپسند، اور جو چیز ناپاک ہو وہ لطیف نہیں ہوسکتی، اس لئے ایسی خوشبو استعمال کرنی چاہیے جو الکحل سے خالی ہو، کہ اس میں ایک سنتِ رسول ﷺ کی ادائیگی بھی ہے، اور اگر اس نیت سے عطر کا استعمال کیا جائے تو یقیناً اجر وثواب بھی ہے۔

الکحل آمیز خواب آور ادویہ

سوال:- {2183} الکحل ملی ہوئی ادویہ اور نیند کی گولی کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (ذوالفقار ندوی، شاہین نگر)

جواب:- بوقتِ ضرورت نیند کی گولی کھانے میں مضائقہ نہیں، کہ یہ بھی ایک علاج ہے، الکحل آمیز ادویہ اس وقت کھائی جاسکتی ہیں جب الکحل سے پاک دوا موجود نہ ہو، یا ہو تو اس سے صحت میں تاخیر کا اندیشہ ہو، یا زیادہ گراں ہونے کی وجہ سے اس کے خریدنے کی استطاعت نہ ہو۔ (۱)

---

(۱) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۲۵-۳۲۶۔ محشی۔

الکحل کے چراغ میں قرآن وحدیث کا مطالعہ

سوال:- {2184} وہ شمع جو بجائے تیل الکحل سے روشن ہو، کیا اس کی روشنی میں قرآن وحدیث لکھا یا پڑھا جا سکتا ہے؟ (یوسف الدین، امیر پیٹ)

جواب:- الکحل سے روشن چراغ میں قرآن وحدیث لکھا پڑھا جاسکتا ہے، اس لیے کہ یہ قرآن وحدیث کو نجاست سے ملوث کرنا نہیں ہے، یہ بالکل اس طرح ہے، جیسے فضاء میں پیشاب یا پاکخانہ کی بو ہو اور قرآن مجید پڑھ لیا جائے، تاہم احتیاط کے خلاف ہے اور اجتناب کرنا بہتر ہے۔

علاج کے لیے بے پردگی

سوال:- {2185} اسلام میں بے پردگی نہایت نا مناسب عمل ہے، لیکن بعض حالات میں مجبوری ہو جاتی ہے، جیسے زچگی کے لیے ڈاکٹر کے پاس جائیں اور ڈاکٹر آپریشن کو ضروری قرار دیدے ورنہ زچہ یا بچہ کی جان کو خطرہ لاحق ہو، تو ایسی صورت میں کیا ڈاکٹر کی صلاح پر عمل کرنے کی گنجائش ہے؟ (مقصود حسین خاں، نظام آباد)

جواب:- پردہ یقیناً شریعت کا نہایت اہم حکم ہے، اور حتی المقدور اس پر عمل کرنا واجب ہے، اگر بے پردگی کے سوا چارہ نہ رہے تو لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے، اگر لیڈی ڈاکٹر میسر نہ ہوں، تو پھر بقدر ضرورت مرد معالج سے بھی مدد لی جاسکتی ہے، (۱) یہی شریعت اسلامی کا

---

(۱) " فيه جواز معالجة المرأة الأجنبية للرجل الأجنبي للضرورة " (حاشية صحيح البخاري: ۱/۴۰۳) محشی۔

اعتدال ہے کہ ایک طرف پردہ کا حکم نہایت سخت ہے، لیکن دوسری طرف انسانی مجبوریوں کا اسی قدر پاس ولحاظ بھی ہے۔

مسلمان خواتین اور نرسنگ

سوال:- {2186} آج کل ہندوستان میں مریضوں کی خدمت اور تیمارداری کے لیے نرسز رکھی جاتی ہیں، کیا نرسنگ کا کام مسلمان عورتوں کے لیے جائز ہے؟ (ایک بہن)

جواب:- معتدل اور عام حالات میں کسی عورت کے لیے اجنبی مرد کی تیمارداری جائز نہیں، کہ اس میں فتنہ کے اندیشے ہیں، اور انہیں اندیشہ ہائے دور دراز نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ ہسپتالوں میں اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اس لیے اس بات کی تو گنجائش ہے کہ جو وارڈ خواتین کے لیے مخصوص ہوں، ان میں خواتین نرس کا کام انجام دیں اور شرعی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض پورے کریں، مردوں کے وارڈ میں عورتوں کا بہ حیثیت نرس کام کرنا یا مرد ڈاکٹر کے ساتھ ان کی تنہائی یا ان کے ایسے لباس یا یونیفارم میں رہنا جو اسلامی حجاب کے تقاضا کو پورا نہ کرتے ہوں، جائز نہیں، یہ مسلمان بہنوں کے لیے قید و بند نہیں، بلکہ ان کی حفاظت وصیانت کی کوشش ہے، غیر معمولی حالات جیسے اچانک کسی آفتِ سماوی کا آجانا جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو جائیں، یا جنگی حالات کا معاملہ، اس سے کسی قدر مختلف ہے، ایسے مواقع پر اگر زخمیوں کی تیمارداری کے لیے مرد فراہم نہ ہوں تو خواتین بھی شرعی حدود کی ممکن حد تک رعایت کے ساتھ تیمارداری کر سکتی ہیں، چنانچہ امام بخاریؒ نے ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ (جنگ کے موقع پر) پانی لاتے تھے، زخمیوں کا علاج کرتے تھے، اور مقتولوں کو منتقل کرتے تھے، (۱) بخاری کے حاشیہ پر اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ

(۱) صحیح البخاری:۱/۴۰۳۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر اجنبی عورت اجنبی مرد کا علاج کرسکتی ہیں:

"فيه جواز معالجة المرأة الأجنبية للرجل الأجنبي للضرورة" (۱)

لیکن جیسا کہ مذکور ہوا کہ خصوصی اور غیر معمولی حالات پر عام حالات کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

کینسر کے مریض کا نشہ آور دوا سے علاج

سوال:- {2187} ۱۶ رمئی ۲۰۰۲ء کو شہر کے ایک مشہور روزنامہ میں لکھا ہے کہ کینسر کے مریض کو مارفین یا پھر Opais گولیاں کھلانی چاہیے، تاکہ وہ تڑپ تڑپ کر نہ مرسکے، کینسر کا مریض آخری وقت میں ناقابل برداشت تکلیف سے تڑپ تڑپ کر مرجاتا ہے، اس ناقابل برداشت درد کو کم کرنے اور مریض کو سکون وآرام پہنچانے کے لیے آج کل بازاروں میں متذکرہ بالا دوا کی گولیاں دستیاب ہیں، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ گولیاں دراصل منشیات Drug ہیں، کوئی صحتمند فرد اس کو استعمال کرے تو یہ نشہ آور کہلاتی ہے اور صحت کے لیے سخت مضر ہے، لیکن کینسر کے مریض کو دینے سے اس کا تڑپنا کسی حد تک کم ہوجاتا ہے، کیا عالم سکرات میں بیان کردہ کیفیات میں مریض کو منشیات پر مبنی مشتبہ دوا دینا شرعی طور پر جائز ہے؟ (قاری، ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- کینسر کی ناقابل برداشت تکلیف کو کم کرنا علاج میں داخل ہے اور اگر کوئی

---

(۱) حاشية على صحيح البخاري: ۱/۴۰۳۔

حلال متبادل موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن خریدنے کی استطاعت نہ ہو، تو بدرجہ مجبوری حرام اشیاء سے بھی علاج کرنا درست ہے، اسی لیے قرآن مجید نے مضطر شخص کو جان بچانے کے لیے خنزیر اور مردار بھی کھانے کی اجازت دی ہے، (۱) رسول اللہ ﷺ نے ازراہ علاج کچھ لوگوں کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا تھا، (۲) فقہاء نے بھی بوقت ضرورت حرام اشیاء سے علاج کی گنجائش رکھی ہے، (۳) اس لیے کینسر کے مریض کو مذکورہ دوا دینے کی گنجائش ہے۔

مقناطیسی ہار

سوال:- {2188} مقناطیس والا ہار آج کل مسلمان غیر مسلم ہر شخص کے گلے میں نظر آتا ہے، اس کو بلڈ پریشر ہار بھی کہتے ہیں، شرعاً اس کے استعمال کا کیا حکم ہوگا؟

(عبدالمتین، سدا سیو پیٹ)

جواب:- ہار پہننے میں عورتوں سے مشابہت ہے، رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت سے منع فرمایا ہے، (۴) ہار کے بجائے مقناطیس پٹے اگر ہاتھ میں باندھ لیئے جائیں تو اس سے بھی بلڈ پریشر کنٹرول میں مدد ملتی ہے، گویا ہار کا بدل موجود ہے، اس لیے مردوں کے لیے اس کا استعمال مکروہ ہے۔

---

(۱) البقرة :۱۷۳۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۷۲، باب ماجاء في بول مايؤكل لحمه ۔ محشی۔

(۳) "و في النهاية : يجوز التداوي بالمحرم كالخمر و البول إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاء و لم يجد غيره من المباح ما يقوم مقامه و الحرمة ترتفع للضرورة فلم يكن متداويا بالحرام " (تبيين الحقائق:۶/۳۳) محشی۔

(۴) سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۴۰۳۱، باب ما جاء في لبس الشهرة۔ محشی۔

دمہ کی دوا کے طور پر زندہ مچھلی کھانا

سوال:- {2189} ہر سال مرگ کے موقع پر دمہ کی دوا مچھلی کے منہ میں رکھ کر کھلائی جاتی ہے، اور بلا تفریق مذہب و ملت ہر مریض استعمال کرتا ہے، معلوم ہوا کہ اس دوا کو کھلانے سے پہلے ہندو طریقہ پر پوجا کی جاتی ہے، کیا مسلمان اس دوا کو کھاسکتے ہیں؟ (کوثر فاطمہ، دودھ باؤلی)

جواب:- اولاً تو ایسی خبر پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا جو سنی سنائی ہو، اور اس کی مناسب طریقہ پر تحقیق نہ ہوئی ہو، نیز اگر دوا کو بت پر چڑھایا نہ گیا ہو، بلکہ دوا تقسیم کرنے والے شخص نے اپنے طور پر پوجا کی ہو، تو اس دوا کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، ہاں! جو چیز بت پر چڑھائی جائے، اس کا کھانا جائز نہیں۔(۱)

جسم میں خون چڑھانا

سوال:- {2190} خون چڑھانا کیا صحیح ہے؟ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ مسلمان کا ہے یا کافر کا ہے، پرہیزگار کا یا سود خور کا، تو کیا کسی مسلمان کے لیے ایسا خون چڑھوالینا جائز ہے؟ (مولوی طیب اعظمی، یوپی)

جواب:- خون جسم کا ایک ناپاک جزء ہے، اس لیے عام حالات میں اس کا جسم میں چڑھانا درست نہیں، ایک تو وہ ناپاک ہے، دوسرے اس لیے کہ وہ انسان کا ایک جزء ہے، اور انسانی اعضاء واجزاء سے فائدہ اٹھانے کی شریعت نے اجازت نہیں دی، البتہ اگر آدمی اس صورت حال سے دوچار ہو جائے کہ اس کی جان یا بدن کے کسی حصہ کا تحفظ خون ہی چڑھانے پر

---

(۱) ﴿ وما ذبح على النصب ﴾ (المائدۃ:۳) مرتب۔

موقوف ہو، تو فقہاء نے علاج کے طور پر اس کی اجازت دی ہے۔ (۱) اور اس کی نظیر یہ ہے کہ خون ہی کی طرح دودھ بھی ایک سیال مادہ ہے اور بچہ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی فقہاء نے علاجاً عورتوں کے دودھ کو جائز قرار دیا ہے۔ (۲) انسان ہونے کے لحاظ سے تمام انسانوں کے جسم یکساں حیثیت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمان کی طرح یہ کافروں، پرہیزگاروں کی طرح گنہگاروں کا جھوٹا بھی پاک ہے۔ (۳) یہی حکم خون چڑھانے کا ہے، البتہ اگر اس میں احتیاط ممکن ہو تو وہ بہتر ہے، ورنہ خون ہر قسم کے آدمی کا چڑھایا جاسکتا ہے۔

مریض کو خون دینا

سوال:- {2191} کیا مریض کو خون دیا جاسکتا ہے؟

(اسحاق انور، ریڈہلز)

جواب:- اگر معالج کی رائے کے مطابق مریض کو خون کی ضرورت ہو تو اسے رضا کارانہ طور پر خون دیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ خون کا بیچنا جائز نہیں، ہاں! اگر کوئی شخص لینے پر مجبور ہو اور بلا معاوضہ دوسرا آدمی دینے کو تیار نہ ہو، تو خون خریدنا ایک مجبوری ہے اور خون بیچنا کوئی مجبوری نہیں۔ (۴)

بلڈ بینک میں خون جمع کرنا

سوال:- {2192} کیا خون کا عطیہ کیا جاسکتا ہے؟
بلڈ بینک میں جاکر خون جمع کرنے کا کیا حکم ہے؟

(منیب حنفی، پربھنی)

---

(۱) الفتاوی الهندية :۵/۳۵۵۔ محشی۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) حوالہ سابق :۱/۲۳۔ مرتب۔
(۴) جواہر الفقہ :۲/۳۶۔ محشی۔

جواب:- اگر معتبر طبیب کی رائے کے مطابق خون چڑھانا مریض کے لیے ضروری ہو، تو ایسے مریض کو خون دینا جائز ہے۔

"یجوز للعلیل شرب الدم ... اذا أخبره طبیب مسلم أن شفاء ہ فیه الخ" (۱)

لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب بحالتِ موجودہ کوئی ایسا مرض پیدا ہو گیا ہو کہ بہت سے لوگوں کو خون کی ضرورت ہو اور اس کے لیے بلڈ بینک میں خون جمع کرنا ضروری ہو، تو ایسی صورت میں بھی خون دیا جا سکتا ہے، محض امکانی ضرورتوں کے لیے خون دینا درست نہیں، کیوں کہ انسانی اجزاء کے سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اس کے لین دین سے بچا جائے، تاہم یہ احکام اس وقت ہیں، جب بلا قیمت رضا کارانہ خون دیا جائے، خون کا فروخت کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔

آنکھ اور گردہ وغیرہ کے عطیہ کی وصیت

سوال:- {2193} انسانی ہمدردی کے تحت آج کل آنکھوں کے عطیہ کی موت کے بعد وصیت کی جاتی ہے، اسی طرح خون اور گردہ بھی عطیہ کیے جاتے ہیں، اسلام میں ان عطیات کا کیا حکم ہے؟　(محمد لیاقت علی سیفی، بسواکلیان)

جواب:- آنکھوں کی وصیت کر جانے کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ وصیت کا تعلق اپنی مملوک اشیاء سے ہے، اور انسان خود اپنے جسم کا مالک نہیں، البتہ کسی ضرورت مند شخص کو خون یا اپنا ایک گردہ دینا تا کہ اس کی جان بچ جائے، بشرطیکہ دینے والے کی جان کو بھی خطرہ نہ ہو، جائز ہے، کیوں کہ یہ ایثار اور انسانی ہمدردی کے قبیل سے ہے، راقم الحروف نے اپنی کتاب ''اسلام اور جدید میڈیکل مسائل'' (مطبوعہ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند) میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

---

(۱)　الفتاوی الهندية: ۵/ ۳۵۵۔

جنون کے علاج کے لیے اسقاط حمل

سوال:- {2194} میری ایک شادی شدہ لڑکی ہے، جو تقریباً دو ماہ کی حاملہ ہے، لیکن بدقسمتی سے اسے اب دماغی خلل کا عارضہ ہو چکا ہے، اور وہ اکثر خودکشی کے متعلق سوچا کرتی ہے، حتی کہ ایک مرتبہ اس نے اقدام خودکشی بھی کر لی، جو اتفاقاً ناکام ہوئی اور اب خاتون ماہر نفسیات (جس کا علاج چل رہا ہے) کا کہنا ہے کہ جب تک لڑکی کا حمل ساقط نہ کیا جا سکے، تب تک اس کا علاج ممکن نہیں، اگر حمل برقرار رکھنا ہے تو اس علاج کو روکنا پڑے گا، ورنہ پیٹ میں بچے پر اس کے برے اثرات مرتب ہوں گے، ایسی صورت میں حمل ساقط کروانا شرعاً کیسا ہے؟ (فہیم درّانی، گلبرگہ)

جواب:- جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں لڑکی کی صحت اور دماغ کی حفاظت کے لیے اسقاط ضروری ہے اور چوں کہ ابھی سولہ ہفتے نہیں گزرے ہیں، اس لیے روح نہیں پیدا ہوئی ہے، لہذا اسقاط حمل کی گنجائش ہے، تاہم مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں ایک سے زیادہ معتبر و ماہر مسلمان ڈاکٹروں سے مشورہ کر لیا جائے، اگر ان کی رائے ہو کہ اسقاط حمل ضروری نہیں ہے، عورت کی دماغی کیفیت ایسی ہو کہ وہ حمل کا بار اٹھا سکتی ہو، پھر وضع حمل کے بعد اس کا علاج ممکن ہو، نیز جنین کے کسی خطرناک مرض میں پیدائشی طور پر مبتلا ہونے کا امکان نہ ہو تو بہتر ہے کہ اسقاط حمل نہ کرایا جائے۔(۱)

---

(۱) دیکھیے: جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۹۸۔ محشی۔

بلا عذر اسقاط حمل

سوال:- {2195} میرے شوہر بار بار میرا حمل ساقط کرادیتے ہیں، حالانکہ وہ حافظ قرآن بھی ہیں، اس سلسلہ میں شرعی رائے دیں؟ (ایک بہن)

جواب:- اگر حمل سے ماں کی جان کو خطرہ یا کسی شدید مضرت کا اندیشہ نہ ہو اور نہ پیدا ہونے والے بچہ کے بارے میں اس کا اندیشہ ہو اس کے باوجود حمل ساقط کرنا سخت گناہ، بلکہ گناہ کبیرہ ہے، اور اس کے حرام ہونے پر فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے، بلکہ خود عورت کے لئے بھی اپنا حمل ساقط کرنا جائز نہیں، مشہور فقیہ علامہ علیش مالکی فرماتے ہیں:

" لا يجوز استعمال دواء لمنع الحمل و اذا امسك الرحم المنى فلا يجوز للزوجين و لا لاحدهما لا للسيد التسبب فى اسقاطه قبل الخلق على المشهور " (۱)

ضبط ولادت

سوال:- {2196} احقر ایک آر ٹی سی ڈرائیور ہے، اس وقت سات بچے ہیں جس میں پانچ لڑکیاں دو لڑکے، ایک لڑکی کی شادی ہو چکی ہے، ما بقی نابالغ ہیں، اہلیہ کو جب حمل ٹھہرتا ہے تو صحت گرنی شروع ہو جاتی ہے، بعد حمل خون بھی کافی دنوں تک جاری رہتا ہے، زچگی سے قبل اور زچگی کے بعد بیماریوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، علاج

(۱) فتح العلی المالکی: ۱/۳۹۹۔

ومعالجہ میں کافی پیسہ خرچ ہوجاتا ہے، نیز نومولود بچہ کافی کمزور پیدا ہوتا ہے، ماں کی چھاتی میں دودھ نہیں آتا، کیا مذکورہ حالات کے بناء پر آپریشن کروانا جائز ہے یا نہیں؟

(سید ولی، سعید آباد، حیدرآباد)

جواب:- جہاں تک مانع حمل آپریشن کی بات ہے تو اس سے قوت تولید ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتی ہے اور بسا اوقات مستقبل میں ایسے حوادث پیش آتے ہیں کہ انسان کا یہ فعل زندگی بھر کے لیے افسوس اور پچھتاوے کا باعث بن جاتا ہے، نیز یہ فطرت انسانی کو بدل دینے کے مترادف ہے کہ جسم کا ایک حصہ جو توالد وتناسل کے لیے ہی بنایا گیا ہے، یکسر ناکارہ اور ناقابل بنا دیا جائے اور یہ جائز نہیں ہے، البتہ بیوی کی صحت اور بچہ کے دودھ وغیرہ میں کمی ہونے کے قوی اندیشہ کی وجہ سے دوسرے تمام موانع حمل مثلاً نرودھ، لوپ، مانع حمل ادویہ وغیرہ کے استعمال کی اجازت ہوگی۔(۱)

کلوننگ سے تولید

سوال:- {2197} آج کل ایک نئی ایجاد کلوننگ (Cloning) کی ہوئی ہے، یعنی جنسی مباشرت کے بغیر بچہ پیدا ہونا، کیا اسلام میں اس کی اجازت ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری)

جواب:- اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ انسان کو بغیر ماں باپ کے یا صرف باپ یا صرف ماں کے ذریعہ پیدا فرمادے، اور اس کی مثال بھی موجود ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بغیر ماں باپ کے ہوئی، حضرت حوا کی صرف حضرت آدم علیہ السلام سے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

(۱) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جدید فقہی مسائل: ۱/ ۱۵۷۔

صرف ماں سے، لیکن خالق تعالیٰ نے تولید کا فطری نظام یہ بنایا ہے کہ مرد وعورت کے اتصال سے بچہ پیدا ہو، کلوننگ کے ذریعہ بچہ کی پیدائش ناممکن نہیں اور نہ قدرت خداوندی میں دخل اندازی ہے، لیکن نظام فطرت سے بغاوت ضرور ہے، اس لیے تولید کی یہ صورت جائز نہیں، اور یوں بھی یہ اس بچہ کے ساتھ ناانصافی ہے کہ اس کو باپ یا ماں سے محروم کردیا جائے۔(۱)

اسقاط حمل

سوال:- {2198} ۱) کیا اسقاط حمل ازروئے شرع جائز ہے؟

۲) کیا اس سلسلہ میں کوئی ایسی مدت بھی ہے جس کے اندر رحم میں پائے جانے والے نطفہ کو ضائع کردینا جائز ہو؟

۳) کیا مندرجہ ذیل حالات میں ازروئے شرع اسقاط حمل کی اجازت ہو سکتی ہے؟

(الف) جب کہ ماں کی عام صحت، دماغی صحت، یا جان کو خطرہ ہو۔

(ب) جب کہ بچہ کے کسی خطرناک موروثی مرض میں مبتلا ہو کر پیدا ہونے کا قوی خطرہ ہو۔

(ج) جبکہ بچہ کے کسی خلقی نقص اور جسمانی اعتبار سے غیر معتدل ہونے کا خطرہ ہو، جیسے Thelidomide Mangolism, Rubella

(د) جب کہ طبی آلات کے ذریعہ یہ بات یقینی معلوم ہو جائے کہ بچہ غیر معتدل ہے اور وہ Arencefhaly,

(۱) دیکھئے: اسلام اور جدید میڈیکل مسائل: ص:۱۶۵۔ محشی۔

Spona Bifida یا Hydrocephalus جیسے امراض
کا شکار ہے۔

(ہ) عورت زنا بالجبر کی وجہ سے حاملہ ہوگئی ہو اور وہ اس کا اسقاط چاہتی ہے، واضح رہے کہ مخلوط معاشرے، مغربی طرز زندگی اور زنا جیسے جرم کو قانونی جواز حاصل ہو جانے کی وجہ سے جبر از نا اور نتیجتاً حاملہ ہو جانے کے واقعات کی کثرت ہے۔

(و) ماں باپ کسی وجہ سے اولاد نہیں چاہتے تھے، لیکن اس کے باوجود حمل ٹھہر گیا، اب باپ اس کو ساقط کرنا چاہتا ہے۔

(ز) ایک حاملہ عورت جو اپنی جسمانی یا دماغی طور پر مفلوج ہو جانے کے باعث بچہ کی پرورش کرنے کی اہل نہیں؟

(حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام
قاسمی صاحبؒ، مرکز البحث العلمی ، پھلواری شریف ، پٹنہ)

جواب:- اسقاط حمل کے مسائل پر غور کرنے کے لیے ہمیں اس کے مختلف مراحل کو پیش نظر رکھنا چاہئے، فقہاء نے اس کے تین درجات بیان کئے ہیں، اول یہ کہ حمل میں جان پیدا ہو چکی ہو، دوم یہ کہ جان تو پیدا نہ ہوئی ہو مگر اعضاء کی تخلیق ہوگئی ہو اور تیسرے اس سے پہلے کا مرحلہ۔

۱) روح پیدا ہونے کے بعد اسقاط حمل بالاجماع حرام ہے، احمد علیش مالکی فرماتے ہیں:

"و التسبب في اسقاطه بعد نفخ الروح فيه محرم اجماعًا و هو من قتل النفس" (۱)

اور فتاوی شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ میں ہے:

"اسقاط الحمل حرام باجماع المسلمين وهو

(۱) فتح العلی مالکی: ۱۱/۳۹۹۔

من الوأد الذی قال تعالیٰ فیه ﴿واذا الموؤدة سئلت بأي ذنب قتلت﴾(۱)

۲) اعضاء کی تخلیق کے بعد بھی مطلقاً اسقاط حمل جائز نہیں، اورعام حالات میں سخت گناہ کا باعث ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

"ولا يخفى أنها تأثم اثم القتل لو استبان خلقه ومات بفعلها" (۲)

اورعلامہ ابن حزم ظاہری نے ابراہیم نخعیؒ سے نقل کیا ہے کہ

''اگر کوئی عورت خود بھی دواپی کر یا کچھ داخل کر کے اپنا حمل ساقط کر لے تو کفارہ ادا کرے اور ایک غلام یا باندی خرید کر آزاد کرے''(۳)

اور ظاہر ہے کہ ''حمل'' کا لفظ حمل کی اس نوعیت کو بھی شامل ہے۔

قاضی خاں نے تو اس سلسلہ میں بڑی عمدہ بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اسقاط حمل اگر زندگی پیدا ہونے کے بعد ہو تو ظاہر ہے اس کی حرمت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا، لیکن اگر زندگی کے ظہور سے پہلے ہی اسقاط ہو تب بھی جائز نہیں، اس لیے کہ جب تک روح نہ پیدا ہو جائے حمل کو عورت ہی کا ایک جزو اور حصۂ بدن تصور کیا جائے گا، اور جس طرح کسی کا قتل درست نہیں ہے، اسی طرح اپنے جسم کے کسی حصہ کو بھی کاٹ پھینکنا

(۱) فتاوی شیخ الإسلام ابن تیمیه:۴/۲۱۷۔
(۲) رد المحتار:۵/۵۱۹۔
(۳) المحلی:۱۲/۳۱۸۔

حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں اپنی کارسازی کا سکہ چلانے کے مرادف ہے''(۱)

۳) اعضاء کی تخلیق سے پہلے بھی جب مادۂ منویہ عورت کے رحم میں علوق کر چکا ہو، تو ایسی شکل اختیار کرنا کہ وہ تولید کے قابل نہ رہے اور خون اور اس کے لوتھڑوں کا اسقاط ہو جائے، درست نہیں، چنانچہ ابن عابدین شامیؒ "علی بن موسیٰ" سے نقل کرتے ہیں:

" إنـه يكره فان الماء بعد ما وقع في الرحم مآله الحياة فيكون له حكم الحياة كما في بيضة صيد الحرام " (۲)

'' یہ عمل (عورت کے رحم میں نطفہ قرار پا جانے کے بعد اس کو برباد کر دینا) مکروہ ہے، کیوں کہ عورت کے رحم میں نطفہ جا کر بالآخر زندگی اختیار کر لیتا ہے، اس لیے اس نطفہ پر بھی زندگی کا حکم جاری ہوگا، جیسا کہ احرام میں چڑیا کا انڈا توڑ دینا، زندہ چڑیا کا شکار کرنے کے برابر ہے''

احمد علیش مالکیؒ نے اس مسئلہ کو اور بھی واضح کر دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" لا يجوز استعمال دواء لمنع الحمل واذا امسك الرحم المني فلا يجوز للزوجين ولا لأحدهما و لا للسيد التسبب في اسقاطه قبل الخلق على المشهور "(۳)

---

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندية :۳/۴۱۰، كتاب الكراهية ۔

(۲) رد المحتار:۵/۵۲۲۔

(۳) فتح العلي مالكی:۱۱/۳۹۹۔

"منع حمل کے لیے دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور جب منی رحم
میں داخل ہو جائے تو زن وشو کو یا ان میں سے کسی ایک کو بھی ایسی
دوا کا استعمال جائز نہیں ہے اور آقا کے لیے بھی اپنی باندی کے
معاملہ میں انسانی ڈھانچہ مکمل ہونے سے پہلے پہلے بھی اسقاط کی
تدبیر اختیار کرنا مشہور مذہب کے مطابق جائز نہیں ہے۔

ان تشریحات سے اسقاط حمل کی بابت اول الذکر دونوں سوالات کا جواب ہو گیا کہ اسلام میں اصلاً اسقاط حمل جائز نہیں ہے اور کوئی بھی ایسی مدت نہیں جس میں نطفہ کو ضائع کر دینا درست ہو، البتہ اس ممانعت کے بھی مختلف درجات ہیں، پہلی صورت میں یہ سخت گناہ اور حرام ہے، دوسری صورت میں اس سے کم اور تیسری صورت میں نسبتاً ان دونوں سے کم، سوال نمبر ۳ میں جن اعذار کا ذکر ہے اس کی نوعیتیں مختلف ہیں، اس لیے یہ سوال قدرے تفصیل طلب ہے۔

(د، ب، ہ) ان میں سے بعض امور وہ ہیں جو کسی عذر کا درجہ نہیں رکھتے، مثلاً یہ کہ یوں ہی میاں بیوی مزید بچے نہ چاہتے ہوں، بعض وہ ہیں جو ایک درجہ میں عذر ہیں، مگر شریعت کی نگاہ میں قابل قبول نہیں، مثلاً "حمل زنا" کہ اس کے ذریعہ جو بچہ ہوگا وہ عام حالات میں ان تمام حقوق اور سہولتوں سے محروم ہوگا، جو اس کو باپ کی طرف سے ملتیں اور یہ ایک طرح کا ضرر ہے اور دفع ضرر کے لیے بعض امور کی اجازت دی جاتی ہے، مگر یہ اتنا سنگین اور اس درجہ کا ضرر نہیں، جس کی بناء پر شریعت اس اقدام کی اجازت دے دے، چنانچہ خود عہد رسالت میں دو بار لعان کا ذکر ملتا ہے، (۱) اور ظاہر ہے لعان کے بعد ہونے والے بچے کی الزام لگانے والے شوہر سے نفی کر دی جاتی ہے، پھر خود حضرت غامدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اقرار زنا اور استقرار حمل کا واقعہ ملتا ہے، (۲) ان ہر دو موقعہ پر فی الجملہ یہ ضرر موجود تھا، اگر اسقاط حمل جائز ہوتا اور یہ اس

---

(۱) صحیح البخاري :۲/۸۰۰۔ محشی۔
(۲) صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۴۴۳۱،باب من اعترف علی نفسه بالزنی۔ محشی۔

درجہ کا ضرر ہوتا کہ اسے قابل قبول سمجھا جائے، تو ضرور تھا کہ رسول اللہ ﷺ از راہِ دفع ضرر اس کا حکم فرماتے اور رہنمائی کرتے، جیسا کہ فقہاء متقدمین کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی ''تبرید'' وغیرہ کے ذریعہ ایسا کیا جاتا تھا، گو کہ کوئی صریح دلیل نہیں اور ''ترک نبوی'' کو علماء اصول اور محدثین نے مختلف معنوں کا محتمل بتایا ہے، مگر فی الجملہ یہ اس مسئلہ کے لیے ایک قرینہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور شریعت کے مجموعی مزاج سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(ز) اسی طرح یہ عذر کہ حاملہ اپنی جسمانی یا دماغی مفلوجیت کے باعث بچہ کے پرورش کرنے کی اہل نہ ہو، یہ بھی میرے خیال میں قابل اعتبار نہیں اور یہ اس لیے کہ اگر ماں اس قابل نہ ہو تو ''حق حضانت'' کے اصول کے مطابق دوسرے اقرباء اس بچہ کی پرورش کریں گے، اور اس کا وہی حل تلاش کیا جائے گا، جو اس وقت کیا جاتا، جب ولادت کے بعد ماں دماغی یا جسمانی طور پر مفلوج ہو جاتی ہے۔

(ب، ج، د) وہ صورتیں کہ جس میں کسی طبی آلہ کے ذریعہ اس بات کا ظن غالب حاصل ہو جائے کہ اس حمل کے ذریعہ پیدا ہونے والا بچہ کسی خطرناک موروثی مرض، کوئی خلقی نقص اور جسمانی اعتبار سے غیر معتدل ہوگا اور حمل ابھی اس مرحلہ میں نہ پہونچا ہو کہ اس کے اندر روح پیدا ہوئی ہو، تو اسقاط حمل کی اجازت دی جا سکتی ہے، چنانچہ فقہاء نے نفخ روح سے پہلے تک از راہ علاج اسقاط کی اجازت دی ہے:

" العلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقه
کالشعر والظفر و نحوهما لا يجوز و ان كان
غير مبين الخلق يجوز اما في زماننا فيجوز
على كل حال وعليه الفتوى " (۱)

اور اس معاملہ کو عذر قرار دینے کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے ''استبانة الخلق '' سے پہلے

(۱) الفتاوی الهندية :۱۱۲/۴۔

تک اس مقصد کے لیے بھی بعض شرائط کے ساتھ اسقاط کی اجازت دی ہے کہ زیر پرورش بچہ کی رضاعت متاثر نہ ہو اور زیر بحث صورت میں خود پیدا ہونے والے بچہ کو پیدائش کے بعد جس ضرر کا قوی اندیشہ ہے، وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے رضاعت والے ضرر سے بڑھ کر ہے، اس لیے اس صورت میں تو بدرجۂ اولیٰ اس کی اجازت حاصل ہونی چاہئے، البتہ نفخ روح کے بعد ان حالات میں بھی اسقاط کی اجازت نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ صورت بالکل ایسی ہو جائے گی کہ گویا کسی زندہ وجود کو محض خطرناک امراض اور جسمانی اعتبار سے غیر معتدل ہونے کی بناء پر قتل کر دیا جائے۔ نفخ روح کے بعد کی حالت پر اس حالت کو قیاس نہ کرنا چاہئے، اس لیے کہ کسی موجود شی کو فنا کر دینا اور کسی غیر موجود چیز کو وجود میں نہ آنے دینا ان دونوں میں جیسا کہ ظاہر ہے بڑا فرق ہے۔

(الف) اگر ماں کی جان اور زندگی کو خطرہ ہو، تو نفخ روح سے پہلے تک اسقاط کے جائز ہونے کی فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ "زیر حمل بچہ کو" کاٹ کاٹ کر نکال لیا جائے گا، لیکن حیات پیدا ہونے کے بعد اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالنے سے منع کیا ہے:

"وإذا عترض الولد في بطن الحامل ولم يجدوا سبيل استخراج الولد إلا بقطع الولد أربا أربا و لو لم يفعلوا ذلك يخاف على الأم قالوا إن كان الولد ميتًا في البطن لا بأس به وإن كان حيا لم نرجوا أنه قطع الولد اربا اربا" (۱)

اس کی نظیر یہ بھی ہے کہ قاضی خانؒ (۲) اور علامہ شامیؒ (۳) وغیرہ نے نفخ روح سے پہلے پہلے "جنین" کو حاملہ کا جزو بدن قرار دیا ہے اور اپنے کسی جزو بدن کو از راہ معالجہ بر بناء

(۱) الفتاوی الهندية :۴/۱۱۴۔
(۲) فتاوی قاضی خان :۳/۴۱۰۔ محشی۔
(۳) رد المحتار :۴/۲۵۲۔ محشی۔

ضرورت فقہاء نے کاٹ دینے کی اجازت دی ہے، لہذا یہاں بھی ''جنین'' کے اسقاط کی اجازت دی جائے گی۔

راقم الحروف کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اگر بچہ بطن مادر میں زندہ ہو اور اس کے اسقاط کے بغیر ماں کی زندگی بچانا ممکن نہ ہو تو اس وقت بھی اجازت ہونی چاہئے، اس لیے کہ ان دوضرر میں سے ''ماں کی موت'' ضررِ اعلیٰ ہے اور بچہ کی موت ضرر اہون ہے، نیز ماں کا زندہ وجود مشاہد و معاین ہے، اور بچہ کا مظنون، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے استحساناً ان مسلمانوں کے قتل کرنے کی اجازت دی ہے، جنہیں کفار اپنے لشکر کے آگے ڈھال بنائے رہیں (۱) کہ مملکت اسلامیہ کا اہل اسلام کے ہاتھ سے نکل جانا، چند مسلمانوں کی موت کے مقابلہ میں بڑا ضرر ہے۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ اکراہ کی صورت میں فقہاء نے ''مکرہ'' کو ارتکاب قتل کی اجازت نہیں دی ہے، اور اگر کوئی بر بناء اکراہ بھی ایسا کر گزرے تو اس کی وجہ سے قصاص واجب ہوگا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں بھی نفخ روح کے بعد اسقاط کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ مکرَہ اور اس کا مقتول چوں کہ دونوں ہی کا وجود اور حیات یکساں طور پر متیقن ہے، اس لیے اپنی جان کی حفاظت کے لیے دوسرے کا قتل جائز نہ ہوگا، یہاں چوں کہ ایک کا وجود اور اس کی حیات متیقن اور مشاہد ہے اور دوسرے کی مظنون اور غیر مشاہد، اس لیے متیقن کے وجود کی حفاظت کے لیے مظنون کی ہلاکت گوارا کرلی جائے گی ـــــــ اور اندرون حمل بچہ کے وجود کے مظنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بالاجماع اس کے اسقاط کی وجہ سے قصاص واجب نہیں ہوتا اور نہ اس کے لیے ہبہ یا زندہ اور دنیا میں موجود افراد سے متعلق معاملات کا اعتبار ہے۔

پھر چوں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب حاملہ کی جان جانے کا اندیشہ قوی ہے، لہذا یہ حکم اس صورت میں بھی ہونا چاہئے، جہاں دماغی توازن کے متاثر ہونے کا قوی خطرہ ہو، اس

---

(۱) ''منها جواز الرمي إلى كفار تترسوا بصبيان المسلمين '' (الأشباه والنظائر لابن نجيم: ص: ۸۷)

لیے کہ فقہاء کا اصول ہے کہ جو حکم ایک نفس کی ہلاکت کا ہے، وہی حکم اس صورت کا بھی ہے، جب جنس کی کوئی ایک جنس منفعت ضائع کردی جائے، چنانچہ کسی ایک منفعت کے مکمل ضیاع کی صورت میں بھی مکمل دیت واجب ہوتی ہے،

علامہ علاء الدین کاسانیؒ لکھتے ہیں:

" أما السبب فهو تفويت المنفعة المقصودة من العضو على الكمال وذلك في الأصل بأحد أمرين ، ابانة العضو اذهاب معنى العضو أو اذهاب معنى العضو مع بقاء العضو صورة " (۱)

البتہ قصاص کے احکام اس سے مختلف ہیں، اس لیے کہ قصاص ان امور میں سے ہے جو محض شبہ کی بناء پر ساقط ہوجایا کرتا ہے —— لہذا دماغی توازن کے متاثر ہونے کا خطرہ "اندیشۂ ہلاکت" ہی کے درجہ میں ہے، لیکن عام صحت کو خطرہ اس کے لیے کافی نہ ہوگا، اس لیے کہ فی الجملہ ہر ولادت صحت کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ هذا ما عندي ، والله اعلم بالصواب وعلمه أتم و أحكم ۔

منعِ حمل

سوال:- {2199} مسلمان ڈاکٹروں کی انجمن کی طرف سے پیش کیے ہوئے سوالات

تمہید

موجودہ عہد میں منعِ حمل کے ذرائع دو قسموں کے ہیں:

اول عارضی، دوم مستقل۔

---

(۱) بدائع الصنائع :۶/۳۹۲۔ محشی۔

۱) عارضی اس کی دوصورتیں ہیں:

(الف) کیمیکل دواؤں کا داخلی استعمال، اس سلسلہ میں کچھ گولیاں کھلائی جاتی ہیں یا خارجی طور پر بعض قسم کے مرہم مخصوص مقام پر خارجی طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔

(ب) میکانیکل، مرد کو پلاسٹک کے غلاف یا عورت کو لوپ استعمال کرایا جاتا ہے۔

(ج) فیزیکل، بوقت انزال آلہ کا اخراج (عزل) یا مخصوص ایام جن میں علوق حمل کی زیادہ توقع کی جاتی ہے، ان ایام میں مجامعت سے احتراز۔

۲) مستقل کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) مرد کی نسبندی

(ب) عورت کا آپریشن۔

سوالات:

۱) کیا منع حمل ازروئے اسلام جائز ہے؟

۲) اگر جائز ہے تو کن حالات میں؟

۳) مندرجہ ذیل حالات میں منعِ حمل کا کیا حکم ہوگا؟

(الف) خاندانی منصوبہ بندی کے لیے جس کے اسباب مندرجہ ذیل ہوسکتے ہیں:

(i) معاشی اسباب کے تحت، تاکہ بچے ہر طرح کی بہتری حاصل کرسکیں۔

(ii) اس وجہ سے کہ چھوٹا خاندان رکھنا موجودہ دور کا فیشن ہے

(iii) پیشہ ورانہ اسباب کی وجہ سے تا کہ بیوی جو ملازمت یا کسی صنعتی کام میں مشغول ہے، اپنے کیریر کو باقی رکھ سکے۔

(iiii) سماجی اسباب کے تحت جبکہ بڑے خاندان کی صورت میں اپنی سماجی دلچسپیاں عورت کو کم کرنی پڑیں گی، اور اس وجہ سے بیوی متعدد بچوں کی نگہداشت سے انکار کرسکتی ہے، علاوہ ازیں سوسائٹی کا رجحان یہ ہے کہ زیادہ بچے پیدا کرنا حسن کے زوال کا سبب ہوگا، اس لئے اپنے حسن و جمال کی حفاظت کے لئے وہ کثرت اولاد سے بچنا چاہتی ہے۔

(V) دو بچوں کے درمیان مناسب وقفہ دینے کی خاطر، تا کہ ہر بچہ کو ماں کی طرف سے مناسب توجہ اور نگہداشت حاصل ہوسکے۔

(ب) منع حمل طبی اسباب کی وجہ سے

(i) ماں: بچوں کی پیدائش، ماں کی جسمانی صحت، دماغی صحت یا اسکی زندگی کے لئے خطرناک ہو۔

ماں دماغی امراض یا جسمانی معذوریوں کی وجہ سے بچوں کی نگہداشت کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔

(ii) بچے: پورا خطرہ اور ظن غالب ہو کہ پیدا ہونے والا بچہ خطرناک موروثی امراض کا شکار ہوگا جیسے Sehorea, Ongolism, Munting ton جیسے امراض (تشنج، ذہنی ناکارگی، جسم کا عمر کے مطابق نشوونما نہ پانا وغیرہ)

(iii) اس طرح کے موروثی امراض کا اگر قوی خطرہ ہو تو

ایسی صورت میں مسلمان ڈاکٹر کا کیا فرض ہونا چاہئے؟

۴) مسلمان ڈاکٹروں کو منع حمل کے معاملہ میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ کیا مسلم اور غیر مسلم مریضوں کے احکام دو ہوں گے؟ اگر غیر شادی شدہ مریض اس سلسلہ میں مسلم ڈاکٹر سے رجوع کرے تو مسلم ڈاکٹر کا کیا کردار ہونا چاہئے؟

۵) کیا نسبندی کا آپریشن اور دیگر عارضی منع حمل کے استعمال میں شرعاً کوئی فرق ہوگا؟

(حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ، مرکز البحث العلمی، پھلواری شریف، پٹنہ)

جواب:- ''مانع حمل'' تدابیر کے سلسلہ میں پہلے مستقل اور عارضی صورتوں کے احکام کے فرق پر روشنی ڈال دینا ضروری ہے — جہاں تک مستقل مانع حمل تدابیر نسبندی یا آپریشن کی صورت ہے، تو اس کے جائز نہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور خود نصوص میں اس کی نظیر موجود ہے۔

جواب نمبر (۵) صحاح کی مختلف احادیث میں مروی ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ سے بعض صحابہ ؓ نے عبادت میں استغراق کی غرض سے ''خصی'' ہوجانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے منع فرمایا: "یمنع من خصاء الآدمي و البهائم و یؤدب علیه"(۱)

چنانچہ اس کی ممانعت پر فقہاء کا اتفاق ہے اور اسے تعزیری جرم قرار دیا گیا ہے: یہ اختصاء نسبندی کی واضح نظیر ہے، — اور اس کے بارے میں یہ سمجھنا کہ ''قوت مباشرت'' کا ضائع

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۰۷۳، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۰۲۔ مرتب۔

ہو جانا ہی اس کی علت ہے اور قوت تولید کے فقدان کو اس میں کوئی دخل نہیں، ایک بے دلیل دعویٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ خود فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اختصاء کو باعتبار مباشرت کے قابل علاج سمجھتے ہیں اور خصی کے بارے میں فی الجملہ مباشرت کو ممکن تصور کرتے ہوئے اسے مجبوب کے حکم میں نہیں رکھتے، اختصاء کے ساتھ قوت مباشرت کے فقدان کو لازم نہ سمجھتے ہوئے پھر اس کی ممانعت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ محض قوت مباشرت کے فقدان کی وجہ سے اس کو حرام قرار نہیں دیتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قوت شہوانیہ اور جنسی خواہش کی بجائے خود کوئی اہمیت نہیں ہے، یہ تو محض ایک سبب ہے، اہمیت تو اصل مقصود کی ہے، جس کے لیے انسان میں یہ داعیہ رکھا گیا ہے، اس لیے اگر بالفرض اختصاء کی ممانعت سے مقصود یہی ہو کہ قوت جماع اور جنسی خواہش کو ضائع اور ناکارہ کر دیا جائے تو قوت تولید کو معطل کر دینا تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا کہ اسباب حرام ہوں تو اصل مقصود کی حرمت میں کیا شبہ؟ غالباً یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے جہاں قوت جماع برباد کر دینے کو موجب دیت قرار دیا ہے، وہاں اس کی علت کے طور پر "لفوات النسل" کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔(۱)

دوسرے یہ تغییر خلق بھی ہے، جسے قرآن نے ایک شیطانی عمل قرار دیا ہے:

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾(۲)

گو کہ اس تغییر خلق کی تفسیر میں اختلاف ہے، مگر مفسرین کی آراء سے مجموعی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی چیز میں بھی ایسی تبدیلی جس سے اس کی خلقت کا اصل مقصود فوت ہو جاتا ہو، یا اس سے ایسا کام لینا جو اس کے فطری تقاضوں کے خلاف ہو "تغییر خلق" ہے، — اب

---

(۱) ملاحظہ ہو: الفقه على المذاهب الأربعة: ۵/۳۴۱، نهاية المحتاج: ۷/۳۲۲، وغیرہ۔
(۲) النساء: ۱۱۹۔

ظاہر ہے کہ نسبندی اور آپریشن کے ذریعہ ان مقاصد کی جان نکل کر رہ جاتی ہے، جو مرد و عورت میں اعضاء تناسل کی خلقت کا رمز ہیں، اور جس کی طرف قرآن نے ﴿فَاتُوا حَرْثَكُمْ﴾(۱) کے لفظ سے اشارہ کردیا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تو تغییر خلق کی اس تشریح اور نسبندی و آپریشن پر اس کے انطباق کو اور بھی دوٹوک کردیا ہے وہ فرماتے ہیں:

" و كان اعظم اسباب النسل ... هو شهوة الفرج فانها كالمسلط عليهم منهم يقهرهم على ابتغاء النسل شاؤا أو ابوا و في جريان الرسم باتيان الغلمان و وطء النساء في ادبارهن تغيير خلق الله حيث منع المسلط على شيئ من افضائه الى ما قصد له ... و كذلك جريان الرسم لقطع اعضاء النسل و استعمال الأدوية القامعة للباءة و التبتل وغيرها تغيير لخلق الله و احمال لطلب النسل "(۲)

چنانچہ فقہی کتابوں میں بہ کثرت اس کی تصریحات موجود ہیں کہ قوت تولید کو ضائع کردینا تعزیری جرم ہے، اور اس کا وہی تاوان واجب ہوتا ہے جو ایک پوری جان ہلاک کردینے کا ہے:

" تجب الدية في ابطال قوة حبل من المرأة لفوات النسل ... و في ابطال امرأة الحبل من الرجل " (۳)

---

(۱) البقرة :۲۲۳۔ محشی۔
(۲) حجة الله البالغة :۲/۱۲۳۔
(۳) الفقه على المذاهب الأربعة :۵/۳۳۱۔

اور جسم میں اس نوعیت کا جارحانہ عمل دوسروں کے لیے موجب تعزیر ہے، وہ خود اپنے لیے بھی جائز نہیں کہ جس طرح دوسرے کا قتل حرام ہے، اسی طرح خودکشی بھی حرام ہے، اور فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اس کی حرمت قتل غیر کی حرمت سے بڑھ کر ہے۔(۱)

اس لیے نسبندی اور آپریشن کی اجازت تو کسی صورت میں نہ دی جائے گی اور اگر بہ تقاضائے مصالح طبی اس کی ضرورت بھی محسوس ہو تو ''عارضی منع حمل'' کی صورتیں اختیار کی جائیں گی، اور اسی پر اکتفاء کیا جائے گا ——— اسی طرح سوال نمبر ۵ کا جواب بھی ہوگیا کہ عارضی صورتوں کا استعمال ضرورۃً جائز ہوگا، اور مستقل صورتوں کا مطلقاً ناجائز۔

جواب نمبر: (۱،۲،۳) ان عارضی صورتوں میں نرودھ اور لوپ کا استعمال تو بالکل عزل کے حکم میں ہے اور غور کیا جائے تو دواؤں کا داخلی یا خارجی استعمال بھی اسی زمرہ میں آتا ہے، اس لیے کہ عزل اور ایسے غلاف کے استعمال میں مادۂ منویہ عورت کے رحم میں داخل ہی نہیں ہو پاتا اور اس قسم کی دواؤں کے استعمال سے بھی مرد کے مادۂ منویہ کے تولیدی جراثیم مر جاتے ہیں اور عورت کے رحم تک پہونچ نہیں سکتے، اس لیے جو حکم عزل کا ہوگا، وہی ان امور کا بھی ہوگا۔

اب جہاں تک عزل کا حکم ہے تو امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ وہ اسے بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں، (۲) جب کہ اکثر فقہاء یا تو اسے مکروہ قرار دیتے ہیں یا ناجائز، فقہاء احناف میں امام طحاویؒ (۳) اور شوافع میں امام غزالیؒ (۴) کو عزل کے جواز پر بہت اصرار ہے، مگر علامہ ابن حزم اور ابن شیبہؒ نے اکثر جلیل القدر صحابہ ﷺ کی رائے نقل کی ہے اس سے کم از کم کراہت معلوم ہوتی ہے۔(۵)

---

(۱) الفتاوی الهندية :۴/۱۱۵۔

(۲) الجوهرة النيرة :۲/۳۸۷۔ محشی۔

(۳) طحاوی :۲/۲۲-۱۹ ۔محشی۔

(۴) احياء علوم الدين :۲/۵۸۔ محشی۔

(۵) المحلی :۱۱/۳۹۲-۳۹۱، مصنف ابن أبي شيبة :۴/۲۲۰۔

اور علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ خود فقہاء احناف میں بھی بعض مشائخ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں:

"في بعض اجوبة المشائخ الكراهة و في بعضها عدمها"(۱)

اور ملا علی قاریؒ نے عزل کے بارے میں حدیث کے اس فقرہ "ذلك الوأد الخفي "(۲) کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ذلك لا يدل على حرمة العزل بل يدل على الكراهة "(۳)

پھر احادیث کا لب ولہجہ اور کتب فقہ میں "کراہۃ" کا مطلق ذکر اس بات کو بتاتا ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے، اس لیے اس کی بلا ضرورت اجازت نہیں دی جاسکتی ——— اب ظاہر ہے کہ معاشی اسباب موجودہ فیشن کے تحت خاندان کو چھوٹا رکھنا اور عورت کو سماجی دلچسپیوں کا موقع فراہم کرنا ایسی چیزیں نہیں جو شریعت کی نگاہ میں عذر اور "ضرورت" کا درجہ رکھتی ہوں۔

جہاں تک معاشی اسباب کی بات ہے کہ زیادہ بچوں کی پیدائش کے بعد ان کی پرورش اور تربیت کا نظم دشوار ہو جائے گا، تو یہ اسلامی تصور سے کھلا تضاد رکھتا ہے، ایام جاہلیت میں بھی اس قسم کا تصور موجود تھا، قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا:

﴿ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ﴾(۴)

---

(۱) فتح القدير :۳/۲۷۳۔ محشی۔

(۲) صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۳۵۶۵،باب جواز الغيلة وهي وطء المرضع و كراهة العزل ۔محشی۔

(۳) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح:۳/۴۴۱۔

(۴) الأسراء :۳۱۔محشی۔

اور دوسری جگہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہا گیا:

﴿ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ﴾(۱)

علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ افلاس میں مبتلاء ہونے کا خوف تو الگ رہا، اگر اس میں مبتلاء ہو چکے ہوں تو بھی اسی علت کی بناء پر قتل اولاد کا مرتکب نہ بنیں کہ اللہ ہی ان کے رزق کا ضامن ہے۔(۲) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من ترك التزويج مخافة العيلة فليس منا"(۳)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

" هذا ذم لعلة الامتناع لا لأصل الترك " (۴)

اور ''چھوٹا خاندان'' رکھنا تو یہ بھی منشا شریعت کے خلاف ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تزوجوا الولود و الودود فاني مكاثر بكم الأمم"(۵)

پس اس طرح یہ نیت رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کے عین معارض قرار پائے گی۔ —— اسی طرح عورتوں کی سماجی دلچسپی نہ صرف یہ کہ اسلام میں اہمیت نہیں رکھتی، بلکہ ایک گونہ ناپسندیدہ قرار پائے گی، —— اور شریعت کی نگاہ میں اسے سماج میں قائدانہ اور مصلحانہ کردار انجام دینے کے بجائے ''شمع خانہ'' بننے پر اکتفاء کرنا چاہئے، —— اس لیے ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی معتبر عذر نہیں، اسی طرح حسن و جمال کی حفاظت کے لیے بھی ایک امر مکروہ کی اجازت دینا اور شریعت

(۱) الانعام :۱۵۱۔ محشی۔

(۲) روح المعاني :۵۴/۸۔

(۳) كنز العمال ، عن الديلمي ، عن أبي سعيد ؓ، حدیث نمبر: ۴۴۴۶۰۔ محشی۔

(۴) احياء علوم الدين :۲۲/۲۔

(۵) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۰۵۰، باب النهى عن تزوج من لم يلد من النساء ۔

اور فطرت کے منشا توالد وتناسل پر اس جذبۂ حسن آرائی کو ترجیح دینا صحیح نہیں ہوگا۔

جہاں تک دو بچوں کے درمیان مناسب فاصلہ برقرار رکھنا ہے تو اسکی اجازت دی جاسکتی ہے، اس لیے کہ استقرار حمل کی وجہ سے زیر پرورش کی رضاعت وغیرہ کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے اور ایسی صورت پیش آجانے پر فقہاء نے بعض حدود وشرائط کے ساتھ اسقاط حمل تک کی اجازت دی ہے:

"امرأة مرضعة ظهر حبلها و انقطع لبنها و تخاف علی ولدها الهلاك و ليس لأب هذا الولد سعة حتیٰ استأجر الظئر يباح لها أن تعالج في استنزال الدم مادام نطفة أو مضغة أو علقة" (۱)

اسقاط حمل کا معاملہ چوں کہ زیادہ سنگین ہے، اس لیے فقہاء نے یہ بہت ساری شرطیں لگائی ہیں، استقرار حمل سے پہلے احتیاط برتنے کا معاملہ چوں کہ سنگین نہیں ہے، اس لیے اس قسم کی شرطوں کے بغیر مانع حمل ذرائع کے استعمال کی اجازت دی جائے گی۔

جہاں تک ماں کی دماغی صحت، ہلاکت کا خطرہ ماں کے دماغی امراض یا جسمانی معذوری کی وجہ سے بچوں کی نگہداشت سے قاصر ہونا اور حاذق اطباء کی رائے کے مطابق بچوں کا خطرناک موروثی امراض میں مبتلاء ہونے کا ظن غالب ہے، تو یہ بجائے خود ایسے اعذار ہیں جن کی رعایت کو "مذموم نیت" قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لیے ایسے عارضی موانع حمل کی اجازت دی جاسکتی ہے، چنانچہ خود حدیث میں "اندرون حمل بچہ" کو نقصان پہونچنے کے اندیشہ سے ایک صحابی ﷺ کے عزل کی اجازت مانگنے کا ذکر ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس خواہش پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ یہ کہہ کر اجازت نہیں دی کہ اگر یہ چیز نقصان دہ ہوتی تو اہل روم وفارس کو بھی نقصان پہونچاتی۔ (۲) —— اس روایت سے فی الجملہ یہ بات معلوم ہوتی ہے

(۱) الفتاوی الهندية: ۱۱۲/۴۔

(۲) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۳۵۶۴۔

کہ واقعی اعذار کی بناء پر عزل کی اجازت دی جاسکتی ہے، اور فقہاء نے تو بچوں سے متوقع نافرمانی اور بدسلوکی کے خوف سے بھی عزل کی اجازت دی ہے:

"رجل عزل عن امرأة بغير إذنها مخافة من الولد السوء في هذا الزمان فظاهر جواب الكتاب أن لا يسعه و ذكرهنا يسعه لسوء هذا الزمان" (۱)

پیدا ہونے والے بچہ کے موروثی امراض میں مبتلا ہونے کا اگر ظن غالب ہو اور طبی آلات واصول کے ذریعہ اس کا اطمینان ہو جائے تو جیسا کہ مذکور ہوا منع حمل کے عارضی ذرائع کا استعمال درست ہے، اور جب یہ درست ہو تو اس میں تعاون، تعاون علی المباح ہے، اور تعاون علی المباح درست ہے، لہذا ایسے معاملات میں مسلمان ڈاکٹروں کے لیے طبی تعاون کرنا جائز ہے اور بعض حالات میں بہتر ہوگا۔

جواب نمبر (۴) مذکور بالا سطور میں مانع حمل ذرائع کے روبہ عمل لانے کے احکام مذکور ہو چکے ہیں، لہذا جن صورتوں میں منع حمل جائز نہیں ہے، ان میں مسلمان ڈاکٹروں کے لیے تعاون کرنا درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ ذرائع وہ ہیں جو منع حمل ہی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، ان کا کوئی اور مقصد نہیں، پس اس میں مدد کرنے والوں کی حیثیت اس عمل میں "ملوث ہونے والے" کی ہو جائے گی، اور فقہی نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عمل معصیت میں بعینہ پڑ جانا درست نہیں، ہاں! اگر آدمی کوئی ایسا کام کرے جس کا مقصد معصیت نہ ہو، لیکن اسے معصیت میں استعمال کرلیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، چنانچہ خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

"و لو أجر نفسه من ذمي ليعصر له فيتخذ خمرًا يكره لقوله عليه السلام : لعن الله في خمر عشرًا

---

(۱) الفتاوى الهندية:۴/۱۱۲۔

ولو آجر ليعمل في الكنيسة فلا بأس به ؛ لأنه
ليس في عين العمل معصية "(۱)

اوراس معاملہ میں کافراور مسلم دونوں ہی مریضوں کا حال یکساں ہوگا، اس لیے کہ تعاون علی المعصیت مسلمانوں کے علاوہ کافروں کے ساتھ بھی جائز نہیں، گو کہ وہ خودان کے دین میں درست ہو:

"رجل له أب ذمي أو امرأة ذمية ليس له أن
يقوده إلى البيعة و له أن يقوده من البيعة إلى
منزله ؛ لأن الذهاب إلى البيعة معصية و إلى
المنزل لا " (۲)

نسبندی آپریشن کا حکم

سوال:- {2200} دو بچہ ہونے کے بعد نسبندی کرانے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی شخص کر چکا ہو تو اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ (محمد مجیب الرحمٰن حسامی، مقام غیر مذکور)

جواب:- اگر کوئی شخص میڈیکل اعتبار سے نس بندی پر مجبور نہ ہو یعنی مزید ولادت میں عورت یا نومولود بچہ کو صحت کے اعتبار سے شدید خطرہ یا جان یا عضو یا کسی صلاحیت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اور معتبر ڈاکٹر نے اس کا امکان ظاہر کرتے ہوئے آپریشن کی صلاح دی ہو تبھی آپریشن جائز ہے، ورنہ قطعاً جائز نہیں، بعض صحابہ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے عبادت میں یکسوئی

---

(۱) خلاصة الفتاوی :۴/۳۴۶۔
(۲) خلاصة الفتاوی :۴/ ۳۴۷۔

کے لئے آختہ ہوجانے کی خواہش کی تب بھی آپ نے اس کی اجازت نہیں دی (۱) اگر کسی شخص نے ناواقفیت یا غلبۂ شیطانی سے آپریشن کراہی لیا ہوتو اسے استغفار کرنا چاہئے۔

مانع تولید گولیاں

سوال:- {2201} کیا مجبوری کی حالت میں ولادت نہ ہونے کی گولیاں کھائی جاسکتی ہیں؟

(اکس، وائی، زیڈ، اعظم پورہ)

جواب:- معاشی مقاصد کے تحت کہ اگر مزید بچے ہوگئے تو ان کے کھانے پینے کا کیا نظم ہوگا، مانع حمل گولیاں کھانا درست نہیں، لیکن میڈیکل ضرورت کے تحت یعنی اگر ڈاکٹر کی صلاح ہو کہ ولادت ہونے کی صورت میں عورت کی جان یا صحت کو شدید خطرہ ہے، یا عورت دودھ پلاتی ہو اور حمل ٹھہرنے کی صورت میں بچہ کا دودھ متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو مانع حمل ادویہ استعمال کی جاسکتی ہیں، اس سلسلہ میں کسی مسلمان ڈاکٹر سے مشورہ کرنے اور پھر کسی مفتی کے سامنے پوری صورتحال رکھنے کے بعد فیصلہ کرنا چاہئے۔

بچوں میں وقفہ

سوال:- {2202} آج کل لوگوں میں یہ بات چلی ہوئی ہے کہ شادی کے بعد ایک دو سال اولاد کو روکنا چاہئے، ایک بچہ ہو تو اس کے بعد وقفہ دینا چاہئے، کیا یہ درست ہے؟

(فیروز خاں، پھولانگ)

جواب:- یہ درست نہیں ہے، نکاح کا مقصد خواہشات نفسانی کی تکمیل اور عیش جوئی نہیں ہے، نکاح کا مقصد نسل انسانی کی افزائش ہے، اس لیے بالقصد نکاح کے بعد ایک مدت تک

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۰۷۳، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۰۲۔

اولاد سے اجتناب برتنا درست نہیں، یہی حال اولاد ہونے کے بعد بھی ہے، البتہ پہلے بچہ کو ماں کا دودھ میسر آئے، اس نیت سے یا اس لیے کہ عورت کی صحت کے لحاظ سے ڈاکٹروں نے دو بچوں کے درمیان مناسب فصل رکھنے کی تلقین کی ہو، حسب ضرورت وقفہ رکھنے کی گنجائش ہے۔(۱)

✡✡✡✡✡✡✡

(۱) دیکھئے: جدید فقہی مسائل:۱/؟؟۔ محشی۔

تعبیر خواب

ایک خواب کی تعبیر

سوال:- {2203} مجھے خواب میں ہمیشہ بیت الخلاء نظر آتا ہے، نہ صرف بیت الخلاء، بلکہ غلاظت بھی نظر آتی ہے، اس کی کیا تعبیر ہے؟ (ایک بہن، کاپچی گوڑہ)

جواب:- خواب کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، اور بعض خواب یقیناً اشارہ وتنبیہ کے طور پر نظر آتے ہیں، آپ نے جس خواب کا ذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ گناہ بھی ایک طرح کی نجاست ہے، اس لیے آپ اپنی زندگی میں غور کریں کہ کہیں کسی خاص گناہ کا ارتکاب تو آپ سے نہیں ہو رہا ہے، جس کی طرف من جانب اللہ آپ کو متوجہ کیا جا رہا ہے؟ اور اس سے بچنے کی کوشش کریں، قرآن مجید نے شرک کو نجاست قرار دیا ہے۔(۱) اس پر بھی غور کریں کہ خدانخواستہ آپ سے ایسی بات تو صادر نہیں ہو رہی ہے؟ جس میں شرک کی بو پائی جاتی ہو، مشہور معبر خواب علامہ ابن سیرین نے لکھا ہے کہ

(۱) التوبة :۲۸۔ محشی۔

"انسان اور جانوروں کے بطن سے جو چیز خارج ہوتی ہے اس کو
دیکھنا مال کو دیکھنا ہے، اگر بدبودار شکل میں دیکھے تو مال حرام ہے،
اگر بدبو کم ہو تو اس کی حرمت بھی نسبتاً کم درجہ کی ہے" (۱)

لہذا اس سلسلہ میں بھی اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے کہ کسی حرام ذریعہ سے تو مال آپ کے پاس نہیں آتا ہے؟ بہر حال ان میں سے جو بھی بات ہو اس سے اپنے آپ کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنا

سوال:- {2204} کیا حضور ﷺ کو کوئی خواب میں دیکھ سکتا ہے؟ اگر دیکھے تو آپ ﷺ کو پہچاننے کی علامت کیا ہے؟ (شیخ یوسف علی، جگتیال)

جواب:- آنحضور ﷺ کو خواب میں دیکھا جاسکتا ہے، اور چوں کہ شیطان آپ ﷺ کی صورت اختیار نہیں کرسکتا، اس لیے یہ خواب میں آپ ﷺ ہی کا دیدار ہے، حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا "فان الشیطان لا یتخیل بي" (۲) حضور ﷺ کو دیکھنے کی علامت یہ ہے کہ خواب میں اسے خیال ہو کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ رہا ہے، یا خواب ہی میں اسے بتایا جائے، یا رسول اللہ ﷺ کا جو مبارک سراپا حدیثوں میں آیا ہے، اسی شکل اور وضع قطع میں دیکھے، البتہ اگر خواب میں حضور ﷺ کو کسی ایسی بات کا حکم دیتے ہوئے دیکھے جو شرعاً جواز کے دائرہ میں نہ ہو تو اس پر عمل کرنا درست نہیں، کیوں کہ خواب اشارہ ہوتا ہے، اور بعض اوقات اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے ہیں، جیسے خود رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے

(۱) دیکھئے: تعبیر نامہ خواب: ص: ۹۶۔ علامہ ابن سیرین
(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۹۹۴۔

ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں، آپ ﷺ نے پھونکا تو وہ اڑ گئے، یہاں سونے کے کنگن سے مراد مدعی نبوت ہے، اس لیے خواب کی کسی بات کا یقینی مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ آدمی نے جو کچھ خواب میں دیکھا ہے وہ اسے صحیح طریقہ پر پوری طرح یاد بھی ہو، غرض کہ شریعت کے احکام جتنے واضح اور مستند طریقہ پر ہمیں معلوم ہیں خواب کی بات کو وہ درجہ حاصل نہیں ہوسکتا، اس لیے اگر اپنے قصور فہم کی وجہ سے کوئی خلاف شرع بات محسوس ہو تو اس پر عمل نہ کیا جائے۔

اگر ڈراؤنے خواب دیکھے؟

سوال:- {2205} باوجود قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور روزہ رکھنے کے میں ڈراؤنے خواب دیکھتی ہوں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

(حشمت النساء قدیر، حبیب نگر)

جواب:- حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ کی طرف سے ہے، لہذا اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا چاہئے اور وہ اس خواب کو دوسروں سے بھی نقل کرسکتا ہے، اور اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو سمجھے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے، چنانچہ شیطان سے پناہ چاہے اور اس خواب کو لوگوں سے ذکر نہ کرے (۱) اس لئے آپ جب بھی اس طرح کا خواب دیکھیں تو ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' پڑھ کر کروٹ بدل لیں، رہ گیا قرآن کی تلاوت کے باوجود اس کیفیت کا ہونا تو یہ کوئی باعث تعجب امر نہیں، شیطان تو نیک و بد ہر ایک کے یہاں راستہ پالیتا ہے اور بعض دفعہ نیک لوگوں پر زیادہ حملہ کرتا ہے، کیونکہ

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۶۹۸۵۔

وہ انہیں اپنا دشمن تصور کرتا ہے، آپ تلاوت وغیرہ کا معمول قائم رکھیں کہ اس سے مصیبتوں اور آفتوں سے حفاظت ہوتی ہے۔

خواب میں سانپ کو ڈستے ہوئے دیکھنا

سوال:- {2206} کسی نوجوان کو خواب میں دو سانپ ڈستے یا پیروں میں لپٹے ہوئے اکثر دکھائی دیتے ہوں، تو اس کی تعبیر کیا ہوگی؟ (زید، ایچ، خاں، ٹولی چوکی)

جواب:- عام طور پر خواب کی تعبیر بیان کرنے والے لوگوں نے سانپ سے حاسد مراد لئے ہیں، گویا حاسدین کے درپے آزار ہونا مراد ہوگا، اس نوجوان کو چاہئے کہ سوتے وقت ''قل أعوذ برب الفلق''، اور ''قل أعوذ برب الناس'' کی سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھ پر پھونک لے، پھر اسے پورے بدن پر پھیر دے، حدیث میں سوتے وقت اس عمل کا ذکر آیا ہے، اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ کہیں خواب دیکھنے والا مسلسل کسی گناہ میں تو مبتلا نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ گناہ پر تنبیہ بھی ہوسکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور عذاب کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے، اگر وہ ایسے گناہ میں مبتلا ہے تو توبہ واستغفار اور آئندہ اس سے مجتنب رہنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

خواب شرعاً حجت نہیں

سوال:- {2207} کوئی شخص خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرے اور آپ ﷺ خواب میں کسی کے متعلق جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کریں تو اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا جائے گا؟

(نصرت علی، عادل آباد)

جواب:- اگر کوئی شخص خواب میں ایسے شخص کو دیکھے جو بالکل انہیں شمائل کے مطابق ہو جو کتب حدیث میں حضور ﷺ کے متعلق نقل کئے گئے ہیں، تو یقیناً اس نے حضور اکرم ﷺ ہی کو

دیکھا ہے، اس لیے کہ شیطان آپ ﷺ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا، (۱) خواب شرعا دلیل نہیں ہے، اس لیے اگر خواب میں کسی کے دوزخی یا جنتی ہونے کی اطلاع دی جائے، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ اس کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ فلاں شخص جنتی یا دوزخی ہے۔ (۲)

---

(۱) "من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتمثل بي" صحيح البخاري: ۶۹۹۴، باب من رأى النبي في المنام، نیز دیکھئے: حدیث نمبر: ۶۹۹۵، ۶۹۹۶، صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۵۹۱۹، باب قول النبي ﷺ من رآني في المنام فقد رآني، الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۲۷۶، مسند أحمد، حدیث نمبر: ۱۳۸۳۳، ۲۲۶۰۲، كلهم عن أنس ﷺ۔ محشی۔

(۲) "و استشكل اثباته بأن رؤيا غير الأنبياء لا يبنى عليها حكم شرعي" (رد المحتار: ۱/۲۵۷، باب الأذان)

رشوت کے احکام

مجبوری میں رشوت دینا کیسا ہے؟

سوال:- {2208} جائز کام ہو، اس میں دوسرے کا نقصان بھی نہ ہو اور بغیر رشوت کے کام نہ ہو پائے تو کیا ایسی صورت میں رشوت دینے والا گنہگار ہوگا؟

(سید حفیظ الرحمٰن، پھولانگ)

جواب:- اگر کام کرنے والے پر آپ کا حق ہو کہ وہ اس کام کو کرے، نیز جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ کام جائز بھی ہو اور اس کا مقصود دوسروں کے ساتھ زیادتی بھی نہ ہو تو اپنا جائز حق حاصل کرنے اور ظلم و ناانصافی سے بچنے کے لئے کراہت خاطر کے ساتھ رشوت دینے کی گنجائش ہے، لیکن رشوت لینا بہر صورت حرام ہے۔

"ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ ؛

لأن دفع الضرر عن المسلم واجب و لا يجوز
أخذ المال ليفعل " (۱)

ضرورت کی بناء پر رشوت لینا

سوال:- {2209} اگر ہمیں پیسوں کی سخت ضرورت
ہوتو کیا رشوت لی جاسکتی ہے؟ (سہیل، ید اللہ کالونی، گلبرگہ)

جواب:- رشوت لینا حرام، سخت گناہ اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کا باعث ہے، (۲) اور رشوت لینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

رشوت دے کر ٹھیکہ حاصل کرنا

سوال:- {2210} بہت سے مسلمان گورنمنٹ کے کام
میں گتہ داری کررہے ہیں، لیکن ان کاموں میں بہت دشواریاں
ہیں، اصل کام کی لاگت مثلاً ایک روپیہ ہوتی ہے، جس کی تکمیل
میں پچاس پیسے صرف ہوتے ہیں، بل سو روپیہ کا بنتا ہے، آدھی
رقم آفس اسٹاف ہضم کرجاتا ہے، باقی آدھا گتہ دار کو ملتا ہے،
یہ کمائی جائز ہے یا ناجائز؟ اس سے حج وعمرہ اور صدقۂ وخیرات
کرنا درست ہے یا نہیں؟ (محمد رئیس، ناندیڑ)

جواب:- ٹھیکہ داری کا کام تو اصلاً جائز ہے، نفع کی مقدار بھی کم وبیش ہوسکتی ہے، لیکن آدھی رقم آفس کے اسٹاف کو کھلانا رشوت ہے، رشوت لینا تو حرام ہے ہی، شدید مجبوری کے بغیر رشوت دینا بھی حرام ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے رشوت لینے

(۱) ردالمحتار :۸/۳۵۔
(۲) سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۲۳۱۳۔ محشی۔

والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی۔ ''لعن رسول اللّٰہ ﷺ الراشی والمرتشی ''(۱)

تاہم رشوت لینے اور دینے میں فرق یہ ہے کہ رشوت لینے والا تو بہر صورت گنہگار ہے، البتہ رشوت دینے والا اس وقت گنہگار ہوگا جب ناحق کو حاصل کرنا یا کسی حقدار کو محروم کرنے کی غرض سے رشوت دے، اگر اپنا جائز حق وصول کرنے یا ناواجبی مشقت کو دور کرنے کی غرض سے رشوت دے تو ضرورتاً اس کی اجازت ہے:

" فاذا اعطی لیتوسل به الی حق أو یدفع عن نفسه ظلمًا فانه غیر داخل في هذا الوعید "(۲)

لہذا جو مسلمان ٹھیکہ دار رشوت دینے پر مجبور ہوں، ان کے لیے اس طرح کے معاملہ کی گنجائش ہے، اور ان کی آمدنی حلال ہے، اور جب آمدنی حلال ہے تو اس سے حج وعمرہ بھی کیا جاسکتا ہے، اور صدقہ وخیرات بھی۔

البتہ ایک مسلمان اور ملک کے خیر خواہ شہری کی حیثیت سے ہم سب کا فریضہ ہے کہ کرپشن کے آگے سرنگوں ہوجانے کے بجائے اس کی مزاحمت کریں، اور سرکاری نظام میں ایمانداری اور شفافیت لانے کی کوشش کریں، کیوں کہ کرپشن بہ حیثیت قوم پورے ملک کو نقصان پہنچانا اور اجتماعی املاک کو لوٹنے کے مترادف ہے۔

ڈاکٹر وغیرہ کا کمیشن

سوال:- {2211} مختلف کاموں کے انجام دینے والے لوگ گاہک بھیجنے والے کو کمیشن دیتے ہیں، مثلاً: ایکسرے

---

(۱) سنن أبي داؤد:۲/۵۰۴۔

(۲) بذل المجهود:۶/۳۰۷۔

والے ڈاکٹروں کو، ہوٹل والے اسٹیشن سے مسافر لانے والے
آٹو کے ڈرائیوروں کو، میکانک گاڑی لانے والے ڈرائیور کو،
کیا یہ صورتیں جائز ہیں؟ (محمد نصیرالدین، اکبر باغ)

جواب:- یہ صورت جو آج کل مروج ہو چکی ہے، رشوت میں داخل ہے، اور جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔(۱) سب سے زیادہ افسوس ڈاکٹری کے پیشے پر ہوتا ہے، جس کا اصل مقصد خدمتِ خلق ہے، لیکن آہستہ آہستہ اس پیشہ پر خالص تاجرانہ رنگ چڑھتا جا رہا ہے، اور اس وجہ سے علاج گراں سے گراں اور متوسط آمدنی کے حامل لوگوں کی قوت سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔

رشوت دینے کے لیے رشوت لینا

سوال:- {2212} اگر کسی کو اپنے اوپر والوں کو رشوت
دینی پڑتی ہے، اس مقصد سے وہ دوسروں سے رشوت لیتا ہے،
تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟ (ابونغمہ، شاہین نگر)

جواب:- رشوت دینے کے لیے رشوت لینا جائز نہیں، یہ دوہرا گناہ ہے، ایک تو رشوت لینے کا، دوسرے رشوت دینے کا، (۲) نیچے کے ملازمین کو چاہئے کہ ایسے معاملات میں جرأت سے کام لیں اور دیانت پر قائم رہیں، اس طرح اوپر کے عہدیداروں کی حوصلہ شکنی ہوگی اور وہ بھی ایسی بری عادت سے آئندہ بچ سکیں گے۔

آبکاری کے رشوت خور ملازم کی دعوت قبول کرنا

سوال:- {2213} جو آب کاری میں ملازمت کرتے

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۵۸۰، باب كراهية الرشوة ۔ محشی۔
(۲) حوالہ سابق

ہیں کیا ان کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے؟ جب کہ یہ رشوت لیا کرتے ہیں۔　　(رافع نعیم، جگتیال)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے شراب کے کاروبار میں ہر طرح کے تعاون سے منع فرمایا ہے،(۱) محکمہ آب کاری چوں کہ شراب اور تاڑی وغیرہ سے ہی متعلق ہے، اس لئے اس کی ملازمت جائز نہیں ہے، اور رشوت لینا، یہ تو گناہ بالائے گناہ ہے؛ اس لئے اگر یہ آمدنی کا واحد ذریعہ ہو یا آمدنی کا غالب حصہ ہو تو ان کی دعوت میں شریک ہونے سے احتراز کرنا چاہیے، اور حکمت ومصلحت کے ساتھ انہیں سمجھانا چاہیے؛ کیوں کہ جہان فانی کی لذتوں کے مقابلہ آنے والی لافانی دنیا کی باز پرس زیادہ قابل توجہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔

(۱) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۳۶۷۳، باب العصير للخمر۔ محشی۔

غصب وچوری کے احکام

لائٹ اور واٹر میٹر کی چوری

سوال:- {2214} لائٹ اور پانی کا بغیر میٹر کے استعمال کرنا یا میٹر روکنے کے لیے ترکیب کرنا کیسا ہے؟ لائٹ یا پانی کے ڈپارٹمنٹ کا ملازم آتا ہے تو اس کو کچھ رشوت دے کر بھیج دیتے ہیں، اور لوگ کہتے ہیں کہ باطل حکومت میں یہ کیا جاسکتا ہے۔ (محمد عبدالمجیب عزیز، خیریت آباد)

جواب:- میٹر کے بغیر لائٹ اور پانی حاصل کرنا یا میٹر کو روک دینا چوری کرنے میں داخل ہے، اور چوری اسلام کی نظر میں کتنا شدید گناہ ہے، وہ محتاج اظہار نہیں، (۱) حکومت کی چیز ایک فرد کی نہیں، بلکہ پوری قوم کی ملکیت ہوتی ہے، اس لیے گویا یہ ایک فرد کے مال کی چوری نہیں، بلکہ پوری قوم کے ساتھ بددیانتی ہے، بددیانتی، چوری اور بلا اجازت دوسرے کے

(۱) صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۶۷۸۲۔ محشی۔

سامان کا استعمال کسی صورت میں جائز نہیں، نہ مسلمان سے اور نہ غیر مسلم سے، نہ دین دار سے اور نہ بے دین سے، اس لیے ایسی باتوں سے بچنا چاہئے۔

اگر امانت چوری ہو جائے؟

سوال:- {2215} ایک شخص نے کسی کے پاس کوئی چیز امانت رکھوائی اتفاق سے چوری ہوگئی اور وہ امانت رکھی ہوئی چیز بھی چور لے گئے، ایسی صورت میں کیا اس امانت کی ادائیگی ضروری ہے؟　　(فاطمہ حسن حامد، گلبرگہ)

جواب:- جس شخص کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھوائی جائے، وہ اس کی حفاظت میں کوتاہی سے کام نہ لے، پھر بھی کسی طرح وہ چیز ضائع ہوجائے، تو اس شخص پر اس کا تاوان اور بدل واجب نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس کوئی امانت رکھی گئی اس پر ضمان نہیں، (۱) ایک اور روایت میں ہے کہ امانت رکھنے والے نے اگر خیانت سے کام نہیں لیا تو اس پر ضمان نہیں (۲)

ناجائز قبضہ

سوال:- {2216} میں نے ۱۹۶۵ء میں ایک دوکان کرایہ پر لیا تھا، جس کا رقبہ ۱۵x۱۱ عمارت کا حصہ تھا اور اس کے پیچھے افتادہ جگہ ۱۰x۱۱ تھی، آج سے دس سال قبل دوکان مالک (جو کہ غیر مسلم ہے) فروخت کردیا، ہم اس کو برابر کرایہ بھیجتے رہے، کرایہ واپس آجاتا تھا، جس شخص نے دوکان

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۲۴۰۱۔
(۲) دارقطنی: ۳۰۶/۲، کتاب البیوع۔

خریدا تھا، اس نے ہم سے کرایہ کا مطالبہ نہیں کیا، ایک دوبار پگڑی لے کر خالی کرنے کے لئے کہا، اس طرح اس بات کو آٹھ سال گذر گئے، اس کے بعد اس نے تیسرے شخص کو فروخت کردیا، تیسرے شخص نے پگڑی کی بات کہی، ہم نے اس کو بھی رد کردیا، پھر اس نے ایک تجویز رکھی، وہ یہ کہ آپ مجھے پچھلا حصہ دیدو، کیونکہ یہ پلاٹ میں نے کمپلکس بنانے کے لئے خریدا ہے، اگر آپ نے مجھ کو پچھلا حصہ نہیں دیا تو کامپلکس کا کام ادھورا رہ جائے گا، سامنے کے حصہ میں سے آپ کو ۱۳x۹ کی آر، سی، سی کی دوکان بنوا کردیتا ہوں (جو کہ سابق میں ٹین پوش تھی) اور ساتھ ہی دوکان کی رجسٹری آپ کے نام کرکے آپ کو اس کا مالک بنادیتا ہوں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، سامنے اور پچھلے حصہ سے ہمارے قبضہ سے جو جگہ اس کو ملی، اس میں وہ دوکان بنوا کر فروخت کیا اور اوپر دومنزل بنوا کر اس کو بھی فروخت کیا، جس کی وجہ سے اس کو کافی فائدہ ہوا، یہ کام اس نے بہ رضاء ورغبت کیا، ہم نے اس کو مجبور نہیں کیا، اب ہم اس وقت دوکان کے مالک ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کو فروخت کرکے مسجد اور دینی مدرسہ تعمیر کریں، تو کیا یہ کام شرعی نقطۂ نظر سے درست ہوگا؟ (ایم، وائی، خان، قدیم جالنہ)

جواب:- جب آپ نے اس مکان کو صرف کرایہ پر لیا تھا، اس کی قیمت ادا نہیں کی تھی، تو آپ کی حیثیت کرایہ دار کی ہے نہ کہ مالک کی اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس نے آپ کے قبضہ سے مجبور ہوکر ہی مقبوضہ دوکان کا کچھ حصہ لے کر باقی حصہ آپ کو دیا ہے، گویا اس نے مجبوراً آپ

کے قبضہ کو قبول کرلیا ہے، شرعاً مالک کو یہ حق ہے کہ وہ کرایہ دار سے اپنی جگہ خالی کرالے اور کرایہ دار پر مالک کے اس مطالبہ کو قبول کرنا واجب ہے، لہذا آپ کا اس مکان کو لے لینا جائز نہیں اور اس کو فروخت کر کے جو آمدنی حاصل ہوگی وہ بھی ناجائز ہوگی ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لَا تَـأْكُـلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ (۱) اور جبراً کسی سے کوئی چیز حاصل کرنا باطل طریقہ پر کھانے میں داخل ہے، لہذا مسجد اور مدرسے کی تعمیر جیسے مبارک کام میں اس رقم کا استعمال جائز نہیں، اب بہتر صورت یہ ہے کہ کوئی قیمت باہم طے کر کے ادا کردیں یا اس شخص کو اختیار دیں کہ اگر وہ چاہے تو آپ سے دوکان واپس لے لے اور اس اختیار کے ساتھ وہ بہ رضاء ورغبت آپ کو ہبہ کردے، اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں، ظلم بہر حال گناہ ہے، مسلمان کے ساتھ ہو، یا غیر مسلم کے ساتھ۔

برقی چوری

سوال:- (2217) آج کل واٹر سپلائی بورڈ کی جانب سے پانی نارمل طریقہ سے مہیا نہیں ہورہا ہے ، لوگ گڑھا کر کے موٹر کے ذریعہ پانی حاصل کررہے ہیں، اس عمل سے لائٹ بل زیادہ ہوجاتا ہے، اس لیے بعض حضرات برقی میٹر میں خرد برد کررہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، کیونکہ حکومت کے ناکافی پانی مہیا کرنے کی وجہ سے ہمیں ایسا کرنا پڑرہا ہے۔ (محمد عبدالرشید، اعظم پورہ)

جواب:- میٹر کی چوری جائز نہیں ہے کیونکہ حکومت کسی کو سرکاری نل لینے پر مجبور نہیں کرتی، اگر کوئی شخص اس میں دشواری محسوس کرتا ہے تو وہ نل کی لائن منقطع کر کے اپنے طور پر پانی

(۱) البقرة :۸۸۔

کا نظم کرسکتا ہے، دوسرے پانی کا نظم خالصتاً سرکاری ہے اور برقی کے نظم میں پرائیویٹ کمپنی بھی شامل ہے، اس ایک شخص کی زیادتی کی سزا دوسرے کو مل جائے گی، جو جائز نہیں۔

ٹیلیفون کی چوری

سوال:- {2218} آج کل لوگ ٹیلیفون آپریٹر سے مل کر تھوڑے بہت پیسے دے کر بیرون ممالک سے گھنٹوں بات کرتے ہیں، اگر یہ لوگ صحیح طریقہ سے فون پر بات کریں تو ہزاروں روپیہ کا بل آجائے، اسی لئے آپریٹر سے مل کر کم پیسوں میں کام چلالیتے ہیں، کیا ایسا کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے درست ہے؟ (مرزا انس بیگ، محمدی لائن، حیدرآباد)

جواب:- جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، ظاہر ہے کہ وہ چوری یا غصب ہے اور اسلام میں چوری اور غصب کتنا شدید جرم ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ چند ہی سنگین جرائم ہیں جن کی سزا خود قرآن مجید نے متعین کی ہے، ان میں سرقہ یعنی چوری (۱) اور حرابہ یعنی راہزنی (۲) بھی ہے، اس لئے یہ نہایت ناشائستہ اور قبیح عمل ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کے نفع ونقصان کا تعلق ایک فرد سے نہیں، بلکہ پوری قوم سے ہے، اس لئے اس طرح کی حرکت کرنے والے لوگ پوری قوم کے ساتھ زیادتی اور ضرر رسانی کے شریک ہیں، اور اسی نسبت سے ان کا گناہ بھی شدید تر ہے، اس لئے ایسی باتوں سے احتیاط کرنا انتہائی ضروری ہے۔

جھوٹ بول کر رقم حاصل کرنا

سوال:- {2219} میں ایک ٹرک ڈرائیور ہوں،

---

(۱) ﴿ السارق و السارقة فاقطعوا ایدیهما ... ﴾ (المائدة:۳۸)۔مرتب۔
(۲) المائدة:۳۳۔محشی۔

نوکری کے سلسلہ میں چار چار دن گھر آنا نہیں ہوتا، اور آرام بھی چار دن میں آٹھ دس گھنٹے میسر ہوتا ہے، جب کہ تنخواہ ماہانہ ۱۵۰۰ر روپے ہیں، اور کھانے کا خرچ ۱۰۰ر روپے یومیہ ڈرائیور کلینر کے لیے مقرر ہے، جب کہ کھانے پر ۱۵۰ر تا ۲۰۰ر روپے خرچ ہوجاتے ہیں، اس طرح مسافرین سے حاصل ہونے والی آمدنی کھانے میں اور دیگر اخراجات پر خرچ ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں اس گرانی کے دور میں اپنے گھریلو اخراجات پورے کرنے کے لیے اکثر ڈرائیور گاڑی کے ایک چکر کے اخراجات میں ۱۰۰ر تا ۲۰۰ر روپے اضافہ لکھ دیتے ہیں، اس بات کا ٹرک مالکین کو بھی پتہ ہوتا ہے، لیکن انہیں مجبوراً اور ناگواری کے ساتھ برداشت کرنا ہی پڑتا ہے، تو ایسی صورت میں ٹرک مالکین کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی رقم از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟

(ایک ڈرائیو، مدینہ نگر، ناندیڑ)

جواب: — جھوٹ بول کر زیادہ رقم حاصل کرنا جائز نہیں، اس کا صحیح حل یہ ہے کہ جرأت سے کام لے کر گاڑی کے مالکان کو اپنی مجبوری سمجھائی جائے، تا کہ وہ حقیقتِ حال کو سمجھیں، اگر تمام ڈریور اس بات کا عزم کرلیں کہ وہ سچ بول کر ٹرک مالکان کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں گے، تو یقیناً سچائی کے ساتھ ان کا مسئلہ حل ہوگا، اور حلال طریقہ پر ڈرائیوروں کو اپنے کام کی مناسب اجرت حاصل ہوسکے گی، کم ہمتی اور مسلسل جھوٹ کو اپنا طریقہ بنالینے کی وجہ سے معاشرہ میں بدمعاملگی پہنچتی ہے اور آہستہ آہستہ حرام وحلال کی تمیز بھی دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔

چوری کرلی تو اب اس کا تاوان کیسے ادا کرے؟

سوال:- {2220} زید نے اپنی نابالغی کی عمر— جو کوئی بارہ تیرہ سال کی عمر رہی ہوگی— میں اپنے ہی رشتہ دار کی ایک گھڑی چوری کرلی، اب اس رشتہ دار کا انتقال ہو چکا ہے، زید اس کا معاوضہ ادا کرنا چاہتا ہے، اس کا کیا طریقہ ہوگا کہ حق بھی ادا ہو جائے، اور عند اللہ مؤاخذہ سے بھی بچ جائے؟

(ایک قاری)

جواب:- مرحوم کے ورثاء تک حصۂ شرعی کے لحاظ سے وہ رقم پہونچا دینی چاہئے، یہ ظاہر کرنا ضروری نہیں کہ گھڑی چوری کی گئی تھی، اگر صرف یہ کہہ دیا جائے کہ مرحوم کی اتنی رقم میرے ذمہ باقی تھی، تو یہ بھی کافی ہے، اگر مرحوم کے ورثاء میں سے کوئی موجود نہ ہو، تو ان کی طرف سے بہ طور ایصال ثواب صدقہ کردیں، اور یہ نیت رکھیں کہ جب اصل مالک یعنی مرحوم کے ورثاء سے ملاقات ہوگی تو انہیں یہ رقم واپس کردیں گے۔(۱)

ظالم کے مال سے اپنا حق وصول کرنا

سوال:- {2221} میں سعودی عرب میں ایک دوکان میں ملازم ہوں، وہاں سے ہر دو سال میں ایک بار گھر آنے کا موقع ملتا ہے، اور گھر آنے کا خرچ بھی دیا جاتا ہے، میں چھ سال بعد ہندوستان آیا، لیکن مجھے کفیل کی جانب سے وہ روپیہ نہیں دیا گیا، جو ہر دو سال میں ہندوستان آنے والوں کو کرایہ مع تنخواہ دیا جاتا ہے، اور میری تنخواہ بھی سعودی عرب کے

(۱) الہدایۃ:۲/۶۱۵۔محشی۔

قانون کے اعتبار سے بہت کم ہے، اگر میں اس دکان میں کچھ
الٹ پھیر کر کے اپنے حق کے بقدر حاصل کرلوں تو کیا میرے
لیے یہ بات جائز ہے؟ (س،ل، احمد یمانی، حیدرآباد)

جو اب:- جھوٹ اور دھوکہ دہی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اور حتی المقدور اس سے اجتناب واجب ہے، اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ آپ صبر سے کام لیں، اور اپنا حق اللہ کے پاس ہی وصول کریں، تاہم اگر آپ کا اس سے یہ معاہدہ تھا کہ چاہے میں ہر دو سال میں گھر نہ جاؤں، لیکن مجھے اس مدت پر ایک کرایہ آمد و رفت مع تنخواہ ملا کرے گا، تو کفیل پر اس وعدہ کو وفاء کرنا واجب ہے، ایسی صورت میں آپ کے لیے دکان سے صرف اتنی ہی رقم حاصل کرنے کی گنجائش ہے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ''ظفر بالحق'' کہا جاتا ہے، یعنی اگر کسی شخص کے ذمہ آپ کا کچھ باقی ہے اور وہ ادا نہیں کرتا تو اس بات کی گنجائش ہے کہ اگر اس کا مال کسی طریقہ پر آپ کے پاس آجائے تو آپ اس میں سے اپنا حق وصول کرلیں۔

حضرت ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے
شوہر حضرت ابوسفیان ؓ کی شکایت کی کہ وہ اخراجات میں
بخل سے کام لیتے ہیں، تو کیا میرے لیے ان کی اجازت کے
بغیر ان کے مال میں سے کچھ لینے کی اجازت ہے؟ آپ ﷺ
نے ارشاد فرمایا کہ اس قدر لے سکتی ہو جو تم کو اور تمہارے بچوں کو
کافی ہو جائے۔'' ما یکفیك و ولدك ''(۱)

اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص صاحب حق کو اس کا حق ادا نہ کرے تو اپنے حق کے بقدر اس کے لیے لینا جائز ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۳۶۴، باب إذا لم ینفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغیر علمه ما یکفیها و ولدها بالمعروف۔ محشی۔

کتاب الفتاوی

چھٹا حصہ

المتفرقات

متفرق مسائل

متفرق مسائل

الیکشن میں امیدوار بننا

سوال:- {2222} اسلام میں عہدہ کی طلب کی ممانعت ہے اور آج کل الیکشن میں خود اپنے آپ کو امیدوار بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اور لوگوں سے ووٹ کے لیے اپیلیں کی جاتی ہیں تو کیا اس طرح الیکشن میں کھڑا ہونا جائز ہے؟

(سید مصلح الدین، معظم پورہ)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ لوگ خود کسی عہدہ کے طلب گار رہوں، (۱) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ

''جب آدمی مطالبہ کے بغیر کسی ذمہ داری پر فائز کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خاص مدد ہوتی ہے، اور جب مطالبہ اور سوال کے ذریعہ کوئی عہدہ حاصل کرتا ہے تو

(۱) صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۷۱۴۷،باب من سئل الإمارة و كل إليها ۔محشی۔

اپنے نفس کے حوالہ کردیا جاتا ہے اور اللہ کی مدد اس کی شریک
حال نہیں ہوتی ہے۔(۱)

سیاسی دشنام طرازیاں

سوال:- {2223} ابھی حال میں ایک پارٹی کا انتخابی جلسہ ہوا، ایک صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز اس طرح کیا : ''شروع کرتا ہوں اس پاک پروردگار کے نام سے جس نے موسیٰ کو فرعون کے لیے اور فلاں کو فلاں کے لیے پیدا کیا'' یہ ایک مسلم سیاست دان کے لیے کہا گیا، اور کہنے والے بھی مسلمان ہیں، کیا اس طرح کے الفاظ کہنا جائز ہے؟

(ایم ،اے ،حیدرآباد)

جواب:- مسلمان سیاست دان کا آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے خلاف بدگوئی کرنا اور ایک دوسرے کی عزت وآبرو سے کھیلنا انتہائی بدبختی کی بات ہے، ان کو ملک کے دوسرے سیاست دانوں سے سبق لینا چاہئے کہ وہ ایک دوسرے پر کس طرح شائستہ اور اصولی تنقید کرتے ہیں، اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ مہذب اور شائستہ انداز پر ملتے بھی ہیں، کسی مسلمان کو فرعون سے تعبیر کرنا درست نہیں، اور نہ یہ درست ہے کہ کسی کو اتنا اونچا اٹھایا جائے کہ موسیٰ کہہ دیا جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

---

(۱) "عن عبد الرحمن بن السمرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : لا تسأل الإمارة فإنك إن أعطيتها عن مسألة وكلت إليها و إن أعطيتها عن غير مسألة أعنت عليها" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۳۲۴، أبواب الأحكام ، سنن نسائي، حدیث نمبر:۵۳۸٦، باب النهي عن مسألة الإمارة ، نیز دیکھئے:تبصرة الحكام:۱/۱۰) محشی۔

پیسے لے کر ووٹ

سوال:- {2224} اس بار کے الیکشن میں اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ بعض سیاسی جماعتوں نے ووٹ حاصل کرنے کے لیے بری طرح پیسے خرچ کئے ہیں، لوگوں نے پیسے لے کر ووٹ دئے ہیں، اور وفاداریاں بدلی ہیں، اس طرح پیسے لے کر ووٹ دینے کا کیا حکم ہے؟ (محمد الیاس، یاقوت پورہ)

جواب:- ووٹ دینا گواہی دینا ہے، آپ جس امیدوار کے حق میں ووٹ دیتے ہیں، اس کے بارے میں گواہی دیتے ہیں کہ اس حلقہ کے امیداروں میں اس عہدہ کے لیے یہ شخص سب سے زیادہ موزوں ہے، اگر کسی شخص نے پیسے لے کر دوسرے شخص کے حق میں ووٹ دیا، تو وہ دوہرے گناہ کا مرتکب ہے، ایک تو رشوت لینے کا، اور رشوت لینے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، (۱) دوسرے جھوٹی گواہی دینے کا، کیوں کہ وہ ایک شخص کو نامناسب یا کم مناسب خیال کرنے کے باوجود اس کے حق میں ووٹ کا استعمال کر رہا ہے، اور جھوٹی گواہی دینے کو رسول اللہ ﷺ نے شرک کا ہم درجہ قرار دیا ہے، (۲) اس لیے ایسی باتوں سے خوب بچنا چاہئے۔

بھوک ہڑتال

سوال:- {2225} بعض لوگ اپنی ناراضگی کے اظہار کے لیے بھوک ہڑتال کیا کرتے ہیں، کیا شرعاً احتجاج کا یہ

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۱۳۳۷، باب ما جاء في الراشي و المرتشي في الحكم۔ محشی۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۳۵۹۹، باب في شهادة الزور۔ محشی۔

طریقہ جائز ہے؟　　(نظام الدین، بارکس)

جواب:- اپنے جائز حقوق کے لیے جدوجہد اور احتجاج جائز ہے، مگر بھوکے رہ کر ناراضگی کا اظہار کیا جانا مروج اور آئینی طریقہ ہو، تو اتنی دیر بھوکا رہنا جائز ہے، جس سے صحت متاثر نہ ہو، اور عبادات نیز اس سے متعلق حقوق و فرائض کی ادائیگی میں خلل نہ پڑتا ہو، اتنی دیر بھوکا رہنا جائز نہیں کہ جس سے ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو جائے، کیوں کہ جسم بھی اللہ کی ایک امانت ہے، اسی لیے اتنا کھانا فرض ہے کہ آدمی ہلاک ہونے سے بچ جائے، اگر بھوکا رہنے کی وجہ سے جان چلی جائے تو وہ گنہگار ہوگا، ''فإن ترك الأكل و الشرب حتى هلك ، فقد عصىٰ ''(۱) اور اتنا کھانا باعث اجر و ثواب ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قدرت رہے، اور آسانی سے روزہ رکھ سکے، ''ليتمكن من الصلاة قائما و يسهل عليه الصوم ''(۲)

جھاڑو کس سمت سے دی جائے؟

سوال:- {2226} جھاڑو کس سمت سے دینی چاہئے، مشرق یا مغرب سے اور شمال سے یا جنوب سے؟

(حکیم واسع رضوی، موہانی)

جواب:- صفائی ستھرائی کے لیے جھاڑو دینا تو منقول ہے، (۳) لیکن اس کے لیے کوئی سمت متعین نہیں ہے کہ کس رخ سے جھاڑو دی جائے؟ اسلام ایسے تکلفات اور بے معنی قیود کا قائل نہیں ہے، اتنا ضرور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر اچھا کام دائیں جانب سے شروع کرنا محبوب تھا، (۴) جو افعال تطہیر نجاست سے متعلق ہیں، جیسے وضوء و غسل، ان میں بھی آپ ﷺ نے اس

(۱) رد المحتار: ۴۸۸/۹، کتاب الحظر و الإباحة ۔ محشی۔

(۲) الفتاوى الهندية: ۳۳۶/۵۔

(۳) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۱۵، باب الصلاة على القبر، كتاب الجنائز ۔ محشی۔

(۴) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۳۵۸۰، باب اليمين في الأكل و غيره ۔ محشی۔

پہلو کو ملحوظ رکھا ہے،(۱) اس لیے خیال ہوتا ہے کہ جس جگہ جھاڑو دی جائے، اگر اس کے دائیں حصہ سے ابتداء کرنے میں کوئی دقت نہ ہو، تو اس کی رعایت کرنا بہتر ہوگا۔ واللہ اعلم۔

صحابہ کرام ﷺ کے نام پر ''رضی اللہ عنہ'' کہنا

سوال:- {2227} جیسے رسول اللہ ﷺ کے نام لینے پر درود شریف کہنا واجب ہے، کیا اسی طرح صحابہ ؓ کا نام آنے پر ''رضی اللہ عنہ'' کہنا ضروری ہے؟

(محمد عبدالقدیر، قبا کالونی، حیدرآباد)

جواب:- حضور ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجنے کا حکم ہے، قرآن مجید میں صراحتاً اس کا ذکر ہے اور حدیثیں تو اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہوئی ہیں، لیکن صحابہ ؓ کے بارے میں اس طرح کی تاکید قرآن وحدیث میں منقول نہیں، بلکہ سلف صالحین کے عہد سے احترام کے طور پر یہ دعائیہ کلمہ کا کہنا مستحب تو ہے، واجب نہیں۔

"و لا يجب رضوان عند ذكر الصحابة رضي الله عنهم"(۲)

عشرۂ مبشرہ کے نام

سوال:- {2228} عشرۂ مبشرہ جن کو بشارت دی گئی ہے وہ کون کون ہیں؟ اور انہیں جنت کی بشارت دینے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ دوسرے صحابہ ؓ بھی ان خصوصیات کے حامل رہے ہوں گے۔ (محمد عبدالخالق، گلبرگہ)

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۳۵۸۰، باب اليمين في الأكل و غيره۔ محشی۔
(۲) الفتاوى الهندية:۵/۳۱۵۔

جواب:- دس صحابہ ؓ جن کو رسول اللہ ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، ان کو " عشرۂ مبشرہ " کہا جاتا ہے، ان کے نام اس طرح ہیں:

حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت طلحہ ؓ، حضرت زبیر ؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، حضرت سعید بن زید ؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ (۱)

یہ تمام صحابہ ؓ وہ ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بڑی آزمائشیں اور ابتلائیں اٹھائی ہیں، اس بشارت کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے دوسرے رفقاء جنت سے محروم ہوں گے، صحابہ تمام کے تمام رسول اللہ ﷺ کے جان نثاروں اور اسلام کے خادموں اور داعیوں میں تھے، دوسری حدیثوں میں پوری جماعت صحابہ ؓ کے بارے میں عموماً اور بعض صحابہ ؓ کے بارے میں خصوصیت سے جنتی ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس لیے عشرۂ مبشرہ کے متعلق پیشین گوئی سے دوسروں کے درجہ و مقام کی نفی نہیں ہوتی۔

مزاح-رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ؓ کا طریقہ

سوال:- {2229} (الف) کیا رسول اکرم ﷺ اپنے جان نثار صحابہ ؓ سے لطیف مذاق میں کبھی جھوٹا مذاق بھی کرتے تھے؟

(ب) کیا جلیل القدر صحابی حضرت ابوبکر ؓ حضرت عمر ؓ اپنے پیارے ساتھی حضرت علی ؓ کا مذاق میں استہزاء بھی کرتے تھے؟ چنانچہ ایک ہفتہ وار رسالہ ...... میں

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۳۷۴۷، مناقب عبد الرحمن بن عوف ؓ ۔ محشی۔

(۱۰ر مارچ) ''ظرافتِ لطیف'' کے عنوان سے ایسا ہی کچھ آیا ہے۔ (محمد سردار علی، عیدی بازار، حیدرآباد)

جو اب:- مذکورہ رسالہ میں کیا لکھا ہے؟ یہ تو میری نظر سے نہیں گزرا، البتہ آپ کے سوالات کے جوابات اس طرح ہیں:

(الف) رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ ؓ سے مزاح فرمایا کرتے تھے، لیکن اس میں کبھی جھوٹ نہیں ہوتا، جھوٹ بہر حال گناہ ہے، آنحضور ﷺ نے اس جھوٹ کو بھی گناہ قرار دیا ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے بولا جائے، اور پیغمبر گناہوں سے معصوم ہوا کرتے ہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ صحابہ ؓ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہم لوگوں کے ساتھ مزاح فرماتے ہیں، ''انك تداعبنا '' آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن حق اور سچائی کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ ''إني لاأقول إلا حقًا ''(۱) پس حضور ﷺ کے مزاح میں جھوٹ اور تمسخر کا پہلو نہیں ہوتا تھا، اور نہ دوسرے مسلمانوں کے لیے اس طرح کا مزاح جائز ہے۔

(ب) حضرت ابو بکر ؓ حضرت عمر ؓ اور حضرت علی ؓ یہ سب جلیل القدر صحابہ ہیں، باہم بے تکلف، ایک دوسرے کے قدرداں، ایک دوسرے کے خوبیوں کے معترف اور ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے تھے، باہم مزاح تو کرتے تھے، لیکن کبھی ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزاء نہیں کرتے تھے اور حضرت علی ؓ تو کیا ایک ادنیٰ مسلمان کے بارے میں بھی ان صحابہ ؓ سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی۔

مزاح اور استہزاء میں فرق یہ ہے کہ مزاح کا مقصد خوش کلامی، دلداری، بے تکلفی کا اظہار اور ہنسانا ہوتا ہے، اور استہزاء کا مقصد مخاطب کی ایذا رسانی اور دوسروں کے سامنے اس کی توہین ہے، اس فرق کو پیش نظر رکھا جائے تو کسی بھی صحابی کے کلام میں استہزاء اور تمسخر نہیں ملے گا۔

---

(۱) الجامع للترمذی: ۳/ ۳۵۷۔

نشست کے نیچے ٹیپ ریکارڈر

سوال:- {2230} میرے پاس ایک آٹو ہے، میں نے اسی آٹو میں ڈرائیور سیٹ کے نیچے باکس بنوا کر ٹیپ ریکارڈر فٹ کیا ہے، اسی ٹیپ ریکارڈر سے حمد، نعت، قراءت، وعظ وغیرہ سب کچھ سنتا ہوں، لیکن ڈر یہ ہے کہ ٹیپ ریکارڈ سیٹ کے نیچے اور میں اوپر ہوں، اس طرح کیسٹ سن کر الٹا بے ادبی کر رہا ہوں؟ (محمد عبدالصمد، بیگم پیٹ اسٹیشن)

جواب:- ٹیپ ریکارڈ کی حیثیت محض ایک مشین کی ہے، اور خود کیسٹ کی حیثیت بھی کتابوں کی نہیں، بلکہ ایک مشنری شی ہی کی ہے، جس نے آواز کو محفوظ کر لیا ہے اور آپ کا مقصد بھی بے ادبی نہیں، بلکہ استفادہ ہے، اس لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، فقہاء کے یہاں یہ صراحت ملتی ہیں کہ قرآن مجید باکس میں ہو اور وہ نشست گاہ سے نیچے رکھا ہوا ہو، مقصود حفاظت ہے نہ کہ بے احترامی تو اس میں مضائقہ نہیں۔(۱) البتہ آپ اس کا اہتمام ضرور کریں کہ دینی اور مذہبی کیسٹ لگایا کریں، یہ آپ کی طرف سے ایک خاموش تبلیغ کی انجام دہی ہوگی، اور اگر آپ نے گانے بجانے کی کیسیٹ لگائی تو آپ نہ صرف سننے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے، بلکہ آپ کے آٹو پر سوار ہونے والے لوگ گانے سنیں گے، ان کے گناہ میں بھی آپ شریک قرار پائیں گے۔

گھر کس رخ کا ہو؟

سوال:- {2231} بڑے لوگوں کا کہنا ہے کہ جب نیا

---

(۱) " وضع المصحف تحت رأسه في السفر للحفظ لا بأس به " (الفتاوى الهندية:۳۲۲/۵)محشی۔

گھر بنایا جائے تو قبلہ رخ ہو اور اس کے دروازے سیدھی
جانب کھلیں، ورنہ بدشگونی ہوگی۔ (ناہید، یاقوت پورہ)

جواب:- گھر کس طرح کا ہو؟ کس سمت میں ہو؟ اس کے دروازے اور کھڑکیاں کدھر ہوں؟ قرآن وسنت میں اس کی کوئی تحدید نہیں کی گئی ہے، یہ انسان کی اپنی سہولت اور ماہرین کے مشورہ پر موقوف ہے اور اسلام کا مزاج بھی یہی ہے کہ ایسی بے فائدہ اور موقع ومحل سے قابل تبدیل چیزوں کے بارے میں کوئی ایک حکم متعین نہ کر دیا جائے، آپ نے صرف اتنی ھدایت دی ہے کہ بیت الخلاء ایسا نہ ہونا چاہئے کہ قضائے حاجت کرنے والے کا چہرہ یا پشت قبلہ کی طرف پڑے، (۱) باقی جس رخ پر اور جیسی سہولت ہو مکان کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے اسماء مبارکہ

سوال:- {2232} آقائے نامدار تاجدار مدینہ طیبہ
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کے اسم
مبارک سے آگاہ فرمایئے، مہربانی ہوگی۔
(شیخ محمد عبد الرحمن، ظہیر آباد)

جواب:- نبی کریم ﷺ کی گیارہ ازواج تھیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا۔

---

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۱۴۴، باب لا تستقبل القبلة ببول و لا غائط۔ محشی۔

طوطے اور چڑیا پالنے کا حکم

سوال:- {2233} طوطے اور چڑیا پالنے اور اس کے کاروبار کے بارے میں روشنی ڈالیے!

(افضل حسین، جوگی پیٹ)

جواب:- ان پرندوں کو یوں ہی زینت کے طور پر قید کر کے رکھنا بہتر نہیں، ہاں! اگر پرندہ کو اس طرح مانوس کر لیا جائے کہ بلا قید بھی آپ کے پاس رہنے کو تیار ہو، تو حرج نہیں، جیسے کبوتر وغیرہ کی پرورش کی جاتی ہے، تاہم اپنی گرفت میں آنے کے بعد ان کی خرید و فروخت جائز ہے۔(۱) اس لیے کہ یہ شریعت کی نظر میں مال ہیں، اور جب اختیار و قدرت میں ہوں تو "قبضہ" بھی پایا گیا، اور شریعت میں کسی چیز کی خرید و فروخت کے جائز ہونے کے لیے یہی دو چیزیں بنیادی طور پر ضروری ہیں: ایک یہ کہ مال ہو، دوسرے اس مال پر قبضہ بھی قائم ہو۔(۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جنگ جمل

سوال:- {2234} جنگِ جمل میں ایک گروپ کی قیادت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کر رہی تھیں، تو کیا اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ عورت فوج کی کمانڈر بن سکتی ہے؟

(ہاجرہ بیگم، شاہین نگر)

جواب:- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرکت جنگِ جمل میں قائد فوج کی حیثیت سے نہیں تھی اور نہ سپاہی کی حیثیت سے وہ شریک ہوئی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصود محض قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنا تھا، اس کے علاوہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور

(۱) الفتاوی الهندية: ۳/۲۔ محشی۔

(۲) حوالہ سابق۔

دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس اقدام سے اتفاق نہیں تھا، اور خود ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی اس اجتہادی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور اس مہم میں شرکت پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پچھتاوا ہوتا تھا، (۱) اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس عمل سے خواتین کے لیے سیاسی یا عسکری قیادت کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

مغربی ملکوں میں جہاد

سوال:- {2235} آج کل اہل مغرب بظاہر مسلمانوں کے دوست ہیں، لیکن اندرونی طور پر مسلمانوں کے خلاف ہر سازش میں وہ شریک ہیں، تو کیا ان سے جہاد کرنا جائز نہیں؟ (سعید احمد، چلمل، بہار)

جواب:- آج کل دنیا کے اکثر ممالک کا نظام حکومت جمہوریت پر مبنی ہے، جمہوری نظام میں مسلمانوں کے ساتھ رہنے والے غیر مسلموں کی حیثیت ''معاہدین'' کی ہے، یعنی ہم ان کے ساتھ بقائے باہم کے اصول پر ایک ملک میں رہنے اور بسنے کا معاہدہ کر چکے ہیں، اور اصولی طور پر معاہدین کے ساتھ جہاد جائز نہیں، الا یہ کہ وہ دستوری طور پر اس معاہدہ کو ختم کر دیں، آپ غور کریں کہ منافقین، مسلمانوں کے خلاف کیا کچھ سازشیں نہیں کرتے تھے؟ لیکن چوں کہ ان کی سازشیں در پردہ تھیں، اس لیے آپ ﷺ نے ہمیشہ تحمل کا راستہ اختیار کیا، یہودیوں کی سازشیں بھی کچھ کم نہ تھیں، لیکن طویل عرصے تک آپ ﷺ ان کی ریشہ دوانیوں کو سہتے رہے اور جب ان لوگوں نے عہد شکنی کی، تبھی حضور ﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کی، پھر جہاد کے لیے اور بھی بہت سی شرطیں ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے ان ملکوں میں یہ شرطیں نہیں پائی جاتیں۔

---

(۱) البدایۃ و النہایۃ: ۷/۲۳۱-۲۳۲۔ محشی۔

جہاد کب جائز ہے؟

سوال:- {2236} کسی ملک میں مسلمانوں پر ظلم تو نہ کیا جائے، لیکن اسلام کی نشر و اشاعت میں رکاوٹ ہو تو کیا ان سے جہاد کرنا جائز ہے؟　　(اصغر علی، رنگون، میانمار)

جواب:- میرا خیال ہے کہ اول تو اس وقت شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا ملک ہو، بالخصوص سوویت یونین کے پارہ پارہ ہونے کے بعد، کہ جہاں تبدیلی مذہب پر پابندی ہو اور آپ اسلام کی دعوت نہ دے سکیں، دوسرے جہاد دراصل دعوت کی تکمیل ہے، کسی قوم کو اسلام کی دعوت دی جائے، اور ان پر حجت تمام کردی جائے، اس کے باوجود وہ مسلمان نہ ہوں، بلکہ اسلام کے ساتھ عناد کا رویہ اختیار کریں تو ان سے جہاد کی گنجائش ہے، لیکن آج دنیا میں شاید ہی کوئی خطہ ہو جہاں مسلمانوں نے غیر مسلم بھائیوں پر دین کو پہونچانے کی سنجیدہ کوشش کی ہو، جب مرحلۂ دعوت ہی تمام نہیں ہوا ہے تو جہاد کا جواز کہاں سے پیدا ہوگا؟

غزوۂ خندق میں یہودیوں کا قتلِ عام

سوال:- {2237} غزوۂ خندق کے بعد یہودیوں کا قتلِ عام کیا گیا تھا، اس سلسلے میں کس طرح معترضین کی تشفی کی جائے؟　　(عامر عثمانی، حیدرآباد)

جواب:- غزوۂ خندق کے بعد یہودیوں میں جنگ کے قابل لوگ تقریباً چار سو قتل کیے گئے تھے، خواتین اور نابالغ لڑکے قتل نہیں کیے گئے تھے، اس سلسلے میں چند باتیں پیش نظر رکھنی چاہئے:

پہلی بات یہ ہے کہ یہودیوں نے غزوۂ خندق کے موقعے سے علانیہ عہد شکنی سے کام لیا اور طوطا چشمی کا ثبوت دیا، وہ کفارِ مکہ کے ساتھ مل کر پوری طرح اس بات پر کمر بستہ تھے کہ مدینہ

کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور کوئی مسلمان متنفس یہاں باقی نہ رہ سکے اور اس میں اپنی کوشش کی حد تک انہوں نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی، ظاہر ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے اپنی پوری طاقت جھونک چکے تھے، مسلمانوں کے لیے ان کا قتل بطور دفاع کے بالکل مطابق انصاف تھا۔

دوسرے یہودیوں کے قتل کرنے کا فیصلہ آپ ﷺ نے نہیں فرمایا اور نہ یہودی اس بات پر آمادہ ہوئے کہ آپ ﷺ کو حکم بنائیں، بلکہ انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا اور اپنے ہی حکم کے فیصلہ پر قتل کئے گئے، اس لیے اسلام یا پیغمبر اسلام ﷺ پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں کی جاسکتی۔

تیسرے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کا فیصلہ اپنی رائے سے یا حضور ﷺ کے ایماء پر نہیں فرمایا، بلکہ خود تورات کے قانون جنگ کے مطابق فیصلہ کیا، تو یہ تو یہودیوں پر خود ان کے قانون کا نفاذ تھا، جس کو کسی بھی طور پر خلاف انصاف نہیں کہا جاسکتا۔(۱)

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سوال:- {2238} ۱۲ر فروری ۱۹۹۹ء کے اخبار ''منصف'' میں جناب شفیق بریلوی کا مضمون حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں آیا ہے، بعض احباب کا کہنا ہے کہ حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی نے سرکار دو عالم ﷺ کی نگرانی اور نگہداشت کی ہے، حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کسی نے نہیں کیا ہے، براہ کرام اس تعلق سے مطمئن فرمائیں۔ (محمد مسیح الدین، سید علی گوڑہ)

(۱) صحیح البخاري، حدیث نمبر:۲۶۶۲، باب قول النبي ﷺ قوموا إلی سیدکم۔ محشی۔

جواب:- حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی آزاد کردہ باندی تھی، آپ کا نام برکہ بنت ثعلبہ تھا، اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک کنیت ام ظباء بھی تھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اصل میں رسول اللہ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی باندی تھیں، حضرت آمنہ کی وفات کے بعد میراث میں آپ ﷺ کی طرف منتقل ہوئیں، اور انہوں نے ہی بچپن میں آپ ﷺ کی پرورش فرمائی، اسی لیے آپ ﷺ ان کو "اے میری ماں" (یا أمي) سے مخاطب فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ ام ایمن میری ماں گزرنے کے بعد میری ماں ہیں، کبھی فرماتے کہ میرے اہل بیت میں سے بچی ہوئی خاتون ہیں۔ "هذه بقية أهل بيتي"

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے بعد آپ ﷺ نے ان کو آزاد فرما دیا، اور ان کا نکاح عبید بن زید سے ہوا، جن سے حضرت ایمن پیدا ہوئے، جو غزوۂ خیبر میں شہید ہوگئے، بعد میں آپ ﷺ نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ ﷺ سے فرمایا، جن سے حضرت اسامہ ﷺ پیدا ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہے اسے ام ایمن سے نکاح کرنا چاہئے، آپ ﷺ کو اس پورے خاندان یعنی حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زید بن حارث ﷺ اور حضرت اسامہ بن زید ﷺ سے بڑی محبت تھی، ان کی زبان کسی قدر صاف نہ تھی، جب السلام علیکم کہنا ہوتا تو سننے میں آتا "سلام لا علیکم" جس کا معنی بالکل الٹ جاتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے ان کو اسی طرح سلام کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر ﷺ وعمر ﷺ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ملاقات کو حاضر ہوئے، کیونکہ حضور ﷺ بھی موقع بہ موقع حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے، حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ حضور ﷺ زیادہ بہتر حالت کی طرف گئے ہیں، لیکن میں اس بات پر روتی ہوں کہ اب وحی کا سلسلہ بند ہوگیا ہے، اس بات نے حضرت ابوبکر ﷺ وعمر ﷺ کو بھی خوب رلایا" حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بارے میں مؤرخین کی بہت سی روایتیں ہیں، لیکن

زیادہ مستند بات یہ ہے کہ حضرت عمر ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی، رضی اللہ تعالیٰ عنہا ، کما رضت عنہ"(۱)

عورتوں کا مردانہ صیغہ میں گفتگو کرنا

سوال:- {2239} عورتوں کا مردانہ لب و لہجہ میں بات کرنا عام ہوتا جارہا ہے، لڑکیاں ہی نہیں، عمر رسیدہ عورتیں بھی مردانہ لہجہ میں گفتگو کرتی ہیں، اور اپنے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کرتی ہیں، شرعاً اس طرح گفتگو کرنے کا کیا حکم ہے؟

(محمد عبدالرشید، بشارت نگر)

جواب:- حدیث وفقہ کی کتابوں میں صراحتاً تو شاید اس صورت کا حکم نہ ملے، کیوں کہ عربی زبان میں متکلم کا صیغہ مذکر ومؤنث کے لیے ایک ہی استعمال ہوتا ہے، البتہ اصولی طور پر حدیث اس سلسلہ میں رہنمائی کرتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کا مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

"لعن النبي ﷺ المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال " (۲)

ظاہر ہے کہ عورتوں کا اپنے لیے مذکر کا لفظ استعمال کرنا مردوں سے مشابہت کے دائرہ میں آتا ہے، اس لیے قصداً ایسی تعبیر اختیار کرنا درست نہیں، ہاں! اگر کوئی صاحب زبان نہ ہو اور غلطی سے مذکر کی جگہ مؤنث اور مؤنث کی جگہ مذکر بول دے تو وہ معذور ہے اور اپنے اس عمل میں قابل عفو ہے۔

(۱) دیکھئے: موسوعة حياة الصحابيات :۹۱-۸۷، بحوالہ طبقات بنی سعد الاصابہ ، اسد الغاية ، صفوة الصفوه ۔

(۲) صحيح البخاری :۲/۹۷۴۔

اصحاب کہف کا نام اور کہف کا مقام

سوال:- {2240} اصحاب کہف اور سگ اصحاف کہف کے اسمائے گرامی کیا ہیں؟ اگر ان کے نام کسی کتاب میں مندرج ہوں، تو براہ کرم انہیں تحریر فرمایئے، اصحاب کہف کس غار میں آرام فرما ہیں، اور وہ کرہ ارض کے کس خطہ میں واقع ہے، ہماری معلومات کے لئے اس پر روشنی ڈالئے؟

(محمد مجیب اللہ خان یوسف، زیبا باغ آصف نگر)

جواب:- قرآن وحدیث میں اصحاب کہف اور ان کے کتے کا نام نہیں ملتا، اس لئے اس سلسلہ میں کوئی معتبر اور مستند بات نہیں کہی جاسکتی، البتہ مفسرین نے ان کے نام ذکر کئے ہیں اور بظاہر مفسرین کی یہ بات اسرائیلی روایات ہی پر مبنی ہوگی، امام رازیؒ نے یہ نام اس طرح لکھے ہیں: یملیخا، مکسلمینا، مسلثیا، مرنوس، سارنوس، ساتویں ان کا چرواہا، اور کتے کا نام قطمیر، (۱) یہ غار کہاں تھا؟ قرآن وحدیث میں اس کی وضاحت نہیں ملتی، اس سلسلہ میں جو بات بھی کہی جائے گی وہ ظن وتخمین کے درجہ کی ہوگی، آج کل اہل علم کا عام رجحان یہ ہے کہ یہ ایشیاء کوچک کا ایک شہر ہے، اس کا نام افسوس یا افسس ہے اور اسے طرطوس بھی کہتے ہیں، (۲) مولانا ابوالکلام آزاد کی اس موضوع پر بہت فاضلانہ تالیف ''اصحاب الکہف و الرقیم'' کے نام سے ہے، آپ کے لئے اس سلسلہ میں اس کتاب کا مطالعہ انشاء اللہ مفید ہوگا۔

کیا شب براءت کی فضیلت ثابت ہے؟

سوال:- {2241} بعض حضرات کا خیال ہے کہ شب براءت کی فضیلت اور اس میں عبادت کا اہتمام مستند طریقہ پر

---

(۱) التفسیر الکبیر: ۲۸۱/۱۰۔

(۲) تفسیر حقانی: ۱۹۵/۳۔

ثابت نہیں، کیا یہ بات درست ہے؟ (حمید الدین، ملک پیٹ)

جواب:- یہ کہنا درست نہیں کہ شب براءت کی فضیلت ثابت نہیں، صحاح ستہ میں سے ترمذی اور ابن ماجہ نے اس رات کی فضیلت پر حدیثیں نقل کی ہیں، ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، (۱) اور ابن ماجہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ پندرہویں شب نظرِ رحمت فرماتے ہیں، اور مشرک و کینہ پرور کے علاوہ سبھوں کو معاف فرمادیتے ہیں، (۲) حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور مشہور محدث امام بیہقیؒ نے متعدد حدیثیں اس سلسلہ میں روایت کی ہیں، انہیں روایات کو سامنے رکھ کر ماضی قریب کے معروف سلفی الفکر محدث شیخ ناصر الدین البانیؒ فرماتے ہیں:

"و جملة القول أن الحديث بمجموع هذه الطرق صحيح بلا ريب والصحة تثبت بأقل منها عددا ما دامت خالية من الضعف الشديد كما هو الشان في هذا الحديث" (۳)

"خلاصہ یہ ہے کہ ان رواتیوں کا مجموعہ بلاشبہ صحیح ہے، اور صحت حدیث تو اس سے کم مقدار سے بھی ثابت ہوجاتی ہے، اگر شدید درجہ کے ضعف سے خالی ہو، جیسا کہ اس حدیث کا حال ہے۔

اس لئے یہ کہنا کہ شب برأت کی فضیلت ثابت نہیں، درست نہیں ہے۔

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۷۳۹، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان ۔
(۲) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر:۱۳۹۰، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان ۔
(۳) سلسلة الأحاديث الصحيحة :۳/۱۳۸، بحوالہ شب برأت کی فضیلت مولانا نعیم الدین لاہور، ص:۱۸، محشی ۔

پرندوں کو قید کرنا

سوال:- {2242} خوبصورتی کے لئے پرندوں کو قید کر کے پالنا کیسا ہے؟　　(آصف اقبال، بحث ونظر)

جواب:- پرندوں کو محض آرائش کے لئے روکے رکھنا کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ یہ ناحق اور بے فائدہ جانور کو ایذا پہنچانا ہے، حضور ﷺ نے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ ایک پرندہ روکے ہوئے ہیں، اور پرندہ کی ماں بے قرار ہے، تو اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔(۱)

ہندوستان میں ووٹ دینا

سوال:- {2243} آپ کے مضمون ''ووٹ-اسلامی نقطۂ نظر'' میں ووٹ دینے کو شرعاً واجب قرار دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ ہدایت بھی کی گئی ہے، کہ نامناسب امیدوار کو ووٹ دینا یا پیسے لے کر ووٹ دینا جھوٹی گواہی اور ووٹ دینے سے گریز کرنا کتمان شہادت ہے، اس مضمون پر موافق اور مخالف مراسلات بھی ''منصف'' میں شائع ہو چکے ہیں جس مراسلہ نگار کو آپ کی رائے سے اختلاف ہے، اس کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہوریت میں انسان کی حاکمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے اور جمہوری اصولوں کے تحت ملک کے شہری ہی اپنے نمائندہ کے واسطہ سے قوانین وضع کرنے کا حق رکھتے ہیں، ووٹ دینا اس نقطۂ نظر کی تائید کرنا ہے، حالانکہ حاکمیت تو

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۰۸۹، باب الأمراض المكفرة للذنوب، كتاب الجنائز۔

صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اللہ ہی کو حلال وحرام کرنے
اور جائز و نا جائز قرار دینے کا حق ہے، مناسب ہوگا کہ اس
سلسلہ میں آپ خود وضاحت کردیں۔

(مصلح الدین، ٹولی چوکی)

جواب:- ووٹ کے بارے میں جس نقطۂ نظر کا ذکر آپ نے کیا ہے، یہ کوئی نیا نہیں ہے، ہندوستان میں بعض مذہبی جماعتیں طویل عرصہ سے ووٹ دینے کی قائل نہیں ہیں، اس مسئلہ میں ان کے درمیان اختلاف رائے بھی ہوا ہے اور بالآخر اکثر اصحاب نظر نے ووٹ دینے کی اجازت دی ہے، اس پس منظر میں دونوں نقاط نظر کے حاملین میں خاص بحثیں ہو چکی ہیں، اب دوبارہ ان بحثوں کو زندہ کرنا چنداں مفید نہیں، میرا معمول ایسے مسائل میں بحث کو طول دینے کے بجائے خاموشی اختیار کرنے کا ہے، اس لئے میں نے جواب دینے سے گریز کا راستہ اختیار کیا تھا تاہم مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

(الف) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ملک اور اکثر ملکوں میں جمہوریت کا جو تصور ہے، وہ بنیادی طور پر اسلام کے خلاف ہی ہے، جمہوریت میں عوام کو مصدر قانون مانا جاتا ہے ،عوام قانون بناتی ہے، حلال وحرام اور خیر وشر کا فیصلہ کرتی ہے، یہ سراسر اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہے، اسلام میں قانون کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (۱) اور ارشاد ہوا: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (۲) اسلامی نقطۂ نظر سے انسان شارح قانون ہے، نہ کہ واضع قانون، جن احکام کے بارے میں قرآن وحدیث کی صراحت موجود نہ ہو، قیاس یا امت کے اتفاق رائے سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا گیا ہو وہ بہ ظاہر انسان کا بنایا ہوا قانون محسوس ہوتا ہے، لیکن درحقیقت وہ بھی خدا اور رسول ہی کی طرف سے ملنے والا قانون ہے، کیوں کہ قیاس

(۱) یوسف: ۴۰۔
(۲) الاعراف: ۵۴۔

اور اجماع کا دین میں حجت ہونا کتاب وسنت ہی سے تو ثابت ہے۔حالانکہ ہندوستان کے دستور کو دیکھئے تو وہ اسلامی اصول حکومت سے کچھ بہت مختلف نہیں، خاص کر بنیادی حقوق کا حصہ جو دستور کی اصل روح ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ، بہر حال ہمارا دستور قانون سازی کی لگام انسانوں کے ہاتھوں میں دیتا ہے اور آپ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے لئے حاکمیت کا اعتراف کرتا ہے،اس لئے فی نفسہ یہ اشکال بیجا نہیں۔

(ب) لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ایک ایسے ملک میں ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی پندرہ سولہ فیصد ہے، یہ آبادی بھی بکھری ہوئی ہے، مسلمان یقیناً اس موقف میں نہیں ہیں کہ وہ بحالت موجودہ اس خطہ میں اسلامی حکومت قائم کریں، اب اس کے بعد دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو یہ ملک ''ہندوراشٹر'' بن جائے اور ملک کا پورا نظام ہندو تصور کے مطابق چلے۔

دوسری صورت موجودہ جمہوری نظام کی ہے ، غیر اللہ کی حاکمیت ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی خالی نہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کسی سمجھدار شخص کو اس سے انکار نہیں ہوگا کہ پہلی صورت یعنی ہندوراشٹر قرار پانا نہایت خطرناک امر ہوگا، اس کی مثال ہمارے پڑوس میں ''نیپال'' کی صورت موجود ہے، نہ ہمارے عائلی قوانین محفوظ رہ سکیں گے، نہ تبلیغ مذہب کی اجازت ہوگی، اور کوئی بھی شرعی قانون جو ہندو نظریہ سے متصادم ہو علانیہ ممنوع ٹھہرے گا، سرکاری سطح پر ہندو تہذیب کا بول بالا ہوگا اور اس پر تنقید واعتراض کا حق بھی حاصل نہ ہوگا، غور کیجئے کہ یہ کتنا مہلک نظام ہوگا! اور کیا ایسی صورت میں ہم آنے والے مسلمانوں کو باقی رکھ سکیں گے؟

(ج) دوسری صورت موجودہ جمہوری نظام کی ہے، یہ مکمل بہتر نہیں، لیکن نسبتاً کم خراب ہے، کیونکہ جب حکومت کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوگا، اور عوام کو قانون سازی کا کام دیا جائے گا اور ہم بھی عوام کا ایک حصہ ہوں گے، تو ہم قانون شریعت کو قائم رکھنے کی کوشش کریں گے، دوسری قومیں اس کو ہمارے قانون کی حیثیت سے تو باقی نہیں رکھیں گے، لیکن خود ہم قانونِ الٰہی کی حیثیت سے اس کو لانے کی سعی کریں گے، ہندوستان میں بحمد اللہ ہمارے عائلی قوانین بڑی حد

تک محفوظ ہیں، ہمیں مذہب کی تبلیغ واشاعت کی اجازت ہے اور ہم اپنی تہذیب وتمدن کو باقی رکھنے اور اپنے تشخصات پر قائم رہنے کے لئے کوشاں ہیں، یہ اسی جمہوری نظام کا نتیجہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کی اجازت کیوں دی تھی؟ کیا حبشہ کوئی اسلامی ملک تھا؟ اسی لئے نا کہ مسلمانوں کو بہ مقابلہ مکہ کے حبشہ میں زیادہ مذہبی آزادی حاصل تھی۔

(د) جمہوری نظام کی تشکیل ووٹ سے ہوتی ہے، اس لئے جمہوری نظام میں ووٹ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ووٹ کے ذریعہ آپ ایسے نمائندوں کو اقتدار پر لا سکتے ہیں، جن کے ذریعہ آپ کی مذہبی آزادی کا زیادہ تحفظ ہو اور آپ کی مذہبی تشخصات باقی رہیں، کیونکہ یہ ووٹ ہی کی قوت ہے کہ اکثریتی فرقہ کے قائدین اور ارباب اقتدار آپ کا سامنا کرتے ہیں، آپ کے آنسو پونچھنا چاہتے ہیں اور آپ سے عہد و پیمان باندھتے ہیں، اگر آپ اپنے آپ کو حق رائے دہی سے محروم کرلیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ آپ انہیں کچھ "دینے" کے موقف میں نہیں ہیں، صرف ان سے "لینا" چاہتے ہیں تو وہ پھٹک کر بھی آپ کی طرف نہ دیکھیں، اور جو کچھ آپ کے مذہبی حقوق محفوظ ہیں، ان سے بھی آپ محروم ہو جائیں۔

(ہ) اس لئے جمہوریت دو مصیبتوں میں سے کمتر درجہ کی مصیبت ہے اور قاعدہ یہی ہے کہ جہاں دو شر ہوں، وہاں کمتر درجہ کے شر کو قبول کیا جائے۔ قرآن وحدیث میں خود اس کی مثالیں موجود ہیں، اکراہ کی صورت میں کلمۂ کفر کہنے کی اجازت دی گئی، (۱) اور اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے کھانے کی بھی گنجائش رکھی گئی (۲) رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ فرمائی، جو کم سے کم دس سال کے لئے کعبۃ اللہ پر مشرکین کے قبضہ کو قبول کرنا تھا، ان سب کی روح یہی ہے کہ جہاں دو برائیاں جمع ہو جائیں اور دونوں سے بچنا ممکن نہ ہو تو کمتر درجہ کی برائی کو گوارا کرلیا جائے، اس لئے فقہاء نے مستقل فقہی قاعدہ مقرر کیا ہے:

---

(۱) النحل:۱۰۶۔

(۲) البقرہ:۱۷۳۔

" اذاتعارض مفسدتان روعی اعظمهما ضررا بارتکاب أخفهما" (۱)

''جب دو برائیاں مقابل ہوں، تو کم تر کا ارتکاب کر کے بڑے مفسدہ سے بچا جائے گا''

ووٹ اور جمہوری نظام اسی قاعدہ کا مصداق ہے۔ یہ دو بُرائیوں میں سے کمتر اور دو مفاسد میں سے خفیف تر برائی اور مفسدہ ہے؛ ورنہ کچھ ووٹ دینے ہی پر موقوف نہیں، جس وقت آپ نے اس ملک کی شہریت حاصل کی، اس وقت ہی آپ نے اپنے عمل سے ملک کے دستور اور قانون کی وفاداری کا عہد کرلیا، جس کا ایک حصہ ''حاکمیتِ جمہور'' بھی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی مسلمان کے دل کو بھی اس تمنا سے خالی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ خدا کی زمین پر خالصتاً خدا ہی کی حاکمیت کا منظر دیکھے۔ وماذالك على اللهِ بعزيز۔

ضعف حافظہ کے اسباب

سوال:- {2244} کہتے ہیں کہ اگر سر کی جوں نہ ماریں اور زندہ چھوڑ دیں، تو حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، اسی طرح عصر کے وقت پڑھنے اور ہتھیلی پر قلم سے لکھنے پر بھی کہا جاتا ہے کہ بھول کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ (س، ج، قلندر نگر)

جواب:- قرآن و حدیث یا صحابہ ﷺ کے ارشادات میں کہیں کوئی ایسی بات نہیں ملتی کہ ان چیزوں سے حافظہ کمزور ہوتا ہو جوں نہ مارنے اور زندہ چھوڑ دینے کے بارے میں علامہ شامیؒ نے بعض لوگوں کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، (۲) لیکن حدیث

(۱) الأشباه والنظائر مع الحموی :۱/۲۶۱۔

(۲) رد المحتار :۱/۳۸۵۔

وغیرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں، ایسے امور کے بارے میں طبی ماہرین کی آراء ہی مستند اور معتبر ہوسکتی ہیں، جہاں تک ہتھیلی پر لکھنے کی بات ہے تو اس سے اس لئے بھی منع کیا جاتا ہے کہ اس میں علم کی اہانت کا پہلو ہے، بعض سلفِ صالحین اور فقہاء و محدثین سے منقول ہے کہ معاصی اور گناہوں کے ارتکاب سے بھی حافظہ کمزور ہوتا ہے اور یہ بعید نہیں، اس لئے کہ یادداشت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بہت بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نافرمانی کی وجہ سے اپنی کسی نعمت کو سلب کرلیں تو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

چولہا کس سمت میں ہو؟

سوال:- {2245} کیا پکوان کے لئے چولہا جنوب وشمال میں نہیں رہنا چاہیے؟ لوگ کہتے ہیں کہ چولہا اس طرح رکھا جائے کہ ہماری پیٹھ قبلہ کی طرف ہو، کیا قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر ہے؟　　(قرۃ العین لطیفی ،نلگنڈہ)

جواب:- چولہا کس سمت میں ہو؟ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث میں کوئی خاص صورت متعین نہیں کی گئی ہے اور ایسی باتوں کو لوگوں کی سہولت پر رکھا گیا ہے، تاکہ وہ بے معنی اور نامعقول پابندیوں کے وجہ سے بے سبب دشواری میں نہ پڑ جائیں، جنوب وشمال میں بھی چولہا رکھا جاسکتا ہے۔

فرعون کی بیٹی

سوال:- {2246} فرعون کی بیٹی کا کیا نام ہے؟ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی؟

(محمد باسط خاں، دودھ باؤلی)

جواب:- تفسیر کی معتبر کتابوں میں فرعون کی بیٹی کا ذکر "ابنہ فرعون" (فرعون کی بیٹی)

کے لفظ سے ملتا ہے، نام مذکور نہیں، تفسیری روایات سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایمان سے محروم ہی رہی، ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ

> خازنِ فرعون کی بیوی فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر پڑی، اس کی زبان سے نکلا: ''اس کا برا ہو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا'' فرعون کی بیٹی نے کہا: کیا میرے والد کے سوا تیرا کوئی اور بھی رب ہے! اس نے جواب دیا: ہاں اللہ میرا بھی رب ہے، تمہارا بھی، تمہارے باپ کا بھی اور ہر چیز کا ،فرعون کی بیٹی نے اسے ایک طمانچہ رسید کیا، پٹائی کی اور اس کی شکایت بھی فرعون تک پہنچادی۔(۱)

یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، لیکن ازراہِ خیرخواہی عرض ہے کہ جن امور سے دین و دنیا کا کوئی مفاد متعلق نہیں اور قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں، ایسے سوالات کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے، یہ اپنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت لقمان حکیم تھے یا طبیب؟

سوال:- {2247} حضرت لقمان علیہ السلام (یعنی دانشمند) تھے یا طبیب جیسا کہ خاقان ہند حضرت ابراہیم کے ذوق نے کہا:

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھنے ہیں تو ان کے پاس
بدگمان وہم کی دار و وہیں لقمان کے پاس

جواب:- قرآن سے صرف حکیم یعنی دانا ہونا معلوم ہوتا ہے، قرآن مجید نے ان کے

(۱) تفسیر ابن کثیر :۳۹۴/۴۔

جو نصائح ذکر کیے ہیں وہ سبھی دینی اور اخلاقی نوعیت کے ہیں، طب و صحت سے ان کا کوئی قریبی تعلق نہیں ہے، اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ طبیب بھی تھے یا نہیں، اطباء کے لیے حکیم کی اصطلاح کا استعمال ماضی قریب میں شروع ہوا ہے۔

سالگرہ —— اسلامی نقطۂ نظر

سوال:- {2248} اکثر چھوٹے بچوں کی سالگرہ بڑے دھوم دھام سے کی جاتی ہے، کیک، موم بتی سجا کر رکھتے ہیں اور بچوں کو موم بتی بجھانے اور کیک کاٹنے کو کہتے ہیں، اردو اخبارات بھی اس رسم کو عام کرنے میں تعاون کر رہے ہیں، کیا اس طرح سالگرہ منانا درست ہے؟

(خان مقصود حسین خان، نظام آباد)

جواب:- پیدائش کی سالگرہ منانا غیر شرعی عمل ہے، نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے اور اپنے بچوں کی سالگرہ منائی، نہ صحابہ نے، نہ بعد کے سلف صالحین نے، یہ مغربی ثقافت کی دَین ہے، کیک کاٹنا اور موم بتی جلانا اور بجھانا دوسری قوموں کے اثرات ہیں، اس لئے ایسے رسم و رواج سے بچنا چاہئے۔

قتل بہ جذبۂ رحم

سوال:- {2249} بیمار اور معذور افراد جن کی زندگی کی توقع نہیں، جو ایک طرف خود اذیت میں گرفتار ہیں اور دوسری طرف اہل خاندان پر بوجھ ہیں، انھیں اذیت سے نجات دینے یا خاندان کی ان کی ذمہ داری سے عہدہ برآ کرنے کے لیے ایسی صورت اختیار کرنا کہ وہ جلد مر سکیں، مثلاً کینسر، طویل سکتہ،

فالج وغیرہ۔

(Cancero:Deapcoma with enduce of Cerbal death or a humar uagatalla ! Seure congenital defectssuelas spine leifida with paralysis and lack of bladder and eowel control , and mongols.)

اس کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں:

۱) ایسی دواؤں کا استعمال جوزندگی کو ختم کردے۔

۲) زندگی کو طول دینے والی دواؤں اور معالجہ سے پرہیز۔کیا ایسا کرنا ازروئے شرع اسلام جائز ہوگا؟

(حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ، مرکز البحث العلمی، پھلواری شریف، پٹنہ)

جواب:- اسلام کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنی اصل کے اعتبار سے کائنات کی کسی شی یہاں تک کہ خود اپنا مالک بھی نہیں ہے، اس لیے جس طرح یہ درست نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی زندگی کے درپے ہو، اور اسے ہلاک کردے یا اس کے جسم کو جزوی نقصان پہونچائے، اسی طرح یہ بات بھی روا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کرلے، اور کسی شرعی مصلحت کے بغیر اپنے کسی حصۂ جسم کو ضرر پہونچائے، اس کا جسم دراصل اس کے ہاتھوں میں اللہ کی امانت ہے، جس کی حفاظت اس کا فریضہ ہے، اور جس کا استعمال حکم خداوندی کے مطابق اس کو کرنے کی اجازت ہے، مگر اس نوعیت کا تصرف کسی طور پر جائز نہیں ہے۔

یہ طرزفکر بجائے خود اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایسی مہلک دواؤں کا

استعمال جائز نہیں ہوگا، چنانچہ روایت میں ہے:

"عن أبي هريرة ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : "من قتل نفسه بحديدة في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا ، ومن شرب سماً فقتل نفسه فهو يتحسّاه في نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا ، من تردى من جبل فقتل نفسه فهو يتردى في نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا " (۱)

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی دھار دار ہتھیار سے خودکشی کی تو دوزخ میں بھی خود اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ پر وار کرتا رہے گا، جس شخص نے زہر پی کر اپنی جان دی تو دوزخ میں بھی ہمیشہ اسی طرح پیتا رہے گا اور جس شخص نے پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو ہلاک کرلیا تو وہ دوزخ میں بھی ہمیشہ اسی طرح اپنے آپ کو گراتا رہے گا''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چاہے قتل کے لئے کسی'' آلہ حادہ'' کا استعمال کیا جائے یا'' آتشیں اسلحہ'' کا یا کسی مشروب کا، ہر ایک خودکشی کے زمرہ میں آئے گا، اسی طرح وہ دوائیں جو جسم میں داخل ہوکر اعضاء کو کاٹ ڈالتی ہوں'' آلہ حادہ'' جو کسی عضو کو اپنی حدت سے جلا دیتی ہیں، '' آتشیں اسلحہ'' جو اس طرح کی تکلیف کے بغیر زہر بنکر ہلاک کر دیتی ہوں جیسے بعض انجکشن اور دوائیں وغیرہ'' مشروب زہر'' میں شمار ہوں گی۔

(۱) صحيح مسلم، حدیث نمبر:۱۵۸، باب غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه ألخ۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ حدیث میں عام حالات میں خودکشی سے منع کیا گیا ہوگا، لیکن اگر شدت اذیت کی وجہ سے محض ایک واقتی تکلیف سے بچنے کا ارادہ ہو تو "مصلحتاً" اس کی اجازت ہوگی۔ مگر دوسری احادیث نے اس مسئلہ کو بھی واضح کردیا ہے، چنانچہ حضرت جندب بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"كـان فيـمـن كـان قبلكم رجل به جرح فجزع فـأخـذ سـكيـنًا فحز بها يده فما رقأ الدم حتى مـات ، قـال الـلـه تـعـالىٰ بادرني عبدي بنفسه فحرمت عليه الجنة "(۱)

تم میں سے پہلے کی قوموں میں ایک شخص کو زخم تھا، وہ شدت تکلیف سے گھبرا گیا، پھر چھری لی، اور اس سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا، اور خون تھم نہ سکا، یہاں تک کہ موت آگئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی ذات کے معاملہ میں میرے فیصلہ پر سبقت کی، تو میں نے بندے کو جنت سے محروم کردیا"

خود عہد رسالت کا واقعہ حضرت جابرؓ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

أن الـطـفـيـل بن عمرو الدوسي ؓ لـمـا هاجر النبي ﷺ إلـى الـمـديـنه هاجر إليه وهاجر معه رجل من قومه فمرض فجزع فأخذ مشاقص له ، فـقـطـع بهـا بـراجمه فشخبت يداه حتىٰ مات ،

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۳۴۶۳، بـاب مـا ذكـر عـن بنی اسرائیل ، کتاب أحاديث الأنبياء۔ محشی۔

فراه الطفيل بن عمر و في منامه هيئته حسنة و راٰه مغطيا يديه فقال له : ما صنع ربك ؟ فقال غفرلي بهجرتي إلى نبيه ﷺ فقال مالي أراك مغطيّا يديك؟ قال : قيل لي لن نصلح منك ما افسدت ، فقصها الطفيل ؓ على رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ وليديه فاغفر "(۱)

''آں حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد حضرت طفیل بن عمرو دوسی ؓ نے اپنی قوم کے آدمی کے ساتھ ہجرت کی، وہ شخص بیمار پڑ گئے اور شدت تکلیف سے گھبرا کر چاقو سے انگلیوں کے پور کاٹ ڈالے، ان کے ہاتھ سے بے تحاشہ خون بہنے لگا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی، حضرت طفیل ؓ نے ان کو خواب میں اچھی حالت میں دیکھا، البتہ ان کے ہاتھ ڈھکے ہوئے تھے، انہوں نے دریافت کیا تمہارے رب نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا، حضور ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کے طفیل مغفرت کردی، حضرت طفیل ؓ نے پوچھا، یہ ہاتھ ڈھکے کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھ سے کہا گیا کہ ہم اس چیز کو درست نہیں کرسکتے جسے تم نے خود بگاڑ لیا ہے، حضرت طفیل ؓ نے اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی، خداوندا! ان ہاتھوں کو بھی بخش دے''

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۱۱، باب الدليل على أن قاتل نفسه لا يكفر۔ محشی۔

یہ تصریحات بتاتی ہیں کہ غیر معمولی جسمانی اذیت اور کلفت سے بچنے کے لیے بھی ایسا طرز عمل اختیار کرنا حرام ہے، —— اس کو آپریشن یا علاجاً بعض اعضاء کی تراش و خراش اور جسم سے قطع و برید پر قیاس کرنا نہیں چاہئے، اس لیے کہ کسی عضو کو علاجاً کاٹنے میں جسم کے دوسرے حصوں کو اس کے اثرات سے محفوظ رکھنا اور جان بچانا مقصود ہوتا ہے، اور اس اہم تر شرعی اور جسمانی مصلحت کے پیش نظر کم نقصان کو گوارا کرلیا جاتا ہے، جب کہ یہاں مقصود ہی ہلاک کرنا ہے، چنانچہ ایک غزوہ کے موقعہ سے ایک صحابی ﷺ کا ہاتھ اس طرح کٹ گیا کہ چمڑا لکلا ہوا تھا، اور ہڈیاں لٹک رہی تھیں، نیز اس کی وجہ سے مقابلہ میں دشواری پیش آرہی تھی، انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ کر علاحدہ کردیا۔ اس طرز عمل سے اپنے آپ کو ہلاک کرنا مقصود نہ تھا، بلکہ اپنے آپ کو دفاع کے قابل بنانا تھا، جس میں ان کی جان کی حفاظت مضمر تھی۔

یہ حکم جب خودکشی کا ہے، جس میں انسان خود اپنے جسم اور اعضاء میں تصرف کرتا ہے، تو اس صورت میں تو بدرجۂ اولی ہوگا جب طبیب کسی دوسرے کے ساتھ ایسا طریقہ اختیار کرے، چنانچہ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اطباء کو انہی حدود میں رہ کر علاج کی اجازت ہے، جو مریض کو صحت مند کرے اور اس کو موت سے بچانے کی کوشش ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"في الجراحات المخوفة و القروح العظيمة و الحصاة الواقعة في المثانة و نحوها إن قيل قد ينجو و قد يموت أو ينجو و لا يموت يعالج وإن قيل لا ينجو أصلًا لا يداوى بل يترك "(۱)

"سنگین اور کاری زخموں اور مثانہ میں ہونے والی پتھریوں اور اس کے مثل میں اگر اطباء کی رائے ہو کہ ممکن ہے بچ جائے اور ممکن ہے مر جائے، یا یہ کہ بچ جائے گا، مرے گا

(۱) الفتاوى الهندية :۴/۱۱۴۔

نہیں تو (آلات جارحہ کے ذریعہ) علاج کیا جائے گا، اور
اگر کہا گیا کہ صحت کی کوئی امید نہیں، تو ایسا علاج نہیں کرایا
جائے گا، بلکہ چھوڑ دیا جائے گا"

غرض کسی بھی مصلحت کے تحت مریض کی اپنی اجازت سے یا اس کے علم واطلاع کے بغیر ایسی مہلک دواؤں کا استعمال جائز نہیں ـــــ اور جہاں تک یہ مصلحت ہے کہ اس کے متعلقین کو اس کے گراں باری سے نجات ملے تو یہ تو غیر اسلامی حرکت ہونے کے ساتھ ساتھ غیر انسانی بھی ہے، جس شریعت کا تصور یہ ہے کہ آدمی محض ذریعہ ہے، رزق رساں دراصل خداوند قدوس ہے اور جس دین کا پیغامبر کہتا ہو کہ رزق معصوم بچوں، عورتوں اور معذوروں ہی کی وجہ سے ملتی ہے، اس میں ایسے تصور کی کیا گنجائش ہے؟ اس سوال کا جواب تو وہی ہے جو قرآن مجید نے دیا ہے:

﴿لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ (۱)

اس سوال کا دوسرا جز یہ ہے کہ اس کا علاج ہی نہ کیا جائے تا آنکہ از خود موت آ جائے، ـــــ میرا خیال ہے کہ یہ صورت بھی درست نہ ہوگی، آدمی کسی مجبوری کی وجہ سے علاج کرانے پر قادر نہ ہو تو اس کی نوعیت اور ہے اور قدرت کے باوجود اپنی لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے علاج نہ کرائے تو یہ بھی نادرست ہے، کہ جسم اللہ کی امانت ہے اور اس کی حفاظت انسان کا فریضہ ہے، اور اگر علاج نہ کرانے یا نہ کرنے کی نیت ہی یہ ہو کہ موت آجائے اور مریض ہلاک ہو جائے تو ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہوگا، اس لیے کہ گو کہ اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی ہے جس پر "قتل نفس" کا اطلاق ہو، لیکن اس کی نیت یہی ہے کہ ایک زندہ وجود ہلاک ہو جائے اور یہ بجائے خود ناجائز ہے، معالج تو کجا ایک عام انسان کا فریضہ بھی یہ ہے کہ دوسروں کو حتی الوسع موت اور ہلاکت سے بچانے کی کوشش کرے، چنانچہ اگر کوئی شخص نماز میں مصروف ہو اور کوئی نابینا کنویں میں گر جانے کے درپے ہو، تو نماز توڑ دینی واجب ہے، (۲) اس طرح فتاوی ہندیہ میں ہے:

---

(۱) الأسراء :۳۱۔
(۲) الفتاوى الهندية :۱/۱۰۹۔ محشی۔

"اگر کوئی شخص کشتی میں سوار ہو اور کشتی میں آگ لگ جائے اور
اس کو امید ہے کہ دریا میں کود جائے تو اس کی جان بچ سکتی ہے، تو
اس پر کود جانا واجب ہوگا" (۱)

غرض اپنے آپ کو اور دوسرے کو موت و ہلاکت سے بچانے کی آخری حد تک تدبیر کرنا شرعی فریضہ ہے، ——— آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"بیماریوں کا علاج کرایا کرو بوڑھاپے کے علاوہ ساری
بیماریاں وہ ہیں جن کا علاج اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادیا ہے" (۲)

هذا ما عندی و الله اعلم بالصواب و علمه اتم و احکم ۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة :۴/۱۱۵۔

(۲) الجامع للترمذی ، حدیث نمبر :۲۰۳۸، باب ما جاء في الدواء و الحث علیه ، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر :۳۸۵۵، باب الرجل یتداوی ۔ محشی ۔

کتاب الفتاوی

چھٹا حصہ

اصلاح المعاشرۃ

اصلاح معاشرہ

اصلاح معاشرہ

والدین اور بالغ لڑکوں کی اصلاح

سوال:- {2250} اولاد کے بالغ ہوجانے کے بعد بھی، کیا والدین پر یہ ذمہ داری رہتی ہے کہ وہ انہیں نماز اور روزہ کی ادائیگی کے لیے سختی سے پیش آئیں؟ یا پھر انہیں توجہ دلانے پر اکتفا کریں، اگر وہ نہ مانیں تو ان کے ساتھ کس طرح کا تعلق رکھیں یا پھر فرائض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ترک تعلق کرلیں؟　　(نادر السدوسی، مغلپورہ)

جواب:- بالغ ہونے سے پہلے نماز کا حکم تربیت کے قبیل سے ہے اور بالغ ہونے کے بعد ''امر بالمعروف'' کے فریضہ میں داخل ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بچے سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز کا حکم دو، اور دس سال کے ہوجائیں تو اس کے لیے ان کی سرزنش بھی کرو''(۱)

---

(۱)　سنن أبي داؤد:۱/۷۰۔

بالغ ہونے کے بعد انسان خود مکلف ہوتا ہے، اور اگر واقفیت کے باوجود کسی مسئلہ میں کوتاہی کرتا ہے تو خود ہی اس بارے میں جواب دہ ہے، لیکن چوں کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے، اور جتنا زیادہ کسی انسان کی نسبت مؤثر ہو، اس پر اسی قدر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لیے ماں باپ پر اپنے بالغ بچوں کی اصلاح عام مسلمانوں کی اصلاح کے مقابلہ زیادہ ضروری ہے، اب یہ کہ کس درجہ تنبیہ ہو اور کیا اس مقصد کے لیے ترک تعلق کرلیا جائے؟ یہ ہر شخص کے انفرادی حالات پر مبنی ہے، اگر توقع ہو کہ یہ رویہ بچوں کی اصلاح کا ذریعہ بنے گا، تو اسے اختیار کرنا چاہئے، اور اگر اندیشہ ہو کہ اس سے مزید بغاوت پیدا ہوگی اور جو کچھ روک ٹوک ہے، وہ بھی ختم ہو جائے گی، تو پھر ترک تعلق سے بچنا بہتر ہوگا، ساتھ ہی ساتھ والدین کو اپنی اولاد کی اصلاح حال کے لیے دعاء کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، کہ والدین کی دعاء اولاد کے حق میں مقبول ہوتی ہے۔

رشتہ داروں سے بے تعلقی

سوال:- {2251} میں نے اپنی عمر کے ۳۵ رسال ماں، بھائی اور بہنوں کی خدمت میں گزارے، لیکن جیسے ہی میری شادی ہوئی، میری قلیل آمدنی کے سبب ان لوگوں نے تحقیر و تذلیل کر کے مجھے علاحدہ کردیا، اب یہ لوگ کسی تقریب میں ہم لوگوں کو مدعو نہیں کرتے، ایسی صورت میں میرا ان کے گھر میں جانا اور ان کی کسی تقریب میں شرکت نہ کرنا کیا قطع رحمی ہوگا؟ (س، د، ت، نظام آباد)

جواب:- آپ نے جو خدمت کی ہے، عند اللہ آپ کو اس کا اجر حاصل ہوگا، اگر وہ لوگ آپ کو مدعو نہیں کریں تو آپ کا بطور خود دعوت میں شریک ہونا نہ مناسب ہے اور نہ درست ہے، اپنی طرف سے سلام وکلام رکھیں اور کم سے کم والدہ سے ملاقات کے لیے گھر بھی جایا کریں، کیوں

کہ والدین کی طرف سے اگر بالفرض زیادتی بھی ہو، تو زیادتی کا جواب زیادتی سے دینا جائز نہیں۔(۱)

باپ اگر فاسق ہو

سوال:- {2252} میرے والد نہ نماز پڑھتے ہیں، اور نہ روزہ رکھتے ہیں، بلکہ احکام دین کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اور ایک عورت سے ناجائز تعلقات بھی قائم کیے ہوئے ہیں، کیا میں اپنے باپ سے رشتہ منقطع کرسکتی ہوں؟

(......خانپور)

جواب:- باپ گو گنہگار ہو، یہاں تک کہ کافر ہو، تب بھی اس کے رشتہ کا لحاظ ضروری ہے،(۲) اگر راہ ورسم باقی رکھتے ہوئے آپ اپنے والد کو سمجھانے کی کوشش کریں تو ممکن ہے کہ اللہ آپ کو ان کی اصلاح کا ذریعہ بنادے، اس لیے تعلقات رکھتے ہوئے خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو ان برائیوں سے بچانے کی کوشش کریں۔

ماں کے حقوق

سوال:- {2253} ماں کو برا بھلا کہنے اور ماں کی دیکھ بھال سے کترانے، نیز خدمت سے لاپرواہی برتنے کا کیا حکم ہے؟

(محمد غوث خاں، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- اللہ کے بعد سب سے زیادہ ماں باپ کے حقوق کی اہمیت ہے، ماں کی خدمت واجب اور اس سے لاپرواہی برتنا شدید گناہ ہے:

ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی،

---

(۱) مشکوۃ المصابیح :ص:۴۲۱۔ محشی۔

(۲) صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۵۹۷۸،باب صلۃ الوالد المشرک ۔محشی۔

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہارے والدین ہیں ؟ اس
نے جواب دیا: ہاں! ارشاد ہوا: انہیں میں جہاد کرو۔ (۱)

یعنی والدین کی خدمت کرو، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ماں باپ کی اجازت سے ہی جہاد کے لیے جا سکتا ہے، گویا جہاد جیسی عبادت پر ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

ماں باپ کو برا بھلا کہنا تو ایسی بات ہے کہ کسی مسلمان تو کیا شریف انسان کے لیے بھی اس کا تصور کرنا دشوار ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک شخص دوسرے کے باپ کو، ماں کو گالی دیتا ہے اور وہ
جواب میں اس کہنے والے کے ماں باپ کو گالی دیدے، تو
گویا اسی نے اپنے ماں باپ کو گالی سنائی" (۲)

جب بالواسطہ ماں باپ کو برا بھلا سنانے کا باعث بننا تک باعث گناہ ہے تو براہ راست خود ماں باپ پر زبان کھولنا کتنی شقاوت و محرومی کی بات ہے؟

غیر مسلم کی غیبت

سوال:- {2254} کافر کی غیبت کرنے کا کیا حکم ہے؟
اگر کافر کی غیبت کی جائے تو کیا اس کے عذاب سے بچنے کے
لئے معافی مانگی جائے گی؟ (سیدہ فاطمہ، ناندیڑ)

جواب:- بلا ضرورت غیبت کرنا مطلقاً منع ہے، کیونکہ جیسے مسلمان کی عزت و آبرو قابلِ احترام ہے، کافر کی بھی ہے، حق تلفی کسی کے ساتھ بھی ہو، اس سے اپنی زیادتی کی معافی مانگنی چاہئے، جبھی اس کا گناہ معاف ہو سکتا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری :۱/۸۸۳، عن عبد اللہ بن عمرو ؓ، باب لا یجاهد إلا بإذن الأبوین ۔
(۲) صحیح البخاری:۱/۸۸۳،باب لا یسب الرجل والده ۔

بدعمل لوگوں سے بے تعلقی

سوال:- {2255} ایک شخص ہندو تھا، ایک مسلمان بھائی نے اس کی پرورش کی، اسلام قبول کرایا، ختنہ کرا کے نام بدلا، اور ایک مسلمان نمازی خاندان میں اس کی شادی کرائی، وہ شخص چوبیں گھنٹے دارو پیتا ہے، نہ نماز پڑھتا ہے، اور نہ روزہ رکھتا ہے، ایسے شخص کو گھر میں رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور اس کے ساتھ کھانا یا دوستی جائز ہے یا نہیں؟ (شیخ علی، منڑل)

جواب:- کسی شخص کو مسلمان بنانا اور ہدایت کے راستے تک پہنچانا بہت ہی اجر و ثواب کا کام ہے، رہ گئی اس کی برائیاں اور کوتاہیاں، تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، جب ایک شخص کفر سے ایمان کی طرف آ سکتا ہے، تو ایسے برائی سے نیکی کی طرف بھی لایا جا سکتا ہے، اللہ کے کسی بندہ سے نا امید ہو جانا مناسب نہیں، جہاں تک اس سے ترک تعلق کی بات ہے تو یہ مصلحت اور تقاضۂ حالات پر موقوف ہے، اگر چند روز بے تعلقی برتنے کی وجہ سے امید ہو کہ اس کی اصلاح ہو جائے گی، تو بے تعلقی برتنی چاہئے، لیکن اگر اندیشہ ہو کہ یہ بے تعلقی اس کو اپنی بد اعمالیوں میں اور جری بنا دے گی اور اصلاح کی جو کچھ توقع ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی، تو پھر بہتر ہے کہ ایسے شخص کے معاملہ میں تحمل سے کام لیتے ہوئے محبت سے سمجھایا جائے، ورنہ اندیشہ ہے کہ پھر ایمان سے کفر کی طرف چلا جائے، اور اگر مناسب سمجھیں تو چند دنوں کے لیے اسے تبلیغی جماعت میں بھیج دیں کہ جماعت کے دینی ماحول کی وجہ سے دیکھا گیا ہے کہ بہت سے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ و باللہ التوفیق -

بوڑھے والدین کے ساتھ بدسلوکی

سوال:- {2256} ایک صاحب — جن کی عمر تیس

سال ہے— نے شادی کی ، اور چند ہی دنوں بعد والدین پر
ترش کلامی کا الزام لگا کر انہیں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ کر
سسرال کو جا بسے، کیا یہ عمل شرعاً درست ہے؟

(محمد عبدالرشید، بشارت نگر)

جواب:- والدین کے بارے میں عنداللہ سخت جواب دہی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں، "هما جنتك و نارك "(۱) اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"والدین کی نافرمانی کے سوا اللہ جس گناہ کو چاہیں گے
معاف کردیں گے، البتہ والدین کی نافرمانی کا عذاب موت
سے پہلے زندگی ہی میں شروع ہو جاتا ہے۔(۲)

چوں کہ والدین کو بڑھاپے ہی میں سب سے زیادہ خدمت کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے اگر والدین ترش کلامی بھی کریں تو اولاد کو چاہئے کہ اس کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرے، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

"جب ماں باپ یا ان میں سے ایک بڑھاپے کو پہونچ
جائیں تو اُف تک نہ کہو اور نہ جھڑکی دو، بلکہ ان سے نرم گفتگو
کرو"(۳)

اس لیے ماں باپ کو اس طرح بے سہارا چھوڑ دینا بہت ہی نامناسب بات ہے، لڑکوں کو چاہئے کہ حکمت سے کام لیتے ہوئے بیوی اور والدین میں موافقت پیدا کریں، دونوں کے حقوق ادا کریں، اور کسی ایک کی طرف اس طرح نہ جھک جائیں کہ دوسرے کے ساتھ حق تلفی ہو جائے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة ، حدیث نمبر:۳۶۶۲، باب بر الوالدين ۔ محشی۔
(۲) تفسیر مظہری:۴۳۲/۵۔
(۳) بنی اسرائیل :۲۳۔

دو لڑنے والے کے درمیان صلح کی کوشش

سوال:- {2257} میری عادت ہے کہ دو آدمیوں میں لڑائی ہوتی ہے تو چھڑا دیتا ہوں، ایک بار میں نے ایسا ہی کیا، تو ایک فریق کے لوگوں نے مجھے کافی مارا پیٹا، جس کی وجہ سے لوگ مجھے کہتے ہیں کہ آپ کسی کے معاملہ میں مداخلت نہ کیجئے۔　　(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- دو مسلمانوں کو جھگڑے سے بچانا بہت ہی نیکی کا کام ہے، اور اس پر بے حد اجر وثواب ہے، ممکن حد تک ایسے جھگڑے فساد کو روکنا ہر مسلمان کا فرض ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے روکے اگر ہاتھ سے نہ روک سکے تو زبان سے، اگر زبان سے بھی نہ روک سکے تو دل سے برا مانے، اور یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے" (۱)

آپ کا یہ عمل بھی برائی کو روکنے میں داخل ہے، تاہم اگر اندیشہ ہو کہ لوگ دست درازی کریں گے تو آپ زبان سے سمجھانے پر اکتفا کریں، لیکن بہر حال اُسے ایک ایمانی فریضہ اور اسلامی ذمہ داری سمجھیں۔

اولاد کو بددعاء

سوال:- {2258} بعض والدین کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نافرمانی کی پاداش میں یا چھوٹی موٹی باتوں پر بحث

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۷۸، عن ابی سعید الخدری ﷺ۔

وتکرار، زبان درازی یا حکم کی عدم تعمیل وغیرہ کے موقعوں پر بہت بری طرح بد ترین بد دعائیں دیا کرتے ہیں،" تو مرجائے گا ، تو سرفراز نہیں ہوگا، تو بری موت مرے گا، خدا تجھے غارت کرے" وغیرہ وغیرہ ان کا یہ عمل شریعت کی نگاہ میں کیسا ہے؟ (محمد عبدالحلیم، محبوب آباد)

جواب:- والدین کے لیے مناسب نہیں کہ غصہ کے اظہار کے لیے بددعائیہ کلمات کہیں، اس لیے کہ نہ معلوم کون سا وقت اللہ تعالیٰ کے یہاں استجابت کا ہو، اس وقت بددعاء کے کلمات نکلیں، ڈانٹ ڈپٹ کے دوسرے کلمات بھی ہیں، ان کو کہہ لینا بہتر ہے، بعض فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ ماں باپ کو اگر بچوں سے تکلیف پہنچے تو اسے دل میں دبا کر نہ رکھے، کیوں کہ اگر والدین اپنی ناراضگی کا بدلہ نہ لے لیں تو اس کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہو جاتا ہے، اور ایسی صورت میں اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پکڑ ہو جائے، اس لیے اس سے خوب بچنا چاہئے، بال بچوں کو بھی چاہئے کہ وہ ایسی حرکت نہ کریں جس سے ماں باپ کا دل دکھے، اور ان کی زبان سے بددعائیہ کلمات نکلیں، دونوں طرف سے اس کی رعایت ضروری ہے۔

ماں کی غلطی کی وجہ سے اس سے بات نہ کرنا

سوال:- {2259} میں اپنی سگی ماں سے ناخوش ہوں، کیوں کہ میری بہن کی شادی ایک مولوی حافظ صاحب سے ہوئی تھی اور اس سے کچھ بچے بھی ہیں، لیکن میری ماں کی غلط کارکردگی کی وجہ سے میری بہن کا جنازہ شوہر کو چھوڑ کر ایک غیر نامحرم شخص کے گھر سے نکلا جس کی وجہ سے میں اپنی ماں سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا، کیا میرا اپنی ماں سے یہ سلوک حق بہ جانب ہے؟ (شرف الدین، پتہ غیر واضح)

جواب:- آپ کی والدہ کا اس طرح کا عمل بہت ہی مذموم اور نا درست ہے، اور انہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے، تاہم کسی بھی مسلمان سے تین دنوں سے زیادہ گفتگو نہ کرنے کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اور فرمایا کہ جو اس سے زیادہ کسی مسلمان سے بات چیت بند رکھے، وہ دوزخ میں داخل ہوگا، (۱) چہ جائے کہ ماں، حضور ﷺ نے ماں باپ کے بارے میں فرمایا کہ اگر ان کی طرف سے زیادتی ہو تب بھی اسے برداشت کرنا چاہئے، (۲) اس لیے آپ اپنی والدہ کو توبہ واستغفار کی تلقین کریں، لیکن بات چیت بند نہ کریں۔

تین دن گفتگو نہ کرنا

سوال:- {2260} میرے اور میری بہن کے درمیان معمولی سی بات پر جھگڑا ہوگیا، ایک ماہ تک گفتگو بند رہی، مجھے معلوم تھا کہ تین دن کے اندر اگر مسلمان بات نہیں کرے تو وہ کافر ہو جائے گا، اگر ہم گنہ گار ہیں تو برائے مہربانی معافی کا راستہ بتائیے۔ (عائشہ فردوس، گلبرگہ)

جواب:- کسی سے کلام نہ کرنا اگر دینی غیرت کی وجہ سے ہو، جیسے باپ بیٹے کی غلط حرکت پر ازراہ تنبیہ کلام نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں؛ البتہ مؤمن کی یہ صفت نہیں کہ دنیا کی حقیر چیز کی خاطر قطع کلامی کرلے، اگر گفتگو بند بھی ہو جائے تو ضروری ہے کہ تین دن کے اندر بات شروع کر دے۔ حدیث شریف میں ہے:

" نهى رسول الله ﷺ أن يهجر أخاه المسلم فوق ثلث ليال " (۳)

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۹۱۴۔

(۲) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۳۶۵۷، ۲۶۹۶۔ محشی۔

(۳) صحيح مسلم: ۳۱۶/۲۔

"رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ مسلمان اپنے
مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے"

اگر تین دن سے زیادہ گزر جائے تو اسے چاہئے کہ توبہ واستغفار کر کے تعلق قائم کرلے، توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہ پر ندامت ہو اور آئندہ اسے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو، یہی صورت آپ کے گناہ کا کفارہ ہے۔

یہ سمجھنا کہ تین دن کے اندر گفتگو نہ کرنے سے وہ کافر ہو جاتا ہے، درست نہیں، ایسا شخص گنہگار ہے، کافر نہیں۔

اپنے آپ میں گالی بولنا

سوال:- {2261} میں کسی کام کے بگڑ جانے یا نہ
ہونے پر اپنے آپ کو گالی دے لیتا ہوں، تو کیا اپنے آپ میں
گالی دینا بھی گناہ ہے؟　(محمد خان، فیروز خان، پھولا نگ)

جواب:- زبان اور قوت گویائی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے اور ضروری ہے کہ اس کا استعمال بھی ایسی ہی باتوں کے لئے ہو جن سے اللہ راضی ہوتا ہے، اس کا بے جا استعمال امانت میں خیانت ہے، اس لئے انسان کو اپنے ہر بول کا حساب دینا پڑے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسان جو کچھ بولتا ہے، اس کے بول پر نگران موجود ہوتا ہے: ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾(۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ یا تو بھلی بات کہے یا خاموشی اختیار کرے(۲) اس لئے صرف دوسروں کو گالی دینی ہی گناہ نہیں، بلکہ اپنے آپ کو بھی زبان کی گالی سے آلودہ کرنا گناہ ہے اور اس سے بچنا واجب ہے۔

---

(۱)　ق:۱۸۔

(۲)　ریاض الصالحین، حدیث نمبر:۱۵۱۰۔

کتے کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

سوال:- {2262} کتے کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ جب کہ ہم نے سنا ہے کہ کتا جہاں سے گزر جائے وہاں فرشتے نہیں آتے۔ (ذوالفقار ندوی، قبا کالونی)

جواب:- کتا بھی ایک مخلوق خداوندی ہے، اس لیے خواہ مخواہ اس کو اذیت پہنچانا یا بلاسبب مار ڈالنا جائز نہیں ہے، آپ ﷺ نے ابتداءً مارنے کا حکم دیا تھا، لیکن بعد کو اس سے منع فرمادیا، (۱) ہاں! اگر اس سے خطرہ ہو، جیسا کہ عام طور پر پاگل کتوں سے ہوتا ہے تو ان کو مارا جاسکتا ہے، گھر میں ایسے کتے رکھنے کی اجازت ہے، جو حفاظت کا کام انجام دے سکتے ہیں اور گھر کی حفاظت کے لیے ان کا رکھنا ضروری ہو، لیکن خواہ مخواہ کتوں کی پرورش، ان کو گھر میں رکھنا اور ان کے ساتھ میل جول رکھنا درست نہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے بھی یہ نا مناسب عمل ہے، اور طبی اعتبار سے بھی اس میں مضرت ہے۔

بے تعلقی اور قطع رحمی

سوال:- {2263} میرے ایک سگے چچا ہیں، ان کے اور میرے والد کے تعلقات تقریباً تیس سال سے منقطع ہیں، کئی تقریبات کے مواقع پر میرے والد نے پہل کرتے ہوئے ان سے شرکت کی درخواست کی، لیکن انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں، "جائیے" ہمارے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اب ہم انہیں کسی تقریب میں مدعو نہ کریں، کیوں کہ اول تو ان کے سر پر قطع رحمی کا گناہ ہے، اور

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۰۲۰، باب الأمر بقتل الکلاب و بیان نسخہ۔ محشی۔

پھر ہماری جانب سے صلہ رحمی کے پیش کش کو ٹھکرا دینے کا گناہ بھی ہو رہا ہے؟ (محمد جعفر، کھمم)

جواب:- حضرت ابو ایوب انصاری ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین شب و روز سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک کلام کرے، جب دونوں ملے تو وہ ادھر چہرہ پھیر لے اور یہ ادھر، اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے" (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان سے بے تعلقی قطعاً جائز نہیں، اگر کسی غیر معمولی واقعہ کی وجہ سے جذبات مشتعل ہوں، جب بھی تین دنوں سے زیادہ یہ کیفیت برقرار نہیں رہنی چاہئے، نیز جو اس تعطل کو توڑنے میں پہل کرے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نگاہ میں زیادہ بہتر شخص ہے، چنانچہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سلام کرتا رہے تو اس کو تارک تعلق نہیں سمجھا جائے گا، اور وہ گناہ گار نہیں ہوگا:

"إن السلام يقطع الهجرة و يرفع الإثم فيها و يزيله" (۲)

اس لیے آپ لوگوں کا ان کو مدعو کرنا آپ کے لیے باعث اجر و ثواب ہے، جب بھی ملاقات ہو آپ سلام میں پہل کرنے کی کوشش کریں، ممکن ہے بار بار کے اس یکطرفہ سلوک سے متاثر ہو کر ان کے رویہ میں تبدیلی آجائے، آپ انہیں بلانا نہ چھوڑیں تاکہ آپ تو قطع رحمی اور ایک مسلمان سے بے تعلقی کے گناہ سے محفوظ رہ سکیں۔

(۱) صحيح مسلم:۲/۳۱۶۔

(۲) شرح نووی علی صحيح مسلم :۲/۳۱۶۔

کتاب الفتاوی

چھٹا حصہ

کتاب الھبۃ والوصیۃ

ہبہ اور وصیت کے احکام

ہبہ اور وصیت

غیر محرم کا تحفہ

سوال:- {2264} اسلام میں تحفہ دینا اور قبول کرنا دونوں جائز ہے، اس لئے اگر کوئی غیر محرم ہمیں تحفہ دے تو کیا اسے قبول کیا جاسکتا ہے؟ اگر ہم قبول نہ کریں تو اس کی دل شکنی ہوگی، تو کیا اس سے گناہ ہوگا؟ (ایک بہن)

جواب:- یوں تو ایک مسلمان کیا ہر انسان کا تحفہ قبول کرنا جائز ہے، اور اگر کسی عورت کو اندیشہ ہو یا مال حرام ہونے کا گمان ہو، تو تحفہ نہ قبول کرنا بھی درست ہے، لیکن کسی عورت کے غیر محرم سے تحفہ کے قبول کرنے میں بعض اوقات فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے، اور جن لوگوں کا ذہن بیمار ہوتا ہے وہ اس کی وجہ سے غلط امیدیں قائم کرسکتے ہیں، اس لیے آپ کو اپنے سرپرستوں کی اجازت کے بغیر ایسا کوئی تحفہ ہرگز قبول نہیں کرنا چاہئے۔

ہبہ کی قسمیں اور اولاد میں نابرابری

سوال:- {2265} ہبہ نامہ کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں:
(۱) ہبہ نامہ تملیک، (۲) ہبہ نامہ اسقاط، براہ کرام ہر دو کی تعریف مع مثال سمجھائیے اور بتائیے کہ یہ کن حالات اور کن اشخاص کے حق میں کیا جاسکتا ہے؟ کیا ان دو میں سے کسی ایک کو کسی وارث کے حق میں بھی جسے شریعت نے خود حصہ دار بنایا ہے، کوئی شی ہبہ کی جاسکتی ہے؟ مثلا: اگر کسی فرد کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، لڑکوں کو جائداد کے شرعی حق سے محروم یا کم سے کم مستفید ہونے یا ان کا حصہ کم کرنے کے لیے تینوں لڑکیوں کو مکان کا زائد حصہ ہبہ کیا جاسکتا ہے؟ کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے کہ اپنی ہی اولاد میں ایک کو زیادہ حصہ دینے اور دوسری اولاد کو کم نفع پہنچانے کے لیے جائداد کی غلط تقسیم عمل میں لائی جائے؟ جب کہ اولاد میں دینی اعتبار سے کوئی خرابی نہیں، کیا محض دامادوں کو خوش کرنے کے لیے ایسا کیا جاسکتا ہے؟ (رفعت سراج، وجے نگر کالونی، حیدرآباد)

جواب:- ہبہ کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی شی آپ کے پاس موجود ہو اور آپ کسی کو اس کا مالک بنادیں، اس کو ہبہ تملیک بھی کہا جاتا ہے: "هي تمليك العين مجانا بلا عوض "(۱) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کے ذمہ دَین باقی ہو اور وہ اسے ہبہ کردیا جائے، یعنی دَین اس سے معاف کردیا جائے، یہ دراصل اسقاط ہے، جسے ہبہ سے تعبیر کیا گیا ہے:

"و هو هبة الدّين ممن عليه فإنه اسقاط ، و إن

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۸/۴۲۳۔ محشی۔

کان بلفظ الهبة " (۱)

(ب) لڑکیوں کو زیادہ ہبہ کرنا اور لڑکوں کو کم یا لڑکیوں کو ہبہ کر دینا اور لڑکوں کو محروم رکھنا مناسب نہیں، حضرت نعمان بن بشیر ﷜ سے روایت ہے:

''انہوں اپنے ایک لڑکے کو کوئی جائداد دینی چاہی اور حضور ﷺ کو گواہ بنانا چاہا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمام بچوں کو اسی طرح دے رہے ہو؟ جب انہوں نے انکار کیا تو آپ ﷺ نے اس پر گواہ بننے سے انکار کر دیا'' (۲)

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس طرح ہبہ کرنا مکروہ ہے۔ (۳) گو ہبہ کر دیا جائے تو قانونی طور پر نافذ ہو جائے گا، (۴) اس لیے ایسے اقدام سے بچنا چاہیے، جو آدمی کے لیے آخرت میں پکڑ اور مؤاخذہ کا باعث ہو۔

شوہر کا بیوی کو ہبہ کرنا

سوال:- {2266} مندرجہ ذیل حالات میں علماء کی رائے شریعت کی روشنی میں درکار ہے

زید و ذکیہ سعودی عرب میں تقریباً پندرہ سال رہے، یہاں ذکیہ کو زید سے دس اولاد ہوئیں، یہاں زید ذکیہ کی زندگی ہنسی خوشی گزرتی تھی، ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا، سعودی عرب کے قیام کے دوران ذکیہ نے زید سے کہا کہ اپنی

(۱) البحر الرائق :۷/۴۸۳۔ محشی۔
(۲) سنن ابن ماجة:ص:۱۷۲۔ محشی۔
(۳) الفقه الإسلامي و أدلته :۵/۳۴۔ محشی۔
(۴) حوالہ سابق۔ محشی۔

بیوی کے طور پر ماہانہ کچھ رقم اسے دیدے وہ اس رقم کا کچھ بھی استعمال کرلے گی، زید نے ذکیہ کی اس بات سے متفق ہوتے ہوئے کچھ رقم (جو متعین نہیں تھی) ماہانہ دینے لگے اور اجازت دے کہ تم کچھ بھی کرلو، اس رقم کے بارے میں نہ پوچھوں گا نہ مانگوں گا، ذکیہ یہ رقم خرچ نہیں کرکے جمع کرنا شروع کی، جب بھی تھوڑی رقم ہوجاتی وہ سونا خرید لیتی، اس طرح اس نے اپنے پیسوں سے سونا جمع کیا، کچھ سال بعد زید کی نوکری وہاں ختم ہوگئی، زید کی رقم جو نوکری کے عوض ملی تھی اس سے بھی سونا خریدا گیا، انڈیا واپس آنے کے بعد وہ سونا جو زید کی رقم سے خریدا گیا تھا، ذکیہ نے زید کو دے دیا، زید نے وہ سونا فروخت کرکے کاروبار میں لگائے، جس سے زید کو ماہانہ چار ہزار روپے ملتے ہیں، مزید کچھ رقم زید نے اور ایک جگہ لگائی تھی، وہاں سے کم وبیش دو ہزار روپے ملتے ہیں، اس طرح زید کو ماہانہ جملہ چھ ہزار روپے ملتے ہیں۔

انڈیا آنے کے بعد زید کا رویہ بیوی بچوں کے ساتھ ٹھیک نہیں رہا، اب وہ زیادہ وقت اپنی ماں کے پاس رہتے ہیں، بہت کم وقت بیوی بچوں میں، اس دوران بھی بیوی کے ساتھ سیدھی بات نہیں کرتے، بیوی کے خلاف لعن طعن کرتے ہیں، نا زیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں اور کبھی مارتے ہیں، انڈیا آنے کے بعد ذکیہ کو اور ایک لڑکا تولد ہوا اور پھر اب حمل سے ہے، ذکیہ ان گیارہ بچوں کا کام (جب سب چھوٹے ہیں) دن تمام اکیلی کرتی رہتی ہے، تھک کے چور ہوجاتی ہے، زید صبح گیارہ

بجے گھر سے نکل جاتے ہیں، کبھی باہر کبھی جماعتوں میں، اکثر ماں کے پاس وقت گزار کر رات گیارہ بجے گھر آتے ہیں، جب ذکیہ زید سے کہتی ہے کہ تمام عورتوں کے شوہر شام گھر آجاتے ہیں، اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں، گھر کے کاموں میں مددگار بنتے ہیں، آپ مجھ اکیلی پر اتنا بوجھ ڈال کر گھر سے غائب رہتے ہیں، تو زید طعنہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ گھر کا کتنا کام ہے جو تو نے کی ہے، خاموش رہ ورنہ ماروں گا۔

اب وہ ذکیہ سے وہ سونا جو ذکیہ نے اپنے حق کی رقم بچا بچا کر خرید کر لائی، یہ کہہ کر مانگ رہے ہیں کہ وہ معاشی اعتبار سے پریشان ہیں، اس سونے کو بیچ کر کچھ کریں گے، چوں کہ ذکیہ یہ سونا اپنے حق کے پیسوں سے خریدی ہے، اس لیے ذکیہ یہ سونا زید کو دینا نہیں چاہتی، زید کہتے ہیں کہ مجھے حق ہے، میں مانگ سکتا ہوں اور کہتے ہیں کہ علماء سے اس بارے میں فتوی منگاؤں، مندرجہ بالا حالات کی روشنی میں شریعت کیا کہتی ہے:

(الف) کیا وہ رقم جو زید اپنی بیوی کو اس کے حق کے طور پر دے دیا تھا، جس سے ذکیہ نے سونا خرید لیا، زید اس کو اپنی بیوی ذکیہ سے لے سکتا ہے؟ جب کہ ذکیہ یہ سونا دینا نہیں چاہتی؟

(ب) کیا زید کا گیارہ بچوں کا بوجھ اکیلی بیوی پر ڈال کر خود بچوں کی دیکھ بھال کی تمام ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرنا، جماعتوں میں جانا اور ماں کے پاس بیٹھے رہنا

درست ہے؟

(ج) بحیثیت باپ زید پر اولاد کی دیکھ بھال اور تربیت کی کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ مندرجہ بالا سوالات کا مفصل جواب عنایت فرمائیں، جس کے لیے میں آپ کا ممنون و مشکور ہوں گا۔　　　(محمد حسن)

جواب:- (الف) زید نے جو رقم اپنی بیوی ذکیہ کو دیا تھا اور بیوی نے اس کا سونا خرید کرلیا، وہ ذکیہ کی ملکیت ہے، زید کے لیے نہ اس کا مطالبہ جائز ہے اور نہ اس میں کسی قسم کا حق حاصل ہے، یہ ہبہ ہے اور شوہر اگر بیوی کو کوئی چیز ہبہ کردے، تو اس سے رجوع کی گنجائش نہیں، چنانچہ قدوری میں ہے:

"و إن وهب هبة لذی رحم محرم منه لم يرجع فيها ، و كذلك ما وهب أحد الزوجين للآخر"(۱)

(ب) اگر بچے زیادہ ہوں تو بہ شرط گنجائش شوہر کو خادمہ کا نظم کرنا واجب ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں ہے: "و تفرض على الزوج إذا كان موسرا نفقة خادمها "(۲) رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک نماز عصر کے بعد ازواج مطہرات کے یہاں جانے اور ان کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کا تھا اور بعد مغرب آپ ﷺ اپنی زوجہ کے یہاں تشریف لے جاتے، جن کی باری ہوتی۔(۳) اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں وقت دینا اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا حضور ﷺ کی سنت ہے۔

جماعتوں میں جانا ایک نیک اور مستحسن کام ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ گھر کے حالات اور

---

(۱) قدوری: ص: ۱۳۷، کتاب الهبة ۔ محشی۔
(۲) الهداية: ۲/۴۳۹ ۔ محشی۔
(۳) دیکھیے: رسول رحمت: ص: ۶۶۸ ۔ محشی۔

مسائل کو ملحوظ رکھ کر جماعت میں جایا جائے ، اسی طرح ماں کی خدمت بھی شرعاً واجب ہے، لیکن ضروری ہے کہ بچوں کو بھی مناسب وقت دینے اور مغرب سے پہلے گھر آنے کی سعی کرے، اس کے علاوہ بیوی کو کسی شرعی سبب کے بغیر مار پیٹ کرنا اور برا بھلا کہنا بھی درست نہیں اور جو لوگ دینی دعوت کے کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کو تو اور بھی زیبا نہیں۔

(ج) اولاد کی تعلیم ان کی دینی و اخلاقی تربیت ان کے اخراجات کی تکمیل ان کا علاج، دیکھ بھال اور حفاظت ونگہداشت باپ پر واجب ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ بچوں کے سامنے ماں کے ساتھ ناشائستہ رویہ اختیار نہ کرے کہ اس سے بچوں کے اخلاق میں بگاڑ آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

زندگی میں ورثہ کے درمیان جائداد تقسیم کرنا

سوال:- {2267} میری دو بیویوں میں پہلی بیوی کو کوئی اولاد نہیں، دوسری بیوی کو پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، میں نے دو لڑکیوں کے نام جوائنٹ کھاتہ مبلغ بیس ہزار (۲۰۰۰۰) روپے بینک میں ڈپازٹ کیا ہے اور دو قطعہ مکان ہے، جو تقریباً 150 مربع گز پر مشتمل ہے، میں اپنی زندگی میں اپنے ورثہ کے درمیان جائداد کو تقسیم کرنا چاہتا ہوں، شرعی اعتبار سے جائداد کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

(عزیز الدین، ہمایوں نگر، حیدرآباد)

جواب:- ''زندگی میں تقسیم کردینا'' اور ''موت کے بعد'' مستحقین کے درمیان اشیاء کا تقسیم کیا جانا فقہی اعتبار سے دو الگ الگ چیزیں ہیں، پہلی چیز ''ہبہ'' کہلاتی ہے، جو خود اس شخص کی جانب سے تقسیم ہے اور دوسری صورت ''وراثت'' ہے، جس میں من جانب اللہ تقسیم عمل میں آتی ہے، ہبہ میں تو وہ قانونی لحاظ سے مختار ہے کہ جسے جتنا اور جس قدر چاہے دیدے، لیکن

اگر ورثہ کو زندگی میں تقسیم کردینا چاہتا ہو، تو اصول یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو برابر برابر تقسیم کردے، اگر کمی بیشی کرے گا، تو عنداللہ باز پرس ہوگی۔(۱) اور اگر تقسیم کے بغیر موت واقع ہوگئی تو اب متروکہ جائداد حصہ موروثی کے لحاظ سے تقسیم ہوگی۔

واضح ہو کہ اگر اس نے جائداد زندگی میں اس لحاظ سے تقسیم کی جو موت کے بعد ''موروثی'' حصوں کے اعتبار سے ہوسکتی تھی، تو یہ تقسیم نافذ تو ہوجائے گی، لیکن بہتر طریقہ کے خلاف ہوگا۔

اپنی زندگی میں کچھ رقم بیوی کے نام ہبہ کردے

سوال:- {2268} زید لا ولد ہے، وہ اپنی جائداد کا کچھ حصہ اپنی برادرزادی کے نام ہبہ کردیا ہے اور تقریباً املاک کے دو تہائی حصہ کا اپنی بیوی کو مالک بنادیا ہے، زید اس طرح کوئی ایک تہائی جائداد اپنے ورثاء کے لیے ترکہ میں چھوڑنا چاہتا ہے؟ واضح رہے کہ زید اپنی گزشتہ زندگی میں اپنے والدین اور دوسرے مستحقین کے ساتھ مالی امداد، حسن سلوک اور صلہ رحمی کرتا رہتا ہے اور انشاء اللہ آئندہ زندگی میں بھی حتی المقدور کرتا رہے گا۔ (زین العابدین، چنچل گوڑہ)

جواب:- شریعت کا اصول ہے کہ جب انسان خود زندہ ہو تو وہ اپنی املاک کا مکمل مالک

---

(۱) "قوله ﷺ فاتقوا الله و اعدلوا بين أولادكم" (مشكوة المصابيح :ص:۲۶۱)
''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان (ہبہ، تحائف وغیرہ میں) برابری کرو''

"يعطي البنت كالابن عند الثاني و عليه الفتوى ، أى على قول أبي يوسف" من أن التنصيف بين الذكر و الأنثى أفضل من التثليث الذى هو قول محمد" "(رد المحتار :۴/۵۱۳)

اور اس میں مختار ہے، وہ جسے چاہے اور جتنا چاہے ہبہ کر سکتا ہے، البتہ مناسب ہے کہ کوئی ایسی صورت اختیار نہ کی جائے جس سے اس کے جائز حقدار محروم ہو جائیں اس لیے:

(الف) زید اپنی برادر زادی پر جتنا چاہیں خرچ کر سکتے ہیں، از روئے شرع اس کی کوئی تحدید نہیں ہے۔

(ب) بیوی کو اس طرح دو تہائی املاک کا مالک بنا دینا بھی جائز ہے، اگر نیت اس کی آئندہ زندگی میں تعاون ہے (یعنی اس کی نیت یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری بیوی مالی پریشانی میں مبتلا نہ ہو) ورثاء کو محروم کرنا نہیں ہے، تو وہ انشاء اللہ گنہگار بھی نہیں ہوگا، البتہ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے اقرباء سے حسن سلوک اور جائداد کا کچھ حصہ ان کے لیے بھی چھوڑنا چاہئے۔

اولاد کو ہبہ کرنے کے بعد واپسی

سوال:- (2269) زید اپنی اولاد کے لیے اپنی حیات میں ہی اپنی جائداد تقسیم کر دیا اور اس کی اولاد اس پر قابض ہوگئی اور اس میں بعض نے دوسرے کو اپنا حصہ فروخت بھی کر دیا، اس کے بعد زید اپنی اولاد سے جائداد واپس لے کر از سر نو اس کو تقسیم کرنا چاہتا ہے، کیا ایسا کر سکتا ہے؟

(محمد امیر الدین، نیپال)

جواب:- زید کا اپنی اولاد کے درمیان زندگی میں جائداد تقسیم کر دینا ہبہ ہے اور چوں کہ اولاد اس پر قابض بھی ہو چکی ہے، اس لئے ہبہ مکمل ہو چکا اور اولاد اس کے مالک ہو چکے ہیں، اس لیے اس کی خرید و فروخت کرنا درست ہے اور خریدار اس کا مالک ہو گیا، اب زید کے لیے واپس لینے کی کوئی گنجائش نہیں رہی، چوں کہ اولاد کو ہبہ کرنے کے بعد شرعاً کوئی گنجائش نہیں۔

"کنز الدقائق" میں ہے: "فلو وھب لذی رحم محرم منه لا یرجع فیھا" (۱)

---

(۱) کنز الدقائق: ص: ۲۵۵۔

مورث کسی ایک وارث کو مرنے سے پہلے جائداد وغیرہ ہبہ کردے

سوال:- {2270} ایک عورت نے اپنی کچھ جائداد کو اپنے بیٹے کی ملکیت میں دے دیا، کیا اس عورت پر اپنے دیگر ورثاء کو محروم کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا؟ (عاشق علی، بیدر)

جواب:- ہبہ درست ہوگا، مگر عند اللہ گنہگار ہوگی، اس لیے کہ اس نے ان لوگوں کو ان حقوق سے محروم کیا جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے حقدار قرار دیا ہے۔(۱)

عورت کو دیئے ہوئے زیور

سوال:- {2271} ڈیڑھ سال ہوئے زید کا نکاح ہندہ سے ایک ہزار ایک روپیہ کے عوض ہوا، اب تک کوئی

---

(۱) "عن أبي هريرة ﷺ عن رسول الله ﷺ قال: إن الرجل و المرأة ليعمل بطاعة الله ستين سنة ثم يحضرهما الموت فيضاران في الوصية فتجب لهما النار" ثم قرأ أبوهريرة ﷺ ﴿ من بعد وصية يوصي بها أو دين غير مضار ﴾ إلى قوله : ﴿ ذلك الفوز العظيم ﴾ (مشكوة المصابيح :ص:۲۶۵)

"ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مرد وعورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ موت کا وقت قریب آجاتا ہے، اس وقت وہ دونوں وصیت کرکے (ورثاء کو) نقصان پہونچاتے ہیں، اس کی وجہ سے ان کے لیے جہنم واجب ہوجاتی ہے۔

" قوله : فيضاران (إلى قوله) بأن يهب جميع ماله لواحد من الورثة كيلا يرث وارث آخر من ماله شيئا فهذا مكروه و فرار عن حكم الله تعالىٰ " (التعليق الصبيح :۳/۳۹۸)

" عن أنس ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ : من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه في الجنة يوم القيامة " (مشكوة المصابيح :۱/۲۶۶)

"حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کردے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت سے محروم کردیں گے"۔ محشی۔

اولاد نہیں ہوئی، زید جسمانی اور معاشی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے، ہندہ کی تمام خواہشات پوری کرنے کے باوجود وہ زید پر جھوٹے الزامات لگا کر خلع لینا چاہتی ہے، زید کو شادی میں سسرال والوں کی طرف سے ایک ہزار روپے نقد اور چھوٹے چھوٹے تحفے دیے گئے تھے اور عید کے موقع پر پانچ سو روپے بھی دیا گیا تھا، زید کی طرف سے ہندہ کو تین تولہ سونا دیا گیا تھا اور زید کو شادی میں بارہ ہزار روپے خرچ ہوئے تھے، ہندہ اپنی چیزوں کو زید سے واپس طلب کر رہی ہے، مذکورہ بالا نقدی بھی مانگ رہی ہے، ایسی صورت میں کیا زید اپنا دیا ہوا سونا اور اخراجات واپس لے سکتا ہے اور کیا سسرال والوں کی طرف سے دی ہوئی چیزوں کے ساتھ نقدی بھی زید کو لوٹانا ہوگا؟

(احمد علی، مغلپورہ)

جواب:- ہندہ کے گھر والوں کی طرف سے زید کو جو کچھ دیا ہے وہ شرعاً ہبہ ہے چھوٹے چھوٹے تحائف جن لوگوں نے دیے ہیں وہ بھی ان لوگوں کی طرف سے ہبہ ہے، اگر سامان زید کے پاس کسی تبدیلی کے بغیر موجود ہے، تو دینے والوں کو حق ہے کہ وہ رجوع کرلیں اور واپس لے لیں، (۱) گو ہبہ کرنے کے بعد واپس لینا مکروہ ہے، ہاں، زوجین میں سے ایک نے دوسرے کو جو کچھ دیا ہے، وہ ناقابل واپسی ہے، اور اسی طرح کسی ذی رحم محرم رشتہ دار کا دیا ہوا ہبہ ناقابلِ واپسی ہوتا ہے، (۲) اسی طرح زید کا دیا ہوا تین تولہ سونا شوہر کا بیوی کو ہبہ

(۱) " یصح الرجوع فیھا أی فی الھبة بعد القبض ... ما لم یمنع مانع من الموانع الآتی " (مجمع الأنھر :۲/۳۵۹)

(۲) " و فی خزانة الفقه :اثنی عشر ینقطع به حق الرجوع إذا کان الموھوب له ذا رحم محرم منه أو کانت زوجته أو کان زوجھا ألخ " (مجمع الأنھر :۲/۳۶۰)

ہے،(۱) جس میں رجوع درست نہیں، لیکن خلع میں زید کو حق ہے کہ وہ طلاق اسی شرط پر دے کہ اس کا دیا ہوا سونا واپس کر دیا جائے، ایسی صورت میں طلاق اسی وقت واقع ہوگی جب عورت وہ سونا واپس کر دے، شادی میں ہونے والے خرچ کا مطالبہ نامناسب ہے، اس لیے کہ شریعت کسی کو اسراف کا مکلف نہیں بناتی ہے۔

ہبہ اور وصیت کا مسئلہ

سوال:- {2272} ہبہ نامہ بنام ڈاکٹر ممتاز خاں، رپورٹ میٹنگ ارکان خاندان، وصیت نامہ یوسف علی خاں صاحب خلف نواب ٹیپو خاں پیش خدمت ہے، اور یوسف علی خاں مرحوم کا انتقال ہو چکا ہے، لہذا بتایا جائے کہ متوفی کی جائداد اب کس طرح تقسیم کی جائے؟ (ڈاکٹر ممتاز علی خان)

جواب:- آپ نے جو سوال کیا ہے اس سلسلہ میں اصولی طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ہبہ زندگی میں کسی کو کوئی چیز دینے کا نام ہے،(۲) اسے مال والے کی طرف سے دینا اور دوسرے فریق کی جانب سے اسے قبول کرنا ضروری ہے اور فریق دوم کے قبضہ کے بعد یہ معاملہ تمام ہو جاتا ہے،(۳) یہاں تک کہ اگر خود دینے والا بھی واپس لینا چاہے تو طرفین کی باہمی

---

(۱) مسئلہ کا اصل دار و مدار عرف پر ہے، عام طور پر ہماری طرف کا جو عرف ہے وہ یہ ہے کہ خاوند کی طرف سے جو زیورات بیوی کو دیے جاتے ہیں، اس کا مالک شوہر ہی رہتا ہے، عورت اسے عاریۃً استعمال کرتی ہے، جہاں یہ عرف ہو وہاں شوہر اپنے زیورات کو واپس لے سکتا ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۸/۳۶۷، مسائل جہیز)

(۲) "هي تمليك العين مجانا بلا عوض" (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/۴۲۳) محشی۔

(۳) "و تصح بالايجاب و القبول و القبض" (الهداية: ۳/۲۸۳) محشی۔

آمادگی یا حکم ضروری ہے۔" و لا یصح الرجوع إلا بتراضیهما أو بحکم الحاکم "(۱)

موت کے بعد کسی چیز کا مالک بنانے کو وصیت کہتے ہیں، وصیت خود اپنے وارث کے لیے صحیح نہیں ہے اور کسی دوسرے کے لیے بھی ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا صحیح نہیں، ہاں! اگر اس کے حقیقی ورثا اگر اس کی اجازت دیں تو درست ہے، علامہ ابوالبرکات نسفیؒ لکھتے ہیں:

" و الوصية تمليك مضاف إلى ما بعد الموت ...

و لا تصح بما زاد على الثلث و الجحود لا يكون رجوعا " (۲)

اب صورت حال یہ ہے کہ یوسف علی خاں نے اپنا مکان یوسف باغ نزد 296-9-1 اور مکان نمبر 297-9-1 ممتاز علی کے نام ہبہ کر دیا ہے، لہذا وہ تو ان ہی کا ہوگا، --- نا مپلی کی جائداد (ملکیات کے بارے میں الفاظ ہے کہ:

احمدی خاتون کو دیدیا ہوں، لہذا وہ اس کی مالک ہوں گی، یوسف منزل کی عبارت تحریر ہذا کے مطابق وہ زندگی میں ہی وقف کر چکے ہیں اور تولیت ممتاز علی کو تفویض کر چکے ہیں، لہذا یہ جائداد موقوفہ ہوگی اور وہی اس کے متولی ہوں گے، اس کے بعد جن چیزوں کی مرنے والے نے وصیت کی ہے ۲۰ر جنوری کی محررہ پیش نظر تحریر کے مطابق ورثاء اس سے اتفاق کر چکے ہیں، لہذا حسب وصیت جائداد کی تقسیم عمل میں آئے گی۔

ہبہ مکمل ہونے کے لیے قبضہ ضروری ہے

سوال:- {2273} منکہ احمد حسین ولد حسین صاحب،

عمر ۶۴ سال، پیشہ مستاجر جنگلات، ساکن لال ٹیکری، حیدرآباد،

(۱) الهداية: ۲۸۴/۳۔

(۲) كنز الدقائق على هامش البحر الرائق: ۹/ ۲۱۱تا۲۱۳، كتاب الوصايا۔

حال مقام کاشی بگہ، ورنگل، لکھ دیتا ہوں ہبہ نامہ بطور یادداشت اس بات پر کہ میں اراضیات سروے نمبر 46 منجملہ 47 منجملہ 48 منجملہ موضع کھمم، جن پر گودام اور رہائشی مکان محصور کمپونڈ میونسپل نمبر 1018-11 جو 29979 مربع گز بموجب تقریبا مشتمل ہے، اس کا میں بلاشرکت غیر مالک اور قابض ہوں، اس میں (20) گودام، ایک رہائشی مکان اور ملازمین کے کوارٹریں باولیاں اور (3) بڑے پانی کے حوض (1) چمنی، بیت الخلاء وغیرہ ہیں، میں اب چوں کہ معمر ہو چکا ہوں اور حال ہی میں فالج کا دورہ بھی ہوا ہے، میری دو بیویاں، پہلی بیوی مسماۃ رقیہ بی کی علالت میں میں نے عقد ثانی مسماۃ ممتاز بیگم سے کی ہے، مجھے ان دو بیویوں سے اولاد ذرینہ گیارہ ہیں اور دو لڑکیاں ہیں، میری پہلی بیوی سے تین مرد بچے اور دوسری بیوی سے آٹھ لڑکے ہیں، بوجہ ضعیف نیز فالج کا حملہ ہونے سے میری زندگی کا بھروسہ نہیں ہے، مجھے بہت خدشہ ہے کہ بعد میری زندگی کے بوجہ سوتیلا میرے بچوں میں تقسیم جائداد کے لیے نا اتفاقیاں اور جھگڑے پیدا ہوں گے، اس صورت سے بچانے کے لیے مجھ پر ہبہ لازم ہوگیا ہے، کہ مذکورہ سب جائداد کو اپنے بچوں میں عادلانہ طور پر ہبہ کردوں، لہذا میں نے اپنی جائداد کو حسب ذیل فرزندان اور اہلیہ دوم میں 1969ء میں زبانی طور پر ہبہ کر چکا تھا، سب نے بخوشی قبول کیا تھا۔

(الف) (۱) مسمی الطاف حسین، (۲) واحد حسین، (۳) یوسف حسین، گودام نمبرات 6,7,15,16,17,18,

19,20 جملہ آٹھ (8) گودامات رقبہ (802.20) مربع گز ہبہ کیے گئے۔

(ب) مسمی حامد حسین کو گودام نمبر (5) رقبہ (260.00) مربع گز ہبہ کیا گیا۔

(ج) خود یعنی احمد حسین صاحب کے ذاتی اغراض کے لیے گودام نمبر ایک رقبہ (263.00) رکھ لیا گیا، اور بعد زندگی حصہ ہونے فرزند مسمی ذاکر حسین جو نابالغ ہے ان کی مختص کر کے ہبہ کیا جاتا ہے۔

(د) (۱) عارف حسین، (۲) اختر حسین، (۳) محمد حسین، (۴) صادق حسین، (۵) شاہد حسین کو گودام نمبرات 2,8,9,10,11,12,13,14 آٹھ گودامات جن کا کل رقبہ (1337.07) مربع گز ہے، ہبہ کیے گئے۔

(ہ) خود یعنی احمد حسین کی رہائش اور نگہداشت جائداد کے لیے رہائشی مکان رقبہ (158) مربع گز مختص کیا ہے، بعد زندگی ان سب لڑکوں اور بیویوں کا مساوی حق ہوگا۔

(و) ملازمین کے (5) کوارٹریں رقبہ (60) مربع گز (3) حوض رقبہ (455) مربع گز جس میں (102) مربع گز باولیاں اور بیت الخلاء وغیرہ مشترکہ رکھ دیا گیا۔

(ز) خالی اراضی اندرون کمپونڈ (22666) مربع گز اس کو مساویانہ گیارہ حصوں یعنی (2060) مربع گز فی کس مختص کیا گیا، اور ہبہ کیا گیا، میرے دو نابالغ فرزنداں مسمی شاہد حسین اور ذاکر حسین کے دو حصے میرے اور میری اہلیہ زیر نگرانی

رہیں گے۔

(ح) اندرون کمپونڈ ۴؍ سڑکیں (راستے) آمد و رفت لاریوں وغیرہ کے لیے زمانہ قدیم سے ہیں، ان کو بدستور رکھا جاتا ہے، اور اس کی تقسیم نہیں ہوسکتی، اس پر ہر ایک کو استعمال کا حق دیا جاتا ہے، ان سڑکوں کا علی الترتیب (۱) روڈ (3479) مربع گز (۲) روڈ (889) مربع گز (۳) روڈ (889) مربع گز (۴) روڈ (409) مربع گز ہے۔

چنانچہ یہ چند کلمات بطور یادداشت ہبہ بہ ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ لکھ دیے گئے ہیں کہ مستند رہے اور وقت ضرورت پر کام آجائے۔

(احمد حسین ولد محمد حسین، جولائی ۱۹۶۹ء، کاتب محمد یعقوب علی، گواہ نمبر ایک محمود مولانا، گواہ نمبر دو محمد عبد النوی)

جواب:- ہبہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ہبہ کرنے کے بعد جب تک اس شخص کو قبضہ نہ دے دیا جائے جس کو ہبہ کیا ہے، اس وقت تک ہبہ مکمل نہیں ہوگا، لہذا اگر احمد حسین صاحب مرحوم نے اپنے لڑکوں کو ہبہ کیا ہے، لیکن اس پر اپنا قبضہ اور تصرف برقرار رکھا تو ہبہ مکمل نہیں ہوگا اور وہ جائداد تمام ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگی، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"و لا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة و يستوي فيه الأجنبي و الولد إذا كان بالغا" (۱)

البتہ ہبہ نامہ سے ظاہر ہے کہ بعض اراضی نابالغ اولاد کو ہبہ کی گئی ہے اور نابالغ اولاد کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر باپ اسے ہبہ کردے اور اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھے تب بھی ہبہ

(۱) الفتاوی الهندیة: ۴/۳۷۷۔

مکمل ہوجاتا ہے، کیوں کہ اس کی حیثیت اپنے لڑکے کی جانب سے وکیل کی ہوتی ہے، چنانچہ فتاوی بزازیہ میں ہے:

"هبته من ابنه الصغير تتم بلفظ واحد و يكون الأب قابضا بكونه في يده أو في يد مودعه أو مستعيره" (۱)

لہذا اگر ان بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے والد کا انتقال ہو چکا ہو، تو وہی اس کے مالک ہوں گے اور اگر ان کے بالغ ہونے کے بعد بھی والد نے اپنا قبضہ برقرار رکھا اور اپنا تصرف برقرار رکھا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس جائداد پر قبضہ بہ حیثیت وکیل نہیں رکھا تھا، بلکہ خود قابض و متصرف رہے، اس لیے وہ جائداد بھی تمام ورثہ میں تقسیم ہوگی، ہبہ نامہ کے دفعہ ۳ر کے تحت ایک نابالغ بچہ کو بعد زندگی ہبہ کیا تھا، یہ صورت شرعاً ہبہ کی نہیں، بلکہ وصیت کی ہے اور وارث کے حق میں وصیت کا اعتبار نہیں، (۲) اس لیے وہ جائداد بھی تمام ورثہ میں قابلِ تقسیم ہے۔ واللہ اعلم۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية :۶/۲۳۶۔

(۲) "لا وصية لوارث" (الجامع للترمذي ،حدیث نمبر:۲۱۲۰،باب ما جاء لا وصية لوارث) محشی۔

وصیت

ہبہ اور وصیت

سوال:- {2274} میرے والد کا ایک مکان ۱۶۵ ارگز کا ہے، جواب تک ان ہی کے نام پر رجسٹری ہے، میرے والد کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، والد اور والدہ کا انتقال ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء میں ہوا ہے، والد زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ مکان میرے دو لڑکوں کا ہے، چنانچہ ۱۹۸۴ء میں ایک وصیت نامہ لکھا: ''میرے دونوں بھائی اس وقت کناڈا کے شہری ہیں، اور کوئی اٹھائیس انتیس سال سے وہیں مقیم ہیں، اٹھائیس انتیس سال قبل مکان کی قیمت سات آٹھ ہزار سے زیادہ نہیں تھی، اب اس وقت مکان کی قیمت آٹھ تا دس لاکھ ہوگئی ہے میرے بڑے بھائی جواب میرے سمدھی بھی ہیں، وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ مکان میرا ہے، حالانکہ وصیت نامہ

میں دونوں بھائیوں کا نام ہے۔

(ایک بہن، ایم، سی، ایچ کالونی، مہدی پٹنم)

جواب:- وصیت و ہبہ دو قریبی اصطلاح ہیں، زندگی میں کسی شخص کو کسی چیز کا مالک بنا دینا ہبہ ہے اور موت کے بعد مالک بنانا مثلاً یوں کہنا کہ میرے بعد میری فلاں جائداد فلاں شخص کی ہوگی، یہ وصیت ہے، اگر آپ کے والد نے اپنے دونوں لڑکوں یا صرف بڑے لڑکے کو ہبہ کر دیا ہو اور اس پر قبضہ بھی دلایا ہو، تو جس کے حق میں ہبہ کیا ہو، وہ اس کا مالک ہے، اور اگر لکھا ہو کہ میری موت کے بعد میرا بڑا لڑکا یا یہ دونوں لڑکے مالک ہوں گے، تو یہ وصیت ہے، وصیت کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وارث کے لیے وصیت نہیں۔ " لا وصية لوارث " (۱) دوسرے وصیت زیادہ سے زیادہ ترکہ کے ایک تہائی حصہ ہی میں معتبر ہے، اس کی صراحت بھی حدیث میں موجود ہے۔ (۲) لہٰذا اگر آپ کے والد نے وصیت کی ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، اور نہ صرف دونوں بھائی بلکہ تینوں بہنوں کا حق بھی اس جائداد سے متعلق ہوگا، ہاں! اگر تینوں بہنیں دونوں بھائی کے حق میں یا بہنیں اور چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے حق میں دستبردار ہو جائیں تو جس کے حق میں دستبردار ہوں، وہ اس کا مالک ہوگا۔ (۳)

اعضاء کی وصیت

سوال:- {2275} آج کل اشتہارات میں کہا جا رہا ہے کہ مرنے سے پہلے وصیت کرو کہ مرنے کے بعد ہماری آنکھیں، دل، گردہ اور دوسرے اعضاء کسی ضرورت مند شخص کو

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۷۴۷، باب : لا وصية لوارث ۔ محشی ۔

(۲) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۷۴۳، باب : الوصية بالثلث ۔ محشی ۔

(۳) دیکھئے: رد المحتار : ۱۰/۳۴۶ ۔

دے دی جائے، کیا ایسی وصیت درست ہے؟

(حناء کوثر، عادل آباد)

جواب:- اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ مجبوری کے درجہ میں ایک شخص اپنا فاضل عضو دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ فاضل عضو سے مراد یہ ہے کہ اس کو نکالے جانے کی وجہ سے اس کی جان ہلاکت میں نہ پڑ جائے، جیسے کوئی شخص دو گردوں میں سے ایک گردہ اپنے بھائی کی جان بچانے کے لیے اسے دے دے، بعض علماء اسے جائز اور بعض ناجائز قرار دیتے ہیں، تاہم یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ کوئی مریض سامنے موجود ہو، نہ کہ متوقع مریض کے لیے۔(۱)

جہاں تک اعضاء کی وصیت کرنے کی بات ہے، تو چوں کہ موت کے بعد انسان اپنے جسم کا مالک باقی نہیں رہتا، اس لئے اگر کوئی شخص ایسی وصیت کر جائے تو اس کی وصیت کا اعتبار نہیں اور ایسی چیز کی وصیت کرنا بھی درست نہیں جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔(۲)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: اسلام اور جدید میڈیکل مسائل۔

(۲) الفقه الإسلامي و أدلته: ۸/۴۸۔ محشی۔

کتاب الفتاوی

چھٹا حصہ

کتاب الفرائض

میراث کے احکام

میراث سے متعلق سوالات

اولاد کے درمیان ناانصافی

سوال:- {2276} ایک صاحب کو پانچ لڑکے ہیں، انہوں نے ایک ہی لڑکے کو پوری جائداد کا مالک بنادیا ہے، مکان بھی اسی کے نام رجسٹری کرادیا ہے، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ (عبدالرحمن، بھینسہ)

جواب:- اولاد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ماں باپ ان کے درمیان عدل اور برابری سے کام لیں، اپنی اولاد میں سے ایک کو دینا اور ایک کو محروم کردینا یا ایک کو زیادہ دینا اور ایک کو کم دینا گناہ ہے، اور اس کو رسول اللہ ﷺ نے جور یعنی ظلم قرار دیا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد نے انہیں کچھ دینا چاہا، والدہ کی خواہش تھی کہ وہ اس پر آں حضور ﷺ کو گواہ بنائیں، جب خدمت اقدس میں آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا اور لڑکوں کو بھی اسی طرح دیا ہے؟ عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں اس ظلم کے کام پر گواہ نہیں بن سکتا۔(۱) لہذا

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۱۷۷، باب کراهية تفضيل الأولاد في الهبة ۔ محشی ۔

والدین کوایسی ناانصافی اورزیادتی سے بچنا چاہئے کہ یہ بات عنداللہ سخت پکڑ کا باعث ہے۔

میراث کی کسی چیز میں قرعہ اندازی کرنا

سوال:- {2277} ورثہ کے مال کی تقسیم دو بھائیوں کے درمیان ہورہی ہو، کوئی چیز بچ جائے، اس کی قیمت طے ہوچکی ہو، لیکن دونوں بھائی قیمت دے کر وہ چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

(اقبال الدین، عثمان پورہ)

جواب:- ایسی صورت میں شرعی طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ چیز دونوں بھائیوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے تو دونوں میں تقسیم کردی جائے، اگر تقسیم کے لائق نہیں، تو دونوں باری باری اس کا استعمال کریں، مثلاً ایک ماہ یہ اور ایک ماہ وہ، اگر ان دونوں صورتوں پر آمادہ نہ ہوں، اور اس پر آمادہ ہوں کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ ان دونوں میں سے ایک کو وہ شی دے دی جائے، اور جس کے نام کا وہ قرعہ نکلے، وہ اس کی نصف قیمت دوسرے وارث کو ادا کردے، تو یہ صورت اختیار کی جائے، متعدد حق داروں کے درمیان حصہ کی نوعیت متعین کرنے میں قرعہ اندازی سے کام لیا جاسکتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ

"حضور ﷺ جب سفر پہ تشریف لے جاتے، تو اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے، ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے قرعہ نکلا، چنانچہ یہ دونوں امہات المؤمنین آپ ﷺ کے ساتھ تشریف لے گئیں" (۱)

(۱) صحیح مسلم: ۲/۲۸۶۔

قرعہ اندازی کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ایک کاغذ پر اس شی کا نام لکھا جائے ، اور دوسرے کاغذ پر قیمت درج کی جائے ، اور یہ خفیہ کاغذ دونوں سے اٹھوایا جائے ، جس کے نام اس شی کی پرچی آئے وہ اس شی کو حاصل کرلے ، قرعہ اندازی کی اور دوسری صورتیں بھی ہوسکتی ہیں ، اگر اس پر بھی ورثہ متفق نہ ہوں تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس سامان کو فروخت کر کے دونوں بھائیوں کو برابر برابر پیسے دے دئے جائیں ۔

مخنث سے متعلق احکام میراث

سوال:- {2278} مخنث اگر صاحب ایمان ہے ، تو اس کے اوپر نماز فرض ہے یا نہیں ؟ اس کی میت کو کس طرح کفن دیا جائے گا ؟ اور میراث میں اس کا کتنا حصہ ہوگا ؟

(عبدالرحیم خاں ، رضوی ، آصف آباد)

جواب:- کسی شخص کا مخنث پیدا ہونا من جانب اللہ ہے ، اور شریعت میں اس کے حقوق کی پوری پوری رعایت ہے ، چنانچہ :

(الف) نماز ، مخنث پر بھی فرض ہے ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر نماز فرض قرار دیا ہے ، اور ظاہر ہے کہ وہ بھی مسلمانوں میں سے ہے ۔ ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (۱) اسی لیے فقہاء نے نماز کی صفوں کی ترتیب کی بابت جہاں مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ہے وہیں مخنث کا بھی ذکر کیا ہے ، اگر جماعت میں مرد و عورت کے ساتھ مخنث بھی شریک ہوں تو پہلے مردوں کی صف ہوگی ، پھر بچوں کی ، اس کے بعد مخنث کی صف اور اخیر میں عورتوں کی ۔ (۲)

---

(۱) النساء : ۱۰۳ ۔ محشی ۔

(۲) الفتاوی الهندية : ۱/ ۸۹ ۔

(ب) مخنث ایک گونہ مرد اور ایک گونہ عورت ہے، اور عورت کے کفن میں زیادہ احتیاط برتی گئی ہے، اس لیے مخنث کا کفن بھی عورتوں ہی کی طرح ہوگا' 'والخنثیٰ یکفن کما تکفن المرأة احتیاطا ''(۱)

(ج) میراث میں مرد و عورت میں جس کا حصہ کم پڑتا ہو، وہی اس کو دیا جائے گا۔ ''للخنثیٰ المشکل اقل النصیبین ''(۲)

یہ احکام خنثیٰ مشکل سے متعلق ہے؛ البتہ جس کی جنس غلبۂ احوال و اعضاء کے اعتبار سے مرد یا عورت کی حیثیت سے متعین ہو جائے، تو اس کے احکام اسی جنس کے مطابق ہوں گے۔ واللہ اعلم

میراث اللہ کی تقسیم ہے

سوال:- {2279} پرکھوں کی جائداد فروخت ہوئی، آج ان کے ورثاء کی تعداد تمیں تک پہنچ گئی ہے، ان میں سے ایک وارث کو GPA دیا گیا تھا، تاکہ جائداد کی فروختگی میں سہولت ہو، وہ اکیلے رقم کی تقسیم عمل میں لاتے ہیں، وہ بھی اس طرح کہ ایک وارث کو کیا دے رہے ہیں اور کس حساب سے دے رہے ہیں، انہیں کو اس کا علم ہے، (گو کہ شرعی حصہ کی رقم سے کم ہی دی گئی) کیا موصوف کا یہ عمل قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح ہے؟ (محمد اقبال الدین احمد، عثمان پورہ، حیدر آباد)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے میراث کے حصے خود متعین فرمادئے ہیں، اور میراث کے احکام جس قدر تفصیل سے قرآن مجید میں آئے ہیں، شاید ہی معاشرتی زندگی کا کوئی اور مسئلہ اس

---

(۱) الفتاوی الهندية:۱/۱۶۱۔

(۲) سراجی :ص:۸۔

تفصیل سے قرآن میں ذکر کیا گیا ہو، اللہ تعالیٰ نے خود مورث یعنی متوفی پر بھی اس کی تقسیم کو موقوف نہیں رکھا اور میراث کے حصص متعین فرما کر ارشاد ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے: ﴿ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ ﴾(۱) اس لیے ان صاحب کا لوگوں کو حساب دئے بغیر اپنے حسب خواہش تقسیم کرنا قطعاً جائز نہیں۔

کیا جہیز وراثت میں منہا ہوگا؟

سوال:- {2280} آج کل لڑکیوں کی شادی میں مجبوراً لڑکوں کے مطالبات پر کافی رقم دینی پڑتی ہے، یا جہیز کے نام پر قیمتی سامانوں میں کافی رقم صرف ہوجاتی ہے، تو کیا وراثت میں پھر لڑکیوں کو حصہ دینا پڑے گا؟

(ابن یسین، موضع اسراہا وایا کھرماں پتھرا، ضلع دربھنگہ، بہار)

جواب:- وراثت کا تعلق اس جائداد سے ہے جو موت کے بعد بچ رہے، زندگی میں لڑکے یا لڑکیوں کو جو کچھ دیا جائے وہ ہبہ ہے، ہبہ کی وجہ سے حصۂ وراثت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے لڑکیوں کا حق وراثت بہر حال باقی رہے گا، ہاں! جو کچھ لڑکی کو جہیز وغیرہ کی صورت میں دیا جائے، اگر والدین اپنی زندگی میں اسی قدر لڑکوں کو بھی دیدیں تو یہ اولاد میں تقاضائے عدل کے عین مناسب ہوگا؛ کیوں کہ یہ ایک زائد خرچ ہے، جو نفقہ اور تربیت و کفالت کے علاوہ ہے۔ واللہ اعلم

بیوی کی موت کے بعد اس کے مہر کی ادائیگی

سوال:- {2281} ہمارے دوست کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، انہیں کوئی اولاد نہیں ہے، ہمارے دوست مہر کی رقم

(۱) النساء :۱۱۔ محشی۔

دینا چاہتے ہیں اور ان کے ساس، خسر زندہ نہیں ہیں، بہن اور بھائی موجود ہیں، مہر کی رقم میں شوہر کا حصہ کتنا ہوگا، اور باقی مہر کی رقم بھائی بہن لے لیں، یا خیرات کردیں؟

(سید طاہر، حافظ بابا نگر)

جواب:- اس صورت میں بیوی کا مہر اس کا ترکہ شمار ہوگا، اس کی آدھی رقم کا مالک تو خود شوہر ہوگا اور باقی رقم بھائیوں اور بہنوں میں، اس طرح تقسیم ہوگی کہ بھائیوں کو بہ مقابلہ بہنوں کے دوہرا حصہ ملے گا، (۱) اگر تمام ورثا اس رقم کو صدقہ کرنے یا مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے کوئی کام کرنے پر متفق ہوں تو یہ بھی کیا جاسکتا ہے، (۲) لیکن اس میں تمام ورثہ کی رضامندی ضروری ہے، اگر اس سے متفق نہ ہوں تو رقم تقسیم کردی جائے، پھر جو چاہے اپنے حصہ کی رقم سے ایصال ثواب کردے۔

زوجہ مرحومہ کے مہر کی تقسیم

سوال:- {2282} میرے ایک دوست کی اہلیہ کا انتقال ہوئے ایک سال ہوچکا ہے، اب وہ چاہتے ہیں کہ زر مہر جو مبلغ دس ہزار روپے ہیں، ادا کردیں، ان کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، شرعی تقسیم کس طرح ہوگی؟

(خواجہ معین الدین غوری، سید علی چبوترہ)

جواب:- اگر مرحومہ کے والدین ان کے انتقال سے پہلے فوت ہوچکے ہوں، تو اس مہر میں سے ایک چوتھائی کے حق دار خود شوہر ہوں گے، اور باقی کے نو حصے کئے جائیں گے، دو دو حصے لڑکوں کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو، اور اگر والدین بھی زندہ ہوں تو شوہر کو چوتھائی اور والدین

(۱) ﴿ للذكر مثل حظ الأنثيين ﴾ (النساء:۱۱) محشی۔

(۲) رد المحتار :۱۰/۳۰۱ـ محشی۔

میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ اور جو باقی بچ رہے، اس کے اسی طرح نو حصے کئے جائیں گے، کہ دو دو لڑکوں اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو دیا جائے گا۔

بہنوں کی شادی کا خرچ ان کے حصۂ میراث سے وضع کرنا

سوال:- {2283} زید کی سات لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، زید نے اپنی زندگی میں دو لڑکی کی شادی انجام دی، ان کے گزر جانے کے بعد ان کے بڑے فرزند بکر نے بقیہ پانچ بہنوں کی شادی میں جزوی وکلی تعاون کیا اور شادی انجام دی، زید کی جائداد کے سلسلہ میں بکر کا استدلال ہے کہ میں نے بہنوں کی شادیوں میں اخراجات ادا کیے ہیں، اس لیے ان پانچ بہنوں کا حصہ ادا نہیں کروں گا اور اس کا حقدار میں ہوں، اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ (طاہر حسین صدیقی، منڈی میر عالم)

جواب:- اگر بھائی نے شادی کے وقت یہ بات کہہ دی ہو کہ میں یہ رقم اس شرط پر خرچ کر رہا ہوں کہ بہنوں کے حصہ میں اس کا معاوضہ لوں گا، تو اس کی گنجائش ہے، کہ جتنی رقم اس نے خرچ کی تھی، حساب کر کے اتنی رقم اس کے حصہ سے وصول کر لی جائے، اور باقی رقم ادا کر دی جائے، اگر اس وقت یہ بات نہیں کہی گئی تھی، تو یہ اس کی طرف سے تبرع اور حسن سلوک ہے، ان شاء اللہ آخرت میں اس کو دنیا سے کہیں زیادہ اجر وثواب ملے گا، لیکن بہر صورت بہنوں کو ترکہ کے حصہ سے محروم نہیں کیا جاسکتا:

" أما اذا كانت بغير أمره فظاهر : لأنه لا يملك الرجوع على المحيل فكان تبرعا بابتدائه و انتهائه " (۱)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۵/۹، محشی۔

ہاں! اگر بہنیں بھائی کے حسن سلوک کی رعایت کرتے ہوئے بطیب خاطر اپنے حصے سے دست بردار ہو جائیں تو یہ صورت درست ہوگی۔

مطلقہ اور حق میراث

سوال:- {2284} خیر النساء کا نکاح ڈاکٹر رحمت اللہ سے کچھ عرصہ قبل ہوا تھا، کچھ معاملہ میں آپسی کشیدگی کی وجہ سے طلاق کی نوبت آ گئی، ان کے الفاظ یہ تھے کہ "میں تمہیں نکاح سے خارج کر رہا ہوں" خیر النساء کی تین حقیقی بہنیں ہیں، وہ اپنی زندگی میں کہا کرتی تھیں کہ میرے مرنے کے بعد میرے تمام اموال میری چھوٹی بہن کو دے دیے جائیں، ڈاکٹر صاحب کو طلاق دیئے سات سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور خیر النساء کی وفات ہو چکی ہے، مرحومہ کا سوائے بہنوں کے کوئی وارث نہیں، اس پس منظر میں درج ذیل سوال دریافت طلب ہیں۔

(الف) کیا ڈاکٹر رحمت اللہ کا خیر النساء سے رشتہ نکاح باقی تصور کیا جائے گا؟ اگر رشتہ نکاح کو باقی سمجھا جائے تو میراث میں ان کا کس قدر حصہ ہوتا ہے اور دیگر تین بہنوں کا کتنا؟

(ب) اگر مرحومہ کی بقید حیات باتوں کو جو وقتاً فوقتاً غیر منقولہ جائدادوں کے بارے میں کہا کرتی تھیں، زبانی وصیت مان بھی لی جائے تو اس کا اطلاق کل جائداد پر ہوگا، یا صرف ایک تہائی پر؟ (گن فاؤنڈری، حیدر آباد)

جواب:- مذکورہ صورت میں خیر النساء پر طلاق واقع ہو چکی ہے، "میں تمہیں نکاح سے

خارج کر رہا ہوں'' کا فقرہ بتاتا ہے کہ یہ طلاق بائن ہے۔(۱) اس لئے رحمت اللہ کو متوفیہ کے متروکہ میراث سے حصہ نہیں ملے گا۔

(ب) زبانی وصیت بھی معتبر ہے، البتہ وصیت کا اصول یہ ہے کہ یہ وارث کے لئے معتبر نہیں ہے،(۲) اس لئے چھوٹی بہن کے لئے وصیت کا اعتبار نہیں ہے، تینوں حقیقی بہنیں وارث ہوں گی۔

مناسخہ کا ایک مسئلہ

سوال:- {2285} ایک موروثی جائداد ہے جس کی قیمت فروخت بیس ہزار (۲۰۰۰۰) روپے ہیں، مورث کو تین فرزند تھے، بڑا فرزند لاولد فوت ہوا، بیوی بھی انتقال کر چکی، دوسرا فرزند بھی چار لڑکے اور چار لڑکی کو چھوڑ کر انتقال کیا، تیسرا فرزند بقید حیات ہے، جسے کوئی اولاد نہیں ہے، بیوی اور والدین بھی نہیں ہیں، اور کوئی وارث نہیں۔

(عتیق الرحمٰن، مارول، جلگاؤں، مہاراشٹر)

جواب:- سوال سے یہ واضح نہیں ہے کہ پہلے اور دوسرے فرزند کا انتقال باپ کی زندگی میں ہو چکا تھا، یا ان کی وفات کے بعد ہوا ہے، اگر زندگی میں ہو چکا تھا، اور ان کی بیوی بھی بقید حیات نہیں تھیں، تو پوری جائداد فرزند نمبر تین کی ہوگی، دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور اگر پہلے اور دوسرے فرزند کا انتقال باپ کی وفات کے بعد ہوا ہے تو دس ہزار روپے

---

(۱) ''و یقع بابنتك عن الزوجية بلا نية" (الدر المختار) "وفی كنايات الجوهرة : "انا بری من نكاحك يقع ما نوی ''(رد المحتار:۴۳۶/۲)

(۲) ''قال عليه السلام : " إن الله اعطى كل ذی حق حقه ألا لا وصية للوارث " (الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۲۱۲۰،باب ما جاء لا وصية لوارث) محشی۔

دوسرے فرزند کا حصہ ہوگا اور یہ اس کی اولاد میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ لڑکوں کو فی کس ۱۶۶۶/ اور لڑکیوں کو فی کس ۸۳۳/ روپے ملیں گے۔

مرحومہ بیوی کے اخراجاتِ علاج اور ترکہ کے احکام

سوال:- {2286} زید کی شادی دو سال قبل ہندہ سے ہوئی تھی، ایک لڑکی تولد ہوئی، جو زندہ ہے، آٹھ ماہ کا حمل تھا، جو ساقط ہوگیا، دس دن کی مختصر علالت کے بعد ہندہ کا انتقال ہوگیا، اس پس منظر میں چند امور دریافت طلب ہیں:

(الف) دواخانہ کا بل دوائیاں اور علاج کے سلسلہ میں جملہ اخراجات ۸۵۰۰۰/ روپے سکہ ہند سے زائد خرچ ہوئے ہیں اور یہ رقم ہندہ کے والد نے فراہم کیے ہیں، دوران علاج ہندہ کے والد کو زید کی طرف سے تمام اخرجات کی ادائیگی کا تیقن دیا جارہا تھا، اب ہندہ کے والد کا مطالبہ ہے، کیا مذکورہ خرچ کی ادائیگی از روئے شرع زید پر لازم ہے؟

(ب) تجہیز و تکفین کے جملہ اخراجات ہندہ کے والد ہی برداشت کیے ہیں، ہندہ کے والد کے مطالبہ پر کیا زید کو یہ رقم بھی ادا کرنا ہوگا؟

(ج) شادی کے موقع پر ہندہ کے ماں باپ کی طرف سے دیا ہوا سونا وزن پندرہ تولہ بہ شکل زیور زید کو، کیا لوٹانا ہوگا؟

(د) کیا شادی کے موقع پر دیا ہوا جہیز، ملبوسات، فرنیچر بھی واپس کرنا ہوگا؟

(ہ) زید کے سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے دی

ہوئی سلامیاں، تحائف بہ شکل زیور اور اشیاء بھی کیا لوٹانا ہوگا؟

(و) مہر ادا نہیں کیا گیا، کیا پورا مہر دینا ہوگا؟ کن کو دینا ہوگا؟

(ز) کیا جوڑے کی رقم بھی زید کو واپس کرنا ہوگا؟ (جب کہ جوڑے کی رقم کا مطالبہ نہیں تھا، خود ہندہ کے والد نے خوشی سے دیا تھا۔)

(ح) شادی کے موقع پر زید جو سونا بہ شکل زیور ہندہ کو دیا تھا، اس سونے کے تعلق سے شرعی حکم کیا ہے؟

(ط) زید کی لڑکی کی پرورش و دیکھ بھال کی ذمہ داری کن پر عائد ہوتی ہے؟ (احسان عبدالملک، یاقوت پورہ)

جواب:- (الف) زندگی کے بقاء کے لیے جو چیزیں ضروری ہوں وہ سب نفقہ میں داخل ہیں: " و في الشرع الادرار علی شيئ بما فيه بقاؤه "(۱) انسان کے بقاء کے لیے کھانے پینے سے زیادہ بڑی ضرورت علاج ہے، اس لیے علاج بھی نفقہ میں داخل ہے اور شوہر پر واجب ہے کہ وہ اسے ادا کردے۔(۲) خاص کر جو اخراجات ولادت کے سلسلہ میں ہوئے ہوں، خواہ حمل ساقط ہی کیوں نہ ہو جائے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وہ شوہر پر واجب ہوگا۔" لأن نفع القابلة معظمه يعود الی الولد فيكون علی أبيه "(۳) اس لیے زید کو یہ اخراجات ادا کرنے چاہئیں۔

(ب) مرحومہ کے پاس چوں کہ خود سونا، چاندی، مہر وغیرہ کی صورت میں املاک موجود تھیں، اس لیے پہلے اس کے ترکہ میں سے ہندہ کے والد کو تجہیز و تکفین کے اخراجات مشترک طور

(۱) رد المحتار :۵/۲۲۲، باب النفقة۔
(۲) دیکھئے: الفقه علی المذاهب الأربعة: ۴/۵۵۷۔
(۳) رد المحتار :۵/۲۹۲۔

پر ادا کیے جائیں گے، پھر جو رقم بچ جائے اس کو تمام ورثہ پر آگے مذکور ہونے والی تفصیل کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

(ج) ہندہ کے ماں باپ نے جو سونا اپنی بیٹی کو دیا تھا، وہ اس کے ترکہ میں شمار ہوگا، اور تمام ورثہ اس میں حکم شرعی کے مطابق حصہ دار ہوں گے۔

(د) شادی کے موقع سے ہندہ کو جو جہیز، ملبوسات اور فرنیچر دیے گیے، یہ سب ہندہ کی ملکیت ہے اور اس کا شمار بھی ہندہ کے ترکہ میں ہوگا، اور تمام ورثہ کا حق اس سے متعلق ہوگا۔

(ہ) زید کے مطالبہ کے بغیر جو چیزیں ہندہ کے لوگوں نے زید کو دی ہوں، تو وہ زید کی ملکیت ہیں، اسی طرح زید کے رشتہ داروں نے ہندہ کو جو تحفے دیے ہوں، وہ ہندہ کی ملکیت ہوگی، اور اس کا شمار اس کے ترکہ میں ہوگا۔(۱)

(و) شوہر و بیوی کی وفات کے بعد بھی مہر کی ادائیگی واجب ہے، اور اس کا شمار بھی ترکہ میں ہے، تمام ورثہ کو مہر میں ان کا حق شرعی ادا کرنا ہوگا۔

(ز) اگر جوڑے کی رقم کا مطالبہ نہیں تھا، لیکن عرف و رواج میں اس کو شرط کا درجہ حاصل ہو، تو ایسے نقد یا سامان کا لینا بھی رشوت ہے، جو جائز نہیں۔(۲) لہٰذا اگر یہ صورت ہو تو زید پر واجب ہے کہ ہندہ کے والد کو یہ سامان واپس لوٹا دے۔

(ح) شادی کے موقع پر زید نے جو سونا ہندہ کو دیا تھا، وہ بیوی کی ملکیت ہے اور اس سے تمام ورثہ کا حق متعلق ہے۔

(ط) زید کی لڑکی جب تک بالغ نہ ہو جائے، نانی کو اس کا حق پرورش حاصل ہے، البتہ اس کا نفقہ اور تعلیم و تربیت کے اخراجات زید کے ذمہ ہیں، اور اسے وقتاً فوقتاً لڑکی سے ملنے کا حق حاصل ہے، بالغ ہونے کے بعد لڑکی زید کے حوالہ کر دی جائے گی، زید ہی کو اس پر ولایت حاصل

(۱) دیکھئے: مجموعہ قوانین اسلامی مرتب و شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ کی دفعات: ۲۱۸/تا۲۲۶۔
(۲) دیکھئے: کتاب مذکور کی دفعہ: ۲۲۱۔

ہوگی، اور اسی پر اس کی شادی کی ذمہ داری ہوگی۔

(ی) ہندہ کے ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اس کے تیرہ حصے کیے جائیں گے، ۶؍حصہ لڑکی کو ملے گا، ۳؍حصے شوہر کو اور دو دو حصے مرحومہ کے والدین کو۔

اولاد الگ حصہ پائیں گے یا ماں کے حصہ میں شمار ہوگا؟

سوال:- {2287} ہمارے نسبتی برادر کو دو بیویاں ہیں اور دونوں سے اولاد ہیں، اب ان کی جائداد دو بیویوں کے لحاظ سے ان دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہو جائے گی، اور دونوں کی اولاد اپنی اپنی ماؤں سے حصہ پائیں گے یا اولاد کے لحاظ سے حصہ کی تقسیم عمل میں آئے گی؟

(واجد علی خاں، بھینسہ)

جواب:- بیویوں کا حصہ بیوی کی حیثیت سے اور اولاد کا حصہ اولاد کی حیثیت سے ملے گا، اگر متوفی صاحب اولاد ہو، تو بیویوں کے لیے آٹھواں حصہ ہے، (۱) لہٰذا یہی حصہ دونوں بیویوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہو جائے گا، اولاد کو بحیثیت اولاد حصہ ملے گا، لڑکے خواہ کسی بیوی سے ہوں، حصہ مساوی ہوں گے، اسی طرح لڑکیاں خواہ کسی بھی بیوی سے ہوں، ان کے حصہ بھی مساوی ہوں گے، البتہ ظاہر ہے کہ کسی بھی مال سے ورثہ کا حق مالک کی وفات کے بعد متعلق ہوتا ہے، نہ کہ زندگی میں۔

مرحوم شوہر کے ترکہ میں بیوی کا حصہ

سوال:- {2288} ایک شخص کا انتقال ہوا، جسے کوئی اولاد نہیں ہے اور وارثین میں بیوی اور بھائی وغیرہ ہیں،

---

(۱) النساء: ۱۲، محشی۔

مورث کے پاس ایک ذاتی مکان ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکان میں سے بیوی کا کتنا حصہ ہوگا، اور اگر شوہر نے مہر ادا نہ کی ہو، تو مہر کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

(سید طاہر علی، حافظ بابا نگر)

جواب:- اس صورت میں بیوی کو شوہر کے ترکہ میں سے ایک چوتھائی ملے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ﴾(۱) اگر شوہر نے مہر ادا نہیں کیا تھا، تو ترکہ کی تقسیم سے پہلے مہر ادا کرنا واجب ہے، مہر کی رقم نکالنے کے بعد ہی ترکہ کی تقسیم عمل میں آئے گی۔

ناجائز مال میں میراث

سوال:- {2289} ناجائز کمائی کا مال کیا وراثت میں لینا جائز ہے، ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس کے بیوی بچے ہیں اور اس نے اچھی خاصی جائداد چھوڑی ہے، لیکن اس جائداد کا کچھ حصہ ایسے طریقوں سے حاصل کیا گیا، جن طریقوں کی اسلام میں اجازت نہیں ہے، اس شخص کے بیوی بچوں کو اور کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے، کیا وہ زندہ رہنے کے لیے اس جائداد سے اپنا حصہ لے سکتے ہیں؟ (محمد احمد حسین رحمانی، ہنمکنڈہ)

جواب:- اگر ایک شخص کی جائداد کا کچھ حصہ حرام مال پر مشتمل ہے اور اس کی اولاد کو متعین طور پر معلوم ہے کہ اس کے متروکہ مال کا فلاں حصہ حرام طریقہ پر حاصل کیا گیا ہے، تو اس کو صدقہ کردینا واجب ہے۔ اور اگر متعین طور پر مال حرام کا علم نہ ہو، تو متوفی کی اولاد کے حق میں وہ مال حلال ہوگا، لیکن احتیاط یہ ہے کہ اندازہ سے اتنا مال اصل مالکان کی نیت سے صدقہ کردے۔

(۱) النساء :۱۲۔

" و إن كسبه من حيث لا يحل و ابنه يعلم ذلك و مات الأب و لا يعلم الابن ذلك بعينه فهو حلال له في الشرع ، و الورع يتصدق به بنية خصماء ابيه " (۱)

زرعی زمین میں لڑکیوں کا حصہ

سوال:- {2290} ہمارے والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے، ان کے ترکہ میں زرعی زمین اور رہائشی مکانات وغیرہ ہیں، ان کے ورثہ میں بیوی پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، والد صاحب کی زندگی ہی میں ان سب کی شادی ہوگئی تھی، سنا ہے کہ مسلم پرسنل لاء کی رو سے زرعی زمین میں لڑکیوں کا حصہ نہیں ملتا، کیا یہ درست ہے؟ (محمد برہان الدین، سدی پیٹ)

جواب:- والد کے پورے ترکہ میں، خواہ زمین ہو، یا مکان، یا نقد، یا کوئی اور چیز تمام اولاد (لڑکوں اور لڑکیوں) کا حصہ ہوتا ہے، یہ بات قطعاً درست نہیں کہ زرعی زمین میں لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا، اگر ایسا کیا جائے تو یہ ظلم اور سخت گناہ ہے۔ (۲)

لاولد شخص کے ترکہ کا حکم

سوال:- {2291} میرے ایک قریبی لاولد رشتہ دار بھائی — جن کی بیوی کا چند سال قبل انتقال ہو چکا تھا — نے کچھ رقم بطور امانت میرے پاس رکھوائی، وہ نہیں چاہتے تھے کہ

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۵/۳۴۹۔

(۲) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۴۱۷۷، باب كراهية تفضيل الاولاد في الهبة ۔ محشی ۔

ان کے دوسرے رشتہ داروں کو اس کا علم ہو، وقتاً فوقتاً مجھ سے مشورہ کرتے رہتے تھے، کہ ان کی مرحومہ بیوی کے ایصال ثواب کے لیے کیا کریں، مگر اس سلسلہ میں کوئی ٹھوس بات طے نہیں پائی، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا، اب یہ رقم بغیر کسی وصیت کے میرے پاس امانت ہے، کیا میں ان دونوں مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے اس سے کوئی صدقہ جاریہ کی چیز قائم کرسکتا ہوں؟ (عائشہ، سوماجی گوڑہ)

جواب:- موت کے بعد متوفی کے چھوڑے ہوئے مال سے ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے، (۱) چنانچہ جب انہوں نے وصیت نہیں کی تو اب ان کا پورا متروکہ ورثہ میں تقسیم ہوگا اور ان کی رضامندی کے بغیر آپ کے لیے اس سے صدقہ جاریہ کا کوئی کام کرنا درست نہیں ہوگا، آپ کسی دار الافتاء میں ان کے ترکہ اور ان کے قریب ترین رشتہ داروں کی تفصیلات لکھ کر تقسیم میراث کا حکم دریافت کریں۔

ہبہ کی گئی جائداد میں میراث

سوال:- {2292} زید کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے، ان کو شوہر کے علاوہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی ہے، اب استفسار طلب امور یہ ہیں کہ

(الف) زید کی اہلیہ نے کچھ پلاٹس اور پالیسیاں لی تھیں، اور اپنے لڑکے اور لڑکی کے نام ان کی رجسٹری کرادیا تھا، ان زمینات کی خریدی میں زید کے بھی پیسے لگے ہیں، تو اب یہ جائداد اور پالیسیاں لڑکے اور لڑکی کی ہو جائیں گی یا اس میں

(۱) بدائع الصنائع: ۶/ ۴۵۷۔ محشی۔

زید کا بھی حصہ ہوگا؟

(ب) مرحومہ نے اپنا مہر خوش دلی سے معاف کر دیا تھا، کیا ایسی صورت میں بھی شوہر کو مہر ادا کرنا ہوگا، اور کیا اس میں شوہر بھی حصہ دار ہوگا؟

(ج) مرحومہ کی کچھ سالوں کی تنخواہ لڑکی اور خالہ کے ذمہ ہے، اب وہ اس لیے دینے سے انکار کر رہے ہیں کہ مرحومہ نے اپنی زندگی ہی میں انہیں دے دیا تھا، تو تنخواہ پر شوہر کا زیادہ حق ہے یا لڑکی اور اس کے خالہ و ماموں کا؟

(سید خلیل الدین، یاقوت پورہ)

جواب:- (الف) اگر مرحومہ نے مالک بنانے کی نیت سے لڑکے اور لڑکی کے نام جائداد رجسٹری کر دیا، تو وہ اس کے مالک ہیں، ترکہ میں اس کا شمار نہیں ہوگا، اور اگر کسی قانونی ضرورت کے تحت فرضی رجسٹری کی گئی ہے، تو پھر یہ اس کا ترکہ ہے، اگر اس میں کچھ پیسہ زید کا بھی ہو اور مالک بنانے کے وقت وہ اس پر راضی ہو، تو یہ اس کی طرف سے اپنی اولاد کو ہبہ متصور ہوگا اولاد کو جو چیز ہبہ کی جائے اس سے رجوع نہیں کیا جاسکتا، (۱) لیکن اگر مرحومہ نے کوئی پالیسی لی ہو اور اس میں اپنے بعد کے لیے لڑکے اور لڑکی کو نامزد کیا ہو، تو یہ وصیت ہے نہ کہ ہبہ اور وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں، (۲) اس لیے اس سے تمام ورثہ کا حق متعلق ہوگا۔

(ب) اگر بیوی نے جبر و دباؤ کے بغیر خوش دلی سے مہر معاف کر دیا تھا، تو اب شوہر پر مہر واجب نہیں رہا، (۳) اگر مہر معاف نہ کیا ہوتا، تو مہر واجب ہوتا اور اس میں ایک چوتھائی خود شوہر کا حصہ ہوتا۔ (۴)

---

(۱) صحيح البخاري :۳/۲۷۲۔ محشی۔
(۲) الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۲۱۲۰،باب لا وصية لوارث۔ محشی۔
(۳) النساء :۴۔ محشی۔
(۴) رد المحتار على الدر المختار:۴/۲۴۸،البحر الرائق:۳/۲۶۴۔ محشی۔

(ج) اگر مرحومہ نے اپنی تنخواہ لڑکی اور اس کی خالہ وغیرہ کو ہبہ کر دیا تھا، تو اب وہی اس کے مالک ہیں اور اگر بہ طور قرض یا امانت دیا تھا، تو اس سے تمام ورثہ کا حق متعلق ہے، جب تک عورت زندہ ہے وہ خود اپنی جائداد کی مالک اور اس میں تصرف کا حق دار ہے، نہ اس سے اس کی اولاد کا حق متعلق ہے اور نہ اس کے شوہر کا۔

لاولد شخص کی میراث

سوال:- {2293} زید مرحوم کی دو بیویاں ہیں، اور دونوں لاولد ہیں، البتہ مرحوم کے چھوٹے بھائی کی اولاد ہیں، مرحوم کے ترکہ میں مکانات، کچھ زینات اور نقد رقم ہے، اس میں دونوں بیویوں کو کیا ملے گا؟ اور بھائی کی اولاد کو بھی کچھ ملے گا یا نہیں؟　　(حافظ نعمان ذاکر، پٹن چیرو)

جواب:- بیویوں کا حصہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں ایک چوتھائی ہے، یعنی ترکہ کے ایک چوتھائی حصہ کو نصف نصف دونوں بیویوں پر تقسیم کر دیا جائے، چوں کہ زید لاولد تھا، اس لیے اس کے ترکہ سے بھائیں اور بھائیوں کے نہ ہونے کی صورت میں بھتیجوں کا حق بھی متعلق ہوگا۔

"ثم جزء أبيه أي الاخوة ثم بنوهم و ان سفلوا" (۱)

میراث کا ایک مسئلہ

سوال:- {2294} مرزا قادر بیگ، مرزا اعظم بیگ و مرزا افضل بیگ کے درمیان ایک مکان کی بابت نزاع ہے، اس سلسلہ میں ان مستقان کے والد مرزا سعادت بیگ مرحوم کی ایک تحریر بعنوان وصیت نامہ، بیدخلی و عاق نامہ اور مقامی

(۱) سراجی، ص: ۲۲۔

کمیٹی کا فیصلہ مجریہ ۱۴/۱۱/۱۹۹۳ء پیش ہے، شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ اس مکان میں مرزا افضل بیگ ولد مرزا سعادت بیگ کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ اور کیا کمیٹی کا یہ فیصلہ درست ہے؟ بینوا وتوجروا۔ (مرزا قادر بیگ)

جواب:- راقم الحروف نے فیصلہ کمیٹی وزیراکس کاپی وصیت نامہ دیکھی، ان کے مطالعہ کے بعد جو باتیں قابل توجہ محسوس ہوئیں وہ یہ ہیں:

(الف) وصیت نامہ میں متنازع مکان کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ وہ زبیدہ بیگم کے نام خرید شدہ اور رجسٹری شدہ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ رجسٹری آفس کے ریکارڈ اور کاغذات اراضی میں دیکھا جائے کہ کیا واقعی مرزا سعادت اللہ بیگ مرحوم نے یہ مکان اپنی بیوی کے نام رجسٹری کرایا ہے، اگر ایسا ہے، تو یہ ''ہبہ'' ہے اور چوں کہ مرحوم کی زندگی ہی میں زبیدہ بیگم اس مکان میں رہتی تھیں، اس لیے یہ قبضہ کے حکم میں ہے، اور زوجین ایک دوسرے کو جو کچھ ہبہ کریں وہ ناقابل رجوع ہے، لہٰذا ایسی صورت میں زبیدہ بیگم اس کی مالک ہوگی، اور وصیت نامہ کی تحقیق کی ضرورت نہ ہوگی، اب اگر زبیدہ بیگم نے اپنے تینوں بیٹوں کو ہبہ کیا ہے، تو یہ ہبہ نافذ وصحیح ہوگا۔

(ب) وصیت نامہ کی صحت وخطا کی تحقیق کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ وصیت نامہ پر جن گواہان کے دستخط ہیں، ان کو طلب کرکے حلفیہ بیان لیا جائے، اگر وہ گواہی دے دیں تو شرعاً اس کی صحت ثابت ہوجائے گی، ارکان کمیٹی نے قرائن کو فیصلہ کی بنیاد بنایا ہے، حالانکہ شرعاً جہاں اقرار وشہادت نہ ہو وہاں قرائن کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

(ج) اسٹامپ کی خرید اور تحریر کے درمیان فصل، نیز تحریر میں نقص اور وصیت کے مفہوم کی عدم تکمیل کو اس وثیقہ کے جھوٹے ہونے کے لیے ثبوت قرار دیا ہے، حالانکہ یہ بات عین ممکن ہے کہ اسٹامپ خریدنے کے بعد ایک عرصہ تک غور وتامل کرکے کوئی وثیقہ بنائے، اسی طرح اگر

وصیت نامہ کا عنوان قائم کیا گیا ہو، اور مضمون وصیت کا صحیح طور پر نہ لکھا گیا ہو تو یہ اس کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں، ایسا کم علمی کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے، خود جج صاحبان کے اس فیصلہ میں متعدد شرعی مسائل کے متعلق ایسی باتیں موجود ہیں، جو یقیناً احکام شرعیہ سے کما حقہ واقف نہ ہونے کی وجہ سے لکھی گئی ہیں، اسی طرح اگر دستخط کے جعلی ہونے کا گمان ہو، تو اس کے لیے بھی ان لوگوں سے رجوع کرنا چاہئے، جو دستخط کی بابت تحقیق کے فن سے واقف ہوں، ارکان کمیٹی کو بہ طور خود رائے قائم نہ کرنی چاہئے، شریعت میں یہ مسلم اصول ہے کہ اگر کسی بات کی تحقیق مشکوک ہو، تو اس سے متعلق ماہرین ہی کی رائے معتبر ہوتی ہے، اور قاضی کو بھی ہدایت ہے کہ وہ ان کی رائے سے فائدہ اٹھائے۔ (۱)

اسی طرح یہ نکتہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ اگر زبیدہ بیگم مالک تھی تو پھر مرزا سعادت اللہ بیگ کو وصیت کی کیا ضرورت پڑی، یہ بھی کوئی قطعی قرینہ اس دستاویز کے جعلی ہونے کا نہیں ہے، اس میں وصیت کا ایک شرعی مفہوم ہے جو اپنی املاک کی بابت دی جاتی ہے، لیکن عرف میں مطلق نصیحت کے لیے وصیت کا لفظ بولا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: " أوصيكم بتقوى الله " (۲) اسی مفہوم میں ہے ممکن ہے کہ مرزا سعادت اللہ بیگ کا مقصد اپنی زوجہ کو نصیحت کرنا ہو کہ وہ اپنے مالکانہ اختیار کے تحت مرزا افضل بیگ کو اس مکان میں سے کوئی حصہ نہ دیں، اس لیے محض ان قرائن پر شہادت و گواہی کے بغیر فیصلہ کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے، پہلے ان گواہان کو طلب کر کے حلفیہ بیان لینا چاہئے، جن کے اس دستاویز پر دستخط ہیں۔

(د) ارکان کمیٹی نے وصیت کے مفہوم کی تصحیح کی ہے، اور لکھا ہے کہ ”وصیت نامہ لکھنے والا کسی کو مالک بنا کر مرتا ہے۔ اگر اس معاملہ میں مرحوم کا ہبہ ثابت نہ ہو تو وصیت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اس لیے کہ وصیت ورثہ کے حق میں معتبر نہیں۔

---

(۱) الأشباه و النظائر: ص۱۸۴۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذي، حديث نمبر: ۲۶۷۶، باب ما جاء في الأخذ بالسنة و اجتناب البدعة۔

(ہ) زبیدہ بیگم نے اپنے بیٹوں کے نام جو ہبہ نامہ بنایا ہے، اس کو ارکان کمیٹی نے اس لئے رد کردیا ہے کہ اس میں رشتہ داروں یا مقامی لوگوں کے دستخط نہیں ہیں، یہ مطلقاً غلط ہے اور خلاف شرع ہے، شریعت میں کسی ہبہ کے لیے گواہی ضروری نہیں، اگر گواہ بنائے بھی جائیں تو رشتہ داروں یا مقامی لوگوں کو گواہ بنانا ضروری نہیں، یہ بھی ضروری نہیں کہ اسٹامپ ایک تاریخ میں لیا گیا ہو تو ہبہ بھی ایک ہی تاریخ میں کردیا جائے، اور جب زبیدہ بیگم کو خود اقرار ہے کہ اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو ہبہ کیا ہے، تو فیصلہ کنندگان کے اس بات کا کوئی معنی نہیں، کہ ''افضل بیگ کو مکان سے محروم کرکے صرف تین بیٹوں کے نام رجسٹری کرادینا وہ بھی ایک حاجی ماں سے ناممکن ہے'' اس کی تحقیق کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ زبیدہ بیگم سے حلفیہ بیان لے لیا جاتا، اگر وہ رجسٹری کا اقرار کرلیتی تو اس کو مان لیا جاتا، کیوں کہ اقرار شریعت میں سب سے قوی دلیل ہے۔

(و) اور لطف یہ ہے کہ ایک طرف پنچوں نے زبیدہ بیگم کو اس مکان کا مالک نہیں مانا ہے، اور دوسری طرف زبیدہ بیگم کے تصرف کی تحقیق ہو رہی ہے کہ اس کو دھوکہ دے کر رجسٹری کرائی گئی ہے، اگر یہ مان لیا جائے کہ مرحوم نے زبیدہ بیگم کو ''ہبہ'' نہیں کیا تھا، تو پھر اس تحقیق کے کوئی معنی نہیں۔

(ز) پنچوں کے فیصلہ کی دو باتیں نہایت غلط اور عنداللہ سخت مؤاخذہ کی ہیں، اول یہ کہ خود زبیدہ بیگم کو شوہر کے حصۂ متروکہ سے محروم کردیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ''اس کے لیے وظیفہ کافی ہے، اور اس کو مکان میں رہنے کا حق ہے'' حالانکہ بیوی اگر صاحب اولاد ہو تو بھی وہ شوہر کے متروکہ میں آٹھویں حصہ کی مالک ہے، اس میں تصرف کا حق رکھتی ہے، اور اس کا شمار ذوی الفروض میں ہے، جو کبھی محروم نہیں ہو سکتی، دوسرے پانچ بہنوں کو اس بہانہ سے حق سے محروم کیا گیا ہے کہ وہ تقسیم مکان کا علم رکھتے ہوئے حاضر نہیں ہوئیں، گویا اللہ کا تقسیم کیا ہوا ترکہ پنچوں کے اختیار میں ہے کہ جو حاضر ہو کر درخواست کرے اس کو دے دیا جائے، شرعاً جو وارث زندہ ہو اور اس کا زندہ ہونا معلوم ہو قاضی کے پاس حاضر ہو یا نہ ہو وہ اپنے حصہ کا مالک ہے، اور تقسیم کنندگان کا

یہ فرض ہے کہ حصہ متعین کر کے ان کو بتادیں، چاہیں تو خود لے لیں یا کسی اور وارث کو دے دیں۔

اس طرح کے فیصلہ سے ''اصلاح بین المسلمین'' کے بجائے ''حدود اللہ'' سے تعدی کے گناہ کا اندیشہ ہے، اس لیے کمیٹی کو ایسے معاملات میں اللہ سے ڈر کر فیصلہ کرنا چاہئے کہ اس کی محنت اس کے لیے باعث اجر ہونے کے بجائے بار گناہ نہ بن جائے ''اصلاح بین المسلمین'' بڑا اچھا کام ہے اور کمیٹی کے لوگ اپنی اس محنت کے لیے مبارکباد کے مستحق ہیں، لیکن دو باتوں کا خیال رکھنا چاہئے:

اول:- یہ کہ اس طرح کے معاملات میں یا تو کسی مستند مفتی کو شریک فیصلہ رکھیں، اور اس کے فتوی کے مطابق عمل کریں، یا کم سے کم صورت حال سن کر پہلے کسی دار الافتاء سے دریافت کر لیں پھر اس کی روشنی میں فیصلہ کریں، کیوں کہ ثالثی کی وجہ سے پنچوں کو خلاف شرع فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

دوسرے:- فیصلہ میں عدل کا پورا پورا خیال رکھیں، زیر بحث فیصلہ کی زبان اور الفاظ سے بہ ظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فیصلہ کنندگان ایک فریق سے زیادہ متاثر ہیں، بلکہ اس کی طرف سے وکالت کر رہے ہیں، مثلاً '' زبیدہ بیگم نے اپنے حلفی بیان میں جو کمیٹی ہذا میں قلمبند کرائی ہے پلاٹ زمین خریداری مکان کی تعمیر کا ذکر نہ کر کے اپنے ایمان کی سلامتی و حج و زیارت مدینہ کی لاج رکھ کر...... '' حالانکہ فقہ کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات کا صریحاً انکار تو نہ کرے، لیکن اس کا ذکر بھی نہ کرے تو یہ اس کے خلاف واقعہ ہونے کی دلیل نہیں، بہر حال کمیٹی کا جذبۂ اصلاح بین المسلمین تو قابل تحسین ہے، لیکن ایسے نازک شرعی مسائل میں بہ طور خود فیصلہ کرنے میں سخت غلطی اور عند اللہ مؤاخذہ کا اندیشہ ہے۔

اس لیے:

فریقین کو چاہئے کہ اس معاملہ کو دار القضاء امارت ملت اسلامیہ ورنگل میں جناب احمد حسین کے پاس یا دار القضاء امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش پنجہ شاہ حیدرآباد میں پیش کریں

اور وہاں سے جملہ امور کی تحقیق اور سابقہ فیصلہ جات کی تنقیح کے بعد جو فیصلہ ہو اسے قبول فرمالیں، اور ارکان کمیٹی بھی ان حضرات سے خواہش کریں اور اس شرعی مسئلہ کو انا کا مسئلہ نہ بنائیں، البتہ عدالتوں میں مقدمہ بازی نہایت مذموم اور گناہ کی بات ہے، اس سے فریقین کو اجتناب کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

مجنون باپ کی جائداد

سوال:- {2295} احمد نے نسیم نامی ایک شخص سے ایک جائداد ۵۰/ ایکڑ پر مشتمل کا اگریمنٹ کیا، مبلغ ۶۸/ ہزار روپے فی ایکڑ زمین کا اس معاہدہ پر معاملہ کیا کہ قانونی کاروائی اور ضرورت پڑے تو عدلیہ کی ذمہ داری سب احمد خریدار ہی کے ذمہ ہوں گے، اور فی الفور بطور بیعانہ ۲/ لاکھ روپے ادا کئے جائیں گے، بقیہ رقم زمین کے فروختگی کے بعد حوالہ کی جائے گی، چنانچہ اس معاہدہ کے مطابق رقم بیعانہ ادا کردی گئی، سلیم کے ساتھ جائداد کے کاروبار میں احمد کے والد سالم بھی ۸/۱ ایکڑ زمین کے حقدار تھے، اور وہ اس معاملہ پر راضی تھے، اب جب کہ زمین تمام جھگڑوں اور کاروائیوں کے بعد قابلِ فروخت ہوگئی ہے اور احمد نے ایک کمپنی کو فروخت بھی کردی ہے اور اس کی رقم کی قسطیں آنے لگی ہے، تو احمد کے دوسرے بھائی حامد کا مطالبہ ہے کہ والد صاحب کی ۸/۱ ایکڑ زمین میرے حوالہ کردی جائے اور احمد کا ارادہ ہے کہ والد صاحب کے حصہ کے بقدر رقم ان کے کھاتہ میں جمع کردی جائے والد صاحب بقید حیات ہیں، البتہ دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے، دریافت طلب امر یہ

ہے کہ حامد کا یہ مطالبہ کہ آٹھ ایکڑ زمین اس کے حوالہ کردی جائے، جب کہ اس پورے معاملہ میں حامد کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، کہاں تک شرعاً درست ہے؟ (احمد ولد سالم)

جواب:- اس صورت میں آٹھ ایکڑ زمین کے مالک احمد کے والد سالم ہیں، اگر سالم نے دماغ کے عدم توازن سے پہلے احمد سے یہ معاملہ کیا تھا کہ وہ اس کے حصہ کی زمین بھی فروخت کردے تو احمد کی حیثیت سالم کی طرف سے وکیل بیع کی ہوگئی، لہذا اس زمین کو فروخت کرنا درست ہے، چوں کہ سالم ابھی زندہ ہے گو دماغی اعتبار سے علیل ہے، اس لیے وہ خود اس رقم کا مالک ہے اور اس کے لڑکوں کو اس پر ولایت حاصل ہے، اس لیے یہ بات مناسب ہوگی کہ یہ رقم اس کے کھاتہ میں جمع کردی جائے اور اس کے جتنے لڑکے ہوں کھاتہ ان سب کے درمیان جوائنٹ ہو اور یہ رقم سالم اور اس سے متعلق احباب ہی پر خرچ کی جائے، ہاں! اگر سالم کے بعد بھی کچھ رقم بچ رہے تو حسب حکم شرعی تمام ورثہ میں تقسیم کردی جائے۔

جائداد کو تقسیم نہ کرنا

سوال:- {2296} میری والدہ محترمہ کے نام ایک جائداد ہے، میری والدہ کا انتقال تقریباً ۸/ سال پہلے ہو چکا ہے، اور ابھی تک یہ جائداد ہم چار بھائی اور تین بہنوں میں تقسیم نہیں ہوئی ہے، مذکورہ جائداد کو والد صاحب روکے رکھے ہیں، ان کا ادعا ہے کہ اگر وہ تقسیم کردیں تو ان کی اس جائداد کو جس کے سلسلہ میں مقدمہ چل رہا ہے، نقصان پہونچے گا، ان کا ادعا ہے کہ جب جھگڑا ختم ہو جائے گا، تو وہ جائداد کی تقسیم کریں گے، لیکن جھگڑا ختم ہونے کی کوئی امید نہیں ہے، کیوں کہ یہ لوگ ناجائز قبضوں کے فکر میں ہیں، اس لیے ہر روز ایک

نیا جھگڑا کھڑا کر دیتے ہیں، اس طرح کہتے کہتے آج ۸/سال کا عرصہ گزر گیا، میں کرایہ کے مکان میں ہوں میرے والد میرے حصہ کی زمین کا کوئی معاوضہ نہیں دیتے، کیا میرے والد صاحب میرے حصہ کی زمین روکے رکھنے کا حق رکھتے ہیں؟ جب بھی میں اپنا حق طلب کرتا ہوں تو ٹال جاتے ہیں، کیا میں اس صورت حال میں عدالت سے رجوع کر سکتا ہوں؟

(میر ممتاز، سعید آباد، حیدرآباد)

جواب:- آپ کی والدہ کے نام زمین والدہ کی متروکہ جائداد سمجھی جائے گی اور آپ کے والد پر شرعاً واجب ہے کہ اس کو مرحومہ کے تمام ورثہ میں ان کے مطالبہ پر فی الفور تقسیم کر دیں، اس زمین سے تمام ورثہ کے اتفاق کے بغیر بعض لوگوں کا استفادہ کرنا اور بعض کو محروم رکھنا شرعاً جائز نہیں، بلکہ ظلم و ناانصافی ہے، مرحومہ کا مہر اگر ادا نہ ہوا ہو، اور مرحومہ نے معاف بھی نہ کیا ہو اور اسی طرح جہیز کے جو سامان رہ گئے ہوں، وہ سب ورثہ میں شرعی طریقہ پر تقسیم کر دی جائے گی، اگر والد حصہ نہ دیں تو صالح مسلمانوں کے ذریعہ مصالحت اور پنچایت کرائیں یا دار القضاء امارت ملت اسلامیہ پنجہ شاہ حیدرآباد سے رجوع کریں، اس لیے کہ مسلمانوں کے لیے عام حالات میں غیر اسلامی عدالتوں سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ مسلمان پنچوں یا دار القضاء کے فیصلے کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوں تو ضرورۃً سرکاری عدالت سے بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

ورثہ میں شوہر اور بیٹا

سوال:- {2297} ہندہ کا انتقال ہوا، اس کے ورثہ میں صرف ایک لڑکا اور شوہر ہے، بتایا جائے کہ اس کی متروکہ جائداد حسب حکم شرعی کس طرح تقسیم کی جائے گی؟

(علی احمد، شاہ علی بنڈہ)

جواب:- صورت مذکورہ میں ہندہ کا قرض وغیرہ ادا کرنے کے بعد اس کی متروکہ جائداد کا ایک چوتھائی حصہ اس کے شوہر کو ملے گا اور بقیہ تمام متروکہ لڑکے کو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾(۱)

اگر شوہر نے زندگی میں مہر ادا نہ کیا ہو تو دوسری متروکہ اشیاء کی طرح اس مہر کی بھی اسی طرح تقسیم عمل میں آئے گی۔

تقسیم میراث

سوال:- {2298} سالم بن احمد باسلیمان کا انتقال ہوا، اور انہوں نے ایک بیوی آمنہ بیگم، چار بیٹے اور پانچ لڑکیوں کو چھوڑا، بعد میں ایک بیٹے (جس کا نام احمد تھا) کا انتقال ہوگیا، اور اس نے اپنے ورثہ میں ماں، بیوی ایک بیٹا اور ایک بیٹی کو چھوڑا، اب بتایا جائے کہ سالم بن احمد کی متروکہ جائداد کس طرح تقسیم ہوگی، نیز اس کے لڑکے احمد مرحوم کی جائداد میں کون کون لوگ حصہ دار ہوں گے؟ (جعفر بن سالم)

جواب:- سالم بن احمد باسلیمان کے قرضوں کی ادائیگی اور کوئی وصیت ہو تو ایک تہائی متروکہ سے وصیت کی تکمیل کے بعد اس کے متروکہ مال میں سے آٹھواں حصہ بیوی کو دیدیا جائے گا: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ ﴾(۲) اور بقیہ مال کے تیرہ حصے کئے جائیں گے اور لڑکوں کو دو دو حصے اور لڑکیوں کو ایک ایک حصہ دیدیا جائے گا: ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ﴾(۳)

---

(۱) النساء: ۱۲۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) حوالہ سابق: ۱۱۔

پھر احمد مرحوم کے حصہ میں جو جائداد آئے اس میں ان کی والدہ کو چھٹا حصہ اور بیوی کو آٹھواں حصہ دیا جائے گا، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ (۱)

اور جو جائداد بچے اس کے تین حصے کئے جائیں، دو حصے بیٹا کو اور ایک حصہ بیٹی کو دیا جائے گا، یہی مسلک امام شافعیؒ کا بھی ہے۔ (۲)

سامان جہیز کا وارث کون؟

سوال:- {2299} میری شادی شدہ لاولد بچی کا پانچ ماہ قبل انتقال ہوگیا، اس کی جہیز میں دئے گئے زیورات اور سامان ابھی موجود ہیں، نیز اس کی مہر کی رقم شوہر کے ذمہ باقی ہے اور واجب الاداء ہے، احکام شرعیہ کی روشنی میں بتایا جائے کہ اس کی متروکہ جائداد کی تقسیم کس طرح عمل میں آئے گی؟

(شفیع کریم، ہرسنگھ پور، دربھنگہ)

جواب:- جہیز کے وہ سامان جو لڑکی کے استعمال کے ہیں، مثلاً زیورات کپڑے وغیرہ وہ لڑکی کی ملک ہے، اسی طرح وہ زیورات جو لڑکے والوں نے دیے ہیں، لڑکی کی ملک ہے، اور مہر بھی اس کے شوہر کے ذمہ واجب الاداء ہے، لہذا جہیز وغیرہ کے تمام سامان جو موت کے وقت رہے ہوں اور مہر کی رقم چھ حصوں میں تقسیم کی جائے گی، تین حصہ شوہر کو ملے گا، ایک حصہ ماں کو اور دو حصے باپ کو، بھائی بہن وغیرہ کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

---

(۱) النساء :۱۱ ۔

(۲) ملاحظہ ہو: مختصر المزني ،ص:۱۳۸،باب المواريث ۔

پوتوں اور دولڑکیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم (فقہ شافعی کی روشنی میں)

سوال:- {2300} اسلم بن مبارک نے ترکہ میں ایک مکان چھوڑا ان کے ورثہ میں تین بیٹوں کی اولاد اور دو بیٹیاں ہیں، ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟

(عوض بن سالم شافعی، بارکس، حیدرآباد)

جواب:- دونوں بیٹیوں کو ایک ایک تہائی ملے گا، اور تینوں بیٹوں کی اولاد میں دیکھا جائے گا کہ وہ صرف اناث ہیں یا ذکور، اگر صرف اناث ہیں تو ان کا کوئی حق نہیں پہونچے گا، اگر اناث وذکور دونوں ہیں تو جن بیٹوں کی اولاد میں اناث کے ساتھ ذکور بھی ہیں ایک تہائی کی ان میں اس طرح تقسیم عمل میں آئے گی کہ لڑکوں کے حصہ میں لڑکیوں کے مقابلہ میں دوگونہ پڑیں:

" وللبنت النصف و للاثنتين فصاعدا الثلثان فاذا استكمل البنات الثلثين فلا شئ لبنات الابن الا أن يكون للميت ابن ابن فيكون ما بقي له " (۱)

ورثہ میں بیوی، بہن اور بھائی کے لڑکے ہیں

سوال:- {2301} عبداللہ بن اسلم نے ترکہ میں ایک مکان چھوڑا، مرحوم لاولد تھے، ان کے ورثہ میں ان کی بیوی، دو بہنیں اور تین بھائیوں کی اولاد موجود ہے، ہر ایک کو کیا حصہ

(۱) مختصر المزني ص:۱۳۸، باب المواريث۔

ملے گا؟ (عوض بن سالم، بارکس، حیدرآباد)

جواب:- بیوی کو چوتھائی اور دونوں بہنوں کو ایک تہائی ملے گا: "و للاختين فصاعدا الثلثان "(۱) بھتیجی کو کوئی حصہ نہیں ملے گا: " لا ترث بنت الأخ "(۲) البتہ اگر بھتیجے ہیں تو باقی ماندہ ان میں تقسیم ہوگا۔(۳)

سوال چوں کہ مبہم تھا، اس لیے اجمالاً جواب دیا گیا، مفصل جواب کے لیے ضروری ہے کہ بیٹوں اور بھائیوں کی اولاد کی تعداد اور ان میں ذکور و اناث کی تفصیل مکمل لکھی جائے۔

چار لڑکے اور دو لڑکیوں کے درمیان تقسیم میراث

سوال:- {2302} زید کے ورثہ میں چار لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں، زید کی متروکہ جائداد حسب ذیل ہے:

(الف) ایک کارخانہ جسے زید نے اپنی زندگی میں چار لڑکوں کے نام قائم کیا تھا، جو قیامِ کارخانہ کے وقت نابالغ تھے، اور زید کے انتقال کے وقت سن بلوغ کو پہونچ گئے تھے، کارخانہ چاروں لڑکوں کے نام رجسٹرڈ ہے۔

(ب) ایک عدد ملگی یہ بھی چاروں لڑکوں کے نام سے خریدی گئی تھی۔

(ج) ایک کارخانہ جس میں زید اور اس کے دو بھائی حصہ دار تھے، اس کارخانہ کی مشینری اور بلڈنگ زید کے انتقال کے بعد فروخت کر کے رقم جمع کردی گئی ہے، کیا صورتِ مسئلہ

(۱) مختصر المزني: ص:۱۳۸، باب المواريث۔
(۲) حوالہ سابق
(۳) حوالہ سابق

میں لڑکیاں زید کی جائداد نمبر ایک اور دو سے محروم ہوں گی؟

(اختری بیگم، بیگم پیٹ، حیدرآباد)

جواب:- (الف، ب) کارخانہ اور ملگی جو زید کی زندگی ہی میں اپنے لڑکوں کے نام رجسٹر ڈ کر چکا ہے، "ہبہ" ہے اس لیے لڑکے ہی اس کے مالک ہیں، لڑکی کو اس میں "حق موروثی" نہیں مل سکے گا۔

(ج) زید کی بیوی اگر زندہ نہ ہو تو زید کی متروکہ رقم کے دس حصہ کئے جائیں گے، دو دو حصے چاروں لڑکوں کو دیے جائیں گے اور ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو۔

جہیز میں دی گئی رقم بھی ورثہ میں تقسیم ہوگی

سوال:- {2303} ایک لڑکی کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا، بڑے بھائی اپنی سرپرستی میں اپنے خرچہ سے بہن کی شادی کی، کچھ دنوں کے بعد لڑکی کو ایک لڑکا پیدا ہوا پیدائش کے چھ گھنٹہ کے بعد لڑکی کا انتقال ہو گیا، سوال یہ ہے کہ جہیز میں دی گئی رقم جس کی تفصیل یہ ہے کہ جوڑے کی رقم 5000 اور سونا وغیرہ سب ملا کر تقریباً 25000 کی مالیت اور مہر کی رقم مبلغ 7000 ان دونوں چیزوں کی واپسی لڑکی کے بھائی چاہتے ہیں، کیا وہ اس کے حقدار ہیں؟

(ڈاکٹر مسعود علی، اکبر باغ، حیدرآباد)

جواب:- جوڑے کی رقم شوہر کے لیے ہبہ ہوتی ہے، اس لیے اس کا تو شوہر ہی مالک ہوگا، بقیہ اشیاء جہیز زیورات اور مہر کی رقم مرحومہ کی ملک ہوئی، اور اب ان کی موت کے بعد پہلے اگر ان کے ذمہ کچھ قرض ہو تو ادا کیا جائے گا، انہوں نے کچھ وصیت کی ہو تو اس کی تکمیل کی جائے گی، پھر باقی تمام جائداد ان کے ورثہ میں تقسیم کر دی جائے گی، مرحومہ کے ورثہ صرف دو ہوں

گے، ایک شوہر دوسرا بیٹا، شوہر کو متروکہ مال میں سے ایک چوتھائی دیا جائے گا، اور بقیہ تمام مال لڑکے کا حق ہوگا۔(۱)

وراثت کا مسئلہ

سوال:- {2304} جناب ممتاز علی صاحب کے پانچ لڑکے محمد آصف، محمد مسعود علی، محمد اقبال علی، محمد مقصود علی، محمد امتیاز علی ہیں، اور پانچ لڑکیاں ہیں، جناب ممتاز علی مرحوم کی ایک سپلائنگ کمپنی بنام اے ٹو زیڈ قائم تھی جو افضل بیگم زوجۂ محمد ممتاز علی اور محمد اقبال ولد محمد ممتاز وسعیدہ زوجۂ مسعود علی کی شراکت پر مبنی تھی، مورخہ ۳۰؍ستمبر کو یہ شراکت تحلیل کر دی گئی اور افضل بیگم وسعیدہ بیگم نے اپنے حصہ سے فی کس پانچ ہزار روپیہ کے بدلے محمد اقبال کے حق میں دستبردار ہوگئیں، بتایا جائے کہ اب اس کمپنی کا مالک کون ہوگا؟

۲۔ انڈیا کراکری کے نام سے ایک دوکان جواہر لال نہرو روڈ پر محمد آصف محمد مسعود محمد مقصود اور محمد ممتاز کی شراکت سے قائم تھی محمد ممتاز نے اپنے تینوں فرزندوں کے حق میں ۱۷؍دسمبر کو دستبرداری اختیار کر لی اس صورت میں فرم کے حق

---

(۱) ہندوستان میں عرف یہ ہے کہ جہیز میں دی گئی رقم لڑکی کو بطور عاریت نہیں دی جاتی ہے، بلکہ اس رقم کا لڑکی کو مالک بنا دیا جاتا ہے، لہذا یہ رقم بھائی واپس نہیں لے سکتا ہے:

"جهز ابنته ثم ادعى ان ما دفعه لها عارية و قالت هو تمليك أو قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه ، و قال الأب أو ورثته بعد موتها عارية فالمعتمد أن القول للزوج و لها اذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية " (رد المحتار :۳/۳۶۶)

دار کون ہونگے؟

۳۔ ایک جائیداد موقوعہ نظام شاہی روڈ محمد ممتاز و محمد آصف و محمد مسعود نے مشترکہ طور پر ۴۰۰۰۰ روپیہ کے عوض خریدی یکم نومبر کو محمد ممتاز نے اپنا حصہ اپنے دونوں فرزندوں کو ہبہ کر دیا اور ان کے قبضہ و تصرف میں دیدیا پھر ان دونوں لڑکوں نے اپنے بھائی محمد اقبال محمد مقصود اور محمد امتیاز کو اس جائیداد کا ۶۰ فیصد بحساب ۲۰ فیصد فی کس ہبہ کر کے ان کے قبضہ و تصرف میں دیدیا جائیداد مذکورہ کے حقدار کون لوگ ہیں؟

۴۔ محمد ممتاز نے ایک باؤلی خرید کر اپنے پانچوں لڑکوں کو ہبہ کر دیا اور قبضہ بھی کرادیا اب جائیداد کے مالک کون ہونگے؟

۵۔ افضل بیگم نے خود خرید کردہ مکانات موقوعہ نظام شاہی روڈ اپنے پانچوں فرزندوں یعنی محمد آصف وغیرہ کو ہبہ کر دیا اور قبضہ و تصرف بھی کرادیا، اس جائیداد سے کن لوگوں کا مالکانہ حق متعلق ہوگا؟ ان متذکرہ بالا جائیدادوں میں کیا محمد ممتاز اور افضل بیگم کی پانچوں دختران کو حق وراثت ملے گا، ہبہ نامہ اور دستبرداری کی دستاویزات بھی منسلک ہے تاکہ استفتاء کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ (یوسف، شاہ علی بنڈہ)

جواب:- استفتاء کی بعض صورتیں بیع سے متعلق ہیں، بعض شرکت سے علاحدگی کے متعلق ہیں، اور زیادہ تر سوالات ہبہ سے متعلق ہیں، اسلامی شریعت میں ہبہ کے لئے تحریر اور دستاویز ضروری نہیں ہے، زبانی اقرار بھی کافی ہے، البتہ ہبہ کے لئے ایک اہم شرط یہ ہے کہ اگر موہوبہ شئ ایسی ہو جو قابل تقسیم ہو تو ضروری ہے کہ واہب کی ملکیت میں شیوع نہ ہو، موہوب لہ کی

ملکیت میں شیوع ہو تو مضائقہ نہیں ہے، صاحبین کی رائے یہی ہے اور یہی موجودہ زمانہ کا عرف ہے، عالمگیری میں ہے:

"إذا قال لرجلين وهبت لكما هذه الدار لهذا نصفها و لهذا نصفها جاز لانه وهبها جملة و فسر بما اقتضته الجملة من الحكم بعد وقوع الهبة" (۱)

اور اگر تقسیم کے بغیر ہبہ کر دیا اور جن لوگوں کو ہبہ کیا گیا ہے ان لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے تو اب بھی ان کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، اسی پر فتوی ہے:

"و لو قبضها هل تفيد الملك ... تفيد الملك ملكا فاسدا به يفتى" (۲)

صورت مسئولہ میں واہب کی تحریر ہے کہ اس نے فرزندان کو قبضہ بھی دلا دیا ہے، یہ اس بات کا اقرار ہے کہ اس نے موہوبہ جائیداد تقسیم بھی کر دی ہے جب ہی تو ان لوگوں کو قبضہ دلا دیا ہے، نیز محرم رشتہ دار کو کیا ہوا ہبہ نا قابل واپسی بھی ہوتا ہے، لہذا استفتاء میں مذکورہ سوالات کے جوابات اس طرح ہیں:

۱۔ سپلائنگ کمپنی اے ٹو زیڈ محمد اقبال کی ملکیت ہے اور وہی اس کے مالک ہیں، کیونکہ باقی شرکاء نے اپنا عوض حاصل کر کے اپنا حصہ فروخت کر دیا ہے۔

۲۔ انڈیا کراکری ہاؤس میں چونکہ محمد ممتاز نے دستبرداری اختیار کر لی ہے اور دستاویز محررہ کے مطابق اپنا حصہ بھی وصول کر لیا ہے، اس لئے محمد آصف، محمد مسعود اور محمد مقصود اب اس میں شراکت دار ہیں، اور وہی نفع ونقصان کے مالک ہیں۔

۳۔ مکان موقوعہ نظام شاہی روڈ پر جب محمد ممتاز کے ہبہ کرنے کے بعد محمد آصف اور محمد

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۴/ ۳۷۸ ۔ محشی۔

(۲) حوالہ سابق۔

مسعود نے قبضہ کرلیا ہے اور ان دونوں حضرات نے اپنے بقیہ تینوں بھائیوں کو جائیداد کا ۶۰ فیصد ہبہ کر کے قبضہ بھی کرادیا تو اب یہ مکان پانچوں فرزندان کی ملکیت ہوگی۔

۴۔ محمد ممتاز نے باؤلی خرید کر اپنے پانچوں فرزندوں کو ہبہ کردیا اور اس پر قبضہ بھی دلادیا تو اب یہی پانچوں فرزندان اس کے مالک ہونگے۔

۵۔ افضل بیگم نے جو مکانات موقوعہ نظام شاہی روڈ پانچوں فرزندوں کو دی ہیں، ان کے مالک یہی فرزندان ہوں گے، ان تمام جائیدادوں میں مرحومہ کے دختران کا کوئی شرعی حق نہیں ہے۔

عاق کرنا

سوال:- {2305} ایک شادی شدہ لڑکے کی نازیبا حرکتوں سے نالاں ہوکر باپ نے بیٹے کو عاق کردیا، ایسے میں ماں کا ردِّعمل کیا ہوگا؟ ماں کا جھکاؤ بیٹے کی طرف ہوگا یا باپ کی طرف؟ (غ، ک، م، سلاخ پور)

جواب:- شرعاً عاق کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور وہ اپنے باپ کے مال میں وفات کے بعد عام اصول کے مطابق وارث ہوتا ہے، اگر باپ لڑکے کے واقعی زیادتی پر اس سے بے تعلقی برتے تو ماں کو حکمت و مصلحت سے کام لینا چاہئے، اور باپ اور بیٹے کے درمیان جو فاصلہ پیدا ہوگیا ہے اسے دور کرنا چاہئے، اگر توقع ہو کہ اس کی بے رخی سے لڑکے کو تنبہ ہوگا اور وہ اپنے ناشائستہ طرز عمل سے باز آجائے گا تو اس سے بے رخی برتنی چاہئے اور اگر امید ہو کہ اپنا رویہ نرم رکھنے کی صورت میں وہ لڑکے کی اصلاح کرسکے گی تو اسے شوہر کو ناراض کیے بغیر بیٹے کے ساتھ ایسے روابط رکھنے چاہئے بہ دیر ہی اس کی اصلاح ہوجائے۔

طلاق کے بعد شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی کا میراث؟

سوال:- {2306} جس بیوی سے ابھی شوہر نے صحبت نہیں کی، اس کا انتقال ہو جائے تو کیا بیوی اس کی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد سے وارث ہو سکتی ہے؟ اگر شوہر کا انتقال طلاق دیدینے کے بعد ہوا ہو تو کیا حکم ہے؟

(ایم، ایس، خان، سعید آباد)

جواب:- اگر بیوی سے صحبت کی نوبت نہیں آئی اور اس سے پہلے ہی شوہر کا انتقال ہو گیا تب بھی وہ اس کے ترکہ میں وارث ہوگی، وارث ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ مرد نے اس سے صحبت بھی کی ہو، اگر بیوی کے مطالبہ کے بغیر شوہر نے اپنی طرف سے حالت بیماری میں طلاق دی اور عدت گزرنے سے پہلے ہی مرد کا انتقال ہو گیا ہو تو عورت کو مطلقہ ہونے کے باوجود اس کے مال سے میراث ملے گی، ایسے مرد کو فقہ کی اصطلاح میں ''فار بالطلاق'' کہتے ہیں اگر مرد نے حالت صحت میں طلاق دی تھی، یا مرض وفات میں طلاق دی، لیکن عورت کی عدت پوری ہونے کے بعد مرد کا انتقال ہوا، تو عورت اس مرد کے مال سے وارث نہیں ہوگی، میراث میں منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کا کوئی فرق نہیں، میت کے تمام ترکہ سے بھی ورثہ کا حق متعلق ہوتا ہے۔

مرحوم شوہر کے ذمہ مہر باقی ہو

سوال:- {2307} کسی عورت کا شوہر انتقال کر جائے اور اس کے ذمہ مہر کی رقم باقی ہو تو کیا کیا جائے؟

(حسن بن صالح الحامد، گرنگال)

جواب:- اگر مرحوم شوہر نے کوئی ترکہ چھوڑا ہو، تو دوسرے دیون ادا کرنے کے ساتھ ساتھ بیوی کو بھی اس کا مہر ادا کر دیا جائے، اس کے بعد بچا ہوا مال ورثہ میں شریعت کے مقررہ اصولوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے، اور ظاہر ہے کہ ورثہ میں لازمی طور پر اس کی بیوہ بھی ہوگی، اور اس حیثیت سے اس کو اس کا حق میراث بھی ملے گا۔

گریجویٹی، پراویڈنٹ فنڈ اور انشورنس کی رقم کی تقسیم

سوال:- {2308} زید ملازم سرکار تھا، دوران سروس انتقال ہو گیا، ورثہ میں ایک مکان اور کچھ رقم چھوڑی، مکان کی خریدی کے لیے اپنی پس انداز کی ہوئی رقم کے علاوہ بیوی کو اس کے والدین کی طرف سے دی ہوئی رقم پچاس ہزار کے اقساط ادا نہیں ہوئی تھیں، جو اس کے انتقال کے بعد ملنے والی رقم سے کاٹ لی گئی اور باقی رقم گریجوٹی اور پراویڈنٹ فنڈ اور انشورنس وغیرہ کی رقم بیوہ کو ملی، اور اب ماہانہ پنشن بھی ملے گی، انتقال کے وقت حسب ذیل ورثہ موجود تھے:

ایک بیوہ ماں، چار بھائی، تین بہنیں، بیوی، دو لڑکے (عمر ۷ سال اور ۳ سال) اور دو لڑکیاں (عمر ۱۳ سال اور ۱۰ سال)

مکان اور ملی ہوئی رقوم میں اوپر دیے ہوئے ورثہ کا شرعی حصہ کیا ہوگا؟ نیز ماہانہ پنشن جو بیوی کو ملے گی، کیا اس میں بھی بیوی کے علاوہ دوسرے ورثہ کا حصہ ہوگا؟ (سید فاروق عزیز)

جواب:- گریجویٹی، پراویڈنٹ فنڈ اور انشورنس کی رقم جس میں بیوہ کے علاوہ دوسرے

ورثہ کا حق بھی متعلق ہوگا، بھائیوں اور بہنوں کا تو کوئی حصہ نہیں ہوگا، ماں کو چھٹا حصہ اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، بقیہ رقم کے چھ حصے کیے جائیں گے، دو دو حصے لڑکوں کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کا ہوگا.... ماہانہ پنشن گورنمنٹ کی طرف سے تعاون ہے، اگر گورنمنٹ بیوہ کے نام سے دیتی ہو، تو وہی اس کی مالک ہوگی دوسرے ورثہ کا اس سے حق متعلق نہیں ہوگا۔

بیوی کی املاک پر شوہر کے رشتہ داروں کا دعویٰ

سوال:- {2309} ایک جوڑا لا ولد مرا، پہلے شوہر کا انتقال ہوا، انتقال کے وقت اس کے پاس منقولہ، غیر منقولہ حتی کہ نقدی تک نہیں تھی، چند دنوں کے بعد بیوی محض اپنی ضعیفی و بیماری میں مدد کے لیے اپنی غریب بہن کی زیر نگرانی اپنی بہن کے پاس چلی جاتی ہے، بہن چوں کہ غریب تھی، اس نے اپنے بینک کی جملہ رقم جو شاید پندرہ ہزار ہوگی، وہ نہ صرف بہن کو دے دی، بلکہ اپنا مملوکہ پلاٹ بھی جو اس کے مہر کا تھا، وہ بھی اپنی بہن کے نام تحریری ہبہ کر دیا تھا، اب اس عورت کا انتقال ہو چکا ہے، شوہر کے رشتہ دار کہہ رہے ہیں کہ اس موہوبہ پلاٹ پر ان کا حق ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟ اور اگر حق بنتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ (محمد بن احمد جابری، آصف آباد)

جواب:- جو پلاٹ مرحوم نے اپنی بیوی کو بہ طور مہر کے دے دیا تھا، وہ اس کی بیوی کی ملکیت ہے، شوہر کے اعزہ کا اس میں کوئی حق نہیں، مرحومہ نے جس کو ہبہ کر دیا وہی اس کی مالک ہے، اسی طرح بینک کی رقم اگر شوہر مرحوم نے اپنی زندگی میں بیوی کو دے دیا تھا، وہی اس کی مالک ہوگی، اس میں بھی شوہر کے رشتہ داروں کا کوئی حق نہیں، اگر مرحوم کی بیوی نے اپنی بہن کو وہ

رقم ہبہ کردی، تو اب وہی اس کی مالک ہے، جو چیز شوہر کے مرنے کے وقت اس کی ملکیت میں ہو اس میں بیوی کا بھی حق ہوتا ہے، اور شوہر کے قریبی رشتہ داروں کا بھی۔

بھتیجی کے رہتے ہوئے صرف بھتیجے کے نام جائداد لکھ دے

سوال:- (2310) زید کے دو بیٹے تھے، عمر اور بکر، زید نے مرنے سے پہلے اپنی جائداد کو دونوں بیٹوں میں تقسیم کردیا، عمر کے حصہ میں ۴۸۰ رمربع گز زمین کا پلاٹ اور بکر کے حصہ میں کچا بنا ہوا مکان آیا، عمر کو ایک ہی لڑکا پیدا ہوا اور وہ بھی بچپن ہی میں انتقال کر گیا، اس طرح عمر کا کوئی وارث نہیں رہا، بکر کو پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں پیدا ہوئیں، جن میں سے ایک لڑکا بچپن میں فوت ہوگیا، چوں کہ عمر کا کوئی وارث نہیں تھا، اس لیے انہوں نے اپنی جائداد ۴۸۰ رمربع گز بکر کے چاروں لڑکوں میں برابر برابر تقسیم کردیا، جو آج تک بلدیہ میں رجسٹرڈ ہے، اب ۵۳ رسال بعد عمر کی جائداد ۴۸۰ رگز زمین فروخت ہوئی، تو اب سوال یہ ہے کہ اس میں بکر کی لڑکیوں کو کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟ جب کہ وہ جائداد صرف بکر کے لڑکوں کے نام رجسٹرڈ ہے؟ (م،ح، حیدرآباد)

جواب:- چوں کہ عمر نے اپنی زندگی میں بکر کے لڑکوں کے نام اپنی جائداد رجسٹری کرادیا، اس لیے یہی لوگ اس کے مالک سمجھے جائیں گے، اور زمین فروخت ہونے کے بعد یہی لوگ اپنے حصے کے بقدر رقم کے مالک ہوں گے، بکر کی لڑکیوں کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

اولاد میں جائداد کی غیر مساویانہ تقسیم

سوال:- {2311} زید نے اپنا ذاتی مکان اپنی بیوی کے مہر میں دیدیا، اس کی موجودہ مالیات دس لاکھ روپیہ ہے، زید کی نولڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، جن میں دو کا انتقال ہو چکا ہے، زید کی بیوی یہ مکان صرف ایک لڑکا، ایک لڑکی اور نواسہ جس کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، کو دینا چاہتی ہے، ایک لڑکے کو ۱۲ر آنہ، ایک لڑکی کو ۲ر آنہ اور نواسہ کو ۲ر آنہ، کیا از روئے شرع یہ درست ہے؟ (شکیل احمد، کٹہل گورہ)

جواب:- اگر زید کی بیوی نے اس تفصیل کے مطابق ہبہ کردیا، تو ہبہ شرعاً اور قانوناً نافذ ہوگا، لیکن کسی معقول وجہ کے بغیر اپنی اولاد میں سے کسی کو دینا اور کسی کو محروم کر دینا مناسب نہیں۔

"حضرت عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہش پر ان کے شوہر حضرت بشیر ﷺ نے حضرت نعمان بن بشیر ﷺ کو کچھ مال دینا چاہا اور اس پر حضور ﷺ سے گواہ بننے کی خواہش کی، آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ اپنی تمام اولاد کو دے رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل سے کام لو" (۱)

اس لئے یہ بات بہتر نہیں ہے کہ اپنی اولاد میں سے بعض کو دیا جائے اور بعض کو نہیں، یا بعض کو زیادہ دیا جائے اور بعض کو کم۔

(۱) صحیح مسلم: ۲/ ۳۷۔

بیوی مہر حاصل کیے بغیر مر جائے؟

سوال:- {2312} اگر کسی کی بیوی کا انتقال ہو جائے اور وہ مہر ادا نہ کر سکا، تو کیا یہ مہر شوہر کو ادا کرنا ہوگا؟ اگر ادا کرنا ہو تو یہ مہر کی رقم کسی دینی مدرسہ یا مسجد یا کسی غریب بچی وغیرہ کو دے سکتے ہیں؟ لڑکی کے والدین کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(عبدالعزیز، مشیرآباد)

جواب:- مہر کی حیثیت دین کی ہے، گویا شوہر مہر کی بقدر رقم کا مقروض ہے۔ اگر بیوی کے ذمہ کسی کا واجب الاداء روپیہ ہو تو شوہر سے مہر کی رقم لے کر اسے ادا کیا جائے گا، اگر بیوی کے ذمہ کسی کا روپیہ نہیں ہے تو مہر کی رقم اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگی، جن میں ایک وارث شوہر بھی ہوگا۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ مہر کی رقم دینی مدرسہ یا مسجد یا غریب بچی وغیرہ کو دے، ہاں اگر اس کے تمام ورثہ بالغ ہوں اور وہ سب کسی کو دینے پر متفق ہو جائیں تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

غیر مسلم لاوارث کے مال کا مصرف

سوال:- {2313} ایک غیر مسلم تاجر عورت تھی، جس کے پاس سے کچھ چیزیں ادھار لی گئی تھیں، مگر بعد میں اس تاجر عورت کا انتقال ہو گیا، اب پتہ نہیں کہ اس کا مکان کہاں اور اس کے ورثہ کون ہیں۔ تو اب اس رقم کو کیا کرنا چاہئے؟

(خورشید احمد، عادل آباد)

جواب:- ایسی رقم کو کسی رفاہی کام میں خرچ کر دینا چاہئے، صدقہ کی نیت نہ کرے، اس لیے کہ اصل مالک کافرہ تھی، جس کی نیت تقرب کا اعتبار نہیں۔ (۱) واللہ اعلم

---

(۱) رد المحتار :۵/۲۷۳، محشی۔

قتل مانع میراث

سوال:- {2314} زید نے اپنی بیوی ہندہ کو عمداً قتل کردیا، کیا اب ہندہ کے متروکہ مال میں سے وہ وارث ہوگا؟ اور اس کو حصہ ملے گا؟ اگر ملے گا تو ایسے شوہر کا کتنا حصہ ہے؟ جو صاحب اولاد بھی ہو چکا ہے۔ بینوا وتوجروا۔

(عثمان طاہر، بیگم پیٹ)

جواب:- فقہاء کا اس اصول پر اجماع و اتفاق ہے کہ قاتل کو مقتول کے مال سے وراثت نہیں ملے گی، یہ بات قرین عقل و قیاس بھی ہے، اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہو تو بعض حریص اس مقصد کے لیے اپنے مورث کو قتل کرنا شروع کردیں گے۔ اور اس سلسلہ میں متعدد احادیث بھی مروی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

"القاتل لا يرث" (۱)

''قاتل وارث نہیں ہوگا''

"ليس للقاتل شيئ" (۲)

''قاتل کے لیے کچھ واجب نہیں''

یہاں تک کہ اگر مقتول نے اس کے لیے کسی جائداد کی وصیت کی تھی تو اس جرم کے بعد یہ وصیت بھی پوری نہ کی جائے گی، آپ ﷺ نے فرمایا:

"ليس للقاتل وصية" (۳)

''قاتل کے لیے وصیت پوری نہیں کی جائے گی''

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۱۰۹، سنن ابن ماجۃ۔ حدیث نمبر: ۲۷۳۵۔ محشی
(۲) بيهقي: ۲۲۰/۳۔ محشی۔
(۳) بيهقي: ۲۶۰/۶۔ محشی۔

لڑکی کے ترکہ میں سسرال والوں اور میکہ والوں میں سے کس کو کتنا ملے گا؟

سوال:- (2315) لڑکی کا انتقال ہو چکا، اس کا سامان جہیز زیورات، فرنیچر، مہر، اس مال میں شوہر اور اس کے ساس، سسر اور چار بہنیں ہیں، اور لڑکی کے والد، والدہ اور تین بھائی اور بہنیں ہیں، ان میں مال کس کو ملے گا؟ اور کس طرح ملے گا؟ لڑکی کے کوئی اولاد نرینہ وغیرہ نہیں ہے۔

(اکبرالدین، ملے پلی، حیدرآباد)

جواب:- جہیز کے سامان جو لڑکی کے استعمال کی ہیں مثلاً زیورات کپڑے وغیرہ وہ خود ہندہ کی ملک ہیں، اسی طرح وہ زیورات جو لڑکے والوں نے دیئے ہیں، لڑکی کی ملک ہے، اور مہر بھی اس کا شوہر کے ذمہ واجب الاداء ہے، لہذا جہیز وغیرہ کے تمام سامان جو ہندہ کی موت کے وقت رہے ہوں اور مہر کی رقم چھ حصوں میں تقسیم کی جائے گی اور تین حصے یعنی متروکہ جائداد کا آدھا شوہر کو ملے گا، ایک حصہ ماں کو اور دو حصہ باپ کو، بھائی بہن وغیرہ کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

تین لڑکے اور ایک لڑکی میں میراث کی تقسیم

سوال:- {2316} جناب محمد عبدالصمد صاحب مرحوم کے تین لڑکے اور ایک لڑکی، چار سو گز زمین پر ۲ر مکان ۳ر کمرے ہیں، مرحوم کے تین لڑکے، ایک لڑکی جائداد کو تقسیم کر لینا چاہتے ہیں براہ مہربانی شریعت کی روشنی میں رہبری فرمائیں تو نوازش ہوگی۔

(سید جعفر علی، رسالہ خورشید جاہی، مشیر آباد)

جواب:- شریعت نے لڑکوں کا حصہ لڑکیوں کے مقابلہ دوگونہ رکھا ہے(۱) اور شوہر اگر اولاد چھوڑ کر مرے تو بیوی کا متروکہ حصہ جائداد کا آٹھواں حصہ رکھا ہے،(۲) لہذا عبد الصمد صاحب مرحوم کے متروکہ سے پہلے اگر وہ مقروض رہے ہوں تو ان کا قرض ادا کیا جائے گا، تجہیز و تکفین کا نظم ہوگا، کوئی وصیت ہو تو ایک تہائی مال سے اس کا نفاذ عمل میں آئے گا، پھر باقی ماندہ جائداد اس طرح تقسیم ہوگی کہ اگر مرحوم کی بیوی بھی ہو تو اسے آٹھواں حصہ دیا جائے، بقیہ جائداد سات حصوں میں تقسیم کردی جائے، ایک حصہ ایک لڑکی کو اور دو دو حصے تینوں لڑکوں کو دیئے جائیں اور اگر بیوی نہ ہو تو اس طرح پوری جائداد کی سات حصوں میں تقسیم عمل میں آئے گی، اور جیسا کہ ذکر کیا گیا دو دو حصے لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکی کو دیا جائے گا۔

متبنیٰ لڑکی کا حقیقی باپ کے ترکہ میں حصہ

سوال:- {2317} ایک شخص ایک بیوی اور دو لڑکیاں ایک لڑکا سب منکوحہ چھوڑ کر مرا، بعد وصال کے ساری جائداد کو لڑکے نے اپنے نام منتقل کرلیا، پھر اس شخص کے دو لڑکے سات لڑکیاں ہیں، جن میں سے دو لڑکیاں منکوحہ اور ایک لڑکی جسے متبنیٰ دیا گیا، اس کا نکاح سرپرستوں نے ہی کرایا جنھوں نے پالنے کے لئے لیا تھا، اس طرح کل تین لڑکیاں منکوحہ ہوئیں، چار غیر منکوحہ لڑکیوں میں سے صرف ایک لڑکا منکوحہ صاحب اولاد ہے، جس کی ایک بیوی اور چھوٹی کمسن لڑکیاں ہیں، اور دوسرا لڑکا غیر شادی شدہ ہے، بڑے لڑکے کا ایک حادثہ میں وفات

(۱) النساء:۱۱ محشی۔
(۲) النساء:۱۲ محشی۔

ہوئی، اب جب کہ ایک لڑکا اور چار لڑکیاں غیر منکوحہ ہیں، تقسیم وراثت کا مطالبہ زوروں پر ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مورث کی زندگی میں وارث کا انتقال ہو جائے جیسا کہ باپ کی موجودگی میں بیٹا فوت ہوا ہے، تو اس بیٹے کو باپ کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ دوسرا یہ کہ وہ لڑکی جو پالنے کے لیے دی گئی، اس کا حقیقی باپ کے مال میں حصہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مذکورہ جملہ وارثین میں سے ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟

(محمد عبدالغنی، نزد جامع مسجد قدیم آبادی، محبوب نگر، ورنگل)

جواب:- اول یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ شریعت نے مرد و عورت دونوں ہی کو وراثت کا مستحق قرار دیا ہے، اس لیے بڑے بیٹے کا تمام جائداد پر قابض ہو جانا سخت گناہ ہے، پہلے متروکہ جائداد میں سے آٹھواں حصہ بیوی کو دیا جائے گا، پھر جو جائداد بچ رہے گی، اس کی تقسیم یوں عمل میں آئے گی کہ نصف جائداد لڑکا لے لے اور نصف کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو دیا جائے گا، دوسرے جائداد کی بطور وراثت تقسیم اس وقت عمل میں آتی ہے جب خود صاحب جائداد کا انتقال ہو جائے، چوں کہ ابھی وہ خود زندہ ہیں، اس لیے وراثت کی تقسیم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ہاں اگر وہ اپنی زندگی ہی میں تقسیم کرنا چاہے تو چاہیے کہ تمام اولاد میں مساوی مساوی تقسیم کر دے یا پھر یونہی چھوڑ دے تا کہ موت کے بعد حدود شرعی کے مطابق حصے تقسیم ہو جائیں۔(۱)

متبنی کی شریعت میں کوئی اصل اور حقیقت نہیں ہے اور وہ بھی دوسری اولاد کی طرح اپنے حقیقی والدین سے وراثت کی حقدار ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ دادا کی زندگی میں اولاد کا انتقال ہو جائے اور دوسرے چچا وغیرہ موجود ہوں، تو پوتے یا پوتیاں محروم ہو جاتے ہیں، اس لیے دادا کو

(۱) " قال علیه السلام فاتقوا اللّٰه و اعدلوا بین اولادکم " (مشکوۃ شریف، ص:۲۶۱)

چاہئے کہ اپنی زندگی ہی میں اپنی بیوہ بہو اور پوتیوں کو کچھ حصہ ہبہ کردے یا وصیت کر جائے کہ جائداد کا اتنا حصہ اس کی موت کے بعد ان کو دے دیا جائے۔

بیوی، ایک بیٹا اور دو بیٹیوں کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:- {2318} مولوی سید نجم الدین احمد صاحب مرحوم کے ورثہ میں ایک بیوی، ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں، جائداد کی تقسیم ان ورثہ میں کس طرح عمل میں آئے گی؟

(علی مرتضی، شاہ علی بنڈہ)

جواب:- جائداد کی جو کچھ رقم ہو، اس کا آٹھواں حصہ بیوی کو دیا جائے، (۱) اس کے بعد جو کچھ بچ رہے، اس کے چار حصے کردیں، ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو اور دو حصے لڑکے کو دیئے جائیں۔(۲)

ہبہ کردہ مکان میں وراثت

سوال:- {2319} ہاجرہ بی صاحبہ بیوہ ہیں، جن کے تین لڑکے ہیں، محمد مکرم صاحب (بڑے) محمد عظیم صاحب (مجھلے) محمد سلیم صاحب (چھوٹے) محمد مکرم صاحب نے اپنی والدہ کی گزر بسر کے لیے اپنی کمائی سے ماں کے نام ایک مکان خریدا ہے اور ان کو مختار کل بنا کر ان کے نام رجسٹری وغیرہ کروا دیئے ہیں، محمد مکرم صاحب شادی شدہ ہیں اور ماں سے علیحدہ بود و باش اختیار کئے ہوئے ہیں، محمد سلیم غیر شادی شدہ ہے جو

---

(۱) ﴿فان کان لکم ولد فلهن الثمن﴾ (النساء: ۱۲)

(۲) ﴿للذکر مثل حظ الانثیین﴾ (النساء: ۱۱)

ماں کے ساتھ ہی مقیم تھا، ہبہ کرنے کے چار پانچ سال بعد محمد عظیم کا انتقال ہوگیا، جن کے دو بچے اور بیوہ ہیں، اب ہاجرہ بی صاحبہ کا انتقال ہوگیا، وہ انتقال تک محمد سلیم کے ہمراہ ہی رہتی تھیں، موجودہ ہبہ کی ہوئی جائداد جو ہاجرہ بی صاحبہ مرحوم کے نام ہے، محمد مکرم صاحب اور مرحومہ کے بچے اور سلیم صاحب کے درمیان جھگڑا پڑ گیا ہے، براہ کرم شرعی فیصلہ سے مطلع فرمائیں؟　　(سلیم، ملک پیٹ، حیدرآباد)

جو اب:- جب مکرم صاحب نے یہ مکان اپنی والدہ کو ہبہ کر دیا تو اب وہی اس کی مالک ہوگئیں، ان کی موت کے بعد اس مکان میں وراثت جاری ہوگی، محمد عظیم صاحب مرحوم کے بچے محروم ہو جائیں گے اور ان کو کچھ نہیں ملے گا، اس لیے کہ ان کے والد کا انتقال ہاجرہ بی صاحبہ کی زندگی میں ہو چکا ہے، اور محمد مکرم اور محمد سلیم صاحبان کو نصف نصف مکان مرحومہ کے ذمہ باقی دوسرے قرضہ جات کی ادائیگی کے بعد دیا جائے گا، فقط۔

ایک بھائی، ایک بہن میں تقسیم میراث

سوال:- {2320} ایک متروکہ جائداد ہے جس کے اب صرف دو وارث ہیں، ایک بھائی اور ایک بہن، ان دونوں میں ہر ایک کو کتنا کتنا حصہ شرعاً متروکہ میں سے حاصل ہوگا؟ ہر ایک کا حصہ متعین فرمادیں۔(جمیلہ بیگم، رائن بازار، حیدرآباد)

جو اب:- اگر سوال صحیح ہو تو متوفی کے ذمہ اگر کچھ قرض ہو تو اسے ادا کر دیا جائے، پھر اگر اس کی کوئی وصیت ہو تو متروکہ کے ایک تہائی میں وصیت جاری کی جائے،(۱) اس کے بعد جو

(۱) ”ثم تقضى ديونه ... ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين“ (سراجی: ص:۲) مرتب۔

کچھ بچ رہے، وہ ان دونوں ورثہ میں تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، ایک حصہ بہن کو اور دو حصے بھائی کو دیے جائیں: ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ﴾(۱)

لے پالک اور ربیبہ کا وراثت میں حصہ

سوال:- (2321) محترمی و مکرمی منصف صاحب

دارالقضاء حیدرآباد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت یہ ہے کہ ہم بوجنہ پیٹ گاؤں، تعلقہ پداپلی، ضلع کریم نگر (اے پی) کے رہنے والے ہیں، ہم دو بھائی ہیں، میں چھوٹا بھائی ہوں، میرا نام محمد نصیر الدین ہے اور بڑے بھائی کا نام محمد علی (مرحوم) ہے، بڑے بھائی صاحب کی دو بیویاں ہیں، بڑی بیوی رسول بی، چھوٹی بیوی مدھارنجا ہے، بڑے بھائی محمد علی مرحوم کے حصہ میں پونے دو ایکڑ خشکی، ڈیڑھ ایکڑ تری اور چھ سو گز کا مکان ہے، اس جائیداد کی تقسیم کا مسئلہ ہے۔

بڑے بھائی صاحب مرحوم نے میری ایک بچی کو بچپن سے رکھ لئے تھے، پرورش کئے اور شادی بھی کئے، اس کے بعد بڑے بھائی صاحب نے اپنی بیوی کے مسلسل بیمار رہنے کی وجہ سے دوسرا نکاح کئے تھے، اس وقت بڑے بھائی صاحب کی منکوحہ چھوٹی بیوی کو پہلے شوہر کا ایک لڑکا ساتھ تھا، جس کے تعلق سے اس وقت یہ کہہ دیا گیا تھا کہ اس لڑکے کو بڑا ہونے تک پالیں گے، لیکن جائداد میں حصہ نہیں رہے گا، حسب وعدہ

(۱) النساء :۱۱۔

لڑکے کو بڑا ہونے تک پرورش کیے، شادی بھی کیے، رہائش کے لیے مکان خرید کردیے اور روزگار کے لیے کپڑے سلوائی کی مشین بھی خرید کردی گئی۔

دو بھابیاں، بڑے بھائی کے لے پالک لڑکی، چھوٹی بیوی کے پہلے شوہر سے ہوا لڑکا، یہ چاروں بڑے بھائی صاحب کی زمین جائداد میں حصہ کے لیے لڑ رہے ہیں، میں کہہ رہا ہوں کہ دونوں بھابیوں کو جب تک زندہ رہے، تب تک میں بھابیوں کے اخراجات برداشت کروں گا، اس کے بعد جو زمین میرے بھائی صاحب کی ہے اس کو میں لے لوں گا، یہ میرا ارادہ ہے۔

بڑی بھابی کہہ رہی ہیں کہ جس بچی کو پال لیے ہیں اس بچی کو بھی حصہ دوں گی، چھوٹی بھابی کہہ رہی ہیں کہ میرے حصہ میں میں کچھ بھی کروں، میں کہہ رہا ہوں کہ حصہ کچھ بھی نہیں کرنا، میرے خاندان میں آنے کی وجہ سے میں تم لوگوں کو آخری دم تک نباہ دوں گا اور کسی کو زمین نہیں دوں گا، تمہاری زندگی میں تمہارے لوگ آئیں کھائیں، رہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

ان حالات کی وجہ سے خاندان میں اختلافات بڑھ گئے ہیں، اور اس جائداد کی تقسیم کے لیے آپ کے سامنے مسئلہ پیش کیا ہوں، مندرجہ بالا تفصیلات اور احکام شریعت کے لحاظ سے تحریری طور پر معلوم کیجئے کہ آیا:

(الف) میں اپنے دونوں بھابیوں کو تاحیات پال کر ان

کی زندگی کے بعد اس جائداد کو میں اپنے قبضہ میں لے سکتا ہوں یا نہیں؟

(ب) اس جائداد میں بڑی بھابی صاحبہ کی لے پالک لڑکی اور چھوٹی بھابی کے ساتھ آئے ہوئے پہلے شوہر کے لڑکے کا حصہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(ج) اگر بھابیوں کو بھائی صاحب مرحوم کی جائداد تقسیم کر کے دے دیں تو وہ کہتی ہیں کہ جس کو چاہے بیچ کر دوسرے مقام پر جا کر رہیں گے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ براہ کرم تفصیل سے شرعی احکام سے واقف فرمائیں کہ اس جائداد کی تقسیم کیسے کریں اور کن کو کتنا حصہ دیں۔

(محمد نصیر الدین، بہ توسط: محمد یوسف الدین، جمعدار 934 ڈسٹرکٹ پولس آفس (ڈی، دی، پی) کریم نگر)

جواب:- (الف) صورت مسئولہ میں بڑی بیوی کی لے پالک بچی اور چھوٹی بیوی کے پہلے شوہر کے لڑکے کا کوئی حصہ نہیں،(۱)

(ب) آپ کی دونوں بھابیوں کو متروکہ میں حق شرعی ہے اور وہ اس کی مستحق ہیں، اگر ان کو آپ کے بھائی سے کوئی اولاد نہ ہو تو متروکہ ایک چوتھائی حصہ دونوں بیویوں کا حق ہے،(۲) مرحوم کی بیوگان کو حق ہے کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے حصہ کا استعمال کریں، اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوں کہ اس کے بدلہ آپ تا موت ان کی پرورش کریں تو آپ ان پر جبر کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

(ج) مرحوم کے بھائی، بہنوں، والدین اور دوسرے اقرباء جو موت کے وقت موجود تھے،

---

(۱) ''والمتبنی لا یلحق في الأحکام بالابن فلا یستحق المیراث و لا یرث عن المدعی''(أحکام القرآن لمفتی شفیع :۲۹۱/۳)

(۲) ﴿و لهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد﴾(النساء:۱۲)

ان کی تفصیل جب تک معلوم نہ ہو جائے، حصوں کی تفصیل نہیں لکھی جاسکتی۔

(د) واضح ہو کہ ترکہ کی تقسیم مرحوم کے ذمہ واجب الاداء قرض وحقوق واجبہ، بیویوں کے مہر (اگر ادا شدہ نہ ہو) کی ادائیگی اور اگر متروکہ کے ایک تہائی مال میں وصیت کی ہو تو وصیت کی تکمیل کے بعد ہی عمل میں آئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تقسیم ترکہ کا ایک مسئلہ

سوال:- {2322} (الف) خلاصۂ سوال: مولوی پیر مرحوم کی جائداد (ترکہ) زمینات، جملہ تین لڑکے بحساب ۲۰؍ پیسے اور جملہ ۴؍ لڑکیاں بحساب دس پیسے۔

(ب) سب کی رضامندی سے ایک بھائی کے حصہ میں تین بہنوں کو ہر ایک کے حصہ کی قیمت تین ہزار قرار دی گئی۔

(ج) اور ایک بھائی کے حصہ میں ایک بہن کو کم زرخیز زمین، فی بھائی دس پیسے ادا کریں گے۔

(د) تقسیم شدہ اراضی کی آمدنی اگر ایک سو روپیہ ہو تو ایک بھائی تین بہن یعنی کتنے روپے لیں؟

(رشید احمد، سعید آباد، حیدر آباد)

جواب:- (الف) تقسیم درست ہے۔ ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾(۱) بشرطیکہ متوفی کے کوئی اور وارث موجود نہ ہو۔

(ب) زمینات کی تقسیم جو باہمی رضامندی سے عمل میں آئی ہے درست ہے اور جب تک برادران قیمت ادا کر کے خرید نہ کر سکیں، ۲۰؍ پیسے بہنوں کو دینا درست ہے۔

---

(۱) النساء: ۱۱۔

(ج) فقرہ ۲؍ کی آمدنی اس طرح تقسیم ہوگی، محمد غیاث الدین ۴۰؍ بہنوں میں سے ہر ایک کو ۲۰؍ جملہ ایک سو، فقرہ ۳؍ میں آمدنی اس طرح تقسیم ہوگی، محمد غوث الدین ۴۰؍ محمد عزیز الدین ۴۰؍ وحید النساء ۲۰؍ جس سے دس دس پیسے ہر دو بھائی کے ذمہ ہوں گے۔

(اضافہ: اس طرح اگر ایک بھائی کی آمدنی سو ہو تو بہن کو اس میں سے ۲۰؍ روپے ادا کردے اور بقیہ ۸۰؍ پیسے خود بھائی رکھ لے)

والد کے ترکہ کی تقسیم

سوال:- {2323} میرے والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے، ان کی ایک موروثی زمین ہے، میرے والد کو میں ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہیں، جن کی شادی ہو چکی ہے، دو بہنیں بقید حیات ہیں، بڑی بہن کا انتقال ہو چکا ہے، ان کا ایک لڑکا ہے، ان کا شرعی حصہ کیا ہوتا ہے؟ مجھے سالانہ سات ہزار کی آمدنی ہوتی ہے، اس میں میرے دو بہنوں کا کیا حق ہے؟ مرحوم بہن کے لڑکے کا کیا حق ہے؟ میرا بھانجہ غریب ہے میں اس آمدنی سے اس کو بھی کچھ دینا چاہتا ہوں۔ (محمد اکبر حسین، یاقوت پورہ)

جواب:- مذکورہ صورت میں آپ کے والد کی متروکہ جائداد کے چار حصے کیے جائیں گے، دو حصہ آپ کو ملے گا، ایک ایک حصہ دونوں بہنوں کو ملے گا، آپ کی جن بہن کا انتقال والد کی زندگی میں ہو گیا تھا، شرعاً ان کے بچے وراثت کے مستحق نہیں ہیں، تاہم بہتر ہے کہ آپ ورثہ جو کچھ مناسب سمجھیں، اتفاق رائے سے کچھ ان کو بھی دیدیں، قرآن مجید نے اس کی اخلاقی

ہدایت بھی دی ہے۔(۱)

مہر اور زیور مال متروکہ ہے

سوال:- {2324} مرحومہ بیوی کا مہر اور زیور ماں باپ اور شوہر کے لوگوں کے دیے ہوئے سامان اور مروجہ طریقہ پر دیا ہوا سامان کے متعلق شرعی احکام کیا ہیں؟

(شمیم اختر، فلک نما، حیدرآباد)

جواب:- مرحومہ بیوی کا مہر شوہر پر واجب الاداء ہے اور اس کا شمار بھی مالِ متروکہ میں ہے اور جو سامان دیا گیا وہ بھی مالِ متروکہ میں شامل ہے،(۲) ورثہ کی تفصیل ہو تو حصہ تقسیم کر کے بتلایا جا سکتا ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۱) ﴿وإذا حضر القسمة أولوا القربىٰ و اليتمىٰ و المسكين فارزقوهم منه وقولوا لهم قولا معروفا﴾(النساء:۸)

" هذا كله يوجب أن يكون اعطاء هؤلاء الحاضرين عند القسمة إستحبابا " (أحكام القرآن للجصاص:۲/۹۲)

(۲) "أو قال الزوج ذالك بعد موتها يرث منه ... فالمعتمد أن القول للزوج و لها إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية " (الدر المختار على هامش رد:۲/۳۶۶)

مآخذ و مراجع

مآخذ اور مراجع

مآخذ ومراجع

قرآن

۱ قرآن کریم

تفسیرات وعلوم القرآن

(الف)

۲ أحكام القرآن امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص (۳۰۵-۳۷۰ھ)

۳ أحكام القرآن امام ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن عربی (۴۶۸-۵۴۳ھ)

۴ أحكام القرآن مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (- ۱۳۱۴ھ)

(ت)

۵ تفسير ابن جرير امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (۲۲۵-۳۱۰ھ)

۶ تفسير حقانى مولانا ابومحمد عبدالحق حقانی دہلوی

۷ تفسیر القرآن امام عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر قرشی دمشقی (-۷۷۴ھ)

۸ التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب) امام فخر الدین محمد بن عمر تیمی رازی (۵۴۴-۶۰۴ھ)

۹ تفسیر جلالین علامہ جلال الدین محمد بن احمد بن محلی شافعی (۷۹۱-۸۶۴ھ)
علامہ جلال الدین سیوطی (۸۴۹ - ۹۱۱ھ)

۱۰ تفسیر مظہری (اردو) مولانا قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی (-۱۲۲۵ھ)

۱۱ التفسیر المظھری مولانا قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی (-۱۲۲۵ھ)

۱۲ التبیان في علوم القرآن شیخ محمد علی صابونی

(ج)

۱۳ الجامع لأحکام القرآن ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی (- ۶۷۱ھ)

(د)

۱۴ الدر المنثور جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر السیوطی (-۹۱۱ھ)

(ر)

۱۵ روح المعانی ابوفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی (- ۱۲۷۰ھ)

(ش)

۱۶ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی

(م)

۱۷ معارف القرآن مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (-۱۳۱۴ھ)

۱۸ مدارك التنزیل ابوبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی (-۷۱۰ھ)

۱۹ مناهل العرفان
في علوم القرآن — شیخ محمد عبد العظیم زرقانی
۲۰ المعجم المفهرس
لألفاظ القرآن — محمد فؤاد عبد الباقی

حدیث، شرح حدیث، اصول و رجال

(الف)

۲۱ آثار السنن — علامہ محمد ظہیر احسن شوق نیموی حنفی (۱۲۷۸-۱۳۲۲ھ)
۲۲ الأذکار للنووی — محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی (۶۳۱-۶۷۶ھ)
۲۳ ارشاد الطالبین — قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۱۴۳-۱۲۲۵ھ)
۲۴ الأسرار المرفوعة — نورالدین علی بن محمد بن سلطان ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ-۱۹۹۳ء)
۲۵ اشعة اللمعات — شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ)
۲۶ الافصاح
من معانی الصحاح — وزیر عون الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ حنبلی (-۵۶۰ھ)
۲۷ إعلاء السنن — مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی (۱۳۹۴ھ)
۲۸ الإصابة — علامہ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

(ب)

۲۹ بذل المجهود — مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۳۴۶ھ/۱۸۵۲ء)
۳۰ بلوغ الأماني — احمد عبدالرحمان بنا ساعاتی

(ت)

۳۱	تحفة الأحوذی	مولانا محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری (۱۲۸۳-۱۳۵۳ھ)
۳۲	تدریب الراوی	حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی (۸۴۹-۹۱۱ھ)
۳۳	تذکرة الموضوعات	علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۱۴/۹۱۳-۹۸۶ھ)
۳۴	الترغیب و الترهیب	علامہ ابو محمد ذکی الدین عبدالعظیم المتدری (۵۸۱-۶۵۶ھ)
۳۵	تکملة فتح الملهم	مفتی محمد تقی عثمانی (حفظہ اللہ ورعاہ)
۳۶	التعلیق الحسن على أثار السنن	علامہ شوق نیموی
۳۷	التعلیق الصبیح	مولانا ادریس کاندھلوی (-۱۳۹۴ھ)
۳۸	التعلیق الممجد	مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ (۱۲۶۴-۱۳۰۴ھ)
۳۹	تقریر ترمذی	شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۳۴۶ھ)
۴۰	تنویر الحوالك في أن رفع اليدين ...	ابن عزور محمد مالکی
۴۱	تهذیب التهذیب	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (-۸۵۲ھ)

(ج)

۴۲	الجامع للترمذي	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی (۲۰۹-۲۷۹ھ)
۴۳	جامع المسانید	امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی (۸۰-۱۵۰ھ)
۴۴	جامع المسانید و السنن	عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن عمر قرشی دمشقی (۷۰۰-۷۷۴ھ)
۴۵	الجامع الصغیر	علامہ جلال الدین سیوطی (۸۴۹-۹۱۱ھ)
۴۶	جمع الفوائد	علامہ محمد بن محمد سلیمان رودانی (۱۰۹۴ھ)
۴۷	الجوهر النقی	علامہ علاء الدین المارديني حنفی (-۷۴۵ھ)

(ح)

۴۸	حاشية الترمذی	شیخ محمد علی شاکر
۴۹	حاشية البخاری	مولانا احمد علی سہارنپوری
۵۰	حاشية الترمذی	مولانا احمد علی سہارنپوری
۵۱	حاشية أبي داؤد	
۵۲	حلية العلماء	حافظ ابونعیم اصبہانی (۳۳۶-۴۳۰ھ)
۵۳	حصن حصین	علامہ جزری (۷۵۱-۸۳۳ھ)

(د)

۵۴	الدراية فی تخريج احاديث الهداية	حافظ ابن حجر عسقلانی (-۸۵۲ھ)
۵۵	الدرر السنية	

(ر)

۵۶	رياض الصالحين	امام ابوزکریا یحیٰ بن شرف نووی دمشقی (۶۳۱-۶۷۶ھ)

(ز)

۵۷	زاد المعاد	علامہ ابن قیم جوزی ابوعبداللہ محمد دمشقی زرعیؒ (۶۹۱- ۷۵۱ھ)

(س)

۵۸	سنن أبي داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث بحستانی ۲۰۲-۲۷۵ھ)
۵۹	سنن ابن ماجة	ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹-۲۷۳ھ)
۶۰	سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (-۳۰۳ھ)
۶۱	السنن الكبرىٰ	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی (-۴۵۸ھ)
۶۲	سنن الدار قطني	امام علی بن عمر دار قطني (۳۰۶ - ۳۸۵ھ)

۶۳	سنن الدارمی	امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی (۱۸۱-۲۵۵ھ)
۶۴	سبل السلام	علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمنی صنعانی (-۱۱۸۲ھ)
۶۵	سلسلة الأحاديث الصحيحة	شیخ محمد ناصر الدین البانی
۶۶	سلسلة الأحاديث الضعيفة و الموضوعة	شیخ محمد ناصر الدین البانی
۶۷	سبيل الرشاد	مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴-۱۳۲۳ھ)
۶۸	سفر السعادة	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۹۵۸-۱۰۵۲ھ)

(ش)

۶۹	شرح تراجم ابواب البخاری	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ)
۷۰	شعب الإيمان	امام بیہقی احمد بن حسن (۳۸۴-۴۵۸ھ)
۷۱	شرح العقيدة الطحاوية	قاضی علی بن علی بن محمد دمشقی (-۷۹۲ھ)
۷۲	شرح مسلم	علامہ ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی (۶۳۱-۶۷۶ھ)
۷۳	شرح معانی الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد ازدی مصری طحاوی (-۳۲۱ھ)
۷۴	شرح مؤطأ إمام مالك	علامہ محمد زرقانی
۷۵	شمائل الترمذي	علامہ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی (۲۰۹-۲۷۹)

(ص)

۷۶	صحيح البخاری	امام بخاری محمد بن اسمٰعیل (۱۹۴-۲۵۶ھ)
۷۷	صحيح مسلم	امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیساپوری (۲۰۹-۲۶۱ھ)
۷۸	صحيح ابن خزيمة	ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ سلمی نیساپوری (۲۲۳-۳۱۱ھ)

۷۹ صحیح ابن حبان امیر علاء الدین علی بن بلبان فارسی (-۷۳۹ھ)

(ط)

۸۰ طبقات محمد بن سعد علامہ احمد بن حجر عسقلانی (-۸۵۲)

(ع)

۸۱ عمدۃ القاری علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی (۷۶۲-۸۵۵ھ)

۸۲ العرف الشذی علامہ محمد انور شاہ کشمیری

۸۳ عارضۃ الأحوذی امام ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن عربی مالکی (۴۶۸-۵۴۳ھ)

(ف)

۸۴ فتح الباری حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۳ھ)

۸۵ فتح الملہم علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)

۸۶ الفتح الرباني علامہ احمد عبدالرحمان بناساعاتی

۸۷ فتح المغیث علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (۸۳۱-۹۰۲ھ)

۸۸ فیض القدیر علامہ محمد عبدالروف المناوی (۱۰۳۱ھ)

(ك)

۸۹ کنز العمال علاء الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی (-۹۷۵ھ)

۹۰ کتاب الآثار امام محمد بن حسن شیبانی (۱۳۲-۱۸۹ھ)

۹۱ کشف الخفاء شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی (-۱۱۶۲ھ)

۹۲ کتابت حدیث، عہد رسالت وعہد صحابہ میں مفتی محمد رفیع عثمانی

۹۳ الکتاب المصنف في الأحاديث و الآثار ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (-۲۳۵ھ)

۹۴	کشف الغمه	امام عبدالوہاب شعرانی (-۹۷۳ھ)

(م)

۹۵	مسند أحمد	امام احمد بن حنبل شیبانی (-۲۴۱ھ)
۹۶	مشکوۃ المصابیح	شیخ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب بغدادی
۹۷	مرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری (-۱۰۱۴ھ)
۹۸	المؤطأ	امام ابوعبداللہ مالک بن انس اصبحی (۹۵-۱۷۹ھ)
۹۹	المؤطأ	امام محمد بن حسن شیبانی (۱۳۲ - ۱۸۹ھ)
۱۰۰	المصنف	امام حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (۱۲۶-۲۱۱ھ)
۱۰۱	الموضوعات الكبرى	ابوالفرج عبدالرحمٰن جوزی بغدادی (-۵۹۷ھ)
۱۰۲	مجمع الزوائد	حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی (۷۳۵-۷۰۷ھ)
۱۰۳	المستدرك	حافظ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیساپوری
۱۰۴	مجمع بحار الانوار	علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۱۴/۹۱۳-۹۸۶ھ)
۱۰۵	موارد الظمآن	حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی
۱۰۶	المقاصد الحسنة	علامہ محمد عبدالرحمٰن سخاوی (۸۳۱ -۹۰۲ھ)
۱۰۷	المعجم الكبير	امام ابوالقاسم سلیمان طبرانی (۲۶۰-۳۶۰ھ)
۱۰۸	المعجم الأوسط	امام ابوالقاسم سلیمان طبرانی (۲۶۰-۳۶۰ھ)
۱۰۹	مجمع البحرين في زوائد المعجمين	حافظ علی بن ابوبکر ہیثمی
۱۱۰	معارف السنن	مولانا سید محمد یوسف حسینی بنوری (-۱۳۹۷ھ)
۱۱۱	مقدمة ابن الصلاح في علوم الحديث	ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن شہرزوری ابن صلاح (-۶۴۳ھ)

۱۱۲ موسوعة حياة الصحابيات — محمد سعید مبیض

۱۱۳ ميزان الاعتدال — علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (-۷۱۸ھ)

(ن)

۱۱۴ نصب الراية — امام ابومحمد عبداللہ بن یوسف حنفی زیلعی (-۷۶۲ھ)

۱۱۵ نيل الأوطار — علامہ محمد بن علی بن محمد شوکانی (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ)

۱۱۶ نزهة الفضلاء — شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (-۷۴۸ھ)

فقه واصول وقواعد فقه

(الف)

۱۱۷ امداد الفتاوى — مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۲۸۰- ۱۳۶۲ھ)

۱۱۸ احسن الفتاوی — مولانا مفتی رشید احمد، پاکستان

۱۱۹ اسلام اور جدید معاشرتی مسائل — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (حفظہ اللہ ورعاہ)

۱۲۰ اسلام اور جدید میڈیکل مسائل — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (حفظہ اللہ ورعاہ)

۱۲۱ الأشباه والنظائر — علامہ زین الدین ابن نجیم مصریؒ (۹۲۶- ۹۷۰ھ)

۱۲۲ الأحكام السلطانية — قاضی ابوالحسن ماوردی

۱۲۳ اسلامی شادی — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ)

(ب)

۱۲۴ البحر الرائق — علامہ زین الدین ابن نجیم مصریؒ (۹۲۶-۹۷۰ھ)

۱۲۵ بدایة المجتهد — ابوالولید محمد بن احمد بن رشدؒ قرطبی (۵۲۰-۵۹۵ھ)

۱۲۶ بدائع الصنائع — علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانیؒ (-۵۸۷ھ)

۱۲۷ بلوغ المرام — علامہ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳- ۸۵۲ھ)

(ت)

۱۲۸ تبیین الحقائق — علامہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی (-۷۴۳ھ)

۱۲۹ تبصرة الحکام — علامہ برہان الدین ابوالوفاء ابراہیم ابن فرحون مالکی

۱۳۰ تقریرات رافعی
علی رد المحتار — علامہ عبدالقادر رافعی فاروقی حنفی

۱۳۱ التوضیح لمتن التنقیح — احمد بن جمال الدین عبداللہ محبوبی (-۷۴۷ھ)

۱۳۲ التعریفات الفقهیة — مفتی سید عمیم الاحسان مجددی

(ج)

۱۳۳ الجوهرة النیرة — شیخ الاسلام ابوبکر علی بن محمد حدادی یمنی (-۸۰۰ھ)

۱۳۴ جامع الرموز — علامہ محمد بن حسام الدین قہستانی

۱۳۵ جدید فقہی مسائل — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (حفظہ اللہ ورعاہ)

۱۳۶ جواہر الفقہ — مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (-۱۳۱۴ھ)

(ح)

۱۳۷ الحیلة الناجزة — مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰- ۱۳۶۲ھ)

۱۳۸ حاشیة الرافعی علی
الأشباه والنظائر — عبدالقادر رافعی فاروقی

۱۳۹ حاشية الحموى على
الأشباه والنظائر — سید احمد بن محمد حموی حنفی
۱۴۰ حلال وحرام — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (حفظہ اللہ ورعاہ)

(خ)

۱۴۱ خلاصه الفتاوى — امام طاہر بخاری
۱۴۲ خرشي (حاشيه) — علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن علی خرشی

(د)

۱۴۳ الدر المنتقى في
شرح الملتقى — محمد بن علاء الدین حصکفی دمشقیؒ (۱۲۵- ۱۰۸۸ھ)
۱۴۴ الدر المختار — محمد بن علاء الدین حصکفی دمشقیؒ (۱۲۵-۱۰۸۸ھ)
۱۴۵ درر الحكام — علامہ قاضی ملا خسرو حنفی

(ر)

۱۴۶ روضة الطالبين — علامہ ابوزکریا محی الدین شرف النوویؒ (۶۳۱ - ۶۷۶ھ)
۱۴۷ رد المحتار — علامہ محمد امین عابدین بن عمر عابدین شامیؒ (۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ)
۱۴۸ رسم المفتى — علامہ محمد امین عابدین بن عمر عابدین شامیؒ (۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ)
۱۴۹ رحمۃ الامۃ — ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمن عثمانی دمشقی شافعی

(س)

۱۵۰ سراجى — علامہ محمد ابوطاہر سراج الدین سجاوندی (-۸۰۰ھ)

(ش)

۱۵۱ شرح الفقه الأكبر — ملا علی بن سلطان محمد القاری
۱۵۲ شرح الفقه الأكبر — مولانا نثار احمد قاسمی

۱۵۳ الشرح الصغير علامہ احمد بن محمد عدوی دردیرؒ (-۱۲۰۱ھ)
۱۵۴ شرح اللكهنوى على الهداية مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ (۱۲٦۴-۱۳۰۴ھ)
۱۵۵ شرح القواعد الفقهية شیخ احمد بن زرقاؒ
۱۵٦ شرح مجلہ (اردو) اسلام آباد پاکستان

(ط)

۱۵۷ طحطاوی علی الدر سید احمد طحطاوی (-۱۲۳۳ھ)
۱۵۸ طحطاوی علی مراقی الفلاح علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی (-۱۲۳۱ھ)
۱۵۹ الطرق الحكمية علامہ ابوعبداللہ محمد زرعی دمشقی ابن قیم جوزیہ (٦۹۱-۷۵۱ھ)

(ع)

۱٦۰ العناية شرح الهداية علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی (-۷۸٦ھ)

(غ)

۱٦۱ غرر الأحكام علامہ ملا خسرو (-۸۸۵)
۱٦۲ غنية الناسك مولانا الحاج حسن شاہ پشاوری مہاجر مکی

(ف)

۱٦۳ الفقه الأكبر منسوب بہ: امام اعظم ابوحنیفہؒ
۱٦۴ فتح القدير علامہ محمد بن عبدالواحد، المعروف ابن ہمامؒ (۷۸۸-۸٦۱ھ)
۱٦۵ الفتاوى الخانية علامہ فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی فرغانی قاضی خاں (-۲۹۵ھ)
۱٦٦ الفتاوى الهندية شیخ نظام و جماعۃ علماء ہند

۱۶۷ فتاوی ابن تیمیة　احمد بن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ)
۱۶۸ الفتاوی البزازیه　شیخ حافظ الدین محمد بن محمد ابن بزاز کردری (-۸۲۷ھ)
۱۶۹ الفتاوی التاتار خانیة　علامہ عالم بن علاء الانصاری اندرپتی دہلوی (-۷۸۶ھ)
۱۷۰ فتاوی سراجیة　علامہ سراج الدین اودی (- ۸۲۹ھ)
۱۷۱ الفقه الإسلامی وأدلته　ڈاکٹر وہبہ زحیلی
۱۷۲ الفقه علی المذاهب الأربعة　عبد الرحمٰن جزیری
۱۷۳ فقه السنة　سید سابق
۱۷۴ فتح العلی المالك　شیخ ابو عبد اللہ محمد احمد علیش (-۱۲۹۹ھ)
۱۷۵ فواتح الرحموت　علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین انصاری
۱۷۶ فتاوی عبد الحی　مولانا عبد الحی فرنگی محلی لکھنویؒ (۱۲۶۴-۱۳۰۴ھ)
۱۷۷ فتاوی علماء اہل حدیث
۱۷۸ فتاوی ثنائیہ　مولانا ثناء اللہ امرتسری
۱۷۹ فتاوی رشیدیہ　مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ)
۱۸۰ فتاوی دار العلوم　مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (۱۳۴۷ھ)
۱۸۱ فتاوی رحیمیہ　مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ (-۱۴۲۲=۲۰۰۱ء)
۱۸۲ فتاوی رضویہ　مولانا احمد رضا خاں بریلوی

(ق)

۱۸۳ المختصر　امام ابو الحسن قدوری (۴۲۸ھ)
۱۸۴ قنیة　مختار بن محمد زاہدی (-۶۵۸ھ)
۱۸۵ قواعد الفقه　مفتی سید عمیم الاحسان مجددی

۱۸۶ القواعد الفقهية مفتی سید عمیم الاحسان مجددی

۱۸۷ القواعد الفقهية علامہ ابن قیم جوزی

(ك)

۱۸۸ الكافي علامہ عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسیؒ (۵۴۱-۶۲۰ھ)

۱۸۹ كبيرى (حلبى كبير) شیخ محمد ابراہیم حلبی (-۹۵۶ھ)

۱۹۰ كتاب الخراج امام ابو یوسف (۱۸۲ھ)

۱۹۱ الكفاية شرح الهداية علامہ جلال الدین خوارزمی کرلانی

۱۹۲ كتاب العشر و الزكوة مولانا عبدالصمد رحمانی

۱۹۳ كتاب الكبائر حافظ شمس الدین عبداللہ ذہبی

۱۹۴ كتاب الفسخ والتفريق مولانا عبدالصمد رحمانی

۱۹۵ كشاف القناع

۱۹۶ کفایت المفتی مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ دہلوی (۱۲۹۲-۱۳۷۲ھ)

۱۹۷ كنزالدقائق علامہ ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ احمد نسفی (-۷۱۰ھ)

(ل)

۱۹۸ لباب المناسك علامہ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

(م)

۱۹۹ المبسوط للسرخسى شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسیؒ (۴۰۰-۴۸۳ھ)

۲۰۰ مجمع الأنهر عبداللہ بن شیخ محمد بن سلیمان، المعروف بہ: داماد آفندی

۲۰۱ منحة الخلق على البحر علامہ محمد امین عابدین بن عمر عابدین شامیؒ (۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ)

۲۰۲ مراقى الفلاح شیخ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی (۱۰۶۹ھ)

۲۰۳ المغنى علامہ ابوفرح ابن قدامہ مقدسیؒ (۵۹۸-۶۸۲ھ)

۲۰۴	المدونة الكبرى	علامہ سحنون بن سعید بن تنوخی (۲۴۰ھ)
۲۰۵	المجموع	علامہ ابوزکریا محی الدین شرف النوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ)
۲۰۶	مقدمه شرح مهذب	علامہ ابوزکریا محی الدین شرف النوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ)
۲۰۷	مغني المحتاج	علامہ محمد شربینی (۹۷۷ھ)
۲۰۸	مالابدمنہ	قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۱۴۳-۱۲۲۵ھ)
۲۰۹	معين الحكام	علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن خلیل طرابلسی حنفی
۲۱۰	المستصفى	امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی (-۵۰۵ھ)
۲۱۱	منتخبات نظام الفتاویٰ	مولانا سید نظام الدینؒ اعظمی
۲۱۲	مختصر المزني	امام اسمعیل بن یحیٰ مزنی شافعی (-۲۶۴ھ)
۲۱۳	مجموعہ قوانین اسلامی	مرتبہ ال انڈیا مسلم پرسنل بورڈ
۲۱۴	الموافقات للشاطبی	ابواسحاق شاطبی (۷۹۰ھ)
۲۱۵	الموجز في أصول الفقه	مولانا عبیداللہ اسعدی (دامت برکاتہم)
۲۱۶	مرآة الأصول في	
	شرح مرقاة الوصول	علامہ ابن فرامرز خسرو (-۸۸۵ھ)
۲۱۷	المحلى	ابومحمد بن علی بن احمد بن سعید بن حزم (-۴۵۶ھ)
۲۱۸	المنهاج في علم القواعد الفقهية	
۲۱۹	المنثور في القواعد	علامہ زرکشی
۲۲۰	مجلة الأحكام العدليه	خلافت عثمانیہ ترکی
۲۲۱	موسوعة فقه	
	عمر بن خطاب	ڈاکٹر محمد بن روّاس قلعہ جی
۲۲۲	الموسوعة الفقهية	وزارة الأوقاف والشئون الاسلامیۃ، کویت۔

(ن)

۲۲۳ النهر الفائق — علامہ سراج الدین عمر ابن نجیم مصری (-۱۰۰۵ھ)

۲۲۴ نظام الفتاویٰ — مفتی نظام الدین اعظمی

۲۲۵ نهاية المحتاج — علامہ شمس الدین محمد بن ابو العباس مصریؒ (-۱۰۰۴ھ)

(ھ)

۲۲۶ الهداية — امام برہان الدین علی فرغانی مرغینانیؒ (۵۱۱-۵۹۳ھ)

لغات

(ق)

۲۲۷ القاموس المحيط — علامہ مجد الدین فیروز آبادی (۸۱۷ھ)

(ک)

۲۲۸ كتاب التعريفات — علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی (-۸۱۶ھ)

(ل)

۲۲۹ لسان العرب — علامہ ابن منظورؒ (۶۳۰-۷۱۱ھ)

(م)

۲۳۰ مبادی اللغات

۲۳۱ معجم لغة الفقهاء — محمد رواس قلعہ جی

تاریخ اور سیرت و سوانح

(الف)

۲۳۲ احياء علوم الدين — امام ابو حامد غزالی (۴۵۰-۵۰۵ھ)

۲۳۳ الاتحاف على الإحياء علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا مصری (-۸۷۹ھ)

۲۳۴ اسد الغابہ علامہ عز الدین بن اثیر ابو الحسن علی بن محمد جزری (-۶۳۰ھ)

۲۳۵ أخبار مدينة الرسول

(ب)

۲۳۶ البداية و النهاية حافظ ابو الفداء اسماعیل بن کثیر قرشی دمشقی (۷۰۰-۷۷۴ھ)

(ت)

۲۳۷ تاريخ فتوح البلدان (ترجمہ اردو) علامہ بلاذری (۲۷۹ھ)

۲۳۸ تاریخ مکہ ابو الولید ازرقی (۲۵۰ھ)

۲۳۹ تاريخ المسجد النبوي

۲۴۰ تحفة الصوفية

۲۴۱ تذكار صحابيات طالب ہاشمی

(ر)

۲۴۲ رسول رحمت مولانا ابو الکلام آزاد

(س)

۲۴۳ سیرت النبی ﷺ علامہ شبلی نعمانیؒ (۱۲۷۴ھ) علامہ سید سلیمان ندوی

۲۴۴ سیرت ابن ہشام ابن ہشام (۲۱۲ یا ۲۱۸ھ)

۲۴۵ سیرت حلبیہ نور الدین ابن برہان الدین حلبی (۹۷۵-۱۰۴۴ھ)

۲۴۶ سیرت حلبیہ (اردو) مولانا محمد اسلم قاسمی

۲۴۷ السيرة النبوية و المعجزات شیخ محمد بن احمد کنعان

۲۴۸ سیر إعلام النبلاء　امام محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (۶۴۳-۷۴۸ھ)
ط: مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۱۳ھ الطبعة التاسعة۔

۲۴۹ سبیل الرشاد　مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم

(ص)

۲۵۰ صفوة الصفوة　امام جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ھ)

(ن)

۲۵۱ نبی رحمت　مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۹۱۴-۱۹۹۹ء)

عقیدہ و کلام

(الف)

۲۵۲ آئینہ کمالات　مرزا غلام احمد قادیانی

۲۵۳ آئینہ صداقت　میاں بشیر الدین محمود احمد خلیفۂ دوم قادیانی

(ج)

۲۵۴ جلی الصوت　مولانا احمد رضا خان بریلوی

(ح)

۲۵۵ حمایة البشری　مرزا غلام احمد قادیانی

(ش)

۲۵۶ شرح عقائد نسفی　علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (۷۲۲-۷۹۲ھ)

(ک)

۲۵۷ کتاب الاعتصام علامہ ابراہیم بن موسیٰ بن محمد لخمی غرناطی شاطبی (۷۹۰ھ)

(ق)

۲۵۸ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ پروفیسر الیاس برنیؒ

جرائد ومجلات

۲۵۹ "البحوث الإسلامية" عربی مجلہ: ۱۳۹۷ھ
۲۶۰ سہ ماہی حراء المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد
۲۶۱ مجلہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا (۱۰/واں سمینار)

متفرقات

۲۶۲ تعبیر نامہ خواب علامہ ابن سیرین
۲۶۳ حیاة المسلمین مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۲۸۰- ۱۳۶۲ھ)
۲۶۴ حجة الله البالغة شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ)
۲۶۵ زبدة الذكيه مولانا احمد رضا خان بریلوی
۲۶۶ سنت نبوی اور جدید سائنس حکیم محمد طارق محمود
۲۶۷ شب برأت کی فضیلت مولانا نعیم الدین لاہور
۲۶۸ اليواقيت اللآلی

کتاب الفتاوی

چھٹا حصہ

المحتویات الإجمالی

اجمالی فہرست

اجمالی فہرست